یااللہ ﷻ　　فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل ۴۳)　　یارسول اللہ ﷺ

اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تم علم نہیں رکھتے۔

سینکڑوں مسائل شرعیہ کے حل کا بیش بہا خزانہ

العطایا السیفیۃ
فی
الفتاوی النقشبندیۃ

حصہ دوم

تصنیف

فقیر سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی غفرلہ ولوالدیہ

فاضل دارالعلوم حقانیہ اخوڑہ خٹک، پشاور، پاکستان

ساکن شالپین ضلع سوات

حال فقیر کالونی کراچی

For More Books Click On Ghulam Safdar Muhammadi Saifi

ناشر

جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نامِ کتاب: العطایا السیفیۃ فی الفتاوی النقشبندیۃ حصہ دوم

مصنّف: حضرت علامہ سید احمد علی شاہ حنفی سیفی ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نظرِ ثانی: تراب اقدام الاولیاء فقیر سید عبد الحق شاہ سیفی

واستاذ العلماء شیخ القرآن والحدیث مفتی سید منور شاہ نقشبندی مجددی سیفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

اشاعتِ اول: رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ بمطابق مئی 2019ء

تعدادِ طباعت: ایک ہزار

کمپوزر: علامہ ڈاکٹر محمد افضل سیفی

ہدیہ: روپے

ناشر: شعبہ نشر واشاعت جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

بالمقابل شیل پیٹرول پمپ والی گلی، فقیر کالونی

نمبر 10 اورنگی ٹاؤن کراچی

For More Books
Click On Ghulam
Safdar
Muhammadi Saifi

(۸۱)﴿باب نمبر اکیاسی مونچھوں کے منڈوانے کا بیان﴾

بعض علماء مونچھیں حلق کرنے کو ناجائز اور خارجیوں کی علامت بتاتے ہیں۔حالانکہ مونچھیں حلق کرنا اور تراشنا، دونوں جائز ہیں،لیکن افضل، احسن مونچھیں منڈوانا ہے۔

مرقات شرح مشکوٰۃ شریف باب السواک (جلد:۱: صفحہ:۲۰۱: طبع بیروت) میں مونچھوں کے منڈوانے کے بارے میں تین اقوال ذکر کیے گئے ہیں۔ :۱۔ایک قول مکروہ۔:۲۔دوسرا قول حرام۔:۳۔تیسرا قول سنت کا ہے۔حرام اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں مُثلہ پایا جاتا ہے اور مُثلہ حرام ہے۔لیکن شرح سفر سعادت صفحہ :۴۹۴: میں اور نووی شرح مسلم صفحہ :۱۶۹ :جلد :۱: میں ہے کہ مُثلہ کو حرام کہنا یہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب میں ہے۔اور ہدایۃ الابرار میں ہے کہ یہ کراہت اور بدعت کا قول حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے اور یہ قول مرجوح ہے۔اور یہ دلیل صرف امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے لئے ہے۔ہمارے احناف کی نہیں ہے کیونکہ ہم حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد اور پیروکار ہیں۔اور فتح القدیر جلد :۲: صفحہ :۴۶۴: پر ہے کہ مونچھوں کے قصر کرنے (یعنی قینچی سے تراشنے) کا مذہب بعض متاخرین احناف کا مذہب ہے۔علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مفتیٰ بہ قول ذکر کیا ہے۔''وذکر الطحاوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ان الحلق سنۃ ونسب ذٰلک الی علماء الثلٰثۃ (ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رضی اللہ تعالی عنھم اجمعین''یعنی حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ مونچھوں کا مونڈھوانا (حلق کرنا) سنت ہے اور یہ قول انہوں نے علماء ثلاثہ حضرت امام ابو حنیفہ،امام ابی یوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی طرف منسوب کیا ہے۔

مولوی عبدالحی لکھنوی الفوائد البھیہ فی تراجم الحنفیہ: صفحہ :۳۲: پر تحریر کرتے ہیں کہ امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مجتہد تھے۔چونکہ حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک عظیم مجتہد ہیں اور ان کا مونچھیں مونڈنے کو سنت کہنا ایک قوی دلیل ہے۔صاحب کشف المبھم نے صفحہ :۱۱: پر یہ ذکر کیا ہے کہ''واما المقلد فعندہ قول مجتھدہ۔۔۔الخ''یعنی مقلد اپنے مجتہد کے قول سے استدلال کرے گا۔ شرح طریقہ محمدیہ :جلد :۲: صفحہ :۶۵: کے مؤلف لکھتے ہیں''ولذا کان دلیل المقلد ھو قول المجتھد۔۔۔الخ''یعنی مقلد کے لئے دلیل مجتہد کا قول ہے۔امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب میزان شعرانی میں ذکر کیا ہے کہ''ومن شان المقلد ان لا یخرج عن قول امامہ۔۔۔الخ'' صفحہ :۱۳: یعنی مقلد کی شان یہ ہے کہ وہ امام کے قول سے تجاوز نہ کرے۔اسی بات کو امام شعرانی میزان الکبریٰ میں بیان کیا ہے۔''فیجب علی کل مقلد ان لا یعترض علی قول مجتھد الی ان قال وکذٰلک یجب علیہ الاعتقاد الجازم بان ذٰلک الامام علی ھدی من ربہ فی ذٰلک'' (ترجمہ: ہر مقلد پر واجب ہے کہ وہ مجتہد کے قول پر اعتراض نہ کرے.....اسی طرح مقلد پر واجب ہے کہ وہ پختہ یقین کرے کہ اس مسئلے میں امام مذہب،اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہے۔) جلد :۱: صفحہ :۵۹: آگے مزید لکھا ہے۔''فاعتقاد ک یا اخی الصحۃ فی کلام ائمۃ الھدی واجب علیک۔۔۔الخ'' (ترجمہ: اے میرے بھائی! آپ پر واجب ہے کہ ہدایت آئمہ کے کلام میں آپ میرا اعتقاد رکھیں کہ وہ صحیح ہے۔) جلد :۱: صفحہ :۶۲: مسلم الثبوت کے شروع میں اجمالی طور پر ذکر کیا ہے کہ''اما المقلد فمستندہ قول المجتھد''یعنی مقلد اپنے مجتہد کے قول سے استدلال کرے گا (نہ کہ اپنی رائے سے) اور صاحب تلویح نے ذکر کیا ہے کہ مقلد یہ عقیدہ رکھے گا ''ھٰذا حق لانہ ادی الیہ رأی ابی حنیفۃ وکل ماادی الیہ رأی ابی حنیفۃ فھو حق فھٰذا حق''یعنی یہ مسئلہ حق ہے کیونکہ یہ امام صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے سے ثابت ہے اور جو امام ابوحنیفہ کی رائے سے ثابت ہو تو وہ حق ہے لہٰذا یہ حق ہے۔اور فقہ کی کتابوں سے یہ بات ثابت ہے کہ

''نعمل بقول المجتهد و ان لم نعلم من أين قال ''یعنی ہم مجتہد کے قول پر عمل کریں گے اگر چہ ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ یہ حکم کہاں سے نکالا۔

اور فتح القدیر میں ذکر کیا گیا ہے کہ ''اذا ثبت عنده قول المجتهد وجب عليه العمل به ''یعنی مجتہد کا قول جب ثابت ہو جائے تو اس پر عمل کرنا واجب ہے۔اور تفسیر احمدی میں صاحب کتاب لکھتے ہیں ''و ليس للمقلد ان ينازع المجتهد في حكمه ''[۲]

اور مقلد کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مجتہد کے قول میں جھگڑے۔اور کسی کو یہ زیبا نہیں کہ مجتہد کو خطاوار ٹھہرائے اور اس کے کلام میں طعن کرے کیونکہ مجتہد وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کو اچھی طرح جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کا حکم ماننا لازم کیا ہے (کہ وہ اولو الامر میں داخل ہیں) پس جس نے کسی مجتہد کی طرف خطا کی نسبت کی تو گویا اس نے شارع کی طرف خطا کی نسبت کی۔اور اسی بات کو صاحب میزانِ شعرانی اپنی کتاب میزان الکبریٰ میں یوں لکھا ہے کہ ''ان لا ينبغي لاحد قط ان يخطئ مجتهدا او يطعن في كلامه لان الشرع الذي هو حكم الله تعالى قد قرر حكم المجتهد فصار شرع الله تعالى بتقرير الله تعالى اياه فكل من خطا مجتهدا بعينه فكأنه خطأ الشارع فيما قرره حكمًا''

ترجمہ: کسی شخص کیلئے بھی مناسب (جائز) نہیں کہ وہ کسی مجتہد کو کسی اجتہاد میں غلط قرار دے یا ان کے کلام میں لعن طعن (زبان درازی) کرے کیونکہ اس شریعت نے جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، مجتہد کے قول ثابت اور مقرر کیا ہے تو گویا کہ اللہ تعالیٰ کے ثابت کرنے سے مجتہد کا قول شریعت قرار پایا، تو ہر وہ شخص کہ جو کسی مجتہد کو غلط کہتا ہے تو گویا وہ شارع (اللہ ورسول ﷺ) کو اس حکم میں غلط قرار دے رہا ہے جو اس نے از روئے حکم مقرر فرمایا ہے۔ [۳] کسی کو یہ زیبا نہیں کہ وہ کسی مجتہد کو مخطی سمجھے یا اس کے کلام میں طعن کرے کیونکہ شریعت جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے نے مجتہد کے قول کو مقرر اور لازم کیا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی تقریر سے شرع اللہ تعالیٰ کا ہوا خاص اس کے لئے تو مجتہد کو بعینہ خطاوار سمجھا تو گویا اس نے شارع کو خطاوار سمجھا۔اس نے اس کے حکم کو مقرر کیا ہے۔

لہٰذا ان تمام دلائل سے امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مجتہد ہونا اور مجتہد کے قول کا دلیل قوی ہونا ثابت ہوا اور امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول مونچھیں مونڈھنے (حلق کرنے) کے بارے میں قوی دلیل ہے۔یعنی مونچھیں مونڈھنا سنت ہے۔

پس مونچھیں مونڈھنا سنت ہے۔اور فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے کہ ''و الحلق سنة و هو احسن من القص و هٰذا قول ابی حنيفة و صاحبيه رحمهما تعالى كذا في محيط السرخسي ''اور مونچھوں کا حلق کرنا (مونڈھوانا) سنت ہے اور یہ تراشنے سے زیادہ بہتر ہے اور یہ قول امام اعظم اور صاحبین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا قول ہے۔اسی طرح محیط سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں بھی ہے۔ [۴] فتاویٰ عالمگیری چار سو علماء (احناف) نے آٹھ سال میں تحریر فرمایا تھا اور اس وقت اس پر دو لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے۔

اور اسی طرح علامہ زیلعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تبیین الحقائق شرح کنز: جلد: ۲: صفحہ: ۵۵: میں اور محدثِ شہیر شارح بخاری شریف علامہ بدر الدین عینی حنفی رمز الحقائق: جلد: ۱: صفحہ: ۱۰۲: میں فرماتے ہیں کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب میں مونچھوں کو مونڈھوانا سنت ہے۔

لہٰذا حلق کرنا اور قصر کرنا (یعنی مونڈھنا اور تراشنا) دونوں درست ہیں اس میں کسی کو بُرا بھلا نہیں کہنا چاہئے لیکن تراشنے کے مقابلے میں

---

[۱] بحر الرائق: جلد: ۵: صفحہ ۲۶۹:

[۲] تفسیراتِ احمدیہ: صفحہ ۲۰۹:

[۳] میزان الکبریٰ: صفحہ ۲۶:

[۴] مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ: جلد: ۵: صفحہ ۳۵۸:

مونڈھنا زیادہ بہتر اور افضل اور احسن ہے۔جیسا کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ باب حلق الشوارب کے آخر میں فرماتے ہیں۔''وفیہ من اصابۃ الخیر ما لیس فی القص'' اور مونچھون کے مونڈھوانے میں جو خیر (ثواب) ہے وہ تراشنے میں نہیں ہے۔اور ہدایۃ الابرار: صفحہ:۲۶: میں ہے ''الحلق بالموسی ایسر منہ بالمقصّۃ'' یعنی اُسترے سے صاف کرنا قینچی سے کاٹنے سے زیادہ آسان ہے۔

رحمتِ بیان شرح رشید البیان مصنف الحاج القاری القادری الحنفی المولوی رحمت اللہ ابن ملا موسیٰ مندوخیل :جلد :۱: صفحہ :۳۵۱: میں لکھا ہے کہ امام اعظم اور صاحبین اور امام احمد بن حنبل اور اہلِ کوفہ اور صوفیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو حلق پسند ہے اور اسے اچھا سمجھتے تھے اور فرمایا کہ یہ سنت ہے اور احسن ہے۔اس کی تین دلیلیں ذکر کی ہیں۔

(۱) قال رسول اللہ ﷺ احفوا الشوارب۔ قال رسول اللہ ﷺ انھکوا الشوارب۔ قال رسول اللہ ﷺ جزّوا الشوارب۔قال رسول اللہ ﷺ طرّوا الشوارب۔

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مونچھوں کو جڑ سے کاٹو، آپ ﷺ نے فرمایا مونچھیں کاٹنے میں مبالغہ کرو۔آپ ﷺ نے فرمایا: مونچھوں کو خوب کاٹو حتیٰ کہ جلد نظر آجائے۔آپ ﷺ نے فرمایا: مونچھوں کو بالکل باریک کردو۔

صاحبِ کنز العمال فی سُننالاقوال و الافعال (عن۔خ۔ن) (جلد: ۱ :صفحہ:۶۵۳ :فرماتے ہیں۔الفطرۃ خمس الختان و حلق العانۃ و نتف الابط و تقلیم الاظفار و حلق الشوارب۔یعنی دین میں پانچ چیزیں سنت ہیں۔ختنہ کرنا، زیرِناف بال صاف کرنا، بغل کے بال کاٹنا، ناخن کاٹنا اور مونچھیں مونڈھنا۔

احادیث کے تمام الفاظ مونچھیں مونڈھوانے پر دلالت کرتے ہیں۔

(۲) حضرت ابن عمر، حضرت انس بن مالک، حضرت واثلۃ بن الاسقع، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوسعید الساعدی، حضرت رافع بن خدیج، جابر بن عبداللہ، حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین یہ تمام حضرات مونچھیں مونڈھواتے تھے اور ایک بال بھی نہیں چھوڑتے تھے۔

سنن ابوداؤد کے حاشیہ میں ہے۔کچھ کوئی سنت طریقہ پر عمل کرنا چاہتے ہیں یا تو وہ احفاء اور حلق پر عمل کریں ہے اور یا قص پر۔لیکن کاٹنا (مونڈوانا) زیادہ بہتر ہے۔[1]

اس مسئلے میں مفتیٔ اعظم کے پی کے جامع المعقول والمنقول حضرت علامہ مولانا محمد شائستہ گل صاحب نوّر اللہ مرقدہ نے ایک رسالہ بنام ''حلق الشوارب من السنن الرواتب'' تحریر فرمایا ہے جس میں انہوں نے بہت سے دلائل ذکر کئے ہیں۔ہدایۃ الابرار میں ہے ''عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال قال النبی ﷺ حلقوا الشوارب و اعفوا اللُحی'' (صفحہ ۲۷:) یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ مونچھیں کٹواؤ (منڈھواؤ) اور ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ۔

اور افغانستان، بخارا، تاشقند، سمرقند، غزنی اور پاکستان کے صوبہ سرحد کے کثیر اولیائے کرام کا معمول مونچھیں مونڈھوانا ہے اور ان کے نزدیک پسندیدہ ہے۔اور اس کے علاوہ عظیم عالم دین، قائدِ اہل سنت، امام انقلاب ورلڈ اسلامک مشن کے سربراہ حضرت علامہ مولانا الحافظ القاری الشاہ احمد النورانی نوراللہ مرقدہ کا عمل بھی مونچھیں مونڈھوانا ہی تھا۔

(۳) مونچھوں کو حاجی کے سر کے بالوں پر قیاس کیا گیا ہے۔یعنی جس طرح حاجی کے لئے سر کے بال تراشنا جائز اور مونڈھوانا افضل و بہتر ہے

---

[1] ابوداؤد: صفحہ:۸: حاشیہ: نمبر ۳

اسی طرح مونچھیں تراشنا جائز اور مونڈھوانا افضل واحسن و بہتر ہیں۔[1]

حتیٰ کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مونچھوں کے مقام کی سفید جلد واضح نظر آتی تھی۔لہٰذا ان تمام آثار سے معلوم ہوا کہ حلق کرنا سنت اور احسن ہے۔لہٰذا ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ مونچھیں تراشنا اور مونڈوانا دونوں جائز ہیں اور مونڈوانا افضل ہے۔بعض لوگ مونڈھوانے کو خوارج کی علامت بتاتے ہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔اگر اس طرح ہو تو پھر امام اعظم اور صاحبین اور کثیر احناف علماء اور صوفیاء اور صوبہ سرحد کے علماء وصلحاء اور عالم اسلام کے مقتدر علماء وصوفیاء اور حضرت قائدِ ملتِ اسلامیہ الشاہ احمد نورانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ان تمام حضرات پر خوارج ہونے اور کافر ہونے کا فتویٰ لگتا ہے۔اور فتاویٰ عالمگیری کے چار سو جید علماء پر خوارج ہونے کا الزام لگانا ہے جبکہ یہ بات ثابت ہے کہ مذکورہ بالا تمام علماءِ کرام اور صوفیاءِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم صحیح العقیدہ حنفی سُنی مسلمان تھے۔

اور مطلوب شرعی کو کسی مشابہت کی وجہ سے نہیں چھوڑا جاسکتا۔مثلاً عمامہ باندھنے، نماز پڑھنے، عصا پکڑنے، دعا کرنا، شلوار قمیص پہننا، ڈاڑھی رکھنا، اذکار و اوراد وغیرہ یہ تمام گمراہ فرقے بھی کرتے ہیں۔کیونکہ یہ تمام کام اسلام کے ہیں اور جو بھی مدعی اسلام ہو وہ یہ کام اختیار کرسکتا ہے۔ اصل اختلاف عقیدے کا اختلاف ہے کہ ان خوارج وہابی، رائیونڈی وغیرہ کے۔کفریہ عقائد ہیں اور اہلِ سنت و جماعت کے مخالف ہیں۔اور ہم الحمدللہ اہلِ سنت و جماعت کے صحیح اور مضبوط عقائد پر ہیں۔اور اگر وہ لوگ مونچھیں مونڈواتے اور عمامہ باندھتے ہیں تو صرف مؤمنین کو دھوکہ دینے کے لئے لیکن ہم ان کی وجہ سے یہ اچھے اعمال ترک نہیں کرسکتے۔اور ان کا عمل ہمارے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ۔ (البقرہ: ۱۲۴)

اور یاد کرو جب ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ باتوں سے آزمایا تو اس نے وہ پوری کر دکھائیں۔

عن ابن عباس فی قولہ عز و جل: (وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ)، قال: ابتلاہ اللہ بالطھارۃ خمس فی الرأس، و خمس فی الجسد، وفی الرأس: قص الشارب والمضمضۃ والاستنشاق والسواک و، وفی الجسد: تقلیم الأظفار و حلق العانۃ والختان و نتف الابط و غسل مکان الغائط و البول بالماء۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے: وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ۔ کے قول کے تحت روایت ہے کہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کا جسم کی صفائی کے بارے میں امتحان لیا۔پانچ کا تعلق سر سے ہے اور پانچ کا تعلق پورے جسم سے ہے۔سر میں یہ پانچ چیزیں ہیں: (۱) مونچھوں کو (جڑ سے) کاٹنا، (۲) کلی کرنا، (۳) ناک میں پانی ڈال کر صاف کرنا، (۴) مسواک کرنا، (۵) سر کی مانگ نکالنا۔اور جسم میں پانچ چیزیں یہ ہیں: (۱) ناخن کاٹنا، (۲) زیرِ ناف بال مونڈنا، (۳) ختنہ کرنا، (۴) بغلوں کے بال نوچنا، (۵) پاخانہ اور پیشاب کی جگہ کو پانی کے ساتھ دھونا۔(یعنی پانی سے استنجاء کرنا)[2]

کلی کرنا:

کلی کرنا وضو میں سنت اور غسل جنابت میں فرض ہے۔بغیر اس کے غسل نہ ہوگا لیکن کلی میں مبالغہ کرنا (غرغرہ کرنا) اور اگر روزہ نہ ہو تو مسنون ہے، نیز کلی داہنے ہاتھ سے کرنا چاہیئے کہ یہ بھی سنت ہے۔

---

[1] (طحاوی، الدعامۃ محیط، ہندیہ، عینی بحوالہ: رحمت بیان: جلد: ۱: صفحہ ۳۵۲:

[2] عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم، ج، ۲، ص، ۲۹۳، بیہقی فی السنن الکبریٰ کتاب الطہارۃ باب السنۃ فی الاخذ من الاظفار والشارب،، ج، ۱، ص، ۳۱۶، رقم ۶۸۵:، دارالحدیث القاہرۃ تفسیر طبری، زیر آیت ہذا، ج، ۱، ص، ۵۹۹، وتفسیر درمنثور، ج، ۱، ص، ۳۰۱، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، کراچی، حاشیہ الجمل علی الجلالین، ج، ۱، ص، ۱۵۳، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ تفسیر ابن کثیر، ج، ۱، ص، ۱۷۶، امیر محمد کتب خانہ کراچی

انبیاء کی سنت:

عن مليح بن عبدالله الخطمي، عن ابيه،عن جده،قال:قال رسول الله ﷺ :خمس من سنن المرسلين :الحياء ,والحلم،والحجامة،والسواک،والتعطر۔[1]

حضرت ملیح بن عبداللہ خطمی اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: پانچ چیزیں رسولوں کی سنت ہیں: حیاء، بردباری، پچھنے لگوانا، اور مسواک کرنا اور عطر لگانا۔

عن أبي أيوب قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :"أربع من سنن المرسلين :الحياء،والتعطر،والسواك،والنكاح".[2]

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں: ختنہ کرنا، عطر لگانا، مسواک کرنا، نکاح کرنا۔

عن أبي الدرداءقال :قال رسول الله ﷺ :ثلث من اخلاق المرسلين:تعجيل الفطر،وتاخير السحور،والسواک،اخرجه الطبرانی فی معجمه،وابن ابی شيبة فی مصنفه موقوفاً،والدارقطنی رواه فی الأفراد من حديث حذيفة مرفوعاًنحو حديث أبی الدرداء۔

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تین اعمال انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم السلام کی عادات واخلاق میں سے ہیں۔ ۱۔افطاری (کاوقت ہوتے ہی) جلدی ۲۔سحری کو آخری وقت میں کرنا ۳۔مسواک کرنا۔[3]

معلوم ہوا مسواک میں جہاں اور بہت سی خوبیاں ہیں وہاں ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت اور ان کی عادات میں سے ہے۔جولوگ مسواک استعمال کرتے ہیں وہ بڑے خوش قسمت ہیں کہ مسواک کے اور منافع کے ساتھ ساتھ انبیاء علیہم السلام کی اس سنت کا ثواب بھی حاصل کرلیتے ہیں۔اور جولوگ اپنی سستی اور غفلت کی وجہ سے مسواک نہیں کرتے وہ بڑے ہی نقصان اور خسارے میں ہیں کہ دیگر منافع کے ساتھ ساتھ انبیاء علیہم السلام کی اس سنت عظمیٰ کے ثواب سے بھی محروم ہوجاتے ہیں۔

علامہ ابن اسماعیل فرماتے ہیں کہ مجھے تعجب ہے ان لوگوں پر جو مسواک جیسی اہم سنت کو ترک کردیتے ہیں، جس کے بارے میں بہت سی احادیث حضور ﷺ سے منقول ہیں جن میں اس کے فضائل کو بیان کیا گیا ہے۔ یاد رکھو مسواک کا چھوڑنا بڑا ہی خسارہ اور نقصان ہے۔

طہارت کی اقسام:

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ قَالَ رَسُول اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيه وَسَلَّم :الطَّهَارَاتُ أَرْبَعٌ قَصُّ الشَّارِبِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَتَقْلِيمُ الأَظْفَارِ وَالسِّوَاكُ.[4]

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ طہارت (کی) چار (قسمیں) ہیں: مونچھیں کاٹنا، موئے زیر ناف مونڈنا، ناخن کاٹنا اور مسواک استعمال کرنا۔

---

[1] (رواہ البزاز (مجمع))

[2] ضعیف المشکاۃ382، الارواء75، الردعلی الکنانی ص 12، ضعیف الجامع الصغیر وزیادتہ760، سنن الترمذی ج۳ص ۸۰، رواہ احمد والترمذی

[3] (البنایۃ)

[4] (المسند البزار/البحر الزخار، الجز ۱۰ ص ۸۰)

فائدہ:

پاکی کی صرف یہی چار قسمیں نہیں، بلکہ بہت سی قسمیں ہیں، جو کتب فقہ میں اپنے مقام پر تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں لیکن حضور اقدس ﷺ نے یہاں صرف ان مذکورہ بالا چار قسموں کو خصوصیت کے ساتھ ذکر فرما کر ان کی اہمیت اور فضیلت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

حق تعالیٰ کی خوشنودی:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "عَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ، فَإِنَّهُ مَطْيَبَةٌ لِلْفَمِ، وَمَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسواک کا استعمال اپنے لیے لازم کرلو۔ کیوں کہ اس میں منہ کی پاکیزگی اور حق تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔[1]

فائدہ:

مطلب یہ ہے کہ انسان کے اعضاء میں منہ کا عضو ایک امتیازی مقام وشان رکھتا ہے، اور عادتاً جسم کو غذا اور ایندھن فراہم کرنے کیلئے منہ ہی ذریعہ اور واسطہ بنتا ہے۔ اور دوسرے سے گفتگو اور کلام کرنے بلکہ اللہ تعالیٰ سے (ذکر وتلاوت وغیرہ کی شکل میں) ہمکلامی اور مناجات کیلئے بھی عموماً منہ ہی استعمال ہوتا ہے، اور سانس کی آمد ورفت کی شکل میں زندگی کا چراغ روشن رہنے کیلئے بھی منہ ہی واسطہ بنتا ہے۔

اس لئے اس اہم اور کثیر الاستعمال عضو کی نظافت کو حاصل و باقی رکھنے کیلئے زیادہ صفائی درکار تھی، اس لئے شریعت کی طرف سے مسواک کی شکل میں ایک عمدہ اور جامع نظام فراہم کردیا گیا۔ اور رات دن میں کم از کم پانچ مرتبہ ہر نماز کیلئے وضو کرتے وقت مسواک کی تعلیم دی گئی، اور تبدیلی احوال کے موقع پر بھی اس کو سنت قرار دیا گیا، اور اس پر عظیم الشان فضائل بتلائے گئے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ:

استاکوا وتنظفوا۔

مسواک کرو، اور نظافت وصفائی حاصل کرو۔[2]

مسواک سے منہ کی صفائی تو ہوتی ہی ہے، اسی کے ساتھ گلے، جبڑے اور دانتوں کی ورزش بھی ہوجاتی ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ:

---

[1] وأخرجه البيهقي في "الشعب" (11074) من طريق محمد بن جعفر الطالقاني، عن عقيل، به. ومحمد بن جعفر لم نقع له على ترجمة. وأخرجه ابن ماجه (3172) من طريق ابن لهيعة، عن قرة بن عبد الرحمن بن حيْويل المعافري، عن الزهري، به. وأخرجه البيهقي في "السنن" 9/ 280 من طريق ابن وهب، عن قرة بن عبد الرحمن المعافري، عن الزهري، أن عبد الله بن عمر، به، مرفوعاً. وهذا إسناد منقطع. قال أبو حاتم في "العلل" 2/ 45: هو الصحيح. وأخرجه ابن ماجه (3172) من طريق عبد الله بن لهيعة، عن يزيد بن أبي حبيب، عن سالم، به، مثله. وهو إسناد ضعيف أيضاً لضعف ابن لهيعة. والحديثُ الصحيح في هذا الباب حديثُ شداد بنِ أوس عند مسلم (1955) (57)، ولفظه: "إن الله كتب الإحسان على كل شيء، فإذا قتلتم فأحسنوا القتلة، وإذا ذبحتم فأحسنوا الذبح، وليحدَّ أحدكم شفرته، فليُرح ذبيحته"، وسيرد 4/ 123 قوله: "بِحَدَ الشَّفار"، قال السندي: ضبط بكسر الشين، جمع شفرة، بمعنى السكين. وقوله: "وأن تُوارى"، أي: الشفار، أي: تُخفى، على بناء المفعول. وقوله: "فليجهز" من أجْهَزَ، أي: ليسرع في الذبح. (1) في (ظ 14): مرضاة، دون واو.

[2] (مصنف ابن ابی شیبہ، رقم الحدیث: ۱۸۱۷، کتاب الطهارة، باب فی أی ساعة یستحب السواک؟ المعجم الاوسط للطبرانی رقم الحدیث: ۷۴۴۲، عن سلیمان بن سعد۔) قال الهیثمی: رواه الطبرانی فی الأوسط، وفیه اسماعیل بن عمرو البجلی ضعفه أبو حاتم والدارقطنی وابن عدی، ووثقه ابن حبان وابراهیم بن أورمة ذکره فأحسن الثناء علیه۔ (مجمع الزوائد، ج ۲ ص ۲۴۱، ۲۴۰) وقال بدر الدین العینی: وفی سنده اسماعیل بن عمرو، وثقه ابن حبان وضعفه الدارقطنی (عمدة القاری، ج ۷، ص ۱۳) وقال المناوی: قال الهیثمی فیه اسماعیل بن عمرو البجلی ضعفه أبو حاتم والدارقطنی وابن عدی ووثقه ابن حبان اه۔ وبه یعرف مافی رمز المصنف لحسنه الا أن یراد أنه حسن لغیره (فیض القدیر للمناوی، تحت رقم الحدیث ۹۶۷)

السواک مطهرة للفم، ومرضاة للرب۔

مسواک منہ کی صفائی اور رب تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ ہے۔[1]

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

امرت بالسواک حتی خشیت ان یکتب علی۔

مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مسواک کا اتنا زیادہ حکم دیا گیا، کہ مجھے اپنے اوپر اس کے فرض ہو جانے کا خوف ہونے لگا۔[2]

اور ایک موقع پر کچھ لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

حَدِيثُ تَمَّامِ بْنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عُمَرَ أَبُو الْمُنْذِرِ، قَالَ :حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي عَلِيٍّ الزَّرَّادِ، قَالَ :حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ تَمَّامِ بْنِ عَبَّاسٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ :أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَوِ أَتِيَ - فَقَالَ :"مَا لِي أَرَاكُمْ تَأْتُونِي قُلْحًا، اسْتَاكُوا، لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي، لَفَرَضْتُ عَلَيْهِمُ السِّوَاكَ كَمَا فَرَضْتُ عَلَيْهِمِ الْوُضُوءَ"[3]

''یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں پیلے دانتوں کی حالت میں آتا ہوا دیکھ رہا ہوں، تم مسواک کیا کرو، اور اگر مجھے اپنی امت کے مشقت میں پڑ جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں (بحکم الٰہی) ان پر مسواک کو فرض قرار دے دیتا، جس طرح سے ان پر وضو کو فرض قرار دیا۔،،

اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

مُحَمَّدٌ، قَالَ :أَخْبَرَنَا أَبُو حَنِيفَةَ، قَالَ حَدَّثَنَا أَبُو عَلِيٍّ، عَنْ تَمَّامٍ، عَنْ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قال :مَا لِي أَرَاكُمْ تَدْخُلُونَ عَلَيَّ قُلْحًا اسْتَاكُوا، وَلَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي، لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يَسْتَاكُوا عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ« قَالَ مُحَمَّدٌ :وَالسِّوَاكُ عِنْدَنَا مِنَ السُّنَّةِ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُتْرَكَ۔

،،یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں پیلے دانتوں کی حالت میں آتا ہوا دیکھ رہا ہوں، تم مسواک کیا کرو، اور اگر مجھے اپنی امت کے مشقت میں پڑ جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں انہیں ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہمارے ہاں مسواک کرنا سنت ہے لہذا اس کو ترک کرنا مناسب نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے دانتوں کو صاف نہ کرنے پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ سے رات کو سونے سے پہلے، سو کر اٹھنے بعد، کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد اور دیگر مختلف اوقات میں مسواک کرنا ثابت ہے۔

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

---

[1] (بخاری، کتاب الصوم، باب سواک الرطب والیابس للصائم، دارطوق النجاۃ، بیروت، نسائی، رقم الحدیث ۵، مسند احمد، رقم الحدیث ۲۴۳۳۲، عن عائشۃ، ابن ماجۃ، رقم الحدیث ۲۸۹، عن ابی امامۃ)

[2] (مسند احمد: رقم الحدیث: ۱۶۰۰۷، عن واثلۃ بن الاسقع، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔ قال الھیثمی: رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر، وفیہ: لیث بن أبی سلیم وھو ثقۃ مدلس وقد عنعنہ (مجمع الزوائد، ج ۲ ص ۹۸) وفی حاشیۃ مسند احمد: حدیث حسن لغیرہ، وھذا اسناد ضعیف لضعف لیث: وھو ابن ابی سلیم، وبقیۃ رجالہ ثقات رجال الشیخین۔ وقال الالبانی: قلت: وھذا اسناد حسن فی الشواھد رجالہ کلھم ثقات غیر لیث وھو ابن أبی سلیم، وھو ضعیف لاختلاطہ (السلسلۃ ضعیفۃ، تحت رقم الحدیث ۱۵۵۶)

[3] (مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۴)

وَحَدَّثَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ نَافِعٍ الْعَبْدِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شُرَيْحٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :كَانَ إِذَا دَخَلَ بَيْتَهُ بَدَأَ بِالسِّوَاكِ۔[1]

نبی ﷺ گھر میں داخل ہوتے وقت سب سے پہلے مسواک فرماتے تھے۔

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ :حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ حُصَيْنٍ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَامَ لِلتَّهَجُّدِ مِنَ اللَّيْلِ يَشُوصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ۔[2]

نبی ﷺ جب رات کو تہجد کیلئے اٹھتے تو اپنے منہ کو مسواک سے صاف فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

حَدَّثَنَا أَبُو الْعَلَاءِ الْحَسَنُ بْنُ سَوَّارٍ، قَالَ :حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ - إِنْ كَانَ قَالَهُ - "لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ الْوُضُوءِ"، وَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ :لَقَدْ كُنْتُ أَسْتَنُّ قَبْلَ أَنْ أَنَامَ، وَبَعْدَ مَا أَسْتَيْقِظُ، وَقَبْلَ مَا آكُلُ، وَبَعْدَ مَا آكُلُ، وَبَعْدَ مَا آكُلُ حِينَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَا قَالَ[3]

میں سونے سے پہلے اور سو کر اٹھنے کے بعد؛ اور کھانے سے پہلے؛ اور کھانے سے فارغ ہو کر مسواک کرتا ہوں، جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں آپ کا ارشاد سنا کہ اگر مجھے اپنی امت پر مشقت میں پڑنے کا خوف نہ ہوتا تو میں ان کو ہر وضو میں مسواک کا حکم دیتا۔

اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

-أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ قَالَ :حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ قَالَ :أَخْبَرَنَا غَيْلَانُ بْنُ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ :"دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَسْتَنُّ وَطَرَفُ السِّوَاكِ عَلَى لِسَانِهِ وَهُوَ يَقُولُ :عَأْعَأْ"[4]

میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا، اور اس وقت آپ ﷺ مسواک فرما رہے تھے اور مسواک کا کنارہ آپ کی زبان پر تھا، اور آپ ﷺ عَاعَا کی آواز نکال رہے تھے،،

اسی قسم کی حدیث حضرت بردہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ :حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ :أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدْتُهُ «يَسْتَنُّ بِسِوَاكٍ بِيَدِهِ يَقُولُ أُعْ أُعْ، وَالسِّوَاكُ فِي فِيهِ، كَأَنَّهُ يَتَهَوَّعُ.

---

[1] (مسلم، باب سواک، ج ۱ ص ۲۲۰)

[2] (صحیح البخاری، باب طول القیام فی صلاۃ اللیل، ج ۲ ص ۵۱) [تعلیق مصطفی البغا] 1085(382/1)-[ر242]

[3] (مسند احمد الرسالة باب مسند ابی هریرة ﷺ، ج ۱۵ ص ۱۰۴) (1) حديث صحيح، وهذا إسناد قوي، الحسن بن سوار صدوق لا بأس به، ومن فوقه ثقات من رجال الشيخين. الليث :هو ابن سعد، وخالد بن يزيد :هو الجمحي المصري. وانظر (7339). قوله :"إن كان قاله"، قال السندي :لتحقيق أنه قاله وتقريره وتأكيد على أن "إنْ" مخففة من الثقيلة، وحَذْف اللام بعدها جائز وارد في كلام العرب كما صرح به بعض أهل التحقيق، وإن كان ظاهر كلام النحاة خلافه.

[4] [حكم الألباني] صحيح، سنن النسائی رقم الحدیث ۳، ج ۱ ص ۹)

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی خدمت حاضر ہوا تو میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ اع اع کر رہے تھے جبکہ مسواک آپ ﷺ کے دہن ﴿منہ﴾ مبارک میں تھا کیونکہ آپ ﷺ الٹی کر رہے تھے۔[1]

مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ مسواک سے زبان مبارک کو بھی اہتمام کے ساتھ صاف فرما رہے تھے، اور اس کی وجہ سے مخصوص آواز پیدا ہو رہی تھی۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا مسواک کا دوسروں کو ہدیہ فرمانا بھی احادیث سے ثابت ہے۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ نَائِلَةَ الْأَصْبَهَانِيُّ، قَالَ ,ثنا شَبَابٌ الْعُصْفُرِيُّ، ثنا عَوْنُ بْنُ كَهْمَسٍ، ثنا دَاوُدُ بْنُ الْمُسَاوِرِ، عَنْ مُقَاتِلِ بْنِ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي خَيْرَةَ الصَّبَاحِيِّ، قَالَ، كُنْتُ فِي الْوَفْدِ الَّذِينَ أَتَوْا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَزَوَّدَنَا الْأَرَاكَ نَسْتَاكُ بِهِ، فَقُلْنَا :يَا رَسُولَ اللهِ، عِنْدَنَا الْجَرِيدُ وَلَكِنَّا نَقْبَلُ كَرَامَتَكَ وَعَطِيَّتَكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اللهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ الْقَيْسِ إِذْ أَسْلَمُوا طَائِعِينَ غَيْرَ مُكْرَهِينَ إِذْ قَعَدَ قَوْمِي لَمْ يُسْلِمُوا إِلَّا خَزَايَا مَوْتُورِين۔

حضرت ابو خیرہ صباحی فرماتے ہیں کہ میں عبد القیس قبیلے کے اس وفد میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے ہمیں پیلو ﴿پودے کی ایک ٹہنی یا شاخ﴾ عطا فرمائی کہ اس سے ہم مسواک کریں۔ ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں یہ ٹہنیاں بہت زیادہ ہیں لیکن ہم آپ ﷺ کی سخاوت اور عطیہ کی بناء پر ﴿تبرک سمجھتے ہوئے﴾ قبول کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یا اللہ عبد القیس کی مغفرت فرما کیونکہ بلا جبر و اکراہ خود مطیع اور فرمانبردار بن کر آئے ہیں جبکہ میری قوم نے اس وقت اسلام قبول کیا جب وہ مجبور و رسوا ہو گئے تھے۔[2]

منہ اور دانتوں کی صفائی سے جہاں ایک طرف دانت ستھرے رہتے ہیں اور خوبصورتی اور دوسروں کی کشش کا باعث ہوتے ہیں، اسی کے ساتھ کیڑا لگنے سے اور میل کچیل سے محفوظ ہو کر ایک لمبی مدت تک پائیدار اور مضبوط ہو جاتے ہیں، اس کے علاوہ کئی بیماریوں سے بھی حفاظت رہتی ہے۔ اگر منہ گندہ ہو تو غذا منہ سے گندگی (خوراک کے سڑے ہوئے ذرات وغیرہ) کو لے کر معدہ میں جاتی ہے اور انسان طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ علماء نے مسواک کے بہت سے فائدے شمار کیے ہیں۔ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ،،منبہات،، میں مسواک کے بیس فائدے ذکر کیے ہیں۔ مصنف ،،نہر فائق،، رحمۃ اللہ علیہ نے تیس سے کچھ اوپر منافع بتائے ہیں، جن میں سب سے ادنیٰ گندگی کا دور ہونا اور سب سے اعلیٰ موت کے وقت کلمۂ شہادت یاد دلاتی ہے اور موت کے علاوہ ہر بیماری کیلئے شفا ہے۔

،،نہایت الامل،، میں ہے کہ مسواک میں بہتّر فائدے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ موت کے وقت کلمۂ شہادت یاد آجاتا ہے۔ اور اس کے برخلاف حشیشہ (بھنگ) کھانے میں ستر نقصان ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ موت کے وقت کلمہ یاد نہیں آتا۔ علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ،،مراقی الفلاح،، کے حاشیہ میں مسواک کے فوائد نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

من فضائله ما روى الأئمة عن علي وابن عباس وعطاء رضي الله تعالى عنهم أجمعين :عليكم بالسواك فلا تغفلوا عنه وأديموه فإن فيه رضا الرحمن وتضاعف صلاته إلى تسعة وتسعين ضعفا أو إلى أربعمائة ضعف وإدامته تورث السعة والغنى وتيسير الرزق ويطيب الفم ويشد اللثة ويسكن الصداع وعروق الرأس حتى لا يضرب عرق ساكن ولا يسكن عرق جاذب ويذهب وجع الرأس والبلغم ويقوي الأسنان ويجلو البصر ويصحح المعدة ويقوي البدن ويزيد الرجل فصاحة وحفظا وعقلا ويطهر القلب ويزيد في الحسنات ويفرح الملائكة وتصافحه لنور وجهه وتشيعه إذا خرج إلى الصلاة وتستغفر حملة العرش لفاعله

---

[1] (بخاری رقم الحديث ۲۴۴، كتاب الوضوء، باب السواک، دار طوق النجاة، بيروت) [تعليق مصطفى البغا] 241(96/1) -[ش أخرجه مسلم في الطهارة باب السواك رقم 254 (يستن) بذلك أسنانه بالسواك أو غيره. (يقول أ ع أ ع) حكاية لصوته أثناء الاستياك. (يتهوع) يتقيأ]

[2] (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۹۲۴)

إذا خرج من المسجد وتستغفر له الأنبياء والرسل والسواك مسخطة للشيطان مطردة له مصفاة للذهن مهضمة للطعام مكثرة للولد ويجيز على الصراط كالبرق الخاطف ويبطيء الشيب ويعطي الكتاب باليمين ويقوي البدن على طاعة الله عز وجل ويذهب الحرارة من الجسد ويذهب الوجع ويقوي الظهر ويذكر الشهادة ويسرع النزع ويبيض الأسنان ويطيب النكهة ويصفي الخلق ويجلو اللسان ويذكي الفطنة ويقطع الرطوبة ويحد البصر ويضاعف الأجر وينمي المال والأولاد ويعين على قضاء الحوائج ويوسع عليه في قبره ويؤنسه في لحده ويكتب له أجر من لم يستك في يومه ويفتح له أبواب الجنة وتقول له الملائكة هذا مقتد بالأنبياء يقفو آثارهم ويلتمس هديهم في كل يوم ويغلق عنه أبواب جهنم ولا يخرج من الدنيا إلا وهو طاهر مطهر ولا يأتيه ملك الموت عند قبض روحه إلا في الصورة التي يأتي فيها الأولياء وفي بعض العبارات الأنبياء ولا يخرج من الدنيا حتى يسقي شربة من حوض نبينا محمد صلى الله عليه وسلم وهو الرحيق المختوم وأعلى هذه أنه مطهرة للفم مرضاة للرب۔[1]

مسواک کے وہ فضائل جن کو ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے حضرت علی، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین اور حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا، یہ ہیں، فرماتے ہیں کہ مسواک کو لازم کرلو، اس سے غافل نہ رہو، اس پر مداومت کرتے رہو، کیوں کہ اس میں حق تعالیٰ کی خوشنودی ہے اور اس سے نماز کا ثواب ننانوے یا چار سو گنا بڑھ جاتا ہے، اور ہمیشہ مسواک کرنے سے کشادگی اور مال داری پیدا ہوتی ہے روزی آسان ہوجاتی ہے، منہ پاکیزہ اور مسوڑھے مضبوط کردیتی ہے۔ درد سر کو اور سر کی تمام رگوں کو سکون ہوجاتا ہے، حتیٰ کہ کوئی ساکن رگ حرکت نہیں کرتی اور نہ ہی کوئی حرکت کرنے والی رگ ساکن ہوتی ہے، بلغم کو دور کرتی ہے، دانتوں کو مضبوط بناتی ہے، بینائی کو صاف کرتی ہے، معدہ کو درست اور بدن کو قوی بناتی ہے، انسان کی فصاحت وحافظہ وعقل کو بڑھاتی ہے، دل کو پاک کرتی ہے، نیکیوں میں اضافہ ہوجاتا ہے، ملائکہ خوش ہوتے ہیں، اور اس کے چہرے کے نور کی وجہ سے مصافحہ کرتے ہیں، اور جب وہ نماز کیلئے نکلتا ہے تو فرشتے اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں، اور جب وہ مسجد سے نکلتا ہے تو عرش کو اٹھانے والے فرشتے اس کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہیں، اور انبیاء اور رسول اس کیلئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ مسواک شیطان کو ناراض کردیتی ہے اور اس کو دھتکارتی ہے، ذہن کو صاف، کھانے کو ہضم کرتی ہے۔ بچوں کی پیدائش بڑھاتی ہے۔ پل صراط پر سے کوندنے والی بجلی کی طرح (بہت جلد) اتار دیتی ہے۔ بڑھاپے کو مؤخر کرتی ہے۔ نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دلاتی ہے۔ بدن کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیلئے قوت دیتی ہے۔ اور حرارت کو بدن سے دور کرتی ہے۔ پیٹھ کو مضبوط بناتی ہے۔ کلمۂ شہادت یاد دلاتی ہے۔ حالت نزع کو بہت جلد ختم کرتی ہے۔ دانتوں کو سفید، منہ کو خوشبودار، حلق اور زبان کو صاف، سمجھ کو تیز کرتی ہے۔ رطوبت کیلئے قاطع ہے، نظر کو تیز اور حاجتوں کے پورا ہونے میں مدد کرتی ہے، قبر کو کشادہ بناتی ہے اور مردہ کیلئے غمخوار ہوجاتی ہے اور مسواک نہ کرنے والے کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اور جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ فرشتے اس کے بارے میں ہر دن کہتے ہیں کہ یہ (شخص) انبیاء کا اقتداء کرنے والا ہے، ان کے نشان قدم پر چلتا ہے، ان کی سیرت کا متلاشی ہے۔ اس کی طرف سے دوزخ کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں، مسواک کرنے والا شخص دنیا میں (گناہوں سے) پاک صاف ہوکر جاتا ہے اور موت کا فرشتہ روح نکالنے کیلئے اس کے پاس اس صورت میں آتا ہے جس صورت میں اولیاء کے پاس آتا ہے، بعض عبارات میں ہے کہ جس صورت میں انبیاء کے پاس آتا ہے اسی صورت میں آتا ہے۔ مسواک کرنے والا دنیا سے اس وقت تک نہیں جاتا جب تک کہ وہ حضور ﷺ کے حوض سے شراب نہ پی لے اور وہ رحیق مختوم ہے۔ (اور ان سب فوائد سے) بڑھ کر یہ ہے کہ اس میں حق

---

[1] (الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، باب فصل فی سنن الوضوء، ج ۱ ص ۶۹)

تعالیٰ کی رضا ہے اور منہ کی صفائی ہے۔

استنشاق الماء: (یعنی ناک میں پانی ڈال کر صاف کرنا)

اور یہ کلی کی طرح ہے جس کا ذکر آرہا ہے یہ دونوں وضو میں سنت ہیں اور غسل میں ہمارے نزدیک فرض ہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دونوں غسل میں سنت ہیں اور امام احمد اور مالک رحمہما اللہ کی ایک روایت میں ان کا واجب ہونا مذکور ہے۔

سر کے بالوں میں مانگ نکالنے کے متعلق:

جاننا چاہیئے! سر کی ابتداء پیشانی کی جانب سے بال نکلنے کی جگہ سے ہوتی ہے اور اس میں اعتبار عام لوگوں کا ہے پس بعض لوگوں کی جو پیشانی پر ہی بال اگ آتے ہیں یہ جگہ سر کی حدود میں داخل نہیں بلکہ چہرے کی حد میں داخل ہے (کیونکہ یہ پیشانی کا حصہ ہے) اور ,,نزعتان،، اور ,,صلع،، سر کے حدود میں داخل ہے۔ (پیشانی کے حدود میں داخل نہیں) اس لئے وضو میں اس کو دھونے کی ضرورت نہیں ،اور ,نزعتان،، سے مراد پیشانی کے وہ دونوں اطراف ہیں کہ سر کا حصہ ہونے کے باوجود بعض لوگوں کے ان دونوں اطراف میں بال نہیں ہوتے ،پس بال نہ ہونے سے مغالطہ کھا کر ان اطراف کو پیشانی کا حصہ نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اور ,,صلع،، سے مراد پیشانی کے متصل سر کا بالکل ابتدائی حصہ ہے، بعض لوگوں کے اس حصہ پر بال نہیں ہوتے جس سے اس کے پیشانی کا حصہ ہونے کا گمان ہوتا ہے۔

لیکن شرعاً اس کو سر ہی کا حصہ شمار کیا جائے گا، اس لئے وضو میں اس کو چہرہ دھونے کے ساتھ نہیں دھویا جائے گا۔ ,,نزعتان،، کی اس ہیئت کو اہل عرب پسند کرتے ہیں۔ اور لغت کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ جس مرد کی پیشانی کے دونوں جانب بال نہ ہوں اس کو ,,انزع،، اور جو عورت ایسی ہو اس کو ,,زعراء،، کہتے ہیں (حالانکہ از روئے قاعدہ اس کو ,,نزعاء،، کہنا چاہیئے) پس نزعتان نزع سے ماخوذ ہے یعنی الگ ہونا گویا کہ بال اس جگہ سے ہٹ گئے اور تہذیب میں یہ بھی مذکور ہے: ,,**النزعتان من الرأس عندنا وعند جماهير العلماء واستحب الشافعي واصحابه غسلهما مع الوجه للخروج من خلاف من قال هما من الوجه.**[1]

ترجمہ: ,,نزعتان سر کا حصہ ہیں ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک۔ اور امام شافعی رحمہم اللہ اور ان کے اصحاب نے چہرے کے ساتھ اس کا دھونا مستحب قرار دیا ہے تاکہ جن لوگوں نے اس کو چہرے کا حصہ سمجھا ہے احتیاطاً ان کے قول پر بھی عمل ہو جائے،، اور ,,صلع،، سے مراد پیشانی کے متصل سر کے سامنے کے حصہ پر بال نہ ہونا ہے جیسا کہ بعض لوگوں میں ایسا ہوتا ہے، بالوں سے خالی سر کا یہ حصہ ,,صلع،، کہلاتا ہے۔ ,,اصلع،، ,,صلعاء مثل احمر حمراء اس کے صیغہائے صفت ہیں۔ اور آنکھ اور کان کے درمیان رخسار کی ابھری ہوئی ہڈی کی بالائی جانب کا حصہ جس کو صدغ کہتے ہیں یہ سر کا حصہ ہے۔ جس کی دلیل عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ تلقین ہے جو انہوں نے نائی کو کی تھی: ,,**ابلغ العظمين فانهما منتهى اللحية**،، ترجمہ: سر کے بال کنپٹی کی دونوں ہڈیوں تک مونڈ ڈالو! اس لئے کہ وہاں تک داڑھی کی حد ہے۔ ,,اور ان دونوں ہڈیوں کو عربی میں ,,فنبکین،، بھی کہتے ہیں جیسا کہ صاحب نہایہ نے حدیث کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔ ''**امرني جبرئيل ان اتعاهد فنبكي**''[2]

ترجمہ: ,,جبرائیل علیہ السلام نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فنیکین کی رعایت رکھوں،، اور گدی کی جانب سر کی حد گردن تک ہے لیکن گردن سر کی حد سے

(تہذیب الاسماء للنووی واللغات ج ۴ ص ۲۴۶)

[2] (کنز العمال ج ۹ ص ۳۰۲ حدیث نمبر ۲۶۱۰۵)

خارج ہے اس لئے گردن کا مسح سر کے مسح میں داخل نہیں ۔البتہ موضع تحذیف یعنی وہ حصہ جو ،، صدغ ،، (کنپٹی) اور ،، نزعتان ،، (پیشانی کے اطراف) کے درمیان ہے جس پر ہلکے ہلکے بال ہوتے ہیں اس کے متعلق اختلاف ہے ۔[1]

ابن سریج کے بقول یہ حصہ چہرے میں شامل ہے کیونکہ چہرے کی رنگ (سپیدی) اس حصہ میں نمایاں ہے،اس وجہ سے شرفاء گھرانوں میں اس حصہ پر اگنے والے بالوں کو دور کیا جاتا ہے ۔اور اس جگہ کو موضع تحذیف کہنے کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس جگہ کے بالوں کو دور کیا جاتا ہے ۔،، کتاب البرکہ ،، میں لکھا ہے :

قدتعود الناس التحذیف ولا بأس به قال الغزالی وهو القدر الذی اذا وضع الخیط علی رأس الاذن والطرف الثانی علی الجبین وقع فی جانب الجبهة ولیس من القزع فی شئ۔

ترجمہ : لوگوں کی عادت موضع تحذیف سے بال دور کرنے کی ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ،امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تحذیف وہ جگہ ہے کہ اگر دھاگے کا ایک کنارہ کان کے سرے پر رکھا جائے اور دوسرا سرا پیشانی پر رکھا جائے تو پیشانی کی جانب کا مقام موضع تحذیف ہے اور یہ عمل (موضع تحذیف سے بال صاف کرنا) قزع میں داخل نہیں ہے ،،ابو اسحاق اور اس کے متبعین کے نزدیک یہ بال سر کے بالوں کے متصل ہونے کی بناء پر اسی کے حکم میں ہیں ۔**وهو الموافق لنص الشافعی رحمة اللہ تعالیٰ علیه والاول اظهر والثانی اشهر۔** [2]

ترجمہ : یہ قول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے موافق ہے اور پہلا قول ظاہر کے زیادہ مناسب ہے جبکہ زیادہ مشہور دوسرا قول ہے ۔،، اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ،، شرح منہاج ،، میں فرمایا ہے : **صحح الجمهور ان موضع التحذیف من الرأس۔**،،

ترجمہ : جمہور نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے کہ موضع تحذیف سر کا حصہ ہے ۔،،

"لِاِتِّصَالِ شَعْرِهٖ بِشَعْرِ الرَّأسِ وَنَقَلَ الرَّافِعِیُّ فِیْ شَرْحَیْهِ تَرْجِیْحَهٗ عَنِ الْاَکْثَرِیْنَ"

ترجمہ : "بوجہ ان بالوں کے سر کے بالوں کے ساتھ متصل ہونے کے اور رافعی نے اپنے دونوں شرحوں میں اکثر اہلِ علم سے اسی کی ترجیح نقل کی ہے ۔"

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ مواضع مذکورہ سر کی حد میں داخل ہیں پس ان جگہوں کے بالوں کو بھی سر کے بالوں کا حکم حاصل ہے یعنی سر منڈانے کے ساتھ ان کو منڈایا جائے ورنہ نہیں ۔

مسئلہ : مردوں کیلئے پورے سر کے بال رکھنا مسنون ہے اور ان کو منڈانا جائز (مباح) ہے ۔اور نبی کریم ﷺ سے حج وعمرہ کے علاوہ سر منڈانا ثابت نہیں اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی طرز عمل اور معمول اسی کے مطابق تھا ۔البتہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سر کے بال منڈاتے تھے اور مواہب میں مذکور ہے :

ولم یرو أنه - صلی اللہ علیه وسلم - حلق رأسه الشریف فی غیر نسك حج أو عمرة فیما علمته، فتبقیة الشعر فی الرأس سنة ومنکرها مع علمه یجب تأدیبه، ومن لم یستطع التبقیة فیباح له إزالته.

ترجمہ : نبی ﷺ سے حج وعمرہ کے علاوہ جہاں تک مجھے معلوم ہے سر منڈوانا مروی نہیں ،پس سر پر بال چھوڑنا سنت ہے اور جاننے کے

---

[1] (تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج ،باب الوضوء ،ج ۲ ص ۳۷۳)

[2] (کذا فی فتح العزیز شرح الوجیز للرافعی ،ج ۱ ص ۳۹۹)

باوجود اس کی سنیت کا منکر لائق تعزیر ہے اور جو شخص بال رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اس کیلئے بال نہ رکھنا جائز ہے۔[1]

اور جو کوئی بالوں کی نگہداشت (تیل، کنگھی وغیرہ) پر قادر ہو تب بھی اس کیلئے سر منڈانا مباح ہے۔،،اسی طرح ،،روضہ،،اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی ،،مجموع،،میں یہ روایت مذکور ہے۔اور ابن قیم نے بھی زاد المعاد باب تنبیہات ج ۲ ص ۱۸ میں نقل کیا ہے: **لم یحلق صلی اللہ علیہ و سلم رأسه الشریف إلا أربع مرات.**

ترجمہ:،،نبی ﷺ نے صرف چار مرتبہ سر مبارک منڈوایا۔،،

قَدُومَاتْ أَرْبَعَةْ :بِمَكَّةَ عُمْرَةُ الْقَضَاءِ، وَفَتْحُ مَكَّةَ، وَعُمْرَةُ الْجِعْرَانَةِ، وَحَجَّةُ الْوَدَاعِ۔[2]

ترجمہ: عمرۂ قضاء میں، فتح مکہ کے موقع پر، عمرۂ جعرانہ میں اور حجۃ الوداع کے موقع پر کہ ان ہی چار مواقع پر ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ کو مکہ معظمہ میں حاضری کے مواقع میسر آئے۔

اور نیز ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح مشکوٰۃ ''باب ترجل'' میں حدیث ''**احلقوا کله او اترکوا کله**'' کے ذیل میں فرمایا ہے :**فی الحدیث اشارة الی ان الحلق فی غیر الحج و العمرة جائز و ان الرجل مخیر بین الحلق و ترکه لکن الافضل ان لا یحلق الا فی غیر احد النسکین کما کان ﷺ یفعله و اصحابه و انفرد منهم علی کرم اللہ وجهه۔**

ترجمہ: اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حج وعمرہ کے علاوہ بھی سر منڈانا جائز ہے اور آدمی کو سر منڈانے اور بال رکھنے میں اختیار ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ حج وعمرہ کے علاوہ سر نہ منڈائے جیسا کہ نبی علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دستور تھا لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس معاملے میں منفرد تھے'' (کیونکہ آپ ہر جمعہ کے دن سر منڈاتے تھے)۔

عینی شرح بخاری میں ہے :**ادعیٰ ابن عبد البرّ الاجماع علی اباحة حلق الجمیع و هو روایة عن احمد۔** یعنی ابن عبد البر نے پورے سر کے بال منڈانے کی اباحت پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔[3]

اور محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح صراط مستقیم میں فرمایا ہے کہ سر کے بال منڈانا مرد حضرات کے لئے بالاتفاق جائز ہے اور جو لوگ بالوں کو تیل لگانے اور درست رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں ان کے لئے (سنت کے مطابق) بال رکھنا افضل ہے۔

اور مدارج النبوۃ میں فرمایا ہے کہ :سر کے بال (سنت کے مطابق) رکھنا سنت ہے اور قدیم عرب کی یہی عادت تھی لیکن تیل کنگھی کے ذریعہ بالوں کی نگہداشت رکھنی چاہیئے، اور اب تو عام وخاص اکثر لوگوں میں بال منڈانے ہی کا رواج ہے خصوصا مشائخ، صوفیاء اور درویش صفت لوگ (مولف کی مراد اس سے اپنے زمانہ کے اہلِ ہند ہیں)۔ بظاہر اس کی وجہ بالوں کی نگہداشت سے ان کی عدیم الفرصتی ہے۔

سر کے بالوں کی نظافت

سر کے بالوں کے بارے میں شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ ان کی صفائی ستھرائی کا خاص اہتمام کیا جائے، رسول اللہ ﷺ بالوں میں کنگھا فرمایا کرتے تھے اور تیل کا استعمال بھی فرمایا کرتے تھے۔

---

[1] (المواهب اللدنیه فی منح المحمدیه، الفصل الاول فی کمال خلقته و جمال صورته ﷺ ج ۲ ص ۸۰، منتهی السؤل علی وسائل الوصول الی شمائل الرسول ﷺ، الفصل الثالث فی صفة شعره ﷺ ج ۱ ص ۳۴۲)

[2] (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، باب الترجل، ج ۷ ص ۲۸۲۵)

[3] (عمدة القاری ج ۲۲ باب القزع)

اس عمل سے بالوں کا گرد وغبار اور میل کچیل دور ہو جاتا ہے اور بالوں میں جوئیں پڑنے سے بھی حفاظت رہتی ہے۔

اور اگر کوئی مرد سر پر بال رکھے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ ان کی صفائی ستھرائی کا اہتمام کرے اور اگر یہ نہ کر سکے تو پھر بالوں کو منڈوا دے۔[1]

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تحقیق کے ساتھ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کے بال ہوں عین کے فتح کیساتھ، اس سے مراد سر کے بال ہیں، بس اس کی عزت کرو یعنی اسے مزین رکھو، اسے صاف رکھو، دھونے کے ساتھ، تیل لگانے کے ساتھ اور اسے بکھرے ہوئے نہ چھوڑو کیونکہ صفائی اور خوبصورت دکھنا پسند کیا جاتا ہے۔

من اتّخذ شعرا فليحسن اليه او ليحلقه۔

ترجمہ: جو بال رکھے تو اچھی طرح رکھے (دھوئے، تیل کنگھی وغیرہ کرے) ورنہ منڈا دے۔[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من كان له شعر فليكرمه۔

ترجمہ: جس کے بال ہوں تو اسے چاہیئے کہ ان کا اکرام کرے۔[3]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: **ان النبی ﷺ قال: من اتخذ شعرا فليكرمه** یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو بال رکھے تو ان کا اکرام کرے۔[4]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كان لابی قتادة جمة فسأل النبی ﷺ فيها؟ فقال: اكرمها و ادهنها (یعنی حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے جمہ (کندھوں تک) بال تھے، انہوں نے اس بارے میں نبی ﷺ سے سوال کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان کا اکرام کیجئے اور ان میں تیل لگائیے۔[5]

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **سمعت النبی ﷺ يقول: من ربی منكم شعرا فليكرمه، قيل: يا رسول الله، و ما كرامته؟ قال: يدهنه، ويمشطه كل يوم۔**

میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ تم میں سے جو بال رکھے تو اسے چاہیئے کہ ان کا اکرام کرے، رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا گیا کہ بالوں کا اکرام کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ان میں روزانہ تیل لگائے اور کنگھی کرے۔[6]

سر منڈانے کو معمول بنانا سنت ہے اس لئے کہ یہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی تقریری سنت کے قبیل سے ہے اور پھر خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سر منڈانے پر مواظبت (ہمیشگی) بھی تنہا سنت ہونے کے لئے کافی ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں سے ہیں اور حضور ﷺ

---

[1] (وعن ابی هريرة أن رسول الله ﷺ قال من كان له شعر: بفتح العين ويسكن، والظاهر أن المراد به شعر الرأس (فليكرمه): أي فليزينه وليتعاهده بالغسل والتدهين ولا يتركه متفرقا؛ فان النظافة وحسن المنظر محبوب (رواه أبو داود) مرقاة المفاتيح، ج۷ ص۲۸۲۷، كتاب اللباس، باب الترجل)

[2] (رواه الطبرانی فی الاوسط، حديث ۴۰۸۰، ج۹ ص۱۳۳، وفی مجمع الزوائد، باب ماجاء فی الشارب)

[3] (سنن ابی داؤد رقم الحديث ۴۱۶۳، كتاب الترجل، باب فی اصلاح الشعر، المكتبة العصرية، بيروت، واللفظ له المعجم الأوسط للطبرانی، رقم ۸۴۸۵، شعب الايمان للبيهق رقم ۶۰۳۶، مشكل الآثار للطحاوی، رقم ۳۳۶۵)

[4] (ج۱ ص۵۹۱، دار ابن الجوزی، السعودية/الرياض، واللفظ له، الكامل فی ضعفاء الرجال، ج۳ ص۴۱۴، الترغيب والترهيب لقوام السنة، رقم الحديث ۲۰۳، اخبار اصبهان، رقم الحديث ۱۷۳۹)

[5] (رقم ۶۷۱، دار الحرمين، القاهرة، واللفظ له؛ شعب الايمان للبيهقی، رقم ۶۰۴۱)

[6] (ج۱ ص۲۶۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

کاارشاد ہے:

علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین۔

ترجمہ: میرے اور خلفائے راشدین کے طریقہ کو لازم پکڑو۔[1]

فتاویٰ عالمگیری میں روضہ زندویسی کے حوالے سے نقل کیا ہے:

و ان السنة فی شعر الرأس اما الفرق و اما الحلق و ذکر الطحطاوی الحلق سنة و نسب ذالک الی العلماء الثلاثة۔[2]

ترجمہ: ''تحقیق سنت طریقہ سر کے بالوں کے حق میں یہ ہے کہ یا تو بال رکھ کر درمیان سے سیدنی مانگ نکالی جائے اور یا پھر سر منڈھایا جائے اور امام طحاوی نے سر منڈانے کو سنت کہا ہے اور یہ بات ائمہ ثلاثہ احناف کی طرف منسوب کی ہے (جیسا کہ تاتارخانیہ میں ہے)۔''

مسئلہ: مردوں کے لئے حج کے دوران مقررہ وقت پر بال کٹوانے کے بجائے منڈوانا افضل ہے، اگرچہ کٹوانا بھی جائز ہے:

''**قال اللہ تعالیٰ محلقین رءوسکم و مقصرین** (اپنے سروں کے بال منڈانے والے اور کٹوانے والے ہیں)۔[3]

اور نبی علیہ السلام نے فرمایا: **اللھم ارحم المحلقین** (اے اللہ تعالیٰ منڈوانے والوں پر رحم فرما)۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: **والمقصرین؟** (اور کٹوانے والے بھی؟)

تب بھی آپ ﷺ نے پہلا جملہ ہی ارشاد فرمایا یہاں تک کہ انہوں نے چوتھی بار ''والمقصرین'' کے ساتھ استفسار کیا تب آپ نے والمقصرین کہہ کر محلقین کے لئے رحم کی دعا میں ان کو شامل فرمایا: (ان الفاظ کے ساتھ: **اللھم ارحم المحلقین و المقصرین**)۔[4]

فتاویٰ عالمگیری میں شرح طحاوی سے نقل کیا ہے:

یحلق او یقصر و الحلق افضل۔ حلق کرے یا قصر کرے، لیکن حلق افضل ہے۔[5]

و حلق الکل افضل اقتداء بالنبی ﷺ۔

ترجمہ: پورے سر کو منڈانا افضل ہے نبی علیہ الصلوۃ والسلام (کے عمل) کی اتباع کی وجہ سے۔

پس کہتا ہے بندہ عاجز فقیر سید احمد علی شاہ ترمذی سیفی کہ زلفیں رکھنا اور منڈوانا دونوں جائز ہیں، جیسا کہ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے: **حلق الرأس مع الصدغین سنة** یعنی کنپٹی سمیت سر منڈوانا سنت ہے۔[6]

فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

یستحب حلق الرأس فی کل جمعة کذا فی الغرائب۔ ہر جمعہ کو سر منڈوانا مستحب ہے۔[7]

فتاویٰ سلطانیہ میں لکھا ہے: **و لو حلقت المرأة رأسها فان فعلت لوجع اصابها فلا بأس به. فان فعلت تشبها بالرجل فهو مکروه۔**

---

[1] (مشکوۃ المصابیح، باب الاعتصام بالسنة، ابن ماجه ج ۱، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدین المهدیین)

[2] (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ کتاب الکراهیة، الباب التاسع عشر فی الختان حصاء و حلق المراة شعرها و وصلها شعر غیرها)

[3] (سورۃ الفتح، آیت ۲۷)

[4] (بخاری، باب الحلق و التقصیر عند الاحلال، رقم ۱۶۱۲)

[5] (کتاب المناسک و فیه سبعة عشر بابا، الباب الخامس فی کیفیة اداء الحج)

[6] (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۳۴۲، جلد ۴)

[7] (ص ۳۵۷، ج ۵، مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

اگر کسی خاتون نے سر میں کسی بیماری کے سبب اپنا سر مونڈ وایا تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر مردوں کے ساتھ تشبیہ کی وجہ سے ایسا کیا تو پھر مکروہ ہے۔[1]

وفی زین الحلم شرح عین العلم لملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ :ویحلق رأس أی شعرہ ان اراد التنظیف والاحتیاط فی الغسل کما اختارہٗ علی کرم اللہ وجھہ حیث کان کثیر الاغتسال وقد سمع النبی ﷺ تحت کل شعرۃ جنابۃ ولذا قال ومن ثم عادیت رأسی الی قولہ وحیث قرّر علیہ السلام فعل علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صار سنۃ ای حلق الرأس مع انہ قال علیہ السلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ کی عین العلم کی شرح زین الحلم میں ہے کہ غسل میں احتیاط یا صفائی کی وجہ سے اگر سر کا حلق کیا جائے تو جائز ہے جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سر مونڈ وانے کو اختیار کیا تھا کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ بہت زیادہ غسل فرمانے والے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ ہر بال کے نیچے جنابت ﴿ناپاکی﴾ ہوتی ہے۔اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنے سر ﴿کے بالوں﴾ کے ساتھ دشمنی کرلی....اور جب آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فعل کو برقرار رکھا تو سر منڈوانا سنت قرار پایا اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں پر میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت لازم ہے۔[2]

وفی فصول العبادیۃ رجل قال لآخر حلق رأسک أو قلم أظافرک فان ھذا سنۃ النبی ﷺ وقال ذالک الرجل لا أفعل وان کان سنۃ فھذا کفر لانہ قال ذالک علی سبیل الانکار والرد۔ کذا فی سائر السنن خصوصا فی السنۃ ھی معروفۃ وثبوتھا بالتواتر کالسواک ونحوہ۔ وفی الغرائب وروی محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عن ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قال خطانی حجام فی سفر القبلۃ فی ثلاثۃ اشیاء اذا جلست لحلق الرأس قال لی استقبل القبلۃ فاستقبلت الیھا فقدمت جانب یساری فقال لی قدم جانب یمینک فقدمت جانب یمینی فاذا فرغت اردت ان اخرج فقال دفن شعرک ثم اخرج فدفنت کان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول للحلاق ابلغ العظمین فانھما منتھی اللحیۃ یعنی حدھا ولذلک سمیت لحیۃ لان حدھا اللحی۔

فصول العبادیہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ اپنا سر منڈواؤ یا اپنے ناخن کاٹو کیونکہ یہ آپ ﷺ کی سنت ہے اور دوسرا اس کے جواب میں کہے کہ میں ایسا نہیں کرونگا اگرچہ سنت ہے تو یہ قول کفریہ ہے ﴿یعنی یہ کلمۂ کفر ہے﴾ کیونکہ اس نے جو جواب دیا یہ بطور انکار اور رد تھا۔یہی حکم آپ ﷺ کی تمام سنن کے بارے میں ہے خاص کر ان سنن کے بارے میں کہ جو معروف ہو اور ان کا ثبوت تواتر سے ہو جیسے مسواک وغیرہ۔غرائب میں ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سفر قبلہ ﴿حرم شریف﴾ میں حجام نے مجھے تین غلطیوں پر تنبیہ کی۔۱۔جب میں سر مونڈ وانے کیلئے بیٹھا تو حجام نے کہا کہ قبلہ رو ہو جاؤ تو میں قبلہ رو ہو گیا۔۲۔میں نے حجام کی طرف سر مونڈ وانے کیلئے بائیں طرف کو آگے کیا تو اس نے کہا کہ پہلے دائیں طرف کا حلق ہوگا تو میں نے دائیں طرف آگے کر دی۔۳۔جب میں فارغ ہوا اور باہر جانے لگا تو حجام نے کہا اپنے بال دفن کر دو پھر نکلو تو میں نے بال دفن کر دیئے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حجام سے فرمایا سر مونڈتے ہوئے بڑی ہڈیوں تک پہنچو کہ یہ داڑھی کی انتہاء ہے اور اس لئے داڑھی کو لحیہ کہتے ہیں کہ یہ داڑھ کی انتہاء تک ہوتی ہے۔[3]

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان افغانی رحمۃ اللہ علیہ کا سر منڈانے کے متعلق فتویٰ :

---

[1] (فتاویٰ سلطانی ص ۴۵۵)

[2] (بحوالہ ھدایہ الابرار ص ۳۱)

[3] (ھدایۃ الابرار ص ۳۲)

مسئلہ :۲۳۵ از قادر گنج ضلع بیر بھوم ملک بنگالہ مرسلہ سید ظہور الحسین حسینی قادری رزاقی ۲۲ جمادی الاولی ۱۳۳۶ھ

تمام سر کا منڈانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو حضور سرور کائنات ﷺ یا حضرت مولائے کائنات سیدنا امام علی مرتضی رضی اللہ عنہ یا حضرت امامین مطہرین رضی اللہ عنہما یا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا اولیائے عظام رحمۃ اللہ علیہم ان حضرات نے سر منڈایا ہے یا نہیں؟ اور اس کا جواز فقہ سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت تمام سر کے بال رکھنا ہے اور امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی سنت سارا سر منڈانا۔ وقد روی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان تحت کل شعرۃ جنابۃ ثم قال من ثم عادیت راسی من ثم عادیت راسی من ثم عادیت راسی۔ بلا شبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راویت کی ہے کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے لہذا اس وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں اسی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں اسی وجہ سے میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں۔[1]

دونوں صورتیں جائز ہیں آدمی اپنے لئے جس میں مصلحت سمجھے، اور اول اولی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۲۳۹ ۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالی ایھا العلماء الکرام اندریں مسئلہ کہ مروی و ماثور است کہ موئے مرغول سر آن سرور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بغیر از حلق بستہ کیفیت متکیف بودند یعنی گاہ بگوش وگاہ بدوش وگاہ از گوش فرد و آمدہ ونزدیک بدوش رسیدہ آیا رجل امت اجابت آن تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم را نیز لازم است کہ ہمیں جادہ مستقیم را اخذ نمودہ سالک شوند باز و برتقدیر اول آیا کہدام صنف است از اصناف سنن ہدی ست کہ تارک مستحق لوم وعتاب است یا زائدکہ تارکیش لائق ایں امر نبود چنانچہ در رسالہ منارمی نویسند وھی نوعان سنۃ الھدی وتارکھا یستوجب اساءۃ کالجماعۃ و الاذان و الزوائد وتارکھا لا یستوجب اسائۃ کسیر النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فی لباسہ وقعودہ وقیامہ الخ رسالہ شرح نور الانوار قمر الاقمار۔

اے علماء کرام! اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کے پھول برسائے تمہارا کیا ارشاد ہے اس مسئلہ کے بارے میں کہ مروی اور منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سر مبارک کے (کسی قدر) گھنگھریالے مقدس بال منڈائے بغیر، تین حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے متصف تھے (۱) یعنی کبھی کانوں تک (۲) کبھی کندھوں تک (۳) اور کبھی کانوں سے نیچے لٹکے ہوئے اور کندھوں کے قریب پہنچے ہوئے تھے (اب سوال یہ ہے کہ) کیا تاجدار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت اجابت (یعنی امت مسلمہ) کے کسی مسلمان فرد کے لئے بھی یہی لازم اور ضروری ہے کہ وہ اسی ٹھیک طریقہ کو اختیار کر کے اس پر چلے۔ نیز پہلی صورت میں یہ سنن ہدی میں سے کونسی قسم ہے کہ جس کا چھوڑ دینے والا ملامت اور سرزنش کے لائق ہے یا سنت زائدہ ہے کہ جس کا ترک کرنے والا سزا مذکور کے لائق نہیں چنانچہ رسالہ ،،منار،، میں لکھتے ہیں سنت کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک سنت ہدٰی، جس کا تارک مستحق اساءت ہے۔ جیسے نماز باجماعت اور اس کے لئے اذان۔ (۲) دوسری قسم سنت زوائد کہ جس کا تارک اساءت کا سزاوار نہیں جیسے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی مبارک عادات، پہننے، بیٹھنے اور قیام میں الخ ۱۲ قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار (از مولانا عبد الحکیم لکھنوی)۔[2]

الجواب: عادت کریمہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بر تمام سر موئے داشتن است از گوش تا دوش در غیر حج وحجامت ہیچ گاہ حلق ثابت نیست امیر المومنین مولی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم دائما حلق فرمودہ واز ان روکہ زیر ہر مو جنابت ست مبادکہ آب بجائے نرسد و مے فرمود ومن ثم عادیت راسی ومن ثم عادیت راسی ومن ثم عادیت راسی وسنت خلفائے راشدین نیز سنت ست ہر چہ مناسب حال خود مبینند بر آں عمل کنند موئے را اکرام باید فی الحدیث من کان لہ شعر فلیکرمہ اگر اکرام تواند و بحد اسراف نرساند موئے داشتن بہتر ست ورنہ در حلق فارغ البال و بر ہر چہ ازیں عمل کند مستحق لوم وعتاب نیست۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت عالیہ اپنے پورے سر مبارک پر بال رکھنے کی تھی اور یہ کیفیت کان سے کندھوں تک ہوتی، لہذا بغیر حج کبھی سر منڈوانا ثابت نہیں البتہ مومنوں کے امیر حضرت مولی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ہمیشہ بال منڈواتے اس وجہ سے کہ ہر بال کے نیچے جنابت ہے کہیں ایسا نہ

---

[1] (سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ ۱/۳۳ و جامع الترمذی ابواب الطھارۃ ۱/۱۶) (سنن ابی داؤد کتاب الطھارۃ باب فی الغسل من الجنابۃ آفتاب عالم پریس لاھور ۱/۳۳)

[2] (نور الانوار شرح المنار بحث سنن الھدی و الزوائد مطبع علیمی دھلی ص ۱۶۷)

ہوکہ وہاں تک پانی نہ پہنچے، اور فرمایا کرتے یہی وجہ ہے کہ میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں، اسی وجہ میں اپنے سر کے بالوں کا دشمن ہوں اسی وجہ سے میں اپنے سر کے بال رکھنے کا مخالف ہوں، اور خلفائے راشدین کی سنت بھی درجہ سنت رکھتی ہے لہذا جو بھی اپنے حال کے مناسب سمجھے وہی روش اختیار کرے، بہرحال بالوں کا احترام کرنا چاہئے، چنانچہ حدیث پاک میں مذکور ہے جس آدمی کے بال ہوں اسے ان کا احترام واکرام کرنا چاہئے لہذا اگر عزت توقیر کرسکے اور اسے اسراف کی حد تک نہ پہنچائے تو پھر بال رکھنے بہتر ہیں ورنہ منڈوا کر فارغ البال ہوجائے لہذا ان میں سے جو طریقہ اپنائے (اور اس پر عمل کرے) تو ملامت اور عتاب کا سزاوار نہ ہوگا، واللہ تعالیٰ اعلم۔[1]

حلق العانة (زیرناف بال) صاف کرنا:

زیرناف بال صاف کرنا مرد وعورت دونوں کے لئے مسنون ومشروع ہے۔ بلکہ تمام انبیاء سابقین علیہم السلام کے ادیان میں مشترک مشروع ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں اس کو انسان کی فطرتی عادات میں سے شمار کیا گیا۔

والاستحداد أی حلق العانة وھو۔۔استعمال الحدید من نحو موسی وغیرہ فی حلق العانة ای الشعر الذی حوالی ذکر الرجل وفرج المرأة وزاد ابن شریح وحلقة الدبر۔

استحداد یعنی موئے زیرناف صاف کرنا اور استحداد کا معنیٰ ہے بالوں کی صفائی کیلئے استرا وغیرہ کی شکل میں لوہے کو استعمال کرنا اور موئے زیرناف سے مراد وہ بال ہیں جو مرد کے آلۂ تناسل کے اردگرد ہوں اور عورت کے عضو مخصوص ﴿شرمگاہ﴾ کے اردگرد ہوں۔ ابن شریح نے کہا کہ مقام پاخانہ کے اردگرد کے بالوں کو بھی عانہ کہتے ہیں۔[2]

قلت وعلیہ الفتوی کما فی الشامیة۔ میں کہتا ہوں اسی پر فتویٰ ہے جیسے کہ شامی میں ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر زیرناف بال مونڈنا بھی فرض تھا، ہم پر سنت ہے۔ خیال رہے کہ زیرناف بال دور کرنے کیلئے زیادہ طور پر احادیث میں (استحداد) کے الفاظ استعمال ہیں، یعنی نبی کریم ﷺ نے لوہے کے آلہ (استرا وغیرہ) کو استعمال کیا۔

ایک اور حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں۔

ان النبی ﷺ کان لا یتنور، وکان اذا اکثر الشعر علی عانتہ حلقہ۔

کہ بے شک نبی کریم ﷺ نے زیرناف بالوں کو دور کرنے کیلئے چونہ (پاؤڈر وغیرہ) استعمال نہیں کیا، بلکہ جب بال دور کرنے کی ضرورت درپیش آتی تو آپ ﷺ ان بالوں کو مونڈ کر دور کرتے لیکن ایک دوسری حدیث حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

ان النبی ﷺ کان اذا اطلی ولی عانتہ بیدہ۔

کہ بے شک نبی کریم ﷺ زیرناف بالوں پر چونہ (پاؤڈر وغیرہ) استعمال کرکے ہاتھوں سے بالوں کو صاف کردیتے۔ خیال رہے کہ ،،اطلی،، کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے۔ **اطلی یعنی بالنورة وھی حجر یتخذ منہ طلائ لازالة الشعر من بواطن الجسد۔**

کہ آپ ﷺ نے چونہ کا استعمال کیا، کیونکہ پتھر سے حاصل ہونے والے چونہ کو جسم کے اندرونی حصہ کے بال دور کرنے کیلئے جب استعمال کیا جائے تو اسے بھی طلائی کہہ لیا جاتا ہے۔

---

[1] (سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب فی الغسل من الجنابۃ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۳) (سنن ابی داؤد کتاب الرجل باب فی اصلاح الشعر آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۱۸) (مرقاۃ شرح مشکوۃ کتاب اللباس الفصل الثانی المکتبہ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۲۳۰) (فتاوی رضویہ جلد ۲۲ کتاب الحظر والاباحۃ ص ۶۸۶۔ ۶۹۲)

[2] (المرقاۃ ۸/ ۲۸۹ ومجمع الزوائد ۵/ ۳۰۳)

دونوں حدیثوں میں تطبیق:

حفظہ اللہ ابن خویز منداد کہتے ہیں۔

وھذا یدل علی ان الاکثر من فعلہ کان الحلق وانما تنور نادر الیصح الجمع بین الحدیثین،،

اس سے واضح ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے اکثر طور پر زیر ناف بالوں کو مونڈا ہے لیکن کبھی کبھی چونہ وغیرہ سے بھی بالوں کو دور کیا ہے۔اس طرح دونوں حدیثوں میں مطابقت ہو جائے گی۔خیال رہے کہ زیر ناف بالوں کو دور کرنا مردوں اور عورتوں کیلئے برابر ہے۔اور دور کرنے کے دونوں طریقے بھی مردوں اور عورتوں کیلئے برابر ہیں۔[1]

لہٰذا مرد وعورت دونوں کو کسی بھی طریقے سے ان بالوں کا زائل کرنا ضروری ہے لیکن مردوں کو استرے (بلیڈ) سے صفائی بہتر جبکہ عورتوں کو نورہ بال صفا پاؤڈر سے دور کرنا افضل ہے۔اور عورتوں کو انگلیوں سے نکالنا مستحب ہے۔[2]

ختنہ کرنا:

مسلم شریف میں اور مسند احمد میں یحییٰ کی روایت میں ہے۔

،، انہ اختتن حین بلغ ثمانین سنۃ واختتن بالقدوم،،

بیشک ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں ختنہ کیا اور آپ نے تیسہ سے ختنہ کیا۔

یعنی جب آپ علیہ السلام پر ختنہ کے فرض ہونے کا حکم نافذ ہوا اس وقت آپ کی عمر اس سال تھی ،آپ نے لکڑی کاٹنے چھیلنے کا آلہ تیسہ لیا،اور اپنا ختنہ خود ہی کر دیا۔سبحان اللہ یہ انبیاء کرام کے کام ہی ہیں جو مشکل مشکل امتحانات میں پورے اترے ورنہ عام انسان ایسے امتحان میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

خیال رہے،،قدوم،،قاف پر فتحہ ،دال مشدد بھی استعمال ہے اور مخفف بھی،معنی اس کا تیسہ۔

قال عکرمۃ اختتن ابراھیم علیہ السلام وھو ابن ثمانین سنۃ،، قال: ولم یطف بالبیت بعد علی ملۃ ابراھیم الا مختون،،

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے اسی سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا،حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس کے بعد ملت ابراہیمی پر قائم کسی شخص نے بغیر ختنہ طواف نہیں کیا۔

مسئلہ:

جمہور احناف اور مالکیہ کا مذہب یہ ہے۔

ان ذلک من مؤکدات السنن ومن فطرۃ الاسلام التی لا یسع ترکھا فی الرجال،،

کہ ختنہ کرنے کا فعل سنت مؤکدہ ہے اور فطرۃ اسلامیہ سے ہے۔مردوں کیلئے اس سنت کو چھوڑنے کی گنجائش نہیں ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال الفطرۃ خمس الاختتان الخ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کا ارشاد بیان فرمایا کہ فطرت اسلامیہ پانچ چیزیں ہیں،ان میں آپ ﷺ نے ختنہ کا بھی ذکر کیا۔

---

[1] (نجوم الفرقان ص ۸۰۸ ج ۳)

[2] (فتاویٰ حقانیہ ۴۶۴/۲)

اس حدیث سے بھی ختنہ کا سنت ہونا واضح ہے۔خیال رہے کہ ایک ضابطہ یہ ہے ذکر قلیل ذکر کثیر سے مانع نہیں لہذا کسی محل اور موقع کی مناسبت سے پانچ کا ذکر کرنا دوسری جگہ دس کے ذکر کے منافی نہیں۔

مسئلہ:

اگر کوئی بچہ ختنہ شدہ پیدا ہوا تو وہ ختنہ کی مشقت سے بچ گیا ہے۔اب اس کا ختنہ نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ختنہ کرنے کی کوئی ضرورت ہوگی۔کیونکہ اس کا ختنہ پہلے قدرتی طور پر ہو چکا ہے۔حضرت میمونی کہتے ہیں، مجھے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ ہمارے علاقہ میں ایک شخص تھا جس کا بچہ پیدا ہوا جس کا ختنہ قدرتی طور پر ہو چکا تھا۔وہ شخص پریشان تھا کہ میں بچے کا ختنہ کیسے کرونگا۔تو آپ نے اس شخص کو فرمایا،، **اذا کان اللہ قد کفاک المؤنۃ فما غمک بھذا**،، جب رب تعالیٰ نے تمہیں اس بچے کے ختنہ کی مشقت سے آزاد کر دیا ہے تو تمہیں اس کا کیا غم ہے۔

فائدہ جلیلہ:

عن محمد بن حبیب الھاشمی خلق من الانبیاء اربعۃ عشر مختونین آدم و شیث و نوح و ھود و صالح و لوط و شعیب و یوسف و موسیٰ و سلیمٰن و زکریا و عیسیٰ (و حنظلۃ بن صفوان نبی اصحاب الرس) و محمد ﷺ۔

محمد بن حبیب ہاشمی کہتے ہیں کہ چودہ انبیاء کرام ختنہ شدہ پیدا ہوئے، حضرت آدم علیہ السلام، حضرت شیث علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت سلیمٰن علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، (حضرت حنظلہ بن صفوان علیہ السلام اصحاب الرس کے نبی علیہ السلام) حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔

لیکن یہ بھی خیال رہے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ختنہ شدہ ہونے کے قول کو ترجیح دی ہے۔

اعتراض:

حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ختنہ ہوا ہے۔لہذا یہ کہنا کہ آپ ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے کیسے صحیح ہے؟

،،عن ابن عباس ان عبد المطلب ختن النبی ﷺ **یوم سابعۃ و جعل لہ مأدبۃ و سماہ محمدا**،،

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیشک عبد المطلب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کا ختنہ ساتویں دن کرایا اور اسی دن احباب کی دعوت کی اور اسی دن آپ کا نام محمد ﷺ رکھا،

جواب:

یہ حدیث محمد بن ابی سری نے روایت کی ہے۔اس حدیث کے متعلق یحییٰ بن ایوب فرماتے ہیں۔

،، طلبت ھذا الحدیث فلم اجدہ عند احد من اھل الحدیث ممن لقیتہ الا عند ابن ابی السری،،

میں نے اس حدیث کو بہت تلاش کیا لیکن حدیث بیان کرنے والے حضرات میں سے میں نے جس سے بھی ملاقات کی مجھے کسی کے پاس بھی یہ حدیث نہیں ملی سوائے ابن ابی السری کے۔

اس سے واضح ہوا کہ یہ حدیث دوسری معتبر احادیث کے مقابل قابل حجت نہیں، کیونکہ اس حدیث کے متعلق ابو عمرو نے فرمایا،، **ھذا حدیث مسند غریب**،، یہ حدیث مسند غریب ہے۔اس سے بھی اس کے قابل حجت نہ ہونے کا ذکر کیا گیا۔یہ ذکر کرنے کے بعد ابو عمرو نے

کہا۔،،وقدقیل ان النبی ﷺ ولدمختونا،، تحقیق بیان کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے ہیں۔

فذکر ابو نعیم الحافظ فی،، کتاب الحلیۃ،، باسنادہ ان النبی ﷺ ولدمختونا۔

ابونعیم رحمہ اللہ علیہ نے،،کتاب الحلیۃ،،میں ذکر فرمایا ہے اسناد صحیحہ سے کہ نبی کریم ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔

مسئلہ: ختنہ بالغ ہونے سے پہلے کر دیا جائے۔بچہ سات دن کا ہوتو ختنہ کرنا بہتر ہے۔اس مسئلہ پر مختلف روایات ہیں،علماء کے اقوال سے یہ بھی ملتا ہے۔،،ختن ابراھیم اسماعیلَ لثلاث عشر سنۃ،، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ختنہ جب کیا تو ان کی عمر تیرہ سال تھی۔،،وختن ابنہ اسحاق لسبعۃ ایام،،اور آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کا جب ختنہ کیا تو وہ سات دن کے تھے۔

،،وروی عن فاطمۃ رضی اللہ عنھا انھا کانت تختن ولدھا یوم السابع،،اور روایات میں آتا ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے اپنے بچوں کا ختنہ ساتویں دن کرایا۔

وقال اللیث بن سعد،، یختن الصبی مابین سبع سنین الی عشر۔

لیث بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ بچوں کا ختنہ سات اور دس سال کے درمیان کرادیا جائے۔

وقال احمد،، لم اسمع فی ذلک شیئا،، حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ختنہ کے متعلق معین مدت کے متعلق کوئی روایت سننے میں نہیں آئی،

بخاری میں سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔

،،سئل ابن عباس مثل من انت حین قبض رسول اللہ ﷺ قال انا یومئذ مختون،،

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ جب نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا تو آپ کتنے تھے۔آپ نے فرمایا میں اس وقت مختون تھا،آپ نے مختون کا معنی قریب البلوغ لیا ہے۔واضح ہوا کہ بالغ ہونے سے پہلے ضرور ختنہ کرادیا جائے،سات دنوں پر کرائیں یا بعد میں کرائیں جائز ہے۔

بالغ ہونے کے بعد اسلام قبول کرنے کیلئے:

اگرچہ مالکی مذہب میں تو اس کیلئے مستحب ہے کہ وہ ختنہ کسی سے کرائے بعض حضرات نے زیادہ ہی کی تاکید کی ہے۔

لیکن احناف کے نزدیک بلاعذر شرعی کسی کی شرمگاہ کو دیکھنا حرام ہے،اس لئے سنت پر عمل کرنے کیلئے حرام کا ارتکاب تو جائز نہیں۔البتہ وہ شخص کسی ایسی عورت سے نکاح کرے جو ختنہ کرنا جانتی ہو،تو وہ نکاح کے بعد اس کا ختنہ کردے،کیونکہ زوجہ اپنے خاوند کی شرمگاہ کو دیکھ سکتی ہے،اس طرح نہ حرام کا ارتکاب ہوگا۔اور نہ سنت کی ترک لازم آئے گی۔

غسل البراجم:

باء کے فتح اور جیم کے کسرہ کے ساتھ) وہ گرہیں اور جھریاں جو انگلیوں کے جوڑوں کے ظاہری حصہ پر ہوتی ہیں اور جو باطنی حصہ پر ہوتی ہیں ان کو رواجب کہتے ہیں ابن العرافی رحمہ اللہ نے اسی طرح فرمایا ہے۔علامہ تورپشتی نے فرمایا ہے کہ براجم سے مراد وہ جوڑ ہیں جو اساجع اور رواجب کے درمیان میں اور رواجب وہ جوڑ ہیں جو پوروں سے ملے ہوئے ہیں اور ان کے بعد براجم ہوتے ہیں اور براجم کے بعد اساجع۔ابھری رحمہ اللہ نے

اسی طرح نقل کیا ہے اور مراد اس سے (ہاتھ پاؤں) کے تمام قسم کے جوڑوں کی گرہیں اور پوشیدہ جگہوں کا دھونا ہے۔[1]

بغلوں کے بال دور کرنا:

بغلوں کے بال دور کرنا بھی مرد وعورت دونوں کے لئے کسی بھی طریقے سے ضروری ہے البتہ اسمیں دونوں کو اکھیڑنا بہتر ہے۔

وفی الابط یجوز الحلق و النتف أولی۔ بغلوں کے بالوں کے بارے میں حلق کرنا جائز اور اکھیڑنا بہتر ہے۔[2]

قلت ولفظ الابط فی الحدیث یدّل علی العموم فتأمل۔[3]

حدیث میں لفظ ابط عموم پر دلالت کرتا ہے یعنی مرد وعورت دونوں کیلئے حکم ہے۔

ناخن کاٹنے کا حکم:

مرد وعورت دونوں کے لئے بڑے ناخن کاٹنا سنت مؤکدہ ہے۔اور حدیث شریف نے اسے بھی انسان کے امور فطرت میں سے بتایا لہٰذا مرد وعورت کو بڑے بڑے ناخن رکھنا فیشن کی خاطر یا سستی کی وجہ سے مکروہ اور ناجائز ہے۔

قال العلامہ العینی رحمہ اللہ تحت قول الامام البخاری رحمہ اللہ باب تقلیم الأظفار ھذا باب فی سنیّۃ تقلیم الخ۔[4]

وفی الھندیۃ :وقلم الأظفار سنۃ اِلاّ فی دار الحرب فان ترکھا مندوب الیہ۔

ناخن کاٹنا سنت ہے مگر دارالحرب میں نہ کاٹنا مستحب ہے۔[5]

ناخن کاٹنے کا افضل طریقہ :

ہاتھ کے ناخن کاٹنے میں علماء نے دو طریقے افضل قرار دیئے پہلا طریقہ یہ ہے کہ ہاتھ کے ناخن کاٹنے میں ابتداء اور انتہاء دونوں دائیں ہاتھ پر ہو جس کی ترتیب یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کر کے بالترتیب دائیں کے چھنگلی انگلی تک کاٹ لئے جائیں اور پھر بائیں ہاتھ کے چھنگلی انگلی سے لے کر بالترتیب بائیں کے انگوٹھے تک کاٹ لئے جائیں اور آخر میں دائیں کا انگوٹھا سے کاٹ لیں۔

قال فی الھدایۃ عن الغرائب:وینبغی الابتداء بالیدالیمنیٰ والانتھاء بھافیبدأبسبابتھاویختم بإبھامھا ۔ہدایۃ میں غرائب کے حوالے سے ہے کہ مناسب یہ ہے کہ ابتداء وانتہاء دونوں دائیں ہاتھ سے ہو،دائیں ہاتھ کے انگشت شہادت سے ابتداء ہو اور انگوٹھے پر اختتام ہو۔[6]

ہاتھ کے ناخن کاٹنے کا دوسرا افضل طریقہ:

اور وہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کے شہادت کی انگلی سے شروع کیا جائے پھر دائیں ہی کے درمیانی پھر ساتھ والی اور پھر چھنگلی اور آخر میں دائیں ہاتھ کا انگوٹھا اس کے بعد بائیں ہاتھ کی چھنگلی سے لے کر انگوٹھے تک۔

---

[1] (مرقاۃ)

[2] (الھندیۃ ۵/۳۵۸)

[3] (المنتقی للحرانی ﷺ ۱/۶۷)

[4] (عمدۃ القاری ۵/۴۴۵ ج ۲۲)

[5] (الھندیۃ ۵/۳۵۷ و حقانیۃ ۲/۴۲۰)

[6] (الشامیۃ ۵/۲۶۰)

كذا ذكر العلامة العينى رحمة الله تعالىٰ عليه۔ عن الامام النووى رحمة الله تعالىٰ عليه۔[1]

پاؤں کے ناخن کاٹنے کا طریقہ:

ثمّ يبدا بخنصر الرجل اليمنىٰ ويختم ببنصر اليسرىٰ۔ اس کے بعد دائیں پاؤں کے چھنگلی انگلی سے شروع کرکے بالترتیب بائیں کے چھنگلی انگلی تک کاٹ لیں۔[2]

مسئلہ:

یہ طریقہ محض افضل ہے اور بڑے ناخن کاٹنا ضروری ہے گو کسی بھی طریقے سے کاٹے جائیں نیز اگر دن میں فرصت نہ ملے یا رات کو بڑے معلوم ہوں تو رات کو بھی کاٹنا جائز ہے۔

حكى أن هارون الرشيد سأل أبا يوسف رحمة الله تعالىٰ عليه عن قص الاظافير فى الليل فقال ينبغى فقال ما الدليل على ذلك فقال قوله صلى الله عليه وآله وسلم الخير لا يؤخّر۔

ہارون الرشید نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے رات کے ناخن کاٹنے کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ مناسب ہے کہ کاٹے جائیں۔ پوچھا اس پر کیا دلیل ہے؟ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھے کام کو مؤخر نہ کیا جائے۔[3]

ناخن کاٹنے اور زیر ناف بال کے صفائی کا وقت:

صحیح یہی ہے کہ اسلام میں ان چیزوں کی صفائی کا کوئی خاص وقت متعین نہیں بلکہ جب کبھی ناخن، مونچھ وغیرہ حد میعاد سے تجاوز کر جائیں اور بڑے ہو جائیں تو اسی وقت کاٹنے کا حکم ہے۔

قال القارى رحمة الله تعالىٰ عليه: والمعنىٰ أن لا تترك تركا يتجاوز أربعين لأنه وقت لهم الترك أربعين لأن المختار أن يضبط الحلق والتقليم والقص بالطول فإذا طال حلق وقص وقلم ذكره النووى رحمة الله تعالىٰ عليه۔[4]

ناخن اور زیر ناف بال کی صفائی کا مستحب وقت:

البتہ چونکہ اسلام میں صفائی کی بہت ہی تاکید آئی ہے۔ اس لئے فقہاء اسلام نے ہر ہفتہ یعنی جمعہ میں غسل کے ساتھ ساتھ ان چیزوں کی صفائی کو بھی افضل و مستحب قرار دیا۔ کسی مجبوری کی وجہ سے دو ہفتوں کے بعد اور آخری حد چالیس دن تک ہے اور اس کے بعد بغیر کسی شدید مجبوری کے مؤخر کرنے والا گناہ اور وعید کا مستحق ہوگا

فالأسبوع هو الأفضل والخمسة عشر الأوسط والأربعون الأبعد ولا عذر فيما وراء الاربعين ويستحق الوعيد۔

ایک ہفتے میں صفائی افضل ہے، درمیانی مدت پندرہ دن اور لمبی مدت چالیس دن کے بعد کوئی عذر قابل قبول نہیں اور تارک وعید (سزا) کا مستحق ہوگا۔[5]

---

[1] (عمدة القارى ۵/۴۵ ج ۲۲ والمرقاة ۸/۹۰۲)

[2] (الفتاوىٰ الهندية ۵/۳۵۸)

[3] (الفتاوىٰ الهندية ۵/۳۵۸)

[4] (المرقاة ۸/۲۹۱)

[5] (الهندية ۵/۳۵۷ والمرقاة ۸/۲۹۱ والشامية ۵/۲۶۰)

ماحول کی صفائی کے بارے میں اسلام کے سنہری اصول:

اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس نے انسانیت کو پاکی وصفائی کے سنہرے اصول بتائے ہیں ۔اے کاش کہ مسلمان ان سنہری اصولوں کو اپنائیں اور رب تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کریں بہرحال ان سنہری اصول میں سے یہ بھی ہے کہ کٹے ہوئے سر کے بال ہوں یا کسی اور جگہ کے اور ناخن وغیرہ مرد وعورت دونوں کے لئے مناسب اور بہتر یہی ہے کہ ان کو گھر یا دوسری جگہ کے ایک کونے میں دفن کر دے اور اگر ایسی جگہ پھینک دے کہ جہاں لوگوں کی آمد ورفت نہ ہو تو بھی کوئی حرج نہیں لیکن بالوں اور ناخنوں کو غسل خانے،گندگی کے ڈھیر یا نالے یا ویسے ادھر ادھر پھینکنا اعضائے انسانی کی توہین ہے جو کہ شرعاً جائز نہیں نیز فقہ کی کتابوں میں اسے بیماری پیدا ہونے کا سبب اور مکروہ کہا گیا۔جیسے کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

فإذاقلم اظفاره۔أو جزّ شعره ينبغي أن يدفن ذلک الظفر و الشعر المجزور فإن رمی به فلابأس أی فی مکان طاهر لا يوطأو إن القاه فی الکنيف أو فی المغتسل يکره ذالک لأن ذالک يورث دائً۔ [1]

قبیلہ بنی ہاشم کے ایک شخص نے کہا کہ آپ ﷺ نے بالوں،ناخن اور خون کو دفنانے کا حکم دیا ہے۔

مسئلہ: حالت جنابت میں بال وناخن کاٹنا مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی؟

ج: مطلق کراہت کا قول ملتا ہے جس سے بالعموم کراہت تحریمیہ مراد ہوتی ہے مگر یہاں قرائن سے کراہت تنزیہیہ معلوم ہوتی ہے۔**قال فی الهندية حلق الشعر حالة الجنابة مکروه و کذا قص الاظافير۔ کذا فی الغرائب۔**

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہندیہ میں ہے کہ جنابت کی حالت میں بالوں اور ناخن کا کاٹنا مکروہ ہے۔ [2]

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما: هی عشر خصال کانت فرضا فی شرعه و هن سنة فی شرعنا۔ [3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے : یہ دس خصلتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں فرض تھیں اور وہ ہماری شریعت میں سنت ہیں۔

انتقاص الماء (پاخانہ اور پیشاب کی جگہ کو پانی کے ساتھ دھونا یعنی پانی سے استنجاء کرنا)

انتقاص الماء قاف اور صاد کے ساتھ ہے اور یہی صحیح ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے،،انتقاص البول بالماء،،یعنی پیشاب کرنے کے بعد شرمگاہ وغیرہ کو پانی کے ساتھ دھونا تاکہ پانی کے روکنے کیوجہ سے پیشاب کے قطرات آنا بند ہوجائیں اور اگر یہ دھوئے گا نہیں تو بار بار کچھ نہ کچھ خارج ہوتا رہے گا تو پھر صفائی حاصل کرنا اور استنجاء کرنا مشکل ہوجائے گا،پہلی تشریح کے مطابق ماء سے مراد پیشاب ہے اور اس صورت میں ماء سے مراد مغسول بہ ہے (کہ جس کے ذریعے دھویا جائے) لیا جائے،تو اضعاف مصدر فاعل کی طرف ہوگی۔ای انتقاص الماء بالبول ۔انتقاص: یہ لازم بھی استعمال ہوتا ہے اور متعدی بھی۔اکثر لازم استعمال ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں تصحیف ہوئی ہے اصل میں یہ انتفاض الماء تھا (یعنی فا اور ضاد کے ساتھ یا صاد کے ساتھ) اور اس سے مراد ذکر پر پانی کا چھینٹا دینا ہے اور یہ معنی سے زیادہ قریب ہے کیونکہ ابو داؤد شریف میں الانتضاح ہے،انتقاص کو انہوں نے ذکر نہیں کیا۔زین العرب

---

[1] (ایضا الفتاوی الهندية عن الخانية ۵/۳۵۷ و مصنف ابن ابی شيبة و لفظه عن رجل من بنی هاشم أن رسول اللہ ﷺ أمر بدفن الشعر و الظفر و الدم انتهی ۶/۱۳۱)

[2] (عالمگيرية ص ۳۵۸ ج ۵)

[3] (تفسير ابی السعود، ج، ۱، ص، ۱۸۹، دار احياء التراث العربی بيروت)

نے سید رحمۃ اللہ علیہ سے اس کو نقل کیا ہے۔(الاستنجاء: یہ راوی کی تفسیر ہے وہ راوی عندالبعض وکیع ہیں اور پہلی تفسیر وہ ابوعبید کا قول ہے۔[1]

مونچھیں منڈانا احادیث وآثار کی نظر میں

مونچھیں مونڈنا سنت ہے

أخبرنا محمد بن عبداللہ بن یزید المقرىء المکی قال حدثنا سفیان عن الزھری عن سعید بن المسیب عن أبی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال: الفطرۃ خمس: الختان وحلق العانۃ ونتف الابط وتقلیم الأظفار وحلق الشارب۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دین میں پانچ چیزیں قدیم سنت ہیں: (۱) ختنہ کرنا، (۲) زیرِناف بالوں کو مونڈنا، (۳) بغل کے بال نوچنا، (۴) ناخن کاٹنا، (۵) مونچھیں مونڈنا۔[2]

عن ابی ھریرۃ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول الفطرۃ خمس: الختان والاستحداد وقص الشارب وتقلیم الاظفار ونتف الابط۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: پانچ چیزیں فطرت (قدیم سنت) سے ہیں: (۱) ختنہ کرنا، (۲) زیرناف بال مونڈنا، (۳) مونچھیں (جڑ سے) کاٹنا، (۴) ناخن کاٹنا، (۵) بغل کے بال اکھیڑنا۔[3]

عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ ﷺ عشر من الفطرۃ قص الشارب واعفاء اللحیۃ والسواک واستنشاق الماء وقص الاظفار وغسل البراجم ونتف الابط وحلق العانۃ وانتقاص الماء قال مصعب ونسیت العاشرۃ الا تکون المضمضۃ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کی سنت ہیں: (۱) مونچھیں (جڑ سے) کاٹنا، (۲) داڑھی بڑھانا، (۳) مسواک کرنا، (۴) ناک میں پانی ڈالنا، (۵) ناخن کاٹنا، (۶) جوڑوں کو دھونا، (۷) بغلوں کے بال نوچنا، (۸) زیرِناف بال مونڈنا، (۹) اور پانی سے استنجاء کرنا، (۱۰) مصعب فرماتے ہیں دسویں چیز میں بھول گیا، الا یہ کہ وہ کلی کرنا ہو۔[4]

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ حلقوا الشوارب واعفوا اللحی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مونچھوں کو منڈاؤ اور داڑھی کو بڑھاؤ۔[5]

فائدہ:

اس حدیث مبارک میں داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے کو فطرت بتلایا گیا، اور فطرت ان چیزوں کو کہا جاتا ہے کہ انسان کی طبیعت سلیمہ پیدائشی

---

[1] (مرقاۃ)

[2] (سنن الکبریٰ للنسائی، کتاب الطہارۃ، ابواب الفطرۃ، ج۱، ص۶۵، رقم۹: دارالکتب العلمیہ بیروت، کنزالعمال، ج۶، ص۶۵۳، رقم۱۷۲۲۹: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

[3] (اخرجہ البخاری فی صحیحہ، ج۱۰، ص۳۴۹، رقم۵۸۹۱: ومسلم، ج۱، ص۲۲۲، رقم۵۰: ۲۵۷، وابوداؤد فی السنن، ج۴، ص۴۱۲، رقم۴۱۹: ۸، والترمذی فی السنن، ج۵، ص۸۵، رقم۲۷۵۶: والنسائی فی السنن، ج۸، ص۱۸۱، رقم۵۲۲۵: وابن ماجہ فی السنن، ج۱، ص۱۰۷، رقم۲۹۲: ومالک فی الموطأ، ج۲، ص۹۲۱، رقم۳: من کتاب صفۃ النبی ﷺ، واحمد فی المسند، ج۲، ص۴۱۰، ومشکوۃ المصابیح، کتاب اللباس، باب الترجل، ص۳۸۰، قدیمی کتب خانہ کراچی، شعب الایمان، ج۵، ص۲۲۱، رقم۶۴۳۱: دارالکتب العلمیہ بیروت، سنن الکبریٰ للنسائی، کتاب الطہارۃ، ابواب الفطرۃ، ج۱، ص۶۵، رقم۱۰: دارالکتب العلمیہ بیروت)

[4] (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، ج۱، ص۱۲۹، نورمحمد کارخانہ کراچی، سنن ابوداؤد، کتاب الطہارۃ، باب السواک من الفطرۃ، ج۱، ص۸، میر محمد کتب خانہ کراچی، سنن نسائی، ج۲، ص۲۳۷، نورمحمد کراچی، سنن ابن ماجہ، ص۲۵، نور محمد کراچی، سنن کبریٰ للبیہقی، ج۱، ص۵۲، نشر السنۃ ملتان، کنزالعمال، ج۶، ص۶۵۴، رقم۱۷۲۳۴: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، مشکوۃ المصابیح، کتاب الطہارۃ، باب السواک، ص۵۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)

[5] (احکام المذاھب، ص۷، ھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا، ص۲۷، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

طور پران کو پسند اور قبول کرتی ہو اور انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام بھی لازماً اختیار اور پسند کرتے ہیں، اس لئے امور فطرت ایسے کاموں کو بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ جن پر تمام انبیاء اور رسولوں کا عمل ہو اور جو سب کا متفق علیہ طریقہ ہو اور ساتھ ہی ہم کو ان پر عمل کرنے کا بھی حکم ہو۔

داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے کو فطرت اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ انسان کی فطرت اور پیدائش میں داخل ہے، یعنی انسان کی فطرت سلیمہ (سلامتی والی فطرت) داڑھی رکھنے کا اور مونچھیں کٹانے کا تقاضا کرتی ہے، اور جب فطرت کے ساتھ شریعت کا بھی حکم ہو تو اس کی تاکید اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

نیز حدیث میں داڑھی بڑھانے کو فطرت بتلایا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ چھوٹی چھوٹی یا بالفاظ دیگر خشخشی داڑھی رکھنا فطرت اور انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا طریقہ نہیں ہے۔ مذکورہ حدیث میں داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے کو جو فطرت بتلایا گیا ہے، آگے چند مستند محدثین کی عبارات کی روشنی میں اسکی تشریح ذکر کی جاتی ہے۔

صحیح بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں ہے کہ:

وَأَرَادَ بالفطرة السنة الْقَدِيمَة الَّتِي اخْتَارَهَا الْأَنْبِيَاء عَلَيْهِم السَّلَام، و اتفقت عَلَيْهَا الشَّرَائِع فَكَأَنَّهَا أَمر جلى فطروا عَلَيْهِ۔[1]

ترجمہ: اور فطرت سے مراد قدیم (و پرانا) طریقہ ہے، جس کو تمام انبیاء علیہم السلام نے اختیار کیا ہے، اور اس پر تمام شریعتیں متفق رہی ہیں، گویا کہ یہ ایسا واضح حکم ہے کہ جس پر انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو پیدا کیا گیا ہے۔

اور ابن ماجہ کی شرح میں ہے :**والمراد هاهنا :هي السنة القديمة التي اختارها الله تعالى للأنبياء، فكأنها أمرٌ جبلّي فُطِرُوا عليها،** [2]

ترجمہ : اور فطرت سے مراد پرانا طریقہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کیلئے اختیار کیا ہے، پس گویا کہ یہ ایک فطری حکم ہے کہ جس پر تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو پیدا کیا گیا ہے۔

وقال النووی رحمة الله تعالیٰ علیه فی شرح هذا الحدیث قالوا معناه انها من سنن الانبیاء صلوات الله وسلامه علیهم۔[3]

یعنی امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ فطرت میں داخل ہونے کا مطلب علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ داڑھی تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت مستمرہ رہی ہے۔

فرشتوں کی تسبیح:

نیز داڑھی مردوں کیلئے وقار و زینت کی چیز ہے صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں۔ **لان اللحیة فی اوانها جمال۔**[4]

یعنی داڑھی اپنے وقت میں جمال ہے اس کو منڈا دینا زینت کو ختم کرنا ہے، آسمانوں میں فرشتوں کی ایک جماعت مقرر ہے ان کی تسبیح درج ذیل ہے۔

---

[1] (عمدۃ القاری، ج ۲۲ ص ۴۵، کتاب اللباس)

[2] (شرح ابن ماجہ، باب الفطرۃ، ج ۱ ص ۱۰۷)

[3] (شرح مسلم شریف ج ۱ ص ۱۲۸)

[4] (البحر الرائق ص ۳۷۷ ج ۸)

قَوْلُہٗ-عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَ السَّلَامُ-إِنَّ لِلّٰہِ مَلَائِکَۃً تَسْبِیحُھُمْ سُبْحَانَ مَنْ زَیَّنَ الرِّجَالَ بِاللِّحَیٰ وَ النِّسَاءَ بِالْقُدُودِ وَ الذَّوَائِبِ۔[1]

یعنی فرشتے یہ تسبیح پڑھتے ہیں کہ پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو داڑھی سے زینت بخشی اور عورتوں کو چوٹیوں سے۔

پس کتنے افسوس کی بات ہے کہ کوئی مسلمان داڑھی منڈا کر خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے شیطان کے حکم کی تعمیل کر کے اس کے حصے میں چلا جائے اور خسران مبین اٹھائے۔

عن ابن عباس قال: قدم علی رسول اللہ ﷺ وفد من العجم قد حلقوا لحاھم وترکوا شواربھم، فقال رسول اللہ ﷺ: خالفوا علیھم فحفّوا الشوارب وأعفوا اللحی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عجمی وفد جنہوں نے اپنی داڑھیاں منڈا رکھی تھیں اور مونچھیں بڑھا رکھی تھیں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ان لوگوں کی مخالفت کرو مونچھیں منڈاؤ اور داڑھیاں چھوڑ دو۔[2]

داڑھی اور بالوں کے احکام:

داڑھی منڈوانے اور کٹوانے کا حکم:

مردوں کیلئے داڑھی رکھنا واجب ہے اور اسکی مقدار شرعی ایک قبضہ یعنی ایک مشت ہے داڑھی رکھنا تمام انبیاء علیہم السلام کی متفقہ سنت مستمرہ ہے۔ اسلامی اور قومی شعار ہے شرافت و بزرگی کی علامت ہے چھوٹے بڑے میں فرق و امتیاز کرنے والی ہے۔ اسی سے مردانہ شکل کی تکمیل اور صورت نورانی ہوتی ہے آنحضرت ﷺ کا دائمی عمل ہے حضور ﷺ نے اسے فطرت سے تعبیر فرمایا ہے اور آپ ﷺ نے اپنی امت کو داڑھی رکھنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے۔ لہٰذا داڑھی رکھنا واجب اور ضروری ہے منڈانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اس پر امت کا اجماع ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

حلق کردن لحیہ حرام است۔ داڑھی منڈانا حرام ہے۔[3]

داڑھی مونڈنا منڈانا ممنوع ہے۔[4]

مرد کیلئے داڑھی مونڈنا حرام ہے۔[5]

مردوں کیلئے داڑھی کٹانا حلال نہیں۔[6]

اسی لیے مرد پر داڑھی کا مونڈنا حرام ہے۔[7]

نہ داڑھی کا منڈانا جائز ہے نہ اکھیڑنا اور نہ ہی کٹانا جائز ہے۔

---

[1] (البحر الرائق ص ۳۷۷ ج ۸، ۳۳ ج ۸)

[2] (ابن النجار، کنز العمال، ج ۶، ص ۶۷۲، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

[3] (اشعۃ اللمعات)

[4] (شرح شفا)

[5] (فتح العین از لمعۃ الضحیٰ)

[6] (دجیز کردری از لمعۃ الضحیٰ)

[7] (درمختار)

داڑھی کا کٹانا جب کہ وہ قبضہ سے کم ہو جائے یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں۔[1]

داڑھی کٹانا یہ عجمیوں کی روش تھی لیکن اس زمانہ میں بہت سے مشرکوں انگریزوں ہندوؤں اور ان لوگوں کی روش ہے جن کا دین میں حصہ نہیں ہے۔[2]

آخر زمانہ میں ایسی قومیں ہوں گی جو داڑھیاں کٹائیں گی۔ان کا دین میں اور آخرت میں حصہ نہیں ہے۔[3]

اے مسلمان! داڑھی منڈوانے سے معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کی دل شکنی ہوتی ہے حضور ﷺ ناراض ہوتے ہیں۔

وعَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :" خَالِفُوا المُشْرِكِينَ :وَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ " وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ، إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ، فَمَا فَضَلَ أَخَذَهُ۔[4]

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مشرکین کی مخالفت کرو۔داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھوں کو کٹاؤ۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب کبھی حج یا عمرہ کرتے تھے تو داڑھی کو مٹھی میں پکڑ لیا کرتے تھے۔بس جو مٹھی سے زیادہ ہوتی اسکو کتروا دیتے۔

علامہ محمود خطاب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اسی وجہ سے تمام ائمہ مجتہدین جیسے امام ابوحنیفہ،امام مالک،امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ علیہم وغیرہ کے نزدیک داڑھی منڈانا حرام ہے۔[5]

مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے:داڑھی رکھنا واجب ہے منڈانا کٹانا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے۔لقوله عليه السلام خالفوا المشركين اوفروا اللحىٰ متفق عليه وفى الدر المختار يحرم على الرجل قطع لحيته والسنة فيها القبضه۔

آپ ﷺ نے فرمایا مشرکین کی مخالفت کرو داڑھیاں بڑھاؤ۔الدر المختار میں ہے کہ مرد کیلئے داڑھی کاٹنا حرام ہے اور سنت ایک مشت داڑھی ہے۔[6]

داڑھی کا فلسفہ اور اسکے رکھنے کا حکم:

مسلم قوم ایک مستقل وممتاز ملت ہے جو تمام اقوام وملل سے بالکل علیحدہ فطرت سلیمہ کی حامل وما لک ہے اللہ نے اسکو اقوام عالم پر شاہد وعادل بنا کر بھیجا ہے۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔(البقرة ۱۴۳)

ہم نے تم کو ایک ایسی امت بنایا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تا کہ تم لوگوں پر شاہد ہو اور تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ شاہد ہوں۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔(آل عمران ۱۱۰)

تم لوگ بہترین امت ہو جو لوگوں کیلئے ظاہر کی گئی ہے۔

---

[1] (درد غرر از لمعۃ الضحیٰ)

[2] (از لمعۃ الضحیٰ)

[3] (سیدنا کعب رضی اللہ عنہ از لمعۃ الضحیٰ)

[4] (بخاری ص ۸۷۵ ج ۲)

[5] (المنھل ص ۱۸۶ ج افتاویٰ رحیمیہ ص ۲۴۵ ج ۶)

[6] (امداد الفتاویٰ ص ۲۲۳ ج ۴)

لیکن افسوس کہ یہ قوم اپنی دینی ومذہبی خصوصیات کو تو عرصہ ہوا کھو چکی تھی آج اپنی تمدنی ومعاشرتی امتیازات کو بھی فنا کرتی جارہی ہے۔رسم ورواج میں ہنود کی اتباع اور تمدن ومعاشرت میں اہل مغرب (انگریزوں) کی تقلید مسلمان کے رگ وریشہ میں سرایت کرتی جارہی ہے۔

آج جبکہ دنیا کی ہر قوم اپنی زندگی اور اپنی قومی وملی خصوصیت کے بقاء وتحفظ کیلئے سرگرم عمل نظر آرہی ہے۔لیکن مسلمان اپنی قومی وملی خصوصیت وامتیازات کو فرنگیت کے بھینٹ چڑھا کر ان ہی میں جذب ہوتی جارہی ہے۔

یاللعجب کل جو قوم اقوام عالم کیلئے جاذب ومصلح تھی،(مقتداء ورہنماء تھی،ہر قوم اسلام کے دامن میں پناہ کی متلاشی تھی)

وہ آج کس سرعت کے ساتھ دوسروں میں جذب ہوتی جارہی ہے۔اور دوسروں کی نقالی ہی کو معیار ترقی خیال کیا جاتا ہے،حالانکہ اہل بصیرت کے نزدیک یہ انتہائی تنزل وانحطاط اور قومیت کیلئے زہر ہلاہل سے کم نہیں۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی　　کہ ایں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

میں ڈرتا ہوں کہ تم کعبے تک نہیں پہنچو گے اے شخص کیونکہ جس راستے پر تم جارہے ہو وہ ترکستان کی طرف جاتا ہے۔

داڑھی اسلام کے اہم شعار میں سے ہے،بلکہ انسانی وفطری اصول سے خواص رجولیت میں سے ہے لیکن افسوس سب سے زیادہ مسلمان ہی اسکی صفائی کے درپے ہیں اور اس طور سے قومی وملی امتیاز سے قطع نظر فطرت وانسانیت کیلئے بھی مضحکہ خیزی کا ذریعہ بن رہی ہے،اس لئے جب داڑھی اسلام کا شعار ہے،اور داڑھی کٹوانا یا منڈانا،اور مونچھوں کا بڑھانا یہود ونصاریٰ اور مشرکین کا شعار ہے،آپ ﷺ نے اپنی امت کو داڑھی رکھ کر اس شعار کی حفاظت کا اور دوسری اقوام کی مخالفت کا حکم فرمایا ہے،چنانچہ صحیح بخاری ومسلم میں ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :"خَالِفُوا المُشْرِكِينَ :وَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :مشرکین کی مخالفت کرو،(وہ مونچھیں بڑھاتے ہیں اور داڑھی کٹاتے ہیں)تم داڑھی بڑھاؤ اور مونچھوں کو منڈاؤ۔[1]

مرزا بیدل کا واقعہ

ہندوستان میں مرزا بیدل نامی ایک شاعر تھا اس نے جناب نبی کریم ﷺ کی شان میں فارسی میں نعتیہ قصیدہ کہا۔

اس سے ایک ایرانی بہت ہی متاثر ہوا کہ یہ کتنا بڑا عاشق رسول ﷺ ہوگا۔لہٰذا اس شاعر کی زیارت کا شوق ہوا اس غرض سے ایران سے سفر کر کے ہندوستان پہنچے جب ان کے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ نائی کی دوکان میں داڑھی منڈوا رہے ہیں۔اس ایرانی شخص کو بہت افسوس اور دکھ پہنچا۔اس نے تعجب سے کہا کہ"آغامی ریش تراشی؟"یعنی جناب داڑھی منڈوا رہے ہیں؟

شاعر نے جواب میں کہا کہ"بلے ولکن دل کسے نمی خراشم"یعنی جی داڑھی منڈوا رہا ہوں لیکن کسی کا دل نہیں دکھاتا ہوں۔(یعنی کسی کا دل دکھانا بہت بڑا گناہ ہے اس سے بچتا ہوں)

ایرانی مسافر نے برجستہ کہا کہ"آرے دل رسولِ خدا می خراشی"یعنی بلکہ تم رسولِ خدا ﷺ کے دل کو دکھا رہے ہو۔تب جا کر شاعر کی آنکھیں کھلیں اور قالاً یا حالاً کہا:

---

[1] (صحیح بخاری،کتاب اللباس،با اعفاء اللحی،ج،۲،ص،۸۷۵،کراچی،ج،۱۰،ص،۳۵۱،رقم الحدیث ۵۸۹۳:،وصحیح مسلم،کتاب الطہارۃ،ج،۱،ص،۱۲۹،کراچی،ج،۱،ص،۲۲۲،رقم ۵۲:، ۲۵۹ ، وابوداؤد فی السنن،ج،۴،ص،۴۱۳،رقم ۴۱۹ :،والترمذی فی السنن،ج،۵،ص،۸۸،رقم ۳۷۶۳ :،والنسائی فی السنن،ج،۸،ص،۱۸۱،رقم ۵۲۲۶:،واحمد فی المسند،ج،۲،ص،۵۲،ومشکوٰۃ المصابیح،کتاب اللباس،باب الترجل، ص،۳۸۰،مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

جزاک اللہ چشمم باز کردی　　مرا باجان جانا ہمراز کردی

یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے میری آنکھیں کھول دیں اور مجھے جان جاناں (رسول اللہ ﷺ) سے ملا دیا (پہنچا دیا)، یعنی یقیناً داڑھی منڈانا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے سید الکونین ﷺ کو زندگی میں تکلیف پہنچتی تھی اور وفات کے بعد بھی تکلیف پہنچے گی۔ جس کا مجھے اس سے قبل اندازہ نہیں تھا، آج آپ نے میری اس طرف رہنمائی کی اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور اسی وقت سے داڑھی رکھ لی۔

داڑھی منڈوانے والا ہر حال میں گناہ گار ہے

مولوی محمد زکریا سہارن پوری نے کہا ہے : مجھے ایسے لوگوں کو دیکھ کر یہ خیال آتا ہے کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں اور اس حالت میں اگر موت واقع ہوئی تو قبر میں سب سے پہلے سید الرسول ﷺ کے چہرہ انور کی زیارت ہوگی تو کس منہ سے چہرہ انور کا سامنا کریں گے؟ اس کے ساتھ ہی بارہا یہ خیال بھی آتا ہے کہ گناہ کبیرہ زنا، لواطت، شراب نوشی، سود خوری وغیرہ تو بہت سے ہیں مگر سب وقتی ہیں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن (الحدیث) یعنی کوئی زنا نہیں کرتا اس حالت میں کہ وہ مؤمن ہو۔ مشائخ نے اس حدیث کا مطلب یہ لکھا ہے کہ زنا کے وقت ایمان کا نور اس سے جدا ہو جاتا ہے لیکن زنا کے بعد وہ نور ایمانی جو ہر وقت اسکے ساتھ رہتا ہے نماز پڑھتا ہے تو بھی یہ گناہ ساتھ ہے روزہ کی حالت میں، حج کی حالت میں غرضیکہ ہر عبادت کے وقت یہ گناہ اس کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ (داڑھی کا وجوب)

گناہ بے لذت

یہ اتنا عظیم گناہ ہونے کے باوجود بالکل بے لذت ہے۔ شراب وغیرہ میں تو وقتی لذت ہے، لیکن داڑھی منڈانے کے گناہِ کبیرہ میں کوئی لذت بھی نہیں ہے، اس میں وقت کا ضیاع ہے حالانکہ مسلمان کا وقت بہت قیمتی ہوتا ہے مسلمان وقت کا کوئی حصہ بیکار ضائع نہیں کرتا ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے وقت کا جو حصہ بغیر یاد الٰہی کے گزر جائے وہ قیامت کے روز حسرت و ندامت کا سبب بنے گا کیونکہ داڑھی منڈانے میں جو وقت ضائع ہو رہا ہے وہ خالص گناہ کے کام میں ضائع ہو رہا ہے۔

اور اس میں مال کو ضائع کرنا ہے اس لئے داڑھی خود مونڈے یا منڈوائے بہر حال مال کا بہت بڑا حصہ اس میں خرچ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اپنے آپ کو تکلیف پہنچاتا ہے، کبھی چمڑا چھیل گیا کبھی کھال کٹ گئی اور طرح طرح کی اپنے جسم کو بھی بلا ضرورت تکلیف پہنچانا یہ ایک مستقل گناہ ہے۔

لہٰذا عقل مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ اس قبیح فعل کو چھوڑ دیا جائے۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ انھکوا الشوارب واعفوا اللحی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : مونچھیں منڈاؤ اور داڑھی بڑھاؤ۔[1]

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ جزوا الشوارب وارخوا اللحی خالفوا المجوس۔[2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم مونچھیں منڈاؤ اور داڑھیاں بڑھنے دو، آتش پرستوں کا خلاف کرو۔

---

[1] (شعب الایمان، ج، ۵، ص، ۲۱۹، رقم ۶۴۳۰: ، دار الکتب العلمیہ بیروت، صحیح بخاری، ج، ۲، ص، ۸۷۵، نور محمد کراچی)

[2] (شعب الایمان، ج، ۵، ص، ۲۱۹، رقم ۶۴۳۲: ، دار الکتب العلمیہ بیروت، صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ، ج، ۱، ۱۲۹، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی، مسند احمد بن حنبل، ج، ۲ ص، ۳۶۲، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

ان روایات کے مثل اور بہت سی روایات کتب حدیث میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مشرکین اور مجوس داڑھی منڈاتے تھے اور مونچھیں بڑھاتے تھے جیسا کہ آجکل عیسائی اور ہندو قوم کر رہی ہے ۔تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے شعار کی حفاظت کریں ،ایک مٹھی کی مقدار داڑھی رکھے،اسکو ہرگز کم نہ کرے اور مونچھوں کو کٹوائے ۔درمختار کتاب الصوم میں ہے کہ

وَأَمَّا الْأَخْذُ مِنْهَا وَهِيَ دُونَ ذَلِكَ كَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ الْمَغَارِبَةِ، وَمُخَنَّثَةُ الرِّجَالِ فَلَمْ يُبِحْهُ أَحَدٌ اهـ مُلَخَّصًا۔

داڑھی کو مٹھی سے کم کرنا جیسا کہ بعض اہل مغرب اور ہیجڑے کرتے ہیں اس کو کسی نے بھی جائز نہیں کہا اور ان کے ساتھ تشبہ حرام ہے ۔[1]

عن عبداللہ عمر قال: ذکر رسول اللہ ﷺ المجوس فقال: انھم یوفون سبالھم ویحلقون لحاھم فخالفوھم۔ قال: فکان ابن عمر یستعرض سبلتہ فیجزھا کما تجز الشاۃ او یجز البعیر۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجوسیوں کا ذکر کیا اور فرمایا : وہ لوگ اپنی مونچھیں بڑھاتے ہیں،اور داڑھیاں منڈواتے ہیں ،تم لوگ ان کی مخالفت کرو،لہٰذا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی مونچھوں کے کناروں کو پکڑتے تھے اور ان کو ایسے مونڈتے تھے جیسے بکری کو مونڈتے ہیں یا اونٹ کو مونڈتے ہیں ۔[2]

ایک مشت سے زائد داڑھی کو کتروانا:

مٹھی سے زیادہ داڑھی کو کتروانا جائز ہے ۔

والقصر سنۃ فیھا وھو ان یقبض الرجل لحیتہ فان زاد منھا علی قبضۃ قطعہ کذا ذکر محمد رحمہ اللہ۔

جب کوئی شخص اپنی داڑھی کو مٹھی میں لے لے اور وہ مٹھی سے زائد (لمبی) ہو تو اس زائد حصے کو کاٹنا جائز ہے اور یہ سنت ہے ۔[3]

داڑھی تینوں جانب سے ایک مٹھی ہو:

ہر جانب سے ایک مٹھی ہونا ضروری ہے یعنی ٹھوڑی کے نیچے سے مٹھی پکڑ کر زائد کو کاٹے اسی طرح دونوں جانب سے بھی مٹھی بھر ہونا ضروری ہے ۔

داڑھی کہاں سے شروع ہوتی ہے.:

کنپٹی کے نیچے جو ہڈی ابھری ہوئی ہے یہاں سے داڑھی شروع ہے اس سے اوپر سر کا حصہ ہے ۔پس سر کی حد تک منڈانا درست ہے ۔داڑھی کی حد سے درست نہیں ۔

داڑھی کے نام کی تحقیق اور چہرہ پر داڑھی کی حدود اربعہ:

داڑھی کو عربی میں ،،اللحیۃ ،،اور پشتو میں گیرہ کہتے ہیں جس کی جمع عربی میں ،،اللحیٰ ،،آتی ہے ۔قرآن وسنت میں داڑھی کے بارے میں ،،اللحیۃ ،،اور جمع کیلئے ،،اللحیٰ ،،کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں،یہ احادیث پہلے ذکر کی جاچکی ہیں ۔(اور ،،اللحیٰ ،،لام پر پیش اور زیر دونوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے ۔قَالَ

---

[1] (درمختار کتاب الصوم،ج ۲ ص ۴۱۸ وفتح القدیر) والتشبہ بھم حرام۔(الطحطاوی)

[2] (رواہ الطبرانی فی الاوسط ،رقم ۱۰۵۱:،وابن حبان ،رقم ۵۴۷۶:،وابونعیم فی الحلیۃ ،ج،۳،ص،۹۴،السنن الکبریٰ للبیہقی ،کتاب الطہارۃ ،ج،۱،ص،۳۱۹،رقم ۶۹۶ :،دارالحدیث القاہرۃ،وشعب الایمان ،ج،۵،ص،۲۲۲،رقم ۶۴۴۸:،دارالکتب العلمیہ بیروت)

[3] (عالمگیری ص ۲۳۹ ج ۴)

يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَ لَا بِرَأْسِي إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ﴿۹۴ سورۃ طٰہٰ﴾

(کہا اے میرے ماں جائے نہ میری داڑھی پکڑو اور نہ میرے سر کے بال مجھے یہ ڈر ہوا کہ تم کہو گے تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور تم نے میری بات کا انتظار نہ کیا۔)،عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ عشر من الفطرة قص الشارب و اعفاء اللحية اھ۔)حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کی سنت ہیں: (۱) مونچھیں (جڑ سے) کاٹنا، (۲) داڑھی بڑھانا، (۳) مسواک کرنا، (۴) ناک میں پانی ڈالنا، (۵) ناخن کاٹنا، (۶) جوڑوں کو دھونا، (۷) بغلوں کے بال نوچنا، (۸) زیرِ ناف بال مونڈنا، (۹) اور پانی سے استنجاء کرنا، (۱۰) مصعب فرماتے ہیں دسویں چیز میں بھول گیا، الا یہ کہ وہ کلی کرنا ہو۔

اور عربی لغت میں ،،لحی،،اور،،لحی،،(یعنی لام کے زبر اور زیر کے ساتھ) منہ کی اس ہڈی یا جبڑے کو کہا جاتا ہے، جس پر دانت اگتے ہیں۔[1]

اور جس ہڈی پر دانت اگتے ہیں، وہ انسانی چہرے میں دو قسم کی ہڈیاں ہیں، ایک اوپر کی ہڈی، جس کو اوپر کا جبڑا بھی کہا جاتا ہے، اور ایک نیچے کی ہڈی، جس کو نیچے کا جبڑا بھی کہا جاتا ہے۔ نیچے کی ہڈی یا جبڑے کو عربی زبان میں ،،الفک الاسفل،،یا،،الفک السفلیٰ،،اور انگریزی میں MANDIBLE کہا جاتا ہے، اور اس کے مقابلے میں اوپر کی ہڈی یا جبڑے کو عربی زبان میں ،،الفک الاعلیٰ ،،یا،،الفک العلوی،، اور انگریزی زبان میں MAXILLA کہا جاتا ہے۔ (کمپوزر ڈاکٹر محمد افضل احمدی سیفی)

کئی احادیث میں منہ کے دونوں جبڑوں یا دانت اگنے والی دونوں ہڈیوں کیلئے ،،لحیین ،،کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

چنانچہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَ مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الجَنَّةَ۔[2]

ترجمہ: جو میرے لئے دونوں جبڑوں کے درمیان کی چیز (یعنی زبان) اور دونوں پاؤں (رانوں) کے درمیان کی چیز (یعنی شرمگاہ کی حفاظت) کی ضمانت دے، تو میں اس کیلئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

اس طرح کی احادیث میں "لحیین" یا "لحییه" کے الفاظ سے منہ میں اوپر نیچے کے دونوں جبڑے یا وہ دونوں ہڈیاں مراد ہیں، جن پر دانت اگتے ہیں۔

(لَحْيَيْهِ) :بِفَتْحِ اللَّامِ مَنْبَتُ الْأَسْنَانِ، أَيْ :مَنْ يَكْفُلُ لِي مُحَافَظَةَ مَا بَيْنَهُمَا مِنَ اللِّسَانِ وَ الْفَمِ عَنْ تَقْبِيحِ الْكَلَامِ وَ أَكْلِ الْحَرَامِ۔

ترجمہ: لام کے زبر کے ساتھ لحییہ کا معنی ہے دانت اگنے کی جگہ (داڑھ) مراد یہ کہ جو مجھے زبان اور منہ کی قبیح کلام اور حرام خوری سے بچانے کی ضمانت دے گا۔[3]

اور اوپر، نیچے کے ان دونوں جبڑوں یا دانت اگنے والی دونوں ہڈیوں کو عربی میں ،،لحیین،، کے علاوہ ،،فکّین،، بھی کہا جاتا ہے، جیسا کہ پہلے

---

[1] (اللحيان :العظمان فيهمامنابت الاسنان(المحيط فى اللغة،مادة ،، لحى،،حرف الحاء)قال الليث:اللحيان العظمان اللذان فيهماالاسنان من كل ذى لحى(تهذيب اللغة،مادة،،لحى،،باب الحاء واللام)اللحيان:العظمان اللذان فيهمامنابت الأسنان من كل ذى لحى،والجميع:ألحٍ واللحامقصور۔واللحاء ممدود:اللحيان:ان دونوں ہڈیوں (جبڑوں) کو کہتے ہیں جن پر دانت نکلتے ہیں۔لیث نے کہا،اللحیان: وہ دو ہڈیاں (جبڑے) ہیں جن پر ہر جبڑے والے کے دانت نکلتے ہیں لحیۃ کی جمع الح،لحیٰ اور لحاۃ ہے۔

(كتاب العين لخليل بن احمد، ج۳ص۲۹۷،۲۹۶،مادة،،لحى،،باب الحاء واللام)

[2] (بخاری، باب حفظ اللسان، ج۸ص۱۰۰)

[3] (مرقاۃ المفاتیح، ج۷باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم)

گزرا۔[1]

اوراسی مناسبت سے اس ہڈی پر اگنے والے بالوں کو عربی زبان میں،،لحیۃ،، اور اردو زبان میں،،داڑھی،،کہا جاتا ہے۔

(وَاللَّحْيُ مَنْبِتُ اللِّحْيَةِ مِنْ الْإِنْسَانِ وَغَيْرِهِ وَالنِّسْبَةُ إلَيْهِ لَحَوِيٌّ، وَهُمَا لِحْيَانِ وَثَلَاثَةُ أَلْحٍ عَلَى أَفْعِلَ إلَّا إنَّهُمْ كَسَرُوا الْحَاءَ لِتَسْلَمَ الْيَاءُ وَالْكَثِيرُ لُحَيٌّ عَلَى فُعُولٍ وَفِي الْمُغْرِبِ اللَّحْيُ الْعَظْمُ الَّذِي عَلَيْهِ الْأَسْنَانُ.اھ

اللحیٰ ،انسان وغیرہ کی داڑھی کے اگنے (نکلنے) کی جگہ کو کہتے ہیں۔جب اس لفظ کی طرف نسبت کریں گے تو''لحوی''(داڑھی والا) کہا جائے گا۔اس کی تثنیہ''لحیان''اور جمع''الح''بروزن ''افعل''آتی ہے؟لیکن علماء نے''حا''کو کسرہ دیا تا کہ''یاء''کے ساتھ مناسبت آجائے۔لفظ''لحیۃ''کی جمع کثرت ''لحیی''بروزن ''فعول''آتی ہے۔''مغرب''(لغت کی کتاب میں ہے کہ ''اللحی''اس کو ہڈی کو کہتے ہیں جس پر دانت نکلتے ہیں۔)[2]

داڑھی اور اس کی مقدار اطباء وحکماء کی نظر میں

اب تک داڑھی کے شرعی پہلو کے اعتبار سے بحث کی گئی ہے،اور اگر طبی پہلو سے غور کیا جائے تو طبی اعتبار سے بھی داڑھی کی افادیت اور اس کے منڈانے کا ضرر اور نقصان طے شدہ ہے۔

چنانچہ قدیم طب میں تو یہ بات پہلے ہی طے شدہ تھی کہ داڑھی مرد کے لئے زینت اور گردن وسینہ کے لئے بڑھی محافظ ہے،مگر بعد کے تحقیق دانوں کی تحقیق سے بھی معلوم ہوا کہ داڑھی صحت کے لئے انتہائی مفید چیز ہے،اور اس کو منڈانے سے صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔

چنانچہ ماہرین کی رائے ہے کہ:

داڑھی کے موجود ہونے سے مضر جراثیم حلق اور سینے میں پہنچنے سے رکے رہتے ہیں۔

اور اس کے برعکس متعدد ماہرین کی رائے کے مطابق داڑھی منڈانے سے مردانہ قوت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

اور اسی وجہ سے ان کا کہنا ہے کہ اگر سات نسلوں تک داڑھی منڈانے کی عادت قائم رہے تو آٹھویں نسل بغیر ڈاڑھی کے پیدا ہوتی ہے۔

داڑھی مونڈنے سے دماغ پر برا اثر پڑتا ہے اور دماغ کمزور ہو جاتا ہے اور دیگر کئی دماغی بیماریاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔

داڑھی منڈانے سے پھیپھڑوں کی متعدد بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

داڑھی کو بار بار مونڈنے سے آنکھوں کی رگوں پر برا اثر پڑتا ہے اور نظر کمزور ہو جاتی ہے۔

اور اگر داڑھی کو ایک مٹھی ہونے کے بعد بھی نہ کاٹا جائے اور اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو داڑھی کے بالوں کا اوپر والا حصہ پتلا ہوتا چلا جاتا ہے جس کے نتیجے میں سر میں اثر پیدا ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے عقل اور دماغ میں فتور اور کمزوری پیدا ہو جاتی ہے۔

حکماء وعقلاء نے بھی داڑھی کے متعلق شریعت کی معتدل تعلیم کو عقل ونظر میں انتہائی اہمیت کا حامل قرار دیا ہے۔

حافظ جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب''اخبار الحمقٰی والمغفلین''میں غیر معتدل،طویل داڑھی کو جو شرعی مقدار سے زائد ہو،حماقت کی علامت میں شمار کیا ہے اور اس سلسلے میں حکماء واہل بصیرت کے اقوال اور احوال پیش فرمائے ہیں۔چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

---

[1](الفکّان):اللحیان(المعرب فی ترتیب المعرب،ص ۳۶۵،باب الفاءمع الکاف)

[2](البحر الرائق شرح کنز الدقائق،باب ارکان الطھارۃ).

و من العلامات التی لا تخطیء طول اللحیة فان صاحبها لا یخلو من الحمق و قد روی انه مکتوب فی التوراة ان اللحیة مخرجها من الدماغ فمن افرط علیه طولها قل دماغه و من قل دماغه قل عقله و من قل عقله کان احمق۔

قال بعض الحکماء سماد اللحیة فمن طالت لحیته کثر حمقه۔[1]

ترجمہ: اور حماقت کی ان علامات میں سے جو کبھی غلط ثابت نہیں ہوسکتیں، ایک علامت داڑھی کا غیر ضروری لمبا ہونا ہے، اس لئے کہ داڑھی کا مخرج دماغ ہے تو جو شخص اس کی لمبائی میں افراط وغلو کرے گا، تو اس کا دماغ کم ہو جائے گا، اور جس کا دماغ کم ہوگا، اس کی عقل کم ہو جائے گی۔ اور جس کی عقل کم ہوگی تو وہ احمق ہوگا۔ بعض حکماء کا قول ہے کہ داڑھی کا لمبا ہونا حماقت ہے، پس جس کی داڑھی جتنی لمبی ہوگی اس کی حماقت اتنی ہی زیادہ ہوگی۔

نیز فرماتے ہیں : **و قال اصحاب الفراسة اذا کان الرجل طویل القامة و اللحیة فاحکم علیه بالحمق و اذا انصاف الی ذٰلک ان یکون رأسه صغیرا فلا تشک فیه۔**

و قال بعض الحکماء موضع العقل الدماغ و طریق الروح الانف و معضع الرعونة طویل اللحیة۔

و عن سعد بن منصور انه قال قلت لابن ادریس أرأیت سلام بن ابی حفصة قال نعم رأیته طویل اللحیة و کان احمق۔

و عن ابن سیرین انه قال اذا رأیت الرجل طویل اللحیة لم فاعلم ذالک فی عقله۔

قال زیاد ابن ربیة ما زادت لحیة رجل علی قبضته الا کان ما زاد فیها نقصا من عقله۔

ترجمہ: اور اصحاب فراست کا قول ہے کہ جب آدمی کا قد لمبا ہو اور اس کی داڑھی بھی لمبی ہو تو اس پر احمق ہونے کا حکم لگا دو، اور اگر اس کے ساتھ اس کا سر بھی چھوٹا ہو تو اس کی حماقت میں کوئی شک نہیں۔

اور بعض حکماء کا قول ہے کہ عقل کی جگہ دماغ ہے اور روح کا راستہ ناک ہے، اور بے وقوفی کی جگہ لمبی داڑھی ہے۔

اور سعد بن منصور سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے ابن ادریس کو کہا کیا تم نے سلام بن ابی حفصہ کو دیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا جی ہاں میں نے اس کو لمبی داڑھی والا دیکھا تھا اور وہ احمق تھا۔

اور حضرت ابن سیرین سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب تم کسی لمبی داڑھی والے کو دیکھو تو آپ یہ بات جان لو کہ اس کی عقل میں کچھ کمی ہے۔

اور زیاد بن ربیہ نے فرمایا کہ جس آدمی کی بھی داڑھی ایک مٹھی سے زیادہ ہو جائے وہ جتنی بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے اتنا ہی اس کی عقل کو کم کرتی جاتی ہے۔

اس بحث کا خلاصہ

مذکورہ حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ شریعت نے داڑھی رکھنے کا جو حکم دیا ہے اور اس میں کم از کم ایک مٹھی کی مقدار کو مقرر کر دیا ہے اور اس سے زیادہ کو ضروری یا سنت قرار نہیں دیا۔ یہ شریعت کا معتدل حکم ہر قسم کی افراط تفریط سے پاک اور طب وحکمت کے اصولوں کے بھی عین مطابق ہے۔ اور جس طرح داڑھی منڈانا طب وحکمت کے اعتبار سے نقصان دہ اور مضر ہے اسی طرح اسے ایک مٹھی کے بعد لمبا چھوڑے رکھنا بھی عقلی وطبی اصولوں

---

[1] (اخبار الحمقی والمغفلین لابن الجوزی، ص ۳۱، الباب الخامس فی ذکر صفات الاحمق)

کے خلاف ہے۔

اور اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اعتدال ہر چیز میں مفید اور نفع بخش ہوتا ہے اور افراط وتفریط مضر ونقصان دہ ہوتی ہے۔ بحمد اللہ یہی حکم داڑھی کے بارے میں بھی کارفرما ہے۔

رخسار کے بالوں کا حکم:

جبڑے کی ہڈی پر جو بال ہوں وہ داڑھی میں شامل ہیں ان کو چھوڑ کر جبڑے کی ہڈی کے اوپر جہاں سے رخسار شروع ہوتا ہے ان کو برابر کر دینا خط بنوانا درست ہے۔ کیونکہ رخسار کے بال داڑھی کے حکم میں نہیں ہیں۔

کمافی بحر الرائق: قال: وَظَاهِرُ كَلَامِهِمْ أَنَّ الْمُرَادَ بِاللِّحْيَةِ الشَّعْرُ النَّابِتُ عَلَى الْخَدَّيْنِ مِنْ عِذَارٍ وَعَارِضٍ وَالذَّقَنِ وَفِي شَرْحِ الْإِرْشَادِ اللِّحْيَةُ الشَّعْرُ النَّابِتُ بِمُجْتَمَعِ اللَّحْيَيْنِ وَالْعَارِضِ مَا بَيْنَهُمَا وَبَيْنَ الْعِذَارِ وَهُوَ الْقَدْرُ الْمُحَاذِي لِلْأُذُنِ يَتَّصِلُ مِنْ الْأَعْلَى بِالصُّدْغِ وَمِنْ الْأَسْفَلِ بِالْعَارِضِ.[1]

قال ابن منظور فی لسان العرب قال ابن سیدہ اللحیۃ اسم یجمع من الشعر ما نبت علی الخدین والذقن وقال فی تاج العروس والقاموس اللحیۃ ما نبت علی الخدین والذقن وھی اسم لما نبت من شعر العارضین والذقن۔ الخد ھو ما یبدأ من انف الانسان من الیمین والشمال الی جانب العارضی الوجہ۔ (العارض قال فی مجمع البحار وفی النھایۃ العارض من اللحیۃ ما ینبت علی عرض اللحیۃ فوق الذقن وقال فی مجمع البحار ایضاً جانبی الوجہ فوق الذقن الی ماتحت الاذن تسمیٰ العارضین) (الذقن قال فی القاموس وفی لسان العرب الذقن مجمع اللحیین من اسفلھما وقال ابو عبیدۃ الذقن مجمع اطراف اللحیۃ وقال فی تاج العروس الذقن ما ینبت علی مجمع اللحیین من الشعر) (الحنک قال فی تاج العروس الحنک ھو الاسفل من طرف مقدم اللحیین من اسفلھما وقال النووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اما شعر العارضین ففیہ وجھان الصحیح الذی قطع بہ الجمھور ان لہ حکم اللحیۃ) (وقال الشیخ احمد الدھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حد اللحیۃ طولا من الانفقۃ ائ من الشعر النابت علی الشفۃ السفلیٰ مع شعر الذقن الی اشعر النابت تحت الذقن وعرضاً من شعر الخدین وھما العارضان ای من جانبہ الوجہ مع شعر الصدغین الی ماتحت الحنک الاسفل من الشعر ھذا کلہ لحیۃ۔

ابن منظور نے لسان العرب میں کہا ہے کہ ابن سید نے کہا کہ ''لحیۃ'' ان بالوں کے مجموعے کو کہتے ہیں کہ رخسار اور ٹھوڑی پر اگتے ہیں۔ تاج العروس اور قاموس میں ہے کہ ''لحیۃ'' رخسار اور ٹھوڑی کے بالوں کو کہتے ہیں۔ رخسار سے مراد چہرے کا وہ حصہ ہے جو ناک کے دائیں بائیں سے لے ٹھوڑی سے اوپر تک ہوتا ہے اور ٹھوڑی کے بارے میں قاموس اور لسان العرب میں ہے کہ جہاں پر دونوں جبڑے نیچے کی طرف ملتے ہیں ابو عبیدہ نے کہا کہ ٹھوڑی، داڑھی کے اطراف کے جمع ہونے کی جگہ ہے تاج العروس میں ہے کہ ٹھوڑی اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پر دونوں جبڑوں کے بال مل کر اگتے ہیں اسی کو حنک بھی کہتے ہیں۔[2]

حلق کے بالوں کا حکم:

حلق کے بالوں کو کاٹنا یا منڈانا مکروہ ہے۔

وفی الشامیۃ: قال: وَلَا يَحْلِقُ شَعْرَ حَلْقِهِ، وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ لَا بَأْسَ بِهِ ط

---

[1] (بحر الرائق ص ۲۶۱ ج ۱)

[2] (شمس الضحیٰ فی احکام الشعر واللحیٰ ص ۹۰)

حلق کے بالوں کو نہیں منڈوایا جائے گا اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس کے دور کرنے میں کوئی حرج نہیں۔[1]

ریش بچہ کا حکم:

ریش بچہ تو داڑھی کا حصہ ہے اس کا حکم داڑھی کا حکم ہے۔ بچی کے دونوں جانب لب زیریں کے بال منڈوانے کو فقہاء نے بدعت لکھا ہے۔

وفی الشامیۃ قال: نَتْفُ الْفَنْبَكَيْنِ بِدْعَةٌ وَهُمَا جَانِبَا الْعَنْفَقَةِ وَهِيَ شَعْرُ الشَّفَةِ السُّفْلَى كَذَا فِي الْغَرَائِبِ۔

فنبکین یعنی بچی کے اردگرد کے حصے کے بال اکھاڑنا بدعت ہے۔[2]

سفید بال اکھاڑنے کا حکم:

ایک دو سفید بال بغیر نیت زینت اکھاڑنے کی گنجائش ہے، یعنی اسکی عادت نہ بنائے کہ جب بھی کوئی بال سفید نظر آئے اسکو اکھاڑ دیا جائے۔ کیونکہ حدیث میں سفید بال کو مومن کیلئے نور قرار دیا ہے۔

عَن عَمْرو بن شُعَيْب عَن أَبِيه عَن جده قَالَ قَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم لَا تنتفوا الشيب فَإِنَّهُ مَا من مُسلم يشيب شيبَة فِي الْإِسْلَام إِلَّا كَانَت لَهُ نورا يَوْم الْقِيَامَة۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ سفید بال نہ اکھاڑو کیونکہ جو بندہ حالت اسلام میں سفید ریش ہو جائے تو وہ سفیدی اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگا۔[3]

لا تنتفوا الشيب فإنه نور المسلم يوم القيامة۔

سفید بال نہ اکھاڑو کیونکہ یہ قیامت کے دن مسلمان کا نور ہوگا۔[4]

وفی الشامیۃ قال: وَلَا بَأْسَ بِنَتْفِ الشَّيْبِ، سفید بال اکھاڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[5]

کٹے ہوئے بالوں کا حکم:

کٹے ہوئے بال ہوں یا ناخن یا جسم کا کوئی اور حصہ ان کو دفن کر دینا چاہئے۔ اور اگر دفن نہ کرے بلکہ کسی محفوظ جگہ ڈال دے تو یہ بھی جائز ہے۔ مگر نجس اور گندی جگہ نہ ڈالے۔ اس سے بیماری کا اندیشہ ہے۔ اور انسانی اعضاء کے احترام کے بھی خلاف ہے۔

وفی الشامیۃ قال: فَإِذَا قَلَّمَ أَظْفَارَهُ أَوْ جَزَّ شَعْرَهُ يَنْبَغِي أَنْ يَدْفِنَهُ فَإِنْ رَمَى بِهِ فَلَا بَأْسَ وَإِنْ أَلْقَاهُ فِي الْكَنِيفِ أَوْ فِي الْمُغْتَسَلِ كُرِهَ لِأَنَّهُ يُورِثُ دَاءً۔

کٹے ہوئے سر کے بال ہوں یا کسی اور جگہ کے اور ناخن وغیرہ مرد و عورت دونوں کے لئے مناسب اور بہتر یہی ہے کہ ان کو گھر یا دوسری جگہ کے ایک کونے میں دفن کر دے اور اگر ایسی جگہ پھینک دے کہ جہاں لوگوں کی آمد و رفت نہ ہو تو بھی کوئی حرج نہیں لیکن بالوں اور ناخنوں کو غسل خانے، گندگی کے ڈھیر یا نالے یا ویسے ادھر ادھر پھینکنا اعضائے انسانی کی توہین ہے جو کہ شرعاً جائز نہیں نیز فقہ کی کتابوں میں اسے بیماری پیدا

---

[1] (شامی ص ۲۸۸ ج ۵ کتاب الحضر والاباحۃ)

[2] (شامی ص ۴۰۷ ج ۶ کتاب الحضر والاباحۃ)

[3] (الترغیب والترھیب ص ۱۸۳ ج ۴)

[4] (حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب جمعۃ ج ۱ ص ۵۲۶)

[5] (شامی ص ۴۰۷ ج ۶ کتاب الحضر والاباحۃ)

ہونے کا سبب اور مکروہ کہا گیا۔[1]

داڑھی کو برا سمجھنا:

کسی ادنیٰ سے ادنیٰ سنت اور مستحب کو برا سمجھنا یا اس کا مذاق اڑانا درحقیقت اسلام اور حضور ﷺ کے ساتھ استہزاء ہے، جس کے کفر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔اس وجہ سے صاحب عصام نے فرمایا:

وَ استقباح ماجعل اللہ مندوبا ایضاً کفر۔ یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مندوب ﴿جائز و مستحب﴾ قرار دیا ہو اس کو برا کہنا بھی کفر ہے۔[2]

جب سنت اور مستحب کا مذاق اڑانا کفر ہے تو داڑھی تو واجب ہے، اور شعار اسلام ہے ایک مشت سے کم کرنا بالاجماع حرام ہے اسکا مذاق اڑانا بطریق اولیٰ کفر ہے۔

شرح عقائد میں ہے کہ

الاستهانة والاستهزاء على الشريعة كفر۔(ص ۱۲۰)

شرح مواقف میں ہے کہ شریعت کی اہانت اور مذاق اڑانا کفر ہے۔

(وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِي) أَيِ :الْمُعْرِضُ عَنْهَا بِالْكُلِّيَةِ، أَوْ بَعْضِهَا اسْتِخْفَافًا وَقِلَّةَ مُبَالَاةٍ كَافِرٌ وَمَلْعُونٌ، وَتَارِكُهَا تَهَاوُنًا، وَتَكَاسُلًا لَا عَنِ اسْتِخْفَافٍ عَاصٍ۔

میری سنت کا تارک یعنی اس سے مکمل یا بعض سنتوں سے اعراض کرنے والا بنیت اہانت و بے حیثیت سمجھنے والا کافر اور ملعون ہے اور بغیر اہانت کے سستی سے سنت کو ترک کرنے والا گناہگار ہے۔[3]

فی العلانیة قال: وَأَمَّا الْأَخْذُ مِنْهَا وَهِيَ دُونَ ذَلِكَ كَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ الْمَغَارِبَةِ، وَمُخَنَّثَةُ الرِّجَالِ فَلَمْ يُبِحْهُ أَحَدٌ اهـ مُلَخَّصًا۔

داڑھی کو مٹھی سے کم کرنا جیسا کہ بعض اہل مغرب اور ہیجڑے کرتے ہیں اس کو کسی نے بھی جائز نہیں کہا اور ان کے ساتھ تشبہ حرام ہے۔[4]

اسے دوبارہ مسلمان کر کے نکاح بھی دوبارہ کیا جائے۔

داڑھی منڈانے کی تاریخ:

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے یہ عمل قوم لوط سے شروع ہوا۔اغلب یہی ہے کہ وہ امرد پرست تھے۔غالباً جب ان کے مردوں کی داڑھیاں آجاتی تھیں تو امرد ہی رہنے کی غرض سے وہ داڑھی منڈوایا کرتے تھے۔چنانچہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ،،دس برے کاموں کی وجہ سے قوم لوط ہلاک کی گئی ہے جن میں سے ایک لواطت ہے اور شراب پینا اور داڑھی منڈوانا اور مونچھیں بڑھانا بھی ہے۔[5]

اس آیہ کریمہ سے نیچے

وَلُوطًا آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبَائِثَ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَاسِقِينَ ﴿۷۴ الانبیاء﴾

---

[1] (ص ۲۸۷ ج ۱ مکتبہ ماجدیة)

[2] (حاشیہ بیضاوی ص ۴۸ ج ۱، مفتاح السلوک ص ۴۳۱)

[3] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح باب الایمان بالقدر، ج ۱ ص ۱۸۴)

[4] (درمختار کتاب الصوم، ج ۲ ص ۴۱۸ وفتح القدیر)

[5] (درمنثور ص ۲۲۴ ج ۴، روح المعانی ص ۶۴ ج ۱۷)

اور لوط کو ہم نے حکمت، فیصلہ کرنے کی صلاحیت اور علم دیا اور اسے اس بستی سے نجات بخشی جو گندے کام کرتی تھی بیشک وہ بُرے لوگ بے حکم تھے۔

تاریخ میں داڑھی منڈانے کا ابتدائی ثبوت تو شیطان لعین کے اس چیلنج سے ملتا ہے جو لعین نے اللہ تعالیٰ کو دیا تھا۔

لَعَنَهُ اللّٰهُ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا (۱۱۸) وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ﴿النساء ۱۱۹﴾

جس پر اللہ نے لعنت کی اور بولا قسم ہے میں ضرور تیرے بندوں میں سے کچھ ٹھرایا ہوا حصہ لوں گا قسم ہے میں ضرور بہکا دوں گا اور ضرور انہیں آرزوئیں دلاؤں گا اور ضرور انہیں کہوں گا کہ وہ چوپایوں کے کان چیریں گے اور ضرور انہیں کہوں گا کہ وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں بدل دیں گے۔

مفسرین کرام نے فلیغیرن خلق اللہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ داڑھی منڈوانا بھی تغییر خلق اللہ ہے، یعنی اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں ﴿شکلوں﴾ کو بگاڑنا ہے۔ تو ثابت ہوگیا کہ جو لوگ داڑھی منڈاتے ہیں وہ شیطان کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ اور شیطان ان کو اپنے بندے اور اپنا حصہ مقررہ سمجھتا ہے شیطان لعین کے اس چیلنج کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے بھی اعلان فرمادیا کہ

وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُبِينًا ﴿۱۱۹﴾

اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے وہ صریح ٹوٹے میں پڑا۔

پس کتنے افسوس کی بات ہے کہ کوئی مسلمان داڑھی منڈا کر خدا تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے شیطان کے حکم کی تعمیل کر کے اس کے حصے میں چلا جائے اور خسران مبین اٹھائے۔ (پناہ بخدا)

داڑھی میں گرہ لگانا:

عن رويفع بن ثابت رضی اللہ عنہ قَالَ :قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَا رُوَيْفِعُ لَعَلَّ الْحَيَاةَ سَتَطُولُ بِكَ بَعْدِي، فَأَخْبِرِ النَّاسَ أَنَّهُ مَنْ عَقَدَ لِحْيَتَهُ، أَوْ تَقَلَّدَ وَتَرًا، أَوْ اسْتَنْجَى بِرَجِيعِ دَابَّةٍ، أَوْ عَظْمٍ فَإِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ بَرِيءٌ۔

روایت ہے حضرت رویفع بن ثابت سے فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے رویفع شاید میرے بعد تمہاری زندگی لمبی ہوگی تو لوگوں کو خبر دے دینا کہ جو اپنی داڑھی میں گرہ لگائے یا تانت ﴿دھاگہ﴾ باندھے یا کسی جانور کی پلیدی یا ہڈی سے استنجاء کرے تو حضور انور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بیزار ہیں۔ [1]

تو معلوم ہوا کہ داڑھی لٹکانے کے بجائے اوپر چڑھانا یا اس پر گرہ لگانا بڑا گناہ ہے اس کو اپنی اصلی حالت پر چھوڑنا چاہئے۔

ملازمت کی خاطر داڑھی منڈانا:

ملازمت کرنا یا کسی اور ذریعۂ معاش کو اختیار کرنا شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں بلکہ شریعت مطہرہ نے اسکا حکم دیا ہے کہ انسان فرائض کی ادائیگی کے بعد کوئی بھی حلال ذریعہ معاش اختیار کرے۔ لیکن معاش کی خاطر شریعت مطہرہ کے کسی حکم کو چھوڑنا، حرام کا ارتکاب کرنا شرعاً اسکی قطعاً اجازت نہیں۔ داڑھی رکھنا شرعاً واجب اسکا منڈانا، مٹھی سے کم کرنا حرام ہے۔ لہٰذا ملازمت کی خاطر داڑھی منڈانے یا کٹانے کی شرعاً ہرگز اجازت نہیں۔ اگر اسکے بغیر ملازمت نہ مل رہی ہو تو تب بھی داڑھی منڈانے کے جرم عظیم کا ارتکاب نہ کریں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اسی سے دعا مانگتے رہیں اور فراخیٔ رزق کا انتظار کریں۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا (۲) وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ۔

اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے نجات کی راہ نکال دے گا۔ اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسہ

---

[1] (ابوداؤد)

کرے تو وہ اسے کافی ہے۔(الطلاق ۲-۳)

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

وَلَا يَحْمِلَنَّكُمُ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ عَلَى أَنْ تَطْلُبُوهُ بِمَعَاصِي اللَّهِ۔[1]

یعنی تمہیں رزق دیر سے ملنا اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے ذریعہ رزق طلب کرنے لگو۔

ہدایت الابرار میں ہے کہ فاخذالاجرة لحلق اللحية او لقصها دون القبضة حرام وخبث۔(ص ۴۴)

وفی تنویر الایمان فی اتباع مذهب نعمان قال ﷺ من قصر او حلق لحيته فهو ملعون ومردود فی الدنيا والآخرة واذا كانت زائدة عن القبضة فلابأس بتقصيرها وعن الطحاوی من شرب الخمر ثم تاب ولكن حلق اللحيته او قصها دون القبضة يقال له تارک ولايقال له تائب وتوبته ناقصة واخذالاجرة لحلق اللحية او لقصها دون القبضة حرام وخبيث وحلق اللحية وقصها دون القبضة وحلق المرأة رأسها كلها حرام۔

ترجمہ: ایک مٹھی سے کم داڑھی کاٹنے یا بالکل منڈوانے کی اجرت حرام اور ناپاک ہے۔

تنویر الایمان نامی کتاب میں ہے کہ جو شخص داڑھی منڈوائے یا ایک مٹھی سے کم کرے تو دنیا اور آخرت میں ملعون ومردود ہے اور اگر داڑھی مٹھی سے زیادہ ہو تو اس اضافی بال کے کاٹنے میں کوئی حرج نہیں۔طحاوی میں ہے کہ جو شخص شراب پیتا ہے اور پھر توبہ کرتا ہے تو اس کو توبہ کرنے والا کہا جاتا ہے لیکن جو داڑھی منڈواتا ہے یا مشت سے کم کرتا ہے اور پھر اس سے رک جاتا ہے تو اس کو چھوڑنے والا کہا جاتا ہے مگر توبہ کرنے والا نہیں کہا جاتا اور اس کی توبہ ناقص ہے۔داڑھی منڈوانے یا مشت سے کم کرنے کی اجرت حرام وناپاک ہے، داڑھی منڈوانا یا مشت سے کم کرنا یا عورت کا اپنے سر کو منڈوانا حرام ہے۔(ص ۳۴۶)

لہٰذا داڑھی کی کٹائی پر اجرت لینے اور دینے والا دونوں گناہگار ہیں۔اور مسرفین میں داخل ہیں اللہ جل شانہ شیطان کو کہتا ہے۔

وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ (الاسریٰ ۶۴) اور ان کا ساتھی ہو مالوں میں۔

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ هو امرهم به من انفاق الاموال فی معاص الله تعالیٰ ابن کثیر (ص ۶۹ ج ۳) یعنی شیطان اسے حکم کرتا ہے کہ ناجائز کاموں میں پیسہ خرچ کردو۔

داڑھی کٹانے والا شفاعت سے محروم ہے:

مَنْ تَرَكَ سُنَّتِي لَمْ يَنَلْ شَفَاعَتِي[2]

ترجمہ: دوسری حدیث میں ہے

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى) قِيلَ :وَمَنْ أَبَى؟قَالَ :(مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى. رَوَاهُ الْبُخَارِيّ

روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ منکر کے سوا میری ساری امت جنت میں جائے گی عرض کیا گیا منکر کون ہے؟ فرمایا جس نے میری فرمانبرداری کی بہشت میں گیا اور جس نے میری نافرمانی کی تو یقیناً وہ منکر ہوا۔(بخاری)

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبة ج ۷ ص ۷۹)

[2] (الشامية ج ۶ ص ۳۳۷)

داڑھی منڈوانے والے پر سلام کرنا:

قال العلامة علاؤ الدين صاحب الخازن المسألة الرابعة في الأحوال التي يكره السلام فيها :فمن ذلك الذي يبول أو يتغوط أو يجامع ونحو ذلك لا يسلم عليه فلو سلم فلا يستحق المسلّم جوابا لما روي عن ابن عمر :أن رجلا مر ورسول الله صلّى الله عليه وسلّم يبول فسلم عليه فلم يرد عليه« أخرجه مسلم قال الترمذي إنما يكره إذا كان على الغائط أو البول ويكره التسليم على من في الحمام وقيل إن كانوا متزرين بالميآزر سلم عليهم وإلّا فلا، ويكره التسليم على النائم والناعس والمصلي والمؤذن والتالي في حال الصلاة والأذان والتلاوة ويكره الابتداء بالسلام في حال الخطبة لأن الجالسين مأمورون بالإنصات للخطبة ويكره أن يبدأ المبتدع بالتسليم عليه وكذلك المعلن بفسق وكذلك الظلمة ونحوهم فلا يسلم على هؤلاء.

ترجمہ: علامہ خازن چوتھے مسئلے میں ان حالات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ جن میں سلام کرنا مکروہ ہے۔وہ یہ ہیں جو شخص بول و براز (پیشاب و پاخانہ کرنے) میں مشغول ہو یا ہمبستری کر رہا ہو تو اس پر سلام نہ کرے، اگر کوئی سلام کرے گا تو جواب کا مستحق نہیں ہے جیسے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس سے گزرا اور سلام کیا جبکہ آپ ﷺ مبارک پیشاب فرما رہے تھے تو آپ ﷺ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو شخص بول و براز میں مصروف ہو تو اس پر سلام کرنا مکروہ ہے اس طرح جو شخص نہا رہا ہو تو بھی اس پر سلام کرنا مکروہ ہے۔ہاں اگر اس نے ستر عورت کیا ہوا تو پھر جائز ہے۔سوتے ہوئے شخص کو، اونگھنے والے، نمازی، مؤذن اور تلاوت کرنے والے پر ان ہی حالات میں مصروف ہوتے وقت سلام کرنا مکروہ ہے، خطبہ سننے والے پر سلام کرنا مکروہ ہے کیونکہ وہ لوگ خطبہ سننے پر مامور ہیں، بدعتی پر سلام میں پہل کرنا مکروہ ہے اسی طرح علی الاعلان فسق و فجور کرنے والے اور ظالموں پر سلام نہیں کیا جائے گا۔[1]

عن ام عاش قالت كان رسول الله ﷺ يحفى شاربه۔

حضرت ام عاش رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی مونچھوں کو مونڈتے تھے۔[2]

عن عثمان بن عبيدالله بن ابى رافع انه راى ابا سعيد الخدرى و جابر بن عبدالله و عبدالله بن عمر و سلمة بن الاكوع وابا اسيد البدرى و رافع بن خديج و انس بن مالك :ياخذون من الشوارب كاخذ الحلق ويعفون اللحى وينتفون الآباط، و فى رواية : ويقصون الاظفار۔

حضرت عثمان بن عبید اللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ابوسعید خدری، جابر بن عبداللہ، عبداللہ بن عمر، سلمہ بن اکوع، ابو اسید بدری، رافع بن خدیج اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ :مونچھیں مونڈنے کی طرح جڑ سے ختم کرتے تھے اور داڑھی بڑھاتے تھے اور بغلوں کے بال صاف کرتے تھے۔ایک روایت میں ہے کہ :ناخنوں کو کاٹتے تھے۔[3]

عن عبدالله بن بسر قال رايت رسول الله ﷺ يطرّ شاربه طرّا۔

---

[1] (تفسیر خازن سورۃ النساء آیت ۸۸، ج ۱ ص ۴۰۶)

[2] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب اللباس باب ماجاء فی الشارب واللحیۃ، ج ۵، ص ۱۶۹، مؤسسۃ المعارف بیروت)

[3] (رواہ الطبرانی فی معجم الکبیر، ج ۱، ص ۲۸۹، رقم ۶۶۸: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب اللباس باب ماجاء فی الشارب واللحیۃ، ج ۵، ص ۱۶۹، مؤسسۃ المعارف بیروت)

حضرت عبداللہ بسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا: آپ اپنی مونچھوں کو خوب کاٹتے تھے۔[1]

قال رسول اللہ ﷺ: طرّوا الشوارب طرّا۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مونچھوں کو خوب کاٹو۔[2]

عن رجل من بنی غفار ان النبی ﷺ قال: من لم یحلق عانتہ ویقلم اظفارہ ویجز شاربہ فلیس منا۔

بنی غفار کے ایک شخص ص سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے زیر ناف بال نہ مونڈے اور اپنے ناخن نہ کاٹے اور اپنی مونچھیں نہ مونڈے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔[3]

عن ابن عمر عن النبی ﷺ انہ امر باحفاء الشوارب واعفاء اللحیۃ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مونچھوں کو مونڈنے اور داڑھی کے بڑھانے کا حکم دیا۔[4]

{ لمبی مونچھیں رکھنا مجوسیوں کا دین ہے

عن عبیداللہ بن عتبۃ قال: جاء رجل من المجوس الی رسول اللہ ﷺ وحلق لحیتہ واطال شاربہ فقال لہ النبی ﷺ ما ھٰذا؟ قال: ھٰذا فی دیننا، قال: فی دیننا ان نجز الشارب وان نعفی اللحیۃ۔

حضرت عبیداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک مجوسی آیا اس حال میں کہ اس نے داڑھی منڈائی ہوئی تھی اور مونچھیں لمبی رکھی ہوئی تھیں، نبی کریم ﷺ اس سے ارشاد فرمایا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا یہ ہمارے دین میں ہے! آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمارے دین میں یہ ہے کہ ہم مونچھیں منڈائیں اور داڑھی بڑھائیں۔[5]

عن ابن عباس قال: اخذ الشارب من الدین۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مونچھیں کٹوانا دین میں سے ہے۔[6]

عن مغیرۃ شعبۃ ان رسول اللہ ﷺ رأی رجلا طویل الشارب فدعا بسواک وشفرۃ فقص شارب علی عود السواک۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لمبی مونچھوں والے ایک شخص کو دیکھا تو آپ ﷺ نے ایک مسواک اور چھری منگوائی پھر مسواک کی لکڑی پر (رکھ کر) مونچھوں کو کاٹا۔[7]

محمد بن عبید اللہ عن المغیرۃ بن شعبۃ ان رجلا اتی النبی ﷺ طویل الشارب فدعا النبی ﷺ بسواک ثم دعا بشفرۃ

---

[1] (رواہ الطبرانی فی مسند الشامیین، رقم ۱۰۲۶: ،الاحادیث المختارہ، رقم ۲۹۲۹: فوائد تمام، ج، ۳، ص، ۴۷، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب اللباس باب ماجاء فی الشارب واللحیۃ، ج، ۵، ص، ۱۷۰، مؤسسۃ المعارف بیروت،)

[2] (قوت القلوب، الفصل السادس والثلاثون فی فضائل اھل السنت والطریقۃ، ج، ۲، ص، ۲۴۱، دار الکتبا لعلمیہ بیروت، اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء العلوم الدین، کتاب اسرار الطہارۃ، القسم الثالث، ج، ۲، ص، ۶۵۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[3] (رواہ احمد فی المسند، ج، ۵، ص، ۴۱۰، وزوائد المسند، رقم ۲۳۰۳: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، کتاب اللباس باب ماجاء فی الشارب واللحیۃ، ج، ۵، ص، ۱۷۰، مؤسسۃ المعارف بیروت)

[4] (صحیح مسلم، ج، ۱، ص، ۱۲۹، نور محمد کراچی، سنن ابو داؤد، کتاب الترجل، باب فی اخذ الشارب ج، ۲، ص، ۵۷۷، میر محمد کتب خانہ کراچی، صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ، ج، ۱، ص، ۱۲۹، قدیمی کتب خانہ کراچی، جامع ترمذی، ابواب الاد، باب ماجاء فی اعفاء اللحیۃ، ۲، ص، ۱۰۰، آفتاب عالم پریس لاہور، وص، ۳۹۴، نور محمد کراچی، مؤطا امام مالک، ص، ۷۲۱، مجتبائی لاہور)

[5] (مصنف ابن ابی شیبہ، ج، ۸، ص، ۳۷۹، ادارۃ القرآن کراچی)

[6] (شعب الایمان، ج، ۵، ص، ۲۲۴، رقم ۶۴۵۲: دار الکتب العلمیہ بیروت)

[7] (شرح معانی الآثار، کتاب الکراھۃ، ج، ۲، ص، ۳۰۷، مکتبہ حقانیہ ملتان)

فقص شارب الرجل علی سواک۔

حضرت محمد بن عبید اللہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک لمبی مونچھوں والا آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو نبی اکرم ﷺ نے مسواک منگوائی پھر چھری منگوا کر اس آدمی کی مونچھوں کو مسواک پر رکھ کر کاٹا۔[1]

عن المغیرۃ بن شعبۃ قال اخذ رسول اللہ ﷺ من شاربی علی سواک۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے میری مونچھوں کو مسواک پر رکھ کر کاٹا۔[2]

مشرکین مونچھیں بڑھاتے ہیں

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ: ان اھل الشرک یعفون شوار بھم ویحفون لحاھم فخالفوھم فاعفوا اللحی واحفوا الشوارب۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : مشرکین مونچھیں بڑھاتے ہیں اور داڑھیاں منڈواتے ہیں، سو تم ان کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں منڈاؤ۔[3]

عن ابن عباس قال لما فتح رسول اللہ ﷺ مکۃ قال: ان اللہ ورسولہ حرم شرب الخمر وثمنھا وقال وقصوا الشوارب واعفوا اللحی ولا تمشوا فی الاسواق الا وعلیکم الازر انہ لیس منا من عمل بسنۃ غیرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو ارشاد فرمایا : اللہ اور اس کے رسول نے شراب پینے اور اس کی قیمت لینے کو حرام کر دیا اور ارشاد فرمایا : مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں بڑھاؤ اور بغیر تہبند پہنے بازاروں میں مت چلو، کیونکہ جو شخص ہمارے غیر کے طریقہ پر عمل کرے گا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔[4]

فائدہ : یہ حدیث حسن درجے میں داخل ہو کر معتبر ہے۔ کیونکہ مونچھیں بڑھانا اور داڑھی منڈوانا غیروں کا طریقہ ہے۔ جیسا کہ آگے احادیث میں تفصیل کے ساتھ آئے گا۔ اس لئے جو شخص مونچھیں بڑھائے یا داڑھی کٹائے تو اس کے لئے وعید ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کو اپنی جماعت سے باہر کا شخص قرار فرمایا جو کہ ان دونوں گناہوں پر بہت سخت وعید ہے۔

عن یحییٰ ابن کثیر قال اتی رجل من العجم المسجد وقد وفر شاربہ وجز لحیتہ، فقال لہ رسول اللہ ﷺ ما حملک علی ھذا؟ فقال ان ربی امرنی بھذا، فقال لہ رسول اللہ ﷺ: ان اللہ تعالٰی امرنی ان اوفر لحیتی واحفی شاربی۔

حضرت یحییٰ ابن کثیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عجمی شخص مسجد میں آیا اور اس نے اپنی مونچھیں بہت زیادہ بڑھا رکھی تھیں اور داڑھی کٹوائی ہوئی تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا تمہیں ایسا کرنے کا کس نے کہا ہے؟ تو اس نے کہا کہ میرے آقا نے مجھے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنی داڑھی کو بڑھاؤں اور اپنی مونچھوں کو منڈاؤں۔[5]

---

[1] (شعب الایمان، ج ۵، ۲۲۲، رقم ۲۴۴۶ : ، دار الکتب العلمیہ بیروت، شرح معانی الآثار، کتاب الکراھۃ، ج ۲، ص ۳۰۷، مکتبہ حقانیہ ملتان)

[2] (شعب الایمان، ج ۵، ص ۲۲۰، رقم ۶۴۴۷: ، شرح معانی الآثار، کتاب الکراھۃ، ج ۲، ص ۳۰۷، مکتبہ حقانیہ ملتان)

[3] (رواہ الطبرانی، کشف الاستار، کتاب الزینۃ، رقم ۲۷۹۸: ، مجمع الزوائد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی الشارب واللحیۃ، ج ۵، ص ۱۶۹، موسسۃ المعارف بیروت)

[4] (طبرانی فی الاوسط، رقم ۹۴۲۴ : ، مجمع الزوائد، کتاب اللباس، باب ماجاء فی الشارب واللحیۃ، ج ۵، ص ۱۶۹، ۱۷۰، موسسۃ المعارف بیروت)

[5] (مسند الحارث، کتاب اللباس والزینۃ، باب ماجاء فی الاخذ من الشعر، رقم الحدیث ۵۸۳: ، المطالب العالیہ: رقم ۲۳۰۸:)

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ انا آل محمد نعفی لحانا و نحفی شاربنا و ان آل کسریٰ یحلقون لحاھم و یعفون شوار بھم ھدینا مخالف لھدیھم۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہم آلِ محمد اپنی داڑھیوں کو بڑھاتے ہیں اور اپنی مونچھوں کو منڈواتے ہیں۔اور آلِ کسریٰ اپنی داڑھیوں کو منڈواتے ہیں اور اپنی مونچھوں کو چھوڑ دیتے ہیں، ہمارا طریقہ ان کے طریقے کے مخالف ہے۔[1]

عن عبداللہ بن عبداللہ مرسلاً قال قال رسول اللہ ﷺ: لکن ربی أمرنی أن أحفی شاربی و أعفی لحیتی۔

حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مگر مجھے میرے رب نے حکم فرمایا کہ اپنی مونچھیں منڈاؤں اور اپنی داڑھی بڑھاؤں۔[2]

نحن نحت الشوارب و نعفی اللحی و ھی الفطرۃ۔

ہم لوگ (یعنی اہل بیت) مونچھوں کو کاٹتے ہیں اور داڑھیوں کو چھوڑ دیتے ہیں یہی فطرت ہے۔(یعنی دین اور سنت)[3]

{مونچھوں کے کناروں کو یہود، نصاریٰ اور مجوسی بڑھاتے ہیں

عن ابی امامۃ باھلی قال: خرج رسول اللہ ﷺ علی قوم من الانصار بیض لحاھم فقال: یا معشر الانصار حمروا و صفروا و خالفوا أھل الکتاب، قال: قلنا یارسول ﷺ ان اھل الکتاب یتسرولون ولا یأتزرون، فقال رسول اللہ ﷺ: تسرولوا و واتزروا و خالفوا اھل الکتاب، قال قلنا یارسول اللہ ﷺ ان اھل الکتاب یتخففون ولا یتنعلون، قال: فقال النبی ﷺ: تخففوا و انتعلوا و خالفوا اھل الکتاب، قال یارسول اللہ ﷺ ان اھل الکتاب یقصون عثانینھم و یوفّرون سبالھم، قال فقال النبی ﷺ: قصوا سبالکم و وفروا عثانینکم و خالفوا اھل الکتاب۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ انصار کی ایک قوم کے پاس تشریف لائے جن کی داڑھیاں سفید تھیں، ارشاد فرمایا: اے انصار کے گروہ! (اپنے سفید بالوں کو) سرخ کرو اور زرد کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو، ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اہل کتاب شلواریں پہنتے ہیں اور تہبند نہیں باندھتے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم شلواریں بھی پہنو اور تہبند بھی باندھو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو، ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اہل کتاب موزے پہنتے ہیں اور جوتے نہیں پہنتے؟ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم موزے بھی پہنو اور جوتے بھی پہنو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو، ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ اہل کتاب اپنی داڑھیوں کو کاٹتے ہیں اور اپنی مونچھوں کے کنارے بڑھاتے ہیں۔تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اپنی مونچھوں کے کناروں کو (بھی جڑ سے) کاٹو اور اپنی داڑھیوں کو بڑھاؤ اور اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی مخالفت کرو۔[4]

عن عبداللہ ابن عمر قال: ذکر لرسول اللہ ﷺ المجوس فقال: انھم یوفرون سبالھم و یحلقون لحاھم فخالفوھم۔

---

[1] (مسند الفردوس، ج،۱،ص،۵۴، رقم ۱۴۸: ، جامع الاحادیث، ج،۹،ص،۴۱۶، رقم ۸۷۰۶:)

[2] (الطبقات الکبریٰ لابن سعد، ذکر اخذ رسول اللہ ﷺ من شاربہ، ج،۱،ص،۴۴۹، دار صادر بیروت، کنز العمال، ج،۶،ص،۶۵۷، رقم: ۱۷۲۴۸، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

[3] (لغات الحدیث، کتاب "ف"، ج،۳،ص،۹۳، میر محمد کتب خانہ کراچی)

[4] (طبرانی فی الکبیر، ابونعیم فی حلیۃ الاولیاء، مسند احمد بن حنبل، ج،۵،ص،۲۶۵، بیروت، وشعب الایمان، ج،۵،ص،۲۱۴، رقم ۶۴۰۵: ، دار الکتب العلمیہ بیروت، اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء العلوم الدین کتاب اسرار الطھارۃ، القسم الثالث، ج،۲،ص،۶۵۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت، کنز العمال، ج،۶،ص،۶۵۸، رقم ۱۷۲۵۷: ، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : رسول اللہ ﷺ سے مجوس کا ذکر کیا گیا تو فرمایا: وہ اپنی مونچھوں کے کنارے بڑھاتے ہیں اور داڑھیاں مونڈتے ہیں تم ان کی مخالفت کرو۔[1]

عن الحکیم بن عمیر الیمانی قال قال رسول اللہ ﷺ قصوا الشارب مع الشفاہ۔

حضرت حکیم بن عمیر یمانی رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : مونچھوں کو اس کے کناروں سمیت کاٹو۔[2]

قربانی کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں مونچھیں کاٹنے پر قربانی کا ثواب

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص ان النبی ﷺ قال امرت بیوم الاضحی عیدا جعلہ اللہ لھذہ الامۃ۔قال رجل یارسول اللہ ﷺ ارأیت ان لم اجد الا منحیۃ انثی افاضحی بھا قال لا ولکن تاخذ من شعرک و اظفارک وتقص شاربک وتحلق عانتک فتلک تمام اضحیتک عنداللہ۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا : مجھے یوم اضحی کا حکم دیا گیا کیونکہ اس دن کو اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے عید بنایا۔ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! یہ بتایئے اگر میرے پاس منحیہ (دودھ دینے والے جانور) کے سوا کوئی جانور نہ ہو تو کیا اس کی قربانی کروں فرمایا : نہیں،ہاں تم اپنے بال اور ناخن ترشواؤ اور مونچھیں کٹاؤ اور زیر ناف بال مونڈو اسی میں تمہاری قربانی اللہ تعالیٰ کے نزدیک پوری ہو جائے گی۔(یعنی جس کو قربانی کی توفیق نہ ہو اسے ان چیزوں کے کرنے سے قربانی کا ثواب حاصل ہو جائے گا)۔[3]

روی عن علی رضی اللہ عنہ عن النبی علیہ السلام انہ قال من ارادان یدرک فضل الاضحیۃ وھو لا یستطیع فلیصل صلوۃ العید ثم یرجع الی بیتہ ولیقلم اظفارہ ولیحلق عانتہ ولیقصر شاربہ فانک یدرک فضل الاضحیۃ فلیصل رکعتین فی تلک الیوم بعد صلوۃ العید فلیقراء فی کل رکعۃ فاتحۃ الکتاب مرۃ وانا اعطیناک الکوثر خمس مراۃ فاذا سلم فلیسجد ولیقل اللھم اعطنی ثواب القربان فان اللہ تعالیٰ یعطی لہ ثواب الاضحیۃ فی تلک الیوم وقبلھا الی آدم صلوۃ اللہ علیہ السلام وبعدھا الی یوم القیامۃ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: ارشاد فرمایا: جو شخص قربانی کی فضیلت کو پانا چاہتا ہے اور اس کی طاقت نہیں رکھتا،تو اس کو عید کی نماز پڑھنی چاہیے پھر اپنے گھر کی طرف لوٹ آئے اور اس کو اپنے ناخن کاٹنے چاہئیں اور اس کو اپنے زیر ناف بال مونڈنے چاہیے اور اپنی مونچھیں کاٹنی چاہیے تو بے شک اس نے قربانی کی فضیلت کو پالیا،تو پھر نماز عید کے بعد اس دن میں دو رکعتیں پڑھنی چاہیے،پس ہر رکعت میں سورت فاتحہ ایک بار اور إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۔ پانچ بار پڑھنی چاہیے تو جب سلام پھیرے تو سجدہ کرنا چاہیے اور یہ دعا پڑھنی چاہیے: اے اللہ مجھے قربانی کا ثواب عطاء فرما تو اللہ تعالیٰ اس دن میں اس کو قربانی کا ثواب عطاء فرمائے گا اور حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام تک اور اس کے بعد

---

[1] (الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان،ج ۸،ص ۴۰۸،طبرانی،السنن الکبریٰ کتاب الطہارۃ باب کیف الاخذ من الشارب،ج ۱،ص ۱۵۱،مطبوعہ دارصادر بیروت)

[2] (رواہ احمد فی المسند،ج ۲،ص ۲۲۹،و الطبرانی فی الکبیر،ج ۱۱،ص ۱۵۲،والاوسط،ج ۹،ص ۱۶۲وکشف الخفاء،ج ۲،۱۱۳،مکتبۃ العلم الحدیث دمشق،کنزالعمال،ج ۶،ص ۶۵۳،رقم ۱۷۲۲۷:مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت،مجمع الزوائد،کتاب اللباس باب ماجاء فی الشارب واللحیۃ،ج ۵،ص ۱۷۰،مؤسسۃ المعارف بیروت)

[3] (سنن النسائی،وسنن ابی داؤد،کتاب الضحایا ص ۳۸۵،میر محمد کتب خانہ کراچی،ومشکوۃ ص،باب الاعتصام ص ۱۲۹،قدیمی کتب خانہ کراچی)

قیامت تک اس کو قبول فرمائے گا۔[1]

جس نے مونچھوں کو کاٹا اللہ تعالیٰ اسے چار نور عطاء فرمائے گا

قال علیہ السلام :من قصّ شاربہ اعطاء اللہ تعالٰی اربعۃ انوار :نورا فی وجھہ و نورا فی قلبہ و نورا فی قبرہ و نورا فی یوم القیامۃ۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا : جس شخص نے اپنی مونچھوں کو (جڑ سے) کاٹا اللہ تعالیٰ اسے چار نور عطاء فرمائے گا :(۱)اس کے چہرے میں نور ،(۲)اور اس کے دل میں نور،(۳)اور اس کی قبر میں نور،(۴)اور قیامت کے دن میں نور۔[2]

مونچھیں کاٹنے پر ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے

و فی بعض الرویات:ان من قص شاربہ یعطی بکل شعرہ حسنۃ۔

اور بعض روایات میں ہے :بے شک جس شخص نے اپنی مونچھوں کو کاٹا اس کے ہر بال کے بدلہ میں ایک نیکی عطاء کی جائے گی۔[3]

مونچھوں کو نوچنا اللہ کی راہ میں ہزار غلام آزاد کرنے کی طرح ہے

قال علیہ السلام:من نتف (شفت) شاربہ فکانما اعتق الف رقبۃ فی سبیل اللہ۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا : جس شخص نے اپنی مونچھوں کو نوچا (اکھیڑا) تو گویا کہ اس نے اللہ کی راہ میں ایک ہزار غلام آزاد کیا۔[4]

و از روے ثواب چنان بود کہ از اشتر موئ سرخ خریدہ و در راہِ خدا اشتر و جل صدقہ دادہ۔

اور ثواب میں ایسے ہوتا ہے کہ سرخ بالوں والا اونٹ خریدہ اور خدا کی راہ میں اونٹ اور زین کو صدقہ کر دیا۔[5]

"من أخذ من أظفارہ و شاربہ کل جمعۃ، و قال حین یأخذ:بسم اللہ و باللہ و علی سنۃ محمد و اٰل محمد۔لم یسقط منہ حصۃ و لا جزازۃ الا کتب اللہ بھا عتق نسمۃ و لم یمرض الا مرضہ الذی یموت"۔

جو شخص ہر جمعہ کو اپنے ناخن اور اپنی مونچھیں کاٹے اور کاٹتے وقت یہ دعا پڑھے :بسم اللہ و باللہ و علی سنۃ محمد و اٰل محمد۔ تو جو ٹکڑا یا کٹا ہوا بال گرے گا اللہ تعالیٰ اس کے بدلے ایک جان آزاد کرنے کا ثواب لکھے گا اور وہ کبھی بیمار نہ ہوگا مگر اسی بیماری سے جس میں موت لکھی ہوگی۔[6]

جمعہ کے دن مونچھیں کاٹنے پر ہر بال کے بدلہ دس نیکیاں ملیں گی

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ:من أخذ شاربہ یوم الجمعۃ کان لہ بکل شعرۃ تسقط منہ عشر حسنات۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : جو شخص جمعہ کے دن اپنی مونچھیں کاٹے گا، ہر بال جو گرے گا اس

---

[1] (صلوٰۃ مسعودی، باب ہشتم در بیان طہارت، ج،۱،ص،۸۰، در طبع محمدی تاجران کتب بمبئی)

[2] (صلوٰۃ مسعودی، باب ہشتم در بیان طہارت، ج،۱،ص،۸۰، در طبع محمدی تاجران کتب بمبئی، تذکرۃ الابرار والاشرار ص،۲۴۴،۲۴۵، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور، ھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا ص،۱۹، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

[3] (فتاویٰ ابراہیم شاہی، ھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا ص،۲۱، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

[4] (صلوٰۃ مسعودی، باب ہشتم در بیان طہارت، ج،۱،ص،۸۰، در طبع محمدی تاجران کتب بمبئی، ھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا ص،۱۹، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

[5] (تذکرۃ الابرار والاشرار ص،۲۴۴،۲۴۵، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

[6] (لغات الحدیث کتاب الجیم، ج،۱،ص،۵۱، میر محمد کتب خانہ کراچی)

کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی۔[1]

{جمعہ کو مونچھیں کاٹنے پر ہزار فرشتوں کی شفاعت و دعائے مغفرت

عن انس بن مالک عن النبی ﷺ قال :من قلم اظفارہ یوم الجمعة و اخذ من شاربہ و استاک و افرغ علی نفسہ من الماء و توجہ الی المسجد یتبعہ الف ملک کلھم یشفعون و یستغفرون لہ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا : جو شخص جمعہ کے دن اپنے ناخن کاٹے اور اپنی مونچھیں کاٹے اور مسواک کرے اور اچھی طرح غسل کرے اور مسجد کی طرف جائے اس کے پیچھے ہزار فرشتے چلتے ہیں، سب کے سب اللہ تعالیٰ سے اس کی شفاعت اور اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔[2]

جمعہ کو مونچھیں کاٹنے سے اللہ تعالیٰ مرض کو نکال کر شفاء داخل کرے گا

ابن مسعود :من اخذ من شاربہ و اظفارہ فی کل جمعة ادخل اللہ فیہ شفاء و اخرج منہ داء۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا : جس شخص نے ہر جمعہ میں اپنے ناخن اور اپنی مونچھوں کو کاٹا اللہ تعالیٰ اس میں شفاء کو داخل فرمائے گا اور اس بیماری کو نکال دے گا۔[3]

روی ابن شھاب عن رسول اللہ ﷺ انہ قال :من قلّم اظفارہ یوم الجمعة کان اماناً من الجذام و من قصّ شاربہ و استاک فیہ اخرج اللہ منہ الدّاء و ادخل فیہ الشفاء۔

حضرت ابن شہاب رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : جو شخص جمعہ کے دن ناخن کاٹے وہ مرضِ جذام سے امن میں رہے گا اور جو اسی روز مونچھیں کاٹے اور مسواک کرے اللہ تعالیٰ اس کے اندر سے مرض کو نکال دے گا اور اس میں شفاء داخل کرے گا۔[4]

عن محمد بن حاطب کان النبی ﷺ یأخذ من شاربہ و ظفرہ یوم الجمعة۔

محمد بن حاطب ص سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جمعہ کے دن اپنی مونچھیں اور اپنے ناخن کاٹتے تھے۔[5]

عن انس، قال: وقت لنا فی قص الشارب و تقلیم الأظفار و نتف الابط و حلق العانة أن لانترک أکثر من أربعین لیلة۔ و قال مرة اخری: اربعین یوما۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے مونچھیں کاٹنے اور ناخن کاٹنے اور بغل کے بال نوچنے اور زیر ناف بال مونڈنے کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن مقرر فرمائی ہے۔[6]

---

[1] (الدیلمی، مسند الفردوس ،ج،۳،ص،۵۸۳،رقم۵۸۲۷:،دارالکتب العلمیہ بیروت، کنزالعمال ،ج،۶،ص،۶۵۷،رقم۱۷۲۵۰:،مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت،وموسوعۃ اطراف الحدیث النبوی الشریف،ج،۹،ص،۴۵،دارالکتب العلمیہ بیروت)

[2] (تذکرۃ الواعظین ،ص،۱۰۰،۱۰۱،مکتبہ حبیبیہ،کانسی روڈ،کوئٹہ)

[3] (العلل المتناہیہ،ج،۱،ص،۴۶۴،وموسوعۃ اطراف الحدیث النبوی الشریف،ج،۹،ص،۴۸۲،دارالکتب العلمیہ بیروت،الدیلمی،مسند الفردوس،ج،۳،ص،۵۸۴،رقم۵۸۲۶:،دارالکتب العلمیہ بیروت)

[4] (تذکرۃ الواعظین ،ص،۱۰۱،مکتبہ حبیبیہ،کانسی روڈ،کوئٹہ)

[5] (ابونعیم،کنزالعمال،ج،۶،ص،۶۸۱،رقم۱۷۳۷۹:،مؤسسۃ الرسالۃ،بیروت)

[6] (صحیح مسلم،کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ،ج،۱،ص،۲۲۲،رقم۱ :۵۸،۲۵۸،والترمذی فی السنن،ج،۵،ص،۸۶،رقم۲۷۵۹:،والنسائی فی السنن،ج،۱،ص،۱۵،رقم۱۴:،وابن ماجہ،ج،۱،ص،۱۰۸،رقم۲۹۵:،واحمد فی المسند،ج،۳،ص،۲۵۰۵،ومشکوٰۃ،کتاب اللباس باب الترجل،ص،۳۸۰،قدیمی کتب خانہ کراچی،سنن الکبریٰ للنسائی،کتاب الطہارۃ،ابواب الفطرۃ،ج،۱،ص،۶۶،رقم۱۵:،دارالکتب العلمیہ بیروت)

عن ابن عمر و أبی عبداللہ الأغر رضی اللہ عنہما: ''ان رسول اللہ ﷺ کان یقص شاربہ ویأخذ من أظفارہ کل جمعة قبل ان یخرج الی صلاة الجمعة''۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبداللہ الاغر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: بے شک رسول اللہ ﷺ ہر جمعہ کو نمازِ جمعہ سے پہلے اپنی مونچھیں کاٹتے تھے اور اپنے ناخن کاٹتے تھے۔[1]

أخرج البیھقی من مرسل أبی جعفر الباقر قال: ''کان رسول اللہ ﷺ یستحب أن یأخذ من أظفارہ و شاربہ یوم الجمعة''۔

حضرت امام ابو جعفر باقر سے مرسلاً روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن اپنی مونچھیں کاٹنے اور اپنے ناخن کاٹنے کو مستحب سمجھتے (یعنی پسند فرمایا کرتے) تھے''۔[2]

عن أبی ھریرة قال: أن رسول اللہ ﷺ کان یقلم أظفارہ ویقص شاربہ یوم الجمعة قبل أن یروح الی الصلاة۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن نماز کی طرف جانے سے پہلے اپنے ناخن تراشتے تھے اور اپنی مونچھیں کاٹتے تھے۔[3]

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما: ''أن النبی ﷺ کان یأخذ أظفارہ ویحفی شاربہ فی کل جمعة، ویحلق العانة عشرین یوماً، وینتف الابط فی کل أربعین یوماً۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم ﷺ ہر جمعہ کو ناخن کاٹتے تھے، اور مونچھوں کو جڑ سے ختم کرتے تھے اور زیر ناف بالوں کو بیس دنوں میں مونڈتے تھے اور بغلوں کے بال چالیس دن میں نوچتے تھے۔[4]

حدیث علی: ''خذ من الشارب فان الملائکة اذا تلا العبد القرآن أدنت أفواھھا منہ فاذا کان طویل الشارب لم تدن منہ''۔

حدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: مونچھوں کو کاٹو جب بندہ قرآن کی تلاوت کرتا ہے تو فرشتے اپنے منہ اس کے قریب کر دیتے ہیں اگر لمبی مونچھوں والا ہوتا ہے تو منہ اس کے قریب نہیں کرتے۔[5]

وفی الخبر أن ابراھیم أول من قص الشارب، واول من اختتن، واول من قلم الاظافیر، واول من رأی الشیب، فلما راہ قال یارب ماھذا؟ قال: الوقار۔ قال: یارب زدنی وقارا۔

اور حدیث شریف میں آیا ہے: بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے وہ شخص ہیں جس نے مونچھوں کو کاٹا، اور پہلے جس نے ختنہ کیا، اور پہلے جس نے ناخنوں کو کاٹا، اور پہلے جن کے بال سفید ہوئے، پس جب دیکھا ان کو تو عرض کیا اے میرے رب یہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: (یہ)

---

[1] (مسند امام احمد بن حنبل، ج،۱،ص،۳۰۱، شرح السنۃ، للبغوی، ج،۱۲،ص،۱۱۳، المکتب الاسلامی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج،۱۰،ص،۳۴۷، دار الفکر بیروت، تہذیب تاریخ دمشق، لابن عساکر، ج،۲،ص،۱۴۹، بیروت، اخلاق النبوۃ،ص،۲۵۶، الخصفۃ المصریۃ، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب اللباس، باب الترجل، ج،۸،ص،۲۷۵، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[2] (بیہقی، شعب الایمان، شرح الزرقانی علی موطأ الامام مالک، کتاب صفۃ النبی ﷺ، باب ماجاء فی سنۃ فی الفطرۃ، ج،۴،ص،۳۷۸، دار الحدیث القاہرۃ، فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج،۱۱،۲۹۳، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[3] (الطبرانی فی المعجم الاوسط، ج،۱،ص،۲۵۷، رقم ۸۴۲: السنن الکبریٰ للبیہقی، ج،۳،ص،۲۴۴، رقم ۵۷۵۸: شرح الزرقانی علی موطأ الامام مالک، کتاب صفۃ النبی ﷺ، باب ماجاء فی سنۃ فی الفطرۃ، ج،۴،ص،۳۷۸، دار الحدیث القاہرۃ، ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، باب الاستبراء، ج،۹،ص،۵۸۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، شرعۃ الاسلام،ص،۱۵۰، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت)

[4] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب اللباس، باب الترجل، ج،۸،ص،۲۷۴، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[5] (الدیلمی، مسند الفردوس، ۲۶۶۴، وميزان الاعتدال، ج،۱،۵۹۸، تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ، ج،۲،ص،۳۰۷، المکتبۃ التوفیقیۃ القاہرۃ، مصر)

وقار ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب میرے وقار میں اضافہ فرما۔[1]

مونچھیں کاٹنے پر ہر بال کے بدلہ میں ایک ہزار شہر کا ثواب ہے

"ومن قص شاربه فله عندالله بكل شعرة من الثواب ألف مدينة من درو ياقوت في كل مدينة ألف قصر في كل قصر ألف دار من الرحمة في كل دار ألف حجرة من الزعفران في كل حجرة ألف صفة من الزبرجد في كل صفة ألف بيت من المسك في كل بيت ألف سرير فوق كل سرير جارية من الحور العين على رأسها تاج من النور مكلل بالدر و ياقوت وهي تنادي كل يوم ألف مرة أنت طالبي و قرة عيني و أنت صاحبي و ينظر الله اليه في كل يوم نظرة من فوق عرشه و يقول لملائكته: ألا تنظرون الى عبدي قص شاربه من مخافتي و عزتي و جلالي لأضعن عليه من نور كرامتي و لأزينه بين الناس و لأدخلنه جنتي"

"اور جس شخص نے اپنی مونچھوں کو کاٹا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہر بال کے بدلہ میں موتی اور یاقوت کے بنے ہوئے ایک ہزار شہر بطور ثواب ملیں گے اور ہر شہر میں ایک ہزار محل ہیں، ہر محل میں رحمت کے ایک ہزار گھر ہیں، ہر گھر میں زعفران کے ایک ہزار حجرے ہیں، ہر حجرے میں زبرجد کا ایک ہزار صفہ (چبوترہ) ہے، ہر صفہ (چبوترہ) میں مشک کا ایک ہزار کمرے ہیں، ہر کمرے میں ایک ہزار تخت ہے، ہر تخت پر ایک حور عین میں لونڈی ہے اس سر پر موتی اور یاقوت سے آراستہ کیا ہوا تاج ہے اور وہ اپنے عرش سے پکارتی ہے کہ تم میرے طلبگار اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو تم میرے ساتھی (رفیق) ہو اور اللہ تعالیٰ روزانہ عرش کے اوپر سے اپنے اس بندے کی طرف دیکھتا ہے اور اپنے فرشتوں کو فرماتا ہے: کیا میرے بندے کی طرف نہیں دیکھتے کہ میرے جلال اور میری عزت اور میرے خوف کی وجہ سے اپنی مونچھوں کو کاٹا، اپنی کرامت کا نور اس پر رکھوں گا اور لوگوں کے درمیان اس کو زینت دوں گا اور اس کو اپنی جنت میں داخل کروں گا۔[2]

بنی اسرائیلی مونچھیں نہ کاٹتے تھے تو ان کی عورتیں زنا کار ہوگئیں

عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ: قصوا شاربكم فان بني اسرائيل لم يفعلوا ذلك فزنت نساؤهم۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنی مونچھیں کاٹو، کیونکہ بنی اسرائیل ایسا نہ کرتے تھے پس ان کی عورتیں زنا کاری میں مبتلا ہوگئیں۔[3]

لمبی مونچھوں والے کو حضور اکرم ﷺ نے ڈانٹا

وروي ان رجلا دخل في مسجد رسول الله ﷺ و شاربه طويل فزجره عن ذلك فذهب الرجل و قص نصف شاربه ثم دخل المسجد فقال عليه السلام وجدت نصف الايمان او كلاما هذا معناه۔

روایت کیا گیا ہے کہ بے شک ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں داخل ہوا، اس حال میں کہ اس کی مونچھیں لمبی تھیں، تو اس سے ان کو ڈانٹا، تو وہ شخص گیا اور اپنی آدھی مونچھوں کو کاٹ دیا، پھر مسجد میں داخل ہوا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو نے آدھا ایمان پالیا یا فرمایا: کلام کو۔ یہ اس کا

---

[1] (حاشیہ الجمل علی الجلالین، ج۱، ص۱۵۳، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، حاشیہ العلامۃ الصاوی علی تفسیر الجلالین، ج۱، ص۱۰۸، قاسم بکلی کیشنز کراچی)

[2] (الموضوعات، ابن الجوزی، ج۳، ص۵۳، تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الأخبار الشنیعۃ الموضوعۃ، کتاب اللباس والزینۃ والطب، الفصل الاول، ج۲، ص۲۹۳، رقم ۱۶۴۴: المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہرۃ مصر، الفوائد المجموعۃ، باب الخضاب والطب وقص الظفر والشارب، ص۱۶۷، رقم ۱۱: المکتبۃ العصریۃ بیروت، میزان الاعتدال، ج۲، ص۵۸۴، الرسالۃ العالمیۃ بیروت)

[3] (الدیلمی، مسند الفردوس، ج۳، ص۲۰۵، رقم ۴۵۷۸: دار الکتب العلمیہ بیروت، الجامع الکبیر، ج۱، ص۶۰۷، کنز العمال، ج۶، ص۶۵۶، رقم ۱۷۲۴۷: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

معنی ہے۔[1]

مونچھیں نہ کاٹنے پر جبریل علیہ السلام کی ناپسندیدگی

عن ابن عباس عن النبی ﷺ انه قیل یارسول اللہ أبطأعلیک خبر جبریل قال ولم لا تبطیء عنی وأنتم حولی لا تستنون (أی لاتستاکون) ولا تقلمون أظافرکم ولا تقصون شواربکم ولا تنقون رواجبکم (هی مابین عقد لأصابع من داخل)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نبی کریم ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ تحقیق جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے پاس خبر لانے میں دیر کردی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : وہ میرے پاس آنے میں کیوں دیر نہ کرتے، اور جب کہ تم میرے اردگرد رہنے والے نہ مسواک کرتے ہو، اور نہ تم اپنے ناخن کاٹتے ہو، اور نہ تم اپنی مونچھیں کاٹتے ہو اور نہ تم اپنے ہاتھوں کے جوڑ اندر سے صاف کرتے ہو۔[2]

وروی الاعمش عن مجاهد قال :ابطاء جبرائیل علیه السلام علی رسول اللہ ﷺ ثم اتاه فقال علیه السلام ماجئتنا یا ملک (حبسک ،عن الاتیان ، یاجبریل) قال کیف أتیکم وانتم لاتقصون اظفارکم ولاتأخذون من شواربکم ولا تنقون براجمکم ولا تستاکون، ثم قرأ، ومانتنزل الا بامر ربک عزوجل۔

حضرت اعمش رضی اللہ عنہ نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک بار حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے میں دیر کی، پھر حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا : اے جبریل علیہ السلام آپ کو کس چیز نے (آنے سے) روکا ہے؟ عرض کیا : میں کیسے آتا، اس حال میں کہ تم (یعنی تمہارے ساتھ رہنے والے) نہ اپنے ناخن کاٹتے ہو اور نہ اپنی مونچھیں کاٹتے ہو اور نہ تم اپنے ہاتھوں کے جوڑ اندر سے صاف کرتے ہو۔ اور نہ مسواک کرتے ہو۔ پھر یہ آیت پڑھی: وَمَانَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّکَ۔ (سورۃ مریم:۶۴)

یعنی ہم اسی وقت زمین پر اترتے ہیں جب ہمیں رب تعالیٰ حکم دیتا ہے۔[3]

جو مونچھیں نہ کٹوائے وہ ہم میں سے نہیں

عن زید بن ارقم ان رسول اللہ ﷺ قال: من لم یاخذ من شاربه فلیس منا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : جو اپنی مونچھیں نہ کٹوائے وہ ہم میں سے نہیں۔ (یعنی اس کی موت غیر ملت اسلامیہ پر بھی آسکتی ہے)۔[4]

البتہ، میدانِ جہاد میں برسرپیکار مجاہدین کے لئے فقہاء نے لبوں کے برابر کرکے لمبی مونچھیں رکھنے کی اجازت دی ہے۔ علماء نے کہا کہ مجاہدین کیلئے لمبی مونچھیں ضروری ہیں تاکہ دشمن مرعوب ہوجائیں۔

قالوا لابد عن طول الشارب للغزاة لیکون اهیب فی عین العدو، کذا فی الغیاثیة۔

---

[1] (ابراہیم شاہی، ھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا، ص:۲۱، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

[2] (رواہ احمد، والطبرانی فی معجم الکبیر، ج:۱۱، ص:۲۳۴، رقم:۱۲۲۲۴:، وفی زوائد المسند، رقم:۴۳۰۲:، والسیوطی فی الدر المنثور، ج:۱، ص:۱۱۲، والمغنی عن حمل الاسفار، ج:۱، ص:۷، ۱۳، مجمع الزوائد، کتاب اللباس باب فی تقلیم الاظفار، ج:۵، ص:۱۷۰، مؤسسۃ المعارف بیروت، کنز العمال، ج:۶، ص:۶۵۹، رقم:۷۲۶۱:، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

[3] (تفسیر روح البیان، البقرہ: آیت ۱۲۴:، کے تحت، وتذکرۃ الواعظین ص:۱۰۱، مکتبہ حبیبیہ، کانسی روڈ، کوئٹہ، وھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا، ص:۲۱، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

[4] (سنن ترمذی، ج:۵، ص:۸۷، رقم:۲۷۶۱:، سنن نسائی، ج:۱، ص:۱۵، رقم:۱۳:، مسند امام احمد بن حنبل، ج:۴، ص:۳۶۶، شعب الایمان، ج:۵، ص:۲۲۲، رقم:۶۴۳۵:، دار الکتب العلمیہ بیروت، مشکوۃ المصابیح، کتاب اللباس، باب الترجل، ص:۳۸۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مبارک نے بھی دشمنوں پر رعب ڈالنے کے لئے مونچھیں چھوڑ دی تھیں۔

عن عامر بن عبداللہ الزبیر ان عمر رضی اللہ عنہ کان اذا غضب فطل شاربہ و نفخ، رواہ الطبرانی فی الکبیر۔[1]

اسی طرح اگر محلہ کے بااثر، دیندار شخصیات فساق و فجار بدمذہب لوگوں پر رعب قائم رکھنے کے لئے شریعت کی حدود کے اندر رہتے ہوئے معاشرے میں برائی کے سدِ باب کے لئے لمبی مونچھیں رکھیں تو ان کو بھی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

قلت واللہ اعلم لان العلة التی ذکروھا توجد ھٰھنا ایضاً وفی الھندیة وکان بعض السلف یترک سبالیه وھما اطراف الشوارب۔

جو علت علماء نے ذکر کی ہے وہ یہاں بھی پائی جاتی ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے بعض سلف صالحین مونچھوں کے دونوں کناروں کو چھوڑتے تھے اور یہ جواز صرف مجاہدین کے لئے دشمنوں پر رعب ڈالنے کے لئے ہے، ورنہ مونچھیں حلق کرنا ہی افضل ہے۔

فتاویٰ حمادیہ میں ہے: غازیوں کو مونچھیں بڑھانا جائز و مستحب ہے۔

واما الغازی فی دار الحرب یندب الی تطویل الشارب لیکون اھیب فی عین العدو۔

مجاہدین کیلئے دارالحرب میں لمبی مونچھیں مستحب ہیں تاکہ دشمنوں کی نظر میں ہیبت ناک نظر آئیں۔[2]

مونچھیں لمبی رکھنے والے کے لئے چار سزائیں

قال النبی ﷺ: من طوّل شاربه عوقب بأربعة أشیاء: لایجد شفاعتی و لایشرب من حوضی ویعذب فی قبره ویبعث اللہ الیه المنکر والنکیر فی غضب۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنی مونچھیں لمبی رکھیں اسے چار سزائیں ملیں گی: (۱) میری شفاعت سے محروم رہے گا، (۲) میرے حوض سے نہیں پیئے گا، (۳) قبر میں عذاب دیا جائے گا، (۴) منکر اور نکیر نہایت غصہ میں اس کے پاس آئیں گے۔[3]

حدیث: **"من طول شاربه في دار الدُّنیا طَوَّلَ اللّٰهُ نَدَامَتَهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَسَلَّطَ عَلَیْهِ بِکُلِّ شَعْرَةٍ عَلَی شَارِبِهٖ شَیْطَانَانِ فَإِنْ مَاتَ عَلَی ذٰلِكَ الْحَالِ لاتُسْتَجَابُ لَهُ دَعْوَةٌ وَلاتَنْزِلُ عَلَیْهِ رَحْمَةٌ إلخ۔**

جس شخص نے اپنی مونچھیں دنیا میں لمبی رکھیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ندامت کو لمبا کرے گا اور اس کی مونچھوں کے ہر بال کے بدلے میں اس پر دو شیطان مسلط کرے گا پس اگر اسی حالت پر مر گیا تو اس کی دعا قبول نہیں کی جائے گی اور نہ اس پر رحمت نازل کی جائے گی۔[4]

قال علیه السلام: من طوّل شاربه عوقب بالثلاث لم ینل شفاعتی ولم یشرب من حوضی وسلطه اللہ تعالی منکرا ونکیرا بالغضب۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنی مونچھیں لمبی رکھیں اسے تین سزائیں ملیں گی: (۱) میری شفاعت نہیں پائے گا، (۲) اور

---

[1] (جلد ۱ صفحہ ۴)

[2] (کذا فی الغیاثیة، عالمگیری، ج ۵ ص ۳۸)

[3] (تاریخ الخمیس فی أحوال أنفس نفیس، کتاب النبی ﷺ الی الکسری، ج ۲، ص ۳۹۵، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[4] (مرویات السیرۃ المسفر الدمینی، ج ۱، ص ۳۱، الفوائد المجموعۃ، رقم ۱۱)

میرے حوض سے نہیں پیئے گا، (۳) اور اس پر اللہ تعالیٰ منکر اور نکیر کو غصہ کے ساتھ مسلط کرے گا۔[۱]

"من طول شاربه فی دار الدنیا طول الله ندامته یوم القیامة وسلط علیه بکل شعرة علی شاربه شیطانان فان مات علی الحال لایستجاب له دعوة ولاتنزل علیه رحمة ولاینظر الله الیه یوم القیامة۔

"جس شخص نے دنیا میں اپنی مونچھوں کو لمبا رکھا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ندامت کو لمبا کر دے گا اور اس کی مونچھوں کے ہر بال کے بدلے دو شیطان مسلط کر دے گا تو اگر اسی حالت پر مر گیا تو اس کی دعا قبول نہیں کی جائے گی اور نہ اس پر رحمت نازل کی جائے گی اور نہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت فرمائے گا۔[۲]

ومن أطال شاربه تسمیه الملائکة نجساً وان مات مات عاصیاً وقام من قبره مکتوباً بین عینیه آیس من رحمة الله ولایطول شاربه الا ملعون علی لسان الملائکة والنبیین ویمشی علی الأرض تلعنه من تحته۔

اور جس شخص نے اپنی مونچھوں کو لمبا رکھا فرشتے اس کا نام ناپاک رکھتے ہیں اور اگر مر گیا تو نافرمان مرا اور جب اپنی قبر سے کھڑا ہوگا اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہوگا اللہ کی رحمت سے مایوس ہے اور انبیاء اور فرشتوں کی زبان سے اس پر لعنت کی گئی اور جب زمین پر چلتا ہے زمین اس کے نیچے سے اس پر لعنت کرتی ہے۔[۳]

ومن طول شاربه فلایصیب شفاعتی ولایشرب من حوضی وضیق الله علیه قبره وتنزل علیه ملک الموت وهو غضبان"۔

اور جس شخص نے اپنی مونچھوں کو لمبا کیا تو اس کو میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی اور نہ میرے حوض سے پیئے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو اس پر تنگ کر دے گا اور اس پر ملک الموت کو نازل کرے گا اس حال میں کہ وہ غضبناک ہوگا۔[۴]

ابن مسعود: من طول شاربه لم یستجب الله دعائه۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس شخص نے اپنی مونچھیں لمبی رکھیں اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول نہیں فرمائے گا۔[۵]

لمبی مونچھیں نزع کے وقت کلمہ شہادت سے رکاوٹ ہیں

قال رسول الله ﷺ خمسة نفر لم یروا وجهی یوم القیامة :الاول من طال شاربه منع الله تعالٰی لسانه عن کلمة الشهادة عند النزع والثانی من جلس باهل البدعة لعنه الله والملائکة والانبیاء علیهم السلام والثالث عاق الوالدین لایریح رائحة الجنة

---

[۱] (صلوٰۃ مسعودی، باب ہشتم در بیان طہارت، ج،۱،ص،۸۰، دار طبع محمدی تاجران کتب بمبئی ،تذکرۃ الابرار والاشرار ص،۲۴۵، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور، ھدایۃ الابرار الیٰ طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا ص،۱۹، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

[۲] (اللالی المصنوعہ ،ج،۲،ص،۱۴۳، الموضوعات ،ابن الجوزی، ج،۳،ص،۵۳، تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الأخبار الشنیعۃ الموضوعۃ ،کتاب اللباس والزینۃ والطب، الفصل الاول، ج،۲،ص،۲۹۳، رقم ۱۶۴۴: ،المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہرۃ مصر، الفوائد المجموعۃ، باب الخضاب والطب وقص الظفر والشارب ص،۱۶۷، رقم ۱۱ :،المکتبۃ العصریۃ بیروت، میزان الاعتدال، ج،۲،ص،۵۸۴، الرسالۃ العالمیۃ بیروت، وموسوعۃ اطراف الحدیث النبوی الشریف، ج،۹،ص،۴۸۸، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[۳] (اللالی المصنوعہ ،ج،۲،ص،۱۴۳، الموضوعات ،ابن الجوزی، ج،۳،ص،۵۳، تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الأخبار الشنیعۃ الموضوعۃ ،کتاب اللباس والزینۃ والطب، الفصل الاول، ج،۲،ص،۲۹۳، رقم ۱۶۴۴: ،المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہرۃ مصر، الفوائد المجموعۃ، باب الخضاب والطب وقص الظفر والشارب ص،۱۶۷، رقم ۱۱ :،المکتبۃ العصریۃ بیروت، میزان الاعتدال، ج،۲،ص،۵۸۴، الرسالۃ العالمیۃ بیروت، وموسوعۃ اطراف الحدیث النبوی الشریف، ج،۹،ص،۴۸۸، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[۴] (اللالی المصنوعہ ،ج،۲،ص،۱۴۳، الموضوعات ،ابن الجوزی، ج،۳،ص،۵۳، تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الأخبار الشنیعۃ الموضوعۃ ،کتاب اللباس والزینۃ والطب، الفصل الاول، ج،۲،ص،۲۹۳، رقم ۱۶۴۴: ،المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہرۃ مصر، الفوائد المجموعۃ، باب الخضاب والطب وقص الظفر والشارب ص،۱۶۷، رقم ۱۱ :،المکتبۃ العصریۃ بیروت، میزان الاعتدال، ج،۲،ص،۵۸۴، الرسالۃ العالمیۃ بیروت، وموسوعۃ اطراف الحدیث النبوی الشریف، ج،۹،ص،۴۸۸، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[۵] (مسند الفردوس، الدیلمی، ج،۳،ص،۵۲۷، رقم ۵۶۴۷: ،دار الکتب العلمیہ بیروت)

والرابع من نام قبل العشاء منع اللہ تعالٰی لسانہ من کلمۃ الشھادۃ عندالموت والخامس من لم یزک عن اموالہ لایخفف عنہ عذاب القبر الی یوم القیامۃ۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : پانچ قسم کے لوگ قیامت کے دن میرا چہرہ نہیں دیکھ سکیں گے: (۱) جس شخص نے اپنی مونچھوں کو لمبا رکھا اللہ تعالیٰ نزع کے وقت اس کی زبان کو کلمہ شہادت سے روک دے گا۔ (۲) جو شخص بدمذہب کے ساتھ بیٹھا اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کی لعنت ہے۔ (۳) والدین کا عاق (نافرمان) جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔ (۴) جو شخص عشاء سے پہلے سو گیا یہاں تک کہ عشاء کی نماز قضاء ہوگئی اللہ تعالیٰ موت کے وقت اس کی زبان کو کلمہ شہادت پڑھنے سے روک دے گا۔ (۵) جس شخص نے اپنے اموال سے زکوٰۃ ادا نہ کی، قیامت کے دن تک اس سے عذابِ قبر کی کمی نہیں کی جائے گی۔[1]

نبی ﷺ کو لمبی مونچھوں والے کی طرف نظر کرنے سے کراہت آئی

جب حضور پرنور سید یوم النشور ﷺ نے ہدایت اسلام کے فرامین بنام سلاطین جہاں نافذ فرمائے، قیصر ملک روم نے تصدیق نبوت کی مگر بجہت دنیا اسلام نہ لایا، مقوقس بادشاہِ مصر نے خط مبارک کی کمال تعظیم کی اور ہدایا حاضر بارگاہ رسالت کیا سگِ ایران خسرو پرویز قتلہ اللہ نے فرمانِ اقدس چاک کر دیا اور باذان صوبہ یمن کو لکھا، دو مضبوط آدمی بھیج کر انہیں یہاں بلائے، باذان نے اپنے داروغہ بانویہ اور ایک پارسی خرخسرہ نامی کو مدینہ طیبہ روانہ کیا:

أنھما حین دخلا علی رسول اللہ ﷺ کانا قد حلق لحاھما وأعفیا شوار بھما حتی وارت شفاھھما فکرہ النظر الیھما وقال : ویلکما من أمر کما بھذا۔ قال: أمر بھذا ربنا یعنیان کسریٰ فقال رسول اللہ ﷺ لکن ربی امرنی باعفاء لحیتی وقص شوار بی

یہ دونوں جب بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے تو داڑھیاں منڈائے اور مونچھیں اتنی بڑھائے ہوئے تھے کہ دونوں کے ہونٹوں کو چھپائے ہوئے تھیں تو سید عالم ﷺ کو ان کی طرف نظر فرمانے میں کراہت آئی اور فرمایا خرابی ہو تمہارے لئے کس نے تمہیں اس کا حکم دیا، وہ بولے ہمارے رب یعنی کسریٰ (خسرو پرویز خبیث) نے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: مگر مجھے میرے رب نے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں (جڑ سے) کاٹنے کا حکم فرمایا ہے۔[2]

اس حدیث کے تحت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۱۳۴۰ھ، لکھتے:

مسلمان اس حدیث کو یاد رکھیں کہ بانویہ وخرخسرو اس وقت تک نہ اسلام لائے تھے نہ احکامِ اسلام سے آگاہ تھے ان کی یہ وضع دیکھ کر حضور اقدس ﷺ نے ان کی صورت دیکھنے سے کراہت کی تو جو مسلمان احکامِ حضور جان بوجھ کر مصطفی ﷺ کے خلاف مجوسیوں کے موافق ایسی گندی صورت بنائے وہ کس قدر حضور اعلیٰ ﷺ کی کراہت و بیزاری کا باعث ہوگا، آدمی جس حال پر مرتا ہے اسی حال پر اٹھتا ہے، اگر روزِ قیامت رسول اللہ ﷺ نے یہ مجوسیوں کی صورت دیکھ کر نگاہ فرمانے سے کراہت فرمائی تو یقین جان کہ تیرا ٹھکانا کہیں نہ رہا۔ مسلمان کی پناہ، امان، نجات، رستگاری جو کچھ ہے ان کی نظرِ رحمت ہے، اللہ کی پناہ اس بری گھڑی سے کہ وہ نظر فرماتے کراہت لائیں، والعیاذ باللہ ارحم الراحمین۔ اس کے بعد حدیث میں معجزۂ مصطفی ﷺ کا ظہور خسرو پرویز مردود کا ہلاک، باذان و بانویہ وخسرہ وغیرہم بہت اہلِ یمن کا مشرف باسلام ہونا مذکور ہے۔[3]

---

[1] (دلیل الاحسان ص، ۶۱، ھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا ص، ۱۹، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

[2] (تاریخ الخمیس فی أحوال أنفس نفیس، کتاب النبی ﷺ الی الکسریٰ، ج، ۲، ص، ۳۹۵، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[3] (فتاویٰ رضویہ، ج، ۲۲، ص، ۶۴۸، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

لمبی مونچھیں قیامت کو سجدہ کرنے میں رکاوٹ ہوں گی

روی النبی ﷺ قال یومر الناس یوم القیامة بالسجود فمن کان فی الدنیا شاربه طویلا صارت شعوره کاوتاد الحدید لایستطیع ان یسجد۔

ومثله فی الغرائب وزادفیه وروی: ان من کان شاربه طویلا لایصعد له عمل صالح الی السماء۔

بے شک نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا : لوگوں کو قیامت کے دن سجدہ کا حکم دیا جائے گا تو جس شخص کی دنیا میں مونچھیں لمبی تھیں اس کے بال لوہے کے کیلوں کی طرح ہو جائیں گے جس کی وجہ سے وہ سجدہ نہیں کر سکے گا۔

اور غرائب میں اس کی مثل ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے اور روایت کیا گیا ہے کہ : جو شخص لمبی مونچھوں والا ہوتا ہے اس کا نیک عمل آسمان تک نہیں چڑھتا ہے۔ [1]

رسول علیه السلام فرموده که فردای قیامت اهل عرصات سجده آرند پروردگار را سجدۂ تحیت مگر کافران که موئے لب ایشان چون سرون گاوی راست مانده باشند وکسانیکه موی سبلت دراز داشته باشند موهائ لبهائے ایشان درزمین رسد همچون تیرها وایشان را مانع باشد از آوردن سجده۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ کل قیامت کو اہلِ قیامت پروردگار کو سجدۂ تحیت کریں گے مگر کافر کہ ان کی مونچھوں کے بال بیل کے سینگوں کی طرح ہوں گے، اور وہ شخص کہ جس نے مونچھوں کے کناروں کے بال لمبے رکھے ہوں گے ان کی مونچھوں کے بال تیروں کی طرح زمین تک پہنچے ہوں گے، ان کو سجدہ کرنے سے رکاوٹ ہوگی۔ [2]

{بڑی مونچھیں کلمہ شہادت کے لیے عرش تک پہنچنے میں رکاوٹ

رسول اللہ ﷺ فرمودہ کہ چون بندۂ مومن موئے لب پست دارد وکلمۂ شہادت گوید آن کلمۂ شہادت ہفت اسمانہا را حجاب نکند وہمچنان میرود تا بساقِ عرش رسد چنانکہ زنبور عسل غَرندہ می غرد تا خطاب حضرت رب العزت آید کہ چرا ساکن نباشی کلمہ گوید (مناجات کند) ای پروردگار من چگونہ ساکن باشم تا گویندۂ مرا نیامرزی امر آید از خدای عزوجل کہ گوئیدۂ تو را امرزیدم آن گاہ ساکن شود کہ اگر موئے لب دراز دارد کلمۂ شہادت گوید آن کلمہ گردِ دہانِ او میگردد وبیرون نیاید تا کاتبانِ اعمال آن را گوئید کہ چرا بیرون نمے آئی (نیائی) تا ثوابِ ترا بنویسیم کلمۂ گوید چگونہ بیرون آیم کہ چون این پردہ پلید در راہ است۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : کہ جب مومن بندہ مونچھوں کے بال پست رکھتا ہے اور کلمہ شہادت پڑھتا ہے، اس کلمہ شہادت کو سات آسمان پردہ نہیں کرتے (یعنی روکاوٹ نہیں بنتے) اور اسی طرح ساقِ عرش تک پہنچ جاتا ہے، جیسا کہ شہد کی مکھی ترنم کرتی ہے ترنم کرتا ہے یہاں تک کہ رب العزت کا خطاب آتا ہے کہ تو کیوں نہیں ٹھہرتا (خاموش کیوں نہیں ہوتا؟) کلمہ عرض کرتا ہے اے پروردگار میں کس طرح ٹھہر جاؤں (خاموش ہو جاؤں) جب تک کہ آپ میرے پڑھنے والے کو بخش نہ دیں، خدا عزوجل کی طرف سے حکم آتا ہے تجھے پڑھنے والے کو میں نے بخش دیا، اس وقت وہ ٹھہر جاتا ہے (خاموش ہو جاتا ہے)، اگر لمبی مونچھوں والا شخص کلمہ شہادت پڑھتا ہے، وہ کلمہ اس کے منہ میں پھرتا رہتا ہے، باہر نہیں آتا، یہاں تک کہ اعمال کے لکھنے والے اس کو کہتے ہیں تو باہر کیوں نہیں آتا؟ تا کہ ہم تیرا ثواب لکھیں، کلمہ کہتا ہے میں باہر کس طرح آؤں کہ جو یہ پلید

---

[1] (فتاوی الحجۃ، فتاوی مجمع الغرائب، ھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا، ص، ۲۰، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

[2] (حجۃ الھند، تذکرۃ الابرار والاشرار ص، ۲۴۵، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

پردہ راہ میں ہے۔ [1]

دلیری دل میں ہوتی ہے نہ کہ مونچھوں کو بڑھانے میں

درحجۃ الھند آوردہ است دیگر نشانۂ بدبختیٔ اہل کفر آنکہ سببِ زشتیٔ وجودِ ایشان و وجودِ دیگران است مقرر میدارند یعنی موئے سبلت نگاہ میدارند مانند خرس کہ ہمہ دہانِ وی بزیر موئے ماندہ است وبعضے ازین مسلمانِ گمراہان نیز رسم بجامی آرند بنابرآن کہ غازیانیم تا خصم را مہابت باشد این نوع یکے از جہل است زیرا کہ دلیری در دل است نہ در سبلت۔

حجۃ الھند میں آیا ہے کہ دوسری اہلِ کفر کی بدبختی کی نشانی وہ ہے کہ ان کے وجود کی برائی و بدشکلی کا سبب ہے اور دوسروں میں پائی جاتی ہے کہ برقرار رکھتے ہیں یعنی مونچھوں کے کناروں کو محفوظ رکھتے ہیں ریچھ کی طرح کہ اس کا پورا منہ بالوں کے نیچے رہتا ہے۔اور بعض گمراہ مسلمان بھی اس رسم کو بجالاتے ہے،اس بنا پر کہ ہم غازی (مجاہدین) ہیں تا کہ دشمن کو ہیبت ہو،یہ جہالت میں سے ایک قسم ہے،اس لیے کہ دلیری دل میں ہے نہ کہ مونچھوں کے کنارے بڑھانے میں۔ [2]

وبعض ازیں مسلمانان عقل جوے باریک موئے لب مے تانند بگمانِ آنکہ من سنت بجا آوردہ ام این نوع نیز جہل است زیرا کہ سنتِ رسول ﷺ را تمام بجامی باید آورد تا حکمِ اسلام او بتمام باشد ومعلوم عاقلان است کہ اصحابِ رسول کریم ﷺ شجاع ترین مردمان بودند وبجہتِ آشکارا کردنِ دین اسلام تا بچہ حد کوشش نمودہ اند واگر دراز داشتن سبلت چیزے بودی ایشاں نگاہ میداشتند چون نکو نبود (اے دراز کردن) اعراض کردند و سنتِ رسول ﷺ را بتمام وکمال بجا آوردند۔

اوران میں سے بعض مسلمان عقل جوی مونچھوں کے بال باریک لیتا ہے،اس گمان پر کہ میں سنت بجالایا ہوں،یہ بھی جہالت کی ایک قسم ہے،اس لیے کہ سنت رسول ﷺ تمام بجالانی چاہیے تا کہ اس کے اسلام کا حکم پورا ہو جائے،اور عقلمندوں کو معلوم ہے کہ اصحابِ رسول کریم ﷺ شجاع ترین لوگ تھے اور دین اسلام کو اشکارا (ظاہر) کرنے کی جہت سے انہوں نے کس حد تک کوشش کی۔اور اگر مونچھوں کے کناروں کو لمبا رکھنا کوئی چیز ہوتی تو وہ ان کو محفوظ رکھتے جب اچھی نہ تھی (یعنی لمبی مونچھیں رکھنا) تو انہوں نے اعراض کیا،سنتِ رسول ﷺ کو تمام اور کمال طور پر بجالائے۔ [3]

علامہ نظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وکان بعض السلف یترک سبالیہ وھما اطراف الشوارب کذافی الغرائب۔

اور بعض پہلے بزرگ لوگ مونچھوں کے کنارے چھوڑ دیتے تھے،جیسا کہ غرائب میں ہے۔ [4]

شیخ داؤد ابن یوسف حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،اور علامہ نظام حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۱۶۱ھ لکھتے ہیں:

قالوا ولا باس یطول الشارب للغزاۃ لیکون اھیب فی عین العدو۔

---

[1] (صلوٰۃ مسعودی،باب ہشتم در بیان طہارت،ج،۱،ص،۸۰،۸۱،و طبع محمدی تاجران کتب بمبئی،حجۃ الہند،تذکرۃ الابرار والاشرار،ص،۲۴۵،اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور،ھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار،الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا،ص،۲۰،اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

[2] (حجۃ الہند،تذکرۃ الابرار والاشرار،ص،۲۴۴،اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور،ھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار،الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا،ص،۱۹،۲۰،اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

[3] (تذکرۃ الابرار والاشرار،ص،۲۴۵،اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور،ھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار،الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا،ص،۲۰،اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

[4] (عالمگیری کتاب الکراھیۃ،ج،۵،ص،۴۳۸،قدیمی کتب خانہ کراچی)

اور مشائخ نے فرمایا کہ غازیوں کے لیے مونچھیں بڑھانے میں حرج نہیں ہے تا کہ دشمنوں کی آنکھوں میں ہیبت ناک معلوم ہوں۔[1]

امام محمد غزالی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۵۰۵ اور علامہ زبیدی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۰۵ لکھتے ہیں:

(ولا بأس بترک سبالیه وهما طرفا الشارب) عن یمین وعن شمال (فعل ذلک عمر) بن الخطاب رضی اللہ عنه (وغیره) من الصحابة والتابعین منهم الحسن بن سالم کما فی القوت (لأن ذلک لا یستر الفم) لبعدهما عنه (ولا یبقی فیه غمر الطعام) ای زفره (اذ لا یصل الیه) وقت الاکل۔

سبالیہ: چھوڑنے میں حرج نہیں اور وہ مونچھوں کے دونوں کنارے ہیں دائیں طرف سے اور بائیں طرف سے، (بعض سلف کا یہ طریقہ تھا کہ وہ مونچھوں کا درمیانی حصہ خوب کٹوا دیتے اور مونچھوں کے آخری دونوں کنارے چھوڑ دیتے۔ "قوت القلوب" حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ صحابہ اور تابعین یونہی کیا کرتے تھے، ان میں ابوالحسن بن سالم ہیں جیسا کہ قوت القلوب میں ہے، کیونکہ یہ سبالیہ نہ تو منہ کو ڈھانپتا ہے، دونوں کناروں کا منہ سے دور ہونے وجہ سے اور نہ ہی اس میں کھانے کی کوئی چیز رہ سکتی ہے، بلکہ کھاتے وقت وہاں تک پہنچتی ہی نہیں۔[2]

مونچھوں کے دونوں کناروں کو باقی رکھنا مکروہ ہے

علامہ ابن عابدین شامی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

واختلفوا هل یقص طرفاه ایضا وهما المسمیان بالسبالین ام یترکهما کما یفعله کثیر من الناس؟ قیل لا باس بترک سبالیه فعل ذلک عمر وغیره، وقیل کره بقاء السبال لما فیه من التشبه بالاعاجم بل بالمجوس واهل الکتاب۔ (قال العراقی فی شرح التقریب) وهذا اولی بالصواب لما رواه ابن حبان فی صحیحه من حدیث ابن عمر قال: ذکر رسول اللہ ﷺ المجوس فقال انهم یوفرون سبالهم ویحلقون لحاهم فخالفوهم۔

کیا مونچھوں کے دونوں کناروں کو بھی کاٹا جائے یا مونچھوں کے دونوں کناروں کو چھوڑ دیا جائے جیسا کہ اس کو بہت سے لوگ کرتے ہیں؟ ایک قول ہے کہ مونچھوں کے دونوں کناروں کو چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے علاوہ نے کیا، اور ایک قول ہے کہ مونچھوں کے کناروں کو باقی رکھنا مکروہ ہے، کیونکہ اس میں پارسیوں بلکہ مجوسیوں اور اہل کتاب (یہود، نصاریٰ) سے مشابہت ہے۔ (علامہ عراقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح التقریب میں فرمایا) اور یہ درستگی کے زیادہ قریب ہے، اس واسطے کہ ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو روایت کیا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے مجوس کا ذکر فرمایا: وہ اپنی مونچھوں کے کنارے بڑھاتے ہیں اور داڑھیاں مونڈتے ہیں تم ان کی مخالفت کرو۔[3]

قال فکان ابن عمر یستقرض سبلته فیجزها کما تجز الشاة او البعیر۔

فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی مونچھوں کے کناروں کو پکڑتے اور اس طرح مونڈتے تھے جیسا کہ بکری یا اونٹ کو مونڈا جاتا ہے۔[4]

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

---

[1] (الفتاوی الغیاثیۃ، کتاب الاستحسان والکراھیۃ، ص ۱۰۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، فتاویٰ عالمگیری، کتاب الکراھیۃ، الباب التاسع عشر، ج ۵، ص ۴۳۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2] (قوت القلوب، الفصل السادس والثلاثون، ج ۲، ص ۲۴۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء العلوم الدین، کتاب اسرار الطہارۃ، القسم الثالث، ج ۲، ص ۶۵۰، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[3] (منحۃ الخالق علی البحر الرائق، ج ۳، ص ۱۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء العلوم الدین کتاب اسرار الطہارۃ، القسم الثالث، ج ۲، ص ۶۵۰، ۶۵۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[4] (شعب الایمان، ج ۵، ص ۲۲۰، رقم ۶۴۴۸؛ فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج ۱۰، ۲۹۳، دار المعرفۃ بیروت)

واما الشارب فهو الشعر النابت علی الشفة العلیا، واختلف فی جانبیه وهما السبالان فقیل هما من الشارب فیشرع قصهما معه، وقیل من جملة شعر اللحیة۔

اور شارب (مونچھیں) تو وہ اوپر والے ہونٹ پر اگنے والے بال ہیں، اور اس کے دونوں کناروں میں اختلاف ہے اور وہ ''سبالان'' ہیں تو ایک قول ہے کہ یہ دونوں مونچھوں میں داخل ہیں تو مونچھوں کے ساتھ ان دونوں کا کاٹنا مشروع ہے، ایک قول ہے کہ یہ دونوں منجملہ داڑھی کے بال ہیں۔[1]

علامہ ابن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

فعلی هذا یحمل ما روی عن عمر ان ثبت انه یذهب الی الثانی۔

اسی بات پر وہ محمول ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو داڑھی کے زمرے میں لا کر چھوڑ دیا ہے۔[2]

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

ولہٰذا مجاہدین کو لمبیں بڑھانے کی اجازت ہوئی حالانکہ اوروں کو بالاتفاق مکروہ۔[3]

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مونچھیں منڈواتے تھے

امام ابوجعفر طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ فرماتے ہیں:

وقد روی عن جماعة من المتقدمین ماحدثنا ابن ابی عقیل قال ثنا ابن وهب قال اخبرنی اسمٰعیل بن عیاش قال حدثنی اسمٰعیل بن ابی خالد قال رایت انس بن مالک وواثلة بن اسقع یحفیان شواربهما ویعفیان لحهما ویصفّرانها۔

متقدمین کی ایک جماعت سے مروی ہے حضرت اسمٰعیل بن ابی خالد فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ دیکھا کہ: وہ اپنی مونچھوں کو منڈواتے اور داڑھیوں کو بڑھاتے، اور انہیں (مہندی کے ذریعے) زرد کرتے تھے۔[4]

قال اسمٰعیل وحدثنی عثمان بن عبید اللہ بن رافع المدنی قال رایت عبداللہ بن عمر وابا هریرة وابا سعید الخدری وابا اسید الساعدی ورافع بن خدیج وجابر بن عبداللہ وانس بن مالک وسلمة بن الاکوع یفعلون ذلک۔

حضرت اسماعیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عثمان بن عبید اللہ بن رافع المدنی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابواسید ساعدی، حضرت رافع بن خدیج، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت انس بن مالک اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو دیکھا: وہ اسی طرح کرتے تھے۔[5]

حدثنا محمد بن النعمان قال ثنا ابو ثابت قال ثنا عبدالعزیز بن محمد ان عثمان بن عبیداللہ بن ابی رافع قال رایت اباسعید الخدری وابا اسید ورافع بن خدیج وسهل بن سعد وعبداللہ بن عمر وجابر بن عبداللہ وابا هریرة یحفون شواربهم۔

حضرت عثمان بن عبید اللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے حضرت ابوسعید خدری، ابواسید، رافع بن خدیج، سہل بن سعد، عبداللہ بن عمر

---

[1] (فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب اللباس باب قص الشارب، ج۱۰، ص۲۹۳، دار المعرفہ بیروت، منحۃ الخالق علی البحر الرائق کتاب الحج باب الجنایات، ج۳، ص۱۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[2] (منحۃ الخالق علی البحر الرائق، ج۳، ص۱۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[3] (فتاویٰ رضویہ، ج۲۲، ص۵۹۲، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

[4] (شرح معانی الآثار، کتاب الکراھۃ، ج۲، ص۳۰۸، مکتبہ حقانیہ ملتان)

[5] (شرح معانی الآثار، کتاب الکراھۃ، ج۲، ص۳۰۸، مکتبہ حقانیہ ملتان)

،جابر بن عبداللہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا: وہ مونچھوں کو منڈواتے تھے۔[1]

حدثنا بن ابی داؤد قال ثنا احمد بن عبداللہ بن یونس قال ثنا عاصم بن محمد عن ابیہ عن ابن عمر انہ: کان یحفی شاربہ حتی یری (فی روایۃ: ینظر) بیاض الجلد۔

حضرت عاصم بن محمد رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اور وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ: وہ اپنی مونچھوں کو منڈواتے تھے حتیٰ کہ جلد کی سفیدی نظر آتی۔[2]

حدثنا بن ابی داؤد قال ثنا حامد بن یحی قال ثنا سفیان ان ابراھیم بن محمد بن حاطب قال رایت بن عمر: یحفی شاربہ۔

حضرت ابراہیم بن محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ: وہ اپنی مونچھوں منڈواتے تھے۔[3]

حدثنا فھد قال ثنا محمد بن سعید الاصبھانی قال شریک ان عثمان بن ابراھیم الحاطبی قال رایت ابن عمر: یحفی شاربہ وانہ ینتفہ۔

حضرت عثمان بن ابراہیم حاطبی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ: آپ مونچھوں کو منڈواتے تھے، گویا ان کو اکھیڑتے تھے۔[4]

عن عثمان بن ابراھیم بن ابراھیم بن محمد بن حاطب قال رأیت عبداللہ بن عمر: قد احفی شاربہ حتی کانہ ینتفہ۔

عثمان بن ابراہیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا: انہوں نے اپنی مونچھوں اتنا مونڈا ہوا تھا کہ جیسے نوچا ہو۔[5]

حدثنا ابن مرزوق قال ثنا وھب قال ثنا شعبۃ ان عبداللہ بن دینار عن ابن عمر: انہ کان یحفی شاربہ۔

حضرت عبداوللہ بن دینار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ: مونچھوں کو منڈواتے تھے۔[6]

حدثنا یونس قال ثنا عبداللہ بن یوسف ان ابن لھیعۃ ان عقبۃ بن مسلم قال: مارایت احدا اشد احفاء شاربہ من ابن عمر کان یحفیہ حتی ان الجلد لیری۔

حضرت عقبہ بن مسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو مونچھیں صاف کرنے والا نہیں دیکھا ،آپ منڈواتے حتیٰ کہ چمڑے کی سفیدی دیکھائی دیتی۔[7]

حدثنا کثیر بن ھشام عن جعفر بن برقان عن حبیب قال: رایت ابن عمر: قد جزّ شاربہ کانہ قد حلقہ۔

حضرت حبیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا اپنی مونچھوں کو صاف کیا ہوا ہے گویا کہ ان کو مونڈوایا ہوا ہو۔[8]

---

[1] (شرح معانی الآثار، کتاب الکراھۃ، ج ۲، ص ۳۰۸، مکتبہ حقانیہ ملتان)

[2] (شرح معانی الآثار، کتاب الکراھۃ، ج ۲، ص ۳۰۷، مکتبہ حقانیہ ملتان، عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج ۲۲ ص ۴۳، دار الفکر بیروت)

[3] (شرح معانی الآثار، کتاب الکراھۃ، ج ۲، ص ۳۰۸، مکتبہ حقانیہ ملتان)

[4] (مصنف ابن ابی شیبۃ کتاب الادب، ج ۸، ص ۳۷۷، ادارۃ القران والعلوم الاسلامیۃ کراتشی، شرح معانی الآثار، کتاب الکراھۃ، ج ۲، ص ۳۰۸، مکتبہ حقانیہ ملتان)

[5] (ابن عساکر، شعب الایمان، ج ۱۳، ص ۵۸۷، رقم ۶۱۷۶: طبقات ابن سعد، ج ۴، ص ۱۷۶، زاد المعاد، ج ۱، ص ۱۷۱، تاریخ دمشق، ج ۳۸، ص ۳۱۵، رقم ۴۵۷۳:)

[6] (شرح معانی الآثار، کتاب الکراھۃ، ج ۲، ص ۳۰۸، مکتبہ حقانیہ ملتان)

[7] (شرح معانی الآثار، کتاب الکراھۃ، ج ۲، ص ۳۰۸، مکتبہ حقانیہ ملتان)

[8] (مصنف ابن ابی شیبۃ کتاب الادب، ج ۸، ص ۳۷۷، ادارۃ القران والعلوم الاسلامیۃ کراتشی)

ابو بکر الاثرم من طریق عمر بن ابی سلمة عن ابیه قال رأیت ابن عمر :یحفی شاربه حتی لا یترک منه شیأ۔

امام ابو بکر بن اثرم ص نے بطریق عمر بن ابی سلمہ ص عن ابیہ روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا : میں نے ابن عمر ص کو دیکھا کہ : وہ اپنی مونچھوں کو اتنا مونڈتے، یہاں تک کہ اس میں سے کچھ نہ چھوڑتے تھے۔[1]

عن عبداللہ بن عمر قال :أمرنا أن نبشر الشوارب بشرا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا: ہمیں مونچھیں مونڈ کر کھال ظاہر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔[2]

عن نافع قال قیل لابن عمر انک تحفی شاربک قال رأیت رسول اللہ ﷺ یفعله۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ اپنی مونچھیں مونڈتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔[3]

أخبرنا عبید اللہ بن عمر عن سعید المقبری عن ابن جریج :أنه قال لابن عمر :رأتک تحفی شاربک ؟قال :رأیت النبی ﷺ یحفی شاربه۔

حضرت جریج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میں نے آپ کو اپنی مونچھیں مونڈتے دیکھا ہے؟ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی کریم ﷺ کو اپنی مونچھیں مونڈتے دیکھا ہے۔[4]

حدثنا سفیان عن محمد بن عجلان عن عبید اللہ بن ابی رافع قال رایت اباسعید و رافع بن خدیج و سلمة ابن الاکوع و ابن عمر و جابر بن عبداللہ و ابا اسید :ینهکون شواربهم کالحلق۔

حضرت عبید اللہ بن ابی رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں ابوسعید اور رافع بن خدیج اور سلمہ بن اکوع اور ابو اسید رضی اللہ عنہ کو دیکھا: وہ اپنی مونچھوں کو مونڈنے کی طرح کاٹنے میں مبالغہ کرتے تھے۔[5]

عبدالاعلی عن هشام عن الحسن و محمد :انهما کانا یحفیان شواربهما۔

عبدالاعلی از ہشام از حسن اور محمد سے روایت کرتے ہیں کہ : وہ دونوں اپنی مونچھوں کو مونڈتے تھے۔[6]

اخرجه الطبری من طرق عن عروة و سالم و القاسم و ابی سلمة :انهم یحلقون شواربهم۔

طبری نے عروہ، سالم، قاسم اور ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی اسناد سے لکھا ہے: وہ اپنی مونچھوں کو مونڈتے تھے۔[7]

امام محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

---

[1] (فتح الباری شرح صحیح البخاری کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج ۱۰، ۲۸۱، دار المعرفۃ بیروت)

[2] (مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۸، ص ۳۷۸، رقم ۵۵۵۱: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراتشی)

[3] (دار قطنی فی الافراد، و معجم کبیر طبرانی، ج ۱۱، ص ۳۱۵، رقم ۶۹۱: و اطراف الغرائب ولافراد، ج ۳، ص ۴۷۲، رقم ۳۳۱۳: طبقات الکبریٰ، ابن سعد: رقم ۱۱۵۲:)

[4] (طبقات ابن سعد، ج ۱، ص ۳۳۹، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ، ج ۱۱، ص ۳۹۸، مکتبۃ المعارف الریاض)

[5] (العلل لابن ابی حاتم، ج ۱، ص ۲۲۷۶، رقم ۲۲۲۳: سنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۱، ص ۱۵۱، رقم ۷۱۷: معرفۃ الصحابۃ لابی نعیم، ج ۴، ص ۴۱۴، رقم ۱۳۸۸ :مصنف ابن ابی شیبۃ کتاب الادب، ج ۸، ص ۳۷۷، ادارۃ القران والعلوم الاسلامیۃ کراتشی، فتح الباری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج ۱۰، ص ۲۹۴، المکتبۃ الاسلامیۃ، دار المعرفۃ بیروت)

[6] (مصنف ابن ابی شیبۃ کتاب الادب، ج ۸، ص ۳۷۷، ادارۃ القران والعلوم الاسلامیۃ کراتشی)

[7] (فتح الباری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج ۱۰، ص ۲۹۴، المکتبۃ الاسلامیۃ، دار المعرفۃ بیروت)

نقل عن الصحابة: نظر بعض التابعين الی رجل احفی شاربه فقال: ذکرتنی اصحاب رسول اللہ ﷺ۔

صحابہ سے منقول ہے کہ کسی تابعی نے کسی کو دیکھا کہ اپنی مونچھوں کو مونڈا ہوا ہے، فرمایا کہ تو نے مجھے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی یاد دلائی۔[1]

شیخ ابوطالب محمد بن عطیہ حارثی المکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۸۶ھ لکھتے ہیں:

وقد کان کثیر من أصحاب رسول اللہ ﷺ یحفی شاربه۔ ونظر بعض التابعین الی رجل أحفی شاربه۔ فقال: ذکرتنی أصحاب رسول اللہ ﷺ قال: فقلت هکذا کانوا یحفون شواربهم؟ فقال نعم وأشد من هذا کالحلق۔

جناب رسول اللہ ﷺ کے بیشتر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مونچھوں کو خوب طرح کٹوا دیتے۔ ایک تابعی نے ایک آدمی کو جس کی مونچھیں خوب اچھی طرح کٹی ہوئی تھیں، فرمایا: تو نے مجھے جناب رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یاد تازہ کرادی۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: کیا وہ اپنی مونچھوں کو خوب صاف کرا لیتے تھے؟ فرمایا: ہاں، اور اس سے بھی خوب تر جیسے مونڈ رکھی ہوں۔[2]

مونچھیں منڈانے میں جو فضیلت ہے وہ کاٹنے میں نہیں ہے

امام ابوجعفر طحاوی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۲۱ھ فرماتے ہیں:

فهولاء اصحاب رسول اللہ ﷺ قد کانوا یحفون شواربهم وفیهم ابوهریرة وهو ممن روینا عنه عن رسول اللہ ﷺ انه قال: من فطرة قص الشارب فدل ذلک ان قص الشارب من الفطرة وهو مما لا بد منه وان ما بعد ذلک من الاحفاء هو افضل وفیه من اصابة الخیر لیس فی القص۔

تو یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو مونچھوں کو منڈواتے تھے اور ان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں جو ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا تو آپ نے فرمایا: مونچھوں کو کٹوانا فطرت سے ہے، تو یہ اس بات پر دلالت ہے کہ مونچھوں کا کاٹنا فطرت سے ہے اور یہ ضروری بات ہے اور اس کے بعد منڈوانا افضل ہے، اور اس میں وہ فضیلت ہے جو کاٹنے میں نہیں ہے۔[3]

حضرت امام ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۲۱ھ فرماتے ہیں:

فذهب قوم من اهل المدینة الی هذا الاثار واختاروا لها قص الشارب علی احفائه وخالفهم فی ذلک آخرون فقالوا بل تستحب احفاء الشوارب ونراه افضل من قصها واحتجوا فی ذلک بما حدثنا محمد بن علی بن محرز قال ثنا یحی بن ابی بکر قال ثنا الحسن بن صالح عن سماک بن حرب عن عکرمة عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ یجز شاربه وکان ابراهیم ﷺ یجز شاربه۔

اہل مدینہ میں سے ایک جماعت ان روایات کی طرف گئی ہے اور انہوں نے مونچھوں بالکل صاف کرنے پر کاٹنے کو ترجیح دی ہے لیکن دوسرے حضرات نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے فرمایا کہ مونچھوں کو منڈوانا مستحب ہے اور ہمارے خیال میں یہ کٹوانے سے افضل ہے انہوں نے اس سلسلے میں اس طرح استدلال کیا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ اپنی مونچھوں کو منڈواتے تھے

---

[1] (اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء العلوم الدین، کتاب اسرار الطہارۃ، القسم الثالث، ج۲، ص۶۵۰، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2] (قوت القلوب، الفصل السادس والثلاثون، ج۲، ص۲۴۱، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[3] (شرح معانی الآثار، کتاب الکراھۃ، ج۲، ص۳۰۸، مکتبہ حقانیہ ملتان)

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنی مونچھوں کو منڈواتے تھے۔[1]

علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

فقال الطحاوی ذهب قوم من اهل المدينة الى ان قص الشارب هو المختار على احفاء قلت اراد بالقوم هؤلاء سالما و سعيد بن المسيب و عروه بن الزبير و جعفر بن الزبير و عبدالله بن عبدالله بن عتبة و ابابكر بن عبدالرحمن بن الحارث فانهم قالوا المستحب هو ان يختار قص الشارب على احفائه و اليه ذهب حميد بن هلال و الحسن البصری و محمد بن سيرين و عطاء بن ابی رباح و هو مذهب مالک ايضا و قال عياض ذهب كثير من السلف الى منع الحلق و الاستئصال فی الشارب و هو مذهب مالک ايضا و كان يری حلقه مثلة و يامر بادب فاعله و كان يكره ان ياخذ من اعلاه و المستحب ان ياخذ منه حتی يبدو الاطار و هو طرف الشفة و قال الطحاوی و خالفهم فی ذلک آخرون فقالوا بل يستحب احفاء الشوارب و نراه افضل من قصها قلت اراد بقوله الآخرون جمهور السلف منهم اهل الكوفة و مكحول و محمد بن عجلان و نافع مولی ابن عمر و ابو حنيفة و ابو يوسف و محمد رضی الله عنهم فانهم قالوا المستحب احفاء الشارب و هو افضل من قصها و روی ذلک عن فعل ابن عمر و ابی سعيد الخدری و رافع بن خديج و سلمة بن اكوع و جابر بن عبدالله و ابی اسيد و عبدالله بن عمر رضی الله عنهم و ذكر ذلک كله ابن ابی شيبة باسنادهم اليهم۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ بعض اہل مدینہ کے نزدیک مونچھیں ترشوانا ''احفاء'' (بہت زیادہ کاٹنے) سے زیادہ پسندیدہ ہے۔میں (علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں ان لوگوں سے مراد سالم، سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر، جعفر بن زبیر، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ اور ابو بکر بن عبدالرحمن بن حارث ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ مونچھوں کے مونڈنے پر مونچھوں کے کاٹنے کو اختیار کرنا مستحب ہے، اور وہ حمید بن ہلال، حسن بصری، محمد بن سرین، عطاء بن ابی رباح اور امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔اور عیاض نے فرمایا سلف میں سے کثیر لوگوں کا مذہب مونچھوں کو مونڈنے اور جڑ سے ختم کرنے سے منع کا ہے اور امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے اور امام مالک مونچھیں منڈوانے کو مثلہ قرار دیتے تھے، اور مونچھیں مونڈنے والے کو سزا دینے کا حکم دیتے تھے اور اس کے اوپر سے کاٹنے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔اور مونچھیں کاٹنا مستحب ہے حتی کہ ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے۔اور امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اور دوسرے حضرات نے ان کی مخالفت کرتے فرمایا کہ مونچھوں کو منڈوانا مستحب ہے اور ہمارے خیال میں یہ کٹوانے سے افضل ہے۔میں کہتا ہوں کہ طحاوی کے قول الآخرون سے مراد جمہور سلف ہیں، جن میں اہل کوفہ، مکحول، محمد بن عجلان، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے غلام نافع، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پس انہوں نے فرمایا: مونچھوں کو مونڈنا مستحب (یعنی سنت) ہے اور یہ کاٹنے سے افضل ہے۔یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے، ابوسعید خدری، حضرت رافع بن خدیج، حضرت سلمہ بن اکوع، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت ابواسید اور حضرت عبداللہ بن عمرث سے مروی ہے، اس تمام کو ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ ان کے عمل کو روایت کیا ہے۔[2]

حلق کی لغوی تحقیق

الحلق :الازالة ،يقال :حلق رأسه حلقا و تحلاقا اذا أزال شعره۔

---

[1] (شرح معانی الآثار، کتاب الکراھۃ، ج۲، ص۳۰۷، مکتبہ حقانیہ ملتان)

[2] (عمدۃ القاری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، الجزء الثانی والعشرون، ج۲۲، ص۴۴، دار الفکر بیروت)

حلق: کا معنی ہے، زائل کرنا، اس نے اپنے سر کا حلق کیا، اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ اپنے بالوں کو زائل کر دے۔ یعنی مونڈ کر ختم کر دے۔ [1]

احفاء، کے معنی کی لغوی تحقیق

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

احفاء: أحفيت الشارب أخذته أخذاً متناهياً۔

احفاء: احفیت الشارب۔ کا معنی ہے، میں نے مونچھوں کو انتہا سے کاٹا۔ یعنی مونڈ دیا۔ [2]

علامہ زبیدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

حفا (شاربه) حفوا: (بالغ في أخذه) والزق جزّه، (كأحفاه)، ومنه الحديث: "أمر أن تحفى الشوارب وتعفى اللحى" أي يبالغ في قصها۔ وفي بعض الآثار: "من أحفى شاربيه نظر الله اليه"۔ وبه تمسك الصوفية في احفاء الشوارب۔

حفا شاربه حفوا: کا معنی ہے اس نے اپنی مونچھیں کاٹنے میں مبالغہ کیا۔ اور حدیث شریف میں ہے: ان تحفى الشوارب۔ یعنی مونچھیں کاٹنے میں مبالغہ کرنا۔ اور آثار میں ہے: جس شخص نے اپنی مونچھوں کو کاٹنے میں مبالغہ کیا یعنی مونڈ دیا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر فرمائے گا۔ اور اس سے صوفیاء نے مونچھیں مونڈانے کے بارے میں استدلال کیا۔ [3]

الاحفاء: الاستئصال، يقال: أحفى الرجل شاربه اذا بالغ في أخذه وقصه۔

احفاء: کا معنی ہے، استئصال کرنا یعنی جڑ سے اکھاڑ کر ختم کرنا، مرد نے اپنی مونچھوں کا احفاء کیا، اس وقت کہا جاتا ہے جب وہ مونچھوں کے کاٹنے میں مبالغہ کرے۔ [4]

استیصال: کا معنی ہے، بیخ کنی کرنا۔ جڑ سے اکھیڑنا۔ [5]

استیصال: کا معنی ہے، جڑ سے اکھاڑنا، تباہ کرنا۔ [6]

احفاء: بروت را بسیار گرفتن۔

احفاء: کا معنی ہے، مونچھوں کو بہت زیادہ دور کرنا۔ یعنی مونچھوں کو کاٹنے میں خوب مبالغہ کرنا۔ [7]

امام جلال الدین سیوطی، شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما، متوفی ۹۱۱ھ، اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، لکھتے ہیں: **قال في النهاية: احفاء الشوارب أن يبالغ في قصها۔**

"النہایہ" میں ہے: احفاء الشوارب کا مطلب ہے کہ مونچھوں کو کاٹنے میں خوب مبالغہ کیا جائے۔ [8]

---

[1] (القاموس المحیط)

[2] (معجم مفردات الفاظ القرآن، ص ۱۲۴، میر محمد کتب خانہ کراچی)

[3] (تاج العروس، ۷، ۳، ص ۲۲۶، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[4] (لسان العرب، المصباح المنیر)

[5] (جامع حسن اللغات، فارسی اردو، ص ۴۲، اورینٹل بک سوسائٹی گنپت روڈ لاہور، لغات کشوری، ص ۲۲، میر محمد کتب خانہ کراچی، فیروز اللغات، اردو، جامع، ۹۵، فیروز سنز، لاہور، راولپنڈی، کراچی)

[6] (فیروز اللغات، فارسی اردو، ۴۸، فیروز سنز، لاہور، راولپنڈی، کراچی)

[7] (منتخب اللغات، ص ۸، میر محمد کتب خانہ کراچی)

[8] (مجموعہ رسائل سیوطی، بلوغ المآرب فی قص الشوارب، ج ۱، ص ۱۲۴، دار الاخلاص لاہور، الفتاوی تنقیح الحامدیہ، ج ۲، ص ۳۶۳، المکتبۃ الحسینیۃ، کوئٹہ)

ملا علی قاری ''واحفوا الشوارب'' کے تحت لکھتے ہیں:

ای بالغ فی جزہ۔قیل :الاحفاء قریب من الحلق۔

یعنی اس کے کاٹنے میں خوب مبالغہ سے کام لینا۔بعض نے کہا ہے کہ''احفاء''حلق (مونڈنے) کے قریب ہے۔(یعنی اتنا کاٹنا کہ وہ حلق معلوم ہو)[1]

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یقال احفی شعرہ اذا استاصلہ حتی یصیر کالحلق۔

اس نے اپنے بالوں کا احفاء کیا،اس وقت کہا جاتا ہے جب ان کو جڑ سے ختم کر دیا جائے یہاں تک کہ مونڈنے کی طرح ہو جائے۔[2]

امام محمد بن محمد غزالی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

وفی لفظ آخر:''احفوا''وھذا یشعر بالاستئصال۔

ایک روایت میں ''احفوا'' ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ (مونچھوں کو) جڑ سے اکھاڑنا مقصود ہے۔[3]

امام محمد بن محمد غزالی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

الاحفاء القریب من الحلق۔

احفاء مونڈنے کے قریب ہے۔[4]

شیخ ابوطالب محمد بن عطیہ حارثی المکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۸۶ھ ''احفوا الشوارب'' کے تحت لکھتے ہیں:

والاحفاء :ھو الاستئصال۔

''احفاء'' کا معنی یہ ہے کہ انہیں جڑ سے ختم کرنا ہے۔[5]

الاحفاء:الاستقصاء۔

احفاء: کا معنی ہے۔استقصاء۔[6]

احفاء واحفی شاربہ،ای استقصی فی اخذہ والزق جزہ۔

احفاء واحفی شاربہ، اس نے اپنی مونچھوں کا احفاء کیا،یعنی وہ اپنی مونچھوں کے کاٹنے میں انتہا کو پہنچ گیا۔[7]

استقصاء: کا معنی ہے،انتہائی کوشش کرنا۔پوری کوشش کرنا۔[8]

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح،ج،۸،ص،۲۷۳،مطبوعہ المکتبہ الرشیدیہ کوئٹہ)

[2] (عینی عمدۃ القاری شرح البخاری،کتاب اللباس،باب قص الشارب،ج،۱۱الجزء الثانی والعشرون،۲۲،ص،۴۳،دارالفکر بیروت)

[3] (اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء العلوم الدین،ج،۲،ص،۶۴۹،دارالکتب العلمیۃ بیروت)

[4] (اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء العلوم الدین،ج،۲،ص،۶۵۰،دارالکتب العلمیۃ بیروت)

[5] (قوت القلوب،ج،۲،ص،۲۴۱،دارالکتب العلمیہ بیروت)

[6] (الصحاح،ج،۵،ص،۱۳۷۴،داراالاحیاء التراث العربی بیروت،فتح الباری شرح صحیح البخاری،کتاب اللباس،ج،۱۱،ص،۲۹۴،دارالکتب العلمیہ بیروت)

[7] (الصحاح،ج،۵،ص،۱۳۷۴،۱۳۷۵،داراالاحیاء التراث العربی بیروت)

[8] (فیروز اللغات،اردو،جامع،۹۴۴،فیروز سنز،لاہور،راولپنڈی،کراچی)

استقصاء: کا معنی ہے، کوشش تمام کرنا۔ اور کسی چیز کی انتہا کو پہنچنا۔ [1]

استقصاء: کا معنی ہے، بہت کوشش کرنا۔ کسی چیز کی انتہا کو پہنچنا۔ [2]

نھک، کے معنی کی لغوی تحقیق

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

النهک :المبالغة۔ "أنهکوا" أی :بالغوا فی القص، والنهک:المبالغة۔

نھک: کا معنی ہے، مبالغہ کرنا۔ "انھکوا" یعنی: (مونچھیں) کاٹنے میں مبالغہ کرو۔ [3]

علامہ زبیدی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

النهک:المبالغة فی کل شیء۔

نھک : کا معنی ہے کہ ہر چیز میں مبالغہ کرنا۔ [4]

نھک: کا معنی ہے فنا کرنا۔ [5]

انهکوا الشوارب :مونچھوں کو خوب کاٹو۔ [6]

حافظ الحدیث علامہ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

والنهک:المبالغة فی الازالة۔

نھک: (مونچھوں کے بالوں کو) دور کرنے، زائل کرنے، مٹانے میں مبالغہ کرنا۔ [7]

جز : کے لغوی معنی کی تحقیق

حافظ الحدیث علامہ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

الجزّ :وهو قص الشعر والصوف الی ان یبلغ الجلد

"الجز" وہ بالوں اور اون کو اس حد تک کاٹنا کہ وہ جلد تک پہنچ جائے۔ [8]

قص، کے معنی کی لغوی تحقیق

القص:أصل القص القطع، یقال:قصصت ما بینهما أی:قطعت، وقص الشعر قطعه، وأخذه بالمقص۔

---

[1] (لغات کشوری، ص، ۲۰، میر محمد کتب خانہ کراچی)

[2] (جامع حسن اللغات، فارسی اردو، ص، ۴۱، اوریئنٹل بک سوسائٹی گنپت روڈ لاہور)

[3] (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب اللباس، ج، ۲۲، ص، ۷۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، بریقۃ محمودیۃ فی شرح طریقۃ محمدیۃ، ج، ۴، ص، ۱۷۴، مکتبۃ العلوم الدینیۃ کوئٹہ، الوسیلۃ الاحمدیۃ والذریعۃ السرمدیۃ فی شرح الطریقۃ المحمدیۃ علی حاشیہ بریقہ، ج، ۴، ص، ۱۷۴، مکتبۃ العلوم الدینیۃ کوئٹہ)

[4] (تاج العروس، ۲۷، ص، ۲۲۷، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[5] (لغات الحدیث، کتاب "ن"، ج، ۴، ۱۷۱، میر محمد کتب خانہ کراچی)

[6] (لغات الحدیث، کتاب "ن"، ج، ۴، ۱۷۲، میر محمد کتب خانہ کراچی)

[7] (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب اللباس، ج، ۱۱، ص، ۲۹۴، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[8] (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب اللباس، ج، ۱۱، ص، ۲۹۴، دار الکتب العلمیہ بیروت)

قص: کا معنی ہے، قص کی اصل قطع یعنی کاٹنا ہے، کہا جاتا کہ میں نے ان دونوں کے درمیان کو کاٹ دیا یعنی: میں نے قطع کیا، بالوں کا قص ان کا قطع کرنا ہے، اور ان کو قینچی کے ساتھ کاٹا۔[1]

والطرّ کا لغوی معنی

شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۳۸۶ھ، علامہ زبیدی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

والطرّ: أن يؤخذ من فوق الشارب ومن تحته حتى يستدق۔

مونچھوں کو اوپر اور ان کے نیچے سے کاٹنا یہاں تک کہ باریک ہو جائیں۔[2]

سبالتان کا لغوی معنی

السبالتان طرفا لشارب۔ سباله کہتے ہیں مونچھ کے کنارے کو۔ (جو لب کے دونوں طرف ہوتا ہے اس کا کتروانا مستحب ہے، اگر نہ کترائے تو بھی کچھ قباحت نہیں ہے کیونکہ وہ منہ کو نہیں چھپاتا نہ کھانے کی چکنائی ان میں لگتی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سبالہ رکھتے تھے اس کو نہیں کترتے تھے۔)[3]

ہروی نے کہا سبالہ وہ بال ہیں: جو نیچے کے جبڑے کے تلے ہوتے ہیں سبلہ داڑھی کے سامنے کے حصے کو اور جو داڑھی سینہ پر لٹکی ہو اس کو بھی کہتے ہیں۔[4]

مونچھیں منڈانے کے متعلق احادیث کی شرح

حافظ الحدیث علامہ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۲ھ لکھتے:

واما القص فهو الذى فى اكثر الاحاديث كما هنا وفى حديث عائشة وحديث انس كذلك كلاهما عند مسلم وكذا حديث حنظلة عن ابن عمر فى اول الباب وورد الخبر بلفظ الحلق وهى رواية النسائى عن محمد بن عبد الله بن يزيد عن عينية بسند هذا الباب رواه جمهور اصحاب بلفظ القص وكذا سائر روايات عن شيخه الزهرى ووقع عند النسائى من طريق سعيد المقبرى عن ابى هريرة بلفظ تقصير الشارب نعم وقع الامر بما يشعر بان رواية الحلق محفوظة كحديث العلاء بن عبد الرحمٰن عن ابيه عن ابى هريرة عند مسلم بلفظ "جزوا الشوارب" وحديث ابن عمر المذكور فى الباب الذى يليه بلفظ "احفوا الشوارب" وفى الباب الذى يليه بلفظ "انهكوا الشوارب" فكل هذه الالفاظ تدل على ان المطلوب المبالغة فى الازالة، لان الجز وهو بالجيم والزاى الثقيلة قص الشعر والصوف الى ان يبلغ الجلد والاحفاء بالمهملة والفاء الاستقصاء ومنه حتى احفوه بالمسئلة، قال ابو عبيد الهروى معناه الزقوا الجز بالبشرة وقال الخطابى هو بمعنى الاستقصاء والنهك بالنون والكاف المبالغة فى الازالة۔

لفظ "قص" اکثر احادیث میں مروی ہے جیسا کہ یہاں مذکور ہے، امام مسلم کی دو روایات حضرت عائشہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بھی "قص"

---

[1] (القاموس المحیط)

[2] (قوت القلوب، ج، ۲، ص، ۲۴۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء العلوم الدین، کتاب اسرار الطہارۃ، القسم الثالث، ج، ۲، ص، ۶۵۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[3] (لغات الحدیث، کتاب "س"، ج، ۲، ص، ۳۴، میر محمد کتب خانہ کراچی)

[4] (لغات الحدیث، کتاب "س"، ج، ۲، ص، ۳۳، میر محمد کتب خانہ کراچی)

مذکور ہے اس باب کی ابتداء میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں بھی ''قص'' ہے اور امام نسائی نے حلق (مونڈنا) کی روایت اپنی سند سے ابن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کی ہے وہ سند باب کی ابتداء میں محمد بن عبداللہ بن یزید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ دیگر اصحاب، جمہور اصحاب ابن عیینہ نے ''قص'' ذکر کیا ہے اور اس کے شیخ امام زہری سے جو روایات ہیں ان میں بھی ''قص'' ہی مذکور ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ ''حلق'' کی روایت محفوظ ہے، علاء بن عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی طرح، انہوں اپنے باپ سے روایت کی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مسلم کے الفاظ ہیں ''جزوا الشوارب'' اور باب کی ابتداء میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کہ ''احفوا الشوارب'' اور آئندہ باب میں آرہا ہے اس میں ہے ''انھکوا الشوارب'' ۔اور یہ تمام عبارات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ان سے مقصود بالوں کو کاٹنے میں مبالغہ کرنا ہے، کیونکہ اور ''الجز'' جیم اور زاء ثقیلہ کے ساتھ، بالوں اور اون کو اس حد تک کاٹنا کہ وہ جلد تک پہنچ جائے اور ''احفاء'' حاء مہملہ اور فاء کے ساتھ، بالوں کو اکھاڑنے میں شدید مبالغہ کو کہتے ہیں اور امام ابوعبید اللہ الہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اتنا کاٹو کہ چمڑا ظاہر ہو جائے اور امام خطابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس سے مراد بالوں کو اکھاڑنے اور صاف کرنے میں مبالغہ کرنا ہے۔اور ''نھک'' نون اور کاف کے ساتھ، بالوں کے ازالہ میں مبالغہ کرنا ہے۔

(احفاء، انہاک، تقصیر، حلق، ان تمام الفاظ کا مفہوم بنتا ہے اوپر والے ہونٹ پر اگنے والے بالوں کے ازالہ میں خوب مبالغہ کرے)[1]

علامہ شہاب الدین ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۲ھ، علامہ شیخ قاری علی بن سلطان محمد القاری النقشبندی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں: (وقص الشارب)، وھو الشعر النابت علی طرف الشفة العلیا، وللنسائی ''وحلق الشارب'' وله ایضا ''تقصیر الشارب'' ۔وقال النووی: المختار فی قص الشارب ان یقصه حتی یبدو طرف الشفة ولا یحفیه، واما روایة احفوا فمعناها ازیلوا ما طال علی الشفتین ۔وقال القرطبی: ''قص الشارب'' ان یاخذ ما طال علی الشفة بحیث لا یوذی الآکل، ولا یجتمع فیه الوسخ ۔وقال والجز والاحفاء هو القص المذکور ولیس بالاستئصال عند مالک، وذهب الکوفیون ای بعضهم الی انه الاستئصال، وذهب الطبری الی التخییر فی ذلک فقال: ذکر السنة علی الامرین ولا تعارض، فان القص یدل علی اخذ البعض، والاحفاء یدل علی اخذ الکل وکلاهما ثابت ۔وقال العسقلانی: ورجح ذلک ثبوت الامرین فی الاحادیث المرفوعة ۔کذا حققه السیوطی۔

وقص الشارب: اس سے مراد وہ بال ہیں جو اوپر والے ہونٹ کے کنارے اگتے ہیں ۔نسائی کی روایت میں ''حلق الشارب'' ''مونچھیں مونڈنا'' بھی ہے اور ایک روایت ''تقصیر الشارب'' کے الفاظ بھی ہیں ۔امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ''قص الشارب'' کے بارے میں قول مختار یہ ہے کہ مونچھوں کے بال اس طرح کاٹے کہ ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے ۔لیکن ''احفاء'' نہ کرے ۔البتہ جو روایت ''احفوا'' تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہونٹوں سے آگے بڑھے ہوئے بالوں کو کاٹ ڈالو ۔امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ''قص الشارب'' یہ ہے کہ ہونٹوں سے آگے بڑھے ہوئے بالوں کو تراشا جائے اس طور پر کہ کھانے والے کو تکلیف نہ دیں اور نہ ہی اس میں میل کچیل جمع ہو اور فرمایا کہ ''احفاء'' سے مراد بھی یہی ''قص'' مذکور ہے ۔اور امام مالک کے ہاں اس سے مراد ''استیصال'' (جڑوں سے ختم کرنا) نہیں ہے ۔اور بعض کوفیوں کا مسلک یہ ہے کہ اس سے مراد استئصال (جڑوں سے ختم کرنا) ہے ۔امام طبری اس میں تخیر (دونوں میں اختیار) کے قائل ہیں، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اہل لغت نے ذکر کیا ہے کہ ''احفاء'' کا معنیٰ ''استئصال (جڑوں سے ختم کرنا) ہے ۔اور ''نھک'' بھی اسی طرح ہے ''نھک'' نون اور کاف کے ساتھ ہے ۔اس (بال دور

---

[1] (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج۱۰، ص۲۹۳، دار المعرفہ بیروت)

کرنے) میں مبالغہ ہے ۔سنت کی دلالت ان دونوں امور پر ہے اوران دونوں میں تعارض نہیں ہے ۔کیونکہ ''قص''بعض بالوں کے ختم کرنے پر دلالت کرتا ہے جب کہ ''احفاء''سب بالوں کے ختم کرنے پر دلالت کرتا ہے اور دونوں ثابت ہیں اور عسقلانی فرماتے ہیں کہ احادیث مرفوعہ میں ان دونوں امور کے ثبوت کو ترجیح حاصل ہے ۔اسی طرح امام سیوطی نے (اپنے رسالہ ،بلوغ المآرب فی قص الشوارب ،میں)تحقیق کی ہے ۔[1]

علامہ سید محمد بن محمد حسینی زبیدی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۰۵ھ اس روایت کے تحت لکھتے ہیں:

والیه ذهب ابن عمر، وبعض التابعین، وهو قول الکوفیین واکثر الصوفیة، حتی قال بعضهم من احفی شاربیه نظر الله علیه۔

اور یہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور بعض تابعین کا مذہب ہے اور کوفیوں اور اکثر صوفیاء کا قول ہے، حتی کہ ان میں سے بعض نے فرمایا : جس شخص نے اپنی مونچھوں کو مونڈا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر فرمائے گا۔[2]

علامہ احمد قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ،۹۱۱ھ لکھتے ہیں:

اکثر احادیث میں ''قص'' ہے ،نسائی نے ''حلق'' اور ''تقصیر'' روایت کیا ہے مسلم نے ''جز'' اور ''قص'' روایت کیا، امام بخاری نے اس باب میں ''قص'' اور اگلے باب میں ''نھک'' روایت کیا ہے، جن سے مقصود ازالہ میں مبالغہ ہے ''احفاء'' کا معنی ازالہ اور استقصاء یعنی بال کاٹنے میں انتہاء کو پہنچنا ،انہاک کا معنی ہے مبالغہ فی الازالہ ہے یعنی بال زائل کرنے میں مبالغہ کرنا ''جز'' کا معنی اتنا کم کرنا کہ چمڑا نظر آئے ۔

امام محمد بن خلیفہ وشتانی ابی مالکی ،رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ،متوفی ،۸۲۷ یا ،۸۲۸ھ اور امام محمد بن یوسف سنوسی حسینی ،رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ،متوفی لکھتے ہیں:

(قص الشارب) وفی الآخر "واحفاء الشارب" وفی الآخر "جز الشارب" وفی البخاری "انهکوا الشوارب" (ع) قال الکوفیون: وکثیر من السلف یستأصل شعر الشارب لظاهر هذا الألفاظ، وأباه مالک وکثیر، وکان مالک رحمه الله یری حلقه مثلة یؤدب فاعله۔ وفسرت هذه الألفاظ بالأخذ منه حتی یبدو الاطار وهو طرف الشفة وخیر بعض العلماء بین الفعلین۔ قلت: لیس فی هذه الألفاظ ماهو نص فی استئصاله بالموسی والمشترک بین جمیعها التخفیف والتخفیف أعم من أن یکون بالأخذ من طول الشعر أو من مساحته، والألفاظ ظاهرة فی أنه من الطول۔ وروی أن عمر رضی الله عنه کان اذا اهمه أمر جعل یفتل شاربه، وهو یقتضی أنه لم یکن یأخذ طوله۔ واذا کان القصد انما هو التخفیف لتنظیف مدخل الطعام ومخالفة المجوس اذهم یحلقونه فالأحسن ماعلیه العرب الیوم من الأخذ من طوله ومساحته حتی یبدو الأطار۔ وما یفعله بعض المغاربة من ترک شعر طرف شاربه المسمی بالأقفال فمخالف للأمر بالاحفاء، فان الاحفاء هو أخذ ماطال مع أنه لا زینة فیه، وانما شرع الأخذ منه للتزین۔ وقد قال بعض العلماء: ان الاحفاء واجب للأمر به فی قوله: "احفوا الشوارب" ۔ واما الشعر النابت علی الخد فکان الشیخ رحمه الله وهو الشیخ الصالح الفقیه أبو الحسن المنتصر لا یزیله وکان غیره یزیله۔ واختاره الشیخ رحمه الله۔ ویزال أیضاً ماعلی الحلق بخلاف (النابت) ماعلی اللحی الأسفل۔

(وقص الشارب ،اور مونچھیں کاٹنا)اور دوسری روایت میں ہے :''واحفاء الشارب''اور مونچھیں جڑ سے اکھاڑنا۔اور دوسری میں ہے ''وجز الشارب'' مونچھیں جڑ سے ختم کرنا۔اور بخاری کی روایت میں ہے :''انھکوا الشوارب''مونچھوں کو بالکل ختم کرو۔قاضی عیاض رحمۃ اللہ

---

[1] (فتح الباری شرح صحیح البخاری ،کتاب اللباس ،باب قص الشارب ،ج ،۱۰، ۲۹۶۴۲۹۳ ملخصاً ،دار المعرفۃ بیروت ،مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ،کتاب اللباس ،باب الترجل ،ج ،۸ ،ص ،۲۷۲ ،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[2] (اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء العلوم الدین ،ج ،۲ ،ص ،۶۴۹ ،دار الکتب العلمیۃ بیروت)

تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ علماء کوفیین اور سلف میں سے کثیر نے یہ فرمایا ہے کہ مونچھوں کے بال جڑ سے اکھاڑ دیے جائیں جیسا کہ ان احادیث کے ظاہر الفاظ کا تقاضا ہے، اور امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مونچھیں مونڈنے کو مثلہ قرار دیتے تھے اور مونچھیں مونڈنے والے کو سزا دیتے تھے، اور ان الفاظ کی یہ تفسیر کی گئی ہے کہ مونچھیں کاٹ کر اتنی کم کر لی جائیں کہ اوپر والے بونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے اور بعض علماء نے دونوں کاموں میں اختیار دیا ہے ۔میں (یعنی علامہ ابی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں: ان الفاظ میں یہ نص (تصریح) نہیں ہے کہ مونچھوں کو استرے کے ساتھ جڑ سے مونڈ دیا جائے اور ان تمام الفاظ میں جو معنی مشترک ہے وہ تخفیف ہے یعنی ہلکا کرنا، کم کرنا ہے اور تخفیف عام ہے بالوں کو لمبائی سے یا مساحت کاٹا جائے، اور ظاہری الفاظ لمبائی کی جانب سے (کاٹنے کے بارے میں دلالت کرتے) ہیں، یعنی مونچھوں کے لمبے بالوں کو کاٹ کر کم کیا جائے اور روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی معاملہ پر غور کرتے تو اپنی مونچھوں کو بل دیا کرتے تھے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مونچھوں کو طول کی جانب سے کم نہیں کیا کرتے تھے، الغرض مقصد یہ ہے کہ مونچھیں کم کر کے منہ کو صاف رکھا جائے اور مجوس کی مخالفت کی جائے کیونکہ وہ مونچھوں کو مونڈتے تھے، لہٰذا مستحسن یہ ہے کہ مونچھوں کو طول اور مساحت کی جانب سے کم کیا جائے حتی کہ ہونٹ کے کنارے ظاہر ہو جائیں۔ اور وہ جس کو بعض مغاربہ کرتے ہیں اپنی مونچھوں کے بالوں کے کناروں کو چھوڑ دیتے ہیں وہ احفاء کے امر کی مخالفت کرتے ہیں، کیونکہ احفاء کا معنی لمبی مونچھوں کو کاٹ کر کم کیا جائے باوجود اس کے مونچھیں بڑھانے میں کوئی زینت نہیں ہے، اور مونچھوں کو کاٹنا زینت کی وجہ سے ہی مشروع کیا گیا ہے ، اور بعض علماء نے فرمایا: احفاء، مونچھوں کو جڑ سے ختم کرنا واجب ہے کیونکہ اس حدیث شریف میں احفاء کا امر کیا گیا ہے: ''احفوا الشوارب'' مونچھوں کو جڑ سے ختم کرو۔ اور رہے رخسار پر جو بال ہوتے ہیں شیخ صالح فقیہہ ابو الحسن المنتصر ان کو زائل نہیں کرتے تھے اور دوسرے علماء ان کو زائل کرتے تھے۔ اور شیخ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ اور حلق پر جو بال ہیں ان کو بھی زائل کیا جائے اس کے برخلاف داڑھی کے نچلے بالوں کو زائل نہ کیا جائے۔[1]

علامہ عبد الغنی نابلسی نقشبندی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۱۴۳ھ لکھتے ہیں:

وفی شرح المناوی علی الجامع الصغیر فی قولہ ''احفوا الشوارب'' وفی معناہ ''انھکوا الشوارب'' فی الروایۃ الاخری والمراد بالغوا فی ازالۃ ماطال منھا حتی یتبین الشفۃ بیانا ظاھرا ندبا وقیل وجوبا۔

اور شرح المناوی علی الجامع الصغیر میں ہے ''احفوا الشوارب'' کہ اسی معنی میں ''انھکو الشوارب'' دوسری روایت ہے اور اس سے مراد جو بال ہونٹ پر ظاہر ہوں ان کو زائل کرنے میں مبالغہ کرو تا کہ ہونٹ بالکل واضح نظر آئے یہ مستحب ہے اور بعض نے کہا واجب ہے۔[2]

علامہ ابو بکر احمد بن علی بن علی رازی جصاص حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں

والاحفاء یقتضی ظھور الجلد بازالۃ الشعر کما یقال رجل حاف اذا لم یکن فی رجلہ شیء ویقال حفیت رجلہ۔

اور ''احفاء'' اس امر کا مقتضی ہے کہ بال دور کرنے میں جلد ظاہر ہو جائے جس طرح ننگے پاؤں والے شخص کو: رجل حاف، جب اس کے پاؤں کوئی چیز نہ ہو۔ کہا جاتا ہے۔ اس لیے ''حفیت رجلہ'' اس کا پاؤں ننگا ہے۔ کا فقرہ بھی بولا جاتا ہے۔[3]

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۵۴۴ھ، علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۶۷۶ھ اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی

---

[1] (اکمال اکمال المعلم، بکتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ، ج۲، ص۶۲، ۶۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ومکمل اکمال الاکمال، بکتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ، ج۲، ص۶۲، ۶۳، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیہ، ج۲، ص۵۸۴، المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ الجامع البغدادی لاہور (فیصل آباد) پاکستان)

[3] (احکام القرآن، ج۱، ص۶۸، سہیل اکیڈیمی لاہور)

نقشبندی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۰۵۲ھ، عبدالرحمن مبارک پوری متوفی ۱۳۲۵ھ، لکھتے ہیں:

ذهب بعضهم بظاهر قوله "احفوا الشوارب" الى استيصاله وحلقه وهو قول الكوفيين واهل الظواهر وكثير من السلف۔

اور بعض حدیث کے ان الفاظ "احفوا الشوارب" کے ظاہر سے اس کے استیصال (جڑ سے اکھیڑنے) اور حلق (مونڈنے) کی طرف گئے ہیں اور یہ کوفی حضرات اور اہل ظواہر اور سلف میں سے اکثر کا قول ہے۔[1]

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۹۷۰ھ "احفوا الشوارب" کے تحت لکھتے ہیں:

وهو المبالغة فى القطع ،فاى شيء حصل حصل المقصود غير انه بالحلق بالموسى ايسر منه بالقصة فلذا قال الطحاوى :الحلق احسن من القص۔

اور وہ کاٹنے میں مبالغہ کرنا ہے، کسی بھی چیز سے حاصل ہو، مونڈنا مقصود ہے، اس کے علاوہ کہ قینچی سے کاٹنے کی بنسبت استرے سے مونڈنے میں زیادہ آسانی ہے، اس لیے امام طحاوی نے فرمایا: مونڈنا، کاٹنے سے زیادہ اچھا ہے۔[2]

متعارضہ احادیث کے درمیان تطبیق

امام ابوجعفر طحاوی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۲۱ھ فرماتے ہیں:

فهذا رسول الله ﷺ قد امر باحفاء الشوارب فثبت بذلك الاحفاء على ما ذكرنا فى حديث ابن عمر وفى حديث ابن عباس وابى هريرة رضى الله عنهم جزوا الشوارب فذاك يحتمل ان يكون جزامعه الاحفاء ويحمل ان يكون على مادون ذلك فقد ثبت معارضة حديث ابن عمر بحديث ابى هريرة وعمار وعائشة الذى ذكرنا فى اول هذا الباب واما حديث المغيرة فليس فيه دليل على شيء لانه يجوز ان يكون النبى ﷺ فعل ذلك لم يكن بحضرته مقراض يقدر على احفاء الشارب ويحتمل ايضاً حديث عمار وعائشة وابى هريرة رضى الله عنهم فى ذلك معنى أخر يحتمل ان يكون الفطرة هى التى لابدّ منها وهى قص الشارب وما سوى ذلك فضل حسن فثبت الأثار كلها التى رويناها فى هذا الباب ولاتضاد ويجب بثبوتها ان الاحفاء افضل من القص وهذا معنى هذا الباب من طريق الأثار۔

تو رسول اکرم ﷺ نے مونچھوں کو منڈوانے کا حکم دیا اس سے منڈوانا ثابت ہوگیا جیسا کہ ہم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں ذکر کیا اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات میں ہے کہ مونچھوں کو کاٹو، تو اس میں احتمال ہے کہ ایسا کاٹنا ہو جس کے ساتھ مونڈنا بھی ہو اور یہ احتمال ہے کہ اس مونڈنے کے بغیر ہو تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیدہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ان روایات سے جنہیں ہم نے باب کے شروع میں ذکر کیا ٹکراؤ لازم ہوا، جہاں تک حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا تعلق ہے تو اس میں کسی بات پر دلیل نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے نبی اکرم ﷺ نے اس لئے ایسا کیا ہو کہ اس وقت آپ کے پاس قینچی نہ ہو جس کے سبب آپ مونچھوں کو مونڈنے پر قادر ہوتے حضرت عمار، حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایات میں ایک دوسرے معنیٰ کا بھی احتمال ہے وہ یہ کہ فطرت وہی بات ہوتی ہے جو لازمی اور ضروری ہے اور مونچھوں کو کاٹنا ہے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ حسن

---

[1] (لمعات التنقیح فی شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب الطہارۃ، باب السواک، ج ۲، ص ۶۷، المکتبۃ الحقانیۃ کوئیتہ، شرح مسلم، کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ، ج ۲، ص ۵۵، مکتبۃ البشریٰ کراتشی، تحفۃ الاحوذی بشرح جامع الترمذی، کتاب الآداب، باب ماجاء فی قص الشارب، ج ۸، ص ۴۳، دار الضیاء بیروت)

[2] (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الحج، باب الجنایات، ج ۳، ص ۱۸، ۱۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ہے،افضل ہے،بس وہ تمام روایات جو ہم نے اس باب میں ذکر کی ہیں،ثابت ہو جائیگی اور تضاد لازم نہیں آئے گا اور ان کے ثابت ہونے سے لازم آئے گا کہ کاٹنے سے مونڈنا افضل ہے۔اس باب میں روایات کے طور پر یہ بیان ہے۔[1]

علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

وانما قال بعد رواياته الاحاديث المذكورة والتوفيق بينها ان الاحفاء افضل من القص ،ثم قال نعم باب حلق الشارب ۔وانما اراد بذلک الاحفاء حتى يصير كالحلق ۔وفى المختار حلقه سنة وقصه حسن ،وفى المحيط الحلق سنة وهو احسن من القص ،وهو قول ابى حنيفة وصاحبيه رحمهم الله۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احادیث مذکورہ بالا کی روایات کے بعد ان احادیث متعارضہ کے درمیان تطبیق یوں ہوگی کہ "احفاء" "قص" سے افضل ہے پھر باب "حلق الشارب" (مونچھیں مونڈنا) عنوان دینا بھی اس کی طرف مشیر ہے۔اور "احفاء" اتنا کہ "حلق" (مونڈنے) کی طرح ہو جائے۔اور مختار میں ہے کہ مونچھیں مونڈنا سنت ہے اور مونچھیں باریک کرنا حسن ہے اور محیط میں ہے: مونچھیں مونڈنا سنت ہے اور وہ کاٹنے سے زیادہ اچھا ہے اور یہ امام ابوحنیفہ،امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا قول ہے۔[2]

احفاء،والی احادیث کو قص،والی احادیث پر ترجیح حاصل ہے

شوکانی متوفی ۱۲۵۵ھ،اور عبدالرحمن مبارک پوری متوفی ۱۳۲۵ھ لکھتے ہیں:

قال ابن قيم:واحتج من لم ير احفاء الشوارب بحديث عائشة ،وابى هريرة المرفوعين:عشرة من الفطرة ۔فذكر منها قص الشارب۔وفى حديث ابى هريرة :ان الفطرة خمس ،وذكر منها قص الشارب ۔واحتج المحفون باحاديث الامر بالاحفاء ،وهى صحيحة ،وبحديث ابن عباس،ان رسول الله ﷺ كان يحفى شاربه ۔قال الشوكانى:[3]والاحفاء ليس كما ذكر النووى من أن معناه أحفوا ماطال عن الشفتين،بل الاحفاء الاستئصال كمافى الصحاح(ص،۱۴۶) والقاموس(،ج، ۱ ،ص،۶۷۳) والكشاف وسائر كتب اللغة،قال ورواية القص لا تنافيه لأن القص قد يكون على جهة الاحفاء وقد لايكون،ورواية الاحفاء معينة للمراد وكذلک حديث" من لم يأخذ من شاربه فليس منا" لايعارض رواية الاحفاءفيهازيادةيتعين المصير اليها،ولوفرض التعارض من كل وجه لكانت رواية الاحفاءأرجح لأنهافى الصحيحين۔

ابن قیم نے کہا: جو احفاء الشوارب کے قائل نہیں ہیں انہوں نے حدیث حضرت سیدہ عائشہ اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دس چیزیں فطرت سے ہیں۔تو ان میں قص الشارب کو ذکر کیا۔اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے: پانچ چیزیں فطرت ہیں اور اس میں قص الشارب کو ذکر کیا۔سے استدلال کیا۔اور احفاء کرنے کے قائلین نے ان احادیث سے جن میں احفاء کا حکم دیا گیا ہے سے استدلال کیا ہے اور وہ احادیث صحیحہ ہیں،اور ابن عباس کی حدیث سے،بے شک رسول اللہ ﷺ اپنی مونچھوں کا احفاء کرتے تھے۔شوکانی نے کہا: اور احفاء اس طرح نہیں ہے جس طرح نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کیا کہ احفوا کا معنی دونوں ہونٹوں سے بڑھے ہوئے بال کاٹ دو، بلکہ احفاء،استئصال یعنی مونچھوں کے بالوں کو جڑ سے ختم کرنا ہے،جیسا کہ صحاح (ص،۱۴۶) اور قاموس (،ج،۱،ص،۶۷۳) اور کشاف اور باقی لغت

---

[1] (شرح معانی الآثار،کتاب الکراھۃ،ج،۲،ص،۳۰۸،مکتبہ حقانیہ ملتان)

[2] (بنایہ شرح ہدایہ،کتاب الحج،باب الجنایات،ج،۴،ص،۲۵۵،دارالفکر بیروت)

[3] (النیل،ج، ۱ ،ص،۱۱۵)

کی کتب میں ہے، فرمایا اور قص کی روایت اس کے منافی نہیں ہے کیونکہ قص کبھی احفاء کے طور پر ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ اور احفاء کی روایت کی مراد معین ہے اور اسی طرح حدیث ''جو مونچھیں نہ کاٹے وہ ہم میں سے نہیں'' احفاء کی روایت کے معارض نہیں ہے کیونکہ اس میں زیادتی ہے اسی کی طرف لوٹنا متعین ہوتا ہے، اور اگر تمام صورتوں میں تعارض کو فرض کرلیا جائے تو احفاء کی روایت کو زیادہ ترجیح دی جائے گی کیونکہ وہ صحیحین (بخاری ،مسلم) میں ہے۔[1]

شیخ شلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

قال فخر الاسلام البزدوی فی شرح الجامع الصغیر و من الناس من قال بان الحلق بدعة احتجاجا بحدیث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشر من فطرتی و ذکر منها الشارب و احتج اصحابنا رحمهم الله بحدیث ابی هریرة و عبدالله بن عمر رضی الله عنهم عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انه قال: احفوا الشوارب و اعفوا اللحی۔ و الاحفاء الاستئصال محتمل فیحمل علی ما روینا لانه محکم۔

حضرت امام فخر الاسلام بزدوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح الجامع الصغیر میں فرمایا ہے اور بعض لوگوں نے کہا کہ مونڈنا بدعت ہے، اور استدلال نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سے کیا کہ ''دس امور میری سنت میں سے ہیں اور اس میں مونچھوں کا ذکر کیا، اور ہمارے اصحاب (احناف) رحمہم اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے استدلال کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مونچھیں مونڈاؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ اور ''احفاء'' استئصال (جڑ سے ختم کرنا) ہے اور قص (کاٹنا) محتمل (اس میں احتمال) ہے تو وہ اس پر محمول ہے جس کو ہم نے روایت کیا، اس لیے کہ وہ بے شک محکم ہے۔[2]

احادیث میں قص (کاٹنے) کا ذکر ہے، مراد جڑ سے ختم کرنا ہے

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۹۷۰ھ، اور محقق احناف شیخ ابن ہمام، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

و اما ذکر القص فی بعض الاحادیث فالمراد منه المبالغة فی الاستئصال۔

اور رہا بعض احادیث میں قص (کاٹنے) کا ذکر، تو اس سے مراد جڑ سے ختم کرنے میں مبالغہ کرنا ہے۔[3]

مونچھیں منڈانے میں ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے مذاہب

احناف کے مجتہد فقہاء کا فیصلہ مونچھیں مونڈنا سنت ہے

علامہ سید احمد بن محمد طحطاوی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں:

وقع فی بعض العبارات بالقص و فی بعضها التعبیر بالحلق ففی الهندیة ذکر الطحاوی فی شرح معانی الآثار ان قص الشارب حسن و تفسیره ان یوخذ منه حتی ینقص من الاطار و هو الطرف الاعلی من الشفة العلیا۔ قال و الحلق سنة و هو احسن من القص هذا قوله رحمه الله تعالی و صاحبیه رحمهم الله تعالی کذا فی محیط السرخی و عبارة المجتبی و حلق الشارب بدعة و السنة فیه

---

[1] (نیل الاوتار من احادیث سید الاخیار شرح منتقی الاخبار، باب اخذ الشارب و اعفاء اللحیۃ ،، ج ۱، ص ۱۱۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت تحفۃ الاحوذی بشرح جامع الترمذی، کتاب الآداب، باب، ماجاء فی ص الشارب ، ج ۸، ص ۴۴، دار الضیاء بیروت)

[2] (حاشیہ شلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الحج باب الجنایات، ج ۲، ص ۵۵، مکتبہ امدادیہ ملتان)

[3] (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الحج، باب الجنایات، ج ۳، ص ۱۸، ۱۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، فتح القدیر شرح ہدایہ، کتاب الحج، باب الجنایات، ۲، ص ۴۴۷، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

القص صح حلقه سنة نسبه الی ابی حنیفة و صاحبیه۔

بعض عبارات میں مونچھوں کے کاٹنے کو قص سے تعبیر کیا ہے اور بعض میں حلق (مونڈنے) سے تعبیر کیا گیا ہے، فتاویٰ ہندیہ[1] میں ہے کہ امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں (ج،۲،ص،۳۰۸) بیان کیا ہے کہ مونچھوں کے بالوں میں قص (کم) کرنا حسن ہے اور اس کی تفسیر کہ اوپر والے ہونٹ کے بالوں کو اتنا باریک اور کم کیا جائے کہ چمڑا نظر آئے اور ان کا مونڈنا سنت ہے۔ اور یہ کاٹنے سے احسن (بہت اچھا) ہے، یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صاحبین (ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تینوں آئمہ) کا قول ہے اور اسی طرح محیط سرخسی میں ہے۔ اور مجتبیٰ کی عبارت ہے مونچھوں کا مونڈنا بدعت ہے قص (کاٹنا) سنت ہے لیکن مونچھوں کے مونڈنے کا سنت ہونا صحیح ہے یہ قول امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صاحبین (امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ و امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی طرف منسوب ہے۔[2]

درج ذیل عبارت کو کثیر کتب میں ذکر کیا گیا ہے ایک عبارت نقل کر کے کچھ کتب کے حوالہ جات نقل کرتا ہوں:

ان حلق الشارب هو سنة عند ابی حنیفة و ابی یوسف و محمد رحمهم الله تعالی۔

بے شک مونچھیں مونڈنا وہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک سنت ہے۔[3]

علامہ شیخ مجدالدین عبداللہ بن محمود بن مودود حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اور امام ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حنفی، متوفی ۹۵۶ھ لکھتے ہیں:

و السنة تقلیم الأظفار، و نتف الابط، و حلق العانة و الشارب و قصه حسن۔

اور ناخنوں کو کاٹنا اور بغل کے بالوں کو نوچنا سنت ہے اور زیر ناف بال اور مونچھیں مونڈنا سنت ہے اور مونچھیں کاٹنا اچھا ہے۔[4]

علامہ عبدالغنی نابلسی نقشبندی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۱۱۴۳ھ لکھتے ہیں:

و اخذه الحنفیة و الحنابلة بظاهر الحدیث فسنوا حلقه۔

اور احناف اور حنابلہ نے ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے اسے مونڈنا سنت کہا ہے۔[5]

علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

و فی المختار حلقه سنة و قصه حسن۔

اور مختار میں ہے کہ مونچھیں مونڈنا سنت ہے اور مونچھیں باریک کرنا حسن (اچھا) ہے۔[6]

---

[1] (عالمگیری کتاب الکراھیۃ، ج،۵،ص،۴۳۸، قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2] (طحطاوی علی درالمختار، کتاب الحظر والاباحۃ، باب الاستبراء، فصل فی البیع، ج،۴،ص،۲۰۳، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[3] (علامہ عثمان بن زیلعی تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق، کتاب الحج، باب الجنایات، ج،۲،ص،۵۵، مکتبہ امدادیہ ملتان، وعلامہ ابن نجیم، البحرالرائق شرح کنزالدقائق، کتاب الحج، باب الجنایات، ج،۳،ص،۱۸،۱۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، وعلامہ ابوجعفر طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الکراھۃ، ج،۲،ص،۳۰۸، مکتبہ حقانیہ ملتان، وعلامہ نظام الدین، عالمگیری کتاب الکراھیۃ، ج،۵،ص،۴۳۸، قدیمی کتب خانہ کراچی، وعلامہ ابن ہمام فتح القدیر، کتاب الحج، باب الجنایات، ج،۱،ص،۴۴۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، وعلامہ ابن عابدین شامی، ردالمحتار، ج،۲،ص،۲۲۱، وکتاب الحظر والاباحۃ، ج،۹،ص،۵۸۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، وعلامہ بدرالدین عینی، البنایۃ فی شرح الھدایہ، کتاب الحج، باب الجنایات، ۲۵۵، دارالفکر بیروت، ومحیط، سرخسی، وعلامہ احمد بن محمد طحطاوی، حاشیہ الطحطاوی علی درالمختار، کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء فصل فی البیع، ج،۴،ص،۲۰۳، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، والحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیہ، ج،۲،ص،۵۸۳، المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ الجامع البغدادی لاہلبور (فیصل آباد) پاکستان، وفتح الباری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج،۱۰،ص،۲۹۳، دارالمرفۃ بیروت، احکام القرآن، ج،۱،ص،۶۷، سہیل اکیڈمی لاہور، وحاشیہ جلالین ص،۱۸، حاشیہ نمبر ۳۳، قدیمی کتب خانہ کراچی)

[4] (المختار الفتوی، کتاب الکراھیۃ، ص،۲۴۶، مکتبۃ نزار مصطفی الباز مکۃ المکرمۃ، الریاض، الاختیار لتعلیل المختار، الجزالرابع، کتاب الکراھیۃ، فصل، فیما ینبغی للمومن من الآداب، ج،۲،ص،۴۲۳، شرکۃ دارالارقم بن ابی الارقم، بیروت، ص، مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، کتاب الکراھیۃ، فصل فی المتفرقات، ج،۴،۲۲۵،۲۲۶، مکتبۃ المنار کانسی روڈ، کوئٹہ)

[5] (الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقۃ المحمدیہ، ج،۲،ص،۵۸۴، المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ الجامع البغدادی لاہلبور (فیصل آباد) پاکستان)

[6] (بنایہ شرح ہدایہ، کتاب الحج، باب الجنایات، ج،۴،ص،۲۵۵، دارالفکر بیروت)

احناف کے نزدیک مونچھیں کاٹنے سے مونڈنا افضل ہے

علامہ ابو جعفر طحاوی حنفی ،رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،متوفی ۳۲۱ھ،اورعلامہ ابو بکر جصاص حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۷۰ھ،اورعبدالرحمن مبارک پوری متوفی ۱۳۲۵ھ،ومحمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی ،رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،مالکی،متوفی ۱۱۲۲ھ،لکھتے ہیں :

وأما أبو حنيفة رضى الله عنه وزفر، وأبو يوسف، ومحمد:فكان مذهبهم فى شعر الرأس والشارب أن الاحفاء افضل من التقصير۔

اور رہا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اور امام زفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو مونچھوں اور سر کے بالوں کے بارے میں ان کا مذہب کاٹنے سے مونڈنا افضل ہے۔[1]

علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی ،رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ،لکھتے ہیں:

وكان ابو حنيفة يقول ان احفاء افضل من القص۔

اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مونڈنا،کاٹنے سے افضل ہے۔[2]

مولانا ابوسعید خادمی ،رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،متوفی ۱۱۶۸ھ،اور شیخ رجب بن احمد،رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،متوفی ۱۰۶۳ھ،لکھتے ہیں:

وسئل عمر بن عبدالعزيز عن السنة فى قص الشارب فقال يقص حتى يبدو الاطار وقيل الافضل حلقه والقص من عجزها استدلا بحديث انهكوا الشوارب۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مونچھوں کے کاٹنے میں سنت کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کاٹنا یہاں تک کہ اوپر والے ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے اور کہا گیا کہ مونچھوں کو مونڈنا افضل ہے اور مونچھوں کو جڑ سے کاٹنا اس کی دلیل یہ حدیث ہے: مونچھوں کو کاٹنے میں مبالغہ کرو یعنی مونچھوں کو مونڈو۔[3]

بعض متاخرین احناف کے نزدیک مونچھوں کا قص (کاٹنا) سنت ہے

علامہ ابن عابدین شامی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

واختلف فى المسنون فى الشارب، هل هو القص أو الحلق؟ والمذهب عند بعض المتأخرين من مشائخنا أنه القص۔قال فى البدائع:وهو الصحيح۔وقال الطحاوى:القص حسن، والحلق احسن، وهو قول علمائنا الثلاثة۔نهر۔

اور اس میں مشائخ کا اختلاف ہے کہ مونچھوں کو کاٹنا سنت ہے یا مونڈنا؟ اور ہمارے بعض متاخرین مشائخ کا مذہب کاٹنا ہے۔اور بدائع الصنائع میں (علامہ کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرماتے ہیں: یہی صحیح ہے۔اور امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے : کاٹنا اچھا اور مونڈنا بہت اچھا ہے اور یہ ہمارے تینوں ائمہ (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کا قول ہے۔نہر الفائق۔[4]

---

[1] (مختصر اختلاف العلماء،کتاب الکراھۃ،ج ۴،ص ۳۸۲،دار البشائر الاسلامیۃ،بیروت،کشف الغمۃ،ص ۲۲۸،احکام المذاہب،ص ۴۵،ھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار،ص ۲۵،اسلامی کتب خانہ پشاور،شرح الزرقانی علی موطأ الامام مالک،کتاب صفۃ النبی ﷺ،باب ماجاء فی سنۃ فی الفطرۃ،ج ۴،ص ۳۸۲،دار الحدیث القاہرۃ،واحکام القرآن للجصاص،ج ۱،ص ۶۷،سہیل اکیڈیمی لاہور،تحفۃ الاحوذی،ج ۸،ص ۴۳،دار الضیاء بیروت)

[2] (الفتاوی تنقیح الحامدیۃ،ج ۲،ص ۳۶۴،المکتبۃ الحسینیۃ،کوئٹہ)

[3] (بریقۃ محمودیۃ فی شرح طریقۃ محمدیۃ،ج ۴،ص ۱۷۴،مکتبۃ العلوم الدینیۃ کوئٹہ،الوسیلۃ الاحمدیۃ والذریعۃ السرمدیۃ فی شرح الطریقۃ المحمدیۃ علی حاشیۃ بریقہ،ج ۴،ص ۱۷۴،مکتبۃ العلوم الدینیۃ کوئٹہ)

[4] (رد المحتار علی الدر المختار،کتاب الحج،باب الجنایات،ج ۳،ص ۵۸۰،دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۶۱ھ، اور علامہ محمد بن محمود بابرتی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۷۸۶ھ لکھتے ہیں:

والمذهب عند بعض المتاخرين من مشائخنا ان السنة القص۔

اور متاخرین مشائخ میں سے بعض کے نزدیک کاٹنا سنت ہے۔[1]

شیخ داؤد ابن یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ویاخذ من شاربه حتی یصیر مثل الحاجب۔

اور اپنی مونچھوں کو کاٹو یہاں تک کہ آبرو کی طرح ہو جائیں۔[2]

علامہ سراج الدین ابی محمد بن عثمان بن محمد التیمی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۵۶۹، وعلامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۱۰۸۸ھ، وغیرہ لکھتے ہیں:

حلق الشارب بدعة، وقيل: سنة۔

مونچھیں منڈانا بدعت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ سنت ہے۔[3]

علامہ ابن عابدین شامی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

مشی علیه فی الملتقی، وعبارة المجتبی بعد ما رمز للطحاوی: حلقه سنة، ونسبه الی ابی حنیفة وصاحبیه، والقص منه حتی توازی الحرف الاعلی من الشفة العلیا سنة بالاجماع۔

ملتقی اور مجتبی میں لکھا ہے امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ مونچھوں کو مونڈنا سنت ہے اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور صاحبین (امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کا قول ہے اور قص کا بالاتفاق معنی بالوں کو کوتاہ کرنا کہ اوپر والے ہونٹ کا کنارہ نظر آئے اور ظاہر ہو جائے بالاجماع سنت ہے۔[4]

شوافع کے نزدیک مونچھیں مونڈنا مکروہ ہے

علامہ عبدالغنی نابلسی نقشبندی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۱۴۳ھ لکھتے ہیں:

واما حلقه بالكلية فمكروه على الاصح عند الشافعية۔

شوافع کے نزدیک بالکل مونڈنا اصح قول کے مطابق مکروہ ہے۔[5]

علامہ ابوبکر جصاص حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۷۰، علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

---

[1] (فتح القدیر شرح ہدایہ، کتاب الحج، باب الجنایات، ۲، ص ۴۴۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، عنایہ شرح ہدایہ علی حاشیہ فتح القدیر، ۲، ص ۴۴۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[2] (الفتاوی الغیاثیۃ، کتاب الاستحسان والکراھیۃ، ۱۰۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، فتاوی عالمگیری، کتاب الکراھیۃ، ج ۵، ص ۴۳۸، قدیمی کتب خانہ کراچی، الفتاوی البزازیۃ، کتاب الاستحسان، ج ۲، ص ۴۹۵، قدیمی کتب خانہ کراچی، فتاوی قاضی خان کتاب الحظر والاباحۃ، ج ۳، ص ۳۱۴، قدیمی کتب خانہ کراچی، الفاوی السراجیۃ، کتاب الکراھۃ والاستحسان، ص ۳۳۷، زمزم پبلیشرز کراچی، الفتاوی التاتارخانیۃ کتاب الکراھیۃ، الفصل الختان والخفاب، ج ۱۸، ص ۲۱۰، مکتبہ فاروقیہ کوئٹہ)

[3] (درمختار علی ہامش الرد المحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع، ج ۹، ص ۵۸۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، فتاوی برہنہ، ج ۱، ص ۳۹، مکتبہ عربیہ کوئٹہ، الفتاوی السراجیۃ، کتاب الکراھیۃ والاستحسان، ص ۳۳۷، زمزم کراچی)

[4] (رد المحتار، کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء فصل فی البیع، ج ۹، ص ۵۸۳، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[5] (الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقۃ المحمدیہ، ج ۲، ص ۵۸۴، المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ الجامع البغدادی لاہلبور (فیصل آباد) پاکستان)

وقال الطحاوی لم نجدفی ذلک عن الشافعی شیأ منصوصا واصحابه الذی رأیناهم المزنی والربیع کانا یحفان شوار بهم فدل علی انهما اخذا ذلک عن الشافعی۔

ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس سلسلے میں کوئی منصوص قول منقول نہیں، تاہم امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اصحاب، امام مزنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (جو کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دستِ راست اور فقہ شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ائمہ میں سے تھے) اور ربیع کو ہم نے دیکھا ہے کہ وہ اپنی مونچھوں کا ''احفاء'' (خوب کاٹا) کرتے تھے، یہ بات اس پر دلالت کرتی ہے کہ ان دونوں حضرات نے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے یہ چیز اخذ کی تھی۔ (یعنی آپ کو دیکھ کر یا آپ کے متعلق پڑھ کر ہی یہ عمل کرتے ہوں گے)[1]

علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

واغرب ابن العربی فنقل عن الشافعی انه یستحب حلق الشارب ولیس ذلک معروفا عند اصحابه قال الطحاوی الحلق هو مذهب ابی حنیفة وابی یوسف ومحمد۔

اور ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عجیب بات کہی کہ انہوں امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کیا: امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک مونچھوں کا مونڈنا مستحب ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک مونڈنا ہے۔[2]

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک مونچھیں مونڈنا مکروہ اور بدعت ہے

علامہ عبدالغنی نابلسی نقشبندی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۱۴۳ھ لکھتے ہیں:

وصرح مالک بانه بدعة۔

اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے بدعت ہونے کی تصریح کی ہے۔[3]

علامہ ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

وقال ابن الهیثم عن مالک احفاء الشارب عندی مثلة قال مالک وتفسیر حدیث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی احفاء الشارب الاطار وکان یکره ان یؤخذ من اعلاه وانما کان یوسع فی الاطار منه فقط وذکر عنه اشهب قال وسألت مالکا عمن احفی شاربه قال اری ان یوجع ضرباً لیس حدیث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الاحفاء کان یقول لیس یبدی حرف الشفتین الاطار ثم قال لم یحلق شاربه هذا بدع تظهر فی الناس کان عمر اذا حز به امر نفخ فجعل یفتل شاربه۔

اور ابن الہیثم نے امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ان کا قول نقل کیا ہے کہ مونچھوں کا ''احفاء'' (صاف کرنا) میرے نزدیک مثلہ ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مونچھوں کے ''احفاء'' کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی تفسیر ''اطار'' سے کی ہے، یعنی امام مالک مونچھوں کے بال اوپر کی طرف سے کاٹنے کو مکروہ سمجھتے تھے اور چاروں طرف سے کاٹنے میں توسع کے قائل تھے۔ اشہب نے کہا ہے کہ میں نے امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اس شخص کے متعلق پوچھا جو اپنی مونچھیں پوری طرح کاٹ دیتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میرے خیال میں ایسے شخص کی زبردست پٹائی

---

[1] (احکام القرآن للجصاص، ج۱، ص۶۸، سہیل اکیڈیمی لاہور، فتح الباری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج۱۰، ص۲۹۳، دار المرفۃ بیروت)

[2] (فتح الباری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج۱۰، ص۲۹۳، دار المرفۃ بیروت)

[3] (الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقۃ المحمدیۃ، ج۲، ص۵۸۴، المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ الجامع البغدادی لاہور (فیصل آباد) پاکستان)

ہونی چاہیے ۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ''احفاء'' یعنی پوری طرح کاٹ کر پست کرنے کے بارے میں نہیں ہے ۔گویا امام مالک رضی اللہ عنہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ''اطار'' یعنی چاروں طرف کترنے کا عمل لبوں کے کنارے ظاہر کر دیتا ہے ۔پھر امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا : مونچھیں مونڈ دینا ایک بدعت ہے جو لوگوں کے اندر ظہور پذیر ہوگئی ہے ۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہوجاتا تو آپ کا چہرہ تمتما جاتا اور آپ اپنی مونچھوں کو تاؤ دینا شروع کر دیتے ۔[1]

علامہ ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

وقال الليث: لاأحب أن يحلق احد شاربه، حتى يبدو الجلد وأكرهه، ولكن يقص الذى على طرف الشارب، وأكره ان يكون طويل الشاربين۔

اور حضرت لیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان ہے کہ میں یہ بات پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص اپنی مونچھیں اس طرح مونڈ ڈالے کہ اس کی جلد نظر آنے لگے، میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں، لیکن وہ مونچھوں کے کنارے والے بال کاٹ دے، اور مجھے ایک شخص کا لمبی مونچھوں والا ہونا پسند نہیں ہے ۔[2]

امام حمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک مونچھیں مونڈنا سنت ہے

علامہ عبد الغنی نابلسی نقشبندی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۱۴۳ھ لکھتے ہیں:

واخذه الحنفية والحنابلة بظاهر الحديث فسنوا حلقه۔

اور احناف اور حنابلہ نے ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے اسے مونڈنا سنت کہا ہے ۔[3]

حافظ الحدیث علامہ شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۲ھ، وعلامہ ابن عابدین شامی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

وقال الاثرم كان احمد يحفى شاربه احفاء شديدا ونص على انه اولى من القص۔

اور امام اثرم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شدید مبالغہ کے ساتھ مونچھیں مونڈا کرتے تھے، اور یہ نص ہے کہ کاٹنے سے مونڈنا افضل ہے ۔[4]

علامہ زرقانی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی، ۱۱۲۲ھ لکھتے ہیں:

وقال الأثرم : كان احمد يحفى شاربه احفاء شديدا ويقول: هو سنة۔

اور امام اثرم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شدید مبالغہ کے ساتھ مونچھیں مونڈا کرتے تھے، اور فرماتے : یہ سنت ہے ۔[5]

ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں: **ويخير عند الحنابلة بين القص والاحفاء، والحف أولى نصاً۔**

---

[1] (احکام القرآن، ج،۱،ص،۶۷، سہیل اکیڈمی لاہور)

[2] (احکام القرآن، ج،۱،ص،۶۷،۶۸، سہیل اکیڈمی لاہور مختصر اختلاف العلماء، کتاب الکراھۃ،، ج،۴،ص،۳۸۲، دار البشائر الاسلامیۃ بیروت)

[3] (الحدیقۃ الندیۃ شرح طریقۃ المحمدیہ، ج،۲،ص،۵۸۴، المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ الجامع البغدادی لاہور (فیصل آباد) پاکستان)

[4] (فتح الباری، کتاب اللباس، باب قص الشارب ج،۱۰،ص،۲۹۳، دار المعرفۃ بیروت، وتنقیح الفتاوی الحامدیۃ، ج،۲،ص،۵۷۰، قدیمی کتب خانہ کراچی)

[5] (شرح الزرقانی علی موطأ الامام مالک، کتاب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ج،۴،ص،۳۸۲، دار الحدیث القاہرۃ)

فقہاء حنبلیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے نزدیک مونچھوں کو کاٹ کر کم کرنا اور ان کو مونڈنا دونوں میں اختیار ہے اور مونڈنا نص کے زیادہ قریب ہے۔[1]

علامہ موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

اگر میت کی مونچھیں لمبی ہوں تو ان کو کاٹ کر کم کرنا مستحب ہے، یہ حسن، بکر بن عبد اللہ، سعید بن جبیر اور اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا فرمان ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ میت کی کسی چیز کو کاٹا نہیں جائے گا، کیونکہ میت کی کسی چیز کو کاٹنا غیر مستحب ہے، مثلاً ختنہ کرنا، فقہاء شافعیہ کے اس میں دو قول ہیں۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے مردوں کو اس طرح سنوارو جس طرح اپنی دلہنوں کو سنوارتے ہو، اور دلہن کو حسین بنایا جاتا ہے اور مونچھوں میں جو چیز قبیح ہو اس کو زائل کیا جائے گا، کیونکہ اس کو اس طرح چھوڑنے سے میت کی شکل قبیح المنظر ہوگی، اس لیے اس کا ازالہ مشروع ہے جس طرح میت کے کھلے ہوئے منہ اور کھلی ہوئی آنکھوں کو بند کیا جاتا ہے، البتہ اگر وہ غیر مختون ہو تو اس کا ختنہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس سے میت کو ضرر ہوگا۔ (مونچھیں کاٹنے کے بعد بال میت کے ساتھ کفن میں رکھ دیے جائیں گے)[2]

مولوی رحمت اللہ ابن ملا موسیٰ مندوخیل لکھتے ہیں:

او د امام اعظم وصاحبانو او د امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ او اہل کوفی او د صوفیانو کرامو خریل دی د اسنت او احسن دی۔

اور امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور صاحبین (مام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اہل کوفہ اور صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کو (مونچھیں) مونڈنا پسند ہے اور اسے اچھا سمجھتے ہیں اور فرمایا کہ یہ سنت ہے اور احسن ہے۔[3]

قیاس کے تقاضا کے مطابق بھی مونچھیں کاٹنے سے مونڈنا افضل ہے

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ۔

بے شک تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہوگے اگر اللہ چاہے امن وامان سے اپنے سروں کے بال منڈاتے یا ترشواتے۔ (الفتح ۲۷:)

عن ابن عمر: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال فی حجۃ الوداع: "اللھم ارحم المحلّقین"۔ قالوا: والمقصّرین یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ قال: "اللھم ارحم المحلّقین"۔ قالوا: والمقصّرین یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ قال: "والمقصّرین"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں دعا فرمائی: اے اللہ سر مونڈنے والوں پر رحم فرما، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اور کتروانے والوں کے لیے بھی رحمت کی دعا فرمائیں، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، فرمایا: اے اللہ سر منڈانے والوں رحم فرما، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا، بالوں کے کتروانے والوں کے لیے بھی رحمت کی دعا فرمادیں، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا اور کتروانے والوں پر بھی رحم فرما۔[4]

امام ابو جعفر طحاوی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۳۲۱ھ فرماتے ہیں:

و امامن طریق النظر فانا راینا الحلق قد امر فی الاحرام ورخص فی التقصیر فکان الحلق افضل من التقصیر و کان التقصیر من

---

[1] (الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج۱، ص۳۹۶، دار الفکر بیروت)

[2] (المغنی، ج۲، ص۲۱۰، دار الفکر بیروت)

[3] (رحمت بیان شرح رشید البیان، باب دی پہ بیان دسنتو د اسلام کی، ص۳۲۰، صدیقی کتب خانہ کوئٹہ)

[4] (صحیح البخاری، ج۳، ص۵۶۱، رقم ۱۷۲۷: ، وصحیح مسلم، ج۲، ص۹۴۵، رقم ۳۱۷: ۱۳۰۱، ومشکوٰۃ المصابیح، کتاب المناسک، باب الحلق ص۲۳۲، قدیمی کتب خانہ کراچی)

شاء فعله و من زاد علیه الا انه یکون بزیادته علیه اعظم اجرا ممن قص۔ فالنظر علی ذلک ان یکون کذلک حکم الشارب قصه حسن و احفاءه احسن و افضل و هذا مذهب ابی حنیفة و ابی یوسف و محمد۔

اور قیاس کے طور پر یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں احرام کے سلسلے میں (سر) منڈانے کا حکم ہے اور کاٹنے کی اجازت دی گئی ہے بس کاٹنے سے منڈوانا افضل ہے اب جو چاہے کٹوائے اور جو چاہے اس پر اضافہ کرے البتہ اس اضافہ سے کاٹنے کے مقابلے میں زیادہ عظمت وفضیلت ہے تو اس پر قیاس کا تقاضا ہے کہ مونچھوں کا بھی یہی حکم ہے کاٹنا اچھا ہے اور منڈوانا زیادہ اچھا ہے اور افضل ہے یہ حضرت امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا مذہب ہے۔[1]

علامہ ابوبکر جصاص حنفی رضی اللہ عنہ متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

و لما کان التقصیر مسنونا فی الشارب عند الجمع کان الحلق افضل قال النبی علیه السلام رحم الله المحلقین ثلاثا و دعا للمقصرین مرة فجعل حلق الرأس افضل من التقصیر۔

اور جب مونچھوں کے بال چھوٹے کرنا سب کے نزدیک مسنون ہے تو پھر حلق یعنی مونڈ دینا افضل ہوگا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ مونڈنے والوں پر رحم فرمائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین بار یہ دعا کی اور چھوٹے کرانے والوں کے لئے ایک دفعہ دعا کی تھی۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر کے بال مونڈنے کو سر کے بال چھوٹے کرانے سے افضل قرار دیا۔[2]

مولوی رحمت اللہ ابن ملا موسیٰ مندوخیل رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

بریتونه دحاجی پر سر قیاس دی چی مقصود له دو او صفایی او ازله داذی ده نو اچی د حاجی لپاره قصر روا او حلق افضل دی، همداسی د بریتو کتیل روا او خریل یی بهتر دی۔ طحاوی، دعامه، محیط، هندیه، عینی، اختیار، وغیره۔

مونچھوں کو حاجی کے سر کے بالوں پر قیاس کیا گیا ہے، یعنی جس طرح حاجی کے لئے بال تراشنا جائز اور مونڈنا افضل و احسن و بہتر ہے۔ طحاوی، دعامہ، محیط، ہندیہ، عینی، اختیار، وغیرہ۔[3]

مونچھیں مونڈنے میں دینی اور دنیاوی حکمت

امام جلال الدین سیوطی، شافعی رضی اللہ عنہ، متوفی ۹۱۱ھ، اور علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی رضی اللہ عنہ، حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ، لکھتے ہیں:

قال الشیخ ولی الدین العراقی فی شرح سنن ابی داؤد الحکمة فی قص الشوارب أمر دینی و هو مخالفة شعار المجوس فی احفائه کما ثبت التعلیل به فی الصحیح و أمر دنیوی و هو تحسین الهیئة و التنظیف مما یعلق به من الدهن و الاشیاء التی تلتصق بالمحل کالعسل و الاشربة و نحوها و قد یرجع تحسین الهیئة الی الدین أیضا لانه یؤدی الی قبول قول صاحبه و امتثال أمره من أرباب الامر کالسلطان و المفتی و الخطیب و نحوهم و لعل فی قوله تعالٰی: وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ۔ (المؤمن: ۶۴، التغابن: ۳) اشارة الیها فانه یناسب الامر بما یزید فی هذا کأنه قال قد أحسن صورکم فلا تشوّهها بما یقبحها و کذا قوله تعالی حکایة عن ابلیس: وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ۔ (النساء: ۱۱۹) فان ابقاء ما یشوّه الخلقة تغییر لها لکونه تغییر الحسنها ذکر ذلک کله الشیخ تقی الدین السبکی و مقتضاء تأدی السنة بحصول مسمی القص لکن فی الصحیحین من حدیث ابن

---

[1] (شرح معانی الآثار، کتاب الکراهۃ، ج ۲، ص ۳۰۸، مکتبہ حقانیہ ملتان)

[2] (احکام القرآن، ج ۱، ص ۶۸، سہیل اکیڈمی لاہور)

[3] (رحمتِ بیان شرح رشید البیان، باب دی په بیان د سنتو د اسلام کښې، ص ۳۲۱، صدیقی کتب خانہ کوئٹہ)

عمر احفوا الشوارب وهو دال علی استحباب قدر زائد علی القص ویساعده المعنی الذی شرع قص الشارب لاجله وهو اما مخالفة شعار المجوس اوزوال المفاسد المتعلقة ببقائه فاخذ بعضهم بظاهر قوله احفوا وذهب الی استئصاله وحلقه والیه ذهب ابن عمر وبعض التابعین وهو قول الکوفیین ومنع آخرون الحلق والاستئصال وهو قول مالک واختاره النووی وفی المسئلة قول ثالث انه مخیر بین الامرین حکاه القاضی عیاض۔

شیخ ولی الدین عراقی رضی اللہ عنہ شرح سنن ابی داؤد میں مونچھیں کاٹنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مونچھیں مونڈنا خالص دینی معاملہ ہے اور یہ مجوسیوں کے شعار کی مخالفت ہے، کیونکہ وہ مونچھیں بڑھاتے ہیں جیسا کہ روایات صحیحہ سے اس کی علت ثابت ہے اور یہ دنیوی معاملہ بھی ہے کہ اس سے شکل وصورت اچھی دکھائی دیتی ہے جبکہ اس میں منہ کے متعلق امور میں نفاست کا بھی اہتمام ہے اور وہ چیزیں اس مقام سے چھوتی ہیں جیسے شہد اور پینے کی چیزیں وغیرہ (ان سے بھی حفاظت ہوتی ہے) اسی طرح اچھی وضع قطع دین سے بھی تعلق رکھتی ہیں کیونکہ اس طرح دین والے کے احکام کی بجا آوری بھی ہوتی ہے اور اس میں اہلِ اقتدار جیسے حاکم وقت، مفتی اور خطیب وغیرہ کے لیے بھی تعمیل ارشاد کا سامان ہے، ممکن ہے اللہ تعالیٰ ارشاد میں اسی طرف اشارہ ہو:

وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ- اور تمہاری صورتیں بنائیں تو تمہاری اچھی صورتیں بنائیں۔[1]

پس بے شک اس امر کے مناسب ہے جو اس میں اضافہ ہے گویا کہ فرمایا تحقیق تمہاری صورتیں بہت اچھی ہیں تو تم ان کو بدشکل نہ بناؤ جس کے سبب وہ قبیح ہو جائیں اور اسی طرح ابلیس کے متعلق اس آیت میں ہے: وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ

اور ضرور انہیں کہوں گا کہ وہ اللہ کی پیدائی ہوئی چیزیں بدل دینگے۔ (النساء ۱۱۹:)

پس بے شک بری صورت کو باقی رکھنا اس کے حسن کی تبدیلی کی وجہ سے اس کی پیدائی ہوئی چیز کو تبدیل کرنا ہے۔ یہ سب کلام شیخ تقی الدین (ابن دقیق العید) سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے (بالمعنیٰ "شرح الالمام" میں) بیان کیا ہے۔ (شیخ ولی الدین عراقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے:) اس کا مقتضی یہ ہے کہ مونچھیں کاٹنے سے بھی سنت ادا ہو جائے گی لیکن صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت "مونچھیں جڑ سے کاٹو" تراشنے سے زیادہ کاٹنے کے استحباب پر دلالت کرتی ہے اور اس سے ان مقاصد کی بھی تائید ہوتی ہے جن کے حصول کے لیے مونچھوں کو کاٹنے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ مقاصد یا تو مجوسیوں کے طریقے کی مخالفت ہے یا پھر مونچھیں رکھنے کی قباحتوں کا ازالہ ہے لہٰذا "احفوا" کے ظاہری الفاظ سے بعض علماء (احناف وغیرہ) نے استدلال کیا اور مونچھوں کو جڑ سے اکھاڑنے اور مونڈنے کا موقف اختیار کیا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بعض ائمہ تابعین اور اہل کوفہ (یعنی ائمہ احناف) نے اسی کو اختیار کیا ہے، جبکہ بعض دوسرے علماء نے جڑ سے اکھاڑنے اور مونڈنے سے منع کیا ہے اور یہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، اسی مسئلہ میں ایک تیسرا قول بھی ہے کہ آدمی کو ان دونوں امور میں سے کسی ایک کو اپنانے کا اختیار ہے یہ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان کیا ہے۔[2]

امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی رضی اللہ عنہ، متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

ویتعلق بهذه الخصال مصالح دینیة ودنیویة تدرک ذلک بالتتبع، منها تحسین الهیئة، وتنظیف البدن جملة وتفصیلاً، والاحتیاط للطهارتین، والاحسان الی المخالط والمقارن بکف مایتأذی به من رائحة کریهة، ومخالفة شعار

---

[1] (المؤمن ۶۴:، التغابن ۳:)

[2] (مجموعہ رسائل سیوطی، بلوغ المآرب فی قص الشوارب، ج ۱، ص ۱۲۶، ۱۲۷، دارالاخلاص لاہور، الفتاوی تنقیح الحامدیۃ، ج ۲، ص ۳۶۳، ۳۶۴، المکتبۃ الحبیبیۃ، کوئٹہ)

الكفار من المجوس واليهود والنصارىٰ وعباد الأوثان ،وامتثال أمر الشارع ،والمحافظة على ما أشار اليه قوله تعالى:وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ۔(المؤمن:٦٤،التغابن:٣)لما فى المحافظة على هذه الخصال من مناسبة ذلک۔وكان قيل قد حسنت صوركم فلا تشوهوها بما يقبحها، أو حافظوا على مايستمر به حسنها،وفى المحافظة عليها على المروءة وعلى التآليف المطلوب،لأن الانسان اذا بدا فى الهيئة الجميلة كان أدعى لانبساط النفس اليه،فيقبل قوله ،ويحمد رأيه،والعكس بالعكس۔

اوران خصلتوں کے ساتھ دینی اور دنیاوی مصلحتیں تعلق رکھتی ہیں جو تلاش کرنے سے پائی جاتی ہیں ،اور ان میں شکل وصورت کو آراستہ کرنا ہے ،اور بدن کو اجمالی اور تفصیلی طور پر پاک ستھرا کرنا ہے،اور دونوں پاکیزگیوں کے لیے احتیاط ہے،اور جو بدبو تکلیف دیتی ہے ہم نشین اور ملنے والوں کو اس کو دور کرکے احسان کرنا ہے،اور کفار،مجوس،یہود،نصاریٰ اور بت پرستوں کے شعار کی مخالفت کرنا ہے،اور شارع کا حکم بجالانا ہے،اور جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے اس کی حفاظت کرنا ہے :وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ۔اور تمہاری تصویر کی تو تمہاری اچھی صورت بنائی۔[1]اس لیے کہ ان خصائل کی حفاظت کرنے میں اس کی مناسبت ہے،اور گویا کہ ارشاد فرمایا گیا میں نے تمہاری صورتوں کو حسین بنایا ہے تو تم ان کو بدصورت نہ بناؤ جس کے سبب صورتیں قبیح ہو جائیں،یا جس کے ساتھ صورتوں کے حسن کا تسلسل قائم رہتا ہے اس کی حفاظت کرو،اور ان کی حفاظت کرنے میں مطلوب کی الفت پر اور مروءت پر حفاظت کرنا ہے،اس لیے کہ انسان جب خوبصورتی کی حالت میں ظاہر ہوتا ہے تو نفس اس کو خوشی سے بلاتا ہے،تو اس کی بات کو قبول کرتا ہے،اور اس کی رائے کی تعریف کرتا ہے،اور عکس ہو تو معاملہ برعکس ہوتا ہے۔[2]

امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

وأغرب القاضى أبوبكر بن العربى فقال:عندى أن الخصال الخمس المذكورة فى هذا الحديث كلها واجبة،فان المرء لو تركها لم تبق صورته على صورة الآدميين فكيف من جملة المسلمين، كذا قال "شرح الموطأ" وتعقبه أبو شامة بأن الأشياء التى مقصودها مطلوب لتحسين الخلق وهى النظافة لاتحتاج الى ورود أمر ايجاب للشارع فيها اكتفاء بدواعى الأنفس فمجرد الندب اليها كاف۔

قاضی ابوبکر بن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے زیادہ غریب بات فرمائی:میرے نزدیک اس مذکورہ حدیث میں پانچوں خصلتیں تمام واجب ہیں،اس لیے کہ اگر آدمی ان کو چھوڑ دے تو اس کی شکل آدمیوں کی شکل پر نہیں رہتی تو وہ منجملہ مسلمانوں میں سے کیسے ہوگا،اسی طرح "شرح الموطا" میں فرمایا ہے۔ اور ابوشامہ اس کا تعاقب کیا ہے جن چیزوں کا مقصود بدن کی تحسین کے لیے مطلوب ہے اور وہ نظافت ستھرائی ہے،امر ایجابی کے ورود کا محتاج نہیں ہوتا،اس میں شارع کے لیے نفوس کے دواعی پر اکتفاء کرنا ہوتا ہے تو اس کی طرف صرف بلانا کافی ہے۔[3]

مونچھیں منڈوانے کو قبیح سمجھنا کفر ہے

علامہ ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۶۱ھ،اور علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۹۷۰ھ،اور علامہ شیخ قاری علی بن سلطان محمد القادری النقشبندی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۰۱۴ھ،علامہ بن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

---

[1] (المؤمن ٦٤:،التغابن ٣:)

[2] (فتح الباری شرح صحیح البخاری،کتاب اللباس باب قص الشارب،ج ١١،ص ٢٨٧،دارالکتب العلمیہ بیروت)

[3] (فتح الباری شرح صحیح البخاری،کتاب اللباس باب قص الشارب،ج ١١،ص ٢٨٨،دارالکتب العلمیہ بیروت)

كفّر الحنفية بألفاظ كثيرة، وأفعال تصدر من المتهتكين لدلالتها على الاستخفاف بالدين كالصلاة بلا وضوء عمداً، بل بالمواظبة على ترك سنة استخفافا بها بسبب أنها فعلها النبيّ ﷺ زيادة، أو استقباحها، كمن استقبح من آخر جعل بعض العمامة تحت حلقه أو احفاء شاربه۔

احناف نے ان کثیر الفاظ اور افعال کے ساتھ آدمی کے کافر ہو جانے کا ذکر فرمایا جو بے پرواہ اور جری لوگوں سے صادر ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ الفاظ اور افعال دین کے استخفاف پر دلالت کرتے ہیں ۔مثلاً جان بوجھ کر بغیر وضو کے نماز پڑھنا، بلکہ اس شخص کی بھی تکفیر کی ہے جو شخص سنت کو ہلکا (بے وقعت) سمجھتے ہوئے اس کے ترک کرنے پر اس لئے ہمیشگی اختیار کرتا ہے کہ یہ تو نبی علیہ السلام کا ایک اضافی اور زائد عمل ہے، یا اس سنت کو قبیح سمجھتے ہوئے جیسے کہ کوئی شخص کسی کے عمامہ کے ایک حصہ کو حلق کے نیچے رکھنے کو قبیح سمجھے یا مونچھوں کے منڈوانے کو قبیح سمجھے ۔[1]

علامہ شیخ قاری علی بن سلطان محمد القادری النقشبندی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں:

وفی الظهيرية: من قال لفقيه أخذ شاربه: ماأعجب قبحا أو أشدّ قبحا ولفّ طرف العمامة تحت الذقن يكفر، لأنه استخفاف بالعلماء، يعنى مستلزم لاستخفاف الانبياء عليهم السلام، لأن العلماء ورثة لأنبياء عليهم السلام، وقصّ الشارب من سنن الأنبياء عليهم السلام، فتقبيحه كفر بلا اختلاف بين العلماء۔ وفی الخلاصة: من قال قصصت شاربك وألقيت العمامة على العاتق استخفافا يعنى بالعالم أو بعلمه فذلك كفر، أو قال ماأقبح امر أقص الشارب ولفّ طرف العمامة على العنق، كذا فی الخلاصة للحميدی، وفيه: ان عادته للتاكيد۔

اور فتاویٰ ظہیریہ میں ہے جس شخص نے کسی ایسے فقیہ سے کہا جس نے مونچھیں کاٹی ہوئی ہوں، کتنی عجیب وغریب شکل ہے یا کتنی بری شکل ہے کہ مونچھیں کاٹی ہوئی ہیں ،اور اپنے عمامے کا پلو (کنارہ) ٹھوڑی کے نیچے سے لپیٹا ہوا ہے تو ایسا شخص کافر ہو جائے گا ،کیونکہ اس نے علماء کا استخفاف (توہین) کیا ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کے استخفاف کو مستلزم ہے کیونکہ علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں ۔اور مونچھیں کاٹنا انبیاء کی سنت ہے ۔پس اس کو برا سمجھنا بلا اختلاف عِلماء کفر ہے ۔اور خلاصہ میں ہے جس نے کسی عالم دین سے کہا تو نے اپنی مونچھیں کاٹی ہوئی ہیں اور عمامہ کندھے پر لٹکایا ہوا ہے استخفاف کے طور پر یعنی کسی عالم کے ساتھ یا اس کے علم کی وجہ سے تو یہ کافر ہو گیا، یا اس نے کہا کتنا ہی برا ہے یہ شخص جس نہ مونچھیں کاٹی ہوئی ہیں اور عمامے کا کنارہ اپنی گردن پر لپیٹا ہوا ہے ۔اور ایسے ہی خلاصہ حمیدی میں ہے، اس صورت میں اگر اس نے اپنے جملے کو تاکید کے لیے دہرایا۔[2]

وفی مجموع النوازل رجل قال چہ بکار آید سبلت پست کافر شود۔ لانه استخفاف بالسنة۔

اور مجمع النوازل میں ہے ایک شخص نے کہا مونچھوں کے کنارے پست کرنا کیا کام آئے گا، کافر ہو جائے گا، اس لیے کہ سنت کا استخفاف ہے ۔[3]

مونچھیں بڑھانا شیعہ کی علامت ہے

علامہ محمد شہاب الدین بن بزار کردری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حنفی، متوفی ۸۲۷ھ لکھتے ہیں:

---

[1] (المسامرۃ، الخاتمۃ فی بحث الایمان، ص ۲۹۵، ۲۹۶، مکتبہ نوریہ رضویہ، لاہور، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب السیر، باب احکام المرتدین، ج ۵، ص ۲۰۲، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، شرح فقہ اکبر، استحلال المعصیۃ، ص ۱۵۲، میر محمد کتب خانہ کراچی، رد المحتار علی الدر المختار، کتاب الجہاد، باب المرتد، ج ۶، ص ۳۵۶، دار الکتب العلمیہ بیروت)

[2] (شرح فقہ اکبر، فصل فی العلم والعلماء، ص ۱۷۳، میر محمد کتب خانہ کراچی)

[3] (خلاصۃ الفتاوی، ج ۴، ص ۳۸۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، فتاویٰ برھنہ، ج ۱، ص ۱۲۵، مکتبہ عربیہ کانسی روڈ کوئٹہ)

قص الشارب امارۃ اھل السنۃ والجماعۃ وترکہ امارۃ الرفض۔

مونچھیں کاٹنا اہل سنت و جماعت کی علامت ہے اور مونچھوں کو چھوڑنا (یعنی بڑی رکھنا) روافض (شیعہ) کی علامت ہے۔[1]

علامہ محمد طاہر پٹنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں:

فسبحانہ ماسخف عقول قوم طرحوا الشارب واحفوا اللحی عکس ماعلیہ فطرۃ جمیع الامم، قد بدلوا فطرتھم نعوذ باللہ۔

سبحان اللہ کس قدر ناقص عقل ہے ان لوگوں کی جنہوں نے مونچھیں بڑھائیں اور داڑھیاں چھوٹی کیں برعکس اس خصلت کے جس پر تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی امتوں کی فطرت ہے انہوں نے اپنی اصل خلقت ہی بدل دی خدا کی پناہ۔[2]

مونچھیں بڑھانا مکروہ ہے

مولانا ابوسعید خادمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اور شیخ رجب بن احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فی شرح شرعۃ الاسلام ارادبہ النھی عما یفعلہ الاعاجم والافرنج من قص اللحیۃ وتوفیر الشارب فانہ مکروہ۔

شرعۃ الاسلام کی شرح میں ہے کہ اس منع کرنے سے مراد اس چیز سے منع کرنا ہے جس کو پارسی اور فرنگی کرتے ہیں، داڑھی کاٹتے ہیں اور مونچھیں بڑھاتے ہیں، پس بے شک یہ مکروہ ہے۔[3]

لمبی مونچھیں رکھنا بدعت ہے

موئے لب را پست داشتن سنت است و دراز داشتن بدعت است دراز نشاید داشتن کہ بشومی بدعت بود (ای شاید) کہ آب بحرف ای کنارۂ لب نرسد طہارت درست نبود و نماز روانی۔

مونچھوں کو پست رکھنا سنت ہے اور لمبی رکھنا بدعت ہے، لمبی نہیں رکھنی چاہیے، بدعت کی نحوست ہوتی ہے (یعنی شاید) کہ پانی ہونٹ کے کنارے کو نہ پہنچے، طہارت نہ ہوئی، نماز جائز نہیں۔[4]

مونچھیں کاٹنا سنت مؤکدہ ہے

وأما الأخذ من الشارب فلیس کالأخذ من اللحیۃ والرأس لکنہ سنۃ مؤکدۃ۔

اور بہرحال مونچھیں کاٹنا داڑھی اور سر کے کاٹنے کی طرح نہیں ہے بلکہ یہ سنت مؤکدہ ہے۔[5]

مونچھیں دائیں جانب سے کاٹنا شروع کرنا مستحب ہے

امام نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

یستحب أن یبدأ فی قص الشارب بالیمین۔

---

[1] (الفتاوی البزازیۃ، کتاب السیر فی الحظر والاباحۃ، ج۲، ص۴۳۲، قدیمی کتب خانہ کراچی، الوسیلۃ الاحمدیۃ والذریعۃ السرمدیۃ فی شرح الطریقۃ المحمدیۃ علی حاشیہ بریقہ، ج۴، ص۱۷۳، مکتبۃ العلوم الدینیۃ کوئٹہ)

[2] (کواکب الدراری شرح صحیح بخاری امام کرمانی، ومجمع بحار الانوار، باب الفاء مع الطاء، تحت لفظ "فطر"، ج۴، ص۱۵۸، مکتبہ دارالایمان مدینہ منورہ)

[3] (بریقۃ محمودیۃ فی شرح طریقۃ محمدیۃ، ج۴، ص۱۷۴، مکتبۃ العلوم الدینیۃ کوئٹہ، الوسیلۃ الاحمدیۃ والذریعۃ السرمدیۃ فی شرح الطریقۃ المحمدیۃ علی حاشیہ بریقہ، ج۴، ص۱۷۴، مکتبۃ العلوم الدینیۃ کوئٹہ)

[4] (صلوۃ مسعودی، باب ہشتم در بیان طہارت، ج۱، ص۸۰، در طبع محمدی تاجران کتب بمبئی، ھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا، ص۱۹، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

[5] (شعب الایمان، ج۵، ص۲۲۱، رقم ۶۴۴۰: دارالکتب العلمیہ بیروت)

مونچھیں کاٹنے میں دائیں طرف سے شروع کرنا مستحب ہے۔(اس لیے کہ نبی کریم ﷺ دائیں جانب سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے)[1]

جمعہ کے دن مونچھیں مونڈنا، افضل و مستحب ہے

ملا علی قاری حنفی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی، ۱۰۱۴ھ، اور علامہ نظام الدین حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۱۱۶۱ھ لکھتے ہیں :

وفی القنیة الأفضل أن یقلم أظفاره ویحفی شاربه ویحلق عانته وینظف بدنه بالاغتسال فی کل أسبوع مرة، فان لم یفعل ذلک ،ففی کل خمسة عشر یوماً ولا عذر فی ترکه وراء الأربعین۔فالأسبوع هو الأفضل والخمسة عشر هو الأسط، والأربعون هو لأبعد ولا عذر فیما وراء الأربعین، ویستحق الوعید عندنا۔

اور ''القنیہ'' میں ہے کہ افضل یہ ہے کہ آدمی یہ درج ذیل کام ہر ہفتہ میں ایک بار کرلیا کرے: (۱) اپنے ناخن کاٹنا (۲) اپنی مونچھوں کو جڑ سے ختم کرنا (۳) اپنے زیر ناف بال مونڈنا (۴) اپنے بدن کو غسل کرکے صاف کرنا۔اگر ایسا نہ کرسکے تو پھر ہر پندرہ دن میں ایک بار کرے، اور چالیس دن تک چھوڑنے میں کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔لہٰذا ایک ہفتہ کی مدت افضل ہے، پندرہ دن کی درمیانی مدت ہے اور چالیس دن کی مدت انتہائی مدت ہے اور چالیس دن سے زیادہ مؤخر کرنا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا، ہمارے نزدیک وعید کا مستحق ٹھہرے گا۔[2]

کبار علماء اسلام لکھتے ہیں:

ذهب الفقهاء الی أنه یستحب لمن یرید حضور الجمعة تحسین هیئته بقص الشارب وغیر ذلک من الأمور المندوبة فی ذلک الیوم۔

فقہاء کا مذہب ہے کہ یہ مستحب ہے اس شخص کے لیے جو جمعہ کی حاضری کا ارادہ رکھتا ہے وہ مونچھیں کاٹ کر اور اس دن اس کے علاہ جو کام مندوب مستحب ہیں کرکے اپنی شکل وصورت کو حسین بنالے۔[3]

کبار علماء اسلام لکھتے ہیں:

وذهب جمهور الفقهاء الی ان الأخذ من الشارب یکون قبل حضور صلاة الجمعة، ولکن الحنفیة قالوا:ان حلق الشعر یوم الجمعة بعد الصلاة افضل لتناله برکة الصلاة۔

اور جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ نماز جمعہ میں حاضر ہونے سے پہلے مونچھیں کاٹی جائیں، اور لیکن احناف فرماتے ہیں: بے شک بالوں کو مونڈنا جمعہ کے دن نماز کے بعد افضل ہے تاکہ وہ نماز کی برکت کو حاصل کرلیں۔[4]

کبار علماء اسلام لکھتے ہیں:

وعللوا الأخذ من الشارب کل جمعة بأنه اذا ترک یصیر وحشا۔

اور فقہاء کرام نے ہر جمعہ کو مونچھیں کاٹنے کی علت یہ بیان کی ہے کہ وہ جب چھوڑ دے گا تو وحشی ہوجائے گا۔(یعنی شکل وحشیانہ نظر آئے گی)[5]

---

[1] (فتح الباری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، ج،۱۰،ص،۲۹۵، دار المرفۃ بیروت)

[2] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب اللباس، باب الترجل، ج،۸،ص،۲۷۴، ۲۷۵، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، فتاویٰ عالمگیری، کتاب الکراھیۃ باب الختان والخصاء، ج،۵،ص،۴۳۷، قدیمی کتب خانہ کراچی)

[3] (الموسوعۃ الفقھیۃ، ج،۲۵،ص،۳۲۲، مکتبہ علوم اسلامیہ بلوچستان)

[4] (بدائع الصنائع، ج،۱،ص،۲۶۹، جواہر الاکلیل، ج،۱،ص،۹۶، کفایۃ الطالب، ج،۱،ص،۲۹۶، اسنی المطالب، ج،۱،ص،۲۶۶، کشاف القناع، ج،۲،ص،۴۲، مطالب اولی النہی، ج،۱،ص،۸۷، ردالمحتار، ج،۱،ص،۵۸۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، الموسوعۃ الفقھیۃ، ج،۲۵،ص،۳۲۳، مکتبہ علوم اسلامیہ بلوچستان)

[5] (مطالب اولی النہی، ج،۱،ص،۸۵، ۸۷،، ج،۲،ص،۴۲۵، الموسوعۃ الفقھیۃ، ج،۲۵،ص،۳۲۲، مکتبہ علوم اسلامیہ بلوچستان)

لمبی مونچھوں والے کے جھوٹے پانی کا شرعی حکم

سوال : یہ کہ لبوں کے بال بڑھے ہوئے شخص کا جھوٹا پانی وغیرہ پینا کیسا ہے؟

جواب : اگر اسے وضو نہ تھا اس حالت میں اس نے پانی پیا اور لبوں کے بال پانی کو لگے تو پانی مستعمل ہوگیا، مستعمل پانی کا پینا ہمارے امام (ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے اصل مذہب میں حرام ہے، ان کے نزدیک وہ پانی ناپاک ہوگیا خود اس نے جو پیا، ناپاک پیا اور اب جو پیئے گا ناپاک پیئے گا، اور مذہب مفتیٰ بہ پر مستعمل پانی پینا مکروہ ہے، اس نے جو پیا مکروہ پیا اور اب جو بچا ہوا پیئے گا مکروہ پیئے گا، ہاں اگر اسے وضو تھا یا منہ دھلا تھا تو شرعاً حرج نہیں، اگرچہ اس کی مونچھوں کا دھوون پینے سے قلب کراہت کرے گا۔[1]

لمبی مونچھیں رکھنے والے کا شرعی حکم

سوال : داڑھی منڈوانے والے، کترنے والے، لبوں (مونچھوں) کے بال بڑھانے والے کس خطا کے مرتکب ہیں ان کی نسبت کیا حکم ہے؟

جواب : حدِ شرع سے کم داڑھی رکھنا یا حدِ شرع سے زیادہ مونچھیں رکھنا سب خلافِ شرع اور مجوسیوں کی سنت اور نصرانیوں کی عادت ہے، آدمی اس سے گنہگار ہوتا ہے اور اس کی عادت رکھنے سے فاسق ہو جاتا ہے۔[2]

ورسول علیہ السلام فرمودہ است کہ فردای قیامت آمنا وصدقنا اہل عرصات سجدہ آرند مر پروردگار را سجدہ تحیت مگر کافران را ایشان سجدہ آوردن نتوانند وسر ہای ایشان ہمچو سرون گاؤ راست ماندہ باشد وکسانی کہ در دنیا لب را دراز داشتہ اند آن مویہای ایشان در زمین استوار شدہ باشد ہمچون نیزہ ہا وایشان مانع باشب از آوردن سجدہ تا اہل عرصات فرق نتوانند کرد میان ایشان ومیان کافران۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ کل قیامت پر ہم ایمان لائے اور ہم نے تصدیق کی اہل قیامت خاص پروردگار کو سجدہ تحیت کریں گے مگر کافر اللہ تعالیٰ کو سجدہ نہیں کرسکیں گے اور ان کے سر بیل کے سینگوں کی طرح ہوں گے اور جس شخص نے دنیا میں مونچھیں لمبی رکھی ہوں گی ان کے بال نیزوں کی طرح زمین میں مضبوط ہوں گے اور انہیں سجدہ کرنے سے رکاوٹ ہوگی، یہاں تک کہ اہل قیامت ان میں اور کافروں میں فرق نہیں کر سکیں گے۔[3]

وسید امام ناصر الدین رحمۃ اللہ علیہ، در سیر کبیر آوردہ است کہ اگر در معرکہ گاہ مؤمنان با کافران کشتہ شوند مؤمنا را از کافران بچہ طریق فرق کنند مومنان را بچہار چیز فرق توان کردن بموی روی رنگ کردہ وسنت فرج وموی لب پست بود وجامہ سیاہ تا اگر یکے را سنت فرج (ای ختنہ کردہ نشدہ) نبود ولیکن موئ لبش پست بود ویرا حکم کنیم باسلامِ وی و در گورستان مؤمنان دفن کنند واگر موئ لب وی دراز بود ولیکن بسنتِ فرج نبود ویرا حکم نکنیم باسلام وی وبخاک دفن نہ کنند۔

اور سید امام ناصر الدین فرماتے ہیں کہ، سیر کبیر میں آیا ہے کہ اگر مومن، کافروں کے ساتھ میدان جنگ میں قتل کئے جائیں، تو مومنوں کو کافروں سے کس طریقہ کے ساتھ فرق کریں گے؟ مومنوں میں چار چیزوں کے ساتھ فرق کیا جاسکتا ہے۔(۱) چہرہ کے بالوں کو رنگ کیے ہونے کے ساتھ، (۲) اور شرمگاہ کی سنت یعنی ختنہ کیا ہوا ہو، (۳) اور مونچھوں کے بال پست ہوں، (۴) اور کپڑے سیاہ پہنے ہوئے ہو۔ یہاں تک کہ اگر ایک کی شرمگاہ کی سنت (ختنہ کیا ہوا) نہ تھا اور لیکن اس کی مونچھوں کے بال پست تھے اس کے مسلمان ہونے کا حکم لگائیں گے اور مومنوں کے قبرستان میں دفن کریں گے، اور اگر اس کی مونچھوں

---

[1] (فتاویٰ رضویہ، ج، ۲۲، ص، ۶۰۶، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

[2] (فتاویٰ رضویہ، ج، ۲۲، ص، ۶۰۶، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

[3] (صلوٰۃ مسعودی، باب ہشتم در بیان طہارت، ج، ۱، ص، ۸۱، در طبع محمدی تاجران کتب بمبئی)

کے بال لمبے ہوں اور ختنہ نہ کیا ہوا ہو اس پر مسلمان ہونے کا حکم نہیں لگائیں گے اور مٹی میں دفن نہیں کیا جائے گا۔[1]

مونچھیں منڈانے کے متعلق سوالات کے جوابات

مونچھیں مونڈنا بدعت ہے؟ کا جواب

سوال: مونچھیں مونڈنا ممنوع اور بدعت ہے، اس لیے اسے ترک کرنا چاہیے۔

علامہ اسماعیل حقی، حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

والسنة تقصير الشارب وحلقه بدعة۔

مونچھوں کا پست کرنا سنت ہے اور ان کو مونڈنا بدعت ہے۔[2]

مونچھیں مونڈنا بدعت ہے جیسا کہ درج ذیل کتابوں میں بھی لکھا ہے۔[3]

جواب: علامہ ابن عابدین شامی حنفی رضی اللہ عنہ، متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

لابد للمفتي أن يعلم حال من يفتي بقوله، ولا يكفيه معرفته باسمه ونسبه، بل لابد من معرفته في الرواية، ودرجته في الدراية، وطبقته من طبقات الفقهاء، ليكون على بصيرة في التمييز بين القائلين المتخالفين وقدرة كافية في الترجيح بين القولين المتعاضين:

مفتی کے لئے ضروری ہے کہ اسے اس کا حال معلوم ہو کہ وہ جس کے قول پر فتویٰ دے رہا ہے، اور صرف اس کے نام اور اس کے نسب کی معرفت کافی نہیں ہے، بلکہ روایت میں اس کی معرفت، اور درایت (عقل وفہم) میں اس کے درجہ سے واقفیت ضروری ہے، اور یہ کہ طبقات فقہاء میں سے وہ کون سے طبقہ سے تعلق رکھتا ہے، تاکہ بصیرت کے طور پر دو مخالف اقوال کے درمیان تمیز کر سکے اور دو متعارض اقوال کے درمیان ایک قول کو ترجیح دینے میں کافی قدرت رکھتا ہو۔[4]

فقہاء کے سات طبقات

الأولى: طبقة المجتهدين في الشرع كالأئمة الأربعة رضي الله عنهم ومن سلك مسلكا في تأسيس قواعد الأصول، واستنباط أحكام الفروع عن الأدلة الأربعة من غير تقليد لأحد، لا في الفروع ولا في الأصول۔

الثانية: طبقة المجتهدين في المذهب، كأبي يوسف ومحمد وسائر أصحاب أبي حنيفة، القادرين على استخراج الأحكام عن الأدلة المذكورة على حسب القواعد التي قررها أستاذهم، فانهم وان خالفوه في بعض أحكام الفروع، لكنهم يقلدونه في قواعد الأصول۔

الثالثة: طبقة المجتهدين في المسائل التي لا رواية فيها عن صاحب المذهب، كالخصاف، وأبي جعفر الطحاوي، وأبي

---

[1] (صلوٰۃ مسعودی، باب ہشتم در بیان طہارت، ج ۱، ص ۸۱، در طبع محمدی تاجران کتب بمبئی، وھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا، ص ۱۹، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

[2] (تفسیر روح البیان، ج ۱، ص ۲۲۲)

[3] (الفتاویٰ السراجیۃ، کتاب الکراھۃ والاستحسان، باب المتفرقات، ص ۳۳۷، زم زم پبلشرز کراچی، حاشیہ جلالین ص ۱۸، حاشیہ نمبر ۳۳، قدیمی کتب خانہ کراچی، روح البیان، ج ۱، ص ۲۲۲، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب اللباس، باب الترجل، ج ۸، ص ۲۷۴، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[4] (رد المحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار، ۱، ص ۱۷۹، ۱۸۰، دار الکتب العلمیہ بیروت)

الحسن الكرخی، وشمس الأئمة الحلوانی، وشمس الأئمة السرخی، وفخر الاسلام البزدوی، وفخر الدين قاضی خان وغيرهم، فانهم لايقدرون على مخالفة الامام لافی الأصول ولافی الفروع ، لكنهم يستنبطون الأحكام فی المسائل التی لانص فيها على حسب الأصول قررها ومقتضی قواعد بسطها۔

الرابعة :طبقة أصحاب التخريج من المقلدين كالرازی وأضرابه ، فانهم لايقدرون على الاجتهاد أصلاً ، لكنهم لاحاطتهم بالأصول، وضبطهم للمأخذ يقدرون على تفصيل قول مجمل ذی وجهين ،وحكم محتمل لأمرين ، منقول عن صاحب المذهب ،أوعن أحد من أصحابه المجتهدين، برأيهم ونظرهم فی الأصول ، والمقايسة على أمثاله ونظائره من الفروع۔وما وقع فی بعض المواضع من ''الهداية'' من قوله ''كذا فی تخريج الكرخی، وتخريج الرازی'' من هذا القبيل۔

الخامسة :طبقة أصحاب الترجيح من المقلدين ، كأبی الحسن القدوری، وصاحب ''الهداية'' وأمثالهما، وشأنهم تفضيل بعض الروايات على بعض آخر، بقولهم هذا أولی، وهذا أصح رواية، وهذا أوفق للقياس وهذا أرفق للناس۔

والسادسة :طبقة المقلدين القادرين على التمييز بين الأقوی والقوی والضعيف ،وظاهر الرواية ، وظاهر المذهب والرواية النادرة، كأصحاب المتون المعتبرة كصاحب ''الكنز''، وصاحب ''المختار''، وصاحب ''الوقاية''، وصاحب ''المجمع''، وشأنهم أن لاينقلوا الأقوال المردودة، والروايات الضعيفة۔

والسابعة :طبقة المقلدين الذين لايقدرون على ماذكر ، ولايفرّقون بين الغث والسمين۔ولايميزون الشمال من اليمين ،بل يجمعون مايجدون كحاطب ليل، فالويل لمن قلدهم كل الويل۔

پہلا طبقہ:

مطلق مجتہدین کا ہے جنہوں نے شریعت میں اجتہاد کیا جیسے ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہ،امام مالک بن انس،امام محمد بن ادریس شافعی ،امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم)اور وہ مجتہدین جو ان کی روش پر چلے ہیں جنہوں نے اصول فقہ کے قواعد کی بنیاد رکھی ہے اور اصول وفروع میں کسی کی تقلید کے بغیر ادلہ اربعہ (قرآن،حدیث،اجماع،قیاس) سے فروعی احکام مستنبط کئے ہیں ۔

دوسرا طبقہ:

مذہب میں مجتہدین کا ہے جیسے امام ابو یوسف اور امام محمد اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دوسرے تلامذہ جو اپنے استاد کے مقرر کردہ اصول و ضوابط کی روشنی میں ادلہ اربعہ سے احکام مستنبط کرنے پر پوری طرح قادر ہیں ۔ان حضرات نے اگرچہ بعض جزئیات میں اپنے استاذ کی مخالفت کی ہے مگر اصول میں وہ اپنے استاذ کی پیری کرتے ہیں ۔

تیسرا طبقہ:

مسائل میں مجتہدین کا ہے:

جن جزئیات میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے تلامذہ سے کوئی روایت منقول نہیں یہ حضرات اپنے اجتہاد سے ان کے احکام بیان کرتے ہیں جس طرح امام خصاف،اور امام ابوجعفر طحاوی،اور امام ابوالحسن کرخی ، اور امام شمس الائمہ حلوانی ،اور امام شمس الائمہ سرخسی ،اور امام فخر الاسلام بزدوی ،اور امام فخر الدین قاضی خان اور ان جیسے یہ حضرات امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نہ اصول میں مخالفت کر سکتے ہیں اور نہ فروع میں البتہ امام اعظم

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تجویز کردہ اصول وضوابط کو پیش نظر رکھ کر ان جزئیات کے احکام مستنبط کر سکتے ہیں جن کے بارے میں امام عظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی قول مروی نہیں ہے۔

چوتھا اصحابِ تخریج کا طبقہ:

یہ حضرات مقلد ہوتے ہیں مثلاً جصاص رازی اور ان کے ہم رتبہ حضرات ان حضرات میں اجتہاد کی صلاحیت مطلق نہیں ہوتی مگر چونکہ یہ حضرات اصول کو اچھی طرح محفوظ کئے ہوئے ہوتے ہیں اور ان اصول کے ماخذ سے بھی واقف ہوتے ہیں اس لئے صاحب مذہب سے یا ان کے کسی مجتہد شاگرد سے منقول کسی ایسے قول کی جو مجمل اور ذو وجہین ہوتا ہے یا کسی ایسے حکم کی جس میں دو احتمال ہوتے ہیں اپنی خداداد صلاحیت سے اور اپنے امام کے اصول کو پیش نظر رکھ کر اور نظائر وامثال پر قیاس کر کے تفصیل وتعین کر سکتے ہیں ہدایہ میں جو کہیں آتا ہے کہ یعنی امام کرخی اور امام حصاص رازی نے ان مسائل کی تخریج وتفصیل کی ہے۔

پانچواں اصحابِ ترجیح کا طبقہ:

یہ حضرات بھی مقلد ہوتے ہیں ان میں بھی اجتہاد کی مطلق صلاحیت نہیں ہوتی جیسے قدوری، صاحب ہدایہ اور ان ہی جیسے دوسرے حضرات۔ ان فقہاء کا کام مختلف روایتوں میں سے کسی ایک روایت کو ترجیح دینا ہے جس کے لئے عام طور پر یہ تعبیرات اختیار کی جاتی ہے۔ یہ بہتر ہے اس کی روایت زیادہ صحیح ہے۔ یہ دلائل کے اعتبار سے زیادہ واضح ہے۔ یہ قیاس سے زیادہ ہم آہنگ ہے، اس میں لوگوں کے لئے زیادہ سہولت ہے۔

یہ علماء مقلدین کا وہ طبقہ ہے جنہیں مختلف اقوال میں کسی ایک کو ترجیح دینے کی قدرت ہوتی ہے، جس طرح ابو الحسن قدوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور صاحب ہدایہ وغیرہ، ان کی شان یہ ہے کہ یہ بعض روایات کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں، جیسے ان کا فرمان ہے، ھذا اولی، وھذا اصح روایۃ، وھذا ارفق للناس۔

چھٹا اصحابِ تمییز کا طبقہ۔

یہ حضرات بھی مقلد ہوتے ہیں مگر اقویٰ، قوی اور ضعیف کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں نیز ظاہر روایت ظاہر مذہب اور روایت نادرہ کے درمیان فرق کر سکتے ہیں مثلاً متون معتبرہ کنز، مختار، وقایہ اور مجمع کے مصنفین ان حضرات کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں مردود اقوال اور ضعیف روایتیں نقل نہیں کرتے۔

ساتواں مقلدین کا طبقہ:

ان فقہاء کا ہے جو مقلد محض ہوتے ہیں اور جو مختلف اقوال میں تمیز بھی نہیں کر سکتے نہ کار آمد اور نکمے کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں، نہ دائیں بائیں میں فرق کر سکتے ہیں بلکہ جو کچھ مل جاتا ہے سب اپنی کتابوں میں جمع کر لیتے ہیں ان کا حال رات میں لکڑیاں چننے والے جیسا ہے اور ان لوگوں کیلئے بڑی خرابی ہے جو ان کی تقلید کرتے ہیں۔

صاحب درمختار فرماتے ہیں: ساتویں طبقہ کی مثال ہم ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم ان علماء کی ہر اس مسئلہ میں اتباع کریں جس میں انہوں نے کسی حکم کو ترجیح دی ہے یا جس کی تصحیح کی ہے۔ جس طرح وہ زندہ ہوتے اور فتویٰ دیتے۔ (تو ہم اسی پر عمل کرتے، بس اب ہمارا کام نقل کرنا ہے۔)[1]

علامہ اسماعیل حقی، حنفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، متوفی ۱۱۳۷ھ صاحب تفسیر روح البیان مذکورہ بالا سات طبقاتِ فقہاء میں سے کسی طبقہ میں نہیں ہیں اس

---

[1] (ردالمحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار، ۱: ص ۱۷۹، ۱۸۰، دار الکتب العلمیہ بیروت)

لیے ان کا قول مجتہد فقہاء کے خلاف معتبر نہیں ہے۔

مونچھیں مونڈنے پر بدعت کا اطلاق کرنا باطل ہے۔کیونکہ بدعت کی تعریف مونچھیں مونڈنے پر سچی نہیں آتی جیسا کہ درج ذیل تعریف میں واضح ہو جائے گا۔

شیخ احمد بن محمد رومی، حنفی، متوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ۱۰۴۳ھ لکھتے ہیں:

البدعة السيئة التي ليس لها من الكتاب و السنة اصل و سند ظاهر او خفي، ملفوظا او مستنبط۔

بدعت سیئہ وہ ہے جس کی اصل نہ قرآن مجید میں اور نہ حدیث شریف میں ہو اور نہ ظاہر یا خفی لفظوں سے یا مضمون سے ملتی ہو۔[1]

اور مونچھیں مونڈنے کو بدعت کہنا اس لیے بھی درست نہیں کہ یہ قول حدیث نبوی ﷺ کے صریح مخالف ہے، اس کے الفاظ اور اصل سنت میں ہے اور وہ سنن کبریٰ، نسائی کی روایت ہے۔

مونچھیں مونڈنا سنت ہے

أخبرنا محمد بن عبد الله بن يزيد المقرىء المكي قال حدثنا سفيان عن الزهري عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: الفطرة خمس: الختان و حلق العانة و نتف الابط و تقليم الأظفار و حلق الشارب۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : دین میں پانچ چیزیں قدیم سنت ہیں: (۱) ختنہ کرنا، (۲) زیرِ ناف بالوں کو مونڈنا، (۳) بغل کے بال نوچنا، (۴) ناخن کاٹنا، (۵) مونچھیں مونڈنا۔[2]

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: حلقوا الشوارب و اعفوا اللحی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : مونچھیں منڈاؤ اور داڑھی بڑھاؤ۔[3]

اور اس لیے بھی مونچھوں کے بال مونڈنے پر بدعت کا اطلاق کرنا درست نہیں ہے کیونکہ فقہ حنفی کی معتبر کتب کی تصریحات کے خلاف بھی ہے۔فقہ حنفی کی کثیر کتب میں مونچھیں مونڈنا سنت لکھا ہے۔جس کو با حوالہ اس رسالہ میں پہلے ذکر کر دیا گیا ہے وہاں مطالعہ فرمالیں۔

اور مونچھوں کو مونڈنا مقصود ہوتا ہے، صوفیاء اور ان کے علاوہ لوگ کرتے ہیں، جیسا کہ الفتح القدیر اور البحر الرائق اور کفایہ اور عنایہ اور مستخلص میں کتاب الحج باب الجنایات میں ہے۔

اور رہی یہ بات کہ حنفی فقہ کی کتب میں مونچھیں مونڈنا بدعت ہے کا قول مذکور ہے تو اس کا جواب یہ ہے اس قول کو قیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جو کہ اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ملتقی الابحر میں مونچھیں مونڈنے کو سنت لکھا گیا ہے اس کی شرح میں علامہ حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قول ضعیف کی طرف اشارہ کیا۔

علامہ علاؤ الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حنفی، متوفی لکھتے ہیں:

و قيل حلقه بدعة۔

---

[1] (مجالس الابرار و مسالک الاخیار، المجلس الثامن عشر، ص ۱۴۸، سہیل اکیڈیمی، لاہور)

[2] (سنن الکبریٰ للنسائی، کتاب الطہارۃ، ابواب الفطرۃ، ج ۱، ص ۶۵، رقم ۹: دار الکتب العلمیہ بیروت، کنز العمال، ج ۶، ص ۶۵۳، رقم ۱۷۲۲۹: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

[3] (حاشیہ، ہدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ ابقاء الشوارب ولزوم اخذ ھا، ص ۲۷، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

اور قول ضعیف ہے کہ مونچھیں مونڈنا بدعت ہے۔[1]

اور بدعت کا قول حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے اور یہ دلیل صرف امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے لئے ہے۔ہم احناف کے لیے نہیں ہے کیونکہ ہم حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقلد ہیں،اور مقلد کے لیے اپنے امام کا قول ہی حجت ہوتا ہے ہم مقلدین کے لیے دوسرے امام کے قول پر بلا ضرورت عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

فاما المقلد فانما ولاه ليحكم بمذهب ابى حنيفة فلا يملك المخالفة فيكون معزولا بالنسبة الى ذلك۔

مقلد کو قاضی صرف اس لیے بنایا گیا ہے کہ وہ اپنے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے آپ کے مذہب کی وہ مخالفت نہیں کرسکتا،اگر کرے تو وہ اس فیصلہ میں معزول ہوگا۔[2]

علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں: **والعجب من المشايخ كيف يختارون خلاف ظاهر المذهب مع انه واجب الاتباع على مقلدى ابى حنيفة۔**

ان مشائخ پر تعجب ہے کہ وہ کیسے ظاہر مذہب کے خلاف اختیار کرتے ہیں (فتویٰ دیتے ہیں) جبکہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقلدین کے لیے آپ ہی کی اتباع لازم ہے۔(نہ کہ دوسرے مذہب کی)۔[3]

جب سنت و بدعت کے درمیان تردد ہو؟ کا جواب

سوال: فقہاء کے نزدیک مقرر ہے کہ جب سنت اور بدعت کے درمیان حکم متردد ہو تو فعل بدعت پر ترکِ سنت کو ترجیح دی جاتی ہے۔

جواب: **قلنا ان رجحان ترك السنة على فعل البدعة او المكروه فيما اذا كان الروايتان منسوبتين الى صاحب المذهب وهنا ليس الامر كذلك، لان رواية بدعية حلق الشارب غير منسوبة اليه لانه لم يوجد عن ابى حنيفة رواية بدعية اصلا، لا فى فى كتب المتقدمين ولا فى كتب المتاخرين بل رواية بدعية منسوبة الى مالك۔۔۔ورواية كراهية منسوبة الى الشافعى۔**

فعل بدعت یا مکروہ پر ترکِ سنت کا رجحان اس صورت میں ہوتا ہے جب صاحب مذہب کی طرف دو روایتیں منسوب ہوں،اور یہاں اس طرح کا معاملہ نہیں ہے،اس لیے کہ مونچھیں مونڈنا بدعت کی روایت صاحب مذہب کی طرف منسوب نہیں ہے،اس لیے کہ بدعت کی روایت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اصلاً پائی ہی نہیں گئی،نہ متقدمین کی کتب میں اور نہ متاخرین کی کتب میں،بلکہ بدعت کی روایت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب ہے۔۔۔اور مکروہ کی روایت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب ہے۔[4]

{اختلاف سے نکلنا مستحب ہے؟ کا جواب

سوال: فقہاء کے نزدیک اختلاف کی جگہ سے خروج مستحب ہے تو مونچھیں منڈانے سے بچنا مناسب ہے،اس لیے کہ اس میں امام مالک کا اختلاف ہے،ان کے نزدیک مونچھیں منڈانا بدعت ہے۔اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اختلاف ہے،ان کے نزدیک مونچھیں منڈانا مکروہ ہے؟

---

[1] (الدر المنتقی فی شرح ملتقی الابحر،کتاب الکراھیۃ،فصل فی المتفرقات،ج،۴،۲۲۶،مکتبۃ المنار کانسی روڈ،کوئٹہ)

[2] (رد المحتار،ج،۳،ص،۷۳۲،جدید ایڈیشن،ج،۵،ص،۴۵۸)

[3] (البحر الرائق شرح کنز الدقائق،کتاب المفقود،ج،۵،ص،۲۷۷،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[4] (ھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار،الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا،ص،۲۷،۲۸،اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

جواب: قلنا ان الخروج عن موضع الخلاف مستحب، یشرط ان لایکون فی ذلک الخروج ترک مستحب المذهب وفی الخروج عن خلافهما بان یحترز عن حلق الشارب ویختار قصه بان یبدو اطار الشفة ای ملتقی جلدتها ولحمتها من غیر ان یحفی من اصله علی حلقه الذی هو مدلول احفائه بان یاخذ الشعر من الاصل بالحلق بالموسی او بالقص بالمقراض بطریق المبالغة بحیث یشبه بالنتف فی ظهور الجلد ویصیر مثله ای الاحفاء بالمعنی المذکور مسنون عندالحنفیة یلزم ترک مستحب المذهب والخروج المستلزم لترک المستحب غیر مندوب ولهذا قال الفقهاء ان صوم یوم الشک حرام عند الشافعی وافضل للخواص عندنا ولم یقل احد من علمائنا باستحباب الافطار للخواص لرعایة الخروج عن خلاف الشافعی لان فیها یلزم ترک مستحب المذهب وهو الصوم۔

ہم کہتے ہیں بے شک اختلاف کی جگہ سے نکلنا مستحب ہے، شرط یہ ہے کہ اس نکلنے میں مذہب کا مستحب ترک نہ ہو۔ ان دونوں (امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے اختلاف سے نکلنے میں، یہ کہ مونچھیں مونڈنے سے پرہیز کیا جائے اور مونچھیں کاٹنے کو مونچھوں کے مونڈنے پر اختیار کیا جائے "اس طور پر کہ (کاٹنے کی تفسیر) ہونٹ کا کنارا ظاہر ہو جائے یعنی اس کا چمڑا اور اس کا گوشت مونچھوں کا جڑ سے صاف کرنے کے بغیر" ، وہ جو "مونچھوں کے احفاء" کا مدلول ہے، (احفاء کا معنی) یہ ہے کہ بالوں کو جڑ سے مونڈنا ہے استرے کے ساتھ یا قینچی کے ذریعے کاٹنا ہے مبالغہ کے طریقہ پر اس حیثیت سے کہ چمڑے کے ظاہر ہونے میں نوچنے کے مشابہ ہو جائے، اور اس کی مثل ہو جائے جیسا کہ وہ ہے یعنی احفاء مذکور معنی میں مسنون ہے۔ (یعنی قص سے افضل ہے) حنفیہ کے نزدیک مذہب کے مستحب کا ترک لازم آتا ہے اور جو نکلنا مستحب کے ترک کو لازم کر دے مستحب نہیں ہے۔ اور اس لیے یہ فقہاء نے فرمایا ہے کہ شک کے دن کا روزہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک حرام ہے اور ہمارے نزدیک خواص کے لیے افضل ہے، اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اختلاف سے نکلنے کی رعایت کے لیے ہمارے علماء میں سے کسی نے خواص کے لیے افطار کو مستحب نہیں کہا، اس لیے کہ مذہب کے مستحب کا ترک لازم آتا ہے اور وہ روزہ ہے۔[1]

مونچھیں مونڈنا مکروہ ہے؟ کا جواب

سوال: مونچھیں مونڈنا مکروہ ہے جیسا کہ درج ذیل کتابوں میں لکھا ہے۔[2]

جواب: یہ قول شوافع کا ہے نہ کہ احناف کا جیسا کہ پہلے ذکر کر دیا گیا ہے۔

مونچھیں مونڈنا حرام ہے؟ کا جواب

سوال: مونچھیں مونڈنا حرام اس لیے کہ یہ مثلہ ہے جیسا کہ درج ذیل کتابوں لکھا ہے۔[3]

جواب: یہ بھی امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب ہے۔ ان کے لیے دلیل ہے ہمارے لیے نہیں ہے اس لیے کہ اس عاجز نے تفصیل کے ساتھ احناف کا مذہب لکھ دیا ہے جسے امام ابو جعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ ایک عظیم مجتہد ہیں انہوں نے سنت ہونا ثابت کیا ہے، مقلد کی شان یہ ہے کہ وہ امام کے قول سے تجاوز نہ کرے۔

---

[1] (ھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا، ص ۲۷، ۲۸، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

[2] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب الطھارۃ، باب السواک، ج ۲، ص ۸۳، کتاب اللباس، باب الترجل، ج ۸، ص ۲۷۴، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، الفتاوی الغیاثیۃ، کتاب الاستحسان واکراھیۃ فصل فی الضیافات والولائم، ص ۱۰۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، احکام القرآن، ج ۱، ص ۱۵۵، شریعہ اکیڈمی اسلام آباد)

[3] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، کتاب الطھارۃ، باب السواک، ج ۲، ص ۸۳، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، احکام القرآن، ج ۱، ص ۱۵۵، شریعہ اکیڈمی اسلام آباد)

مونچھیں مونڈنا خوارج کی علامت کی وجہ سے منع ہے؟ کا جواب

سوال : بعض لوگوں کا کہنا ہے مونچھیں خارجی منڈواتے ہیں اس لیے مونچھیں نہیں منڈوانی چاہیے کیونکہ ان کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے؟

علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے:

اور احادیث میں مونچھیں منڈانے کو خارجیوں کی علامت قرار دیا ہے۔[1]

جواب: یہ عاجز علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت نقل کرتا ہے اور اس کا ترجمہ کرتا ہوں جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تو مونچھیں منڈانے کو خارجیوں علامت قرار دینے کے اعتراض کا جواب دیا ہے نہ کہ اس کو خارجیوں علامت قرار دیا ہے۔

علامہ بدرالدین عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

فان قلت جاء فی الحدیث انه قال فی الخوارج سیماهم التسبید و هو حلق الشارب من اصله قلت قال ابن الاثیر معناه الحلق و استئصال الشعر و لم یقید بالشارب و هو اعم منه و من غیر هو قال ایضا التسبید هو ترک التدهن و غسل الرأس قلت یدل علی صحته حدیث آخر و هو قوله سیماهم التحلیق و التسبید بعطف التسبید علی التحلیق و هو غیره۔

پس اگر تو کہے کہ حدیث میں آیا ہے خوارج کے بارے میں ان کی علامت تسبید ہے اور وہ جڑ سے مونچھیں مونڈنا ہے؟ میں (علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں، ابن اثیر نے فرمایا: اس کا معنی مونڈنا اور بال کو جڑ سے ختم کرنا ہے۔ اور وہ مونچھوں کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ اور وہ اس سے عام ہے اور اس کے علاوہ سے۔ اور یہ بھی فرمایا: ایک قول ہے کہ تسبید، وہ تیل لگانے کو چھوڑ دینا ہے، اور سر کا دھونا ہے، میں (علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں اس کی صحت پر دوسری حدیث دلالت کرتی ہے، اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان: ان کی علامت تحلیق و تسبید ہے، تسبید کے عطف کے ساتھ تحلیق پر ہے۔[2]

تسبید کا لغوی معنی

تیل لگانا چھوڑ دینا، سر منڈانا، بالوں کو تر کر کے جما لینا پھر چھوڑ دینا۔

التسبید فیهم فاش : خارجیوں میں سر کا منڈانا بہت ہوگا۔ (اکثر سر منڈے ہوں گے) بعضوں نے کہا بالوں میں تیل نہیں ڈالیں گے نہ سر دھوئیں گے۔ دوسری روایت میں :سیماهم التحلیق۔ ہے یعنی ان کی نشانی سر منڈانا ہوگا۔ بعضے علماء نے اس حدیث کے رو سے حج کے سوا اور وقتوں میں سر منڈانا مکروہ رکھا ہے سر پر بال رکھنا مسنون ہے مگر جس کو تکلیف ہو یا بالوں کی خبر گیری نہ کر سکے اس کو منڈانا بھی جائز ہے۔[3]

علامہ زبیدی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۰۵، لکھتے ہیں:

و کان الحلق سیما الخوارج، و قد ورد فی حدیث فی وصف الخوارج سیماهم التحالیق أی حلق شعر الرأس۔

اور منڈانا خارجیوں کی علامت ہے، اور حدیث شریف میں آیا ہے خوارج کی نشانی منڈانا ہے یعنی سر کے بالوں کو منڈانا۔[4]

علامہ شیخ علی بن سلطان محمد قاری حنفی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۱۰۱۴ھ، لکھتے ہیں:

---

[1] (عمدۃ القاری، قص الشارب، ج، ۲۲، ص، ۴۴، مصر)

[2] (عمدۃ القاری، کتاب اللباس، باب قص الشارب، الجزء الثانی والعشرون، ج، ۲۲، ص، ۴۴، دار الفکر بیروت)

[3] (لغات الحدیث، کتاب "س"، ج، ۲، ص، ۲۱، میر محمد کتب خانہ کراچی)

[4] (اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء العلوم الدین، کتاب أسرار الطہارۃ، القسم الثالث، ج، ۲، ص، ۶۴۸، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ای علامتهم التحلیق ،وهو استئصال الشعر، والمبالغة فی الحلق کما هو مستفاد من صیغة التفعیل التی للتکریر والتکثیر ۔قال الطیبی:وانما أتی بهذا البناء ،اما لتفریق متابعتهم فی الحلق ،او لاکثارهم منه ،وفیه وجهان :احدهما استئصال الشعر من الرأس ،وهو لایدل علی أن الحلق مذموم ،فان الشیم والحلی المحمودة قد یتزیا بها الخبیث ترویجا لخبثه ،وافساده علی الناس ،وهو کوصفهم بالصلاة ولقیام۔وثانیها أن یراد به تحلیق القوم واجلاسهم حلقا حلقا۔

التحلیق: یعنی ان کی علامت ''تحلیق'' ہے،اور وہ بالوں کو جڑ سے ختم کرنا ہے اور منڈانے میں مبالغہ کرنا ہے جیسا کہ سر منڈانے کے معنیٰ کو بیان کرنے کے لئے مجرد کے بجائے مزید فیہ کا باب تفعیل ذکر کرنا تکریر وتکثیر کے لیے ہے۔(کہ ان میں سے اکثر لوگ اپنا سر بار بار منڈاتے ہیں)امام طیبی فرماتے ہیں: آپ ﷺ نے یہ صیغہ شاید اس لیے فرمایا کہ منڈانے میں ان کی متابعت (مطابقت) میں فرق کرنے لیے، یا یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ لوگ بکثرت سر منڈاتے ہیں ۔اور اس کے دو مطلب ہیں: ان دونوں میں سے ایک یہ ہے سر سے بالوں کو جڑ سے ختم کرنا ہے ،اور وہ مقصد منڈانے کی برائی یا تحقیر کرنا نہیں ہے، کیونکہ سر منڈانا اطاعت میں سے ایک عمل ہے اور نیک لوگوں کی عادات میں سے ہے، بعض خبیث لوگ بھی بعض مرتبہ اپنی خباثت اور اپنا فساد لوگوں میں پھیلانے کے لئے اچھی عادات واطوار اپنا لیتے ہیں، مثلاً بعض لوگ نماز اور تہجد وغیرہ پڑھتے ہیں (تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ بڑے تہجد گزار ہیں) دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ قوم کے حلقے بنانا اور لوگوں کو ''حلقہ در حلقہ بٹھانا'' مراد ہے۔(جو محض نمائش اور تکلف کے طور پر ہوگا)[1]

وقوله سیماهم التحلیق کتب فی تقریر المکی ای بان التحلیق کان واجبا عندهم اه۔قال الکرمانی رحمة الله تعالیٰ علیه قوله سیما بکسر المهملة مقصوراً ومدوداً العلامة ۞ والتحلیق ازالة الشعر فان قلت یلزم من وجود العلامة وجود ذی العلامة فکل محلوق الرأس منهم لکنه خلاف الاجماع قلت کان فی عهد الصحابة رضوان الله تعالیٰ علیهم لایحلقون رؤسهم الا فی النسک او الحاجة ونحوها واما هؤلاء فقد جعلوا الحلق شعارهم لجمیع اعیانهم فی جمیع ازمانهم ویحتمل ان یراد به حلق الرأس واللحیة وجمیع شعورهم وان یراد الافراط فی القتل او فی مخالفة الدین ۔قلت ولکون التحلیق شعارهم استدل الموفق علی احدی روایتی احمد ان التحلیق مکروه والاخری عنه لایکره لکن ترکه افضل وقال ابن عبدالبر قد اجمع الناس علی اباحة وکفی به حجة اه۔قال البجیرمی قال ابن القیم لم یحلق علیه الصلوة والسلام رأسه الا اربع مرات اه۔وقال فی الهدیٰ ولم یحفظ عنه ﷺ حلقه الا فی نسک۔اه۔وما استدل الطیبی من قول علی رضی الله تعالیٰ عنه ومن ثم عادیت راسی علی سنیة دوام الحلق تعقب علیه القاری وابن الحجر المکی کما بسط فی البذل وقال ابن عابدین وفی الروضة السنة فی شعر الرأس اما الفرق او الحلق وذکر الطحاوی ان الحلق سنة ونسب ذلک الی العلماء الثلاثة۔اه۔وقال ابن تیمیه فی فتاویه حلق الرأس علی اربعة انواع احدها حلقه فی الحج والعمرة والثانی للحاجة وهما جائزان بالکتاب والسنة والاجماع والثالث حلقه علی وجه التعبد والتدین والتزهد من غیر حج ولا عمرة وهذا بدعة لم یامر الله بها ورسوله ولا فعلها احد من الصحابة والتابعین ولا شیوخ المسلمین المشهورین بالزهد والرابع ان یحلق فی غیر النسک بغیر حاجة ولا علی وجه التقرب والتدین فهذا فیه قولان للعلماء وهما روایتان عن احمد احدهما انه مکروه وهو مذهب مالک وغیره والثانی انه مباح

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ،کتاب الدیات ،باب قتل اهل الردۃ ،ج ۷،ص ۲۰۱،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

وھو المعروف عند اصحاب ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و الشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اھ۔ مختصراً۔[1]

مونچھیں منڈانے کو خارجیوں علامت قرار دینا یہ بات صحیح نہیں ہے اگر اس طرح ہو تو پھر امام اعظم رضی اللہ عنہ اور صاحبین، اور افغانستان اور بخارا تاشقند، سمرقند، غزنی، اور کثیر احناف، علماء اور صوفیاء، صوبہ سرحد کے علماء وصلحاء اور عالم اسلام کے مقتدر علماء اور صوفیاء اور حضرت قائدِ ملت اسلامیہ الشاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، ان تمام حضرات پر خوارج ہونے اور کافر ہونے کا فتویٰ لگتا ہے اور فتاویٰ عالمگیری کے چار سو جید علماء پر خوارج ہونے کا الزام آتا ہے جب کہ یہ بات ثابت ہے کہ مذکورہ بالا تمام علماء کرام اور صوفیاء کرام صحیح العقیدہ حنفی سنی مسلمان تھے۔

اور مطلوب شرعی کو کسی مشابہت کی وجہ سے چھوڑا نہیں جا سکتا، مثلاً گمراہ فرقے عمامہ باندھتے ہیں، عصا پکڑتے ہیں، دعا کرتے ہیں، شلوار قمیص پہنتے ہیں، داڑھی رکھتے ہیں، اذکار و اوراد وغیرہ یہ تمام گمراہ فرقے بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ تمام کام اسلام کے ہیں اور جو بھی مسلمان ہو وہ یہ کام کر سکتا ہے۔ اصل اختلاف عقیدے کا اختلاف ہے۔ وہ کفریہ عقائد ہیں اور اہل سنت و جماعت کے خلاف ہیں۔ اور ہم الحمدللہ اہلِ سنت و جماعت کے صحیح اور مضبوط عقائد پر ہیں، اور اگر وہ لوگ مونچھیں منڈاتے ہیں اور عمامہ باندھتے ہیں تو صرف مومنین کو دھوکہ دینے کے لیے، لیکن ہم ان کی وجہ سے یہ اچھے اعمال ترک نہیں کر سکتے، اور ان کا عمل ہمارے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔

مونچھیں مونڈنے کی روایت شاذ ہے؟ کا جواب

سوال: مونچھوں کو کاٹنا افضل ہے نہ کہ مونڈنا کیونکہ مونڈنے کی روایت شاذ ہے۔[2]

جواب: علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۱۲۲۹ھ لکھتے ہیں:

جب سنن کبریٰ کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو امیر وقت نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کی یہ کتاب تمام صحیح ہے تو آپ نے فرمایا کہ نہیں، اس میں حسن اور صحیح دونوں موجود ہیں۔ امیر نے عرض کیا کہ ان تمام احادیث میں سے جو صحت کے اعلیٰ درجہ پر پہنچی ہوں میرے لئے ان سب کا مجموعہ مرتب فرما دیجئے، تو انہوں نے مجتبیٰ تصنیف فرمائی۔[3]

وہ ہم میں سے نہیں جو مونچھیں مونڈے (الحدیث) کا جواب

سوال: حدیث شریف میں ہے: لیس منا من حلق الشارب۔ وہ ہم میں سے نہیں جو مونچھیں مونڈے۔[4]

اس لیے مونڈنا منع ہے؟

جواب: سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس روایت کو اس عاجز نے کتب احادیث میں تلاش کیا تو اس کی کوئی اصل نہ مل سکی، اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ یہ روایت خود غوثِ اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے بھی خلاف ہے اس لئے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حنبلی ہیں اور حنابلہ کے مذہب میں مونچھیں مونڈنا سنت ہے جیسا کہ اس کی تفصیل اس عاجز نے پہلے مذاہب ائمہ کے ذکر میں بیان کر دی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔ اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو پھر اس کا جواب یہ ہے:

فیحمل علی النسخ او التاویل او الترجیح و لایجوز العمل للحنفیۃ لما فی التنقیح کل آیۃ او خبر یخالف قول اصحابنا یحمل

---

[1] (ص ۴۶۵، لامع الدراری علی جامع البخاری جلد ۳)

[2] (حاشیہ الفتاویٰ السراجیۃ، بکتاب الکراھۃ والاستحسان، باب المتفرقات، ص ۳۳۷، زمزم پبلشرز کراچی)

[3] (بستان المحدثین، ص ۱۸۹، میر محمد کتب خانہ کراچی)

[4] (غنیۃ الطالبین، ص ۱۴، مطبوعہ مصر)

علی النسخ او التاویل او الترجیح فیلزم رعایۃ المذھب و الصلابۃ فیہ و عدم العدول عنہ۔

پس اس کو نسخ پر محمول کیا جائے گا یا اس کی تاویل ہوگی یا اس پر دیگر احادیث کو ترجیح دی جائے گی۔ اور حنفیہ کے لیے عمل کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ تنقیح میں ہے کہ ہر آیت یا حدیث جو ہمارے اصحاب کے قول کے مخالف ہو، نسخ پر محمول کیا جائے گا یا اس کی تاویل کی جائے گی یا اس پر دوسری احادیث کو ترجیح دی جائے گی، پس مذہب کی رعایت کرنا لازمی ہوتی ہے۔ اور مضبوطی اسی میں اور اس سے عدول نہ کرنے میں ہے۔ [1]

مونچھیں منڈوانے کی افضلیت میں تردد؟ کا جواب

سوال: شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

و لیکن بودن مذھب حنفی در افضلیت حلق شارب محل تردد است با آنکہ ظاھر از کتب ایشان آنست قص اوست۔

لیکن حنفی مذہب مونچھیں مونڈنے کی افضلیت میں محل تردد ہے، ان کی کتب سے ظاہری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت کو تاہ کرنا یعنی قص ہے۔ [2]

جواب: لیکن یہ کلام قابل تحقیق ہے کیونکہ علامہ ابن ہمام حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

فمن اصحابنا من یقول اذا حلق شاربہ یلزم الدم لانہ مقصود بالحلق تفعلہ الصوفیۃ و غیرھم و الاصح انہ لا یلزم الدم لانہ طرف من اللحیۃ و ھو مع اللحیۃ کعضو واحد و اذا کان الکل عضوا واحدا لا یجب بما دون الربع منہ الدم و الشارب دون الربع من اللحیۃ فتکفیہ الصدقۃ فی حلقہ۔

ہمارے کچھ فقہاء فرماتے ہیں اگر اپنی مونچھوں کو مونڈا تو دم لازم آتا ہے اس لیے کہ مونچھوں کا مونڈنا مقصود ہوتا ہے، اس کو صوفیائے کرام اور ان کے علاوہ لوگ کرتے ہیں۔ اور اصح (زیادہ صحیح) قول یہ ہے کہ دم لازم نہیں آتا کیونکہ یہ داڑھی کا کچھ حصہ ہے لب اور داڑھی مل کر ایک مکمل عضو بنتا ہے اور صرف لب عضو کے چوتھائی حصہ سے کم ہے، لہذا دم لازم نہیں ہوتا لیکن اس کے مونڈنے میں صدقہ کفایت کر جائے گا۔ [3]

نیز لکھتے:

(و لفظۃ الاخذ تدل علی انہ ھو السنۃ فیہ دون الحلق) یشیر الی خلاف ما ذکر الطحاوی فی شرح معانی الآثار۔۔۔قال و الحلق احسن و افضل ھذا قول ابی حنیفۃ و ابی یوسف و محمد و المذھب عند بعض المتاخرین من مشایخنا ان السنۃ القص۔

صاحب ہدایہ کا حلق کے بجائے اخذ کا لفظ ذکر کرنے سے مقصود امام طحاوی کا رد ہے حلق سنت نہیں اخذ اور قص سنت ہے کہ انہوں نے فرمایا حلق احسن اور افضل ہے اور یہ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے۔ اور مشائخ میں سے بعض متاخرین کے نزدیک قص سنت ہے۔ [4]

نیز لکھتے:

فالمصنف ان حکم بکون المذھب القص اخذا من لفظ الاخذ فی الجامع الصغیر فھو اعم من الحلق اخذ و الذی لیس اخذ ھو النتف انہ المتبادر لکثرۃ استعمالہ فیہ منعناہ و ان سلم فلیس المقصود ھنا فی الجامع بیان ان السنۃ ھو القص او لا بل بیان ما فی ازالۃ الشعر علی المحرم الا تری انہ ذکر فی الابط الحلق و لم یذکر کون المذھب فیہ استنان الحلق فعلم ان المقصود ذکر ما

---

[1] (حاشیہ، ھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا، ص ۲۷، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

[2] (شرح سفر سعادت، ص ۴۹۴، مکتبہ نوریہ رضویہ لاہور)

[3] (فتح القدیر شرح ہدایہ، کتاب الحج، باب الجنایات، ۲، ص ۴۴۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[4] (فتح القدیر شرح ہدایہ، کتاب الحج، باب الجنایات، ۲، ص ۴۴۶، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

یعید الازالة بای طریق حصلت لتعیین حکمه ۔واما الحدیث وھو قوله علیه السلام خمس من الفطرة الختان والاستحداد وقص الشارب وتقلیم الاظفار ونتف الآباط فلاینافی مایریده بلفظ الحلق فان المراد منه المبالغة فی الاستئصال عملا بقوله علیه السلام فی الصحیحین "احفوا الشوارب" وھو المبالغة فی القطع وبای شیء حصل حصل المقصود غیر انه بالحلق بالموسی ایسره منه بالقصة ۔فقول الطحاوی الحلق احسن من القص یرید القص الذی لم یبلغ ذلک المبلغ فی المبالغة فان اهل الصناعة قصا یسمونه قص حلاقة۔

اور مصنف نے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی الجامع الصغیر سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے (قص والا) قص حلق سے عام ہے اس لیے کہ حلق بھی اخذ میں شامل ہے اور جو اخذ میں شامل نہیں، اس کو نتف (نوچنا) کہتے ہیں ۔اگر مصنف کی مراد کثرت استعمال میں قص، حلق میں شامل نہیں تو اسے ہم تسلیم نہیں کرتے اگر تسلیم بھی کرلیں تو امام محمد کا الجامع الصغیر میں سنت کا بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ جنایت ہے خواہ تمام بال دور کرے یا بعض کو، اسی لیے بغل کے مونڈنے کا ذکر کیا اور اس کا سنت ہونا بیان نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ احرام کی حالت میں تمام بالوں کو دور کرے یا بعض کو، مقصود صرف ازالہ ہے جس طرح بھی ازالہ ہو سکے اس پر حکم متعین ہو جائے گا۔ باقی رہا کہ حدیث شریف میں ہے کہ پانچ چیزیں فطرت سے ہیں: (۱) ختنہ کرنا، (۲) زیر ناف بال مونڈنا، (۳) مونچھیں کاٹنا، (۴) ناخن کاٹنا، (۵) بغل کے بال اکھیڑنا ۔تو اس میں قص الشارب کا لفظ ہے تو یہ حلق کے منافی نہیں کیونکہ استئصال میں مبالغہ ہے، بخاری ومسلم کی حدیث "احفوا الشوارب" قطع میں مبالغہ کرنا مقصود ہے جس طرح حاصل ہو قینچی سے ہو یا استرے سے البتہ استرے سے ازالہ میں مبالغہ کرنا آسان ہے ۔امام طحاوی کا قول حلق قص سے احسن ہے، مقصد یہی ہے جس طرح بھی ہو ازالہ میں مبالغہ کرنا ہے اور اہل لغت کے نزدیک قص، حلق کو بھی شامل ہے اسلئے وہ قص کو "حلاقۃ" کہتے ہیں یعنی کاٹنا مونڈنا ہے ۔[1]

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۹۷۰ھ جن کا لقب ثانی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے لکھتے ہیں:

وقد ظن صاحب الهدایة من تعبیر محمد فی الجامع الصغیر هنا بالاخذ ان السنة قص الشارب لاحلقه ردا علی الطحاوی القائل بسنیة الحلق ولیس کما ظن لان محمدا لم یقصد هنا بیان السنة وانما قصد بیان حکم هذا الجنایة بازالة الشعر بای طریق کان۔

صاحب ہدایہ نے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول جو کہ الجامع الصغیر میں مذکور ہے سے گمان کیا ہے کہ مونچھوں کو کاٹنا سنت ہے مونڈنا نہیں اور امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ مونڈنے کی سنیت کے قائل ہیں کا رد کیا ہے، لیکن صاحب ہدایہ کا یہ گمان درست نہیں کیونکہ الجامع الصغیر میں زیر بحث قول میں سنت بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ جنایت اور اس کا حکم بیان کرنا مقصود ہے کہ جس طرح بھی لبوں کے بال دور کرے اس میں جنایت ہوگی ۔[2]

علامہ ابن نجیم حنفی متوفی ۹۷۰ھ جن کا لقب ثانی ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے، لکھتے ہیں:

وبما قررناه اندفع ما فی البدائع من ان الصحیح ان السنة فیه القص۔

اور جو ہم نے تقریر کی اس سے وہ قول دفع ہو گیا جو بدائع میں ہے کہ قص (کاٹنا) سنت ہے ۔(حلق نہیں) ۔[3]

---

[1] (فتح القدیر شرح ہدایہ، کتاب الحج، باب الجنایات، ۲، ص ۴۴۶، ۴۴۷، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[2] (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الحج، باب الجنایات، ج ۳، ص ۱۸، ۱۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[3] (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الحج، باب الجنایات، ج ۳، ص ۱۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

مونچھیں منڈوانے کی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت صحیح نہیں ہے؟ کا جواب

علامہ غلام رسول سعیدی نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں کہ مونچھیں منڈوانے کی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت صحیح نہیں ہے اور مونچھیں منڈوانا سنت کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ نبی ﷺ نے منڈانے کو خارجیوں کی علامت قرار دیا ہے۔[1]

جواب: علامہ غلام رسول سعیدی صاحب مبارک نور اللہ مرقدہ کا یہ لکھنا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف مونچھیں منڈوانے کی نسبت صحیح نہیں ہے ۔عرض یہ ہے کہ مونچھیں منڈوانے کی نسبت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی طرف مجتہد امام ابوجعفر طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۳۲۱ھ، نے کی ہے جو قدوہ العلماء، علماء متقدمین میں سے ہیں اور مذہب حنفی کو بہتر جانتے ہیں۔

عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مجتہد ہیں اور ان کا مرتبہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کم نہیں۔[2]

اور امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مونچھیں مونڈوانے کو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف نسبت کرنا اور اس کو سنت کہنا ایک قوی دلیل ہے۔

و اما المقلد فعنده قول مجتهده۔ مقلد اپنے مجتہد کے قول سے استدلال کرے گا۔[3]

و لذا كان دليل المقلد هو قول المجتهد۔ مقلد کے لیے دلیل مجتہد کا قول ہے۔[4]

و من شان المقلد ان لا يخرج عن قول امامه۔ مقلد کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے امام کے قول سے تجاوز نہ کرے۔[5]

نعمل بقول المجتهد و ان لم نعلم من اين قال۔ ہم عمل مجتہد کے قول پر کریں گے اگرچہ ہمیں یہ معلوم نہ ہو کہ یہ حکم کہاں سے نکالا۔[6]

ان تمام دلائل سے امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مجتہد ہونا اور مجتہد کے قول کا دلیل قوی ہونا ثابت ہوا اور امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مونچھیں مونڈنے کی نسبت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف کرنا اور اس کو سنت قرار دینا ایک قوی دلیل ہے۔اور اس کے بعد مجتہد امام ابوبکر جصاص، ۳۷۰، نے بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف نسبت کی ہے۔اور اس کے بعد مجتہد امام شمس الدین محمد بن احمد سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۴۸۳، نے کی ہے۔اور اس کے علاوہ مونچھیں منڈوانے کی نسبت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف کثیر کتب میں موجود ہے جس کا کچھ اندازہ عاجز کے اس رسالہ سے کیا جاسکتا ہے۔رہا سعیدی صاحب کا مونچھیں منڈوانے کو خارجیوں کی علامت قرار دینا اور اس کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف کرنا درست نہیں ہے اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے مونچھیں مونڈنے کو خاجیوں کی علامت قرار نہیں دیا بلکہ نبی کریم ﷺ نے تو مونچھیں مونڈنے کو سنت قرار دیا ہے جیسا کہ سنن کبریٰ للنسائی، میں ''حلق الشارب'' مونچھوں کو مونڈنا'' موجود ہے جو کہ رسالہ کے شروع میں ذکر کر دی گئی ہے، تو معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے مونچھیں منڈوانے کو خارجیوں کی علامت قرار نہیں دیا، جیسا کہ پہلے ذکر دیا گیا ہے وہاں تفصیل معلوم کرلیں۔

---

[1] (شرح صحیح مسلم، ج، ۶، ص، ۴۵۲، فرید بک سٹال لاہور)

[2] (فوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ، ص، ۳۲)

[3] (کشف المبہم، ص، ۱۱)

[4] (شرح طریقہ محمدیہ، ج، ۲، ص، ۶۵)

[5] (میزان شعرانی، ص، ۱۳)

[6] (بحر الرائق، ج، ۵، ص، ۲۶۹)

فقہاء احناف کی عبارات کا خلاصہ مونچھیں مونڈنا کاٹنے سے افضل ہے

وان ماذکر فی الھندیۃ ناقلاً من المحیط ان حلق الشارب سنۃ فی قول ابی حنیفۃ وصاحبیہ وفی شرح معانی الآثار من قولہ قصہ حسن واحفاء احسن وھذا مذھب ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد رحمھم اللہ وفی تنقیح الحامدیۃ من قولہ: وکان ابو حنیفۃ یقول ان احفاء افضل من القص۔ وفی العینی علی البخاری من قولہ: ولکون احفاء الشارب افضل من قصہ عبر الطحاوی بقولہ باب حلق الشارب الی قولہ: جمھور السلف، قالوا المستحب احفاء الشارب وھو افضل من قصھا الخ وفی العینی علی الھدایۃ من قولہ: وفی المختار حلقہ سنۃ وقصہ حسن۔ وفی المحیط: احسن من القص وھو قول ابی حنیفۃ وصاحبیہ۔ وفی ردالمحتار من قولہ: القص حسن والحلق احسن وھو قول علماء الثلٰثۃ۔ وفی الحدیقۃ بظاھر الحدیث فسنوا حلقہ۔ وفی الفتح والبحر والکفایۃ والعنایۃ والمستخلص من قولھم: ان المقصود بالحلق یفعلہ الصوفیۃ وغیرھم۔ وفی البحر من قولہ: فبائ شئ حصل الاحفاء حصل المقصود غیر انہ بالحلق بالموسی ایسرہ منہ بالقصۃ۔ الی قولہ بماقررنا اندفع ما فی البدائع من ان الصحیح ان السنۃ فیہ القص دون الحلق۔ وفی احکام المذاھب من قولہ: واما ابو حنیفۃ وصاحبیہ رحمھم اللہ فمذھبھم فی شعر الرأس والشارب ان الاحفاء ای الحلق افضل من التقصیر صرح فی ان حلق الشارب وقصہ بان یبدو طرف الشفۃ، کلاھما مشروعان فی مذھب الحنفیۃ وان حلقہ افضل من قصہ۔

اور (۱) عالمگیری میں (۲) محیط سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ مونچھیں مونڈنا سنت ہے یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور صاحبین کا قول ہے اور (۳) شرح معانی الآثار میں ہے کہ قص حسن ہے اور احفاء احسن وافضل ہے اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب ہے اور (۴) تنقیح حامدیہ میں ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ مونڈنا، کاٹنے سے افضل ہے۔ اور (۵) عمدۃ القاری میں ہے، احفاء، قص سے افضل ہونے کی وجہ امام طحاوی نے باب حلق الشارب (مونچھوں کو مونڈنا) سے تعبیر کیا ہے اور اپنے قول جمہور سلف تک، انہوں نے کہا: احفاء الشارب مونچھیں کاٹنے میں مبالغہ کرنا یعنی مونڈنا مستحب ہے اور وہ قص سے افضل ہے الخ اور (۶) عینی علی الھدایۃ میں کہا ہے، اور (۷) مختار میں ہے: مونچھیں مونڈنا سنت ہے اور مونچھیں کاٹنا اچھا ہے اور محیط میں ہے کہ مونچھیں کاٹنے سے مونڈنا زیادہ اچھا اور افضل ہے اور یہی امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا قول ہے۔ اور (۸) ردالمحتار میں ہے کاٹنا اچھا ہے اور مونڈنا زیادہ اچھا ہے اور یہی ہمارے تینوں ائمہ کا قول ہے۔ اور (۹) حدیقہ میں ہے ظاہر حدیث پر عمل کرتے ہوئے احناف نے مونڈنے کو سنت کہا ہے۔ اور (۱۰) فتح القدیر، اور (۱۱) بحر الرائق، اور (۱۲) کفایہ علی الھدایہ، اور (۱۳) عنایہ علی الھدایہ اور (۱۴) مستخلص میں ایک ہی قول ہے۔ مونچھیں مونڈنا مقصود ہوتا ہے جیسا کہ صوفیاء کرام اور ان کے علاوہ لوگ کرتے ہیں۔ اور بحر الرائق میں ہے کہ مقصود بالوں کو زائل کرنا ہے جس چیز سے بھی ہو قینچی ہو یا استرا لیکن استرے سے آسانی ہوتی ہے اور ہمارے اس بیان سے، بدائع میں جو قول ہے کہ "کاٹنا سنت ہے مونڈنا نہیں" کا دفع ہو گیا۔ (۱۵) اور احکام المذاہب میں ہے "سر کے بالوں اور مونچھوں کے بارے میں امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا مذہب احفاء ہے یعنی مونڈنا کاٹنے سے افضل ہے، اس سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ مذہب حنفیہ میں مونچھوں کو مونڈنا اور کاٹنا کہ ہونٹ کے کنارے ظاہر ہو جائیں، دونوں مشروع ہیں، اور بے شک مونچھوں کو مونڈنا، کاٹنے سے افضل ہے۔[۱]

---

[۱] (ھدایۃ الابرار الی طریقۃ الاخیار، الفصل الثانی فی حرمۃ البقاء الشوارب ولزوم اخذھا ص ۲۷، اسلامی کتب خانہ قصہ خوانی پشاور)

آخر میں چھے اعتراضات کا جواب :

فان قیل ان حلق الشارب بدعة کمافی السراجیه والترغیب وابی المکارم وغیرها فلایکون سنة۔

قلنابوجوه۔الوجه الاول:ان تعریف البدعة بقولهم البدعة اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول علیه السلام بمعاندة بل بنوع شبهة اه۔[1]

لایصدق علی حلق الشارب لانه معروف عن الرسول ﷺ بالاحادیث الصحیحة۔الوجه الثانی:ان هذاالقول مخالف عن صریح حدیث ابی هریرة رضی الله عنه حلقوا الشوارب واعفوا اللحیٰ اخرجه النسائی ثم احکام المذاهب فلایکون الحلق بدعة۔

والوجه الثالث:انه مخالف عن صریح حدیثَی ابن عمررضی الله عنه وابی عمر رضی الله عنه مرفوعاًانه ﷺ قال احفوا الشوارب الخ کمامن البخاری ومسلم ومشکوٰة وترمذی وغیرهم فی اثبات اعفاء اللحیة۔

والوجه الرابع :ان استنان حلق الشارب مع کونه احسن مذهب ابی حنیفة وابی یوسف ومحمدوزفر۔ومذهب الامام الشافعی واصحابه ومذهب الامام احمدواتباعه ومذهب کثیرمن السلف ومذهب جمهورالسلف (رضی الله عنهم اجمعین)

فعلم منه ان القول بکون حلق الشارب بدعة لیس الاقول الامام مالک لاسیماوقدصرح به القاضی عیاض رحمة الله تعالیٰ علیه ثم عینی علی البخاری ص ۲۸۲ ج ۲،الحدیقة الندیة ص ۳۹۶ ج ۲ وغیرها۔

لاجرم یکون غیر مقبول لمخالفته لجمهور السلف (رضی الله عنهم) ولقولهم لایرد بمذهب علی مذهب اه۔

تحریر ص ۳۵۷ ج ۲ ولقولهم لایلزم الحنفی ان یجری علی مقتضی مذهب الشافعی بل یجری بمذهبه اه۔[2]

فان قیل۔ان حلق الشارب مکروه کمافی السراجیه والترغیب وابی المکارم۔فلایکون سنة۔

قلنابوجوه۔الاول انه مخالف عن حدیث حلقوا الشوارب المذکورآنفا والثانی انه منافی لحدیث احفوا الشوارب المذکورالان۔الثالث انه قول بعض متاخری اتباع الامام الشافعی ولهذاعبرعنهم بالشافعیة فی قوله واماحلقه بالکلیة فمکروه علی الاصح عندالشافعیة اه۔[3]

الوجه الرابع:انه لایصدق تعریف المکروه بقولهم ماثبت منعه بدلیل ظنی اه۔کتاب الفقه علی حلق الشارب لانه ماموربه بحلقوا احفوا انهکوا ولانهی فیه۔والمطلق محمول علی الاطلاق۔

فان قیل:انه قدتقررعندالفقهاءان الخروج عن موضع الخلاف مندوب فینبغی ان یحترز عن حلق الشارب لقول مالک بالبدعة وقول بعض متاخری اتباع الشافعی بالمکروه کمامر۔

قلنا۔ان اطلاق هذاالمتقررغیر صحیح لماقالوا:یندب الخروج من الخلاف لاسیماللامام لکن بشرط عدم لزوم ارتکاب مکروه

---

[1] (درمختار جلداول ص ۳۷۷ امامة شرح النخبة ص ۵۶،المراقی ص ۱۸۱ امامة،ردالمحتار ص ۳۷۷ امامة وغیرها۔)

[2] تحریر ص ۳۷۱ ج ۲ باب فسخ الاجارة۔

[3] (حدیقه ص ۲۹۳ ج ۲،ولم یقل عندالشافعی ولم یقل عنداصحاب الشافعی لمامرفتذکره۔)

مذهبہ اھ۔ [1]

الظاھر ان المراد بالکراھۃ ھنا مایعم التنزیہ (ای ترک المستحب) کما ان التغلیس فی صلوٰۃ الفجر سنۃ عند الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لایندب مراعاتہ لان الافضل عندنا الاسفار الخ شامی نواقض الوضوء ۱۰۸ ج ۱ ۔فلایترک حلق الشارب لانہ سنۃ احسن عند الاحناف والجمھور کمامر۔

فان قیل۔ان لفظۃ الاخذ تدل علی انہ السنۃ فی الشارب القص دون الحلق اھ۔ [2]

قلنا بوجوہ۔الاول :ان المصنف ان حکم بکون المذھب القص۔اخذ من لفظ الاخذ فی الجامع الصغیر (فی قولہ وان اخذ شاربہ فعلیہ طعام حکومۃ عدل) فھو ای الاخذ اعم من الحلق لان الحلق اخذ (وقطع الشارب الذی لایکون کالحلق فرد آخر للاخذ) والذی لیس اخذاً ھو النتف۔فان ادعی انہ المتبادر لکثرۃ استعمالہ فیہ منعناہ اھ۔ [3]

الثانی :انہ لیس کماظن صاحب الھدایۃ لانہ لیس مقصود الامام محمد فی الجامع الصغیر بیان ان السنۃ ھو القص بل انما قصد بیان حکم ھذہ الجنایۃ علی المحرم بازالۃ الشعر بای طریق کان۔والدلیل علیہ انہ ذکر الحلق فی الابط ولم یلزم منہ استنان حلق الابط ولھذا اختار فی الھدایۃ سنیۃ النتف لا الحلق۔فعلم ان المقصود ذکر مایفید الازالۃ بای طریق حصلت لتعیین حکمہ اھ۔ [4]

والثالث:ان الاخذ والقص محتمل والاحفاء والانھاک والحلق محکم فلاجرم یحمل المحتمل علی المحکم کماھو الاصل وبماقررناہ اندفع مافی البدایع من ان الصحیح ان السنۃ فیہ القص دون الحلق اھ۔ بحر ص ۱۲ ج ۳ جنایات الحج ثم ھدایۃ الابرار ص ۲۶۔

فان قیل:قد ذکر القص والاخذ والجز فی بعض الاحادیث وھذا لایتصور مع الاحفاء اھ۔ کشف الغمۃ ص ۲۲۸۔

قلنا بوجہ :الاوّل :ھو التوفیق بین الاحادیث بان الحلق (المامور بہ) احسن۔والقص حسن جائز اھ۔اتقانی ثم شبلی ص ۵۵ ج ۲ حج، وقدمرّ من احد عشر کتابا۔

الوجہ الثانی:ان الاحفاء والنھک فی الاحادیث ھو الاستیصال کمامر فی تعریف الاحفاء من عشرۃ کتب فیکون محکما۔والقص محتمل (ای یحتمل ان یقص حتی یوازی الاطار۔) ویحتمل ان یبالغ فی القص حتی یتبین الشفۃ بیاناظاھر اوینظر الی بیاض الجلد ویصیر کالحلق) فیحمل القص علی ماروی نا ہ لانہ محکم اھ۔اتقانی ثم شبلی ص ۵۵ ج ۲۔حج وھو مفھوم البحر ص ۱۲ ج ۳ جنایات، فتح القدیر ص ۵۲۱ ج ۱ جنایات شامی جنایات۔ولھذا قالوا۔واما ذکر القص فی بعض الاحادیث فالمراد منہ المبالغۃ والاستیصال اھ۔بحر ص ۱۲ ج ۳، فتح القدیر ص ۵۲۱ ج ۱۔

الوجہ الثالث:ان القص لما کان محتملا کمامر۔والحلق المذکور فی حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ الذی اخرجہ

---

[1] (درمختار نواقض الوضوء ص ۱۰۸ ج ۱)

[2] (ملخصا ھدایہ، فتح القدیر ص ۵۲۱، بحر ص ۱۲ ج ۳، زیلعی ص ۵۵ ج ۲، شرح الصدر الشہید حاشیہ الجامع الصغیر ص ۳۳)

[3] (فتح القدیر ص ۵۲۱ ج ۱، جنایات، بحر ص ۱۲ ج ۳ جنایات، فبطل الاستدلال لانہ اذا الاحتمال بطل الاستدلال)

[4] (فتح القدیر ص ۵۲۱ ج ۱ جنایات، بحر ص ۱۲ ج ۳ جنایات)

النسائی ثم احکام المذاهب ص۷۔حلقواالشوارب واعفواواللحی اه۔صریح محکم فلابدمن ان یحمل القص والاخذوالجزعلی الحلق توفیقا۔ولهذاقالواان القص لاینافی مایریده بلفظ الحلق ۔فان المراد من القص المبالغة فی الاستیصال عملاًبقوله علیہ السلام فی الصحیحین احفوا الشوارب وهو المبالغة فی القطع اه۔[1]

فان قیل :عن مغیرة بن شعبة رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رأی رجلا طویل الشارب فدعا بسواک وشفرة فقص شارب الرجل علی عوذ السواک۔وهذالایتصور مع الحفاء اه۔کشف الغمة ص ۲۲۸۔

قلنا:الاول لیس فیه دلیل علی شئ لانه یجوزان یکون النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فعل (ذلک بشفرة غیر حادة لایمکن بهاالحلق بقرینة طلب السواک مع الشفرة لانهالو کانت حادة لکفت وحدهاللحلق ولهذاقال)ولم یکن بحضرته مقراض یقدربه علی احفاء الشارب اه۔شرح معانی الاثار للطحاوی ص ۱۳۳۔

الوجه الثانی:ان فعله علیہ السلام المذکور فی هذاالحدیث دلیل جواز القص وحسنه وقدمر فی بیان المذاهب۔

فلاینافی کون الاحفاء احسن ۔فبماقررناه ظهر دفع قول من قال ان الاحفاء والجز والقص بمعنی واحدوهو الاخذمنه حتی یبدو طرف الشفةاه۔نووی ص ۱۲۹ ج ۱۔

لانه عکس الموضوع اذفیه حمل المحکم علی المحتمل بل فیه اخراج الاحفاء عن حقیقته۔[2]

اعتراضات وجوابات کی عبارات کا ترجمہ:

اعتراض نمبر: امونچھوں کو منڈوانا بدعت ہے جیسے کہ سراجیہ وغیرہ میں ہے لہٰذا یہ سنت نہیں رہا۔

جواب: ہم اس کے کئی وجوہ سے جواب دیں گے۔

۱۔علماء کے بقول بدعت کی تعریف یہ ہے کہ کسی عناد یا شبہ کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ومعروف کام کے خلاف اعتقاد رکھنا یہ تعریف مونچھیں منڈوانے پر صادق نہیں آتی کیونکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ عمل فرماتے تھے۔(یعنی مونچھیں منڈواتے تھے۔)

۲۔یہ بدعت کا قول ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس صریح قول کے مخالف ہے جس میں فرمایا مونچھیں منڈواؤ اور داڑھی بڑھاؤ۔

۳۔یہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ابوعمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع وصریح حدیث کے مخالف ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مونچھیں منڈواؤ۔

۴۔مونچھیں منڈوانا یہ امام وجمہور کا مذہب ہے اس سے معلوم ہوا کہ بدعت قرار دینے کا قول صرف امام مالک کا ہے جو یقیناً قابل قبول نہیں ہے کیونکہ یہ جمہور سلف کے خلاف ہے اور علماء کا فرمان ہے کہ کسی مذہب سے دوسرے مذہب پر اعتراض نہیں ہوسکتا اور علماء کا قول ہے کہ حنفی پر لازم نہیں کہ وہ شافعی مذہب کے مطابق چلے بلکہ وہ اپنے مذہب پر چلے گا۔

اعتراض نمبر:۲

اگر کہا جائے کہ مونچھوں کا حلق مکروہ ہے جیسے کہ سراجیہ وغیرہ میں ہے لہٰذا یہ سنت نہ ہوا۔(قلنا) کئی وجوہ سے ہم جواب دیں گے۔

۱۔یہ قول اس حدیث کے مخالف ہے جس میں حلق کا ذکر ہے جو اوپر گزر گئی۔

---

[1] (فتح القدیر ص ۵۲۱ ج ۱ جنایات)

[2] بحوالہ حلق الشوارب من السنن الرواتب۔مصنفة شیخ الاسلام الحاج مولانا شائستہ گل علیہ الرحمۃ۔

۲۔ یہ اس حدیث کے بھی خلاف ہے کہ مونچھیں کاٹو جیسے کہ گزر گیا۔

۳۔ یہ شافعی مذہب کے بعض متاخرین علماء کا قول ہے اس وجہ سے اس میں تعبیر شافعیہ سے کی، جیسے کہ کہا کہ مکمل منڈوانا شافعیہ کے نزدیک اصح قول کی بناء پر مکروہ ہے، یہ نہیں کہا کہ اصحاب شافعی کے نزدیک مکروہ ہے۔

۴۔ اس پر مکروہ کی تعریف صادق نہیں آتی جو یہ ہے کہ مکروہ وہ عمل ہے جس کی ممانعت دلیل ظنی سے ثابت ہو، کیونکہ مونچھیں کاٹنے کا حکم ہوا ہے حلق، احفاء، نھک کے الفاظ سے اور اس میں ممانعت نہیں ہے اور مطلق کو اپنے اطلاق پر محمل کریں گے۔

اعتراض نمبر: ۳

اگر کہا جائے کہ علماء نے فرمایا کہ اختلاف سے نکلنا مستحب ہے لہٰذا مونچھوں کو حلق کرنے سے بچنا چاہیئے تاکہ اختلاف ختم ہو جائے کیونکہ امام مالک کے نزدیک بدعت ہے اور متاخرین شوافع کے نزدیک مکروہ ہے۔

(قلنا) یہ قانون صحیح نہیں ہے جیسے کہ علماء نے فرمایا کہ اختلاف سے بچنا اور نکلنا صحیح اور مستحب ہے مگر اس شرط پر کہ اپنے مذہب کے مکروہ کا مرتکب نہ ہو جائے، ظاہر ہے یہاں مکروہ سے مراد تنزیہی ہے یعنی مستحب کا ترک کرنا۔ جیسے کہ شوافع کے نزدیک فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا سنت ہے لیکن ہم حنفی اس کا لحاظ نہیں کریں گے کیونکہ ہمارے احناف کے ہاں فجر کی نماز روشنی کر کے پڑھنا افضل ہے۔ اس طرح مونچھوں کے حلق کو ہم ترک نہیں کریں گے کیونکہ یہ احناف و جمہور کے ہاں سنت ہے۔

(فان قیل) لفظ ''اخذ'' سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مونچھیں کاٹنا سنت ہے نہ کہ مونڈوانا۔

(قلنا) ہم کئی وجوہ سے جواب دیں گے۔

۱۔ اگر مصنف نے جامع صغیر کے حوالے سے لفظ اخذ سے مراد کاٹنا لیا ہو جیسے کہ جامع صغیر میں ہے کہ اگر کسی محرم نے حالت احرام میں مونچھیں لے لیں (کاٹ دیں) تو اس پر دو عادلوں کے فیصلے کے مطابق فدیہ دینا ہے تو یہاں اخذ سے مراد عام ہے یعنی حلق بھی اس میں داخل ہے کیونکہ مونڈنا اور کاٹنا دونوں سے مراد مونچھیں لینا ہے اور جو ''اخذ'' کے زمرے میں داخل نہیں ہے وہ نوچنا ہے۔

۲۔ ایسی بات نہیں جو صاحب ہدایہ نے سمجھا ہے کیونکہ امام محمد رحمہ اللہ کا مقصود یہاں یہ بتانا نہیں ہے کہ مونچھیں کاٹنا سنت ہے بلکہ وہ یہاں محرم (احرام والے) کی جنایت (غلطیوں) کا ذکر کر رہے ہیں کہ محرم جس طرح بھی بال کاٹے گا اس کی گرفت ہوگی اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے بغل کے بالوں کے بارے میں حلق کا ذکر کیا ہے لیکن اس سے مراد یہ نہیں کہ بغل کے بالوں کا حلق سنت ہے اس وجہ سے ہدایہ میں اس کے نوچنے کو سنت قرار دیا ہے نہ کہ حلق کو۔

۳۔ لفظ اخذ وقص احتمالی ہے اور احفاء، انھاک اور حلق محکم ہے لہٰذا احتمالی کو محکم پر محمل کریں گے لہٰذا بدائع میں جو ہے کہ کاٹنا سنت ہے نہ کہ حلق، تو اس قول کا رد ہو گیا۔

(فان قیل) مونچھوں کے بارے میں احادیث میں لفظ اخذ، جز اور قص آیا ہے اور یہ حلق کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔

(قلنا) ہم کئی وجوہ سے جواب دیں گے۔

۱۔ احادیث کے مابین تطبیق یہ ہے کہ حلق جس کا حکم ہوا ہے وہ احسن ہے اور کاٹنا حسن و جائز ہے۔

۲۔ احادیث میں احفاء ونھک سے مراد بالوں کی بیخ کنی کرنا ہے جیسے کہ دس کتب سے احفاء کی تعریف میں گزر چکا ہے لہٰذا یہ حکم محکم ہے اور قص میں احتمال ہے یعنی اتنا کم کیا جائے کہ ہونٹ نظر آئے اور اس کی جلد کی سفیدی بھی نظر آئے اور حلق کے مانند ہو جائے لہٰذا قص کو بھی حلق پر محمل کریں

گے کیونکہ وہ محکم ہے۔اس وجہ سے علماء نے فرمایا کہ احادیث میں جو کاٹنے کا حکم آیا ہے اس سے مراد مبالغ اور جڑوں سے کاٹنا ہے۔

۳۔کاٹنا جو کہ احتمالی حکم ہے اور حلق کرنا جیسا کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ مونچھوں کا حلق کرو یہ محکم حکم ہے لہٰذا ضروری ہے کہ احتمالی حکم یعنی قص، اخذ، جز کو حلق پر حمل کریں گے تا کہ تطبیق آجائے۔اس وجہ سے علماء نے فرمایا کہ لفظ قص حلق کے منافی نہیں ہے۔کیونکہ قص (کاٹنے) سے مراد کاٹنے میں مبالغہ کرنا ہے۔

(فان قیل) مغیرہ بن سقبہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا لمبی مونچھوں والے شخص کو دیکھا اور مسواک اور قینچی منگوا کر اس کی مونچھوں پر مسواک رکھ کر مونچھیں کاٹ دی، معلوم ہوا کہ یہ حلق نہ تھا۔

(قلنا) ا۔اس روایت میں کوئی بات ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے اس کی مونچھ کے کند قینچی سے بال کاٹے ہوں جس سے حلق کرنا ممکن نہیں اسی وجہ سے تو مسواک بھی منگوایا، اگر وہ تیز ہوتی تو مسواک کی ضرورت نہ تھی بلکہ قینچی کافی تھی۔اس وجہ سے علماء نے فرمایا کہ ایسی تیز قینچی نہ تھی کہ جس سے حلق ممکن ہوتا۔

۲۔آپ ﷺ کے اس فعل سے مونچھیں کاٹنے کے جواز اور حسن پر دلالت ہے جو مونڈنے کے احسن ہونے کے منافی نہیں ہے اس سے اس شخص کی بات رد ہوگئی جو احفاء، جز اور قص کو ایک ہی معنیٰ میں سمجھتے ہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

گلے کے بال نہیں مونڈنے چاہئیں اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں۔مطالب المؤمنین میں ہے:

لا یحلق شعر حلقہ وعن ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لا بأس بذالک۔

گلے کے بال نہیں مونڈنے چاہئیں اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں۔

اور عالمگیریہ میں بھی اسی طرح ہے۔

داڑھی میں خضاب لگانے کا حکم:

صحیح مذہب میں ہے کہ داڑھی اور سر کے بالوں پر کالا رنگ لگانا حرام ہے۔علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو گناہ کبیرہ کہا ہے۔صرف مجاہدین کے لئے اجازت کا جواز ہے۔سیاہ رنگ کی حرمت اور کراہت پر احادیثِ صحیحہ اور عباراتِ فقہاء موجود ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ یکون قوم یخضبون فی اٰخر الزمان بالسواد کحواصل الحمام لا یریحون رائحۃ الجنۃ۔[1]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخر زمانے میں کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو سیاہ خضاب کریں گے جیسے جنگلی کبوتروں کے پوٹے، وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھیں گے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما انّ النّبیّ ﷺ قال یکون فی اٰخر الزمان قوم یسودون اشعارھم لا ینظر اللہ الیھم۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو اپنے بالوں کو سیاہ رنگ

---

[1] (مسند امام احمد ج ۱ ص ۲۷۳، بیہقی ج ۷ ص ۳۱۱، خلاصہ الفتاوی مع مجموعۃ الفتاوی ج ۴ ص ۳۵۱، الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۶۸، سنن ابو داؤد ج ۲ ص ۲۲۲ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ، شرح صحیح مسلم للسعیدی ج ۶ ص ۴۱۴، سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۲۶ مطبع کابل، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۷۷، احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۴۳)

سے رنگے گی۔اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت ان کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔[1]

اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند عمدہ ہے۔

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ الصفرۃ خضاب المؤمن والحمرۃ خضاب المسلم والسواد خضاب الکافر۔[2]

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زرد رنگ مؤمن کا خضاب ہے، سرخ رنگ مسلم کا خضاب ہے اور سیاہ رنگ کافر کا خضاب ہے۔

عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، قال : قال رسول اللہ ﷺ من خضب بالسواد سود اللہ وجھہ یوم القیامۃ۔

ترجمہ : حضرت ابی درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے سیاہ خضاب لگایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا چہرہ سیاہ کردے گا۔[3]

عن مجاھد رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کرہ الخضاب بالسواد وقال اول من خضب بہ فرعون۔

ترجمہ : حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ سیاہ خضاب کو مکروہ قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ سب سے پہلے فرعون نے سیاہ خضاب لگایا تھا۔[4]

عن ایوب قال سمعت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وسئل عن الخضاب بالوسمۃ فکرھہ فقال یکسو اللہ العبد فی وجھہ النور ثم یطفئہ بالسواد۔[5]

ترجمہ : ایوب بیان کرتے ہیں کہ سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سیاہ خضاب کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ بندے کے چہرے میں نور کا لباس پہناتا ہے اور وہ اس نور کو سیاہی سے چھپا دیتا ہے۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : قال رسول اللہ ﷺ غیروا الشیب ولا تقربوا السواد۔[6]

ترجمہ : حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : بڑھاپا (داڑھی کی سفیدی) تبدیل کرو اور سیاہ رنگ کے قریب نہ جاؤ۔

عن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرسلاً : قال رسول اللہ ﷺ : ان اللہ تعالیٰ لا ینظر الیٰ من یخضب بالسواد یوم القیامۃ۔[7]

ترجمہ : حضرت عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : جو سیاہ خضاب لگائے اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی طرف نظرِ رحمت نہ فرمائے گا۔

---

[1] (رواہ الطبرانی فی الاوسط واسنادہ جید، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۶۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

[2] (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۴۳، المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۵۲۶، جامع الاحادیث ج ۴ ص ۱۲۳ امام احمد رضاؒ)

[3] (خلاصۃ الفتاویٰ مع مجموعۃ الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۵۱، مجمع الزوائد للہیثمی ج ۵ ص ۱۶۳، جامع الاحادیث ج ۴ ص ۲۳)

[4] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۵۱)

[5] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۲۵۲)

[6] (المسند لاحمد بن حنبل ج ۳ ص ۲۴۷، جامع الاحادیث ج ۴ ص ۲۵)

[7] (کنز العمال للمتقی ج ۶ ص ۶۷۱، جامع الاحادیث ج ۴ ص ۲۵)

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اتی بابی قحافۃ یوم فتح مکہ ورأسہ ولحیتہ کالثغامۃ بیاضاً قال رسول اللہ ﷺ غیروا ھذا بشیءٍ واجتنبوا السواد۔[1]

ترجمہ : حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضرت ابوقحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لایا گیا اور آں حالانکہ ان کے سر اور داڑھی کے بال سفید پھولوں کی طرح سفید تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کو کسی چیز سے متغیر کرو اور سیاہ رنگ سے اجتناب کرو۔

عن انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : قال رسول اللہ ﷺ اول من خضب الحناء والکتم ابراھیم علیہ السلام واول من اخضب بالسواد فرعون۔[2]

ترجمہ : حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : سب سے پہلے حنا اور کتم سے خضاب کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں اور سب سے پہلے سیاہ خضاب کرنے والا فرعون تھا۔

عن واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : قال رسول اللہ ﷺ شر کھولکم من تشبہ بشبابکم۔[3]

ترجمہ : حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : تمہارے اُدھیڑوں میں سب سے بدتر وہ ہے جو جوانوں کی سی صورت بنائے۔

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال نھیٰ رسول اللہ ﷺ عن الخضاب بالسواد۔[4]

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیاہ خضاب سے منع فرمایا۔

حدیث : حضور انور ﷺ نے فرمایا : **ان اللہ تعالیٰ یبغض الشیخ الغربیب۔**

ترجمہ : بے شک اللہ تعالیٰ بوڑھے کوے کو دشمن (ناپسند) رکھتا ہے۔[5]

اس حدیث شریف میں سیاہ خضاب کے شوقین کو حضور نبی کریم ﷺ ''بوڑھے کوے'' کا لقب دے رہے ہیں اور یہ لقب ہمارے اور سب کے آقا حضرت محمد مصطفی ﷺ محبت سے نہیں بلکہ غصے اور غضب سے دے رہے ہیں۔ یہ وقعت کی نگاہ سمجھتی ہے کہ جس لقب سے کسی کا آقا رنجیدہ ہو وہ غلام اور نوکر جان تو دے سکتا ہے لیکن اپنے آقا کا رنج بھرا کلمہ اپنے لیئے گوارا نہیں کرسکتا۔ اس سے ہم اپنے ضمیر کو جھنجھوڑیں کہ سیاہ خضاب سے ہمارے آقا کریم ﷺ کی مرضی کیا ہے اور ہم کس شوق سے اپنے آقا کو ناراض کررہے ہیں۔

تعلیقاتِ علامہ خفی میں ہے ''الغرغیب ای الذی یسود شیبہ''۔

عزیزی میں ہے ''الغربیب الذی لا یشیب او الذی یسود بشیبہ بالخضاب''

یعنی غربیب وہ ہے جو چہرے کو سیاہ کرے یا غربیب وہ ہے جس کا بڑھاپا ظاہر نہ ہو یا وہ اپنے بڑھاپے کو کالے خضاب سے سیاہ کرے۔

ویکرہ الخضاب بالسواد لما روی الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''ان النبی ﷺ قال فی قوم یغیرون بالسواد یسود اللہ تعالیٰ

---

[1] (سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۲۲، سنن نسائی ج ۲ ص ۲۷۷، ریاض الصالحین ص ۵۶۸ باب ۲۹۴)

[2] (الدر المنثور للسیوطی ج ۱ ص ۱۱۵، کنز العمال للمتقی ج ۶ ص ۶۶۸، الجامع الصغیر للسیوطی ج ۱ ص ۱۶۹، جامع الاحادیث ج ۴ ص ۲۶، مسند الفردوس للدیلمی ج ۱ ص ۲۹)

[3] (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۲۷۰)

[4] (الطبقات الکبریٰ لابن سعد)

[5] (رواہ ابن عدی کامل و دیلمی مسند الفردوس ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ)

وجوھھم یوم القیامۃ۔''[1]

ترجمہ :اور سیاہ خضاب مکروہ ہے ہیں جیسا کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بیشک نبی اکرم ﷺ نے ایک قوم کے بارے میں فرمایا جو سیاہ خضاب سے (داڑھی کو سیاہ) کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے چہرے کو بروز قیامت سیاہ کردے گا۔

ان تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ داڑھی کا سیاہ کرنا حرام اور ناجائز ہے۔صرف مجاہدین کے لئے اس کی اجازت ہے۔لیکن آج کے مسلمان داڑھی کالی کرنے کے لئے مختلف حیلے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔کبھی تو یہ کہتے ہیں کہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں اور ہونے والی بیوی جوان ہے، اس لئے میں داڑھی کالی کرتا ہوں تا کہ جوان نظر آؤں۔لیکن میرے عزیز بھائیو! یہ کوئی شرعی عذر نہیں ہے بلکہ یہ اس صورت میں حرام اور ناجائز ہے اور دھوکہ ہے۔اس لئے اس چیز سے اپنے آپ کو بچانا چاہیئے تا کہ ایسا نہ ہو کہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہمارا چہرہ سیاہ کردے (العیاذ باللہ!)۔بعض جہلاء اور بے دین لوگ اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں عالم یا فلاں مولوی صاحب داڑھی کالی کرتے ہیں تو کیا اس عالم یا مولوی صاحب کے اس طرح کرنے سے یہ جائز ہوگا؟ درآں حالیکہ شریعت کسی عالم یا اس کے عمل و کردار کا نام تو نہیں ہے۔بلکہ شریعت تو محبوبِ خدا ﷺ کے ارشادات کا نام ہے لہٰذا ہمیں چاہیئے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کے ارشادات و احکامات پر عمل کریں۔

عباراتِ فقہاء کرام

محیط میں ہے :''**الخضاب بالسواد قال عامۃ المشائخ انہ مکروہ**''

عام علماء فرماتے ہیں کہ کالا خضاب مکروہ ہے۔

ذخیرہ میں ہے:''**علیہ عامۃ المشائخ**''

یہ عام (تمام) مشائخ کا مذہب ہے۔

درمختار میں ہے :''**یکرہ بالسواد وقیل لا**''

کالا خضاب مکروہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ مکروہ نہیں ہے ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ عامہ مشائخ کرام اور جمہور ائمہ اعلام کے نزدیک سیاہ خضاب منع ہے۔

جب علماء کرام کراہت مطلقہ کی بات کرتے ہیں تو اس سے کراہت تحریمہ مراد لیتے ہیں، جس کا مرتکب گنہگار اور مستحق عذاب ہے۔(العیاذ باللہ)

علامہ حموی علامہ سید طحطاوی اور علامہ شامی رحمہم اللہ تعالیٰ، یہ حضرات علماء کرام فرماتے ہیں :''**ھذا فی حق غیرہ الغزاۃ ولا یحرم فی حقھم للارھاب**''

یعنی سیاہ خضاب کا حرام ہونا غیر غازی کے حق میں ہے اور غازی کے حق میں کافروں کو ڈرانے کے لئے حرام نہیں ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

''پیری نور الٰہی است وتغیر نور الٰہی بظلمت مکروہ و وعید در باب خضاب سیاہ شدید آمدہ۔آہ ملخصاً''۔ یعنی پیری (سفید بال) بڑھاپا نور الٰہی ہے۔نور الٰہی کو سیاہی سے تبدیل کرنا مکروہ ہے۔خضاب سیاہ کے متعلق وعید شدید وارد ہے۔

اسی میں ہے :''خضاب بسواد حرام است وصحابہ وغیرہم خضاب سرخ میکردند وگاہے زرد نیز آہ ملخصاً''۔ یعنی سیاہ خضاب حرام ہے، ہاں صحابہ کرام رضی

---

[1] (غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۱۶)

اللہ تعالیٰ عنہم سرخ مہندی یا کبھی کبھی زرد مہندی کا بھی خضاب لگاتے تھے۔

حضرت پیرانِ پیر غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

ویکرہ الخضاب بالسواد۔[1]

یعنی سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے۔

فقہ کی مشہور کتاب قدوری کی شرح ''جوھرۃ النیرۃ'' میں ہے :

ویکرہ تغیر الشیب بالسواد۔[2]

ترجمہ : سفید بالوں کو سیاہ خضاب سے کالا کرنا مکروہ ہے۔

شرح درمختار (ج ۴ ص ۳۶۳) میں ہے، فرماتے ہیں : **ویکرہ بالسواد وعلیہ عامۃ المشائخ۔** یعنی اور سیاہ خضاب مکروہ ہے اور یہی عام مشائخ کا مذہب ہے۔

مولانا عبدالحی لکھنوی ''التعلیق الممجد علی موطا محمد'' میں لکھتے ہیں:

''**واما الخضاب بالسواد الخالص فغیر جائز۔**''

یعنی خالص سیاہ خضاب ناجائز ہے۔

امام طحطاوی نے امام نووی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول نقل کر کے لکھا ہے کہ:

قال النووی ومذھبنا استحباب الشیب للرجل والمرأۃ بصفرۃ أو حمرۃ وتحریم خضابہ بالسواد علی الاصح۔

یعنی مرد وعورت دونوں کو سرخ وزرد خضاب لگانا مستحب ہے اور صحیح ترین قول یہ ہے کہ سیاہ خضاب حرام ہے۔

امام شعرانی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے **لواقع للانوار القدسیہ** (ص ۳۳۳) میں لکھا ہے : **اخذ علینا العھد العام من رسول اللہ ﷺ ان لانخضب لنا لحیۃ بالسواد ولا نقرزوجتنا ولا غیرھا علی خضب رأسھا الا لغرض شرعی کالجھاد فی سبیل اللہ۔**

ترجمہ : اور ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عہد لیا کہ ہم داڑھی وغیرہ کالے خضاب سے سیاہ نہ کریں گے اور نہ ہی اپنی عورتوں وغیرہ کو خضاب سے سر سیاہ کرنے دیں گے سوائے غرضِ شرعی کے جیسے کہ جہاد فی سبیل اللہ۔

الزواجر لابن حجر شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ج ۱ ص ۱۴۴) میں ہے کہ : **الکبیرۃ الحادیۃ عشر بعد مائۃ خضب نحو ألحیۃ بالسواد لغیر غرض جھاد۔**

ترجمہ : ایک سو گیارہواں کبیرہ گناہ سیاہ خضاب ہے جو بغیر جہاد کی غرض سے داڑھی کو لگایا جاتا ہے۔

اہل علم تو گناہ کو سمجھتے ہیں اور عوام کو بھی معلوم ہوگا کہ زنا، قتل، اور چوری وغیرہ گناہوں کو گناہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اب خود سمجھ لیں کہ سیاہ خضاب سے روسیاہی پر آپ کس کھاتے میں شمار کیئے جاتے ہیں۔

حضرت علامہ مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فتاویٰ مظہری میں لکھا ہے کہ : ''سیاہ خضاب ممنوع ہے۔ سرخی مائل ہو تو اس میں کوئی

---

[1] (غنیۃ الطالبین ج ۲ ص ۱۶)

[2] (جوھرۃ النیرۃ ج ۲ ص ۳۸۳)

مضائقہ نہیں"[1]

فتاویٰ عالمگیری کتاب الکراھیۃ (ص ۳۶۹ ج ۵) میں ہے:

الخضاب بالسواد فمن فعل ذالک من الغزاۃ لیکون اھیب فی عین العدو فھو محمود و من فعل ذٰلک لیزین نفسہ للنساء و لیحبب نفسہ الیھن فذالک مکروہ و علیہ عامۃ المشائخ۔

ترجمہ: سیاہ خضاب غازی، دشمنوں پر ہیبت ڈالنے کے لئے کرے تو اچھا ہے، لیکن اس غرض سے مکروہ ہے کہ اپنی عورت کو اچھا لگوں اور وہ مجھ سے محبت کرے۔ عام مشائخ کا یہی فتویٰ ہے۔

حضرت علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ "جمع الوسائل شرح الشمائل للترمذی" ج ۱ ص ۱۰۲ میں لکھتے ہیں:

اختلفوا فی انہ ھل یجوز الخضاب بالسواد مذھب اکثر العلماء الیٰ کراھۃ الخضب بالسواد و رجح النووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الیٰ انھا کراھۃ التحریم و ان من علماء من رخص فیہ فی الجھاد و لم یرخص فی غیرہ۔

ترجمہ: سیاہ خضاب کے متعلق اختلاف ہے لیکن اکثر علماء فرماتے ہیں کہ سیاہ خضاب مکروہ ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق یہی ہے کہ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ بعض علماء صرف جہاد کے لئے اس کی اجازت دیتے ہیں، جہاد کے علاوہ اس کی رخصت نہیں ہے۔

امام حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ احیاء العلوم (ج ۱ ص ۱۴۳) میں فرماتے ہیں: **الخضاب بالسواد منھی عنہ لقولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیر شبابکم من تشبہ بشیوخکم و شر شیوخکم من تشبہ بشبابکم۔**

ترجمہ: سیاہ خضاب ممنوع ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے وہ نوجوان بہتر ہیں جو بوڑھوں سے مشابہت رکھتے ہیں اور تمہارے بوڑھوں میں سے وہ بوڑھا برا ہے جو تمہارے نوجوانوں سے مشابہت کرے۔

حضرت علامہ ابراہیم بن محمد البیجوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

و عندنا معاشر الشافعیۃ بغیر بالسواد السنۃ و بالسواد حرام۔

ترجمہ: ہمارے علماء شوافع کے نزدیک سیاہ خضاب حرام اور کالے کے علاوہ دیگر رنگ سنت ہے۔[2]

داڑھی سیاہ کرنا اس لئے کہ اپنی بیوی کو جوان نظر آؤں یا اس لئے کہ مزدور اپنے مالک کو جوان نظر آئے اور درحقیقت وہ جوان نہ ہو تو یہ دھوکہ ہے اور ہماری شریعت میں دھوکہ بالاتفاق حرام ہے۔ اور منافقت کی علامات میں سے ہے۔

امام طبرانی اپنی معجم صغیر و کبیر میں جید اسناد کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من غش فلیس منا و المکر و الخداع فی النار۔

جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں اور مکر و فریب اور دھوکہ دینے والا دوزخ میں جائے گا۔

احیاء العلوم (ج ۱ ص ۱۴۳) میں امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکایت نقل کی ہے کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک شخص نے سیاہ خضاب لگا کر خود کو جوان ظاہر کر کے کسی عورت سے نکاح کیا۔ چند دن کے بعد اس کے سیاہ بال سفیدی سے بدل گئے تو اس عورت نے اس کے خلاف حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کا نکاح بھی رد کر دیا اور

---

[1] (فتاویٰ مظہری ص ۲۹۵)

[2] (شرح الشمائل للترمذی للسید محمد امیر البشاوری)

اسے کوڑے بھی لگوائے۔

فائدہ:

خدا کرے ہمارے دور میں بھی کوئی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا عادل حاکم پیدا ہو پھر ہم دیکھیں کہ کن صاحب کو کالے خضاب کا شوق چڑھتا ہے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ آپ فرعون کو فرمائیے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ گے تو زندگی بھر تمہیں بادشاہی سے نہیں ہٹایا جائے گا اور تمہیں از سر نو جوانی بخشی جائے گی لیکن ہامان نے اسے روکا اور کہا کہ میں تجھے از سر نو جوان بنا دیتا ہوں۔ چنانچہ یہ کہہ کر سیاہ خضاب تیار کر کے فرعون کی داڑھی کو سیاہ کر دیا۔ سیاہ خضاب سب سے پہلے فرعون نے استعمال کیا۔
اسی وجہ سے ہمارے نزدیک سیاہ خضاب استعمال کرنا حرام ہے۔
ان دلائل کے علاوہ وہ کتابیں جن میں سیاہ خضاب لگانا حرام مکروہ وممنوع لکھا ہے وہ یہ ہیں : ریاض الصالحین ص ۴۶۴ تا ۴۶۵، غایۃ الاوطار ج ۴ ص ۴۶۸، ہدایۃ النور لعبد الحی لکھنوی مرحوم، نزہۃ المجالس ج ۲ ص ۱۴، نزہۃ الناظرین ص ۵۹، مسئلہ سیاہ خضاب مفتی محمد فیض احمد اویسی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ملفوظات اعلیٰ حضرت ج ۲ ص ۹۷، ج ۳ ص ۱۶)۔

۱-عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال اتی بأبی قحافۃ یوم فتح مکّۃ ورأسہ ولحیتہ کالثّغامۃ بیاضًا فقال رسول اللہ ﷺ غیّروا ھٰذا بشیءٍ واجتنبوا السواد۔

ترجمہ : حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن حضرت ابو قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لایا گیا اور آں حالانکہ ان کے سر اور داڑھی کے بال سفید پھولوں کی طرح سفید تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کو کسی چیز سے متغیر کرو اور سیاہ رنگ سے اجتناب کرو۔[1]

۲-عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ انہ سئل من خضاب رسول اللہ ﷺ فقال ان رسول اللہ لم یکن شابّا الا یسیرًا ولٰکن أبا بکر وعمر بعدہ قد خضبا بالحناء والکتم قال وجاء أبو بکر بأبیہ ابی قحافۃ الی رسول اللہ ﷺ یوم فتح مکّۃ یحملہ حتی وضعہ بین یدی رسول اللہ ﷺ ورأسہ کالثّغامہ بیاضًا فقال رسول اللہ ﷺ غیروہ وجنبوہ السواد۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کے خضاب کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ ﷺ کے بہت کم موئے مبارک سفید ہو گئے لیکن آپ ﷺ کے بعد ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما مہندی اور کتم کا خضاب لگاتے تھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے والد حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کو فتح مکہ کے دن آپ ﷺ کے پاس لائے اور سامنے بٹھا دیا۔[2]

۳-عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ غیّروا الشّیب ولا تشبّھوا بالیھود واجتنبوا السّواد۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سفید بالوں کو بدلو اور یہود کی مشابہت اختیار نہ کرو اور کالے رنگ سے بچو۔[3]

۴-عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ غیّروا الشّیب ولا تقربوا السّواد۔

ترجمہ : حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : بڑھاپا (داڑھی کی سفیدی) تبدیل کرو اور

---

[1] (رواہ أحمد فی مسندہ ۳/۳۱۶-۳۲۲ ومسلم ۶/۱۵۵ والنسائی ۸/۱۳۸ و ۱۸۵ وأبو داود ۴/۸۵ وابن ماجہ ۲/۱۱۹۷ ومصنف ابن أبی شیبۃ ۸/۴۳۲ ومصنف عبد الرزاق ۱۱/ ۱۵۴ والحاکم ۳/۴۴۲ والبیہقی ۷/۳۱۰)

[2] (اخرجہ الامام احمد ۳/۱۶۰ وابن حبان موارد الظمأن ص ۳۵۶ والبزار کشف الأستار ۳/۳۷۳ رقم ۲۹۸۱ وھذا صحیح رجالہ کلھم ثقات)

[3] (رواہ البیہقی ۷/۳۱۱ ورجالہ ثقات)

سیاہ رنگ کے قریب نہ جاؤ۔[1]

۵-عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ یکون قومٌ یخضبون فی أخر الزّمان بالسواد کحواصل الحمام لا یریحون رائحة الجنة۔[2]

۶- عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال کنا یومًا عند النبی ﷺ فدخلت علیہ الیھود فراھم بیض اللحی فقال مالکم لا تغیرون فقیل انھم یکرھون فقال النبی ﷺ ولکنکم غیروا وایای والسواد۔

ترجمہ : حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ہم آپ ﷺ کے پاس تھے کہ یہودی آپ ﷺ کے پاس آئے آپ ﷺ نے ان کی سفید داڑھیاں دیکھیں تو فرمایا تم لوگ اس سفیدی کو کیوں نہیں بدلتے ؟ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ یہ لوگ مکروہ سمجھتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ سفیدی کو بدلو مگر کالے رنگ سے بچو۔[3]

۷- عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انّ النبی ﷺ قال یکون فی أخر الزّمان قومٌ یسودون أشعارھم لا ینظر اللہ الیھم۔

ترجمہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایک قوم ہوگی جو اپنے بالوں کو سیاہ رنگ سے رنگے گی۔ اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت ان کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔[4]

۸- عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من خضب بالسّواد سوّد اللہ وجھہ یوم القیامة۔

ترجمہ : حضرت ابی درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے سیاہ خضاب لگایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا چہرہ سیاہ کردے گا۔[5]

۹- عن عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ من غیر البیاض بالسواد لم ینظر اللہ الیھم۔

ترجمہ : عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے داڑھی پر کالا رنگ لگایا اللہ تعالیٰ اس کو رحمت کی نظر سے نہیں دیکھے گا۔[6]

۱۰- وعن عامر الشّعبی رفعہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ لا ینظر الی من یخضب بالسواد یوم القیامة۔

ترجمہ : حضرت عامر الشعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : جو سیاہ خضاب لگائے اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی طرف نظرِ رحمت نہ فرمائے گا۔[7]

---

[1] (رواہ احمد ۲۳۷/۳ بسند جید وصححہ السیوطی فی الجامع الصغیر ۲۰۲/۲ والالبانی فی صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ ۷۳/۴ وقال البانی والذی أرجحہ ان الحدیث صحیح لان رواتہ کلھم ثقات وللحدیث شواھد فی مسلم وغیرہ)

[2] (رواہ الامام أحمد ۲۷۳/۱ والنسائی ۱۳۸/۸ وأبو داؤد ۸۷/۴ والبیھقی ۳۱۱/۷)

[3] (مجمع الزوائد للھیثمی ۱۶۰/۵ والطبرانی فی الأوسط وفیہ ابن لھیعة وبقیہ رجالہ ثقات وابن لھیعة وثقہ الذھبی فی تذکرة الحفاظ ۲۳۷/۱ وتھذیب لابن حجر ۳۷۵/۵ وھو حدیث حسن)

[4] (رواہ الطبرانی فی الأوسط والھیثمی فی مجمع الزوائد ۱۶۱/۵ واسنادہ جید)

[5] (مجمع الزوائد ۱۶۳/۵ والطبرانی)

[6] (أوردہ الحافظ ابن حجر فی ترجمة محمد بن مسلم العنبری فی لسان المیزان ۳۸۰/۵ وکنز العمال ۶۷۲/۶)

[7] (الطبقات الکبری لابن سعد ۴۴۱/۱ والجامع الصغیر للسیوطی ۲۸۱/۱)

۱۱- عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ کان یکرہ عشر خصالٍ الصفرۃ یعنی الخلوق وتغیر الشّیب وجرّ الازار والتختم بالذھب۔

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ دس خصلتوں کو ناپسند فرماتے تھے پیلا رنگ، سفید بال پر رنگ لگا کر بدلنا، شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اور سونے کی انگوٹھی استعمال کرنا۔[1]

۱۲-عن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ انہ حدث ان رسول اللہ ﷺ نھی عن خضاب السواد۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے کالے خضاب سے منع فرمایا۔[2]

۱۳- عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انّ اللہ یبغض الشّیخ الغربیب۔

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بوڑھے کوے کو دشمن (ناپسند) رکھتا ہے۔[3]

۱۴- عن مجاھد قال رای النبی ﷺ رجلاً اسود الشعر قد راہ بالأمس أبیض الشّعر قال من أنت قال أنا فلانٌ قال بل انت شیطان۔

ترجمہ : مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے بالوں پر کالا رنگ لگایا ہوا تھا جبکہ کل گزشتہ اس کے بال سفید تھے آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ اس نے کہا کہ میں فلاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بلکہ تم شیطان ہو۔[4]

ذم او بدی بیانول دسلف صالحینو پہ بارہ دگیری تورو لو کنبے

ترجمہ : سلف صالحین کا داڑھی پر کالے خضاب لگانے کی مذمت کرنا۔

۱) وسُئِلَ عَن أَبِی ھُریرۃ رضی اللہ عنہ عَنِ الخِضَابِ بِالوَسمَۃِ فَقَالَ لَا یَجِدُ الْمُخْتَضِبُ بِھَا رِیحَ الْجَنَّۃِ۔

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کالے خضاب کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ کالا خضاب لگانے والا جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔[5]

۲) وعن مجاھدٍ قال یکون فی أخر الزّمان قومٌ یصبغون بالسّواد لا ینظر اللہ الیھم أو قال لا خلاق لھم۔

ترجمہ : مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آخری زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جو کالا خضاب لگائیں گے اللہ تعالیٰ ان کو نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا یا ان کا جنت میں حصہ نہیں ہوگا۔[6]

۳) وعن مجاھد أیضاً أنّہ کرہ الخضاب بالسواد وقال أوّل من خضب بہ فرعون۔

ترجمہ : حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ سیاہ خضاب کو مکروہ قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ سب سے پہلے فرعون نے سیاہ خضاب لگایا

---

[1] (الحدیث أخرجہ أحمد ۱/۳۸۰-۳۹۷-۴۳۹ أبو داؤد ۸۹/۴ برقم ۴۲۲۲ النسائی ۱۴۱/۸ ابن حبان ۳۵۵ والحاکم ۱۹۵/۴ وقال صحیح الاسناد ولم یخرجاہ الطبقات الکبریٰ لابن سعد ۱/۴۴۰)

[2] (البخاری ۳۰۷/۷ ومسلم ۱۵۵/۶ ومسند أحمد ۲۶۴/۵)

[3] (کنز العمال ۶۲۸/۱ ۶۷۱ الجامع الصغیر للسیوطی ۲۸۳/۱)

[4] (الطبقات الکبری لابن سعد ۱/۱ ۴۴)

[5] (رواہ ابن أبی شیبۃ وفی سندہ مقال لان فیہ موسی بن نجدۃ الحنفی الیماسی وھو مجھول (تقریب))

[6] (رواہ عبد الرزاق فی المصنف ورجالہ الصحیح)

تھا۔[1]

۴) وعن عطاء بن أبی رباحٍ أنّه سئل من الخضاب بالوسمة فقال هو ممّا أحدث الناس و قد رأیت نفرًا من أصحاب رسول الله ﷺ ما رأیت واحدًا منهم یختضب بالوسمة۔

ترجمہ : حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کالے خضاب کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ لوگوں کا ایجاد کردہ عمل ہے میں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کا دیدار کیا ہے مگر کسی نے بھی کالا خضاب نہیں لگایا تھا۔[2]

۵) وعن أیوب قال سمعت سعید بن جبیر حین سئل عنه عن الخضاب بالوسمة فقال یعمد أحدکم الیٰ نورٍ جعله الله فی وجهه فیطفئة هٰذا لفظ عبد الرزاق و لفظ ابن ابی شیبة وسئل عن الخضاب بالوسمة فکرهه فقال یکسو الله العبد فی وجهه النور ثم یطفئه بالسواد ورجاله رجال الصحیح۔

ترجمہ : حضرت ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے کالے خضاب کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے چہرے میں نور پیدا کیا اور تم لوگ اس کو بجھانے کا ارادہ کرتے ہو سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سیاہ خضاب کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ بندے کے چہرے میں نور کا لباس پہناتا ہے اور وہ اس نور کو سیاہی سے چھپا دیتا ہے۔[3]

۶) وعن المکحول أنّه کره الخضاب بالوسمة وقال خضب أبو بکرٍ بالحناء و الکتم۔

ترجمہ: حضرت مکحول رضی اللہ عنہ کالے خضاب کو مکروہ کہتے تھے اور فرمایا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مہندی اور کتم کا خضاب لگایا۔[4]

۷) وعن الشعبی أنه سئل عن الخضاب بالوسمة فکرهه۔

حضرت شعبی رضی اللہ عنہ سے جب کالے خضاب کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ مکروہ ہے۔[5]

۸) وعن فرقد السبخی أنه سئل من الصباغ بالسواد فقال بلغنا أنه یشتعل فی رأسه و لحیته نارٌ یوم القیامة۔

فرقد سبخی سے جب کالے خضاب کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ ہمیں یہ روایت پہنچی کہ اس شخص کے سر اور داڑھی میں قیامت کے دن آگ ہوگی۔[6]

۹) وعن الزهری قال مکتوبٌ فی التوراة ملعونٌ من غیّرها بالسّواد یعنی اللّحیة۔

زہری نے کہا کہ تورات میں لکھا ہے کہ جو کالا خضاب لگائے گا وہ ملعون ہے۔[7]

۱۰) قال ابن قیم قیل للامام احمد تکره الخضاب بالسواد قال أی و الله هذه من المسائل اللّتی حلف علیها أحمد۔

---

[1] (رواه ابن أبی شیبة ۸/۴۳۹ وفی سنده أبو رباح وهو مجهول وبقیة رجاله ثقات)

[2] (رواه ابن ابی شیبة ۸/۴۳۸ وابن سعد فی الطبقات الکبری ۱/۴۴۱ وسنده قوی)

[3] (مصنف عبد الرزاق ۱/۱۵۴)

[4] (مصنف ابن أبی شیبه ۸/۴۳۹ وسنده جید)

[5] (رواه ابن ابی شیبه ۸/۴۳۹ بسند فیه مقال من اجل عبیدة بن حمید و صاعد لکن شهید له کثیر من الروایات)

[6] (مصنف عبد الرزاق ۱/۱۵۶ ورجاله الصحیح)

[7] (رواه ابن سعد فی الطبقات الکبری ۱/۴۴۱ وفیه رجل مجهول وبقیة رجاله لا بأس لهم)

ترجمہ: ابن قیم نے کہا کہ امام احمد رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کالے خضاب کو مکروہ سمجھتے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جی ہاں۔ اللہ کی قسم یہ ان مسائل میں سے ہے جن پر امام احمد نے قسم کھائی ہے۔[1]

داڑھی کالی کرنا اور اس کا حکم مذاہب اربعہ میں مذہب الاحناف یہ ہے :

قال محمد أمين المشهور بابن عابدين في حاشية رد المختار على الدر مختار شرح شرح تنوير الأبصار ويستحب للرجل خضاب شعره ولحيته ولو في غير حرب في الأصح ويكره بالسواد۔

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ مرد کیلئے مستحب ہے کہ داڑھی پر رنگ لگائے اگرچہ جہاد میں نہ ہو اور کالا مکروہ ہے۔[2]

قال علامه بدر الدين العيني رحمه الله : والاذن فيه مقيد بغير السواد وقال في موضعٍ اخر الجمهور على ان الخضاب بالحمرة والصفرة دون السواد۔

علامہ عینی لکھتے ہیں داڑھی رنگنے کی اجازت ہے مگر کالا رنگ نہیں ایک اور مقام پر فرمایا جمہور کا قول ہے کہ سرخ اور پیلا خضاب لگائے اور کالے سے بچے۔[3]

او قال علامه ابن مفلح رحمه الله :ويكره بالسواد اتفاقا والمراد بالاتفاق هو اتفاق المذاهب الأربعة والمكروه عند أئمة الأحناف حرام كما صرح به صاحب أبي حنيفة محمد بن الحسن الشيباني بقوله ان المكروه هو حرام۔

علامہ ابن مفلح رحمہ اللہ نے فرمایا کالا خضاب بالاتفاق مکروہ ہے اور اتفاق سے مراد چاروں مذاہب کا اتفاق ہے اور احناف کے ہاں مکروہ سے مراد حرام ہے جیسے امام محمد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مکروہ سے مراد حرام ہے۔[4]

قال امام النووي رحمه الله :في المجموع على ذمّ خضاب الرّأس واللحية بالسّواد۔

نووی نے فرمایا کہ مجموعی طور پر سر اور داڑھی پر کالا رنگ لگانا مذموم ہے۔[5]

وقال امام نووي رحمه الله في شرح مسلم :ويكره خضاب بالسواد على الأصح وقيل يكره تنزيه والمختار التحريم لقوله عليه السلام واجتنبوا السواد وهذا مذهبنا۔

نووی نے فرمایا کہ صحیح ترین قول کے مطابق کالا خضاب مکروہ ہے ایک قول مکروہ تنزیہی کا ہے مگر مختار قول تحریمی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کالے رنگ سے بچو۔[6]

وقال علامه سفاريني رحمه الله:ويكره بالسّواد اتفاقًا نصّ عليه أحمد رحمه الله۔

علامہ سفارینی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اتفاقی طور پر کالا خضاب مکروہ ہے۔[7]

---

[1] (تهذيب السنن ۱۰۴/۶ المغني لابن قدامه ۱۹۲/۱ الأداب الشرعية والمخ المرعية ۳۵۲/۳)

[2] (رد المختار على در المختار ۴۲۲/۶/ط۲)

[3] (عمدة القاري ۴۶/۱۶)

[4] (الفروع لابن مفلح ۱۳۱/۱)

[5] (المجموع ۳۲۳/۱)

[6] (شرح مسلم ۸۰/۱۴)

[7] (شرح ثلاثيات سند الامام احمد ۵۳/۲ وغذاء الالباب ۴۰۹/۱)

وقال علامه المرادوی رحمه الله فی الانصاف :ویکره بالسواد نص علیه۔

علامہ المرادوی رحمہ اللہ نے الانصاف میں لکھا ہے کہ کالا خضاب مکروہ ہے۔[1]

خضاب رسول اللہ ﷺ

۱)عن عثمان بن عبد الله رضی اللہ عنہ :قال دخلت علی أم سلمة فاخرجت شعرًا من شعر النّبی ﷺ مخضوبًا بالحناء او الکتم۔

عثمان بن عبداللہ رحمہ اللہ نے کہا کہ میں ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا موئے مبارک نکال کر دکھایا جو مہندی اور کتم سے رنگا ہوا تھا۔[2]

۲)عن عبد الله بن زید رضی اللہ عنہ :أنّه شهد النّبی ﷺ عند المنحر هو ورجل من الأنصار فقسم النبی ﷺ ضحایا فلم یصبه ولا صاحبه شیئٌ وحلق رأسه فی ثوبه فأعطاه وقسم منه علی رجالٍ وقلم أظفاره فأعطاه صاحبه فانّ شعره عندنا مخضوبٌ بالحناء والکتم۔

ترجمہ: عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اور انصار قبیلے کا ایک شخص آپ ﷺ کے پاس قربان گاہ میں موجود تھے۔آپ ﷺ نے قربانی کا گوشت تقسیم فرمایا مگر مجھے اور میرے دوست کو کچھ بھی گوشت نہ ملا۔پھر آپ ﷺ نے اپنے سر مبارک کا حلق فرمایا اپنے کپڑے میں ،تو مجھے اور چند افراد کو سر مبارک کے موئے مبارک عطا فرمائے، پھر آپ ﷺ نے ناخن مبارک کاٹے اور میرے دوست کو عطا کیے آپ ﷺ کے موئے مبارک ہمارے پاس موجود تھے جو مہندی اور کتم سے رنگے ہوئے تھے۔[3]

۳)عن ابی رمثة رضی اللہ عنہ :قال أتیت النبی ﷺ وقد لطخ لحیته بالحناء۔

ابو رمثہ نے کہا کہ میں آپ ﷺ کے پاس آیا جبکہ آپ ﷺ نے داڑھی مبارک پر مہندی لگائی تھی۔[4]

۴)عن عبید بن جریج رضی اللہ عنہ :أنّه قال لعبد الله بن عمر یا أبا عبد الرّحمٰن رأیتک تصنع أربعًا لم أر أحدًا من أصحابک یصنعها وفیه ورأیتک تصبغ بالصّفرة قال عبد الله وأمّا الصّفرة فانی رأیت رسول الله یصبغ بها فأنا أحبّ أن أصبغ۔

عبید بن جریج نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا اے ابو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ آپ وہ چار کام کرتے ہیں جو آپ کے باقی دوست نہیں کرتے۔ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ پیلا رنگ لگاتے ہیں تو عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ پیلے رنگ کی وجہ یہ ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو یہ بالوں پر استعمال کرتے دیکھا اس لئے میں بھی اس کو پسند کرتا ہوں۔[5]

جو یہ کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خضاب استعمال نہ فرمایا،اس کے دلائل

۱)عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ :أن رسول الله ﷺ لم یخضب قط انما کان البیاض فی مقدّم لحیته وفی العنفقة وفی الرّأس وفی

---

[1](الانصاف ۱/۱۲۳ الاداب الشرعیة لابن مفلح ۳/۳۵۳)

[2](رواہ احمد ۶/۲۹۶، ۳۲۲، ۳۱۹، والبخاری ۷/۲۰۷ وابن ماجه ۲/۱۱۹۶ وابن ابی شیبه ۸/۴۳۴)

[3](راجع رواہ احمد واتحاف الامجاد ص ۵۱)

[4](رواہ احمد ۴/۱۶۳ والنسائی ۸/۱۴۰ ابو داؤد ۴/۸۶)

[5](رواہ احمد ۲/۱۱۰/۱۷ والبخاری ۱/۵۱ و۷/۱۹۸ ومسلم ۴/۹ والنسائی ۸/۱۴۰ و۱۸۶ وابو داؤد ۲/۱۵۰ و۴/۸۶ والمصنف لابن ابی شیبة ۸/۴۴۳ وابن ماجه ۲/۱۱۹۸)

الصّدغين شيئٌ لا يكاد يرىٰ وانّ أبا بكرٍ خضب بالحناء۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی خضاب نہیں لگایا کیونکہ آپ ﷺ نے کبھی بھی خضاب نہیں لگایا کیونکہ آپ ﷺ کی داڑھی مبارک کے سامنے والے بالوں میں اور بچی میں اور سر کے بالوں میں اور کنپٹی میں چند بال سفید تھے جو دکھائی نہیں دے رہے تھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ مہندی لگاتے تھے۔[1]

۲) وعن جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ :وقيل له أكان في رأس رسول اللهﷺ شيبٌ قال لم يكن في رأسه ولا في لحيته الّا شعراتٌ في مفرق رأسه اذا دهنهنّ وأراهنّ الدّهن۔

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ کے سر مبارک میں سفید بال تھے؟ فرمایا کہ آپ ﷺ کے سر اور داڑھی مبارک میں مانگ میں چند سفید بال تھے جب آپ ﷺ تیل لگاتے تھے تو ہمیں تیل نظر آتا تھا۔[2]

۳) عن ابی جحيفة رضی اللہ عنہ :قال رأيت رسول اللهﷺ أبيض قد شاب كان الحسن بن علي يشبهه۔ ابو جحیفہ رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے آپ ﷺ کو خوبصورت دیکھا جب کہ آپ ﷺ جوان تھے حضرت حسن بن علی آپ ﷺ کے مشابہ تھے۔[3]

خضاب کے احکام اور اس کی اقسام کا بیان:

سرخ و زرد خضاب مردوں، عورتوں دونوں کیلئے جائز و مستحب ہے۔ اسکی دلیل وہ حدیث ہے جو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ابو امامہ سے بسند حسن نقل کیا ہے کہ: ایک دن حضور ﷺ چند عمر رسیدہ انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف تشریف لائے جن کی داڑھی سفید تھی تو فرمایا:

يامعشر الانصار حمروا وصفروا وخالفوا أهل الكتاب۔[4]

اے انصار کے گروہ! (اپنے سفید بالوں کو) سرخ کرو اور زرد کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔

کیونکہ اہل کتاب خضاب نہیں کرتے تھے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خضاب کے بارے میں کئی اقوال ہیں صحیح تر یہ ہے کہ بوڑھے، مرد و عورت دونوں کیلئے خضاب کرنا مستحب ہے اور سیاہ خضاب کرنا حرام ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں فرمایا ہے:

ولا نرىٰ بالوسمة والحناء والصفرة بأساً وان تركه ابيض فلا بأس وكل ذلك حسن۔

ہم کوئی حرج نہیں سمجھتے وسمہ، حنا اور زرد رنگ کے خضاب میں اور بالوں کو سفید بھی چھوڑے تب بھی کوئی حرج نہیں ہر طرح صحیح ہے۔

قاضی خان فرماتے ہیں:

الخضاب بالحناء والوسمة حسن۔[5]

---

[1] (رواه أحمد ۳/۱۰۰ و/۱۸۰ و ۱۴۵ و ۱۶۰ و ۱۷۸ و ۱۹۲ و ۱۹۸ و ۲۰۶ و ۲۱۶ و ۲۲۳ و ۲۲۷ و ۲۵۱ و ۲۵۴ و ۲۶۲ والبخاری ۷/۲۰۶ ومسلم ۷/۸۴ و ۸۵ والنسائی ۸/۱۴۱ وأبو داؤد ۴/۸۶ وابن ماجه ۲/۱۱۹۸)

[2] (رواه الامام احمد ۵/۱۰۴)

[3] (رواه مسلم ۷/۸۵)

[4] (مسند احمد بن حنبل، ج ۵، ص ۲۶۵، بیروت)

[5] (قاضی خان علی هامش الهندیه ج ۳ ص ۴۱۲ باب مایکره من الثیاب الحلی والزینة۔)

حنااور وسمہ سے خضاب کرنا بہتر ہے،،

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے کہ

أَنَّ الْخِضَابَ حَسَنٌ لَكِنْ بِالْحِنَّاءِ وَ الْكَتَمِ وَ الْوَسْمَةِ وَأَرَادَ بِهِ اللِّحْيَةَ وَ شَعْرَ الرَّأْسِ وَ الْخِضَابُ فِي غَيْرِ حَالِ الْحَرْبِ لَا بَأْسَ بِهِ فِي الْأَصَحِّ۔ [1]

ترجمہ: تحقیق مہندی، وسمہ اور کتم سے خضاب کرنا پسندیدہ عمل ہے مراد سر اور داڑھی کو خضاب کرنا ہے اور جہاد کے علاوہ بھی خضاب کرنے میں کوئی حرج نہیں یہی زیادہ صحیح روایت ہے۔

میرے پیارے! بالکل سیاہ خضاب جو حقیقی سیاہی کے مشابہ ہو سوائے غازیوں کے باقی سب کے لئے حرام ہے۔

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ :رَأَى النَّبِيُّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - رَجُلاً أَسْوَدَ الشَّعْرِ قَدْرَآهُ بِالأَمْسِ أَبْيَضَ الشَّعْرِ قَالَ :مَنْ أَنْتَ؟قَالَ :أَنَا فُلانٌ. قَالَ :بَلْ أَنْتَ شَيْطَانٌ۔

ترجمہ: مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال کالے تھے اور ایک دن پہلے اسے سفید بالوں میں دیکھا تھا تو آپ ﷺ نے پوچھا آپ کون ہیں؟ اس نے کہا کہ میں فلاں ہوں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فلاں نہیں بلکہ تو شیطان ہے۔،، [2]

عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ :مَكْتُوبٌ فِي التَّوْرَاةِ مَلْعُونٌ مَنْ غَيَّرَهَا بِالسَّوَادِ. يَعْنِي اللِّحْيَةَ.

ترجمہ: زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تورات میں لکھا گیا ہے کہ جو اپنی داڑھی کو کالا کرے وہ ملعون ہے۔،، [3]

أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ فَرْقَدًا السَّبَخِيَّ، عَنِ الصِّبَاغِ بِالسَّوَادِ، قَالَ بَلَغَنَا أَنَّهُ يَشْتَعِلُ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ نَارٌ يَعْنِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ: ہمیں عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی، معمر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے فرقد سبخی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا، کالے رنگ سے رنگنا کیسا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے پاس یہ بات پہنچی ہے کہ قیامت کے دن اس کے سر اور داڑھی سے آگ سے شعلے نکلیں گے۔،، [4]

الخضاب بالسواد خضاب اهل النار۔

ترجمہ: سیاہ خضاب کرنا جہنمیوں کا خضاب ہے۔ [5]

الخضاب بالسواد خضاب الكفار۔

ترجمہ: سیاہ خضاب کافروں کا خضاب ہے۔ [6]

اور پیچھے گزر چکا کہ پہلا شخص جس نے سیاہ خضاب کیا تھا فرعون تھا۔ [7]

---

[1] (فتاوی الهندية، الْبَابُ الْعِشْرُونَ فِي الزِّينَةِ وَاتِّخَاذِ الْخَادِمِ لِلْخِدْمَةِ، ج۵ ص ۳۵۹)

[2] (الطبقات الكبرى، باب ذكر ما قال رسول الله ﷺ واصحابه عن تغيير الشيب، ج ۱ ص ۳۴۰)

[3] (الطبقات الكبرى، ج ۱ ص ۳۴۰)

[4] (جامع معمر بن راشد، باب صباغ ونتف الشعر، ج ۱۱ ص ۱۵۶)

[5] (اخرجه الطبرانی والحاكم من حديث ابن عمر بلفظ الكافر، قال ابن ابی حاتم منكر (تخريج احاديث الاحياء للعراقی ج ۱ ص ۳۵۰)

[6] (اخرجه الطبرانی والحاكم من حديث ابن عمر بلفظ الكافر، قال ابن ابی حاتم منكر (تخريج احاديث الاحياء للعراقی ج ۱ ص ۳۵۰)

[7] (مرقاۃ ج ۸ ص ۳۰۶)

اورابن حجر رحمہ اللہ نے (اپنی کتاب)،، الزواجر،، میں سیاہ خضاب کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا ہے۔اور محدث دہلوی رحمہ اللہ نے شرح مشکوٰۃ میں فرمایا ہے کہ مہندی کا خضاب بالاتفاق جائز ہے۔اور سیاہ خضاب میں قول مختار حرمت کا ہے اور سیاہ خضاب کی ممانعت کی علت کے بارے میں لکھا ہے کہ اس سے بالوں کی اصلی سیاہی سے مشابہت پیدا ہو جاتی ہے۔[1]

یہ توجیہ قریب اور مناسب ہے اس لئے وصل اشعار (بالوں میں مصنوعی بال ملانے) کی ممانعت وارد ہوئی ہے اور اسے جھوٹ و دھوکہ فرمایا ہے۔ اور اسی لئے سیاہ خضاب کرنے والے کو، کاذب فی اللحیۃ،، کہتے ہیں برخلاف زرد و سرخ رنگ کے کہ اس سے اصلی بالوں کے ساتھ مشابہت لازم نہیں آتی۔[2]

حاصل یہ ہے کہ سیاہ خضاب لگانا ماسوائے مجاہد اور غازی کے حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور اسے ،، کاذب فی اللحیۃ،، کہتے ہیں،لہذا ایسے امام کے پیچھے نماز جائز نہیں اگر کسی نے پڑھ لی تو واجب الاعادہ ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ بالاتفاق اعلم بمذہب ابی حنیفہ رحمہ اللہ ہیں،آپ رحمہ اللہ کی تحریر کے مطابق باتفاق ائمتنا الثلاثہ رحمہم اللہ تعالیٰ حلق شوارب مسنون ہے،ترجمہ الباب،، حلق الشارب،، کے تحت احادیث احفاء لانے سے مقصد یہ ہے کہ ان احادیث میں احفاء بمعنی حلق ہے،چنانچہ فتح الباری کی ایک روایت میں صراحۃً لفظ حلق مذکور ہے،وسیجیٔ نصہ۔حافظ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب میں حلق سے احفاء یعنی استیصال کالحلق مراد ہے،جس کو بغرض اظہار مبالغہ حلق سے تعبیر کیا ہے۔ولایخفی ان ھذا التحمل تمحل وتأویل القول بمالا یرضیٰ بہ قائلہ وتفرد بہ الحافظ العینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ،ثم نقل ھو نفسہ فی البنایۃ سنیۃ الحلق عن المختار والمحیط وسیجیٔ نصہ۔ یہ تأویل بوجوہ ذیل ناقابل قبول ہے۔صنیع مصنفین میں اصل مقصود ترجمۃ الباب ہوتا ہے،اس کے اثبات کیلئے اس کے تحت احادیث لائی جاتی ہیں،ترجمۃ الباب میں مصنف اپنا دعوی پیش کرتا ہے پھر اس کے تحت مندرجہ احادیث سے اپنے اس دعویٰ کو ثابت کرتا ہے،اس سے ثابت ہوا کہ امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ احادیث احفاء سے سنیت حلق ثابت کر رہے ہیں۔اس کے برعکس حلق سے احفاء مراد لینا اصول تصنیف کے خلاف ہے اور قلب موضوع۔حلق کا استیصال کالحلق سے ابلغ فی المعنیٰ والیسر فی العمل ہونا ظاہر ہے،اس لئے حلق پر احفاء بمعنی الاستیصال بالقص کالحلق کو ترجیح دینا خلاف معقول ہے۔

قال الحافظ العسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ :وَوَرَدَ الْخَبَرُ بِلَفْظِ الْحَلْقِ وَهِيَ رِوَايَةُ النَّسَائِيِّ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ يَزِيدَ عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عُيَيْنَةَ بِسَنَدِ هَذَا الْبَابِ وَرَوَاهُ جُمْهُورُ أَصْحَابِ بن عُيَيْنَةَ بِلَفْظِ الْقَصِّ وَكَذَا سَائِرُ الرِّوَايَاتِ عَنْ شَيْخِهِ الزُّهْرِيِّ وَوَقَعَ عِنْدَ النَّسَائِيِّ مِنْ طَرِيقِ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ بِلَفْظِ تَقْصِيرِ الشَّارِبِ نَعَمْ وَقَعَ الْأَمْرُ بِمَا يُشْعِرُ بِأَنَّ رِوَايَةَ الْحلق محفوظه كَحَدِيثِ الْعَلَاءِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عِنْدَ مُسْلِمٍ بِلَفْظِ جُزُّوا الشوارب وَحَدِيث بن عُمَرَ الْمَذْكُورِ فِي الْبَابِ الَّذِي يَلِيهِ بِلَفْظِ أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَفِي الْبَابِ الَّذِي يَلِيهِ بِلَفْظِ انْهَكُوا الشَّوَارِبَ فَكُلُّ هَذِهِ الْأَلْفَاظِ تَدُلُّ عَلَى أَنَّ الْمَطْلُوبَ الْمُبَالَغَةُ فِي الْإِزَالَةِ لِأَنَّ الْجَزَّ وَهُوَ بِالْجِيمِ وَالزَّايِ الثَّقِيلَةِ قَصُّ الشَّعْرِ وَالصُّوفِ إِلَى أَنْ يَبْلُغَ الْجِلْدَ وَالْإِحْفَاءُ بِالْمُهْمَلَةِ وَالْفَاءِ الِاسْتِقْصَاءُ وَمِنْهُ حَتَّى أَحْفَوْهُ بِالْمَسْأَلَةِ قَالَ أَبُو عُبَيْدٍ الْهَرَوِيُّ مَعْنَاهُ الْزَقُوا الْجَزَّ بِالْبَشَرَةِ وَقَالَ الْخَطَّابِيُّ هُوَ بِمَعْنَى الِاسْتِقْصَاءِ وَالنَّهْكُ بِالنُّونِ وَالْكَافِ الْمُبَالَغَةُ فِي الْإِزَالَةِ وَمِنْهُ مَا تَقَدَّمَ فِي الْكَلَامِ عَلَى الْخِتَانِ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْخَافِضَةِ أَشِمِّي وَلَا

---

[1] (مرقاۃ ج ۸ ص ۳۰۴)

[2] (کذافی شرح الوجیز فی فقہ الحنابلۃ)

تُنْهِكِي أَيْ لَا تُبَالِغِي فِي خِتَانِ الْمَرْأَةِ وَ جَرَى عَلَى ذَلِكَ أهل اللُّغَة وَقَالَ بن بَطَّالٍ النَّهْك التَّأْثِيرُ فِي الشَّيْءِ وَهُوَ غَيْرُ الِاسْتِئْصَالِ[1] وقال:قال الطحاوی رحمة الله تعالیٰ علیه :قَالَ الطَّحَاوِيُّ الْحَلْقُ هُوَ مَذْهَبُ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ اه۔[2] وَقَدْ رَجَّحَ الطَّحَاوِيُّ الْحَلْقَ عَلَى الْقَصِّ بِتَفْضِيلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحلق على التَّقْصِير فِي النّسك۔

لفظ''قص''اکثر احادیث میں مروی ہے جیسا کہ یہاں مذکور ہے،امام مسلم کی دو روایات حضرت عائشہ اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں بھی''قص''مذکور ہے اس باب کی ابتداء میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں بھی''قص''ہے اور امام نسائی نے حلق (مونڈنا) کی روایت اپنی سند سے ابن عیینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کی ہے وہ سند باب کی ابتداء میں محمد بن عبداللہ بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ دیگر اصحاب،جمہور اصحاب ابن عیینہ نے''قص''ذکر کیا ہے اور اس کے شیخ امام زہری سے جو روایات ہیں ان میں بھی''قص''ہی مذکور ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ''حلق''کی روایت محفوظ ہے،علاء بن عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی طرح،انہوں اپنے باپ سے روایت کی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مسلم کے الفاظ ہیں''جزوا الشوارب''اور باب کی ابتداء میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کہ''احفوا الشوارب''اور آئندہ باب میں آرہا ہے اس میں ہے''انهكوا الشوارب''۔اور یہ تمام عبارات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ان سے مقصود بالوں کو کاٹنے میں مبالغہ کرنا ہے،کیونکہ اور''الجز''جیم اور زاء ثقیلہ کے ساتھ،بالوں اور اون کو اس حد تک کاٹنا کہ وہ جلد تک پہنچ جائے اور''احفاء''حاء مہملہ اور فاء کے ساتھ،بالوں کو اکھاڑنے میں شدید مبالغہ کو کہتے ہیں اور امام ابوعبید اللہ الہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اتنا کاٹو کہ چمڑا ظاہر ہو جائے اور امام خطابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اس سے مراد بالوں کو اکھاڑنے اور صاف کرنے میں مبالغہ کرنا ہے۔اور''نہک''نون اور کاف کے ساتھ،بالوں کے ازالہ میں مبالغہ کرنا ہے۔

(احفاء،انہاک،تقصیر،حلق،ان تمام الفاظ کا مفہوم بنتا ہے اوپر والے ہونٹ پر اگنے والے بالوں کے ازالہ میں خوب مبالغہ کرے)[3]

وقال:قال الطحاوی رحمه الله:قَالَ الطَّحَاوِيُّ الْحَلْقُ هُوَ مَذْهَبُ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ اه.

ترجمہ:امام طحاوی رحمہ اللہ نے کہا کہ مونچھوں کو حلق کرنا امام ابوحنیفہ،ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا قول ومذہب ہے۔

وَقَدْ رَجَّحَ الطَّحَاوِيُّ الْحَلْقَ عَلَى الْقَصِّ بِتَفْضِيلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحلق على التَّقْصِير فِي النّسك۔

ترجمہ:اور طحاوی رحمہم اللہ نے حلق کو قص پر ترجیح دی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج میں حلق کو قصر پر ترجیح دی ہے۔

قوله :(يحفي) من الإحفاء بِالْحَاءِ الْمُهْمِلَةِ وَالْفَاءِ يُقَال :أحفى شعره إِذا استأصله حَتَّى يصير كالحلق وَلَكِن إحفاء الشَّارِب أفضل من قصه عبر الطَّحَاوِيّ بقوله :بَاب حلق الشَّارِب۔

یحفی،احفاء سے ہے جس کا معنیٰ ہے اس نے اپنے بالوں کو جڑوں سے ایسا ترشوایا جیسے کہ حلق کر دیا ہو،کیونکہ بالوں کا مونڈنا،کاٹنے سے افضل ہے جس کی تعبیر امام طحاوی نے باب حلق الشارب سے کی ہے۔[4]

فَصْلٌ (وَالسُّنَّةُ :تَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ، وَنَتْفُ الْإِبِطِ، وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَالشَّارِبِ، وَقَصُّهُ أَحْسَنُ) وَهَذِهِ مِنْ سُنَنِ الْخَلِيلِ صَلَوَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ، وَفَعَلَهَا نَبِيُّنَا - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَأَمَرَ بِهَا، وَقِيلَ أَوَّلُ مَنْ قَصَّ الشَّارِبَ وَاخْتَتَنَ وَقَلَّمَ الْأَظْفَارَ وَرَأَى الشَّيْبَ إِبْرَاهِيمُ - عَلَيْهِ السَّلَامُ -. قَالَ الطَّحَاوِيُّ فِي شَرْحِ الْآثَارِ :قَصُّ الشَّارِبِ حَسَنٌ، وَهُوَ أَنْ تَأْخُذَ حَتَّى يَنْتَقِصَ عَنِ الْإِطَارِ وَهُوَ الطَّرَفُ الْأَعْلَى مِنَ

---

[1](فتح الباری ص ۲۸۵ ج ۱۰،باب قص الشارب)

[2](فتح الباری ۲۸۶ ج ۱۰،باب قص الشارب)

[3](فتح الباری شرح صحیح البخاری،کتاب اللباس،باب قص الشارب،ج،۱۰،ص،۲۹۳،دار المعرفۃ بیروت)

[4](عمدۃ القاری ص ۴۳،ج ۲۲،باب قص الشارب)

الشَّفَةِ الْعُلْيَا. قَالَ :وَالْحَلْقُ سُنَّةٌ وَهُوَ أَحْسَنُ مِنَ الْقَصِّ وَهُوَ قَوْلُ أَصْحَابِنَا. قَالَ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، أَحْفُوا الشَّارِبَ وَأَعْفُوا اللِّحَى؛ وَالْإِحْفَاءُ الِاسْتِئْصَالُ، وَإِعْفَاءُ اللِّحَى، قَالَ مُحَمَّدٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ :تَرْكُهَا حَتَّى تَكَثَّ وَتَكْثُرَ وَالتَّقْصِيرُ فِيهَا سُنَّةٌ، وَهُوَ أَنْ يَقْبِضَ الرَّجُلُ لِحْيَتَهُ فَمَا زَادَ عَلَى قَبْضَتِهِ قَطَعَهُ لِأَنَّ اللِّحْيَةَ زِينَةٌ وَكَثْرَتَهَا مِنْ كَمَالِ الزِّينَةِ وَطُولَهَا الْفَاحِشَ خِلَافُ السُّنَّةِ.

وَالسُّنَّةُ النَّتْفُ فِي الْإِبِطِ وَلَا بَأْسَ بِالْحَلْقِ، وَيَبْتَدِئُ فِي حَلْقِ الْعَانَةِ مِنْ تَحْتِ السُّرَّةِ، وَإِذَا قَصَّ أَظْفَارَهُ أَوْ حَلَقَ شَعْرَهُ يَنْبَغِي أَنْ يَدْفِنَهُ، قَالَ تَعَالَى {أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا (المرسلات25 :) {أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا (المرسلات26 :) وَإِنْ أَلْقَاهُ فَلَا بَأْسَ بِهِ، وَيُكْرَهُ إِلْقَاؤُهُ فِي الْكَنِيفِ۔

وَالْمُغْتَسِلِ، قَالُوا لِأَنَّهُ يُورِثُ الْمَرَضَ. وَتَوْفِيرُ الْأَظْفَارِ وَالشَّارِبِ مَنْدُوبٌ إِلَيْهِ فِي دَارِ الْحَرْبِ لِيَكُونَ أَهْيَبَ فِي عَيْنِ الْعَدُوِّ، وَالْأَظَافِيرُ سِلَاحٌ عِنْدَ عَدَمِ السِّلَاحِ.[1]

وقال الكاكي - رَحِمَهُ اللَّهُ - وذكر الطحاوي في "شرح الآثار" أن حلقه سنة ونسب ذلك إلى العلماء الثلاثة، انتهى قلت :لم يذكر الطحاوي كذلك وإنما قال بعد روايته الأحاديث المذكورة والتوفيق بينها أن الإخفاء أفضل من القص، ثم قال نعم باب حلق الشارب. وإنما أراد بذلك الإحفاء حتى يصير كالحلق. وفي "المختار" "حلقه سنة وقصه حسن. وفي "المحيط" "الحلق أحسن من القص، وهو قول أبي حنيفة وصاحبيه - رحمهم الله -

یعنی ،احفاء سے ہے جس کا معنیٰ ہے کہ اس نے اپنے بالوں کو جڑوں سے ایسا ترشوایا جیسے کہ حلق کر دیا ہو، کیونکہ بالوں کا مونڈنا کاٹنے سے افضل ہے جس کی تعبیر امام طحاوی نے باب حلق الشارب سے کی ہے۔

فصل- ناخن کاٹنا، بغلوں کے بال نوچنا، موئے زیر ناف صاف کرنا، مونچھوں مونڈوانا سنت ہے، مونچھوں کو کاٹنا احسن ہے۔ یہ امور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی سنن میں سے ہے اور ہمارے نبی کریم ﷺ نے اس پر عمل بھی فرمایا ہے اور حکم بھی دیا ہے کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے مونچھیں کاٹنے والے، ختنہ کرنے والے، ناخن کاٹنے والے اور سفید بال دیکھنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ امام طحاوی نے فرمایا۔ مونچھیں کاٹنا حسن ہے جو اتنا کاٹا جائے کہ اوپر والے ہونٹ کے اوپر کی طرف سے کم ہو جائے (یعنی ہونٹ مکمل نظر آجائے) فرمایا: منڈوانا سنت اور ترشوانے سے اچھا ہے۔ یہ ہمارے آئمہ احناف کا قول ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: مونچھ کم کرو اور داڑھی بڑھاؤ۔ احفاء بالوں کو ختم کرنا ہے اور داڑھی بڑھانے سے مراد یہ ہے کہ داڑھی کو چھوڑو کہ بڑی ہو جائے اور داڑھی میں قصر (چھوٹی) کرنا سنت ہے اور قصر یہ ہے کہ مرد داڑھی کو مٹھی میں پکڑے جو مٹھی سے زائد بال ہوں ان کو کاٹ دے کیونکہ داڑھی حسن و جمال ہے اور اس کی کثرت (بڑی ہونا) کمال حسن و زینت ہے اور انتہائی لمبی جو نازیبا لگے خلاف سنت ہے۔

بغلوں کے بالوں کی صفائی میں نوچنا سنت ہے جبکہ استرے سے صاف کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، موئے زیر ناف کی صفائی میں ابتداء ناف کی طرف سے کرنا ہے، جب ناخن کاٹے یا بال صاف کرے تو بہتر ہے کہ اس کو دفنایا جائے۔

فرمان الٰہی ہے: ''کیا ہم نے زمین کو چھپانے والا نہیں بنایا'' اور اگر کسی نے ان بالوں اور ناخن کو گرایا تو بھی کوئی حرج نہیں لیکن غسل خانے اور ناپاک جگہ گرانا مکروہ ہے کہ اس سے بیماری پیدا ہوتی ہے۔ دارالحرب میں ناخن اور مونچھوں کو بڑا کرنا مستحب ہے تاکہ دشمن گھبرا جائے کیونکہ اسلحہ پاس نہ ہونے کی صورت میں ناخن اسلحہ کا کام دیتا ہے۔

---

[1] الاختیار لتعلیل المختار ج ۴ ص ۱۶۷، فَصْلٌ فِي آدَابِ لِلْمؤمن ينبغي أن يحافظ عليها

کاکی نے کہا کہ امام طحاوی نے ذکر کیا کہ ہمارے آئمہ ثلاثہ کے نزدیک مونچھوں کا حلق کرنا سنت ہے۔میں کہتا ہوں کہ امام طحاوی نے ایسا ذکر نہیں کیا بعد احادیث مذکورہ روایت کرنے کے بعد ان میں تطبیق یوں کی کہ مونڈانا ترشوانے سے افضل ہے، پھر کہا ہاں ،اور اس سے مراد یہ ہے کہ مونچھیں اتنی کم کی جائیں کہ حلق نظر آئے۔مختار میں ہے کہ مونچھوں کا مونڈوانا سنت اور کاٹنا اچھا ہے۔محیط میں ہے کہ حلق کرنا کاٹنے سے احسن ہے اور یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں کا قول ہے۔

متن میں قصہ احسن کتابت کی غلطی ہے، صحیح لفظ ،،حسن،، ہے،اس پر دو دلائل ہیں:

عینی رحمہ اللہ کی مختار سے منقولہ عبارت مذکورہ میں وقصہ حسن ہے۔مصنف نے شرح میں خود امام طحاوی رحمہ اللہ سے حلق کا احسن ہونا نقل کیا ہے، عینی رحمہ اللہ نے حلق کے احسن من القص ہونے کے بارے میں مختار اور محیط کا حوالہ دیا ہے،عبارت مختار کی تحقیق اوپر گزر چکی،محیط سے بظاہر محیط سرخسی مراد ہے،اس لئے کہ حاشیہ طحطاوی علی الدر میں اسکی تصریح ہے۔

(۸۲)﴿باب نمبر بیاسی نعت خوانی کے ساتھ ذکر اللہ کرنے کا بیان﴾

بعض علماء نعت خوانی کے ساتھ ذکر کرنے کو حرام اور ناجائز کہتے ہیں۔حالانکہ حضور اکرم ﷺ کی مدح وثنا میں نعت خوانی اور اس کے ساتھ ذکر الٰہی کرنا بشرطیکہ اس میں دف ڈھول وغیرہ نہ ہو، بلاشک وشبہ جائز ہے۔اور نعت خوان بھی شریعت کا پابند ہو،کسی کتاب میں نہیں ہے کہ نعت خوانی کے ساتھ ذکر کرنا یا ذکر کے ساتھ نعت خوانی کرنا منع ہے۔اور اگر ہے تو وعلیہ البیان والبرہان۔اور یہ فی نفسہ ایک نہایت اچھا کام ہے،اور اس حدیث شریف کے تحت داخل ہے : ماراٰہ المسلمون حسنا فھو عنداللہ حسن وماراٰہ المسلمون قبیحا فھو عنداللہ قبیح۔[1]

من سن سنۃً حسنۃ فعمل بھا بعدہ کتب لہ من اجر من عمل ولا ینقص من اجورھم شیئا۔[2]

لہذا نعت خوانی کرنا اور اس کے ساتھ ذکر کرنا یہ باعث ثواب ہے اور اس سے منع کرنے والا "مناع الخیر" ہے،اور منع کرنے والا اس آیت کا مصداق بن رہا ہے:

وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ۔۔۔الآیۃ۔(النساء ۱۵۰)

"اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے رسول ﷺ کو جدا کردیں۔"

(۸۳)﴿باب نمبر تراسی اذان سے پہلے یا بعد میں درود شریف پڑھنے کا بیان﴾

بعض علماء اذان سے قبل اور بعد میں درود شریف،خصوصاً الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ" پڑھنے کو ناجائز کہتے ہیں۔حالانکہ یہ ایک جائز ومستحب عمل ہے،جس پر ثواب بھی مرتب ہوتا ہے۔اس مسئلہ کے دلائل قرآن واحادیث اور فقہاء کرام کی مستند کتابوں میں موجود ہیں۔قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿الاحزاب ۵۶﴾ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو درود وسلام پڑھنے کا حکم فرمایا ہے۔تو یہاں نہ تو کسی خاص درود شریف کی قید ہے اور نہ زمان ومکان کی کوئی تخصیص وقید،بلکہ حکم مطلق ہے کہ کسی بھی فارغ وقت میں درود وسلام پڑھ سکتا ہے۔اب اگر کوئی شخص بدعت یا ناجائز کہتا ہے کہ آذان سے پہلے یا

---

[1] (مجمع الزوائد ص ۱۷۰ ج ۱ مرقات باب الاعتصام ردالمحتار ص ۵۱۸ ج ۳ تفسیر مواہب الرحمن،کتاب الروح ص ۱۰۰ ،سمعات فارسی لشاہ ولی اللہ ص ۲۹،عمدۃ التحقیق ص ۹۵،ابوداؤد طیالسی ص ۳۳،کتاب الموافق ص ۹۵ ج ۱،قرۃ العینین ص ۳۳،مجموعہ الرسائل والمسائل للنجدی ص ۲۰۷ ج ۱،جاء الحق ص ۲۱۱ ج ۱،بستان العارفین للسمرقندی ص ۹،مستدرک ص ۷۸ ج ۳، اخبار اہل حدیث امرتسر ص ۱۹،اعلام الموقعین ص ۴۹ ج ۱،موطا امام مالک ص ۱۰۴، مقاصد الحسنہ ص ۳۶۷،فتاویٰ تاتارخانیہ،تفسیر کبیر،اسنی المطالب،ریاض النضرہ ص ۱۹۸ ج ۱)

[2] (صحیح مسلم)

بعد میں درود وسلام نہ پڑھے کیونکہ یہ بدعت ہے تو اس شخص پر لازم ہے کہ وہ اس مطلق حکم کی تقیید کے لئے کوئی دلیل شرعی پیش کرے کہ اذان سے پہلے یا بعد میں درود شریف پڑھنے کی ممانعت قرآن، حدیث، اجماع امت یا قیاس سے ثابت ہے۔

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿البقرة ۱۱۱﴾

مخالف جواب نہ دے سکے تو ہم کہتے ہیں کہ آیت کریمہ سے حکم علی الاطلاق ثابت ہے اور یہ قاعدہ علمیہ ہے کہ "المطلق یجری علی اطلاقه"۔ کہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری رہتا ہے جب تک شارع سے کوئی تقیید موجود نہ ہو اور شارع سے قرآن وحدیث میں اذان سے پہلے یا بعد میں درود و سلام پڑھنے کے بارے میں کوئی ممانعت نہیں آئی۔ بلکہ حدیث شریف سے تو مسئلہ مذکورہ کی تائید ملتی ہے: عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلوا علیّ فانه لیس من احد یصلی علی واحدة الّا صلی اللہ علیه بها عشرا، ثم سلوا اللہ لی الوسیلة فانها منزلة فی الجنة، لا تنبغی الا لعبد من عباد اللہ عز وجلّ وأرجو أن أکون أنا هو فمن سألها لی حلت له شفاعتی۔

"حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم مؤذن کو اذان دیتے ہوئے سنو تو اسی طرح کہو، جس طرح وہ کہتا ہے، پھر مجھ پر درود بھیجو پس جو بھی مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ سے میرے لئے وسیلہ طلب کرو بے شک وسیلہ جنت میں ایک منزل ہے جو کہ اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک کو ملے گی اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں گا، پس جس نے اس وسیلہ کو میرے لئے طلب کیا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔"[1]

(۸۴) ﴿باب نمبر چوراسی عاشورہ کے دن حلیم وغیرہ پکا کر صدقہ کرنے کا بیان﴾

بعض علماء عاشورہ کے دن حلیم پکانے کو، اور جو ہمارے صوبہ سرحد میں لوگ گونگڑی (جسے اردو میں کھچڑا کہتے ہیں) پکاتے ہیں، اس کو حرام اور بدعت کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ سنت ہے۔ تفسیر روح البیان میں لکھا ہے: واعلم ان نوحا علیه السّلام هبط بمن معه فی السّفینة یوم عاشورا وامر من معه بصیامه شکراً للہ تعالیٰ وکان قد فرغت ازوادهم فجاء هٰذا بکف حنطة وهذا بکف عدس وهذا بکف حمص الیٰ ان بلغت الیٰ سبعة حبوب فطبخها نوح علیه السّلام لهم فافطروا علیها وشبعوا جمیعا ببرکات نوح علیه السلام وکان اوّل طعام طبخ علیٰ وجه الارض بعد الطوفان هذا فاتخذه الناس سنة یوم عاشورا وفیه اجرٌ عظیم لمن یفعل ویطعم الفقراء والمساکین۔

فیوض الرحمان ترجمہ روح البیان میں لکھا ہے: "مروی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام دسویں محرم میں اپنے ساتھیوں سمیت کشتی سے اترے تو آپ نے اس دن شکر کا روزہ رکھا اور اپنے تمام ساتھیوں کو بھی روزے کا حکم دیا۔ (چھ ماہ کے طویل عرصے میں) خرچ ختم ہو چکا تھا۔ آپ نے آج کے روز افطار کے لئے ساتھیوں کو حکم فرمایا کہ جو کچھ بھی ملے لاؤ، تاکہ اسی سے افطار کریں۔ کوئی گندم، کوئی مسور اور کوئی چنے لایا۔ یہاں تک کہ کل سات

---

[1] (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۸، کتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه ثم یصلی علی النبی ﷺ ثم یسأل اللہ له ﷺ الوسیلة، رقم: ۳۸۴، نسائی السنن، ج ۲ ص ۲۵، کتاب الاذان، باب الصلاة علی النبی ﷺ بعد الاذان رقم ۶۷۷، ابن خزیمه، الصحیح، ج ۱ ص ۲۱۸، باب فضل الصلاة علی النبی ﷺ بعد افطر سماع الاذان، رقم ۴۱۸، عبد بن حمید، المسند ج ۱ ص ۱۳۹، رقم ۳۵۴، ابو عوانه المسند، ج ۱ ص ۲۸۱، رقم ۹۸۳، ابو نعیم المسند المستخرج، ج ۲ ص ۷ رقم ۸۴۲، نسائی عمل الیوم واللیلة، ج ۱ ص ۱۵۸، رقم ۴۵، باب الترغیب فی الصلاة علی النبی ﷺ ومسئلة الوسیلة له ﷺ بین الاذان والاقامة، طبرانی مسند الشامین ج ۱ ص ۱۵۳، رقم ۲۴۶)

قسم کے دانے ہوئے ۔آپ نے انہیں پانی میں ابال کر ساتھیوں سمیت روزہ افطار کیا۔نوح علیہ السلام کی برکت سے اس تھوڑے سے طعام سے سب سیر ہو گئے ۔

اہلسنت اسی عاشورا کے روز طعام پکا کر غرباء ومساکین کو کھلاتے ہیں ۔اس پر وہابی طعن وتشنیع کرتے ہیں ۔صاحب روح البیان مذکورہ بالا واقعہ لکھ کر تحریر فرماتے ہیں:

اسی وجہ سے لوگ (اہلسنت) عاشوراء کے دن طعام پکا کر غرباء ومساکین کو کھلاتے ہیں ۔ان کی سند یہی نوح علیہ السلام کا فعل ہے ۔"[1]

ثم ان نوح علیه السّلام اخرج ما بقی معه من افراد فجمع سبعة اصناف من الحبوب وهیی البسلة والعدس والفول والقمح والشعیر والارز فخلط بعضها بعضاً وطبخها فی ذالک الیوم فصارت الحبوب من ذالک سنة نوح علیه السلام وهی مستحبة۔[2]

نزہۃ المجالس میں لکھا ہے :**اجمعو ما معکم من افراد فجاء هذا بکف زرة وهذا بکف شعیر وهذا بکف حنطة وهذا بباقلا وهذا بعدس فقال اطبخوه جمیعا من ذالک الیوم اتخذ المسلمون طعام الحبوب۔**[3]

(۸۵)﴿باب نمبر پچاسی کسی مسلمان پر شرک وکفر کا فتویٰ لگانے کا بیان﴾

بعض علماء سُنّی مسلمانوں پر شرک کے فتوے لگاتے ہیں،اور ہر آدمی کو مشرک کہتے ہیں ۔حالانکہ حضور ﷺ کو اپنے بعد امت کے شرک میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں تھا۔ **عن عقبة بن عامر رضی الله عنه قال :صلّی رسول الله ﷺ علی قتلی احدٍ بعد ثمانی سنین کالمودّع للاحیاء والاموات، ثمّ طلع المنبر، فقال :انّی بین ایدیکم فرط وانا علیکم شهید، وانّ موعدکم الحوض، وانّی لانظر الیه من مقامی هذا، وانّی لست اخشی علیکم ان تشرکوا، ولکنّی اخشی علیکم الدّنیا ان تنافسوها قال :فکانت آخر نظرةٍ نظرتها، الی رسول الله ﷺ۔ متفق علیه وهذا لفظ البخاری۔**

ترجمہ :"حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے شہداء احد پر آٹھ سال بعد (دوبارہ) اس طرح نماز پڑھی گویا زندوں اور مردوں کو الوداع کہہ رہے ہوں ۔پھر آپ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا :میں تمہارا پیش رو ہوں،میں تمہارے اوپر گواہ ہوں، ہماری ملاقات کی جگہ حوضِ کوثر ہے،اور میں اس جگہ سے حوضِ کوثر کو دیکھ رہا ہوں اور مجھے تمہارے متعلق اس بات کا تو ڈر ہی نہیں ہے کہ تم شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے بلکہ تمہارے متعلق مجھے دنیاداری کی محبت میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے ۔حضرت عقبہ فرماتے ہیں کہ یہ میرا حضور نبی اکرم ﷺ کا آخری دیدار تھا۔"یہ حدیث متفق علیہ ہے نیز الفاظ بخاری کے ہیں ۔[4]

عن عقبة بن عامر رضی الله عنه قال :قال رسول الله ﷺ انّی فرطٌ لکم وانا شهیدٌ علیکم وانّی والله لانظر الی حوضی الآن،

---

[1] (فیوض الرحمان اردو ترجمہ تفسیر روح البیان،ج ۱۱ص ۱۲۴)(تفسیر روح البیان ج ۴ ص ۱۴۲)

[2] (بدائع الظہور ص ۶۴)

[3] (نزہۃ المجالس ج ۱ص ۱۴۶)

[4] (الحدیث رقم :۳۶ أخرجه البخاری فی الصحیح،کتاب :المغازی،باب :غزوة احد،۴/۱۴۸۶،الرقم ۳۸۱۶ :،ومسلم فی الصحیح،کتاب :الفضائل،باب :اثبات حوض نبینا ﷺ وصفاته، ۴/۱۷۹۶،الرقم ۲۲۹۶ :،وأبو داود فی السنن،أول کتاب :الجنائز،باب :المیت یصلی علی قبره بعد حین،۳/۲۱۶،الرقم ۳۲۲۴ :،وأحمد بن حنبل فی المسند،۴/۱۵۴،والطبرانی فی المعجم الکبیر،۲۲/۲۷۹،الرقم ۷۶۸ :،والبیهقی فی السنن الکبری،۴/۱۴،الرقم ۶۶۰۱ :،والشیبانی فی الآحاد والمثانی،۵/۴۵،الرقم ۲۵۸۳ :)

وانّی اعطیت مفاتیح خزائن الارض، أو مفاتیح الارض، وانّی واللہ ما اخاف علیکم ان تشرکوا بعدی ولکن اخاف علیکم ان تتنافسوا فیھا۔ متفق علیہ۔

ترجمہ: ''حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک میں تمہارا پیش رو اور تم پر گواہ ہوں۔ اللہ رب العزت کی قسم! میں اپنے حوض کو اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں اور بیشک مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں (یا فرمایا: زمین کی کنجیاں) عطا کر دی گئی ہیں اور اللہ رب العزت کی قسم! مجھے یہ ڈر نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرنے لگو گے بلکہ مجھے ڈر اس بات کا ہے کہ تم دنیا کی محبت میں مبتلا ہو جاؤ گے۔'' یہ حدیث متفق علیہ ہے۔[1]

(۸۶) ﴿باب نمبر چھیاسی ماہ صفر کے آخری چارشنبہ کو صدقہ کرنے کا بیان﴾

بعض علماء آخری چارشنبہ ماہ صفر میں خیرات کرنے، تصدق کرنے، کو بدعت اور ناجائز کہتے ہیں۔ حالانکہ انیس الواعظین تصنیف مولانا ابو بکر بن محمد علی القریشی نے لکھا ہے: ''حضرت رسول خدا ﷺ علیل تھے، آخری چارشنبہ کو، تائیس یا اٹھائیس تاریخ تھی، قریب صبح آپ ﷺ نے آنکھ کھول کر فرمایا: من عندی، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: بابی انت وامی انا عائشۃ، یعنی میرے ماں باپ آپ پر تصدق ہوں، میں ہوں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا خوش ہوئیں اور پانی منگا کر آپ ﷺ کا سر دھویا۔ تمام جسم پر پانی ڈالا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کچھ کھانے کو ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: چاول پکے ہوئے موجود ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لاؤ۔ اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر دو، کہ وہ مع حضرات حسنین رضی اللہ عنہما حاضر خدمت ہوں۔ آپ ﷺ نے ان کو گلے لگایا اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کھانے میں انہیں شریک کیا۔ ایک لقمہ آپ ﷺ نے بھی کھایا، اس اثناء میں تمام ازواج و اصحاب رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اصحابی و اخوانی کیف حالکم بفراقی من بعدی۔ اے میرے صحابہ اے میرے بھائیو! تمہارا میرے بعد فراق میں کیا حال ہوگا۔ سب کے سب رونے لگے۔ آپ ﷺ نے سب کو دلاسہ دیا پھر مسجد میں تشریف لا کر امامت کرائی۔ سب صحابہ خوش ہوئے۔ اس خوشی میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سات ہزار اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پانچ ہزار دینار، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دس ہزار دینار اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین ہزار دینار صدقہ دیا۔ اور حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سو گھوڑے اور سو اونٹ خیرات کئے۔''[2]

(۸۷) ﴿باب نمبر ستاسی عبد النبی اور عبد الرسول وغیرہ نام رکھنے کا بیان﴾

بعض علماء ''عبد النبی''، ''عبد الرسول''، ''عبد المصطفیٰ''، ''عبد علی''، ''غلام رسول''، ''غلام علی''، ''علی بخش''، ''پیر بخش''، ''مدار بخش'' وغیرہ نام کو شرک کہتے ہیں۔ حالانکہ قرآن و حدیث و اقوال فقہاء اور خود علماء دیوبند کی کتب سے ثابت ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے: وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَى مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ﴿نور ۳۲﴾ یعنی ''اور نکاح کرو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔''[3]

اس عبارت میں ''عباد'' کو ''کم'' کی طرف مضاف کیا گیا۔ یعنی تمہارے بندے۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ﴿الزمر ۵۳﴾

---

[1] (الحدیث رقم: ۳۷ أخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: المناقب، باب: علامات النبوۃ فی الاسلام، ۳/۱۳۱۷، الرقم ۳۴۰۱: ، وفی کتاب: الرقاق، باب: مایحذر من زھرۃ الدنیا والتنافس فیھا، ۵/۲۳۶۱، الرقم ۶۰۶۱: ، ومسلم فی الصحیح، کتاب: الفضائل، باب: اثبات حوض نبینا ﷺ وصفاتہ، ۴/۱۷۹۵، الرقم ۲۲۹۶: ، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۴/۱۵۳)

[2] (انیس الواعظین اردو ص ۲۵۱، فارسی ص ۱۸۰، تذکرۃ الواعظین، الباب الحادی والخمسون فی شدائد شہر صفر مع یوم الاربعاء، ص ۱۲۳)

[3] (پ ۱۸، ۳۲: ۲۴)

ترجمہ: اے محبوب فرمادو کہ میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔[1]

اس "یاعبادی" میں دو احتمال ہیں۔ایک یہ کہ رب فرماتا ہے کہ اے میرے بندو۔دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ فرمادو "اے میرے بندو"۔اس دوسری صورت میں عباد رسول اللہ مراد ہوئے یعنی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے غلام اور امتی، دوسرے معنی کو بہت سے بزرگان دین نے اختیار فرمایا مثنوی شریف میں فرماتے ہیں:

بندہ خود خواند احمد درر شاد جملہ را بخواں قل یا عباد

حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے سارے عالم کو اپنا بندہ فرمایا۔قرآن میں پڑھ لو قل یا عباد۔حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ سارے دیوبند اکابرین کے پیرومرشد ہیں، نے لکھا ہے: "چونکہ آنحضرت اواصل بہ حق ہیں۔عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "قُلْ يَاعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللهِ ﴿الزمر ۵۳﴾ مرجع ضمیر متکلم آں حضرت ﷺ ہیں۔[2] ترجمہ مولوی اشرف علی تھانوی "قُلْ يَاعِبَادِيَ الَّذِينَ الآية" آپ کہہ دو کہ میرے بندو"۔

ازالۃ الحنفاء میں شاہ ولی اللہ صاحب بحوالہ الریاض النضرۃ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برسر منبر خطبہ میں فرمایا: قد کنت مع رسول اللہ ﷺ فکنت عبدہ و خادمہ۔یعنی "میں حضور ﷺ کے ساتھ تھا۔پس میں آپ کا بندہ اور خادم تھا"

مثنوی شریف میں وہ واقعہ نقل فرمایا۔جب کہ حضرت صدیق اکبر حضرت بلال کو خرید کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں لائے (رضی اللہ عنہما) تو عرض کیا:

گفت ما دو بندگان کوئے تو کردمش آزاد ہم بر روئے تو

عرض کیا کہ ہم دونوں آپ کی بارگاہ کے بندے ہیں۔میں ان کو آپ کی خاطر آزاد کرتا ہوں۔

صاحب درمختار خطبہ درمختار میں اپنا شجرہ علمی بیان فرماتے ہیں: فانی ارویہ عن شیخنا الشیخ عبد النبی الخلیلی "میں اس کو اپنے شیخ عبد النبی خلیلی سے روایت کرتا ہوں"[3]

معلوم ہوا کہ صاحب درمختار کے استاد کا نام عبد النبی تھا۔مرثیہ رشید احمد گنگوہی میں مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی نے لکھا ہے۔

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

جس سے معلوم ہوا کہ مولوی رشید احمد صاحب کے کالے بندے بھی یوسف ثانی کہلاتے ہیں۔غرض کہ عبد کی نسبت غیر خدا کی طرف قرآن وحدیث و اقوال فقہاء اور اقوال مخالفین سے ثابت ہے عرب والے عام طور پر کہتے ہیں عبید یحرّ، شاعر کہتا ہے الواھب الماء تتہ الھجان و عبدہ۔

رشید احمد گنگوہی کے نانا "فرید بخش" اور دادا "پیر بخش بن غلام حسین بن غلام علی" ہیں۔[4]

قاسم نانوتوی صاحب کے دادا "غلام شاہ بن محمد بخش"، اور دادا کا بھائی "خواجہ بخش" ہے۔[5]

وحید الزمان غیر مقلد وہابی لکھتا ہے: عبد الحسین، عبد النبی نام شرک نہیں۔غلام علی، غلام محی الدین، اور غلام غوث نام رکھنا حدیث کی رُو سے بلا

---

[1] (پ ۲۴، ۵۳:۳۹)

[2] (شمائم امدادیہ، ص ۱۳)

[3] (درمختار علی حاشیہ کشف الاستار ص ۳ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان)

[4] (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۳)

[5] (سوانح قاسمی ج ۱ ص ۲۵)

کراہیت جائز ہے۔[1]

اے وہابیو! بتاؤ، کیا رشید احمد گنگوہی کے آباؤ اجداد مشرک تھے یا نہیں۔ اور اگر تھے تو مشرک کی اولاد حلالی ہے یا حرامی؟

کتاب "الصارم المسلول علی من انکر التسمیة بعبد النبی و عبد الرسول" تالیف الامام فقیہ المحدث الشیخ محمد عابد السندھی، الانصاری رئیس العلماء المدینۃ المنورۃ فی عصرہ۔ اگر کوئی یہ پڑھ لے گا تو ان شاء اللہ تعالیٰ تمام شکوک وشبہات ختم ہو جائیں گے۔

(۸۸) ﴿باب نمبر اٹھاسی نماز عید کے بعد مصافحہ کرنے کا بیان﴾

بعض علماء عید کی نماز کے بعد ایک مسلمان کا خلوص ومحبت کے ساتھ اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کرنے یا گلے ملنے کو حرام، ناجائز اور بدعت کہتے ہیں۔ حالانکہ مصافحہ اور معانقہ جناب رسول اللہ ﷺ کے فعل سے ثابت ہے۔ اور حضور ﷺ کے فعل یا قول کو حرام ناجائز یا بدعت کہنے والے کے ایمان کو خطرہ ہے۔ ایسے لوگ اسلام سے خارج ہیں اس کے برعکس کلبوں اور ثقافتی میلوں میں نیم عریاں ڈانس اور مردوں اور عورتوں کے گلے مل کر ناچنے کے خلاف ان نام نہاد علماء نے کبھی نہ تو شور مچایا، نہ اعتراض کیا، نہ اسے حرام اور ناجائز کہا۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ ان کا مقصد دین کی خدمت یا مسلمانوں کی اصلاح کرنا نہیں ہے بلکہ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا اور شر فساد پیدا کرنا ہے۔

عید کے دن مصافحہ کرنا اہلسنت والجماعت کا طریقہ ہے۔ یہ حرام نہیں۔ فتاویٰ کاملیہ میں لکھا ہے: سئلت عن المصافحة یوم العید و الجمعة ما حکمه؟ فالجواب ان حکمها الاستحباب قال ﷺ من صافح اخاه المسلم و حرک یده تناثرت ذنوبه اه من الهدایة وروی الحافظ السیوطی فی الجامع الصغیر عن ابی داؤد عن البراء اذا التقی المسلمان فصافحا و حمدالله و استغفروا غفر لهما وروی ایضا فیه عن الحکیم عن عمر ص اذا التقی المسلمان فسلم احدهما علی صاحبه کان احبّهما الی الله احسنهما بشرا بصاحبه و اذا تصافحا انزل الله علیهما مائة رحمة للبادی تسعون و للمصافح عشرة و فی شرح العینی علی الهدایة قال النبی ﷺ ان المؤمن اذا لقی المؤمن فسلم علیه و اخذ بیده فصافحه تناثرت خطایاهما کما یتناثر ورق الشجر۔[2]

اذکار نووی میں بھی مصافحہ کو سنت لکھا ہے: کقوله و فی الشامی کما افاده النووی فی اذکاره حیث قال اعلم ان المصافحة مستحبة عند کل لقاء و اما ما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلوة الصبح و العصر فلا اصل له فی الشرع علی هذا الوجه و لکن لا بأس به فان اصل المصافحة سنة و کونهم حافظوا علیها فی بعض الاحوال و فرطوا فی کثیر من الاحوال او اکثرها لا یخرج ذلک البعض عن کونه من المصافحة التی ورد الشرع باصلها۔[3]

خلاصہ یہ ہے کہ اصل مصافحہ سنت ہے اور وقت کی خصوصیت بدعت حسنہ ہے۔[4]

و فی الجامع الصغیر فی استقبال المصحف تشبیه باهل الکتاب و لکن تشبیههم لا یکره فی کل فعل فانا ناکل و نشرب کما یاکلون و یشربون و انما یکون الشبیه مکروها فی ما کان مذموما و فی قطب الارشاد ص ۲۸۰ و اما المصافحة المتعارفة فی یوم العید بعد الصلوة فمباح الی مستحب۔ مصافحہ سنت ہے اور اس کا ثواب تواتر سے ثابت ہے اور احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی

---

[1] (ہدیۃ المہدی ج ۱ ص ۳۷)

[2] (رواہ الطبرانی والبیہقی کذا فی فتاوی کاملیہ ص ۲۶۲، شرنبلالی ص ۱۴۲)

[3] (شامی ص ۲۶۶، ج ۵، کذا فی الطحطاوی)

[4] (غایت الاوطار ترجمہ درمختار، ص ۲۱۸، ج ۴، کذا فی الطحطاوی ص ۲۸۹)

ہے۔ایک حدیث یہ ہے کہ جس نے مسلمان بھائی سے مصافحہ کیااور ہاتھ کو حرکت دی اس کے تمام گناہ گر جائینگے۔جتنی بار ملاقات ہو ہر بار مصافحہ کرنا مستحب ہے۔مصافحہ کے مطلق جواز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز فجر یا عصر کے بعد جو اکثر جگہ مصافحہ کرنے کا مسلمانوں میں رواج ہے یہ بھی جائز ہے اور بعض کتابوں میں جو اس کو بدعت کہا گیا ہے اس سے مراد بدعت حسنہ ہے۔[1]

فتاوی شامی ہے۔

وقال المحقق ابن أمير حاج :بل الأشبه أنها جائزة مستحبة في الجملة ثم ساق آثارا بأسانيد صحيحة عن الصحابة في فعل ذلك ثم قال :والمتعامل في البلاد الشامية والمصرية عيد مبارك عليك ونحوه وقال يمكن أن يلحق بذلك في المشروعية والاستحباب لما بينهما من التلازم فإن من قبلت طاعته في زمان كان ذلك الزمان عليه مباركا على أنه قد ورد الدعاء بالبركة في أمور شتى فيؤخذ منه استحباب الدعاء بها هنا أيضا. اهـ.

(رد المحتار على الدر المختار ج ۲ ص ۱۶۹ کتاب الصلوۃ باب العیدین مطلب یطلق المستحب علی السنۃ وبالعکس)

شعب الایمان للبیہقی میں ہے۔

عن أدهم مولى عمر بن عبد العزيز قال كنا نقول لعمر بن عبد العزيز في العيدين تقبل الله منا ومنك يا أمير المؤمنين فيرد علينا ولا ينكر ذلك علينا۔ (شعب الایمان للبیہقی باب فی الصیام فی لیلۃ العیدین ویومہا ج ۳ ص ۳۴۵ رقم ۳۴۴۶)

غنیۃ الاوطار میں ہے : جس طرح فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا جائز ہے، اسی طرح باقی نمازوں کے بعد بھی جائز ہے۔کیونکہ اصل مصافحہ کرنا جائز ہے۔تو جس وقت بھی کیا جائے، تو جائز ہے۔جب تک شریعت مطہرہ میں ممانعت نہ آئی ہو، **والتهنية يتقبل الله منا ومنكم لا تنكر رد المحتار**۔اور مستحب ہے کہ اس لفظ سے مبارکباد دی جائے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ کی عبادت قبول فرمائے اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔یعنی اس طرح مبارکباد دینا جائز ہے۔[2]

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح میں ہے

والتهنئة بقوله تقبل الله منا ومنكم لا تنكر بل مستحبة لورود الأثر بها كما رواه الحافظ ابن حجر عن تحفة عيد الأضحى لأبي القاسم المستملي بسند حسن۔

وكان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا التقوا يوم العيد يقول بعضهم لبعض تقبل الله منا ومنكم قال وأخرجه الطبراني أيضا في الدعاء بسند قوي اه قال والمتعامل به في البلاد الشامية والمصرية قول الرجل لصاحبه عيد مبارك عليك ونحوه ويمكن أن يلحق هذا اللفظ بذلك في الجواز الحسن واستحبابه لما بينهما من التلازم اه وكذا تطلب المصافحة فهي سنة عقب الصلاة كلها وعند كل لقي۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح ص ۲۸۹)

صوبہ سرحد (خیبر پختونخواہ) کے مشہور عالم استاذِ کل علماء دیوبند کے مولوی عبدالہادی شاہ منصوری تسہیل المشکوۃ میں باب المصافحہ میں لکھتے ہیں :**قوله قال نعم آه هذا دليل سنيتها عند اللقاء اما بعد الصلوة مثلا فلا اصل له ولكن لا باس بها فهي بدعة مباحة كما قال النووي واعلم من هذا ان المصافحة في يوم العيدين من هذا القبيل جائزة لا باس بها على ان فيها اظهار المحبة فباعتبار الغاية حسنها الناس والاعتبار للغاية**

---

[1] (درمختار، ردالمحتار)

[2] (غنیۃ الاوطار ج ۱ ص ۳۸۵)

وفی ترکھا ترک المحبة والتباغض بین الناس کما ھو ظاھر فی ھذا الزمان فالحاصل ان فعلھا حسن وفی ترکھا قبح فھی جائزة لا خیر فی منعھا کما ان تقبیل ید الغیر لاظھار المحبة وتعظیمه جائز وبغیر ھذا الوجه لا یجوز۔[1]

اگر کوئی زیادہ تحقیق چاہے تو "الادلة الواضحه لاستنان المصافحه" للعلامة الأجل مولانا الحاج شائستة گل قادری المعروف مته باباجی صاحب رحمه اللہ۔ کا مطالعہ فرمائیں۔ تمام شکوک وشبہات ختم ہو جائیں گے۔

(۸۹) ﴿باب نمبر نواسی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تنقیص اور جرح کرنے کی مذمت کے بیان میں﴾

بعض علماء صحابہ کرام پر تنقیص اور جرح کرتے ہیں۔ حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جرح کرنے والے زندیق ہیں۔

امام ابوزرعہ عبید اللہ بن عبد الکریم الرازی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۲۶۴ھ) کا یہ ارشاد بہت سے اکابر نے نقل کیا ہے: اذا رأیت الرجل ینتقص احدا من اصحاب رسول اللہ ﷺ فاعلم انه زندیق وذلک ان القرآن والرسول حق وما جاء به حق وما ادّی ذلک الینا الا الصحابة فمن جرحھم انما اراد ابطال الکتاب والسنة فیکون الجرح به الیق والحکم علیه بالزندقة والضلال اقوم واحق۔[2]

"جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہ میں سے کسی کی تنقیص کرتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ ہمارے نزدیک برحق ہیں اور قرآن کریم برحق ہے۔ جو تعلیمات آپ ﷺ لے کر آئے وہ برحق ہیں اور یہ سب چیزیں ہم تک پہنچانے والے صحابہ رضی اللہ عنہ کے سوا کوئی نہیں، تو جو شخص ان کو مجروح کرتا ہے، وہ کتاب وسنت کو باطل کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا خود اس کو مجروح کرنا زیادہ مناسب ہے اور اس پر گمراہی اور زندقہ کا حکم لگانا زیادہ قرین حق وانصاف ہے۔"

(۹۰) ﴿باب نمبر نوے انبیاء کرام علیہم السلام اور فرشتوں کو حالت بیداری میں دیکھنے کا بیان﴾

بعض علماء رسول کریم ﷺ انبیاء کرام اور ملائکہ کے حالت بیداری میں رؤیت سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ رب العزت کے دوست یعنی اولیاء اللہ بحالتِ بیداری، انبیاء کرام اور ملائکہ کی زیارت سے مشرف ہوتے رہتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے قرآن مجید حضور اکرم ﷺ سے پڑھا:

وان سئلتنی عن الخبر الصدق فانی تلمیذ القرآن العظیم بلا واسطة کما انی اویسی لروح حضرة الرسالة ﷺ۔

"اگر سچ پوچھو تو میں نے روح نبی اکرم ﷺ سے بلا واسطہ قرآن مجید پڑھا جیسے فیض باطنی حاصل کیا۔"[3]

مزید تفصیل کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی فیوض الحرمین اور تفہیمات الٰہیہ ملاحظہ ہوں۔

دیوبند مسلک کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے: حضرت شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ بھی ان لوگوں میں سے تھے جن کو حضور ﷺ کی زیارت ہوتی تھی۔ ان کو حضور ﷺ کی رویت بیداری میں بھی ہوتی تھی۔[4]

علماء دیوبند کے شیخ الحدیث اور معتمد عالم مولوی انور شاہ کشمیری صاحب، فیض الباری میں لکھتے ہیں: "کہ آیا آپ ﷺ کو بیداری میں دیکھا جا سکتا

---

[1] (تسہیل المشکوۃ ص ۸۳)

[2] (مقدمة العواصم من القواصم ص ۴۳)

[3] (الفوز الکبیر ص ۴۷)

[4] (الکلام الحسن ج ۲ ص ۱۷۵، افاضات یومیہ ج ۷ ص ۱۲۲)

ہے یا نہیں؟ لکھتے ہیں :

ویمکن عندی رویته ﷺ یقظة لمن رزقه الله سبحانه کما نقل عن السیوطی رحمه الله انه راه ﷺ اثنین وعشرین مرة"

میرے نزدیک آپ ﷺ کو عالم بیداری میں دیکھنا ان حضرات کیلئے جن کو اللہ تعالیٰ اس نعمت سے مشرف فرمائے جائز ہے۔ جیسا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ آپ نے حضور ﷺ کو بائیس مرتبہ دیکھا ہے۔[1]

دوسری جگہ لکھتے ہیں : والشعرانی رحمه الله تعالیٰ ایضا کتب انه راه ﷺ وقرا علیه البخاری فالرؤیة یقظة متحققة وانکارها جهل"

یعنی "امام شعرانی قدس سرہ نے لکھا کہ آپ نے حضور ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ کے سامنے بخاری شریف پڑھی پس آپ ﷺ کا بیداری میں دیدار کرنا حق اور ثابت ہے اور اس کا انکار جہالت ہے۔"[2]

سبحان اللہ! یہ ہے اکابر علماء دیوبند کا عقیدہ کہ بیداری میں آپ ﷺ کا دیدار کرنا ثابت اور اس کا انکار جہالت ہے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (جن کی عظمت شان فیض الباری کے حوالہ سے بیان کی گئی) فرماتے ہیں : قال البارزی : وقد سمع من جماعة من الاولیاء فی زماننا وقبله انهم راؤ النبی ﷺ فی الیقظة حیا بعد وفاته وقال الشیخ عبد القادر الکیلانی رأیت رسول الله ﷺ قبل الظهر الخ۔ وقال الشیخ ابو العباس المرسی والله ما صافحت بکفی هذه الا رسول الله ﷺ وقال لو حجب عنی رسول الله ﷺ طرفة عین ما عددت نفسی من المسلمین۔

"امام بارزی فرماتے ہیں : اور آپ نے ماقبل اور اپنے زمانے کے اولیاء کی جماعت سے سنا کہ انہوں نے آپ ﷺ کو بعد الوفات بیداری میں زندہ دیکھا ہے۔ شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو ظہر سے پہلے دیکھا۔ شیخ ابو العباس المرسی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاتھ سے بغیر آپ ﷺ کے کسی سے مصافحہ نہیں کیا۔ اور اگر آپ ﷺ مجھ سے ایک لمحہ بھی غائب ہو جائیں تو میں اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتا۔"[3]

سبحان اللہ! یہ ہیں اکابر علماء دین اولیاء اللہ کا مذہب کہ ہر وقت آپ ﷺ کے ساتھ رابطہ رہتا ہے۔ نظروں سے غائب نہیں ہوتے۔ اب علماء دیوبند کی بھی سنیں کہ ان کا عقیدہ اس بارے میں کیا ہے۔

شیخ الکل حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ فرماتے ہیں : "رہا اعتقاد کہ مجلس مولد میں حضور پرنور ﷺ رونق افروز ہوتے ہیں، اس اعتقاد کو کفر و شرک کہنا حد سے بڑھنا ہے۔ کیونکہ یہ امر ممکن عقلاً و نقلاً بلکہ بعض مقامات پر اس کا وقوع بھی ہوتا ہے۔"[4]

آگے فرماتے ہیں: [5]

مشرف کر کے دیدار مبارک سے مجھ کو یک دم
میرے غم دین و دنیا کے بھلاؤ یا رسول اللہ

دیوبند مسلک کے حکیم الامت علامہ تھانوی صاحب حاجی صاحب کا قول نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں : "اگر میلاد میں احتمال تشریف آوری کا کیا جائے تو

---

[1] (فیض الباری ص ۲۰۴، ج ۱)

[2] (فیض الباری ص ۲۰۴، ج ۱)

[3] (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۳۱۱)

[4] (کلیات امدادیہ ص ۷۹)

[5] (کلیات امدادیہ ص ۲۰۶)

مضائقہ نہیں، کیونکہ عالم خلق مقید بزمان ومکان ہے،لیکن عالم امر دونوں سے پاک ہے۔پس قدم رنجہ فرمانا ذات بابرکات کا بعید نہیں۔"[1]

اشرف السوانح میں لکھا ہے : "تھانوی جی کے پردادا قتل کے بعد اپنے گھر واپس آتے تھے اور اپنی بیوی کو مٹھائی بھی لا کر دیتے تھے۔"[2]

اگر ہم یہ عقیدہ حضور اکرم ﷺ اور اولیاء اللہ کے بارے میں رکھیں تو یہ کفر وشرک کہلاتا ہے اور یہ خود اپنے نانا دادا کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھتے ہیں۔یہ عجیب انصاف ہے ان لوگوں کا۔

حضرت مولانا بادشاہ گل صاحب بخاری مہتمم و بانی جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک اپنے رسالہ زیارۃ القبور میں لکھتے ہیں : "ایک دن شیخ عبد القادر جیلانی سید الاولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ظہر سے پہلے جناب رسول اللہ ﷺ کو بیداری میں دیکھا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ بیٹے کیوں لوگوں سے بولتے نہیں۔حضرت سید الاولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ابا جان میں عجمی ہوں اور یہ سب مجمع فصحاء بلغاء بغداد کا ہے،تو میں کس طرح ان کے سامنے آزادی اور بے تکلفی سے بیان کروں۔جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اچھا منہ کو قریب کر کے کھولو،فرماتے ہیں کہ میں نے منہ کو کھول کر پیش کیا تو جناب رسول اللہ ﷺ نے سات مرتبہ تف تف فرما کر میرے منہ میں لعاب مبارک کا حصہ ڈال کر مشرف فرمایا اور ارشاد فرمانے لگے کہ لوگوں سے خطاب کرو اور نہایت حکمت عملی اور پسندیدہ مواعظ سے دین کی طرف لوگوں کو بلائیں۔"

"اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بھی ایک موقعہ پر اپنے دیدار پر انوار سے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز کو عالم بیداری میں مشرف فرمایا۔آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ظہر کی نماز کے بعد وعظ کی غرض سے بیٹھ کر بولنے لگا مگر لوگوں کی کثرت کی وجہ سے کچھ پریشانی جیسی محسوس ہوئی۔یک دم دیکھتا ہوں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سامنے تشریف فرما ہیں۔مجھے فرمانے لگے اے بیٹے کیا بات ہے، بولتے نہیں۔میں نے عرض کیا کہ ابا جان! کچھ پریشانی محسوس کرتا ہوں۔فرمانے لگے اچھا منہ کو کھولدو۔میں نے منہ کو کھولدیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھ مرتبہ اپنی لعاب میں سے کچھ حصہ تف تف کر کے عنایت فرمایا۔میں نے عرض کیا کہ حضرت سات مرتبہ پوری فرمادیں۔حضرت نے فرمایا کہ نہیں،ادبا مع رسول اللہ ﷺ،چونکہ جناب رسول اللہ ﷺ سات مرتبہ مہربانی فرما چکے ہیں تو میں چھ مرتبہ کروں گا تا کہ برابری سے بے ادبی نہ ہوجائے۔"[3]

"علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "والحکایات فی ذلک عن اولیاء اللہ کثیرۃ جدا ولا ینکر ذلک الا معاند او محروم" یعنی اس باب میں اولیاء اللہ سے بہت حکایات منقول ہیں جس کا انکار سوائے معاند یا اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص سے محروم کے نہیں کرتا۔[4]

(۹۱) ﴿باب نمبر اکیانوے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت کا بیان﴾

بعض علماء حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر فضیلت سے انکار کرتے ہیں حالانکہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ مبارک فرماتے ہیں : لا اجد احدًا فضلنی علیٰ ابی بکرٍ و عمر الا جلدتہ حدّ المفتری۔

---

[1] (امداد المشتاق ص ۵۴)

[2] (اشرف السوانح ج ۱ ص ۱۵)

[3] (زیارۃ القبور ص ۶۵،۶۶)(روح المعانی مطبوعہ مکتبہ حقانیہ ملتان، ج ۱۱، سورۃ الاحزاب ص ۵۱، تفسیر آیات ۴۱ تا ۴۳)

[4] (زیارۃ القبور ص ۶۶)

یعنی میں جسے پاؤں گا کہ مجھے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے افضل کہتا ہے، اسے الزام تراشی کی سزا کے طور پر اسّی کوڑے ماروں گا۔[1]

عن علیٍ رضی اللہ عنہ قال خیر النّاس بعد رسول اللہ ﷺ ابو بکرٍ و خیر النّاس بعد ابی بکرٍ عمر یعنی حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد سب سے افضل عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔[2]

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے افضل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔[3]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں : **کنّا معاشر اصحاب رسول اللہ ﷺ و نحن متوافرون نقول افضل ھٰذہ الامّۃ بعد نبیّنا ابو بکر ثم عمر ثم عثمان رواہ ابن عساکر۔**

یعنی ہم صحابہ رسول کا گروہ اور ہم وافر تعداد میں ہوتے تھے، کہا کرتے تھے کہ اس امت میں ہمارے نبی ﷺ کے بعد سب سے افضل ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ۔[4]

نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں اجماع کی ضرورت نہیں ہوتی تھی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا کسی مسئلہ پر متفق ہونا منع تھا۔ یہی وجہ ہے کہ علماء اہل سنت نے اس حدیث میں مذکور اجماع کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : **قولہ ﷺ کنّا نخیر تصریح علی الاجماع** یعنی اس حدیث کے الفاظ کنا نخیر میں اجماع پر تصریح موجود ہے۔[5]

امام اہل سنت علیہ الرحمۃ نے الفصل الاول فی الاجماع کا عنوان قائم کر کے سب سے پہلے اسی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کو نقل فرمایا ہے۔[6]

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں : **وعنہ قال اجتمع المھاجرون و الانصار علیٰ ان خیر ھٰذہ الامّۃ بعد نبیھا ابو بکر و عمر و عثمان** یعنی تمام مہاجرین اور انصار کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے بہتر ابوبکر ہیں اور عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم۔[7]

امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : **افضل النّاس بعد رسول اللہ ﷺ ابو بکر الصّدیق رضی اللہ عنہ ثم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ثم عثمان بن عفّان رضی اللہ عنہ ثم علیّ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ** یعنی رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل ابوبکر ہیں پھر عمر پھر عثمان پھر علی رضی اللہ عنہ۔[8]

امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اہل سنت کی علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ شیخین کو افضل مانا جائے اور ختنین سے محبت کی جائے۔ گویا یہ مسئلہ امام صاحب کے نزدیک قطعی ہے اسی لئے اس کا منکر سنیت کی علامت کھو بیٹھتا ہے۔ حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں : **فی کلامہ دلالۃ علیٰ**

---

[1] (دار القطنی، صواعق محرقہ ص ۶۰)

[2] (ابن ماجہ حدیث رقم ۰۶، مسند احمد حدیث رقم ۸۳۶)

[3] (بخاری حدیث رقم ۳۶۹۷، ابوداؤد حدیث رقم ۴۶۲۷)

[4] (مرام الکلام ص ۴۶ از علامہ پرہاروی علیہ الرحمہ)

[5] (مراحم الکلام ص ۴۶)

[6] (مطلع القمرین قلمی ص ۶۷)

[7] (مرقاۃ جلد ۱۱ ص ۳۳۴)

[8] (فقہ اکبر مع شرح ص ۶۱، ۶۲)

انّ من فضل علیا علی الشّیخین فھو خارج من اھل السنّۃ و الجماعۃ یعنی امام صاحب کے کلام میں اس بات پر دلالت موجود ہے کہ جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل کہا وہ اہل سنت سے خارج ہے۔[1]

تمام علماء وصوفیاء اہلسنت کا اجماع :

امام شرف الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :اتّفق اھل السّنّۃ انّ افضلھم ابو بکر ثم عمر یعنی اس پر اہل سنت کا اتفاق ہے کہ صحابہ میں سب سے افضل ابو بکر ہیں پھر عمر رضی اللہ عنہ۔[2]

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

اجمع اھل السنۃ ان افضل الناس بعد رسول اللہ ﷺ ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علیؓ ثم سائر العشرۃ ثم باقی اھل البدر ثم باقی اھل احد ثم باقی اھل البیعۃ ثم باقی الصحابۃ، ھٰکذا حکی الاجماع علیہ ابو منصور البغدادی۔

یعنی اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام لوگوں میں افضل ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ، پھر عثمان رضی اللہ عنہ پھر علی رضی اللہ عنہ، پھر باقی عشرہ مبشرہ پھر باقی اہل البدر، پھر باقی اہل احد پھر باقی اہل بیعت ، پھر باقی صحابہ رضی اللہ عنہم۔ابو منصور بغدادی نے بھی اسی ترتیب پر اجماع نقل کیا ہے۔[3]

حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں :ھو افضل الاولیآء من الاوّلین و الاخرین و قد حکی الاجماع علیٰ ذٰلک و لا عبرۃ بمخالفۃ الروافض ھنالک یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اگلے پچھلے تمام اولیاء سے افضل ہیں، اس پر اجماع ہے۔اور اس کی مخالفت کرنے والے رافضی ہیں۔ان کی مخالفت کا یہاں کوئی اعتبار نہیں۔[4]

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو افضل نہ ماننے والا رافضی ہے اور اس کا عقیدہ خبیث ہے۔[5]

امام ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :وفی الروافض انّ من فضل علیاً علیٰ الثلاثۃ فمبتدع یعنی روافض کے بارے میں یہ حکم ہے کہ جس نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تین خلفاء پر فضیلت دی تو وہ بدعتی ہے۔[6]

اس عبارت میں ایسے تفضیلیوں کو رافضی کہا گیا ہے۔تبیین الحقائق میں بھی یہی عبارت ہے :وفی الروافض انّ من فضل علیاً علیٰ الثلاثۃ فمبتدع۔[7]

امام سید ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :انّ رافضی اذا کان یسبّ الشیخین و یلعنھما فھو کافر و ان کان یفضل علیا علیھما فھو مبتدع یعنی رافضی اگر شیخین کو گالی دیتا ہو اور ان پر لعنت بھیجتا ہو تو کافر ہے۔اور اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شیخین پر فضیلت دیتا ہو تو بدعتی ہے۔

---

[1] (الطریقۃ الاحمدیہ فی حقیقۃ القطع بالافضلیہ ص ۶)

[2] (شرح نووی ج ۲ ص ۲۷۲)

[3] (تاریخ الخلفاء ص ۳۷)

[4] (شرح فقہ اکبر ص ۶۱)

[5] (الحاوی للفتاویٰ ج ۱ ص ۳۱۸)

[6] (فتح القدیر ج ۱ ص ۳۶۰)

[7] (تبیین الحقائق ج ۱ ص ۱۳۵)

(۹۲)﴿باب نمبر بیانوے داڑھی کے وجوب کا بیان﴾

بعض علماء وجوبِ لحیہ یعنی قبضہ (ایک مٹھی) داڑھی رکھنے سے انکار کرتے ہیں حالانکہ قرآن واحادیث میں داڑھی کی اہمیت کے علاوہ آئمہ عظّام فقہاء کرام کا اجماع ہے کہ داڑھی قبضہ (مٹھی) بھر واجب ہے۔اس کے آگے بڑھانا مباح اور کم کرنا گناہِ کبیرہ اور مونڈھوانا مثلہ (عضو کا کاٹنا) یعنی خود کو عیب دار کرنا ہے۔

قرآن مجید میں ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا "لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي (طٰہٰ ۹۴) میری داڑھی نہ پکڑ"۔

فائدہ :اخذ یعنی پکڑنا دلالت کرتا ہے کہ داڑھی خشخشی فیشنی نہیں بلکہ مٹھی میں آنے والی تھی۔

تمام انبیاء کرام علیہم السلام، جتنے پیغمبران عظام علیہم السلام گزرے ہیں سب کی داڑھی تھی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے : عشر من الفطرة قص الشارب و اعفاء اللحية الخ "یعنی دس چیزیں فطرت سے ہیں : (۱) مونچھوں کا کٹوانا، (۲) داڑھی کا بڑھانا، (۳) مسواک کرنا، وغیرہ۔ یہ حدیث واضح طور پر بتا رہی ہے کہ بارگاہِ خداوندی عزّوجلّ کے خاص مقرّبین انبیاء اور مرسلین علیہم السلام کے شعار میں سے مونچھوں کا کتروانا اور داڑھی کا بڑھانا ہے۔کیونکہ فطرت اِن ہی امور کو اس جگہ کہا گیا ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام کے شعار میں سے تھے۔جیسا کہ بعض روایات میں بجائے "فطرت" کے "سنن المرسلین" اور اس کا ہم معنیٰ لفظ موجود ہے۔[۲]

دیگر تفصیلی احادیث علامہ محمد الحامد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسالہ "حكم اللحية في الاسلام" ملحقه مختصر القدوري مع حلّه المسمىٰ التوضيح الضروري مع اضافات مفيده مطبوعه "المعراج کمپنی" ملاحظہ کیجئے۔

داڑھی ایک مشت رکھنا واجب ہے،اس سے کم کرنا ناجائز اور حرام ہے۔محقق علی الاطلاق شیخ ابن ہمام جن کا درجہ آئمہ مجتہدین کے قریب ہے وہ فتح القدیر شرح ہدایہ صفحہ ۲۷۰ جلد ۲ میں لکھتے ہیں :

واما الاخذ منها وهي دون ذالک كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه احد و اخذ كلّها فعل اليهود ى و الهنود ى و المجوسى و الاعاجم (در) و التشبه بهم حرام۔[۳]

یعنی ایک قبضہ سے کم داڑھی کے کترنے کو جیسے کہ بعض مغربی عیسائی اور ہیجڑے کرتے ہیں،کسی نے بھی جائز نہیں کہا۔اور ساری کا کترنا یا مونڈھنا تو یہودیوں، ہندوؤں اور عجمیوں و مجوسیوں کا فعل ہے (درمختار) اور ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرنی مسلمانوں کے لئے حرام ہے۔[۴]

مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے : وقيل حرام لانه مثلة۔۔قصّ اللحية من صنع الاعاجم وهو اليوم شعار كثير من المشركين كالافرنج و الهنود و من لا خلاق له فى الدّين من طائفة القلندرية۔[۵]

ترجمہ :اور کہا گیا کہ داڑھی مونڈھوانا حرام ہے کیونکہ یہ مُثلہ میں داخل ہے۔۔اور داڑھی کا کتروانا اور چھوٹا کرنا عجمیوں کا کام تھا۔اور ان دنوں یہ کام

---

[۱] (فتاویٰ شامی ج ۳ ص ۳۲۱)

[۲] (ابوداؤد ص ۸)

[۳] (طحطاوی)

[۴] (طحطاوی)

[۵] (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴ باب السواک فصل اول مطبوعہ امدادیہ ملتان)

مشرکین کی علامت بن گیا ہے۔جیسا کہ فرنگی اور ہندو اور ان لوگوں کا جن کا دین میں کوئی حصہ نہیں۔جنہیں قلندریہ کہتے ہیں۔

داڑھی ایک مشت سے زیادہ لمبی بھی نہیں کرنی چاہیئے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ جس نے اپنی داڑھی ایک مُٹھی سے زائد رکھی ہوئی تھی اور وہ بہت بڑھی ہوئی تھی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو پکڑ کر کھینچنے لگے اور فرمایا قینچی لاؤ، پھر ایک شخص کو حکم دیا جس نے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کے نیچے سے بال کاٹ دیئے تاکہ مٹھی کے برابر ہو جائے۔[1]

الحمدللہ اس سنّت پر ہمارے مرشد قیّوم الزّمان مجدّد عصر حاضر حضرت خواجہ سیف الرحمن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عمل پیرا تھے۔اگر کسی کی شلوار لمبی ہوتی تھی تو اس کو بھی کٹوا دیتے،اور اگر کسی کی داڑھی ایک مشت سے زیادہ لمبی ہوتی،تو اسی وقت ایک مشت تک کٹوا دیتے تھے۔

اور درمختار اور شامی میں بھی زائد از قبضہ کے کاٹنے کو واجب کہا ہے۔عبارت یہ ہے : **ویحرم علی الرجل قطع لحیة وصرح فی النهایة بوجوب قطع مازاد علیٰ القبضة وهو فعل النبی ﷺ کما رواه الترمذی فی جامعه انه ﷺ کان یاخذ من اللحیة من طولها وعرضها۔**

الکواکب فی حلق الشوارب میں لکھا ہے جو کہ ہماری تالیف ہے

مردوں کیلئے داڑھی رکھنا واجب ہے اور اسکی مقدار شرعی ایک قبضہ یعنی ایک مشت ہے داڑھی رکھنا تمام انبیاء علیہم السلام کی متفقہ سنت مستمرہ ہے۔اسلامی اور قومی شعار ہے شرافت و بزرگی کی علامت ہے چھوٹے بڑے میں فرق و امتیاز کرنے والی ہے۔اسی سے مردانہ شکل کی تکمیل اور صورت نورانی ہوتی ہے آنحضرت ﷺ کا دائمی عمل ہے حضور ﷺ نے اسے فطرت سے تعبیر فرمایا ہے اور آپ ﷺ نے اپنی امت کو داڑھی رکھنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے۔لہٰذا داڑھی رکھنا واجب اور ضروری ہے منڈانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اس پر امت کا اجماع ہے۔حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

حلق کردن لحیہ حرام است۔داڑھی منڈانا حرام ہے۔[2]

داڑھی مونڈنا منڈانا ممنوع ہے۔[3]

مرد کیلئے داڑھی مونڈنا حرام ہے۔[4]

مردوں کیلئے داڑھی کٹانا حلال نہیں۔[5]

اسی لیے مرد پر داڑھی کا مونڈنا حرام ہے۔[6]

نہ داڑھی کا منڈانا جائز ہے نہ اکھیڑنا اور نہ ہی کٹانا جائز ہے۔

داڑھی کا کٹانا جب کہ وہ قبضہ سے کم ہو جائے یہ کسی کے نزدیک جائز نہیں۔[7]

---

[1] (عینی شرح بخاری،ص ۲۷۸،ج ۱۰)

[2] (اشعۃ اللمعات)

[3] (شرح شفا)

[4] (فتح العین از لمعۃ الضحیٰ)

[5] (دجیز کردری از لمعۃ الضحیٰ)

[6] (درمختار)

[7] (دردغرر از لمعۃ الضحیٰ)

داڑھی کٹانا یہ عجمیوں کی روش تھی لیکن اس زمانہ میں بہت سے مشرکوں انگریزوں ہندوؤں اور ان لوگوں کی روش ہے جن کا دین میں حصہ نہیں ہے۔[1]

آخر زمانہ میں ایسی قومیں ہوں گی جو داڑھیاں کٹائیں گی۔ان کا دین میں اور آخرت میں حصہ نہیں ہے۔[2]

اے مسلمان! داڑھی منڈوانے سے معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کی دل شکنی ہوتی ہے حضور ﷺ ناراض ہوتے ہیں۔

وعَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :" خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ :وَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ " وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ، إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ، فَمَا فَضَلَ أَخَذَهُ۔[3]

یعنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مشرکین کی مخالفت کرو۔داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھوں کو کٹاؤ۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جب کبھی حج یا عمرہ کرتے تھے تو داڑھی کو مٹھی میں پکڑ لیا کرتے تھے۔بس جو مٹھی سے زیادہ ہوتی اسکو کتروا دیتے۔

علامہ محمود خطاب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اسی وجہ سے تمام ائمہ مجتہدین جیسے امام ابوحنیفہ،امام مالک،امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ علیہم وغیرہ کے نزدیک داڑھی منڈانا حرام ہے۔[4]

مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے: داڑھی رکھنا واجب ہے منڈانا کٹانا ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے۔لقوله عليه السلام خالفوا المشركين اوفروا اللحىٰ متفق عليه وفى الدر المختار يحرم على الرجل قطع لحيته والسنة فيها القبضه۔

آپ ﷺ نے فرمایا مشرکین کی مخالفت کرو داڑھیاں بڑھاؤ۔الدر المختار میں ہے کہ مرد کیلئے داڑھی کاٹنا حرام ہے اور سنت ایک مشت داڑھی ہے۔[5]

داڑھی کا فلسفہ اور اسکے رکھنے کا حکم:

مسلم قوم ایک مستقل وممتاز ملت ہے جو تمام اقوام وملل سے بالکل علیحدہ فطرت سلیمہ کی حامل ومالک ہے اللہ نے اسکو اقوام عالم پر شاہد وعادل بنا کر بھیجا ہے۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔

ہم نے تم کو ایک ایسی امت بنایا ہے جو نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم لوگوں پر شاہد ہو اور تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ شاہد ہوں۔[6]

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔

---

[1] (از لمعۃ الضحیٰ)

[2] (سیدنا کعب رضی اللہ عنہ از لمعۃ الضحیٰ)

[3] (بخاری ص ۸۷۵ ج ۲)

[4] (المفصل ص ۱۸۶ ج افتاوی رحیمیہ ص ۲۴۵ ج ۶)

[5] (امداد الفتاوی ص ۲۲۳ ج ۴)

[6] (البقرۃ ۱۴۳)

تم لوگ بہترین امت ہو جو لوگوں کیلئے ظاہر کی گئی ہے۔[1]

لیکن افسوس کہ یہ قوم اپنی دینی ومذہبی خصوصیات کو تو عرصہ ہوا کھو چکی تھی آج اپنی تمدنی ومعاشرتی امتیازات کو بھی فنا کرتی جارہی ہے۔رسم ورواج میں ہنود کی اتباع اور تمدن ومعاشرت میں اہل مغرب (انگریزوں) کی تقلید مسلمان کے رگ وریشہ میں سرایت کرتی جارہی ہے۔

آج جبکہ دنیا کی ہر قوم اپنی زندگی اور اپنی قومی وملی خصوصیت کے بقاء وتحفظ کیلئے سرگرم عمل نظر آرہی ہے۔لیکن مسلمان اپنی قومی وملی خصوصیت وامتیازات کو فرنگیت کے بھینٹ چڑھا کر ان ہی میں جذب ہوتی جارہی ہے۔

یاللعجب، کل جو قوم اقوام عالم کیلئے جاذب ومصلح تھی،(مقتداء ورہنماء تھی،ہر قوم اسلام کے دامن میں پناہ کی متلاشی تھی)

وہ آج کس سرعت کے ساتھ دوسروں میں جذب ہوتی جارہی ہے۔اور دوسروں کی نقالی ہی کو معیار ترقی خیال کیا جاتا ہے،حالانکہ اہل بصیرت کے نزدیک یہ انتہائی تنزل وانحطاط اور قومیت کیلئے زہر ہلاہل سے کم نہیں۔

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی

کہ ایں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

میں ڈرتا ہوں کہ تم کعبے تک نہیں پہنچو گے اے شخص کیونکہ جس راستے پر تم جارہے ہو وہ ترکستان کی طرف جاتا ہے۔

داڑھی اسلام کے اہم شعار میں سے ہے،بلکہ انسانی وفطری اصول سے خواص رجولیت میں سے ہے لیکن افسوس سب سے زیادہ مسلمان ہی اسکی صفائی کے درپے ہیں اور اس طور سے قومی وملی امتیاز سے قطع نظر فطرت وانسانیت کیلئے بھی مضحکہ خیزی کا ذریعہ بن رہی ہے،اس لئے جب داڑھی اسلام کا شعار ہے،اور داڑھی کٹوانا یا منڈانا،اور مونچھوں کا بڑھانا یہود ونصاریٰ اور مشرکین کا شعار ہے،آپ ﷺ نے اپنی امت کو داڑھی رکھ کر اس شعار کی حفاظت کا اور دوسری اقوام کی مخالفت کا حکم فرمایا ہے،

چنانچہ صحیح بخاری ومسلم میں ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :"خَالِفُوا المُشْرِكِينَ :وَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :مشرکین کی مخالفت کرو،(وہ مونچھیں بڑھاتے ہیں اور داڑھی کٹاتے ہیں) تم داڑھی بڑھاؤ اور مونچھوں کو منڈاؤ۔[2]

مرزا بیدل کا واقعہ:

ہندوستان میں مرزا بیدل نامی ایک شاعر تھا اس نے جناب نبی کریم ﷺ کی شان میں فارسی میں نعتیہ قصیدہ کہا۔

اس سے ایک ایرانی بہت ہی متاثر ہوا کہ یہ کتنا بڑا عاشق رسول ﷺ ہوگا۔لہٰذا اس شاعر کی زیارت کا شوق ہوا اس غرض سے ایران سے سفر کر کے ہندوستان پہنچے جب ان کے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ نائی کی دوکان میں داڑھی منڈوا رہے ہیں۔اس ایرانی شخص کو بہت افسوس اور دکھ پہنچا۔اس نے تعجب سے کہا کہ ''آغا ریش می تراشی؟''یعنی جناب داڑھی منڈوا رہے ہیں؟

---

[1] (آل عمران ۱۱۰)

[2] (صحیح بخاری،کتاب اللباس،با اعفاء اللحی،ج،۲،ص،۸۷۵،کراچی،ج،۱۰،ص،۳۵۱،رقم الحدیث ۵۸۹۳:،وصحیح مسلم،کتاب الطہارۃ،ج،۱،ص،۱۲۹،کراچی،ج،۱،ص،۲۲۲،رقم ۵۲:،۲۵۹،وابوداؤد فی السنن،ج،۴،ص،۴۱۳،رقم ۹ :۴۱۹،والترمذی فی السنن،ج،۵،ص،۸۸،رقم ۳۷۶۳ :،والنسائی فی السنن،ج،۸،ص،۱۸۱،رقم ۵۲۲۶:،واحمد فی المسند،ج،۲،ص،۵۲،ومشکوۃ المصابیح،کتاب اللباس،باب الترجل،ص،۳۸۰،مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

شاعر نے جواب میں کہا کہ ''بلے ولکن دل کسے نمی خراشم'' یعنی جی داڑھی منڈوا رہا ہوں لیکن کسی کا دل نہیں دکھاتا ہوں۔ (یعنی کسی کا دل دکھانا بہت بڑا گناہ ہے اس سے بچتا ہوں)

ایرانی مسافر نے برجستہ کہا کہ ''آرے دل رسولِ خدا می خراشی'' یعنی بلکہ تم رسولِ خدا ﷺ کے دل کو دکھا رہے ہو۔ تب جا کر شاعر کی آنکھیں کھلیں اور قالاً یا حالاً کہا:

جزاک اللہ چشمم باز کردی مرا با جان جاناں ہمراز کردی

یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ نے میری آنکھیں کھول دیں اور مجھے جان جاناں (رسول اللہ ﷺ) سے ملا دیا (پہنچا دیا)، یعنی یقیناً داڑھی منڈانا اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس سے سید الکونین ﷺ کو زندگی میں تکلیف پہنچتی تھی اور وفات کے بعد بھی تکلیف پہنچے گی۔ جس کا مجھے اس سے قبل اندازہ نہیں تھا، آج آپ نے میری اس طرف رہنمائی کی اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے اور اسی وقت سے داڑھی رکھ لی۔

داڑھی منڈوانے والا ہر حال میں گناہ گار ہے

مولوی محمد زکریا سہارن پوری نے کہا ہے: مجھے ایسے لوگوں کو دیکھ کر یہ خیال آتا ہے کہ موت کا کوئی وقت مقرر نہیں اور اس حالت میں اگر موت واقع ہوئی تو قبر میں سب سے پہلے سید الرسل ﷺ کے چہرہ انور کی زیارت ہوگی تو کس منہ سے چہرہ انور کا سامنا کریں گے؟ اس کے ساتھ ہی بارہا یہ خیال بھی آتا ہے کہ گناہ کبیرہ زنا، لواطت، شراب نوشی، سود خوری وغیرہ تو بہت سے ہیں مگر سب وقتی ہیں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن (الحدیث) یعنی کوئی زنا نہیں کرتا اس حالت میں کہ وہ مؤمن ہو۔ مشائخ نے اس حدیث کا مطلب یہ لکھا ہے کہ زنا کے وقت ایمان کا نور اس سے جدا ہو جاتا ہے لیکن زنا کے بعد وہ نور ایمانی جو ہر وقت اسکے ساتھ رہتا ہے نماز پڑھتا ہے تو بھی یہ گناہ ساتھ ہے روزہ کی حالت میں، حج کی حالت میں غرضیکہ ہر عبادت کے وقت یہ گناہ اس کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ (داڑھی کا وجوب)

گناہ بے لذت

یہ اتنا عظیم گناہ ہونے کے باوجود بالکل بے لذت ہے۔ شراب وغیرہ میں تو وقتی لذت ہے، لیکن داڑھی منڈانے کے گناہِ کبیرہ میں کوئی لذت بھی نہیں ہے، اس میں وقت کا ضیاع ہے حالانکہ مسلمان کا وقت بہت قیمتی ہوتا ہے مسلمان وقت کا کوئی حصہ بیکار ضائع نہیں کرتا ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے وقت کا جو حصہ بغیر یاد الٰہی کے گزر جائے وہ قیامت کے روز حسرت و ندامت کا سبب بنے گا کیونکہ داڑھی منڈانے میں جو وقت ضائع ہو رہا ہے وہ خالص گناہ کے کام میں ضائع ہو رہا ہے۔

اور اس میں مال کو ضائع کرنا ہے اس لئے داڑھی خود مونڈے یا منڈوائے بہر حال مال کا بہت بڑا حصہ اس میں خرچ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اپنے آپ کو تکلیف پہنچاتا ہے، کبھی چمڑا چھیل گیا کبھی کھال کٹ گئی اور طرح طرح کی اپنے جسم کو بھی بلا ضرورت تکلیف پہنچانا یہ ایک مستقل گناہ ہے۔

لہٰذا عقل مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ اس قبیح فعل کو چھوڑ دیا جائے۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ انھکوا الشوارب واعفوا اللحی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا مونچھیں منڈاؤ اور داڑھی بڑھاؤ۔[1]

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ جزوا الشوارب وارخوا اللحی خالفوا المجوس۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم مونچھیں منڈاؤ اور داڑھیاں بڑھنے دو، آتش پرستوں کا

---

[1] (شعب الایمان، ج۵، ص۲۱۹، رقم ۶۴۳۰: دار الکتب العلمیہ بیروت، صحیح بخاری، ج۲، ص۸۷۵، نور محمد کراچی)

خلاف کرو۔[1]

ان روایات کے مثل اور بہت سی روایات کتب حدیث میں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مشرکین اور مجوس داڑھی منڈاتے تھے اور مونچھیں بڑھاتے تھے جیسا کہ آجکل عیسائی اور ہندو قوم کر رہی ہے۔تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنے شعار کی حفاظت کریں،ایک مٹھی کی مقدار داڑھی رکھے،اسکو ہرگز کم نہ کرے اور مونچھوں کو کٹوائے۔درمختار کتاب الصوم میں ہے کہ

وَأَمَّا الْأَخْذُ مِنْهَا وَهِيَ دُونَ ذَلِكَ كَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ الْمَغَارِبَةِ، وَمُخَنَّثَةُ الرِّجَالِ فَلَمْ يُبِحْهُ أَحَدٌ اهـ مُلَخَّصًا۔

داڑھی کو مٹھی سے کم کرنا جیسا کہ بعض اہل مغرب اور ہیجڑے کرتے ہیں اس کو کسی نے بھی جائز نہیں کہا اور ان کے ساتھ تشبہ حرام ہے۔[2]

عن عبداللہ عمر قال: ذکر رسول اللہ ﷺ المجوس فقال: انھم یوفون سبالھم ویحلقون لحاھم فخالفوھم۔ قال: فکان ابن عمر یستعرض سبلتہ فیجزھا کما تجز الشاۃ او یجز البعیر۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجوسیوں کا ذکر کیا اور فرمایا: وہ لوگ اپنی مونچھیں بڑھاتے ہیں،اور داڑھیاں منڈواتے ہیں،تم لوگ ان کی مخالفت کرو،لہٰذا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی مونچھوں کے کناروں کو پکڑتے تھے اور ان کو ایسے مونڈتے تھے جیسے بکری کو مونڈتے ہیں یا اونٹ کو مونڈتے ہیں۔

(رواہ الطبرانی فی الاوسط،رقم ۱۰۵۱:،وابن حبان،رقم ۵۴۷۶:،وابونعیم فی الحلیۃ،ج،۳،ص،۹۴،السنن الکبری للبیہقی بکتاب الطہارۃ،ج،۱،ص،۳۱۹،رقم ۶۹۶ :،دارالحدیث القاہرۃ،وشعب الایمان،ج،۵،ص،۲۲۲،رقم ۶۴۴۸:،دارالکتب العلمیہ بیروت)

ایک مشت سے زائد داڑھی کو کتروانا:

مٹھی سے زیادہ داڑھی کو کتروانا جائز ہے۔

والقصر سنۃ فیھا وھو ان یقبض الرجل لحیتہ فان زاد منھا علی قبضۃ قطعہ کذا ذکر محمد رحمہ اللہ۔

جب کوئی شخص اپنی داڑھی کو مٹھی میں لے لے اور وہ مٹھی سے زائد (لمبی) ہو تو اس زائد حصے کو کاٹنا جائز ہے اور یہ سنت ہے۔(عالمگیری ص ۲۳۹ ج ۴)

داڑھی تینوں جانب سے ایک مٹھی ہو:

ہر جانب سے ایک مٹھی ہونا ضروری ہے یعنی ٹھوڑی کے نیچے سے مٹھی پکڑ کر زائد کو کاٹے اسی طرح دونوں جانب سے بھی مٹھی بھر ہونا ضروری ہے۔

داڑھی کہاں سے شروع ہوتی ہے.:

کنپٹی کے نیچے جو ہڈی ابھری ہوئی ہے یہاں سے داڑھی شروع ہے اس سے اوپر سر کا حصہ ہے۔پس سر کی حد تک منڈانا درست ہے۔داڑھی کی حد سے درست نہیں۔

داڑھی کے نام کی تحقیق اور چہرہ پر داڑھی کی حدود اربعہ:

داڑھی کو عربی میں،،اللحیۃ،،اور پشتو میں گیرہ کہتے ہیں جس کی جمع عربی میں،،اللحیٰ،،آتی ہے۔قرآن وسنت میں داڑھی کے بارے میں،،اللحیۃ،،اور جمع

---

[1] (شعب الایمان،ج،۵،ص،۲۱۹،رقم ۶۴۳۲:،دارالکتب العلمیہ بیروت،صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ،ج،۱،۱۲۹،مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی،مسند احمد بن حنبل،ج،۲،ص،۳۶۲،مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

[2] (درمختار کتاب الصوم،ج ۲ ص ۴۱۸ وفتح القدیر) والتشبہ بہم حرام۔(الطحطاوی)

کیلئے،،اللحیٰ،،کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں،یہ احادیث پہلے ذکر کی جاچکی ہیں۔(اور،،اللحیٰ،،لام پر پیش اور زیر دونوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَ لَا بِرَأْسِي إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَ لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ﴿۹۴ سورۃ طه﴾

(کہا اے میرے ماں جائے نہ میری داڑھی پکڑو اور نہ میرے سر کے بال مجھے یہ ڈر ہوا کہ تم کہو گے تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور تم نے میری بات کا انتظار نہ کیا۔)،عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ عشر من الفطرة قص الشارب و اعفاء اللحية اھ۔) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :دس چیزیں انبیاء علیہم السلام کی سنت ہیں:(۱)مونچھیں (جڑ سے) کاٹنا،(۲) داڑھی بڑھانا،(۳)مسواک کرنا،(۴)ناک میں پانی ڈالنا،(۵)ناخن کاٹنا،(۶)جوڑوں کو دھونا،(۷)بغلوں کے بال نوچنا،(۸)زیرِناف بال مونڈنا،(۹)اور پانی سے استنجاء کرنا،(۱۰)مصعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دسویں چیز میں بھول گیا،الا یہ کہ وہ کلی کرنا ہو۔

اور عربی لغت میں،،لحی،،اور،،لحی،،(یعنی لام کے زبر اور زیر کے ساتھ) منہ کی اس ہڈی یا جبڑے کو کہا جاتا ہے،جس پر دانت اگتے ہیں۔

(اللحیان:العظمان فیھما منابت الاسنان (المحیط فی اللغۃ،مادۃ،،لحی،،حرف الحاء) قال اللیث:اللحیان العظمان اللذان فیھما الاسنان من کل ذی لحی (تہذیب اللغۃ،مادۃ،،لحی،،باب الحاء واللام) اللحیان:العظمان اللذان فیہما منابت الأسنان من کل ذی لحی،والجمیع:ألح واللحا مقصور۔واللحاء ممدود:

اللحیان:ان دونوں ہڈیوں (جبڑوں) کو کہتے ہیں جن پر دانت نکلتے ہیں۔لیث نے کہا،اللحیان:وہ دو ہڈیاں (جبڑے) ہیں جن پر ہر جبڑے والے کے دانت نکلتے ہیں لحیۃ کی جمع الح،لحیٰ اور لحآء ہے۔[1]

اور جس ہڈی پر دانت اگتے ہیں،وہ انسانی چہرے میں دو قسم کی ہڈیاں ہیں،ایک اوپر کی ہڈی،جس کو اوپر کا جبڑا بھی کہا جاتا ہے،اور ایک نیچے کی ہڈی،جس کو نیچے کا جبڑا بھی کہا جاتا ہے۔نیچے کی ہڈی یا جبڑے کو عربی زبان میں ،،الفک الاسفل ،،یا،،الفک السفلیٰ،،اور انگریزی میں MANDIBLE کہا جاتا ہے،اور اس کے مقابلے میں اوپر کی ہڈی یا جبڑے کو عربی زبان میں ،،الفک الاعلیٰ ،،یا،،الفک العلوی،،اور انگریزی زبان میں MAXILLA کہا جاتا ہے۔(کمپوزر ڈاکٹر محمد افضل سیفی)

کئی احادیث میں منہ کے دونوں جبڑوں یا دانت اگنے والی دونوں ہڈیوں کیلئے،،لحیین،،کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

چنانچہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَ مَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الجَنَّةَ۔[2]

ترجمہ:جو میرے لئے دونوں جبڑوں کے درمیان کی چیز(یعنی زبان)اور دونوں پاؤں(رانوں) کے درمیان کی چیز(یعنی شرمگاہ کی حفاظت) کی ضمانت دے،تو میں اس کیلئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔

اس طرح کی احادیث میں ''لحیین'' یا ''لحییہ'' کے الفاظ سے منہ میں اوپر نیچے کے دونوں جبڑے یا وہ دونوں ہڈیاں مراد ہیں،جن پر دانت اگتے ہیں۔

(لَحْيَيْهِ) :بِفَتْحِ اللَّامِ مَنْبَتُ الْأَسْنَانِ،أَيْ :مَنْ يَكْفُلُ لِي مُحَافَظَةَ مَا بَيْنَهُمَا مِنَ اللِّسَانِ وَ الْفَمِ عَنْ تَقْبِيحِ الْكَلَامِ وَ أَكْلِ الْحَرَامِ۔

ترجمہ:لام کے زبر کے ساتھ لحییہ کا معنی ہے دانت اگنے کی جگہ (داڑھ) مراد یہ کہ جو مجھے زبان اور منہ کی قبیح کلام اور حرام خوری سے بچانے کی

---

[1] (کتاب العین لخلیل بن احمد،ج ۳ ص ۲۹۶،۲۹۷،مادۃ،،لحی،،باب الحاء واللام)

[2] (بخاری،باب حفظ اللسان،ج ۸ ص ۱۰۰)

ضمانت دے گا۔[1]

اوراو پر، نیچے کے ان دونوں جبڑوں یا دانت اگنے والی دونوں ہڈیوں کو عربی میں ،،لحیین ،، کے علاوہ ،، فکّین ،، بھی کہا جاتا ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔[2]

اوراسی مناسبت سے اس ہڈی پر اگنے والے بالوں کو عربی زبان میں ،،لحیۃ ،، اور اردو زبان میں ،، داڑھی ،، کہا جاتا ہے۔

(وَاللَّحْيُ مَنْبِتُ اللِّحْيَةِ مِنْ الْإِنْسَانِ وَغَيْرِهِ وَالنِّسْبَةُ إلَيْهِ لَحَوِيٌّ، وَهُمَا لِحْيَانِ وَثَلَاثَةُ أَلْحٍ عَلَى أَفْعِلَ إلَّا إنَّهُمْ كَسَرُوا الْحَاءَ لِتَسْلَمَ الْيَاءُ وَالْكَثِيرُ لُحِيٌّ عَلَى فُعُولٍ وَفِي الْمُغْرِبِ اللَّحْيُ الْعَظْمُ الَّذِي عَلَيْهِ الْأَسْنَانُ.[1]

اللحیٰ ،انسان وغیرہ کی داڑھی کے اگنے (نکلنے) کی جگہ کو کہتے ہیں۔جب اس لفظ کی طرف نسبت کریں گے تو ''لحوی'' (داڑھی والا) کہا جائے گا۔اس کی تثنیہ ''لحیان'' اور جمع ''الح'' بروزن ''افعل'' آتی ہے؟لیکن علماء نے ''حا'' کو کسرہ دیا تا کہ ''یاء'' کے ساتھ مناسبت آجائے۔لفظ ''لحیۃ'' کی جمع کثرت ''لحیی'' بروزن ''فعول'' آتی ہے۔''مغرب'' (لغت کی کتاب میں ہے کہ ''اللحی'' اس کو ہڈی کو کہتے ہیں جس پر دانت نکلتے ہیں۔)[2]

داڑھی اوراس کی مقدار اطباء وحکماء کی نظر میں

اب تک داڑھی کے شرعی پہلو کے اعتبار سے بحث کی گئی ہے، اور اگر طبی پہلو سے غور کیا جائے تو طبی اعتبار سے بھی داڑھی کی افادیت اوراس کے منڈانے کا ضرر اور نقصان طے شدہ ہے۔

چنانچہ قدیم طب میں تو یہ بات پہلے ہی طے شدہ تھی کہ داڑھی مرد کے لئے زینت اور گردن وسینہ کے لئے بڑھی محافظ ہے، مگر بعد کے تحقیق دانوں کی تحقیق سے بھی معلوم ہوا کہ داڑھی صحت کے لئے انتہائی مفید چیز ہے، اوراس کو منڈانے سے صحت پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔

چنانچہ ماہرین کی رائے ہے کہ:

داڑھی کے موجود ہونے سے مضر جراثیم حلق اور سینے میں پہنچنے سے رکے رہتے ہیں۔

اوراس کے برعکس متعدد ماہرین کی رائے کے مطابق داڑھی منڈانے سے مردانہ قوت میں کمی واقع ہوجاتی ہے۔

اوراسی وجہ سے ان کا کہنا ہے کہ اگر سات نسلوں تک داڑھی منڈانے کی عادت قائم رہے تو آٹھویں نسل بغیر ڈاڑھی کے پیدا ہوتی ہے۔

داڑھی مونڈنے سے دماغ پر برا اثر پڑتا ہے اور دماغ کمزور ہوجاتا ہے اور دیگر کئی دماغی بیماریاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔

داڑھی منڈانے سے پھیپھڑوں کی متعدد بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

داڑھی کو بار بار مونڈنے سے آنکھوں کی رگوں پر برا اثر پڑتا ہے اور نظر کمزور ہوجاتی ہے۔

اور اگر داڑھی کو ایک مٹھی ہونے کے بعد بھی نہ کاٹا جائے اوراس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو داڑھی کے بالوں کا اوپر والا حصہ پتلا ہوتا چلا جاتا ہے جس کے نتیجے میں سر میں اثر پیدا ہوتا ہے اوراس کی وجہ سے عقل اور دماغ میں فتور اور کمزوری پیدا ہوجاتی ہے۔

حکماء وعقلاء نے بھی داڑھی کے متعلق شریعت کی معتدل تعلیم کو عقل ونظر میں انتہائی اہمیت کا حامل قرار دیا ہے۔

حافظ جمال الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن جوزی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''اخبار الحمقی و المغفلین'' میں غیر معتدل، طویل داڑھی کو جو شرعی مقدار سے زائد ہو، حماقت کی علامت میں شمار کیا ہے اوراس سلسلے میں حکماء واہل بصیرت کے اقوال اوراحوال پیش فرمائے ہیں۔ چنانچہ وہ

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح، ج ۷ باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم)

[2] (الفکان): اللحیان (المعرب فی ترتیب المعرب، ص ۳۶۵، باب الفاء مع الکاف)

[3] (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، باب ارکان الطہارۃ).

فرماتے ہیں:

و من العلامات التی لا تخطیء طول اللحیة فان صاحبها لا یخلو من الحمق و قد روی انه مکتوب فی التوراة ان اللحیة مخرجها من الدماغ فمن افرط علیه طولها قل دماغه و من قل دماغه قل عقله و من قل عقله کان احمق۔

قال بعض الحکماء سماد اللحیة فمن طالت لحیته کثر حمقه۔

ترجمہ: اور حماقت کی ان علامات میں سے جو کبھی غلط ثابت نہیں ہوسکتیں، ایک علامت داڑھی کا غیر ضروری لمبا ہونا ہے، اس لئے کہ داڑھی کا مخرج دماغ ہے تو جو شخص اس کی لمبائی میں افراط وغلو کرے گا، تو اس کا دماغ کم ہو جائے گا، اور جس کا دماغ کم ہوگا، اس کی عقل کم ہو جائے گی۔ اور جس کی عقل کم ہوگی تو وہ احمق ہوگا۔ بعض حکماء کا قول ہے کہ داڑھی کا لمبا ہونا حماقت ہے، پس جس کی داڑھی جتنی لمبی ہوگی اس کی حماقت اتنی ہی زیادہ ہوگی۔[1]

نیز فرماتے ہیں: **و قال اصحاب الفراسة اذا کان الرجل طویل القامة و اللحیة فاحکم علیه بالحمق و اذا انصاف الی ذٰلک ان یکون رأسه صغیرا فلا تشک فیه۔**

و قال بعض الحکماء موضع العقل الدماغ و طریق الروح الانف و معضع الرعونة طویل اللحیة۔

و عن سعد بن منصور انه قال قلت لابن ادریس أرأیت سلام بن ابی حفصة قال نعم رأیته طویل اللحیة و کان احمق۔

و عن ابن سیرین انه قال اذا رأیت الرجل طویل اللحیة فاعلم ذالک فی عقله۔

قال زیاد ابن ربیة ما زادت لحیة رجل علی قبضته الا کان ما زاد فیها نقصا من عقله۔

ترجمہ: اور اصحاب فراست کا قول ہے کہ جب آدمی کا قد لمبا ہو اور اس کی داڑھی بھی لمبی ہو تو اس پر احمق ہونے کا حکم لگا دو، اور اگر اس کے ساتھ اس کا سر بھی چھوٹا ہو تو اس کی حماقت میں کوئی شک نہیں۔

اور بعض حکماء کا قول ہے کہ عقل کی جگہ دماغ ہے اور روح کا راستہ ناک ہے، اور بے وقوفی کی جگہ لمبی داڑھی ہے۔

اور سعد بن منصور سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے ابن ادریس کو کہا کیا تم نے سلام بن ابی حفصہ کو دیکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا جی ہاں میں نے اس کو لمبی داڑھی والا دیکھا تھا اور وہ احمق تھا۔

اور حضرت ابن سیرین سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جب تم کسی لمبی داڑھی والے کو دیکھو تو آپ یہ بات جان لو کہ اس کی عقل میں کچھ کمی ہے۔

اور زیاد بن ربیہ نے فرمایا کہ جس آدمی کی بھی داڑھی ایک مٹھی سے زیادہ ہو جائے وہ جتنی بھی زیادہ ہوتی جاتی ہے اتنا ہی اس کی عقل کو کم کرتی جاتی ہے۔

اس بحث کا خلاصہ

مذکورہ حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ شریعت نے داڑھی رکھنے کا جو حکم دیا ہے اور اس میں کم از کم ایک مٹھی کی مقدار کو مقرر کر دیا ہے اور اس سے زیادہ کو ضروری یا سنت قرار نہیں دیا۔ یہ شریعت کا معتدل حکم ہر قسم کی افراط تفریط سے پاک اور طب وحکمت کے اصولوں کے بھی عین مطابق ہے۔ اور جس طرح داڑھی منڈانا طب وحکمت کے اعتبار سے نقصان دہ اور مضر ہے اسی طرح اسے ایک مٹھی کے بعد لمبا چھوڑے رکھنا بھی عقلی وطبی اصولوں کے خلاف ہے۔

اور اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اعتدال ہر چیز میں مفید اور نفع بخش ہوتا ہے اور افراط وتفریط مضر ونقصان دہ ہوتی ہے۔ بحمد اللہ یہی حکم داڑھی

---

[1] (اخبار الحمقی و المغفلین لابن الجوزی، ص ۳۱، الباب الخامس فی ذکر صفات الاحمق)

کے بارے میں بھی کارفرما ہے۔

(۹۳)﴿باب نمبر ترانوے نورِ محمدی ﷺ کا بیان﴾

بعض علماء حضور ﷺ کی نورانیت کا انکار کرتے ہیں۔حالانکہ نبی کریم ﷺ مبارک بے مثل نور و بے مثل بشر ہیں۔اور یہ دونوں قرآن پاک سے ثابت ہیں۔

امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :انّ المراد بالنّورِ محمدٌ ﷺ یعنی بیشک نور سے مراد محمد ﷺ ہیں۔[۱]

سیّد المفسّرین سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں :قَدْ جَآءَکُم مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ رسول یعنی محمدٌ ﷺ ”بیشک آیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور یعنی رسول کریم ﷺ“۔[۲]

علّامہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :قَدْ جَآءَکُم مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ ھو النّبیّ ﷺ۔ یعنی بے شک آیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور وہ نور نبی پاک احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں۔[۳]

امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :قَدْ جَآءَکُم مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ یعنی بِالنّورِ محمّدًا ﷺ الّذی انار اللہ بہ الحقّ و اظھر بہ الاسلام و محق بہ الشّرک فھو نورٌ لمن استنار بہ یبیّن الحقّ۔

”بے شک آگیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور یعنی نور سے مراد محمد مصطفی ﷺ ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے حق کو روشن فرمایا اور جن کی طفیل اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور آپ کی جلوہ نمائی سے ہی اسلام غالب ہوا۔آپ ﷺ کے صدقہ سے شرک کو مٹایا گیا۔تو آپ ﷺ نور ہیں جن کے ساتھ روشنی ہوئی اور حق ظاہر ہوا۔“

امام علاؤ الدین علی بن محمد الخازن علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :قَدْ جَآءَکُم مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ یعنی محمدًا ﷺ انّما سمّاہ اللہ نورًا لانّہ یھتدیٰ بہ کما یھتدیٰ بِالنّورِ فی الظّلام۔ ”بیشک آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور یعنی محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک ﷺ کا اسم مبارک نور اس لئے رکھا کیونکہ جس طرح نور سے اندھیروں میں ہدایت پائی جاتی ہے،اسی طرح آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کی نورانیت سے راہ ہدایت پائی جاتی ہے۔[۴]

امام عبدالرحمن بیضاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :قَدْ جَآءَکُم مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ یرید بالنّور محمّدًا ﷺ۔ یعنی ”نور سے مراد سرکارِ دو عالم محمد رسول اللہ ﷺ ہیں“۔[۵]

امام ابو محمد الحسین الفراء البغوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :قَدْ جَآءَکُم مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ یعنی محمدً ﷺ۔ ”بے شک آیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور یعنی حضرت محمد مصطفی ﷺ“۔[۶]

امام محمود آلوسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :قَدْ جَآءَکُم مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ ای عظیمٌ و ھو نور الانوار و النّبیّ المختار ﷺ۔ یعنی بیشک آگیا تمہارے

---

[۱] (تفسیر کبیر ص ۳۹۵ ج ۳ مطبوعہ مصر)

[۲] (تفسیر ابن عباس ص ۷۲، مطبوعہ مصر)

[۳] (تفسیر جلالین ص ۹۷)

[۴] (تفسیر خازن ص ۴۴۷، ج ۱ مطبوعہ مصر)

[۵] (تفسیر بیضاوی ص ۹۲)

[۶] (تفسیر معالم التنزیل ج ۲ ص ۲۳، برحاشیہ تفسیر خازن)

پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور جو کہ عظیم نور ہے۔ اور وہ نور الانوار نبی مختار محمد مصطفی ﷺ کی ذات والا صفات ہے۔ [1]

امام احمد الصاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں : قَدْ جَآءَکُم مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وھو النبیّ ﷺ وسمّی نورًا لانّہ ینوّر البصائر ویھدیھا للارشاد ولانّہ اصل کلّ نورٍ حسّیٍّ ومعنویٍّ۔ یعنی بے شک آگیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور وہ نور نبی اکرم ﷺ ہی ہیں۔ آپ کا اسم شریف نور اس لئے رکھا گیا کہ آپ دلوں کو نورِ بصیرت بخشتے ہیں اور ان کو ارشاد فرما کر ہدایت دیتے ہیں۔ کیونکہ آپ ہر حسّی اور معنوی نور کی اصل اور بنیاد ہیں۔ [2]

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں : قَدْ جَآءَکُم مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ یعنی محمّدًا ﷺ او الاسلام۔

''بیشک آگیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور یعنی محمد ﷺ یا اسلام''۔ [3]

سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کا عقیدہ

سید المرسلین خاتم النبیّین محمّد مصطفی علیہ التحیۃ والثناء نے ارشاد فرمایا ہے : اوّل ما خلق اللہ نوری۔ یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو شے پیدا فرمائی وہ میرا نور تھا۔ [4]

جلیل القدر صحابی حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آقائے نامدار مدنی تاجدار ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے سب اشیاء سے پہلے کس شے کو پیدا فرمایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : یا جابرٓ انّ اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیآء نور نبیّک من نورہٖ ''اے جابر اللہ تعالیٰ نے بے شک سب اشیاء سے پہلے تیرے نبی ﷺ کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا''۔ [5]

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا : رسول اللہ ﷺ نے صوم وصال سے منع فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حضور! بیشک آپ ﷺ صوم وصال رکھتے ہیں۔ فرمایا : بیشک میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔ بیشک میں کھلایا جاتا ہوں اور پلایا جاتا ہوں۔ [6]

ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے سنا نبی ﷺ سے آپ ﷺ نے فرمایا : وصلی روزہ نہ رکھو، تم سے جس کا ارادہ ہو وصلی روزہ رکھنے کا تو سحری تک رکھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا : یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ وصلی روزہ رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بے شک میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ میں رات گزارتا ہوں، میرا کھلانے والا مجھے کھلا دیتا ہے۔ اور مجھے پلانے والا مجھے پلا دیتا ہے۔ [7]

عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وصلی روزہ سے منع فرمایا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ وصلی روزہ رکھتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا بے شک میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ میں کھلایا پلایا جاتا ہوں۔ [8]

---

[1] (تفسیر روح المعانی ص ۹۷، ج ۱)

[2] (تفسیر صاوی ج ۱ ص ۲۷۵)

[3] (تفسیر مظہری ص ۶۷ ج ۳ مطبوعہ دہلی)

[4] (تفسیر نیشاپوری ص ۵۵ ج ۸، تفسیر عرائس البیان ص ۲۳۸، ج ۱، تفسیر روح البیان ص ۵۴۸ ج ۱، زرقانی شریف ص ۳۷ ج ۱، امداد النبوت فارسی ص ۲، جواہر البحار، بیان المیلاد النبوی ص ۲۴، مطالع المسرات ص ۷۲، شرح قصیدہ امالی ص ۳۵، فتاویٰ رشیدیہ، اخبار الحدیث امرتسر ص ۱۶۶ اپریل ۱۹۰۹ء، عطر الوردہ ص ۲۴، تفسیر حسینی ص ۱۴)

[5] (مصنّف عبد الرزاق، مواہب اللدنیہ ص ۹، زرقانی شریف ص ۴۶ ج ۱، سیرت حلبیہ ص ۳۷ ج ۱، مطالع المسرات ص ۲۱۰، حجۃ اللہ علی العالمین ص ۲۸، انوار المحمدیہ ص ۹، عقیدہ الشہدہ ص ۱۰۰، نشر الطیّب ص ۵، ۶، از اشرف علی تھانوی دیوبندی، فتاویٰ حدیثیہ ص ۱۵۱ از ابن حجر مکّی)

[6] (بخاری شریف ص ۲۶۳ ج ۱)

[7] (بخاری شریف ۲۶۳ ج ۱)

[8] (ابو داؤد ص ۳۲۹ ج ۱، ترمذی شریف ص ۹۷۱، مسند امام احمد ابن حنبل ص ۱۲۷، ج ۲)

حدثنا محمد بن سلام قال انا عبدة عن هشام عن ابیه عن عائشة قالت کان رسول اللہ ﷺ امرهم من الاعمال بما یطیقون قالوا انّا لسنا کهیأتک یا رسول اللہ ﷺ۔

یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان اعمال کا ارشاد فرماتے ہیں جو لوگ طاقت رکھتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کی طرح نہیں ہیں۔[1]

محمّدٌ بشرٌ لا کالبشر　　یاقوتٌ حجرٌ لا کالحجر

حضور ﷺ بشر ہیں مگر عام بشر نہیں　　یاقوت پتھر ہے مگر عام پتھر نہیں

احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے کہ مصطفی ﷺ پیدائشی ناف بریدہ اور مختون تھے۔

وقد تواترت الاخبار انّ رسول اللہ ﷺ ولد مختونًا ومسرورًا۔

اور تحقیق متواترات سے ثابت ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ ختنہ کیے گئے اور ناف بریدہ پیدا کیے گئے۔[2]

ومنها انّه ولد مختونًا مقطوع السّرّة فقد قال الحاکم به تواترت الاخبار۔

''اور ان احادیث متواترہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ ختنہ کیے ہوئے ناف بریدہ پیدا ہوئے۔ حاکم نے کہا ہے کہ اس بارے میں احادیث متواترہ ہیں۔''

وعن ابن جوزی لاشک انّه ولد مختونًا۔ رواه الطبرانی وابو الصحیح وابن عساکر اور ابن جوزی سے ہے کہ بلاشک آپ مختون پیدا ہوئے۔

عن انسٍ رفعه من کرامتی علی ربّی انی ولدت مختونا ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ مصطفی ﷺ نے فرمایا میرے رب کی طرف سے میری کرامت ہے کہ میں پیدا کیا گیا ہوں ختنہ کیا ہوا۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ختنہ کئے ہوئے ناف کٹے ہوئے پیدا ہوئے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ ﷺ ناف بریدہ اور ختنہ کئے ہوئے پیدا ہوئے۔

کیوں جناب نور مصطفی ﷺ کے منکرو! بتاؤ کوئی دنیا میں ایسا پیدا ہوا ہے جس کو ماں کے پیٹ میں ماں کے گندے خون سے خوراک نہ ملی ہو۔ صرف میرے پیارے مصطفی ﷺ ہیں جو والدہ ماجدہ کے شکم سے ہی ناف بریدہ پیدا ہوئے۔ جس سے ثابت ہوا کہ والدہ ماجدہ کے شکم مبارک میں بھی آپ ﷺ کی خوراک نور ہی رہی ہے۔ والدہ کے خون کی غذائیت سے آپ ﷺ مبرّا تھے اور پیدا ہوئے۔ مؤمن کے لئے یہ آپ ﷺ کے وجود نوری ہونے کا یقینی ثبوت ہے اور جبلّت نوری ہونے کی واضح دلیل ہے۔ اور مختون اس لئے کہ آپ ﷺ کے نوری جسم کا ٹکڑا کاٹ کر پھینکا نہ جاسکتا تھا۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ مصطفی ﷺ ظاہر و باطن میں حقیقتاً نور تھے۔

حضور ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ خصائص کبریٰ میں لکھا ہے: **اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان انّ رسول اللہ ﷺ لم یکن یرا له ظلٌ فی شمسٍ ولا قمرٍ۔**

بے شک رسول اللہ ﷺ کا سایہ سورج اور چاند میں نہیں دیکھا جاتا تھا۔

---

[1] (بخاری شریف ج ۱ ص ۷)

[2] (مستدرک ج ۲ ص ۶۰۲)

اور ابن سبع نے کہا ہے کہ مصطفی ﷺ کے خصائص میں سے ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ زمین پر واقع نہ ہوتا تھا۔ اور بیشک آپ ﷺ نور تھے۔ اور جب سورج اور چاند کی روشنی میں آپ ﷺ چلتے تو آپ ﷺ کا سایہ نہ دیکھا جاتا تھا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ مصطفی ﷺ کا فرمان اس کی شہادت دیتا ہے۔ آپ ﷺ کی دعا میں کہ: ''اے اللہ مجھے نور بنا دے۔'' [1]

شرح شفاء لعلی قاری میں لکھا ہے: کان من خصائصہ انّہ کان نورًا و کان اذا مشیٰ فی الشمس او القمر لا یظھر لہ ظلّ۔ یعنی مصطفی ﷺ کے خصائص سے ہے کہ آپ ﷺ نور تھے اور جب سورج اور چاند کی روشنی میں چلتے تو مصطفی ﷺ کا سایہ ظاہر نہ ہوتا تھا۔ [2]

و قال عثمان رضی اللہ عنہ انّ اللہ ما اوقع ظلک علی الارض لئلّا یضع انسانٌ قدمہ علیٰ ذلک ظلّ یعنی فرمایا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہ بیشک یارسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا سایہ زمین پر نہیں ڈالا تا کہ اس سایہ پر کوئی انسان قدم نہ رکھے۔ [3]

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی السرہندی ص کا عقیدہ تھا کہ حضور ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ مکتوبات شریف امام ربانی، دفتر سوم حصہ نہم، معرفت الحقائق: ۷۵ ''جب سرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام عالم ممکنات میں نہ تھے بلکہ اس عالم سے وراء تھے۔ ضرور آپ ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ اور عالم شہادت میں آدمی کا سایہ آدمی سے بہت لطیف ہوتا ہے اور جب مصطفی ﷺ سے زیادہ لطیف دنیا میں کوئی شے نہیں ہے تو مصطفی ﷺ کا سایہ کیسے ہوسکتا ہے۔''

حضور ﷺ احتلام سے مبرا تھے۔ [4]

خصائص کبریٰ میں لکھا ہے: اخرج البخاری فی التاریخ و ابن ابی شیبۃ فی المصنف و ابن سعد عن یزید ابن الاصم قال و ما تثاب النبی ﷺ قط۔

یعنی فرمایا نبی کریم ﷺ نے بالکل جمائی نہیں لی۔ [5]

انوارِ مصطفی ﷺ سے قلب ونظر، بصر و بصیرت کو منور کرنے کے بعد سایۂ مصطفی کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے کیونکہ نور اور سایہ کا اتفاق نہیں ہوسکتا، قادرِ مطلق نے سید عالم ﷺ کو جن بے شمار معجزات سے سرفراز فرمایا ہے، ان میں سے ایک عظیم الشان معجزہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کے جسمِ انور کا سایہ نہیں تھا۔ آج تک کسی ایک بھی مسلمان کا نام پڑھنے سننے میں نہیں آیا جس نے کسی بھی نبی کے کسی معجزہ کو تسلیم کرنے سے انکار کیا ہو تو پھر خیر البشر ﷺ کے کسی معجزہ سے ایماندار کے انکار کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ اکابرِ امت نے ملتِ اسلامیہ کو اس مسئلہ پر بے پناہ مواد عطا فرمایا ہے، اختصار کے پیشِ نظر یہاں چند تصریحاتِ احادیث اور محدثین ومفسرین کرام کے اقوال وارشادات پیش کئے جاتے ہیں۔ ممکن ہے منکرین کے لئے خضرِ راہ ثابت ہوں۔

حضرت امام نسفی (م ۷۰۱ھ) فرماتے ہیں: قال عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان اللہ ما اوقع ظلک علی الارض لئلا یضع انسان قدمہ علیٰ ظلک۔ [6]

---

[1] (خصائص کبریٰ ص ۶۸ ج ۱)

[2] (شرح شفاء لعلی قاری، ص ۵۰۵)

[3] (تفسیر النسفی ج ۳ ص ۱۰۳)

[4] (خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۷۰، رواہ طبرانی مواہب وزرقانی ج ۵ ص ۲۴۹، کشف الغمہ ج ۲ ص ۵۱، مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۱۱۸، تفسیر عزیزی پ ۳۰، ص ۲۱۸، حیاۃ الحیوان لدمیری ج ۲ ص ۳۸۸، سیرت رسول عربی ص ۶۴۷)

[5] (ج ۱ ص ۶۵)

[6] (تفسیر مدارک التنزیل ج ۳ ص ۱۰۳)

ترجمہ: ''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا سایہ زمین پر نہ ڈالا تا کہ کوئی انسان اس پر پاؤں نہ رکھ دے۔''

فرماتے ہیں : لم یکن للنبی ﷺ ظل و لم یقم مع الشمس قط الا غلب ضوئہ ضوء الشمس و لم یقم مع سراج قط الا غلب ضوئہ ضوء السراج۔[1]

''حضور نبی کریم ﷺ کا سایہ نہ تھا اور نہ کھڑے ہوئے آفتاب کے سامنے مگر یہ کہ آپ کا نور آفتاب کی روشنی پر غالب آ گیا۔ نہ قیام فرمایا چراغ کی ضیاء میں مگر یہ کہ آپ کے انوار نے اس کی چمک کو مغلوب کر دیا۔''

حضرت حکیم الترمذی حضرت ذکوان تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرماتے ہیں: ان رسول اللہ ﷺ لم یکن یریٰ لہ ظل فی شمس و لا قمر۔

ترجمہ : ''رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہ دھوپ میں نظر آتا اور نہ ہی چاندنی میں۔''[2]

حافظ الحدیث علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ الخصائص الکبریٰ میں ایک مستقل باب مرتب فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں : باب الاٰیۃ انہ ﷺ لم یکن لہ ظل فی شمس و لا قمر۔ اور پھر اس میں حکیم ترمذی سے حضرت ذکوان رحمہ اللہ کی حدیث نقل فرمانے کے بعد حضرتِ امام ابن سبع سے اس پر شہادت پیش فرماتے ہیں : قال ابن سبع من خصائصہ ﷺ ان ظلہ کان لا یقع علی الارض و انہ کان نورا فکان اذا مشیٰ فی الشمس او القمر لا ینظر لہ ظل۔[3]

''ابن سبع نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے خصائص کریمہ سے ہے کہ آپ ﷺ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا کیونکہ آپ ﷺ نور تھے۔ جب آپ ﷺ دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو سایہ نہیں دیکھا جاتا تھا۔''

حضرتِ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۴۴ھ) یوں ارقام پذیر ہیں :

و ما ذکر من انہ کان لا ظل لشخصہ فی شمس و لا قمر لانہ کان نورا و ان الذباب کان لا یقع علیٰ جسدہ و لا ثیاب۔[4]

''نبی کریم ﷺ کی نبوت و رسالت کی دلیلوں میں سے یہ دلیل بھی مذکور ہے کہ آپ ﷺ کے جسمِ انور کا سایہ آفتاب کی روشنی اور چاند کی چاندنی میں نہیں ہوتا تھا اس لئے کہ آپ ﷺ نور تھے اور بیشک آپ ﷺ کے جسمِ اقدس اور لباسِ اطہر پر کبھی مکھی نہ بیٹھتی تھی۔''

شارح بخاری حضرت امام احمد بن محمد قسطلانی علیہ الرحمہ (م ۹۲۳ھ) سے منقول ہے : لم یکن لہ ﷺ ظل فی شمس و لا قمر۔[5]

امام محمد زرقانی شرح میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا شمس و قمر کی روشنی اور چاندنی میں سایہ کے نہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ لانہ کان نورا اس لئے کہ حضور ﷺ نور تھے۔

شیخ حسین بن محمد دیار الکبریٰ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں : لم یقع ظلہ علی الارض و لا یریٰ لہ ظل فی شمس و لا قمر۔[6]

---

[1] (جمع الوسائل (للقاری) ج ۱ ص ۱۷۶، زرقانی علی المواہب ج ۴ ص ۲۲۰، شرح شمائل للمناوی ج ۱ ص ۴۷)

[2] (ترمذی، نوادر الاصول، زرقانی، ج ۴ ص ۲۴۰)

[3] (الخصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۶۸)

[4] (شفاء شریف ج ۱ ص ۲۴۲)

[5] (زرقانی علی المواہب ج ۴ ص ۲۲۰)

[6] (کتاب الخمیس)

''آپ ﷺ کا سایہ زمین پر واقع نہیں ہوا اور نہ سورج اور چاند کی روشنی میں دیکھا گیا۔''

حضرت امام راغب اصفہانی علیہ الرحمہ (م ۴۵۰ھ) نے یوں رقم فرمایا :روی ان النبی ﷺ کان اذا مشی لم یکن له ظل۔ ''مروی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ چلتے تو آپ ﷺ کا سایہ نہ ہوتا۔''[1]

حضرت امام شہاب الدین خفاجی مصری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۹۶ھ) تحریر فرماتے ہیں:

لا ظل لشخصه ای جسده الشریف اللطیف۔ ''حضورِ انور ﷺ کے سراپائے لطیف کا سایہ نہیں۔''

حضرتِ علامہ برہان الدین احمد حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :**انه ﷺ اذا مشی فی الشمس او فی القمر لا یکون له ظل لشخصه لانه کان نورًا۔**

''بے شک نبی کریم ﷺ جب سورج یا چاند کی روشنی میں چلتے تو آپ ﷺ کے جسم انور کا سایہ نہیں ہوتا تھا اس لئے کہ آپ ﷺ نور ہیں۔''[2]

علامہ شہاب الدین احمد بن حجر مکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: **ومما یؤید انه ﷺ صار نورا انه کان اذا مشی فی الشمس و القمر لا یظهر له ظل لانه لا یظهر الا للکثیف و هو ﷺ قد خلصه الله من سائر الکثافات الجسمانیة و صیره نورا صرفا لا یظهر له ظل اصلا۔**[3]

''نبی کریم ﷺ کے نوری ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ حضور جب چاند، سورج کی روشنی میں چلتے تو آپ ﷺ کا سایہ ظاہر نہ ہوتا تھا اس لئے کہ سایہ کثیف کا ظاہر ہوتا ہے اور حضور ﷺ کو تو اللہ تعالیٰ نے تمام کثافتوں سے پاک فرما کر آپ ﷺ کو نورِ خالص بنا دیا تھا۔ اس لئے حضور ﷺ کا سایہ بالکل ظاہر نہیں ہوتا تھا۔''[4]

میں اسی مضمون کو بالفاظِ متقاربہ علی الترتیب اس طرح لائے ہیں :**لا یظهر له ظل لم یکن له ﷺ ظل فی شمس و لا قمر لم یکن للنبی ﷺ عن ابن عباس رضی الله عنه لم یکن له ﷺ ظل۔**

اسی طرح سیرت شامی میں صاحب شامی یہی مضمون ارقام فرماتے ہیں، یوں ہی امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیر روح البیان میں اظہارِ خیال فرمایا ہے۔ سیرتِ حلبیہ ج ۲ ص ۹۴ پر امام تقی الدین سبکی کا یہ شعر بھی اسی عقیدہ پر شاہد ہے:

لقد نزه الرحمٰن ظلک ان یریٰ
علی الارض ملقی فانطویٰ لمزیة

''رحمٰن نے آپ ﷺ کے سایہ کو زمین پر واقع ہونے سے پاک فرما دیا اور پائمالی سے محفوظ رکھنے کے لئے آپ ﷺ کی عظمت و فضیلت کی بناء پر اسے لپیٹ دیا۔''

صاحب الوفاء کی یہ حقیقت افروز رباعی بھی ملاحظہ فرمائیے:

ماجر لظل احمد اذ یال
فی الارض کرامة کما قد قالوا
هٰذا عجب وکم بمن عجب

---

[1] (مفردات امام راغب ص ۳۱۷)

[2] (سیرت حلبیہ، ج ۲ ص ۴۳۲)

[3] (افضل القریٰ ص ۷۲)

[4] علامہ شیخ محمد طاہر مجمع البحار ج ۳ ص ۴۰۵، علامہ شیخ سلیمان جمل فتوحاتِ احمدیہ شرح ہمزیہ ص ۵، امام احمد مناوی شرح شمائل ج ۱ ص ۴۷، ملا علی قاری جمع الوسائل بشرح الشمائل ج ۱ ص ۱۷۶۔

والناس لظله جميعا قالوا

''حضور سید عالم ﷺ کے سایہ کا دامن بہ سبب بزرگی زمین پر نہیں کھینچا گیا، یہ بات کس قدر تعجب خیز ہے کہ تمام لوگ آپ ﷺ کے زیر سایہ آرام بھی فرماتے ہیں۔''

اس روح پرور، ایمان افروز رباعی کو علامہ خفاجی علیہ الرحمہ نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۱۹ میں بھی لائے ہیں اور پھر نتیجہ کے طور پر تحریر فرماتے ہیں: وقد نطق القرآن بانه النور المبین و کونه بشرا لاینافیه۔''اس پر قرآن کریم شاہد و ناطق ہے کہ حضور ﷺ نورِ مبین ہیں اور حضور ﷺ کا جامۂ بشریت میں ہونا سایہ نہ ہونے کے منافی نہیں۔''

امام ربانی حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ یوں ارقام پذیر ہیں : ناچار اور اسایہ نبود ۔۔۔۔۔ نیز در عالم شہادت سایۂ ہر شخص از شخص لطیف تر است و چوں لطیف تر از وے در عالم نباشد اور اسایہ چہ صورت دارد۔[1]

''بے شک نبی کریم ﷺ کا سایہ نہیں تھا کیونکہ اس جہاں میں ہر شخص کا سایہ اس سے زیادہ لطیف ہے اور نبی کریم ﷺ سے زیادہ لطیف جہان میں کچھ بھی نہیں تو پھر آپ ﷺ کے لئے سایہ کس وجہ سے ہوسکتا ہے۔''

نیز ایک اور مقام پر فرمایا : ہرگاہ محمد رسول اللہ از لطافت ظل نبود خدائے محمد چگونہ ظل باشد۔ یعنی ''جب محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے بسبب لطیف ہونے کے سایہ نہیں ہے تو محمد رسول اللہ ﷺ کے خدا کے لئے سایہ کیسے ہوسکتا ہے؟''[2]

لم یخلق الرحمٰن مثل محمد ﷺ

ابدا و علمی انه لا یخلق

''اللہ تعالیٰ نے حضرتِ محمد مصطفی ﷺ کی مثل پیدا ہی نہیں کیا اور میرا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا ہی نہیں کرے گا۔''

حضرتِ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ یوں تحریر فرماتے ہیں : ''نبود مر آنحضرت را سایہ نہ در آفتاب و نہ در قمر رواہ الحکیم الترمذی عن ذکوان فی نوادر الاصول الیٰ ان قال ونور یکے از اسمائے آنحضرت است ونور را سایہ نباشد۔''[3]

نیز دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: ''ونمی آفتاد آنحضرت را سایہ بر زمین کہ محل کثافت ونجاست است و دیدہ نہ شد اور اسایہ در آفتاب (الیٰ ان قال) چوں آنحضرت ﷺ عین نور باشد نور را سایہ نباشد۔''

آنحضرت ﷺ کے لئے سایہ نہیں تھا اس لئے کہ آپ ﷺ نور ہیں اور نور کے لئے سایہ نہیں ہوتا۔[4]

اسی طرح مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۶۱ میں ہے : ''عثمان بن عفان گفت کہ سایہ شریف تو بر زمین نمی افتد کہ مبادا بر زمین نجس افتد''۔ ''حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ حضور ﷺ کا سایہ شریف زمین پر واقع نہیں ہوتا کہ کبھی پلید زمین پر واقع نہ ہو جائے۔''

نیز معارج النبوۃ رکن چہارم ص ۱۰۰ میں حضرت ذی النورین رحمہ اللہ سے ہے : ''ذی النورین گفت بآں دلیل کہ خدائے تعالیٰ روا نمی دارد کہ سایہ تو بر زمین افتد وسبب او آنست کہ مبادا زمین نجس باشد یا آنکہ کسے پائے قدم پر سایہ تو نہد۔''

''حضرت ذوالنورین رحمہ اللہ نے عرض کی کہ خداوند تعالیٰ یہ جائز نہیں رکھتا کہ آپ ﷺ کا سایہ زمین پر واقع ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ زمین

---

[1] (مکتوبات شریف ج ۲ ص ۱۸۷)

[2] (مکتوبات شریف ج ۲ ص ۲۳۷)

[3] (مدارج النبوہ ج ۱ ص ۲۱)

[4] (مدارج النبوۃ ص ۱۱۸)

پلید ہو یا کوئی آپ ﷺ کے سایہ پر قدم رکھے۔"

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی علیہ الرحمہ اسی مضمون کو بایں الفاظ درج فرماتے ہیں : "از خصوصیاتیکہ آنحضرت ﷺ را در بدنِ مبارکش دادہ بودند کہ سایۂ ایشاں بر زمین نمے افتاد۔"[1]

"جو خصوصیتیں نبی کریم ﷺ کے بدن مبارک میں عطا کی گئی تھیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ آپ ﷺ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔"

شیخ المفسرین حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

می گویند کہ رسولِ خدارا سایہ نبود۔ [2]

"اولیائے امت فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا سایہ نہ تھا۔"

الفاضل الکامل ملا محمد معین الواعظ الکاشفی الہروی علیہ الرحمہ یوں رقم طراز ہیں: **قال العلماء قدس ارواحھم کان فی نفسہ علیہ السلام عشر معجزات یعلم بکل من لہ عقل انہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و الہٖ و سلّم** یعنی در ذاتِ بابرکات آنحضرت ﷺ دہ چیز بود از معجزات و آیہ برسالت او، اول آنکہ ذاتِ بابرکات مقدس نبوی ﷺ چندانکہ در آفتاب تردد کردے دور ماہتاب آمد و شد نمودی سایۂ وی بر زمین نمے افتاد زیرا کہ آنحضرت ﷺ اصلا سایہ نبود و دریں باب اشارت چند حکمت گفتہ اند یکے آنکہ چوں ذاتِ بابرکاتش نوری بود مجسم گشتہ و تمامی نیّرات از ذاتِ عالی صفات او استفاضۂ انوار صوری و معنوی نمودہ و ظل چوں از ظلمتے خالی نیست ملایم ذاتِ نورانی صفات آں آفتاب فلک سروری دخورشید سپہر پیغمبر ﷺ نبود:

ذاتِ تو خورشید سپہر صفاست	لاجرمش سایہ نہ اندر قفاست
سایہ حسپاں با تو کند ہمسری	رد کہ تو خود سایہ نور الٰہی

حکمت دیگر آنکہ نورِ آفتاب لمعۂ بود از نورِ ذاتِ عالی صفات آنحضرت ﷺ دور انارۂ نورِ او غالب بود بر نورِ آفتاب تا بمرتبہ کہ آفتاب عکسے بود از سایۂ وجود بوجودِ او:

اے خواجہ کہ عشقِ ازلی مایہ تست	بر ہفت فلک کمینہ یک پایہ تست
جسمت زلطافت چوندارد سایہ	زانست کہ آفتاب در سایہ تست

حکمت دیگر آنکہ در ظل ہر چیزی مثل اوست چوں آنحضرت ﷺ را از زمان ایجاد خلق تا وقت افناء آں مثل و نظیر نبود لاجرم سایہ کہ مثل شخص است از ذاتِ آنحضرت ﷺ مختفی است:

سایہ چوں با شخص کند ہمسری	نیست ترا در خور دمہ ہمسری
چونکہ نظیرت نبود در جہاں	سایہ ترا نیست ازاں ہمعناں

حکمتِ دیگر آنست کہ زمین از آلائش خالی نیست حق تعالیٰ نمیخواست کہ سایۂ ذاتِ پاک محمدی ﷺ بر خاک افتد نباید کہ بر جائے ناپاک افتد صیانت این معنیٰ نمودہ بدیں خصیصہ اش مخصوص گردانید:

سایہ ندیدت بر زمیں ہیچ کس	نور بود سایۂ خورشید بس
جانت از آلائش تن پاک بود	سایہ نیند اخت بریں خاک بود

---

[1] (تفسیر عزیزی پ ۳۰، سورۂ عمّ، ص ۲۱۸)

[2] (تذکرہ الموتیٰ والقبور ص ۳۱)

حکمت دیگر آنکہ ظل ظلیل وسایہ نبیل آن پیغامبر بالتجلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام برزمین افتادی واقدام کافراں ومنافقاں برآں محل رسیدی مناسب علوِ مرتبت ورفعت ومنزلت آنحضرت ﷺ نبودی لاجرم آنحضرت ﷺ جلال احدیت جل وعلا سایہ گرانمایہ آنحضرت محمدیہ ﷺ را ازیں نوع اہانت و ضیانت فرمود کہ ولا یقع ظلہ علی الارض:

من آں نیم کہ قدم بر قدم نہم لیکن
بہر زمین کہ تو می نہی سرم آنجاست

حکمتِ دیگر آنکہ چنانکہ در دنیا وعامی خود را از برائے شفاعتِ امت ذخیرہ ساخت چنانچہ فرمود لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ وَإِنِّما اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَتِی لاھل الکبائر من امتی ہمچنیں سایہ خود را در دنیا ذخیرہ ساخت از برائے آفتاب قیامت گذاشت۔[1]

حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ کس خوبصورت انداز سے ارشاد فرماتے ہیں:[2]

چوں فناش از فقر پیرایہ شود
او محمد دار بے سایہ شود

اس کی شرح میں مولانا بحر العلوم ارقام پذیر ہیں کہ: ''در مصرعۂ ثانی اشارہ بہ معجزہ آں سرور ﷺ کہ آں سرور را سایہ نمی افتاد۔'' یعنی دوسرے مصرعہ میں سرورِ عالم ﷺ کے مشہور معجزہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضور ﷺ کا سایہ نہیں تھا۔

امام عاشقاں، محقق دوراں، علامۂ زماں، فخر الاعیاں، کثیر الاحسان، معتمد عالماں، معلم فقیہاں، مخدوم العلماء، تاج الفقہاء، صاحب فہم وذکاء، امام المشائخ والفقہاء، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، تاج الفحول، کشتۂ عشق رسول ﷺ، جامع المعقول والمنقول، محب اولاد بتول (رضی اللہ عنہم) فاضل جلیل، عالم نبیل، محدث عدیل، شمشیر بے نیام، رہنمائے ہر خاص وعام، سید العلماء الاعلام، قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، حجۃ السالکین، پیشوائے کاملین، سلطان العاشقین، سند المحدثین، رہنمائے رجال دین، شیخ ارباب یقین، علم وحکمت کے بحر بیکراں، امام اعظم کے تدبر کا نشاں، اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، امام اہل سنت، کنز الکرامت، جبل استقامت، آفتاب رشد وہدایت، پیکر شرافت، مخزن علوم شریعت ومعرفت، وارث تاج مجددیت، فقیہ العصر، علامۃ الدھر، مجدد مائۃ حاضرۃ وسابقہ، مؤید ملت طاہرہ، صاحب حجت قاہرۃ، کاسر ہر فتنہ، مطلع انوار رحمانی، منبع اسرار صمدانی، کاشف رموز پنہانی، فانوس نور حقانی، نائب غوث جیلانی، جانشین امام ربانی، حق وصداقت کی نشانی، مولانا شاہ احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان قندھاری افغانی ثم بریلوی کی اس مسئلہ پر بڑی مؤثر اور مدلل تصانیف موجود ہیں جن میں بڑی وضاحت سے تحریر کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے جسم انور کا سایہ نہیں کیونکہ آپ ﷺ نورِ مبین ہیں اور نور کا سایہ نہیں۔ اسی طرح آپ نے نعتیہ کلام میں اس مشہور معجزہ کو نہایت ایمان پرور الفاظ میں منظوم فرمایا۔ تفصیل کے لئے دیکھئے آپ کی گرانقدر تصانیف میں سے ''قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام''، ''نفی الغیی عمن انار کل شیئ''، ''صلاۃ الصفاء''، ''حدائق بخشش'' وغیرہ۔ البتہ یہاں آپ کے والد ماجد امام الاصفیاء حضرت مولانا نقی علی خان علیہ الرحمہ کی ایک حسین وجمیل تحریر پیش کی جاتی ہے جس میں اس مسئلہ کو وہ ایسے رنگ میں لائے ہیں کہ سبحان اللہ! ذرا اندازِ بیان کی خوبی ولطافت دیکھئے اور اپنے عقیدہ کو جلا بخشیے ''سایہ بلند پایہ اس قدِ زیبا کا عنقاء قاف نایاب ہے یا سرمہ چشم عدم، اور ظل ہمایوں اس سایہ خدا کا عین نور یا نور عین نیر اعظم، ماہ نور کے قریب اندھیرا کسی نے دیکھا ہے؟ اور مہر انور کے پاس سایہ کب آسکتا ہے:

---

[1] (تتمہ معراج النبوۃ فی مدارج النبوۃ ص ۱۳-۱۲)

[2] (مثنوی شریف دفتر پنجم)

فتادہ سایہ زاں خورشید رخ دور
کہ باہم راست ناید ظلمت و نور

اگر جسمِ نورانی کے لئے سایہ فرض کیا جائے تو نور کے سوا کیا نظر آئے گا، اگر وہ سایہ دیدۂ اہلِ بصیرت میں نہ سماتا، نورِ معرفت انہیں نظر آتا؟ اور جو وہ ظل ہمایوں سراپا عظمت کا اس سے برتر اور اعلیٰ ہے کہ ہمسر اس کا پایا جائے اور مرتبہ اس جسم مبارک کا اس سے بہت بالا ہے کہ پیرو اس کا چاکر افتادہ نظر آئے: یا ایھا المشتاقون بجمالہ صلوا علیہ و آلہ اللھم صل علیٰ نور الھدیٰ و بدر الدجیٰ و سلم تسلیما۔ [1]

مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی یوں لکھتے ہیں:

وحق تعالیٰ آن جناب سلامہ علیہ را نور فرمود و بہ تواتر ثابت شد کہ آنحضرت عالی سایہ نداشتند وظاہر است کہ بجز نور ہمہ اجسام ظل می دارند۔ [2]

''اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو نور فرمایا نیز یہ تواتر سے ثابت ہے کہ آپ کا سایہ نہیں تھا کیونکہ آپ نور ہیں اور نور کے سوا تمام اجسام سایہ رکھتے ہیں۔''

جناب مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی کا بیان بھی ملاحظہ ہو: ''یہ جو مشہور ہے کہ سایہ نہ تھا حضور ﷺ کا تو یہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے گو وہ ضعیف ہیں مگر فضائل میں متمسک بہ ہو سکتی ہیں۔''[3]

دوسری جگہ یہ الفاظ ملتے ہیں: ''یہ بات مشہور ہے کہ ہمارے حضور ﷺ کے سایہ نہیں تھا (اس لئے کہ) ہمارے حضور ﷺ سرتاپا نور ہی نور تھے، حضور ﷺ میں ظلمت نام کو بھی نہ تھی، اس لئے آپ ﷺ کے سایہ نہ تھا کیونکہ سایہ کے لئے ظلمت لازمی ہے۔''[4]

لگے ہاتھوں مفتی دیوبند عزیز الرحمن کے قلم سے ایک فتویٰ بھی دیکھ لیجئے:

سوال: وہ حدیث کونسی ہے جس میں یہ ہے کہ رسولِ مقبول ﷺ کا سایہ زمین پر واقع نہیں ہوتا تھا؟

الجواب: امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں آنحضرت ﷺ کا سایہ زمین پر واقع نہ ہونے کے بارے میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے: اخرج الحکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ ﷺ لم یکن یریٰ لہ ظل فی الشمس و القمر الخ اور تواریخِ حبیب الہ میں مفتی عنایت احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ آپ کا بدن نور تھا اسی وجہ سے آپ کا سایہ نہ تھا، مولوی جامی رحمہ اللہ نے آپ ﷺ کے سایہ نہ ہونے کا خوب نکتہ لکھا ہے اس قطعہ میں:

پیغمبر ما نداشت سایہ تا شک بدل یقیں نیفتد
یعنی ہر کس کہ پیرو است پیداست کہ پاز میں نیفتد

فقط واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ۔[5]

حافظ محمد لکھنوی وہابی یوں رقمطراز ہے: ''خدائے تعالیٰ در آخر سورۂ انبیاء فرمود وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿الانبیاء ۱۰۷﴾ یعنی نہ فرستادہ ایم ترا یا محمد مگر رحمت برائے جہانیاں، پس گویا سایہ آنحضرت ﷺ ہمیں ست، ہر کہ قابل رحمت است زیرِ سایہ اور در آید و مصنف سیزدہ وجہ بیان کردہ برائے عدم سایہ آں حضرت ﷺ در سیزدہ بیت کہ از قول او:

---

[1] (سرور القلوب فی ذکر المحبوب، ص ۸۱)

[2] (امداد السلوک ص ۸۵)

[3] (میلاد النبی ج ۱۴ المربع فی الربیع ص ۵۷۲)

[4] (شکر النعمۃ بذکر الرحمہ ص ۳۹ بحوالہ ذکر جمیل از مفتی محمد شفیع اوکاڑوی)

[5] (عزیز الفتاویٰ، ج ۶ ص ۲۰۲)

اس رحمتِ عالم سند اسایادھرتی مول نہ پوندا!

تاقولہ : بس کر، نور محمد کیونکر سایہ سرو رکتھرا

یکے آنکہ تا کافرے یا منافقے براں پائے نہنہد، دوم آنکہ سایہ خالی از ظلمت و تاریکی نباشد و جسمِ آنحضرت ﷺ نورانی است، سوم آنکہ سایہ خود را برائے شفاعت روزِ محشر ذخیرہ داشتہ چنانکہ دعائے خود را اذخیرہ داشتہ کہ در حدیث بخاری و مسلم مسطور است، چہارم آنکہ سایہ او رحمت ست، پنجم آنکہ آنحضرت ﷺ پیشوائے جہاں ست مبادا کہ سایہ پیشِ او شود، ششم آنکہ سایہ ہر چیز نزدیک او باشد و سایہ تاریک است و آں حضرت، روشن ترین جملہ اشیاء ست پس مناسب نیست کہ تاریکی نزدیک انوار آید، ہفتم آنکہ دلیل سایہ آفتاب و سایہ ہر چیز بہ بلند شدن آفتاب گم میگردد و مناسب نبود کہ آفتاب سایہ آنحضرت ﷺ را کم سازد، ہشتم آنکہ در علمِ الٰہی مردم دو گروہ اند قولہ تعالیٰ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ﴿الشوریٰ ۷﴾ پس مناسب نبود کہ در سایہ آنحضرت ﷺ کسے در آید، نہم آنکہ سایہ ہر شخصے بہ سجدہ باشد بر زمین و اکثر شخصہا خود از سجدہ محروم می باشد و آنحضرت ﷺ سردارِ رکوع و سجود کنندگان بود پس حاجت سجود و سایہ نبود، دہم آنکہ خدائے تعالیٰ مومناں را از ظلمت برآوردہ بسوئے نور می آرد و اگر آنحضرت ﷺ را سایہ ظاہر بودے عکس ایں مرشد، یازدہم آنکہ بر جوہر صافی را سایہ روشن تر باشد و آنحضرت ﷺ انوارِ ہمہ بودند، دوازدہم آنکہ سایہ ہر کسے بر زمین بہ سایہ دیگرے می آمیزد و مناسب نبود کہ سایہ دیگراں بیامیزد، سیزدہم آنکہ سایہ بر چیز صافی صافی می نماید و بر چیز ناپاک ناپاک می نماید پس مناسب نبود کہ سایہ آنحضرت ﷺ ناپاک نماید (واللہ اعلم)۔''[1]

''مسئلہ سایہ میں حضرت فقیہ اعظم استاذی المکرم مولانا الحاج ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی دامت برکاتہم نے مذکورہ فارسی عبارت کا اردو میں ترجمہ فرمایا ہے، تبرکاً اسی کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے، آپ فرماتے ہیں : ''مولانا نور محمد صاحب جوڑوی نے اپنی مشہور کتاب ''شہباز شریعت'' میں ۲۱۰، ۲۱۱ کے تیرہ شعروں میں سایہ نہ ہونے کی تیرہ دلیلیں بیان کی ہیں جن کی تفصیلی تقریر جناب حافظ محمد صاحب لکھی والے اس کے حاشیہ ''شیر طریقت'' میں بایں الفاظ ذکر فرماتے ہیں : خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں سورۂ انبیاء کے آخر میں فرمایا ہے وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ ﴿الانبیاء ۱۰۷﴾ یعنی اور نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر رحمت واسطے جہانوں کے، پس گویا سایہ آنحضرت ﷺ کا یہی ہے اس لئے کہ جو شخص قابل رحمت ہے وہ اس سایہ کے نیچے آجاتا ہے۔ مصنف نے آنحضرت ﷺ کے سایہ نہ ہونے کے بارے میں تیرہ وجوہ تیرہ بیتوں میں بیان کی ہیں، ابتداء ان تیرہ بیتوں کی اس مصرعہ سے ہے:

اس رحمتِ عالم سند اسایادھرتی مول نہ پوندا!

اور آخری مصرعہ ان تیرہ بیتوں کا یہ ہے:

بس کر، نور محمدا کیونکر سایہ سرو رکتھرا

پھر تیرہ وجوہ ایک ایک کر کے بیان کرتے ہیں : اول یہ کہ کافر یا منافق اس سایہ پر پاؤں نہ رکھے۔ دوسرے یہ کہ سایہ تاریکی اور سیاہی سے خالی نہیں ہوتا اور آنحضرت ﷺ کا جسم نورانی ہے، تیسرے یہ کہ اس نے اپنا سایہ واسطے آخرت کے ذخیرہ رکھا ہے جیسا کہ اپنی دعا کو شفاعت کے لئے ذخیرہ رکھا، چنانچہ حدیث بخاری و مسلم میں لکھا ہوا ہے۔ چوتھے یہ کہ سایہ اس کا رحمت ہے۔ پانچویں یہ کہ آنحضرت ﷺ جہاں کے پیشوا ہیں، ایسا نہ ہو کہ سایہ ان کے آگے ہو۔ چھٹے یہ کہ سایہ ہر چیز کا اس کے نزدیک ہوتا ہے، اور سایہ تاریک ہے اور آنحضرت ﷺ تمام چیزوں سے زیادہ روشن ہیں پس مناسب نہیں کہ تاریکی اس کی اس کے نزدیک آئے جو بہت روشن ہے۔ ساتویں یہ کہ سایہ کی دلیل آفتاب ہے اور سایہ ہر چیز کا بسبب بلند ہونے

---

[1] (در شیر طریقت بر حاشیہ شہباز شریعت)

کے آفتاب کے کم ہو جاتا ہے اور مناسب نہ تھا کہ آفتاب آنحضرت ﷺ کے سایہ کو کم کر دے۔ آٹھویں یہ کہ علم الٰہی میں لوگ دو گروہ ہیں، فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ﴿الشوریٰ ۷﴾ یعنی ایک گروہ جنتی اور ایک گروہ دوزخی، پس مناسب نہ تھا کہ کوئی شخص اس کے سائے کے نیچے آئے اور پھر دوزخی ہو جائے۔ نویں یہ کہ سایہ ہر شخص کا زمین پر سجدہ میں ہوتا ہے اور اکثر لوگ آپ ہی سجدہ سے محروم ہوتے ہیں، اور آنحضرت ﷺ رکوع اور سجود کرنے والوں کے سردار تھے، پس حاجت سجود سایہ کی نہ تھی۔ دسویں یہ کہ خدا تعالیٰ مؤمنوں کو تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور اگر آنحضرت ﷺ کا سایہ ظاہر ہوتا تو اس کا عکس ہوتا۔ گیارہویں یہ کہ جوہر صافی کا سایہ بہت روشن ہو جاتا ہے اور انحضرت ﷺ سب سے زیادہ روشن تھے۔ بارہویں یہ کہ سایہ ہر ایک دوسرے کے سایہ سے مل جاتا ہے اور مناسب نہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کا سایہ دوسروں کے سایہ سے خلط ملط ہوتا۔ تیرہویں یہ کہ صاف چیز پر سایہ صاف دکھائی دیتا ہے اور ناپاک چیز پر سایہ بھی ناپاک نظر آتا ہے، پس مناسب نہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کا سایہ ناپاک دکھائی دیتا۔"

ان عبارات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوا کہ صحابہ کرام، تابعین، مجتہدین، ائمہ کرام، محدثین ومفسرین عظام، علماء وصوفیاء اور اولیاء اللہ کا مذہب و عقیدہ یہ ہے کہ حضور پُرنور کا جسم انور بے سایہ تھا۔

(۹۴) ﴿باب نمبر چورانوے آپ ﷺ کے علمِ ما کان و مایکون کا بیان﴾

بعض علماء حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے علمِ ما کان ومایکون سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ شرک ہے (العیاذ باللہ)۔ حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو علم ما کان و مایکون عطا فرمایا۔ دلائل ملاحظہ کیجئے:

آیت اولیٰ: خَلَقَ الْإِنْسَانَ (3) عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿الرحمن ۴﴾ "اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو بیان سکھایا"[1]

۱) علامہ بغوی تفسیر معالم التنزیل میں تحت آیۂ کریمہ فرماتے ہیں: (خَلَقَ الْإِنْسَانَ) یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم (علّمه البیان) یعنی بیان ما کان و مایکون لانه کان یبین عن الاولین و الاخرین۔[2]

۲) علامہ محی السنۃ علاء الدین علی ابن محمد بغدادی تفسیر خازن میں تحت آیۂ کریمہ فرماتے ہیں:

اراد بالانسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم (علمه البیان) یعنی بیان ما یکون و ما کان لانه صلی اللہ علیہ وسلّم ینبئ عن خبر الاولین و الاٰخرین و عن یوم الدّین۔[3]

یعنی آیۃ میں انسان سے محمد ﷺ کو مراد لیا اور ان کو مایکون و ما کان کا بیان سکھایا۔ کیونکہ حضور اوّلین وآخرین اور روزِ قیامت کی خبر دیتے ہیں۔

۳) علامہ احمد تفسیر صاوی میں تحت آیت کریمہ فرماتے ہیں: وقیل ھو محمد صلی اللہ علیہ وسلّم لانه الانسان الکامل و المراد بالبیان علمه ما کان و مایکون و ما ھو کائن۔ یعنی بعض نے کہا کہ انسان تو محمد ﷺ ہیں کہ وہی انسان کامل ہیں اور بیان سے علم ما کان و مایکون مراد ہے (یعنی جو ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے)۔[4]

۴) علامہ جمل تفسیر جمل میں تحت آیۂ کریمہ فرماتے ہیں: وقیل اراد بالانسان محمد صلی اللہ علیہ وسلّم (علمه البیان) یعنی بیان ما

---

[1] (رحمٰن پ ۲۷ رکوع ۱)

[2] (معالم مصری ص ۱ ج ۷)

[3] (خازن مصری ص ۲ ج ۷)

[4] (از تفسیر صاوی مصری ص ۱۲۹ ج ۴)

یکون و ما کان لانه صلی اللہ علیه و سلم ینبئ عن خبر الاولین و الاٰخرین و عن یوم الدین ۔یعنی آیت میں انسان سے محمد ﷺ مراد ہیں، اور بیان سے ما کان و مایکون کا بیان مراد لیا۔اس لئے کہ حضور اولین وآخرین وروزِ قیامت کی خبر دیتے ہیں ۔[1]

۵)علامہ حسین واعظ تفسیر حسینی میں تحت آیت کریمہ فرماتے ہیں: محمد صلی اللہ علیه و آلہ و سلم بیاموزندے بیان آنچہ بود وھست و باشد چنانچہ مضمون فعلمت علمه الاولین و الاٰخرین از معنی خبر میدہد۔[2]

آیت ثانیہ :وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿۱۱۳﴾ ”اور تمہیں سکھا دیا جو تم نہیں جانتے تھے،اور اللہ کا فضل تم پر بہت بڑا ہے۔“[3]

۶)(۱)امام فخر الدین رازی اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ خدا نے حضور اکرم ﷺ کو احکام اور غیب کی تعلیم فرمائی۔[4]

(۲) نسفی، عبد اللہ بن احمد مدارک التنزیل جلد ۱ ص ۲۵۰ سطر ۲۳ دار احیاء الکتب العربی مصر : من امور الدین و الشرائع او من خفیّات الامور و ضمائر القلوب۔ یعنی آپ ﷺ کو امور دین اور مخفی امور اور دلوں کے راز بتائے گئے۔

(۳) کاشفی، حسین واعظ تفسیر حسینی، ص ۱۵۵ سطر ۲۴ مطبع محمدی ممبئی : یہ ما کان اور مایکون کا علم ہے کہ خدائے ذوالجلال نے معراج کی رات میں نبی کریم ﷺ کو عطا فرمایا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے معراج کے واقعے میں ہے کہ میں عرش کے نیچے تھا ایک قطرہ میرے حلق میں ڈالا۔پس میں نے تمام گزرے ہوئے اور ہونے والے واقعات معلوم کر لئے ۔پس میں گزشتہ کو بھی جانتا ہوں اور آئندہ کے سب امور کو بھی۔[5]

و علمک مالم تکن تعلم من خبر الاولین و الاخرین و ما کان و ما ھو کائن قبل ذلک من فضل اللہ علیک یا محمد مذ خلقک۔ اور اللہ نے آپ کو ان چیزوں کی تعلیم دی جو آپ ﷺ نہ جانتے تھے اولین وآخرین کی تمام خبریں اور جو کچھ گزر گیا اور جو کچھ ہونے والا ہے۔ پہلے اس سے کہ آپ پر خدائے ذوالجلال کا بڑا فضل ہے۔اے محمد ﷺ جب آپ کو خدائے ذوالجلال نے پیدا فرمایا۔[6]

و علّمک مالم تکن تعلم ای علوم عواقب الخلق علم ما کان و ما سیکون۔ اور اللہ نے اس سب کی آپ کو تعلیم دے دی جو کہ آپ نہیں جانتے تھے یعنی تمام خلقت کے عواقب اور جو کچھ گزر چکا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے،سب کا علم مرحمت فرمادیا۔[7]

علمک مالم تکن تعلم من الاحکام و الغیب ۔احکام اور غیب میں سے جو کچھ تم نہ جانتے تھے ان سب کی آپ ﷺ کو تعلیم دے دی۔[8]

و علمک مالم تکن تعلم یعنی من احکام الشرع و امور الدین و قیل علمک من علم الغیب مالم تکن تعلم ۔ و قیل معناه و علمک من خفیات الامور و اطلعک علی ضمائر القلوب من احوال المنافقین و کیدھم۔

اے رسول ﷺ جو احکام شرع اور امور دین آپ ﷺ نہ جانتے تھے،ان کی آپ ﷺ کو تعلیم دی گئی۔ایک قول یہ بھی ہے کہ غیب میں سے جو

---

[1] (تفسیر جمل مصری ص ۲۵۳ ج ۴)

[2] (تفسیر حسینی بر حاشیہ قرآن ص ۶۱۴)

[3] (سورۃ النساء پ ۵،رکوع ۱۴)

[4] (تفسیر کبیر جلد ۱۱ ص ۴۰ سطر ۸ مصر)

[5] طبری،ابن جریر جامع البیان جلد ۵ ص ۲۷۵ سطر آخر مصطفی البابی مصر ۱۹۵۴ء:

[6] ابن روزبہان عرائس البیان جلد ۱ ص ۱۵۹ سطر ۵ منشی نولکشور لکھنؤ :

[7] (سیوطی، محلی، جلالین ص ۸۷، سطر ۱۴ اصح المطابع کراچی)

[8] خازن، علاؤ الدین، خازن جلد ۱ ص ۴۳۰ سطر ۱۹ المطبعۃ الخیریہ، مصر)

آپ ﷺ نہ جانتے تھے ان کی تعلیم دی گئی۔ایک قول کے مطابق یہ معنی ہیں کہ آپ کو چھپی ہوئی چیزیں سکھادیں اور دلوں کے رازوں کا علم عطا فرمایا اور منافقین کے مکروفریب کا علم دیا گیا۔[1]

علم الانسان مالم یعلم و قیل الانسان ھھنا محمد صلی اللہ علیہ و سلم و بیانہ علمک مالم تکن تعلم۔ علم الانسان مالم یعلم میں کہا گیا ہے کہ یہاں انسان سے مراد محمد ﷺ ہیں اور اس کا بیان آیت **علمک مالم تکن تعلم** میں ہے۔

خدائے ذوالجلال نے **مالم تکن تعلم** کی تعلیم فرمائی۔لفظ ما عموم پر دلالت کرتا ہے۔جس سے واضح ہوتا ہے کہ جتنے بھی علوم اور جتنے بھی مخلوق کے مسائل تھے وہ سب خدا نے اپنے نبی کو تعلیم فرمادیئے۔اتنی وضاحت کے بعد یہ کہنا کہ فلاں چیز کا نبی اکرم ﷺ کو علم نہیں تھا یا فلاں کا، تو یہ قرآن کو نہ سمجھنے کی دلیل ہے، ورنہ آیت تو واضح ہے کہ خدا نے حضور اکرم ﷺ کو تمام امور کی تعلیم دے دی۔

(۸) مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب تفسیر نعیمی کی جلد ۵ کے ص ۴۲۱ کی سطر ۸ پر رقمطراز ہیں کہ اس جملہ میں یا تو نئے انعام وفضل کا ذکر ہے یا انزل اللہ کے نتیجہ کا بیان۔علم تفعیل کا ماضی مبالغہ کے لئے ہے یعنی تم کو خوب اور بہت سکھادیا۔جیسے آدم علیہ السلام کے لئے فرمایا وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا۔ ماسے مراد احکام شرع، امور دین، علوم غیبیہ چھپی ہوئی چیزیں، دلوں کے ارادے وبھید، سینوں کے اسرار۔اگلے پچھلوں کی خبریں سب ہی کچھ ہیں (تفسیر خازن، بیضاوی، مدارک، تفسیر کبیر، تفسیر روح المعانی، روح البیان غرضیکہ اس میں کوئی قید نہیں۔سارے علوم غیبیہ مراد ہیں لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ اس کا بیان ہے یعنی آپ نزول وحی یا نزول قرآن یا ہمارے بتانے سے پہلے جو کچھ نہ جانتے تھے، وہ سب کچھ آپ کو رب نے اچھی طرح خوب سکھادیا۔خیال رہے کہ سکھانے اور بتانے میں بڑا فرق ہے۔واعظ لوگوں کو آدھ گھنٹے میں بہت سے مسائل سنادیتا ہے، بتادیتا ہے مگر سامعین اس وعظ سے عالم نہیں بن جاتے۔مدرس طلبا کو برسوں میں علوم سکھاتا ہے۔جس سے وہ عالم بن جاتے ہیں۔یہاں عَلَّمَ فرمایا اور أَخْبَرَ نہ فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ ہم نے سب کچھ سکھادیا۔تم نے سب کچھ سیکھ لیا۔

۹) تفسیر عرائس البیان میں تحت آیہ کریمہ ہے : **وعلمک مالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ای علوم عواقب الخلق وعلم ما کان وما سیکون**۔یعنی اور تمہیں وہ کچھ سکھادیا جو تم نہیں جانتے تھے یعنی مخلوق کے عاقبتوں کے علوم اور ما کان و مایکون کا علم۔[2]

۱۰) تفسیر حسینی میں تحت آیۂ کریمہ ہے : در بحر الحقائق میفرماید کہ آں **علم ما کان و ما سیکون است**۔یعنی اور بحر الحقائق میں فرمایا کہ وہ **علم ما کان و مایکون** کا ہے۔[3]

آیت ثالثہ : وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ ﴿النحل ۸۹﴾ یعنی اور ہم نے تم پر کتاب اتاری جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور یہ ہدایت اور رحمت اور بشارت ایمان والوں کے لئے ہے۔

اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں کل شئے یعنی ہر چیز کا بیان موجود ہے۔

۱۱) تفسیر عرائس البیان میں تحت آیۂ کریمہ ہے : **یخبر عما کان و مایکون من کل حدو کل علم و محمد صلی اللہ علیہ و سلم ھو المبین لتبیان الکتاب**۔یعنی کتاب ما کان و مایکون کی ہر حد اور ہر علم کی خبر دیتی ہے، اور محمد ﷺ کتاب کے بیان کرنے والے ہیں۔[4]

---

[1] بغوی، ابو محمود معالم التنزیل ص ۲۵۳ سطر ۲۰ مطبع حیدری ممبئی

[2] (عرائس البیان ص ۱۵۹ ج ۱)

[3] (از تفسیر حسینی برحاشیہ قرآن ص ۱۰۸)

[4] (عرائس البیان ص ۵۳۶ جلد ۱)

آیت رابعہ :مَافَرَّطْنَافِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ۔

یعنی اور ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا۔ (سورہ انعام ۲۸)

۱۲)تفسیر جمل میں تحت آیۂ کریمہ ہے :فقیل اللوح المحفوظ وعلیٰ ھذا فالعموم ظاھر لان اللہ تعالیٰ اثبت ما کان ومایکون فیہ۔ یعنی کہا گیا کہ لوح محفوظ ہے اور اس بناء پر عموم ظاہر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ماکان ومایکون کو اس میں ثابت کیا ہے۔[۱]

۱۱)تفسیر صاوی میں تحت آیۂ کریمہ ہے :اریدبالکتاب اللوح المحفوظ فالعموم ظاھر فان فیہ تبیان کل شیء ما کان ومایکون وما ھو کائن۔ یعنی کتاب سے لوحِ محفوظ مراد ہے کہ عموم ظاہر ہے کہ تبیان کل شیء کو قید ما کان ومایکون کو شامل یعنی جو ہوگیا اور جو ہوگا اور جو ہونے والا ہے، یہ ماکان ومایکون کی مراد ہے۔[۲]

آیت خامسہ :عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ﴿۵﴾ یعنی اور انسان کو سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔[۳]

۱۲)تفسیر معالم میں تحت آیۂ کریمہ ہے :قیل الانسان ھھنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیانہ وعلّمک مالم تکن تعلم۔ یعنی کہا گیا ہے کہ انسان سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور بیان سے وہ جو آیت وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ میں گزرا۔[۴]

حتیٰ کہ اللہ رب العزت نے علوم خمسہ بھی حضور ﷺ عطا کیے۔علوم خمسہ سے مراد ایک یہ ہے کہ قیامت کب ہوگی؟ دوسرا بارش کب ہوگی ؟ تیسرا ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ چوتھا کل کیا کرے گا؟ پانچواں یہ کہ کہاں مرے گا؟ یہ علوم مراد ہے جو علوم غیب سے ہیں۔وہابیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جب یہ علوم غیبیہ ہیں تو ان کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو ان پر مطلع ماننا شرک ہے۔حالانکہ عقیدۂ اہل سنت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ پانچوں باتیں حضور ﷺ کو عطا فرمادی ہیں۔آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ان پانچوں کو جانتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَافِي الْأَرْحَامِ وَمَاتَدْرِي نَفْسٌ مَاذَاتَكْسِبُ غَدًا وَمَاتَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿لقمان ۳۴﴾

ترجمہ :بیشک اللہ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے مینھ اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی بیشک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے۔﴿لقمان ۳۴﴾

تفسیر احمدی میں علامہ احمد جیون تحت آیۃ کریمۃ فرماتے ہیں:

ویجوز ان یعلمھا من یشاء من محبیہ واولیاءہ قولہ تعالیٰ :إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ .علی ان یکون الخبیر بمعنی المخبر۔

ترجمہ:اور جائز ہے کہ اللہ انہیں جس کو چاہے تعلیم کردے اپنے محبوبوں اور اولیاؤں میں سے بسبب قرینہ اس کے قول کہ اللہ جاننے والا خبر دینے والا ہے بایں معنی کہ خبیر بمعنی مخبر کے ہو۔[۵]

تفسیر عرائس البیان میں تحت آیۃ کریمۃ فرماتے ہیں:

---

[۱] (تفسیر جمل ص ۲۷ ج ۲)

[۲] (تفسیر صاوی ص ۱۳ ج ۲)

[۳] (سورۃ العلق ۵ پ ۳۰)

[۴] (تفسیر معالم ص ۲۲۴ ج ۷)

[۵] (تفسیر احمدی مطبوعۃ دہلی ص ۳۳۷ ج ۲)

وعلم خاص الخاص علم السر وھو علم الغیب ومن علم الغیب مایطلع علیہ الانبیاء والاولیاء والملئکۃ بقولہ: عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا (۲۶) إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ (الجن ۲۷)

ترجمہ: اورعلم خاص الخاص علم سر ہے جوعلم غیب ہے جس پر انبیاء اوراولیاء اورفرشتوں کو مطلع کرنا ہے اپنے اس قول کی بناء پرکہ غیب کا جاننے والا اپنے غیب پرکسی کو مطلع نہیں کرتا مگر پسندیدہ رسولوں کو۔[1]

تفسیر صاوی میں تحت آیۃ کریمۃ میں ہے۔

فلامانع من کون اللہ یطلع بعض عبادہ الصلحین علی بعضہ المغیبات فتکون معجزۃ للنبی وکرامۃ الولی۔ یعنی تو یہ ممنوع نہیں ہے کہ اللہ اپنے بعض نیک بندوں کو اس غیب پر مطلع کردے تو وہ نبی کیلئے معجزہ اور ولی کیلئے کرامت ہوجائے۔[2]

وایضاًفی تفسیر الصاوی فلیس فی الآیات مایدل علی نفی کرامات الاولیاء المتعلقۃ بالکشف ولکن اطلاع الانبیاء علی الغیب اقویٰ من اطلاع الاولیاء۔

ترجمہ: آیات میں اولیاء کی کرامات کی نفی نہیں ہے جوکشف کے طور پر ہو لیکن غیب پر نبیوں کا مطلع کرنا اولیاء کے مطلع کرنے سے زیادہ قوی ہے۔[3]

ای وقت وقوع القیمۃ من الغیب الذی لایظھرہ اللہ لاحد فان قیل فاذا احملتم ذلک علی القیمۃ فکیف قال الا من ارتضی من رسول مع انہ لایظھر ھذا الغیب لاحد قلنا بل یظھرہ عند قریب القیمۃ۔

ترجمہ: یعنی قیامت کے آنے کا وقت ان غیبوں میں سے ہے جس کو اللہ تعالیٰ کسی پر ظاہر نہیں فرماتا پس اگر کہا جاوے کہ جب تم نے اس غیب کو قیامت پر محمول کرلیا تو اب رب تعالیٰ نے یہ کیسے فرمایا مگر پسندیدہ رسولوں کو حالانکہ یہ غیب تو کسی پر بھی ظاہر نہیں کیا جاتا تو ہم کہیں گے کہ رب تعالیٰ قیامت کے قریب ظاہر فرماوے گا۔[4]

تفسیر صاوی میں ہے: قال العلماء الحق انہ لم یخرج نبینا من الدنیا حتی اطلعہ علی تلک الخمس ولکنہ امر بکتمھا۔

علماء نے فرمایا کہ حق بات یہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے ہیں یہاں تک آپ ﷺ ان پانچ باتوں پر مطلع کردیا گیا مگر چھپانے کا حکم دیا گیا۔[5]

علامہ ابراہیم بیجوری شرح قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں کہ انہ ﷺ لم یخرج من الدنیا الا بعد ان اعلمہ اللہ تعالیٰ بھذا الامور۔

ترجمہ: حضور ﷺ دنیا سے تشریف نہیں لے گئے مگر بعد اس کے اللہ نے انہیں یہ امور تعلیم کردیئے۔[6]

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

[1] (تفسیر عرائس البیان ص ۱۲۸ ج ۲)

[2] (تفسیر صاوی ص ۲۱۵ ج ۳)

[3] (تفسیر ص ۲۰۸ ج ۴)

[4] (تفسیر کبیر ج ۱۰ ص ۶۷۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[5] (تفسیر ساوی ص ۲۱۵ ج ۳)

[6] (شرح قصیدہ بردہ شریف ص ۷۶)

انہ ﷺ اوتی علم الخمس و ایضا و علم وقت الساعۃ و الروح و انہ امر بکتم ذلک۔

ترجمہ: حضور ﷺ کو ان پانچ کا علم دیدیا گیا اور علم قیامت اور علم روح بھی اور ان کے چھپانے کا حکم دیا گیا۔ اور اس کے بارے میں بے شمار دلائل ہیں۔

قال اللہ الرحمان فی القرآن :عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔[1]

ترجمہ : غیب کا جاننے والا وہی ہے پس اپنے غیب پر وہ کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اس شخص کے جس کو وہ رسول میں سے علم غیب کے لئے منتخب کرے۔

علم کسی چیز کو کما حقہ جاننا۔ پہچاننا۔ حقیقت کا ادراک کرنا۔ یقین حاصل کرنا۔ محسوس کرنا۔ محکم طور پر معلوم کرنا۔ اس طرح ادراکِ حقیقت کرنے والے کو عالم کہتے ہیں۔ جس کی جمع عَالِمُوْن آتی ہے اور عَلِیم کی جمع عُلَمَاء یعنی گہرا اور پختہ علم رکھنے والے۔ اس مادہ کے بنیادی معنی کسی چیز پر ایسے نشان کے ہیں جس سے وہ شے دیگر اشیاء سے متمیز ہو سکے۔

عربوں کے نزدیک علم کا درجہ معرفت اور شعور سے زیادہ بلند ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ کے لئے علم کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ معرفت یا شعور کا نہیں۔ چنانچہ خدا کو عالم یا علیم کہہ سکتے ہیں عارف یا شاعر نہیں کہہ سکتے علم اور معرفۃ میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ معرفت کسی چیز کے آثار و قرائن میں غور و فکر کر کے اس کا ادراک کرنے کو کہتے ہیں لیکن علم کے لئے یہ ضروری نہیں۔ ثانیاً معرفت کا لفظ پیشتر اس موقع پر استعمال ہوتا ہے جب کوئی چیز ادراک کے بعد دھیان سے نکل جائے اور پھر دوبارہ اس کا ادراک ہو لیکن علم میں یہ صورت نہیں ہوتی۔

قرآن کریم نے سمع، بصر اور قلب کو حصول علم کے ذرائع قرار دیا ہے، دوسرے مقام پر قَلْبٌ کی جگہ فُؤَادٌ بھی کہا ہے۔ اس میں علم بذریعہ حواس اور بذریعہ تصورات دونوں آجاتے ہیں۔ اور فواد کی نسبت سے اس میں احساسات بھی آجاتے ہیں۔ لیکن چونکہ علم اس وقت علم کہلا سکتا ہے جب وہ یقین کے درجے تک پہنچ جائے۔ اس لئے قرآن کریم نے وحی کو علم کہا ہے اور اس کی ضد کو اھواء یعنی انسان کے خود ساختہ تصورات یا جذباتی عقیدت مندیاں جن کے لئے اس کے پاس کوئی دلیل و برھان نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم خارجی کائنات کے متعلق علم حاصل کرنے پر بڑا زور دیتا ہے۔ جذباتی عقیدت مندی کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ وہ اپنے ہر دعوے کو دلیل و برھان کے زور پر پیش کرتا ہے اور ان دعاوی سے انکار کرنے والوں سے بھی دلائل و براہین طلب کرتا ہے۔ اسے اپنے دعاوی کی محکمیت پر اتنا یقین ہے کہ وہ ان دعاوی سے انکار کرنے والوں کے متعلق اعلانیہ کہہ دیتا ہے کہ وہ ان کی تردید میں کوئی برھان پیش نہیں کر سکتے اسی لئے قرآن کریم کی دعوت عَلٰی وَجْهِ الْبَصِیْرَت دعوت ہے۔

علماء نے علم کی مختلف قسمیں بیان فرمائی ہیں ان میں سے چند کا ذکر امام راغب نے المفردات میں یوں کیا ہے۔

العلم کسی چیز کی حقیقت کا ادراک کرنا اور یہ دو قسم پر ہے۔

اول : یہ کہ کسی چیز کی ذات کا ادراک کر لینا۔

دوم : ایک چیز پر کسی صفت کے ساتھ حکم لگانا جو (فی الواقع) اس کے لئے یا ایک چیز کی دوسری چیز سے نفی کرنا جو (فی الواقع) اس سے منفی ہو۔

پہلی صورت میں یہ لفظ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے لَا تَعْلَمُوْنَهُمُ اللّٰهُ یَعْلَمُهُمْ جن کو تم نہیں جانتے اور خدا جانتا ہے۔

اور دوسری صورت میں دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے فرمایا فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَات اگر تم کو معلوم ہو کہ مؤمن ہیں۔

ایک دوسری حیثیت سے علم کی دو قسمیں ہیں (۱) نظری اور (۲) عملی۔

---

[1] (سورۃ الجن، آیت ۲۶)

علم نظری : وہ ہے جو حاصل ہونے کے ساتھ ہی مکمل ہو جائے جیسے وہ علم جس کا تعلق موجودات عالم سے ہے۔
علم عملی : اور علم عملی وہ ہے جو عمل کے بغیر تکمیل نہ پائے جیسے عبادات کا علم۔
ایک اور حیثیت سے بھی علم کی دو قسمیں ہیں : (۱) عقلی (۲) سمعی۔
علم عقلی : یعنی وہ علم جو صرف عقل سے حاصل ہو سکے۔
علم سمعی : یعنی وہ علم جو محض عقل سے حاصل نہ ہو بلکہ بذریعہ نقل وسماعت کے حاصل کیا جائے۔
منطقی حضرات نے علم کی تعریف اور تقسیم یوں فرمائی ہے۔
علم : کسی شے کی صورت کا تمہارے ذہن میں آنا۔
اور علم کی دو قسمیں ہیں۔ تصور اور تصدیق۔
تصدیق : جس میں اس بات کا علم ہو کہ فلاں شے فلاں شے سے ہے۔
تصور : جس میں اس بات کا علم نہ ہو۔
تصور کی بھی دو قسمیں ہیں اور تصدیق کی بھی۔
تصور بدیہی : جو بغیر تعریف (غور وفکر) کے سمجھ میں آجائے۔
تصور نظری : جو بغیر تعریف (ً) کے سمجھ میں نہ آئے۔
تصدیق بدیہی : جو بغیر غور وفکر کے حاصل ہو۔
تصدیق نظری : جو غور وفکر کے بعد حاصل ہو۔
قرآن مجید میں علم کی ایک اور تقسیم بھی پیش کی گئی ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں، ایک علم غیب اور دوسری علم شہادت۔ غیب کے جاننے والے کو عالم الغیب اور شہادت کے جاننے والے کے کو عالم الشہادۃ کہتے ہیں (جس کا ذکر قرآن مجید کے سورہ انعام کی آیت ۷۳ میں یوں ہے:
عالم الغیب والشہادۃ۔
اور اس کتاب میں عالم الغیب کے بارے میں بحث ہوگی کہ غیب کسے کہتے ہیں اور اس کا جاننے والا کون ہے۔

معنیٰ غیب

کسی بھی لفظ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کے لفظی اور اصطلاحی معانی سمجھے جائیں اور اس کے استعمالات سے آگاہی حاصل کی جائے۔ لہذا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ پہلے ہم لفظ غیب کے لفظی اور اصطلاحی معانی کتب لغات عرب سے معلوم کرلیں۔ اس کے بعد اس کے عالم پر بحث کریں گے کہ کوئی غیب کا جاننے والا ہے یا نہیں اور اگر کوئی جانتا ہے تو کیسے؟[1]

الغیب مصدر غابت الشمس وغیرھا اذا استترت عن العین یقول غاب عنی کذا قال تعالیٰ :ام کان من الغائبین واستعمل فی کل غائب عن الحاسۃ وعما یغیب عن علم الانسان بمعنی الغائب قال :وما من غائبۃ فی السماء والارض الا فی کتاب مبین و یقال للشیء غیب وغائب باعتبار بالناس لا باللہ تعالیٰ فانہ لا یغیب عنہ شیء کما لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ فی السمٰوات ولا فی

---

[1] اصفہانی راغب ص ۳۷۲ سطر آخر، المطبعۃ المیمنۃ۔ مصطفیٰ البابی الحلبی واخویہ مصر۔

الارض و قوله عالم الغيب و الشهادة اى مايغيب عنكم و ماتشهدونه و الغيب فى قوله يؤمنون بالغيب مالا يقطع تحت الحواس و لا تقتضيه بداهة العقل العقول و انما يعلم بخبر الانبياء عليهم السلام و بدفعه يقع على الانسان اسم الحاد و من قال الغيب هو القرآن و من قال هو القدر فاشارة منهم الى بعض ما يقتضيه لفظه و قال بعضهم معناه يؤمنون بالغيب اذ اغابوا عنكم و ليسوا كالمنافقين الذين قيل فيهم و اذا خلوا الى شياطينهم قالوا انا معكم انمانحن مستهزؤن و على هذا قوله الذين يخشون ربهم بالغيب من خشى الرحمٰن بالغيب و لله غيب السمٰوات و الارض اطلع الغيب و لا يظهر على غيبه احدا لا يعلم من فى السمٰوات و الارض۔ الغيب الا الله۔

ترجمہ : الغیب۔ غابت الشمس وغیرھا کا مصدر ہے جس کے معنی کسی چیز کے نگاہوں سے اوجھل ہوجانے کے ہیں۔ چنانچہ محاورہ ہے غاب عنی کذا۔فلاں چیز میری نگاہ سے اوجھل ہوگئی۔قرآن میں ہے۔ ام کان من الغائبین کیا کہیں غائب ہوگیا ہے۔اور ہر وہ چیز جو انسان کے علم اور حواس سے پوشیدہ ہو اس پر غیب کا لفظ بولا جاتا ہے یعنی غیب بمعنی غائب ہے،قرآن میں ہے :وَمَامِنْ غَائِبَةٍفِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿النمل ۷۵﴾ اور آسمانوں اور زمین میں کوئی پوشیدہ چیز نہیں ہے مگر وہ کتاب روشن میں ہے۔ ﴿النمل ۷۵﴾اور کسی چیز کو غیب یا غائب لوگوں کے لحاظ سے کہا جاتا ہے ورنہ باری تعالیٰ سے تو کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے۔جیسے فرمایا :

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ذرہ بھر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں ، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں ﴿یونس ۶۱﴾ لہٰذا آیت کریمہ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے میں الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ سے مراد وہ اشیاء ہیں جو انسان کے علم وہ حواس سے پوشیدہ ہیں اور جو اس کے سامنے موجود ہیں۔اور آیۃ کریمہ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ غیب پر ایمان لاتے ہیں میں الغیب سے وہ تمام اشیاء اور حقائق مراد ہیں جو انسانی حواس سے ماوراء ہیں اور ہدایت عقل سے ان کا علم حاصل نہیں ہوسکتا،بلکہ انبیاء علیہم السلام کے خبر دینے سے ہی ان کا علم ہوتا ہے اور انہیں نہ ماننے سے انسان ملحد ہوجاتا ہے اور جن لوگوں نے غیب سے مراد قرآن یا تقدیر لی ہے تو انہوں نے اس کے جزوی مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے اور بعض نے يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ کے معنی یہ کئے ہیں کہ تم سے غائب ہونے کی حالت میں بھی وہ ایمان لاتے ہیں۔یعنی وہ ان منافقوں کی طرح نہیں ہیں جن کے متعلق ارشاد ہے کہ وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ﴿البقرۃ ۱۴﴾ چنانچہ مندرجہ ذیل آیات إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿۱۲ ملک﴾ اور وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وغیرھا میں بھی غیب کے معنی خلوت اور تنہائی کے ہیں وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ اور أَطَّلَعَ الْغَيْبَ اور فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا ﴿الجن ۲۶﴾ اور لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ اور تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ یہ آیات من جملہ غیب کی خبروں کے متعلق ہیں۔[1]

[2](غاب يغيب غيبا و غيبة و غيابا و غيوبا و مغيبا) عنه :بعد عنه و باينه (غابت الشمس غيابا و غيوبة) غربت و استترت عن العين۔الشيء عن فلان :استتر ضد حضر۔عن بلاده :سافر۔

ترجمہ : (غاب يغيب غيبا و غيبة و غيابا و غيوبا و مغيبا) عنه :دور ہونا،جدا ہونا،غابت الشمس غيابا و غيوبة سورج کا ڈوبنا،چھپنا۔ الشيء عن فلان پوشیدہ ہونا۔غیر حاضر ہونا۔عن بلاده سفر کرنا۔

---

[1] (اردو ص ۶۸۱،کالم ۱ سطر ۱۳)

[2] لوبس معلوف المنجد ص ۵۹۲ کالم ۲ سطر آخر المطبعة الكاثوليكية بيروت

[1]غاب یغیب غیبا و غیبۃ و غیابا و غیوبا و مغیبا :عن :غائب ہونا، دور ہونا جدا ہونا۔غیر حاضر ہونا۔ پوشیدہ ہونا کسی جگہ کا فاصلہ بعید پر ہونا۔ [2]

الغیب :الشک۔ کل ماغاب عنک (سمعت صوتاً من وراء الغیب) ای من موضع لا اراہ۔ السر۔ ما اطمأن من الارض۔ ج : غیاب و غیوب۔

[3]الغیب ج :غیوب و غیاب (۱) مص۔ غاب (۲) کل ماغاب عن الانسان (ھو عالم بالغیب) (۳) السر (۴) الشک (۵) ما سھل و انخفض من الارض۔

[4]غاب یغیب غیبا و غیبۃ و غیابا و غیوبا و مغیبا۔ غیر حاضر ہونا، دور ہونا کسی جگہ سے فاصلہ بعیدہ پر ہونا، پوشیدہ ہونا۔

[5] غاب عنہ۔ یغیب غیبا و غیبۃ و غیابا و غیوبا و مغیبا۔ بعد عنہ و بانیہ الشمس و غیرھا من النجوم غیابا و غیوبۃ غربت و استترت عن العین و فلان ضد حضر و فلان عن بلادہ سافر۔

[6]الغیب الشک و جمعہ غیاب و غیوب۔ قال

انت نبی تعلم الغیابا لا قائلا افکا و لا مرتابا

و الغیب کل ماغاب عنک

[7]الغیب ماغاب عنک الغائب خلاف الحاضر۔

ہر وہ شئ غیب ہے جو آپ سے غائب ہو، غائب کا لفظ حاضر کے خلاف استعمال ہوتا ہے۔ الحاضر۔

[8]الغیب ماغاب عن العیون و ان کان محصلا فی القلوب او غیر محصل۔

غیب وہ ہے جو آنکھوں سے غائب ہو اگرچہ دلوں میں حاصل ہو یا نہ۔

[9]غ-ی-ب۔ ہر وہ چیز جو نگاہوں سے اوجھل ہو، غیب کہلاتی ہے۔ اگر وہ چیز تصور میں موجود ہے لیکن نگاہوں سے پوشیدہ ہے تو پھر غیب ہی کہلائے گی۔ غیب نشیبی زمین کو بھی کہتے ہیں غابۃ ایسی نشیبی زمین جس سے پہلے اونچی زمین آجائے اور اس لئے وہ نگاہوں سے اوجھل ہو جائے۔ غابۃ گھنے جنگل کو بھی کہتے ہیں جس میں درختوں کی وجہ سے زمین نظر نہیں آتی۔ گڑھے اور کنویں کی ترائی اور گہرائی، نیز ہر چیز جو کسی کو چھپالے، اسی لئے غیابۃ کہلاتی ہے۔ غیبات الشجر۔ درختوں کی ان جڑوں کو کہتے ہیں جو زمین کے اندر پھیلی ہوئی ہوں اور نظر نہ آئیں۔

---

[1](۳) ازہری، اعظمی محمد حسین، معجم الاعظمی ص ۱۴۵۳ سطر آخر کالم ۲ مکتبۂ غزالی کراچی۔

[2]الدکتور خلیل البحر لاروس ص ۸۸۸ کالم ۱ سطر ۱ مکتبہ لاروس فرانس ۱۹۷۳ء

[3]جبران مسعود الرائد ص ۱۰۹۲ کالم ۱ سطر ۲۵ دار العلم للملایین بیروت

[4]ولیم ٹامسن ورٹے باٹ ص ۱۷۷، کالم ۲، سطر ۳ پنجاب ایڈوایزری بورڈ، لاہور۔

[5]ابن خلف تبریزی برھان قاطع ص ۸۰۵ کالم ۱ موسسۃ مطبوعاتی امیر کبیر، ایران۔ عبارت :فیروز اللغات۔ البستانی اللبناتی، الشیخ عبداللہ، البستان ج ۲ ص ۱۷۶۱ کالم ۲ سطر ۶ المطبعۃ الامیر بیروت ۱۹۳۰۔

[6]ابن منظور لسان العرب ج ۲ ص ۱۴۶ سطر آخر المطبعۃ المیریہ بولاق مصر ۱۳۰۰ھ

[7]طریحی، شیخ فخر الدین مجمع البحرین ص ۱۱۰ طبع ایران

[8]ابن اثیر النھایہ ص ۱۷۷ ج ۳ المکتبۃ المنیریہ مصر

[9]پرویز، غلام محمد لغات القرآن ج ۳ ص ۱۲۴۹ سطر ۱۵ طلوع اسلام، لاہور ۱۹۶۱

قرآن کریم نے غیب کے مقابلے میں شہادۃ کا لفظ لا کر اس کے معنی واضح کر دیئے ہیں۔یعنی غائب وہ ہے جو مشاہدہ میں نہ آیا ہو۔جو مشہود نہ ہو۔ فَرَسٌ غَائِبٌ اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو دوڑ میں اپنی کچھ قوت چھپا کر (reserve) رکھ لے اور فَرَسٌ شَاهِدٌ وہ جو ساری قوت کو نمایاں طور پر سامنے لے آئے۔

غیب کے لئے ضروری ہے کہ وہ کہیں موجود ضرور ہو لیکن آنکھوں سے اوجھل ہو۔جب غیب آنکھوں کے سامنے آجائے تو مشہود ہو جائے گا۔[1]

غیب : گمان، پوشیدگی۔پوشیدہ چیز[2]

غاب غیبا و غیابا و غیبۃ و غیوبا و مغیبا۔ کسی چیز سے غائب ہونا، پوشیدہ ہونا۔[3]

غیب۔غیر حاضری، پوشیدگی، پوشیدہ، عالم الغیب، غیب دان : پوشیدہ حال جاننے والا، خدا تعالیٰ۔غیب کی خبر : آئندہ واقعات کی خبر۔[4]

الغیب۔شک۔ہر وہ چیز جو تم سے غائب ہو۔بھید۔پست زمین۔[5]

غیب : ضد حضور، غیر موجودگی، غیر حاضری، غائب، پوشیدہ، پوشیدگی۔[6]

پوشیدہ ہونا، غیر حاضر ہونا، انسان کے علم و احساس سے بالاتر ہونا۔وہ چیزیں جو آدمی کی حسی اور عقلی رسائی سے خارج ہیں اور جن کا علم انبیاء کی اطلاع کے بغیر نہیں ہو سکتا، انبیاء پر آنے والی وحی، اندرون اور باطن غیب کا استعمال قرآن مجید میں ان تمام معانی میں ہوا ہے۔لفظ غیب پورے قرآن مجید میں بصورت نکرہ کہیں نہیں آیا، مضموم بھی آیا ہے مفتوح بھی اور مکسور بھی مگر ہر جگہ معرفہ ہے۔کل ۴۹ مقامات پر لفظ غیب آیا ہے۔ایک جگہ ضمیر کی طرف اضافت کی گئی ہے۔یعنی غیبہ فرمایا ہے، باقی ۴۸ مقامات میں یا الف لام کے ساتھ آیا ہے یا اسم ظاہر کی طرف اضافت کی شکل میں۔[7]

(المسئلۃ الرابعۃ) قیل (الغیب) مصدر اقیم مقام اسم الفاعل، کالصوم بمعنی الصائم، والزور بمعنی الزائر، ثم فی قولہ تعالیٰ (یُؤْمِنُونَ بِالْغَیْبِ) قولان (الاول) وھو اختیار ابی مسلم الاصفھانی ان قولہ (بالغیب) صفۃ المؤمنین معناہ انھم یؤمنون باللہ حال الغیب کما یؤمنون بہ حال الحضور، لا کالمنافقین الذین اذا لقو الذین أمنوا قالوا أمنا واذا خلوا الی شیطینھم قالوا انا معکم انما نحن مستھزؤن۔ ونظیرہ قولہ تعالیٰ (ذلک لیعلم انی لم اخنہ بالغیب) ویقول الرجل لغیرہ :نعم الصدیق لک فلان بظھر الغیب وکل ذلک مدح للمؤمنین یکون ظاھرھم موافقا لباطنھم ومباینتھم لحال المنافقین الذین یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم (والثانی) وھو قول جمھور المفسرین ان الغیب ھو الذی یکون غائبا عن الحاسۃ ثم ھذا الغیب ینقسم الی ماعلیہ دلیل، والی مالیس علیہ دلیل۔

ترجمہ :(چوتھا مسئلہ) ایک قول یہ ہے کہ ''الغیب'' مصدر ہے اور اسم فاعل کا قائم مقام ہے جس طرح ''صوم'' بمعنی ''صائم'' اور ''الزور'' بمعنی ''الزائر''۔ پھر فرمان خداوندی ''بالغیب'' مؤمنین کی صفت ہے بایں معنی کہ وہ حالت غیب میں بھی اللہ تعالیٰ پر اسی طرح ایمان رکھتے ہیں، جس طرح حالت

---

[1] عزیزی، ابوالفتح، مفتاح اللغات ص ۶۰۱، کالم ۱ سطر ۱۹ محمد سعید کراچی

[2] (۱۴) مجلس علماء، المعجم ص ۴۸۴ کالم ۱ دارالاشاعت کراچی عبارت فیروز اللغات۔فیروز دین فیروز اللغات ص ۵۰۹ کالم ۱ سطر ۱۰ فیروز سنز پاکستان ۱۹۷۹ء

[3] نسیم امروہوی و سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل۔نسیم اللغات ص ۶۵۸ کالم ۲ سطر ۱۴، شیخ غلام علی لاہور ۱۹۵۵ء۔

[4] بلیاوی، عبدالحفیظ، مصباح اللغات ص ۶۱۳ کالم ۱ سطر ۳۰ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔

[5] دہلوی سید احمد فرہنگ آصفیہ ص ۳۱۸ کالم ۱ سطر ۲۲ جلد ۳ مکتبہ حسن سہیل لاہور۔

[6] نعمانی، محمد عبدالرشید۔لغات القرآن ص ۲۴ کالم ۲ سطر ۱ جلد ۵ دینی کتب خانہ لاہور۔

[7] رازی، فخرالدین ۶۰۶ھ، تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۶۷ سطر ۱۴ المطبعۃ البھیۃ المصریۃ مصر

حضور میں ایمان رکھتے ہیں۔مؤمنین کا ایمان منافقین کی طرح نہیں ہے جو مؤمنین سے مل کر کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیاطین سے علیٰحدگی میں بیٹھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو مؤمنین سے استہزاء کرتے ہیں۔اور اس کی مثال قرآن مجید میں یہ بھی ہے کہ اسے معلوم ہو جائے کہ میں نے غیب میں اس سے خیانت نہیں کی۔اور جیسے ایک آدمی دوسرے سے کہتا ہے۔''کتنا اچھا ہے تیرا وہ دوست جو غیب میں تیری پشت پناہی کرتا ہے۔'' یہ مؤمنین کی مدح ہے کہ ان کا ظاہر اور باطن ایک ہے،منافقوں کی طرح نہیں ہے جو منہ سے کچھ کہتے ہیں اور ان کے دلوں میں کچھ پنہاں ہوتا ہے۔(قول دوم) جمہور مفسرین کا قول ہے کہ''غیب'' وہ ہے جو حواس سے غیب ہو۔اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ کہ جس پر دلیل ہو اور دوسرا وہ جس پر دلیل نہ ہو۔[1]

یُؤْمِنُونَ بِالْغَیْبِ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں :المراد به الخفی الذی لا یدرکه الحس و لا تقتضیه بداهة العقل۔یعنی غیب سے مراد وہ مخفی چیز ہے کہ جسے حواس نہ پاسکیں اور نہ بداھۃً اسے عقل چاہے۔[2]

وهو ما غاب عن الحس و العقل غیبة کاملة بحیث لا یدرک بواحد منها ابتداء بطریق البداهة وهو قسمان قسم لا دلیل علیه وهو الذی اربد بقوله عنده مفاتح الغیب و قسم نصب علیه دلیل کالصانع و صفاته وهو المراد۔

ترجمہ :غیب وہ ہے جو حس اور عقل سے تمام تر چھپا ہوا ہو ایسے کہ کسی بھی ذریعے سے بھی ابتداءً کھلم کھلا معلوم نہ ہو سکے۔غیب کی دو قسمیں ہیں۔ایک وہ کہ جس پر کوئی دلیل نہ ہو،وہی اس آیت سے مراد ہے کہ خدا کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔دوسری ہو کہ جس پر کوئی دلیل قائم ہو۔جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات۔وہی اس جگہ مراد ہیں۔[3]

قوله تعالیٰ :(بالغیب) الغیب فی کلام العرب :کل ما غاب عنک، وهو من ذوات الیاء یقال منه غابت الشمس تغیب، و الغیبة و غیابة، ای هبطة من الارض، و الغیابة الاجمة۔وهی جماع الشجر یغاب فیها و یسمّی المطمئن من الارض :الغیب لانه غاب عن البصر۔

کلام عرب میں غیب ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو آپ سے غائب ہو،لفظ غیب یائی ہے واوی نہیں۔کہا جاتا ہے''غابت الشمس تغیب'' اور غیبہ مشہور ہے۔عرب''اغابة المراة'' اس عورت کے بارے میں کہتے ہیں جس کا شوہر اس سے غائب ہو اور وقعنا فی غیبة و غیابة سے مراد زمین کی پست جگہ ہے اور ''غیابه'' سے مراد اجمہ ہے یعنی درختوں کا جھنڈ جس میں چھپا جائے۔زمین کی جائے اطمینان کو بھی غیب کہتے ہیں کیونکہ وہ جگہ آنکھوں سے غیب ہوتی ہے۔[4]

(بالغیب) بما غاب عنهم من البعث و الجنة و النار۔[5]

(بالغیب) بما غَیّب عنهم مما انباهم به النبی علیه السلام من امر البعث و النشور و الحساب و غیره ذلک فهو بمعنی الغائب تسمیة بالمصدر من قولک غاب الشیء غیبا هذا ان جعلته صلة للایمان و ان جعلته حالا کان بمعنی الغیبة و الخفاء ای یومنون

---

[1] بیضاوی،عبداللہ بن عمر تفسیر انوار التنزیل جلد ا ص ۵۵ سطر ۱۹ مصطفیٰ البابی مصر

[2] حقی،شیخ اسماعیل،روح البیان ج ا ص ۳۲ سطر ۱۰ مطبعہ عثمانیہ مصر ۱۳۳۰ھ

[3] قرطبی،او عبداللہ محمد بن احمد۔الجامع لاحکام القرآن ج ا ص ۱۶۳ سطر ۲ دار الکاتب العرب مصر ۱۹۶۷ء۔

[4] سیوطی،محلی،جلالین ص ۲ سطر ۱۰ مصطفی البابی مصر

[5] نسفی،عبداللہ بن احمد محمود،تفسیر النسفی ص ۱۳ سطر ۱۲ جلد ا،عیسی البابی مصر

غائبین عن المؤمن به۔ یعنی وہ ان امور پر ایمان رکھتے ہیں جن سے حضرت مصطفیٰ ﷺ نے انہیں آگاہ کیا ہے اگر چہ وہ ان سے غائب ہیں مثلاً بعثت، یوم محشر وحساب وغیرہ لفظ ''غائب'' صیغہ اسم فاعل بمعنی مصدر ہے۔ ''غاب الشیٔ غیباً'' اکثر مستعمل ہے۔ اگر ''غیب'' کو ''ایمان'' کا صلہ یا حال قرار دیا جائے تو معنی غیبت اور ''خفاء'' ہوگا یعنی مومنین ایمان رکھتے ہیں اگر چہ غیب ہیں ان چیزوں سے جن پر ایمان رکھا جاتا ہے۔[1]

واصل الغیب :کل ماغاب عنک من شئ وھو من قولک :غاب فلان یغیب غیباً۔[2]

(بالغیب) اگر چہ بظاہر ترکیباً جار مجرور واقع ہوا ہے لیکن حقیقت میں یومنون کا مفعول بہ ہے۔ اور باز ائد ہے یا یوں کہو مصدر فاعل کے معنی میں ہے اور یومنون کے فاعل سے حال واقع ہوا ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے یؤمنون غائبین عنکم اس بنا پر جملے کے معنی یہ ہوں گے کہ متقی وہ صاف باطن لوگ ہیں جو اے مسلمانوں تم سے غائب ہونے کی حالت میں بھی ویسے ہی ایمان کا دلی اعتراف کرتے ہیں جیسے منہ در منہ اور سامنے، وہ ان بد باطن اور دغا باز منافقوں جیسے نہیں ہیں جو مسلمانوں کے سامنے تو ان کی رضا جوئی کے لئے ایمان کا اقرار کرتے ہیں مگر پیٹھ پیچھے صاف انکار کر جاتے ہیں۔ یا یوں کہیئے کہ مؤمن بہ (یعنی رسول اللہ ﷺ سے غائب ہونیکی حالت مراد ہے، اس وقت مفعول بہ سے حال ہوگا۔[3]

غیب مصدر ہے اور اس کا تعلق یومنون کے ساتھ مبالغۃً ہوا ہے جیسے شہادت کے لفظ کا قال اللہ تعالیٰ :عالم الغیب والشھادۃ غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو آدمیوں کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ مثلاً خدا کی ذات وصفات، فرشتے، آدمیوں کا مرے پیچھے زندہ اٹھ کھڑا ہونا، جنت و دوزخ، پل صراط، میزان، عذاب قبر وغیرہ۔[4]

والغیب مصدر وصف به للمبالغة كالشهادة قال الله تعالىٰ عالم الغيب والشهادة والمراد به ما غاب عن ابصارهم من ذات الله وصفاته والملائكة والبعث والجنة والنار والصراط والميزان وعذاب القبر وغير ذلک فهو واقع موقع المفعول به للايمان والباء صلة او بمعنى الفاعل وقع حالا من فاعل يؤمنون يعنى يؤمنون غائبين عنكم لا كالمنافقين فى حضور المؤمنين خاصة دون الغيبة۔[5]

(بالغیب) ای ماھو غائب کامور الاخرۃ والقدر ومحمد علیہ الصلوۃ والسلام من غیر رویتہ۔[6]

(بالغیب) الغیب فی الاصل مصدر غاب، بمعنی استتر واحتجب وخفی وھو بمعنی الفاعل۔ کالزور للزائر۔ اطلق علیه مبالغة، ولامراد به مالا یقع تحت الحواس، ولا تقتضبه بداهة العقل، وانما یعلم بخبر الانبیاء علیهم السلام۔

''غیب'' دراصل ''غاب'' کا مصدر ہے بمعنی استتر، احتجب اور خفی (چھپنا) اور بمعنی ''فاعل'' ہے جیسے ''زور'' زائر کے لئے۔ مطلقاً اس کا تذکرہ مبالغہ کے لئے کیا گیا ہے۔ اور اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو حس کے تحت واقع نہ ہو اور عقلِ بدیہی جس کو نہ پا سکے اور انبیاء علیہم السلام کی اطلاع سے معلوم ہو۔[7]

---

[1] طبری، ابو جعفر محمد بن جریر متوفی ۳۱۰ھ جامع البیان جلد ۱ ص ۱۰۲ سطر ۱ مصطفی البابی الحلبی۔ مصر ۱۹۵۴ء

[2] تفسیر مظہری اردو مطبع ندوۃ المصنفین دھلی ص ۲۹ سطر ۱۲ جلد ۱

[3] (طبع دہلی ص ۲۹ سطر ۱۲) (۲۸) ص ۲۹ سطر ۸)

[4] قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ۔ تفسیر مظہری جلد ۱ ص ۱۳ سطر ۱۳ مفبع الغزیب حصار (طبع قدیم)

[5] الایجی، معین الدین محمد بن عبد الرحمن م ۸۹۴ھ جامع البیان جلد ۱ ص ۷ سطر ۴ دار النشر الکتب الاسلامیہ گوجرانوالہ

[6] القسمی، محمد جمال الدین متوفی ۱۳۳۲ھ محاسن التاویل جلد ۱ ص ۳۵ سطر ۳ عیسیٰ البابی مصر ۱۹۵۷ء

[7] نیشاپوری، نظام الدین متوفی ۷۲۸ھ غرایب القرآن جلد ۱ ص ۱۴۹ سطر ۱۱ مصطفی البابی الحلبی مصر ۱۹۶۲ء

الرابعة :یجوز ان یکون بالغیب صلة للایمان :ای یعترفون او یثقون به۔ وعلی هذا یکون الغیب بمعنی الغائب، اما تسمیة بالمصدر کما سمی الشاهد بالشهادة قال اللّٰہ تعالیٰ (عالم الغیب و الشهادة) و العرب تسمی المطمئن من الارض غیبا، و اما ان یکون مخفف فیعل و یجوز ان یکون بالغیب حالا و الغیب، بمعنی الغیبة و الخفاء ای یؤمنون غائبین عن المؤمن به۔

جائز ہے کہ لفظ غیب ایمان کا صلہ ہو۔ یعنی وہ اس کا اعتراف کرتے ہیں یا اس پر اعتماد کرتے ہیں تو اس صورت میں لفظ غیب کے معنی میں ہوگا۔ اور اس کا مصدر نام رکھنا ایسے ہے جیسے شاہد کا نام شہادت رکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : "عالم الغیب و الشهادة" اور عرب اطمینان والی زمین کو بھی غیب کہتے ہیں اور غیب کا مخفف فیعل ہے۔ آگے تحریر فرماتے ہیں کہ جائز ہے کہ لفظ غیب کو حال تسلیم کیا جائے اور غیب غیبۃ اور خفاء کے معنی میں سمجھا جائے یعنی وہ ایمان رکھتے ہیں اس حال میں کہ وہ اس چیز سے غائب ہیں جس پر ایمان رکھا جاتا ہے۔ [1]

ماغاب عن الابصار منکشفا بنعت الانوار لعیون الاسرار۔

جو آنکھوں سے غائب ہو لیکن اسرار سے آگاہ بصارت پر صفت انوار سے منکشف ہو۔ [2]

عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنه و عن ناس من اصحاب النبی ﷺ اما الغیب فما غاب عن العباد من امر الجنة و امر النار و ما ذکر فی القرآن۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر اصحابِ نبی ﷺ سے مروی ہے کہ غیب سے مراد وہ پوشیدہ چیزیں ہیں جو نظروں سے اوجھل ہیں جیسے جنت دوزخ وغیرہ وہ امور جو قرآن میں مذکور ہیں۔ [3]

قول ابو مسلم اصفہانی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ [4]

و الغیب مصدر اقیم مقام الوصف و هو غائب للمبالغة بجعله کانه هو و جعله بمعنی المفعول یرده کما فی البحر ان الغیب مصدر غاب و هو لازم لا یبنی منه اسم مفعول و جعله تفسیرا بالمعنی لان الغائب یغیب بنفسه تکلف من غیر داع او فیعل خفف کقیل و میت و فی البحر لا ینبغی ان یدعی ذلک الا فیما سمع مخففا و مثقلا و فسره جمع هنا بما لا یقع تحت الحواس و لا تقتضیه بداهة العقل فمنه مالم ینصب علیه دلیل و تفرد بعلمه اللطیف الخبیر سبحانه و تعالیٰ کعلم القدر مثلا و منه ما نصب علیه دلیل کالحق تعالیٰ و صفاته العلا فانه غیب یعلمه من اعطاه اللّٰہ نورا علی حسب ذلک النور۔ [5]

و الغیب فی کلام العرب :کل ماغاب عنک۔

کلام عرب میں "غیب" ہر اس چیز کے لئے مستعمل ہے جو آپ سے غائب ہو۔ [6]

و اصل الغیب :المکان المطمئن الذی یستتر فیه لنزوله عما حوله، فسمی کل مستتر :غیبا۔

---

[1] ابن روزبہان، تفسیر عرائس البیان جلد ۱ ص ۱۳ سطر ۵ منشی نولکشور لکھنؤ

[2] ابن کثیر، تفسیر جلد ۱ ص ۴۱ سطر ۸ عیسیٰ البابی مصر

[3] آلوسی، سید محمود، روح المعانی جلد ۱ ص ۹۸ سطر ۱۴ المطبعة الکبری المیریه بولاق مصر

[4] سطر ۸ قول ابن مسعود حسب سابق عبارت تفسیر ابن کثیر۔ آلوسی، سید محمود، تفسیر روح المعانی جلد ۱ ص ۹۷ سطر ۲۰ المطبعة الکبری المیریه بولاق مصر

[5] شوکانی، محمد بن علی ۱۲۵۰ھ فتح القدیر جلد ۱ ص ۳۴، سطر ۱۲ مصطفی البابی مصر ۱۹۶۴ء

[6] (۳۸) جمل، شیخ سلیمان، تفسیر جمل جلد ۱ ص ۱۴ سطر ۱۰ مطبع مرتضوی انڈیا۔ عبارت تفسیر مظہری بعینہ۔ ابن جوزی ۶۵۶ھ تفسیر زاد المسیر جلد ۱ ص ۲۴ سطر ۱۱ المکتبة الاسلامی بیروت ۱۹۶۴ء

اصل میں ''غیب'' اس جائے اطمینان کو کہتے ہیں جس میں ارد گرد سے چھپا جائے، اسی لئے ہر پوشیدہ کو ''غیب'' کہتے ہیں۔[1]

ان جعلته صلة كان بمعنى الغائب اما تسمية بالمصدر من قولک غاب الشیء غیبا کما سمی الشاهد بالشهادة قال الله تعالیٰ عالم الغیب و الشهادة و العرب تسمی المطمئن من الارض غیبا۔

اگر اس کو صلہ قرار دیں تو معنیٰ ''غائب'' ہوگا اور اس کو غاب الشئ غیبا سے مصدر قرار دیا جاسکتا ہے، جس طرح فرمان خداوندی ''عالم الغیب و الشهادة'' میں ''شاھد'' کو شھادۃ کہا گیا ہے، اور عرب جائے اطمینان زمین کو غیب کہتے ہیں۔[2]

الغیب مصدر غاب یغیب اذا توارى و سمی المطمئن من الارض غیبا لذلک او فیعل من غاب فاعله غیب۔

''غیب'' باب غاب یغیب سے مصدر ہے جس کا معنی ہے ''چھپنا''۔ اسی لئے پست زمین کو غیب کہتے ہیں یا اس کا وزن فیعل ہے، باب غاب جس کا فاعل ''غیب'' ہوگا۔[3]

قوله بالغیب و حقیقة ما غاب عن الحواس مما لا یوصل الیه الا بالخبر دون النظر۔

فرمان باری تعالیٰ ''بالغیب'' حقیقت میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو اس سے غائب ہو اور بغیر خبر دون النظر اس تک پہنچنا محال ہو۔[4]

(یؤمنون بالغیب) ای یصدقون بما غاب عنهم من البعث و الجزاء و الجنة و النار الخ۔

یعنی وہ مؤمنین بعث، جزا، جنت دوزخ وغیرہ کی تصدیق کرتے ہیں جبکہ یہ چیزیں ان سے غائب ہیں۔[5]

الغیب مصدر وضع موضع الاسم فقیل للغائب غیب کما قیل للعادل عدل و للزائر زور و الغیب ما کان مغیبا من العیون۔

''الغیب'' مصدر ہے جس کو اسم کی جگہ پر رکھا گیا ہے جس طرح عادل کو عدل، زائر کو زور کہتے ہیں اسی طرح ''غائب'' کو غیب کہتے ہیں۔ اور جو کچھ آنکھوں سے غائب ہو اسے غیب کہا جاتا ہے۔[6]

ابو اسحاق یؤمنون بالغیب ای یؤمنون بما غاب عنهم مما اخبرهم به النبی ﷺ من امر البعث و الجنة و النار و کل ما غاب عنهم مما انبأهم به فهو غیب۔[7]

(الذین یؤمنون بالغیب) ای یصدقون بما غاب عنهم من الجنة و النار و الصراط و المیزان۔[8]

(الغیب) ما غاب عنهم من حساب و جزاء و جنة و نار و غیر ذلک۔[9]

---

[1] زمخشری، جار اللہ ۵۳۸ھ تفسیر کشاف جلد ۱ ص ۲۱ سطر آخر طبع قدیم مطبع لیسی کلکتہ ۱۸۵۶ء

[2] اندلسی، ابن حیان البحر المحیط جلد ۱ ص ۳۸ ص ۵ ۱ مطبعة السادة مصر ۱۳۲۸ھ

[3] ابن عربی متوفی ۵۴۲ھ احکام القرآن جلد ۱ ص ۵ سطر ۶ مطبعة السعادة مصر ۱۳۳۱ھ

[4] شربینی، محمد، سراج المنیر جلد ۱ ص ۵ ۱ سطر آخر منشی نولکشور لکھنؤ۔

[5] بغوی، ابو محمود حسین بن مسعود معالم التنزیل، ص ۱۳ سطر ۱۲ المطبع الحیدر ممبئی ۱۲۸۳ھ۔

[6] ابن منظور لسان العرب جلد ۲ ص ۱۴۷ سطر ۱ المطبعة المیریه بولاق مصر ۱۳۰۰ھ

[7] سطر ۱۳ عبارت ابن عربی۔ نووی، شیخ محمد، التفسیر المنیر ج ۱ ص ۴ سطر ۳ مصطفی البابی مصر ۱۳۷۴ھ

[8] واحدی، ابو الحسن، تفسیر الوجیز ج ۱ ص ۴ سطر ۶ بر حاشیہ تفسیر منیر عبارت مذکورہ۔ حجازی، محمد محمود، التفسیر الواضح ج ۱ ص ۱۴ سطر ۷ مطبعة الاستقلال مصر ۱۹۶۴ء۔

[9] رشید، تفسیر المنار جلد ۱ دار المنار مصر ۱۳۷۳ھ

الغیب۔ماغاب علمہ عنھم۔[1]

(الذین یؤمنون بالغیب) یصدقون بماغاب عنھم کامر البعث والحساب

وہ ان تمام امور کی تصدیق کرتے ہیں جو ان سے غائب ہیں، مثلاً بعث وحساب وغیرہ۔[2]

یؤمنون ایمان لاتے ہیں بالغیب ساتھ بے دیکھے ہوئے کے کہ حق تعالیٰ ہے اور فرشتے اور قیامت یا اس کے متعلقات یا ساتھ چھپی ہوئی چیز کے کہ وحی ہے۔

(۵۳) دہلوی، محمد رحیم بخش، اعظم التفاسیر ج ا ص ۴۷، سطر ۵ مطبع نامی دہلی فیضی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

بالغیب ما اعلمھم الرسول وما ادرکہ حواسھم کالاسلام للہ الاحد مع ما امرہ اللہ وما ھو محسوسھم کامر المعاد واحوالہ وھو مصدر ورد محل الاسم اطراء وورد المراد ھو الروع والحاصل ھم رھط اسلموا روعا ومر الا کرھط اسلموا مسحلا لاروعا۔

غیب اس چیز کو کہتے ہیں جس کی اطلاع لوگوں کو پیغمبر نے دی ہو اور ان کے حواس وہاں تک نہ پہنچیں ہوں جیسے خدائے واحد کے ساتھ ایمان لانا اور جس چیز کا حکم اس نے پیغمبر کو فرمایا ہے اور جو چیزیں آدمیوں کے ادراک سے باہر ہیں ان کی تصدیق کرنا جیسے قیامت اور اس کے احوال اور غیب مصدر ہے اسم فاعل کی جگہ مبالغہ واقع ہوگیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ غیب سے مراد دل ہے اور معنی یہ ہیں کہ پرہیزگار وہ لوگ ہیں جو دل سے تصدیق کرتے ہیں اور ایمان لاتے ہیں نہ ان لوگوں کی طرح جو زبان سے اسلام لاتے ہیں اور دل سے اعتقاد نہیں کرتے۔[3]

غیب اس چیز کو بولتے ہیں جو تیری نظر سے غائب ہو اور یہ بات بلحاظ آدمیوں کے مختلف ہوتی ہے چنانچہ امت کے واسطے اللہ تعالیٰ وملائکہ وکتابوں ورسولوں وروز قیامت وتقدیر الٰہی وعذاب قبر ودوزخ وجنت وبعث وحشر وصراط ومیزان ان سب پر ایمان بالغیب ہے اور آنحضرت ﷺ نے جب معراج شریف میں دوزخ وجنت وطوبیٰ وحور وقصور وغیرہ کو دیکھ لیا تو اس وقت آپ کے واسطے یہ غیب نہیں رہا۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو انکشاف عطا فرمایا اور آپ نے اس کی خبر دی تو وہ آپ کے واسطے معائنہ ہے اور ہم لوگوں کے واسطے غیب ہے۔[4]

والغیب ماغاب عنھم علمہ کذات اللہ وملائکتہ والدار الاخرۃ وما فیھا من البعث والنشور والحساب۔[5]

(قولہ بما غاب) اشار بذلک الی اطلاق المصدر وارادۃ اسم الفاعل وما غاب عنا قسمان ما دل علیہ دلیل عقلی او سمعی کالجنۃ والنار والملائکۃ والعرش والکرسی واللوح والقلم والمولی سبحانہ وتعالیٰ وصفاتہ ومالم یدل علیہ دلیل کالساعۃ ووقت نزول المطر وما فی الارحام وباقی الخمسۃ المذکورۃ۔[6]

---

[1] طنطاوی، جوھری شیخ الجواھر ج ا ص ۲۷ سطر آخر مصطفی البابی مصر ۱۳۵۰ء

[2] کاشفی، کمال الدین حسین واعظ، تفسیر حسینی ص ۳ سطر ۶ ا بندرہ معمور ممبئی ۱۲۷۸ھ عبارد مدرجہ ذیل۔ قادری ترجمہ تفسیر حسینی جلد ا ص ۳ سطر ۹ ا ملک دین محمد لاھور۔

[3] ملیح آباد، مواھب الرحمن ج ا ص ۴۹ سطر ۵ مکتبۂ رشیدیہ لاھور۔

[4] المراغی، احمد مصطفی، تفسیر المراغی ج ا ص ۴۱ سطر ۱۰ مصطفی البابی مصر ۱۳۷۳ھ

[5] الصاوی، شیخ احمد، الصاوی علی الجلالین ج ا ص ۷ سطر آخر عیسی البابی مصر

[6] صدیق حسن خان، فتح البیان ج ا ص ۴۸ سطر ۱۰، بولاق مصر

والغیب فی کلام العرب کل ماغاب عنک۔[1]

ان الغیب ماغاب من العباد علمه من امر الجنة والنار والارزاق والاعمال وغیر ذلک۔[2]

قرآن میں لفظ غیب سے وہ تمام چیزیں مراد ہیں جن کی خبر رسول اللہ ﷺ نے دی ہے اور ان کا علم بداہت عقل اور حواس خمسہ کے ذریعہ نہیں ہوسکتا۔اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات بھی آجاتی ہیں،تقدیری امور،جنت و دوزخ کے حالات،قیامت اور اس میں پیش آنے والے واقعات بھی،فرشتے،تمام آسمانی کتابیں،اور تمام انبیاء سابقین بھی۔[3]

غیب کے معنی ہیں غائب یعنی چھپی ہوئی چیز۔اصطلاح میں غیب وہ چیز کہلاتی ہے جو کہ ظاہری و باطنی حواس اور عقل سے چھپی ہو۔یعنی نہ تو آنکھ ناک کان وغیرہ سے معلوم ہوسکے اور نہ غور وفکر سے عقل میں آسکے۔غیب دو طرح کا ہے ایک وہ جس پر کوئی دلیل بھی قائم نہ ہو۔جیسے کسی کی موت کا وقت قیامت کے آنے کی تاریخ۔پیٹ کے بچے کی تحقیق کہ یہ چیزیں دلائل سے بھی نہیں معلوم ہوسکتیں۔اسی کا نام ہے مفاتیح الغیب اسی کے متعلق قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ یعنی غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں اسے کوئی بھی اپنے پاس معلوم نہیں کرسکتا۔ جس کو رب بتائے جیسے انبیاء کرام اور خالص اولیاء اللہ اس تک پہنچ سکتے ہیں۔دوسرا وہ غیب جس پر دلیل قائم ہو۔یعنی دلائل سے اس کا پتہ لگ جائے۔جیسے حق تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات انبیاء کی نبوت اور ان کے متعلق احکام وغیرہ۔یہ غیب وہ ہے کہ غور وفکر سے معلوم ہوجاتا ہے۔ رب کو ہم نے نہ دیکھا لیکن دنیا کا ذرہ ذرہ اس کے ہونے کا پتہ دے رہا ہے۔یہاں غیب سے مراد یہی ہے۔اب اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ متقی وہ ہیں جو ان غیبوں پر ایمان رکھتے ہوں جو دلائل سے معلوم ہوسکتے ہیں۔اللہ کی ذات اس کے صفات انبیاء کرام کی نبوت،قیامت،حساب، سزا وجزا،جنت و دوزخ یہ سب اسی غیب میں داخل ہیں جو شخص ان میں سے کسی چیز کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

تفسیر روح البیان میں فرمایا : کہ غیب دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جو تجھ سے غائب ہو جیسے کہ عالم ارواح کہ پہلے تو وہاں موجود تھا اور جب تو یہاں آگیا تو وہ تجھ سے غائب ہوگیا۔دوسرا وہ جس سے تو غائب یعنی وہ تیرے پاس اور حواس سے دور جیسے حق تعالیٰ کہ وہ ہم سے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے لیکن ہم اس سے دور ہیں۔

یار نزدیک تر از من بمن ست　　ویں عجب ترکہ من از وے دورم

اس آیت کے تین معنی ہیں ایک یہ کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں یعنی حق تعالیٰ کو اور جنت دوزخ وغیرہ کو بغیر دیکھے مانتے ہیں۔دوسرے یہ کہ وہ غیب یعنی دل سے ایمان لاتے ہیں،زبان ظاہر ہے اور دل چھپا ہوا ہے۔زبان سے تو منافقین بھی ایمان لے آئے تھے مگر وہ قبول نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ غیب یعنی دل سے ایمان نہ تھا۔تیسرے یہ کہ غیب میں یعنی مسلمانوں کے پیٹھ پیچھے بھی ایمان لاتے ہیں۔منافقین مسلمانوں کے سامنے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے مگر آپس میں کافروں سے ملتے تھے تو کہتے تھے کہ انّا معکم ہم تمہارے ساتھ ہیں۔تو اس میں یہ فرمایا گیا کہ مؤمن وہ ہے جو کہ ہر حال میں یعنی مسلمانوں کے سامنے بھی اور مسلمانوں کے پیٹھ پیچھے بھی ایماندار رہے۔

فائدہ:اس سے معلوم ہوا کہ غائب چیز پر ایمان لانا معتبر ہے نہ کہ ظاہر پر قرآن پاک کے ظاہری حروف کو مان لینا کہ یہ ایک کتاب ہے۔عربی زبان

---

[1] سطر ۱۱ عبارت تفسیر قرطبی۔طوسی،شیخ ابو جعفر متوفی ۴۶۰ھ تفسیر التبیان،ص ۲۰ سطر ۲۵ ایران

[2] سطر ۱۱ عبارت تفسیر قرطبی۔طوسی،شیخ ابو جعفر متوفی ۴۶۰ھ تفسیر التبیان،ص ۲۰ سطر ۲۵ ایران

[3] کاندھلوی،محمد علی صدیقی،معالم القرآن ج ۱ ص ۱۰۷ سطر آخر طبع سیالکوٹ،عبارت لغات القرآن. مناظر اہل سنت جناب مولانا الحاج مفتی احمد یار خان صاحب بدایونی اپنی مایۂ ناز تفسیر اشرف التفاسیر (تفسیر نعیمی) کی پہلی جلد کے ص ۱۲۴ کی سطر ۳ پر تحریر فرماتے ہیں۔

کی ہے۔لاہور میں چھپی ہے۔فلاں کاغذ پر لکھی گائی ہے۔ یہ ایمان نہیں کیونکہ یہ باتیں بالکل ظاہر ہیں بلکہ قرآن پاک کے چھپے ہوئے وصف پر ایمان لانا ضروری ہے، وہ یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے، حضرت جبرئیل علیہ السلام لائے ہیں، حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر آیا ہے۔کیونکہ اوصاف ظاہراً محسوس نہیں ہوتے اسی طرح حضور علیہ السلام کی ظاہری صفات کو مان لینا ایمان نہیں کہ وہ بشر تھے، مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔کھاتے پیتے تھے، سیدنا عبداللہ کے فرزند تھے۔آمنہ خاتون کے لختِ جگر نورِ نظر تھے۔کیونکہ یہ تو ان کے ظاہری اوصاف ہیں، ان کے کفار بھی قائل ہیں۔بلکہ حضور پاک ﷺ کے چھپے ہوئے اوصاف کو ماننے کا نام ایمان ہے۔یعنی کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اس کے پیارے ہیں، تخت وتاج والے ہیں، شفیع المذنبین ہیں، رحمۃ اللعالمین ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ اوصاف ظاہر میں محسوس نہیں اس لئے ان کو ماننا ہی ایمان بالغیب ہوگا۔وہابیہ اور دیوبندیہ کا حضور علیہ السلام کی بشریت کے پیچھے پڑ جانا محض بے دینی ہے، ان کو بشر ماننا ایمان نہیں، بلکہ ان کو مصطفی ماننا، رحمۃ اللعالمین ماننا ایمان ہے۔اسی لئے کلمہ میں پڑھا جاتا ہے ''محمد رسول اللّٰہ'' نہ کہ ''محمد بشرٌ'' بلکہ حق تو یہ ہے کہ اللہ کو صرف خالق عالم ماننے کا نام بھی ایمان نہیں ہے۔اسی لئے حق تعالیٰ نے فرمایا :قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴿ ۱ ﴾ جس سے معلوم ہوا مصطفی ﷺ کے ذریعہ لائی ہوئی توحید ایمان ہے اور فرمایا وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ﴿الاعراف ۱۷۲﴾ جس سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے میثاق کے دن ساری اولاد آدم کو اپنی پہچان ہی اس طرح کرائی، کہ ہم ربّ محمد ہیں۔سب باتیں ایمان بالغیب میں داخل ہیں۔رب نے اپنی مخلوقات میں غیب وشہادت رکھے ہیں۔ہمارا بدن شہادت ہے، قلب وروح غیب۔درخت اور اس کی سبزی شہادت ہے۔جڑ اور درخت کا وہ رس جس کے سوکھ جانے سے درخت خشک ہو جاتا ہے، یہ غیب ہے۔ایسے ہی ایمانیات کے لئے غیب وشہادت ہے۔ابلیس نے آدم علیہ السلام کا ظاہر شہادت کی چیز دیکھی یعنی ان کا جسم اور جسم کی ساخت مگر ان اندرونی وصفِ خلافت الٰہیہ نہ دیکھی جو غیب تھی، اسی لئے مارا گیا۔اب بھی جن کی نظر حضور ﷺ کی بشریت پر ہے وہ ابلیس کی طرح بدنصیب ہیں۔اس لئے یہاں پر ارشاد ہوا :يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ۔

حاصل نظر

قارئین کرام! آپ نے مذکورہ صفات میں کتب لغات وتفاسیر سے ملاحظہ فرمایا کہ غیب کے معنی ہیں کسی چیز کا نگاہوں سے اوجھل ہونا، کسی چیز کا انسان کے علم وحواس سے پوشیدہ ہونا، دور ہونا، جدا ہونا، پوشیدہ ہونا، غیر حاضر ہونا، فاصلۂ بعید پر ہونا، آنکھوں سے غائب ہونا، اگرچہ دلوں میں موجود ہو وغیرہ وغیرہ۔

اقسامِ غیب

علماء کرام نے غیب کی متعدد اقسام تحریر فرمائی ہیں۔ان میں سے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر کی جلد ۲ صفحہ ۲۷ کی سطر ۲۲ پر تحریر فرماتے ہیں کہ ''غیب'' کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم :علم غیب کی پہلی قسم وہ ہے جس پر کوئی دلیل ہو (جیسے خدا کی ذات وغیرہ، یہ وہ غائب ہیں کہ غور وفکر سے معلوم ہو جاتے ہیں)

دوسری قسم :علمِ غیب کی دوسری قسم وہ ہے کہ جس پر کوئی دلیل نہ ہو۔(جیسے قیامت کب آئے گی، وغیرہ۔ یہ چیزیں دلائل سے بھی معلوم نہیں ہوتیں۔)[1]

قسم اول :وہ جو تجھ سے غائب ہو۔جیسے تم سے عالم ارواح غائب ہے حالانکہ ایک ایسا زمانہ تھا کہ تم وہاں تھے۔

---

[1] تفسیر روح المعانی جلد ۱ ص ۹۷، سطر ۲۵ الصاوی جلد ۱ ص ۷ سطر آخر پر بھی مذکورہ تقسیم تحریر ہے۔علامہ حقی نے تفسیر روح البیان کی جلد ۱ کے ص ۳۲ پر یہ تقسیم تحریر کی ہے۔

قسم دوم : وہ جس سے تم غائب ہو،یعنی وہ تیرے پاس ہے اور تو اس سے پھر بھی دور ہے، جیسے خدا کی ذات شہ رگ سے بھی قریب ہے لیکن تم اس سے پھر بھی دور ہو۔

مولانا عبدالباسط محمد عبدالسلام علمِ غیب کی یوں تقسیم فرماتے ہیں کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں، ایک علمِ غیبِ ذاتی اور ایک علمِ غیب عطائی۔

علمِ غیبِ ذاتی : قدیم بالذات ازلی جو تمام کلیات و جزئیات ممکن الوجود کو حاوی ہو، صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم ذاتی کو غیر خدا کا علم حاوی نہیں ہوسکتا۔

تمام اولین و آخرین، انبیاء مرسلین اور ملائکہ مقربین سب کے علوم مل کر بھی علوم الٰہیہ سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو کروڑھا سمندروں سے ایک ذرہ بھی بوند کے کروڑ ویں حصہ کو ہے کیونکہ وہ تمام سمندر اور اس بوند کا کروڑ واں حصہ دونوں متناہی ہیں۔ علوم الٰہیہ غیر متناہی ہیں (یعنی خدا کے علم کی کوئی انتہا نہیں) مخلوق کے علم اگرچہ عرش و فرش، شرق و غرب، جملہ کائنات از روز اول تا روز آخر کو محیط ہو جائیں آخر متناہی ہیں۔ جملہ علومِ خلق کو علمِ الٰہی سے کوئی نسبت نہیں۔

علمِ غیبِ عطائی : جو اللہ تعالیٰ کے اعلام اور سکھانے سے حاصل ہو۔ یہی علم انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوۃ والسلام کا ہے اور بعض خواص اولیاء کرام کو حضور ﷺ کے فیض و عطا سے حاصل ہیں۔

انبیاء کرام علیہم السلام کو کثیر غیبوں کا علم ہے مگر اس فضل جلیل میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا حصہ تمام انبیاء کرام و تمام جہاں سے اتم و اعظم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور سرورِ کائنات ﷺ کو جمیع اشیاء جملہ کائنات یعنی تمام ممکنات حاضرہ و غائبہ کا علم مرحمت فرمایا۔

تمام کائنات انبیاء و مرسلین اور تمام ملائکہ مقربین کے علم کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے وہی نسبت ہے جو ایک قطرہ کے کروڑ ویں حصے کو کروڑہا سمندروں سے ہے۔ یعنی آپ ﷺ اپنی صفتِ علم میں لامثال ہیں۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے علم کو علمِ الٰہی سے کوئی نسبت نہیں، نہ ہم مماثلت و مساوات کے قائل اور نہ عطائے خداوندی کے منکر، اللہ و نبی کی مماثلت کسی صورت میں نہیں ہوسکتی۔

مساوات تو جب لازم آئے کہ اللہ کے لئے اتنا علم ثابت کیا جائے۔ ذرات عالم متناہی ہیں اور اس کا علم لامتناہی ورنہ جہل لازم آئے گا۔ اور یہ محال ہے کہ خدا جہل سے پاک ہے نیز ذاتی و عطائی کا فرق بیان کرنے پر بھی مساوات کا الزام دینا صراحۃً ایمان و اسلام کے خلاف ہے۔

اس فرق کے ہوتے ہوئے مساوات ہو جایا کرے تو لازم آتا ہے کہ ممکن اور واجب وجود میں معاذ اللہ مساوی ہو جائیں کہ ممکن بھی موجود ہے اور واجب بھی موجود ہے اور وجود میں مساوی کہنا صریح کفر و کھلا شرک ہے۔

(۹۵) ﴿باب نمبر پچانوے آپ ﷺ کا دلوں کے حال جاننے کا بیان﴾

بعض علماء حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا لوگوں کے دلوں کا حال جاننے سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ حضور ﷺ کو دل کی باتیں بعطائے الٰہی معلوم ہو جاتی تھیں۔

حدیث مبارک میں ہے : حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کا ارادہ رکھتا تھا۔ مجھے میری کنیز نے کہا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے عرض کیجئے۔ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن ہیبت سے کچھ نہ بول سکا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا : ''اے علی، کچھ کہنا چاہتے ہو تو کہو'' لیکن میں بدستور خاموش رہا۔ آپ ﷺ نے فرمایا : ''تم فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کے لئے میرے پاس آئے ہو؟'' میں نے عرض کی : ''یہی ارادہ ہے۔'' اس حدیث میں حضور ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دل کی بات بتادی۔

جمہور علماء محققین بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات اور وفات میں کوئی فرق نہیں۔ رسول اللہ ﷺ اب بھی اپنی امّت کو دیکھ رہے ہیں۔ اور ان کی حالتوں اور ان کی نیّتوں اور ان کے ارادوں اور ان کے دل کے خیالوں سے اللہ ربّ العزّت نے آپ ﷺ کو باخبر کیا ہے۔ اور یہ سب امور آپ ﷺ پر اس طرح روشن اور واضح فرمائے کہ ان میں کوئی پوشیدگی باقی نہیں رہی۔[1]

غزوہ بدر میں جب مشرکین مکہ کو شکست فاش ہوئی اور وہ مکہ پہنچ گئے۔ عمیر بن وہب مقام حجر میں صفوان بن امیہ کے پاس آ کر بیٹھا۔ صفوان نے کہا مقتولین بدر کے بعد عیش حرام ہے۔ عمیر نے کہا واللہ! ان کے قتل ہو جانے کے بعد زندگی میں خیر نہیں اگر میرے ذمہ قرض نہ ہوتا اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے نہ ہوتے تو میں ضرور مدینہ جا کر محمد ﷺ کو قتل کر ڈالتا۔ اگر وہاں پہنچ کر مجھے حالات ناسازگار پیش آئیں تو میں یہ بہانہ کر سکتا ہوں کہ میں اپنے فرزند کے پاس آیا ہوں جو اسیر ہے۔ صفوان عمیر کے اس قول سے خوش ہوا اور اس سے کہا تیرا قرض میرے ذمہ ہے اور تیرے عیال کے نان ونفقہ اور کفالت کا میں ذمہ دار ہوں، صفوان نے عمیر کو سواری دی اس کے لئے سامان مہیا کیا اور عمیر کی تلوار پر صیقل کرایا گیا اور اس کو زہر کا بجھاؤ دیا گیا۔ عمیر نے صفوان سے کہا چند روز تک تو مجھے چھپا دے پھر عمیر مدینہ طیبہ پہنچا اور مسجد نبوی کے دروازے پر اترا اور اپنی سواری کو باندھ دیا اور تلوار ہاتھ میں لے کر رسول اکرم ﷺ کا قصد کیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب عمیر کو اس قبیح ارادے سے آتے دیکھا تو اس کو پکڑ کر بارگاہ نبوت ﷺ میں پیش کر دیا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے عمیر سے پوچھا تو کس ارادے سے آیا ہے، عمیر نے کہا میں اپنے قیدی فرزند کے پاس آیا ہوں جو آپ ﷺ کے پاس ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا سچ بتا تو کس نیت سے آیا ہے؟ عمیر نے کہا میں اپنے قیدی کے بارے میں آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو نے مقام حجر کے پاس صفوان کے ساتھ کیا شرط طے کی تھی۔ عمیر سن کر ڈر گیا اور اس نے پوچھا میں نے صفوان سے کیا شرط طے کی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا تو نے صفوان کو اس شرط سے میرے قتل پر برانگیختہ کیا تھا کہ وہ تیری اولاد کا متکفل رہے اور تیرا قرض ادا کر دے لیکن خدا تعالیٰ نے تمہارے ان ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا، عمیر نے یہ سن کر کہا اشهد انک رسول الله، تحقیق گفتگو میرے اور صفوان کے درمیان حجر میں ہوئی اور اس گفتگو کو میرے اور صفوان کے سوا تیسرا کوئی نہ جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس گفتگو کی خبر دے دی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا۔ پھر مکہ کی طرف پلٹ کر گیا اور اس نے لوگوں کو دعوت اسلام دی اس کے ہاتھ پر بہت سے آدمی مسلمان ہوئے۔ پھر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے صحابہ کرام کو فرمایا اسے دین کی باتیں سکھاؤ اور اس کے قیدی چھوڑ دو۔[2]

لأن روحه (صلى الله عليه وآله وسلم) شاهد على جميع الأرواح والقلوب والنفوس لقوله (صلى الله عليه وآله وسلم) أول ما خلق الله روحي۔

یعنی اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کی روح مبارک تمام روحوں اور دلوں اور نفسوں کو دیکھنے والی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میری روح کو خلق فرمایا۔[3]

(۲) حقی، شیخ محمد اسماعیل، روح البیان، جلد ۲ ص ۲۱۱ سطر ۱۱، مصر: واعلم انه يعرض على النبى عليه السلام اعمال امته غدوة وعشية فيعرفهم بسيماهم اعمالهم فلذلك يشهد عليهم۔

اور تم جان لو کہ نبی کریم ﷺ پر ان کی امت کے اعمال صبح اور شام پیش کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ امت کو ان کی علامات سے جانتے ہیں اور

---

[1] (تجلیات مدینہ از الحاج مولوی محمد احتشام الحسن دیوبندی کاندھلوی ص ۹۱، اثبات الاغراض ص ۶۲، مقام رسول ﷺ ص ۴۶۷، مواہب اللدنیہ ص ۳۸۷، زرقانی ص ۳۰۵، ج ۸، جاء الحق ص ۱۴۸)

[2] (رواہ البیهقی والطبرانی، بحواله فتاویٰ اویسیه ج ۱ ص ۱۲۵، ۱۲۴)

[3] (تفسیر نیشاپوری ص ۳۰۴ ج ۴ دار الکتب العلمیه - بیروت)

ان کے اعمال کو بھی اس لئے آپ ﷺ ان پر گواہی دیں گے۔

(۳) نسفی تفسیر مدارک التنزیل میں آیہ مذکورہ کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

ای شاھدا علی من اٰمن بالایمان و علی من کفر بالکفر و علی من نافق بالنفاق۔

یعنی نبی کریم ﷺ مؤمنوں کے ایمان، کافروں کے کفر، اور منافقوں کے نفاق پر گواہ ہیں۔

اس سے واضح ہوا کہ ختم الانبیاء والمرسلین ﷺ یوم اوّل سے لے کر یوم قیامت تک تمام لوگوں کے ایمان و اعمال سے واقف ہیں، اسی لئے تو آپ ﷺ گواہی دیں گے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''چوتھی توجیہ قوی ہے کیونکہ قرآن کریم کی دوسری آیت اس کی تائید کر رہی ہے، رب العالمین فرماتا ہے:

لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔ [1]

پہلا فائدہ: تمام انبیاء کرام اپنی امت کے ظاہری و باطنی اعمال پر مطلع و خبردار ہوتے ہیں۔ بغیر علم کے گواہی کیسی، یہ فائدہ ''بشھید'' سے حاصل ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا:

وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ﴿ال عمران ۴۹﴾

میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے بچاتے ہو۔

دوسرا فائدہ: حضور ﷺ کی امت تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی گواہ ہے جیسا کہ یہاں تفسیر سے اور دوسری جگہ آیت قرآنی سے ثابت ہوا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ اور مدعی کو گواہ پیارا ہوتا ہے، کہ اس کے مقدمہ کا فیصلہ گواہ پر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ امت محبوب الانبیاء ہے ہم کو چاہیئے کہ اچھے اعمال اختیار کریں تاکہ کل حضرات انبیاء علیہم السلام کی گواہی دے سکیں، فاسق قابل گواہی نہیں ہوتے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ﴿النور ۴﴾

تیسرا فائدہ: اس امت کی گواہی ان انبیاء کرام کے حق میں سن کر ہوگی نہ کہ دیکھ کر جیسا کہ ان امتوں کے اعتراض سے معلوم ہوا۔

چوتھا فائدہ: حضور ﷺ کی نگاہ نے تمام انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے حالات تفصیل وار اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمائے ہیں اور آپ ﷺ کی گواہی اپنی امت کی طرح سمعی نہ ہوگی، بلکہ عینی ہوگی۔ اگر آپ ﷺ کی گواہی بھی محض سنی سنائی ہوتی تو جو اعتراض امت کی گواہی پر ہوا تھا آپ ﷺ کی گواہی پر بھی ہوتا۔

پانچواں فائدہ: حضور ﷺ اپنی ساری امت کے ہر ایک حال کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ قیامت میں اپنی امت کی تائید کے ساتھ اس کی توثیق بھی فرمائیں گے جیسا کہ علی ھؤلاء سے معلوم ہوا۔

چھٹا فائدہ: قیامت میں کفار بھی حضور ﷺ کے علم غیب و حاضر و ناظر کے قائل ہوں گے۔ اس لئے وہ حضور ﷺ کی گواہی پر یہ جراح نہ کر سکیں گے کہ حضور ﷺ بغیر مشاہدہ کے گواہی کیسے دے رہے ہیں۔

(۹۶) ﴿باب نمبر چھیانوے رسول اللہ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا بیان﴾

بعض گمراہ ترین فرقے والے علماء اغلظ ترین کافر، اگر کوئی ان کے کفر میں بھی شک کرے، تو وہ بھی کافر ہو جائے، کہتے ہیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام خاتم

---

[1] (تفسیر نعیمی ج ۵ ص ۸۵، سطر آخر)

النبیین نہیں، اور خاتم النبیین کا عقیدہ عوام کا عقیدہ ہے۔ العیاذ باللہ! حالانکہ تمام اہل اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ بلاشک خاتم النبیین بمعنی آخر الانبیاء ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کا زمانہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے زمانہ کے بعد، اور آپ ﷺ سب سے آخری نبی ہیں۔ اس پر نصوص صریحہ بکثرت دلالت کرتی ہیں۔

خاتم النبیین کا ثبوت قرآن پاک سے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے : مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿الاحزاب ۴۰﴾

ترجمہ : ''محمد ﷺ تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں۔ ہاں، اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔''

مفسرین اہل سنت کے قلم سے لفظ ''خاتم النبیین'' کی تشریح

اولاً صاحب تفسیر معالم التنزیل نے تفسیر سید المفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ تفسیر نقل کی :

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ان اللہ تعالیٰ لمّا حکم أن لا نبیّ بعدہ لم یعطہ ولدًا ذکرًا۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب حکم فرمایا کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں تو انہیں کوئی لڑکا نہ عطا فرمایا۔[1]

ثانیاً، علامہ خازن تفسیر لباب التاویل فی معان التاویل میں تحت آیتِ کریمہ فرماتے ہیں :

(خاتم النبیین) ختم اللہ بہ النبوۃ فلا نبوّۃ بعدہ۔ أی ولا معہ (وکان اللہ بکل شیءٍ علیما)۔ أی دخل فی علمہ أنہ لا نبیّ بعدہ۔ خاتم النبیین یعنی اللہ نے ان پر نبوت کو ختم کیا تو ان کے بعد کوئی نبی نہیں، نہ ان کے زمانے میں اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ یعنی یہ اس کے علم میں ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔[2]

ثالثاً، علامہ بغوی نے تفسیر معالم التنزیل میں خاتم النبیین کے معنی یہ ذکر کئے : (خاتم النبیین) ختم بہ النبوۃ وقرء ابن عامر وعاصم خاتم بفتح التاء أی آخرھم۔[3]

(خاتم النبیین) یعنی ان پر نبوت ختم کی گئی اور ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خاتم کو تا کے زبر سے پڑھا یعنی آخر الانبیاء، سب انبیاء علیہم السلام میں سب سے آخری نبی۔

رابعاً، علامہ نسفی تفسیر مدارک میں تحت آیۂ کریمہ فرماتے ہیں: (خاتم النبیین) بفتح التاء عاصم بمعنی الطابع أی آخرھم یعنی لا ینباء احد بعدہ۔ (خاتم النبیین) کو عاصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تا کے زبر سے پڑھا یعنی آخر الانبیاء جن کے بعد کوئی نبی نہ کیا جائے۔[4]

خامساً، شیخ احمد جیون تفسیر احمدی میں تحت آیت کریمہ فرماتے ہیں : ھذہ الایۃ فی القرآن تدل علی ختم النبوۃ علی نبینا صریحا و خاتم النبیین ای لم یبعث بعدہ نبی قط ویختم بہ ابواب النبوۃ ویغلق الی یوم القیمۃ ملخصًا۔ ''یہ آیت قرآن ہمارے نبی ﷺ کے ختمِ نبوت پر

---

[1] (معالم ص ۲۱۸، ج ۵)

[2] (خازن مصری، ج ۵ ص ۲۱۸)

[3] (معالم التنزیل مصری، ج ۵ ص ۲۱۸)

[4] (مدارک ج ۳ ص ۲۳۴)

صراحتہً دلالت کرتی ہے اور خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی ہرگز مبعوث نہ ہوگا۔ان کے ساتھ نبوّت کے دروازے قیامت تک ختم اور بند کر دیئے گئے۔"

سادسًا، امام المفسرین ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و سلم الذی ختم اللہ علیہ النبوۃ فلا تفتح لأحدٍ بعدہ الیٰ قیام ساعۃ۔یعنی خاتم النبیین وہ ذات ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے نبوّت کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔پس قیامت تک اب کسی کے لئے نہ کھولا جائے گا۔

سابعاً، امام المحققین قاضی ناصر الدین ابو الخیر عبد اللہ بن عمر بن محمد شیرازی بیضاوی اس آیت کی تفسیر فرماتے ہیں :آخرھم الذی ختمھم أو ختم بہ علیٰ قراءۃ عاصم بالفتح۔یعنی حضور ﷺ انبیاء علیہم السلام میں سب سے آخری ہیں۔یا حضرت عاصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قرأت کے مطابق تا کے فتح کے ساتھ (خَاتَم) اس کا معنی ہوگا کہ آپ ﷺ کے آنے سے بابِ نبوّت ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا۔

ان تفاسیر سے ثابت ہوگیا کہ حضور ﷺ پر ختمِ نبوّت ثابت ہونے کے لئے یہ آیت صریح دلیل ہے۔اس میں یہ فرمایا گیا کہ حضور ﷺ ہی خاتم النبیین ہیں اور انہی پر نبوت کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔یہ آخر الانبیاء ہیں،تو قیامت تک اب دروازۂ نبوت بند ہوگیا۔لہٰذا اب ان کے زمانے میں یا ان کے بعد کوئی اور نبی ہرگز نہیں ہوسکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ جو ہر شیء کا عالم ہے،اس کے علم میں یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

بالجملہ یہ تو خالق عالم جل جلالہ کا فرمان،واجب الاذعان تھا۔اب خود حضور اکرم ﷺ کی آحادیث بھی سنیں۔

لفظ "خاتم النبیین" کی تشریح مصطفی ﷺ کی زبان مبارک سے

مسلم شریف وترمذی شریف میں یہ حدیث مروی ہے :فضلت علی الانبیاء بست اعطیت جوامع الکلم و نصرت بالرعب و احلت لی الغنائم و جعلت لی الارض طھورا و مسجدا و ارسلت الی الخلق کافۃ و ختم بی النبیّون۔"مجھے تمام انبیاء پر چھ وجہ سے فضیلت دی گئی۔مجھے جامع باتیں عطاء ہوئیں اور مخالفوں کے دل میں میرا رعب ڈالنے سے میری مدد کی گئی۔اور میرے لئے غنیمتیں حلال ہوئیں،اور میرے لئے زمین پاک کرنے والی اور نماز کی جگہ قرار دی گئی۔اور میں تمام خلق کی طرف رسول ہوا اور مجھ پر انبیاء ختم کئے گئے۔"[1]

بخاری شریف ومسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:مثلی و مثل الانبیاء کمثل قصر حسن بنیانہ ترک منہ موضع لبنۃ فطاف بہ النظار یتعجبون من حسن بنیانہ الا موضع تلک اللبنۃ فکنت انا جئت موضع اللبنۃ، ختم بی البنیان و ختم بی الرسل (وفی روایۃ) فانا اللبنۃ و انا خاتم النبیین۔

ترجمہ :"رسول اکرم ﷺ نے فرمایا میری اور تمام انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نہایت عمدہ محل بنایا گیا اور اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی رہی۔دیکھنے والے اس کے آس پاس پھرتے اور اس کی خوبی تعمیر سے تعجب کرتے ہیں مگر وہی ایک اینٹ کی جگہ کہ نگاہوں میں کھٹکتی ہے۔میں نے تشریف لا کر جگہ بند کر دی،مجھ سے عمارت پوری کر دی گئی۔مجھ سے رسولوں کی انتہا ہوئی۔میں عمارت نبوت کی وہ پچھلی اینٹ ہوں میں تمام انبیاء کا خاتم ہوں۔"[2]

علامہ شیخ ابن نجیم الاشباہ والنظائر میں فرماتے ہیں :اذا لم یعرف أن محمدا ﷺ آخر الأنبیاء فلیس بمسلمٍ لأنہ من الضروریات۔

---

[1] (جامع الصغیر مصری ج ۲ ص ۶۳)

[2] (مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۱)

''جب کوئی شخص یہ نہ جانے کہ حضرت محمد ﷺ آخر الانبیاء ہیں تو وہ مسلمان نہیں، کہ یہ ضروریاتِ دین سے ہے۔''[1]

اس عبارت سے ظاہر ہوگیا کہ جو حضور ﷺ کو آخری نبی نہ جانے یا آپ ﷺ کے بعد کسی اور نبی کا پیدا ہونا ممکن بتائے، وہ بلا شک کافر و مرتد ہے اور آیت کریمہ ''خاتم النبیین''، میں خاتم کا معنی باعتبار لغت کے ''آخر'' ہے۔ اور ''خاتم النبیین'' کا لغوی ترجمہ ''آخر النبیین'' ہے۔

علامہ ابو بکر سجستانی کے ''غرائب القرآن'' میں ہے :''قولہ خاتم النبیین آخر النبیین۔ یعنی خاتم النبیین کا ترجمہ آخر النبیین ہے۔''

معلوم ہوا کہ تمام محدثین کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ مصطفی ﷺ پر نبوت ختم ہے۔

امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عقیدہ : مسلم شریف ص ۲۴۸، ج ۲ پر باب مقرر فرمادیا :ذکر کونہ ﷺ خاتم النبیین۔ اور اس کے تحت فرمانِ مصطفی ﷺ کی تحریر فرمائی کہ آپ ﷺ نے فرمایا :جئت فختمت الانبیاء یعنی میں آیا اور تمام انبیاء علیہم السلام کو ختم کر دیا، اب کسی کی نبوت نہیں چل سکتی، اور لیس بعدہ نبی عاقب کے معنی ثابت کر دیئے۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ترمذی شریف میں صفحہ ۵۱، جلد ۲ پر باب ''ذھبت النبوۃ'' مقرر فرما کر أن الرسالۃ و النبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی و لا نبیٔ کی حدیث نقل فرما کر اجرائے نبوت کا رد کیا جس سے ثابت ہوا کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی تھا کہ مصطفی ﷺ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ ۴۵ جلد ۲ پر بھی از روئے احادیث صحیحہ مصطفی ﷺ کے بعد مدعیٔ نبوت کو دجال اور کذاب ثابت کیا ہے۔

الحاصل عقیدۂ ختم نبوت اسلام کا ایک متفقہ اصولی اساسی اور بنیادی عقیدہ ہے جس پر پورے دین کی حفاظت اور بقاء کا انحصار ہے اگر عقیدہ ختم نبوت محفوظ ہے تو دین محفوظ ہے اگر یہ عقیدہ ٹوٹ جائے اور حضور خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد کسی اور کو نبی تسلیم کرلیا جائے تو دین کے کسی ایک جز کو منسوخ کر دے۔ جیسا مرزا قادیانی کافر نے جہاد کو منسوخ کر دیا۔ پورے دین کو منسوخ کر کے نیا دین پیش کیا۔ جیسے بہاء اللہ ایرانی نے پورا دین منسوخ کر کے اپنے متبعین کو نیا دین، دین بہا دیا ہے تو اس نبی کے متبعین کو یہ ماننا پڑتا ہے اگر پورے دین کو جسم سے تشبیہہ دی جائے تو ختم نبوت کا عقیدہ اس کی اور حفاظت کیلئے روح کا درجہ رکھتا ہے۔ بہر حال عقیدہ ختم نبوت اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ سلف وخلف نے اس امر پر اجماع کیا ہے کہ سب سے اول نبی حضرت آدم علیہ السلام اور سب سے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں جیسا کہ وکیل الاحناف ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ دعویٰ النبوۃ بعد نبیبا کفر بالاجماع الامۃ۔[2]

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فتویٰ بھی موجود ہے کہ اگر حضور اکرم ﷺ کے بعد کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے تو جو اس سے نبوت کی دلیل طلب کرے وہ بھی کافر ہے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ من طلب منہ علامۃ فقد کفر یعنی جس نے مدعی نبوت سے معجزہ طلب کیا وہ بھی کافر ہوگیا۔[3]

اس طرح امام عبد الرشید بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ و لو ادعیٰ رجل النبوۃ و طلب رجل المعجزۃ قال بعضھم یکفر و قال بعضھم ان کان غرضہ اظھار عجزہ و افتضاحہ لا یکفر۔

یعنی اگر کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا اور دوسرے نے اس سے معجزہ طلب کیا تو بعض فقہاء کے نزدیک یہ طالب معجزہ بھی مطلقاً کافر ہو جائیگا اور بعض

---

[1] (الاشباہ والنظائر ص ۲۶۷)

[2] (شرح فقہ اکبر ص ۲۰۲ طبع دھلی)

[3] (مسلک الختام ص ۲۶)

نے یہ تفصیل فرمائی ہے کہ اگر اس نے اس کو عاجز اور رسوا کرنے کیلئے طلب کیا تھا تو کافر نہ ہوگا۔[1]

نیز حضرت شیخ ابوشکور سالمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں من ادعیٰ النبوۃ فی زماننا فانہ یصیر کافرا و من طلب منہ المعجزات لأنہ لاشک فی النص۔

یعنی جو شخص ہمارے زمانے میں نبوت کا دعویٰ کرے وہ کافر ہو جائے گا اور جو شخص اس سے معجزہ طلب کرے وہ بھی کافر ہو جائے گا کیونکہ قرآن مجید کی نص قطعی میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔[2]

کیوں کہ دلیل طلب کرنا بھی شک کی علامت ہے جیسا کہ کوئی انسان خدا نہیں ہوسکتا اور خدا کے دعویدار سے دلیل طلب کرنا کفر ہے اس طرح حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد کوئی شخص نبی نہیں ہوسکتا اور جو مدعی نبوت سے دلیل طلب کرے وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔اس سے آپ ختم نبوت کے عقیدے کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔اسلام کے اس اساسی عقیدے کی حفاظت جو کہ پورے دین کی روح اور جان ہے ہر مسلمان کا فرض ہے۔لہٰذا خاتم النبیین سے انکار کرنے والا کافر مرتد واجب القتل ہے۔

خدا چاہے تو کروڑوں محمد پیدا کردے

امام الوہابیہ اسماعیل دہلوی قتیل نے ایسا عقیدہ لکھا ہے کہ جس سے ختم نبوت کے انکار کا دروازہ کھلا ہے۔

عقیدہ :اس شہنشاہ اللہ کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں نبی اور ولی ،جن وفرشتہ ،جبریل اور محمد ﷺ پیدا کر ڈالے۔[3]

وہابیوں کے امام کے اس عقیدے سے ختم نبوت کا انکار واضح ہے۔نزد دہلوی کی علمی قابلیت اور قرآن دانی کا سارا راز بھی فاش ہو جاتا ہے۔دراصل اس میں دہلوی نے یہ گستاخی إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرۃ ۲۰) کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی بناء پر کی ہے۔حالانکہ اس بیچارے کو اتنا علم نہیں کہ مفسرین کرام اس آیت کی تفسیر اس طرح بیان فرماتے ہیں۔إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مایشاء قَدِيرٌ۔بے شک اللہ تعالیٰ جس چیز کو چاہے اس پر قادر ہے۔رب کریم کا یہ بھی اعلان ہے۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (الاحزاب ۴۰) محمدؐ تمہارے مَردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔" جب اللہ کریم نے فرمایا کہ محمد ﷺ کے بعد نبوت ختم ہے آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں پھر اس کی وضاحت اعلانیہ طور پر تاجدار ختم نبوت ﷺ نے فرمادی۔لانبی بعدی۔میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" قرآن وحدیث کے ان واضح فرامین کے باوجود اسماعیل دہلوی یہ عقیدہ رکھے کہ خدا کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں محمد ﷺ پیدا کر ڈالے۔خدا اور اس کے پیارے رسول ﷺ سے بغاوت نہیں تو اور کیا ہے۔کیونکہ اگر محمد پیدا کرے گا تو نبوت بھی دے گا اور اگر نبوت دے گا تو خاتم النبیین جو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وہ غلط ہوتا ہے۔(العیاذ باللہ) جبکہ پروردگار عالم کا یہ بھی اعلان ہے۔

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا (النساء ۸۷) اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی۔لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ (یونس ۶۴) اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں۔" وہابیوں کے امام اسماعیل قتیل نے مرزا غلام قادیانی کو یہ راستہ دکھایا۔رہنمائی دہلوی نے کی اور دعویٰ قادیانی نے کیا کہ

---

[1] (خلاصۃ الفتاویٰ منقول از ختم نبوت کامل ص ۳۲۴)

[2] (خلاصۃ الفتاویٰ منقول از ختم نبوت کامل ص ۳۲۸)

[3] تقویت الایمان ص ۳۱ مطبوعۃ دہلی۔

منم مسیح زماں منم کلیم خدا　　منم محمد و احمد کہ مجتبےٰ باشد[1]

تمام محدثین کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ مصطفٰے ﷺ پر نبوت ختم ہے

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

ذکر کو نہ ﷺ خاتم النبیین۔ اور اس کے ماتحت حدیثیں فرمان مصطفٰے ﷺ کی تحریر فرمائیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جئت فختمت الانبیاء۔ میں آیا اور تمام انبیاء علیہم السلام کو ختم کر دیا۔ اب کسی کی نبوت نہیں چل سکتی اور لیس بعدہ نبی عاقب۔ کے معنی ثابت کر دیئے۔ [2]

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

بخاری شریف میں مصطفٰے ﷺ کے بعد مدعی نبوت کو دجال اور کذاب احادیث صحیحہ سے فرمایا ہے اور باب خاتم النبیین مقرر فرمایا۔ [3]

امام ابو داؤد رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

ابو داؤد شریف پر مصطفٰے ﷺ کے بعد مدعی نبوت کو دجال اور کذاب احادیث صحیحہ ثابت فرمایا ہے۔ [4]

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

ترمذی شریف، باب ذھبت النبوۃ مقرر فرما کر ان الرسالۃ و النبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی و لا نبی۔ کی حدیث نقل فرما کر اجرائی نبوت کا رد کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ امام ترمذی رحم اللہ تعالیٰ کا مذہب بھی یہی تھا کہ مصطفٰی ﷺ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ اور امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر بھی از روئے احادیث صحیحہ مصطفٰی ﷺ کے بعد مدعی نبوت کو دجال اور کذاب ثابت کیا ہے۔ [5]

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

مصطفٰے ﷺ کے بعد مدعی نبوت کو دجال اور کذاب احادیث صحیحہ ثابت کیا ہے۔ [6]

شیخ علاؤ الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

صاحب کنز العمال شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ان الرسالۃ و النبوۃ قد انقطعت فلا رسول بعدی و لا نبی۔ کی حدیث نقل فرما کر اجرائی نبوت کی ایک حدیث یا قول بیان نہیں فرمایا جس سے ثابت ہوا کہ ان کا عقیدہ بھی ختم نبوت پر تھا۔

ابو نعیم رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

ابو نعیم رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے دلائل النبوت میں پر حدیث نقل فرمائی جس سے ثابت کیا ہے کہ مصطفٰی ﷺ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے قبل ہی

---

[1] تریاق القلوب ص ۵۔

[2] مسلم شریف ج ۲ ص ۲۴۸ پر باب مقرر فرما دیا۔

[3] بخاری شریف ج ۱ ص ۵۰۹، ج ۲ ص ۱۰۴،

[4] ابو داؤد شریف ج ۲ ص ۲۳۳،

[5] ترمذی شریف ج ۲ ص ۵۱ و ج ۲ ص ۴۵۔

[6] بیہقی شریف ج ۹ ص ۱۸۱،

خاتم النبیین ﷺ منتخب ہو چکے تھے۔[1]

ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

ابن عبد البر رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب استیعاب میں نبی کریم ﷺ پر نبوت ختم ہونے کے دلائل از روئے احادیث صحیحہ انا الخاتم الذی ختم بی النبوۃ و انا العاقب فلیس بعدی نبی و انا المقفیٰ بعد الانبیاء۔ بیان فرمائی اور اجرائے نبوت کے متعلق ذرا سا اشارہ بھی بیان نہیں فرمایا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ عبد البر کا مذہب بھی ختم نبوت پر ہی تھا۔[2]

ابن حجر صاحب فتح الباری شارح بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

وان اللہ ختم به المرسلین واکمل به شرائع الدین۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ تمام رسولوں کو ختم کر دیا اور آپ ﷺ کے ساتھ ہی دین کو مکمل کر دیا۔ معلوم ہوا کہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب بھی ختم نبوت پر ہی تھا۔[3]

امام قسطلانی شارح بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ

و انا العاقب لانه جاء عقب الانبیاء فلیس بعده نبی۔ علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمان مصطفیٰ ﷺ کی تشریح فرماتے ہوئے انا العاقب کی تشریح فرماتے ہیں کہ مصطفیٰ ﷺ عاقب اس لئے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام کے پیچھے تشریف لائے ہیں، تو آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی بن سکتا۔ اور علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں۔ (باب خاتم النبیین) ای آخرهم الذی ختمهم او ختموا به و قیل من لا نبی بعده.... و لا یقدح فیه نزول عیسیٰ علیه السلام بعده لانه اذا نزل یکون علی دینه مع ان المراد انه اخر من نبی۔[4]

امام قسطلانی نے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ باب خاتم النبیین کے تحت مصطفیٰ ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کے معنی فرمائے ہیں یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کے آخری نبی جس نے تمام انبیاء علیہم السلام کو ختم کر دیا ہے۔ یہ تمام انبیاء علیہم السلام مصطفیٰ ﷺ کی آمد کے ساتھ ہی ختم ہو گئے اور بعض نے خاتم النبیین کے معنی بیان کئے ہیں کہ وہ شخص کہ جس کے بعد نبی نہ ہو۔ ثابت ہوا کہ جو مصطفیٰ ﷺ کو خاتم النبیین مانتا ہے اس کو آپ ﷺ کے بعد ختم نبوت کو ختم تسلیم کرنا پڑے گا اور جو آپ ﷺ پر نبوت کو ختم نہیں سمجھتا اور اجرائے نبوت کا قائل ہے وہ خاتم النبیین کا منکر ہے اور پھر علامہ قسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے تشریف لانا مخالف نہیں کیونکہ جب وہ اتریں گے تو وہ آپ ﷺ کے دین پر ہی تشریف فرما ہوں گے۔ اپنی نبوت کے مبلغ نہ ہوں گے باوجود یکہ مراد خاتم النبیین سے یہی ہے کہ مصطفیٰ ﷺ آخری نبی ہیں۔

علامہ زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ کا بھی ختم نبوت پر عقیدہ تھا

زرقانی ج۵ ص۲۶۷، ومنها: أنه خاتم الأنبياء والمرسلين" كما قال تعالى: {وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ}، أي: آخرهم الذي ختمهم أو ختموا به على قراءة عاصم بالفتح، وروى أحمد والترمذي والحاكم بإسناد صحيح عن أنس مرفوعًا: "إن

---

[1] دلائل النبوت میں ج۱ ص۹

[2] استیعاب کے ج۱ ص۱۲

[3] فتح الباری ج۱۴ ص۱۴۳۔

[4] قسطلانی ج۶ ص۲۱۔

الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدي ولا نبي"، وقيل :من لا نبي بعده يكون أشفق على أمته وهو كالوالد لولد ليس له غيره، ولا يقدح نزول عيسى بعده، لأنه يكون على دينه مع أن المراد أنه آخر من نبئ،[1]

ترجمہ پہلے گزر چکا ہے صرف ایک جملہ علامہ زرقانی نے فرمایا ہے جو قابل غور ہے۔ وهو كالوالد لولد ليس له غيره کہ مصطفیٰ ﷺ باپ کی طرح ہیں اپنے بیٹے کیلئے جیسا کہ بیٹے کیلئے باپ ایک ہے ایسے ہی آپ ﷺ اب ایک ہی نبی ہیں کیونکہ پہلے نبوت جاری تھی اب ختم ہو چکی۔

تمام مفسرین اسلام رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی ختم نبوت پر عقیدہ تھا

ولكنه رسول الله وخاتم النبيين، الذي ختم النبوة فطبع عليها، فلا تفتح لأحد بعده إلى قيام الساعة،

ترجمہ: اور لیکن محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں کہ آپ ﷺ نے نبوت کو ختم کر دیا، اور تمام پر آپ ﷺ نے مہر لگا دی۔ پھر کسی کیلئے قیامت تک نہیں کھل سکتی۔ [2]

حدثنا بشر، قال :ثنا يزيد، قال :ثنا سعيد، عن قتادة قوله (مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ) قال :نزلت في زيد، إنه لم يكن بابنه، ولعمري ولقد ولد له ذكور، إنه لأبو القاسم وإبراهيم والطيب والمطهر (وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ) أي :آخرهم۔[3]

اور لیکن آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں یعنی تمام کے آخر ہیں۔

فَقَرَأَ ذَلِكَ قُرَّاءُ الْأَمْصَارِ سِوَى الْحَسَنِ وَعَاصِمٍ بِكَسْرِ التَّاءِ مِنْ خَاتِمِ النَّبِيِّينَ، بِمَعْنَى أَنَّهُ خَتَمَ النَّبِيِّينَ.[4] اور تاء کے کسرہ کے ساتھ ہے سوائے حسن وعاصم کے تمام شہروں کے قراء نے اس کو خاتم النبیین پڑھا ہے کہ آپ ﷺ تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔

(وَخاتَمَ النَّبِيِّينَ) وَذَلِكَ لِأَنَّ النَّبِيَّ الَّذِي يَكُونُ بَعْدَهُ نَبِيٌّ إِنْ تَرَكَ شَيْئًا مِنَ النَّصِيحَةِ وَالْبَيَانِ يَسْتَدْرِكُهُ مَنْ يَأْتِي بَعْدَهُ، وَأَمَّا مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ يَكُونُ أَشْفَقَ عَلَى أُمَّتِهِ وَأَهْدَى لَهُمْ وَأَجْدَى، إِذْ هُوَ كَوَالِدٍ لِوَلَدِهِ الَّذِي لَيْسَ لَهُ غَيْرُهُ مِنْ أَحَدٍ وَقَوْلُهُ :وَكانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً يَعْنِي عِلْمُهُ بِكُلِّ شَيْءٍ دَخَلَ فِيهِ أَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ۔[5]

(اور آپ ﷺ تمام نبیوں کے خاتم ہیں) اور یہ اس لئے کہ ایسے نبی ہیں کہ جس کے بعد اور کوئی نبی ہوا گر (پہلے نبی) نصیحت اور بیان سے کچھ چھوڑ جائے تو اس کا بعد کا نبی اس کو لے لیتا ہے اور لیکن ایسا شخص جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو تو ایسا نبی اپنی امت پر زیادہ مہربان ہوتا ہے اور ان کیلئے زیادہ ہادی ہوتا ہے اور زیادہ صحیح ہوتا ہے اس لئے کہ وہ ایسے والد کی مانند ہے جس کا بیٹا اس کے سوا اور کوئی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا فرمان (اللہ تعالیٰ ہر شئے کو جاننے والا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر شے کا علم ہے۔ اس میں (یہ بھی) داخل ہو گیا کہ مصطفےٰ کے بعد کوئی نبی ﷺ نہیں۔

{وَخَاتَمَ النبيين} بفتح التاء عاصم بمعنى الطابع أي آخرهم يعني لا ينبأ أحد بعده وعيسى ممن نبئ قبله وحين ينزل عاملا على شريعة محمد صلى الله عليه وسلم كأنه بعض أمته۔[6]

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ ج ۷ ص ۲۳۵۔

[2] تفسیر ابن جریر ج ۳ ص ۲۳۹۔

[3] تفسیر ابن جریر ج ۱۱ ص ۲۲۔

[4] تفسیر ابن جریر ج ۱۱ ص ۲۲۔

[5] مفاتیح الغیب = التفسیر الکبیر ج ۶ ص ۷۸۶۔

[6] تفسیر النسفی (مدارک التنزیل وحقائق التأویل) ج ۳ ص ۲۳۴۔

(اور خاتم النبیین) تاء کے فتح کے ساتھ عاصم کی قرأت ہے۔ بمعنی مہر لگانے والے کے یعنی سب کے آخر یعنی آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں بن سکتا اور عیسیٰ علیہ السلام وہ شخص ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے نبی ہو چکے ہیں اور جب اتریں گے محمد ﷺ کی شریعت کے عامل ہوں گے گویا کہ وہ آپ ﷺ کے امتی ہیں۔

وَ خاتَمَ النَّبِيِّينَ ختم الله به النبوة فلا نبوة بعده أي و لا معه قال ابن عباس: يريد لو لم أختم به النبيين لجعلت له ابنا و يكون بعده نبيا و عنه قال: إن الله لما حكم أن لا نبي بعده، لم يعطه و لدا ذكرا يصير رجلا وَ كانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً أي دخل في علمه أنه لا نبي بعده.[1]

وَ كان خاتَمَ النَّبِيِّينَ يعنى أنه لو كان له ولد بالغ مبلغ الرجال لكان نبيا و لم يكن هو خاتم الأنبياء، كما يروى أنه قال في إبراهيم حين توفى. لو عاش لكان نبيا «1». فإن قلت: أما كان أبا للطاهر و الطيب و القاسم و إبراهيم؟ قلت: قد أخرجوا من حكم النفي بقوله مِنْ رِجالِكُمْ من وجهين، أحدهما: أنّ هؤلاء لم يبلغوا مبلغ الرجال. و الثاني: أنه قد أضاف الرجال إليهم و هؤلاء رجاله لا رجالهم. فإن قلت: أما كان أبا للحسن و الحسين؟ قلت: بلى و لكنهما لم يكونا رجلين حينئذ، و هما أيضا من رجاله لا من رجالهم، و شيء آخر: و هو أنه إنما قصد ولده خاصة، لا ولد ولده، لقوله تعالى وَ خاتَمَ النَّبِيِّينَ ألا ترى أن الحسن و الحسين قد عاشا إلى أن نيف أحدهما «2» على الأربعين و الآخر على الخمسين. قرئ. و لكن رسول الله بالنصب، عطفا على أَبا أَحَدٍ و بالرفع على: و لكن هو رسول الله. و لكنّ، بالتشديد على حذف الخبر، تقديره: و لكنّ رسول الله من عرفتموه، أى: لم يعش له ولد ذكر. و خاتم بفتح التاء بمعنى الطابع، و بكسرها بمعنى الطابع و فاعل الختم. و تقوّيه قراءة ابن مسعود: و لكنّ نبيا ختم النبيين. فإن قلت: كيف كان آخر الأنبياء و عيسى ينزل في آخر الزمان؟ قلت: معنى كونه آخر الأنبياء أنه لا ينبأ أحد بعده، و عيسى ممن نبئ قبله، و حين ينزل ينزل عاملا على شريعة محمد، مصليا إلى قبلته، كأنه بعض أمّته.[2]

یعنی آپ ﷺ کا اگر کوئی لڑکا آدمیوں کی عمر کا بالغ ہوتا تو نبی ہوتا اور ہوا نہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں جیسا کہ روایت کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے فرمایا کہ اگر زندہ رہتا تو نبی ہوتا، (چونکہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا اس لئے زندہ نہیں رہا۔) پس اگر تو سوال کرے کہ مصطفےٰ ﷺ آخر الانبیاء کیسے ہوئے حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانے میں اتریں گے میں کہتا ہوں

{وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ} [الأحزاب 40 :] ختم الله به النبيين، و قرأ ابن عامر و ابن عاصم: {وَخَاتَمَ} [الأحزاب: 40] بِفَتْحِ التَّاءِ عَلَى الِاسْمِ، أَيْ آخِرَهُمْ، وَقَرَأَ الْآخَرُونَ بِكَسْرِ التَّاءِ عَلَى الْفَاعِلِ لِأَنَّهُ خَتَمَ بِهِ النَّبِيِّينَ فَهُوَ خَاتَمُهُمْ. قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يُرِيدُ لَوْ لَمْ أَخْتِمْ بِهِ النَّبِيِّينَ لَجَعَلْتُ لَهُ ابْنًا يَكُونُ بَعْدَهُ نَبِيًّا. وَرُوِيَ عَنْ عَطَاءٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمَّا حَكَمَ أَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ لَمْ يُعْطِهِ وَلَدًا ذَكَرًا يَصِيرُ رَجُلًا،[3]

---

[1] تفسیر خازن ج ۵ ص ۲۱۸۔

[2] تفسیر کشاف زمخشری ج ۳ ص ۲۳۹۔

[3] معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۱۸۔

{وَخَاتَمَ النَّبِيين} ختم الله بِهِ النَّبِيين قبله فَلَا يكون نَبِي بعده۔[1]

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ساتھ نبیوں کو جو آپ ﷺ سے پہلے تھے ختم کر دیا تو آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔

{رَسُول الله و خاتم النبيين} فلا يكون له بن رَجُل بَعْده يَكُون نَبِيًّا وَفِي قِرَاءَة بِفَتْحِ التَّاء كَآلَةِ الْخَتْم أَيْ بِهِ خُتِمُوا {وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا} مِنْهُ بِأَنْ لَا نَبِيّ بَعْده۔[2]

وقوله تعالى :وَلٰكِنْ رَسُولَ اللّٰهِ وَخاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيماً كقوله عز وجل :اللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسالَتَهُ [الْأَنْعَام: 124] فَهَذِهِ الْآيَةُ نَصٌّ فِي أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ، وَإِذَا كَانَ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ فَلَا رَسُولَ بعده بالطريق الْأَوْلَى۔[3]

تو یہ آیت نص ہے اس امر میں کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا اور جب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی ہوسکتا تو رسول بطریق اولیٰ نہیں ہوسکتا۔'' پھر علامہ ابن کثیر آگے رقمطراز ہیں،

وَقَدْ أَخْبَرَ تَعَالَى فِي كِتَابِهِ، وَرَسُولِهِ فِي السُّنَّةِ الْمُتَوَاتِرَةِ عَنْهُ :أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ، لِيَعْلَمُوا أَنَّ كُلَّ مَنِ ادعى هذا المقام بعده فَهُوَ كَذَّابٌ أَفَّاك، دَجَّالٌ ضَالٌّ مُضِلٌّ، وَلَوْ تَخَرَّقَ وَشَعْبَذَ، وَأَتَى بِأَنْوَاعِ السِّحْرِ وَالطَّلَاسِمِ والنيرجيات ، فَكُلُّهَا مُحَالٌ وَضَلَالٌ عِنْدَ أُولِي الْأَلْبَابِ، كَمَا أَجْرَى اللَّهُ، سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى، عَلَى يَدِ الْأَسْوَدِ العَنْسي بِالْيَمَنِ، وَمُسَيْلِمَةَ الْكَذَّابِ بِالْيَمَامَةِ، مِنَ الْأَحْوَالِ الْفَاسِدَةِ وَالْأَقْوَالِ الْبَارِدَةِ، مَا عَلِمَ كُلُّ ذِي لُبٍّ وَفَهْمٍ وحجى أَنَّهُمَا كَاذِبَانِ ضَالَّانِ، لَعَنَهُمَا اللَّهُ. وَكَذَلِكَ كُلُّ مُدَّعٍ لِذَلِكَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُخْتَمُوا بِالْمَسِيحِ الدَّجَّالِ،[4]

اور ضرور خبر دی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ نے احادیث متواترہ میں جو مصطفیٰ ﷺ سے مروی ہیں کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا، تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ ہر وہ شخص جو اس مقام (نبوت) کا آپ کے بعد دعویٰ کرے تو وہ کذاب ہے۔ بڑا بہتانی ہے۔ دجال ہے۔ گمراہ ہے اور گمراہ کن ہے۔ خواہ آگ جلا کر دکھائے اور شعبدہ بازی کرے اور مختلف اقسام کے جادو اور طلاسم اور نیرنجیات دکھائے پس یہ تمام مشکلات... گمراہی ہے، عقلمندوں کے نزدیک جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسود عنسی کے یمن میں ظاہر فرمائے اور یمامہ میں مسیلمہ کذاب کے ہاتھوں، احوال فاسدہ و اقوال باردہ جاری فرمائے جو ہر ایک عقل وفہم والا معلوم نہیں کرسکتا اور میرے نزدیک دلیل یہ ہے کہ وہ دونوں جھوٹے ہیں۔ گمراہ ہیں، دونوں پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے اور اسی طرح قیامت تک ہر مدعی نبوت پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو حتی کہ (ایسے جھوٹے نبی) مسیح دجال کے زمانے میں ختم کئے جائیں گے۔''

دلائل ختمِ نبوت از اقوال سلف صالحین

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں :الاجماع على انه ﷺ مبعوث الى جميع الانس والجن۔ اس بات پر اجماع ہے کہ نبی ﷺ تمام جنوں اور انسانوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔[5]

---

[1] تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس ج ۱ ص ۲۶۲۔

[2] تفسیر الجلالین ج ۱ ص ۲۶۶۔

[3] تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیر) ج ۳ ص ۴۹۳۔

[4] تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیر) ج ۳ ص ۴۹۳۔

[5] (خصائص الکبریٰ، ج ۲ ص ۱۸۸)

اعلم ان اللہ تعالیٰ قد سد باب علی کل مخلوق بعد محمد ﷺ۔ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے بعد تمام مخلوق سے دروازہ (نبوۃ) بند کیا گیا ہے۔[1]

و کل من ادّعاھا النّبوۃ بعد محمد ﷺ نھو مدّع شریعۃ او حیٰ بھا الیہ سواء وافق شرعنا او خالف فان کان مکلّفا ضربنا عنقہ والّا ضربنا عنہ صفحا۔[2]

و اشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ و صلی اللہ علی سیدنا محمد ن الذی ارسلہ الی الناس کافۃ بشیرا و نذیرا۔[3]

محمد ن الذی ھو آخر الوجود ختم دائرتہ و متصل باولھا و لھذا ختم۔[4]

کتبِ عقائد میں بھی نبی ﷺ پر نبوت ختم ہے

و اول الانبیاء آدم علیہ السلام و آخرھم محمد علیہ السلام۔ تمام انبیاء علیہم السلام کے پہلے آدم علیہ السلام ہیں اور ان کے آخر محمد علیہ (الصلوۃ و) السلام ہیں۔[5]

و کلام اللہ المنزل علیہ علی انہ خاتم النبیین و انہ مبعوث الی کافۃ الناس بالالی الجن و الانس ثبت انہ آخر الانبیاء۔۔۔ فان قیل قد ورد فی الحدیث نزول عیسیٰ بعدہ قلنا نعم لا کنہ یتابع محمد علیہ السلام لان الشریعۃ قد نسخت۔[6]

ترجمہ: اور اللہ کے کلام جو مصطفی ﷺ پر اتارا گیا ہے، اس بات پر شاہد ہے کہ مصطفی ﷺ تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور بلا شک آپ بھیجے گئے ہیں تمام لوگوں کی طرف بلکہ جن و انس کی طرف ثابت ہوا کہ مصطفی ﷺ تمام نبیوں کے آخری نبی ہیں پھر اگر سوال کیا جائے کہ حدیثِ صحیح میں مذکور ہے آپ ﷺ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا، تو ہم جواب دیتے ہیں ہاں ضرور اتریں گے لیکن وہ محمد ﷺ کے تابع ہوں گے اس لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت یقیناً منسوخ ہو چکی ہے۔

معلوم ہوا کہ تمام امتِ محمدیہ ﷺ کا اجماعی عقیدہ مصطفی ﷺ پر نبوت ختم ہونے پر ہے اور اس سے مخالفت کرنے والا بلا شک و شبہ کافر ہے۔

قد ان قطع الوحی۔ ضرور وحی منقطع ہو چکی ہے۔[7]

(و آخرھم فی البعث) ای لکونہ خاتم النبیین۔ (اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے مبعوث ہونے میں) یعنی واسطے ہونے ان کے نبیوں

---

[1] (الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۲۷)

[2] (جواہر البہار ج ۲ ص ۴۱۵)

[3] (نخبۃ الفکر صفحہ ۳)

[4] (تفسیر ابن عربی)

[5] (شرح عقائد نسفی، ص ۹۹)

[6] (شرح عقائد نسفی، ص ۱۰۱)

[7] (حیات الحیوان، ج ۱ ص ۴۳)

کے ختم کرنے والے۔[1]

فاوحی اللہ تعالیٰ الیہ وعزتی وجلالی انہ لاٰخر النبیین من ذریتک ولولاہ ما خلقتک۔[2]

ترجمہ : تو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ قسم ہے مجھ کو میری عزت کی اور میرے جلال کی بے شک مصطفی ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام کے آخری نبی ہیں تیری اولاد سے اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں کچھ بھی پیدا نہ کرتا۔

والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ۔[3]

اور صلوۃ اور سلام اس ذات پر جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

فقہاء کرام کا عقیدہ بھی ختمِ نبوّت پر تھا

عقیدۂ خیر الدین رحمۃ اللہ علیہ : محمد خاتم النبیین والمرسلین۔[4]

ترجمہ : محمد ﷺ تمام نبیوں اور رسولوں کے ختم کرنے والے ہیں۔

علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ : العلماء ورثۃ الانبیاء بعد انقطاع النبوۃ ھذہ درجۃ اعلی النھایۃ فی القوۃ۔[5]

ترجمہ : علماء ربانی نبیوں کے وارث ہیں اور نبوت کے منقطع ہونے کے بعد قوت میں یہ آخری اعلیٰ درجہ ہے۔

محمد اورنگزیب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی عقیدہ ختم نبوت پر تھا : الذی بعثہ اللہ حجۃ علی الجاحدین وختم بہ باب النبوۃ علی المرسلین۔[6]

ترجمہ : وہ ذات (مصطفی ﷺ) جن کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا منکرین پر حجت اور آپ ﷺ کے ساتھ تمام رسولوں پر نبوت کا دروازہ بند کر دیا۔

مصطفی ﷺ کے بعد مدعی نبوت دجال ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ» :لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَقْتَتِلَ فِئَتَانِ فَيَكُونَ بَيْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِيمَةٌ، دَعْوَاهُمَا وَاحِدَةٌ، وَلاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُبْعَثَ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ، قَرِيبًا مِنْ ثَلاَثِينَ، كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ۔[7]

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ، وَحَتَّى يَعْبُدُوا الْأَوْثَانَ، وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي :«هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ۔[8]

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :"فُضِّلْتُ عَلَى الأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ :أُعْطِيتُ جَوَامِعَ الكَلِمِ، وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَأُحِلَّتْ لِيَ الغَنَائِمُ، وَجُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، وَأُرْسِلْتُ إِلَى الخَلْقِ كَافَّةً، وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ " هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ

---

[1] (شرح شفاء شریف ج ۱ ص ۱۰۹)

[2] (فتاویٰ حدیثیہ، ص ۱۳۴)

[3] (الانسان الکامل ص ۵)

[4] (فتاویٰ خیریہ، ج ۱ ص ۲)

[5] (کتاب المبسوط، ج ۱ ص ۲)

[6] (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲)

[7] (بخاری شریف، ج ۱ ص ۵۰۹، باب علامات النبوۃ فی الاسلام)

[8] (سنن الترمذی، باب ما جاء لا تقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون، ج ۲ ص ۴۵)

صَحِيحٌ۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی ﷺ نے فرمایا۔۔۔میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور میرے ساتھ تمام انبیاء علیہم السلام ختم کئے گئے ہیں۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ» :أَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِينَ وَلَا فَخْرَ وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَلَا فَخْرَ وَأَنَا أَوَّلُ شَافِعٍ وَمُشَفَّعٍ وَلَا فَخر.«رَوَاهُ الدَّارِمِيّ۔[2]

ترجمہ : حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور فخر نہیں کرتا۔اور میں تمام نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں اور فخر نہیں کرتا۔۔۔الخ۔

یوم میثاق سے ہی اللہ جل شانہ نے محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت کا سلسلہ بند کر دیا

وَإِذْ أَخَذَ اللهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ (81) فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (82) (آل عمران، آیت ۸۱)

ترجمہ :اور جب اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام سے حلفیہ وعدہ لیا جو میں تم کو کتاب اور دانائی عنایت کروں گا، پھر آئے گا تمہاری طرف ایک رسول ﷺ اور مصدق ہوں گے اس شئ کی جو شئ (میری انعام کردہ) تمہارے پاس ہوں گے اس رسول کے ساتھ تم ضرور ایمان لاؤ اور ضرور اس کی مدد کرنا۔فرمایا رب العزت نے کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر تم نے میرا پکا وعدہ قبول کیا؟ تمام انبیاء علیہم السلام نے عرض کیا کہ ہم تمام نے اقرار کیا خداوند کریم نے فرمایا تم تمام انبیاء بھی گواہی دو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں تو جس نبی نے اس کے بعد اعراض کیا تو یہی وہ فاسق ہوں گے۔

بہائم نے بھی مصطفیٰ ﷺ پر نبوت کے ختم ہونے کی شہادت دی

وَأخرج ابْن عَسَاكِر عَن أبي مَنْظُور قَالَ لما فتح رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم خَيْبَر أَصَاب فِيهَا حمارا أسود فَوقف بَين يَدَيْهِ فَكلم رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم الْحمار فَكَلمهُ الْحمار فَقَالَ لَهُ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم مَا اسْمك قَالَ يزِيد بن شهَاب أخرج الله تَعَالَى من نسل جدي سِتِّينَ حمارا كلهم لَا يركبه إِلَّا نَبِي قد كنت أتوقعك أَن تركبني لم يبْق من نسل جدي غَيْرِي وَلَا من الْأَنْبِيَاء غَيْرك قد كنت قبلك لرجل يَهُودِيّ وَكنت أتعثر بِهِ عمدا وَكَانَ يجيع بَطْني وَيضْرب ظَهْري فَقَالَ لَهُ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَأَنت يَعْفُور فَكَانَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يبْعَث بِهِ إِلَى بَاب الرجل فَيَأْتِي الْبَاب فيقرعه بِرَأْسِهِ فَإِذا خرج إِلَيْهِ صَاحب الدَّار أومى إِلَيْهِ أَن أجب رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَلَمَّا قبض النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم جَاءَ إِلَى بِئْر كَانَت لأبي الْهَيْثَم بن التيهَان فتردى بهَا جزعا على رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم۔[3]

جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو فتح خیبر عنایت فرمائی .... تو آپ ﷺ کے ساتھ دراز گوش نے کلام کیا تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا نام

---

[1](سنن الترمذی، باب ما جاء فی الغنیمة)

[2](مشکوۃ المصابیح، ص ۵۱۴)

[3]خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۶۴۔البدایۃ والنھایۃ ج ۶ ص ۱۵۱۔مقیاس نبوت ج ۲ ص ۲۴۵۔

کیا ہے؟ درازگوش نے عرض کی یزید بن شہاب میری نسل کی جد سے کل ۶۰ ساٹھ درازگوش نکلے ہیں۔ نہیں سواران پر سوائے نبی کے، میری جد کی نسل سے سوائے میرے کوئی درازگوش باقی نہیں رہا، اور نہیں باقی نبیوں سے سوائے آپ ﷺ کے، الخ "اگر سچ سچ ہے تو مرزائیو! قادنیو! اغلظ ترین کافرو! یقین سمجھو، کہ جو شخص مصطفےٰ ﷺ کے سوا اب اجرائے نبوت کا قائل ہے وہ گدھے سے بھی زیادہ احمق ہے۔

ضب (گوہ) نے نبی ﷺ پر نبوت ختم ہونے کی شہادت دی

أخرج الطَّبَرَانِيّ فِي الْأَوْسط وَالصَّغِير وَابْن عدي وَالْحَاكِم فِي المعجزات وَالْبَيْهَقِيّ وابو نعيم وَابْن عَسَاكِر عَن عمر بن الْخطاب أَن رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم كَانَ فِي محفل من أَصْحَابه إِذْ جَاءَ إعرابي من بني سليم قد صَاد ضبا فَقَالَ وَاللات والعزى لَا آمَنت بك حَتَّى يُؤْمن بك هَذَا الضَّب فَقَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم من أَنا يَا ضَب فَقَالَ الضَّب بِلِسَان عَرَبِيّ مُبين يفهمهُ الْقَوْم جَمِيعًا لبيْك وَسَعْديك يَا رَسُول رب الْعَالمين قَالَ من تعبد فَقَالَ الَّذِي فِي السَّمَاء عَرْشه وَفِي الأَرْض سُلْطَانه وَفِي الْبَحْر سَبيله وَفِي الْجنَّة رَحمته وَفِي النَّار عَذَابه قَالَ فَمن أَنا قَالَ أَنْت رَسُول رب الْعَالمين وَخَاتم النَّبِيين قد أَفْلح من صدقك وَقد خَابَ من كَذبك۔ [1]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بعض اصحاب کی محفل میں تشریف فرما تھے اچانک ایک اعرابی آیا بنی سلیم کے قبیلے سے جس نے گوہ کا شکار کیا ہوا تھا.... تو نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے گوہ میں کون ہوں؟ تو گوہ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ رب العالمین کے رسول اور تمام نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں، ضرور فلاح پائے جس شخص نے آپ ﷺ پر نبوت کے ختم ہونے کی تصدیق کی اور ضرور خسارے میں رہا جو ختم نبوت کا منکر ہوا۔

اے خبیث قادنیو! مرزائیو! گدھا اور گوہ تو مصطفےٰ ﷺ پر نبوت ختم ہونے کو تسلیم کر لیں لیکن مرزائی منحرف ہے۔

(۹۷) ﴿باب نمبر ستانوے ایصال ثواب کے لئے کلمہ طیبہ پڑھنے کا بیان﴾

بعض علماء میت کے ایصال ثواب کے لئے کلمہ طیبہ کے ختم کرنے کو ناجائز کہتے ہیں۔ حالانکہ ختم کلمہ طیبہ میت کے لئے باعث انس اور سبب مغفرت ہے۔ حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ مرقاۃ شرح مشکوۃ[2] اول حدیث کی تشریح میں نقل فرمایا ہے: شیخ محی الدین ابن عربی نے کہا کہ مجھے حضور ﷺ کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ جس نے ستر ہزار مرتبہ لاالہ الااللہ کہا اس کی بخشش کر دی جائے گی، اور جس کو اس کا ثواب بخش دیا جائے اس کی بھی مغفرت کر دی جائے گی۔ میں نے ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ اور میں نے کسی کو اس کا ثواب بخشنے کی نیت نہ کی تھی۔ اتفاقاً میں ایک دعوت میں شریک ہوا اس میں ایک نوجوان جس کو کشف کا درجہ حاصل تھا، شریک تھا۔ اچانک وہ کھانے کے درمیان میں رونے لگا۔ میں نے اس کے رونے کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ میں نے اپنی ماں کو عذاب میں گرفتار دیکھا ہے۔ میں نے دل ہی دل میں ستر ہزار کلمہ طیبہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا۔ وہ نوجوان ہنسنے لگا۔ اور کہنے لگا، کہ اب میں اپنی ماں کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں۔ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت کو اس نوجوان کے کشف سے جان لیا اور اس کے کشف کو حدیث کی صحت سے جان لیا۔[3]

یہی واقعہ منیۃ المصلی مع التعلیق المجلی للفقیہ المحدث علامہ وصی احمد السورتی میں بھی لکھا ہے:

---

[1] خصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۱۰۷۔ البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۱۴۹۔ اخرج الطبرانی فی الاوسط والصغیر وابن عدی والحاکم وابونعیم وابن عساکر۔

[2] (صفحہ ۹۸ جلد ۳ مکتبہ امدادیہ، باب ما علی المأموم من المتابعت وحکم المسبوق، الفصل الثانی)

[3] (صفحہ ۹۸ جلد ۳)

كما قال الشيخ محى الدين بن العربى انه بلغنى عن النبى ﷺ انه قال من قال لا اله الا الله سبعين الفاً غفر الله تعالىٰ له و من قيل له غفر له ايضا فكنت ذكرت التهليلة بالعدد المروى من غير ان انوى لاحد بالخصوص فحضرت مع بعض الاصحاب و فيهم شباب مشهور بالكشف فاذا هو فى اثناء الاكل اظهر البكاء فسألته عن السبب فقال ارى امى فى العذاب فوهبت فى باطنى ثواب التهليلة المذكورة فضحك و قال انى اراها الآن فى حسن المآب فقال الشيخ فعرفت صحة الحديث بصحة كشفه و صحة كشفه بصحة الحديث انتهى۔[1]

خود علماء دیوبند کے ''استاذ الکل'' مولوی قاسم نانوتوی نے بھی تحذیر الناس میں ایسا ہی ایک واقعہ یوں نقل کیا ہے : حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے کسی ایک مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہوگیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو بروئے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں، حضرت جنید نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار مرتبہ کلمہ شریف پڑھا تھا یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدۂ مغفرت ہے، اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کی اطلاع نہ کی، مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے پھر سبب پوچھا اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ سو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی صحت اس کے مکاشفہ سے ہوئی۔[2]

(۹۸) ﴿باب نمبر اٹھانوے بزرگان دین کے عرس کے جواز کا بیان﴾

بعض علماء زیارتِ عرسِ بزرگان اور زیارتِ قبور کے لئے سفر کرنے کو بدعت اور ناجائز کہتے ہیں۔ حالانکہ عرسِ بزرگان اور زیارتِ قبور کے لئے سفر کرنا مستحب ہے۔ جیسا مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے : سفر کا حکم اس کے مقصد کی طرح ہے یعنی حرام کام کے لئے سفر کرنا حرام، جائز کے لئے جائز، سنت کے لئے سنت، فرض کے لئے فرض۔ حج فرض کے لئے سفر بھی فرض۔ جہاد و تجارت کے لئے سفر سنت ہے۔ کیونکہ یہ کام خود سنت ہیں۔ روضہ مصطفی ﷺ کی زیارت کے لئے سفر واجب ہے، کیونکہ یہ زیارت واجب ہے۔ دوستوں کی ملاقات، شادی ختنہ میں اہل قرابت کی شرکت، اطباء سے علاج کے لئے سفر کرنا جائز، کیونکہ یہ کام خود جائز ہے۔ چوری ڈکیتی کیلئے سفر حرام کیونکہ یہ کام خود حرام ہیں۔ غرض کہ سفر کا حکم معلوم کرنا ہو تو اس کے مقصد کا حکم دیکھ لو۔ عرس خاص زیارت قبر کا نام ہے اور زیارت قبر تو سنت ہے لہذا اس کے لئے سفر بھی سنت ہی میں شمار ہوگا۔ قرآن کریم میں بہت سفر ثابت ہیں : وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ﴿النساء ۱۰۰﴾ ''جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کے لئے اللہ اور رسول کی طرف نکل گیا پھر اس کو موت آگئی، تو اس کا اجر عند اللہ ثابت ہوگیا۔[3]

درج بالا آیت سے سفر ہجرت ثابت ہوا

لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ (1) إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ﴿قریش ۲﴾

اس لئے کہ قریش کو میل دلایا ان کے جاڑے اور گرمی کے دونوں سفروں میں۔ سفر تجارت ثابت ہوا۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّى أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ﴿الكهف ۶۰﴾

ترجمہ: اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ میں باز نہ رہوں گا جب تک کہ وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر ملتے ہیں۔ ﴿الكهف ۶۰﴾

---

[1] (ص ۴۱۷)

[2] (از تحذیر الناس ص ۳۴)

[3] (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت ۱۰۰)

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کے لئے گئے ۔مشائخ کی ملاقات کے لئے سفر کرنا ثابت ہوا۔

يَابَنِيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَيْأَسُوا مِنْ رَوْحِ اللَّهِ ﴿یوسف ۸۷﴾ یعنی اے میرے بیٹو جاؤ یوسف اور ان کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔[1]

حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرزندوں کو تلاش یوسف کے لئے حکم دیا۔تلاش محبوب کے لئے سفر ثابت ہوا۔حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا :

اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَأَلْقُوهُ عَلَى وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿یوسف ۹۳﴾

ترجمہ: میرا یہ کرتہ لے جاؤ،میرے باپ کے منہ پر ڈال دو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

علاج کے لئے سفر ثابت ہوا۔

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ آوَى إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ ﴿یوسف ۹۹﴾

ترجمہ: پھر جب وہ سب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی۔

ملاقات فرزند کے لئے سفر ثابت ہوا۔فرزندان یعقوب علیہ السلام نے والد ماجد سے عرض کیا :

فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿یوسف ۶۳﴾

ترجمہ : ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے ہم غلہ لائیں گے اور ان کی ضرور حفاظت کریں گے۔

روزی حاصل کرنے کے لئے سفر ثابت ہوا۔

موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا :اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿طٰہٰ ۲۴﴾

ترجمہ: فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہوگیا ہے۔

تبلیغ کے لئے سفر ثابت ہوا۔

مشکوۃ کتاب العلم میں ہے :من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ۔

ترجمہ :جو شخص تلاش علم میں نکلا وہ اللہ کی راہ میں ہے۔

حدیث میں ہے :اطلبوا العلم ولو کان بالصین۔

ترجمہ: علم طلب کرو اگرچہ چین میں ہو۔[2]

کریما میں ہے :

طلب کردن علم شد بر تو فرض　　دگر واجب است از پیش قطع ارض

علم کا طلب کرنا تجھ پر فرض ہے اس کے لئے سفر بھی ضروری ہے۔

طلب علم کے لئے سفر بھی ثابت ہوا۔

گلستان میں ہے:

برد اندر جہاں تفرح کن!　　پیش از اں روز کز جہاں بردی

---

[1] (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت ۸۷)

[2] (جامع الصغیر ج ۱ ص ۷۲ رقم الحدیث ۱۱۱۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

جاؤ دنیا کی سیر کرو مرنے سے پہلے، سیر کے لئے سفر ثابت ہوا۔

قرآن مجید میں ہے : قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿الانعام ۱۱﴾ ''(کفار سے) فرمادو کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ کفار کا کیا انجام ہوا۔''

جن ملکوں پر عذاب الٰہی آیا ان کو دیکھ کر عبرت پکڑنے کے لئے سفر ثابت ہوا۔

جب اس قدر سفر ثابت ہوئے تو مزارات اولیاء کی زیارت کے لئے سفر کرنا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا، یہ حضرات طبیب روحانی ہیں اور ان کے فیوض مختلف۔ان کے مزارات پر پہنچنے سے شان الٰہی نظر آتی ہے کہ اللہ والے بعد وفات بھی دنیا پر راج کرتے ہیں، اس سے ذوق عبادت پیدا ہوتا ہے، ان کے مزارات پر دعا قبول ہوتی ہے۔

شامی جلد اول بحث زیارت قبور میں ہے :وهل تندب الرحلة لها كما اعتيد من الرحلة الى زيارة خليل الرحمن وزيارة السيد البدوى لم أر من صرح به من ائمتنا ومنع منه بعض الائمة الشافعية قياسا على منع الرحلة بغير المسجد الثلث وردہ الغزالی بوضوح الفرق۔

ترجمہ: اور آیا زیارت قبور کے لئے سفر کرنا مستحب ہے جیسے کہ آج کل خلیل الرحمن اور سید بدوی علیہ الرحمہ کی زیارت کے لئے سفر کرنے کا رواج ہے، میں نے اپنے ائمہ میں سے کسی کی تصریح نہیں دیکھی جبکہ بعض شافعی علماء نے منع کیا ہے مسجدوں کے سفر پر قیاس کر کے لیکن امام غزالی نے فرق واضح فرما کر اس منع کی تردید کر دی۔[1]

شامی میں اسی جگہ ہے :واما الاولياء فانهم متفاوتون فى القرب الى الله ونفع الزائرين بحسب معارفهم واسرارهم۔ ''لیکن اولیاء تقرب الی اللہ وزائرین کو نفع پہنچانے میں مختلف ہیں بقدر اپنے معارف واسرار کے۔''[2]

مقدمہ شامی میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں امام شافعی رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں :انى لاتبرک بابى حنيفة واجيء الى قبره فاذا عرضت لى حاجة صليت ركعتين وسالت الله عند قبره فتقضى سريعا۔

ترجمہ : میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر آتا ہوں اگر مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو دو رکعتیں پڑھتا ہوں اور ان کی قبر کے پاس جا کر اللہ سے دعا کرتا ہوں تو جلد حاجت پوری ہوتی ہے۔[3]

اس سے چند امور ثابت ہوئے: زیارت قبور کے لئے سفر کرنا، کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن فلسطین سے بغداد آتے تھے۔امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کے لئے۔صاحب قبر سے برکت لینا ان کی قبروں کے پاس جا کر دعا کرنا۔صاحب قبر کو ذریعہ حاجت روائی جاننا۔نیز زیارت روضہ رسول اللہ ﷺ کے لئے سفر کرنا ضروری ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الحظر والاباحۃ صفحہ ۵۹ میں ہے :''زیارت بزرگان کے لئے سفر کر کے جانا علماء اہل سنت میں مختلف ہے بعض درست کہتے ہیں اور بعض ناجائز دونوں اہل سنت کے علماء ہیں۔مسئلہ مختلفہ ہے اس میں تکرار درست نہیں اور فیصلہ بھی ہم مقلدوں سے محال ہے۔رشید احمد عفی عنہ''

---

[1] (ردالمحتار علی الدر المختار کتاب الجنائز مطلب فی زیارۃ القبور ج ۱ ص ۶۶۵ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[2] (ج ۱ ص ۶۶۵)

[3] (ردالمحتار علی درالمختار، ج ۱ ص ۴۱، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

اب کسی دیوبندی کو حق نہیں کہ سفر عرس سے کسی کو منع کرے کیونکہ مولوی رشید احمد صاحب تکرار کو منع فرماتے ہیں اور اس کا فیصلہ نہیں فرما سکتے۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ سفر زیارت جائز ہو، اس لئے کہ ہم عرض کر چکے سفر کی حلت وحرمت اس کے مقصد سے معلوم ہوتی ہے اور سفر کا مقصد تو ہے زیارت قبر، اور یہ منع نہیں۔ کیونکہ زیارت قبر کی اجازت مطلقاً ہے۔ الافزوروھا تو سفر کیوں حرام ہوگا۔ نیز دینی و دنیاوی کاروبار کے لئے سفر کیا ہی جاتا ہے۔ یہ بھی ایک دینی کام کے لئے سفر ہے یہ کیوں حرام ہو؟

مولوی عبدالھادی صاحب شاہ منصوری جو کہ صوبہ خیبر پختون خواہ کے علماء دیوبند کے استاد کل ہیں، انہوں نے تسہیل المشکوۃ میں لکھا ہے: ''حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے روضہ کے لئے سفر کرنا اسی طرح اولیاء، علماء کے لئے ہمارے نزدیک بلکہ ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے: کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الافزوروھا۔ پھر لکھتے ہیں وھذا مطلق یجری علی اطلاقہ۔[1]

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں: ''طلب علم تجارت نیک لوگوں، اور متبرک مقامات کی زیارت کے لئے سفر کرنا ممنوع نہیں ہے۔ نیز لکھا ہے کہ قاضی ابن کج نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے نذر مانی تو اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے[2]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حنفی نے لکھا ہے کہ نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کو حرام کہنے کی وجہ سے ابن تیمیہ کی تکفیر کی گئی ہے، اور یہ تکفیر صحت اور ثواب کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جس چیز کی اباحت پر اتفاق ہو، اس کو حرام کہنا بھی کفر ہے۔ تو جس کے مستحب ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے، اس کو حرام کہنا بہ طریقۂ اولیٰ کفر ہوگا۔[3]

مولوی انور شاہ کشمیری ''اکفار الملحدین فی ضروریات الدین'' میں لکھتے ہیں:

فقد یکون استحباب شیء او اباحتہ ضروریاً یکفر جاحدہ۔[4]

مولوی محمد ادریس میرٹھی، استاذِ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، مترجم ''اکفار الملحدین'' لکھتے ہیں: ''مستحب یا مباح ہونے پر ایمان لانا یقیناً فرض اور داخل ایمان ہے۔ اور بطور عناد ان کا انکار کرنا موجب کفر ہے۔ مثلاً مسواک کرنا تو مستحب ہے مگر اس کے مستحب ہونے پر ایمان لانا فرض ہے۔ جو شخص مسواک کے مستحب ہونے سے انکار کرتا ہے، وہ کافر ہے۔''[5]

اسی وجہ سے صاحب عصام نے فرمایا: واستقباح ما جعل اللہ مندوباً ایضاً کفر۔ یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مندوب کیا ہو اس کو برا کہنا بھی کفر ہے[6]

(۹۹) ﴿باب نمبر ننانوے تقلید کے بیان میں﴾

بعض علماء تقلید اور مذاہب سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ قرآن پاک، احادیث مبارک سے ثابت ہے۔

''مذہب'' اصطلاحاً کہتے ہیں احکام شرعیہ کو متفقہ ہوں یا راجحہ اجتہادیہ جو ایک خاص امام نے ادلہ ظنیہ سے مستفاد کیا ہو۔ احکام متفقہ کو جزء مذہب کرنے کے واسطے کسی قول یا عبارت کو نقل کرنا ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا علماء اسلام نے مذہب تعریفی عبارات میں ان کی طرف توجہ نہیں کی ہے

---

[1] (تسہیل المشکوۃ ص ۱۵)

[2] (عمدۃ القاری ج ۷ ص ۲۵۴، مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر ۱۳۴۸ھ)

[3] (شرح شفاء ج ۳ ص ۱۶۰، ۱۶۱، بحوالہ تبیان القرآن (علامہ غلام رسول سعیدی) ج ۲ ص ۲۶۳)

[4] (''اکفار الملحدین فی ضروریات الدین'' ص ۳)

[5] (ترجمہ اکفار الملحدین، ص ۶۴)

[6] (حاشیہ بیضاوی ص ۴۸)

کیونکہ اگران (احکام متفقہ) کو مذہب کا جزء قرار نہ دیا گیا تو مذہب کا اہم جزء گرا کر ناقص سمجھا جائیگا۔اس لئے علماء امناء الشریعۃ نے فرمایا۔

"المذهب لغةً موضع الذهاب فحاصله الطريق۔ ثم نقل منه الى الاحكام الشرعية الاجتهادية التى هى طرائق المجتهدين يمرون عليها باقدام عقولهم الراجحة لتحصيل الظن بها۔ واما معناه فى العرف فهو ما اختص به المجتهد من الاحكام الشرعية الفرعية الاجتهادية المستفادة من الادلة الظنية وهٰذا اشتمل مذاهب جميع المجتهدين۔ والتعريف الخاص لمذهب امامنا هو ما اختص به من تلك الاحكام اٰه"۔ یعنی مذہب لغۃ میں جانے کی جگہ یعنی اس سے مراد راستہ ہے۔ پھر یہ احکام شرعیہ اجتہادیہ کی طرف منقول ہوا جن پر مجتہدوں کی عقلیں چلتی ہیں ایسے احکام جو راجحہ ہوں جن کو مجتہدوں کی ظن نے حاصل کیا ہو۔اور عرفِ شرع میں مذہب کا معنی وہی احکام شرعیہ فرعیہ اجتہادیہ ہیں جن کو آئمہ اربعہ نے دلائل ظنیہ سے حاصل کیا ہو یہ تمام مذاہب کو شامل ہے اور ہمارے امام اعظم کے مذہب کی خاص تعریف وہی احکام (مذکورہ) ہیں جو امام مذکور کے ساتھ خاص ہوں۔[1]

المذهب الصحيح المفتى به الذى مشت عليه اصحاب المتون الموضوعة لنقل الصحيح من المذهب اٰه۔ يعنى مفتىٰ به صحیح مذہب وہ ہے کہ جس پر متون کے مصنفین گئے ہیں جو مذہب سے صحیح قول نقل کرنے کیلئے مقرر کیا گیا ہے۔[2]

"المذهب ما فى المتون لانه ظاهر الرواية"۔ مذہب وہ مسائل ہیں جو متون میں مذکور ہیں اس لئے کہ وہ ظاہر الروایۃ ہے۔[3]

"ولانها صارت متواترةً۔اٰه"۔ متون کے علماء نے اپنے اوپر لازم کیا ہے کہ مذہب میں سے جو صحیح قول ہو۔ذکر کرینگے۔[4]

حاصل: اقوال راجحہ مذہب کے جزء باتفاق المذاہب واجب الاتباع ہیں۔

تنبیہ: ایسا ہی اصول عقائد میں۔اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب صرف وہی عقائد شرعیہ اصلیہ ہیں جو تمام فرق اسلامیہ کی متفقہ ہو یا عقائد اختلافیہ میں صرف اہل السنۃ والجماعۃ کے متقررہ مسائل ہوں۔ان عقائدِ مذہب کا مخالف یا تو کافر ہے (مشرک ہو یا نہ ہو) اور یا مبتدع وضال ہے۔جن سے احتراز ضروری ہے تاکہ اہل السنۃ والجماعۃ کو جو حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ میں منحصر ہیں گمراہ نہ کریں جیسا کہ وہابیہ کی عادۃ شنیعہ ہے۔

مذہب کی تقلید فرض ہے

مذہب کی تقلید کے فرض ہونے پر دلائل قرآن وحدیث اور اجماعِ امۃ محمدیہ سے ہیں۔

(۱) کقولہ تعالیٰ: وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿النساء ۸۳﴾

اور جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ امن ہو یا خوف تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں۔اور اگر یہ لوگ اس کو رسول اللہ ﷺ کی طرف یا ذی اختیار لوگوں کی طرف جو ان میں سے ہیں لوٹاتے تو ضرور جان لیتے اس کی حقیقت اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ تعالیٰ کا اور رحمت تم پر تو ضرور متبع شیطان کے ہو

---

[1] (حموی الاشباہ: ص ۱۲:)

[2] (رسالہ رسم المفتی ابن عابدین: ص ۳۶:، ص ۴۰:)

[3] (بحر ج ۱ ص ۲۸۴ ثم شامی ص ۲۷۲، ۲۷۱، ص ۳۷)

[4] (شامی ج ۱ ص ۴۹، رسم المفتی)

جاتے مگر تھوڑے۔[1]

وجہ الاستدلال: امر اللہ تعالی الجاھلین باطاعۃ العلماء و امر العلماء باطاعۃ المجتھدین رحمھم اللہ تعالی۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بے علم لوگوں کو امر کیا ہے کہ علما کی تابعداری کریں۔اور علماء کو امر فرمایا کہ مجتہدوں کی تقلید کریں۔[2]

حضرات: افسوس ہے کہ مشکوٰۃ شریف کے لفظی معنیٰ جاننے والے آج کل اجتہاد کے مرتبہ پر ڈاکہ ڈال کر غصب کرتے ہوئے حدیث "یلعن آخر ھذہ الامۃ اولھا" کا مصداق بننے کی کوشش کرتے ہیں۔(العیاذ باللہ!)

(۲) وقولہ تعالی: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿توبۃ ۱۲۲﴾

اور نہیں مؤمنین پر یہ کہ نکلیں سب کے سب تو کیوں نہ ہوا یہ کہ نکلتا ہر ایک سے ایک فرقہ تا کہ سمجھ اور تفقہ حاصل کرتا دین میں اور ڈراتا اپنی قوم کو جب لوٹ کر واپس آتا تا کہ وہ (برے کاموں سے) بچتے۔"

وجہ الاستدلال: انھم ذکروا فی الآیۃ توجیھین و علیھما فاللہ تعالی اوجب علی المنذَر (اسم مفعول) تقلیدا لمنذِر (اسم فاعل) اھ۔[3]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ مفسرین نے اس آیت کی دو توجیہ بیان فرمائی ہیں۔جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ڈرائے ہوئی قوم کو ڈرانے والی قوم کی تقلید کو ضروری فرمایا۔

(۳) وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿لقمان ۱۵﴾

اور اگر وہ تجھ سے کوشش کریں کہ میرا شریک ٹھرائے ایسی چیز کو جس کا تجھے علم نہیں۔تو ان کا کہنا نہ مان اور انکا ساتھ دے دنیا میں اچھی طرح اور اس کی راہ کی پیروی کر جو میری طرف رجوع لایا۔"

وجہ الاستدلال: ان اللہ تعالی امر باتباع العلماء و الصلحاء۔اھ[4]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ باری اقدس نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے علماء مجتہدین اور صلحاء کی تابعداری پر امر فرمایا ہے۔

حضرات! جو لوگ تقلید کو حرام اور بدعت اور شرک جیسے الفاظ سے یاد کرتے ہیں وہ لوگ قرآن وحدیث کے صحیح مقصد سے ناواقف ہیں۔اپنی خواہش نفسانی کے پیرو ہو کر قرآن وحدیث کو برائے نام وناموس مقتدیٰ بتاتے ہیں۔

(۴) وقولہ تعالی: وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿النحل ۴۳﴾

اور نہیں بھیجے ہم نے تم سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم وحی کرتے تو پوچھو اہلِ ذکر سے اگر تم خود نہیں جانتے۔"

---

[1] (پارہ ۵: سورہ النساء ۸۳ رکوع ۱۱:)

[2] (تفسیر احمدی، مدارک، خازن، معالم التنزیل وغیرھا)

[3] (ملخص تفسیر احمدی: ص ۴۸۲:)

[4] (تبصیر الرحمٰن: ج: ۲: ص ۱۴۵:، خازن: ج: ۳: ص ۴۴۰: بالمعنی ملخصا)

وجه الاستدلال: الاخذ بقول الفقیه هو المرجع الواجب علی من لم یعلم وهو التقلید اٰه۔[1]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ جن لوگوں میں اجتہاد مطلق کی علمی لیاقت نہ ہو تو ان پر مجتہد مطلق کی تقلید کرنے کا فریضہ ضرور عائد ہو جاتا ہے۔ اور یہی تقلید ہے۔

فان قیل: هٰذه الآیة نزلت فی علماء اهل الکتاب (فقط) فلا یصح الاستدلال بها۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ آیت بنی اسرائیل کے رھبان اور احبار کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس سے علماءِ اسلام کیلئے استدلال صحیح نہیں ہے۔

قلنا: اولًا انها نزلت فی علماء الاسلام اٰه۔[2]

ثانیاً انها نزلت فی اهل الشرف من علماء الامم اٰه۔[3]

فشملت علماء الاسلام۔

ہم جواب دینگے کہ یہ آیت علماءِ اسلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (خازن) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت علماء میں سے مشرف (صاحب شرافت) لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ (تبصیر) تو یہ تمام علماءِ اسلام کو شامل ہے۔

وثالثًا ان العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب اٰه۔[4]

فاوجب الله تعالی علی کل واحد من المجتهد فی المذهب والمجتهد فی المسئلة وغیرهما تقلید المجتهد المطلق لعلمه بما لا یعلمونه اٰه۔[5]

تیسرا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کے لفظ کا عموم معتبر ہے۔ شانِ نزول کی کسی خصوصیت کا اعتبار نہیں۔ (اسلئے قرآن عظیم کے جوامع الکلم ہونے کو تمام فرقِ اسلامیہ مانتے ہیں) پس اللہ تعالیٰ نے مجتہد فی المذہب اور مجتہد فی المسئلہ وغیرھما پر مجتہد مطلق کی تقلید فرض فرمایا کیونکہ وہ جانتا ہے اجتہاد مطلق کی وجہ سے ان معلومات کو کہ جن کو باقی لوگ نہیں سمجھ سکتے ہیں۔

بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اب اس پُرفتن دَور میں ایسے لوگ پیدا ہوئے کہ ان کی علمی لیاقت کچھ بھی نہیں۔ اور غلط دعویٰ کے لحاظ سے امام اعظم سے اپنے آپ کو بڑھ کر تصور کرتے ہوئے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

۱-روی عن ابن عباس رضی الله عنه وجابر رضی الله عنه قالا خرجنا فی سفر فاصاب رجلا منا حجر فشجه فی رأسه فاحتلم۔ فسأل اصحابه هل تجدون لی رخصة فی التیمم۔ قالوا ما نجدک رخصة وانت تقدر علی الماء۔ فاغتسل فمات۔ فلما قدمنا علی النبی ﷺ فاخبر بذلک فقال قتلوه قتلهم الله تعالی الا سألوا اذ لم یعلموا فانما شفاء العی السوال۔[6]

حضرات ابن عباس و جابر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہم لوگ سفر میں نکلے۔ ہم میں سے ایک شخص کا سر زخمی ہوا اور احتلام بھی ہوا۔ تو اس نے اپنے ساتھیوں سے دریافت فرمایا کہ کیا تیمم کرنے کی اجازت ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ کو رخصت نہیں کیونکہ آپ پانی پر قدرت رکھتے ہیں۔ پس اس نے غسل کیا اور انتقال ہو گیا جب ہم آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو خبر دی تو

---

[1] (عنایہ ثم چلپی فصل البیر: ص ۱۵:، اتحاف المرید وحاشیۃ الامر: ص ۱۱۵:، فتح المبین لابن حجر: ص ۵۰۶:، ۲۸۴)

[2] (خازن: ج: ۳: ص ۲۵۴:)،

[3] (تبصیر الرحمٰن: ج: ۲: ص ۲۸:)

[4] (مدارک: سورہ الفجر: ج: ۴: ص ۳۷۹: واحمدی فاتحہ: ص ۲۶:)

[5] (بالمفہوم تحریر الاصول وشرحہ وشرح عقود رسم المفتی: ص ۳۰: مسلم الثبوت وغیرھا)

[6] (رواہ ابوداؤد ابن ماجہ مشکوٰۃ باب التیمم: ص ۴۷:)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو انہوں نے قتل کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو قتل کر دے۔ جب خود نہیں جانتے تو پوچھتے کیوں نہیں؟ بیشک جہالت کا علاج سوال (پوچھنا) ہے۔

حضرات محترم :انصاف فرمائیے۔ آپ ﷺ کی حدیث میں چار جملے ہیں۔ ۱- قتلوہ ۲- قتلهم الله ,۳-الا سألوا، ۴-فانما شفاء العی السوال۔ کہ مجتہد مطلق مستقل کی تقلید کرنا اہم ضروری فرض ہے۔ جس کے بغیر گنہگار ہو کر اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کے مخالف ہو گیا۔ (وہابیہ حضرات اپنی جان کی فکر کریں!)۔

۲-وروی عن معاذ بن جبل رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ لما بعثه الی الیمن قاضیا قال کیف تقضی قال اقضی بکتاب الله قال فان لم تجد فیه قال فبسنة رسول الله ﷺ قال فان لم تجد فیه قال اجتهد برائی ولا آلو۔ قال فضرب رسول الله ﷺ علی صدری وقال الحمد لله الذی وفق رسول رسوله ﷺ لما یرضی به رسوله ﷺ۔[1]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا۔ تو فرمایا کہ آپ فیصلہ کیسے کرینگے تو میں نے کہا کہ (قرآن) اللہ تعالیٰ کی کتاب پر فیصلہ کرونگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں اگر فیصلہ (حکم) نہ پائے تو حضرت معاذ ﷺ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر فیصلہ کرونگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر سنت رسول ﷺ میں حکم موجود نہ ہو تو حضرت معاذ نے فرمایا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کرونگا اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کرونگا۔ پس آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر مارا اور فرمایا کہ حمد ثابت ہے اس ذات کیلئے جس نے اپنے رسول (ﷺ) کے رسول (قاضی) کو اس بات کی توفیق دی جس سے اس کا رسول ﷺ راضی ہے۔[2]

اس حدیث میں اجتہاد اور تقلید صریح موجود ہے۔ وہابیہ کا توجہ کرنا ضروری ہے۔

۳-روی عن عمر رضی الله عنه قال سمعت رسول الله ﷺ یقول سألت ربی عن اختلاف اصحابی بعدی فاوحی الیَّ یا محمد ﷺ ان اصحابک عندی بمنزلة النجوم فی السماء بعضهم اقوی من بعض ولکل نور۔ فمن اخذ بشئ سماهم علیه من اختلافهم فهو عندی علی هدًی۔ قال قال رسول الله ﷺ اصحابی کالنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا اپنے صحابہ کے میرے بعد اختلاف کرنے کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی کہ آپ ﷺ کے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں اور بعض بعض سے قوی ہیں۔ اور ہر ایک کیلئے نور ہے۔ پس جس نے بھی ان اصحاب کے اختلاف میں کوئی چیز (یعنی کسی بھی طریقے پر عمل کیا) تو وہ میرے نزدیک صاحب ہدایت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں پس جس کی بھی تم اقتداء کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

عزیزانِ گرامی :مندرجہ بالا حدیث سے یہ باتیں ثابت ہوئیں۔ (۱) اجتہاد شرع ہے۔ (۲) مقلد ہدایت یافتہ ہے۔ (۳) صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اختلاف کو اللہ تعالیٰ نے حسن اور اچھا فرمایا ہے۔ اور ہدایت بنایا ہے۔ اور حضور ﷺ نے اسی اختلاف کو ہدایت قرار دیکر تقلید کا نجات فرمایا۔ آئمہ اربعہ کے اختلاف کو جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے اختلاف پر یقیناً مبنی ہے صحیح اور رحمت ماننا ضروری ہے۔

صرف چار مذاہب کی تقلید کی فرضیت اجماعِ امت سے بخوبی ظاہر اور صریح ہے

۱-انه وقع الاجماع علی ان الاتباع ای التقلید انما یجوز للآئمة الاربعة رضی الله عنهم۔ فلا یجوز الاتباع لمن حدث مجتهدا

---

[1] (رواہ الترمذی، ابوداؤد، الدارمی، مشکوۃ باب العمل فی القضاء: ص ۳۱۶:)

[2] (رواہ الترمذی، ابوداؤد، الدارمی، مشکوۃ باب العمل فی القضاء: ص ۳۱۶:)

مخالفًا لهم اٰہ۔[1]

اُمّۃ مرحومہ نے آئمہ اربعہ کی تقلید پر اجماع فرمایا ہے۔اور جو شخص ان آئمہ اربعہ کی مخالفت کرے تو ان کی تقلید ضروری بلکہ جائز بھی نہیں۔

۲-الاجماع قد حصل علی حقیقۃ المذاهب الاربعۃ وتخلف ذٰلک فیما سواها وان الامۃ جمیعها قد تلقت المذاهب الاربعۃ بالقبول ولم یحصل ذٰلک لغیرها اٰہ۔ (مزید وتجنیس علی ما فی فتوی الحرمین الشریفین، عقد الجید لولی اللہ الدهلوی، عمدۃ المرید، خیرات الحسان الکفایۃ، تقریر شرح التحریر، شرح سفر السعادۃ، صراط مستقیم، میزان الکبریٰ وغیرها)

امۃ مرحومہ کا اجماع چاروں مذاہب کے حق ہونے پر ہے۔اور باقی مذاہب حق سے جدا ہیں۔اور ساری امت نے چاروں مذاہب کو قبول کیا۔یہ قبولیت کسی دوسرے مذہب کو حاصل نہیں ہے۔

۳-الاجماع قد انعقد علی عدم العمل بمذهب محدث بعد الآئمۃ الاربعۃ اٰہ۔[2]

امۃ مرحومہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ آئمہ اربعہ کے بعد کسی نئے مذہب پر عمل نہ کریں حضرات وہابیہ، نیچریہ، قادیانیہ وغیرھم کے مذاہب پر عمل کرنا اجماعاً حرام ہے۔

۴-فقد انعقد الاجماع المرکب علی بطلان قول یخالف کلهم وقد قال اللہ تعالی وَمَنْ یُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدَی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیلِ الْمُؤْمِنِینَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّی وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِیرًا ﴿النساء ۱۱۵﴾[3]

مذاہب اربعہ کے مخالف قول کے باطل ہونے پر اجماع مرکب ہے۔(اجماع کی مثبت دلیل) اور جو خلاف کرے رسول کا بعد اس کے کہ حق کھل گیا اور پیروی کرے مؤمنین کی راہ سے جدا تو ہم اسے اسی گمراہی پر چھوڑ دیں گے اور پہنچائیں گے اسے جہنم میں اور بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

قارئین حضرات : حاصل کلام یہ ہے کہ اجماع مسلمانوں کا راستہ ہے اس پر جانا واجب ہے اور مخالفت حرام ہے۔

۵-والانصاف ان انحصار المذاهب فی الاربعۃ واتباعهم فضل الهی وقبولیۃ من عند اللہ تعالی۔ لا مجال فیه۔ (ای لاضرورۃ فیه) (للتوجیهات والادلۃ اٰہ تفسیر احمدی :ص:۵۲۷) قول بسبب هٰذا الفضل الالهی والقبولیۃ انعقد الاجماع المذکور فظهر ان خلاف التقلید خلاف الفضل الالٰهی وخلاف القبولیۃ من عند اللہ تعالی۔

انصاف یہ ہے کہ مذاہب کا چار میں منحصر ہونا اور ان کی تقلید کرنا اللہ تعالیٰ کا فضل اور قبولیت ہے۔اس کی توجیہات اور دلائل کی ضرورت نہیں۔مگر وہابیہ ہمیں مجبور کرتے ہیں اس لئے قرآن وحدیث اور اجماع سے دلائل ذکر کرنا پڑتا ہے۔وہابیہ نے مذہب سے انکار کرتے ہوئے اصل میں قرآن وحدیث اور اجماعِ امت سے انکار کیا۔ **(اعاذنا اللہ تعالی منه)**

حضراتِ محترم: آپ انصاف فرمائیے کہ جب قرآن وحدیث منیف اور اجماعِ امت چار مذاہب کی تقلید ضروری بتا کر ان کی مخالفت کی تقلید کو حرام اور ناجائز فرماتے ہیں تو پھر اس سے غفلت اور خلاف کرنا کیسا ہے؟ آپ خود اندازہ لگائیے۔

---

[1] (تفسیر احمدی، اشباہ، تحریر الاصول لابن الھمام، مسلم الثبوت لمحب اللہ بہاری، نہایۃ المراد شرح مقدمہ ابن الغماد، فتح المبین شرح الاربعین لابن حجر، شرح سفر السعادۃ لعبد الحق الدھلوی، الفتوحات الوھبیۃ لابراھیم المالکی، رسائل ابن عابدین شامی: ج:اول قبیل رسم المفتی، نور الھدی من شرح جامع الصغیر، اذ کار النووی ثم فتح المبین فی کشف مکاید غیر المقلدین: ص ۴۶۶:، اتحاف المرید شرح جوھرۃ التوحید، شرح جمع الجوامع لسیوطی، شرح الاربعین للنووی من امام الحرمین، عین العلم للقاری، میزان الکبریٰ للشعرانی لطحطاوی، حجۃ اللہ البالغۃ لولی اللہ الدھلوی)

[2] (تحریر ابن الھمام ثم الاشباہ فن اول، قاعدہ اولی، ثم فتوی الحرمین: ص ۱۵:، جواب الحرمین: ص ۴۲:)

[3] (تفسیر مظھری ثم عقد الجید: ص ۱۱:)

(مذہب کے فوائد۔اور اس کی مخالفت میں نقائص)

مذہب کے فوائد کثیرہ ہیں اور اس کے بالمقابل مخالفتِ مذہب میں نقصان ہے۔

(۱)قال ولی اللہ الدھلوی اعلم ان الاخذ بھذہ المذاھب الاربعة فیه مصلحة عظیمة وفی الاعراض عنھا مفسدة عظیمة۔ (عقد الجید) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ چاروں مذہبوں پر عمل کرنے میں بہت فوائد ہیں۔اور مخالفتِ مذاہب اربعہ میں بہت فساد ہے۔

(۲)ھذہ المذاھب الاربعة المدوّنة المحررة قد اجمعت الامة علی جواز تقلیدھا الی یومنا ھذا۔وفی ذٰلک من المصالح ما لایخفی۔لاسیما فی ھٰذہ الایام التی قصرت الھمم جدا۔واشربت النفوس الھویٰ واعجب کل ذی رأی برأیه۔مروّج اور مدوّن چار مذاہب کی تقلید کے جواز پر امت کا اجماع ہوا ہے۔جو آج تک منعقد ہے۔اور اس میں وہ عظیم مصلحتیں ہیں جو کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔خاص کر یہ زمانہ کہ اس میں لوگوں کی ہمتیں کم پڑگئی ہیں۔اور نفوس خواہشات نفسانی کے تابع ہوگئے۔اور ہر آدمی اپنی رائے کو پسند کرتا ہے۔[۱]

(۳)قال الامام الشعرانی نقلا عن سیدی علی الخواص رحمه اللہ تعالی وجب علیک التقلید بمذھب واحد خوفا من الوقوع فی الضلال اھ۔ ''امام شعرانی اپنے مرشد حضرت علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں۔کہ آپ نے فرمایا کہ ایک مذہب کی تقلید تم پر واجب ہے۔تاکہ گمراہی میں گر نہ جائیں۔''[۲]

تھوڑی سی تفصیل یہ ہے کہ تقلید کرنے میں :(۱) قرآن کی اتباع ہے۔(۲) حدیث صحیح کی اتباع ہے۔(۳) اجماع امت کا اتباع ہے۔(۴) فضل الٰہی اور قبولیتِ خداوندی کی تسلیم ہے۔(۵) قاصر ہمّت مکلفوں کو فارغ کرنا ہے۔(۶) خواہشاتِ نفسانی (اعدی عدوک ما بین جنبیک) سے بچنا ہے۔(۷) اپنی رائے کو پسند کرنا (جو فتن میں سے ہے) سے محفوظ ہو جانا ہے۔(۸) گمراہی سے بچنا یعنی گمراہی سے پاک وصاف رہو گے۔

یہ آٹھ امور مذکورہ بالا عبارت سے ثابت ہو گئے (۹) اپنی دینی امانت میں خیانت کرنے سے مامون ہونگے۔بمصداق ''إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿الاحزاب ۷۲﴾

(۱۰) اپنے مشغول ذمہ کو بذریعہ تقلید پاک وصاف کروگے۔

(۴)لایجوز تقلید غیر الآئمة الاربعة ابی حنیفه، مالک، الشافعی، واحمد بن حنبل لان ھٰولاء عرفت مذاھبھم واستقرت احکامھم وخدمھا تابعوھم وحرروھا فرعا فرعا وانطبقت بالنصوص وجمعوا المسائل فی الفصول وفصلت مجملاتھا واوضحوا طرق النظر ودونوا المذاھب بالنقل المتواتر شرقا وغربا، شمالا وجنوبا۔ بخلاف مذاھب غیرھم فی جمیع ذٰلک۔[۳]

آئمہ اربعہ کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں۔کیونکہ ان کے مذاہب معروف اور احکام مقرر ہیں۔اور ان کے تابعین نے ان کی خدمت کی ہے۔اور

---

[۱] (حجۃ اللہ البالغۃ)

[۲] (میزان الصغریٰ)

[۳] (الفتح المبین لابن حجر: ص:۵۰۵، فتوی الحرمین: ص:۱۵، مزیل الشبہات: ص:۱۳، تحریر الاصول لابن الھمام ثم فتوی الحرمین :ص:۱۵، نظام الاسلام، فتح المبین فی کشف مکاید غیر المقلدین :ص:۴۰۷، اطایب الصیب: ص:۴۱۰)

الگ الگ مسائل صاف بیان کر کے اپنی اپنی فصل میں جمع کیا ہے۔اور دلائل کے مطابق کر دیا۔مجملات کو واضح وظاہر کر کے نظر کے طریقوں کو صاف بتایا۔اور تمام دنیا میں مذاہب کو نقل متواتر سے مروّج کیا۔اور باقی علماء کے مذاہب اس مقام کے نہیں۔

انہی مذاہب کی تقلید عین شریعت ہے اس کے علاوہ شریعت سے خلاف ہے۔

حضرات: اول :اس فوائد عشرہ کے علاوہ اور فوائد بھی ہیں اسی پر اکتفا ہوا۔دوم :ہر فائدہ کے مقابل نقصان ہے۔دیکھئے تقلید کو شرک کہنے میں : (۱) قرآن کی مخالفت۔(۲) حدیث کی مخالفت۔(۳) اجماع کی مخالفت۔(۴) فضل الٰہی کی مخالفت۔(۵) قاصر مکلّف کا ذمہ مشغول رہنا۔(۶) ہواءِ نفسانی میں گرنا۔(۷) گمراہ ہونا۔(۸) امانتِ اسلامی میں خیانت کرنا۔(۹) غیر منضبط تقلید سے پلید ہونا۔

مذہب اسلام عقائد اور فروع کا نام ہے

مذہب اسلام وہی عقائد وفروع ہے جو قرآن شریف،احادیث،اجماع اور قیاس یعنی اجتہاد سے ثابت ہوا ہے۔جس کا ثبوت یہ ہے۔

(۱) ادلة الشرع اربعة۔الكتاب والسنة واجماع الامة والقياس الشرعي اھ۔

شرع کے دلائل چار ہیں : قرآن شریف،حدیث،امت مرحومہ کا اجماع اور شرعی قیاس یعنی اجتہاد۔[۱]

حضرات: ان چاروں کے دلائل قرآن وحدیث میں بہت زیادہ ہیں اختصاراً بطورِ مشت نمونہ خروار بیان کرتا ہوں۔

(۱) كقوله تعالى :يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ﴿النساء ۵۹﴾ اھ۔ای اولی العلم منكم۔ ''اے ایمان والو!اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی (قرآن کی) اور رسول اللہ کی (سنت کی)۔اور تابعداری کرو صاحب امر یعنی علماء (مجتہدین کی)۔''[۲]

(۲) كقوله تعالى:وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿النساء ۱۱۵﴾

اور جو خلاف کریں رسول کا بعد اس کے کہ حق کھل گیا اور پیروی کرے مؤمنین کی راہ سے جدا تو ہم اسے اسی گمراہی پر چھوڑ دیں گے اور پہنچائیں گے اسے جہنم میں اور بری جگہ ہے پلٹنے کی۔

مسلمانوں کا راستہ اجماع ہے۔جس کی مخالفت حرام اور موجب جہنم ہے۔اس لئے اس کی تابعداری ضروری ہے۔مگر وہابیہ کے اکابر ابن تیمیہ وغیرہ قرآن کے صحیح مفہوم سے ناواقف ہیں اس لئے اجماع اور قیاس سے انکار کرتے ہیں۔(العیاذ باللہ تعالیٰ)

''الفرقة الناجية اهل السنة والجماعة قد انحصرت في المذاهب الاربعة لان الشريعة المتواترة من هٰذه المذاهب ما وجدت في الدنيا ولان الاصول والفروع في غيرها لم تنضبط فلا محالة انحصرت الشريعة في المذاهب الاربعة المتواترة۔فمن كان خارجا من هٰذه المذاهب الاربعة في هٰذا الزمان فهو اهل البدعة والنار ومتبع الشيطان اھ''۔[۳]

فرقہ ناجیہ اہل السنۃ والجماعۃ ہے جو چار مذاہب میں منحصر ہے۔کیونکہ مذاہب اربعہ کے علاوہ دنیا میں شریعت متواترہ موجود نہیں ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ چاروں مذاہب کے بغیر کسی مذہب کے اصول وفروع منضبط نہیں ہیں۔تو مجبوراً مذاہب اربعہ متواترہ میں شریعت منحصر ہوگی۔تو جو شخص

---

[۱] (کتب اصول الفقہ)

[۲] (پارہ ۵:: سورہ : نساء: رکوع ۸:۔احمدی،خازن،مدارک،معالم وغیرہ)

[۳] (الفتح المبین: ص ۵۰۵:،اطایب الصیب: ص ۱۰:،فتوی الحرمین: ص ۱۵:،مزیل الشبہات: ص ۱۳:،الفتوحات الوھبیۃ لابراھیم المالکی،اتحاف المرید،میزان الکبری،نھایۃ المراد وغیرھا)

اس زمانے میں مذاہب اربعہ سے باہر ہوا وہ مبتدع اور جہنمی ہے اور شیطان کا تابع ہے۔

میں کہتا ہوں غالباً آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ مذہبِ اسلام وہی عقائد وفروع کا نام ہے جو قرآن شریف اور حدیث اور اجماع اور قیاسِ شرعی سے بذریعہ صحیح اجتہاد ثابت کیا گیا ہو۔ جو آج تک صرف چار مذاہب میں موجود ہے۔

اور اگر نفوس قاصر العلم و الهمت، مخلوط الهوی معجب برائها اهل شر القرون کی رائے سے قرآن وحدیث کے مطالب معلوم کرنا بفرضِ محال درست تسلیم کرنا فرض کروں تو ضروری ہے بلکہ لازم اشد ہوگا کہ حضرت عدی بن حاتم ص کی تفصیلاً حدیث تیسیر :ص ۴۲: آنے والی ہے۔ باوجود صحبتِ نبوۃ اور اہل اللسان اور خیر القرون ہونے کے ان کا اس آیۃ ''وَ كُلُوا وَ اشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ''۔ کا ترجمہ اور مطلب لینا درست تسلیم ہوتا مگر حضور ﷺ نے ممنوع قرار دے دیا۔ پس چہ جائیکہ وہابی کی رائے سے ترجمہ اور مطلب لینا۔

اور مجاہدین اصحابِ رسول اللہ ﷺ جن کی حدیث حضرت ابن عباس اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم مفصل آنے والی ہے۔ باوجود صحبتِ نبوۃ، اہل اللسان العربی اور خیر القرون ہونے کے ان کا ترجمہ اور مطلب لینا اس آیۃ ''وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿النساء ۴۳﴾ سے وہابیہ کے خیال کے مطابق درست تسلیم کرنا ضروری تھا مگر حضور اقدس ﷺ نے سب کچھ ممنوع قرار دیا ہے۔ بلکہ تقلید کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ افسوس مشکوٰۃ کا اردو ترجمہ دیکھنے سے تمہاری حالت کیوں بدلی۔

ببین تفاوت راز کجا است تا بکجا۔

چاروں میں مذاہب کا حصر ضروری ہے اور اس کے علاوہ دیگر مذاہب بدعت سیئہ ہیں

أَنَّهُ سَمِعَ رَبِيعَةَ الْجُرَشِيَّ، يَقُولُ :أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقِيلَ لَهُ :لِتَنَمْ عَيْنُكَ، وَلْتَسْمَعْ أُذُنُكَ، وَلْيَعْقِلْ قَلْبُكَ، قَالَ : فَنَامَتْ عَيْنَايَ، وَسَمِعَتْ أُذُنَايَ، وَعَقَلَ قَلْبِي قَالَ :فَقِيلَ لِي :سَيِّدٌ بَنَى دَارًا، فَصَنَعَ مَأْدُبَةً، وَأَرْسَلَ دَاعِيًا، فَمَنْ أَجَابَ الدَّاعِيَ، دَخَلَ الدَّارَ، وَأَكَلَ مِنَ الْمَأْدُبَةِ وَرَضِيَ عَنْهُ السَّيِّدُ، وَمَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّاعِيَ، لَمْ يَدْخُلِ الدَّارَ، وَلَمْ يَطْعَمْ مِنَ الْمَأْدُبَةِ، وَسَخِطَ عَلَيْهِ السَّيِّدُ، قَالَ :"فَاللهُ :السَّيِّدُ، وَمُحَمَّدٌ :الدَّاعِي، وَالدَّارُ :الْإِسْلَامُ، وَالْمَأْدُبَةُ :الْجَنَّةُ"

حضرت ربیعہ الجرشی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے پاس فرشتے آئے پس آپ ﷺ سے کہا گیا کہ آپ ﷺ کی آنکھ سو جائے اور آپ ﷺ کے کان سن لیا کریں۔ اور آپ ﷺ کا دل سمجھ لیا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرے کان سنتے ہیں اور میرا دل جانتا ہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ سردار نے ایک گھر بنایا جس میں کھانا تیار کیا اور ایک بلانے والے کو ارسال کیا پس جس نے دعوت دینے والے کی بات مان لی اور گھر میں داخل ہو کر اس طعام سے کچھ کھایا تو سردار راضی ہوا۔ اور جس نے داعی کی بات نہ مانی اور گھر میں داخل نہ ہوا اور کچھ نہ کھایا تو سردار ناراض ہوا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سید (سردار) ہے اور محمد ﷺ داعی ہیں اور اسلام گھر ہے اور جنت (کی نعمتیں) کھانا ہیں۔[1]

وجہ استدلال : یہ ہے کہ حدیث میں اسلام کو بلفظ دار چار جملوں میں تعبیر کیا ہے۔ اور دار غالبا چار دیواروں سے محفوظ ومحدود ہوتا رہتا ہے۔ تو ایسا ہی

---

[1] (رواہ الدارمی مشکوۃ باب الاعتصام ص ۲۹)

اسلام چاروں مذاہب سے محفوظ ومحدود ہے۔ یہ فضل خداوندی ہے یہ حجۃ اقتناعیہ ہے۔

(۲) وقد انحصرت بشارۃ النبی ﷺ بعلم الائمۃ الاربعۃ من العلماء منھم دون غیرھم۔ حضور ﷺ نے چاروں اماموں کے متعلق خصوصًا اپنی امت کو علمی بشارت دی ہے۔

(۱) روی البخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ والشیرازی والطبرانی عن قیس بن سعد بن عبادۃ والطبرانی عن ابن مسعود رضی اللہ عنھم ان النبی ﷺ قال لو کان العلم بالثریا لتناولہ رجال من ابناء فارس اھ۔ واللفظ للبخاری قال الحافظ المحقق الجلال السیوطی ھٰذا اصل صحیح یعتمد علیہ فی البشارۃ بابی حنیفۃ رضی اللہ تعالی عنہ وھو الظاھر بلاشک لانہ لم یبلغ فی العلم مبلغہ ولا مبلغ اصحابہ احد من ابناء فارس اھ۔

ترجمہ : ''آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر علم ثریا تک بھی پہنچ جائے تو ضرور فارس کے لوگوں میں سے چند اشخاص اس کو پالیں گے۔ (بعض روایات میں رجال (چند اشخاص) کی جگہ رجل (ایک آدمی) بھی مروی ہے)۔''[1]

امام جلال الدین سیوطی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی بشارۃ میں صحیح اور مضبوط دلیل ظاہر ہے۔ کیونکہ اہلِ فارس میں کوئی بھی امام اعظم رضی اللہ عنہ یا ان کے شاگردوں کے علم کے برابر نہیں ہے۔

(۲) ان النبی ﷺ قال یوشک ان یضرب الناس اکباد الابل یطلبون العلم فلا یجدون اعلم من عالم المدینۃ اھ۔ قال العلماء عالم المدینۃ مالک رحمہ اللہ تعالی۔

''آپ ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب لوگ اونٹوں کے جگر مار کر علم حاصل کرینگے لیکن مدینہ کے عالم سے بڑا عالم نہیں ملے گا۔''[2]

علماءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس سے مراد حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

(۳) ان النبی ﷺ لاتسبوا قریشا فان عالمھا یملأ الارض علمًا اھ۔ ھو حدیث حسن لہ طرق کثیرۃ وزعم بعضھم وضعہ وزیغوہ وشنعوا علی زاعمہ ومخترعہ۔ قال العلماء عالم قریش الشافعی۔[3]

ترجمہ: آپ ﷺ نے فرمایا کہ قریش کو گالی نہ دیں اسلئے کہ قریش کا عالم ساری زمین کو علم سے بھر دیگا۔ یہ حدیث بہت طریقوں کی وجہ سے حسن ہے۔ موضوع ہونے کا خیال غلط ہے۔

علماءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قریش کے عالم صرف امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

(۴) ان الامام الشافعی لما کان فی المصر رأی فی المنام سید المرسلین ﷺ یقول لہ بشِرْ احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالی بالجنۃ علی بلوًی تصیبہ فانہ یدعی الی القول بخلق القرآن فلا یجیب لذٰلک بل یقول ھو منزَّل غیر مخلوق۔ فلما اصبح الشافعی کتب ما رأہ فی المنام وارسلہ مع الربیع الی احمد بن حنبل فی بغداد۔ فلما دخل علیہ قال ھٰذا کتاب اخیک الشافعی ففتحہ وقرأہ وبکی وقال ماشاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ ثم اخبرہ بما فیہ اھ۔

ترجمہ : حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ جب مصر میں تھے تو آپ نے خواب میں حضور اکرم ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ امام احمد بن حنبل کو

---

[1] (ملخصا، الخیرات الحسان: ص ۱۴، ۶۳، علامہ شامی: ج ۱: ۳۷، شرح المواھب)

[2] (الخیرات الحسان: ص ۱۴)

[3] (الخیرات الحسان: ص: ۱۴)

جنت کی بشارت دو۔کیونکہ اس کو یہ مصیبت پہنچے گی کہ اسے قرآن کو مخلوق کہنے کیلئے دعوت دی جائے گی اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ اس کا انکار کرتے ہوئے فرمائیں گے کہ نہیں بلکہ قرآن اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہے۔جو مخلوق نہیں۔پس امام شافعی رحمہ اللہ نے خواب کا واقعہ لکھ کر حضرت ربیع کے ہاتھ حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف ارسال فرمایا۔حضرت امام احمد پڑھ کر رونے لگے اور ماشآءاللہ لا قوۃ الا باللہ پڑھ کر اس کی حضرت ربیع کو خبر دی۔[1]

واما الائمة الوهابية ابن تيميه وابن قيم وابن حزم ومحمد بن عبد الوهاب فلم يوجد البشارة فى حقهم منه عليه الصلوٰة والسلام بل شَنَّعَ عليهم غاية التشنيع فى الاحاديث الصحيحة منها! روى البخارى عن ابن عمر رضى الله عنهما فى حديث البركة قوله ﷺ هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان اٰه۔

مگر وہابیہ کے اکابر ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن حزم اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کے حق میں کوئی بشارۃ نہیں۔بلکہ بہت سی احادیث میں ان کی برائی بیان کی گئی ہے۔ان میں سے بعض یہ ہے کہ امام بخاری حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نجد میں زلزلے اور فتنے ہونگے۔اور وہاں شیطان کا سینگ نکلے گا۔

تو محمد بن عبدالوہاب نجدی جو متبع ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن حزم ہے اس نے اپنی کتاب ''کتاب التوحید'' وغیرہ میں ان کے اقوال بطورِ دلیل پیش کیے ہیں۔(العیاذ باللہ)

(۳)ان اصحاب المذاهب الاربعة مدحهم الامة المرحومة اعتقادًا وعلمًا عملًا واخلاقًا على مافى كتبهم المعتمدة۔ واعترف الامة المرحومة بكونهم اهلا للاجماع باثبات الاجتهاد والعدالة لهم وبنفى البدعة والهواء والفسق عنهم كما فى كتب علم اصول الفقه بحث الاجماع۔

ترجمہ: امت مرحومہ نے آئمہ مجتہدین اربعہ کا از روئے عقیدۂ علم، عمل اور اخلاق کی تعریف کی ہے۔جو معتبر کتابوں میں ہے۔امت مرحومہ نے مان لیا کہ آئمہ اربعہ اصحاب اجتہاد وعدل ہو کر اجماع کے اہل ہیں۔اور ان میں نہ بدعت ہے نہ فسق اور نہ خواہشاتِ نفسانی۔

واما الوهابية فهم ذو بدعة وهوًى وفسق ولم يمدحهم احد بحسن الاعتقاد كما فى كتب الاصول بحث الاجماع وغيرها۔

ترجمہ: مگر وہابیہ فاسق اور مبتدع اور اہلِ ھواء ہیں۔اور ان کی کسی نے بھی تعریف نہیں کی۔

(۴)ان مذاهبهم متواترة لما قالوا يجب ان لا يختار فى الدين طريقة الا ما ارتضاه السلف والخلف وتلقته الامة كلها بالقبول۔ وحصل اجماع العلماء على حقيقته عصرا بعد عصر وتواترت روايته ونقله ولم يوجد المتصف كذٰلك الا المذاهب الاربعة بخلاف غيرها فما ارتضاه ولا تلقاه ولم يوجد الاجماع عليه وما تواتر نقله مثلها فلا يلتفت اليه ولا يعوّل عليه۔[2]

ترجمہ: چاروں مذاہب متواتر ہیں۔جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے کہ واجب ہے کہ اسلام میں کوئی طریقہ اختیار نہ کریں مگر وہ جس کو سلف وخلف نے پسند کیا ہو اور امت مرحومہ نے قبول کیا ہو۔اور اس کی حقیقت پر ہر زمانہ کے حقانی علماء کا اجماع ہو۔اس کا نقل متواتر ہو۔پس یہی ساری باتیں (اصول) صرف مذاہب اربعہ میں پائی جاتی ہیں۔باقی مذاہب (وہابیہ کا ہو یا غیر کا) نہ پسند ہے۔نہ قبول عام ہے۔نہ اس پر اجماع ہے۔نہ متواتر ہے۔لہٰذا ان کی طرف التفات نہ کریں۔اور نہ اعتماد کریں۔

---

[1] (حیوۃ الحیوان ج ۱ ص ۶۸)

[2] (فتوی الحرمین: ص ۱۷: ،نھایۃ المراد شرح مقدمۃ ابن العماد، نظام الاسلام ثم مزیل الشبھات: ص ۱۴: ،الطایب السیلسل ۱۰، الفتح المبین : ص ۵۰۵:)

(۵)لایجوز تقلید غیر الأئمة الاربعة لانهم عرفت قواعدهم وقد انطبقت بالنصوص وحرروا وهذبوا المسائل وفرعوها حکما حکما وبینوا شروطها وقیودها۔ وبوّبوا الابواب وجمعوا المسائل فی الفصول وفصلت مجملاتها واوضحوا طرق النظر ودوّنوا المذاهب وخدمها تابعوهم بالنقل المتواتر شرقا وغربا وجنوبا وشمالا بخلاف مذاهب غیرهم فی جمیع ماذکرت اٰه۔[1]

ترجمہ: آئمہ اربعہ کے سوا کسی اور کی تقلید جائز نہیں کیونکہ ان کے قواعد معروف ہیں۔جن سے آیات واحادیث موافق ہیں۔اور مسائل کو واضح اور صاف کیا ہے۔مسائل کے شروط اور قیود کو بیان فرمایا ہے اور الگ الگ بابوں کو مقرر کیا ہے۔اور مسائل کو اپنی فصلوں میں جمع کیا ہے۔مجمل احکام کو مفصل کیا ہے۔نظر کے طریقوں کو واضح کیا ہے۔اور انہی مذاہب کو مروّج کیا ہے۔آئمہ اربعہ کے تابعداروں نے اپنے اپنے مذاہب کی ایسی خدمت کی ہے جو نقل متواتر سے شرقاً غرباً جنوباً شمالاً پھیل گیا ہے۔مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی اور مذہب میں یہ چیزیں نہیں پائی جاتیں ہیں۔

حصرِ مذاہب اربعہ پر اجماعِ امت ہے

(۱)انه وقع الاجماع علی ان الاتباع انما یجوز للأئمة الاربعة فلایجوز الاتباع لمن حدث مجتهدًا مخالفا لهم اٰه۔

"امت مرحومہ کا اجماع اس بات پر ہے کہ تقلید جائز نہیں مگر چاروں اماموں کی۔پس بعد میں جو مجتہد پیدا ہوئے جو آئمہ اربعہ سے مخالف ہیں تو ان کی تقلید جائز نہیں۔"[2]

(۲)الاجماع قد حصل علی حقیقة المذاهب الاربعة وتخلف ذٰلک فیما سواها وان الامة جمیعها قد تلقت المذاهب الاربعة بالقبول ولم یحصل ذٰلک لغیرها اٰه۔

ترجمہ: امت مرحومہ کا اجماع چاروں مذاہب کی حقانیت پر ہے۔اور باقی مذاہب حق سے جدا ہیں۔ساری امت نے مذاہب اربعہ کو قبول کرلیا ہے۔یہ مقبولیت کسی اور مذہب کو حاصل نہیں۔[3]

(۳)الاجماع قد انعقد علی عدم العمل بمذهب محدث بعد الأئمة الاربعة اٰه۔

ترجمہ: بے شک امت مرحومہ کا اجماع منعقد ہوا کہ کسی نئے مذہب پر جو آئمہ اربعہ کے بعد پیدا ہوا ہے عمل نہ کریں۔(قد مر نقلہ من اربعۃ کتب فی اثبات التقلید)

وجہ استدلال: یہ ہے کہ عبارت اولیٰ وثانیہ میں ایجاب وسلب دونوں صریح الفاظ میں ہیں۔اور عبارت ثالثہ میں سلب صریح ہے۔اور ایجاب ضمنی ہے۔لہٰذا یہی اجماع جیسا تقلید کا مثبت ہے ایسا حصر کا بھی ہے۔اسی بناء پر دونوں جگہ ذکر ہوا۔

مذہب سے بحسبِ ظاہر مخالف آیت، حدیث پر عمل کرنے میں بہت زیادہ نقائص ہیں۔

(۱)فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ﴿سورۃ ص ۲۶﴾

ترجمہ: لوگوں میں انصاف کے ساتھ حکم کرتے رہو۔اور آئندہ بھی نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرو ورنہ وہ خدا کے راستے سے آپ کو بھٹکا دے گا۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ خداوندِ قدیر نے حق اور ھویٰ کا مقابلہ کر کے ھویٰ کو ضلالت فرمایا۔پس جب قرآن وحدیث اور اجماعِ امت نے مذاہب

---

[1] (فتح المبین شرح الاربعین لابن حجر المکی: ص ۵۰۵: فتوی الحرمین: ص ۱۵:، مزیل الشبہات ص ۱۳، تحریر الاصول، نظام الاسلام، فتح المبین فی کشف مکاید غیر المقلدین ص ۴۰۷، اطایب الصیب ص ۱۰)

[2] (اثنین وعشرون کتابا ذکرتها فی اثبات التقلید)

[3] (قد نقلته عن عشرۃ کتب فی اثبات التقلید)

اربعہ کو حق قرار دیا تو ان کی مخالفت کرنے والا ھوی اور ضلالت کا تابع ہوا۔

(۲) عن جابر رضی اللہ عنہ قال خرجنا فی سفر فاصاب رجلا منا حجر فشجہ فی رأسہ فاحتلم فسأل اصحابہ ھل تجدون لی رخصۃ فی التیمم قالوا ما نجدک رخصۃ وانت تقدر علی الماء فاغتسل فمات فلما قدمنا علی رسول اللہ ﷺ اخبرنا بذٰلک فقال ﷺ قتلوہ قتلھم اللہ الا سألوا اذلم یعلموا فانما شفاء العی السوال۔[۱] (ترجمہ گزر چکا ہے)

وجہ استدلال: یہ ہے کہ اگر غیر مجتہد مطلق مستقل کو قرآن اور حدیث کے ظاہری ترجمہ پر عمل کرنا جائز ہوتا تو انہوں نے تیمم کی آیت کے ظاہر ترجمہ پر فتویٰ دیا تھا مگر حضور ﷺ نے بہت زیادہ سختی سے ممنوع فرما کر ان صحابہ ذوو اللسان خیر القرون والوں کو تقلید کا راستہ بتادیا لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ شر القرون غیر ذی اللسان محروم الصحبۃ والے صرف لفظی ترجمہ سے مجتہد ہو جاتے ہیں۔

(۳) عن عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ انہ اخذ عقلا ابیض وعقلا اسود حتی کان بعض اللیل نظر فلم یستبینا لہ فلما اصبح قال لرسول اللہ ﷺ جعلت تحت وسادتی خیطا ابیض وخیطا اسود قال ﷺ ان وسادتک لعریض ان کان الخیط الابیض والخیط الاسود تحت وسادتک۔ الحدیث۔[۲]

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ (جب آیت کلوا واشربو حتی یتبین لکم الخیط الابیض الخ نازل ہوئی تو) آپ نے ایک سفید اور ایک کالا ڈورا (دھاگہ) اپنے تکیے کے نیچے رکھا۔ رات کے کسی حصے میں دیکھا تو وہ دھاگے نظر نہ آئے۔ صبح کی نماز کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں نے اپنے تکیے کے نیچے سفید اور سیاہ ڈورا رکھا تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا تکیہ بہت چوڑا ہے اگر سفید اور سیاہ ڈورے (دن اور رات) تمہارے تکیے کے نیچے آگئے۔ (وجہ استدلال بعینہ وہی ہے جو ابھی گزرا ہے)

(۴) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بغیر تحقیق کے کوئی فتویٰ دے دے تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔[۳]

(۵) عن عبد اللہ بن عمرو ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قالا قال رسول اللہ ﷺ اذا حکم الحاکم فاجتھد واصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتھد واخطأ فلہ اجر واحد۔[۴]

قال العلماء رحمھم اللہ تعالی اجمع المسلمون علی ان ھٰذا الحدیث فی حاکم عالم اھل للاجتھاد (الی قولہ) فاما من لیس باھل للحکم فلایحل لہ الحکم فان حکم فلا اجر لہ بل ھو آثم ولا ینفذ حکمہ سواء وافق الحق ام لا۔ لان اصابتہ اتفاقیۃ لیست صادرۃ عن اصل شرعی فھو عاصٍ فی جمیع احکامہ وافق الصواب ام لا۔ وھی مردودۃ کلھا ولا یعذر فی شیٔ من ذٰلک اھ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمرو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب مجتہد حاکم اجتہاد سے صحیح حکم بتائے گا اس کو دوگنا اجر ملے گا اور جب حکم خطا صادر ہوگا تو اس کو ایک اجر ملے گا۔ مسلمانوں نے اجماع کیا ہے کہ یہ حدیث اس عالم کے بارے میں ہے جو اجتہاد کا اہل

---

[۱] (رواہ ابوداؤد، کذا عن ابن عباس اخرجہ ابن ماجہ، مشکوۃ باب التیمم: ص ۴۷:)

[۲] (اخرجہ الخمسۃ تیسیر کتاب التفسیر سورۃ البقرۃ: ص ۴۲:)

[۳] (رواہ ابوداؤد، مشکوۃ کتاب العلم: ص ۲۷:)

[۴] (متفق علیہ، مشکوۃ باب العمل فی القضاء: ص ۳۱۶:)

ہے۔مگر وہ آدمی جو اجتہاد کا اہل نہ ہو پس اس کو حکم اجتہادی کرنا ناجائز ہے۔اگر اجتہاد کر کے کوئی حکم کیا تو اس کو ثواب نہیں ملے گا بلکہ گناہگار ہوگا۔ اور حکم جاری نہیں ہوسکتا۔حق کے موافق ہو یا نہ ہو کیونکہ یہ حکم کسی شرعی اصل پر مبنی نہیں۔بلکہ اتفاق ایسا ہوا۔وہ آدمی گناہگار رہے معذور نہیں اس کے سارے احکام مردود ہیں درست ہوں یا غلط۔[1]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ احادیث : نمبر ۴ اور نمبر ۵ کا مقصود یہ ہے کہ مجتہد اگر چہ مُخطی ہو اس کو ثواب ملتا ہے۔غیر مجتہد اگر چہ حق پر ہو آثم (گنہگار) اور اس کا فیصلہ مردود ہے تو ظاہر ہوا کہ مذہب کے مخالف آیت وحدیث پر (جو غیر مجتہد شرعی کی رائے میں مخالف ہوں) عمل کرنا گناہ اور کرنے والا مردود غیر معذور ہے۔

(۶) **فالظاهر انهم رأوا دليلًا ارجح مما رأه حتى لم يعملوا به اه۔**

ترجمہ: ظاہر یہ ہے کہ آئمہ اربعہ نے زیادہ قوی دلیل دیکھی ہوگی ان بعد والے لوگوں کی دلیل سے۔اس وجہ سے آئمہ اربعہ نے اس دلیل مرجوح پر عمل نہ کیا۔[2]

(۷) **كل نص خالف مذهب الامام فهو محمول على النسخ او التاويل او الترجيح۔**

ترجمہ : ہر نص آیت ہو یا حدیث جو امام کے مذہب سے مخالف پایا گیا تو وہ یا منسوخ ہے یا مؤل اور یا مرجوح۔[3]

وجہ استدلال: یہ ہے کہ عبارت نمبر ۵ اور نمبر ۶ کا مقصود یہ ہے کہ جو آیت، حدیث جو مذہب سے (بظاہر) مخالف ہو تو ظاہر یہ ہے کہ امام رحمہ اللہ نے قوی غیر منسوخ غیر ماول دلیل کو لیتے ہوئے اس آیت وحدیث کو منسوخ، ماول یا مرجوح قرار دیا ہے۔تو اس پر عمل کرنا گناہ اور مردود ہوگیا۔

(۸) **فليس لاحد ان يقول انا آخذ بظاهر الحديث واترك ما نص عليه مشائخ مذهبي اه۔**

ترجمہ : پس کسی (مقلد) کو یہ کہنا جائز نہیں کہ میں حدیث کے ظاہر پر عمل کرتا ہوں اور اپنے مذہب کے علماء کے صریح اقوال کو چھوڑتا ہوں۔[4]

جس کا اجتہاد مطلق مستقل نہیں وہ آثم، مردود، غیر معذور ہوتا ہے۔جیسا کہ بیان گزر چکا ہے۔لہٰذا حدیث کے ظاہر پر عمل کرنا ناجائز ہے۔

(۹) **فالادلة الاربعة انما يتوصل بها المجتهد لا المقلد۔ اما المقلد فالدليل عنده قول المجتهد اه۔** یعنی پس ادلہ اربعہ سے استدلال کرنا صرف مجتہد کا کام ہے مقلد کا نہیں۔مقلد کی دلیل صرف مجتہد کا قول ہے۔[5]

وجہ استدلال : یہ ہے کہ جب مقلد اپنی دلیل (قولِ مجتہد) کو چھوڑ کر مجتہد کی دلیل (آیت یا حدیث) پر عمل کرنا پسند کرے تو وہ غاصب ہوگیا۔

(۱۰) **ولا تنظر الى قول من خالفهم ولا تقبل حجته لانهم عرفوا الادلة وميزوا بين ما صح وثبت وضده اه۔**

ترجمہ: ہمارے آئمہ کے مخالف کے قول کو مت دیکھو اور دلیل کو مت مانو۔کیونکہ ہمارے آئمہ نے سارے دلائل کو جان لیا اور صحیح وثابت اور اس کے مقابل میں تمیز کر دی ہے۔[6]

---

[1] (نووی شرح المسلم)

[2] (رسائل ابن عابدین: ج: ۲: ص ۲۴:)

[3] (حامدیہ: ص ۳۶۸: وغیرہ کتب)

[4] (رسائل ابن عابدین: ج: ص: ص ۲۳:، عقد الجید لولی اللہ الدھلوی و بمعناہ قاضی خان رسم المفتی: ج ۱:، شرح برھان الائمۃ علی ادب القضاء للخصاف کفایۃ الھدایہ، نور الھدی، طحطاوی، فتح القدیر)

[5] (قتلویح مقدمہ ص ۴۴، بمعناہ فی مسلم الثبوت ص ۲، برھنہ ص ۳۸۲ کتاب الصوم، شامی بحث الاجماع، شامی رسم المفتی)

[6] (قاضی خان رسم المفتی، شرح برھان الائمۃ علی ادب القضاء للخصاف ثم رسائل ابن عابدین: ج: ۲: ص ۲۴:)

وجہ استدلال : یہ ہے کہ جب ہمارے آئمہ ادلہ کے عارف وماہر، صحیح اور سقیم میں پوری تمیز کرنے والے ہیں تو ان کے مخالفین ضرور سقیم (کمزور) دلیل والے ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب کے خلاف حدیث یا آیت پر عمل کرنا ممنوع ہے۔

(۱۱) فانه يميل اليهم ويفتي بقولهم ولايخالفهم برأيه وان كان مجتهدا متقنا لان الظاهر ان يكون الحق مع اصحابنا ولايعدوهم واجتهاده ليس كاجتهادهم اٰه۔

ترجمہ: پس ہمارے اماموں کی طرف میلان کرے اور ان کے قول پر فتویٰ دے۔ اور اپنی رائے سے اگرچہ مضبوط مجتہد ہو ہمارے اماموں سے مخالفت نہ کرے۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ حق ہمارے آئمہ کے ساتھ ہے اور کسی کے ساتھ نہیں اور اس کا اجتہاد ان کے اجتہاد کے برابر نہیں۔

(۱۲) فان الائمة اعلم منه بالآثار والاخبار فلعلهم اطلعوا على مالم يطلع عليه وو صلوا الى مالم يصل اليه اٰه۔

ترجمہ : پس احادیث پر ہمارے اماموں کا علم دوسرے آئمہ کے علم سے بڑھ کر ہے، تو شاید ان کو وہ احادیث معلوم ہوں جو اور کسی کو معلوم نہ ہوں۔ اور یہ آئمہ حضرات اس مقام تک پہنچے ہوں جس تک کوئی اور نہ پہنچا ہو۔[1]

(۱۳) فاما من ليس له رتبة الاجتهاد وهو حكم كل اهل العصر يفتي بمذهبه فلو ظهر له ضعف مذهبه لم يجز له ان يتركه مما يشكل عليه من الآية او الحديث يلزمه ان يقول لعل عند صاحب مذهبي جوابًا عن هٰذا۔ فاني لستُ مستقلا بالاجتهاد في اصل الشرع اٰه۔ ترجمہ: پس وہ لوگ جن کو اجتہادی رتبہ حاصل نہ ہو (یہ حکم ہر زمانہ کیلئے ہے) تو اس کو اپنے امام کے مذہب پر حکم کرنا واجب ہے اور اگر اس کو اپنے ناقص ذہن میں اپنا مذہب ضعیف نظر آجائے تو اس کو ترک کرنا جائز نہیں۔ اور جس آیت وحدیث کی وجہ سے اسے اپنا مذہب ضعیف نظر آجائے تو اس پر لازم ہے کہ اس کے بارے میں یہ جواب دے کہ ہمارے صاحب مذہب مجتہد مطلق مستقل کے پاس صاف جواب موجود ہے۔ کیونکہ میں اصل شرع میں مجتہد مطلق مستقل نہیں ہوں۔ تو مجھے جواب کا معلوم ہونا ضروری نہیں ہے۔[2]

(۱۴) لانه (اى خلاف الراجح) اتباع للهوىٰ اٰه۔

ترجمہ: کیونکہ راجح قول کی مخالفت کرنا خواہشات نفسانی کی تابعداری کرنا ہے۔[3]

وجہ استدلال : یہ ہے کہ جب قرآن، حدیث اور اجماعِ امت سے مذاہب اربعہ کی حقانیت ثابت ہوگئی تو مذہب کے خلاف جو تصور جس آیت یا حدیث سے غیر مجتہد کیلئے پیدا ہوجاتا ہے وہ صرف ھویٰ کی اتباع ہے۔

(۱۵) الواجب على من اراد ان يعمل لنفسه او يفتي غيره ان يتبع القول الذى رجحه علماء مذهبه۔ فلايجوز له العمل او الافتاء بالمرجوح بالاجماع اٰه۔

ترجمہ : وہ شخص جو خود عمل کرنے یا دوسرے کو فتویٰ دینے کا ارادہ رکھتا ہو اس پر واجب ہے کہ اسی قول کی اتباع کرے جس کو اپنے مذہب کے علماء نے ترجیح دی ہو۔ اور مرجوح قول پر عمل کرنا یا فتویٰ دینا بالاجماع ناجائز ہے۔[4]

وجہ استدلال : یہ ہے کہ راجح اور مرجوح دونوں امام کے اقوال تو ہوتے ہیں مگر راجح پر عمل کرنا واجب اور مرجوح پر حرام بالاجماع ہے۔ اور پھر

---

[1] (رسائل ابن عابدین: ج:۲: ص ۲۴: نور الانوار بحث الاجماع: ص ۲۲:)

[2] (احیاء العلوم کتاب العلم، بیان التلبیس فی المناظرة: ص: ۳۸)

[3] (رسائل ابن عابدین ج: ۱: ص: ۵۲، ۱۰، فتح القدیر کتاب القضاء، شرح المنهاج للقاسم، بحر الرائق، شامی: ج: ۴: ص: ۳۳۸ قضاء)

[4] (فتاویٰ کبریٰ، زواید الروضة ابن الصلاح والباجی والقرانی والامام ابوعمرو رسائل ابن عابدین: ج: ۱: ص ۱۰: ۱۱:)

خاص کر جب وہ آیت وحدیث جو امام کا قول بھی نہ ہو۔تو اس پر عمل بالاجماع حرام ہے۔

(۱۶)غیر المجتهدین کالانعام وعلیهم ان یقلدوا المجتهدین ولا یعتبر خلافهم فیما یجب علیهم من التقلید۔ یعنی غیر مجتہدین کی مثال چوپایوں جیسی ہے۔ان پر فرض ہے کہ مجتہدین کی تقلید کریں اور جس چیز میں ان پر تقلید واجب ہے۔اس بارے میں مجتہدین سے خلاف ناجائز ہے۔[1]

وجہ استدلال : یہ ہے کہ چوپائے کو یہ مجال نہیں کہ آیت وحدیث پر خود اپنے سے عمل کریں۔

مذاہب کے زمانہ سے پہلے مذاہب موجود نہ ہونے کی دلیل

اس بات کی وجوہات بہت ہیں جن میں سے مشت نمونہ خروار تحریر کرونگا۔

(۱)نقل امام الحرمین الاجماع علی منع تقلید العوام لاعیان الصحابة ث ومن بعدهم الا الذین وضعوا ودوّنوا المذاهب والاصول والفروع وطبقوها بالنصوص وحرروا وهذبوا المسائل والاصول واوضحوا طرق النظر وبینوا الاحکام فرعا فرعا وشروطها وقیودها وفصلوها وبوّبوا الابواب والفصول والانواع وجمعوها وخدمها تابعوها ونقلوها نقلا متواترا شرقا وغربا وجنوبا وشمالا وهٰذا الامور مخصوصة بمذاهب الآئمة الاربعة ابی حنیفة والمالک والشافعی واحمد بن حنبل رضی اللہ عنهم اجمعین ولهذا ایضا منعوا تقلید الثوری والاوزاعی وداؤد الظاهری وغیرهم اٰہ۔

ترجمہ: امام الحرمین نے اپنی کتاب مغیث الخلق الی الحق میں اسی بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ عوام کو جائز نہیں کہ معتبر صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کی تقلید کریں۔بغیر ان آئمہ کے کہ جنہوں نے مذاہب اصول وفروع کو وضع کرتے ہوئے مروّج کیا۔اور دلائل کے ساتھ مطابق کیا۔ مسائل اور اصول کو واضح اور صاف کیا۔اور استدلال کے طریقوں کو ظاہر کیا۔اور الگ الگ احکام بیان کئے اور احکام کے شروط اور قیود کو مفصل بیان کرتے ہوئے اپنے بابوں اور فصلوں اور نوعوں میں تقسیم کر دیا۔اور ان آئمہ کے تابعداروں نے انہی احکام کی خدمت کی اور یہی احکام تواتر کے ساتھ نقل کر کے ساری دنیا کے کونے کونے تک شائع وذائع کئے۔یہی امور صرف اور صرف ان چاروں اماموں! امام اعظم ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم کے مذاہب میں موجود ہیں۔اس لئے امام ثوری، اوزاعی، داؤد ظاہری وغیرھم کی تقلید حرام اور ممنوع ہے۔[2]

جب صحابہ، تابعین، ثوری، اوزاعی رضی اللہ عنہم جیسے حضرات کی تقلید عوام کیلئے اس وجہ سے جائز نہیں کہ ان کی اجتہادیات میں امور مذکورہ موجود نہیں تو وہابیہ کی مشکوٰۃ خوانی سے کوئی نتیجہ کیسے نکل سکتا ہے؟

(۲)کان عوام الناس فی عهد الصحابة یستفتون مرة الصدیق ومرة الفاروق رضی اللہ عنهما من غیر نکیر اٰہ۔ (کتب الاصول وکتب الفقه والحدیث، مختصر الاصول وشرحه، مسلّم الثبوت وشرحه البحر وغیرها) اقول کان ذٰلک قبل تدوین المذاهب الاربعة لاجل الضرورة لان اصول الصحابة ث لم تکن کافیة لعامة الوقایع ولا شاملة لکافة المسائل لانهم لم یتفرغوا الی التفریع والتفاریق والتفاصیل وتمهید الاصول والقواعد فلاجل هٰذه الضرورة یحل للمقلدین الاستفتاء مرة من

---

[1] (نورالانوار بحث الاجماع: ص ۲۲۰:)

[2] (ملخصا، الفتح المبین لابن حجر المکی ص ۵۵، فتوی الحرمین ص ۱۵، تحریر الاصول، نظام الاسلام، مزیل الشبهات ص ۱۴، الفتح المبین فی کشف مکاید غیر المقلدین ص ۴۰۷، الطایب الصیب، مجموعۃ الفتاوی: ج ۱ ص ۲۲)

ھٰذا و مرۃ من آخر۔ و اما بعد تدوینھا فکل واحد من المذاھب الاربعۃ مکتفل بمعرفۃ الکل فلاضرورۃ الی اتباع الامامین اٰہ۔

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں عام لوگ کبھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اور کبھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھتے تھے۔ اور اس پر کوئی انکار اور ممانعت نہیں تھی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ سوالی تردد چاروں مذاہب کی تدوین سے پہلے تھا ضرورت کی وجہ سے۔ (ضرورت کی دلیل) اس وجہ سے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے اصول وقواعد تمام وقایع کو کافی نہیں تھے، اور نہ سارے مسائل کو شامل تھے۔ (یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قصور علمی نہ تھی) کیونکہ یہ حضرات استخراج مسائل اور پھر ان کی تمیز، تفصیل، توضیح، تبویب اور اصول وقواعد کی ترتیب کیلئے فارغ نہ تھے۔ اسی ضرورت کی بناء پر مقلدین کو کبھی اس سے سوال کرنا جائز قرار پایا تھا۔ اور جب مذاہب اربعہ مدوّن ہوئے تو ہر ایک مذہب تمام مسائل کیلئے کافی ہوا۔ اس لئے دو اماموں کی تقلید کی کوئی ضرورت نہ رہی۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کو فرصت نہ ہوئی مذہب کے ضروریات کو مرتب کرنے کیلئے۔ اور باطل فرقے نہیں تھے۔ اور جو بھی ضروری حادثہ پیش آتا تو فوراً سوال کرنے سے حل ہو جاتا۔ (یہ نمبر ۲ اور نمبر ۳ شرح عقائد النسفیہ کے اول میں مصرح ہیں) تو مذاہب آئمہ اربعہ کے زمانے سے پہلے موجود نہ ہو سکے۔

(۳) و الانصاف ان انحصار المذاھب فی الاربعۃ و اتباعھم فضل الٰھی و قبولیۃ من عنداللہ۔[1] اقول فی مثل ھٰذا الفضل و القبولیۃ قال تعالی سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿مریم ۹۶﴾ فمن لم یرض بہ فلیموتوا بغضبھم و لاابالی ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ﴿المائدۃ ۵۴﴾

ترجمہ: انصاف یہ ہے کہ چار میں مذاہب کا انحصار اور ان کی تقلید فضل الٰہی اور قبولیت خداوندی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! ''اللہ تعالیٰ نیک مؤمنوں کیلئے (نعمت اخروی کے علاوہ دنیا میں یہ نعمت عطا فرمائے گا) خلائق (مخلوق) کے دل میں محبت پیدا کر دے گا۔ جو شخص اس پر راضی نہ ہوا اپنے غصہ سے مر جائے مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ راہِ راست پر جانا خدا کا فضل ہے اور جسے چاہے اللہ تعالیٰ یہ فضل دیتا ہے۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ جب چار میں مذاہب کا انحصار اللہ تعالیٰ کا فضل اور قبولیت ہے تو بے شک اسے اختیار ہے کہ جسے چاہے اس کو اپنا فضل دے۔ اور جس کو چاہے مسلمانوں کو محبوب و مرغوب کرتے ہوئے قبولیت دے دے۔ اور اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

(۴) و ھٰذا السوال من الوھابیۃ مثل سوال الکفار (فی عدم الرضاء بما فعل اللہ تعالی) فی قولہ تعالی! 'وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ﴿الزخرف ۳۱﴾

ترجمہ: وہابیہ کا یہ سوال کفار کے سوال جیسا ہے (کیونکہ دونوں فرقے اللہ تعالیٰ کے فعل پر راضی نہیں ہیں) کفار کہتے تھے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں (مکہ وطائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ ہوا۔ جیسا کہ کفار حضور اقدس ﷺ پر قرآن نازل ہونے سے منکر تھے اس لئے یہ کہا۔ اسی طرح وہابیہ آئمہ اربعہ کے مذاہب سے منکر ہیں۔ اس لئے یہی الفاظ کہنے لگے۔ آنے والی آیت کا بھی یہی قریب المفہوم ہے۔

قولہ تعالی: ''وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ'' ﴿الانعام ۸﴾

ترجمہ: کفار کہتے تھے کہ ان کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا۔

وجہ استدلال: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فاعل مختار ہے۔ جیسا چاہتا ہے کرتا ہے اور اسی بناء پر چار مذاہب کو آئمہ اربعہ سے مخصوص کرتے ہوئے پہلے زمانہ میں موجود نہیں کیا۔ اگر کوئی مزید تحقیق چاہے تو ہماری کتاب الاعتماد فی التقلید و الاجتھاد کا مطالعہ کرے۔

---

[1] (تفسیر احمدی: ص: ۵۲۷)

(۱۰۰)﴿باب نمبر سو حدیث ضعیف اور اس کے متعلقات کا بیان﴾

بعض علماء کا یہ معمول ہے کہ جس حدیث شریف کو اپنے موقف کے خلاف دیکھا، فوراً اسے ضعیف کر دیا۔ اس لئے ہم نے مناسب خیال کیا کہ ضعیف حدیث شریف اور اس کے متعلق کچھ لکھ دیا جائے۔

یہ ان لوگوں کی جہالت ہے جو ضعیف کی رٹ لگا کر عوام الناس کو عبادت و ریاضت سے روکتے ہیں۔ عند المحدثین، فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے اور اس سے استحباب ثابت ہو جاتا ہے۔ ولٰکن الوھابیۃ قومٌ لا یعلمون۔

خود سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا: ماجائکم عنی من خیر قلتہ او لم اقلہ فانا أقولہ و ما أتاکم عنی من شر فانا لا أقول الشر۔[۱]

"تمہیں جس بھلائی کی خبر پہنچے خواہ وہ میں نے فرمائی ہو یا نہ فرمائی ہو، میں اسے فرماتا ہوں۔ اور اگر تمہیں بری بات پہنچے تو میں بری بات نہیں فرماتا۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: من بلغہ عن اللہ شی فیہ فضیلۃ فاخذہٗ ورجاثوابہ اعطاہ اللہ ذلک وان لم یکن کذلک۔[۲]

"جس کو اللہ تعالیٰ سے فضیلت کی کوئی خبر پہنچے وہ اپنے یقین اور اس کے ثواب کی امید سے اس بات پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے وہ فضیلت عطا فرمائے گا اگر چہ وہ خبر درست نہ ہو۔"

مزید ارشاد فرمایا کہ: ماقیل من اقول حسن فانا قلتہ۔[۳]

"جو اچھی بات میری طرف سے پہنچائی جائے وہ میں نے فرمائی۔"

وفی روایۃ خذوا بہ حدثت بہ او لم احدث بہ۔[۴]

"عمل کرو چاہے وہ میں نے فرمائی ہو یا نہ فرمائی ہو۔"

امام نووی لکھتے ہیں کہ محدثین کرام فقہائے عظام علماء نے فرمایا ہے کہ فضائل اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا مستحب ہے۔[۵]

امام ابن حجر مکی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ ہمارے ائمہ فقہاء اصولین اور حفاظ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ بے شک ضعیف حدیث مناقب میں حجت ہوتی ہے جس طرح علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث حجت ہوتی ہے۔[۶]

علامہ شامی نے لکھا ہے: علی أنّہ فی فضائل الأعمالِ یجوز عمل بالحدیث الضعیف کما مرّ فی أوّل کتاب الطّھارۃ۔[۷]

---

[۱] (مسند امام احمد ج ۲ ص ۳۶۷)

[۲] (کنز العمال ص ۷۹۰ ج ۱۵)

[۳] (سنن ابن ماجہ ص ۴)

[۴] (کنز العمال ج ۱۰ ص ۲۲۹)

[۵] (کتاب الاذکار ص ۵)

[۶] (تطہیر الجنان ص ۱۳)

[۷] (رد المحتار، ص ۶۹، ج ۱)

اوراس طرح لکھتے ہیں :والعلماء یتساھلون فی ذکر الحدیث الضعیف والعمل بہ فی فضائل الأعمال۔[1]

وفی روح البیان :والحدیث الضعیف یعمل بہ فی فضائل الاعمال فعل العاقل أن یموت قبل أن یموت ویحیی بالحیوۃ الطیبۃ وذلک بظھورٍ سرّ الحیوۃ لہ بتربیۃ مرشدٍ کاملٍ۔[2]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مقدمہ اشعت اللمعات شرح مشکوۃ میں لکھتے ہیں :اگر از جہت اتہام کذب راوی باشد در وفحش خطا بود اگر چہ تعدد طرق داشتہ باشد منجبر نگردد و حدیث محکوم بہ ضعف باشد در فضائل معمول باشد۔[3]

امام خطیب بغدادی اور محدث بصیل امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ محدثین وغیرہم علماء کے نزدیک ضعیف اسناد میں تساہل اور بے اظہار ضعف موضوع کے علاوہ ہر قسم کی روایت اور اس پر عمل فضائل اعمال وغیرہ امور میں جائز ہے۔[4]

امام سخاوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے :فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل جائز ہے امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ احتیاط کے مواقع پر بھی ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔۔۔امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کئی کتب میں لکھا ہے کہ محدثین کا اس بات پر اجماع ہے کہ فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔[5]

ابن کثیر لکھتے ہیں :موضوع کے سوا احادیث کو ترغیب وترہیب قصص مواعظ اور ایسے دیگر امور میں بیان کرنا جائز ہے۔(اختصار علوم الحدیث ص ۷۲)

حافظ زین الدین عراقی نے بھی یہی بیان کیا ہے۔[6]

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ اور رجب کے مہینوں کی فضیلتوں میں حدیثیں ضعیف سندوں سے آئی ہیں ان پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں پس اگر اپنی جان میں قوت پائے تو ان پر عمل کرے۔[7]

اس مفہوم کی عبارات کے لئے ہم صرف حوالہ جات پر خوف طوالت کی وجہ سے اکتفا کر رہے ہیں :[8]

خود اکابرین وہابیہ کی گواہی :وہابیہ کے مجدد نواب صدیق حسن بھوپالی لکھتے ہیں کہ :احادیث ضعیفہ در فضائل اعمال معمول بہا است۔[9]

''فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔''

وہابیہ کے محدث عبداللہ روپڑی لکھتے ہیں:

''فضائل اعمال میں ضعیف حدیث معتبر ہے۔''[10]

---

[1] (ص ۲۹، ج ۱)

[2] (ص ۲۷۳، ج ۲ بحوالہ اعلام المؤمنین ص ۶۹)

[3] (اشعت اللمعات ص ۷)

[4] (تدریب الراوی ص ۲۹۸ الکفایہ فی علم الروایہ ص ۱۳۳)

[5] (فتح المغیث ص ۳۳۴، ۳۳۲، ج ۱)

[6] (التبصرہ والتذکرہ ص ۲۹۱، ج ۱)

[7] (الانتباہ فی سلاسل الاولیاء ص ۲۶)

[8] (علم الحدیث ص ۹۳، تقریب النواوی ج ۱ ص ۲۹۸، موضوعات کبیر ص ۶۳، مقدمہ ابن صلاح ص ۴۸، مصطلح الحدیث ص ۶۴، شرح مسلم ص ۲۱، ج ۱، مرقاۃ المناتیح ص ۸۳ ج ۲، قوت القلوب ص ۳۶۳ ج ۱، مقدمہ مشکوۃ شیخ عبدالحق ص ۵، شرح المہذب ص ۲۲۲ ج ۳۔)

[9] (مسک الختام ص ۵۷۲ ج ۱)

[10] (فتاویٰ اہل حدیث ص ۵۶، ۱۳۷، ج ۲، فتاویٰ علماء کے حدیث ص ۲۵۷ ج ۴)

رو پڑی صاحب ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں : ''حدیث اگر چہ ضعیف ہے مگر محدثین کا اصول ہے کہ ایسے مسائل میں ضعیف حدیث پر بھی عمل درست ہے۔''[1]

وہابیہ کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری شب برات کی عبادت کے متعلق لکھتے ہیں :

''اس رات کے متعلق ضعیف روایتیں ہیں اس دن کوئی کار خیر کرنا بدعت نہیں ہے بلکہ بحکم انما الاعمال بالنیات موجب ثواب ہے۔''[2]

وہابیہ کے مولوی عبدالستار دہلوی نے لکھا ہے:

''ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہوتی ہے۔''[3]

وہابیہ کے مولوی عبدالغفور اثری نے امام سخاوی سے نقل کیا ہے کہ جائز اور مستحب ہے کہ فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے۔[4]

وہابیہ کے محدث نذیر حسین دہلوی نے لکھا ہے:

''ضعیف حدیث فضائل میں مقبول ہے۔''[5]

وجواز بر حدیث ضعیف مجمع علیہ آئمہ اسلام است در فضائل ''ائمہ اسلام کا اجماع واتفاق ہے کہ فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔''[6]

''وہابیہ کے لسان العصر مولوی بشیر الرحمن سلفی نے اپنے وہابیہ کو اس متعلق خوب تبرک دیا ہے۔ چند ایک جملے درج کئے جاتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ بعض مدعیان علم ضعیف حدیث کو تن مردہ سے تشبیہ دے کر اسے بالکل نظر انداز کرنے کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ مردے بیس بھی جمع ہو جائیں تو ایک زندہ کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ بات غلط ہے ضعیف حدیث کو مردہ نہیں کمزور کہنا چاہئے، یہی ضعیف کا مفہوم ہے۔ ضعیف اور موضوع حدیث میں زمین آسمان کا فرق ہے، حق یہ ہے کہ دو کمزور مرد ایک طاقت ور کا مقابلہ کرنے کی سکت رکھتے ہیں۔''[7]

''کسی ضعیف حدیث کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ لازماً ناقابل عمل ہے۔''[8]

احادیث شریف کو ضعیف کہہ کر انہوں نے اپنے خبث باطن کا اظہار اور دل کا غبار اتار لیا ہے۔۔۔ نہ جانے کس ملحد و زندیق نے ضعیف احادیث کے بارے میں یہ زہر افشانی کر کے دین کے اکثر و بیشتر حصے کو ناقابل اعتبار بنانے کی مذموم و نامشکور کوشش کی ہے۔ ضعیف احادیث اگر اس احمقانہ انداز سے ناقابل اعتبار ہو جائیں تو حافظ ابن حجر بلوغ المرام میں مسلک محدثین کے ثبوت میں بہت سے مقامات پر ضعیف احادیث سے استدلال نہ کرتے، امام بخاری اپنی مایہ ناز کتاب صحیح البخاری میں ضعیف احادیث کو ترجمۃ الباب میں تائید کے لئے پیش نہ فرماتے۔ ''حق یہ ہے کہ تمام آئمہ حدیث نے

---

[1] (فتاویٰ اہل حدیث ج ۱ ص ۲۷۸)

[2] (فتاویٰ ثنائیہ ص ۶۵۶ ج ۱)

[3] (فتاویٰ ستاریہ ص ۳۷ ج ۴)

[4] (احسن الکلام ص ۴۴)

[5] (فتاویٰ نذیریہ ص ۳۰۳ ج ۱)

[6] (رسالہ تراویح ص ۲۴)

[7] (الدعا صفحہ ۲۴)

[8] (الدعا صفحہ ۲۶، ۲۷)

احادیث ضعاف کو معرض استدلال میں دلیل بنایا ہے۔[1]

وہابیہ کے محدث زبیر علی زئی کے نزدیک بھی ضعیف حدیث شرائط کے ساتھ فضائل میں معتبر ہے۔[2]

ضعیف حدیث کی تقویت:

اہل علم کے عمل کی وجہ سے بھی حدیث ضعیف کو تقویت مل جاتی ہے۔

''محدثِ جلیل ملا علی قاری علیہ الرحمۃ ایک حدیث کی بابت لکھتے ہیں کہ امام نووی نے کہا کہ اس کی اسناد ضعیف ہیں اس کو میرک سے نقل کیا ہے۔ امام ترمذی اہل علم کے عمل کی وجہ سے اس حدیث شریف کی تقویت کا ارادہ کرتے ہیں۔''[3]

امام حاکم صلوٰۃ التسبیح کی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

''جس بات سے اس حدیث کی صحت پر استدلال کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ تبع تابعین سے ہمارے دور تک ہمارے مقتدا دوام کے ساتھ اس پر عمل کرتے رہے۔ اور لوگوں کو اس پر عمل کی تلقین کرتے رہے، ان میں حضرت عبداللہ بن مبارک (رحمۃ اللہ علیہ) بھی ہیں۔''[4]

حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ[5] اول حدیث کی تشریح میں نقل فرمایا ہے: شیخ محی الدین ابن عربی نے کہا کہ مجھے حضور ﷺ کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ جس نے ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ کہا اس کی بخشش کر دی جائے گی، اور جس کو اس کا ثواب بخش دیا جائے اس کی بھی مغفرت کر دی جائے گی۔ میں نے ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ اور میں نے کسی کو اس کا ثواب بخشنے کی نیت نہ کی تھی۔ اتفاقاً میں ایک دعوت میں شریک ہوا اس میں ایک نوجوان جس کو کشف کا درجہ حاصل تھا، شریک تھا۔ اچانک وہ کھانے کے درمیان میں رونے لگا۔ میں نے اس کے رونے کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ میں نے اپنی ماں کو عذاب میں گرفتار دیکھا ہے۔ میں نے دل ہی دل میں ستر ہزار کلمہ طیبہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا۔ وہ نوجوان ہنسنے لگا۔ اور کہنے لگا، کہ اب میں اپنی ماں کو اچھا حال میں دیکھ رہا ہوں۔ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت کو اس نوجوان کے کشف سے جان لیا اور اس کے کشف کو حدیث کی صحت سے جان لیا۔[6]

اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم کے عمل کے ساتھ کشف سے بھی ضعیف حدیث کو تقویت مل جاتی ہے۔ محدثِ جلیل امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

''معتمد علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اہل علم کی موافقت حدیث شریف کی صحت کی دلیل بن جاتی ہے اگرچہ اس کے لئے کوئی سند قابل اعتماد نہ ہو۔''[7]

وہابی اکابر کی گواہی:

وہابیہ کے محدث نذیر حسین دہلوی نے لکھا ہے: ''اس حدیث شریف میں اگرچہ قدرے ضعف ہے مگر تعامل اہل علم کا اس حدیث شریف کے

---

[1] (الدعا ص ۷۲)

[2] (نماز نبوی ص ۲۹ حاشیہ)

[3] (مرقاۃ المفاتیح ج ۳ ص ۹۸)

[4] (التقریر والتحبیر ج ۲ ص ۲۴۹)

[5] (صفحہ ۹۸ جلد ۳ مکتبہ امدادیہ، باب ما علی المأموم من المتابعت و حکم المسبوق، الفصل الثانی)

[6] (مرقاۃ المفاتیح صفحہ ۹۸ جلد ۳)

[7] (تعقبات علی الموضوعات ص ۱۲)

ضعف کو رفع کرتا ہے جیسا کہ اصول حدیث میں ہے کہ تعامل اہل علم سے حدیث کا ضعف رفع ہوتا ہے۔''[1]

وہابیہ کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری نے ایک حدیث شریف کے ضعیف ہونے کے جواب میں لکھا ہے : ''امام بیہقی اور امام ابن منذر کا روایت کر کے اس سے استدلال کرنا اور پھر صدیوں سے محدثین کا اس پر تعامل قابل عمل ہے۔''[2]

دوسرا اصول:

امت کے تلقی یا قبول سے ضعیف حدیث بھی مقبول ہوتی ہے۔

امام سخاوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: جب امت کسی ضعیف حدیث کو قبول کر لے تو صحیح یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے گا، اور وہ حدیث شریف بمنزل حدیث متواتر ہوگی، اور اس سے کسی قطعی حکم کو منسوخ کر دیا جائے گا اور اس طرح حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہ حدیث ''وارث کے لئے وصیت نہیں'' ائمہ حدیث کے نزدیک ثابت نہیں مگر اس حدیث پر سب نے عمل کیا ہے یہاں تک کہ اس حدیث سے ایک وصیت کو منسوخ قرار دیا ہے۔''[3]

امام سخاوی نے امام شافعی کا جو قول نقل کیا ہے وہ موجود ہے۔[4]

ابن کثیر لکھتے ہیں : ''ہم نے ابن تیمیہ کی ایک عبارت دیکھی جس میں لکھا ہوا تھا : ''جو حدیث شریف جماعات آئمہ سے نقل کی گئی ہو اور امت نے اسے قبول کر لیا ہو وہ حدیث بھی قطعی ہے۔۔۔تمام محدثین کا یہی مذہب ہے۔''[5]

امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ کا بھی یہی قول ہے۔[6]

وہابی اکابر کی گواہی:

وہابیہ کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں کہ : ''ضعیف (حدیث) کے معنی یہ ہیں کہ جس میں صحیح کی شرائط نہ پائی جائیں، وہ کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ اگر اس کے مقابل میں صحیح حدیث نہیں تو اس پر عمل کرنا جائز ہے جیسے نماز کے شروع میں ''سبحنک اللھم'' پڑھنے والی حدیث ضعیف ہے مگر عمل ساری امت کرتی ہے۔''[7]

وہابیہ کے محدث حسین بن محسن الانصاری الیمانی نے لکھا ہے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا : ''مقبول وہ حدیث شریف ہے جسے علی نے قبول کر لیا ہو اگرچہ اس کی کوئی بھی سند صحیح نہ ہو۔''[8]

---

[1] (فتاویٰ نذیریہ ص ۲۱۱ ج ۱)

[2] (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۲۵)

[3] (فتح المغیث ج ۱ ص ۳۳۳)

[4] (الرسالہ ص ۱۴۲)

[5] (اختصار علوم الحدیث ص ۲۹، ۳۰)

[6] (النکت علی ابن صلاح صفحہ ۳۷۶ ج ۱)

[7] (فتاویٰ ثنائیہ ص ۷۶ ج ۲)

[8] (تحفۃ المرضیہ ج ۳ ص ۱۷۸)

مزید لکھا ہے : ''امام سخاوی نے شرح الالفیہ میں ذکر کیا ہے جب امت نے ضعیف حدیث شریف کو قبول کرلیا ہو تو صحیح مذہب کی بنیاد پر وہی ضعیف حدیث معمول بنالی جائے گی۔ یہاں تک کہ وہ بمنزلہ متواتر قرار پا کر نص قطعی کو بھی منسوخ کر سکے گی۔''

تیسرا اصول:

اگر ضعیف حدیث شریف کی اسناد معتمد ہوں تو متعدد طرق سے اس کو تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔

خوفِ طوالت کی وجہ سے اب ہم صرف وہابیہ کے اکابر کے حوالہ جات پر ہی اکتفا کریں گے وہابیہ کے محدث ابوسعید شرف الدین دہلوی نے ایک ضعیف حدیث کی دو اسناد ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے : ''اگر چہ ان دنوں میں کچھ کلام ہے مگر دونوں روایتوں اور دو سندوں کے ملنے سے ہر ایک کو دوسری سے تقویت حاصل ہوگئی گویا ہر داد و حسن تقسیرہ کے حد میں ہے لہٰذا قابل عمل ہے۔'' (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۲۵، فتاویٰ علمائے حدیث ج ۴ ص ۱۷۹)

وہابیہ کے محدث عبداللہ روپڑی کے نزدیک اگر ضعف تھوڑا ہو تو ضعیف حدیث نہ صرف حسن بلکہ صحیح کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے چنانچہ لکھا ہے کہ ''اگر ضعف تھوڑا ہو تو مل کر حسن یا صحیح کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔''[1]

مزید لکھا ہے : ''اگر چہ یہ روایت بھی ضعیف ہے مگر مذکورہ بالا روایات کی مؤید ہے ہر صورت عمل میں کوئی حرج نہیں۔''[2]

وہابیہ کے محقق عبداللہ عفیف نے لکھا ہے:

''واضح ہو کہ حدیث صلوٰۃ التسبیح کی اسنادی حیثیت ہی میں سخت اختلاف ہے، نہ صرف اس کی صحت وضعف میں بلکہ بعض آئمہ نے اس حدیث کو موضوع تک کہا ہے۔۔۔۔ معلوم ہوا کہ اس حدیث کی اسنادی حیثیت سخت مخدوش ہے تاہم ہمارے نزدیک تعدد طرق کی وجہ سے یہ حدیث قابل عمل ہے۔''[3]

وہابیہ کے لسان العصر مولوی بشیر الرحمن سلفی نے امام ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

''طرق ضعیفہ باہم مل کر تقویت حاصل کر لیتے ہیں۔''[4]

وہابیہ کے مولوی غلام رسول آف قلعہ میاں سنگھ لکھتے ہیں:

''بلکہ متعدد طرق بمرتبہ حسن میرسد''[5]

''بلکہ تعدد طرق کی وجہ سے (ضعیف حدیث) حسن کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔''

وہابیہ کے شیخ الحدیث ثناء اللہ مدنی نے لکھا ہے : ''ان ضعیف احادیث کو آپس میں ملایا جائے تو وبرکاتہ کی زیادتی کو مشروعیت کو تقویت حاصل ہوتی ہے، مقصد یہ ہے کہ کچھ اس کا اصل موجود ہے جس کی بناء پر یہ روایت قابل عمل ہو سکتی ہے۔''[6]

وہابیہ کے مولوی عبدالوہاب دہلوی بھی ضعیف حدیث پر عمل جائز کرتا ہے۔[7]

---

[1] (فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۱۳۷)

[2] (فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۱۳۷)

[3] (صلوٰۃ التسبیح ص ۱۱)

[4] (الدعاء ص ۴۹)

[5] (رسالہ تراویح ص ۲۴)

[6] (ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۲۹ نومبر ۱۹۹۶ء ص ۸)

[7] (مکمل نماز ص ۵۶۶)

ضعیف حدیث من گھڑت نہیں ہوتی اور اس سے ثابت مسائل بدعت نہیں ہوتے:

وہابیہ کا بات بات میں ضعیف کی رٹ لگانا اور پھر لوگوں کے سامنے یہ بار آور کرانے کی کوشش کرنا کہ یہ جعلی حدیث ہے سراسر جہالت وحماقت ہے حالانکہ اصول حدیث میں ہے کہ ضعیف حدیث موضوع نہیں ہوتی۔اس سے ثابت شدہ مسائل بدعت نہیں ہوتے۔وہابیہ کے اپنے اکابر کی زبانی سن لیجئے: ''حدیث ضعیف فضائل میں مقبول ہے اور اس کو موضوع نہیں کہنا چاہیئے۔''[1]

وہابیہ کے شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری نے ایک حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ: ''صحیح نہیں ہے مگر بناوٹی بھی نہیں ہے کیونکہ بناوٹی موضوع کو کہتے ہیں البتہ ضعیف ہے۔''[2]

مزید لکھا ہے: ''ضعیف حدیث کے ساتھ بھی جو فعل ثابت ہو وہ بدعت نہیں ہوگا۔''[3]

وہابی مولوی بشیر سلفی نے لکھا ہے:

''ضعیف اور موضوع حدیث میں زمین آسمان کا فرق ہے۔''[4]

ضعیف حدیث سے استحباب کا ثبوت ہے:

وہابیہ کے شیخ الکل مولوی نذیر حسین دہلوی نے لکھا ہے: ''حدیث ضعیف سے جو موضوع نہ ہو استحباب وجواز ثابت ہوتا ہے۔''[5]

اور امور شرعیہ پر طعن کرنے والا ہیجڑے کی طرح ہے کیونکہ وہ مناجات کے ذوق اور عبادات کی مٹھاس کو نہیں سمجھ سکتے۔

کما فی روح البیان: فلایلتفت الی قول من لا مذاق لھم من الطاعنین فانھم بمنزلۃ العنین لا یعرفون ذوق المناجاۃ و حلاوۃ الطاعات۔[6]

القول الصواب فی مسئلۃ ایصال ثواب میں ہے:

بعض محدثین کچھ احادیث کو ضعیف کہتے ہیں لیکن اصول حدیث میں ہے کہ حدیث صحیح نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث موضوع ہی ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری لکھتے ہیں: **لایلزم من عدم صحّتہ وجود الوضع کما لا یخفیٰ۔** یعنی کھلی بات ہے کہ حدیث کے صحیح نہ ہونے سے اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔[7]

مزید فرماتے ہیں: **قلت لا یلزم من عدم صحتہ ثبوت وضعہ وغایتہ انّہ ضعیفٌ۔** میں کہتا ہوں کہ اس کے صحیح نہ ہونے سے موضوع ہونا لازم نہیں غایت یہ کہ وہ ضعیف ہو۔[8]

علامہ زرکشی فرماتے ہیں: **قال الزرکشی۔ بین قولنا لم یصح وقولنا موضوعٌ بونٌ بیّن فانّ الوضع اثبات الکذب۔ وقولنا یصح انّما ھو اخبارٌ**

---

[1] (فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۳۰۳)

[2] (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۲۲۴)

[3] (فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۱۰)

[4] (الدعاء ص ۲۴)

[5] (فتاویٰ نذیریہ ص ۵۶۴ ج ۱، فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۵۰۷)

[6] (ج ۴ ص ۶۸۲)

[7] (موضوعات الکبریٰ ص ۴۴۳)

[8] (موضوعات الکبریٰ ۴۴۷)

عن عدم الثّبوت و لا یلزم منه اثبات العدم۔

یعنی علامہ زرکشی نے کہا ہے کہ ہم محدثین کا کسی حدیث کو یہ کہنا کہ یہ صحیح نہیں اور کسی کو یہ کہنا کہ یہ موضوع ہے اس میں بڑا فرق ہے۔ موضوع کہنے کے معنی یہ ہیں کہ یہ روایت جھوٹی بنائی ہوئی ہے اور جب ہم یہ کہیں کہ یہ صحیح نہیں (یعنی ضعیف) اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ حدیث جھوٹی بنائی ہوئی ہے بلکہ اس کا حال تو سلب ثبوت ہے۔[1]

ابو طالب محمد بن علی مکی فرماتے ہیں : الاحادیث فی فضائل الاعمال و تفضیل الاصحاب متقبلةٌ محتملةٌ علیٰ کل حالٍ مقاطیعها و مراسیلها لا تعارض و لا تردّ۔ کذٰلک کان السّلف یفعلون۔[2]

یعنی فضائل اعمال و تفضیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی حدیثیں کیسی ہی ہوں، ہر حال میں مقبول و ماخوذ ہیں۔ مقطوع ہوں خواہ مرسل، نہ ان کی مخالفت کی جائے گی اور نہ انہیں رد کیا جائے گا، آئمہ سلف کا یہی طریقہ تھا۔

ابن عبد البر فرماتے ہیں : و قد قال ابن عبد البر۔ انهم یتساهلون فی الحدیث اذا کان من فضائل الاعمال۔[3]

''اور تحقیق ابن عبد البر نے کہا جب حدیث فضائل اعمال کے بارے میں ہو تو علماء اس میں تساہل (نرمی) فرماتے ہیں۔''

امام احمد بن حنبل، امام ابن مہدی، امام ابن مبارک اور امام جلال الدین سیوطی : ویجوز عند اهل الحدیث و غیرهم التّساهل فی الاسانید الضعیفة و روایة ماسوی الموضوع من الضعیف و العمل به۔ ''اور محدثین وغیرہم علماء کے نزدیک ضعیف سندوں میں تساہل (نرمی) اور ہر قسم کی ضعیف حدیث کی روایت اور اس پر عمل فضائل اعمال وغیرہ امور میں جائز ہے جبکہ موضوعی حدیث میں یہ جائز نہیں''[4]

اسی صفحہ پر ہے : ابن حنبل و ابن مهدی و ابن المبارک۔ قالوا اذا روینا فی الحلال و الحرام شددنا و اذا روینا و فی الفضائل و نحوها تساهلنا۔ یعنی امام احمد بن حنبل، امام ابن مہدی اور امام ابن مبارک وغیرہم سے اس کی تصریح منقول ہے، وہ فرماتے ہیں جب ہم حلال و حرام میں حدیث روایت کرتے ہیں تو سختی کرتے ہیں اور جب فضائل میں روایت کرتے ہیں تو نرمی کرتے ہیں۔[5]

فضائل اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔

امام ابو زکریا نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں : قال العلماء من المحدثین و الفقهاء و غیرهم یجوز و یستحب العمل فی الفضائل و التّرغیب و الترهیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعاً۔[6]

یعنی محدثین و فقہاء وغیرہم علماء نے فرمایا کہ فضائل اور نیک باتوں کی ترغیب اور بری بات سے خوف دلانے میں حدیث ضعیف پر عمل جائز و مستحب ہے جبکہ موضوع نہ ہو۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: و الضعیف یعمل به فی فضائل الاعمال اتفاقاً۔ و لذا قال ائمّتنا۔ أن مسح الرّقبة مستحب

---

[1] (موضوعات الکبری ۷۴، بحوالہ القول الصواب ص ۷۷)

[2] (قوت القلوب فی معاملة محبوب ج ۱ ص ۱۷۸)

[3] (المقاصد الحسنۃ ص ۶۳۵)

[4] (تدریب الراوی ص ۲۹۸)

[5] (تدریب الراوی ۲۹۸)

[6] (اذکار المنتخبة من کلام سید الابرار ﷺ ص ۷)

او سنّۃ۔[1]

یعنی اور ضعیف احادیث پر فضائل اعمال میں بالاتفاق عمل کیا جاتا ہے اسی لئے ہمارے ائمہ کرام نے فرمایا کہ وضو میں گردن کا مسح مستحب یا سنت ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : ورد فی فضائل رجب الاحادیث باسانید ضعیفۃ لا بأس بالعمل بھا فان وجد فی نفسہ قوّۃ فلیعمل بھا۔[2]

ترجمہ: اور رجب کے مہینے کی فضیلتوں میں حدیثیں ضعیف سندوں سے آئی ہیں، ان پر عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں پس اگر اپنی جان میں قوت پائے تو ان پر عمل کرے۔

شارح شفا خفاجی فرماتے ہیں : الذی یصلح للتعویل علیہ ان یقال اذا وجد حدیث فی فضیلۃ عمل من الاعمال لا یحتمل الحرمۃ والکراھیۃ یجوز العمل بہ ویستحب لانّہ مأمون الخطر ومرجوّ النّفع۔

ترجمہ: یعنی اعتماد کے قابل یہ بات ہے کہ جب کسی عمل کی فضیلت میں کوئی حدیث پائی جائے اور وہ حرمت و کراہت کے قابل نہ ہو تو اس حدیث پر عمل جائز و مستحب ہے کہ اندیشہ سے امان ہے اور نفع کی امید ہے۔[3]

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا : من بلغہ عن اللہ شیئٌ فیہ فضیلۃٌ فاخذ بہ ایماناً ورجاء ثوابہ اعطاہ اللہ ذالک وان لم یکن کذالک۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جسے اللہ تعالیٰ سے کسی بات میں کچھ فضیلت کی خبر پہنچے وہ اپنے یقین اور اس کے ثواب کی امید سے اس بات پر عمل کرے اللہ تعالیٰ اسے وہ فضیلت عطاء فرمائے گا اگرچہ وہ خبر ٹھیک نہ ہو۔[4]

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے : ماجآء کم عنی من خیر قلتہ او لم اقلہ فانی اقولہ وما جاء کم عنی من شرٍ فانی لا اقول الشر۔ یعنی تمہیں جس بھلائی کی خبر پہنچے خواہ وہ میں نے فرمائی ہو یا نہ فرمائی ہو میں اسے فرماتا ہوں اور جس بری بات کی خبر پہنچے تو میں بری بات نہیں فرماتا۔[5]

ابن ماجہ میں ہے : ماقیل من قولٍ حسنٍ فانا قلتہ۔[6]

ترجمہ: جو نیک بات میری طرف سے پہنچائی جائے وہ میں نے فرمائی ہے۔

وفی روایۃٍ خذوا بہ حدثت بہ او لم احدث بہ۔ یعنی اس پر عمل کرو چاہے وہ میں نے فرمائی ہو یا نہ۔[7]

اہل علم کے عمل کرنے سے بھی ضعیف حدیث قوی ہو جاتی ہے

رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب والعمل علی ھذا عند اھل العلم۔ قال النووی واسنادہ ضعیف نقلہ میرک فکان الترمذی یرید تقویۃ الحدیث بعمل اھل العلم۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ کما قال الشیخ محی الدین ابن عربی انہ بلغنی عن النبی

---

[1] (الموضوعات الکبریٰ)

[2] (انتباہ فی سلاسل اولیاء ص ۲۹)

[3] (نسیم الریاض شرح شفا ج ۱ ص ۴۳)

[4] (کنز العمال ج ۱۵ ص ۷۹۱ رقم ۴۳۱۳۲)

[5] (احمد فی مسندہ ج ۲ ص ۳۶۷، برقم ۸۷۸۷، وج ۲ ص ۴۸۴ برقم ۱۰۲۷۴)

[6] (ابن ماجہ ۴)

[7] (کنز العمال ج ۱۰ ص ۲۲۹ برقم ۲۹۲۱۰)

ﷺ انه من قال لا اله الا اللہ سبعین الفا۔ غفر اللہ تعالیٰ۔ و من قیل له غفر له ایضا فکنت ذکرت التهلیلة بالعدد المروی من غیر ان انوی لاحد بالخصوص فحضرت طعاما مع بعض الاصحاب و فیهم شاب مشهور بالکشف۔ فاذا هو فی اثناء الاکل اظهر البکاء۔ فسالته عن السبب۔ فقال اری امی فی العذاب فوهبت فی باطنی ثواب التهلیلة المذکورة له فضحک و قال انی اراها الان فی حسن الماب فقال الشیخ فعرفت صحة الحدیث بصحة کشفه و صحة کشفه بصحة الحدیث۔

یعنی امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے اور اہل علم کا اس پر عمل ہے سید میرک نے امام نووی سے نقل کیا کہ اس کی سند ضعیف ہے تو گویا امام ترمذی عمل اہل علم سے حدیث کو قوت دینا چاہتے ہیں، واللہ اعلم اس کی نظیر وہ ہے کہ سیدی شیخ اکبر امام محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ نے فرمایا مجھے حضور اقدس ﷺ سے حدیث پہنچی ہے کہ جو شخص ستر ہزار بار لا الہ الا اللہ کہے اس کی مغفرت ہو اور جس کے لئے پڑھا جائے اس کی مغفرت ہو۔ میں نے لا الہ الا اللہ اتنی بار پڑھا تھا اس میں کسی کے لئے خاص نیت نہ تھی اپنے بعض رفیقوں کے ساتھ ایک دعوت میں گیا ان میں ایک جوان جس کے کشف کا شہرہ تھا کھانا کھاتے کھاتے رونے لگا۔ میں نے سبب پوچھا کہا ماں کو عذاب میں دیکھتا ہوں۔ میں نے اپنے دل میں کلمہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا فوراً وہ جوان ہنسنے لگا اور کہا اب میں اسے اچھی جگہ دیکھتا ہوں۔ امام محی الدین قدس سرہ فرماتے ہیں تو میں نے حدیث کی صحت اس جوان کے کشف کی صحت سے پہچانی اور اس کے کشف کی صحت حدیث کی صحت سے جانی۔

امام سیوطی تعقبات میں امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل فرماتے ہیں : تداولها الصالحون بعضهم عن بعض و فی ذالک تقویة الحدیث المرفوع۔[1]

یعنی صالحین نے ایک دوسرے سے اخذ کیا اور ان کے اخذ میں حدیث مرفوع کی تقویت ہے۔ اسی میں فرمایا : قد صرح غیر واحدٍ بان من دلیل صحة الحدیث قول اهل العلم به و ان لم یکن له اسناد یعتمد علی مثله۔[2]

یعنی معتمد علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ اہل علم کی موافقت صحت حدیث کی دلیل ہوتی ہے اگرچہ اس کے لئے کوئی سند قابل اعتماد نہ ہو۔

یہ ارشاد علماء احادیث کے بارے میں ہے پھر احادیث فضائل تو احادیث فضائل ہیں۔[3]

عبدالستار غیر مقلد ایک سوال کے جواب میں کہتا ہے کہ ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہوتی ہے۔ نبی علیہ السلام کا فرمان ہے : من تمسک بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهید۔

یعنی سنت پر مضبوطی سے عمل کرتے رہنے کی حدیث میں تاکید ہے خصوصا جب لوگ اس پر عمل نہ کرنے دیں بلکہ فساد کریں ایسے وقت تو ضرور ہی عمل کرنا چاہیئے۔[4]

امام یحییٰ بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں : انهم قد یروون عنهم احادیث الترغیب و الترهیب و فضائل الاعمال و القصص و احادیث الزهد و مکارم الاخلاق و نحو ذلک مما لا یتعلق بالحلال و الحرام و سائر الاحکام و هذا الضرب من الحدیث یجوز عند اهل الحدیث و غیرهم التساهل فیه و روایة ماسوی الموضوع منه و العمل به لان اصول ذلک صحیحة مقررة فی

---

[1] (تعقبات علی الموضوعات ۱۳)

[2] (تعقبات علی الموضوعات ص ۱۲)

[3] (فتاوی رضویہ ج ۵ ص ۴۷۷)

[4] (فتاوی ستاریہ ۴ ۳۷ کراچی)

الشرع معروفة عند اهله۔

''حضرات محدثین ضعیف راویوں سے ترغیب ترہیب، فضائل اعمال، قصہ جات، زہد، اور مکارم اخلاق میں احادیث روایت کرتے ہیں لیکن حلال و حرام کے احکام سے تعلق رکھنے والی احادیث ایسے راویوں سے بالکل روایت نہیں کرتے۔ اس قسم کی احادیث ضعیف راویوں سے روایت کرنا اور ان پر عمل کرنا محدثین کے نزدیک جائز ہے کیونکہ یہ اصولِ شریعت میں صحیح و مقرر اور اہل شریعت کے ہاں معروف ہے۔''[1]

یہی امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی دوسری کتاب الاذکار صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں : قال العلمآء من المحدثین و الفقهآء و غیرهم یجوز و یستحب العمل فی الفضائل و الترغیب و الترهیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعًا۔

محدثین، فقہاء اور دیگر علماء کرام فرماتے ہیں کہ فضائل اعمال ترغیب اور ترہیب کے باب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز و مستحب ہے جبکہ وہ حدیث موضوع نہ ہو۔

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں : ویجوز عند اهل الحدیث و غیرهم التساهل فی الاسانید الضعیفة و روایة ماسوی الموضوع من الضعیف و العمل به۔ یعنی اور محدثین وغیرہم علماء کے نزدیک ضعیف سندوں میں تساہل اور بے اظہار ضعف موضوع کے سوا ہر قسم کی حدیث کی روایت اور اس پر عمل فضائل اِعمال وغیرہ امور میں جائز ہے۔[2]

امام ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں : الذی اطبق علیه ائمّتنا الفقهاء و الاصولیّون و الحفّاظ أنّ الحدیث الضعیف حجةٌ فی المناقب کما أنّه ثمّ بأجماع من یعتدبه حجّةٌ فی فضائل الاعمال۔ یعنی ہمارے ائمہ، فقہا، اصولیین، اور حفاظ کا اس پر اتفاق ہے کہ مناقب میں بھی حدیثِ ضعیف حجت ہوتی ہے جس طرح قابل اعتماد علماء کا اس پر اجماع ہے کہ فضائل اعمال میں حدیثِ ضعیف حجت ہوتی ہے۔[3]

(۱۰۱) ﴿باب نمبر ایک سو ایک قبر پر اذان دینے کا بیان﴾

بعض علماء نماز کے علاوہ اذان دینے کو بدعت کہتے ہیں۔ اور خاص کر اذان عند القبر حالانکہ نماز کے علاوہ اذان دینا سنت ہے۔

جیسا درِ مختار جلد اول باب الاذان میں یہ اشعار درج ہیں:

فرض الصلوة و فی اذان الصغیر و فی

وقت الحریق و الحرب الذی وقعا

خلف المسافر و الغیلان ان ظهرت

فاحفظ لست من للذی شرعا

و زید اربع ذوهم و ذو غضب

مسافر ضل فی قفر و من صرعا

یعنی دس مقامات اذان میں سے نو مقامات ایسے ہیں جہاں نماز کے علاوہ اذان دینا سنت ہے :

(۱) نماز کے لئے۔ (۲) بچے کے کان میں۔ (۳) جب آگ لگ جائے۔ (۴) جب جنگ شروع ہو۔ (۵) جب مسافر چلا جائے۔

---

[1] (شرح مسلم نووی ص ۲۱، ج ۱)

[2] (تدریب الروی ص ۲۹۸)

[3] (تطہیر الجنان واللسان، ص ۱۳)

(۶) جب جنات ظاہر ہوں۔ (۷) غم والے شخص کے لئے۔ (۸) غصہ آئے ہوئے کے لئے۔ (۹) مسافر جب راستہ بھول جائے۔
(۱۰) اس شخص کے لئے جس پر مرگی کا دورہ پڑ جائے۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ ان مذکورہ نو مقامات میں کون سی نماز ہوتی ہے جس کے لئے اذان دینا سنت ہے؟ کیا اس اذان میں حی علی الصلوۃ کے الفاظ نہیں ہوتے؟ اور یہ کون سا نماز کا وقت ہے؟ بلکہ ان مذکورہ مقامات میں اگر غور کیا جائے تو مسلمان میت قبر میں مذکورہ وجوہات میں چند وجوہ کی وجہ سے اذان کا محتاج ہوتا ہے۔

جیسا کہ مندرجہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ آگ لگنے کے وقت اذان دینا سنت ہے۔ اس اذان کا سنت ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ مثلا :

اطفؤا الحریق بالتکبیر۔ یعنی آگ کو تکبیر کے ذریعہ سے بجاؤ۔[1]

اسی طرح مکتبہ اثریہ سانگلہ ہل سے شائع شدہ کتاب الکامل فی الضعفاء الرجال سے عبارت ملاحظہ ہو:

اذا رأیتم الحریق فکبروا فانہ یطفیء النار۔

جب تم آگ دیکھو تو تکبیر کہو کیونکہ یہ آگ کو بجھا دیتی ہے۔[2]

مندرجہ بالا احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ آگ لگنے کے وقت تکبیرات کہنے کا حکم ہے۔ ان تکبیرات کا استحباب کس حدیث کی رو سے ہے وہ بھی ملاحظہ ہو:

مرقاۃ شرح مشکوۃ : التکبیر علی ھذا الاطفاء الغضب الالٰھی ولھذا ورد استحباب التکبیر عند رؤیۃ الحریق الخ۔ یعنی ''قبر پر تکبیرات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے غضب الٰہی کی آگ بجھ جاتی ہے اور اسی وجہ سے دنیاوی آگ کے وقت اذان کہنا ثابت ہے۔[3]

ثابت ہو گیا کہ دنیاوی آگ بجھانے کے لئے تکبیرات پڑھنے کا حکم بھی اس لئے ہے کہ قبر کی آگ انہی تکبیرات کی وجہ سے ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ اور اذان میں چھ دفعہ تکبیر پڑھی جاتی ہے۔ تو جب غضب الٰہی کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ان تکبیرات کا حکم ہے تو اس سے منع کرنے کے کیا معنی اور مطلب؟

جس مسلمان کا دل غم زدہ ہو اور پریشان حالی میں مبتلا ہو، اسے بھی اگر اذان سنائی جائے تو پریشانی ختم ہو جاتی ہے یہ مقام بھی مسنون مقامات میں داخل ہے۔

مرقاۃ : عن علی رضی اللہ عنہ رأنی النبی ﷺ حزینا فقال یا ابن ابی طالب انی أراک حزینا فمر بعض اھلک یؤذن فی اذنک فانہ دراٗ الھم۔

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے : مجھے حضور پاک ﷺ نے پریشان دیکھا تو فرمایا کہ اے ابن ابی طالب میں تمہیں پریشان دیکھ رہا ہوں۔ اپنے اہل خانہ میں کسی کو کہیں کہ آپ کے کان میں اذان کہے، کہ بیشک اذان غم کو ختم کرنے والی ہے۔''[4]

لیجئے اب تو مسئلہ واضح ہو گیا کہ غم اور پریشانی کے وقت اذان دینا سنت سے ثابت ہے، اب اعتراض کرنے والے بتائیں کہ کیا یہ نماز کا وقت تھا جو

---

[1] (معجم اوسط حدیث ۸۵۶۴، ج ۹ ص ۲۵۹، مکتبہ معرف ریاض)

[2] (صفحہ ۱۴۲۹ ج ۴)

[3] (فصل نمبر ۳ باب اثبات عذاب قبر صفحہ ۲۱۱ جلد ۱ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[4] (باب الاذان ج ۲ صفحہ ۱۴۹)

حضور ﷺ نے اذان دینے کا حکم دیا؟

وجہ استدلال : جب اذان سے پریشانی ختم ہوجاتی ہے تو کیا قبر میں مؤمن کو پریشانی نہیں ہوتی؟ یقینا ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت بالحدیث ہے : **لان القبر مقام الھول والوحشة۔** ''قبر ڈر اور وحشت کی جگہ ہے۔''[1]

اسی طرح طحطاوی **کشف الغمه حلیة الاولیاء** میں مرقوم ہے : **کان کعب الاحبار یقول قال رسول اللہ ﷺ لما نزل آدم بارض الھند فاستوحش فنزل جبرئیل علیه السلام فنادی بالاذان۔** ''یعنی جب آدم علیہ السلام ہند کی سرزمین پر اترے تو آپ کو وحشت ہوئی، تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور اذان کہی۔'' اور **لما نزل آدم الی قوله استوحش فنزل جبرئیل** کے الفاظ سے اس بات پر صراحت ہے کہ اذان وحشت کے ساتھ متصل ہو۔[2]

جب ان متعدد حوالوں سے ثابت ہوا کہ پریشانی کے وقت اذان دینا صحیح ہے تو قبر کی پریشانی کے وقت اذان سے انکار کیوں؟

شامی میں بھی اذان مسنون قرار دینے کے مقامات کا ذکر بایں الفاظ موجود ہے: **قد یسن الاذان بغیر الصلوة کما فی اذان المولود والمھموم والمصروع والغضبان ومن ساء خلقه من انسان او بھیمة وعند مزدحم الجیش وعند الحریق وقیل عند انزال المیت القبر قیاسا علی اول خروجه لکن رده ابن حجر فی شرح عباب وعند تفول الغیلان ای تمرد الجن۔**

یعنی نماز کے بغیر اذان دینا سنت ہے جیسا کہ بچے کے کان میں، غم زدہ کے لئے، مرگی کے مریض کے لئے، غصہ والے آدمی (کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے) کے لئے، بداخلاق انسان یا شوخی کرنے والے جانور کے لئے، جنگ کے وقت، آگ لگ جانے کے وقت اور کہا گیا ہے کہ میت کو قبر میں اتارتے وقت انسان کے پیدا ہونے پر قیاس کرتے ہوئے۔ لیکن ابن حجر نے ''شرح عباب'' میں اس اذان کے سنت ہونے کا انکار کیا ہے، اور جنات کے غلبہ کے وقت۔

اس عبارت میں صراحتاً لکھا ہے کہ قبر میں میت اتارتے وقت اذان کو سنت کہا گیا ہے، مگر ساتھ ہی لکھا ہے کہ اسے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے رد کیا ہے، مخالفین کو نکتہ ہاتھ آگیا اور ہر جگہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے اسی رد کو اپنے لئے بطور دلیل پیش کرتے ہیں کہ دیکھو ابن حجر نے اس بات کا رد کیا ہے۔

شامی پڑھنے اور سمجھنے کے لئے عقل کی بھی ضرورت ہے اور پتا کرنا چاہیئے کہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کس چیز کا رد کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ عبارت **وقد یسن** سے شروع ہوئی اور مصنف علیہ الرحمہ نے اذان قبر کو سنت کہا تو ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اذان قبر کے سنت ہونے کا رد کیا ہے نہ کہ مطلق اذان کا رد کیا ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں **قال (ابن حجر) من ظن انه سنة قیاساً علی ندبھا للمولود الحاقاً لخاتمة الامر بابتدائه فلم یصب۔**[3]

کیونکہ ابن حجر علیہ الرحمۃ بھی اذان کے مستحب ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔

ویستحب تلقین بالغ عاقل او مجنون سبق له تکلیف ولو شھیدا کما اقتضاء اطلاقھم بعد تمام الدفن لخبر فیه وضعفه اعتضد بشواھد علی انه من الفضائل۔ ''عاقل، بالغ، مجنون کو بعد دفن تلقین مستحب ہے اور حدیث کا ضعف شواہد کے ساتھ ختم کیا گیا ہے کیونکہ یہ فضائل میں سے ہے۔''

ابن حجر تلقین بعد الدفن کے قائل ہیں اور اسے مستحب قرار دیتے ہیں۔ اور اذان تو ایمانیات کا کلمہ جامعہ ہے جو تلقین کی بہترین صورت ہے۔

---

[1] (مرقاۃ شرح مشکوۃ ص ۲۴)

[2] (طحطاوی باب الاذان ص ۱۱۱ کشف الغمہ باب الاذان ص ۶۳ حلیۃ الاولیاء جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ مطبوعہ بیروت)

[3] (شامی جلد اول ص ۶۶۰)

اگر مخالفین کا یہ اصرار ہے کہ ابن حجر نے رد کیا ہے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کم از کم ابن حجر علیہ الرحمۃ کے زمانے میں قبر پر اذان دی جاتی تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ابن حجر کا زمانہ کون سا تھا؟

ابن حجر علیہ الرحمۃ ۹۰۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۹۷۴ھ میں فوت ہوئے تو کم از کم ۵۰۰ سال پہلے بھی اذان قبر ثابت ہوتی ہے، پھر مخالفین اہلسنت کا یہ دعویٰ باطل ہو جاتا ہے کہ اذان صرف پاک و ہند میں ہے اور کسی جگہ بھی نہیں۔ اگر ابن حجر کے زمانہ میں قبر پر اذان نہ دی جا رہی ہوتی تو وہ کبھی بھی رد نہ کرتے۔ اور یہ بھی واضح ہوا کہ رد "اثبات سنت" کا ہے، نہ کہ استحباب کا۔

و لا یسن الاذان عند انزال المیت القبر خلافا لمن قال بسنیته حینئذ قیاسا لخروجه من الدنیا علی دخوله فیها۔ قال ابن حجر وردته فی شرح العباب لکن ان وافق انزاله القبر اذان خفف عنه فی السوال الخ۔ "اور میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان سنت نہیں۔ بخلاف ان کے جو اذان قبر کو دنیا میں آنے پر دنیا سے نکلنے کو قیاس کرتے ہوئے سنت قرار دیتے ہیں۔ ابن حجر کہتا ہے کہ میں نے شرح عباب میں (سنت کا) رد کیا ہے لیکن اگر قبر پر اذان دی گئی تو میت سے سوال میں آسانی کا باعث ہوگی۔"[1]

فقہ حنفی کی مشہور کتاب کنز الدقائق کی شرح البحر الرائق کے ص ۲۵۶ پر بھی شامی اور حاشیہ باجوری کی طرح امام رملی علیہ الرحمہ نے عبارت نقل کر کے اذان کے مسنون مقامات کا ذکر کرتے ہوئے ابن حجر کے رد کا ذکر کیا ہے مگر انہوں نے آخر میں لکھا ہے : "**اقول و لا بعد فیه عندنا**" یعنی حضرت امام رملی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ قبر پر اذان دینا ہمارے نزدیک کوئی بعید نہیں۔ خیال رہے کہ امام رملی مجتہد فی المذہب ہیں اس لئے عندنا کے الفاظ استعمال کئے اور مجتہد کا قول ہمارے لئے مذہب اور واضح ثبوت ہے۔

اس کے علاوہ اذان عظیم ذکر ہے، حوالہ کے لئے ملاحظہ ہوں : **لان الاذان ذکر معظم**۔ یعنی اذان ذکر معظم ہے۔[2]

اذان خود بھی عظیم ذکر ہے اور اس میں **افضل الذکر لا الٰه الا اللہ** بھی موجود ہے تو اذان دینے سے مکمل ذکر ہو جاتا ہے۔

نسیم الریاض میں شہاب الدین احمد بن محمد خفاجی بحوالہ امام ابن عطا، امام قاضی عیاض و دیگر ائمہ مفسرین سے آیت **ورفعنا لک ذکرک** کے تحت تفسیر لکھی ہے : **جعلتک ذکرا من ذکری فمن ذکرک فقد ذکرنی**۔ یعنی (اے پیارے نبی ﷺ) میں نے آپ ﷺ کو اپنے ذکر میں سے ذکر بنایا ہے، پس جس نے آپ ﷺ کا ذکر کیا، اس نے میرا ذکر کیا۔[3]

ذکر مصطفی ﷺ بھی ذکر خدا ٹھہرا اور اذان میں ذکر خدا بھی ہے (**اشهد ان لا اله الا الله**) اور ذکر مصطفی ﷺ بھی ہے۔ (**اشهد ان محمد رسول الله**) لہٰذا اذان مکمل ذکر ہوا۔ اسی لئے بہتر ہے کہ مؤمن کی قبر پر اذان دی جائے۔ کیونکہ اس طرح ذکر خدا بھی ہو جائے گا اور ذکر مصطفی ﷺ بھی ہو جائے گا۔

جب یہ بات ثابت ہوئی کہ اذان ذکر بھی ہے اور ایک مرتبہ پھر واضح ہو کہ چھ مرتبہ اللہ اکبر چار مرتبہ شہادتین، آخر میں ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ یہ سب ذکر میں شمار ہیں، تو اب وضاحت مطلوب ہے کہ میت کو ذکر سے فائدہ ملتا ہے یا نہیں؟

شامی باب الجنائز میں ہے : **المیت یستأنس بالذکر علی ما ورد فی الآثار**۔ یعنی میت ذکر سے انس حاصل کرتی ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔[4]

---

[1] (حاشیہ الباجوری علی ابن قاسم الغزی جلد اول ص ۱۶۱ شائع از مصر)

[2] (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۵۷)

[3] (شرح شفاء ج ۱ ص ۱۲۵)

[4] (شامی باب الجنائز ج ۱ ص ۵۹۶)

مراقی وطحطاوی باب الجنائز میں فرماتے ہیں :ویکرہ قلع الحشیش والشجر من المقبرۃ لانہ ما دام رطبا یسبح اللہ تعالیٰ فیونس المیت وتنزل بذکر اللہ تعالیٰ الرحمۃ۔ یعنی مقبرہ سے گھاس اور درخت وغیرہ کاٹنا مکروہ ہے۔کیونکہ جب تک یہ سبز ہوں تو اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں،اور میت اس سے مانوس ہوتی ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی وجہ سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔اور فضائل ذکر احادیث مبارکہ میں بے شمار وارد ہیں۔

عن ابی ہریرۃ وابی سعید الخدری :انہما شہدا علی النبی ﷺ انہ قال :لا یقعد قوم یذکرون اللہ عز وجل الا حفتہم الملائکۃ وغشیتہم الرحمۃ ونزلت علیہم السکینہ وذکرہم اللہ فیمن عندہ۔ ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابوسعید رضی اللہ عنہ دونوں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :جب بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے بیٹھتے ہیں انہیں فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت انہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے،اللہ تعالیٰ ان کا تذکرہ اپنی جماعت میں کرتا ہے۔''[1]

عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال :قال رسول اللہ ﷺ :ان للہ ملائکۃ یطوفون فی الطرق یلتمسون أہل الذکر، فاذا وجدوا قوما یذکرون اللہ، تنادوا :ہلموا الی حاجتکم۔قال :فیحفوہم بأجنحتہم الی سماء الدنیا۔۔۔الی آخر الحدیث۔

ترجمہ :''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو راستوں میں اہلِ ذکر کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں،جب وہ کہیں ذکر کرنے والوں کو پالیتے ہیں تو دوسرے فرشتوں کو پکارتے ہیں کہ ادھر اپنے مقصود کی طرف آجاؤ۔ارشاد فرمایا :پھر وہ آسمانِ دنیا تک اس پر اپنے پروں سے سایہ فگن ہوجاتے ہیں۔۔۔''[2]

امام سفیان بن عیینہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں :عند ذکر الصلحین تنزل الرحمۃ۔ یعنی''صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔''[3]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں :بمجرد ذکرہ وذکر اصحابہ فان عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ وعند نزول الرحمۃ یحصل للقلوب الاطمنان والسکینۃ۔ یعنی محض ذکرِ حضور ﷺ اور ذکر صحابہ سے قلوب مطمئن ہوتے ہیں کیونکہ صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے اور نزولِ رحمت کے وقت دلوں کو اطمینان اور تسکین حاصل ہوتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:ذکر الانبیاء من العبادۃ وذکر الصالحین کفارۃ۔ یعنی انبیاء کا ذکر عبادت ہے اور صالحین کا ذکر گناہوں کا کفارہ ہے۔[4]

ذکر الانبیاء والمرسلین من العبادۃ وذکر الصالحین کفارۃ۔یعنی انبیاء ورسل کا ذکر عبادت ہے اور صالحین کا ذکر گناہوں کا کفارہ ہے۔[5]

---

[1] ((۱) مسلم، الصحیح، ۴:۲۰۷۴، رقم ۲۷۰۰ :، (۲) ترمذی، الجامع الصحیح، ۵:۴۵۹، رقم ۳۳۸۰:، (۳) ابن ماجہ، السنن، ۲:۱۲۴۵، رقم ۳۷۹۱:، (۴) ابن ابی شیبہ، المصنف، ۶:۶۰، رقم ۲۹۴۷۵:، (۵) طبرانی، المعجم الاوسط، ۲:۱۳۷، رقم ۱۵۰۰:، (۶) احمد بن حنبل، المسند، ۳:۹۲، رقم ۱۱۸۹۳:، (۷) طیالسی، المسند، ۱:۲۹۶، رقم ۲۲۳۳:، (۸) ۱:۳۱۴، رقم ۲۳۸۶:، (۹) ابویعلی، المسند ۲:۴۴۴، رقم ۱۲۵۲:، (۱۰) ۱۱:۲۰، رقم ۶۱۵۹:، (۱۱) ۱۱:۲۱، رقم ۶۱۶۰:، (۱۲) عبد بن حمید، المسند، ۱:۲۷۲، رقم ۸۶۱، (۱۳) بیہقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۹، رقم ۵۳۰:، (۱۴) منذری، الترغیب والترہیب ۲:۲۶۲، رقم ۲۳۲۸)

[2] ((۱) بخاری الصحیح، ۵:۲۳۵۳، رقم ۶۰۴۵:، (۲) ابن حبان، الصحیح، ۳:۱۳۹، رقم ۸۵۷، (۳) بیہقی، شعب الایمان، ۱:۳۹۹، رقم ۵۳۱، (۴) ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ۱:۳۴۵، (۵) منذری، الترغیب والترہیب، ۲:۲۵۸، رقم ۲۳۱۶:)

[3] (اتحاف السادۃ المتقین، ج:۱ص ۳۵۰، القول المبرور فی الاذان علی القبور ص ۵۱)

[4] (رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس عن معاذ) (جامع صغیر لسیوطی ج ۲ ص ۱۹، الفتح الکبیر للنبہانی ج ۲ ص ۱۲۰، فیض القدیر للمناوی ج ۳ ص ۵۶۴)

[5] (السراج المنیر ج ۲ ص ۲۹۹)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے :فان الاذکار کلھا نافعۃ لہ فی تلک الدار ۔یعنی میت کے لئے اس دار آخرت میں تمام اذکار باعث فائدہ اور نفع بخش ہیں ۔[1]

اور اذان بھی ذکر ہے،اور ذکر سے میت کو فائدہ حاصل ہوتا ہے ۔لہٰذا اذان قبر کے فوائد بہت ہیں نقصان کوئی بھی نہیں ۔

عمدۃ القاری باب موعظۃ المحدث عند القبر میں علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :

و اما مصلحۃ المیت فمثل ما اذا اجتمعوا عندہ لقراۃ القرآن و الذکر فان المیت ینتفع بہ۔ یعنی میت کی مصلحت کے لئے جو چیزیں ہیں وہ تلاوت قرآن اور ذکر ہے، کیونکہ میت اس سے نفع حاصل کرتی ہے ۔[2]

مسند امام احمد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :احب کلمۃ الی اللہ لا الہ الا اللہ لا یقبل اللہ عملا الا بھا و ھی توجب المغفرۃ۔۔۔ و حرز من الشیطان۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو لا الہ الا اللہ کہنا بہت پسند ہے، قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کوئی عمل مگر اسی کے وسیلہ سے ۔ یہ کلمہ مغفرت واجب کرتا ہے اور شیطان سے پناہ کا باعث ہے ۔

اسی مسند میں یہ عبارت موجود ہے :ما من شیء انجی من عذاب اللہ من ذکر اللہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے زیادہ کوئی چیز اس کے عذاب سے نجات دلانے والی نہیں ۔[3]

علامہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :بہتر و نیکوتر کہ ذکر سبحانہ زندہ و مردہ را شفاء قلب و جلائے روح است ۔یعنی بہتر اور نیک کام اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے کہ اس میں زندہ اور مردہ دونوں کے لئے دل کی شفاء اور روح کی تازگی ہے ۔[4]

قرآن مجید فرقان حمید کی آیت مبارکہ میں اکمل ترین صراحت موجود ہے۔ رب العزت ارشاد فرماتا ہے أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿الرعد ۲۸﴾ سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے ۔"

مندرجہ بالا تمام مستند حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ اذان درحقیقت ذکر اور ذکر سے زندہ مردہ دونوں کو راحت ہوتی ہے اور اطمینان نصیب ہوتا ہے چونکہ میت کو قبر میں اتارتے ہی ہیبت لاحق ہو جاتی ہے لہٰذا اگر وہاں اذان کی صورت میں ذکر کیا جائے اور اس کی وحشت دور ہو کر اطمینان قلب حاصل ہو جائے تو اس میں نقصان کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے ہمیں سوچنے کی توفیق عطا فرمائے ۔آمین ۔

اذان دعا ہے :اب یہ بات ثابت کی جائیگی کہ اذان ذکر کے ساتھ ساتھ دعا بھی ہے اور میت دعا کی محتاج ہوتی ہے ۔

کل دعاء ذکر و کل ذکر دعاء (ہر دعا ذکر ہے اور ہر ذکر دعا ہے)[5]

یعنی ذکر اور دعا ایک ہی چیز ہے اور دونوں میں سے ہر ایک راحت کا ذریعہ ہے ۔

مسلم شریف میں ہے کہ ایک سفر میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بہ آواز بلند اللہ اکبر، اللہ اکبر کہنا شروع کیا (چونکہ سفر کی تکالیف اور راستہ کی مشکلات کافی تھیں) تو حضور ﷺ نے فرمایا اے میرے صحابہ اپنی جانوں پر نرمی کرو کیونکہ آپ کسی بہرے یا غائب ذات سے دعا نہیں

---

[1] (باب ثامن ص ۳۳۲)

[2] (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۸۶)

[3] (ج ۵ ص ۲۳۹)

[4] (اشعۃ اللمعات ص ۷۰۷)

[5] (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج ۵ ص ۱۱۲)

مانگتے بلکہ آپ سمیع وبصیر ذات سے دعا مانگتے ہیں۔عربی کے الفاظ یہ ہیں:

انکم لاتدعون اصمًا و لا غائباً انکم تدعون سمیعا بصیرا الخ۔[1]

اس عبارت میں اللہ اکبر کے الفاظ کو دعاء قرار دیا گیا ہے۔اللہ اکبر ذکرِ خدا ہے اور نبی محتشم رؤف الرحیم ﷺ نے دعاء بھی قرار دیا۔لہٰذا واضح ہوا کہ ''ذکر خداوندی دعا بھی ہے۔''

اذان کے بعد جو دعا مانگی جائے وہ مقبول ہوتی ہے اور رب ذوالجلال اسے رد نہیں فرماتا۔لہٰذا بہتر ہے کہ قبر پر اذان کے بعد دعا کی جائے کہ میت کے حق میں جلد قبول ہو۔

مستدرک علی الصحیحین میں ہے :**سنتان لا ترد الدعاء عند النداء و عند البأس۔** یعنی دو دعائیں رد نہیں ہوتیں۔ایک اذان کے وقت، دوسری جہاد کے وقت۔[2]

دوسری جگہ لکھتے ہیں :**اذا نادا لمنادی فتحت ابواب السماء و استجیب الدعاء۔**''جب مؤذن اذان دیتا ہے تو آسمان کے دروازہ کھل جاتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے''[3]

حصن حصین میں امام شمس الدین محمد بن جزری لکھتے ہیں :**آداب الدعاء منها تقدیم عمل صالح و ذکره عند الشدة۔** یعنی دعاء کے بعض آداب یہ ہیں کہ دعا سے پہلے عمل صالح ہو اور اس کا ذکر ہو تکلیف کے وقت۔[4]

اذان عمل صالح بھی ہے اور ذکر بھی لہٰذا میت کی مغفرت کے لئے دعا کرنے سے پہلے اگر اذان دی جائے تو دعاء کے آداب پورے ہونے سے دعا قبول ہوگی۔[5]

لہٰذا مذکورہ دلائل سے ثابت ہوا کہ قبر پر اذان دینا مستحب ہے،اور مستحب کو قبیح جاننا کفر ہے جیسا تفسیر صاوی میں لکھا ہے۔

مستحب کو نہ ماننا گناہ ہے مگر نہ کرنا کوئی گناہ نہیں۔اگر کوئی بدمذہب بدعقیدہ یہ کہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد اذان دینا مکروہ ہے،تو مکروہ کے لئے بھی ثبوت کی ضرورت ہے۔

جیسا فتاویٰ شامی میں ہے :**أن الکراهة حکمٌ شرعیٌ فلا بدّ له من دلیلٍ خاصٍ۔** یعنی کراہت ایک شرعی حکم ہے لہٰذا اس کے لئے ایک خاص دلیل ضروری ہے۔[6]

''مکروہ'' کی دلیل پیش کرنا لازم ہے کیونکہ حرمت اور کراہت احکام شرعیہ ہیں۔ہر حکم شرعی کے لئے دلیل شرعی پیش کرنا ضروری ہوتا ہے اس لئے کہ دعوی بلا دلیل مسموع نہیں۔ **کما فی کتب المذهب (رد المختار)**۔علامہ شامی نے لکھا ہے۔ **بان الکراهة لابدلها من دلیل۔**[7]

---

[1] (باب خفض الصوت بالذکر ج ا ص ۲۴۶)

[2] (ج ا ص ۱۹۸)

[3] (باب اجابۃ الاذان، ج ا ص ۵۴۶)

[4] (باب آداب الدعاء ص ۱۴)

[5] (بحوالہ القول المبرور فی الاذان علی القبور)

[6] (ج ا بحث مکروہات بیان المستحب وسنۃ والمندوب)

[7] (ج ۵، ص ۲۶۳، ج ۵ ص ۳۲۹، ج ا ص ۹۱)

الکراھۃ اذ لا بدلھا من دلیل خاص کما ذکرہ صاحب البحر۔[1]

مولوی عبدالحیٔ لکھنوی التعلیق الممجد علی موطا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں لکھتے ہیں :ان الکراھۃ امر زائد لا یثبت الا بدلیل خاص یدل علی النھی و اما مجرد عدم فعلہ ﷺ فلا یدل الا علی انہ لیس للعبد سنۃ قبلھا او بعدھا لا علی انہ مکروہ و کونہ حریصاً علی الصلوٰۃ لا یستلزم ان یفعل نفسہ کل فرد من افرادھا فی کل وقت من اوقاتھا بل کفی فی ذلک قولہ الصلوٰۃ خیر موضوع مع عدم ارشاد النھی و نظیرہ ما ورد انہ علیہ السلام کان لا یطعم شیئاً یوم الاضحی الی ان یضحی فیاکل من اضحیتہ مع ذلک صرحوا بان الاکل فی ذلک الیوم قبل العدو ای الی المصلی لیس بمکروہ اذا لا بد للکراھۃ من دلیل خاص و اذا لیس فلیس۔[2]

دوسری جگہ لکھتے ہیں: قال النووی و المذھبان فاسدان لان الکراھۃ انما تثبت بنھی الشرع و لم یثبت فیہ نھی۔[3]

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الحاوی للفتاویٰ میں لکھتے ہیں :فان الاثبات و النفی کلاھما حکم شرعی یحتاج الی دلیل او نقل۔[4]

انور شاہ کشمیری فیض الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں : والذی یظھر ان الوجوب و الحرمۃ یبتغان الامر و النھی دون النظر المعنوی فلا یجب الشیء و لا یحرم الا بالأمر و النھی۔[5]

و بالجملۃ :المسائل انما تو خذ من الامر و النھی لا من اذواق الناس و ان "للناس فیما یعشقون مذاھب۔[6]

مذکورہ کتب کی تصریحات سے روز روشن کی طرح یہ واضح ہوا کہ جب تک نہی تحریمی یا تنزیہی نہ ہو تو وہ چیز بدعت، حرام یا مکروہ نہیں ہو سکتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا :وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ﴿الحشر ۷﴾

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت (حل) ہے نہ کہ بدعت۔

و احتج بھذا الحدیث (سعد بن ابی وقاص) من قال اصل الاشیاء الاباحۃ قبل ورد الشرع حتی یقوم دلیل الحصر۔۔۔آہ مرقات شرح مشکوٰۃ۔[7]

یعنی جب تک منع کی دلیل موجود نہ ہو تو اشیاء میں اصل اباحت ہے۔امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :اعلم ان مذھب اھل سنت انہ لا یثبت بالعقل ثواب و لا عقاب و لا ایجاب و لا تحریم و لا غیرھا من انواع التکلیف و لا یثبت ھذہ کلھا و لا غیرھا الا بالشرع۔

یعنی اہل سنت (اہل حق) کا مذہب یہ ہے کہ ثواب یا عذاب، وجوب یا حرمت وغیرہ اقسام تکلیف سے ہیں اور یہ تمام شرع کے بغیر ثابت نہیں ہو سکتے۔[8]

---

[1] (ج ۱ ص ۲۱۴)

[2] (التعلیق الممجد ص ۱۳۷)

[3] (التعلیق الممجد ص ۱۷۶)

[4] (ص ۲۳۹)

[5] (ج ۲ ص ۵۰)

[6] (ج ۲ ص ۱۸۴)

[7] (ص ۲۳۰)

[8] (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۷۶)

شامی میں ہے : ولیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالٰی باثبات الحرمۃ او الکراھۃ اللذین لا بدلھما من دلیل بل فی القول بالاباحۃ التی ھی الاصل۔۔۔الخ۔

اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے میں حرمت اور کراہت ثابت کرنے میں احتیاط نہیں کیونکہ ان کے لئے دلیل ضروری ہے۔ بلکہ اباحت کے قول میں ہے جو کہ اصل ہے۔[1]

والعمل بالاصل وھو الحل ولا یجوز ترجیح الحرمۃ بالاحتیاط۔[2]

والاباحت اصل۔[3]

عمل، اصل پر ہے جو کہ حل (حلال ہونا) ہے۔ اور احتیاط کی وجہ سے حرمت کو ترجیح دینا جائز نہیں۔

(۱۰۲) ﴿باب ایک سو دو اولیائے کرام کیلئے قیوم زمان کا لفظ استعمال کرنے کا بیان﴾

بعض علماء کسی بزرگ کو قیوم الزمان یا قیوم جہان کہنا ناجائز اور حرام قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ کسی بزرگ کو قیوم الزمان یا قیوم جہان کہنا جائز ہے۔

جیسا کہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مکتوبات شریف میں فرمایا :[4] ان کی عبارت آگے بیان کی جائے گی۔ ولایت کے مقامات و مراتب میں سے صوفیاءِ کرام کا ایک مقام ہے جسے "مقامِ قیومیت" کہتے ہیں۔ بلکہ اس کے اُوپر ایک مقام "مقامِ صدیقیت" ہے اور اس سے بھی اُوپر ایک مقام "مقامِ رضا و عبدیت" ہے۔ پھر اس مقام یعنی (عبدیت) میں مراتب کی ترقی ہوتی ہے۔ بعض دوسرے سے اُوپر ہوتے ہیں اپنے مراتب کے اعتبار سے۔

مصنف عمدۃ المقامات محمد الملقب بفضل اللہ سرہندی اپنے پیر و شیخ کے بارے میں ص ۵۶۷ پر اس طرح لکھتے ہیں کہ۔

"چونکہ از صحبت کثیر البرکت حضرت قیوم جہاں قطب دائرۂ زمین و زمان"۔ یعنی چونکہ ان کی صحبت کثیر البرکت ہے اور (وہ اپنے شیخ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ) وہ قیوم جہاں ہیں اور زمین و زمان کے قطب ہیں۔ یہاں پر انہوں نے اپنے شیخ کو قیومِ جہاں اور قطبِ زمین و زماں کہا ہے۔ کیونکہ وہ ان مراتبِ عالیہ پر فائز تھے۔ اگر یہ کفر و شرک ہوتا تو پھر صاحبِ عمدۃ المقامات اس طرح کیوں کہتے۔ پھر یہ ابیات تحریر فرماتے ہیں:

خلعت قطبیت وغوثیت وقیومی	از کمالِ کرم ایزد نمود انعامش
منکر او شود از درگۂ یزداں محروم	ہمچو ابلیس کہ شد از سبب ہم نامش

ترجمہ: خلعتِ قطبیت و غوثیت و قیومیت کا اللہ نے اپنے فضل و کرم سے انہیں انعام عطا فرمایا اور ان کا مُنکر اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے محروم ہوگا جیسے کہ ابلیس تکبّر اور حضرتِ آدم علیہ السلام کے انکار کی وجہ سے محروم و مردود ہوا۔

پھر صاحبِ عمدۃ المقامات ص ۵ پر اپنے شیخ کے متعلق لکھتے ہیں : میرے مُرشد قیوم جہاں و قیوم زمان ہے (قُدس سرہٗ)۔ یہاں بھی قیومیت کا اطلاق اپنے شیخ و مرشد پر کیا ہے۔

اور مزید ص ۲۵۰ پر لکھتے ہیں کہ : "درذکرِ احوالِ حضرت عروۃ الوثقیٰ محبوبِ سبحان قیوم عالمیان حضرت امام معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ"۔ یہاں پر بھی حضرت امام معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر محبوبیت و قیومیت و امامت کا اطلاق ہوا ہے۔

آگے ص ۳۲۴ پر لکھا ہے کہ: "درذکرِ قطب دوران قیومِ زمان حضرت شیخ محمد صبغۃ اللہ"۔ یہاں پر بھی حضرت محمد صبغۃ اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو قطبِ دوران

---

[1] (ج ۵ ص ۳۲۶)

[2] (عنایہ برھدایہ ج ۱ ص ۵۰)

[3] (ھدایہ ج ۱ ص ۴۰۷)

[4] (مکتوب نمبر ۷۴ حصہ ۷ دفتر ۳ ص ۷۵)

اور قیوم زمان کہا ہے۔اسی طرح صاحبِ عمدۃ المقامات نے ص ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷ میں بار بار مختلف اولیاءِ کرام پر لفظِ قیوم کا اطلاق کیا ہے۔اور ص ۳۵۱ پر لکھا ہے کہ۔

''در ذکرِ فضائل وخصوصیات وتصرف وخرق عادات جناب حضرت قیوم زمان شیخ محمد صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ''۔

یہاں پر بھی قیوم زمان کا اطلاق شیخ محمد صادق پر کیا ہے۔اور ص ۳۹۶ پر لکھا ہے کہ۔

''در احوالِ حضرت قطب الاقطاب غوث الاغواث سرمست بادہ حضرت شیخ حاجی غلام محمد معصوم وقدوۃ الاولیاء ملاذ الاتقیاء مستغرق انوار سرمد حضرت شاہ غلام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ''۔

پھر ص ۳۹۷ پر یہ ابیات تحریر کیے ہیں:

ای مستِ شرابِ قیوم — شد بر تو مزین اسم معصوم
ای بلبل آشیان جبروت — منظور تو بوستانِ لاہوت
ای آہوی مرغزار قدسی — صحرای تو صحن عرش و کرسی

اور ص ۴۰۲ پر لکھتے ہیں:

نگاہِ جذباتِ لایزالی — بردش بحریم بی زوالی
زد سکۂ قطبیت نامش — ہم کرد قیوم خاص وعامش
ہم غوث و امام وقت خود شد — ہم فردِ ہمام وقت خود شد
شد ملک و ملک مسخّر او — کونین چو حلقہ بر درِ او

پھر ص ۴۰۹ پر مزید لکھتے ہیں کہ:

شد دین امام قیوم — قطب دو جہان امام معصوم
آن زنگ خطر چون بود در دل — شد رفع ز فضل پیرِ کامل

پھر ص ۴۴۵ پر لکھا ہے کہ:

در احوالِ مجدد مائۃ ثالث عشر — غوث الجن والبشر قطب زمان قیوم جہان

زبدۃ اہل اللہ حضرت حاجی محمد صفی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

پھر ص ۴۵۹ پر اس مبارک ہستی کو ''قیوم جہاں'' کہا گیا ہے۔

پھر ص ۴۶۵ پر ''قیوم جہاں محبوب رحمان'' کہا ہے۔

پھر ۴۷۶، ۴۸۷ پر بھی ''قیوم جہاں'' کہا گیا ہے۔

اور ص ۴۸۹ پر لکھا ہے : **''الشیخ الاجل قطب الاکمل غوث الاغواث قیوم البشر مجدد مائۃ ثالث عشر مولانا ومرشدنا الحضرت حاجی صفی اللہ رحمۃ اللہ تعالی علیہ''۔** مرثیہ:

هو قطب الاقطاب العلٰی — فاسترجعوا اهل البلاء
محی الدین قد علٰی — قیوم وقت معتلٰی
هو فرد عصر مختبر — هو غوث الاغواث البشر
هو قطب الارشاد الامم — قطب المدار المحتشم

هادی الطریق المعتصم فاسترجعوا اهل البلاء

اس سے معلوم ہوا کہ متقدمین اولیاء ومشائخ واسلاف اپنے شیوخ کو قطب، قیوم اور محبوب کے القاب سے یاد فرماتے تھے اور اس کو شرک یا کفر نہیں سمجھتے تھے۔

اور ''حضرات القدس'' (جو تصنیف ہے حضرت شیخ بدرالدین سرہندی کی) ص ۲۶۹ اور ص ۲۷۰ پر لکھا ہے کہ: ''مقامِ قیومیت کی نسبت چند لوگوں پر ہوئی ہے۔ جن میں سے حضرت امام معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ہیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی احمد بن عبدالاحد السرھندی الفاروقی النقشبندی المتوفی ۱۰۳۴ فرماتے ہیں کہ؛ آیت کریمہ **فمنهم ظالم لنفسه** کی تاویل اور آیت کریمہ **انا عرضنا الامانة** کے بیان اور انسان کامل کی خلافت کے بیان میں کہ اس کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں۔ اور وہ **ظالم لنفسه** ہے۔ اور مقتصد کو ندیم اور خلیل سے تعبیر کیا ہے۔ اور سابقٌ بالخیرات کو محب ومحبوب کے ساتھ جن کا سرحلقۂ محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اس آیۃ کریمہ ''إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿الاحزاب ۷۲﴾

ترجمہ: ہم نے اپنی امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی لیکن انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اُٹھا لیا یہ بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آگے لکھتے ہیں کہ۔ محسوس ہوتا ہے کہ بالفرض اگر اس بار امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے حوالہ بھی کرتے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اور ان کا کچھ اثر باقی نہ رہتا۔ وہ امانت اس فقیر کے خیال میں نیابت کے طور پر تمام اشیاء کی قیومیت ہے جو انسان کامل کے ساتھ مخصوص ہے یعنی انسانِ کامل کا معاملہ یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو خلافت کے حکم سے تمام اشیاء کا قیوم بنا دیتے ہیں۔ اور تمام مخلوق تمام ظاہری و باطنی کمالات کا اضافہ اور بقا اس کے ذریعے پہنچاتے ہیں۔ (مکتوبات ص ۲۰۶ م نمبر ۷۳) پھر مکتوب نمبر ۹۵ دفتر سوم حصہ نو میں لکھتے ہیں: ''ایں کرم درحق ما امروز نیست مشت خاک ما را از خاک برداشتہ خلیفۂ خود ساخت و بہ نیابت خود اشیاء گردانید''۔

لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ کسی بزرگ کو قیوم زمان و قیوم جہاں کہنا جائز ہے۔

''وقال فی تفسیر روح البیان تحت هٰذه الآیة ''الله لا اله الا هو الحی القیوم'' ای فی تفسیر القیوم ومدخل العبد فی هٰذا الوصف بقدر استغنائه عما سوی الله تعالی'' یعنی بندہ (بھی) اس صفت سے اس وقت متصف ہوتا ہے جب وہ ماسوی اللہ سے (کامل طور پر) مستغنی ہو۔

پیر کو قیوم زمان اس لیے بھی کہتے ہیں کہ مُرید بیعت سے پہلے شریعت کا پابند نہیں تھا پھر وہ بیعت کرنے کے بعد شریعت پر قائم ہو گیا۔ ذکر اللہ پر قائم ہوا، حضور مع اللہ پر قائم ہو گیا، اوامر اللہ پر قائم ہو گیا، حب فی اللہ پر قائم ہو گیا بغض فی اللہ پر قائم ہو گیا، جہادِ اکبر (یعنی نفس کے ساتھ جہاد) پر قائم ہو گیا۔ عقیدہ اہلِ سنت و جماعت اور اولیاء اللہ کو ماننے پر قائم ہو گیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا (یعنی بیعت نہ کرتا) تو پھر وہابی، پنج پیری وغیرہ فرق ضالہ میں سے ہوتا۔ اس لیے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مکتوبات شریف میں فرمایا کہ ولایت کے مراتب اور صوفیاءِ کرام میں ایک مقام ہے جسے ''مقامِ قیومیت'' کہا جاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''**تفکروا فی صفات الله تعالی ولا تتفکروا فی ذاته۔۔۔ او کما قال ﷺ**''۔ اللہ کی صفات میں غور و فکر کرو لیکن اس کی ذات میں تفکر مت کرو۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی تین اقسام ہیں:

(۱) صفات ذاتی حقیقی: جو کہ آٹھ ہیں: حیات، علم، کلام، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، تکوین۔

(۲) صفاتِ سلبیہ : جیسا کہ لیس کمثلہٖ شئ، لم یلد و لم یولد و لم یکن لہ کفوًا احد، لا یاکل و لا یشرب، و لا یموت و لا ینام۔

(۳) صفاتِ فعلیہ : جنہیں صفاتِ اضافی بھی کہا جاتا ہے۔ خالق، رازق، محی، ممیت، رؤف، رحمٰن، رحیم، کریم، منّان۔

اب اگر آپ سے کوئی پوچھے کہ غیر اللہ کو حیات، عالم، متکلم، قادر، سمع والا، بصارت والا یا ارادہ والا کہا تو کیا یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہوا؟ اگر ایسا ہو تو پھر دنیا میں کوئی بھی مسلمان نہیں رہے گا حالانکہ ہمارے محاوروں میں کہا جاتا ہے کہ یہ بہت بڑا عالم ہے، یہ حیات ہے، یہ فلاں کا کلام ہے اور یہ اس کا ارادہ ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی صفات ظاہر اور باطن بھی ہیں جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے۔

"ھو الاول و الاٰخر و الظاھر و الباطن"۔ اور اعلیٰ، اکبر، عظیم بھی ہیں۔ عام لوگوں کے محاورے میں یہ استعمال ہوتا ہے کہ یہ ظاہر ہے، یہ باطن ہے، یہ اول ہے، یہ آخر ہے، یہ اعلیٰ ہے۔ عرب کہتے ہیں ھٰذا اکبر، ھٰذا اخی اکبر۔ پاکستانی کہتے ہیں یہ وزیرِ اعلیٰ ہے، یہ وزیرِ اعظم ہے، یہ عظیم الشان ہے۔ یہ تمام باتیں ہم بھی کہتے ہیں اور تمام لوگ بھی کہتے ہیں تو کیا (نعوذ باللہ من ذٰلک) ہم تمام مشرکین ہیں۔ تو لہٰذا ہمیں شرکتِ اسمی و حقیقی کے درمیان فرق کرنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے علم سے خود ہی کافر ہو جائیں جیسے کہ فارسی دان کہتے ہیں "کم علم زود خود را کافر میکند"

چونکہ یہ ایک مختصر رسالہ ہے اس لیے اس میں طوالت مناسب نہیں ہے جو حضرات اسماء و صفات کے بارے میں مزید تفصیل چاہیں وہ علم الکلام کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت "رب" ہے جو کہ اسم مشترک ہے۔ جیسا کہ فقہاءِ کرام فرماتے ہیں۔ و إذا اختلف الخیاط و رب الثوب فقال رب الثوب امرتک ان تعملہ قباء و قال الخیاط قمیصًا۔[1]

رب العبد۔[2]

"ربّ" اسم مشترک ہے جیسا کہ کوئی کہے کہ معلم صاحب نے میری تربیت کی ہے۔ اور قرآن مجید میں مختلف مقامات پر لفظ "رب" کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے۔ جیسا کہ سورۃ یوسف میں ہے۔

﴿وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ فَأَنْسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ﴾ یوسف ۴۲ ﴿يَاصَاحِبَيِ السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ﴾ یوسف ۴۱ ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ﴾ یوسف ۵۰ ﴿قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ﴾ یوسف ۲۳ ﴿وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾ الاسراء ۲۴ وغیرہ۔

اب اگر یہاں ان اسماء مشترک میں فرق نہیں کیا اور اللہ اور بندے کی صفات میں فرق نہیں سمجھا تو خود بھی مشرک و کافر ہو جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مسلم شریف میں ایک طویل حدیث منقول ہے۔

"قال اخبرنی عن امارتھا قال ان تلد الامۃ ربتھا و فی روایۃ ربّھا علی التذکیر و فی الأخریٰ بعلھا و البعل ھٰھنا و ھو الرب

---

[1] (ہدایہ، کتاب الاجارات ج ۳ ص ۲۶۱)

[2] (ہدایہ ج ۳ ص ۶۵ باب الحقوق)

والسیّد۔"[1]

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم "اللہ" ہے جو اس کا علَم ہے یعنی ذاتی نام ہے۔اور یہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی پر نہیں بولا جاتا باقی دوسرے اسماء کا غیر اللہ پر اطلاق ہوسکتا ہے۔

جیسا کہ فتاوی سراجیہ وابوالمنتہیٰ ص ۱۷ پر ہے: "اعلم ان ھٰذا الاسم اعظم الاسماء (یعنی اللہ) لانه دال علی الذات الجامعة لصفات الالٰهية ولانه اخصّ الاسماء اذ لا يطلقهٗ احد علی غير الله لاحقيقة ولامجازًا وسائر الاسماء قد سمی بها غير الله كالقادر، والعالم، والرحيم، وغيرها۔"

اور اسی طرح قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: "لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿توبة ۱۲۸﴾

اس آیت کریمہ میں رؤف ورحیم دو صفات استعمال ہوئی ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی صفات بھی ہیں اور رسولِ اکرم ﷺ صفات بھی ہیں۔اسی طرح یہ بھی حضور ﷺ کی شان میں فرمایا: 'إِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿الحاقة ۴۰﴾ کریم اللہ کی صفت ہے اور اس آیت میں حضور ﷺ کو بھی کریم فرمایا گیا ہے۔اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "عن ابن عمر رضی الله عنه عن النبی ﷺ الكريم ابن الكريم ابن الكريم ابن الكريم يوسف بن يعقوب بن اسحاق بن ابراهيم عليهم السلام۔[2]

حضور اکرم ﷺ نے قبط کے بادشاہ کو ایک خط لکھا: "من محمد بن عبدالله ورسوله إلى المقوقس عظيم القبط سلام علی من اتبع الهدٰی۔۔۔الخ۔"

اب علماءِ کرام خود فیصلہ فرمائیں کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو تین صفات رؤف، رحیم اور کریم سے یاد فرمایا اور حضور علیہ السلام نے چار انبیاءِ کرام کو جو کریم کہا ہے اور حضور اکرم ﷺ نے بادشاہ مقوقس کو خط میں عظیم لکھا، یہ تمام اسماء اللہ تعالیٰ کے ہیں اگر یہ شرک ہوتا تو اللہ اور اس کا رسول ان کا اطلاق غیر اللہ پر کیسے کرتے۔لیکن یہ شرک نہیں ہے بلکہ یہ تمام اسماء مشترکہ ہیں۔یعنی یہ اسماء اللہ پر اور غیر اللہ دونوں پر بولے جاسکتے ہیں۔اسی طرح ایک اسم "حق" ہے۔اور لفظ "حق" بہت سی چیزوں پر بولا جاتا ہے۔جیسا کہ یہ کہتے ہیں کہ "یہ بات حق ہے"۔یہ آدمی حق پر ہے"۔میرا اس پر یہ "حق" ہے۔ "اتنا حق ہے"۔"حق کہنا، حق چھپانا" "یہ استاد کا حق ہے کسی اور کا نہیں"۔"ماں باپ کا حق اتنا ہے" "زوج کا حق اتنا ہے"۔زوجہ کا حق اتنا ہے، پڑوسی کا حق اتنا ہے، مہمان کا حق اتنا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: "للمؤمن علی المؤمن ستة حقوق" یعنی "حق" بھی اسماء مشترکہ میں سے ہے۔"یراد فی حق العباد غیر مایراد فی حق الله۔"

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ایک اسم "جامع" ہے۔حالانکہ ہمارے محاوروں میں استعمال ہوتا ہے کہ "یہ بہت بڑا جامع عالم ہے"۔اور اسی طرح ایک اسم "ھادی" ہے۔سورۃ الرعد میں ہے "وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿الرعد ۷﴾ اسی طرح ایک اسم "قوی" ہے۔جبکہ یہ صفت نبی اکرم ﷺ نے مؤمن کیلئے استعمال فرمائی ہے: "المؤمن القوی خير واحب الی الله من المؤمن الضعيف۔او كما قال ﷺ" یہ تمام اسماء مشترکہ ہیں اور اللہ کی صفات کا اس کی شان کے مطابق اطلاق کیا جاتا ہے اور بندہ کیلئے اس کے اعتبار سے اطلاق کیا جاتا ہے۔مثلاً اللہ قدیم ہے۔جیسا کہ اللہ کی صفت حیات ہے

---

[1] (فتح الملہم ص ۱۶۹ شرح صحیح مسلم)

[2] (بخاری ج ۱ ص ۴۷۹)

اور یہ اسکی ذاتی صفت ہے۔ یہ قدیم ہے، بے چون ہے، ازلی ہے، لامکانی ہے غیر متناہی ہے۔ اور غیر اللہ کی حیات حادث ہے، عارضی ہے، چونی ہے، مکانی ہے، متناھی ہے، چند روزی ہے۔

اب ہم چند آیاتِ کریمہ پیش کرتے ہیں جن میں اسماءِ مشترکہ کا اطلاق غیر اللہ پر بھی ہوا ہے :وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿البقرة ۷﴾ اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔ (البقرة ۷) وَفِي ذَٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿البقرة ۴۹﴾ اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی (کڑی) آزمائش تھی۔ (البقرة ۴۹) وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿البقرة ۱۱۴﴾ اور ان کے کیلئے آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے۔ (البقرة ۱۱۴) وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ﴿البقرة ۲۱۷﴾ اور وہاں کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک (اس سے بھی) بڑا گناہ ہے، اور یہ فتنہ انگیزی قتل وخون سے بھی بڑھ کر ہے۔ (البقرة ۲۱۷) قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا ﴿البقرة ۲۱۹﴾ فرمادیں :ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ (دنیوی) فائدے بھی ہیں مگر ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے۔ (البقرة ۲۱۹) وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِنْ مُشْرِكٍ ﴿البقرة ۲۲۱﴾ اور یقیناً مشرک مرد سے مؤمن غلام بہتر ہے۔ (البقرة ۲۲۱) وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ اور جو (عداوت) ان کے سینوں نے چھپا رکھی ہے وہ اس سے (بھی) بڑھ کر ہے۔ (آل عمران ۱۱۸) وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿ال عمران ۱۷۹﴾ اور اگر تم ایمان لے آؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے لیے بڑا ثواب ہے۔ (آل عمران ۱۷۹) إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ﴿۲﴾ (ای عظیمًا جلالین) یقیناً یہ بہت بڑا گناہ ہے۔ (النساء ۲) وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا ﴿النساء ۵﴾ اور تم بے سمجھوں کو اپنے (یا ان کے) مال سپرد نہ کرو جنہیں اللہ نے تمہاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔ (النساء ۵) أَنْ تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ﴿النساء ۲۷﴾ کہ تم راہِ راست سے بھٹک کر بہت دُور جا پڑو۔ (النساء ۲۷) وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا ﴿النساء ۳۱﴾ اور تمہیں عزت والی جگہ میں داخل فرمادیں گے۔ (النساء ۳۱) الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ مرد عورتوں پر محافظ و منتظم ہیں۔ (النساء ۳۴) أَجْرًا عَظِيمًا ﴿النساء ۴۰﴾ بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔ (النساء ۴۰) وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ﴿۵۴﴾ ہم نے انہیں بڑی سلطنت بخشی۔ (النساء ۵۴) فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿النساء ۷۳﴾ تو میں بھی بڑی کامیابی حاصل کرتا۔ (النساء ۷۳) وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿النساء ۱۱۳﴾ اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے۔ (النساء ۱۱۳) فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿النساء ۱۱۴﴾ تو ہم اس کو عنقریب عظیم اجر عطا کریں گے۔ (النساء ۱۱۴) وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ﴿النساء ۱۷۴﴾ اور ہم نے تمہاری طرف (اسی کے ساتھ قرآن کی صورت میں) واضح اور روشن نور (بھی) اُتار دیا ہے۔ (النساء ۱۷۴) وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿النساء ۹۳﴾ اور اس نے اس کے لیے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (النساء ۹۳) وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿المائدة ۹﴾ اور بڑا اجر ہے۔ (المائدة ۹) قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ (هو النبی ﷺ) وَكِتَابٌ مُبِينٌ ﴿المائدة ۱۵﴾ (ای القرآن) بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور (یعنی حضرت محمد ﷺ) آگیا ہے اور ایک روشن کتاب (یعنی قرآن مجید)۔ (المائدة ۱۵) إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ ﴿مائدة ۹۱﴾ شیطان یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور کینہ ڈلوا دے۔ (المائدة ۹۱) تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ﴿المائدة ۱۱۶﴾ تو ہر اس (بات) کو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے اور میں ان (باتوں) کو نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہیں۔ (المائدة ۱۱۶) عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿الانعام ۱۵﴾ بڑے عذاب کے دن سے۔ (الانعام) وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿الاسراء ۲۳﴾ اور ان دونوں کے ساتھ بڑے ادب سے بات کیا کرو۔ (بنی اسرائیل ۲۳) فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ﴿هود ۳﴾ تو بے شک میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے۔ (هود ۳) ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَى عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴿توبة ۱۰۱﴾ پھر وہ (قیامت میں) بڑے عذاب کی طرف پلٹائے جائیں گے۔ (توبہ ۱۰۱) إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ

لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿هود ۱۱﴾ مگر جن لوگوں نے صبر کیا اور عمل کیے نیک یہی لوگ ہیں جن کیلئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔(ھود۱۱) إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ﴿یوسف ۲۸﴾ یقیناً تم عورتوں کا فریب بڑا (خطرناک) ہوتا ہے۔(یوسف۲۸) قَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿یوسف ۵۵﴾ یوسف علیہ السلام نے فرمایا :(اگر تم نے واقعی مجھ سے کوئی خاص کام لینا ہے تو) مجھے سرزمین (مصر) کے خزانوں پر (وزیر اور امین) مقرر کر دو، بے شک میں (انکی) خوب حفاظت کرنے والا اور (اقتصادی امور کا) کا خوب جاننے والا ہوں۔(یوسف ۵۵) وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ﴿النحل ۴۱﴾ اور آخرت کا اجر یقیناً بہت بڑا ہے۔(النحل۴۱) إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا ﴿الاسراء ۴۰﴾ بے شک تم (اپنے ہی گھڑے ہوئے خیالات کے پیمانے پر) بڑی سخت بات کہتے ہو۔(الاسراء۴۰) يَايَحْيَى خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿مریم ۱۲﴾ اے یحییٰ علیہ السلام : ہماری کتاب (تورات) کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور ہم نے بچپن سے ہی حکمت و بصیرت (نبوت) عطا فرمادی تھی۔(مریم ۱۲) وَحَنَانًا مِنْ لَدُنَّا وَزَكَاةً وَكَانَ تَقِيًّا ﴿مریم ۱۳﴾ اور اپنے لطف خاص سے (انہیں) درد وگداز اور پاکیزگی وطہارت (سے بھی نوازا تھا) اور وہ بڑے پرہیزگار تھے۔(مریم ۱۳) وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا ﴿الانبیاء ۷۳﴾ اور ہم نے انہیں (انسانیت کا) پیشوا بنایا وہ (لوگوں) کو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔(الانبیاء ۷۳) فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿الانبیاء ۷۶﴾ پس ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑے شدید غم واندوہ سے نجات بخشی۔(الانبیاء ۷۶) وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿الحج ۵۰﴾ اور (مزید) بزرگی والی عطا ہے۔(الحج ۵۰) إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ﴿الحج ۱﴾ بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے۔(الحج ۱) لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ﴿المومنون ۱۱۶﴾ اس کے سوا کوئی معبود نہیں بزرگی اور عزت والے عرش (اقتدار) کا (وہی) مالک ہے۔(المؤمنون ۱۱۶) لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿النور ۱۱﴾ اس کے لیے زبردست عذاب ہے۔(النور ۱۱) بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿النور ۱۶﴾ بہت بڑا بہتان ہے۔(النور ۱۶) وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۲۳﴾ اور ان کے لیے زبردست عذاب ہے۔(النور ۲۳) وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿النور ۱۵﴾ اور اس (چرچے) کو معمولی بات خیال کر رہے تھے حالانکہ وہ اللہ کے حضور بہت بڑی (جسارت ہو رہی) تھی۔(النور ۱۵) فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۸۹﴾ پس انہیں سائبان کے دن کے عذاب نے آپکڑا بے شک وہ زبردست دن کا عذاب تھا۔(الشعراء ۱۸۹) عَذَابًا كَبِيرًا ﴿۱۹﴾ بڑے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔(الفرقان ۱۹) فَأَخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ (57) وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿الشعراء ۵۸﴾ پس ہم نے ان (فرعونیوں) کو باغوں اور چشموں سے نکال باہر کیا اور خزانوں اور نفیس قیام گاہوں سے بھی (نکال دیا)۔(الشعراء ۵۷،۵۸) قَالَتْ يَاأَيُّهَا الْمَلَأُ إِنِّي أُلْقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ ﴿النمل ۲۹﴾ (ملکہ نے) کہا :اے سردارو! میری طرف ایک نامہ بزرگ ڈالا گیا ہے۔(النمل ۲۹) وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ﴿لقمان ۱۰﴾ اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا اور ہم نے اس میں ہر قسم کی عمدہ ومفید نباتات اُگا دیں۔(لقمان ۱۰) وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ﴿الاحزاب ۳۱﴾ اور ہم نے ان کے لیے (جنت میں) باعزت رزق تیار کر رکھا ہے۔(الاحزاب ۳۱) وَأَعَدَّ لَهُمْ أَجْرًا كَرِيمًا ﴿الاحزاب ۴۴﴾ اور اس نے ان کے لیے بڑی عظمت والا اجر تیار کر رکھا ہے۔(الاحزاب ۴۴) وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿سبا ۴﴾ اور بزرگی والا (اُخروی) رزق ہے۔(سبا۴) أَجْرًا عَظِيمًا ﴿الاحزاب ۲۹﴾ بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔(الاحزاب ۲۹) إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿الصفت ۶۰﴾ بے شک یہی تو عظیم کامیابی ہے۔(الصّٰفّٰت ۶۰) إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴿لقمان ۱۳﴾ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔(لقمان ۱۳) وَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿الصفت ۷۶﴾ اور ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں کو سخت تکلیف سے بچا لیا۔(الصّٰفّٰت ۷۶) فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ﴿الصافات ۱۰۱﴾ پس ہم نے انہیں بڑے بُردبار بیٹے (اسماعیل علیہ السلام) کی بشارت دی۔(الصّٰفّٰت ۱۰۱) وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ﴿الصافات ۱۰۷﴾ اور ہم نے ایک بہت بڑی قربانی کے ساتھ

اس کا فدیہ کر دیا۔(الصّٰفّٰت ۱۰۷) وَ نَجَّيْنَاهُمَا وَ قَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿الصافات ۱۱۵﴾ اور ہم نے خود ان دونوں کو اور دونوں کی قوم کو سخت تکلیف سے نجات بخشی۔(الصّٰفّٰت ۱۱۵) قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ ﴿ص ۶۷﴾ فرما دیجئے : وہ (قیامت) بہت بڑی خبر ہے۔(صٓ ۶۷) قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۳﴾ فرما دیجئے : اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں زبردست دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔(الزمر ۱۳) وَ قَالُوا لَوْ لَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَى رَجُلٍ مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيمٍ ﴿الزخرف ۳۱﴾ اور کہنے لگے : یہ قرآن (مکہ اور طائف کی) دو بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی (یعنی وڈیرے، سردار اور مالدار) پر کیوں نہیں اتارا گیا؟ (الزخرف ۳۱) وَ كَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيمِ ﴿الواقعہ ۴۶﴾ اور وہ گناہِ عظیم (یعنی کفر و شرک) پر اصرار کیا کرتے تھے۔(الواقعہ ۴۶) وَ إِنَّهُ لَقَسَمٌ لَوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿الواقعہ ۷۶﴾ اور اگر تم سمجھو تو بے شک یہ بہت بڑی قسم ہے۔(الواقعہ ۷۶) وَ لَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ ﴿الزمر ۲۶﴾ اور یقیناً آخرت کا عذاب کہیں بڑا ہے۔(الزمر ۲۶) وَ جَاءَهُمْ رَسُولٌ كَرِيمٌ ﴿الدخان ۱۷﴾ اور اُن کے پاس بزرگی والے رسول (موسیٰ علیہ السلام) آئے تھے۔(الدخان ۱۷) كَمْ تَرَكُوا مِنْ جَنَّاتٍ وَ عُيُونٍ (۲۵) وَ زُرُوعٍ وَ مَقَامٍ كَرِيمٍ ﴿الدخان ۲۶﴾ وہ کتنے ہی باغات اور چشمے چھوڑ گئے اور زراعتیں اور عالیشان عمارتیں۔(الدخان ۲۵، ۲۶) إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿الواقعہ ۷۷﴾ بے شک یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے۔(جو بڑی عظمت والے رسول اپر اُتر رہا ہے)(الواقعہ ۷۷) إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ ﴿الدخان ۳﴾ بے شک ہم نے اسے ایک بابرکت رات میں اُتارا ہے۔(الدخان ۳) فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ﴿الدخان ۴﴾ اس (رات) میں ہر حکمت والے کام کا (جدا جدا) فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔(الدخان ۴) إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿الطور ۲۸﴾ بے شک وہ احسان فرمانے والا بڑا رحم فرمانے والا ہے۔(الطور ۲۸) وَ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُبَرَكًا ﴿قٓ ۹﴾ اور ہم نے آسمان سے بابرکت پانی برسایا۔(قٓ ۹) أُولٰٓئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً ﴿الحدید ۱۰﴾ وہ اُن لوگوں سے درجہ میں بہت بلند ہیں۔(الحدید ۱۰) لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿الحدید ۷﴾ اُن کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔(الحدید ۷) وَ لَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿النمل ۲۳﴾ اور اس کے پاس بہت بڑا تخت ہے۔(النمل ۲۳) لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿النمل ۲۶﴾ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں (وہی) عظیم تختِ اقتدار کا مالک ہے۔(النمل ۲۶) وَ يَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْأَرْضِ ﴿النمل ۶۲﴾ اور تمہیں زمین میں (پہلے لوگوں کا) وارث اور جانشین بناتا ہے۔(النمل ۶۲) إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿القصص ۷۹﴾ بے شک وہ بڑے نصیب والا ہے۔(القصص ۷۹) وَ إِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴿القلم ۴﴾ اور بے شک آپ عظیم الشان خلق پر قائم ہیں (یعنی آدابِ قرآنی سے مزیّن اور اخلاقِ الٰہیہ سے متّصف ہیں)(القلم ۴) عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ (۱) عَنِ النَّبَإِ الْعَظِيمِ ﴿النبا ۲﴾ یہ لوگ آپس میں کس (چیز) سے متعلق سوال کرتے ہیں؟ (کیا) اس عظیم خبر سے متعلق (پوچھ گچھ کر رہے ہیں)؟(النبا ۱، ۲) أَلَا يَظُنُّ أُولٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ (۴) لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۵﴾ وہ (مرنے کے بعد دوبارہ) اُٹھائے جائیں گے ایک بڑے سخت دن کیلئے۔(المطففین ۴، ۵) وَ أَعْظَمَ أَجْرًا ﴿المزمل ۲۰﴾ اور اجر میں بزرگ تر۔(المزمل ۲۰) وَ لَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿الحدید ۱۱﴾ اور اس کے لیے بڑی عظمت والا اجر ہے۔(الحدید ۱۱) وَ لَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿الحدید ۱۸﴾ اور اُن کے لیے بڑی عزت والا ثواب ہوگا۔(الحدید ۱۸) إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿الحاقة ۴۰﴾ بے شک یہ (قرآن) بزرگی و عظمت والے رسول ﷺ کا (منزّل من اللہ) فرمان ہے (جسے وہ رسالۃً اور نیابۃً بیان فرماتے ہیں)۔(الحاقۃ ۴۰) إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿التكوير ۱۹﴾ بے شک یہ (قرآن) بڑی عزت و بزرگی والے رسول کا (پڑھا ہوا) کلام ہے۔(التکویر ۱۹) إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ﴿الملک ۹﴾ تم تو بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔(الملک ۹) لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَ أَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿الملک ۱۲﴾ ان کے لیے بخشش اور بڑا اجر ہے۔(الملک ۱۲) وَ لَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿القلم ۳۳﴾ اور واقعی آخرت کا عذاب (اس سے) کہیں بڑھ کر ہے، کاش! وہ لوگ جانتے ہوتے۔(القلم ۳۳) وَ كُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ ﴿القصص ۵۸﴾ اور (آخرکار) ہم ہی

وارث و مالک ہیں۔(القصص ۵۸) وَ جَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا ﴿الانبیاء ۷۳﴾ اور ہم نے انہیں (انسانیت کا) پیشوا بنایا وہ (لوگوں کو) ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔(الانبیاء ۷۳) عَذَابًا كَبِيرًا ﴿الفرقان ۱۹﴾ بڑے عذاب کا۔(الفرقان ۱۹)

مولانا قاری محمد اویس معصومی نے اپنے مُرشد گرامی کے حوالے سے ایک کتاب بنام ''قیومِ زماں'' لکھی ہے جس میں انہوں نے اپنے مُرشدِ گرامی (آستانہ عالیہ موہری شریف) کو ''امیر شریعت، شہبازِ طریقت، جگر گوشۂ زرین بخت، قیّومِ زماں، مجدّدِ دوراں، تاجدارِ تصوف، داعی ذکر بالجہر، عالمی مبلّغ اسلام الحاج حضرت خواجہ محمّد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔ اس کتاب پر علامہ سید شاہ حسین گردیزی، ممتاز عالم دین مفتی محمد حسین نعیمی، مولانا نور احمد شاہتاز، مولانا صحبت خان کوہاٹی، علامہ عبدالوحید ربانی، علامہ سید حمزہ علی قادری، علامہ راشد محمود صاحب وغیرھم علماءِ کرام کے تائیدی تاثرات موجود ہیں۔ اگر قیومِ زماں کہنا شرک ہو تو پھر یہ تمام علماء حضرات بھی مشرک ہونگے جبکہ یہ بات بعید از قیاس ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب ''قیومِ زماں'' میں مقتدر اصحاب مثلاً علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی (قائدِ ملت اسلامیہ)، السید یوسف ہاشم الرفاعی (سابق وزیر اوقاف کویت) حضرت پیر سید محمد یعقوب صاحب، علامہ سید نصیر الدین صاحب (سجادہ نشین گولڑہ شریف)، مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی (چیئرمین گلزارِ حبیب ٹرسٹ)، علامہ مفتی محمد عارف سعیدی صاحب (ناظم اعلیٰ جماعت اہلسنت سندھ) اور حضرت علامہ سید احمد شاہ صاحب وغیرھم کے تاثرات تحریر ہیں۔ شائقین حضرات کتاب ''قیومِ زماں'' ص ۳۱۲ تا ص ۳۱۷ مطالعہ کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب ادارہ تلاش حق فاؤنڈیشن جامع مسجد باب الاسلام 15.A/1 بفرزون کراچی سے دستیاب ہے۔

منصب قیومیت، نبوت و رسالت کا پرتو ہے۔ ہر پیغمبر اپنے دَور کا قیوم بھی ہوتا ہے۔ جس کی ذات سے کائنات کا قیام وابستہ ہوتا ہے۔ اس کی توجہ بدل جانے سے کائنات کا سارا نظام بدل جاتا ہے۔ امت مصطفیٰ ﷺ میں سے جسے سب سے پہلے اس منصب سے نوازا گیا وہ امام ربانی حضور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذاتِ گرامی ہے کہ جنہیں اس منصب پر فائز کرنے کیلئے سرورِ کشورِ رسالت ﷺ ملائکہ، اولیاء و صالحین اُمت کے جُھرمٹ میں خود تشریف لائے اور آپ کو نہ صرف خِلعت تجدید عطا کی بلکہ دیوانِ اقدس میں آپ کا نام خزینۃ الرحمۃ مجدد الف ثانی رقم فرمایا۔ ایک دوسرے موقع پر دورانِ مراقبہ آپ کو منصب قیومیت کی خلعتِ زیبا سے نوازا گیا اور الہام ہوا یہ تمام ممکنات کی قیومیت کی خلعت ہے جو اللہ تعالیٰ اولو العزم نبیوں کو عطا کرتا ہے اور آپ کو اتباعِ رسول ﷺ کی بدولت عطا کی گئی ہے گویا مخلوقات کا قیام اب آپ کی ذات سے وابستہ کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد قیومت کی خِلعتِ زیبا کے حقدار آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آف سرہند ٹھہرے۔ پھر ان کے فرزند خواجہ نقشبند اور پھر خواجہ محمد زبیر کو اس منصبِ جلیلہ پر فائز کیا گیا۔[1]

مولانا ابوالحسن زید فاروقی کہتے ہیں کہ جب کہ اس بات پر ہر دو حضرات بلکہ سب کا اتفاق ہے کہ یہ فرد کامل مظہر ہے اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء و صفات کا تو پھر ایسے فرد کامل کا انصاف اللہ تعالیٰ کے مبارک نام قیوم سے مناسب تر ہے تعجب ہے کہ بعض افراد کے نزدیک قیوم کے خطاب اور لقب میں سُوئے ادب کا پہلو ظاہر ہوتا ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آدابِ شریعت و طریقت سے پوری طرح محلّٰی تھے۔ آپ کا تجویز کردہ نام نہ صرف جائز ہے بلکہ بہتر و اولیٰ ہے۔

چون بشنوی سخن اہلِ دل مگو کہ خطا است　　سخن شناس نہ ئی دلبر اخطا این جا است

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پوتے اسماعیل دہلوی اپنی کتاب ''عبقات'' کے مقدمہ کے بیسویں عبقہ میں لکھتے ہیں: ''اہلِ کشف و وجدان اور ارباب شہود و عرفان جو کہ براہین عقلیہ اور اشارات نقلیہ سے مؤید ہیں اس بات پر متفق ہیں کہ ''ان القیوم لکثرات

---

[1] (قیومِ زماں ص ۱۳۱)

الکونیۃ واحد شخصی ''یعنی کثراتِ کونیہ کا قیوم یعنی قائم اور باقی رکھنے والا شخص واحد ہے۔۔۔الخ۔

یعنی یہ بات صرف حضرت شیخ اکبر ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تک محدود نہیں ہے بلکہ حضراتِ مشائخ عظام وعلماءِ کرام کا متفقہ قول ہے کیا یہ سب حضرات سوءِ ادب کا ارتکاب کر رہے ہیں۔حضرت شیخ اکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسماء وصفاتِ الٰہیہ کو حقائق امکانیہ قرار دیتے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آئینۂ عدمیہ کو جس پر اسماء وصفات واجبی کا پرتو پڑا ہے حقائق امکانیہ قرار دیتے ہیں۔اور دونوں حضرات متفق ہیں کہ ایک فرد اکمل از انسان کامل کثرات کونیہ کے بقاء کا ذریعہ ہوتا ہے۔اس سلسلہ میں اسماعیل دہلوی ''عبقات'' کے مقدمہ کے اکیسویں عبقہ میں ایک شبہ کا ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ ہے :''امام ربانی کے کلام سے سمجھا جاتا ہے کہ حقائق امکانیہ کا تعین عدم ہے اس قول سے اتحاد کی اساس تو جڑ سے نکل جاتی ہے لیکن ہم جیسے قارئین کشف وشہود کی سمجھ سے یہ بات بالاتر ہے اور اس کی تہ تک پہنچنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے کیونکہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ۔''ان یکون الشیٔ المعدوم فضلا عن العدم قیوما لشیٔ موجودا اصلیًا کان او ظلیًا'' یعنی جو شیٔ نہ یہ کہ عدم ہو بلکہ معدوم ہو کس طرح اس شیٔ کا قیوم ہوسکتا ہے جو موجود ہو چاہے اس کا موجود ہونا بالاصالت ہو یا بالظلیت ہو۔الخ۔کہ یہ ایراد اس صورت میں واقع ہوگا اگر حضرت مجدد حقائق امکانیہ کا صرف آئینہائے عدمیہ قرار دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ۔حقائق امکانیہ کا عدمات ہیں مع ان ظلال اسماء وصفات جو ان پر پڑی ہیں اور آپ فرماتے ہیں۔کہ عدمات بمنزلۂ اصول اور مواد کے ہیں اور جو ظلال ان پر پڑے ہیں وہ بمنزلۂ صورت حالہ کے ہیں گویا کہ عدمات بمنزلۂ جسم کے ظلال بمنزلۂ روح کے۔

نیا وردم از خانہ چیزے نخست　　تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

اس طرح ''ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ و ما اصابک من سیئۃ فمن نفسک'' کا ظہور ہوا ہے جو بھلائی اور خوبی ہے وہ تجلیات اسماء وصفات واجبی کے آثار سے ہے اور جو خرابی اور فساد ہے وہ اصل عدمی کا اثر ہے جو کہ ماوائے شر وفساد ہے وہ فرد اکمل جو قیومِ جہاں بنایا جاتا ہے فنائے اکمل اور بقائے تام سے مشرف ہو کر ذاتِ اقدس کا انموذج ہو جاتا ہے اور اس ذات موہوب پر خود اس کا اپنا اور عالم کے تمام اعراض مجتمعہ کا قیام ہے یہ ذات موہوب حضرت واہب العطایا کی دین ہے۔

''لا غیر ذالک تقدیر العزیز العلیم۔ھذا ما ظھر لابی الحسن زید و اللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم''۔[1]

خطباتِ عالیہ غفاریہ کے ٹائٹیل پر حضرت محمد عبدالغفار فضلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا روضہ مبارک بنایا گیا ہے۔وہاں یہ الفاظ درج کئے گئے ہیں۔(روضہ مبارک حضرت خواجہ قیومِ زماں محمد عبدالغفار فضلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمت پور شریف لاڑکانہ، سندھ) اور عبدالرحمن قریشی نقشبندی مجددی فضلی رحمانی نے اپنی تصنیف انوارِ سلوک میں شجرۂ مشائخ لکھا ہے۔جس میں ایک نام یُوں لکھا گیا ہے۔الٰہی بحرمۃ قیومِ زمان محبوب الرحمن حضرت خواجہ ابو عبدالوھاب عبدالرحمن جان المن وجودی ص۔اسی کتاب میں قیومِ زمان تین جگہ لکھے ہوئے ہیں۔[2]

شمس العارفین کعبۂ صفا کیشاں شیخ احمد کابلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تازہ کمالات مثلاً تجدید الف، قیومیت، طینت اور اصالت وغیرہ سُنے تو جن کی عقل رسا اور طبیعت رسا تھی انہوں نے تو ان کمالات کو بلا تامل قبول کیا اور شمس العارفین شیخ احمد کابلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مُرید بن گئے لیکن جو لوگ عقل معاد سے بے بہرہ تھے وہ نہ صرف منکر ہوئے بلکہ شمس العارفین شیخ احمد کابلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اہانت اور خفت کے درپے ہو گئے اور کہا اگر وہ فی الواقع قیوم اور مجدد الف ثانی رحمہ اللہ ہیں تو ہمیں ایسی علامت دکھائیں جو پہلے زمانے میں پیغمبر دکھاتے تھے جب ان لوگوں

---

[1] (رسالۃ وحدۃ الوجود، حاشیہ بر وحدت الشہود ص ۷۰-۶۴)

[2] (ص ۶۸ بص ۷۴ بص ۸۳)

کی واہیات باتیں حضرت شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے سُنیں تو فرمایا : کہ جولوگ یہ باتیں کرتے ہیں انہیں کہہ دو کہ اگر تمہارے دل میں میل ہے تو آؤ مباہلہ کرلو اگر ہم اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو اس شہر پر غضب الٰہی نازل ہوگا۔ مباہلہ اسے کہتے ہیں کہ پیغمبر (احمد مصطفی سرکارِ دو عالم حضرت محمد ﷺ) کے زمانے سے قبل یہ دستور تھا کہ جب کوئی نبی نبوت کا دعویٰ کرتا اور لوگ اس کی نبوت کے منکر ہوتے تو وہ نبی ان سے کسی مقررہ مقام پر اپنے اپنے اہل وعیال سمیت آ کر طہارت کر کے بارگاہِ الٰہی میں ایک دوسرے کیلئے دُعائے غضب کرتے چونکہ نبی اپنے دعویٰ میں سچا ہوتا تھا تو ان لوگوں پر عذابِ الٰہی نازل ہوتا۔ اس طرح اکٹھے ہو کر دُعائے غضب مانگنے کو مباہلہ کہتے ہیں۔ جب ان معاندین نے حضرت شیخ الاسلام والمسلمین تاج الاولیاء مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی طرف سے سُنا کہ آپ مباہلہ کیلئے تیار ہیں تو اپنا مجمع بنایا اور اتفاق رائے سے یہ قرار پایا کہ مباہلہ تو نہیں کرنا چاہیے کیونکہ غالب گمان ہے کہ اس مردِ خُدا اور اس کے فرزندوں کی دُعا حق تعالیٰ رد نہیں کرے گا۔ بالضرور اس شہر پر بلائے عظیم کیا بلکہ اعظم نازل ہوگی البتہ کسی ایسی علامت کی درخواست کریں جو ناممکن ہو چنانچہ ان میں سے ایک معتبر شخص آگے بڑھا اور حضرت شیخ الاسلام والمسلمین سے درخواست کی کہ اگر غوث الاعظم حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ زندہ ہو کر ہمارے سامنے آئیں اور آپ کی تجدید الف اور قیومیت کا اقرار کریں تو ہم آپ کی تجدید الف و قیومیت پر ایمان لے آئیں گے جب اس قسم کی درخواست حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش ہوئی تو فرمایا کہ جس بات کو وہ محال سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ قادر ہے آسان کر دے گا۔ [1]

ایک درویش نے پہلے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ سے میرا (جان محمد کا) حال پوچھا غوث زماں شہباز لامکاں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فلاں شخص کا بیٹا ہے اس درویش نے کہا اس کا باپ میرا آشنا تھا اسے آپ نے کس سلسلہ میں مُرید کیا ہے۔ حضرت مجدد نے فرمایا سلسلہ قادریہ میں، اس نے کہا میں اس بات کی سفارش کرتا ہوں کہ حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس کی ملاقات کرائیں یہ بات منکروں کے لیے دلیل ہو جائے گی اتنے میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اٹھ کر لوٹا اور چند ڈھیلے مجھ سے طلب فرمائے اور بیت الخلاء جا کر وہاں سے فارغ ہوئے اور تازہ وضو فرمایا اور مجھے پاس بلا کر فرمایا کہ جان محمد کیا قطب تارے کو پہچانتے ہو کیا یہی ہے (اور قطب تارے کی طرف اشارہ کیا) پھر فرمایا غور سے دیکھو۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ستارہ آہستہ آہستہ سُرخ ہونے لگا اور بڑھنے لگا اور حرکت کر رہا ہے۔ بعد ازاں وہ ستارہ پھٹا اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور اس میں سے ایک شخص زندہ سیاہ پوش نکلا اور فی الفور ایک لمحہ میں ہمارے سامنے آ کھڑا ہوا۔ حضرت امام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کی خدمت بجالاؤ اور سلام پیش کرو یہی حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ میں (جان محمد) حسبِ ارشاد حضور غوث الاعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں جُھک گیا اس موقع پر حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے ستر مخالفین بھی موجود تھے اور یہ باتیں سُن رہے تھے اور یہ واقعہ دیکھ رہے تھے۔ یہ دیکھ کر سب کے سب حیران ہو گئے بعد ازاں حضرت غوث الاعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے بآوازِ بلند اعلان فرمایا کہ جو کچھ حضرت امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اسے قبول کرو کیونکہ دین و دنیا کی بھلائی اسی میں ہے۔ اور یہ کہ حضرت امام ربانی رحمہ اللہ اولیاءِ امت سے افضل ہیں۔ ان کا منکر ہونا ایمان چھن جانے کا موجب ہے جو شخص اپنے ایمان کی سلامتی چاہتا ہے وہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تمام کمالات کو دل سے قبول کر لے۔ تمام اہلِ مجلس نے حضور غوث الاعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کا کلام سُنا اور اُن کی نصیحت کو اپنے کانوں سے سُنا اور جمالِ مبارک کا آنکھوں سے نظارہ کیا یہ نصیحت فرما کر حضور غوث الاعظم رحمہ اللہ تعالیٰ رُخصت ہو کر قطب تارے کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی میں غائب ہو گئے۔ اور قطب تارہ اپنی اصل حالت پر آ گیا۔ حضرت قیوم ثانی خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی بذاتِ خود اس مجلس میں تشریف فرما تھے۔ شہر بھر

---

[1] (روضۃ القیومیۃ ج ۱ ص ۲۵۴۔۲۵۶)

میں جتنے مُنکر موجود تھے سب نے توبہ کی حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مُرید ہو گئے۔[1]

ایک مرتبہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نمازِ ظہر کے بعد مراقبے میں بیٹھے تھے اور ایک حافظ آپ کے حضور قرآن مجید پڑھ رہا تھا کہ مراقبہ میں حضرت امام ربانی رحمہ اللہ نے ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی نوری خلعت اپنے آپ پر مشاہدہ کی اسی وقت الہام ہوا کہ یہ تمام ممکنات کی قیومیت کی خلعت ہے جو اللہ تعالیٰ پیغمبر اولو العزم کو عنایت کرتا ہے سو یہ خلعت آپ کو بلحاظ حضرت محمد مصطفی ﷺ کے وارث اور تابع ہونے کے عطا کی جاتی ہے آج سے تمام مخلوقات کا قیام آپ کی ذات سے وابستہ کر دیا گیا۔ بعد ازاں حضرت محمد مصطفی ﷺ تشریف فرما ہوئے اور اپنے دستِ اقدس سے حضرت قیوم اول غوثِ دوراں مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے سرِ مبارک پر اپنی دستار باندھی اور منصب قیومیت کی مبارک باد دی حضرت محمد مصطفی ﷺ کے بعد یہ منصب کسی کو عطا نہیں ہوا تھا صرف حضرت قیوم اول غوث دوراں مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کو عطا ہوا جو اس اُمت کے قیوم ہیں۔[2]

قیوم اللہ تعالیٰ کا وزیر اعظم اور نائب اتم ہوتا ہے اسے بے چونی سے ایک ذات مرحمت ہوتی ہے جسے ذات موہوب کہتے ہیں جس پر تمام ممکنات کے حقائق کا قیام منحصر ہوتا ہے باوجود جوہر ہونے کے جوہریت کا اطلاق اس پر زیب نہیں دیتا۔ اس کی ذات کو وہ قدر و منزلت حاصل ہوتی ہے کہ جوہریت کا اطلاق ناگوار معلوم ہوتا ہے چونکہ تمام جہاں اس کے مقابلے میں بمنزلہ عرض ہے اس لیے اسے سوائے جوہر کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کیونکہ جوہر بغیر عرض کے نہیں اور عرض بغیر جوہر کے نہیں۔ غوث، قطب، فرد، ابدال اور اوتاد وغیرہ سب قیوم کے نائب اور پیش کار اور خادم ہوتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اکمل ہوتا ہے تمام جہان کے معاملات اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ جہان کی توجہ کا قبلہ ہوتا ہے خواہ اہلِ جہان کو یہ معلوم ہو یا نہ ہو۔ ہزار سال بعد ایک قیوم پیدا ہوتا ہے جیسا کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام اولوا العزم مبعوث ہوتے آئے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور پُرنور ﷺ کے درمیان کچھ کم ہزار سال کا وقفہ تھا چونکہ وہ فترت کا زمانہ تھا اور کوئی ایسا نبی یا ولی اس زمانے میں پیدا نہ ہوا جو اصلاح مخلوق کا کام کر سکتا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کی خاصی تعداد بھی مُرتد ہو گئی تھی انہوں نے اسے اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنا شروع کر دیا تھا۔[3]

حضرت علامہ مولانا شیخ القرآن والتفسیر ضیاء اللہ صاحب اپنی تصنیف سیف المؤمنین علی اعناق المنکرین میں لکھتے ہیں کہ: ''قطب اور غوث سے فوق مقام امام کا ہے۔ اور امام سے فوق مقام قیومیت کا ہے۔ اور قیومیت سے فوق مقام صدیقیت کا ہے۔ اور صدیقیت سے فوق مقام عبدیّت کا ہے اور عبدیت اقصیٰ ولایت کے مراتب سے ہے۔''

حضرت شیخ المشائخ حسن غوثی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بعض مخالفوں کے کہنے سُننے سے تجدید اور قیومیت کی نسبت کے شاکی ہو گئے ایک رات آپ (حسن غوثی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے خواب میں دیکھا تمام اولیائے اُمت ایک جگہ جمع ہیں اور تمام متفق اللفظ ہو کر فرماتے ہیں کہ جو شخص حضرت شیخ الاسلام والمسلمین مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تجدید اور قیومیت کا مُنکر ہو گا مرتے وقت اس کا ایمان چھن جائے گا۔ حضرت شیخ حسن غوثی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یہ خواب دیکھ کر بہت ڈرے اور تجدید و قیومیت کی بابت جو شک وشبہ اور انکار دل میں تھا اس سے توبہ کی اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تمام کمالات کا اعتراف کیا۔[4]

---

[1] (روضۃ القیومیہ ج ۱ ص ۲۵۸، ۲۵۹)

[2] (روضۃ القیومیہ ج ۱ ص ۱۷۱)

[3] (روضۃ القیومیہ ج ۱ ص ۱۷۳)

[4] (روضۃ القیومیہ ج ۱ ص ۲۴۷)

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو الہام ہوا کہ بوراثت وتبعیت خاتم الرسل رحمۃ للعٰلمین حضرت محمد ﷺ کے عطا ہوا اور جمیع مخلوقات کا قیام تمہاری ذات پر مقرر ہوا کہ اتنے میں حضرت سید المرسلین ﷺ تشریف لائے اور اپنے دستِ مبارک سے میرے سر پر دستار باندھی اور مبارک باد منصب قیومیت دی فرمایا کہ ایک روز بعد نمازِ عشاء میں دعا مانگتا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ میرا تمام بدن مثل شمع کے روشن ہے اور آفتاب کی طرح ایسا چمکتا ہے کہ آنکھ سامنے نہیں کی جاتی اسی اثناء میں الہام ہوا کہ یہ روشنی اس واسطے ہے کہ تیرا بدن بقیہ طینتِ حضرت خاتم النبیین ﷺ تھا بطور الوش ایک فردِ اُمت کو پہنچا ہے اور اس سے کچھ بچ کر اس کے ایک منتسب کو ملا ہے۔ منتسب سے حضرت عروۃ الوثقیٰ قیوم ثانی خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرزند ثالث مراد ہیں حضرت کا تمام بدن بقیہ طینتِ مصطفوی ﷺ کا بنا تھا مگر پیر مبارک نہ تھے۔ حضرت (قیوم اول ردیف کمالاتِ سبع مثانی شیخ احمد سرھندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرمایا کرتے تھے کہ میرا حال مثل طاؤس کے ہے کہ اپنے بدن کی زیبائی ورعنائی دیکھ کر خوش ہوتا ہے اور ناچتا (وجد کرتا) ہے لیکن جب پیروں پر نظر پڑتی ہے تو پژمردہ ہو جاتا ہے اسی طرح میں بھی جب اپنا (حضرت عروۃ الوثقیٰ خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) بدن دیکھتا ہوں تو خوش ہو جاتا ہوں اور جب پیر دیکھتا ہوں تو منقبض ہو جاتا ہوں۔ [1]

علامہ فیض احمد اویسی "قیومیت" کے بارے میں لکھتے ہیں: "حضرت شیخ الاسلام تاج الاولیاء مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے ان تمام کارناموں علمی اور عملی اور اسلامی خدمات کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاص محبوب بندہ بنالیا اور شروع سے قاعدہ چلا آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو نوازتا ہے جیسے حضرت سلطان العارفین غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ کے ناز اور محبوبانہ انداز مشہور ہیں اسی انداز میں حضرت شیخ الاسلام تاج الاولیاء مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے بھی ناز اور انداز فرمائے من جملہ ان میں ایک خاص دعوائے قیومیت بھی ہے۔ فقیر (علامہ محمد فیض احمد اویسی رضوی صاحب) اس کے اثبات کیلئے دلائل قائم کرتا ہے۔ [2]

حضرت مولانا خواجہ احمد حسین خان قادری نقشبندی مجددی امروہوی علیہ الرحمۃ حضرت امام ربانی رحمہ اللہ کی سوانح عمری میں لکھتے ہیں: "آپ قیوم اول یعنی آپ کی ذات بابرکات باعثِ قیم عالم وعالمیان ہے"۔ [3]

افغانستان کے مشہور زمانہ عالم دین خلیفہ عبدالواحد صاحب لکھتے ہیں: "قیوم الزمان ھو فی الحقیقۃ و المعرفۃ وحید حضرت شاہ ابو سعید رحمہ اللہ" [4]

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد۔ "روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا رسول خدا ﷺ نے ایک فقیہ سخت تر ہے اُو پر شیطان کے ہزار عابدوں سے"۔ [5]

عن سفیان رحمہ اللہ انّ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ قال لکعبٍ من ارباب العلم قال الذین یعملون بما یعلمون قال فما اخرج العلم من قلوب العلماء قال الطمع۔ یعنی روایت ہے حضرت سفیان رحمہ اللہ سے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا واسطے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے کون ہے صاحب علم یعنی تمہارے نزدیک کہا حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے وہ لوگ کہ عمل کریں موافق اس چیز کے کہ جانیں کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پس کیا چیز نکالتی ہے علم کو دلوں عالموں کے سے یعنی برکت و ہیبت اور نورِ علم کو کون سی چیز علماء باعمل کے دلوں

---

[1] (مقاماتِ امام ربانی مجدد الف ثانی ص ۲۷)

[2] (شان قیومیت ص ۴۰ بحوالہ سیرت مجدد الف ثانی ص ۲۶۸)

[3] (جواہر مجددیہ ص ۶۴)

[4] (آداب المخلصین ص ۷۳)

[5] (رواہ ترمذی وابن ماجہ، مشکوٰۃ کتاب العلم ص ۳۴)

سے نکال دیتی ہے کہا کہ طمع۔[1]

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ إذا صلّی احدکم للناس فلیخفّف فان فیھم السقیم و الضعیف و الکبیر و اذا صلی احدکم لنفسہٖ فلیطوّل ماشآء"۔[2]

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ کہا! فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس وقت کہ نماز پڑھائے ایک تمہارا لوگوں کو پس چاہیے کہ ہلکی کرے نماز اس لیے کہ ان میں بیمار بھی ہوتا ہے اور ضعیف بھی یعنی اصل خلقت میں اور بوڑھا اور جس وقت کہ نماز پڑھے ایک تمہارا واسطے اپنے یعنی اکیلا پس چاہیے کہ دراز کرے جس قدر چاہے۔[3]

یہاں اس حدیث مبارکہ میں لفظ "کبیر" بندے کے حق میں استعمال ہوا ہے۔ (فتدبّر و لاتکن من المتعصّبین)

"عن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ان من اشر الناس عند اللہ منزلۃ یوم القیامۃ عالم لاینتفع بعلمہٖ"[4]

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابی الدرداء رضی اللہ عنہ سے کہا! تحقیق بدترین لوگوں کا نزدیک اللہ کے مرتبہ میں دن قیامت کے وہ عالم ہے کہ نہ نفع لیا اس نے ساتھ علم اپنے کے۔[5]

یہاں پر لفظ "عالم" بندہ کیلئے بطورِ صفت استعمال ہوا ہے۔

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال لایزال قلب الکبیر شابا فی اثنین فی حب الدنیا و طول الامل"۔[6]

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نقل کیا نبی کریم ﷺ سے کہ فرمایا ہمیشہ ہر دل بوڑھے کا اور آرزو اس کی جوان یعنی قوی رہتی ہے دو چیزوں میں محبتِ دنیا میں اور درازیٔ آرزو میں۔[7]

یہاں پر لفظ "کبیر" کا اطلاق بندے پر ہوا ہے۔

جب رسولِ کریم ﷺ نے روم اور بحرین کے بادشاہوں کو خطوط لکھے تو اُن میں اُن کافر بادشاہوں کو "عظیم" کے لقب سے مخاطب فرمایا جیسا کہ حدیث میں ہے: "بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم مِن محمّدعبداللہ ورسولہ إلی ھرقل عظیم الروم سلام علی من اتبع الھدٰی اما بعد۔۔۔الخ"(ا)

اور دوسری روایت میں ہے: "ان رسول اللہ ﷺ بعث بکتابہ إلی کسریٰ مع عبداللہ بن حُذافہ السھمی فامرہٗ ان یدفعہ إلی عظیم البحرین فدفعہٗ عظیم البحرین إلی کسریٰ۔۔۔الخ"

پس ان دونوں روایتوں میں لفظ "عظیم" جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ وہ دو بادشاہوں (جو کافر تھے) کے حق میں استعمال ہوئے ہیں۔ ایک طویل حدیث میں ہے کہ: "یا بلال قم فاذن لایدخل الجنّۃ الا مؤمن و ان اللہ لیؤید ھٰذا الدین بالرجل الفاجر"۔ ترجمہ: "اے بلال رضی اللہ

ا (رواہ الدارمی، مشکوٰۃ کتاب العلم ص ۳۷)

۲ (متفق علیہ، مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب ما علی الامام ص ۱۰۱)

۳ (مظاہر حق ص ۳۷۵)

۴ (رواہ الدارمی، مشکوٰۃ کتاب العلم ص ۳۷)

۵ (مظاہر حق ص ۱۰۸)

۶ (متفق علیہ، مشکوٰۃ باب الامل والحرص ص ۴۵۰)

۷ (مظاہر حق ص ۲۴۶)

عنہ :اٹھ اور اعلان کر کہ جنت میں وہی جائے گا جو مؤمن ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اس دین کی تائید وحمایت کسی فاجر شخص سے بھی کرا لیتا ہے۔[1]

"عن جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس"[2]

ترجمہ: روایت ہے جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے نہیں رحمت کرتا یعنی رحمتِ خاص وکامل اللہ اُس شخص پر کہ جو نہیں رحم کرتا لوگوں پر۔[3]

"عن زیاد بن حُدیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال لی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ھل تعرف ما یھدم الاسلام قال قلت لا قال یھدمہ زلۃ العالم وجدال المنافق بالکتاب وحکم الائمۃ المضلین"۔[4]

ترجمہ: روایت ہے حضرت زیاد بن حدیر رضی اللہ عنہ سے کہ کہا کہ واسطے میرے عمر رضی اللہ عنہ نے کیا جانتا ہے تو کیا چیز گرا دیتی ہے بنائے اسلام کو؟ کہا میں نے نہیں جانتا میں فرمایا گرا دیتا ہے بنائے اسلام کو پھسلنا عالم کا یعنی خطا کسی مسئلے میں کرنا اور گناہ کرنا اس کا اور جھگڑنا منافق کا ساتھ کتاب اللہ کے اور حُکم کرنا سرداروں گمراہوں کا۔[5]

"عن ابی موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان من اجلال اللہ اکرام ذی الشیبۃ المسلم وحامل القرآن غیر الغالی فیہ ولا الجافی عنہ واکرام السلطان المقسط"

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ کہا! فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تحقیق جملہ تعظیم اللہ تعالیٰ کی سی ہے تعظیم کرنی بوڑھے مسلمان کی اور تعظیم کرنی اٹھانے والے قرآن کی یعنی پڑھنے والے قرآن کی اور حافظ کی اور مفسر کی کہ نہ ہو غلو کرنے والا اس میں اور نہ ہو وہ دُور ہونے والا اس سے اور جملہ تعظیم اللہ تعالیٰ کی سی ہے تعظیم کرنی بادشاہ عادل کی۔[6]

"عن حارثۃ بن وھب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الا اخبرکم باھل الجنّۃ کل ضعیف متضعّف لو اقسم علی اللہ لابرہ الا اخبرکم باھل النار کل عتلّ جوّاظ مستکبر" (متفق علیہ) وفی روایۃ لمسلم کل جوّاظ زنیم متکبر۔[7]

ترجمہ: روایت ہے حضرت حارثہ بن وھب رضی اللہ عنہ سے کہ کہا! فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کیا نہ خبر دوں میں تمہیں جنتیوں کی یعنی کہوں کہ بہشتی کون ہیں؟ وہ ہر ضعیف کہ ضعیف وحقیر جانیں اس کو لوگ اور جبر وتکبّر کریں اس پر لوگ بسبب فقر اور شکستہ حالی اس کی کہ اگر قسم کھائے اللہ پر البتہ سچا کرتا ہے اس کو یا اس کی قسم کو۔ کیا نہ خبر دوں میں تم کو دوزخیوں کی ہر سخت گو جھگڑالو باطل پر جمع کرنے والا مال کا بخیل تکبر کرنے والا۔[8]

اس حدیث میں لفظ "متکبر" صفت مشترکہ ہے۔

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ثلاثۃ لا یکلمھم اللہ یوم القیامۃ ولا یزکیھم وفی روایۃ ولا ینظر إلیھم ولھم

---

[1] (بخاری، مشکوٰۃ ص ۵۳۴)

[2] (متفق علیہ، مشکوٰۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۲۱)

[3] (مظاہر حق ص ۱۳۰)

[4] (رواہ الدارمی، مشکوٰۃ کتاب العلم ص ۳۷)

[5] (مظاہر حق ص ۱۰۸)

[6] (رواہ ابوداؤد والبیہقی فی شعب الایمان ومشکوٰۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۲۳) (مظاہر حق ص ۱۳۷)

[7] (مشکوٰۃ ص ۴۳۳ باب الغضب والکبر)

[8] (مظاہر حق ص ۱۷۸)

عذاب الیم شیخ زان و ملک کذاب و عائل مستکبر"

ترجمہ: "روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ کہا! فرمایا رسولِ خدا ﷺ نے کہ تین شخص ہوں گے کہ نہیں کلام کرے گا ان سے اللہ تعالیٰ دن قیامت کے یعنی کلام رضا کا یا مطلق اور نہ ثناء کرے گا ان پر اور ایک روایت میں یہ زیادہ آیا ہے اور نہ دیکھے گا طرف ان کے یعنی نظرِ رحمت وعنایت سے اور ہوگا واسطے ان کے عذاب درد دینے والا ایک تو بوڑھا زنا کار دوسرا جھوٹا بادشاہ اور تیسرا مفلس تکبر کرنے والا" یہاں لفظ "ملک" صفتِ مشترکہ ہے۔[1]

"عن سلمة بن الاکوع رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لایزال الرجل یذھب بنفسہ حتی یکتب فی الجبّارین فیصیبہ ما اصابھم۔ "روایت ہے حضرت سلمۃ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے کہ کہا! فرمایا رسولِ خُدا ﷺ نے کہ ہمیشہ رہتا ہے ایک شخص کہ کھینچتا ہے اپنے نفس کو یہاں تک کہ لکھا جاتا ہے یعنی نام اس کا سرکشوں میں یعنی ظالموں اور متکبروں کے دیوان میں پس پہنچتی ہے اس کو وہ چیز کہ پہنچی ان کو یعنی آفات و بلیات دنیا اور آخرت میں۔[2]

یہاں لفظ "جبّارین" صفتِ مشترکہ ہے۔

"عن عمر رضی اللہ عنہ وھو علی المنبر یا ایھا الناس تواضعوا فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من تواضع للہ رفعہ اللہ فھو فی نفسہ صغیر و فی اعین الناس عظیم و من تکبر وضعہ اللہ وھو فی اعین الناس صغیر و فی نفسہ کبیر حتی لھو اھون علیھم من کلب او خنزیر"

ترجمہ: "روایت ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ کہا اس حال میں کہ منبر پر تھے، اے لوگو! تواضع اور فروتنی کرو اس لیے کہ میں نے سنا ہے پیغمبرِ خُدا ﷺ کو فرماتے ہوئے جو شخص کہ تواضع کرے ساتھ لوگوں کے واسطے خُدا کے یعنی واسطے طلبِ رضا اس کی کہ بلند کرتا ہے اللہ تعالیٰ مرتبہ اس کا پس وہ اپنے نفس اور نظر میں حقیر ہے یعنی بسبب دیکھنے کے اپنے کو نظر کمی سے اور لوگوں کی آنکھ میں بزرگ ہے یعنی بسبب بلند کرنے حق تعالیٰ کے اس کے مرتبے کو بسبب اس خصلتِ نیک کے اور جو کوئی تکبر کرے پست کرتا ہے خدائے تعالیٰ قدر اس کی پس وہ لوگوں کی آنکھوں میں حقیر ہے اور اپنے نفس ونظر میں بزرگ ہے یہاں تک کہ البتہ وہ خوارتر اور ذلیل تر ہے لوگوں کے نزدیک کتے یا سُور سے۔"[3]

"عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنھما قال قال رسول اللہ ﷺ الراحمون یرحمھم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السمآء"

ترجمہ: روایت ہے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے کہ کہا! فرمایا رسولِ خُدا ﷺ نے شفقت کرنے والے خلق پر رحمت کرتا ہے ان پر رحمٰن۔ رحم کرو ان پر کہ زمین میں ہیں تا کہ رحم کرے تم پر جو آسمان میں ہے۔[4]

"عن سعد رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ انّ اللہ یحب العبد التقیّ الغنی الخفیّ" ترجمہ: روایت ہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ

---

[1] (رواہ مسلم، مشکوٰۃ باب الغضب والکبر ص ۴۳۳) (مظاہر حق ص ۱۷۹)

[2] (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ باب الغضب والکبر ص ۴۳۳) (مظاہر حق ص ۱۸۱)

[3] (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ باب الغضب والکبر ص ۴۳۴) (مظاہر حق ص ۱۸۳)

[4] (رواہ ابوداؤد والترمذی، مشکوٰۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۲۳) (مظاہر حق ص ۱۳۶)

سے کہ کہا! فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے بندۂ متقی، غنی، گوشہ نشین کو۔"[1]

"عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ المؤمن القوىّ خير و احب الى الله من المؤمن الضعيف فی كل خير احرص على ما ينفعک و استعن بالله و لاتعجز و ان اصابک شئ فلا تقل لو انی فعلت كان كذا كذا و لٰكن قل قدر الله و ما شاء فعل فان لو تفتح عمل الشيطٰن۔"[2]

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ کہا! فرمایا رسولِ خُدا ﷺ نے کہ مسلمان قوی یعنی پختہ ایمان اور اعتقاد کے ساتھ خُدا کے اور توکل اور اعتماد کے اس پر قصد کرنے کے اُمورِ خیر پر اور جہاد کرنے کے راہِ خُدا میں یا قوی ہے صبر کرنے میں لوگوں کی ہمنشینی پر اور تحمل کرنے میں ان کی ایذاء پر اور نصیحت اور تعلیم خیر کرنے میں بہتر ہے مسلمانِ ضعیف سے یعنی ان صفات میں اور ہر مسلمان میں یعنی قوی ہو یا ضعیف، نیکی ہے اور کوئی مسلمان صفاتِ نیک سے خالی نہیں اور اصل ایمان کامل ترین صفتوں خیر کی ہے حرص کر تو اس چیز پر کہ نفع دے تجھ کو یعنی امر دین سے اور مدد اور توفیق طلب کر خُدا سے یعنی عمل نیک کرنے پر اور عاجز نہ ہو یعنی طلب و استعانت سے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اس پر کہ دے تجھ کو قوت اپنی اطاعت کی جبکہ مستقیم ہو تو اس کی استعانت پر اور بعضوں نے کہا کہ معنی اس کے یہ ہیں کہ نہ عاجز ہو تو کرنے اس چیز کے سے کہ حُکم کیا گیا ہے تجھے اس کا اور نہ چھوڑ تو اس کو اور اگر پہنچے تجھ کو کچھ یعنی مصیبت دین یا دنیا کی تو نہ کہہ یہ بات کہ اگر میں کرتا ایسا تو ہوتا ایسا لیکن کہہ یعنی زبانِ قال سے یا زبانِ حال کہ مقدر کیا اللہ نے یعنی ایسا اور ایسا یعنی واقع ہوا یہ موافق قضا و قدر اس کی کہ جو کچھ چاہتا ہے خُدا تعالیٰ کرتا ہے اس لیے کہ لفظ لو کہ بسببِ پشیمانی کھانے کے کسی چیز پر اور بسبب معارضہ تقدیرِ الٰہی کے اور بنسبتِ حولِ قوتِ نفس کے کہتے ہیں کھولتا ہے کارِ شیطان کو اور لاتا ہے دل میں وسوسہ ان کا ساتھ ندامت یا معارضہ قدر کے۔[3]

"عن النعمان بن بشير رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ المؤمن كرجل واحد ان اشتكٰى عينه اشتكى كله و ان اشتكى راسه اشتكى كله۔"

ترجمہ: روایت ہے حضرت نعمان بن بشیر رحمہ اللہ سے کہا! فرمایا رسول خُدا ﷺ نے سب مسلمان بمنزلہ حکم ایک شخص کے ہیں یعنی مانند اعضاء ایک شخص کے ہیں اس لیے کہ وہ ایک دین پر ہیں اگر دُکھتی ہے آنکھ اس کی دُکھتا ہے یعنی بے چین ہوتا ہے سارا بدن اس کا اور اگر دُکھتا ہے سر اس کا دُکھتا ہے سارا بدن اس کا۔[4]

مذکورہ بالا تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ کسی بزرگ کو "قیومِ زماں" کہنا جائز ہے۔ اور اسے ناجائز کہنا اور کفر کہنا یہ تمام علماءِ کرام پر کفر کا فتوی لگانا ہے۔ ایسا شخص جاہل ہے اور جاہل کو مسجد سے نکالنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سنت ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ کی مسجد میں جاہل واعظ سے فرمایا کہ تم قرآن میں ناسخ و منسوخ جانتے ہو تو واعظ نے کہا نہیں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم نے اپنے آپ کو بھی ہلاک کیا اور دوسرے مسلمانوں کو بھی ہلاک کیا۔[5]

---

[1] (رواہ مسلم، مشکوٰۃ باب استحباب المال والعمر للطاعۃ ص ۴۵۰) (مظاہر حق ص ۴۵۰)

[2] (رواہ مسلم، مشکوٰۃ باب التوکل والصبر ص ۴۵۲)

[3] (مظاہر حق ص ۲۶۱)

[4] (رواہ مسلم، مشکوٰۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص ۴۲۲) (مظاہر حق ص ۱۳۱)

[5] (بستان العارفین ص ۱۴، معارف القرآن ج ۱ ص ۲۸۰)

مسلک دیوبند کے مفتی محمد شفیع نے لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "ھلکت و اھلکت مع زیادۃ" اور فرمایا کہ میری مسجد سے نکلو اور آئندہ نہ آنا۔ حضرت عبداللہ بن حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موافقت میں اپنے بیٹے محمد کو نصیحت کرتے ہیں۔

"یابنی احذر الجاھل و ان کان لک ناصحًا کما تحذر العاقل اذا کان عدوًا" و فی العقد الفرید لاتصاحب الجاھل فانہ یرید ان ینفعک و یضرّک و قال اردشیر حسبکم دلالتہ علی عیب الجاھل ان کل الناس تنفر منہ و تغضب من انتصب إلیہ۔

جاہل کے ساتھ دوستی مت کرو وہ تجھے نفع پہنچانا چاہے گا مگر تمہیں ضرر پہنچائے گا۔ اردشیر کا قول ہے کہ جاہل سے تمام لوگوں کی نفرت اس کی جہالت کا ثبوت ہے۔ جُہال کے حق میں صاحبِ تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۹۱۵ نے کیا خُوب فرمایا: "سقام الحرث لیس لہ شفاء و داء الجھل لیس لہ طبیب۔ و فی الجھل قبل الموت موت لاھلہ۔ و اجسامھم قبل القبور قبور و ان امرئ لم یحی بالعلم میت لیس لہ النشور نشور"

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خان افغانی فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاوی رضویہ ج ۱۰ ص ۲۱۵ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ جاہل کو وعظ کہنے کی اجازت نہیں وہ جتنا سنوارے گا اس سے زیادہ بگاڑے گا۔ اور اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ جاہل کو وعظ کہنا حرام ہے۔ اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی جلد میں لکھتے ہیں کہ جاہل کی تبلیغ زنا سے بدتر ہے۔

"و انما حق العوام ان یؤمنوا و یسلموا و یشتغلوا بعبادتھم و معایشھم و یترکوا العلم للعلماء فالعامی لو یزنی او یسرق کان خیرا لہ من ان یتکلّم فی العلم فانّہ من تکلّم فی اللہ او فی دینہ بغیر اتقان العلم وقع فی الکفر من حیث لا یدری کمن یرکب لُجّۃ البحر و ھو لا یعرف السباحۃ۔"

ترجمہ: اور یقیناً عوام کا حق یہ ہے کہ ایمان اور اسلام لانے کے بعد اپنی عبادات اور اپنی معاشِ دنیا میں مصروفِ عمل رہیں اور علم کو علماء کے ذمہ رہنے دیں۔ پس اگر کوئی عامی زنا اور چوری کرے یہ اس کے لیے تکلّم فی العلم (مبنی بر جہالت) سے بہتر ہے (اگرچہ گناہِ کبیرہ ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے دین میں اتقان فی العلم کے بغیر تکلم کرنے والا کفر میں واقع ہو جاتا ہے اور اسے اس امر کا پتہ نہیں چلتا (من حیث لا یدری) جیسے کہ کوئی دریائی لہر میں کود پڑے درآں حالانکہ اسے تیرنا نہیں آتا ہو۔[۲]

علامہ شیخ محمد صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "فلا یأمر الجاھل و لا ینھی لانہ ربما امر بمنکر او نھی عن معروف لعدم علمہ بذالک۔"[۳]

اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "الامر بالمعروف و النھی عن المنکر لا یلزم کل الامّۃ و لا یلیق لکل احد کالجاھل"[۴]

علامہ شامی نے ایسے جُہال کے بارے میں لکھا ہے: "و الاحتیاط ان یجدد الجاھل ایمانہ کل یوم و یجدد نکاح امرأتہ عند الشاھدین فی کل شھر مرۃ او مرتین۔ اذ الخطاء و ان لم یصدر من الرجال فھو من النساء کثیر۔" یعنی احتیاط اس میں ہے کہ جاہل

---

[۱] (العقد الفرید ج ۲ ص ۹۹)

[۲] (احیاء العلوم ج ۳ ص ۳۹)

[۳] (تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۶۱)

[۴] (تفسیر جلالین ص ۵۷)

شخص روزانہ تجدید ایمان کرتا رہے اور ہر مہینے میں ایک یا دو مرتبہ دو گواہوں کی موجودگی میں تجدید نکاح کرتا رہے۔ کیونکہ اگر چہ آدمی کی طرف سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو مگر عورتیں گناہ میں کثرت کرتی ہیں۔[1]

شاہ محمد ہدایت علی نقشبندی مجددی جیپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب ''معیار السلوک و دافع الاوھام والشکوک'' کی فصل ساتویں : ''دائرہ سیف قاطع و دائرہ منصب قیومیت'' میں فرماتے ہیں کہ ''دائرہ سیف قاطع'' داخل سلوک نہیں، بعض کو پیش آتا ہے اور بعض کو نہیں اور یہ دائرہ سیف قاطع ''ولایتِ کبریٰ'' کے محاذی (مقابل) ہے اور دائرہ منصب قیومیت کا بھی داخل سلوک نہیں جیسے دائرہ سیف قاطع محاذی ولایت کبریٰ ہے، اسی طرح ''دائرہ منصب قیومیت دائرہ کمالات اولوالعزم'' سے نکلتا ہے۔ اس مرتبہ منصب قیومیت سے خاص انبیاء علیہم السلام اور امت میں خاص خاص اولیاء مشرف ہوتے ہیں، اس بندۂ خاص پر اسم یاحیّ یا قیّوم کا فیضان نازل ہوتا ہے اور اس کی ذات سے تمام زمین و آسمان کا قیام رہتا ہے۔[2]

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی اورادِ مشائخ میں تحریر فرماتے ہیں حضرت ابوعثمان مغربی فرماتے ہیں کہ ابدال (قیوم) چالیس ہیں۔ امنا (ابرار) سات ہیں۔ خلفاء (نقباء) تین ہیں قطب عالَم (قطب مدار) ایک ہے اور اس کو ان تین خلفاء کے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔[3]

حضرت بیہقی الوقت علم الھدیٰ مولانا القاضی محمد ثناء اللہ العثمانی الحنفی المظہری النقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں : ''ومن طلب زیادۃ شرح ھٰذا المقام فلیرجع الی مکاتیب سیدی و امامی القیوم الربانی المجدد للالف الثانی'' یعنی اور جو اس مقام کی مزید شرح طلب کرنا چاہے تو اسے میرے سردار و امام حضرت القیوم الربانی مجدد للالف ثانی کے مکاتیب مقدسہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔[4]

معلوم ہوا کہ اگر ''قیوم'' کسی کو کہنا شرک و کفر ہوتا ہو تو حضرت بیہقی الوقت ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیوں ذکر کرتے۔ فتدبر و لاتکن من المتعصبین۔

مولانا غریب اللہ صاحب ناظم دارالعلوم مجددیہ موضع مانکی تحصیل صوابی ضلع مردان اپنی کتاب ''ضرب شمشیر برفتنہ پنج پیر'' جو وہابیوں اور خوارج کے رد میں لکھی ہے) میں لکھتے ہیں کہ ''راقم الحروف اپنی اس تصنیف کو حضرت قیومِ زمانِ اول امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد بن عبدالاحد فاروقی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہِ عالیہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔ جن کی عمومیت تجدید، دین کے ہر شعبہ پر حاوی ہے اور آج تک ان کی مبارک تحقیقات و معارف علماء کرام اور مشائخ عظام کیلئے مشعل راہ ہیں اور ہمیشہ کیلئے ان شاء اللہ تعالیٰ رہیں گی۔ آپ کی شانِ عالی یہ ہے کہ آپ کے شیخ مکرم و معظم خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے حق میں فرماتے ہیں : ''دریں امت دو سہ کس مثل ایشاں می دانم''[5] اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ''حضرت امام ارہاص ایں دورہ اند۔ و شیخ قطب ارشاد ایں دورہ است''۔[6]

اور حقیقت یہ ہے کہ اس عاجز کی کیا طاقت کہ اس بارگاہ عالیہ میں کچھ نذر پیش کرنے کی جرأت کر سکتا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حقیر ہدیہ درحقیقت انہی

---

[1] (شامی ج ۱ ص ۳۲)

[2] (صفحہ ۱۴۸:)

[3] (ص ۲۱۱)

[4] (مظہری : المائدہ: ص ۹۲)

[5] (مناقب احمدیہ: صفحہ ۱۰:)

[6] (کلمات طیبات : صفحہ ۱۶۳:)

حضرت الامام قدس سرہ کے عنایات و برکات کا ایک ذرہ ہے جو ان کی بارگاہِ عالیہ میں بطورِ ہدیہ پیش کیا جاتا ہے کسی نے کیا عمدہ کہا ہے۔

اهدی لمجلسه الکریم وانّما اهدی له ما حزت من نعمائه

کالبحر یمطره السماء و ماله فضل علیه فانه من مائه

اس سے معلوم ہوا کہ ''قیوم زمان'' کہنا جائز ہے اور اس کے منکرین حضرت قیوم اول شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور سلسلۂ نقشبندیہ کے دشمن ہیں۔

استاذ العلماء، بقیۃ السلف مناظرِ اہلِ سنت والجماعت شیخ التفسیر والحدیث جناب مولانا امین اللہ الحنفی الماتریدی الباجوری اپنی تصنیف ''احقاق المعالی'' میں اپنے مرشد گرامی کے بارے میں لکھتے ہیں : ''جناب مرشدنا قطب دوران ومجدد ملت، جامع طرق اربعہ، مناظرِ ملت، ولی اکمل، قیوم زمان حضرت سیدنا پیرِ طریقت رہبر شریعت پیر صاحب مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ'' اور اس کے علاوہ کئی مقامات پر مختلف القابات اور خصوصاً ''قیوم زمان'' کے لقب سے یاد کیا ہے۔

جو شخص مزید تفصیل جاننا چاہے تو وہ حضرت سیدنا سلطان الاولیاء، قدوۃ العارفین، غوث الزمان و قیوم الزمان، قطب الارشاد، مشرف بمقام العبدیت والصدیقت والامامت والاحسان پیرِ پیران خواجۂ خواجگان علامہ مولانا سیف الرحمن صاحب مبارک دامت برکاتہم العالیہ کی کتاب ''جوابات سیفیہ'' کا مطالعہ کرے۔

حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں : ''صوفیاء کی اصطلاح میں قیومیت ولایت کا ایک درجہ ہے، کہ اس پر پہنچ کر بندہ قیوم کہلاتا ہے یعنی باعث قیام عالم اسی لئے مجددیہ خاندان کے بزرگوں کی کتب میں بعض اولیاء کو قیوم اول قیوم ثانی کہا گیا ہے۔ حدیث شریف میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے۔ ''بِهِمْ يُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ يُرْزَقُوْنَ''[1]

(۱۰۳) ﴿باب نمبر ایک سو تین نفل نماز باجماعت علی سبیل تداعی ادا کرنے کے بیان میں﴾

قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے!

''ما اتاکم الرسول فخذوه وما نهاکم عنه فانتهوا'' (الحشر : آیت: ۷)

ترجمہ: جو کچھ یہ رسول ﷺ تمہیں دیں لے لو اور جس سے منع کر دیں اسے چھوڑ دو۔

ایک مسلمان کیلئے عبادات واحکام اور مسائل ومعاملات میں رسول ﷺ اور آپ کے اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال واعمال ہی بہترین نمونۂ عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو وہی عمل بطورِ عبادت پسند ہے جو اس کے محبوبِ کریم ﷺ کے طریقہ مبارکہ کے مطابق اور تابع ہو اور ایسا عمل ہی قبولیت کے لائق ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ!

''قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ'' (آل عمران : آیت: ۳۱)

ترجمہ: (اے محبوب ﷺ) فرما دیجئے اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ (بھی) تمہیں دوست رکھے گا۔

اسی طرح قرآن حکیم میں اعمال کو ضائع کرنے سے منع کیا گیا ہے یعنی عبادات اور نیک اعمال کو ناپسندیدہ اور ممنوع طریقے سے ادا

---

[1] (رسائل نعیمیہ: صفحہ ۲۳۵:، اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں: صفحہ ۱۳:، ۱۴)

کرکے انہیں برباد نہیں کرنا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور حضور علیہ السلام کی سنت کے مطابق اور تابع رہتے ہوئے امور بندگی کو بجالانا چاہئے۔
رب تعالیٰ کا ارشاد ہے!

''یاایھا الذین اٰمنوا اطیعو اللہ و اطیعو الرسول و لا تبطلو اعمالکم'' (محمد: آیت: ۳۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے!

''من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد:''[1]

ترجمہ: جس نے ہمارے دین میں ایسی نئی بات نکالی جو اس میں سے نہ ہو وہ چیز مردود ہے۔

عبادت اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے احکام پر عمل پیرا ہونے کا نام ہے حضور ﷺ کی سنت کو چھوڑ کر اپنی من مانی اختیار کرنا ہی وہ ناپسندیدہ عمل ہے جسے بدعت کہتے ہیں۔ آج کل اکثر مساجد میں نفل نمازوں کا باجماعت اہتمام پورے زور وشور سے کیا جانا بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ شب معراج، شب برات، اور لیلۃ القدر جیسی خاص راتوں میں ''صلوٰۃ التسبیح'' جیسی اہم انفرادی نماز کو اعلانات واشتہارات کے ذریعے لوگوں کو بلا بلا کر باجماعت ادا کیا جاتا ہے۔ حالانکہ فقہاء کرام نے نوافل کی جماعت اور اس کے لئے اعلان واشتہار بازی کو ''مکروہ تحریمی'' قرار دیا ہے بغیر دعوت واعلان کے دو یا تین شخص امام کے ساتھ اگر نوافل باجماعت پڑھ لیں تو جائز ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے کبھی تعلیم کیلئے اور کبھی تبرکاً ایسی نماز نفل صحابی کے گھر میں ادا فرمائی ہے۔
جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں!

''ان جدتہ ملیکۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا دعت رسول اللہ ﷺ بطعام صنعتہ فاکل منہ، ثم قال: قوموا فاصلی لکم قال انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ فقمت الی حصیر لنا قد اسود من طول ما لبس فنضحتہ بماء فقام علیہ رسول اللہ ﷺ وصففت انا والیتیم وراٰءو العجوز من وراٰئنا فصلی لنا رسول اللہ ﷺ رکعتین ثم۔۔۔ انصرف''[2]

ترجمہ: ان کی دادی حضرت ملیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور ﷺ کی کھانا پکا کر دعوت کی۔ کھانا کھانے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: چلو میں تم کو نماز پڑھاؤں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میں ایک چٹائی لیکر آیا جو کثرت استعمال کیوجہ سے سیاہ ہو چکی تھی، میں نے اس کو پانی سے دھویا، پھر اس چٹائی پر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور میں اور (ایک) یتیم آپ کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہوئے اور بڑھیا (ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہمارے پیچھے تھیں۔ رسول اللہ ﷺ ہم کو دو رکعت نماز پڑھانے کے بعد تشریف لے گئے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اس یتیم لڑکے کا نام ضمیر بن سعد الحمیری تھا اور بڑھیا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ام سلیم تھیں۔

صحیح بخاری ومسلم کی دیگر احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بعض اوقات فرض نماز کی جماعت بھی گھر میں کروائی ہے۔

اسی طرح تنہا یا باجماعت (دو یا تین مقتدیوں کے ساتھ) نوافل بھی آپ ﷺ نے گھر ہی میں ادا فرمائے ہیں۔
حدیث پاک میں نوافل اور سنتیں گھر میں ادا کرنے کا حکم آیا ہے!

''عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنھما، عن النبی ﷺ قال: صلوا فی بیوتکم و لا تتخذوھا قبورا''[3]

---

[1] (متفق علیہ، مشکوٰۃ: ص: ۲۷)
[2] (صحیح مسلم: ج: ۱: ص: ۲۳۴)
[3] (صحیح مسلم: ج: ۱: ص: ۲۶۵)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا
اپنے گھروں میں (نفل) نماز پڑھو اور ان کو قبرستان نہ بناؤ۔
سنن موکدہ، غیر موکدہ اور نوافل گھر میں پڑھنا سنت بھی ہے اور باعث اجر وثواب بھی۔
نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے!

''فصلوا ایھا الناس فی بیوتکم فان افضل الصلوٰۃ صلوٰۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ''[1]

ترجمہ: اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو! بے شک آدمی کی بہترین نماز وہ ہے جسے وہ اپنے گھر میں ادا کرے، سوائے فرائض کے۔
ایک اور حدیث شریف میں ہے!

''عن زید بن ثابت قال: قال رسول اللہ ﷺ۔ صلوٰۃ المرء فی بیتہ افضل من صلوٰۃ فی مسجدی ھذا الا المکتوبۃ''[2]

ترجمہ: حضرت بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندے کیلئے (نفل) نماز اپنے گھر میں ادا کرنا میری اس مسجد میں ادا کرنے سے بھی افضل ہے، سوائے فرائض کے۔
شیخ محقق شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں!

''نوافل کو تنہائی اور پوشیدگی میں ادا کرنے کی اہمیت وفضیلت بتانے کیلئے حضور اکرم ﷺ نے بطورِ مبالغہ یوں ارشاد فرمایا ہے، اور آنحضرت ﷺ کی مسجد میں ایک نماز پڑھنا ایک ہزار نماز کے برابر ہے جو اس کے علاوہ دیگر مساجد میں ادا کی جائیں علاوہ مسجد الحرام کے۔نفل اخلاص وللہیت کیلئے ہیں لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ان میں نمائش کا پہلو نہ ہو اور لوگوں کی نظر سے چھپ کر ادا کئے جائیں اور فرائض کی بنیاد فروغِ دین اور شعائرِ اسلامی کے اظہار پر ہے لہٰذا ضروری ہے کہ انہیں علی الاعلان ادا کیا جائے''[3]

یہ ارشاد چونکہ تراویح کی چند شب ادائیگی کے موقع پر فرمایا گیا تھا، اس لئے بعض صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک تراویح کی نماز بھی گھر میں پوشیدہ ادا کرنا افضل ہے۔البتہ ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جمہور ائمہ کے نزدیک فضیلت باجماعت تراویح مسجد میں ادا کرنے میں ہی ہے۔[4]

مسئلہ: ایسے ہی یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ جن لوگوں کی سابقہ فرض نمازیں قضا ہو چکی ہوں ان کا نوافل میں مشغول ہونا درست نہیں۔ایسے حضرات کو چاہئے کہ پہلے اپنی پچھلی فرض نمازیں ادا کریں، پھر نفلی نمازیں پڑھیں، کیونکہ فقہاءِ کرام فرماتے ہیں!

''نفل بغیر فرض کے دھوکہ ہے، اس کے قبول کی امید تو مفقود ہے جبکہ فرض کے ترک کا عذاب گردن پر موجود ہے''

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں!

''اے عزیز فرض خاص سلطانی قرض ہے اور نفل گویا تحفہ ونذرانہ، قرض ادا نہ کیا جائے اور اوپر سے بیکار تحفے بھیجے جائیں، تو کیا وہ قابل قبول ہونگے؟ خصوصًا اس شہنشاہ غنی کی بارگاہ میں جو تمام جہانوں سے بے نیاز ہے''

---

[1] (صحیح بخاری: ج: ۱ :ص: ۱۰۱ :مطبع کراچی)
[2] (رواہ ابوداود والترمذی مشکوۃ: ص: ۱۱۵ :فتاویٰ رضویہ: ص: ۴۱۱)
[3] (مشکوٰۃ: ص ۱۱۵:)
[4] (اشعۃ اللمعات: حصہ: ۱: ص ۵۴۶ :)

مزید نقل کرتے ہیں!

''جب خلیفۂ رسول اللہ ﷺ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نزع کا وقت ہوا تو آپ نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا : اے عمر! اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ کے کچھ کام دن میں ہیں کہ انہیں رات میں کرو تو قبول نہ فرمائے گا اور کچھ کام رات میں ہیں اگر انہیں دن میں کرو تو قبول نہیں ہوں گے اور خبردار رہو کہ کوئی نفل قبول نہیں ہوتا جب تک فرض ادا نہ کرلیا جائے''[1]

حضور پرنور سیدنا غوث الاعظم، مولائے اکرم حضرت شیخ محی الملۃ والدین ابو محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب مستطاب فتوح الغیب شریف میں کیا کیا جگر شگاف مثالیں ایسے شخص کیلئے ارشاد فرمائی ہیں جو فرض چھوڑ کر نفل بجالائے فرماتے ہیں!

''اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص کو بادشاہ اپنی خدمت کیلئے بلائے، یہ وہاں تو حاضر نہ ہو اور بادشاہ کے غلام کی خدمت گاری میں لگا رہے''

پھر حضرت امیر المؤمنین سیدنا مولیٰ علی المرتضی کرم اللہ وجہہ سے اس کی مثال نقل فرمائی کہ جناب ارشاد فرماتے ہیں!

''ایسے شخص کا حال اس عورت کی طرح ہے جسے حمل رہا، جب بچہ ہونے کے دن قریب آئے اسقاط ہوگیا اب نہ وہ حاملہ ہے نہ بچے والی''

حضرت علی المرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا فرمان بھی ''فتوح الغیب'' میں نقل کرتے ہیں!

''فان اشتغل بالسنن و النوافل قبل الفرائض لم یقبل منه و اهین''

ترجمہ: یعنی اگر فرائض چھوڑ کر سنن ونوافل میں مشغول ہوگا تو وہ قبول نہیں ہوں گے الٹا وہ خوار کیا جائے گا۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں!

''جو چیز لازم وضروری ہے اسے چھوڑ دینا اور غیر ضروری کا اہتمام کرنا عقل وشعور سے دور ہے، کیونکہ عقل مند شخص کی نظر میں تکلیف دہ چیز کو دور کرنا بہ نسبت نفع بخش چیز کے حصول کے زیادہ ضروری ہے بلکہ حقیقی نفع اسی صورت میں ممکن ہے''[2]

اسی سلسلہ میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر صدیقی سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں!

حضرت شیخ خواص کا فرمان ہے!''اللہ تعالیٰ نوافل کو اس وقت تک قبول نہیں فرماتا جب تک کہ فرض ادا نہ کئے جائیں''

اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے بارے میں فرماتا ہے!

''تمہاری مثال اس بُرے بندے کی ہے جو قرض ادا کرنے سے پہلے ہدیہ پیش کرتا ہے''[3]

صلوۃ التسبیح کی فضیلت

صلوۃ التسبیح ایک نفلی عبادت ہے، جس کی فضیلت اور اجر وثواب کا بیان حدیث شریف میں ہے!

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ :"يَا عَبَّاسُ يَا عَمَّاهُ أَلَا أُعْطِيكَ، أَلَا أَمْنَحُكَ، أَلَا أَحْبُوكَ، أَلَا أَفْعَلُ لَكَ عَشْرَ خِصَالٍ، إِذَا أَنْتَ فَعَلْتَ ذَلِكَ غَفَرَ اللهُ لَكَ ذَنْبَكَ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ وَقَدِيمَهُ وَحَدِيثَهُ وَخَطَأَهُ وَعَمْدَهُ وَصَغِيرَهُ وَكَبِيرَهُ وَسِرَّهُ وَعَلَانِيَتَهُ عَشْرُ خِصَالٍ :أَنْ تُصَلِّيَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ، فَإِذَا

---

[1] (فتاوی رضویہ: ج:۴: ص۴۳۶:، ۴۳۷)

[2] (فتاوی رضویہ: ج:۴ :ص۴۳۷:)

[3] (عوارف المعارف: مترجم: ص۴۷۵:)

فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي أَوَّلِ رَكْعَةٍ قُلْتَ وَأَنْتَ قَائِمٌ، سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ، خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً، ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُولُ، وَأَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوعِ فَتَقُولُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَهْوِي سَاجِدًا فَتَقُولُهَا وَأَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُودِ فَتَقُولُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُولُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُودِ فَتَقُولُهَا عَشْرًا، فَذٰلِكَ خَمْسَةٌ وَسَبْعُونَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ، تَفْعَلُ فِي أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ، إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُصَلِّيَهَا فِي كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَفِي كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ شَهْرٍ مَرَّةً، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي عُمُرِكَ مَرَّةً"[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا : رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا! اے عباس : اے چچا جان! کیا میں آپ کو عطا نہ کروں؟ کیا میں آپ کو نہ نوازوں؟ کیا میں آپ پر نوازشات نہ کروں؟ کیا میں آپ کو ایسی دس چیزوں سے آگاہ نہ کروں کہ جب آپ ان کو سرانجام دیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے، نئے پرانے، دانستہ نادانستہ، چھوٹے بڑے، خفیہ اور اعلانیہ تمام گناہ معاف فرمادے۔ وہ دس امور یہ ہیں : کہ آپ چار رکعت نماز پڑھیں، جس کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورۃ پڑھیں، قراءت کے بعد پہلی رکعت کے قیام میں پندرہ بار۔۔۔ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ پڑھیں، پھر رکوع کریں اور دس بار ایسا ہی پڑھیں، پھر رکوع سے سر اٹھائیں اور دس بار یہی پڑھیں، پھر سجدے میں جھک جائیں اور حالتِ سجدہ میں ایسے ہی پڑھیں، یوں ایک رکعت میں پچھتر (۷۵) بار پڑھا جائے گا۔ چاروں رکعتوں میں اس طرح کریں۔ اگر ہو سکے تو یہ نماز ہر روز ایک بار پڑھیں اور اگر نہ ہو سکے تو ہر ہفتہ میں ایک بار اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر مہینہ میں ایک بار اور اگر یہ بھی نہ کر سکو تو اپنی عمر میں ایک بار پڑھو۔

جامع ترمذی میں درج ذیل الفاظ اس روایت میں زائد ہیں۔

''لو كانت ذنوبك مثل رمل عالج غفرها الله لك''

ترجمہ: اگر تمہارے گناہ ریت کے ذرّات جتنے بھی ہوں تو اللہ تعالیٰ تمہارے ان گناہوں کو بخش دے گا۔ اسی طرح ترمذی میں ''في كل سنة'' (ہر سال میں ایک مرتبہ) کے الفاظ بھی وارد ہیں۔

صلوٰۃ التسبیح کا طریقہ

امام ترمذی نے حضرت سیدنا عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صلوٰۃ التسبیح کی ادائیگی کا درج ذیل طریقہ روایت کیا ہے۔

''قال۔ يكبر ثم يقول سبحانك اللّٰهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالٰى جدك ولا اله غيرك، ثم يقول خمس عشرة مرة۔۔۔ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ ثم يتعوذ ويقرأ بسم الله الرحمٰن الرحيم وفاتحة الكتاب وسورة، ثم يقول عشر مراة۔۔۔ سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ۔[2]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء پڑھ کر پندرہ بار سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ پڑھے۔ پھر تعوذ اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورۃ فاتحہ پڑھے اور کوئی سورۃ تلاوت کرے۔ اس کے بعد دس بار تسبیح (تیسرا کلمہ) پڑھے۔ ایسے ہی آخر تک چار رکعتیں مکمل کرے۔

ابن ابی رزمہ کہتے ہیں۔ میں نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا اگر نمازی سے اس نماز میں سہو (غلطی) ہو جائے تو کیا وہ سجدہ

---

[1] (سنن ابن ماجه: ج: ۱: ص: ۴۴۳: رقم: ۱۳۸۷: الجامع الترمذی عن ابی رافع: ج: ۱: ص: ۱۰۹: ابو داؤد: البیهقی: مشکوۃ: ص: ۱۱۷)

[2] (ترمذی: ص: ۱۰۹)

سہو میں دس دس بار تسبیح پڑھے؟

''قال لا انما ھی ثلثمائۃ تسبیحۃ'' تو انہوں نے فرمایا : نہیں یہ نماز بس تین سو تسبیحات پر مشتمل ہے۔[1]

عظیم حنفی فقیہہ ابراہیم حلبی (م ۹۵۶ھ) فرماتے ہیں!

''وھذہ الصفۃ التی ذکرھا ابن المبارک ھی التی ذکر فی مختصر البحر وھی الموافقۃ لمذھبنا لعدم الاحتیاج فیھا الی جلسۃ الاستراحۃ اذھی مکروھۃ عندنا''

ترجمہ: حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد فرمودہ طریقہ وہی ہے جو مختصر البحر الرائق میں نقل کیا گیا ہے اور یہ ہمارے مذہب حنفی کے مطابق ہے کیونکہ اس میں جلسۂ استراحت کی حاجت باقی نہیں رہتی جو کہ ہمارے (یعنی احناف کے) نزدیک مکروہ ہے۔[2]

ترمذی شریف کے حاشیہ میں ہے!

''نمازی کو چاہئے کہ کبھی عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت کے مطابق عمل کرے اور کبھی عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرمان پر عمل کرے اور اس نماز کو زوال کے بعد ظہر سے پہلے ادا کرے اور اس کی رکعتوں میں کبھی بالترتیب سورۃ زلزال، العادیات، سورۃ النصر اور سورۃ اخلاص پڑھے۔ اور کبھی سورۃ التکاثر، کافرون اور اخلاص تلاوت کرے۔ اور دعا تشہد کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے پڑھے پھر سلام پھیر کر اپنی حاجات طلب کرے۔ ہمارے بیان کردہ یہ امور سنت سے ثابت ہیں''

احیاء العلوم میں ہے اگر لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم کے الفاظ کا اضافہ کرے تو اچھا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نماز کو جمعہ کے دن زوال کے بعد ادا کرتے تھے۔ متقدمین اور متاخرین کا اس حدیث کی صحت کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابن خزیمہ اور امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ محدثین کی ایک جماعت نے اسے حسن کہا ہے، امام عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔ ابن جوزی نے اسے موضوعات میں درج کر کے برا کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے، کہ وہ صلوٰۃ التسبیح کے آخر میں سلام پھیرنے سے پہلے یہ دعا پڑھتے تھے۔

''اللّٰھم انی اسئلک توفیق اھل الھدی واعمال اھل الیقین ومناصحۃ اھل التوبۃ وعرم اھل الصبر حذر اھل الخشیۃ وطلب اھل الرغبۃ وتعبد اھل الوارع وعرفان اھل العلم حتیٰ اخافک۔ اللّٰھم انی اسئلک مخافۃ تحجرنی عن معاصیک حتی اعمل بطاعتک عملا استحق بہ الرضا وحتی اناصحک فی التوبۃ خوفا منک وحتی اخلص لک النصیحۃ حبّالک وحتی التوکل علیک فی الامور کلھا وحسن ظن بک سبحان خالق النور''[3]

مسئلہ: صلوٰۃ التسبیح دن کے وقت ادا کرنا مسنون اور باعث اجر وثواب ہے۔ آدھی رات کے وقت مسجد میں لاؤڈ اسپیکر کھول کر اعلانیہ اس نماز کو ادا کرنا نوافل کے روح کے منافی ہے۔ اور اگر اس سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچے تو سخت ناجائز اور ممنوع ہے۔

امام اہل سنت مولانا احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

''جہاں کوئی نماز پڑھتا ہو یا سوتا ہو کہ با آواز پڑھنے سے اس کی نماز یا نیند میں خلل آئے گا وہاں قرآن مجید و وظیفہ ایسی آواز سے پڑھنا

---

[1] (ترمذی: ج:۱: ص ۱۱۰:)

[2] (حلبی کبیر: ص :۴۳۲: مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

[3] (حاشیۃ ترمذی: ص: ۱۱۰ :اشعۃ اللمعات: ج: ۱: ص: ۵۵۱)

منع ہے (حتیٰ کہ) مسجد میں جب اکیلا تھا اور با آواز پڑھ رہا تھا جس وقت کوئی شخص نماز کے لئے آئے فوراً آہستہ ہو جائے" واللہ تعالیٰ اعلم۔[1]

مسئلہ: شبینہ کہ ایک یا چند حافظ ملکر کرتے ہیں مکروہ ہے، اکابر نے ایک ایک رات میں برسوں ختم فرمایا ہے مگر وہ خالص اپنے لئے نہ کہ جماعت میں ہر قسم کے لوگ ہوں خصوصًا اکثر بلکہ شاید تمام وہی ہوں جو اسے بوجھ سمجھیں اور شرماشرمی میں شریک ہوں۔

حدیث صحیح میں ہے۔

"اذا ام احدکم فلیخفف" (واللہ تعالیٰ اعلم)

ترجمہ: جب تم میں سے کوئی امامت کروائے تو ہلکی نماز پڑھائے۔[2]

"نوافل کی جماعت مکروہ ہے"

نفل کے معنی اضافی اور زائد کے ہیں اصطلاحِ شرع میں فرائض و واجبات اور سنن مؤکدہ کے علاوہ دیگر عبادات کیلئے استعمال ہوتا ہے۔اذان اور جماعت چونکہ فرائض کے ساتھ خاص ہیں۔اس لئے غیر فرض کو اعلان اور جماعت کے ساتھ ادا کرنا شریعتِ اسلامیہ میں ناپسندیدہ عمل ہے۔تراویح اور رمضان میں وتر کی جماعت اپنے مخصوص احکام کے باعث اس سے مستثنیٰ ہے۔

صلوٰۃ التسبیح اور دیگر تمام نفلی عبادات بجائے اعلان واشتہار کے تنہا خفیہ اور گھروں میں ادا کی جانی چاہئیں تاکہ ان کے اصل مقصود یعنی قربِ الٰہی کے حصول کی صورت میسر آسکے۔

ہمارے ائمہ احناف اور فقہاءِ عظام نے نوافل کی جماعت اور اس کیلئے اعلان واشتہار بازی کو "مکروہ تحریمی" قرار دیا ہے۔بغیر دعوتِ اعلان کے دو یا تین افراد امام کے ساتھ اگر نوافل باجماعت پڑھ لیں تو جائز ہے۔

آئیے فقہاءِ کرام اور ائمہ ملت کے ارشادات کی روشنی میں اس مسئلے کا جائزہ لیتے ہیں۔

الامام الحافظ المجتھد الربانی محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں!

"قلت وتری فی کسوف القمر صلٰوۃ؟ قال نعم الصلٰوۃ فیہ حسنۃ۔قلت فھل یصلون جماعۃ کما یصلون فی کسوف الشمس؟ قال۔ لا۔ قلت فھل تکرہ الصلٰوۃ فی التطوع جماعۃ ما خلا قیام رمضان و صلٰوۃ کسوف الشمس؟ قال۔ نعم۔ و لا ینبغی ان یصلی فی کسوف الشمس جماعۃ الا الامام الذی یصلی الجمعۃ فاما ان یصلی الناس فی مساجدھم جماعۃ فانی لا احب ذلک، ولیصلوا وحدانا"

ترجمہ: میں نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کے نزدیک چاند گرہن کی نماز ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں۔ ایسے میں نماز پڑھنا اچھا ہے۔میں نے پوچھا: کیا اسے سورج گرہن کی طرح جماعت سے پڑھا جائے؟ تو امام صاحب نے فرمایا نہیں۔میں نے پوچھا: کیا آپ تراویح اور کسوف شمس (سورج گرہن) کے علاوہ نفل نمازوں کی جماعت کو مکروہ سمجھتے ہیں؟ تو امام اعظم علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ہاں۔اور مناسب نہیں کہ سورج گرہن کی نماز سوائے امام جمعہ کے کوئی اور پڑھائے مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ لوگ اس نماز کو اپنی مساجد میں جماعت سے پڑھیں۔اور اگر ایسا ہو تو چاہئے کہ الگ الگ ادا کریں۔[3]

---

[1] (فتاویٰ رضویہ جلد سوم: ص ۲۱۹:)

[2] (فتاویٰ رضویہ جلد سوم: ص ۵۰۳:)

[3] (باب الصلٰوۃ الکسوف: ج:۱: ص: ۴۴۳: مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ وحیدر آباد دکن: الہند)

اسی طرح نفل با جماعت ادا کرنے کے بارے میں مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین قادری رضوی علیہ الرحمۃ وقار الفتاویٰ: ج:۲: ص :۲۲۶: میں فرماتے ہیں۔

''مذہبِ حنفی میں نفل نماز جماعت کے ساتھ اہتمام کرکے اور لوگوں کو دعوت دے کر پڑھنا مکروہ ہے''

البنایۃ فی شرح الہدایۃ

لابی محمد محمود بن احمد العینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: ج:۲: ص :۶۶۸: میں فرماتے ہیں!

صلٰوۃ النفل بالجماعۃ مکروھۃ ماخلا قیام رمضان و صلٰوۃ الکسوف

ترجمہ: نفل جماعت کے ساتھ رمضان شریف کے علاوہ اور صلوٰۃ کسوف کے علاوہ باقی سب مکروہ ہیں۔

ردالمحتار علٰی الدر المختار :حاشیہ ابن عابدین

''ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعۃ خارج رمضان۔ ای یکرہ ذلک لو علی سبیل التداعی وان کان علی سبیل المواظبۃ کان بدعۃ مکروھۃ''

ترجمہ: یعنی وتر اور نفل کی جماعت رمضان شریف کے علاوہ اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے اور اگر ہمیشگی کے ساتھ ہو تو بدعت مکروہ ہے۔

وفی الاشباہ عن البزازیۃ!

''یکرہ الاقتداء فی صلٰوۃ رغائب۔ ھی التی فی رجب فی اول لیلتی جمعۃ منہ۔ وبراءۃ۔ ھی لیلۃ النصف من شعبان۔ وقدر الظاھر ان المراد بھا لیلۃ السابع والعشرین من رمضان''

ترجمہ: اور اشباہ نے بزازیہ سے نقل کیا ہے کہ صلوٰۃ الرغائب و براءۃ وقدر میں اقتدا مکروہ ہے یعنی ان کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے۔

(المحیط البرھانی: ج ۲: ص ۲۶۴: ۲۵۰:) تالیف الامام برھان الدین ابی المعالی محمود بن صدر الشریعۃ ابن مازہ البخاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ: ۵۵۱ھ: ۶۱۶ھ!

۱۷۲۳ ''ولا یصلی تطوعًا بجماعۃ الا قیام رمضان لما روی عن رسول اللہ ﷺ ان قال :صلٰوۃ المرء فی بیتہ افضل من صلٰوتہ فی المسجد الا المکتوبۃ (مشکوۃ: ص: ۱۱۴) ولو جاز اداء النافلۃ بالجماعۃ لکان اداءھا فی المسجد افضل کما فی المکتوبۃ ولان الجماعۃ لاظھار الشعائر فیختص بالمکتوبات''

۱۷۲۴ ''وحکی عن الشیخ الامام الاجل شمس الائمۃ السرخسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ان التطوع بالجماعۃ انما یکرہ اذا کان علی سبیل التداعی اما اذا اقتدی واحد بواحد او اثنان بواحد لا یکرہ واذا اقتدی ثلاثۃ بواحد ذکر ھو رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ان فیہ اختلاف المشائخ قال بعضھم یکرہ وقال بعضھم لا یکرہ واذا اقتدی اربعۃ بواحد یکرہ بلا خلاف''

ترجمہ: نماز نفل جماعت کے ساتھ ادا نہ کئے جائیں سوائے رمضان کے (مراد اس سے تراویح ہے نہ کہ دوسرے نوافل) اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :بندے کیلئے (نفل) نماز اپنے گھر میں ادا کرنا میری اس مسجد میں ادا کرنے سے بھی افضل ہے سوائے فرائض کے۔ اگر نفل کی جماعت جائز ہوتی تو اس کا ادا کرنا مسجد میں افضل ہوتا۔ جیسے کہ فرائض میں۔ اس لئے کہ جماعت شعائر کے اظہار کیلئے ہے اور یہ شعائر اسلام خاص ہیں قرضوں کے ساتھ اور شمس الائمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ نفل با جماعت مکروہ ہے اگر تداعی کے ساتھ ہو۔ اگر ایک کے پیچھے ایک یا ایک کے پیچھے دو کا اقتداء ہو تو مکروہ نہیں اگر ایک کے پیچھے تین ہوں تو شمس الائمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں مشائخ کا

اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ مکروہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں ہے۔ اگر ایک کے پیچھے چار اقتدا کریں تو سب کے نزدیک مکروہ ہے بلا خلاف۔

"النفل بالجماعة بماشاؤ وایکرہ"

ترجمہ: یعنی نفل نماز جماعت کے ساتھ جیسے بھی ہو مکروہ ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث شریف کی شرح میں لکھتے ہیں نوافل کو تنہائی اور پوشیدگی میں ادا کرنے کی اہمیت وفضیلت بتانے کیلئے حضور اکرم ﷺ نے بطور مبالغہ یوں ارشاد فرمایا ہے اور حضور اکرم ﷺ کی مسجد میں ایک نماز پڑھنا ایک ہزار نماز کے برابر ہے۔ جو اس کے علاوہ دیگر مساجد میں ادا کی جائے علاوہ مسجد الحرام کے۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ نوافل کی مشروعیت چونکہ قربِ الٰہی کے حصول اور اظہارِ اخلاص وللہیت کیلئے ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ان میں نمائش کا پہلو نہ ہو۔ اور لوگوں کی نظر سے چھپ کر ادا کئے جائیں اور فرائض کی بنیاد فروغِ دین اور شعائرِ اسلامی کے اظہار پر ہے لہٰذا ضروری ہے کہ انہیں علی الاعلان ادا کیا جائے۔[1]

کتاب الفقہ، علی المذاہب الاربعة

تالیف عبدالرحمٰن الجزیری :الجزء الاول: ص:۳۳۸ :صلٰوة النافلة فی المنزل افضل لقول علیه الصلٰوة و السلام!

"صلوا ایها الناس فی بیوتکم فان افضل الصلٰوة صلٰوة المرء فی بیته الا المکتوبة" (رواه البخاری و مسلم و یستثنی النافلة التی شرعت لها الجماعة کالتراویح)

ترجمہ: نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔ بیشک آدمی کی بہترین نماز وہ ہے جسے وہ اپنے گھر میں ادا کرے سوائے فرائض کے اور اس سے مستثنیٰ ہے وہ نوافل جس کیلئے جماعت شروع کی گی ہے۔ جیسے کہ تراویح۔

(شرح الیاس سنہ ہجری ۱۳۰۱ھ: ص:۷۳: طبع بمطبع فتح الکریم الواقع فی البمبئ (شمس الائمہ فرماتے ہیں!

"التطوع بالجماعة انما یکرہ علی سبیل التداعی اما لو اقتدی واحد بواحد و اثنان بواحد لا یکرہ فان اقتدی ثلاث بواحد اختلف فیه و ان اقتدی اربعة بواحد کرہ اتفاقًا"

ترجمہ: یہ مبارک فرماتے ہیں نفل جماعت اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے اگر ایک کے پیچھے ایک یا ایک کے پیچھے دو اقتدا کریں تو مکروہ نہیں ہے۔ اگر ایک کے پیچھے تین ہوں تو اس میں اختلاف ہے اگر ایک کے پیچھے چار اقتدا کریں تو اتفاقاً مکروہ ہے۔

(الفتاوی الوالوالجیة: ج:۱: ص:۱۱۷:) للامام الفقیه ابی الفتح ظهیر الدین عبدالرشید بن ابی حنیفه ابن عبدالرزاق الوالوجی لکھتے ہیں!

"و صلٰوة التطوع بالجماعة لیست بمستحبة"

ترجمہ: نفل نماز باجماعت مستحب نہیں۔

منیة المصلی مع التعلق المجلی

للفقیه المحدث العلامة وصی احمد السورتی رحمة الله تعالٰی علیه: ص:۴۰۶ :حاشیه:۳ :"والجماعة فی النفل فی غیر رمضان مکروہ فالاحتیاط ترکها"

رمضان شریف کے علاوہ نفل باجماعت مکروہ ہے احتیاط اس میں ہے کہ نفل باجماعت ادا نہ کئے جائیں۔

---

[1] (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف: ج:۱: ص ۵۸۴:)

المبسوط لشمس الدین السرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[1]

"والاصل فی التطوع اداءھا فرادی"

ترجمہ: یعنی اصل نفل نماز تنہا پڑھنا ہے۔

"والاصل فی التطوعات ترک الجماعة فیھا ما خلا قیام رمضان لاتفاق الصحابة علیه و کسوف الشمس لورود الاثر به الاتری ان مایؤدی بالجماعة من الصلٰوة یؤذن لھا ویقام ولا یؤذن للتطوعات ولا یقام فدل انھا لاتودی بالجماعة"

ترجمہ: نوافل کی اصل یہ ہے کہ اس میں جماعت کو ترک کیا جائے سوائے تراویح کی نماز کے کیونکہ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اتفاق ہے اور نماز کسوف (سورج گرہن) کیونکہ اس کے بارے میں اقوال صحابہ وارد ہوئے ہیں۔ آیا تم نہیں دیکھتے کہ نماز باجماعت کیلئے اذان اور اقامت کہی جاتی ہے اور حال یہ ہے کہ نفل کیلئے اذان اور اقامت نہیں کہی جاتی۔ تو یہ بات دلالت کرتی ہے اس پر کہ نفل نماز جماعت کے ساتھ ادا نہ کی جائے

"ولنا ان الاصل فی النوافل الاخفاء فیجب صیانتھا عن الاشتھار ما امکن وفیما قاله الخصم اشھار فلا یعمل به بخلاف الفرائض لان مبناھا علی الاعلان والاشھار وفی الجماعة اشھار فکان احق یوضح ما قلنا ان الجماعة لو کانت مستحبة فی حق النوافل لفعله المجتھدون القائمون باللیل لان کل صلٰوة جوزت علی وجد الانفراد وبالجماعة کانت الجماعة فیھا افضل ولم ینقل اداؤھا بالجماعة فی عصرہ ﷺ ولا فی زمن الصحابة رضوان اللہ تعالٰی علیھم اجمعین ولا فی زمن غیرھم من التابعین فالقول بھا مخالف للامة اجمع وھٰذا باطل"

ترجمہ: ہمارا موقف یہ ہے کہ نوافل کی بنیاد اخفا (پوشیدگی) پر ہے لہٰذا اس کو اظہار و اشتہار سے ہر ممکن طور پر بچانا واجب ہے اور وہ جو قول مخالف اس بارے میں اظہار کا ہے اس پر عمل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں فرائض کی مخالفت ہے کیونکہ فرائض کی بنیاد اعلان و اظہار پر ہے اور جماعت میں اظہار کا پہلو ہے اور فرائض اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ ہماری بات سے واضح ہوا کہ اگر جماعت کی نماز مستحب ہوتی تو شب زندہ دار مجتہدین اس کا اہتمام کرتے۔ کیونکہ ہر وہ نماز جس میں جماعت اور انفرادیت دونوں جائز ہوں تو اسے جماعت سے ادا کرنا زیادہ افضل ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی روایت نہیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ حضور ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں اس نماز کو باجماعت ادا کیا گیا ہو نہ ہی صحابہ کرام اور ان کے علاوہ تابعین کے عہد میں ایسا ہوا ہو لہٰذا نوافل کی جماعت اجماعِ امت کے خلاف ہونے کے باعث باطل ہے۔

[2] تالیف الشیخ الاجل والامام الاکمل الفقیہ الامجد طاھر بن عبد الرشید البخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں!

"ولو زاد علی العشرین بالجماعة یکرہ عندنا بناء علی ان صلٰوة التطوع بالجماعة مکروہ"

ترجمہ: اگر نماز تراویح باجماعت ادا کرنے کے ساتھ اگر بیس سے زیادہ ہو جائے تو یہ مکروہ ہے یہ بات بناء ہے اس پر کہ نفل نماز باجماعت مکروہ ہے۔

"ولا یصلی التطوع بجماعة الا فی شھر رمضان وعن شمس الائمة السرخسی رحمة اللہ تعالٰی علیه ان التطوع بالجماعة انما یکرہ اذا کان علی سبیل التداعی اما لو اقتدی واحدًا واثنان بواحد یکرہ واذا اقتدی ثلثة بواحد اختلف فیه وان اقتدی اربعة بواحد کرہ اتفاقا الاقتداء فی الوتر خارج رمضان یکرہ وذکر القدوری لا یکرہ واصل ھٰذا ان التطوع بالجماعة اذا کان علی

---

[1] (ج:۱: ص :۷۶: ۷۵: ص :۱۴۴: مکتبہ دار الفکر)

[2] (خلاصۃ الفتاوی :ج:۱: ص: ۶۳: ۱۵۳:)

سبیل التداعی یکرہ فی الاصل للصدر الشہید رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اما اذا صلوا بجماعۃ بغیر اذان و اقامۃ فی ناحیۃ المسجد لا یکرہ وقال شمس الائمۃ الحلوانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ان کان سوی الامام ثلاثۃ لا یکرہ بالاتفاق وفی الاربع اختلف المشائخ"

ترجمہ: نماز نفل سوائے رمضان (تراویح) کے باجماعت ادا نہ کیا جائے۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ نوافل کی جماعت اگر اعلان واشتہار سے ہو تو مکروہ ہے البتہ ایک یا دو مقتدی اگر ایک شخص کے پیچھے پڑھیں تو مکروہ نہیں اور اگر تین افراد ایک کی اقتدا کریں تو اس میں اختلاف ہے اور اگر چار افراد ایک امام کے پیچھے پڑھیں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔

رمضان المبارک کے علاوہ وتر کی جماعت بھی مکروہ ہے۔

امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں اس کی اصل یہ ہے کہ نوافل کی جماعت اگر تداعی اعلان واشتہار سے ہو تو مکروہ ہے۔ "کتاب الاصل لصدر الشہید رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ" میں ہے البتہ اگر بغیر اذان واقامت اعلان واشتہار کے مسجد کے کونے میں جماعت سے پڑھے تو مکروہ نہیں۔

امام شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں اگر امام کے علاوہ تین افراد ہوں تو بالاتفاق مکروہ نہیں اور چار میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

کتاب الاصل المعروف بالمبسوط

للامام الحافظ المجتہد الربانی ابی عبد اللہ محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ المتوفی سنہ ۱۸۹ھ: ج:۱: ص: ۴۴۳: (باب الصلٰوۃ الکسوف) میں لکھتے ہیں!

"قلت: وتری فی کسوف القمر صلٰوۃ؟ قال نعم الصلٰوۃ فیہ حسنۃ قلت فھل یصلون جماعۃ کما یصلون فی کسوف الشمس؟ قال لا قلت فھل تکرہ الصلٰوۃ فی التطوع جماعۃ ما خلا قیام رمضان و صلٰوۃ کسوف الشمس؟ قال نعم و لا ینبغی ان یصلی فی کسوف الشمس جماعۃ الا الامام الذی یصلی الجمعۃ، فاما ان یصلی الناس فی مساجدھم جماعۃ فانی لا احب ذلک، و لیصلوا وحدانا"

ترجمہ: میں نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا! کیا آپ کے نزدیک چاند گرہن کی نماز ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! ایسے میں نماز پڑھنا اچھا ہے۔ میں نے پوچھا کیا اسے سورج گرہن کی نماز کی طرح جماعت سے پڑھا جائے؟ تو امام صاحب نے فرمایا: نہیں! میں نے پوچھا۔ کیا آپ تراویح اور کسوف شمس (سورج گرہن) کے علاوہ نفل نمازوں کی جماعت کو مکروہ سمجھتے ہیں؟ تو امام اعظم علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ہاں! اور مناسب نہیں کہ سورج گرہن کی نماز سوائے امام جمعہ کے کوئی اور پڑھائے۔ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ لوگ اس نماز کو اپنی مساجد میں جماعت سے پڑھیں اور اگر ایسا ہو تو چاہئے کہ الگ الگ ادا کریں۔

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع تالیف: الامام علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ الملقب بملک العلماء المتوفی سنہ ۵۸۷ھ: الناشر: ایچ ایم سعید کمپنی: ج:۱: ص: ۲۹۸:

فرائض ونوافل کے مابین فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

"ومنھا ان الجماعۃ فی التطوع لیست بسنۃ الا فی قیام رمضان وفی الفرض واجبۃ او سنۃ مؤکدۃ لقول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلٰوۃ المرء فی بیتہ افضل من صلٰوتہ فی مسجدہ الا المکتوبۃ وروی ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یصلی رکعتی الفجر فی بیتہ ثم

یخرج الی المسجد و لان الجماعة من شعائر الاسلام و ذلک مختص بالفرائض او الواجبات دون التطوعات و انما عرفنا الجماعة سنة فی التراویح بفعل رسول اللہ ﷺ و اجماع الصحابة رضی اللہ تعالٰی عنهم اجمعین"

ترجمہ: ایک اور فرق یہ ہے کہ نفل نماز سوائے رمضان المبارک کے دوسرے ایام میں باجماعت ادا کرنا جائز نہیں ہے جبکہ فرض نمازوں میں جماعت واجب ہے یا سنت مؤکدہ۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: فرض نمازوں کے سوا باقی تمام نمازیں مرد کیلئے گھر میں ادا کرنا مسجد میں ادا کرنے سے افضل ہے۔ نیز مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نماز فجر کی دو رکعات اپنے گھر میں ادا فرماتے تھے پھر آپ مسجد کی طرف نکلتے تھے علاوہ ازیں اس لئے بھی کہ جماعت شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ لہٰذا وہ فرائض یا واجبات کے ساتھ مخصوص ہوگی نہ کہ نوافل کے ساتھ اور نماز تراویح کا باجماعت ادا کرنا مسنون ہے تو وہ اس لئے کہ اسے جماعت سے پڑھنے کا طریقہ ہمیں حضور اکرم ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اجماع سے معلوم ہوا ہے۔

(حاشیۃ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق: ص: ۱۷۸:) امام فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی کی شرح کے حاشیہ میں ہے!

"ان نفس التراویح سنة و اداؤها بجماعة مستحب قال فی البدائع اذا صلوا التراویح ثم ارادوا ان یصلوها ثانیا یصلون فرادی لا بجماعة لان الثانیة تطوع مطلق و التطوع المطلق بجماعة مکروه"

ترجمہ: تراویح بذات خود سنت ہے اور اسے باجماعت ادا کرنا مستحب ہے۔ صاحب بدائع الصنائع کہتے ہیں: جب تراویح کی نماز ادا کر چکیں اور پھر دوبارہ پڑھنا چاہیں تو انفرادی طور پر ادا کریں نہ کہ باجماعت کیونکہ دوسری بار پڑھنا نفل مطلق ہے اور نوافل مطلق کو باجماعت پڑھنا مکروہ ہے۔

(فتاوی مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر: ج: ۱: ص ۱۳۷:) للامام عبد الرحمٰن بن شیخ محمد المدعو بشیخ زادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ دار الاشاعت العربیۃ میں لکھتے ہیں!

"(ویوتر) ای یصلی الوتر (بجماعة فی رمضان فقط) لانعقاد الاجماع علیه کما فی الهدایة و فیه اشارة الی انه لا یوتر بجماعة فی غیر شهر رمضان لانه نفل من وجه و الجماعة فی النفل فی غیر رمضان مکروه"

ترجمہ: یعنی وتر کی نماز صرف رمضان میں باجماعت ادا کریں کیونکہ اس پر اجماع واقع ہو چکا ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ رمضان کے علاوہ وتر جماعت سے نہ پڑھیں کیونکہ یہ ایک اعتبار سے نفل ہے اور نفل کی جماعت رمضان (تراویح) کے علاوہ مکروہ ہے۔

الفتاوی الغیاثیة

تالیف: حجة الاسلام الامام الکبیر مولانا الشیخ داؤد ابن یوسف الخطیب علی مذهب الامام الاعظم ابی حنیفة النعمان ابن ثابت رحمة اللہ تعالٰی علیهما: ص ۳۷: میں لکھتے ہیں!

"ان التطوع بجماعة خارج رمضان انما یکره اذا کان علی سبیل التداعی و التجمع اما اذا اقتدی واحدًا او اثنان لا یکره و فی الثالث اختلاف و فی الرابع یکره بلا خلاف"

ترجمہ: یعنی نفل نماز باجماعت رمضان شریف کے علاوہ ادا کرنا مکروہ ہے اگر تداعی کے ساتھ ہو یعنی ایک کے پیچھے دو اقتدا کریں تو کراہیت نہیں، تین میں اختلاف ہے اور اگر ایک کے پیچھے چار اقتدا کریں تو اتفاقی طور پر مکروہ ہے۔

قطب الارشاد

مولانا قطب الارشاد الحاج فقیر اللہ بن عبدالرحمٰن الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: ص ۲۷۸: میں لکھتے ہیں!

"ان النفل بالجماعة علی سبیل التداعی مکروہ ما عدی التراویح و صلٰوۃ الکسوف والاستسقاء فعلم ان کل من صلٰوۃ الرغائب لیلۃ اول جمعۃ من رجب و صلٰوۃ البراءۃ لیلۃ النصف من شعبان و صلٰوۃ القدر لیلۃ السابع والعشرین من رمضان بالجماعۃ بدعۃ مکروھۃ"

ترجمہ: نفل جماعت کے ساتھ اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے ماسوا نماز تراویح اور صلوٰۃ کسوف اور استسقاء کے۔ صلوٰۃ رغائب، صلوٰۃ براءۃ جماعت کے ساتھ ادا کرنا بدعت اور مکروہ ہے۔[1]

فقیہ جلیل علامہ السید احمد طحطاوی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں!

"والجماعۃ فی النفل فی غیر التراویح مکروھۃ فالاحتیاط ترکھا فی الوتر خارج رمضان"

ترجمہ: تراویح کے علاوہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے رمضان کے علاوہ وتر کی جماعت بھی احتیاطاً نہیں کرنی چاہئے۔[2]

علامہ امام زین الدین ابن نجیم حنفی مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں!

"یکرہ الاقتداء فی صلٰوۃ الرغائب و صلٰوۃ البراءۃ و لیلۃ القدر الا اذا قال نذرت کذا رکعۃ بھذا الامام بالجماعۃ"[3]

ترجمہ: رجب، شب برات اور لیلۃ القدر کی نفل نمازیں جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے سوائے اس کے کہ کسی امام کی اقتدا میں کچھ رکعتیں پڑھنے کی نذر مان کر کہے کہ میں اس امام کے پیچھے اتنی رکعت پڑھونگا۔ فتاوی بزازیہ میں ایسا ہی ہے۔[4]

کتاب الصلوٰۃ میں فرماتے ہیں!

"ان التطوع بالجماعۃ انما یکرہ اذا کان علی سبیل التداعی اما لو اقتدی واحد بواحد او اثنان بواحد لا یکرہ و اذا اقتدی ثلاثۃ بواحد اختلف فیہ و ان اقتدی اربعۃ بواحد کرہ اتفاقًا" (کذا فی الکافی)

ترجمہ: نفل جماعت تداعی کے ساتھ مکروہ ہے اگر ایک کے پیچھے ایک یا دو اقتدا کریں تو کراہیت نہیں اور تین میں اختلاف ہے اور چار میں بالاتفاق مکروہ ہے۔

[5] جو کہ فقہ حنفی کی نہایت اہم کتاب ہے اس میں تحریر ہے کہ!

"التطوع بالجماعۃ اذا کان علی سبیل التداعی یکرہ"

ترجمہ: نوافل کی جماعت اگر دعوت و اعلان کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے۔

فتاوی سراجیہ: میں ہے!

"کرہ التطوع بالجماعۃ بخلاف التراویح و صلٰوۃ الکسوف"

---

[1] (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح: ص: ۲۱۱:)

[2] (الاشباہ والنظائر: ص: ۸۶:)

[3] (کذا فی البزازیہ)

[4] (ذخیرۃ العقبی فی شرح صدر الشریعۃ الاعظمی: ص: ۹۵:)

[5] (فتاوی عالمگیری: ج: ۱: ص: ۸۳:)

ترجمہ: نفل نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے بخلاف نماز تراویح اور سورج گرہن کی نماز کے کہ اسے باجماعت ادا کرنا مکروہ نہیں۔

اعلامہ امام ابراہیم حلبی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (م ۹۵۶ھ) رقمطراز ہیں!

"واعلم :ان النفل بالجماعة على سبيل التداعي مكروه على ماتقدم ماعدا التراويح وصلوة الكسوف والاستسقاء فعلم ان كلا من صلوة الرغائب ليلة اول جمعة من رجب وصلوة البراءة ليلة النصف من شعبان وصلوة القدر ليلة السابع والعشرين من رمضان بالجماعة بدعة مكروهة قال حافظ الدين البزازي :ان شرعا في نفل فافسداه واقتدى احدهما بالاخر في القضاء لا يجوز لاختلاف السبب وكذا اقتدى الناذر بالناذر لا يجوز وعن هٰذا كره الاقتداء في صلوة الرغائب وصلوة البراءة وليلة القدر ولو بعد النذر الا اذا قال نذرت كذا ركعة بهٰذا الامام بالجماعة لعدم امكان الخروج عن العهدة الا بالجماعة ولا ينبغي ان يتكلف لالتزام مالم يكن في الصدر الاول كل هٰذا التكلف لاقامة امر مكروه وهو اداء النفل بالجماعة على سبيل التداعي"

ترجمہ: جان لو! نفل کی جماعت اعلان واشتہار کے ساتھ مکروہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ماسوائے تراویح نماز کسوف اور استسقاء کی نماز کے معلوم ہوا کہ صلوٰۃ الرغائب (رجب کے پہلے جمعہ کی رات کی نماز) اور صلوٰۃ البراءۃ نصف شعبان کی رات اور شبِ قدر یعنی ستائیس رمضان کی رات والی نمازوں کو جماعت سے ادا کرنا ناپسندیدہ بدعت ہے۔ حضرت حافظ الدین البزازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اگر دو افراد نفل شروع کریں اور وہ فاسد ہو جائیں پھر دونوں نوافل کی ادائیگی کیلئے ایک دوسرے کی اقتدا کریں تو یہ اسباب (فساد) کے مختلف ہونے کیوجہ سے جائز نہیں۔ ایسے ہی دو نذر (منت) ماننے والوں کی جماعت جائز نہیں۔ (علٰی هٰذا القیاس) اسی کلیہ کے تحت رجب شعبان اور لیلۃ القدر (رمضان) کی نمازیں باجماعت جائز نہیں ہیں اگرچہ نذر (منت) ہی کیوں نہ مانی گئی ہو، سوائے اس کے کہ کسی نے یوں کہا:

میں نذر مانتا ہوں کہ فلاں امام کے پیچھے باجماعت اتنی رکعتیں پڑھونگا یہ اس لئے کہ وہ بغیر جماعت میں شمولیت کے ذمہ داری سے عہدہ برا نہیں ہوسکتا۔ یہ مناسب نہیں کہ ایک ایسے عمل کے لئے اتنا اہتمام والتزام کیا جائے جو ابتداء اسلام میں موجود نہیں تھا۔ یہ سارا اہتمام ایک مکروہ عمل کیلئے ہوتا ہے اور وہ ہے نوافل کو اعلان واشتہار کے ساتھ باجماعت ادا کرنا۔

امام حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس مسئلہ کی نزاکت کے پیشِ نظر انتہائی اہم اور فیصلہ کن بات ارشاد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں!

"فلو ترک امثال هٰذه الصلوت تارک ليعلم الناس انه ليس من الشعائر احسن۔ انتهى"

ترجمہ: اگر کوئی (ذمہ دار) شخص ایسی نفل نمازوں کو بطورِ تعلیم ترک کرے تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں ہیں تو یہ بہت اچھا ہے۔

۲ میں خاتم المفسرین حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں!

"جماعت در نفل مکروہ است۔۔۔ وسوائے رمضان وتر بجماعت مکروہ است"

ترجمہ: نماز نفل کی جماعت مکروہ ہے۔۔۔ رمضان کے علاوہ وتر بھی جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے۔

---

۱ (حلبی کبیر: ص: ۴۳۳: ۴۳۲:)

۲ (مالابدمنہ: ص: ۶۹:)

[1]علامہ بحرالعلوم انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں!

"والاصل فی النوافل ان لا یصلی بجماعة"

ترجمہ: نوافل کی بنیاد اس بات پر ہے کہ انہیں باجماعت ادا نہ کیا جائے۔

[2]اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں!

"ہمارے آئمہ کرام کے نزدیک نوافل کی جماعت بالتداعی مکروہ ہے۔

[3]الشیخ محمد انور الکشمیری الدیوبندی: ج:۲: ص :۴۳۲: پر لکھتے ہیں!

"قال الفقهاء ان الجماعة فی النوافل مکروهة الا فی رمضان ولم یفهم مرادهم بعض الاغباء فحمله علی جواز الجماعة فی النفل المطلق فی رمضان مع ان مرادهم التراویح لاغیر"

ترجمہ: فقہاءِ کرام نے فرمایا کہ نفل باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے سوائے رمضان کے لیکن بعض بے عقل لوگوں نے اس بات کو محمول کیا ہے اس پر نفل باجماعت مطلق رمضان میں جائز ہے حالانکہ مراد اس سے تراویح ہے نہ کہ غیر۔

الفتاوی السعیدیة فی الفروع الحنفیة :ص :۱۷۱: میں ہے

"ان التطوع بالجماعة انما یکره اذا کان علی سبیل التداعی۔"

ترجمہ: نفل نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے اگر تداعی کے ساتھ ہو۔ اسی طرح نماز تہجد کے بارے میں فرماتے ہیں!

جماعت در نماز تہجد بتداعی مکروہ است۔ وبغیر تداعی کہ اتفاقاً یک دوکس یا سہ کس اقتدائے تہجد نمائید مکروہ نیست۔ التداعی بان یقتدی اربعة واحدٍ۔

ترجمہ: نماز تہجد کے جماعت تداعی کے ساتھ مکروہ ہے اگر بغیر تداعی کا ہو ایک آدمی یا دو یا تین کی اقتدا میں تو مکروہ نہیں۔ تداعی ایک کے پیچھے چار کہلاتا ہے۔

[4]از تصانیف حضرت علامہ مخدوم عبدالواحد سیوستانی سندھی لکھتے ہیں!

"الظاهر ان الصلوٰة بالجماعة فی النوافل مکروهة"

ترجمہ: ظاہر یہ کہ نفل باجماعت مکروہ ہے۔

[5]میں حضرت مجدد منور الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدسرہ مکتوب لکھتے ہیں!

(بسید امین سارنکپوری صدور یافته در منع از ادائے صلوٰة نوافل با جماعت مانند نماز عاشوره وشبِ قدر وشبِ برأت وغیرها وماینا سب ذلک)

---

[1](رسائل الارکان :ص:۱۴۲:)

[2](فتاوی رضویہ :ج:۳:ص:۴۸۰:)

[3](فیض الباری)

[4](تاوی واحدی المعروف بیاض واحدی :ص :۱۸۵ :)

[5](مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ :مکتوب :۲۸۸:حصہ:۵:)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"الحمد للہ الذی شرّفنا بمتابعة سید المرسلین و جنّبنا عن ارتکاب المبتدعات فی الدین و الصلٰوة و السلام علٰی من قمع بنیان الضلالة و رفع اعلام الهدایة و علٰی اٰله الابرار و صحبه الاخیار! باید دانست کہ اکثر مردم از خواص وعوام درین زمان در ادائے نوافل اہتمام تمام دارند و در مکتوبات مسابلات مینمایند و مراعات سنن و مستحبات را در آنہا کمتر میکنند نوافل را عزیز میدارند و فرائض را ذلیل و خوار کم است کہ فرائض را در اوقاتِ مستحبہ ادا نمایند و در تکثیر جماعتِ مسنونہ بلکہ در نفس جماعۃ تقیّد ے ندارند و بتکاسل و تساہل ادائے نفس فرائض را غنیمت می شمارند و روزِ عاشورا و شبِ برأت و شبِ بست ہفتم ماہِ رجب و اولِ شبِ جمعہ از ماہِ مذکور کہ آن را لیلۃ الرغائب نام نہادہ اند کمال اہتمام را مرعی داشتہ بجمعیت تمام نوافل را بجماعت میگذارند و آثار نیک و مستحسن مے پندارند و نمیدانند کہ این از تسویلاتِ شیطان است کہ سیئات را بصورتِ حسنات مینماید شیخ الاسلام مولانا عصام الدین ہروی در حاشیۂ شرح وقایہ میفرماید کہ تطوع بجماعت و ترکِ فرض بجماعت از حبائل شیطانست بدانکہ نوافل را بجمعیتِ تمام گذاردن از بدعتہائے مذمومہ و مکروہ است از ان بدعتہا است کہ حضرت رسالت خاتمیت علیہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا در شانِ آن فرمودہ است "من احدث فی دیننا هٰذا فهو رد" بدانکہ اداء نوافل بجماعت در بعضی روایات فقہیہ مطلقاً مکروہ است و در بعضے دیگر کراہت مشروط بتداعی و تجمع است پس اگر بے تداعی یکدو کس در ناحیہ مسجد نفل را بجماعت گذارند روا باشد بے کراہت و در سہ کس اختلافِ مشائخ است و در چہار کس باتفاق مکروہ است در بعضی روایات و در بعضے دیگر اصح آنست کہ مکروہ است "فی الفتاوی السراجیۃ : کرہ التطوع بالجماعۃ بخلاف التراویح وصلٰوۃ الکسوف" "وفی الفتاوی الغیاثیة :قال الشیخ الامام السرخسی رحمه الله سبحانه التطوع بجماعة خارج رمضان انما یکره اذا کان علٰی سبیل التداعی اما اذا اقتدی واحد او اثنان لا یکره و فی الثلٰث اختلاف و فی الاربع یکره بلا خلاف و ذکر فی الخلاصة التطوع بالجماعة اذا کان علٰی سبیل التداعی یکره اما اذا صلّوا بجماعة بغیر اذان و اقامة فی ناحیة المسجد لا یکره" "وقال شمس الائمة الحلوانی :اذا کان سوی الامام ثلٰثة لا یکره بالاتفاق و فی الاربع اختلاف و الاصح انه مکروه" "وفی الفتاوی الشافیة :و لا یصلی التطوع بالجماعة الا فی شهر رمضان و ذلک انما یکره اذا کان علٰی سبیل التداعی یعنی باذان و اقامة اما لو اقتدی واحد او اثنان لا علٰی سبیل التداعی فلا یکره و اذا اقتدی ثلٰثة اختلف المشائخ رحمهم الله تعالٰی و ان اقتدی اربعة کره اتفاقًا" وامثال این روایات بسیار است و کتبِ فقہیہ بآن مملو اند و اگر روایتے پیدا شود کہ از ذکر عدد ساکت باشد و مطلقاً مجوز باشد ادائے نفل بجماعت آنرا حمل باید کرد بر مقیّد کہ در روایاتِ دیگر واقع شدہ است دار مطلق مقید مراد باید داشت و جواز مقصور بر اثنین یا ثلٰث باید نمود چہ علماء حنفیہ اگرچہ در اصول مطلق را بر اطلاق میگذارند و بر مقید حمل نمیکنند اما در روایاتِ حمل مطلق بر مقید جائز داشتہ اند بلکہ لازم دانستہ و اگر بر طریق فرضِ محال نکنیم و بر اطلاق بگذاریم ہر آئینہ این مطلق معارض خواہد بود مر آن مقید را اگر در قوت برابر باشد و مساوات در قوت ممنوع است چہ روایات کراہت باوجود کثرت مختار و مفتی بہا اند بخلاف روایت اباحت ولو سلّم مساواتہما گوئیم کہ بر تقدیر تعارض ادلّہ کراہت و ادلہ اباحت ترجیح جانب کراہت راست کہ رعایت احتیاط در آنست چنانچہ مقرر اہلِ اصول فقہ است پس جماعۃ کہ در روزِ عاشورا و شبِ برأت و لیلۃ الرغائب نماز بجماعت میگذارند دو یست دو یست و سیصد سیصد کس کم و بیش کہ در مسجد ہا جمع میشوند و آن نماز را و اجتماع و جماعت را مستحسن می پندار مرتکبانِ امر مکروہ اند باتفاق فقہاء و مکروہ را مستحسن دانستن از اعظم جنایاتست چہ حرام را مباح دانستن مخبّر بکفر است و مکروہ را حسن پنداشتن یکمرتبہ از آن پایان است شناعت این فعل را نیک ملاحظہ باید نمود و دست آویز ایشان در باب رفع کراہت عدم تداعی است آرے عدم تداعی بمقتضائے بعضی روایات دفع کراہت میکند اما مخصوص بواحد و اثنین است و آنہم بشرطے است کہ در ناحیۂ مسجد متحقق شود و بدونہا خرط القتاد با آنکہ تداعی عبارت از اعلام یک دیگر است از برائے ادائے

نمازنفل واین معی دراین جماعات متحقق است چہ قبیلہ قبیلہ درروزِ عاشورہ وغیرہ یک دیگر رااعلام میکنند ومیخوانندکہ درمسجدفلان شیخ یافلان عالم میباید رفت ونمازبجمعیت مے بایدگذاردواین فعل رااعتیادنمودہ انداین قسم اعلام از اذان واقامت ہم ابلغ است پس تداعی ہم ثابت شدواگرتداعی را مخصوص باذان واقامت داریم چنانچہ دربعضے روایات واقع شدہ است وحقیقتِ اذان واقامت خواہم پس جواب ہمانست کہ بالا گذشت کہ مخصوص است بواحدواثنین باشرطِ دیگرکہ بالا مذکورشد بایددانست کہ بنائے ادائے نوافل براخفاوتستر است کہ مظنہ ریاوسمعہ است وجماعت منافی آنست ودر ادائے فرائض اظہارواعلان مطلوب است چہ از شائبہ ریاوسمعہ مبراست پس باجماعت مناسب باشداانکہ گوئیم کثرت اجتماع محل حدوث فتنہ است لہٰذاازبرائے ادائے نمازجمعہ حضورسلطان یانائب اوشرط کردہ اندتااز حدوث فتنہ امن متحقق شودودرین جماعات مکروہات ہم احتمال ایقاظ فتنہ قوی است پس این اجتماع مشروع نباشدومنکرباشدودرحدیث نبویست علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا ''الفتنۃ نائمۃ لعن اللہ من ایقظھا'' پس ولاۃِ اسلام وقضاۃ واہلِ احتساب رالازم است کہ منع این اجماع نمایندودرین باب زجررابابلغ وجوہ مرعی دارندتااستیصال این بدعت کہ منجر بفتنہ است متحقق شودواللہ یحق الحق وھو یھدی السبیل''

ترجمہ: اس بیان میں کہ عاشوراءاورشبِ برات میں نمازنوافل کو جماعت کے ساتھ ادانہ کرنا چاہئے۔اوراس کے مناسب بیان میں سیدامین سہارنپوری کی طرف صادرفرمایاہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''الحمد للہ الذی شرّفنا بمتابعۃ سید المرسلین وجنبنا عن ارتکاب المبتدعات فی الدین والصلٰوۃ والسلام علٰی من قمع بنیان الضلالۃ ورفع اعلام الھدایۃ وعلٰی اٰلہ الابرار وصحبہ الاخیار!

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کوسیدالمرسلین ﷺ کی متابعت سے مشرف فرمایااوردین کی بدعتوں سے بچایا۔اورآنحضرت ﷺ پر جنہوں نے گمراہی کی بنیادکواکھیڑااورہدایت کے جھنڈوں کوبلندکیااوران کی آل ابراراوراصحاب اخیارپرصلوٰۃوسلام ہو۔

جاننا چاہئے کہ اکثرخاص وعام لوگ اس زمانہ میں نوافل کے ادا کرنے میں بڑااہتمام کرتے ہیں اورمکتوبات یعنی فرضی نمازوں میں سستی کرتے ہیں اوران میں سنتوں اورمستحبوں کی رعایت کم کرتے ہیں۔نوافل کوعزیز جانتے ہیں اورفرائض کوذلیل وخوار۔فرائض کواوقاتِ مستحبہ میں بمشکل ادا کرتے ہیں اورجماعت مسنونہ کی تکثیربلکہ نفس جماعت کی کوئی تقیدنہیں رکھتے۔نفس فرائض کوغفلت وسستی سے ادا کرنا غنیمت سمجھتے ہیں اورروزِ عاشوراورشبِ برات اورماہِ رجب کی ستائیسویں رات اورماہِ رجب کے اول جمعہ کی رات کوجس کانام انہوں نے لیلۃ الرغائب رکھاہے، بڑااہتمام کرتے ہیں۔اورنوافل کوبڑی جمعیت کے ساتھ جماعت سے ادا کرتے ہیں اوراس کونیک ومستحسن خیال کرتے ہیں اورنہیں جانتے کہ یہ شیطان کے تسویلات یعنی مکروفریب میں جوسیئات کوحسنات کی صورت میں ظاہر کرتاہے۔

شیخ الاسلام مولاناعصام الدین ہروی شرح وقایہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ!

''نوافل کوجماعت سے ادا کرنااورفرض کی جماعت کوترک کرنا شیطان کامکروفریب ہے۔جاننا چاہئے کہ نوافل کوجماعت تمام کے ساتھ ادا کرنا،ان مکروہ اورمذمومہ بدعتوں میں سے ہے جن کے حق میں حضرت رسالت پناہ ﷺ نے فرمایاہے!''من احدث فی دیننا ھٰذا فھو رد'' (جس نے ہمارے اس دین میں نئی بات نکالی وہ ردہے)

جاننا چاہئے کہ نوافل کوجماعت کے ساتھ ادا کرنافقہ کی بعض روایات میں مطلق طورپرمکروہ ہے۔اوربعض روایات میں کراہت تداعی اورتجمیع (یعنی بلانے اورجمیعت) پرمشروط ہے۔پس اگربغیرتداعی کے ایک دوآدمی مسجد کے گوشہ میں نفل کوجماعت سے ادا کریں توبغیر

کراہت کے روا ہے اور تین آدمیوں میں مشائخ کا اختلاف ہے اور بعض روایات میں چار آدمیوں کی جماعت بالاتفاق مکروہ نہیں اور بعض روایات میں اصح یہ ہے کہ مکروہ ہے"

فتاویٰ سراجیہ میں ہے کہ!

"تراویح اور کسوف کی نماز کے سوا اور نوافل کو جماعت سے ادا کرنا مکروہ ہے"

اور فتاویٰ غیاثیہ میں ہے کہ شیخ امام سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا!

"رمضان کے سوا نوافل کو جماعت سے ادا کرنا جبکہ تداعی کے طریق پر ہو، مکروہ ہے لیکن جب ایک یا دو اقتدا کریں تو مکروہ نہیں اور تین میں اختلاف ہے اور چار میں بلا اختلاف کراہت ہے"

اور خلاصہ میں ہے کہ! "نفلوں کی جماعت جب تداعی کے طریق پر ہو تو مکروہ ہے لیکن جب اذان و اقامت کے بغیر گوشہ مسجد میں ادا کئے جائیں تو مکروہ نہیں"

اور شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ!

"جب امام کے سوا تین آدمی ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے اور چار میں اختلاف ہے اور اصح یہی ہے کہ مکروہ ہے"

اور فتاویٰ شافیہ میں ہے کہ!

"ماہِ رمضان کے سوا نوافل کو جماعت سے ادا نہ کریں اور نوافل کو تداعی کے طور پر یعنی اذان و اقامت سے ادا کرنا مکروہ ہے لیکن اگر ایک یا دو اقتدا کرلیں جو تداعی کے طور پر نہ ہو تو مکروہ نہیں اور اگر تین اقتدا کریں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور اگر چار اقتدا کریں تو بالاتفاق مکروہ ہے"

اس قسم کی اور بھی بہت سی روائیتیں ہیں اور فقہ کی کتابیں ان سے بھری ہوئی ہیں اور اگر کوئی ایسی روایت پیدا ہو جائے جو عدد کے ذکر سے ساکت ہو اور اس سے مطلق طور پر نفل کو جماعت سے ادا کرنا جائز ہوتا ہو تو اس کو مقید پر محمول کرنا چاہئے جو دوسری روایات میں واقع ہے اور مطلق سے مقید مراد لینا چاہئے اور جواز کو دو یا تین پر منحصر کرنا چاہئے کیونکہ علمائے حنفیہ اگرچہ اصول میں مطلق کو مقید پر حمل نہیں کرتے لیکن روایات میں مطلق کو مقید پر حمل کرنا معارض ہوگا اگرچہ قوت میں برابر ہوں اور مساوات ممنوع ہے کیونکہ کراہت کی روایتیں باوجود کثرت کے مختار اور مفتیٰ بہا ہیں برخلاف اباحت کی روائیتوں کے اور اگر مساوات کو مان بھی لیں تو ہم کہتے ہیں کہ کراہت و اباحت کے دلائل متعارض ہونے کی صورت میں کراہت کی جانب کو ترجیح ہے کیونکہ احتیاط کی رعایت اسی میں ہے جیسے کہ اصول فقہ کے جاننے والوں کے نزدیک مقرر ہے۔

پس وہ نماز جو روزِ عاشورا اور شبِ برات اور لیلۃ الرغائب میں جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور دو دو سو یا تین تین سو یا اس سے زیادہ آدمی مسجدوں میں جمع ہوتے ہیں اور اس نماز اور اجتماع اور جماعت کو مستحسن خیال کرتے ہیں۔ ایسے لوگ فقہاء کے اتفاق سے امرِ مکروہ کے مرتکب ہیں اور مکروہ کو مستحسن جاننا بڑا بھاری گناہ ہے کیونکہ حرام کو مباح جاننا کفر تک پہنچا دیتا ہے اور مکروہ کو احسن سمجھنا ایک درجہ اس سے کم ہے۔ اس فعل کی برائی کو اچھی طرح ملاحظہ کرنا چاہئے اور کراہیت کے دفع کرنے میں ان کے پاس سند عدم تداعی ہے۔ ہاں عدم تداعی بعض روایات میں کراہیت کو دفع کرتی ہے لیکن ایک یا دو کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ گوشۂ مسجد میں ہو۔ وبدونہا خرط القتاد۔ اس کے علاوہ بے فائدہ رنج ہے۔

تداعی سے مراد ہے نماز نفل کے ادا کرنے کیلئے ایک دوسرے کو خبر دینا اور یہ معنی اس جماعت میں مستحقق ہیں کیونکہ قبیلہ قبیلہ عاشورا کے

دن ایک دوسرے کو خبر کرتے اور بتلاتے ہیں کہ فلاں شیخ یا فلاں عالم کی مسجد میں جانا چاہئے اور نماز کو جماعت سے ادا کرنا چاہئے اور اس فعل کو معتبر جانتے ہیں۔ اس قسم کا اعلام اذان و اقامت سے بھی ابلغ ہے پس تداعی بھی ثابت ہوگئی اگر تداعی کو اذان و اقامت پر ہی مخصوص رکھیں جیسے کہ بعض روایات میں واقع ہے اور اس سے اذان و اقامت کی حقیقت مراد لیں تو پھر بھی جواب وہی ہے جو اوپر گذر چکا کہ ایک یا دو کے ساتھ مخصوص ہے یا دوسری شرط کے ساتھ جو اوپر مذکور ہو چکی۔

جاننا چاہئے کہ ادائے نوافل کی بنیاد اخفا و ستر یعنی پوشیدگی پر ہے تاکہ سمعہ و ریا کا گمان نہ گذرے اور جماعت اس کی منافی ہے اور فرائض کے ادا کرنے میں اظہار و اعلان مطلوب ہے کیونکہ ریا و سمعہ کی آمیزش سے پاک ہے۔ پس ان کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا مناسب ہے۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ کثرت اجتماع فتنہ پیدا ہونے کا محل ہے یہی وجہ ہے کہ نماز جمعہ کے ادا کرنے کیلئے سلطان یا اس کے نائب کا حاضر ہونا شرط ہے تاکہ فتنہ کے پیدا ہونے سے امن رہے اور ان مکروہہ جماعت میں بھی فتنہ پیدا ہونے کا قوی احتمال ہے پس یہ اجتماع بھی مشروع نہ ہوگا۔ بلکہ منکر ہوگا۔

حدیثِ نبوی ﷺ میں ہے! ''الفتنة نائمة لعن الله من ايقظها'' فتنہ سویا ہوتا ہے۔ جو اس کو جگاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

پس اسلام کے والیوں اور قاضیوں اور محتسبوں کو لازم ہے کہ اس اجتماع سے منع کریں اور اس بارے میں بہت ہی زجر و تنبیہ کریں تاکہ یہ بدعت جس سے فتنہ برپا ہو، جڑ سے اکھڑ جائے۔ ''والله يحق الحق وهو يهدى السبيل'' اللہ تعالیٰ حق ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے۔

مکتوب نمبر: ۱۳۱:

میں امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ!

ترجمہ: ''افسوس ہزار افسوس کہ جن بدعتوں کا دوسرے سلسوں میں نام و نشان تک پایا نہیں جاتا وہ اس طریقہ عالیہ میں پیدا کر دی ہیں۔ نماز تہجد کو جماعت سے ادا کرتے ہیں اور گرد و نواح سے اس وقت لوگ تہجد کے واسطے جمع ہو جاتے ہیں اور بڑی جمعیت سے ادا کرتے ہیں اور یہ عمل مکروہ ہے بکراہت تحریمیہ''

بعض فقہاء نے جن کے نزدیک تداعی (یعنی ایک دوسرے کو بلا نام کراہت کی شرط ہے اور نفل کی جماعت کو مسجد کے ایک کونے میں جائز قرار دیا ہے۔ تین آدمیوں سے زیادہ کی جماعت کو بالاتفاق مکروہ کہا ہے)۔

بعض اوقات لوگ باجماعت نفل نماز پوری رات ادا کرتے ہیں یا شبینہ کرتے ہیں پھر بدن میں سستی آنے کیوجہ سے فجر کی نماز ان سے قضاء ہو جاتی ہے تو ایسے لوگوں کے بارے میں امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مکتوب نمبر :۲۹: میں فرماتے ہیں!

''منقول ہے کہ ایک دن امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبح کی نماز جماعت سے ادا کی، نماز سے فارغ ہو کر آدمیوں پر نگاہ کی۔ اپنے یاروں میں سے ایک شخص کو اس وقت موجود نہ دیکھا۔ فرمایا کہ فلاں شخص جماعت میں حاضر نہیں ہوا۔ حاضرین نے عرض کی کہ وہ رات کو اکثر جاگتا رہتا ہے۔ شاید اس وقت سو گیا ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تمام رات سویا رہتا اور صبح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتا تو اس کیلئے بہتر ہوتا'' پس مستحب کی رعایت کرنا اور مکروہ سے بچنا اگرچہ تنزیہی ہو ذکر اور فکر اور مراقبہ اور توجہ سے کئی درجے بہتر ہے پھر مکروہ تحریمی کا کیا ذکر ہے۔ ہاں اگر رعایت اور اجتناب کے ساتھ یہ امور جمع ہوں تو ''فقد فاز فوزًا عظيمًا'' بڑی کامیابی ہے۔ ''وبدونه خرطا القتاد'' ورنہ بے فائدہ رنج ہے۔ (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح : ص:۵۹:) میں ہے ''ويكره الاجتماع على احياء ليلة من هذه الليالى فى المساجد۔ لانه لم يفعله النبى ﷺ ولا صحابة رضى الله تعالى عنهم فانكره اكثر العلماء من اهل الحجاز منهم اعطاء وابن ابى مليكة

وفقهاء اهل المدينة والصحاب مالک وغيرهم وقالوا ذلک كله بدعة ولم ينقل عن البنی ﷺ ولا عن اصحابه رضی الله تعالٰی عنهم احياء ليلتی العيدين جماعة"

ترجمہ: شعبان کی نصف رات میں یا صلوٰۃ برات یا قدر مساجد میں ان نمازوں کی باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے۔اس لئے کہ نبی اکرم ﷺ نے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نہیں کیا اور اکثر علماءِ اہلِ حجاز کے جن میں سے عطا ابن ابی ملیکہ اور مدینہ کے فقہاء ان سب کا یہ قول ہے کہ یہ تمام کے تمام بدعت ہیں۔اور نبی کریم ﷺ سے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ان راتوں میں جماعت ادا کرنا منقول نہیں۔

ا میں مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین قادری رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں!

"مذہبِ حنفی میں نفل نماز جماعت کے ساتھ اہتمام کرکے اور لوگوں کو دعوت دے کر پڑھانا مکروہ ہے"

اور اسی طرح کی روایات بہت ہیں اور فقہی کتابیں ایسی روایات سے پُر ہیں۔اور اگر کوئی ایسی روایت ملے جس میں تعداد کا ذکر نہ ہو اور مطلقاً جواز ظاہر کرے تو اس بارے میں مقید روایات پر محمول کرنا چاہئے اور مطلق سے مقید مراد لینا چاہئے اور جواز کو دو یا تین افراد میں ہی منحصر جاننا چاہئے۔ اس لئے کہ علمائے حنفیہ اگرچہ اصول میں مطلق کو اپنے اطلاق پر ہی رکھنے کے قائل ہیں اور مقید پر عمل نہیں کرتے لیکن روایات میں انہوں نے مطلق کو مقید پر حمل کرنا جائز بلکہ لازم قرار دیا ہے اور اگر بطریق فرض محال حمل نہ کریں اور مطلق ہی رہنے دیں تو ایسی صورت مین یہ مطلق اس مقید کے قابل اور منافی ہو جائے گا، اگر قوت میں برابر ہو اور قوت میں مساوات ممنوع ہے کیونکہ کراہت کی روایات کثرت کے باوجود مختار اور مفتی بہا ہیں بخلاف اباحت کی روایات کے۔اور اگر دونوں کی مساوات تسلیم کرلی جائے تو ہم کہیں گے کہ کراہت اور اباحت کی دلیلوں کے تعارض کی صورت میں جانبِ کراہت کو ترجیح حاصل ہے۔(۱): جیسا کہ فتاویٰ رضویہ: ص :۶۸۴: میں اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں!

"لان الفعل اذا تردد بين السّنية والكراهة كان تركه اولٰی"

(۲): الاختيار فی بيان الصلٰوة علی السكون والوقار۔تالیف مسکین محمد مرید محی الدین الحنفی اسی کتاب کے: ص :۳۹: میں لکھتے ہیں!

"درمیانِ سنت و بدعت تردید آید ترک آن سنت لازم است"

ترجمہ: اگر سنت و بدعت کے درمیان میں تردید آجائے تو سنت کا ترک کرنا لازم ہے۔

بدلیل ان الفقهاء قالوا!

"اذا تردد فی شئ بين كونه سنة وبدعة فتركه لازم"

ترجمہ: اس دلیل کے ساتھ کہ فقہاء کرام نے فرمایا کہ جب تردد آجائے کسی چیز میں کہ یہ سنت ہے یا بدعت تو سنت کو چھوڑنا لازم ہے۔

(۳): اسی طرح امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات شریف مکتوب نمبر :۳۱۲: میں فرماتے ہیں!

"گویم اگر تعارض در جواز وعدم جواز وحل وحرمت واقع شود ترجیح جانب عدم جواز را است وجانب حرمت را"

ترجمہ: میں کہتا ہوں اگر تعارض آجائے جواز اور عدم جواز میں حل اور حرمت میں ترجیح جو ہے عدم جواز کی طرف ہے اور حرمت کی طرف ہے۔

(۴): درالمختار: ج:۱: ص :۴۵۰: میں ہے!

"اذا تردد الحكم بين السنة والبدعة كان ترك السنة اولٰی"

ا(وقار الفتاوی :ج:۲: ص:۲۲۶:)

ترجمہ: جب کسی حکم میں سنت اور بدعت کے درمیان تردد واقع ہو جائے تو اس سنت کو ترک کرنا بہتر ہے۔

(۵): درالمختار: ج:۱: ص :۱۰۰: باب ادراک الفریضۃ میں ہے!

"ترک المکروہ مقدم علی فعل السنۃ"

ترجمہ: مکروہ کو ترک کرنا سنت فعل پر مقدم ہے۔یعنی جب بعض علماء نے کسی چیز کو مکروہ کہا ہو اور بعض نے اس کو سنت کہا ہو تو عمل اس پر کرنا چاہئے کہ جنہوں نے مکروہ کہا ہے یہ اس پر مقدم ہے جنہوں نے اس کو سنت کہا ہے۔

(۶): حاشیہ ابن عابدین: ج:۲: ص :۴۹۳: میں ہے!

"اذا تردد الحکم بین سنۃ و بدعۃ کان ترک السنۃ اولٰی"

ترجمہ: جب تردد آجائے سنت اور بدعت کے درمیان میں تو سنت کا چھوڑنا اولیٰ ہے۔

(۷): ردالمحتار علی درالمختار: ج:۱: ص :۴۷۵: میں ہے!

"اذا تردد الحکم بین سنۃ و بدعۃ کان ترک السنۃ راجحًا علی فعل البدعۃ"

ترجمہ: جب تردد آجائے سنت اور بدعت کے درمیان میں تو سنت کو چھوڑنا راجح ہے، بدعت کے کرنے سے۔

کیونکہ اس میں احتیاط کی رعایت ہے جیسا کہ اصول فقہ والوں کے ہاں یہ امر طے شدہ ہے۔

فتاوی امجدیہ :ج:۱: ص:۲۴۳: میں صدرالشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی صاحب اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں!

"نماز نفل جماعت کے ساتھ علی سبیل التداعی مکروہ ہے۔ اور تداعی کے یہ معنی ہیں کہ تین سے زیادہ مقتدی ہوں اور اگر تین مقتدی ہوں تو اس میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک یہ بھی مکروہ ہے۔درمختار میں ہے۔

"ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعۃ خارج رمضان ای یکرہ ذٰلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحدۃ کما فی الدرر وفی الاشباہ عن البزازیۃ۔ یکرہ الاقتداء فی صلٰوۃ رغائب و براءۃ وقدر۔ رد المحتار میں ھے والنفل بالجماعۃ غیر مستحب لانہ لم تفعلہ الصحابۃ فی غیر رمضان"

ترجمہ: درمختار میں ہے یعنی وتر اور نفل جماعت کے ساتھ رمضان کے علاوہ نہیں پڑھی جائے گی۔اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے۔تداعی کا معنی یہ ہے کہ تین سے زیادہ مقتدی ہوں اور اشباہ میں بزازیہ سے نقل کی ہے کہ اقتداء صلوٰۃ رغائب و براءۃ وقدر میں بھی مکروہ ہے۔ردالمحتار میں ہے کہ نفل جماعت کے ساتھ غیر مستحب ہے اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے رمضان کے علاوہ نہیں ادا کی۔

"فتاوی فیض الرسول"، تصنیف حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد صاحب قبلہ امجدی فتاوی فیض الرسول ج ا ص :۳۴۲: میں لکھا ہے!

"کہ نفل جماعت کے ساتھ بلا تداعی مضائقہ نہیں اور تداعی کے ساتھ مکروہ ہے۔تداعی کا معنی ہے ایک دوسرے کو بلانا جمع کرنا اور اس سے کثرت جماعت لازم آتی ہے جس کی تحدیدیوں فرمائی گئی ہے کہ امام کے ساتھ ایک دو شخص تک بالاتفاق بلا کراہت جائز اور تین میں اختلاف اور چار مقتدی ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے" [1]

فتاوی فریدیہ میں لکھا ہے! :ص:۱۲۵:

"قال فی البدائع اذا صلوا التراویح ثم ارادوا ان یصلوھا ثانیًا یصلون فرادی لا بجماعۃ لان الثانیۃ تطوع مطلق

---

[1] (ھٰکذا فی الفتاوی الرضویہ)

والتطوع المطلق بجامعة مکروہ"[1]

ترجمہ: علامہ کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بدائع الصنائع میں فرمایا ہے کہ اگر لوگوں نے ایک مرتبہ نماز تراویح پڑھ لی ہے اور اب وہ دوبارہ پڑھنا چاہیں تو انفرادی طور پر ادا کریں باجماعت نہ پڑھیں کیونکہ دوسری مرتبہ وہ جو پڑھ رہے ہیں وہ مطلق تطوع اور نفل ہے اور مطلق تطوع کا باجماعت پڑھنا مکروہ ہے۔اور نفل مطلق کی جماعت مکروہ ہے۔

[2]میں فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں! اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں!

"تراویح وکسوف واستسقاء کے سوا جماعت نوافل میں ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب معلوم ومشہور اور عامۃ الکتب مذہب میں مذکور ومسطور ہے کہ بلا تداعی مضائقہ نہیں اور تداعی کے ساتھ مکروہ ہے تداعی ایک دوسرے کو بلانا جمع کرنا اور اس سے کثرت جماعت لازم آتی ہے پھر چند سطر بعد فرماتے ہیں بالجملہ دو مقتدیوں میں بالاجماع جائز اور پانچ میں بالاتفاق مکروہ اور تین چار میں اختلاف نقل ومشائخ اور اصح یہ ہے کہ تین میں کراہت نہیں چار میں ہے تو مذہبِ مختار یہ نکلا کہ امام کے سوا چار یا زائد ہوں تو کراہت ہے ورنہ نہیں۔لہٰذا در وغرر پر درمختار میں فرمایا!

"یکرہ ذٰلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعۃ بواحد"

ترجمہ: درمختار میں ہے کہ تداعی کے ساتھ مکروہ ہے یعنی ایک کے پیچھے چار۔

[3]میں فقیہ اعظم ابوالخیر محمد نوراللہ نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ نفل باجماعت مکروہ تنزیہی ہے۔

[4]میں عمدۃ المحققین حضرت علامہ مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی اشرفی تحریر فرماتے ہیں!

"ماہِ رمضان میں وتر وتراویح کا باجماعت ادا کرنا بغیر کراہت صحیح وجائز ہے اس کے سوا کسی اور نفل نماز یا تہجد اتفاقیہ طور پر گاہ بگاہ جماعت کے ساتھ ادا کرلی جائے تو بغیر کراہت صحیح وجائز ہے اور تداعی ومواظبت کے ساتھ کسی نفل نماز یا تہجد کی نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے تداعی کا معنی یہ ہے کہ بعض نمازی بعض دوسرے نمازی کو نفل نماز یا تہجد کی جماعت کیلئے بلائے یا یہ نمازی بکثرت باجماعت ادا کرے۔کتب فقیہ کی عبارتیں مختلف ہیں۔بعض سے مکروہ تحریمی مستفیض ہوتا ہے اور بعض سے مکروہ تنزیہی۔

[5]میں حضرت علامہ مفتی اعظم سید محمد منور شاہ نقشبندی سیفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نفل باجماعت کی کراہیت میں دلائل دینے کے بعد آخری خلاصہ لکھتے ہیں کہ ایسے نفل نماز جس میں چار یا اس سے زیادہ افراد ملکر جماعت سے پڑھتے ہیں تو یہ احناف کے نزدیک مکروہ ہے۔

[6]تصنیف شیخ القرآن والحدیث حضرت علامہ غلام رسول سعیدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں!

"ولا یصلی الوتر (بجماعۃ خارج رمضان) الاجماع ولا یصلی التطوع بجماعۃ الا قیام رمضان وعن شمس الائمۃ الکردری ان التطوع بالجماعۃ انما یکرہ اذا کان علی سبیل التداعی اما لو اقتدی واحد بواحد او اثنان بواحد لا یکرہ"

---

[1] (حاشیہ تبین الحقائق: ج:۱: ص۱۷۹: ۱۸۷:)

[2] فتاوی فقیہ ملّت : ج:۱: ص:۲۰۲:

[3] فتاوی نوریہ : ج:۱: ص:۶۷۱:

[4] حبیب الفتاوی : ج:۱: ص:۴۰۷:

[5] تنویر الفتاوی المعروف فتاوی علیمیہ : ج:۱: ص:۱۸۱:

[6] شرح صحیح مسلم : ج:۲: ص:۵۰۸:

ترجمہ: رمضان کے علاوہ وتر باجماعت نہ پڑھے اس پر اجماع ہے اور تراویح کے سوا نفل باجماعت نہ پڑھے۔شمس الائمہ کردری سے منقول ہے کہ نوافل کی جماعت اس وقت مکروہ ہے جب لوگوں کو اس کی دعوت دی جائے اگر ایک کی اقتدا میں ایک ہو یا ایک کی اقتدا میں دو آدمی نفل پڑھ لیں تو مکروہ نہیں۔

علامہ علاء الدین حصکفی نے لکھا ہے!

"ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ای یکرہ ذلک"

ترجمہ: نفل اور وتر کی جماعت ادا کرنا بغیر رمضان کے مکروہ ہے۔

[1]تالیف مولوی مفتی رشید احمد لکھتے ہیں!

"ان التنفل بجماعة مکروہ خارج رمضان"

ترجمہ: یعنی نفل جماعت کے ساتھ رمضان شریف کے علاوہ مکروہ ہے۔

[2]تصنیف مولوی خیر محمد جالندھری لکھتے ہیں نفل نماز اور صلوٰۃ تسبیح اکیلے اکیلے پڑھا کریں جماعت کرانا مکروہ ہے۔

"ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ای یکرہ ذلک لو علی سبیل التداعی"

ترجمہ: یعنی وتر اور نفل نماز باجماعت ادا کرنا رمضان شریف کے علاوہ اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے۔

[3]جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی نصف صدی کے فتاوی کے مجموعہ میں ہے کہ رمضان مبارک کے علاوہ دیگر مہینوں میں نفل نماز کیلئے باقاعدہ جماعت کا اہتمام ہمارے مسلک (احناف) کے قواعد سے موافق نہیں۔

[4]رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں کہ نوافل کی جماعت سوا ان جگہوں سے جو حدیث مبارکہ سے ثابت ہیں باقی مکروہ تحریمی ہے۔فقہ میں لکھا ہے کہ اگر تداعی کے ساتھ ہو۔تداعی سے مراد چار مقتدی لیا گیا ہے۔صلوٰۃ کسوف تراویح اور استسقاء ان سے مستثنیٰ ہیں۔

[5]افادات مولوی مفتی عزیز الرحمن عثمانی لکھتے ہیں کہ!

"قال فی الدر المختار ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ای یکرہ ذلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد"

ترجمہ: ماہِ رمضان مبارک میں تداعی کے ساتھ جماعت وتر اور تراویح جائز اور مشروع و مسنون ہیں اور باقی نوافل سوائے تراویح کے رمضان شریف میں بھی تداعی کے ساتھ مکروہ ہیں۔اتفاقاً کبھی ہو تو کراہت تنزیہی ہے اور اگر مواظبت اس پر کی جاوے تو کراہت تحریمی ہے۔تداعی کے ساتھ ہو یا بلا تداعی۔

"ثم ان کان ذلک احیانا کما فعل عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کان مباحًا غیر مکروہ۔ ای تحریمی ان کان علی سبیل المواظبة

---

[1]احسن الفتاوی :ج:۳:ص:۵۲۲:

[2]خیر الفتاوی :ج:۲:ص:۴۸۳:

[3]فتاوی حقانیہ :ج:۳:ص:۲۸۱:

[4]فتاوی رشیدیہ :ج:ص:۵۶۳:

[5]فتاوی دارالعلوم دیوبند :ج:۴:ص:۲۲۲:

کان بدعۃ مکروھۃ لانہ خلاف المتوارث"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تداعی اور غیر تداعی برابر ہیں۔لفظ بدعت کراہت تحریمیہ پر دال ہے۔

[1]افادات مولوی حافظ قاری مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری لکھتے ہیں کہ!

"نوافل کی جماعت سوائے ان مواقع کے کہ حدیث سے ثابت ہے مکروہ تحریمی ہے فقہ میں لکھا ہے کہ اگر تداعی ہو اور مراد تداعی سے چار آدمی مقتدی کا ہونا ہے پس جماعت صلوٰۃ کسوف تراویح اور استسقاء کی درست اور باقی سب مکروہ ہے"

[2]تصنیف مولوی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ!

"نفل جماعت کیلئے لاؤڈ سپیکر وغیرہ کا اہتمام کرنا اور لوگوں کو شرکت کی دعوت دینا تداعی ہے اور تداعی کے ساتھ نوافل کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔

[3]حنفیہ کے نزدیک نوافل کی جماعت مکروہ ہے جبکہ مقتدی تین یا زیادہ ہوں یہی حکم صلوٰۃ التسبیح کا ہے اس کی جماعت بدعت حسنہ نہیں بلکہ بدعت سیئہ ہے۔شریعت نے عبادت کو جس انداز میں مشروع کیا ہے اس کو اسی طریقہ سے ادا کرنا مطلوب ہے۔شریعت نے نماز پنجگانہ اور جمعہ وعیدین وغیرہ کو باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا ہے لیکن نوافل کو انفرادی عبادت تجویز کیا ہے اس لئے کسی نفل نماز کا (خواہ صلوٰۃ التسبیح ہو یا کوئی اور) جماعت سے ادا کرنا منشائے شریعت کے خلاف ہے۔اس لئے حضرات فقہاء نے نفل نماز کی جماعت کو (جبکہ مقتدی دو سے زیادہ ہوں) مکروہ لکھا ہے اور خاص راتوں میں اجتماعی نماز ادا کرنے کو بدعت قرار دیا ہے اس لئے صلوٰۃ التسبیح کا جماعت سے ادا کرنا صحیح نہیں اور آپ نے جو مصلحت لکھی ہے وہ لائق التفات نہیں جس کو صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا شوق ہو اس کو ان کلمات کا یاد کر لینا اور ترتیب کا سیکھ لینا کیا مشکل ہے؟

[4]اجتماعی ہیئت سے نوافل میں مشغول رہنا مکروہ اور بدعت ہے :

اسی طرح فتاوی محمودیہ: ج:۷: ص :۱۱۲: میں ہے کہ اگر امام کے علاوہ چار شخص یا زیادہ مقتدی ہوں تو یہ فعل مکروہ ہے اگر امام کے علاوہ صرف دو تین آدمی مقتدی ہوں تو مکروہ نہیں[5] "قال شمس الائمۃ الحلوائی ان اقتدی بہ ثلاثۃ لا یکون تداعیا فلا یکرہ اتفاقا و ان اقتدی بہ اربعۃ فالاصح الکراھتہ۔آہ"

ترجمہ: شمس الائمہ الحلوائی نے فرمایا دو تین میں تداعی بھی نہیں ہے اور کراہت بھی نہیں اور اصح قول یہ ہے کہ ایک کے پیچھے چار کا اقتدا مکروہ ہے۔

[6]نفل باجماعت نہ پڑھنی چاہئے کہ صحیح یہی ہے کہ جماعت نفل تداعی مکروہ ہے اور تفسیر تداعی کی یہ ہے کہ چار مقتدی جماعت میں ہوں یہ باتفاق مکروہ ہے اور تین مقتدی ہوں تو اس میں اختلاف ہے اور ایک یا دو مقتدی ہوں تو کراہت نہیں۔(کذا فی الشامی)

پس وہ لوگ جو عاشورہ کے دن اور شب برات اور ستائیسویں رجب کی رات میں نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔کم وبیش دو دو سو اور تین

---

[1]فتاوی رحیمیہ :ج:۵:ص:۲۱۸:

[2]فتاوی عثمانی :ج:۱:ص:۴۴۴:

[3]آپ کے مسائل اور ان کا حل :ج:۳:ص:۷۹:

[4]فتاوی محمودیہ :ج:۱۱:ص:۵۰:

[5](فی طحطاوی علی مراقی الفلاح:ص:۱۶۶)

[6]فتاوی دارالعلوم دیوبند :ج:۱:ص:۲۵۵:

تین سو افراد مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور اس نماز اور اجتماع اور جماعت کو نیک خیال کرتے ہیں۔ باتفاق فقہاء مکروہ امر کے مرتکب ہوتے ہیں اور مکروہ چیز کو اچھا جاننا بڑے گناہوں میں سے ہے کیونکہ حرام کو مباح جاننا کفر تک کھینچ کر لے جاتا ہے اور مکروہ چیز کو اچھا گمان کرنا اس سے صرف ایک درجہ کم ہے۔ اس فعل کی برائی کو اچھی طرح ذہن میں رکھنا نوافل کی جماعت جائز کہنے والوں کی دلیل عدم تداعی ہے۔ ہاں بعض روایات کے مطابق عدمِ تداعی کراہت کو دور کر دیتی ہے لیکن وہ بھی ایک یا دو مقتدیوں کے ساتھ ہے اور اس میں بھی یہ شرط ہے کہ مسجد کے کسی کونے میں ہو اور اس شرط کے نہ ہونے کی صورت میں جواز کی کوئی صورت نہیں۔

علاوہ ازیں تداعی کا معنی یہ ہے کہ نفل نماز کی ادائیگی کیلئے ایک دوسرے کو بلانا اور آگاہ کرنا اور یہ معنی اس طرح کی جماعتوں میں پایا جاتا ہے کیونکہ قبیلوں کے قبیلے عاشورہ کے دن ایک دوسرے کو بتاتے پھرتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ فلاں شیخ یا فلاں عالم کی مسجد میں چلنا چاہئے اور نفل نماز باجماعت ادا کرنی چاہئے۔ ان لوگوں نے اس فعل کو عادت بنا رکھا ہے۔ اس طرح بتاتے پھرنا اذان اور اقامت سے بھی بڑھ کر ہے پس اس صورت میں تداعی بھی ثابت ہے اور اگر ہم تداعی کو اذان اور اقامت کے ساتھ ہی مخصوص رکھیں جیسا کہ بعض روایات میں واقع ہوا ہے اور حقیقۃً اذان اور اقامت ہی مراد لیں تو پھر اس کا جواب وہ ہے جو اوپر گزرا۔ کہ ایسی نماز مذکورہ شرط کے ساتھ ایک یا دو مقتدیوں کے ساتھ خاص ہے۔

جاننا چاہئے کہ نوافل کے ادا کرنے کی بنیاد اخفا اور پوشیدگی پر ہے کیونکہ نفل عبادت ریا اور نمائش کا مقام ہے اور جماعت اخفا اور پوشیدگی کے منافی ہے اور ادائے فرائض میں اظہار اور اعلان مطلوب ہے کیونکہ فرائض ریا یا نمائش کے شبہ سے مبرا ہیں پس انہیں باجماعت ہی ادا کرنا مناسب ہے۔

علاوہ ازیں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ کثرتِ اجتماع فتنے کے پیدا ہونے کا امکان ہے اسی لئے نماز جمعہ کی ادائیگی کیلئے بادشاہِ وقت یا اس کے نائب کی موجودگی کو شرط قرار دیا گیا ہے تاکہ فتنہ کے پیدا ہونے سے امن رہے اور ان مکروہ جماعتوں میں اس فتنے کو بیدار کرنے کا قوی امکان واحتمال ہے۔ لہٰذا اس طرح کا اجتماع شرعاً جائز نہیں بلکہ ممنوع ہے اور حدیثِ نبوی ﷺ میں وارد ہے۔ "الفتنة نائمة لعن الله من ايقظها" یعنی فتنہ سویا ہوتا ہے اس شخص پر اللہ کی لعنت پڑتی ہے جو اسے جگائے۔

پس اسلام کے والیوں اور ملت کے قاضیوں اور لوگوں کا محاسبہ کرنے والوں پر لازم ہے کہ اس طرح کے اجتماع سے لوگوں کو روکیں اور اس بارے میں لوگوں کو سخت ڈانٹ ڈپٹ کرتے رہیں تاکہ اس بدعت کی بیخ کنی ہو سکے جو فتنے میں مبتلا کرنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی حق کو ثابت کرتا ہے۔ اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

لہٰذا رمضان المبارک وغیرہ میں مردوں، عورتوں کو نماز تسبیح وغیرہ باجماعت پڑھنے پڑھانے کے مکروہ ناپسندیدہ عمل سے بچنا چاہئے۔ نماز تسبیح کیلئے مساجد میں اعلان کرنا، عورتوں کا جمع ہونا اور نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال کرنا، ایسے خود ساختہ غلط رواجات سے اجتناب کرنا چاہئے (حیرت کی بات ہے کہ بعض خواتین پانچ وقت نماز بھی نہیں پڑھتیں لیکن میک اپ کر کے نماز تسبیح کی جماعت میں شامل ہوتی ہیں حالانکہ پنجگانہ نماز اور پردہ وحیاء زیادہ ضروری ہے اور نماز تسبیح وغیرہ باجماعت مکروہ ہے)۔ نوافل کی جماعت کی تشہیر کے بجائے نفل گھروں میں علیحدہ اور تنہائی میں پڑھنا افضل اور پسندیدہ امر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!

"آدمی کا لوگوں کے سامنے نفل پڑھنے کی بہ نسبت ایسی جگہ نفل پڑھنا جہاں لوگ اسے نہ دیکھیں پچیس درجے زیادہ ثواب ہے"۔[1]

واللہ ورسولہ اعلم۔

تمت الرسالة بعون الملک الوهاب۔ اللهم اجعل سعي مشكورا وعملي هٰذا مقبولًا واحفظني يا رب عن طعن

---

[1] (جامع صغیر: ج: ۲: ص ۴۷:)

الطاعنین واھلک اعداء المسلمین یارب بحرمۃ سید المرسلین ﷺ۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ۔ اللھم اغفرلی ولوالدی ولاساتذتی کلھم بجاہ النبی الکریم ﷺ ویرحم اللہ عبدا رفع یدیہ وقال اٰمین ثم اٰمین۔

مأخذ کتب

مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

(۱): قرآن مجید (۲): صحیح بخاری شریف

(۳): صحیح مسلم شریف (۴): مشکوٰۃ شریف

(۵): ابو داؤد شریف (۶): ترمذی شریف

(۷): سنن ابن ماجہ (۸): اشعت اللمعات

(۹): ردالمحتار علی الدر المختار حاشیہ ابن عابدین

(۱۰): المحیط البرھانی (۱۱): کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعۃ

(۱۲): شرح الیاس (۱۳): الفتاوی الوالوا الجیۃ

(۱۴): منیۃ المصلی مع التعلیق المجلی

(۱۵): المبسوط لشمس الدین السرخسی

(۱۶): خلاصۃ الفتاوی (۱۷): کتاب الاصل المعروف بالمبسوط

(۱۸): بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع

(۱۹): حاشیہ تبین الحقائق شرح کنز الدقائق

(۲۰): فتاوی مجمع الانھر فی شرح ملتقی الابحر

(۲۱): الفتاوی الغیاثیۃ (۲۲): قطب الارشاد

(۲۳): مراقی الفلاح شرح نور الایضاح

(۲۴): الاشباہ والنظائر (۲۵): بذخیرۃ العقبی

(۲۶): فتاوی عالمگیری (۲۷): فتاوی سراجیہ

(۲۸): حلبی کبیر (۲۹): مالابدمنہ

(۳۰): فتاوی سعیدیہ فی الفروغ الحنفیۃ

(۳۱): فتاوی واحدی المعروف بیاض واحدی

(۳۲): البنایہ فی شرح الھدایہ (۳۳): شرح صحیح مسلم شریف

(۳۴): مکتوبات شریف امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

(۳۵): فتاوی رضویہ (۳۶): فتاوی امجدیہ

(۳۷): فتاوی فیض الرسول (۳۸): فتاوی فریدیہ

(۳۹): فتاوی فقیہ ملت (۴۰): فتاوی نوریہ

(۴۱): حبیب الفتاوی (۴۲): تنویر الفتاوی

(۴۳): وقار الفتاوی (۴۴): احسن الفتاوی

(۴۵): خیر الفتاوی (۴۶): فتاوی حقانیہ

(۴۷): فتاوی رشیدیہ (۴۸): فتاوی دار العلوم دیوبند

(۴۹): فتاوی رحیمیہ (۵۰): فتاوی عثمانی

(۵۱): فیض الباری (۵۲): آپ کے مسائل اور ان کا حل

(۵۳): فتاوی محمودیہ

(۵۴): نوافل کی جماعت مکروہ ہے لعلامہ محمد شہزاد مجددی

(۵۵): الاخیار فی بیان الصلٰوۃ علی السکون والوقار

(۵۶): در المختار (۵۷): حاشیہ ابن عابدین۔

(۱۰۴) {باب نمبر ایک سو چار قانون شرعی ماننا اور جاری کرنا سب مسلمانوں پر فرض ہے کے بیان میں}

قانون شرعی ماننا اور جاری کرنا سب مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قانون شرعی پر ویسا ہی امر اور حکم فرمایا جیسا کہ ایمان پر حکم فرمایا اور یہ سب فرض ہے۔ یہ قانون شرعی قرآن حدیث، اجماع قیاس مجتہد مطلق ہے جو کہ علم فقہ کا خلاصہ ہے۔ دیکھو امر و حکم اللہ تعالیٰ کا۔

۱۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (النساء ۵۹)

اے ایمان والو حکم مانو اللہ تعالیٰ کا اور حکم مانو رسول (ﷺ) کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اُسے اللہ تعالیٰ اور رسول (ﷺ) کے حضور رجوع کرو اگر اللہ تعالیٰ و قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔ (النساء ۵۹)

کہ رسول ﷺ کی اِطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے بخاری و مسلم کی حدیث ہے سیّد عالَم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

اسی حدیث میں حضور فرماتے ہیں جس نے امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اُس نے میری نافرمانی کی اِس آیت سے ثابت ہوا کہ مُسلم اُمراء و حکام کی اطاعت واجب ہے جب تک وہ حق کے موافق رہیں اور اگر حق کے خلاف حکم کریں تو ان کی اطاعت نہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ احکام تین قسم کے ہیں ایک وہ جو ظاہر کتاب یعنی قرآن سے ثابت ہوں ایک وہ جو ظاہر حدیث سے ایک وہ جو قرآن و حدیث کی طرف بطریق قیاس رجوع کرنے سے اولی الامر میں امام امیر بادشاہ حاکم قاضی سب داخل ہیں خلافتِ کاملہ تو زمانہ رسالت کے بعد تیس سال رہی مگر خلافتِ ناقصہ خلفاء عباسیہ میں بھی تھی اور اب تو امامت بھی نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ امام کے لئے قریش میں سے ہونا شرط ہے اور یہ بات اکثر مقامات میں معدوم ہے لیکن سلطنت و امارت باقی ہے اور چونکہ سلطان و امیر بھی اولو الامر میں داخل ہیں اِس لئے ہم پر اُن کی اطاعت

بھی لازم ہے۔[1]

اس آیت میں اثبات ادلۂ اربعہ کا ہے وفی الآیۃ اشارۃ لادلۃ الفقہ الاربعۃ فقولہ اطیعوا اللہ اشارۃ الی الکتاب وقولہ اطیعوا الرسول اشارۃ الی السنۃ وقولہ واولی الامر اشارۃ الی الاجماع وقولہ فان تنازعتم اشارۃ الی القیاس اھ۔شیخنا فان تنازعتم الخ۔الظاھر انہ خطاب مستقل مستانف موجہ للمجتھدین ولایصح ان یکون لاولی الامر الاعلیٰ طریق الالتفات ولیس المراد فان تنازعتم ان یحر الرؤیاء مع اولی الامر المجتھدین لان المقلد لیس لہ ان ینازع المجتھد فی حکمہ قولہ (فی شئی) ای غیر منصوص نصا صریحا من الامور المختلفۃ فیھا کندب الوتر والضمان العاریۃ اھ۔[2]

الفقہ مستنبط من القرآن وھو المقصود بتنزیل الکتاب لان الکتب نزلت لبیان ما للعبد وعلیہ اھ۔[3]

۲۔وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (المائدۃ ۹۲)

اور حکم مانو اللہ تعالیٰ کا اور حکم مانو رسول (ﷺ) کا اور ہوشیار رہو پھر اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول (ﷺ) کا ذمہ صرف واضح طور پر حکم پہنچا دینا ہے۔اطاعتِ خدا اور رسول (ﷺ) سے۔

یہ وعید وتہدید ہے کہ جب رسول (ﷺ) نے حکمِ الٰہی صاف صاف پہنچا دیا تو ان کا جو فرض تھا ادا ہو چکا اب جو اعراض کرے وہ مستحق عذاب ہے۔[4]

۳۔قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (النور ۵۴)

تم فرماؤ حکم مانو اللہ تعالیٰ کا اور حکم مانو رسول (ﷺ) کا پھر اگر تم منہ پھیرو تو رسول (ﷺ) کے ذمہ وہی ہے جس اس پر لازم کیا گیا اور تم پر وہ ہے جس کا بوجھ تم پر رکھا گیا اور اگر رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرو گے راہ پاؤ گے اور رسول (ﷺ) کے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا سچے دل اور سچی نیت سے۔رسول اللہ (ﷺ) کی فرمانبرداری سے تو اس میں ان کا کچھ ضرر نہیں۔یعنی دین کی تبلیغ اور احکام الٰہی کا پہنچا دینا اس کو رسول (ﷺ) نے اچھی طرح ادا کر دیا اور وہ اپنے فرض سے عہدہ برآ ہو چکے۔یعنی رسول (ﷺ) کی اطاعت وفرمانبرداری۔چنانچہ رسولِ اکرم (ﷺ) نے بہت واضح طور پر پہنچا دیا۔[5]

۴۔يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ (محمد ۳۳)

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور رسول (ﷺ) کا حکم مانو اور اپنے عمل باطل نہ کرو۔یعنی ایمان وطاعت پر قائم رہو۔ریا یا نفاق سے۔

شانِ نزول : بعض لوگوں کا خیال تھا کہ جیسے شرک کی وجہ سے تمام نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں اسی طرح ایمان کی برکت سے کوئی گناہ ضرر نہیں کرتا۔ان کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی گئی اور بتایا گیا کہ مومن کے لئے اطاعتِ خدا تعالیٰ اور رسول (ﷺ) ضروری ہے گناہوں سے بچنا لازم ہے

مسئلہ :اس آیت میں عمل کے باطل کرنے کی ممانعت فرمائی گئی تو آدمی جو عمل شروع کرے خواہ وہ نفل ہی ہو نماز یا روزہ یا اور کوئی،لازم ہے کہ

---

[1] (تفسیر خزائن العرفان)

[2] (تفسیر جمل النساء ج ۱ ص ۳۹۵ وتفسیر احمدی ص ۱۹۳ وابو سعود ص ۳۶۲ ج ۳)

[3] (التحریر المختار حاشیۃ رد المحتار فصل فی البیع ص ۳۰۸)

[4] (تفسیر خزائن العرفان)

[5] (تفسیر خزائن العرفان)

اس کو باطل نہ کرے۔ [1]

۵۔وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (التغابن ۱۲)

اور اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور رسول (ﷺ) کا حکم مانو پھر اگر تم منہ پھیرو تو جان لو کہ ہمارے رسول (ﷺ) پر صرف صریح پہنچا دینا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری سے۔

چنانچہ انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا اور کامل طور پر دین کی تبلیغ فرما دی۔ [2]

۶۔يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ (الانفال ۲۰)

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کا حکم مانو اور سن سنا کر اسے نہ پھرو۔

کیونکہ رسول اللہ (ﷺ) کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت ایک ہی چیز ہے۔جس نے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ [3]

۷۔وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (الانفال ۱)

اور اللہ تعالیٰ و رسول (ﷺ) کا حکم مانو اگر ایمان رکھتے ہو۔

۸۔قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ (آل عمران ۳۲)

تم فرما دو کہ حکم مانو اللہ تعالیٰ اور رسول (ﷺ) کا (ف ۶۵) پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ تعالیٰ کو خوش نہیں آتے کافر۔

یہی اللہ کی محبت کی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت بغیر اطاعتِ رسول (ﷺ) نہیں ہو سکتی بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ [4]

۹۔وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (النور ۵۶)

اور رسول اللہ (ﷺ) کی فرمانبرداری کرو اس امید پر کہ تم پر رحم ہو۔

۱۰۔وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (الانفال ۴۶)

اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑو نہیں کہ پھر بزدلی کرو گے اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا جاتی رہے گی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ باہمی تنازع ضعف و کمزوری اور بے وقاری کا سبب ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ باہمی تنازع سے محفوظ رہنے کی تدبیر خدا تعالیٰ اور رسول (ﷺ) کی فرماں برداری اور دین کا اِتّباع ہے۔ [5]

۱۱۔اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ (الاعراف ۳)

اے لوگو اس پر چلو جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اُترا۔

---

[1] (تفسیر خزائن العرفان)

[2] (تفسیر خزائن العرفان)

[3] (تفسیر خزائن العرفان)

[4] (تفسیر خزائن العرفان)

[5] (تفسیر خزائن العرفان)

یعنی قرآن شریف جس میں ہدایت ونور کا بیان ہے۔زُجاج نے کہا کہ اِتّباع کرو قرآن کا اور اس چیز کا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لائے کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا نازِل کیا ہوا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں فرمایا۔ ''مَآاٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ الآیہ''یعنی جو کچھ رسول (ﷺ) تمہارے پاس لائیں اسے اخذ کرو اور جس سے منع فرمائیں اس سے باز رہو ۔[1]

۱۲۔وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ (الاحزاب ۲)

اور اس کی پیروی رکھنا جو تمہارے رب کی طرف سے تمہیں وحی ہوتی ہے۔

۱۳۔وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران ۱۰۳)

اور اللہ تعالیٰ کی رسّی مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا۔

''حَبْلِ اللہ'' کی تفسیر میں مفسرین کے چند قول ہیں بعض کہتے ہیں اس سے قرآن مراد ہے مُسلم کی حدیث شریف میں وارد ہوا کہ قرآن پاک حبل اللہ ہے جس نے اس کا اتباع کیا وہ ہدایت پر ہے جس نے اُس کو چھوڑا وہ گمراہی پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حبل اللہ سے جماعت مراد ہے اور فرمایا کہ تم جماعت کو لازم کرلو کہ وہ حبل اللہ ہے جس کو مضبوط تھامنے کا حکم دیا گیا ہے۔[2]

۱۴۔مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء ۸۰)

جس نے رسول (ﷺ) کا حکم مانا بے شک اُس نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا۔

شانِ نزول :رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اُس نے اللہ تعالیٰ سے محبّت کی اِس پر آج کل کے گستاخ بد دینوں کی طرح اُس زمانہ کے بعض منافقوں نے کہا کہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ چاہتے ہیں کہ ہم انہیں رب مان لیں جیسا نصارٰی نے عیسٰی بن مریم کو رب مانا اس پر اللہ تعالیٰ نے اِن کے رَدّ میں یہ آیت نازل فرما کر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کی تصدیق فرمادی کہ۔کہ بے شک رسُول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔[3]

۱۵۔وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ (المائدۃ ۴۹)

اور یہ کہ اے مسلمان اللہ کے اتارے پر حکم کر۔

۱۶۔وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ (النور)

اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کا اور اللہ سے ڈرے اور پرہیز گاری کرے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔

اگر کسی نے قانون شرعی جاری کیا اور اس پر عمل کیا اس کے فوائد

۱۔يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا (النساء ۵۹)

اے ایمان والو حکم مانو اللہ تعالیٰ کا اور حکم مانو رسول (ﷺ) کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اُسے اللہ تعالیٰ اور رسول (ﷺ) کے حضور رجوع کرو اگر اللہ تعالیٰ وقیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا۔ (النساء ۵۹)

---

[1] (تفسیر خزائن العرفان)

[2] (تفسیر خزائن العرفان)

[3] (تفسیر خزائن العرفان)

۲۔قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (النور ۵۴)

تم فرماؤ حکم مانو اللہ تعالیٰ کا اور حکم مانو رسول (ﷺ) کا پھر اگر تم منہ پھیرو تو رسول (ﷺ) کے ذمہ وہی ہے جس اس پر لازم کیا گیا اور تم پر وہ ہے جس کا بوجھ تم پر رکھا گیا اور اگر رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرو گے راہ پاؤ گے اور رسول (ﷺ) کے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا۔

۳۔وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (النور ۵۶)

اور رسول اللہ (ﷺ) کی فرمانبرداری کرو اس امید پر کہ تم پر رحم ہو۔

۴۔فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (البقرۃ ۳۸)

پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا اسے نہ کوئی اندیشہ نہ کچھ غم۔

یہ مؤمنین صالحین کے لئے بشارت ہے کہ نہ انہیں فزع اکبر کے وقت خوف ہو نہ آخرت میں غم وہ بے غم جنت میں داخل ہوں گے۔

۵۔قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَى وَأُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (الانعام ۷۱)

تم فرماؤ کہ اللہ ہی کی ہدایت، ہدایت ہے اور ہمیں حکم ہے کہ ہم اس کے لئے گردن رکھ دیں جو رب ہے سارے جہان کا۔

۶۔وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (آل عمران ۱۰۱)

اور جس نے اللہ کا سہارا لیا تو ضرور وہ سیدھی راہ دکھایا گیا۔

۷۔قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (آل عمران ۳۱)

اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی محبّت کا دعوٰی جب ہی سچّا ہوسکتا ہے جب آدمی سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متبع ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اختیار کرے۔

شانِ نزول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کے پاس ٹھہرے جنہوں نے خانہ کعبہ میں بت نصب کئے تھے اور انہیں سجا سجا کر ان کو سجدہ کر رہے تھے حضور ﷺ نے فرمایا اے گروہِ قریش خدا کی قسم تم اپنے آباء حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے دین کے خلاف ہو گئے قریش نے کہا ہم ان بتوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں پوجتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے قریب کریں اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ محبّتِ الٰہی کا دعوٰی سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے اتباع وفرماں برداری کے بغیر قابل قبول نہیں جو اس دعوے کا ثبوت دینا چاہے حضور (ﷺ) کی غلامی کرے اور حضور (ﷺ) نے بت پرستی کو منع فرمایا تو بت پرستی کرنے والا حضور ﷺ کا نافرمان اور محبّتِ الٰہی کے دعوٰی میں جھوٹا ہے۔[1]

۸۔يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِنْ رَبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا (النساء ۱۷۰)

اے لوگو تمہارے پاس یہ رسول (ﷺ) حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے تشریف لائے تو ایمان لاؤ اپنے بھلے کو اور اگر تم کفر کرو تو بے شک

---

[1] (تفسیر خزائن العرفان)

اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ علم وحکمت والا ہے۔

سید انبیاء محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

اور سید انبیاء محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا انکار کرو تو اس میں ان کا کچھ ضرر نہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان سے بے نیاز ہے۔

۹۔وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (النساء ۱۳)

اور جو حکم مانے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول کا اللہ تعالیٰ اُسے باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ اُن میں رہیں گے اور یہی ہے بڑی کامیابی۔

۱۰۔وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا (الاحزاب ۷۱)

اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرے اس نے بڑی کامیابی پائی۔

۱۱۔وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا (النساء ۶۹)

اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کا حکم مانے تو اُسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا یعنی انبیاء (علیہم السلام) اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

تو انبیاء (علیہم السلام) کے مخلص فرمانبردار جنت میں اُن کی صحبت و دیدار سے محروم نہ ہوں گے۔

صدیق انبیاء کے سچے متبعین کو کہتے ہیں جو اخلاص کے ساتھ اُن کی راہ پر قائم رہیں مگر اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افاضل اصحاب مُراد ہیں جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

جنہوں نے راہِ خدا میں جانیں دیں۔

وہ دیندار جو حق العباد اور حق اللہ تعالیٰ دونوں ادا کریں اور اُن کے احوال واعمال اور ظاہر و باطن اچھے اور پاک ہوں شانِ نزول : حضرت ثوبان سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کمال محبّت رکھتے تھے جُدائی کی تاب نہ تھی ایک روز اس قدر غمگین اور رنجیدہ حاضر ہوئے کہ چہرہ کا رنگ بدل گیا تھا تو حضور (ﷺ) نے فرمایا آج رنگ کیوں بدلا ہوا ہے عرض کیا نہ مجھے کوئی بیماری ہے نہ درد بجُز اس کے کہ جب حضور (ﷺ) سامنے نہیں ہوتے تو انتہا درجہ کی وحشت و پریشانی ہو جاتی ہے جب آخرت کو یاد کرتا ہوں تو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ وہاں میں کس طرح دیدار پاسکوں گا آپ (ﷺ) اعلیٰ ترین مقام میں ہوں گے مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے جنت بھی دی تو اس مقام عالی تک رسائی کہاں اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور انہیں تسکین دی گئی کہ باوجود فرق منازل کے فرمانبرداروں کو باریابی اور معیت کی نعمت سے سرفراز فرمایا جائے گا۔[1]

۱۲۔إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (النور ۵۱)

مسلمانوں کی بات تو یہی ہے جب اللہ تعالیٰ اور رسول (ﷺ) کی طرف بلائے جائیں کہ رسول (ﷺ) ان میں فیصلہ فرمائے تو عرض کریں ہم نے سنا اور حکم مانا اور یہی لوگ مراد کو پہنچے۔

اور ان کو یہ طریق ادب لازم ہے کہ۔

۱۳۔وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَا يَلِتْكُمْ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (حجرات ۱۴)

---

[1] (تفسیر خزائن العرفان)

اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرو گے (ف ۳۸) تو تمہارے کسی عمل کا تمہیں نقصان نہ دے گا بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

ظاہراً و باطناً صدق و اخلاص کے ساتھ نفاق کو چھوڑ کر۔

تمہاری نیکیوں کا ثواب کم نہ کرے گا۔

۱۴۔وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ (النور)

اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگاری کرے تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔

۱۵۔وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (البقرة ۸۲)

اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہ جنت والے ہیں انہیں ہمیشہ اس میں رہنا۔

تیسری بحث اس شخص کا بیان جو قانون شرعی کی مخالفت کرے

۱۔وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (المائدة ۹۲)

اور حکم مانو اللہ تعالیٰ کا اور حکم مانو رسول (ﷺ) کا اور ہوشیار رہو پھر اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول (ﷺ) کا ذمہ صرف واضح طور پر حکم پہنچا دینا ہے۔

۲۔قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (النور ۵۴)

تم فرماؤ حکم مانو اللہ تعالیٰ کا اور حکم مانو رسول (ﷺ) کا پھر اگر تم منہ پھیرو تو رسول (ﷺ) کے ذمہ وہی ہے جس اس پر لازم کیا گیا اور تم پر وہ ہے جس کا بوجھ تم پر رکھا گیا اور اگر رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرو گے راہ پاؤ گے اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا۔

۳۔يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ (محمد ۳۳)

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور رسول (ﷺ) کا حکم مانو اور اپنے عمل باطل نہ کرو۔

۴۔وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (التغابن ۱۲)

اور اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور رسول (ﷺ) کا حکم مانو پھر اگر تم منہ پھیرو تو جان لو کہ ہمارے رسول (ﷺ) پر صرف صریح پہنچا دینا ہے۔

۵۔يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ (الانفال ۲۰)

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کا حکم مانو اور سن سنا کر اسے نہ پھرو۔

۶۔قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ (آل عمران ۳۲)

تم فرما دو کہ حکم مانو اللہ تعالیٰ اور رسول (ﷺ) کا پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ تعالیٰ کو خوش نہیں آتے کافر۔

۷۔وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ (الانفال ۴۶)

اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑو نہیں کہ پھر بزدلی کرو گے اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا جاتی رہے گی۔

۸۔وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (النساء ۱۱۵)

اور جو رسول (ﷺ) کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔

۹۔وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا (النساء)

اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی اُتاری ہوئی کتاب اور رسول (ﷺ) کی طرف آؤ تو تم دیکھو گے کہ منافق تم سے منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں

۱۰۔وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا اور کسی مسلمان مرد نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ و رسول (ﷺ) کچھ حکم فرمادیں تو انہیں اپنے معاملہ کا کچھ اختیار رہے اور جو حکم نہ مانے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کا وہ بیشک صریح گمراہی بہکا۔ (الاحزاب ۳۶)

۱۱۔فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۔(النساء ۶۵)

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

(۱۰۵){باب نمبر ایک سو پانچ عورت کا ایام عدت اپنے شوہر کے گھر میں گزارنے کے بیان میں}

شوہر کے فوت ہونے پر عورت ایام عدت اپنے شوہر کے مکان میں گزارے گی البتہ حاجت معتبرہ کے وقت اس طور پر شوہر کے مکان سے دوسری جگہ جاسکتی ہے کہ رات کا اکثر حصہ شوہر کے مکان میں ہی گزارے اور بوقت حاجت وضرورت دوسری جگہ جانے کی اجازت بھی اسی وقت ہے جب کہ شوہر کے مکان میں رہتی ہو اس حاجت کا پورا ہونا ممکن نہ ہو اگر وہ حاجت وضرورت اسی مکان میں رہتے ہوئے پوری ہوجاتی ہے تو اب اس مکان سے دوسری جگہ جانا جائز نہ ہوگا ضرورتیں بہت سی ہیں مثلاً

(۱) عورت بیمار تھی یا بیمار ہوگئی اور اس مکان میں رہتے ہوئے علاج ممکن نہیں تو بغرض علاج اس مکان سے نکلنا جائز ہے۔

(۲) یا وہ عورت اولاد رکھتی ہے اور ان میں سے کوئی بیمار ہوگیا اور دوسرا کوئی علاج کیلئے لے جانے والا نہیں اور یہ بھی ممکن نہیں کی اسی مکان میں رہتے ہوئے اس کا علاج کرالے تو اس صورت میں بھی باہر نکلنا جائز ہے۔

(۳) یا اس عورت کے پاس کھانے پینے کی اشیاء نہیں اور اسے خود ان چیزوں کی تحصیل میں باہر نکلنے کی ضرورت ہے تو یہ باہر نکل سکتی ہے۔

(۴) عورت کے پاس رقم تو موجود ہے مگر کھانے پینے کی اشیاء لانے والا کوئی نہیں ہے تو اس صورت میں بھی سودا سلف لانے کیلئے بھی باہر نکل سکتی ہے۔

(۵) شوہر کا اپنا ذاتی مکان نہ تھا بلکہ کرائے کا تھا اور عورت کرایہ ادا نہیں کرسکتی اور مالک مکان بغیر کرایہ کے اسے رکھنے پر راضی نہیں اور نہ ہی کوئی عزیز یا کوئی اور مسلمان اس کا کرایہ دینے پر راضی ہے تو اس صورت میں بھی وہ اپنے کسی عزیز یا رشتہ دار کے گھر میں رہے جو اس گھر کے قریب تر ہو۔

(۶) اسی طرح خدانخواستہ مکان گر پڑے یا گرنے کے قریب ہو یا عورت کو اس مکان میں اپنی جان و مال وعزت و ناموس کا اندیشہ وخطرہ ہو تو اس وجہ سے بھی اس مکان کا چھوڑنا جائز ہے۔

الغرض اگر حاجت وضرورت شوہر کے مکان ہی میں پوری ہوجاتی ہے تو عورت کا اس مکان سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے ورنہ جائز ہے جبکہ رات کا اکثر حصہ اسی مکان میں گزارے اور اگر کسی صحیح مجبوری اور اندیشہ وخطرہ کے تحت اس مکان کو چھوڑنا پڑے تو جو مکان محرم عزیز ورشتہ دار کا اس

مکان سے قریب تر ہو اس میں عدت کے دن گزارے خواہ والدین کا گھر ہو یا کسی اور محرم کا البتہ ایسی صورت میں اگر والدین کے علاوہ کوئی اور محرم اس عورت کو اپنے مکان میں رکھنے پر رضامند نہ ہو تو لامحالہ وہ عورت اپنے والدین کے مکان میں ایام عدت پورے کرے اگرچہ وہ مکان دوسرے محارم کے مکانات سے دور ہی کیوں نہ ہو۔[1]

(وَمُعْتَدَّةُ مَوْتٍ تَخْرُجُ فِي الْجَدِيدَيْنِ وَتَبِيتُ) أَكْثَرَ اللَّيْلِ (فِي مَنْزِلِهَا) لِأَنَّ نَفَقَتَهَا عَلَيْهَا فَتَحْتَاجُ لِلْخُرُوجِ، حَتَّى لَوْ كَانَ عِنْدَهَا كِفَايَتُهَا صَارَتْ كَالْمُطَلَّقَةِ فَلَا يَحِلُّ لَهَا الْخُرُوجُ فَتْحٌ. وَجَوَّزَ فِي الْقُنْيَةِ خُرُوجَهَا لِإِصْلَاحِ مَا لَا بُدَّ لَهَا مِنْهُ كَزِرَاعَةٍ وَلَا وَكِيلَ لَهَا (طَلُقَتْ) أَوْ مَاتَ وَهِيَ زَائِرَةٌ (فِي غَيْرِ مَسْكَنِهَا عَادَتْ إلَيْهِ فَوْرًا) لِوُجُوبِهِ عَلَيْهَا (وَتَعْتَدَّانِ) أَيْ مُعْتَدَّةُ طَلَاقٍ وَمَوْتٍ (فِي بَيْتٍ وَجَبَتْ فِيهِ) وَلَا يَخْرُجَانِ مِنْهُ (إلَّا أَنْ تُخْرَجَ أَوْ يَتَهَدَّمَ الْمَنْزِلُ، أَوْ تَخَافُ) انْهِدَامَهُ، أَوْ (تَلَفَ مَالِهَا، أَوْ لَا تَجِدَ كِرَاءَ الْبَيْتِ) وَنَحْوَ ذَلِكَ مِنْ الضَّرُورَاتِ فَتَخْرُجُ لِأَقْرَبِ مَوْضِعٍ إلَيْهِ۔[2]

یعنی وفات شوہر کی عدت گزارنے والے دن رات میں نکلے اور رات کا اکثر حصہ اپنے گھر میں رہے کیوں کہ اس کا نان ونفقہ اسی پر ہے پس وہ باہر نکلنے کی ضرورت مند ہوتی ہے۔(تا کہ وہ اپنے نان ونفقہ کا انتظام کر سکے) لیکن اگر عورت کے پاس بقدر کفایت مال ہو تو وہ (بیوہ) طلاق شدہ عورت کی مثل ہو جائے گی پھر اس کیلئے بھی باہر نکلنا جائز نہ ہوگا (فتح القدیر) اور قنیہ میں عدت گزارنے والی عورت کا اپنے ضروری کاموں کی درستگی کیلئے نکلنا جائز قرار دیا ہے۔ جیسے کھیتی کی خبر گیری کیلئے نکلنا جب کہ اس عورت کا کوئی وکیل نہ ہو (جو کھیتی کی دیکھ بھال کر سکے) جس عورت کو طلاق دی گئی یا اس کا شوہر فوت ہو گیا حالانکہ وہ اپنے گھر کے سوا اور جگہ کسی سے ملنے گئی ہوئی تھی وہ طلاق یا موت کی خبر سن کر فوراً اپنے گھر کی طرف لوٹ آئے کہ اس پر لوٹ آنا واجب ہے اور مطلقہ اور بیوہ اس گھر میں عدت گزارے جس میں عدت واجب ہوئی اور وہ دونوں اس گھر سے نہ نکلیں مگر جب کہ کوئی نکالے یا گھر منہدم ہو جائے یا اس کے منہدم ہونے کا یا مال کے تلف ہونے کا خوف کرے یا گھر کا کرایہ نہ پائے (مکان شوہر کا نہ تھا بلکہ کرائے کا تھا اور مالک مکان کہتا ہے کہ کرایہ دو یا مکان خالی کرو اور اس کے پاس کرایہ نہیں ہے یا وہ مکان شوہر کا تھا مگر اس کے حصہ میں جتنا پہنچتا ہے وہ قابل سکونت نہیں اور دوسرے ورثاء اپنے حصے میں اسے رہنے نہیں دیتے یا کرایہ مانگتے ہیں اور اس کے پاس کرایہ نہیں تو وہ عورت مکان بدل سکتی ہے۔) اور یہ نکلنا ضرورتوں کی وجہ سے ہے پس اس قسم کی ضرورتوں میں جائز ہے کہ وہ نکلیں اور اس جگہ عدت گزاریں جو اس مکان سے قریب تر ہو دیگر کتب فقہ میں بھی یہ مرقوم ومسطور ہے کہ وہ عورت جس کا شوہر فوت ہو جائے وہ اپنی عدت کے ایام شوہر کے گھر میں گزارے الایہ کہ تبدیلی مکان کا کوئی صحیح عذر ہو اور ضرورت کے تحت باہر نکلنا جائز ہے مگر رات کا اکثر حصہ اسی گھر میں گزارے بطور اختصار چند حوالے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔[3]

عبارات فقہاء عظام کے بعد آثار صحابۂ کرام قلم بند کیے جاتے ہیں جو ذکر کردہ عبارات کی تائید وتوثیق میں واضح ہیں۔

امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں۔

---

[1] (تلخیص از فتاوی رضویہ ج باب الحداد)

[2] (رد المحتار علی الدر المختار ج ۳ ص ۵۳۶ فصل فی الحداد دار الفکر - بیروت)

[3] (ہدایہ اولین ص ۴۲۹ از علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ، فتح القدیر مع الکفایۃ ج ۴ ص ۱۶۶ از علامہ کمال الدین بن ہمام متوفی ۸۶۱ھ، فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۵۳۵ از ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ، فتاوی قاضی خان علی ہامش الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۵۳ از علامہ حسن بن منصور اوزجندی متوفی ۵۹۲ھ، البحر الرائق ج ۴ ص ۱۵۳-۱۵۴ از علامہ زین الدین بن نجیم متوفی ۹۷۰ھ، منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق ج ۱ ص ۱۵۳ از علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ، الجوہرۃ النیرۃ ج ۲ ص ۱۶۰ از علامہ ابوبکر بن علی حداد متوفی ۸۰۰ھ)

حَدَّثَنَا نَافِعٌ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ، كَانَ يَقُولُ» :لاتَبِيتُ الْمَبْتُوتَةُ، وَلا الْمُتَوَفَّى عَنْهَا إِلا فِي بَيْتِ زَوْجِهَا۔

حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے تھے کہ وہ عورت جو طلاق بائنہ کے ساتھ مطلقہ ہو یا جس کا شوہر فوت ہو جائے تو وہ اپنے شوہر کے گھر ہی میں رات گزارے۔[1]

امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۸۹ھ روایت کرتے ہیں۔

أَمَّا الْمُتَوَفَّى عَنْهَا فَإِنَّهَا تَخْرُجُ بِالنَّهَارِ فِي حَوَائِجِهَا، وَلا تَبِيتُ إِلا فِي بَيْتِهَا۔

یعنی وہ عورت جس کا شوہر فوت ہو جائے تو وہ اپنی حاجات کے واسطے دن میں نکلے اور رات اپنے شوہر کے گھر ہی میں گزارے۔[2]

حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مؤطا امام محمد کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں بھی ہے۔مثلاً السنن الکبریٰ مع الجوہر النقیٰ ج ۷ ص ۴۳۵ از امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ مؤطا امام مالک ص ۱۵۳ از امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ، شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۴۱ از امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ، امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں۔

عَنْ سَالِمٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ قَالَ» :لَا تَخْرُجُ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا فِي عِدَّتِهَا مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا۔

عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ» :لَا تَخْرُجُ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا۔

حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ فوت شدہ کی بیوی اپنی عدت میں اپنے شوہر کے گھر سے نہ نکلے۔[3]

حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ فوت شدہ کی بیوی اپنی عدت میں اپنے شوہر کے گھر سے نہ نکلے۔[4]

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں۔

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ :"لَا يَصْلُحُ لِلْمَرْأَةِ أَنْ تَبِيتَ لَيْلَةً وَاحِدَةً إِذَا كَانَتْ فِي عِدَّةِ وَفَاةٍ أَوْ طَلَاقٍ إِلَّا فِي بَيْتِهَا"

حضرت سالم بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ اس عورت کیلئے جو طلاق یا وفات کی عدت میں ہو اپنے گھر کے سوا دوسرے گھر میں ایک رات گزارنا بھی درست نہیں۔[5]

امام ابو بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، أَنَّ ابْنَةً لِعَبْدِ اللهِ تُوُفِّيَ زَوْجُهَا، فَأَتَتْهُمْ، فَأَرَادَتْ أَنْ تَبِيتَ عِنْدَهُمْ، فَمَنَعَهَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ وَقَالَ» :ارْجِعِي إِلَى بَيْتِكِ، فَبِيتِي فِيهِ۔

---

[1] (مؤطا امام محمد ص ۲۵۶)

[2] (مؤطا امام محمد ص ۲۵۶)

[3] (مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۳۱)

[4] (مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۳۱)

[5] (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۳۶)

حضرت ابن سیرین بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادی کے شوہر فوت ہوگئے تو وہ ان کے پاس آئے اور ان کے ہاں رات گزارنا چاہی تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے منع کیا اور فرمایا تم اپنے گھر لوٹ جاؤ اور اس میں رات گزارو۔[1]

امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں۔

عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ السَّائِبَ بْنَ خَبَّابٍ ، تُوُفِّيَ. وَإِنَّ امْرَأَتَهُ جَاءَتْ إِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، فَذَكَرَتْ لَهُ وَفَاةَ زَوْجِهَا. وَذَكَرَتْ لَهُ حَرْثاً لَهُمْ بِقَنَاةَ، وَسَأَلَتْهُ :هَلْ يَصْلُحُ لَهَا أَنْ تَبِيتَ فِيهِ؟. فَنَهَاهَا عَنْ ذلِك. فَكَانَتْ تَخْرُجُ مِنَ الْمَدِينَةِ، سَحَراً. فَتُصْبِحُ فِي حَرْثِهِمْ، فَتَظَلُّ فِيهِ يَوْمَهَا، ثُمَّ تَدْخُلُ الْمَدِينَةَ، إِذَا أَمْسَتْ، فَتَبِيتُ فِي بَيْتِهَا.

حضرت یحییٰ بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ انہیں یہ بات پہنچی کہ حضرت سائب بن خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوگیا ہے تو ان کی زوجہ محترمہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں آ کر حضرت سائب بن خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا ذکر کیا اور انہیں بتایا کہ ان کی کھیتی قناۃ (جگہ کا نام) میں ہے اور ان سے پوچھا گیا اس کیلئے اس میں رات گزارنا درست ہے؟ تو انہوں نے اس سے روکا پس وہ روزانہ علی الصبح مدینہ منورہ سے نکلتے تھے اور کھیتی میں جا پہنچتے تھے اور دن بھر وہاں گزارتے پھر بوقت شام مدینہ میں داخل ہو کر رات اپنے گھر میں بسر کرتے تھے۔[2]

یہ روایت السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۴۳۶-۴۳۷ میں بھی ہے۔ نیز شرح معانی الآثار میں بھی بالفاظ متقاربۃ اس کے ہم معنیٰ روایت ہے جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ جب حضرت سائب بن خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ نے اپنے شوہر کی وادی قنات میں کھیتی اور اولاد صغیرہ پیچھے چھوڑ جانے کے تحت تبدیلی مکان کا عذر پیش کیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا اذهبي الى ضيعتك بالنهار وارجعي الى بيتك بالليل بيتي فيه فكنت افعل ذلك۔

تم دن میں اپنی جائیداد (کھیتی) کی طرف جاؤ اور رات میں اپنے گھر کی طرف لوٹ آؤ اور رات اس میں گزارو پس میں (فتویٰ کے مطابق) ایسا ہی کرتے تھے۔ (حتیٰ کہ عدت ختم ہوگئی)[3]

اور دوسری روایت میں آتا ہے کہ جب انہوں نے گھر سے باہر نکلنے کے متعلق مسئلہ پوچھا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔

لَا تَخْرُجِي مِنْ بَيْتِكِ إِلَّا لِحَاجَةٍ ,وَلَا تَبِيتِي إِلَّا فِيهِ ,حَتَّى تَنْقَضِيَ عِدَّتُكِ۔

تم اپنے گھر سے کسی حاجت کیلئے ہی نکلو اور رات اسی گھر ہی میں گزارو یہاں تک کہ تمہاری عدت ختم ہو جائے۔[4]

امام مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، كَانَ يَرُدُّ الْمُتَوَفَّى عَنْهُنَّ أَزْوَاجُهُنَّ مِنَ الْبَيْدَاءِ، يَمْنَعُهُنَّ الْحَجَّ.

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت شدگان کی بیویوں کو مقام

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۸۸)

[2] (مؤطا امام مالک الاعظمی ج ۴ ص ۸۵۳)

[3] (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۴۱)

[4] (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۴۱)

بیداء سے لوٹا دیتے تھے اور ان کو حج سے روکتے تھے۔[1]

یہ روایت شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۴۱ میں بھی ہے نیز السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۴۳۵ اور مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۳۳ میں بھی ہے۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ متوفیٰ ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

عَنِ ابْنِ ثَوْبَانَ، أَنَّ امْرَأَةً تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا، وَبِهَا فَاقَةٌ، فَسَأَلَتْ عُمَرَ أَنْ تَأْتِيَ أَهْلَهَا؟ فَرَخَّصَ لَهَا أَنْ تَأْتِيَ أَهْلَهَا بَيَاضَ يَوْمِهَا۔

حضرت ابن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت کا شوہر فوت ہوگیا اور اس عورت پر فاقہ تھا پس اس نے حضرت عمر ان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس آسکتی ہیں؟ پس انہوں نے اسے سارے دن میں اپنے گھر والوں کے پاس آنے کی رخصت دی۔[2]

نیز روایت کرتے ہیں۔

عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ :"كَانَ أَصْحَابُ عَبْدِ اللهِ يَقُولُونَ :لَا تَخْرُجُ حَتَّى تُوَفِّيَ أَجَلَهَا فِي بَيْتِ زَوْجِهَا"

حضرت شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اصحاب کہتے تھے کہ وہ عورت گھر سے نہ نکلے جب تک اس کے شوہر گھر میں اس کی عدت پوری نہ ہو جائے۔[3]

امام ابوجعفر ابن محمد الطحاوی متوفیٰ ۳۲۱ھ روایت کرتے ہیں۔

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ ,وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ ,قَالَا فِي الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا ,وَبِهَا فَاقَةٌ شَدِيدَةٌ» ,فَلَمْ يُرَخِّصَا لَهَا أَنْ تَخْرُجَ مِنْ بَيْتِهَا إِلَّا فِي بَيَاضِ نَهَارِهَا ,وَتُصِيبُ مِنْ طَعَامِهِمْ ,ثُمَّ تَرْجِعُ إِلَى بَيْتِهَا فَتَبِيتُ فِيهِ۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں نے اس کے بارے میں فرمایا کہ جس کا شوہر فوت ہوگیا تھا اور اس پر سخت فاقہ تھا پس ان دونوں حضرات نے اسے صرف دن کی روشنی میں گھر سے نکلنے کی رخصت دی کہ وہ ان کے کھانے سے پائے اور اپنے گھر لوٹ جائے اور اس میں رات گزارے۔[4]

ابھی آخر میں حدیث رسول ﷺ تحریر کی جاتی ہے۔امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفیٰ ۲۷۹ھ روایت کرتے ہیں۔

أَنَّ الْفُرَيْعَةَ بِنْتَ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ وَهِيَ أُخْتُ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَخْبَرَتْهَا أَنَّهَا جَاءَتْ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْأَلُهُ أَنْ تَرْجِعَ إِلَى أَهْلِهَا فِي بَنِي خُدْرَةَ، وَأَنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ أَعْبُدٍ لَهُ أَبَقُوا، حَتَّى إِذَا كَانَ بِطَرَفِ الْقَدُومِ لَحِقَهُمْ فَقَتَلُوهُ، قَالَتْ : فَسَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَرْجِعَ إِلَى أَهْلِي، فَإِنَّ زَوْجِي لَمْ يَتْرُكْ لِي مَسْكَنًا يَمْلِكُهُ وَلَا نَفَقَةً، قَالَتْ :فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :نَعَمْ«، قَالَتْ :فَانْصَرَفْتُ، حَتَّى إِذَا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ، أَوْ فِي الْمَسْجِدِ، نَادَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَوْ أَمَرَ بِي فَنُودِيتُ لَهُ، فَقَالَ» :كَيْفَ قُلْتِ؟«، قَالَتْ :فَرَدَدْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ الَّتِي ذَكَرْتُ لَهُ مِنْ شَأْنِ زَوْجِي، قَالَ» :امْكُثِي فِي بَيْتِكِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ«، قَالَتْ :فَاعْتَدَدْتُ فِيهِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، قَالَتْ :فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ أَرْسَلَ إِلَيَّ، فَسَأَلَنِي عَنْ

---

[1] (موطا امام مالک الاعظمی ص ۵۳۱)

[2] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۸۶)

[3] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۸۸)

[4] (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۴۰)

ذَلِكَ، فَأَخْبَرْتُهُ، فَاتَّبَعَهُ وَقَضَى بِهِ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ حضرت فریعہ بن مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہ پوچھنے کیلئے حاضر ہوئیں کہ وہ اپنے خاندان بنی خدرہ کے پاس واپس چلی جائیں کہ ان کے خاوند اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کی تلاش میں نکلے تھے کہ مقام قدوم پر انہوں نے ان کو گھیر کر شہید کر دیا۔فریعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤں کیوں کہ میرے شوہر نے میرے لئے مکان اور نان ونفقہ نہیں چھوڑا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں (چلی جاؤ) فرماتی ہیں کہ میں واپس لوٹی حتیٰ کہ میں ابھی حجرہ یا مسجد ہی میں تھی کہ آپ ﷺ نے مجھے آواز دی یا کسی کو حکم فرمایا اور مجھے واپس بلایا گیا حضور ﷺ نے تم اپنے گھر میں ٹھہری رہو یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے۔حضرت فریعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر میں نے اس گھر میں چار ماہ اور دس دن عدت کے گزارے۔حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایک آدمی بھیج کر مجھ سے اس کے بارے میں پوچھا تو میں نے آپ کو خبر دی چنانچہ آپ نے فرمان رسول ﷺ کی پیروی کی اور اسی کے مطابق فیصلہ دیا۔[1]

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی ۲۷۹ھ ذکر کردہ حدیث شریف کے تحت لکھتے ہیں۔

هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ "وَالعَمَلُ عَلَى هَذَا الحَدِيثِ عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ: لَمْ يَرَوْا لِلْمُعْتَدَّةِ أَنْ تَنْتَقِلَ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا حَتَّى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا، وَهُوَ قَوْلُ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، وَالشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ۔

یہ حدیث حسن صحیح ہے اور اکثر صحابہ کرام علیہم الرضوان اور دیگر علمائے کرام کا اس پر عمل ہے وہ عدت ختم ہونے سے قبل عورت کے اپنے شوہر کے گھر سے نکلنے کو جائز نہیں سمجھتے حضرت سفیان ثوری ،حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد اور امام اسحاق (اور امام اعظم ابوحنیفہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی نظریہ ہے۔[2]

۲۔لڑکی ۹ نو سال کے بعد سے جب تک کنواری ہے باپ دادا بھائی وغیرھم کے یہاں رہے گی مگر جب کہ عمر رسیدہ ہو جائے اور فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو اسے اختیار ہے کہ جہاں چاہے رہے اور لڑکی ثیبہ ہے مثلاً بیوہ ہے اور فتنے کا اندیشہ نہ ہو تو اسے اختیار ہے ورنہ باپ دادا وغیرہ کے یہاں رہے۔[3]

(۱۰۶) {باب نمبر ایک سو چھے بدعت کے معنی واس کی اقسام واحکام کے بیان میں}

اصطلاح شریعت میں بدعت کا مفہوم واضح کرتے ہوئے فقہاء کرام اور ائمہ حدیث نے اس کی تعریف یوں کی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بدعت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

كل شيئ عمل على غير مثال۔

---

[1] (السنن الترمذی ج ۱ ص ۱۴۴-۱۴۵)

یہ حدیث شریف دوسری کتب حدیث میں بھی ہے۔مثلاً سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۱۴،سنن الدارمی ج ۲ ص ۹۰،موارد الظمان ص ۳۲۳،المستدرک علی الصحیحین ج ۲ ص ۲۰۸،مسند الامام احمد بن حنبل ج ۷ ص ۵۱۴،مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۲۹،السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۴۳۴،شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۹،موطا الامام مالک ص ۵۳۰ علاوہ ازیں (سنن ابن ماجہ ص ۱۴۶) سنن النسائی ج ۲ ص ۱۱۶،مسند ابوداؤد طیالیسی ص ۴۱۹،المصنف لابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۸۴ میں بھی یہ حدیث شریف ہے مگر ان میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلہ کا ذکر نہیں ہے۔

[2] (سنن ترمذی ج ۱ ص ۱۴۵)

[3] (بہار شریعت حصہ ۸ ص ۱۱۲ بحوالہ دو اہم مسئلے مؤلف شیخ الحدیث مولانا محمد الیاس رضوی اشرفی)

ہر وہ چیز جو کسی نمونہ کے بغیر عمل میں لائی جائے۔[1]

شیخ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جامع العلوم والحکم میں فرماتے ہیں۔

المراد بالبدعة ما احدث مما لا اصل له في الشريعة يدل عليه واما ما كان له اصل من الشرع يدل عليه فليس ببدعة شرعا وان كان بدعة لغة۔

بدعت سے مراد ہر وہ نیا کام ہے جس پر کوئی شرعی دلیل موجود نہ ہو لیکن ہر وہ معاملہ جس پر دلیل شرعی موجود ہو وہ شرعاً بدعت نہیں اگرچہ وہ لغوی اعتبار سے بدعت ہوگا۔[2]

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بدعت کا اصطلاحی مفہوم بایں الفاظ کرتے ہیں۔

والتحقيق انها ان كانت مما تندرج تحت مستحسن في الشرع فهي حسنة وان كانت مما تندرج تحت مستقبح في الشرع فهي مستقبحة۔

تحقیق یہ ہے کہ اگر بدعت شریعت میں کسی مستحسن کے تحت داخل ہے تو وہ اچھی ہے اور اگر وہ شریعت کی ناپسندیدگی کے تحت آتی ہے تو وہ غیر پسندیدہ ہوگی۔[3]

بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز قرآن کریم فرماتا ہے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِنَ الرُّسُلِ۔

ترجمہ: فرمادو کہ میں نیا رسول نہیں ہوں۔[4]

نیز فرماتا ہے **بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ** (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۱۷) آسمانوں اور زمینوں کا ایجاد کرنے والا ہے۔ نیز فرماتا ہے **وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ** (پارہ ۲۷ سورہ ۵۷ آیت نمبر ۲۷)۔

ان آیات میں بدعت لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی ایجاد کرنا، نیا بنانا وغیرہ۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں ہے۔ **قال النووی البدعته كل شيئي عبل علي غير مثال** سبق بدعت وہ کام ہے جو بغیر گزری مثال کے کیا جاوے۔[5]

اب بدعت تین معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ نیا کام جو حضور انور ﷺ کے بعد ایجاد ہوا۔ خلاف سنت کام جو دافع سنت ہو۔ برے عقائد جو بعد میں پیدا ہوئے پہلے معنی سے بدعت دو قسم کی ہے۔ حسنہ، سیئہ دوسرے دو معنی سے ہر بدعت سیئہ ہی ہے جن بزرگوں نے فرمایا کہ ہر بدعت سیئہ ہوتی ہے وہاں دوسرے معنی مراد ہیں وہ جو حدیث میں ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے وہاں تیسرے معنی مراد ہیں لہذا احادیث و اقوال علماء آپس میں متعارض نہیں۔

بدعت کے شرعی معنی ہیں وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور ﷺ کے زمانہ حیات ظاہری میں نہ ہوں بعد میں ایجاد ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت شرعی دو طرح کی ہوئی۔ بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔ بدعت اعتقادی ان برے عقائد کو کہتے ہیں جو حضور ﷺ کے بعد اسلام میں ایجاد ہوئے عیسائی،

---

[1] (نووی شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۵)

[2] (ابن رجب جامع العلوم والحکم ج ۱ ص ۲۵۲)

[3] (ابن حجر عسقلانی فتح الباری ج ۴ ص ۲۱۹)

[4] (پارہ ۲۶ سورہ ۴۶ آیت نمبر ۹)

[5] (مرقات المفاتیح ج ۱ ص ۲۱۶ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

یہودی، مجوسی اور مشرکین کے عقائد بدعت اعتقادی نہیں۔ کیونکہ یہ حضور ﷺ کے زمانہ پاک میں موجود تھے۔ نیز ان عقائد کو عیسائی وغیرہ بھی اسلامی عقائد نہیں کہتے اور جبریہ، قدریہ، مرجیہ، چکڑالوی، غیر مقلد، دیوبندی عقائد بدعت اعتقادیہ ہیں۔ کیونکہ یہ سب بعد کو بنے۔ اور یہ لوگ ان کو اسلامی عقائد سمجھتے ہیں۔ مثلاً دیوبندی کہتے ہیں کہ خدا جھوٹ پر قادر ہے۔ حضور علیہ السلام غیب سے جاہل یا حضور علیہ السلام کا خیال نماز میں بیل گدھے کے خیال سے بدتر ہے۔ یہ ناپاک عقیدے بارھویں صدی کی پیداوار ہیں۔ جیسا کہ ہم شامی سے اس کا ثبوت مقدمہ کتاب میں دے چکے ہیں۔ بدعت حسنہ کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللهِ (پارہ ۲۷ سورہ ۵۷ آیت نمبر ۲۷) پھر فرماتا ہے فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے بدعت حسنہ یعنی تارک الدنیا ہوجانا ایجاد کیا رب نے اس کی تعریف کی بلکہ اس پر اجر بھی دیا۔ ہاں جو اسے نبھا نہ سکے ان پر عتاب آیا۔ فرمایا گیا۔ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا (پارہ ۲۷ سورہ ۵۷ آیت نمبر ۲۷) دیکھو ایجاد بدعت پر عتاب نہیں ہوا بلکہ نبھانے پر۔ معلوم ہوا کہ بدعت حسنہ اچھی چیز ہے اور باعث ثواب۔ مگر اس پر پابندی نہ کرنا برا خیر الامور اودھا لہذا چاہیے کہ مسلمان محفل میلاد شریف وغیرہ پر پابندی کریں۔ مشکوۃ باب الاعتصام کی پہلی حدیث ہے کہ من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد جو شخص ہمارے اس دین میں وہ عقیدے ایجاد کرے جو دین کے خلاف ہوں وہ مردود ہے۔[1]

ہم نے ما کے معنی عقیدے اس لئے کئے ہیں کہ دین عقائد کا ہی نام ہے اعمال فروع میں بے نمازی گنہگار ہے بے دین یا کافر نہیں۔ بد اعتقاد یا تو گمراہ ہے یا کافر۔ اس کے ماتحت مرقات میں ہے۔

والمعنی ان من احدث فی الاسلام رایا فھو مردود علیہ اقول فی وصف ھذا الامر اشارۃ الی ان امر الاسلام کمل۔

ترجمہ: معنی یہ ہیں کہ جو اسلام میں ایسا عقیدہ نکالے کہ دین سے نہیں ہے وہ اس پر پردے ہے میں کہتا ہوں کہ ہذا الامر کے وصف میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام کا معاملہ مکمل ہو چکا۔

ثابت ہوا کہ بدعت عقیدے کو فرمایا گیا۔ اسی مشکوۃ باب الایمان بالقدر میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے تو فرمایا بلغنی انہ قد احدث فان کان احدث فلا تقرئہ منی السلام مجھے خبر ملی ہے کہ وہ بدعتی ہوگیا ہے اگر ایسا ہو تو اس کو میرا سلام نہ کہنا۔ بدعتی کیسے ہوا؟

فرماتے ہیں۔ یقول یکون فی امتی خسف و مسخ او قذف فی اھل القدر۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام فرماتے تھے کہ میری امت میں زمین میں دھنسنا صورت بدلنا یا پتھر برسنا ہوگا قدریہ لوگوں میں۔[2]

معلوم ہوا کہ وہ قدریہ یعنی تقدیر کا منکر ہوگیا تھا۔ اس کو منکر فرمایا۔ درمختار کتاب الصلوۃ باب الامت میں ہے۔

ومبتدع ای صاحب بدعۃ وھی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول۔

---

[1] (مشکوۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الاول ص ۲۷ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)، (صحیح مسلم شریف ج ۳ ص ۱۳۴۳ رقم الحدیث ۱۷۱۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابن ماجہ المقدمہ باب تعظیم حدیث رسول اللہ ج ۱ ص ۷ رقم الحدیث ۱۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۱ ص ۲۰۷ رقم الحدیث ۲۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[2] (مشکوۃ المصابیح باب باب الایمان بالقدر الفصل الثالث ص ۲۳ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

ترجمہ: بدعتی امام کے پیچھے نماز مکروہ ہے بدعت اس عقیدے کے خلاف اعتقاد رکھنا ہے جو حضور علیہ السلام سے معروف ہیں۔[1]

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بدعت نئے اور برے عقائد کو بھی کہتے ہیں اور بدعت اور بدعتی پر جو سخت وعیدیں احادیث میں آئی ہیں ان سے مراد بدعت اعتقادیہ ہے حدیث میں ہے کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد دی۔یعنی بدعت اعتقادیہ والے کی۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۰ میں ہے۔جس بدعت میں ایسی شدید عید ہے وہ بدعت فی العقائد ہے۔جیسا کہ روافض خوارج کی بدعت ہے۔

بدعت عملی ہر وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک کے بعد ایجاد ہوا خواہ وہ دنیاوی ہو یا دینی خواہ صحابہ کرام کے زمانہ میں ہو یا اس کے بھی بعد۔مرقات باب الاعتصام میں ہے۔

وفی الشرع احداث مالم یکن فی عھد رسول اللہ علیہ السلام۔

ترجمہ: بدعت شریعت میں اس کام کا ایجاد کرنا ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہو۔

اشعۃ اللمعات میں یہ ہی باب بدانکہ ہر چیز پیدا شدہ بعد از پیغمبر ﷺ بدعت است جو کام حضور علیہ السلام کے بعد پیدا ہو وہ بدعت ہے۔[2]

ان دونوں عبارتوں میں نہ تو دینی کام کی قید ہے نہ زمانہ صحابہ کا لحاظ جو کام بھی ہو دینی ہو یا دنیاوی حضور علیہ السلام کے بعد جب بھی ہو خواہ زمانہ صحابہ میں یا اس کے بعد وہ بدعت ہے ہاں عرف عام میں ایجادات صحابہ کرام کو سنت صحابہ کہتے ہیں بدعت نہیں بولتے یہ عرف ہے ورنہ خود فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت مقرر فرما کر فرمایا **نعمتہ البدعتہ ھذہ** یہ تو بہت ہی اچھی بدعت ہے۔

بدعت عملی دو قسم کی ہے۔بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔بدعت حسنہ وہ نیا کام جو کسی سنت کے خلاف نہ ہو جیسے محفل میلاد اور دینی مدارس اور نئے نئے عمدہ کھانے اور پریس میں قرآن و دینی کتب کا چھپوانا اور بدعت سیئہ وہ جو کہ کسی سنت کے خلاف ہو یا سنت کو مٹانے والی ہو۔جیسے کہ غیر عربی میں خطبہ جمعہ وعیدین پڑھنا یا کہ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھنا پڑھانا کہ اس میں سنت خطبہ یعنی عربی میں نہ ہونا اور تبلیغ تکبیر کی سنت اٹھ جاتی ہے۔یعنی بذریعہ مکبرین کے آواز پہنچانا بدعت حسنہ جائز بلکہ بعض وقت مستحب اور واجب بھی ہے اور بدعت سیئہ مکروہ تنزیہی یا مکروہ تحریمی یا حرام ہے۔اس تقسیم کو ہم آئندہ بیان کریں گے۔بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی دلیل سنو۔اشعۃ اللمعات جلد اول باب الاعتصام زیر حدیث **وکل بدعتہ ضلالۃ** ہے۔وآنچہ موافق اصول وقواعد اوست وقیاس کردہ شدہ است آں را بدعت حسنہ گویند وآنچہ مخالف آں باشد باعث ضلالت گویند۔جو بدعت کہ اصول اور قوانین اور سنت کے موافق ہے اور اس سے قیاس کی ہوتی ہے۔اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور جو اس کے خلاف ہے اس کو بدعت گمراہی کہتے ہیں۔[3]

مشکوۃ باب العلم میں ہے۔

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ۔

ترجمہ: جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے اس کو اس کا ثواب ملے گا۔اور اس کا بھی جو اس پر عمل کریں گے اور ان کے ثواب سے کچھ کم نہ

---

[1] (الدر المختار وعلی حاشیہ کشف الاستار کتاب الامامۃ ص ۸۳ مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور)

[2] (اشعۃ اللمعات باب الاعتصام الفصل الاول ج ۱ ص ۱۳۵ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

[3] (اشعۃ اللمعات باب الاعتصام الفصل الاول ج ۱ ص ۱۳۵ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

ہوگا اور جو شخص اسلام میں برا طریقہ جاری کرے اس پر اس کا گناہ بھی ہے اور ان کا بھی جو اس پر عمل کریں اور ان کے گناہ بھی ہے اور ان کا بھی جو اس پر عمل کریں اور ان کے گناہ میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی معلوم ہوا کہ اسلام میں کار خیر ایجاد کرنا ثواب کا باعث ہے۔ اور برے کام نکالنا گناہ کا موجب۔[1]

شامی کے مقدمہ میں فضائل امام ابوحنیفہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

قَالَ الْعُلَمَاءُ :هَذِهِ الْأَحَادِيثُ مِنْ قَوَاعِدِ الْإِسْلَامِ، وَهُوَ أَنَّ كُلَّ مَنْ ابْتَدَعَ شَيْئًا مِنْ الشَّرِّ كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُ مَنْ اقْتَدَى بِهِ فِي ذَلِكَ فَعَمِلَ مِثْلَ عَمَلِهِ إلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَكُلُّ مَنْ ابْتَدَعَ شَيْئًا مِنْ الْخَيْرِ كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ كُلِّ مَنْ يَعْمَلُ بِهِ إلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ :علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں اسلام کے قانون ہیں کہ جو شخص کوئی بدعت ایجاد کرے اس پر اس کام میں ساری پیروی کرنے والوں کا گناہ ہے اور جو شخص اچھی بدعت نکالے اس کو قیامت تک کے سارے پیروی کرنے والوں کا ثواب ہے۔[2]

اس سے بھی معلوم ہوا کہ اچھی بدعت ثواب ہے اور بری بدعت گناہ۔

بدعت کا حقیقی تصور

ذیل میں احادیث مبارکہ کی روشنی میں بدعت کا حقیقی مفہوم بیان کیا جارہا ہے جس سے یہ واضح ہوجائے گا کہ احادیث بدعت کا حقیقی اطلاق کن کن بدعات پر ہوتا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رد۔

ترجمہ :جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی رائے نکالے جو کہ دین سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔[3]

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ فيه فَهُوَ رد۔

---

[1] (صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب الحث علی الصدقہ ج ۲ ص ۷۰۵ رقم الحدیث ۱۰۱۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (سنن نسائی کتاب الزکاۃ باب التحریض علی الصدقہ ج ۵ ص ۷۵۔۷۶ رقم الحدیث ۲۵۵۴ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب)، (سنن ابن ماجہ مقدمۃ باب من سنۃ حسنۃ اوسیئۃ ج ۱ ص ۷۴ رقم الحدیث ۲۰۳ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۷۔۳۵۹ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۸ ص ۱۰۱۔۱۰۲ رقم الحدیث ۳۳۰۸ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

[2] (ردالمحتار علی درالمختار ج ۱ ص ۴۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[3] (صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۳۴۳ کتاب الاقضیہ باب نقض الاحکام الباطلہ رقم ۱۷۱۸، سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۷ باب تعظیم حدیث رسول اللہ ﷺ رقم ۱۴، المسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۲۷۰ رقم ۲۶۳۷۲، صحیح ابن حبان ج ۱ ص ۲۰۷ رقم ۲۶، سنن دارقطنی ج ۴ ص ۲۲۴ رقم ۷۸، مسند الشہاب قضاعی ج ۱ ص ۲۳۱ رقم ۳۵۹، بیہقی السنن الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۱۹، ابن رجب جامع العلوم والحکم ج ۱ ص ۵۸، منذری الترغیب والترہیب ج ۱ ص ۴۳ رقم ۷۷، قیسرانی تذکرۃ الحفاظ ج ۴ ص ۱۲۸۱، مشکوۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الاول ص ۲۷ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

ترجمہ : جوشخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی رائے نکالے جوکہ دین سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔[1]

ان احادیث میں لفظ أَحْدَثَ، مَالَيْسَ مِنْهُ اور مَالَيْسَ فيه قابل غور ہیں۔عرف عام میں أَحْدَثَ کا معنی دین میں کوئی چیز ایجاد کرنا ہے اور لفظ مَا لَيْسَ منه، أَحْدَثَ کے مفہوم کو واضح کر رہا ہے کہ أَحْدَثَ سے مراد وہ نئی چیز ہوگی جو اس دین میں نہ ہو۔حدیث کے اس مفہوم سے ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ! اگر أَحْدَثَ سے مراد دین میں کوئی چیز پیدا کرنا ہے تو جب ایک چیز نئی پیدا ہو رہی ہے تو پھر یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ مالیس منه یا مالیس فیه کیونکہ اگر وہ اس میں ہی تھی (یعنی اس دین کا حصہ تھی تو اس کو نئی کہنے کی ضرورت ہی نہ تھی اور جس کو نئی چیز کہہ دیا تو لفظ أَحْدَثَ ذکر کر دینے کے بعد اس امر کی ضرورت نہیں رہتی کہ مَالیس منه کا اضافہ کیا جائے۔مطلب یہ ہے کہ اگر وہ اس میں سے ہو تو نئی (محدثہ) نہ رہی اور اگر وہ نئی ہے تو مَا لیس منه کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کیونکہ نئی چیز کہتے ہی اسے ہیں جو پہلے دین میں موجود نہ ہو اور جو پہلے سے دین میں موجود ہو تو پھر لفظ أَحْدَثَ چہ معنی دارد؟

اس حدیث پر غور کرنے سے یہ معنی معلوم ہوتا ہے کہ ہر نیا کام مردود نہیں بلکہ وہ نیا کام مردود ہوگا جو دین کا حصہ نہ ہو۔جو نیا کام دین کے دائرے میں ہو وہ مردود نہیں مقبول ہے۔

دین سے نہیں ہے کے معنی یہ ہیں کہ دین کے خلاف ہے۔چنانچہ اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے۔

ومراد چیزے است کہ مخالف ومغیر آن باشد۔

اس سے مراد وہ چیز ہے جو کہ دین کے خلاف یا دین کو بدلنے والی ہو۔اسی مشکوۃ باب الاعتصام تیسری فصل میں ہے۔

مَا أَحْدَثَ قَوْمٌ بِدْعَةً إِلَّا رُفِعَ مِثْلُهَا مِنَ السُّنَّةِ فَتَمَسُّكٌ بِسُنَّةٍ خَيْرٌ مِنْ إِحْدَاثِ بِدعَة۔

ترجمہ : کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرتی مگر اتنی سنت اٹھ جاتی ہے۔لہذا سنت کو لینا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔[2]

اس کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے۔وچوں احداث بدعت رافع سنت است ہمیں قیاس اقامت سنت قاطع بدعت خواہد بود۔اور جب بدعت نکالنا سنت کو مٹانے والا ہے۔تو سنت کو قائم کرنا بدعت کو مٹانے والے ہوگا۔

اس حدیث اور اس کی شرح سے یہ معلوم ہوا کہ بدعت سیئہ یعنی بری بدعت وہ ہے کہ جس سے سنت مٹ جاوے۔اس کی مثالیں ہم پہلے دے چکے ہیں۔بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی پہچان خوب یاد رکھنا چاہیے کہ اسی جگہ دھوکا ہوتا ہے۔

بدعت کی قسمیں اور ان کے احکام

یہ تو معلوم ہو چکا کہ بدعت دو طرح کی ہے۔بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔اب یاد رکھنا چاہیے کہ بدعت حسنہ تین طرح کی ہے۔

بدعت جائز..... بدعت مستحب،..... بدعت واجب۔

اور بدعت سیئہ دو طرح کی ہے۔بدعت مکروہ.....اور..... بدعت حرام۔

اس تقسیم کی دلیل ملاحظہ ہو۔مرقات باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں ہے۔

---

[1] (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۵۹ کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور، رقم ۲۵۵۰، السنن ابو داؤد ج ۴ ص ۲۰۰ کتاب السنۃ باب فی لزوم السنۃ رقم ۴۶۰۶، المسند ابو عوانہ ج ۴ ص ۱۷۱ رقم ۴۶۰۸، المسند ابو یعلی ج ۸ ص ۷۰ رقم ۴۵۹۴، المنتقی ابن جارود ج ۱ ص ۲۵۱ رقم ۱۰۰۲، الاعتقاد بیہقی ج ۱ ص ۲۲۹، الفردوس بماثور الخطاب دیلمی ج ۳ ص ۵۷۹ رقم ۵۸۱۲، اعتقاد اہلسنۃ لالکائی ج ۱ ص ۱۱۹ رقم ۱۹۱، تہذیب الکمال مزی ج ۱۸ ص ۴۶۵)

[2] (مشکوۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الثالث ص ۳۱ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

البدعة اما واجبة كتعلم النحو وتدوين اصول الفقه واما محرمة كمذهب الجبرية واما مندوبة كاحداث الروابط والمدارس وكل احسان لم يعهد فى الصدر الاول وكالتراويح اى بالجماعة العامة واما مكروهة كذخرفة المسجد واما مباحة كالمصافحة عقيب الصبح والتوسع بلذيذ الماكل والمشارب۔

ترجمہ :بدعت یا تو واجب ہے جیسے علم نحو کا سیکھنا اور اصول فقہ کا جمع کرنا اور یا حرام ہے جیسے جبریہ مذہب اور یا مستحب ہے۔ جیسے مسافر خانوں اور مدرسوں کا ایجاد کرنا اور ہر وہ اچھی بات جو پہلے زمانہ میں نہ تھی اور جیسے عام جماعت سے تراویح پڑھنا اور یا مکروہ ہے جیسے مسجدوں کو فخریہ زینت دینا اور یا جائز ہے جیسے فجر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور عمدہ عمدہ کھانوں اور شربتوں میں وسعت کرنا۔[1]

شامی جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب الامامت میں ہے۔

أَيْ صَاحِبُ بِدْعَةٍ) أَيْ مُحَرَّمَةٍ، وَإِلَّا فَقَدْ تَكُونُ وَاجِبَةً، كَنَصْبِ الْأَدِلَّةِ لِلرَّدِّ عَلَى أَهْلِ الْفِرَقِ الضَّالَّةِ، وَتَعَلُّمِ النَّحْوِ الْمُفْهِمِ لِلْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَمَنْدُوبَةً كَإِحْدَاثِ نَحْوِ رِبَاطٍ وَمَدْرَسَةٍ وَكُلِّ إحْسَانٍ لَمْ يَكُنْ فِي الصَّدْرِ الْأَوَّلِ، وَمَكْرُوهَةٍ كَزَخْرَفَةِ الْمَسَاجِدِ. وَمُبَاحَةٍ كَالتَّوَسُّعِ بِلَذِيذِ الْمَآكِلِ وَالْمَشَارِبِ وَالثِّيَابِ كَمَا فِي شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ۔

ترجمہ :یعنی حرام بدعت والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے ورنہ بدعت تو کبھی واجب ہوتی ہے جیسے کہ دلائل قائم کرنا اور علم نحو سیکھنا اور کبھی مستحب جیسے مسافر خانہ اور مدرسے اور ہر وہ اچھی چیز جو کہ پہلے زمانہ میں نہ تھی ان کا ایجاد کرنا اور کبھی مکروہ جیسے کہ مسجدوں کی فخریہ زینت اور کبھی مباح جیسے عمدہ کھانے شربتوں اور کپڑوں میں وسعت کرنا اسی طرح جامع صغیر کی شرح میں ہے۔[2]

ان عبارات سے بدعت کی پانچ قسمیں بخوبی واضح ہوئیں۔لہذا معلوم ہوا کہ ہر بدعت حرام نہیں بلکہ بعض بدعتیں کبھی ضروری بھی ہوتی ہیں جیسے کہ علم فقہ واصول فقہ قرآن کریم کا جمع کرنا یا قرآن کریم میں اعراب لگانا یا آج کل قرآن کریم کا چھاپنا اور دینی مدرسوں کے درس وغیرہ بنانا۔

بدعت کی قسموں کی پہچانیں اور علامتیں

بدعت حسنہ اور سیئہ کی پہچان تو بتادی گئی کہ جو بدعت اسلام کے خلاف ہو یا کسی سنت کو مٹانے والی ہو۔وہ بدعت سیئہ۔اور جو ایسی نہ ہو۔وہ بدعت حسنہ ہے۔اب ان پانچ قسموں کی علامتیں معلوم کرو۔

بدعت جائز.....:ہر وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو۔اور بغیر کسی نیت خیر کے کیا جاوے۔جیسے چند کھانے کھانا وغیرہ۔اس کا حوالہ مرقاۃ اور شامی میں گزر گیا۔ان کاموں پر نہ ثواب نہ عذاب۔

بدعت مستحبہ..... :وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اس کو عام مسلمان کار ثواب جانتے ہوں یا کوئی شخص اس کو نیت خیر سے کرے جیسے محفل میلاد شریف اور فاتحہ بزرگان کہ عام مسلمان اس کو کار ثواب جانتے ہیں۔اس کو کرنے والا ثواب پاوے گا۔اور نہ کرنے والا گنہگار نہیں ہوگا۔دلائل ملاحظہ ہوں۔

مرقات باب الاعتصام میں ہے۔

وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ :مَارَأَوْهُ الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ حَسَنٌ۔

---

[1] (مرقات المفاتیح ج ا ص ۲۱۶ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[2] (رد المحتار علی الدالمختار ج ا ص ۴۱۴ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

ترجمہ : حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔[1]

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَجْمَعُ أُمَّتِي - أَوْ قَالَ : أُمَّةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - عَلَى ضَلَالَةٍ۔

ترجمہ : اور حدیث مرفوع میں ہے کہ میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔[2]

مشکوۃ کے شروع میں ہے۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى۔

ترجمہ : اعمال کا مدار نیت سے ہے اور انسان کے لئے وہی ہے جو نیت کرے۔[3]

درمختار جلد اول بحث مستحبات وضو میں ہے۔

(وَمُسْتَحَبُّهُ) وَيُسَمَّى مَنْدُوبًا وَأَدَبًا وَفَضِيلَةً، وَهُوَ مَا فَعَلَهُ النَّبِيُّ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - مَرَّةً وَتَرَكَهُ أُخْرَى، وَمَا أَحَبَّهُ السَّلَفُ۔

ترجمہ : مستحب وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام نے کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑا ہو اور وہ کام جسے گزشتہ مسلمان اچھا جانتے ہوں۔[4]

شامی جلد پنجم بحث قربانی میں ہے۔

فَإِنَّ النِّيَّةَ تُصَيِّرُ الْعَادَاتِ عِبَادَاتٍ۔

ترجمہ : کیونکہ نیت خیر عادات کو عبادت بنا دیتی ہے۔[5]

اسی طرح مرقاۃ بحث نیت میں بھی ہے۔

ان احادیث وفقہی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام نیت ثواب سے کیا جاوے یا مسلمان اس کو ثواب کا کام جانیں۔ وہ عنداللہ بھی کارثواب ہے۔

---

[1] (طبرانی کبیر ج ۹ ص ۱۱۲ رقم الحدیث ۸۵۸۳ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۹ رقم الحدیث ۳۶۰۰ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (مستدرک للحاکم ج ۳ ص ۸۳ رقم الحدیث ۴۴۶۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (المدخل السنن الکبری للبیہقی ج ۱ ص ۱۱۴ مطبوعہ دارالخلفاء للکتاب الاسلامی الکویت)، (مسند الطیالسی ج ۱ ص ۳۳ رقم الحدیث ۲۴۶ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

[2] (سنن الترمذی کتاب الفتن باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ ج ۴ ص ۴۶۶ رقم الحدیث ۲۱۶۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (مستدرک للحاکم ج ۱ ص ۲۰۱ رقم الحدیث ۳۹۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

[3] (صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۵۱۵ رقم الحدیث ۱۹۰۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (سنن الترمذی قال ابوعیسی ھذا حدیث حسن صحیح ج ۴ ص ۱۷۹ رقم الحدیث ۱۶۴۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابوداؤد باب فیما عنی بہ الطلاق والنیات ج ۲ ص ۲۶۲ رقم الحدیث ۲۲۰۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (مسند الحمیدی ج ۱ ص ۱۶ رقم الحدیث ۲۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۱۱۳۔ ۱۱۴ رقم الحدیث ۳۸۸۔ ۳۸۹ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (صحیح ابن خذیمۃ ج ۱ ص ۷۳ رقم الحدیث ۱۴۲ المکتب الاسلامی بیروت)، (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۴۲ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)، (سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۴۱۳ رقم الحدیث ۴۲۲۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (مسند الطیالسی ص ۹ رقم الحدیث ۳۷ مطبوعہ دارالعرفۃ بیروت)، (سنن نسائی ج ۶ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۳۴۳۷ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب)، (البحرالزخار، المعروف بمسند البزار ج ۱ ص ۳۸۰۔ ۳۸۱ رقم الحدیث ۲۵۷ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ)، (المنتقی لابن الجارود باب فی النیۃ فی الاعمال ص ۲۷ رقم الحدیث ۶۴ مطبوعہ موسسۃ الکتاب الثقافیۃ بیروت)، (مسند احمد ج ۱ ص ۲۵ رقم الحدیث ۱۶۸ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)، (سنن الکبری للبیہقی باب النیۃ فی الطھارۃ الحکمیۃ ج ۱ ص ۴۱ رقم الحدیث ۱۸۱ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)، (تاریخ بغداد ج ۶ ص ۱۵۳ برقم ۳۱۹۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)، (السنن الصغری للبیہقی ص ۱۸ رقم الحدیث ۱ مطبوعہ مکتبۃ الدارالمدینۃ المنورۃ)، (مسند الربیع عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ص ۲۳ رقم الحدیث ۱ مطبوعہ دارالحکمۃ بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبۃ عن ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ ج ۷ ص ۵۰۲ رقم الحدیث ۳۷۵۵۷۔ ۳۷۵۵۸ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

[4] (الدرمختار وعلی حاشیہ کشف الاستار بحث مستحبات وضوص ۲۲ مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور)

[5] (ردالمحتار علی الدرالمختار ج ۵ ص مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

مسلمان اللہ کے گواہ ہیں جس کے اچھے ہونے کی گواہی دیں وہ اچھا ہے اور جس کو برا کہیں وہ برا۔گواہی کی نفیس بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں دیکھو اور اس کتاب میں بھی عرس بزرگان کی بحث میں کچھ اس کا ذکر آویگا۔ان شاء اللہ۔

بدعت واجبہ..... :وہ نیا کام جو شرعاً منع نہ ہو اور اس یک چھوڑنے سے دین میں حرج واقع ہو۔جیسے کہ قرآن کے اعراب اور دینی مدارس اور علم نحو وغیرہ پڑھنا اس کے حوالے گزر چکے۔

بدعت مکروہہ..... :وہ نیا کام جس سے کوئی سنت چھوٹ جاوے۔اگر سنت غیر موکدہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہ تنزہی ہے۔اور اگر سنت موکدہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہ تحریمی۔اس کی مثالیں اور حوالے گزر گئے۔

بدعت حرام..... :وہ نیا کام جس سے کوئی واجب۔چھوٹ جاوے۔یعنی واجب کو مٹانے والی ہو۔

درمختار باب الاذان[1] میں ہے کہ بعد سلام کرنا ۷۸۱ھ میں ایجاد ہوا لیکن وہ بدعت حسنہ ہے اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ اذان جوق کے بارے میں فرماتے ہیں۔

فَفِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ غَيْرُ مَكْرُوهٍ، لِأَنَّ الْمُتَوَارَثَ لَا يَكُونُ مَكْرُوهًا، وَكَذَلِكَ نَقُولُ فِي الْأَذَانِ بَيْنَ يَدَيْ الْخَطِيبِ فَيَكُونُ بِدْعَةً حَسَنَةً إذْ مَا رَآهُ الْمُؤْمِنُونَ حَسَنًا فَهُوَ حَسَنٌ اھ۔[2]

اس سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام مسلمانوں میں مروج ہو جائے باعث ثواب ہے۔

آؤ ہم آپ کو دکھائیں کہ اسلام کی کوئی عبادت حسنہ سے خالی نہیں۔فہرست ملاحظہ ہو۔

ایمان:۔مسلمان کے بچہ بچہ کو ایمان مجمل اور ایمان مفصل یاد کرایا جاتا ہے۔ایمان کی یہ دو قسمیں اور ان کے یہ دونوں نام بدعت ہیں قرون ثلثہ میں اس کا پتہ نہیں۔

کلمہ:۔ہر مسلمان چھ کلمہ یاد کرتا ہے۔یہ چھ کلمے ان کی تعداد ان کی ترکیب کہ یہ پہلا کلمہ ہے۔یہ دوسرا اور ان کے یہ نام ہیں۔سب بدعت ہیں۔جن کا قرون ثلثہ میں پتہ بھی نہیں تھا۔

قرآن:۔قرآن شریف کے تیس پارہ بنانا۔ان میں رکوع قائم کرنا۔اس پر اعراب لگانا اس کی سنہری روپہلی جلدی تیار کرنا۔قرآن کو بلاک وغیرہ بنا کر چھاپنا سب بدعت ہیں۔جن کا قرون ثلثہ میں ذکر بھی نہ تھا۔

حدیث:۔حدیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا۔حدیث کی اسناد بیان کرنا۔اسناد پر جرح کرنا اور حدیث کی قسمیں بنانا کہ یہ صحیح ہے یہ حسن، یہ ضعیف، یہ معضل، یہ مدلس ان قسموں میں ترتیب دینا کہ اول نمبر صحیح ہے۔دوم نمبر حسن سوم نمبر ضعیف۔پھر ان کے احکام مقرر کرنا کہ حرام وحلال چیزیں حدیث صحیح سے ثابت ہوں گی۔اور فضائل میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہوگی۔غرضکہ سارا فن حدیث ایسی بدعت ہے۔جس کا قرون ثلثہ میں ذکر بھی نہ تھا۔

اصول حدیث:۔یہ فن بالکل بدعت ہے بلکہ اس کا تو نام بھی بدعت ہے اس کے سارے قاعدے قانون بدعت۔

فقہ :اس پر آج کل دین کا دارومدار ہے۔مگر یہ بھی از اول تا آخر بدعت ہے جس کا قرون ثلثہ میں ذکر نہیں۔

اصول فقہ وعلم کلام:۔یہ علم بھی بالکل بدعت ہے ان کے قواعد وضوابط سب بدعت۔

نماز:۔نماز میں زبان سے نیت کرنا۔بدعت جس کا ثبوت قرون ثلثہ میں نہیں۔رمضان میں بیس تراویح پر ہمیشگی کرنا بدعت ہے خود امیر المومنین عمر

---

[1] (الدرمختار علی حاشیہ کشف الاستار باب الاذان ص ۶۴ مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور)

[2] (ردالمحتار علی درالمختار ج ۱ ص ۲۸۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

رضی اللہ عنہ نے فرمایا نعمۃ البدعتہ ھذہ یہ بڑی اچھی بدعت ہے۔

روزہ:۔روزہ افطار کرتے وقت زبان سے دعا کرنا۔ اللھم لک صمت الخ اور سحری کے وقت دعا مانگنا کہ اللھم بالصوم لک غدا نویت بدعت ہے۔

زکوۃ:۔زکوۃ میں موجودسکہ رائج الوقت ادا کرنا بدعت ہے قرون ثلثہ میں یہ تصویر والے سکے نہ تھے نہ ان سے زکوۃ جیسی عبادات ادا ہوتی تھی۔موجودہ سکے سے غلوں سے فطرانہ نکالنا یہ سب بدعت ہیں۔

حج:۔ریل گاڑیوں لاریوں موٹروں ہوائی جہازوں کے ذریعہ حج کرنا۔موٹروں میں عرفات شریف جانا بدعت ہے اس زمانہ پاک میں نہ یہ سواریاں تھیں نہ ان کے ذریعہ حج ہوتا تھا۔

طریقت:۔طریقت کے قریباً سارے مشاغل اور تصوف کے قریباً سارے مسائل بدعت ہیں مراقبے چلے پاس انفاس تصور شیخ ذکر کے اقسام سب بدعت ہیں۔جن کا قرون ثلثہ میں کہیں پتہ نہیں چلتا۔

چار سلسلے:۔شریعت وطریقت دونوں کے چار چار سلسلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اسی طرح قادری، چشتی، نقشبندی، کوئی صحابی تابعی حنفی قادری نہ ہوئے۔

اب دیوبندی بتائیں کہ بدعت سے بچکر وہ دینی حیثیت سے زندہ بھی رہ سکتے ہیں؟ جب ایمان اور کلمہ میں بدعات داخل ہیں۔تو بدعت سے چھٹکارا کیسا؟

دنیاوی چیزیں:۔آج کل دنیا میں وہ وہ چیزیں ایجاد ہوگئی ہیں۔جن کا خیر القرون میں نام ونشان بھی نہ تھا اور جن کے بغیر اب دنیاوی زندگی مشکل ہے۔ہر شخص ان کے استعمال پر مجبور ہے۔ریل موٹر ہوائی جہاز سمندری جہاز تانگہ گھوڑا گاڑی پھر خط لفافہ تار ٹیلیفون ریڈیو لاؤڈ سپیکر وغیرہ یہ تمام چیزیں اور ان کا استعمال بدعت ہے اور انہیں ہر جماعت کے لوگ بلاتکلف استعمال کرتے ہیں۔

بولو دیوبندی، وہابی بغیر بدعات حسنہ کے دنیاوی زندگی گزار سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

لطیفہ:۔ایک مولوی صاحب کسی شخص کا نکاح پڑھانے گئے۔دولہا کے پھولوں کا سہرا بندھا ہوا تھا۔جاتے ہی بولے یہ سہرا بدعت ہے شرک ہے حرام ہے نہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے باندھا نہ صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے نہ تابعین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے نہ تبع تابعین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے بتاؤ کونسی کتاب میں لکھا ہے کہ سہرا باندھو لوگوں نے سہرا کھول دیا جب نکاح پڑھا چکے تو دولہا کے باپ نے دس روپیہ کا نوٹ دیا۔مولوی صاحب نوٹ جیب میں ڈال رہے تھے کہ دولہا نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ مولوی صاحب نکاح پڑھا کر روپیہ لینا بدعت ہے حرام ہے۔شرک ہے۔نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لئے نہ صحابہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے نہ تابعین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے نہ تبع تابعین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے۔بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ نکاح کی فیس لو مولوی صاحب بولے یہ تو خوشی کے پیسے ہیں۔دولہا نے کہا کہ سہرا بھی خوشی کا تھا۔غم کا نہ تھا۔مولوی صاحب شرم سے ڈوب گئے۔یہ ہے ان بزرگوں کی بدعت۔

ہم نے بدعت عملی کی یہ تعریف کی ہے کہ جو کام دینی یا دنیاوی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے بعد ایجاد ہو وہ بدعت ہے خواہ زمانہ صحابہ کرام میں ہو یا اس کے بعد اس پر دو مشہور اعتراض ہیں۔

اعتراض (۱).....:۔بدعت صرف اس دینی کام کو کہیں گے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایجاد ہو۔دنیاوی نئے کام بدعت نہیں۔لہذا محفل میلاد وغیرہ تو بدعت ہیں اور تار ٹیلیفون ریل گاڑی کی سواری بدعت نہیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد جو شخص

ہمارے دین میں کوئی بات نکالے وہ مردود ہے امر نا سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی ایجادات بدعت نہیں اور دینی بدعت کوئی بھی حسنہ نہیں سب حرام ہیں۔کیونکہ حدیث میں ان سب کو کہا گیا کہ وہ مردود ہے۔

جواب:۔دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے احادیث صحیحہ اور اقوال علماء اور محدثین کے خلاف ہے۔حدیث میں ہے کل محدث بدعۃ ہر نیا کام بدعت ہے اس میں دینی یا دنیاوی کی قید نہیں۔نیز ہم اشعۃ اللمعات اور مرقاۃ کی عبارتیں نقل کر چکے ہیں اس میں دینی کام کی قید نہیں لگائی۔ نیز ہم پہلے باب میں مرقاۃ اور شامی کی عبارتیں دکھا چکے کہ انہوں نے عمدہ کھانے اچھے کپڑے بدعت جائزہ میں داخل کئے ہیں۔یہ کام دنیاوی ہیں۔ مگر بدعت میں ان کو شمار کیا لہذا یہ قید لگانا غلط ہے۔اگر مان بھی لیا جاوے کہ بدعت میں دینی کام کی قید ہے تو دینی کام اسی کو تو کہتے ہیں جس پر ثواب ملے۔مستحبات،نوافل،واجبات،فرائض سب دینی کام ہیں کہ اس کو آدمی ثواب کے لئے کرتا ہے اور دنیا کا کوئی بھی کام نیت خیر سے کیا جاوے اس پر ثواب ملتا ہے۔حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملنا صدقہ کا ثواب رکھتا ہے۔اپنے بچوں کو پالنا نیت خیر سے ہو تو ثواب ہے۔حتی اللقمۃ ترفعھا نی فی امراء تک یہاں تک کہ جو لقمہ اپنی زوجہ کے منہ میں دے وہ بھی ثواب۔لہذا مسلمان کا ہر دنیاوی کام دینی ہے۔اب بتاؤ کہ نیت خیر سے پلاؤ کھلانا بدعت ہے یا نہیں؟ نیز دینی کام کی قید لگانا آپ کے لئے کوئی مفید نہیں۔کیونکہ دیوبند کا مدرسہ وہاں کا نصاب دورہ حدیث تنخواہ لے کر مدرسین کا پڑھانا امتحان اور تعطیلات کا ہونا آج قرآن پاک میں اعراب لگانا قرآن و بخاری چھاپنا مصیبت کے وقت ختم بخاری کرنا جیسا کہ دیوبند میں پندرہ روپیہ لے کر کرایا جاتا ہے بلکہ سارا فن حدیث بلکہ خود احادیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا بلکہ خود قرآن کو کاغذ پر جمع کرنا۔اس میں رکوع بنانا۔اس کے تیس پارے کرنا وغیرہ وغیرہ سب ہی دینی کام ہیں اور بدعت ہیں۔کیونکہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ان سے کوئی کام نہ ہوا تھا۔بولو یہ حرام ہیں یا حلال؟ بچارے محفل میلاد شریف اور فاتحہ نے ہی کیا قصور کیا ہے جو صرف وہ تو اس لئے حرام ہوں کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں نہ تھا اور اوپر ذکر کئے ہوئے سب کام حلال۔

حکیم الامت مولانا احمد یار خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو اپنے مناظرہ میں کہا تھا کہ آپ حضرات چار چیزوں کی صحیح تعریف کر دیں۔جس پر کوئی اعتراض نہ ہو جامع مانع ہو۔تو جس قدر چاہیں ہم سے انعام لیں بدعت شرک دین عبادت اور اب بھی اپنے رب بھروسہ پر کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی دیوبندی کوئی غیر مقلد اور کوئی شرک و بدعت کی رٹ لگانے والا ان چار چیزوں کی تعریف ایسی نہیں کر سکتا جس سے اس کا مذہب بچ جاوے۔آج بھی ہر دیوبندی اور ہر غیر مقلد کو اعلان عام ہے کہ ان کی ایسی صحیح تعریف کرو جس سے محفل میلاد حرام ہو۔اور رسالہ قاسم اور پرچہ اہل حدیث حلال اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنا شرک ہو اور پولیس وغیرہ سے استمداد عین اسلام اور کہے دیتے ہیں کہ ان شاء اللہ یہ تعریفیں نہ ہو سکیں گی۔لہذا چاہیے کہ اپنے اس بے اصولے مذہب سے توبہ کریں اور اہل سنت والجماعت میں داخل ہوں اللہ الموافق۔ وہ حدیث جو آپ نے پیش کی۔اس کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں یا تو ما سے مراد عقائد ہیں کہ دین کا عام اطلاق عقائد پر ہوتا ہے اور اگر مراد اعمال بھی ہوں تو لیس منہ سے مراد وہ اعمل ہیں۔جو خلاف سنت یا خلاف دیں ہوں ہم اس کے حوالہ بھی پیش کر چکے ہیں۔

یہ کہنا کہ ہر بدعت حرام ہوتی ہے بدعت حسنہ کوئی چیز ہی نہیں یہ اس حدیث کے خلاف ہے جو پیش کی جا چکی کہ اسلام میں جو نیک کام ایجاد کرے وہ ثواب کا مستحق ہے اور جو برا کام ایجاد کرے وہ عذاب کا۔نیز شامی اشعۃ اللمعات اور مرقاۃ کی عبارات پیش کی جا چکی ہیں کہ بدعت پانچ قسم کی ہے جائز واجب مستحب مکروہ اور حرام۔اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ ہر بدعت حرام ہے تو مدارس وغیرہ کو ختم کر دو کہ یہ بھی حرام ہیں۔نیز مسائل فقیہہ

ا(مشکوۃ باب الاعتصام الفصل الاول ص ۲۷ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اوراشغال صوفیہ جوخیر القرون کے بعد ایجاد ہوئے تمام حرام ہو جائیں گے۔شریعت کے چار سلسلے حنفی،شافعی،مالکی،حنبلی اور طریقت کے چار سلسلے قادری،چشتی،نقشبندی،سہروردی یہ تمام ہی حضور علیہ الصلوۃ والسلام بلکہ صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے بعد ایجاد ہوئے پھر ان کے مسائل اجتہادیہ اوراعمال وظیفے مراقبے چلے وغیرہ سب بعد کی ایجاد ہیں اور سب لوگ ان کو دین کا کام سمجھ کر ہی کرتے ہیں چھ کلمہ،ایمان مجمل،ومفصل قرآن کے تیس پارے حدیث کی قسمیں اوران کے احکام کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف یہ حسن ہے یا معضل وغیرہ عربی مدارس کے نصاب جلسہ دستار بندی سند لینا پگڑی بندھوانا ان چیزوں کا کہیں قرآن وحدیث میں نام بھی نہیں۔کوئی دیوبندی وہابی ان چیزوں کو تو کیا ان کے نام بھی کسی حدیث میں نہیں دکھاسکتا۔پھر حدیث کی اسناد اور راویوں پر مروجہ جرح خیر القرون سے ثابت نہیں کرسکتا غرضکہ شریعت وطریقت کا کوئی عمل ایسا نہیں جس میں بدعت شامل نہ ہو۔

مولوی اسمٰعیل صاحب صراط مستقیم صفحہ ۷ پر فرماتے ہیں۔نیز اکابر طریقت نے اگرچہ اذکار ومراقبات وریاضات ومجاہدات کی تعیین میں جوراہ ولایت کے مبادی ہیں کوشش کی ہے لیکن بحکم ہر سخن وقتی وہر نکتہ مقامی دارد۔ہر ہر وقت کے مناسب اشغال صوفیاء کی ایجاد ہے اور ہر زمانہ میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں جائز ہیں۔بلکہ راہ سلوک ان ہی سے طے ہوتی ہے کہیئے کہ اب وہ قاعدہ کہاں گیا کہ ہر نئی چیز حرام ہے؟ ماننا پڑے گا کہ جو کام خلاف سنت ہو وہ برا ہے باقی عمدہ اور اچھا۔

اعتراض (۲).....:۔مخالفین یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کام حضور علیہ الصلوۃ والسلام یا صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ میں سے کسی زمانہ میں ایجاد ہو جاوے وہ بدعت نہیں۔ان زمانوں کے بعد جو کام ایجاد ہوگا وہ بدعت ہے اور وہ کوئی بھی جائز نہیں۔سب حرام ہیں۔یعنی صحابہ کرام اور تابعین وتبع تابعین کی ایجادات سنت ہیں۔اس لئے کہ مشکوۃ باب الاعتصام میں ہے۔

(۱) فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ۔

ترجمہ : تم پر لازم ہے میری سنت اور ہدایت والے خلفائے راشدین کی سنت کہ اس کو دانت سے مضبوط پکڑلو۔[1]

اس حدیث میں خلفائے راشدین کے کاموں کو سنت کہا گیا۔اس کو پکڑنے کی تاکید فرمائی گئی جس سے معلوم ہوا کہ ان کی ایجادات بدعت نہیں۔

---

[1] (سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۵۔۱۶ رقم الحدیث ۴۲۔۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)،(جامع الترمذی جلد ۲ ص ۹۲ مطبوعہ مکتبہ اکرمیہ پشاور)،(سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۲۰۰ برقم ۴۶۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)،(غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام امام محب الدین طبری ج ۱ ص ۲۵۳ رقم الحدیث ۴۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)،(مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۲۶۔۱۲۷ برقم ۱۷۲۷۵۔۱۷۲۷۶ مطبوعہ مؤسسۃ قرطبۃ مصر)،(مسند الامام الطحاوی ج ۶ ص ۱۶۲ رقم الحدیث ۵۵۳۵ مطبوعہ مکتبۃ الحرمین للنشر والتوزیع دبئی)،(سنن الکبری بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۱۴ مطبوعہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)،(شعب الایمان جلد ۶ ص ۶۷ رقم الحدیث ۷۵۱۵۔۷۵۱۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)،(جامع المسانید والسنن ابن کثیر ج ۹ ص ۲۴۰۵ تا ۲۴۰۷ رقم الحدیث ۶۴۷۴۔۶۴۷۵۔۶۴۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)،(کتاب الاعتقاد والھدایۃ الی سبیل الرشاد امام بیہقی ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الآفاق الجدیدۃ بیروت)،(دلائل النبوۃ امام بیہقی ج ۶ ص ۵۴۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)،(شرح السنۃ امام بغوی ج ۱ ص ۱۸۱ رقم الحدیث ۱۰۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)،(السنۃ لمحمد بن نصر المروزی ص ۲۶۔۲۷ رقم الحدیث ۶۹ مطبوعہ موسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت)،(صحیح ابن حبان جلد ۱ ص ۱۷۸۔۱۷۹ رقم الحدیث ۵ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)،(تاریخ دمشق الکبیر امام ابن عساکر ج ۲۱ جز ۴۲ ص ۱۴۷۔۱۴۸ رقم الحدیث ۸۷۱۰۔۸۷۱۱۔۸۷۱۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)،(المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم امام ابو نعیم جلد ۱ ص ۳۵ تا ۳۷ رقم الحدیث ۱ تا ۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)،(حلیۃ الاولیاء جلد ۵ ص ۲۲۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)،(سنن دارمی جلد ۱ ص ۵۷ رقم الحدیث ۹۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)،(مسند الشامیین امام طبرانی جلد ۱ ص ۲۵۴ رقم الحدیث ۴۳۷ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)،(المعجم الکبیر امام طبرانی جلد ۱۸ ص ۲۵۷ رقم الحدیث ۶۴۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)،(وابن ابی عاصم فی السنۃ جلد ۱ ص ۲۹۔۳۰ رقم الحدیث ۵۴ تا ۵۹ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)،(سیر اعلام النبلا ج ۴ ص ۵۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)،(السنن الواردۃ فی الفتن جلد ۲ ص ۳۷۵ رقم الحدیث ۱۲۴ مطبوعہ دار العاصمۃ الریاض)،(اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ ج ۱ ص ۲۲ مطبوعہ دار طیبۃ الریاض)،(الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر للنبہانی ج ۱ ص ۲۵۷ رقم الحدیث ۲۷۷۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)،(الموضوعات الکبری ص ۲۱۰ برقم ۸۲۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

(۲)مشکوۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے۔

خَيْرُ أُمَّتِي قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ إِنَّ بَعْدَهُمْ قَوْمًا يَشْهَدُونَ وَلَا يُسْتَشْهَدُونَ وَيَخُونُونَ وَلَا يُؤْتَمَنُونَ۔

ترجمہ : میری امت میں بہتر گروہ میرا گروہ ہے پھر وہ جو ان کے متصل میں پھر وہ جو ان کے متصل ہیں پھر اس کے بعد ایک قوم ہوگی جو بغیر گواہ بنائے ہوئے گواہی دیتی پھریگی اور جو خیانت کریں گے۔امین نہ ہوں گے۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ تین زمانہ خیر ہیں صحابہ کرام کا تابعین کا تبع تابعین کا اور پھر شر اور خیر کا زمانہ میں جو پیدا ہو وہ خیر یعنی سنت ہے اور شر زمانہ میں جو پیدا ہو وہ شر یعنی بدعت ہے۔نیز مشکوۃ باب الاعتصام میں ہے۔

(۳)وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا وَمن هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وأصحابي۔

ترجمہ : میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے ایک کے سوا سب جہنمی ہیں۔عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ وہ ایک کون ہے؟ فرمایا جس پر ہم اور ہمارے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔[2]

---

[1] (مشکوۃ المصابیح باب مناقب الصحابۃ الفصل الاول ص ۵۵۳ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)،(سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۹۱ رقم الحدیث ۲۳۶۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)،(نیل الاوطار ج ۹ ص ۲۰۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)،(صحیح ابن حبان ج ۱۵ ص ۱۲۳ رقم الحدیث ۶۷۲۹ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)،(سنن الترمذی کتاب الفتن باب ماجاء فی القرن الثالث ج ۴ ص ۵۰۰ رقم الحدیث ۲۲۲۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)،(طبرانی کبیر ج ۲۴ ص ۲۵۸ رقم الحدیث ۲۵۸ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)،(الآحاد والمثانی للشیبانی ج ۵ ص ۳۷ رقم الحدیث ۳۱۶۹ مطبوعہ دار الرایہ سعودی عرب ریاض)،(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ج ۷ ص ۵۵۹ برقم ۱۰۹۷۴ مطبوعہ دار الجیل بیروت)،(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۱۰ ص ۱۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)،(طبرانی الاوسط ج ۳ ص ۳۲۹ رقم الحدیث ۳۲۹ مطبوعہ دار الحرمین القاھرۃ)،(حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۱۷۲ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)،(البحر الزخار، المعروف بمسند البزار ج ۸ ص ۲۰۸۔۲۰۹ رقم الحدیث ۳۲۴۶۔۳۲۴۷ وص ۲۳۰ رقم الحدیث ۳۲۸۷ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ)،(حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ص ۳۸۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)،(نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض ج ۴ ص ۱۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)،(کنز العمال ج ۱۱ ص ۵۲۶۔۵۲۷ رقم الحدیث ۳۲۴۴۹۔۳۲۴۵۰۔۳۲۴۵۱۔۳۲۴۵۲۔۳۲۴۵۳۔۳۲۴۵۴۔۳۲۴۵۷ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)،(طبرانی صغیر باب من اسمہ احمد ج ۱ ص ۳۸ وباب من اسمہ ابراہیم ص ۸۹ وباب الحاء من اسمہ الحسن ص ۱۲۷۔۱۲۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)،(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ج ۱ ص ۱۸۹ مطبوعہ دار الغرب الاسلامی بیروت)(الاحادیث المختارۃ وقال اسنادہ صحیح ج ۱ ص ۳۹۱۔۳۹۲ رقم الحدیث ۲۷۱۔۲۷۲ مطبوعہ مکتبۃ النھضۃ الحدیثۃ مکہ مکرمۃ)،(مسند ابن جعد ص ۱۹۶ رقم الحدیث ۱۲۸۹ مطبوعہ موسسۃ نادر بیروت)،(الآحاد والمثانی ومن ذکر جعد بن ھبیرہ ج ۲ ص ۴۷ رقم الحدیث ۷۲۶ مطبوعہ دار الرایۃ الریاض)،(معجم الصحابۃ ج ۱ ص ۱۵۴ برقم ۱۶۳ مطبوعہ مکتبۃ الغرباء الاثریۃ المدینۃ المنورۃ)،(صفوۃ الصفوۃ لابن جوزی ج ۲ ص ۷۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)،(الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر ج ۱ ص ۲۴۶ رقم الحدیث ۴۰۳۶۔۴۰۳۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)،(جامع الاحادیث الکبیر لسیوطی ج ۲۰ ص ۴۷۴ رقم الحدیث ۱۷۸۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)،(المعجم الکبیر طبرانی ج ۲ ص ۲۸۵ رقم الحدیث ۲۱۸۷۔۲۱۸۸ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)،(حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ج ۲ ص ۷۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)،(سنن ابو داؤد کتاب السنۃ باب فی فضل اصحاب رسول اللہ ج ۴ ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۴۶۵۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)،(مسند الحارث زوائد الھیثمی کتاب المناقب باب ای القرون خیر ج ۲ ص ۹۴۰ رقم الحدیث ۱۰۳۶ مطبوعہ مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ النبویۃ المدینۃ المنورۃ)، (مسند الرویانی ج ۱ ص ۸۹ رقم الحدیث ۵۴ مطبوعہ مؤسسۃ قرطبۃ مصر)،(مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱۲ ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۱۲۴۶۳ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراچی)

[2] (مشکوۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الثانی ص ۳۰ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)،(ص ۳۰)،(خصائص الکبری ج ۲ ص ۲۴۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سبل الھدی والرشاد ج ۱۰ ص ۱۶۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)،(حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ص ۳۹۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)،(نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض ج ۴ ص ۱۵۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الشفا بتعریف حقوق المصطفی ج ۱ ص ۲۰۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (جامع الترمذی ص ۳۷۸۔۳۷۹ مطبوعہ نور محمد تجارت کتب خانہ کراچی)،(سنن ابن ماجہ ص ۲۸۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)،(سنن الدارمی ج ۲ ص ۱۵۸ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)،(الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر ج ۱ ص ۷۸ رقم الحدیث ۱۲۲۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)،(طبرانی صغیر باب من اسمہ عیسی ج ۱ ص ۲۵۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)،(تفسیر الطبری ج ۴ ص ۲۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی پیروی جنت کا راستہ ہے اس لئے ان کے ایجادات کو بدعت نہیں کہہ سکتے۔ مشکوۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے۔

(۴) أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمُ اهْتَدَيْتُمُ۔

ترجمہ: میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں تم جس کے پیچھے ہو لو ہدایت پالو گے۔[1]

اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی پیروی باعث نجات ہے لہذا ان کے ایجاد کردہ کام بدعت نہیں۔ کیونکہ بدعت تو گمراہ کن ہے۔

جواب:۔ یہ سوال بھی محض دھوکا ہے اس لئے کہ ہم نے مرقاۃ اور اشعۃ اللمعات کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ بدعت وہ کام ہے جو حضور ﷺ کے بعد پیدا ہو۔ اس میں صحابہ کرام و تابعین کا ذکر نہیں۔ نیز اس لئے کہ مشکوۃ باب قیام شہر رمضان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں تراویح کی باقاعدہ جماعت کا حکم دیا پھر تراویح کی جماعت دیکھ کر فرمایا۔

نِعْمَ الْبِدْعَةُ هَذِهِ۔

ترجمہ: یہ تو بڑی اچھی بدعت ہے۔[2]

خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مبارک فعل کو بدعت حسنہ فرمایا۔ اور ترمذی ابن ماجہ نسائی مشکوۃ شریف باب القلوب میں حضرت ابو مالک اشجعی سے روایت فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے نماز فجر میں قنوت نازلہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا ای محدث۔ بیٹے یہ بدعت ہے دیکھو زمانہ صحابہ کی چیز کو آپ بدعت سیئہ کہہ رہے ہیں۔ اگر زمانہ صحابہ کی ایجادات بدعت نہیں ہوتیں تو تراویح بدعت حسنہ کیوں ہوتی اور قنوت نازلہ بدعت سیئہ کیوں ٹھہری۔ وہ زمانہ تو بدعت کا ہے ہی نہیں۔ تیسرے اس لئے کہ پہلے باب میں بحوالہ مرقات گزر چکا ہے کہ تراویح کی جماعت بدعت مستحبہ ہے یعنی تراویح سنت اور اس کی باقاعدہ پابندی سے۔ جماعت بدعت حسنہ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعل کو بدعت میں داخل کیا۔ چوتھے اس لئے کہ بخاری جلد دوم کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن میں ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو قرآن پاک جمع کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے عرض کیا کہ:

كَيْفَ تَفْعَلُونَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: هُوَ وَاللّٰهِ خَيْرٌ۔[3]

آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں۔ جو حضور علیہ السلام نے نہ کیا صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ کام اچھا ہے حضرت زید ابن ثابت نے بارگاہ صدیقی رضی اللہ عنہما میں یہ ہی عرض کیا کہ قرآن کا جمع کرنا بدعت ہے آپ بدعت کیوں ایجاد کر رہے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ بدعت تو ہے مگر حسنہ ہے یعنی اچھی ہے جس سے پتہ لگا کہ فعل صحابہ کرام بدعت حسنہ ہے مخالفین کے دلائل کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

(۵) فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي، وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ۔

---

[1] (مشکوۃ المصابیح باب مناقب الصحابۃ الفصل الثالث ص ۵۵۴ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)، (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۲ ص ۳۷۷ برقم ۵۰۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مسند عبد بن حمید ص ۲۵۰ رقم الحدیث ۷۸۳ مطبوعہ مکتبۃ السنۃ القاھرۃ)، (الاعتقاد للبیہقی ص ۳۱۹ مطبوعہ دار الآفاق الجدیدۃ بیروت)

[2] (مؤطا امام مالک کتاب الصلاۃ باب ماجاء فی قیام رمضان ج ۱ ص ۱۱۴ رقم الحدیث ۲۵۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (بخاری شریف کتاب صلاۃ التراویح باب فضل من قام رمضان ج ۲ ص ۷۰۷ رقم الحدیث ۱۹۰۶ مطبوعہ)، (صحیح ابن خذیمہ ج ۲ ص ۱۵۵ رقم الحدیث ۱۵۵ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)، (مصنف عبد الرزاق ج ۴ ص ۲۵۸ رقم الحدیث ۷۷۲۳ المکتب الاسلامی بیروت)، (سنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۳ رقم الحدیث ۴۳۷۸ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (شعب الایمان للبیہقی ج ۳ ص ۱۷۷ رقم الحدیث ۳۲۶۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[3] (صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قولہ لقد جاءکم رسول ج ۴ ص ۱۷۲۰ رقم الحدیث ۴۴۰۲ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (سنن الترمذی کتاب التفسیر باب من سورۃ التوبۃ ج ۵ ص ۲۸۳ رقم الحدیث ۳۱۰۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن الکبری للنسائی ج ۵ ص ۷ رقم الحدیث ۲۲۰۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ : خلفاء راشدین کی اقوال وافعال کولغوی معنی سی سنت فرمایا گیا۔[1]

یعنی اے مسلمانوں تم میرے اور میرے خلفاء کے طریقوں کو اختیار کرو جیسے کہ ہم پہلے باب میں حدیث نقل کر چکے ہیں۔

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَلَهُ أَجْرُهَا اور وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً، كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا

اس حدیث میں سنت بمعنی طریقہ ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔

سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا[2]

نیز فرماتا ہے

سُنَّتَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ ان آیات اور حدیث میں سنت سے مراد سنت شرعیہ بدعت کے مقابل نہیں۔ بلکہ بمعنی طریقہ ہے سنت الہیہ اللہ کا طریقہ۔ سنت انبیاء نبیوں کا طریقہ وغیرہ۔

اسی حدیث فعلیکم بسنتی کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے

وبحقیقت سنت خلفائے راشدین ہماں سنت پیغمبر است کہ درزبان آنحضرت علیہ السلام شہرت نیافتہ بود و درزمان ایشاں مشہور ومضاف بہ ایشاں شدہ۔

خلفائے راشدین کی سنت حقیقۃ سنت نبوی ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مشہور نہ ہوئی۔ ان حضرات کے زمانہ میں مشہور ہوگئی اور ان کی طرف منسوب ہوگئی اس سے معلوم ہوا کہ سنت خلفاء اس کو کہتے ہیں اصل میں سنت رسول اللہ (ﷺ) ہو مگر اس کو مسلمانوں میں رائج کرنے والے

---

[1] (سنن ابن ماجہ ج ا ص ۱۵۔ ۱۶ رقم الحدیث ۴۲۔ ۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (جامع الترمذی جلد ۲ ص ۹۲ مطبوعہ مکتبہ اکرمیہ پشاور)، (سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۲۰۰ برقم ۴۶۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام امام محب الدین طبری ج ا ص ۲۵۳ رقم الحدیث ۴۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۲۶۔ ۱۲۷ برقم ۱۷۲۷۵۔ ۱۷۲۷۶ مطبوعہ مؤسسۃ قرطبۃ مصر)، (مسند الا مام الطحاوی ج ۶ ص ۱۶۲ رقم الحدیث ۵۵۳۵ مطبوعہ مکتبۃ الحرمین للنشر والتوزیع دبئی)، (سنن الکبری بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۱۴ مطبوعہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (شعب الایمان جلد ۶ ص ۶۷ رقم الحدیث ۷۵۱۵۔ ۷۵۱۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (جامع المسانید والسنن ابن کثیر ج ۹ ص ۲۴۰۵ تا ۲۴۰۷ رقم الحدیث ۶۴۷۴۔ ۶۴۷۵۔ ۶۴۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (کتاب الاعتقاد والھدایۃ الی سبیل الرشاد امام بیہقی ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الآفاق الجدیدۃ بیروت)، (دلائل النبوۃ امام بیہقی ج ۶ ص ۵۴۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شرح السنۃ امام بغوی ج ا ص ۱۸۱ رقم الحدیث ۱۰۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (السنۃ لمحمد بن نصر المروزی ص ۲۶۔ ۲۷ رقم الحدیث ۶۹ مطبوعہ موسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت)، (صحیح ابن حبان جلد ا ص ۱۷۸۔ ۱۷۹ رقم الحدیث ۵ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (تاریخ دمشق الکبیر امام ابن عساکر ج ۲۱ جز ۴۲ ص ۱۴۷۔ ۱۴۸ رقم الحدیث ۸۷۱۰۔ ۸۷۱۱۔ ۸۷۱۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم امام ابو نعیم جلد ا ص ۳۵ تا ۳۷ رقم الحدیث ۱ تا ۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (حلیۃ الاولیاء جلد ۵ ص ۲۲۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (سنن دارمی جلد ا ص ۵۷ رقم الحدیث ۹۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (مسند الشامیین امام طبرانی جلد ا ص ۲۵۴ رقم الحدیث ۴۳۷ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (المعجم الکبیر امام طبرانی جلد ۱۸ ص ۲۵۷ رقم الحدیث ۶۴۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (وابن ابی عاصم فی السنۃ جلد ا ص ۲۹۔ ۳۰ رقم الحدیث ۵۴ تا ۵۹ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (سیر اعلام النبلا ج ۴ ص ۵۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (السنن الواردۃ فی الفتن جلد ۲ ص ۳۷۵ رقم الحدیث ۱۲۴ مطبوعہ دار العاصمۃ الریاض)، (اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ ج ا ص ۲۲ مطبوعہ دار طیبۃ الریاض)، (الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر للنبہانی ج ا ص ۲۵۷ رقم الحدیث ۲۷۷۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (الموضوعات الکبری ص ۲۱۰ برقم ۸۲۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2] (پارہ ۱۵ سورہ ۱۷ آیت نمبر ۷۷)

خلفاء راشدین ہوں پانچویں اس لئے کہ محدثین اور فقہاء فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے حکم سنت سے ملحق ہیں یعنی سنت تو نہیں۔سنت سے الحاق کئے ہوئے ہیں اگر ان حضرات کے ایجاد فرمودہ کام سنت ہی ہوتے تو الحاق کے کیا معنی۔نور الانوار کے شروع میں ہے۔ وقول الصحابی فیما یعقل ملحق بالقیاس و فیما لا یعقل فملحق بالسنة صحابی کا فرمان عقلی باتوں سے تو قیاس سے ملحق ہے اور غیر عقلی باتوں میں سنت سے ملحق ہے۔اگر صحابی کا ہر قول وفعل سنت ہے تو قیاس اور سنت سے الحاق کے کیا معنی؟

اشعۃ اللمعات زیر حدیث فعلیکم بسنتی ہے۔

پس ہر چہ خلفائے راشدین بداں حکم کردہ باشد۔اگر چہ باجتہاد وقیاس ایشاں بود موافق سنت نبوی است اطلاق بدعت برآں نتواں کرد۔

جس چیز کا خلفائے راشدین نے حکم فرمایا ہوا گر چہ اپنے قیاس اور اجتہاد سے ہو سنت نبوی کے وافق ہے اس پر لفظ بدعت نہیں بول سکتے ان عبارات سے بالکل واضح ہوگیا کہ سنت خلفاء راشدین بمعنی لغوی سنت ہے۔اور سنت شرعی سے ملحق ہے ان کو ادباً بدعت نہ کہا جاوے۔کیونکہ بدعت اکثر بدعت سیئہ کو بولتے ہیں۔[1]

(۲) خیر امتی قرنی الخ سے تو معلوم ہوا کہ ان تین زمانوں تک خیر زیادہ ہوگی اور ان کے بعد خیر کم شر زیادہ۔یہ مطلب نہیں کہ ان تین زمانوں میں جو بھی کام ایجاد ہوا اور کوئی بھی ایجاد کرے وہ سنت ہو جائے یہاں سنت ہونے کا ذکر ہی کہاں ہے ورنہ مذہب جبریہ اور قدریہ زمانہ تابعین ہی میں ایجاد ہوا اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل اور حجاج کے مظالم ان ہی زمانوں میں ہوئے کیا معاذ اللہ ان کو بھی سنت کہا جاویگا۔

(۳،۴) ما انا علیه و اصحابی اور اصحابی کالنجوم سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی غلامی ان کی پیروی کرنا باعث ہدایت ہے اور ان کی مخالفت باعث گمراہی۔یہ بالکل درست ہے اور اس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ ان کا ہر فعل سنت شرعی ہو۔بدعت حسنہ بھی واجب الاتباع ہوتی ہے۔مشکوۃ باب الاعتصام میں ہے۔

اتَّبِعُوا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ۔

ترجمہ: بڑی جماعت کی پیروی کرو جو جماعت سے علیحدہ رہا وہ جہنم میں علیحدہ کیا گیا۔[2]

نیز وارد ہوا۔

مَا رَأَى الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ۔[3]

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ۔

ترجمہ: جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کی نزدیک بھی اچھا ہے۔[4]

---

[1] (اشعۃ اللمعات باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الثانی ج ۱ ص ۱۵۰ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

[2] (مشکوۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الثانی ص ۳۰ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)، (مستدرک للحاکم کتاب العلم ج ۱ ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۳۹۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الترمذی کتاب الفتن باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ ج ۴ ص ۲۶۶ رقم الحدیث ۲۱۶۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن نسائی کتاب المحاربۃ باب قتل من فارق الجماعۃ ج ۷ ص ۹۲ رقم الحدیث ۴۰۲۰ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب)

[3] (طبرانی کبیر ج ۹ ص ۱۱۲ رقم الحدیث ۸۵۸۳ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۹ رقم الحدیث ۳۶۰۰ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (مستدرک للحاکم ج ۳ ص ۸۳ رقم الحدیث ۴۴۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (المدخل السنن الکبری للبیہقی ج ۱ ص ۱۱۴ مطبوعہ دار الخلفاء للکتاب الاسلامی الکویت)، (مسند الطیالسی ج ۱ ص ۳۳ رقم الحدیث ۲۴۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

[4] (سنن الترمذی ج ۵ ص ۱۴۸ رقم الحدیث ۲۸۶۳)

جومسلمانوں کی جماعت سے بالشت بھر علیحدہ رہا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے اتار دی۔

قرآن کریم میں ہے۔

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ۔

ترجمہ :اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور دوزخ میں داخل کریں گے۔[1]

اس آیت وحدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو لازم ہے کہ عقائد واعمال میں جماعت مسلمین یعنی اہل سنت وجماعت کے ساتھ رہے ان کی مخالفت جہنم کا راستہ ہے لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں کہ جماعت مسلمین کا ایجاد کیا ہوا کوئی بھی کام بدعت نہ ہو سب سنت ہی ہو۔ بدعت ہی ہوگا مگر بدعت حسنہ۔ جس طرح کہ ایجادات صحابہ کرام کو سنت صحابہ کہتے ہیں۔ اسی طرح سلف الصالحین کے ایجادات کو بھی سنت سلف کہتے ہیں۔ بمعنی لغوی یعنی پسندیدہ دینی طریقہ۔

ھدایت ضروریہ:۔ جو حضرات ہر بدعت یعنی نئے کام کو حرام جانتے ہیں وہ اس قاعدہ کلیہ کے کیا معنی کریں گے کہ الاصل یف الاشیاء الاباحة تمام چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہے یعنی ہر چیز مباح اور حلال ہے ہاں اگر کسی چیز کو شریعت منع کر دے تو وہ حرام یا منع ہے یعنی ممانعت سے حرمت ثابت ہوگی نہ کہ نئے ہونے سے۔ یہ قاعدہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ واقوال فقہاء سے ثابت ہے اور غالباً کوئی مقلد کہلانے والا تو اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا۔

ترجمہ :اے ایمان والو ایسی باتیں نہ پوچھو کہ جو تم پر ظاہر کی جاویں تو تم کو بری لگیں اور اگر ان کو اس وقت پوچھو گے کہ قرآن اتر رہا ہے تو ظاہر کردی جاویں گی اللہ ان کو معاف کر چکا ہے۔[2]

اس سے معلوم ہوا کہ جس کا کچھ بیان نہ ہوا ہو نہ حلال ہونے کا نہ حرام تو معافی میں ہے اسی لئے قرآن کریم نے حرام عورتوں کا ذکر فرما کر فرمایا وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكُمْ[3] ان کے سوا باقی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں نیز فرمایا وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ[4] تم سے تفصیل وار بیان کردی گئیں وہ چیزیں جو تم پر حرام ہیں یعنی حلال چیزوں کی تفصیل ضرورت نہیں تمام چیزیں ہی حلال ہیں ہاں چند مجربات ہیں جن کی تفصیل بتادی ان کے سوا سب حلال۔ مشکوۃ کتاب الاطعمہ باب آداب الطعام فصل دوم میں ہے۔

الْحَلَالُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فِي كِتَابِهِ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ۔

ترجمہ :حلال وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس سے خاموشی فرمائی وہ معاف۔[5]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چیزیں تین طرح کی ہیں ایک وہ جن کا حلال ہونا صراحتہ قرآن میں مذکور ہے دوسری وہ جن کی حرمت صراحتہ آگئی۔ تیسرے وہ جن سے خاموشی فرمائی یہ معاف ہے؟ شامی جلد اول کتاب الطہارۃ بحث تعریف سنت میں ہے۔ المختار

---

[1] (پارہ ۵ سورہ النساء آیت نمبر ۱۱۵)

[2] (پارہ ۷ سورہ ۵ المائدہ آیت نمبر ۱۰۱)

[3] (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت نمبر ۲۴)

[4] (پارہ ۸ سورہ ۶ آیت نمبر ۱۱۹)

[5] (مشکاۃ المصابیح ج ۲ ص ۱۲۲۰ رقم الحدیث ۴۲۲۸)

ان الاصل الاباحة عند الجمهور من الحنفية و الشافعية جمہور حنفی اور شافعی کے نزدیک یہ ہی مسئلہ ہے کہ اصل مباح ہوتا ہے۔[1]

اس طرح تفسیر خازن و روح البیان اور تفسیر خزائن العرفان وغیرہ نے بھی تصریح کی ہے کہ ہر چیز میں اصل یہ ہی ہے کہ وہ مباح ہے ممانعت سے ناجائز ہوگی۔اب جو بعض لوگ اہل سنت سے پوچھتے ہیں کہ اچھا بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کرنا جائز ہے یا حضور علیہ السلام یا صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین نے کب کیا تھا یہ محض دھوکا ہے۔اہل سنت کو چاہیے کہ ان سے پوچھیں کہ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کرنا حرام ہے جب خدا حرام نہ کرے۔رسول علیہ السلام منع نہ فرمائیں اور کسی دلیل سے ممانعت ثابت نہ ہو تو تم کس دلیل سے حرام کہتے ہو بلکہ میلاد شریف وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا جائز ہونے کی علامت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً الآیۃ[2] نیز فرماتا ہے۔قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ الآیۃ[3] ان آیات سے معلوم ہوا کہ حرمت کی دلیل نہ ملنا حلال ہونے کی دلیل ہے نہ کہ حرام ہونے کی یہ حضرات اس سے حرمت ثابت کرتے ہیں عجیب الٹی منطق ہے اچھا برتاؤ کہ ریلوے سفر مدارس کا قیام کہاں لکھا ہے؟ کہ حلال ہے یا کسی صحابی یا تابعی نے کیا۔جیسے وہ حلال ایسے ہی یہ بھی جائز اور حلال ہے۔

(۱۰۷){باب نمبر ایک سو سات نعمت اور شکر نعمت کے بیان میں}

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (البقرۃ ۵۲)

پھر اس کے بعد ہم نے تمہیں معافی دی کہ کہیں تم احسان مانو۔

ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (البقرۃ ۵۶)

پھر مرے پیچھے ہم نے تمہیں زندہ کیا کہ کہیں تم احسان مانو۔

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ (السجدۃ ۹)

اور تمہیں کان اور آنکھیں اور دل عطا فرمائے کیا ہی تھوڑا حق مانتے ہو۔

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ (النحل ۱۱۴)

تو اللہ کی دی ہوئی روزی حلال پاکیزہ کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اسے پوجتے ہو۔

كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ (سبا ۱۵)

اپنے رب کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔

بَلِ اللَّهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ (الزمر ۶۶)

بلکہ اللہ ہی کی بندگی کر اور شکر والوں سے ہو۔

قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي لِيَبْلُوَنِي أَأَشْكُرُ

---

[1] (رد المحتار علی در المختار ج ۱ ص ۷۸ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[2] (پارہ ۸ سورہ ۶ آیت نمبر ۱۴۵)

[3] (پارہ ۸ سورہ ۷ آیت نمبر ۳۲)

أَمْ أَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ (النمل ۴۰)

اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کا علم تھا کہ میں اسے حضور میں حاضر کر دوں گا ایک پل مارنے سے پہلے پھر جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے تا کہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے پرواہ ہے سب خوبیوں والا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللَّهِ لِيُرِيَكُمْ مِنْ آيَاتِهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ (لقمان ۳۱)

کیا تو نے نہ دیکھا کہ کشتی دریا میں چلتی ہے اللہ کے فضل سے تا کہ تمہیں وہ اپنی کچھ نشانیاں دکھائے بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر بڑے صبر کرنے والے شکر گزار کو۔

وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (القصص ۷۳)

اور اس نے اپنی مہر سے تمہارے لئے رات اور دن بنائے کہ رات میں آرام کرو اور دن میں اس کا فضل ڈھونڈو اور اس لئے کہ تم حق مانو۔

حاصل کلام:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (ابراھیم ۷)

اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دونگا۔

ذکر نعمت شکر نعمت کی ایک صورت ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ (فاطر ۳)

اے لوگو اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو۔

وَإِذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ (البقرة ۴۹)

اور یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات بخشی کہ تم پر برُا عذاب کرتے تھے۔

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ (بقرة ۴۷، ۴۰)

اے یعقوب کی اولاد یاد کرو میرا وہ احسان جو میں نے تم پر کیا۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ وَجَعَلَكُمْ مُلُوكًا وَآتَاكُمْ مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ۔ (مائدة ۲۰)

اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا کہ اپنی قوم سے اے میری قوم اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو کہ تم میں سے پیغمبر کئے اور تمہیں بادشاہ کیا اور تمہیں وہ دیا جو آج سارے جہان میں کسی کو نہ دیا۔

وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَسْطَةً فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (الاعراف ۶۹)

اور یاد کرو جب اس نے تمہیں قوم نوح کا جانشین کیا اور تمہارے بدن کا پھیلاؤ بڑھایا تو اللہ کی نعمتیں یاد کرو کہ کہیں تمہارا بھلا ہو۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ (البقرة ۲۳۱)

اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے اور وہ جو تم پر کتاب اور حکمت اتاری تمہیں نصیحت دینے کو۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (آل عمران ۱۰۳)

اور اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب تم میں بیر تھا اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی ہو گئے اور تم ایک غار دوزخ کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا دیا اللہ تم سے یوں ہی اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم ہدایت پاؤ۔

حاصل کلام

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (الضحیٰ ۱۱)

اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

نزول نعمت اور اس کے دن کو عید قرار دینا، اس دن کی یاد منانا اور شکر گزاری کا خاص اہتمام کرنا

آیات مبارکہ

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ (مائدۃ ۱۱۴)

عیسیٰ ابن مریم نے عرض کی اے اللہ اے رب ہمارے ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار کہ وہ ہمارے لئے عید ہو ہمارے اگلے پچھلوں کی اور تیری طرف سے نشانی اور ہمیں رزق دے اور تو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے۔

ماہ رمضان اور شب قدر کی فضیلت کی وجہ

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ (البقرۃ ۱۸۵)

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (القدر ۱)

بے شک ہم نے اسے شب قدر میں اتارا۔

احادیث مبارکہ

یوم عاشور کی اہمیت کی وجہ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ المَدِينَةَ فَرَأَى اليَهُودَ تَصُومُ يَوْمَ عَاشُورَاءَ، فَقَالَ: «مَا هَذَا؟» قَالُوا: هَذَا يَوْمٌ صَالِحٌ هَذَا يَوْمٌ نَجَّى اللَّهُ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ عَدُوِّهِمْ، فَصَامَهُ مُوسَى، قَالَ: «فَأَنَا أَحَقُّ بِمُوسَى مِنْكُمْ»، فَصَامَهُ، وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ مدینہ شریف تشریف لائے تو آپ ﷺ نے یہودیوں کو عاشوراء کے دن کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ اچھا دن ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن فرعون سے نجات عطا فرمائی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن روزہ رکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تم

سے زیادہ حق دار میں ہوں تو آپ ﷺ نے (خود) روزہ رکھا اور اس کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔[1]

فَقَالُوا :هَذَا اليَوْمُ الَّذِي أَظْفَرَ اللَّهُ فِيهِ مُوسَى، وَبَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى فِرْعَوْنَ، وَنَحْنُ نَصُومُهُ تَعْظِيمًا لَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :نَحْنُ أَوْلَى بِمُوسَى مِنْكُمْ، ثُمَّ أَمَرَ بِصَوْمِهِ۔

تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعون پر کامیابی عطا فرمائی اور ہم اس دن کی تعظیم کے طور پر اس کا روزہ رکھتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا ہم تم سے زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب اور حق دار ہیں ۔پھر آپ ﷺ نے اس کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔[2]

فَقَالُوا :هَذَا يَوْمٌ عَظِيمٌ، أَنْجَى اللهُ فِيهِ مُوسَى وَقَوْمَهُ، وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهُ، فَصَامَهُ مُوسَى شُكْرًا، فَنَحْنُ نَصُومُهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :فَنَحْنُ أَحَقُّ وَأَوْلَى بِمُوسَى مِنْكُمْ فَصَامَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ۔

تو یہود نے کہا کہ یہ بہت عظمت والا دن ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کو نجات عطا فرمائی اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کیا اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکرانے کے طور اس دن کا روزہ رکھا تو ہم بھی اس کا روزہ رکھتے ہیں تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہم تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کے حق دار اور قریبی ہیں لہذا حضور نبی کریم ﷺ نے اس دن کا روزہ رکھا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا۔[3]

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ :كَانَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ تَعُدُّهُ اليَهُودُ عِيدًا، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :فَصُومُوهُ أَنْتُمْ.

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہود عاشوراء کو عید کا دن شمار کرتے تھے حضور نبی کریم ﷺ نے (مسلمانوں سے) فرمایا کہ تم اس دن کا روزہ رکھا کرو۔[4]

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ :كَانَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ يَوْمًا تُعَظِّمُهُ اليَهُودُ، وَتَتَّخِذُهُ عِيدًا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: »صُومُوهُ أَنْتُمْ۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہود عاشوراء کے دن کی تعظیم کرتے تھے اور اسے عید کے دن کی طرح مناتے تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم بھی اس دن کا روزہ رکھا کرو۔[5]

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ :كَانَ أَهْلُ خَيْبَرَ يَصُومُونَ يَوْمَ عَاشُورَاءَ، يَتَّخِذُونَهُ عِيدًا وَيُلْبِسُونَ نِسَاءَهُمْ فِيهِ حُلِيَّهُمْ وَشَارَتَهُمْ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :فَصُومُوهُ أَنْتُمْ۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ اہل خیبر عاشوراء کے دن کا روزہ رکھتے اور اسے عید کے دن کی طرح مناتے اس دن وہ اپنی عورتوں کو خوب زیورات پہناتے اور ان کا بناؤ سنگھار کرتے تھے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم بھی اس دن کا روزہ رکھا کرو۔[6]

---

[1] (صحيح البخاري رقم الحديث ۲۰۰۴، مسند احمد ج ۱ ص ۲۹۱، تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۹۲)

[2] (صحيح البخاري رقم الحديث ۳۹۴۳، مسلم كتاب الصيام باب صوم يوم عاشوراء، سنن ابو داؤد كتاب الصوم باب فی صوم يوم عاشوراء)

[3] (صحيح البخاري كتاب الانبياء باب قول الله تعالىٰ هل اتاک حديث موسىٰ، مسلم كتاب الصيام باب صوم يوم عاشوراء، سنن ابن ماجه كتاب الصيام)

[4] (صحيح البخاري رقم الحديث ۲۰۰۵ كتاب الصوم باب فی صوم يوم عاشوراء)

[5] (مسلم كتاب الصيام باب صوم يوم عاشوراء، سنن نسائی ج ۲ ص ۱۵۹، شرح معانی الآثار كتاب الصوم)

[6] (مسلم كتاب الصيام باب صوم يوم عاشوراء، مسند ابو نعيم ج ۳ ص ۲۱۲، فتح الباری ج ۴ ص ۲۴۸)

نوٹ: رمضان کی روزوں کی فرضیت سے پہلے عاشورہ کے روزے مسلمانوں پر واجب تھے جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو عاشوراء کے روزوں کا وجوب منسوخ ہوگیا اور وہ مستحب ہو گئے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل روایت سے واضح ہے۔

أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ» :كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِصِيَامِ يَوْمِ عَاشُورَاءَ، فَلَمَّا فُرِضَ رَمَضَانُ كَانَ مَنْ شَاءَ صَامَ وَمَنْ شَاءَ أَفْطَرَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عاشوراء کے دن روزہ رکھنے کا حکم فرماتے تھے تو جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو جو چاہتا یہ روزے رکھ لیتا اور جو چاہتا نہ رکھتا۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی اور امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا استدلال

فَيُسْتَفَادُ مِنْهُ فِعْلُ الشُّكْرِ لِلَّهِ عَلَى مَا مَنَّ بِهِ فِي يَوْمٍ مُعَيَّنٍ مِنْ إِسْدَاءِ نِعْمَةٍ أَوْ دَفْعِ نِقْمَةٍ، وَيُعَادُ ذَلِكَ فِي نَظِيرِ ذَلِكَ الْيَوْمِ مِنْ كُلِّ سَنَةٍ۔

اس حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی احسان وانعام کے عطا ہونے یا کسی مصیبت کے ٹل جانے پر کسی مقرر دن میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا اور ہر سال اس کی یاد تازہ کرنا جائز ہے۔[2]

وَأَيُّ نِعْمَةٍ أَعْظَمُ مِنَ النِّعْمَةِ بِبُرُوزِ هَذَا النَّبِيِّ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ فِي ذَلِكَ الْيَوْمِ؟

اور حضور نبی رحمت ﷺ کی ولادت سے بڑھ کر اللہ کی نعمتوں میں سے کون سی نعمت ہے؟[3]

مزید فرماتے ہیں۔

وَعَلَى هَذَا فَيَنْبَغِي أَنْ يَتَحَرَّى الْيَوْمَ بِعَيْنِهِ حَتَّى يُطَابِقَ قِصَّةَ مُوسَى فِي يَوْمِ عَاشُورَاءَ۔

اس وجہ سے ضروری ہے کہ اسی خاص مقررہ دن کو منایا جائے تاکہ یوم عاشوراء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام والے واقعہ کے مطابق ہو۔[4]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت کے الفاظ سے واضح ہے کہ ان کے نزدیک اس نعمت کا شکر ادا کرنے اور خوشی منانے کیلئے خاص اس نعمت کی عطا والا دن مقرر کر لینا کتنی اہمیت رکھتا ہے اس سے وہ لوگ اپنی روش پر نظر ثانی کریں جو دن مقرر کرنے کو جائز اور شرعی حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے میلاد النبی ﷺ کو بھی دن مقرر کرنے کی وجہ سے ناجائز اور حرام قرار دیتے ہیں۔

یوم عاشوراء کی عظمت کے دیگر پہلو

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ نے یہود سے یوم عاشوراء کا روزہ رکھنے کے متعلق پوچھا تو انہوں موسیٰ علیہ السلام کی کامیابی اور فرعون کی غرقابی کا ذکر کرنے کے بعد کہا

وهذا يوم استوت فيه السفينة على الجودي، فصامه نوح وموسى شكراً لله تعالى۔

اور یہ وہ دن ہے کہ جس میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری تھی تو حضرت نوح علیہ السلام (بعد میں) موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ

---

[1] (بخاری کتاب الصوم)

[2] (الحاوي للفتاوي ج ۱ ص ۲۲۹)

[3] (الحاوي للفتاوي ج ۱ ص ۲۲۹)

[4] (الحاوي للفتاوي ج ۱ ص ۲۲۹)

کے شکر کے طور پر روزہ رکھا تو اس پر حضور ﷺ نے فرمایا۔[1]

"أنا أحق بموسى وأحق بصوم هذا اليوم"

میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زیادہ حق دار ہونے کی وجہ سے اس دن کے روزے کا زیادہ حق دار ہوں۔[2]

كَانَ يَوْمُ عَاشُورَاءَ تَصُومُهُ قُرَيْشٌ فِي الجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُهُ۔

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایام جاہلیت میں قریش عاشوراء کے دن روزہ رکھتے تھے اور حضور ﷺ بھی اس دن کا روزہ رکھتے تھے۔[3]

كَانُوا يَصُومُونَ عَاشُورَاءَ قَبْلَ أَنْ يُفْرَضَ رَمَضَانُ، وَكَانَ يَوْمًا تُسْتَرُ فِيهِ الكَعْبَةُ۔

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ لوگ رمضان المبارک کے روزے فرض ہونے سے پہلے عاشوراء کے روزے رکھتے تھے اور اس دن کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا تھا۔[4]

إِنَّمَا كَانَ يَوْمٌ تُسْتَرُ فِيهِ الْكَعْبَةُ وَكَانَ يَدُورُ فِي السَّنَةِ۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ (یہ عاشوراء کا دن وہ دن ہے) جس میں کعبۃ اللہ کا غلاف چڑھایا جاتا تھا اور اسی وجہ سے ہر سال اس کا اہتمام ہوتا ہے۔[5]

جمعہ کے دن کی فضیلت اور اس کا یوم عید ہونا

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک یہودی نے کہا کہ اے امیر المؤمنین آپ اپنی کتاب میں ایک ایسی آیت پڑھتے ہیں کہ وہ ہم گروہ یہود پر اترتی تو ہم اس کے نزول کا دن عید بنا لیتے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ کون سی آیت؟ اس نے کہا

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (المائدۃ ۳)

قَالَ عُمَرُ» :قَدْ عَرَفْنَا ذَلِكَ اليَوْمَ، وَالمَكَانَ الَّذِي نَزَلَتْ فِيهِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ قَائِمٌ بِعَرَفَةَ يَوْمَ جُمُعَةٍ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جس دن اور جس جگہ یہ آیت نازل ہوئی ہم اسے پہچانتے ہیں۔ آپ ﷺ جمعہ کے دن مقام عرفات پر کھڑے تھے۔[6]

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔

ابی لأعرف فی ای یوم انزلت یوم جمعة ویوم عرفة وهما لنا عیدان۔

میں پہچانتا ہوں کہ کس دن یہ آیت نازل ہوئی جمعہ اور عرفہ کے دن اور وہ دونوں دن ہمارے لیے عید کے دن ہیں۔

---

[1] (مسند احمد ج ۸ ص ۳۹۷)

[2] (مسند احمد ج ۸ ص ۳۹۷)

[3] (صحیح بخاری رقم الحدیث ۲۰۰۲)

[4] (صحیح بخاری رقم الحدیث ۱۵۹۲)

[5] (فتح الباري شرح صحيح البخاري ج ۴ ص ۲۴۸)

[6] (صحیح بخاری رقم الحدیث ۴۵ باب زیادة الایمان ونقصانه)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک یہودی کو جواب۔

فَإِنَّهَا نَزَلَتْ فِي يَوْمِ عِيدَيْنِ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ، وَيَوْمِ عَرَفَةَ۔

بیشک یہ آیت دونوں عیدوں یعنی یوم جمعہ اور عرفہ کے دن نازل ہوئی۔[1]

جمعہ کا دن عید کا دن ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ» :إِنَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ يَوْمُ عِيدٍ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا بے شک جمعہ کا دن عید کا دن ہے۔[2]

عید جمعہ کا اہتمام

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :إِنَّ هَذَا يَوْمُ عِيدٍ، جَعَلَهُ اللَّهُ لِلْمُسْلِمِينَ، فَمَنْ جَاءَ إِلَى الْجُمُعَةِ فَلْيَغْتَسِلْ، وَإِنْ كَانَ طِيبٌ فَلْيَمَسَّ مِنْهُ، وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اس دن کو عید کا دن بنایا ہے تو جو نماز جمعہ کیلئے آئے تو غسل کر کے آئے اور اگر ہو سکے تو خوشبو لگا کر آئے اور تم پر مسواک کرنا لازم ہے۔[3]

عَنْ أَوْسِ بْنِ أَوْسٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فِيهِ خُلِقَ آدَمُ، وَفِيهِ قُبِضَ، وَفِيهِ النَّفْخَةُ، وَفِيهِ الصَّعْقَةُ، فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيهِ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ۔

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بے شک تمہارے دنوں میں جمعہ کا دن افضل ہے اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور اسی دن میں آپ علیہ السلام کی روح قبض کی گئی۔ اسی دن صور پھونکا جائے گا اس لئے اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔[4]

حاصل کلام

۱۔ حضور اکرم ﷺ کے سوال پر یہودیوں نے عاشوراء کے دن کے بارے میں کہا کہ یہ عظمت و تعظیم والا دن ہے وہ اس کو عید کا دن سمجھتے تھے اور خوشی مناتے تھے (تعد الیھود عیدا تعظم الیھود و تتخذہ عیدا... ویلبسون نسائھم فی حلھم و شارتھم)

۲۔ جس دن کوئی نعمت نازل و حاصل ہوا سے صالح اور عظمت والا دن سمجھنا اور اس دن خاص طور پر شکر و عبادت کا اہتمام کرنا اور خوشی کا اظہار کرنا نہ صرف درست ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کی پیاری سنت ہے۔

۳۔ خاص لمحات میں عبادت کا افضل ہونا جیسا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے جمعہ کے دن کثرت سے درود پڑھنے کی تاکید فرمائی اس لئے کہ اس دن کا درود خاص طور آپ ﷺ کے حضور پیش ہوتا ہے۔

۴۔ اہم واقعات کا جمعہ کے دن واقع ہونا اس کے افضل دن ہونے کا باعث اور اس میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق بھی شامل ہے۔

---

[1] (الترمذی باب ومن سورۃ المائدۃ رقم الحدیث ۳۰۴۴)

[2] (مسند احمد رقم الحدیث ۸۰۲۵)

[3] (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۱۰۹۸ باب ماجاء فی الزینۃ یوم الجمعۃ)

[4] (سنن ابی داود رقم الحدیث ۱۰۴۷ باب فضل یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ ج ۱ ص ۲۷۵)

۵۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق و پیدائش کا دن باعظمت ہے تو اس دن کی عظمت کا کون اندازہ کرسکتا ہے جس دن اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت یعنی ہمارے حضور خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے لہذا آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کی وجہ سے ۱۲ ربیع الاول کو صالح اور عظیم سمجھنا اس دن آپ ﷺ کی ولادت باسعادت اور اس کی عظیم الشان کی کرامات بیان کرنا اور خاص طور پر شکر و عبادت کا اہتمام کرنا اسے عید کا دن سمجھتے ہوئے خوشی کا اظہار کرنا نہ صرف جائز و درست ہے بلکہ شکر گزاری کا بہترین اور پسندیدہ ذریعہ ہے۔

۶۔ بعض لوگ حضور ﷺ کے یوم ولادت کو عید کے طور پر منانے پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ عیدیں تو صرف دو ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ، اس دن کو عید کہنا درست نہیں، انہیں ان احادیث مبارکہ پر غور کرنا چاہیئے اور شمار کرنا چاہیئے کہ مسلمانوں کیلئے سال میں کتنی عیدیں آتی ہیں۔

۷۔ اس دن کو عید کا دن اور خوشی کا دن قرار دینے سے واضح ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی روح قبض ہونا اس کی خوشیوں کے منافی نہیں ہے اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو بارہ ربیع الاول کو حضور ﷺ کی ولادت اور وفات دونوں کا دن قرار دے کر خوشی منانے سے منع کرتے ہیں۔

۸۔ اس باب کی احادیث مبارکہ مندرجہ بالا امور کیلئے اصل یعنی بنیادی دلیل کی حیثیت رکھتی ہیں اور شریعت کا مسلمہ اصول ہے کہ جن امور کی قرآن وحدیث میں اصل ہوتی ہے وہ پسندیدہ اور مقبول ہوتے ہیں لہذا آپ ﷺ کی ولادت کی یاد منانے، خوشی کا اظہار کرنے اور دن مقرر کرکے شکر گزاری کا اہتمام کرنے کو بری بدعت کہنا گویا شریعت کے کسی چیز کو حلال وحرام کہنے کے اختیار کو اپنے ہاتھ میں لینے کے مترادف ہے۔

(۱۰۸) {باب نمبر ایک سو آٹھ استاد یا مرشد کے عاق کے بیان میں}

مُرشد اور اُستاذ کا عاق فاسق نہیں بلکہ کافر ہے جیسا کہ خُداوندِ کریم قرآنِ پاک میں فرماتا ہے۔

''وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ۔ ای صار منهم باستقباحه أمر الله تعالى إياه بالسجود لآدم اعتقاداً بأنه أفضل منه، والأفضل لا يحسن أن يؤمر بالتخضع للمفضول''۔[1]

وجہ کفر یہ ہے کہ اُستاذ و مُرشد کی تخفیف کرنے والا کافر ہوتا ہے۔ جیسے اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ سب فرشتے بمعہ شیطان کے آدم علیہ السلام کے شاگرد تھے۔ سب فرشتوں نے سجدۂ تعظیمی کیا لیکن شیطان نے نہیں کیا بلکہ آدم علیہ السلام کو حقیر جانا جبکہ وہ اُستاذ ہونے کے باعث لائق عزت تھے جیسا کہ مصرح موجود ہے۔

''وهو مراعاة للأدب بتفويض العلم كله إليه''[2]

اور جیسا کہ اس عبارت سے صاف ظاہر ہے۔

''ابى اى امتنع من السجود لآدم فلم يسجد واستكبر وهذا كان كان من الله خبرا عن ابليس فانه من خلق الله الذين يتكبرون عن الخضوع لامر الله والانقياد لطاعته فيما امرهم وفيما نهى هم عنه والتسليم له فيما اوجب لبعضهم على بعض من الحق فنبه الله إلى الكافرين انه كان حين ابى من السجود فصار من الكافرين حينئذ وقبل فى هذا الموضع''۔[3]

---

[1] (تفسیر بیضاوی ص ۶۳ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

[2] (تفسیر بیضاوی ص ۶۴)

[3] (تفسیر ابن جریر ج ۱ ص ۱۷۵)

تفسیر ابن جریر کی عبارت سے ثابت ہے کہ ایک شخص کا دوسرے شخص پر حق ہوتا ہے اور خُداوندِ کریم فرماتا ہے کہ تو اس کا حق ادا کر اور وہ اس کا حق ادا نہیں کرتا بسبب تکبر اور حسد کے تو وہ اس صورت میں کافر ہو جاتا ہے۔ اس طرح سے آنحضرت سرورِ کائنات ﷺ کی تعظیم و توقیر اور طاعت تمام دنیا پر واجب تھی کیونکہ وہ معلم الخیر تھے۔ جس وقت یہودیوں نے تعظیم و توقیر سے انکار کیا بوجہ تکبر و حسد کے تو خُداوندِ کریم نے اُن کو کفر میں مبتلا کیا۔ اسی طرح سے استاذ و مرشد معلم الخیر ہیں ان کی تعظیم و توقیر شاگرد و مرید پر واجب ہے اگر وہ تعظیم و توقیر نہیں کرتا بلکہ تخفیف کرتا ہے تو اس صورت میں کفر لازم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ خُداوندِ کریم قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے۔

''یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا أَطِیعُوا اللَّهَ وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ۔ قال ابن عباس و جابر هم الفقهاء و العلماء الذین یعلمون معالم الناس دینهم و هو قول الحسن و الضحاك و مجاهد''[1]

خُداوندِ کریم اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت واجب ہے اور نافرمانی کُفر ہے۔ اسی طرح اُستاذ کی طاعت واجب ہے اور نافرمانی کرنا کفر ہے۔ کیونکہ حکم معطوف اور معطوف علیہ دونوں کا ایک ہوتا ہے۔

دوسری دلیل اس آیتِ کریمہ کی دلالت النص سے ہے۔

''لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَیْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا''۔ مطلب یہ ہے کہ اصل نصوص میں تعلیل ہے۔ اس نص میں علت یہ ہے کہ آنجناب سرورِ کائنات ﷺ تمام مخلوق کیلئے مُعلم الخیر تھے اس لیے ان کا نام مبارک لیکر پُکارنا حرام ہے اور ان کی تخفیف کرنا کفر ہے جیسا کہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

''و فی الآیة بیان توقیر معلم الخیر لان رسول الله صلی الله علیه و سلم کان معلم الخیر فامر الله بتوقیره و تعظیمه و فیه معرفة حق الأستاذ و فیه معرفة اهل الفضل''[2]

اس کی تائید یہ آیتِ کریمہ کرتی ہے۔

''قال له موسٰی هل اتبعك علی ان تعلمن مما علمت رشدا الخ۔ قال ستجدنی ان شآء الله صابرا و لا اعصی لك امرا'' موسیٰ علیہ السلام باوجود کمالِ علم کے اور عالی منصب ہونے کے اپنے اُستاذ کی تعظیم اور توقیر اور تابعداری کرتے تھے۔ اس سے صاف ثابت ہوا کہ اُستاذ اور مُرشد کی تخفیف اور نافرمانی کرنا کفر ہے۔

''و فیه دلیل علی انه ینبغی لاحدٍ ان یترك طلب العلم و ان كان قد بلغ نهایة و ان یتواضع لمن هو اعلم منه''۔[3]

جواب توبہ: توبہ کا جواب یہ ہے کہ یعنی استاذ و مُرشد کے عاق کی توبہ قبول نہیں ہوسکتی جیسا کہ نصًا موجود ہے اس آیۃ کریمہ کی تفسیر میں فان تولوا فانّ الله علیم بالمفسدین قال المشائخ رحمهم الله تعالی فی تفسیر هٰذه الآیة عقوق الاستاذین لا توبة منه۔[4]

اس سے معلوم ہوا کہ عاق توبہ سے نہیں بخشا جاتا۔ جس طرح سابی الرسول توبہ سے نہیں بخشا جاتا۔ یہ مذہب مختار ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عاق، شرک سے بڑا گناہ ہے کیونکہ شرک توبہ سے بخشا جاتا ہے۔ اعوذ باللہ منہ

---

[1] (خازن ج ۱ ص ۳۷۲ لبنان بیروت)

[2] (تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۷۹۱ سورۃ نور)

[3] (تفسیر مدارک ص ۲۱۸)

[4] (تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۴۶ لبنان بیروت)

تحذیر الاخوان ص ۱۷۰ میں فجِ عمیق کے حوالے سے منقول ہے کہ عاق کے کفر کے بہت سی روایات منقول ہیں آخر میں لکھا ہے کہ عاق کا کفر۔نوادر اور ذخیرہ کی روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اخون درویزہ بابا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسالے میں لکھا ہے کہ کسی کتاب میں نہ روایت ہے کہ کسی سے سُنا گیا ہے اور نہ کوئی کہتا ہے کہ عاق کے پیچھے نماز جائز ہے۔دُرر الفرائد میں لکھا ہے۔

''حق الاستاذ فرض فمن انکر من حقه فهو کافر و کذا الشیخ بل الشیخ افضل من الاب فادبهٗ اولی من ادبه و قال یحیی بن معاذ العلماء ارحم بامة محمد ﷺ من اٰبائهم و امّهاتهم قیل و کیف ذٰلک قال لان اٰبائهم و امّهاتهم یحفظونهم من نار الدنیا و هم یحفظونهم من نار الآخرة''۔

یعنی استاذ کا حق فرض ہے جس نے اُستاذ کے حق کا انکار کیا وہ کافر ہے اس طرح شیخ (پیر و مُرشد) کا حق ہے بلکہ شیخ والد سے افضل ہے تو شیخ کا ادب والد کے ادب سے اولیٰ و مقدم ہے۔یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ علماءِ کرام امتِ محمدیہ پر ان کے والدین سے بڑھ کر رحم کرنے والے ہیں پوچھا گیا کہ وہ کیسے فرمایا کہ ان کے والدین انہیں دنیاوی آگ سے محفوظ رکھتے ہیں اور علماءِ کرام ان کو آخرت کی آگ سے محفوظ رکھتے ہیں۔امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مبدأ و معاد ص ۴۶ میں لکھا ہے کہ۔

پیر و مرشد کا حق تمام حقداروں (والدین، اساتذہ) کے حقوق سے بڑھ کر ہے۔تربیت السالکین ص ۱۲۴ میں پوری تحقیق ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ باپ تین قسم پر ہے اور ان میں بہتر وہ ہے جو اس کو تعلیم دے الخ۔

جامع الفتاوی فی الهدایة لاهل الخیاری ص ۹۲ پر لکھا ہے۔

''و اما حقوق الوالدین فثابت بنص القرآن کما قال الله تعالی (ان اشکر لی و لوالدیک) حیث قرّن اداء شکرهما باداء شکره و اما حقوق الاستاذ (معلم العلم الشرعی) فوق ذٰلک فی الرعایة کما قال اسمٰعیل الحقی البروسوی فی تفسیره (روح البیان سورة لقمان ج۷ ص ۷۸) حق المعلم فی الشکر فوق حق الوالدین قال الامام الواعظ رکن الاسلام محمد بن ابی بکر المعروف بامام زاده الحنفی فی کتابه شرعة الاسلام (ویقدم حق معلمه علی حق ابویه و سائر المسلمین) و قال العلامة یعقوب بن السید علی فی شرح شرعة الاسلام فی باب فضل العلم و سنة التعلم و التعلیم (روی عنه ﷺ انه قال خیر الامام من علمک و قد اشیر الیه فی قول علی رأیت احق الحق حق المعلم''۔[1]

و فی الفتاوی الهندیة ای فی الباب الثلثون فی المتفرقات ج ۵ ص ۳۷۸ (وینبغی للرجل ان یراعی حقوق استاذه و ادابه لایضن بشئ من ماله و لایقتدی به فی سهوه) و قال وحید العصر الشیخ الاجل طاهر بن عبدالرشید البخاری فی خلاصة الفتاوی (و فی الشافی لایجوز ان یتقدم العالم علی ابن استاذه او ابن ابن استاذه اذ کان ذٰلک الابن او ابن الابن عالمان، اما اذا کان جاهلًا فهو بالخیار زجرًا له) و اما حقوق مشائخ الصوفیة (اهل البیعة) اشرف و افضل من حقوقهم فی رعایة الاٰداب) جامع الفتاوی ج ۱ ص ۹۳ شرح تعلیم المتعلم، مجالس الابرار، مجمع العجائب وغیرہ۔

جو شخص اپنے حقیقی باپ کا حکم نہ مانے تو وہ عاق اور نافرمان ہے کیونکہ نافرمانی گناہ کبیرہ ہے اور خاص کر علماء و مشائخ کی نافرمانی۔

مولوی عبدالھادی دیوبندی شاہ منصوری تسہیل المشکوۃ ص ۵ میں لکھتے ہیں کہ۔

''و عقوق الوالدین الخ و المعلم و الشیخ قیاس علیهما و فی الفتاوی بر التلمیذ لاستاذه افضل من بر الولد لوالدیه

---

[1] (شرعة الاسلام ص ۴۴)

لان الاب یحمی ولده من أفات الدنیا والاستاذ یحمی تلمیذه من أفات الآخرة انتهی۔ ویؤیده ما فی کتب الفقه وزوج المرضعة اب المرضع انتهی۔وتربیة العلم افضل من تربیة اللبن وقال فی الظهریة وغیرها لایجوز الصلوة خلف العاق ولا تقبل توبة انتهی۔ وفی العاق ثلاثة احرف العین دال علی العیب والالف دال علی الاهانة والقاف دال علی القهر فهذه اسباب العقوق اعاذنا اللہ تعالی منه ولایجوز تعلیم العلم ولاطلب المسئلة من العاق''۔

یعنی والدین کی نافرمانی اوراس پرقیاس استاذ اور پیرومرشد کی نافرمانی ہے۔شاگرد کا اپنے استاذ کی خدمت بیٹے کا اپنے والدین کی خدمت سے افضل ہے۔کیونکہ باپ اپنے بچے کو دنیاوی مصیبتوں سے بچاتا ہے اوراستاذ اپنے شاگرد کو اُخروی آفات سے بچاتا ہے۔اسکی تائید فقہ کے دلائل سے بھی ہوتی ہے۔دودھ پلانے والی عورت کا شوہر دودھ پینے والے بچے کا باپ ہے۔اورعلم کی تربیت دودھ کی تربیت سے افضل ہے۔ظہریہ میں ہے کہ عاق کے پیچھے نماز جائز نہیں اور عاق کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔عاق میں تین حروف ہیں۔عین،عیب پر دلالت کرتا ہے،الف، اھانۃ پر دلالت کرتا ہے،قاف،قہر پر دلالت کرتا ہے۔اور یہ تینوں عقوق کے اسباب ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے بچائے۔آمین۔عاق کو تعلیم دینا یا اس سے مسئلہ پوچھنا جائز نہیں۔

اورص ۶ میں لکھتے ہیں کہ۔

ولاتعقن والدیک اه وقیاس علیهما المعلم والشیخ وزوج المرضعة معها والعجب فی هٰذا الزمان ان الاولاد یخالفون عن الوالدین والتلمیذ من الاساتذة وهلم جرا وقال فضل بن عیاض لااکلم العالم الذی یخالف عن شیخه ولاانظر إلی وجهه انتهی۔[1]

یعنی اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرو اوراس پرقیاس استاذ اور پیرومرُشد ہے اور رضاعی باپ بھی۔اس زمانے میں تعجب کی بات یہ ہے کہ اولاد اپنے والدین اور شاگرد اپنے اساتذہ کی مخالفت کرتے ہیں۔فضل بن عیاض فرماتے ہیں میں اس عالم سے بات نہیں کرتا جو اپنے پیرومرشد کی مخالفت کرتا ہے اور نہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتا ہوں۔

دُررالفرائد معروف بلکچول الحیدری (مصنف :شیخ ابوعبدالرحمن حاجی ملاغلام حیدرالحنفی القادری) میں ہے کہ۔

من تعلم منه حرفا من القرآن او من تفسیر او من الفقه او من مسئلة من المسائل الدینیة او من کلمة الشهادة او من کلمة الاخری او من الصلوة او من ذکر اللہ او نصیحة من الحسنات فهو استاذ فمن انکر من حقه فقد کفر لان حق الاستاذ فرض فمن انکر من حقه فهو کافر قال النبی ﷺ من استخف استاذه ابتلاه اللہ بثلاثة بلاء اوله نسی منه العلم والثانی قل رزقه والثالث یخرج من الدنیا کافرا ومن منع کلمة من کلام الاستاذ فهو عاق لایقبل اللہ تعالی عنه الصلوة والصوم والحج والزکاة وکل عبادة ولایجوز الصلوة خلفه ولایقبل شهادته ولایعتبر قوله ولو کان عالما فقیها ولاذبیحة من یده لانه صار عاقا فذبیحة العاق والکافر سواء کان فی النار من الکافرین الا ان یرضی عنه استاذه صار مسلما کما اسلم الکافر من الکفر کذا ذکر فی منهاج العابدین۔

یعنی دُررالفرائد میں ہے کہ جس نے کسی سے ایک حرف قرآن یا تفسیر یا فقہ یا دینی مسئلہ یا کلمہ شہادت یا کوئی دوسرا کلمہ یا نماز یا ذکر یا نیکی کی کوئی نصیحت سیکھی تو وہ اس کا استاذ ہے پس جو اپنے استاذ کے حق سے منکر ہوا وہ کافر ہے کیونکہ استاذ کا حق فرض ہے اور جو اس سے انکار کرتا ہے وہ

---

[1] (تسهیل المشکوة ص ۶)

کافر ہے۔اسی طرح جس نے اپنے استاذ کی اہانت کی وہ کافر ہے آپ ﷺ نے فرمایا جس نے اپنے استاذ کی توہین کی اس کو اللہ تعالی تین مصیبتوں میں مبتلا کرے گا(۱)اس سے علم بھول جائے گا۔(۲)رزق میں کمی ہوگی۔(۳)دنیا سے کافر جائے گا۔جس نے اپنے استاذ کی کوئی بات منع کی تو وہ عاق ہے اللہ تعالیٰ اس کی نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور کوئی عبادت بھی قبول نہیں فرمائے گا۔اور عاق کے پیچھے نماز جائز نہیں اور اس کی شہادت قبول نہیں اور نہ ہی اس کے قول کا اعتبار ہوگا اگرچہ عالم ہو یا فقیہ اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ جائز نہیں کیونکہ وہ عاق ہے اور عاق اور کافر کا ذبیحہ برابر ہے اور کافروں کے ساتھ دوزخ میں ہوگا۔مگر یہ کہ استاذ اس سے راضی ہو جائے تو وہ مسلمان ہو جائے گا۔آگے لکھتے ہیں کہ۔

لا یقبل اللہ تعالی منه کل طاعة کالکافر و لا یجوز الصلوة خلفه قال رسول اللہ ﷺ المرتد علی نوعین احدهما مرتد عن الدین فیلقنه علی الفور فان عاد و تاب صار مسلما فیصح توبته و لا یقتل و الثانی المرتد عن الاستاذ لا یقبل اللہ تعالی منه کل طاعة بالاتفاق الا ان یرضی استاذه ذکر فی الظهیرة و کذلک لا تسافر بغیر اذن الاستاذ حتی لا تصیر عاقا۔[1]

یعنی اللہ تعالیٰ عاق کی کوئی عبادت کافر کی طرح قبول نہیں فرماتا اور عاق کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔آپ ﷺ نے فرمایا مرتد کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) دین سے مرتد :ایسے مرتد کو فوراً دین کی تلقین کی جائے گی اگر واپس آیا اور توبہ کی تو مسلمان ہو گیا اور اس کی توبہ قبول ہے اور اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔

(۲) اپنے استاذ سے مرتد :ایسے مرتد کا کوئی بھی عمل قبول نہیں ہوگا مگر یہ کہ اس سے استاذ راضی ہو جائے اور استاذ کی اجازت کے بغیر سفر بھی نہیں کرنا چاہیئے تاکہ عاق نہ ہو جائے۔

عاق کا شرعی حکم یہ ہے کہ اس پر اپنی بیوی طلاق ہو جاتی ہے اور اس کا ذبیحہ حرام اور گواہی مردود ہے۔اور اس کی امامت صحیح نہیں یعنی اس کی اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز واجب الاعادۃ ہے۔عاق کا کوئی قول وفعل معتبر نہیں اور کوئی بھی مالی وجانی عبادت قبول نہیں ہے اور اگر اسلامی قانون نافذ العمل ہو تو عاق واجب القتل اور لازم الاھانۃ ہے۔

سب سے پہلے عاق شخص کو توبہ کی ترغیب دی جائے گی اگر توبہ کر کے اپنے حقدار(استاذ، مرشد اور والدین) کو راضی کیا تو پھر اس کو اسلام کی تلقین کی جائے گی اور نکاح کی بھی تجدید کی جائے گی۔اگر توبہ کرنے سے انکار کیا تو واجب القتل ہے۔اور اگر قتل کا غلبہ وقدرت نہ ہو تو عاق کے ساتھ قطع تعلق کرنا واجب ہے البتہ استاذ کا حق والدین کے حق سے زیادہ ہے جس نے کسی سے ایک بھی حرف پڑھا اس کی قدر کرے گا اور اس کے سامنے عاجزی کرے گا۔

فتاوی خانیہ میں ہے کہ عاق اور صلہ رحمی قطع کرنے والا جنت کی خوشبو نہ پائے گا۔**مجمعة العجائب** میں ہے کہ۔

''نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ والدین کے نافرمان کی مغفرت کی جائے گی مگر استاذ کے نافرمان کی مغفرت نہ ہوگی۔بحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۳، درسہ جا آوردہ۔''**الاستهزاء بالعلم و العلماء کفر**''۔و نیز بحر الرائق ص ۱۲۴۔''**و لو صغر الفقیه قاصدًا لاستخفاف بالدین کفر**''۔درشامی ج ۳ ص ۲۰۳ آوردہ۔''**لان اهانة اهل العلم کفر علی المختار**'' عالم کی تخفیف اور استہزاء کرنا کفر ہے۔تو کیا استاذ کی تخفیف واستہزاء کفر نہیں ہو سکتا ہے بلکہ ہو سکتا ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ جو حقوق استاذ کے ہیں وہ دلالت النصوص کے ساتھ ثابت ہیں وہ نصوص جو نبی کریم ﷺ کے حقوق میں وارد ہوئے ہیں کیونکہ دونوں کی علتِ مشترکہ ہے۔اور وہ علت یہ ہے کہ ہر ایک معلم الخیر ہے۔اور دلالت النص حکمِ قطعی اور یقینی ثابت کرتی ہے جیسا کہ ظاہر علمِ اصول میں مرقوم ہے۔اگر کسی صاحب کو علماء سے دوسری علت بغیر اس علت کے جو علماء متقدمین سے منقول ہے، معلوم ہو

---

[1] (تذکرہ غوثیہ ص ۲۲ بحوالہ دُرر الفرائد فصل فی الکراھیة ص ۳۳۶، ۳۳۵، بریقہ ص ۱۴۸)

تو بتلاوے۔خاکسار تسلیم کرنے کو تیار ہے۔

جوابِ ثانی:

بعض علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ اُستاذ ومُرشد کا عاق فاسق ہوتا ہے۔ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ فاسق لُغت میں خارج عن حدالایمان کو کہتے ہیں۔جیسا کہ تفسیر بیضاوی میں اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں فرمایا ہے۔

''قولہ تعالی الاالفاسقین الذین۔الفاسق فی اللُغۃ خارج عن حدالایمان''اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فاسق بھی کافر ہوتا ہے۔ فاسق کا کفر دلالت النص سے ثابت ہے جیسا کہ مولوی صاحب شرح علی الحسامی نے تشریح کی ہے۔

''فان استدل بمعناہ اللغوی فدلالت النص ص ۴۷۔في الشرع :الخارج عن أمر الله بارتكاب الكبيرة,وله درجات ثلاث: الأولى :التغابي وهو أن يرتكبها أحياناً مستقبحاً إياها.الثانية :الانهماك وهو أن يعتاد ارتكابها غير مبال بها.الثالثة :الجحود وهو أن يرتكبها مستصوباً إياها,فإذا شارف هذا المقام وتخطى خططه خلع ربقة الإيمان من عنقه,ولا بس الكفر''۔[1]

عاق استاذ کا اگر فاسق ہے تو اعلیٰ درجے کا فاسق ہے (وھو لا بس الکفر) اس سے ثابت ہوا کہ عاق امامت کے لائق ہرگز نہیں ہوسکتا۔

لان معصومیت الامام عن الکبائر شرط لان الامام ھو الذی یؤتم بہ ویقتدی بہ فلو صدر منہ الکبائر لوجب علینا الاقتداء لہ فی ذٰلک فیلزم ان یجب علینا فعل الکبائر وذٰلک محال لان کونہ معصیۃ عبارت عن کونہ ممنوعًا من فعلہٖ وکونہ واجب عبارت عن کونہ ممنوعا عن ترکہ والجمع بینھما محال فَثَبَتَ بِدَلَالَةِ الْآيَةِ بُطْلَانُ إِمَامَةِ الْفَاسِقِ,قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ» :لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ,وَدَلَّ أَيْضًا عَلَى أَنَّ الْفَاسِقَ لَا يَكُونُ حَاكِمًا,وَأَنَّ أَحْكَامَهُ لَا تُنَفَّذُ إِذَا وَلِيَ الْحُكْمَ,وَكَذَلِكَ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ وَلَا خَبَرُهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ,وَلَا فُتْيَاهُ إِذَا أَفْتَى,وَلَا يُقَدَّمُ لِلصَّلَاةِ۔[2]

وَأَمَّا الْفَاسِقُ فَقَدْ عَلَّلُوا كَرَاهَةَ تَقْدِيمِهِ بِأَنَّهُ لَا يُهْتَمُّ لِأَمْرِ دِينِهِ,وَبِأَنَّ فِي تَقْدِيمِهِ لِلْإِمَامَةِ تَعْظِيمَهُ,وَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِمْ إهَانَتُهُ شَرْعًا,وَلَا يَخْفَى أَنَّهُ إذَا كَانَ أَعْلَمَ مِنْ غَيْرِهِ لَا تَزُولُ الْعِلَّةُ,فَإِنَّهُ لَا يُؤْمَنُ أَنْ يُصَلِّيَ بِهِمْ بِغَيْرِ طَهَارَةٍ فَهُوَ كَالْمُبْتَدِعِ تُكْرَهُ إمَامَتُهُ بِكُلِّ حَالٍ,بَلْ مَشَى فِي شَرْحِ الْمُنْيَةِ عَلَى أَنَّ كَرَاهَةَ تَقْدِيمِهِ كَرَاهَةُ تَحْرِيمٍ لِمَا ذَكَرْنَا قَالَ :وَلِذَا لَمْ تَجُزْ الصَّلَاةُ خَلْفَهُ أَصْلًا عِنْدَ مَالِكٍ وَرِوَايَةٌ عَنْ أَحْمَدَ۔[3]

اس طرح کبیری میں موجود ہے (ص ۳۱۸،۳۱۹) فاسق،علماء،مجتہدین کے درمیان کافر اختلافی ہوگیا ہے۔اس سے ثابت ہوگیا ہے کہ عاق کافر ہے اور اس کی کوئی عبادت بھی قبول نہیں ہے۔فتاوی نورالھدیٰ المشہور فتاویٰ جامع الفوائد میں ہے۔

وینبغی للمتعلم ان یعظم استاذہ لان فی تعظیمہ برکۃ ومن لم یعظم او شتم فھو عاق لا تقبل صلاتہ ولا امامتہ ویعذر ویشھر وعلیہ الفتوی فی زماننا۔(مختار الفتاوی) ولا یجوز شھادۃ العاق ولا امامتہ وتسقط عدالتہ ولا یتعتبر قولہ ولا یعمل بفتواہ لو کان مفتیا۔(تحفۃ الفقھاء) لا یحل ذبیحۃ العاق ولا امامتہ لان العاق یصیر مرتدا فی الحال ومثواہ فی النار۔(فتاوی جامع) من امتنع کلمۃ من الاستاذ فھو عاق لم یدخل الجنۃ ولا نجاۃ لہ من النار ویخرج من الدنیا بغیر الایمان ولا تقبل عبادتہ ان

---

[1] (تفسیر بیضاوی ص ۵۴)

[2] (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۴۶۹)

[3] (شامی ج ۱ ص)

كان الاستاذ ممن تعلم منه حرفا من القرآن او تعلّم مسئلة من مسائل الفقه او الحديث او النصيحة من الحسنات او الذكر او لقّن كلمة طيبة۔[1]

یہ مسئلہ میں نے کسی کے ساتھ تعصب یا عداوت کی وجہ سے شائع نہیں کیا۔ بلکہ ہر ایک کو آگاہ کرنے کے لیے پیش خدمت ہے۔ کیونکہ آج کل بہت سے شاگرد استاذ کے ساتھ ہتک کے ساتھ پیش آتے ہیں اس لیے ان کو خُداوندِ کریم کے حکم سے اور استاذ کے حقوق سے آگاہ کرتا ہوں۔ علماءِ کرام کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس مسئلے میں تمام کی رائے ایک ہونی چاہیے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

(۱۰۹) {باب نمبر ایک سو نو رسول اللہ ﷺ اس وقت بھی نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام روح اور جسد کے درمیان تھے کے بیان میں}

"واذ خذنا من النبيين ميثاقهم الخ" کی لطیف تفسیر

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا۔ (الاحزاب ۷)

"اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے اور ہم نے ان سے گاڑھا عہد لیا۔"

نکتہ: رسولوں کا مقام، انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے فزوں تر ہے اور رسولوں میں سے پانچ رسولوں کا مقام سب سے بلند و برتر ہے، ان پانچ رسولوں کو اولو العزم رسول کہا جاتا ہے اور وہ مختار قول کے مطابق یہ پانچ ہیں جن کا ذکر الاحزاب کی اس آیت میں ہے یعنی (۱) نبی مکرم ﷺ (۲) حضرت نوح علیہ السلام (۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام (۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام (۵) حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام۔

آیت کریمہ میں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ ان چاروں اولو العزم رسولوں سے بعد میں مبعوث ہوئے لیکن آپ کا ذکر ان چاروں سے قبل ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ علماء نے اس کی دو وجوہات بیان فرمائی ہیں۔

(۱) آپ ﷺ کے ذکر کی تقدیم سے آپ ﷺ کی خلقت نورانی کی تقدیم مراد ہے چونکہ حضور نبی مکرم ﷺ کا نور مبارک جمیع عالمین اور جملہ مخلوقات سے پہلے پیدا کیا گیا اس لئے اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کے ذکر مقدم رکھا اس آیت کی تفسیر میں خود حضور اقدس ﷺ کا فرمان ملاحظہ فرمائیں،

عَنْ قَتَادَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عَلَيْهِ وَسلم إِذَا قَرَأَ {وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ} قَالَ: ذكر لنا أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسلم كَانَ يَقُولُ كنت أول الْأَنْبِيَاءِ فِي الْخَلْقِ وَآخِرهمْ فِي الْبَعْثِ۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ جب یہ آیت پڑھتے {وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ} تو فرماتے تھے کہ نبوت کی ابتداء مجھ سے کی گئی اور بعث میں میں تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد آیا۔[2]

مسند دیلمی میں حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فِي قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: {وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ} الْآيَةَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسلم: "كنت أول النبيين في الخلق وَآخِرهُمْ فِي الْبَعْثِ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان {وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ

---

[1] (فتاوی نور الھدیٰ ص ۴۲۵، ۴۲۴)

[2] (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۳۲۲ رقم الحدیث ۳۱۷۶۲، الدر المنثور ج ۶ ص ۵۷۰)

} کی تفسیر میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میں خلقت کے لحاظ سے اول ہوں اور بعثت کے لحاظ سے سب سے آخری ہوں۔[1]

(۲) اللہ رب العزت نے نبی مکرم علیہ السلام کا ذکر مقدم اس لئے فرمایا کہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام کی بہ نسبت اللہ رب العزت کی بارگاہ میں زیادہ معظم اور مؤقر ہیں اور آپ ﷺ کی اس عظمت اور افضلیت کا تقاضا یہ تھا کہ آپ ﷺ کا ذکر بھی تمام کے اذکار سے مقدم ہو، دراصل یہ دونوں باتیں جو ذکر ہوئیں، حضور اقدس ﷺ کی افضلیت مطلقہ کی دلیل قاطع ساطع ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں یہی دو نکات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وقدم النبي صلى الله عليه وسلم عليهم في الذكر تعظيما له واشعارا بما اخبر عنه صلى الله عليه وسلم حيث قال كنت أول الناس في الخلق وآخرهم في البعث رواه سعد عن قتادة مرسلا ورواه البغوي متصلا عن قتادة عن الحسن عن ابى هريرة وقال قال قتادة وذلك قول الله عزّ وجلّ وَإِذْ أَخَذْنا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ الاية فبدأ به صلى الله عليه وسلم قبلهم- وروى ابن سعد وابو نعيم في الحلية عن ميسرة الفجر بن سعد عن ابى الجدعاء والطبراني في الكبير عن ابن عباس بلفظ كنت نبيّا وآدم بين الروح والجسد۔

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ کی تعظیم کیلئے اس آیت میں حضور اقدس ﷺ کا ذکر پہلے کیا اور اس بات کی طرف اشارہ کرنے کیلئے جس کی حضور ﷺ نے خبر دی کہ میں پیدا ہونے کے لحاظ سے تمام لوگوں سے اول ہوں اور تشریف لانے کے اعتبار آخر ہوں۔ اس حدیث کو سعد نے قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاً روایت کیا اور بغوی نے قتادہ سے اور قتادہ سے حسن نے اور حسن نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے متصلاً روایت کیا ہے اور کہا کہ قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس کا بیان اللہ تعالیٰ کے اس قول ''وَإِذْ أَخَذْنا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ الاية'' میں ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سے پہلے حضور اکرم ﷺ کا ذکر کیا اور ابن سعد اور ابو نعیم نے حلیہ میں میسرہ سے اور میسرہ نے ابو الجدعاء اور طبرانی نے کبیر میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ان الفاظ میں اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ میں اس وقت بھی تھا جب کہ آدم علیہ السلام روح اور جسد کے درمیان تھے۔[2]

مصطفیٰ ﷺ سب سے مقدم تھے

حَدَّثَنَا أَبُو هَمَّامٍ الوَلِيدُ بْنُ شُجَاعِ بْنِ الوَلِيدِ البَغْدَادِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا الوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنْ الأَوْزَاعِيِّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَتَى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ؟ قَالَ» :وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالجَسَدِ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کیلئے کب نبوت واجب ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جس وقت آدم علیہ السلام روح اور جسم کے بین بین تھے۔[3]

عَنْ عِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ :"إِنِّي عِنْدَ اللَّهِ مَكْتُوبٌ خَاتِمُ النَّبِيِّينَ، وَإِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ، وَسَأُخْبِرُكُمْ بِأَوَّلِ أَمْرِي :دَعْوَةُ إِبْرَاهِيمَ، وَبِشَارَةُ عِيسَى، وَرُؤْيَا أُمِّي الَّتِي رَأَتْ حِينَ وَضَعَتْنِي، وَقَدْ خَرَجَ لَهَا نُورٌ أَضَاءَتْ

---

[1] (مسند دیلمی ج۴ ص۴۴، جامع البیان ج۲۱ ص۱۲۵، تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۴۷۰، الدر المنثور ج۶ ص۵۷، تفسیر معالم التنزیل ج۵ ص۱۹۲، تفسیر خازن ج۵ ص۱۹۶، تفسیر روح البیان ج۵ ص۶۶۱)

[2] (تفسیر مظہری ج۵ ص۳۷۳ مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، نکات الفرقان فی شان حبیب الرحمن ﷺ ص۶۴)

[3] (مشکوۃ شریف ص۵۱۳، ترمذی ج۲ ص۲۰۱)

لَهَا مِنْهُ قُصُورُ الشَّامِ"

عرباض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک میں اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے آخری نبی لکھا گیا ہوں اس وقت آدم علیہ السلام اپنی مٹی میں گندھے جا رہے تھے اور جلدی بتا سکتا ہوں میں تمہیں اپنے متعلق اول کام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دعا مانگنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا میرے متعلق بشارت دینا اور میرے وضع حمل کے وقت میری ماں کا خواب دیکھنا اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ ضرور میری ماں کے واسطے نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔[1]

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ مصطفےٰ ﷺ کو حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے نبوت حاصل ہوئی جب نبوت مقدم تو ذات مقدم اور ذات جسمیہ کا ظہور تو سب انبیاء علیہم السلام کے اخیر میں ہوا تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو اس وقت نبوت ملی اور نبوت صفت ہے ذات کی تو آپ ﷺ کی ذات حقیقتاً نور ثابت ہوئی جس کو نبوت عطا ہوئی تو لباس انسانی حضرت ﷺ کو بعد میں عطا ہوا۔[2]

قوله صلّى الله عليه وسلّم. كنت نبيا وآدم بين الماء والطين.

فأول روح ركضت في ميدان الخضوع والانقياد والمحبة روح نبينا صلّى الله عليه وسلّم وقد أسلم نفسه لمولاه بلا واسطة وكل إخوانه الأنبياء عليهم الصلاة والسلام إنما أسلموا نفوسهم بواسطته عليه الصلاة والسلام فهو صلّى الله عليه وسلّم المرسل إلى الأنبياء والمرسلين عليهم الصلاة والسلام في عالم الأرواح وكلهم أمته وهم نوابه في عالم الشهادة،[3]

وقوله عليه الصلاة والسلام :كنت نبيا وآدم بين الماء والطين، إشارة إلى هذا أيضا وإنه لم يشأ سبحانه خلق آدم إلا لينتزع الصافي من ذريته ولم يزل يستصفي تدريجا إلى أن بلغ كمال الصفاء، ولا يفهم هذا إلا بأن يعلم أن للدار مثلا وجودين وجودا في ذهن المهندس حتى كأنه ينظر إلى صورتها ووجودا خارج الذهن مسببا عن الوجود الأول فهو سابق عليه لا محالة.

وحينئذ يقال :إن الله تعالى يقدر أولا ثم يوجد على وفق التقدير ثانيا والتقدير يرسم في اللوح المحفوظ كما يرسم تقدير المهندس أولا في لوح أو قرطاس فتصير الدار موجودة بكمال صورتها نوعا من الوجود يكون سببا للوجود الحقيقي، وكما أن هذه الصورة ترتسم في لوح المهندس بواسطة القلم والقلم يجري على وفق العلم بل العلم يجريه كذلك تقرير صورة الأمور الإلهية ترتسم أولا في اللوح المحفوظ بواسطة القلم الإلهي والقلم يجري على وفق العلم السابق الأزلي، واللوح عبارة عن موجود قابل لنقش الصور، والقلم عبارة عن موجود منه تفيض الصور على اللوح وليس من شرطهما أن يكونا جسمين ولا يبعد أن يكون قلم الله تعالى ولوحه لائقين لأصبعه ويده وكل ذلك على ما يليق بذاته الإلهية ويقدس عن حقيقة الجسمية، وقد يقال :إنهما جوهران روحانيان أحدهما متعلم وهو اللوح والآخر معلم وهو القلم، وقد أشير إلى ذلك بقوله سبحانه :عَلَّمَ بِالْقَلَمِ [العلق 4 :] فإذا فهمت معنيي الوجود فقد كان نبينا صلى الله عليه وسلم قبل بالمعنى الأول منهما دون المعنى الثاني اھ۔[4]

---

[1] (شرح السنة المؤلف :محيي السنة، أبو محمد الحسين بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوي الشافعي (المتوفى 516 :هـ) ج ۱۳ ص ۲۰۷)

[2] (مقیاس نورص ۵۱)

[3] (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ج ۴ ص ۱۳۲ سورة الانعام)

[4] (روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ج ۷ ص ۲۸۶ سورة الحجر)

حدیث, کنت نبیا و آدم بین الروح و الجسد

حاصله أن حقیقته علیه الصلاة و السّلام قد تکون من قبل آدم آتاها الله تعالی النبوة بأن خلقها مهیأة لها و أفاضها علیها من ذلك الوقت و صار نبیا ثم.... و المراد بکونه علیه الصلاة و السّلام خاتمهم انقطاع حدوث وصف النبوة في أحد من الثقلین بعد تحلیه علیه الصلاة و السّلام بها في هذه النشأة.[1]

حدیث، کنت نبیا و آدم بین الروح و الجسد

فهو نبی الانبیاء فی عالم الابتداء کما صار امام الانبیاء فی لیلة الاسراء۔[2]

(وَ خَاتَمَ النَّبِیِّینَ) فثبت بهذه الآیة ان محمدا ﷺ آخر الانبیاء قال ﷺ (کنت نبیا و آدم بین المآء و الطین۔) فبطن کونه خاتم النبیین فی هذا الحدیث و کان من ظهوره نبیا و آدم بین المآء و الطین ان استفتح به مراتب البشر فقال (اول ماخلق الله نور نبیک یاجابر) و ختم الله به النبیین بعد بعثته ﷺ لبشریته فظهر کونه خاتم النبیین بقوله (ان الرسالة و النبوة قد انقطعت فلا نبی بعدی و لا رسول۔) یعنی ان الرسالة و هی البعثة الی الناس بالتشریع لهم و النبوة قد انقطعت ای مابقی من یشرع له من عند الله حکم یکون علیه لیس هو شرعنا الذی جئنا به فلا رسول بعدی یأتی بشرع یخالف شرعی الی الناس و لا نبی فلا نبوة تشریع بعده و لا نبی یکون علی شرع ینفرد به عند ربه یکون علیه فصرح انه خاتم النبوة التشریع و لو ارادغیر ماذکرناه لکان معارضا لقوله (ان عیسیٰ علیه السلام ینزل فینا حکما مقسطا یؤمنا بنا) ای بالشرع الذی نحن علیه و لا نشک فیه انه رسول و نبی فعلمنا انه ﷺ ارادانه لا شرع بعده ینسخ شرعه۔[3]

بَاب خُصُوصِیَّة النَّبِي صلی الله عَلَیْهِ وَ سلم بِکَوْنِهِ أول النَّبِیین فِي الْخلق وَ تقدم نبوته و اخذ الْمِیثَاق عَلَیْهِ

اخْرج ابْن أبي حَاتِم فِي تَفْسِیره وَ أَبُو نعیم فِي الدَّلَائِل من طرق عَن قَتَادَة عَن الْحسن عَن أبي هُرَیْرَة عَن النَّبِي صلی الله عَلَیْهِ وَ سلم فِي قَوْله تَعَالَی {وَإِذْ أَخذنَا من النَّبِیین میثاقهم} الْآیَة قَالَ کنت أول النَّبِیین فِي الْخلق وَ آخرهم فِي الْبَعْث فَبدَأَ بِهِ قبلهم۔

وَ أخرج أَبُو سهل الْقطَّان فِي جُزْء من أَمَالِیهِ عَن سهل بن صَالح الْهَمدَانِي قَالَ سَأَلت أَبَا جَعْفَر مُحَمَّد بن عَليّ کَیفَ صَار مُحَمَّد صلی الله عَلَیْهِ وَ سلم یتَقَدَّم الْأَنْبِیَاء وَ هُوَ آخر من بعث قَالَ إِن الله تَعَالَی لما اخذ من بني آدم من ظُهُورهمْ ذریاتهم و أشهدهم علی أنفسهم أَلَسْت بربکم کَانَ مُحَمَّد صلی الله عَلَیْهِ وَ سلم أول من قَالَ بلَی وَ لذَلِك صَار یتَقَدَّم الْأَنْبِیَاء وَ هُوَ آخر من بعث وَ أخرج أَحْمد وَ الْبُخَارِيّ فِي تَارِیخه وَ الطَّبَرَانِيّ وَ الْحَاکِم وَ الْبَیْهَقِيّ وَ أَبُو نعیم عَن میسرَة الْفجْر قَالَ قلت یَا رَسُول الله مَتی کنت نَبیا قَالَ و آدم بَین الرّوح و الجسد و اخرج احْمَد وَ الْحَاکِم وَ الْبَیْهَقِيّ عَن الْعِرْبَاض بن سَارِیَة قَالَ سَمِعت رَسُول الله صلی الله عَلَیْهِ وَ سلم یَقُول إِنِّي عِنْد الله فِي ام الْکتاب لخاتم النَّبِیین وَ إِن آدم لَمُنْجَدِل فِي طینته و اخرج الْبَزَّار وَ الطَّبَرَانِيّ فِي الْأَوْسَط وَ أَبُو نعیم من طَرِیق الشّعبِيّ عَن ابْن عَبَّاس رَضِي الله عَنْهُمَا قَالَ قیل یَا رَسُول الله مَتی کنت نَبیا قَالَ و آدم بَین الرّوح و الجسد وَ أخرج أَبُو نعیم عَن الصنَابحِي قَالَ قَالَ عمر رَضِي الله عَنهُ مَتی جعلت نَبیا قَالَ و آدم منجدل فِي الطین مُرْسل وَ أخرج ابْن سعد عَن ابْن ابي

---

[1] (روح المعاني في تفسیر القرآن العظیم و السبع المثاني ج ۱۱ ص ۴۹ سورة الاحزاب)

[2] (تفسیر الملا علی القاری ج ۱ ص ۳۰۴)

[3] (رحمة من الرحمن فی تفسیر و اشارات القرآن ج ۳ ص ۳۹۸)

الجدعاء قَالَ قلت يَا رَسُول الله مَتى كنت نَبيا قَالَ إِذْ آدم بَين الرّوح والجسد وَأخرج ابْن سعد عَن مطرف بن عبد الله بن الشخير أَن رجلا سَأَلَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم مَتى كنت نَبيا قَالَ بَين الرّوح والطين من آدم وَأخرج ابْن سعد عَن عَامر قَالَ قَالَ رجل للنَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم مَتى استنبئت قَالَ وآدم بَين الرّوح والجسد حِين اخذ مني الْمِيثَاق وَأخرج الطَّبَرَانِيّ وَأَبُو نعيم عَن أبي مَرْيَم الغساني ان اعرابيا قَالَ للنَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أَي شَيْء كَانَ اول نبوتك قَالَ اخذ الله مني الْمِيثَاق كَمَا أَخذ من النَّبِيين ميثاقهم ودعوة أبي ابراهيم وبشرى عِيسَى وَرَأَتْ امي فِي منامها انه خرج من بَين رِجْلَيْهَا سراج اضاءت لَهُ قُصُور الشَّام۔

فَائِدَة فِي ان رِسَالَة النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم عَامَّة لجَمِيع الْخلق والانبياء وامهم كلهم من امته

ورسالته عَامَّة لجَمِيع الْخلق من زمن آدم إِلَى يَوْم الْقِيَامَة وَتكون الْأَنْبِيَاء وامهم كلهم من أمته وَيكون قَوْله بعثت إِلَى النَّاس كَافَّة لَا يخْتَص بِهِ النَّاس من زَمَانه إِلَى يَوْم الْقِيَامَة بل يتَنَاوَل من قبلهم أَيْضا ويتبين بذلك معنى قَوْله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم كنت نَبيا وآدم بَين الرّوح والجسد وَأَن من فسره بِعلم الله بِأَنَّهُ سيصير نَبيا لم يصل إِلَى هَذَا الْمَعْنى لِأَن علم الله مُحِيط بِجَمِيعِ الْأَشْيَاء وَوصف النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم بِالنُّبُوَّةِ فِي ذَلِك الْوَقْت يَنْبَغِي ان يفهم مِنْهُ أَنه امْر ثَابت لَهُ فِي ذَلِك الْوَقْت وَلِهَذَا رأى آدم اسْمه مَكْتُوبًا على الْعَرْش مُحَمَّد رَسُول الله فَلَا بُد أَن يكون ذَلِك معنى ثَابتا فِي ذَلِك الْوَقْت وَلَو كَانَ الْمُرَاد بذلك مُجَرّد الْعلم بِمَا سيصير فِي الْمُسْتَقْبل لم يكن لَهُ خُصُوصِيَّة بِأَنَّهُ نَبِي وآدم بَين الرّوح والجسد لِأَن جَمِيع الْأَنْبِيَاء يعلم الله نبوتهم فِي ذَلِك الْوَقْت وَقبله فَلَا بُد من خُصُوصِيَّة للنَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم لأَجلهَا أخبر بِهَذَا الْخَبَر إعلاما لأمته ليعرفوا قدره عِنْد الله تَعَالَى فَيحصل لَهُم الْخَيْر بذلك۔قَالَ فَإِن قلت أُرِيد ان افهم ذَلِك الْقدر الزَّائِد فَإِن النُّبُوَّة وصف لَا بُد ان يكون الْمَوْصُوف بِهِ مَوْجُودا وَإِنَّمَا يكون بعد بُلُوغ أَرْبَعِينَ سنة أَيْضا فَكيف يُوصف بِهِ قبل وجوده وَقبل إرْسَاله وَإِن صَحَّ ذَلِك فَغَيره كَذَلِك قلت قد جَاءَ ان الله تَعَالَى خلق الْأَرْوَاح قبل الأجساد فقد تكون الْإِشَارَة بقوله كنت نَبيا إِلَى روحه الشَّرِيفَة أَوْ إِلَى حَقِيقَته والحقائق تقصر عقولنا عَن مَعْرفَتهَا وانما يعلمهَا خَالِقهَا وَمن امده بِنور الهي ثمَّ ان تِلْك الْحَقَائِق يُؤْتِي الله كل حَقِيقَة مِنْهَا مَا يَشَاء فِي الْوَقْت الَّذِي يَشَاء فحقيقة النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قد تكون من قبل خلق آدم آتَاهُ الله ذَلِك الْوَصْف بِأَن يكون خلقهَا متهيئة لذَلِك وأفاضه عَلَيْهَا من ذَلِك الْوَقْت فَصَارَ نَبيا وَكتب اسْمه على الْعَرْش وَأخْبر عَنهُ بالرسالة ليعلم مَلَائِكَته وَغَيرهم كرامته عِنْده فحقيقته مَوْجُودَة من ذَلِك الْوَقْت وَإِن تَأَخّر جسده الشريف المتصف بهَا واتصاف حَقِيقَته بالاوصاف الشَّرِيفَة المفاضة عَلَيْهِ من الحضرة الالهية وانما يتَأَخَّر الْبَعْث والتبليغ وكل مَا لَهُ من جِهَة الله تَعَالَى وَمن جِهَة تأهل ذَاته الشَّرِيفَة وَحَقِيقَته معجل لَا تَأْخِير فِيهِ وَكَذَلِك استنباؤه وايتاؤه الْكتاب وَالْحكم والنبوة وَإِنَّمَا الْمُتَأَخر تكونه وتنقله إِلَى ان ظهر صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَغَيره من أهل الْكَرَامَة قد تكون افاضة الله تَعَالَى تِلْك الْكَرَامَة عَلَيْهِ بعد وجوده بِمدَّة كَمَا يَشَاء سُبْحَانَهُ وَلَا شكّ ان كل مَا يَقع فَالله عَالم بِهِ من الازل وَنحن نعلم علمه بذلك بالادلة الْعَقْلِيَّة والشرعية۔[1]

قوله :(متى وجبت لك النبوة؟قال :وآدم بين الروح والجسد إلخ) أي كان النبي (ﷺ) نبياً وجرت عليه أحكام النبوة من

---

[1](الخصائص الكبرىٰ ص ۱۰-۷)

ذلك الحين بخلاف الأنبياء السابقين، فإن الأحكام جرت عليهم بعد البعثة كما قال مولانا الجامي أنه كان نبياً قبل النشأة العنصرية.[1]

(كتبت نبيًا) من الكتابة، والمراد إظهار نبوته -صلى الله عليه وسلم- قبل وجوده العنصري في الملائكة والأرواح، وإعلامهم بذلك كما ورد كتابة اسمه الشريف على العرش، والسموات، وقصور الجنة، وغرفها، وعلى نحور الحور العين، وعلى ورق قصب آجام الجنة، وعلى ورق شجرة طوبى، وعلى ورق سدرة المنتهى، وعلى أطراف الحجب، وبين أعين الملائكة،....وقال بعض العارفين :إن روحه الشريفة كانت نبيًا في عالم الأرواح مربيًا لها، وقد ثبت أن الله خلق الأرواح قبل الأجساد، والله أعلم بحقيقة الحال.[2]

عَنْ أَبي هُريرَةَ -رضي الله عنه- قَالَ :قَالُوا :يارَسُولَ الله! متَى وَجَبَتْ لَكَ النُبوَّةُ؟ قال :"وآدمُ بَيْنَ الرُوحِ والجَسدِ".

قوله :"متى وجَبَتْ لك النبوةُ؟ قال :وآدمُ بين الروحِ والجسد".(متى) :سؤالٌ عن الزمان، والواو في (وآدم) للحال.

(وجبت)، أي :ثَبَتَتْ، يعني :ثبتت نبوتي في حال أنَّ آدمَ بين الرُوح والجَسَد.[3]

ومن جملة ما كتب في الذكر أن محمدًا خاتم النبيين.

وعن العرباض بن سارية عن النبي صلى الله عليه وسلم :"إني عند الله لخاتم النبيين" وإن آدم لمنجدل في طينته". رواه أحمد والبيهقي، والحاكم، وقال :صحيح الإسناد.

وقوله عليه الصلاة والسلام لمنجدل، يعني :طريحًا ملقى على الأرض قبل نفخ الروح فيه.

وعن ميسرة الضبي. قال :قلت يا رسول الله، متى كنت نبيًا؟ قال :"وآدم بين الروح والجسد". هذا لفظ رواية الإمام أحمد. ورواه البخاري في تاريخه وأبو نعيم في الحلية، وصححه الحاكم. وأما ما اشتهر على الألسنة بلفظ :كنت نبيًا وآدم بين الماء والطين. فقال شيخنا العلامة الحافظ أبو الخير السخاوي في كتابه "المقاصد الحسنة" :لم نقف عليه بهذا اللفظ. انتهى.

وقال العلامة الحافظ ابن رجب، في اللطائف :وبعضهم يرويه :متى كتبت نبيًا من الكتابة، انتهى.

قلت :وكذا رويناه في جزء من حديث أبي عمرو، إسماعيل بن نجيد، ولفظه :متى كتبت نبيًا؟ قال :"كتبت نبيًا وآدم بين الروح والجسد".

فتحمل هذه الرواية مع رواية العرباض على وجوب نبوته وثبوتها، فإن الكتابة تستعمل فيما هو واجب، قال تعالى :{كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ} [البقرة 183 :] و{كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ} [المجادلة 21 :].

وعن أبي هريرة. أنهم قالوا :يا رسول الله، متى وجبت لك النبوة قال :"وآدم بين الروح والجسد". رواه الترمذي وقال : حديث حسن.

ورويناه في جزء من أمالي أبي سهل القطان عن سهل بن صالح الهمداني، قال :سألت أبا جعفر، محمد بن علي، كيف صار

---

[1] (العرف الشذي شرح سنن الترمذي ج ۴ ص ۴۲۹)

[2] (لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح ج ۹ ص ۲۳۴، اشعت اللمعات شرح مشكوة ج ۴ ص ۴۹۹)

[3] (المفاتيح في شرح المصابيح ج ۶ ص ۱۰۳)

محمد صلى الله عليه وسلم يتقدم الأنبياء وهو آخر من بعث؟ قال :إن الله تعالى لما أخذ الميثاق من بني آدم من. ظهورهم ذرياتهم وأشهدهم على أنفسهم :ألست بربكم؟ كان محمد صلى الله عليه وسلم أول من قال :بلى، ولذلك صار محمد صلى الله عليه وسلم يتقدم الأنبياء، وهو آخر من بعث.

فإن قلت :إن النبوة وصف ولا بد أن يكون الموصوف به موجودًا، وإنما يكون بعد بلوغ أربعين سنة مهمة أيضًا، فكيف يوصف به قبل وجوده وإرساله؟ أجاب العلامة الغزالي رحمه الله في كتابه "النفخ والتسوية" عن هذا، وعن قوله :كنت أول الأنبياء خلقًا وآخرهم بعثًا :بأن المراد بـ"الخلق" هنا :التقدير دون الإيجاد. فإن قيل إن ولدته أمه لم يكن موجودًا مخلوقًا، ولكن الغايات والكمالات سابقة في التقدير لاحقة في الوجود".

قال :وهو معنى قولهم :"أول الفكرة آخر العمل، أول الفكرة" وبيانه :أن المهندس المقدر للدار، أول ما يمثل في نفسه صورة الدار، فيحصل في تقديره دار كاملة، وآخرة ما يوجد من أعماله هي الدار الكاملة، فالدار الكاملة هي أول الأشياء في حقه تقديرًا، وآخرها وجودًا، لأن ما قبلها من ضرب اللبنات وبناء الحيطان، وتركيب الجذوع، وسيلة إلى غاية وكمال وهي الدار الكاملة، فالغاية هي الدار ولأجلها تقوم الآلات والأعمال.

ثم قال :وأما قوله عليه الصلاة والسلام :كنت نبيًا فإشارة إلى ما ذكرناه، وأنه كان نبيًا في التقدير قبل تمام خلقه آدم عليه الصلاة والسلام، لأنه لم ينشأ خلق آدم إلا لينتزع من ذريته محمد صلى الله عليه وسلم ويستصفى تدريجًا إلى أن يبلغ كمال الصفات".

"قال :ولا تفهم هذه الحقيقة إلا بأن يعلم أن للدار وجودين :وجودًا في ذهن المهندس ودماغه، والوجود الثاني أنه ينظر إلى صورة الدار خارج الذهن في الأعيان، والوجود الذهني سبب الوجود الخارج للعين، فهو سابق لا محالة. كذلك فاعلم أن الله تعالى يقدر ثم يوجد على وفق التقدير ثانيًا"، انتهى

وهو متعقب بقول الشيخ تقي الدين السبكي :"إنه قد جاء أن الله خلق الأرواح قبل الأجساد، فقد تكون الإشارة بقوله :كنت نبيًا إلى روحه الشريفة، أو إلى حقيقة من الحقائق، والحقائق تقصر عقولنا عن معرفتها، وإنما يعلمها خالقها ومن أمده الله بنور إلهي، ثم إن تلك الحقائق يؤتي الله كل حقيقة منها ما يشاء في الوقت الذي يشاء، فحقيقة النبي صلى الله عليه وسلم قد تكون من حين خلق آدم آتاها الله ذلك الوصف، بأن يكون خلقها متهيئة لذلك، وأفاضه عليها من ذلك الوقت، فصار نبيًا، وكتب اسمه على العرش، وأخبر عنه بالرسالة ليعلم ملائكته وغيرهم كرامته عنده.

فحقيقته موجودة من ذلك الوقت وإن تأخر جسده الشريف المتصف بها، واتصاف حقيقته بالأوصاف الشريفة المفاضة عليه من الحضرة الإلهية، وإنما يتأخر البعث والتبليغ وكل ماله من جهة الله ومن جهة أهل ذاته الشريفة وحقيقته معجل لا تأخر فيه ,وكذلك استنباؤه وإيتاؤه الكتاب والحكم والنبوة، وإنما المتأخر تكونه وتنقله إلى أن ظهر صلى الله عليه وسلم.

وقد علم من هذا :أن من فسره بعلم الله بأنه سيصير نبيًا لم يصل إلى هذا المعنى، لأن علم الله محيط بجميع الأشياء، ووصف النبي صلى الله عليه وسلم بالنبوة في ذلك الوقت ينبغي أن يفهم منه أنه أمر ثابت له في ذلك الوقت ,ولو كان المراد بذلك مجرد العلم بما سيصير في المستقبل لم يكن له السلام خصوصية بأنه نبي وآدم بين الروح والجسد، لأن جميع الأنبياء يعلم الله تعالى

نبوتهم في ذلك الوقت وقبله، فلابد من خصوصية للنبي صلى الله عليه وسلم لأجلها أخبر بهذا الخبر إعلامًا لأمته ليعرفوا قدره عند الله تعالى. وعن الشعبي قال رجل :يارسول الله، متى استنبئت؟ قال :"وآدم بين الروح والجسد، حين أخذ مني الميثاق". رواه ابن سعد من رواية جابر الجعفي فيما ذكره ابن رجب.

فهذا يدل على أنه من حين صور آدم طينًا استخرج منه محمد صلى الله عليه وسلم. ونبئ وأخذ منه الميثاق، ثم أعيد إلى ظهر آدم حتى يخرج وقت خروجه الذي قدر الله خروجه فيه فهو أولهم خلقًا.

لا يقال :يلزم خلق آدم قبله، لأن آدم كان حينئذ مواتًا لا روح فيه، ومحمد صلى الله عليه وسلم كان حيًا حين استخرج ونبئ وأخذ منه الميثاق، فهو أول النبيين خلقًا وآخرهم بعثًا.

فإن قلت إن استخراج ذرية آدم منه كان بعد نفخ الروح فيه، كما دل عليه أكثر الأحاديث، والذي تقرر هنا :أنه استخرج ونبئ وأخذ منه الميثاق قبل نفخ الروح في آدم عليه الصلاة والسلام.

أجاب بعضهم :بأنه صلى الله عليه وسلم خص باستخراجه من ظهر آدم قبل نفخ الروح ,فإن محمدا صلى الله عليه وسلم هو المقصود من خلق النوع الإنساني، وهو عينه وخلاصته وواسطة عقده. والأحاديث السابقة صريحة في ذلك، والله أعلم.

وروي عن علي بن أبي طالب أنه قال :لم يبعث الله تعالى نبيًا من آدم فمن بعده إلا أخذ عليه العهد في محمد صلى الله عليه وسلم لئن بعث، وهو حي، ليؤمنن به ولينصرنه، ويأخذ العهد بذلك على قومه.

وهو مروي عن ابن عباس أيضًا ,كما ذكره العماد بن كثير في تفسيره. وقيل :إن الله تعالى لما خلق نور نبينا محمد صلى الله عليه وسلم أمره أن ينظر إلى أنوار الأنبياء عليهم الصلاة والسلام، فغشيهم من نوره ما أنطقهم الله به وقالوا :يا ربنا، من غشينا نوره؟ فقال الله تعالى :هذا نور محمد بن عبد الله، إن آمنتم به جعلتكم أنبياء، قالوا :آمنا به وبنبوته فقال الله تعالى :أشهد عليكم؟ قالوا :نعم. فذلك قوله تعالى :{وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ} إلى قوله :{وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ} [آل عمران 81 :].

قال الشيخ تقي الدين السبكي :في هذه الآية الشريفة من التنويه بالنبي صلى الله عليه وسلم وتعظيم قدره العلي ما لا يخفى، وفيه مع ذلك :أنه على تقدير مجيئه في زمانهم يكون مرسلا إليهم، فتكون نبوته ورسالته عامة لجميع الخلق، من آدم إلى يوم القيامة، ويكون الأنبياء وأممهم كلهم من أمته، ويكون قوله :"وبعثت إلى الناس كافة". لا يختص به الناس من زمانه إلى يوم القيامة، بل يتناول من قبلهم أيضًا. ويتبين بذلك معنى قوله صلى الله عليه وسلم :"كنت نبيًا وآدم بين الروح والجسد".

ثم قال :فإذا عرف هذا فالنبي صلى الله عليه وسلم نبي الأنبياء، ولهذا ظهر في الآخرة جميع الأنبياء تحت لوائه، وفي الدنيا كذلك ليلة الإسراء صلى بهم. ولو اتفق مجيئه في زمن آدم ونوح وإبراهيم وموسى وعيسى صلوات الله وسلامه عليهم وجب عليهم وعلى أممهم الإيمان به ونصرته. وبذلك أخذ الله عليهم الميثاق. انتهى وسيأتي إن شاء الله تعالى لذلك في المقصد السادس.[1]

وفي هذه المسئلة رسالة كاملة للامام العلامه تقي الدين علي بن عبد الكافي السبكي رحمة الله تعالى عليه

---

[1](شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ص ٨٠-٦٠ ج ١)

التعظيم والمنة فی لتؤمننّ به ولتنصرنّه

قال رضی اللہ تعالیٰ عنه الحمد لله الذی عظّم نبیّه ومنّ علینا به وهدانا الی کل خیر، إذ وصل سببنا بسببه، وبعد:

فقد حصل البحث فی تفسیر قوله تعالیٰ :وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ۔[1]

وقول المفسرین[2] هنا: ان الرسول هو نبینا محمد ﷺ، وإنه مامن نبی إلا أخذ الله علیه المیثاق انه إن بعث محمد فی زمانه لتؤمنن به ولتنصرنه ویوصی أمته بذلک۔[3]

وفی ذلک من التنویه بالنبی ﷺ وتعظیم العلی مالا یخفی۔

وفیه ماذلک انه علی تقدیر مجیئه فی زمانهم یکون مرسلا الیهم فتکون نبوته ورسالته عامة الجمیع الخلق من زمن آدم الی یوم القیامة ویکون الانبیاء وامهم کلهم من امته ویکون قوله (بعثت الی الناس کآفة)[4] لایختص به الناس من زمانه الی یوم القیامة بل یتناول من قبلهم ایضاً

ویتبین بذلک معنی قوله ﷺ (کنت نبیاً وآدم بین الروح والجسد)[5] وان من فسره بعلم الله تعالیٰ بانه سیصیر نبیا لم یصل الی هذا المعنی؛ لأن علم الله محیط بجمیع الاشیاء، ووصف النبی ﷺ بالنبوة فی ذلک الوقت ینبغی أن یفهم منه انه أمر ثابت له فی ذلک الوقت ،ولهذا: (رأی اسمه آدم مکتوبا علی العرش محمد رسول الله)[6] اخرجه الحاکم فی المستدرک (۴۲۲۸) وقال :حدیث صحیح الاسناد، وقال الذهبی فی التلخیص :بل موضوع وعبدالرحمن واه ،والبیهقی فی دلائل النبوة (ج۵ ص ۴۸۹) وقال: ضعیف ،والطبرانی فی الصغیر (۹۹۲) وقال لایروی عن عمر إلا بهذا الاسناد تفرد به أحمد بن سعید، والشامی فی سبل الهدیٰ والرشاد فی سیرة خیر العباد (ج ۱ ص ۸۵)، و(ج ۱۲ ص ۴۰۳) وقال تقدمت شواهده هناک وکأنه یشیر إلی تصحیحه، عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ لما أذنب آدم علیه الصلوة

---

[1] آل عمران الآیة ۸۱۔

[2] انظر تفسیر الطبری (ج۳ص ۳۳۵-۳۲۹) وتفسیر ابن کثیر (ج ۱ ص ۳۷۸-۳۷۹-۳۵۹) ودقائق التفسیر لابن التیمیة (ج ۱ ص ۳۳۵-۳۳۴-۳۳۳) وتفسیر الثعلبی (ج ۱ ص ۲۸۵-۲۸۴-۲۸۳) وتفسیر ابی سعود (ج ۲ ص ۵۴-۵۳) وتفسیر الواحدی (ج ۱ ص ۲۲۱-۲۲۰) وتفسیر البغوی (ج ۱ ص ۳۲۲-۳۲۱) وفتح القدیر لشوکانی (ج ۱ ص ۳۵۷-۳۵۶) وزاد المسیر لا بن الجوزی (ج ۱ ص ۴۱۶-۴۱۵-۴۱۴) وروحانی للآلوسی (ج۳ص ۲۰۹) و(ج۶ ص ۸) وغیرهم۔

[3] أخرج ابن کثیر فی تفسیره (ج ۱ ص ۳۷۹-۳۷۸) عن علی بن ابی طالب وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما ما بعث الله نبیا من الانبیاء إلا أخذ علیه المیثاق لئن بعث الله محمدا وهو حی لیؤمنن به ولینصرنه به ،وأمره أن یأخذ المیثاق علی أمته لئن بعث محمد وهم أحیاء لیؤمنن به ولینصرنه وأمره أن یأخذ المیثاق علی أمته لئن بعث محمد وهم أحیاء لیؤمنن به ولینصرنه۔

[4] تقدم۔

[5] أخرجه الترمذی فی کتاب المناقب باب فی فضل النبی ﷺ (۳۵۴۲) وقال :حدیث حسن صحیح غریب ،واحمد فی کتاب أول مسند المدنیین أجمعین باب حدیث (۱۶۰۲۸) وفی کتاب أول مسند البصریین باب حدیث میسرة الفجر (۱۹۶۸۶)، وفی کتاب باقی مسند الأنصار باب حدیث بعض أصحاب النبی ﷺ (۲۲۱۲۸)۔

[6]

والسلام الذنب الذى أذنبه رفع رأسه إلى العرش فقال:أسالک حق محمد،ألاغفرت لى ،فأوحى الله إليه ومامحمدومن محمد؟فقال تبارک اسمک لماخلقتنى رفعت رأسى إلى عرشک ،فإذاهومكتوب لااله الله محمدرسول الله فعلمت أنه ليس أحدأعظم عندک قدراممن جعلت اسمه مع اسمک ،فاوحى الله عزوجل إليه ياآدم إنه آخر النبيين من ذريتک وإن امته آخرالامم من ذريتک ،ولولاه ياآدم ماخلقتک ،واللفظ للطبرانى۔فلابدان يكون ذلک معنى ثابتافى ذلک الوقت،ولوكان المرادبذلک مجردالعلم بماسيصيرفى المستقبل لم يقل له خصوصية بانه نبى وآدم بين الروح والجسد؛لأن جميع الانبياءيعلم الله نبوتهم فى ذلک الوقت وقبله فلابدمن خصوصية النبى ﷺلاجلهاأخبربهذاالخبراعلاماًلأمته ليعرف قدره عندالله فيحصل لهم الخيربذلک۔[1]

فان قلت اريدان افهم ذلک القدرالزائدفان النبوة وصف لابدان يكون الموصف به موجوداوانمايكون بعدبلوغ اربعين سنة ايضافكيف يوصف به قبل وجوده وقبل ارساله فان صح ذلک فغيره كذلک قلت جآءان الله خلق الارواح قبل الاجساد فقدتكون الاشارة بقوله كنت نبيا[2]الى روحه شريفة ﷺوالى حقيقته والحقائق تقصرعقولنامن معرفتهاوانمايعلمهاخالقهاومن امده بنورالالهى ثم ان تلک الحقائق يؤتى الله كل حقيقة منهامايشاءفى الوقت الذى يشاءفحقيقة النبى ﷺقدتكون من قبل خلق آدم اتاهاالله ذلک الوصف بان يكون خلقهامتهيئة لذلک وأفاض عليهامن ذلک الوقت فصارنبياوكتب اسمه على العرش وأخبرعنه بالرسالة ليعلم ملائكته وغيرهم كرامته عنده ،فحقيقته موجودة من ذلک الوقت ،فإن تأخرجسده الشريف المتصف بهاواتصاف حقيقته بالاوصاف الشريفة المفاضة عليه من الحضرة الالهية حاصل من ذلک الوقت،وإنمايتأخرالبعث والتبليغ لتكامل جسده ﷺالذى يحصل به التبليغ۔

---

[1]اقول ان النصوص والاشارات القرآنية تؤكدماتقدم وتزيدعلى ذلک المعنى ،فقوله تعالىٰ وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ (الاعراف ۱۷۲)وقوله ايضاً وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ (آل عمران ۸۱)فهاتان الآيتان يفسرابعضهمابعضا،فان الله سبحانه وتعالىٰ لمااستخرج ذرية آدم من ظهره وهم كالذروأشهدهم على وحدانيته وأقربذلک ،أخذعندهاالعهدعلى الانبياءوجميع الخلق أن يؤمنوابمحمد ﷺفأقرواعلى ذلک فكان ساعتئذنبيالانبياءولجميع الخلق وأنه بعث للناس كآفة وان الخلق تحت لوائه عندأخذالعهدعليهم ويوم القيامة فمن هذه الاشارات تفهم أبعادالأحاديث :كنت نبياوآدم بين الروح والجسدوبعثت الى الناس كآفة وآدم ومن دونه تحت لوائه يوم القيامة۔قَالَ عُمَرُ بْنُ الخَطَّابِ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْأَلُ عَنْهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :"إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ، ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهُ بِيَمِينِهِ، فَأَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً، فَقَالَ :خَلَقْتُ هَؤُلَاءِ لِلْجَنَّةِ وَبِعَمَلِ أَهْلِ الجَنَّةِ يَعْمَلُونَ، ثُمَّ مَسَحَ ظَهْرَهُ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهُ ذُرِّيَّةً فَقَالَ :خَلَقْتُ هَؤُلَاءِ لِلنَّارِ وَبِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ يَعْمَلُونَ "،اخرجه الترمذى فى كتاب التفسيرباب ومن سورة الاعراف(۳۰۰۱)۔وقال حديث حسن وأبوداؤدفى كتاب السنة باب فى القدر(۴۰۸۱)،وأحمدفى كتاب مسندالعشرة المبشرين بالجنة باب اول مسندعمربن الخطاب رضى الله تعالىٰ عنه(۲۹۴)عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :"أَخَذَ اللَّهُ الْمِيثَاقَ مِنْ ظَهْرِ آدَمَ بِنَعْمَانَ، يَعْنِي بِعَرَفَةَ، فَأَخْرَجَ مِنْ صُلْبِهِ كُلَّ ذُرِّيَّةٍ ذَرَأَهَا فَنَثَرَهُمْ بَيْنَ يَدَيْهِ كَالذَّرِّ، ثُمَّ كَلَّمَهُمْ قُبُلًا وَقَالَ :{أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ}[الأعراف172 :]إِلَى قَوْلِهِ{بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ}[الأعراف173 :] »هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ[التعليق - من تلخيص الذهبي] 4000- صحيح۔فبهذاعلم انه ﷺسيدالخلق وامامهم فانهم صلوات الله عليهم وسلاماته لمامروابالايمان به ونصرته كان دآلاعلى قيادته لهم فلماالتقى بهم فى اسرائه فى الاقصى انضووا تحت امامته لمامروابه من اتباعه ومعرفة قدره وحقه عليهم۔فهذاالاحاديث والآيات عاضدة لماقلنا،وكافية فى افهام المعنى اذااللبيب من الاشارة يفهم فكيف بالنص ظاهر۔

[2]تقدم۔

وكل ماله من جهة الله تعالىٰ ومن جهة تأهل ذاته الشريفة وحقيقته معجل لاتأخر فيه ،وكذلک استنباءه وإيتاؤه الكتاب والحكم والنبوة ،وانما المتاخر تكونه وتنقله إلى أن ظهر ﷺ وغيره من اهل الكرامة۔

ولانمثل بالانبياء بل بغيرهم ،قديكون إفاضة الله تلک الكرامة عليه بعد وجوده بمدة كما يشاء سبحانه وتعالىٰ۔

ولاشک ان كل مايقع فالله تعالىٰ عالم به من الازل ،ونحن نعلم علمه بذلک بالأدلة العقلية والشرعية ،ويعلم الناس منها مايصل إليهم عند ظهوره لعلمهم نبوة النبى ﷺ حين نزل عليه القرآن فى اوّل ماجآءه به جبريل صلوات الله وسلامه عليه ،وهو فعل من افعاله سبحانه وتعالىٰ من جملة معلوماته ومن آثار قدرته واختياره فى محل خاص يتصف بها۔

فهاتان مرتبتان :الأولى معلومة بالبرهان ،والثانيه بالبرهان ،والثانية ظاهرة للعيان ،وبين المرتبتين وسائط من أفعاله سبحانه وتعالىٰ تحدث على حسب اختياره سبحانه وتعالىٰ۔

منها :مايظهر لبعض خلقه حين حدوثه۔

ومنها :مايظهر لهم بعد ذلک۔

ومنها :مايحصل به كمال لذلک المحل ،وإن لم يظهر لأحد من المخلوقين۔وذلک ينقسم إلى كمال يقارن ذلک المحل من حين خلقه۔

وإلى كمال يحصل له بعد ذلک ،ولايصل علم ذلک الينا إلا بالخبر الصادق۔

والنبى ﷺ خير الخلق فلا كمال لمخلوق أعظم من كماله ،ولا محل أشرف من محله ،يعرفنا بالخبر الصحيح حصول ذلک الكمال من قبل خلق آدم لنبينا محمد ﷺ من ربه سبحانه وتعالىٰ۔

وانه أعطاه النبوة من ذلک الوقت ثم أخذ له المواثيق على الانبياء وعلى امهم ليعلموا انه المقدم عليهم وانه نبيهم ورسولهم ،وفى أخذ المواثيق وهى معنى فى الاستخلاف ،ولذلک دخلت لام القسم فى لتومنن به ولتنصرنه۔

لطيفة اخرى:

وهى كانها ايمان البيعة التى تؤخذ للخلفاء ،ولعل أيمان الخلفاء أخذت من هما ،فانظر هذا التعظيم العظيم للنبى ﷺ من ربه سبحانه وتعالىٰ۔

فاذا عرف ذلک فالنبى ﷺ هو نبى الانبياء ،ولهذا ظهر ذلک فى الاخرة جميع الأنبياء تحت لوائه ۔[1] وهو فى

---

[1] اخرجه الترمذى فى كتاب تفسير القرآن باب ومن سورة بنى اسرائيل (۳۰۷۳) ،وفى كتاب المناقب باب فى فضل النبى ﷺ (۳۵۴۸) وقال :حديث حسن صحيح ،وأحمد فى كتاب ومن مسند بنى هاشم باب بداية مسند عبدالله بن العباس (۲۴۱۵-۲۵۶۰) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ ،قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :أَنَا سَيِّدُ وَلَدِ آدَمَ يَوْمَ القِيَامَةِ وَلَا فَخْرَ ،وَبِيَدِي لِوَاءُ الحَمْدِ وَلَا فَخْرَ ،وَمَا مِنْ نَبِيٍّ يَوْمَئِذٍ آدَمَ فَمَنْ سِوَاهُ إِلَّا تَحْتَ لِوَائِي ،وَأَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الأَرْضُ وَلَا فَخْرَ۔

الدنيا كذلك ليلة الاسراء صلى بهم[1]، ولو اتفق مجيئه في زمن آدم ونوح وإبراهيم وموسى وعيسى وجب عليهم وعلى امهم الايمان به ونصرته وبذلك أخذ الله الميثاق عليهم ،فنبوته عليهم ورسالته إليهم معنى حاصل له، وإنما أثره يتوقف على اجتماعهم معه فتاخر ذلك لأمر راجع إلى وجودهم لا إلى عدم اتّصافه بما تقتضيه۔

وفرق بين توقف الفعل على قبول المحل وتوقفه على أهلية الفاعل، فهنا لا توقف من جهة الفاعل ولا من جهة ذات النبي ﷺ الشريفة ،وانما هي من جهة وجود العصر المشتمل عليهم ،فلو وجد في عصرهم لزمهم اتباعه بلاشك، ولهذا يأتي عيسى في آخر زمان على شريعته وهو نبي كريم على حالته، لا كما ظن بعض الناس أنه يأتي واحدا من هذه الأمة، نعم هو واهد من هذه الأمة لما قلناه أن اتباعه للنبي ﷺ، وانما يحكم بشريعة نبينا ﷺ بالقرآن والسنة وكل ما فيهما من امر أو نهي فهو متعلق به كما يتعلق بسائر الامة، وهو نبي كريم على حاله لم ينقص منه شئ۔

وكذلك لو بعث النبي ﷺ في زمانه أو في زمن موسىٰ وإبراهيم ونوح وآدم كانوا مستمرين على نبوتهم ورسالتهم إلى امهم، والنبي ﷺ نبي عليهم ورسول إلى جميعهم ،فنبوته ورسالته أعم وأشمل وأعظم وتتفق مع شرائعهم في الاصول لأنها لا تختلف۔

وتقدم شريعة النبي ﷺ فيما عساه يقع الاختلاف فيه من الفروع، إما على سبيل التخصيص ،واما على سبيل النسخ ولا تخصيص، بل تكون شريعة النبي ﷺ في تلك الاوقات بالنسبة الى اولئك الامم ما جآءت به أنبياءهم۔

وفي هذا الوقت بالنسبة إلى هذه الامة هذه الشريعة، والاحكام تختلف باختلاف الأشخاص والاوقات۔ وبهذا بان لنا معنى حديثين خفيا عنا:

احدهما: قوله ﷺ (بعثت إلى الناس كآفة) [2] كنا نظن انه من زمانه الى يو م القيامة ،فبان انه جميع الناس اولهم وآخرهم۔

والثاني: قوله ﷺ (كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد) [3] كنا نظن بالعلم، فبان انه زائد على ذلك على ما شرحناه۔

وانما يفرق الحال بين ما بعد وجود جسده ﷺ وبلوغه الاربعين ،وما قبل ذلك بالنسبة إلى المبعوث إليهم وتأهلهم لسماع كلامه لا بالنسبة إليه ولا إليهم لو تأهلوا قبل ذلك ،وتعليق الاحكام على الشروط قد يكون بحسب المحل القابل ،وقد يكون بحسب الفاعل المتصرف ،فههنا التعليق إنما هو بحسب المحل القابل وهو المبعوث اليهم وقبولهم سماع الخطاب والجسد الشريف الذي يخاطبهم بلسانه۔

---

[1] أخرج مسلم في كتاب الايمان باب المسيح ابن مريم والمسيح الدجال (۲۵۱): عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :لَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي الْحِجْرِ وَقُرَيْشٌ تَسْأَلُنِي عَنْ مَسْرَايَ، فَسَأَلَتْنِي عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ أُثْبِتْهَا، فَكُرِبْتُ كُرْبَةً مَا كُرِبْتُ مِثْلَهُ قَطُّ« ،قَالَ :"فَرَفَعَهُ اللهُ لِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ، مَا يَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْبَأْتُهُمْ بِهِ، وَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي جَمَاعَةٍ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ، فَإِذَا مُوسَى قَائِمٌ يُصَلِّي، فَإِذَا رَجُلٌ ضَرْبٌ، جَعْدٌ كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ، وَإِذَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ يُصَلِّي، أَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ الثَّقَفِيُّ، وَإِذَا إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَائِمٌ يُصَلِّي، أَشْبَهُ النَّاسِ بِهِ صَاحِبُكُمْ -يَعْنِي نَفْسَهُ- فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَأَمَمْتُهُمْ، فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنَ الصَّلَاةِ قَالَ قَائِلٌ :يَا مُحَمَّدُ، هَذَا مَالِكٌ صَاحِبُ النَّارِ، فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ، فَبَدَأَنِي بِالسَّلَامِ"

[2] تقدم۔

[3] تقدم۔

وهذا كمايوَكل الأب رجلافي تزويج ابنته اذا وجدت كفوا، فالتوكيل صحيح وذلك الرجل اهل للوكالة ووكالته ثابتة، وقديحصل توقف التصرف على وجود كفو ولايوجد إلا بعدمدة وذلك لايقدح في صحة الوكالة واهلية التوكيل.

والله اعلم انتهى.

وظائف شهر ربيع الأول

المجلس الأول في ذكر مولد سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم...وظائف شهر ربيع الأول.

ويشتمل على مجالس: المجلس الأول :في ذكر مولد سيدنا رسول الله صلى الله عليه وسلم:

خرج الإمام أحمد من حديث العرباض بن سارية السلمي رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال :"إني عبد الله في أم الكتاب لخاتم النبيين وإن آدم لمنجدل في طينته وسوف أنبئكم بتأويل ذلك :دعوة أبي إبراهيم وبشارة عيسى قومه ورؤيا أمي التي رأت أنه خرج منها نور أضاءت له قصور الشام وكذلك أمهات النبيين يرين" وخرجه الحاكم وقال :صحيح الإسناد وقد روي معناه من حديث أبي أمامة الباهلي ومن وجوه أخر مرسلة المقصود من هذا الحديث أن نبوة النبي صلى الله عليه وسلم كانت مذكورة معروفة من قبل أن يخلقه الله ويخرجه إلى دار الدنيا حيا وأن ذلك كان مكتوبا في أم الكتاب من قبل نفخ الروح في آدم عليه السلام وفسر أم الكتاب باللوح المحفوظ وبالذكر في قوله تعالى :{يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ} [الرعد39:] .وعن ابن عباس رضي الله عنهما :أنه سأل كعبا عن أم الكتاب؟ فقال :علم الله ماهو خالق وما خلقه عاملون فقال لعلمه :كن كتابا فكان كتابا ولا ريب أن علم الله عز وجل قديم أزلي لم يزل عالما بما يحدثه من مخلوقاته ثم إنه تعالى كتب ذلك في كتاب عنده قبل خلق السموات والأرض كما قال تعالى :{مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ} [الحديد22:] .

وفي صحيح البخاري عن عمران بن حصين رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال :"كان الله ولا شيء قبله وكان عرشه على الماء وكتب في الذكر كل شيء ثم خلق السموات والأرض".

وفي صحيح مسلم عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال :"إن الله كنب مقادير الخلائق قبل أن يخلق السموات والأرض ومن جملة ما كتبه في هذا الذكر وهو أم الكتاب :أن محمدا خاتم النبيين.

ومن حينئذ انتقلت المخلوقات من مرتبة العلم إلى مرتبة الكتابة وهو نوع من أنواع الوجود الخارجي ولهذا قال سعيد بن راشد سألت عطاء :هل كان النبي صلى الله عليه وسلم نبيا قبل أن يخلق؟ قال :قال :إي والله وقبل أن تخلق الدنيا بألفي عام خرجه أبو بكر الآجري في كتاب الشريعة وعطاء-الظاهر أنه-الخرساني وهذا إشارة إلى ما ذكرنا من كتابة نبوته صلى الله عليه وسلم في أم الكتاب عند تقدير المقادير وقوله صلى الله عليه وسلم في هذا الحديث :"إني عبد الله في أم الكتاب لخاتم النبيين وإن آدم لمنجدل في طينته" ليس المراد به والله أعلم أنه حينئذ كتب في أم الكتاب ختمه للنبيين وإنما المراد الإخبار عن كون ذلك مكتوبا في أم الكتاب في تلك الحال قبل نفخ الروح في آدم وهو أول ما خلق من النوع الإنساني.

وجاء في أحاديث أخر أنه في تلك الحال وجبت له النبوة وهذه مرتبة ثالثة وهي انتقاله من مرتبة العلم والكتابة إلى مرتبة الوجود العيني الخارجي فإنه صلى الله عليه وسلم استخرج حينئذ من ظهر آدم ونبيء فصارت نبوته موجودة في الخارج بعد كونها

كانت مكتوبة مقدرة في أم الكتاب ففي حديث ميسرة الفجر قال :قلت يا رسول الله متى كنت نبيا؟ قال :"وآدم بين الروح والجسد" خرجه الإمام أحمد والحاكم.

قال الإمام أحمد في رواية مهنا :وبعضهم يرويه :متى كتبت نبيا؟ من الكتابة فإن صحت هذه الرواية حملت مع حديث العرباض بن سارية على وجوب نبوته وثبوتها وظهورها في الخارج فإن الكتابة إنما تستعمل فيما هو واجب :إما شرعا كقوله تعالى :{كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ}[البقرة183 :]أو قدرا كقوله تعالى :{كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي}[المجادلة21 :]وفي حديث أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنهم قالوا :يا رسول الله متى وجبت لك النبوة؟ قال :"وآدم بين الروح والجسد" خرجه الترمذي وحسنه وفي نسخه صححه وخرجه الحاكم وروى ابن سعد من رواية جابر الجعفي عن الشعبي قال :قال رجل للنبي صلى الله عليه وسلم :متى استنبئت؟ قال :"وآدم بين الروح والجسد حيث أخذ مني الميثاق" وهذه الرواية تدل على أنه صلى الله عليه وسلم حينئذ استخرج من ظهر آدم ونبيء وأخذ ميثاقه فيحتمل أن يكون ذلك دليلا على أن استخراج ذرية آدم من ظهره وأخذ الميثاق منهم كان قبل نفخ الروح في آدم وقد روي هذا عن سلمان الفارسي وغيره من السلف ويستدل له أيضا بظاهر قوله تعالى :{وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ}صحيحه فيكون حينئذ من حين صور آدم طينا استخرج منه محمد صلى الله عليه وسلم ونبيء وأخذ منه الميثاق ثم أعيد إلى ظهر آدم حتى خرج في وقت خروجه الذي قدر الله خروجه فيه ويشهد لذلك ما روي عن قتادة أن النبي صلى الله عليه وسلم قال :"كنت أول النبيين في الخلق وآخرهم في البعث" وفي رواية :"أول الناس في الخلق" خرجه ابن سعد وغيره وخرجه الطبراني من رواية قتادة عن الحسن عن أبي هريرة مرفوعا والمرسل أشبه وفي رواية عن قتادة مرسلة :ثم تلا :{وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ}[الأحزاب7 :]فبدأ به قبل نوح الذي هو أول الرسل فمحمد صلى الله عليه وسلم أول الرسل خلقا وآخرهم بعثا فإنه استخرج من ظهر آدم لما صور ونبيء حينئذ وأخذ ميثاقه ثم أعيد إلى ظهره ولا يقال :فقد خلق آدم قبله لأن آدم حينئذ كان مواتا لا روح فيه ومحمد صلى الله عليه وسلم كان حيا حين استخراج ونبيء وأخذ ميثاقه فهو أول النبيين خلقا وآخرهم بعثا فهو خاتم النبيين باعتبار أن زمانه تأخر عنهم فهو :المقفى والعاقب الذي جاء عقب الأنبياء ويقفوهم قال تعالى :{مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ}[الأحزاب40 :].

وفي الصحيحين عن جابر رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال :"مثلي ومثل الأنبياء كمثل رجل بنى دارا فأكملها وأحسنها إلا موضع لبنة فجعل الناس يدخلونها ويعجبون منها ويقولون لولا موضع اللبنة" زاد مسلم قال :"فجئت فختمت الأنبياء" وفيهما أيضا عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم معناه وفيه :"فجعل الناس يطوفون به ويقولون: هلا وضعت اللبنة؟ فأنا اللبنة وأنا خاتم النبيين".

وقد استدل الإمام أحمد بحديث العرباض بن سارية هذا على أن النبي صلى الله عليه وسلم لم يزل على التوحيد منذ نشأ ورد بذلك على من زعم غير ذلك بل قد يستدل بهذا. الحديث على أنه صلى الله عليه وسلم ولد نبيا فإن نبوته وجبت له من حين أخذ الميثاق منه حين استخرج من صلب آدم فكان نبيا من حينئذ لكن كانت مدة خروجه إلى الدنيا متأخرة عن ذلك وذلك لا يمنع كونه نبيا قبل خروجه كمن يولى ولاية ويؤمر بالتصرف فيها في زمن مستقبل فحكم الولاية ثابت له من حين ولايته وإن كان

تصرفه يتأخر إلى حين مجيء الوقت قال حنبل :قلت لأبي عبد الله يعني أحمد :من زعم أن النبي كان على دين قومه قبل أن يبعث؟قال :هذا قول سوء ينبغي لصاحب هذه المقالة أن يحذر كلامه ولا يجالس قلت له :إن جارنا الناقد أبا العباس يقول هذه المقالة؟قال :قاتله الله وأي شيء أبقى إذا زعم أن النبي صلى الله عليه وسلم كان على دين قومه وهم يعبدون الأصنام قال الله تعالى حاكيا عن عيسى عليه السلام :{وَمُبَشِّراً بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ}[الصف6 :]قلت له :وزعم أن خديجة كانت على ذلك حين تزوجها النبي صلى الله عليه وسلم في الجاهلية قال :أما خديجة فلا أقول شيئا قد كانت أول من آمن به من النساء ثم قال :ماذا يحدث الناس من الكلام!!هؤلاء أصحاب الكلام لم يفلح-سبحان الله-لهذا القول واحتج في ذلك بكلام لم أحفظه.

وذكر أن أمه حين ولدت رأت نورا أضاء له قصور الشام أو ليس هذا عندما ولدت رأت هذا وقبل أن يبعث كان طاهرا مطهرا من الأوثان أو ليس كان لا يأكل لما ذبح على النصب ثم قال :"احذروا الكلام فإن أصحاب الكلام أمرهم لا يؤول إلى خير" خرجه أبو بكر عبد العزيز بن جعفر في كتاب السنة ومراد الإمام أحمد الإستدلال بتقدم البشارة بنبوته من الأنبياء الذين قبله وبما شوهد عند ولادته من الآيات على أنه كان نبيا من قبل خروجه إلى الدنيا وولادته وهذا هو الذي يدل عليه حديث العرباض بن سارية هذا فإنه صلى الله عليه وسلم ذكر فيه أن نبوته كانت حاصلة من حين آدم منجدلا في طينته والمراد بالمنجدل : الطريح الملقى على الأرض قبل نفخ الروح فيه ويقال للقتيل :إنه منجدل لذلك.

ثم استدل صلى الله عليه وسلم على سبق ذكره والتنويه باسمه ونبوته وشرف قدره لخروجه إلى الدنيا بثلاث دلائل وهو مراده بقوله تعالى "وسأنبئكم بتأويل ذلك".[1]

الباب الثالث في تقدم نبوته صلى الله عليه وسلم على نفخ الروح في آدم صلى الله عليهما وسلم

عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما، عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال» :إن الله عز وجل كتب مقادير الخلق قبل أن يخلق السموات والأرض بخمسين ألف سنة وَكانَ عَرْشُهُ عَلَى الْماءِ.رواه مسلم.

زاد صاحب اللطائف :ومن جملة ما كتب في الذكر وهو أمّ الكتاب :أن محمدا صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين.

وعن العرباض - بكسر العين المهملة- ابن سارية رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال» :إني عند الله في أم الكتاب لخاتم النبيّين، وإنّ آدم لمنجدل في طينته.

رواه الإمام أحمد والحاكم وصححه.

قال الطيبي في شرح المشكاة:انجدل ,مطاوع جدله إذا ألقاه على الأرض، وأصله الإلقاء على الجدالة- بفتح الجيم والدال المهملة- وهي الأرض الصّلبة وهذا على سبيل إنابة فعل مناب فعل، يعني لا يجوز إجزاء منجدل على أن تكون مطاوعا لجدل لما يلزم منه أن يكون آدم منفصلاً من الأرض الصلبة، بل هو ملقّى عليها. والطينة :الخلقة من قولهم :طانه الله على طينتك. والجارّ الذي هو »في« ليس بمتعلق بمنجدل، لما يلزم منه أن يكون آدم مظروفاً في طينته، إنما هو خبر ثان لأنّ، والواو وما بعدها في محل نصب على الحال من المكتوب، والمعنى :كتبت خاتم الأنبياء في الحال الذي آدم مطروح على الأرض

---

[1](لطائف المعارف فيما لمواسم العام من الوظائف ص ٩٩-٩٤)

حاصل في أثناء تخلّقه لمّا يفرغ من تصويره وإجراء الروح.

وقال الحافظ أبو الفرج ابن رجب رحمه الله تعالى في اللطائف :المقصود من هذا الحديث أن نبوة النبي صلى الله عليه وسلم كانت مذكورة معروفة من قبل أن يخلقه الله تعالى ويخرجه إلى دار الدنيا حيّاً، وأن ذلك كان مكتوباً في أم الكتاب من قبل نفخ الروح في آدم صلى الله عليه وسلّم، وفسّر أمّ الكتاب باللّوح المحفوظ وبالذّكر في قوله تعالى :يَمْحُوا اللَّهُ ما يَشاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتابِ. وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أنه سأل عن أمّ الكتاب فقال :علم الله ما هو خالق وما خلقه عاملون، فقال لعلمه كن كتاباً. فكان كتاباً. ولا ريب أن علم الله تعالى قديم أزلي لم يزل عالماً بما يحدثه من خلقه، ثم إن الله تعالى كتب ذلك عنده في كتاب عنده قبل أن يخلق السماوات والأرض كما قال تعالى :ما أَصابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَها إِنَّ ذلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ.

وفي صحيح البخاري عن عمران بن حصين رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: كان الله ولا شيء قبله، وكان عرشه على الماء، وكتب في الذكر كلّ شيء، ثم خلق السماوات والأرض.

وقوله في هذا الحديث:

إني عند الله في أم الكتاب، ليس المراد به - والله أعلم - أنه حينئذ كتب في أم الكتاب ختمه للنبيين وإنما المراد الإخبار عن كون ذلك مكتوباً في أم الكتاب في ذلك الحال قبل نفخ الروح في آدم وهو أول ما خلق الله تعالى من النوع الإنساني.

وجاء في أحاديث أخر أنه في تلك الحالة وجبت له صلى الله عليه وسلم النبوة. وهذه مرتبة ثالثة وهو انتقاله صلى الله عليه وسلم من رتبة العلم والكتابة إلى رتبة الوجود العيني الخارجي. فإنه صلى الله عليه وسلّم استخرج من ظهر آدم ونبئ فصارت نبوّته موجودة في الخارج بعد كونها كانت مكتوبة مقدرة في أم الكتاب.

فعن ميسرة - بفتح الميم وسكون المثناة التحتية - الفجر - بفتح الفاء وسكون الجيم - رضي الله تعالى عنه قال :يا رسول الله، متى كنت نبيا؟ قال :وآدم بين الروح والجسد.

رواه الإمام أحمد والبخاري في تاريخه والحاكم وصححه.

قال الإمام أحمد في رواية منها :وبعضهم يرويه متى كتبت من الكتابة؟ قال» :كتبت نبيا وآدم بين الروح والجسد«. رواه ابن عساكر

فتحمل هذه الرواية مع حديث العرباض السابق على وجوب نبوته صلى الله عليه وسلم وثبوتها وظهورها في الخارج، فإن الكتابة إنما تستعمل فيما هو واجب شرعاً كقوله تعالى :كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيامُ أو قدراً كقوله تعالى :كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي.

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال :قالوا يا رسول الله متى وجبت لك النبوة؟

قال: وآدم بين الروح والجسد.

رواه الترمذي وحسنه.

وعن الصّنابحيّ مرسلاً - وهو بضم الصاد المهملة وفتح النون وكسر الموحدة ومهملة - عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى

عنه أنه قال :يارسول الله متى جعلت نبيا؟

قال» :وآدم بين الروح والجسد.

رواه أبو نعيم

.وروى الآجريّ في كتاب الشريعة، عن سعيد بن أبي راشد قال :سالت عطاء رحمه الله تعالى :هل كان النبي صلى الله عليه وسلم نبيّاً قبل أن يخلق الخلق؟قال :إي والله وقبل أن تخلق الدنيا بألفي عام.

قال الحافظ ابن رجب :عطاء هذا الظاهر انه الخراساني، وهذا إشارة إلى ما ذكرناه من كتابة نبوته صلى الله عليه وسلم في أمّ الكتاب عند تقدير المقادير. ويرحم الله القائل حيث قال:

سبقت نبوّته وآدم طينة...فله الفخار على جميع النّاس

سبحان من خصّ النّبيّ محمّداً...بفضائل تتلى بغير قياس!

تنبيهان

الأول :ما اشتهر على الألسنة بلفظ:

كنت نبيا وآدم بين الماء والطين

قال ابن تيمية والزّركشي والشيخ وغيرهم من الحفّاظ :لا أصل له. وكذا:

كنت ولا آدم ولا ماء ولا طين. كنت نبيا

إلى روحه الشريفة أو إلى حقيقة من الحقائق، والحقائق تقصر عقولنا عن معرفتها وإنما يعلمها خالقها ومن أمده الله تعالى بنور إلهي، ثم إن تلك الحقائق يؤتي الله تعالى كل حقيقة منها ما يشاء في الوقت الذي يشاء، فحقيقة النبي صلى الله عليه وسلم قد تكون من قبل خلق آدم آتاها الله ذلك الوصف بأن يكون خلقها، مهيّأة لذلك فأفاضه عليه من ذلك الوقت فصار نبيّاً وكتب اسمه على العرش وأخبر عنه بالرسالة ليعلم ملائكته وغيرهم كرامته عنده، فحقيقته موجودة في ذلك الوقت وإن تأخّر جسده الشريف المتّصف بها.

واتصاف حقيقته بالأوصاف الشريفة المضافة عليه من الحضرة الإلهية إنما يتأخر البعث والتبليغ وكل ما له من جهة الله تعالى ومن جهة تأهل ذاته الشريفة صلى الله عليه وسلّم وحقيقته معجّل لا تأخر فيه، وكذا استنباؤه وإيتاؤه الحكم والنبوة، وإنما المتأخّر تكوّنه وتنقّله إلى أن ظهر صلى الله عليه وسلّم. انتهى ملخصا.

وأثر كعب السابق أول الباب الأول يؤيد ما قاله.

وقال بعض العارفين :لما خلق الله الأرواح المدبّرة للأجسام عند وجود حركة الفلك أول ما خلق الله الزمان بحركة، كان أول ما خلق روح محمد صلى الله عليه وسلم، ثم صدرت الأرواح عن الحركات الفلكية فكان لها وجود في عالم الغيب دون عالم الشهادة، وأعلمه بالنبوة وآدم لم يكن، كما قال» :بين الروح والجسد« فاقتضى قوله: كنت نبيا وآدم بين الروح والجسد أن يكون حقيقة، فإنه لا يكون العدم بين أمرين موجودين لانحصاره، والمعدوم لا يوصف بالحصر في شيء، ثم انتهى الزمان إلى وجود جسمه صلى الله عليه وسلم وارتباط الروح به، فظهر سيدنا محمد صلى الله عليه وسلّم بكليته جسماً وروحاً، فكان له

الحكم أولاً باطناً في جميع ما ظهر من الشرائع على يدي الأنبياء والرسل صلوات الله وسلامه عليهم، ثم صار له الحكم ظاهراً فنسخ كل شرع وإن كان الشرع واحداً وهو صاحب الشرع، فإنه قال» :كنت نبيّاً« ما قال :كنت إنساناً ولا كنت موجوداً، وليست النبوة إلا بالشرع المقرر من عند الله تعالى، فأخبر صلى الله عليه وسلم أنه صاحب النبوة قبل وجود الأنبياء في الدنيا الباب الرابع في تقدم أخذ الميثاق عليه، زاده الله تعالى شرفاً وفضلاً لديه

روى ابن سعد عن الشعبي مرسلا قال :قال رجل :يا رسول الله متى استنبئت؟

قال :وآدم بين الروح والجسد حين أخذ منّي الميثاق.

وروى أبو سهل القطّان في أماليه، عن سهل بن صالح الهمذانيّ، قال :سالت أبا جعفر محمد بن علي :كيف صار محمد صلى الله عليه وسلم يتقدم الأنبياء وهو آخر من بعث؟ قال :إن الله لما اخذ من بني آدم من ظهورهم ذرياتهم وأشهدهم على أنفسهم: الست بربكم، كان محمد صلى الله عليه وسلم أول من قال بلى. ولذلك صار يتقدم الأنبياء وهو آخر من بعث.

قال الحافظ ابن رجب في اللّطائف :وخبر الشعبي يدل على أنه من حين صوّر آدم طيناً استخرج وأخذ منه صلى الله عليه وسلّم ونبئ واخذ منه الميثاق، ثم أعيد إلى ظهر آدم حتى يخرج وقت خروجه الذي قدر أيت خروجه فيه، فهو أولهم خلقاً، وآخرهم بعثاً، وهو آخر النبيّين باعتبار أن زمانه تأخّر عنهم.

لا يقال :خلق آدم قبله، لأن آدم كان حينئذ هواء لا روح فيه، ومحمد صلى الله عليه وسلم كان حيّاً حين استخرج ونبئ واخذ منه الميثاق، ولا يقال إن استخراج ذرية آدم منه كان بعد نفخ الروح فيه، كما دلّ عليه أكثر الأحاديث والذي تقرر أنه استخرج ونبئ قبل نفخ الروح في آدم، لأنه صلى الله عليه وسلم خص باستخراجه من ظهر آدم قبل نفخ الروح فيه فإن محمدا صلى الله عليه وسلم هو المقصود من خلق النوع الإنسانيّ، وهو عينه وخلاصته. ويستدل بخبر الشّعبي وغيره مما تقدم في الباب السابق على أنه صلى الله عليه وسلم ولد نبيّاً، فإنّ نبوّته وجبت له حين أخذ الميثاق حيث استخرج من صلب آدم فكان نبيّاً حينئذ، لكن كانت مدة خروجه إلى الدنيا متأخرة عن ذلك، وذلك لا يمنع كونه نبيّاً كمن تولى ولاية ويؤمر بالتصرف فيها في زمن مستقبل، فحكم الولاية ثابت له من حين ولايته، وإن كان تصرّفه يتأخّر إلى حين مجيء الوقت. والأحاديث السابقة في باب تقدم نبوته صلى الله عليه وسلم صريحة في ذلك. والله سبحانه وتعالى أعلم.[1]

وسئل رسول الله ﷺ: متى كنت نبيا؟ فقال: وآدم بين الروح والجسدُ

قوله: وآدم بين الروح والجسد:

قال الحافظ ابو نعيم فى الدلائل :ففى هذا الحديث الفضيلة لرسول الله ﷺ ولما أوجبه الله له النبوة قبل تمام خلق آدم ،قال :ويحتمل ان يكون هذا الايجاب هو ما أعلم الله ملائكته ماسبق فى علمه وقضائه من بعثته له فى آخر الزمان ،نقله الحافظ ابن كثير فى تاريخه وقال هذا الكلام يوافق ماذكرناه ولله الحمد من أنه اخباره عن التنويه بذكره فى الملأ الأعلى ،وأنه معروف بذلك بينهم بأنه خاتم النبيين وآدم لم ينفخ فيه الروح ،لأن علم الله تعالىٰ بذلك سابق قبل خلق السماوات والأرض لامحالة ،فلم يبق إلا هذا الذى ذكرناه من الإعلام به فى الملأ الأعلى ـ اه ـ

---

[1] (سبل الهدى والرشاد، في سيرة خير العباد، وذكر فضائله وأعلام نبوته وأفعاله وأحواله في المبدأ والمعاد ج ١ ص ٨٤-٧٧)

وقال الشيخ تقى الدين رحمه الله تعالى فى كتابه "التعظيم والمنة": فى هذامن التنويه بالنبى ﷺ وتعظيم قدره العلى مالايخفى، وفيه مع ذلك أنه على تقدير مجيئه فى زمانهم يكون مرسلاً إليهم فتكون نبوته ورسالته عامة لجميع الخلق من زمن آدم إلى يوم القيامة، وتكون الأنبياء وأممهم كلهم من امته، ويكون قوله ﷺ: بعثت الى الناس كآفة، لايختص به الناس من زمانه إلى يوم القيامة، بل يتناول من قبلهم أيضاً، ويتبين بذلك معنى قوله ﷺ: كنت نبياً وآدم بين الروح والجسد، وأن من فسره بعلم الله بأنه سيصير نبياً لم يصل إلى هذاالمعنى، لأن علم الله محيط بجميع الاشياء، ووصف النبى ﷺ بالنبوة فى ذلك الوقت ينبغى أن يفهم منه أنه أمر ثابت له فى ذلك الوقت، ولهذا رأى آدم اسمه مكتوباعلى العرش :محمدرسول الله، فلابدأن يكون ذلك معنى ثابتافى ذلك الوقت، قال: ولو كان المرادبذلك مجرد العلم بماسيصير فى المستقبل لم يكن له خصوصية بأنه نبى وآدم بين الروح والجسد، لأن جميع الأنبياء يعلم الله نبوتهم فى ذلك الوقت وقبله فلابدمن خصوصية للنبى ﷺ لأجلهاأخبر بهذاالخبر إعلاماً لأمته ليعرفوا قدره عندالله تعالىٰ فيحصل لهم الخير بذلك ـاهـ باختصار ـ

وقال الشيخ الغزالى فى نفخ الروح: وأماقوله ﷺ: كنت نبياوآدم بين الماءوالطين، فإشارة إلى أنه كان نبيافى التقدير قبل تمام خلقه آدم، لأنه لم ينشاءخلق آدم إلالينتزع الصافى من ذريته، ولايزال يستصفى تدريجياً إلى أن يبلغ كمال الصفاءفيقبل الروح المحمدى، قال: واماقوله: انااول الانبياءخلقاوآخرهم بعثافالخلق ههناهو التقدير دون الايجاد، فانه قبل ان تلده امه لم يكن مخلوقاموجوداولكن الغايات والكمالات سابقة فى التقدير، لاحقة فى الوجود، وهو معناقوله: ومعنى قولهم اول الفكرة آخرالعمل، بيانه: أن المهندس المقدرللدارأول مايتمثل صورته فى تقديره هى داركاملة، وآخرمايوجدمن اثرمن اعماله هى الدار الكاملة، والدار الكاملة اول الاشياءفى حق تقديرا، وآخر الاشياءوجودا ـاهـ

وقال الحافظ ابن رجب فى اللطائف: المقصودمن هذاالحديث: ان نبوة النبى ﷺ كانت مذكورة معروفة قبل ان يخلقه الله تعالىٰ ويخرجه الى الدار الدنياحياوان ذلك كان مكتوبافى ام الكتاب من قبل نفخ الروح فى آدم صلى الله عليهماوسلم، نقله الصالحى فى سبل الهدىٰ ـ

وقال الطيبى فى شرح المشكوة: المعنى كتبت خاتم الانبياءفى الحال الذى آدم عليه السلام مطروح على الارض، حاصل فى أثناء الخلقة لمايفرغ من تصويره واجراء الروح فيه ـ[1]

الحقيقة المحمدية ﷺ

المقصدالاول: اعلم ياذا العقل السليم، المتصف باوصاف الكمال والتتميم وفقنى الله وإياك بالهداية الى الصراط المستقيم انه لماتعلقت ارادة الحق تعالىٰ بإيجادخلقه، وتقدير رزقه، ابرزالحقيقة المحمدية (ﷺ)من الانوارالصمدية، فى الحضرة الاحدية، ثم سلخ منهاالعوالم كلها، علوهاوسفلها، على صورة حكمه، كماسبق فى سابق ارادته وعلمه، ثم اعلمه تعالىٰ بنبوته، وبشره برسالته، هذاوآدم لم يكن الاكماقال ﷺ بين الروح والجسدثم ان بجست

---

[1] (مناحل الشفاومناهل الصفابتحقيق كتاب شرف المصطفىٰ ﷺ ج ۱ ص ۲۹۱-۲۹۰)

منه ﷺ عيون الارواح فظهر بالملأ الأعلىٰ، وهو بالمنظر الأجل، فكان لهم المورد الاحلى فهو ﷺ الجنس العالى على جميع الاجناس ،والأب الاكبر لجميع الموجودات والناس، ولماانتهى الزمان بالاسم الباطن فى حقه ﷺ إلى وجودجسمه ،وارتباط الروح به انتقل حكم الزمان إلى الاسم الظاهر فظهر محمد ﷺ بكليته جسماوروحاً، فهو ﷺ وإن تأخرت طينته، عرفت قيمته، فهو خزانة السر، وموضع نفوذ الأمر، فلاينفذ أمر إلا منه۔[1]

ومن جواهر الامام القسطلانى ايضاً

فضائله ﷺ

قوله رحمه الله تعالىٰ فى المقصد الرابع ايضاً: اعلم نور الله قلبى وقلبک وقدس سرى وسرک إن الله تعالىٰ قدخص نبينا ﷺ بأشياء لم يعطها النبى قبله ،وماخص نبى بشئ إلا وكان لسيدنامحمد ﷺ مثله فإنه أوتى جوامع الكلم ،وكان نبياً وآدم بين الروح والجسدوغيره من الانبياء، لم يكن نبيا إلافى حال نبوته وزمان رسالته، ولما أعطى هذه المنزلة علمنا إنه ﷺ الممدلكل إنسان كامل مبعوث، ويرحم الله الأديب شرف الدين البوصيرى فلقداحسن حيث قال:

وكل اى اتى الرسل الكرام بها ... فإنمااتصلت من نوره بهم

فإنه شمس فضل هم كواكبها ... يظهرن أنوارها للناس فى الظلم[2]

فان قلت فمامعنى قوله ﷺ كنت نبياوآدم بين الماءوالطين ؟والنبى هو المخبر عن الله ،وكيف صح اخباره ﷺ قبل أن يخلق؟وقبل وجودمن يخبرهم؟

فالجواب: كماقاله الشيخ فى الباب الخامس وثلاثمائة من الفتوحات، معناه أن رسول الله ﷺ كان يعرف ذاته بذاته بإذن الله فى غيرمجلى قبل أخذالميثاق ،وهوالحال التى التعريف فى ذلک الحال۔فإن النشأة الإنسانية كانت مبثوثة فى العناصرومراتبهاإلى حين وجودها،لكن من الناس من أعطى فى ذلک الموطن شهودنفسه ،ومرتبته إماعلى غاياتهابكمالها،وإمابأن يشهدصورة مامن صوره،وهى عين تلک المرتبة التى له فى الدنيا،فيعلمهاليحكم على نفسه بها،وهناشاهد ﷺ نبوته،ولاندرى هل شهدصورجميع أحواله أم لا،قال تعالىٰ:وَأَوْحَى فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا (فصلت:١١٢)فمامن فلک من الافلاک التسعة إلاوللانسان صورة فيه،فيحفظهاذلک الفلک إلى وصول وقتها،فوجودهاكوجودالصورة الواحدة فى المرائى الكثيرة المختلفة الأشكال من طول وعرض،واستقامة وتعويج،واستدارةوتربيع،وتثليث،وصغروكبر،فتختلف صورالأشكال باختلاف المجلى،والعين واحدة فلذلک قلنا أنه ﷺ كان يعرف ذاته بذاته من غيرمجلى بإذن تعالىٰ،وإذاكان بهذه المثابة لم تؤثرفيه المراتب إذانالهاقال ﷺ وهوفى المرتبة العليا:"أناسيدولدآدم ولافخر"فلتحكم فيه المرتبة،وقال فى وقت آخروهوفى مرتبة الرسالة والخلافة :"انماانابشرمثلكم"

---

[1] (جواهرالبحارج٢ص٦-٥)

[2] (جواهرالبحارج٢ص١٢)

فلم تحجبه المرتبة عن معرفة نشأته،وسبب ذلک أنه رأى لطيفة ناظرة إلى مركبهاالعنصرى وهو متبددفيها،فشاهدذاته العنصرية،فعلم أنهاتحت قوة الأفلاک العلوية،ورأى المشارکة بينهاوبين سائر الخلق الأناسى والحيوان والنبات والمعدن،فلم يرلنفسه من حيث نشأته العنصرية فضلاًعلى أحدممن تولدعنها،بل رأى نفسه مثلاًلهم ورآهم أمثالاًله فقال:"انماانابشرمثلكم"وكان يتعوذمن الجوع،فماافترق عنإلابقوله يوحى إلى،فقدعرفت معنى قوله ﷺ:كنت نبياوآدم بين الماءوالطين،وإن هذاالقول إنماكان بلسانک تلک الصورة التى هوفيهامماهومعدودمن صورتلک المراتب فترجم لنافى هذه الدارعن تلک الصورة۔

فإن قلت :فهل أعطى أحدالنبوة وآدم بين الماءوالطين غيرمحمدﷺ؟فالجواب لم يبلغناأن أحداأعطى ذلک ،إنماكانواأنبياءأيام رسالتهم المحسوسة۔

فإن قلت:فلم قال كنت نبياوآدم بين الماءوالطين،ولم يقل كنت إنساناً،أوكنت موجوداً؟

فالجواب:إنماخص النبوة بالذكردون غيرها،إشارة إلى أنه اعطى النبوة قبل جميع الانبياء،فإن النبوة لاتكون إلابمعرفة الشرع المقدرعليه من عندالله تعالىٰ۔

فإن قلت:فمامعنىٰ قولهم إنهﷺأول خلق الله؟هل المرادبه خلق مخصوص أوالمرادبه الخلق على الاطلاق؟

فالجواب:كماقاله الشيخ فى الباب السادس:إن المرادبه خلق مخصوص وذلک أن أول ماخلق الله الهباء،وأول ماظهرفيه حقيقة محمدﷺقبل سائر الحقائق۔

وإيضاح ذلک:أن الله تبارک وتعالىٰ لماأرادبدءظهورالعالم على حدماسبق فى علمه انفعل العالم عن تلک الإرادة المقدسة بضرب من تجليات لتنزيه إلى الحقيقة الكلية،فحدث الهباء،وهو بمنزلة طرح البناءالجص ليفتتح فيه من الأشكال والصورماشاء،وهذاهواول موجودفى العالم،ثم إنه تعالىٰ تجلى بنوره إلى ذلک الهباءوالعالم كله فيه بالقوة،فقبل منه كل شئى فى ذلک الهباءعلى حسب قربة من النور،كقبول زوايا البيت نورالسراج،فعلى حسب قربة من ذلک النوريشتدضوءه وقبوله،ولم يكن أحدأقرب إليه من حقيقة محمدﷺفكان أقرب قبولاًمن جميع مافى ذلک الهباء،فكان ﷺمبدأظهورالعالم وأول موجود۔

ثم قال:فعلم كماقاله الشيخ محى الدين فى الفتوحات،إن مستمدجميع الأنبياءوالمرسلين من روح محمدﷺ،إذهوقطب الأقطاب،فهوممدلجميع الناس اولاوآخرا،فهوممدكل نبى وولى سابق على ظهوره حال كونه فى الغيب ،وممدأيضاًلكل ولى لاحق به،فيوصله بذلک الإمدادإلى مرتبة كماله فى حال كونه موجوداًفى عالم الشهادة وفى حال كونه متنقلاًإلى الغيب الذى هوالبرزخ والدارالآخرة،فإن انواررسالته ﷺغيرمنقطعة عن العالم من المتقدمين والمتأخرين۔

فإن قلت:قدوردفى الحديث:"اول ماخلق الله نورى"وفى رواية"أول ماخلق الله العقل"فماالجامع بينهما؟

فالجواب:إن معناهماواحد،لأن حقيقة محمدﷺتارة يعبرعنهابالعقل الاول وتارة بالنور۔[1]

---

[1](جواهرالبحارج ۲ ص ۵۶-۵۴)

(كنت نبياً) في عالم الغيب لا يقال إن أريد التقدير فغيره من الأنبياء كذلك وإن أريد البعثة فما هي مراده ضرورة لأنا نقول يجب الإيمان بما أخبر به - صلى الله عليه وسلم - من غير تفتيش عن الكيفية التي كان عليها, وقيل :المراد أنه تعالى أخبره بمرتبته وهو روح قبل إيجاد الأجسام الإنسانية كما أخذ الميثاق علي بني آدم قبل إيجاد أجسامهم ذكره ابن العربي :[1]

(۱۱۰){باب نمبر ایک سو دس شب برأت کی فضیلت کے بیان میں}

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :فَقَدْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَخَرَجْتُ, فَإِذَا هُوَ بِالبَقِيعِ, فَقَالَ» :أَكُنْتِ تَخَافِينَ أَنْ يَحِيفَ اللهُ عَلَيْكِ وَرَسُولُهُ«, قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ, إِنِّي ظَنَنْتُ أَنَّكَ أَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ, فَقَالَ» :إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا, فَيَغْفِرُ لِأَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ۔

عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں نکلی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بقیع میں تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم ڈر رہی تھی کہ اللہ اور اس کا رسول تم پر ظلم نہ کریں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے سمجھا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی دوسری بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہوں گے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں رات کو آسمان دنیا پر اترتے ہیں اور بنو کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ تعداد میں لوگوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔[2]

قَالَتْ عَائِشَةُ :دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ عَنْهُ ثَوْبَيْهِ ثُمَّ لَمْ يَسْتَتِمَّ أَنْ قَامَ فَلَبِسَهُمَا فَأَخَذَتْنِي غَيْرَةٌ شَدِيدَةٌ ظَنَنْتُ أَنَّهُ يَأْتِي بَعْضَ صُوَيْحِبَاتِي فَخَرَجْتُ أَتْبَعُهُ فَأَدْرَكْتُهُ بِالْبَقِيعِ بَقِيعِ الْغَرْقَدِ يَسْتَغْفِرُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالشُّهَدَاءِ, فَقُلْتُ : بِأَبِي وَأُمِّي أَنْتَ فِي حَاجَةِ رَبِّكَ, وَأَنَا فِي حَاجَةِ الدُّنْيَا فَانْصَرَفْتُ, فَدَخَلْتُ حُجْرَتِي وَلِي نَفَسٌ عَالٍ, وَلَحِقَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ, فَقَالَ :"مَا هَذَا النَّفَسُ يَا عَائِشَةُ؟", فَقُلْتُ :بِأَبِي وَأُمِّي أَتَيْتَنِي فَوَضَعْتَ عَنْكَ ثَوْبَيْكَ ثُمَّ لَمْ تَسْتَتِمَّ أَنْ قُمْتَ فَلَبِسْتَهُمَا فَأَخَذَتْنِي غَيْرَةٌ شَدِيدَةٌ, ظَنَنْتُ أَنَّكَ تَأْتِي بَعْضَ صُوَيْحِبَاتِي حَتَّى رَأَيْتُكَ بِالْبَقِيعِ تَصْنَعُ مَا تَصْنَعُ, قَالَ :"يَا عَائِشَةُ أَكُنْتِ تَخَافِينَ أَنْ يَحِيفَ اللهُ عَلَيْكِ وَرَسُولُهُ, بَلْ أَتَانِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ, فَقَالَ :هَذِهِ اللَّيْلَةُ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ وَلِلَّهِ فِيهَا عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ بِعَدَدِ شُعُورِ غَنَمِ كَلْبٍ, لَا يَنْظُرُ اللهُ فِيهَا إِلَى مُشْرِكٍ, وَلَا إِلَى مُشَاحِنٍ, وَلَا إِلَى قَاطِعِ رَحِمٍ, وَلَا إِلَى مُسْبِلٍ, وَلَا إِلَى عَاقٍّ لِوَالِدَيْهِ, وَلَا إِلَى مُدْمِنِ خَمْرٍ "قَالَ :ثُمَّ وَضَعَ عَنْهُ ثَوْبَيْهِ, فَقَالَ لِي :"يَا عَائِشَةُ تَأْذَنِينَ لِي فِي قِيَامِ هَذِهِ اللَّيْلَةِ؟", فَقُلْتُ :نَعَمْ بِأَبِي وَأُمِّي, فَقَامَ فَسَجَدَ لَيْلًا طَوِيلًا حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ قُبِضَ فَقُمْتُ أَلْتَمِسُهُ, وَوَضَعْتُ يَدِي عَلَى بَاطِنِ قَدَمَيْهِ فَتَحَرَّكَ فَفَرِحْتُ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ فِي سُجُودِهِ :" أَعُوذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ, وَأَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ, وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ, جَلَّ وَجْهُكَ, لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ", فَلَمَّا أَصْبَحَ ذَكَرْتُهُنَّ لَهُ فَقَالَ :"يَا عَائِشَةُ تَعَلَّمْتِهِنَّ؟", فَقُلْتُ :نَعَمْ, فَقَالَ :"تَعَلَّمِيهِنَّ وَعَلِّمِيهِنَّ, فَإِنَّ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ

---

[1](التنویر شرح الجامع الصغیر ج۸ ص ۲۴۲)

[2](جامع الترمذی کتاب الصوم باب ماجآء فی لیلة النصف من شعبان ج۳ ص ۱۰۷, سنن ابن ماجة کتاب اقامة الصلوة والسنة فیها باب ماجآء فی لیلة النصف من شعبان, مسند احمد بن حنبل ج۶ ص ۲۳۸, مصنف ابن ابی شیبة ج۶ ص ۱۰۸, مسند اسحاق بن راهویة رقم الحدیث ۸۵۰ مکتبة الایمان مدینة المنورة, مسند عبد بن حمید ص ۴۳۷, شرح السنة للبغوی ج۲ ص ۵۱۲, شعب الایمان للبیهقی ج۳ ص ۳۸۰, غنیة الطالبین ج۱ ص ۳۴۶, تفسیر روح المعانی سورة الدخان آیة ۴, تفسیر خازن سورة الدخان ۴, تفسیر درمنثور الدخان ۴, تحفة الاحوذی (مبارک پوری) ج۳ ص ۳۶۴)

السَّلَامُ عَلَّمَنِيهِنَّ وَأَمَرَنِي أَنْ أُرَدِّدَهُنَّ فِي السُّجُودِ"[1]

حضور ﷺ کا گھر میں شب برأت منانا

أَنَّ عَائِشَةَ، قَالَتْ :قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ يُصَلِّي فَأَطَالَ السُّجُودَ حَتَّى ظَنَنْتُ أَنَّهُ قَدْ قُبِضَ، فَلَمَّا رَأَيْتُ ذَلِكَ قُمْتُ حَتَّى حَرَّكْتُ إِبْهَامَهُ فَتَحَرَّكَ، فَرَجَعْتُ، فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ، وَفَرَغَ مِنْ صَلَاتِهِ، قَالَ :"يَا عَائِشَةُ أَوْ يَا حُمَيْرَاءُ ظَنَنْتِ أَنَّ النَّبِيَّ خَاسَ بِكِ؟"، قُلْتُ :لَا وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ وَلَكِنِّي ظَنَنْتُ أَنَّكَ قُبِضْتَ لِطُولِ سُجُودِكَ، فَقَالَ :"أَتَدْرِينَ أَيَّ لَيْلَةٍ هَذِهِ؟"، قُلْتُ :اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ :"هَذِهِ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ يَطْلُعُ عَلَى عِبَادِهِ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِلْمُسْتَغْفِرِينَ، وَيَرْحَمُ الْمُسْتَرْحِمِينَ، وَيُؤَخِّرُ أَهْلَ الْحِقْدِ كَمَا هُمْ".[2]

حضور ﷺ کا گھر میں شب برأت منانا دوسری روایت

عَنْ عَائِشَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ :"لَمَّا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ انْسَلَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مِرْطِي، ثُمَّ قَالَتْ :وَاللَّهِ مَا كَانَ مِرْطُنَا مِنْ خَزٍّ، وَلَا قَزٍّ، وَلَا، كُرْسُفٍ، وَلَا كَتَّانٍ، وَلَا صُوفٍ فَقُلْتُ :سُبْحَانَ اللَّهِ فَمِنْ أَيِّ شَيْءٍ؟ قَالَتْ :إِنْ كَانَ سَدَاهُ لَشَعْرٌ، وَإِنْ كَانَتْ لُحْمَتُهُ لَمِنْ وَبَرِ الْإِبِلِ، قَالَتْ :فَخَشِيتُ أَنْ يَكُونَ أَتَى بَعْضَ نِسَائِهِ، فَقُمْتُ أَلْتَمِسُهُ فِي الْبَيْتِ فَيَقَعُ قَدَمِي عَلَى قَدَمَيْهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَحَفِظْتُ مِنْ قَوْلِهِ وَهُوَ يَقُولُ» :سَجَدَ لَكَ سَوَادِي وَخَيَالِي، وَآمَنَ لَكَ فُؤَادِي، وَأَبُوءُ لَكَ بِالنِّعَمِ، وَأَعْتَرِفُ بِالذُّنُوبِ الْعَظِيمَةِ، ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، أَعُوذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ، وَأَعُوذُ بِرَحْمَتِكَ مِنْ نِقْمَتِكَ، وَأَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ« قَالَتْ :فَمَا زَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَائِمًا وَقَاعِدًا حَتَّى أَصْبَحَ، فَأَصْبَحَ وَقَدِ اضْمَعَدَّتْ قَدَمَاهُ، فَإِنِّي لَأَغْمِزُهَا، وَقُلْتُ :بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، أَتْعَبْتَ نَفْسَكَ، أَلَيْسَ قَدْ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ؟ أَلَيْسَ قَدْ فَعَلَ اللَّهُ بِكَ؟ أَلَيْسَ أَلَيْسَ؟ فَقَالَ» :بَلَى يَا عَائِشَةُ، أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا؟ هَلْ تَدْرِينَ مَا فِي هَذِهِ اللَّيْلَةِ؟« قَالَتْ :مَا فِيهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَقَالَ :"فِيهَا أَنْ يُكْتَبَ كُلُّ مَوْلُودٍ مِنْ بَنِي آدَمَ فِي هَذِهِ السَّنَةِ، وَفِيهَا أَنْ يُكْتَبَ كُلُّ هَالِكٍ مِنْ بَنِي آدَمَ فِي هَذِهِ السَّنَةِ، وَفِيهَا تُرْفَعُ أَعْمَالُهُمْ، وَفِيهَا تَنْزِلُ أَرْزَاقُهُمْ، فَقَالَتْ :يَا رَسُولَ اللَّهِ :مَا أَحَدٌ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا بِرَحْمَةِ اللَّهِ؟ فَقَالَ» :مَا مِنْ أَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا بِرَحْمَةِ اللَّهِ« قُلْتُ :وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ فَوَضَعَ يَدَهُ عَلَى هَامَتِهِ فَقَالَ» :وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللَّهُ مِنْهُ بِرَحْمَةٍ« يَقُولُهَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ"[3]

حضور ﷺ کا گھر میں شب برأت منانا تیسری روایت

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ :كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ لَيْلَتِي، وَبَاتَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدِي، فَلَمَّا كَانَ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ فَقَدْتُهُ، فَأَخَذَنِي مَا يَأْخُذُ النِّسَاءَ مِنَ الْغَيْرَةِ، فَتَلَفَّعْتُ بِمِرْطِي، أَمَا وَاللَّهِ مَا كَانَ خَزًّا، وَلَا قَزًّا، وَلَا حَرِيرًا، وَلَا دِيبَاجًا، وَلَا قُطْنًا، وَلَا كَتَّانًا، قِيلَ :وَمَا كَانَ؟ قَالَتْ :كَانَ سَدَاهُ شَعْرًا وَلُحْمَتُهُ مِنْ أَوْبَارِ الْإِبِلِ، وَطَلَبْتُهُ فِي حُجَرِ نِسَائِهِ فَلَمْ أَجِدْهُ، فَانْصَرَفْتُ

---

[1](شعب الإيمان ج۳ص ۳۸۳)

[2](شعب الايمان ج۳ص ۳۸۲)

[3](فضائل الأوقات أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى 458 :هـ) رقم الحديث ۲۶)

إِلَى حُجْرَتِي، فَإِذَا بِهِ الثَّوْبُ السَّاقِطُ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ سَاجِدًا وَهُوَ يَقُولُ فِي سُجُودِهِ :" سَجَدَ لِلَّهِ سِوَادِي وَخَيَالِي وَآمَنَ بِكَ فُؤَادِي، هَذِهِ يَدِي وَمَا جَنَيْتُهُ بِهَا عَلَى نَفْسِي يَا عَظِيمَ رَجَاءٍ لِكُلِّ عَظِيمٍ، اغْفِرِ الذَّنْبَ الْعَظِيمَ، سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَعَادَ سَاجِدًا، فَقَالَ :أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَبِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ، وَبِكَ مِنْكَ، أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ، أَقُولُ كَمَا قَالَ أَخِي دَاوُدُ عَلَيْهِ السَّلَامُ أُعَفِّرُ وَجْهِي فِي التُّرَابِ لِسَيِّدِي وَحُقَّ لَهُ أَنْ يَسْجُدَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ :اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي قَلْبًا تَقِيًّا مِنَ السُّوءِ، نَقِيًّا، لَا كَافِرًا، وَلَا شَقِيًّا ثُمَّ انْصَرَفَ، فَدَخَلَ مَعِي فِي الْخَمِيلَةِ، وَلِي نَفْسٌ تَعَالَى، فَقَالَ :مَا هَذَا النَّفَسُ؟ فَأَخْبَرْتُهُ. فَطَفِقَ يَمْسَحُ بِيَدِهِ عَلَى رُكْبَتِي، وَيَقُولُ» :وَلَيْسَ هَاتَيْنِ الرُّكْبَتَيْنِ مَا لَقِيَتَا فِي هَذِهِ اللَّيْلَةِ لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ، يَنْزِلُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِعِبَادِهِ إِلَّا لِمُشْرِكٍ وَمُشَاحِنٍ«.[1]

فضائل شب برأت پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک اور روایت

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها مرفوعا: ينسخ الله في أربع ليال الآجال والأرزاق في ليلة النصف من شعبان والأضحى والفطر وليلة عرفة۔[2]

فضائل شب برأت پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک مزید روایت

عَن عَائِشَة :سَمِعت النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يَقُول :يفتح الله الْخَيْر فِي أَربع لَيَال لَيْلَة الْأَضْحَى وَالْفطر وَلَيْلَة النّصْف من شعْبَان ينْسَخ فِيهَا الْآجَال والأرزاق وَيكْتب فِيهَا الْحَاج وَفِي لَيْلَة عَرَفَة إِلَى الْأَذَان۔[3]

اللہ تعالیٰ کی شب برأت میں خانہ کعبہ پر خصوصی نظر کرم فرمانا

"إن الله تعالى يلحظ إلى الكعبة في كل عام لحظة وذلك في ليلة النصف من شعبان، فعند ذلك تحن إليها قلوب المؤمنين."[4]

خانہ کعبہ بھی قبلہ شب برأت والے دن بنا

وَقَالَ أَبُو حَاتِمٍ الْبُسْتِيُّ :صَلَّى الْمُسْلِمُونَ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا وَثَلَاثَةَ أَيَّامٍ سَوَاءً، وَذَلِكَ أَنَّ قُدُومَهُ الْمَدِينَةَ كَانَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ لِاثْنَتَيْ عَشْرَةَ لَيْلَةً خَلَتْ مِنْ شَهْرِ رَبِيعٍ الْأَوَّلِ، وَأَمَرَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ باستقبال الكعبة الثُّلَاثَاءِ لِلنِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ قال شعيب الارنووط: اسناده صحيح على شرطهما[5]

حضور ﷺ کا سجدہ تہائی امت نصف امت بلکہ تمام امت کی مغفرت

قالت عائشة رضی الله عنها رأيت النبي صلى الله عليه وسلم في ليلة النصف من شعبان ساجدا يدعو فنزل جبريل فقال ان الله قد

---

[1] (كتاب النزول ,أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدارقطني (المتوفى 385 :هـ) ج ۱ ص ۱۷۰)

[2] (لسان الميزان عسقلانی ج ۱ ص ۲۴۹)

[3] (الدر المنثور، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى 911 :هـ) ج۷ ص ۴۰۲)

[4] (كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال، علاء الدين علي بن حسام الدين ابن قاضي خان القادري الشاذلي الهندي البرهانفوري ثم المدني فالمكي الشهير بالمتقي الهندي (المتوفى 975 :هـ) ج ۱۲ ص ۹۶)

[5] (تفسير القرطبي أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح الأنصاري الخزرجي شمس الدين القرطبي (المتوفى 671 :هـ) ج ۲ ص ۱۵۰)

أعتق من النار الليلة بشفاعتك ثلث أمتك فزاد عليه السلام فى الدعاء فنزل جبريل فقال ان الله يقرئك السلام ويقول أعتقت نصف أمتك من النار فزاد عليه السلام فى الدعاء فنزل جبريل وقال ان الله أعتق جميع أمتك من النار بشفاعتك الا من كان له خصم حتى يرضى خصمه فزاد عليه السلام فى الدعاء فنزل جبريل عند الصبح وقال ان الله قد ضمن لخصماء أمتك ان يرضيهم بفضله ورحمته فرضى النبي عليه السلام۔[1]

ایام بیض اور شب برأت

فقد روي أنه صلّى الله عليه وسلّم سأل ليلة الثالث عشر من شعبان في أمته فأعطى الثلث منها ثم سأل ليلة الرابع عشر فأعطى الثلثين ثم سأل ليلة الخامس عشر فأعطى الجميع إلا من شرد على الله تعالى شراد البعير۔[2]

حضور ﷺ کا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو شب برأت کی شان بیان فرمانا

وَعَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ» :هَل تدرين مَا هَذِه اللَّيْل؟«يَعْنِي لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ قَالَتْ :مَا فِيهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ» :فِيهَا أَنْ يُكْتَبَ كُلُّ مَوْلُودٍ مِنْ بَنِي آدَمَ فِي هَذِهِ السَّنَةِ وَفِيهَا أَنْ يُكْتَبَ كُلُّ هَالِكٍ مِنْ بَنِي آدَمَ فِي هَذِهِ السَّنَةِ وَفِيهَا تُرْفَعُ أَعْمَالُهُمْ وَفِيهَا تَنْزِلُ أَرْزَاقُهُمْ۔[3]

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ایک مزید روایت

عن عائشة رضى الله عنها قالت أتاني حبيبي رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ليلة النصف من شعبان فاوى إلى فراشه ثم قام فافاض عليه الماء ثم خرج مسرعا فخرجت في أثره فإذا هو ساجد بالبقيع وهو يقول سجد لك خيالي وسوادي الخ۔[4]

حضور ﷺ کا شب برأت کا تمام مہینہ روزے رکھنا

عَن عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَت :كَانَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم يَصُوم شعْبَان كُله حَتَّى يصله بِرَمَضَان وَلم يكن يَصُوم شهرا تَاما إِلَّا شعْبَان فَقلت يَا رَسُول الله :إِن شعْبَان لمن أحب الشُّهُور إِلَيْك أَن تصومه فَقَالَ :نعم يَا عَائِشَة إِنَّه لَيْسَ نفس تَمُوت فِي سنة إِلَّا كتب أجلهَا فِي شعْبَان فَأحب أَن يكْتب أَجلي وَأَنا فِي عبَادَة رَبِّي وَعمل صَالح وَلفظ ابْن النجار يَا عَائِشَة إِنَّه يكْتب فِيهِ ملك الْمَوْت وَمن يقبض فَأحب أَن لَا ينْسَخ اسْمِي إِلَّا وَأَنا صَائِم۔[5]

حضرت مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان شب برأت کا قیام، دن کا روزہ

عَن عَليّ بن أبي طَالب قَالَ :قَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم :إِذا كَانَ لَيْلَة النّصف من شعْبَان فَقومُوا لَيْلهَا وصوموا نَهَارهَا فَإِن الله ينزل فِيهَا لغروب الشَّمْس إِلَى سَمَاء الدُّنْيَا فَيَقُول أَلا مُسْتَغْفِر فَأغْفر لَهُ أَلا مسترزق فأرزقه أَلا مبتلى فأعافيه أَلا سَائل فَأعْطِيه

---

[1] (تفسیر روح البیان تحت سورۃ الدخان الآیۃ ۴)

[2] (تفسیر روح المعانی پارہ ۲۵ ص ۱۵۵)

[3] (مشکوۃ المصابیح ص ۱۱۵، الدعوات الکبیر از امام بیہقی، غنیۃ الطالبین ج ۱ ص ۳۴۵)

[4] (لسان المیزان أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى 852 :هـ) ج ۵ ص ۴۲۶)

[5] (الدر المنثور عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى 911 :هـ) ج ۷ ص ۴۰۲ دار الفكر - بيروت)

أَلا كَذَا أَلا كَذَا حَتَّى يطلع الْفجْر۔[1]

حضرت مولا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شب برأت کی خصوصی دعا

وكان علي بن أبي طالب -رضي الله عنه- يفرغ نفسه للعبادة في أربع ليال في السنة وهي :أول ليلة من رجب، وليلة الفطر، وليلة الأضحى، وليلة النصف من شعبان. وكان من دعائه فيها" اللهم صل على محمد وآله ومصابيح الحكمة وموالي النعمة ومعادن العصمة، واعصمني بهم من كل سوء، ولا تأخذني على غرة ولا على غفلة، ولا تجعل عواقب أمري حسرة وندامة، وارض عني، فإن مغفرتك للظالمين وأنا من الظالمين، اللهم اغفر لي ما لا يضرك، وأعطني ما لا ينفعك، فإنك الواسعة رحمته، البديعة حكمته، فأعطني السعة والدعة والأمن والصحة والشكر والمعافاة والتقوى والصبر والصدق عليك وعلى أوليائك، وأعطني اليسر مع العسر، وأعمم بذلك أهلي وولدي وإخواني فيك، ومن ولدتني من المسلمين والمسلمات والمؤمنين والمؤمنات۔[2]

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شب برأت منانا

عن طاوس اليماني أنه قال سألت الحسن بن علي - رضي الله عنهما - عن ليلة الصك يعني ليلة لا نصف من شعبان وعن العمل فيها فقال انا أجعلها اثلاثاً فثلث أصلي فيه على جدي النبي - صلى الله عليه وسلم - ائتماراً لأمر الله - عز وجل - حيث يقول يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليماً وثلث أستغفر الله تعالى فيه مثنى، مثنى لقوله تعالى {وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ} وثلث أركع فيه وأسجد ائتماراً لقوله تعالى :{وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ} فقلت وما ثواب من فعل ذلك قال سمعت أبي يقول قال النبي - صلى الله عليه وسلم - من أحيى ليلة الصك كتب من المقربين يعني الذين في قوله تعالى فأما إن كان من المقربين۔[3]

حضرت عبداللہ بن جعفر اور حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور شب برأت

وكان في هذه السرية مع عبد الله بن جعفر وائلة بن الاسقع وكان خروجهم من أرض الشام وهي دمشق إلى دير ابي القدس في ليلة النصف من شعبان وكان القمر زائد النور قال وأنا إلى جانب عبد الله ابن جعفر فقال لي يا ابن الاسقع ما أحسن قمر هذه الليلة وأنوره فقلت :يا ابن عم أردت رسول الله صلى الله عليه وسلم هذه ليلة النصف من شعبان وهي ليلة مباركة عظيمة وفي هذه تكتب الأرزاق والآجال وتغفر فيها الذنوب والسيئات وكنت أدرت أن أقومها فقلت :إن سيرنا في سبيل الله خير من قيامها والله جزيل العطاء فقال صدقت۔[4]

---

[1] (الدر المنثور عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى 911 :هـ) ج ۷ ص ۴۰۲ دار الفكر - بيروت)

[2] (الغنية لطالبي طريق الحق عز وجل عبد القادر بن موسى بن عبد الله بن جنكي دوست الحسني، أبو محمد، محيي الدين الجيلاني، أو الكيلاني، أو الجيلي (المتوفى 561 :هـ) ج ۱ ص ۳۲۹ دار الكتب العلمية، بيروت - لبنان)

[3] (القَولُ البَدِيعُ في الصَّلاةِ عَلَى الحَبِيبِ الشَّفِيعِ ص ۲۰۸)

[4] (فتوح الشام ج ۱ ص ۹۰)

حضرت سیدنا حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور شب برأت

إن الحسن البصري رحمه الله كان يخرج من داره يوم النصف من شعبان، وكأن وجهه قد قبر ودفن، ثم أخرج من قبره، فقيل له في ذلك، فقال: والله ما الذي انكسرت سفينته بأعظم مصيبة مني، قيل له: ولم ذلك؟ قال: لأني من ذنوبي على يقين، ومن حسناتي على وجل، فلا أدري اتقبل مني أم ترد علي۔[1]

(۱۱۱) ﴿باب نمبر ایک سو گیارہ نام محمد ﷺ سے تعظیماً برکت حاصل کرنے کا ثبوت﴾

حضور نبی اکرم ﷺ کے شمائل وخصائص کا شمار جس طرح ممکن نہیں، اسی طرح آپ ﷺ کے نام مبارک کے فضائل بھی بے شمار ہیں جن کا تعین ممکن نہیں۔ نام محمد ﷺ کی برکات بہت ہیں۔ ذیل میں ان کا ذکر مختصراً کیا جاتا ہے۔

۱) سیدنا ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے من ولد له مولود فسمّاه مُحمّداً حُبّاً لِّي وتبرّكاً باسمي كان هو ومولوده في الجنّة۔[2]

یعنی جس کے ہاں بچہ پیدا ہو اور اس نے میری محبت کی وجہ سے اور میرے نام سے برکت حاصل کرنے کے لئے بچہ کا نام "محمد" رکھا تو وہ دونوں باپ بیٹا جنّت جائیں گے۔

اس مذکورہ بالا حدیث پاک کے متعلق امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: واسناده حسن۔ "اور اس کی سند بھی اچھی ہے (بہت اچھی ہے)۔"[3]

اور علّامہ حلبی نے فرمایا: اصحّها واقربها للصّحّة۔[4]

۲) مشہور حدیث مبارکہ میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: قال الله تعالى: وعزتي وجلالي! لا أعذّب احداً تسمّى باسمك في النار۔ "اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: مجھے اپنی عزت اور بزرگی کی قسم! اے حبیب مکرّم ﷺ میں کسی ایسے شخص کو آگ کا عذاب نہیں دوں گا، جس کا نام آپ ﷺ کے نام پر ہوگا۔" امام حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ اس حدیث مبارکہ میں نام سے مراد حضور نبی کریم ﷺ کا مشہور نام "محمد" یا "احمد" ہے

۳) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن دو بندے دربارِ الٰہی میں کھڑے کیے جائیں گے۔ ان میں سے ایک کا نام محمد اور دوسرے کا نام احمد ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جلّ جلالہ کی طرف سے حکم ہوگا کہ ان دونوں کو جنت لے جاؤ۔ وہ دونوں عرض کریں گے یا اللہ! ہم کس عمل کی وجہ سے جنت کے حقدار ہوئے، حالانکہ ہم نے تو کوئی عمل جنتیوں والا نہیں کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ جل جلالہ فرمائے گا: ادخل الجنّة فانّي آليت على نفسي أن لّا يدخل النّار من اسمه احمد و محمد۔ یعنی تم دونوں جنت جاؤ کیونکہ میں نے اپنی ذات پر قسم کھائی ہے کہ جس کا نام محمد یا احمد ہوگا وہ دوزخ نہیں جائے گا۔[5]

۴) سیّدنا نبیط صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا فرمان ہے: وعزّتي وجلالي لا اعذّب احدًا تسمّى باسمك في النّار۔ یعنی اے محبوب مجھے اپنی عزّت وجلال کی قسم میں کسی ایسے بندے کو دوزخ کا عذاب نہ دوں گا جس نے اپنا

---

[1] (الغنية لطالبي طريق الحق عز وجل ج ۱ ص ۳۴۸)

[2] (زرقانی علی المواہب، ج ۵ ص ۳۰۱، سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۷۹، احکام شریعت ص ۳۸، البرہان ص ۴۴۳)

[3] (اللالی المصنوعہ ص ۱۰۶، ج ۱)

[4] (سیرت حلبیہ ۷۹، ج ۱)

[5] (احکام شریعت ص ۳۸، زرقانی علی المواہب ص ۳۰۱، ج ۵، احکام القرآن ص ۴۴۵، تبرک کی شرعی حیثیت ص ۵۸)

نام تیرے نام پر رکھا ہوگا۔[1]

۵) سیّدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : **من ولدله ثلاثة اولادٍ فلم يسمّ احداً منهم محمّدًا فقد جهل۔** یعنی جس کے تین لڑکے پیدا ہوئے اور اس نے کسی کا نام محمد نہ رکھا وہ جاہل ہے۔[2]

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی مضمون کی ایک مرسل حدیث نضر بن شنقی سے نقل کر کے اس حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو مقبول قرار دیا ہے۔

۶) مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: **اذا سمّيتم الولد محمّدًا فاكرموه واوسعوا له فى المجلس ولا تقبحوا له۔** ''جب تم بچے کا نام محمد رکھو تو پھر اس کی عزت کرو اور اس کے لئے جگہ فراخ کرو اور اس کی قباحت و برائی مت کرو۔''[3]

اسی وجہ سے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاویٰ شامی میں لکھا ہے کہ چونکہ عام لوگ نام مبارک کی عزت نہیں رکھتے اس لئے عام نام رکھنا زیادہ بہتر ہے۔

۷) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : **اذا سمّيتم محمّداً فلا تضربوا ولا تقبّحوه وأكرموه وأوسعوا له فى المجلس۔**[4]

۸) جو یہ چاہے کہ لڑکا پیدا ہو وہ بچے کا نام محمد رکھے۔

من اراد ان يكون حمل زوجته ذكراً فليضع يده على بطنها وليقل ان كان ذكراً فقد سمّيته محمّداً۔[5]

یعنی جو کوئی چاہے کہ اس کی بیوی کا حمل لڑکا ہو تو وہ بیوی کے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر کہے (**ان كان ذكراً فقد سمّيته محمداً**) بفضلہ تعالیٰ لڑکا ہوگا۔

۹) علّامہ حلبی سیرت حلبیہ میں فرماتے ہیں : **وفى الشّفاء انّ للّٰهِ ملٰئكة سيّاحين فى الارض عبادتهم كلّ دارٍ فيها اسم محمّدٍ حراسته۔** یعنی اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے فرشتے ہیں جو زمین پر چکر لگاتے رہتے ہیں۔ ان کی ڈیوٹی یہ ہے کہ جس گھر میں کوئی محمد نام والا ہو اس کا پہرہ دینا۔[6]

۱۰) سیّدنا امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا : **ما كان فى اهلبيت اسم محمد الّا كثرت بركته۔** ''جس گھر میں کوئی محمد نام والا ہو اس گھر میں برکت زیادہ ہوتی ہے۔''[7]

تنبیہ: اس مقام پر علماء کرام اور محدثین عظام نے فرمایا یہ ساری بہاریں اس شخص کے لئے ہیں جو کہ سنّی صحیح العقیدہ ہو ورنہ بے ادب گستاخ کے لئے کسی قسم کی کوئی رعایت نہ ہوگی۔[8]

کیونکہ جو شخص اس مقدّس و مطہر نام کی عظمت کا قائل ہی نہیں، اور کہے کہ عمل کے بغیر کوئی جنّت جا ہی نہیں سکتا، اس کے لئے رعایت کا

---

[1] (زرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۳۰۲، سیرتِ حلبیہ ج ۱ ص ۷۹، احکام شریعت ص ۳۹)

[2] (سیرتِ حلبیہ ص ۷۹، احکام شریعت ص ۳۹، البرہان ص ۴۴۷)

[3] (زرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۳۰۲، احکام شریعت ص ۴۰، البرہان ص ۴۴۷)

[4] (شعرانی، کشف الغمۃ ج ۱ ص ۲۸۳، مناوی فیض القدیر ج ۱ ص ۳۸۵، عجلونی کشف الخفا و مزیل الالباس ج ۱ ص ۹۴ رقم ۲۳۹، حلبی انسان العیون ج ۱ ص ۱۳۵، تبرک کی شرعی حیثیت ص ۵۹)

[5] (سیرت حلبیہ ص ۷۹، احکام شریعت ص ۴۰، البرہان ص ۴۴۸)

[6] (سیرت حلبیہ ص ۷۹، البرہان ص ۴۴۸)

[7] (زرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۳۰۲، احکام شریعت ص ۴۰، البرہان ص ۴۵۰-۴۴۹، مناوی فیض القدیر ج ۵ ص ۴۵۳)

[8] (احکام شریعت ص ۳۸)

سوال ہی نہیں وہ اپنے عملوں کے بل بوتے پر جنّت حاصل کرے اور ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھے **من نوقش له فی الحساب یهلک**۔ جس کو حساب میں پوچھ گچھ ہوئی وہ بچ نہیں سکتا۔

۱۱) سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کا زمانہ تھا ان کی قوم بنی اسرائیل میں ایک شخص نہایت ہی گنہگار اور کردار کا گندا تھا، اس نے سو سال اور ایک قول کے مطابق دو سو سال نافرمانیوں میں گزار دیئے جب وہ مر گیا تو بنی اسرائیل نے اس کا غسل وکفن گوارا نہ کیا بلکہ اسے ٹانگ سے پکڑ کر گندگی کے ڈھیر پر پھینک آئے ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے کلیم علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارا ایک دوست فوت ہو گیا ہے اور اسے لوگوں نے گندگی پر پھینک دیا ہے۔ آپ اپنی قوم کو حکم دیں کہ اس کو اٹھائیں اور عزّت واحترام کے ساتھ اس کی تجہیز وتکفین کریں پھر آپ اس کا جنازہ پڑھائیں، یہ حکم سن کر کلیم اللہ علیہ السلام قوم کو لے کر وہاں پہنچے اسے دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ تو وہی پاپی ہے لیکن مامور تھے اسے اعزاز کے ساتھ اٹھا کر تجہیز وتکفین کر کے جنازہ پڑھایا اور دفن کر دیا۔ بعد میں موسیٰ علیہ السلام نے دربار الٰہی میں عرض کی یا اللہ یہ شخص اتنا بڑا مجرم وگنہگار ایسے اعزاز کا حقدار کیسے ہو گیا، تو ربّ کریم نے فرمایا اے میرے پیارے کلیم، تھا تو یہ بڑا گنہگار اور سخت سزا کا حقدار مگر ہوا یوں کہ ایک دن اس نے توریت کھولی اور اس میں میرے حبیب ﷺ کے نام مبارک محمد ﷺ پر اس کی نظر پڑی اور اس کے دل میں میرے حبیب ﷺ کی محبت نے جوش مارا، اس نے اس نام مبارک کو بوسہ دیا اور آنکھوں پر رکھ کر درود پاک پڑھا، لہٰذا اس تعظیم کی وجہ سے میں نے اس کے سارے گناہ معاف کر دیئے ہیں، اور اس کو اپنے مقبول بندوں میں داخل کر دیا ہے۔[1]

اوپر جو مذکور ہوا کہ صدسالہ مجرم تعظیمِ نام مصطفی ﷺ کی وجہ سے بخشا گیا، اس واقعہ کو ایک واقعہ کہہ کر خارجی نظریات والے رد کر دیتے ہیں لیکن مندرجہ ذیل حدیث پاک کو کیسے رد کریں گے جو کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ میں محفوظ ہے پڑھیے اور ایمان تازہ کیجئے۔

۱۲) سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا : **ما اجتمع قوم قط فی مشورة معهم رجل اسمه محمد، لم یدخلوه فی مشورتهم الا لم یبارک لهم**۔ ''کوئی قوم مشورہ کے لئے جمع ہو اور محمد نام والا کوئی ان کے درمیان ہو لیکن اس کو مشورہ میں داخل نہ کیا جائے، تو ان کے کام میں برکت نہیں ہوگی۔''[2]

۱۳) حضرت محمد بن عثمان عمری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : **ماضر أحدکم لو کان فی بیته محمد و محمدان و ثلاثة**۔ ''تم میں سے کسی شخص کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اگر اس کے گھر کے افراد میں ایک یا دو یا تین شخص محمد نام کے ہوں۔''[3]

۱۴) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا : **ما أطعم طعام علی مائدة، و لا جلس علیها، و فیه اسمی الا قدسوا کل یوم مرتین**۔ ''کوئی بھی دسترخوان ایسا نہیں جس پر کھانا کھایا جائے اور وہاں میرا ہم نام بیٹھا ہو تو فرشتے ہر روز دو مرتبہ (اس

---

[1] (مقاصد السالکین ص ۵۰، القول البدیع ص ۱۱۸، حلیۃ الاولیاء ج ۴ ص ۴۲، سیرتِ حلبیہ ج ۱ ص ۸۰، البرھان ص ۴۵۲، تفسیر روح البیان ج ۷ ص ۱۸۶ مطبوعہ بیروت، سبل الھدی والرشاد ج ۱ ص ۴۱۲-۴۱۱ مطبوعہ بیروت، انسان العیون فی سیرت الامین والمامون ج ۱ ص ۸۳ مطبوعہ بیروت، سیرت حلبیہ اردو ج ۱ ص ۴۱، و ۲۷۰ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی، نزھۃ المجالس ج ۲ ص ۱۵۵ طبع بیروت، حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ص ۹۵ بیروت، سعادت الدارین فی الصلوۃ علی سید الکونین اردو ج ۱ ص ۲۵۶-۲۵۵ مطبوعہ ضیاء القرآن لاہور، فضائل درود شریف تبلیغی نصاب ص ۹۹ مطبوعہ لاہور)

[2] (خطیب بغدادی، موضع أوھام الجمع والتفریق ج ۱ ص ۴۴۶ حلبی نے انسان العیون ج ۱ ص ۱۳۵ میں کہا ہے حفاظ حدیث نے اس روایت کی صحت کا اقرار کیا ہے)

[3] (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ ج ۵ ص ۵۴، مناوی فیض القدیر ج ۳ ص ۲۴۶، تبرک کی شرعی حیثیت ص ۶۰)

دسترخوان کی) تعریف نہ کرتے ہوں۔"[1]

۱۵)لیس أحد من أهل الجنة الا یدعی باسمه أی و لا یکنی الا آدم علیه السلام فانه یدعی أبا محمد تعظیماً له و توقیراً للنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی "جنت میں سب کو ان کے ناموں سے پکارا جائے گا یعنی ان کی کنیت نہیں ہوگی، سوائے حضرت آدم علیہ السلام کے۔ انہیں تعظیماً "ابو محمد" کہہ کر پکارا جائے گا، اور یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توقیر کے سبب ہے۔"

(۱۱۲){باب نمبر ایک سو بارہ علمائے حق اہلسنت و جماعت کی توہین کرنا کفر ہے کے بیان میں}

الحمدللہ الّذی جعلنامن الناصحین و افهمنامن علوم العلماءالراسخین و الصلوة و السلام علی من نسخ دینه ادیان الکفرة و الطالحین و علی اصحابه الذین کانوا بتمسک شریعة صالحین۔ امّا بعد

کیا فرماتے ہیں علماء کرام (اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو ہماری طرف سے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے بہتر جزاء خیر عطا فرمائے) ایسے لوگوں کے بارے میں کہ جو قصداً یا سہواً (غلطی سے) یا بغیر کسی سبب کے بغض وعناد کی وجہ سے علماء کرام کی توہین کرتے ہیں اور ان کو برا بھلا کہتے ہیں اور توہین آمیز الفاظ استعمال کرتے ہیں یا ان کو گالی دیتے ہیں یا ان کی ذات میں تنقیص (کمی) اور توہین کرتے ہیں۔ (نعوذ باللہ منھا) یا تکبر کی وجہ سے اپنی محافل اور مجالس میں علماء کی غیبت کرتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں یا علماء کرام کا اپنے شایان شان حق گوئی کی وجہ سے یا ان باطل پرست لوگوں کے ساتھ علماء کرام کا میل ملاپ نہ رکھنے کی وجہ سے علماء کرام کے ساتھ دشمنی رکھتے ہیں علمائے کرام سے اپنے آپ کو بہتر جانتے ہیں تو از روئے شریعت ان دشمنانِ علماء کرام کا کیا حکم ہے؟ آیا ان لوگوں کے ساتھ بات چیت، نشست و برخاست، کلام و طعام، غم و خوشی یا ان کے ساتھ رشتہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اگر مذکورہ باتیں ان دشمنانِ علماء کرام کے ساتھ ناجائز ہوں تو پھر ان لوگوں کا کیا حکم ہے جو ان کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں؟ آیا ان کے جنازہ میں شرکت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

جس طرح اپنے استاذ کا اپنے شاگرد پر حق ہے آیا اسی طرح کا حق مطلق عالم کا جاہل پر بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ عوام کی زبانوں پر یہ مقولہ مشہور ہے کہ فلاں عالم میرا استاذ نہیں اس لئے اس کا مجھ پر کوئی حق نہیں۔ تو آیا یہ بات صحیح ہے؟

جواب قرآن و حدیث اور اقوالِ فقہاء سے عنایت فرمائیں۔ **اجرکم علی اللہ تعالیٰ۔**

الجواب بعون الملک الوھاب۔

مذکورہ الفاظ جو استفتاء میں ذکر کئے جا چکے ہیں جو ہمارے دور میں کثیر الاستعمال ہیں ان کی کئی وجوہات ہیں ایک وجہ تو یہ ہے کہ عوام ان پڑھ اور جاہل ہیں حق کو نہیں پہچانتے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ خیر القرون سے دور ہیں اور دل میں علم دین یا اس کے حصول کا شوق و ذوق نہیں رکھتے اس لئے ان کی زبانوں سے ایسی باتیں نکلتی ہیں۔ اس لئے توفیق خداوندی سے مذکورہ استفتاء کا تفصیلی جواب لکھتے ہیں۔ اگر ان دلائل پر غور کیا جائے اور عمل ہو جائے تو امید واثق ہے کہ مسلمان کافر ہونے یا مرتد ہونے سے بچ جائیں گے اور حق پر عامل ہو کر اپنے حقداروں کا حق پہچان لیں گے اور حق العباد کے ضائع کرنے سے بچ جائیں گے (ان شاء اللہ) اور اسی طرح اپنی بدعملی پر پشیمان ہو جائیں گے اور توبۃ النصوحا کے پابند ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور اپنے استادوں (علماء) سے معافی طلب کرلیں گے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے صراط

---

[1] (خطیب بغدادی، موضع أوھام الجمع والتفریق ج ۱ ص ۴۴۶، حلبی انسان العیون، ج ۱ ص ۱۳۶، تبرک کی شرعی حیثیت، ص ۶۱)

مستقیم کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔

مقصد کے بیان سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر علمائے کرام کا رتبہ اور درجہ بلند و بالا فرمایا ہے تو وہ صرف اور صرف علم دین اور خشیت الٰہی ،رحم دلی اور اپنے علم پر عمل کی وجہ سے۔اس لئے علماء کرام کو خوب غور و فکر کرنا چاہیئے کہ قرآن وحدیث میں علماء کرام کی جتنی بھی تعریف اور فضائل بیان ہوئے ہیں ان سے مراد علماء حق (اہل سنت) اور اپنے علم پر عمل کرنے والے ہیں اس لئے علماء کرام کو چاہیئے کہ خدارا اپنے مقامات عالیہ سے نیچے اور ذلت کے مقام پر نہ آئیں اور دنیاوی فائدہ اور حسد کو اپنا نصب العین نہ بنائیں بلکہ توکل ،حق گوئی تبلیغ اور حق ماننے کی وجہ سے اپنے آپ کو مزین کریں اور اپنے اسلاف علماء کرام کی یاد تازہ کریں کہ ان حضرات نے دین اسلام کی خدمت اور آپ ﷺ کی تابعداری کس انداز سے کی تھی۔افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق کہنا ہے۔یہ اسلاف کی عادت کریمہ تھی۔ہمارے اسلاف کی پابندیٔ شریعت ایسی تھی گویا کہ عملِ کاملہ کا نمونہ تھے اور ہمارا یہ حال ہے کہ اپنی بدعملی اور حق گوئی سے چشم پوشی کی وجہ سے عوام کی نظروں میں ذلیل وخوار ہو چکے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَى مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ (۱۵۹)

ترجمہ: جولوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجود یہ کہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کیلئے بیان کر چکے ہیں ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے علماء حق کے بارے میں فرمایا ہے۔

وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔

یہ لوگ (علماء حق) ملامت کرنے والے لوگوں سے نہیں ڈرتے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ۔

کیا اللہ اپنے بندوں کو کافی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا (۲) وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ۔

جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کیلئے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو اور جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (۵۲)

اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ (۵۶)

بے شک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ (۳۰)

اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کمایا اور بہت کچھ تو معاف فرما دیتا ہے۔

قطعہ

چہ محرومی چہ ناقابل کہ در عمرے ندانستی — رموز سر رحمانی ز تسویلات شیطانی

ز ہر یک من نانی ز یک منان مشو غافل — بیک منان توجہ کن چرا در بند دونانی

عجیب سوداگری با جشم نادان — کہ دین را داد و دنیا میتانی

دین فروشی مایہ کردن ہست خسران مبین — آن کس کہ دنیا صرف گردد دین خرید

حضور ﷺ نے فرمایا۔ جس شخص کا علم زیادہ ہو اور تقویٰ اور عمل کم ہو تو اس نے اللہ تعالیٰ سے دوری اختیار کی۔

دوسری جگہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ جاہل کیلئے ایک دفعہ ہلاکت ہے اس لئے کہ اس نے علم حاصل نہ کیا اور عالم کیلئے سات مرتبہ ہلاکت ہے کیونکہ اس نے اپنے علم پر عمل نہ کیا بلکہ ہدایہ میں عالم کیلئے ہزار مرتبہ ہلاکت ذکر ہوا۔ اس طرح ہدایۃ میں لکھا ہے کہ اہل علم کی تین حالتیں ہیں۔

۱۔ ایک وہ شخص ہے کہ علم کو اس نیت سے حاصل کیا ہو کہ آخرت کیلئے توشہ بنائے اور رضاء خداوندی حاصل کرے ایسا شخص کامیاب لوگوں میں سے ہے۔

۲۔ دوسرا وہ شخص ہے کہ علم دین کو صرف اس نیت سے حاصل کیا ہو کہ اس کے ذریعے دنیاوی زندگی میں امداد، عزت، مرتبہ اور مال حاصل کرے باوجود اس کے کہ یہ شخص یہ احساس رکھتا ہے کہ میرا حال خراب اور مقصد بے فائدہ ہے۔ یعنی علم کا انجام خوب نہیں جانتا تو ایسا شخص خطرے خالی نہیں کیونکہ ایسے شخص کو اگر توبہ سے پہلے موت آجائے تو اس کے آخری خاتمے کی خرابی کا خطرہ ہے۔

۳۔ تیسرا وہ شخص ہے کہ شیطان نے اس پر غلبہ کیا ہو۔ اس لئے اس نے اپنے علم کو لوگوں سے مال بٹورنے کا سبب بنایا ہوا اور دنیاوی جاہ وجلال کے حصول اور اپنے تابعداروں کی کثرت پر فخر کو اپنا مقصد بنایا ہو۔ باوجود اس کے کہ اس شخص کے دل میں یہ بات بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرا بڑا مرتبہ اور بلند شان ہے کیونکہ اس میں علماء کی نشانیاں موجود ہیں اور ظاہر میں عالم نظر آتا ہے لیکن اگر اس شخص کی حالت پر خوب غور کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ اس شخص کی دنیا سے محبت زیادہ ہے تو یہ بھی ہلاک ہونے والوں میں سے ہے۔

ایسا شخص ان لوگوں سے ہے کہ جن کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ میں دجال کے علاوہ مخلوق میں دجال سے ڈرتا ہوں۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ برے علماء۔ (الی آخر الحدیث) کیونکہ ایسے ہی بدعمل علماء کا علم لوگوں کا دنیا سے محبت کرنے کا سبب بنا اور گناہ کرنے پر شروع ہو گئے کیونکہ عوام کی دنیا کے ساتھ محبت اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک ایسے علماء ان کو عملی نمونہ پیش نہ کرے اسی وجہ سے آپ ﷺ نے ایسے عالم سے پناہ مانگی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اے اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔

باد درخت علم ندانم بجز عمل — باعلم اگر عمل نکنی شاخ بے بری

مر علم را کہ کار بندی چہ فائدہ — چشم از برائے آن بود آخر کہ بنگری

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام تین آدمیوں کے ذریعے ختم (کمزور) ہوتا ہے۔ (۱) عالم کی ذات (۲) منافق

کا کتاب اللہ کے ذریعے لڑائی (۳) گمراہ اماموں کا حکم۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس امت کے بارے میں جس چیز سے زیادہ ڈرتا ہوں وہ منافق عالم ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا کہ منافق عالم کیسا ہوگا؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ زبان (ظاہر) میں عالم ہوگا اور دل وعمل میں جاہل ہوگا۔الخ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ (۱۱۵)

تو کیا سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے کار بنایا اور تمہیں ہماری طرف پھرنا نہیں۔

مقصد کی طرف آتا ہوں ''علماء کرام وارثِ انبیاء کرام علیہم السلام اور امت محمدی ﷺ کیلئے چراغ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں یہی علماء کرام صاحب فضیلت اور مرتبہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں۔''

آیات قرآنیہ علماء کی فضیلت میں

علماء کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ای لا یستوون۔

ترجمہ: تم فرماؤ کیا برابر ہیں جاننے والے اور انجان۔

وقولہ تعالیٰ: وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔

ترجمہ: اور جسے حکمت ملی اُسے بہت بھلائی ملی۔

دوسری جگہ فرماتا ہے: وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ۔

ترجمہ: اور عالموں نے انصاف سے قائم ہو کر۔

وقولہ تعالیٰ: وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔

ترجمہ: اور عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے۔

وقولہ تعالیٰ: وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ۔

ترجمہ: اور انہیں نہیں سمجھتے مگر علم والے۔

وقولہ تعالیٰ: إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ۔

ترجمہ: اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

وقولہ تعالیٰ: يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ۔

ترجمہ: اللہ تمہارے ایمان والوں کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا درجے بلند فرمائے گا۔

علماء کی فضیلت میں احادیث نبویہ

آپ ﷺ نے فرمایا

۱۔بہتر عبادت فقہ ہے اور بہترین دین پرہیز گاری ہے۔

۲۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ دین خداوندی میں علم دین کے حصول سے بہتر کوئی عبادت نہیں۔

۳۔ایک عالم (فقیہ) شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے۔

۴۔ہر چیز کا ایک ستون ہے اور دین کا ستون فقہ (سمجھ بوجھ) ہے۔

۵۔وقولہ علیہ السلام: عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ امتی پر ہے۔

۶۔اللہ تعالیٰ، فرشتے اور زمین و آسمان کی مخلوق یہاں تک کہ چیونٹی اپنے بلوں میں، مچھلی سمندروں میں ہر اس شخص پر رحمت کی دعا کرتے ہیں اور رحمت نازل فرماتا ہے جو لوگوں کو خیر کی تعلیم دیتا ہے۔

۷۔اللہ تعالیٰ جس کے بارے میں خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین میں سمجھ بوجھ عطا فرماتا ہے۔

۸۔علم دین کے حاصل کرنے والے (طالب علم) کیلئے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔علماء وارث انبیاء (علیہم السلام) ہیں۔علماء کے ساتھ آسمانی مخلوق محبت کرتی ہے اور ان کیلئے قیامت تک دریا کی مچھلیاں مغفرت کی دعا کرتی ہیں۔

۹۔عالم کی دو رکعت نماز غیر عالم کی ستر رکعت نماز سے افضل ہے۔

۱۰۔ایک سال کی عبادت جس میں دن کو روزہ اور رات کو نوافل شامل ہوں اس سے عالم کی طرف ایک مرتبہ دیکھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے جیسا کہ منہاج میں آیا ہے۔

۱۱۔جب کوئی عالم وفات پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے علم کو شکل عطا فرماتا ہے جو اس کے ساتھ قیامت تک قبر میں رہتا ہے اور حشرات الارض (کیڑوں مکوڑوں) سے اس کی حفاظت کرتا ہے۔

یہ حدیث دیلمی نے نقل کی ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کے بعد علماء شفاعت کریں گے۔

حضرت عثمان اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ علماء کی عزت کیا کرو کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔جس نے علماء کی عزت کی گویا اس نے خدا اور رسول کی عزت کی۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عالم کی فضیلت غیر عالم پر ایسی ہے جیسے نبی ﷺ کی فضیلت اپنے امتی پر۔

ایک عالم کی فضیلت اور مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہزار شہیدوں سے بہتر ہے۔ایک ساعت (تھوڑی دیر) عالم کے ساتھ بیٹھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہزار سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

جو بھی کسی عالم کے وفات پر رنجیدہ (غمگین) ہو جائے تو اس کے عمل نامے میں ہزار سال اور ہزار شہیدوں کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

رباعی

ای کردہ وجود تو زیک قطرہ منی　　باں تانکنی باعلماء کبر و منی

بشنو کہ چہ گفت مصطفیٰ مدنی　　من اکرم عالما فقد اکرمنی

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عالم اور متعلم (طالب علم) ثواب میں شریک ہیں اور باقی لوگوں میں کوئی خیر نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ اپنے حجرہ مبارکہ سے باہر تشریف لائے اور مسجد میں تشریف آوری کی تو دو جماعتوں کو دیکھا۔ایک گروہ قرآن پڑھ رہا تھا اور دوسرا گروہ تعلیم و تعلم میں مشغول تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ دونوں گروہ خیر پر ہیں جو لوگ

قرآن پڑھ رہے ہیں اور دعا کرتے ہیں تو اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں مانگی ہوئی چیزیں عطا فرمائے گا ورنہ منع فرمائے گا اور دوسرا گروہ جو تعلیم وتعلم میں مشغول ہے تو میں معلم بھیجا گیا ہوں تو ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں علماء کرام کو پانچ مناقب (صفات) سے موصوف فرمایا ہے۔

(۱) ایمان۔ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ۔ اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے۔

(۲) توحید (۳) البکاء (رونا)۔ (۴) خشوع۔ (۵) خوف الٰہی۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ یا تو عالم بنو یا متعلم (طالب علم) بنو یا سامع (سننے والا) یا محبت (خدمت کرنے والا) بنو، پانچواں نہ بنو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ (مخلوق) صرف دو شخص ہیں ایک عالم، دوسرا طالب (شاگرد) باقی لوگ بھڑ ہیں۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب تفسیر کبیر نے بارہ احادیث، ستائیس اخبار، گیارہ آثار علماء کی فضیلت میں نقل کی ہیں۔ الغرض علماء کی فضیلت میں جتنے بھی دلائل منقول ہیں ان تمام کا نقل کرنا یہاں دشوار ہے اس لئے صاحب عقل لوگوں کے لئے اتنا بیان اور فیصلہ کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ (۸)

ان کا صلہ ان کے رب کے پاس بسنے کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی یہ اس کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرے۔

مذکورہ آیت کے ساتھ اگر یہ دوسری آیت پیوست کی جائے تو علماء اور علم کی فضیلت معلوم ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ (۲۸)

اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔

دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ جنت علماء کا حق ہے۔

اس لئے جو لوگ علماء کے ساتھ بغض، حسد، نفرت اور دشمنی رکھتے ہیں یا ان کی غیبت کرتے ہیں یا ان کی توہین کرتے ہیں تو ایسے لوگ دربار الٰہی سے دھتکارے (دور کئے) ہوئے ہیں اور ایسے شخص پر تمام دنیا کے علماء کا فتویٰ اور فیصلہ یہ ہے کہ ایسا شخص کافر اور مرتد ہے اور ایسے لوگوں کے ساتھ قطع تعلق کا حکم دیتے ہیں۔ اس قطع تعلق کا اصول قرآن شریف، احادیث اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے ایسے گستاخان علماء پر غضب خداوندی میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے خواہ دنیاوی عذاب ہو یا اخروی کیونکہ عام مسلمانوں کو گالی گلوچ دینا اور لعن طعن کرنا فسق اور ایمان کے ختم ہونے کا سبب ہے پھر خاص کر علماء کے ساتھ بغض، حسد، نفرت اور دشمنی کرنا تو ان کا حال بدتر ہوگا حالانکہ علماء کا مقام اپنے حقیقی والدین سے بڑھ کر ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ والد (باپ) تین طرح کے ہیں اور ان میں بہترین وہ ہے جو تم کو تعلیم عطا فرمائے۔

جو شخص اپنے حقیقی والد کا حکم نہ مانے وہ عاق اور نافرمان ہے حالانکہ نافرمانی گناہ کبیرہ ہے پھر خاص کر علماء اور اساتذہ کی نافرمانی تو وہ اس سے بڑھ کر ہے۔

عاق کا شرعی حکم:

عاق کا شرعی حکم یہ ہے کہ اس کی منکوحہ کو طلاق ہے، اس کا ذبیحہ حرام، گواہی مردود ہے اس کی اقتداء صحیح نہیں یعنی واجب الاعادہ ہے، عاق کا قول وفعل معتبر نہیں، مالی وجانی عبادت قبول نہیں، واجب القتل اور لازم اہانت ہے۔ سب سے پہلے عاق کو توبہ کی ترغیب دی جائے گی اگر قبول کر کے اپنے استاذ کو راضی کر لیا تو پھر اسلام کی تلقین کر کے نکاح دوبارہ پڑھایا جائے گا اور اگر انکار کیا تو واجب القتل ہے اگر قتل کی طاقت نہ ہو تو قطع تعلق واجب ہے۔

دوسری بات جو عوام الناس میں مشہور ہے کہ آدمی پر استاد کا حق ہوتا ہے نہ کہ مطلق عالم کا تو یہ بات عقل ونقل سے بالکل خلاف ہے اس لئے علامہ قرطبی لکھتے ہیں۔ **ولا یامروا العلماء فان الحجة قد وجبت علیهم۔**

عوام علماء کو حکم نہیں دیں گے کیونکہ ان پر دلیل قائم ہوئی ہے۔

قال سهل بن عبدالله (رحمة الله تعالی علیه) لا یزال الناس بخیر ما عظموا السلطان و العلماء فاذا عظموا هذین اصلح الله دنیاهم و اخراهم و اذا استخفوا بهذین افسد دنیاهم و اخراهم۔

ترجمہ: جب تک لوگ علماء اور بادشاہوں کی تعظیم کریں گے تو ان کو خیر ملے گی اور جب لوگوں نے ان دونوں کی تعظیم کی تو اللہ تعالیٰ ان کی دنیا وآخرت کو سنوارے گا اور اصلاح کرے گا۔ اگر لوگوں نے ان دونوں کی توہین کی تو اللہ تعالیٰ ان کی دنیا وآخرت فاسد فرمائے گا۔

تہتر (۷۳) فرقوں میں تہتروں فرقہ جو ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو علماء کے ساتھ دشمنی کرتا ہے اور فقہاء کو برا جانتے ہیں۔ یہ بے ادب فرقہ سابقہ امتوں میں نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ کے قول "شهد الله" میں علماء کی فضیلت اور شرافت پر دلیل ہے کیونکہ علماء کے علاوہ اگر کوئی دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں فضیلت والا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا نام اپنے نام اور فرشتوں کے ساتھ یکجا فرماتا جیسا کہ علماء کا نام اپنے نام کے ساتھ یکجا کیا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ علماء کرام اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر امناء (امین) ہیں۔ یہ علماء کی عظیم شرافت ہے۔

مذکورہ تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عالم کو عوام پر ایسا حق ہے جیسا کہ استاد کا اپنے شاگرد پر حق ہوتا ہے کیونکہ استاد کے حق کا سبب علم ہے اور یہ سبب وعلت ہر عالم میں موجود ہے اسلئے کتابوں میں لکھا ہے کہ جب عوام پر عالم کا حق، استاد کا شاگرد پر حق کے مترادف ہو تو وہ حق یہ ہے۔

عالم کے حقوق:

۱۔ عالم سے پہلے بات کی ابتداء نہیں کرنی چاہیئے۔

۲۔ عالم کی جگہ پر نہیں بیٹھنا چاہیئے اگرچہ عالم (استاد) غائب ہو۔

۳۔ استاد کی بات کا رد نہیں کرنا چاہیئے۔

۴۔ رفتار میں یعنی راہ چلتے وقت استاد سے پہلے نہیں چلنا چاہیئے۔ اور اس سے بڑھ کر شوہر کا اپنی بیوی پر حق ہے۔

"ومن قال فی جواب الاستاذ "لا" لا یفلح ابداً"

جس نے اپنے استاد کے جواب میں "نہیں" کہا تو ہرگز کامیاب نہ ہوگا۔ یہ اس لئے کہ علماء کا حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بلند مرتبہ عطاء فرمایا ہے اور اس میں استاد اور مطلق عالم برابر ہے ان کے حق میں کوئی فرق نہیں یہ لوگ صاحب حکم وعزت ہیں۔ صاحب درمختار نے "مسائل

شتی''میں لکھا ہے نوجوان عالم کو چاہیئے کہ بوڑھے جاہل سے آگے جائے اگرچہ یہ معمر شخص قریشی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جسے علم عطا فرماتا ہے ان کیلئے بلند درجات ہیں'' درجہ بلند کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اسلئے جو لوگ علماء کا درجہ کم کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ایسے بے ادب کو ذلیل کردے گا اور دوزخ میں داخل کردے گا یہ علماء کرام اصح قول کے مطابق اولوالامر ہیں اور بلاخلاف وارث الانبیاء ہیں۔

طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری مجتہد نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ زندویسی فرماتے ہیں کہ امام خیراخری سے پوچھا گیا کہ عالم کا جاہل پر اور استاد کا شاگرد پر کیا حق ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ یہ دونوں برابر ہیں اور وہ حق یہ ہے کہ علماء کے سامنے باتیں نہیں کریں گے اور عدم موجودگی میں بھی ان کی جگہ پر نہ بیٹھیں گے، رفتار میں ان سے آگے نہ جائیں گے۔ یہ تمام روضہ میں ہیں۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جاہل کیلئے مناسب نہیں کہ عالم کے سامنے باتیں کرے یا ہاتھ سے اشارہ کرے۔ شامی میں لکھا ہے کہ عالم سے آگے جانا گناہ کبیرہ ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے جو شخص عالم سے گفتار یا رفتار میں آگے ہوگا وہ ملعون ہے۔

صاحب بیان القرآن آیت کریمہ ''لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ''کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ علماء نے اس بات پر تصریح کی ہے کہ جو عالم دین کی بزرگی رکھتا ہے تو ان کے ساتھ بھی ان آداب کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں: مندرجہ بالا حقوق کا علماء کیلئے نہ ماننا اور احترام نہ کرنا اعمال صالحہ کے ضائع ہونے کا سبب ہے۔

مولوی عبدالجلیل پشاوری ''سیف المقلدین''ص ۱۳۷ میں ''حموی شرح اشباہ'' میں خلاصہ کے حوالے سے امام خراخری سے نقل کرتے ہیں کہ استاد کا شاگرد پر اور عالم کا جاہل پر حق برابر ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ استاد سے آگے نہ جائے گا اور نہ ہی استاد کی عدم موجودگی میں اس کے مقام پر بیٹھے گا اور نہ ہی اس کی بات کارد کرے گا۔

عالمگیری کی متفرقات میں لکھا ہے کہ نوجوان عالم کو جاہل بوڑھے سے اگرچہ قریشی النسب ہو آگے ہونا چاہیئے۔

استاد کا حق اپنے والدین کے حق سے زیادہ ہے جس شخص نے جس سے بھی کچھ یاد کیا ہو تو ان کے سامنے عاجزی وتواضع کرے گا اگرچہ ایک حرف سیکھا ہو۔ اس سے بڑھ کر شوہر کا بیوی پر حق ہے اس لئے بیوی کو چاہیئے کہ شرعی حکم میں اپنے شوہر کی تابعداری کرے۔

طریقہ محمدیہ میں لکھا ہے کہ عالم کے سامنے زیادہ باتیں نہیں کرے گا۔ پریشانی اور غم کے وقت کچھ نہیں پوچھے گا ان کے اوقات کی رعایت کرے گا بلکہ ان کے نکلنے کا انتظار کرے گا الغرض اپنے استاد کا تمام باتوں میں خیال رکھے گا ان کے ناراض ہونے یا کرنے سے مکمل بچتا رہے گا کیونکہ اس میں شاگرد کے دین و دنیا کا نقصان ہے۔ یہ بھی آیا ہے کہ استاد کے اولاد کی عزت استاد کی عزت ہے تفصیل کیلئے تعلیم المتعلم کا مطالعہ کریں۔

شاہ انور شاہ کشمیری دیوبندی نے بھی یہ بات بہتر جانی ہے کہ اولی الامر سے مراد علماء کرام ہیں۔

امام طحطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''مشکل الآثار'' میں لکھا ہے کہ آیت کریمہ میں ''یستنبطونہ'' کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ اس سے مراد اہل خیر اور اہل علم ہیں اس کے بعد حضرت جابر عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مہران رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل فرمایا ہے کہ اولی الامر سے اہل علم اور اہل فقہ ہیں خواہ امراء ہوں یا نہ ہوں۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد فقہاء وعلماء ومشائخ ہیں کیونکہ یہ وارثانِ انبیاء ہیں اور احکام خداوندی اور احکام نبوی ﷺ کے خازن ہیں۔

ابن جریر، حاکم وغیرہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل فرمایا ہے کہ اس سے مراد اہل فقہ واہل دین ہیں دوسرے الفاظ میں مراد

اہل علم ہیں۔

اسی طرح روایت ابن ابی شیبہ اور حاکم نے حضرت جابر بن عبداللہ سے نقل فرمائی ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔ یہی قول حضرت ابوالعالیہ اور مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی منقول ہے۔

صاحب مدارک فرماتے ہیں کہ امراء سے مراد علماء ہیں کیونکہ علماء کا حکم امراء پر جاری ہوتا ہے۔ فتاویٰ نورالہدیٰ، باب الجماعۃ ص ۳۰۰ ص ۳۵ میں لکھا ساقط ہوجاتا ہے اور اس کا قول معتبر نہیں، مفتی ہونے کی صورت میں اس کے فتوے پر عمل نہ ہوگا۔ کشف الغمہ میں تحفۃ الفقہاء کے حوالے سے خانیہ سے منقول ہے کہ استاد کے نافرمان کی اقتداء میں اتفاقاً نماز جائز نہیں اور ذبح کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ ایسا شخص فی الحال مرتد ہوجاتا ہے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

جس شخص نے بھی اپنے استاد کی بات منع کی وہ نافرمان ہے جنت میں داخل نہ ہوگا اور نہ دوزخ کے عذاب سے نکلے گا۔ دنیا سے بے ایمان نکلے گا اس کی عبادت قبول نہیں۔

علامہ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مشائخ نے فرمایا کہ استاد کے عاق کی توبہ قبول نہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب تذکرۃ البخاری نے جو تقسیم کی ہے صحیح ہے کہ مرتد دو قسم پر ہے جیسا کہ روح اور قشیریہ ص ۱۷۶ میں ہے اگر استاد اپنے شاگرد سے ناراض ہو تو اس مرتد کی عبادت قبول نہیں اگرچہ اس استاد نے ایک حرف قرآن مجید کا یا فقہ کا ایک مسئلہ یا حدیث یا نصیحت یا کلمہ طیبہ کی تعلیم دی ہو۔ اسی طرح شرعۃ میں آیا ہے اور یہ بیان عجیب الاخبار، رسالہ مصافحہ ص ۳۹ مصنف مولوی محمد شاہ میں آیا ہے۔

فتاویٰ کاملیہ میں ائمہ ثلاثہ احناف سے منقول ہے کہ استاد کا نافرمان اور عاق اس کو کہتے ہیں کہ استاد اپنے شاگرد کو امر بالمعروف کرتا ہے یعنی نماز روزہ وغیرہ کا حکم کرتا ہے اور شاگرد انکار کرکے روگردانی کرتا ہے یا راہ شریعت سے ہٹ کر گمراہی اور بدعت یا دیگر غلط رسومات پر گامزن ہوجاتا ہے یا استاذ کی والدہ، ہمشیرہ یا زوجہ کو شہوت کی نظر سے دیکھے یا استاد کی غیبت یا بدزبانی کرے اس وجہ سے انسان عاق اور نافرمان بن جاتا ہے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہوتی اور عدالت میں اس کی گواہی بھی جائز نہیں اس کے علاوہ امور سے عاق نہیں ہوتا۔

فتاویٰ ہمایونی ص ۲۴ ج ۲ میں تفسیرات احمدیہ ص ۱۶۰ کے حوالے سے منقول ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وحی کی کہ اے موسیٰ جس شخص نے اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا اور میری نافرمانی کی میں اس شخص کو تابعداروں میں لکھوں گا اور جس شخص نے میری فرمانبرداری کی اور والدین کے ساتھ حسن سلوک نہ کیا تو میں اس کو عاق یعنی نافرمان لکھوں گا۔ اسی طرح استاد کا اپنے شاگرد پر حق ہے اور شیخ (پیر) کا حکم بھی یہی ہے بلکہ شیخ والد سے افضل اور بہتر ہے اسلئے شیخ کا ادب والد سے بڑھ کر ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جس نے مجھے ایک حرف سکھایا تو وہ میرا آقا ہے فرماتے ہیں کہ شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسا کہ پیغمبر اپنی امت میں۔

جب یہ معلوم ہوا کہ استاد کا حق والدین جیسا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہے تو استاد کی نافرمانی والدین کی نافرمانی سے بھی بڑھ کر ہوئی اور اس میں تو کوئی شک نہیں کہ والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے حضرت امام بخاری اور حضرت امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے حدیث نقل فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانا اور والدین کی نافرمانی ہے۔ الخ۔ جب یہ معلوم ہوا کہ والدین کی نافرمانی گناہ کبیرہ ہے تو جان لو کہ کبیرہ گناہ کرنے والا فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے اسلئے صورت مسئولہ میں دوسرے عالم کو امام بنانا چاہئے فتویٰ اسی طرح دیا گیا ہے۔

مذکورہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ عاق کی امامت صحیح نہیں بلکہ واجب الاعادہ ہے۔

تحذیر الاخوان ص ۷۰ امیں فج عمیق کے حوالے سے منقول ہے کہ عاق کے کافر ہونے پر کافی روایتیں منقول ہیں ۔آخر میں لکھا ہے کہ اسی عاق کا کافر ہونا نوادر اور ذخیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے ۔

اخوان دروزیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی منسوب رسالے میں لکھا ہے کہ پنج کتاب میں ایسی روایت نہیں اور نہ ہی سنا گیا ہے اور نہ ہی ایسا کوئی کہے گا کہ عاق کے پیچھے اقتداء صحیح ہے ۔مسلمان ہے نماز صحیح ہے مگر کتاب میں یہ دیکھا گیا ہے اور کافی علماء سے سنا گیا ہے کہ عاق شخص کی نماز اور توبہ قبول نہیں ہوتی ۔

سوال کیا گیا ایک امی جاہل آدمی کے بارے میں کہ یہ آدمی علمائے کرام اور سادات آل رسول ﷺ کو گالی دیتا ہے اور توہین کرتا ہے دین اسلام کی بھی توہین کرتا ہے باوجود اس کے کہ یہ شریر اور فسادی بھی ہے تو اگر اس شخص پر یہ مذکورہ باتیں ثابت ہو جائیں تو آیا اس شخص کو قتل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: ہاں !قتل کیا جائے گا۔بحر الرائق میں آیا ہے کہ دین اسلام کی توہین کی نیت سے اگر کسی نے عالم دین یا آل رسول ﷺ کو کم تر یعنی ذلیل جانا تو یہ شخص کافر ہے ۔ابن ضیاء نے اپنی کتاب شرح کنز میں لکھا ہے کہ ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی نے علماء کو توہین کی نظر سے دیکھا یا ایسے الفاظ سے اس کا ذکر کیا کہ اس میں عالم کی توہین ہو تو یہ آدمی کافر ہو جاتا ہے اسی طرح تحقیق عمدۃ الاسلام میں بھی ہے ۔صحیح حدیث میں آیا ہے کہ علماء وارث انبیاء ہیں روضۃ العلماء میں ہے کہ بے علم جاہل کیلئے علماء وطلباء کی محفل میں بیٹھنا جائز نہیں اگر بیٹھ گیا تو بادشاہ یا قاضی کو چاہئے کہ منع کرے بلکہ یہ واجب ہے کیونکہ اس میں طلباء وعلماء کی حقارت ہے اگر کوئی شخص محفل میں عالم سے بلند جگہ پر بیٹھا تو اگر توہین کی نیت سے ہو تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اور اگر مسخرہ یا استہزاء کی نیت سے ہو تو پھر اسے تعزیر (سزا) اتفاقاً عند الائمہ۔

اسی طرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ الباری نے شرح فقہ اکبر ص ۲۱۴ میں لکھا ہے علامہ شامی نے شامی میں ج ۳ ص ۳۰۹ میں لکھا ہے ۔

مراد یہ ہے کہ جو بات یا کام توہین پر دلالت کرتا ہے تو اس پر آدمی کافر ہو جاتا ہے اگر چہ اس نے توہین کا ارادہ نہ کیا ہو۔تذکرہ غوثیہ میں لکھا ہے کہ مرتد کی دو قسمیں ہیں ایک دین کا مرتد، دوسرا استاد اور والدین کا مرتد۔مرتد کا ذبح کردہ جانور مردار کی طرح حرام ہے ۔خانیہ میں لکھا ہے کہ عاق اور صلہ رحمی کو قطع کرنے والا جنت کی خوشبو نہیں پائے گا۔

کواشی میں لکھا ہے کہ جس نے بھی علماء میں سے کسی ایک کو گالی دی جماع کے کلمے سے تو اس کی بیوی اس پر طلاق بائنہ کے ساتھ طلاق ہے امام محمد اور دیگر فقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک صدر الشہید نے فتاویٰ بدیع الدین میں لکھا ہے کہ جس نے عالم کی توہین کی تو وہ کافر ہے اور اس کی بیوی طلاق بائنہ کے ساتھ اس پر طلاق ہے ۔الخ۔

علامہ شامی نے رد المحتار ج ۲ ص ۲۰۱ میں لکھا ہے کہ اگر اہل علم کی توہین استہزاء (مسخرہ) کی صورت میں ہو تو اسے تعزیر (سزا) دی جائے گی اور اگر بہ نیت توہین گستاخی کی ہو تو کافر ہو جائے گا کیونکہ علماء کی توہین کفر ہے ۔مختار قول کی بناء پر۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت پر ایسا زمانہ آئے گا کہ لوگ علماء وفقہاء سے بھاگیں گے اللہ تعالیٰ ان کی آزمائش کرے گا پہلے یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کے کاروبار سے برکت ختم فرمائے گا دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان پر ظالم بادشاہ مسلط فرمائے گا۔تیسرا یہ کہ یہ لوگ دنیا سے بے ایمان نکلیں گے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی امان میں رکھے اسی طرح مکاشفۃ الاسرار میں لکھا ہے ۔الخ۔

خلاصہ میں آیا ہے کہ جس نے عالم کے ساتھ بغض رکھا تو اس پر کفر کا خوف ہے میں کہتا ہوں کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ آدمی کافر ہو جاتا ہے اور یہاں تک کہا گیا ہے کہ علماء کی توہین اور بے ادبی انبیاء کی توہین کو مستلزم ہے کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں ۔

فتاوی بلاجی میں ہے کہ امام صدرالشہید فرماتے ہیں کہ جس نے بھی کسی عالم کی توہین کی تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ اگر کسی شخص نے کسی عالم کو اس طرح آواز دی کہ اے بے وقوف! اے ابلہ! اے خنزیر! اے گدھے! تو اس کو تعزیر (سزا) دی جائے گی یہ حکم اس وقت ہے کہ اس نے یہ قول مذاق سے کہا ہو اگر یہ عالم کو یہ کہا کہ تم انسان نہیں تو بھی یہی حکم ہے اور اگر یہ مذکورہ اقوال حقارت اور گستاخی کی نیت سے استعمال کیے تو پھر کافر ہو جائے گا اور جب کافر ہوا تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول کے مطابق کہ جب کوئی شخص کلمہ کفر کہے تو اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی اس وجہ سے کہ یہ توہین ہے اور علم وعلماء کی توہین کفر ہے یہی بات ہے اور اس پر عمل ہوا ہے۔

اسی طرح رسالۃ المصافحۃ ص ۲۱ میں مولوی محبت شاہ نے لکھا ہے اور فصول ص ۳۵۵ میں علماء کی طرف خطا کی نسبت ضلالت اور بدعت ہے۔ مجموعۃ العجائب میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ والدین کے نافرمان کو معافی ہو جائے گی مگر استاد کے نافرمان کو معافی نہیں ہوگی۔ اسی طرح کہا گیا ہے کہ جس نے اپنے استاد کی توہین کی تو اللہ تعالیٰ اس کو تین مصیبتوں میں مبتلا کر دے گا۔ پہلا یہ کہ وہ فقیر یعنی غریب ہو جائے گا دوسرا یہ کہ علم بھول جائے گا۔ تیسرا یہ کہ دنیا سے بے ایمان جائے گا۔ الخ۔

فرمایا کہ جو شخص چار خصلتوں کے بغیر چار چیزوں کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہے۔ ایک جس نے علماء کی محبت کے بغیر آپ ﷺ کی محبت کا دعویٰ کیا تو وہ جھوٹا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب میری امت پر ایسا وقت آئے گا کہ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا اسلام صرف نقش اور قرآن کا صرف درس رہ جائے گا ان لوگوں کا مقصد صرف ان کا پیٹ ہوگا ان کا دین روپیہ ہوگا نہ تو یہ لوگ تھوڑی چیز پر قناعت کریں گے اور نہ ہی زیادہ پر سیر ہوں گے۔ سود اور زنا کریں گے علماء کرام سے ایسے بھاگیں گے جیسے بھیڑ اور بکری شیر سے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو تین مصیبتوں میں مبتلا فرمائے گا ایک یہ کہ ان کے مالوں میں برکت ختم ہو جائے گی ان پر ظالم بادشاہ مسلط ہو جائے گا اور یہ کہ دنیا سے بے ایمان ہو کر جائے گا۔ (انتھی)

زاد اللبیب فی سفر الحبیب ص ۱۳۰ منسوب الی الاشباہ میں لکھا ہے کہ عالم کی ذلت حرام ہے۔ تذکرہ الابرار والاشرار ص ۲۹۱ میں مجموعہ نادرات کے حوالے سے لکھا ہے کہ جو بھی عالم کو خوار اور ذلیل جانے گا تو یہ کفر ہے اور یہ شخص کافر ہو جائے گا۔

امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب طبقات الشعرانیہ کے آخر میں لکھا ہے کہ ابوالحسن شاذلی رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ جس شخص کا یہ حال ہو کہ وہ علماء اور بزرگوں کو برا بھلا کہتا ہے اور ظالموں کے ساتھ دوستی کرتا ہے تو سب سے ایمان گیا اور اس کے ظاہری علم وعبادت پر دھوکہ مت کھاؤ کہ یہ ظاہری ڈھانچے ہیں اس میں روح نہیں ہے کیونکہ اسلام عبارت ہے اللہ تعالیٰ اور اس رسول ﷺ اور علماء کی محبت سے۔

بزازیہ میں لکھا ہے کہ نوجوان عالم دین معمر (بڑے) غیر عالم پر مقدم ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو بلند فرماتا ہے اور علماء کے درجات بلند فرماتا ہے جب بلند فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ دو وجوہات کی بناء پر درجے بلند فرماتا ہے ایک درجہ علم کا ہے تو جو شخص دینی علماء کی توہین کرتا ہے تو اللہ اس شخص کو دوزخ میں ذلیل کرے گا۔

عالم غیر عالم قریشی النسب پر مقدم ہوگا اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر مقدم ہیں اگرچہ داماد نسب میں ان دونوں سے مقدم ہیں۔

زندویسی فرماتے ہیں کہ عالم کا حق غیر عالم پر اور استاد کا حق شاگرد پر برابر ہے اور وہ یہ ہے کہ عالم کے سامنے بات میں پہل نہیں کرے گا اور نہ اس کی جگہ پر بیٹھے گا اگرچہ وہ غائب ہو عالم کی بات کا رد نہیں کرے گا نہ اس سے رفتار میں آگے ہوگا اور شوہر کا حق اپنی بیوی اس سے بھی بڑھ کر ہے۔

مولوی عبدالحیی مجموعۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۴۹ میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: اگر گالی دینے والا کا مقصد علماء کی حقارت وتوہین علم دین کی حیثیت سے ہو تو فقہاء اس شخص پر کافر کا حکم لگاتے ہیں ورنہ ایسے شخص کے فسق وفجور اور غضب خداوندی کے مستحق ہونے میں اور دونوں جہانوں

کے عذاب کے حقدار ہونے میں کسی کو شک نہیں کیونکہ مطلق مسلمان کو گالی دینا فسق ہے۔ پھر علماء کو گالی دینا تو بدرجۂ اولیٰ فسق ہے علامہ نورالدین سمہودی نے اپنے رسالہ جواہر العقدین فی فضل الشرفین میں لکھا ہے اور اس کا ترجمہ امام نووی نے مقدمہ شرح مہذب میں لکھا ہے کہ جو شخص فقہاء کو ضرر و نقصان پہنچاتا ہے یا ان کی توہین کرتا ہے تو میں انتہائی سختی اور سخت وعید کی وجہ سے اسے یہ ترغیب دیتا ہوں کہ علماء و فقراء کا احترام کریں اس کے بعد یہ قول خداوندی نقل فرمایا۔ ترجمہ: جس نے اللہ تعالیٰ کے نشانات دین کا عزت و احترام کیا تو یہ دل کا تقویٰ ہے اور جو شخص حرمات یعنی محترم اشیاء کی تعظیم کرتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہتر ہے دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص مومن مرد و عورت کو بغیر کسی وجہ کے نقصان پہنچاتا ہے تو یقیناً اس نے بہتان لگایا اور ظاہری گناہ کیا۔

میں کہتا ہوں کہ دونوں مذکورہ آیتوں میں دلیل کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ علماء دین اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے ہیں کیونکہ شعائر اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے دین کی نشانیاں ہیں اور یہ علماء اللہ تعالیٰ کی محترم اشیاء میں سے ہیں اور تیسری آیت میں وجہ دلالت تو یہ ہے کہ جب یہ وعید ثابت ہوئی کہ جو شخص بھی مومنوں پر الزام لگاتا ہے تو خاص لوگوں (علماء) پر تہمت لگانے کا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کی توہین صرف منافق لوگ کرتے ہیں ایک یہ اسلام میں سفید داڑھی والا بوڑھا دوسرا اہل علم اور تیسرا عادل بادشاہ۔

حافظ ابوالقاسم بن عساکر نے فرمایا ہے کہ اے برادر! علماء کو ملامت کرنے میں زہر ملا ہوا ہے جو شخص علماء کی پردہ پوشی کے بجائے عیب جوئی کرتا ہے تو اس کے بارے میں عادت الٰہی معلوم ہوا اور جو اپنی زبان سے علماء کی توہین کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے موت سے پہلے پہلے دل کے مردہ ہونے میں مبتلا فرماتا ہے۔

تعلیمات القسطاس علی النبر اس ص ۳۶۱ میں ذکر ہے کہ اولیاء کا گوشت زہر آلود ہے علماء کے ساتھ جو بغض و عناد رکھتے ہیں تو ان کے دین کی ہلاکت کا سبب معلوم ہے جس نے علماء کے ساتھ بغض رکھا تو وہ نصرانی ہوا اور بے دین ہو کر مرا جنہوں نے علماء کی گستاخی پر زبان کھولی تو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دل کو مردہ فرمائے گا۔

شاہ انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں کہ امام سبکی فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ علماء کے گوشت زہر آلود ہوتے ہیں جو بھی اسے کھائے گا مریض ہوگا یا مر جائے گا اگرچہ چند دن زندہ ہو۔

حمادیہ میں علمائے کرام پر عیب لگانے والے کے بارے میں لکھا ہے کہ جب یہ مذکورہ تحریر سے ثابت ہوا کہ علماء کرام کا نافرمان کافر بلکہ مرتد ہے تو اس کی بیوی بھی اس پر طلاق ہوگئی اس لئے جب یہ دوبارہ اسلام لائے گا تو نکاح بھی دوبارہ کرے گا مگر یہ اس شرط پر کہ اس کی بیوی راضی ہو ورنہ اس کی بیوی پر ظلم و جبر نہیں کیا جائے گا ایسے شخص کا مذبوحہ شکار حرام ہے گواہی مردود اور میراث سے محروم ہے فوراً نکاح فسخ ہے۔ قاضی کے حکم کی حاجت نہیں دوبارہ اسلام لانے کے بعد حج کرے گا نماز و روزہ کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ کلمہ کفر کے بعد وطی کے ذریعے جو بچہ پیدا ہوا وہ ولد الزنا ہے۔ گستاخی کے بعد صرف کلمہ پڑھنا کافی نہیں جب تک اپنی گستاخانہ باتوں سے رجوع نہ کرلے۔

جب یہ ثابت ہوا کہ نافرمان مرتد ہوتا ہے تو یہ سخت ترین کفر ہے۔

علامہ بدرالدین نے لکھا ہے کہ چار قسم کے انسانوں پر زمین اور درندے کسی قسم کی زیادتی نہیں کرتے۔ ایک انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام دوسرے علماء کرام تیسرے شہداء اور چوتھے مؤذن۔

معلوم ہوا کہ زمین اور درندے تو ایسے علماء و صلحاء پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کرتے اور پھر بھی بے وقوف جاہل عوام مسلمان علماء کے بارے میں

زیادتی اورگستاخی کرنے میں جرأت مند ہوگئے ہیں ان کے حال پرافسوس صدافسوس ہے کہ انہوں نے اپنے دین و دینا کو تباہ کر دیا اور پھر بھی یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم لوگ یہ بہت اچھا کام کرتے ہیں اور حق بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو شعور عطا فرمائے کہ وہ اولیاء وعلماء کے بارے میں اپنی زبانوں کو بند رکھیں ایسے گستاخ لوگ واجب القتل اور لازم الاہانت ہیں جو شخص بھی ایسے گستاخ لوگوں کے ساتھ قطع تعلق نہیں کرتا بلکہ ان کے ساتھ نشست و برخاست کھانا پینا خلط مخالطت میل جول کرتے ہیں اگرچہ ان کے رشتہ دار ہوں والدین یا اولاد ہو پھر بھی ان کے ساتھ گناہ میں برابر کے شریک ہیں۔

مجالس الابرار ص ۵۳۱ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک دوسرے کے ساتھ نیکی اور تقویٰ میں مدد کرو اور اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی نے اپنے مسلمان بھائی کو غلط اور ناجائز کام کرتے دیکھا اور اسے منع نہ کیا تو اس شخص نے اس کے ساتھ ناجائز کام میں مدد یعنی تعاون کیا کیونکہ اس نے اس آدمی کے ناجائز میں کوئی دخل اندازی نہیں کی۔

تذکرۃ الابرار ص ۵۲ میں لکھا ہے کہ ناجائز کام سے منع نہ کرنا گناہ کبیرہ ہے اور دوستی رکھنا تو بدرجہ اولیٰ گناہ ہے۔

حدیقۃ الندیہ ص ۱۶۶ ج ۲ میں اس شخص پر کفر کا حکم لگایا گیا ہے جو دوسرے کو غلط و ناجائز کام سے منع نہ کرے ایسے گستاخ لوگوں کے بارے میں احکم الحاکمین اللہ تعالیٰ نے خود فیصلہ فرمایا ہے۔ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا۔ اور ظالموں کی طرف نہ جھکو۔

یعنی ان کے ساتھ دوستی نہ رکھو ورنہ تمہیں آگ پہنچے گی یعنی تم ان کے ساتھ بالکل مائل نہ ہو۔ رکون تھوڑے میلان کو کہتے ہیں۔ فتمسکم النار۔ ورنہ تمہیں آگ پہنچے گی۔

ظالموں لوگوں کی طرف میلان سے منع کرنا یہ ہے کہ ان کی خواہشات کی مائل ہونا یا ان کے ساتھ شامل ہونا دوستی رکھنا اٹھنا بیٹھنا ملاقات کرنا ان کا خیال رکھنا اور رضا کرنا ان کے اعمال کی مشابہت کرنا ان کے طور طریقے اس کے رسول ﷺ کے مقابلے میں دوسرے لوگوں کے ساتھ قطع تعلق رکھے گا۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر یہ شخص اپنے ایمان میں مخلص نہیں۔

معنی یہ ہوا کہ آیت میں مذکورہ حضرات کی طرف میلان کرنا محبت کا تقاضا ہے ان تمام باتوں کے باوجود دین اسلام کی وجہ سے یہ میلان ترک کیا گیا ہے جیسا کہ سلف وصالحین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اس پر گامزن تھے کیونکہ سلف وصالحین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے ان لوگوں کے ساتھ دوستی وتعلق نہیں رکھا ہے جو اللہ اور اس کے حبیب ﷺ کے مخالف تھے۔

تفسیر السراج المنیر ج ۴ ص ۲۳۶ میں سورۃ مجادلۃ کے تحت رقم طراز ہے: یقیناً مجھے معلوم ہے کہ عاق ہونا اور نافرمانی کرنا گناہ کبیرہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے شعائر اللہ (دین کی نشانیوں) کی بے حرمتی اور بے عزتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی بے ادبی (بے عزتی) ہے پس جس نے بھی ایسے شخص سے دوستی رکھی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ دشمنی رکھتا ہے یا خلفاء راشدین کا مخالف ہو تو یقیناً اس نے زیادتی اور ظلم کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض شدہ حکم کی مخالفت کی وہ حکم اختیار کرنا، ان کی ترقی اور کامیابی کو دیکھنا، تعظیم وتکریم سے ان کو یاد کرنا ان سب کو میلان شامل ہے اور یہ سب صورتیں منع ہیں۔ آپ خود اندازہ لگائیں کہ اللہ تعالیٰ کے قول "ولا ترکنوا" میں رکون سے مراد تھوڑا سا مائل ہونے کو کہتے ہیں یہ حکم اس شخص کا ہے جو ظلم کی طرف مائل ہو جائے تو پھر کا ظالم کا حال تو بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا۔

تفسیر سراج المنیر ج ۲ ص ۸۰ میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: تم ایسی قوم نہیں پاؤ گے جن کا اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان ہو اور پھر بھی یہ لوگ ایسے لوگوں سے دوستی رکھیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے مخالف ہیں (یعنی نافرمان لوگوں کے ساتھ ظاہر و باطن میں دوستی نہیں رکھتے) اگرچہ یہ ان کے آباؤ اجداد ہوں یعنی ان کے حق دار ہوں جن کی اپنی اولاد پر من جانب اللہ تابعداری لازم کی گئی ہے۔) یا ان کی اولاد ہوں

(یعنی وہ اولاد جوان کی محبت اور شفقت کی جگہ ہے) یاان کے بھائی ہوں (یعنی وہ لوگ جوان کیلئے بمنزلہ ہاتھ و پاؤں کے ہیں) یاان کے رشتہ دار ہوں (یعنی وہ لوگ ہوں جوان کے معاونین و مددگار ہوں)

آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور خداوندی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم لوگ ظالم لوگوں اور دشمنان خدا اور دشمنان رسول اللہ ﷺ کی طرف مائل نہ ہوگے۔ ایسا آدمی خود بھی گمراہ ہوا اور دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔ پس ان لوگوں کو ڈرنا چاہیئے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی مخالفت کرتے ہیں کہ ان کو فتنہ یا دردناک عذاب پہنچے اور یقیناً احکام خداوندی کی مخالفت کی وجہ سے ہمیں ذلت، غربت اور تنگدستی پہنچی۔ یہ سب تکالیف و مصائب ہماری بدعملی کا نتیجہ ہے جس کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے کیا ہے پس ہم اپنی نفسانی شرارتوں، بداعمالی اور عبادت میں سستی اور مخالفت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

پس آپ لوگ سوچ وفکر کیجئے تو آپ کو ہماری راست گوئی معلوم ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ حق فرماتا ہے اور حق راستے کی ہدایت فرماتا ہے۔ خلاصۃ التفاسیر میں سورۃ مجادلہ ج ۳ ص ۳۵۶ میں لکھا ہے کہ مذکورہ آیت کی تفسیر میں منافق اور مومنوں کی خالص علامات کے ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ خالص مومن اللہ تعالیٰ اور رسول پاک ﷺ کے دشمنوں کے ساتھ دوستی نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب ﷺ کی محبت ان کے دلوں میں ایسی سما جاتی ہے کہ اس کے بعد والدین، اولاد وغیرہ کسی کا وجود بھی باقی نہیں رہتا بلکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست ہوتے ہیں وہ ان کا دوست ہوتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا دشمن ہوتا ہے وہ ان کا دشمن ہوتا ہے۔ ایسے لوگ اللہ والے ہیں اور یہی لوگ دنیا میں نصرت خداوندی اور آخرت میں جنت کی نعمتوں اور دیدار خداوندی کے ذریعے کامیابی حاصل کرتے ہیں۔

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ کسی قسم کی بھی رعایت، حسن سلوک اور اچھائی نہیں کرنی چاہیئے اور نہ ان کے ساتھ تعلق رکھنا چاہیئے، نہ ان کی مجلس، نکاح خوانی، جنازہ وغیرہ میں شرکت کرنی چاہیئے اور یہ وہی عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے محبت اور اللہ تعالیٰ کیلئے بغض ہے اور یہ سب مسلمانوں پر فرض ہے پھر خاص کر علماء امت پر تو لازم ہے اور یہ ان کی ذمہ داری ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے اگر کوئی ناجائز کام دیکھے تو اس کو ہاتھ سے منع کرے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرے۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں برا جانے اور یہ کمزور ایمان ہے۔

دوسری روایت میں ہے کہ اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر بھی ایماں باقی نہیں۔ طریقہ محمدیہ ص ۱۶۳ ج ۲ میں ہے کہ یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ منع کرنے کا طریقہ اسی ترتیب پر ہوگا اور یہ سب لوگوں پر واجب ہے اور یہ اکثر علماء کا قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

شرح المشارق میں اس حدیث کے ذیل میں ہے کہ بدعتی کو بدعت سے منع کرنا، مارنا، قید کرنا یہ بادشاہ وقت کی ذمہ داری ہے۔ زبان سے زجر و توبیخ اور منع کرنا اسلام کے قاضیوں کا کام ہے (فرض ہے) اور نرمی کے ساتھ دین کی طرف مائل کرنا اور دین اسلام پر لوگوں کو برابر کرنا یہ کام دیگر علماء اور اسلام کے کمزور لوگوں کی ذمہ داری ہے اگر زبان سے منع کرنے پر دشمنی اور ہلاکت کا اندیشہ ہو تو پھر اس وقت دل میں دشمنی رکھنا کمزور ایمان کی نشانی ہے۔

اسی طرح تحذیر الاخوان ص ۴۱، تذکرۃ الابرار ص ۵۹ اور طریقہ محمدیہ ج ۲ ص ۱۶۶ میں ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ماقبل امتوں میں ہر نبی کیلئے ان کے حواری تھے اور اصحاب تھے جو ان (انبیاء علیہم السلام) کی سنت پر عمل کرتے تھے اور ان کا حکم مانتے تھے۔ پھر انبیاء علیہم السلام کے بعد انہوں نے اختلاف پیدا کیا وہ ایسی باتیں کرتے تھے جس پر خود عمل نہیں کرتے تھے تو جنہوں نے ایسے لوگوں سے ہاتھ کے ذریعے جہاد کیا تو وہ مومن ہے اور جس نے زبان کے ذریعے جہاد کیا وہ مومن ہے اور جس

نے ان سے زبان کے ذریعے جہاد کیا تو وہ بھی مومن ہے اس کے بعد رائی کے دانے کے برابر ایمان نہیں۔الخ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ گناہ قبیحہ (کبیرہ) کو دل یا آنکھوں سے گناہ کبیرہ کی حیثیت سے نہ دیکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آدمی اس کو حلال جانتا ہے اور حرمت سے انکار کرتا ہے اور یہ کفر ہے اور کفر ایمان کے خلاف (تضاد) ہے۔

طریقہ محمدیہ میں اس حدیث کے بعد دوسری حدیث میں ہے۔اس حدیث شریف نے اس بات پر دلالت کی کہ صرف گناہ سے منع کرنا خلاصی کیلئے کافی نہیں بلکہ اگر ایسے لوگ گناہ سے منع نہ ہوئے تو ان کے ساتھ بغض، غضب اور قطع تعلق کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں۔

اس کتاب کے حاشیہ پر لکھا ہے قولہ خلط کرنا یعنی ان لوگوں کے ساتھ بلا حاجت شرعی نشست و برخاست جائز نہیں۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ بائیکاٹ کرنا اور قطع تعلق کرنا یہ سب لوگوں پر اسلام کے فرائض و واجبات میں سے ہے صرف دعویٰ کے ذریعے گناہ سے نہیں بچ سکتا بلکہ عمل کی ضرورت ہے اور خاص کر علمائے کرام اپنے علم پر بلا عمل دھوکہ نہ کھائیں کیونکہ یہ شیطانی وسوسہ ہے۔

مجالس الابرار ص ۵۶۶ میں ہے کہ پرہیز گار لوگ شیطان سے کہتے ہیں کہ مجھے وہ باتیں یاد دلاتا رہے جو علم کے فضائل میں ہیں اور وہ باتیں یاد نہ کرانا جو بے عمل علماء کے بارے میں ہے کیونکہ جس نے علم کی بہتری کی خبر دی ہے تو اس نے علماء سُو کے عذاب کی بھی خبر دی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس شخص کی مثال جس نے توراۃ سیکھی (پڑھی) اور عمل نہ کیا اس کی مثال اس گدھے کی ہے کہ جس پر کتابوں کا انبار رکھا (لادا) ہو۔

دوسری آیت میں ہے کہ ایسے عالم کی مثال کتے کی ہے اس سے بڑھ کر رسوائی نہیں کہ ان کی تشبیہ گدھے اور کتے سے دی گئی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ اس عالم کو ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس کے علم پر فائدہ نہ دیا ہو۔اس لئے اہل علم و اہل اصلاح کو اس بات سے ڈرنا چاہیئے کہ مفسدین کو یہ لوگ منع کیوں نہیں کرتے کیونکہ اس کے ذریعے انسان ہلاک ہوتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو حکم دیا کہ فلاں شہر برباد کر و ان لوگوں کو ہلاک کرو تو اس فرشتے نے عرض کی کہ اس شہر میں تو تیرا وہ فرمانبردار بھی ہے کہ اس نے ایک لمحہ بھی تیری نافرمانی نہیں کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کو بھی ہلاک کر دو کیونکہ اس کا چہرہ ناجائز کام کے خلاف بدلا تک نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کے تمام لوگوں کو ہلاک کیا۔اس گاؤں (شہر) میں تقریباً اٹھارہ ہزار (۱۸۰۰۰) افراد ایسے تھے جن کا عمل انتہائی اچھا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا یہ کیسے؟ یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کیلئے نہ غصہ ہوئے اور نہ ہی نیکی کا حکم کیا اور نہ ہی برائی سے روکا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آیا اس شہر کو ہلاک کیا جاسکتا ہے جس میں نیک لوگ ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا (ہاں) پوچھا کس وجہ سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ احکام خداوندی کی مخالفت میں ان کی سستی اور خاموش رہنے کی وجہ سے۔یعنی یہ لوگ مخالفین کو منع نہیں کرتے۔

تفسیر روح البیان میں وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا۔ کے تحت لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو وحی کی کہ میں تمہاری قوم میں سے چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) نیک لوگوں کو ہلاک کرنے والا ہوں اور ساٹھ ہزار بداعمال کو تباہ کرنے والا ہوں تو آپ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے میرے رب! تو ان نیک لوگوں کو کیوں ہلاک کرنے والا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ میرے غصے کی وجہ سے غصہ نہ ہوئے بلکہ ان کے ساتھ کھاتے پیتے تھے۔

مجالس الابرارص ۴۰۰ میں ہے کہ کفاراس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اپنے زمانے کے کفار کے ساتھ موافقت کی اور کہتے تھے کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اس طریقے پر پایا اور ہم ان کے نقش قدم کی اقتداء کرتے ہیں۔

پس احتیاط کرو۔ اگر تم اپنے زمانے کے لوگوں کو دیکھتے ہو اور ان کو جو پہلے گزرے ہیں کیونکہ اگر تم زمین میں اکثر لوگوں کی اقتداء کرو گے اور ان کی بات مانو گے تو وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے گمراہ کر دیں گے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں گمراہی سے بچائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ”وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ “اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا ان سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا اور نہ چھپانا تو انہوں نے اسے اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے ذلیل دام حاصل کئے تو کتنی بری خریداری ہے۔ (ال عمران ۱۸۷)

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ علماء پر حق بیان کرنا واجب ہے کہ عوام کو بیان کر دیں اور چھپائیں نہیں کیونکہ اس میں ایک بری بات (مقصد) ہے وہ یہ کہ ظالموں پر آسانی ہے اور ان کے نفس کو خوش کرنا ہے یا روپیہ قیمت کی غرض ہے یا ضرر دفع کرنا ہے یا غرض یہ کہ علم پر بخل کرنا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے علم چھپایا تو اس کو قیامت کے دن آگ کے لگام ڈالے جائیں گے اس پر تفسیر مدارک میں تصریح کی گئی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علمائے کرام سے وعدہ لیا ہے کہ یہ لوگ بے علم (جاہلوں) کو علم سکھائیں گے اور جاہلوں (بے علم) سے وعدہ لیا ہے کہ یہ لوگ علم حاصل کریں گے۔ تفسیر بیضاوی میں اس پر تصریح کی گئی ہے۔

اس عالم کی مذمت آیات قرآنیہ سے جو حق چھپاتا ہے اور دنیا کو ترجیح دیتا ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى (طه ۱۲۴)

اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو بیشک اس کے لئے تنگ زندگانی ہے اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا (۱۶) وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَى (۱۷) إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى (۱۸) صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى (الاعلیٰ ۱۹)

بلکہ تم جیتی دنیا کو ترجیح دیتے ہو اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی بے شک یہ اگلے صحیفوں میں ہے ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ (۲۰) وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ (۲۱ الانفال)

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور سن سنا کر اسے نہ پھرو اور ان جیسے نہ ہو نا جنہوں نے کہا ہم نے سنا اور وہ نہیں سنتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (البقرة ۲۸۱)

اور ڈرو اس دن سے جس میں اللہ کی طرف پھرو گے اور ہر جان کو اس کی کمائی پوری بھر دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

الغرض اللہ تعالیٰ کے حرمات (احکام) کی بے حرمتی اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ تعلق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے۔

افسوس صد افسوس کہ دنیا کی وجہ سے علماء کرام حق چھپاتے ہیں۔اسی طرح بدعمل اور ظالم لوگوں کے خوف سے یا اپنے پرائے قوم ونسب کی ناراضگی کی وجہ سے، یا تحفہ تحائف کے فوت (ختم) ہونے کی وجہ سے، اسی طرح مرتبہ، بڑائی کے ختم کے ہونے کی وجہ سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں کرتے اور اپنے آپ کو اس قول نبوی (ﷺ) کا مصداق بناتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حق سے خاموش عالم گونگا شیطان ہے۔

اور یہ اس بات کو نہیں سمجھتا کہ بدعتیوں اور مفسدین کی جماعت کو زیادہ کرنا سخت منع ہے۔علماء کرام نے نہی عن المنکر چھوڑا حالانکہ یہ اہل علم پر واجب ہے اس کے علاوہ وہ لوگ جو علم وزہد میں مشہور ہیں ان پر واجب ہے کہ یہ لوگ وہاں حاضر نہ ہوں جہاں منکرات کا مشاہدہ ہوتا ہو کیونکہ اگر یہ علماء اس مقام پر جمع ہو جائیں اور خلاف شریعت کام پر انکار نہ کریں تو عوام کو یہ مغالطہ ہوگا کہ یہ کام جائز ہے۔

پس ضروری ہے کہ ظالموں، فاسدوں اور خاص کر مرتد اور نافرمان لوگوں ساتھ قولاً وفعلاً بغض کا اظہار کرنا چاہیئے جیسا کہ یہ بعینہ مجالس الابرار ص ۸۸ میں آیا ہے بلکہ اس مجلس کے ص ۵۴۱ میں لکھا ہے کہ سلف صالحین کا اس پر اجماع ہے کہ ظالم اور بدعتی لوگوں کے ساتھ بغض ودشمنی کا اظہار کرنا ضروری ہے اور ہر اس شخص کے ساتھ بھی بغض رکھنا ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ایسے متعدی گناہ کے ذریعے کرتا ہے کہ اس کا اثر دوسرے شخص کو پہنچتا ہے اور جو لوگ ایسا لازم گناہ کرتے ہیں جس کا ضرر صرف اس کی ذات کی حد تک ہے تو اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے بعض علماء نے اس کی طرف نظر رحمت سے دیکھا ہے، اور اس سے اعراض نہیں کیا اور بعض علماء نے اس کا سخت انکار کیا ہے اور ایسے شخص سے الگ ہونا بہتر بتایا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ۔ (مجادلة ۲۲)

تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو لوگ گناہ اور ناجائز کام کرتے ہیں تو ان کا چھوڑنا واجب ہے اگرچہ اس کا نسبی کیوں نہ ہو اور ایسے شخص کا چھوڑنا زجر وتوبیخ اور آداب کیلئے ہوتا ہے اور یہ تعزیر کی طرح ہے اور اس طرح لوگوں کو نظر رحمت سے دیکھنا تو اس سے سستی پیدا ہوتی ہے کیونکہ گناہ کی مدد میں سب سے بڑی وجہ سستی اور دلوں کی پاسداری ہے۔اس وجہ سے کہا گیا کہ اس بدعتی کو منع کرنا یعنی اس پر انکار کرنا جو بدعات کی دعوت دیتا ہے یہ کافر سے سخت ترین ہے کیونکہ کافر کا شر (نقصان) متعدی نہیں اور بدعتی کا شر متعدی ہے کیونکہ مبتدع اپنے اعتقاد کی دعوت دیتا ہے اور لوگوں کو اس طرف بلاتا ہے۔

یہاں تک کہ اس مسئلہ میں کافی تفصیل موجود ہے اس لیے کہا گیا ہے کہ مسلمان پر لازم ہے کہ جب کسی کو دیکھے کہ اہل ہوا اور بدعتی کو کچھ دیتا ہے یا بعض سنت کی توہین کرتا ہے تو اس کو چھوڑ دے یعنی الگ ہو جائے اور ان سے بیزاری اختیار کرو اور زندہ ومردہ ان کو اپنے حال پر چھوڑ دو اگر ان سے ملاقات ہو جائے تو ان پر سلام نہ ڈالو اور نہ سلام کا جواب دو جب تک کہ وہ بدعت وگمراہی کو چھوڑ کر حق کی طرف رجوع نہ کرلیں۔

اگر وفات ہو جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت نہ کرو اور توبہ تک اس سے قطع تعلق رکھو کیونکہ صحابہ کرام تابعین تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور علماء اہلسنت (کثرھم اللہ تعالیٰ) نے اس پر اجماع واتفاق کیا ہے کہ اہل بدعت کے ساتھ دشمنی کرنا اور کنارہ کشی اختیار کرنا چاہیئے اور ان کے ساتھ دوستی کے متعلق اور ترہیب کے بارے میں سلف صالحین کے اقوال تفصیل سے بیان کئے جا چکے ہیں ہیں یہاں تک کہا ہے ہے کہ جس کا فعل اور عمل گناہ

کا ہو اور عقیدہ صحیح ہو اور آپ اس کے ساتھ کسی برائی کے وقت ملاقات کریں تو اس کو برائی سے منع کرنا واجب ہے اگر چہ مار پیٹ یا قتل کے ساتھ ہو جبکہ طاقت ہو کیونکہ ناجائز کام سے منع کرنا واجب ہے اور اس کا وجوب صرف حاکم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر شخص پر اپنی قدرت اور طاقت کے مطابق منع کرنا واجب ہے خواہ آزاد ہو یا غلام مرد ہو یا عورت۔

میں کہتا ہوں ہو کہ ان تمام دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص زنا کار ہو یعنی دوسرے شخص کی بیوی کو اپنے ساتھ بند رکھے اور اس کے ساتھ شوہر کی طرح ناجائز معاملہ کرتا ہو تو اس کا قتل کرنا واجب ہے اور اس کا گھر جلایا جائے گا سلام اور کلام نہیں کرنا چاہئے۔اس کو چھوڑ کر اس سے ہر وقت بیزاری واجب ہے اس سے بالکل قطع تعلق ہونا چاہیے۔

مجالس الابرار میں ہے کہ شراب نوشی کی حرمت کے بعد اور حدیث شریف کے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے ہے کہ ہر اس شخص کے گھر کو جلانا جائز ہے جو اہل سنت و جماعت سے مخالف ہو۔

جب یہ معلوم ہوا کہ سنت مؤکدہ کے ترک کی وجہ سے اس کا گھر جلانا جائز ہے ہے تو آپ کا کیا خیال ہے کہ جو فرائض و واجبات چھوڑتا ہے اور یقینا حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے شراب خور کا گھر جلایا ہے۔

زاد اللبیب فی سفر الحبیب صفحہ ۵۷ میں لکھا ہے جب کسی مردہ یعنی میت کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ یہ اہل ہوا، بدعتی فاسق و فاجر تھا تو اس پر جنازہ پڑھنا مکروہ ہے۔

حضرت سفیان ثوری اور ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے دین کے بارے میں تہمت زدہ آدمی پر جنازہ مکروہ بتایا تھا۔زجر و توبیخ اور آداب سکھانے کی وجہ سے اور ان کے اعمال کی توہین کی وجہ سے۔

شیخ ابو بکر وراق رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ میں یہ اچھا نہیں جانتا کہ ائمہ دین میں کوئی امام بدعتی کی نماز جنازہ میں حاضر ہو جائے۔اسی طرح جو شخص دین کے معاملے منظور الیہ یعنی معتبر ہو اس کو اس کو مبتدع کے جنازہ میں جانا مکروہ ہے کیونکہ اس وجہ سے گمراہ لوگ گمراہی میں اور ترقی کرتے ہیں۔منتہیٰ۔

جواہر النفیس صفحہ ۹۰ میں ہے کہ تحفہ خانی میں لکھا ہے کہ ہر عالم اور بزرگ کو مبتدع کی نماز جنازہ میں حاضر ہونا مکروہ ہے جو بدعت وفسق میں مشہور ہو۔

خلاصہ یہ کہ استاد کی نافرمانی اور امت مرحوم کے علماء کی نافرمانی گناہ کبیرہ اور سخت فسق ہے اس لئے علماء کو بالکل جازت نہیں کہ ایسے شخص کے جنازے،نکاح اور دعوت وغیرہ میں حاضر ہو یا ان سے تعلق رکھے۔جب کسی عالم کو یہ معلوم ہو کہ پھر ان دلائل کے باوجود روگردانی کرتا ہے تو ایسے دین فروش اور دنیا کے کتے کو اللہ تعالی سمجھائے ہمارے ذمہ صرف پہنچانا تھا سو وہ ہم نے پہنچا دیا۔

یہ وہ حق ہے کہ اس میں باطل نہیں آسکتا نہ آگے سے،نہ پیچھے سے یہ حکیم حمید ذات کی طرف سے منزل ہے اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں کہ اس کو قرآن کی آیتوں سے نصیحت کی جائے اور وہ اعراض کرے۔ہم کے بعد صرف گمراہی ہے ان مومنوں کو خوشخبری سناؤ جو باتیں سن کر حق بات کی تابعداری کرتے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ماننا تسلیم کرنا یہ اسلام کا کام ہے اور انکار کفر ہے۔اللہ تعالی کی طرف سیدھا راستہ ہے اور اس میں کچھ ٹیڑھے راستے بھی ہیں اگر اللہ تعالی چاہتا تو سب کو ہدایت نصیب فرماتا۔وماتوفیقی الا باللہ۔

(۱۱۳){باب نمبر ایک سو تیرہ مخلوقِ خدا میں سے کسی کو مشکل کشا، حاجت روا، ھادی کہنے کے بیان میں}

سوال : کیا مخلوقِ خدا میں سے کسی کو مشکل کشا، حاجت روا، ھادی کہہ سکتے ہیں؟ اور کیا یہ کفر و شرک نہیں ہے؟

الجواب بعون الغفار بحرمة سید الابرار! ہاں کہہ سکتے ہیں اور کفر و شرک نہیں ہے۔ جو کوئی بھی ایسے کہنے والوں کو کافر و مشرک کہے یا وہ اپنے اکابر کو کافر اور مشرک کہتے ہیں کہ جو ان لوگوں کے فتوے سے ان کے بڑے کافر و مشرک ہیں۔ اور اگر ان کے اکابر کافر اور مشرک نہیں ہیں تو یہ کہنے والے خود کافر و مشرک ضرور ہیں! اگر یہ کہنے والے لوگ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور اپنے اکابرین کو اپنے دل میں کافر تصوّر کرتے ہیں اور ظاہر میں ان کو کافر اور مشرک نہیں کہتے۔ تو کوئی کافر اور مشرک کہہ دے اس پر یہ کہنے والا آدمی کافر و مشرک اور منافق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سے پھر بھی یہ لوگ کافر، مشرک خود بخود ہیں کیونکہ جس طرح مسلمان کو بلا دلیل کوئی کافر و مشرک اور منافق کہہ دے اس پر کہنے والا خود کافر و مشرک اور منافق ہوتا ہے۔ اسی طرح جو کافر، مشرک، منافق کو کوئی مشرک، کافر، منافق نہیں کہتا تو وہ خود کافر، مشرک، منافق، بے دین اور بے ایمان جہنّمی ہے۔

اب دلائل دیکھ لیجئے :

۱) سلسلہ قادریہ مجددیہ مع شجرہ نقشبندیہ و چشتیہ و صابریہ امدادیہ شائع کردہ خادم سلسلہ صوفی نظام الدین خانقاہ غفوریہ، رحیمیہ دیوبندیہ میں صفحہ ۳۸ پر ہے :

دور کر دے دل سے حجابِ جہل و غفلت میری اب!
کھول دے دل میں درِ علمِ حقیقت میرے ربّ
ہادی عالم علی (رضی اللہ عنہ) مشکل کشا کے واسطے

۲) مولوی اشرف علی تھانوی کتاب تعلیم الدین میں صفحہ ۱۷۱ پر تحریر کرتے ہیں :

دور کر دے دل سے حجابِ جہل و غفلت میری اب!
کھول دے دل میں درِ علمِ حقیقت میرے ربّ
ہادی عالم علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مشکل کشا کے واسطے

۳) سلاسل طیبہ صدر مدرسین دیوبند حسین احمد مدنی تحریر کرتے ہیں :

دور کر دے دل سے حجابِ جہل و غفلت میری اب!
کھول دے دل میں درِ علمِ حقیقت میرے ربّ
ہادی عالم علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مشکل کشا کے واسطے

۴) ''تذکرہ حسن'' میں صفحہ ۱۴ پر مولوی مفتی محمد حسن دیوبندی تحریر کرتے ہیں:

دور کر دے دل سے حجابِ جہل و غفلت میری اب!
کھول دے دل میں درِ علمِ حقیقت میرے ربّ
ہادی عالم علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مشکل کشا کے واسطے

۵) ''تفسیر البخاری'' تصنیف بادشاہ گل دیوبندی اکوڑہ خٹک صفحہ ۵۳ میں ہے کہ:

دور کردے دل سے حجابِ جہل وغفلت میری اب!
ہادی عالم علی (رضی اللہ عنہ) مشکل کشا کے واسطے

۶)امدادیہ کلیات میں حاجی امداد اللہ صاحب شیخ العرب والعجم اکابر علمائے دیوبند کے پیر ومرشد بھی تحریر کرتے ہیں :

اے رسولِ کبریا ﷺ فریاد ہے
یا محمدؐ مصطفی ﷺ فریاد ے
آپ ﷺ کی الفت میں میرا دل
حال یہ ابتر ہوا فریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوا آج کل
اے میرے مشکل کشا فریاد ہے[1]

فیوضاتِ حسینی المعروف بہ تحفہ ابراہیمی (صفحہ ۳۲۳) میں مولوی حسین علی جو کہ بہت سے اکابرین علمائے دیوبند کے پیر ومرشد ہیں، ان کے متعلق غلام اللہ خان نے لکھا ہے کہ حضرت حسین علی ہمارا ایک شفیق باپ اور ایک بہت مہربان مربی بھی تھے!

فیوضات حسینی صفحہ ۱۹ میں ہے کہ حسین علی رشید احمد گنگوہی کے شاگرد بھی تھے اور ان کے مرید بھی اور خود مولوی غلام اللہ خان، ملّا طاہر پنج پیر، مولوی نصیف الدین غزغشتوی، مولوی عبداللہ درخواستی، مولوی سرفراز خان وغیرہ بہت علمائے دیوبند کے پیر ومرشد تھے۔ اور اسی حسین علی اور اس کے شاگرد اور مرید غلام اللہ خان صاحب نے تحریر کیا ہے:

الٰہی بحرمت حضرت خواجہ مشکل کشا، سید الاولیاء سند الاتقیاء، زبدۃ الفقہاء، رأس العلماء، رئیس الفضلاء، مظہر فیض الرحمن پیر دستگیر حضرت مولانا محمد عثمان صاحب، پھر تحریر فرماتے ہیں:

''ایں رسالہ است در احوال جناب خواجہ مشکل کشا، سید الاولیاء مظہر فیض الرحمن پیر دستگیر حضرت مولانا محمدؐ عثمان صاحب (ص ۲۸ سے ص ۲۹ تک دیکھو)

ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرت العلوم (گوجرانوالہ) مہتمم مولوی سرفراز احمد صاحب گکھڑوی دیوبندی، مولوی رشید احمد گنگوہی نے ''امداد السّلوک'' میں تحریر کیا ہے کہ :

''جب مرید کو کوئی مشکل پیش آتی ہے اور مرید اس سے نجات پانے کا حاجت مند ہوتا ہے تو وہ اپنے شیخ کامل کی طرف توجہ کرتا ہے تو فوراً وہ مشکل بعونہ تعالیٰ حل ہو جاتی ہے۔[2]

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''شمائل امدادیہ'' میں تحریر کرتے ہیں کہ :

ابراہیم رشیدی صاحب نے فرمایا کہ ایک بار مجھے ایک مشکل پیش آئی اور حل نہ ہوتی تھی۔ میں نے حطیم میں کھڑے ہو کر کہا کہ تم لوگ تین سو ساٹھ یا کم یا زیادہ اولیاء کے یہاں رہتے ہو اور تم سے کسی غریب کی مشکل حل نہیں ہوتی تو پھر تم کس مرض کی دوا ہو۔ یہ کہ کر میں نے نماز نفل پڑھنی

---

[1] (بحوالہ : تفسیر البخاری بادشاہ گل دیوبندی اکوڑہ خٹک، صفحہ ۴۷)
[2] (امداد السلوک، صفحہ ۹۳)

شروع کر دی۔میرے نماز شروع کرتے ہی ایک آدمی کالا سا آیا۔اور وہ بھی نماز میں مصروف ہوگیا۔اس کے آنے سے مشکل فوراً حل ہوگئی۔[1]

مولوی اشرف علی تھانوی کتاب ''امداد الشتاق'' میں تحریر کرتے ہیں:

تم ہوا ے نور محمد خاص محبوب خدا
ہند میں ہو نائب حضرت محمد مصطفی
تم مدد گارِ مدد امداد کو پھر خوف کیا
عشق کی پرسن کے باتیں کانپتے ہیں دست و پا
اے شہ نور محمد وقت ہے امداد کا
اے شہ نور محمد وقت ہے امداد کا
اے شہ نور محمد وقت ہے امداد کا

حضرت شاہ نور محمد صاحب دیوبندی کا ایک جولاہا مرید تھا بعد انتقال حضرت کے مزار شریف پر عرض کیا :

''حضرت میں بہت ہی پریشان ہوں اور روٹیوں کو محتاج ہوں کچھ دستگیری فرمائیے''۔حکم ہوا:

''تم کو ہمارے مزارِ اقدس سے دو آنے یا آدھا آنا روز ملا کرے گا!''[2]

مولوی محمود الحسن شیخ الہند نے اپنے پیر و مرشد شیخ رشید احمد گنگوہی کے موت کے بعد رشید احمد کی شان میں ایک مرثیہ تحریر کیا ہے۔جس میں انتہائی بڑے بڑے القاب وخطابات ہیں۔صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں :

''نظر سے ہو کے غائب دل میں تو چھپ کے بیٹھے ہیں''

اور پھر صفحہ ۱۷ پر لکھتے ہیں :

حوائج دین و دنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب
گیا وہ قبلہ حاجاتِ روحانی و جسمانی

اور صفحہ ۸ پر لکھتے ہیں کہ :

خدا ان کی مربی، وہ مربی تھے خلائق کے
میرے مولیٰ میرے ہادی تھے بیشک شیخ ربانی

اور صفحہ ۸ پر تحریر کرتے ہیں :

جدھر کو آپ مائل تھے ادھر ہی حق بھی دائر تھا
میرے قبلہ میرے کعبہ تھے حقانی سے حقانی

اور پھر صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں :

ہدایت جس نے ڈھونڈی دوسری جگہ ہوا گمراہ

---

[1] (شمائل امدادیہ ص ۸۶،۸۷)

[2] (امداد المشاق،ص ۱۱۷،اشرف علی تھانوی)

وہ میزاب ہدیت تھے کہیں نصِّ قرآنی

اور پھر صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں :

پھریں تھے کعبہ میں بھی پوچھتے گنگوہ کا رستہ
جو رکھتے تھے اپنے سینے میں ذوقِ عرفانی

اور پھر صفحہ ۱۱ پر تحریر کرتے ہیں:

رہے منہ آپ کی جانب تو بعد ظاہری کیا ہے
ہمارے قبلہ و کعبہ ہو تم دینی و ایمانی

اور پھر صفحہ ۱۱ پر ہی لکھتے ہیں:

شہید و صالح و صدّیق ہیں حضرت باذن اللہ
حیات شیخ کا منکر ہو جو ہے اس کی نادانی

اور پھر صفحہ ۱۱ پر تحریر کرتے ہیں:

چھپائے جامۂ فانوس کیونکر شمع روشن کو
تھی اس نورِ مجسم کے کفن میں ہو یہ عریانی
بحق مقتدائے مقتدایاں!
حسن بصری امام پیشوایاں!
بحق شیف یزدان شاہ مرداں

قاسم نانوتوی بحوالہ ''اشہاب الثاقب''، حسین احمد صدر مدرسین دیوبند صفحہ ۵۶ اور ۵۷ میں رشید احمد گنگوہی کے اشعار اس کے تصنیف ''امداد السلوک''، صفحہ ۳۴ سے نقل کرتے ہیں:

بہر امداد رب نور حضرت ابدالرحیم
عبد باری عبد باری عصر دین مکّی ولی

اور پھر صفحہ ۵۷ شہاب الثاقب میں اشرف علی تھانوی نے بھی تحریر کیا ہے۔

بہشتی زیور میں منقول حدیث میں ہے :

''تحقیق اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں جن کو اس نے خاص کیا ہے لوگوں کی حاجتوں کو پورا کرنے کے لئے یاس اور مضطر ہوتے ہیں۔ ان کی طرف لوگ اپنی حاجتوں میں یعنی جو لوگ مجبور ہو کر ان کے پاس جاتے ہیں۔ اور حق جل شانہ نے ان حضرات کو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے منتخب فرمالیا ہے۔ یہ لوگ حاجتوں کے پورا کرنے والے، امن پانے والے ہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے!''[1]

''واللہ تعالیٰ ورسولہ ﷺ اعلم بالصواب''

---

[1] (بہشتی زیور جلد ۱، حصہ ۳، صفحہ ۱۰۳، ۱۰۴)

(۱۱۴){باب نمبر ایک سو چودہ شیخ کی خدمت میں تحفہ پیش کرنے کے بیان میں}

جب گھر سے کسی شیخ کی زیارت کیلئے نکلے اور راستہ میں کچھ فتوحات میسر آئیں تو سب اس شیخ کی خدمت میں پیش کرے، ورنہ شرکت سے تو کسی حال میں محروم نہ کرے۔ اکابر و شیوخ کی خدمت میں کبھی خالی ہاتھ نہ جائے، کوئی چیز بطور ہدیہ ضرور ساتھ لے خواہ وہ پھول یا سبزہ ہی کیوں نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من زار کریما صفر الیدین رجع مصفرّ الخدین۔

ترجمہ: جس نے کسی کریم سے خالی ہاتھ ملاقات کی وہ زرد رو ہو کر لوٹا۔،،

درویش بھی زائر کو کچھ نہ کچھ تبرک ضرور دے چاہے ایک گھونٹ پانی ہی ہو۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: **من زار حیا ولم یذق منه شیئاً فکانما زار میتاً۔**

ترجمہ: جس نے کسی زندہ سے ملاقات کی اور اس کے ہاں کچھ نہ چکھا تو گویا کسی مردے سے ملاقات کی۔،،

اس سلسلہ میں ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک طالب طریقت کسی عزیز (درویش) کی ملاقات کیلئے روانہ ہوا اس کے پاس پیش کرنے کیلئے کوئی تحفہ موجود نہیں تھا اس نے ایک ڈھیلا ہاتھ میں لے لیا وہاں پہنچ کر وہی ڈھیلا پیش کر دیا۔ اتفاق سے وہی ڈھیلا ان درویش کے کام آیا۔ جب ملاقات کرنے والا درویش کی خدمت میں پہنچے اور اسکو کسی کام میں مشغول پائے جیسے دیوار اٹھانا اور جھاڑو دینا وغیرہ (کہ مشائخ نے ہمیشہ یہ کام کیے ہیں) تو زائر کو چاہیئے کہ اس کام میں اس کا ہاتھ بٹائے، جب کوئی شخص جمعہ، چہارشنبہ یا مہینے کی پہلی تاریخ کو از قسم ماکولات و اجناس کچھ پیش کرے تو فوراً قبول کرلے اور کھانے کی چیزوں کو فوراً کھالے، اسلئے کہ وہ لوگ جو کچھ پیش کرتے ہیں اس کے ساتھ ایک غیبی نعمت موجود ہوتی ہے جو اثر کرتی ہے۔

از دست دوست ہر چہ ستانی شکر دہد۔،، ترجمہ: دوست کے ہاتھ سے جو کچھ ملتا ہے میٹھا ہوتا ہے۔

اگر فتوح کرنے والا خود موجود ہو تو یہ دعائیہ کلمات کہے: **جزاک اللہ خیراً و تقبل اللہ منک۔**

اور اگر موجود نہ ہو تو اس طرح کہے: **جزاہ اللہ خیرا و تقبل اللہ منه۔**

درویش اگر جامہ یا جائے نماز (مصلی) پیش کرے تو اللہ کے شکر میں دوگانہ ادا کرے، اور فتوح میں جو کچھ ملا ہے وہ اپنے شیخ کی حضور میں لے کر حاضر ہو۔ درویش جب کسی کی ملاقات کیلئے روانہ ہونے لگے تو خادم اس کے روانہ ہونے سے پہلے اس بزرگ کو مطلع کر دے کہ فلاں آپ سے ملنے کیلئے آرہے ہیں تاکہ عدم ملاقات کا حجاب درمیان سے دور ہو جائے۔[1]

اس مسئلے پر مزید میرے صاحبزادے احقر العباد فقیر سید عبدالحق شاہ نے مکمل ایک رسالہ لکھا ہے جو کہ معروف ہے بنام (**اسعاف المرام فی اعطاء الھدیۃ للعلماء الکرام و المشائخ العظام**) جسے آپ یہاں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ذَلِكَ خَيْرٌ لَكُمْ وَأَطْهَرُ فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (المجادلة ۱۲)

أبو العباس أحمد بن محمد بن المهدي بن عجيبة الحسني الأنجري الفاسي الصوفي (المتوفى 1224 :هـ) اس آیت کے تحت

---

[1] (لطائف اشرفی حصہ اول ص ۶۸۲)

لکھتے ہیں۔

اے ایمان والو جب تم رسول سے کوئی بات آہستہ عرض کرنا چاہو تو اپنی عرض سے پہلے کچھ صدقہ دے لو یہ تمہارے لئے بہتر اور بہت ستھرا ہے پھر اگر تمہیں مقدور نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

الإشارة :إذا أردتم مناجاة المشايخ في زيارتكم، فقدّموا بين يدي نجواكم صدقة، تُدفع للشيخ، أو لأهل داره، فإنها مفتاح لفيض المواهب، مثالها كالدلو، لا يمكن رفع الماء إلاّ به،[1]

محمد بن اسماعیل ابوعبداللہ البخاری الجعفی لکھتے ہیں۔

2574- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا:أَنَّ النَّاسَ كَانُوا يَتَحَرَّوْنَ بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ، يَبْتَغُونَ بِهَا -أَوْ يَبْتَغُونَ بِذَلِكَ- مَرْضَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اَبومحمد محمود بن اَحمد بن موسیٰ بن اَحمد بن حسین الغیتابی الحنفی بدرالدین العینی (المتوفی 855 :ھ)

اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

وَفِي هَذَا الحَدِيث :جَوَاز تحري الْهَدَايَة ابْتِغَاء مرضاة المهدى إِلَيْهِ.[2]

علی بن (سلطان) محمد، اَبوالحسن نورالدین الملا الہروی القاری (المتوفی 1014 :ھ) لکھتے ہیں۔

وَفِي الْحَدِيثِ :حَرَزُوا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ أَيْ :تَعَهَّدُوا طَلَبَهَا فِيهَا. اهـ. وَالْمَعْنَى يَطْلُبُونَ زِيَادَةَ الثَّوَابِ (بِهَدَايَاهُمْ يَوْمَ عَائِشَةَ) ، أَيْ فِي الْيَوْمِ الَّذِي هُوَ نَوْبَةُ عَائِشَةَ، وَالنَّبِيُّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - عِنْدَهَا (يَبْتَغُونَ) ، أَيْ :يَطْلُبُونَ (بِذَلِكَ) ، أَيْ : بِإِرْسَالِ هَدَايَاهُمْ إِلَيْهِ فِي يَوْمِهَا (مَرْضَاةَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) .أَيْ زِيَادَةَ رِضَاهُ لِمَزِيدِ مَحَبَّتِهِ لَهَا۔[3]

محمد بن علي بن آدم بن موسى الإثيوبي الوَلَّوِي اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

(كانُوا يَتَحَرَّوْنَ بَهدَايَاهُمْ يَومَ عَائِشَةَ) لما يرون من حبّ النبيّ - صلى الله عليه وسلم - إياها أكثر من حبّه غيرها، ففي رواية البخاريّ :"وكان الناس قد علموا احبّ رسول اللَّه - صلى اللَّه عليه وسلم - عائشة، فإذا كانت عند أحدهم هديّةٌ يُريد أن يُهديها إلى رسول اللَّه - صلى اللَّه عليه وسلم - أخّرها، حتى إذا كان رسول اللَّه - صلى اللَّه عليه وسلم - في بيت عائشة بعث صاحب الهديّة إلى رسول اللَّه - صلى اللَّه عليه وسلم - في بيت عائشة (رضى الله عنها)۔[4]

محمد بن عیسی بن سَورۃ بن موسیٰ بن الضحاک، الترمذی، اَبوعیسی (المتوفی 279 :ھ) لکھتے ہیں۔

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَبُولِ الهَدِيَّةِ وَإِجَابَةِ الدَّعْوَةِ۔

1338- حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بَزِيعٍ قَالَ :حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ المُفَضَّلِ قَالَ :حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ، وَلَوْ دُعِيتُ عَلَيْهِ لَأَجَبْتُ وَفِي البَابِ عَنْ عَلِيٍّ، وَعَائِشَةَ، وَالمُغِيرَةِ بْنِ

---

[1] (البحر المديد في تفسير القرآن المجيد) (البحر المديد في تفسير القرآن المجيد)

[2] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج ۱۳ ص ۱۳۳)

[3] (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ج ۹ ص ۳۹۱)

[4] (شرح سنن النسائي المسمى ذخيرة العقبى في شرح المجتبى ج ۲۸ ص ۲۰۳)

شُعْبَةَ، وَسَلْمَانَ، وَمُعَاوِيَةَ بْنِ حَيْدَةَ، وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَلْقَمَةَ :[ص616:] حَدِيثُ أَنَسٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔[1]

محمد بن عیسی بن سَورۃ بن موسی بن الضحاک، الترمذی، اَبوعیسی (المتوفی 279 :ھ) لکھتے ہیں

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَبُولِ الهَدِيَّةِ وَالمُكَافَأَةِ عَلَيْهَا۔

1953- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَكْثَمَ، وَعَلِيُّ بْنُ خَشْرَمٍ، قَالَا :حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْبَلُ الهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا وَفِي البَابِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَنَسٍ، وَابْنِ عُمَرَ، وَجَابِرٍ :هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الوَجْهِ لَا نَعْرِفُهُ مَرْفُوعًا إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عِيسَى بْنِ يُونُسَ عَنْ هِشَامٍ۔[2]

محمد بن عیسی بن سَورۃ بن موسی بن الضحاک، الترمذی، اَبوعیسی (المتوفی 279 :ھ) لکھتے ہیں۔

بَابٌ فِي حَثِّ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى التَّهَادِي۔

حَدَّثَنَا أَزْهَرُ بْنُ مَرْوَانَ البَصْرِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَوَاءٍ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو مَعْشَرٍ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :تَهَادَوْا فَإِنَّ الهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ، وَلَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ شِقَّ فِرْسِنِ شَاةٍ :هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنْ هَذَا الوَجْهِ وَأَبُو مَعْشَرٍ اسْمُهُ نَجِيحٌ مَوْلَى بَنِي هَاشِمٍ وَقَدْ تَكَلَّمَ فِيهِ بَعْضُ أَهْلِ العِلْمِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ۔[3]

محمد بن عیسی بن سَورۃ بن موسی بن الضحاک، الترمذی، اَبوعیسی (المتوفی 279 :ھ) لکھتے ہیں۔

الْهَدِيَّةُ لِمَنْ عَرَّسَ۔

أَخْبَرَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ :حَدَّثَنَا جَعْفَرٌ وَهُوَ ابْنُ سُلَيْمَانَ، عَنِ الْجَعْدِ أَبِي عُثْمَانَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :تَزَوَّجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَخَلَ بِأَهْلِهِ، قَالَ :وَصَنَعَتْ أُمِّي أُمُّ سُلَيْمٍ حَيْسًا، قَالَ :فَذَهَبْتُ بِهِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ :إِنَّ أُمِّي تُقْرِئُكَ السَّلَامَ، وَتَقُولُ لَكَ إِنَّ هَذَا لَكَ مِنَّا قَلِيلٌ، قَالَ:ضَعْهُ، ثُمَّ قَالَ :اذْهَبْ فَادْعُ فُلَانًا وَفُلَانًا وَمَنْ لَقِيتَ وَسَمَّى رِجَالًا، فَدَعَوْتُ مَنْ سَمَّى وَمَنْ لَقِيتُهُ، -قُلْتُ لِأَنَسٍ :عِدَّةُ كَمْ كَانُوا؟ قَالَ :يَعْنِي زُهَاءَ ثَلَاثَ مِائَةٍ- فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لِيَتَحَلَّقْ عَشَرَةٌ عَشَرَةٌ، فَلْيَأْكُلْ كُلُّ إِنْسَانٍ مِمَّا يَلِيهِ فَأَكَلُوا حَتَّى شَبِعُوا، فَخَرَجَتْ طَائِفَةٌ وَدَخَلَتْ طَائِفَةٌ، قَالَ لِي :يَا أَنَسُ، ارْفَعْ فَرَفَعْتُ، فَمَا أَدْرِي حِينَ رَفَعْتُ كَانَ أَكْثَرَ أَمْ حِينَ وَضَعْتُ۔[4]

معمر بن اَبی عمرو راشد الآزدی مولاہم، اَبوعروۃ البصری، نزیل الیمن (المتوفی 153 :ھ) لکھتے ہیں۔

بَابُ الْهَدِيَّةِ۔

أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنِ الْحَسَنِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لَوْ أُهْدِيَتْ لِي كُرَاعٌ لَقَبِلْتُهَا، وَلَوْ دُعِيتُ عَلَيْهَا لَأَجَبْتُ۔أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:لَا تَحْقِرَنَّ امْرَأَةٌ

---

[1] (سنن الترمذي ج ۳ ص ۶۱۵)

[2] (سنن الترمذی ج ۴ ص ۳۳۸)

[3] (سنن الترمذي ج ۴ ص ۴۴۱)

[4] (سنن الترمذي ج ۶ ص ۱۳۶)

لِجَارَتِهَا، وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ، قَالَ زَيْدٌ :الظِّلْفُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ امْرَأَةً تَخْرُجُ مِنْ عِنْدِ عَائِشَةَ، وَمَعَهَا شَيْءٌ تَحْمِلُهُ، فَقَالَ لَهَا:مَا هَذَا؟ قَالَتْ :أَهْدَيْتُهُ لِعَائِشَةَ فَأَبَتْ أَنْ تَقْبَلَهُ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَائِشَةَ حِينَ دَخَلَ عَلَيْهَا:هَلَّا قَبِلْتِيهِ مِنْهَا قَالَتْ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّهَا مُحْتَاجَةٌ، وَهِيَ كَانَتْ أَخْوَجَ إِلَيْهِ مِنِّي، قَالَ :فَهَلَّا قَبِلْتِيهِ مِنْهَا، وأعطَيْتِيهَا خَيْرًا مِنْهُ.[1]

بَابُ هَدِيَّةِ الْأَعْرَابِ۔

أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ كَانَ اسْمُهُ زَاهِرُ بْنُ حَرَامٍ أَوْ حِزَامٍ، وَكَانَ يُهْدِي لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْهَدِيَّةَ مِنَ الْبَادِيَةِ، فَيُجَهِّزُهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّ زَاهِرًا بَادِينَا وَنَحْنُ حَاضِرُوهُ، قَالَ :وَكَانَ يُحِبُّهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ رَجُلًا دَمِيمًا، فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا وَهُوَ يَبِيعُ مَتَاعَهُ، فَاحْتَضَنَهُ مِنْ خَلْفِهِ، وَهُوَ لَا يُبْصِرُهُ فَقَالَ :أَرْسِلْنِي، مَنْ هَذَا؟ فَالْتَفَتَ فَعَرَفَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَعَلَ لَا يَأْلُو مَا أَلْصَقَ ظَهْرَهُ بِصَدْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ عَرَفَهُ، وَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:مَنْ يَشْتَرِي الْعَبْدَ؟ فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ، إِذًا وَاللهِ تَجِدُنِي كَاسِدًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَكِنْ عِنْدَ اللهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ، -أَوْ قَالَ :-لَكِنْ عِنْدَ اللهِ أَنْتَ غَالٍ.[2]

ابو داود سلیمان بن داود بن الجارود الطیالسی البصری (المتوفی ۲۰۴ھ) لکھتے ہیں۔

حَدَّثَنَا يُونُسُ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ الْحَنَّاطُ، قَالَ :حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ هَانِئِ بْنِ عُرْوَةَ بْنِ قَعَاصٍ، عَنْ أَبِي حُذَيْفَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عَلْقَمَةَ أَبِي عَلْقَمَةَ الثَّقَفِيِّ، أَنَّ وَفْدَ ثَقِيفٍ قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَهْدَوْا إِلَيْهِ هَدِيَّةً فَقَالَ : أَصَدَقَةٌ أَمْ هَدِيَّةٌ؟ فَإِنَّ الصَّدَقَةَ يُبْتَغَى بِهَا وَجْهُ اللهِ وَإِنَّ الْهَدِيَّةَ يُبْتَغَى بِهَا وَجْهُ الرَّسُولِ وَقَضَاءُ الْحَاجَةِ فَسَأَلُوهُ فَمَازَالُوا يَسْأَلُونَهُ حَتَّى مَا صَلَّوُا الظُّهْرَ إِلَّا مَعَ الْعَصْرِ۔[3]

ابو داود سلیمان بن داود بن الجارود الطیالسی البصری (المتوفی ۲۰۴ :ھ) لکھتے ہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو مَعْشَرٍ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :هَادُوا، فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَغَرَ الصَّدْرِ، لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ نِصْفَ فِرْسِنِ شَاةٍ۔[4]

ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری الیمانی الصنعانی (المتوفی ۲۱۱ :ھ) لکھتے ہیں۔

عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ رَجُلٍ، مِنْ بَعْضِ أَصْحَابِهِ قَالَ :دَخَلَ قَوْمٌ عَلَى سَلْمَانَ وَهُوَ أَمِيرٌ بِالْمَدَائِنِ وَهُوَ يَعْمَلُ هَذَا الْخُوصَ، فَقِيلَ لَهُ : أَتَعْمَلُ هَذَا وَأَنْتَ أَمِيرٌ؟ وَهُوَ يُجْرِي عَلَيْكَ رِزْقٌ قَالَ :إِنِّي أُحِبُّ أَنْ آكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِي، وَسَأُخْبِرُكُمْ كَيْفَ تَعَلَّمْتُ هَذَا، إِنِّي كُنْتُ

---

[1] (الجامع (منشور کملحق بمصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۴۴۹)

[2] (الجامع (منشور کملحق بمصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۴۵۴)(صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان ج ۱۳ ص ۱۰۶)(الأحادیث المختارة أو المستخرج من الأحادیث المختارة ج ۵ ص ۱۸۶)(المسند الموضوعي الجامع للکتب العشرة ج ۳ ص ۱)

[3] (مسند أبي داود الطیالسي ج ۲ ص ۱۷۶)

[4] (مسند أبي داود الطیالسي ج ۴ ص ۹۵)

فِي أَهْلِي بِرَامِهُرْمُزَ، وَكُنْتُ أَخْتَلِفُ إِلَى مُعَلِّمِي الْكِتَابِ وَكَانَ فِي الطَّرِيقِ رَاهِبٌ فَكُنْتُ إِذَا مَرَرْتُ جَلَسْتُ عِنْدَهُ، فَكَانَ يُخْبِرُنِي مِنْ خَبَرِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَنَحْوًا مِنْ ذَلِكَ حَتَّى اشْتَغَلْتُ عَنْ كِتَابَتِي وَلَزِمْتُهُ، فَأَخْبَرَ أَهْلِي الْمُعَلِّمَ، وَقَالَ :إِنَّ هَذَا الرَّاهِبَ قَدْ أَفْسَدَ ابْنَكُمْ قَالَ :فَأَخْرِجُوهُ، فَاسْتَخْفَيْتُ مِنْهُمْ قَالَ :فَخَرَجْتُ مَعَهُ حَتَّى جِئْنَا الْمَوْصِلَ، فَوَجَدْنَا بِهَا أَرْبَعِينَ رَاهِبًا فَكَانَ بِهِمْ مِنَ التَّعْظِيمِ لِلرَّاهِبِ الَّذِي جِئْتُ مَعَهُ شَيْءٌ عَظِيمٌ، فَكُنْتُ مَعَهُمْ أَشْهُرًا، فَمَرِضْتُ فَقَالَ رَاهِبٌ مِنْهُمْ :إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ، فَأُصَلِّي فِيهِ فَفَرِحْتُ بِذَلِكَ، فَقُلْتُ :أَنَا مَعَكَ قَالَ :فَخَرَجْنَا قَالَ :فَمَا رَأَيْتُ أَحَدًا كَانَ أَصْبَرَ عَلَى مَشْيٍ مِنْهُ، كَانَ يَمْشِي فَإِذَا رَآنِي أَعْيَيْتُ قَالَ :ارْقُدْ، وَقَامَ يُصَلِّي، فَكَانَ كَذَلِكَ لَمْ يُطْعَمْ يَوْمًا حَتَّى جِئْنَا بَيْتَ الْمَقْدِسِ، فَلَمَّا قَدِمْنَاهَا رَقَدَ، وَقَالَ لِي :إِذَا رَأَيْتَ الظِّلَّ هَاهُنَا، فَأَيْقِظْنِي، فَلَمَّا بَلَغَ الظِّلُّ ذَلِكَ الْمَكَانَ، أَرَدْتُ أَنْ أُوقِظَهُ ثُمَّ قُلْتُ :شَهْرٌ وَلَمْ يَرْقُدْ وَاللَّهِ لَأَدَعَنَّهُ قَلِيلًا، فَتَرَكْتُهُ سَاعَةً فَاسْتَيْقَظَ فَرَأَى الظِّلَّ قَدْ جَازَ ذَلِكَ الْمَكَانَ، فَقَالَ :أَلَمْ أَقُلْ لَكَ أَنْ تُوقِظَنِي؟ قُلْتُ :قَدْ كُنْتَ لَمْ تَنَمْ فَأَحْبَبْتُ أَنْ أَدَعَكَ أَنْ تَنَامَ قَلِيلًا قَالَ :إِنِّي لَا أَحَبُّ أَنْ يَأْتِيَ عَلَيَّ سَاعَةٌ إِلَّا وَأَنَا ذَاكِرٌ اللَّهَ تَعَالَى فِيهَا قَالَ :ثُمَّ دَخَلْنَا بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَإِذَا سَائِلٌ مَقْعَدٌ يُسْأَلُ، فَسَأَلَهُ، فَلَا أَدْرِي مَا قَالَ لَهُ، فَقَالَ لَهُ الْمُقْعَدُ :دَخَلْتَ وَلَمْ تُعْطِنِي شَيْئًا، وَخَرَجْتَ وَلَمْ تُعْطِنِي شَيْئًا قَالَ :هَلْ تُحِبُّ أَنْ تَقُومَ؟ قَالَ :فَدَعَا لَهُ فَقَامَ، فَجَعَلْتُ أَتَعَجَّبُ وَأَتْبَعُهُ، فَسَهَوْتُ، فَذَهَبَ الرَّاهِبُ ثُمَّ خَرَجْتُ أَتْبَعُهُ أَسْأَلُ عَنْهُ فَرَأَيْتُ رَكْبًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَسَأَلْتُهُمْ عَنْهُ، فَقُلْتُ : أَرَأَيْتُمْ رَجُلَ كَذَا وَكَذَا؟ فَقَالُوا :هَذَا عَبْدٌ آبِقٌ، فَأَخَذُونِي فَأَرْدَفُونِي خَلْفَ رَجُلٍ مِنْهُمْ، حَتَّى قَدِمُوا بِيَ الْمَدِينَةَ فَجَعَلُونِي فِي حَائِطٍ لَهُمْ، فَكُنْتُ أَعْمَلُ هَذَا الْخُوصَ، فَمِنْ ثَمَّ تَعَلَّمْتُهَا قَالَ :وَكَانَ الرَّاهِبُ قَالَ :إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى لَمْ يُعْطِ الْعَرَبَ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ أَحَدًا، وَإِنَّهُ سَيَخْرُجُ مِنْهُمْ نَبِيٌّ، فَإِنْ أَدْرَكْتَهُ، فَصَدِّقْهُ، وَآمِنْ بِهِ، وَإِنَّ آيَتَهُ أَنْ يَقْبَلَ الْهَدِيَّةَ، وَلَا يَأْكُلُ الصَّدَقَةَ، وَإِنَّ فِي ظَهْرِهِ خَاتَمَ النُّبُوَّةِ قَالَ : فَمَكَثْتُ مَا مَكَثْتُ، ثُمَّ قَالُوا :جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِلَى الْمَدِينَةِ فَخَرَجْتُ مَعِي بِتَمْرٍ، فَجِئْتُ إِلَيْهِ بِهِ فَقَالَ :مَا هَذَا؟ قُلْتُ: صَدَقَةٌ قَالَ :لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ، فَأَخَذْتُهُ ثُمَّ أَتَيْتُهُ بِتَمْرٍ فَوَضَعْتُهُ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَقَالَ :مَا هَذَا؟ فَقُلْتُ :هَدِيَّةٌ، فَأَكَلَ، وَأَكَلَ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ، ثُمَّ قُمْتُ وَرَاءَهُ لَأَنْظُرَ الْخَاتَمَ، فَفَطِنَ بِي فَأَلْقَى رِدَاءَهُ عَنْ مَنْكِبَيْهِ، فَآمَنْتُ بِهِ وَصَدَّقْتُهُ قَالَ :فَإِمَّا كَاتَبَ عَلَى مِائَةِ نَخْلَةٍ، وَإِمَّا اشْتَرَى نَفْسَهُ بِمِائَةِ نَخْلَةٍ قَالَ :فَغَرَسَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ، فَلَمْ يَحُلِ الْحَوْلُ حَتَّى بَلَغَتْ، أَوْ قَالَ :أَكَلَ مِنْهُ۔[1]

ابوعثمان سعید بن منصور بن شعبۃ الخراسانی الجوزجانی (المتوفی ۲۲۷ :ھ) لکھتے ہیں۔

سَعِيدٌ قَالَ :نا مُسْلِمُ بْنُ خَالِدٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ أُمِّهِ أُمِّ كُلْثُومٍ، قَالَتْ :"لَمَّا تَزَوَّجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّ سَلَمَةَ قَالَ لَهَا :إِنِّي قَدْ أَهْدَيْتُ لِلنَّجَاشِيِّ أَوَاقِيَ مِنْ مِسْكٍ وَحُلَّةً، وَلَا أُرَاهُ إِلَّا قَدْ مَاتَ، وَلَا أَرَى هَدِيَّتِي الَّتِي أَهْدَيْتُ إِلَيْهِ إِلَّا سَتُرَدُّ إِلَيَّ، فَإِذَا رُدَّتْ إِلَيَّ فَهِيَ لَكِ. فَكَانَ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَاتَ النَّجَاشِيُّ، وَرُدَّتْ هَدِيَّتُهُ، فَلَمَّا رُدَّتْ إِلَيْهِ الْهَدِيَّةُ أَعْطَى كُلَّ امْرَأَةٍ مِنْ نِسَائِهِ أُوقِيَّةً مِنْ ذَلِكَ الْمِسْكِ، وَأَعْطَى سَائِرَهُ أُمَّ سَلَمَةَ، وَأَعْطَاهَا الْحُلَّةَ"[2]

ابوبکر بن ابی شیبۃ، عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان بن خواستی العبسی (المتوفی ۲۳۵ :ھ) لکھتے ہیں۔

عُمَرُ، نا ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ، نا عُمَرُ بْنُ عُبَيْدٍ الطَّنَافِسِيُّ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

---

[1] (المصنف ج۸ص۴۱۸)

[2] (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۱۶۱)

وَسَلَّمَ :لَاتَرُدُّوا الْهَدِيَّةَ، وَأَجِيبُوا الدَّاعِيَ، وَلَاتَضْرِبُوا الْمُسْلِمِين.[1]

أبوعبداللہ أحمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن أسد الشیبانی (المتوفی ۲۴۱ :ھ) لکھتے ہیں۔

حَدَّثَنَا خَلَفٌ، قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو مَعْشَرٍ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :"تَهَادَوْا، فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُذْهِبُ وَغَرَ الصَّدْرِ"

حديث حسن، وهذا إسناد ضعيف لضعف أبي معشر. سعيد :هو المقبري كما جاء منسوباً في "مسند الطيالسي" و"مسند الشهاب" للقضاعي، وكما نقله الحافظ ابن حجر في "النكت الظراف" 9/ 500 عن أبي العباس الطرقي وأقره عليه، وقد أورد هذا الحديث في ترجمته من "أطراف المسند 7/.242۔[2]

أبوعبداللہ أحمد بن محمد بن حنبل بن ہلال بن أسد الشیبانی (المتوفی ۲۴۱ :ھ) لکھتے ہیں۔

حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، وَوَكِيعٌ، قَالَا :حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :"لَوْ أُهْدِيَتْ لِي ذِرَاعٌ لَقَبِلْتُ، وَلَوْ دُعِيتُ إِلَى كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ"، قَالَ وَكِيعٌ فِي حَدِيثِهِ :"لَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ ذِرَاعٌ"

في (م) والنسخ المتأخرة :"لو أُهْدِيَتْ" بالتاء، وهو خطأ، إذ لا فرق حينئذ بين رواية وكيع وبين رواية أبي معاوية.

إسناده صحيح على شرط الشيخين. أبو حازم :هو سلمان الأشجعي.

وأخرجه البخاري (5178) من طريق أبي حمزة محمد بن ميمون، وابن حبان (5291)، والبغوي (1609) من طريق أسباط بن محمد، كلاهما عن سليمان بن مهران الأعمش، بهذا الإسناد.

وأخرجه البيهقي 6/ 169 من طريق وكيع وحده، به.

وأخرج ابن عدي 5/ 1688 من طريق عمر بن يزيد، عن عطاء، عن أبي هريرة :كان رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يلبس الصوف، ويجلس على الأرض ويأكل عليها، ويركب الحمار، ويعتقلُ الشاة ويحتلبُها، ويُجيبُ دعوة الملوك ويقول :"لو دُعِيتُ إلى كُراع لأجبتُ" وعمر بن يزيد قال ابن عدي :منكر الحديث عن عطاء وغيره، وقال :هذا الحديث عن عطاء غير محفوظ.

وأخرج أيضا 5/ 1937 من طريق عبد الواحد بن سليمان، عن عبد الله بن عون، عن ابن سيرين، عن أبي هريرة، مرفوعاً :"لو دعيت إلى كراع لأجبت، ولو أهدي إلى كراع لقبلت". وقال عقبه :لا يتابع عبدَ الواحد عليها (أي على أحاديثه) أحد، يتفرد به عن ابن عون.

وفي الباب عن أنس بن مالك، سيأتي في "المسند" 3/.209

وعن أم حكيم بنت وداع عند الطبراني في "الكبير" 25/(392).

قوله :"كراع" قال الحافظ في "الفتح" 9/ :245 بضم الكاف وتخفيف الراء وآخره عين مهملة :هو مُستَدق الساق من

---

[1] (مسند ابن أبي شيبة ج ۱ ص ۱۶۱)

[2] (مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ۱۵ ص ۱۴۱)

الرجُل، ومن حد الرسغ من اليد، وهو من البقر والغنم بمنزلة الوظيف من الفرس والبعير، وقيل :هو ما دون الكعب من الدواب، وقال ابن فارس :كراع كل شيء :طرفه.

ثم قال :وفي الحديث دليل على حسن خُلُقه صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وتواضعه وجبره لقلوب الناس، وعلى قَبُول الهدية وإجابة من يدعوه إلى منزله، ولو علم أن الذي يدعوه إليه شيء قليل، وفيه الحض على المواصلة والتحاب والتآلف، وإجابة الدعوة لما قل أو كثُر، وقبول الهدية كذلك.[1]

آبوعبداللہ الحسین بن الحسن بن حرب السلمی المروزی (المتوفی ۲۴۶ :ھ) لکھتے ہیں

حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ قَالَ :أَخْبَرَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، قَالَ :أَخْبَرَنَا مُوسَى بْنُ عَلِيِّ بْنِ رَبَاحٍ، قَالَ :سَمِعْتُ أَبِي يُحَدِّثُ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ :الْهَدِيَّةُ رِزْقٌ مِنَ اللهِ فَمَنْ أُهْدِيَ لَهُ شَيْءٌ فَلْيَقْبَلْهُ وَلْيُعْطِ خَيْرًا مِنْه۔ حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ قَالَ :أَخْبَرَنَا ابْنُ الْمُبَارَكِ، قَالَ :حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ الْمَكِّيُّ، عَنِ الْحَسَنِ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:لَا يَرُدَّنَّ الرَّجُلُ هَدِيَّةَ أَخِيهِ فَإِنْ وَجَدَ فَلْيُكَافِئْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ ذِرَاعٌ لَقَبِلْتُهُ وَلَوْ دُعِيتُ إِلَى كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ.[2]

محمد بن إسماعيل أبو عبد الله البخاري الجعفي لکھتے ہیں

بَابُ ذِكْرِ النَّسَّاجِ

2093- حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ قَالَ :سَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ : جَاءَتِ امْرَأَةٌ بِبُرْدَةٍ، قَالَ :أَتَدْرُونَ مَا الْبُرْدَةُ؟ فَقِيلَ لَهُ :نَعَمْ، هِيَ الشَّمْلَةُ مَنْسُوجٌ فِي حَاشِيَتِهَا، قَالَتْ :يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي نَسَجْتُ هَذِهِ بِيَدِي أَكْسُوكَهَا، فَأَخَذَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْتَاجًا إِلَيْهَا، فَخَرَجَ إِلَيْنَا وَإِنَّهَا إِزَارُهُ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ :يَا رَسُولَ اللَّهِ، اكْسُنِيهَا. فَقَالَ :نَعَمْ. فَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَجْلِسِ، ثُمَّ رَجَعَ، فَطَوَاهَا ثُمَّ أَرْسَلَ بِهَا إِلَيْهِ، فَقَالَ لَهُ الْقَوْمُ :مَا أَحْسَنْتَ، سَأَلْتَهَا إِيَّاهُ، لَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّهُ لَا يَرُدُّ سَائِلًا، فَقَالَ الرَّجُلُ :وَاللَّهِ مَا سَأَلْتُهُ إِلَّا لِتَكُونَ كَفَنِي يَوْمَ أَمُوتُ، قَالَ سَهْلٌ :فَكَانَتْ كَفَنَهُ۔[3]

ابن بطال آبوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک (المتوفی 449 :ھ) اس حدیث شریف کی شرح میں لکھتے ہیں۔

قال المهلب :فيه :جواز قبول الهدية من الضعيف إذا كان له مقصدًا من التبرك وشبهه. وفيه :الهبة لما يسأله الإنسان من ثوب أو غيره. وفيه :الأثرة على نفسه وإن كانت به حاجة إلى ذلك الشيء. وفيه :التبرك بثوب الإمام والعالم، رجاء النفع به في استشعاره كفنًا وشبه ذلك.[4]

محمد بن علي بن آدم بن موسى الإثيوبي الوَلَّوِي اس حدیث شریف کی شرح میں لکھتے ہیں۔

---

[1](مسند الإمام أحمد بن حنبل ج۱۵ ص ۲۹۴)

[2](البر والصلة (عن ابن المبارك وغيره ج ۱ ص ۱۲۰)

[3](صحيح البخاري ج۳ص ۶۱ بَابُ ذِكْرِ النَّسَّاجِ۔الناشر :دار طوق النجاة (مصورة عن السلطانية بإضافة ترقيم ترقيم محمد فؤاد عبد الباقي)

[4](شرح صحيح البخاري لابن بطال ج۶ ص ۲۲۵ دار النشر :مكتبة الرشد - السعودية، الرياض)

(المسألة الثالثة) :فِي فوائده:

(منها) :ما ترجم له المصنّف رحمه الله تعالى، وهو بيان جواز لبس البرود. (ومنها) :حسن خلق النبيّ -صلى الله عليه وسلم-، وسعة جوده. (ومنها) :استحباب قبوله الهدية. (ومنها) :ما استنبطه المهلب منه، وهو جواز ترك مكافأة الفقير عَلَى هديته. وتُعُقّب بأنه ليس ذلك بظاهر منه، فإن المكافاة كانت عادة النبيّ -صلى الله عليه وسلم- مستمرة، فلا يلزم منْ السكوت عنها هنا، أن لا يكون فعلها، بل ليس فِي سياق هَذَا الْحَدِيث الجزم بكون ذلك كَانَ هدية، فيحتمل أن تكون عرضتها عليه، ليشتريها منها. (ومنها) :جواز الاعتماد عَلَى القرائن، ولو تجردت، لقولهم :"فأخذها محتاجا إليها"، وفيه نظر، لاحتمال أن يكون سبق لهم منه قول، يدلّ عَلَى ذلك، كما تقدّم. (ومنها) :الترغيب فِي المصنوع بالنسبة إلى صانعه، إذا كَانَ ماهرا، ويحتمل أن تكون أرادت بنسبته إليها، إزالة ما يخشى منْ التدليس. (ومنها) :جواز استحسان الإنسان ما يراه عَلَى غيره، منْ الملابس، وغيرها، إما لِيُعرّفه قدرها، وإما لِيُعَرِّض له بطلبه منه، حيث يسوغ له ذلك. (ومنها) :أنّ فيه مشروعية الإنكار عند مخالفة الأدب ظاهرا، وإن لم يبلغ المنكر درجة التحريم. (ومنها) :التبرك بآثار النبيّ -صلى الله عليه وسلم-. (ومنها) :ما قاله ابن بطال :فيه جواز إعداد الشيء قبل وقت الحاجة إليه، قَالَ :وَقَدْ حفر جماعة منْ الصالحين قبورهم قبل الموت. وتعقبه الزين ابن المنير :بأن ذلك لم يقع منْ أحد منْ الصحابة، قَالَ :ولو كَانَ مستحبا لكثر فيهم. وَقَالَ بعض الشافعيّة :ينبغي لمن أَعَدَّ شيئا منْ ذلك، أن يجتهد فِي تحصيله منْ جهة يثق بحلها، أو منْ أثر منْ يعتقد فيه الصلاح والبركة. والله تعالى أعلم بالصواب، وإليه المرجع والمآب.

"إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت، وما توفيقي إلا بالله، عليه توكّلت، وإليه أنيب".[1]

ابن الملقن سراج الدين أبوحفص عمر بن علی بن أحمد الشافعی المصری (المتوفی804 :ھ) اس حدیث شریف کی شرح میں لکھتے ہیں۔

وفيه :جواز قبول الهدية من الضعيف إذا كان له مفضلة من التبرك وشبهه. والهبة لما يسأله الإنسان من ثوبه أو غيره. والأثرة على نفسه وإن كانت به حاجة إلى ذلك الشيء، والتبرك بثوب الإمام والعالم؟ رجاء النفع به في استشعاره كفنًا وشبه ذلك، وإعداد الكفن.[2]

أبومحمد عبداللہ بن عبدالرحمن بن الفضل بن بہرام بن عبدالصمد الدارمی، التمیمی السمرقندی (المتوفی255 :ھ) لکھتے ہیں۔

بَابُ النَّهْيِ عَنْ رَدِّ الْهَدِيَّةِ

أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ صَالِحٍ قَالَ :حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، حَدَّثَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، أَنَّهُ قَالَ :[ص1026:] قَالَ عَبْدُ اللَّهِ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْطِينِي الْعَطَاءَ فَأَقُولُ :أَعْطِهِ مَنْ هُوَ أَفْقَرُ إِلَيْهِ مِنِّي. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :خُذْهُ، وَمَا آتَاكَ اللَّهُ مِنْ هَذَا الْمَالِ وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ وَلَا سَائِلٍ، فَخُذْهُ، وَمَا لَا، فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ۔

---

[1] (شرح سنن النسائي المسمى »ذخيرة العقبى في شرح المجتبى ج ۳۹ ص ۷۶ :دار المعراج الدولية للنشر)

[2] (التوضيح لشرح الجامع الصحيح ج ۱۴ ص ۲۰۰ دار النوادر، دمشق-سوريا)

[تعليق المحقق] إسناده ضعيف ولكن الحديث متفق عليه[1]

محمد بن إسماعیل بن إبراہیم بن المغیرۃ البخاری، أبوعبداللہ (المتوفی 256 :ھ) لکھتے ہیں

باب قبول الهدية

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :(تَهادُوا تَحابُوا)[2]

أبو بكر أحمد بن محمد بن هارون بن يزيد الخلّال البغدادي الحنبلي (المتوفى 311 :ھ) لکھتے ہیں۔

قَالَ :ثنا أَبُو عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ :ثنا رَجُلٌ، وَالرَّجُلُ عَلِيٌّ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ الْحَمِيدِ، عَنْ مُغِيرَةَ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ سَلَمَةَ الضَّبِّيِّ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عِصْمَةَ، قَالَ :كُنْتُ عِنْدَ عَائِشَةَ رَحِمَهَا اللَّهُ، فَأَتَاهَا رَسُولُ مُعَاوِيَةَ بِهَدِيَّةٍ، فَقَالَ :أَرْسَلَ بِهَا إِلَيْكِ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ. فَقَالَتْ :أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ، وَهُوَ أَمِيرُكُمْ، وَقَبِلَتِ الْهَدِيَّةَ۔[3]

سلیمان بن أحمد بن أیوب بن مطیر اللخمی الشامی، أبوالقاسم الطبرانی (المتوفی 360 :ھ) لکھتے ہیں۔

وَبِهِ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ، تَهَادَوْا، فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تَسُلُّ السَّخِيمَةَ، وَتُورِثُ الْمَوَدَّةَ، فَوَاللَّهِ لَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ، وَلَوْ دُعِيتُ إِلَى ذِرَاعٍ لَأَجَبْتُ لَمْ يَرْوِ هَذَيْنِ الْحَدِيثَيْنِ عَنْ أَنَسٍ إِلَّا عَائِذٌ"[4]

سلیمان بن أحمد بن أیوب بن مطیر اللخمی الشامی، أبوالقاسم الطبرانی (المتوفی 360 :ھ) لکھتے ہیں۔

حَدَّثَنَا مُطَّلِبُ بْنُ شُعَيْبٍ الْأَزْدِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُغِيرَةِ، عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ قَالَ :كَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبَّ رَجُلٍ مِنَ النَّاسِ إِلَيَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا نُبِّئَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَرَجَ إِلَى الْمَدِينَةِ شَهِدَ حَكِيمٌ الْمَوْسِمَ وَهُوَ كَافِرٌ، فَوَجَدَ حُلَّةً لِذِي يَزَنَ تُبَاعُ، فَاشْتَرَاهَا لِيُهْدِيَهَا لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَدِمَ بِهَا عَلَيْهِ الْمَدِينَةَ، فَأَرَادَهُ عَلَى قَبْضِهَا هَدِيَّةً فَأَبَى، فَقَالَ :إِنَّا لَا نَقْبَلُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ شَيْئًا، وَلَكِنْ إِنْ شِئْتَ أَخَذْتُهَا مِنْكَ بِالثَّمَنِ. فَأَعْطَيْتُهُ إِيَّاهَا حِينَ أَبَى عَلَيَّ الْهَدِيَّةَ فَلَبِسَهَا، فَرَأَيْتُهَا عَلَيْهِ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَلَمْ أَرَ شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْهُ يَوْمَئِذٍ، ثُمَّ أَعْطَاهَا أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ، فَرَآهَا حَكِيمٌ عَلَى أُسَامَةَ، فَقَالَ :يَا أُسَامَةُ، أَنْتَ تَلْبَسُ حُلَّةَ ذِي يَزَنَ؟ فَقَالَ :نَعَمْ، وَاللهِ لَأَنَا خَيْرٌ مِنْ ذِي يَزَنَ، وَلَأَبِي خَيْرٌ مِنْ أَبِيهِ. قَالَ حَكِيمٌ :فَانْطَلَقْتُ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ أُعَجِّبُهُمْ بِقَوْلِ أُسَامَةَ۔[5]

سلیمان بن أحمد بن أیوب بن مطیر اللخمی الشامی، أبوالقاسم الطبرانی (المتوفی 360 :ھ) لکھتے ہیں۔

حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ الْفَضْلِ، حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَتْنَا حُبَابَةُ بِنْتُ عَجْلَانَ الْخُزَاعِيَّةُ، قَالَتْ :حَدَّثَتْنِي أُمِّي حَفْصَةُ، عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ جَرِيرٍ، عَنْ أُمِّ حَكِيمٍ بِنْتِ وَدَاعٍ الْخُزَاعِيَّةِ، قَالَتْ :سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ :تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ

---

[1] (مسند الدارمي المعروف بـ(سنن الدارمي ج ۲ ص ۱۰۲۵)

[2] (الأدب المفرد بالتعليقات ج ۱ ص ۳۰۶)

[3] (السنة لابی بکر بن الخلّال ج ۴ ص ۶۰)

[4] (المعجم الأوسط ج ۲ ص ۱۴۶)

[5] (المعجم الکبیر ج ۳ ص ۲۰۲)

تُضْعِفُ الْحُبَّ وَتَذْهَبُ بِغَوَائِلِ الصَّدْرِ۔[1]

أبومحمد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان الأنصاری المعروف بأبی الشیخ الأصبہانی (المتوفی 369 :ھ) لکھتے ہیں۔

باب صَافِحُوا يَذْهَبِ الْغِلُّ وَتَهَادَوْا تَذْهَبِ الشَّحْنَاءُ۔

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ، ثَنَا أَبُو عَمَّارٍ، ثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى، عَنْ عَائِذِ بْنِ شُرَيْحٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَا مَعْشَرَ مَنْ حَضَرَ تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ - قَلَّتْ أَوْ كَثُرَتْ - تُذْهِبُ السَّخِيمَةَ وَتُورِثُ الْمَوَدَّةَ حَدَّثَنَا قَاسِمٌ الْمُطَرِّزُ، ثَنَا سُوَيْدٌ، ثَنَا ضِمَامٌ، عَنْ مُوسَى بْنِ وَرْدَانَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :تَهَادَوْا تَحَابُّوا، نِعْمَ مِفْتَاحُ الْحَاجَةِ الْهَدِيَّةُ أَخْبَرَنَا إِسْحَاقُ بْنُ أَحْمَدَ، ثَنَا الْمِهْرَقَانِيُّ، ثَنَا أَشْعَثُ بْنُ [ص 289:] عَطَّافٍ، عَنْ أَبِي مَعْشَرٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :تَهَادَوْا فَإِنَّهُ يَذْهَبُ بُخْلَ الصَّدْرِ۔[2]

أبوعبداللہ الحاکم محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم بن الحکم الضبی الطہمانی النیسابوری المعروف بابن البیع (المتوفی : 405ھ) لکھتے ہیں۔

حَدَّثَ الْحَاكِمُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْحَافِظُ إِمْلَاءً غُرَّةَ صَفَرٍ سَنَةَ سَبْعٍ وَتِسْعِينَ وَثَلَاثِ مِائَةٍ، أَنْبَأَ أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ الْمَحْبُوبِيُّ، بِمَرْوَ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ عِيسَى الطَّرَسُوسِيُّ، وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَلْمَانَ الْفَقِيهُ، بِبَغْدَادَ، ثنا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِسْحَاقَ الْقَاضِي، وَحَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ صَالِحِ بْنِ هَانِئٍ، ثنا الْفَضْلُ بْنُ مُحَمَّدٍ الشَّعْرَانِيُّ، قَالُوا :ثنا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ، ثنا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ دَاوُدَ الصَّنْعَانِيُّ، أَخْبَرَنِي أَفْلَحُ بْنُ كَثِيرٍ، ثنا ابْنُ جُرَيْجٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ :نَزَلَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ لَمْ يَنْزِلْ فِي مِثْلِهَا قَطُّ ضَاحِكًا مُسْتَبْشِرًا، فَقَالَ :السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ، قَالَ :"وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا جِبْرِيلُ، قَالَ :إِنَّ اللَّهَ بَعَثَنِي إِلَيْكَ بِهَدِيَّةٍ كُنُوزِ الْعَرْشِ أَكْرَمَكَ اللَّهُ بِهِنَّ، قَالَ :"وَمَا تِلْكَ الْهَدِيَّةُ يَا جِبْرِيلُ، فَقَالَ جِبْرِيلُ قُلْ يَا مَنْ أَظْهَرَ الْجَمِيلَ وَسَتَرَ الْقَبِيحَ، يَا مَنْ لَا يُؤَاخِذُ بِالْجَرِيرَةِ، وَلَا يَهْتِكُ السِّتْرَ يَا عَظِيمَ الْعَفْوِ، يَا حَسَنَ التَّجَاوُزِ، يَا وَاسِعَ الْمَغْفِرَةِ، يَا بَاسِطَ الْيَدَيْنِ بِالرَّحْمَةِ، يَا صَاحِبَ كُلِّ نَجْوَى، وَيَا مُنْتَهَى كُلِّ شَكْوَى، يَا كَرِيمَ الصَّفْحِ، يَا عَظِيمَ الْمَنِّ، يَا مُبْتَدِئَ النِّعَمِ قَبْلَ اسْتِحْقَاقِهَا، يَا رَبَّنَا، وَيَا سَيِّدَنَا، وَيَا مَوْلَانَا، وَيَا غَايَةَ رَغْبَتِنَا، أَسْأَلُكَ يَا اللَّهُ أَنْ لَا تَشْوِيَ خَلْقِي بِالنَّارِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :فَمَا ثَوَابُ هَذِهِ الْكَلِمَاتِ - ثُمَّ ذَكَرَ بَاقِي الْحَدِيثِ بَعْدَ الدُّعَاءِ بِطُولِهِ - . هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ فَإِنَّ رُوَاتَهُ كُلَّهُمْ مَدَنِيُّونَ ثِقَاتٌ، وَقَدْ ذَكَرْتُ فِيمَا تَقَدَّمَ الْخِلَافَ بَيْنَ أَئِمَّةِ الْحَدِيثِ فِي سَمَاعِ شُعَيْبِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو مِنْ جَدِّهِ۔[3]

اقوال الفقهاء من المذاهب الأربعة

اقوال الفقهاء من الاحناف:

---

[1] (المعجم الکبیر ج ۲۵ ص ۱۶۲)

[2] (کتاب الأمثال في الحدیث النبوي ج ۱ ص ۲۸۸)

[3] (المستدرک علی الصحیحین ج ۱ ص ۷۲۹)

عبدالرحمن بن محمد بن سلیمان المدعو شیخی زادہ یعرف بداماد آفندی (المتوفی 1078 :ھ) لکھتے ہیں۔

وَفِي الْخَانِيَةِ :وَيَجُوزُ لِلْإِمَامِ وَالْمُفْتِي قَبُولُ الْهَدِيَّةِ، وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ الْخَاصَّةِ (وَيَحْضُرُ الدَّعْوَةَ الْعَامَّةَ) لِعَدَمِ كَوْنِهَا لِلْقَضَاءِ إلَّا إذَا كَانَ صَاحِبُ الْعَامَّةِ أَحَدَ الْخَصْمَيْنِ (لَا الْخَاصَّةَ) لِأَنَّهَا جُعِلَتْ لِأَجْلِهِ وَلَمْ يُفَصِّلْ فِي الْخَاصَّةِ بَيْنَ أَنْ يَكُونَ مِنْ الْقَرِيبِ أَوْ مِنْ غَيْرِهِ أَوْ مَا إذَا جَرَتْ لَهُ عَادَةٌ بِهَا أَوْ لَمْ تَجْرِ۔[1]

آبوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی (المتوفی 189 :ھ) لکھتے ہیں۔

وحدثنا أبو يوسف عن عاصم بن سليمان عن محمد بن سيرين قال :أقرض عمر بن الخطاب أبي بن كعب عشرة آلاف درهم. قال :وكانت لأُبَيّ نخلٌ تُعَجِّل. قال :فأهدى أبي بن كعب لعمر بن الخطاب رُطَباً، فرده عليه. فلقيه أبي بن كعب، فقال : أظننت أني أهديت لك من أجل مالك، ابعث إلى مالك فخذه. قال :فقال عمر لأبي :رد إلينا هديتنا. المصنف لابن أبي شيبة، 4/ .358 قال السرخسي :إن هذا إن كان بطريق البيع فاشتراط إيفاء بدلٍ له حَمْل ومَؤونة في مكان آخر مبطل للبيع، وهو مبادلة التمر بالتمر نسيئة، وذلك لا يجوز. وإن كان بطريق الاستقراض فهذا قرض جَرَّ منفعة، وهو إسقاط خطر الطريق عن نفسه ومؤنة الحمل، ونهى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - عن قرض جَرَّ منفعة، وسماه ربا. انظر :المبسوط، 14/ .35 وقد أخرج الحديث المذكور الحارث بن أبي أسامة في مسنده وغيره عن علي - رضي الله عنه - مرفوعاً بلفظ :"كل قرض جر منفعة فهو ربا"، بسند ضعيف. لكن روي معناه موقوفا عن ابن مسعود وأبي بن كعب وعبد الله بن سلام وابن عباس وفضالة بن عبيد - رضي الله عنهم -، كما روي عن عدد من التابعين. انظر :السنن الكبرى للبيهقي، 5/349؛ ونصب الراية للزيلعي، 4/ 60؛ وتلخيص الحبير لابن حجر، 3/ .34 وسيرويه المؤلف عن إبراهيم النخعي وعطاء بن أبي رباح وأبي جعفر الباقر.

م :أهدي.

المصنف لعبد الرزاق، 8/142؛ والسنن الكبرى للبيهقي، 5/ .349 قال السرخسي - رحمه الله - :إن عمر - رضي الله عنه - إنما رد الهدية مع أنه كان يقبل الهدايا لأنه ظن أنه أهدى إليه لأجل ماله، فكان ذلك منفعة القرض، فلما أعلمه أبي - رضي الله عنه - أنه ما أهدى إليه لأجل ماله قبل الهدية منه، وهذا هو الأصل، ولهذا قلنا :إن المنفعة إذا كانت مشروطة في الإقراض فهو قرض جَرَّ منفعة، وإن لم تكن مشروطة فلا بأس به. انظر :المبسوط، 14/ .35[2]

محمد بن أحمد بن أبی سہل شمس الأئمۃ السرخسی (المتوفی 483 :ھ) لکھتے ہیں۔

فَإِنْ عَرَفَ الْقَوْمُ حَاجَتَهُ فَوَاسَوْهُ بِشَيْءٍ فَمَا أَحْسَنَ ذَلِكَ بَعْدَ أَنْ لَا يَكُونَ عَنْ شَرْطٍ، لِأَنَّهُ فَرَّغَ نَفْسَهُ لِحِفْظِ الْمَوَاقِيتِ وَإِعْلَامِهِمْ لَهُمْ فَرُبَّمَا لَا يَتَفَرَّغُ لِلْكَسْبِ فَيَنْبَغِي لَهُمْ أَنْ يُهْدُوا إلَيْهِ بِهَدِيَّةٍ فَقَدْ كَانَ الْأَنْبِيَاءُ وَالرُّسُلُ صَلَوَاتُ اللَّهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ يَقْبَلُونَ الْهَدِيَّةَ وَعَلَى هَذَا قَالُوا الْفَقِيهُ الَّذِي يُفْتِي فِي بَلْدَةٍ أَوْ قَرْيَةٍ لَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ عَلَى الْفُتْيَا شَيْئًا عَنْ شَرْطٍ فَإِنْ عَرَفُوا حَاجَتَهُ فَأَهْدَوْا إلَيْهِ فَهُوَ حَسَنٌ، لِأَنَّهُ مُحْسِنٌ إلَيْهِمْ فِي تَفْرِيغِ نَفْسِهِ عَنْ الْكَسْبِ وَحِرَاسَةِ أَمْرِ دِينِهِمْ فَيَنْبَغِي أَنْ يُقَابِلُوا إحْسَانَهُ بِالْإِحْسَانِ إلَيْهِ۔[3]

---

[1] (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر ج ۲ ص ۵۸۱ الناشر :دار إحياء التراث العربي)

[2] (الأَصْلُ ج ۳ ص ۲۱ الناشر :دار ابن حزم، بيروت - لبنان)

[3] (المبسوط ج ۱ ص ۱۴۰ الناشر :دار المعرفة - بيروت)

محمد بن أحمد بن أبي سہل شمس الأئمۃ السرخسی (المتوفی 483 :ھ) لکھتے ہیں

(وَعَنْ) مُوسَى بْنِ طَلْحَةَ - رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ - أَنَّ أَعْرَابِيًّا أَهْدَى إلَى رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَرْنَبًا مَشْوِيًّا قَالَ : لِأَصْحَابِهِ كُلُوا قَالَ الْأَعْرَابِيُّ :إنِّي رَأَيْتُ دَمًا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - :لَيْسَ بِشَيْءٍ، وَقَالَ لِلْأَعْرَابِيِّ :إذَنْ فَكُلْ فَقَالَ :إنِّي صَائِمٌ، قَالَ :صَوْمَ مَاذَا؟ قَالَ :صَوْمَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ، فَقَالَ :هَلَّا جَعَلْتهَا الْبِيضَ، وَبِهِ نَأْخُذُ فَنَقُولُ :الْأَرْنَبُ مَأْكُولٌ، وَقَدْ قَبِلَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - الْهَدِيَّةَ فِيهِ وَأَكَلَ مِنْهُ، وَأَمَرَ أَصْحَابَهُ - رِضْوَانُ اللَّهِ عَلَيْهِمْ - بِذَلِكَ (وَقَوْلُ) الْأَعْرَابِيِّ :إنِّي رَأَيْتُ دَمًا مُرَادُهُ مَا يَقُولُ جُهَّالُ الْعَرَبِ :أَنَّ الْأَرْنَبَةَ تَحِيضُ كَالنِّسَاءِ فَبَيَّنَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنَّ ذَلِكَ لَيْسَ بِشَيْءٍ، وَفِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّهُ لَا بَأْسَ لِلْمُهْدِي أَنْ يَأْكُلَ مِنْ هَدِيَّتِهِ، فَإِنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - دَعَاهُ إلَى الْأَكْلِ، وَإِنَّمَا بُعِثَ لِيُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ۔ [1]

اقوال الفقهامن المالكية:

مالک بن أنس بن مالک بن عامر الأصبحی المدنی (المتوفی 179 :ھ) لکھتے ہیں [هَدِيَّةُ الْمِدْيَانِ]

قُلْتُ :مَا يَقُولُ مَالِكٌ فِي رَجُلٍ لَهُ عَلَى رَجُلٍ دَيْنٌ أَيَصْلُحُ لَهُ أَنْ يَقْبَلَ مِنْهُ هَدِيَّتَهُ؟ قَالَ :قَالَ مَالِكٌ :لَا يَصْلُحُ أَنْ يَقْبَلَ مِنْهُ هَدِيَّتَهُ إلَّا أَنْ يَكُونَ رَجُلًا كَانَ ذَلِكَ بَيْنَهُمَا مَعْرُوفًا، وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّ هَدِيَّتَهُ لَيْسَ لِمَكَانِ دَيْنِهِ فَلَا بَأْسَ بِذَلِكَ.... وَعَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ أَنَّهُ قَالَ :أَمَّا مَنْ كَانَ يَتَهَادَى هُوَ وَصَاحِبُهُ وَإِنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ أَوْ سَلَفٌ فَإِنَّ ذَلِكَ لَا يَتَقَابَحُهُ أَحَدٌ، قَالَ :وَأَمَّا مَنْ لَمْ يَكُنْ يَجْرِي ذَلِكَ بَيْنَهُمَا قَبْلَ الدَّيْنِ وَالسَّلَفِ هَدِيَّةٌ، فَإِنَّ ذَلِكَ مِمَّا يَتَنَزَّهُ عَنْهُ أَهْلُ التَّنَزُّهِ. قَالَ الْحَارِثُ بْنُ نَبْهَانَ، عَنْ أَيُّوبَ عَنْ ابْنِ سِيرِينَ :إنَّ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ اسْتَسْلَفَ مِنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَشَرَةَ آلَافِ دِرْهَمٍ فَأَهْدَى لَهُ هَدِيَّةً فَرَدَّهَا عُمَرُ، فَقَالَ أُبَيٌّ :قَدْ عَلِمَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ أَنِّي مِنْ أَطْيَبِهِمْ ثَمَرَةً، فَرَأَيْتُ إنَّمَا أَهْدَيْتُ إلَيْكَ مِنْ أَجْلِ مَالِكَ عِنْدِي اقْبَلْهَا فَلَا حَاجَةَ لَكَ فِيمَا مَنَعَكَ مِنْ طَعَامِنَا، فَقَبِلَ عُمَرُ الْهَدِيَّةَ.[2]

أبو الوليد محمد بن أحمد بن رشد القرطبی (المتوفی 520 :ھ) لکھتے ہیں:

[النبي صلى الله عليه وسلم كان يرد الصدقة ويقبل الهدية]

في أن النبي - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - كان يرد الصدقة ويقبل الهدية قال مالك :بلغني أن سلمان أتى النبي - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - بصدقة في أول الإسلام، فردها عليه، وأتى بهدية فقبلها منه.

قال محمد بن رشد :الفرق في المعنى بين الصدقة والهدية أن الصدقة هي ما يقصد بها المتصدق الإحسان إلى المتصدق عليه والتفضل عليه، والهدية هي ما يقصد بها المهدي إكرام المهدى إليه وإتحافه بالهدية لكرامته عليه ومنزلته عنده إرادة التقرب منه، فالمتصدق يتفضل على المتصدق عليه وليس المهدي يتفضل على المهدى إليه، وإنما المهدى له هو المتفضل على المهدي في قبول الهدية، فنزه الله تبارك وتعالى نبيه عن الصدقة بأن حرمها عليه، وأباح له الهدية لما فيها من صلة المهدي وإدخال السرور عليه بتبليغه۔ [3]

---

[1] (المبسوط ج ۱۱ ص ۲۳۰ الناشر :دار المعرفة - بيروت)

[2] (المدونة ج ۳ ص ۱۸۰)

[3] (البيان والتحصيل والشرح والتوجيه والتعليل لمسائل المستخرجة ج ۱۷ ص ۳۷۹)

أبو الحسن ,علي بن أحمد بن مكرم الصعيدي العدوي (نسبة إلى بني عدي, بالقرب من منفلوط) (المتوفى : 1189ھ) لکھتے ہیں۔

[قَوْلُهُ :تَصَافَحُوا] مُفَاعَلَةٌ مِنَ الصَّفْحِ [قَوْلُهُ :يَذْهَبُ] بِكَسْرِ الْبَاءِ مَجْزُومٌ فِي جَوَابِ الْأَمْرِ حُرِّكَ بِالْكَسْرِ لِالْتِقَاءِ السَّاكِنَيْنِ وَبِالرَّفْعِ أَيْ فَهِيَ يَذْهَبُ [قَوْلُهُ :الْغِلُّ] بِكَسْرِ الْغَيْنِ الْمُعْجَمَةِ أَيِ الْحِقْدُ وَالضَّغَائِنُ.

[قَوْلُهُ :وَتَهَادَوْا] بِفَتْحِ الدَّالِ وَإِسْكَانِ الْوَاوِ, وَقَوْلُهُ :تَحَابُّوا قَالَ الْحَافِظُ تَبَعًا لِلْحَاكِمِ :إِنْ كَانَ بِالتَّشْدِيدِ فَمِنَ الْمَحَبَّةِ, وَإِنْ كَانَ بِالتَّخْفِيفِ فَمِنَ الْمُحَابَاةِ, وَذَلِكَ لِأَنَّ الْهَدِيَّةَ خُلُقٌ مِنْ أَخْلَاقِ الْإِسْلَامِ دَلَّتْ عَلَيْهَا الْأَنْبِيَاءُ -عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ- وَحَثَّ عَلَيْهَا خُلَفَاؤُهُمُ الْأَوْلِيَاءُ تُؤَلِّفُ الْقُلُوبَ وَتُنَقِّي سَوَادَ الصُّدُورِ, وَوَرَدَ قَبُولُ الْهِبَةِ سُنَّةً لَكِنَّ الْأَوْلَى تَرْكُ مَا فِيهِ مِنْهُ [قَوْلُهُ :وَتُذْهِبُ الشَّحْنَاءَ] بِشِينٍ مُعْجَمَةٍ مَفْتُوحَةٍ وَحَاءٍ مُهْمَلَةٍ سَاكِنَةٍ وَنُونٍ وَالْمَدِّ الْعَدَاوَةُ, لِأَنَّ الْهَدِيَّةَ جَالِبَةٌ لِلرِّضَا وَالْمَوَدَّةِ فَتُذْهِبُ الْعَدَاوَةَ.[1]

أبوعبداللہ محمد بن أحمد بن محمد بن محمد بن علی بن غازی العثمانی المکناسی (المتوفی 919 :ھ) لکھتے ہیں۔

(وَقَبُولِ هَدِيَّةٍ) بعد ما طوّل فيها. ابن عرفة قال :قد يخفف للمفتي في قبولها إن كان محتاجاً ولا سيما إن كان اشتغاله بأصولها يقطعه عن التسبب ولا رزق له عليها من بيت المال, وعليه يحمل ما أخبرني به غير واحد عن الشيخ الفقيه أبي علي بن علوان : أنه كان يقبل الهدية, ويطلبها ممن يفتيه.[2]

اقوال الفقهأمن الشافعية:

الشافعی أبوعبداللہ محمد بن إدریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن عبد المطلب بن عبد مناف المطلبی القرشی المکی (المتوفی 204 :ھ) لکھتے ہیں۔

قَالَ :أَفَتَجِدُ دَلِيلًا عَلَى قَبُولِهِ الْهَدِيَّةَ؟ فَقُلْت :نَعَمْ, أَخْبَرَنِيهِ مَالِك عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- دَخَلَ فَقُرِّبَ إلَيْهِ خُبْزٌ وَأُدْمٌ مِنْ أُدْمِ الْبَيْتِ فَقَالَ أَلَمْ أَرَ بُرْمَةَ لَحْمٍ فَقَالُوا ذَلِكَ شَيْءٌ تُصُدِّقَ بِهِ عَلَى بَرِيرَةَ فَقَالَ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ, وَهُوَ لَنَا هَدِيَّةٌ.[3]

أبوالحسن علی بن محمد بن محمد بن حبیب البصری البغدادی, الشہیر بالماوردی (المتوفی 450 :ھ) لکھتے ہیں

قَالَ الْمَاوَرْدِيُّ :وَقَدْ مَضَى الْكَلَامُ فِي الْأَوْقَافِ وَسَنَذْكُرُ أَحْكَامَ الْهِبَاتِ وَهِيَ مِنَ الْعَطَايَا الْجَائِزَةِ بِدَلِيلِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْإِجْمَاعِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى :{وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى} (المائدة2 :) وَالْهِبَةُ بِرٌّ وَقَالَ {وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ} (البقرة177 :) الْآيَةَ يَعْنِي بِهِ الْهِبَةَ وَالصَّدَقَةَ وَرَوَى أَبُو هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- قَالَ :"لَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ ذِرَاعٌ لَقَبِلْتُ وَلَوْ دُعِيتُ إِلَى كُرَاعٍ لَأَجَبْتُ" وَرَوَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- قَالَ :"تَهَادُوا تَحَابُّوا" وَرُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- أَنَّهُ قَالَ "إِنَّنَا نَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَنُكَافِئُ عَلَيْهَا" وَأَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلَى إِبَاحَتِهَا وَقِيلَ :إِنَّ الْهَدِيَّةَ مُشْتَقَّةٌ مِنَ الْهِدَايَةِ, لِأَنَّهُ اهْتَدَى بِهَا إِلَى الْخَيْرِ وَالتَّأَلُّفِ.[4]

---

[1] (حاشية العدوي على شرح كفاية الطالب الرباني ج ۲ ص ۴۷۴ دار الفكر -بيروت)

[2] (شفاء الغليل في حل مقفل خليل الناشر :مركز نجيبويه للمخطوطات وخدمة التراث, القاهرة -جمهورية مصر العربية ج ۲ ص ۹۹۵)

[3] (الأم ج ۴ ص ۱۵۹ الناشر :دار المعرفة -بيروت)

[4] (الحاوي الكبير في فقه مذهب الإمام الشافعي وهو شرح مختصر المزني ج ۷ ص ۵۳۴ الناشر :دار الكتب العلمية, بيروت -لبنان)

اقوال الفقهامن الحنابله:

أبومحمد موفق الدین عبداللہ بن أحمد بن محمد بن قدامۃ الجماعیلی المقدسی ثم الدمشقی الحنبلی، الشہیر بابن قدامۃ المقدسی (المتوفی 620 :ھ) لکھتے ہیں۔

أَنَّ الْهِبَةَ وَالصَّدَقَةَ وَالْهَدِيَّةَ وَالْعَطِيَّةَ مَعَانِيهَا مُتَقَارِبَةٌ، وَكُلُّهَا تَمْلِيك فِي الْحَيَاةِ بِغَيْرِ عِوَضٍ، وَاسْمُ الْعَطِيَّةِ شَامِلٌ لِجَمِيعِهَا، وَكَذَلِك الْهِبَةُ. وَالصَّدَقَةُ وَالْهَدِيَّةُ مُتَغَايِرَانِ؛ فَإِنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - كَانَ يَأْكُلُ الْهَدِيَّةَ، وَلَا يَأْكُلُ الصَّدَقَةَ. وَقَالَ فِي اللَّحْمِ الَّذِي تُصُدِّقَ بِهِ عَلَى بَرِيرَةَ :هُوَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ، وَلَنَا هَدِيَّةٌ فَالظَّاهِرُ أَنَّ مَنْ أَعْطَى شَيْئًا يَنْوِي بِهِ إلَى اللَّهِ تَعَالَى لِلْمُحْتَاجِ، فَهُوَ صَدَقَةٌ. وَمَنْ دَفَعَ إلَى إنْسَانٍ شَيْئًا لِلتَّقَرُّبِ إلَيْهِ، وَالْمَحَبَّةِ لَهُ، فَهُوَ هَدِيَّةٌ. وَجَمِيعُ ذَلِك مَنْدُوبٌ إلَيْهِ، وَمَحْثُوثٌ عَلَيْهِ؛ فَإِنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ :تَهَادَوْا تَحَابُّوا۔[1]

منصور بن یونس بن صلاح الدین ابن حسن بن إدریس البہوتی الحنبلی (المتوفی 1051 :ھ) لکھتے ہیں

(وَالْهَدِيَّةُ تُذْهِبُ الْحِقْدَ) لِحَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعًا تَهَادَوْا فَإِنَّ الْهَدَايَا تُذْهِبُ وَحَرَ الصَّدْرِ وَالْوَحَرَ - بِفَتْحِ الْحَاءِ الْمُهْمَلَةِ - الْحِقْدُ وَالْغَيْظُ. (وَ) الْهَدِيَّةُ (تَجْلِبُ الْمَحَبَّةَ) لِحَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ مَرْفُوعًا :تَهَادَوْا تَحَابُّوا (وَلَا تُرَدُّ) أَيْ :يُكْرَهُ رَدُّ الْهَدِيَّةِ.

(وَإِنْ قَلَّتْ، كَذِرَاعٍ أَوْ كُرَاعٍ) بِضَمِّ الْكَافِ وَتَخْفِيفِ الرَّاءِ وَآخِرُهُ عَيْنٌ مُهْمَلَةٌ مُسْتَدَقُّ السَّاقِ مِنْ الرِّجْلِ، وَمِنْ حَدِّ الرُّسْغِ فِي الْيَدِ وَهُوَ مِنْ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ بِمَنْزِلَةِ الْوَظِيفِ مِنْ الْفَرَسِ وَالْبَعِيرِ، وَوَظِيفُ الْبَعِيرِ :خُفُّهُ، وَهُوَ كَالْحَافِرِ لِلْفَرَسِ لِحَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنْ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - لَوْ أُهْدِيَ إلَيَّ ذِرَاعٌ أَوْ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ (خُصُوصًا الطِّيبَ) لِحَدِيثِ " ثَلَاثَةٌ لَا تُرَدُّ " فَعَدَّ مِنْهَا الطِّيبَ وَقَوْلُهُ :(مَعَ انْتِفَاءِ مَانِعِ الْقَبُولِ) مُتَعَلِّقٌ بِلَا تُرَدُّ. (وَيُسَنُّ) لِمَنْ أُهْدِيَتْ إلَيْهِ (أَنْ يُثِيبَ عَلَيْهَا) لِحَدِيثِ عَائِشَةَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ (فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ) أَنْ يُثِيبَ عَلَيْهَا (فَلْيَذْكُرْهَا، وَ) ل (يُثْنِ عَلَى صَاحِبِهَا) الَّذِي أَهْدَاهَا.

(وَيَقُولُ :جَزَاك اللَّهُ خَيْرًا) لِحَدِيثِ جَابِرٍ مَنْ أُعْطِيَ عَطَاءً فَوَجَدَ فَلْيَجْزِهِ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ بِهِ، فَمَنْ أَثْنَى بِهِ فَقَدْ شَكَرَهُ، وَمَنْ كَتَمَهُ فَقَدْ كَفَرَهُ أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُد وَلِحَدِيثِ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ مَرْفُوعًا مَنْ صُنِعَ إلَيْهِ مَعْرُوفٌ فَقَالَ جَزَاك اللَّهُ خَيْرًا فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَسَنٌ غَرِيبٌ.[2]

مصطفی بن سعد بن عبدہ السیوطي شہرۃ، الرحیبانی مولداثم الدمشقي الحنبلي (المتوفی 1243 :ھ) لکھتے ہیں

(وَيُكَافِئُ) الْمُهْدِيَ لَهُ؛ لِحَدِيثِ عَائِشَةَ :كَانَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ، وَيُثِيبُ عَلَيْهَا. أَخْرَجَهُ الْبُخَارِيُّ۔

(أَوْ يَدْعُو لَهُ)؛ أَيْ :إذَا لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُثِيبَ عَلَيْهَا، فَلْيَذْكُرْهَا، وَيُثْنِي عَلَى صَاحِبِهَا الَّذِي أَهْدَاهَا (نَدْبًا فِيهَا)؛ أَيْ :فِي حَالِ الْمُكَافَأَةِ وَغَيْرِهَا، فَيَقُولُ :جَزَاك اللَّهُ خَيْرًا؛ لِحَدِيثِ جَابِرٍ :مَنْ أَعْطَى عَطَاءً، فَوَجَدَ؛ فَلْيَجْزِ بِهِ، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيُثْنِ بِهِ، فَمَنْ أَثْنَى بِهِ فَقَدْ شَكَرَهُ، وَمَنْ كَتَمَهُ فَقَدْ كَفَرَهُ. أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُد، وَلِحَدِيثِ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ مَرْفُوعًا :مَنْ صُنِعَ إلَيْهِ مَعْرُوفٌ فَقَالَ :جَزَاك اللَّهُ خَيْرًا فَقَدْ أَبْلَغَ فِي الثَّنَاءِ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ :حَسَنٌ غَرِيبٌ۔[3]

---

[1] (المغني لابن قدامة ج٦ ص ٤١ الناشر :مكتبة القاهرة)

[2] (كشاف القناع عن متن الإقناع ج٤ ص ٣٢١ الناشر :دار الكتب العلمية)

[3] (مطالب أولي النهى في شرح غاية المنتهى ج٤ ص ٣٨٠ الناشر :المكتب الإسلامي)

محمد بن صالح بن محمد العثیمین (المتوفی 1421 :ھ) لکھتے ہیں۔

مثال ذلك :شخص أعطى إنساناً كتاباً بدون قيمة، فإننا نسمي هذا هبة، فإن قصد بها ثواب الآخرة سمّيناها صدقة، وإن قصد بها التودد إلى هذا الشخص فهي هدية، والغالب أن الهدية تكون من الأدنى إلى الأعلى؛ لأن الأدنى لا يريد أن ينفع الأعلى وإنما يريد التودد إليه۔

أبو محمد عبد العزیز بن محمد بن عبد الرحمن بن عبد المحسن السلمان (المتوفی 1422 :ھ) لکھتے ہیں۔

والأصل فيها قبل الإجماع قوله - سبحانه وتعالى - :{فَإِن طِبْنَ لَكُمْ عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا}، وقوله :{وَآتَى المَالَ عَلَى حُبِّهِ} الآية، وقوله :{وَتَعَاوَنُوا عَلَى البِرِّ وَالتَّقْوَى} أي ليعن بعضكم بعضًا على البر، وقوله :{وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ} الآية، قيل :المراد الهبة.

ومن السنة ما ورد عن أبي هريرة - رضي الله عنه - أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال :تهادوا تحابوا حسنه الترمذي، وللبزار عن أنس مرفوعًا :تهادوا، فإن الهدية تسل السخيمة.

وعن أبي هريرة أن رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قال :لا تحقرن جارة لجارتها، ولا فرسن شاة متفق عليه.

وقال ﷺ أهديت للنجاشي حلة وأواق من مسك، ولا أراه إلا قد مات، فإن ردت علي فهي لك رواه أحمد.

وعن أبي هريرة أن رسول - صلى الله عليه وسلم - قال :لو دعيتُ إلى كراع لأجبت، ولو أُهدي إليّ كراع لقبلت رواه البخاري. وللبخاري عن عائشة كان يقبل الهدية ويثيب عليها. [1]

صالح بن فوزان بن عبد اللہ الفوزان لکھتے ہیں۔

والهدية تذهب الحقد وتجلب المحبة، لقوله صلى الله عليه وسلم :"تهادوا، فإن الهدايا تذهب وحر 1الصدور".

ولا ينبغي رد الهدية وإن قلّت، وتسن الإثابة عليها؛ لأنه صلى الله عليه وسلم كان يقبل الهدية ويثبت عليها، وذلك من محاسن الدين، ومكارم الشيم(1الوحر :الغل)[2]

اقوال من فقه عام

أبو بکر محمد بن إبراہیم بن المنذر النیسابوری (المتوفی 319 :ھ) لکھتے ہیں

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُحَمَّدٍ، ثنا مُسَدَّدٌ، ثنا مُسْلِمُ بْنُ خَالِدٍ، عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أُمِّ كُلْثُومٍ، قَالَتْ :"لَمَّا تَزَوَّجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّ سَلَمَةَ، قَالَ لَهَا :إِنِّي قَدْ أَهْدَيْتُ إِلَى النَّجَاشِيِّ أَوَاقِيَّ مِنْ مِسْكٍ وَحُلَّةٍ وَإِنِّي لَا أَرَاهُ إِلَّا قَدْ مَاتَ، وَلَا أَرَى الْهَدِيَّةَ الَّتِي أَهْدَيْنَا لَا تُرَدُّ عَلَيَّ، فَإِنْ رُدَّتْ عَلَيَّ فَهِيَ لَكِ فَكَانَ كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ النَّجَاشِيُّ وَرُدَّتْ عَلَيْهِ الْهَدِيَّةُ، فَلَمَّا رَدَّتْ عَلَيْهِ الْهَدِيَّةَ أَعْطَى لِكُلِّ امْرَأَةٍ مِنْ نِسَائِهِ أُوقِيَّةً مِنْ ذَلِكَ الْمِسْكِ، وَأَعْطَى أُمَّ سَلَمَةَ سَائِرَهَا وَأَعْطَاهَا الْحُلَّةَ"[3]

محمد بن عبد الوہاب بن سلیمان التمیمی النجدی (المتوفی 1206 :ھ) لکھتے ہیں۔

---

[1] (الأسئلة والأجوبة الفقهية ج۷ ص ۴)

[2] (الملخص الفقهي ج ۲ ص ۲۱۰ الناشر :دار العاصمة، الرياض، المملكة العربية السعودية)

[3] (الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف ج ۲ ص ۲۹۶ الناشر :دار طيبة - الرياض السعودية)

ولأحمد وأبي حاتم البستي عن أنس :"أن رجلا من أهل البادية كان اسمه زاهراً، وكان يُهْدي للنبي صلى الله عليه وسلم الهدية من البادية، فيجهزه رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أراد أن يخرج. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم :إن زاهراً بادِيتنا ونحن حاضروه. وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحبه، وكان رجلاً دميماً. فأتاه النبي صلى الله عليه وسلم يوماً وهو يبيع متاعه، فاحتضنه من خلفه، و (هو) لا يبصره، فقال الرجل :أرسلني! مَن هذا؟ فالتفت، فعرف النبي صلى الله عليه وسلم، فجعل لا يألو ما ألصق ظهره بصدر النبي صلى الله عليه وسلم حين عرفه، وجعل النبي صلى الله عليه وسلم يقول :مَن يشتري العبد. فقال :يا رسول الله، إذاً والله تجدني كاسداً. فقال النبي صلى الله عليه وسلم :(لكن عند الله) لستَ بكاسد، أو قال :لكن عند الله أنت غالٍ".

وعن عمر :"أن رجلاً كان يُلَقّبُ حِمَاراً، وكان يُهدِي إلى النبي صلى الله عليه وسلم العُكَّةَ من السمن والعسل. فإذا جاء صاحبه يتقاضاه، جاء به إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقال :أعط هذا متاعه. فما يزيد النبي صلى الله عليه وسلم على أن يبتسم، ويأمر به فيعطى". رواه ابن أبي عاصم وللبخاري عنه :"أن رجلاً كان يُلَقب حماراً، وكان يُضحك النبي صلى الله عليه وسلم"[1]

محمد بن عبد الوہاب بن سلیمان التمیمی النجدی (المتوفی 1206 :ھ) لکھتے ہیں:

وعن عائشة :"أن نساء رسول الله صلى الله عليه وسلم كُنَّ حِزْبَيْن :فحِزْبٌ فيه عائشة وحفصة وسَوْدَةُ، والحِزْبُ الآخر فيه أم سلمة وسائر أزواج النبي صلى الله عليه وسلم. وكان المسلمون قد علموا حُبَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم لعائشة؛ فإذا كانت عند أحدهم هدية يريد أن يُهديها إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، أخّرها حتى إذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في بيت عائشة بعث صاحب الهدية إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم (في بيت عائشة)[2]

كِتَابُ الْهِبَةِ وَالْهَدِيَّةِ

بَابُ افْتِقَارِهَا إِلَى الْقَبُولِ وَالْقَبْضِ وَأَنَّهُ عَلَى مَا يَتَعَارَفُهُ النَّاسُ

یصل بن عبد العزیز بن فیصل ابن حمد المبارك الحریملي النجدي (المتوفی 1376 :ھ) لکھتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ - رضي الله عنه - عَنْ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ :لَوْ دُعِيت إلَى كُرَاعٍ أَوْ ذِرَاعٍ لَأَجَبْت، وَلَوْ أُهْدِيَ إلَيَّ ذِرَاعٌ أَوْ كُرَاعٌ لَقَبِلْت .رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

وَعَنْ أَنَسٍ - رضي الله عنه - قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَوْ أُهْدِيَ إلَيَّ كُرَاعٌ لَقَبِلْت، وَلَوْ دُعِيت عَلَيْهِ لَأَجَبْت . رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهُ.

وَعَنْ خَالِدِ بْنِ عَدِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ :مَنْ جَاءَهُ مِنْ أَخِيهِ مَعْرُوفٌ مِنْ غَيْرِ إشْرَافٍ وَلَا مَسْأَلَةٍ فَلْيَقْبَلْهُ وَلَا يَرُدَّهُ فَإِنَّمَا هُوَ رِزْقٌ سَاقَهُ اللَّهُ إلَيْهِ. رَوَاهُ أَحْمَدُ.

وَعَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُسْرٍ قَالَ :كَانَتْ أُخْتِي رُبَّمَا تَبْعَثُنِي بِالشَّيْءِ إلَى النَّبِيِّ - صلى الله عليه وسلم - تُطْرِفُهُ إيَّاهُ فَيَقْبَلُهُ مِنِّي. وَفِي لَفْظٍ

---

[1] (مجموعة الحديث على أبواب الفقه ج ۴ ص ۷۱)

[2] (مجموعة الحديث على أبواب الفقه ج ۴ ص ۷۳)

كَانَتْ تَبْعَثُنِي إِلَى النَّبِيِّ - صلى الله عليه وسلم - بِالْهَدِيَّةِ فَيَقْبَلُهَا. رَوَاهُمَا أَحْمَدُ. وَهُوَ دَلِيلٌ عَلَى قَبُولِ الْهَدِيَّةِ بِرِسَالَةِ الصَّبِيِّ؛ لأَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ بُسْرٍ كَانَ كَذَلِكَ مُدَّةَ حَيَاةِ رَسُولِ اللَّهِ - صلى الله عليه وسلم -[1]

صادر عن :وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية - الكويت میں ہے کہ

الْهَدِيَّةُ:

4- مَا أَتْحَفْتَ بِهِ غَيْرَك، أَوْ مَا بَعَثْتَ بِهِ لِلرَّجُل عَلَى سَبِيل الإِكْرَامِ، وَالْجَمْعُ هَدَايَا وَهَدَاوَى - وَهِيَ لُغَةُ أَهْل الْمَدِينَةِ - يُقَال : أَهْدَيْتُ لَهُ وَإِلَيْهِ، وَفِي التَّنْزِيل {وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ}

قَال الرَّاغِبُ :وَالْهَدِيَّةُ مُخْتَصَّةٌ بِاللُّطْفِ، الَّذِي يُهْدِي بَعْضُنَا إِلَى بَعْضٍ، وَالْمِهْدَى :الطَّبَقُ الَّذِي يُهْدَى عَلَيْهِ.

وَالْمِهْدَاءُ :مَنْ يُكْثِرُ إِهْدَاءَ الْهَدِيَّةِ۔[2]

صادر عن :وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية - الكويت میں ہے کہ

الْهَدِيَّةُ:

3- الْهَدِيَّةُ لُغَةً مَأْخُوذٌ مِنْ هَدَى، يُقَال :أَهْدَيْتُ لِلرَّجُل كَذَا بَعَثْتُ بِهِ إِلَيْهِ إِكْرَامًا.

وَاصْطِلاَحًا :هِيَ الْمَال الَّذِي أُتْحِفَ بِهِ وَأُهْدِيَ لأِحَدٍ إِكْرَامًا لَهُ. المصباح المنير، والمعجم الوسيط، والمفردات للراغب، والمغني 649/5، والخرشي 101/7، والبدائع 116/6، والقليوبي 110./3۔[3]

صادر عن :وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية - الكويت میں ہے کہ

مَشْرُوعِيَّةُ الْهَدِيَّةِ:

8- لاَ خِلاَفَ بَيْنَ الْفُقَهَاءِ فِي مَشْرُوعِيَّةِ الْهَدِيَّةِ، بَل وَلاَ خِلاَفَ فِي اسْتِحْبَابِهَا فِي الأَْصْل إِلاَّ لِعَارِضٍ، وَدَلِيل مَشْرُوعِيَّتِهَا الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ الْمُطَهَّرَةُ وَإِجْمَاعُ الْمُسْلِمِينَ.

فَمِنَ الْكِتَابِ قَوْلُهُ تَعَالَى :{فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَرِيئًا}، وَقَوْلُهُ عَزَّ مِنْ قَائِلٍ :{وَآتَى الْمَال عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى} الآْيَةَ. وَمِنَ السُّنَّةِ الْقَوْلِيَّةِ قَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ، لاَ تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ، وَقَوْلُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لَوْ دُعِيتُ إِلَى ذِرَاعٍ أَوْ كُرَاعٍ لأَجَبْتُ، وَلَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ ذِرَاعٌ أَوْ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ، وَخَبَرُ :كَانَ رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْبَل الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا، وَقَال عَلَيْهِ الصَّلاَةُ وَالسَّلاَمُ :تَهَادُوا تَحَابُّوا.

وَمِنَ السُّنَّةِ الْعَمَلِيَّةِ :قَبُولُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدِيَّةَ النَّجَاشِيِّ الْمُسْلِمِ وَتَصَرُّفُهُ فِيهَا وَمُهَادَاتُهُ۔

صادر عن :وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية - الكويت میں ہے کہ

وَقَال الشَّافِعِيَّةُ :مَا يُهْدَى لِلْمُعَلِّمِ إِنْ كَانَتِ الْهَدِيَّةُ لأِجْل مَا يَحْصُل مِنْهُ مِنَ التَّعْلِيمِ فَالأَْوْلَى عَدَمُ الْقَبُول لِيَكُونَ عَمَلُهُ خَالِصًا لِوَجْهِ

---

[1] (بستان الأحبار مختصر نيل الأوطار ج ۲ ص ۱۴۳ الناشر :دار إشبيليا للنشر والتوزيع، الرياض)

[2] (الموسوعة الفقهية الكويتية ج ۲۲ ص ۲۲۰)

[3] (الموسوعة الفقهية الكويتية ج ۴۲ ص ۱۲۰)

اللهِ تَعَالَى، وَإِنْ أُهْدِيَ إِلَيْهِ تَحَبُّبًا وَتَوَدُّدًا لِعِلْمِهِ وَصَلاَحِهِ فَالأَوْلَى الْقَبُول۔[1]

صادر عن :وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية-الكويت میں ہے کہ

أَقْسَامُ الْهَدِيَّةِ:

الْهَدِيَّةُ أَرْبَعَةُ أَقْسَامٍ كَمَا جَاءَ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ نَقْلاً عَنْ أَقْضِيَةِ مُحَمَّدٍ صَاحِبِ أَبِي حَنِيفَةَ:

أ- حَلاَلٌ مِنَ الْجَانِبَيْنِ كَالإِْهْدَاءِ لِلتَّوَدُّدِ.[2]

صادر عن :وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية-الكويت میں ہے کہ

هَدِيَّةُ الْمُفْتِي وَالْوَاعِظِ وَمُعَلِّمِ الْقُرْآنِ وَالْعِلْمِ:

ذَهَبَ فُقَهَاءُ الْحَنَفِيَّةِ وَالْمَالِكِيَّةِ وَالشَّافِعِيَّةِ وَالْحَنَابِلَةِ إِلَى أَنَّهُ لاَ تَحْرُمُ عَلَى الْمُفْتِي وَالْوَاعِظِ وَمُعَلِّمِ الْقُرْآنِ وَالْعِلْمِ الْهَدِيَّةُ، لأَِنَّهُ لَيْسَ لَهُمْ أَهْلِيَّةُ الإِْلْزَامِ، وَلَكِنَّ الأَْوْلَى حَقِّهِمْ إِنْ كَانَ سَبَبُ الْهَدِيَّةِ مُقَابِل مَا يَحْصُل مِنْهُمْ مِنَ الإِْفْتَاءِ، وَالْوَعْظِ وَالتَّعْلِيمِ عَدَمُ الْقَبُول لِيَكُونَ عَمَلُهُمْ خَالِصًا لِوَجْهِ اللهِ تَعَالَى.

وَإِنْ أُهْدِيَ إِلَيْهِمْ تَحَبُّبًا وَتَوَدُّدًا لِعِلْمِهِمْ وَصَلاَحِهِمْ فَالأَْوْلَى الْقَبُول۔[3]

الدلائل من الرقاق والاداب والاذكار

أبو الليث نصر بن محمد بن أحمد بن إبراهيم السمرقندي (المتوفى 373 :هـ) لکھتے ہیں۔

بَلَغَنَا أَنَّ صَالِحًا الْمُرِّيَّ أَقْبَلَ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ يُرِيدُ مَسْجِدَ الْجَامِعِ لِيُصَلِّيَ فِيهِ صَلَاةَ الْفَجْرِ، فَمَرَّ بِمَقْبَرَةٍ فَقَالَ لَوْ أَقَمْتُ حَتَّى يَطْلُعَ الْفَجْرُ، فَدَخَلَ الْمَقْبَرَةَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، وَاتَّكَأَ عَلَى قَبْرٍ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ، فَرَأَى فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ أَهْلَ الْقُبُورِ قَدْ خَرَجُوا مِنْ قُبُورِهِمْ، فَقَعَدُوا حِلَقًا حِلَقًا يَتَحَدَّثُونَ فَإِذَا شَابٌّ عَلَيْهِ ثِيَابٌ دَنِسَةٌ، فَقَعَدَ فِي جَانِبٍ مَغْمُومًا، فَلَمْ يَمْكُثُوا إِذْ أَقْبَلَتْ عَلَيْهِمْ أَطْبَاقٌ عَلَيْهَا أَلْطَافٌ مُغَطَّاةٌ بِمَنَادِيلَ، فَكُلَّمَا جَاءَ وَاحِدًا مِنْهُمْ طَبَقٌ أَخَذَهُ، وَدَخَلَ قَبْرَهُ حَتَّى بَقِيَ الْفَتَى فِي آخِرِ الْقَوْمِ لَمْ يَأْتِهِ فَقَامَ حَزِينًا؟ لِيَدْخُلَ فِي قَبْرِهِ فَقُلْتُ لَهُ :يَا عَبْدَ اللهِ مَالِي أَرَاكَ حَزِينًا؟ وَمَا الَّذِي رَأَيْتَ؟ قَالَ :يَا صَالِحُ الْمُرِّيُّ هَلْ رَأَيْتَ الْأَطْبَاقَ؟ قَالَ :قُلْتُ نَعَمْ. فَمَا هِيَ؟ قَالَ :تِلْكَ أَلْطَافُ الْأَحْيَاءِ لِمَوْتَاهُمْ كُلَّمَا تَصَدَّقُوا عَنْهُمْ أَوْ دَعَوْا لَهُمْ أَتَاهُمْ ذَلِكَ فِي لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ، وَإِنِّي رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ السِّنْدِ أَقْبَلْتُ بِوَالِدَتِي تُرِيدُ الْحَجَّ فَلَمَّا صِرْتُ بِالْبَصْرَةِ تُوُفِّيتْ بِهَا وَتَزَوَّجَتْ وَالِدَتِي بَعْدِي، وَلَمْ تَذْكُرْ لِزَوْجِهَا أَنَّهُ كَانَ لَهَا وَلَدٌ، وَقَدْ أَلْهَتْهَا الدُّنْيَا فَمَا تَذْكُرُنِي بِشَفَةٍ وَلَا لِسَانٍ، فَحُقَّ لِيَ الْحُزْنُ إِذْ لَيْسَ لِي مَنْ يَذْكُرُنِي مِنْ بَعْدِي. قَالَ صَالِحٌ :وَأَيْنَ مَنْزِلُ أُمِّكَ؟ فَوَصَفَ لِيَ الْمَوْضِعَ. قَالَ :فَلَمَّا أَصْبَحْتُ وَقَضَيْتُ صَلَاتِي أَقْبَلْتُ فَسَأَلْتُ عَنْ مَنْزِلِهَا، فَأُرْشِدْتُ إِلَيْهِ، فَجِئْتُ فَاسْتَأْذَنْتُ عَلَيْهَا، فَقُلْتُ :إِنِّي صَالِحٌ الْمُرِّيُّ بِالْبَابِ فَأَذِنَتْ لِي، فَدَخَلْتُ وَقُلْتُ :أُحِبُّ أَنْ لَا يَسْمَعَ كَلَامِي وَكَلَامَكِ أَحَدٌ، فَدَنَوْتُ حَتَّى مَا كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهَا إِلَّا سِتْرٌ فَقُلْتُ :يَرْحَمُكِ اللهُ هَلْ لَكِ وَلَدٌ؟ قَالَتْ :لَا. قُلْتُ :فَهَلْ كَانَ لَكِ وَلَدٌ؟ فَتَنَفَّسَتِ الصُّعَدَاءَ ثُمَّ قَالَتْ :قَدْ كَانَ لِي وَلَدٌ شَابٌّ فَمَاتَ. فَقَصَصْتُ عَلَيْهَا الْقِصَّةَ قَالَ :فَبَكَتْ حَتَّى تَحَدَّرَتْ دُمُوعُهَا عَلَى خَدَّيْهَا، قَالَتْ :يَا صَالِحُ ذَاكَ وَلَدِي مِنْ

---

[1] (الموسوعة الفقهية الكويتية ج۳۸ص ۲۳۰)

[2] (الموسوعة الفقهية الكويتية ج ۴۲ص ۲۵۸)

[3] (الموسوعة الفقهية الكويتية ج ۴۲ص ۲۶۰)

مَنْزِلِ كَبِدِي وَالْحَشَا، كَانَ بَطْنِي لَهُ وَعَاءً، وَثَدْيِي لَهُ سِقَاءً، وَحِجْرِي لَهُ حِوَاءً، ثُمَّ دَفَعَتْ لِيَ أَلْفَ دِرْهَمٍ وَقَالَتْ :تَصَدَّقْ بِهَا عَلَى حَبِيبِي وَقُرَّةِ عَيْنِي وَلَا أَنْسَاهُ الدُّعَاءَ وَالصَّدَقَةَ فِيمَا بَقِيَ مِنْ عُمْرِي قَالَ :فَانْطَلَقْتُ فَتَصَدَّقْتُ بِالْأَلْفِ، فَلَمَّا كَانَ فِي الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى أَقْبَلْتُ أُرِيدُ الْجُمُعَةَ فَأَتَيْتُ الْمَقْبَرَةَ، وَصَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ، وَاسْتَنَدْتُ إِلَى قَبْرٍ فَخَفِقْتُ بِرَأْسِي، فَإِذَا أَنَا بِقَوْمٍ قَدْ خَرَجُوا وَإِذَا أَنَا بِالْفَتَى عَلَيْهِ ثِيَابٌ بِيضٌ فَرِحًا مَسْرُورًا، ثُمَّ أَقْبَلَ حَتَّى دَنَا مِنِّي ثُمَّ قَالَ :يَا صَالِحُ الْمُرِّيُّ جَزَاكَ اللَّهُ خَيْرًا عَنِّي، وَقَدْ وَصَلَتْ إِلَيْنَا الْهَدِيَّةُ، فَقُلْتُ لَهُ :أَنْتُمْ تَعْرِفُونَ الْجُمُعَةَ؟ قَالَ :نَعَمْ وَإِنَّ الطُّيُورَ فِي الْهَوَاءِ يَعْرِفُونَهَا وَيَقُولُونَ سَلَامٌ لِيَوْمٍ صَالِحٍ يَعْنِي يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔[1]

أبو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي (المتوفى 505 :هـ) لکھتے ہیں۔

وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نعم العطية ونعم الهدية كلمة حكمة تسمعها فتطوي عليها ثم تحملها إلى أخ لك مسلم تعلمه إياها تعدل عبادة سنة۔[2]

محمد بن مفلح بن محمد بن مفرج، أبو عبد الله، شمس الدين المقدسي الرامينى ثم الصالحي الحنبلي (المتوفى : 763هـ) لکھتے ہیں۔

وَبِإِسْنَادِهِ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ حَدَّثَنِي أَبِي أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ نِعْمَتْ الْهَدِيَّةُ وَنِعْمَتْ الْعَطِيَّةُ الْكَلِمَةُ مِنْ كَلَامِ الْحِكْمَةِ يَسْمَعُهَا الرَّجُلُ فَيَنْطَوِي عَلَيْهَا حَتَّى يُهْدِيَهَا إلَى أَخِيهِ۔[3]

محمد بن علي بن عطية الحارثي، أبو طالب المكي (المتوفى 386 :هـ) لکھتے ہیں۔

روى ذلك سعيد بن سعيد عن أبي طيبة عن كرز بن وبرة قال :وكان من الأبدال، قال :أتاني أخ لي من الشام فأهدى لي هدية، وقال :يا كرز اقبل مني هذه الهدية فإنها نعم الهدية، فقلت :يا أخي من أهدى لك هذه الهدية؟ قال :أعطانيها إبراهيم التيمي، قلت :أفلم تسأل إبراهيم من أعطاه؟ قال :بلى، قال :كنت جالساً في فناء الكعبة، وأنا في التهليل والتسبيح والتحميد فجاءني رجل فسلّم عليّ وجلس عن يميني فلم أرَ في زماني أحسن منه وجهاً ولا أحسن منه ثياباً ولا أشدّ بياضاً ولا أطيب ريحاً، فقلت :يا عبد الله من أنت ومن أين جئت؟ فقال :أنا الخضر، فقلت :في أي شيء جئتني؟ قال :جئتك للسلام عليك، وحباً لك في الله عزّ وجلّ، وعندي هدية أريد أن أهديها إليك، فقلت :ماهي؟ قال :هي أن تقرأ قبل طلوع الشمس وتبسط على الأرض، وقبل أن تغرب سورة الحمد سبع مرات، وقل أعوذ برب الناس سبع مرات، وقل أعوذ برب الفلق سبع مرات، وقل هو الله أحد سبع مرات، وقل أيها الكافرون سبع مرات، وآية الكرسي سبع مرات، وتقول سبحان الله والحمد لله ولا إله إلا الله والله أكبر سبع مرات

وتصلي على النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سبع مرات، وتستغفر لنفسك ولوالديك وماتوالدا ولأهلك وللمؤمنين والمؤمنات الأحياء منهم والأموات سبع مرات، وتقول اللهم يارب افعل بي وبهم عاجلاً وآجلاً في الدين والدنيا والآخرة ما أنت له أهل ولا تفعل بنا يا مولاي ما نحن له أهل، إنك غفور حليم، جوّاد كريم رؤوف، رحيم سبع مرات، وانظر أن لا تدع ذلك غدوةً وعشية،

---

[1] (تنبيه الغافلين بأحاديث سيد الأنبياء والمرسلين للسمرقندي ج ١ ص ٣٠٠)

[2] (إحياء علوم الدين ج ١ ص ١٠ الناشر :دار المعرفة-بيروت)

[3] (الآداب الشرعية والمنح المرعية ج ١ ص ١٨٤)

فقلت :أحب أن تخبرني من أعطاك هذه العطية، فقال :أعطانيها محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فقلت :أخبرني بثواب ذلك، فقال لي :إذا لقيت محمّداً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فسله عن ثوابه فإنه سيخبرك، فذكر إبراهيم التيمي رحمه الله أنه رأى ذات ليلة في منامه أن الملائكة جاءته فاحتملته حتى أدخلوه الجنة فرأى ما فيها، ووصف وصفاً عظيماً مما رأى في صفة الجنة، قال : فسألت الملائكة فقلت :لمن هذا كله؟ فقالوا :للذي عمل مثل عملك وذكر أنّه أكل من ثمرها وسقوه من شرابها فأتاني النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ومعه سبعون نبياً وسبعون صفاً من الملائكة، كل صف مثل ما بين المشرق والمغرب فسلّم عليّ وأخذ بيدي، فقلت :يا رسول الله إن الخضر أخبرني أنه سمع منك هذا الحديث، فقال :صدّق الخضر وكل ما يحكيه فهو حق وهو عالم أهل الأرض وهو رئيس الأبدال وهو من جنود الله عزّ وجلّ في الأرض، فقلت :يا رسول الله فمن فعل هذا ولم يرَ مثل الذي رأيت في منامي، هل يعطى ممّا أعطيته؟ قال :والذي بعثني بالحق إنه ليعطي العامل بهذا وإن لم يرني ولم يرَ الجنة إنه ليغفر له جميع الكبائر التي عملها ويرفع الله عزّ وجلّ عنه غضبه ومقته ويؤمر صاحب الشمال أن لا يكتب عليه شيئاً من السيّئات إلى سنة والذي بعثني بالحق نبياً ما يعمل بهذا إلا من خلقه الله تعالى سعيداً ولا يتركه إلا من خلقه شقياً، وقد كان إبراهيم التيمي رحمه الله مكث أربعة أشهر لم يطعم طعاماً ولم يشرب شراباً فلعله بعد الرؤيا والله تعالى أعلم ذكره الأعمش عنه فهذا من جمل ما أتى ممّا يُستحبّ أن يقرأ ويقال بعد صلاة الغداة، ولذلك فضائل جمة وردت بها الأخبار حذفنا ذكرها للاختصار.[1]

أبو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي (المتوفى 505 :هـ) لکھتے ہیں۔

ويقبل الهدية ولو أنها جرعة لبن أو فخذ أرنب ويكافيء عليها، حديث كان يقبل الهدية ولو أنها جرعة لبن أو فخذ أرنب ويكافئ عليها أخرجه البخاري من حديث عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقبل الهدية ويثيب عليها وأما ذكر جرعة اللبن وفخذ الأرنب ففي الصحيحين من حديث أم الفضل أنها أرسلت بقدح لبن إلى النبي صلى الله عليه وسلم وهو واقف بعرفة فشربه ولأحمد من حديث عائشة أهدت أم سلمة لرسول الله صلى الله عليه وسلم لبنا الحديث وفي الصحيحين من حديث أنس أن أبا طلحة بعث بورك أرنب أو فخذها إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقبله۔[2]

جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد الجوزي (المتوفى 597 :هـ) لکھتے ہیں۔

قَالَ ابْن قُتَيْبَة جَاءَتْنِي جَارِيَة بهدية فَقلت لَهَا قد علم مَوْلَاك إِنِّي لَا أقبل الْهَدِيَّة قَالَت وَلم قلت أَخْشَى أَن يستمد مني علما لأجل هديته فَقَالَت مَا استمد النَّاس من رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم أَكثر وَقد كَانَ يقبل الْهَدِيَّة فَقَبلتهَا فَكَانَت الْجَارِيَة أفقه مني۔[3]

جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد الجوزي (المتوفى 597 :هـ) لکھتے ہیں۔

ذكر مزاحه ومداعبته صلى الله عليه وسلم:

وعن أنس أن رجلا من أهل البادية كان اسمه زاهرا وكان يهدي للنبي. صلى الله عليه وسلم الهدية من البادية فيجهزه رسول الله. صلى الله عليه وسلم إذا أراد أن يخرج فقال رسول الله. صلى الله عليه وسلم "أن زاهرا بادينا ونحن حاضروه 1". وكان رسول

---

[1] (قوت القلوب في معاملة المحبوب ووصف طريق المريد إلى مقام التوحيد ج ۱ ص ۱۷ الغنية لطالبي طريق الحق عزوجل ج ۲ ص ۱۴۲)

[2] (إحياء علوم الدين ج ۲ ص ۳۶۰ الناشر :دار المعرفة - بيروت)

[3] (كتاب الأذكياء ج ۱ ص ۲۲۸)

الله. صلى الله عليه وسلم يحبه وكان رجلا دميما.

فأتاه النبي. صلى الله عليه وسلم وهو يبيع متاعه فاحتضنه من خلفه ولا يبصره الرجل فقال ارسلني من هذا فالتفت فعرف النبي. صلى الله عليه وسلم فجعل لا يألو ما الصق ظهره ببطن النبي. صلى الله عليه وسلم حين عرفه وجعل النبي. صلى الله عليه وسلم يقول من يشتري العبد فقال يا رسول الله إذا والله تجدني كاسدا فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم "لكن عند الله عز وجل لست بكاسد" أو قال: "لكن عند الله أنت غال" رواه الامام أحمد قال لنا محمد بن ابي منصور قال لنا ابو زكريا الدميم بالدال المهملة في الخلق وبالذال المعجمة في الخلق.[1]

أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى 676 :هـ) لکھتے ہیں۔

(بابُ استحبابِ مُكافأةِ المُهْدي بالدعاءِ للمُهْدَى له إذا دَعاله عندَ الهدية)

روينا في كتاب ابن السني عن عائشة رضي الله عنها قالت أَهديتُ لرسول الله (صلى الله عليه وسلم) شاةً، قال: اقْسِميها، فكانت عائشةُ إذا رجعتِ الخادمُ تقولُ: ما قالُوا؟ تقولُ الخادمُ: قالوا: بارَك الله فيكم، فتقول عائشة: وفيهم بارك الله، نردُّ عليهم مثلَ ما قالوا، ويَبقى أجرُنا لنا.[2]

محمد بن مفلح بن محمد بن مفرج، أبو عبد الله، شمس الدين المقدسي الرامينى ثم الصالحي الحنبلي (المتوفى 763 :هـ) لکھتے ہیں۔

عَنْ النَّبِيِّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- أَنَّهُ قَالَ: تَجَاوَزُوا وَتَزَاوَرُوا وَتَهَادَوْا، فَإِنَّ الْهَدِيَّةَ تُثْبِتُ الْمَوَدَّةَ وَتَسُلُّ السَّخِيمَةَ قَالَ الشَّاعِرُ:

هَدَايَا النَّاسِ بَعْضَهُمْ لِبَعْضٍ ... تُوَلِّدُ فِي قُلُوبِهِمُ الْوِصَالَا

وَتَزْرَعُ فِي الضَّمِيرِ هَوًى وَوُدًّا ... وَتُلْبِسُهُمْ إذَا حَضَرُوا اجْمَالَا.[3]

الدلايل من السيرة والشمايل

محمد بن عمر بن واقد السهمي الأسلمي بالولاء، المدني، أبو عبد الله، الواقدي (المتوفى 207 :هـ) لکھتے ہیں۔

قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ، عَنْ أَبِي حُصَيْنٍ الْهُذَلِيِّ، قَالَ: لَمَّا أَسْلَمَتْ هِنْدُ بِنْتُ عُتْبَةَ أَرْسَلَتْ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَدِيَّةٍ -وَهُوَ بِالْأَبْطَحِ- مَعَ مَوْلَاةٍ لَهَا، بِجَدْيَيْنِ مَرْضُوفَيْنِ وَقَدْ. فَانْتَهَتْ الْجَارِيَةُ إِلَى خَيْمَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَلَّمَتْ وَاسْتَأْذَنَتْ، فَأَذِنَ لَهَا فدخلت على رسول الله صلى الله عليه وَسَلَّمَ، وَهُوَ بَيْنَ نِسَائِهِ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجَتِهِ وَمَيْمُونَةَ، وَنِسَاءٍ مِنْ نِسَاءِ بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَقَالَتْ: إِنَّ مَوْلَاتِي أَرْسَلَتْ إِلَيْك بِهَذِهِ الْهَدِيَّةِ، وَهِيَ مُعْتَذِرَةٌ إِلَيْك وَتَقُولُ: إِنَّ غَنَمَنَا الْيَوْمَ قَلِيلَةُ الْوَالِدَةِ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَارَكَ اللهُ لَكُمْ فِي غَنَمِكُمْ، وأكثر وَالِدَتَهَا! فَرَجَعَتْ الْمَوْلَاةُ إِلَى هِنْدٍ فَأَخْبَرَتْهَا بِدُعَاءِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسُرَّتْ بِذَلِك، فَكَانَتْ الْمَوْلَاةُ تَقُولُ: لَقَدْ رَأَيْنَا مِنْ كَثْرَةِ غَنَمِنَا وَوَالِدَتِنَا مَا لَمْ نَكُنْ نَرَى

---

[1] (صفة الصفوة ج ۱ ص ۲۹ الناشر: دار الحديث، القاهرة، مصر)

[2] (الأذكار ج ۱ ص ۳۱۱ الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت-لبنان)

[3] (الآداب الشرعية والمنح المرعية ج ۱ ص ۲۹۷)

قَبلُ وَلَا قَرِيبًا، فَتَقُولُ هِنْدٌ :هَذَا دُعَاءُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَرَكَتُهُ، فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِلْإِسْلَامِ۔[1]

عبدالله بن سعيد بن محمد عبادي اللّحجي الحضرميّ الشحاري، ثم المراوعي، ثم المكي (المتوفى 1410 :هـ) لکھتے ہیں۔

وحكي أن بعض الأولياء أهدي له هدية من الدراهم والدنانير، فقال له بعض جلسائه :يا مولانا، الهدية مشتركة. فقال :نحن لا نحبّ الاشتراك. فتغيّر ذلك القائل لظنّه أنّ الشيخ يريد أن يختصّ بالهدية. فقال الشيخ :خذها لك وحدك، فأخذها فعجز عن حملها، فأمر الشيخ بعض تلامذته فأعانوه وحكي أنّه أهدي لأبي يوسف هدية من الدراهم والدنانير، فقال له بعض جلسائه :يا مولانا، الهدية مشتركة. فقال :أل في الهدية للعهد، والمعهود هديّة الطعام. فانظر الفرق بين مسلك الأولياء ومسلك الفقهاء!!.[2]

عبدالله بن سعيد بن محمد عبادي اللّحجي الحضرميّ الشحاري، ثم المراوعي، ثم المكي (المتوفى 1410 :هـ) لکھتے ہیں۔

تهادوا) - بفتح الدال المهملة-، أي :ليهد بعضكم لبعض (تحابّوا)، أي :يحبّ بعضكم بعضا، لأنّ الهديّة خلق من أخلاق الإسلام دلّت عليه الأنبياء، وحثّ عليه خلق الأولياء، وهي تؤلّف القلوب، وتنفي البغضاء من الصدور.

قال الغزالي :قبول الهدية سنّة، لكن الأولى ترك ما فيه منّة، فإن كان البعض تعظم منّته دون البعض ردّ ما تعظم منّته. انتهى.

ويسنّ المكافأة عن الهديّة بردّ مثلها أو زيادة إن قدر على ذلك، ولا يكلّف نفسه ما لا يطيق. والتهادي :تفاعل، فيكون من الجانبين.

وينبغي للمهدي أن يقصد بالهدية امتثال أمر الشارع وما ندب لأجله، ولا يقصد بذلك الدنيا. قال حسّان رضي الله عنه:

إنّ الهدايا تجارات اللّئام وما ... يبغي الكرام لما يهدون من ثمن[3]

اقوال المشائخ من الصوفياء:

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی الشیخ احمد فاروقی حنفی سرہندی قدس سرہ العزیز اپنے مکتوب-۴۸ میں فرماتے ہیں۔

متن: درکتابتِ مولانا محمد قلیج موفق مرقوم فرمودہ بودند جزوی خرچے برائے طالب علمان وصوفیان فرستادہ شد ذکر تقدیم طالب علمان برصوفیان درنظر ہمت بسیار زیبا درآمد بحکم الظاہر عنوان الباطن امید است کہ در باطن شریف نیز این جماعۂ کرام تقدیم پیدا کردہ باشند کل اناء یترشح بما فیہ ع ازکوزہ برون ہمان تراود کہ دروست ۔ودر تقدیم طالب علمان ترویج شریعت است حاملان شریعت ایشانند وملت مصطفویہ علیہ وعلی الہ الصلوات والتسلیمات بایشان برپاست۔

ترجمہ: آپ نے مولانا محمد قلیج موفق کے خط پر تحریر فرمایا تھا کہ طالب علموں اور صوفیوں کیلئے کچھ خرچہ بھیجا گیا ہے۔صوفیوں پر طالب علموں کے ذکر کو مقدم رکھنا آپ کی بلند ہمتی کے پیش نظر بہت اچھا معلوم ہوا ہے۔اس حکم کے مطابق کہ ''ظاہر'' باطن کا دیباچہ ہوتا ہے۔'' امید ہے کہ آپ کے باطن شریف میں بھی اس عزت والی جماعت (طالبان علم) کا مقدم ہونا پیدا ہوگیا ہوگا کیونکہ ہر برتن سے وہی چیز نکلتی ہے جو اس کے اندر ہوتی ہے۔

---

[1] (المغازي ج ۲ ص ۸۶۸ الناشر :دار الأعلمي - بيروت)

[2] (منتهى السؤل على وسائل الوصول إلى شمائل الرسول صلى الله عليه وآله وسلم ج ۱ ص ۲۸۵ الناشر :دار المنهاج - جدة)

[3] (منتهى السؤل على وسائل الوصول إلى شمائل الرسول صلى الله عليه وآله وسلم ج ۳ ص ۳۸۳ الناشر :دار المنهاج - جدة)

ع کوزہ سے وہی کچھ نکلتا ہے جو کچھ اس کے اندر ہوتا ہے۔

اور طالب علموں کے مقدم کرنے میں شریعت کو رواج دینا ہے کیونکہ شریعت کے اٹھانے والے یہی لوگ ہیں اور دین مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰت انہی کے ساتھ قائم ہے۔

شرح: حضرت امام ربانی قدس سرہ نے یہ مکتوب حضرت شیخ فرید بخاری علیہ الرحمۃ کی طرف تحریر فرمایا۔انہوں نے حضرت امام ربانی قدس سرہ کی خدمت میں ایک خط ارسال کیا تھا۔جس میں طالب علموں اور صوفیوں کیلئے کچھ اخراجات بھیجنے کا اظہار کیا تھا،اس خط میں انہوں نے طالب علموں کا ذکر صوفیوں کے ذکر پر مقدم رکھا تھا جس پر امام ربانی قدس سرہ نے اظہار مسرت فرماتے ہوئے امید ظاہر فرمائی کہ آپ کا باطن بھی علماء وطلباء کی تعظیم سے سرشار ہے یہ بزرگ جماعت ہی شریعت کو رواج دینے والی ،مذہب وملت کے تشخص کو اجاگر کرنے والی اور دینی اقدار کو قائم رکھنے والی ہے۔کیونکہ یہی گروہ انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی کامل وراثت کا حامل ہے اور انبیاء کرام کی شریعتوں کو رواج دینے پر مامور تھے۔جنت میں داخل ہونا اور دوزخ سے بچنا شریعت کے احکام بجالانے پر ہی منحصر ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ کل قیامت کے دن شریعت کے متعلق پوچھا جائے گا تصوف کی بابت نہیں پوچھا جائے گا۔لہٰذا علماء شریعت کا مرتبہ صوفیاء اور شہداء کے مرتبے سے بھی بلند تر ہے۔

چنانچہ ایک مکتوب میں آپ نے وضاحت فرمائی ہے کہ علوم شرعیہ کی تعلیم وتدریس،ذکر وفکر سے بھی زیادہ اہم ہے۔اگر سارا وقت درس میں ہی صرف ہو جائے تو نہایت بہتر ہے۔رات کے اوقات ذکر وفکر کیلئے وسیع ہیں۔[1]

نیز آپ نے صراحت فرمائی ہے کہ اہل سنت کے علمائے ظاہر اگرچہ بعض اعمال میں قاصر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے متعلق ان کے درست عقائد کا جمال اس قدر نورانیت رکھتا ہے کہ وہ کوتاہی وکمی اس کے مقابلے میں ہیچ (ناچیز) دکھائی دیتی ہے۔[2]

بینہ: حضرت امام ربانی قدس سرہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی راہ میں کروڑہا روپیہ خرچ کر دینے سے بھی زیادہ بہتر یہ ہے کہ شرعی مسائل میں سے ایک مسئلہ کو رواج دیا جائے کیونکہ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی اقتداء ہے۔اسی لیے آپ مخیر حضرات کو علماء وطلباء کی مالی اعانت پر ترغیب دیا کرتے تھے چنانچہ شیخ فرید بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کی تربیت کی وجہ سے یہی جذبہ رکھتے تھے اور طلباء،علماء اور فقراء پر اپنا مال زیادہ خرچ کیا کرتے تھے کیونکہ یہ حضرات مسائل واحکام شرعیہ کی تعلیم وتبلیغ پر مامور ہیں۔

مشہور تابعی حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ،کا طرز عمل یہ تھا کہ آپ اپنے صدقات ومعروفات کو علماء وطلباء کیلئے وقف رکھتے۔ایک مرتبہ ان سے عرض کیا گیا کہ آپ اپنے معروفات میں تعمیم کیوں نہیں فرماتے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد علماء سے بہتر کوئی گروہ نظر نہیں آتا۔میری رائے میں ان کو علم کی طرف متوجہ رکھنا فرائض میں داخل ہے۔اس لئے کہ اگر یہ گروہ اپنے روزمرہ کی ضروریات میں الجھا رہا تو حصول علم کیلئے کوششوں کو کیونکر جاری رکھ سکے گا لہٰذا ان کو کسب معاش کی فکر سے آزاد رکھنا اور ترویج علم وشریعت کیلئے فارغ لمحات مہیا کرنا ہمارا اولین فرض ہے۔[3]

---

[1] (دفتر دوم مکتوب ۱۴)

[2] (دفتر اول مکتوب ۸)

[3] (تعلیمات غزالی)

ترویج شریعت کی فضیلت:

متن: اینجا کسی سوال نکند کہ طالب علم گرفتار از صوفی وارستہ چون مقدم باشد جواب گوئیم کہ او ہنوز حقیقتِ سخن را در نیافتہ است طالب علم باوجود گرفتاری سبب نجات خلائق است چہ تبلیغ احکام شرعی از وی میسر است اگرچہ خود بآن منتفع نشود وصوفی باوجود وارستگی نفس خود را اخلاص ساختہ است بخلائق کارے ندارد۔

ترجمہ: اس جگہ کوئی شخص یہ سوال نہ کرے کہ گرفتار (ماسوی اللہ میں) طالب علم، آزاد (ماسوی اللہ سے) صوفی سے کس طرح مقدم ہوگا۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس شخص (سائل) نے اس مسئلہ کی حقیقت کو معلوم نہیں کیا، طالب علم باوجود گرفتاری کے مخلوق کی نجات کا سبب ہے۔ کیونکہ اس کو احکام شرعیہ کی تبلیغ میسر ہے۔ اگرچہ خود اس سے نفع حاصل نہیں کرتا اور صوفی نے ماسوی اللہ سے آزادی کے باوجود صرف اپنے نفس کو آزاد کیا ہے مخلوق کے ساتھ اس کو کوئی کام نہیں رہا۔

شرح: حضرت امام ربانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ صوفی اگرچہ ماسوی اللہ سے آزاد ہے مگر اس کو صرف اپنی نجات حاصل ہے جبکہ علماء اور طلباء اگرچہ ماسوی اللہ سے آزاد نہ بھی ہوں مخلوق کی نجات کے کفیل ہیں۔ کیونکہ انہیں تعلیم دین اور ترویج شریعت کی سعادت میسر آئی ہے۔ ہاں وہ صوفی جو فنا و بقا کے بعد نزول کر کے دعوت وارشاد کی مسند پر رونق افروز ہو اور علم باطن کے ساتھ علم ظاہر کی دولت سے بھی آراستہ ہو ایسے صوفی کو کمالات نبوت سے حصہ ملتا ہے اور وہ بھی شریعت کی ترویج وتبلیغ کرنے والوں میں شمار کیا جائے گا اور علماء شریعت کے حکم میں داخل ہوگا۔ ایک دوسرے مقام پر آپ نے فرمایا کہ ایسا صوفی جو جامع شریعت وطریقت ہو علمائے ظواہر شریعت سے کامل ہوتا ہے۔ کیونکہ علم ظاہر و باطن دونوں انبیاء کی میراث ہیں۔ لہٰذا تمام متروکہ میراث سے کامل حصہ رکھنے والا ہی کامل وارث ہوتا ہے۔ اس لیے صوفیٔ کامل ظاہر شریعت کا بھی معلم ہوتا ہے اور باطن شریعت کا بھی مبلغ ہوتا ہے۔

الامام ابی المواھب عبدالوھاب بن احمد بن علی بن احمد الشافعی المصری المعروف بالشعرانی المتوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں۔

(أخذعلينا العهد العام من رسول الله ﷺ) أن نقبل كل ماجاءنا من الحلال من غير استشراف نفس ولا نرده، وذلك لأنه جاءنا من عندالله تعالىٰ من غير تعمد وقع منا أو اجتلاب، قال تعالىٰ :وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا (٢) وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِب (الطلاق ٣-٢) ولا يمتن الحق تعالىٰ على العبد إلا بما هو حلال محمود۔

وكانت طريقة سيدى ابى الحسن الشاذلى، أنه لا يسأل ولا يرد ولا يدخر، وكذلك كانت طريقة سيدى احمد بن الرفاعى رحمهم الله تعالىٰ۔ وفى الحديث: ومن تورّع عن الحلال وقع فى الحرام۔" وهذا أمر ربما يخل به كثير من المشائخ فضلاً عن غيرهم، وكذلك كان دأب سيدى على الخواص إلى اواخر عمره، ثم قبل من الناس قبل موته وصار يضع الدراهم والدنانير عنده فى قدرة، فكل من مر عليه من العميان والعاجزين والمديونين يعطيه من ذلك ويقول مافى الكون مال إلا وله ناس يستحقون الأكل واللبس منه من اصحاب الضرورات۔ وسمعته رضى الله عنه يقول: لو كشف للمحجوبين لرأو جميع مايأتيهم من الناس إنما هو هدية من الحق تعالىٰ وهو الذى قدمه إليهم فكيف يصح لصاحب هذا المشهد أن يرد۔[1]

واجمع العارفون على أن من شرط الكامل أن لا يطفئ نور معرفته ونور ورعه يعنيى أن نور معرفته يحجبه عن شهود الملك

---

[1] (لواقع الانوار القدسية فى بيان العهود المحمدية ص ١٠٥)

لغير الله، ونور ورعه لايكون إلامع شهود نسبة الملك للخلق، فالكامل من يتورع عن أكل ما بأيدى الناس إلا بطريقه الشرعى مع شهوده جزماً أن ذلك ملك لله عزوجل۔ فالزم ياأخى طريق الشريعة وإلاهلكت والسلام۔ وقدروى الشيخان والنسائى أن عمر بن الخطاب رضى الله عنه قال :كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يُعْطِينِي الْعَطَاءَ، فَأَقُولُ أَعْطِهِ أَفْقَرَ إِلَيْهِ مِنِّي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خُذْهُ فَتَمَوَّلْهُ، أَوْ تَصَدَّقْ بِهِ مَا جَاءَكَ مِنْ هَذَا الْمَالِ، وَأَنْتَ غَيْرُ مُشْرِفٍ، وَلَا سَائِلٍ فَخُذْهُ، وَمَا لَا فَلَا تُتْبِعْهُ نَفْسَكَ۔"

قال سالم فلأجل ذلك كان عبدالله بن عمر لايسأل أحداً شيئاً ولايرد شيئاً أعطيه۔ وفى رواية لمالك مرسلاً:"ان رسول الله ﷺ اعطى عمر عطاء فَرَدَّهُ عُمَرُ. فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم :لِمَ رَدَدْتَهُ؟ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ، أَلَيْسَ أَخْبَرْتَنَا أَنَّ خَيْراً لِأَحَدِنَا أَنْ لَا يَأْخُذَ مِنْ أَحَدٍ شَيْئاً؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم :إِنَّمَا ذَلِكَ عَنِ الْمَسْأَلَةِ. فَأَمَّا مَا كَانَ عَنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ فَإِنَّمَا هُوَ رِزْقٌ يَرْزُقُكَهُ اللهُ. فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ :أَمَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَا أَسْأَلُ أَحَداً شَيْئاً، وَلَا يَأْتِينِي شَيْءٌ مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ إِلَّا أَخَذْتُهُ.[1]

وروى أبويعلى والإمام أحمد بإسناد صحيح والطبرانى وابن حبان فى "صحيحه" والحاكم وقال صحيح الإسناد مرفوعاً "مَنْ بَلَغَهُ مَعْرُوفٌ عَنْ أَخِيهِ مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ وَلَا إِشْرَافِ نَفْسٍ فَلْيَقْبَلْهُ، وَلَا يَرُدَّهُ، فَإِنَّمَا هُوَ رِزْقٌ سَاقَهُ اللهُ إِلَيْهِ۔"[2]

وروى الامام احمد والطبرانى والبيهقى واسناد أحمد جيد قوى مرفوعاً: مَنْ عَرَضَ لَهُ شَيْءٌ مِنْ هَذَا الرِّزْقِ، مِنْ غَيْرِ مَسْأَلَةٍ، وَلَا إِشْرَافٍ، فَلْيَقْبَلْهُ، فَإِنَّمَا هُوَ رِزْقٌ سَاقَهُ اللهُ إِلَيْهِ۔[3]

الامام ابى المواهب عبدالوهاب بن احمد بن على بن احمد الشافعى المصرى المعروف بالشعرانى المتوفى ۹۷۳ھ لکھتے ہیں۔

اخذ علينا العهود اذا زرنا فقيرا حيا أو ميتا أن نقدم بين يدى نجوانا صدقة، وإن قلت، لاسيما أول زيارتناله، ونسلمها للنقيب أو لأحد من أخوان الشيخ، لا للشيخ، فان تسليمها للشيخ سوء أدب، ثم إن كان لنا حاجة عند الشيخ قلناها للنقيب، يسأل الشيخ لنا فيها، ولانسأله نحن، لأنه كالسلطان، ولو طلع إنسان بهدية للسلطان من فراخ وغنم، ليسلمها للسلطان فى يده، كان ذلك فى اقصى غايات قلة الادب، وربما ضرب ومقت۔

واعلم ياأخى، أن الأولياء اولى الناس بمكافاة من أحسن إليهم لجودهم وحيائهم، فمن دفع لهم هدية، ولو رغيفاً فقد أدخلهم فى منته، ووجب عليهم قضاء حوائجه فى الدارين، ومن لم يدفع اليهم شيئا من الهدايا، فقضاء حوائجه ليست واجبة عليهم انما ذلك مستحب، وفرق بين الوجوب والاستحباب۔[4]

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

فتوح کا قبول کرنا:

اسی سلسلہ میں فتوح کے قبول کرنے کا ذکر چھڑ گیا۔ حضرت قدوۃ الکبرا نے فرمایا کہ اگر صوفی کا کوئی روزینہ نہ ہو اور کسی کسب سے اس کو روزی حاصل نہ

---

[1] (مؤطا مالک ج۵ ص ۱۴۵۳)

[2] (صحیح ابن حبان ج۸ ص ۱۹۵)

[3] (مسند الامام احمد ج ۳۴ ص ۲۴۷)

[4] (البحر المورود فى المواثيق والعهود يعنى العهود الصغرىٰ ص ۱۰۳)

ہوتی ہوتو عبادت الٰہی اور بھائیوں کونصیحت کرنے کی قوت کو بحال رکھنے کیلئے فتوح قبول کرلے۔ہمارے اسلاف کرام نے فتوح قبول کرنے میں یہ تفتیش ضرور کی ہے کہ فتوح نذر کرنے والا یہ جو کچھ بطور نذرانہ پیش کررہا ہے اس کو یہ مال یا شے کس طرح حاصل ہوئی ہے یعنی اخذ فتوح میں تفتیش کرلینا چاہیئے لیکن بعض مشائخ کرام اخذ فتوح میں صرف معطی حقیقی پر نظر رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو شبہ کے مال سے نہیں کھلواتا ہے۔حضرت قدوۃ الکبرا نے تقریباً ان الفاظ میں فرمایا کہ ایک روز ہم حضرت علی ثانی حضرت سید علی ہمدانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ امرائے لاچین (ترک) میں سے ایک امیر نے دعوت میں بلایا اس نے حضرت علی ہمدانی رحمہ اللہ کے امتحان اور آزمائش کیلئے مشتبہ طعام تیار کرایا تھا یعنی ایک ضعیفہ سے ایک مرغ زبردستی چھین کر پکوایا تھا اور ایک مرغ وجہ حلال سے (خرید کر) الگ پکوایا تھا۔امیر نے باورچی سے کہہ دیا تھا کہ حلال اور حرام مرغ کو اس طرح دسترخوان پر رکھنا کہ وجہ حلال سے حاصل کیا ہوا مرغ میرے سامنے ہو اور مشتبہ مرغ شیخ کے سامنے رکھنا ،جب کھانا سامنے رکھا گیا تو باورچی یہ بات بھول گیا اور اس نے حلال مرغ شیخ کے سامنے اور مشتبہ مرغ امیر کے سامنے رکھ دیا۔جب کھانا کھا چکے اور ہاتھ دھونے کیلئے طشت لایا گیا تو اس وقت امیر نے شیخ علی ہمدانی رحمہ اللہ سے کہا کہ حضرت میر آپ نے کھانے میں احتیاط نہیں برتی۔حضرت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حلال کھانے والے کو حلال ہی کھلواتا ہے اور اس وقت بھی ایسا ہی ہوا ہے جب اس بات کی تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ جس ضعیفہ سے یہ مرغ چھینا گیا تھا وہ حضرت کی مریدنی تھی اور اس نے یہ مرغ حضرت کی فتوح میں پیش کرنے کیلئے پرورش کیا تھا اور امیر کے کسی غلام کو بھی یہ بات اس وقت بتادی تھی اور کہا تھا کہ یہ مرغ ایک درویش کی نذر کا ہے علاوہ ازیں دوسرا مرغ امیر کے کہنے کے مطابق اس کے سامنے نہیں رکھا گیا بلکہ حضرت شیخ کے سامنے رکھا گیا۔امیر بہت شرمندہ ہوا،توبہ کی اور حضرت شیخ کے نیازمندوں میں شامل ہوگیا۔

حضرت قدوۃ الکبرا نے فرمایا کہ زر زکوٰۃ اور غیر شرعی طریقوں سے حاصل کیا ہوا مال فقیر کو قبول نہیں کرنا چاہیئے۔زکوٰۃ مال کا میل کچیل ہے،علاوہ ازیں فتوح میں جو کچھ حاصل ہو اس کا ذخیرہ نہ کرے۔نہ صبح کی فتوح کو شام کیلئے اسی طرح شام کی فتوح کو صبح کیلئے بچا کر نہ رکھے تاکہ وہ اس حکم کو بجالائے۔

الفقر بذل الموجود وترک طلب المفقود۔

ترجمہ:یعنی موجود کا خرچ کرنا اور غیر موجود کا ترک کرنا ہی فقر ہے۔

ہاں اگر اکابر کے اعراس یا کسی دوست کا قرض ادا کرنے کیلئے جمع کرے تو روا ہے۔فتوح کو اصحاب مجلس میں تقسیم کردینا چاہیئے کہ تحفوں میں سب کا حصہ ہے۔''الھدایا مشترک''یعنی اگر بصورت لباس حاصل ہو تب بھی سب کو اس میں شریک کرے۔جب گھر سے کسی شیخ کی زیارت کیلئے نکلے اور راستہ میں کچھ فتوحات میسر آئیں تو سب اس شیخ کی خدمت میں پیش کرے،ورنہ شرکت سے تو کسی حال میں محروم نہ کرے۔اکابر و شیوخ کی خدمت میں کبھی خالی ہاتھ نہ جائے،کوئی چیز بطور ہدیہ ضرور ساتھ لے خواہ وہ پھول یا سبزہ ہی کیوں نہ ہو۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من زار کریماً صفر الیدین رجع مصفر االخدین۔

ترجمہ:جس نے کسی کریم سے خالی ہاتھ ملاقات کی وہ زرد رد ہو کر لوٹا۔

درویش بھی زائر کو کچھ نہ کچھ تبرک ضرور دے چاہے ایک گھونٹ پانی ہی ہو۔

المؤلف :عبدالعزیز بن أحمد بن محمد، علاءالدین البخاري الحنفي (المتوفی730 :ھ)

قِيلَ مَنْ زَارَ حَيًّا وَلَمْ يُذَقْ عِنْدَهُ شَيْئًا فَكَأَنَّمَا زَارَ مَيِّتًا.

کہا گیا ہے کہ جس نے کسی زندے سے ملاقات کی اور اس کے ہاں کچھ نہ چکھا تو گویا کسی مردے سے ملاقات کی۔[1]

أحمد بن إسماعيل بن عثمان بن محمد الكوراني الشافعي ثم الحنفي المتوفى 893هـ

وقد اشتهر أن من زار إنسانًا ولم يطعم عنده فكأنما زار ميتًا.

ترجمہ: اور تحقیق کے ساتھ مشہور ہے کہ جس نے کسی زندے سے ملاقات کی اور اس کے ہاں کچھ نہ چکھا تو گویا کسی مردے سے ملاقات کی۔[2]

اس سلسلہ میں ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک طالب طریقت کسی عزیز (درویش) کی ملاقات کیلئے روانہ ہوا اس کے پاس پیش کرنے کیلئے کوئی تحفہ موجود نہیں تھا اس نے ایک ڈھیلا ہاتھ میں لے لیا وہاں پہنچ کر وہی ڈھیلا پیش کر دیا۔ اتفاق سے وہی ڈھیلا اُن درویش کے کام آیا۔

جب ملاقات کرنے والا درویش کی خدمت میں پہنچے اور اس کو کسی کام میں مشغول پائے جیسے دیوار اٹھانا اور جھاڑو دینا وغیرہ (کہ مشائخ نے ہمیشہ یہ کام کیے ہیں) تو زائر کو چاہیئے کہ اس کام میں اس کا ہاتھ بٹائے، جب کوئی شخص جمعہ، چہارشنبہ یا مہینے کی پہلی تاریخ کو از قسم ماکولات واجناس کچھ پیش کرے تو فوراً قبول کرلے اور کھانے کی چیزوں کو فوراً کھالے، اس لئے کہ وہ لوگ جو کچھ پیش کرتے ہیں اس کے ساتھ ایک غیبی نعمت موجود ہوتی ہے جو اثر کرتی ہے۔ مصرع

از دست دوست ہر چہ ستانی شکر دہد

ترجمہ: دوست کے ہاتھ سے جو کچھ ملتا ہے میٹھا ہوتا ہے۔

اگر فتوح کرنے والا خود موجود ہو تو یہ دعائیہ کلمات کہے:

جزاک اللہ خیراً وتقبل اللہ منک۔

اور اگر موجود نہ تو اس طرح کہے:

جزاہ اللہ خیرا وتقبل اللہ منہ۔[3]

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

مکتوب نوزدہم

ان مکاتیب کے جامع بندۂ لاشئے (شاہ رؤف احمد مجددی رحمہ اللہ تعالیٰ) عفی عنہ کو تحریر فرمایا۔ عریضہ کا جواب اور رسالہ مراتب الوصل، جو میں نے تصنیف کر کے آپ کے حضور میں ارسال کیا تھا وہ آپ کے حضور میں پہنچا اور اس کے مطالعہ سے خوش ہو کر تحریر کیا۔ بعض نصیحتیں، طالبان طریقت کے سلوک، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور نیازمندی کے سجدوں کو بجالانے کی قید، فتوحات (نذرانوں) میں فقراء کا حصہ معین کرنا، حدیث وتفسیر اور مکتوبات وغیرہ کا توجہ وحلقہ سے پہلے ذکر اور جو کچھ اس کے مناسب ہے، اس کا بیان۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

صاحبزادہ عالی مراتب (و) بلند شان حضرت شاہ رؤف احمد سلمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت شریف میں۔ فقیر غلام علی عفی عنہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد گزارش کرتا ہے کہ عنایت نامہ کے دو صفحات مع رسالہ شریفہ صادقہ مصدوقہ موصول ہوئے، انہوں نے خوشیاں بخشیں۔ جزاکم اللہ

---

[1] (كشف الأسرار شرح أصول البزدوي ج ۲ ص ۱۶۵)

[2] (الكوثر الجاري إلى رياض أحاديث البخاري ج ۹ ص ۴۵۷)

[3] (لطائف اشرفی ص ۲۸۲)

خیر الجزاء۔(یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر جزا عطا فرمائے)۔

اس (مکتوب) کے مندرجات سے بہت سرور حاصل ہوا۔حق تعالیٰ وتبارک بہت زیادہ برکت اور طریقہ شریفہ احمدیہ مجددیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کی اشاعت (کی توفیق) عنایت فرمائے۔

مردانہ وار استقامت پر قائم رہیں اور ہر کسی سے الگ اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ (مشغول) اور (اس کی) محبتوں میں دیوانہ رہیں۔ہم اس بلند مناقب صاحبزادہ سے بہت خوش ہیں،اللہ تعالیٰ دونوں جہانوں میں خوش رکھے اور مشائخ کرام رحمۃ اللہ علیہم نیز آپ سے خوش رہیں۔

جب بھی دلوں میں توجہ وحضور اور انوار کی جمعیت ووسعت پیدا ہو جائے تو بہتر یہ ہے کہ وہ توجہ نیست ونابود ہو جائے (اور) پھر فوق (بلندی) کی طرف توجہ کریں۔اللہ کرے کہ طالبان خدا کو تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس حاصل ہو جائے۔فقیر کو دعا سے فراموش نہ کریں۔فتوحات (نذرانوں) سے جو کچھ عنایت ہو (اس میں سے) فقراء کا حصہ معین رہے اور فقراء جو کہ جلساء اللہ (یعنی اللہ کے ہم نشیں) ہیں وہ آپ کے ہمراہ رہیں۔تفسیر وحدیث مکتوبات شریفہ،عوارف،تعرف،نفحات اور فقہ کا ذکر حلقہ متبرکہ میں ہوتا رہے اور اوقات میں سے کچھ وقت حضرت باری تعالیٰ کی بارگاہ میں محبت ونیازمندی کے سجدوں،گڑگڑانے اور گریہ زاری کرنے کیلئے صرف کریں،جو غیروں اور خود سے الگ ہو کر ایک خلوت میں کیا جائے۔اس فقیر ناچیز کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔

رسالہ شریفہ کے مطالعہ سے ہم بہت خوش ہوئے۔حق تعالیٰ یوں کرے کہ اس رسالہ شریفہ کے مضامین (کی کیفیات) احسن طریقہ سے کامل اور مکمل طور پر آپ میں اور آپ کے ساتھیوں میں ظاہر ہوں اور طالبان خدا کو بہرہ ور کریں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے آباؤ اجداد کو جو کچھ عطا فرمایا ہے،وہ آپ کو عنایت فرمائے۔

والسلام علیکم وعلی من لدیکم۔

یعنی:اور آپ پر سلامتی ہو اور اس پر جو آپ کے پاس ہے۔[1]

حررہ فقیر سید عبدالحق شاہ سیفی

(۱۱۵)﴿باب نمبر ایک سو پندرہ مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم کے ساتھ بیعت میں تلاعب یعنی مذاق کرنے کی سزا کے بیان میں﴾

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی رفع اھل الحق ووضع اھل الباطل واحق الحق وابطل الباطل والصلوٰۃ والسلام علی نبینا وسیّدنا وسندنا ووسیلتنا فی الدارین محمّد النبی المکمل الاکمل وعلٰی آلہٖ واصحابہ الذین جاھدوا لاحقاق الحق وابطال الباطل ورفعوا الحق ووضعوا الباطل وعلٰی التابعین الذین ناظروا الاظہار الحق واخفاء الباطل وعلٰی تبعھم الذین لایخافون لومۃ لائم فی احقاق الحق الراسخ وابطال الباطل الزائل اللّٰھمّ انا نسئلک الفتح والغلبۃ فی المناظرات والمباھلات مع اھل الباطل بجاہ الرسول الاکمل ﷺ اما بعد!

توجہ

---

[1] (مکاتیب شریفہ ص ۱۹۴)

اس رسالے کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی سے اختلاف رکھنا نہیں ہے بلکہ یہ رسالہ ان لوگوں کے رد میں ہے جو لوگ مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین سے بیعت میں تلاعب (کھیل اور مذاق) اختیار کرتے ہیں اور وہ مشائخ جو دیگر مشائخ کے مریدین کو ان کے شیخ کے بارے میں بدگمان کر کے اپنی طرف راغب کرتے ہوئے اپنے حلقۂ ارادت میں شامل کرتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ ایسے مریدین اور ایسے مشائخ سے جن کی پیری اور مریدی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کیلئے نہ ہو اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے اپنی حفظ و امان میں رکھے ۔آمین ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو روح ،اور روح اور جسم کے دو مختلف عناصر کا مجموعہ بنا کر اس کی سرشت میں فطری طور پر دونوں کی ضروریات کا داعیہ رکھ دیا فلہٰذا جس طرح جسم کی بقاء وسلامتی کیلئے مادی ضروریات کا حصول لازم ہے عین اسی طرح روح بھی ایک مخصوص خوراک اور ماحول کا تقاضا کرتی ہے اور باری تعالیٰ نے ان دونوں اقسام کی زیادہ تر ضروریات مہیا فرمادی ہیں جسم کی خوراک کیلئے خورد ونوش ،لباس، رہائش و دیگر ضروریات زندگی کیلیے قدرتی وسائل موجود ہیں اور روح کی خوراک عبدیت کے تقاضوں کی تکمیل ہے جس کیلئے باری تعالیٰ نے انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات کو مبعوث فرمایا یہاں تک محبوب علیہ الصلوۃ والسلام تشریف لائے اور قرآن حکیم کی صورت میں اور اپنے اقوال وافعال کی صورت میں انسانیت کو ایک واضح نصب العین عطا فرمایا۔اسلام نے ان دونوں (جسم وروح) کے فوائد ونقصانات کو واضح فرمایا اور پھر حضرت انسان کو عقل ،تدبر وتفکر کی نعمت سے بھی نوازا ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ حضرت انسان اپنی عقل سلیم کو استعمال کرتے ہوئے روح اور جسم کے مطالبات میں توازن رکھتا اور ان کی خوراک میں انصاف کرتا مگر چونکہ جسمانی مفادات اور نفسانی خواہشات انسانی طبیعت کیلئے بظاہر زیادہ مرغوب اور باعث لذت وسکون ہیں اس لئے وہ مادی ضروریات کی تکمیل کیلئے نسبتاً زیادہ مائل رہتا ہے ۔اور اس مادہ پرستی کا دوسرا بڑا اسبب شیطان کا جمالیاتی فریب جیسا کہ خود قرآن عظیم الشان نے اس کی وضاحت فرمائی سورۃ انعام وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (الانعام ۴۳) اور شیطان نے ان کے کام ان کی نگاہ میں بھلے کر دکھائے" یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ حضرت انسان زندگی کے تمام تر شعبہ جات میں پستی کا شکار ہے اور بالخصوص اس کی زندگی کا دینی پہلو اس عمومی پستی سے زیادہ متاثر ہے جس امت کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری دی گئی اور جسے خیر الامم کا عظیم الشان لقب عطا ہوا آج وہی امت مادہ پرستی کا شکار ہو کر گمراہوں کی اصلاح تو درکنار از خود اپنی اصلاح سے بیگانہ ہے ۔الا من رحم اللہ تعالیٰ۔

اس امت میں شریعت مطہرہ کی حقیقی روح کا پایا جانا تو درکنار، اس کے ظاہری احکام پر عمل بھی مفقود ہوتا نظر آرہا ہے ۔حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا روحانی نظام تصوف ہے یعنی دین کے تمام اعمال کی ایک ظاہر شکل ہے اور ایک باطنی حقیقت ظاہری شکل کے بغیر باطنی حقیقت کا تصور محال اور باطنی حقیقت کے بغیر ظاہر شکل ایک مردہ جسم کی مانند ہے جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا من تصوف ولم یتفقه فقدتزندق ومن تفقه ولم یتصوف فقدتفسق ومن جمع بینهمافقدتحقق ۔ جس نے بغیر تصوف فقہ اختیار کیا وہ زندیق بن گیا اور جس نے فقہ حاصل کیا مگر تصوف کو اختیار نہ کیا وہ فاسق ہو گیا اور جس نے دونوں کو جمع کیا وہ حقیقت تک پہنچ گیا، بس یونہی دین کی ظاہر شکل کا تعلق شریعت سے ہے اور باطنی حقیقت کا تعلق طریقت (تصوف) سے ہے اور پہلا شخص زندیق اس لئے ہوا کہ اس نے حقیقت کو شریعت سے جدا تصور کیا اور احکام شرعیہ پر عمل کرنا ترک کیا اور دوسرا شخص فاسق اس لئے ہوا کہ اس کے دل میں تقویٰ کا نور اور اخلاص داخل نہ ہوا اور تیسرے شخص نے حقیقت تک رسائی اس لئے حاصل کہ اس نے دین کے تمام ارکان یعنی ایمان ،اسلام اور احسان کو جمع کیا (جیسا کہ

حدیث جبریل علیہ السلام میں مذکور ہے)

تصوف کب سے...

عزیز من! جب سے دین اسلام ہے اس وقت سے تصوف کی برکات بھی موجود ہیں، جب آقا و مولیٰ حضرت سیدنا وحبیبنا وقرۃ اعیننا حضرت محبوب اکرم ﷺ غار حرا میں بیٹھ کر ذکر الٰہی میں مصروف رہا کرتے تھے۔ اس غار میں بیٹھ کر تصوف کا جو مقدس پودا لگایا گیا وہ حضور ﷺ کی مقدس تحریک کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتا رہا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ایک علیحدہ اور مستقل حیثیت حاصل نہ تھی جیسا کہ ہمارے ہاں علوم وفنون کے لحاظ سے بہت سی چیزیں ایسی ہیں اور ان کا مصداق پہلے موجود تھا مگر اس پر کوئی نام نہیں تھا وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نام وجود میں آیا اور مختلف ناموں سے انہیں تعبیر کیا گیا جیسا کہ حدیث مرسل ہے مسند ہے مقطوع و مرفوع ہے اس طرح کی اقسام بیان کی گئیں تو پھر اس امت کے علماء نے یہ نام رکھا ہے اگر کوئی یہ چاہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اصطلاحات رائج ہوں تو وہ نظر نہیں آئیں گی تو یہ تمام تر اصلاحات بعد میں رائج ہوئیں لیکن جن چیزوں کے نام بعد میں رکھے گئے وہ پہلے سے موجود تھیں اور علم تفسیر وعلم الصرف اور علم النحو علی ھذا القیاس اس طرح طریقت وتصوف باعتبار نام بعد میں موسوم ہوئے البتہ زمانہ نبوی ﷺ میں اسے احسان سے تعبیر کیا جاتا تھا جیسا کہ حدیث جبریل میں ہے۔

تصوف کے بارے میں اقوال:

حضرت امام احمد بن ابی جواری قدس سرہ نے فرمایا: من عمل بلااتباع السنة فباطل عمله یعنی جس نے کوئی عمل بغیر اتباع سنت کے کیا پس اس کا وہ عمل باطل ہے۔

حضرت عثمان حیری قدس سرہ نے فرمایا۔ من امر سنة علی نفسه قولا و فعلا۔ عزیز من! جب تم نے اس بات کو جان لیا کہ تصوف بھی اسلام میں پیدا ہونے والے علوم شرعیہ میں سے ایک علم ہے تو اس بات کو بھی خوب سمجھ لو کہ اس طریقہ کو سلف میں بڑے بڑے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور تابعین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں ان کے بعد والوں میں طریقہ حق وہدایت ہی سمجھا جاتا تھا۔ اس کا بنیادی اصول عبادت پر جم جانا اور دنیا سے کٹ سے کر اللہ تعالیٰ سے لو لگا لینا اور دنیوی زیب وزینت سے منہ پھیر لینا اور عامی جن چیزوں پر فدا ہیں یعنی طرح طرح کی لذتوں پر اور مال وجاہ پر ان سے بچنا اور عبادت کیلئے دنیا (یہ وہ چیز جو خدا کی یاد سے غافل کر دے) سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لینا اور یہ طریقہ سلف میں عام طور پر رائج تھا۔ پھر جب دوسری صدی اور اس کے بعد والی صدیوں یعنی جوں جوں خیر القرون سے لوگ دور ہوتے چلے گئے اتنے ہی دنیا کی دلدل میں دھنستے چلے گئے تو خاص طور سے عبادت میں مصروف رہنے والوں کو صوفیہ اور متصوفہ کیا جانے لگا لیکن بعض لوگ نے اس فانی دنیا کی لذات سے لطف اندوز ہو کر اس طریقہ سے پیٹھ لی اور اپنے من گھڑت عقائد بنا کر خود بھی گمراہ ہوئے اور عامۃ الناس کو بھی راہ حق سے بہکا دیا، جیسا کہ بعض نے یہ عقیدہ اپنایا کہ حسین وجمیل عورتیں اور بے ریش خوبصورت لڑکوں کی طرف آنکھ بھر کر دیکھنا حلال ہے نیز ان کے ساتھ رقص اور بھنگڑا ڈالنا بوس وکنار کرنا مباح ہے جبکہ یہ شرعاً جائز نہیں۔

پھر اسی طرح بعضوں نے اس عقیدہ باطل کو اپنایا کہ انسان جب مقام تک رسائی حاصل کر لیتا ہے تو شرعاً مکلف نہیں رہتا اور اسی وجہ وہ اپنی شرمگاہوں کو بھی پوشیدہ نہیں رکھتے۔ ان جعلی صوفیاء کی گمراہیاں یہی نہیں بلکہ ان کے عقائد میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انسان جب ولایت کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے تو اس پر شرعی احکام کا اطلاق ختم ہو جاتا ہے۔ نیز ان کا یہ کہنا بھی ہے کہ ولی نبی سے افضل ہے اس لئے کہ نبی کا علم تو بذریعہ وحی ہے جبکہ ولی کا علم بلا واسطہ وحی کے ہے۔ حقیقت میں ایسی تاویل کرنے میں انہوں نے نہایت ہی بڑی غلطی کھائی، انہی غلط نظریات

وعقائد کے باعث وہ ہلاک ہو گئے۔فلہٰذا ایسے بناوٹی صوفیاء اور جعلی پیروں سے بھاگنا چاہئے جیسا کہ شیر سے بھاگا جاتا ہے۔تفر منه كماتفر من الاسد۔ پس معلوم ہوا کہ ناقص پیر کی محبت اختیار کرنا زہر قاتل ہے اس کی تابعداری طالب کیلئے عاقبت کی موت کا باعث ہے۔اس لئے کہ ناقص پیر کی صحبت اختیار کرنے سے باطنی قوت کم ہو جاتی ہے اور یہ ناقص پیر بلندی کی بجائے پستی کی طرف لے جاتا ہے۔مثلاً اگر کوئی شخص نیم حکیم کے پاس جائے بغرض علاج تو گویا اس نے اپنی بیماری بڑھانے میں محنت کی ہے کیوں یہ مقولہ مشہور ہے۔نیم حکیم خطرۂ جان اور اگر حکیم کے نسخہ سے وہ فوری طور پر درست بھی ہو جائے لیکن حقیقت یہی ہے کہ مرض مزید بڑھ جاتا یا پھر کوئی اور بیماری جنم لیتی ہے۔پس یہی مثال ناقص پیر کی ہے۔اسی واسطے مشائخ عظام نے فرمایا۔تفر منه كماتفر من الاسد۔کہ یہ ناقص وجعلی پیر باطنی امراض میں اور اضافہ کا باعث بنے گا۔

اے راہ حق کے طالب تم پر لازم ہے کہ شیخ کامل ومکمل کی محبت کو اختیار کرلو اس لئے ان مشائخ عظام کی شان سے یہ ہے کہ یہ نفوس قدسیہ ظاہر کو ظاہر شریعت کے ساتھ اور باطن کو باطن شریعت کے ساتھ جو حقیقت شریعت سے عبارت ہیں آراستہ ومزین رکھتے ہیں کیونکہ طریقت وحقیقت،حقیقت شریعت سے عبارت ہیں اور یہ بات ہرگز نہیں کہ شریعت اور چیز اور طریقت وحقیقت اور چیز ہیں اس لئے کہ یہ تو الحاد وزندقہ ہے۔[1]

اور ان کی شان یہ بھی ہے کہ ان کی میزانیں کبھی شریعت سے خطا نہیں کرتیں۔وہ مخالفت شرع سے محفوظ ہیں۔[2]

صاحب من! جب تم مذکورہ بالا صفات کے حامل شیخ کامل ،مکمل کی محبت کو اختیار کر چکو تو تمہارے لئے حلال نہیں کہ تم ان کے ساتھ تلاعب کو اختیار کرو اس لئے کہ ان کے ساتھ تلاعب کو اختیار کرنا تمہاری ہلاکت کا باعث بن جائے گا۔جیسا کہ مشائخ عظام نے فرمایا۔لا يفلح مريد بين شيخين۔یعنی جو مرید دو پیروں کے درمیان ہو وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ہم بھی تعدد پیر کے جواز کے حق میں ہیں بس اختلاف یہ ہے کہ مشائخ کے تلاعب یعنی مذاق اور کھیل نہ کیا جائے کہ جب چاہے بیعت توڑ دے اپنی مرضی سے اور اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے۔

امام عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا میرے لئے شیخ امین الدین جامع الغمری کے امام نے حکایت بیان کی کہ ایک گروہ سیدی ابوالعباس الغمری کے پاس آیا اور آپ سے تلقین ذکر چاہی تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا طلب طریق میں اپنی نیتیں خالص کرلو ورنہ تمہیں غضب پہنچے گا۔پس ان میں سے ایک فقیر نے بھی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف آنے کی جرأت نہ کی اور چلے گئے اور انہوں نے کہا جو طریق سے کھیلتا ہے اس کے ساتھ کھیلا جاتا ہے۔رسالہ ھذا میں فقیر نے اس مسئلہ (یعنی مشائخ کے ساتھ تلاعب اختیار کرنا کس قدر قبیح فعل ہے۔) کی وضاحت فرمائی ہے۔دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس رسالہ کو سعادت مندوں کیلئے بہت مفید اور مشعل صراط مستقیم بنائے اور میرے علم میں،عمل میں،اخلاص میں اور عرفان میں مزید ترقیاں نصیب فرمائے۔آمین۔

الامام العلامۃ ابی العباس بن احمد بن محمد بن المھدی ابن عجیبۃ الحسینی المتوفی سنۃ ۱۲۲۴ھ لکھتے ہیں۔

فَمَنْ نَكَثَ نقض البيعة، ولم يفِ بها فَإِنَّما يَنْكُثُ عَلى نَفْسِهِ فلا يعود ضرر نكثه إلا عليه، قال جابر رضي الله عنه: بايعنا رسول الله صلى الله عليه وسلم تحت الشجرة على الموت، وعلى ألاَ نفرّ، فما نكث أحدُ منا البيعةَ، إلا جَدّ بن قَيْسٍ المنافق، اختبأ تحت إبطِ بعيره، ولم يَسر مع القوم . وَمَنْ أَوْفى بِما عاهَدَ عَلَيْهُ اللهَ، يقال :وفيت بالعهد وأوفيت. وقرأ حفص بضم الهاء من عليه توسُلاً لتفخيم لام الجلالة، وقيل :هو الأصل، وإنما كسر لمناسبة الياء. أي ومَن وفَى بعهده بالبيعة فَسَيُؤْتِيهِ أَجْراً

---

[1] مکتوبات امام ربانی

[2] الیواقیت والجواھر

عَظِيماً(الجنة وما فيها)۔قال القشيري :وفي هذه الآية تصريح بعين الجمع، كما قال :وَما رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وقال في مختصره:يُشير إلى كمال فنائه وجوده عليه السلام في الله وبقائه بالله. آه. فالآية تُشير إلى مقام الجمع، المنبه عليه في الحديث:فإذا أحببتُه كنت سمعه، وبصره، ويده وسائر قواه، الذي هو سر الخلافة والبقاء بالله، وهذا الأمر حاصل لخلفائه صلّى الله عليه وسلم من العارفين بالله، أهل الفناء والبقاء، وهم أهل التربية النبوية في كل زمان، فمَن بايعهم فقد بايع الله، ومَن نظر إليهم فقد نظر إلى الله، فمَن نكث العهد بعد عقده معهم فإنما ينكثه على نفسه، فتيبس شجرةُ إرادته، ويُطمس نور بصيرته، فيرجع إلى مقام عامة أهل اليمين ومَن أوفى بما عاهد عليه الله فسيؤتيه أجراً عظيماً شهود ذاته المقدسة على الدوام، والظفر بمقام المقربين، ثبتنا الله على منهاجه القويم، من غير انتكاص ولا رجوع، آمين.[1]

وفی حاشیۃ الصاوی علی تفسیر الجلالین

(إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ(المائدۃ ۱۲))الخ،فعهدالله هو امتثال المامورات واجتناب المنهيات،والدال على ذلک تجب مطاوعته،فالشيخ المتمسک بشرع رسول الله،القائم بحقوق الله وحقوق عباده،اذااخذالعهدبذلک على انسان،وجب عليه اتباعه ونقض عهده،اما كفر اذاقصدنقض ماهو عليه من التوحيدوغيره،اوضلال مبين اذاقصدعدم الالتزام باورادہ،وامامن خالف الشرع واتبع هوى نفسه فالواجب نقض عهده لان من لاعهدله مع الله لاعهدله مع خلقه۔[2]

اپنے شیخ کا عہد توڑنا خواہشات نفسانی کے مترادف ہے

حضرت علامہ محمد بن عبداللہ الخطیب الغزی الحنفی المتوفی سنۃ ۱۰۰۷ھ لکھتے ہیں۔

سئل عن رجل أخذ العهدمن شيخ الكامل سالک لطريقة صحيحة خالية من البدع والتزويرمبنية على اقتناء آثار البشير النذير،فهل لذلک الرجل أن يعدل عن العهدالأول بغير موجب شرعي،ويأخذعهدشيخ آخر اولا؟وهل اذاكان عدوله عنهالغرض نفسه وارتكاب الحمية وابتغاء الفتنةيؤدب على ذلک اولا؟

اجاب:ليس له العدول عن طريقة شيخه المستقيمة بغير موجب شرعي ويؤدب بمايليق به ان فعل ذلک بماذكر من غرض نفسه وارتكاب الحمية وابتغاء الفتنة اذاالمنسلخ عن طريق الحق الى طريق الاخرىٰ مثلهالايفعل ذلک ظاهرااالاتباعالهوانفسه والحالةهذه۔[3]

اپنے شیخ کا عہد توڑنے والے سے عہد نہ لینا؛

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی،شافعی،قدس سرہ،لکھتے ہیں:

عدم اخذى العهد على مريد نكث عهد شيخه وجاءنى يجعلنى شيخه، وكذلک مما انعم الله به على عدم اظهار البشاشة له، وفاءبحق شيخه الذى نكث عهده، وما بش شيخ فى وجه من نكث على شيخه الا مقت هو وذلک المريد، وكان من خلق

---

[1](البحر المديد ج۷ص۱۳۷-۱۳۶)

[2](ج ۱ ص ۲۷۳ سورۃ المائدۃ دار الفکر)

[3](فتاویٰ التمرتاشی ج ۲ ص ۶۶۵-۶۶۶ دار الفتح)

سیدی علی المرصفی، والشیخ محمد الشناوی، ان لا یاخذ العهد علی مرید الا بعد ان یقول له :هل تقدمت لک صحبة مع احد؟فان قال :نعم، قال :اذهب الی حال سبیلک۔

واعلم انه ینبغی لکل من برز للمشیخة فی هذا الزمان ان لا یتلاعب بالطریق، فیاخذ العهد علی المرید صورة، فلیس معه، مدد یمده به، لان ذلک نفاق، والمنافق لا یکون داعیا الی اللہ تبارک وتعالیٰ، وفی بعض الآثار (لا تقوم الساعة حتی تجلس الشیاطین علی الکراسی ویعظوا الناس والناس لا یشعرون ان ذلک الواعظ شیطان۔)

ترجمہ: میں (حضور سیدی امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) اس مرید سے عہد نہیں لیتا جس نے اپنے شیخ کا عہد توڑا ہو۔اور وہ میرے پاس آئے کہ مجھے اپنا شیخ قرار دے۔اسی طرح مجھ پر اللہ تعالیٰ کا یہ بھی انعام ہے کہ اس کے اس شیخ کا جس کا عہد اس نے توڑا ہے حق پورا کرنے کے لئے میں اس کے لئے خندہ پیشانی کا اظہار بھی نہیں کرتا۔اور کوئی شیخ اس کے سامنے خندہ پیشانی کا اظہار نہیں کرتا جس نے اپنے شیخ کا عہد توڑا ہو مگر وہ (جو خندہ پیشانی سے پیش آئے) اور وہ مرید دونوں غضب کا شکار ہوتے ہیں۔

اور سیدی علی المرصفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور شیخ محمد الشناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عادت تھی کہ دونوں میں سے کوئی بھی کسی مرید سے عہد نہ لیتا مگر پہلے اس سے پوچھ لیتے کہ کیا کسی کے ساتھ تمہاری صحبت رہی ہے؟ اگر وہ کہتا کہ ہاں تو فرماتے کہ اپنی راہ لے۔(اس شیخ کے پاس جا)

اور جان لے کہ اس دور میں جو بھی بطور شیخ ظاہر ہوا سے چاہئے کہ وہ طریقت کو کھیل نہ بنائے کہ مرید سے صورۃ عہد لے لے لیکن اس کے پاس مدد نہ ہو جس سے اس کی مدد کرے کیونکہ یہ نفاق ہے اور منافق داعی الی اللہ تبارک و تعالیٰ نہیں ہوتا۔اور بعض آثار میں ہے کہ قیامت قائم نہیں ہوگی حتیٰ کہ شیاطین کرسیوں پر بیٹھ کر لوگوں کو وعظ کریں گے اور لوگوں کو شعور نہیں ہوگا کہ یہ واعظ شیطان ہے۔[1]

شیخ ابوالسعود الجارحی رحمہ اللہ کا اخذ عہد کا طریقہ:

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی، شافعی، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

وکان الشیخ ابو السعود الجارحی رحمه الله تعالی لا یلقن احد الذکر الا بعد ان یتردد الیه السنة و اکثر، ویسوق علیه السیاقات وکان یساله قبل التلقین ویقول له:هل لک والد فان قال :نعم قال نحن لا نصحب من یکون له اب غیرنا

ترجمہ :اور شیخ ابوالسعود الجارحی رحمہ اللہ کسی کو ذکر کی تلقین نہیں کرتے تھے مگر اس کے بعد کہ وہ ایک سال تک بلکہ اس سے زیادہ آپ کے پاس آمد و رفت رکھتا۔اور آپ سے رابطہ رکھتا۔اور آپ تلقین سے پہلے اس سے پوچھتے کہ تیرا باپ ہے؟ اگر کہتا کہ ہاں تو فرماتے ہم اس سے صحبت نہیں رکھتے جس کا ہمارے علاوہ کوئی اور باپ ہو۔(یعنی ہم کسی اور کے مرید کو جسکا شیخ پہلے سے موجود ہو اسے مرید نہیں بناتے)[2]

جو طریقت سے کھیلتا ہے اس کے ساتھ کھیلا جاتا ہے :

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی، شافعی، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

وقد حکی لی الشیخ امین الدین امام جامع الغمری :ان جماعة جاؤا الی سیدی ابی العباس الغمری یطلبون منه تلقین الذکر فقال:حرروا نیتکم فی طلب الطریق والا حصل لکم المقت فما تجرأ فقیر یتقدم الیه منهم وذهبوا وقالوا:من لعب بالطریق

---

[1] (المنن الکبری، الباب الثامن بص، ۳۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، المنن الوسطیٰ ص ۳۲۷ الباب الثالث فی جملۃ اخریٰ من الاخلاق)

[2] (المنن الکبری، الباب الثامن بص، ۳۴۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔الانوار القدسیۃ فی معرفۃ قواعد الصوفیۃ ج ۲ ص ۶۰)

لعبت به الطرق۔

ترجمہ : اور میرے لئے شیخ امین الدین جامع الغمری کے امام نے حکایت بیان کی کہ ایک گروہ سیدی ابوالعباس الغمری کے پاس آیا اور آپ سے تلقین ذکر چاہی تو آپ نے فرمایا طلب طریق میں اپنی نیتیں خالص کرلو ورنہ تمہیں غضب پہنچے گا۔ پس ان میں سے ایک فقیر نے بھی آپ کی طرف آگے آنے کی جرأت نہ کی اور چلے گئے۔ اور انہوں نے کہا جو طریق سے کھیلتا ہے اسکے ساتھ کھیلا جاتا ہے۔[1]

شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کا دو شیخوں کی درمیان فیصلہ :

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی شافعی قدس سرہ لکھتے ہیں:

قال الشیخ محی الدین رحمه الله: وما سامح شیخ مریده فی الاجتماع بغیره الا فسد حاله و حصل له تردد فی أی الشیخین أعلی مقاما حتی یتلمذ له و اذا حصل له التردد دفعه قلب هذا و قلب هذا و لم ینتفع بأحد منهما لان شرط الانتفاع بشیخ جزم المرید بالتقید فی دائرته لا یخرج منها حتی یحصل له الکمال و حینئذ یصیر کالأخ فی الطریق للشیخ و للشیخ علیه حکم الافاضة من غیر وقوف معه انتهی۔

ترجمہ: شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ کسی شیخ نے اپنے مرید سے کسی دوسرے کے دوسرے کے پاس جانے سے صرف نظر نہیں کیا مگر اس کے حال میں فساد برپا ہوا اور اسے تردد لاحق ہوجاتا ہے کہ دونوں مشائخ میں کس کا مقام اعلیٰ ہے تاکہ اس کی شاگردی اختیار کرے اور جب اسے تردد ہوتا ہے تو اس کا قلب اور اس کا قلب اسے رد کر دیتا ہے اور دونوں میں سے کسی سے بھی نفع حاصل نہیں کرسکتا۔ کیونکہ کسی شیخ سے نفع حاصل کرنے کی شرط مرید کا اس کے دائرے میں پابندی کرنے کا عزم بالجزم ہے کہ اس سے نکلے گا نہیں حتیٰ کہ اسے کمال حاصل ہوجائے اور اس وقت وہ شیخ کیلئے گویا طریقت کا بھائی ہوجاتا ہے اور شیخ کیلئے اس کے ساتھ وقوف کے بغیر فیض عطا کرنے کا حکم ہے۔[2]

سیدعلی بن وفا رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی شافعی قدس سرہ لکھتے ہیں:

و کان سیدی علی بن وفاء رضی الله عنه یقول : کما لم یکن للعالم الهان، و لا للرجل قلبان، و لا للمرأة زوجان، کذلک لا یکون للمرید شیخان، و کان رضی الله تعالی عنه یقول : کما أن الله تعالی لا یغفر أن یشرک به، فکذلک الأشیاخ لا یسامحون المرید فی شرکته معهم غیرهم، و متی سامحوه کان غشا منهم له، قال رضی الله تعالی عنه :و تأمل قوله تعالیٰ : تَکَادُ السَّمَاوَاتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (90) فما جعل السموات و الارض تنشق و تنفطر، و الجبال تنهدم الا الشرک بالله، و کذلک الشیخ لا یزیل قلبه عن حفظ المرید و تربیته ترک احسان و لا خدامة، و انما یزیله أن یشرک به المرید غیره، انتهی۔

ترجمہ: سیدی علی بن وفا رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جس طرح جہان کے دو معبود نہیں، ایک شخص کے دو قلب نہیں اور عورت کے بیک وقت دو شوہر نہیں، اسی طرح مرید کے لئے دو شیخ نہیں اور آپ فرماتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے، اسی طرح مشائخ مرید سے درگزر نہیں کرتے کہ وہ ان کے ساتھ ان کے غیر کو شریک کرے۔ اور جب وہ درگزر کریں تو یہ ان سے اس کے متعلق کھوٹ ہوگا۔ فرماتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ارشاد پر غور کر :تَکَادُ السَّمَاوَاتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا (مریم ۹۰) قریب ہے آسمان شق ہوجائیں اور زمین پھٹ جائے اور پہاڑ لرزتے ہوئے گر پڑیں۔ پس آسمانوں اور زمین کو شق ہونا اور پھٹنا اور پہاڑوں کو گرنا نہیں کیا مگر شرک باللہ نے۔

---

[1] (المنن الکبری، الباب الثامن، ص ۳۴۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (المنن الکبری، الباب الثامن، ص ۳۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اور اسی طرح شیخ کے قلب کو مرید کی حفاظت و تربیت سے احسان اور خدمت کا ترک زائل نہیں کرتا۔ اسے تو مرید کا اس کے ساتھ کے غیر کو شریک کرنا زائل کرتا ہے۔[1]

حضرت الٰہیہ اس کے طریق اور ماہ و سال کی مثال:

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی، شافعی، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

واعلم يا أخي أن مثال الحضرة الالهية التي ينتهي اليها سلوك كل مريد مثال الكف، ومثال الطريق التي يدخل منها اليها مثال الأصابع، ومثال السنين أو الأشهر التي يجاهد المريد فيها نفسه مثال عقد الأصابع، فان دخل الى الحضرة في ثلاث سنين، كانت كل عقدة بمثابة سنة، وان وصل الى الحضرة في ثلاثين سنة كانت كل عقدة بعشر سنين، وهكذا الحكم في الزيادة والنقص، فاذا سلك مريد على يد شيخ حتى قطع عقدة ثم تركه وسلك على يد شيخ آخر حتى قطع عقدة ثم تركه، وأخذ عن شيخ آخر حتى قطع عقدة، أفنى عمره ولم يتجاوز العقدة الأولى، لأنه لا يصح لشيخ أن يبني على بناء شيخ آخر، فلا بد أن يهدم بناء من كان قبله من الأشياخ، ولو أنه كان صبر ودام تحت حكم شيخ واحد لربما قطع الثلاث عقد من الأصبع الواحدة، ودخل الحضرة الالهية، وهذا مثال ما أظنه طرق سمعك قط۔

ترجمہ: اور اے بھائی! حضرت الٰہیہ کی مثال جس تک ہر مرید کا سلوک منتہی ہوتا ہے، ہتھیلی کی سی ہے۔ اور جس طریق سے اس کی طرف داخلہ ہوتا ہے اس کی مثال انگلیوں کی سی ہے۔ اور سال اور مہینوں کی مثال جن میں مرید اپنے نفس کا مجاہدہ کرتا ہے، انگلیوں کی گرہوں کی سی ہے۔ پس اگر حضرت الٰہیہ تک تین سالوں میں داخل ہوا تو ہر گرہ سال کے قائم مقام ہے۔ اور اگر حضرت الٰہیہ تیس سالوں میں پہنچا تو گرہ دس سالوں کی طرح ہے۔ اور یہی حکم ہے زیادتی اور کمی میں۔ پس جب مرید نے ایک شیخ کے ہاتھوں سلوک کیا حتیٰ کہ ایک گرہ عبور کر لی پھر اسے ترک کر دیا اور دوسرے شیخ کے ہاتھوں سلوک اختیار کیا حتیٰ کہ ایک گرہ عبور کی، پھر اسے ترک کر دیا اور کسی اور شیخ سے استفادہ کیا حتیٰ کہ ایک گرہ عبور کی تو اس نے اپنی عمر فنا کر دی اور پہلی گرہ سے آگے نہیں بڑھا۔ کیونکہ کسی شیخ کے لئے صحیح نہیں کہ دوسرے شیخ کی بنیاد پر بنا کرے۔ پس لازما اپنے سے پہلے شیخ کی بنیاد گرا دے گا۔ اور اگر وہ صبر کرتا اور ایک ہی شیخ کے حکم کے تحت چلتا رہتا تو بسا اوقات ایک انگلی سے تین گرہیں عبور کر لیتا اور حضرت الٰہیہ میں داخل ہو جاتا۔ اور یہ ایسی مثال ہے کہ مجھے گمان نہیں کہ کبھی تیرے کان تک پہنچی ہو۔[2]

کسی اور کے مرید میں تصرف نہ کرے

یکبار بجهت دیدن شیخ کلیم الله چشتی رحمة الله علیه که از مشائخ وقت بودند رفتیم درس حدیث میفرمودند در حدیث بر آمد که وقت شب عفریتی از جن بر رسول خدا صلی الله علیه وسلم حمله آورد میخواستند که بگیرند بملاحظه دعای حضرت سلیمان علیه السلام بروی تصرفی نفرمودند در دل ما آمد که شیخ تاویل حدیث چه خواهند فرمود ایشان فرمودند که از ینحدیث معلوم میشود که شیخ را باید که تصرف بر مرید بیگانه بی اذن پیر او ننماید۔

ترجمہ: ایک مرتبہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ کلیم اللہ چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دیدار کے لئے نکل پڑے، جو کہ اپنے وقت کے ولی کامل شخصیت تھے۔ آپ درسِ حدیث میں مصروف تھے، ایک حدیث مبارکہ پر پہنچے کہ ایک مرتبہ رات کو عفریت جن نے آپ ﷺ پر حملہ کیا۔ آپ ﷺ نے چاہا کہ اسے پکڑ لیں لیکن سلیمان علیہ السلام کی دعا کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ ﷺ نے تصرف نہ فرمایا اور اسے چھوڑ دیا۔ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ شیخ صاحب مبارک اس حدیث کی کیا تاویل فرمائیں گے، تو انہوں نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کے

---

[1] (المنن الکبری، الباب الثامن، ص ۳۴۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (المنن الکبری، الباب الثامن، ص ۳۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت) (المنن الوسطیٰ ص ۳۲۹ الباب الثالث فی جملۃ اخری من الاخلاق)

لئے یہ ضروری ہے کہ کسی اور کے مرید میں تصرف نہ کرے، اس کے پیر کی اجازت کے بغیر۔[1]

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی شافعی قدس سرہ لکھتے ہیں:

ومما انعم اللہ بہ علی: اننی لا اخذ علی مرید العھد الا ان کان خالیا مع شیخ ینتمی الیہ من مشایخ العصر ثم یسوق علی السیاقات فی ذلک، فان کان لہ شیخ ولو بالاسم فقط أو لم یظھر لی منہ رغبۃ تامۃ فی طلب الطریق لا اخذ علیہ عھدا شفقۃ علیہ أن یمقت لتلاعبہ بالطریق مع غرۃ مراقبھا۔

معارف آگاہی مولانا جلال الدین رومی بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۶۷۲ھ) لکھتے ہیں:

اے مغفّل رشتہ بر پائے بند تا زخود ہم گم نہ

ترجمہ: ابے بے تمیز اپنے پاؤں پر رسی باندھ کر (ایک ہی آستانہ پر مقیم رہ) تاکہ اے رند مشرب کہیں تو اپنے آپ سے بھی گم نہ ہو جائے۔[2]

تعدد پیر کے جواز کی صورت اور اسکی درمیانی تطبیق

حضرت علامہ شیخ بدرالدین نقشبندی مجددی سرہندی، قدس سرہ، لکھتے ہیں: **قدسیہ: وھم شیخ باین فقیر می فرمودند کہ من اول از خدمت حاجی خضر خلیفۂ حضرت ایشان' کہ احوال وے ببالا ذکر یافت' طریقہ گرفتہ بودم و احوال عالیہ بحصول پیوستہ' چون بخدمت حاجی واردات خود را گزرانیدم فرمود کہ زیادہ برین مرا حاصل نیست۔ اکنون در خدمت حضرت ایشان بروید۔ باجازت حاجی بخدمت حضرت ایشان پیوستم۔**

قدسیہ: شیخ نے یہ بھی اس فقیر سے کہا کہ میں نے پہلے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلیفہ (حضرت حاجی خضر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں جن کا حال اوپر گزرا) طریقہ ذکر سیکھا تھا اور احوال عالیہ بھی حاصل ہوئے تھے جب میں نے حاجی صاحب کو اپنے واردات بیان کیے تو انہوں نے فرمایا کہ اس سے زیادہ مجھے نہیں آتا، اب تم حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں جاؤ، میں خلیفہ حضرت حاجی خضر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اجازت سے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔[3]

حضرت غوث الاسلام والمسلمین شاہ غلام عبداللہ المجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

بعض مرشدان مستفیدان خود را پیش بزرگان فرستادہ اند چنانچہ حضرت ایشان ما بامر پیر خود بخدمت اکابر استفادہ نمودہ اند

ترجمہ: بعض مشائخ اپنے مستفیدین (مریدین اور معتقدین) کو دوسرے مشائخ کی طرف بھیجتے تھے، چنانچہ اسی طرح میں نے بھی اپنے شیخ کی اجازت سے اکابر اولیا کرام رحمہم اللہ سے استفادہ کیا ہے۔[4]

فرق درمیان پیرے صحبت و پیرے تعلیم

حضرت مؤید الدین بیرنگ خواجہ محمد باقی باللہ، کابلی، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

وھم چنیں پیر تعلیم اما پیر صحبت می تواند کہ متعدد باشد بشرط اجازت پیر اول یا فوت صحبت او بعد ازین سخن فرمودند کہ آرے پیر خرقہ متعدد نمی باشد اما پیر تعلیم ھمچو پیر صحبت متعدد می باشد و معمول سالکان است فرمودند کہ در سلاسل خرقہ

---

[1] (مقامات مظہریہ، صفحہ ۲۶)

[2] (مفتاح العلوم، دفتر سوم، ص ۶۲)

[3] (حضرات القدس، ج ۲، ص ۴۱۸ و ۳۸۴، ناشر محکمہ اوقاف پنجاب لاہور)

[4] (مقامات مظہریہ، صفحہ ۳۶)

رامعنعن از حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اسنادمی کنتد و ذکر معنعن بیان نہ کردہ اند امادر سلسلہ نقشبندیہ و کبرویہ بہ ذکر معنعن از حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم رسیدہ داست از حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجھہ الی یومناھذا در وسائط فتوری نرفتہ۔

ترجمہ: ہاں پیر صحبت متعدد ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ پہلا پیر اجازت دے۔ یا اس کی صحبت فوت ہو جائے۔ اس کے بعد فرمایا۔ کہ ہاں پیر خرقہ متعدد نہیں ہو سکتے۔ لیکن پیر تعلیم پیر صحبت کی طرح متعدد ہو سکتے ہیں۔ اور اسی پر سالکوں کا معمول ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ان سلسلوں میں خرقہ کی اسناد حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم تک دست بدست ظاہر کرتے ہیں۔ مگر عن فلان و عن فلان کا ذکر بیان نہیں کیا۔ لیکن سلسلہ نقشبندیہ اور کبرویہ میں عن فلان عن فلان کا ذکر حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے لے کر آج تک دست بدست پہنچتا ہے درمیانی واسطوں میں کوئی فتور نہیں ہے۔[1]

فائدہ: ان واقعات سے معلوم ہوا کہ جہاں پر کچھ مشائخ کرام اپنے پیر کی موجودگی میں کسی اور پیر کے پاس اگر گئے ہیں تو اپنے شیخ کے امر و اجازت سے گئے ہیں۔

طریقت کا راستہ لمبا نہ ہو جائے

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی شافعی قدس سرہ لکھتے ہیں:

قال ابویزید: ولقداخذت طریق عن شیخ نفسابنفس ثم لایخفیٰ ان السلف الصالح من الصحابة و التابعین و تابع التابعین انمالم یکونو ایتقیدون بشیخ و احدبل ھم کان احدھم یأخذعن مائة شیخ لانھم رضی اللہ عنھم کانو امطھرین من الأدناس و الرعونات، فکان کل و احدمنھم کاملالایحتاج الی من یسلکه فلما کثرت الامراض و احتاجوا الی علاجھاامرھم الشیوخ بالتقییدعلی شیخ و احدلئلایتبددحال المریدو تطول علیه الطریق، فاعلم ذلک۔

حضرت ابو یزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے طریقت اپنے شیخ سے اس طرح حاصل کی کہ صرف میں اور آپ دونوں موجود تھے۔ پھر یہ بات بھی پوشیدہ نہیں کہ ہمارے اسلاف صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ایک شیخ کے پابند نہیں تھے بلکہ ان میں سے ایک شخص ایک سو مشائخ سے تربیت حاصل کرتا کیونکہ وہ لوگ دل کی میل اور تکبر سے بالکل پاک تھے، پس ان میں سے ہر ایک کامل تھا، وہ سلوک میں کسی دوسرے کے محتاج نہ تھے۔

پس جب بیماریاں زیادہ ہوگئیں اور لوگ علاج کے محتاج ہو گئے تو مشائخ نے ان کو ایک شیخ کا پابند ہونے کا حکم دیا تا کہ مرید کا حال بکھر نہ جائے اور طریقت کی طویل دنیا سے قطع تعلق نہ ہو جائے اور اس پر طریقت کا راستہ لمبا نہ ہو جائے تو اس بات کو جان لے![2]

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان حنفی قادری فاضل بریلی قدس سرہ لکھتے ہیں:

عرض: شیخ (یعنی اپنے کامل پیر) سے بظاہر کوئی ایسی بات معلوم ہو جو خلافِ سنت ہے تو اس سے پھرنا کیسا؟

ارشاد: محرومی اور انتہائی گمراہی ہے۔[3]

---

[1] (کلیات باقی باللہ، یعنی مجموعہ کلام و رسائل و ملفوظات و مکتوبات، ص، ۳۲، ملک دین محمد اینڈ سنز، اشاعت منزل بل روڈ، لاہور) (مکتوبات خواجہ باقی مجلس، ۶) ۴۴

[2] (الانوار القدسیۃ فی معرفۃ قواعد الصوفیۃ ج ۱ ص ۶۵)

[3] (ملفوظات اعلیٰ حضرت، ص، ۴۹۸، ۴۹۹، مکتبۃ المدینہ، باب المدینہ، کراچی)

گمراہ طریقت کس کو کہتے ہیں؟

عروۃ الوثقی حضرت خواجہ محمد معصوم حنفی نقشبندی قدس سرہ لکھتے ہیں :

سوال نزد اہل کمال گمراہی چیست و گمراہ کرا میگویند در شریعت گمراہ ہمانست کہ خلاف شرع شریف ورزد اما گمراہ طریقت کرا نامند جواب گمراہ طریقت آنست کہ خلاف شریعت کند و یا خلاف طریقت ورزد و از اطاعت پیر بیرون شود۔

سوال : اہل کمال کے نزدیک گمراہی کیا ہے اور گمراہ کس کو کہتے ہیں؟ شریعت میں گمراہ وہ شخص ہے کہ شرع شریف کے خلاف چلے، لیکن گمراہ طریقت کس کو کہتے ہیں۔

جواب : گمراہ طریقت وہ شخص ہے جو کہ شریعت کے خلاف عمل کرے اور یا طریقت کے خلاف چلے اور پیر کی اطاعت سے باہر ہو جائے۔[1]

یک در گیر محکم گیر

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان حنفی قادری فاضل بریلی قدس سرہ لکھتے ہیں:

پیر طریقت جامع شرائط صحت بیعت سے بلا وجہ شرعی انحراف ارتداد طریقت ہے اور شرعاً معصیت کہ بلا وجہ ایذاء و احتقار ہے، اور وہ دونوں حرام۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے :

فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ

ترجمہ: تو جس نے عہد توڑا اس نے اپنے بڑے عہد کو توڑا۔(الفتح ۱۰ :)

اور اللہ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا۔

ترجمہ: اور جو ایمان والے مردوں اور عورتوں کو بے کئے ستاتے ہیں انہوں نے بہتان اور کھلا گناہ اپنے سر لیا۔(الاحزاب ۵۸ :)

عن انس قال: قال رسول اللہ ﷺ: من اٰذیٰ مسلماً فقد اٰذانی و من اٰذانی فقد اٰذی اللہ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچائی۔[2]

اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ایک شخص کے دو باپ نہیں ہو سکتے۔ ایک وقت میں ایک عورت کے دو شوہر نہیں ہو سکتے اسی طرح ایک مرید کے دو پیر نہیں ہو سکتے۔ یہ وسوسہ ہے اس پر عمل نہ کیا جائے، یک در گیر محکم گیر (ایک ہی دروازہ پکڑ مگر پکڑ مضبوطی سے۔) پریشان تنگ نظری والا کسی کی طرف سے فیض نہیں پاتا۔ حدیث میں ارشاد ہوا : **من رزق شیئ فلیلزمہ۔**

ترجمہ: جس کو کسی چیز میں (یعنی اس کے سبب سے) رزق دیا جائے تو چاہئے کہ اس پر لزوم اختیار کرے۔[3]

دوم، مرید غلام ہے، اور طالب وہ کہ غیبت شیخ میں بضرورت یا باوجود شیخ کسی مصلحت سے، جسے شیخ جانتا ہے یا مرید شیخ غیر شیخ سے استفادہ کرے۔ اسے

---

[1] (مکتوبات معصومیہ، دفتر سوم، مکتوب ۲۱۷، ص ۲۶۱، گارڈن ویسٹ، کراچی)

[2] (رواہ الطبرانی فی المعجم الاوسط رقم ۳۲۳۳:،، ج ۴، ص ۳۷۳، الجامع الصغیر، ص ۵۰۵، رقم ۸۲۶۹:، دار الکتب العلمیہ، بیروت، فتاویٰ رضویہ، ج ۲۷، ص ۵۷۷، ۵۷۸، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

[3] (کنز العمال برمذہب عن انس، حدیث ۹۲۸۶، مؤسسۃ الرسالہ بیروت، ۴/ ۱۹) (فتاویٰ رضویہ، ج ۲۱، ص ۶۰۳، ۶۰۴، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

جو کچھ اس سے حاصل ہو وہ بھی فیض شیخ ہی جانے، ورنہ دو دِر کبھی فلاح نہیں پاتا۔ اولیائے کرام فرماتے ہیں : لایفلح مریدبین شیخین۔

ترجمہ: جو مرید دو پیروں کے درمیان ہو وہ کامیاب نہیں ہوتا۔[1]

مسئلہ ۲۹۵ و ۲۹۶ از گلمائر ڈاک خانہ ماہی ضلع فرید پور مرسلہ عبدالرحمن صاحب ۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ:

(۱) زید طریقہ نقشبندیہ متبرکہ میں بیعت ہوا اور اپنے شیخ سے مقامات پورا کیا مگر بعض مقام میں قدرے شبہہ رہتی ہے اور خلافت و اجازت نہ ملتی ہے، شیخ صاحب کا انتقال ہوگیا، اب زید کے لئے اس شبہہ کو دور کرنے اور اجازت وخلافت حاصل کرنے کے واسطے دوسرے مرشد پکڑنا جائز ہے یا اپنے شیخ سے جو حاصل ہوئی اسی پر اکتفا کرنا چاہئے؟ اگر اسی پر اکتفاء کرنے کی کوشش کی تو ترقی وفیض یاب ہوسکتا ہے اور شبہہ باقی ماندہ دور کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر دوسرے مرشد پکڑنا جائز ہے تو اسے نقشبندیہ طریقہ کا ہونا ضروری ہے یا دیگر چہار طریقہ میں سے جو ہو کافی ووافی ہوں گے؟ پھر اسی نقشبندیہ طریقہ کے جو مشائخ زید کو فی الحال میسر ہوتے ہیں اگر وہ زید کے شیخ سے کمالیت واشغال میں کم درجہ کے ہیں ان کو مرشد بنائے یا جو مشائخ زید کو مسافت بعیدہ وغیرہ وغیر ملکی ہونے کے میسر نہیں ہوتے ہیں حالانکہ وہ سب زید کے شیخ سے بڑھ کر ہے یا برابر ہے تو اب زید کو فی الحال میسر ہوتے ہیں ان سے پورا کرے یا جو غیر میسر ہیں ان کی توقع وامید پر رہے؟

(۲) قادری کوئی شخص دوسرے قادری سے یا نقشبندی دوسرے نقشبندی سے یا قادری نقشبندی سے یا نقشبندی قادری علیٰ ہذا لبواقی خواہ علی الوفاق ہوئے یا علی الخلاف بیعت ہونے کو چاہے تو از سر نو بیعت ہونا چاہئے یا نہیں؟ اور یہ بیعت جدیدہ کہلائے گی یا کیا؟ اور شیخ اول ہی بدستور رہیں گے یا دونوں؟ اور مرید کن کا کہلائے گا؟ بیّنوا توجروا۔ (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔)

الجواب : جو شخص کسی شیخ جامع شرائط کے ہاتھ پر بیعت ہو چکا ہو تو دوسرے کے ہاتھ پر بیعت نہ چاہئے۔ اکابر طریقت فرماتے ہیں :

لایفلح مریدبین شیخین۔

ترجمہ: جو مرید دو پیروں کے درمیان مشترک ہو وہ کامیاب نہیں ہوتا۔

خصوصاً جبکہ اس سے کشودکار بھی ہو چکا ہو، حدیث میں ارشاد ہوا : **من رزق فی شیئ فلیلزمہ۔**

ترجمہ: جسے اللہ تعالیٰ کسی شئے میں رزق دے وہ اس کو لازم پکڑے۔[2]

دوسرے جامع شرائط سے طلب فیض میں حرج نہیں اگر چہ وہ کسی سلسلہ صریحہ کا ہو اور اس سے جو فیض حاصل ہو اسے بھی اپنے شیخ ہی کا فیض جانے،

کما فی سبع سنابل مبارکۃ عن سلطان الاولیاء امام الحق والدین رضی اللہ تعالی عنہ۔

جیسا کہ سبع سنابل شریف میں سلطان الاولیاء امام الحق والدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

شیخ جب نہ رہا اور اس کا سلوک ناقص ہو اس کی تکمیل بطور خود نہ کرے کہ یہ راہ تنہا چلنے کی نہیں،

کما افادہ الامام القشیری فی رسالۃ المبارکۃ والامام السہروردی فی العوارف الشریفۃ وبیناہ فی فتاوٰی افریقۃ۔

جیسا کہ امام قشیری علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ مبارکہ اور امام سہروردی علیہ الرحمۃ نے عوارف شریفہ میں اس کا افادہ فرمایا ہے۔ اور ہم نے اس کو فتاوٰی افریقہ میں بیان کیا ہے۔

---

[1] (فتاوی رضویہ، ج ۲۶، ص ۵۵۸، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

[2] (شعب الایمان، حدیث ۱۲۴۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۲/ ۸۹)

بلکہ کسی لائق تکمیل سے استمداد کرے اس میں حتی الامکان لحاظ قرب رکھے اپنے شیخ کے خلفاء میں سے کوئی اس قابل ہوتو وہ اولیٰ ہے ورنہ اپنے سلسلے سے اقرب فالاقرب اور نہ ملے تو جو ملے یہ اس لئے کہ اختلاف راہ اطالت عمل کرنے اور اپنے زمانے میں اپنے حق میں اپنے شیخ صحیح المشیخہ سے کسی کو افضل جاننا سوء ادب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔[1]

ہم نے دو بزرگوں کے مرید کو کبھی کامیاب نہیں دیکھا

حضرت علامہ امام عبدالوہاب شعرانی، شافعی، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

ومن شأنه ان لا يكون له الا شيخ واحد، فلا يجعل له قط شيخين، لان مبنى طريق القوم على التوحيد الخالص، وقد ذكر شيخ محي الدين في الباب الاحد والثمانين ومأة من الفتوحات المكية مانصه: واعلم انه لا يجوز لمريد ان يتخذ لي الا شيخاً واحدا لان ذٰلك اعون له في الطريق، وما رأينا مريدا قط افلح على يد شيخين، فكما انه لم يكن وجود العالم بين الالٰهين ولا المكلف بين رسولين ولا امرأة بين زوجين، فكذلك المريد لا يكون بين شيخين، هذا كله في مريد تقيد بشيخ بقصد سلوكه الطريق، واما من لم يتقيد فهو متبرك بالشيخ فقط، فمثل ذٰلك لا يمنع من الاجتماع باحد وقد كان سيدي علي المرصفي رحمه الله عليه يقول۔ ومن ابتلي بصحبة شيخين فاكثر، فليجعل شيخه الحقيقي في حاشية قلبه، بجانب محبة رسول الله ﷺ، لانه نائب رسول الله ﷺ في نصح امته وارشادهم الى طرق الهدى وكان ابو يزيد بسطامي رضي الله عنه يقول: ومن لم يكن له استاذ واحد فهو مشرك في الطريق، والمشرك شيخه الشيطان۔

ترجمہ: مرید کی شان میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ صرف ایک شیخ کے دامن سے وابستہ ہو اور ہرگز دو شیخ نہ اپنائے کیونکہ صوفیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا طریقہ خالص توحید پر مبنی ہے۔ حضور سیدی معارف آگاہی شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے "الفتوحات المکیہ" کے باب 181 میں فرمایا: جان لو مرید کے لیے صرف ایک شیخ کو اختیار کرنا جائز ہے کیونکہ اس سے طریقت میں زیادہ مدد ملتی ہے اور ہم نے دو بزرگوں کے مرید کو کبھی کامیاب نہیں دیکھا۔ تو جس طرح اس عالم کا وجود دو خداؤں کے درمیان، ایک مکلف دو رسولوں کے درمیان، اور ایک عورت دو خاوندوں کے درمیان (مشترک نہیں اسی طرح ایک مرید کا تعلق) دو بزرگوں (مرشدوں) کے ساتھ نہیں ہوتا۔ یہ تمام باتیں اس مرید کے بارے میں ہیں جو کسی شیخ سے اس لیے وابستہ ہوتا ہے کہ وہ طریقت کی راہ پر چلے (سلوک کی منازل طے کرے) لیکن جس مرید کا یہ مقصد نہ ہو وہ اپنے شیخ سے محض برکت حاصل کرتا ہے اس کے لیے مختلف شیوخ کے پاس جانا ممنوع نہیں۔ اس صورت میں جب شیخ اول اجازت دے جیسا کہ پچھلے صفحات میں مذکور ہوا۔ حضرت شیخ سرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے آقا علی المرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے جو شخص دو یا دو سے زیادہ شیوخ کے ساتھ تعلق کی آزمائش میں ہو تو وہ رسول اکرم سے ﷺ سے محبت کی وجہ سے اپنے شیخ کو دل کے اندر جگہ دے کیونکہ وہ شیخ رسول اکرم ﷺ کی امت کی خیر خواہی اور ان کو راہ ہدایت کی طرف بلانے میں رسول اکرم ﷺ کا نائب ہے۔ حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے جس کا ایک استاذ (مرشد) نہ ہو تو وہ طریقت میں مشرک ہے اور مشرک شیخ الشیطان ہوتا ہے۔[2]

---

[1] (فتاوی رضویہ، ج ۲۶، ص ۵۷۸، ۵۷۹، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

[2] (الانوار القدسیۃ فی معرفۃ قواعد الصوفیۃ، الجزء الاول، ص ۴۰، المکتبۃ العلمیہ، بیروت)

مشائخ کا اجماع ہے کہ ایک مرید کے لیے دو مرشد اختیار کرنا جائز نہیں۔

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی، شافعی، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

وقد تقدم فی الباب الاول اجماع الاشیاخ علی انه لا یجوز للمرید ان یتخذ له شیخین وقالو: کما انه لا یکون للعالم آلهین، ولا للمرأة زوجین، ولا للرجال قلبین، کذالک لا یکون للانسان شیخین، واجمعو علی ان کل مرید رأی ان علم شیخه لا یکفیه فلیس له ان یتقید علیه، وربما کان احد شیخین غیر محقق فیأمر المرید بما یوافق هواه لغیر حکمة فیهلک، وبل جملة فلم یقع لاحد قط انه سلک الطریق ووصل الی مقامات الرجال بین شیخین ابداً۔

ترجمہ: پہلے باب میں یہ بات گزر چکی ہے کہ مشائخ کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایک مرید کے لیے دو شیخ (مرشد) اختیار کرنا جائز نہیں وہ فرماتے ہیں جس طرح کائنات کے دو معبود نہیں ہو سکتے، ایک عورت کے دو خاوند بیک وقت نہیں ہو سکتے ایک آدمی کے دو دل نہیں ہو سکتے اسی طرح ایک انسان کے دو مرشد نہیں ہو سکتے اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ جو مرید دیکھے کہ اس کے شیخ کا علم اسے کافی نہیں تو اس پر اس کے ساتھ مقید ہونا لازم نہیں بعض اوقات دو مرشدوں میں سے ایک محقق نہیں ہوتا بس وہ مرید کو کسی حکمت کے بغیر محض اپنی خواہش کے مطابق حکم دیتا ہے پس ہلاک ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کوئی شخص جو دو مرشدوں کے درمیان ہو اور وہ طریقت کی راہ اختیار کرے تو وہ مردوں (اولیائے کرام) کے مقامات تک کبھی نہیں پہنچ سکتا۔[1]

کائنات کے دو معبود نہیں ہو سکتے

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وکان سیدی یوسف العجمی یقول: کما لم یکن العالم الهین ولا للمرأة زوجین ولا للرجل قلبین کذلک لا یکون شیخین انتهی۔

ترجمہ: جس طرح کائنات کے دو معبود نہیں ہو سکتے ایک عورت کے دو خاوند بیک وقت نہیں ہو سکتے ایک آدمی کے دو دل نہیں ہو سکتے اسی طرح ایک انسان کے دو مرشد نہیں ہو سکتے۔[2]

اہل طریقت والوں کا اجماع:

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی، شافعی، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

وسمعت سیدی علیا الخواص رحمه الله تعالیٰ یقول: اجمع اهل الطریق علی ان الملتفت الی غیر شیخه لا یفلح ابدا۔

وسمعت سیدی محمد الشناوی رحمه الله تعالی یقول: قلت یوما لشیخی سیدی محمد السروی مرادی ان ازور الشیخ الفلان فقال لی یا محمد اذا لم یکن الشیخ یملأ عین المرید فلم یتخذه شیخاً فمن ذالک الیوم ما زرت غیره الی ان مات انتهی۔

ترجمہ: میں نے اپنے سید علی الخواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اہل طریقت کا اس بات پر اجماع ہے کہ

---

[1] (الانوار القدسیۃ فی معرفۃ قواعد الصوفیۃ، الجزء الثانی ص ۳۱، المکتبۃ العلمیہ، بیروت)

[2] (المنن الوسطیٰ ص ۳۲۹ الباب الثالث فی جملۃ اخری من الاخلاق)

جوشخص اپنے شیخ کے علاوہ کسی اور کی طرف التفات کرے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

اور میں نے اپنے سید محمد الشناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے سنا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں نے ایک دن اپنے شیخ میرے سید محمد السروی سے کہا میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں فلاں شیخ کی زیارت کیلئے چلا جاؤں تو انہوں نے مجھ سے کہا اے محمد جب شیخ ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے مرید کی آنکھوں کو بھر دے تو اسے شیخ نہ بناؤ پس اس دن سے میں کسی اور کی زیارت کیلئے نہیں گیا یہاں تک کہ میرے شیخ وفات پا گئے۔[1]

کیا تمہارا باپ ہے؟

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی، شافعی، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

وكان سيدى ابو السعود الجارحي يقول لمن يريد صحبته :هل لک اب ؟فيقول له نعم، فيقول أين هو؟فيقول فى البلاد مثلاً، فيقول له اذهب إليه أنا لأصحب من له اب غيرى۔

ترجمہ: حضرت سیدی ابو السعود الجارحی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس شخص سے جو آپ کی صحبت اختیار کرنا چاہتا، پوچھتے تھے: یا تمہارا باپ ہے؟ وہ عرض کرتا جی۔ فرماتے: وہ کہاں ہے؟ وہ کہتا شہر میں ہے تو اس سے فرماتے: اس کے پاس جاؤ میں ایسے شخص کو اپنی صحبت میں نہیں رکھتا جس کا میرے علاوہ باپ بھی ہو۔[2]

جس کے دو شیخ (مرشد) ہوں وہ ہرگز کامیابی نہیں پا سکتا

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی، شافعی، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

وسمعت سيدى على المرصفى يقول :من خالف نفسه فقد افلح، ومن وافقها و خالف شيخه فكأنه جعلها شيخاً له مع شيخه ۔ومن له شيخان لا يفلح ،لان القوم أجمعوا على ان توحيد القصد واجب ليجعلوا لهم هماً واحداً، وقالوا من لم يكن مقصده واحداً متعلقاً بواحد لا يشم من توحيد الحق تعالىٰ رائحة ۔وقالوا متى خرج المريد بحركة واحدة لشيئين حاجة و الصلاة فقد أشرک فى القصد الا ان تكون الحاجة مطلوبة شرعاً، وذلک لان الشرک ظلم عظيم على اختلاف انواعه، وهو مشتق من الظلمة، ومن دخل الظلمة يحار فى الطريق، ومن حار فيها فلا ترجيح عنده، ومن فقد الترجيح فقد الترقى، ومن فقد الترقى لا يفلح۔

ترجمہ: میں نے سیدی علی المرصفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا وہ فرماتے تھے: جس نے اپنے نفس کی مخالفت کی اس نے کامیابی پائی اور جس نے اس کی موافقت اور اپنے شیخ کی مخالفت کی گویا اس نے اسے اپنے شیخ کے ساتھ شیخ بنا لیا اور جس کے دو شیخ (مرشد) ہوں وہ کامیابی نہیں پا سکتا کیونکہ صوفیاء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ ارادے کی توحید واجب ہے تاکہ وہ اس کے لئے ایک ہی فکر بنا دیں۔

اور وہ فرماتے ہیں: جب مرید ایک حرکت سے دو چیزوں کو حاجت بناتا ہے جس طرح نماز ہے تو وہ اپنے ارادے میں شرک کرتا ہے مگر یہ کہ وہ حاجت شرعی طور پر مطلوب ہو (مثلاً نماز میں اللہ تعالیٰ اور مخلوق دونوں کو سامنے رکھے) اور یہ اس لئے کہ شرک ظلم عظیم ہے اگرچہ اس کی اقسام مختلف ہیں لیکن یہ لفظ (ظلم) ظلمت سے نکلا ہے اور جو شخص ظلمت (اندھیرے) میں داخل ہوا وہ راستے میں حیران پریشان ہوتا ہے اور جو حیران ہوا اس کے لئے ترجیح نہیں اور جو ترجیح ضائع کر دی اور اس سے ترقی گم جائے گی اور جس کو ترقی نہیں ملی تو وہ کامیاب نہیں ہوگا اور جو ترقی کو بھلا دیتا ہے وہ

---

[1] (المنن الکبری، الباب الثامن، ص ۳۴۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (الانوار القدسیہ ص ۶۰ ج ۲ مکتبہ السیفیہ الواقعۃ فی مندیکس علاقہ کھجوری بارہ پشاور)

کامیاب نہیں ہوگا۔[1]

چالیس سال کی خدمت ایک لحظہ میں ختم:

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی شافعی قدس سرہ لکھتے ہیں:

قالوا ولابدللمریدمن توحیدالقصدوالاذعان والعمل بکل مایقوله الشیخ ومن لم یوجه القصد واشراک مع الشیخ غیره فهومشرک فی القصدلایجیئ منه شئی فی الطریق ولوکان شیخه من اکبرالاولیاء، وسمعت سیدی علیاالمرصفی رضی الله عنه یقول :من ادبرعن شیخه لحظة واحدة فقدادبرعن حضرة الله عزوجل ،ولوان مریداًخدم شیخه اربعین سنة لایدبرعنه لحظة،ثم ادبرعنه، کان مافاته فی تلک الادبارة اکثر ممانالهفی الاربعین سنة۔[2]

ترجمہ: اور صوفیاء فرماتے ہیں کہ مرید کیلئے ضروری ہے

جس نے عہد توڑا وہ ذلیل ہوا

مفسر قرآن صوفی باکمال علامہ اسماعیل حقی بروسی حنفی قدس سرہ لکھتے ہیں:

ودرعهد گفته اند۔

پیمان مشکن که هر که پیمیان بشکست — از پای در افتادرفت زدست

آنرا که بدردست بودیمیان الست — نشکسته بهیچ حال هر عهد که بست

کماقال الحافظ :

ازدم صبح ازل تاآخر شام ابد — دوستی بریک عهدویک میثاق بود

وقال:

پیمان شکن هر آینه کرددشکسته حال — ان العهود لدی اهل النهی ذمم

قال بعض الکبار :هذا البیعة نتیجة العهد السابق المأخوذ علی العباد فی بدء الفطرط فیضرهم النکث وینفعهم الوفاء قال الشیخ اسماعیل بن سودکین فی "شرح التجلیات الأکبریة" قدس اللهسرهما :المبایعون ثلاثة :الرسل والشیوخ والورثة والسلاطین والمبایع فی هؤلاء الثلاثة علی الحقیقة واحد وهو الله تعالی وهؤلاء الثلاثة شهود الله تعالی علی بیعة هؤلاء الأتباع وعلی هؤلاء الثلاثة شروط یجمعها القیام بأمر اللهوعلی الأتباع الذین بایعوهم شروط یجمعها المتابعة فیما أمروا به فأما الرسل والشیوخ فلا یأمرون بمعصیة أصلاً فان الرسل معصومون من هذا والشیوخ محفوظون وأما السلاطین فیمن لحق منهم بالشیوخ کان محفوظاً والا کان مخذولاً وأما هذا فلا یطاع فی معصیة والبیعة لازمة حتی یلقوا الله تعالی ومن نکث الاتباع من هؤلاء فحسبه جهنم خالداًفیها لا یکلمه اللهولا ینظر الیهولهعذاب ألیم هذا کماقال أبو سلیمان الدارانی قدس سره

---

[1] (الانوارالقدسیہ ص ۶۹ ج ۲ مکتبہ السیفیہ الواقعۃ فی مندیکس علاقہ کھجوری بارہ پشاور)

[2] (الاجوبۃ المرضیۃ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ص ۱۱۸)

ـھذا حظه فی الآخرة و أما فی الدنیا فقد قال أبو یزید البسطامی قدس سره فی حق تلمیذه لما خالفه :دعوا من سقط من عین الله فرؤی بعد ذلک مع المخنثین و سرق فقطعت یده هذا لما نکث أین هو ممن۔

اور عہد پیمان کے بارے میں بزرگوں نے فرمایا:

پیمان مشکن که هر که پیمان بشکست　　از پای در افتاد رفت ز دست

آنرا که بدر دست بود یمیان الست　　نشکسته بهیچ حال هر عهد که بست

ترجمہ: عہد نہ توڑ کیونکہ جس نے عہد توڑا وہ ذلیل ہوا اور ہاتھ سے باہر ہوا یعنی خوار ہوا، ہوا کے ہاتھ میں ہے پیمان الست ۔اس نے کسی حالت میں بھی کوئی عہد نہ توڑا۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا:

از دم صبح ازل تا آخر شام ابد　　دوستی بر یک عهد و یک میثاق بود

ترجمہ: صبح ازل سے شام عہد تک دوستی و محبت میں ایک عہد و میثاق پر ہونا چاہئے۔

اور فرمایا :

پیمان شکن هر آینه کردد شکسته حال　　ان العهود لدی اهل النهی ذمم

ترجمہ: عہد توڑنے والے کا یقینا برا حال ہوگا کیونکہ عقلمندوں کے نزدیک عہد پورا کرنا بڑی ذمہ داری ہے۔

بعض مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بیعت اسی میثاق سابق کا نتیجہ ہے جو ابتدائے فطرت سے (روز الست) لیا گیا، اسی لیے اس کا توڑنا نقصان دیتا ہے اور اس کی وفاء نفع دیتی ہے۔حضرت اسماعیل بن سودکین قدس سرہ نے ''التجلیات الاکبریۃ'' میں فرمایا کہ بیعت لینے والے تین قسم کے ہیں:

(۱)　رسل (انبیاء) علیہم السلام،

(۲)　مشائخ جو انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہیں،

(۳)　بادشاہ، ان تینوں کا حقیقی بیعت والا ایک ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور یہ تینوں اللہ تعالیٰ کی اس اتباع کے گواہ ہیں جن کے وہ مامور ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں سے اس کی اتباع کا معاہدہ کریں یہی وجہ ہے کہ ان تینوں کے لیے شرائط ہیں کہ جن کی وجہ سے وہ امر الٰہی کو قائم کریں گے ۔اور بیعت کرنے والوں کے بھی ان امور میں شرائط ہیں جن کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے بائعین کی بیعت کرسکیں۔انبیاء و رسل علیہم السلام اور مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو کسی گناہ کا حکم نہیں فرمائیں گے اس لیے کہ انبیاء و رسل علیہم السلام تو گناہوں سے بالکل معصوم اور مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ محفوظ ہوتے ہیں اور بادشاہ جو کسی ولی اللہ سے وابستہ ہوتے ہیں تو وہ بھی گناہوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں مگر جو بادشاہ بے مرشد ہوتے ہیں وہ دونوں کی ذلت اور رسوائی اٹھاتے ہیں ایسے بادشاہ کی معصیت میں اطاعت نہ کی جائے ہاں اسکی (حکومت کے امور میں) بیعت کرنا جائز ہے یہاں تک کہ

موت آئے ۔اوران تینوں کی ان کے متعلقات میں بیعت توڑنے کی سزا جہنم ہے،اس میں وہ ہمیشہ رہے گا نہ اللہ تعالیٰ اس سے قیامت میں کلام رے گا اور نہ نظرِ کرم سے دیکھے گا اور اس کے لیے دردناک عذاب ہے،جیسا کہ حضرت ابوسلیمان دارانی قدس سرہ نے فرمایا کہ یہ اس کی آخرت کی سزا ہے اور دنیا کی سزا وہ ہے جو حضرت ابو یزید بسطامی قدس سرہ نے اپنے اس شاگرد (مرید) کے لیے فرمایا جس نے آپ کی بیعت کے بعد مخالفت کی اس کے لیے آپ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو جو اللہ کی نظر عنایت سے گر گیا۔اس کے بعد اسے ہیجڑوں میں دیکھا گیا اور چوری کی تو اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔[1]

جو اپنے کامل پیر و مرشد پر اکتفا نہیں کرتے

محقق علی الاطلاق،شیخ عبدالحق حنفی نقشبندی محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فرمود بعض درویشان با پیری بیعت کردہ باشند بران بسند نمی کنند تا بر پیری دیگر میروند و بیعت و خرقہ او ھم می ستانند نزدیک من، این چیزی نیست بیعت ھمان ست کہ اول با کسے کردہ باشند اگر چہ پیر یکی از آحاد باشد و از شیخ نظام الدین سوال کردند حکم شیخ منصور حلاج چسیت فرمود کہ مردہ است او مرید خیز نساج بود ترک او گرفت بر شیخ جنید آمد و درخواست بیعت کرد جنید فرمود تو مرید خیر نساجی ترا دست بیعت ندھم او را رد کرد جنید مقتدای وقت بود رد او ردھمہ شد فرمود۔

ترجمہ: ایک مرتبہ فرمایا کہ بعض مرید ایسے ہوتے ہیں جو اپنے پیر و مرشد پر اکتفا نہیں کرتے اور دوسرے پیر کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس سے خرقہ حاصل کر لیتے ہیں میرے نزدیک یہ حرکت کوئی قابل قبول نہیں،دراصل بیعت تو وہی ہے جو پہلی مرتبہ کسی کے ہاتھ پر کیجائے اگر چہ وہ پیر و مرشد ایک عام آدمی ہی کیوں نہ ہو۔

خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے ایک مرتبہ شیخ منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ مردہ دراصل خیر نساج کا مرید تھا جن کی ارادت وعقیدت سے منہ موڑ کر حضور سیدنا سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت کرنا چاہی حضور سیدنا سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تم دراصل حضرت شیخ خیر نساج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید ہو میں تمہیں دوبارہ بیعت نہیں کرتا چنانچہ حضور سیدنا سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو اپنے وقت کے مقتدا اور کامل تھے انہوں نے حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو واپس کر دیا،چونکہ شیخ منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو آپ نے واپس لوٹا دیا تھا اس لئے دوسرے تمام مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے بھی ان سے بیعت نہ لی۔[2]

اپنے پیر کی زندگی میں کسی اور کی پیروی اور تلقین کی جانب توجہ کرنا

حضرت میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ لکھتے ہیں:

حضرت مخدوم مینا قدس سرروحہ میفرمود کہ مرید اگر در حالت حیات پیر بدیگری در اتباع و تلقین توجہ کند بھرہ نیاید و باوجود پیر از دیگری کلاہ محبت ستدن و خلافت قبول کردن جائز نبود۔

ترجمہ: حضرت مخدوم شیخ مینا قدس سرہ نے فرمایا کہ اگر کوئی مرید اپنے پیر کی زندگی میں کسی اور کی پیروی اور تلقین کی جانب توجہ کرتا ہے تو وہ کہیں

---

[1] (روح البیان،سورۃ الفتح: تحت الآیۃ ۱۰ : ج ۹،ص ۲۲،دار الکتب العلمیہ،بیروت)

[2] (اخبار الاخیار،ص ۵۹،نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی،بلال روڈ،لاہور)

سے کوئی حصہ نہیں پاتا اور پیر کے ہوتے ہوئے کسی اور شخص سے محبت کی کلاہ لینا اور خلافت قبول کرنا جائز نہیں ہے۔[1]

ایک دروازہ کو پکڑنا اور نہایت استحکامی اور مضبوطی سے پکڑنا واجب ہے

سید محمد بن مبارک کرمانی میر خورد چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

سلطان المشائخ فرمود بعضے درویشان با پیرے بیعت کردہ باشند بر آن بسندہ نمے کنند تا بر پیرے دیگر میروند و بیعت و خرقہ او ہم مے ستانند نزدیک من این چیزے نیست زیرا کہ مرید را محبت حق تعالیٰ و جل و علی بر اندازۂ محبت پیر خود حاصل مے شود چون بادو پیر بیعت کند و خرقۂ دو پیر ستاند چگونہ راست آید بیعت ہمان است کہ اول با کسے کردہ باشد اگر چہ آن پیر یکے از احاد باشد و مے فرمود شیخ شیوخ العالم شہاب الدین سہروردی قدس سرہ بارہا گفتے ہر درے و ہر سرے نباشید یک در گیرید محکم گیرید از سلطان المشائخ سوال کردند حکم شیخ حسین منصور حلّاج چیست فرمود کہ مردود است او مرید خیر نساج بود ترک او گرفت و بر جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آمد و در خواست بیعت کرد جنید فرمود تو مرید خیر نساجی ترا دست بیعت ندہم او را رد کرد چون جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مقتدائے وقت بود در دا و رد ہمہ باشد و بخط مبارک سلطان المشائخ قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز نوشتہ دیدہ ام :فان قال قائل انا راینا المشائخ استفادوا عن غیر شیخ واحد کابی عثمان فانہ کانی متمسکا بمتابعتہ یحیٰ الرازی و بعدہ رغب فی صحبت شاہ الکرمانی ثم اتبع اباحفص الحدّاد و بلغ مبلغ الرجال و انت فقد تحجرت و اسعا اعلم ان تعلق الارادۃ تعلق یشترک فیہ غیرہ و تعلق یشترک فیہ غیرہ فانہ یمکن ان یربی الصبیّ غیر الوالدین فیہ صبعہ الطیر الا ان تموت الشیخ کما کان حال الشیخ ابی النجیب السہروردی لما مات شیخہ احمد الغزالی استفاد باشارتہ عن الشیخ حماد دبّاس۔

ترجمہ: سلطان المشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بعض درویش پہلے ایک پیر سے بیعت کر لیتے ہیں لیکن اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ دوسرے پیر کے پاس جاتے اور اس سے بیعت کرتے اور خرقہ بھی پہنتے ہیں۔ میرے نزدیک تو یہ کوئی بات نہ ہوئی کیونکہ مرید کو خدا تعالیٰ کی محبت اپنے پیر کی محبت کے اندازہ پر ہوتی ہے اور جب یہ ہے تو جو شخص دو پیروں سے بیعت کرے گا اور کے خرقے لے گا تو پھر یہ بات کیوں کر حاصل ہوگی۔ بیعت وہی معتبر ہے جو اول مرتبہ کسی شخص سے کی ہے اگر چہ وہ پیر مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم میں ادنی درجہ رکھتا ہو اور ان ہی میں کا ہو آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ شیخ شیوخ العالم شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز بارہا فرمایا کرتے تھے کہ آدمی ہر بابی اور ہر سری نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ ایک دروازہ کو پکڑنا اور نہایت استحکامی اور مضبوطی سے پکڑنا واجب ہے۔ چنانچہ آپ اپنے مریدوں کو سب سے اول یہی نصیحت فرماتے اور نہایت زور کے ساتھ اس مضمون کو بیان کرتے اسی اثناء میں حاضرین نے سلطان المشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دریافت کیا کہ شیخ منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کیا حکم ہے فرمایا کہ ان کا حکم مردود ہے۔ اصل میں وہ حضرت شیخ خیر نساج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے۔ لیکن بعدہ انہیں چھوڑ کر حضور سیدنا سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس آئے اور بیعت کی درخواست کی جنید رحمت اللہ علیہ نے فرمایا کہ چونکہ تم خیر نساج کے مرید ہو اس لیے میں تمہاری بیعت نہیں لیتا غرضیکہ حضور سیدنا سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کی اس درخواست کو رد کر دیا اور چونکہ آپ مقتدائے وقت اور شیخ زمان تھے اس لیے آپ کا ان کی اس درخواست کو رد کرنا گویا سب کا رد کرنا ہے۔ میں نے خاص سلطان المشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے

---

[1] (سبع سنابل، سنبلہء دوم، در بیانِ پیری و مریدی، ص، ۸۸، النوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی، لاہور)

قلم مبارک سے عبارت لکھی ہوئی دیکھی ہے۔اگر کوئی کہنے والا کہے کہ ہم نے مشائخ کو دیکھا ہے کہ انہوں نے علاوہ ایک پیر کے بہت سے مشائخ سے فائدہ اٹھایا ہے جیسے شیخ ابوعثمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو وہ اول اول یحییٰ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی پیروی کرتے اور ان کے طریقہ سے تمسک کرتے تھے کہ پھر شاہ کرمانی کی صحبت میں راغب ہوئے اور ان پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ابوحفص حداد کی پیروی کی اور مردان راہ خدا کے مرتبہ کو پہنچ گئے اور تم نے اس طریقہ کے وسیع دائرہ کو تنگ کر دیا ہے سو واضح رہے کہ ارادت کا علاقہ ایک ایسا علاقہ ہے جس میں اس کا غیر شریک ہوسکتا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ ایک بچہ کی پرورش اس کے ماں باپ کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ تکمیل کے مرتبہ کو پہنچ جائے مثلاً اسے دایہ پال لے۔لیکن ہاں جب پہلا شیخ انتقال کر جائے تو مرید کو دوسرے پیر کی طرف رجوع کرنا جائز ہے جیسے شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بعد ان کے ارشاد سے شیخ حماد دباس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مستفید ہوئے۔[1]

بزرگوں کا ارشاد ہے کہ اپنے پیر کو چھوڑ کر دوسرے سے طلب کرنا مرتد ہوتا ہے اس لئے اپنے پیر ہی سے طلب کرے اگر دوسرے کے پاس جائے گا وہ اس کی دستگیری نہ کرے گا مفت میں اس کی راہ ماری ہوگی۔[2]

اگر مرید کسی ایسی مجلس میں حاضر ہو جہاں خواجہ خضر علیہ السلام اور ابدال واوتاد وغیرہ اولیاء اور اس کے پیر بھی تشریف رکھتے ہوں تو یہ اپنے پیر ہی سے غرض رکھے اور کسی کی طرف متوجہ نہ ہو۔[3]

حضرت سیدنا ومرشدنا حضرت خواجہ سیف الرحمان نوراللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت میاں سوکنو باباجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت اٹک جی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مرید تھے اور ایک مرتبہ حضرت میاں سوکنو باباجی نوراللہ مرقدہ اپنی پیر ومرشد کی حاضری کے لئے اٹک سے نکلے اور اپنی ساتھ تحفے میں بھوسے کی بڑی بوری کاندھوں پر پشاور سے اٹھائی اور کہنے لگے کہ میرے پیر ومرشد نے جانور پالے ہیں راستے میں ایک شخص ملا اور کہا کہ جناب کہاں جارہے ہو تو میاں سوکنو باباجی نوراللہ مرقدہ نے فرمایا کہ اپنی پیر ومرشد کی ملاقات کے لئے جارہا ہوں تو اس شخص نے کہا کہ آپ کے کاندھوں پر کیا ہے تو میاں سوکنو باباجی نوراللہ مرقدہ نے کہا کہ میں اپنے شیخ کے حضور میں تحفہ لے کر جارہا ہوں تو اس اجنبی شخص نے کہا کہ راستہ بہت لمبا ہے مجھ سے پیسے لیکر اٹک میں بھوسا خرید کر اپنے شیخ کی بارگاہ میں پیش کر دینا تو میاں سوکنو باباجی نوراللہ مرقدہ نے انکار کر دیا اور چل پڑے جب اپنے شیخ کے دربار میں پہنچے تو وہ اجنبی شخص حضرت اٹک جی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس بیٹھے تھے تو حضرت اٹک جی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت میاں سوکنو باباجی نوراللہ مرقدہ سے کہا کہ یہ خضر علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام ہیں تو میاں سوکنو باباجی نوراللہ مرقدہ نے فوراً اپنے پیر ومرشد کے ہاتھ اور پاؤں چوم لئے تو حضرت اٹک جی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دوبارہ فرمایا کہ یہ خضر علی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام ہیں تو میاں سوکنو باباجی نوراللہ مرقدہ نے فرمایا کہ قربان آپ نے حق کہا لیکن میرے لئے خضر آپ ہی ہیں آج آپ کی برکت کے طفیل مجھے انکی صحبت نصیب ہوئی ہے۔

دولت اگرچہ ظاہری صورت میں کسی جگہ سے بھی پہنچے حقیقت میں اسے اپنے شیخ کی طرف سے سمجھنا چاہئے

حضرتِ عالی امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی حنفی نقشبندی قدس سرہ لکھتے ہیں۔

واقعہ تربیت حضرت عیسیٰ۔علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام۔نسبت بہ اخوی ((حافظ مہدی علی)) کہ نوشتہ

---

[1] (سیرُ الاولیاء، باب، ششم ص، ۳۳۷، ۳۳۸ ص ۴۵۵: مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد)

[2] (خاتمہ ص، ۹۲)

[3] (خاتمہ ص، ۹۹)

بودند، بلی! ((حافظ)) به طریق ما مناسبت بسیار دارد، اما این قدر باید دانست که دولت هر چند به صورت از هر جا برسد، فی الحقیقت به شیخ خود راجع باید داشت، تا قبلۂ توجه پراگندہ نشود و در کار خانہ خلل نیندازد۔

از هر جا برسد از پیر خود باید دانست که او جامع است۔ به هر صورت که تربیت او ظهور یابد، فی الحقیقت از اوست۔ این مقام از مزال اقدام طلاب است۔ واقف باید بود تا دشمن لعین راہ نیابد و پراگندہ نسازد۔

و شنیدہ باشند که هر که یک جا، همه جا و هر که همه جا، هیچ جا، ((حافظ)) را دعا رسانند و السلام۔

اور حضرت عیسیٰ علی نبیّنا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی تربیت کا واقعہ جو آپ نے بھائی حافظ مہدی علی کے متعلق لکھا تھا۔ ہاں حافظ ہمارے طریقہ سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ دولت اگرچہ ظاہری صورت میں کسی جگہ سے بھی پہنچے حقیقت میں اسے اپنے شیخ کی طرف سے سمجھنا چاہئے تاکہ قبلہ پراگندہ نہ ہو اور کارخانہ میں خلل نہ ڈالے جس جگہ سے بھی پہنچے اسے اپنے پیر کی طرف سے سمجھے کہ وہ جامع ہے۔ جس صورت سے بھی اس کی تربیت ظہور پائے وہ فی الحقیقت اسی طرف سے ہے اور یہ مقام طالبوں کے قدم پھسلنے کا ہے۔ اس سے واقف ہونا چاہئے تاکہ مردود دشمن راہ نہ پاسکے اور پراگندہ نہ کرے۔ یہ تو آپ نے سنا ہوگا کہ جو ایک جگہ ہے وہ ہر جگہ ہے اور جو ہر جگہ ہے وہ کسی جگہ بھی نہیں ہے۔ حافظ کو دعا پہنچادیں۔ والسلام[1]

قبلہ توجہ صرف ایک ذات ہونی چاہیے

حضرتِ عالی امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی حنفی نقشبندی قدس سرہ لکھتے ہیں:

اما یک شرط را مرعی دارند و آن وحدت قبلہ توجہ است، قبلہ توجہ را متعدد ساختن، خود را در تفرقہ انداختن است، مثل مشہور است کہ ((و هر کہ یکجا، همه جا و هر که همه جا، هیچ جا۔

حضرت حق۔ سُبْحَانَہ وَ تعَالیٰ۔ بر جادہ شریعت مصطفویہ۔ علی صاحبها الصلوۃ والسلام والتحیۃ۔ استقامت کرامت فرماید۔ والسلام علی من اتبع الهدی والتزم متابعۃ المصطفی علیہ وعلیٰ الہ الصلوات والتحیات۔

ترجمہ: لیکن ایک شرط خاص طور پر ملحوظ رکھیں کہ قبلہ توجہ صرف ایک ذات ہونی چاہیے (اپنا مرشد کامل) اپنا قبلہ توجہ متعدد افراد کو قرار دینا اپنے آپ کو تفرقے اور انتشار کا شکار کرنا ہے۔ مشہور مثل ہے۔ ہر کہ یک جا ہمہ جا و ہر کہ ہمہ جا ہیچ جا یعنی جو ایک جگہ قائم ہے ہر جگہ ہے اور جو ہر جگہ ہے ایک جگہ بھی نہیں۔ حضرت سبحانہ وتعالیٰ شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی راہ پر استقامت عطا فرمائے۔ ان تمام پر جو متبع ہدایت ہیں اور مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتحیات کی متابعت کو لازم جانتے ہیں، سلامتی کا نزول ہوتا رہے۔[2]

حضرت شیخ المشائخ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی اسی کا شاہد ہے۔

ما رجع من رجع الا عن الطریق و من وصل لا یرجع

(یعنی جو الٹا پھرتا ہے تو وہ راستہ ہی سے الٹا پھرتا ہے اور جو پہنچ گیا وہ الٹا نہیں پھرتا) میں بھی یہی کہتا ہوں۔

مرید اپنے پیر سے جنید رحمۃ اللہ علیہ و بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو بھی بہتر نہ جانے، اگر اپنے پیر پر کسی اور شخص کی فضیلت ظاہر و ثابت بھی ہو جائے تب بھی اپنا

---

[1] (مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب، ۲۰، ج، ۲، ص، ۳۸۵، مرکز پخش: زاهدان، خیابان خیام، صدیقی، تهران)

[2] (مکتوبات امام ربانی، دفتر، اوّل، مکتوب ۷۵، ج، ۱، ص، ۲۲۱، مرکز پخش: زاهدان، خیابان خیام، صدیقی، تهران)

ہاتھ پیر کے دامن سے نہ ہٹائے باپ ہی اپنے بچہ کی پرورش کرتا ہے، غیر کیسا ہی رحیم وشفیق ہو تمہاری پرورش نہ کرے گا تمہاری پرورش تمہارے پیر ہی پر فرض ہے کیونکہ اس کی تم اولاد معنوی ہو۔[1]

سید محمد بن مبارک کرمانی میر خورد چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۷۷۰ھ لکھتے ہیں:

شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا اچھا کہا:

بیت

کہ نیست در ہمہ عالم باتفاق امروز　　جز آستانہ تو مقصدے وملجائے

ترجمہ: تیرے آستانہ کے سوا اس زمانہ میں کوئی جگہ پانہ وحصول مقصد کی نہیں۔[2]

معارف آگاہی مولانا جلال الدین رومی بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ہم براں در گرد از سگ کم مباش　　با سگِ کہف ارشدستی خواجہ تاش

ترجمہ: (ارے! ایک) کتے سے کم رتبہ نہ بن اگر تو اصحابِ کہف کے کتے کا ہم رتبہ بن گیا ہے تو اسی دروازے کا طواف کئے جاؤ (جس نے دہانہ غار کو نہیں چھوڑا)۔

چوں سگاں ہم مرسگاں راناصح اند　　کہ دل اندر خانہ اول بہ بند

ترجمہ: جب کتنے بھی (دوسرے) کتوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ (اپنے) پہلے (مالک) کے گھر میں ہی جی لگاؤ۔

(کیا تم کتوں سے بھی گئے گزرے ہو۔ جو اپنے پہلے مرشد کے ساتھ وابستہ نہیں رہتے)۔

آں درِ اول کہ خوردی استخواں　　سخت گیر وحق گزاری را مماں

ترجمہ: (کتے کہتے ہیں کہ) اس پہلے دروازے کو کہ (جس سے تو نے ہڈی کھائی ہے مضبوط پکڑ اور حق گزاری کو نہ چھوڑ)۔[3]

بیوفائی چوں سگاں راعار بود　　بیوفائی چوں رَواداری نمود

ترجمہ: جب کتوں کے لئے بیوفائی عار تھی تو تو نے بیوفائی کرنا کیونکر روا رکھا۔[4]

ہر کجا بینی برہنہ وبے نوا　　وانکہ او بگر پختہ از اوستا

ترجمہ: جہاں کہیں تم کسی (خلعتِ باطنی سے) ننگے اور (دولتِ معرفت سے) بے بہرہ کو دیکھو تو سمجھ لو کہ وہ اپنے استاد (طریقت) سے بھاگا ہوا ہے۔ صائب

سعی ناکردہ دریں راہ بجائے نرسی　　مزد اگر مے طلبی طاعتِ استاد ببر

تا چناں گرد دکہ میخواہد دلش　　آں دلِ کور بد بے حاصلش

ترجمہ: (وہ) اس لئے (بھاگا ہے) کہ جس طرح اس کا دل چاہے اسی طرح ہو جائے۔ اس کا وہ دل جو اندھا ہے برا ہے، بے نصیب ہے۔

---

[1] (خاتمہ، ص، ۱۰۰)

[2] (سیر الاولیاء، باب، ششم، ص، ۳۴۵، ص ۴۶۵ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد)

[3] (مفتاح العلوم، دفتر سوم، ص ۶۲)

[4] (مفتاح العلوم، دفتر سوم، ص ۶۴)

صائب

قانع بشکار خس وخار اندرز گوہر　　چوں موج گرد ہے کہ طلب گارِ کنار اند
گر چناں گشتے کہ استا خواستے　　خویش را وخویش را آراستے

ترجمہ :اگر وہ اسی طرح (عمل کرنے والا) ہوتا جس طرح استاد چاہتا تو آج سے اپنے آپ کو اور (نیز اپنے) اقارب کو (فضائل وکمالات سے) مزین کرسکتا۔

ہر کہ از استا گریزد در جہاں　　او ز دولت میگریزد ایں بداں

ترجمہ :جو شخص دنیا میں استاد سے بھاگتا ہے وہ (درحقیقت) دولت (علم) سے بھاگتا ہے۔اس کو (خوب) سمجھ لو۔ [1]

شیخ کے احوال کے معاملات کو ارادت کی نگاہ سے دیکھے

حضرت شیخ المشائخ خواجہ نجم الدین کبریٰ لکھتے ہیں:

اور شیخ کے احوال کے معاملات کو ارادت کی نگاہ سے دیکھے،اور کوتہ بین عقل کی نظر کو تصرف میں نہ لائے،کیونکہ بڑی اعلیٰ شرط ولایت کا تسلیم کرنا ہے ۔جیسا کہ انڈے اور مرغ کی صورت میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر انڈا ذرا بھی مرغ کے تصرف اور اس کی تسلیم کو چھوڑ دے تو اس سے مدد کا ملنا بند ہو جاتا ہے اور مرغ ہونے کی خاصیت جو اس کو ہوتی ہے،فوراً جاتی رہتی ہے،نہ وہ انڈا ہی رہتا ہے اور نہ ہی مرغ بنتا ہے۔اور جو انڈا کسی مرغ کے تصرف میں رہ کر گندہ ہو جائے تو اسے جہان بھر کے مرغ بھی ٹھیک نہیں کر سکتے ۔یہی وجہ ہے کہ اگر مرید ولایت شیخ کا مردود ہو جائے تو مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم میں سے کوئی بھی اس کو کمال تک نہیں پہنچا سکتا،اور وہ سارے مشائخ کی ولایت کا مردود ہو جاتا ہے،مگر جو مرید کسی خاص عذر کے سبب شیخ سے رہ جائے،وہ جس کا دامن پکڑے گا اسی سے ولایت کے درجے کو پہنچ جائے گا،لیکن شرط یہ ہے کہ وہ شیخ کی خدمت میں پہنچنے اور اس سے فائدہ اٹھانے سے اس وجہ سے معذور ہو،کہ شیخ وفات پا گیا ہے یا دور کا سفر ہے کہ مرید وہاں نہیں پہنچ سکتا،جب ان عذروں کے سبب دوسرے شیخ کی خدمت میں شامل ہوگا،اور معذور ہوگا،تو ممکن ہے کہ نئے شیخ کی دعا اسے مرغ ہونے کے مقام تک پہنچا دے،اس واسطے کہ مرید کے وجود کا انڈا مرغیت کی استعداد کے لئے بہ سبب رد کرنے کسی صاحبِ ولایت کے خراب نہیں ہوگیا۔ [2]

حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "انفاس رحیمیہ" میں لکھتے ہیں:

اصل کام یہ ہے کہ اپنے اختیار کو درمیان سے اٹھا دے اور خود کو اہل اللہ کے سپرد کر دے،تاکہ مقصود حاصل ہو جائے،وگرنہ کبھی حاصل نہ ہوگا اور خود کو اس کے عقیدت مندوں میں سے ایک آدمی بنالے اور طلب فیض کی نیت دو جگہوں سے نہ کرے،وگرنہ کسی جگہ سے بھی فیض نہیں ملے گا۔ [3]

میری کمر سے ستر زناریں توڑ ڈالیں ہیں

شروع میں امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان رنجش تھی۔امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کا خیال تھا کہ میرا علم و دانش شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے زیادہ ہے،پھر ان کا درجہ و رتبہ مجھ سے بلند کیسے ہوسکتا ہے؟۔ایک عرصہ تک یہ خیال امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں رہا۔یہاں تک کہ خانہ کعبہ کی زیارت کا عزم کیا۔پہلے وہ خرقان میں حضرت شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور تین ماہ

---

[1] (مفتاح العلوم،دفتر دوم،ص ۷۷۳)

[2] (مرصاد العباد،ص،۱۸۶)

[3] (رسائل حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی،ص،۲۱۱)

تک یہاں مقیم رہے۔ایک روز خرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: ''واپس چلے جاؤ اور شیخ ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کو راضی کرلو۔اس کے بعد تمہارا خانہ کعبہ کو جانا صحیح ہوگا۔'' امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ خرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس ارشاد کے بعد سفر حجاز مقدس منسوخ کر دیا اور جب وہ نیشاپور میں واپس پہنچے تو لوگوں نے سفر حج پر نہ جانے کا سبب پوچھا۔انہوں نے فرمایا: ''شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے میری کمر سے ستر زناریں توڑ ڈالیں ہیں جن میں سب سے کم درجے کی زنار میری شیخ ابوالخیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عداوت تھی''[1]

سلوک میں دوسرے شیخ کے اجتماع سے روکنے کی وجہ

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی شافعی قدس سرہ لکھتے ہیں:

وانما منع الاشیاخ المرید من الاجتماع بغیرھم من الاشیاخ لیختصروا لہ الطریق فان حکم طریق کل شیخ کالاصبع المتصلۃ بالکف فاذا سلک الانسان مقدار عقدۃ ثم انتقل الی شیء آخر فسلک علی یدیہ مقدار عقدۃ ثم انتقل الی آخر فسلک علی یدیہ مقدار عقدۃ فقا او قف نفسہ عن السیر ولو انہ جعل سلوک تلک العقد کلھا علی ید شیخ واحد لکان دخل حضرۃ الکف فان کل اصبع ثلاث عقد فنفذ عمر ھذا وھو فی اول عقدۃ من سائر الطرق فھذا سبب منع الاشیاخ مریدہ حان یشرک معھم فی السلوک غیرھم انتھی۔ثم اعلم ان المعرفۃ عند ائمۃ الاصول ھی العلم باللہ تعالیٰ وصفاتہ الذاتیۃ والمعنویۃ فھذا ھو المطلوب من معرفۃ الصانع جل وعلا اذ الذات مجھولۃ من حیث الاحاطۃ بھا۔

ترجمہ: اور شیوخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم مرید کو اپنے سوا دوسرے مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اجتماع سے صرف اس لئے منع فرمایا تاکہ اس کے لئے طریق مختصر کر دیں کیونکہ ہر شیخ کے طریق کا حکم انگلی کی طرح جو کہ ہتھیلی سے متصل ہے۔تو جب ایک انسان نے ایک گرہ کی مقدار سلوک اختیار کیا پھر دوسری چیز کی طرف منتقل ہوگیا تو اس کے ہاتھوں ایک گرہ کی مقدار سلوک کیا۔پھر کسی اور کی طرف منتقل ہوگیا تو اس کے ہاتھوں پر ایک گرہ کی مقدار سلوک اختیار کیا۔تو اس نے اپنے آپ کو سیر سے روک لیا۔اور اگر وہ ان گرہوں کا سلوک ایک شیخ کے ہاتھ پر کرتا تو وہ ہتھیلی تک رسائی حاصل کرلیتا۔کیونکہ ہر انگلی کی تین ہی تو گرہیں ہیں۔تو اس کی عمر تو تمام طرف کی پہلی گرہ میں ہی ختم ہوگئی۔تو یہ ہے مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اپنے مرید کو اس سے روکنے کی وجہ کہ سلوک میں ان کے غیر کو شریک کرے۔انتہی۔پھر جان لو کہ ائمہ اصول کے نزدیک معرفت نام ہے اللہ تعالیٰ۔اس کی صفات ذاتیہ اور معنویہ کے ساتھ علم کا اور صانع جل جلالہ کی معرفت سے یہی مطلوب ہے۔کیونکہ ذات کا اس حیثیت سے کہ اس کا احاطہ ہوسکے علم حاصل نہیں ہوسکتا۔[2]

دو شاہوں کی شان میں کیوں بیٹھا

حضرت سراج السالکین سید شاہ اشرف سمنانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھتے ہیں:

دو شیخ کے تفاضل میں ایک دوسرے کی شان وشوکت بیان کرنے میں کسی شیخ کی ہتک ہوگی۔اور یہ ارتدادِ معنویت کی حقیقت میں سے ہے۔

قطعہ

---

[1] (حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ، ص ۵۳)

[2] (الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر، ص ۵۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

چرا خواجہ تا شان شاہان بہم　　نشیند در بزم عیش ونوای
چو بایکد گر وصف شاہان کنند　　بہم ضد یکدیگر آیند برای

ترجمہ :اے خواجہ اپنی زندگی اور آواز کے زعم میں دو شاہوں کی شان میں کیوں بیٹھا۔
جب ایک دوسرے کی صفت بیان کرینگے تو ضد میں دوسرے کے لیے برائی لائینگے۔[1]

اپنے پیر سے بے ادبی تمام سلسلہ عالیہ کے ساتھ بے ادبی ہے:

عروۃ الوثقی حضرت خواجہ محمد معصوم حنفی نقشبندی قدس سرہ متوفی ۱۰۷۹ھ لکھتے ہیں :

مخدوما هر بے ادبی که کرده است تنها بشما نکرده است به بزرگان این سلسله کرده است چون شما که پیر او باشید از وے آزده باشید ما را باو چه آشنائی ماند قوت انتقامیه در فقیر کمتر است دو کلمه از روے غیرت باو نوشته است اگر متاثر شد فبها والا او داند و کار او۔ نوشته بودند که بے حلاوتی از راه علو همت است یا از راه قصور استعداد۔

ترجمہ: میرے مخدوم! اس نے جو بے ادبی بھی کی ہے صرف آپ (پیر) ہی کے ساتھ نہیں کی ہے (بلکہ) اس سلسلہ (عالیہ نقشبندیہ مجددیہ معصومیہ) کے بزرگوں کے ساتھ (بھی) کی ہے، جب آپ جو کہ اس کے پیر ہیں اس سے آزردہ (ناراض) رہیں گے تو ہمارے (دادا پیر) اس کیساتھ کیا آشنائی رہے گی، انتقامی قوت اس فقیر (محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ) میں بہت کم ہے دو کلمے غیرت کے تقاضے سے اس کو لکھے گئے ہیں اگر اس نے اثر قبول کیا تو اچھا ہے ورنہ وہ جانے اور اس کا کام جانے۔آپ نے لکھا تھا بے حلاوتی ہمت کی بلندی کی وجہ سے یا استعداد کی کمی کی وجہ سے۔[2]

طریقت کے مرتد کا گناہ بہت بڑا ہے :

مفسر قرآن صوفی باکمال علامہ اسماعیل حقی بروسی حنفی لکھتے ہیں :

فان مرتد الطريقة أعظم ذنباً من مرتد الشريعة۔ قال الجنيد :لو أقبل صديق على الله الف سنة، ثم أعرض عنه لحظة فان مافاته أكثر مما ناله، فأما عذابه في الدنيا فسلب الصدق والرد عن باب الطلب، وارخاء الحجاب وذله وتقوية الهوى وتبديل الاخلاص بالرياء والحرص على الدنيا واطلب الرفعة والجاه، وأما عذابه في الآخرة فباشتعال نيران الحسرة والندامة على قلبه المعذب بنار القطيعة وهي نار الله الموقدة التي تطلع على الأفئدة۔ (ومالهم في الارض من بالمشائخ وأرباب الولاية وهو يتمسك بذيل ارادتهم غير أن شيخه رده لا يمكن لأحدهم اعانته واخراجه من ورطة الرد ماشاء الله كما في "التأويلات النجمية"۔

ترجمہ: شریعت کے مرتد سے طریقت کے مرتد کا گناہ بڑا ہے اس لئے کہ اس کی سزا بھی بہت بڑی ہے۔حضور سید نا سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صدیق کا مرتبہ پا کر کوئی ہزار سال اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے لیکن بدقسمتی سے صرف ایک گھڑی روگردانی کرے تو تمام مراتب ضائع ہو کر سخت سزا کا مستحق ہو جائیگا۔یعنی ہزار سالہ عبادت وریاضت ضائع ہوگئی اور سزا کا استحقاق مزید برآں۔طریقت کے مرتد کی دنیوی سزا یہ ہے کہ اس سے قلب کی صدق وصفائی چھین لی جائیگی اور اسے طلب حق کے دروازے سے ہٹا دیا جائیگا اور اس کے آگے ہزاروں پردے لٹکا دیئے جائیں گے اور اسے معنوی ذلت وخواری میں مبتلا کیا جائے گا اور اس پر ہوا، اور ہوس کو مسلط کیا جائے گا اس کے اخلاص کو ریاء اور حرص علی الدنیا اور

---

[1] (مکتوباتِ اشرفی / پہلا ایڈیشن، ص ۱۰۷:)

[2] (مکتوبات معصومیہ، دفتر اول، مکتوب ۱۱۱، ص ۲۵۸، گارڈن ویسٹ، کراچی) (جلد اول مکتوب ۱۱۱)

جاہ وجلال اور حشمت و وجاہت کی طلب میں تبدیل کیا جائیگا اور اس کی آخرت کی سزا یہ ہے کہ اس کے دل پر حسرت و ندامت کو مسلط کر کے اسے دائمی جدائی و مفارقت کی آگ میں جلایا جائیگا، یہ نار ہجراں آلہی وہی ہے جو بدبختوں کے قلوب کو جھلسا دے گی۔

وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ

ترجمہ: اور زمین میں کوئی نہ اس کا حمایتی ہوگا اور نہ مددگار۔ (سورۃ التوبہ، ۷۴)

میں اشارہ ہے کہ جو شیخ کامل ولی اللہ کی ولایت کا مردود ہے اس کا دنیا میں کوئی حامی و مددگار نہیں اگرچہ عالم دنیا کے عالم مشائخ اولیاء کرام (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) اس کے لئے سفارش کریں اور اپنے شیخ سے اگر مردود ہوگا تو وہ اگرچہ ہزاروں مشائخ (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کی ارادت کا دم بھرے یا بے شمار اولیاء کرام (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کی خدمت کرے تب بھی اپنی بدبختی سے نہیں نکل سکے گا اور نہ ہی اسے کوئی کامل اس بدبختی سے نکال سکے گا، ہاں اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ مالک ومختار ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)[1]

اپنے پیر کو راضی کرو پھر دادا پیر بھی راضی :

عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم حنفی نقشبندی قدس سرہ لکھتے ہیں :

نمودہ می آید درینولا شنیدہ شد کہ مولانا محمد صدیق را کہ پیر شماست رنجانیدہ ایدو گستاخیہا و بے ادبیہا نمودہ ایدو درسلوک سابق تغیر ہارفتہ و مولانا بسیار بسیار از شما رنجیدہ بحدیکہ معاملہ بہ تبری و سلب رخصت کشیدہ است از ان تواضعہا و نیستیہا و خدا طلبیہا کہ از شما ظاہر می شد این امور بسے مستبعد و خیلے محَ تعجب است از پیر کہ قطع می کنید بکہ می پیوندید مگر از خدا ہم جل و علا قطع می خواہید نجا طر مریدان از پیر قطع نتوان نمودو بجہت رضائے مخلوق از خالق تعالیٰ نمی توان برید چہ بلا شد حقوق از عالم رفت از مثل شما مردم کہ این قسم حرکت ناملایم پیدا شور پس اعتماد از یاران و اہل ارادت برخاست ہر کہ نشو و نما پیدا خواہد کرد دقبولے خواہد بہم رسانید یا صفائی در و قتے خواہد دید از پیر اعراض و ترک آشنائی خواہد نمود انا للہ و انا الیہ راجعون۔ باید کہ بمشاہدہ این امور رابطۂ محبت و رسوخ عقیدہ بہ پیر زیادہ تر شود و انکساری و خاکساری بسدۂ او بیش از بیش نماید کہ این دولت پھن کردۂ اوست و این صفا و قبول از انوار و برکات او نہ آنکہ گردن کشی نماید و رعونت بہم رساند کہ مشیخت و بطالبان صحبت راشتن درین وقت از محرمات طریقت است عجب است کہ ایمان بسلامت ماند بطلبہ صحبت راشتن امریست علیحدہ در نفحات از عزیزے نقل می کنند کہ ہر کہ پیر ترا رنجہ دارد و توبد و بد نباشے سگ بہ از تو باشد چہ جائے آنکہ مرید خود مباشر رنجش پیر بود بد فہمیدہ ایذرو ذندارک نمابیدو مولانا را از خود راضے سازید بھطریق کہ راضی شود غیر ازین علاجے نیست اگر مولانا راضی ست مانیز راضییم و الا مانیز راضی نیستیم رضائے مافرع رضائے مولانا است شخصے می گفت کہ ارادۂ آمدن سرہند دارید، آمدن بسر ہند از بے رضائے مولانا محض عبث است کہ باز بہ پشاور باید رفت و راضی باید اخت چنانچہ مولانا بنویسد بما کہ از فلانے راضی شدیم بعد ازیں مانیز راضییم خواہ بیایید و خواہ نیایید، مخدو ما آنچہ نوشتہ شدہ است از راہ دوستی و بھبودی شما نوشتہ شدہ بد تبرید۔

---

[1] (تفسیر روح البیان، ج ۳ ص ۴۹۱)

بیت

من آنچہ شرط بلاغ است بات و میگویم

تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملالا

نصیحت بظاہر تلخ است سعادت مند کسے است کہ این تلخی را در رنگ شکر بجاید و از حلاوت معنوی بھرہ یابد چون کتابتھائے متکثرہ از مولانا در انواع شکوہ از شمار سید بنا بر آن نوشتہ شد زینھار الف زینھار کہ ازین چیز ھا در میان آمدہ است نادم شوید و در رضاے مولانا بجان کوشید۔

اس اثنا میں سنا گیا تم نے مولانا محمد صدیق کو جو تمہارے پیر ہیں رنج پہنچایا ہے اور گستاخیاں و بے ادبیاں کی ہیں اور سابقہ سلوک میں بہت تبدیلیاں آگئی ہیں اور مولانا تم سے بہت زیادہ رنجیدہ ہیں اس حد تک کہ معاملہ تبرا (بیزاری) اور اجازت کے سلب تک پہنچ گیا ہے ان تواضعات اور فنائیتوں اور خدا طلبیوں سے جو کہ تم سے ظاہر ہوتی تھیں یہ امور بہت ہی خلاف توقع اور نہایت تعجب خیز ہیں جب تم پیر سے قطع تعلق کرتے ہو تو پھر کس کے ساتھ تعلق جوڑو گے شاید اللہ تعالیٰ جل شانہٗ سے بھی قطع تعلق چاہتے ہو مریدوں کی وجہ سے پیر سے قطع تعلق نہیں کرنا چاہئے اور مخلوق کی رضا مندی کے لئے خالق تعالیٰ شانہٗ سے قطع تعلق نہیں کیا جا سکتا کیا مصیبت ہے دنیا سے حقوق اٹھ گئے۔ تم جیسے لوگوں سے بھی اس قسم کے نازیبا حرکات ظاہر ہوتی ہیں پس دوستوں اور اہل ارادت سے اعتماد اٹھ گیا جو شخص تربیت حاصل کرلے گا اور کچھ قبولیت بہم پہنچالے گا یا وہ کسی وقت میں کچھ صفائی (اپنے اندر) دیکھے گا وہ پیر سے روگردانی اور ترک آشنائی اختیار کرلے گا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (البقرۃ ۱۵۶)

ترجمہ : ہونا چاہئے کہ ان امور کے مشاہدہ کے ساتھ پیر کے ساتھ محبت کا رابطہ اور اعتقاد کی مضبوطی اور زیادہ ہو جائے اور اس کے آستانے کیساتھ انکساری و خاکساری زیادہ سے زیادہ ظاہر کرے کیونکہ یہ دولت اس کی پھیلائی ہوئی ہے اور یہ صفائی و قبولیت اس کے انوار و برکات سے ہے نہ کہ اس سے سرکشی کرے اور رعونت (غرور) بہم پہنچائے کیونکہ اس وقت میں مشیخت (پیری مریدی کرنا) اور طالبوں کے ساتھ صحبت رکھنا طریقت کے محرمات میں سے ہے ایمان کا سلامت رہنا ہی عجب بات ہے طالبین سے صحبت رکھنا ایک علیحدہ امر ہے۔ نفحات الانس میں ایک بزرگ (حضرت سیدی شیخ الاسلام عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ) سے نقل کرتے ہیں کہ "جو شخص تیرے پیر کو رنجید کرے اور تو اس سے نفرت نہ کرے تو کتا تجھ سے بہتر ہے" چہ جائے کہ مرید خود پیر کو رنج پہنچائے تم نے غلط سمجھا ہے جلدی تدارک کرو اور جس طرح سے بھی مولانا راضی ہوں ان کو اپنے آپ سے راضی کرو اور اس کے علاوہ اور کوئی علاج نہیں ہے اگر مولانا (پیر) راضی ہیں تو ہم (داد پیر) بھی راضی ہیں ورنہ ہم بھی راضی نہیں ہیں ہمارا راضی ہونا مولانا (پیر) کے راضی نہ ہونے کی فرع (شاخ) ہے۔ ایک شخص کہتا تھا کہ تم سرہند آنے کا ارادہ رکھتے ہو مولانا (پیر) کو راضی کئے بغیر سرہند آنا محض بے فائدہ ہے کہ پھر پشاور جانا اور (مولانا کو) راضی کرنا پڑے گا جب مولانا ہم کو لکھیں گے کہ ہم فلاں شخص سے راضی ہو گئے ہیں اس کے بعد ہم بھی راضی ہیں خواہ تم (یہاں آؤ یا نہ آؤ۔ میرے مخدوم! جو کچھ لکھا گیا ہے وہ تمہاری دوستی اور بھلائی کے لئے لکھا گیا ہے برا نہ مانیں۔

من آنچہ شرط بلاغ است با تو میگویم　　تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

ترجمہ : میں تجھ سے وہ بات کہتا ہوں جس کا پہنچانا ضروری ہے

خواہ تو میری بات سے نصیحت حاصل کر یا رنجیدہ ہو۔

نصیحت بظاہر تلخ ہے سعادت مند وہ ہے جو اس تلخی کو شکر کی طرح چبائے اور معنوی شیرینی سے بہرہ مند ہو چونکہ مولانا کے بہت سے خطوط تمہاری

مختلف قسم کی شکایتوں کے بارے میں پہنچے اس بناء پر لکھا گیا نہایت تاکید ہے کہ ان چیزوں سے جو کہ درمیان میں آئی ہیں آپ شرمندہ ہوں اور مولانا کی رضامندی میں (دل و) جان کے ساتھ کوشش کریں۔[1]

سید محمد بن مبارک کرمانی، میر خورد، چشتی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۷۷۰ھ، لکھتے ہیں:

کسی بزرگ نے کیا ہی اچھا کہا ہے۔

شیر فر بوسد بحرمت مرد قانع را قدم　　پیر سگ خاید بدندان پائے مرد حرص درے

ترجمہ: شیر حرمت وعزت کے ساتھ قانع آدمی کے قدم کو بوسہ دیتا ہے اور جو شخص ہر دروازہ پر بیٹھتا ہے اس کے پاؤں کو بوڑھا کتا دانتوں سے چباتا ہے۔[2]

(اگر اس نے سچ کہا تو میں کیا عرض کروں لیکن اگر جھوٹ کہا تو مخلوق کے سامنے رسوا ہوگا)

حضرت علامہ سید محمد ہاشم کشمی برہانپوری نقشبندی مجددی قدس سرہ لکھتے ہیں:

نسمہ فرمود: در معنی آن کلام کہ: "برکۃ العلم فی تعظیم الاستاذ" باید کہ شاگرد خود را ہمان جاہل شناسد کہ روز اوّل نزد استاد آمدہ بود و داند کہ ہر چہ پیدا کردہ است استاد است۔ تا برکات آن تعلیم بروزگار از وی بماند۔ و باید کہ بہ استاد و پیر بی حیائی و بی ادبی ننماید کہ دران خوف زوال ایمان است چہ او جانشین رسولِ رحمان است۔ و اہانتِ او در حقیقت اہانت آن سید انس و جان۔ و بدین تقریب حکایت کرد از مولانا معین الدین۔ کہ از علمای ربانی بود و او اساتذہ امیر سید شریف جرجانی۔ ناگاہ شاگردی از شاگردانش امری ناپسندید بہ آن جناب نسبت کرد۔

چون شنود فرمود: اگر راست گفتہ چہ گویم و اگر دروغ می گوید الٰہی رسوای مرد و زن شود۔ چہل روز ازان سخن نگذشت کہ پیسی در پیشانی آن شاگرد پدیدار شد۔ چند روز دستار کج نہادہ می گشت۔ چون زیادہ شد در خانہ بنشست۔ و ہم بہ تقریب اصلاح اساتذہ ناراستی و کجی تلامذہ را نقل کرد کہ روزی از پیش دکان درویش بیل گر می گزشتیم با جماعتی از اغرہ او بہ کار خود بود۔ چون مایان را بدید پیش آمد و گفت: از شما [ص/۶۰] سوالی دارم۔ آیا ضربی کہ صادر می شود بر بیل می آید بر سندان یا بر تپک؟ اغرہ ساکت شدند۔

فقیر گفت: نہ بر سندان آید و نہ بر بیل و نہ بر تپک بل بر کجی و ناراستی می آید۔ پیشانی مرا بوسہ داد و گفت: رحمت خدای سبحانہ بر تو باد کہ نیکو گفتی۔

ہم بدین تقریب گفت: بیست تن از شاگردان مادر کما نگری بہ ما بی ادبی کردند ہمہ۔ جوان مردند و بہ مراد نرسیدند۔ و ہم بدین تقریب فرمود: آدمی باید آنچہ دارد نزد حق داند و اصل خود را ہمان آب نطفہ تصور نماید۔ کما قال عزوجل "خلق من ماد افق" الایۃ

نسمہ۔ اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے کہ برکۃ العلم فی تعظیم الاستاد۔ (علم کی برکت استاد کی تعظیم میں ہے) حضرت نے فرمایا:

باید کہ شاگرد خود را ہمان جاہل شناسد کہ روزِ اول نزد استاد آمدہ بود و داند کہ ہر چہ پیدا کردہ بود از استادست

---

[1] (مکتوبات معصومیہ، دفتر اول، مکتوب ۱۱۲، ص ۲۵۹، ۲۶۰، گارڈن ویسٹ، کراچی) (جلد اول مکتوب نمبر ۱۱۲ میں)

[2] (سیر الاولیاء، باب چہارم، ص ۲۵۷، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد) (سیر الاولیاء، ص ۳۵۵:)

تا برکات آن تعلیم بروزگار ازدی بماند

ترجمہ: شاگرد کو چاہیے خود کو ہمیشہ ایسا جاہل سمجھے گویا وہ پہلے روز استاد کے پاس آیا ہے۔اور یہ سمجھے کہ جو علمی فائدہ بھی اسے پہنچا ہے اس استاد سے پہنچا ہے تاکہ اس تعلیم کی برکات زندگی میں اس کے ساتھ باقی رہیں،اور فرمایا

و بہ استاذ خود بے حیائی و بے ادبی عاید کہ دران خوفِ زوال ایمان ست

چہ او جانشین خلیفۂ رحمان بعت و اہانت او در حقیقت اہانت سید انس و جان ست صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ :اور اپنے استاد کیساتھ بے حیائی و بے ادبی کا معاملہ نہ کرے کہ اس میں ایمان زائل ہونے کا خطرہ ہے اس لیے کہ استاد اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کا جانشین ہے اور اس کی بے عزتی درحقیقت سید انس و جان ﷺ کی بے عزتی اور اہانت کرنا ہے۔

اس سلسلے میں آپ نے حضرت مولانا معین الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حکایت نقل کی جو میر سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استادوں میں سے تھے اور عالم ربانی تھے۔

(دونوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو) اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگردوں میں سے ایک نے ایک ناپسندیدہ بات آپ کی طرف منسوب کی۔

جب آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سنا تو فرمایا:۔

"اگر راست گفتہ چہ گویم و اگر دروغ گوید رسوائی مردوزن شود"

ترجمہ :اگر اس نے سچ کہا تو میں کیا عرض کروں لیکن اگر جھوٹ کہا تو مخلوق کے سامنے رسوا ہوگا۔

ابھی اس بات کو چالیس دن بھی نہ گزرے تھے کہ اس کی پیشانی پر کوڑھ کے آثار ظاہر ہوئے۔کچھ روز اس نے دستار ٹیڑھی کر کے پہنی لیکن جب یہ کوڑھ بڑھ گیا تو اب اسکو سخت تشویش لاحق ہوئی۔

استادوں کے ساتھ شاگردوں کے غیر پسندیدہ رویہ کی اصلاح کے سلسلہ میں انہوں نے ایک اور واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک لوہار درویش کی دکان پر ہمارا گزر ہوا۔کہ وہ پھاوڑے بناتے تھے۔انہوں نے ہمیں دیکھا تو پاس آئے اور سلام کیا اور کہنے لگے۔مجھے کچھ پوچھنا ہے۔پھاوڑے بنانے کے دوران میں جو یہ ضرب لگاتا ہوں یہ پھاوڑے پر پڑتی ہے یا ایرن پر یا ہتھوڑے پر۔باقی لوگ خاموش رہے۔میں نے عرض کیا پھاوڑے کی کجی پر۔انہوں نے میری پیشانی چومی اور فرمایا۔تجھ پر خدا کی رحمت ہو۔تو نے اچھا کہا اور اسی سلسلے میں فرمانے لگے کہ میرے بیس شاگردوں نے مجھ سے بے ادبی کی۔سب جوان مرے اور ان میں کوئی بھی اپنی مراد کو نہ پہنچا۔

اسی سلسلے میں آپ نے فرمایا آدمی کو چاہیے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اسے خدا کی طرف سے جانے کہ اس کا عطیہ ہے اور اپنی اصل حقیقت اسی لطفہ کو سمجھے جس کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا :

خُلِقَ مِنْ مَاءٍ دَافِقٍ

ترجمہ: وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا۔[1]

استاد او پیر کو پکڑنے کی حکمت

حضرتِ عالی امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی حنفی نقشبندی قدس سرہ لکھتے ہیں

---

[1] (سورۃ الطارق ۶:) (نسمات القدس، مقالہ اولی ص، ۸۵، ۸۶) (نسمات القدس ص، ۸۲ تا ۸۴)

استاد و پیر برای آن غرض می گیرند که دلالت به شریعت نمایند و به برکت ایشان یسر و سهولی در اعتقاد و عمل به شریعت پیدا شود، نه آنکه مریدان هر چه دانند، کنند و هر چه خواهند، خورند و پیران سپر اینها گردند و از عذاب نگاه دارند، که این معنی متمنای محض است۔ آنجا بی اذن کسی شفاعت نتواند کرد و تا مرتضی نبود، شفاعت او نکند۔ مرتضی وقتی شود که به مقتضای شریعت عامل باشد و به، موجب بشریت زلتی اگر از وی واقع شود به شفاعت تدارک آن ممکن۔

استاد اور پیر اسی غرض سے پکڑتے ہیں کہ شریعت کی راہنمائی کریں اور ان کی برکت سے اعتقاد اور شریعت کے مطابق عمل کرنے میں آسانی اور سہولت پیدا ہو نہ یہ کہ مرید جو کچھ چاہیں وہ کرتے پھریں اور جو کچھ چاہیں کھاتے رہیں اور پیران کی ڈھال بن جائیں اور ان کو عذاب سے بچائے رکھیں کہ یہ مطلب محض ایک آرزو ہے۔ اس جگہ بے اجازت کوئی بھی سفارش نہیں کرے گا۔ جب تک کہ وہ پسندیدہ نہ ہوگا۔ کوئی بھی اس کی سفارش نہیں کرے گا۔ اور مرتضیٰ (پسندیدہ) اس وقت ہوگا جب کہ شریعت کے مطابق عمل کرے گا اور اگر یہ تقاضائے بشریت اس سے کوئی غلطی ہو جائے گی تو شفاعت سے اس کا تدارک ممکن ہوگا۔[1]

(الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد)

حضرتِ عالی امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی حنفی نقشبندی قدس سرہ متوفی ۱۰۳۴ھ لکھتے ہیں۔

عقل اگر کفایت می کرد، مثل ((ابی علی سینا)) کہ مقتدای ارباب معقول است، در جمیع احکام عقلیہ محق می بود و غلط نمی کرد و حال آنکہ در یک مسئلہ الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد آن قدر غلط کردہ است، کہ بر ناظر منصف بہ ادنیٰ تأمل واضح است عقل اگر کافی ہوتی تو بوعلی سینا جیسا آدمی جو ارباب معقول کا پیشوا ہے تمام احکام عقلیہ میں حق پر ہوتا اور غلطی نہ کرتا۔ حالانکہ اس نے ایک ہی مسئلہ میں کہ الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد۔

ترجمہ: ایک سے صرف ایک ہی چیز صادر ہو سکتی ہے۔ اس قدر غلطی کھائی ہے کہ وہ منصف آدمی کے دل پر ادنیٰ تامل سے واضح ہو جاتی ہے۔[2]

کام کا دارومدار دل پر ہے

حضرتِ عالی امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی حنفی نقشبندی قدس سرہ لکھتے ہیں:

بہ ((شیخ محمد چتری)) در بیان آنکہ مدار کار بر قلب است، از مجرد اعمال صوری و عبادات رسمی کاری نمی کشاید و امثال ان حق۔ سبحانہ و تعالیٰ۔ از مادون خود اعراضی (رو گردانی و بی توجہی۔) و بہ جناب قدس خود اقبالی ارزانی فرماید بحرمۃ سید البشر المحرر عن زیغ البصر۔ علیہ و علیٰ الہ الصلوات و التسلیمات۔

مدار کار بر قلب است، اگر دل بہ غیر او سبحانہ گرفتار است، خراب و ابتر است۔ از مجرد اعمال صوری و عبادات رسمی کاری نمی کشاید۔

سلامتی قلب از التفات بہ ماسوای او تعالیٰ و اعمال صالحہ کہ بہ بدن تعلق دارند و شریعت بہ اتیان آن امر فرمودہ، ہر دو در کار ست، دعوای سلامت قلب بی اتیان اعمال صالحۂ بدنیہ، باطل است۔ ہمچنان کہ در این نشأۃ روح بی بدن غیر متصور است،

---

[1] (مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۴۱، ج ۲، ص ۴۵۱، مرکز پخش: زاہدان، خیابان خیام، صدیقی، تہران)

[2] (مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، مکتوب ۴۴، ج ۲، ص ۴۵۷، مرکز پخش: زاہدان، خیابان خیام، صدیقی، تہران)

احوال قلبی بی اعمال صالحۂ بدنی محال است۔

بسیاری از ملحدان این وقت به این قسم دعوای ادعامی نمایند۔ نجانا اللہ سبحانہ عن معتقداتھم السوء بصدقۃ حبیبہ علیہ الصلوۃ والسلام والتحیہ۔ (خداوندسبحان مارا از اعتقادات سوء ایشان نجات دھد بہ حرمت دوست وجیبش...)

اس بیان میں کہ کام کادارومدار قلب پر ہے۔ صرف اعمال کی صورتوں اور رسمی عبادتوں سے کچھ نہیں ہوتا اور اسی طرح کی اور باتوں میں۔ یہ مکتوب بھی شیخ محمد چترہ کو لکھا۔ حق سبحانہ وتعالیٰ حضور سید البشر ﷺ کی حرمت کے طفیل جو نظر کی کجی سے آزاد تھے، اپنے ماسواء سے روگردانی اور جناب قدس کی طرف توجہ نصیب فرمائے۔ کام کادارومدار دل پر ہے۔ اگر دل حق سبحانہ وتعالیٰ کے غیر کے ساتھ گرفتار ہے تو خراب اور ابتر ہے۔ صرف ظاہری اعمال اور رسمی عبادتوں سے کام مکمل نہیں بن سکتا۔ دل کو غیر حق تعالیٰ کی طرف توجہ سے سالم ومحفوظ رکھنا اور اعمال صالحہ جو بدن سے تعلق رکھتے ہیں اور جن کے ادا کرنے کا شرعاً حکم ہے، دونوں درکار ہیں۔ اعمال صالحہ بدنیہ کی بجا آوری کے بغیر دل کی سلامتی کا دعویٰ باطل ہے۔ جس طرح اس جہان میں بدن کے بغیر روح غیر متصور ہے، قلبی احوال کا حصول بھی بدنی اعمال صالحہ کے بغیر محال ہے۔ اس وقت کے بہت سے ملحد اور بے دین اس قسم کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حبیب پاک علیہ الصلوۃ والسلام والتحیۃ کے صدقے ان کے اعتقادات سے نجات دے۔[1]

غوث صمدانی خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "عبادت اور کوئی کرسکتا ہے لیکن عبادت کے ذریعے ہر آدمی خواہشات سے جان نہیں چھڑا سکتا"[2]

حررہ: احقر العباد تراب اقدام الاولیاء

فقیر سید عبدالحق شاہ حنفی ترمذی سیفی حفظہ اللہ تعالیٰ

۞ ومعنی التکراران یفعل فعلۃ ثم بعدفراغہ یعودالیہ فصول الشاشی ص ۱۵۰-۲۰۸ کذامولوی شرح حسامی ص ۱۰۷ وکذاتلویح ص ۳۴۵۔

۞ قبور پر مجاور فرشتے علیہم السلام

عن أنس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ إنَّ اللہَ وَكل بعبدِہ المؤمنِ ملَكَينِ يَكتُبانِ عملَہ، فإذا قبَض اللہُ، عزَّ وجلَّ، عبدَہ المؤمنَ قالا: يا ربِّ وَكلتَنا بعبدِكَ المؤمنِ نَكتُبُ عملَہ وقد قبَضتَہ إليكَ، فأذَنْ لنا أن نَصعَدَ إلى السماءِ قال: سَمائي مملوءةٌ مِن ملائكَتي يُسَبِّحونني قالا: فتأذَنُ لنا أن نَسكُنَ الأرضَ قال: أرضي مملوءةٌ مِن خَلقي يُسَبِّحونني، ولكِنْ قوما على قبرِ عبدي فسبِّحاني وهلِّلاني وكبِّراني واحمَداني إلى يومِ القيامةِ واكتُباہ لعبدي۔[3]

۞ قضائے حاجت کے وقت فرشتے ساتھ نہیں ہوتے۔

عن عطاء قال: لاتشھد الملائکۃ وأنت علی خلائك.[4]

---

[1] (مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب ۳۹، ج ۱، ص ۱۵۴، مرکز بخش: زاھدان، خیابان خیام، صدیقی، تہران)

[2] (حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ، ص ۱۸۸)

[3] البوصيري (۸۴۰ھ)، إتحاف الخيرة المهرة ۲/۴۵۱ • البيهقي (۴۵۸ھ)، شعب الإيمان ۷/۳۲۴۱ • الزركشي (البدر) (۷۹۴ھ)، اللآلئ المنثورة ۲۲۲ • السيوطي (۹۱۱ھ)، اللآلئ المصنوعة ۱/۴۳۲ • كنز العمال ج ۱۵ ص ۸۱۶ رقم الحديث ۴۲۹۶۰ • المطالب العاليه لامام ابن حجر عسقلانی ج ۱۲ ص ۳۰۵ رقم الحديث ۲۸۷۹ •

[4] الحبائک فی اخبار الملائک ص ۱۰۰ رقم الحدیث ۳۶۷۔ مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۲۰۹ رقم الحدیث ۱۲۲۸۔

حضرت عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور تابعی مفسر فرماتے ہیں جب تو قضائے حاجت کی حالت میں ہو اس وقت تیرے پاس فرشتے کراماً کاتبین نہیں آتے۔

❁ طویل قد فرشتہ علیہ السلام

حدیث"

إن الله تعالى خلق ملكا له جناح في المشرق وجناح في المغرب ورأسه تحت العرش ورجلاه تحت الأرض السابعة وعليه بعدد خلق الله ريش فإذا صلى رجل أو امرأة من أمتي علي أمره الله تعالى أن ينغمس في بحر من نور تحت العرش فينغمس فيه ثم يخرج وينفض جناحه فيقطر من كل ريشة قطرة فيخلق الله من كل قطرة ملكاً يستغفر له إلى يوم القيامه۔[1]

❁ حضرت آدم علیہ السلام کی نماز جنازہ حضرت جبریل علیہ السلام نے پڑھائی۔

عن ابن عباس قال : صلى جبريل على آدم وكبر عليه أربعا، صلى جبريل على آدم وكبر عليه أربعا، صلى جبريل بالملائكة يومئذ في مسجد الخيف. زاد ابن عساكر : فعرف فضل جبريل يومئذ على الملائكة.[2]

❁ سنتوں سے انکار کرنا استہزاءً کفر ہے۔

وعن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما صلوۃ المسافر رکعتان من خالف السنة فقد كفر۔[3]

❁ من صلى على في كتاب لم تزل الملائكة تستغفر له مادام اسمي في الكتاب۔[4]

❁ علامہ امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۹۷۳ھ فرماتے ہیں۔

قال الشيخ محي الدين في "الفتوحات" ان مستمد جميع الانبياء والمرسلين من روح سيدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذ هو قطب الاقطاب، فهو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ممد لجميع الناس اولا وآخرا فهو ممد لكل نبي وولي الخ۔[5]

شیخ محی الدین نے "الفتوحات" میں فرمایا ہے: تمام انبیاء اور مرسلین کی مستمد روح سیدنا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قطب الاقطاب ہیں پس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولین اور آخرین تمام لوگوں کی مدد کرنے والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نبی اور ہر ولی کی مدد فرمانے والے ہیں۔

یہی علامہ امام عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ، شیخ ابن عربی کے حوالے سے ص ۳۴۰ پر رقم طراز ہیں۔ اما القطب الواحد فهو روح سيدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الممد لجميع الانبياء والرسل والاقطاب من حين النشئى الانسانى الى يوم القيامة فهو روح سيدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔[6]

❁ امام الشیخ عبدالعزیز الدباغ الفاسی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

---

[1] الكنز المدفون والفلك المشحون لسيوطى رحمه الله تعالىٰ ص ۱۷۔ مكاشفة القلوب للغزالى رحمه الله تعالىٰ الباب الاول رقم الحديث ۱ ص ۵۔

[2] الحبائك في أخبار الملائك رقم الحديث ۲۶۷ ص ۱۹۷ ج ۱

[3] فتح القدير شرح هداية باب صلاة المسافر ص ۵ مكتبة رشيديه۔

[4] النبراس على شرح العقائد ص ۸ مكتبة رشيديه۔

[5] اليواقيت والجواهر ص ۲۵۵ دار الكتب العلمية بيروت

[6] اليواقيت والجواهر ص ۳۴۰ دار الكتب العلمية بيروت

لو عاش سیدنا جبرائیل علیہ السلام مائة الف عام الی مائة الف عام الی ما لا نهایة له ما ادرک ربعا من معرفة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و لا من علمه بربه تعالیٰ۔[1]

ترجمہ: اگر سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام لاکھ ضرب لاکھ ضرب لامحدود سال زندہ رہیں تو وہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس معرفت اور علم کا چوتھائی بھی حاصل نہیں کر سکتے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب عزوجل کے بارے میں ہے۔

۞ عن رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم المدینة خیر من مکة۔[2]

۞ [عن أنس بن مالك:] اللَّهُمَّ اجْعَلْ بالمَدِينَةِ ضِعْفَيْ ما جَعَلْتَ بمَكَّةَ مِنَ البَرَكَةِ.[3]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ تاجدار ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا کہ اے اللہ مدینہ میں مکہ سے دگنی برکات رکھ دے۔

۞ تمام علماء اہل حق کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تاجدار ختم نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور شہر مکہ خانہ کعبہ بلکہ جنت وعرش معلی سے اور کائنات کے ہر مقدس ومتبرک مقام سے افضل واعلیٰ ہے، چنانچہ عاشق الرسول قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

و لا خلاف ان موضع قبره افضل بقاع الارض۔[4]

ترجمہ: اس بارے میں علماء کے درمیان کسی قسم کا اختلاف نہیں پایا جاتا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی قبر انور کی جگہ ساری روئے زمین سے افضل واعلیٰ ہے۔

۞ امام قسطلانی فرماتے ہیں: و اجمعوا علی ان الموضع الذی ضم اعضاءه الشریفة افضل بقاع الارض حتی موضع الکعبة۔[5]

ترجمہ: علماء کا اس پر اجماع ہے کہ وہ جگہ جس کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعضائے مبارکہ لگے ہوئے ہیں زمین کے تمام حصوں سے حتیٰ کہ کعبہ سے بھی افضل ہے۔

۞ بل نقل التاج السبکی عن ابن عقیل الحنبلی ان تلک البقعة افضل من العرش۔[6]

ترجمہ: بلکہ تاج السبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن عقیل حنبلی سے نقل کیا ہے کہ قبر انور کا وہ حصہ (جو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن مبارک سے ملا ہوا ہے) عرش سے بھی افضل ہے۔

۞ ان اجابة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الصلوة فرض یعصی المرء بترکه و انه حکم یختص بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔[7]

ترجمہ: نماز میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلاوے پر حاضری دینا فرض ہے جس کے ترک سے انسان گناہگار ہوگا اور یہ حکم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مختص

---

[1] کتاب الابریز بحوالہ کتاب جواهر البحار ج ۲ ص ۳۱۰ النوریة الرضویة کمپنی لاهور

[2] التاریخ الکبیر ج ۱ ص ۱۶۰ رقم الحدیث (۴۷۶) (المعجم الکبیر ج ۴ ص ۲۸۸ رقم الحدیث ۴۴۵۰) (مجمع الزوائد للهیثمی ج ۳ ص ۲۹۹) (فیض القدیر للمناوی ج ۶ ص ۲۶۴)

[3] البخاري (٢٥٦هـ)، صحيح البخاري ١٨٨٥ • [صحيح] • أخرجه البخاري (١٨٨٥)، مسلم (٢٦١هـ)، صحيح مسلم ١٣٦٩ • الألباني (١٤٢٠هـ)، صحيح الجامع ١٢٥٦ • الطبراني (٣٦٠هـ)، المعجم الأوسط ٨/٨٤ • البزار (٢٩٢هـ)، البحر الزخار المعروف بمسند البزار ١٣/١٥ •

[4] الشفاء ج ۲ ص ۷۵

[5] المواهب اللدنیة ج ۳ ص ۴۲۳ دار الکتب العلمیة بیروت۔

[6] وفا الوفاء ج ۱ ص ۳۱ دار الکتب العلمیة بیروت، نکات الفرقان فی شان حبیب الرحمن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ج ۳ ص ۱۹

[7] فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۹ ص ۱۳۴ دار الکتب العلمیة بیروت۔

ہے۔مولوی انور شاہ کشمیری نے بھی لکھا ہے کہ دل الحدیث علی ان اجابۃ الرسول لاتبطل الصلوۃ۔[1]

ترجمہ: حدیث نے اس بات پر دلالت کی کہ نبی پاک ﷺ کی بارگاہ میں حاضری سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

۞ لافرق بین موتہ و حیاتہ ﷺ۔[2]

ترجمہ: تاجدار ختم نبوت ﷺ کی موت اور حیات میں کوئی فرق نہیں۔

۞ یہ بات اظہر من الشمس معلوم ہے کہ روز اول تا روز آخر جملہ موجودات ومخلوقات وممکنات حتیٰ کہ انبیاء ومرسلین اور اولیاء کو بھی جو مقام ومرتبہ اور کمال وفضل ملا تو وہ وسیلہ مصطفیٰ ﷺ سے ملا۔اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جملہ عوالم کیلئے رحمت بنایا ہے۔یہ نکتہ بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ اول الخلق علی الاطلاق ہیں۔اس لئے کہ اگر آپ ﷺ اول الخلق نہ ہوں تو آپ ﷺ اپنے سے پہلے کی مخلوق کیلئے واسطۂ رحمت اور وسیلۂ کرم نہیں ہو سکتے جو کہ حضور اقدس ﷺ کی شان رحمۃ للعلمین کے منافی ہے۔آپ ﷺ کا رحمۃ للعلمین ہونا اور کائنات کے ہر فرد کیلئے مجسم رحمت ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ آپ ﷺ کا وجود بھی جملہ خلائق سے پہلے ہو۔[3]

۞ قَالَ النَّوَوِيُّ - رَحِمَهُ اللَّهُ - فَإِنْ قِيلَ : كَيْفَ يَحُجُّونَ وَيُلَبُّونَ وَهُمْ أَمْوَاتٌ وَالدَّارُ الْآخِرَةُ لَيْسَتْ بِدَارِ عَمَلٍ؟ الْجَوَابُ : مِنْ وُجُوهٍ : أَحَدُهَا : أَنَّهُمْ كَالشُّهَدَاءِ بَلْ أَفْضَلُ، وَالشُّهَدَاءُ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ، فَلَا يَبْعُدُ أَنْ يَحُجُّوا وَيُصَلُّوا وَيَتَقَرَّبُوا إِلَى اللَّهِ تَعَالَى بِمَا اسْتَطَاعُوا،[4]

ترجمہ: امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ پس اگر یہ کہا جائے کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام حج اور تلبیہ کی ادائیگی کیسے کرتے ہیں حالانکہ ان کی وفات ہو چکی ہے اور آخرت کا گھر دار العمل نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام شہداء سے افضل ہیں اور شہداء اپنے رب جل جلالہ کے پاس زندہ ہیں، تو کوئی استبعاد نہیں کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام حج کریں نماز ادا کریں اور ایسے اعمال کریں جن سے وہ اللہ تعالیٰ کا (مزید) قرب حاصل کر سکیں۔

۞ قَالَ المتکلمون من اصحابنا ان نبینا ﷺ حیی بعد وفاتہ و انہ یسر بطاعات امتہ و یحزن بمعاصی العصاۃ منھم۔[5]

ترجمہ: ہمارے اصحاب میں سے محقق متکلمین نے کہا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ وفات کے بعد بھی زندہ ہیں اور آپ ﷺ اپنی امت کی عبادات سے خوش ہوتے ہیں اور ان کی گناہوں سے غمگین ہوتے ہیں۔

۞ وقد ذھب جماعۃ من المحققین الی ان رسول اللہ ﷺ حیی بعد وفاتہ و انہ یسر بطاعات امتہ۔[6]

ترجمہ: کہ محققین کی ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ تاجدار ختم نبوت ﷺ اپنی وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ ﷺ اپنی امت کی عبادات سے خوش ہوتے ہیں۔

۞ شیخ علامہ احمد بن محمد القسطلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔انہ حیی فی قبرہ و یصلی فیہ باذان و اقامۃ و کذلک الانبیاء علیھم الصلاۃ

---

[1] العرف الشذی شرح جامع ترمذی ج ۲ ص ۵۷۸ مکتبۃ رحمانیۃ لاھور

[2] نکات الفرقان فی شان حبیب الرحمن ﷺ ج ۳ ص ۱۶۳

[3] نکات الفرقان فی شان حبیب الرحمن ﷺ ج ۳ ص ۱۱۴۔شھاب الثاقب ص ۱۹۰ ادارۂ تحقیقات اھل سنت

[4] مرقاۃ المفاتیح ج ۹ ص ۶۵۳ دار الفکر بیروت۔شرح السیوطی علی مسلم ج ۱ ص ۲۱۲۔

[5] الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۱۴۹۔

[6] نیل الاوطار ج ۴ ص ۱۸۳ و عون المعبود للشمس الحق ج ۱ ص ۴۰۵۔

والسلام ولهذا قيل: لا عدة على ازواجه۔[1]

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ اپنی قبر منورہ میں زندہ ہیں اور اس میں اذان و اقامت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں اور یہ حال انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا بھی ہے اور اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج پر عدت نہیں تھی۔

۞ انه ﷺ حيي على الدوام وروحه لا تفارقه ابدا لماصح ان الانبياء احياء في قبورهم۔[2]

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی روح مبارک آپ ﷺ کے بدن سے دائمی جدا نہیں ہوتی کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

۞ [عن عبد الرحمن بن عثمان التيمي:] رأيتُ النبيَّ ﷺ يوم عيدٍ قائمًا في السوقِ ينظُرُ إليه الناسُ والناسُ يمرُّونَ۔[3]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن عثمان التیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عید کے دن رسول اللہ ﷺ کو بازار میں دیکھا آپ ﷺ لوگوں کو دیکھ رہے تھے اور لوگ گزر رہے تھے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک کی اس آیت وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ کے تحت فرماتے ہیں۔ فيه اباحة دخول الاسواق للعلماء واهل الدين والصلاح۔[4]

ترجمہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ علماء، اہل دین اور نیک لوگوں کا بازار میں جانا جائز ہے۔

وكان ابو بكر رضي الله تعالىٰ عنه يخرج الى السوق يحمل الثياب فيبيع ويشترى۔[5]

ترجمہ: حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازار میں اپنا کپڑا اٹھا کر لے جاتے تھے اور خرید و فروخت کرتے تھے۔

۞ [عن عمر بن الخطاب:] مَن دخَل السُّوقَ فقال لا إلهَ إلا اللهُ وحدَه لا شَريكَ لهُ لهُ المُلْك وله الحمدُ يُحيِي ويُميتُ وهو حيٌّ لا يَموتُ بيدِه الخيرُ وهو على كلِّ شيءٍ قديرٌ كتَب اللهُ له ألفَ ألفِ حسنةٍ ومحا عنه ألفَ ألفِ سيئةٍ ورفَع له ألفَ ألفِ درجةٍ۔[6]

ترجمہ: حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بازار داخل ہوا اور اس نے پڑھا لا إلهَ إلا اللهُ وحدَه لا شَريكَ لهُ لهُ المُلْك وله الحمدُ يُحيِي ويُميتُ وهو حيٌّ لا يَموتُ بيدِه الخيرُ وهو على كلِّ شيءٍ قديرٌ تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے دس لاکھ نیکیاں لکھے گا اور اس کے دس لاکھ گناہ مٹا دے گا اور اس کے دس لاکھ درجات بلند فرما دے گا۔

۞ وعن أبي الخير الأقطع قال دخلت المدينة وأنا بقاقة فأقمت خمسة أيام ما ذقت ذواقاً فتقدمت إلى القبر الشريف وسلمت على النبي - صلى الله عليه وسلم - وعلى أبي بكر وعمر رضي الله عنهما وقلت أنا ضيفك الليلة يا رسول الله وتنحيت ونمت

---

[1] المواهب اللدنية ج ۲ ص ۳۱۳ دار الكتب العلمية بيروت۔

[2] الشرح الكبير على جامع الصغير بحواله جواهر البحار ج ۲ ص ۲۰۶ مكتبة نورية رضوية لاهور ونكات الفرقان في شان حبيب الرحمان ﷺ ج ۴ ص ۲۵۸۔

[3] البوصيري (۸۴۰هـ)، إتحاف الخيرة المهرة ۲/۳۳۵ • مسند احمد ج ۶ ص ۵۵۰ رقم الحديث ۲۹۴۳۱ دار الكتب العلمية بيروت۔

[4] الاكليل في استنباط التنزيل ص ۱۹۷ دار الكتب العلمية بيروت۔

[5] اغاثة اللهفان في مسايد الشيطان ص ۱۹۰۔

[6] الترمذي (۲۷۹هـ)، سنن الترمذي ۳۴۲۸ • الدارقطني (۳۸۵هـ)، لسان الميزان ۸/۱۸ • أبو نعيم (۴۳۰هـ)، حلية الأولياء ۲/۴۰۳ • وابن ماجه (۲۲۳۵)، وأحمد (۳۲۷) المنذري (۶۵۶هـ)، الترغيب والترهيب ۳/۷ • الدمياطي (۷۰۵هـ)، المتجر الرابح ۲۳۳ • الذهبي (۷۴۸هـ)، سير أعلام النبلاء ۱۷/۴۹۸ • الذهبي (۷۴۸هـ)، تاريخ الإسلام ۲۹/۳۴۶ • ابن القيم (۷۵۱هـ)، المنار المنيف ۳۳ •

خلف المنبر فرأيت النبي - صلى الله عليه وسلم - في المنام وأبو بكر عن يمينه وعمر عن شماله وعلي بين يديه فحركني علي وقال قم قد جاء رسول الله - صلى الله عليه وسلم - فقمت إليه وقبلت بين عينيه فدفع إلي رغيفاً فأكلت نصفه وانتبهت فإذا في يدي نصف رغيف.[1]

ترجمہ: ابوالخیر الاقطع کہتے ہیں میں فاقہ کے ساتھ مدینے میں داخل ہوا اور وہاں پانچ دن مقیم رہا، اس دوران میں نے کوئی چکھنے والی چیز نہیں چکھی، پس میں نبی اکرم ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہوا اور میں نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کیا اور حضرات شیخین رضوان اللہ تعالیٰ علیہما کی بارگاہ میں بھی سلام پیش کیا اور میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میں آج رات آپ ﷺ کا مہمان ہوں پھر میں ہٹ گیا اور منبر کے پیچھے جا کر سو گیا، پس میں نے نبی کریم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے دائیں جانب تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کی بائیں جانب تھے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم آپ ﷺ کے سامنے تھے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے مجھے حرکت دی اور فرمایا کھڑا ہو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں، پس میں سرکار اکرم ﷺ کے لئے کھڑا ہو گیا اور میں نے آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک روٹی عطا فرمائی جس میں سے آدھی روٹی میں نے کھالی اور میں بیدار ہو گیا، تو میں نے دیکھا کہ میرے ہاتھ میں باقی نصف روٹی موجود تھی۔

(۱۱۶)﴿باب نمبر ایک سو سولہ جذب، وجد اور حرکتِ لطائف کے بیان میں﴾

بعض علماء وجد اور تواجد، غشی (بے ہوشی) اور بکاء (رونا) اور رقص (ناچنا) وغیرہ حالات شریفہ جو سالکین پر ذکر واذکار اور نعت خوانی کے وقت وارد ہوتے ہیں اور حرکتِ لطائف سے انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ جذب اور وجد وغیرہ قران پاک کی تفاسیر، احادیث مبارکہ، فقہاءِ کرام کے اقوال اور مذاہب کی کتب سے ثابت ہیں۔

مقدمہ:

ہر آدمی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جس شعبہ سے متعلق بات کرنا چاہتا ہے تو اسے اس شعبہ کے بنیادی اصول وضوابط وقواعد کو جاننا اشد ضروری ہے۔ کیونکہ ہر علم کے کچھ بنیادی اصول ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الیواقیت والجواہر میں امام ابن عربی کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

ما من طائفة تحمل علما من المنطقين و النحاة و اهل الهندسة و الحساب و المتكلمين و الفلاسفة الا و لهم اصطلاح لا يعلمه الدخيل فيهم الا بتوقيف منهم۔

علماء منطق نحو، ہندسہ، حساب، عقائد اور فلسفہ کی اپنی اپنی اصطلاحات ہوتی ہیں جن کو ان علماء کے بتانے کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔[2]

الشیخ عبدالقادر عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ حقائق عن التصوف میں لکھتے ہیں۔

فان لكل فن من الفنون او علم من العلوم كالفقه و الحديث و المنطق و النحو و الهندسة و الجبر و الفلسفة اصطلاحات خاصة به لا يعلمها الا ارباب ذالك العلم۔

---

[1] القول البديع فی الصلاة علی الحبيب الشفيع ﷺ، الباب الرابع فی تبليغه ﷺ سلام من يسلم عليه و رده السلام ص ۱۶۲ دار الكتاب العربی بيروت۔

[2] (الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر ج ۱ ص ۲۰)

تمام علوم وفنون مثلاً فقہ، حدیث، منطق، نحو، ہندسہ، الجبرا اور فلسفہ وغیرہ کی اپنی مخصوص اصطلاحات ہیں جو ان علوم کے ماہرین جانتے ہیں۔[1]

الشیخ القاضی العلامۃ محمد اعلی بن علی الفاروقی (المتوفی ۱۱۹۱ھ) لکھتے ہیں:

الشطح من مصطلحات الصوفیۃ۔

شطح صوفیائے کرام کی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح ہے۔[2]

تو ہم واضح یہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہر علم کی الگ الگ اصطلاحات ہوتی ہیں۔ ہمارے ہاں جو علماء اور مشائخ کے درمیان نزاع کی نوبت آجاتی ہے تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہوتی ہے کہ علماء، صوفیاء کی اصطلاحات سے واقف نہیں ہوتے اور مشائخ علماء ومحدثین کی اصطلاحات سے ان جان ہوتے ہیں۔ ہم متقدمین مشائخ وعلماء کی بات نہیں کر رہے کیونکہ تقریباً دو اڑھائی سو سال قبل تک علم ظاہر اور علم باطن کا مرکز ایک ہی ہوتا تھا جو بھی مدرسہ سے فارغ التحصیل ہوتا وہ بیک وقت صوفی بھی ہوتا اور عالم بھی ہوتا۔ اگر صاحب رتبہ صوفی نہ بھی ہوتا تو فکری ونظری طور پر تصوف واہل تصوف سے ضرور واقف ومانوس ہوتا اور بقدر ظرف طلب ان سے فیض یاب بھی ہوتا تھا۔ لیکن زوال امت اور مغربی غلامی کے آغاز سے یعنی تقریباً دو اڑھائی سو سال سے علماء وصوفیاء کو الگ الگ کر دیا گیا ہے نہ وہ ان سے واقف رہے نہ یہ ان سے واقف رہے۔

بوجہ درج بالا کئی ایک سائل ومعاملات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں جن پر تحقیق مزید کے بجائے بات خواہ مخواہ کی بحث وتنقیص پہ جا پہنچتی ہے جس سے اکابرین وسلف صالحین کے طریقہ وتربیت سے آدمی کہیں دور جا نکلتا ہے۔ مثلاً ایک معاملہ جو سوال کی شکل میں اکثر پیش آتا ہے کہ:

صوفیائے کرام جو احادیثِ مبارکہ "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" لکھ کر بیان کرتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر احادیث صحاح ستہ کی کتابوں میں نہیں ملتی تو کیا ان احادیث کا انکار اس بناء پر کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ یہ صحاح ستہ میں موجود نہیں ہیں لہٰذا یہ احادیث ہی نہیں ہیں؟ کچھ لوگ صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی کتابوں میں ان کی نقل کردہ احادیث مبارکہ کو نہیں مانتے بلکہ صرف اسی کو حدیث مانتے ہیں جو صحاح ستہ میں ہوں۔ کچھ لوگ صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی معمولات پر اعتراضات کرتے ہیں حالانکہ وہ معمولات سلف صالحین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے منقول ہوتے ہیں اور اس انکار کی وجہ سے اللہ والوں سے دشمنی مول لیتا ہے جو ان کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔

اس مسئلہ کو بیان کرنے سے پہلے ایک بنیادی مقدمہ کا سمجھنا نہایت ہی ضروری ہے۔ حضور شہنشاہِ بغداد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی الحسنی الحسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

فالانسان علی نوعین: جسمانی وروحانی۔

ترجمہ: پس انسان کی دو حالتیں ہیں جسمانی اور روحانی۔[3]

سندِ اصفیاء واتقیاء وعلماء حضرت امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

الانسان مرکب من جسم وروح۔

ترجمہ: انسان مرکب ہے جسم اور روح سے۔[4]

امام فخرالدین رازی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

---

[1] (حقائق عن التصوف ص ۲۵۸۔ از دیوان پریس برطانیہ)

[2] (کشاف اصطلاحات الفنون جلد ۲ ص ۹۴ سہیل اکیڈمی لاہور)

[3] (سر الاسرار ومظہر الانوار فی مایحتاج الیہ الابرار ص ۱۳ دار الکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

[4] (لواقع الانوار القدسیۃ فی بیان العہود المحمدیہ ص ۱۳۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

واعلم ان الانسان مرکب من جسد و من روح۔

ترجمہ: اور جان لے کہ انسان مرکب ہے جسم اور روح سے۔[1]

ان جلیل القدر شیوخ امت کی درج بالا عبارات سے مترشح ہوا کہ اللہ رب العزت نے انسان کو بشریت اور روحانیت کا مرکب بنایا ہے اور انسان کی ظاہری اور باطنی تطہیر کے لئے دو علوم (علم ظاہر یعنی علم شریعت اور علم باطن یعنی علم روحانیت) عطا فرمائے جن کو قرآن مجید اور احادیثِ رسول ﷺ میں مختلف مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا ﴿الکھف ۶۵﴾

ترجمہ: تو دونوں نے (وہاں) ہمارے بندوں میں سے ایک (خاص) بندے (خضر علی نبینا وعلیہ السلام) کو پالیا جسے ہم نے اپنی بارگاہ سے (خصوصی) رحمت عطا کی تھی اور ہم نے اسے علم لدنی (یعنی اسرار و معارف کا الہامی علم) سکھایا تھا۔ (الکہف : آیت ۶۵)

امام ابی عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر القرطبی علیہ الرحمہ (المتوفی ۶۷۱ھ)

وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا کی تفسیر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

ای علم الغیب ابن عطیه : کان علم الخضر معرفته بواطن قد اوحیته الیه۔

ترجمہ: یعنی علمِ غیب ہے اور ابن عطیہ کا قول ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کا علم باطنی حقائق کا جاننا تھا جو ہم نے ان کی طرف وحی کیا۔[2]

امام نور الدین علی بن سلطان الہروی المکی الحنفی المعروف بہ الملا علی القاری (المتوفی ۱۰۱۴ھ) علیہ الرحمۃ الباری وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

العلم اللدنی ما یحصل من طریق الهام دون التکلیف بالطلب۔

ترجمہ: علم لدنی وہ ہے جو طلب کی مشقت کے بجائے الہام کے طریقہ سے حاصل ہو۔[3]

صاحب عرائس البیان الشیخ العارف باللہ ابی محمد صدر الدین روز بہان ابی نصر البقلی الشیرازی (المتوفی ۶۰۶ھ) علیہ الرحمہ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا ۔کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

من المعارف القدسیة و الحقائق الکلیة اللدنیة بلا واسطة تعلیم بشری۔

ترجمہ: معارف قدسیہ اور حقائق کلیہ لدنیہ میں سے علم لدنی ہے جو تعلیم بشری کے واسطے کے بغیر حاصل ہوتا ہے۔[4]

الشیخ اسماعیل حقی بن مصطفی الحنفی (المتوفی ۱۱۲۷ھ) علیہ الرحمہ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

خاصا هو علم غیوب و الاخبار عنها باذنه تعالی علی ما ذهب الیه ابن عباس رضی اللہ تعالی عنهما او علم الباطن۔

ترجمہ: (علم لدنی) حقیقتاً علم غیب کی خبریں ہیں اللہ تعالیٰ کے اذن سے۔ اس کی طرف حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما گئے ہیں یا علم لدنی سے مراد علم باطن ہے۔

علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آگے لکھتے ہیں:

---

[1] (تفسیر کبیر جلد ۱ ص ۱۵۲ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

[2] (تفسیر قرطبی جلد ۱۳ ص ۳۲۵، مکتبة الرسالة العالمیة)

[3] (تفسیر ملا علی قاری المسمی انوار القرآن و اسرار الفرقان جلد ۳ ص ۲۱۹، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

[4] (تفسیر عرائس البیان فی حقائق القرآن جلد ۲ ص ۴۳۲، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا وھو علم معرفة ذاته وصفاته الذی لا یعلمه احد الا بتعلیمه ایاہ،

ترجمہ: (وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا) علم لدنی اس کی ذات وصفات کی معرفت کا نام ہے اسے کوئی ایک بھی نہیں جانتا مگر جسے وہ بطورِ خاص سکھائے۔[1]

امام ابی العباس احمد بن المہدی ابن عجیبہ الحسنی (المتوفی ۱۲۲۴ھ) علیہ الرحمہ وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

العلم اللدنی :ھو الذی یفیض علی القلب من غیر اکتساب ولا تعلم۔

ترجمہ: علم لدنی وہ علم ہے جو بغیر کسب اور بغیر سیکھے قلب (دل) پر وارد ہو۔[2]

علامہ عصام الدین اسماعیل بن محمد الحنفی علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۱۹۵ھ)

وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قولہ (وھو علم الغیوب) والمراد بالغیب ھنا الخفی لا ینتصب علیه دلیل وقد اعلم اللہ الخضر بعضا من تلک الغیوب۔

ترجمہ: اور وہ علم غیوب ہے اور غائب سے مراد یہاں خفی علم ہے جس پر دلیل قائم نہیں ہوتی ہے اور اللہ جل شانہ نے حضرت خضر علیہ الصلوۃ والسلام کو بعض ان غیوب میں سے علم عطا کیا تھا۔[3]

علامہ القاضی ابو محمد عبد الحق بن غالب بن عطیہ الاندلسی علیہ الرحمہ (المتوفی ۵۴۶ھ)

وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال القاضی ابو محمد :کان علم الخضر معرفة بواطن۔

ترجمہ: قاضی ابو محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ خضر علیہ السلام کا علم باطن کی معرفت تھا۔[4]

امام ابی محمد الحسین بن سعود الفراء البغوی الشافعی علیہ الرحمہ (المتوفی ۵۱۶ھ)

وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ای علم الباطن الھاما۔

ترجمہ: علم باطن الہاماً عطا کرنا۔[5]

امام صاوی علیہ الرحمہ وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ای مما یختص بنا ولا یعلم بواسطة معلم من اھل الظاھر۔

ترجمہ: جو خاص ہے ہمارے ساتھ اور اس کا حصول علم ظاہر کے معلم کے ساتھ نہیں ہے۔[6]

قرآن مجید میں ایک اور جگہ پر علم باطن سے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے: كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ

---

[1] (تفسیر روح البیان جلد ۵ ص ۲۷۲، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

[2] (تفسیر بحر المدید فی تفسیر القرآن المجید جلد ۴ ص ۱۷۹ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

[3] (حاشیة القونوی علی تفسیر امام بیضاوی جلد ۲ ۱ ص ۱۲۷ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

[4] (المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز جلد ۳ ص ۵۲۹، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

[5] (تفسیر البغوی جلد ۳ ص ۱۴۴ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

[6] (تفسیر صاوی جلد ۴ ص ۱۲۰۸)

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَالَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿بقرہ ۱۵۱﴾

ترجمہ: اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہیں میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفسًا و قلبًا) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرارِ معرفت وحقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

الشیخ علی بن سلطان محمد القاری علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں:

بالفکر و النظر اذ لا طریق الی معرفته سوی الوحی و کرر الفعل لیدل علی انه جنس آخر۔ ترجمہ: تم ان علوم کو نظر وفکر کے ذریعے نہیں جانتے کیونکہ اس کی معرفت کی طرف وحی کے علاوہ کوئی راستہ نہیں اور یہاں فعل (یعلمکم) کا تکرار اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ (علم) دوسری جنس سے ہے۔[1]

خاتمۃ المحققین وعمدۃ المدققین مفتی بغداد علامہ ابی الفضل شہاب الدین السید محمود آلوسی البغدادی علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) نے بھی اس آیت کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے:[2]

الشیخ القاضی ثناء اللہ العثمانی الحنفی المظہری علیہ الرحمہ اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھتے ہیں: تکرار الفعل یدل علی ان هذا التعلیم من جنس آخر و لعل المراد به العلم اللدنی۔ ترجمہ: (یعلمکم) فعل کا تکرار اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ تعلیم دوسری قسم کی ہے اور شاید اس سے مراد علم لدنی ہے۔[3]

قرآن مجید کی آیات مبارکہ اور ان کی تفاسیر سے خوب واضح ہوگیا ہے کہ علم ظاہر کے ساتھ ایک دوسرا علم بھی ہے جو علم باطن کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور حضور نبی پاک ﷺ نے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو ان دونوں علوم کی باقاعدہ تعلیم فرمائی۔

حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: "حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَاءَيْنِ: فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ، وَأَمَّا الآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هَذَا البُلْعُومُ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضور نبی پاک ﷺ سے دو اقسام کے علم سیکھے ہیں ایک کو تو میں نے بیان کر دیا اور دوسرے کو اگر میں بیان کروں تو میرا یہ حلقوم کاٹ دیا جائے گا۔[4]

الحافظ الامام بدر الدین ابی محمد بن احمد العینی علیہ الرحمہ (المتوفی ۸۵۵ھ) اسی حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قالت المتصوفة: المراد بالاول علم الاحکام و الاخلاق و بالثانی علم الاسرار المصون عن الاغیار المختص بالعلماء باللہ من اهل العرفان و قال آخرون منهم: العلم المکنون علما و هو نتیجة الخدمة و ثمرة الحکمة لا یظفر بها الا الغواصون فی بحار المجاهدات و لا یسعد بها الا المصطفون بانوار المجاهدات و المشاهدات۔

ترجمہ: صوفیاء کرام فرماتے ہیں پہلے ظرف سے مراد احکام اور اخلاق کا علم ہے اور دوسرے ظرف سے مراد اسرار و رموز کا علم جو اغیار سے محفوظ ہے اور اہل عرفان علماء باللہ کے ساتھ خاص ہے۔ اور دیگر صوفیاء نے کہا: اس سے مراد مخفی علم ہے اور وہ راز جو محفوظ ہے اور یہ (مقربین) کی خدمت کا

---

[1] (تفسیر انوار القرآن و اسرار الفرقان ج ۱ ص ۱۳۶)

[2] (تفسیر روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم و السبع المثانی جلد ۱ ص ۲۸ المکتبة الحقانیة ملتان)

[3] (تفسیر المظهری جلد ۱ ص ۱۵۱۔۱۵۲، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

[4] (صحیح البخاری، باب حفظ العلم ص ۱۰۵، دار المعرفت بیروت لبنان)

نتیجہ اور حکمت کا ثمرہ ہے۔ یہ ان ہی کو حاصل ہوتا ہے جو مجاہدات کے سمندروں میں غوطہ لگاتے ہیں اور یہ ان ہی پر منکشف ہوتا ہے جن کے دل مجاہدات اور مشاہدات کے انوار سے روشن ہوتے ہیں۔[1]

ولعل المراد بالاول علم الاحکام والاخلاق وبالثانی علم الاسرار المصون عن الاغیار المختص بالعلماء باللہ من اھل العرفان۔

ترجمہ: اور شاید پہلے علم سے مراد احکام واخلاق کا علم ہے اور دوسرے سے مراد اسرار ورموز کا علم ہے جو اغیار سے محفوظ ہے اور اہل عرفان میں سے علماء باللہ کے ساتھ خاص ہے۔[2]

شیخ المحققین حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وگفتہ اند کہ مراد باول علم احکام واخلاق ست کہ مشترک است میان خواص وعوام فبثانی علم اسرار کہ محفوظ ومصون است از اغیار از جہت باریکی و پوشیدگی آن وعدم وصول فہم ایشان بان ومخصوص است بخواص ازعلماء باللہ از اہل عرفان۔ ترجمہ: اور علماء کرام فرماتے ہیں کہ اول علم سے مراد احکام واخلاق کا علم ہے اور (یہ علم) خواص وعوام میں مشترک ہے اور دوسرے علم سے مراد اسرار کا علم ہے جو اغیار سے محفوظ ومصئون (بچا ہوا) ہے کیونکہ وہ اپنی باریکی پوشیدگی اور فہم عوام کے اس تک رسائی نہ ہونے کے باعث اہل عرفان علماء باللہ کے ساتھ خاص ہے۔[3]

العلامہ الشیخ علی بن سلطان محمد القاری علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) اس حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فاما احدھما وھو علم الظاھر من الاحکام والاخلاق واما الآخر وھو علم الباطن۔

ترجمہ: پس دونوں علوم میں سے پہلا علم احکام اور اخلاق سے متعلق ہے اور وہ علم ظاہر ہے اور دوسرا وہ علم باطن ہے۔[4]

حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی علیہ الرحمہ مرآۃ شرح مشکوٰۃ میں اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : مجھے حضور ﷺ سے دو قسم کے علم ملے ایک علم شریعت جو میں نے تمہیں بتا دیا اور دوسرا علم اسرار وطریقت وحقیقت کہ اگر وہ ظاہر کروں تو عوام نہ سمجھیں اور مجھے بے دین سمجھ کر قتل کر دیں۔[5]

ان دونوں علوم کی مزید تائید حضور نبی کریم ﷺ کے اس ارشادِ گرامی سے ہوتی ہے۔ حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مرسلا روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

العلم علمان :فعلم فی القلب فذاک العلم النافع وعلم علی اللسان فذاک حجۃ اللہ عز وجل علی ابن آدم۔ رواہ الدارمی۔

ترجمہ: علم دو قسم کا ہے پس ایک قلب کا علم ہے پس یہی علم نافع ہے اور دوسرا زبان کا علم ہے پس یہ بنی آدم پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے۔[6]

الشیخ علی بن سلطان محمد القاری علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۰۱۴ھ)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۱۸۵ دار الاحیاء بیروت)

[2] (شرح الطیبی علی مشکاۃ المصابیح المسمی الکاشف عن حقائق السنن جلد ۱ ص ۴۵۷ مکتبۃ العلمیۃ بیروت لبنان)

[3] (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۱۹۰ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

[4] (مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ۱ ص ۴۷۹ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

[5] (مرآۃ شرح مشکوۃ جلد ۱ ص ۱۸۲ مکتبہ اسلامیہ لاہور)

[6] (مشکوۃ المصابیح کتاب العلم ص ۳۷ قدیمی کتب خانہ کراچی پاکستان)

قدیحمل الاول علی علم الباطن و الثانی علی علم الظاهر۔

ترجمہ: تحقیق محمول کیا ہے پہلے علم کو علم باطن پر اور دوسرے کو علم ظاہر پر۔[1]

امام شرف الدین حسین بن محمد بن عبداللہ الطیبی علیہ الرحمہ (المتوفی ۷۴۳ھ)

اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: **ویمکن ان یحمل الحدیث علی علمی الظاهر و الباطن۔**

ترجمہ: اور ممکن ہے کہ اس حدیث کو علم ظاہر اور علم باطن پر محمول کیا جائے۔[2]

حجۃ الاسلام امام ابی حامد محمد بن محمد الغزالی علیہ الرحمہ (المتوفی ۵۰۵ھ) علم طریق آخرت سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فاعلم انه قسمان :علم مکاشفة و علم معاملة فالقسم الاول علم المکاشفة و هو علم الباطن و ذلک غاية العلوم۔

ترجمہ: پس جان لیں کہ اس کی دو قسمیں ہیں :علم مکاشفہ اور علم معاملہ پس پہلی قسم علم مکاشفہ ہے اور وہ علم باطن ہے اور وہ تمام علوم کی انتہا اور علت غائی ہے۔[3]

ان دونوں علوم کی تائید میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نہایت ہی قابل ذکر ہے:

قال رسول اللہ ﷺ :انزل القرآن علی سبعة احرف لکل آية منها ظاهر و باطن و لکل حد مطلع۔ رواه فی شرح السنه۔

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قرآن سات حرفوں پر اترا ہے ان میں ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن بھی اور ہر ظاہر اور باطن کی ایک حد ہے جہاں سے اطلاع ہے۔[4]

امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ الاتقان فی علوم القرآن میں اس روایت کو ان الفاظ میں نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و اخرج ابو نعیم فی الحلیة عن ابن مسعود قال ان القرآن انزل علی سبعة احرف۔ ما منها حرف الا و له ظهر و بطن و ان علی بن ابی طالب عنده من الظاهر و الباطن۔

ترجمہ: امام ابونعیم اصفہانی حلیہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک قرآن پاک سات حروف پر نازل ہوا ہے کہ اس کے ہر حرف کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس ظاہر کا بھی اور باطن کا بھی علم ہے۔[5]

ان تمام دلائل سے یہ واضح ہوا کہ علم ظاہر کی طرح علم باطن بھی ہمارے دین کا درجہ ہے اور اس کی تعلیم دینا فرائض نبوت میں سے ہے اور زمانہ مصطفی ﷺ میں اس کی باقاعدہ تعلیم و تربیت دی جاتی تھی۔

اب حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ ان دونوں علوم کے باہمی ربط و تعلق کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

من تفقه و لم یتصوف فقد تفسق و من تصوف و لم یتفقه فقد تزندق و من جمع بینهما فقد تحقق۔

ترجمہ: جس نے علم فقہ حاصل کیا اور تصوف سے بے بہرہ رہا پس وہ فاسق ہوا اور جس نے تصوف کو اپنایا مگر فقہ کو نظر انداز کر دیا وہ زندیق ہوا جس

---

[1] (مرقاۃ شرح مشکوۃ کتاب العلم حدیث نمبر ۲۷۰ جلد ۱ ص ۴۷۸ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

[2] (شرح الطیبی علی مشکاۃ المصابیح المسمی الکاشف عن حقائق السنن جلد ۱ ص ۱۶۴ مکتبہ ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیۃ)

[3] (احیاء العلوم الدین جلد ۱ ص ۳۵ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

[4] (مشکوۃ المصابیح کتاب العلم، ص ۳۵ قدیمی کتب خانہ کراچی پاکستان)

[5] (الاتقان فی علوم القرآن النوع الثمانون فی طبقات المفسرین تفسیر الصحابہ۔ حلیۃ الاولیاء و طبقات الاصفیاء جلد ۱ ص ۶۵ دار الکتب العربی بیروت لبنان)

نے دونوں کو جمع کیا پس اس نے حق کو پالیا۔(محقق بنا)۔[1]

حضرت امام ابوطالب المکی علیہ الرحمہ ان دونوں علوم کے ربط وتعلق کو یوں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

هما علمان اوليان لا يستغنى احدهما عن الأخر بمنزلة الاسلام و الايمان مرتبط كل منهما بالأخر كالجسم و القلب لا ينفك احدعن صاحبه۔ (رواه دارمی)

ترجمہ: یہ دونوں علوم اصل ہیں کوئی ایک بھی دوسرے سے مستغنی نہیں ہوسکتا یہ بمنزل ایمان اور اسلام کے ہیں ان کا ایک دوسرے سے تعلق جسم اور دل کی طرح ہے کوئی ایک بھی دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتا۔[2]

اور اسی طرح امام الفقہاء والمجتہدین سید محمد امین ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) نے ان دونوں علوم کے باہمی ربط کو یوں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَهِيَ وَالطَّرِيقَةُ وَالشَّرِيعَةُ مُتَلَازِمَةٌ۔

ترجمہ: اور یہ طریقت اور شریعت لازم وملزوم ہیں۔[3]

امام ابوالقاسم قشیری علیہ الرحمہ شریعت وطریقت کے باہمی ربط کو یوں بیان کرتے ہیں:

و كل شريعة غير مؤيدة بالحقيقة فغير مقبول و كل حقيقة غير مقيدة بالشريعة فغير مقبول۔

ترجمہ: پس جس شریعت کو حقیقت کی تائید حاصل نہ ہو وہ غیر مقبول ہے اور جو حقیقت شریعت سے مقید نہ ہو وہ بھی غیر مقبول ہے۔[4]

الشیخ القاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمہ اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ علم باطن کہاں سے حاصل ہوگا؟ اور اس کا ماخذ ومصدر کیا ہے؟

العلم اللدني المأخوذ من بطون القران و من مشكوة صدر النبي صلى الله عليه وسلم الذي لا سبيل الى دركه الا الانعكاس و اما درك دركه فبعيد عن القياس۔

ترجمہ: علم اللدنی کے حصول کا ذریعہ قرآن کا باطن اور حضور نبی کریم ﷺ کا سینہ اطہر ہے اس علم اللدنی کے حصول کا فقط واحد ذریعہ انعکاس ہے اس کا ادراک کا پتہ چلانا بعید از قیاس ہے۔[5]

بطونِ قرآن اور سینہ مصطفی ﷺ تک رسائی فقط طہارت باطنی سے ہی ممکن ہے اور قرآنی اصطلاح میں طہارت باطنی کو تزکیۂ نفس کا نام دیا گیا ہے اور یہی تزکیۂ نفس انسان کی کامیابی کی ضمانت ہے۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ﴿سورۃ الاعلی ۱۴﴾

ترجمہ: بے شک وہی بامراد ہوا جو (نفس کی آفتوں اور گناہوں کی آلودگی سے) پاک ہوگیا۔

نجيب الطرفين كريم الابوين السيد الشريف الشيخ محى الدين ابى محمد عبد القادر الجيلانى البغدادى الحسنى

---

[1] (مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ۱ ص ۴۷۸ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

[2] (مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ۱ ص ۴۷۸ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان۔ شرح الطیبی علی مشکوۃ المصابیح المسمیالکاشف عن حقائق السنن جلد ۱ ص ۴۵۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

[3] (رد المحتار علی در المختار جلد ۴ ص ۲۳۹ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[4] (الرسالۃ القشیریۃ ص ۱۱۸ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

[5] (التفسیر المظہری جلد ۱ ص ۱۵۲ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

الحسینی قدس سرہ (المتوفی سنہ ۵۶۱ھ) اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تفسیر الجیلانی میں لکھتے ہیں۔

وتطهير عن ادناس الطبائع واكدار الهيولى من الميل الى الدنيا ومافيها من اللذات الفانية والشهوات الغير الباقية وتوجه نحو المولى بالعزيمة الخالصة۔

ترجمہ: اور پاک ہو طبیعتوں کے میل کچیل سے اور مادہ کی کدورتوں سے یعنی دنیا کی طرف مائل ہونے سے اور جو اس میں لذات فانیہ ہیں ان سے اور فانی شہوات سے اور توجہ ہو اپنے مولیٰ کی طرف خالص عزیمت وارادے کے ساتھ (یعنی ہر چیز سے کٹ کر)

اور علامہ اسماعیل حقی علیہ الرحمہ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ﴿سورۃ الاعلی ۱۴﴾ کے تحت لکھتے ہیں:

وفی الأية اشارة الى تطهير النفس عن المخالفات الشرعية وتطهير القلب عن المحبة الدنيوية بل عن ملاحظة الغير والتوجه الى الله تعالى بقدر الاستعداد۔

ترجمہ: اس آیت میں اشارہ ہے کہ نفس کو مخالفتِ شرعیہ سے پاک کرنے اور قلب کو حب دنیا سے اور غیر اللہ کی طرف دیکھنے سے پاک کیا جائے اور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف بقدر استعداد متوجہ کرے۔[1]

اور قرآن مجید میں ایک اور تمام پر تزکیہ نفس سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا (۹) وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ﴿۱۰﴾۔ (الشمس)

ترجمہ: بے شک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو (رذائل سے) پاک کرلیا (اور اس میں نیکی کی نشوونما کی) اور بے شک وہ نامراد ہو گیا جس نے اسے (گناہوں میں) ملوث کرلیا (اور نیکی کو دبا دیا)۔

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

معناه قد افلح من زكى نفسه فاصلحها وحملها على طاعة الله عز وجل۔

ترجمہ: اس کا معنی یہ ہے بے شک وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کرلیا اور اس کی اصلاح کرلی اور اس کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر آمادہ کرلیا۔[2]

تو تزکیہ نفس کرنے سے انسان کے دل میں نور پیدا ہو جاتا ہے جس کو صوفیانہ اصطلاح میں علم باطن کہتے ہیں جیسا کہ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

علم المكاشفة فهو عبارة عن نور يظهر فى القلب عند تطهيره وتزكيه من صفاته المذمومة۔

ترجمہ: علم مکاشفہ نور سے عبارت ہے اور وہ ظاہر ہوتا ہے دل میں اس کے صفاتِ مذمومہ سے طہارت اور پاکیزگی کے وقت۔[3]

اور ان کی مزید وضاحت کرتے ہوئے امام ابی العباس احمد بن محمد بن المہدی ابن عجیبہ الحسنی لکھتے ہیں:

وذالک بعد تطهير القلب من النقائص والرذائل وتفرغه من العلائق والشواغل فاذا كمل تطهير القلب وانجذب الى حضرة الرب فاضت عليه العلوم اللدنية والاسرار الربانية۔

ترجمہ: اور (اس نور کا پیدا ہو جانا) قلب کا نقائص اور رذائل سے پاک ہونے اور دل کا علائق وشواغل سے فارغ ہونے کے بعد ہے۔ پس جب

---

[1] (روح البیان تفسیر القرآن جلد ۱۰ ص ۱۴۱۷ مکتبہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

[2] (تفسیر بغوی المسمی معالم التنزیل جلد ۴ ص ۴۶۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان۔ تفسیر مظہری جلد ۷ ص ۴۶ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

[3] (احیاء العلوم الدین جلد ۱ ص ۳۶ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

دل کی طہارت مکمل ہو جاتی ہے اور اللہ رب العزت کی حضوری نصیب ہوتی ہے تو علم لدنیہ اور اسرار ربانیہ (دل) پر وارد ہونے لگتے ہیں۔[1]

شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وبعضے میگویند کہ این بشارت است برائیان جمال اورا در خواب کہ آخر بعد از ارتفاع کدورات نفسانیہ وقطع علائق جسمانیہ. بمرتبہ کہ بے حجاب کشفا وعیانا د بیداری باین سعادت فائز باشند۔

ترجمہ: بعض ارباب معرفت کہتے ہیں کہ یہ خواب میں جمال محمدی ﷺ کا دیدار کرنے والے خوش بختوں کے لئے بشارت ہے کہ جسمانی کدورتوں کے اٹھ جانے اور جسمانی تعلقات منقطع ہو جانے کے بعد اس مقام کو پہنچ جائیں گے کہ بحالت بیداری کشف اور مشاہدے میں اس سعادت کو حاصل کریں گے۔[2]

اور اسی سے متعلقہ حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد الغزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ المنقذ من الضلال میں لکھتے ہیں:

ووراء العقل طور آخر تنفتح فیہ عین اخری یبصر بھا الغیب وما سیکون فی المستقبل وامورا اخری العقل معزول عنھا۔

ترجمہ: اور ماوراء عقل ایک اور راستہ ہے جس میں دوسری آنکھ کھل جاتی ہے جس کے ذریعے غیب کا ادراک ہوتا ہے اور مستقبل میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات اور دیگر ایسے امور جس سے عقل قاصر ہوتی ہے وہ بھی نظر آنے لگتے ہیں۔[3]

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ الرسالۃ اللدنیہ میں لکھتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما من عبد الا ولقلبہ عینان۔ وھما عینان یدرک بھما الغیب فاذا اراد اللہ تعالی بعبد خیرا فتح عینی قلبہ لیری ما ھو غائب عن بصرہ۔

ترجمہ: ہر بندے کے دل کی دو آنکھیں ہیں۔ جن سے وہ غائب کا ادراک کرتا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے قلب کی دونوں آنکھوں کو کھول دیتا ہے تاکہ وہ ان چیزوں کو بھی دیکھ لے جو اس کی ظاہری آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔[4]

نور باطن کی وسعت کا اندازہ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد سے لگا لیجئے آپ فرماتے ہیں

ومن اول الطریقۃ تبتدئ المشاھدات والمکاشفات حتی انھم فی یقظتھم یشاھدون الملائکۃ وارواح الانبیاء ویسمعون منھم اصواتا ویکتسبون منھم فوائد۔

ترجمہ: اور ابتدائے طریقت میں مکاشفات ومجاہدات شروع ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ عین حالت بیداری میں بھی وہ ملائکہ اور ارواح انبیاء علیہم السلام کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان کی باتیں سنتے ہیں اور ان سے اکتساب فیض کرتے ہیں۔[5]

اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ امت محمدیہ ﷺ میں بہت سے پاکیزہ نفوس اس مقام پر پہنچے جو مجلس نبوی ﷺ میں حاضر اور بارگاہِ نبوی ﷺ سے براہِ راست ہدایت ورہنمائی حاصل کرتے ہیں جیسا کہ علامہ محمد عبدالرؤف المناوی علیہ الرحمہ (المتوفی ۱۰۳۱ھ) حدیث طوبی لمن رانی کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والعارفون یرونہ فی عالم الحس یقظۃ حتی قال الشیخ ابو العباس المرسی :لو احتجب عنی رسول اللہ ﷺ طرفۃ عین ما عددت

---

[1] (تفسیر بحر المدید جلد ۴ ص ۱۷۹ مکتبہ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

[2] (اشعۃ اللمعات جلد ۳ ص ۶۸۵ المکتبۃ الحبیبیۃ کانسی روڈ کوئٹہ)

[3] (مجموعہ رسائل امام غزالی المنقذ من الضلال ص ۶۲ مکتبہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

[4] (مجموعہ رسائل امام غزالی الرسالۃ اللدنیہ ص ۲۲ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

[5] (مجموعہ رسائل امام غزالی المنقذ من الضلال ص دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان۔ تفسیر روح المعانی جز ۲۲ ص ۵۷ المکتبہ الحقانیہ ملتان لاہور)

نفسی من الفقراء وفی روایۃ من المسلمین۔

ترجمہ: عارفین آپ ﷺ کو عالم بیداری میں دیکھتے ہیں یہاں تک کہ حضرت شیخ ابو العباس المرسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر رسول اللہ ﷺ ایک پل کے لئے بھی مجھ سے اوجھل ہوں تو میں اپنے آپ کو (اس وقت) فقراء میں شمار نہیں کرتا اور ایک روایت میں ہے مسلمانوں میں شمار نہیں کرتا۔[1]

امام جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ) حضرت شیخ ابو العباس المرسی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یوں لکھتے ہیں:

وقال الشیخ لو حجب عنی رسول اللہ ﷺ طرفۃ عین ما عددت نفسی من المسلمین

ترجمہ: اگر رسول اللہ ﷺ ایک لمحہ بھر بھی مجھ سے محجوب ہوں تو میں اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار نہیں کرتا۔[2]

عارف باللہ احمد بن محمد بن عجیبہ شرح الحکم میں حضرت الشیخ ابو العباس المرسی کا قول یوں نقل کرتے ہیں:

قال ابو العباس المرسی لی ثلاثون سنۃ ما غاب عنی رسول اللہ ﷺ طرفۃ عین ولو غاب عنی ما اعددت نفسی من المسلمین۔

ترجمہ: ابو العباس المرسی نے فرمایا تیس سال سے میری یہ کیفیت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے ایک پل بھی علیحدہ (غائب) نہیں ہوئے اگر آپ ﷺ مجھ سے اوجھل ہو جائیں تو میں خود کو مسلمانوں میں شمار نہیں کرتا۔[3]

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ الحاوی للفتاوی مین شیخ خلیفہ بن موسی النہر ملکی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وقال ایضا فی ترجمۃ الشیخ خلیفۃ بن موسی النہر ملکی : کان کثیر الرؤیۃ لرسول اللہ ﷺ یقظۃ ومناما فکان یقال ان اکثر افعالہ متلقاۃ منہ بامر منہ اما یقظۃ اما مناما۔ ورأہ فی لیلۃ واحدۃ سبع عشر مرۃ۔

ترجمہ: اسی طرح شیخ خلیفہ بن موسی النہر ملکی کے سوانح حیات میں ہے کہ ان کو حالت بیداری میں رسول اللہ ﷺ کا کثرت سے دیدار ہوتا تھا اور نیند کی حالت میں بھی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے اکثر امور آپ ﷺ سے حاصل شدہ تھے۔ اور آپ ﷺ کے حکم سے تھے وہ احکام یا تو حالت بیداری میں تھے یا حالت خواب میں بھی تھے اور ایک ہی رات میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے آقا علیہ السلام کی سترہ (۱۷) مرتبہ زیارت کی۔[4]

اسی روایت کو امام المحققین عمدۃ المدققین مفتی بغداد حضرت شیخ شہاب الدین سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ تعالی علیہ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) نے بھی تفسیر روح المعانی جلد ۱۱ جز ۲۲ ص ۵۱ پر نقل کیا ہے:

امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۳ھ) حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

والشیخ جلال الدین السیوطی کان یقول. رأیت النبی ﷺ واجتمعت بہ یقظۃ نیفا وسبعین مرۃ۔

ترجمہ: شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی مجلس اور زیارت حالت بیداری میں پچھتر (۷۵) مرتبہ کی۔[5]

علامہ ابی العباس احمد بن محمد بن المہدی ابن عجیبہ الحسینی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۲۴ھ) حضرت الشیخ ابو العباس المرسی کا قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

---

[1] (فیض القدیر شرح الجامع الصغیر جلد ۴ ص ۳۷۰ حدیث ۵۳۰۵ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

[2] (الحاوی للفتاوی جلد ۲ ص ۲۴۶ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

[3] (ابعاد الغمم عن ایقاظ الہمم فی شرح الحکم ص ۱۱۹ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

[4] (الحاوی للفتاوی جلد ۲ ص ۲۵۹ المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ)

[5] (لواقع الانوار القدسیہ فی بیان العہود المحمدیہ ص ۱۶ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

و اهل هذا المقام موجودون فی کل زمان فان القادر فی زمانهم هو القادر فی زماننا۔

ترجمہ: اس مقام و مرتبے والے لوگ ہر زمانے میں موجود ہوتے ہیں پس ان کے زمانہ میں جو (اس مقام پر) فائز رہے وہ ہمارے زمانہ میں بھی پائے گئے ہیں (یعنی کوئی زمانہ ایسے لوگوں سے خالی نہیں رہا)۔[1]

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

و اعلم ان مقام مجالسة رسول الله ﷺ عزیزة جدا و قد جاء شخص الی سیدی علی المرصفی و انا حاضر فقال :یا سیدی قد وصلت الی مقام صوت اری رسول الله ﷺ یقظة ای وقت شئت۔

ترجمہ: جان لے بے شک رسول اللہ ﷺ کی ہم نشینی بہت ہی پیاری ہے اور تحقیق ایک شخص سیدی علی مرصفی کی بارگاہ میں آیا اور میں بھی وہاں موجود تھا اس نے کہا یا سیدی میں ایک ایسے مقام تک پہنچ گیا ہوں جہاں میں حالت بیداری میں جس وقت بھی تمنا کرتا ہوں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کر لیتا ہوں۔[2]

الشیخ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ حضور شہنشاہِ بغداد حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی الحسنی الحسینی کے متعلق الحاوی للفتاوی میں اور شیخ الاسلام امام ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۴ :ھ) فتاوی حدیثیہ میں لکھتے ہیں:

قال الشیخ سراج الدین بن الملقن فی طبقات الاولیاء قال الشیخ عبد القادر الجیلانی رأیت رسول الله ﷺ قبل الظهر فقال لی یا بنی لم لا تتکلم؟ قلت یا ابتاه انا رجل اعجمی کیف اتکلم علی فصحاء بغداد؟ فقال افتح فاک ففتحته فتفل فیه سبعا و قال :تتکلم علی الناس و ادع الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظة الحسنة فصلیت الظهر و جلست و حضر نی خلق کثیر فارتج علی فرایت علیا قائما بازائی فی المجلس فقال لی :یا بنی لم لا تتکلم؟ قلت یا ابتاه قد ارتج علی فقال :افتح فاک ففتحته فتفل فیه ستا فقلت :لم لا تکملها سبعا؟ قال ادبا مع رسول الله ﷺ۔

ترجمہ: شیخ سراج الدین بن الملقن طبقات الاولیاء میں فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ظہر سے پہلے دیکھا آپ ﷺ نے مجھے فرمایا اے میرے بیٹے تم کلام کیوں نہیں کرتے؟ میں نے عرض کی اے میرے حضور! میں عجمی ہوں کیسے بغداد کے فصیح و بلیغ لوگوں کے سامنے تقریر کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا منہ کھولو میں نے منہ کھولا پس آپ نے سات مرتبہ اپنا لعابِ دہن ڈالا اور فرمایا لوگوں کو وعظ و نصیحت کیجئے اور بلائیے اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ۔ پس میں نے نماز ظہر ادا کی اور میں وعظ کیلئے بیٹھا تو بہت زیادہ لوگ جمع ہو گئے، مجھ پر کپکپی طاری ہوئی تو میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے برابر میں اسی مجلس میں دیکھا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ سے فرمایا اے میرے بیٹے آپ کلام کیوں نہیں کرتے؟ میں نے عرض کی دا د احضور! مجھ پر کپکپی طاری ہو رہی ہے تو آپ نے فرمایا اپنا منہ کھولیئے میں نے اپنا منہ کھولا آپ رضی اللہ عنہ نے چھ مرتبہ لعابِ دہن ڈالا میں نے عرض کیا سات مرتبہ مکمل کیوں نہیں فرمایا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے ادب و احترام کی وجہ سے۔[3]

شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حضور شہنشاہِ بغداد سیدنا شیخ عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں:

در بهجة الاسرار باسنادی که در وی دو واسطه بیش نیست روایت کرده که روزی غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر رضی الله عنه بر کرسی نشسته بود و وعظ میفرمود و قریب بده هزار کس در پایهٔ وعظ وی حاضر و شیخ علی بن هیتمی در زیر پائے کرسی شیخ نشست گاه شیخ علی هیتمی را خوابی برد پس شیخ عبدالقادر قوم را فرمود اسکتوا پس همه ساکت شدند تا آنکه جز انفاس از ایشان شنیده نمیشد پس فرود آمد شیخ از کرسی و بایستاد با ادب پیش شیخ علی مذکور و می نگریست در وی پس بیدار شد شیخ علی و گفت شیخ عبدالقادر بادی

---

[1] (تفسیر بحر المدید فی تفسیر القرآن المجید جلد ۳ ص ۳۶۲ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

[2] (لواقح الانوار القدسیه فی بیان العهود المحمدیه ص ۱۶ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

[3] (الحاوی للفتاوی جلد ۲ ص ۲۱۹ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان فتاوی حدیثیہ ص ۳۹۳ قدیمی کتب خانہ تفسیر روح المعانی جلد ۱۱ ص ۵۱ مکتبہ حقانیہ ملتان)

کہ دیدی تو آن حضرت را در خواب گفت نعم فرمود از ین جہت ادب در زیدم با تو ایستادیم در پیش تو فرمود بچہ وصیت کرد ترا آن حضرت ﷺ گفت بملازمت من مجلس ترا پس شیخ علی گفت انچہ من در خواب دیدم شیخ عبد القادر در بیداری دید و روایت کردہ اند کہ ہفت کس از مردان راہ در آن روز از عالم رفتند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

ترجمہ: صاحب بہجۃ الاسرار اپنی ایسی سند سے روایت کرتے ہیں کہ جس میں صرف دو واسطے ہیں کہ ایک دن غوث الثقلین شیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ عنہ کرسی پر بیٹھے ہوئے وعظ فرما رہے تھے تقریباً دس ہزار افراد مجلس وعظ میں حاضر تھے۔ شیخ علی ہیتی حضرت شیخ کی کرسی کے پائے کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ شیخ علی بن ہیتی کو نیند آ گئی حضرت شیخ عبد القادر رضی اللہ عنہ نے حاضرین کو خاموشی کا حکم دیا سب لوگ خاموش ہو گئے حالت یہ تھی کہ سانس لینے کی آوازوں کے علاوہ کچھ سنائی نہ دیتا تھا حضرت شیخ عبد القادر رضی اللہ عنہ کرسی سے نیچے اترے اور شیخ علی ہیتی کے سامنے باادب کھڑے ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔ شیخ علی بیدار ہوئے تو حضرت شیخ نے کہا تمہیں خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہاں! فرمایا: اسی لئے میں تمہارے سامنے باادب کھڑا تھا تمہیں نبی کریم ﷺ نے کیا نصیحت فرمائی؟ کہنے لگے کہ آپ کی مجلس میں باقاعدہ حاضری دیا کروں شیخ علی نے کہا کہ جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا حضرت شیخ عبد القادر رضی اللہ عنہ نے بیداری میں دیکھا روایت کرتے ہیں کہ اس دن مردانِ خدا میں سے سات افراد اس دنیا سے چلے گئے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔[1]

شیخ محقق محدثِ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

و در مواہب لدنیہ گفتہ کہ ابن منصور در رسالہ خود نوشتہ کہ در آمد شیخ ابو العباس قسطلانی بر آن حضرت پس دعا کرد آن حضرت او را فرمود (اخذ اللہ بیدک یا احمد) ترجمہ: مواہب لدنیہ میں ہے کہ ابن منصور نے اپنے رسالے میں لکھا کہ شیخ ابو العباس قسطلانی حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے ان کے لئے دعا کی اور فرمایا اے احمد اللہ تعالیٰ تمہارا ہاتھ پکڑ لے۔[2]

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ مزید شیخ ابو مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

و از شیخ ابو المسعود آوردہ کہ مصافحہ میکرد آن حضرت را بعد از ہر نماز۔

ترجمہ: شیخ ابو المسعود رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بیان کیا کہ وہ ہر نماز کے بعد نبی کریم ﷺ سے مصافحہ کیا کرتے تھے۔[3]

فقہاء، مفسرین، محدثین اور جلیل القدر بزرگانِ دین (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) کے ان تمام دلائل اور ان تمام روایات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صوفیاء کرام کو حضور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ کی حضوری نصیب ہوتی ہے اور حضور پاک ﷺ انہیں باقاعدہ تعلیم و تربیت دیتے ہیں جیسا کہ سورۃ الجمعہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿الجمعة ۲﴾

ترجمہ: وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں میں سے ایک (باعظمت) رسول (ﷺ) کو بھیجا وہ ان پر اس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان (کے ظاہر و باطن) کو پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں بے شک وہ لوگ ان (کے تشریف لانے) سے پہلے

---

[1] (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد ۳ ص ۶۸۴ مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ پاکستان)

[2] (اشعۃ اللمعات جلد ۳ ص ۶۸۴ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

[3] (اشعۃ اللمعات جلد ۳ ص ۶۸۴ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

کھلی گمراہی میں تھے۔

وَاٰخَرِینَ مِنۡهُمۡ لَمَّا یَلۡحَقُوا بِهِمۡ وَهُوَ الۡعَزِیزُ الۡحَکِیمُ ﴿جمعة ۳﴾

ترجمہ: اوران میں سے دوسرے لوگوں میں بھی (اس رسول ﷺ کو تزکیہ وتعلیم کے لئے بھیجا ہے) جو ابھی ان لوگوں سے نہیں ملے (جو اس وقت موجود نہیں ہیں یعنی ان کے بعد کے زمانے میں آئیں گے) اور وہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے۔

امام فخر الدین محمد بن حسن بن حسین ابن علی التمیمی الرازی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۰۶ ھ) ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ویعلمهم ای ویعلمهم ویعلم آخرین منهم۔

ترجمہ: یعنی آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی تعلیم دیتے ہیں اور بعد میں آنے والوں کو بھی تعلیم فرماتے ہیں۔[1]

امام ابی عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر القرطبی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۱ ھ) ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ویزکیهم ویعلمهم ای یعلمهم ویعلم آخرین من المؤمنین۔

ترجمہ: آپ ﷺ انہیں پاک بھی فرماتے ہیں اور تعلیم بھی دیتے ہیں اور بعد والے مؤمنین کا بھی تزکیہ اور تعلیم فرماتے ہیں۔[2]

دیوبند مکتبۂ فکر کے ایک بہت بڑے محدث اور شارح بخاری شیخ انور شاہ کشمیری (متوفی ۱۳۵۲ھ) فیض الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:

ویمکن عندی رؤیته ﷺ یقظة لمن رزقه الله سبحانه کما نقل عن السیوطی رحمة الله علیه کان زاهدا متشددا فی الکلام علی بعض معاصریه ممن له شأن۔ انه رآه ﷺ اثنین وعشرین مرة وسأله عن احادیث ثم صححها بت تصحیحه ﷺ وکتب الیه الشاذلی یستشفع به ببعض حاجته الی سلطان الوقت وکان یوقره فابی السیوطی رحمة الله علیه ان یشفع له وقال انی لا افعل وذلک لان فیه ضرر نفسی وضرر الامة لانی زرته ﷺ غیر مرة ولا اعرف فی نفسی امرا غیر انی لا اذهب الی باب الملوک فلو فعلت امکن ان احرم من زیارته المبارکة۔ فانا ارضی بضررک الیسیر من ضرر الامة الکثیر۔ والشعرانی رحمة الله علیه ایضا کتب انه راه ﷺ وقرأ علیه البخاری فی ثمانیة دفعة معه ثم سماهم وکان واحد منهم حنفیا وکتب الدعاء الذی ترأه عند ختمه فالرؤیة یقظة متحققة وانکارها جهل۔

ترجمہ: میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا بیداری میں دیدار کرنا ہر اس شخص کے لئے ممکن ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت عطا فرمائی جس طرح حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ زاہد تھے اور اپنے بعض معاصرین پر کلام میں متشدد تھے اس کے لئے یہ شان ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بائیس ۲۲ مرتبہ (صحیح پچھتر بار ہے) زیارت کی اور آپ ﷺ سے بعض احادیث کی صحت کے متعلق سوال کیا اور جب آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ صحیح ہیں تو حافظ سیوطی نے ان کو صحیح قرار دیا اور شاذلی نے سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ حاکم وقت کے پاس اس کی شفاعت کریں تو حافظ سیوطی نے انکار کر دیا اور کہا اگر میں حاکم کے دربار میں گیا تو میں رسول اللہ کی شفاعت سے محروم ہو جاؤں گا اور اس سے امت کا بہت نقصان ہوگا۔ اور علامہ شعرانی نے بھی بیداری میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی اور آٹھ ساتھیوں کے ساتھ آپ ﷺ سے صحیح بخاری پڑھی ان آٹھ میں سے ایک حنفی تھا لہٰذا بیداری میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ثابت ہے اور اس کا انکار کرنا جہل ہے۔[3]

---

[1] (التفسیر الکبیر جلد ۵ ۱ ص ۵ جز ۳۰ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

[2] (الجامع الاحکام القرآن جلد ۲۰ ص ۴۵۳ الرسالة العالمیة)

[3] (فیض الباری شرح صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۹۲ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

امام یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ محمد ابو المواہب الشاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں: محمد ابو المواهب الشاذلی :احد اكابر العارفين ائمة العلماء العاملين ومن كراماته انه كان كثيرا رؤيا للنبی ﷺ فی المنام حتی كانه لا يفارقه وحتی كانه يراه فی اليقظة وقد جمع مرائيه فی كتاب طالعت من اوله الی آخره فرأيته حقيقة من اعظم الكرامات لهذا العارف حتی انه يری النبی ﷺ فيتذاكر معه فی امر ثم يراه فی منام آخر فيكمل له الحديث الذی ابتداه فی المنام قبله بل ذكر بعضهم انه كان يجتمع به ﷺ يقظة وانه تلقی منه عليه السلام حزب الفردانية يقظة۔

ترجمہ: محمد ابو المواہب شاذلی رحمۃ اللہ علیہ بڑے عارفین اور باعمل عالموں میں سے ایک تھے اور آپ کی کرامات میں سے یہ کہ وہ خواب میں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت بکثرت کیا کرتے تھے گویا آپ ﷺ سے جدا بھی نہ ہوتے تھے حتی کہ بیداری میں بھی آپ ﷺ کی زیارت سے مستفیض ہوتے تھے امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے بہت سے خواب اور ان کے بڑے فوائد طبقاتِ کبری میں لکھے ہیں۔ اور میں نے اس کتاب کو اول سے آخر تک پڑھا ہے میں نے عارف کی سب سے بڑی کرامت یہ پائی کہ بسا اوقات ایسا بھی ہوا ہے آپ رحمۃ اللہ علیہ افضل الانبیاء والمرسلین ﷺ کی زیارت کرتے اور کسی معاملے میں عرض ومعروض کرتے تھے پھر دوبارہ خواب میں زیارت کرتے تو سید المخلوقات سیدنا حضرت محمد مصطفی ﷺ اسی حدیث کو جو پہلے خواب میں فرمائی تھی مکمل فرما دیتے۔ بعض حضرات نے نقل کیا ہے کہ آپ نے خود حضرت صادق الامین ﷺ سے الحزب الفردانیہ بیداری میں پڑھی ہے۔[1]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اخبار الاخیار فی اسرار الابرار میں شیخ سلمان ابن عنان المندوی الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں: و در معاملۂ قرآن را پیش آن سرور ﷺ تجوید نمود۔

ترجمہ: قرآن مجید آپ رحمۃ اللہ علیہ نے عالم واقعہ میں حضور نبی کریم ﷺ کے حضور میں پڑھا تھا۔[2]

سلطان العارفین برہان الواصلین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۰۲ :ھ) نور الہدیٰ کلاں میں لکھتے ہیں:

شریعت آراہی ست کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ رفتہ باشد قدم بر قدم محمدی ﷺ شب و روز پیاپی خود را مدخل مجلس حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ساند و ہر علم نص وحدیث در مجلس حضور حیات النبی ﷺ خواند۔

ترجمہ: شریعت وہ راہ ہے کہ جس پر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا مزن رہے اس لئے جو شخص حضور ﷺ کے نقش قدم پر چل کر رات دن ان کی پیروی کرتا رہتا ہے وہ آخر کار مجلس محمد ﷺ میں جا پہنچتا ہے اور وہاں سے نص وحدیث کا تمام علم پڑھ لیتا ہے۔[3]

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور امام الفقہاء والمحدثین شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیثمی المکی (المتوفی ۹۷۴ :ھ) فتاوی حدیثیہ میں سید علی وفا رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں:

وحكی ابن فارس عن سيدی علی وفا قال :كنت وانا ابن خمس سنين اقرا القرآن علی رجل فاتيته مرة فرايت النبی ﷺ يقظة لا مناما وعليه قميص ابيض قطن ثم رايت القميص علیّ فقال لی :اقرأ فقرأت عليه سورة والضحی والم نشرح ثم غاب عنی فلما ان بلغت احدی وعشرين سنة احرمت بصلاة الصبح بالقرافة فرأيت النبی ﷺ قبالة وجهی فعانقنی فقال :واما بنعمة

---

[1] (جامع کرامات الاولیاء جلد ۱ ص ۲۳۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

[2] (اخبار الاخیار فی اسرار الابرار ص ۲۲۱ مطبع دہلی)

[3] (نور الہدیٰ کلاں ص ۲۳۶ العارفین پبلی کیشنز لاہور پاکستان)

ربک فحدث۔ فأوتیت لسانہ من ذلک الوقت انتھی۔

ترجمہ: سید علی وفا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں پانچ برس کا تھا اور ایک شخص کے پاس قرآن مجید پڑھتا تھا اور ایک دن میں نے دیکھا کہ اس شخص کے پاس حضرت سرکار مدینہ ﷺ سفید کرتہ پہنے جلوہ افروز ہیں اور میں نے یہ سر کی آنکھوں سے بیداری میں دیکھا آپ ﷺ نے مجھے فرمایا پڑھ پس میں نے آپ ﷺ کو سورہ والضحیٰ اور سورہ الم نشرح پڑھ کر سنادیں پھر آپ ﷺ غائب ہو گئے جب میں ۲۱ برس کا ہوا تو شہر قرافہ میں نماز فجر کے لئے تکبیر کہہ چکا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ نے سامنے تشریف لا کر مجھ سے مصافحہ فرمایا اور فرمایا :واما بنعمۃ ربک فحدث۔ پس اسی وقت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے حضوری عطا فرمائی۔[1]

ذرا سوچیں! انسان تصور و تخیل ان لوگوں کی کیفیات کو اپنی گرفت میں کیسے لا سکتا ہے؟ جو عالم علمی مسائل میں بھی حضور پر نور ﷺ سے رہنمائی لیتے ہوں ان کی زندگیوں میں علم و عمل اعتقاد اور تقویٰ میں پختگی کا عالم کیا ہوگا؟

ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ علمائے ظاہر کے پاس حدیث مبارکہ کی معلومات کا ذریعہ زبانی قیل وقال کی روایت ہیں جن کے راویوں پر بحث وتنقید کی گنجائش ہے اس لئے انہوں نے ان کی روایات کی صحت کے لئے نہایت ہی قابل تحسین احتیاطی طریقہ وضع کیا ہے جبکہ علماء باطن (صوفیاء) کا ذریعہ علم باطن میں مجلس محمدی ﷺ کی دائمی حضوری اور کشف ہے۔ دائمی حضوری کے متعلق امام جلال الدین سیوطی الحاوی للفتاویٰ میں لکھتے ہیں:

کان للشیخ ابی العباس المرسی رحمۃ اللہ علیہ و وصلۃ بالنبی ﷺ اذا سلم علی النبی ﷺ رد علیہ السلام ویجاوبہ اذا تحدث معہ۔

ترجمہ: شیخ ابو العباس المرسی نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر نبی کریم ﷺ پر سلام پیش کرتے تو آپ ﷺ اس کا جواب دیتے اور جب کوئی بات آپ ﷺ سے عرض کرتے تو اس کا جواب بھی ارشاد فرماتے۔[2]

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

انہ حضر مجلس فقیہ فروی ذلک الفقیہ حدیثا فقال لہ الولی :ھذا الحدیث باطل فقال الفقیہ :ومن این لک ھذا فقال ھذا النبی ﷺ واقف علی راسک یقول انی لم اقل ھذا الحدیث و کشف للفقیہ فرأہ۔ ترجمہ: ایک بزرگ ایک فقیہ کی مجلس میں درس میں حاضر ہوئے فقیہ نے ایک حدیث پڑھی اس بزرگ نے فرمایا کہ یہ حدیث باطل ہے فقیہ نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ اس بزرگ نے فرمایا کہ حضور نبی کریم ﷺ یہ تیرے سر کے پاس تشریف فرما ہیں اور فرمارہے ہیں کہ میں نے یہ حدیث نہیں فرمائی بعد میں اس بزرگ نے اس فقیہ کو بھی زیارت کروادی۔[3]

تو یہ بات ذہن نشین کرلے کہ محققین کے نزدیک بنیادی طور پر علم کے حصول کے ذرائع چار ہیں۔ ۱۔حواس خمسہ۔ ۲۔عقل۔ ۳۔کشف والہام۔ ۴۔ وحی۔

حواس کی رسائی فقط محسوسات تک محدود ہے۔ مدرکاتِ حسی سے ماوراء حقائق کے لئے حواس خمسہ علم کا ذریعہ بن سکتے ہیں اسی طرح عقل کا دائرہ بھی محدود ہے اس کی رسائی صرف معقولات تک محدود ہے۔ عقل کا ادراک بھی حواس خمسہ کے ذریعے علم حاصل کئے بغیر پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا اس کے بعد علم کے حصول کا تیسرا ذریعہ کشف والہام ہے۔

---

[1] (فتاوی حدیثیہ ص ۲۹۳ قدیمی کتب خانہ کراچی پاکستان۔ الحاوی للفتاوی جلد ۲ ص ۲۶۱ المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ)

[2] (الحاوی للفتاوی جلد ۲ ص ۲۴۶ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

[3] (الحاوی للفتاوی جلد ۲ ۲۴۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

عالم طبیعیات میں جو تمام تر حقائق وموجودات ہیں خواہ ان کا شمار محسوسات میں ہو یا معقولات میں ہو زمانی ہو یا مکانی، صوفیانہ کشف والہام کے ذریعے صوفیاء کو عالم مابعد الطبیعیات کا ادراک ومعرفت ہوتی ہے تو یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ حواس اور عقل دونوں مل کر بھی حتمی اور قطعی علم مہیا نہیں کر سکتے لیکن ان کے حرمانِ قطعیت اور نقصانِ ادراک ومعرفت کے باوجود انہیں ذریعہ علم کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا ہے تو پھر کشف والہام کو ذریعۂ علم کی حیثیت سے ماننے میں کیا چیز مانع ہو سکتی ہے؟

علم کے حصول کا چوتھا ذریعہ وحی ہے جو کشف والہام سے بھی اعلیٰ اور سب سے مضبوط حتمی قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ جب صوفی تزکیہ اور تصفیہ میں کمال حاصل کر لیتا ہے اور وہ مدارج ولایت کے اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس کا کشف مشمولات وحی کے مطابق وموافق ہو جاتا ہے اور یہی مطابقت وموافقت اس کے کشف کے صحیح ہونے کی دلیل ہوتی ہے جیسا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال الشیخ محی الدین بن العربی :انه بلغنی عن النبی ﷺ ان من قال لا اله الا الله سبعین الفا غفر له و من قیل له غفر له ایضا فکنت ذکرت التهلیلة بالعدد المروی من غیر ان انوی لاحد بالخصوص بل علی الوجه الاجمالی فحضرت طعاما مع بعض الاصحاب و فیهم شاب مشهور بالکشف فاذا هو فی اثناء الاکل اظهر البکاء فسالته عن السبب فقال اری امی فی العذاب فوهبت فی باطنی ثواب التهلیلة المذکورة لها فضحک و قال انی اراها الآن فی حسن المآب قال الشیخ فعرفت صحة الحدیث بصحة کشفه و صحة کشفه بصحة الحدیث۔

ترجمہ: شیخ محی الدین ابن عربی نے کہا مجھے نبی کریم ﷺ سے یہ روایت پہنچی کہ جس شخص نے ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھا اس کی مغفرت کر دی جائے گی اور جس کو اس کا ثواب بخش دیا گیا اس کی بھی مغفرت کر دی جائے گی تو میں نے ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور میں نے بالخصوص کسی شخص کے لئے اس کو بخشنے کی نیت نہیں کی پھر اتفاق سے میں بعض احباب کی ایک دعوت میں شریک ہوا ان میں ایک نوجوان تھا جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ اس کو کشف ہوتا ہے۔ اچانک وہ کھانے کے درمیان رونے لگا میں نے اس کے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا میں نے اپنی ماں کو عذاب میں مبتلا دیکھا ہے میں نے دل ہی دل میں ستر ہزار بار پڑھے ہوئے لا الہ الا اللہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا پھر وہ نوجوان ہنسنے لگا اور کہا اب میں اپنی ماں کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں۔ شیخ ابن عربی نے کہا! میں اس حدیث کی صحت کو اس نوجوان کے کشف سے جان لیا اور اس نوجوان کے کشف کی صحت کو اس حدیث کی صحت سے جان گیا۔[1]

اسی وجہ سے ان صوفیاء کرام کی نقل کردہ روایات کا انکار نہیں کرنا چاہتے جن کی ولایت امت محمدیہ ﷺ کے نزدیک مسلمہ ہے کیونکہ ان نفوس قدسیہ کو اللہ جل شانہ اور اس کے محبوب ﷺ کی بارگاہ کی حضوری نصیب ہوتی ہے اور وہ ہر چیز ان کے حکم واجازت سے لکھتے ہیں جیسا کہ سلطان العارفین حضرت سخی سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کلید التوحید خورد میں لکھتے ہیں:

کسی را کہ عقل باشد و دانش وشعور تمام است کہ این کتاب بہ حکم اللہ تعالیٰ واز نظر رحمت اللہ تعالیٰ قدم ومنظور شدہ بہ اجازت حضرت محمد ﷺ رقم حضور شدہ کہ ہر حرف این کتاب حضوری شایدہ حق بخشد و ہر سطر ازین کتاب از اسرار مشاہداتِ تجلیات نور حق ذات بابرکت از برکت اسم اللہ ذات وآیات کلام اللہ شریف وشریعت نبی محمد ﷺ می کشاید۔

ترجمہ: جس کسی کو عقل ہے اور وہ کامل دانائی اور شعور کا مالک ہے تو اس کے لئے یہ بات کامل حجت ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے حکم اور نگاہِ رحمت کے تحت لکھی گئی ہے اور یہ حضرت محمد ﷺ کی بارگاہ سے منظور شدہ ہے اور انہی کی اجازت سے تحریر کیا جاتا ہے کہ اس کتاب کا ہر حرف شاہدہ حق

---

[1] (مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ۳ ص ۲۰۰ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

کی حضوری بخشا ہے اور اس کی ہر سطر ان بھیدوں میں سے ایک بھید ہے جو نورِ ذاتِ حق کی بابرکت تجلیات کے شاہدے میں پائے جاتے ہیں۔ اسم اللہ ذات و آیات قرآن اور شریعت محمدی ﷺ کی برکات سے اس کی ہر سطر یہ بھید کھلتے ہیں۔

اس بات کی مزید تائید ہمیں اپنے اسلاف کے طرزِ عمل سے ملتی ہے مثال کے طور پر اگر آپ تخریج کی کتابوں کا مطالعہ کریں تو آپ کو جگہ جگہ **لم اقف علیہ** میں اس پر واقف نہیں ہوں۔ **لم اقف علیہ بھذا اللفظ** میں اس لفظ پر مطلع نہیں ہوں۔ **لم اقف بھذا الحدیث** میں اس حدیث پر مطلع نہیں ہوں۔ **لم اقف علی اسنادہ** میں اس کی اسناد پر مطلع نہیں ہوں **لم ار** ی میں نے نہیں دیکھی **لا اعرف من الاسناد** میں اس کی اسناد کو پہچانتا نہیں ہوں **لا اعرف بھذا الحدیث** میں اس حدیث کو نہیں جانتا۔ وغیرہ اس قسم کے مختلف الفاظ آپ کو بکثرت ملیں گے۔ اسلاف کا یہ طرزِ تحریر ہم پر واضح کر رہا ہے کہ انہوں نے مطالعہ کی کمی کی نسبت اپنی ذات کی طرف کی ہے نہ کہ بزرگوں کے علم کی نفی۔ جب وہ حدیث کی سند کسی کتاب میں نہیں پاتے تو یہ نہیں کہتے کہ یہ حدیث ہی نہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس کی سند نہیں ملی اس کی مزید وضاحت کے لئے میں اپنی گفتگو کے بجائے زیادہ مناسب سمجھتا ہوں کہ اس جگہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فتوی کا طویل اقتباس پیش کروں۔ اعلیٰ حضرت فتاوی رضویہ میں ایک سوال کے جواب کے ضمن میں اس بات کی بھی وضاحت فرماتے ہیں جو اپنی کم علمی کی وجہ سے سلف صالحین کی نقل کردہ احادیث کا انکار کرتے ہیں آپ انکا محاسبہ فرماتے ہیں۔[1]

جس امر پر اپنی قاصر نظر ناقص تلاش میں حدیث نہیں پاتے اس پر بے اصل و بے ثبوت ہونے کا حکم لگا دیتے اور اس کے ساتھ ہی صرف اس بنا پر اسے ممنوع و ناجائز ٹھہرا دیتے ہیں پھر اس طوفان بے ضابطگی کا وہ جوش ہوتا ہے کہ اس اپنے نہ پانے کے مقابل علماء و مشائخ کی تو کیا گنتی حضرت عالیہ آئمہ مجتہدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ارشادات بھی پایۂ اعتبار سے ساقط اور ان کے احکام کو بھی یونہی معاذ اللہ باطل وغیر ثابت بناتے ہیں یہ وہ جہالت بے مزہ ہے جسے کوئی ادنیٰ عقل والا بھی قبول نہیں کرسکتا۔ ان حضرات سے کوئی اتنا پوچھنے والا نہیں کہ کے آمدی و کے پیر شدی کب آئے اور کب بوڑھے ہوئے۔ بڑے بڑے اکابر محدثین ایسی جگہ **لم ار و لم اجد** پر اقتصار کرتے ہیں یعنی میں نے نہیں دیکھی اور مجھے نہیں ملی نہ کہ تمہاری طرح عدم وجدان کو عدم وجود کی دلیل ٹھہرا دیں۔

صاحبو! لاکھوں حدیثیں اپنے سینے میں لئے گئے کہ اصلا تدوین میں بھی نہ آئیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو چھ لاکھ حدیثیں حفظ تھیں۔ امام مسلم کو تین لاکھ پھر صحیحین میں صرف سات ہزار حدیثیں ہیں۔ امام احمد کو دس لاکھ حدیثیں محفوظ تھیں، مسند میں فقط تیس ہزار ہیں۔ خود شیخین وغیرہم آئمہ سے منقول ہے کہ ہم سب احادیث صحاح کا استیعاب نہیں چاہتے اور اگر ادعائے استیعاب فرض کیجئے تو لازم آئے کہ افراد بخاری، امام مسلم اور افراد مسلم، امام بخاری اور صحاح افراد سنن اربعہ دونوں اماموں کے نزدیک صحیح نہ ہوں، اور اگر اس ادعا کو آگے بڑھائیے تو یونہی صحیحین کی وہ متفق علیہ حدیثیں جنہیں امام نسائی نے مجتبیٰ میں داخل نہ کیا ان کے نزدیک حلیہ صحت سے عاری ہوں وھو کما تری یہ وہ چیز ہے جسے تم جانتے ہو۔

صحیح بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ما من اصحاب النبی ﷺ احد اکثر حدیثا عنہ منی الا ما کان من عبد اللہ بن عمرو فانہ کان یکتب و لا اکتب۔[2]

ترجمہ: اصحابِ نبی ﷺ میں سے کسی نے حضور اقدس ﷺ سے مجھ سے زیادہ حدیثیں روایت نہ کیں سوائے عبد اللہ ابن عمرو رضی اللہ عنہما کے کیونکہ وہ لکھ لیا کرتے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

---

[1] (فتاوی رضویہ جلد ۲۲ ص ۲۹۳ تا ۳۰۵)

[2] (صحیح بخاری کتاب العلم باب کتابہ العلم ص دار المعرفۃ بیروت لبنان)

دیکھوحضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ واضح طور پر فرماتے ہیں کہ : حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے ان سے زیادہ احادیث روایت فرمائیں۔حالانکہ تصانیف محدثین میں ان کی حدیثیں ان کی احادیث سے بدرجہا کم ہیں۔عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے صرف سات سو حدیثیں پائی گئی ہیں اور سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پانچ ہزار تین سو (۵۳۰۰) احادیث روایت کی گئی ہیں۔اب کہیے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی وہ ہزاروں حدیثیں کیا ہوئیں اور کتب حدیث میں ان میں سے کتنی ہاتھ آئیں۔امام اجل ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ (جنہیں محدثین اہل جرح وتعدیل بھی باآنکہ ان میں بہت کو حضرات حنفیہ کرام سے ایک تعنت ہے تصریحا صاحب حدیث منصف فی الحدیث و اتبع القوم للحدیث لکھتے ہیں، بلکہ اپنے زعم میں امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ سے بھی زیادہ محدث کثیر الحدیث جانتے ہیں۔امام ذہبی شافعی نے اس جناب کو حفاظ حدیث میں شمار کیا اور کتب تذکرۃ الحفاظ میں بعنوان الامام العلامہ فقیہ العراقین ذکر کیا) یہ ارشاد فرماتے ہیں : بارہا ہوتا کہ امام ایک قول ارشاد فرماتے کہ میری نظر میں حدیث کے خلاف ہوتا میں جانب حدیث جھکتا بعد تحقیق معلوم ہوتا کہ حضرت امام نے اس حدیث سے فرمایا ہے جو میرے خواب میں بھی نہ تھی۔اب جو حدیثیں تدوین میں آئیں ان میں سے فرمائیے کتنی باقی ہیں۔صدہا کتابیں کہ آئمہ دین نے تالیف فرمائیں محض بے نشان ہوگئیں اور یہ آج سے نہیں ابتداء ہی سے ہے۔امام مالک کے زمانے میں اسی (۸۰) علماء نے مؤطا لکھیں پھر سوائے موطائے مالک موطائے ابن وہب کے اور بھی کسی کا پتہ باقی ہے۔

امام محقق علی الاطلاق کمال الدین ابن الہمام نے جن کی جلالتِ قدر آفتاب نیم روز سے اظہر جب بعض احادیث کہ مشائخ کرام نے ذکر کیں نہ پائیں یوں فرمایا :لعل قصور نظرنا اخفاھما عنا۔امید ہے کہ ہماری نظر کے قصور نے انہیں ہم سے چھپالیا۔

دیکھو علماء یوں فرماتے ہیں۔اور جاہلوں کے دعوے وہ طویل وعریض ہوتے ہیں۔

حدیث اختلاف امتی رحمۃ (میری امت کا اختلاف رحمت ہے) امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے حافظ جلیل نے کتاب جامع صغیر میں ذکر فرمائی اور اس کا کوئی مخرج نہ بتا سکے کہ کس محدث نے اپنی کتاب میں روایت کی ان بعض علماء کے نام لکھ کر جنہوں نے بے سند اپنی کتابوں میں اسے ذکر کیا اور لکھ دیا کہ لعلہ خرج فی بعض کتب الحفاظ التی لم تصل الینا۔شاید وہ حافظانِ حدیث کی بعض کتابوں میں روایت کی گئی جو ہم تک نہ پہنچیں۔

یہ وہ امام ہیں کہ فن حدیث میں جن کے بعد ان کا نظیر نہ آیا جنہوں نے کتاب جمع الجوامع تالیف فرمائی اور اس کی نسبت فرمایا :قصدت فیہ جمیع الاحادیث النبویۃ باسرھا۔میں نے ارادہ کیا کہ اس میں تمام احادیث نبویہ جمع کروں۔

اس پر بھی علماء نے فرمایا:

ھذا یحسب ما اطلع علیہ المصنف لا باعتبار ما فی نفس الامر قالہ المناوی۔یہ وہ اپنے علم کے اعتبار سے کہتے ہیں نہ یہ کہ واقع میں جس قدر حدیثیں ہیں سب کا جمع کرنا۔وہ اپنے نہ پانے پر یو فرماتے کہ شاید یہ حدیث ان کتب آئمہ میں تخریج ہوئی جو ہمیں نہ ملیں اور پھر دیکھئے ہوا بھی ایسا ہی۔عبارت مذکورہ کے بعد علامہ مناوی صاحب تیسیر شرح جامع صغیر میں لکھ دیا کہ الامر کذلک یعنی واقعی ایسا ہے۔پھر اس کی تخریج بتائی کہ بیہقی نے مدخل اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بروایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی اور اس حدیث کی سند پر نہ صرف امام سیوطی بلکہ اکثر ائمہ کو اطلاع نہ ہوئی۔امام خاتم الحفاظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں :زعم کثیر من الائمۃ انہ لا اصل لہ۔بہت سے اماموں نے یہی زعم کیا کہ اس کے لئے کوئی سند نہیں۔پھر امام عسقلانی نے اس کی بعض تخریجیں ظاہر فرمائیں۔حدیث الوضوء علی الوضوء نور علی نور۔وضو پر وضو کرنا نور علی نور ہے۔(مذکورہ حدیث) کی نسبت امام عبدالعظیم منذری نے کتاب الترغیب اور امام عراقی نے تخریج احادیث الاحیاء میں

تصریح کردی کہ لم نقف علیہ ہمیں اس پر اطلاع نہیں حالانکہ وہ مسند امام رزین میں موجود۔ تیسیر میں ہے :حدیث الوضوء علی الوضو نور علی نور اخرجہ رزین و لم یطلع علیہ العراقی کالمنذری فقالا لم نقف علیہ۔ وضو پر وضو کرنا نور علی نور ہے یہ وہ حدیث ہے جس کی تخریج حضرت رزین نے کی ہے اور منذری کی طرح امام عراقی اس پر مطلع نہیں ہیں۔ تو انہوں نے کہا ہم اس پر واقف نہیں ہیں۔

اس سے عجیب تر سنیے۔ حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہ انہوں نے رکوع میں دونوں ہاتھ ملا کر زانوں کے بیچ میں رکھے اور بعد نماز کے فرمایا :ھکذا فعل رسول اللہ ﷺ۔ ایسا ہی کیا رسول اللہ ﷺ نے۔ اس کی نسبت امام ابوعمر بن عبدالبر نے فرمایا :نبی کریم ﷺ کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔ محدثین کے نزدیک صرف اس قدر صحیح ہے کہ عبداللہ بن مسعود نے ایسا کیا۔ اور امام اجل ابوذکریا نووی شارح صحیح مسلم رحمۃ اللہ علیہ سے تو کتاب الخلاصہ میں سخت ہی تعجب خیز بات واقع ہوئی کہ فرمایا صحیح مسلم شریف میں صرف اسی قدر ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا اور یہ نہیں کہ :ھکذا فعل رسول اللہ ﷺ۔ حالانکہ بعینہ یہی الفاظ صحیح مسلم میں موجود، امام محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں:

فی صحیح مسلم عن علقمۃ و الاسود انھما دخلا علی عبد اللہ فقال اصلی من خلفکما قالا نعم فقام بینھما فجعل احدھما عن یمینہ و الاخر عن شمالہ ثم رکعنا فوضعنا ایدینا علی رکبنا ثم طبق بین یدیہ ثم جعلھما بین فخذیہ فلما صلی قال ھکذا فعل رسول اللہ ﷺ۔ قال ابن عبد البر لا یصح رفعہ و الصحیح عندھم الوقف علی ان مسعود رضی اللہ عنہ و قال النووی فی الخلاصۃ الثابت فی صحیح مسلم ان ابن مسعود فعل ذلک و لم یقل ھکذا کان رسول اللہ ﷺ یفعلہ قیل کانھما ذھلا فان مسلما اخرجہ من ثلث طرق لم یرفعہ فی الاولین و رفعہ فی الثالثۃ و قال ھکذا فعل۔

ترجمہ: صحیح مسلم میں حضرت علقمہ اور اسود سے روایت ہے یہ دونوں حضرات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے کہا کیا دوسروں نے نماز پڑھ لی ہے دونوں نے عرض کی ہاں حضور۔ پھر آپ دونوں کے بیچ میں کھڑے ہو گئے ایک کو داہنے طرف دوسرے کو بائیں طرف کر لیا پھر ہم سب نے رکوع کیا تو ہم نے اپنے ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا پھر دونوں ہاتھ کو ملایا پھر انہیں دونوں رانوں کے بیچ میں رکھ دیا جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے فرمایا :ایسے ہی رسول اکرم ﷺ نے کیا۔ ابن عبدالبر نے کہا :اس روایت کا حضور ﷺ تک پہنچنا ثابت نہیں۔ ان کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تک موقوف ہے امام نووی نے خلاصہ میں کہا کہ صحیح مسلم میں یہ روایت ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایسا کیا۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایسا کیا کرتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا کہ ان دونوں سے ذہول ہو گیا کیونکہ امام مسلم نے تین طریقوں سے اسے تخریج فرمایا، پہلی دو روایتیں مرفوع نہیں البتہ تیسری روایت میں انہوں نے حضور ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے اور فرمایا اسی طرح کیا۔

میں یہاں اگر اس کی نظریں جمع کرنے پر آؤں کہ خبر و حدیث میں مشہور و متداول کتابوں یہاں تک خود صحاح ستہ سے اکابر محدثین کو کیسے کیسے ذہول واقع ہوئے ہیں تو کلام طویل ہو جائے گا۔ بعض مثالیں اسکی فقیر نے اپنے رسالہ نور عینی فی الانتصار للامام العینی میں لکھیں۔ یہاں مقصود اسی قدر کہ مدعی آنکھ کھول کر دیکھے کہ کس بضاعت پر کمالِ علم 4 واحاطۂ نظر کا دعویٰ ہے، کیا ان آئمہ سے غفلت ہوئی اور تم معصوم ہو؟ کیا ممکن نہیں کہ حدیث اپنی کتابوں میں ہو اور تمہاری نظر سے غائب رہے؟ مانا کہ ان کتابوں میں نہیں کیا سب کتابیں تمہارے پاس ہیں؟ ممکن ہے کہ ان کتابوں میں ہو جو اور بندگان خدا کے پاس دیگر بلاد میں موجود ہیں۔ مانا کہ ان میں نہیں پھر کیا اسی قدر کتابیں تصنیف ہوئی تھیں؟ ممکن ہے کہ ان کتابوں میں ہو جو معدوم ہو گئیں۔ مانا کہ ان میں بھی نہیں پھر کیا تمام احادیث کتابوں میں مندرج ہو گئی تھیں؟ ممکن ہے کہ ان احادیث میں ہو جو

علماء اپنے سینوں میں لے گئے۔ پھر ہلدی کی گرہ پر پنساری بننا کس نے مانا۔ اپنے نہ پانے کو نہ ہونے کی دلیل سمجھنا اور عدمِ علم کو علم بالعدم ٹھہرالینا کیسی سخت سفاہت ہے۔ خاص نظیر اس کی یہ ہے کہ کوئی شخص ایک چیز اپنی کوٹھری کی چار دیواری میں ڈھونڈ کر بیٹھ رہے اور کہہ دے ہم تلاش کر چکے تمام جہاں میں کہیں نشان نہیں۔ کیا اس بات پر عقلاء اسے مجنون نہ جانیں گے؟ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**

الطف واہم، ان سب سے گزر یئے بفرض ہزار در ہزار باطل تمام جہاں کی اگلی پچھلی سب کتب حدیث آپ کی الماری میں بھری ہیں اور ان سب کے آپ پورے حافظ ہیں آنکھیں بند کر کے ہر حدیث کا پتہ دے سکتے ہیں؟ پھر حافظ جی صاحب یہ تو طوطے کی طرح اللہ پاک ذات کی یاد کی ہوئی، فہم حدیث کا منصب ارفع واعظ کدھر گیا، لاکھ بار ہوگا ایک مطلب کی حدیث انہیں احادیث میں ہوگی جو آپ کو برزبان یاد ہیں اور آپ خواب میں بھی خطرہ نہ گزرے گا کہ اس سے وہ مطلب نکلتا ہے آپ کیا اور آپ کے علم وفہم کی حقیقت کتنی، اکابر اجلہ محدثین یہاں آکر زانو ٹیک دیتے ہیں اور فقہائے کرام کا دامن پکڑتے ہیں۔ حفظِ حدیث فہم حدیث کو مستلزم ہوتا تو حضور پرنور سید عالم ﷺ کے اس ارشاد کے کیا معنی تھے:

رُبَّ حامل فقه الی من هو افقه منه و رُبَّ حامل فقه لیس بفقیه۔ رواه الائمة الشافعی و الاحمد و الدارمی و ابو داؤد و الترمذی و صححه و الضیاء فی المختارة و البیهقی فی المدخل عن زید بن ثابت و الدارمی عن جبیر بن مطعم رضی الله عنهما و نحوه لاحمد و الترمذی و ابن حبان عن ابن مسعود رضی الله عنه عن النبی ﷺ بسند صحیح و الدارمی عن ابی الدرداء رضی الله عنه عن النبی ﷺ۔

ترجمہ: بہتیرے حاملانِ فقہ ان کے پاس فقہ لے جاتے ہیں جو ان سے زیادہ اس کی سمجھ رکھتے ہیں، اور بہتیرے وہ کہ فقہ کے حامل وحافظ وراوی ہیں مگر خود اس کی سمجھ نہیں رکھتے۔ اس کی روایت ائمہ شافعی، احمد دارمی، ابوداؤد وترمذی نے کی اور اسے صحیح قرار دیا اور ضیاء نے مختارہ میں اور بیہقی نے مدخل میں حضرت زید بن ثابت سے اور دارمی نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہما سے روایت کی اور اسی طرح احمد وترمذی اور ابن حبان نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح رسول کریم ﷺ سے روایت کی اور حضرت دارمی کی روایت جو مروی ہے حضرت ابو درداء سے انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے روایت کی۔

ذرا خدا کے لئے آئینہ لے کر اپنا منہ دیکھئے اور امام اجل سلیمان اعمش کا علم عزیز وفضل کبیر خیال کیجئے جو خود حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے شاگردِ جلیل الشان اور اجلہ آئمہ تابعین اور تمام ائمہ حدیث کے اساتذہ الاساتذہ سے ہیں۔ امام ابن حجر مکی شافعی کتاب خیرات الحسان میں فرماتے ہیں: کسی نے ان امام اعمش سے کچھ مسائل پوچھے ہمارے امام اعظم امام الائمہ مالک الازمہ سراج الامۃ سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ (کہ اس زمانے میں انہیں امام اعمش سے حدیث پڑھتے تھے۔) حاضر مجلس تھے امام اعمش نے وہ مسائل ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھے امام رضی اللہ عنہ نے فوراً جواب دیئے۔ امام اعمش نے کہا یہ جواب آپ نے کہاں سے پیدا کئے فرمایا: ان حدیثوں سے جو میں نے خود آپ ہی سے سنی ہیں اور وہ حدیثیں مع سند روایت فرمائیں۔ امام اعمش نے کہا:

حسبک ما حدثتک به فی مائة یوم تحدثنی به فی ساعة واحدة ما علمت انک تعمل بهذه الاحادیث یا معشر الفقهاء انتم الاطباء و نحن العیادلة و انت ایها الرجل انذت بکلا الطرفین۔

ترجمہ: بس کیجئے جو حدیثیں میں نے سو دن میں آپ کو سنائیں آپ ایک گھڑی میں مجھے سنائے دیتے ہیں مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان حدیثوں میں یوں عمل کرتے ہیں۔ اے فقہ والو! تم طبیب ہو اور ہم محدث لوگ عطار ہیں اور اے ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تم نے فقہ وحدیث دونوں کنارے لئے۔ والحمدللہ۔

یہ تو یہ خود ان سے بھی بدرجہا اجل واعظم ان کے استاد اکرم واقدم امام عامر شعبی جنہوں نے پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا، حضرت امیر المؤمنین مولی علی وسعد بن ابی وقاص وسعید بن زید وابو ہریرہ وانس بن مالک وعبداللہ بن عمر وعبداللہ بن عباس وعبداللہ بن زبیر وعمران بن حصین وجریر بن عبداللہ ومغیرہ بن شعبہ وعدی بن حاتم وامام حسن وامام حسین وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین بکثرت اصحاب کرام رسول اللہ ﷺ کے شاگرد اور ہمارے امام اعظم کے استاد ہیں جن کا پایۂ رفیع حدیث میں ایسا تھا کہ فرماتے ہیں بیس سال گزرے ہیں کسی محدث سے کوئی حدیث میرے کان تک ایسی نہیں پہنچی جس کا علم مجھے اس سے زائد نہ ہو، ایسے امام والامقام بآں جلالت شان فرماتے:

انا لسنا بالفقهاء ولكنا سمعنا الحديث فرويناه الفقهاء من اذا علم عمل۔[1]

ترجمہ: ہم لوگ فقیہ ومجتہد نہیں ہمیں مطالب حدیث کی کامل سمجھ نہیں ہم نے تو حدیثیں سن کر فقیہوں کے آگے روایت کر دی ہیں جو ان پر مطلع ہو کر کاروائی کریں گے (اسے ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا)۔

مگر آج کل کے نام شخص حضرات کو اپنی یاد وفہم اور اپنے دو حرفی نام علم پر وہ اعتماد ہے جو ابلیس لعین کو اپنی اصل آگ پر تھا کہ دو حرف رٹ کر ہر امام امت کے مقابل انا خیر منہ (میں اس سے بہتر ہوں) کی بینٹی گھمانے کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ **ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔**[2]

اعلی حضرت فاضل بریلوی امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی اس طویل عبارت سے یہ واضح ہوا کہ مسلمہ بزرگوں کی نقل کردہ روایات کا انکار نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ان کا طریق کتاب وسنت کی حقیقی برکات سے مستحکم اور اخلاق انبیاء علیہم السلام واصفیاء کے سلوک پر مبنی ہوتا ہے اور یہ امت محمدیہ ﷺ میں باعتبار تقوی ورجوع الی اللہ سب سے افضل ترین گروہ ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رضی اللہ عنہ سے جب جماعت صوفیاء کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

هم قوم اثروا الله عز وجل على كل شيء فاثرهم الله عز وجل على كل شيء۔

ترجمہ: یہ وہ قوم ہے جو اللہ عزوجل کو ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر چیز پر ترجیح دے دی۔[3]

امام ابی القاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری (المتوفی ۴۶۵ ھ) جماعتِ صوفیاء کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فقد جعل الله هذه الطائفة صفوة اوليائه وفضلهم على الكافة من عباده بعد رسله وانبيائه صلوات الله وسلامه عليهم وجعل قلوبهم معادن اسراره واختصهم من بين الامة بطوالع انواره فهم الغياث للخلق والدائرون في عموم احوالهم مع الحق بالحق صفاهم من كدورات البشرية ورقاهم الى محال المشاهدات بما تجلى لهم من حقائق الاحدية ووفقهم للقيام بآداب العبودية واشهدهم مجارى احكام الربوبية فقاموا باداء ما عليهم من واجبات تكليف وتحققوا بما منه سبحانه لهم من التقليب والتصريف۔ ثم رجعوا الى الله سبحانه وتعالى بصدق الافتقار ونعت الانكسار ولم يتكلوا على ما حصل منهم من الاعمال اوصافهم من الاحوال۔

ترجمہ: پس تحقیق اللہ تعالیٰ نے جماعت صوفیاء کو اپنے اولیاء میں سے منتخب فرمایا ہے اور اپنے رسولوں اور انبیاء (ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلام

---

[1] (نقله الذهبي في تذكرة الحفاظ)

[2] (فتاوی رضویہ ج ۲۲ ص ۲۹۴ تا ۳۵۵ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور پاکستان)

[3] (رسالہ قشیریہ باب التصوف ص ۳۱۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

ہو) کے بعد اپنے تمام بندوں پر ان کو فضیلت دی اور ان کے دلوں کو اپنے اسرار کا مخزن بنایا اور امت کے درمیان ان کو اپنے انوار کے طلوع ہونے کے ساتھ خاص کیا۔ وہ مخلوق کے مددگار ہیں اور اپنے عام حالات میں حق کے ساتھ حق کے ہمراہ پھرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو بشری کدورتوں سے پاک کیا ہے اور وحدانیت کے جو حقائق ان کے لئے روشن کئے ان کے مشاہدات کے مقامات کی طرف ان کو ترقی دی اور ان کو آداب عبودیت (بندگی) قائم رکھنے کی توفیق دی اور احکام ربوبیت جاری ہونے کے مقامات میں حاضر کیا۔

پس ان کو جن واجبات کا مکلف بنایا وہ ان کو ادا کرنے کے لئے کمر بستہ ہوئے اور اللہ رب العزت کی طرف سے جو تبدیلی اور پھرنے کا حکم ملا اس کو ثابت کیا۔

پھر وہ سچی محتاجی اور انکساری کی صفت کے ساتھ اپنے رب کی طرف لوٹے اور انہوں نے اپنے اعمال یا احوال کی صفائی پر بھروسہ نہ کیا۔[1]

صوفیاء کی اسی اخلاقی پاکیزگی نے حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کو بہت متاثر کیا آپ جماعت صوفیاء کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انی علمت یقینا ان الصوفیۃ ھم السابقون لطریق اللہ تعالی خاصۃ و ان سیرتھم احسن السیر و طریقھم اصوب الطریق اخلاقھم ازکی الاخلاق بل لو جمع عقل العقلاء و حکمۃ الحکماء و علم الواقفین علی اسرار الشرع من العلماء لیغیروا شیئا من سیرھم و اخلاقھم و یبدلوہ بما ھو خیر منہ لم یجدوا الیہ سبیلا فان جمیع حرکاتھم و سکناتھم فی ظاھرھم و باطنھم مقتبسۃ من نور مشکاۃ النبوۃ و لیس وراء نور النبوۃ علی وجہ الارض نور یستضاء بہ۔

ترجمہ: بے شک مجھے قطعیت کے ساتھ معلوم ہوا کہ صوفیاء ہی وہ جماعت ہے جو خصوصیت سے اللہ کی راہ پر گامزن ہے اور ان کی سیرت سب سیرتوں سے بہتر ہے اور ان کا طریق سب طریقوں سے زیادہ صاف ہے ان کے اخلاق سب اخلاقوں سے پاکیزہ تر ہیں بلکہ اگر تمام عقلاء کی عقل اور حکماء کی حکمت اور علماء میں واقفانِ شریعت کے اسرار و علم کو جمع کیا جائے تاکہ یہ لوگ صوفیاء کی سیرت اور اخلاق میں سے ذرا بھی بدل سکیں اور ان سے بہتر سیرت کی تشکیل ہو سکے تو وہ یہ ہرگز نہیں کر سکیں گے کیونکہ ان کی تمام حرکات و سکنات چاہے ظاہری ہوں چاہے باطنی نورِ مشکاۃ نبوت سے ہی منور ہیں۔ اور نورِ نبوت سے بڑھ کر کوئی نور روئے زمین پر اس لائق نہیں کہ اس سے روشنی حاصل کی جائے۔[2]

آپ اندازہ لگائیں کہ جن کی زندگی کی تمام حرکات و سکنات بارگاہِ نبوت سے تشکیل پاتی ہوں۔ بھلا وہ کیسے غلط بیانی کر سکتے ہیں؟ اور وہ کیسے تاجدار کائنات ﷺ کی طرف غلط چیز منسوب کر سکتے ہیں؟ یا جو قول آقا ﷺ کی بارگاہِ مبارک سے تصدیق نہ کیا ہو وہ بیان کر سکتے ہیں۔

امام ابی المواہب عبد الوہاب بن احمد بن علی الانصاری الشافعی المصری المعروف بالشعرانی (المتوفی ۹۷۳ ھ) طبقات الکبری میں صوفیاء کے مقام و مراتب کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال القشیری لم یکن عصر فی مدۃ الاسلام و فیہ شیخ من ھذہ الطائفۃ الا و ائمۃ ذلک الوقت من العلماء قد استملوا الذلک الشیخ و تواضعوا لہ و تبرکوا بہ و لو لا مزیۃ و خصوصیۃ للقوم لکان الامر بالعکس۔

قلت: و یکفینا للقوم مدحا اذعان الامام الشافعی رضی اللہ عنہ لشیبان الراعی حین طلب الامام احمد بن حنبل ان یسالہ عمن ینسی صلاۃ لا یدری ای صلاۃ ھی و اذعان الامام احمد بن حنبل لشیبان کذلک حین قال شیبان: ھذا رجل غفل عن اللہ عز

---

[1] (رسالہ قشیریہ ص ۸ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

[2] (مجموعہ رسائل امام غزالی المنقذ من الضلال ص ۶۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

وجل فجزاؤه يؤدب۔

وكذلک يكفينا اذعان الامام احمد بن حنبل رضی الله عنه لابی حمزة البغدادی الصوفی رضی الله عنه واعتقاده حين كان يرسل له دقائق المسائل ويقول :ماتقول فی هذا يا صوفی؟ فشیء يقف فی فهم الامام احمد بن حنبل ويعرفه ابو حمزة غاية المنقبة للقوم كذلک يكفينا اذعان ابی العباس بن شريج للجنيد حين حضره وقال لا ادری ما يقول ولكن لكلامه صولة ليست بصولة مبطل وكذلک اذعان الامام ابی عمران للشبلی حين امتحنه فی مسائل من الحيض وافاده سبع مقالات لم تكن عند ابی عمران وحكی الشيخ قطيب الدين بن ايمن رضی الله عنه ان الامام احمد بن حنبل رضی الله عنه كان يحث ولده على الاجتماع بصوفية زمانه ويقول انهم بلغوا فی الاخلاص مقام لم تبلغه۔۔۔ قلت وسمعت شيخی ومولائی ابا يحيی زكريا الانصاری شيخ الاسلام يقول :اذ لم يكن للفقيه علم باحوال القوم واصطلاحاتهم فهو فقيه جاف۔۔۔ قلت وقد رايت رسالة ارسلها الشيخ محی الدين بن العربی رضی الله عنه للشيخ فخر الدين الرازی صاحب التفسير يبين له فيها نقص درجته فی العلم هذا والشيخ فخر الدين الرازی مذكور فی العلماء الذين انتهت اليهم الرياسة فی الاطلاع على العلوم جملتها۔

اعلم يا اخی وقفنا الله واياک انا الرجل لا يكمل عندنا فی مقام العلم حتی يكون علمه عن الله عز وجل بلا واسطة من نقل او شيخ فان من كان علمه مستفادا من نقل او شيخ فما برح عن الاخذ عن المحدثات وذلک معلول عند اهل الله عز وجل ومن قطع عمره فی معرفة المحدثات وتفاصيلها فاته حظه من ربه عز وجل لان العلوم المتعلقة بلامحدثات يفنی الرجل عمره فيها ولا يبلغ الى حقيقتها ولو انک يا اخی سلكت على يد شيخ من اهل الله عز وجل لاوصلک الى حضرة شهود الحق تعالى فتاخذ عنه العلم بالامور من طريق الالهام الصحيح من غير تعب ولا نصب ولا سهر كما اخذه الخضر عليه السلام فلا علم الا ما كان عن كشف وشهود۔ لا عن نظر وفكر وظن وتخمين وكان الشيخ الكامل ابو يزيد البسطامی رضی الله عنه يقول لعلماء عصره اخذتم علمكم من علماء الرسوم ميتا عن ميت واخذنا علمنا عن الحی الذی لا يموت۔

وينبغی لک يا اخی الا تطلب من العلوم الا ما تكمل به ذاتک معک حيث انت قلت وليس ذلک الا العلم بالله تعالى من حيث الوهب والمشاهدة فان علمک بالطب مثلا انما يحتاج اليه فی عالم الاسقام والامراض فاذا انتقلت الى عالم ما فيه سقم ولا مرض فمن تداوی بذلک العلم۔

فقد علمت يا اخی انه لا ينبغی للعاقل ان ياخذ من العلوم الا ما ينتقل معه الى البرزخ دون ما يفارقه عند انتقاله الى عالم الاخرة وليس بمنتقل معه الا علمان فقط العلم بالله عز وجل والعلم بمواطن الاخرة۔

حتى لا ينكر التجليات الواقعة فيها ولا يقول للحق اذا تجلى له نعوذ بالله منک كما ورد فينبغی لک يا اخی الكشف عن هذين العلمين فی هذه الدار لتجنی ثمرة ذلک فی تلک الدار ولا تحمل من علوم هذه الدار الا ما تمس الحاجة اليه فی طريق سيرک الى الله عز وجل على مصطلح اهل الله عز وجل وليس طريق الكشف عن هذين العلمين الا بالخلوة والرياضة والمشاهدة والجذب الالهی وكنت اريد ان اذكر لک يا اخی الخلوة وشروطها وما يتجلى لک فيها على الترتيب شيئا فشيئا لكن منعنی من ذلک الوقت واعنی بالوقت من لا غوص له فی اسرار الشريعة ممن دابهم الجدال حتى انكروا كل ما جهلوا وقيدهم التعصب وحب الظهور والرياسة واكل الدنيا بالدين عن الاذعان لاهل الله تعالى والتسليم لهم۔

ترجمہ: امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دورِ اسلام میں کوئی ایسا زمانہ نہیں گزرا کہ اس میں اہل تصوف کا شیخ موجود ہو اور اس زمانے کے آئمہ عظام نے اس شیخ کے آگے گردن نہ جھکائی ہو اور اس سے عاجزی سے پیش نہ آئے ہوں اور اس سے برکت حاصل نہ کی ہو اگر ان (صوفیاء) کو یہ فضیلت وخصوصیت حاصل نہ ہوتی تو معاملہ اس کے برعکس ہوتا۔

میں (امام شعرانی) کہتا ہوں کہ اس قوم (جماعت صوفیاء) کی فضیلت پر ہمارے لیے یہی کافی ہے کہ جس وقت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ سے پوچھنا چاہا کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جو نماز میں یہ بھول جائے کہ یہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے؟ تو حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے حضرت شیبان راعی رضی اللہ عنہ کے قول کو مان لیا اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے شیبان راعی رضی اللہ عنہ کے سامنے سر جھکا دیا جس وقت انہوں نے فرمایا : کہ ایسا شخص اللہ تعالیٰ سے غافل ہے پس اس کی پاداش یہ ہے کہ اس کی تادیب کی جائے۔ اور اس طرح امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا ابی حمزہ بغدادی صوفی پر اعتقاد لانا اور ان کے پاس دقیق مسائل کا بھیجنا اور یہ کہنا (ماتقول فی ھذا یا صوفی؟) کہ اے صوفی تم اس مسئلے میں کیا کہتے ہو؟ جو چیز امام احمد کی سمجھ میں نہ آئے اور اس کو ابوحمزہ سمجھ جائیں۔ تو اس سے جماعت صوفیاء کی غایت درجہ کی تعریف نکلتی ہے۔ (امام شعرانی فرماتے ہیں) اسی طرح ہمارے لئے کافی ہے ابو العباس بن سریج کا حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ پر اعتقاد لانا۔ جب وہ ان کے پاس حاضر ہوئے تو کہنے لگے کہ جو کچھ جنید کہتے ہیں اس کو تو میں نہیں جانتا لیکن ان کے کلام میں ایک رعب پایا جاتا ہے۔ جو اہل باطل کا رعب نہیں ہے اور اسی طرح امام ابوعمران اکابرین فقہاء میں تھے نے حضرت امام شبلی رضی اللہ عنہ کے آگے اس وقت سر جھکایا جس وقت حیض کے مسائل میں حضرت امام شبلی کا امتحان لینا چاہا اور انہوں نے سات ایسی باتیں بتائیں جو امام ابوعمران کو معلوم نہ تھیں۔

اور شیخ قطب الدین ایمن رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کو رغبت دلایا کرتے تھے کہ اس زمانے کے صوفیوں کے پاس جایا کرو اور کہا کرتے تھے کہ یہ لوگ خلوص میں جس درجہ تک پہنچے ہیں وہاں تک تم نہیں پہنچے۔ میں (امام شعرانی) کہتا ہوں کہ میں نے اپنے پیر ومرشد اور آقا ومولیٰ حضرت ابویحییٰ زکریا انصاری رضی اللہ عنہ کو کہتے سنا کہ جب فقیہ کو اس قوم (جماعت صوفیاء) کے احوال اور ان کی اصطلاحات سے واقفیت نہ ہو تو وہ خشک فقیہ ہے۔

میں (امام شعرانی) کہتا ہوں کہ میں نے ایک رسالہ دیکھا ہے جو شیخ حضرت محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ نے حضرت امام فخر الدین رازی صاحب تفسیر کبیر کو لکھ کر بھیجا تھا۔ اس میں انہوں نے امام صاحب کے درجہ کا علم میں کمتر ہونا بیان کیا ہے۔ حالانکہ امام فخر الدین رازی کا شمار ان علماء میں ہے جن پر تمام علوم (اسلامیہ) کی ریاست ختم ہوتی ہے۔

اور وہ خط یہ ہے:

اے میرے بھائی خدا ہم کو توفیق عطا فرمائے سنو! کوئی شخص ہمارے نزدیک علم کے مقام میں اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک اس کا علم بغیر واسطۂ نقل یا استاد کے خدائے عزوجل کی طرف سے نہ ہو کیونکہ جس کا علم نقل یا استاد سے حاصل ہوتا ہے (یقینا) وہ برابر نو پیدا چیزوں سے لیتا ہے۔ اور (یہ) اہل اللہ کے نزدیک خالی از علت نہیں اور جس نے نو پیدا چیزوں کی شناخت اور اس کی تفاصیل میں عمر گنوائی اس نے اپنا حصہ اللہ عزوجل کے پاس کھو دیا کیونکہ آدمی ان علوم میں جو نو پیدا چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں اپنی عمر کو فنا کرتا ہے اور ان کی حقیقت تک نہیں پہنچتا۔

اے میرے بھائی! اگر آپ اہل اللہ میں سے کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلوک اختیار کرتے تو وہ تم کو حق تعالیٰ کے حضور مرتبۂ شہود تک پہنچا دیتا۔ وہاں سے تم اشیاء کا صحیح علم الہام کے طریقے سے حاصل کرتے جس میں نہ مشقت ہے نہ ماندگی ہے نہ بے خوابی ہے جیسا کہ خضر علیہ

السلام نے حاصل کیا۔پس علم تو ہے ہی وہی جو کشف وشہود سے حاصل ہو نہ کہ وہ جو نظر وفکر اور گمان وقیاس سے۔اور شیخ کامل حضرت ابو یزید بسطامی رضی اللہ عنہ اپنے زمانے کے علماء سے فرماتے تھے تم نے اپنے علوم رسمی عالموں (یعنی) مردوں نے مردوں سے حاصل کئے ہیں۔اور ہم نے اپنے علوم اس زندہ جاوید سے حاصل کئے ہیں جو مرنے والا نہیں ہے۔اور اے میرے بھائی! آپ کے لئے مناسب یہی ہے کہ علوم میں سے اسی علم کی جستجو میں رہو جس سے تمہاری ذات کامل ہو۔اور جہاں تم جاؤ تمہارے ساتھ رہے اور ایسا علم صرف علم باللہ ہی ہے جو وہب اور مشاہدہ کے ذریعے حاصل ہوتا ہے پس اگر آپ کا علم طب ہے مثال کے طور پر تو اس کی ضرورت اسی عالم میں ہے جہاں دکھ اور بیماریاں ہیں اور جب تم اس عالم میں منتقل ہو جاؤ گے جہاں دکھ اور مرض نہیں ہے تو وہاں اس علم کے ذریعے کس کا علاج کرو گے؟

اے میرے بھائی! یقینا آپ کو علم ہو گا کہ صاحب عقل کے لئے مناسب یہی ہے کہ علوم میں سے صرف وہی علم حاصل کرے جو اس کے ساتھ عالم برزخ تک جائے نہ کہ وہ جو عالم آخرت کی طرف منتقل ہوتے وقت ساتھ چھوڑ دے اور آدمی کے ساتھ جانے والے صرف دو ہی علم ہیں ایک علم باللہ اور دوسرا مواطن آخرت (معاملات آخرت) کا علم۔

حتی کہ اس عالم میں جو تجلیات واقع ہوں اس کا انکار نہ کر بیٹھے اور جب حق کی تجلی اس پر ہو تو نعوذ باللہ منک نہ کہہ دے جیسا کہ وارد ہوا ہے اس لئے اے میرے بھائی! آپ کے لئے یہ مناسب ہے کہ اسی عالم میں یہ دونوں علم آپ پر کھل جائیں تا کہ ان کا پھل اس عالم میں تم کو ملے،اور اس عالم کے انہی علوم کو لو جن کی ضرورت اہل اللہ کی اصطلاح کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کے راستہ میں پیش آئے اور کشف کا راستہ (فقط) ان دونوں علوم میں سے نہیں مگر خلوت،ریاضت مشاہدہ اور جذب الٰہی کے ساتھ۔

اور اے میرے بھائی! میں نے چاہا (کہ دونوں علموں کا انکشاف) صرف خلوت اور اس کی شرائط اور ان تجلیات کا جو آپ کو خلوت میں نظر آئیں ترتیب وار تھوڑا تھوڑا کر کے آپ کے لئے ذکر کروں لیکن (مخالفتِ) زمانہ نے مجھے اس ارادے سے باز رکھا (مخالفت) زمانہ سے میری مراد وہ اشخاص ہیں جن کو اسرارِ شریعت کی سمجھ نہیں ہے جن کا طریقہ لڑنا جھگڑنا ہے یہاں تک کہ ایسے لوگ جتنی چیزوں سے ناواقف ہوتے ہیں ان سب کا انکار کرتے ہیں اور تعصب اور نام ونمود سردار بننے اور دین کے ذریعے سے دنیا حاصل کرنے کی محبت نے ان کو اہل اللہ پر اعتقاد لانے اور ان کی بزرگی کو ماننے سے روک رکھا ہے۔[1]

امام اجل الشیخ محمد بن علی بن عطیہ الحارثی بابی طالب المکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہورِ زمانہ تصنیف ''قوت القلوب فی معاملة المحبوب ووصف طریق المرید الی مقام التوحید'' میں صوفیاء کرام کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں : عبارت نقل کرنے سے پہلے سمجھتا ہوں کہ اس کتاب کی اہمیت واضح کر دوں۔

تصوف کی دنیا میں قوت القلوب ایسی مستند ترین کتاب ہے کہ جس سے امام غزالی جیسی شخصیات نے استفادہ کیا ہے ''المنقذ من الضلال'' میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فابتدات بتحصیل علمهم من مطالعة کتبهم مثل قوت القلوب لابی طالب مکی رحمة الله علیه و کتب الحارث المحاسبی و المتفرقات الماثورة عن الجنید و الشبلی و ابی یزید البسطامی قدس الله ارواحهم۔

ترجمہ: میں نے علم صوفیاء کو حاصل کرنے کی ابتدا ان کی کتابیں پڑھنے سے شروع کی مثلا ابو طالب مکی کی قوت القلوب اور تصنیفاتِ حارث

---

[1] (الطبقات الکبری المسماۃ بلواقح الانوار فی طبقات الاخیار ص ۱۲، ۱۱، ۱۰، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

محاسبی اور متفرقاتِ ماثورہ جنید وشبلی اور بایزید بسطامی قدس اللہ ارواحہم ۔[1]

اب حضرت ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کی قوت القلوب کی عبارت ملاحظہ کیجئے:

وقد کان علماء الظاھر اذا اشکل علیھم العلم فی مسالۃ لاختلاف الادلۃ سالوا اھل العلم باللہ لانھم اقرب الی التوفیق عندھم ابعد من الھوی والمعصیۃ منھم۔ الشافعی رحمۃ اللہ علیہ کان اذا اشتبھت علیہ المسالۃ لاختلاف اقوال العلماء فیھا وتکافؤ الاستدلال علیھا رجع الی علماء اھل المعرفۃ فسالھم قال :وکان یجلس بین یدی شیبان الراعی کما یجلس الصبی بین یدی المکتب ویسالہ کیف یفعل فی کذا وکیف یصنع فی کذا فیقال لہ مثلک یا ابا عبداللہ فی علمک وفقھک تسال ھذا البدوی فیقول ان ھذا وفق لما علمناہ۔۔۔ وقد کان احمد بن حنبل ویحیی بن معین رضی اللہ عنھما یختلفان الی معروف بن فیروز الکرخی رحمۃ اللہ علیہ ولم یکن یحسن من العلم والسنن ما یحسنانہ فکانا یسئلانہ۔

ترجمہ: علماء ظاہر کو جب کوئی مسئلہ دلائل میں اختلاف پائے جانے کی وجہ سے حل کرنا مشکل ہوجاتا تو وہ کسی عالم باللہ (صوفی) کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کرتے کیونکہ وہ تسلیم کرتے کہ یہ لوگ ان کے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق کے زیادہ قریب اور نفسانی خواہشات اور معصیت سے بہت دور ہیں۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کو جب کبھی علماء کرام کے اقوال میں اختلاف پائے جانے کی وجہ سے کسی مسئلہ میں اشکال پیدا ہوجاتا اور وہ استدلال نہ کر پاتے تو اہل معرفت علماء کرام (یعنی صوفیاء کرام) کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے پوچھتے۔

منقول ہے کہ وہ (امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) حضرت شیبان راعی کی خدمت میں اس طرح بیٹھا کرتے تھے جیسے کوئی بچہ مکتب میں استاد کے سامنے بیٹھتا ہے اور ان سے عرض کرتے کہ فلاں مسئلہ میں کیا کریں اور فلاں میں کیا کریں؟ تو لوگ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہتے اے ابوعبداللہ! آپ جیسا عالم اور فقیہ اس بدوی سے مسائل دریافت کرتا ہے تو وہ (امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) عرض کرتے ہیں جو ہم جانتے ہیں یہ سوال کرنا بھی اسی کے موافق ہے۔۔۔ حضرت امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین اکثر حضرت معروف بن فیروز کرخی کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے حالانکہ حضرت معروف کرخی علم وسخن میں ان دونوں سے زیادہ (عالم ومحدث) نہ تھے مگر اس کے باوجود وہ دونوں ان سے مسائل دریافت کیا کرتے تھے۔[2]

اور امام الفقہاء والمجتہدین سید محمد امین ابن عابدین الشامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۲۵۲ھ)

ردالمحتار میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لولا السنتان لھلک النعمان۔

ترجمہ: اگر میرے دو سال تحصیل کمالات باطنیہ میں صرف نہ ہوتے تو نعمان بن ثابت (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہلاک ہوجاتا۔

ایک لمحہ کے لئے ائمہ اربعہ اور بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام یحییٰ بن معین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام اور مرتبہ کو بھی دیکھیں اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، حضرت شیبان راعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام یحییٰ بن معین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت معروف کرخی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فقیہ ابوعمران رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، حضرت امام شبلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوالعباس بن سریج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت

---

[1] (مجموعہ رسائل غزالی المنقذ من الضلال ص ۵۷ دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

[2] (قوت القلوب جلد ۱ ص ۲۷۰، ۲۷۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان)

ابی حمزہ بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں بیٹھنا بھی دیکھیں اس لئے یہ بڑے احتیاط کی جگہ ہے:

علامہ سید محمد امین بن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۵۲ :ھ) لکھتے ہیں:

و من فتح باب اعتراض علی المشائخ و النظر فی افعالھم و البحث عنھا فان ذالک علامۃ حرمانہ، سوء عاقبتہ و انہ لا یفلح انتھی۔

ترجمہ: اور جس شخص نے صوفیاء کرام و اولیاء پر اعتراض کا دروازہ کھولا اور (عیب جوئی کے لئے) ان کے افعال میں نظر کی اور (مخالفت میں) اس سے بحث کی بے شک یہ بدنصیبی اور برے خاتمے کی علامت ہے اور بے شک وہ کبھی فلاح نہیں پائے گا۔[1]

ضروری گزارشات

لہٰذا اگر ہم تصانیفِ صوفیائے کرام میں عمل تخریج کے دوران وسائل کی کمی یا کتب احادیث کی عدم دستیابی یا کسی بھی وجہ سے متن حدیث ڈھونڈنے میں ناکام ہو جائیں تو:

۱۔ اس کے حدیث ہونے سے انکار نہ کیا جائے۔

۲۔ اسے اپنی علمی کم مائیگی کی طرف لوٹایا جائے۔

۳۔ تمام متونِ حدیث کے دستیاب ہونے تک اس پر تحقیق کا کام جاری رکھا جائے۔

۴۔ اور صوفیاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے معمولات پر اعتراض نہ کیا جائے۔

۵۔ صوفیاء و اولیاء کے روایتِ حدیث کے طریقہ کو لازماً مدنظر رکھا جائے اور اسے برحق مانا جائے۔ کیونکہ یہ ہستیاں اکثر فرامین و احادیث براہِ راست مجلس نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سماع فرماتی ہیں۔

حکم شرعی:

صوفیاء کرام جو احادیث مبارکہ خواب میں یا براہِ راست حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیتے ہیں جیسا کہ حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر احادیث کو لیا اور بعض احادیث کی تصحیح کروائی اور شاہ صاحب نے تو ان تمام احادیث مبارکہ کو ایک رسالہ میں جمع کیا جس کا نام دُرِثمین رکھا ہے تو ایسی تمام احادیث فضائل اعمال اور مناقب میں معتبر ہیں لیکن ان سے احکام شرعی ثابت نہیں ہوں گے۔ اور اس بات کی بھی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ خواب یا بیداری میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونے والے شخص کو صحابی نہیں کہیں گے اور نہ صحابیت کا درجہ دیں گے اور نہ دے سکتے ہیں اور نہ وہ کسی صحابی کے مقام و مرتبہ کے برابر ہو سکتا ہے۔

سلطان العارفین برہان الواصلین حضرت سخی سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۳۹۔ ۱۱۰۲ ہجری) کلید التوحید کلاں میں اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جمیع اصحاب اصحاب صفہ و اصحاب بدر و اصحاب کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم ہیچ کس نہ سیر سد بجز اصحابانِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

---

[1] (مجموعہ رسائل ابن عابدین الجز الثانی ص ۲۸۹ سہیل اکیڈمی لاہور پاکستان)

ترجمہ: حضور ﷺ کے اصحاب پاک کے سوا کوئی اور شخص اصحابہ بدر اصحاب کبار اور جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تک نہیں پہنچ سکتا۔[1]

شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

درحصولِ صحت وثبوت احکام شرعی برغیر رائی حجت نہ واللہ اعلم۔[2]

(کوئی ولی اللہ) حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت کرنے سے صحابی نہیں بنتا اور احکام شرعیہ کے ثبوت کے لئے دوسرے شخص کے نزدیک یہ زیادہ حجت نہیں ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

خلاصۂ کلام:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ صوفیاء کرام حضور نبی کریم ﷺ کے روحانی اور باطنی شاگرد ہوئے ہیں اور آپ ﷺ ان کا ظاہری اور باطنی تزکیہ اور تعلیم وتلقین فرماتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب پاک ﷺ کی مرضی ورضا کے مطابق زندگی گزارتے ہیں اور یقیناً انہی نفوس قدسیہ کی شان میں آیا ہے:

كنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به و یده التی یبطش بها و رجله التی یمشی بها۔

ترجمہ: میں اس کے کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا، دیکھتا، پکڑتا، چلتا ہے۔

اور انہی سے متعلق فرمایا گیا ہے: **اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله تعالی۔**

ترجمہ: مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔

امام ابی القاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری رسالہ القشیریہ (ص ۱۱:) میں فرماتے ہیں:

اعلموا رحمکم الله ان شیوخ هذه الطائفة بنوا قواعد امرهم علی اصول صحیحة فی التوحید صانوا بها عقائدهم عن البدع و دانوا بما وجدوا علیه السلف و اهل السنة۔

ترجمہ: جان لو اللہ تم پر رحم فرمائے اس جماعتِ صوفیاء کے بزرگوں نے توحید کے سلسلے میں اپنے موقف کے قواعد کو صحیح اصول پر استوار کیا ہے انہوں نے اپنے عقائد کو بدعات سے محفوظ رکھا اور ان عقائد اور اعمال کے قریب ہو گئے جن پر اسلاف اور اہل سنت کو پایا۔

اور رسالہ القشیریہ (ص ۴۲۷ :) میں لکھتے ہیں:

کان اصول هذه الطائفة اصح الاصول و مشایخهم اکبر الناس و علماءهم اعلم الناس۔

ترجمہ: اس گروہ کے اصول سب سے زیادہ صحیح اصول ہیں اور ان کے مشائخ تمام لوگوں سے بڑے اور ان کے علماء سب لوگوں سے بڑھ کر علم رکھنے والے ہیں۔

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ المنقذ من الضلال ص ۶۲ میں فرماتے ہیں:

و ان سیرتهم احسن السیر و طریقهم اصوب الطریق اخلاقهم ازکی الاخلاق۔

ترجمہ: اور ان کی سیرت سب سیرتوں سے بہتر ہے اور ان کا طریق سب طریقوں سے زیادہ صاف ہے ان کے اخلاق سب اخلاقوں سے پاکیزہ تر ہیں۔

---

[1] (کلید التوحید کلاں: صفحہ: ۱۴۲ العارفین پبلیکیشنز لاہور پاکستان)

[2] (اشعۃ اللمعات جلد ۳ ص ۶۸۴ کتاب الرؤیا مکتبہ رشیدیہ مری روڈ کوئٹہ پاکستان)

امام ابوطالب مکی ان کی شان میں قوت القلوب ص ۲۷۰ میں لکھتے ہیں:

وقد کان علماء الظاھر اذا اشکل علیھم العلم فی مسالۃ لاختلاف الادلۃ سالوا اھل العلم باللہ لانھم اقرب الی التوفیق عندھم واما بعد من الھوی والمعصیۃ منھم۔

ترجمہ: علماءِ ظاہر کو جب کوئی مسئلہ دلائل میں اختلاف پائے جانے کی وجہ سے حل کرنا مشکل ہو جاتا تو وہ کسی عارف باللہ (صوفی) کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کرتے کیونکہ وہ تسلیم کرتے کہ یہ لوگ ان کے نزدیک بھی اللہ جل وعلا کی توفیق کے زیادہ قریب اور نفسانی خواہشات اور معصیت سے بہت دور ہیں۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رضویہ جلد ۲۲ ص ۵۵۷ میں امام ابوطالب مکی کے بارے میں لکھتے ہیں:

وقول الشیخ ابی طالب المکی یعتبر لوفور علمہ وکمال حالہ وعلمہ باحوال السلف ومکان ورعہ وتقواہ وتحریہ الاصوب والاولی۔

ترجمہ: اور شیخ ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کا قول معتبر اور مستند ہے کیوں کہ وہ کثیر علم سے معمور ہیں حال میں صاحب کمال ہیں اور اسلاف کے حالات کو بخوبی جانتے ہیں اور تقویٰ اور ورع میں ان کا خاص مقام اور زیادہ صواب اور زیادہ بہتر امور میں گہری سوچ اور فکرِ کامل رکھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رضویہ میں لکھتے ہیں کہ صوفیاء کرام کی نسبت یہ کہنا کہ ان کا قول وفعل معاذ اللہ کچھ وقعت نہیں رکھتا بہت سخت اور نامناسب بات ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

واتبع سبیل من اناب الیّ۔

ترجمہ: جو میری طرف جھکے ان کی راہ کی پیروی کر۔

صوفیاء کرام سے زیادہ اللہ کی طرف جھکنے والا کون ہوگا۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

انما یتمسک بافعال اھل الدین۔

ترجمہ: دینداروں ہی کے افعال سے سند لائی جاتی ہے۔

صوفیاء سے بڑھ کر کون دین دار ہے۔[1]

صوفیاء کرام کے اقوال پر رد کرنے سے پہلے کتابوں کے مطالعہ کی جو شرطیں سمجھنا ضروری ہیں:

محقق علی الاطلاق، شیخ عبدالحق حنفی نقشبندی محدث دہلوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

کتابھائے کہ علماء وفقھاء در رد وانکار بظواھر اقوال قوم نوشتہ اند، اگرچہ در منع وتحذیر واحتراس از ورود مواقع غلط واشتباہ نفع دارد ولیکن متضمن بضرر نیز ھست وحصول حقیقت وانتفاع واستفادہ ازان موقوف ست بر عایتِ چند۔ شرطِ اول آنکہ نظر بر احوالِ خود مقتصر گرداند ومجلس آرائی نگرداند وباغیر سالک راہ کہ بذکائے طبیعت وجودت فطنت وسلامت قریحت ودریافتِ وقتِ کلام ونزاکتِ مرام وثباتِ قدم در مقامِ صدق وتحقیق وسلوک طریق ورع واحتیاط

---

[1] (فتاویٰ رضویہ جلد ۲۲ صفحہ ۵۵۹ رضا فاؤنڈیشن لاہور پاکستان)

موصوف بود، بیان نکند و بامریدان سادہ لوح و خالی الذهن که بصفاے عقیدت بحضراتِ مشائخ موصوف اند، وقوتِ تمییزِ سخن ندارند درمیان نیارد، و در اعتقاد وارتباطیکه با مشائخ دارند تشویش وتفرقه نیندازد، واگر فرضاً در مقامِ وعظ ونصیحت احتیاج باعلام وتنبیه شود، دخل واعتراض در مجرد قول کند بے تعین قائل و در ضمن بیان تعرض بعظمتِ حال وجلالتِ شان این طائفۂ علیه قدس الله سرهم نماید۔ زیرا که ستر زلات ائمه وپوشیدن خطائے بزرگانِ دین از واجباتِ وقت واسبابِ سعادت وسرمایهٔ برخورداری ست، وصیانتِ دین وحفظ حوزۂ اسلام ومراعاتِ شریعت اوجب والزم است وقائم بدینِ خدا ماجور ومنتصر وے منصور وانصاف در حق لازم واتباع نفس وهوا ممنوع ودیانتے که مصحوب هوا باشد فاسد ونصیحتے که مشوب بغرض نفسانی بود باطل است۔

شرط دوم رسوخ اعتقاد وتحسینِ ظن بمشائخ وتنزیهه ساحت عز وکمال ایشان از غبار طعن وتنقیص تارةً بنفی نسبت ومنع صدور آن از ایشان واخری بتاویل وتطبیق آن بظاهر واعتذار بوقوع آن بسکر حال وغلبهٔ وجد۔

شرط سوم اعتقاد آنکه باعث رد وانکار ومآل آن حسم ماده وسد ذریعه است تا عامهٔ خلق ومدعیان راه این چنین نکنند وبے تحقیق بمقام صدق وتمکن حقیقت براه تقلید ومتابعتِ ایشان نروند که تقلید واتباع در احکام ظواهر شرع رود نه در احوال ومواجید واذواق۔ واز فقهاء کسے که بر طائفه صوفیه علیه قدس سرهم براه رد وانکار رفته وتشدید وتغلظ نموده۔

ابن جوزی ست که از اکابر علمائے فقه وحدیث است وگفته اند که مقصود وے نیز سدّ ذرائع است بدلیل تطریز وتوشیح وے کتب خود را بذکر حکایات وکلمات مشائخ واستشهاد بافعال واقوال ایشان باوجود رد وانکار وے بر ایشان در بعضے مواضع ودر چند موضع از کتاب تلبیس ابلیس که از تصانیف مشهورهٔ اوست گفته است ومبالغت نموده وقسم یاد کرده است که مقصودِ من اظهارِ علم وتحقیقِ سنت وتنبیه وتحذیر از مواضع بدعت است نه طعنِ رجال وتنقیص اهلِ کمال۔ ولیک از شدت وغلظت وخشونت کلامِ وے معنوی ست ودر نظر انصاف آن کتاب در معرفت مداخل شیطان وحسم مادهٔ بدعت وجهالت بے نظیر است۔ غیر آنکه خشونت الفاظ وتشدید انکار وتغلیظ طعن وتشنیع وے موحش ومشوش است۔ ولهٰذا محققان از اربابِ نصیحت از خواندن این کتاب وامثال آن منع وتحذیر کرده وبعدم خوض ووقوع در آن وصیت فرموده اند تا بسوءِ ظن وتنقیص مشائخ واربابِ احوال گرفتار نگردد وهمچنانکه ازین کتاب وامثال آن منع کرده اند از خوض در بعضے کتب این قوم مثل فصوص الحکم واشباهِ آن که اسرار وحقائق ومواجید را صریحاً بے توقف وتحاشی نوشته اند نیز نهی فرموده اند۔

شرطِ چهارم که خلاصهٔ کلام وحاصل مرام است آنست که اعتراف بقصورِ علم وضعفِ فهم خود کند، خداداند که ایشان چه گفته اند وبچه ازارت کرده سخنان ایشان را بایشان گذارد وخود را وتصرف خود را ازمیان بردارد۔ وانصاف آنست که توقف وانکار بر آنست که در فهم این کس می در آید، یا باحتمال آنکه چیزے اراده کرده باشند که منکر نباشد پس در حقیقت انکار بر نفسِ خود است نه بر ایشان۔ وبالجمله دین وشریعت واضح ست خود موافق آن رود بدان کر کن۔ واگر از تو مسئله شرعی بپرسند موافق حکمِ شریعت جواب گو۔ واگر در خصوص حال یکے از صادقان راه سخن افتد تغافل ورز واغماض کن۔ وبدانکه جحود وانکار سببِ بُعد وحرمان ست وتصدیق واعتقاد موجب فتح باب والله الهادی ومنه التوفیق

لنیل الصواب۔

تمام شد نقلِ قواعد از کتاب قواعد الطریقت فی الجمع بین الشریعت و الحقیقت و چون عبارات این کتاب در غایتِ دقّت و ایجاز بود اگر بجهت بسط و ایضاح زیادت کلمه یا فقره شده باشد دور نیست و لیکن نقل سخنے و حکایتے زائد بر اصلِ مقصود و کلام شیخ کرده نشد الا ماشاء اللّٰہ۔ و اگر توفیق رفیق خواهد شد این معانی را در رسائل دیگر بتقریب اقتضائے وقت باضم معانی دیگر نیز تفصیل داده آید انشاء اللّٰہ تعالیٰ۔

جو کتابیں علماء اور فقہاء نے صوفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اقوال کے ظاہری مفہوم کے رد و انکار میں لکھی ہیں اگر چہ ان کے غلط مواقع پر استعمال سے ڈرانے، روکنے اور حفاظت کرنے کی غرض سے ہیں اور اگر چہ ان میں نفع کا شائبہ ہے لیکن ساتھ ہی نقصان کا بھی احتمال ہے ان سے حقیقت کا حصول اور نفع اور فائدہ حاصل کرنا چند شرطوں کی رعایت پر موقوف ہے۔ اول یہ کہ نظر کو اپنے احوال پر منحصر کر دے (زیادہ نہ جائے) اور اس کو اپنے نفس پر انکار و مواخذہ کا سبب بنائے۔ فصاحت اور طلاقت لسانی اور مجلس آرائی کا اظہار نہ کرے اور سالک راہ کے علاوہ (کہ جو طبیعت کی ذہانت، عقل کی تیزی اور مزاج کی سلامتی رکھتا ہو اور جانتا ہو کہ کس وقت بات کی جائے۔ مقصد کی کیا نزاکت ہے۔ صدق تحقیق اور سلوک کے مقام میں ثابت قدم رہے اور ورع اور احتیاط کے طریقوں سے موصوف ہو) کسی سے بیان نہ کرے۔ اور سادہ لوح اور خالی الذہن مریدوں کے (جو گہری عقیدت کی بنا پر کہ وہ حضرات مشائخ سے رکھتے ہیں اور بات کو سمجھنے کی قوت نہیں رکھتے) درمیان نہ لائے اور جو اعتقاد اور ارتباط ان کو مشائخ سے ہے اس میں انہیں پریشانی اور الجھن (پراگندگی) میں نہ ڈالے اگر بفرض محال وعظ و نصیحت کے موقع پر کسی بات کو جتانے یا تنبیہ کرنے کی ضرورت ہو تو ایک عام بات کے انداز میں دخل دے یا اعتراض کرے۔ قائل کا نام نہ لے اور بیان کے سلسلہ میں اس گروہ کی عظمتِ حال اور جلالتِ شان کا لحاظ کرتے ہوئے اعتراض کرے۔ اس لئے کہ اماموں کی لغزشوں کو چھپانا، بزرگوں کی خطاؤں کو پوشیدہ رکھنا واجباتِ وقت اور اسباب سعادت سے ہے۔ اور دین کی نگہبانی مملکتِ اسلام کی حفاظت اور شریعت کی مراعات اس سے زیادہ واجب اور لازم ہیں۔ خدا کے دین پر قائم رہنے والا ماجور اور اس کی مدد کرنے والا منصور ہے۔ حق بات کے سلسلے میں انصاف لازم اور نفس اور خواہش کی پیروی ممنوع ہے۔ وہ دیانت جو خواہش اور ہوا کی ساتھی ہو فاسد ہے۔ اور وہ نصیحت جس میں نفسانی غرض کی آمیزش ہو باطل ہے۔

دوسری شرط۔ مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے ساتھ مضبوط اعتقاد اور حسنِ ظن اور ان کے دامن عزت و کمال کی طعن اور تنقیص کے غبار سے پاکی و صفائی اور حسنِ ظن کا اظہار اس طریقہ پر کہ جس بات کی تنقیص کی جا رہی ہے اس کی نسبت ان سے ممکن نہیں یا یہ کہ ان سے یہ فعل صادر نہیں ہو سکتا اور دوسرے ان کے افعال کی اس طرح تاویل کہ یہ کام جس کا ظاہر مخالف ہے درحقیقت مخالف نہیں۔ یا اگر مخالف بھی ہے تو ان سے سکر و حال اور غلبۂ وجد کی وجہ سے صادر ہو گیا۔

تیسری شرط: اس بات کا اعتقاد کہ رد و انکار کا باعث دراصل مادہ فاسد اور غلط تصورات کی روک تھام ہے تا کہ عام خلقت اور اس راہ پر چلنے والے گمراہ نہ ہوں اور صدق و تمکن حقیقت کے مقام کی تحقیق کے بغیر ان کی تقلید اور پیروی کی راہ پر نہ چلیں کیونکہ تقلید و اتباع شریعت کے ظاہری احکام میں چلتی ہے۔ احوال و مواجید اور اذواق میں نہیں۔ اور فقہاء میں سے جو لوگ صوفیہ کے گروہ کے رد و انکار کی راہ پر چلتے ہیں اور جنہوں نے اس معاملہ میں سختی اور شدت سے کام لیا ہے وہ ابن جوزی ہیں جو فقہ اور حدیث کے بڑے علماء میں سے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ "اس کا بھی مقصد ذرائع کی روک تھام ہے۔ اس کی آرائش و زیبائش کے خیال سے اپنی کتابوں کو مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی حکایتوں اور کلمات اور ان کے افعال و اقوال سے استشہاد کے ذکر میں رد و انکار کے باوجود انہوں نے ان کے بارے میں بعض موقعوں پر اپنی کتاب تلبیس ابلیس میں جو ان کی مشہور

تصنیف ہے چند جگہوں پر کیا ہے۔انہوں نے مبالغہ سے کام لیا ہے اور قسم کھائی ہے کہ میرا مقصد علم کا اظہار اور سنت کی تحقیق اور بدعت کے مواضع پر تنبیہ اور تحذیر (ڈرانا) ہے۔رجال پر طعن کرنا اور اہلِ کمال کی تنقیص کرنا نہیں۔لیکن ان کے کلام کی شدت، سختی اور لہجہ کی تیزی سے جو انہوں نے اپنی کتاب میں اختیار کیا ہے ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان کا انکار قوی اور ان کی نزاع معنوی ہے اور انصاف کی نظر میں یہ کتاب شیطان کے داخل ہونے اور بدعت و جہالت کے مادہ کو کاٹ ڈالنے کی معرفت میں بے نظیر ہے۔قطع نظر اس سے کہ ان کے الفاظ کی سختی، انکار کی شدت اور طعن و تشنیع میں گہرائی وحشت میں مبتلا کرنے اور تشویش میں ڈالنے والا ہے، اس لیے ارباب نصیحت میں سے محققین نے اس کتاب کے پڑھنے اور اس کی مثالیں دینے سے منع کیا اور روکا ہے، اور وصیت کی ہے کہ اس پر غور و خوض نہ کیا جائے۔تاکہ مشائخ اور اربابِ احوال سوءِ ظن اور ان کی تنقیص میں مبتلا نہ ہوں جیسا کہ اس کتاب اور اس میں مذکور مثالوں سے منع کیا ہے۔اسی طرح اربابِ طریقت کی بعض کتابوں مثلاً فصوص اور اس کے مثل اور کتابوں پر غور کرنے سے بھی روکا ہے کہ ان میں اسرار، حقائق اور مواجید کو صریحاً بغیر توقف اور یکسوئی کے لکھ ڈالا ہے۔

چوتھی شرط : جو خلاصۂ کلام اور حاصل مقصد ہے یہ ہے کہ اپنے علم کی کمی اور عقل کی کمزوری کا اعتراف کرے۔خدا جانتا ہے کہ انہوں نے (مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے) کیا کہا ہے اور کس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ان کی باتوں کو انہیں کے ساتھ چھوڑے اور خود کو اپنے تصرف کو درمیان سے ہٹالے۔انصاف کی بات یہ ہے کہ توقف اور انکار اس بات پر کیا جاتا ہے جو اس کی سمجھ میں آرہی ہے یا احتمال اس امر کا ہو کہ انہوں نے اس چیز کا قصد کیا ہے جو فی نفسہ بری نہیں ہے۔پس حقیقت میں انکار خود اپنے نفس پر ہوتا ہے ان پر نہیں۔

حاصل کلام کہ شریعت ایک واضح چیز ہے، خود اس کے موافق چل اور اسی کے مطابق کام کر۔اور اگر تجھ سے مسئلہ شرعی پوچھا جائے تو شریعت کے حکم کے مطابق جواب دے۔اور اگر صادقانِ راہ کے بارے میں کوئی بات آجائے تو تغافل سے کام لے اور چشم پوشی اختیار کر۔واضح رہے کہ انکار دوری اور حرمان کا سبب ہوتا ہے اور تصدیق و اعتقاد کامیابی کا موجب ہے :واللہ الھادی ومنہ التوفیق لنیل الصواب (یعنی :اللہ تعالیٰ ہی ہدایت کرنے والا ہے۔وہی توفیق دیتا ہے اور وہی صحیح بات تک پہنچاتا ہے)۔

کتاب قواعد الطریقہ فی الجمع بین الشریعت والحقیقۃ سے قواعد کی نقل پوری ہوئی۔چونکہ اس کتاب کی عبارتیں وقت کی مناسبت سے بے حد مختصر تھیں۔اس لئے اگر شرح اور وضاحت کی وجہ سے کسی کلمہ یا فقرہ کی زیادتی ہوگئی ہو تو کچھ بعید نہیں لیکن کسی بات یا حکایت کی نقل میں اس اصل سے زیادتی نہیں کی گئی جو شیخ کا مقصود یا ان کا اپنا کلام ہے سوائے بعض جگہوں کے۔اور توفیق ملی تو اس مفہوم کو دوسرے رسالوں میں بھی وقت کے تقاضہ کے مطابق کچھ اور مضمون شامل کر کے تفصیلاً بیان کیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔[1]

راہِ تسلیم اور غلبۂ وجد و حال:

محقق علی الاطلاق، شیخ عبدالحق حنفی نقشبندی محدث دہلوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۰۵۲ھ لکھتے ہیں:

وطریق اسلم کہ مرکزِ دائرۂ اعتدال و توسط است تسلیم است۔ چنانچہ گفتہ اند اسلم تسلم۔ و حاصل معنی تسلیم بدان رود کہ بدانند کہ منشائے این امور حالِ صحیح و نسبتِ درست و نیتِ صادق است و لیکن بغلبۂ حال و استیلائے وجد قدم صبر و ثبات از جاء در آمد و عنانِ ضبط و اختیار از دست رفت بحدیکہ صورت این فعل قبح شرعی وے از نظرِ اعتبار سقوط پذیرفت و نظر بر صرف معنی و روح عمل کہ حضور و اخلاص است مقتصر آمد، و قدم از وسط طریق لغزید، و اگر این حالت

---

[1] (مرج البحرین، ص ۸۵، بتا، ۸۸، محمد اعلی، ناظم آباد، کراچی) (مرج البحرین، ص ۱۱۰: ۔ ۱۱۴)

رادر عالم ظاهر مثالے طلبند طریان حالتِ غضب و فرح است علیٰ حسب تفاوت درجاتهما و مراتبهما۔ که چگونه مرد عاقل رابجنباند واز اختیار بیرون آرد و بیخود کرداند، اگر چه آن حصۂ اختیار که مبدائِ فعل است باقی ست ولیکن سخن در زلت وثبات وغالب ومغلوب می رعد، غلبه وجد وحال را همبرین قیاس توان کرد، واین جز در مقامِ سکر وتلوین وبدایتِ حال نباشد۔

ترجمہ: بحث کا طریقہ جو اعتدال اور توسط کا مرکز ہے وہ تسلیم ہے۔ چنانچہ کہا گیا ہے "اسْلِمْ تَسْلَمْ (یعنی اسلام قبول کرو سلامت رہو گے)۔ دراصل تسلیم کے معنی یہ ہیں کہ لوگ جان لیں کہ ان امور کا منشا صحیح حالت، درست نسبت اور سچی نیت ہے۔ لیکن حال اور وجد کے غلبہ کی وجہ سے ثبات کا قدم اپنی جگہ سے ہٹ جاتا ہے اور ضبط واختیار کی عنان ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ شریعت کے لحاظ سے اس فعل کی جو برائی ہے وہ نظر سے ساقط ہو جاتی ہے اور صرف معنی اور روح عمل پر نظر جم کر رہ جاتی ہے کہ یہی چیزیں حضوری واخلاص کا موجب ہیں، اور قدم درمیانی راستے کے سرے پر پہنچ کر لڑکھڑا جاتا ہے اور اگر اس حالت کو عالم ظاہر میں مثال کے ذریعہ سمجھنا چاہیں تو یہ حالتِ غضب کی روانی اور فرحت والی ہے۔ اور وہ درجوں اور مرتبوں کے تفاوت کی بنا پر ہے کہ کس حد تک وہ کسی عقلمند آدمی کو کس طرح حرکت دیتی، بے اختیار کرتی اور بے خود بناتی ہے۔ اگر چہ اختیار کا وہ حصہ جو کسی فعل کا موجب ومبدا ہوتا ہے، باقی رہتا ہے لیکن بات اصل میں خطا ہونے، قائم رہنے، غالب ہونے یا مغلوب ہونے کی ہے۔ وجد اور حال کے غلبہ کو بھی اسی بات پر قیاس کر لیا جائے اور یہ بغیر سکر وتلوین اور حال کے ابتدا میں نہیں ہوتا۔[1]

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے:

اجتنب صحبة ثلاثة اصناف من الناس العلماء الغافلين و الفقراء المداهنين و المتصوفة الجاهلين۔

ترجمہ: تین قسم کے آدمیوں کی صحبت سے اجتناب کیا کرو۔ ایسے علماء سے جو عمل سے غافل ہوں، ایسے فقیروں سے جو دھوکے باز ہوں اور ایسے صوفیوں سے جو جاہل ہوں۔[2]

علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ جو صوفیاء پر تنقید کرنے میں مشہور عالم ہیں وہ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ:

وما كان المتقدمون في التصوف الا رؤوسا في القرآن و الفقه و الحديث و االتفسير۔

متقدمین صوفیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم علوم قرآن، فقہ، حدیث اور تفسیر کے امام تھے۔[3]

علامہ نورالدین ابوالحسن محمد بن علی بن یوسف بن جریر، قدس سرہ، شطنوفی، علامہ محمد بن یحیی التاذفی الحلبی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

اخبرنا الشيخ الاصيل محيي الدين ابو محمد يوسف ابن الامام ابي الفرج عبد الرحمٰن بن علي بن الجوزي۔ قال: قال لي الحافظ ابو العباس احمد بن احمد البغدادي البندلجي: حضرت انا و والدک عليه الرحمة يوما مجلس الشيخ محيي الدين عبد القادر رضي الله عنه، فقرء القاري آية فذكر الشيخ في تفسيرها وجها فقلت لوالدک: اتعلم هذا الوجه؟ قال: نعم، ثم ذكر وجها آخر، فقلت له، اتعلم هذا الوجه؟ قال: نعم، فذكر الشيخ فيها احد عشر وجها، انا اقول لوالدک: اتعلم هذا الوجه؟ وهو

---

[1] (مرج البحرین، ص ۳۶، ۳۷، محمد اعلی، ناظم آباد، کراچی) (مرج البحرین، ص ۵۲:)

[2] (تلبیس إبلیس ص ۳۹۶ دار ابن حزم)

[3] (تلبیس إبلیس ص ۳۴۹ دار ابن حزم)

یقول نعم، ثم ذکر الشیخ وجھا آخر، فقلت لوالدک :اتعلم ھذا الوجہ؟قال :لا، حتی ذکر فیھا کمال اربعین وجھا یعزو کل وجہ الی قائلہ، ووالدک یقول :لا اعرف ھذا الوجہ، واشتد تعجبہ من سعۃ علم الشیخ، ثم قال :نترک القال، ونرجع الی الحال لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، فاضطرب الناس، اضطرابا شدیدا، ومزق والدک ثیابہ۔

حافظ ابو العباس احمد بن احمد البند لجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک وقت کا ذکر ہے کہ میں اور ابن الجوزی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں حاضر ہوئے اس وقت آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ترجمہ پڑھا رہے تھے۔قاری نے ایک آیت پڑھی اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے وجوہات بیان فرمانے شروع کیے۔میں نے پہلی وجہ پر ابن جوزی سے پوچھا : کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو یہ وجہ معلوم ہے تو انہوں نے کہا :ہاں! پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک وجہ بیان فرمائی، میں نے شیخ موصوف سے پوچھا : کہ یہ وجہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو معلوم ہے انہوں نے کہا :ہاں! یہاں تک کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس آیت کریمہ کے متعلق گیارہ وجوہات بیان فرمائیں اور ہر ایک وجہ پر میں شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ موصوف سے پوچھتا گیا کہ آپ کو یہ وجہ معلوم ہے تو شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ موصوف ہر ایک وجہ کی نسبت کہتے گئے کہ ہاں یہ وجہ مجھے معلوم ہے اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک اور وجہ بیان کی جس کی نسبت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ موصوف سے میں نے دریافت کیا تو انہوں نے کہا : کہ یہ وجہ مجھ کو معلوم نہیں۔اسی طرح آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پوری چالیس وجوہات بیان فرمائیں اور ہر ایک وجہ کو اس کے قائل کی طرف بھی منسوب کرتے گئے اور اخیر تک ہر وجہ پر شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ موصوف نے کہا : کہ مجھے اس کا علم نہیں۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کی وسعت علم پر نہایت متعجب ہوئے پھر شیخ نے فرمایا کہ ہم قال کو چھوڑ کر حال کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ان کا یہ کہنا کہ مجلس میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا اور آپ کے والد موصوف نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔[1]

اب ہم اپنے مقصد اصلی کی طرف چلتے ہیں۔

مسئلۂ وجد اور تواجد اور جذب قرآن واحادیث مبارکہ اور فقہاءِ کرام کے اقوال سے ثابت ہے جو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کرینگے لیکن میرے خوش قسمت بھائی یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ وجد عربی زبان کا لفظ ہے جو وجد یجد باب ضرب یضرب سے ہے لغت میں مطلوب پانے کو کہا جاتا ہے اور اس کا استعمال غمی اور خوشی، محبت اور شوق وذوق، قدرت وعلم وغیرہ میں ہوتا ہے، لیکن اہلِ تصوف کی اصطلاح میں وجد، ذوق وشوق باطنی فیض الٰہی کو کہا جاتا ہے۔اور تواجد تکلفاً حالتِ وجد کا اظہار کرنے کو کہا جاتا ہے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :فالتواجد :استدعاء الوجد بضرب اختیار ولیس لصاحبہ کمال الوجد (تواجد اپنی طرف سے حالتِ وجد کو ظاہر کرنا ہے جبکہ اس کو وجدِ حقیقی حاصل نہ ہو۔)[2]

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :

التواجد المتکلف فمنہ مذموم ومنہ محمود۔

(تواجد تکلف سے وجد ظاہر کرنا جب ریا مطلوب ہو تو مذموم ہے اور اگر وجد حقیقی سے مشابہت مقصود ہو تو محمود ہے۔)[3]

علامہ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :

---

[1] (بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار، ص ۲۲۴، ۲۲۵، مؤسسۃ الشرف بلاھور، پاکستان) ص ۲۵۱، (غوث جیلانی، ص ۶۵ :ا)

[2] (الرسالۃ القشیریۃ ج ا ص ۱۶۱)

[3] (إحیاء علوم الدین ج ۲ ص ۲۹۵)

ولاشک ان التواجد وھو تکلف الوجد واظھارہ من غیر ان یکون لہ وجدًا حقیقیًا فمنہ تشبہ باھل الوجد الحقیقی وھو جائز بل مطلوب شرعًا۔

(اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ تکلف کے ساتھ وجد کا اظہار جب حقیقت میں نہ ہو۔اس میں وجد حقیقی والوں کی مشابہت ہے تو جائز ہے بلکہ مطلوب شرعی ہے۔[1]

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :

والتواجد مذموم للریآء لا لقصد الوصول الی الحقیقۃ لورود۔ (تواجد دکھاوے کے لئے مذموم ہے حقیقت واردتک پہنچنے کے لئے مذموم نہیں بلکہ محمود (اچھا) ہے۔)[2]

تواجد : تواجد عربی زبان کا لفظ ہے اور باب تفاعل سے ہے تکلف کے ساتھ وجد ظاہر کرنے کو کہا جاتا ہے اور وجد کی جتنی تعریفیں بزرگوں نے کی ہیں سب کا مرجع (حاصل) ایک ہے فرق صرف اسباب میں ہے۔

''جس طرح ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔''

الوجد وارد حق یزعج (ای یمیل) القلوب الی الحق۔

(وجد اللہ کی طرف سے ایسا ایک وارد ہے جو دلوں کو اللہ کی طرف مائل کرتا ہے جیسا کہ احیاء العلوم میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔)[3]

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے عوارف المعارف میں فرمایا :

الوجد وارد یرد من الحق سبحانہ ''کما فی عوارف المعارف۔

(وجد اللہ تعالیٰ کی جانب سے عارفوں پر وارد ہونے والے فیض کا نام ہے)

ابوالحسن دراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

الوجد عبارۃ عما یوجد عند السماع کما فی احیاء العلوم۔

(وجد اس حال کا نام ہے جو سماع یعنی نعت وثنا خوانی یا قوالی کے وقت سالکین پر وارد ہوتا ہے۔)[4]

ابوسعید بن اعرابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

الوجد رفع الحجاب ومشاھدۃ الرقیب وحضور الفھم وملاحظۃ الغیب ومحادثۃ السر واینا س المفقود ''کما فی احیاء العلوم۔

(وجد باطنی حجابات اٹھ جانے اور نگہبان حقیقی کا مشاہدہ کرنے اور فہم وفراست حاصل ہونے اور غیب کے مرتبوں کے ملاحظہ ہونے اور رازوں کے حصول کے ساتھ مشغول ہونے اور گم شدہ نعمت پانے کا نام ہے۔)[5]

عین العلم میں درج ہے :

الوجد صادق القلب من شوق وخوف وحزن وقلق ویجدی نقآء القلب وحصول العلم والمکاشفۃ وربما لا یمکن تعبیر منہ۔

---

[1] (الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ ج ۲ ص ۵۲۵)

[2] (عین العلم کے صفحہ نمبر ۴۰۵)

[3] (احیاء العلوم جلد: ۲: ص: ۲۶۱)

[4] (احیاء العلوم جلد: ۲: ص: ۲۶۱)

[5] (احیاء العلوم جلد: ۲ : ص: ۲۶۱)

(وجد صادق دل کے احوال جیسے شوق، خوف، غم، پریشانی (اضطراب) کو کہا جاتا ہے وجد دل کی صفائی لاتا ہے علم باطنی اور کشف اس سے حاصل ہوتا ہے ۔اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وجد کی تعبیر ہی ممکن نہیں رہتی)۔[1]

عمر بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

لا یقع علی کیفیۃ الوجد عبارۃ لانہ سر اللہ عند عبادہ المؤمنین الموقنین''

(وجد کی کیفیت عبارۃ میں نہیں آسکتی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا راز ہے ۔کامل یقین رکھنے والے مسلمانوں کے ساتھ۔)[2]

اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''انہ عبارۃ عن حالۃ یثمرھا السماع وھو وارد حق جدید عقیب السماع یجدہ المستمع من نفسہ۔''

(وجد ایسی حالت کو کہا جاتا ہے جو کہ نعت خوانی (سماع وغیرہ) سے پیدا ہوتی ہے ۔نعت سننے والا اس وارد حق کو اپنے اندر پاتا ہے۔)[3]

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں :

الوجد الحق ھو ما ینشأ من فرط حب اللہ تعالی وصدق إرادتہ والشوق إلی لقائہ۔

(وجد حق اللہ تعالیٰ سے کامل محبت اور سچی ارادۃ اور اللہ جل شانہ سے ملاقات کے شوق کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔)[4]

ابو الحسین دراج فرماتے ہیں :

الوجد عبارۃ عما یوجد عند السماع، وقال :جال بی السماع فی میادین البھاء فاوجدنی وجود الحق عند العطاء فسقانی بکاس الصفاء فادرکت بہ منازل الرضاء واخرجنی الی ریاض التنزہ والفضاء۔

(وجد اس چیز کو کہتے ہیں جو سماع کے وقت پائی جاتی ہے ۔وہ فرماتے ہیں مجھے سماع رونق کے میدانوں میں دوڑاتا ہے تو عطا کے وقت وجود حق نے مجھے میرا مقصود عطا کر دیا۔اور مجھے جام صفا پلایا جس سے میں نے رضا کی منازل کو پالیا اور اس نے مجھے سیر وتفریح اور کھلی فضاء کے باغات کی طرف پہنچا دیا۔)[5]

شیخ ابونصر عبداللہ بن علی سراج طوسی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

قال الشیخ رحمہ اللہ :قال أبو سعید بن الاعرابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فی کتابہ فی الوجد أن سائل سال فقال :أیما أفضل و أتم، الحرکۃ والانزعاج، قال أبو سعید :فالجواب فی ذلک واللہ أعلم :أن الواردات من الاذکار، منھا ما یوجب السکون، فالسکون فیھا افضل من الحرکۃ، ومنھا ما یوجب الحرکۃ؛فالحرکۃ فیھا أتم :أذ حکمھا القھر لاھلھا فاذا لم یقم بھذا القھر کان الوارد ضعیفا فی وروده ولو ورد بحقیقتہ لأوجب ضرورۃ الحرکۃ والواردات من العلوم والأذکار الکاین عنھا الوجد والاستھتار علی القلوب فیشاھدھا ورایت جماعۃ یفضلون اھل السکون لکبر عقولھم وقوتھا واشرافھا علی ما ورد علیھا و

---

[1] (عین العلم ص ۴۰۴)

[2] (احیاء العلوم: جلد: ۲: ص: ۲۶۱)

[3] (احیاء العلوم فی آثار السماع وآدابہ :جلد: ۲: ص: ۲۹۳)

[4] (احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۲۹۶ باب کتاب آداب السماع والوجد)

[5] (احیاء علوم الدین: ج: ۲: ص ۲۹۲:)

تمکنها فیه، و هذا لعمری کذالک، و لکن ربما ورد ما لا یلاوم العقول المخلوقه فیکون نوره اقوی و برهانه اقوی فیقوم شاهده منه و یعجز العقل عن ادراکه فیکون الوارد اقوی من العقل، فحکم هذه الحرکته اتم۔

ترجمہ: ابوسعید بن الاعرابی علیہ الرحمۃ کتاب الوجد میں لکھتے ہیں: ''ایک سوال کرنے والے نے پوچھا کہ وجد میں کامل ترین شخص کون ہے حرکت کرنے والا یا ساکن رہنے والا؟ صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے میں سکون و تمکین سے رہنا کہیں افضل ہے حرکت کرنے سے یا جوش و جذبے میں آنے سے۔ ابوسعید نے جواب دیتے ہوئے لکھا ہے: ''بلاشبہ واردات اذکار سے ہوتی ہیں اور ان میں سے بعض واردات ایسی ہوتی ہیں جو موجب سکون ہوتی ہیں لہذا ایسے میں ساکن رہنا ہی افضل ہے حرکت سے۔ اور بعض واردات ایسی ہوتی ہیں جو موجب حرکت ہوتی ہیں اس لئے متحرک رہنا افضل ہو جاتا ہے ساکن رہنے سے کیونکہ اس طرح کی واردات کے مزاج میں قہر یعنی غلبہ ہوتا ہے۔ اب اگر وہ اس غلبہ پر قائم نہ رہا تو واردات ضعیف ہوں گے اور اگر واردات ضعیف نہ ہوں تو حرکت ضروری ہے''۔ واردات، علوم و اذکار سے پیدا ہوتی ہیں اور ان سے وَجد پیدا ہوتا ہے اور واجد ان کا مشاہدہ بھی کرتا ہے۔

میں نے ایک جماعت صوفیہ کو دیکھا جو وجد میں اہل سکون کو اس لئے ترجیح دیتی ہے کہ ان کی عقلیں بڑی اور قوی ہوتی ہیں ان پر جو کچھ واردات ہوں ان کو سمجھتی اور ان پر استقامت رکھتی ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بھی درست ہے مگر بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ کچھ واردات اس قدر قوی نوری اور مضبوط برہان والی ہوتی ہیں کہ عقلیں ان کو سمجھنے سے قاصر ہوتی ہیں ایسے میں جس وجد میں انسان متحرک ہو جائے تو بلاشبہ ایسی حرکت، ساکن رہنے سے افضل ہے۔[1]

شیخ ابونصر عبداللہ بن علی سراج طوسی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

قال أبو سعید بن الأعرابی: الوجد ما یکون عند ذکر مزعج، او خوف مقلق او توبیخ علی زلة او محادثة بلطیفه، او اشارة الی فائدة، أو شوق الی غائب، او اسف علی فائت، او ندم علی ماض، او استجلاب او داع الی واجب او مناجاة یقابلة الظاهر بالظاهر و الباطن بالباطن، و الغیب بالغیب و السر باسر، استخراج ما لک بما علیک مما سبق لک، لتسعی فیه فیکتب لک بعد کونه منک، فیثبت لک قدم بلا قدم و ذکری بلا ذکر، اذا کان هو المبتدی بالنعم و المتولی لها، و ملهم الشکر علیها، و المضیف الیک کسبها، فیثبت لک لک بها درجة عاجلة، و الیه یرجع الامر کله، فهذا جملة ظاهر علم الوجود۔

و قال ابو سعید رحمه الله: الوجد مباشرة روح و مطالعة مزید، لا یصبر عن قلیله و لا یقدر علی کثیره، التخیل منه متدارک، و الاستحثاث منه الیه متواتر، فلذالک یقع اللهف و ربما کان دونه التلف، فأما البکاء و الشهیق فلقربه ما یزداد اذ کان لم یعرف قبل، و رودہ و لا انس به مع سرعة تقصیه مع وقوعه حتیٰ کانهما جمیعا معا، فلم یتم الاستبشار بورودہ حتیٰ لحق الاسف علی تقضیه، و الرعدة و الغشیة و زوال الأعضاء و الغلبة علی العقل فلعظم قدر اوارد و قوة سطونه، و کذلک کل وارد مستغرب او مفزع مهول، ففی سرعة ورودہ مع سرعة تفضیه حکمة بالغة و نعمة ظاهرة، و لو لا انه امسک اولیاءه و القی علی کل قلب من ذلک ما أطاقه لطاشت عقولهم و ذهلت نفوسهم، و لکن لا حال معلومة و مناهل مورودة، و ذلک لا یدوم لحظة او طرفة

---

[1] (اللمع فی تاریخ التصوف الاسلامی، کتاب الوجد، باب فی الواجد الساکن والواجد المتحرک أیهما أتم؟ ص، ۲۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت) (کتاب اللُّمع فی التصوف، ص، ۵۱۲)

عين :رفقا منه بأولیائه حتی ینسیهم فیما أرد کما یرید۔

ترجمہ:ابوسعید بن الاعرابی علیہ الرحمۃ نے کہا :وجد مندرجہ ذیل احوال کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔بے قرار کر دینے والا بیان، پریشان کن خوف،لغزش پر مواخذہ،کسی فائدے کی طرف خوب صورت کلام کے ذریعے اشارہ،غائب کا شوق،کھو دینے پر ندامت،ماضی کا غم،حصول اور اپنے باطن کے ساتھ سرگوشی کرنا۔باطن سے سرگوشی کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ ظاہر کا ظاہر،باطن کا باطن،غیب کا غیب اور سر کا سر کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔ اور یہ کہ اپنے حقوق وفرائض کو جان لیا جائے تا کہ تو اس میں کوشش کرے اور اس کے بعد تیرے لئے قدم کے بغیر ثابت قدمی اور ذکر کے بغیر ذکر لکھ دیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نعمتوں کا مالک اور عطاء کرنے والا ہے وہی نعمتوں پر توفیق شکر عطا کرنے والا اور تجھے ان کے حصول پر مائل کرنے والا ہے لہذا وہی ان میں سے تمہیں درجہ دینے والا ہے۔اور بے شک تمام امور کا مرجع اسکی ذاتِ والا صفات ہے۔

ابوسعید بن الاعرابی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں وجد،خوشیوں سے ہمکنار ہونے اور مزید سے آگاہ ہونے کو کہتے ہیں وجد کی یہ لذتیں تھوڑی ہوں تو صبر نہیں آتا اور زیادہ ہوں تو سنبھالی نہیں جاتیں۔گمان وخیال اس سے قریب ہیں اور برانگیختہ ہونا مسلسل یہی وجہ ہے کہ پشیمانی سے بھی دو چار ہونا پڑتا ہے۔اور اس سے بڑھ کر یہ کہ سب گنوا دینے کا بھی خدشہ ہوتا ہے۔آہ و بکاء وجد کے آنے سے پہلے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا کیونکہ وجد طاری ہونے سے پہلے تو موجود ہی نہیں ہوتا۔اور وجد سے انس نہیں پیدا ہوسکتا کیونکہ وہ واقع ہوتے ہی رخصت ہو جاتا ہے۔

وجد میں غشی،لرزہ،اعضاء کا زوال اور عقل پر غلبہ اسی صورت میں ہوتا ہے کہ واردات قوی ترین اور مؤثر ترین ہوتی ہے۔کیفیت وجد کے تیزی سے آنے اور عجلت تمام رخصت ہونے میں ایک نکتہ دقیقہ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت پوشیدہ ہے وہ اس طرح کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو نہ بچاتا اور ہر قلب پر مالا یطاق کیفیت وجد کو دیر تک طاری رہنے دیتا تو عقلیں بکھر جاتیں اور جانیں تلف ہو جاتیں۔[1]

وقال أبو سعيد بن الأعرابي الوجد رفع الحجاب ومشاهدة الرقيب وحضور الفهم وملاحظة الغيب ومحادثة السر وإيناس المفقود وهو فناؤك من حيث أنت وقال أيضاً الوجد أول درجات الخصوص وهو ميراث التصديق بالغيب فلما ذاقوه وسطع في قلوبهم نوره زال عنهم كل شك وريب۔

ترجمہ:ابوسعید بن اعرابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ وجد سے مراد حجاب کا دور ہونا اور دوست کا مشاہدہ کرنا اور فہم کا موجود ہونا اور غیب کا دیکھنا اور رازِ قلبی سے گفتگو کرنا اور مفقود کو انس دینا یعنی اپنی خودی کو زائل کرنے سے مانوس ہو جانا۔اور یہ بھی انہی کا قول ہے کہ وجد خصوصیت کے درجات میں سے اول ہے اور تمام امور غائبہ کی تصدیق ہے کہ جب صوفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم وجد کا مزا چکھتے ہیں اور ان کے قلوب پر اس کا نور چمکتا ہے تو انہیں کوئی شک اور شبہ باقی نہیں رہتا۔[2]

شیخ ابونصر عبداللہ بن علی سراج طوسی،رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ومنهم من ثبت في وجده وشاهد من ذلك بتمكينه، فوصف بعض ماشاهده، فيكون ذلك حجة على غيرهم، ولولا ذلك ماخبروا به توقيا عليه وصيانة له واشفاقا أن يضعوه غير موضعه فيسلبوه، وربما وقع بهم الوجد من المسموع قبل تدبره، ومن

---

[1] (اللمع فی تاریخ التصوف الاسلامی،کتاب الوجد،باب جامع مختصر من کتاب الوجد الذی ألفه أبو سعید بن الأعرابی رحمہ اللہ ص،۲۶۹،۲۷۰،دار الکتب العلمیہ،بیروت) (کتاب اللمع فی التصوف،ص،514)

[2] (احیاء العلوم،کتاب آدب السماع والوجد،الباب الثانی المقام الثانی،ج،۲،ص،۴۱۳،المکتبۃ التوفیقیۃ،القاہرہ)

المنظور اليه قبل الفكر فيه، ولا يامنون أن يكون ذلک من الطبع و استحسان النفس مع ما يجدون فيه من الرقة ويشهدون بعده من الزيادة فيلتبس عليهم تميز الحق من الباطل ,ولا يجب لمن يدعي معرفة خالفه ان يسكن الي سواه أو يشغل خاطره بناقص أو يقع وهمه على زائل، وهذا و ان كان مشكلا عليه لتشابهه' فانه عند اهل النظر و التحصيل مميّز بالتفصيل' اذ ليس ما تلقته القلوب بمشاهدتها كما توهمته بظنونها' ولا من كان متروكا مهملا كمن كان محفوظا، ولا ما استجلب كونه كما فاض عن معدنه، و لا ما نج عن الفكر كما رشح عن الذكر، و ربما يختط ذالک على اهل التمييز لعلة ،و ينكشف لهم بعد زوال العلة لان المتميز با الفكر ليس كا المستهتر با الذكر و لا المتخير المختار كمن غلب عليه الوجد و الاستهتار و ليس هذا صفة كل واجد لا ختلاف احوالهم، فمنهم من وجده عن العلم، ومنهم من وجده با لعلم و منهم من وجده علم۔ فاما الوجد الذى يكون لاهل الثبات من السكون عن الحركة و المنعة عن الخلوة لان الانس افناهم عن الوحشة و القرب عن رؤية المسافة، فربما بدالهم باد فيتغالون فى وجودهم، وربما ردهم الىٰ صفاتهم بقيا عليهم لما افتطروا عليه من الحاجة الى الغذاء و النساء فيحشمهم ذالک من رؤيتهم ذالک انزعاجا يظنونه لعلة و قد خافوا زمانا فيلحقهم عند ذلک الوله لطلب ما فقدوه فيحملهم على الاقتحام على كل ماتوهموا أنه يوصلهم، غلبت عليهم التمييز، فبادروا مسرعين، كلما رأوا سرابا ظنواه ماء، كلما رأوا ماء ظنواه سرابا ، لغلبة الطمع ، فهم على وجوههم ذاهبون فى كل وادٍ يهيمون و لكل بارق يتبعون، سبق سيلهم مطرهم ذكرهم فكرهم، الىٰ كل سبب يسلمون، و عليه لا يعولون، و الطمع يطمع ابصارهم، و الياس يزجرهم، فلا يأسهم يدوم فينصرف و لا طمعهم يصح فيأتلفوا ، أشبه شيئ با المجانين، قد سمحت انفسهم بتلف مهجتهم عند ما يطلبون، لو توهموا ه فى تيه سلكوه، او وراء سبحوا او وراء نار تأجج اقتحموها كا الفراش اذا رأى ضوأ النار لا يقصر عن تقحمها ۔أو ما رأيتهم مشردين مهيمين با المفاوز و المهالک و القفار،، لا يأوون ؟ الا انهم فى ذالک محفوظون من الزلل بصدقهم فى قصدهم ، فهم من الولم على سنن۔ و اما من فاروق العلوم الظاهرة فغير مامون عليه الزلل، و من سلک غير المحجة كان من السلامة علىٰ خطر۔

ترجمہ: واجدین میں سے کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں جو وجد میں ثابت قدم ہوتے ہیں اور جو کچھ وجد میں سے انھوں نے حاصل کیا ہوتا ہے، وہ ان کی تمکین کا نتیجہ ہوتا ہے، یہی لوگ ہیں جو وجد کی کیفیات کو بیان کرتے ہیں اور دوسرں کے لیے ان کا بیان حجت ہوتا ہے، اور اگر یہ لوگ دوسروں کو غلطی کا مرتکب ہونے سے بچانے کے لیے انھیں صحیح احوال نہ بتاتے تو ان کی کیفیات سلب ہو جاتیں، بعض اوقات ان پر وجد کسی کلام کے سنتے وقت اس پر غور کرنے سے پہلے ہی طاری ہو جاتا ہے اور وہ اس خیال سے نہیں بچ سکتے کہ یہ وجد طبعی اثرات کے نتیجہ میں طاری ہوا ہے اور اس لحاظ سے ان پر وجد حقیقی وغیر حقیقی میں امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ ایسے وجد میں انھیں رقت بھی حاصل ہوتی ہے، اور اس کے بعد کیفیت میں اضافہ بھی محسوس ہوتا ہے، جو شخص اپنے خالق کی معرفت کا مدعی ہو اسے نہیں چاہیئے کہ وہ اس کے سوا کسی اور سے سکون و مسرت پائے یا کسی ناقص سے دل لگائے یا کسی زائل ہونے والے سے خیالات کے سلسلے کو جوڑے، اگر چہ اس کے لیے ایسا کرنا مشکل ہے، کیونکہ ان چیزوں میں بظاہر مشابہت بھی پائی جاتی ہے اس لیے اہل نظر صوفیہ نے اس التباس کو باعتبار فضیلت اس طرح واضح کیا ہے کہ قلوب اپنے ظن و گمان سے متصور کرتے ہیں نہ

متروک ومحفوظ کے برابر ہوسکتا ہے۔نہ مصنوعی چیز سرچشمے سے آتی ہوئی چیز کے برابر ہوسکتی ہے،اور نہ ہی فکر سے حاصل ہونے والی بات ذکر سے حا صل ہونے والی بات کے برابر ہوسکتی ہے، بعض اوقات تمییز کے باوجود بھی متفرق چیزوں میں فرق واضح نہیں ہو پاتا اس کی وجہ کوئی کمزوری ہوتی ہے۔اور جب یہ زائل ہو جائے تو فرق ہو جاتا ہے۔کیونکہ فکر کے ذریعے متمیز شے ذکر کے ذریعے چاہی گئی شے کے برابر نہیں ہوسکتی ۔اور نہ ہی صاحب اختیار وضبط اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے،جس پر وجد وفریفتگی غلبہ ہو مگر ہر واجد کی یہ صفت نہیں ہوتی، کیونکہ ان کے احوال یکساں نہیں۔واجدین میں سے کسی کا وجد علم کے باعث ہوتا ہے۔بعض کا علم کے ساتھ اور بعض کا وجد خالصتاً علم ہی ہوتا ہے۔وہ وجد جس کا تعلق اصل ثبات سے ہے۔وہ حرکت کے بجائے سکون اختیار کر کے حرکت کو ترک کرنے والوں میں پایا جاتا ہے۔خلوت سے دوری اس لیے کہ مانوس رہنے کی حالت نے انھیں وحشت سے دور کر دیا ہوتا ہے اور قرب نے ان کو مسافت سے علیحدہ کر رکھا ہوتا ہے۔بعض اوقات اہل وجد پر کوئی ایسی کیفیت ظاہر ہوتی ہے کہ یہ لوگ اپنے وجود میں بڑھ جاتے ہیں۔اور بعض اوقات ان کا اپنی صفات بشری کی طرف لوٹنا ان کے لیے باقی رہتا ہے اور اپنی صفات بشری کے مطابق ہی وہ غذا اور عورت کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔اور اس ضرورت سے وہ پریشان ہو جاتے ہیں کیونکہ اسے وہ ا پنے وجد کے لیے نقص کے قائم مقام سمجھتے ہیں۔اور ایک عرصے تک خوف کا شکار رہتے ہیں اسی دوران کھوئی ہوئی کیفیت کو پانے کی طلب انھیں ایک ایسی پریشانی سے دوچار کر دیتی ہے۔

اور وہ ہر شے کے بارے میں یہی خیال کرتے ہیں کہ وہ انھیں گوہر مراد تک پہنچا دے گی اور ان کے احساس پر تمییز اس قدر غالب آجاتی ہے کہ وہ جلد بازی میں دوڑنے لگتے ہیں اور جہاں کہیں سراب دکھائی پڑتا ہے اسے پانی سمجھ بیٹھتے ہیں اور جہاں کہیں پانی دیکھتے ہیں اسے سراب سمجھ بیٹھتے ہیں کیونکہ طمع کا غلبہ ہوتا ہے وہ ناک کی سیدھ میں چلے جا رہے ہوتے ہیں اور ہر وادی میں چکر کاٹتے ہیں اور ہر چمکنے والے کے پیچھے چل پڑتے ہیں ان کا سیلاب ان کی بارش سے بڑھ جاتا ہے اور ذکر فکر سے آگے نکل جاتا ہے،ہر سبب کے آگے سر خم کر دیتے ہیں اس سے واپس لوٹتے نہیں طمع ان کی نظروں کو اوپر اٹھائے رکھتا ہے اور ناامیدی ان کو روکتی ہے ان کی ناامیدی جاری نہیں رہتی کہ وہ لوٹ جائیں اور نہ طمع واقعتاً طمع ہوتی ہے کہ وہ تلف ہو جائیں،ان کی مثال ان دیوانوں کی سی ہوتی ہے جو محبوب کی خاطر اپنی زندگی تک کو قربان کر دیتے ہیں اگر انھیں یہ خیال لا حق ہو جا ئے کہ محبوب لق ودق صحرا میں ہے تو وہ اس کی طرف چل پڑیں یا یہ وہم پڑ جائے کہ وہ سمندر کے پار ہے تو اسے عبور کر لیں یا بھڑکتی آگ کے ورے ہے تو اس میں بے خطر کود پڑیں اس پتنگے کی مانند جو جہاں کہیں آگ روشن دیکھتا ہے اس میں کود پڑتا ہے۔کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا کہ وہ جنگلوں،صحراؤں اور موت کی گھاٹیوں میں پریشان حال چکر کاٹتے پھرتے ہیں کہ انہیں ٹھکانا ملتا ہے اور نہ کوئی پناہ۔ایسے خطرات سے اگر وہ محفوظ رہ سکتے ہیں تو اپنی نیت اور ارادے کی صداقت اور شریعت کی اتباع کے ذریعے۔جس شخص نے ظاہری علوم ''شریعت'' سے دوری اختیار کی وہ لغزشوں سے بچ نہیں سکتا اور جس شخص نے شریعت کو چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کی تو وہ سلامتی سے دور خطرے کی طرف بڑھ رہا ہے۔[1]

شیخ عبدالقادر عیسی قادری شاذلی،رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،لکھتے ہیں:

والخلاصة :يفهم مما سبق أن الحركه في الذكر مباحة شرعاً ،هذا بالاضافة الى ان الأمر بالذكر مطلق يشمل جميع الاحوال ،فمن ذكر الله تعالى قاعداً او قائماً ، جالساً او ماشياً ،مضطجعاً متحركاً او ساكناً ۔۔۔فقد قام با المطلوب ونفّذ الأمر الالهي۔فا لذى يدّعي تحريم الحركة في الذكر او كراهتها هو المطا لَب با الدليل ، لأنه يخصص بعض الحا لات المطلقة دون بعض بحكم خاص ۔ وعلى كلّ فان غاية المسلم في دخوله حلقات الا ذكار قيا مه بعبا ده الذكر ، وان الحركة في ذالك ليست

---

[1] (اللمع فی تاریخ التصوف الاسلامی،کتاب الوجد،باب جامع مختصر من کتاب الوجد الذی ألفہ أبوسعید بن الاعرابی رحمہ اللہ ص،۲۷۰،تا،۲۷۲،دار الکتب العلمیہ،بیروت)

شرطا، ولكنها وسيلة للنشاط في تلك العباده وتشبّه بأهل الوجد ان صحت النية۔

فتشبهوا ان لم تكونوا امثلهم ان التشبه بالكرام فلاح

ترجمہ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ ذکر کے وقت حرکت (وجد، جھومنا وغیرہ) شرعاً جائز ہے۔ مزید براں یہ کہ ذکر کے متعلق اللہ کا حکم مطلق ہے اور تمام احوال کو شامل ہے۔ جس نے اللہ کا ذکر کھڑے ہوئے، بیٹھے ہوئے، چلتے ہوئے، لیٹے ہوئے، حرکت کرتے ہوئے، جھومتے ہوئے اور بحالت سکون کیا، وہ امر الٰہی بجالایا اور ہر حال میں ذکر کرنا اللہ کے حکم کی تعمیل ہے، جو لوگ ذکر میں حرکت کرنے، وجد و جذب کے حرام و مکروہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ دلیل پیش کریں، کیوں کہ وہ مطلق حکم کو بلا دلیل مقید کرنا چاہتے ہیں۔ بہر حال مسلمان کا مطمع نظر یہی ہونا چاہئے کہ وہ ذکر کے حلقوں میں شامل ہو کر عبادتِ ذکر میں مشغول رہے کیونکہ یہ وجد وغیرہ ذکر کے لیے شرط نہیں، بلکہ یہ تو اس عبادت میں نشاط پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور اگر نیت صحیح ہو تو اہلِ وجد کے ساتھ مشابہت بھی فائدہ مند ہے۔ جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے۔

فتشبهوا ان لم تكونوا امثلهم ان التشبه بالكرام فلاح

ترجمہ: "اگر ان کی مثل نہیں ہو تو ان لوگوں سے مشابہت اختیار کرلو کیونکہ نیکوں کی مشابہت اختیار کرنے میں بھی کامیابی ہے"۔[1]

حضرت علامہ سفارینی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

قَالُوا وَأَمَّا الْحَالُ الَّذِي يَلْحَقُ الْمُتَوَاجِدَ، فَمِنْ ضَعْفِ حَالِهِ عَنْ تَحَمُّلِ الْوَارِدِ، وَذَلِكَ لِازْدِحَامِ أَنْوَارِ اللَّطَائِفِ فِي دُخُولِ بَابِ الْقَلْبِ، فَيَلْحَقُهُ دَهْشٌ فَيَبْعَثُ بِجَوَارِحِهِ، وَيَسْتَرِيحُ إِلَى الصَّعْقَةِ وَالصَّرْخَةِ وَالشَّهْقَةِ. وَأَكْثَرُ مَا يَكُونُ ذَلِكَ لِأَهْلِ الْبِدَايَاتِ، وَأَمَّا أَهْلُ النِّهَايَاتِ فَالْغَالِبُ عَلَيْهِمُ السُّكُونُ وَالثُّبُوتُ لِانْشِرَاحِ صُدُورِهِمْ، وَاتِّسَاعِ سَرَائِرِهِمُ الْوَارِدِ عَلَيْهِمْ، فَهُمْ فِي سُكُونِهِمْ مُتَحَرِّكُونَ، وَفِي ثُبُوتِهِمْ مُتَقَلْقِلُونَ،

ترجمہ: مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے فرمایا: کیفیت اور وجد طاری ہونے کا سبب یہ ہے کہ صاحب وجد میں واردات برداشت کرنے کی قوت نہیں ہوتی، کیونکہ اس کے دل پر انوار و لطائف کی کثرت ہوتی ہے تو اس پر وحشت طاری ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کے اعضاء میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے، کبھی وہ چیخنے لگتا ہے اور کبھی اس پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے اور یہ حالت عموماً سلوک کے ابتدائی مراحل میں ہوتی ہے، اور رہے منتہی لوگ تو ان پر سکون و طمانیت غالب ہوتی ہے کیونکہ ان کے قلوب اور سینوں میں اتنی وسعت ہوتی ہے کہ وہ ان تمام چیزوں کو جذب کر لیتے ہیں، یہ لوگ بظاہر پر سکون نظر آتے ہیں لیکن ان کے دلوں پر جذبات و ہیجانات کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔[2]

شیخ ضیاء الدین ابو نجیب عبد القاہر سہروردی، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

وقال الصبيحي يجب أن يكون الواجد۔ اذا كان وجده صحيحاً محفوظاً في حال وجده لا يجري عليه لسان الذم بحال وقيل الوجد سر صفات الباطن كما أن الطاعة سر صفات الظاهر، وصفات الظاهر الحركة والسكون وصفات الباطن الأحوال والأخلاق۔

ترجمہ: حضرت شیخ المشائخ صبیحی نے فرمایا جس شخص کو وجد آئے اس کے لیے واجب ہے کہ اگر اس کا وجد صحیح ہو تو وہ اپنے وجد کی حالت میں محفوظ

---

[1] (حقائق عن التصوف، الحركة في الذكر، ص، ۱۰۰)

[2] (غذاء الالباب، ج، ۱، ص، ۱۳۷، حقائق عن التصوف، ص، ۱۰۷)

ہو اور اس کی زبان پر کوئی برائی کا کلمہ جاری نہ ہو۔ اور کہا گیا ہے کہ وجد صفاتِ باطن کا راز ہے۔ جیسا کہ طاعت صفات ظاہر کا راز ہے، اور صفاتِ ظاہر حرکت وسکون ہیں اور صفاتِ باطن احوال واخلاق ہیں۔ [1]

حضرت سیدنا امام ابوبکر بن ابو اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب بخاری کلابازی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۳۸۰ھ لکھتے ہیں:

وَمعنی الوجد هُوَ مَا صَادف الْقلب من فزع أَو غم أَو رُؤْيَة معنى من أَحْوَال الْآخِرَة أَو كشف حَالَة بَين العَبْد وبين الله عز وَجل۔

ترجمہ: گھبراہٹ یا غم جو دِل کو لاحق ہو یا احوال آخرت کی کسی کیفیت کا مشاہدہ کرنا یا بندے اور اللہ کے درمیان کسی حالت کا منکشف ہونا وجد کہلاتا ہے۔

(التعرف لمذہب التصوف، الباب الثالث والخمسون قولہم فی الوجد، ص ۱۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مذکورہ بالا عبارت کی شرح میں حضرت خواجہ ابو ابراہیم بن اسماعیل بن محمد بن عبد اللہ بخاری لکھتے ہیں:

وبدانکہ وجد در لغت عرب بر چہار معنی بیاید وعرب چوں چیزی کم کردہ باز بیاید گوید وجدیجد وجودا و وجدانا چوں توانگر کردو گوید وجدیجد وجدا و جدۃ وچوں غمناک کردو از کار بزرگ ودل وفہم او سوزان کردو گویند وجدیجد وجدا و چوں بر کسی خشم کیرد گویند وجدیجد موجدۃ وہر اندوہی کہ آں با سوزش والم باشد عرب آنرا وجد گویند وایں طائفہ از ایں وجد معنی آخرین خواہند کہ میگوید وجدیجد وجدا اکنون در کتاب چنین میگوید کہ وجد آنست کہ بدل رسد ودل از و آگاہی یابد از بیمی یا غمی یا دیدن چیز از احوال آن جہان کہ بر سر او کشادہ کردیا حالی میان او ومیان خدائی تعالیٰ کشادہ کردو در کتاب ایں قدر میگوید وایں بر انواع است تواند بود کہ از ہم عذاب باشد وتواند بود کہ از ورد فراق باشد وتواند بود کہ از سوزش محبت وشوق باشد وانچہ بایں ماند از معانی سوزندہ ودرد آرندہ وجہ وقت کہ از سر این معنی وردیابد وسوز ایں طائفہ گویند او را وجد پدید آمد یعنی حرقتی والمی وسر او پدید آمد وغالب آنست کہ ایں وجد یا از خوف باشد یا از فراق وچوں ایں وجد در سر بندہ پدید آید وغلبہ گیرد ظاہر ش مضطر بکردو بانگ ونالہ پدید آید آن بانگ ونالہ او را تواجد خوانند وبنکرند آن تواجد ظاہر او از کجا خواستہ است وبظاہر چہ دیدہ است وچہ شنیدہ است کہ آن حرقت بر سر او را بجوش آوردہ است۔

ترجمہ: جان کہ لغت عرب میں وجد کے چار معنے آتے ہیں۔

(۱) عرب جب کسی گمشدہ چیز کو پالیتا ہے تو بولتا ہے وَجَدَ (پایا اس ایک آدمی نے) یَجِدُ (پاتا ہے یا پائے گا وہ ایک وہ ایک آدمی۔ وَجُوْدًا اَوْ وُجْدَانًا (پانا)

(۲) اور جب کسی پر غصہ پکڑتا ہے تو بولتا ہے وَجَدَ غصے ہوا کہ وہ ایک آدمی یَجِدُ غصے ہوتا ہے یا ہوگا وہ ایک آدمی مُوْجِدَۃٌ غصے ہونا۔

(۳) اور جب تونگر ہو جاتا ہے تو بولتا ہے وَجَدَ تونگر ہوا وہ ایک مرد یَجِدُ تونگر ہوتا ہے یا ہوگا وہ ایک مرد وُجْدًا وُجْدَۃً تونگر ہوتا ہے یا ہوگا وہ ایک مرد وُجْدٌ وُجْدَۃٌ تونگر ہونا۔

(۴) اور جب کسی کار عظیم سے غمناک ہوتا ہے اور اس کا دل اور فہم سوزاک ہوتا ہے تو بولتا ہے وَجَدَ غمناک ہوتا ہے یا ہوگا وہ ایک مرد وَجْدًا غمناک ہونا۔

---

[1] (آداب المریدین، ص ۶۶، معہد الدرسات الاسیویۃ والافریقیۃ، الجامعۃ العبریۃ فی اورشلیم) (آداب المریدین، ص ۳۹)

اور ہر اندوہ کہ وہ سوزش اور الم کے ساتھ ہو عرب اس کو وجد کہتا ہے اور یہ طائفہ اس وجد سے آخری معنی کو لیتا ہے کہ کہتا ہے وَجَدَ یَجِدُ وَجْدًا اور کتاب میں اسی قدر فرمایا اور اس کی قسمیں ہیں ہوسکتا ہے کہ عذاب کے ڈر سے ہو اور ہوسکتا ہے کہ فراق کہ درد سے ہو اور ہوسکتا ہے کہ محبت اور شوق کی سوزش سے ہو یا جوان کی مثل ہو مَثَلاً معانی سوزندہ اور درد آرندہ وغیرہ اور جبکہ سران معانی سے درد پاتا ہے اور جلتا ہے تو یہ طائفہ بولتا ہے کہ اس کو وجد آگیا یعنی حرقت (سوزش) اور اَلم اس کے سر میں ظاہر آگیا۔

اور غالب یہ ہے کہ یہ وجد یا خوف سے ہوتا ہے یا فراق سے اور یہ وجد بندہ کے سر میں جب ظہور پاتا ہے تو غلبہ پکڑتا ہے اور ظاہر اس کا مضطرب ہو جاتا ہے اور شور اور نالہ شروع کرتا ہے اس کے اس شور نالہ کو تواجد بولتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس کا یہ تواجد ظاہری کہاں سے اٹھا ہے اور ظاہر میں کیا دیکھا ہے یا کیا سنا ہے کہ جس کی حرقت نے اسکے سر کو جوش میں لا دیا۔

(شرح تعرف لمذہب التصوف، ج، ۴، ص، ۲۹، ۳۰، منشی نولکشو واقع لکھنو)، ج، ۴، ص، ۸۲، ۸۳)

معارف آگاہی مولانا جلال الدین، رومی، بلخی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

محو میباید نہ نحو ایں جاباں　　گر تو محوی بے خطر در آب راں

ترجمہ: یاد رکھو اس جگہ محو چاہیئے نہ کہ نحو۔ اگر تم محو ہو تو بلا خوف (سلوک کے) دریا میں کود پڑو۔

(مفتاح العلوم، دفتر اول، ص، ۹۱۲)

جسم شاں در رقص و جانہا خود مپُرس　　وانکہ گردد جاں ازانہا خود مپرس

ترجمہ: ان کے جسم رقص کرتے ہیں اور روحوں کی تو کچھ نہ پوچھ اور جو (سراپا) جان بن جاتے ہیں۔ ان کی نسبت تو کیا ہی کہنا۔

(مفتاح العلوم، دفتر اول، ص، ۴۸۰)

حضرت سیدنا امام ابو بکر بن ابو اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب بخاری کلاباذی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

قَالُوا وَهُوَ سمع الْقُلُوب وبصرها قَالَ الله تَعَالَى {فَإِنَّهَا لَا تعمى الْأَبْصَار وَلكِن تعمى الْقُلُوب الَّتِي فِي الصُّدُور} وَقَالَ {أَو ألْقى السّمع وَهُوَ شَهِيد}۔

صوفیاء (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) فرماتے ہیں کہ یہ وجد دلوں کا سننا اور دیکھنا ہوتا ہے (ظاہری آنکھوں اور کانوں کا نہیں)۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ (سورۃ حج، ۴۵)

ترجمہ: آنکھیں اندھی نہیں ہوتی ہیں بلکہ وہ دل جو سینوں کے اندر ہیں وہ نابینا ہو جاتے ہیں۔"

اور پھر فرمایا اللہ نے اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ترجمہ: یا دِل سے متوجہ ہو کر سنتا ہو۔

(التعرف لمذہب التصوف، الباب الثالث والخمسون قولہم فی الوجد، ص، ۱۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مذکورہ بالا عبارت کی شرح میں حضرت خواجہ ابو ابراہیم بن اسماعیل بن محمد بن عبد اللہ بخاری لکھتے ہیں:

وایں وجد بر مقدار مصیبت باشد وہر چند مصیبت عظیم تر وجد سخت تر ووجد فراق بر قدر محبت باشد کہ ہر چند محبت قوی تر وجد صعب تر وایں را مثالی گفتہ اند وہمچنانکہ آبی کہ طحلب روی آن آب بپو شانیدہ باشد باد آنرا بجنبانندہ باشد وکدورت را آروزئی آب بیرو صفوت پدید آید ونیز دیوانگان را چون خواہند کہ بیع شورند زنجیر بجنبانند ورو انباشد کہ ہیچکس را ایمان بخدا درست نباشد ونا بخدا عارف نہ باشد وہر کہ عارف باشد نہ چہار کہ محب باشد ودوست باوی

نباشد از وجد چارہ نباشد پس، ہر کہ در خویشتن وجد نبیند او را محبت نیست و چوں محبت نیست معرفت ایمان نیست و این از بھر آن گفتیم کہ وجد از رقت قلب خیز خدائی تعالیٰ دل کافران را بقسوست صفت کردہ است و گفتہ۔

ترجمہ: اور یہ وجد مصیبت کے انداز پر ہوتا ہے جتنی مصیبت بڑی اتنا ہی وجد سخت ہوتا ہے اور فراق کا وجد محبت کے مقدار پر ہوتا ہے کہ جتنی زیادہ قوی اتنا ہی وجد زیادہ سخت اور اس کی مثال یوں سمجھئے کہ کائی (بُور) پانی کے اوپر چھا کر پانی کو ڈھانپ دیتا ہے ہوا اس کو ہلاتی ہے اور کدورت کو پانی سے دور کر دیتی ہے تو پانی صاف نظر آنے لگتا ہے اور نیز دیوانوں کو جب ہوش میں لانا چاہتے ہیں تو انکی زنجیر کو ہلا دیتے ہیں اور خدا تعالیٰ پر ایمان کسی شخص کا درست نہیں ہوتا جب تک کہ خدا تعالیٰ کا عارف نہ ہو اور جو عارف ہوتا ہے وہ لاچار محب ہوتا ہے اور اس کا دوست ہوتا ہے (پھر اسے) وجد سے چارہ نہیں ہے۔ غرض جو اپنے آپ کو وجد میں نہیں دیکھتا اسے محبت نہیں ہے اور جب محبت نہیں ہے تو معرفت نہیں ہے اور جب معرفت نہیں ہے تو ایمان نہیں ہے اور یہ ہم نے اس واسطے کہا ہے کہ وجد قلب کی نرمی اور لذت سے اٹھتا ہے خدا تعالیٰ نے کفّار کے دلوں کو قسوت سے متصف کیا ہے اور فرمایا کہ

فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ترجمہ: تو خرابی ہے ان کی جن کے دل یادِ خدا کی طرف سے سخت ہو گئے ہیں (سورۃ زمر ۲۲:)

فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ترجمہ: تو وہ پتھروں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ کڑے (سخت) (سورۃ بقرۃ)

(شرح تعرف لمذہب التصوف، ج، ۴، ص، ۳۰، منشی نولکشو واقع لکھنو) (شرح تعرف لمذہب التصوف، ج، ۴، ص، ۸۴، ۸۵)

حضرت سیدنا امام ابوبکر بن ابو اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب بخاری کلاباذی، حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۳۸۰ھ لکھتے ہیں:

فَمن ضعف وجده تواجد والتواجد ظُهُور مَا يجد فِي بَاطِنه على ظَاهره وَمن قوى تمكن فسكن قَالَ الله تَعَالَى {تقشعر مِنْهُ جُلُود الَّذين يَخْشَوْنَ رَبهم ثمَّ تلين جُلُودهمْ وَقُلُوبهمْ إِلَى ذكر الله}

لہٰذا جس کا وجد کمزور ہوگا وہ تواجد کرے گا اور تواجد یہ ہے کہ جو کیفیت انسان کے باطن میں محسوس ہو وہ اس کے ظاہر (بدن) پر ظاہر ہو جائے۔ اور جو قوی ہوگا وہ اس پر قابو پا جائے گا۔ لہٰذا اس میں حرکت پیدا نہ ہوگی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ

(سورۃ الزمر، ۲۳)

ترجمہ: جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر ان کی کھالیں اور دل اللہ کے ذکر کی طرف مائل ہو کر نرم ہو جاتے ہیں۔

(التعرف لمذہب التصوف، الباب الثالث والخمسون قولہم فی الوجد، ص، ۱۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مذکورہ بالا عبارت کی شرح میں حضرت خواجہ ابو ابراہیم بن اسماعیل بن محمد بن عبد اللہ بخاری لکھتے ہیں:

تو اجد صفت ضعیفان و حال مریدان و مبتدیان باشد کہ باول حرقتی کہ بایشان رسیدہ باشد ناآزمودہ و خودنا کردہ ببانگ و نالہ و نعرہ آیند، اما چوں قوی دل باشند و با بلا خو کردہ باشند و الف گرفتہ از انجا گرفتہ شوند یا بینند ایشان را جنبش نیاید نہ بینی کہ چوں رسول خدا ﷺ از احوال آخرت یا از جلال حق چیزے خبر دادی مستمعان را صعق و بلا پدید آمدی داؤد علیہ السلام ساکن از بھر ضعف ایشان، و قوت سید بود و نیز در قصہ داؤد علیہ السلام آمدہ است چوں زبور خواندن کرفتی

روزی بودی که چهار هزار دختر وشیزه را بزهر بدیدن واو ساکن وآن از بهر ضعف ایشان وقوت او بوده که او ساکن بود واورا ایشان وجد پدید می آید ومثال این بظاهر سیلاب است که میرود بانک می کند چوں بدریا رسید بیارآمد بس تواجد صفت روندکان است که چوں بوطن رسند نیز تواجد نماند ونیز مثال آتش که اندک اندک درگیرد وهر چندقوی تر میشود بانک بیش کند وچون تمام بسوزوبیارامد ومثل تواجد چوں حال جان کندن است ومثل تمامی وجد چون مرگ وتادر حال نزع است فرغ دار کندوچوں بمیرد بیارامد ومثل تواجدو جداین است که یاد کردیم ومبرم همچنین، باشد اول هریان گفتند کیردوچوں علت متمکن شود خرس بار آردوقال اللہ تعالیٰ تقشعر منه جلود الذین یخشون ربهم ثم تلین جلودهم وقلوبهم الی ذکر اللہ خدائی تعالیٰ خبر داد که آن کسانیکه خدا را بشناسد از خدا نبرسند وچوں یاد خدا بشنود دلهائی ایشاں نرم شود وایں آیت از بهر درستی وجد آرد که هر که وجد باشد چون یاد خدا شنود بترسد واثر آن نرس بظاهر او پدید آید آن ترس باطن وجد است وآن پدید آمدن بظاهر تواجد۔

ترجمہ: تواجد ضعیفوں کی صفت ہے اور مریدوں مبتدیوں کی حالت ہے کہ ابتداء میں انہیں جو حرقت (سوزش) پہنچتی ہے (تو چونکہ ابھی وہ) نا آزمودہ اور خود نہ کردہ ہوتا ہے کہ آوازوں اور نالہ اور نعروں میں اتر آتے ہیں مگر جب قوی دل ہوجاتے ہیں اور بلا کے خوگر اور عادی بن جاتے ہیں تو وہاں سے جو جو کچھ دیکھتے سنتے ہیں پھر انھیں جنبش نہیں ہوتی تجھے معلوم نہیں کہ حضرت سالار امت ﷺ جب قیامت کے حالات اور حق تعالیٰ کے جلال سے کچھ بیان فرماتے تو سامعین کی چیخیں نکل جاتیں اور آپ سرکار ﷺ متمکن رہتے سامعین چونکہ ضعیف تھے وہ گر پڑتے اور حضور ﷺ قوی ہمت تھے ساکن رہتے اور نیز حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر میں آیا ہے کہ زبور کو جب پڑھنا شروع کرتے تو ایک موقع پر ہزار دو ہزار دوشیزہ لڑکیوں کے پتے پھٹ گئے اور آپ علیہ السلام برقرار رہتے۔ اور یہ ان کے ضعف اور ان کی قوت کا باعث ہے کہ داؤد علیہ السلام ساکن تھے اور لڑکیوں میں تواجد آگیا (اور مرگئیں) اور ظاہر مثال اس کی سیلاب ہے کہ چلتا ہے اور شور کرتا ہے جب دریا میں پہنچتا ہے تو ساکن ہوجاتا ہے پس تواجد روندگاں کی صفت ہے کہ جب وطن میں پہنچ جاتے ہیں تو تواجد نہیں رہتا ہے اور نیز آگ کی مثال ہے کہ اوّل تھوڑی ہوتی ہے جب قوی ہوجاتی ہے تو شور برپا کردیتی ہے اور جب تمام جل جاتی ہے تو آرام پکڑ جاتی ہے اور تواجد کی مثل جان کنی کے حال جیسی ہے اور وجد کی تمامی (انتہاء) مثل مرگ جیسی ہے کہ جب تک نزع کے حال میں ہے فزع اور نالہ کرتا ہے اور جب اخیر ہوجاتا ہے تو آرام پاجاتا ہے اور تواجد اور وجد کی یہ مثالیں ہیں جو ہم نے ذکر کی ہیں اور نیز برسام کا مریض کہ اوّل تو ہزیان گوئی شروع کرتا ہے مگر جب بیماری قرار پکڑ جاتی ہے تو گنگ ہوجاتا ہے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (سورۃ الزمر، ۲۳)

ترجمہ: اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور دل نرم پڑتے ہیں یادِ خدا کی طرف رغبت میں خدا تعالیٰ نے خبر دی کہ جو لوگ خدا تعالیٰ کو پہچان لیتے ہیں وہ خدا سے ڈرتے ہیں اور جب خدا تعالیٰ کا ذکر سنتے ہیں تو ان کے دل نرم ہوجاتے ہیں اور یہ آیت کریمہ وجد پر دلیل ہے جو شخص وجد میں آتا ہے جب خدا تعالیٰ کا ذکر سنتا ہے تو ڈر جاتا ہے اور اس خوف کا اثر اس کے ظاہر پر آجاتا ہے وہ باطنی اثر وجد ہے اور ظاہر اس کا اثر تواجد ہے۔[1]

حضرت سیدنا امام ابوبکر بن ابواسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب بخاری کلابازی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

---

[1] (شرح تعرف لمذہب التصوف، ج، ۴، ص، ۳۲، منشی نولکشو واقع لکھنو)

قَالَ النوري الوجد لهيب ينشأ فِي الْأَسْرَار ويسنح عَن الشوق فتضطرب الْجَوَارِح طَربا أَو حزنا عِنْد ذَلِك الْوَارِد۔

ترجمہ: حضرت سیدنا امام ابوالحسین احمد بن محمد بن عبدالصمد نوری فرماتے ہیں ''وجد آگ کا شعلہ ہے جو شوق کی وجہ سے باطن میں اٹھتا ہے اور اس وارد کے پیش آنے پر خوشی یا غمی کی وجہ سے اعضاء بے قرار ہو جاتے ہیں۔

مذکورہ بالا عبارت کی شرح میں حضرت خواجہ ابوابراہیم بن اسماعیل بن محمد بن عبداللہ بخاری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

وجد از شوق خیزو زان معنی کہ شوق از تاثیرات محبت است کہ ہر چند محبت قوی تر شوق قوی تر محبت اتش سوزا انست و در بعضی اخبار آمدہ است کہ خدائی تعالیٰ محبت را اتش کبریٰ خواندہ است و صفت اتش آنست کہ چون آرامیدہ باشد و باد بوی رسید بر افروزو تا ارامیدہ است خلق از شر او ایمن اند و چوں بر افروخت ہر چند باد قوی تر کرد فروخ او تر شود و زبانہ زدن پیشتر کیرد و بانک او سخت تر شود و جریدن او پیشتر کرد و ہوا را کرد اکرد خویش بستاند و بعضی را بسوزند و بعضی را سیاہ کرداند و بعضی را برانند و شر رہائی او بر ہر کجا کہ افتد کند اکنون نوری این وجد را بزبانہ آتش مانندہ میکنند و و میکوید دل محبان مانندہ آتش کدہ است مکن آن آتش آرامیدہ است و آن محب باخو کردہ و چوں وارو ے پدید آید بمعنی فکرت کہ از دوست بیند یشید یا سخن دوست شنو دیا چیزے مانند دوست بیند یا خبر دوست یا بد اینہمہ را وارد خوانند و این وارد مانندہ باد است بر آتش محبت و چون سلطنت باد آن آتش را بجنباند و بر افروزو بزبانہ زدن کیرد و در ہمہ اندامہا اثر کند چشم را بکریستن آرد است و پاہی را بدوانیدن آرد دوست را بطپانچہ زدن آرد و زبان را بفریاد آرد آتش کہ در سر افروزو قوی تر از ن آتش باشد کہ دست و پائے سوزاند کہ چون اندامی باتش دنیا بسوزد قرار و آرام نماند چوں دل باتش شوق بسوزد و قرار و آرام کے ماند این ظاہر است نزدیک ہر کس کہ او را عقل است یا او را در محبت ہیچ کو نہ ممار است افتادہ است و باشد کہ این کس را دیوانہ کرداند و باشد کہ او را و الہ و شیفتہ کرداند و باشد کہ دبیابان بر ماند و باشد کہ در بیابان بر ما ند و باشد زہرہ بچکاند و بمیرا ند و باشد بخسپاند و در رنج وزدا افکند تا در بخسدن و غم بکشد و اینہمہ عجب نیست کہ آتش ظاہر خود این فعلہا بکند و طبع آتش نیز کہ صفر است باسو داہم این فعلہا بکند پس آتش محبت کہ در سر افتد و سلطان او قوی تر از ہمہ آتشہا است بیشتر کند و آتشی کہ از بیرون پدید آید خلق را متحیر کند و کریختن سازند تا از آتش برہند و چوں آتش در باطن پدید آید کجا توانند کریختن کہ ہر جا کریزد آتش بایشاں باشد و آتش ظاہر را بآب بتوان کشتن و آتش باطن را کرد ریاہائی ہمہ عالم برو ریزی آتش کرد او ریاہا را بسوزاند و دست مخلوقات باتش ظاہر رسد تا حیلہ سازند و او را بکشند اما دست مخلوقان باتش باطن نرسد و آتش ظاہر چون زمانی بسوزاند فرو ایستد و آتش باطن ہر چند کہ سوزو قوی تر کرد و آتش ظاہر ہیمیہ بسوزد و آتش باطن جان بسوزد۔

وجد شوق سے اٹھتا ہے اور شوق محبت کی تاثیرات سے ہے کہ جتنی محبت قوی تر اتنا ہی شوق زیادہ قوی ہوتا ہے اور محبت ایک جلا دینے والی آگ ہے کیونکہ بعض اخبار میں آیا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے محبت کو آتش کبریٰ فرمایا ہے اور آگ کی صفت یہ ہے کہ جب آرام دہ ہوتی ہے اور اسے ہوا پہنچتی ہے تو بھڑک اٹھتی ہے اور جب تک آرامیدہ ہو خلقت اس کی شر سے ایمن ہوتی ہے اور جب بھڑک اٹھی تو جتنی ہوا زور کی ہوتی ہے اتنی ہی (آگ کی) بھڑک تیز ہوتی ہے اور شعلے اٹھتے ہیں اور آواز بھی سخت ہو جاتی ہے اور کھینچ تان بھی زیادہ ہو جاتی ہے اور ہوا کو اپنے گرداگرد سمیٹ لیتی ہے بعض کو جلائے جاتی ہے اور بعض کو سیاہ بنائے جاتی ہے اور بعض کو چھوڑے جاتی ہے اور جس جگہ اس کے شرارے پہنچتے ہیں تباہی کر دیتے ہیں

۔ہنوز نوری صاحب اس وجد کو زمانہ آگ سے تمثیل دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ محبوب کا دل آتشکدہ ہے۔لیکن یہ آگ آرام میں ہے اور محب اس کا خوگر ہے اور جب کوئی وارد پہنچتا ہے۔مثلاً دوست کی سوچ یا دوست کی کوئی بات سنتا ہے یا دوست جیسی کوئی چیز دیکھتا ہے یا دوست کی خبر پاتا ہے یہ جب آئندہ (وارد ہونے والے) ہیں اور یہ وارد آتش محبت پر ہوا کی مثل ہیں اور جب ہوا کا غلبہ اس آگ کو ہلاتا ہے تو بھڑک اٹھتی ہے اور شعلے گرانے لگتی ہے اور تمام اندام میں اثر کر دیتی ہے آنکھوں کو رونا دیتی ہے پاؤں کو دوڑنے اور ہاتھوں کو طمانچہ مارنے کی تلقین کرتی ہے اور زبان کو فریاد میں لاتی ہے اور جو آگ سر میں روشن ہوتی ہے وہ اس آگ سے قوی تر ہوتی ہے کہ دست و پاء کو جلا دیتی ہے جب دنیا کی آگ سے اندام جل جاتے ہیں اور قرار اور آرام نہیں رہتا تو دل کو جب شوق کی آگ لگ جائے پھر قرار اور آرام کیسے ہو اور یہ ہر عقلمند کے نزدیک یا کہ جسے محبت میں قدرے رسوخ ہے مسلّمہ ہے اور محال نہیں کہ اس شخص کو دیوانہ بنا دے اور ہوسکتا ہے کہ اس کو والہ اور شیفتہ بنا دے اور جنگلوں میں بھگا دے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ زہرہ کو نچوڑ دے اور درگور کر دے اور ہوسکتا ہے گریزاں بنا دے اور رنج و محن میں ڈال دے اور اسی کشمکش میں مار دے اور یہ کوئی عجیب نہیں ہے کیونکہ ظاہری آگ خود یہ فعل رکھتی ہے اور آگ کی طبع صفرا یا سودا ہے اور صفرا اور سودا بھی یہی تاثیر رکھتے ہیں پس جس سر میں محبت کی آگ پڑتی ہے اس کا غلبہ بھی تمام آتشوں سے زبردست ہے اور زیادہ ہے اور جو آگ باہر کی ہے وہ خلقت کو متحیّر کر دیتی ہے اور آگ سے بچاؤ کے لئے بھاگ جاتی ہے اور جب باطن کی آگ بھڑک اٹھے تو کہاں بھاگ سکے کیونکہ جہاں بھاگے گا آگ اس کے ہمراہ ہوگی اور اس ظاہری آگ کو پانی سے بجھا سکتے ہیں مگر آتش باطن کو اگر (کوئی) دنیا کے سمندروں سے بجھانا چاہے تو (وہ بھی) آگ ہو جائیں گے اور سمندروں کو جلا دے گی اور (نیز) اس ظاہری آگ کو بجھانے کے لئے کسی حیلہ سے مخلوق کا دست (تصرّف) پہنچ سکتا ہے مگر آتش باطن پر مخلوق کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا اور ظاہر کی آگ کچھ وقت تک جلتی (جلاتی) ہے پھر ٹھہر جاتی ہے اور باطن کی آگ جتنی جلتی ہے قوی ہو جاتی ہے اور ظاہر کی آگ لکڑیوں کو جلاتی ہے باطن کی آگ جان کو جلاتی ہے۔[1]

حضرت سیدنا امام ابو بکر بن ابو اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب بخاری کلاباذی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

وَقَالَ بَعضهم الوجد بشارات الْحق بالترقي إِلَى مقامات مشاهداته۔

ترجمہ: اور ان میں سے کسی کا ایک فرمان ہے: وجد حق تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی بشارات ہوتا ہے کہ وہ مشاہدہ الٰہی کو جا پہنچنے والا ہے۔[2]

مذکورہ بالا عبارت کی شرح میں حضرت خواجہ ابو ابراہیم بن اسماعیل بن محمد بن عبد اللہ بخاری لکھتے ہیں:

و معنی ایں سخن آنست کہ ھر کس کہ از چیزی ترسان باشد یا چیزی را جویان باشد چوں اثری از اں جا بیاید او را او جد افتد و نشان درستی، آں وجداں باشد کہ مقام خوف است گریزان تر کرد و اگر مقام طلب است بر طلب حریص تر کرد کہ گفتند کل خائف ھارب و کل راغب طالب پس این وجد او را بشارت کرود بر زیادت طلب تا مراد بیاید و بر زیادت طلب تا مراد بیاید و بر زیادت ھرب تا از بلا بر ھر بایں معنی او را بشارت حق تعالیٰ خواندہ اند کہ اگر حق او را از انچہ می ترسید نہ بخواستی رھانیدن و یا بآنچہ می جست نخواستی رسانیدن ایں وجد در و پدید نیا دروی و ھر چیزی را او ر مقدمہ او بشارت است چنانکہ حق تعالیٰ چون خواست کہ یوسف را با یعقوب رساند باد بارا بفرمود تے ابوی بوی بہ یعقوب رسانید آن یافتن بوی یوسف بشارت وجود یوسف کشت و نیز حق عزوجل با او را بیشتر باران خواند و گفت وھو الذی یرسل الریاح

---

[1] (شرح تعرف لمذہب التصوف، ج، ۴، ص، ۳۱، ۳۲، منشی نولکشو واقع لکھنو) (شرح تعرف لمذہب التصوف، ج، ۴، ص، ۸۷، ۸۸)

[2] (التعرف لمذہب التصوف، الباب الثالث والخمسون قولہم فی الوجد، ص، ۱۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

مبشرات و چون قوی مشتاق باران و جویان نسیم باران باشند بادی بیاید که دران باد نسیم باران باشد شادی کنند همچنانکه یعقوب مشتاق دیدار یوسف بود چون بوی یوسف یافت شادی کرد نیز پیغمبر ﷺ گفت نصرت بالصباء مرا بباد صبا نصرت کردند ایں آن بود که حق تعالیٰ صبا مقدمه کروائیده بود نصرت پیغمبر ﷺ را و ظفر او را و چون بوقت جنگ باد صبا بدیدی دانستی که او را نصرت خواهد بود آں باد او را بشارت نصرت کشتی و نیز خدا ما را خبر داد از حال جان دادن مومن، که او را بشارت دهند در وقت زوال جان و گویند الا تخافوا و لا تحزنوا و ابشروا بالجنة التی کنتم توعدون و ایں بشارت تواند بود که قولی باشد و تواند بود که فعلی باشد که درو نشان بشارت باشد نظائر شریعت این است که یاد کردیم و نیز ایں را دو معامله نظیر است و مثال این آنست که چون ملک با کسی بدی خواهد کردن اگر خادمان آں ملک بوسی نکرند و از ایشاں تعظیم و اکرامی بیندخر بشارت کردو بداند پس وجد نیز بشارت حق باشد باین معنی که یاد کردیم و تواند بود که ایں را معنی دیگر باشد آں آنست که هر کس که او را چیزی بکار نیاید یا از چیزی هم نباشد از ذکر آں چیز باک ندارد و چون بشنود یا او افسوس دارد بخندد اما چوں طالب باشد یا هارب بر مقدار غیبت و رهبت و رو تغیری پدید آید پس وجد پدید آمدن بشارت باشد بر انکه اگر درو رغبت و رهبت ایں وجد پدید نیامدی و مثال ایں آنست که خداوند مصیبت می نالد و نظایره می خندوه خداوند امود شادی طرب میکند و نظائر افسوس میدارد پد بریں معنی وجد بشارت باشد و ایں وجد مختلف باشد و باشد پیش از بانگی نباشد و باشد که گریستن و فریاد باشد و باشد که جامعه دریدن و خویشتن زدن باشد و باشد که بیهوش کشتن باشد که دیوانه کشتن باشد و باشد که بیمار شدن باشد و مرک باشد باشد ایں بر مقدار قوت، اصل باشد و همیچندانکه در باطن مشاهده باشد هم بقدر آں وجد افتد و ایں در عرف و عادات میان خلق ظاهر ست اما آنکه میکوید (باالترقی الیٰ مقامات مشاهدته) گفت ایں بشارت باشد از حق سبحانه ببر شدن مقامات مشاهدات و ازیں بر تر شدن نه بلندی مکان خواهد که بلندی قرب خواهد هر که بلکی نزدیک تر او بزرگ تر و ایں متعارف است که گویند کار که بلند تر است و هر که را دولت مساعدتر باشد ملک را نظر بوی بیشتر باشد گویند کار فلان بلند تر است و چوں کسی کامرانی مر او ها بسیار بیابد گویند فلان بلند تر شد و کار فلان تر کشت بس این کس درو وجد پدید آید آں وجد نشان است که سر او بجائی رسید که نرسیده بود که چیزی شنید که نشنیده بود تا درو وجد پدید آید اگر بران حل بودی که بیشتر بود وجد پدید بنامدی چنانکه پیش ازین پدید نیامدی و چوں قرب مقامش بحق زیات گشت باین معنی ترقی۔

ترجمہ: مطلب اس بات کا یہ ہے کہ جو شخص کسی چیز سے ترساں ہوتا ہے یا کسی چیز کا جویاں ہوتا ہے جب اس جگہ سے کوئی اثر پاتا ہے تو اس کو وجد ہو جاتا ہے اور اس وجد کی درستی کا نشان یہ ہوتا ہے کہ اگر خوف کا مقام ہے تو بھاگنا زیادہ ہے اور اگر طلب کا مقام ہے تو طلب پر حریص زیادہ ہوتا ہے کہ کہاوت ہے "کُلُّ خَائِفٍ هَارِبٌ وَ کُلُّ رَاغِبٍ طَالِبٌ" ہر خائف بھاگنے والے ہوتا ہے اور ہر راغب طلب کنندہ ہوتا ہے پس اس کو زیادت طلب پر بشارت دی تا کہ مراد کو پالے اور زیادت خوف پر (بشارت دی) تا کہ بلاء سے چھوٹ جائے اور بشارت حق اس کو بایں معنی کہا ہے کہ اگر حق تعالیٰ اس کو اس جگہ سے کہ ڈرتا تھا چھڑانا نہ چاہتا، یا اس جگہ کہ اسے طلب تھی پہنچانا نہ چاہتا تو اس میں یہ وجد ظاہر نہ لاتا اور ہر چیز کے مقدمہ میں اس چیز کی بشارت ہے چنانچہ حق تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملانا چاہا تو باد صبا کو حکم دیا کہ یوسف علیہ السلام کی بُو یعقوب علیہ السلام تک پہنچا دے۔ یوسف علیہ السلام کی بُو کا پانا (یعقوب علیہ السلام کے لئے) یوسف علیہ السلام کے وجود کی ایک بشارت تھی اور نیز حق تعالیٰ نے ہوا کو مبشّر فرمایا ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ

ترجمہ: اور وہی ہے کہ ہوائیں بھیجتا ہے اپنی رحمت کے آگے مژدہ سناتی۔(اعراف،۵۷)

جب قوم مینہ (بارش) کی مشتاق اور نسیم باراں کی جویاں ہوتی ہے تو ہوا آتی ہے جس میں نسیمِ باراں کی خوشبو ہوتی ہے تو قوم خوشی میں آجاتی ہے کہ یعقوب علیہ السلام، یوسف علیہ السلام کے دیدار کے مشتاق تھے جب یوسف علیہ السلام کی بُو پائی تو نہایت خوش ہوئے اور نیز حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ''بادصبا سے میری مدد کی گئی'' (لابن شیبہ) اور یہ اس طرح تھا کہ حق تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام کی نصرت اور ظفر کے واسطے بادِصباء کو مقدمہ بنایا ہوا تھا اور جنگ کے وقت جب بادصباء کو دیکھتے تو سمجھ جاتے کہ مجھ کو نصرت ہوگی۔گویا آپ ﷺ کے واسطے بادِصباء نصرت کی بشارت ہوتی اور نیز خدا تعالیٰ نے ہم کو مؤمن کے جان دینے کے حال سے خبر دی ہے کہ مؤمن کو نزع جان کے وقت بشارت دیتے ہیں اور یوں کہتے ہیں۔

أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ (فصلت/حم سجدة) ۳۰)

ترجمہ: کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو اور خوش ہو اس جنّت پر جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا۔(فصلت/سورۃ حم سجدہ ۳۰:)

اور یہ بشارت قولی بھی ہوسکتی ہے اور فعلی بھی ہوسکتی کیونکہ اس میں بشارت کا نشان ہوتا ہے یہ ہیں شرعی نظائر جو ہم نے بیان کئے ہیں۔

اور نیز یہ دو معاملے ہیں جو اس کی مثال اور نظیر ہیں ایک یہ ہے کہ بادشاہ جب کسی کے ساتھ بدی کا ارادہ کرتا ہے تو بادشاہ کے خدّام اسکی طرف دیکھتے ہیں اور دیکھنے سے (معلوم کرتے ہیں) کہ بادشاہ کی طبع تفسیر واقعہ ہے تو شر پر دلیل پکڑتے ہیں اور اگر بادشاہ کسی کیساتھ نیکی کرنا چاہتا ہے تو خادم بادشاہ کی طرف دیکھ کر اندازہ لگاتے ہیں کہ چونکہ اکرام اور تعظیم ہے بشارت کی خبر ہوگی پس جلد ہی حق تعالیٰ کی بشارت ہوتی ہے۔اسی لحاظ سے جو ہم نے ذکر کی ہے اور دوسری یہ کہ ہر شخص کہ اسے ایک چیز بکار نہیں آتی ہے یا ایک چیز سے ڈر نہ ہو کہ ہر چیز کے ذکر سے خوف نہ رکھتا ہو۔جب سن لیتا ہے تو افسوس بھی کرتا ہے اور ہنستا بھی ہے لیکن جب طالب ہوتا ہے یا ہارب، تو غیبت اور رہبت کے اندازہ پر اس میں تغیر پیدا ہوتا ہے پس وجد بشارت کے ظاہر ہونے کا نام ہے کیونکہ اگر اس میں رہبت اور رغبت نہ ہوتی تو وجد پیدا نہ ہوتا۔اور ایک اور بھی اس کی مثال یہ ہے کہ اہل مصیبت روتا ہے اور دیکھنے والے ہنستے ہیں اور اہل خوشی خوش ہوتا ہے اور دیکھنے والے افسوس کرتے ہیں پس اسی لحاظ سے وجد بشارت ہوتی ہے اور یہ وجد مختلف ہوتا ہے (بعض اوقات) آواز سے زیادہ نہیں ہوتا (اور بعض اوقات) رونا اور فریاد ہوتا ہے (بعض دفعہ) جامہ پھاڑنا اور اپنے آپ کو کوٹنا کا (رنگ رکھتا ہے) اور (بعض دفعہ) بیہوش ہونا ہوتا ہے کسی دفعہ دیوانہ پنی کی صورت بن جاتی ہے اور کسی دفعہ بیمار ہو کر جانا ہوتا ہے اور یہ قوت اصل کے مقدار پر ہوتا ہے جس قدر باطن میں مشاہدہ ہو اسی قدر وجد پیدا ہوتا ہے اور یہ لوگوں کے عرف اور عادت میں ظاہر ہے۔

لیکن یہ جو فرمایا کہ ''باالترقی الی مقامات مشاهداته'' (یعنی حق سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے مشاہدات کے مقامات پر ترقی کی بشارت ہوتی ہے۔اس بلندی سے بلندی مکان مراد نہیں ہے بلکہ قرب مراد ہے کہ جو بادشاہ کا نزدیک تر ہے وہی بزرگ تر ہے۔اور یہ مشہور ہے کہ کہتے ہیں فلاں کا کام بلند تر ہے اور جس کو دولت موافق ہو اور بادشاہ کی نظر اس کی طرف زیادہ ہو کہتے ہیں کہ فلاں کا کام بلند تر ہے۔اور جب کوئی مراد اور کامرانی زیادہ پاتا ہے تو کہتے ہیں کہ فلاں بلند تر ہوگیا، اس کا کام بلند تر ہوا اور اس شخص میں سن کر وجد پیدا ہوتا ہے اور وہ نشان ہے اس کا سر وہاں پہنچا جہاں کہ بیشتر نہیں پہنچا تھا۔یا ایک چیز کو سُنا جسے پیشتر نہیں سنا تھا تو اس میں وجد پیدا ہوتا ہے اگر اسی حال پر ہوتا کہ پہلے تھا تو نہ وجد ہوتا جیسے پہلے نہیں تھا۔(بس) جب اس کے مقام کا قرب حق تعالیٰ سے زیادہ ہوا تو بایں معنی ترقی فرمایا۔[1]

---

[1] (شرح تعرف لمذہب التصوف، ج، ۴، ص، ۳۶، ۳۷ منشی نولکشو واقع لکھنو) (شرح تعرف لمذہب التصوف، ج، ۴، ص، ۱۰۱، تا، ۱۰۴)

حضرت سیدنا امام ابوبکر بن ابو اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب بخاری کلابازی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:
انہوں نے کسی کے یہ اشعار پیش کیے ہیں:
وأنشدونا لبَعْضهِم...

من جاد بالوجد أَحْرَى أَن يجود بِمَا يفنى الْوُجُود من الأَفضال والمنن

جس ہستی نے ہم پر وجد کی سخاوت کی ہے وہ اس بات کی زیادہ اہل ہے کہ ہم پر ان احسانات وعنایات کی سخاوت کرے جو اس وجد کو فنا کر دیں۔[1]
مذکورہ بالا عبارت کی شرح میں حضرت خواجہ ابو ابراہیم بن اسماعیل بن محمد بن عبد اللہ بخاری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:
گفت یک فائدہ این بیت آن است کہ این وجد از حق تعالیٰ می بیند نہ از خویشتن یعنی او باما جود کرد تا ورا محبت خود نہا وتا از ان محبت شوق پدید آمد و از ان شوق وجد پدید آمد ہم او سزاوار ترست کہ باما جود کند بفضلہا و منتہا کہ این وجد در ما فانی کرداند یعنی چون وجد از شوق است شوق صفت غایبان است ما را بخود در ساند تا ما را نیز بوجد حاجت نیابد و این از ہر آنکہ گفت وجد تسلی ست مشتاق را کہ غم دوست بآن وجد بکسار و غم دوست خوردن در غایبے دوست باشد نہ چوں دوست حاضر کرد چنانکہ پیغمبر گفت لا راحتہ للمومن دون لقاء اللہ پس بیت کرد دیگر چنیں میگوئد۔
ترجمہ: ایک فائدہ تو اس شعر کا یہ ہے کہ یہ وجد حق تعالیٰ کی طرف سے دیکھتا ہے نہ کہ اپنی طرف سے یعنی اس کے کرم اور فضل سے ہم میں وجد پیدا ہوا۔ اور چند بار ہم کہہ چکے ہیں کہ وجد شوق کا اثر ہے اور شوق غائبوں کی صفت ہے اب یوں کہنا چاہئے کہ جب (اس نے) ہم پر عنایت کی اور ہم میں اپنی محبت کو رکھا اور اس محبت سے شوق اٹھا اور اس شوق سے وجد پیدا ہوا وہ اس کے بھی لائق تر ہے کہ اپنی منت اور اپنے فضل سے ہم پر یہ بھی بخشش کر دے کہ اس وجد کو ہم میں فانی کر دے یعنی وجد جب شوق سے ہے اور شوق غائبوں کی صفت ہے ہم کو اپنے تک پہنچا دے کہ ہمیں وجد کی بھی حاجت نہ رہے اور یہ اس لئے کہا کہ وجد مشتاق کے لئے ایک تسکین ہے جو کہ اس وجد سے دوست کا غم کھاتا ہے اور دوست کا غم کھانا دوست کی عدم موجودگی میں ہوتا ہے نہ کہ (اس وقت) جبکہ دوست حاضر ہو۔ چنانچہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا ہے کہ "مومن کو اللہ کے بقاء کے سواء آرام نہیں ہے"[2]
حضرت سیدنا امام ابوبکر بن ابو اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب بخاری کلابازی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:
قَالَ سهل التجلي على ثَلَاثَة أَحْوَال تجلي ذَات وَهِي المكاشفة وتجلي صِفَات الذَّات وَهِي مَوضِع النُّور وتجلى حكم الذَّات وَهِي الْآخِرَة وَمَا فِيهَا معنى قَوْله تحلى ذَات وَهِي المكاشفة كشوف الْقلب فِي الدُّنْيَا كَقَوْل عبد الله بن عمر كُنَّا نتراءى الله فِي ذَلِك الْمَكَان يَعْنِي فِي الطّواف وَقَالَ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم اعبد الله كَأَنَّك تراهُ وكشوف العيان فِي الْآخِرَة۔
امام سہل بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ تجلی کی تین قسمیں ہیں تجلیٔ ذات (اور اسی کو تجلیٔ مشاہدہ بھی کہتے ہیں)،
دوسری تجلیٔ صفات الذات (اور یہی مقام نور ہے)
اور تجلی حکم الذات (اور یہ آخرت اور وہ تمام امور ہیں جو وہاں ہوں گے)۔"
تجلی ذات وھی المکاشفہ اس سے مراد دنیا میں غلبہ حال کی وجہ سے پردے کا اٹھ جانا ہے جیسا کہ عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے کہا کہ

---

[1] (التعرف لمذہب التصوف، الباب الثالث والخمسون قولہم فی الوجد، ص ۱۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)
[2] (شرح تعرف لمذہب التصوف، ج ۴، ص ۳۷، منشی نولکشو واقع لکھنو) (شرح تعرف لمذہب التصوف، ج ۴، ص ۱۰۴)

اس مقام پر ہم اللہ کو دیکھ رہے تھے یعنی طواف میں۔اور نبی کریم رؤف الرّحیم حضرت آقائے دو جہاں ﷺ نے فرمایا : اللہ کی تم اس طرح عبادت کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو اور ذاتِ الٰہی کا ایسے ظاہر ہونا کہ آنکھوں سے دیکھ سکیں یہ آخرت میں ہوگا۔[1]

حضرت سیدنا امام ابوبکر بن ابو اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب بخاری کلاباذی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

وَقَالَ أَبُو سُلَيْمَان وَالله مَا رَجَعَ من رَجَعَ إِلَّا من الطَّرِيق وَلَو وصلوا إِلَيْهِ مَا رجعُوا عَنهُ والفاني يكون مَحْفُوظًا فِي وظائف الْحق كَمَا قَالَ الْجُنَيْد وَقيل لَهُ ان أَبَا الْحُسَيْن النوري قَائِم فِي مَسْجِد الشونيزي مُنْذُ أَيَّام لَا يَأْكُل وَلَا يشرب وَلَا ينَام وَهُوَ يَقُول الله الله وَيُصلي الصَّلَوَات لأوقاتها فَقَالَ بعض من حَضَره إِنَّه صَاح فَقَالَ الْجُنَيْد لَا وَلَكِن أَرْبَاب المواجيد محفوظون بَين يَدي الله فِي مواجيدهم فَإِن رد الفاني إِلَى الْأَوْصَاف لم يرد إِلَى أَوْصَاف نَفسه وَلَكِن يُقَام مقَام الْبَقَاء بأوصاف الْحق، وَلَيْسَ الفاني بالصعق وَلَا الْمَغْشُوه وَلَا الزائل عَنهُ أَوْصَاف البشرية فَيصير ملكا أَو روحانيا وَلَكنه مِمَّن فنى عَن شُهُود حظوظه كَمَا أخبرنَا قبل، والفاني أحد عينين إِمَّا عين، لم ينصب إِمَامًا وَلَا قدوة فَيجوز أَن يكون فناؤه غيبَة عَن أَوْصَافه فَيرى بِعَين العتاهه وَزَوَال الْعقل لزوَال تَمْيِيزه فِي مرافق نَفسه وَطلب حظوظه وَهُوَ على ذَلِك مَحْفُوظ فِي وظائف الْحق عَلَيْهِ وَقد كَانَ فِي الْأمة مِنْهُم كثير مِنْهُم بلَال الحبشي عبد كَانَ للْمُغِيرَة بن شُعْبَة فِي حَيَاة النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم نبه عَنهُ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وأويس الْقَرنِي فِي أَيَّام عمر بن الْخطاب نبه عَلَيْهِ عمر وَعلي رَضِي الله عَنْهُمَا وَخلق كثير إِلَى أَن كَانَ عليان الْمَجْنُون وسعدون وَغَيرهمَا أَو يكون إِمَامًا يَقْتَدِي بِهِ ويربط بِهِ غَيره مِمَّن يسوسه فأقيم مقَام السياسة والتأديب فَهَذَا ينْقل إِلَى حَالَة الْبَقَاء فَيكون تصرفه بأوصاف الْحق لَا بأوصاف نَفسه، والمتصرف بأوصاف الْحق هُوَ مَا ذكرْنَاهُ قبل۔

ترجمہ: حضرت سیدنا غوث یزدانی ابوسلیمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں : اللہ کی قسم! جو لوگ بھی واپس لوٹے ہیں وہ راستے ہی سے لوٹ گئے ہیں، اگر واصل ہو جاتے تو کبھی نہ لوٹتے۔اور فانی لوگ اللہ عزوجل کے فرائض کی ادائیگی میں محفوظ ہوتا ہے جیسا کہ حضرت سیدنا قطب الارشاد جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے جب ان سے کسی نے کہا کہ حضرت سیدنا امام العارفین ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جامع مسجد شونیزی میں کئی دنوں سے کھڑے ہیں، نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں اور نہ سوتے ہیں اور وہ اللہ اللہ کر رہے ہیں، وقت پر نماز ادا کرتے ہیں۔اس پر حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ وہ تو ہوش میں ہیں تو حضرت سیدنا قطب الارشاد جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا : ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ صاحب وجد کو وجد کی حالت میں محفوظ رکھتے ہیں۔لہٰذا اگر فانی کو اوصاف بشریت کی طرف لوٹایا جائے گا تو اس کے نفسانی اوصاف کی طرف لوٹایا نہ جائے گا بلکہ اسے اوصافِ حق کے ساتھ مقام بقاء میں قائم رکھا جائے گا۔اور وہ شخص جو بے ہوش ہو یا دیوانہ ہو یا جس سے اوصافِ بشری زائل ہو چکے ہوں فانی نہیں کہلاتا کہ فرشتہ یا روحانی بن جائے بلکہ فانی وہ ہے جو اپنے نفسانی حظوظ کے مشاہدہ سے فانی ہو۔

اور فانی دو طرح کا ہوتا ہے۔یا تو وہ ایسا شخص ہوگا جسے (اللہ عزوجل کی طرف سے) امام یا پیشوا مقرر نہیں کیا گیا تو ہوسکتا ہے کہ اس کی فنا ایسی ہو کہ وہ اپنے ذاتی اوصاف سے بے خبر ہو جائے اور لوگ اسے دیوانہ اور زائل العقل سمجھیں اس لیے کہ وہ اپنی نفسانی آسائشوں اور اپنے حظوظ کا مطالبہ کرنے کی تمیز کھو بیٹھا ہوتا ہے بایں ہمہ وہ ان حقوق میں جو اس پر اللہ عزوجل کی طرف سے عائد ہوتے ہیں محفوظ ہوتا ہے۔اس قسم کے لوگ

---

[1] (التعرف لمذهب التصوف، الباب الثامن والخمسون قولهم فی التجلی والاستتار، ص۱۴۰، ۱۴۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اُمّت میں بہت ہوئے ہیں۔ان میں حضرت سیدنا بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو حضرت سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے اور حضرت آقائے دو جہاں، سرکارِ دو عالم ﷺ کی زندگی میں موجود تھے، ان کے متعلق حضرت مدنی تاجدار، سرورِ کون ومکان ﷺ نے خبر دی تھی۔ اور حضرت سیدنا امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں حضرت سیدنا عاشق رسول اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، ان کی خبر حضرت سیدنا امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت سیدنا امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دی۔اسی طرح بہت سے اور لوگ بھی ہوئے تا آنکہ علیان مجنون اور سعدون وغیرہ ہوئے۔

یا وہ فانی، امام ہوگا جس کی اقتداء کی جاتی ہو اور اس کے ساتھ دیگر لوگ مربوط ہوں گے جو ان کے حکم کے ماتحت ہوں گے۔لہٰذا اسے لوگوں کی سیاست کرنے اور ان کو ادب سکھانے کے لیے کھڑا کیا گیا ہوگا۔تو اس فانی کو بقاء کی حالت کی طرف منتقل کر دیا جائے گا۔لہٰذا یہ اوصاف حق تعالیٰ کی مدد سے تصرف کرے گا، اپنے ذاتی اوصاف کے ساتھ نہیں۔اور جو اوصاف حق کی مدد سے تصرف کرتا ہے اس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔[1]

حضرت سیدنا امام ابو بکر بن ابو اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب بخاری کلابازی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

من فاته الحق فليس له شيء وإن ملك الكون ومن وجد الحق فله كل شيء وإن لم يملك ذرة معناه هو قائم بحقه محجوب عن رؤية قيامه بحقه وهو مسلوب عن حظوظه وهو يرى نفسه قائمة بحظوظها ونصيبه من الحق وجود الحق وهو فيه مأسور وليس له متقدم ولا متأخر وأنشدونا لبعضهم.

.مواجيد حق أوجد الحق كلها وإن عجزت عنها فهوم الاكابر.

جس کے ہاتھ سے حق نکل گیا اس کے پاس کچھ بھی نہیں خواہ وہ دنیا کا مالک کیوں نہ ہو اور جس نے حق کو پالیا اس کے پاس سب کچھ ہے خواہ اس کے پاس ایک پائی بھی نہ ہو۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے پر ثابت قدم ہے مگر وہ اپنے اس فعل کی طرف نہیں دیکھتا۔اس سے اس کے نفسانی حظوظ سلب کر لیے جاتے ہیں مگر پھر بھی وہ یہی خیال کرتا ہے کہ اس کا نفس ابھی تک حظوظ پر قائم ہے۔اللہ تعالیٰ سے اس کا حق یہی ہے کہ وہ حق تعالیٰ کو پالے اور وہ اس خیال میں اس طرح مقیّد ہو چکا ہوتا ہے کہ اس کے لیے نہ جائے ماندن ہے نہ پائے رفتن۔

کسی کا شعر ہے

مَوَاجِيْدُ حَقٍّ اَوْجَدَالْحَقُّ كُلَّهَا وَاِنْ عَجَزَتْ عَنْهَا فُهُوْمُ الْاَكَابِر

یہ حق تعالیٰ کے وجد ہیں جنہیں حق تعالیٰ نے موجود کیا ہے اگرچہ بڑے بڑے اکابر بھی اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔[2]

ابو سعید بن اعرابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

الوجد اول درجات الخصوص وهو ميرات التصديق بالغيب فلما ذاقوه وسطع في قلوبهم نوره زال عنهم كل شك وريب.

(وجد خصوص کا پہلا درجہ ہے اور یہ غیب کا توشہ ہے۔جب وہ اسے چکھتے ہیں اور ان کے دلوں میں اس کا نور چمکتا ہے تو ان سے ہر شک دور ہو جاتا ہے۔)[3]

اسی طرح ابو سعید بن اعرابی فرماتے ہیں۔

الذي يحجب عن الوجد رؤية آثار النفس والتعلق بالعلائق والاسباب، لان النفس محجوبة باسبابها فاذا انقطعت الاسباب وخلص الذكر وصحا القلب ورق وصفا ونجحت الموعظة فيه وحل من المناجات في محل قريب وخوطب وسمع الخطاب باذن واعية

---

[1] (التعرف لمذهب التصوف، الباب التاسع والخمسون قولهم في الفناء والبقاء، ص ۱۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (التعرف لمذهب التصوف، الباب الحادی والستون قولهم في التوحید، ص ۱۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[3] (احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۲۹۲)

وقلب شاهد وسر ظاهر فشاهد ما كان منه خاليا، فذالک هو الوجد لانه قد وجد ما كان معه وما عنده۔

(نفس کے آثار کو دیکھنا اور اسباب سے تعلق وجد کے سامنے حجاب ہے کیونکہ نفس اسباب کی وجہ سے پردے میں ہوتا ہے۔ جب اسباب منقطع ہو جائیں ذکر خالص اور دل صاف اور رقیق (نرم) ہو جائے اور اس میں نصیحت اثر کرے اور مناجات کے سلسلے میں قریب کے مقام پر اتر جائے اسے خطاب ہو تو وہ اسے ہوش کے کانوں، حاضر دل اور سرِ ظاہر سے سُنے اور جس سے خالی تھا اس بات کا مشاہدہ کرے تو یہ وجد ہے۔ کیونکہ بعض اوقات وہ اس چیز کو پالیتا ہے جو اس کے پاس نہ تھی۔)[1]

مزید فرماتے ہیں :

الوجد مایکون عند ذکر مزعج او خوف مقلق او توبیخ علی ذلة او محادثة بلطیفة او اشارة الی فائدة او شوق الی غائب او اسف علی فائت او ندم علی ماض او استجلاب الی حال او داع الی واجب او مناجاة بسر، وھو مقابلة الظاھر بالظاھر والباطن بالباطن والغیب بالغیب والسر بالسر واستخراج مالک بما علیک مما سبق للسعی فیه فیکتب ذالک لک بعد کونه منک، فیثبت لک قدم بلا قدم وذکر بلا ذکر، اذ کان ھو المبتدی بالنعم والمتولی والیه یرجع الامر کله فھذا ظاھر علم الوجد، واقوال الصوفیة من ھذا الجنس فی الوجد کثیرة۔''

ترجمہ: مزید فرماتے ہیں کہ وجد اس وقت ہوتا ہے جب ذکر خداوندی دل کو حرکت دینے والا اور خوف پریشان کرنے والا ہو، پھسلنے پر جھڑک ہو یا کوئی لطیف بات کی جائے یا کسی فائدے کی طرف اشارہ ہو یا غائب کا شوق ہو یا فوت شدہ پر افسوس ہو، ماضی پر ندامت اور حال کو حاصل کرنا ہو، واجب کا داعی یا کسی سرِ قلبی سے مناجات ہو اور یہ ظاہر کا ظاہر سے، باطن کا باطن سے، غیب کا غیب سے، سر کا سر سے مقابلہ ہے جس چیز کے بارے میں تمہاری کوشش اور سعی مقدر سے نقصان کے بدلے اسے حاصل کرنا ہے تاکہ وہ تیری طرف سے ہونے کے بعد تیرے لئے لکھی جائے اور تمہارے لئے قدم بغیر قدم کے اور ذکر بغیر ذکر کے لکھا جائے کیونکہ وہی شروع میں نعمت دینے والا اور کاموں کا کفیل ہے۔ اور تمام امور اسی کی طرف لوٹتے ہیں تو یہ علم وجد کا ظاہر ہے۔ اور وجد کے سلسلے میں صوفیاءِ کرام کے اس طرح کے اقوال بہت زیادہ ہیں۔[2]

مختصر یہ کہ وجد طاری ہونے کیلئے استغراق، غم یا خوشی کا عظیم واقعہ اکثر ضروری ہوتا ہے اسی وجہ سے تمرین اور تمکین کے بعد تلوین باقی نہیں رہتی۔ اس لئے کہ استغراب باقی نہیں رہتا۔ جس طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو تلاوتِ قرآن کے دوران روتے ہوئے دیکھا۔ فرمایا :ھٰکذا کنا حتی قست القلوب۔ (ہم بھی اسی طرح کے تھے یہاں تک کہ ہمارے دل میں مضبوطی آگئی۔)[3]

یعنی تلوین تمکین سے بدل گئی اور استغراب ختم ہو گیا۔ اور اگر کبھی کبھی تمکین کے بعد بھی یہ حالت طاری ہوتی ہے'' جیسے کہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ'' ''از دک وفک چارہ نیست'' (تنگی اور کشادگی سے خلاصی (چارہ) نہیں ہے۔) عبارت میں تلوین اور تمکین کا ذکر ہوا جس کے سبب کے بناء پر ہم تلوین اور تمکین کی تعریف ذکر کریں گے۔

الامام ابو القاسم القشیری رحمۃ اللہ علیہ تلوین اور تمکین کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

التلوین والتمکین:

---

[1] (احیاء علوم الدین: ج: ۲: ص: ۲۹۲)

[2] (احیاء علوم الدین ج: ۲: ص : ۲۹۲)

[3] (عوارف المعارف ص ۱۱۷ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان)

التلوين صفة أرباب الأحوال والتمكين صفة أهل الحقائق فَمَا دام العبد فِي الطريق فَهُوَ صاحب تلوين لأنه يرتقي من حال إِلَى حال وينتقل من وصف إِلَى وصف ويخرج من مرحل ويحصل فِي مربع فَإِذَا وصل تمكن وأنشدوا: ما زلت أنزل فِي ودادك منزلا ... تتحير الألباب دُونَ نزوله وصاحب التلوين أبدا فِي الزيادة وصاحب التمكين وصل ثُمَّ اتصل وأمارة أَنَّهُ اتصل أَنَّهُ بالكلية من كليته بطل. وَقَالَ بَعْض المشايخ انتهى سفر الطالبين إِلَى الظفر بنفوسهم فَإِذَا ظفروا بنفوسهم فَقَدْ وصلوا. قَالَ الأستاذ رحمه اللَّه: يريد بِهِ انخناس أحكام البشرية واستيلاء سلطان الحقيقة فَإِذَا دام للعبد هذه الحالة فَهُوَ صاحب تمكين كَانَ الشيخ أَبُو عَلِي الدقاق رحمه اللَّه تَعَالَى يَقُول: كَانَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلام صاحب تلوين فرجع من سماع الْكَلام واحتاج إِلَى ستر وجهه لأنه أثر فِيهِ الحال، ونبينا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ صاحب تمكين فرجع كَمَا ذهب لأنه لَمْ يؤثر فِيهِ مَا شاهده تلك الليلة وَكَانَ يتشهد عَلَى هَذَا بقصة يُوسُف عَلَيْهِ السَّلام أَن النسوة اللاتي رأين يُوسُف عَلَيْهِ السَّلام قطعن أيديهن لما ورد عليهن من شهود يُوسُف عَلَيْهِ السَّلام عَلَى وجه الفجأة وامرأة الْعَزِيز كانت أتم فِي بلاء يُوسُف منهن ثُمَّ لَمْ تتغير عَلَيْهَا شعرة ذَلِك اليوم لأنها كانت صاحبة تمكين فِي حَدِيث يُوسُف عَلَيْهِ السَّلام. وَقَالَ الأستاذ واعلم أَن التغير بِمَا يرد عَلَى العبد يَكُون لأحد أمرين: إِمَّا لقوة الوارد أَوْ لضعف صاحبه والسكون من صاحبه لأحد أمرين: إِمَّا لقوته أَوْ لضعف الوارد عَلَيْهِ. سمعت الأستاذ أَبَا عَلِيّ الدقاق رحمه اللَّه يَقُول: أصول الْقَوْم فِي جواز دوام التمكين تتخرج عَلَى وجهين أحدهما لا سبيل إِلَيْهِ لأنه قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لو بقيتم عَلَى مَا كنتم عَلَيْهِ عندي لصافحتكم الملائكة ولأنه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لي وقت لا يسعني فِيهِ غَيْر ربي عَزَّ وَجَلَّ أخبر عَن وقت مخصوص قَالَ رحمه اللَّه تَعَالَى والوجه الثَّانِي أَنَّهُ يصح دوام الأحوال، لأن أهل الحقائق ارتقوا عَن وصف التأثر بالطوارق والذي فِي الْخَبَر أَنَّهُ قَالَ: لصافحتكم الملائكة فلم يعلق الأمر فِيهِ عَلَى أمر مستحيل ومصافحة الملائكة دُونَ مَا أثبت لأهل البداية من قَوْله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِن الملائكة لتضع أجنحتها لطالب العلم رضا بِمَا يصنع وَمَا قَالَ لي وقت قائما قَالَ عَلَى حسب فَهْم السامع وَفِي جَمِيع أحواله كَانَ قائما بالحقيقة والأولى أَن يقال إِن العبد مَا دام فِي الترقي فصاحب تلوين يصح فِي نعته الزيادة فِي الأحوال والنقصان منها فَإِذَا وصل إِلَى الحق بانخناس أحكام البشرية مكنه الحق سبحانه فِي كُل نفس فلا حد لمقدوراته فَهُوَ فِي الزيادات متلون بَل ملون وَفِي أصل حاله متمكن فأبدا يتمكن فِي حالة أعلى مِمَّا كَانَ فِيهَا قبله ثُمَّ يرتقي عَنْهَا إِلَى مَا فَوْق ذَلِك إذ لا غاية لمقدورات الحق سبحانه فِي كُل جنس، فأما المصطلم عَن شاهده المستوفي إحساسه بالكلية فللبشرية لا محالة حد فَإِذَا بطل عَن جملته ونفسه وحسه وَكَذَلِك عَن المكونات بأسرها ثُمَّ دامت بِهِ هذه الغيبة فَهُوَ محو فلا تمكين لَهُ إذن ولا تلوين ولا مقام ولا حال وما دام بِهَذَا الوصف فلا تشريف ولا تكليف اللَّهُمَّ إلا أَن يرد بِمَا يجري عَلَيْهِ من غَيْر شَيْء منه فذلك متصرف فِي ظنون الخلق مصرف فِي التحقيق قَالَ اللَّهُ تعالي: {وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ} [الكهف 18:] وباللہ التوفیق

ترجمہ: تلوین: یہ ارباب احوال کی ایک صفت کا نام ہے۔ تمکین: یہ اہل حقائق میں پائی جانے والی ایک صفت کا نام ہے۔ جب تک انسان راستے میں ہوتا ہے تب تک اسے صاحبِ تلوین کہتے ہیں کیونکہ وہ ایک حال سے دوسرے کی طرف ترقی کر رہا ہوتا ہے۔ نیز ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف جا رہا ہوتا ہے اور اپنے کوچ کے مقام سے اصل مقام پر آتا ہے اور جب وہاں پہنچ جاتا ہے تو اسے تمکین حاصل ہوتی ہے (یعنی قرار ملتا ہے) اسی معنیٰ کی مناسبت سے ان کا شعر ہے ''تمہاری محبت کی خاطر میں منزلیں اترتا رہا حالانکہ دوسروں کی عقلیں وہاں

اترنے سے پہلے ہی حیرانی میں مبتلا ہوجاتی ہیں۔''صاحب تلوین ہمیشہ آگے بڑھتا جاتا ہے،صاحب تمکین اپنے مقام پر پہنچ کر اتصال پالیتا ہے اور اس کے اس اتصال کی علامت یہ ہوتی ہے کہ کلی طور پر وہ اپنی کلیت میں غافل رہتا ہے۔

بعض مشائخ کہتے ہیں کہ''طالب طریقت کے سفر کی انتہاء اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے آپ کو پالے اور جب اپنا مقام پالیتا ہے تو اسے وصال مل جاتا ہے۔''حضرت استاد رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ اس شیخ کا مقصد یہ ہے کہ بشری احکام پیچھے (نیچے) ہوجاتے ہیں اور سلطان حقیقت کا غلبہ ہوجاتا ہے اور پھر جب یہ حالت دائمی ہوجاتی ہے تو طالب صاحب تمکین ہوجاتا ہے۔

حضرت ابوعلی دقاق رحمہ اللہ کا قول ہے،فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب تلوین تھے اسی وجہ سے انہوں نے صرف کلام سننے کے بعد رجوع کرلیا (واپس آگئے) اور انہوں نے ضرورت محسوس کی کہ چہرہ چھپائیں کیونکہ ان پر اس حال تلوین کا اثر تھا لیکن اس کے برعکس ہمارے نبی کریم ﷺ صاحب تمکین تھے چنانچہ جیسے معراج پر تشریف لے گئے تھے ویسے ہی واپس تشریف لائے کیونکہ اس رات دیکھے جانے والے امور کا آپ ﷺ پر کوئی اثر نہ ہوا تھا۔حضرت ابوعلی دقاق رحمہ اللہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ بطور شہادت پیش کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ خواتین جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تھا،انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے کیونکہ اچانک انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کا مشاہدہ ہوا تھا جب کہ ان سب خواتین میں سے عزیز مصر کی بیوی حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں بڑھ چڑھ کر گرفتار تھی مگر اس کے باوجود اس دن اس میں بال برابر بھی تبدیلی نہ ہوئی کیونکہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں صاحب تمکین تھی۔حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ یاد رکھو چونکہ انسان پر وارد ہونے والا تغیر ان دو امور میں سے ایک کی وجہ سے ہوتا ہے یا تو وارد ہونے والی حالت قوی ہوتی ہے یا جس پر وہ حالت طاری ہوتی ہے خود ضعیف ہوتا ہے یونہی صاحب سکون کا سکون بھی دو امور میں سے ایک کی وجہ سے ہوتا ہے یا صاحب سکون خود قوی ہوتا ہے یا وارد ہونے والی کیفیت کمزور ہوتی ہے۔

حضرت استاد ابوعلی دقاق رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ تمکین کے دائمی رہنے کے جواز میں صوفیاء کے اصول کی دو ہی صورتیں بن سکتی ہیں ایک تو یہ کہ یہ ممکن ہی نہیں کیونکہ حضور ﷺ نے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے جواب میں فرمایا تھا۔**لو بقیتم علی ما کنتم علیه عندی لصافحتکم الملئکة**۔(جس حالت میں تم میرے پاس ہوا کرتے ہو،اگر اسی حالت پر باہر بھی رہو تو فرشتے تم سے مصافحہ کیا کریں) اور اس لئے بھی کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا**لی وقت لا یسعنی فیه غیر ربی عز و جل** (میرا ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے کہ جس میں میرے رب کے سوا اور کوئی نہیں سماتا) یہاں بھی حضور ﷺ نے خاص وقت کے بارے میں بتایا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ احوال کا دائمی ہونا صحیح ہوتا ہے کیونکہ اہل حقائق ان طوارق (واردات) کے اثر قبول کرنے سے بالا ہیں اور حدیث کے الفاظ **لصافحتکم الملائکة** میں آپ ﷺ نے اسی ناممکن بات پر موقوف نہیں کیا،فرشتوں کا مصافحہ کرنا تو درجہ میں اس سے بھی کم ہے جسے حضور ﷺ نے ابتدائی صوفیوں کیلئے مقرر فرمایا ہے ارشاد فرمایا**ان الملائکة لتضع اجنحتها لطالب العلم رضی بمایصنع** (بلاشبہ فرشتے طالب علم کیلئے اپنے پر اس لئے بچھادیتے ہیں کہ وہ اس کے کام سے خوش ہوتے ہیں) اور یہ جو آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ''**لی وقت**'' تو یہ آپ ﷺ نے سننے والے کو سمجھانے کیلئے فرمایا ہے کیونکہ حقیقت میں آپ ﷺ اپنے تمام احوال میں حقیقت ہی پر چلتے تھے۔

بہتر یہ قول ہے کہ یوں کہا جائے کہ جب تک بندہ ترقی کے دور سے گزر رہا ہوتا ہے اس وقت وہ صاحب تمکین ہوتا ہے اس کی صفات میں احوال کی زیادتی اور کمی کا قول صحیح ہوتا ہے اور جب احکام بشریہ دور ہونے کی بناء پر وہ حد تک پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے صاحب تمکین بنادیتا ہے بایں طور اللہ اسے یہ قدرت دیتا ہے وہ ان اشیاء کی طرف نہ لوٹے جن پر نفس کو بھروسہ ہے چنانچہ وہ اپنے محل اور استحقاق کی بناء پر اپنے حال پر صاحب

تمکین ہوجاتا ہے اور پھر اسے حق تعالیٰ ہر سانس میں وہ تحفے عطا فرماتا ہے چنانچہ اس کے زیر قدرت کاموں کی کوئی حد نہیں ہوتی بناء بریں زیادتی کے وقت انسان رنگ بدلتا رہتا ہے بلکہ اس صورت میں رنگ آجاتا ہے اپنے اصل حال پر برقرار رہتا ہے اور پھر اپنی پہلی حالت سے اگلی حالت کی طرف جانا شروع کر دیتا ہے پھر اس سے بھی زیادہ ترقی کر جاتا ہے کیونکہ کل جنسوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا کوئی شمار ہی نہیں اب اس شخص کی بات سنو جو اپنے شاہد سے بالکل الگ تھلگ ہو چکا اور احساسات ختم ہو چکے تو لازماً بشریت کی ایک حد ہے اور اس وقت وہ اپنے نفس اور حس سے الگ ہو چکا ہوتا ہے اور یونہی تمام مخلوقات سے علیحدہ ہو چکا ہوتا ہے پھر یہ غیبت دائمی ہو جاتی ہے تو وہ حالت محو میں ہوتا ہے تمکین اس وقت نہیں ہوتی نہ ہی تلوین ہوتی ہے نہ مقام اور نہ ہی حال اور جب تک اس حال میں ہوتا ہے تو نہ صاحب شرف ہوگا نہ احکام الٰہیہ کا مکلف ہوگا ہاں البتہ اگر اسے اپنے نفس اور احساس کی حالت کی طرف پھیر دیا جائے اور ان امور کی طرف لوٹا دیا جائے جو اس پر حق تعالیٰ کی طرف سے جاری ہوتے ہیں اور حسن میں اس کی کوشش کا دخل نہیں ہوتا تو ایسا شخص مخلوق کے نزدیک تصرف کرنے والا کہلاتا ہے اور دراصل اسے اپنی حالت کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ﴿الکھف ۱۸﴾ ''اور تم انھیں جاگتا سمجھو اور وہ سوتے ہیں اور ہم ان کی داہنی بائیں کروٹیں بدلتے ہیں۔''[1]

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام جو منتہی (نہایت) اللہ کے قریب تھے جب اصل اور خالص تجلی بغیر ظل اور صفت کے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے ''وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا (الایۃ)''، مختصر، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی سے فیض کے اثرات کو وجد کہتے ہیں، جو کسی بھی نوعیت کا ہو۔ جب تو اجد اور وجد کے معنی آپ کو معلوم ہو گئے اب ہم وجد اور حال کے اسباب اللہ کے فضل اور توفیق سے بیان کرینگے۔

نمبر: ۱ وجد، نعت، قرآن، سننے یا اللہ کے ذکر سے طاری ہوتا ہے۔

جیسا کہ علامہ الوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

وکثیرا تعرض هذه الحرکة للسالکین عند الذکر او سماع القرآن او مایتاثرون به۔

ترجمہ: اکثر وقت سالکین پر یہ حرکتیں ذکر یا قرآنِ مجید سننے یا شیخ کی توجہ سے پیش آتی ہیں۔[2]

''مایتاثرون به'' سے اشارہ ہے نعت و منقبت سننے یا توجہ شیخ یا شیخ سے ملاقات کی طرف ہے۔ ''اور آیت کریمہ میں اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے''

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ (الانفال ۲)

ترجمہ: بے شک مؤمن وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔

اس آیت میں بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے وقت وجد طاری ہو جاتا ہے دل کا ڈر جانا وجد کی ایک قسم ہے۔

نمبر: ۲ کبھی وجد، مشاہدہ، خوف اور ہیبت سے طاری ہوتا ہے۔

بخاری شریف کتاب التفسیر میں ہے:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ فَجَئِثْتُ مِنْهُ رُعْبًا، فَرَجَعْتُ فَقُلْتُ: زَمِّلُونِي الحديث۔

(مجھ پر اس فرشتے کا رعب طاری ہوا اور لوٹ کر گھر آیا۔ اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا: ''مجھے چادر میں لپیٹ دو'' رُعب کا طاری ہونا یہ

---

[1] (الرسالۃ القشیریۃ ص ۱۵۳)

[2] (روح المعانی: سورۃ اعراف: آیت: ۱۵۵)

بھی وجد کی ایک قسم ہے۔)

اور آیت مبارکہ میں اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے :

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ﴿الاعراف ۱۴۳﴾

ترجمہ : جب پہاڑ پر رب نے اپنی تجلی کی تو پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا، موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے : حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو بے ہوشی طاری ہوئی یہ بھی وجد کی ایک قسم ہے جس کا سبب وہ ہیبت ہے یا اس بجلی کی عظمت ہے۔ حضرت امام ربانی کے قول کے مطابق یہ تجلی ذاتی تھی۔ ظلّی یا صفاتی نہیں تھی باقی تفصیل مکتوبات شریف میں درج ہے۔

نمبر: ۳ وجد کبھی ایسے وقت میں طاری ہوتا ہے جب اپنی کسی خطا پر اللہ کا کوئی مقبول بندہ یا ولی اسے تنبیہ کرتا ہے جیسے امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسلم عبادانی کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ مسلم عبادانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس چار مہمان آئے ان میں سے ایک عتبہ الغلام بھی تھا تو کھانا کھانے کے وقت کسی نے یہ شعر پڑھا:

وتلهيک عن دار الخلود مطاعم ولذة نفس اتباعها غير نافع

ترجمہ: تمہیں آخرت سے غافل کرتے ہیں لذیذ کھانے اور نفس کی لذتیں جن کی تابعداری غیر نافع ہے۔ (یہ سن کر) عتبہ الغلام چیخ مار کر بے ہوش ہو گئے۔[1]

نمبر : ۴ وجد کبھی ایسے وقت میں طاری ہوتا ہے جب ایک بلند مرتبے والا شخص کسی کی زبان سے اپنی تعریف سنے (اپنے بارے میں عزت وسعادت کے الفاظ سنے) جیسے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے اپنی شان میں عزت و بلندی کے الفاظ سنے تو ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر دوڑنے لگے اور پھرنا چنا شروع کر دیا۔ یہ حدیث مبارکہ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احیاء العلوم جلد 2 صفحہ 304 پر آداب سماع میں ذکر کیا ہے۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ بیان کرینگے۔

نمبر : ۵ وجد کبھی جنت وجہنم کے ذکر (یاد) سے بھی ہوتا ہے۔

جیسے کہ صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

''فَإِنْ أَنَّ فِيهَا أَوْ تَأَوَّهَ أَوْ بَكَى فَإِنْ تَفَعَ بُكَاؤُهُ، فَإِنْ كَانَ مِنْ ذِكْرِ الْجَنَّةِ أَوْ النَّارِ لَمْ يَقْطَعْهَا لِأَنَّهُ يَدُلُّ عَلَى زِيَادَةِ الْخُشُوعِ''[2]

ترجمہ: اگر کوئی شخص نماز میں آہ کرتا ہے یا اوہ کرتا ہے یا روتا ہے اور اسکی آواز بلند ہوتی ہے تو یہ اگر جنت وجہنم کی یاد سے ہوتا ہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس میں عاجزی ہے۔ انشاء اللہ یہ بحث بھی آئندہ تفصیل سے ذکر کریں گے۔)

نمبر: ۶ کبھی وجد ایک مخصوص فائدہ یا خوش خبری سننے پر طاری ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے انه عليه الصلوٰة والسلام اذا مر بآية رحمة دعا واستبشر والاستبشار وجد (نبی کریم ﷺ جب رحمت کی آیتیں پڑھتے تو خوش ہو جاتے اور اس وقت دعا کرتے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خیال میں (استبشار) یعنی خوش ہو جانا یہ بھی وجد کی ایک قسم ہے۔)[3]

نمبر: ۷ کبھی کبھی وجد کسی فوت شدہ شے پر افسوس کرتے ہوئے بھی طاری ہو جاتا ہے۔ جیسے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین بار حضور اکرم ﷺ کی یاد

---

[1] (احیاء العلوم جلد ۲ صفحہ ۲۹۳)

[2] (ھدایہ باب مایفسد الصلوٰۃ ومایکرہ فیھا ج ۱ ص ۳۹۷)

[3] (احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۲۹۷)

میں بے ہوش ہو گئے تھے۔

شفیا اصبحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حدیث سناتے ہوئے:

''کما فی الترمذی ابو اب الزھد باب ما جاء فی الریاء و السمعة'' جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۶۳

نمبر ۸: وجد کبھی پرانی غلطی جو صادر ہوئی اس پر پشیماں ہونے کی وجہ سے بھی طاری ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مدح میں آیا ہے: ان کی آنکھیں ایسی ایسی گھوم رہی تھیں گویا وہ پاگل ہوں۔ یہ بھی وجد کی ایک قسم ہے۔ یہ روایت علامہ نابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیقہ (جلد نمبر ۲ ص نمبر 524) میں ذکر کیا ہے۔

نمبر ۹: وجد کبھی اپنے پیر و مرشد یا کسی اور عظیم الشان شخصیت کو دیکھنے کی وجہ سے بھی آتا ہے جیسے کہ علامہ واقدی رحمہ اللہ فتوح الشام میں لکھتے ہیں کہ جب بیت المقدس کی فتح کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پینتیس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھیجا کسی حکمت کی بناء حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس تشریف لے گئے تو جب صحابہ کرام مجاہدین رضوان اللہ اجمعین نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ہیبت ناک آوازیں ان کے منہ سے نکلنے لگیں علامہ واقدی لکھتے ہیں ۔وعلت للمسلمین ضجة عظیمة وصیاح مزعج بالتهلیل والتکبیر (مسلمانوں (صحابہ کرام) نے بلند آواز سے لاالہ الااللہ اور اللہ اکبر کہنا شروع کیا۔[1]

جب امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیشاپور میں تشریف لائے،

وَلما دخل نیسابور کَمَا فِي تاریخها و شق سوقها وَعَلِیهِ مظلة لَا یری من وَرَائِهَا تعرض لَهُ الحافظان أَبُو زُرْعَة الرَّازِيّ وَمُحَمّد بن أسلم الطوسي و معهما من طلبة الْعلم و الْحَدِیث مَا لَا یُحْصى فتضرعا إِلَیْهِ أَن یُرِیهِم وَجهه ویروي لَهُم حَدِیثا عَن آبَائِهِ فاستوقف البغلة وَأمر غلمانه بكف المظلة وَأقر عُیُون تِلْك الْخَلَائِق بِرُؤْیَة طلعته الْمُبَارَكَة فَكَانَت لَهُ ذؤابتان مدلیتان على عَاتِقه وَالنَّاس بَین صارخ وَبَاكٍ ومتمرغ فِي التُّرَاب ومقبل لحافر بغلته فصاحت الْعلمَاء معاشر النَّاس أَنْصتُوا فأنصتوا واستملى مِنْهُ الحافظان الْمَذْكُورَان فَقَالَ حَدثنِي أبي مُوسَى الكاظم عَن أَبِیه جَعْفَر الصَّادِق عَن أَبِیه مُحَمَّد الباقر عَن أَبِیه زین العابدین عَن أَبِیه الْحُسَیْن عَن أَبِیه عَليّ بن أبي طَالب رَضِي الله عَنْهُم قَالَ حَدثنِي حَبِیبِي و قرة عَیْني رَسُول الله صلى الله عَلَیْهِ وَسلم قَالَ (حَدثنِي جِبْرِیل قَالَ سَمِعت رب الْعِزَّة یَقُول لَا إِلَه إِلَّا الله حصني فَمن قَالَهَا دخل حصني وَمن دخل حصني أَمن من عَذَابي)

ثمَّ أرخى السّتْر وَسَار فعد أهل المحابر و الدوى الَّذین كَانُوا یَكْتُبُونَ فأنافوا على عشْرین ألفا۔

امام ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں نقل فرماتے ہیں: جب امام علی رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیشاپور میں تشریف لائے، چہرہ مبارک کے سامنے ایک پردہ تھا، حافظانِ حدیث امام ابو زراعہ رازی و امام محمد بن اسلم طوسی اور ان کے ساتھ بیشمار طالبانِ علم و حدیث حاضرِ خدمتِ انور ہوئے اور گڑگڑا کر عرض کیا اپنا جمالِ مبارک ہمیں دکھائیے اور اپنے آبائے کرام سے ایک حدیث ہمارے سامنے روایت فرمائیے، امام نے سواری روکی اور غلاموں کو حکم فرمایا پردہ ہٹالیں خلق خدا کی آنکھیں جمال مبارک کے دیدار سے ٹھنڈی ہوئیں۔ دو ۲ گیسو شانہ مبارک پر لٹک رہے تھے۔ پردہ ہٹتے ہی خلق خدا کی وہ حالت ہوئی کہ کوئی چلّاتا ہے، کوئی روتا ہے، کوئی خاک پر لوٹتا ہے، کوئی سواری مقدس کا سُم چومتا ہے۔ اتنے میں علماء نے آواز دی: خاموش سب لوگ خاموش ہو رہے۔ دونوں امام مذکور نے حضور سے کوئی حدیث روایت کرنے کو عرض کی حضور نے فرمایا:

حدثنی ابو موسی الکاظم عن ابیه جعفر الصادق عن ابیه محمدن الباقر عن ابیه زین العابدین عن ابیه الحسین عن ابیه علی ابن

---

[1] (فتوح الشام ج ۱ ص ۱۸۹)

ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہم قال حدثنی حبیبی و قرۃ عینی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ و آلہ وسلم قال حدثنی جبریل قال سمعت رب العزۃ یقول لا الٰہ الا اللہ حصنی فمن قال دخل حصنی امن من عذابی۔

یعنی امام علی رضا امام موسٰی کاظم وہ امام جعفر صادق وہ امام محمد باقر وہ امام زین العابدین وہ امام حسین وہ علی المرتضٰی بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت فرماتے ہیں کہ میرے پیارے میری آنکھوں کی ٹھنڈک رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھ سے حدیث بیان فرمائی کہ ان سے جبریل نے عرض کی کہ میں نے اللہ عزوجل کو فرماتے سنا کہ لاالہ الااللہ میرا قلعہ ہے تو جس نے اسے کہا وہ میرے قلعہ میں داخل ہوا، میرے عذاب سے امان میں رہا۔

یہ حدیث روایت فرما کر حضور رواں ہوئے اور پردہ چھوڑ دیا گیا، دواتوں والے جو ارشاد مبارک لکھ رہے تھے شمار کئے گئے، بیس ۲۰ ہزار سے زائد تھے۔[1]

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا: لَو قَرَأت ھَذَا الْإِسْنَاد علی مَجْنُون لبرِیء من جنتہ یہ مبارک سند اگر مجنون پر پڑھوں تو ضرور اسے جنون سے شفا ہو۔[2]

تو ان دو واقعہ سے معلوم ہوا کہ پیر کامل مکمل کی ملاقات کے وقت سالکین طریقت کی زبان سے اللہ اور لاالہ الااللہ کی آوازیں نکلنا اور وجد و حال اور مستی معلوم ہوتی ہے۔ یہ برحق ہے۔

جو اسباب ہم نے ذکر کی ہیں اس کے علاوہ بھی وجد کے اسباب ہیں۔ یہ نو (۹) مثالیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں تا کہ پڑھنے والوں کو معلوم ہو کہ وجد و حال کے اسباب بہت سارے ہیں جس طرح وجد و حال کے اسباب بہت زیادہ ہیں اسی طرح اقسام بھی بہت ساری ہیں۔ جیسا کہ:

(۱) وجد غم و خوف کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ ترمذی شریف کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

''شیبتنی ھود و اخواتھا'' (سورۃ ھود اور اس جیسی سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ رواہ ترمذی)

''امام غزالی رحمہ اللہ تعالٰی اس حدیث کے حوالے سے فرماتے ہیں:

و قولہ صلی اللہ علیہ وسلم شیبتنی ھود و اخواتھا خبر عن الوجد فان الشیب یحصل من الحزن و الخوف و ذالک وجد۔ (حضور اکرم ﷺ کا یہ خبر دینا کہ سورۃ ھود اور اسطرح کی سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ داڑھی کا سفید ہونا غم یا خوف کی وجہ سے یہ بھی وجد کی قسم ہے۔)[3]

(۲) کبھی وجد رونے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

شیخ اجل شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں

و اعلم ان للباکین عند السماع مواجید مختلفۃ فمنھم من یبکی خوفا و منھم من یبکی شوقا و منھم من یبکی فرحا۔

ترجمہ: جان لو کہ سماع یا نعت خوانی کے وقت وجد کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں بعض خوف کی وجہ سے، بعض شوق و ذوق کی وجہ سے اور بعض خوشی و فرحت کی وجہ سے روتے ہیں۔[4]

---

[1] (الصواعق المحرقۃ الفصل الثالث ص ۱۲۹ النوریۃ الرضویۃ بلشنگ گنپتی لاہور)

[2] (الصواعق المحرقۃ الفصل الثالث ص ۱۲۹ النوریۃ الرضویۃ بلشنگ گنپتی لاہور) (العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ ج ۷ ص ۵۴)

[3] (اخرجہ الترمذی و الحاکم کما فی الاحیاء: ج: ۲: ص: ۲۹۸ :باب آثار السماء و آدابہ)

[4] (کما فی عوارف المعارف: باب: ۲۴: ص: ۱۱۷)

''جس طرح امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب التفسیر باب قولہ تعالیٰ''فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ (الآية)'' میں نقل کیا ہے:
حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور ﷺ کے سامنے سورۃ النساء تلاوت کر رہا تھا جب میں اس آیت پر پہنچا فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ (النساء ۴۱)'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: رک جاؤ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مڑ کر دیکھا ''فاذا عیناہ تذرفان'' تو حضور اکرم ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور فرمایا (حسبک) (بس یہی کافی ہے)
''وفی روایۃ انہ علیہ السلام قرء ھٰذہ الآیۃ او قرء عندہ إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا (۱۲) وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا (المزمل ۱۲ تا ۱۳)''''فصعق''
ترجمہ: ایک اور روایت میں ہے کہ یہ آیت (إِنَّ لَدَيْنَا) آپ ﷺ نے خود تلاوت کی یا آپ ﷺ کی موجودگی میں کسی اور نے تلاوت کی تو آپ ﷺ نے آواز بلند کی (چیخ ماری) یاد رہے کہ لغت میں لفظ صعق کا معنیٰ بے اختیار اضطراری کیفیت ہی مذکور ہے۔[1]
اور ان شاء اللہ تعالیٰ مزید رونے کی فضیلت اور اسکی اہمیت بیان ہوگی۔
(3) کبھی وجد ایسی صورت میں بھی ہوتا ہے کہ کوئی شور شرابہ، چیخ یا نعرہ مار کر بے ہوش ہو جاتا ہے اور وجد ظاہر ہوتا ہے۔
''جیسے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''کتاب الجنائز جلد نمبر 1 صفحہ 183 باب ما جاء فی عذاب القبر'' میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے ''ضج المسلمون ضجۃ'' کہ مسلمانوں نے چیخیں ماریں۔ یہی روایت امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نسائی شریف میں کتاب الجنائز جلد نمبر 1 صفحہ 226 پر ذکر کی ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں روایت نقل کی ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک قاری سے یہ آیت مبارکہ سنی ''ان عذاب ربک لواقع'' (فصاح صیحۃ وخر مغشیا فحمل الی بیتہ فلم یزل مریضا فی بیتہ شھرا) تو سننے کے بعد چیخ مار کر بیہوش ہو کر گر پڑے۔ حضرت سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اٹھا کر گھر لے گئے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کئی روز (ایک ماہ) تک گھر پر بیمار رہے۔[2]
جامع الاحادیث المسانید والمراسیل میں امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کیا ہے اس واقعہ کے بارے میں ''فخر مغشیا علیہ الی الغد'' صبح تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے ہوش رہے: وقال النابلسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فی الحدیقۃ الندیۃ قرا عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ اذا الشمس کورت حتی اذا بلغ واذا الصحف نشرت فخر مغشیا علیہ وصار یضرب علی الارض ساعۃ کبیرۃ۔ وکذا فی تنبیہ المغترین للامام الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ ایضًا۔ (اور علامہ نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیقۃ الندیہ میں تحریر کیا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ علیہ نے اذا الشمس کورت تلاوت کی جب (واذا الصحف نشرت) تک پہنچے تو بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ کافی دیر تک ہاتھ اور پاؤں مبارک زمین پر مارتے رہے۔ اسی طرح کا واقعہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہ المغترین میں نقل کیا ہے۔)
نمبر: ۴ اور وجد کبھی (اقشعرار الجسد) یعنی اعضاء اور بدن پر لرزہ طاری ہونے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے قرآن میں ارشاد فرمایا: اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ (الزمر ۲۳)
ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بہت خوب صورت باتیں نازل کی ہیں۔ ایسی کتاب جس کی آیات ایک دوسرے سے مشابہت رکھتی ہیں اور بار بار پڑھی

---

[1] (احیاء علوم الدین: ج ۲ ص ۲۹۷)
[2] (کما فی الاحیاء: ج: ۲: ص: ۲۹۷)

جاتی ہیں اس سے ان کے جسم پر حرکت اور لرزہ طاری ہوتا ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔

جس طرح حدیث مبارکہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحب زادی حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی تعریف میں فرماتی ہیں۔

''تدمع اعینهم وتقشعر جلودهم کما فی المظهری وسیأتی ان شاء اللہ تعالٰی''

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی آنکھوں سے آنسو بہتے تھے اور کھال لرزتے تھے۔اور امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احیاء علوم الدین (جلد دوم صفحہ 298) میں تحریر کیا ہے۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے ایک نیک نوجوان کو قرآن پڑھتے ہوئے دیکھا تو اس کا بدن لرزنے لگا وہ نوجوان بہت خوش ہوا پھر اس کی مرض الموت میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی عیادت کیلئے گئے تو اس نوجوان نے کہا کہ میرے جسم کا لرزنا خوب صورت شکل میں آیا اور کہا کہ :ان اللہ قد غفر لی بها کل ذنب۔(بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میرے تمام گناہ جسم کے لرزنے کے سبب بخش دیئے ہیں۔)

تفسیر مدارک میں سورۃ زمر کی آیت نمبر 23 کی تفسیر میں یہ حدیث شریف منقول ہے:

اذا اقشعر جلد المؤمن من خشیۃ اللہ تعالٰی تحافت ذنوبه کما یتحافت عن الشجرۃ الیابسۃ ورقها۔

ترجمہ: جب مومن کی کھال (جسم) اللہ کے خوف سے لرزنے لگتی ہے تو اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے خشک درخت سے پتے جھڑتے ہیں۔

نمبر:5 وجد کبھی بے ہوشی کی صورت میں ہوتی ہے کہ انسان بے ہوش ہو جاتا ہے کبھی فریاد کرنے لگتا ہے اور کبھی آہ یا سسکیوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور سینے کے لطائف کی حرکت یا ذکر کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جیسے کہ ترمذی جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 63 میں ابو اب الزھد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شفی الاصبحی رضی اللہ تعالٰی عنه کے سامنے حدیث بیان کرتے وقت تین بار بے ہوش ہو جانا مذکور ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے کہ رمضان المبارک کی رات میں امام کے پیچھے نماز باجماعت میں کھڑے تھے کہ یہ آیت مبارکہ سننے کے بعد (وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ (الآية)) (سورۃ الاسریٰ : آیت نمبر ۸۶:) یہ آیت مبارکہ سننے کے بعد آپ نے بہت زور سے چیخ ماری۔آیت کا ترجمہ (اگر ہم چاہتے تو ہم نے آپ کی طرف جو وحی کی ہے واپس لے لیتے۔(وظن الناس انه قد طارت روحه واحمر وجهه وارتعد فرائصه) لوگوں نے گمان کیا کہ ان کی روح مبارک پرواز کر گئی ہے۔ان کا چہرہ مبارک سرخ ہوا۔ان کا جسم لرزنے لگا۔[1]

اور ملا علی قاری نے مشکوٰۃ کے مقدمے میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تحریر کیا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک قاری سے یہ آیت کریمہ سنی : هَذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُونَ (۳۵) وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ (۳۶) (سورہ مرسلات) فتغیر الشافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیه وارتعد وخر مغشیا علیه'' تو امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔اور آپ لرزنے لگے اور آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔[2]

امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے واقعہ نقل کیا ہے:

جلیل القدر تابعی ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لوہار کی آگ دیکھی تو چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے اور پانچ نمازیں بے ہوشی میں قضا ہوئیں۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے سرہانے بیٹھے یہ فرما رہے تھے ھٰذا واللہ ھو الخوف، یعنی اللہ کی قسم! یہ اللہ کے خوف کی وجہ

---

[1] (احیاء علوم الدین ج ۲ ص ۲۹۷ : کتاب آداب السماع والوجد)

[2] (مرقاۃ ج ۱ ص ۴۴)

سے ہے، جیسے حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حالتِ نماز میں غشی یا بے ہوشی طاری ہونا۔"[1]

اور حضرت زرارہ بن اوفی تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق مروی ہے کہ آپ بنی قطیر کے محلے میں امامت کرایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ نماز فجر میں آیت مبارکہ فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ (٨) فَذَلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ (٩) (سورہ مدثر) پڑھی اور بے ہوش ہو کر گر پڑے اور فوت ہو گئے۔اس حدیث شریف کے تحت تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی میں قرآن سن کر مر جانے کے چند واقعات تحریر کئے گئے ہیں۔

حضرت خلید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آیت مبارکہ (كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (الانبیاء:۳۵)) کی تلاوت کی اور چند بار تکرار کیا۔گھر کے ایک کونے سے آواز آئی کم تردد۔۔۔ کب تک اسی آیت کا تکرار کرتے رہو گئے۔اس سے چار جنوں کو تو مار چکے ہو جن کو آسمان کی طرف سر اٹھانے کی بھی ہمت نہ ہوئی پہلے ہی فوت ہو گئے یہ سن کر آپ رنج وغم سے اس قدر نڈھال ہو گئے کہ اہلِ خانہ تک حیران رہ گئے۔گویا کہ بدل گئے تھے۔[2]

اور ثعلبہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حالتِ نماز میں گر جانا اور چیخیں مارنا اور بے ہوش ہو جانا اور وفات پا جانا۔اسی طرح فاطمہ کتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نفحات الانس سے مذکور واقعہ، یہ سب کے سب عین جذب ہے۔[3]

6۔اور وجد کبھی (رجفة البدن او رجفة القلب) (بدن کا لرزنا اور قلب کا لرزنا) کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

جیسے علامہ آلوسی آفندی حنفی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر روح المعانی میں اس آیت کریمہ (فَلَمَّا اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ) کے نیچے ارشاد فرماتے ہیں:

أي رجفة البدن التي هي من مبادي صعقة الفناء عند طريان بوارق الأنوار وظهور طوالع تجليات الصفات من اقشعرار الجسد وارتعاده وكثيرا ما تعرض هذه الحركة للسالكين عند الذكر أو سماع القرآن أو ما يتأثرون به حتى تكاد تتفرق أعضاؤهم، وقد شاهدنا ذلك في الخالدين من أهل الطريقة النقشبندية۔

ترجمہ: جسم کا ہلنا جو فنا فی اللہ کے مقام کی ابتدا میں وارد ہوتا ہے جب انوار اور تجلیات کی روشنیاں اس پر برستی ہیں اللہ کی صفات کی تجلیات کا ظہور ہوتا ہے جو جسم ہلنے اور لرزنے لگتا ہے بہت سے سالکوں کو یہ حالت ذکر کے وقت قرآن کریم کے سننے کے وقت ہوتی ہے یا شیخ کی توجہ یا نعت خوانی یا سماع کے وقت پیش آتی ہے اس حد تک کہ قریب ہوتا ہے کہ اعضاء ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں اس حالت کو ہم نے مولانا خالد نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مریدوں میں خود ملاحظہ کیا جو سلسلہ نقشبندیہ سے وابستہ لوگ تھے۔[4]

اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بخاری شریف باب کیف کان بدا الوحی الی رسول اللہ ﷺ ج ۱ ص ۳ پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت نقل کی ہے: "قالت "فَرَجَعَ بِهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْجُفُ فُؤَادُهُ، فَدَخَلَ عَلَى خَدِيجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، فَقَالَ زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي، فَزَمَّلُوهُ حَتَّى ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ،"

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور ﷺ پہلی وحی نازل ہونے کے بعد غارِ حرا سے واپس گھر تشریف لائے آپ کا دل مبارک ہل رہا تھا۔دوسری روایت میں ہے آپ کے لطائف مبارکہ حرکت کر رہے تھے۔ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آپ ﷺ تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ مجھے چادر میں لپیٹ دو (تین مرتبہ فرمایا) تو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ ﷺ کے جسم اقدس

---

[1] (مرقاۃ ۱: ۴۵۴ عوارف المعارف ص ۵۱ مکتوبات شریف مکتوب: ۱۱۸ دفتر ۳)

[2] (تحفۃ الاحوذی: ج: ۲: ص ۵۲۴:)

[3] (تنبیہ الغافلین)

[4] (روح المعانی: ج: ۳: ص: ۸۶: سورۃ اعراف: آیت: ۱۵۵)

پر چادر اوڑھادی یہاں تک کہ آپ ﷺ کے بدن کا لرزنا یا ہلنا ختم ہوگیا۔ ہیبت زدہ شخص کو علاج کی غرض سے کپڑوں میں لپیٹنا عربوں کا عام دستور ہوتا ہے پھر بعد میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی (یا ایھا المزمل) اور (یا ایھا المدثر) اور (خیرات الحسان: ص :۳۶: فصل :۱۵:) میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔ ایک دن نماز فجر میں یہ آیت کریمہ (وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ (الآیۃ)) کی تلاوت کی تو آپ کے بدن پر کپکپی طاری ہوگئی یہاں تک کہ لوگ سمجھ گئے کہ آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی ہے

7۔ اور وجد کبھی (حنین) یعنی رونے کی صورت میں اور کبھی (صعق) اور (خرور) یعنی گرنا اور بے ہوش ہو جانے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے کہ آیت کریمہ میں ہے۔

(فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا)

ترجمہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

مندرجہ بالا آیت کریمہ وجد کی حقیقت پر دلالت کرتی ہے۔ بائیس روایات مزید (خرور) یعنی گرنا اور بے ہوش ہونا تنبیہ المغترین کی حوالے سے بیان کیا جائیگا۔ اور جیسے کہ شعب الایمان میں اور ابن عدی کی کتاب الکامل میں حرب بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرسلاً روایت منقول ہے اور امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احیاء العلوم: ج:۲: ص :۲۹۷: پر نقل کیا ہے (انه عليه الصلوة والسلام قرا عنده ان لدينا انكالا وجحيما وطعاما ذا غصة وعذابا اليما) (فصعق)

حضور اکرم ﷺ کے سامنے یہ آیت کریمہ تلاوت کی گئی (ان لدینا) تو حضور اکرم ﷺ بے خود ہو گئے۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب التفسیر باب قولہ تعالیٰ (لا تسئلوا عن اشیاء (الآیۃ)) (ج:۲: ص :۲۶۵: میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے خوف کے معاملے میں حضور ﷺ کے وعظ کے دوران خوف کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے :فغطى اصحاب رسول الله ﷺ وجوههم لهم حنين۔ (صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے چہرے ڈھانپ لئے اور فریاد و گریہ وزاری کر رہے تھے۔)

8۔ اور وجد کبھی اس صورت میں ظاہر ہوتا ہے کہ انسان اپنے جسم کے کپڑے پھاڑتا ہے جیسے عبد الغنی نابلسی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیقۃ الندیہ: ج:۲: ص :۵۲۵: پر فرماتے ہیں (وانشد الشيخ الامام شهاب الدين احمد الزهرى رحمة الله تعالى عليه متعذرًا عن كشف رأس الفقراء فى الذكر بقوله) حضرت شیخ شہاب الدین زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اہلِ تصوف اور فقراء کے ذکر کے وقت کھلنے کا عذر پیش کرتے ہوئے یہ اشعار تحریر کئے:

يلومونني فى كشف راسى وانني — لمعترف انى على ذالك اوجر

لقصدى به اظهار ذلتى التى — هى المقصد الاسنى لمن يتبصر

ترجمہ: یہ لوگ میرے کھلنے میں مجھے ملامت کرتے ہیں حالانکہ میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ مجھ کو اس کا اجر ملتا ہے اس لئے کہ میرا مقصد اس سے عاجزی کا اظہار کرنا ہے جو کہ اہلِ بصیرت کے نزدیک بیش قیمت اور اعلیٰ مقصد ہے کہ انسان اپنی عاجزی کا اظہار کرے۔

شیخ اجل شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عوارف المعارف میں فرمایا کہ حضرت رویم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا :

فمنهم من يمزق ثيابه ومنهم من يبكى ومنهم من يصيح۔ (بعض سالک اپنے کپڑے پھاڑتے ہیں اور بعض روتے ہیں اور بعض چیخیں مارتے ہیں۔)[1]

---

[1] (عوارف المعارف ص ۱۰۶ باب ۲۲)

اسی طرح امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :ولا یبعد ان یغلب الوجد بحیث یمزق ثوبہ۔آہ[1]

ترجمہ: اور یہ بات بعید نہیں کہ حال اور وجد کی کیفیت اتنی زیادہ ہو جائے کہ سالک اپنے کپڑے پھاڑنے لگے' اور علامہ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے بعض ساتھیوں کے حوالے سے حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کرتے ہیں'

''رایت الشبلی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ قائما یتواجد وقد خرق ثوبہ وھو یقول''

شققت ثوبی علیک حقا اردت قلبی فصاد قتہ

یدای بالجیب اذ برقاء وما لثوبی اردت خرقا

لو کان قلبی مکان جیبی لکان الشق مستحقا

ترجمہ: میں نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھا کہ کھڑے تھے اور وجد آپ پر طاری تھا اور اپنے کپڑے پھاڑ رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔میں نے تیرے عشق میں اپنے کپڑے پھاڑ لئے اور میرا مقصد اپنے کپڑے پھاڑنا نہ تھا۔میرا ارادہ یہ تھا کہ میں اپنے دل کو پھاڑوں مگر میرا ہاتھ گریبان سے ٹکرا گیا اگر گریبان کی جگہ دل میرے ہاتھ میں آجاتا تو یہ پھٹ جانے کا زیادہ مستحق تھا۔ (کمافی الحدیقۃ ج ۲ ص ۵۲۴)

۹۔وجد کبھی اضطراب اور لرزنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید حضرت ابوالحسن محمد بن احمد سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سہل بن عبداللہ تستری کی صحبت میں ساٹھ (۶۰) سال رہا مگر آپ پر کبھی وجد طاری ہوتا نہ دکھائی دیا (اس لئے کہ وہ منتہی تھے) لیکن آخر میں ایک مرتبہ ایک آیت کریمہ (الملک یومئذن الحق للرحمن) سنی تو سخت اضطراب طاری ہوا اور ان پر جذب کی کیفیت طاری ہوئی۔[2]

مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

درس شان آشوب وچرخ وزلزلہ نہ زیاد اتست و باب سلسلہ

(مثنوی شریف :دفتر چہارم)

ترجمہ: اللہ کے عاشقوں کا درس آنسو بہانا اور لرزنا اور کپکپی طاری ہونا ہے۔کتاب زیادۃ کے نو ابواب نہ تو پڑھتے ہوتے ہیں اور نہ ہی درس کا سلسلہ ہوتا ہے۔

10۔ وجد کبھی اس صورت میں ہوتا ہے کہ زبان سے جاری ہو اللہ یا ھو یا آہ یا مہمل الفاظ زبان سے ادا ہوتے ہیں جیسے صاحب ہدایہ، علامہ برہان الدین مرغینانی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :وان ان فیھا اوتاوہ او بکی فارتفع بکائہ ان کان من ذکر الجنۃ او النار لم یقطعھا لانہ یدل علی زیادۃ الخشوع وسیاتی مفصلا ان شاء اللہ تعالٰی۔(اگر نماز میں ایک شخص آہ یا اوہ یا ھو کرتا ہے یا روتا ہے اور اس کا رونا بلند ہوتا ہے یعنی حروف خارج یا حاصل ہوتے ہیں اور اگر یہ رونا جنت یا جہنم کی یاد سے حاصل ہوا ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی اس لئے کہ یہ عاجزی اور انکساری کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔اس کی پوری تفصیل بعد میں ان شاء اللہ بیان کی جائے گی۔)

''فتاوی امجدیہ میں مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں' ذکر جنت و نار پر اگر گریہ طاری ہو اور آہ اُف وغیرہما الفاظ زبان سے نکل گئے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔اور اگر ایک دو قدم ایسی حالت میں آگے یا پیچھے ہٹ گیا جب بھی حرج نہیں (درمختار میں ہے) ''لالذکر جنۃ او نار'' (ردالمحتار

---

[1] (کمافی الاحیاء: ج: ۲: ص: ۳۰۴)

[2] (الاحیاء ج ۲ ص ۳۰۳)

میں ہے) ''لان الانین ونحوہ اذا کان بذکرھما صار کانہ قالہ اللّٰھم انی اسئلک الجنۃ واعوذ بک من النار ولو صرح بہ لاتفسد صلٰوتہ''[1]

امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انوار قدسیہ میں آداب الذکر میں فرماتے ہیں : ''امامسلوب الاختیار فھو مع مایرد علیہ من الاسرار فقدیجری علی لسانہ :اللہ، اللہ، اللہ، او، ھو، ھو، او لا، لا، او آہ، آہ او عا، عا، عا او آ، آ، آ او ھا، ھا، ھا او صوت بغیر حرف او تخبیط وادبہ عند ذالک التسلیم للوارد فاذا انقضی الوارد فادبہ السکون من غیر تقول۔ (جو کچھ مسلوب الاختیار سالک ہے اپنے اسرار جوان پر وارد ہوتے ہیں اسے معذور سمجھا جائے گا۔ جب اس کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہو جائیں اللہ، اللہ، اللہ، اللہ کبھی ھو، ھو، ھو کبھی لا، لا، لا کبھی آ، آ، آ کبھی عا، عا، عا کبھی ھا، ھا، ھا اور کبھی بغیر حروف بامعنی کے آواز نکالنا اور کبھی غیر معنی الفاظ کا اس کے زبان سے ادا ہونا۔ تو اس وقت سالک کیلئے ادب یہ ہے کہ اس کا یہ وارد تسلیم کرلیا جائے اور جب وارد ختم ہو جائے پھر اس کے لئے ادب یہ ہے کہ سکون سے اس سے کسی متعلق سوال نہ کیا جائے۔[2]

(صاحب فقہ علی مذاھب اربعہ علامہ عبدالرحمن جزیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ج ا ص ۱۷۲ دار الکتب العلمیۃ) نے (تافیف) یعنی اُف، اُف کرنا باقی کی طرح شمار کیا ہے۔)

11۔ اور وجد کبھی ہنسنے کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ امام بزار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی صحیح سند کے ساتھ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کیلئے دعا فرمائی :فَضَحِكَتْ عَائِشَةُ حَتَّى سَقَطَ رَأْسُهَا فِي حِجْرِهَا مِنَ الضَّحِكِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - :"أَيَسُرُّكِ دُعَائِي؟". فَقَالَتْ :وَمَا لِي لَا يَسُرُّنِي دُعَاؤُكَ؟فَقَالَ :"وَاللَّهِإِنَّهَا لَدَعْوَتِي لِأُمَّتِي فِي كُلِّ صَلَاةٍ۔

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت رسول اکرم ﷺ کی دعائے مبارکہ سے اس قدر تبسم فرمایا کہ آپ کا سر مبارک حضور ﷺ کے دامن اقدس سے مس ہو گیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آپ کو میری دعا سے اس قدر خوشی ہوئی ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا :جی ہاں! کیوں نہیں۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا : میں ہر امتی کے لئے ہر نماز کے بعد یہی دعا کرتا ہوں۔[3]

اس ہنسنے کی دو وجہ ہوتی ہیں یا وجد کا غلبہ اور خوشی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجد بھی اسی ہنسنے کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا۔

12۔ وجد کبھی رقص کرنے یا ایک پاؤں پر دوڑنے کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جیسے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ وجد کی حالت میں ایک پاؤں پر دوڑے تھے۔ یہ بھی وجد کے باعث ہوا۔[4]

امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے :فکان ھٰذا اصلا فی رقص الصوفیۃ رحمۃ اللہ تعالٰی علیھم۔ (یہ صوفیاء کے رقص کی اصل ہے)[5]

علامہ نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیقہ میں شیخ نجم الدین غذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے تحریر کیا ہے۔ کبھی وجد انسان پر غالب ہو جاتا ہے کہ اس سے ایسے افعال واحوال صادر ہوتے ہیں کہ وہ بظاہر مجنون نظر آتا ہے۔

''کالرقص والدوران وتخریق الثوب وھی حالۃ شریفۃ''

---

[1] (فتاوی امجدیہ: ج:۱: ص ۱۸۱:)

[2] (انوار قدسیہ ج ۲ ص ۳۹)

[3] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۹ ص ۲۴۳، سبل الہدٰی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ج ۱۱ ص ۱۷۲، شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ ج ۴ ص ۳۹۱)

[4] (الاحیاء: ج:۲: ص ۳۰۴:)

[5] (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۳۴ المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ)

ترجمہ: جیسے رقص کرنا،گول دائرے کی صورت میں گھومنا،کپڑے پھاڑنا یہ اچھی حالت ہے۔[1]

صاحب فتاویٰ خیریہ نے تحریر کیا ہے کہ : **اما الرقص ففیه للفقهاء رحمة الله تعالٰی علیهم کلام منهم من منعه و منهم من لم یمنع حیث وجاء لذة الشهود وغلب علیه الوجد و استدل بما وقع لجعفر بن ابی طالب رضی الله تعالٰی عنه لما قال له النبی ﷺ اشبهت خلقی و خلقی۔۔۔فحجل وفی روایة رقص من لذة هٰذ الخطاب**"

(رقص کے بارے میں فقہاءِ عظام کے درمیان اختلاف ہے۔بعض فقہاء رقص کو منع کرتے ہیں اور بعض فقہاء منع نہیں کرتے،جب شہود کا مزہ پاتے ہیں تو وجد ان پر غالب آجاتا ہے اور ان کے لئے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ بطورِ دلیل قرار دیتے ہیں۔جب حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ آپ شکل،شباہت واخلاق میں میرے (حضور ﷺ سے) مشابہ ہے تو انہوں نے ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر رقص شروع کیا۔دوسری روایت میں ہے کہ اس خطاب کی لذت سے انہوں نے رقص کرنا شروع کیا۔)

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رد المحتار: قبیل باب البغات میں تحریر کیا ہے : **والتحقیق القاطع للنزاع فی امر الرقص والسماع۔الخ وسیاتی ان شاء الله تعالٰی۔** (وہ تحقیق جس سے اختلاف ختم ہو جاتا ہے سماع اور رقص کے بارے میں عارفوں کے لئے تفصیلی عبارت آگے بتائی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔)

پھر فرمایا :**فقمت اسعی علی رجل وحق لمن دعاه مولاه ان یسعی علی الراس**

(پس میں کھڑا ہوا اور ایک پاؤں پر دوڑتا رہا اور جسے آقا اپنی طرف بلائیں اسے چاہئے کہ سر کے بل بھاگ کر پہنچے۔)[2]

13۔ وجد میں کبھی انسان بیٹھے ہوئے بھی اور کندھوں کو گول دائرے کی صورت میں حرکت دیتا ہے کبھی سر کو جھٹکے سے حرکت دیتا ہے جیسے علامہ شامی مجموعہ رسائل میں فرماتے ہیں : **فقد سئل امام الطائفتین سیدنا الجنید رضی الله تعالی عنه ان اقواما یتواجدون ویتمایلون فقال دعوهم مع الله تعالی یفرحون۔الخ۔(الی ان قال) ولو ذقت مذاقهم عذرتهم فی صیاحهم وشق ثیابهم**"

ترجمہ: حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال کیا گیا کہ کچھ لوگ ذکر میں تاؤ پیچ کھاتے ہیں اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ حضرت جنید بغدادی نے فرمایا: کہ ان لوگوں کو اللہ کے ساتھ چھوڑ دو کہ اپنی خوشیاں منائیں پھر مزید آپ نے فرمایا کہ یہ مزہ اگر تم چکھتے تو ان کو چیخیں مارنے اور کپڑے پھاڑنے میں معذور سمجھتے۔[3]

جیسے علامہ نابلسی نے حدیقہ میں فرمایا : **کالرقص والدوران وتخریق الاثواب۔** (رقص کرنا دائرے کی صورت میں گھومنا اپنے کپڑے پھاڑنا۔)[4]

اس کے علاوہ اور بھی مختلف صورتیں ہیں جن سے وجد اور حال کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔جیسے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے توجہ مبارک سے نان فروش کا ظاہری رنگ،شکل وصورت حضرت خواجہ باقی باللہ کی صورت کے مشابہ ہوگئی تھی۔توجہ اتحادی اور وجد وحال سے۔[5]

انوار اور فیوضات سے جیسے گرمی اور حرارت کا حاصل ہونا یہ بھی وجد کی ایک قسم ہے جیسا کہ بخاری شریف کی حدیث مبارکہ میں مرقوم ہے۔**وان جبینه**

---

[1] (حدیقہ ج ۲ ص ۵۳۲)

[2] (ردالمحتار ج ۳ ص ۳۳۷)

[3] (مجموعۃ الرسائل ج ۱ ص ۱۷۳)

[4] (کما فی الحدیقۃ جلد دوم ص: ۵۲۴)

[5] (تفسیر عزیزی: ص 338 : سورۃ اقراء)

لیتفصد عرقا (وسیاتی ان شاء اللہ تعالٰی)) ''اسی طرح وجد غم وخوف کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، جس طرح ترمذی شریف کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ: ''شیبتنی ھود واخواتھا'' (سورہ ھود اور اس جیسی سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا۔)

جیسا کہ غوث الثقلین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ اور صحبت سے کچھ لوگ انتقال کر جاتے اور کچھ لوگ صحرا کی جانب چلے جاتے اور کچھ ہوش وحواس سے بیگانہ ہو جاتے۔[1]

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر وجد حال کی کیفیت طاری ہونا

''فصاح ووضع یدہ علی راسہ وخرج ھائما لا یدری این یتوجہ مدۃ ثلاثۃ ایام

جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اسی طرح حال کی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ انہوں نے چیخ ماری اور سر پر ہاتھ رکھا اور حیران وسرگردان باہر نکلے اور یہ بھی فیصلہ نہیں کر سکتے تھے کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ تین دن اسی کیفت میں گزار دیئے۔[2]

مشہور تابعی اور فقہ کے بانی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے امام سے آیت: ''ولا تحسبن اللہ۔ الخ'' سنی تو بدن پر کپکپی طاری ہوگئی یہاں تک کہ دوسروں کو معلوم ہو رہی تھی۔[3]

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ وجد وجذب کی حالت میں بھاگنا، دوڑنا، زمین پر گر کر ہاتھ پاؤں مارنا۔ نیز بلا اختیار کسی طرف چلے جانا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے ثابت ہے چنانچہ رسالہ روح نماز: ص: ۲۳: میں حضرت امیر المؤمنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ ایک دن کسی سے آیت ''ان عذاب ربک لواقع مالہ من دافع۔ الآیۃ'' سن کر بہت بڑی چیخ ماری اور بے اختیار ہو کر گر پڑے، اٹھا کر گھر لائے گئے۔ مسلسل ایک مہینہ تک بیمار رہے۔

حضرت ابو جریر تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت صالح مرئی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تلاوتِ قرآنِ مجید سن کر چیخ ماری اور فوت ہو گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) (حوالہ مذکورہ)

اس بیان سے غرض حصر اور تحدید نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ وجد کی اقسام اور صورتیں، بہت زیادہ ہیں جن سے وجد ظاہر ہوتا ہے۔ وجد اور حال حقیقی عارف اور حقیقی اہلِ تصوف کیلئے بالکل ثابت ہے جب وجد اور تواجد کے معنی اور اقسام عامۃ الوقوع میں بیان کر دیئے گئے ہیں اور اب وجد کے لئے ثبوت دلائل اور حوالے قرآنِ کریم کی آیات مبارکہ، آثارِ صحابہ مبارکہ اور تابعین اور اقوال مفسرین اور محدثین اور فقہاء اور اقوال اولیاء وعلماء سے مدلل اثبات انشاء اللہ تعالیٰ بیان کیا جائے گا۔

معارف آگاہی مولانا جلال الدین، رومی، بلخی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۶۷۲ھ، لکھتے ہیں:

صوفئے بدرید جبہ در حرج پیشش آمد بعد بدریدن فرج

ترجمہ: ایک صوفی نے حالتِ وجد میں اپنا جبہ پھاڑ ڈالا بعد پھاڑ ڈالنے کے اس پر کشائش رزق نازل ہوئی۔ (صفحہ ۱۰۷:)

امام ابو الفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

إخواني كم إلى دير المحبة من موارد ومصادر، نبهوا رواهب الشوق لتكون إليهم سائر، اطلبوا منه شرابا عتيقا جلّ عن

---

[1] (سیف المقلدین: ص 538:)

[2] کما فی الحدیقۃ: ص: ۱۰۹

[3] (الخیرات الحسان: ص: ۳۹)

معاصرة العاصر، فتح لهم دنان التوله، فانفض منه رحيق التحقيق له شعاع يملأ البصائر، أدار عليهم أقداح الوجد، فحنّوا إلى المزيد حنين، الذاكر، خامرهم سكر التولة، فبدا لهم كل غائب وحاضر، استزادوا من هذا الشراب الطيّب الطاهر، بذلوا فيه النفوس والأوطان والغائب والحاضر، أطربهم تلحين أهل دير المحبة، فتواجدوا تواجد كابر عن كابر، محبوبهم ساقيهم، ومجلس أنسهم منضدّ بأنواع الأزاهر، ملوك في وقت السكر، عبيد في وقت الصحو، فهم بين غائب وحاضر. شربة من هذا المدام رخيصة ببذل الكون والأوائل والأواخر، لا يتركه إلا سيفه ليس لتيه شقائه من آخر۔ اقبل نصحي وبادر قبل غلق بابه وباكر، يغنيك عن كل مطعوم ومشروب، وعن كل نسيم عاطر.

منها شرب آدم، وناح عليها نوح، ونشر زكريا بالمناشر، وعرض الخليل على النار،، فما أحسّ بما هو إليه سائر، وعاجل الشوق موسى فقال :أرني لعلي أرى المنظور في الناظر، وكم لداود من سكر وأشواق وتلحين مزامر، وهام عيسى في البراري لا يأوي على باد ولا حاضر، شربها شربا نبينا محمد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يوم السبت، فألقت فيه بقيّة أوجبت المدائح والمفاخر.

لك انفتح الكون، فاختر هذا الشراب الطيب الطاهر، قطرة منها نهر الكوثر، تروى منها في ظمأ الهواجر، دارت على الصدّيق والفاروق والسعيد إلى العاشر. اجتمعوا لشربها في الأول، واجتمعوا لشربها في الآخر، أبقوا في أدنان المعاني بقايا الكرام فعل الأكابر، صفت لأهل الصفة، فصفت بشربها السرائر. فاخلع في شربها العذار، فما لك إن خلعت من عاذل، وإن لم تخلعه فما لك من عاذر، وزمزم وأطرب وارقص، فالكون كونك، ومحبوبك حاضر. صن موضع السر عن سواه، وإيّاك والخاطر الخاطر، إن نظرت لغيره، أبعدك ومالك إن بعدت من ناصر.

يا معشر الفقراء، هذه سماعكم، فأين من هو معي حاضر، يا أرباب الأحوال، معكم أتحدث، ولكم أصف، ولركبكم أساير، يا معشر التائبين، أما يهون عليكم بذل المعصية لنيل هذا الجوهر الفاخر، إن فاتك هذا السماع ولم تطرب، فأنت في بريّة الحرمان حائر.

ترجمہ: میرے بھائی! محبت کی منزل کو پانے کے لئے بہت سے راستے ہیں اور ان راستوں میں متعدد پڑاؤ ہیں۔شوق کے ساتھ بیدار ہو جاؤ تا کہ اپنا سفر طے کر سکو۔اپنے رب عزوجل سے ہمیشہ بڑے مرتبہ والی محبت مانگا کرو۔اللہ عزوجل نے اپنے مقرّبین کے لئے درِ ولایت کھول رکھا ہے۔اس دروازے سے خوشبو والا اس طرح گزرتا ہے کہ اس کی نورانیت (ہماری) آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔وجد کے پیالے اس کے سامنے گھومتے ہیں اور وہ مزید طلب کی خواہش میں مبتلا رہتے ہیں۔دوستی کی فکر کے نشہ نے انہیں مدہوش کیا تو کیا ظاہر، کیا پوشیدہ؟ سب ان کے سامنے آگیا۔انہوں نے اس جامِ محبت سے خوب فیض پایا تو ان کے تمام احوال سمٹ کر رہ گئے۔گلستانِ محبت کے باشندوں کی پُرسوز آواز نے انہیں مست کر دیا تو وہ آہستہ آہستہ وجد میں آگئے۔ان کا ساقی ان کا اپنا ہی محبوب ہے۔ان کی محفل رنگا رنگ پھولوں سے آراستہ ہے۔

ان کے غلام ہوش میں آچکے ہیں جبکہ یہ لوگ اب تک مدہوشی میں ہیں۔یقیناً اس پائیدار محبت کا ایک گھونٹ ساری دنیا کے عوض بھی سستا ہے اور بیوقوف کے علاوہ اسے کوئی نہیں چھوڑ سکتا اور بے وقوف بھی ایسا جس کی بدبختی انتہاء کو پہنچ چکی ہو۔

پیارے اسلامی بھائی! میری نصیحتوں کو قبول کرلو اور (توبہ کا) دروازہ بند ہونے سے پہلے ہی اس کی طرف سبقت کرو، یہ محبت تمہیں ہر لذت سے بے

نیاز کردے گی۔

حضرتِ سیّدُنا آدم علیہ السلام نے بھی اسی محبت کا جام پیا ہے اور اسی پر حضرتِ سیّدُنا نوح علیہ السلام نے گریہ وزاری کی اور حضرتِ سیّدُنا زکریا علیہ السلام کو اسی محبت میں آرے سے چیرا گیا، حضرتِ سیّدُنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو انہیں آگ کی تپش کا احساس نہ ہوا ،حضرتِ سیّدُنا موسیٰ علیہ السلام کا شوق بڑھا تو وہ عرض کرنے لگے کہ مجھے اپنی تجلی دکھادے تاکہ میں تیری زیارت کرسکوں، حضرتِ سیّدُنا داؤد علیہ السلام کو خوش الحانی کا کیسا سُرور حاصل ہوا، حضرتِ سیّدُنا عیسیٰ علیہ السلام نے جنگلات میں رہنا پسند فرمایا لہذا نہ شہر میں گھر بنایا نہ دیہات میں اور ہمارے نبی مکرم، شفیع معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسی محبت الٰہی عزوجل کا جام پیا اور آج بھی جو محبوب کی تعریف ہوتی ہے اور اس پر فخر کیا جاتا ہے یہ اسی محبت کا بچا ہوا حصہ ہے۔

میرے بھائی! تیرے لئے ساری کائنات کی راہیں کھلی ہیں تُو اس میں سے اس پاکیزہ جامِ محبت کو منتخب کرلے کہ اس کا ایک قطرہ پیاس بجھانے میں آبِ کوثر جیسا ہے۔ یہی جامِ محبت حضرتِ صدیق وفاروق اور سعید و دیگر عشرہ مبشرہ علیہم الرضوان پر پیش ہوا تو وہ سب اسے پینے کے لئے جمع ہوگئے۔ اپنے اکابرین کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دیگر صلحاءِ امت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے یہی روحانی فکر اپنائی۔ تم بھی اہلِ صفّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صفات اپنالو، اس کا کچھ حصہ تمہیں بھی نصیب ہوجائے گا۔ اس کی طلب میں رُکاوٹ بننے والے حیلے چھوڑ دو۔ اگر تم ملامت کی راہ چھوڑ دو گے تو تمہارا کیا جائے گا۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہارا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔ اپنے مالک کی حمد بیان کرو، خوشی سے جھومو اور وجد میں آجاؤ ساری مخلوق تمہاری دوست بن جائے گی، محبوب کا قرب حاصل ہوگا۔ اپنے دلوں کی حفاظت کرو، اگر تم نے غیر اللہ پر نظر رکھی اور اللہ عزوجل کی بارگاہ سے دور ہوگئے تو تمہارا کیا بنے گا۔

اے فقراء کی جماعت! یہ باتیں تو تمہارے سننے کی تھیں۔ اے احوال والو! میں تم سے مخاطب ہوں میں یہ خوبیاں تمہیں بتاتے ہوئے تمہارے ساتھ چل رہا ہوں، اے تائبین (یعنی توبہ کرنے والوں) کی جماعت! اس جوہرِ قابل کے حصول کے لئے نافرمانی سے بچنا تمہارے لئے کیا مشکل ہے۔ اگر تم اس خطاب سے محروم رہے اور خوشی میں نہ جھومے تو محرومی کے جنگل میں بھٹکتے رہو گے۔[1]

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وكم لهم في وادي السحر من عيون تجري كالطوفان، فإذا لاحت أعلام الفجر كبروا عند مشاهدة العيان، فديت طراق الدجى، فديت أرباب العزائم، فديت الفتيان.

بادروا رواهب الخلوة، نحن لكم جيران، تركنا الأسباب والأهل والأوطان، فرقنا شهوات النفوس والأبدان، وخرّبنا ديار اللهو، فأقفرت منذ زمان، طلقنا الدنيا بتاتا، وهجرنا الدار والسكان، سقينا من شراب الأنس شربة ولو كان ما كان، لبسوا حلة الجوع بالنهار، وتركوا خدمة من جلّ وهان، عمروا القلوب بالتقوى، وبالذكر اللسان، لهم نزاحم على باب الدجى، فمنهم من صاح ومنهم نشوان، ومنهم من خامره بالشوق، فهو من الحب ولهان، ومنهم من غلبه الوجد، فهو هائم سكران، أفناهم الخوف وأذبلهم الأرق وهم من القلق كل يوم في شأن. سيّرهم ذكر الحبيب ولهم في التلاوة ألحان، نالوا منازل التوكل، وأصبحوا فيها قطان، باعوا شهوات النفوس بأبخس الأثمان، سجلوا على أنفسهم سجل الرضا بالقضاء، فأهلا بالرجال الشجعان، تتجافى جنوبهم عن المضاجع ولهم تلحين بالقرآن، خامرهم الخوف فسكروا من شرابه مخافة النيران، منهم من

---

[1] (بحر الدموع، الفصل التاسع عشر، ص، ۱۰۲، تا، ۱۰۴، دار التوفیقیۃ للتراث، القاہرہ) (آنسوؤں کا سمندر، ص، ۱۶۲، ۱۶۳) (آنسوؤں کا سمندر، ص، ۱۶۴)

سقي شراب المحبة صرفا، وتزايدت لهم الأحزان، ومنهم من مزج له بالأشواق، فعاين منه ألوان، كم خرّبوا في حبه منازل، وكم أيتموا فيه من ولدان. تراهم أبدا سكارى عرايا في القفار وفي البلدان. قلوبهم مملوءة بالخوف، وظاهرهم مضمّخ بالأحزان، ينادي لسان شوقهم :لا كان من ألم السلوى ولا كان، خرق لهم حجاب العادات وعقد على رؤوسهم للولاية تيجان، مجلس أنسهم مضمخ بالمشاهدة شديدة الأركان. يا معشر الفقراء، طوفوا بهذا الدير، وزاحموا على بابه، وباكروا هذه الدنّان، طيبوا على هذا السماع، وتواجدوا على هذه الألحان، معكم جمال المحبوب، في الكون والحال.

ترجمہ: یہ لوگ ساری ساری رات عبادت میں مصروف رہتے ہیں پھر جب سحر پھوٹتی ہے تو ان کی آنکھوں سے اشکوں کے دھارے بہہ نکلتے ہیں ۔پھر جب طلوعِ فجر ہوتی ہے تو یہ مشاہدات میں کھو جاتے ہیں اور اللہ عزوجل کی بڑائی بیان کرتے ہیں ۔

میں ان چمکتے ستاروں، پختہ ارادے رکھنے والوں اور جوانوں پر قربان جاؤں ۔(یہ ہمیں صدا دیتے ہیں کہ) تنہائی اختیار کرو، آخرت میں ہم تمہارے پڑوسی بنیں گے ۔ہم نے مال واسباب، بیوی بچے اور وطن چھوڑ دیئے، نفسانی خواہشات چھوڑ دی ہیں ۔ہم نے فانی دنیا ویران کر دی ہے، اب یہ ایک عرصہ سے ہماری تلاش میں ہے مگر ہم نے اسے ایسی طلاق دے دی ہے جس میں رجوع ممکن نہیں ۔گھر اور گھر والوں کو خود سے جدا کر دیا اور محبت خداوندی عزوجل کا جام پی لیا۔کاش! ہمیں اس کے کچھ گھونٹ اور مل جائیں ۔

یہ حضرات دن میں روزہ رکھتے ہیں، دل کو تقویٰ سے آباد رکھتے ہیں اور زبان کو ذکر سے معمور رکھتے ہیں ۔اللہ عزوجل کا قرب پانے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت لے جانا چاہتے ہیں ۔اس تگ ودو میں کسی کی آہیں نکل جاتی ہیں، کوئی مدہوش ہو جاتا ہے، کوئی شوق میں دیوانہ ہو کر محبت میں متحیّر ہوا جاتا ہے، کسی پر وجد غالب آجاتا ہے تو وہ پیاس کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑتا ہے ۔خوف نے ان کو بے حال اور شب بیداری نے لاغر کر رکھا ہے ۔ہر دن انہیں نئی بے چینی لاحق ہوتی ہے ۔خدا عزوجل کی یاد نے ان سے وطن چھڑا دیا ہے ۔یہ لوگ تلاوتِ قرآن کرتے وقت اس میں غور کرتے ہیں ۔جب یہ توکل کے درجات پر فائز ہوئے تو ان کی کمر جھک گئی، خواہشاتِ نفسانی کو بیچ کر یہ تقدیر کے فیصلے پر راضی ہو گئے ۔خوش آمدید ایسے بہادروں کو جن کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں اور جو غمگین لہجے میں قرآن پڑھتے ہیں جب خوف ان پر غالب ہوا تو یہ جہنم کے خوف سے بے ہوش ہو گئے ۔

ان میں سے بعض نے خالص جامِ محبت پیا تو ان کی فکر میں اضافہ ہو گیا۔اور کچھ کا شوق بڑھا تو انہوں نے شوق کے بہت سے روپ دیکھے ۔بہت سوں نے اپنے گھر ویران کر لئے اور بہت سے اولاد سے دور ہو گئے ۔تم ان کو جنگلات اور ویرانوں میں مدہوشی کے عالم میں پاؤ گے ۔ان کے دل خوف سے پُر ہوں گے جبکہ ظاہر غم والم سے معمور ہوگا اور وہ زبانِ حال سے کہتے ہوں گے کہ ہمیں زندگی کا نہ کوئی غم ہے نہ کبھی ہوگا۔اللہ عزوجل نے ان کے لئے حجابات اٹھا دیئے اور ان کے سروں پر ولایت کا تاج سجا دیا اور ان کی مجلسوں کو جلوۂ حق کی خوشبو سے معطر کر دیا۔اے فقراء کی جماعت! بارگاہِ اُلفت میں حاضری دینے میں سبقت کرو اور ان لوگوں کی قربت اختیار کر لو، ان کی گفتگو سے سرور حاصل کرو ان کے مختلف احوال کا مشاہدہ کرو دنیا ہی میں محبوب کا جلوہ پالو گے ۔[1]

الامام الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفیٰ ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں ۔

وبلغ من خوف السلف من الله تعالىٰ: أن احدهم كان يشتد عليه الخوف من الله تعالىٰ فيحترق كبده في بطنه حتى يشم الناس من جوفه رائحة الكبد المشوى منهم ابوبكر وعمرو منهم عمر بن عبدالعزيز والحسن البصرى وسفيان ثورى ومالك بن دينار وعطاء السلمى والفضيل بن عياض وكان احدهم اذا سمع شيئا من احوال القبر اويوم القيمة يمكث الايام والليالى

---

[1] (بحر الدموع، الفصل السادس والعشرون، ص۱۳۵، ۱۳۶، دار التوفیقیۃ للتراث، القاہرہ) (آنسوؤں کا سمندر، ص۲۱۸)

ولا یشرب ولا ینام۔

ترجمہ: سلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خوف کی حکایات جو ہمیں پہنچی ہیں ان میں سے کسی ایک پر جب خوف خدا شدت سے غالب آجاتا تو پیٹ میں ان کا کلیجہ جل جاتا تھا یہاں تک کہ اس کلیجے کی بو کو لوگ سونگھتے تھے جیسے بھونا ہوا ہو، ان میں سے ابوبکر و عمرو عمر بن عبدالعزیز و حسن بصری و سفیان ثوری و مالک بن دینار و عطاء سلمی و فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان میں جو کوئی بھی احوال قبر یا احوال قیامت سن لیتا تو کئی دن اور کئی رات بغیر کھائے، پیئے اور سوئے گزر جاتے تھے۔[1]

الامام الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفیٰ ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں۔

وبكى عمر بن عبدالعزيز ليلة حتى جرت دموعه ونزلت من ميزاب غرفته على ضيف كان نائما تحتها فشك الضيف ان ذلك من المطر أو بول حيوان فتسور سطح الغرفة فرأى عمر ساجدا وهو يبكي ودموعه تجري وكان كثيرا ما يبكي ويرش دموعه حوله فيأتي الداخل فيحسب ان ذلك ماء الوضوء۔

وبكى الفضيل بن عياض وبشر الحافي والحسن البصري وسفيان الثوري الدم بعد أن نفدت الدموع ولما مرض سفيان ثوري ذهبوا ببوله الى طبيب يهودي فلما نظر اليه قال هذا بول رجل قطع الخوف من الله كبده في بطنه ثم مات سفيان بعد ثلاثة ايام۔

ترجمہ: عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ روئے یہاں تک کہ ان کے آنسو جاری ہو گئے اور بہتے بہتے کمرے کے پرنالے سے نکلنے لگے اور پرنالے کے نیچے سوئے مہمان کے اوپر گرنے لگے تو مہمان نے گمان کیا کہ یہ بارش کے قطرے ہیں یا کسی حیوان کا پیشاب ہے تو چھت کے اوپر چڑھا تو عمر بن عبدالعزیز کو سجدے کی حالت میں دیکھا کہ وہ رو رہے تھے اور کئی مرتبہ اتنے روتے تھے کہ اردگرد آنسو کا چھڑکاؤ ہو جاتا باہر سے آنے والا یہ خیال کرتا کہ یہ وضو کا پانی ہے اور فضیل بن عیاض بشر الحافی حسن بصری اتنا روئے کہ آنسو ختم ہو گئے اور خون جاری ہو گیا اور جب سفیان ثوری بیمار ہوئے تو ان کے پیشاب ایک یہودی طبیب کے پاس لے گئے تو اس نے دیکھ کر کہا کہ یہ ایک ایسے آدمی کا پیشاب ہے کہ جس کا کلیجہ اللہ کے خوف سے پیٹ میں پھٹ چکا ہے اور تین دن بعد سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ وصال فرما گئے۔ (الاجوبۃ المرضیۃ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ص ۱۴۳)

امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

يا معشر الفتيان، ما أطيب عيش الصدّيقين، شربوا هذا الشراب وباحوا بالكتمان، فما تراهم إلا بين واجد وهائم وخائف وراج وولهان.

فعندما تجلى لهم محبوبهم في قلوبهم، أغناهم عن مشاهدة العيان. لاطفهم بملاطفة :يا عبادي لا خوف عليكم، اليوم لكم الأمان. بعيني ما تحملتم من أجلي، فكم من جفنت ساهر، وكم من كبد من الشوق ملآن، سأكشف لكم لمألم الحجاب عن وجهي فتتنعمون بما لم يخطر على قلب إنسان. ألبسكم حلل الرضا، وأبسط مجالسكم بالرضوان، أسقيكم شراب التوحيد صرفا خالصا، وأنا الحنّان المنّان. يا أهل السماع تواجدوا، ويا معشر الإخوان، أين المشتاق؟ هذا الشراب، هذا كأس المتاب ملآن.

أين أنت من أهل الصفا يا مضيّعا عمره في العصيان؟ بادر قبل تغيّر الحال، فتعود بالخيبة والخسران، واعص من لامك وخالف من عذلك، وأطع من نصحك ودع قالا وقيل. {فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَئِكَ يَقْرَأُونَ كِتَابَهُمْ وَلا يُظْلَمُونَ فَتِيلاً وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى وَأَضَلُّ سَبِيلاً}

---

[1] (الاجوبۃ المرضیۃ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ص ۱۴۳)

اے نوجوانو! خداعزوجل کے ان مقرب بندوں کی زندگی کتنی پاکیزہ ہے جنہوں نے اس شرابِ محبت کو پیا اور اس کی کیفیت کو پوشیدہ رکھا۔تم ان لوگوں کو عشق ،وجدانیت ،خوف وامید اور حیرانی کے عالم میں پاؤ گے کیونکہ ان کے محبوب نے ان کے دلوں پر تجلی فرما کر انہیں دنیا کی طرف متوجہ ہونے سے روک دیا اور ان پر مہربانی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا :اے میرے بندوں! تم پر کوئی خوف نہیں آج تم امان میں ہو تم نے میری خاطر جو مشکلات برداشت کی ہیں میں ان کی قدر جانتا ہوں ،کتنی آنکھیں جاگ رہی ہیں اور کتنے دل شوق سے بے قرار ہیں ۔جلد ہی اپنا دیدار کراؤں گا اور تم ایسی نعمتیں پاؤ گے جس کا خیال کسی انسان کے دل میں نہ آیا اور تمہیں اپنی رضا سے نوازوں گا،تمہارے لئے جنت میں محفلیں سجاؤں گا اور توحید کی خالص مے پلاؤں گا کیونکہ میں حنّان ومنّان ہوں ۔

سنو سنو پیارے بھائیو! شوق رکھنے والے کہاں ہیں شرابِ محبت تو یہاں ہے اور محبت کے پیالے بھرے ہوئے ہیں ۔

اے نافرمانی میں عمر گنوا دینے والے! تو نیک اور برگزیدہ بندوں میں کیسے شامل ہوسکتا ہے وقت بدل جانے سے پہلے ہی اطاعت میں سبقت لے جا،ورنہ پیچھے رہ جانے کی صورت میں بہت نقصان اٹھائے گا،اپنے فائدے کے لئے کام کر اور بے جا بہانے چھوڑ دے، جو تجھے ملامت کرے اس پر توجہ نہ دے اور جو شکایت کرے اس کی بات نہ سن اور جو تجھے نصیحت کرے اس کی اطاعت کر،اللہ عزوجل فرماتا ہے:

فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا (۷۲) وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى وَأَضَلُّ سَبِيلًا (الاسراء ۷۲)

ترجمہ: تو جن کو اپنا نامہ (اعمال) داہنے ہاتھ میں دیا گیا یہ لوگ اپنا نامہ (اعمال) پڑھیں گے اور دھاگے بھر ان کا حق نہ دبایا جائے گا۔اور جو اس زندگی میں اندھا ہو وہ آخرت میں اندھا ہے اور اور بھی زیادہ گمراہ ۔[1]

امام حافظ ابونعیم اصفہانی ،رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،،اور امام جمال الدین ابی الفرج ابن جوزی ،رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ أَحْمَدَ ,ثنا مُحَمَّدُ بْنُ زَكَرِيَّا الْغَلَابِيُّ ,ثنا أَبُو عُمَرَ الْحَرَمِيُّ النَّحْوِيُّ، ثنا الْفَضْلُ بْنُ الرَّبِيعِ ,قَالَ :"حَجَّ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ فَأَتَانِي فَخَرَجْتُ مُسْرِعًا فَقُلْتُ :يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَوْ أَرْسَلْتَ إِلَيَّ أَتَيْتُكَ ,فَقَالَ :وَيْحَكَ قَدْ حَاكَ فِي نَفْسِي شَيْءٌ فَانْظُرْ لِي رَجُلًا أَسْأَلُهُ فَقُلْتُ :هَاهُنَا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ ,فَقَالَ :امْضِ بِنَا إِلَيْهِ فَأَتَيْنَاهُ فَقَرَعْنَا الْبَابَ فَقَالَ :مَنْ ذَا؟ قُلْتُ :أَجِبْ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ فَخَرَجَ مُسْرِعًا ,فَقَالَ :يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَوْ أَرْسَلْتَ إِلَيَّ أَتَيْتُكَ ,فَقَالَ :خُذْ لِمَا جِئْنَاكَ لَهُ رَحِمَكَ اللهُ فَحَدِّثْهُ سَاعَةً، ثُمَّ قَالَ لَهُ :عَلَيْكَ دَيْنٌ؟ فَقَالَ :نَعَمْ ,قَالَ :أَبَا عَبَّاسٍ اقْضِ دَيْنَهُ فَلَمَّا خَرَجْنَا قَالَ :مَا أَغْنَى عَنِّي صَاحِبُكَ شَيْئًا انْظُرْ لِي رَجُلًا أَسْأَلُهُ قُلْتُ :هَاهُنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ بْنُ هَمَّامٍ قَالَ :امْضِ بِنَا إِلَيْهِ فَأَتَيْنَاهُ فَقَرَعْنَا الْبَابَ فَخَرَجَ مُسْرِعًا ,فَقَالَ :مَنْ هَذَا قُلْتُ :أَجِبْ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ,فَقَالَ :يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَوْ أَرْسَلْتَ إِلَيَّ أَتَيْتُكَ ,فَقَالَ :خُذْ لِمَا جِئْنَاكَ لَهُ فَحَادَثَهُ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ لَهُ :عَلَيْكَ دَيْنٌ؟ قَالَ :نَعَمْ ,قَالَ :أَبَا عَبَّاسٍ اقْضِ دَيْنَهُ. فَلَمَّا خَرَجْنَا قَالَ :مَا أَغْنَى عَنِّي صَاحِبُكَ شَيْئًا ,انْظُرْ لِي رَجُلًا أَسْأَلُهُ قُلْتُ :هَاهُنَا الْفُضَيْلُ بْنُ عِيَاضٍ قَالَ :امْضِ بِنَا إِلَيْهِ ,فَأَتَيْنَاهُ فَإِذَا هُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي يَتْلُو آيَةً مِنَ الْقُرْآنِ يُرَدِّدُهَا ,فَقَالَ :أَقْرَعُ الْبَابَ فَقَرَعْتُ الْبَابَ فَقَالَ :مَنْ هَذَا قُلْتُ :أَجِبْ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ,فَقَالَ :مَا لِي وَلِأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ ,فَقُلْتُ :سُبْحَانَ اللهِ أَمَا عَلَيْكَ طَاعَةٌ أَلَيْسَ قَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ

---

[1] (بحر الدموع ،الفصل السادس والعشرون ،ص،۱۳۶،دار التوفیقیۃ للتراث ،القاہرہ) (آنسوؤں کا سمندر،ص،۲۱۸) (سورۃ الاسراء،۷۱۔۷۲)

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ :لَيْسَ لِلْمُؤْمِنِ بَذْلُ نَفْسِهِ فَنَزَلَ فَفَتَحَ الْبَابَ ثُمَّ ارْتَقَى إِلَى الْغُرْفَةِ فَأَطْفَأَ السِّرَاجَ ثُمَّ الْتَجَأَ إِلَى زَاوِيَةٍ مِنْ زَوَايَا الْبَيْتِ فَدَخَلْنَا فَجَعَلْنَا نَجُولُ بِأَيْدِينَا فَسَبَقَتْ كَفُّ هَارُونَ قَبْلِي إِلَيْهِ ,فَقَالَ :يَا لَهَا مِنْ كَفٍّ مَا أَلْيَنَهَا إِنْ نَجَتْ غَدًا مِنْ عَذَابِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ. فَقُلْتُ فِي نَفْسِي :لَيُكَلِّمَنَّهُ اللَّيْلَةَ بِكَلَامٍ مِنْ تُقَى قَلْبٍ تَقِيٍّ فَقَالَ لَهُ :خُذْ لِمَا جِئْنَاكَ لَهُ رَحِمَكَ اللهُ فَقَالَ :"إِنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ لَمَّا وَلِيَ الْخِلَافَةَ دَعَا سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ وَمُحَمَّدَ بْنَ كَعْبٍ الْقُرَظِيَّ ,وَرَجَاءَ بْنَ حَيْوَةَ ,فَقَالَ لَهُمْ :إِنِّي قَدِ ابْتُلِيتُ بِهَذَا الْبَلَاءِ فَأَشِيرُوا عَلَيَّ فَعَدَّ الْخِلَافَةَ بَلَاءً وَعَدَدْتَهَا أَنْتَ وَأَصْحَابَكَ نِعْمَةً ,فَقَالَ لَهُ سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ :إِنْ أَرَدْتَ النَّجَاةَ مِنَ عَذَابِ اللهِ فَصُمِ الدُّنْيَا وَلْيَكُنْ إِفْطَارُكَ مِنْهَا الْمَوْتَ ,وَقَالَ لَهُ مُحَمَّدُ بْنُ كَعْبٍ :إِنْ أَرَدْتَ النَّجَاةَ مِنْ عَذَابِ اللهِ فَلْيَكُنْ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عِنْدَكَ أَبًا وَأَوْسَطُهُمْ عِنْدَكَ أَخًا وَأَصْغَرُهُمْ عِنْدَكَ وَلَدًا فَوَقِّرْ أَبَاكَ وَأَكْرِمْ أَخَاكَ وَتَحَنَّنْ عَلَى وَلَدِكَ ,وَقَالَ لَهُ رَجَاءُ بْنُ حَيْوَةَ :إِنْ أَرَدْتَ النَّجَاةَ غَدًا مِنْ عَذَابِ اللهِ فَأَحِبَّ لِلْمُسْلِمِينَ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَاكْرَهْ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ ,ثُمَّ مُتْ إِذَا شِئْتَ ,وَإِنِّي أَقُولُ لَكَ فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكَ أَشَدَّ الْخَوْفِ يَوْمًا تَزِلُّ فِيهِ الْأَقْدَامُ فَهَلْ مَعَكَ رَحِمَكَ اللهُ مِثْلُ هَذَا أَوْ مِنْ يُشِيرُ عَلَيْكَ بِمِثْلِ هَذَا فَبَكَى هَارُونُ بُكَاءً شَدِيدًا حَتَّى غُشِيَ عَلَيْهِ ,فَقُلْتُ لَهُ :ارْفُقْ بِأَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ فَقَالَ :يَا ابْنَ الرَّبِيعِ تَقْتُلُهُ أَنْتَ وَأَصْحَابُكَ ,وَأَرْفُقُ بِهِ أَنَا ثُمَّ أَفَاقَ , فَقَالَ لَهُ :زِدْنِي رَحِمَكَ اللهُ فَقَالَ :يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ بَلَغَنِي أَنَّ عَامِلًا لِعُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ شُكِيَ فَكَتَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ :يَا أَخِي أُذَكِّرُكَ طُولَ سَهَرِ أَهْلِ النَّارِ مَعَ خُلُودِ الْأَبَدِ وَإِيَّاكَ أَنْ يَنْصَرِفَ بِكَ مِنْ عِنْدِ اللهِ فَيَكُونُ آخِرَ الْعَهْدِ وَانْقِطَاعَ الرَّجَاءِ ,قَالَ :فَلَمَّا قَرَأَ الْكِتَابَ طَوَى الْبِلَادَ حَتَّى قَدِمَ عَلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ فَقَالَ لَهُ :مَا أَقْدَمَكَ قَالَ :خَلَعْتَ قَلْبِي بِكِتَابِكَ لَا أَعُودُ إِلَى وِلَايَةٍ حَتَّى أَلْقَى اللهَ عَزَّ وَجَلَّ ,قَالَ :فَبَكَى هَارُونُ بُكَاءً شَدِيدًا ,ثُمَّ قَالَ لَهُ :زِدْنِي رَحِمَكَ اللهُ فَقَالَ :يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنَّ الْعَبَّاسَ عَمَّ الْمُصْطَفَى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ,فَقَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ أَمِّرْنِي عَلَى إِمَارَةٍ ,قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّ الْإِمَارَةَ حَسْرَةٌ وَنَدَامَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَا تَكُونَ أَمِيرًا فَافْعَلْ فَبَكَى هَارُونُ بُكَاءً شَدِيدًا ,فَقَالَ لَهُ :زِدْنِي رَحِمَكَ اللهُ قَالَ :يَا حَسَنَ الْوَجْهِ أَنْتَ الَّذِي يَسْأَلُكَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْ هَذَا الْخَلْقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَقِيَ هَذَا الْوَجْهَ مِنَ النَّارِ فَإِيَّاكَ أَنْ تُصْبِحَ وَتُمْسِيَ وَفِي قَلْبِكَ غِشٌّ لِأَحَدٍ مِنْ رَعِيَّتِكَ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَنْ أَصْبَحَ لَهُمْ غَاشًّا لَمْ يَرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ فَبَكَى هَارُونُ ,وَقَالَ لَهُ :عَلَيْكَ دَيْنٌ؟ قَالَ :نَعَمْ دَيْنٌ لِرَبِّي لَمْ يُحَاسِبْنِي عَلَيْهِ فَالْوَيْلُ لِي إِنْ سَأَلَنِي ,وَالْوَيْلُ لِي إِنْ نَاقَشَنِي ,وَالْوَيْلُ لِي إِنْ لَمْ أُلْهَمْ حُجَّتِي. قَالَ :إِنَّمَا أَعْنِي مِنْ دَيْنِ الْعِبَادِ قَالَ :إِنَّ رَبِّي لَمْ يَأْمُرْنِي بِهَذَا إِنَّمَا أَمَرَنِي أَنْ أُصَدِّقَ وَعْدَهُ وَأُطِيعَ أَمْرَهُ فَقَالَ جَلَّ وَعَزَّ {وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ إِنَّ اللهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ}(الذاريات) :فَقَالَ لَهُ :هَذِهِ أَلْفُ دِينَارٍ خُذْهَا فَأَنْفِقْهَا عَلَى عِيَالِكَ ,وَتَقَوَّ بِهَا عَلَى عِبَادَتِكَ ,فَقَالَ :سُبْحَانَ اللهِ أَنَا أَدُلُّكَ عَلَى طَرِيقِ النَّجَاةِ وَأَنْتَ تُكَافِئُنِي بِمِثْلِ هَذَا سَلَّمَكَ اللهُ وَوَفَّقَكَ.

حضرت فضل بن ربیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے: جب خلیفۃ المسلمین ہارون الرشید علیہ رحمۃ اللہ المجید حج ادا کرنے کے لئے مکۃ المکرمہ آئے، تو ان دنوں میں اپنے گھر ہی میں موجود تھا۔ اچانک مجھے اطلاع ملی کہ ہارون الرشید علیہ رحمۃ اللہ المجید میرے پاس تشریف لا رہے ہیں۔ اطلاع ملتے ہی میں

فوراً حاضر خدمت ہوا اور عرض کی: حضور! آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیوں زحمت فرمائی، مجھے پیغام بھجوا دیا ہوتا میں خود ہی حاضر ہو جاتا۔

خلیفہ ہارون الرشید علیہ رحمۃ اللہ المجید نے فرمایا: اے ابن ربیع! رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میرے دل میں ایک بات کھٹک رہی ہے، تم جلدی سے مجھے کسی ایسے بزرگ کے پاس لے چلو جو میری مشکل کو آسان کر دے، کیا تمہاری نظر میں کوئی ایسا شخص ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! حضرت سیدنا سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکہ مکرمہ میں موجود ہیں۔ خلیفہ نے کہا: مجھے فوراً ان کے پاس لے چلو۔

چنانچہ ہم ان کے گھر پہنچے اور میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے آواز آئی: 'کون ہے؟ میں نے کہا: خلیفہ ہارون الرشید علیہ رحمۃ اللہ المجید تشریف لائے ہیں۔ جلدی سے حاضر خدمت ہو جاؤ۔ ہارون الرشید کا نام سنتے ہی حضرت سیدنا سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فوراً باہر آئے اور کہا: حضور! آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تکلیف کیوں کی؟ مجھے حکم نامہ بھیجا ہوتا میں خود ہی حاضر ہو جاتا۔ خلیفہ نے کہا: اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے۔ ہم جس مقصد کے لئے آئے ہیں اس کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیے۔ پھر خلیفہ ہارون الرشید علیہ رحمۃ اللہ المجید نے ان کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کیا اور دیر تک ان سے باتیں کرتے رہے۔

پھر ان سے پوچھا: کیا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر کسی کا قرض ہے؟ کہا: جی ہاں! میں مقروض ہوں۔ خلیفہ نے فرمایا: اے عباس! ان کا قرض ادا کر دینا۔ پھر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مجھے لے کر وہاں سے آگے چل دیئے اور فرمایا: 'میں ان سے مطمئن نہیں ہوا، مجھے کسی اور بزرگ کے پاس لے چلو۔

میں نے عرض کی: حضرت سیدنا عبدالرزاق ابن ہمام علیہ رحمۃ اللہ المنّان کے پاس چلتے ہیں۔ فرمایا: جلدی کرو، چنانچہ ہم ان کے گھر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے آواز آئی: کون ہے؟ میں نے کہا: جلدی باہر تشریف لائیے، خلیفہ ہارون الرشید علیہ رحمۃ اللہ المجید آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملنے آئے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت سیدنا عبدالرزاق ابن ہمام علیہ رحمۃ اللہ المنّان باہر تشریف لائے، اور کہنے لگے: حضور! آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیوں زحمت فرمائی، مجھے پیغام بھیجا ہوتا میں خود حاضر ہو جاتا۔ خلیفہ نے کہا: اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے، ہم آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس ایک مقصد لے کر حاضر ہوئے ہیں، ہماری پریشانی دور فرما دیجئے۔

پھر خلیفہ نے ان کے سامنے اپنا مسئلہ پیش کیا، اور کچھ دیر ان سے باتیں کرتے رہے۔ پھر فرمایا: کیا تم پر کسی کا قرض ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں۔ خلیفہ نے کہا: اے عباس ان کا قرض ادا کر دینا۔ یہ کہہ کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آگے بڑھے، اور مجھ سے فرمانے لگے: ان کے پاس آنے سے بھی میرا مسئلہ حل نہیں ہوا، اے ابن ربیع! مجھے کسی بہت کامل بزرگ کی بارگاہ میں لے چلو۔

میں نے عرض کی: حضور! اب ہم حضرت سیدنا فضیل بن عیاض علیہ رحمۃ اللہ الوھاب کی بارگاہ میں چلتے ہیں۔ (وہاں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مسئلہ ضرور حل ہو جائے گا) خلیفہ ہارون الرشید علیہ رحمۃ اللہ المجید نے فرمایا: ٹھیک ہے، انہیں کی بارگاہ میں چلتے ہیں۔

چنانچہ ہم ان کے گھر پہنچے دیکھا تو وہ نماز میں مشغول تھے اور بار بار قرآن پاک کی کسی آیت کو پڑھ رہے تھے۔ میں نے دروازہ پر دستک دی، اندر سے پوچھا گیا: کون ہے؟ میں نے کہا: حضور! باہر تشریف لائیں، خلیفہ ہارون الرشید علیہ رحمۃ اللہ المجید آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملنا چاہتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب دیا: 'مجھے امیر المؤمنین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کیا غرض؟ اور انہیں مجھ سے کیا کام ہے؟ میں نے کہا: سبحان اللہ عزوجل! کیا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر امیر کی اطاعت واجب نہیں؟ کیا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضور نبی رحمت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی یہ

حدیث پاک نہیں سنی کہ مؤمن کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے آپ کو ذلت میں ڈالے۔[1]

فرمانِ مصطفی صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سنتے ہی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نیچے تشریف لے آئے اور چراغ بجھا دیا پھر کمرے کے ایک کونے میں جا کر چھپ گئے۔ ہم کمرے میں داخل ہوئے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ڈھونڈنے لگے۔ اچانک خلیفہ ہارون الرشید علیہ رحمۃ اللہ المجید کی ہتھیلی آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جسم سے لگی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمانے لگے : اے امیر المؤمنین! رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کی ہتھیلی کتنی نرم و نازک ہے ،اے کاش! یہ جہنم کی آگ سے بچ جائے۔ یہ سن کر میں نے دل میں کہا : آج آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خوب وعظ و نصیحت فرمائیں گے اور امیر المؤمنین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے (خوف خدا عزوجل) کے متعلق خوب کھل کر بات کریں گے۔[1]

پھر خلیفہ ہارون الرشید علیہ رحمۃ اللہ المجید نے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کی : حضور! ہم آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں ایک مسئلہ لے کر حاضر ہوئے ہیں، خدارا! ہمارا مسئلہ حل فرما دیجئے تاکہ میرے بیقرار دل کو قرار آجائے۔

تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا : جب حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز علیہ رحمۃ اللہ العزیز خلیفہ بنے تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت سیدنا سالم بن عبد اللہ، حضرت سیدنا محمد بن کعب قرظی اور حضرت سیدنا رجاء بن حیوٰۃ رحمہم اللہ تعالیٰ کو اپنے پاس بلایا اور ان سے کہنے لگے : میں تو اس خلافت کی وجہ سے سخت مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں، مجھے امورِ خلافت کے بارے میں کچھ مشورہ دیجئے۔

حضرت سیدنا فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین! دیکھئے! حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز علیہ رحمۃ اللہ العزیز نے خلافت کو مصیبت سمجھا لیکن آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور آپ کے ساتھی اسے نعمت سمجھتے ہیں۔

اے امیر المؤمنین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ! جب حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز علیہ رحمۃ اللہ العزیز نے ان حضرات سے مشورہ لیا تو حضرت سیدنا سالم بن عبد اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اے عمر بن عبد العزیز علیہ رحمۃ اللہ العزیز! اگر تو اللہ عزوجل کے عذاب سے بچنا چاہتا ہے تو مسلمانوں میں سے جو بزرگ ہیں، ان کی عزت اپنے باپ کی طرح کر، اور جو درمیانی عمر کے ہیں انہیں اپنے بھائیوں کی طرح جان، اور جو تجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں انہیں اپنی اولاد کی طرح سمجھ۔

حضرت سیدنا رجاء بن حیوٰۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اے عمر بن عبد العزیز علیہ رحمۃ اللہ العزیز! اگر تو عذابِ الٰہی عزوجل سے بچنا چاہتا ہے تو مسلمانوں سے محبت کر، اور ان کے لئے بھی وہی پسند کر جو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو دُنیا و آخرت میں مامون رہے گا۔

اس کے بعد حضرت سیدنا فضیل بن عیاض علیہ رحمۃ اللہ الوھاب نے فرمایا: اے خلیفہ! میں بھی تجھے سمجھا رہا ہوں اور میں تیرے بارے میں اس دن کی سختی سے شدید خوف زدہ ہوں جس دن قدم پھسل رہے ہوں گے۔ ذرا سوچ! کیا وہاں تجھے کوئی مشورہ دینے والا ہو گا؟ کیا وہاں تیرے وزیر مشیر تیرا ساتھ دیں گے؟

نہ بیلی ہو سکے بھائی، نہ بیٹا باپ تے مائی　　تو کیوں پھرتا ہے سودائی، عمل نے کام آنا ہے

یہ سن کر خلیفہ ہارون الرشید علیہ رحمۃ اللہ العزیز اتنا روئے کہ ان پر غشی طاری ہو گئی۔ میں نے کہا: حضور! خلیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر کچھ نرمی فرمایئے۔ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اے ربیع! میں ان پر نرمی ہی تو کر رہا ہوں جبھی تو ایسی باتیں کی ہیں۔ اے ابن ربیع! رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حقیقت تو

---

[1] (جامع الترمذی، ابواب الفتن، باب لا یتعرض من البلاء لما لا یطیق، الحدیث ۲۲۵۴: ص ۱۸۷۹)

یہ ہے کہ تو اور تیرے دوستوں نے تو خلیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو برباد کر دیا ہے۔

جب خلیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کچھ افاقہ ہوا تو فرمایا: اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے، مجھے کچھ اور نصیحت فرمائیے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ! مجھے خبر پہنچی ہے کہ حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز علیہ رحمۃ اللہ العزیز کے ایک گورنر نے شکایت کی تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے خط بھیجا جس میں لکھا تھا:

'میں تجھے جہنمیوں کی اس شدید بے چینی و بے آرامی سے ڈراتا ہوں جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہوگی۔ خبر دار! ایسے کاموں سے کوسوں دور بھاگنا جو تجھے اللہ عزوجل کی یاد سے دور کر دیں۔ یاد رکھ! آخری لمحات میں امیدیں ختم ہو جائیں گی۔'

جب اس گورنر نے یہ خط پڑھا تو فوراً حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز علیہ رحمۃ اللہ العزیز کی طرف چل دیا۔ جب وہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس پہنچا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے پوچھا: تجھے کس چیز نے یہاں آنے پر مجبور کیا؟ اس نے عرض کی: حضور! آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خط نے میرا دل پارہ پارہ کر دیا ہے، اب میں کبھی بھی گورنر کا عہدہ قبول نہیں کروں گا یہاں تک کہ مجھے موت آجائے۔ یہ سن کر خلیفہ ہارون الرشید علیہ رحمۃ اللہ المجید پھر زور زور سے رونے لگے، اور فرمایا: اے فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ! اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے، مزید کچھ نصیحت فرمائیے۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ! جب ہمارے پیارے آقا، دو عالم کے داتا صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے پیارے چچا حضرت سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں عرض کی: یارسول اللہ عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم مجھے کسی شہر کا حاکم بنا دیں تو حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے فرمایا: بے شک امارت (یعنی حکومت) حسرت و ندامت ہے، اگر تجھ سے ہو سکے تو کبھی بھی (کسی پر) امیر نہ بننا۔'

خلیفہ ہارون الرشید علیہ رحمۃ اللہ المجید یہ سن کر پھر رونے لگے، اور عرض کی: 'اللہ عزوجل آپ پر رحم فرمائے، مزید کچھ ارشاد فرمائیں۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اے حسین و جمیل چہرے والے! یاد رکھ! کل بروز قیامت اللہ عزوجل تجھ سے مخلوق کے بارے میں سوال کریگا۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا یہ خوبصورت چہرہ جہنم کی آگ سے بچ جائے تو کبھی بھی صبح یا شام اس حال میں نہ کرنا کہ تیرے دل میں کسی مسلمان کے متعلق کینہ یا عداوت ہو۔ بے شک رسول اللہ عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: جس نے اس حال میں صبح کی کہ وہ کینہ پرور ہے تو وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھ سکے گا۔

خلیفہ ہارون الرشید علیہ رحمۃ اللہ المجید رونے لگے، اور عرض کی: حضور! آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر کسی کا کوئی قرض وغیرہ ہے؟'

تو آپ نے فرمایا: جی ہاں! میرے پروردگار عزوجل کا مجھ پر قرض ہے، لیکن اس نے ابھی تک میرا محاسبہ نہ کیا۔ اگر اس نے مجھ سے سوال کر لیا یا میرا حساب لے لیا تو میرے لئے ہلاکت ہوگی، اور اگر مجھے جواب دینے کی توفیق نہ دی گئی تو میری تباہی و بربادی ہے۔ خلیفہ نے کہا: حضور! میری مراد یہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر کسی بندے کا تو کوئی قرض وغیرہ نہیں؟ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: میرے رب عزوجل نے مجھے اس کا حکم نہیں دیا۔ بے شک مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کی اطاعت کروں، اور اس کا مخلص بندہ بن جاؤں۔

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (٥٦) مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ (٥٧) إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ

'(سنن النسائی، کتاب آداب القضاۃ، باب النھی عن مسألۃ الامارۃ، الحدیث ۵۳۸۷: ص ۲۴۳۱)

(الذاریات ۵۸)

ترجمہ :اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی لئے بنائے کہ میری بندگی کریں۔ میں ان سے کچھ رزق نہیں مانگتا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا دیں۔ بے شک اللہ ہی بڑا رزق دینے والا، قوت والا، قدرت والا ہے۔ (الذٰریٰت ۵۶ :، ۵۷، ۵۸)

حضرت سیدنا فضیل بن عیاض علیہ رحمۃ اللہ الوھاب کی نصیحت آموز باتیں سن کر خلیفہ ہارون الرشید علیہ رحمۃ اللہ المجید کے دل پر بہت گہرا اثر ہوا۔ پھر خلیفہ نے ایک ہزار دینار آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیتے ہوئے عرض کی : حضور! یہ حقیر سا نذرانہ قبول فرمالیں، انہیں اپنے اہل وعیال پر خرچ کریں اور ان کے ذریعے عبادت پر قوت حاصل کریں۔

یہ سن کر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا : سبحان اللہ عزوجل! میں تجھے نجات کا راستہ بتا رہا ہوں اور تو اس کے صلہ میں مجھے یہ (حقیر) دولت دے رہا ہے۔ اللہ عزوجل تجھے نیک اعمال کی توفیق دے، اور تجھے سلامت رکھے۔[1]

امام جمال الدین ابی الفرج ابن جوزی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

أبو الحسن الفارسي قال :بلغنا أن رجلاً من أصحاب ذي النون أصيب بعقله فكان يطوف ويقول :آه أين قلبي؟ أين قلبي؟ من وجد قلبي؟ من وجد قلبي؟ والصبيان قد أولعوا به يرمونه من كل جانب.

فقضِي أنه دخل يوماً بعض سكك مصر وقد هرب من الصبيان فجلس يستريح ساعة إذ سمع بكاء صبي تضربه والدته ثم أخرجته من الدار وأغلقت دونه الباب. فجعل الصبي يلتفت يميناً وشمالاً لا يدري أين يذهب؟ وإلى أين يقصد؟ فلما سكن ما به عاد ناكصاً على عقبيه حتى رجع إلى باب دار والدته فوضع رأسه على عتبة الدار فذهب به النوم. ثم انتبه فجعل يبكي ويقول :يا أماه من يفتح لي الباب إذا أغلقت عني بابك؟ ومن يدنيني من نفسه إذا طردتني من نفسك؟ ومن الذي يربيني بعد أن غضبت علي؟

قال :فرحمته أمه فقامت فنظرت من خلل الباب فوجدت ولدها تجري الدموع على خديه متمعكاً في التراب. ففتحت الباب وأخذته حتى وضعته في حجرها وجعلت تقبله وتقول :يا قرة عيني ويا عزيز نفسي، أنت الذي حملتني على نفسك، وأنت الذي تعرضت لما حل بك، لو كنت أطعتني لم تلق مني مكروهاً.

قال :فتواجد الفتى وصاح حتى اجتمع عليه الخلق فقالوا :ما الذي أصابك؟ فقال :قد وجدت قلبي، قد وجدت قلبي. فلما بصر بذي النون قال :يا أبا الفيض قد وجدت قلبي في سكة كذا وكذا عند فلانة. وسماها. ثم لم يزل إذا تواجد يقول ذلك.

ترجمہ: حضرتِ سیّدُنا ابوالحسن فارسی علیہ رحمۃ اللہ القوی سے منقول ہے : حضرتِ سیّدُنا ذُوالنُّون مِصْری علیہ رحمۃ اللہ القوی کے معتقدین میں سے ایک شخص کی عقل جاتی رہی اور وہ مجنون ہو کر گلی کوچوں میں اس طرح صدائیں لگاتا پھرتا : ہائے! میرا دل کہاں ہے؟ ہائے! میرا دل کہاں ہے؟ کیا کسی کو میرا دل ملا ہے؟ کیا کسی کو میرا دل ملا ہے؟ میرا دل کہاں ہے؟ بچے اس کا مذاق اُڑاتے اور پتھر مارتے۔ ایک دن وہ بچوں سے تنگ آ کر ایک گلی میں داخل ہو کر ایک جگہ بیٹھ گیا، کچھ دیر بعد ایک بچے کے رونے کی آواز سنائی دی، نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک چھوٹا سا بچہ زار و قطار رو رہا تھا، اس کی والدہ نے کسی غلطی پر اسے مارا اور ناراض ہو کر گھر سے باہر نکال کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ اب وہ چھوٹا سا مُنّا کبھی دروازے کی دائیں جانب جا رہا تھا کبھی بائیں جانب لیکن اسے اندر جانے کا کوئی راستہ نظر نہ آ رہا تھا۔ بچہ بڑے دردمندانہ انداز میں رو رہا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ

---

[1] (صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۱۶۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

وہ کیا کرے؟ کہاں جائے؟ بالآخر تھک ہار کر اپنے گھر کے دروازے کی چوکھٹ پر گردن رکھ کر لیٹ گیا، لیٹے لیٹے اسے نیند آ گئی۔ جب بیدار ہوا تو رونے لگا اور بڑی آہ وزاری کرتے ہوئے یوں التجائیں کرنے لگا:

اے میری پیاری ماں! اگر تو ہی میرے لئے دروازہ بند کر دے گی تو پھر کون میرے لئے اپنا دروازہ کھولے گا؟ جب تو ہی مجھے ٹھکرا دے گی تو کون مجھے اپنے قریب کریگا؟ میری پیاری ماں! جب تو ہی مجھ سے ناراض ہوگئی تو کون مجھے پیار دے گا؟ میری پیاری ماں! مجھے اپنی آغوشِ رحمت میں لے لے۔

بچے کی آنکھوں سے سَیل اشک رواں تھا اور بڑے ہی دردمندانہ انداز میں آہ وزاری کر رہا تھا۔ اپنے جگر کے ٹکڑے کی یہ درد بھری آواز سن کر ماں کا دل بھر آیا، وہ دوڑتی ہوئی اپنے جگر پارے کے پاس آئی تو دیکھا کہ بچے کی آنکھیں آنسوؤں سے تربتر تھیں، چہرے پر مٹی لگی ہوئی تھی اور وہ زمین پر سر رکھ کر زار و قطار رو رہا تھا۔ ماں نے فوراً اپنی آغوش میں لے لیا، پیار سے چومنے لگی اور مامتا بھری آواز میں کہا: میرے لال! میری آنکھوں کی ٹھنڈک! تُو تو مجھے جان سے بھی زیادہ محبوب ہے تو نے ایسی غلطی کی جس کی وجہ سے مجھے تجھ پر غصہ آیا اور تجھے سختی برداشت کرنی پڑی، میرے لال! اگر تو میری اطاعت وفرمانبرداری کرتا تو ہرگز میری طرف سے تجھے ناپسندیدہ بات نہ پہنچتی۔

وہ مجنون، ماں بیٹے کی باتیں سن رہا تھا، جب اس نے ماں کی بیٹے پر شفقت دیکھی تو اسے وجد آگیا وہ کھڑا ہوگیا اور زور زور سے چیخنے لگا۔ چیخ و پکار سن کر لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے اور وجہ پوچھی تو مجنون نے کہا: مجھے میرا دل مل گیا ہے۔ مجھے میرا دل مل گیا ہے۔ جب اس نے حضرتِ سیِّدُنا ذُوالنُّون مِصْری علیہ رحمۃ اللہ القوی کو دیکھا تو کہا: حضور! مجھے میرا کھویا ہوا دل مل گیا ہے، فلاں گلی فلاں مکان کے پاس مجھے میرا دل مل گیا۔ پھر اس نے ماں بیٹے والا واقعہ سنایا۔ جب بھی وہ مجنون یہ واقعہ سناتا اس پر وجد طاری ہو جاتا، گویا ماں بیٹے کی محبت دیکھ کر اسے اللہ عَزَّوَجَلَّ کی مخلوق پر رحمتیں وعنایتیں یاد آجاتیں۔[1]

حافظ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل ابن کثیر، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

قَالَ ابْنُ الْجَوْزِيِّ: وَكَذَلِكَ وَقَعَ لِأَبِي الْحَسَنِ بْنِ الْخَشَّابِ شَيْخِ ابْنِ الرَّفَّا، وَكَانَ تِلْمِيذًا لِأَبِي بَكْرِ بْنِ الْأَدَمِيِّ الْمُتَقَدِّمِ ذِكْرُهُ، وَكَانَ جَيِّدَ الْقِرَاءَةِ حَسَنَ الصَّوْتِ أَيْضًا، قَرَأَ ابْنُ الْخَشَّابِ لَيْلَةً فِي جَامِعِ الرُّصَافَةِ فِي الْإِحْيَاءِ هَذِهِ الْآيَةَ: {أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ} [الحديد: (١٦)] فَتَوَاجَدَ رَجُلٌ صُوفِيٌّ، وَقَالَ: بَلَى وَاللَّهِ قَدْ آنَ. وَجَلَسَ وَبَكَى بُكَاءً طَوِيلًا، ثُمَّ سَكَتَ سَكْتَةً، فَحَرَّكُوهُ فَإِذَا هُوَ مَيِّتٌ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى.

اور ابن جوزی نے فرمایا: اور ابو حسن بن خشاب شیخ ابن الرفا بھی اسی طرح کا واقعہ پیش آیا، اور بہت عمدہ قاری تھے اور آواز بھی بہت خوبصورت تھی، ابن خشاب نے ایک (شب بیداری) رات جامع رصافہ میں یہ آیت پڑھی:

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ۔

ترجمہ: کیا ایمان والوں کو ابھی وہ وقت نہ آیا کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد اور اس حق کے لئے جو اُترا۔ (الحدید ۱۶:)

تو ایک صوفی شخص نے وجد میں آ کر کہا: کیوں نہیں اللہ کی قسم وہ وقت آگیا ہے، وہ یہ کہہ کر بیٹھ گیا اور دیر تک روتا رہا، پھر بالکل خاموش ہوگیا اس وقت وہ فوت ہوگیا اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کرے۔[2]

---

[1] (عیون الحکایات، الحکایۃ الثامنۃ والاربعون بعد الثلاثمائۃ، ص، ۳۱۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت) (صفۃ الصفوۃ، ج ۴، ص، ۲۷۲ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2] (البدایۃ والنھایۃ، ج، ۱۱، ص، ۳۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت، المنتظم فی تاریخ الملوک والامم، ج، ۱۵، ص، ۴۴،)

معارف آگاہی مولانا جلال الدین، رومی، بلخی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

نعرۂ مستانہ خوش مے آیدم تا ابد جاناں! چنیں مے بایدم

ترجمہ: مجھ کو مستانہ نعرہ اچھا لگتا ہے اے محبوب مجھ کو ہمیشہ ایسا ہی (حال) مطلوب ہے۔[1]

حضرت سیدنا امام ابو بکر بن ابو اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب بخاری کلاباذی حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

سئل الجنيد عن العارف فقال لون الماء لون الاناء يعني انه يكون في كل حال بما هو أولى فيختلف أحواله ولذلك قيل هو ابن وقته۔

ترجمہ: کسی نے حضرت سیدنا امام الطریقہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عارف کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: پانی کا رنگ وہی ہوتا ہے جو اس کے برتن کا ہو۔ ان کی مراد یہ ہے کہ وہ ہر حالت میں ایسا ہوتا ہے جو اس کے لیے بہتر ہو۔ لہٰذا اس کے احوال بدلتے رہتے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ عارف اپنے وقت کا بیٹا ہوتا ہے۔[2]

وَقَالَ سهل بن عبد الله أول مقَام فِي الْمعرفَة أَن يعْطى العَبْد يَقِينا فِي سره تسكن بِهِ جوارحه وتوكلا فِي جوارحه يسلم بِهِ فِي دُنْيَاهُ وحياة فِي قلبه يفوز بهَا فِي عقباه۔ قُلْنَا الْعَارِف هُوَ الَّذِي بذل مجهوده فِيمَا لله وَتحقّق مَعْرفَته بِمَا من الله وَصَحَّ رُجُوعه من الاشياء إِلَى الله، قَالَ الله تَعَالَى {ترى أَعينهم تفيض من الدمع مِمَّا عرفُوا من الْحق} يجوز أَن يكون مَا عرفُوا من الله من بره وإحسانه بِقَصْدِهِ إِلَيْهِم وإقباله عَلَيْهِم واختصاصه إِيَّاهُم من بَين ذويهم كَمَا قَالَ أبي بن كَعْب حِين قَالَ لَهُ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم إِن الله أَمرنِي أَن أَقْرَأ عَلَيْك، فَقَالَ يَا رَسُول الله أَو ذكرت هُنَاك قَالَ نعم فَبكى أبي۔

ترجمہ: حضرت سیدنا دلیل العارفین خواجہ سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: معرفت میں پہلا قدم یہ ہوتا ہے کہ بندے کو اس کے باطن میں یقین حاصل ہو جائے جس سے اس کے اعضاء میں سکون پیدا ہو اور اس کے جوارح میں توکل ہو جس کے ذریعے وہ اپنی دنیا میں سلامت رہ سکے اور اسے دل کی زندگی عطا ہو جس کی وجہ سے آخرت میں کامیاب ہو سکے۔ ہم (حضرت سیدنا امام ابو بکر بن ابو اسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب البخاری الکلاباذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتے ہیں کہ عارف وہ ہے جو اللہ عزوجل کے حقوق ادا کرنے میں اپنی پوری کوشش صرف کر دے اور جو انعامات اللہ عزوجل نے اس پر کئے ہیں ان سے اللہ کی معرفت کو حقیقی طور پر معلوم کر لے اور تمام اشیاء سے ہٹ کر صحیح معنوں میں اللہ عزوجل کی طرف چلا آئے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

تَرٰۤى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ (سورۃ المائدہ، ۸۶)

ترجمہ: آپ دیکھیں گے کہ چونکہ انھیں اللہ عزوجل کی معرفت حاصل ہو چکی ہے، اس لیے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ حق کی معرفت یہ ہو کہ انھوں نے اللہ عزوجل کے کرم اور احسان کو اس بات سے پہچانا ہو کہ اللہ عزوجل نے ان پر احسان کرنے کا ارادہ کیا اور ان پر نظر عنایت کی اور انھیں ان کے ہم جنسوں میں سے چن لیا جس طرح حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا جب نبی کریم رؤف الرّحیم

---

[1] (مفتاح العلوم، دفتر ششم، ص ۲۰۸)

[2] (التعرف لمذهب التصوف، الباب الثانی والستون قولهم فی صفة العارف، ص ۱۵۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ﷺ نے انھیں فرمایا کہ اللہ عزوجل نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن پڑھ کر سناؤں۔اس پر حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا اس بارگاہ میں میرا ذکر ہوا ہے؟ آپ (حضرت مدنی تاجدار، سرورکون ومکان ﷺ) نے فرمایا ہاں۔یہ سن کر حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو پڑے۔[1]

حضرت سیدنا شیخ المشائخ ابوعلی فارمدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات میں آپ پر جب خاص کیفیت طاری ہوئی اور وجد آیا تو آپ نے اپنے سارے کپڑے پھاڑ ڈالے اور کچھ دیر تک وجد میں مشغول رہے۔جب وجد کی کیفیت سے باہر آئے تو مرید آپ کے لباس کے ٹکڑے تبرک کے طور پر لینے لگے۔[2]

حضرت شیخ فریدالدین عطار، نیشاپوری، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

نقل است کہ یکبار شوق بروی غالب شد ستونی بود برخاست وآن ستون را در کنار گرفت و چندان بفشار د کہ آن ستون پارہ شود۔

ترجمہ: حضرت شیخ المشائخ سیدنا معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مرتبہ عالم وجد میں ستون کے ساتھ اتنی زور سے چمٹ گئے کہ وہ ستون ٹکڑے ٹکڑے ہونے کے قریب ہوگیا۔[3]

وی را حالی تمام و وجدی عظیم بود۔چون در مجلس سماع حال بروی متغیر شدی صیحات وزعقات زدی اثر آن بہ مجلسیان سرایت کردی، وہمہ را وقت خوش گشتی۔

ترجمہ: حضرت سیدنا شیخ المشائخ مولانا شمس الدین محمد اسد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کو حال اور وجد کامل تھا۔یہ کیفیت تھی کہ جب سماع کی مجلس میں آپ کی حالت بدلتی تو چیخیں اور نعرہ مارا کرتے۔جس سے اہل مجلس پر بھی اثر ہو جاتا اور سب کا وقت خوش ہوتا۔[4]

شیخ ابومحمد قاسم بن عبدالبصیر کا کلام

آپ کا کلام نہایت نفیس وعالی ہوتا تھا، منجملہ اس کے ہم کچھ اس جگہ بھی نقل کرتے تھے۔

علامہ محمد بن یحی التاذفی الحلبی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

وھو اھذا الوجد حجود مالم یکن عن شاھد مشھود و شاھدالحق یفنی شراء ھدالو جود وینفی عن العین الوسن سکرہ یزید علی سکر الشراب وارواح الواجدین عطرۃ لطیفہ وکلا مھم یحیی اموات القلوب ویزید فی العقول والوجد یقسط التمیز ویجعل الاماکن مکانا واحدو الاعیان عینا واحدا ولہ رفع الحجاب ومشاھدۃ الرقیب وحضور الفھم وملاحظہ الغیب ومحادثہ السر وایناس المفقود وشرط صحہ الوجد انقطاع اوصاف البشریہ عن التعلق بمعنی الوجد حال وجودہ ومن لافقد لہ لاوجدلہ وھو مقامان ناظر ومنظور الیہ فالناظر مخاطب یشاھد الذی وجدہ فی وجدہ المنظور الیہ مغیب وقد اختطفہ الحق باول ماور دالیہ والو جودتھا یہ الوجد لان التواجد یو جب استیعاب العبد والوجد ثم ور دود ثم شھود ثم وجود فمتعدار

---

[1] (بخاری، فی تفسیر سورۃ ۹۸، وفی مناقب الانصار، باب ۱۶، ومسلم فی فضائل الصحابۃ، رقم ۱۲۲:، ۱۲۳، وفی صلاۃ المسافرین وقصرھا، رقم ۲۴۵:، ۲۴۶، والترمذی، فی المناقب، باب، ۳۲، ومسند احمد، ج، ۳، ص، ۱۳۰، ۱۳۷، ۱۸۵، ۲۱۸، ۲۳۳، ۲۷۳، ۳۸۳) (التعرف لمذھب التصوف، الباب الثانی والستون قولھم فی صفۃ العارف، ۱۵۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (خزینۃ الاصفیاء، ص، ۲۹)

[3] (تذکرۃ الاولیاء، ص، ۲۹۰، ایران) (تذکرۃ الاولیاء ص، ۱۹۳)

[4] (نفحات الانس من حضرات القدس، ص، ۴۵۹، مرکز پخش: انشرات علمی، خیابان انقلاب، مقابل دانشگاہ، تہران) (نفحات الانس ص، ۴۷۸)

الوجود یحصل الخمود و صاحب الوجود محور صحو فحال صحوہ بقائہ و حال حوہ فنائہ بالحق الی الحق و ھاتان الحالتان معاقبتان ابدالو الوجود اسم لثلثہ معان، الاول :موجود علم لدنی بقطع علم الشواھد صحبہ مکاشفہ الحق، والثانی :وجود الحق وجودا غیر مقطوع والثالث وجود رسم الوجود فا ذالوشف العبد بوصف الجمال سکر القلب فطرب الروح وھام السر فالصحو انما ھو بالحق و کلما کان فی غیر الحق لم یخل من حیرۃ لا حیرۃ شبھہ بل حیرۃ فی مشاھدۃ نور العزۃ و کلما کان بالحق لم تعتور علیہ علہ ثمہ الصحو من اودیتہ الجمیع و الوائع الوجود الجمع و منازل الحیات و الحیات اسم لثلثہ معان الاول حیات العلم و لھا ثلثہ انفاس نفس الخوف و نفس الرجاء و نفس المحبہ و الثانی حیات الجمع من الموت التفرقہ و لھا ثلثلہ انفاس نفس الاضطرار و نفس الافتقار و نفس الافتخار، والثالث :حیات الوجود من موت وھی حیات الحق و لھا ثلثہ انغاس نفس الھیبہ و ھو نفس بمیت الاعتدال، و نفس الوجود و ھو یمنع الانغصال، و نفس الانفراد یورث الاتصال و لیس وراء ذلک ملحظ لنظارہ من موت الجبل الفناء و لاطاقہ للاشارۃ۔

یعنی جو وجد کہ مشاہدے سے خالی ہو وہ وجد کذب و دروغ ہے اور شاہد شواہد وجود میں فنا ہو کر اپنی ہستی وجود سے نکل جاتا ہے اور اس کا سکر (نشہ) سکر شراب سے بہت زیادہ ہوتا ہے اور واجدین کی ارواح نہایت پاکیزہ اور لطیف ہوتی ہے اور ان کا کلام مردہ دلوں کو زندہ اور عقل کو زیادہ کرتا ہے اور وجد تمیز کو اٹھا دیتا ہے اور مکانات متعددہ کو مکان واحد اور اعیان مختلفہ کو عین واحد کر دیتا ہے اور وجد کی ابتداء حجابات کا اٹھ جانا اور تجلیات حق کا مشاہدہ کرنا اور فہم کا حاضر ہونا اور اسرار غیب کا ملاحظہ اور گم گشتگی اور تنہائی کو پسند کرنا ہے، صحت وجد کی یہ شرط ہے کہ وجد کے سبب سے اوصاف بشریت منقطع ہو جائیں اور جس وجد سے اوصاف بشریت سے فقدان (گم گشتہ ہونا) حاصل نہ ہو۔ درحقیقت وہ وجد نہیں اور وجد کے دو مقام ہیں۔ مقام ناظر اور مقام منظور الیہ۔ مقام ناظر :مقام مشاہدہ ہے اور مقام منظور الیہ مقام غیب ہے کہ حق تعالیٰ اسے اول وجد میں اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، کیونکہ تواجد استیعاب عبدیت اور وجد استغراق عبدیت اور وجود طلب فنا کو لازم کرتا ہے اور اس کی ترتیب اس طرح سے ہے کہ اول حضور، پھر ورود پھر شہود اور پھر وجود ہے، پھر وجود سے خمود حاصل ہوتا ہے اور صاحب وجود محو اور ہوشیاری میں رہتا ہے اس کی ہوشیاری اس کی بقاء اور اس کا محو اس کی فنا ہے اور اس کی یہ دونوں حالتیں ہمیشہ یکے بعد دیگرے رہتی ہیں۔ (متصوفین کے نزدیک) وجود کے تین معنی ہوتے ہیں۔ اول :وجود علم لدنی جس سے کہ علم شواہد قطع ہو جاتے ہیں اور اس سے مکاشفہ حق حاصل ہوتا ہے۔ دوم :وجود حق کہ پھر اس سے انقطاع نہ ہو سکے۔ سوم :وجود رسوم، وجود سے جب بندے کو مکاشفہ جمال ہو جاتا ہے تو اس کے دل میں سکر پیدا ہوتا ہے اور اس کی روح میں خوشنودی پیدا ہوتی ہے اور سر ظاہر ہوتا ہے اور حالت صحو نہیں حاصل ہوتی، مگر تجلیات حق سے۔ پھر جب صاحب وجود غیر حق کی طرف مشغول ہوتا ہے تو اسے حیرت طاری ہوتی ہے، مگر حیرت شبہ نہیں بلکہ حیرت مشاہدہ عزت و کمال اور جب ذات حق کی طرف مشغول ہوتا ہے تو پھر اس پر کسی امر کا توارد نہیں ہوتا، کیونکہ صحو مقامات جمعیت و لوائح وجود اور منازل حیات سے ہے اور حیات کے تین معنی ہیں۔

اول :حیات علم، اور حیات علم کے تین انفاس ہیں۔ نفس خوف، نفس رجاء، نفس محبت۔ دوم :حیات، حیات حی کی جمع ہے جو کہ موت کے تفرقہ سے حاصل ہوتی ہے، اور اس کے بھی تین انفاس ہیں۔ نفس اضطرار، نفس افتقار، نفس افتخار۔ سوم :حیات وجود جو کہ موت کے تفرقہ سے حاصل ہوتی ہے اور یہ حیات حق ہے اور اس کے بھی تین انفاس ہیں۔ اول :نفس ہیبت، اس سے اشتغال بالغیر نہیں رہتا۔ دوم :نفس وجد جو کہ انفصال

کو مانع ہوتا ہے سوم : نفس انفراد اور اس سے اتصال ہوتا ہے اس سے آگے پھر نہ مقام نظارہ ہے اور نہ طاقت اشارہ۔[1]

حضرت سیدنا شیخ ابوعبداللہ باکو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات میں ہے:

پیش استاد امام ابوعبداللہ باکو شد۔ چون بنشستند، شیخ ابوسعید امام را گفت کہ "این خواجہ را بگو کہ دل با من خوش کند" ابوعبداللہ گفت "دل خوش آن وقت جنم کہ ہر پنج شنبہ کہ بہ سلام من می آیی، بعد ازین نیایی" شیخ ابوسعید گفت "بسیار مشایخ و بزرگان را چشم بر تو افتادہ است، ما بدان نظر ہا می آییم نہ برای تو"۔ چون شیخ ابوسعید این بگفت، گریستن و خروش از جمع برآمد و شیخ ابوعبداللہ نیز بسیار بگریست و آن انکار و داوری از درون وی برخاست، صافی شد ندو جملہ جمع خوشدل برخاستند۔

چون شیخ ابوعبداللہ را آن انکار نماند، بہ سلام شیخ ابوسعید می رفت، امّا ھنوز بر رقص و سماع ایشان انکار عظیم داشت و گاہ گاہ اظہار آن می کرد۔ شبی در خواب دید کہ ھاتفی وی را گفت کہ "قوموا و رقصوا للہ" بیدار شد و گفت "و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلیّ العظیم" این خواب شیطانی است۔ دیگر بار بخفت، ھمچنین بہ خواب دید کہ ھاتفی می گوید "قوموا و رقصوا للہ" باز بیدار شد و لا حول کرد و ذکری بگفت و سورہ ای چند از قرآن بخواند، و سیم بار بخفت ھمان خواب دید۔ دانست کہ آن خواب شیطانی نیست و بہ سبب آن انکار است کہ، بر شیخ ابوسعید دارد۔ بامداد بہ خانقاہ شیخ ابوسعید آمد۔ چون بہ در خانہء شیخ رسید، شیخ ابوسعید در اندرون خانہ می گفت "قوموا و ارقصوا للّٰہ" شیخ ابوعبداللہ دل خوش شد و انکار وی تمام برخاست۔

ترجمہ: استاد امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت ابوعبداللہ باکو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے گئے۔ جب بیٹھے تو شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے استاد امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا کہ ان حضرت سے کہئے کہ مجھ سے دل صاف کرلیں۔ حضرت ابوعبداللہ باکو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ میں اس وقت خوش ہوں گا کہ جمعرات کو میرے پاس آؤ۔ اور پھر نہ آؤ۔ شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بہت مشائخ اور بزرگوں (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کی نظر آپ پر پڑی ہے۔ ہم ان نظروں کی وجہ سے آتے ہیں۔ نہ آپ کے لئے جب شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ بات کہی تو تمام حاضرین نے رونا اور چیخنا شروع کیا۔ شیخ ابوعبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی رو پڑے اور وہ انکار رنجش دل سے جاتی رہی۔ بلکہ صاف دل ہو گئے سب لوگ خوش ہو کر اٹھے۔ جب شیخ ابوعبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو وہ انکار نہ رہا۔ تو وہ شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سلام کو جایا کرتے۔ لیکن ابھی ان کے رقص و سماع پر سخت انکار کرتے۔ اور کبھی کبھی اس کا اظہار بھی کر دیتے۔ ایک رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ہاتف غیبی ان کو کہہ رہا ہے: قوموا و ارقصوا للہ۔ یعنی کھڑے ہو جاؤ اور اللہ عزوجل کے لئے رقص کرو۔ جب بیدار ہوئے تو کہنے لگے: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ یہ خواب شیطانی ہے دوبارہ سو گئے۔ تو پھر ہاتف کہتا ہے۔ قوموا و ارقصوا للہ۔ یعنی کھڑے ہو اور خدا تعالیٰ کے لئے رقص کرو پھر بیدار ہوئے اور لاحول پڑھنے لگے۔ ذکر کرنے لگے۔ اور چند سورہ قرآن پڑھیں۔ تیسری بار سوئے تو پھر وہی خواب دیکھا تب معلوم کیا کہ یہ خواب شیطانی نہیں ہے۔ اور یہ اسی انکار کے سبب ہے۔ کہ جو شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر کرتا ہوں صبح تو شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ پر آئے جب خانقاہ کے دروازہ پر پہنچے تو شیخ ابوسعید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حجرہ میں کہتے تھے قوموا و ارقصوا للہ شیخ ابوعبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خوش ہو گئے اور وہ ان کا انکار بالکل جاتا رہا۔[2]

تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیۃ الحرانی، لکھتے ہیں۔

وَمَا يَحْصُلُ عِنْدَ السَّمَاعِ وَالذِّكْرِ الْمَشْرُوعِ مِنْ وَجَلِ الْقَلْبِ وَدَمْعِ الْعَيْنِ وَاقْشِعْرَارِ الْجُسُومِ فَهَذَا أَفْضَلُ الْأَحْوَالِ الَّتِي نَطَقَ بِهَا الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ. وَأَمَّا الِاضْطِرَابُ الشَّدِيدُ وَالْغَشْيُ وَالْمَوْتُ وَالصَّيْحَاتُ فَهَذَا إنْ كَانَ صَاحِبُهُ مَغْلُوبًا عَلَيْهِ لَمْ يُلَمْ عَلَيْهِ كَمَا قَدْ كَانَ يَكُونُ فِي

---

[1] (غوث جیلانی، ص ۶ :۳۱)

[2] (نفحات الانس من حضرات القدس، ص ۳۲۷، ۳۵۳، مرکز پخش : انشرات علمی، خیابان انقلاب، مقابل دانشگاہ، تہران)

التَّابِعِينَ وَ مَنْ بَعْدَهُمْ فَإِنَّ مَنْشَأَهُ قُوَّةُ الْوَارِدِ عَلَى الْقَلْبِ مَعَ ضَعْفِ الْقَلْبِ وَ الْقُوَّةُ وَ التَّمَكُّنُ أَفْضَلُ كَمَا هُوَ حَالُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ الصَّحَابَةِ وَ أَمَّا السُّكُونُ قَسْوَةٌ وَ جَفَاءٌ فَهَذَا مَذْمُومٌ لَا خَيْرَ فِيهِ.

ترجمہ: اور وہ جو کچھ سماع اور ذکر مشروع کے وقت دل کا خوف اور آنکھوں سے آنسوؤں بہنا اور بدن کا لرزنا حاصل ہوتا ہے، پس یہ وہ افضل احوال ہیں جن پر کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ناطق ہیں (یعنی ان کا ثبوت کتاب وسنت میں موجود ہے)۔ اور رہا شدید اضطراب اور بے ہوشی اور وفات پا جانا اور چیخیں مارنا، تو یہ اگر کسی شخص پر غالب آجائیں تو اس پر کوئی ملامت نہیں، جیسا کہ تابعین اور ان کے بعد کے اولیاء اللہ کے احوال میں ہوتا تھا، پس بے شک اس کا منشاء وہ قوت وارد ہے جو ان کے دل کے کمزور ہونے کے باوجود ان کے دل پر وارد ہوتی ہے، اور قوت اور تمکین افضل ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تمکین کا حال حاصل تھا۔ اور رہا سکون، تو دل کی سختی اور جفاء ہے پس یہ مذموم ہے، اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔[1]

معارف آگاہی مولانا جلال الدین، رومی، بلخی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

ہر کرا دامانِ عشقے نابُدہ زاں نثارِ نور بے بہرہ شُدہ

ترجمہ: جس کے پاس عشق (وشوق) کا دامن نہیں (وہ) اس نثارِ نور سے بے بہرہ ہے۔[2]

شیخ محمد خیر طمعہ حلبی، البخاری، الشامی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دور سے آتے دیکھ کر ہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ دیوانوں کی طرح دیکھنے لگے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو کے موتی ڈھلک ڈھلک کر سرزمین مدینہ میں جذب ہونے لگے۔[3]

معارف آگاہی مولانا جلال الدین، رومی، بلخی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

خلق دیوانہ شدند از شوقِ اُو از فراقِ حال و قال و ذوقِ اُو

ترجمہ: اس کے شوق (دیدار) سے اور اس کے حال وقال وذوق کی جدائی سے مخلوق دیوانی ہوگئی۔[4]

قَالَ: كَيْفَ تَرَكْتُمَا حَبِيبِي مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ سَلْمَانُ: كَمَا يُحِبُّ اللَّهَ وَتُحِبُّ أَنْتَ، فَلَمَّا أَقَامَ بِلَالٌ الصَّلَاةَ أَدْخَلَاهُ الْمَسْجِدَ فَأَقَامَاهُ فِي آخِرِ الصَّفِّ، فَقَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ، فَشَهَقَ شَهْقَةً، فَلَمَّا تَلَى: {حَتَّى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ} (التكاثر، ٢)، شَهَقَ شَهْقَةً أُخْرَى وَفَارَقَ الدُّنْيَا،

ترجمہ: حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: میرے حبیب محمد ﷺ کو تم نے کس حال میں چھوڑا ہے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا: آپ ﷺ ایسی حالت میں ہیں جیسی حالت میں اللہ تعالیٰ اور تم آپ ﷺ کو دیکھنا پسند کرتے ہو۔ واپس آئے تو نماز کا وقت تھا جماعت کھڑی تھی حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ آخری صف میں کھڑے ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے، أَلْهَاكُمُ التَّكَاثُرُ، کی قراءت کی تو حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے ایک

---

[1] (مجموع الفتاوی، ج، ۲۲، ص، ۵۲۲)

[2] (مفتاح العلوم، دفتر اول، ص، ۲۹۲)

[3] (فیضان صوفیاء صفحہ ۱۶۷/۱۷۲)

[4] (مفتاح العلوم، دفتر اول، ص، ۲۴۲)

چیخ ماری، پھر جب: حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (التکاثر ۲:) کی تلاوت کی تو دوسری بار ایک چیخ ماری اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔[۱]

الملا نور الدین عبد الرحمٰن بن احمد الجامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

فاطمة بنت ابی بکر الکتانی رحمها الله:

فاطمة بنت ابی بکر الکتانی رحمها الله تعالیٰ، هی کانت فی مجلس سمنون المحب فلما تکلم سمنون فی المحبة و سمعته صاحت و خرت و ماتت، و معها ثلاثة نفر من الرجال ایضا ماتوا۔

فاطمہ بنت ابی بکر الکتانی رحمہا اللہ ایک مرتبہ سمنون المحب کی مجلس میں بیٹھی تھیں پس جب سمنون نے محبت کے بارے میں گفتگو شروع فرمائی اور فاطمہ نے سنی تو چیخ لگائی اور گر گئی اور وفات پا گئی اور اس کے ساتھ تین بندے مردوں میں سے بھی وفات پا گئے۔[۲]

شیخ محمد خیر طمعہ حلبی، البخری، الشامی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

حضرت ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازی قشیری رحمۃ اللہ علیہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد ہے: "**مثل الصوفی کعلة البرسام اوله هذیان و آخره سکوت فاذا تمکن خرس**" ترجمہ: صوفی سرسام کی بیماری کی مانند ہے کہ پہلے ہذیان ہوتی ہے، آخر میں خاموشی، پھر جب قائم ہو جائے تو گونگا بنا دیتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ صوفی کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک وجد کی، دوسری نمود کی۔ نمود مبتدیوں کے لئے ہے، نمود سے مراد ہذیان ہے۔ وجد منتہیوں کے لئے ہے اور حالت وجد کا بیان محال و دشوار ہوتا ہے۔ لہٰذا جب تک طالب ہے، علو ہمت سے گویا ہے اور گویائی اہل طلب کے نزدیک ہذیان ہے۔ جب وصال ہو گیا تو واصل ہو گئے۔ ان کے لئے بیان و اشارے کی حاجت نہیں رہتی، جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مبتدی تھے تو ان کی تمام ہمتیں رویت الٰہی کی تمنا میں رہیں اور "رب ارنی انظر الیک" ترجمہ: (اے رب! مجھے اپنا جلوہ دکھا کہ میں تیرے دیدار سے مشرف ہو جاؤں۔") کی مناجات کرتے رہے۔

یہ مقصود کی نارسائی میں نمود کی تعبیر ہے اور ہمارے آقا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم منتہی اور صاحب تمکین ہیں۔ جب آپ کا وجود مقام ہمت سے بلند ہوا اور ہمت فنا ہوئی تو ارشاد ہوا: **لا احصی ثناءً علیک۔** ترجمہ: میں تیری ثناء شمار نہیں کر سکتا۔ یہ منزلت رفیع اور مقام اعلیٰ ہے۔ **واللہ اعلم!**[۳]

ذکر میں وجد کی مخالفت کرنے والا خود وجد میں آ گیا

امام یوسف بن اسماعیل نبہانی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

الشیخ العارف بالله تعالیٰ احد مشائخ الروم الشهیر بقوغه جی ده ده حکی انه کان عند المولی حمید الدین بن افضل الدین و هو یومئذ مفتی الروم، فدخل علیه المولی الکرماستی و هو یومئذ قاضی القسطنطنیة، فشکا الیه متصوفة الزمان و قال: انهم یرقصون و یصعقون عند الذکر، و هذا مخالف للشرع، فقال المولی حمید الدین للکرماستی: ان رئیسهم هذا الشیخ،

---

[۱] (تنبیہ الغافلین، باب الحکایات، رقم ۹۹۵: ص ۳۱۱، دار الحدیث، القاہرۃ)

[۲] (نفحات الانس ج ۲ ص ۸۲۵ فاطمہ بنت ابی بکر الکتانی رحمہا اللہ)

[۳] (فیضان صوفیاء صفحہ ۴۲۲/۴۲۱)

واشار الی الشیخ سوندک وقال :ان اصلحته صلح الکل، ثم قام المولی الکرماستی وصحب مع الشیخ سوندک الی منزله واحضر مریدیه وهیأ لهم طعاما فأطعمهم، فقال لهم :اجلسوا واذکروا الله تعالٰی علی ادب ووقار وسکون، فقالوا :نفعل ذلک، فلما شرعوا فی الذکر صاح الشیخ فی اذن المولی الکرماستی صیحة عظیمة حتی قام وسقطت عمامته عن رأسه ورداؤه عن منکبه، وشرع یصرخ ویصعق حتی مضی نحو ثلث نهار، فلما سکن اضطرابه قال له الشیخ :لأی شیء اضطربت ایها المولی، انت قلت انه منکر، فقال له :تبت الی الله تعالیٰ عن ذلک الانکار ولا اعود الیه ابدا۔ مات الشیخ سوندک بالقسطنطنیة فی اوائل القرن العاشر، قاله النجم الغزی۔

ترجمہ: بیان کیا گیا ہے کہ شیخ موصوف مفتی روم شیخ مولی حمید الدین بن افضل الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں قیام پذیر تھے۔ایک دن قسطنطنیہ کے قاضی مولی کرماستی ان کے ہاں تشریف لائے۔ان (مولی کرماستی) سے اس دور کے بنے بنائے صوفیوں نے شکایت کی کہ یہ لوگ (یعنی شیخ سوندک اوران کے ساتھی) ذکر کے وقت رقص کرتے ہیں۔اور چیختے چلاتے ہیں اور یہ بات شرع شریعت کے مخالف ہے اس پر مولی حمید الدین (مفتی روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے کرماستی (مفتی قسطنطنیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے کہا کہ ان لوگوں کا سردار یہ شخص ہے۔یعنی اس نے شیخ سوندک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ اگر آپ اسے ٹھیک کر دیں گے تو سارے ٹھیک ہو جائیں گے۔

پھر مولی کرماستی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اٹھے اوران کے ساتھ شیخ سوندک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے گھر کی طرف چل پڑے وہاں پہنچ کر شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مریدین کو حاضر ہونے کا حکم دیا اوران کے لیے کھانے کا اہتمام بھی کیا چنانچہ سب کو کھانا کھلایا۔پھر ان سے کہا۔بیٹھو اور بڑے ادب ووقار اور سکون سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔سب نے کہا ہم ایسے ہی کرتے ہیں۔جب وہ ذکر الٰہی میں مصروف ہوئے تو شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مولی کرماستی کے کان میں زور سے چیخ ماری۔حتیٰ کہ کھڑے ہو گئے ان کی پگڑی ان کے سر سے گر پڑی اور کندھوں سے چادر بھی گر پڑی اور چیخنے چلانے شروع ہو گئے۔حتیٰ کہ دن کا تہائی حصہ گزر گیا۔پھر جب ان کی پریشانی اور اضطراب ختم ہوا تو شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان سے پوچھا۔

اے مولیٰ کس وجہ سے آپ تڑپ رہے تھے اور آپ کیوں پریشان ہو گئے تھے؟ آپ نے ہی تو کہا تھا کہ ایسا کرنا درست نہیں۔اس کے جواب میں مولیٰ کرماستی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے اس انکار اور نادرست کہنے پر توبہ کرتا ہوں اور آئندہ کے لیے ایسی بات اس بارے میں نہ کہوں گا۔شیخ سوندک رحمۃ اللہ علیہ نے قسطنطنیہ میں انتقال فرمایا۔یہ دسویں صدی کے ابتدائی سالوں کی بات ہے۔یہ نجم غزی نے بیان کیا۔[1]

وصلی خُلَيْدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ فَقَرَأَ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الموت فَرَدَّدَهَا مِرَارًا فَنَادَاهُ مِنْ نَاحِيَةِ الْبَيْتِ كَمْ تُرَدِّدُ هَذِهِ الْآيَةَ فَلَقَدْ قَتَلْتَ بِهَا أَرْبَعَةَ نفر من الجن لم یرفعوا رؤوسهم إِلَى السَّمَاءِ حَتَّى مَاتُوا مِنْ تَرْدَادِكَ هَذِهِ الْآيَةَ فَوَلِهَ خُلَيْدٌ بَعْدَ ذَلِكَ وَلَهًا شَدِيدًا حَتَّى أَنْكَرَهُ أَهْلُهُ كَأَنَّهُ لَيْسَ الَّذِي كَانَ۔

ترجمہ: حضرت خلید رحمۃ اللہ علیہ نے آیت مبارکہ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کی تلاوت کی اور چند بار تکرار کیا گھر کے ایک کونے سے آواز آئی (کم تردد) کب تک اسی آیت کی تکرار کرتے رہو گے اس سے چار جنوں کو تو مار چکے ہو جن کو آسمان کی طرف سر اٹھانے کی بھی ہمت نہ ہوئی پہلے ہی فوت ہو گئے

---

[1] (جامع کرامات الاولیاء، ج۲، ص۱۰۴، المکتبۃ العصریہ، بیروت) (جامع کرامات اولیاء، ص ۸۵۴، ۸۵۵)

،یہ سن کر آپ رنج وغم سے اس قدر نڈھال ہو گئے کہ اہل خانہ تک حیران رہ گئے،گویا کہ آپ بدل گئے تھے۔[1]

شیخ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ در نماز شام امامت می کرد چون ایاک نعبدو ایاک نستعین گفت بیھوش شدہ او فتاد۔

ترجمہ: شیخ المشائخ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ شام کی نماز میں امامت کررہے تھے جب ایاک نعبد و ایاک نستعین کہا تو بیہوش ہو کر گر پڑے۔[2]

مقام حضرت القدس میں پہنچ کر دریائے ہیبت میں جا گرتا ہے،اسی لیے واجد گرجاتا ہے اور اس پر غشی طاری ہو جاتی ہے۔

صوفیہ کا وجد حق ہے: آیات قطعیہ واحادیث صحیحہ واقوال صریحہ بکثرت اس کے حق ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور وجد وحال کی منزل ارفع و اعلیٰ ہے۔اس کو ابتدائی منزل کہنے والے خشک زاہد ریاکار ہیں،خاکسار نے اس مسئلہ کو اپنی کتاب موسومہ بہ تحقیق الوجد میں نہایت وسعت وتفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور اس کا ہر پہلو قرآن پاک واحادیث نبویہ سے ثابت کیا ہے،طالبان حق کے لیے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔[3]

علامہ محمد بن یحی التاذفی الحلبی ،رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

نیز شیخ تقی الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ موصوف بیان کرتے ہیں کہ شیخ ابو البرکات نے بیان کیا ہے کہ ایک روز کا ذکر ہے کہ ہمارے عم بزرگ شیخ عدی بن مسافر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں تیس فقراء حاضر ہوئے کہ حضرت ہمیں حقیقت فقر سے آگاہ فرمایئے آپ نے ان سے حقائق فقر بیان فرمائے تو یہ لوگ سن کر اپنے کپڑے پھاڑتے اور ناچتے ہوئے جنگل کی طرف نکل گئے۔[4]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی نقشبندی، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

فَإِنَّ جَذْبَةً مِنْ جَذَبَاتِ الْحَقِّ تُوَازِي عَمَلَ الثَّقَلَيْنِ۔

ترجمہ: حق تعالیٰ (کے عشق) کا جذبہ جن وانس کے عمل کے برابر ہے۔[5]

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

قَالَ الأستاذ الإِمَام رضى اللَّه عَنْهُ كنت بَيْنَ يدي الأستاذ أَبِي عَلِيّ رَحِمَهُ اللَّه يوما فجرى حَدِيث الشيخ أَبِي عَبْد الرَّحْمَنِ السلمي رَحِمَهُ اللَّه وأنه يقوم فِي السماع موافقة للفقراء فَقَالَ الأستاذ أَبُو عَلَى مثله فِي حاله لعل السكون أولى بِهِ ثُمَّ قَالَ فِي ذَلِك المجلس أمض إِلَيْهِ فتجده وَهُوَ قاعد فِي بَيْت كتبه وعلى وجه الكتب مجلدة حمراء مربعة صغيرة فِيهَا أشعار الْحُسَيْن بْن مَنْصُور فاحمل تلك المجلدة ولا تقل لَهُ شَيْئًا وجئني بِهَا وَكَانَ وقت هاجر فدخلت عَلَيْهِ وإذا هُوَ فِي بَيْت كتبه والمجلدة موضوعة بحيث ذكر فلما قعدت أخذ الشيخ أَبُو عَبْد الرَّحْمَنِ فِي الْحَدِيث وَقَالَ كَانَ بَعْض النَّاس ينكر عَلَى أحد من الْعُلَمَاء حركته فِي السماع فرأى ذَلِك الإِنْسَان يوما خاليا فِي بَيْت وَهُوَ يدور كالمتواجد فسئل عَن حاله فَقَالَ : كانت مسألة مشكلة عَلَى فتبين لي معناها

---

[1] (تحفۃ الاحوذی، کتاب الصلاۃ، باب اذا نام عن صلاۃ باللیل، وصلی بالنہار، ج ۲، ص ۵۳۶، ۵۳۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

[2] (تفسیر یعقوب چرخی، ص ۸، الرحیم اکیڈیمی، کراچی، وتفسیر روح البیان، ج ۱، ص ۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[3] (غوث جیلانی، ص ۷ :۲۱)

[4] (غوث جیلانی، ص ۲۸۹ :)

[5] (مرقاۃ المفاتیح، باب التحریض علی قیام اللیل، ج ۳، ص ۹۲۵)

فلم أتمالك من السرور حَتَّى قمت أدور فقيل لَهُ مثل هَذَا يكون حالهم فلما رأيت مَا أمرني بِهِ الأستاذ أَبُو عَلِي وَمَا وصف لي عَلَى الوجه الَّذِي قَالَ وجرى عَلَى لسان الشيخ أَبِي عَبْد الرَّحْمَنِ مَا كَانَ قَدْ ذكره بِهِ تحيرت وقلت :كَيْفَ أفعل بينهما ثُمَّ فكرت فِي نفسي وقلت :لا وجه إلا الصدق فَقُلْتُ :إن الأستاذ أبا عَلِي وصف لي هذه المجلدة وَقَالَ لي احملها إلي من غَيْر أَن تستأذن الشيخ وأنا هُوَ ذا أخافك وليس يمكنني مخالفته فأي شَيْء تأمر فأخرج مسدسا من كَلام الْحُسَيْن وفيه تصنيف لَهُ سماه كتاب الصيهور فِي نقض الدهور وَقَالَ :احمل هَذَا إِلَيْهِ وقل لَهُ :إني أطالع تلك المجلدة وأنقل منها أبياتا إِلَى مصنفاتي فخرجت.

ترجمہ: استاد امام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں استاد ابوعلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس تھا کہ شیخ عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذکر چھڑ گیا کہ یہ سماع کی مجلس میں فقراء کی موافقت کرتے ہوئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ استاد ابوعلی نے فرمایا کیا اس جیسا آدمی جس کی یہ حالت اور مرتبہ ہو (کیا وہ قیام کرتا ہے؟) شاید ان کے لئے سکون زیادہ بہتر ہوتا۔ پھر اسی وقت فرمایا اسکے پاس جاؤ، تم اسے اپنے کتب خانہ میں بیٹھا پاؤ گے، کتابوں کے اوپر ایک سرخ رنگ کی چھوٹی سی کتاب ہوگی جس میں حسین بن منصور رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اشعار ہوں گے، یہ کتاب اُٹھا لینا اور انھیں کچھ نہیں کہنا اور کتاب میرے پاس لے آنا۔ اس وقت دوپہر کا وقت تھا۔ میں ان کے پاس گیا۔ دیکھا تو وہ اپنے کتب خانہ میں تھے اور کتاب وہیں پڑی تھی جہاں انھوں نے ذکر کیا تھا۔ جب میں بیٹھ گیا تو شیخ ابوعبدالرحمٰن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ باتیں کرنے لگے اور فرمایا ایک شخص ایک عالم پر اس لئے اعتراض کرتا تھا کہ وہ سماع میں حرکت کرتا تھا، اس عالم نے اس شخص کو اپنے گھر میں خلوت میں دیکھا کہ اس طرح چکر لگا رہا ہے جیسے کوئی وجد میں چکر لگا رہا ہو۔ اس سے اس کا سبب پوچھا گیا تو بتایا کہ ایک مشکل مسئلہ تھا جو حل نہ ہوتا تھا پھر حل ہو گیا، خوشی کے مارے میں اپنے پر قابو نہ پا سکا، اس لئے میں نے اُٹھ کر چکر لگانا شروع کر دیا۔ اس شخص کو بتایا گیا کہ علماء اور صوفیاء کا بھی یہی حال ہوتا ہے جس پر تو اعتراض کرتا ہے۔ جب میں نے وہی کیفیت دیکھی جس کا استاد ابوعلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر فرمایا تھا اور شیخ ابوعبدالرحمٰن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زبان پر یہ قصہ جاری ہوا جس کا انھوں نے ذکر کیا تو میں حیرت زدہ رہ گیا اور کہا کہ اب کیا طریقہ اختیار کروں اور (دل میں) کہا کہ اب سچ کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ لہٰذا میں نے عرض کیا استاد ابوعلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجھ سے اس کتاب کا ذکر کیا تھا اور فرمایا تھا شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اجازت کے بغیر میرے پاس لے آنا، مجھے آپ کا ڈر ہے اور میں استاد ابوعلی کے حکم کے خلاف بھی نہیں کر سکتا، اب آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ آپ نے ایک اور کتاب نکالی جو حسین (بن منصور) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مسدس تھی اور اس جلد کے اندر انکی ایک اپنی تصنیف تھی جس کا نام "کتاب الصیهور فی نقض الدهور" تھا اور فرمایا ان کے پاس یہ کتاب لے جاؤ اور کہو کہ میں اس کتاب کا مطالعہ کرتا ہوں، اس کے اشعار اپنی تصنیفات میں نقل کرتا ہوں۔ اس کے بعد میں چلا آیا۔[1]

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

وَقَالَ رويم :حضرت وفاة أَبِي سَعِيد الخراز وَهُوَ يَقُول فِي آخر نَفسه :حنين قلوب العارفين إِلَى الذكر وتذكارهم وقت المناجاة للسر أديرت كؤوس للمنايا عَلَيْهِم فأغفو عَنِ الدنيا كإغفاء ذي السكر همومهم جوالة بمعسكر بِهِ أهل ود الله

---

[1] (الرسالۃ القشیریۃ، باب الفراسۃ ، ص،۱۲۹، ۱۳۰، دارالسلام، القاہرہ، تاریخ بغداد ،ج،۳،ص،۴۲، تاریخ الاسلام ،ج،۹،ص،۲۰۸، سیر اعلام النبلاء ،ج،۱۳،ص،۴۸،، ج،۱۷،ص،۲۵۴، طبقات الشافعیۃ الکبری للسبکی ،ج،۴،ص،۱۴۵، طبقات الاولیاء، ج،۱،ص،۳۱۴)

كالأنجم الزهر فأجسامهم فِي الأَرْض قتلى بحبه وأرواحهم فِي الحجب نَحْو العلا تسرى فَمَا عرسوا إلا بقرب حبيبهم وَمَا عرجوا عَن مس بؤس ولا ضر وقيل للجنيد إن أبا سعيد الخراز كان كثير التواجد عند الموت فقال لم يكن بعجب أن تطير روحه اشتياقا۔

ترجمہ: رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : میں ابوسعید خراز کی وفات کے وقت موجود تھا۔ وہ اپنے آخری دموں میں کہہ رہے تھے: عاشقوں کے دل اپنے محبوب کے ذکر کے مشتاق ہوتے ہیں ۔اور مناجات کے وقت بھی ان کی یاد اسی راز کیلئے ہے ۔جو ان کے محبوب کے درمیان ہوتا ہے ۔موت کے پیالے کا دور جب ان پر چلا تو وہ اس طرح دنیا سے غافل ہوئے جس طرح کہ ایک مست اپنے نشے میں غافل ہوتا ہے ۔ان کے افکار ایسے لشکر گاہ میں جولانی کرتے رہتے ہیں جہاں اللہ سے دوستی رکھنے والے ستاروں کی طرح چمکتے ہیں ۔ان کے جسم زمین میں اس کی محبت میں مشغول ہو چکے ہیں ۔مگر ان کی روحیں پردوں میں بلندی کی طرف جاتی ہیں یہ لوگ محبوب کے قریب پہنچ کر ہی ڈیرہ ڈالتے ہیں ۔اور کسی قسم کی تکلیف یا مصٰبت سے ڈر کر یہ راستہ میں قیام نہیں کرتے ۔

کسی نے جنید رحمۃ اللہ علیہ سے کہا ابوسعید خراز موت کے وقت بہت وجد میں تھے ۔جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ کوئی عجیب بات نہیں ۔کہ ان کی روح شوق سے اڑنے لگی ہو۔[1]

ایسا جذب طاری ہوا کہ رات ہی کو میں دیوانہ وار دشت وصحرا میں چلا گیا

حضرت علامہ شیخ بدرالدین، نقشبندی مجددی سرہندی، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

درویشے کہ آثار جذبہ و دثار بے نفسی وعلامات آزادی وسمات وارستگی دروے پیدا و ہویدا بود، نقل نمود کہ از بنگالہ باکبر آباد (آگرہ) آمدہ بودم وحضرت ایشان قدس سرہ درآن بلدہ تشریف داشتند ۔شبے بمنزل شریف آنحضرت رسیدم وملتمس تعلیم ذکر گردیدم، اجابت فرمودند۔ حالے برمن مستولی گشت کہ ہمان شب دیوانہ وار از آنجا بیرون آمدم و بدشت وصحرا افتادم ومدتہا در کوہ و بیابان میگشتم واز خواب وخور وسکون وآرام خبر نداشتم ۔چگویم کہ درین میان چہ دیدم وبچہ چیز ہا رسیدم؟

ترجمہ: ایک درویش نے کہ جس میں جذب کے آثار بے نفسی کی علامات اور آزادی و بے نیازی کی نشانیاں موجود تھیں بیان کیا کہ میں بنگال سے اکبر آباد (آگرہ) آیا ہوا تھا اور حضرت شیخ الاسلام کاشف اسرار مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اس وقت اس شہر میں تشریف رکھتے تھے ایک رات آپ (حضرت زبدۃ العارفین مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) کی خدمت میں حاضر ہوا اور التماس کی کہ مجھے تعلیم ذکر فرمادیں آپ (حضرت زبدۃ العارفین مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) نے قبول فرمالیا (لیکن) اسی وقت مجھ پر ایسا جذب طاری ہوا کہ رات ہی کو میں دیوانہ وار وہاں سے باہر نکلا اور دشت وصحرا میں چلا گیا اور مُدّت تک کوہ و بیاباں میں پھرتا رہا اور مجھے سونے کھانے اور آرام کرنے کی خبر نہ رہی کیا کہوں کہ اس زمانے میں کیا کیا میں نے دیکھا اور کیا کیا حاصل کیا؟[2]

مقام جذبہ وفیض:

آپ کو بہت جذبہ حاصل تھا۔آپ کی توجہ سے لوگ بے اختیار ہو جاتے تھے ۔ہزاروں آدمیوں نے آپ سے فیض حاصل کیا اور کامل و

---

[1] (الرسالۃ القشیریۃ، باب احوالھم عند الخروج من الدنیا، ۱۶۴، ۱۶۵، دارالسلام ،القاہرہ، احیاء العلوم، المقام الاول من المرابطۃ ،ج،۴، ۴۸۲، مرآۃ الجنان وعبرۃ الیقظان ،ج،۲،ص،۱۵۹) ص،۵۴۷، ۵۴۸)

[2] (حضرات القدس،ص، ۱۶۴، محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور) (حضرات القدس،ص، ۱۸۱)

مکمل ہو گئے۔

وجد وشوق:

آپ پر وجد وشوق کا ایک کیف ہر وقت طاری رہتا۔مجلس عالی میں جب آپ بیٹھتے تو اس طرح کہ گویا کوئی عاشق انتظار معشوق میں بیٹھا ہے، جب کسی کی زبان سے محبوب حقیقی کا نام اللہ صادر ہوتا تو آپ پر وجد طاری ہو جاتا، بسا اوقات بے اختیار ہو کر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے۔[1]

حضرت علامہ سید محمد ہاشم کشمی، برہانپوری نقشبندی مجددی، قدس سرہ،، لکھتے ہیں :

شبی از شبہای ماہ رمضان حضرت ایشان ما قدس سرہٗ بدست خادمی بہ آنحضرت فالودہ فرستادہ اند چون آن خادم از کوہیان سادہ لوح، بود بدروازۂ خاص رسیدہ حلقہ درزدہ حضرت خواجہ دیگری را بیدار نکردہ خود برآمدہ اند وظرف فالودہ را از دست او گرفتہ فرمودہ اند نام تو چیست معروضداشتہ کہ بابا فرمودہ اند چون خادم شیخ احمد مائی بامائی بمجرد مراجعت آن خادم ویرا جذبہ سکر دنسبت فرد گرفتہ وفریاد کنان دافقان وخیزان خود را بحضرت ایشان مارسانیدہ آنحضرت پرسیدہ اند کہ حال چیست بشورش ومستی تمام میگفتہ کہ ہمہ جا چہ در حجر وچہ در شجر وچہ در زمین وچہ در آسمان نوری بیرنگ بیغایت ونہایت می بینم کہ بیان آن نمیتوانم نمود۔

ترجمہ: ایک مرتبہ ماہ رمضان المبارک کی ایک رات کو ہمارے حضرت غوث یزدانی مجدد الف ثانی نے ایک خادم کے ہاتھ ایک پیالہ فالودہ کا قطب الاقطاب سیدنا حضرت خواجہ رضی الدین باقی باللہ کی خدمت میں بھیجا۔ چونکہ وہ خادم ایک پہاڑی آدمی بھولا بھالا تھا۔قطب الاقطاب سیدنا حضرت خواجہ رضی الدین باقی باللہ کے دروازے خاص پر پہنچ کر دروازے کی زنجیر ہلانے لگا۔قطب الاقطاب سیدنا حضرت خواجہ رضی الدین باقی باللہ نے کسی کو بیدار نہیں کیا اور خود ہی باہر آ کر فالودہ کا پیالہ اس خادم سے لیکر دریافت فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے؟

اس نے عرض کیا کہ مجھے بابا کہا کرتے ہیں۔آپ (قطب الاقطاب سیدنا حضرت خواجہ رضی الدین باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے فرمایا کہ چونکہ تم ہمارے شیخ احمد کے خادم ہو اس لئے ہمارے ہو۔اس خادم کے واپس ہوتے ہی اس پر سکر اور نسبت کا جذبہ غالب ہو گیا اور وہ روتا پیٹتا، گرتا پڑتا ہمارے حضرت غوث یزدانی مجدد الف ثانی کی خدمت میں پہنچا۔حضرت (مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے دریافت فرمایا کہ کیا حال ہے؟ اس نے بہت جذب ومستی کے عالم میں عرض کیا کہ میں ہر جگہ شجر وحجر زمین وآسمان میں ایک بے رنگ نور دیکھتا ہوں۔جو بے نہایت ہے۔اور اس کو بیان نہیں کر سکتا۔[2]

حضرت علامہ سید محمد ہاشم کشمی، برہانپوری نقشبندی مجددی، قدس سرہ،، لکھتے ہیں :

گویند روزی عسکری بملازمت ایشان آمد ایشان بہ تقریب طہارت از مسجد برون رفتند خادم این سپاہی برون ورعنان اسپ گرفتہ ایستادہ بود وہ حین تنخ و استبرا بکرّات نظر کیمیا اثر ایشان بران خادم افتادہ بود چون بمسجد درآمدہ اند خبر رسیدہ کہ خادم آن عسکری را جذبہ وبیخودی بر خاک افگندہ است ومیان اسپان چون گوی ہر سوی غلطان ست واز قبیل شام تا پاسی از شب ہمچنان در اضطراب بودہ بنا گاہ بشوریدہ وروی بباز ارنہادہ وہمچنان در صحرا برون رفتہ دیگر ہیچکس از وخبری نیافت۔

ترجمہ: کہا جاتا ہے کہ ایک دن ایک فوجی شخص آپ (قطب الاقطاب سیدنا حضرت خواجہ رضی الدین باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی خدمت میں حاضر

---

[1] (خانقاہ مظہریہ نقشبندیہ، ص ۹۱: / ۹۲)

[2] (برکاتِ احمدیہ، زبدۃ المقامات، ص ۱۷، ۱۸، المکتبۃ الیشق بشارع دار الشفقۃ، استانبول، ترکیہ) (زبدۃ المقامات، ص، ۴۵)

ہوا۔آپ (قطب الاقطاب سیدنا حضرت خواجہ رضی الدین باقی باللہ) طہارت کیلئے مسجد سے باہر تشریف لے گئے تھے۔اس فوجی کا خادم دروازے کے باہر گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے کھڑا تھا۔طہارت کے وقت آپ (قطب الاقطاب سیدنا حضرت خواجہ رضی الدین باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی نظر کیمیا اثر اس خادم پر کئی مرتبہ پڑی۔آپ (قطب الاقطاب سیدنا حضرت خواجہ رضی الدین باقی باللہ) جب مسجد میں تشریف لائے تو معلوم ہوا کہ وہ خادم اس قدر جذب اور بیخودی میں مبتلا ہوا ہے کہ گھوڑوں کے درمیان گیند کی طرح لڑھکتا پھرتا ہے۔شام سے رات کے کچھ حصے تک اسی طرح اضطراب میں رہا۔پھر یکا یک جنونی کیفیت میں وہ بازار کی طرف جا نکلا اور وہاں سے جنگل کی طرف چلا گیا اور پھر اس کی کوئی خبر معلوم نہ ہوسکی۔[1]

حضرت علامہ سید محمد ہاشم کشمی، برہانپوری نقشبندی مجددی، قدس سرہ، لکھتے ہیں :

از دور نظارہ آن مجالس میکردند ناگاہ جذب و حالتی ایشان را روے میداد کہ از غایت سکر و بی آرامی جامہا پارہ میکردند و چون مرغ بسمل بر خاک می طپیدند گاہ مشاہدہ میشد کہ سی چہل تن برہم افتادہ بودند۔

بعضے مریدان مشائخ عظام آن شہر نیز ناچار آمدہ داخل مستفیضان شدند و بسا مفسدان بصلاح رسیدند و بسیار ہشیاران بادۂ بیخودی و جذبہ چشیدند

یعنی حضرت شیخ المشائخ میر محمد نعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس کو دوسرے بھی دیکھ لیتے تو ان کے قلوب پر اس قدر جذب و مستی کا غلبہ ہوجاتا کہ وہ غلبہ سکر کی وجہ سے اپنے کپڑے پھاڑ دیتے تھے۔اور مرغ بسمل کی طرح زمین پر تڑپنے لگتے تھے۔اس حد تک دیکھا گیا ہے کہ کبھی کبھی تیس چالیس آدمی یکبارگی ہوش کھو بیٹھتے اور زمین پر گر پڑتے۔

یہ جذب و مستی کی حالت دیکھ کر بعض مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وقت کے مریدین بھی سیدنا شیخ المشائخ حضرت اقدس میر محمد نعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حلقۂ استفاضہ میں داخل ہوئے اور بہت سے مفسدین کی اصلاح ہوئی بکثرت عقلمندوں نے بادۂ بیخودی و جذب کا جام نوش کیا۔[2]

حضرت سیدنا شیخ المشائخ سیف الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات میں مجلس میں تشریف رکھتے تو انتظار کی کیفیت طاری ہوتی جیسے کوئی عاشق اپنے معشوق کا انتظار کرتا ہے۔اہل محفل میں سے کوئی جب اللہ کا نام زبان پر لاتا تو آپ سنتے ہی مدہوش ہوجاتے اور زمین پر مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپتے۔[3]

حضرت سیدنا شیخ المشائخ شاہ محمد صادق قلندر نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات میں، ایک دن پیر طریقت میر نازک نقشبندی کی خانقاہ کی چھت پر چڑھے۔اذان کہی اور عین اسی حالت اذان میں آپ پر جذب کی کیفیت طاری ہوئی۔چھت سے زمیں پر گرے اور بے ہوش ہوگئے۔[4]

حضرت شیخ المشائخ شاہ درگاہ مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔امام نے قرأت میں یُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (سورۃ البقرۃ،۱۶۵) پڑھی۔

یہ آیت سنتے ہی ان کے دل سے محبت کی آگ کالاوا بن پڑا۔آپ (حضرت شیخ المشائخ شاہ درگاہ مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے جسم مبارک میں تھوڑی سی حرکت ہوئی۔فوراً پہلے امام اس کے بعد تمام مقتدی وجد میں آگئے۔جب مسجد سے ''ہاؤ، ہو'' کی آواز اٹھی تو اہل محلہ جمع ہوگئے اور مسجد میں قدم رکھتے ہی ان پر بھی وجد کی کیفیت طاری ہوگئی۔غرضیکہ جو کوئی بھی مسجد میں قدم رکھتا مدہوش ہوجاتا اور زمین پر ماہی بے آب کی طرح

---

[1] (برکاتِ احمدیہ، زبدۃ المقامات، ص،۱۸، المکتبۃ ایشق بشارع دار الشفقۃ، استانبول، ترکیہ) (زبدۃ المقامات ص،۴۵)

[2] (برکاتِ احمدیہ، زبدۃ المقامات، ص،۳۳۲، المکتبۃ ایشق بشارع دار الشفقۃ، استانبول، ترکیہ) (زبدۃ المقامات، ص،۴۵۹، ۴۶۰، حضرات القدس، ج،۲، ص،۳۲۵)

[3] (خزینۃ الاصفیاء، ص،۲۱۰)

[4] (خزینۃ الاصفیاء، ص،۲۵۸)

تڑپتا۔ یہ فیضان محبت الٰہی کا کرشمہ تھا جو وہاں بارش کی طرح برس رہی تھی۔[1]

علامہ فیض احمد فیض لکھتے ہیں:

۲۱۔۱۹۲۰ء کا ذکر ہے ایک روز عصر کے بعد مسجد سے مہمان رخصت ہو رہے تھے کہ کسی نے موت کا ذکر کیا۔آپ پر کیفیت طاری ہوگئی۔ایک لمبی ٹھنڈی سانس لی اور حسرت بھرے لہجے میں فرمایا۔ابھی یہ نعمت کہاں۔ع

شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

قصبہ گولڑہ میں ایک رات شادی کے موقع پر لڑکیوں نے پنجابی زبان میں گیت گاتے ہوئے۔

یہ شعر پڑھا ؎

اچی ڈھکی گھر سامنے ڈاڈھیاں نال پریت نال توڑی، ناں توڑساں، ناں توڑن دی نیت

گرمیوں کا موسم تھا۔آپ بالاخانہ کی چھت پر شغل وذکر الٰہی میں محو تھے کہ یہ شعر سن کر وجد ہوگیا۔شادی والے گھر میں خبر پہنچی تو لڑکیاں رات گئے تک اسی شعر کا تکرار کرتی رہیں۔جب آپ نے دعا دے کر منع فرما بھیجا تو انہوں نے گانا بند کیا۔[2]

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان، حنفی، قادری، فاضل بریلوی، قدس سرہ،، لکھتے ہیں:

وجد کو حرام کہنا عجیب بات ہے وہ حالت اضطراری ہے جس پر حکم ہو ہی نہیں سکتا نہ کہ تحریم نہ کہ بالاجماع نہ کہ تحلیل پر خوف کفر، یہ احکام اصلا درجہ صحت نہیں رکھتے۔[3]

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان، حنفی، قادری، فاضل بریلوی، قدس سرہ،، لکھتے ہیں:

رقص میں بھی دو صورتیں ہیں اگر بیخود انہ ہے تو سلطان نگیر دخراج از خراب (اس لئے کہ بادشاہ کسی غیر آباد اور ویران زمین میں کسی سے ٹیکس نہیں لیتا۔) وہ کسی طرح زیر حکم نہیں آسکتا، اور اگر بالاختیار ہے تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں اگر تثنی وتکسر کے ساتھ ہے تو بلا شبہ ناجائز ہے۔تکسر لچکا تثنی توڑا یہ رقص فواحش میں ہوتے ہیں اور ان سے تشبہ حرام۔

اور اگر ان سے خالی ہے تو اہل بیعت کو مجلس عالم ومحضر عوام میں اس سے احتراز ہی چاہئے، کہ ان کی نگاہوں میں ہلکا ہونے کا باعث ہے۔اور اگر جلسہ خاص صالحین وسالکین کا ہو تو داخل تواجد ہے۔تواجد یعنی اہل وجد کی صورت بننا، اگر معاذ اللہ بطور ریا ہے تو اس کی حرمت میں شبہ نہیں کہ ریا کے لئے تو نماز بھی حرام ہے۔اور اگر نیت صالحہ ہے تو ہر گز کوئی وجہ ممانعت نہیں، یہاں نیت صالحہ دو ہو سکتی ہے ایک عام یعنی تشبہ بصلحائے کرام:

ان لم تکونوا مثلھم فتشبھوا ان التشبہ بالکرام فلاح

اگر تم ان کی مثل نہیں ہو تو پھر ان سے مشابہت اختیار کرو کیونکہ شرفاء اور معزز لوگوں سے تشبہ کامیابی کا ذریعہ ہے۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں :

من تشبہ بقوم فھو منھم۔

---

[1] (خزینۃ الاصفیاء، ص، ۲۷۴)

[2] (مہر منیر، ص ۱۵۹:)

[3] (فتاویٰ رضویہ، ج، ۲۲، ص، ۵۵۱، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

ترجمہ: جوکسی قوم سے تشبہ کرے گا وہ انھیں میں سے ہے۔[1]

دوسری حدیث میں ہے :

ان لم تبکوا فتباکوا۔

ترجمہ: رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بناؤ۔[2]

دوسری نیت طالبان راہ کے لئے وجد کی صورت بنائے کہ حقیقت حاصل ہو جائے نیت صادقہ کے ساتھ بتکلف بننا بھی رفتہ رفتہ حصول حقیقت کی طرف منجر ہو جاتا ہے۔[3]

دیوبندیوں کے مولانا اشرف علی تھانوی، لکھتے ہیں:

حکایت: ۱۶۶ فرمایا کہ ہمارے حضرت حاجی صاحب امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھ کو چار مسئلوں میں شرح صدر ہے ایک مسئلہ قدر دوسرا روح، تیسرا مشاجرات صحابہ، چوتھا وحدت الوجود اور جب ان چاروں مسئلوں پر حضرت تقریر فرماتے تو سامعین پر ایک اطمینان اور وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔[4]

فقراء کا انکار نہیں کرنا چاہیے

فرمایا: سلسلہ کے فقرا کی ایک جماعت رقص وسرود کر رہی تھی کہ اہل تماشا میں سے ایک کو خیال آیا: ان بدعتیوں میں بھی کوئی صاحب کمال ہوتا ہوگا۔ ان فقراء میں سے ایک نزدیک آیا اور کہا:

خاکساران جہاں را بہ حقارت منگر　　تو چہ دانی کہ درین گرد سواری باشد

یعنی تو جہان کے مسکینوں کو حقارت سے مت دیکھ، تجھے کیا خبر کہ اس گرد (غبار) میں کوئی سوار ہو؟[5]

تواجد کا جواز

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : جوکسی قوم سے مشابہت کرے گا وہ انھیں میں سے ہے۔[6]

عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :ابْكُوا، فَإِنْ لَمْ تَبْكُوا فَتَبَاكَوْا

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: روؤ، اگر رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بناؤ۔[7]

---

[1] (سنن ابی داؤد، کتاب اللباس باب فی لبس الشہرۃ، آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۲۰۳)

[2] (سنن ابن ماجہ، ابواب اقامۃ الصلوٰت باب فی حسن الصوت بالقرآن، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ص ۹۶)

[3] (فتاویٰ رضویہ، ج ۲۲، ص ۵۵۲، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

[4] (ارواح ثلاثہ یعنی حکایت اولیاء، ص ۱۴۹)

[5] (خانقاہ مظہریہ نقشبندیہ، ص ۲۰۲: / ۲۰۳)

[6] (سنن ابی داؤد، کتاب اللباس باب فی لیس الشہرۃ، رقم ۴۰۳۱: ؛ مسند البزار، رقم ۲۹۶۶ : ؛ سنن سعید بن منصور، رقم ۲۳۷۰: ؛ مسند احمد، رقم ۵۱۱۴:)

[7] (سنن ابن ماجہ، ابواب اقامۃ الصلوٰت باب فی حسن الصوت بالقرآن، رقم ۱۳۳۷: ، ۴۱۹۶، الزہد لابی داؤد، رقم ۳۶: ؛ مسند البزار، رقم ۱۲۳۵: ؛ حلیۃ الاولیاء، ج ۱، ص ۲۶۱، ج ۳، ص ۱۰۳، ج ۸، ص ۱۵۸، شعب الایمان، رقم ۱۸۹۱: ، ۱۹۶۰، مسند ابی یعلی الموصلی، رقم ۶۸۹: ، السنن الکبریٰ للبیہقی، رقم ۲۱۰۵۸:)

حضرت داتا گنج بخش، ابوالحسن علی بن عثمان جلابی ہجویری، قدس سرہ، متوفی ۴۶۵ھ، لکھتے ہیں:

و این خبر ناطقست بر اباحت تواجد و ازان بود که آن پیر گفت رضی اللہ عنہ هزار فرسنگ بدوغ بروم تا یک قدم ازان صدق باشد۔

ترجمہ: اور یہ حدیث تواجد کے مباح ہونے پر گواہ ہے۔ اسی بناء پر کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ ہزار میل جھوٹ کے ساتھ چلو تو ایک قدم صداقت کا آتا ہے۔[1]

سیدی عارف باللہ علامہ عبدالغنی نابلسی نقشبندی، حنفی، متوفی ۱۱۴۳، قدس سرہ القدسی لکھتے ہیں:

لاشک ان التواجد وهو تکلف الوجد و اظهاره من غیر ان یکون له وجد حقیقة فیه تشبه باهل الوجد الحقیقی وهو جائز بل مطلوب شرعا قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم۔ رواه الطبرانی فی الاوسط عن حذیفة بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنه۔ وانما کان المتشبه بالقوم منهم لان تشبهه بهم یدل علی حبه ایاهم ورضاه باحوالهم وافعالهم۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تواجد بناوٹ اور تکلف سے وجد لانا اور اس کا اظہار کرنا ہے بغیر اس کے کہ اسے حقیقی طور پر حالت وجد ہو، پس اس میں جو حقیقی اہل وجد ہیں ان سے تشبہ ہے۔ اور یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ شرعاً مطلوب ہے (کیا تمھیں معلوم نہیں کہ) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے۔ امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے اس کو روایت کیا ہے۔ کسی قوم سے مشابہت اختیار کرنے والا کیوں اسی قوم میں شمار کیا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی شخص کا کسی قوم سے مشابہت اختیار کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس شخص کی ان لوگوں سے دلی محبت ہے اور یہ ان کے حالات و افعال (اور روش) پر راضی ہے۔[2]

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا رَضِيَ هَدْيَ الرَّجُلِ وَعَمَلَهُ فَهُوَ مِثْلُهُ۔

ترجمہ: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی مرد کسی شخص کی سیرت اور اس کے عمل سے خوش اور راضی ہو تو وہ ایسے ہے جیسے اس نے بھی وہی عمل کیا۔[3]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ محمد عبدالرءوف مناوی، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۱۰۳۱ھ، لکھتے ہیں:

أَي سيرته وطريقته ونعته وَذكر الرجل وصف طردي (وَعَمله) أَي وَرَضي عمله (فَهُوَ مثله) فَإِن كَانَ مَحْمُودًا فَهُوَ مَحْمُودًا ومذموماً فمذموم وَالْقَصْد الْحَث على تجنب أهل الْمعاصِي وَنَحْوهم والاقتداء بالصلحاء فِي أفعالهم وأقوالهم۔

یعنی اس شخص کی سیرت اور اس کے طریقہ اور اس کی منقبت اور اس کے ذکر اور اس کے عمل سے راضی ہے، تو وہ ایسے ہے جیسے اس نے بھی وہی عمل کیا، پس اگر وہ عمل محمود (اچھا) ہے تو وہ بھی محمود ہے اور اگر وہ عمل مذموم (برا) ہے تو وہ بھی مذموم ہے، اور گناہ گار قسم کے لوگوں سے کنارہ کشی

---

[1] (کشف المحجوب، ص ۵۴۱، کتب خانہ ملی، ایران)

[2] (الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیہ، الصنف التاسع، فی آفات البدن المختلفۃ، ج ۵، ص ۱۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، والمکتبہ نوریہ رضویہ، ۲/ ۵۲۵)

[3] (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم ۹۲۲: ، السنۃ لابن ابی عاصم، ج ۱، ص ۱۱، رقم ۱۱: ، الابانۃ الکبری، لابن بطۃ، رقم ۳۷۰: ، مجمع الزواءد، رقم ۱۳۱۱۹: ، کنز العمال، رقم ۳۰۳۷۵: ، الجامع الصغیر، رقم ۳۳۶۸: ،)

اختیار کرنے پر اور نیک لوگوں کے افعال اور اقوال کی اقتداء پر ترغیب مقصد ہے۔[1]

وَعَنْ أَبِي قِرْصَافَةَ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ -صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- :"مَنْ أَحَبَّ قَوْمًا حَشَرَهُ اللهُ فِي زُمْرَتِهِمْ۔

ترجمہ: حضرت ابو قرصافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :جو شخص کسی قوم سے محبت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں کے زمرے میں اس کا حشر فرمائے گا۔[2]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ محمد عبد الرءُوف مناوی، شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۱۰۳۱ھ، لکھتے ہیں:

فَمن أحب أَوْلِيَاء الرَّحْمَن فَهُوَ مَعَهم فِي الْجنان وَمن أحب حزب الشَّيْطَان فَهُوَ مَعَهم فِي النيرَان وَفِيه بِشَارَة عَظِيمَة لمن أحب الصُّوفِيَّة أَوْ تشبه بهم وانه يكون مَعَ تفريطه بِالْقيامِ بِمَا هم عَلَيْهِ مَعَهم فِي الْجنَّة وَمن تشبه بهم انما فعل ذَلِك لمحبته اياهم۔

پس جو شخص رحمٰن عزوجل کے اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے محبت رکھتا ہے وہ جنت میں ان کے ساتھ ہوگا، اور جو شیطان کی جماعت سے محبت رکھتا ہے تو وہ ان کے ساتھ دوزخ میں ہوگا، اس میں عظیم اشارہ ہے اس شخص کے لیے جو صوفیاء کرام سے محبت رکھتا ہے یا ان کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ اپنے قیام میں تفریط (کمی) کے باوجود ان کے ساتھ جنت میں ہوگا۔ اور جو شخص ان کی مشابہت کرتا ہے تو دراصل ان کی محبت کی وجہ سے کرتا ہے۔ (التیسیر بشرح الجامع الصغیر، الجزء الثانی، ص، ۳۸۷، ۳۸۸، مکتبۃ الامام الشافعی، الریاض)

خاتم الفقہاء والمحدثین، شیخ الاسلام، احمد بن محمد بن علی بن حجر ہیتمی مکی شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،، وغیرہ، لکھتے ہیں:

(وَسُئِلَ) نفع الله بِهِ عَن رقص الصُّوفِيَّة عِنْد تواجدهم هَل لَهُ أصل؟

(فَأَجَاب) بقوله نعم لَهُ أصل فقد روى فِي الحَدِيث أَن جَعْفَر بن أبي طَالب رَضِي الله عَنهُ رقص بَين يَدي النَّبِي - صلى الله عليه وسلم - لما قَالَ لَهُ أشبهت خَلقي وخُلقي وَذَلِك من لَذَّة هَذَا الْخطاب وَلم يُنكر عَلَيْهِ - صلى الله عليه وسلم - وَقد صَحَّ الْقيام والرقص فِي مجَالِس الذّكر وَالسَّمَاع عَن جمَاعَة من كبار الْأَئِمَّة مِنْهُم عز الدّين شيخ الْإِسْلَام ابْن عبد السَّلَام۔

(سوال کیا گیا) اللہ تعالیٰ اس کے سبب نفع عطا فرمائے، کہ تواجد کے وقت صوفیہ کے رقص کے متعلق کہ کیا اس کے لیے اصل ہے؟

(تو جواب دیا): ہاں اس کے لیے اصل ہے، تحقیق حدیث شریف میں روایت کیا گیا ہے کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے رقص کیا۔ جب آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم سیرت اور صورت میں میرے مشابہ ہو۔ پس اس خطاب کی لذت سے انھوں نے رقص کیا اور نبی کریم ﷺ نے ان پر کوئی انکار ظاہر نہیں فرمایا۔ پس یہ حدیث تقریری صوفیہ کرام کے رقص اور وجد پر دلیل ہے کیونکہ حقیقی صوفیہ کرام پر یہ حالت مواجید کی لذت سے طاری ہوتی ہے اسی طرح مجالس ذکر اور محافل سماع میں قیام اور رقص بھی جائز ہے اور آئمہ کبار کی ایک جماعت سے ثابت ہے جن میں شیخ الاسلام عزالدین عبد السلام بھی شامل ہیں۔

(الفتاوی الحدیثیۃ، باب فی التصوف، ص، ۳۹۱، ۳۹۲، قدیمی کتب خانہ، کراچی، فتاوی الخلیلی علی المذھب الشافعی، ج، ۲، ص، ۲۵۵)

عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی حنفی نقشبندی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،، لکھتے ہیں:

ذكر اليافعي عن بعضهم قال :رايت الشبلي قائما يتواجد وقد خرق ثوبه وهو يقول :

---

[1] (التیسیر بشرح الجامع الصغیر، الجزء الاول، ص، ۲۸۵، مکتبۃ الامام الشافعی، الریاض)

[2] (مجمع الزوائد، رقم ۱۸۰۳۱:، المعجم الکبیر للطبرانی، رقم ۲۵۱۹:، کنز العمال، رقم ۲۴۶۷۸ :، الجامع الصغیر، رقم ۱۲۱۲۲ :،)

حضرت علامہ یافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ المشائخ حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ کھڑے ہو کر تواجد کر رہے ہیں۔اور اپنے کپڑوں کو پھاڑ دیا اور یہ شعر پڑھتے ہیں:

شققت ثوبی علیک حقا		مالثوبی اردت خرقا	
اردت قلبی فصادفته		یدای بالجیب اذیرقا	
لو کان قلبی مکان جیبی		کان للشق مستحقا	

ترجمہ: میں اپنے کپڑوں کو آپ کے عشق میں پھاڑ دیا اور میرا کپڑوں کو پھاڑنے کا ارادہ نہیں تھا۔
میرا تو دل پھاڑنے کا ارادہ تھا لیکن دل کے بجائے میرے ہاتھ نے کپڑوں اور گریبان سے ٹکر کھائی اگر میرے گریبان کی جگہ میرا دل ہوتا تو یقینا پھاڑنے کے لئے دل ہی مستحق تھا۔[1]

عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی حنفی نقشبندی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

اما التواجد و تکلف الوجد علی الوجه الصحیح لاجل التشبه بالصالحین و لغیر ذٰلک من المقاصد الحسنة فقد اشار الیه العلامة الشیخ القشیری فی اوائل رسالته المشهورة حیث قال التواجد استدعاء الوجد بضرب اختیار و لیس لصاحبه کمال الوجد اذ لو کان لکان واجدا و باب التفاعل اکثره علی اظهار الصفة و لیست کذلک۔

رہا یہ کہ وجہ صحیح کے مطابق تواجد اور نمائشی وجد برائے مشابہت صلحاء و برائے دیگر مقاصد نیک تو یہ ٹھیک اور درست ہے جیسا کہ علامہ شیخ قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالہ مشہورہ کی ابتداء میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا تواجد کسی نوع کے اختیار سے اپنے آپ پر حالت وجد طاری کرنے کا نام ہے جبکہ صاحب وجد میں کمال وجد نہ ہو (یعنی کماحقہ وجد نہ ہو) اس لئے کہ اگر اس میں حقیقی وجد ہوتا تو وہ واجد (وجد کرنے والا) کہلاتا کیونکہ تواجد باب تفاعل ہے اور یہ زیادہ تر حقیقت کی بنا پر نہیں، بلکہ بناوٹی و نمائشی اظہار صفت کے لئے آتا ہے۔اور اس طرح نہیں ہے۔[2]

عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی حنفی نقشبندی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فقوم قالوا التواجد غیر مسلم لصاحبه لما یتضمن من التکلف و یبعد عن الحقیقة و قوم قالوا انه مسلم للفقراء المجردین الذین ترصدوا الوجد ان هذه المعانی و اصلهم خبر الرسول صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ابکوا فان لم تبکوا فتباکوا۔

ترجمہ: اسی لئے بعض علم والے کہتے ہیں کہ تواجد صاحب تواجد کی طرف سے مسلّم یعنی تسلیم شدہ اور ٹھیک نہیں، کیوں؟ اس لئے کہ یہ تکلف پر مبنی ہوتا ہے اور حقیقت سے بعید ہوتا ہے جبکہ کچھ لوگوں نے فرمایا کہ ان فقراء کے لئے درست ہے جو مجرّد ہوں اور ان معانی کے پالینے کے منتظر اور خواہاں ہوں جو مطلوب و مقصود ہیں اور ان کی دلیل حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ لوگو! رویا کرو اور اگر رونا نہ آئے تو کم از کم رونی صورت ہی بنالیا کرو۔[3]

---

[1] (الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، الصنف التاسع فی عامۃ آفات البدن المختلفۃ، ج۵، ص۱۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)
[2] (الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، الصنف التاسع فی عامۃ آفات البدن المختلفۃ، ج۵، ص۱۳۸، ۱۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)
[3] (الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، الصنف التاسع فی عامۃ آفات البدن المختلفۃ، ج۵، ص۱۳۸، ۱۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

شیخ ابو المحاسن رکن الاسلام محمد بن ابو بکر، حنفی، مفتی، المعروف، امام زادہ سمرقندی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اور عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی حنفی نقشبندی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

و من السنة ان يقرأ القرأن بحزن و وجد فان القرأن نزل بحزن فان لم يكن له حزن فليتحازن۔

ترجمہ: سنت یہ ہے کہ غم اور وجد کے ساتھ (جھوم کر) قرآن مجید کی تلاوت کی جائے کیونکہ قرآن مجید غم کے ساتھ نازل ہوا ہے اور اگر کسی میں غم کا تاثر نہ ہو تو غمگین صورت بنالیا کرے۔ (شرعۃ الاسلام، فصل فی سنن القراءۃ، ص، ۶۰، ۶۱، دار البشاءر اؤ اسلامیۃ، بیروت، الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، الصنف التاسع فی عامۃ آفات البدن المختلفۃ، ج، ۵، ص، ۱۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی طوسی، شافعی، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

و اعلم أيضاً أن الوجد ينقسم إلى هاجم و إلى متكلف و يسمى التواجد و هذا التواجد المتكلف فمنه مذموم و هو الذي يقصد به الرياء و إظهار الأحوال الشريفة مع الإفلاس منها و منه ما هو محمود و هو التوصل إلى استدعاء الأحوال الشريفة و اكتسابها و اجتلابها بالحيلة فإن للكسب مدخلاً في جلب الأحوال الشريفة و لذلك أَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ من لم يحضره البكاء في قراءة القرآن أن يتباكى و يتحازن فإن هذه الأحوال قد تتكلف مباديها ثم تتحقق آواخرها

و كيف لا يكون التكلف سبباً في أن يصير المتكلف في الآخرة طبعاً و كل من يتعلم القرآن أو لا يحفظه تكلفاً و يقرؤه تكلفاً مع تمام التأمل و إحضار الذهن ثم يصير ذلك ديدناً للسان مطرداً حتى يجري به لسانه في الصلاة و غيرها و هو غافل فيقرأ تمام السورة و تثوب نفسه إليه بعد انتهائه إلى آخرها و يعلم أنه قرأها في حال غفلته و كذلك الكاتب يكتب في الابتداء بجهد شديد ثم تتمرن على الكتابة بيده فيصير الكتب له طبعاً فيكتب أوراقاً كثيرة و هو مستغرق القلب بفكر آخر فجميع ما تحتمله النفس و الجوارح من الصفات لا سبيل إلى اكتسابه إلا بالتكلف و التصنع أو لاً ثم يصير بالعادة طبعاً و هو المراد بقول بعضهم العادة طبيعة خامسة

فكذلك الأحوال الشريفة لا ينبغي أن يقع اليأس منها عند فقدها بل ينبغي أن يتكلف اجتلابها بالسماع و غيره فلقد شوهد في العادات من اشتهى أن يعشق شخصاً و لم يكن يعشقه فلم يزل يردد ذكره على نفسه و يديم النظر إليه و يقرر على نفسه الأوصاف المحبوبة و الأخلاق المحمودة فيه حتى عشقه و رسخ ذلك في قلبه رسوخاً خرج عن حد اختياره فاشتهى بعد ذلك الخلاص منه فلم يتخلص فكذلك حب الله تعالى و الشوق إلى لقائه و الخوف من سخطه و غير ذلك من الأحوال الشريفة إذا فقدها الإنسان فينبغي أن يتكلف اجتلابها بمجالسة الموصوفين بها و مشاهدة أحوالهم و تحسين صفاتهم في النفس و بالجلوس معهم في السماع و بالدعاء و التضرع إلى الله تعالى في أن يرزقه تلك الحالة بأن ييسر له أسبابها و من أسبابها السماع و مجالسة الصالحين و الخائفين و المحسنين و المشتاقين و الخاشعين فمن جالس شخصاً سرت إليه صفاته من حيث لا يدري و يدل على إمكان تحصيل الحب و غيره من الأحوال بالأسباب قول رسول الله صلى الله عليه و سلم في دعائه اللهم ارزقني حبك و حب من أحبك و حب من يقربني إلى حبك۔

اب معلوم کرنا چاہئے کہ وجد کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) خود بخود دل پر ہجوم کرے۔ (۲) بتکلف وجد کیا جائے اس دوسری صورت کو تواجد یعنی حال لینا کہتے ہیں۔

تواجد کی بحث:

تواجد میں اگر مقصود ریاء ہو یا احوال شریفہ کا اپنے آپ میں ظاہر کرنا مقصد ہو حالانکہ واقع میں ان سے خالی ہے تو برا ہے۔ اگر اس لئے ہے کہ احوال شریفہ کا اس کے اندر حاصل ہوں اور ان کو کسب میں لایا جائے اسے وہ تدبیر سے کھینچ لانا چاہتا ہے۔ تو اچھا ہے اس نظریہ سے کہ آخر کسب کو احوال شریفہ کے کھینچ لانے میں دخل ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت قرآن مجید میں فرمایا کہ جسے رونا نہ آئے تو وہ رونی شکل بنائے اور بتکلف اظہار غم کرے کیونکہ یہ احوال اگر چہ ابتداء میں بتکلف کئے جاتے ہیں مگر انجام میں ثابت اور متحقق ہو جاتے ہیں اور اس کا انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ جو شخص قرآن مجید سیکھتا ہے پہلے بڑے بتکلف سے یاد کرتا ہے اور تکلف کے ساتھ خوب سوچ سوچ کر ذہن پر زور دے کر پڑھتا ہے مگر خوب یاد ہو جانے کے بعد زبان پر ایسا چڑھ جاتا ہے کہ نماز وغیرہ میں غفلت کی حالت میں پڑھتا ہے اسی طرح کاتب پہلے لکھنے میں بڑی محنت کرتا ہے پھر جب مشق ہو جاتی ہے تو لکھنا طبعی ہو جاتا ہے حتی کہ ورق لکھتا اور نقل کرتا چلا جاتا ہے اگر چہ دل دوسری فکر میں ڈوبا رہتا ہے۔

خلاصہ: جب صفات کو نفس اور اعضاء قبول کرتے ہیں تو انکے اکتساب کی صورت اول میں یہی ہوتا ہے کہ تکلف اور بناوٹ کرنا پڑتی ہے اور آخر کو عادت سے عادت ہو جاتی ہیں اور یہی مراد ہے اس قول سے کہ عادت طبع پنجم ہے پس اگر احوال شریفہ کسی کے اندر مفقود ہوں تو ان سے ناامیدی نہ کرنی چاہیئے بلکہ چاہیئے کہ انہیں بتکلف راگ (سماع) سے یا اور کسی تدبیر سے حاصل کرے کیونکہ عام طور پر میں ایسا دیکھا گیا ہے کہ جس نے کسی دوسرے پر عاشق ہونا چاہا حالانکہ پہلے سے عاشق نہیں تھا تو اس نے یہ تدبیر کی کہ اپنے نفس کے سامنے اس کا ذکر ہمیشہ کرنا اور جو اس میں عمدہ باتیں اور اخلاق حمیدہ تھے ان کا بیان کرنا اور علی الدوام اس کی طرف دیکھنا شروع کیا یہاں تک کہ اس پر عاشق ہو گیا اور عشق اس کے دل میں ایسا جم گیا کہ اس کی حد اختیار سے باہر نکل گیا۔ پھر اس نے اس کے بعد اس سے چھوٹنا چاہا تو نہ چھوٹ سکا۔ تو اسی طرح اللہ کی محبت اور اس کے دیدار کا شوق اور اس کی ناراضگی کا خوف اور دوسرے احوال شریفہ اگر انسان میں نہ ہوں تو چاہیئے کہ ان کے حصول کی تدبیر کرے اس طرح کہ جو لوگ ان حالات سے موصوف ہوں ان کے پاس بیٹھ کر ان کے احوال دیکھا کرے اور ان کی صفات کو دل میں اچھا تصور کرے اور راگ (سماع) سننے میں ان کا شریک ہو کر اللہ تعالیٰ کی جناب میں دعاء وعاجزی کرے کہ وہ حالت مجھے بھی مرحمت فرما اور اس کے سامان میرے لئے مہیا فرما۔

فائدہ: ان احوال کے سامانوں (اسباب) میں سے ایک یہ بھی ہے کہ راگ (سماع) سننے اور نیک بخت بندوں اور خوف خدا رکھنے والوں اور محبان اور مشتاقان کبریا اور خاشعین اللہ کے پاس بیٹھے اس لئے کہ جو کسی کے پاس بیٹھتا ہے اس کی عادات وصفات اس کے اندر بھی سرایت کر جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ اسے خبر بھی نہیں ہوتی۔

استدلال: محبت و دیگر احوال کے حصول پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا دلیل ہے۔

آپ نے دعا میں فرمایا: الٰہی مجھے عطا کر اپنی محبت اور اس کی محبت جو تجھ سے محبت کرے اور اس کی محبت جو مجھے تیری محبت کے قریب کر دے۔[1]

حضرت مؤید الدین بیرنگ خواجہ محمد باقی باللہ، کابلی، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ،، لکھتے ہیں:

وطریق مشغول ساختن این بود کہ اول استخارہ اش می فرمودند بعد ازاں در خلوتشدمے طلبیدند و شغلے از اشغالی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کہ در رسائل اکابر این سلسلہ مبین است می فرمودند نسبت بہ بعضے بعضے کیفیات از پیش خود براں مشغولی ہا زائد میکردند چنانچہ در رسالہ کہ در بیان طرق نوشتہ اند یزاد فرمودہ اند توجہے ورباب وے میکروند و ہمتے مصروف میداشتند اکثر طالبان در صحبت اول بیخود شدہ برجائے خود مے افتادند و در آنہا اثرے از حرکت شعور نمی بود

---

[1] (احیاء العلوم، کتاب آدب السماع والوجد، الباب الثانی المقام الثانی، ج، ۲، ص، ۴۱۷، ۴۱۸، المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہرہ) (ص ۵۲۳، احیاء العلوم)

تاہر گاہ کہ صلاح حال آں ایں رسالہ را جامع در رقعات شریفہ نوشتہ است۔ رقعہ ۶۲ را وا باید دید می دیدند راں بے کو دمی میگزاشتند و این حالت بر بعضے بانبوعی میگزشت کہ حاضران آنہا اموات خیال می کردند۔ باز برعکس آں تصرف می کردند بہوش می آمد وقول الشیخ یحیی و یمیت بوضوع، می پیوست بعد از طریان این حالت بیخودی و بے شعوری اکثر از اخلاق ذمیمہ او مہذب نمی شود شکستے در کارخانہ وجود او پیدا مے آمد چنانچہ مردم از چہرہ وایے بمعانی محصولہ او می بروند ابتدا بتغیر ادضاع و سے امر نمی فرمودند بعد از چشتیدن لذت بیخودی او خود بوادی موفقت بادضاع مرضیہ حضرت ایشاں می آمد ہم چنیں بہر کہ مرحمت بیشتر می واشتند یا غلطی در استعدادش میبو و بکرات تصرف برومی کردند و بحالت بیخودیش می بروند وآں قدر قدرت بود کہ اگر کسی را میخواستند در یک روز بسر حد، فنا دفنائے فنا کہ مقارن رتبہ ولایت است میرسانید ونسبت بدو سہ کس این معنی دریافتہ شدہ ہر کسے را طریقے خاص پیش مے آمد بعضے را کشف و بعضے را ترقیات در مقام قرب و بعضے را تلون احوال و باز کشف ہم انواع بود کشف حقائق اشیاء و کشف توحید و کشف قبور چنانچہ ایں خط حضرت ایشان کہ درین باب بفرزند و برادر میاں شیخ احمد سرہندی مروم شدہ موئد آنست۔

ترجمہ: طریقت میں مشغول کرنے کا طریقہ اس طرح تھا۔ کہ پہلے استخارہ فرماتے۔ پھر اس کو خلوت میں بلاتے اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے شغلوں میں سے جیسے کہ اس سلسلہ کے بزرگوں کے رسالوں میں لکھے ہیں۔ کوئی شغل فرماتے۔ اور بعض کی نسبت ان شغلوں کے علاوہ بعض کیفیتیں اپنی طرف سے زیادہ بتلاتے۔ جن کو حضور نے اپنے رسالہ میں جو طریقوں کے بیان میں لکھا ہے۔ تحریر فرمایا ہے اور اس کے بارہ میں توجہ فرماتے اور ہمت صرف کرتے۔ اکثر طالب پہلی ہی صحبت میں بیخود ہو کر اپنی جگہ پر گر پڑتے۔ اور ان میں حرکت وشعور کا کوئی اثر باقی نہ رہتا۔ بعد اتنی دیر تک کہ جس میں اس کے حال کی بہتری دیکھتے۔ اسی بیخودی میں رہنے دیتے۔ یہ حالت بعض پر اس طرح گزرتی کہ حاضرین ان کو مردہ خیال کرتے۔ پھر جب اس کے برعکس تصرف کرتے تو ہوش میں آجاتے۔ گویا الشیخ یحییٰ ویمیت (شیخ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے) کا مفہوم ظاہر ہوتا تھا۔ اس حالت میں بیخودی اور بے شعوری کے طاری ہونے کے بعد طالب کے بہت سے برے اخلاق درست ہو جاتے۔ اور اس کے وجود کا کارخانہ زیر وزبر ہو جاتا۔ چنانچہ لوگوں کو اس کے چہرہ ہی سے ان حاصل ہوئی باتوں کا پتہ لگ جاتا۔ اور پہلے ہی اس کو اپنی وضع کے تغیر وتبدل کرنے کا حکم نہ کرتے۔ بلکہ بیخودی کی لذت چکھنے کے بعد وہ خود ہی حضور کی پسندیدہ وضع کے موافق اپنی حالت بدل لیتا۔ اسی طرح جس پر زیادہ مہربانی اور شفقت فرمانی ہوتی تھی یا اس کی استعداد ناقص ہوتی۔ تو کئی بار اس پر تصرف فرماتے۔ اور بیخودی کی حالت اس پر طاری کرتے۔ اور اس قدر قدرت رکھتے تھے کہ اگر کسی کو چاہتے تو ایک ہی دن میں فناء اور فناء فنا تک جو رتبہ ولایت کے قریب ہے۔ پہنچا دیتے تھے۔ دو تین آدمیوں کی نسبت ایسا واقعہ معلوم ہو چکا ہے اور ہر ایک کو خاص خاص طریق حاصل ہو جاتا۔ بعض کو کشف اور بعض کو مقام قرب میں ترقیاں حاصل ہوتیں۔ اور بعض کا حال بدل جاتا۔ پھر کشف کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ کشف حقائق اشیاء کشف توحید اور کشف قبور۔ چنانچہ حضور کا یہ مبارک نامہ جو برادر میاں شیخ احمد سرہندی اور ان کے فرزند ارجمند کی طرف اس بارہ میں لکھا گیا ہے۔ اسی امر کی تائید میں ہے۔[1]

پیر سید زوار حسین شاہ لکھتے ہیں:

فرمایا جذبہ ایک ایسی چیز ہے کہ ایک شخص اونچی کھجور پر چڑھا کسی آواز سے اسکو جذبہ ہوا نیچے گر پڑا مگر صحیح سلامت رہا دوسرا بغیر جذبہ کا شخص گرا وہ مر گیا۔ جذبہ والے کوٹھوں پر سے گر کر سلامت رہے مگر ناواقف کیا جانے۔ ابتدائی زمانے میں آپ کے حلقہ میں سخت جذبہ ہوا کرتا تھا لوگ اسی وجہ سے آپ کو جذبہ والا پیر کہا کرتے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ جس پر ان کی نظر پڑ جائے اس پر جن چڑھا دیتے ہیں بعض اہل جذبہ غلبۂ حال کی

---

[1] (کلیات باقی باللہ، یعنی مجموعۂ کلام ورسائل وملفوظات ومکتوبات، ص، ۵۹، ۶۰، ملک دین محمد اینڈ سنز، اشاعت منزل بل روڈ، لاہور) (مکتوبات خواجہ باقی، فصل، دوم)

وجہ سے کوٹھے کے اوپر سے زمین پر گر جاتے تھے مگر کوئی ضرب نہ آتی تھی۔[1]

حضرت مولانا شیخ شاہ احمد سعید مجددی فاروقی، قدس اللہ سرہ،، لکھتے ہیں:

حضرت خواجہ کا طریقہ یہ تھا کہ جسے ذکر کی تعلیم دیتے' اثنائے تعلیم ذکر اس کے حال پر توجہ شامل کئے رکھتے۔ طالبوں میں سے کچھ تو مرغِ بسمل کی طرح خاک پر تڑپتے اور بعض اپنے آپ سے غائب ہو کر حیرت میں چلے جاتے اور بعض کو اسی کیفیت میں عالم مثال یا ارواح یا معانی منکشف ہو جاتا۔ تاہم آپ کی نظرِ تربیت انہی حالت صحو (بیداری و ہوش) میں لے آتی اور الشیخ یحیی و یمیت (پیر جلاتا اور مارتا ہے) کا مصداق ظاہر ہوتا۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے حالات میں بھی لکھا ہے کہ آپ نے حضرت شیخ بدیع الدین سے فرمایا۔ جاوضو کر' دو رکعت ادا کر کے آجا۔'' شیخ کہتے ہیں کہ میں نے ایسے ہی کیا۔ مجھے خلوت میں لے گئے' ذکرِ دل کی تعلیم فرمائی' توجہ دی حتیٰ کہ میں مستی و بے خودی سے زمین پر گر پڑا۔ لوگ مجھے اسی حالت میں اٹھا کر میرے گھر لے گئے۔ ایک دن کے بعد مجھے افاقہ ہوا۔ حضرات القدس میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی کرامت میں لکھا ہے کہ ایک درویش نے بیان کیا جس پر جذب بے تعین کے آثار آزادگی و وارتگی کی علامت ظاہر تھیں کہ میں بنگال سے اکبر آباد آیا ہوا تھا۔ حضرت مجدد قدس سرہ بھی اس شہر میں تشریف فرما تھے۔ ایک دن میں آپ کی خدمت میں پہنچا۔ تعلیم ذکر کی درخواست کی۔ آپ نے قبول فرمائی اور تلقین کی۔ اسی دوران مجھ پر اتنی توجہ اور تصرف فرمایا کہ مجھ پر ایک خاص حالت طاری ہوگئی' میں اسی رات وہاں سے دیوانہ وار باہر آیا۔ دشت و صحرا میں گھومتا رہا' مدتوں کوہ و بیابان میں پھرتا رہا۔ مجھے نیند' آرام و سکون اور کھانے پینے کا بھی ہوش نہ تھا۔ کیا بتاؤں کہ میں نے اس دوران کیا دیکھا اور کن چیزوں تک پہنچا۔

حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند قدس سرہ کے احوال و مقامات میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ نے مولانا محمد سے فرمایا اچھی طرح سے سمجھ لو کہ وقت بہت تھوڑا ہے۔ مولانا محمد' حضرت خواجہ کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت نے ان پر الطاف فرمایا۔ اس وقت خواجہ نے فرمایا: اے مسلمان اس جگہ بھی کیا وقت تھا' کوؤں کا باغ ہے۔'' مولانا محمد رونے لگے کپڑے پھاڑ دیئے اور بہت زیادہ بے قراری و اضطراب کا اظہار کیا۔

ایک روز حضرت خواجہ بزرگ رحمتہ اللہ علیہ نماز پڑھا رہے تھے۔ مقتدیوں میں ہیبت ظاہر ہوئی اور آپ نے ہر نمازی میں اس طرح تصرف کیا کہ وہ نماز ادا نہیں کر سکتے تھے سوائے ایک شخص کے جو آپ کے ساتھ نماز پڑھ سکے۔ خواجہ یوسف کے باغ میں ستر آدمی تھے' ہر ایک پر حالت طاری تھی۔ بعض رو رہے تھے اور بعض زمین پر تڑپ رہے تھے کچھ صحرا کی طرف نکل گئے تھے۔ خواجہ بزرگ کے نواسے خواجہ حسن قدس سرہما کے حالات میں درج ہے کہ جو شخص بھی آپ کی دست بوسی کا شرف حاصل کرتا' گر پڑتا اور وہ غیبت و بے خودی کی دولت سے مالا مال ہوتا۔ سننے میں آیا کہ ایک روز صبح سویرے گھر سے باہر آئے' آپ پر خاص کیفیت طاری تھی۔ جس کی نظر بھی آپ پر پڑتی اس پر بے خودی کی کیفیت طاری ہو جاتی اور وہ بے خود ہو کر گر پڑتا۔ وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ۔[2]

حضرت مولانا شیخ شاہ احمد سعید مجددی فاروقی، قدس اللہ سرہ،، لکھتے ہیں:

حضرت نے فرمایا'' کہ جس چیز سے حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ نے منع فرمایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ وجد و تواجد جو کہ اختیار سے ہو۔ یا سماع و رقص کے ساتھ ہو۔ آپ نے مطلق وجد سے منع نہیں فرمایا اس لئے کہ بے اختیار وجد' اس طریقہ عالیہ کے بہت سے بزرگوں سے ثابت شدہ ہے۔'' ملا عبدالصمد نے کہا: اگر بے اختیار ہو تو ایک آدمی یا دو آدمیوں کو ہوگا۔ نہ یہ کہ سب کا احاطہ کرے۔'' ہمارے حضرت نے فرمایا: بعض کی تاثیر سے

---

[1] (مقامات فضلیہ، ص، ۲۶)

[2] (تحفۂ زواریہ درانفاس سعیدیہ، مکتوب،، ص،، خواجہ پرنٹرز اینڈ پبلشرز، کراچی) (تحفۂ زواریہ، ص، ۹۸)

سب کو وجد ہو جاتا ہے اور ایک دو کی تخصیص نہیں ہے۔آپ نے مقامات کی یہ عبارت نہیں سنی کہ آپ کی یہ عنایت عام طور پر ہوا کرتی تھی۔آپ کے مرشد شاہ آفاق صاحب مرحوم کے پیر بھی اتنی قوی تاثیر رکھتے تھے جو بیان میں نہیں آسکتی۔چنانچہ شاہ جمال اللہ صاحب خلیفہ شاہ قطب الدین صاحب خلیفہ حضرت محمد زبیر صاحب رحمتہ اللہ علیہم کی اتنی تاثیر تھی کہ اگر یہ پرندے پر نظر ڈالتے تھے تو وہ مرغِ نیم بسمل کی طرح اوپر سے نیچے گر جاتا تھا۔ مریدوں اور مخلصوں کے بارے میں کیا کہوں؟ مقصد یہ ہے کہ اس میں زیادہ تر بر سبیل عموم تھا اور سب بے اختیار ہوتا تھا۔'' ملا عبدالصمد نے کہا : ''حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کے طریقے میں نہیں ہے۔'' چھوٹے مخدوم زادہ نے کہا : آپ اپنی رائے کو ہمارے حضرت پر ترجیح دیتے ہو۔ہمارے حضرت صاحب نے حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کے کلام کا معنیٰ بیان فرمادیا ہے اور مقامات کے احوال بھی آپ کو سنوا دیئے ہیں' آپ نے تطبیق بھی بیان کر دی ہے کہ حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ نے اس وجہ سے منع کیا ہے جو خود اختیار سے باہر ہو یا مجلسِ سماع وغیرہ میں نامشروع ہو۔چنانچہ حضرت مجدد کے وقت مشائخ ایسا کرتے تھے۔حاجی صاحب' ہمارے حضرت کے خلیفہ ہیں۔حضرت صاحب قبلہ نے انہیں قبول کیا ہے۔آپ انکار کرنے والے کون ہوتے ہیں؟'' ملا عبدالصمد بولا : ''ہم حاجی صاحب کا انکار نہیں کرتے' وجد و تواجد کا انکار کرتے ہیں۔'' چھوٹے مخدوم زادہ نے کہا : ''آپ نے کیسے جانا کہ حاجی صاحب کے مرید سب بااختیار کرتے ہیں۔آپ نے ان کے وجد و تواجد کو کشف سے جانا' یا ان کے دلوں کو چیر کر جانا یا آپ مسلمانوں سے بدگمانی کرتے ہیں؟'' ملا عبدالصمد نے کہا : ''میں نے جانا جس طرح بھی جانا۔'' چھوٹے مخدوم زادہ نے کہا : ''آپ نے کسی طریقہ سے بھی نہیں جانا' یونہی جھگڑا کرتے ہو حسد سے۔'' ملا عبدالصمد نے کہا : ''نہیں نہیں' میں بحیثیت مسلمان امر بالمعروف کرتا ہوں' کسی سے مخاصمت وجھگڑا نہیں کرتا۔'' چھوٹے مخدوم زادہ نے کہا : ''یہ کون سا امرِ معروف ہے سبحان اللہ' امرِ معروف ایک بارزمی سے کہنا ہوتا ہے کہ یہ بات خلافِ شرع ہے۔ماعلی الرسول الا البلاغ نص قطعی ہے۔جھگڑا کرنا تو امرِ معروف نہیں' باوجود یکہ حضرت صاحب سمجھا رہے ہیں' آپ نہیں سمجھ رہے اور علم بھی نہیں رکھتے۔فارسی عبارت صحیح آتی نہیں۔آپ مکتوباتِ قدسی آیات کو کس طرح سمجھتے ہیں۔مکتوبات اس قسم کی کتاب ہے کہ علما و عرفاء اس کے سمجھنے سے عاجز آجاتے ہیں۔آپ نے مکتوبات کس طرح پڑھے ہیں؟ اور کس شخص نے آپ کو یہ معنی سمجھائے ہیں۔مکتوبات کی سند بیان کیجئے تا کہ حقیقت معلوم ہو۔'' ملا عبدالصمد نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور کہا : خیر میں سمجھتا ہوں۔اس کے بعد چھوٹے مخدوم زادہ نے ملا عبدالصمد کے ساتھیوں ملا مرزا محمد اور فرزند ملا یار محمد سے کہا : آپ بھی سمجھ جائیے کہ ہمارے حضرت صاحب کیا فرماتے ہیں۔'' اس سے پہلے یہ دونوں ملا عبدالصمد کی تائید وموافقت کرتے تھے۔دونوں نے مخدوم زادہ سے کہا۔حضرت کا کلام سچ ہے ہم نے قبول کیا۔مخدوم زادہ نے پھر کہا : اپنے ان صاحب کو بھی سمجھائیے۔ملا عبدالصمد نے پھر مکتوبات لئے اور اس مکتوب کو جو پیرزادوں کے نام ہے پڑھنا شروع کیا' حتیٰ کہ اس جگہ تک پہنچا جہاں مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ نامشروع ہے۔حضرت صاحب قبلہ نے فرمایا : ''اس کا مطلب بیان کیجئے کہ نامشروع امور کون سے ہیں؟'' ملا عبدالصمد نے کچھ نہ کہا۔اور پھر مکتوب پڑھا۔حضرت صاحب نے سختی سے منع فرمایا : مطلب بیان کرو کہ امورِ نامشروعہ کون کون سے ہیں۔مطلب نہیں سمجھتے ہو اور عبارت پڑھتے جاتے ہو۔آخر عقل بھی رکھتے ہو؟'' چھوٹے مخدوم زادہ نے کہا : ''اس سے ہرگز انکار نہ کرو۔اسی سلسلہ سے فیض لینا اور اسی کا انکار کرنا کب جائز ہے؟'' اس کے بعد ملا عبدالصمد تھوڑی دیر خاموش رہے اور رخصت ہو گئے۔حضرت صاحب نے فرمایا : ''ہمارا مقصد یہ تھا کہ باہم جھگڑا نہ کریں اور باہم دوست رہیں۔''[1]

حضرت مولانا شیخ شاہ احمد سعید مجددی فاروقی، قدس اللہ سرہ،، لکھتے ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض اولیاء رحمتہ اللہ علیہم کے دلوں پر وارد ہوتا تھا جو بی تابیوں' اضطراب اور ولولہ ونعرہ کا باعث ہوا۔حضرت شبلی رحمتہ

---

[1] (تحفۂ زواریہ درانفاس سعیدیہ، مکتوب،، ص،، خواجہ پرنٹرز اینڈ پبلشرز، کراچی) (تحفۂ زواریہ، ص، ۱۰۸)

اللہ علیہ کے نعرے احوال صوفیہ کے عجائب میں بیان کئے جاتے ہیں۔حضرت خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ کی صحبت میں میر نعمان، مرزا مراد بیگ اور رحم اشرف یہ دونوں اسی طریقہ سے استفادہ کرتے تھے۔نعرے آہ اور بہت تابیاں حاصل ہوتی تھیں۔حضرت میر ابو دل نقشبندی کے خاندان (سلسلہ) میں آہ و نالہ بہت ہے اگر مولانا خالد کے ساتھیوں میں یہ معاملہ ظاہر ہو تو یہ مولانا خالد کا ہنر و خوبی ہے نہ کہ ناواقفوں کے لئے جائے طعن۔ہمارے پیغمبر سے یہ فیوض رحمتہ اللہ علیہ کو پہنچا۔حضرت خواجہ نقشبند کے اصحاب کی پشت میں استہلاک (فنا) اور اضمحلال نے سرایت کیا اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حضرت مجدد کے باطن پر وارد ہوا۔اولیاء رحمتہ اللہ علیہم کے ان تحریر کردہ حالات کی جامع اور ان کی کیفیات کی شامل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پشتیں ہیں جن سے عالی، لطیف، بے رنگ ذاتی دائمی تجلی نکلتی ہے اور تمام بدن کو جذبات و واردات پہنچاتی ہیں۔جو عالم امر اور عالم خلق کے تمام لطائف سے برتر ہے۔ سبحان اللہ و بحمدہ۔[1]

حضرتِ عالی امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ، لکھتے ہیں

روزی ((حضرت فاروق)) رضی اللہ عنہ شتر سوار بہ کوچہ می گذشتند۔قاری این (آیہ) کریمہ را خواند :(إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ، مَالَهُ مِنْ دَافِعٍ) (طور/ ۷۔۸) از استماعِ این، از ہوش رفتند و از شتر، بی خود بہ زمین افتادند۔از آنجا برداشتہ، بہ خانہ بردند و تا مدتی از آن درد بیمار افتادند کہ مردم بہ عیادت ایشان می آمدند۔آری! در توسطِ احوال در مقام فنا، نسیان از دنیا و آخرت میسر می گر

ایک روز سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹ پر سوار ہو کر گلی سے گزر رہے تھے کہ قاری نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی:

إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ، مَالَهُ مِنْ دَافِعٍ، (طور/ ۷۔۸)

ترجمہ: بے شک تیرے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا۔اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔(سورۃ الطور ۷:۸)

تو آپ اس آیت کے سنتے ہی بے ہوش ہو گئے۔اور اونٹ سے بے خود زمین پر گر پڑے۔وہاں سے اٹھا کر آپ کو گھر لایا گیا۔اور ایک مدت تک اس درد کی وجہ سے بیمار رہے۔اور لوگ آپ کی بیمار پرسی کے لیے آتے تھے۔ہاں مقام فنا میں حالات کے درمیان دنیا و آخرت سے فراموشی میسر آتی ہے۔[2]

حضرتِ عالی امام ربانی مجدد الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

و للولایة درجات بعضها فوق بعض اذ علیٰ قدم کل نبی ولایة خاصة و اقصیٰ درجاتها هی التی علیٰ قدم نبینا علیه و علی جمیع اخوانه من الصلوات اتمها و من التحیات اکملها اذ التجلی الذاتی الذی لا اعتبار فیه للاسماء و الصفات و الشئون و الاعتبارات لا بالایجاب و لا بالسلب مخصوص بولایة علیه الصلوٰة و السلام و خرق جمیع الحجب الوجودیة و الاعتباریة علماً و عیناً یتحقق فی هذا المقام فح یحصل الوصل عریاناً و یتحقق الوجد حقیقةً لا حسباناً و اللکمل من متابعیه علیه الصلوة و التحیة نصیب کامل و حظ وافر من هذا المقام العزیز وجوده فعلیکم باتباعه صلی اللہ تعالیٰ علیه و آله وسلم ان کنتم متوجهین الیٰ تحصیل هذه الدولة القصویٰ و تکمیل هذه الدرجة العلیا

کیونکہ ہر نبی کے قدم پر ایک ولایت ہے جو اس سے خاص ہے۔اور سب سے اعلیٰ درجے کی ولایت وہ ہے جو ہمارے نبی و علیٰ جمیع اخوانہ من الصلوات اتمہا و من التحیات اکملہا۔اس لیے کہ تجلی ذاتی جس میں اسماء صفات شیون و اعتبارات کا نہ بطور ایجاب اور نہ بطور سلب کوئی اعتبار نہیں۔یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت کے ساتھ مخصوص ہے، اور علم و عین ہر لحاظ سے تمام وجودی اور اعتباری حجابات کا اٹھ جانا

---

[1] (تحفہ زواریہ درانفاس سعیدیہ، مکتوب، ص، خواجہ پرنٹرز اینڈ پبلشرز، کراچی) (تحفہ زواریہ، ص، ۱۱۸)

[2] (مکتوبات امام ربانی، دفتر اوّل، مکتوب، ۳۰۲، ج، ۱، ص، ۴۷۶ مرکز بخش: زاہدان، خیابان خیام، صدیقی، تہران)

اسی مقام میں حاصل ہوتا ہے۔اس وقت وصل پوری طرح نصیب ہوتا ہے اور وجد درجہ گمان میں نہیں بلکہ حقیقتاً حاصل ہوجاتا ہے۔حضور ﷺ کی اتباع کرنے والوں میں سے کاملین کو نصیب کامل اور حصہ وافر اس نادرالوجود مقام سے عطا ہوتا ہے۔تو اگر تم لوگ اس بلند درجہ دولت اور اس درجہ علیا کے حصول کی توجہ رکھتے ہو تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع و پیروی کو مضبوط پکڑو۔[1]

محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

مرشدے میر محمد نعمان ابقاہ اللہ شنودم یکبار شیخ مذکور بر بام مسجد فیروز آباد با چندین از یاران نشستہ بود کہ ناگاہ ویرا کیفیت و بیخودی غالب شد از سکر و جوش نعرہ خروشی زد و دون شد نزدیک بود کہ از لب بام مسجد کہ از انجا تا بزمین قریب چہل گز باشد بیفتد کہ یکی از حاضران دست وکمر او را بگرفت محکم بالجملہ شیخ از خوبان روزگار ست و از ارباب فنا و نیستی و انکسار و از غیبت، خیر و شر یر و عیب جوئی غنی و فقیر برکنار و از مجاوران مزار فایض الانوار

حضرت سیدی و مرشدی میر محمد نعمان (اللہ انہیں باقی رکھے) سے میں نے سنا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ مذکور، مسجد فیروز آباد کی چھت پر اپنے چند احباب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ یکا یک شیخ کو کیفیت اور بیخودی طاری ہوگئی۔چنانچہ سکر اور جوش سے نعرہ مارنے لگے اور دوڑنے لگے۔قریب تھا کہ مسجد کی چھت سے کہ وہاں سے زمین چالیس گز تھی گر پڑے۔لیکن حاضرین میں سے ایک شخص نے ان کا ہاتھ اور کمر مضبوطی سے پکڑ لی۔الغرض، شیخ مذکور اپنے زمانے کے بہت اچھے لوگوں میں سے ہیں، اچھے ارباب فنا و نیستی و انکساری میں سے ہیں۔اچھے برے لوگوں کی غیبت اور امیر و فقیر کی عیب جوئی سے الگ تھلگ ہیں۔اور اپنے پیر بزرگوار کے مزار فائض الانوار کے مجاوروں میں سے ہیں۔[2]

حضرت علامہ شیخ بدرالدین، نقشبندی مجددی سرہندی، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

ید۔بالجملہ ہر کہ بصحبت ایشان می رسید از اثر صحبت و تصرف ایشان از فقرا و اغنیا و اہل غفلت و ارباب حضور، جذبہ و سکرے در وے استیلا می یافت کہ از غلبۂ آن مستی جامہا پارہ کردے و چون مرغ نیم بسمل بر زمین طپیدے و گاہ سی چہل کس یکبار بے طاقتی می کردند و بے اختیار ہر زمین می افتادند بلکہ نظارگیان چو صوفیان و منکران مانند معتقدان از مدہوشی و بی خودی بر زمین می غلطیدند و می طپیدند و کار و بار تصرف آن بزرگوار بجائے رسیدہ کہ بسیارے از مریدان مشائخ عظام کہ دران شہر بودند بے اختیار گشتہ داخل ربقہ ارادت ایشان شدند و بسیارے فاسقان بصلاح آمدند و بسیارے از ہوشیاران بادۂ بیخودی و جذبہ چشدند

فقیر و امیر اور اہل غفلت یا اہل حضور پر آپ کی صحبت اور تصرف کا اثر سے اس قدر جذب و مستی کا غلبہ ہوا کہ وہ لوگ اپنے کپڑے پھاڑ دیتے تھے اور مرغ بسمل کی طرح زمین پر تڑپتے تھے اور کبھی کبھی تیس چالیس آدمی یکبارگی ہوش کھو بیٹھتے اور زمین پر گر پڑتے بلکہ دیکھنے والوں میں سے بھی صوفیہ اور منکر بھی معتقدوں کی طرح مدہوشی اور بے خودی سے زمین پر لوٹتے تھے اور تڑپتے تھے میر صاحب کے تصرفات اس حد تک ہوتے کہ دوسرے مشائخ کے مرید بھی جو اس شہر میں تھے بے اختیار ہو کر ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوگئے اور بہت سے فاسق بھی اصلاح پذیر ہوگئے اور بہت سے ہوش والے بیخودی اور جذب سے سرشار ہوگئے۔[3]

اثباتِ وجد اور حال کے حق میں قرآنی آیات مبارکہ

اثبات میں قرآنِ مجید کی ان آیات کا تذکرہ کیا جائے گا جن سے مفسرین کرام نے وجد اور حال کے حق میں دلائل پیش کئے۔

---

[1] (مکتوبات امام ربانی، دفتر، اوّل، مکتوب ۲۱، ج، ۱، ص، ۱۰۰، مرکز پخش: زاھدان، خیابان خیام، صدیقی، تہران)

[2] (برکات احمدیہ، نام دگر زبدۃ المقامات، ص، ۸۸)

[3] (حضرات القدس، ج، ۲، ص، ۳۰۳، ص، ۳۲۵ ناشر محکمہ اوقاف پنجاب لاہور)

آیت نمبر :1 اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ (سورہ زمر: آیت ۲۳ :)

ترجمہ.: اللہ نے اتاری سب سے اچھی کتاب کہ اول سے آخر تک ایک سی ہے دوہری بیان والی اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کی کھالیں اور دل نرم پڑتے ہیں یاد خدا کی رغبت میں۔ یہ اللہ کی ھدایت ہے راہ دکھائے اسے جسے چاہے اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی راہ دکھلانے والا نہیں۔

تفسیر جلالین میں تقشعر کا معنیٰ ترتعد (کانپنا لرزنا) تحریر کیا ہے تفسیر مدارک میں تقشعر کا معنیٰ تتحرک اور تضطرب تحریر کیا ہے تفسیر مدارک میں تحریر کیا گیا ہے کہ کھال کی حرکت کے ساتھ اعضاء کی حرکت اور ان کا لرزنا عین وجد اور حال ہے اس آیت کریمہ سے وجد اور حال ثابت ہوتا ہے ۔تفسیر مظہری جلد نمبر: ۸ ص ۲۰۸: اور روح البیان جلد نمبر: ۸ ص ۹۹: میں وجد اور حال کے اثبات کے حوالے سے استدلال کیا گیا ہے ۔تفسیر مظہری میں بے ہوش ہونے کو حال اور وجد حقیقی اہل تصوف کیلئے اس آیت مبارکہ سے ثابت کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان سب کا انکار کرنے کے جوابات مدلل طور پر اسی آیت کریمہ سے دیئے گئے ہیں امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا انکار کا جواب بھی اسی آیت کریمہ سے مدلل طور پر آئیگا۔ان شآء اللہ۔

آیت نمبر :۲ وَلَمَّا جَاءَ مُوسَى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرَانِي وَلَكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ (الاعراف ۱۴۳) اور جب موسیٰ ہمارے وعدہ پر حاضر ہوا اور اس سے اس کے رب نے کلام فرمایا عرض کی اے رب میرے مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں تجھے دیکھوں فرمایا تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ یہ اگر اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ گرا بے ہوش پھر جب ہوش ہوا بولا پاکی ہے تجھے میں تیری طرف رجوع لایا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔ (سورہ اعراف: آیت ۱۴۳:)

پس جب پہاڑ اور جلیل القدر نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی تجلیات برداشت کرنے کی طاقت نہ رکھ سکے بالخصوص جب اصل اور خالص تجلی بغیر ظل (سایہ) کے تھی تو فقرائے صوفیہ رحمۃ اللہ علیہ کس طرح برداشت کرسکیں گے۔امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں منتہی پر بھی اصل اور خالص تجلی بغیر ظل کی جب پڑ جائے تو اس پر بھی حیرت اور گر جانا، بے ہوشی کا طاری ہونا لازمی ہے۔اس کے بناء چارہ نہیں بلکہ منتہی بھی مغلوب الحال ہو جاتا ہے۔صرف ایک ذات اقدس حضرت رسول اکرم ﷺ ہی ہیں جو کہ شب معراج ذات باری تعالیٰ کی رُویت سے مشرف ہو کر بھی برداشت کر سکے اور بال برابر بھی نہ ہلے اس لئے کہ ایسی استعداد آپ ﷺ کے سوا کسی کو بھی حاصل نہیں۔(مکتوبات مجددیہ) تو بہت سے اولیاء کرام تا بعین پر غشی طاری ہو جاتی ہے اسی طرح کی مثالیں پہلے بھی بیان کی جا چکی ہیں اور مزید تفصیل انشاء اللہ آگے بیان کی جائے گی۔

منتہی لوگوں پر بھی یہ حال (جریان الدموع او اقشعرار الجسد) وارد ہوتا ہے مگر ان کی کیفیت اس طرح ہوتی ہے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں دواں ہوتے ہیں اور ان کا جسم حرکت میں آجاتا ہے۔ (کمافی المظھری)

آیت نمبر :۳ ’’واختار موسیٰ قومہ سبعین رجلا لمیقاتنا ان موسیٰ علیہ السلام اختار سبعین رجلا من اشراف قومہ ونجباء ھم اھل

الاستعداد و الصفاء و الارادة و الطلب و السلوک (فلما اخذتهم الرجفة) ای رجفة البدن التی هی من مبادی صعقة الفناء عند طریان بوراق الانوار و ظهور طوالع تجلیات الصفات من اقشعرار الجسد و ارتعاده و کثیرا ما تعرض هٰذا الحرکة للسالکین عند الذکر او سماع القرآن او ما یتاثرون به حتی تکاد تتفرق اعضاؤهم و قد شاهدنا ذالک فی الخالدین من اهل الطریقة النقشبندیة و ربما یعتریهم فی صلاتهم صیاح معه فمنهم من یستانف صلاته لذالک و منهم من لا یستانف و قد کثر الانکار علیهم و سمعت بعض المنکرین یقولون ان کانت هٰذه الحالة مع الشعور و العقل فهی سوء ادب و مبطلة الصلاة قطعا و ان کانت مع عدم شعور و زوال عقل فهی ناقضة للوضوء و نراهم لا یتوضؤون۔ و اجیب بانها غیر اختیاریة مع وجود العقل و الشعور و هی کالعطاس و السعال و من هنا لاینتقض الوضوء بل و لاتبطل الصلٰوة۔ و قد نص بعض الشافعیة ان المصلی لو غلبه الضحک فی الصلٰوة لاتبطل صلٰوته و یعذر بذٰلک فلا یبعد ان یلحق ما یحصل من آثار التجلیات الغیر الاختیاریة بما ذکر و لا یلزم من کونه غیر اختیاری کونه صادرا من غیر شعور فان حرکة المرتعش غیر اختیاریة مع الشعور بها و هو ظاهر فلا معنی للانکار۔''[1]

ترجمہ: اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر ۷۰ افراد ہمارے وعدے کیلئے منتخب کئے پس جب ان کو کپکپاہٹ نے پکڑ لیا۔ علامہ محمود آلوسی بغدادی نے اس آیت کی تفسیر میں روح المعانی جلد ثالث میں تحریر فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے (۷۰) ایسے آدمی منتخب کئے جو کہ شریف، بزرگ، صاحب استعداد، مریدین حق، اصحاب طلب اور اہل سلوک تھے پس جب ان کو رجفہ نے پکڑ لیا یعنی بدن کی حرکت نے ان کو پکڑ لیا جو کہ فنا کی صعقہ کی ابتداء میں پیش آتی ہے انوار رحمانیہ کے نزول اور صفات کی تجلیات کے ورود کے وقت یہ حالت پیش آتی ہے جس اثر سے بدن اقشعرار الجسد حرکت اور اضطراب میں آتا ہے اور اکثر اوقات میں یہ حالت سالکین طریقت کو ذکر اور تلاوت قرآن کے وقت پیش آتی ہے اور جس چیز سے وہ تاثیر لیتے ہیں (یعنی توجہ اور نعت خوانی) اس کے سننے سے بھی یہ حالت پیش آتی ہے جو کہ اسباب تاثیر میں داخل ہیں۔ یہاں تک کہ ایسا لگتا ہے کہ ان کے اعضاء بھی ٹوٹ جاتے ہیں اور ہم نے یہ حالت حضرت مولینا خالد قدس سرہ کے مریدین میں مشاہدہ کی ہے اور بعض اوقات ان کو نماز میں بھی حرکات کے ساتھ صیاح (چیخ و پکار) بھی پیش آتے ہیں۔ پس بعض نماز اعادہ کرتے ہیں اور بعض اعادہ نہیں کرتے اور ان پر انکار زیادہ ہو رہا ہے اور بعض منکرین سے سنا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ حالت عقل اور شعور کے باوجود ہے تو یہ بے ادبی ہے اور نماز کیلئے قطعی طور پر باطل کرنے والی ہے اور اگر عقل اور شعور زائل ہونے کی وجہ سے ہے تو پھر وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور یہ سالکین وضو کا اعادہ بھی نہیں کرتے لیکن میں اس اعتراض مذکورہ کے جواب میں کہونگا۔ کہ نماز میں یہ حالت مذکور (یعنی حرکات اور صیاح) غیر اختیاری ہے اور یہ حالت عقل اور شعور کے باوجود پیش آتی ہے اور اس کی مثال کھانسی اور چھینک کی طرح ہے کہ غیر اختیاری طور پر پیش آتی ہے اس لئے نہ وضو ٹوٹتا ہے نہ نماز باطل ہے اور شوافع نے کہا ہے کہ اگر نمازی پر ہنسنا غالب آجائے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہے اور نمازی اس صورت میں معذور سمجھا جائیگا۔ بعید نہیں کہ تجلیات غیر اختیاریہ کے آثار کو بھی اس کے ساتھ ملحق کیا جائے اور عدم فساد صلوٰۃ پر حکم کیا جائے اور کسی چیز کے غیر اختیاری ہونے سے اس چیز کا غیر شعوری ہونا لازم نہیں کیونکہ مرتعش کی حرکت غیر اختیاری ہے لیکن غیر شعوری نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ عقل اور شعور موجود ہوتے ہیں اور یہ تو ظاہر باہر کا معاملہ ہے۔ پس اس سے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

آیت نمبر :۴ ''إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ۔

ترجمہ : بے شک مومن وہ ہے جب اللہ کا ذکر ہو ان کے دل دہل جاتے ہیں۔ (سورہ الانفال: آیت ۲:)

یہ آیت کریمہ وجد ثابت کرتی ہے اسلئے کہ خوف اور خشیت طاری ہو جانا ذکر الٰہی کے وقت یہ بھی وجد ہی کی ایک قسم ہے جو اس سے پہلے وجد کی اقسام میں اجمالی

---

[1] (تفسیر روح المعانی: ج ۳ ص ۱۵۵ سورۃ اعراف)

طور پر بیان کیا گیا ہے۔ تفصیلاً ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کرینگے۔

آیت نمبر :۵ لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ۔

ترجمہ: اگر ہم نازل کرتے اس قرآن کو پہاڑ پر تو تم اس پہاڑ کو دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ (سورہ حشر: آیت ۲۱:)

یہ آیت کریمہ اثبات وجد پر صریح دلیل ہے جب قرآن کریم کی نزول سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہوتا ہے تو چاہئے کہ انسان کے بدن اور دل پر بھی اس کے آثار طاری ہوں یعنی خوف اور خشیت کے آثار طاری ہو جیسے رونا، بے ہوش ہونا، لرزہ طاری ہونا، یا دیگر احوال جو وجد کی اقسام میں درج کی جا چکی ہے

آیت نمبر :۶ يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ (اے وہ شخصیت جو لباس نبوت سے آراستہ و پیراستہ ہو۔)

یہ آیت کریمہ بھی وجد ثابت کرتی ہے۔ جیسے بخاری شریف (باب کیف کان بدأ الوحی الی رسول اللہ ﷺ) حدیث اور کتاب التفسیر حدیث سے واضح ہے اور پہلے اسباب وجد اور اقسام وجد میں بیان ہو چکا ہے۔ تفصیل ان شاء اللہ آگے بیان کی جائے گی۔

آیت نمبر :۷ يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ (اے بالا پوشی زیب تن کرنے والے)

اس آیت کریمہ سے بھی وجد کی اثبات پر استدلال بعینہ (يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ) کی طرح استدلال ہوتا ہے اور اس کے علاوہ بھی بہت ساری دیگر آیات مبارکہ موجود ہیں جن سے استدلال ثابت ہوتا ہے۔

وجد اور حال کے اثبات میں احادیثِ نبوی ﷺ اور آثارِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین ثاور آئمہ دین رضی اللہ عنہم

اس باب میں ان احادیث اور آثار کا تذکرہ کیا جائیگا جن سے وجد اور حال کا ثبوت ہوتا ہے۔

حدیث نمبر :۱ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بخاری شریف کے پہلے باب (کیف کان بدأ الوحی الی رسول اللہ ﷺ) میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت نقل کی ہے:

فجائه الملک فقال اقرأ فقال فقلت ما انا بقاری قال فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال اقرأ فقلت ما انا بقاری فاخذنی فغطنی الثانیة حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال اقرأ فقلت ما انا بقاری، قال فاخذنی فغطنی الثالثة ثم ارسلنی فقال اقرأ باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربک الاکرم۔ فرجع بها رسول اللہ ﷺ یرجف فواده (وفی روایة ترجف بوادره) فدخل علی خدیجة بنت خویلد رضی اللہ تعالٰی عنها فقال زملونی زملونی حتی ذهب عنه الروع۔[1]

ترجمہ: اس کے بعد میرے پاس فرشتہ آیا اور فرشتے نے کہا: پڑھئے! میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں۔ پھر اس فرشتے نے مجھے اپنے سینے کے ساتھ ملا کر زور سے بھینچا۔ یہاں تک کہ مجھے مشقت میں ڈالا۔ پھر علیٰحدہ کیا۔ پھر کہا: پڑھئے! میں نے کہا: میں پڑھنے والا نہیں۔ پھر مجھے اپنے سینے کے ساتھ ملا کر زور سے دبایا۔ یہاں تک کہ مجھے مشقت میں ڈالا۔ پھر سینے سے علیٰحدہ کیا۔ پھر کہا: پڑھئے! میں نے جواب دیا: میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ پھر سینے کے ساتھ ملا کر زور سے دبایا اور کہا: پڑھئے! اِقْرَا بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾ اِقْرَا وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ ﴿۳﴾ پڑھئے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے پوری مخلوق کو پیدا کیا اور انسان کو خون کے لوتھڑے کے ٹکڑے سے پیدا کیا۔ اس رب کے نام پر پڑھو جو کریم ہے) پس اللہ کے رسول ﷺ ان آیات مبارکہ کو لے کر واپس تشریف لائے تو آپ کا قلب مبارک حرکت کر رہا تھا۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور ان سے فرمایا: میرے اوپر

---

[1] (بخاری ۳: ۱ باب بدا الوحی)

کپڑے ڈالو۔(دومرتبہ فرمایا) یہاں تک کہ وہ خوف، رُعب اور ہیبت رخصت ہوئی۔ جیسے شرح الکرمانی علی صحیح البخاری ج ا ص ۲۰۴
اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ پر جبریل امین نے توجہ کی۔ حضور نبی کریم ﷺ کی گردن مبارک، سینہ مبارک کا ہلنا وجد کے باعث ہے اور جبریل امین کی توجہ وحی کی منتقلی کے لئے تھی۔
یہاں پر کوئی اعتراض نہیں کرسکتا کہ ساری کائنات میں سب سے بڑے روحانی پیر، روحانی شخصیت حضور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے (تمام انسانوں، جنوں اور فرشتوں کیلئے) جیسے امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''المبدا و المعاد'' میں ذکر کیا ہے کہ یہ توجہ باطنی کمالات اور درجات کے بلند کرنے کیلئے نہیں تھی بلکہ یہ مناسبت کیلئے تھی۔ انسان اور فرشتے کے درمیان۔ اور جبریل امین علم ظاہر کے استاد تھے مگر علم باطن کی کامل شخصیت اور پیشوا حضور نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے۔
اس حدیث کے مضمون کے مطابق ''کنت نبیا و آدم بین الروح الجسد و فی روایۃ بین الماء و الطین'' عالم ارواح میں سید الانبیاء ﷺ نورِ مجسم تمام ملائکہ اور تمام مخلوقات اور تمام اولیاءِ کرام کی ارواح کو معرفتِ خداوندی عطا کرنے والے توجہ دینے والے اور خبر کرنے والے بلکہ تمام ارواح کو بھی سید الانبیاء ﷺ نے توجہ باطنی دی اور ان کو سید الانبیاء ﷺ نے خبر دی مگر بات اتنی ہے کہ جس روح نے عالم ارواح میں استفادہ کیا تو عالم اجساد میں بھی اسے ہدایت قبول کرنے کا موقع ملا۔ اور جو وہاں محروم رہا اس دنیا میں بھی محروم رہا۔ معاذ اللہ۔
حضرت عبدالرحمن بابا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ازل کے دن کسی نے کمایا اور کسی نے گنوادیا۔
مقصد یہ ہے کہ تمام کائنات کیلئے علمِ باطن کے استاد اور پیشوا حضرت رسول اکرم ﷺ ہیں۔ اور علمِ ظاہر کے استاد حضرت جبریل امین علیہ السلام ہیں لیکن چونکہ علمِ باطن کے استاد کا مرتبہ علمِ ظاہر کے استاد کے مرتبے سے بلند اور اعلیٰ ہے جیسا کہ امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''المبدا و المعاد'' میں لکھا ہے کہ علمِ باطن اشرف ہے بہ نسبت علمِ ظاہر کے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا حق مبارک جبریل امین علیہ السلام کی نسبت بلند ہے اس حدیث مبارکہ میں جبرائیل علیہ السلام کا حضور ﷺ سے معانقہ کرنا اور علیٰحدہ ہو جانا اس سے توجہ ثابت ہوتا ہے اور یہ توجہ علمِ باطنی کے لئے نہیں تھی کیونکہ نبوت اور علمِ باطن حضور ﷺ کو پہلے ہی حاصل تھا جیسے کہ حدیث مبارکہ میں ہے۔ بلکہ یہ توجہ صرف مناسبت کے لئے تھی اور وحیِ الٰہی جبریل امین سے اخذ کرنے کیلئے تھی۔
الغرض مذکورہ صورت روایت وجد اور حال ثابت کرتی ہے۔ جو صاحبِ بصیرت لوگوں پر مخفی نہیں۔
حدیث نمبر: ۲ اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی باب میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت نقل کی ہے:
و لقد رأیتہ ینزل علیہ الوحی فی الیوم الشدید البرد فیفصم عنہ و ان جبینہ لیتفصد عرقا۔[1]
ترجمہ: یقیناً میں دیکھتی تھی کہ رسول اکرم ﷺ پر سخت سردی کے دنوں میں وحی نازل ہوتی اور فرشتہ واپس چلا جاتا تو حضور ﷺ کی پیشانی مبارک پر پسینہ کے قطرات نمودار ہوتے۔) اس سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ پر وحی کی تاثیر اور ثقل کے باعث گرمی کی کیفیت اور پسینہ آنا حالانکہ سخت سردی کا موسم ہوتا۔ سخت سردی میں حرارت کی کیفیت اور پسینے کے قطرات کا نمودار ہونا۔ یہ بھی وجد کی اقسام میں سے ایک قسم ہے گرمی اور حرارت جیسے وحی اور تاثیر ملائکہ کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح اولیاء کرام مشائخ عظام کی صحبت میں اور ان سے ملاقات کے وقت میں انوار الٰہیہ اور
تجلیات ربانیہ کا نزول ہوتا ہے۔ اس حدیث مبارکہ سے بھی وجد اور حال کا ثبوت واضح ہے۔

---

[1] (رواہ البخاری)

حدیث نمبر :۱۳ اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کتاب التفسیر میں باب قولہ تعالیٰ (فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید۔الآیۃ)
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا :قال لی اقرأ علی قلت اقرأ علیک و علیک انزل قال انی احب ان اسمعه من غیری فقرات علیه سورة النساء حتی بلغت (فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید و جئنا بک علی هولاء شهیدًا) قال امسک فاذا عیناه تذرفان۔[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ,ے مجھ سے فرمایا کہ مجھے قرآن سناؤ۔میں نے عرض کی یا رسول اللہ (ﷺ) قرآن کریم تو خود آپ کی ذات اقدس پر نازل ہوا ہے تو حضور ﷺ نے مجھے فرمایا مجھے پسند ہے کہ میں دوسروں سے تلاوت سنوں۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورۃ النساء کی تلاوت کی یہاں تک کہ اس آیت مبارکہ پر پہنچے: (فکیف۔۔۔) تب آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھہر جاؤ: میں نے آپ ﷺ کے چہرہ انور کی جانب دیکھا۔آپ ﷺ کی مبارک آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔اس حدیث مبارکہ سے بھی وجد کا ثبوت واضح ہے۔اس لئے کہ رونا وجد کی انواع میں سے ایک نوع ہے جو پہلے اقسام وجد کے تذکرہ میں ذکر ہو چکا ہے۔

حدیث نمبر :۱۴ اسی طرح امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شمائل ترمذی کے (باب ما جاء فی بکاء النبی ﷺ) میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے: قال انکسفت الشمس یوما علی عهد رسول الله ﷺ فقام رسول الله ﷺ یصلی حتی لم یکد یرکع ثم رکع فلم یکد یرفع رأسه ثم رفع رأسه فلم یکد ان یسجد ثم سجد فلم یکد ان یرفع رأسه ثم رفع رأسه فلم یکد ان یسجد ثم سجد فلم یکد ان یرفع راسه فجعل ینفخ ویبکی الخ۔[2]

ترجمہ: ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کے زمانہ اقدس میں سورج گرہن ہوگیا آپ ﷺ نماز کیلئے اٹھے اور اتنا لمبا قیام فرمایا کہ محسوس ہوا کہ رکوع ہی ادا نہ فرمائینگے بعد ازاں رکوع ادا فرمایا رکوع بھی طویل فرمایا قریب تھا کہ سر مبارک حالت رکوع سے اٹھانہ فرمائینگے پھر سر مبارک اٹھایا اور پھر بہت دیر کھڑے رہے پھر سجدہ ادا فرمایا سجدہ بھی نہایت طویل فرمایا اور سجدوں کے درمیان جلسہ بھی نہایت طویل فرمایا۔پھر دوسرا سجدہ ادا فرمایا یہ بھی طویل سجدہ تھا سجدے میں حضور ﷺ اوہ اوہ فرمارہے تھے اور گریہ وزاری جاری تھی۔ایسا رونا کہ جس سے رونا حاصل ہو جائے یہ بھی عین وجد ہے جیسا کہ فقہائے کرام نے فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص حالت نماز میں اللہ کے خوف یا جنت یا دوزخ کے خیال سے روتا ہے اور رونے میں اف وآہ کرتا ہے یا الفاظ حاصل ہوتے ہیں اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ یہ خوف عین اللہ کا خوف ہے اور یاد الٰہی کی وجہ سے ہے۔اور ابوداؤد شریف میں یہ الفاظ موجود ہیں: (ثم نفخ فی آخر سجودہ فقال اُف اُف) حضور اکرم ﷺ نے حالت نماز میں اف اف کہا۔آپ ﷺ کا حالت نماز میں اف اف کرنا کثرت خشیت کیوجہ سے ہے۔اس حدیث سے بھی وجد ثابت ہوتا ہے۔یہ بھی وجد کی ایک نوع ہے۔

حدیث نمبر :۱۵ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی باب میں حضرت مطرب بن عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے اور وہ اپنے والد سے :قال اتیت رسول الله ﷺ وهو یصلی ولجوفه ازیز کأزیز المرجل من البکآء۔وفی روایة ازیز الرحیٰ۔(وہ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے قریب حاضر ہوا تو آپ ﷺ نماز ادا فرمارہے تھے آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے ابلتی ہوئی ھانڈی کی طرح آواز آرہی تھی جو کہ آپ ﷺ کے گریہ کے سبب تھی۔)[3]

---

[1] (بخاری ج ۲ ص ۶۵۹ کتاب التفسیر)
[2] (رواہ الترمذی: ۱۶۹)
[3] (رواہ الترمذی)

دوسری روایت میں یہ ہے کہ چکی کے گھومنے کی طرح آواز خارج ہو رہی تھی۔

فتح القدیر شرح ھدایۃ :باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیھا (ج۱:۳۴۶ :) میں اس حدیث شریف سے یہ دلیل اخذ کی ہے کہ :قَالَ الشَّافِعِيُّ -رَحِمَهُ اللَّهُ- :الْأَنِينُ وَالْبُكَاءُ وَالتَّأَوُّهُ يُقْطِعُ مُطْلَقًا إذَا حَصَلَ مِنْهُ حَرْفَانِ.وَلَنَا مَا رُوِيَ أَنَّهُ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- كَانَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ وَلِصَدْرِهِ أَزِيزٌ كَأَزِيزِ الْمِرْجَلِ وَبِأَزِيزِ الْمِرْجَلِ يَحْصُلُ الْحُرُوفُ لِمَنْ يَصْغَى ‘‘

(یہ حدیث مبارکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر حجت ہے اس لئے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہ اوہ اور رونا مطلقا نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔جب ان سے حروف حاصل ہو جائیں حالانکہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ھانڈی کے ابلنے سے حروف ضرور حاصل ہوتے ہیں اگر کوئی شخص کان لگا کر سن لے۔لہٰذا اس حدیث مبارکہ سے وجد ثابت ہوتا ہے اور عین حالت نماز میں رونا بھی وجد کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔(جریان الدموع او اقشعرار الجسد) یعنی آنسوؤں کا جاری ہونا اور جسم کا لرزنا غالبا حال ہے منتہی لوگوں کا اور ابتداء اور درمیان میں بہت سارے احوال وارد ہوتے ہیں جن کی تفصیل گزر چکی ہے۔منتہی لوگوں پر بھی کئی قسم کے احوال وارد ہوتے ہیں جسکی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

رونے کی فضیلت اور اسکی اقسام:

رونا بھی جذب کی قسموں میں سے ایک اعلیٰ قسم ہے

محدث شیخ عبدالرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ رونے کے اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

البکاء من الحزن ھو بکاء داؤد علیہ السلام وبکاء الشوق وھو بکاء ابراھیم علیہ السلام وبکاء المحبۃ ھو بکاء حبیبنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ترجمہ: غم میں رونا حضرت داود علیہ السلام کا رونا ہے اور شوق میں رونا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رونا ہے اور محبت میں رونا یہ ہمارے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رونا ہے۔کون روتا ہے بے سبب؟ جب دل میں محبت کی آگ لگتی ہے اور من میں محبت کے شعلے بڑھکتے ہیں اس کی ٹھنڈک دماغ تک پہنچتی ہے تو آنکھیں بے بسی میں آنسو بہانے لگتی ہیں۔

امام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ایک عالم کی بخشش کا سبب:

وَأخرج عَن سليم بن مَنْصُور بن عمار قَالَ رَأَيْت أبي فِي الْمَنَام بعد مَوته فَقلت مَا فعل الله بك قَالَ قربني وأدناني وَقَالَ لي يَا شيخ السوء تَدْرِي لم غفرت لَك قلت لَا يَا إِلَهي قَالَ لِأَنَّك جَلَست للنَّاس يَوْمًا مَجْلِسا فبكيتهم فَبكى فيهم عبد من عبَادي لم يبك من خَشْيَتِي قطّ فغفرت لَهُ ووهبت لَهُ أهل الْمجْلس كلهم ووهبتك فِيمَن وهبته لَهُ۔

ترجمہ: حضرت منصور بن عمار بہت بڑے عالم تھے جب آپ بیان فرماتے تھے تو ہزاروں لوگ جمع ہو جایا کرتے تھے۔آپ کی گفتار پر تاثیر تھی، جب آپ دنیا سے پردہ فرما گئے تو آپ کے بیٹے سلیم بن منصور نے آپ کو خواب میں دیکھا پوچھا ابا جان رب العالمین نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا بیٹے رب العالمین نے میری مغفرت فرمادی، پھر مجھے فرمایا اے منصور تو جانتا ہے کہ میں نے تجھے کیوں معاف کیا ہے؟ میں نے عرض کی اے اللہ تو ہی بہتر جانتا ہے۔رب العالمین نے فرمایا: ایک دن تو نے ایسی تقریر کی کہ اس میں میرا ایک گناہگار بندہ بھی بیٹھا تھا۔تیرا وعظ سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے وہ میرے خوف اور خشیت میں رویا، اس کے رونے کے سبب میری رحمت جوش میں آئی

،میں نے اس رونے والے کو معاف کیا لیکن اس کے طفیل ہم نے تجھے اور محفل میں موجود سب لوگوں کو معاف کر دیا۔[1]

اس حکایت میں علماء کیلئے بڑی نصیحت ہے۔کہ وہ لوگوں کو اللہ کے خوف اور خشیت کی باتیں بتائیں کہ جس سے لوگ اشکبار ہو جائیں کہ ایک رونے والے کے صدقے کبھی پوری محفل والوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔اور عوام کو بھی چاہئے کہ ان اہل اللہ اور اہل دل اور اہل درد عالموں کی صحبت اور مجلس میں بیٹھیں جن کی پرسوز گفتار دلوں کو نرم کر دے اور خشک آنکھوں کو آنسوؤں سے تر کر دے۔

رونا جہنم میں داخلے کی رکاوٹ:

ترمذی اور نسائی میں روایت ہے حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا يَلِجُ النَّارَ رَجُلٌ بَكَى مِنْ خَشْيَةِ اللهِ حَتَّى يَعُودَ اللَّبَنُ فِي الضَّرْعِ، وَلَا يَجْتَمِعُ غُبَارٌ فِي سَبِيلِ اللهِ وَدُخَانُ جَهَنَّمَ۔هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ هُوَ مَوْلَى أَبِي طَلْحَةَ مَدَنِيٌّ۔

ترجمہ: جو شخص اللہ کے خوف سے رویا وہ جہنم میں نہیں جاسکتا،جس طرح دوہا ہوا دودھ تھنوں میں جانا محال ہوتا ہے اور ایک جسم پر اللہ کی راہ کا غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں ہو سکتے۔،،[2]

جو بندہ اللہ کی راہ میں نکلتا ہے اس راہ کا گرد و غبار اس کے جسم پر پڑتا ہے۔تو اس پر کبھی جہنم کا دھواں نہیں آئے گا۔اور جو بندہ اللہ کے خوف سے روتا ہے تو اس کا جہنم میں جانا اس طرح مشکل ہے جس طرح دوہا ہوا دودھ تھنوں میں جانا مشکل ہوتا ہے۔تو اللہ کے خوف میں رونا اور اللہ کی راہ میں چلتے وقت غبار آلود ہو جانا دونوں پسندیدہ عمل ہیں۔اگر کوئی جہاد میں نکلتا ہے تو اس پر جہنم کی آگ حرام کر دی جاتی ہے۔اللہ کریم ہم کو اس راہ پر چلنے کی سعادت عطا فرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

اللہ کی راہ میں جاگ کر پہرہ دینے والی آنکھ پر جہنم حرام:

ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہمارے دلوں کے چین جناب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

عينان لا تمسهما النار :عين بكت من خشية الله، وعين باتت تحرس في سبيل الله"[3]

ترجمہ: جہنم کی آگ نہیں دیکھے گی وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی اور وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں جاگی،،اس حدیث میں رونے کے ساتھ ساتھ جاگنے کی بھی فضیلت بتائی گئی ہے۔رونا اور جاگنا بظاہر مشکل باتیں ہیں لیکن عشق اس مشکل کو آسان کر دیتا ہے۔

چار آنکھوں پر عذاب جہنم معاف:

ھادیٔ عالم نور مجسم نبی مکرم ﷺ فرماتے ہیں۔**حرمت النار على عين دمعت من خشية الله و حرمت النار على عين سهرت في سبيل الله و حرمت النار على عين غضت عن محارم الله و عين فقئت في سبيل الله عز و جل۔**

ترجمہ: جو آنکھ اللہ کے خوف میں روئی اس پر جہنم کی آگ حرام کر دی گئی۔جو آنکھ اللہ کی راہ میں جاگی اس پر جہنم کی آگ حرام کر دی گئی اور وہ آنکھ جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں کے دیکھنے سے رکی رہی،اس پر بھی جہنم کی آگ حرام کر دی گئی اور وہ آنکھ جو اللہ کی راہ میں نکالی گئی اس پر بھی جہنم کی آگ حرام کر دی گئی۔وہ چار آنکھیں جن پر جہنم کا عذاب معاف ہے۔۱۔رونے والی آنکھ ۲۔جاگنے والی آنکھ ۳۔بدنگاہی سے بچنے والی آنکھ

---

[1] (شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور ص ۲۷۶ دار المعرفۃ-لبنان)

[2] (سنن الترمذی ص ۱۹۶ ج ۱)

[3] (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند الشاميين، حديث ابی ريحانة)

۴۔اللہ کی راہ میں ضائع ہونے والی آنکھ۔[1]

مکھی کے سر جتنا آنسو:

اس رونے کا اللہ رب العالمین کی بارگاہ میں کیا وقار اور وقعت ہے ذرا اس حدیث کو ملاحظہ فرمائیں۔ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں۔ كُلُّ عَيْنٍ بَاكِيَةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلا عَيْناً غَضَّتْ عَنْ مَحَارِمِ اللهِ تَعَالى وَ عَيْناً سَهِرَتْ فِي سَبِيلِ اللهِ تَعَالى وَ عَيْناً خَرَجَ مِنْهَا مثل رأس الذباب من خشية الله تعالى

ترجمہ: روز محشر ہر آنکھ رونے والی ہوگی، ماسوا اس آنکھ کے جو اللہ کی طرف سے حرام کردہ چیزوں سے رکی رہی اور وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جاگتی رہے اور وہ آنکھ جس سے خوف خدا کی وجہ سے مکھی کے سر جتنا آنسو نکلا۔،،[2]

کیا مکھی کے سر جتنا آنسو کا قطرہ اور کیا اس کا انعام و اکرام؟ وہ محشر کا ہیبتناک دن جس دن اللہ کی قہاریت اور جباریت دیکھ کر ہر آنکھ رو رہی ہوگی۔مگر اس دن یہ آنکھ اطمینان اور امن سے ہوگی۔جس سے اللہ کی خشیت سے آنسو نکلا چاہے مکھی کے سر جتنا کیوں نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ يَخْرُجُ مِنْ عَيْنَيْهِ دُمُوعٌ، وَإِنْ كَانَ مِثْلَ رَأْسِ الذُّبَابِ، مِنْ خَشْيَةِ اللهِ، ثُمَّ تُصِيبُ شَيْئًا مِنْ حُرِّ وَجْهِهِ، إِلَّا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ۔

ترجمہ: کسی مومن کی آنکھوں سے اللہ کے خوف سے مکھی کے سر جتنا بھی آنسو نکلے وہ اس کے چہرے پر لگے تو اللہ اس پر جہنم کی آگ معاف کر دیتا ہے۔[3]

دو قطرے اور دو نشان:

اللہ کریم کی سب سے پیاری چیزوں میں سے ایک محبوب چیز وہ اشک ہے جو خوف خدا سے آنکھوں سے نکلا،سرور عالم فخر حوا و آدم،حبیب کبریا حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں لَيْسَ شَيْءٌ أَحَبَّ إِلَى اللهِ مِنْ قَطْرَتَيْنِ وَ أَثَرَيْنِ، قَطْرَةٌ مِنْ دُمُوعٍ فِي خَشْيَةِ اللهِ، وَ قَطْرَةُ دَمٍ تُهَرَاقُ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَ أَمَّا الأَثَرَانِ :فَأَثَرٌ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَ أَثَرٌ فِي فَرِيضَةٍ مِنْ فَرَائِضِ اللهِ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو دو قطروں اور دو نشانوں سے زیادہ پیاری کوئی چیز نہیں۔ایک وہ اشک جو اللہ کے خوف سے نکلا دوسرا وہ خون کا قطرہ جو اللہ کی راہ میں نکلا اور دو نشان ایک وہ قدموں کا نشان جو اللہ کی راہ میں چلنے سے ہوا اور دوسرا وہ نشان جو اللہ کے فرائض میں سے کسی فرض کے ادا کرنے کیلئے بنا۔[4]

بندہ جب زمین پر چلتا ہے تو اسکے قدموں کے نشان زمین پر پڑتے ہیں وہ زمین بھی روز محشر اس پر گواہ ہوگی ان قدموں کے نشان رب العالمین کو محبوب ہیں۔مثلاً کسی نیک محفل میں شریک ہونے کیلئے قدم اٹھائے۔بیمار پرسی کیلئے قدم اٹھائے۔علم دین اور جہاد کیلئے قدم اٹھائے۔دوسرا اللہ کے فرائض میں سے کسی فرض کی ادائیگی کیلئے اٹھے ہوئے قدم کے نشان یا ہاتھوں اور پیشانی کے نشان رب العالمین کو محبوب ہیں۔

---

[1] (الجامع الصغیر رقم الحدیث ۶۴۵۲)

[2] (الجامع الصغیر وزیادتہ رقم الحدیث ۹۷۲۷)

[3] (سنن ابن ماجہ ص ۳۰۹)

[4] (سنن الترمذی ص ۲۰۰ ج ۱)

رونے والے پر رحمتیں:

روایت میں آتا ہے کہ تاجدار کائنات امام الانبیاء ﷺ نے ایک دن خطبہ دیا۔آپ ﷺ کے سامنے بیٹھے ہوئے صحابہ میں سے ایک شخص بہت رویا۔آپ ﷺ نے فرمایا آج اس مرد کے رونے کے سبب اللہ پاک اتنا راضی ہوا ہے کہ اگر سب مومن اکٹھے ہو جائیں تو سب کو اسکے سبب اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔چاہے ان کی خطائیں پہاڑوں جتنی ہوں۔اس کے رونے پر آج فرشتے بھی رو رہے ہیں اور فرشتے دعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ رونے والے کے صدقے جو نہیں رو رہے ان کی بھی مغفرت فرما۔[1]

سبحان اللہ یہ رونے کا اجر وانعام ہے،وہ خود تو بخشا جا رہا ہے لیکن اس کے سبب دوسروں کو بھی بخشا جا رہا ہے۔

بیس ہزار لوگوں پر رحمت:

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ: **ولو بکی عبد من خشیۃ اللہ لرحم من حولہ ولو کانوا عشرین الفا۔**

اگر کوئی بندہ اللہ کے خوف سے روتا ہے تو اس کے بدلے اس کے گرد بیٹھے ہوئے لوگوں پر بھی رحم کیا جاتا ہے چاہے وہ بیس ہزار لوگ کیوں نہ ہوں۔[2]

ساری جماعت کی نجات:

ولو ان عبدا بکی فی امۃ من الامم لأنجی اللہ ببکاء ذالک العبد تلک الامۃ من النار۔

ترجمہ:اجتماعوں میں سے کسی اجتماع سے اگر ایک آدمی بھی رونے والا ہے تو اس کے سبب اللہ تعالیٰ پورے اجتماع کو جہنم کی آگ سے چھٹکارا عطا فرماتا ہے۔[3]

،،عزیزان محترم!اللہ کے خوف سے رونا سیکھو اگر آپ کو رونا نہیں آتا تو کم از کم کسی خدا کے خوف سے رونے والے کی صحبت میں جا کر چند گھڑیاں بیٹھ جاؤ۔ان کے اشکوں اور بھیگی پلکوں کے صدقے اللہ تعالیٰ آپ پر راضی ہو جائے گا۔

بھیگی بھیگی پلکیں:

روز محشر ایک بندہ لایا جائے گا حکم ہوگا کہ اس کو جنتی لباس پہناؤ،اسکو براق پر سوار کرو۔اور منادی کرو کہ یہ وہ بندہ ہے جو پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ اپنے گناہوں کو یاد کر کے اتنا رویا تھا کہ اس کی پلکیں بھیگ گئی تھیں،رب العالمین نے اس کو بخش دیا ہے۔اس وقت گناہگار لوگ بہت ہی شرمندہ اور افسردہ ہونگے کہیں گے:اے کاش!ہم اتنا روتے کہ ہماری پلکیں ہی اشکوں سے بھیگ جاتیں تو آج اس عذاب الہیٰ سے نجات مل جاتی بھائیو!اپنی آنکھوں کو رونا سکھاؤ۔کبھی مصلیٰ تو کبھی تکیہ اشکوں سے تر کرو۔پھر دیکھو کیا انعام واکرام ملتے ہیں۔

فرمان الہیٰ: رب العالمین کی رحمت عابدوں کی عبادت اور زاہدوں کے زہد سے زیادہ خطاکاروں کے آنسوؤں پر مشتاق ہوتی ہے۔رب العالمین فرماتا ہے :اے بندو اگر تم گناہ کرنا اور معافی مانگنا چھوڑ دو تو: **خلق اللہ امۃ یخطئون ویذنبون فیستغفرون فیغفر لھم۔** تو اللہ پاک ایسی جماعت پیدا کر دے گا جو خطائیں اور گناہ کریں گے پھر معافی مانگیں گے تو اللہ ان کو معاف کر دے گا۔[4]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :رب العالمین نے (کوہ طور پر) موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے

---

[1] (بیہقی)

[2] (الرقۃ والبکا)

[3] (الرقۃ والبکاء)

[4] (ابن جریر الطبری)

جوکلام کیا تھا ان قدسی کلمات میں یہ بھی تھا کہ: ولم یتعبدالی المتعبدون بمثل البکاء من خشیتی۔[1]
عبادت کرنے والے کوئی عبادت ایسی نہیں کرتے جو میرے خوف سے رونے کے برابر ہوسکے۔ سبحان اللہ عبادتیں تو سب بہتر ہیں لیکن رونا رونا ہے۔ رونا ایسی عبادت ہے۔ جو مالک الملک کو محبوب ہے۔ رب العالمین ہم سب کو رونے والی آنکھ عطا فرمائے۔

نبوی دعا: اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ہمارے پیارے محبوب ﷺ دعائیں مانگتے تھے دراصل وہ امت کو سکھانے کیلئے ہوتیں ان دعاؤں میں سے ایک یہ دعا بھی ہے: **اللھم ارزقنی عینین ھطالتین تبکیان بذروف الدموع۔**[2]
یااللہ مجھے رونے والی آنکھیں عطا کر جو آٹھ آٹھ آنسو رونے والی ہوں۔، یااللہ ایسی آنکھیں عطا کر جو تیری خشیت سے بہت زیادہ رونے والی ہوں۔ حدیث قدسی ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: **وعزتی وجلالی وارتفاعی فوق عرشی لاتبکی عین عبدفی الدنیامن مخافتی الاکثرت ضحکھافی الجنۃ۔**[3]
ترجمہ: مجھے میری عزت کی قسم، مجھے میرے جلال کی قسم مجھے عرش پر میری بلندی کی قسم! جس بندے کی آنکھ دنیا میں میرے خوف سے روتی ہے اس کا جنت میں ہنسنا زیادہ ہوگا۔ جو یہاں روئے گا وہ وہاں ہنسے گا۔ جو یہاں ہنسے گا اس کو وہاں رونا پڑے گا۔

اشکوں کی قیمت: تفسیر قرطبی میں ہے کہ ایک مرتبہ جبریل امین حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، ایک صحابی خوف خدا میں رو رہے تھے، جبریل علیہ السلام نے عرض کی یہ آدمی کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا فلاں صحابی ہے۔ جبریل امین کہنے لگے: یارسول اللہ ﷺ ہم اولاد آدم کی ہر نیکی کا وزن کرتے ہیں۔ سوا رونے کے، کیونکہ بندے کی آنکھ سے نکلا ہوا ایک آنسو بھی جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کو بجھا دیتا ہے۔[4]

کوشش تو کرو: خوش نصیب ہیں وہ بندے جن کو رب کائنات نے نرم دل عطا کیے ہیں وہ جلد ہی رو پڑتے ہیں۔ آیت قرآن سنتے ہیں یا نعت، رسول ﷺ سنتے ہیں۔ تو ان کا سیل اشک رواں ہوجاتا ہے۔ اگر کوئی سخت دل کا مالک، اسے رونا نہیں آتا تو بھی اسے رونے کی کوشش کرنی چاہیے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **ابکوفان لم تبکوافتباکوا۔** (ابن ماجہ)۔ روؤ اگر رونا نہیں آتا تو رونے کی کوشش کرو۔، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يُرْسَلُ الْبُكَاءُ عَلَى أَهْلِ النَّارِ، فَيَبْكُونَ حَتَّى يَنْقَطِعَ الدُّمُوعُ، ثُمَّ يَبْكُونَ الدَّمَ حَتَّى يَصِيرَ فِي وُجُوهِهِمْ كَهَيْئَةِ الْأُخْدُودِ، لَوْ أُرْسِلَتْ فِيهَا السُّفُنُ لَجَرَتْ۔[5]
کہ دوزخیوں پر رونا بھیج دیا جائے گا پھر جہنمی لوگ جہنم میں اتاروئیں گے کہ ان کے آنسو ختم ہوجائیں گے پھر وہ خون کے آنسو روئیں گے اتاروئیں گے کہ ان کے چہروں پر رونے سے گڑھے پڑ جائیں گے۔ اتاروئیں گے کہ اگر ان کے آنسوؤں میں کشتیاں چلائی جائیں تو چلنے لگیں۔

اگر رونا نہ آئے تو بتکلف رویا کرو: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ نے فرمایا: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ نَزَلَ بِحُزْنٍ، فَإِذَا قَرَأْتُمُوهُ فَابْكُوا، فَإِنْ لَمْ تَبْكُوا فَتَبَاكَوْا،

---

[1] (طبرانی)
[2] (احمد)
[3] (الترغیب والترھیب)
[4] (قرطبی)
[5] (ابن ماجہ ج ۲ ص ۴۴۶ باب ذکر الشفاعۃ)

وَتَغَنَّوْا بِهٖ فَمَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِهٖ فَلَيْسَ مِنَّا۔[1]

یہ قرآن دکھوں کے (واقعات) ساتھ نازل ہوا ہے، پھر جب تم قرآن کو پڑھو تو رویا کرو اگر رونا نہ آئے تو بتکلف رویا کرو۔ اور قرآن کو خوش الحانی سے پڑھو جو قرآن کو خوش الحانی سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں۔

مستانے کی نصیحت: حاکم وقت ہارون رشید حج کے سفر میں تھے، جب وہ مکہ سے عرفات کی طرف نکلے راستے میں مست فقیر بہلول کھڑے تھے جب شاہی قافلہ شان وشوکت سے گزرا تو وہ مستانہ چیختا چلاتا ہارون رشید کی سواری کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ ہارون نے کہا کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا اے ہارون ہم نے سنا ہے کہ ساری کائنات کے تاجدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جب حج پر تشریف لائے تھے، تو جس اونٹ پر آپ ﷺ سوار تھے اس پر کم قیمت والا پالان رکھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ کی سواری کے آگے لوگوں کو دور رکھنے کیلئے ہٹو بچو کہنے والا کوئی نہیں تھا۔ اے بادشاہ تجھے اس سفر میں تکبر اور بڑائی اور شاہی رعب وتاب کے بجائے نیازمندی سے چلنا بہتر ہے۔ یہ نصیحت سن کر ہارون رشید اتنا رویا کہ اس کے آنسو زمین پر گرنے لگے۔ پھر بہلول سے کہنے لگا: مجھے کوئی اور نصیحت کرو۔ تو بہلول نے یہ شعر پڑھے اور ہارون رشید بے انتہا رو رہا تھا۔ یعنی اے دنیادار دنیا کی نعمتوں کو دیکھ کر مغرور مت بن، کیونکہ عمر پوری ہو جائے گی اور نعمتیں یہیں ختم ہو جائیں گی۔ جب تو کوئی جنازہ قبرستان کی طرف اٹھا کر چلتا ہے، تو یقین جان کہ اس کے بعد تو بھی اس طرف اٹھایا جائے گا۔

رونے کے روحانی فوائد:

آنسو روحانیت کے سفر کے معاون ہیں۔ جن کو روحانیت سے حصہ حاصل ہوا ہے، اور جو باطن کے سفر کے راہی ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ان کیلئے آنسو کتنے قیمتی ہیں۔ آنسو بہانے سے ان کی منزلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ سالوں کا سفر ساعتوں میں طے ہو جاتا ہے۔ رونا بندے کو مولا کے قریب کر دیتا ہے۔ رونا ادنیٰ کو اعلیٰ بنا دیتا ہے۔ رونا بدبختوں کو خوش بخت بنا دیتا ہے۔ رونا جہنمیوں کو جنتی بنا دیتا ہے۔ رونا اسرار اور انوار کے دروازے کھول دیتا ہے۔ رونا محبوں اور مشتاقوں کا شیوہ ہے۔ وہ دیکھو عطار رو رہا ہے، دیکھو دیکھو وہ رومی آہیں بھر رہا ہے۔ دیکھو رازی سسکیاں لے رہا ہے۔ سنو تو بغداد سے رونے کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ سنو سنو اجمیر سے چیخ و پکار کی آواز آرہی ہے۔ ذرا کان تو کھولو وہ سرہند سے رونے دھونے کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ وہ بلخ وبخارا سے رونے کے آلاپ آرہے ہیں۔ وہ مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے رونے کی آوازیں آرہی ہیں۔ کوئی آدھی رات کو رو رہا ہے، تو کوئی ساری ساری رات رو رہا ہے۔ کوئی نماز میں رو رہا ہے تو کوئی دعا اور مناجات میں رو رہا ہے۔ کوئی آنسو بہا رہا ہے۔ کوئی دھاڑیں مار کر رو رہا ہے۔ ارے دوستو! تمہاری آنکھیں کیوں خشک ہوگئی ہیں؟ یارو! اگر دنیا آخرت کی بھلائیاں چاہتے ہو تو پھر آنکھوں کو تر بتر کرنا سیکھو۔ جاؤ اللہ والوں کی صحبتوں میں جا کر بیٹھو تا کہ تمہاری آنکھیں آنسوؤں سے آشنا ہوں۔ کیونکہ جو رونے سے آشنا نہیں اس نے روحانیت کی وادی میں ابھی قدم ہی نہیں رکھا۔ من لایعرف الدموع لایعرف الرحمۃ۔ یعنی جو آنسوؤں کو نہیں جانتا وہ رحمت کو نہیں پہچانتا۔ جس نے ہجر یار کے عذاب سہے وہ کیونکر نہیں روئے گا۔

ملائکہ وانبیاء کا رونا: سید العرب والعجم حضرت محمد ﷺ فرماتے ہیں:،، جبریل امین جب بھی میرے پاس آتے ہیں روتے ہوئے آتے ہیں۔ اس (جبریل) نے کہا کہ جب سے رب العالمین نے جہنم کو پیدا کیا ہے تب سے وہ ہنسے نہیں۔،، سید الخائفین حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ مَاجَاءَنِیْ جِبْرِیْلُ قَطُّ اِلَّا وَھُوَ یَرْعَدُ خَوْفًا مِنَ الْجَبَّارِ۔ حضرت سیدنا جبریل علیہ السلام میرے پاس جب بھی آئے اللہ جبار کے

---

[1] (ابن ماجہ ج ۱ ص ۴۲۴ باب فی حسن الصوت بالقرآن رقم ۱۳۳۷)

خوف کی وجہ سے کانپ رہے ہوتے تھے۔

مروی ہے کہ جب ابلیس کا مردود ہونا ظاہر ہوا تو حضرت سیدنا جبریل اور حضرت سیدنا میکائیل علیہما السلام رونے لگے۔اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی طرف وحی بھیجی کہ تم دونوں کیوں روتے ہو؟ انہوں نے عرض کی اے رب عزوجل! ہم تیری خفیہ تدبیر سے بے خوف نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم اسی طرح رہنا اور کبھی میری خفیہ تدبیر سے بے خوف نہ ہونا۔

اسی طرح حضرت سیدنا محمد بن منکدر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جب آگ کو پیدا کیا گیا تو فرشتوں کے دل اپنی جگہ سے اڑنے لگے پھر جب انسانوں کو پیدا کیا گیا تو واپس آگئے۔

حضرت سیدنا انس (رضی اللہ تعالیٰ عنہُ) سے مروی ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا جبریل علیہ السلام سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے میں حضرت سیدنا میکائیل علیہ السلام کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھتا؟ حضرت سیدنا جبریل علیہ السلام نے جواب دیا جب سے جہنم کو پیدا کیا گیا ہے میکائیل علیہ السلام نہیں ہنسے۔[1]

حبیب کریم ﷺ فرماتے ہیں: اللہ کے عرش کے اٹھانے والے فرشتے اللہ کے خوف میں اتنا رو رہے ہیں کہ ان کی آنکھیں نہر کی مانند بہہ رہی ہیں ۔،،آپ ﷺ نے فرمایا: جب میں سفر معراج میں چوتھے آسمان پر پہنچا تو مجھے رونے کی آواز آئی ،میں نے کہا جبریل یہ کس کا رونا ہے؟ عرض کی یارسول اللہ ﷺ آسمان والے آپ ﷺ کی گناہگار امت کی مغفرت کیلئے رو رہے ہیں۔[2]

جبریل علیہ السلام رو دیئے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ بتاؤ سب سے اچھی جگہ کونسی ہے؟ جبریل نے عرض کی مجھے معلوم نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے بارے میں اللہ سے پوچھو،**فبکی جبریل علیہ السلام** اس پر حضرت جبریل علیہ السلام رو پڑے۔عرض کی یارسول اللہ ﷺ ہماری کیا مجال کہ اس باری تعالیٰ (بے نیاز احکم الحاکمین) سے کچھ پوچھ سکیں،وہ خود ہی ہمیں جو کچھ چاہتا ہے خبر دیتا ہے۔پھر جبریل علیہ السلام آسمان پر چڑھ گئے پھر واپس آئے عرض کی :**خیر البقاع بیوت اللہ فی الارض** یعنی زمین پر سب سے اچھی جگہیں اللہ کے گھر ہیں۔آپ ﷺ نے پھر فرمایا زمین پر بری جگہیں کونسی ہیں ؟ پھر جبریل آسمان پر گئے،واپس آ کر عرض کی کہ: زمین پر سب سے بری جگہیں بازار ہیں۔[3]

حضرت آدم علیہ السلام کا رونا:

ہم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں،سب انسانوں کا بابا۔ابوالبشر،حضرت سیدنا آدم علیہ السلام اور سب انسانوں کی ماں سیدہ حوا رضی اللہ عنہا ہیں۔سب سے پہلے اس دنیا کو بسانے والا جوڑا یہی ہے اب ذرا ان کی زندگی پر غور کریں وہ دنیا میں جب تشریف لائے تو روتے ہوئے آئے تھے۔تفسیر ابن کثیر میں ایک روایت ہے کہ: جب حضرت آدم علیہ السلام نے منع شدہ درخت کو چکھ لیا اسے رب العالمین نے فرمایا اے آدم علیہ السلام تجھے اس کام کیلئے کس نے آمادہ کیا۔عرض کی خدایا میری بیوی نے۔رب العالمین نے فرمایا وہ تکلیف سے حمل اٹھائے گی۔تکلیف سے بچہ جنے گی ،ماہوار خون کی تکلیف دیکھے گی۔جب یہ بات بی بی حواء صاحبہ نے سنی تو رونے لگی۔رب العالمین نے فرمایا یہ رونا حوا اور اس کی بیٹیوں پر قیامت تک میں نے لازم کر دیا۔[4]

---

[1] (مجمع الزوائد جلد ۱۰ ص ۳۸۵ کتاب صفۃ النار)

[2] (الرقۃ والبکاء)

[3] (طبرانی اوسط،الترغیب والترہیب)

[4] (تفسیر ابن کثیر)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر اتارا گیا تو وہ تین سو سال تک روتے رہے۔ حتی کہ سراندیپ میں ان کے آنسوؤں سے سبزہ اگ آیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ: اگر ساری دنیا کے انسانوں کا رونا اکٹھا کیا جائے تو بھی حضرت آدم علیہ السلام کا رونا زیادہ ہو جائے گا۔[1]

روایت ہے مسلم ابن یسار سے فرماتے ہیں کہ عمر ابن الخطاب سے آیت کے متعلق پوچھا گیا جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پیٹھوں سے ان کی ذریت نکالی الایہ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ سے یہ ہی سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا پھر ان کی پیٹھ کو اپنے ہاتھ سے ملا تو اس سے ان کی اولاد نکلی تو فرمایا کہ انہیں میں نے جنت کی لیئے بنایا یہ جنتیوں کے کام کریں گے پھر ان کی پشت ملی تو اس سے اولاد نکلی تو فرمایا انہیں میں نے آگ کے لیئے بنایا یہ لوگ دوزخیوں کے کام کریں گے ایک شخص بولا پھر عمل کاہے میں رہا یارسول اللہ ﷺ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقیناً اللہ جس بندے کو جنت کے لیے پیدا فرماتا ہے تو اس سے جنتیوں کے کام لیتا ہے یہاں تک کہ وہ جنتیوں کے اعمال میں سے کسی عمل پر مرتا ہے اس بنا پر اسے داخل فرماتا ہے جنت میں اور جب بندے کو دوزخ کے لیے پیدا فرماتا ہے تو اس سے دوزخیوں کے کام لیتا ہے تا آنکہ وہ دوزخیوں کے کاموں میں سے کسی کام پر مرتا ہے جس کی وجہ سے اسے دوزخ میں داخل فرماتا ہے۔[2]

حضرت نوح علیہ السلام کا رونا: نوح کا معنی رونے والا، آپ واقعی ساری زندگی اللہ کے خوف سے روتے رہے۔ روایت میں آتا ہے کہ آپ تین سو برس تک روتے رہے حتی کہ آپ کی آنکھوں کے نیچے زیادہ رونے کے سبب گڑھے پڑ گئے تھے۔ (حلیۃ الاولیاء)

ارشاد: نوح علیہ السلام کی اُمت پر جس روز عذابِ طوفان نازل ہوا ہے، پہلی رجب تھی بارش بھی ہو رہی تھی اور زمین سے بھی پانی ابل رہا تھا۔ **بحکمِ ربُ العالمین** نوح علیہ السلام نے ایک کشتی تیار فرمائی جو ۱۰ رجب کو تیرنے لگی۔ اس کشتی پر ۸۰ آدمی سوار تھے جس میں دو نبی تھے (حضرت آدم و حضرت نوح علیہما السلام) حضرت نوح علیہ السلام نے اس کشتی پر حضرت آدم علیہ السلام کا تابوت رکھ لیا تھا اور اس کے ایک جانب مرد اور دوسری جانب عورتوں کو بٹھایا تھا۔ پانی اس پہاڑ سے جو سب سے بلند تھا ۳۰ ہاتھ اونچا ہو گیا تھا دسویں محرم کو چھ ماہ کے بعد سفینہ مبارکہ جودی پہاڑ پر ٹھہرا۔ سب لوگ پہاڑ سے اُترے اور پہلا شہر جو بسایا اس کا "سُوْقُ الثَّمَانِین" نام رکھا۔ یہ بستی جبل نہاوند کے قریب متصل موصل واقع ہے، اس طوفان میں دو عمارتیں مثل گنبد و منارہ باقی رہ گئی تھیں جنہیں کچھ نقصان نہ پہنچا۔ اُس وقت روئے زمین پر سوائے ان کے اور عمارت نہ تھی، امیر المؤمنین حضرت مولی علی (کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْھَہ، الْکَرِیْم) سے انہیں عمارتوں کی نسبت منقول ہے "بُنِیَ الْھَرْمَانُ۔۔۔۔۔ اَلنَّسْرُ فِی سَرْطَانَ" یعنی دونوں عمارتیں اس وقت بنائی گئیں جب ستارہ نسر نے برج سرطان میں تحویل کی تھی۔ نسر دو ستارے ہیں: نسرِ واقع و نسرِ طائر اور جب مطلق بولتے ہیں تو اس سے نسرِ واقع مراد ہوتا ہے۔ ان کے دروازے پر ایک گدھ کی تصویر ہے اور اسکے پنجہ میں گنگچہ ہے جس سے تاریخِ تعمیر کی طرف اشارہ ہے۔ مطلب یہ کہ جب نسرِ واقع برجِ سرطان میں آیا اس وقت یہ عمارت بنی جس کے حساب سے بارہ ہزار چھ سو چالیس سال ساڑھے آٹھ مہینے ہوتے ہیں کہ ستارہ چونسٹھ برس قمری سات مہینے ستائیس دن میں ایک درجہ طے کرتا ہے اور اب برجِ جدی کے سولھویں درجہ میں ہے تو جب سے چھ برج ساڑھے پندرہ درجے سے زائد طے کر گیا۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تخلیق سے بھی تقریباً پونے چھ ہزار برس پہلے کے بنے ہوئے ہیں کہ ان کی آفرینش (یعنی تخلیق) کو سات ہزار برس سے کچھ زائد ہوئے۔ لاجَرَم (یعنی ضرور) یہ قومِ جنّ کی تعمیر ہے کہ پیدائش آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے ساٹھ ہزار برس زمین پر رہ چکی ہے۔ مصر کے مثلث نما میناروں کو اہرامِ مصر کہا جاتا ہے، یہ مینار دریائے نیل سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہیں۔

---

[1] (مسند احمد)

[2] (مالک ترمذی، ابوداؤد، مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۹۳)

حضرت داؤد علیہ السلام کا رونا:

حضرتِ سیِّدُ نا مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرتِ سیِّدُ نا داؤد علیٰ نبینا وعلیہ الصلٰوۃ والسلام چالیس دن تک سجدے کی حالت میں روتے رہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ سے حیا کے سبب کبھی (آسمان کی طرف) اپنا سر نہ اٹھایا اور اتنا روئے کہ آپ علیہ الصلٰوۃ والسلام کے آنسوؤں سے گھاس اُگ آئی اور آپ علیہ السلام کے سر کو ڈھانپ لیا۔ پھر آپ علیہ السلام کو آواز دی گئی اے داؤد! کیا تو بھوکا ہے کہ تجھے کھانا کھلایا جائے یا پیاسا ہے کہ تجھے سیراب کیا جائے یا بے لباس ہے کہ تجھے کپڑے پہنائے جائیں یا مظلوم ہے کہ تیری مدد کی جائے؟ تو آپ علیہ السلام نے بلند آواز سے ایسی گریہ وزاری کی جس کی تپش سے گھاس سوکھ گئی۔ پھر اللہ عَزَّوَجَلَّ نے آپ علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی اور لغزش معاف فرمادی۔ پھر آپ علیہ السلام نے عرض کی: اے ربّ عَزَّوَجَلَّ! تو میری لغزش میری ہتھیلی میں ظاہر فرمادے۔ تو آپ علیہ السلام کی لغزش ہتھیلی میں لکھ دی گئی۔ جب آپ علیہ الصلٰوۃ والسلام اپنی ہتھیلی کھانے وغیرہ کے لئے دراز کرتے تو آپ علیہ الصلٰوۃ والسلام کے سامنے بیٹھا ہوا شخص اس کو دیکھ لیتا۔ آپ علیہ الصلٰوۃ والسلام کے پاس گلاس لایا جاتا جس میں دو تہائی پانی ہوتا۔ اسے پکڑنے کے لئے اپنا ہاتھ دراز کرتے اور اپنی لغزش دیکھتے تو گلاس نہ رکھتے یہاں تک کہ وہ آپ علیہ الصلٰوۃ والسلام کے آنسوؤں سے بھر جاتا۔ پھر آپ علیہ السلام نے عرض کی: یااللہ عَزَّوَجَلَّ! کیا تو میرے رونے پر رحم نہیں فرمائے گا؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے وحی فرمائی اے داؤد (علیہ السلام)! تجھے اپنی لغزش یاد نہیں اور رونا یاد ہے؟ تو آپ علیہ الصلٰوۃ والسلام نے عرض کی: یاالٰہی عَزَّوَجَلَّ! میں اپنی لغزش کیسے بھول سکتا ہوں۔ جب میں زبور کی تلاوت کرتا تھا تو پانی کا بہاؤ رک جاتا، تیز ہوا ساکن ہو جاتی، پرندے میرے سر پر سایہ کرتے اور جنگلی جانور میرے محراب کے پاس آجایا کرتے تھے۔ یاالٰہی عَزَّوَجَلَّ! کیا یہ میرے اور تیرے درمیان دوری نہیں؟ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے وحی فرمائی اے داؤد (علیہ السلام)! وہ اطاعت کی محبت تھی اور یہ معصیت کی وحشت ہے۔ اے داؤد (علیہ السلام)! آدم (علیہ السلام) کو میں نے اپنے دستِ قدرت سے بنایا، اس میں اپنی طرف سے خاص روح پھونکی، ملائکہ سے اس کو سجدہ کروایا، اُسے عزّت کا لباس پہنایا اور تاج عطا کیا۔ جب میری بارگاہ میں اُس نے تنہائی کی شکایت کی تو میں نے اس سے اپنی بندی حوا کا نکاح کر دیا، اسے جنت میں ٹھہرایا حتی کہ اس سے لغزش ہوئی تو میں نے اسے بے سروسامانی کی حالت میں جنت سے اُتار دیا کہ وہ اپنی سمجھ سے نہیں جانتا تھا کہ کہاں جائے، وہ چالیس سال تک روتا رہا اگر اس کے آنسوؤں کا وزن کیا جائے تو تمام مخلوق کے آنسوؤں کے برابر ہو جائے۔[1]

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا رونا:

حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: حضرت سیدنا یحیی بن زکریا علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام اتنا روتے کہ آپ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے رخسار پھٹ گئے اور داڑھیں ظاہر ہوگئیں تو آپ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ نے آپ سے فرمایا: بیٹا! تم مجھے اجازت دو کہ میں اون کے دو ٹکڑے تمہارے گالوں پر رکھ دوں تا کہ تمہاری داڑھیں چھپ جائیں۔ آپ نے اجازت دے دی تو انہوں نے آپ کے رخساروں پر انہیں چسپاں کر دیا پھر جب آپ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام روتے تو وہ آنسوؤں سے بھر جاتے اور آپ کی والدہ انہیں نچوڑ دیتیں اور آپ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے آنسو اپنے بازو پر بہا دیتیں۔

اُم المؤمنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت زیادہ رونے والے شخص تھے،

---

[1] (الموسوعۃ للامام ابن ابی الدنیا، کتاب الرقۃ والبکاء، الحدیث ۳۸۵، ج ۳، ص ۲۴۷ مختصراً)

جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی آنکھوں پر قابو نہ رہتا۔[1]

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رونا:

حضرت سیدنا عبید اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اللہ کے محبوب، دانائے غُیوب، مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب عزوجل وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم میں جو سب سے انوکھی چیز دیکھی وہ ہمیں بیان فرمائیں تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کچھ دیر سکوت فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا: ایک رات شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن و جمال صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! آج رات مجھے اپنے رب عزوجل کی عبادت کرنے دو۔ میں نے عرض کی: مجھے آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی قربت محبوب ہے اور آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی خوشی بھی عزیز ہے۔ پھر آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم وضو کر کے نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور مسلسل روتے رہے یہاں تک کہ آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کی گود مبارک تر ہو گئی، پھر اتنا روئے کہ آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی، جب حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کا وقت ہو جانے کی خبر دینے حاضر ہوئے اور آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کو روتے ہوئے پایا تو عرض کی: یارسول اللہ عزوجل وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم! آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کیوں رو رہے ہیں؟ حالانکہ اللہ عزوجل نے آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے سبب آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہوں کو معاف فرما دیا ہے۔ تو آپ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا: کیا میں اللہ عزوجل کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ بے شک آج رات مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے کہ جو اسے پڑھ کر اس میں غور نہ کرے اس کے لئے ہلاکت ہے، وہ آیت مبارکہ یہ ہے:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ (البقرۃ ۱۶۴)

ترجمۂ کنزالایمان: بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات و دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ جو دریا میں لوگوں کے فائدے لے کر چلتی ہے اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جِلا دیا (زندہ کیا) اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور وہ بادل کہ آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے ان سب میں عقلمندوں کے لئے ضرور نشانیاں ہیں۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اتنی عبادت فرمایا کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پائے مبارک متورم ہو جاتے۔ (حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)[3]

ایک روایت میں ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب نماز شروع فرماتے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سینہ مبارک ہنڈیا کی طرح جوش مارتا تھا۔[4]

---

[1] (صحیح البخاری، کتاب الصلاۃ، باب المسجد یکون فی الطریق۔۔۔۔۔الخ، الحدیث ۴۷۶: ص ۴۰)

[2] (پ2، البقرۃ164:) (صحیح ابن حبان، باب ذکر البیان، بان المرء علیہ اذا خلا۔۔۔۔۔الخ، الحدیث ۶۱۹: ج ۲ ص ۸)

[3] (صحیح البخاری، کتاب التہجد، باب قیام النبی حتی ترم قدماہ، الحدیث ۱۱۳۰: ج ۱ ص ۳۸۴)

[4] (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۲۵ مرویات عبد اللہ بن شخیر)

دعاء رسول ﷺ :

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ :كَانَ مِنْ دُعَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اللَّهُمَّ ارْزُقْنِي عَيْنَيْنِ هَطَّالَتَيْنِ تبْكِيَانِ بِذُرُوفِ الدُّمُوعِ، وَتَشْفِيَانِي مِنْ خَشْيَتِكَ قَبْلَ أَنْ يَكُونَ الدُّمُوعُ۔[1]

ترجمہ: حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کی دعاؤں میں سے یہ ہے کہ: اے اللہ! مجھے وہ آنکھیں عطا کر جو بہت آنسو بہانے والی ہوں جو اشکوں سے بہنے والی ہوں۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ -قَالَ :قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اقْرَأْ عَلَيَّ قُلْتُ :اَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ؟قَالَ فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ سُورَةَ النِّسَاءِ، حَتَّى بَلَغْتُ {فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا} (النساء 41) قَالَ أَمْسِكْ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ۔[2]

ترجمہ: حضرت عمرو بن مرہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ قرآن تو آپ ﷺ پر نازل ہوا ہے۔اور میں پڑھ کر سناؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک مجھے اپنے علاوہ کسی اور سے قرآن سننا بہت پسند ہے۔پھر میں نے سورۃ نساء کی تلاوت شروع کی، جب میں اس آیۃ پر پہنچا: {فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا} تو کیسی ہوگی جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں (انساء ۴۱) آپ ﷺ نے فرمایا کافی ہوگیا۔میں نے آپ ﷺ کے چہرہ کو دیکھا تو آپ ﷺ کے چشمان مقدس سے آنسو بہہ رہے تھے۔

امام الانبیاء رو رہے ہیں:

عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ :كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جِنَازَةٍ، فَجَلَسَ عَلَى شَفِيرِ الْقَبْرِ، فَبَكَى، حَتَّى بَلَّ الثَّرَى، ثُمَّ قَالَ: يَا إِخْوَانِي لِمِثْلِ هَذَا فَأَعِدُّوا۔[3]

ترجمہ: حضرت سیدنا براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنازہ میں تھے۔آپ ﷺ قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور روئے۔آپ ﷺ اتنا روئے کہ زمین آپ ﷺ کے مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی۔پھر فرمایا اس کیلئے تیاری کرو۔،قبر میں جانے کیلئے تیاری کرو۔اس وحشت ناک اور اکیلا رہنے والے گھر کے لئے کچھ صالح اعمال کرو۔

رسالت مآب ﷺ کے آنسو:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: انْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ جِنَازَةِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ، وَدُمُوعُهُ تَحَادَرُ عَلَى لِحْيَتِهِ۔[4]

ترجمہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سعد بن معاذ کے جنازے سے لوٹے تو آپ ﷺ کے آنسو مبارک آپ ﷺ کی داڑھی مبارک پر بہہ رہے تھے۔

---

[1] (الزھد والرقائق لابن المبارک والزھد لنعیم بن حماد ج ۱ ص ۱۶۵ باب توبۃ داود علیہ السلام وذکر الانبیاء علیہم السلام)

[2] (صحیح البخاری ج ۶ ص ۴۵ باب {فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا})

[3] (سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۴۰۳ باب الحزن والبکاء رقم الحدیث ۴۱۹۵)

[4] (المعجم الکبیر للطبرانی ج ۶ ص ۹ باب سعد بن معاذ ثم الاشھلی، بدری احدی)

امت کیلئے آنسو:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ إبراهيم عليه السلام رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيراً مِنَ النَّاسِ الآية، وَقَوْلَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبادُك [المائدة118 :] الآية، ثم رفع يَدَيْهِ ثُمَّ قَالَ :اللَّهُمَّ، أُمَّتِي، اللَّهُمَّ أُمَّتِي، اللهم أمتي وبكى فقال الله :اذهب يا جبريل إِلَى مُحَمَّدٍ، وَرَبُّك أَعْلَمُ، وَسَلْهُ مَا يُبْكِيك؟ فَأَتَاهُ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسَأَلَهُ، فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ، فَقَالَ اللهُ :اذْهَبْ إِلَى مُحَمَّدٍ فَقُلْ لَهُ :إنا سنرضيك في أمتك ولا نسوءك۔[1]

ترجمہ ,,اے میرے رب بیشک بتوں نے بہت لوگ بہکا دیئے تو جس نے میرا ساتھ دیا وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا تو بیشک تو بخشنے والا مہربان ہے۔،، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی ,,اگر تو انہیں عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا،،اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے دونوں دست مبارک اٹھائے پھر فرمایا اللَّهُمَّ أُمَّتِي، اللَّهُمَّ أُمَّتِي، اللهم أمتي اے اللہ! میری امت، اے اللہ! میری امت، اے اللہ! میری امت یہ کہتے ہوئے رونے لگے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔اے جبریل محمد ﷺ کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ آپ ﷺ کو کیا چیز رلا رہی ہے؟ (حالانکہ اللہ جانتا ہے) تو جبریل آپ کے پاس آئے اور جو کچھ آپ ﷺ نے امت کے معاملے میں فرمایا۔جبریل نے بارگاہ رب ذوالجلال میں عرض کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے جبریل! میرے حبیب کے پاس جاؤ اور ان سے کہو بے شک میں تم کو تمہاری امت کے بارے راضی کرونگا اور آپ کو رنجیدہ نہ ہونے دوں گا۔[2]

سورج گرہن کے وقت رونا:

روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج کو گرہن لگا تو آپ ﷺ نے اعلانچی بھیجا کہ نماز تیار ہے پھر آپ ﷺ امام ہوئے تو دو رکعتوں میں چار رکوع اور چار سجدے کیئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس سے دراز رکوع و سجدے کبھی نہ کیے۔(مسلم، بخاری) جس دن حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ کی وفات ہوئی بعض علماء فرماتے ہیں کہ وہ چاند کی دس تاریخ تھی لہذا فلاسفہ کا یہ قول باطل ہے کہ سورج گرہن چاند کی بالکل آخری تاریخوں میں ہی لگ سکتا ہے۔خیال رہے کہ کفار عرب اور مشرکین ہند کے اس گرہن کے متعلق عجیب خیالات ہیں۔کفار عرب کہتے تھے کہ کسی برے آدمی کی پیدائش یا اچھے آدمی کی وفات پر گرہن لگتا ہے۔مشرکین ہند کا عقیدہ ہے کہ چاند اور سورج پہلے انسان تھے، انہوں نے بھنگیوں چماروں سے کچھ قرض لیا اور ادا نہ کیا اس سزا میں انہیں گرہن لگتا ہے۔چنانچہ ہندو گرہن کے وقت بھنگیوں کو خیرات دیتے ہیں اور مانگنے والے بھنگی بھی کہتے ہیں کہ سورج مہاراج کا قرض چکاؤ۔اسلام ان لغویات سے مبرا ہے، وہ فرماتا ہے کہ یہ اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جب چاہے چاند سورج کو نورانی کردے اور جب چاہے ان کا نور چھین لے۔چونکہ یہ قہر خداوندی کے ظہور کا وقت ہے اس لیے اس وقت نماز پڑھو، دعائیں مانگو، صدقہ دو، غلام آزاد کرو تا کہ رحم کیے جاؤ۔

حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر آپ ﷺ کے آنسو مبارک:

عَنْ جدتها أسماء بنت عميس أنها قالت :لما أصيب جَعْفَر وأصحابه دخل علي رَسُول اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وقد عجنت عجيني، وغسلت بني ودهنتهم ونظفتهم، فقال رَسُول الله صلى الله عليه وسلم: ائتيني بيني جَعْفَر، فأتيته بهم، فشمهم ودمعت

---

[1] (تفسیر ابن کثیر ابراهیم ۳۶)

[2] (ابن کثیر ج ۱ ص ۵۴۰)

عيناه، فقلت :يارسول الله، بأبي وأمي مايبكيك؟أبلغك عَنْ جَعْفَر و أصحابه شيء؟قال :نعم، أصيبوا هذا اليوم،

ترجمہ: اسماء بنت عمیس کہتی ہیں کہ جب جنگ موتہ میں حضرت جعفر اور ان کے ساتھی شہید ہو گئے تو حضور ﷺ اس وقت ہمارے پاس تشریف لائے میں آٹا گوندھ رہی تھی اور اپنے بچوں کو نہلا دھلا کر تیار کر رہی تھی۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا میرے پاس جعفر کے بچوں کو لاؤ۔ میں لے کر آئی تو آپ ﷺ نے ان سے پیار کیا ان کو گلے لگایا تو حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیا جعفر کے بارے میں کوئی خبر آئی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں وہ آج شہید ہو گئے ہیں۔[1]

حضور ﷺ کا خطبہ دیتے ہوئے رونا:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِقَوْمٍ يَضْحَكُونَ فَقَالَ أَتَضْحَكُونَ؟ وَذِكْرُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ؟ قَالَ فَمَا رُئِيَ أَحَدٌ مِنْهُمْ ضَاحِكًا حَتَّى مَاتَ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا گزر ایک قوم پر ہوا وہ ہنس رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا تم ہنستے ہو حالانکہ جنت اور دوزخ کا ذکر تمہارے سامنے ہے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے موت تک کسی کو ہنستے نہیں دیکھا۔[2]

جہنم کے خوف سے رونا : اے ابو جعفر! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ، ایک بار حضرت سیدنا جبرائیل امین علیہ السلام سیِّدُ المبلغین، رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی : یارسول اللہ عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ! میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہ میں اس وقت آیا جب اللہ رب العزت نے (فرشتوں) کو حکم دیا کہ، قیامت تک جہنم کی آگ بھڑکاتے رہو۔

سرکارِ مدینہ، قرارِ قلب سینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا : میرے سامنے دوزخ کے کچھ احوال بیان کرو، عرض کی : یارسول اللہ عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ! اللہ عزوجل نے ابتداً دوزخ کی آگ بھڑکانے کا حکم دیا چنانچہ وہ ایک ہزار سال تک جلتی رہی یہاں تک کہ سرخ ہو گئی، پھر ایک ہزار سال تک دوبارہ بھڑکایا گیا تو زرد ہو گئی، پھر ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا تو سیاہ ہو گئی، اور اب وہ سیاہ، سخت اندھیرے والی ہے، اس کے شعلے اور انگاروں میں روشنی نہیں، اس پاک پروردگار عزوجل کی قسم! جس نے آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی نبی برحق بنا کر بھیجا اگر جہنمیوں کے لباس کا ایک کپڑا بھی زمین والوں پر ظاہر کر دیا جائے تو روئے زمین کے تمام لوگ ہلاک ہو جائیں، اگر جہنم کے پانی کا ایک قطرہ بھی زمین کے پانی میں ڈال دیا جائے تو سارا پانی کڑوا ہو جائے اور جو بھی اسے چکھے وہ ہلاک ہو جائے، اور جہنم کی وہ زنجیریں جن کا تذکرہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے، اگر ان میں سے ایک ذراع کے برابر بھی زمین کے تمام پہاڑوں پر ڈال دی جائے تو تمام پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں، اور اگر جہنمیوں میں سے کوئی شخص جہنم سے باہر آجائے تو اس کی بدبو اور جلے ہوئے جسم کو دیکھ کر تمام لوگ ہلاک ہو جائیں۔ سرکارِ مدینہ ،قرارِ قلب سینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم یہ سن کر رونے لگے، آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کو روتا دیکھ کر حضرت سیدنا جبریل امین علیہ السلام بھی رونے لگے اور پھر عرض کی : یارسول اللہ عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ! اللہ عزوجل نے تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے صدقے آپ کے اگلوں، پچھلوں کے گناہ معاف فرما دیئے ہیں پھر بھی آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم اس قدر رو رہے ہیں؟ یہ سن کر رسولوں

---

[1] (اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۴۳ باب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ)

[2] (مسند البزار ج ۶ ص ۱۷۴ باب مصعب بن ثابت، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما)

کے سالار دو عالم کے مالک ومختار باذنِ پروردگار، شہنشاہِ ابرار عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: کیا میں اپنے رب عزوجل کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟[1]

ابوطالب کے آگے آنسو بہانا : جب حکمِ خداوندی عَزَّ وَجَلَّ سے علی الاعلان اسلام کا پیغام دینا شروع کیا اور بت پرستی کی مَذَمَّت بیان کرنے لگے تو کفر کے ایوانوں میں کھلبلی پڑ گئی۔ سرداران قریش ایک وَفد کی صورت میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے چچا ابوطالب کے پاس آئے اور اپنی شکایت پیش کی کہ آپ کے بھتیجے صاحب ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہنے کے ساتھ ساتھ ہمارے آباؤ اَجداد کو گمراہ اور ہم لوگوں کو احمق ٹھہراتے ہیں، آپ برائے مہربانی ان کو سمجھا دیجئے کہ وہ ایسا نہ کریں، اگر آپ سمجھا نہیں سکتے تو بیچ میں سے ہٹ جایئے ہم خود انہیں سمجھ لیں گے۔ ابوطالب اگرچہ ایمان تو نہ لائے لیکن اپنے بھتیجے یعنی سیِّدُنا محمدٌ رَّسولُ اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے بے حد مَحَبَّت کرتے تھے لہٰذا قریش کے سرداروں کو نرمی کے ساتھ سمجھا بجھا کر رخصت کر دیا۔

دعوتِ اسلام کا سلسلہ زور وشور سے جاری رہا، چُنانچہ کفّارِ قُریش کے اندر تاجدارِ رسالت صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے خلاف بُغض وعداوت کی آگ مزید بھڑک اُٹھی، وہ پھر وَفد بنا کر ابوطالب کے پاس آئے اور دھمکی آمیز لہجے میں کہنے لگے: ابوطالب! ہم نے تم سے کہا تھا کہ اپنے بھتیجے کو سمجھا دو مگر تم نے ان کو نہیں سمجھایا، ہم اپنے معبودوں اور آباؤ اَجداد کی توہین برداشت نہیں کر سکتے، ہم تمہاری عزّت کرتے ہیں، تم ان کو اب بھی روک دو، اگر نہیں روکنا چاہتے تو تم بھی ہمارے ساتھ مقابلے کے لئے تیّار ہو جاؤ تاکہ دونوں فریق میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ وہ لوگ یہ دھمکی دے کر چلے گئے۔ ابوطالب نے سرکارِ دو عالم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو بلا کر عرض کی: اے میرے پیارے بھتیجے! قوم نے مجھے آپ کے بارے میں یہ یہ شکایات کی ہیں، مہربانی کر کے باز آجایئے۔ اپنے آپ پر بھی اور مجھ پر بھی رحم کیجئے۔ یہ سن کر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے جواباً ارشاد فرمایا: اے میرے چچا! خدا عَزَّ وَجَلَّ کی قسم! اگر وہ لوگ میرے سیدھے ہاتھ میں سورج اور الٹے ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دیں، جب بھی میں اس کام کو ہرگز ہرگز نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ اللہ عَزَّ وَجَلَّ اسے (یعنی اسلام کو) غالب کر دے یا میں اس کام میں اپنی جان دے دوں۔ پھر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم رو پڑے اور واپس جانے لگے، تو اپنے پیارے بھتیجے صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا یہ عزم واستقلال دیکھ کر ابوطالب کو جوش آگیا اور بُلا کر کہنے لگے: اے بھتیجے صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم! خوب دل کھول کر اپنے دین کی تبلیغ کیجئے، اہلِ قریش آپ کا بال بھی بیکا نہ کر سکیں گے۔[2]

سیِّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا جہیز دیکھ کر رونا:

حضرتِ سیِّدُنا علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم ارشاد فرماتے ہیں : میں نے اپنی زرہ لی اور بازار میں حضرت سیِّدُنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو چار سو درہم میں فروخت کر دی۔ جب میں نے درہموں پر اور انہوں نے زرہ پر قبضہ کر لیا تو مجھ سے فرمانے لگے : اے علی! کیا اب میں آپ سے زیادہ زرہ کا اور آپ مجھ سے زیادہ دراہم کے حق دار نہیں؟ میں نے کہا : کیوں نہیں۔ تو کہنے لگے : پھر یہ زرہ میری طرف سے آپ کو ہدیہ ہے۔ حضرتِ سیِّدُنا علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم فرماتے ہیں : میں نے زرہ اور دراہم لئے اور رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر حضرتِ سیِّدُنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حسنِ سلوک کی خبر دی تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے انہیں خیر وبرکت کی دعا دی اور پھر حضرتِ سیِّدُنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر مٹھی بھر دراہم انہیں دیئے اور فرمایا : ان دراہم کے عوض فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے لئے مناسب اشیاء خرید لاؤ۔ حضرتِ سیِّدُنا سلمان فارسی

---

[1] (شعب الایمان، باب فی الخوف من اللہ تعالی، رقم ۷۹۹، ج ۱، ص ۴۸۹ بتغیر قلیل)

[2] (اَلسِّیْرَۃُ النَّبَوِیَّۃ لابن ہشام ص ۱۰۳، ۱۰۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اور حضرتِ سیّدُ نا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خریدی ہوئی اشیاء اٹھانے میں مدد کے لئے ساتھ بھیجا۔ حضرتِ سیّدُ نا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں : مجھے حضور نبی پاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے تریسٹھ (۶۳) درہم عطا فرمائے تھے، میں نے روئی سے بھرا ہوا موٹے کپڑے کا بستر، چمڑے کا دسترخوان، چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے، پانی کے لئے ایک مشکیزہ اور کوزہ اور نرم اُون کا ایک پردہ خریدا۔ پھر میں، حضرتِ سلمان اور حضرتِ بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تھوڑا تھوڑا کر کے وہ سامان اٹھالیا اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ جب آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے دیکھا تو رونے لگے اور آسمان کی جانب نگاہ اٹھا کر عرض کی : یااللہ عَزَّوَجَلَّ ! ایسے لوگوں کو اپنی برکت سے نواز جن کا شعار ہی تجھ سے ڈرنا ہے۔

حضرتِ سیّدُ نا علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم ارشاد فرماتے ہیں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے بقیہ درہم حضرت سیّدَتُنا اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے کر دیئے اور ارشاد فرمایا : ان دراہم کو اپنے پاس رکھو۔ پھر ایک مہینہ تک شرم وحیاء کے باعث میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ جب کبھی راستے میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے ملاقات ہوتی تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم ارشاد فرماتے : اے علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)! میں نے تمہارا نکاح اس کے ساتھ کیا ہے جو تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار ہے۔

حضرت سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی رخصتی کے وقت رونا:

حضرتِ سیّدُ نا علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم ارشاد فرماتے ہیں : جب مہینہ گزر گیا تو میرے بھائی حضرتِ عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے : اے میرے بھائی! آج تک میں اتنا خوش نہیں ہوا جتنا یہ سن کر خوش ہوا کہ تمہاری شادی بنتِ رسول صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم ورضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوگئی ہے، اب اگر آپ ان کو اپنے گھر بھی لے آئیں تو اس سے ہمارے دل خوش ہوں گے۔ میں نے جواب دیا: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں بھی یہی چاہتا ہوں لیکن مجھے سرکار صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے شرم آتی ہے۔ انہوں نے کہا : میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ چلیں۔ لہٰذا ہم آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی بارگاہ میں ملاقات کے ارادے سے گھر سے نکلے تو راستے میں ہماری ملاقات آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی خادمہ حضرت اُمِّ اَیمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوگئی۔ ہم نے ان سے تذکرہ کیا تو کہنے لگیں : ذرا انتظار کریں، ہم عورتیں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے حضرتِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق بات کرتی ہیں کہ (ان معاملات میں) مردوں کی نسبت عورتوں کی باتیں زیادہ مؤثر ہوتی ہیں۔ وہ واپس مڑ کر حضرتِ سیّدَتُنا اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئیں اور انہیں اور پھر دوسری ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو ساری بات بتائی تو سب اُمّہاتُ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن اکٹھی ہو کر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے پاس حضرتِ سیّدَتُنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں حاضر ہوئیں اور آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے چاروں طرف بیٹھ کر عرض کی : یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم ! ہمارے ماں باپ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم پر قربان! ہم ایک اہم معاملے میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے پاس حاضر ہوئی ہیں، کاش! اگر آج حضرتِ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زندہ ہوتیں تو اس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں۔ حضرتِ سیّدَتُنا اُمِّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں : جب ہم نے حضرتِ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تذکرہ کیا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم آب دیدہ ہو گئے اور ارشاد فرمایا : خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مثل کون ہو سکتا ہے؟ اس نے میری اس وقت تصدیق کی جب سب نے مجھے جھٹلا دیا اور اپنے مال سے میرے دین و دنیا کے معاملات میں میری امداد کی۔ تو حضرتِ سیّدَتُنا ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی : یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم ! ہاں! واقعی حضرتِ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایسی ہی تھیں مگر وہ اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کے پاس جا چکی ہیں، اللہ عَزَّوَجَلَّ یقیناً ہمیں ان کے ساتھ جنت میں جمع فرمائے گا۔ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے چچازاد اور دینی بھائی حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی بیوی حضرتِ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رخصتی چاہتے

ہیں ۔تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے حکم فرمایا : اُمِّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو بلانے کے لئے بھیج دو ۔حضرتِ اُمِّ اَیمَن رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب نکلیں اور حضرتِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا منتظر پایا تو ان سے عرض کی: حضور صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے بلاوے پر لبیک کہیں ۔

حضرتِ سیِّدُ نا علی المرتضیٰ کَرَّ مَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہ ،الکَرِیم فرماتے ہیں : جب میں اُمِّ ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو تمام ازواجِ مطہّرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اندر کمرے میں تشریف لے گئیں ،میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے سامنے سر جھکا کر بیٹھ گیا تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے استفسار فرمایا: کیا تم اپنی زوجہ کے ساتھ رہنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی : جی ہاں! یا رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم ! میرے ماں باپ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم پر قربان! آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا : بڑی محبت وعزت سے،ان شآءاللہ عَزَّ وَجَلَّ آج رات سے تم اپنی زوجہ کے ساتھ رہا کروگے ۔حضرتِ سیِّدُ نا علی کَرَّ مَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہ ،الکَرِیم فرماتے ہیں : پھر میں آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی بارگاہِ اقدس سے خوشی ومسرت کی حالت میں اُٹھا۔[1]

فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا کیلئے آنسو:

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک آنکھوں سے بے ساختہ آنسو مبارک جاری ہو گئے ۔

قَالَ :لَمَّا مَاتَتْ فَاطِمَةُ أُمُّ عَلِيٍّ خَلَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَمِيصَهُ وَأَلْبَسَهَا إِيَّاهُ وَاضْطَجَعَ فِي قَبْرِهَا فَلَمَّا سَوَّى عَلَيْهَا التُّرَابَ، قَالَ بَعْضُهُمْ :يَا رَسُولَ اللهِ رَأَيْنَاكَ صَنَعْتَ شَيْئًا لَمْ تَصْنَعْهُ بِأَحَدٍ، قَالَ:إِنِّي أَلْبَسْتُهَا قَمِيصِي لِتَلْبِسَ مِنْ ثِيَابِ الْجَنَّةِ وَاضْطَجَعْتُ مَعَهَا فِي قَبْرِهَا لِأُخَفِّفَ عَنْهَا مِنْ ضَغْطَةِ الْقَبْرِ، إِنَّهَا كَانَتْ أَحْسَنَ خَلْقِ اللهِ صَنِيعًا إِلَيَّ بَعْدَ أَبِي طَالِبٍ۔

ترجمہ :فرمایا جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کی والدہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا کُرتا اتار کر انہیں پہنایا اور ان کی قبر میں لیٹے، جب قبر پر مٹی برابر کر دی گئی تو کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ! آج ہم نے آپ کو وہ عمل کرتے دیکھا جو حضور نے کسی کے ساتھ نہ کیا۔فرمایا اسے میں نے اپنا کُرتا اس لئے پہنایا کہ یہ جنت کے کپڑے پہنے اور اس کی قبر میں اس لئے لیٹا کہ قبر کے دبانے میں اس سے تخفیف کروں یہ ابو طالب کے بعد خلق خدا میں سب سے زیادہ میرے ساتھ نیک سلوک کرنے والی تھی۔[2]

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر رونا:

حضرت سعد بن معاذ بن النعمان انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ کے رہنے والے بہت ہی جلیل القدر صحابی ہیں ۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے مدینہ منورہ تشریف لے جانے سے پہلے ہی حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ بھیج دیا کہ وہ مسلمانوں کو اسلام کی تعلیم دیں اور غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ کرتے رہیں ۔ چنانچہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تبلیغ سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دامن اسلام میں آگئے اور خود اسلام قبول کرتے ہی یہ اعلان فرمادیا کہ میرے قبیلہ بنو عبد الاشہل کا جو مرد یا عورت اسلام سے منہ موڑے گا میرے لئے حرام ہے کہ میں اس سے کلام کروں ۔آپ کا یہ اعلان سنتے ہی قبیلہ بنو عبد الاشہل کا ایک ایک بچہ دولت اسلام سے مالا مال ہوگیا۔اس

---

[1] (حکایتیں اور نصیحتیں ص ۵۳۸-۵۳۹)

[2] (معرفۃ الصحابۃ حدیث ۲۸۸ مکتبہ الدار مدینہ منورہ ۱/ ۷۹۔۲۷۸)

طرح آپ کا مسلمان ہو جانا مدینہ منورہ میں اشاعت اسلام کے لیے بہت ہی بابرکت ثابت ہوا۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت ہی بہادر اور انتہائی نشانہ باز تیر انداز بھی تھے۔ جنگ بدر اور جنگ احد میں خوب خوب دادِ شجاعت دی، مگر جنگ خندق میں زخمی ہو گئے اور اسی زخم میں شہادت سے سرفراز ہو گئے۔ ان کی شہادت کا واقعہ یہ ہے کہ آپ ایک چھوٹی سی زرہ پہنے ہوئے نیزہ لیکر جوش جہاد میں لڑنے کے لئے میدان جنگ میں جا رہے تھے کہ ابن العرقہ نامی کافر نے ایسا نشانہ باندھ کر تیر مارا کہ جس سے آپ کی ایک رگ جس کا نام اکحل ہے کٹ گئی۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے ان کے لیے مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں ایک خیمہ گاڑا اور ان کا علاج شروع کیا۔ خود اپنے دست مبارک سے دو مرتبہ ان کے زخم کو داغا اور ان کا زخم بھرنے لگ گیا تھا لیکن انہوں نے شوق شہادت میں خداوند تعالیٰ سے یہ دعا مانگی : یا اللہ! عزوجل تو جانتا ہے کہ کسی قوم سے مجھے جنگ کرنے کی اتنی تمنا نہیں ہے جتنی کفار قریش سے لڑنے کی تمنا ہے جنہوں نے تیرے رسول کو جھٹلایا اور ان کو ان کے وطن سے نکالا، اے اللہ! عزوجل میرا تو یہی خیال ہے کہ اب تو نے ہمارے اور کفار قریش کے درمیان جنگ کا خاتمہ کر دیا ہے لیکن اگر ابھی کفار قریش سے کوئی جنگ باقی رہ گئی ہو جب تو مجھے زندہ رکھنا تا کہ میں تیری راہ میں ان کافروں سے جنگ کروں اور اگر اب ان لوگوں سے کوئی جنگ باقی نہ رہ گئی ہو تو میرے اس زخم کو پھاڑ دے اور اسی زخم میں تو مجھے شہادت عطا فرما دے۔ خدا کی شان کہ آپ کی یہ دعا ختم ہوتے ہی بالکل اچانک آپ کا زخم پھٹ گیا اور خون بہہ کر مسجد نبوی میں بنی غفار کے خیمے کے اندر پہنچ گیا۔ ان لوگوں نے چونک کر کہا کہ اے خیمہ والو! یہ کیسا خون ہے جو تمہاری طرف سے بہ کر ہماری طرف آ رہا ہے؟ جب لوگوں نے دیکھا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زخم سے خون جاری تھا اسی زخم میں ان کی شہادت ہو گئی۔ [1]

عین وفات کے وقت ان کے سرہانے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ جان کنی کے عالم میں انہوں نے آخری بار جمال نبوت کا دیدار کیا اور کہا : السلام علیک یا رسول اللہ! پھر بلند آواز سے کہا کہ یا رسول اللہ! عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور آپ نے تبلیغ رسالت کا حق ادا کر دیا۔ [2]

آپ کا سال وصال ۵ ہجری ہے۔ بوقت وصال آپ کی عمر شریف ۳۷ برس کی تھی۔ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ان کو دفنا کر واپس آ رہے تھے تو شدت غم سے آپ کے آنسوؤں کے قطرات آپ کی ریش مبارک پر گر رہے تھے۔ [3]

حضرت سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر رونا:

امیر المومنین حضرت سیدنا علی بن ابی طالب کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم سے مروی ہے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور نبی مکرم، شفیع معظم، شاہِ بنی آدم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، اتنے میں حضرت سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حال میں ہمارے پاس آئے کہ ان کے بدن پر صرف ایک پھٹی پرانی پیوند لگی ہوئی چادر تھی۔ جب حضور رحمتِ کونین، دکھی دلوں کے چین صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ان کو دیکھا تو رو پڑے کہ کل جو آسائشوں اور نعمتوں میں رہتا تھا آج اس حالت میں ہے۔

پھر حضور نبی پاک، صاحب لولاک، سیّاح افلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا : اس وقت تمہاری کیا حالت ہو گی جب تم میں سے کوئی

---

[1] (بخاری، ج ۲، ص ۵۹۱ باب مرجع النبی من الاحزاب)

[2] (مدارج النبوۃ، ج ۲، ص ۱۸۱)

[3] (اکمال، ص ۵۹۶ واسد الغابہ، ج ۲، ص ۲۹۸، صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من احزاب الخ، الحدیث ۴۱۲۲:، ج ۳، ص ۵۷، مدارج النبوت، قسم سوم، باب پنجم، ج ۲، ص ۱۸۱، الاکمال فی اسماء الرجال، حرف السین، فصل فی الصحابۃ، ص ۵۹۶، واسد الغابۃ، سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ، ج ۲، ص ۴۴۳)

صبح میں ایک لباس پہنے گا اور شام میں دوسرا لباس پہنے گا، اس کے سامنے (کھانے وغیرہ کا) ایک پیالہ رکھا جائے گا اور دوسرا اٹھایا جائے گا۔ اور تم اپنے گھروں پر اس طرح پردے لٹکاؤ گے جس طرح کعبہ معظمہ پر پردہ ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کی: یارسول اللہ عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! ان دنوں ہم آج کی بنسبت بہتر ہوں گے کیونکہ عبادت کے لئے (زیادہ) فارغ ہوں گے اور ہم تفکرات کی تکلیف سے آزاد ہوں۔ تو حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: نہیں۔ تم اُس دن کی بنسبت آج بہتر حال میں ہو۔[1]

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عیادت کے وقت رونا:

حضرت سیِّدُنا عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مجھے بارگاہ نبوی صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم میں ایک مقام حاصل تھا، آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: اے عمران! ہمارے ہاں تمہاری قدر ومنزلت ہے، اگر تم چاہو تو حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی عیادت کے لئے میرے ساتھ چلو۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں نے عرض کی: میں حاضر ہوں، یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کھڑے ہوئے تو میں بھی آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا یہاں تک کہ حضرت سیِّدَتُنا فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازے پر جا کھڑا ہوا، نبی اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے دروازہ کھٹکھٹایا اور فرمایا: السّلام علیکم، اے بیٹی! کیا میں آسکتا ہوں؟ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! تشریف لائیے۔ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے فرمایا: میں بھی اور جو کوئی میرے ساتھ ہے وہ بھی؟ انہوں نے پوچھا: آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے ساتھ کون ہے؟ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے فرمایا: عمران بن حصین۔ انہوں نے عرض کی: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا! میرے اوپر صرف ایک عباء (یعنی چغہ) ہے۔ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ اسے اپنے اوپر اس اس طرح لپیٹ لیں۔ انہوں نے عرض کی: میں نے اپنا جسم تو چھپا لیا، سر کیسے ڈھانپوں؟ نبی اکرم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے پاس ایک پرانی چادر تھی، آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ان کی طرف پھینک دی اور فرمایا: اس سے اپنا سر لپیٹ لو۔ پھر انہوں نے اجازت دی تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم تشریف لائے اور فرمایا: اے میری بیٹی! تم پر سلام ہو، تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے عرض کی: اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! مجھے درد ہے، اور اس تکلیف میں اس وجہ سے بھی اضافہ ہوگیا ہے کہ میرے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں، مجھے بھوک نے نڈھال کر دیا ہے (یہ سن کر) رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم رو پڑے اور ارشاد فرمایا: اے میری لختِ جگر! نہ گھبرا، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! میں نے بھی تین دن سے کچھ نہیں چکھا اور اللہ عَزَّوَجَلَّ کی بارگاہ میں میری تم سے زیادہ عزت ہے، اگر میں اللہ عَزَّوَجَلَّ سے مانگوں تو وہ مجھے کھلائے گا لیکن میں نے دنیا پر آخرت کو ترجیح دی ہے۔ پھر آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے خاتونِ جنت کے کندھے پر اپنے دست اقدس سے تھپکی دی اور فرمایا: تمہیں خوشخبری ہو، اللہ عَزَّوَجَلَّ کی قسم! تم جنتی عورتوں کی سردار ہو۔ انہوں نے عرض کی: فرعون کی بیوی حضرت آسیہ اور حضرت مریم بنت عمران رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا کیا ہوگا؟ آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: حضرت آسیہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہے، حضرت مریم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہے، حضرت خدیجہ اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہے اور تم اپنے زمانے کی عورتوں کی سردار ہو، تم ایسے مکان میں رہو گی جس میں کوئی تکلیف اور شور وغل نہ ہوگا۔ پھر ارشاد فرمایا: اپنے چچا کے بیٹے (یعنی حضرت سیِّدُنا علی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم) کے ساتھ قناعت اختیار کرو، میں نے تمہارا نکاح ایسے شخص سے کیا ہے جو دنیا میں بھی سردار ہے اور آخرت میں بھی۔[2]

---

[1] (جامع الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب حدیث علی.....الخ، الحدیث ۲۴۷۶: ص ۱۹۰۱)

[2] (حلیۃ الاولیاء، فاطمۃ بنت رسول اللہ، الحدیث ۱۴۵۰/ ۱۴۵۱، ج ۲ ص ۵۲ مفہومًا) (المعجم الکبیر، الحدیث ۱۲۱۷۹، ج ۱۱ ص ۳۲۸ مفہومًا)

شیخین کریمین رو رہے ہیں:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے رحلت فرمائی تو بکیٰ ابو بکر و بکیٰ عمر لبکاء ابی بکر یعنی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ روئے، ان کے رونے پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی رو پڑے، کسی نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ھل کان رسول اللہ یبکی؟ کیا رسول اللہ ﷺ بھی روتے تھے؟ فرمایا ہاں روتے تھے لیکن پھر آپ ﷺ داڑھی مبارک پر ہاتھ رکھ لیتے تھے۔ [1]

صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا رونا:

جب تاجدار کائنات ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمایا، تو سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا شدتِ غم سے نڈھال تھیں، ان کی آنکھوں سے آنسو تھمنے کا نام نہیں لیتے تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جب ان کے حال کا پتہ چلا تو دونوں ان کے پاس تشریف لائے۔ اور تسلی دیتے ہوئے فرمایا اے ام ایمن، اللہ کے رسول ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس بہترین چیز موجود ہے۔ فرمانے لگیں کہ یہ تو میں بھی جانتی ہوں مگر یہ رونا اس لئے ہے کہ اب وحی کا سلسلہ بند ہو گیا۔ یہ سن کر صدیق اکبر اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہما پر رقت طاری ہو گئی، یہ دونوں بھی رونے لگے۔ [2]

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تمنا:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خشیت الٰہی کا یہ عالم تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ اللہ کی قسم مجھے یہ بات پسند ہے کہ کاش میں کسی راستے کے کنارے کوئی درخت ہوتا، کوئی اونٹ آتا مجھے کھا لیتا، تو اچھا ہوتا۔ [3]

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا رونا:

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ قَالَ كَانَ فِي وَجْهِ عُمَرَ خَطَّانِ أَسْوَدَانِ مِنَ الْبُكَاءِ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے رخساروں پر زیادہ رونے کی وجہ سے دو سیاہ نشان بن چکے تھے۔ [4]

ایک روایت میں ہے کہ جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نماز ادا فرماتے تو تین صفوں تک آپ کے رونے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ [5]

ایک بار سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ قرآن پاک کی تلاوت فرما رہے تھے، جب اس آیت شریف پر پہنچے:

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ۔ (الحدید: ۱۶)

ترجمہ: کیا ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لئے خوف والے ہو جائیں؟

یہ آیت کریمہ پڑھ کر آپ اتنا روئے کہ آپ کی داڑھی مبارک تر ہو گئی۔ [6]

حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کا رونا:

حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اللہ عزوجل کے اس فرمان:

---

[1] (طبرانی فی کبیر، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۷۷)

[2] (صحیح مسلم)

[3] (بیہقی)

[4] (حلیۃ الاولیاء کلمات فی الزہد والزہد ج ۱ ص ۵۱)

[5] (حلیۃ الاولیاء)

[6] (اختصار المقریزی: ص ۱۴۳)

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیْ ▭ لِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا یَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ یَرْ جُو ▭ ا رَحْمَةَ رَبِّهٖ

ترجمۂ کنزالایمان: کیاوہ جسے فرمانبرداری میں رات کی گھڑیاں گزریں سجود میں اور قیام میں آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت کی آس لگائے۔(پ23،الزمر9:)

کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اس سے مراد حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

حضرت حیدر کرار رضی اللہ عنہ کا رونا:

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدنا ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا: میرے سامنے حضرت سیدنا علی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کے اوصاف بیان کریں حضرت ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: کیا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے اس سے معاف نہ رکھیں گے؟ تو انہوں نے ارشاد فرمایا نہیں، ان کے اوصاف بیان کریں۔حضرت سیدنا ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر عرض کی کیا مجھے اس سے عافیت نہ دیں گے؟ تو حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: نہیں، میں آپ کو ان کے اوصاف بیان کئے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔تو حضرت ضرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: جب ان کے اوصاف بیان کئے بغیر کوئی چارہ نہیں تو سنئے : حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم اس قدر علوم ومعارف کے حامل تھے کہ اس میں ان کی انتہا کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ عزوجل کے معاملہ اور اس کے دین کی حمایت میں مضبوط ارادے رکھتے تھے، فیصلہ کُن بات کرتے اور عدل کے ساتھ فیصلہ کرتے تھے، ان کے پہلوؤں سے علم کے سوتے پھوٹتے تھے اور دہن مبارک سے حکمت کے پھول جھڑتے تھے، دنیا اور اس کی رنگینیوں سے وحشت کھاتے اور رات اور اس کے اندھیروں سے اُنس حاصل کرتے تھے، اللہ عزوجل کی قسم! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت زیادہ آنسو بہانے والے، دور اندیش اور افسوس سے ہاتھ ملنے والے تھے، کیونکہ افسردہ اور غمگین شخص ایسا ہی کرتا ہے، اپنے نفس کو بے چینی واضطراب سے مخاطب فرماتے، لباس کھردرا پسند کرتے، جو سامنے آجاتا وہی کھا لیتے، اللہ عزوجل کی قسم! جب ہم ان سے کچھ پوچھتے تو وہ اس کا جواب دیتے اور جب انہیں دعوت دیتے تو ہماری دعوت قبول فرماتے اور اللہ عزوجل کی قسم! ہم ان کے قریب رہنے اور ان سے تعلق رکھنے کے باوجود ہیبت کی وجہ سے ان کے سامنے کلام نہ کرسکتے تھے، اگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسکراتے تو لڑی میں پروئے ہوئے موتیوں کی طرح (دندان مبارک چمکتے)، دینداروں کی تعظیم کرتے اور مسکینوں سے محبت کرتے، طاقتور کو ظلم میں اُمید نہ دلاتے اور کمزور کو انصاف میں مایوس نہ کرتے، اللہ عزوجل کی قسم کھا کر میں گواہی دیتا ہوں کہ آج بھی انہیں اس حال میں کھڑا ہوا دیکھ رہا ہوں کہ جب رات اپنے پردے ڈال دیتی اور ستارے ظاہر ہو جاتے تو آپ کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم جائے نماز پر آکر اپنی ریش مبارک پکڑ لیتے اور اس شخص کی طرح تڑپتے جسے سانپ نے کاٹ لیا ہو اور غمزدہ شخص کی طرح روتے گویا میں انہیں گریہ وزاری کرتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے سن رہا ہوں یَا رَبَّنَا! یَا رَبَّنَا! یعنی اے ہمارے رب عزوجل! اے ہمارے رب عزوجل! پھر فرماتے اے دنیا! تو نے مجھ سے منہ پھیر لیا ہے یا ابھی کچھ شوق باقی ہے؟ ہائے افسوس! ہائے افسوس! میرے علاوہ کسی اور کو دھوکے میں ڈال، میں نے تجھے تین طلاقیں دے دی ہیں اب میرا تجھ سے رجوع کرنے کا کوئی ارادہ نہیں، کیونکہ تیری عمر کم ہے جب کہ تیری آسائشیں حقیر اور نقصانات بہت زیادہ ہیں۔آہ! زادِ راہ قلیل ہے اور سفر بہت دور کا ہے اور راستہ وحشت ناک ہے۔اتنا سننے کے بعد حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھیں بھر گئیں اور ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہوگئی، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی آستین سے اپنے آنسو پونچھنے لگے اور لوگوں کی بھی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں، پھر حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اللہ عزوجل ابوالحسن یعنی حضرت سیدنا علی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم پر رحم فرمائے، اللہ عزوجل کی قسم! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے ہی تھے، اے ضرار! ان پر تمہارا غم کیسا ہے؟ تو انہوں نے عرض کی : اس عورت جیسا جس کے پہلو میں اس کے بیٹے کو ذبح

کر دیا گیا ہو تو نہ اس کے آنسو خشک ہوتے ہیں، نہ غم میں کمی آتی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، ذکر علی بن ابی طالب، رقم ۲۶۱: ج ۱، ص ۱۲۶)

اور دم پرواز ہو گیا:

صحابی رسول ﷺ حضرت زرارہ بن اوفی رضی اللہ عنہ مسجد بنی قشیر میں جماعت کی امامت کرا رہے تھے سورت مدثر پڑھتے ہوئے جب اس آیت پر پہنچے :(فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ) پھر جب صور پھونکا جائے گا (مدثر ۸) جب یہ الفاظ آپ رضی اللہ عنہ نے پڑھے چیخ مار کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی۔ (الترغیب والترہیب)

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جان دیگر ست

جو تسلیم کے خنجر سے ذبح ہوئے ہیں، ان کو ہر گھڑی نئی زندگی عطا کی جاتی ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا رونا:

وَعَن عَامر بن عبد الله أَن سلمَان الْخَيْر رَضِي الله عَنهُ حِين حَضَره الْمَوْت عرفُوا مِنْهُ بعض الْجزع فَقَالُوا مَا يجزعك يَا أَبَا عبد الله وَقد كَانَت لَك سَابِقَة فِي الْخَيْر شهِدت مَعَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم مغازي حَسَنَة وفتوحا عظاما قَالَ يجزعني أَن حبيبنا صلى الله عَلَيْهِ وَسلم حِين فارقنا عهد إِلَيْنَا قَالَ ليكف الْمَرْء مِنْكُم كزاد الرَّاكِب فَهَذَا الَّذِي أجزعني فَجمع مَال سلمَان فَكَانَ قِيمَته خَمْسَة عشر درهما رَوَاهُ ابْن حبَان فِي صَحِيحه

دنیا میں زہد اختیار کرنے والوں میں ایک نام حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی ہے، ان کو سلمان الخیر بھی کہا جاتا ہے وہ خوش نصیب صحابی ہیں جن کیلئے آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ سلمان ہمارے اہلبیت میں سے ہے۔ چنانچہ، حضرت عامر بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ جب حضرت سیدنا سلمان الخیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کا وقت قریب آیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر گھبراہٹ کے آثار دکھائی دیئے، (اس وقت بہت رو رہے تھے) لوگوں نے پوچھا :اے عبداللہ کے باپ! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کس چیز نے پریشان کر دیا ہے؟ حالانکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بھلائی کے کاموں میں سبقت لے جانے والے تھے اور آپ تو رسول اللہ عزوجل وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ کئی غزواتِ حسنہ اور بڑی بڑی فتوحات میں شریک رہے۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھے یہ بات پریشان کئے ہوئے ہے کہ اللہ کے محبوب، دانائے غیوب، منزہ عن العیوب عزوجل وصلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلّم نے ہم سے جدا ہوتے وقت ایک عہد لیا تھا کہ تم میں سے ہر شخص کو ایک مسافر جتنا زادِ راہ کافی ہے۔ اور یہی وہ بات ہے جس نے مجھے پریشان کیا ہے۔ حضرت عامر بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: جب حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مال جمع کیا گیا تو اس کی قیمت صرف ۱۵ درہم کے برابر تھی۔ (الترغیب والترھیب، کتاب التوبۃ والزھد، الحدیث ۱۶۶، ج ۴، ص ۱۱۲)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی آہ و بکاء:

ایک مرتبہ آپ بیان فرما رہے تھے اور رو رہے تھے کہ: اگر جہنم سے کسی کو نکال کر دنیا کی طرف لایا جائے تو اس کے وحشتناک منظر اور بدبو سے دنیا والے ہلاک ہو جائیں۔ (الرقۃ والبکاء)

چہرے کی چمک:

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا۔ شہر کوفہ میں ایک شخص وفات پا گیا۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ اس کے کفن دفن میں شریک ہو کر لوٹ رہے تھے کہ اس مردہ کی ماں روتی ہوئی آئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دامن کو پکڑ کر رو کر عرض کرنے لگی کہ میں نے اپنے لڑکے

کا آخری دیدار نہیں کیا مجھے اس کا چہرہ دکھایا جائے آپ رضی اللہ عنہ واپس قبرستان پر آئے اس کی قبر کھدوائی گئی اس کا چہرہ دیکھا گیا تو وہ چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہا تھا سب نے اس کا دیدار کیا رات کو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کا دیدار نصیب ہوا اور اس جوان کو آپ ﷺ کی مجلس میں دیکھا آپ ﷺ نے فرمایا اے علی اس کے چہرے کی چمک ان آنسوؤں کی بدولت ہے جو اس کی آنکھوں سے خوف خدا میں نکلے تھے اور اس کے چہرے پر لگے تھے۔ (جامع الحکایات)

اور کلیجا پھٹ گیا:

انصار میں سے ایک صحابی خوف خدا میں بہت رونے والے تھے جب بھی جہنم کی بات سنتے تو بہت روتے تھے۔ انہوں نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا یہ خبر حضور علیہ السلام کے سامنے بیان کی گئی آپ ﷺ اس کے گھر تشریف لائے وہ نبی اکرم ﷺ سے ملے اور بہت روئے، روتے روتے اس کا دم پرواز کر گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے ساتھی کے کفن دفن کا انتظام کرو اللہ کے خوف سے اس کا کلیجہ پھٹ گیا ہے۔[1]

ایک صحابی کا روتے روتے بے ہوش ہو جانا:

حضرتِ سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اللہ عزوجل نے اپنے پیارے محبوب صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم پر یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ۔

ترجمہ کنزالایمان: اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ (پ 28، التحریم: 6) تو ایک دن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت کریمہ اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے سامنے تلاوت فرمائی تو ایک نوجوان یہ آیت مبارکہ سن کر غش کھا کر گر گیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس کے دل پر رکھا تو دیکھا کہ اس کا دل متحرک ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے جوان! کہو لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ تو اس نے کلمہ پڑھا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اسے جنت کی بشارت عطا فرمائی تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا دنیا ہی میں بشارت؟ تو ارشاد فرمایا کہ کیا تم نے اللہ عزوجل کا یہ فرمان نہیں سنا: (ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَ خَافَ وَعِیْدِ۔

ترجمہ کنزالایمان: یہ اس کے لئے ہے جو میرے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اور میں نے جو عذاب کا حکم سنایا ہے اس سے خوف کرے۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ کا حال:

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ چالیس سال تک لگاتار روتے رہے۔ اس عرصے میں کسی نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو رونے سے خالی نہیں دیکھا۔ کسی نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا آپ رحمۃ اللہ علیہ اتنا کیوں روتے ہیں؟ فرمایا! عزیزو! قیامت کا ہولناک منظر یاد آتا ہے جس دن والدین اولاد کی پرواہ نہیں کریں گے اور اولاد والدین کی پرسان حال نہیں ہوگی۔ بھائی بھائی سے بیزار ہوگا۔ کوئی کسی کی طرف التفات نہیں کرے گا۔ اس تصور میں ہنسی نہیں آتی۔ بھلا جس کو ایسا دن درپیش ہو اور جسے اپنا انجام معلوم نہ ہو، اس کا رونا کیونکر تھم سکتا ہے۔ وہ نہایت سنگدل ہوگا جو ایسے دن کے خوف سے نہ روتا ہو۔[2]

---

[1] (بیہقی)

[2] (اسرار الاولیاء ص ۶۸)

رسول نما:

حضرت سید حسن رحمۃ اللہ علیہ جو رسول نما کے لقب سے مشہور تھے کیونکہ وہ لوگوں کو سرکار دو عالم ﷺ کا دیدار کراتے تھے۔ایک دن آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زوجہ محترمہ نے عرض کی مجھے بھی سرور عالم ﷺ کا دیدار کراؤ۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تو تیار ہو جا،آج تجھے بھی دیدار نصیب ہوگا۔زوجہ محترمہ نے نئے کپڑے پہنے خود کو صاف کیا بننے سنورنے لگی۔ادھر سید حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سالے (زوجہ محترمہ کے بھائی) کو بلا بھیجا،جب وہ آیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے فرمایا کہ بھائی دیکھو میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں۔اپنی بہن کو تو ذرا دیکھو کیسے ہار سنگھار کر رہی ہے۔زوجہ محترمہ کے بھائی نے آ کر دیکھا واقعی وہ نئے کپڑے پہنے خوش وخرم بیٹھی ہے۔بھائی نے اس کا مطلب کچھ اور سمجھا اور بہن کی خوب پٹائی کی،اس کو مارا،زوجہ محترمہ نے چیخیں مار مار کر رونا شروع کیا،وہ پکار رہی تھی یارسول اللہ ﷺ میں تو آپ ﷺ کے دیدار کیلئے بیتاب اور بے قرار ہوں میرا کوئی اور محبوب نہیں ،یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کے دیدار کیلئے میں تیاریاں کر رہی تھی،مائی صاحبہ بہت روئیں روتے روتے سوگئیں،تو خواب میں آقائے دو عالم ﷺ کا دیدار نصیب ہو گیا۔صبح کو اپنے شوہر کا شکریہ ادا کیا پھر پوچھا دیدار تو کرایا مگر ماریوں کھلائی۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا دیدار تو ان کو ہوتا ہے جو محبت میں روتے ہیں۔تجھ میں رونا نہیں تھا میں نے یہ بہانہ کیا کہ تجھے رونا آجائے،جب تو روئی تو تجھے دیدار مصطفیٰ نصیب ہو گیا۔

مشتاقانِ دیدار مصطفیٰ ﷺ اگر آپ سید عالم ﷺ کے دیدار سے مشرف ہونا چاہتے ہیں تو آنکھیں پرنم کرنا سیکھو۔آنسوؤں سے مصلے اور تکیے کو تر کرنا سیکھو۔رو رو کے پھر رو۔پھر دیکھو دیدار ہوتا ہے یا نہیں؟

ثوبان رضی اللہ عنہ کا سوز وگداز:

اضطرابِ عشق :ایک دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کے عاشق زار حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے تو ان کا چہرہ اترا ہوا اور رنگ اڑا ہوا دیکھ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم نے وجہ پوچھی۔تو دردمند عاشق نے عرض کیا :یارسول اللہ!صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم نہ کوئی جسمانی تکلیف ہے اور نہ کہیں درد۔بات یہ ہے کہ رخ انور جب آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے تو دل بے تاب ہو جاتا ہے فوراً زیارت سے اسکو تسلی دیتا ہوں۔اب رہ رہ کر مجھے یہ خیال ستا رہا ہے کہ جنت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم کا مقام بلند ہوگا اور یہ مسکین کس گوشہ میں پڑا ہوگا۔اگر روئے تاباں کی زیارت نہ ہوئی تو میرے لئے جنت کی ساری لذتیں ختم ہو جائیں گی،فراق وہجر کا یہ جانکاہ صدمہ تو اس دل ناتواں سے برداشت نہ ہو سکے گا۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم یہ ماجرا سنکر خاموش ہو گئے۔یہاں تک کہ جبرئیل امین علیہ السلام یہ مژدہ لے کر تشریف لائے۔

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَأُولٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقًا ﴿النساء ۶۹﴾

ترجمہ کنزالایمان :اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ۔[1]

جمال مصطفوی ﷺ :

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ حبیب پاک ،صاحب لولاک ﷺ کے حسن وسراپا بیان کر رہے تھے،تو عشاق کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے لوگوں نے عرض کی اے مصعب حضور اکرم ﷺ کے حسن کی ایک جھلک ہمیں بھی بیان کر کے سنا دیجئے۔آپ رضی اللہ عنہ دوزانو ہو کر باادب گردن

---

[1] (پ4،النساء69:)(الجامع لاحکام القرآن،الحدیث ۲۳۰۹،ج ۵،ص ۲۶۱)

جھکا کر بیٹھے پھر فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے رنگ میں سفیدی اور سرخی کا حسین ملاپ ہے۔آنکھیں بہت حسین ہیں ابرو ملے ہوئے۔بال مبارک سیدھے ہیں۔داڑھی مبارک گھنی ہے۔دوکندھوں کے درمیان فاصلہ ہے۔آپ ﷺ کی گردن مبارک یوں ہے کہ جیسے چاندی کا چھاگل ہو۔ہتھیلیاں اور قدم پسندیدہ ہیں۔جب آپ ﷺ چلتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے اوپر سے نیچے اتر رہے ہوں۔جب آپ ﷺ کھڑے ہوں تو یوں لگتا ہے کہ جیسے چٹان سے نکل آئے ہوں۔آپ ﷺ کے چہرے پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح محسوس ہوتے ہیں۔

آپ ﷺ کا قد مبارک نہ طویل ہے نہ قصیر ہے۔آپ ﷺ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہے۔کوئی آدمی اچانک آپ ﷺ کو دیکھتا ہے تو مرعوب ہو جاتا ہے۔جو آپ ﷺ کی صحبت میں بیٹھتا ہے وہ آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا ہے۔آپ ﷺ سب سے زیادہ سخی، سب سے زیادہ نرم طبع ہیں رہن سہن میں سب سے بہتر ہیں۔میں نے آپ ﷺ جیسا نہ پہلے دیکھا نہ بعد میں جب مصعب رضی اللہ عنہ یہ بیان کر رہے تھے تو سب سامعین خاموشی سے سن رہے تھے اور عشاق کی آنکھوں سے شوق دیدار کے آنسو بہہ رہے تھے۔[1]

سر یار دا ندرانہ:

ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ جب رسول اکرم ﷺ نے پردہ فرمایا تو ایک عورت آئی عرض کی۔

اکشفنی لی قبر رسول اللہ ﷺ فکشفته لها، فبکت حتی ماتت (الشفاء)

میرے لئے رسول اللہ ﷺ کے مزار پر انوار کو کھول دیجئے میں نے حجرہ مبارک کو کھولا (وہ مزار انور کا دیدار کر رہی تھی) رو رہی تھی۔روتے روتے اس کا دم پرواز کر گیا۔

ہنسنا بھول گئے:

آقائے دو عالم ﷺ نے جب پردہ فرمایا تو ہجر رسول ﷺ میں ہر آنکھ اشکبار تھی کئی صحابہ تو ہنسنا بھول گئے۔حضرت ابو جعفر رضی اللہ عنہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: **مارئیت فاطمة رضی اللہ عنها ضاحکة بعد رسول اللہ ﷺ**۔[2]

میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کبھی ہنستے نہیں دیکھا۔حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب بھی آقائے کائنات ﷺ کے مزار انور پر آتیں تھیں تو: **اخذت قبضة من تراب القبر فوضعته علی عینیها فبکت وانشات تقول:** آپ ﷺ کے مزار انور کی مٹی مبارکہ سے مٹھی مبارکہ بھر لیتیں پھر اسے اپنی آنکھوں مبارکہ پر رکھتیں اور رو کر فرماتیں:

(مَاذَا عَلَى مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ أَحْمَدَ... أَنْ لَا يَشَمَّ مَدَى الزَّمَانِ غَوَالِيَا)

(صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ لَوْ أَنَّهَا... صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا)

آئینے میں جلوۂ یار:

صحابہ کرام کو جب آقائے دو عالم ﷺ کی یاد آتی کبھی تنہائیوں میں، کبھی مجالس میں، کبھی راہوں میں روتے رہتے تھے۔تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی بغدادی روایت لاتے ہیں کہ:

روی ان بعض الصحابة احب ان یری رسول اللہ (ﷺ) فجاء الی میمونة فاخرجت له مراته فنظر فیها رسول اللہ (ﷺ) ولم

---

[1] (فدائیوں من عصر الرسول ﷺ)

[2] (الوفاء لابن الجوزی)

یر صورۃ نفسہ۔[1]

بعض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو جب دیدار مصطفیٰ ﷺ کی طلب ہوتی تو وہ سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتے ان کے پاس ایک آئینہ تھا وہ نکال کر دیتیں تو ان کو اپنی صورت نظر آنے کی بجائے رسول اللہ ﷺ کا دیدار نصیب ہو جاتا۔

السلام اے رحمۃ اللعالمین، السلام اے نور رب العالمین
السلام اے آفتاب لم یزل، السلام اے ماہتاب بے بدل
السلام اے افتخار دو جہاں، السلام اے عزت کون ومکان

عشق ومحبت کی انوکھی مثال:

عشق ومحبت کی یہ بھی انوکھی داستاں ہے۔آغاز میں رسول اکرم ﷺ کھجور کے تنے کے سہارے جمعہ کا خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ میرا غلام بڑھئی ہے۔اگر آپ اجازت فرمادیں تو آپ ﷺ کیلئے منبر بنوالیں، آپ ﷺ اس پر بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمائیں۔آپ ﷺ نے اس کی یہ درخواست قبول فرمائی، جب جمعہ کا دن آیا تو آپ ﷺ اس منبر پر خطبہ دینے بیٹھے تو وہ کھجور کا خشک تنا ہجر رسول ﷺ میں رونے لگا۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اس تنے کے رونے کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

فَصَاحَتِ النَّخْلَةُ صِيَاحَ الصَّبِيِّ، ثُمَّ نَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَمَّهُ إِلَيْهِ، تَئِنُّ أَنِينَ الصَّبِيِّ الَّذِي يُسَكَّنُ. قَالَ: كَانَتْ تَبْكِي عَلَى مَا كَانَتْ تَسْمَعُ مِنَ الذِّكْرِ عِنْدَهَا۔[2]

تو اس کھجور کے تنے نے بچے کی طرح چیخنا شروع کیا۔آپ منبر سے نیچے اتر آئے۔اس کو سینے سے لگایا تو وہ بچوں کی طرح سسکیاں لیتے لیتے خاموش ہوگیا۔ایک روایت میں ایسے بھی آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں اسکو سینے سے نہ لگاتا تو یہ یوں ہی قیامت تک روتا رہتا۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس تنے کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔فسمعنالذالک الجذع صوتا کصوت العشار، حتیٰ جاء النبی ﷺ فوضع یدہ علیھافسکت۔(بخاری)۔ہم نے اس کھجور کے تنے سے اس طرح آواز سنی جس طرح اونٹنیاں چیختی ہیں۔حتیٰ کہ آپ ﷺ تشریف لائے اس پر دست کرم رکھا تو وہ خاموش ہوگیا۔یہ بھی محبت کی عجیب داستان ہے کہ میرے آقا کی الفت میں انسان اور جن تو روتے ہیں، مگر بے جان درخت بھی روتے ہیں۔اور اس واقعے سے یہ بھی سبق ملا کہ جو محبوب ﷺ کیلئے روتا ہے پیارے آقا ﷺ اس کو سینے سے لگاتے ہیں۔اے کاش ہمیں بھی اس محبوب ﷺ کی محبت میں رونا نصیب ہو جائے۔آمین۔

تڑپنے دھڑکنے کی توفیق دے * دل مرتضیٰ سوز صدیق دے

مولائے روم رحمۃ اللہ علیہ مثنوی شریف میں اس ستون حنانہ کا ذکر ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ:

استن حنانہ در ہجر رسول، نالہ مے زد ہمچوں ارباب عقول
گفت پیغمبر چہ مے خواہی ای ستون، گفت جانم از فراقت گشت خون
مسندت من بودم از من تا ختی، بر سر منبر تو مسند ساختی

رسول اکرم ﷺ کی جدائی میں کھجور کا تنا بھی انسانوں کی طرح روتا تھا۔آپ ﷺ نے اس سے پوچھا اے ستون تو کیا چاہتا ہے۔عرض کی آپ ﷺ کی جدائی

---

[1] (روح المعانی)

[2] (صحیح البخاري ج ۴ ص ۱۹۵ باب علامات النبوۃ فی الاسلام)

نے مار ڈالا ہے۔ میں آپ ﷺ کی مسند تھا۔ آپ ﷺ نے مجھ سے جدائی کر لی، آپ ﷺ نے منبر پر اپنی مسند بنائی ہے اس لئے روتا ہوں۔

اذانِ بلالی:

سرورِ کائنات ﷺ کے قبرِ انور میں پردہ پوش ہونے کے بعد عشاق کی بے تاب نگاہیں ہر وقت روتی رہتی تھیں۔ پروانۂ مصطفیٰ ﷺ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ مدینے کی گلیوں میں روتے رہتے اور پوچھتے کہ تم نے میرے پیارے مصطفیٰ ﷺ کو تو نہیں دیکھا؟ پھر مدینہ چھوڑ کر ملک شام کے شہر حلب میں جا کر رہے۔ ایک رات خواب میں دیدارِ حبیب ﷺ نصیب ہوا۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے۔ **ماھذا الجفوۃ یابلال امالک ان تزورنی یابلال**۔ اے بلال (رضی اللہ عنہ)! یہ کیسی بے وفائی ہے، کیا تیرا دل ہم سے ملنے کو نہیں چاہتا؟ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسے ہی بیدار ہوئے روتے روتے مدینہ منورہ کی طرف چل دیے، جب مدینہ منورہ پہنچے تو اول مسجد نبوی میں آ کر محبوب کو تلاش کیا۔ پھر حجروں میں دیکھا پھر مزارِ انور پر آئے۔ زار و زار رونے لگے۔ جب اہل مدینہ کو پتا چلا کہ حضرت بلال آ گئے ہیں تو مدینہ کے سارے لوگ مرد، عورتیں، بوڑھے، جوان اور بچے سب اکٹھے ہو گئے۔ سب نے کہا بلال رضی اللہ عنہ آج ہمیں وہ اذان سنائیں جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے کہتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہا میں وہ اذان نہیں کہہ سکتا۔ کہ جب اذان میں **اشھد ان محمد رسول اللہ** کہتا تھا تو اپنے حبیب ﷺ کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ اب وہ اشارہ کس طرف کرونگا۔ پھر حسنین کریمین رضی اللہ عنہما تشریف لائے انہوں نے بھی کہا کہ اے بلال رضی اللہ عنہ آج وہ اذان سنا دیں جو نانا جان رسول اللہ ﷺ کے سامنے دیتا تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کی چھت پر چڑھ کر اذان کہنا شروع کر دی جب یہ عشق و محبت سے بھری ہجر و فراق کے ستائے ہوئے بلال رضی اللہ عنہ کی آواز مدینہ کی فضاؤں میں گونجی تو مدینہ منورہ میں ہر آدمی رونے لگا۔ آہیں بھرنے لگا۔ آنسو بہانے لگا۔ آج رسول اللہ ﷺ کا ظاہری زمانہ سب کو یاد آ گیا۔ **فلما ان قال اشھد ان محمداً رسول اللہ خرج العواتق خدورھن وقالوا بعث رسول اللہ فمارئی اکثر باکیا ولا باکیۃ بالمدینۃ بعد رسول اللہ ﷺ من ذالک الیوم**۔[1]

جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے **اشھد ان محمد رسول اللہ** کہا تو پردہ دار خواتین باہر نکل آئیں۔ سب نے کہا شاید رسول اللہ ﷺ آ گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد کبھی اس سے زیادہ رونے والے مردوں اور عورتوں کو نہیں دیکھا گیا۔ جیسا اس دن سب روئے تھے۔ بلال رضی اللہ عنہ بھی اذان مکمل نہ کر سکے۔ آپ رضی اللہ عنہ روتے روتے بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ رب العالمین ہم سب کو سچا عشقِ حبیب عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال:

ایک عارف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم عراق سے مکہ مکرمہ اور مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے شہر مدینہ منورہ (زَادَھُمَا اللّٰہُ شَرَفًا وَّتَعْظِیْمًا) کے ارادے سے نکلے۔ ہمارے قافلے میں بہت سے لوگ تھے۔ جیسے ہی ہم عراق سے نکلے تو ایک عراقی شخص بھی ہمارے ساتھ چل پڑا۔ اس کا گندمی رنگ کثرتِ عبادت کی وجہ سے پیلا پڑ چکا تھا۔ اس نے مختلف چیتھڑوں سے بنا ہوا پرانا لباس پہن رکھا تھا۔ اسکے ہاتھ میں عصا تھا اور ایک تھیلی تھی جس میں تھوڑا سا توشہ تھا۔ دراصل وہ عابد و زاہد، امام العاشقین حضرت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جب قافلے والوں نے انہیں اس حالت میں دیکھا تو پہچان نہ پائے اور ان سے کہا: ہمارا گمان ہے کہ تم ایک غلام ہو۔ حضرتِ سیّدُنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہاں میں ایک غلام ہوں۔ لوگوں نے کہا: ہمارا گمان ہے کہ تم ایک بُرے غلام ہو اور اپنے آقا سے بھاگ کر آئے ہو۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہاں ایسا ہی ہے۔ لوگوں نے کہا: جب تم اپنے آقا کو چھوڑ کر بھاگے تو اپنے آپ کو کیسا پایا اور تمہاری یہ کیا حالت ہے اگر تم

---

[1] (ابن عساکر)

اپنے آقا کے پاس رہتے تمہاری یہ حالت ہر گز نہ ہوتی اور بے شک تم بہت برے اور قصوروار غلام ہو۔تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا: بے شک اللہ عزوجل کی قسم! میں ایک گنہگار غلام ہوں، میرا آقا بہت ہی اچھا ہے اور قصور میرا ہی ہے اگر میں اسکی اطاعت کرتا اور اسکی رضا چاہتا تو میری یہ حالت ہر گز نہ ہوتی۔ یہ کہہ کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے اور اتنا روئے کہ قریب تھا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح پرواز کر جاتی۔لوگ ں کو ان پر بہت ترس آیا اور انہوں نے آقا سے مراد دنیوی آقا لیا جبکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آقا سے مراد اللہ عزوجل کو لیا تھا۔قافلے والوں میں سے ایک شخص نے کہا: ڈرو مت! میں تمہارے لئے تمہارے آقا سے اَمان لے لوں گا،تم اس کی طرف لوٹ جاؤ اور توبہ کرلو۔تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا : میں اس کی طرف لوٹتا ہوں اور اس کے انعامات میں رغبت رکھتا ہوں۔دراصل حضرتِ سیِّدُنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکارِ ابدِ قرار، شفیعِ روزِ شمار صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے روضہ انور کی زیارت کیلئے قافلے میں شامل ہوئے تھے۔بہر حال،اسی دن قافلہ چل پڑا اور تیزی سے سفر کرنے لگا۔رات کو جب اس قافلے نے ایک پتھریلی جگہ پر پڑاؤ کیا،وہ رات انتہائی سرد اور بارش والی تھی۔وہ بزرگ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قافلے والوں میں سے ہر شخص نے اپنے بجاوے اور خیمے میں پناہ لی،جبکہ سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس نہ تو بجاوہ تھا،نہ خیمہ اور نہ ہی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی سے کچھ مانگا۔کیونکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بات ناپسند تھی کہ آپ دنیوی امور میں سے کوئی چیز مخلوق سے طلب کریں بلکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اپنی حاجتیں اللہ ربُّ العزت عزوجل سے مانگا کرتے تھے۔اس رات آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت سردی لگی یہا ں تک کہ سردی کی وجہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اعضائے مبارکہ کانپنے لگے۔جب سردی زیادہ غالب آگئی تو اس عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زیادہ سردی لگنے کی وجہ سے انتقال ہوگیا۔

جب قافلے والے بیدار ہوئے اور کُوچ کا ارادہ کیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکارا : اے شخص اٹھو،لوگ کوچ کر رہے ہیں۔مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی جواب نہ دیا تو ایک شخص آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب آیا۔جب اس نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جھنجوڑا تو دیکھا کہ آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔اس شخص نے قافلے والوں کو پکار کر کہا : اے قافلے والو! اپنے آقا سے بھاگا ہوا غلام انتقال کر گیا ہے اور اسے دفن کئے بغیر سفر کرنا مناسب نہیں۔قافلے والوں نے کہا: اس کے معاملے (یعنی آقا سے بھاگنے) کا کیا ہوگا؟ قافلے میں موجود ایک نیک شخص نے کہا : یہ غلام توبہ کر کے اپنے آقا کی طرف لوٹنے کا ارادہ رکھتا تھا اور اپنے عمل پر نادم تھا اور ہمیں امید ہے کہ اللہ عزوجل اس کے ذریعے ہمیں نفع پہنچائے گا کیونکہ اسکی توبہ قبول ہو چکی ہے اور اگر ہم اسے دفن کئے بغیر چل پڑے تو کہیں ہم سے اس کے بارے میں سوال نہ کیا جائے،تمہارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس کے لئے قبر کھودنے اور اسے اس قبر میں دفن کرنے تک صبر کرو۔تو لوگوں نے کہا : یہ ایسی جگہ ہے جہاں پانی موجود نہیں ہے۔ایک شخص نے کہا کسی جاننے والے سے پوچھ لو چنانچہ لوگوں نے ایک شخص سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ پانی یہاں سے ایک گھنٹے کی مسافت پر ملے گا تم میرے ساتھ کسی آدمی کو بھیج دو میں تمہیں پانی لادوں گا اس شخص نے ڈول لیا اور پانی کی طرف چل دیا جب وہ قافلے سے نکلا تو اچانک سامنے پانی کی ایک نہر نظر آئی اس نے کہا : بڑا عجیب معاملہ ہے میں نے پہلے کبھی اس نہر کو نہیں دیکھا یہ تو وہ جگہ ہے جہاں پانی ملتا ہی نہیں اور نہ ہی کسی قریبی جگہ میں ہوتا ہے بہر حال وہ شخص قافلے کی طرف لوٹ آیا اور قافلے والوں سے کہنے لگا : تمہاری مشقت ٹل گئی لکڑیاں جمع کرو۔تو انہوں نے پانی گرم کرنے کے لئے لکڑیاں جمع کر دیں۔پھر جب پانی لینے کے لئے نہر پر آئے تو پانی کو کھولتا ہوا پایا،تو اس کے تعجب میں مزید اضافہ ہوا۔یہ سب کچھ دیکھ کر شرکائے قافلہ اس شخص یعنی حضرتِ سیِّدُنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے گھبرا گئے اور کہنے لگے : بے شک یہ شخص بڑی عظمت والا ہے۔پھر ان لوگوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے قبر کھودنا شروع کی تو مٹی کو جھاگ سے زیادہ نرم پایا اور زمین سے خوشبو کی لپٹیں آرہی تھیں۔قافلے والوں نے دنیا میں اس سے زیادہ پاکیزہ خوشبو نہ سونگھی تھی۔اس صورت حال میں ان کے خوف میں مزید اضافہ ہوگیا اور وہ

رعب وگھبراہٹ میں مبتلا ہو گئے۔ جب وہ قبر سے نکلنے والی مٹی کو دیکھتے تو اسے مٹی کی طرح پاتے اور جب اسے سونگھتے تو مشک کی خوشبو پاتے۔ پھر ان لوگوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ایک خیمہ نصب کیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسد اقدس کو اس میں منتقل کر دیا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کفن کے معاملے میں بحث کرنے لگے ایک شخص نے کہا انہیں کفن میں دوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں دوں گا۔ پھر جب ان سب کی رائے اس بات پر متفق ہوئی ہر شخص کفن کے لئے ایک ایک کپڑا دے پھر ان لوگوں نے کاغذ اور قلم پکڑا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حلیہ مبارک اور صفات مبارکہ لکھنے لگے اور کہنے لگے: ان شاء اللہ عزوجل جب ہم مدینے پہنچیں گے تو شاید وہاں ہمیں ان کا کوئی جاننے والا مل جائے۔ پھر ان لوگوں نے اس پرچے کو اپنے سامان میں رکھ لیا۔ جب انہوں نے حضرتِ سیِّدُنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غسل دے دیا اور کفن پہنانے کے لئے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لباس کو اُتارنا چاہا تو آپ کو جنّتی کفن میں لپٹا ہوا پایا۔ دیکھنے والوں نے کبھی ایسا کفن نہ دیکھا تھا۔ اس کفن پر مشک وعنبر لگا ہوا تھا جس کی خوشبو نے فضا کو معطر کر دیا تھا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جبین اطہر اور مبارک قدموں پر مشک کی مہک لگی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر لوگ کہنے لگے : گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی قوت رب عزوجل ہی دیتا ہے کہ رب عزوجل نے انہیں کفن پہنا دیا اور بندوں کے کفن سے بے نیاز کر دیا، ہم اللہ عزوجل سے امید رکھتے ہیں کہ وہ اپنے اس برگزیدہ اور مقبول شخص کے وسیلہ سے ہمیں جنت عطا فرمائے گا اور ہم پر رحم فرمائے گا۔

پھر ان قافلے والوں کو حضرتِ سیِّدُنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت سردی کی رات میں تنہا چھوڑنے پر سخت ندامت وشرمندگی ہوئی۔ پھر ان لوگوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دفن کرنے کے لئے اٹھایا اور نماز جنازہ ادا کرنے کے لئے ایک ہموار جگہ پر رکھا۔ جب ان لوگوں نے تکبیر کہی تو آسمان سے زمین تک مشرق سے مغرب تک تکبیر کہنے کی آوازیں سنیں تو ان کے کلیجے دہل گئے اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ اپنے سروں سے سنی جانے والی آوازوں سے مرعوب ہونے اور گھبراہٹ کی شدت کی وجہ سے یہ نہ سمجھ پائے کہ نماز جنازہ کس طرح ادا کی جائے۔ پھر جب انہیں قبر کی طرف لے جانے کا ارادہ کیا تو اٹھاتے وقت انہیں یوں محسوس ہوا کہ حضرتِ سیِّدُنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جسد اقدس کسی اور مخلوق نے تھام رکھا ہے اور انہیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وزن تک محسوس نہ ہوا۔ بہر حال آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دفن کرنے کے لئے قبر کی طرف لائے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم اقدس کو قبر میں دفن کر دیا۔

اس کے بعد قافلے والے حضرتِ سیِّدُنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں حیران و پریشان ہوتے ہوئے سفر پر روانہ ہو گئے۔ جب وہ اپنا سفر پورا کر کے لوٹے تو کوفہ کی مسجد میں آئے اور لوگوں کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ سنایا اور وہاں حلیہ بیان کیا تو حلیہ بیان کرنے پر لوگوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہچان لیا۔ مسجد میں رونے کی آوازیں بلند ہوئیں اور اگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے بعد آپ کی کرامات ظاہر نہ ہوتیں تو حضرتِ سیِّدُنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کی خبر کسی کو نہ ہوتی اور نہ ہی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پُر انوار کا پتا چلتا کیونکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے پوشیدگی اور کنارہ کشی اختیار کر رکھی تھی۔[1]

شہادت سیدنا امام حسین عالی مقام رضی اللہ عنہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا گزری:

ایک صحابیہ سیدہ سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی تو وہ زار وقطار رو رہی تھیں میں نے کہا آپ کیوں رو رہی ہیں؟ فرمانے لگیں میں نے آج خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک اور داڑھی مبارک پر غبار تھا میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کا یہ حال کس وجہ سے ہے؟ ارشاد فرمایا۔ شهدت قتل الحسين آنفا: میں نے قتل حسین رضی اللہ عنہ کا ماجرا ابھی ابھی

---

[1] (آنسوؤں کا دریا ص ۸۴-۸۹)

دیکھا ہے۔(ترمذی) مستدرک الحاکم میں ہے کہ ایک بار سیدہ ام فضل رضی اللہ عنہا نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو جھپٹے کے ساتھ اچک کر اٹھایا تو رسول اکرم ﷺ نے غصے سے فرمایا: اے ام فضل پرے ہٹ جاؤ تم نے مجھے تکلیف دی ہے۔ اگر امام حسین رضی اللہ عنہ کو ذرا سختی سے اٹھایا جائے تو رسول اللہ ﷺ کو اتنی تکلیف ہوتی ہے تو جب ان کی لاش پر گھوڑے دوڑائے گئے سر نیزے پر اٹھایا گیا اس وقت آپ ﷺ پر کیا گزری ہوگی۔ یہ وہ خود ہی جانتے ہیں۔ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا : إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُهِينًا ﴿۵۷ الاحزاب﴾ بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔،،

سیدنا امام حسین عالی مقام رضی اللہ عنہ فرات کے کنارے قتل کیے جائیں گے :

نجی حضرمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے ساتھ سفر میں تھے اور وہ آپ کرم اللہ وجہہ کو وضو کروایا کرتے تھے جب ارض نینوا کے بالمقابل گزرے آپ کرم اللہ وجہہ صفین کو جا رہے تھے۔ فرمایا اے ابو عبداللہ ٹھہر جاؤ عبداللہ ٹھہر جاؤ یہ فرات کا کنارہ ہے میں نے عرض کیا اس کا کیا سبب ہے آپ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: ایک روز میں نبی اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہوا دیکھا آپ ﷺ کی آنکھیں برس رہی تھیں میں نے عرض کی یا نبی اللہ ﷺ کس نے آپ ﷺ کو دکھ دیا ہے؟ آپ ﷺ کی آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں؟ فرمایا! ہاں جبریل علیہ السلام میرے پاس ابھی آئے تھے اور بتایا۔ ان الحسین (رضی اللہ عنہ) یقتل بشط الفرات۔ بے شک امام حسین کو فرات کے کنارے قتل کیا جائے گا پھر انہوں نے مجھے وہاں کی مٹی بھی دکھائی تو میں اپنی آنکھوں پر ضبط نہ کر سکا۔[1]

نبی اکرم ﷺ کے آنسو:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے گیسوئے مبارک بکھرے ہوئے تھے۔ وعلیٰ راسه ولحیته التراب۔ سر انور اور داڑھی مبارک خاک آلود تھی اور دست مبارک میں خون سے بھری بوتل تھی۔ بیده قارورة فیها دم۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں بوتل تھی جس میں خون تھا۔ یہ دیکھ کر میرا دل بے چین ہو گیا میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا حال ہے؟ آپ ﷺ کی مبارک زلفیں بکھری ہوئی ہیں داڑھی مبارک اور سر انور پر غبار ہے اور ہاتھ میں خونی قارورہ ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا میں مقتل حسین رضی اللہ عنہ میں موجود تھا وہاں سے اس حال میں آیا ہوں۔ هذا دم الحسین واصحابه۔ یہ حسین رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھیوں رضی اللہ عنہم کا خون ہے۔

سیدنا امام حسین عالی مقام رضی اللہ عنہ کے لیے آسمان بھی رویا تھا:

جہاں میں دو ہستیوں کیلئے زمین اور آسمان خوب روئے تھے۔ چنانچہ روایت میں آتا ہے: ان یحییٰ بن زکریا علیهما السلام لما قتل احمرت السماء وقطرت دما وعلی الحسین بن علی رضی الله عنهما احمرت السماء۔ بیشک یحییٰ بن زکریا علیہما السلام جب قتل کیے گئے تو آسمان سرخ ہو گیا۔ اور خون رویا تھا۔ اور حسین ابن علی رضی اللہ عنہما کیلئے بھی آسمان سرخ ہو گیا تھا۔[2]

(ومن اخلاقهم رضی الله عنهم)

رقة قلوبهم، وكثرة بكائهم على تفريطهم فی حقوق الله تعالىٰ لعل الله أن يرحمهم، وكان على هذا المقام الامام أبو بكر الصديق رضی اللہ عنہ وعمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، وابو درداء رضی اللہ عنہ، وكان لعمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خطان أسودان فی وجهه من مجرى الدموع، وكذلك عبدالله

---

[1] (مجمع الزوائد ج ۱۸۷ :۹ الناشر :مکتبۃ القدسی، القاہرۃ)

[2] (ابن کثیر)

بن عباسؓ،وكذلک كان لعمربن عبدالعزيزؓ ويزيدرقاشیؓ،والفضيل بن عياضؓ، وبشرالحافیؓ،ومعروف الكرخیؓ۔

وكان يزيدرقاشی رحمة الله تعالیٰ عليه اذادخل بيته يبكی،واِذاقدم اليه الطعام بكی،واِذاجلس اِليه اخوانه بكی وابكاهم ويقول:وهل خلقت النارالالمثلی،وكان عمربن عبدالعزيز رحمة الله تعالیٰ عليه طول ليله يبكی،ويجول فی داره،ويصرخ الی الصباح،وكثيراما يقع مغشيا عليه وكان يصلی فی سطح غرفته فيبكي في سجوده حتي تجري دموعه وتتقاطر من الميزاب علي النائمين تحته حتي كانوا يظنون أنهاسحابةمارةفأمطرت عليهم وقدكانت رابعةالعدوية رحمةالله عليهاتبكي وترش دمعها حولها كان يظن الداخل إليها أن ذالك من ماء الوضوء وكان ابن سماك رحمه الله تعالي إذاحمی مجلسه وتباكی الناس يذكرلهم بكاء داود عليه الصلاة والسلام وبكاء سفيان الثوري وداودالطائی والفضيل بن عياض وعمربن عبدالعزيز رحمهم الله تعالیٰ وأضرابهم فيستصغرالناس عندذلک بكاءهم وذلک كعب الاحبار رضی الله عنه يقول لأن أبكی من خشية الله حتی تخرج من عينی قطرة واحدة أحب الیّ من أن أتصدق بجبل من ذهب،واناغليظ القلب وكان علی رضی الله عنه يقول علامة الصالحين صفرة الالوان وعمش العيون وذبول الشفاه أی من كثرة سهرهم وبكائهم وجوعهم وكان الفضيل بن عياض رحمة الله تعالیٰ عليه يقول ليس البكاء بكاء العين انماالبكاء بكاء القلب فإن الرجل قدتبكی عيناه وقلبه قاس لأن بكاء المنافق يكون من رأسه لامن قلبه۔

وكان سفيان الثوری رحمه الله تعالیٰ يقول:البكاء عشرة أجزاء فواحد منهالله تعالیٰ،والتسعة كلهارياء،فإذاجاءذلک الجزء الذی لله تعالیٰ فی السنة مرة واحدة نجاصاحبه من النارإن شاء الله تعالیٰ۔قلت:لايكمل مقام الرجل فی البكاء الابكاء عينيه وقلبه واماالباكی بأحدهماناقص لاسيماان كان له اتباع،فان بكاءه بالقلب لايذوقه أتباعه فيحتاج الی بكاء العين ضرورة وان كان مقامه قدارتقی عن ذلک والله تعالیٰ اعلم۔

وقد بكی رجل رياء فی مجلس صلة بن أشيم فرحمه الناس فقيل له فی المنا م خذ أجربكائک ممن أحببت أن يراک باكيا،وكان سميط بن عجلان رحمة الله تعالیٰ عليه يقول كان سفيان بن عيينة رحمة الله تعالیٰ عليه اذابكی يرددالدمع فی عينه ويقول انه أبقی للكمدوكان عمربن عبدالعزيز رحمة الله تعالیٰ عليه اذابكی بكت زوجته وعياله وخدمه ولايدرون لم ذلک البكاء وكان صالح المری رحمة الله تعالیٰ عليه يقول:الذنوب تطمس القلوب ولايزيل ذلک الا البكاء،وقدبكی شعيب بن حرب رحمة الله تعالیٰ عليه فی مجلس طاؤس رحمة الله تعالیٰ عليه حتی أبكی الناس وظن انه فعل امراًعظيماًفقال له طاؤس رحمة الله تعالیٰ عليه اعلم ياأخی انه لوبكی معک اهل السماء وأهل الارض لأجل ذنب واحدفعلته لكان ذلک قليلاًفكيف تظن أن ذنوبک تمحی لبكاءک وحدک،وقدقيل لمالک بن دينار رحمة الله تعالیٰ عليه ۔ألاتأتيک بقاری سمعک القرآن؟فقال الثكلی لاتحتاج الی ناءحة،وكان الضحاک رحمة الله تعالیٰ عليه يبكی كل عشية حتی يغشی عليه ويقول انی لاادری ماصعداليوم من عملی القبيح هل غفرلی،اوهوباق فی صحيفتی حتی أقف عليه غدا،وكان مكحول الدمشقی رحمة الله تعالیٰ عليه يقول اذارأيتم احداًيبكی،فابكوا ولاتظنوابه الرياء،فانی ظننت ذلک مرة برجل فحرمت البكاءسنةاه۔فعلم أن كل من ادعی الصلاح،ولم يبک بقلبه عندسماع القرآن فهوكاذب،لأن قسوة القلب تنافی أخلاق الصالحين،فاعلم

ذلک ،والحمدللہ رب العالمین۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

دلوں کا نرم ہونا اور کوتاہی پر رونا:

صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے اخلاق میں سے ایک بات یہ ہے کہ ان کے دل نرم ہوتے ہیں اور وہ حقوق اللہ عزوجل میں کوتاہی کی وجہ سے بہت روتے ہیں کہ شاید اللہ ان پر رحم فرمائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ اسی مقام پر تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے چہرۂ انور پر آنسوؤں کے جاری ہونے کی وجہ سے دو سیاہ لکیریں بن گئی تھیں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی معاملہ تھا حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ حضرت یزید الرقاشی رضی اللہ عنہ حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ حضرت بشر حافی رضی اللہ عنہ اور حضرت معروف کرخی رحمہم اللہ بھی اسی مقام پر تھے۔حضرت یزید الرقاشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب اپنے گھر میں داخل ہوتے تو روتے تھے اور جب ان کے سامنے کھانا رکھا جاتا تو روتے تھے اور جب اپنے مسلمان بھائیوں کے پاس بیٹھتے تو خود بھی روتے اور ان کو بھی رلاتے تھے اور فرماتے تھے کہ جہنم کی آگ تو میرے جیسے آدمی کیلئے پیدا کی گئی ہے۔حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رات بھر روتے رہتے گھر میں چکر کاٹتے اور صبح تک چیختے چلاتے تھے اور اکثر اوقات بیہوش ہو جاتے تھے اکثر اوقات اپنے کمرے کی چھت پر نماز پڑھتے تو سجدے میں روتے حتیٰ کہ ان کے آنسو جاری ہوتے اور جو لوگ نیچے سوئے ہوتے پرنالے سے ان پر قطرے گرتے حتیٰ کہ وہ سمجھتے کہ یہ بادل گزر رہا ہے جو ان پر برس گیا۔حضرت رابعہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا روتیں اور ان کے آنسوؤں کے چھینٹے پڑتے حتیٰ کہ ان کے پاس آنے والا سمجھتا کہ یہ وضو کے پانی سے ہے۔حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس جب گرم ہو جاتی اور لوگ رونا شروع کر دیتے تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کے سامنے حضرت داؤد علیہ السلام کے رونے، حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رونے، حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان جیسے لوگوں کے رونے کا ذکر کرتے تو اس وقت لوگ اپنے رونے کو حقیر سمجھتے۔حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اگر میں اللہ کے خوف سے روؤں حتیٰ کہ میری آنکھوں سے ایک قطرہ نکلے تو یہ بات مجھے اس بات سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں سونے کا ایک پہاڑ صدقہ کروں اور میرا دل سخت ہو۔حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے تھے صالحین کی علامت یہ ہے کہ ان کے رنگ پیلے پڑ جاتے ہیں آنکھیں اندر کو دھنس جاتی ہیں اور ہونٹ مرجھا جاتے ہیں یعنی کثرت سے جاگنے رونے اور بھوک کی وجہ سے یہ حالت ہوتی ہے۔اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے اصل رونا آنکھوں کا رونا نہیں اصل رونا دل کا رونا ہے بعض اوقات ایک شخص رو رہا ہوتا ہے اور اس کا دل سخت ہوتا ہے کیونکہ منافق کا رونا سر (کی آنکھوں) سے ہوتا ہے اس کے دل سے نہیں ہوتا۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے رونے کی دس اقسام ہیں ان میں سے ایک اللہ کیلئے ہے اور باقی تمام کے تمام ریاکاری ہے۔جب یہ جزء جو اللہ عزوجل کیلئے ہے سال میں ایک بار بھی آجائے تو ایسا شخص جہنم سے نجات پالے گا انشاء اللہ۔میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کہتا ہوں رونے میں آدمی کا مقام اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس کی آنکھیں اور دل نہ روئے، ان میں سے ایک کے ساتھ رونے والا ناقص ہے خاص طور پر جب اس کی اتباع کرنے والا ہو کیونکہ دل کے رونے کا ذائقہ اس کے تابعین کو حاصل نہیں ہوتا لہٰذا آنکھوں کے ساتھ رونے کی ضرورت ہوتی ہے اگرچہ اس کا مقام اس سے اوپر جا چکا ہو۔ایک شخص حضرت صلہ بن ریشم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں ریاکاری کے طور پر رویا تو لوگوں نے اس کے لیے رحمت کی دعا کی پس اس کو خواب میں کہا گیا اپنے رونے کا اجر اس سے حاصل کرو جس کو تم نے پسند کیا کہ وہ تمہیں روتا دیکھے۔حضرت سمیط بن عجلان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب

روتے تو آنسوؤں کو اپنی آنکھوں میں واپس لوٹاتے وہ فرماتے تھے یہ غم کو زیادہ باقی رکھنے والے ہیں۔حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب روتے تو آپ کی زوجہ،اولاد اور خدام بھی روتے حالانکہ ان کو یہ معلوم نہ ہوتا کہ یہ رونا کس وجہ سے ہے۔حضرت صالح المری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے گناہ دلوں کو بے نور کر دیتے ہیں اور اس (بے نوری) کو صرف رونا زائل کرتا ہے۔

حضرت شعیب بن حرب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،حضرت طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں روئے حتیٰ کہ انہوں نے لوگوں کو رلا دیا اور یہ خیال کیا کہ انہوں نے بہت بڑا کام کیا ہے۔حضرت طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان سے کہا: اے بھائی! جان لو اگر تمہارے ساتھ آسمان اور زمین والے بھی ایک گناہ کی وجہ سے روتے جس کا تم نے ارتکاب کیا تو یہ بھی کم ہوتا تو تم کس طرح یہ خیال کرتے ہو کہ تمہارا گناہ صرف تمہارے رونے سے مٹ جائے گا۔حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا گیا کیا ہم آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس کسی قاری کو نہ لائیں جو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو قرآن مجید سنائے۔انہوں نے فرمایا جس عورت کا بچہ گم ہو جائے اسے کسی نوحہ کرنے والی کی ضرورت نہیں ہوتی۔حضرت ضحاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہر شام روتے حتیٰ کہ ان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی اور وہ فرماتے میں نہیں جانتا کہ آج میرا جو قبیح عمل اوپر گیا ہے وہ بخش دیا گیا یا میرے نامہ اعمال میں باقی ہے حتیٰ کہ کل مجھے اس کی وجہ سے رکنا پڑے گا۔حضرت مکحول دمشقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے جب تم کسی کو روتا ہوا دیکھو تو تم بھی روؤ اور اسے ریاکاری نہ سمجھو میں نے ایک دفعہ ایک شخص کے بارے میں یہ خیال کیا تو میں ایک سال تک رونے سے محروم رہا۔پس معلوم ہوا کہ جو شخص نیکی اور بھلائی کا دعوٰی کرتا ہے اور قرآن مجید سن کر دل سے نہیں روتا وہ جھوٹا ہے کیونکہ دل کی سختی نیک لوگوں کے اخلاق کے خلاف ہے۔پس اس بات کو جان لو اور تمام تعریفیں اللہ عزوجل کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔[1]

یہ تمام واقعات رونے کی فضیلت پر تھے جو کہ جذب کی اقسام میں سے ایک اعلیٰ قسم ہے۔

حدیث نمبر :۶اس طرح امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کی ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راویت ہے۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ :قَالَ أَبُو بَكْرٍ :يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ شِبْتَ، قَالَ, شَيَّبَتْنِي هُودٌ، وَالوَاقِعَةُ، وَالمُرْسَلَاتُ، وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ، وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ۔ ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ کی ریش مبارک میں سفید بال آگئے ہیں،حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ ھود و الواقعۃ و المرسلات و عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔ریش سفید ہونے کے آثار امت کے غم اور ضعف کے باعث ہیں۔اس لئے کہ سورۂ ھود میں۔

(واستقم کما امرت ومن اتبعک من المؤمنین)

ترجمہ: ثابت قدم رہو جس طرح تمہیں حکم ہے وہ بھی ثابت رہیں جو تمہارے پیروکار مومن ہیں رسول اللہ ﷺ کیلئے استقامت اور قرآن پر عمل بالکل بھی مشکل نہیں کیونکہ حضور ﷺ کے اخلاق قرآن کریم پر عمل ہے مگر امت کے لئے استقامت کا حکم ہے اور عام امتی کیلئے استقامت بہت مشکل کام ہے۔ (باب ما جاء فی شیب رسول اللہ ﷺ)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :الاستقامۃ للامۃ امر شدید صعب ولذا امر وا بدعآء الھدایۃ والاستقامۃ فی کل صلٰوۃ وفی کل رکعۃ' ملخصًا۔(استقامت تمام امت کے لئے بہت مشکل کام ہے اسی وجہ سے امت کیلئے ہر نماز میں ہر رکعت میں استقامت علی الھدایۃ کا حکم ہے۔تو یہ غم درحقیقت امت کیلئے ہی ہے۔)[2]

---

[1] (تنبیہ المغترین ص ۴۹ دار الکتب العلمیۃ)

[2] (کما فی المرقاۃ)

جس طرح قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں :

رزقنا اللہ سبحانہ وتعالٰی وایاکم الاستقامۃ علی سبیل الشریعۃ والطریقۃ والحقیقۃ واحفظنا وایاکم من زلۃ الاقدام وسوء الخاتمۃ آمین۔ بحرمۃ مرشدنا الکریم ولاسیما بحرمۃ سید المرسلین ﷺ آمین۔ اسی طرح سورہ **واقعہ** اور سورہ **مرسلات** اور سورہ **عمّ یتسآء لون** اور سورہ **تکویر** میں قیامت کی سختیاں اور خوفناک واقعات گزری ہوئی امتوں کے انکار اور نافرمانی کی وجہ سے ہلاکت کے واقعات مذکور ہیں۔ اسی وجہ سے امت کی خاطر رسولِ کریم ﷺ پر غم کے آثار ضعف اور ریش مبارک کا سفید ہونا ظاہر ہوا۔ اور ان آثار کا ظاہر ہونا بھی وجد کی ایک قسم ہے۔ جیسے کہ اقسام وجد میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں احیاء العلوم میں باب آثار السماع وآدابہ میں فرماتے ہیں :

وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم شیبتنی ھود واخواتھا خبر عن الوجد فان الشیب یحصل من الحزن والخوف وذالک وجد۔

ترجمہ : حضور ﷺ کا فرمان سورۂ ھود کی طرح سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ یہ بتانا خبر دینا ہے کہ داڑھی کا سفید ہونا بھی غم ہی کی وجہ سے ہے اور یہ وجد کی اقسام میں سے ایک ہے۔

حدیث نمبر :۷ اسی طرح امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیھقی شعب الایمان اور ابن عدی کی (الکامل) کے حوالے سے ابوحرب بن ابی الاسود کی روایت سے مرسلا اس طرح نقل کیا ہے کہ :**انہ علیہ الصلٰوۃ والسلام قرأ عندہ "ان لدینا انکالا وجحیما وطعاما ذا غصۃ وعذابا الیما" فصعق۔**[1]

ترجمہ: حضور نبی کریم ﷺ نے ابوحرب بن ابو الاسود کے سامنے یہ آیت کریمہ تلاوت کی اور یہ مرسل حدیث پر حجت ہے۔ بلکہ حنفیوں کے نزدیک یہ مسند سے بھی اوپر ہے اصولِ فقہ کی کتابوں میں (باب السنہ) میں وضاحت موجود ہے اور مسلم شریف میں حضور ﷺ کا بے ہوش ہو جانا بھی مروی ہے۔ مسلم شریف: ج:۱: ص :۱۵۴: میں بھی حضور نبی کریم ﷺ کا بے ہوش ہو جانا یا ان پر غشی طاری ہونے کی روایت موجود ہے پھر تدریجا استعداد بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ شب معراج اللہ کے دیدار سے مشرف ہونے کے باوجود بھی بال برابر بھی نہ ہلے۔ اپنی عظیم ترین استعداد مبارکہ کی بدولت ذات حق کا مشاہدہ کیا۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مکتوبات شریف میں یہ بات ذکر کی ہے کہ تجلی ذاتی اور اصلی خالص بدون ظل کے وقت میں دک وفک اور سقوط اور غشی کا طاری ہونا، اس سے چھٹکارا نہیں۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ:

(فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّ خَرَّ مُوسٰی صَعِقًا) لہٰذا منتہی کیلئے اصل تجلی خالص بغیر سایہ کے دیکھنے سے حالت متغیر ہو جاتی ہے مگر نبی کریم ﷺ کے پہلے احوال موسیٰ علیہ السلام کے پہلے احوال صحابہ کرام کے پہلے احوال تابعین وتبع تابعین کے پہلے اقوال اس پر گواہ ہیں اور اس کے بعد سید الانبیاء ﷺ کو اتنی ترقی اور استعداد کیسے حاصل ہوئی کہ عین ذات کا دیدار کرتے ہوئے بھی حالت نہیں بدلی۔ یہ ایک باریک تحقیق ہے اور تفصیل مکتوبات شریف میں موجود ہے تاہم یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ بھی وجد کی ایک قسم ہے اسلئے کہ غشی اور بے ہوشی کا طاری ہونا وجد ہی کی قسم ہے۔

حدیث نمبر :۸ اسی طرح تفسیر مدارک: ج:۴: ص:۱۳۶: تفسیر مظہری: ج:۸: ص :۱۰۹ : سورۂ زمر کی آیت کی تفسیر میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے :**اذا اقشعر جلد المؤمن (وفی روایۃ جلد العبد) من خشیۃ اللہ تحاطت عنہ الذنوب کما یتحاطت عن الشجرۃ الیابسۃ ورقھا۔** (جب مؤمن کی کھال اللہ کے خوف سے حرکت کرتی ہے۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ بندے کی کھال اللہ کے خوف سے لرزتی ہے تو

---

[1] (احیاء العلوم: ج:۲: ص:۲۹۷)

اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جس طرح خشک درخت سے اس کے پتے گرتے ہیں۔)

'اقشعرار' کے معنی ہیں 'ارتعاد' یعنی لرزنا، کانپنا یا اضطراب۔ یہ بھی وجد کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ اس حدیث سے بھی بندۂ صالح اور بندۂ مؤمن کیلئے ثابت ہے۔

حدیث نمبر :۱۹ اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عذابِ قبر کے باب میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت نقل کی :

تقول قام رسول اللہ ﷺ خطیبا فذکر فتنۃ القبر التی یفتتن فیھا المرء فلما ذکر ذالک ضج المسلمون ضجۃ۔ (حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے تو فتنۂ قبر کا ذکر کیا جو بندے سے امتحان ہوتا ہے۔ جب قبر کی حالت کا ذکر ہوتا ہے یہ سن کر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے چیخیں مارنا شروع کیں۔)[1]

اور امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے : حالت بینی و بین ان افھم کلام رسول اللہ ﷺ فلما سکنت ضجتھم قلت لرجل قریب منی ای بارک اللہ لک ماذا قال رسول اللہ ﷺ فی آخر قولہ؟ قال : قد اوحی الی انکم تفتنون فی القبور قریبا من فتنۃ الدجال۔ (یہاں تک کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا وہ شور میرے اور حضور ﷺ کا کلام مبارک سمجھنے کے درمیان حائل ہوا۔ جب حضور ﷺ کا خطبہ مبارک ختم ہوا تو میں نے ایک صحابی سے پوچھا کہ آخر میں نبی کریم ﷺ نے کیا فرمایا؟ انہوں نے کہا حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے : کہ مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے کہ فتنۂ دجال کے وقت تم قبر کے فتنے میں ڈالے جاؤ گے۔[2]

مشکوٰۃ شریف (باب اثبات عذاب القبر ج ا ص ۲۶) میں بھی یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔

اب غور کرنا چاہئے کہ نبی کریم ﷺ کا وعظ و خطبے کے دوران صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خوفِ الٰہی کے سبب چیخیں مارنا خلافِ ادب تصور کیا جائے گا یا نہیں حضور ﷺ کی محفل اقدس میں۔ اور حضور ﷺ کی آواز مبارکہ سے صحابۂ کرام ث کی آوازیں خوفِ الٰہی کیوجہ سے بلند ہوگئی تھیں۔ کہ چیخیں مار رہے تھے اور حضور نبی کریم ﷺ کی آواز مبارکہ سے اپنی آواز بلند کرنا ممنوع ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا : یَاأَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ ﴿حجرات ۲﴾ کہ حضور اکرم ﷺ کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرو۔

صحابہ (رضوان اللہ علیہم) کے سکر و مستی کے واقعات

محقق علی الاطلاق، شیخ عبدالحق حنفی نقشبندی محدث دہلوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

مگر غلبۂ حال و سکر و وجد صحابہ را رضوان اللہ تعالیٰ علیھم نیز غلبات حال بود و مستیھا بود آخر تواجد و رقصِ بلال در مسجد نزد نزول آیہ و لٰکن اللہ یھدی من یشآء۔

و منع عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ را از صلحِ کفار در روزِ حدیبیہ و عدم شکر و امتنان عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا از آنحضرت ﷺ در نزولِ قرآن و طہارتِ ذیل و برأت حالِ وے رضی اللہ عنہا در قضیۂ افک و قولِ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نزد جریان ذکر و باکہ وے رحمت است، مر این امت را خداوند امعاذ را و اھلِ معاذ را ازین رحمت فراموش مکن، و قولِ او در وقت طریان اغما و سکراتِ موت اخنق خنقک فوعزتک لتعلم انّی احبّک۔ این ھمہ از مستی وجد و غلبۂ حال بود و اللہ اعلم۔

---

[1] (صحیح البخاری، کتاب الجنائز ج ا ص ۱۳۸)

[2] (سنن نسائی، کتاب الجنائز ج ا ص ۲۲۴ کتاب التعوذ من عذاب القبر)

ترجمہ: صحابہ (رضوان اللہ علیہم) پر بھی غلبۂ حال و مستی ہوتا تھا۔ آخر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اس آیت کے نزول کے وقت مسجد میں وجد کرنا اور رقص کرنے لگنا :وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ. (یعنی :اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔)

اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صلح کفار سے حدیبیہ کے روز منع کرنا، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا قضیۂ افک کے موقع پر اپنی پاکیزگی اور برأت کے سلسلہ میں قرآن مجید کے نزول پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرنے سے انکار کرنا اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نام اور ابو عبداللہ کنیت ہے۔ جلیل القدر صحابی تھے۔ مدینہ کے مشہور قبیلہ خزرج سے تعلق تھا۔ بیعت عقبہ ثانی میں حاضر تھے۔ بدر اور بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو قاضی اور معلم کی حیثیت سے یمن روانہ فرمایا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امین الامت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد شام کا والی مقرر کیا لیکن اسی سال ۱۸ھ ۶۳۹ء میں طاعون کے مرض میں مبتلا ہو کر ۳۸ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آپ سے عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث کی روایت کی ہے۔) کا ذکر کے جاری ہونے کے وقت یہ قول کہ وہ اس امت کے لیے خصوصیت سے رحمت ہے۔ اے اللہ! معاذ اور اہلِ معاذ کو اس رحمت سے فراموش نہ کر۔ اور ان کا بیہوشی اور سکراتِ موت کے وقت یہ قول: گلا گھونٹ اپنا گلا گھونٹنا۔ تیری عزت کی قسم، تو جانتا ہے کہ میں تجھے دوست رکھتا ہوں۔ یہ سب وجد و مستی اور حال کے غلبہ کی وجہ سے تھا۔ واللہ اعلم۔[1]

معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا خوفِ الٰہی کے سبب چیخیں مارنا اور رونا یہ غیر اختیاری تھا۔ عقل و شعور ہونے کے باوجود یہ چیخیں مارنا وجد کے باعث تھا اور یہ وجد بھی اقسامِ وجد میں سے ایک وجد ہے جس طرح علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

حالت غشی کے واقعات:

قطب ربانی محقق صمدانی سیدنا و مولانا العارف بربہ سیدی عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :واقعہ نمبر ۱ :(ومن اخلاقهم رضی الله عنهم)كثرة الخوف من الله تعالىٰ اذاذكروأهوال يوم القيامة وكثرة الغشيان والصعق اذاسمعواالقرآن والذكروقدقرأرسول الله ﷺ يوماقوله تعالىٰ إِنَّ لَدَيْنا أَنْكالاً وَجَحِيماً (۱۲) وَطَعاماً ذَا غُصَّةٍ وَعَذاباً أَلِيماً (المزمل ۱۳) وكان وراءه حمران بن أعين فخر ميتا رضی الله عنه۔

ترجمہ: صوفیاء کرام رحمہم اللہ کے اخلاق میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ جب وہ قیامت کے ہولناک مناظر کو یاد کرتے ہیں تو بہت زیادہ ڈرتے ہیں اور جب قرآن مجید اور ذکر الٰہی سنتے ہیں تو ان پر غشی اور خوف بہت زیادہ ظاہر ہوتا ہے ایک دن نبی کریم ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ بے شک ہمارے پاس بھاری بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی آگ اور گلے میں پھنستا کھانا اور دردناک عذاب۔ آپ ﷺ کی اقتداء میں حضرت حمران بن اعین رضی اللہ عنہ تھے وہ انتقال کر گئے۔

واقعه نمبر:2وقددخل يزيد الرقاشي على عمربن عبدالعزيزرحمهماالله تعالىٰ يومافقال له عظني يايزيدفقال له ياأمير المؤمنين انك اول خليفة يموت فبكى عمرو قال له زدني فقال له ليس بينك وبين أبيك آدم أب حي فبكى عمرو قال له زدني فقال له ليس بين الجنة والنار منزلة أخرىٰ فسقط عمر مغشيا عليه۔

ترجمہ: ایک دن یزید الرقاشی رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لے گئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اے یزید مجھکو

---

[1] (مرج البحرین، ص ۵۳، وصل ۱۱، شیخ عبدالحق محدث اکیڈمی، کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی)

کوئی نصیحت کیجئے تو انہوں نے فرمایا اے امیر المؤمنین تم پہلے خلیفہ ہو جو انتقال کر جاؤ گے اس پر حضرت عمر بن عبد العزیز رو پڑے اور کہا نصیحت میں اضافہ کیجئے انہوں نے فرمایا کہ تمہارے اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان کوئی زندہ نہیں ہے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ پھر روئے اور فرمایا کچھ اور بتائیں فرمایا کہ جنت اور دوزخ کے درمیان کوئی اور مقام نہیں یہ سن کر حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ بے ہوش کر گر پڑے۔

واقعہ نمبر:3 وکان الحسن بن صالح رحمہ اللہ تعالیٰ یؤذن مرۃ فقال اشھد أن لا الہ الا اللہ فغشی علیہ، فحملوہ من المنارۃ ونزلوا بہ وصعدا خوہ، فاذن وصلی بالناس والحسن فی غشیتہ وکان ابو سلیمان الدارانی رحمہ اللہ تعالیٰ یقول ما رأیت احداً اکثر خشوعا من الحسن یعنی ابن صالح رحمہ اللہ قام لیلۃ الی الصباح بسورۃ (عم یتساءلون النباء ۱) یرددھا ویغشیٰ علیہ الی الفجر ولم یتم السورۃ وکان کلما غشی علیہ یجدد طھارۃ.

ترجمہ: حضرت حسن بن صالح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مرتبہ اذان کہتے ہوئے **اشھد ان لا الہ الا اللہ** کہا تو ان پر بے ہوشی طاری ہوگئی لوگ ان کو سہارے سے اٹھا کر نیچے لائے اور ان کے بھائی اوپر چلے گئے اور اذان دے کر نماز پڑھائی اس دوران حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر بے ہوشی طاری رہی۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے میں نے حسن (ابن صالح) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے زیادہ خشوع وخضوع کرنے والا نہیں دیکھا انہوں نے ایک رات سورۃ ''عم یتساءلون'' کی تلاوت شروع کی تو صبح تک پڑھتے رہے ان پر صبح تک بار بار بے ہوشی طاری ہو جاتی اور وہ سورت نہ پڑھ سکے اور جب بھی ان پر غشی طاری ہوتی وہ تازہ وضو کرتے۔

واقعہ نمبر:۴ :وقد مر داود الطائی یوما علی امرأۃ تبکی علی قبرھا وتقول لیت شعری بای خدیک بدأ الدود، فخر داود مغشیا علیہ۔

ترجمہ: حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک دن ایک عورت کے پاس سے گزرے وہ ایک قبر کے پاس رو رہی تھی اور کہہ رہی تھی کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تیرے کس رخسار سے کیڑے نے آغاز کیا، یہ سن کر حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

واقعہ نمبر:۵ وقد کانت شعوانۃ العابدۃ رحمۃ اللہ علیھا تقول فی مناجاتھا اِلٰھي أنت اکرم الکرماء وسید السادات ورجاء المسلمین فأسألك ان تغفر الیوم لکل من تعرض لمعصیتک بعد معرفتہ بعقوبتک ثم تصرخ ویغشیٰ علیھا وتقول ھاہ۔

ترجمہ: حضرت شعوانہ عابدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا اپنی دعا میں یوں کہا کرتی تھیں یا الٰہی! تو سب سے زیادہ کریم ہے، تمام سرداروں کا سردار ہے مسلمانوں کی امید ہے میں تجھ سے سوال کرتی ہوں کہ آج جو شخص بھی سزا کا علم رکھنے کے باوجود تیری نافرمانی کرے تو اسے بخش دے پھر وہ چیختیں چلاتیں اور ان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی اور وہ ہائے ہائے کہتی تھیں۔

واقعہ نمبر:۶ وقد قرأ أمیر المؤمنین عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ یوما (اذا الشمس کورت سورۃ التکویر ۱) حتی بلغ قولہ تعالیٰ (واذا الصحف نشرت: التکویر ۱۰) فخر مغشیا علیہ وصار یضطرب علی الارض ساعۃ طویلۃ۔

ترجمہ: امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن یہ آیت کریمہ پڑھی :''اذا الشمس کورت'' (پ :۳۰التکویر) (ترجمہ) اور جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔ جب آپ ''واذا الصحف نشرت'' (پ :۳۰التکویر) (ترجمہ) جب نامہ ہائے اعمال کھولے جائیں گے۔ پر پہنچے تو بے ہوش ہو کر گر پڑے اور کافی دیر تک زمین پر پھڑکتے رہے۔

واقعہ نمبر:۷ قال وسمع الربیع بن خیثم رحمہ اللہ تعالیٰ قارئاً یقرأ قولہ تعالیٰ (اذا رأتھم من مکان

بعیدسمعوالهاتغیظاوزفیرا:الفرقان ۱۲)فخرمغشیاعلیه ثم حمل الی بیته ففاته الظهروالعصروالمغرب والعشاء وکان هوالامامفی حارته وفی روایة کان القارئ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

ترجمہ: حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک قاری کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا:

''إِذَا رَأَتْهُمْ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا'' (سورۃ الفرقان ۱۲)

ترجمہ: جب وہ انہیں دور جگہ سے دیکھیں گے تو سنیں گے اس کا جوش مارنا اور چنگھاڑنا۔

تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر ان کو اٹھا کر لایا گیا تو ان سے ظہر، عصر اور مغرب وعشاء کی نماز قضا ہوگئی اور اپنے محلے میں وہی امام تھے ایک روایت میں ہے کہ قرأت کرنے والے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

واقعہ نمبر:۸ وقد کان ابو سلیمان الدارانی رحمه اللہ تعالی یقول صلی سفیان الثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیه رکعتین خلف المقام ثم نظر الی السمآء فنقلب مغشیاعلیه۔قال الدارانی ومافعل به ذلک مجرد نظره الی السماء وانماذلک من التفکر فی اهوال القیامة۔

ترجمہ: حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام کے پیچھے دو رکعتیں پڑھیں پھر آسمان کی طرف دیکھا تو بے ہوش ہو گئے۔

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں یہ معاملہ محض آسمان کی طرف دیکھنے سے پیش نہیں آیا بلکہ قیامت کے ہولناک مناظر میں غور کرنے سے ہوا۔

واقعہ نمبر:۹ وکان وهب بن منبه رحمه اللہ تعالیٰ یقول کان ابراهیم الخلیل علیه الصلوٰة والسلام اذاذکر خطیئته یغشیٰ علیه ویسمع وجیب قلبه من مسیرة میل فیقال له تفعل ذلک وانت خلیل الرحمٰن فیقول اذاذکرت خطیئتی نسیت خلتی۔

ترجمہ: حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اپنی خطا کا ذکر کرتے تو آپ پر بے ہوشی طاری ہو جاتی اور ان کے دل کی دھڑکن ایک میل کی مسافت سے سنائی دیتی آپ سے کہا جاتا کہ آپ اس طرح کیوں کرتے ہیں جب کہ آپ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں؟ تو فرماتے جب میں اپنی خطاؤں کو یاد کرتا ہوں تو مجھے خلیل ہونا بھول جاتا ہے۔

واقعہ نمبر:۱۰ اقال :وصلی الفضیل بن عیاض رحمة اللہ تعالیٰ علیه الفجر یومافقرأ یس فلمابلغ قوله تعالیٰ إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ (53یس) فسقط ابنه علی رحمة اللہ تعالیٰ علیه فلم یفقه حتی طلع الشمس وقد کان علی هذا اذاارادان یقرأسورة لم یقدران یتمهاوکان لایقدران یسمع سورة (اذازلزلت الارض)ولاسورة القارعة ابداقال ولمامات ضحک ابوه الفضیل فقیل له فی ذلک وکان کثیر الحزن فقال ان اللہ تعالیٰ احب موته فاحببت ذلک لحب اللہ وکان یقول لوالدته ادع اللہ لی ان یقدرنی علی سماع سورة کاملة اوعلی ختم القرآن ولو مرة قبل موتی۔

ترجمہ: (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرماتے ہیں حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک دن فجر کی نماز میں سورۃ یٰسین پڑھی جب وہ اس آیت پر پہنچے:

''إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ (سورۃ یٰسین آیت ۵۳)

ترجمہ: نہیں ہوئی مگر ایک زوردار کڑک پھر وہ فوراً سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کر دیئے جائیں گے۔ تو ان کا بیٹا علی بن فضیل عیاض رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ گر پڑا اور اسے سورج چڑھنے تک افاقہ نہ ہوا اور یہ علی جب کوئی سورت پڑنا چاہتے تو اسے پورا نہ کر سکتے اور وہ ''سورۃ اذا زلزلت الارض'' اور ''سورۃ القارعۃ'' کبھی بھی سن نہیں سکتے تھے۔ جب حضرت علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا انتقال ہوا تو ان کے والد حضرت فضیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہنس پڑے ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی کیونکہ وہ زیادہ غمگین رہتے تھے تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کی موت کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ کے پسند کرنے کی وجہ سے مجھے بھی یہ موت پسند ہے اور وہ اپنی والدہ سے فرماتے تھے میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے پوری سورت سننے یا ختم قرآن کی طاقت عطا فرمائے اگرچہ میری موت سے پہلے ایک بار ہی ہو۔

واقعہ نمبر:۱۱ وکان الحسن البصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یقول کان احدھم یقرأ القرآن فی اللیل فاذا اصبح عرف الناس ذلک فی وجھہ من شدۃ التغیر والاصفرار والنحول والذبول فصار الناس الیوم یقرأ احدھم القرآن کلہ فی اللیل فاذا اصبح لا یظھر علی وجھہ منہ شیٔ وکانہ حمل رداءہ۔

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ان (بزرگوں) میں سے کوئی ایک رات کے وقت قرآن مجید پڑھتا جب صبح ہوتی تو لوگوں کو اس بات کا علم ان کے چہرے سے ہو جاتا تھا کیونکہ اس میں بہت زیادہ تبدیلی آجاتی تھی رنگ زرد ہو جاتا اور کمزوری ظاہر ہو جاتی پس آج صورت حال یہ ہے کہ ایک شخص رات بھر قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے لیکن صبح اس کے چہرے پر اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا گویا اس نے اس کی چادر اٹھائی ہو۔

واقعہ نمبر:۱۲ وکان میمون بن مھران رحمہ اللہ تعالیٰ یقول سمع سلمان الفارسی۔ رضی اللہ عنہ۔ قارئاً یقرأ قولہ تعالیٰ: (وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ: الحجر ۴۳) فصاح ووضع یدہ علی رأسہ وخرج ھائما لا یدری این یتوجہ مدۃ ثلاثۃ ایام۔

ترجمہ: حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کسی قاری کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا: ''وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ'' (پ ۱۴: الحجر ۴۳) ''اور بے شک ان سب کو جہنم میں جمع ہونا ہے۔'' تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے چیخ ماری اور اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر حیران و پریشان نکل پڑے تین دن تک پتہ نہ چلا کہ کہاں تشریف لے گئے ہیں۔

فتأمل یا أخی فی احوال سلفک، فھل غشی علیک قط عند سماع کلام ربک عزوجل خالصاً أم لم یغش علیک لا خالصا ولا مرائیاً لقسوۃ قلبک؟ فخذ حذرک وعلیک بالجوع فانہ یرقق القلب، والحمد للہ رب العالمین۔

ترجمہ: تو اے بھائی! اپنے بزرگوں کے حالات میں غور و فکر کر و کیا کبھی اللہ کا کلام سنتے ہوئے تم پر بھی خلوص کے ساتھ غشی طاری ہوئی ہے یا دل کی سختی کی وجہ سے خلوص کے ساتھ یا دکھاوے کے طور پر کسی صورت میں بھی تم پر غشی طاری نہیں ہوئی پس احتیاط کرو اور بھوک کو اپناؤ اس سے دل نرم ہوتا ہے اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔[1]

واقعہ نمبر:۱۳

الامام الشیخ عبدالوھاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

وخرج الحسن البصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فی جنازۃ فلما رأھم وھم یدخلون المیت فی القبر صاح وخر مغشیا علیہ، فما رجعوا الی بیتہ الا فی نعش ذلک المیت۔

---

[1] (یہ تمام واقعات تنبیہ المغترین ص ۴۹-۵۰ مکتبہ دارالکتب العلمیہ)

ترجمہ: امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ایک جنازے کے ساتھ نکلے پس جب انہوں نے دیکھا کہ وہ میت کو قبر میں داخل کر رہے ہیں تو چیخ ماری گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے تو انہیں گھر نہیں لوٹ سکے مگر جنازہ والی چارپائی پر۔[1]

قدوۃ العلماء العلامۃ الملا نور الدین عبد الرحمٰن بن احمد الجامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

جارية حبشية، رحمها الله تعالىٰ:

قال الشيخ محيي الدين عبدالقادر الجيلي قدس الله سره العزيز عزمت من بغداد للحج اول مرة على قدم التجريد وكنت شاباً وكنت ماشياً وحدي فاستقبلني الشيخ عدي ابن مسافر وهو ايضا كان شاباً فسئلني اين تذهب؟ قلت مكة، قال تريد الرفقة ؟ قلت انا اذهب على قدم تجريد، قال انا ايضا على قدم تجريد فمشينا بالاتفاق فرأينا يوما من الايام جاءت جارية حبشية متبرقعة فقامت قدامنا تنظر الى بحدة النظر، فقالت من اين انت يا فتى؟ قلت من العجم، قالت اليوم أدخلتني في التعب قلت بم؟ قالت في هذه الساعة كنت في بلاد الحبشة فشاهدت تجلي الله تعالىٰ في قلبك واعطاك الله شيئاً ما اعطاه لغيرك فلم اعرف فاردت ان انظرك واعرفك فقالت اليوم انا معكما ونفطر جميعا، فذهبنا هي من جانب الوادي ونحن من جانب اخر من الوادي فلما جنح الليل نزل طبق من الهواء فيه ستة ارغفة وخل وبصل فقالت الجارية الحمد لله الذي اكرمني واكرم ضيفي كل ليلة ينزل رغيفين فهذه الليلة نزل لكل واحد رغيفين، فبعده نزل ثلثة ابارق من الماء فشربنا وما كان من اللذة والحلاوة احسن منه ماء ففارقتنا وذهبت فلما وصلنا مكة تجلى الله تعالىٰ للشيخ عدي في الطواف فخر مغشياً حتى قالوا هو مات فرأيت تلك الجارية واقفة على رأس الشيخ عدي وتقول احياك من اماتك سبحان الذي لا تكون الحادثات لتجلي نور جلاله الا بتشبيته ولا تستقر الكائنات لظهور صفاته الا بتائيده بل اختطفت سبحات قدسه ابصار العقول واخذت نفحات بهائه لباب الفهول ،فتجلى الله لي في الطواف فسمعت خطاب من باطني وفي اخره قال لي ياعبدالقادر اترك تجريد الظاهر والزم تفريد التوحيد واجلس لنفع الناس لان لي عباداً خواصا اريدهم بوسيلتك ان يتشرفون بقرب فقالت تلك الجارية يا فتى لا اعلم اليوم ما الولاية لانهم ضربوا على رأسك خيام النور الى عنان السماء وحواليك ملائكة داخلين وعيون جميع اولياء الله من مقاماتهم صارت حائرة وكلهم راجين لما اعطاك الله تعالىٰ وذهبت تلك الجارية وما رأيتها ابداً۔

ترجمہ: ایک حبشیہ لڑکی رحمہا اللہ تعالیٰ:

شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے پہلی دفعہ تجرید کے قدم پر جب حج کا ارادہ کیا (یعنی پیدل) ابھی میں جوان تھا میں اکیلا جا رہا تھا شیخ عدی بن مسافر مجھے ملے وہ بھی جوان تھے انہوں نے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا کہ مکہ جا رہا ہوں تو انہوں نے کہا کہ تم میرے ساتھ ہم سفر ہونا چاہتے ہو تو میں نے کہا کہ میں تو پیدل جا رہا ہوں تو اس نے کہا کہ میں بھی پیدل جانا چاہ رہا ہوں تب ہم دونوں روانہ ہوئے ایک دن میں نے دیکھا کہ ایک حبشی لڑکی ظاہر ہوئی برقعہ منہ پر تھا میرے سامنے کھڑی ہو گئی اور مجھ کو تیز تیز نظروں سے دیکھنے لگی اور کہا کہ تم کہاں سے ہو؟ میں نے کہا کہ عجم سے ہوں۔ اس حبشیہ لڑکی نے کہا کہ آج تم نے مجھ کو رنج میں ڈال دیا میں نے کہا کہ کیوں؟ تو اس حبشی لڑکی نے کہا کہ میں اس وقت حبشہ کے ملک میں تھی کہ مجھے مشاہدہ ہوا کہ اللہ جل وعلا شانہ نے تیرے دل پر تجلی کی ہے اور تجھ کو اس قدر دیا ہے کہ

---

[1] (الاجوبۃ المرضیۃ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ص ۱۴۳)

اور کسی کو جنہیں میں جانتی ہوں نہیں دیا اس لئے میں نے چاہا کہ تم کو دیکھوں اور پہچانوں پھر اس حبشی لڑکی نے کہا کہ میں آج کے دن تمہارے ساتھ رہوں گی اور آج رات تمہارے ساتھ افطار کروں گی اور ہم چل پڑے وہ وادی کے ایک طرف اور ہم دوسری طرف چلتے تھے جب رات ہوئی ایک بہت بڑا تھال ہوا سے زمین پر اترا جس پر چھ روٹیاں سرکہ اور ترکاری کے ساتھ رکھی ہوئی تھی اس لڑکی نے کہا کہ اس خدا کی تعریف ہے کہ جس نے میری اور میرے مہمانوں کی عزت کی ہے ہر رات میرے لئے دو روٹیاں آتی ہیں آج ہر ایک کیلئے دو دو روٹیاں اتریں اس کے بعد تین لوٹے پانی کے اترے ہم نے پانی پی لیا وہ ایسا شیریں ولذیذ تھا کہ زمین کا پانی اس کی برابری نہیں کرسکتا تھا، پھر اسی رات ہم سے جدا ہوگئی اور چلی گئی جب ہم مکہ مکرمہ پہنچے تو شیخ عدی کو طواف کی حالت میں ایسی تجلیٰ ہوئی کہ بے ہوش ہو گئے حتیٰ کہ لوگوں نے کہا کہ ان کی وفات ہوگئی پھر اچانک میں نے یہ دیکھا کہ وہی لڑکی اس کے سر پر کھڑی ہے اور کہہ رہی تھی کہ جس خدا نے تجھے مارا ہے وہ زندہ کردے یعنی پاک ہے وہ ذات کہ اس کے تجلیٰ کے نور کی وجہ سے تمام حادثات قائم نہیں رہ سکتی مگر اسی کے ثابت رکھنے کے ساتھ اور اسی کی صفات کے ظہور سے کائنات قرار نہیں پکڑ سکتی مگر اسی کی تائید سے بلکہ اس کے قدس کے انوار کی تیزی عقلوں کی بینائی کو اچک لیتی ہے اور بڑے لوگوں کی عقلوں کو اس کی عزت کی لپٹیں لے جاتی ہیں اس کے بعد مجھ کو طواف میں تجلیٰ ہوئی اور اپنے باطن میں سے آواز سنائی دی اور اس کے آخر میں یہ کہا گیا کہ اے عبدالقادر ظاہری تجرید کو چھوڑ دو اور توحید تفرید کو لازم رکھو اور لوگوں کے نفع کیلئے بیٹھو ہمارے بعض خاص بندے ایسے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ان کو تمہارے ہاتھ پر اپنے قرب سے مشرف کروں اس لڑکی نے کہا کہ اے نوجوان میں نہیں جانتی کہ آج کیا تیرا نشان ہے کہ تیرے سر پر نور کا خیمہ لگایا گیا ہے آسمان کی انتہا تک اور فرشتے تیرے ارد گرد جمع ہیں اور تمام اولیاء کی آنکھیں اپنے اپنے مقامات سے تجھ کو دیکھ کر حیران ہو رہے ہیں اور سب ایسی نعمت کے جو تجھ کو ملی ہے امیدوار ہیں اس کے بعد وہ لڑکی چلی گئی پھر اس کو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔[1]

واقعہ نمبر ۱۴

بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ غم فرقت اور حالت ہجر وفراق میں مجنوں کا برا حال ہوگیا محبت نے شدت اختیار کرلی مجنوں لیلیٰ کے اشتیاق میں ہر وقت اس کا ذکر کرتا اس کیلئے روتا اور تڑپتا محبت کے شوق اور عشق کے شعلوں نے جب زور پکڑا تو مجنوں کے اھل خاندان بے بس ہو گئے اور ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ لیلیٰ کے قبیلے والوں سے کہا جائے کہ وہ مجنوں کو ایک بار لیلیٰ کا دیدار کرادیں تاکہ اس کی آتش عشق ٹھنڈی پڑ سکے چنانچہ جب لیلیٰ کے خاندان والوں کو یہ کہا گیا تو انہوں نے بالآخران کی درخواست منظور کرلی لیکن انہوں نے سمجھایا کہ ہم تو لیلیٰ کو مجنوں کے سامنے لے آئیں گے مگر مجنوں اس دیدار کو برداشت نہ کرسکے گا لیکن انہوں نے اصرار کیا کہ کوئی بات نہیں اس کے ہم ذمہ دار ہیں آپ لیلیٰ کو ایک بار دکھادیں کہتے ہیں کہ جب وہ لوگ مجنوں کو لیلیٰ کے حرم میں لے گئے اور لیلیٰ کو پردے میں اس کے قریب لایا گیا ابھی اس کا سراپا سامنے نہیں آیا تھا فقط لیلیٰ کے جسم کا سایہ مجنوں نے دیکھا بس سائے پر نظر پڑی تھی کہ مجنوں بے ہوش ہو کر زمین پر گر گیا اور تڑپنے لگا اور اس وقت تک ہوش میں نہ آسکا جب تک لیلیٰ کو وہاں سے واپس نہیں لے جایا گیا یہ مجنوں کی مجازی محبت کی ایک جھلک تھی جو محبوب کا دیدار تو کجا اس کا سایہ دیکھ کر ہی بے ہوش ہو جاتا تھا۔ اس واقعہ کے راوی کہتے ہیں کہ جب بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے مجنوں کی یہ بات بتائی تو ان کی ایک بلند آواز میں چیخ نکلی انہوں نے نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے جب ہوش میں آئے تو زبان پہ یہ شعر جاری تھا۔

گرمی مزید ہجر تو وصلت یارم　　بخاک سرکوئی تو کاری دارم

---

[1] (نفحات الانس ج ۲ ص ۸۳۸ جاریۃ حبشیۃ رحمھا اللہ تعالیٰ)

''اے محبوب اگرچہ تیرے فراق میں وصل کی امید نہیں پھر بھی تیری گلی کی خاک سے میرا رابطہ برقرار ہے۔'' ذکر بلاشبہ لیلیٰ اور مجنوں کا تھا مگر عشاق مجاز کا ذکر کرتے ہی حقیقت کیلئے ہیں اس لئے انہوں نے حاضرین کو محبت کا تصور واضح کرتے ہوئے یہ بات بیان فرمائی لیکن جب اپنا خیال آیا ہوگا کہ اے فرید تجھ سے تو وہ مجنوں اچھا تھا جو مجازی محبوبہ کے دیدار کا اس قدر مشتاق اور تمنائی تھا کہ اس کا سایہ بھی نہ دیکھ سکا اور کہا کہ میرا محبوب حقیقی خالق کائنات تجھے تو اس حقیقی محبوب کے سامنے جانا ہے اس وقت حسن مطلق کے دیدار کا عالم کیا ہوگا اور تیرا حال کیا ہوگا بس یہ سوچتے ہی چیخ نکل گئی۔[1]

حالت غشی یہ واقعات جذب کی قسموں میں سے ایک قسم ہے

حدیث نمبر: ۱۰ اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد بن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ :**قَالَ ''سمعت النبی ﷺ یقرأ فی المغرب بالطور فلما بلغ هٰذه الآیة (ام خلقوا من غیر شیٔ ام هم الخالقون) کاد قلبی ان یطیر۔** (محمد بن جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نماز مغرب میں سورۂ طور تلاوت فرما رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے :**(ام خلقوا) تو** قریب تھا کہ میرا دل اُڑنے لگ جائے۔)[2]

یہ حدیث شریف بھی اثبات وجد پر صریح دلالت کرتی ہے اس لئے کہ دل کا اُڑ جانا بھی وجد کی ایک قسم ہے مگر چونکہ قلب جسم سے متصل ہے اور جسم عالم سفلی ہے اور قلب عالم علوی ہے لہٰذی قلب حالتِ وجد میں اڑنے کا تقاضا کرتا ہے۔ جبکہ جسم کا ارادہ اس کے برخلاف ہوتا ہے۔ نتیجۃً غیر اختیاری فعل سرانجام پاتا ہے۔

حدیث نمبر: ۱۱ احیاء العلوم میں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اور رسالہ چہل حدیث (مرتبہ امام عمر بن سعید علیہ الرحمۃ) حدیث نمبر ۶ کے حوالہ سے مولانا مولوی عبدالشکور صاحب حنفی، قادری، نقشبندی علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ: **عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنه انا عند رسول اللہ ﷺ اذ نزل جبرئیل علیه السلام فقال یا رسول اللہ ﷺ ان فقراء امتک یدخلون الجنة قبل الاغنیاء بنصف یوم فهو خمس مائة عام ففرح رسول اللہ ﷺ قال افیکم ینشدنا فقال بدوی انا یا رسول اللہ ﷺ قال هات فانشد البدوی (شعر):**

قدلسعت	حیة	الهوی	کبدی		فلا	طبیب	لها ولا راق
الا	الحبیب	الذی	شغفت	به	فعنده	رقیتی	وترياقی

فتواجد رسول اللہ ﷺ وتواجد الاصحاب معه حتی سقط ردائه عن منکبتیه فلما فرغوا اوی کل واحد منهم مکانه قال معاویة بن ابی سفیان ما احسن لعبکم یا رسول اللہ ﷺ فقال مه یا معاویة لیس بکریم من لم یهتزّ عند ذکر الحبیب ثم قسم ردائه رسول اللہ ﷺ بین من حاضرهم باربع مأة قطعات۔''[3]

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کی

---

[1] (اسرار الاولیاء)

[2] (رواہ البخاری ج ۲ ص ۷۲۰)

[3] (احیاء العلوم: ج:۵: ص: ۱۲۱ :التفسیرات الاحمدیة مطبوعه کریمیه الواقعه فی ممبئ: ص: ۶۰۲: ۱۳۲۷ھ :رهنمائے سالکین: ص :۱۳۹ : مطبوعه حاجی عبدالغفور راه حقیق: ص: ۱۱۱ :ججه میاسیاں ریاست بهاولپور)

یارسول اللہ ﷺ آپ کی امت کے غربا تونگروں سے نصف دن پہلے جنت میں جائینگے جو (دنیا کے لحاظ) پانچ سو برسوں کے برابر ہے (یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے (جو خوشی کے اس موقع پر) اشعار بنا کر سنائے؟ اس پر ایک بدوی (دیہاتی) نے کہا یارسول اللہ ﷺ میں سناؤنگا۔ آپ نے فرمایا لاؤ (سناؤ) بدوی نے یہ اشعار سنائے (جن کا ترجمہ یہ ہے) میرے جگر کو (محبوب کی) خواہش (محبت) کے سانپ نے ڈس لیا۔ جس کے لئے نہ تو کوئی حکیم ہے نہ جھاڑ پھونک کرنے والا ہے۔ مگر وہ حبیب (مخلص ساتھی) جس کی محبت میں میں فریفتہ ہوں اسی کے پاس میرے لئے تریاق بھی ہے اور تعویذ بھی۔ (یہ اشعار سن کر) رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر وجد طاری ہوگیا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے دوش مبارک سے چادر مبارک گر پڑی۔ پھر جب وجد سے فارغ ہوئے تو ہر ایک اپنے اپنے مکان پر گیا۔ (جہاں پہلے تشریف فرما تھے) تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ کتنا ہی حسین لعب (کھیل) ہے۔ اس پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ایسا نہ کہو (یعنی اس مخصوص حالت کو کھیل سے تشبیہ نہ دو یہ محبوب حقیقی کی یاد سے جنبش تھی اور) جو شخص اپنے محبوب کا ذکر سن کر جنبش میں نہ آئے وہ کریم (بزرگ) نہیں ہے پھر حضور ﷺ (کی اس وقت زیب تن کی ہوئی) چادر مبارک کے چار ٹکڑے کر کے حاضرین میں تقسیم کئے گئے۔ یہ حدیث شریف شعر و اشعار، سننے سنانے وجد و جذب کے جواز کے لئے واضح دلیل ہے۔ اس لئے کہ خود حضور ﷺ نے اشعار سنانے کا امر کیا۔ (نمبر ۲) اشعار سن کر آپ ﷺ کے اوپر وجد کا غلبہ ہوا۔ (۳) اپنے اپنے مکانات سے (جہاں پہلے تشریف فرما تھے) ہٹ کر ادھر ادھر گئے (۴) اسی عالم میں حضور ﷺ کے دوش مبارک سے چادر گر پڑی (۵) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے وجد کو لہو و لعب کھیل کود سے تشبیہ دینے کو ناپسند کیا۔ نیز بزرگی کی علامت ہی یہ بیان فرمائی کہ اپنے محبوب کے ذکر سے حرکت و جنبش میں آجائے۔ پس حضرات صوفیاء کرام بھی ان ہی چیزوں کو وجد و جذب سے تعبیر کرتے ہیں۔

حدیث نمبر ۱۲: اس طرح امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم جلد دوم: ص ۳۰۴: پر نقل کیا ہے یہ حدیث امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الحاوی للفتاوی میں ذکر کی ہے شیخ ضیاء الدین نے اداب المریدین میں ذکر کی ہے اور فتاوی خیریہ میں بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ وجد اور رقص اور بھاگنا، دوڑنا، چھلانگیں لگانا، اچھلنا، یہ حالت ہے جو حقیقی اہل تصوف کیلئے ثابت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت عمارہ رضی اللہ عنہا کی پرورش کیلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا گیا تھا۔ تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے درمیان میں لطیف اختلاف پیدا ہوا تھا کہ تربیت کی ذمہ داری سب ہی قبول کرنا چاہتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''انا اخذتھا وھی بنت عمی وقال جعفر رضی اللہ عنہ بنت عمی وخالتھا تحتی وقال زید رضی اللہ عنہ بنت اخی فقضی بھا النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لخالتھا وقال الخالۃ بمنزلۃ الام وقال لعلی انت منی وانا منک فحجل علی وقال لجعفر رضی اللہ عنہ اشبھت خلقی وخلقی فحجل جعفر رضی اللہ عنہ (وفی روایۃ رقص) وقال لزید رضی اللہ عنہ انت اخونا ومولانا فحجل زید رضی اللہ عنہ کذا ذکر الغزالی فی الاحیاء''

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس لڑکی کی تربیت میں کرونگا اس لئے کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہیں۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ میرے بھی چچا کی بیٹی ہے (اور اس کی خالہ میری بیوی ہیں لہٰذا اس کی تربیت کا حق مجھے پہنچتا ہے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرے بھائی کی بیٹی ہے مجھے اس کی تربیت کا حق حاصل ہے تو اللہ کے رسول ﷺ نے خالہ کے حق میں فیصلہ فرمادیا۔ اور فرمایا کہ خالہ ماں کی (مثل) قائم مقام ہوتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رقص شروع کیا یا ایک پاؤں پر دوڑنا شروع کیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ تم شکل وصورت اور اخلاق میں میرے مشابہ ہو تو حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک پاؤں پر دوڑنا شروع کیا یا رقص کرنا شروع کیا حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم ہمارے بھائی ہو اور ہمارے ہی آزاد کردہ ہو تو حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایک پاؤں پر دوڑنا شروع کیا۔

اسی طرح امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احیاء العلوم میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اس حدیث مبارکہ سے بھی دوڑنا عین وجد صراحتاً ثابت ہوتا ہے۔

حضرت ابوعبیدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :(الحجل ان یرفع رجلہ وتفر علی الاخری) حضرت ابوعبیدہ فرماتے ہیں کہ حجل کا معنی یہ ہے کہ ایک پاؤں اٹھائے اور دوسرے پاؤں سے بھاگے۔

اور امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے الحاوی میں اور صاحب فتاویٰ خیریہ میں حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے رقص کرنے کے الفاظ ذکر کئے ہیں اور حضور نبی کریم ﷺ نے ان کو منع نہیں فرمایا۔

''ولم ینکر علیہ النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فکان ھٰذا اصلا فی رقص الصوفیۃ رحمۃ اللہ تعالٰی علیھم اجمعین لما یدرکونہ من لذات المواجید''

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے اس رقص کو منع نہیں فرمایا۔ حضرت نبی کریم ﷺ کا اس رقص سے منع نہ فرمانا صوفیوں کے رقص پر دلیل ہے جب وہ لذتِ عشق سے لبریز ہوتے ہیں۔ تو رقص بے خودی ہوتے ہیں۔

وجد اور رقص تقریر اور فعل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ رقص اور ایک پاؤں پر بھاگنا بھی وجد کی اقسام میں سے ایک قسم ہے لہٰذا یہ حدیث مبارکہ بھی وجد پر ثبوت ہے۔

حدیث نمبر :۱۳ اور اسی طرح الحاوی للفتاوی میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

''وقد ورد فی الحدیث رقص جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہ بن ابی طالب بین یدی النبی ﷺ لما قال لہ ''اشبھت خلقی وخلقی'' وذالک من لذۃ ھٰذا الخطاب ولم ینکر علیہ النبی ﷺ فکان ھٰذا اصلا فی رقص الصوفیۃ رحمۃ اللہ تعالٰی علیھم اجمعین لما یدرکونہ من لذات المواجید وقد صح القیام والرقص فی مجالس الذکر والسماع عن جماعۃ من کبار الائمۃ رحمۃ اللہ تعالٰی علیھم منھم شیخ الاسلام عز الدین عبد السلام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ''

ترجمہ: حدیث شریف میں ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا رقص حضور ﷺ کی موجودگی میں تھا جب حضور ﷺ نے ان سے فرمایا تمہاری شکل وصورت میرے مشابہ ہے تو اس خطاب کی لذت اور عشق میں وارفتہ ہو کر انہوں نے رقص شروع کیا حضور ﷺ کا منع نہ کرنا اہل تصوف کے رقص پر دلیل ہے جب وجد کی لذت اور سرور کے باعث رقص ہو۔ تو مجلس سماع کی محفلوں میں رقص کرنا بڑے علماء کرام سے ثابت ہے اور یہ بات صحت تک پہنچ چکی ہے۔ ان ائمہ میں شیخ عزالدین بن عبدالسلام شامل ہیں۔[1]

اور (فتاویٰ رد المحتار للشامی: ج:۳: ص:۳۳۷ :قبیل باب البغات) میں ہے :''والتحقیق القاطع للنزاع فی امر الرقص والسماع یستدعی تفصیلا ذکرہ فی عوارف المعارف واحیاء العلوم وخلاصۃ ما اجاب بہ العلامۃ النحریر ابن کمال باشا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ بقولہ ما فی التواجد ان حققت من حرج ولا التمائل ان اخلصت من باس فقمت تسعی علی رجل وحق لمن دعاہ مولاہ ان یسعی علی الراس الرخصۃ فیما ذکر من الاوضاع عند الذکر والسماع للعارفین۔ الخ''

ترجمہ: رقص اور سماع کے مسئلہ کے بارے میں قطعی تحقیق تفصیل طلب ہے۔ جو کہ عوارف المعارف اور احیاء العلوم میں ذکر کی گئی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو علامہ کمال بادشاہ نے اپنے قول میں ذکر کی۔ حقیقی تواجد میں گناہ نہیں اور اسی طرح تمایل اور جسم کو حرکت دینے میں کوئی گناہ نہیں جب کہ اس میں ریاکاری نہ ہو۔ جگہ سے اٹھنا اور ایک پاؤں پر بھاگنا۔ حالانکہ جسے آقا ﷺ اپنی جانب بلائیں اسے حق ہے کہ سر کے بل حاضر ہو۔ مذکورہ اعضاء کو سماع اور ذکر کے وقت حرکت دینے کی اجازت ہے۔

---

[1] (الحاوی: ص:۲۳۴)

حدیث نمبر :۱۴اسی طرح امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے (جامع ترمذی: ج :۲: ص :۴۳ :کتاب الزھد باب ما جاء فی الریاء والسمعۃ می شفی اصبحی رضی اللہ عنہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے حدیث نقل کی ہے :قال قلت لہ أسئلک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحق وبحق لما حدثتنی حدیثا سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عقلتہ وعلمتہ فقال ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ افعل لاحدثنک حدیثا حدثنیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعقلتہ وعلمتہ ثم نشغ ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ نشغۃ فمکث قلیلا ثم افاق فقال لاحدثنک حدیثا حدثنیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی ھٰذا البیت ما معی احد غیری وغیرہ۔ ثم نشغ ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ نشغۃ شدیدۃ ثم افاق ومسح وجھہ وقال افعل لاحدثنک حدیثا حدثنیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انا وھو فی ھٰذا البیت ما معی احد غیری وغیرہ ثم نشغ ابو ھریرۃ رضی اللہ عنہ نشغۃ شدیدۃ ثم مال خارا علی وجھہ فاسندتہ طویلا ثم افاق فقال حدثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ تعالٰی اذا کان یوم القیامۃ ینزل الی العباد لیقضی بینھم الخ۔''

ترجمہ : شفی اصبحی فرماتے ہیں کہ میں نے ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا۔ میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے ایسی حدیث بیان کیجئے جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہو اور اس کو آپ نے سمجھا ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں ایسی حدیث بیان کرونگا جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے بیان فرمائی اور جسے میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کہہ کر بے ہوش ہو گئے۔ پھر تھوڑی دیر بعد ہوش میں آ کر فرمایا کہ میں تمہیں ایسی حدیث بیان کرونگا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اس گھر میں بیان کی جس میں میرے علاوہ کوئی اور موجود نہ تھا۔ پھر حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بے ہوش ہو گئے۔ پھر ہوش میں آئے۔ اپنے چہرہ مبارک پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ تمہیں ایسی حدیث بیان کروں گا جو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گھر میں بیان فرمائی۔ میرے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کے علاوہ اور کوئی موجود نہ تھا۔ تو حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر زمین کی طرف جھک کر گر گئے اور بہت وقت تک بے ہوش رہے۔ پھر فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسی حدیث بیان فرمائی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بلا کیف بندوں کی طرف نزول فرمائے گا تا کہ بندوں کے درمیان فیصلہ فرمائے۔ اور آگے حدیث طویل ہے الفاظ یہ ہیں کہ پھر سخی کو بلایا جائیگا، شہید کو بلایا جائیگا، اور حاکم کو بلایا جائیگا۔ (الی آخر) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر غشی کا طاری ہو جانا اس کی دو وجوھات بیان ہوئی ہیں ایک وجہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد اور کمال محبت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ان پر غشی طاری ہوئی۔ دوسری وجہ یہ کہ اس حدیث میں وعید کا ذکر کیا گیا ہے لہٰذا وعید کا تصور اور اللہ کے خوف کی وجہ سے غشی طاری ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علوم ظاہری اور علوم باطنی کے حامل تھے لہٰذا عالموں کے بارے میں جو وعید کا ذکر کیا گیا ہے لہٰذا اس کے تصور سے ان پر غشی طاری ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعلیٰ درجہ کے خاشعین اور وارثین میں سے تھے۔ لہٰذا یہ حدیث مبارکہ بھی اثبات وجد کیلئے قوی دلیل ہے اس لئے کہ غشی اور بے ہوشی بھی وجد کی انواع میں سے ایک نوع ہے۔

حدیث نمبر :۱۵اسی طرح انوار محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ج ۱ ص ۴۲۰) میں مواہب لدنیہ کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ نقل کیا ہے :

وقد کان ابن عمر رضی اللہ عنھما ربما مر بایۃ فی وردہ فتخنقہ الغبرۃ ویسقط ویلزم البیت یوما والیومین حتی یعاد ویحسب مریضا۔ (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت مرتبہ اپنے وظیفے میں ایک آیت پر جب گزرتے تھے گریہ وزاری کرتے تھے یہاں تک کہ اپنا گلہ مبارک ہاتھوں سے تھام لیتے اور گر جاتے، ایک دن یا دو دن گھر کے اندر بند رہتے یہاں تک کہ لوگ انہیں بیمار سمجھتے تھے اور ان کی عیادت کیلئے آنا شروع کرتے تھے۔ اور البدایہ والنہایۃ ج ۲ ص ۲۶۷ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بے ہوش ہو جانے کی روایت نقل کی ہے اور حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۰۰ پر بھی یہ روایت موجود ہے :''ان ابن عمر رضی اللہ عنہ قرأ''ویل للمطففین'' حتی بلغ الی ''یوم یقوم الناس لرب العلمین'' فبکی وخر''

ترجمہ: ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سورۃ مطففین کی تلاوت کرنا شروع کی یہاں تک کہ اس آیت مبارکہ پر پہنچے کہ (یوم یقوم) تک تلاوت کی تو رونا شروع کر دیا اور زمین پر گر گئے۔ بعض نام نہاد مفتیان جذب اور وجد کے نہ ماننے پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول پیش کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے انکار کیا ہے تو خود سوچئے کہ جو حال، جو کیفیت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر طاری ہوئی اس کا انکار کیسے ہوسکتا ہے۔ مگر یہ کہ ان کو یہ معلوم تھا کہ یہ کام تکلف کی طور پر کیا ہے یا مکر کے باعث سرزد ہوا ہے تو اتنے لوگوں کی موجودگی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کس طرح انکار کر سکتے ہیں؟ حالانکہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر خود غشی طاری ہوگئی۔ اسی طرح ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کس طرح انکار کر سکتی ہیں حالانکہ خود ان پر غشی طاری ہوئی جیسا کہ بخاری شریف میں درج ہے۔[1]

لہٰذا اتنے دلائل کے باوجود حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کس طرح اس وجد کو برا سمجھ سکتے ہیں۔ مگر انکار کی روایت بلا سند غیر مقبول جانے یا تاویل حسنہ جو قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری ج ۸ ص: ۲۰۹ پر سورۃ زمر کی آیت ۶۳ کی تفسیر میں تحریر کیا ہے کہ جن لوگوں نے وجد کی وجہ سے انکار کیا ہے وہ وجد مکراً اور تکلفاً تھا۔ وہ لوگ اپنے آپ کو بتلاتے یا دکھلاتے تھے۔ اور ان شاء اللہ تعالیٰ اس عبارت کی تفصیل تحریر کی جائیگی۔ انکار کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ بعد میں منکرین وجد اور تواجد اور ان کے اعتراضات کی مزید وضاحت کی جائے گی۔

اسی طرح مجمع الزوائد میں امام بزار کے حوالے سے منقول ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ» :لَمَّا رَأَيْتُ مِنَ النَّبِيِّ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- طِيبَ نَفْسٍ، قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللَّهِ، ادْعُ اللَّهَ لِي قَالَ :"اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِعَائِشَةَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهَا وَمَا تَأَخَّرَ، وَمَا أَسَرَّتْ وَمَا أَعْلَنَتْ". فَضَحِكَتْ عَائِشَةُ حَتَّى سَقَطَ رَأْسُهَا فِي حِجْرِهَا مِنَ الضَّحِكِ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ-: "أَيَسُرُّكِ دُعَائِي؟". فَقَالَتْ :وَمَا لِي لَا يَسُرُّنِي دُعَاؤُكَ؟ فَقَالَ :"وَاللَّهِ إِنَّهَا لَدَعْوَتِي لِأُمَّتِي فِي كُلِّ صَلَاةٍ«". رَوَاهُ الْبَزَّارُ، وَرِجَالُهُ رِجَالُ الصَّحِيحِ غَيْرَ أَحْمَدَ بْنِ مَنْصُورٍ الرَّمَادِيِّ، وَهُوَ ثِقَةٌ.

ترجمہ: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب میں نے خوش دیکھا تو میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے حق میں دعا فرمائیے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ۔ یا اللہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اگلی پچھلی ظاہری، پوشیدہ تمام خطاؤں کو معاف فرما، تو ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس قدر تبسم فرمایا کہ سر مبارک ان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اپنی گود مبارک کی جانب جھک گیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو میری دعا سے اس قدر خوشی ہوئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا کہ مجھے کیا ہوا کہ آپ کی دعا سے مجھے خوشی نہ ہو۔ مجھے آپ کی دعا سے بے حد خوشی حاصل ہوئی ہے حضور کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ میں اپنی امت کے لئے ہر نماز کے بعد یہ دعا مانگتا ہوں۔ اس روایت سے بھی وجد ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ ام المومنین کا تبسم عام مسکراہٹ نہ تھی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ مبارکہ سے حاصل ہونے والی خوشی اور لذت تھی۔ یہ بھی حالت وجد اور غیر اختیاری مسکراہٹ تھی اور مسکراہٹ یہ بھی وجد کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔[2]

حدیث نمبر :۱۶ اسی طرح امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت انس سے روایت ہے، فرماتے ہیں :"قال خطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبة ما سمعت مثلها قط قال لو تعلمون ما اعلم لضحكتم قليلا ولبكيتم كثيرا قال فغطى اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وجوههم ولهم حنين۔

---

[1] (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۷۹)

[2] (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۹ ص ۲۴۳، سبل الهدى والرشاد فى سيرة خير العباد ج ۱۱ ص ۱۷۲، شرح الزرقانى على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ج ۴ ص ۳۹۱)

(حضور اکرم ﷺ نے ایسا بے مثل خطبہ دیا جس کا مثل کوئی خطبہ میں کبھی نہیں سنا۔اس خطبے میں فرمایا :اگر تم جانتے، جو کچھ میں جانتا ہوں تو بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے اثر کے باعث صحابہ کرام نے اپنے چہرے چھپالئے اور رونا گریاوزاری کرنا سسکیاں لینا شروع کیں۔اس روایت سے بھی وجد ظاہر ہوتا ہے کیونکہ خوف الٰہی کے باعث رونا،سسکیاں لینا یہ بھی وجد کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔[1]

حدیث نمبر :۱۷اسی طرح تفسیر مظہری اور روح البیان اور دیگر تفاسیر میں سورۃ زمر آیت نمبر ۶۳ کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کی ہے :**قلت لجدتی اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنھا کیف کان اصحاب رسول اللہ ﷺ یفعلون اذا قرئ علیھم القرآن؟ قالت کانوا کما وصفھم اللہ تعالٰی تدمع اعینھم وتقشعر جلودھم۔** (میں نے اپنی دادی حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سوال کیا کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اس وقت کیا حالت یا کیفیت ہوتی جب ان کے سامنے قرآن تلاوت کیا جاتا تھا۔حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ان کی وہی حالت ہوتی تھی جو اللہ نے ان کی صفت بیان فرمائی ہے کہ ان کی آنکھیں آنسو بہاتیں اور ان کے کھال مبارک حرکت میں آجاتی۔اس روایت سے بھی وجد ظاہر ہوتا ہے۔اس لئے کہ آنسوؤں کا بہنا اور کھالوں کا لرزنا بھی وجد کی اقسام میں سے ایک قسم ہے،اور یہ احسن کیفیت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تمام اوقات میں بھی ان پر وجد طاری ہوتا اس لئے کہ وہ منتہی تھے۔احیاناً ان پر کبھی کبھی غشی،اضطراب،رقص،ایک پاؤں پر بھاگنا،ہنسا،چیخیں مارنا،گریہ وزاری کرنا یہ تمام احوال صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر وارد ہوتے تھے۔یہ سب کی سب اقسام وجد میں داخل ہیں۔جیسے کہ اقسام وجد میں ذکر کیا جاچکا ہے۔)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بہت سارے احوال کا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر طاری ہونا وجد اور حال کے مختلف انواع مختلف مواقع پر طاری ہونا۔سلوک اور طریقت کے منتہی اولیائے کرام اور اصحاب تمکین بھی تمام احوال میں ان کا رونا اور جسم کا ہلنا کھال کی حرکت بدن کا لرزنا اور دیگر احوال کا وارد ہونا اور مبتدی اور متوسط اصحاب تلوین کا عام احوال میں رقص اور بے چین ہونا،کپڑوں کا پھاڑنا،غشی کا طاری ہونا،چیخیں مارنا،تواجد خالص حقیقی ہے۔منتہی کے طرز پر حالات کا طاری ہونا ایک حالت کا بھی انکار ممکن نہیں بلکہ سب کچھ دلائل کے ساتھ ثابت ہے اور اس سے انکار بے دینی اور جہالت ہے۔یہ روایت بھی وجد اور حال کے اثبات پر دلالت کرتی ہے جو کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمائی:

حدیث نمبر :۱۸۔اسی طرح علامہ سید طحطاوی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۲۶۴ میں حدیث مبارک مذکور ہے :**من اطاع اللہ باکیا دخل الجنۃ ضاحکا۔** (جو شخص روتا ہوا اللہ کی عبادت اور اطاعت کے ساتھ وہ جنت میں ہنستا ہوا داخل ہوتا ہے۔)

حدیث نمبر :۱۹کفایہ شرح ھدایہ: ج: ۱ :ص: ۳۴۶ :(باب مایفسد الصلٰوۃ ومایکرہ فیھا) میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:**''سئلت عائشۃ رضی اللہ تعالٰی عنھا عن الانین فی الصلٰوۃ فقالت ان کان من خشیۃ اللہ لا تفسد صلٰوتہ وان کان من الالم تفسد''** (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال ہوا کہ نماز میں رونا کیسا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ اگر اللہ کے خوف سے ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی اگر درد یا مصیبت کے باعث ہو تو نماز ٹوٹ جاتی ہے (فاسد ہو جاتی ہے) یہ دونوں روایتیں بالخصوص نماز میں رونا اور آہ کرنا اوہ کرنا فریاد کرنا۔یہ بھی اقسام وجد میں سے ایک قسم ہے۔فقہی مسئلے سے بھی یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ احوال وجد میں سے ایک قسم ہے۔جو وارد ہوتے ہیں بلکہ یہ زیادہ خشوع اور خضوع پر دلالت کرتے ہیں۔)

حدیث نمبر :۱۹اسی طرح علامہ ابواللیث سمرقندی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تنبیہ الغافلین کے: ص: ۲۹۴ پر ثعلبہ انصاری صحابی رضی اللہ عنہ کا واقعہ لکھتے ہیں کہ جب ان صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک سہو واقع ہوا تو اس وجہ سے ان پر اللہ کا خوف طاری ہوا تو پہاڑ پر چڑھ گئے نہایت عجز وانکساری کے ساتھ تو

---

[1] (صحیح البخاری کتاب التفسیر باب قولہ تعالٰی 'لا تسئلوا عن اشیاء' الآیۃ ج ۲ ص ۶۶۵)

بہ واستغفار میں مشغول ہو گئے۔اللہ تعالیٰ نے اس مبارک توبہ کی قبولیت کی خوش خبری حضرت جبرائیل علیہ السلام کے توسط سے حضور ﷺ کو دی۔

چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو حضرت ثعلبہ کو تلاش کرنے کا حکم فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ دونوں صحابیوں کو حضور ﷺ نے اس امر پر مامور فرمایا دونوں اصحاب مبارکہ نے تلاش شروع کر دی۔اس پہاڑ پر ان کی ملاقات حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی اور انہوں نے آپ (ثعلبہ) رضی اللہ عنہ کو پہاڑ سے اتار کر حضور اکرم ﷺ کی خدمت مبارکہ میں پیش کیا۔ نماز کا وقت تھا۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ کو آخری صف میں شامل کیا۔

''فقرأ رسول اللہ ﷺ الھاکم التکاثر۔فشھق شھقة فلما تلا حتی زرتم المقابر شھق شھقة اخری وفارق الدنیا فلما انفتل النبی ﷺ جاء الی ثعلبة رضی اللہ تعالٰی عنه فقال یا سلمان انضح علیه الماء فنادی سلمان رضی اللہ تعالٰی عنه یا نبی اللہ ﷺ قد فارق الدنیا۔الحدیث''

ترجمہ: حضرت نبی کریم ﷺ نے ''الھاکم التکاثر'' تلاوت فرمائی تو حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے حالت نماز میں چیخ ماری جب حضور ﷺ نے ''حتیٰ زرتم المقابر'' کی تلاوت کی تو حضرت ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے پھر چیخ ماری اور دنیا سے رخصت ہوئے۔بعد نماز کے حضور ﷺ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ حضرت ثعلبہ کے چہرے پر پانی کی چھینٹیں ماریں۔تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی، کہ یارسول اللہ ﷺ حضرت ثعلبہ دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں یعنی وفات پا چکے ہیں۔یہ حدیث مبارکہ بھی وجد پر دلیل ہے بالخصوص قرآن کریم کی تلاوت سننے کے دوران زیادہ خوف خداوندی اور چیخیں مارنا وجد کے باعث وفات پا جانا اور وجد میں انتقال کر جانے پر قوی دلیل ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی مجلس میں دوران ذکر و بیان بہت سے اشخاص دنیا سے رخصت ہو جایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ خود بھی حضرت داؤد علیہ السلام بے ہوش ہو گئے تھے اور حاضرین مجلس سے چار سو اشخاص کے جنازے اٹھے۔[1]

اور حضرت غوث الثقلین شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت میں بہت سارے جنازے اٹھتے تھے۔(کما فی سیف المقلدین علیٰ اعناق المنکرین نمبر ۵۳۷) اور حضرت خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی کی توجہ اتحادی سے ایک نان فروش بے ہوش ہو گیا تھا اور تین دن بعد وفات پا گیا تھا۔[2]

حدیث نمبر ۲۰: اسی طرح ملا علی قاری صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت سیدنا جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ نقل کیا ہے: ''وقد نقل عن جعفر الصادق رضی اللہ عنہ وایضا أنه خر مغشیا علیه وھو فی الصلاۃ، فسئل عن ذالک قال ما زلت اردد الایة علی قلبی حتی سمعتھا من المتکلم بھا (بلا کیف) فلم یثبت جسمی لمعاینة قدرته''

ترجمہ: حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی منقول ہے کہ وہ نماز میں بے ہوش ہر کر گر گئے تھے، آپ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں ایک آیت کریمہ بار بار دل میں تلاوت کر رہا تھا۔یہاں تک کہ خالق حقیقی سے (بلا کیف) وہ آیت مبارکہ سنی تو میرا جسم اس ذات اور اس کی قدرت کے معائنے کے سامنے قائم نہ رہ سکا اور مجھ پر بے ہوشی طاری ہوئی۔[3]

---

[1] (الاحیاء ج ۲ ص ۶۸ عوارف المعارف ص ۱۱۱)

[2] (کما فی التفسیر العزیزی جلد آخر: ص: ۳۳۸)

[3] (مرقات ج ۱ ص ۴۵۶ کتاب العلم فصل اول)

اسی روایت کو حضرت شیخ اجل شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عوارف المعارف ص ۵۱ باب دو یم میں ذکر کیا اور امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مکتوبات ج ۲ مکتوب ۱۱۸ دفتر سوئم میں بھی یہی کیفیت ان کی نقل کی ہے۔

حالانکہ امام جعفر صادق ص اعلیٰ درجے کے منتہی تھے مگر ان پر بھی یہ کیفیت وارد ہوئی اب سوال یہ ہے کہ غیر نبی کا اللہ کا کلام خود ذات الٰہی سے بلا کیف سننا ممکن ہے یا نہیں؟ یہ صرف ممکن ہی نہیں بلکہ عین حقیقت ہے۔ تفسیر مظہری میں اس آیت کریمہ (و اوحینا الیٰ ام موسیٰ) کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بے حد دلائل دیئے ہیں۔ قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک وحی تو شرعی ہوتی ہے جو کہ صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے خاص ومخصوص ہے دوسری قسم وحی کی غیر تشریعی ہے جو غیر نبی کو بھی عطاء ہوسکتی ہے اور حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ پہلی امتوں میں بعض محدث (اللہ کے ساتھ کلام کرنے والے) ہوتے تھے اور میری امت میں اگر کوئی محدث ہے تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ تو اس امت میں بہت سارے محدثین اور بھی ہیں جیسے سیدنا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ کیفیت وارد ہوئی۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مجھ سے بھی بلا کیف کلام فرمایا۔ الحمدللہ میں بھی محدث ہوں۔ پوری تفصیل تفصیل مظہری اور مکتوبات شریف میں درج ہے یہ روایت بھی وجد کے ثبوت میں خصوصا حالت نماز میں وجد پر قوی دلیل ہے۔

حدیث نمبر :۱۲۱ امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے (تنبیہ المغترین) میں لکھا ہے :قرأ النبی ﷺ یوما ان لدینا انکالا و جحیما و طعاما ذا غصۃ و عذابا الیما و کان ورائہ حموان بن اعین رضی اللہ تعالٰی عنہ فخر میتا'' (حضورِ اکرم ﷺ نے ایک دن یہ آیت کریمہ تلاوت فرمارہے تھے۔ ''ان لدینا'' تو حضورِ اکرم ﷺ کے قریب حضرت حموان بن اعین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر تھے فوراً گر کر وفات پا گئے اور (تذکرہ قرطبی: ج: ۱: ص: ۸۴) پر آدم علیہ السلام کا بے ہوش ہونا بھی مذکور ہے اور (البدایہ والنہایہ: ج: ۴: ص: ۲۳۱) پر حضرت سلمی صکا بے ہوش ہونا بھی ذکر ہے۔

حدیث نمبر :۱۲۲ اسی طرح عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے (حدیقۃ الندیہ :ص: ۱۰۹) پر علامہ شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے (تنبیہ المغترین) میں روایت کی ہے :و کان میمون بن مہران رضی اللہ عنہ یقول :سمع سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ قارئًا یقرأ (وان جھنم لموعدھم اجمعین) فصاح و وضع یدہ علی راسہ و خرج صائما لا یدری این یتوجہ مدۃ ثلاثۃ ایام''

ترجمہ: حضرت میمون بن مہران رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک قاری سے یہ آیت کریمہ سُنی (وان جھنم) تو چیخ ماری اور دونوں ہاتھ سر پر رکھ لئے اور سرگردان و پریشان باہر نکل گئے اور یہ سمجھ نہیں رہے تھے کہ کس جانب جائیں۔ تین دن تک اسی کیفیت میں رہے۔

حدیث نمبر :۱۲۳ اسی طرح آثارِ تابعین اور تبع تابعین کی بھی سن لیجئے۔ جو کہ اثباتِ وجد کیلئے قوی دلائل ہیں۔ من جملہ ان میں سے علامہ حافظ ابن حجر مکی ہیتمی نے الخیرات الحسان ص ۳۶ پندرھویں فصل میں جلیل القدر ہستی تابعی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے :و قرأ الامام یوما فی صلٰوۃ الصبح (و لا تحسبن اللہ غافلا عما یعمل الظلمون) فارتعد حتی عرف ذالک منہ۔[1]

ترجمہ :ایک دن حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فجر کے نماز میں اس آیت مبارکہ کی تلاوت کی (وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غٰفِلًا عَمَّا یَعْمَلُ الظّٰلِمُونَ ﴿ابراھیم ۴۲﴾ تو لرزنے لگے یہاں تک کہ لوگوں نے ان کا لرزنا دیکھ لیا اور ارتعاد (یعنی لرزنا بدن کا) یہ بھی وجد کی اقسام میں سے ایک قسم ہے اور یہ واقعہ بھی نماز کی حالت میں وجد کے وارد ہونے کیلئے قوی دلیل ہے۔

---

[1] (الخیرات الحسان: ص: ۳۶: فصل: ۱۵)

حدیث نمبر :۱۲۴اسی طرح ملاعلی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص ۶۶ ج ۱) میں تحریر کیا ہے :وروی انه سمع قارئًا یقرأ (هٰذا یوم لا ینطقون و لا یؤذن لهم فیعتذرون) فتغیر الشافعی رحمة الله تعالٰی علیه و ارتعد و خر مغشیا علیه''

ترجمہ: روایت ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک قاری کو یہ آیت کریمہ تلاوت کرتے ہوئے سنا (هذا یوم) تو امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لرزنے لگے اور بے ہوش ہو گئے جلیل القدر مجتہد جو تبع تابعین میں سے ہیں ایک مسلک کے امام ہیں ان پر کیا کیفیت طاری ہوئی خاص کر قرآن کریم کی تلاوت سننے کے وقت یہ بھی وجد کی اثبات پر قوی دلیل ہے کہ بزرگان دین پر وجد کی حالت طاری ہوتی ہے۔

حدیث نمبر :۱۲۵اسی طرح امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۷۱) میں جلیل القدر تابعی ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ تعالیٰ کا علیہ واقعہ نقل کرتے ہیں ۔''و مشی ذات یوم مع ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه فی الحدادین فلما نظر الی الاکوار تنفخ و الی النار تلتهب صعق و سقط مغشیا علیه و قعد ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه عند راسه الی الساعة وقت الصلٰوة فلم یفق فحمله علی ظهره الی منزله فلم یزل مغشیا علیه الی مثل التی صعق فیها ففاتته خمس صلٰوات و ابن مسعود رضی الله تعالٰی عنه عند راسه یقول هٰذا و الله هو الخوف''

ترجمہ: ایک دن ربیع ابن خیثم تابعی حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ لوہار کی بھٹی کے پاس سے جارہے تھے (حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں جارہے تھے) جب ربیع ابن خیثم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوہار کی بھٹی کو دیکھا کہ اس کو ہوا دی جاتی ہے اور آگ کے شعلے لپک رہے تھے تو چیخ ماری اور بیہوش ہو کر گر گئے۔حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے قریب کھڑے تھے۔اس دوران نماز کا وقت ہو گیا اور آپ ہوش میں نہ آئے تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو پیٹھ پر اٹھا کر ان کے گھر تک پہنچا دیا۔دوسرے روز صبح تک وہ بے ہوش رہے اسی دوران پانچ نمازیں ان سے قضاء ہوئیں بعد ازاں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم خوفِ الٰہی کے باعث ان پر یہ کیفیت طاری ہوئی۔

یہ فعل اور حال تابعی کا ہے اور تقریر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی وجد کیلئے مضبوط دلیل ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ اگر بے اختیار حال اسی پر وارد ہوا اور بے ہوشی طاری ہوئی اور بے ہوشی بھی طویل رہی یہاں تک کہ پانچ نمازیں ان سے قضاء ہوئیں ان پر کوئی گناہ اور حرج نہیں ہے۔ جب ہوش میں آئیں تو ان نمازوں کی قضاء ادا کریں۔بلکہ صرف وجد غیر اختیاری باوجود یہ کہ اس کا عقل وشعور بھی ہو جس طرح کہ انسان چھینک مارتا ہے یا کھانستا ہے تو باوجود وجد کے ہوش برقرار رہتے ہیں تو اس کی نماز نہیں ٹوٹتی اور نہ ہی وضو ٹوٹتا ہے۔[1]

اگر عمل کثیر اس سے صادر ہو اور نماز کے بعد حال ختم ہو جائے تو نماز کو دوبارہ دہرانا پڑیگا۔اگر عمل کثیر نہ ہو بلکہ صرف رونا، آواز کا نکلنا، جسم کا ہلنا تو پھر اس شخص پر نماز کا دہرانا ضروری نہیں ہے۔اس کی تفصیل روح المعانی: ج: ۳: ص :۸۶: پر مذکور ہے۔

حدیث نمبر :۱۲۶اسی طرح امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے (احیاء العلوم ج ۲ ص ۲۹۷) میں زرارہ بن اوفی تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ نقل کیا ہے :وروی ان زرارة بن اوفی رضی الله عنه و کان من التابعین رضی الله عنهم کان یؤم الناس بالرقة فقرأ (فاذا نقر فی الناقور) فصعق و مات فی محرابه'' (روایت یہ ہے کہ زرارہ ابن اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو تابعی ہیں لوگوں کو رقہ نامی جگہ پر نماز کی امامت کیا کرتے تھے جب یہ آیت کریمہ تلاوت کی فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُورِ ﴿المدثر ۸﴾ تو دورانِ نماز محراب میں گر گئے اور انتقال کر گئے۔جو کہ وجد کی اعلیٰ ترین قسم میں سے ایک قسم ہے۔)

اور جامع ترمذی: ج: ۱: ص :۵۹: پر یہ حدیث موجود ہے: کان ضراره بن اوفی قاضی البصرة فکان یؤم بنی قشیر فقرأ یوما

---

[1] (تفسیر روح المعانی: ج: ۳: ص: ۸۶ :سورۃ اعراف: آیت: ۱۵۵)

فی صلاۃ الصبح "فاذا نقر فی الناقور فذلک یومئذ یوم عسیر" خر میتًا" (حضرت ضرارہ بن اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بصرہ کے قاضی بنو قشیر میں امامت کرتے تھے، انہوں نے صبح کی نماز میں ایک دن یہ آیت کریمہ تلاوت کی (فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿٨﴾ الخ) تو گر گئے اور وفات پا گئے۔)

وجد اور حال کے ثبوت میں مفسرین، محدثین، فقہاءِ کرام اور اولیاءِ راسخین اور عُلماءِ حق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فرمودات کے ساتھ اس باب میں وجد اور حال کے مختلف احوال واقسام کے اثبات میں معتبر اور معتمد علمائے دین کے اقوال ذکر کئے جائیں گے اور بہت زیادہ کتابوں اور عبارات کا تذکرہ کیا جائیگا۔ان شاء اللہ۔

تفسیر روح المعانی، روح البیان، تفسیر مظھری، تفسیر مدارک، تفسیر عزیزی، فتاویٰ شامی، ردالمحتار، فتاوی حامدیه، فتاوی خیریه، مجموعة الرسائل لابن عابدین شامی، فتاوی عالمکیری، طحطاوی، الحاوی للفتاوی، مکتوبات شریف، مکاتیب شریفه شاه غلام علی دهلوی، حدیقة الندیه، عوارف المعارف، احیاء علوم الدین، فتوح الغیب، الانوار القدسیه، قطب الارشاد، سیف المقلدین، حجة السالکین، مقامات خواجه نقشبند، رشحات کاشفین، فتاوی رضویه، انوار شریعت، رسائل میلاد النبی ﷺ، النبراس علی شرح العقائد احقاق المعالی، وغیرہ معتبر، مقبول ومشهور کتابیں اهلسنت والجماعت کی ہیں ان میں اور باقی سب میں واضح لکھا ہوا ہے کہ اہلِ وجد اور اہلِ حال کیلئے وجد، غشی کو جید بزرگانِ دین نے مانا اور ثابت کیا ہے۔

(۱) جلیل القدر مفسر خاتمة المحققین مفتیٔ بغداد حضرت علامه مولانا محمود الوسی رحمة الله تعالٰی علیه حنفی نقشبندی مجددی خالدی رحمة الله تعالٰی علیه اپنی تفسیر روح المعانی: ج:۳:ص:۸۶ :سورۃ اعراف :آیت نمبر:۱۵۵ :میں وجد کے بارے میں اس آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں :"واختار موسی علیہ السلام قومه سبعین رجلا من اشراف قومه ونجباء هم اهل الاستعداد والصفاء والارادة والطلب والسلوک (فلما اخذتهم الرجفة) ای رجفة البدن التی هی من مبادی صعقة الفناء عند طریان بوارق الانوار وظهور طوالع تجلیات الصفات من اقشعرار الجسد وارتعاده وکثیرا ما تعرض هٰذه الحرکة للسالکین عند الذکر او سماع القرآن او ما یتاثرون به حتی تکاد تتفرق اعضاؤهم وقد شاهدنا ذالک فی الخالدین من اهل الطریقة النقشبندیة وربما یعتریهم فی صلٰوتهم صیاح معه فمنهم من یستانف صلاته لذالک ومنهم من لا یستانف وقد کثر الانکار علیهم وسمعت بعض المنکرین یقولون ان کانت هٰذه الحالة مع الشعور والعقل فهی سوء ادب ومبطلة للصلٰوة قطعا وان کانت مع عدم شعور وزوال عقل فهی ناقضة للوضؤ ونراهم لا یتوضؤون واجیب بانها غیر اختیاریة مع وجود العقل والشعور وهی کالعطاس والسعال ومن هنا لا ینتقض الوضوء بل ولا تبطل الصلٰوة وقد نص بعض الشافعیة ان المصلی لو غلبه الضحک فی الصلٰوة لا تبطل صلٰوته ویعذر بذالک فلا یبعد ان یلحق ما یحصل من آثار التجلیات الغیر الاختیاریة بما ذکر ولا یلزم من کونه غیر اختیاری کونه صادرًا من غیر شعور فان حرکة المرتعش غیر اختیاریة مع الشعور بها وهو ظاهر فلا معنی للانکار"[1]

ترجمہ: اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر (۷۰) افراد ہمارے میقات کیلئے منتخب کئے پس ان کو جب رجفہ نے پکڑ لیا۔علامہ محمود آلوسی بغدادی

---

[1](تفسیر روح المعانی: ج:۳:ص:۸۶ :سورۃ اعراف:آیت:۱۵۵ :باب :الاشارات)

نے اس آیت کی تفسیر میں روح المعانی: ج: ثالث میں تحریر فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر ایسے آدمی منتخب کئے جو کہ شریف، بزرگ باستعداد، مریدین حق، اصحاب طلب اور اہل سلوک تھے پس جب ان کو رجفہ نے پکڑ لیا۔۔الخ

یعنی بدن کی حرکت نے ان کو پکڑ لیا جو کہ فنا کی صعقہ کی ابتدا میں پیش آتی ہے۔انوارات رحمانیہ کے نزول اور صفات کی تجلیات کے ورود کے وقت یہ حالت پیش آتی ہے۔جس کے اثر سے بدن حرکت اور اضطراب میں آتا ہے اور اکثر اوقات یہ حالت سالکین طریقت کو ذکر اور تلاوت قرآن کے وقت پیش آتی ہے اور جس چیز سے وہ تاثیر لیتے ہیں (یعنی توجہ اور نعت خوانی) سننے سے بھی یہ حالت پیش آتی ہے جو کہ اسباب تاثیر میں داخل ہے یہاں تک کہ ان کے اعضاء بھی ٹوٹ جاتے ہیں اور ہم نے یہ حالت حضرت مولانا خالد قدس سرہ کے مریدین میں مشاہدہ کی ہیں اور بعض اوقات میں ان کو نماز میں بھی حرکات کے ساتھ صیاح بھی پیش آتے ہیں پس بعض نماز کا اعادہ کرتے ہیں اور بعض اعادہ نہیں کرتے ہیں اور ان پر انکار زیادہ ہو رہا ہے۔اور میں نے بعض منکرین سے سنا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ حالت عقل اور شعور کے باوجود ہے تو یہ بے ادبی ہے اور نماز کیلئے قطعی طور پر باطل کرنے والی ہے اور اگر عقل اور شعور زائل ہونے کیوجہ سے ہے تو پھر سکر کیوجہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور یہ سالکین وضو کا اعادہ بھی نہیں کرتے لیکن میں اس اعتراض مذکور کے جواب میں کہتا ہوں کہ نماز میں یہ حالت مذکور (یعنی حرکات اور صیاح) غیر اختیاری ہے اور یہ حالت عقل اور شعور کے باوجود پیش آتی ہے اور اس کی مثال کھانسی اور عطس (چھینک) کی طرح ہے کہ غیر اختیاری طور پر پیش آتا ہے اس لئے نہ وضو ٹوٹتا ہے اور نہ ہی نماز باطل ہوتی ہے اور شوافع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے کہا ہے کہ اگر نمازی پر ہنسنا غالب آجائے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہے اور نمازی اس صورت میں معذور سمجھا جائے گا۔

پس بعید نہیں کہ تجلیات غیر اختیاریہ کے آثار کو بھی اس کے ساتھ ملحق کیا جائے اور عدم فساد صلوٰۃ پر حکم کیا جائے اور کسی چیز کی غیر اختیاری ہونے سے اس چیز کا غیر شعوری ہونا لازم نہیں کیونکہ مرتعش کی حرکت غیر اختیاری ہے اور غیر شعوری نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ عقل اور شعور موجود ہوتے ہیں اور یہ تو ظاہر باہر معاملہ ہے پس اس سے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔تو علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بدن کی حرکت اور کانپنا خداوند قدوس کے انوارات کا اثر قرار دیا نیز یہ بھی فرمایا کہ یہ حالت سالکین اور مریدین خصوصاً طریقہ نقشبندیہ کے بزرگوں کو حالت ذکر اور تلاوت کلام اللہ کے وقت یا توجہ مرشد کامل مکمل کے وقت یا خشیت خداوندی کے غلبہ کے وقت پیش آتی ہے۔کبھی یہ حالت اقشعرار کم ہوتی ہے اور بعض بدن پر زیادہ ہوتی ہے جیسا کہ لطائف کی حرکت اور بعض اوقات میں غلبہ پا کر سارا بدن حرکت کرنے لگتا ہے اور اعضاء ٹوٹ جانے کا خطرہ محسوس ہوتا ہے۔نیز کبھی نماز کے اندر اقشعرار جسد اور صیاح طاری ہوتی ہے جیسا کہ روح المعانی کی عبارت سے واضح ہوا لیکن عقل اور شعور کی موجود ہونے کیوجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور وضو بھی نہیں ٹوٹتا صرف اختیار سلب ہوتا ہے۔

(۲) اسی طرح مفسر جلیل القدر بیہقی وقت علم الہدیٰ حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مظہری نقشبندی مجددی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر تفسیر مظہری: ج :۸: ص ۲۱۰:۔:۲۰۸ سورۃ زمر کی آیت نمبر: ۶۳ کی تفسیر میں منکروں کے اعتراض غشی کے مسئلہ پر جواب تحریر کرتے ہیں کہ غشی اور وجد کا مدلل اثبات کیا ہے، فرماتے ہیں :''فان قیل بعض اهل العشق من الصوفیة یغشی علیه عند استماع القرآن فهل هو من الاحوال الحمیدة او القبیحة؟ وقد شنع علیهم الامام محی السنة البغوی رحمة الله تعالٰی علیه فی تفسیره فقال قال قتادة رضی الله تعالٰی عنه هٰذا یعنی ما ذکر من اقشعرار الجلد من خشیة الله نعت اولیاء الله نعتهم الله بان تقشعر جلودهم وتطمئن قلوبهم بذکر الله ولم ینعتهم بذهاب عقولهم والغشیان علیهم انما ذالک فی اهل البدع وهو من الشیطان اخبرنا عن عبدالله بن الزبیر رضی الله عنه قال قلت لجدتی اسماء بنت ابی بکر کیف کان اصحاب رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم یفعلون اذا قرئ علیهم القرآن؟ قالت کانوا کما

نعتهم تدمع عیونهم وتقشعر جلودهم قال فقلت لها ان ناسا اذا قرئ علیهم القرآن خر احدهم مغشیا علیه فقالت اعوذ بالله من الشیطان الرجیم۔ وروی البغوی ان ابن عمر ﷺ مر علی رجل (من اهل العراق) ساقط فقال ابن عمر ما بال هذا قالوا اذا قرئ علیه القرآن وسمع ذکر الله سقط فقال ابن عمر انا لنخشی الله وما نسقط وقال ابن عمر ﷺ ان الشیطان یدخل فی جوف احدهم ما کان هٰکذا صنیع اصحاب رسول الله ﷺ ۔ (قلت) وجه طریان هٰذه الحالة کثرة نزول البرکات والتجلیات مع ضیق حوصلة الصوفی وضعف استعداده۔ وانما لم توجد هٰذه الحالة فی الصحابة ﷺ مع وفور برکاتهم لاجل سعة حواصلهم وقوة استعداداتهم ببرکة صحبة النبی ﷺ واما غیر الصحابة ﷺ من الصوفیة فعدم طریان تلک الحالة علیهم اما لقلة نزول البرکات واما لسعة الحوصلة والعجب من الامام الهمام محی السنة البغوی رحمة الله تعالٰی علیه کیف انکر علی اصحاب تلک الحالة وشنع علیهم ونسی قوله تعالٰی (حتی اذا فزع عن قلوبهم قالوا ماذا قال ربکم قالوا الحق وهو العلی الکبیر) وقد روی هو فی تفسیر تلک الآیة عن النواس بن سمعان ﷺ اذا اراد الله بالامر تکلم بالوحی اخذت السموات منه رجفة او قال : رعدة شدیدةً خوفًا من الله فاذا سمع ذالک اهل السموات صعقوا وخروا لله سجدا فیکون اول من یرفع راسه جبرئیل علیه السلام الحدیث۔ وروی البخاری عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه عن النبی ﷺ نحوه بلفظ اذا قضی الله الامر فی السماء ضربت الملائکة باجنحتها خضعانا لقوله کانه سلسلة علی صفوان فاذا فزع عن قلوبهم قالوا ماذا قال ربکم قالوا الحق الحدیث وقوله تعالٰی (فلما تجلی ربه للجبل جعله دکا وخر موسی صعقا) وقول ابن عمر ان الشیطان یدخل فی جوف احدهم وکذا استعاذة اسماء محمول علی انهما زعما غشی ذالک الرجل تکلفا ومکرا ولذا نسباه الی الشیطان وانما کان انکار تلک الحالة منهما لعدم طریان الحالة علیهما وعلی امثالهما بناء علی وسعة الحوصلة وقوة الاستعداد ویدل علی ما قلت انه ذکر عند ابن سیرین الذین یصرعون اذا قرئ علیهم القرآن فقال بیننا وبینهم ان یقعد احدهم علی ظهر بنیة باسطار جلیه ثم یقرأ علیهم القرآن من اوله الی آخره فان رمی بنفسه فهو صادق حیث علق صدقه علی رمی نفسه من ظهر بنیة مرتفعة فعلم منه انه حمل صرعه علی الکذب والتکلف اعلم ان البشر اقوی استعدادا واوسع حوصلة من الملائکة کما یشهد علیه قوله تعالٰی (انی جاعل فی الارض خلیفة) الی قوله تعالٰی (انی اعلم ما لا تعلمون) وقوله تعالٰی (انا عرضنا الامانة علی السمٰوات والارض۔ الآیة) ولاجل ذٰلک یأتی حالة الغشی علی الملائکة کلما سمعوا الوحی دون البشر واما البشر فاذا تمّ نزوله لا یتغیر حاله الا نادرا واذا تمّ عروجهٖ وقصر نزوله یتغیر غالبًا۔ واعلم ان الصوفی متی کان فی السکر یتغیر حاله غالبا عند ذکر المحبوب فی الشعر والتغنی ولذالک یستحبون السماع لکن تغیر الحال عند سماع القرآن اشرف منه حالا لان عند استماع القرآن وتلاوته تتنزل البرکات الاصلیة المتعلقة بالتجلیات الذاتیة والصفات الحقیقیة ولا سبیل الیها لاکثر الصوفیة المحتبسین فی مقام ولاجل ذلک تراهم یتغیر حالهم عند السماع ما لا یتغیر عند تلاوة القرآن واما الذین صعدوا ذروة الافق الاعلی ثم دنی رب العزة وتدلی فکان قاب قوسین او ادنی لا یتغیر احوالهم الا کما کان یتغیر حال اصحاب رسول الله (ﷺ) ﷺ تدمع عیونهم وتقشعر جلودهم ثم تلین جلودهم وتطمئن قلوبهم الی ذکر الله (ذلک) الخوف والرجاء واحسن الحدیث (هدی الله یهدی به من یشاء) هدایته (ومن یضلل الله) ای یخذله (فما له من هاد) یخرجه من الضلالة‘‘

ترجمہ: اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرتا ہے کہ بعض عاشق صوفیائے کرام پر قرآن کریم پڑھتے وقت بیہوشی طاری ہوتی ہے کیا یہ اچھے احوال میں

سے ہے یا برے احوال میں سے ہے۔ حالانکہ امام محی السنہ بغوی نے اسکو اپنی تفسیر میں بُرا کہا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے خوف سے بدن کا لرزنا اولیاء اللہ کی صفت ہے جو اللہ تعالیٰ نے یہ صفت بیان کی ہے کہ اولیاء اللہ کے بدن لرزتے ہیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ صفت بیان کی ہے اور یہ صفت بیان نہیں کی کہ جیسا کہ امام بغوی نے کہا انکی عقل ضائع ہوتی ہے تو یہ احوال اھل بدعت پر وارد ہوتے ہیں۔ یہ بے ہوش ہونا شیطان کی طرف سے ہوتا ہے عبداللہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ سے خبر دی گئی کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی نانی حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے سوال کیا۔ (صحیح بات یہ ہے کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا عبداللہ بن زبیر کی والدہ ہیں، نانی نہیں۔ شاید راوی سے غلطی ہوئی ہے) حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ صحابہ کرام کا یہ حال تھا کہ اللہ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے اور بدن مبارک پر لرزہ طاری ہوجاتا۔

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ کہا کہ بے شک بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کی جاوئے تو وہ گر کر بیہوش ہوجاتے ہیں۔ تو حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اعوذ باللہ پڑھی۔ اور اس بے ہوشی کو شیطان کا حال سمجھا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عراق کے ایک آدمی کے پاس سے گزرے کہ وہ آدمی بیہوش پڑے ہوئے تھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حاضرین سے دریافت کیا کہ اس شخص کو کیا ہوا ہے؟ حاضرین نے جواب دیا کہ جب قرآن پڑھا جائے یا ذکر الٰہی کیا جائے تو یہ شخص بے ہوش ہوجاتا ہے تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اللہ سے ڈرتے ہیں حالانکہ ہم بے ہوش نہیں ہوتے، بے شک شیطان بعض لوگوں کے پیٹ میں جاتا ہے اور انہیں بے ہوش کر دیتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کے یہ احوال نہ تھے۔ ہم امام بغوی کی ان باتوں کا مدلل جواب دیتے ہیں۔ اس حالت کے طاری ہونے کی وجہ کثرت نزول برکات اور تجلیات الٰہیہ ہیں اور صوفیوں کے حوصلہ تنگ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نسبت صوفیوں رحمۃ اللہ علیہم میں استعداد کم ہوتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی استعداد بہت زیادہ اور قوی ہوتی ہے کیونکہ یہ برکات تھیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کے باعث اس لئے ان پر بے ہوشی کی کیفیت طاری نہیں ہوتی۔ صوفی میں برکات، تجلیات کا نزول اور استعداد کی کمی انہیں بے ہوش کر دیتی ہے۔ بعض صوفیوں پر بے ہوشی کی حالت طاری نہیں ہوتی ان میں استعداد قوی ہوتی ہے۔

امام بغوی پر تعجب ہے کہ کس طرح اس حالت کا انکار کرتے ہیں اور اسے برا سمجھتے ہیں۔ اللہ کا یہ فرمان انہیں غالباً یاد نہ رہا: حَتّٰى إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿سبا ۲۳﴾ (یہاں تک کہ جب فرشتوں کے دل سے نزول وحی کی طاری شدہ ہیبت دور ہوئی تو فرمایا تمہارے رب نے کیا فرمایا۔ دوسرے فرشتے جواب دیتے ہیں حق فرمایا: اللہ کی ذات بہت بلند ہے اور بڑی ہے۔)

امام بغوی نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت نواس بن سمعان سے روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو وحی کے ساتھ کلام فرماتا ہے تو اس وحی کی ہیبت سے آسمانوں میں لرزہ طاری ہوتا ہے اور اہلِ آسمان سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔ سجدہ سے سب سے پہلے جبرائیل امین سر اٹھائیں گے۔[1]

امام بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انہی الفاظ کے ساتھ روایت نقل کی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی معاملے کا فیصلہ فرماتا ہے تو

---

[1] (تفسیر مظہری ص ۲۰۸ تا ۲۱۰ سورۃ زمر آیت ۲۶ پ ۲۳)

آسمان والوں کو حکم فرماتا ہے تو فرشتے اللہ تعالیٰ کا قول سن کر عاجزی ظاہر کرنے کیلئے اپنے پروں کو ہلاتے ہیں تو وہاں سے ایسی آواز نکلتی ہے جیسے بہت بڑی زنجیر کو ہلایا جارہا ہو۔ جب فرشتوں سے ہیبت دور ہو جاتی ہے تو دوسرے فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ رب نے کیا فرمایا۔ دوسرے فرشتوں نے کہا کہ جو فرمایا حق ہے۔ کیا یہ حدیث امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیش نظر نہ تھی؟ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اللہ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے۔ اسی طرح بہت ساری احادیث اور آثار بھی مذکور ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ کہنا کہ شیطان پیٹ میں داخل ہوتا ہے اور حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لاحول پڑھنا اس پر محمول ہے کہ مکر ہے اور ان کا یہ بیان اس لئے ہے کہ ان دونوں شخصیات پر یہ حالت بالعموم طاری نہ ہوتی کیونکہ ان کی قوت استعداد نہایت بلند تھی، حضرت ابن سیرین نے ان کا بے ہوش ہو جانا مکر پر محمول کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بلند جگہ پر بیٹھ جائیں۔ اگر وہ سچے نہیں ہیں تو ان کے سامنے قرآن شروع سے لیکر آخر تک پڑھا جائے تو پھر نہیں گریں گے۔

ابن سیرین نے کہا کہ اگر عقل سلب ہو جائے یا اختیار سلب ہو جائے تو گر جائیں گے مگر اگر بلند جگہ سے نہ گریں تو مکر پر گمان کیا جائے گا۔

انسانوں کی استعداد فرشتوں سے قوی ہے اور اس پر یہ دلیل ہے کہ اللہ نے فرشتوں سے فرمایا۔ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (تو فرشتوں نے عرض کیا اس کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد کرے تو رب نے فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے)

دوسری جگہ قرآن پاک میں ذکر ہے کہ ہم نے امانت کو آسمان اور زمین کے سامنے پیش کیا۔۔۔الخ۔ اس لئے غشی فرشتوں پر نازل ہوتی ہے انسانوں پر نہیں۔ جب عروج مکمل ہو جاتا ہے اور نزول ختم ہو جاتا ہے تو غالباً حالت متغیر ہو جاتی ہے جان لو کہ جب صوفی سُکر کی حالت میں ہوتا ہے تو شعر میں اور سماع میں وجد کی کیفیت ہوتی ہے مگر قرآن کریم کی تلاوت سنتے وقت وجد افضل ترین ہے کیونکہ سمع قرآن کے وقت برکات اصلیہ نازل ہوتے ہیں جن کا تعلق تجلیاتِ ذاتیہ اور صفات حقیقیہ سے ہوتا ہے۔

اکثر صوفیوں کی اس بارے میں کوئی رائے ہی مذکور نہیں ہے جو ایک مقام پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ ان کی حالت سماع کے وقت زیادہ متغیر ہوتی ہے اور تلاوت قرآن کے سنتے ہوئے اتنی متغیر نہیں ہوئی۔ اگرچہ سماع میں فائدہ ہے ان لوگوں کیلئے جو واصل ہوتے ہیں جیسے مکتوبات مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں لکھا ہے۔ جو آسمان کی بلندیوں تک پہنچتے ہیں، رب کے قریب ہوتے ہیں اور پھر مزید قریب ہوتے ہیں یہاں تک کہ دو کمانوں کا جتنا فاصلہ رہ جاتا ہے یا اس سے بھی زیادہ قریب۔ مگر عام حالت میں ان کی حالت متغیر نہیں ہوئی اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حالت بھی متغیر ہوئی کہ ان کی آنکھوں سے آنسوں جاری ہوئے اور ان کی جلد لرزنے لگتی یا کپکپی طاری ہوتی۔ یہ بھی وجد ہے جیسے پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ پھر ان کی کھال نرم ہوتی اور ان کے دل مطمئن ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی جانب۔ یہ خوف اور رجاء اور احسن الحدیث ہدایت ہے۔

اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے، جسے اللہ گمراہ کر دے اس کے لئے کوئی ہدایت نہیں کہ اس کو کوئی گمراہی سے نکال سکے۔[1]

اس عبارت سے بہت سارے نکتے نکلتے ہیں پہلی بات یہ ہے کہ وجد اور غشی ہر حالت میں ثابت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ابن سیرین، ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اقوال کا مکمل جواب ہوا اور صحیح محمل پر محمول ہوا اور منکرین کے فاسد استدلال کا راستہ بند ہوا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور راسخین اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم پر اور عام احوال میں غشی کا طاری نہ ہونا، اس کی وجہ بھی بیان کی جا چکی اگرچہ صحابۂ کرام اور راسخین اولیائے کرام پر بھی کبھی وجد کے حالات طاری ہوتے ہیں۔ جن میں بہت ساری احادیث اور

---

[1] (تفسیر مظہری: ص ۲۰۸: تا: ۲۱۰ سورۂ زمر: آیت: ۲۶: پارہ ۲۳:)

آثار کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ منتہی اولیاء اللہ اکثر تلاوت اور سماع کے وقت ان کی حالت بدل جاتی ہے اور کبھی کبھی سماع کے علاوہ نعت خوانی کے دوران مبتدی متوسط اور منتہی اولیائے کرام اور متوسط سب کو فائدہ پہنچتا ہے جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکتوبات شریف میں مرقوم ہے۔

متوسط اور مبتدیوں کے تجلیات ذاتیہ اور صفاتِ حقیقیہ سے زیادہ قربت نہیں ہوتی۔ دورانِ سماع ان پر وجد طاری ہوتا ہے کیونکہ مشائخ عظام ان کے لئے محفل سماع کے وقت میں ذکر خدا کی محافل منعقد کرتے ہیں۔ سماع کے وقت میں ظلّی تجلیات زیادہ وارد ہوتی ہیں اور متوسطین کیلئے مناسبت اسی کی ہے۔

عنصر آگ خصوصی گرمی پہنچاتی ہے۔ آگے ترقی، بلندی، ہمت عطاء کرتی ہے عنصر آب کی برودت قویہ ٹوٹ جاتی ہے تو اس حیثیت سے سماع منتہیوں کیلئے بھی فائدہ پہنچاتی ہے جیسے حضرت امام ربانی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی وضاحت کی ہے۔

بَاب فِي السماع:

قَالَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ :{فَبَشِّرْ عِبَادِ (١٧) الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ} اللام فِي قَوْله :{الْقَوْلَ} [الزمر 18 :] تقتضي التعميم والاستغراق والدليل عَلَيْهِ أَنَّهُ مدحهم باتباع الأحسن. وَقَالَ تَعَالَى :{فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ} [الروم 15 :] جاء فِي التفسير أَنَّهُ السماع.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''تو خوشی سنا وَ میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں'' آیت میں ''القول'' پر داخل الف لام یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس کے معنی میں عموم واستغراق ہو اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ نے ان قولوں میں اچھے قول کی اتباع کا حکم فرمایا۔ (جس کا مطلب یہ ہے کہ قول کئی طرح کے ہوتے ہیں) ایک اور جگہ فرمایا ''ان کو جنت میں خوش کر دیا جائے گا'' تفسیر میں آیا ہے کہ اس خوشی سے مراد سماع کی خوشی ہے)

واعلم أَن سماع الأشعار بالألحان الطيبة ,والنغم المستلذة ,إِذَا لَمْ يعتقد المستمع محظورا وَلَمْ يسمع عَلَى مذموم فِي الشرع وَلَمْ ينجر فِي زمام هواه وَلَمْ ينخرط فِي سلك لهوه مباح فِي الجملة ولا خلاف أَن الأشعار أنشدت بَيْنَ يدي رَسُول اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وأنه سمعها وَلَمْ ينكر عَلَيْهِم فِي إنشادها فَإِذَا جاز استماعها بغير الألحان الطيبة فلا يتغير الحكم بأن يسمع بالألحان هَذَا ظاهر من الأمر ثُمَّ مَا يوجب للمستمع توفر الرغبة عَلَى الطاعات وتذكر مَا أعد اللهُ تَعَالَى لعباده المتقين من الدرجات ويحمله عَلَى التحرز من الزلات ويؤدي إِلَى قلبه فِي الحال صفاء الواردات مستحب فِي الدين ومختار فِي الشرع وَقَدْ جرى عَلَى لفظ رَسُول اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا هُوَ قريب من الشعر وإن لَمْ يقصد أَن يكون شعرا. أَخْبَرَنَا أَبُو الْحَسَنِ عَلِيُّ بْنُ أَحْمَدَ الأَهْوَازِيُّ. قَالَ :أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُبَيْدٍ الصَّفَّارُ. قَالَ :حَدَّثَنَا الْحَارِثُ بْنُ أَبِي أُسَامَةَ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ قَالَ :حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ,عَنْ حُمَيْدٍ. قَالَ :سَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ :كَانَتِ الأَنْصَارُ يَحْفُرُونَ الْخَنْدَقَ فَجَعَلُوا يَقُولُونَ :نَحْنُ الَّذِينَ بَايَعُوا مُحَمَّدًا عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِينَا أَبَدًا فَأَجَابَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اللَّهُمَّ لا عَيْشَ إِلا عَيْشَ الآخِرَةِ فَأَكْرِمِ الأَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ.

ترجمہ: یقین رکھئے کہ ستھرے لب و لہجے اور لذیذ ساز کے ساتھ سماع کرنا جائز ہوتا ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ سننے والا ممنوع شئے نہ سنے، شریعت کی طرف سے بری قرار دی گئی چیز نہ سنے، خواہشات نفسانی کے پیچھے نہ پڑے اور بے مقصد باتوں میں نہ پڑے۔ اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے بھی اشعار پڑھے گئے آپ ﷺ خود سن رہے تھے، ان پر اعتراض نہیں فرمایا اور جب بغیر اچھے لب و لہجے کے ان

کا سننا جائز قرار پایا تو جواز کا یہ حکم اچھے لب و لہجے سننے پر بھی نہیں بدلے گا اور یہ بالکل ظاہر بات ہے۔ مزید یہ کہ جو چیزیں سننے والے کو عبادت کا شوق دلائیں، انہیں بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے مقبول بندے کیلئے کیا کیا بلند درجات مہیا کیے ہیں، انہیں لغزشوں سے گریز پر مجبور کریں اور ان کے دلوں پر پاکیزہ اثرات چھوڑیں، وہ چیزیں دین میں اچھی شمار ہوں گی اور شریعت انہیں پسند کرے گی بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کی زبان اطہر پر بھی ایسا کلام جاری ہوا جو طریقہ اشعار کے قریب قریب تھا حالانکہ آپ ﷺ کا یہ ارادہ بھی نہ تھا کہ وہ کلام شعر کی صورت اختیار کرے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ انصار مدینہ خندق کھودتے جاتے تھے اور یہ شعر بھی گنگناتے جاتے تھے۔ ''ہم ہی تو ہیں جنہوں نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ جب تک ہم زندہ رہیں گے جہاد جاری رکھیں گے'' اس کا جواب حضور اکرم ﷺ نے یہ دیا تھا: ''

اللهم لاعيش الاعيش الاخرة فاكرم الانصار والمهاجرة''

حضور اکرم ﷺ کے الفاظ مبارکہ شعری وزن پر تو نہیں مگر شعر کے قریب قریب ضرور ہیں۔

لَيسَ هَذَا اللفظ منه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى وزن شعر لكنه قريب منه وَقَدْ سمع السلف والأكابر الأبيات بالألحان فممن قَالَ بإباحته من السلف مَالِك بْن أَنَس وأهل الحجاز كلهم يبيحون الغناء وَأَمَّا الحداء فإجماع مِنْهُم على إجازته وَقَدْ وردت الأخبار واستفاضت الآثار فِي ذَلِك وَرَوَى عَنِ ابْن جريج أَنَّهُ كَانَ يرخص فِي السماع فقيل لَهُ :إِذَا أتى بك يَوْم الْقِيَامَة ويؤتى بحسناتك وسيئاتك ففي أي الجانبين سماعك. فَقَالَ :لا فِي الحسنات ولا فِي السيئات يَعْنِي أَنَّهُ من المباحات.

ترجمہ: اکابر سماع سنتے رہے:

اکابر بزرگان سلف نے اچھے لہجے سے پڑھے جانے والے اشعار سنے ہیں چنانچہ ان میں سے جنہوں نے اسے جائز قرار دیا ہے ان میں حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ شامل ہیں اور اہل حجاز تو سارے کے سارے سماع کو جائز قرار دیتے ہیں اور پھر ''حدی خوانی'' پر سب کا اتفاق ہے، اس کے بارے میں بہت سی احادیث اور آثار ملتے ہیں۔ حضرت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ سماع کو جائز کہتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ قیامت کے دن آپ کو لایا جائے گا، نیکیاں اور برائیاں بھی لائی جائیں گی تو آپ کا یہ سماع کس طرف رکھا ہونا چاہیئے؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا نہ نیکیوں میں اور نہ برائیوں میں۔ آپ کا مقصد تھا کہ یہ ایک جائز کام ہے، جس میں نہ گناہ ہے نہ ثواب۔

وَأَمَّا الشَّافِعِي رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى فَإِنَّهُ لا يحرمه ويجعله فِي العوام مكروها حَتَّى لو احترف بالغناء أَوِ اتصف عَلَى الدوام بسماعه عَلَى وجه التلهي ترد بِهِ الشهادة ويجعله مِمَّا يسقط المروءة ولا يلحقه بالمحرمات وليس كلامنا فِي هَذَا النوع من السماع فَإِن هذه الطائفة جلت رتبتهم عَن أَن يستمعوا بلهو أَوْ يقعدوا للسماع بسهو أَوْ يكونوا بقلوبهم مفكرين فِي مضمون لغو ,أَوْ يستمعون عَلَى صفة غَير كفء ,وَقَدْ رَوَى عَنِ ابْن عُمَر آثار فِي إباحة السماع ,وَكَذَلِك عَن عَبْد اللَّهِ ابْن جَعْفَر بْن أَبِي طَالِب وَكَذَلِك عَن عُمَر رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُم أجمعين وَكَذَلِك فِي الحداء وغيره وأنشد بَيْنَ يدي النَّبِي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الأشعار فلم ينه عَنْهَا وَرَوَى أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ استنشد الأشعار ومن المشهور الظاهر أَنَّهُ دَخَلَ بَيْت عَائِشَة رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا وفيه جاريتان تغنيان, فلم ينههما. أَخْبَرَنَا الشَّيْخُ أَبُو عَبْدِ الرَّحْمَنِ السُّلَمِيُّ قَالَ :أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ مَطَرٍ ,قَالَ :حَدَّثَنَا الْحُبَابُ بْنُ مُحَمَّدٍ التَّسْتُرِيُّ ,قَالَ :أَخْبَرَنَا أَبُو الأَشْعَثِ ,قَالَ :حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ الْمُرْسَانِيُّ ,قَالَ :حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ,عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ,عَنْ أَبِيهِ ,عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا :أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا قَيْنَتَانِ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاذَفَتْ بِهِ الأَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثٍ. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ :مِزْمَارُ الشَّيْطَانِ مَرَّتَيْنِ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا

وَعِيدُنَا هَذَا الْيَوْمَ۔أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ أَحْمَدَ الأَهْوَازِيُّ قَالَ :أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُبَيد قَالَ :حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ الضَّبِّيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو كَامِلٍ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ ,عَنِ الأَجْلَحِ ,عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ ,عَنْ جَابِرٍ ,عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا :أَنَّهَا أَنْكَحَتْ ذَاتَ قَرَابَتِهَا مِنَ الأَنْصَارِ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

فَقَالَ :أَهْدَيْتُمُ الْفَتَاةَ؟فَقَالَتْ نَعَمْ.قَالَ :فَأَرْسَلْتِ مَنْ يُغَنِّي؟قَالَتْ :لا.فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّ الأَنْصَارَ فِيهِمْ غَزَلٌ فَلَوْ أَرْسَلْتُمْ مَنْ يَقُولُ :أَتَيْنَاكُمْ أَتَيْنَاكُمْ فحيانا وَحَيَّاكُمْ۔أَخْبَرَنَا الأُسْتَاذُ الإِمَامُ أَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ فَوْرَكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ :حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَحْمُودِ بْنِ خَرْزَاذَ قَالَ :حَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ الْحَارِثِ الأَهْوَازِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ سَعِيدٍ ,عَنْ صَدَقَةَ بِنْتِ أَبِي عِمْرَانَ قَالَتْ :حَدَّثَنَا عَلْقَمَةُ بْنُ مَرْثَدٍ ,عَنْ زَاذَانَ ,عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :حَسِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ فَإِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يُؤَيِّدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا.دل هَذَا الْخَبَر عَلَى فضيلة الصوت الْحَسَن۔وَأَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدَانَ الأَهْوَازِيُّ قَالَ :أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُبَيد قَالَ :حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ الضَّبِّيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو رَبِيعٍ قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلامِ بْنُ هَاشِمٍ قَالَ :حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحْرِزٍ ,عَنْ قَتَادَةَ ,عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ ,قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لِكُلِّ شَيْءٍ حِيلَةٌ وَحِيلَةُ الْقُرْآنِ۔أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ أَحْمَدَ الأَهْوَازِيُّ، قَالَ :أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُبَيد.قَالَ :حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ الْكَرِيمِيُّ.قَالَ :حَدَّثَنَا الضَّحَّاكُ بْنُ مَخْلَدٍ أَبُو عَاصِمٍ.

ترجمہ: امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حرام نہیں فرماتے:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سماع کو حرام نہیں کہتے تاہم عام لوگوں کیلئے سننا مکروہ شمار کرتے ہیں چنانچہ جو شخص پیشے کے طور پر اپنالے یا کھیل سمجھ کر ہمیشہ سننے کی عادت بنالے تو اس کی گواہی رد کر دی جائے گی۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اسے ان چیزوں میں شمار کرتے ہیں جن سے مروت میں فرق آجاتا ہے لیکن حرام کردہ چیزوں میں شمار نہیں کرتے اور ہمارا کلام تو ایسے سماع کے بارے میں ہے ہی نہیں۔کیونکہ صوفیاء کا مرتبہ ایسی لغو چیزیں سننے سے بلند ہے وہ تو بھول کر ایسے سماع میں نہیں بیٹھتے،نہ ہی دل میں بیہودہ مضمون آنے دیتے ہیں اور نہ ہی ایسے طریقے سے سنا کرتے ہیں جو ان کیلئے مناسب نہیں۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی کچھ آثار ثابت ہیں جن سے سماع جائز ثابت ہوتا ہے یونہی عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب سے بھی اور یونہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ''حدی'' کے بارے میں جواز ثابت ہے۔حضور اکرم ﷺ کے سامنے اشعار پڑھے گئے تو آپ ﷺ نے سنانے سے نہیں روکا بلکہ بعض اوقات اشعار سننے کی خواہش فرمائی۔یہ ایک مشہور واقعہ ہے کہ آپ ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گھر تشریف لے گئے جہاں دو بچیاں گا رہی تھیں مگر آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بتاتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پاس آئے اس وقت ان کے پاس دو بچیاں گا رہی تھیں۔یہ وہ اشعار تھے جو انصار نے جنگ بعاث میں ایک دوسرے کے خلاف پڑھے تھے،حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''شیطان کی بانسری'' اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابوبکر! انہیں گانے دو،ہر قوم کا کوئی نہ کوئی یوم عید ہوتا ہے اور یہ ہمارا یوم عید ہے۔'' حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آتا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی ایک رشتہ دار لڑکی کی شادی ایک انصاری سے کر دی۔حضور اکرم ﷺ تشریف لائے تو پوچھا کیا اس بچی کو کوئی ہدیہ دیا ہے؟ میں نے عرض کی ہاں، پھر فرمایا، کیا کسی گانے والی کو بلا بھیجا ہے؟ عرض کی نہیں۔اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: انصار کے ہاں رواج ہے کہ وہ غزلیں پڑھتے ہیں چنانچہ اگر تم کسی کو بلا لیتیں تو وہ کہتا نا! اتینا کم اتینا کم فحیانا و حیا کم (کہ ہم لوگ تمہارے پاس آئے ہیں تو تم ہمیں سلام و دعا کہو، ہم تمہیں کہیں گے)۔حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ

نے فرمایا ''قرآن کو خوش آوازی سے پڑھو کیونکہ خوبصورت آواز سے قرآن خوانی میں حسن آجاتا ہے'' اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ خوبصورت آواز بھی ایک فضیلت ہوتی ہے۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہر چیز کی سجاوٹ کیلئے زیور ہوتا ہے اور قرآن کا زیور خوبصورت آواز ہے''

قَالَ حَدَّثَنَا شَبِيبُ بْنُ بِشْرِ بْنِ الْبَجَلِيِّ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ.قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :صَوْتَانِ مَلْعُونَانِ :صَوْتُ وَيْلٍ عِنْدَ مُصِيبَةٍ، وَصَوْتُ مِزْمَارٍ عِنْدَ نَغْمَةٍمفهوم الْخَطَّاب يقتضي إباحة غَيْر هَذَا فِي غَيْر هذه الأحوال وإلا بطل التخصيص والأخبار فِي هَذَا الباب تكثر والزيادة عَلَى هَذَا القدر من ذكر الروايات تخرجنا عَنِ المقصود من الاختصار، وَقَدْ رَوَى أَن رجلا أنشد بَيْنَ يدي رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.أقبلت فلاح لَهَا عارضان كالسيج-أدبرت فَقُلْتُ لَهَا ... والفؤاد فِي وهج-هل عَلَى ويحكما...إن عشقت من حرج-فَقَالَ رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لا وإن حسن الصوت مِمَّا أنعم اللَّهُ تَعَالَى بِهِ عَلَى صاحبه من النَّاس، قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ :{يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ} [فاطر 1 :] قيل فِي التفسير :من ذَلِك الصوت الْحَسَن وذم اللَّهُ سبحانه الصوت الفظيع.قَالَ تَعَالَى :{إِنَّ أَنْكَرَ الأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ} [لقمان19 :] واستلذاذ القلوب واشتياقها إِلَى الأصوات الطيبة واستراحها إِلَيْهَا مِمَّا لا يمكن جحوده ,فَإِن الطِّفْل يسكن إِلَى الصوت الطيب ,والجمل يقاسي تعب السير ومشقة الحمولة فيهون عَلَيْهِ بالحداء.قَالَ اللَّهُ تَعَالَى :{أَفَلا يَنْظُرُونَ إِلَى الإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ} [الغاشية : 17] وحكى إِسْمَاعِيل بْن علية.قَالَ :كنت أمشي مَعَ الشَّافِعِي رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى وقت الهاجرة فجزنا بموضع يَقُول فِيهِ أحد شَيْئًا، فَقَالَ :مل بنا إِلَيْهِ، ثُمَّ.قَالَ :أيطربك هَذَا؟فَقُلْتُ :لا، فَقَالَ :مَالِك حسن، وَقَالَ رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَا أذن اللَّهُ تَعَالَى لشيء كإذنه لنبي يتغنى بالقرآن أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ أَحْمَدَ الأَهْوَازِيُّ قَالَ :أَخْبَرَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُبَيْدٍ قَالَ :حَدَّثَنَا ابْن مَلْحَانَ قَالَ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ قَالَ :حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ,عَنْ عَقِيلٍ ,عَنِ ابْنِ شِهَابٍ ,أَنَّهُ قَالَ :أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ ,عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ, قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :لَمْ يَأْذَنِ اللَّهُ تَعَالَى لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ يَتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ.

ترجمہ: دو آوازوں پر لعنت:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو آوازیں لعنت کا سبب بنتی ہیں مصیبت کے موقع پر آہ وزاری کی آواز اور گاتے وقت مزمار (بانسری وغیرہ دوسرے ساز) کی آواز'' حدیث کے اس خطاب سے پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ احوال کے علاوہ دوسری چیزیں گانا جائز ہوں ورنہ اس تخصیص کا کیا فائدہ؟اس سلسلہ میں بہت سی احادیث ملتی ہیں اور پھر اگر ہم اس قدر دلائل دے کر اس سے زیادہ روایات کا ذکر کرتے ہیں تو اختصار کی حد سے نکل جائیں گے۔ایک رویت یہ ہے کہ ایک شخص نے حضور اکرم ﷺ کے ہوتے یہ اشعار پڑھے تھے ''محبوبہ میری طرف آئی دونوں رخسار موتیوں کی طرح چمک رہے تھے پھر واپس ہوگئی تو دل میں جوش آیا اور میں نے کہا اگر تم سے مجھے عشق ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ یہ سن کر حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ایسے اشعار نہیں پڑھا کرتے!

خوبصورت آواز بھی اللہ تعالیٰ کا ایک انعام ہوتا ہے جو ہر کسی کے حصے میں نہیں آتا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔''اللہ جس کو چاہتا ہے اسے کچھ زیادہ دے دیتا ہے'' اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اضافہ والی چیزوں میں ''خوبصورت آواز'' بھی شامل ہے جب کہ بری آواز کی مذمت کی گئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے۔''سب سے بدتر آواز گدھے کی ہوتی ہے'' دلوں کا اچھی آواز سے لذت حاصل کرنا عمدہ آوازوں کا شوق رکھنا اور راحت لینا ایسی چیزیں ہیں جن کا انکار ممکن نہیں۔دیکھئے بچہ بھی اچھی آواز سے سکون حاصل کرتا ہے اور اونٹ جب سفر کی تھکان اور بوجھ کی

تکلیف سے بے چین ہوتا ہے تو ''حدی خوانی'' اس کیلئے سکون کا باعث بنتی ہے اللہ تعالیٰ جل شانہ فرماتا ہے۔(لوگ دیکھتے نہیں کہ اونٹ کو کیسے پیدا کیا گیا) حضرت اسماعیل بن علیۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں حضرت شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ چلا جا رہا تھا دوپہر کا وقت تھا ہم ایک ایسے مقام سے گزرے جہاں ایک شخص کچھ کہہ رہا تھا امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا چلو ادھر چلیں پھر اس شخص سے کہا کیا تمہیں اس سے خوشی بھی ملتی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔اس پر فرمایا تمہارے اندر کوئی ذوق ہی نہیں۔حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے کسی کے کلام سننے کیلیے ایسا کان لگا کر نہیں سنا جیسے نبی کی خوب صورت آواز میں قرآن پڑھتے وقت اللہ تعالیٰ کان لگا کر سنتا ہے۔''

وقيل :إِن دَاوُد عَلَيْهِ السَّلام كَانَ يستمع لقراءته الجن والإنس والطير والوحش إِذَا قرأ الزبور، وَكَانَ يحمل من مجلسه أربع مائة جنازة مِمَّن قَدْمَات مِمَّن سمعوا قراءته.وَقَالَ :صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لأبي مُوسَى الأشعري :لَقَدْ أعطي مزمارا من مزامير آل دَاوُد.وَقَالَ معاذ لرسول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :لو علمت أنك تسمع لحبرته لَك تحبيرا.أَخْبَرَنَا أَبُو حاتم السجستاني.قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْن عَلِي البراج.قَالَ :حكى أَبُو بَكْر مُحَمَّد بْن دَاوُد الدينوري الرقي.قَالَ :كنت فِي البادية فوافيت قبيلة من قبائل العرب وأضافني رجل مِنْهُم فرأيت غلاما أسود مقيدا هناك ورأيت جمالا قَدْ ماتت بفناء الْبَيْت.فَقَالَ لي الغلام :أَنْتَ الليلة ضيف وأنت عَلَى مولاي كريم فتشفع لي فَإِنَّه لا يردك، فَقُلْتُ :لصاحب الْبَيْت :لا آكل طعامك حَتَّى تحل هَذَا العبد.فَقَالَ هَذَا الغلام :قَدْ أفقرني وأتلف مالي، فَقُلْتُ :فَمَا فعل؟ فَقَالَ لَهُ صوت طيب وكنت أعيش من ظهر هذه الجمال فحملها أحمالا ثقيلة وحدا لَهَا حَتَّى قطعت مسيرة ثلاثة أَيَّام فِي يَوْم واحد، فلما حط عَنْهَا ماتت كلها ولكن قَدْ وهبته لَك وحل عَنْهُ القيد، فلما أصبحنا أحببت أَن أسمع صوته فسألته ذَلِك فأمر الغلام أَن يحدو عَلَى جمل كَانَ عَلَى بئر هناك يستقى عَلَيْهِ، فحدا الغلام فهام الجمل عَلَى وجه وقطع حباله وَلَمْ أظن أني سمعت صوتا أطيب منه، فوقعت لوجهي حَتَّى أشار إِلَيْهِ بالسكوت.

ترجمہ: قراءت داؤدی (علیہ الصلوٰۃ والسلام)

کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے تو جن وانس، پرندے اور جانور انہیں کان لگا کر سنتے آپ علیہ السلام کی آواز سن کر چار سو جنازے ان کی مجلس سے اٹھتے تھے جنہوں نے آپ علیہ السلام کی قراءت سنی ہوئی تھی۔حضور اکرم ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں فرمایا تھا ابوموسیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کو آل داؤد علیہ السلام کی مزامیر میں سے ایک مزمار دی گئی ہے''[1]

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی اگر مجھے معلوم ہو جاتا کہ آپ ﷺ سنیں گے تو میں اچھے طریقے سے کہتا'' حضرت ابوبکر محمد بن داؤد دینوری دقی رحمہ اللہ بتاتے ہیں کہ میں ایک جنگل میں تھا، عرب کے ایک قبیلہ کے ہاں آیا جن میں سے ایک شخص نے مجھے مہمان بنالیا، وہاں میں نے ایک سیاہ غلام قید میں دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ حویلی میں کچھ اونٹ مرے پڑے ہیں، اس غلام نے کہا، آج تو آپ ہمارے مہمان ہیں، میرے آقا آپ کی عزت کرتے ہیں، ہو سکے تو میری سفارش کر دیں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ مالک اسے رد نہیں کرے گا۔میں نے گھر کے مالک سے کہا کہ جب تک آپ اس غلام کو چھوڑ نہیں دیتے، میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔مالک نے کہا کہ اس غلام نے تو مجھے تنگ کر دیا ہے اور سارا مال ضائع کر دیا ہے۔میں نے پوچھا کیا کیا ہے؟ اس نے کہا کہ اس کی آواز بڑی سریلی ہے، میں ان اونٹوں کی بار برداری پر گزر اوقات کرتا تھا اس نے ان پر بھاری بوجھ لاد دیا اور ''حدی'' گاتا رہا حتیٰ کہ اونٹوں نے تین دن کا سفر ایک دن میں کر لیا اور جب بوجھ

---

[1] (بخاری شریف فضائل قرآن، مسلم شریف، مسافرین، ترمذی شریف، مناقب، نسائی شریف، افتتاح، ابن ماجہ شریف، اقامہ، دارمی شریف، صلاۃ، مسند احمد بن حنبل)

اتارلیا گیا تو سب اونٹ مر چکے تھے، بایں ہمہ میں آپ کو اختیار دیتا ہوں چنانچہ اس نے بیڑیاں کھول دیں۔صبح ہوئی تو میرا دل چاہا کہ اس کی آواز سنوں، میں نے اسے فرمائش کی چنانچہ اس نے ملازم سے کہا کہ اس اونٹ کیلئے ''حدی'' گاؤ جو کھیتوں کو سیراب کرنے کیلئے اس کنوئیں پر رہٹ چلا رہا ہے۔غلام نے حدی پڑھی تو اونٹ نے مستی کے عالم اپنی رسیاں کاٹ ڈالیں اور میرے خیال میں اس سے قبل میں نے اتنی خوبصورت آواز نہیں سنی ہوگی، میں منہ کے بل گرا اور مالک مکان نے اسے چپ کرادیا۔

سمعت الشيخ أبا عَبْد الرَّحْمَنِ السلمي يَقُول :سمعت مُحَمَّد بْن عَبْد اللَّهِ بْن عَبْد الْعَزِيز يَقُول :سمعت أبا عُمَر الأنماطي يَقُول :سمعت الجنيد يَقُول وَقَدْ سئل :مَا بال الإِنْسَان يَكُون هادئا فَإِذَا سمع السماع اضطرب؟ فَقَالَ :إن اللَّهَ تَعَالَى لما خاطب الذر فِي الميثاق الأَوَّل بقوله :{أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى} [الأعراف172 :] استفرغت عذوبة سماع الْكَلام الأرواح، فلما سمعوا السماع حركهم ذكر ذَلِك.

ترجمہ: سماع میں اضطراب کی وجہ:

حضرت جنید رحمہ اللہ سے کسی نے سوال کیا کہ اچھا بھلا انسان سماع پر مضطرب کیوں ہوجاتا ہے؟ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے پہلے میثاق (پختہ عہد) کے موقع پر نسل آدم علیہ السلام سے یہ خطاب فرمایا ''کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں'' تو اللہ کے کلام کی مٹھاس نے سب ارواح کو نکال لیا کیونکہ جب انہوں نے آواز سنی تو اسی وقت حرکت کرنے لگے تھے۔

سمعت الأستاذ ابا الدقاق ,يَقُول :السماع حرام عَلَى العوام لبقاء نفوسهم مباح للزهاد لحصول مجاهداتهم مستحب لأَصْحَابنا لحياة قلوبهم.

ترجمہ: سماع کس کیلئے حرام اور کس کیلئے جائز؟:

حضرت استاد ابوعلی دقاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عوام الناس کیلئے سماع حرام ہے کہ ان کے نفس باقی رہ سکیں، زاہدوں کیلئے مباح ہے کیونکہ انہیں مجاہدات حاصل ہے اور عام مریدوں کیلئے مستحب ہے کہ ان کے دل زندہ رہ سکیں۔

سمعت أبا حاتم السجستاني يَقُول :سمعت أبا نصر الصوفي يَقُول :سمعت الوجيهي يَقُول :سمعت أبا عَلِي الروذباري يَقُول :كَانَ الْحَارِث بْن أسد المحاسبي يَقُول :ثَلاث إِذَا وجدن متع بهن وَقَدْ فقدناها :حسن الوجه مَعَ الصيانة، وحسن الصوت مَعَ الديانة، وحسن الإخاء مَعَ الوفاء. وسئل ذو النون الْمِصْرِي عَنِ الصوت الْحَسَن. فَقَالَ :مخاطبات وإشارات أودعها اللَّهَ تَعَالَى كُل طيب وطيبة. وسئل مرة أُخْرَى عَنِ السماع. فَقَالَ :وارد حَتَّى يزعج القلوب إِلَى الحق، فمن أصغى إِلَيْهِ بحق تحقق، ومن أصغى إِلَيْهِ بنفس تزندق.

ترجمہ: تین چیزیں انسان کیلئے ضروری:

حضرت ابوعلی روذباری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت حارث بن اسد محاسبی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ انسان میں تین چیزیں ہوں تو اسے ان سے فائدہ ہوتا ہے لیکن ہم انہیں گم کرچکے ہیں۔خوبصورت چہرہ جس کے ہمراہ پاک دامنی بھی ہو۔اچھی آواز جس کے ساتھ دیانتداری بھی ہو۔اچھی دوستی جس کے ساتھ وفاداری بھی ہو، حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ سے اچھی آواز کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اسی آواز میں کسی سے خطاب ہوتا ہے اور اشارے پائے جاتے ہیں، یہ آواز اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ مردوں اور عورتوں کو دے رکھی ہوتی ہے۔آپ ہی سے ایک مرتبہ

پھر پوچھا گیا تو فرمایا کہ سریلی آواز وارد ہونے والی کیفیت ہوتی ہے جو بے چین دلوں کو حق تعالیٰ کی طرف لے جاتی ہے چنانچہ جو اس کی طرف ہر طریقہ سے کان لگاتا ہے وہ حق کو پالیتا ہے اور جو نفسانی خواہش کیلئے سنتا ہے وہ بے دین ہو جاتا ہے۔

وحكى جَعْفَر بْن نصير عَنِ الجنيد أَنَّهُ قَالَ :تنزل الرحمة عَلَى الفقراء فِي ثلاثة مواطن :عِنْدَ السماع، فإنهم لا يَسْمَعُونَ إلا عَن حق ولا يقولون إلا عَن وجد، وعند أكل الطعام، فإنهم لا يأكلون إلا عَن فاقة ,وعند مجاراة العلم ,فإنهم لا يذكرون إلا صفة الأولياء.

سمعت مُحَمَّد بْن الْحُسَيْن ,يَقُول :سمعت الْحُسَيْن بْن أَحْمَد بْن جَعْفَر يَقُول :سمعت أبا بَكْر بْن ممشاد الدينوري يَقُول : سمعت الجنيد يَقُول :السماع فتنة لمن طلبه ترويح لمن صادفه.

ترجمہ: رحمت حاصل کرنے کیلئے فقیر کیلئے تین مواقع:

حضرت جنید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تین ایسے مواقع ہیں جن میں فقراء پر رحمت خداوندی اترتی ہے۔

۱۔حالت سماع میں:

کیونکہ اس وقت وہ حق سن رہے ہوتے ہیں اور وجد میں بولتے ہیں۔

۲۔کھانا کھاتے وقت:

کیونکہ وہ فاقہ کی حالت میں کھاتے ہیں۔

۳۔علمی باتیں کرتے وقت:

کیونکہ اس وقت وہ اللہ کے دوستوں کی بات کرتے ہیں۔حضرت جنید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سماع اس شخص کیلئے فتنہ ہے جو اس کے پیچھے پڑے اور اس شخص کیلئے راحت ہے جسے یہ خود ملے۔

وحكى عَنِ الجنيد أَنَّهُ قَالَ :السماع يحتاج إِلَى ثلاثة أشياء :الزَّمَان والمكان والإخوان.وسئل الشبلي عَنِ السماع.فَقَالَ : ظاهره فتنة وباطنه عبرة، فن عرف الإشارة حل لَهُ استماع العبرة، وإلا فَقَد استدعى الْفِتْنَة وتعرض للبلية.وقيل :لا يصلح السماع إلا لمن كانت لَهُ نفس ميتة وقلب حي فنفسه ذبحت بسيوف المجاهدة وقلبه حي بنور الموافقة.وسئل أَبُو يعقوب النهرجوري عَنِ السماع فَقَالَ :حال يبدي الرجوع إِلَى الأسرار من حيث الاختراق.وقيل :السماع لطف عِنْدَ الأرواح لأهل المعرفة سمعت الأستاذ أبا عَلِي الدقاق يَقُول :السماع طبع إلا عَن شرع وخرق إلا عَن حق وفتنة إلا عَن عبرة،

سماع میں تین چیزوں کی ضرورت:

حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سماع تین کا محتاج ہوتا ہے،زمانہ،مکان اور بھائی (سماع کے اہل دوست)۔حضرت شبلی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ سماع کیا ہوتا ہے؟ تو فرمایا: بظاہر یہ فتنہ ہے اور باطنی طور پر اس میں عبرت پائی جاتی ہے چنانچہ جو اشارہ کو پالیتا ہے اسے عبرت حاصل ہو جاتی ہے ورنہ وہ فتنہ و مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔کہتے ہیں کہ سماع اسی کیلئے سننا جائز ہے جس کا نفس مردہ اور دل زندہ ہو کیونکہ نفس تو مجاہدہ کی تلوار سے ذبح ہونے والا ہوتا ہے جبکہ دل شریعت کی موافقت کے نور سے زندہ ہوتا ہے۔حضرت ایوب یعقوب نہرجوری رحمہ اللہ سے سماع کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا یہ ایک ایسی حالت ہوتی ہے جو اپنی جلن کی بناء پر بتاتا ہے کہ الٰہیہ دل کی طرف آرہے ہیں۔کہتے ہیں کہ سماع اہل معرفت کے دلوں کیلئے ایک لطیف غذا ہے۔حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ سماع اگر شریعت کے موافق نہیں تو یہ ایک زنگ

ہے اور حق کی طرف سے نہ ہو تو بیوقوفی اور اگر اس سے عبرت نہیں لیتا تو یہ فتنہ ہے۔

ويقال :السماع عَلَى قسمين :سماع بشرط العلم والصحو فمن شرط صاحبه معرفة الأسامي والصفات وإلا وقع فِي الكفر المحض، وسماع بشرط الحال فمن شرط صاحبه الفناء عَن أحوال البشرية والتنقي من آثار الحظوظ بظهور أحكام الحقيقة،

ترجمہ: سماع کی دو قسمیں:

کہتے ہیں کہ سماع کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تو وہ سماع ہے جس میں علم اور بیدار مغز ہونے کی ضرورت ہوتی ہے اس قسم کا سماع سننے والے کیلئے ضروری ہے کہ اسماء وصفات کا علم رکھتا ہو ورنہ وہ خالص کفر میں پھنس جائیگا۔ دوسرا سماع یہ ہے کہ انسان صاحب حال ہو اس کیلئے شرط یہ ہوتی ہے کہ حالات بشریہ کو فنا کر چکا ہو اور چونکہ باطن اس پر کھل چکا ہوتا ہے اس لئے خواہش نفس کی علامات سے بچے۔

وحكى عَن أَحْمَد بْن أَبِي الحوري أَنَّهُ قَالَ :سألت أبا سُلَيْمَان عَنِ السماع.فَقَالَ :من اثنين أحب إلي من الْوَاحِد، وسئل أَبُو الْحَسَنِ النوري عَنِ الصوفي فَقَالَ :من سمع السماع وآثر الأسباب.وسئل أَبُو عَلِي الروذباري عَنِ السماع يوما.فَقَالَ :ليتنا تخلصنا منه رأسا برأس.سمعت الشيخ أبا عَبْد الرَّحْمَنِ السلمي يَقُول :سمعت أبا عُثْمَان المغربي يَقُول :سمعت من ادعى السماع وَلَمْ يسمع صوت الطيور وصرير الباب وتصفيق الرياح فَهُوَ فَقِير مدع.سمعت أبا حاتم السجستاني يَقُول :سمعت أبا نصر السراج الطوسي يَقُول :سمعت أبا الطيب أَحْمَد بْن مقاتل العكي يَقُول :قَالَ جَعْفَر :كَانَ ابْن زيري من أَصْحَاب الجنيد شيخا فاضلا فربما كَانَ يحضر موضع سماع فَإِن استطابه فرش إزاره وجلس، وَقَالَ الصوفي :مَعَ قلبه وإن لَمْ يستطبه، قَالَ، السماع لأرباب القلوب ومرو أخذ نعله.

ترجمہ: کم سے کم قوالی والے لوگ:

حضرت احمد بن ابوالحواری رحمہ اللہ بتاتے ہیں کہ میں نے ابوسلیمان سے سماع کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ دو کی طرف سے ہونا چاہیئے گانے والا تنہا نہ ہو حضرت ابوالحسن رحمہ اللہ سے صوفی کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا صوفی وہ ہوتا ہے جو سماع سننے اور اسباب کو ترجیح دے۔ایک دن حضرت ابوعلی روزباری رحمہ اللہ سے سماع کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا اے کاش ہم مکمل طور پر اس سے نجات پالیتے۔حضرت ابوعثمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ سماع کا قائل ہے اور پھر وہ پرندوں کی آواز نہ سنے، دروازے کا چرچرانا نہ سنے اور ہوا کی سرسراہٹ نہ سنے تو فقر کا صرف دعویدار ہی ہوگا (خالی)۔حضرت جنید رحمہ اللہ کے مرید حضرت ابن زیری رحمہ اللہ ایک فاضل شیخ تھے کبھی کبھی محفل سماع میں آتے اچھا لگتا تو چادر ڈال کر بیٹھ جاتے اور یہ کہتے کہ صوفی اپنے دل کے ساتھ ہوتا ہے اور اگر سماع پسند نہ آتا تو یوں کہتے کہ سماع تو دل والوں کیلئے ہوتا ہے۔یہ کہہ کر جوتا اٹھاتے اور چلے جاتے۔

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وقيل :إِن دَاوُد عَلَيْهِ السَّلام كَانَ يستمع لقراءته الجن والإنس والطير والوحش إِذَا قرأ الزبور، وَكَانَ يحمل من مجلسه أربع مائة جنازة مِمَّن قَدْ مَات مِمَّن سمعوا قراءته.

ترجمہ: اور کہا گیا ہے :حضرت داؤد علیہ السلام جب زبور شریف پڑھا کرتے تو جن وانس، پرندے اور وحشی جانور آپ علیہ السلام کی قرأت سنا

کرتے اوران کی مجلس سے چارسو جنازے ان لوگوں کے اٹھتے جو آپ علیہ السلام کی قرأت سن کر جان جان آفریں کے سپرد کر دیتے۔[1]

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

سمعت الشيخ أبا عَبْد الرَّحْمَنِ السلمي يَقُول :سمعت مُحَمَّد بْن عَبْد اللَّهِ بْن عَبْد الْعَزِيز يَقُول :سمعت أبا عُمَر الأنماطي يَقُول :سمعت الجنيد يَقُول وَقَدْ سئل :مَا بال الإِنْسَان يَكُون هادئا فَإِذَا سمع السماع اضطرب؟ فَقَالَ :إِن اللَّهَ تَعَالَى لما خاطب الذر فِي الميثاق الأَوَّل بقوله :{أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى}(الأعراف، ۱۷۲)استفرغت عذوبة سماع الْكَلام الأرواح، فلما سمعوا السماع حركهم ذكر ذَلِك.

ترجمہ: میں نے شیخ عبدالرحمٰن السلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا کہ حضرت محمد بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ابوعمر الانماطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ کسی نے سید الطائفہ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سوال کیا کہ کیا بات ہے۔کہ انسان پرسکون ہوتا ہے، مگر جب سماع سنتا ہے تو بے قرار ہو جاتا ہے؟

سید الطائفہ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا! جب اللہ تعالیٰ نے پہلے میثاق کے وقت ذُرِّیَّتِ آدم علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہا (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں) اور انہوں نے جواب میں "بلیٰ" (کیوں نہیں) کہا۔تو اللہ تعالیٰ کے کلام کی مٹھاس نے تمام ارواح کو نکال لیا اور جب انہوں نے سماع سنا تو اس کے ذکر نے انہیں حرکت دی۔[2]

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

سمعت مُحَمَّد بْن الْحُسَيْن رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى يَقُول :سمعت عَبْد الْوَاحِد بْن بَكْر يَقُول :سمعت عَبْد اللَّهِ بْن عَبْد المجيد الصوفي يَقُول :سئل رويم عَن وجود الصوفية عِنْدَ السماع.فَقَالَ يشهدون المعاني الَّتِي تعزب عَن غيرهم فتشير إليهم إِلَى إلي فيتنعمون بِذَلِك من الفرح ثُمَّ يقطع الحجاب فيعود ذَلِك الفرح بكاء فمنهم من يخرق ثيابه وَمِنْهُم من يصيح وَمِنْهُم من يبكي كُل إِنْسَان عَلَى قدره۔

ترجمہ: اور میں نے محمد بن الحسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا کہ عبدالواحد بن بکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان سے کہا کہ عبداللہ بن المجید الصوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ کسی نے رویم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سماع کے وقت صوفیاء پر وجد طاری ہونے کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا! یہ لوگ ان کیفیات کا مشاہدہ کرتے ہیں جو اوروں سے بعید اور مخفی ہوتی ہیں اور ان کو اپنی طرف آنے کی دعوت دیتی ہیں۔لہٰذا یہ لوگ خوشی کے مارے اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔پھر حجاب اس سرور کو منقطع کر دیتا ہے۔تو یہ خوشی رونے میں بدل جاتی ہے۔چنانچہ بعض اپنے کپڑے پھاڑنے لگ جاتے ہیں، بعض چیختے ہیں اور بعض روتے ہیں۔ہر شخص اپنے اپنے مرتبے کیمطابق اس کیفیت سے دوچار ہوتا ہے۔[3]

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

وحكى أَحْمَد بْن مقاتل العكي.قَالَ :لما دَخَلَ ذو النون الْمِصْرِي بغداد اجتمع إِلَيْهِ الصوفية ومعهم قوال فاستأذنوه أَن يَقُول

---

[1] (الرسالۃ القشیریۃ، باب فی السماع، ص، ۱۸۲، دار السلام، القاہرہ)

[2] (الرسالۃ القشیریۃ، باب فی السماع، ص، ۱۸۳، دار السلام، القاہرہ)

[3] (الرسالہ القشیریۃ، باب فی السماع، ص، ۱۸۴، دار السلام، القاہرہ)

بَيْنَ يديه شَيْئًا فأذن فابتداء يَقُول:

صغير هواك عذبني		فكيف بِهِ إِذَا احتنك
وأنت جمعت من قلبي		هوى قَدْ كَانَ مشتركا
أما ترثي لمكتئب		إِذَا ضحك الخلي بكى

قَالَ :فقام ذو النون وسقط عَلَى وجهه والدم يقطر من جبينه ولا يسقط عَلَى الأَرْض۔

ترجمہ: حضرت احمد بن مقاتل عکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حکایت بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بغداد آئے تو صوفیاء اکٹھے ہوکر اُن کے پاس آئے ۔اُنکے ساتھ ایک قوال بھی تھا انھوں نے حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا کہ وہ قوال کو کچھ گیت گانے کی اجازت دیں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اجازت دیدی اور اس نے یہ گیت گانا شروع کیا۔

ترجمہ: تمہاری معمولی سی محبت نے مجھے عذاب میں مبتلا کر دیا۔اگر مجھ پر یہ غالب آجائے تو پھر کیا کیفیت ہوگی؟

تو نے میرے دل کی محبت کو جو دوسروں کے لئے بھی مشترک تھی اپنے لئے اکھٹا کرلیا۔

کیا تجھے اس غمناک پر رحم نہیں آتا جو روتا ہے جبکہ وہ لوگ جو عشق میں مبتلا نہیں ہیں ہنس رہے ہیں۔

احمد کہتے ہیں یہ سُن کر حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور منہ کے بل گر پڑے خون اُن کے سر سے ٹپک رہا تھا مگر زمین پر نہ گرتا تھا۔[1]

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

سمعت مُحَمَّد بْن أَحْمَد التميمي يَقُول :سمعت عَبْد اللهِ بْن عَلِي الصوفي يَقُول :سعت الرقي يَقُول :سمعت ابْن الجلاء يَقُول :كَانَ بالمغرب شيخان لهما أصحاب وتلامذة يقال لأحدهما :جبلة وللثاني :رزيق فزار رزيق يوما جبلة فِي أَصْحَابه فقر أرجل من أَصْحَاب رزيق شَيْئًا ,فصاح واحد من أَصْحَاب جبلة وَمَاتَ۔

ترجمہ: میں نے حضرت محمد بن احمد التمیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا کہ عبداللہ بن الصوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اُن سے کہا کہ الرقی نے کہ ابن الجلاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ مغرب میں دو شیخ تھے ۔دونوں کے مرید اور شاگرد تھے اُن میں سے ایک کا نام جبلہ اور دوسرے کا رزیق تھا ۔ایک بار رزیق اپنے مریدوں سمیت جبلہ کی زیارت کو آیا اور اُن کے کسی مرید نے کوئی چیز پڑھی جسے سُن کر جبلہ کے ایک مرید نے چیخ ماری اور مرگیا۔[2]

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

وسئل إِبْرَاهِيم المارستاني عَنِ الحركة عِنْدَ السماع؟ فَقَالَ :بلغني أَن مُوسَى عَلَيْهِ السَّلام قص فِي بَنِي إسرائيل فمزق واحد مِنْهُم قميصه فأوحى اللهَ تَعَالَى إِلَيْهِ قل لَهُ :مزق لي قلبك ولا تمزق ثيابك۔

---

[1] (الرسالۃ القشیریۃ، باب فی السماع، ص ۱۸۵، دارالسلام، القاہرہ، کتاب اللمع فی التصوف، ص ۴۸۱، روض الریاحین فی حکایات الصالحین، الحکایۃ الرابعۃ والثمانون بعد المئتین ص ۲۴۸، ۲۴۹، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (الرسالۃ القشیریۃ، باب فی السماع، ص ۱۸۵، دارالسلام، القاہرہ)

ترجمہ: کسی نے حضرت ابراہیم مارستانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سماع کے وقت حرکت کرنے کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے فرمایا! مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں قصّہ بیان کیا تو بنی اسرائیل کے ایک شخص نے اپنی قمیص پھاڑ ڈالی اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اس شخص سے کہو کہ میرے لئے اپنے دل کو پھاڑو کپڑوں کو نہ پھاڑو۔[1]

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

سمعت أبا حاتم السجستاني يَقُول :سمعت أبا نصر السراج يَقُول :سمعت عَبْد الْوَاحِد بْن علوان يَقُول :كَانَ شاب يصحب الجنيد فكان إِذَا سمع شَيْئًا من الذكر يزعق، فَقَالَ :لَهُ الجنيد يوما :إن فعلت ذاك مرة أُخْرَى لَمْ تصحبني فكان إِذَا سمع شَيْئًا يتغير ويضبط نَفْسه حَتَّى كَانَ يقطر كُل شعرة من بدنه بقطرة، فيوما من الأيام صاح صيحة تلفت نَفْسه.

ترجمہ: میں نے حضرت ابو حاتم السجستانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا کہ حضرت ابونصر سراج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان سے کہا کہ عبدالواحد بن علوان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ ایک نوجوان حضور سیدنا جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت میں رہا کرتا تھا، جب بھی وہ قرآن سنتا چیخ مارتا۔ ایک دن حضور سیدنا جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سے کہا! اگر تو نے پھر ایسا کیا تو تُو میری صحبت میں نہ رہ سکے گا۔ اب اگر کچھ سُنتا تو اسکی حالت بدل جاتی اور اپنے آپ پر قابو رکھتا۔ یہاں تک کہ اس کے بدن کے ہر بال سے قطرہ ٹپکتا تھا پھر ایک دن اس نے ایسی چیخ ماری کہ جان دے دی۔[2]

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں:

وحكي عن أبي سعيد الخراز قال :رأيت علي بن المرفق في السماع يقول :أقيموني، فاقاموه، فقام، وتواجد، ثم قال :أنا الشيخ الزفان.

وقيل :قام الرقيُّ ليلة إلى الصباح، يقوم. ويسقط على هذا البيت، والناس قيام يبكون، والبيت:

بالله فأردد فؤادي مكتئب ليس له من حبيبة خلف

ترجمہ: ابوسعید الخراز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حکایت ہے کہ میں نے علی بن موفق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ایک سماع میں دیکھا وہ کہہ رہے تھے مجھے کھڑا کردو۔ لوگوں نے انھیں کھڑا کردیا انھوں نے اُٹھ کر وجد کا اظہار کیا پھر کہا میں پھرتیلا بوڑھا ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ رقی نے ایک بار ساری رات اس طرح گزاری کہ وہ شعر پڑھتے اور اٹھتے اور گر پڑتے اور لوگ کھڑے رو رہے تھے۔

ترجمہ: خدا کے لئے اس غمزدہ کا دل واپس کردو جس کے لئے محبوب کا کوئی بدل نہیں ہوسکتا۔[3]

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

سمعت محمد بن أحمد التميمي يقول :سمعت عبد الله بن علي الصوفي يقول :سمعت علي بن الحسين بن محمد بن أحمد بالبصرة يقول :سمعت أبي يقول :خدمت سهل بن عبد الله سنين كثيرة، فما رأيته تغير عند سماع شيء كان يسمعه من الذكر والقرآن وغيره، فلما كان في آخر عمره قُرِئ بين يديه "فاليوم لا يؤخذ منكم فدية" رأيته تغير، وارتعد، وكاد يسقط، فلما

---

[1] (الرسالۃ القشیریۃ، باب فی السماع، ص ۱۸۵، ۱۸۶، دارالسلام، القاہرہ)

[2] (الرسالۃ القشیریۃ، باب فی السماع، ص ۱۸۶، دارالسلام، القاہرہ)

[3] (الرسالۃ القشیریۃ، باب فی السماع، ص ۱۸۷، دارالسلام، القاہرہ)

رجع إلى حال صحوه سألته عن ذلك، فقال يا حبيبي ضعفنا. وحكى ابن سالم قال :رأيته مرّة أخرى قرىء بين يديه الملك يومئذ الحق للرحمن فتغير وكاد يسقط،

ترجمہ: میں نے حضرت محمد بن احمد التمیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سنا عبداللہ بن علی الصوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان سے کہا کہ علی بن الحسین بن محمد بن احمد بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے باپ کو فرماتے سنا کہ میں نے کئی سال سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت کی مگر میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ذکرِ قرآن یا کسی اور چیز کے سُننے سے ان میں کوئی تغیّر پیدا ہوا ہو۔ جب اُن کا آخری وقت آیا تو کسی نے اُن کے سامنے پڑھا:

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ

ترجمہ: آج کے دن تم سے کسی قسم کا تاوان قبول نہ کیا جائے گا۔ (سورۃ الحدید ۱۵:)

تو میں نے دیکھا کہ ان میں تغیّر آگیا اور وہ کانپنے لگ گئے۔ اور قریب تھا کہ گر جائیں جب ہوش میں آئے تو میں نے اس متعلق دریافت کیا؟ تو فرمایا! دوست ہم کمزور ہو گئے ہیں۔ ابن سالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان کیا کہ ایک بار میں نے انھیں دیکھا کہ کسی نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی : الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَنِ۔

ترجمہ: فی الحقیقت اس دن حکومت اللہ کی ہوگی۔ (سورۃ الفرقان ۲۶:) تو اُن کا رنگ بدل گیا اور وہ گرنے لگے۔[1]

الامام عبدالوہاب بن احمد بن علی الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۷۳ھ) فرماتے ہیں۔

ومما من الله تبارک وتعالیٰ به علیّ: عدم مبادرتی بالإنكار على من قام وتواجد، ولو كان من الظلمة، أو لم يكن له به عادة، فقد يكشف الله تعالیٰ الحجاب عن بعض القلوب فنحن الیٰ وطنها الاول، فتتماويل كالشجرة التی كأنها تريد قلع عروقها من الأرض، وسمعت سيدی عليا الخواص رحمه الله تعالیٰ يقول :للمسماع أثر كبير فی ورود الحقائق، فان الله تعالیٰ قد كلف العبد الاكتساب بحواسه الخمس: السمع، والبصر، واللمس و الشم والذوق كما كلفه ايضا الاكتساب بحواسه الخمس الباطنة الخاصة باهل الكشف فاذا طهرت نفس السالک من الخبائث وحصل له تصريف من الله تعالیٰ كانت جوارحه كلها فعالة ونابت كل جارحة عن غيرها فيسمع بعينيه وينظر بأذنيه ويتكلم بعينيه ويسمع بهما ويتكلم باذنيه وهكذا فاياک ثم اياک والانكار لهذه الامور فقد تحرم الوصول اليها عقوبة لک على انكارک فعلم أن الله تعالیٰ لا يختص سماعهم بشئی فی الوجود دون شئی لأنه لكل كلمة فی الوجود او حركة من الحركات معنیٰ لطيف وسر رائق حتی أنهم يستمعون من هبوب الرياح وتمايل الاشجار وخرير الماء وطنين الذباب وصرير الأبواب ونغمات الأطيار وحس الأوتار وصفير المزمار وأنين المريض وصوت الحزين وصياح الصائح ونوح النائح مايحرک هممهم من غير تفاوت لهذه الامور بعضها عن بعض إلا من حيث موافقة الطباع فقط۔

وقد تكلم العلماء فی السماع كثيرا ومال بعضهم الى التحريم وحمله المحققون على أن من داخلته علة فی سماعه من هوس أو نفاق، وصنف الإمام الحافظ ابو الفضل محمد بن الطاهر بن علی المقدسی فی ذلک كتابا، ونقض اقوال من قال بالتحريم، وجرح النقلة للحديث الذی أوهم التحريم، وذكر من جرحهم من الحفاظ، واستدل على إباحة السماع واليراع والأوتار، بالأحاديث الصحيحة

---

[1] (الرسالۃ القشیریۃ، باب فی السماع، ص ۱۸۷، دار السلام، القاہرہ)

وجعل الدف سنة۔

قال الشيخ عبدالغفار القوصى رضى الله عنه :وقدقرأت ذلک على الحافظ شرف الدين الدمياطى وأجازنى به وجماعة من الحفاظ كأبى طاهر السلفى الاصبهانى بسماعه من المصنف،وقال :لافرق بين سماع الأوتار،وسماع صوت الهزار والبلبل،وكل طير حسن الصوت،كماأن صوت الطير مباح سماعه،فكذلک الأوتار،انتهىٰ۔

وقدقدمنافى هذه المنن الكلام على إباحة السماع فى مواضع ،كعندتلاوة القرآن ،وتغزلات القوم ،وأماسماع العود والطنبور وماشاكلهمافظاهر كلام الائمة الأربع،التحريم۔وسمعت أخى الشيخ أفضل الدين رحمه الله تعالىٰ يقول :الذى أراه أن السماع على ثلاثة أقسام :أحدهاماهو محرم ،كالاستماع من أرباب الأهوية المحرمة من عشاق النسوان ،والفتيان واستماعهم بالآلات المحرمات،وذلک لأن مثل ذلک يحرک دواعيهم إلى إرتكاب المحرمات فمثل ذلک يحرم على السامع والمستمع لأن مادعاإلى الحرام فهو حرام ومايتوصل إلى الحرام إلابه فهو حرام ،ثانيها:ماهو واجب كاستماع من اصطلمهم الحب فى الله تعالىٰ،وأقلقهم الشوق إلى لقائه وأزهقت أرواحهم من العطش وتقطعت قلوبهم على طلب القرب من حضرته،فإذاسمواذكر حبيبهم ،أوشيئامن جماله طارت قلوبهم إليه فجذبت اجسامهم بحكم التبعية والسماع على هذه النيات من أوجب الواجبات،ثالثها:ماهو مباح على أصله إذلم ترد فيه آية فى التحريم،ولاحديث صحيح۔

وسئل الشريف أبو محمد الهاشمى عن السماع ،فقال:ماأدرى ماأقول فيه،ولكنى حضرت فى دار شيخنا أبى الحسن التميمى،سنة سبعين وثلاثة مائة،وقدعمل دعوة ،دعافيهاأبو بكر الأبهرى شيخ المالكية،وأباالقاسم الداركى شيخ الشافعية،وطاهر بن الحسين شيخ الحديث وأباالحسن بن سمعون شيخ الوعاظ والزهاد،وابن مجاهدشيخ المتكلمين وأبابكر الباقلانى ،وأباالحسن شيخ الحنابلة،فقالوا لشخص حسن الصوت أسمعناشيئافأنشدلهم شعراً من جملته۔

خطت أناملهافى بطن قرطاس رسالة بعبير لابأنفاسى

أن زرفديتک لى من غير محتشم فإن حبک لى قدشاع فى الناس

فكان قولى لمن أدى رسالتها قف لى لأسعى على العينين والرأس

قال الشريف الهاشمى رضى الله عنه :فبعدأن رأيت هؤلاء الأشياخ يسمعون لايمكننى أن أفتى بمنع السماع ،فإن هؤلاء مشائخ العراق،حتى لوسقط السقف عليهم لم يبق فى العراق من يفتى فى حادثة،انتهى۔

وقدكان الشيخ عبدالرحيم القناوى،والشيخ أبواالحجاج الأقصرى،وغيرهمامن الرجال ،يستمعون ويهيجون كهيجان الجمال،ويصير أحدهم يقول :ياحبيبى ياحبيبى،وهو دائر لايشعر بأحدمن الخلق،انتهى۔

وقدقدمت أن بين كل محب ومحبوب علاقة تجذب قلب كل محب إلى محبوبه،وفى تعشق الأشجار بعضهابعض،ولقاح النخل وجذب المغناطيس للحديد،آية دالة على إباحة السماع۔

وبلغناأن لكل شئى مغناطيساًيجذبه ،وأن للفضة مغناطيساً،وللذهب مغناطيساً،وللماء مغناطيسا،حتى أنهم ذكرواأن مغناطيس الماءإذاكان معلقاًفى حيال الماء الذى يجعلونه فى الانائيتصعدالماء إليه،حتى أنهم يزنونه قبل أن يتصاعدفإذاتصاعدإليه وجدواالحجر قدزادقدر الماء،وبلغناعن الشيخ عزالدين بن عبدالسلام :أنه كان إذاسمع شيئامن أشعارالقوم يهتزويتواجد،وكذلک سيدى عمر بن الفارض وكانوايقولون كل سماع لايحضره سيدى عمر لايطيب،ودخل سيدى عمر مرة

مکاناًفیه سماع، وهو مقبوض ،فماانبسط أحدفی المجلس،فقال القوال لصاحب الولیمة :أعطنی دیناراً وأناأبسط لک سیدی عمر،فأعطاه دیناراً،فأنشدبقول:

لی بالحجاز بقیة خلفتها أودعتهایوم الفراق دموعی

فقام الشیخ عمر بن الفارض ،وتواجدوطاب المجلس وصاروا کلهم یتمایلون،انتهیٰ۔

ترجمہ: احسان خداوندی- وجد کا انکار کرنے میں جلدی نہ کرنا:

میں اس شخص پر انکار کرنے میں جلدی نہیں کرتا جو کہ کھڑا ہو کر وجد کرنے لگے۔ گرچہ ظالموں میں سے ہو یا اسے اس کی عادت نہ ہو۔ پس کبھی اللہ تعالیٰ بعض کے قلوب سے حجاب کھول دیتا ہے تو وہ اپنے وطن اول کی طرف مشتاق ہوتے ہیں۔ پس جھومتے ہیں اس درخت کی طرح جس کی جڑیں تو زمین سے اکھاڑنا چاہتا ہے۔

سماع کے متعلق علی الخواص کا کلام:

اور میں نے سیدی علی الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ کو فرماتے ہوئے سنا کہ سماع کا، ورود حقائق میں بڑا اثر ہے پس بیشک اللہ تعالیٰ نے بندے کو اس کے حواس خمسہ کان، آنکھ، مس کرنے، سونگھنے اور چکھنے کے ساتھ کسب کا مکلف فرمایا ہے۔ جس طرح کہ اسے اس کے باطنی حواس خمسہ سے بھی کسب کا مکلف فرمایا ہے جو کہ اہل کشف کے ساتھ خاص ہیں تو جب نفس سالک خبائث سے پاک ہو جاتا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے تو اس کے اعضاء سب کے سب فعال ہو جاتے ہیں اور ہر عضو دوسرے کا نائب ہو جاتا ہے پس وہ اپنی آنکھوں سے سنتا ہے کانوں سے دیکھتا ہے آنکھوں سے کلام کرتا ہے اور ان سے سنتا ہے اور اپنے کانوں سے کلام کرتا ہے اور اسی طرح پرحذر رہ۔ پھر پرہیز کر کہ ان امور کا انکار کرے۔ پس بسا اوقات تو ان تک رسائی سے اس انکار کی وجہ سے محروم رہ جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اہل اللہ کا سننا وجود کی کسی ایک چیز کے ساتھ نہ کہ دوسری چیز کے ساتھ خاص نہیں ہوتا کیونکہ وجود کے ہر کلمہ یا حرکات میں سے حرکت میں ایک لطیف معنیٰ اور ایک خالص راز ہے حتیٰ کہ یہ حضرات ہواؤں کے چلنے، درختوں کے جھومنے، پانی کے خروش، مکھیوں کی بھنبھناہٹ، دروازوں کے چرچرانے، پرندوں کے نغموں، تار کی حس، آلہ موسیقی کی آواز، بیمار کے کراہنے، غمگین کے رونے، چیخنے والے کی چیخ اور نوحہ کرنے والی کی آواز سے وہ کچھ سنتے ہیں جو ان کی ہمتوں کو ان امور کے بعض سے بعض متفاوت ہوئے بغیر تحریک دیتا ہے مگر صرف موافقت طباع کی حیثیت سے۔ اور علماء نے سماع میں بہت گفتگو کی ہے۔ اور ان میں بعض تحریم کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ اور محققین نے اسے اس امر پر محمول فرمایا ہے کہ جس کے سماع میں ہوس یا نفاق کی علت مداخلت کرے اور امام حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی المقدسی نے اس بارے میں ایک کتاب تصنیف فرمائی ہے اور جنہوں نے تحریم کا قول کیا ان کے اقوال کو توڑا اور جس حدیث سے تحریم کا وہم ہوتا ہے اس کے ناقلین پر جرح کی اور ان حفاظ کا ذکر فرمایا جنہوں نے ان پر جرح کی اور سماع، مرلی، دف اور سارنگی کی اباحت پر احادیث صحیحہ کے ساتھ استدلال کیا اور دف کو سنت قرار دیا۔

شیخ عبدالغفار القوصی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حافظ شرف الدین الدمیانی پر اس کی قرأت کی اور آپ نے مجھے اس کی اجازت دی اور حفاظ کی جماعت سے ابوطاہر سلفی اصبہانی جیسے حضرات نے مصنف سے اس کا سماع کر کے۔ اور فرمایا کہ سرنگی کے سماع اور بلبل اور ہر اچھی آواز والے پرندے کی آواز کے سماع میں کوئی فرق نہیں۔ پس جس طرح پرندے کی آواز کا سماع مباح ہے اسی طرح سرنگی ہے۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے پہلے ان احسانات کے بیان میں کئی مقامات پر سماع کی اباحت پر کلام کیا ہے جیسے تلاوت قرآن کریم کے وقت اور قوم کے تغزلات کے وقت۔ رہا عود اور طنبور کا سماع تو چاروں آئمہ کے کلام کا ظاہر تحریم ہے۔

سماع کی تین قسمیں:

اور میں نے اپنے بھائی شیخ افضل الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ سماع کی تین قسمیں ہیں ایک تو وہ ہے جو حرام ہے جیسے حرام خواہشات والوں کا سماع جو کہ عورتوں کے عاشق اور نوجوان ہیں اور ان کا سننا حرام آلات کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ اس لئے کہ ایسا سماع انہیں ارتکاب محرمات کی تحریک دیتا ہے تو ایسا سماع حرام ہے سامع پر اور سنانے والے پر۔ کیونکہ جو حرام کی طرف دعوت دے وہ حرام ہے اور جس کے بغیر حرام تک رسائی نہیں ہوسکتی وہ حرام ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو واجب ہے اور یہ سماع ان کا ہے جنہیں الحب فی اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا ہو اس کے شوق ملاقات نے انہیں بے چین کر دیا ہو، ان کی ارواح پیاس سے مضمحل اور ان کے قلوب اس کی بارگاہ کے قرب کی طلب میں ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہوں۔ پس جب وہ اپنے محبوب کا ذکر سنیں یا اس کے جمال کا کچھ تذکرہ کریں تو ان کے قلوب اس کی طرف اڑتے ہیں۔ پس وہ اپنے اجسام کو بتکلم تبع جذب کرتے ہیں اور ان نیات پر سماع واجبات میں سب سے اہم ہے تیسری قسم وہ ہے جو کہ اپنے اصل پر مباح ہے کیونکہ نہ اس کی حرمت پر کوئی آیت وارد ہوئی ہے اور نہ ہی کوئی حدیث صحیح۔

اجتماع مشائخ اور محفل سماع:

اور الشریف ابو محمد الہاشمی سے سماع کے متعلق پوچھا گیا تو فرمانے لگے کہ میں نہیں جانتا اس کے متعلق کیا کہوں لیکن میں تین سو ستر ہجری میں اپنے شیخ ابو الحسن التمیمی کے گھر حاضر ہوا جب کہ آپ نے ایک دعوت کا اہتمام کیا تھا جس میں شیخ مالکیہ ابو بکر الابہری شیخ شافعیہ ابو القاسم الدار کی شیخ الحدیث طاہر بن الحسین شیخ الوعاظ والزھاد ابو الحسن بن سمعون شیخ المتکلمین ابن مجاہد ابو بکر الباقلانی اور شیخ حنابلہ ابو الحسن مدعو تھے پس انہوں نے ایک خوش آواز شخص سے فرمایا کہ ہمیں کچھ سناؤ تو اس نے انہیں درج ذیل چند اشعار سنائے۔ اس کی انگلیوں نے کاغذ میں خوشبو کے ساتھ پیغام لکھا نہ کہ سانسوں کے ساتھ کہ زیارت کر میرے بدلے تیرا فدیہ گراں قدر نہیں پس میرے ساتھ تیری محبت لوگوں میں مشہور ہو چکی تو جس نے مجھے اس کا پیغام پہنچایا اس سے میرا کہنا یہ تھا کہ رک جاتا کہ میں سر کی آنکھوں کے بل چلوں شریف ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کہ میں نے ان مشائخ کو سنتے ہوئے دیکھا میرے لیے ممکن ہی نہیں کہ سماع کے ممنوع ہونے کا فتویٰ دوں کیونکہ یہ حضرات عراق کے وہ مشائخ ہیں کہ اگر ان پر چھت گر پڑے تو عراق میں کسی حادثہ کے متعلق فتویٰ دینے والا باقی نہیں رہے گا۔

اور شیخ عبد الکریم القناوی، شیخ ابو الحجاج الاقصری اور ان جیسے رجال سماع سے مستفید ہوتے اور اونٹ کی طرح حرکت کرتے اور ان میں کوئی کہنے لگتا یا حبیبی یا حبیبی اور وہ جھوم رہا ہوتا مخلوق میں سے کسی کا شعور تک نہ ہوتا اور میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ہر محب اور محبوب میں ایک تعلق ہے جو کہ ہر محب کو اس کے محبوب کی طرف کھینچتا ہے اور درختوں کے ایک دوسرے کی طرف کھنچنے، درخت خرما کا بار دار ہونا اور مقناطیس کا لوہے کو کھینچنا سماع کے مباح ہونے پر دلالت کرنے والی نشانی ہے۔

اور ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ ہر چیز کیلئے ایک مقناطیس ہے جو اسے کھینچتا ہے اور چاندی کیلئے ایک مقناطیس ہے اس طرح سونے کیلئے اور پانی کیلئے مقناطیس ہے حتیٰ کہ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ پانی کا مقناطیس جب پانی بالکل بامقابل معلق ہو جسے برتن میں رکھتے ہیں تو پانی اس کی طرف اوپر چڑھنے لگتا ہے حتیٰ کہ اوپر چڑھنے سے پہلے وزن کرتے ہیں پس جب اس طرف اوپر چڑھے تو پانی کی مقدار میں اضافہ کرتے ہیں۔

اور ہمیں شیخ عز الدین بن عبد السلام سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ جب قوم کے اشعار سنتے تو حرکت کرتے اور وجد کرتے اور اسی طرح سیدی عمر بن الفارض اور لوگ کہا کرتے تھے کہ جس سماع میں عمر بن الفارض کی حاضری نہ ہو وہ خوش گوار نہیں ہوتا ایک دن سیدی عمر ایک مکان میں داخل ہوئے جس میں محفل سماع تھی آپ کیفیت قبض میں تھے پس مجلس میں کسی کو بسط کا شرف حاصل نہ ہوا قوال نے صاحب دعوت سے کہا کہ مجھے ایک دینار عطا کریں میں آپ کے سیدی عمر کو بسط میں لاتا ہوں اس نے قوال کو دینار عطا کیا اس نے یہ شعر پڑھا۔

بالحجاز بقية خلفتها　　اودعتها يوم الفراق دموع

''حجاز میں میرا بقایا ہے جو میں نے پیچھے چھوڑا ہے میں نے جدائی کے دن کیلئے اپنے آنسو وہاں ودیعت رکھے ہیں۔'' پس شیخ عمر بن الفارض وجد کناں کھڑے ہو گئے مجلس پر ذوق ہو گئی اور سب کے سب جھومنے لگے۔[1]

شیخ ابونصر عبداللہ بن علی سراج طوسی اور امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

سمعت أحمد بن علي الكرخي العروف بلوجيهي يقول :كان جماعة من الصوفية مستجمعين في بيت الحسن القزّاز، وعندهم قوالون يقولون، وهم يتواجدون۔

ترجمہ: میں نے حضرت احمد بن علی کرخی المعروف بلوجیہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فرماتے سنا کہ صوفیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی ایک جماعت حسن قزاز کے گھر جمع ہوتی تھی، اور ان کے پاس قوال بھی ہوتے تھے، قوال گاتے جاتے تھے اور وہ وجد کرتے جارتے تھے۔[2]

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

وقيل السماع فِيهِ نصيب لكل عضو فَمَا يقع إِلَى العين تبكي وَمَا يقع إِلَى اللسان يصيح، وَمَا يقع عَلَى اليد تمزق الثياب وتلطم، وَمَا يقع إِلَى الرجل ترقص.

ترجمہ: کہتے ہیں کہ سماع میں ہر عنصر اپنا حصّہ حاصل کرتا ہے۔ آنکھ کو جو حصّہ ملتا ہے آنکھ رونے لگ جاتی ہے، جو زبان کو ملتا ہے اس سے زبان چلّانے لگ جاتی ہے جو ہاتھ کو ملتا ہے تو ہاتھ اس کی وجہ سے کپڑے پھاڑنے اور تھپڑ مارنے لگتے ہیں اور جو پاؤں کو ملتا ہے اس سے پاؤں ناچنے لگ جاتے ہیں۔[3]

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

سمعت مُحَمَّد بْن الْحُسَيْن يَقُول :سمعت عَبْد اللهِ بْن عَلِي يَقُول :اجتمعت ليلة مَعَ الشبلي رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى. فَقَالَ :القوال شَيْئًا فصاح الشبلي وتواجد قاعدا، فقيل لَهُ :يا أبا بَكْر مَالِك من بَيْنَ الْجَمَاعَة قاعدا فقام وتواجد. وَقَالَ لي سكرتان وللندمان واحدة شَيْء خصصت بِهِ من بينهم وحدي۔[4]

حجۃ الاسلام امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی طوسی، شافعی، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

وحكي عن طاهر بن بلال الهمداني الوراق وكان من أهل العلم أنه قال كنت معتكفاً في جامع جدّة على البحر فرأيت يوماً طائفة يقولون في جانب منه قولاً ويستمعون فأنكرت ذلك بقلبي وقلت في بيت من بيوت الله يقولون الشعر قال فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم تلك الليلة وهو جالس في تلك الناحية والى جنبه أبو بكر الصديق رضي الله عنه وإذا أبو بكر يقول شيئاً من القول والنبي صلى الله عليه وسلم يستمع إليه ويضع يده على صدره كالواجد بذلك فقلت في نفسي ما كان ينبغي لي أن أنكر على

---

[1] (المنن الکبریٰ ص ۵۳۴)

[2] (اللمع فی تاریخ التصوف الاسلامی، کتاب السماع، باب فی وصف خصوص الخصوص واہل الکمال فی السماع ص ۲۵۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الرسالۃ القشیریۃ، باب فی السماع ص ۱۸۷، دار السلام، القاہرہ،) کتاب اللمع فی التصوف ص ۴۸۶)

[3] (الرسالۃ القشیریۃ، باب فی السماع ص ۱۸۸، دار السلام، القاہرہ)

[4] (الرسالۃ القشیریۃ، باب فی السماع ص ۱۸۹، دار السلام، القاہرہ)

أولئك الذين كانوا يستمعون وهذا رسول الله صلى الله عليه وسلم يستمع وابو بكر يقول فالتفت إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهَ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وقال هذا حق بحق أو قال حق من حق أنا أشك فيه۔

ترجمہ: حضرت طاہر بن بلال ہمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حکایت نقل کرتے ہیں جو کہ اہل علم سے تھے۔آپ نے فرمایا کہ میں جامع جدہ میں معتکف (اعتکاف) میں تھا سمندر کے کنارے،تو میں نے دیکھا کہ ایک گروہ مسجد کے کونہ میں کچھ گا رہا ہے۔پس میں نے دل میں خیال کیا کہ یہ لوگ اللہ کے گھر میں شعر پڑھتے ہیں۔تو میں نے اس کو اچھا نہ سمجھا،فرماتے ہیں کہ اسی رات میں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ اسی کونے میں تشریف فرما ہیں اور آپ ﷺ کے پاس حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی ہیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کچھ شعر پڑھ رہے ہیں اور سید عالم ﷺ سن رہے ہیں اور آپ ﷺ اپنا ہاتھ مبارک وجد کی طرح اپنے سینہ بے کینہ پر رکھتے ہیں۔یعنی وجد میں ہیں پس میری طرف حضور انور ﷺ نے مخاطب ہو کر فرمایا کہ درست ہے حق کے بموجب (سبب) یعنی شعر سنکر وجد کرنا حق ہے،تو نے اپنے جی (دل) میں کیوں اس سے انکار کیا۔[1]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی طوسی،شافعی،قدس سرہ،لکھتے ہیں:

فإن قلت فما بال هؤلاء لا يظهر وجدهم عند سماع القرآن وهو كلام الله ويظهر عند الغناء وهو كلام الشعراء فلو كان ذلك حقاً من لطف الله تعالى ولم يكن باطلاً من غرور الشيطان لكان القرآن أولى به من الغناء فنقول الوجد الحق هو ما ينشأ من فرط حب الله تعالى وصدق إرادته والشوق إلى لقائه وذلك يهيج بسماع القرآن أيضاً۔

وإنما الذي لا يهيج بسماع القرآن حب الخلق وعشق المخلوق ويدل على ذلك قوله تعالى {ألا بذكر الله تطمئن القلوب} وقوله تعالى {مثاني تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم وقلوبهم إلى ذكر الله} وكل ما يوجد عقيب السماع في النفس فهو وجد فالطمأنينة والاقشعرار والخشية ولين القلب كل ذلك وجد وقد قال الله تعالى {إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللهُ وَجِلَتْ قلوبهم} وقال تعالى {لو أنزلنا هذا القرآن على جبل لرأيته خاشعاً متصدعاً من خشية الله} فالوجل والخشوع وجد من قبيل الأحوال وإن لم يكن من قبيل المكاشفات ولكن قد يصير سبباً للمكاشفات والتنبيهات ولهذا قال صلى الله عليه وسلم زينوا القرآن بأصواتكم۔

سوال: صوفیہ کو قرآن مجید سننے سے (جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے) وجد نہیں ہوتا اور راگ پر وجد ہوتا ہے اگر بالفرض وجد اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ہوتا اور حق ہوتا اور شیطان کے فریب سے اور باطل نہ ہوتا تو چاہئے تھا کہ راگ کی بہ نسبت قرآن مجید سے بطریق اولیٰ وجد ہوا کرتا؟

جواب: یہ جو وجد حق ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی فرط محبت اور صدق ارادت اور اس کے شوق دیدار سے پیدا ہوتا ہے اور اس طرح کا وجد قرآن مجید کے سننے سے بھی جوش کرتا ہے۔اور جو وجد کہ خلق کی محبت اور مخلوق کے عشق سے ہوا کرتا ہے وہ البتہ قرآن مجید کے سننے سے جوش میں نہیں آتا۔

قرآن مجید سے وجد ہونے پر خود قرآن گواہ ہے۔کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] (احیاء العلوم،کتاب آداب السماع والوجد،الباب الاول،ج،۲،ص،۳۸۱،المکتبۃ التوفیقیۃ،القاہرہ،عوارف المعارف ص ۱۱۰،الباب الثانی والعشرون فی القول فی السماع قبولاً وایثاراً،دار الکتب العلمیہ،بیروت)

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ۔

ترجمہ :خبردار!اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔(سورۃ الرعد ۲۸:)

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ۔

ترجمہ:۔یہ کتاب ہے دہرائی ہوئی بال کھڑے ہوتے ہیں اس سے کھال پر ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے پھر نرم ہوتی ہیں ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی یاد پر۔(سورۃ الزمر ۲۳:)

طمانیت اور بدن پر بالوں کا کھڑا ہو جانا اور خوف اور دل کی نرمی جو ان آیات میں مذکور ہیں وہ وجد ہی تو ہے اس لئے کہ وجد وہی ہوتا ہے جو سننے کے بعد نفس میں پایا جائے۔

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ۔

ترجمہ :ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ کو یاد کیا جائے ان کے دل ڈر جائیں۔(سورۃ الانفال ۲:)

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ۔

ترجمہ :اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے۔(سورۃ الحشر ۲۱:)

فائدہ:ان آیات میں حالات کے قبیل سے خوف اور خشوع وجد ہے اگرچہ مکاشفات کے قبیل سے نہیں مگر کبھی مکاشفات اور تنبیہات کا سبب ہو جاتا ہے۔حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا : قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو۔[1]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی طوسی، شافعی، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

وذكر أن سلمان الفارسي أبصر شاباً يقرأ فأتى على آية فاقشعر جلده فأحبه سلمان وفقده فسأل عنه فقيل له إنه مريض فأتاه يعوده فإذا هو في الموت فقال يا عبد الله أرأيت تلك القشعريرة التي كانت بي فإنها أتتني في أحسن صورة فأخبرتني أن الله قد غفر لي بها كل ذنب۔

ترجمہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی جوان کو تلاوت کرتے دیکھا اور جب وہ ایک آیت پر پہنچا تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سے محبت ہوگئی چند روز اسے نہ دیکھا تو لوگوں سے اس کا حال معلوم کیا کسی نے کہا کہ بیمار ہے آپ رضی اللہ عنہ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے تو وہ نزع میں تھے اس نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ وہ کیفیت وجد جو کہ آپ نے میرے جسم پر ملاحظہ فرمائی تھی وہ اچھی صورت بن کر میرے پاس آئی اور مجھ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے تمام گناہ بخش دیئے۔[2]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی طوسی، شافعی، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

---

[1] (احیاء العلوم، کتاب آدب السماع والوجد، الباب الثانی المقام الثانی، ج، ۲، ص، ۴۱۸، ص ۵۲۴ المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہرہ)

[2] (احیاء العلوم، کتاب آدب السماع والوجد، الباب الثانی المقام الثانی، ج، ۲، ص، ۴۲۱، المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہرہ)

وأما تمزيق الثياب فلا رخصة فيه إلا عند خروج الأمر عن الاختيار ولا يبعد أن يغلب الوجد بحيث يمزق ثوبه وهو لا يدري لغلبة سكر الوجد عليه أو يدري ولكن يكون كالمضطر الذي لا يقدر على ضبط نفسه وتكون صورته صورة المكره إذ يكون له في الحركة أو التمزيق متنفس فيضطر إليه اضطرار المريض إلى الأنين ولو كلف الصبر عنه لم يقدر عليه مع أنه فعل اختياري فليس كل فعل حصوله بالإرادة يقدر الإنسان على تركه فالتنفس فعل يحصل بالإرادة ولو كلف الإنسان أن يمسك النفس ساعة لاضطر من باطنه إلى أن يختار التنفس فكذلك الزعقة وتمزيق الثياب قد يكون كذلك فهذا لا يوصف بالتحريم۔

ترجمہ: اور رہا وجد میں کپڑوں کو پھاڑنا تو اس کی اجازت نہیں ۔مگر اس صورت میں کہ انسان اپنے اختیار میں نہ رہے اور یہ بھی بعید نہیں کہ دل پر وجد کا غلبہ اس درجہ کا ہو کہ وہ اپنے کپڑے پھاڑ دے اور وجد کے نشہ میں معلوم نہ ہو یا معلوم بھی ہو مگر اس کی حالت اس بے قرار و مضطر شخص کی طرح ہو جو اپنے نفس کو کنٹرول کرنے پر قادر نہ ہو تو اس کا حال ایسا ہو گا جیسے زبردستی کسی سے کوئی کام لیا جائے۔کیونکہ وہ تو تڑپنے اور کپڑے پھاڑنے میں بچاؤ کی صورت دیکھ کر مجبوری سے اختیار کرتا ہے جیسے بیمار آہ مجبوری سے کرتا ہے اگر کوئی اس کو بزور آہ سے روکے تو ہرگز اس سے بالکل صبر نہ ہو سکے گا باوجود یکہ فعل اختیاری ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ جن افعال کا حصول ارادہ سے ہو انسان اس کے ترک پر قادر بھی ہو مثلا سانس لینا بھی ارادہ سے حاصل ہوتا ہے لیکن اگر کسی سے کہا جائے کہ ایک گھنٹہ سانس روک لے تو وہ گھبرا کر سانس لینا اختیار کرے گا یہی حال چیخنے اور کپڑا پھاڑنے کا ہے کہ یہ بھی کبھی ایسے ہی ہوتے ہیں تو اسے حرام نہیں کہہ سکتے۔[1]

محقق علی الاطلاق، شیخ عبد الحق حنفی نقشبندی محدث دہلوی، قدس سرہ،، لکھتے ہیں:

شرح : معارف آگاہی حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس قاعدے میں صحیح اور فاسد حال اور وجد کی علامات اور نشانیاں بیان کی ہیں فرماتے ہیں کہ اگر وجد والے کو اس کے وجد میں کوئی ایسا معنی حاصل ہو جو اسے ظاہری اعضاء یا دلوں کے اعمال کا فائدہ مند علم اور معرفت دے یا ایسا حال اور صفت دے جو سیر وسلوک میں اس کے لئے مفید ہو۔اس کے ساتھ ہی اسے آرام اور لیٹنے کی طرف میلان محسوس ہو تو اس کا وجد حقیقی اور معنوی ہے۔کیونکہ وہ اس وجد سے اپنے مقصد میں فائدہ حاصل کرتا ہے۔اگر اس کی توجہ کلام موزوں اور اچھی آوازوں کی طرف ہے اور اسے کوئی ایسا مطلب حاصل نہیں ہوتا جو علم، عمل یا حال کا فائدہ دے تو یہ سماع اور وجد طبعی ہے۔آواز کی دلکشی، عمدگی اور باقی حواس کی لذت آفریں چیزوں کی طرف طبیعت کو اس آواز کا سننا اچھا لگتا ہے اس طرح نغمہ اور ترنم روح حیوانی کو متاثر کر جاتا ہے۔ترنم کی اصل تاثیر روح حیوانی میں ہے معارف آگاہی حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ نغمہ اور ترنم کی اصل اور بالذات تاثیر روح حیوانی میں ہے روحِ انسانی اس سے منزہ ہے اس کی شان صرف محویت، استغراق اور علم ومعرفت ہے یا اس سے ملتے جلتے الفاظ فرمائے۔بعض ارباب سماع ووجدان نے فرمایا کہ مطلب کا سمجھنا اور اس کا استنباط مریدین کے سماع کا حصہ ہے منتہی کا ذوق اور وجد نفس آواز سے ہے۔اس کی ذات میں حق کی جلوہ گری ہوتی ہے نہ تو معانی کا فہم اس کی ذات میں جلوہ گر ہوتا ہے اور نہ ہی اشعار اور منظوم کلام سے سمجھا جانے والا مطلب۔اور اگر وجد والا کلام موزوں اور آواز کی تاثیر سے محض حرکت پاتا ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں تو یہ وجد شیطانی ہے۔یہ حکم اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے ماخوذ ہے:

وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ۔

---

[1] (احیاء العلوم، کتاب آدب السماع والوجد، الباب الثانی المقام الثانی، ج۲، ص۴۲۹، المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہرہ)

ترجمہ: (شیطان کو فرمایا) اور ڈگمگا دے ان میں جس کو تو ڈگمگا سکتا ہے اپنی آواز سے۔ (سورۂ بنی اسرائیل، ۶۴)
خصوصاً! سننے والے کو اضطراب اور جھنجھناہٹ لاحق ہو اور جسم میں آگ کا شعلہ سا لپک جائے (اَلشِّنَّۃُ، شین کے نیچے زیر اور نون مشدد، پانی کا پھینکنا اور اس کا بکھیر دینا) کیونکہ شیطان انسانوں پر اپنا شر پھینک دیتا ہے۔ آگ کے شعلے کا شیطان سے ہونا ظاہر ہے۔ جب سماع میں یہ معاملہ ہے کہ کبھی اس کا تعلق حقیقت سے ہوتا ہے کبھی طبیعت سے اور کبھی شیطان سے۔ تو اس کی تحقیق اور فرق کرنا ضروری ہے اور اگر فرق نہ ہو سکے (کہ کونسا وجد حقیقی ہے اور کونسا طبعی اور شیطانی؟) اور فرق کرنا ہے بھی مشکل۔ تو اس کے سبب سماع کا ترک کرنا سلامتی کے طالب ہر دیندار کے لئے اولیٰ اور افضل ہے۔ [1]
محقق علی الاطلاق، شیخ عبدالحق حنفی نقشبندی محدث دہلوی، قدس سرہ،، لکھتے ہیں:
اسی قسم سے رقص وغیرہ ہے مثلاً کپڑوں کا پھاڑنا، سینے پر ہاتھ مارنا، زمین پر گر جانا اور لوٹ پوٹ ہونا جو شخص کسی طرح بھی شریعت کی مخالفت کا ارادہ نہ کرے اور جو کچھ وہ کرے اس کے علاوہ کچھ کرنا اس کے بس میں نہ ہو۔ بلکہ اس سے غیر اختیاری طور پر افعال سرزد ہوں۔ اس کی حرکتیں (رقاصاؤں کی طرح) منضبط نہ ہوں تو وہ معذور ہے اور معذور پر نہ مؤاخذہ ہے اور نہ ہی عتاب ہے۔ [2]
معارف آگاہی مولانا جلال الدین، رومی، بلخی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۶۷۲ھ، لکھتے ہیں:

جملہ در خشکی چو ماہی مے طپند　　آپ را بکشا ز جو بردار بند

ترجمہ: سب کے سب یوں تڑپ رہے ہیں جس طرح خشکی میں مچھلی (خدا کے لئے) نہر سے بند اٹھا دو (اور) پانی کھول دو۔ [3]
حضرت شیخ المشائخ خواجہ نجم الدین کبریٰ، قدس سرہ،، لکھتے ہیں:
اور حالت اور وجد والوں کی طرف نیاز کی نگاہوں سے دیکھے۔ اور ان کے پاس جا کر تواضع کرے۔ [4]
حضرت علامہ سید محمد ہاشم کشمی، برہانپوری نقشبندی مجددی، قدس سرہ،، لکھتے ہیں:
طریق آن حضرت قدس اللہ سرہٗ العزیز آن بود کہ ہر کرامی پذیر فتند نخست توبہ اش میدادند و اگر عشق و محبت آن طالب را نجود بسیار میدیدند بطریق رابطۂ و نگاہداشت صورت خود بحقیقت جامعہ اش امر میکر دند و بسیار کشایش دی را ازین احضار و نگاہداشت صورت شریف پدیدار میگشت خواجۂ برہان نام از خواجہ ہای دھنیدی کہ از اکابر خود نسبہتا و اجازتہا یافتہ بود بخدمت ایشان رسیدو طلب افادہ و افاضہ نمودہ ایشان وے را بہ نگاہداشت صورت خود دلالت نمودند و وے در تعجُّب رفت و بامحرمان خود گفت این شغل مناسب حال جمعی ست کہ اول قدم درین راہ نہادہ باشند مرا ایشان کرم نمودہ بمراقبہ عالی تر از ان اشارہ نمایند دو ستانش گفتند امتثال امر باید نمود و از فضول احتراز فرمود چون عقیدتش درست بود نا چار بہ نگاہداشت صورت مبارک پر داخت دوروزی رفتہ بود کہ آن صورت اور افر و گرفت و نسبت عظیم بروی استیلا نمود تا غلبہ سکرش بجای رسید کہ باوجود تمکین و کبر سن مقدار دو ذراع از زمین می جست و ہر سوی خود را بدیوار و اشجار میزد تا آنکہ چند تن کہ از جوانان وی را گرفتہ بودند قوت شان بہ نگاہداشت ادو فانمی کرد

---

[1] (فقہ وتصوف، ص ۱۷۹)
[2] (فقہ وتصوف، ص، ۱۷۸)
[3] (مفتاح العلوم، دفتر اول، ص، ۲۴۳)
[4] (مرصاد العباد، ص، ۱۷۱، لاہور)

تادیدانچه دید۔

ترجمہ: قطب الاقطاب سیدنا حضرت خواجہ رضی الدین باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا طریقہ یہ تھا کہ جس شخص کو بیعت کیلئے قبول فرماتے تو پہلے اس سے توبہ کراتے اور اگر اس طالب میں عشق ومحبت کا جذبہ زیادہ دیکھتے تو اسے رابطہ اور نگہداشت کے طریقہ پر اپنی صورت کا بہ حقیقت جامعہ امر فرماتے اس طرح یعنی اس احضار اور نگہداشت صورت (تصور شیخ) سے طالب کو بہت کچھ کشائش حاصل ہوتی ۔ چنانچہ حضرت خواجہ برہان جو خواجگان دہبیدی میں سے تھے اور اپنے بزرگوں سے نسبت اور اجازت حاصل کئے ہوئے تھے ۔آپ (قطب الاقطاب سیدنا حضرت خواجہ رضی الدین باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی خدمت میں آئے اور آپ (قطب الاقطاب سیدنا حضرت خواجہ رضی الدین باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے مستفیض ہونے کے خواہش مند ہوئے ۔آپ (قطب الاقطاب سیدنا حضرت خواجہ رضی الدین باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے ان کو نگاہ داشت صورت (یعنی تصور شیخ) کیلئے ارشاد فرمایا وہ سخت متعجب ہوئے اور اپنے رفیقوں سے کہنے لگے کہ یہ طریقہ تو ان لوگوں کیلئے مناسب ہے جو اس راہ میں پہلے پہل قدم رکھے ۔ حضرت کرم فرما کر مراقبہ اعلیٰ کیلئے ارشاد فرمادیں تو بہتر ہوتا۔ان کے دوستوں نے کہا جو کچھ حکم ہوا ہے ۔اس کی تعمیل چاہیے اور خواہ مخواہ کی فضول باتوں سے احتراز کرنا چاہیے ۔چونکہ ان (حضرت خواجہ برہان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی عقیدت درست تھی اس لئے وہ نگہداشت صورت شریفہ میں مشغول ہو گئے ۔ابھی دو روز ہی گزرے تھے کہ ان پر نسبت عظیم غالب ہوگئی اور غلبۂ سکر اس قدر ہوا کہ باوجود سنجیدگی اور بڑھاپے کے وہ زمین سے قریب دو گز اوپر اچھل جاتے تھے ۔اور ہر طرف دیوار اور درختوں سے خود کو ٹکراتے تھے ۔ یہاں تک کہ وہ جوان لوگ جو انھیں پکڑے ہوئے تھے ان کی قوت ان کی نگہداشت (تصور شیخ) کے مقابلے میں ہیچ ہوگئی ۔پھر جو کچھ دیکھا وہ دیکھا۔[1]

حضرت علامہ نورالدین محمد عبدالرحمن جامی نقشبندی احراری، قدس سرہ،، لکھتے ہیں:

خَلَف بن علی، رحمه اللهّ تعالی، وی از بصره بود و با یحیی معاذ صحبت داشته بود. وقتی در مجلس یحیی بودم. یکی را وجدی پدید آمد. دیگری از شیخ پرسید که :وی را چه بوده : وی گفته که است؟ گفت :سخن خدای شنید، سرّ وحدانیتّ بر دلش کشف شد، صفت انسانیت محو شد

ترجمہ: حضرت شیخ المشائخ خلف بن علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت غوث صمدانی یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت میں تھا۔ایک شخص کو وجد ہوگیا۔دوسرے نے شیخ سے پوچھا کہ اس کو کیا ہوا ہے ۔آپ نے جواب دیا کہ اس نے خدا کی بات سنی ۔وحدانیت کا راز اس کے دل میں کھل گیا۔انسانیت کی صفت محو ہوگئی ۔[2]

حضرت علامہ نورالدین محمد عبدالرحمن جامی نقشبندی احراری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،، لکھتے ہیں:

در ہمہ ماوراء النّہر وخراسان، کیفیت تصرف ایشان در طالبان و زایران اشتہار تمام دارد. ہر کہ بہ دست بوس شریف ایشان مشرف شدی، از پای بیفتادی و دولت غیبت و بیخودیدست دادی. چنین استماع افتادہ است کہ یک روز بامداد از خانہ بیرون آمدند و کیفیتی غالب داشتند . ہر کہ را نظر بر ایشان افتاد، ہمہ را کیفیت بیخودی روی نمود و بیخود بیفتادند۔

تمام ماوراء النہر خراسان کے علاقہ میں آپ (حضرت شیخ المشائخ خواجہ حسن عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے تصرف کی کیفیت طالبین اور زائرین میں مشہور تھی ۔جو شخص آپ کے ہاتھ پر بوسہ دیتا وہ گر پڑتا۔اس کو غیبت بیخودی کی دولت حاصل ہو جاتی ۔ایسا سنا گیا ہے کہ ایک دن صبح کے وقت آپ گھر سے باہر نکلے ۔آپ پر کیفیت غالب ہوئی ۔جس شخص کی نگاہ آپ پر پڑتی سب کو بیخودی کی کیفیت ہوتی ۔اور گر پڑتا۔اس سلسلہ کے ایک بزرگ عزیز

---

[1] (برکاتِ احمدیہ، زبدۃ المقامات، ص، ۱۷، المکتبۃ ایشق بشارع دار الشفقۃ، استانبول، ترکیہ) (زبدۃ المقامات، ص، ۴۴)

[2] (نفحات الانس من حضرات القدس، ص، ۵۴، مرکز پخش :انشرات علمی، خیابان انقلاب، مقابل دانشگاہ، تہران) (نفحات الانس، ص، 64)

نے جن کی خدمت میں میں جایا کرتا تھا۔اس کی بابت پوچھا، آپ نے فرمایا کہ اس درویش کا کام اس سے بڑھ کر نہیں ۔کہ ہمیشہ حضرت شیخ المشائخ خواجہ حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا تصور رکھتا ہے ۔اور اسی کو یاد رکھتا ہے ۔اس نگاہداشت کی برکت سے ان کے جذبہ کی صفت اس میں اثر کر گئی ہے ۔[1]

سیدنا الشیخ عبدالقادر جیلانی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں :

واذا تحرک الفقیر علی آیة او بیت ، فیجب ان یسلم له وقته ، وان وقع للحاضرین علیه اشراف وراوا فیه تقصیراً او نقصاناً فالواجب علیهم الستر علیه والحمل عنه ، فان اقتضی الوقت تنبیه فلینبهه بالرفق او بالقلب لا باللسان ، وهاهنا یحتاج الی قوة حال وصفاء باطن وعلم دقیق واطلاع وآداب کاملة ومحافظة شدیدة حمیدة۔

ترجمہ: اگر درویش کوئی آیت یا شعر سن کر وجد میں آئے تو کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ اس کو روکے بلکہ اس کی حالت کو اسی کے سپرد کر دینا چاہیے اگر اتفاقاً کوئی تھام لے تو وجد والے کو چاہیے کہ تھامنے والے کے روکنے سے رک جائے ۔اگر درویش کسی آیت یا شعر کی وجہ سے وجد یا کیف میں آجائے تو اس کو کو چھوڑ دینا ہی بہتر ہے اگر کسی شخص کو اس میں بناوٹ اور تصنع نظر آئے تو برداشت کرے اس کی پردہ پوشی ضروری ہے، اگر یہ ضروری ہو کہ اس کو تنبیہ کی جائے تو اس کو نرمی اور محبت کے ساتھ سمجھا دیا جائے یا صرف اس بات کو دل میں رکھ لے زبان سے کچھ نہ کہے، حال حقیقی ہے یا تصنع ہے اس کی شناخت کے لئے قوت حال، صفائے باطن، تبحر علمی، اسرار و رموز سے واقف ہونا ضروری ہے ۔[2]

حضرت شیخ فریدالدین عطار، نیشاپوری، قدس سرہ،، لکھتے ہیں:

روزی مجلس گفت :چهل تن حاضر بودند هژده تن جان بدادند و بیست و دو بیهوش شدند و ایشان را بر گردن نهادند و بخانه ها بردند۔

ترجمہ: (سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے) ایک مرتبہ دوران مجلس وعظ فرمایا: چالیس افراد موجود تھے، اٹھارہ انتقال کر گئے، بائیس پر غشی طاری ہوگئی، ان کو گردن پر اٹھا کر ان کے گھر چھوڑ آئے ۔[3]

اکرم بن محمد علی برسوی، حنفی، قدوسی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

اس فقیر نے اپنے مشائخ سے نقل تواتر سے سنا ہے کہ دوسری بار جب حضرت شیخ کمال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے خلفاء صاحب حال سمیت حضرت شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی زیارت کیلئے تھانیسر تشریف لائے تو اُس وقت حضرت شیخ محفل سماع میں رقص کر رہے تھے اور ساری مجلس دست بستہ کھڑی تھی ۔حضرت شاہ کمال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجلس میں داخل ہوتے ہی دست بستہ ہو کر حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیچھے پیچھے پھرنا شروع کیا۔اُن کے اصحاب نے عرض کیا کہ حضور اپنے کمالات کے باوجود کس وجہ سے اُن کے پیچھے گردش فرما رہے ہیں ۔شاہ کمال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کیا تم نہیں دیکھتے کہ روحانیتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تعظیم کی خاطر ان کے ہمراہ گردش کر رہی ہے ۔پس میں کون ہوں جو گردش نہ کروں ۔

یہ خبر بھی تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ جب حضرت شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر سماع میں وجد طاری ہوتا تو حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت مجلس میں موجود ہو جاتی اور ان کو فیوض و برکات سے نوازتی تھی ۔جس کی وجہ سے آپ سر حلقۂ اقطاب، افراد اور محبوبان ہو گئے ۔[4]

---

[1] (نفحات الانس من حضرات القدس، ص، ۴۰۱، ۴۲۷ مرکز پخش :انشرات علمی، خیابان انقلاب، مقابل دانشگاہ، تہران)

[2] (الغنیۃ لطالبی طریق الحق، فصل فی آدابھم فی السماع، ص، ۴۶۸، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

[3] (تذکرۃ الاولیاء، ذکر جنید بغدادی، ص، ۳۷۷، ایران)

[4] (اقتباس الانوار، ص ۶۹۱:)

حضرت علامہ نورالدین محمد عبدالرحمن جامی نقشبندی احراری، قدس سرہ، لکھتے ہیں:

روزی به ری رسید. یکی وی را بشناخت گفت: آن استاد ابو علی دقّاق است :بزرگان آمدند و استدعای درس کردند ، قبول نکرد۔ إلحاح بسیار کردند و منبر نهادند تا وعظ گوید. به منبر بالا رفت و اشارت به راست کرد گفت :اللہ اکبر. و روی به قبله کرد و گفت: و رِضوانٌ من اللہ اکبر (۷۲/توبه) و به جانب چپ اشارت کرد و گفت: وَاللہُ خَیْرٌ وَأَبْقی (۷۳/طه) خلق به یک بار به هم بر آمدند و غریو بر خاست و چند کس بر جای بمردند. استاد در میان آن مشغله از منبر فرود آمد و برفت. بعد از آن وی را طلب کردند نیافتند۔

ترجمہ: ایک دن ایک پیر آیا ایک نے اس کو پہچان لیا کہ وہ حضرت شیخ المشائخ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے استاد ہیں۔ بزرگ لوگ آئے اور درس کی درخواست کی آپ نے قبول نہ کیا وہ بہت اصرار کرنے لگے اور منبر رکھا گیا تا کہ آپ وعظ کریں۔ آپ منبر پر چڑھے اور دائیں طرف اشارہ کیا اور کہا اللہ اکبر اور قبلہ کی طرف منہ کیا اور کہا

"وَرِضْوَانٌ مِنَ اللهِ أَكْبَرُ"

ترجمہ :اللہ عزوجل کی رضامندی بہت بڑی ہے۔ (سورۃ التوبہ ۷۲:)

بائیں طرف اشارہ کیا اور کہا

وَاللهُ خَيْرٌ وَأَبْقَى۔ ترجمہ :اللہ عزوجل بہتر ہے اور بڑا باقی رہنے والا ہے۔ (سورۃ طہ ۷۳:)

لوگ ایک دم شور مچانے لگے اور چند شخص وہیں فوت ہوئے استاد اس شور میں منبر پر سے اتر پڑے اور چل دیئے۔ اس کے بعد ان کی تلاش کی گئی تو نہ ملے۔[1]

احسان خداوندی۔ وجد کا انکار کرنے میں جلدی نہ کرنا

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی، شافعی قدس سرہ، لکھتے ہیں:

ومما منّ اللہ تبارک وتعالیٰ به علیّ :عدم مبادرتی بالانکار علی من قام وتواجد، ولو کان من الظلمة، او لم یکن له به عادة، فقد یکشف اللہ تعالیٰ الحجاب عن بعض القلوب فنحن الی وطنها الاول، فتتمایل کالشجرة التی کانها ترید قلع عروقها من الارض۔

ترجمہ: میں اس شخص پر انکار کرنے میں جلدی نہیں کرتا جو کہ کھڑا ہو کر وجد کرنے لگے۔ گرچہ ظالموں میں سے ہو یا اسے اس کی عادت نہ ہو۔ پس کبھی اللہ تعالیٰ بعض کے قلوب سے حجاب کھول دیتا ہے تو وہ اپنے وطن اول کی طرف مشتاق ہوتے ہیں۔ پس جھومتے ہیں اس درخت کی طرح جس کی جڑیں تو زمین سے اکھاڑنا چاہتا ہے۔[2]

حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ابو عبد اللہ محمد الواعظ :کان یسکن الخشابین بمصر، وکان الناس یأتون الیه ویجلسون تحت منزله فیعظهم من طاقته۔

---

[1] (نفحات الانس من حضرات القدس، ص ۲۹۸، ۳۲۳، مرکز پخش :انتشارات علمی، خیابان انقلاب، مقابل دانشگاہ، تہران)

[2] (المنن الکبری، الباب الثالث عشر، ص ۵۳۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت) (جنابت عدن (اردو ترجمہ) لطائف المنن، (ص ۷۳۰:)

قیل :انه وعظهم لیلة من اللیالی فاهتزّ منزله خمس مرات کالمستمع اذا هزّه السماع۔ وکان یقول :یستحب للقاضی حضور مجلس الذکر لعله ان یکتسب بعد قساوة قلبه لینا مات فی مصر ودفن فی البقعة بالقرب من قبر الامام ابی وداعة صاحب سعید بن المسیب۔

ترجمہ: حضرت ابوعبداللہ محمد واعظ رحمۃ اللہ علیہ آپ مصر میں لکڑہاروں کے محلہ میں رہا کرتے تھے
لوگ آ کر آپ کے گھر کے نیچے بیٹھ جاتے اور آپ بالکونی سے انھیں وعظ فرمایا کرتے تھے۔ وعظ سن کر گھر جھومنے لگا مروی ہے کہ ایک رات آپ وعظ فرمارہے تھے کہ پانچ دفعہ آپ کا گھر یوں جُھوما جس طرح دوران سماع کئی عاشق جُھومتے ہیں آپ فرمایا کرتے تھے جج (قاضی) کے لیے یہ اچھی بات ہے کہ وہ مجلس ذکر میں حاضری دے شائد اس طرح اس کی شقاوت وقساوت قلبی نرمی میں بدل جائے آپ کی وفات مصر میں ہوئی اور حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھی امام ابو وداعہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر کے قریب ایک قطعہ ارضی میں مدفون ہوئے۔[1]

عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ،، لکھتے ہیں :

نوشته بودند که روزے نشسته بود که جوشے از نهاد ایں کس برخاست ونزدیک شد که صیحهاے پر درد از نهاد او بر آید بتکلف تمام از صیحه نگاهداشت، ازیں سبب درد سینه و درد پهلو برخاسته است شکر کنند که درین طور جوش و شورش جان بسلامت ماند بسیارے از صوفیه درین طور وقت قالب را از جان تهی کرده اند، می آرند که ابراهیم خواص قدس سره روزے بر جمعے بگذشت که بزکر الٰهی جل سلطانه اشتغال داشتند، از ذکر آن جماعه در ابراهیم چنان ذوق اثر کرد که در رقص شد هفت شبانروز بدین منوال بود چون بهوش آمد تجدید وضو نمود دوگانه ادا کرد و سر بسجده نهاد سه بار یا الله یا الله یا الله بگفت و سر بر کرد و جان بدا

بیت

عاشق بهواے دوست بیهوش بود واز یاد محب خویش مدهوش بود

آپ نے لکھا تھا کہ ”ایک روز بیٹھا تھا، اس عاجز کے اندر سے ایک جوش اٹھا اور قریب تھا کہ اس عاجز کے اندر سے درد بھری چیخیں نکلیں، پوری کوشش سے اپنے آپ کو چیخنے سے باز رکھا اس کی وجہ سے سینہ اور پہلو میں درد پیدا ہوگیا ہے۔“ شکر ادا کریں کہ اس طرح کے جوش وخروش میں جان سلامت رہ گئی (ورنہ) بہت سے صوفیوں نے اس قسم کی حالت میں جان دیدی ہے۔ نقل کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا سراج السالکین ابراہیم خواص (رحمۃ اللہ علیہ) ایک روز ایک ایسے مجمع کے پاس سے گزرے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول تھا، اس جماعت کے ذکر الٰہی سے حضرت سیدنا سراج السالکین ابراہیم خواص (رحمۃ اللہ علیہ) میں ذوق وشوق نے ایسا اثر کیا کہ رقص کرنے لگے سات دن رات تک اسی کیفیت میں رہے، جب ہوش میں آئے تو نئے سرے سے وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کی اور سجدہ میں سر رکھ کر تین بار یا اللہ یا اللہ یا اللہ کہا، سر اٹھایا اور جان دیدی۔

عاشق بہ ہوائے دوست بیہوش بود واز یاد محب خویش مدہوش بود

ترجمہ: عاشق دوست کی محبت میں بیہوش ہو جاتا ہے اور اپنے محب کی یاد سے مدہوش ہو جاتا ہے۔[2]

---

[1] (جامع کرامات الاولیاء، ج۱، ص۱۵۸، ۱۵۹، المکتبۃ العصریہ، بیروت) (جامع کرامات اولیاء ج۱، ص۴۸۹)

[2] (مکتوبات معصومیہ، دفتر۱، اول، مکتوب۱۸، ص۸۹، ۹۰، گارڈن ویسٹ، کراچی)

عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم حنفی نقشبندی، قدس سرہ، لکھتے ہیں :بمیرزا محمد فاروق در تضاد بندگی بارادت و مداحی روضۂ مبارک حضرت ایشان خود و شرافت بلدۂ سرہند۔

اللہ تعالیٰ بحصول مرادات مکرم دارد بلکہ از جمیع مرادات تہی کنادو بارادت خویش قیام دہاد مقام بندگی کہ نیستی و بے وجودیست و صف ارادت را برنتابد کہ منبئ از ہستی و خودی ست و نقطۂ ہستی و انانیت بر سینۂ محب کوہ قاف است و سد سکندری کہ رفع آن بے سابقہ کرم امکان پذیر نیست مجرد اعمال صوریہ بے جذبات قویہ معنویہ ازیں گرداب نمی برآرد و تانائرہ آتش شوق در باطن مشتعل نسازند و عشق شرکت سوزند ہند نجات و تخلص ازین بار گران محال است تا سالک در بندارادت خود است مرید است، و چوں از ارادت و مرادات وارہدو بارادت او تعالیٰ قائم شود از مقام ارادت برآید مقام شیخی را شاید

درین جزو زمان این معنی کہ کمال نخستین است از کمالات ولایت و ہمچنین سائر کمالات ولایت از مزار فائض الانوار قدوۂ کبار حضرت پیر دستگیر قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس مفاض و مستفاداست و مجاوران آن روضۂ منورہ بلکہ طالبان اطراف و اکناف کہ از روے صدق می آیندو سر نیاز بآن سدۂ سنیہ میسایند از این دول مستفیض و مستفید میگردندو از یک نوش بصد جوش و خروش ترک خویش نمودہ بمطلب پے می برند۔ امروز بقعۂ سرہند از کثرت فیوض و انوار و از بسیارے ظہور اسرار رشک ہند و غیر ہند است آنرا از ہند ندانند کہ دریچۂ ولایت است خاک ہند با آب ولایت یکجا شدہ است و بادۂ محبت با افیون جمع در طینت آں باہم امیختہ لاجرم از جوش سکر عین و اثر را از طلبۂ آن بربودہ است سر و دستار از رقاصان آنجاے برداش خوش گفت۔

بیت

ازان افیون کہ ساقی درمے افگند　　حریفاں را نہ سر ماندو نہ دستار

مع ذلک از شربت جمع الجمع سیرابست و از شیر صحو و دعوت تر و تازہ ایں ہمہ ہدایت و ارشاد اثر آن ست و این دید و داد پرتو آن تا کجا لطافت طینت این بقعہ را بیان نماید و فیوض و اسرار وجود و ایثار آنرا ظاہر سازد کہ از طالبان ہوشمند مخفی نیست و بر منصفان صفا کیش پوشیدہ نہ از سجار اسرار آن گوہرے بدست می آید کہ در جائہائے دیگر کمیاب است و از خمخانۂ آن بکام مشتاقان شربے می رسد کہ از آفاق و انفس می برد۔

مثنوی

بس کنم خود زیر کاں را این بس است　　بانگ دو کردم اگر در دہ کس است

والسلام اولاً و اٰخراً۔

مرزا محمد فاروق کے نام بندگی اور ارادہ میں تضاد کے بارے میں اور حضرت ایشاں (غوث صمدانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) کے روضۂ مبارکہ کی تعریف اور شہر سرہند کی بزرگی کے بیان میں تحریر فرمایا۔

حمد وصلوۃ کے بعد: اللہ تعالیٰ مرادوں کے حصول کے ساتھ آپ کی عزت افزائی فرمائے بلکہ (دیگر) تمام مرادوں سے خالی کردے اور اپنے ارادے کے ساتھ قیام بخشے، بندگی کا مقام جو کہ نیستی اور بے وجودی (عدم وفنائیت) ہے ارادہ کے وصف کی گنجائش نہیں رکھتا کیونکہ (ارادہ)

ہستی اور خودی کی خبر دینے والا ہے اور ہستی و انانیت (میں ہوں) کا ایک نقطہ بھی محب کے سینہ پر کوہ قاف اور سدّ سکندری (بہت بڑا بوجھ اور رکاوٹ) ہے کہ جس کا دور کرنا کرم (فضل) کے وسیلہ کے بغیر ممکن نہیں ہے، باطنی جذبات قویہ کے بغیر صرف ظاہری اعمال اس گرداب سے نہیں نکالتے، اور جب تک شوق کی آگ کا شعلہ باطن کے نور روشن نہ کریں اور شرکت سوز، عشق نہ دیں اس بھاری بوجھ سے نجات اور رہائی محال ہے۔ جب تک سالک (مرید) اپنے ارادے کی قید میں ہے مرید ہے اور جب ارادے اور مرادوں سے رہائی حاصل کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے ساتھ قائم ہو جاتا ہے تو ارادے کے مقام سے نکل جاتا ہے اور شیخی کے مقام کے لائق ہو جاتا ہے۔

اس زمانے میں یہ معنی جو کہ ولایت کے کمالات میں سے پہلا کمال ہے اور اسی طرح ولایت کے تمام کمالات پیشوائے اکابر حضرت برہان حقیقت امام مجدد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار فائض الانوار سے مفاض و مستفاد (جاری و حاصل) ہیں اور اس روضۂ منورہ کے مجاورین (خدمت گار) بلکہ اطراف و اکناف کے طالبان جو کہ صحیح اعتقاد کے ساتھ آتے ہیں اور نیازمندی کا سر اس آستانۂ بلند سے گھستے ہیں ان دولتوں سے فیضیاب و بہرہ ور ہوتے ہیں اور ایک گھونٹ پی کر صد جوش و خروش کے ساتھ اپنے آپ کو ترک کر کے مطلب کو پہنچ جاتے ہیں۔ آج سرہند (شریف) کی زمین فیوض و انوار کی کثرت اور اسرار کے ظہور کی بہتات کی وجہ سے ہند وغیر ہند کیلئے رشک (کی جگہ) ہے، لوگ اس کو ہندوستان سے نہ جانیں کیونکہ یہ ولایت کی کھڑکی ہے ہندوستان کی خاک ولایت کے پانی کے ساتھ مل گئی ہے اور محبت کی شراب جمع کی افیون کے ساتھ اس کی طینت میں گھل مل گئی ہے اس لئے سکر کے جوش سے عین واثر کو اس کے طالبوں سے دور کر دیا ہے، اس جگہ کے رقص کرنے والوں سے سرودستار (عمامہ شریف) اٹھا دیا ہے،

کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔

ازاں افیون کہ ساقی درمے افگند　　حریفاں را نہ سر ماند نہ دستار

ترجمہ: اس افیون کی وجہ سے جو کہ ساقی نے شراب میں ڈال دی ہے حریفوں کو نہ سر (کا ہوش) رہا ہے اور نہ پگڑی کا۔

اس کے باوجود جمع الجمع کے شربت سے سیراب ہے اور صحو و دعوت کے دودھ سے تر و تازہ ہے یہ سب ہدایت و ارشاد اس (بقعہ) کا اثر ہے اور یہ دید و داد (دیکھنا اور دینا) اس (جگہ) کا پرتو ہے اس بقعہ (قطعۂ زمین) کی طینت کی لطافت کہاں تک بیان کرے اور اس کے وجود کے فیوض و اسرار اور اس کے جود و ایثار کو کہاں تک ظاہر کرے کہ یہ چیز عقل و ہوش والے طالبوں سے چھپی ہوئی نہیں ہے اور صفائی کی طبیعت والے منصفوں پر پوشیدہ نہیں ہے اس کے اسرار کے سمندروں سے ایسا موتی ہاتھ آتا ہے کہ دوسری جگہوں میں کمیاب ہے و اس کے شراب خانے سے مشتاقین کے حلق میں ایک ایسا گھونٹ پہنچتا ہے جو کہ آفاق و انفس سے بے خبر کر دیتا ہے۔

بس کنم خود زیرکاں را ایں بس ست　　بانگ دو کردم اگر در وہ کس است

ترجمہ: میں بس کرتا ہوں کیونکہ عقل مندوں کیلئے یہی کافی ہے، اگر گاؤں میں کوئی شخص ہے تو میں نے خطرہ کی آواز لگا دی ہے۔ وَالسَّلَامُ اَوَّلًا وَ آخِرًا۔[1]

سئل رويم عَن وجود الصوفية عِنْدَ السماع.

فَقَالَ :يشهدون المعاني الَّتِي تعزب عَن غيرهم فتشير إليهم إِلَى إلي فيتنعمون بِذَلِك من الفرح ثُمَّ يقطع الحجاب فيعود ذَلِك

---

[1] (مکتوبات معصومیہ، دفتر اول، مکتوب، ۸۰، ص، ۱۹۹، ۲۰۰، گارڈن ویسٹ، کراچی) (مکتوبات معصومیہ، دفتر اول، مکتوب، ۸۰)

الفرح بكاء فمنهم من يخرق ثيابه وَمِنْهُم من يصيح وَمِنْهُم من يبكي كُل إِنْسَان عَلَى قدره سمعت مُحَمَّد بْن أَحْمَد بْن مُحَمَّد التميمي يَقُول :سمعت عَبْد اللَّهِ بْن عَلِي يَقُول :سمعت الحصري يَقُول فِي بَعْض كلامه :إيش أعمل بسماع ينقطع إِذَا انقطع من يسمع منه ينبغي أَن يَكُون سماعك متصلا غَيْر منقطع قَالَ :وَقَالَ الحصري :ينبغي أَن يَكُون ظمأ دائم وشرب دائم فكلما ازداد شربه ازداد ظمؤه.وجاء عَن مجاهد فِي تفسير قَوْله تَعَالَى :{فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ} [الروم15 :] أَنَّهُ السماع من الحور العين بأصوات شهية نحن الخالدات فلا نموت أبدا، نحن الناعمات فلا نبؤس أبدا.وقيل :السماع نداء والوجد قصد سمعت مُحَمَّد بْن الْحُسَيْن يَقُول :سمعت أبا عُثْمَان المغربي يَقُول :قلوب أهل الحق قلوب حاضرة وأسماعهم أسماع مفتوحة.وسمعته يَقُول :سمعت الأستاذ أبا سهل الصعلوكي يَقُول :المستمع بَيْنَ استتار وتجلى، فالاستتار يوجب التلهيب والتجلي يورث الترويح ,والاستتار يتولد منه حركات المريدين ,وَهُوَ محل الضعف والعجز والتجلي يتولد منه سكون الواصلين وَهُوَ محل الاستقامة والتمكين ,وَذَلِك صفة الحضرة وليس فِيهَا إلا الذبول تَحْتَ موارد الهيبة.قَالَ اللَّهُ تَعَالَى : {فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنْصِتُوا} [الأحقاف29 :].وَقَالَ أَبُو عُثْمَان الحيري :السماع عَلَى ثلاثة أوجه :فوجه منها للمريدين، والمبتدئين يستدعون بِذَلِك الأحوال الشريفة وتخشى عَلَيْهِم فِي ذَلِك الْفِتْنَة والمرآت، وَالثَّانِي للصادقين يطلبون الزيادة فِي أحوالهم ويستمعون من ذَلِك مَا يوافق أوقاتهم، والثالث لأهل الاستقامة من العارفين فهؤلاء لا يختارون عَلَى اللَّهَ تَعَالَى فيما يرد عَلَى قلوبهم من الحركة والسكون.سمعت الشيخ أبا عَبْد الرَّحْمَنِ السلمى رَحِمَهُ اللَّهَ تَعَالَى يَقُول :سمعت أبا الفرج الشيرازي يَقُول :سمعت أبا عَلِي الروذباري يَقُول :قَالَ أَبُو سَعِيد الخراز :من ادعى أَنَّهُ مغلوب عِنْدَ الفهم يعنى فِي السماع وأن الحركات مالكة فعلامته تحسين المجلس الَّذِي هُوَ فِيهِ بوجده، قَالَ الشيخ أَبُو عَبْد الرَّحْمَنِ :فذكرت هذه الحكاية لأبي عُثْمَان المغربي فَقَالَ :أدناه وعلامته الصحيحة أَن لا يبقى فِي المجلس محقق إلا أَنَس بِهِ ولا يبقى فِيهِ مبطل إلا استوحش منه،

ترجمہ: سماع میں صوفی پر وجد کیوں؟

حضرت رویم رحمہ اللہ سے حالت سماع میں صوفی کو وجد آنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا صوفیاء ایک معانی کا مشاہدہ کرتے ہیں جو لوگوں کی پہنچ سے دور ہوتے ہیں چنانچہ وہ معانی انہیں پکارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ادھر آؤ ادھر دیکھو چنانچہ وہ خوشی سے انعام حاصل کرتے ہیں پھر درمیان میں پردہ آجاتا ہے اور سرور وخوشی کٹ جاتی ہے تو یہ رونے میں بدل جاتی ہے چنانچہ اس حالت میں کچھ تو کپڑے پھاڑتے ہیں کچھ چیخ و پکار کرتے ہیں اور کچھ روتے ہیں غرض ہر انسان اپنے اپنے مرتبے میں یہ کام کرتا ہے۔حضرت حصری رحمہ اللہ نے اپنے ایک کلام میں فرمایا تھا کہ ایسے سماع کو میں کیا کروں جو سنانے والے کے بند کرنے پر ختم ہو جائے سماع تو ایسا ہونا چاہیئے جو مسلسل ہو اور رک نہ سکے۔حضرت حصری رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ سماع میں پیاس دائمی ہونی چاہیئے چنانچہ جیسے جیسے (معرفت کے پیالے) پیتا جائے ویسے ہی مزید پیاسا ہوتا جائے۔ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ﴿روم ۱۵﴾ (تو وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے باغ کی کیاری میں ان کی خاطر داری ہوگی) کی تفسیر میں حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سماع ہے اور یہ سماع موٹی اور خوبصورت آنکھوں والی حوریں اپنی میٹھی آواز سے یوں سنائیں گی کہ ”ہم ہمیشہ سے جنت میں رہ رہی ہیں اور کبھی نہیں مریں گی ہم نرم و نازک ہیں ہم پر سختی نہ آسکے گی“ کہتے ہیں کہ سماع تو ایک آواز ہوتی ہے اور وجد ارادہ ہوتا ہے۔حضرت ابوعثمان مغربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل حق

کے دل بارگاہ الٰہی میں حاضر رہتے ہیں اور ان کے کان کھلے رہتے ہیں۔حضرت ابوسہل صعلوکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سماع سننے والے کی دو کیفیتیں ہوتی ہیں استتار(چھپ جانا)اور تجلی(ظاہر ہونا)چنانچہ استتار کے وقت دل میں شعلے اٹھتے ہیں اور تجلی سے آرام ہوجاتا ہے اس استتار سے مریدوں کی حرکتیں پیدا ہوتی ہیں یہ کمزوری اور عجز وانکساری کا مقام ہے اور تجلی سے واصل باللہ لوگوں کو سکون حاصل ہوتا ہے اور اس میں استقامت اور خود اعتمادی ہوتی ہے یہ اللہ کی صفت ہوتی ہے دبدبے والے واردات کے وقت پگھل جانے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنْصِتُوا (الاحقاف ۲۹) (جب وہاں پہنچے تو کہا چپ رہو)

ابوعثمان حیری رحمہ اللہ کے مطابق سماع کے تین اقسام:

حضرت ابوعثمان حیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سماع تین طرح کا ہوتا ہے۔

۱۔ایک سماع مریدوں اور ابتدائی صوفیوں کا ہوتا ہے یہ شریف لوگ سماع سے احوال تلاش کرتے ہیں اس میں ایسے لوگوں کے فتنہ اور ریاکاری میں پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

۲۔دوسری قسم صادقین کا سماع ہوتا ہے صادق لوگ سماع کے ذریعے اپنی حالت میں ترقی مانگتے ہیں اور اپنی حالت کے مطابق غور سے سماع سنتے ہیں۔

۳۔تیسری قسم عارفوں میں درجہ استقامت والوں کا سماع ہے۔یہ لوگ دل میں آنے والے حرکت وسکون کو ذات الٰہی پر ترجیح نہیں دیتے۔

حضرت ابوسعید خراز رحمہ اللہ فرماتے ہیں ،جس کا یہ خیال ہو سماع کو سمجھ کر مغلوب ہوجاتا ہے اور حرکات اس پر غالب آجاتی ہیں تو اس کا یوں پتہ چلتا ہے کہ جس مجلس میں وہ وجد کی حالت میں ہوگا وہ خوبصورت ہوجائیگا۔حضرت شیخ ابوعبدالرحمن رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حکایت کا ذکر میں نے ابوعثمان مغربی کے پاس کردیا اس پر انہوں نے فرمایا کہ ایسے شخص کا یہ درجہ کم ترین ہوتا ہے اور اس کی صحیح علامت یہ ہے کہ مجلس میں ہر اہل حق اس سے مانوس ہوجائے اور ہر اہل باطل اس سے وحشت زدہ ہوجائے۔

وَقَالَ بندار بْن الْحُسَيْن :السماع عَلَى ثلاثة أوجه :مِنْهُم من يسمع بالطبع، وَمِنْهُم من يسمع بالحال، وَمِنْهُم من يسمع بالحق، فالذي يسمع بالطبع يشترك فِيهِ الخاص والعام، فَإِن جبلة البشرية استلذاذ الصوت الطيب، والذي يسمع بالحال فَهُوَ يتأمل مَا يرد عَلَيْهِ من ذكر عتاب أَوْ خطاب ,أَوْ وصل ,أَوْ هجر ,أَوْ قرب ,أَوْ بَعْد ,أَوْ تأسف عَلَى فائت ,أَن تعطش إِلَى آت ,أَوْ وفاء بعهد ,أَوْ تصديق لوعد ,أَوْ نقض لعهد ,أَوْ ذكر قلق ,أَوِ اشتياق ,أَوْ خوف فراق ,أَوْ فرح وصال ,أَوْ حذر انفصال ,أَوْ مَا جرى مجراه.وَأَمَّا من يسمع بحق فيسمع بالله تَعَالَى ,وَلِلَّهِ ولا يتصف بِهَذِهِ الأحوال الَّتِي هِيَ ممزوجة بالحظوظ البشرية فإنها مبقاة مَعَ العلل، فيسمعون من حيث صفاء التوحيد بحق لا بحظ.وقيل :أهل السماع عَلَى ثَلاث طبقات :أبناء الحقائق يَرْجِعُونَ فِي سماعهم إِلَى مخاطبة الحق سبحانه لَهُمْ، وضرب يخاطبون اللَّهَ تَعَالَى بقلوبهم بمعاني مَا يَسْمَعُونَ، فَهُمْ مطالبون بالصدق فيما يشيرون بِهِ إِلَى اللَّهَ تَعَالَى، وثالث هُوَ فَقِير مجرد قطع العلاقات من الدنيا والآفات يَسْمَعُونَ بطيبة قلوبهم وَهَؤُلاءِ أقربهم إِلَى السلامة.سمعت مُحَمَّد بْن الْحُسَيْن يَقُول :سمعت أبا بَكْر الرازي يَقُول :سمعت أبا عَلِي الروذباري يَقُول :وَقَدْ سئل عَنِ السماع.فَقَالَ :مكاشفة الأسرار إِلَى مشاهدة المحبوب،

ترجمہ: حضرت بندار رحمہ اللہ کے ہاں سماع تین قسم:

حضرت بندار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سماع تین طرح کا ہوتا ہے۔(۱) بعض لوگ اپنی طبیعت کے مطابق سننے والے ہوتے ہیں۔(۲) کچھ اپنے حال کے مطابق سن رہے ہوتے ہیں۔(۳) کچھ حق کو پیش نظر رکھ کر سنتے ہیں۔جو اپنی طبیعت کے مطابق سنتے ہیں، ان میں خاص وعام سب برابر ہیں کیونکہ انسانی طبیعت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ خوبصورت آواز اسے پیاری لگتی ہے۔جو اپنے حال کے مطابق سنتا ہے وہ اپنے اوپر وارد ہونے والی کیفیات میں سوچ بچار کرتا ہے جیسے وہ سوچتا ہے کہ عتاب کیسی ہوتی ہے، خطاب کیا ہوتا ہے، وصل کی موت کیا ہوتی ہے، جدائی کیا معنی رکھتی ہے، قرب و بعد کیا ہوتا ہے، فوت ہونے والی چیز پر افسوس کیونکہ ہوتا ہے، آنے والی چیز کی پیاس کیسے رکھی جاتی ہے، عہد کیسے پورا کیا جاتا ہے، سچا وعدہ کیسے کیا جاتا ہے، عہد توڑنے سے کیا ہوتا ہے، پریشانی کی یاد کیسے ہوتی ہے، اشتیاق کسے کہتے ہیں، جدائی سے خوف کیسے ہوتا ہے، وصال پر خوشی کا مطلب کیا ہے، جدائی کا خطرہ کیا ہوتا ہے اور اسی طرح کے معاملات میں سوچ بچار کرتا چلا جاتا ہے۔جو حق تعالیٰ کو سامنے رکھ کر سماع کرتا ہے اور صرف اللہ کیلئے کرتا ہے، اس کے سماع میں بشری دخل نہیں ہوتا کیونکہ ان میں کوتاہیاں ضرور ہوتی ہیں چنانچہ یہ لوگ خالص توحید الٰہی کے عقیدے سے سماع کرتے ہیں نفسانی خواہشات درمیان میں آنے نہیں دیتے۔

اہل تصوف کے تین طبقے:

کہتے ہیں کہ اہل تصوف کے تین طبقے ہوتے ہیں۔(۱) ابناء حق: یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے سماع کے دوران اللہ کو اپنے سے مخاطب ہوتا دیکھتے ہیں۔(۲) دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو اپنے دلوں سے اللہ کے ساتھ ان معانی کے ذریعے مخاطب ہوتے ہیں جنہیں سماع میں سن رہے ہوتے ہیں چنانچہ یہ لوگ جس چیز کا اللہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اس کا حق کے ساتھ مطالبہ کرتے ہیں۔تیسرا طبقہ وہ ہے جو تن تنہا فقیر ہوتا ہے، دنیا اور آخرت کا تعلق توڑے ہوتا ہے، یہ لوگ نہایت اطمینان سے سماع سنتے ہیں اور سب سے زیادہ یہی لوگ امن میں ہوتے ہیں۔حضرت ابوعلی رودباری رحمہ اللہ سے سماع کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا: اس میں اسرار کھلتے ہیں جن کے ذریعے محبوب کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔

وَقَالَ الخواص :وَقَدْ سئل مَا بال الإِنْسَان يتحرك عِنْدَ سماع غَيْر الْقُرْآن ولا يجد ذَلِك فِي سماع الْقُرْآن؟.فَقَالَ :لأن سماع الْقُرْآن صدمة لا يمكن لأحد أَن يتحرك فِيهِ لشدة غلبته وسماع القول ترويح فيتحرك فِيهِ.سمعت مُحَمَّد بْن الْحُسَيْن يَقُول : سمعت عَبد اللَّهِ بْن مُحَمَّد بْن عَبْد الرَّحْمَنِ الرازي يَقُول :سمعت الجنيد يَقُول :إذا رأيت المريد يحب السماع فاعلم أَن فِيهِ بقية من البطالة.وسمعته يَقُول :سمعت عَلِي بْن عَبْد اللَّهِ البغدادي يَقُول :سمعت أبا سَعِيد الرملي يَقُول :قَالَ سهل بْن عَبْد اللَّهِ: السماع علم استأثر اللَّهُ تَعَالَى بِهِ لا يعلمه إلا هُوَ.وحكى أَحْمَد بْن مقاتل العكي.قَالَ :لما دَخَلَ ذو النون الْمِصْرِي بغداد اجتمع إِلَيْهِ الصوفية ومعهم قوال فاستأذنوه أَن يَقُول بَيْنَ يديه شَيْئًا فأذن فابتداء يَقُول :صغير هواك عذبني فكيف بِهِ إِذَا احتنكا وأنت جمعت من قلبي هوى قَدْ كَانَ مشتركا أما ترثي لمكتئب إِذَا ضحك الخلي بكى قَالَ :فقام ذو النون وسقط عَلَى وجهه والدم يقطر من جبينه ولا يسقط عَلَى الأَرْض، ثُمَّ قام رجل من الْقَوْم يتواجد.فَقَالَ لَهُ ذو النون {الَّذِي يَرَاك حِينَ تَقُومُ} [الشعراء : 218] فجلس الرجل.سمعت الأستاذ أبا عَلِي الدقاق يَقُول فِي هذه الحكاية :كَانَ ذو النون صاحب إشراف عَلَى ذَلِك الرجل حيث نهبه أَن ذَلِك لَيْسَ مقامه وَكَانَ ذَلِك الرجل صاحب إنصاف حيث قبل ذَلِك منه فرجع وقعد.سمعت مُحَمَّد بْن أَحْمَد

التميمي يَقُول :سمعت عَبْد اللهِ بْن عَلِي الصوفي يَقُول :سعت الرقي يَقُول :سمعت ابْن الجلاء يَقُول :كَانَ بالمغرب شيخان لهما أصحاب وتلامذة يقال لأحدهما :جبلة وللثاني :رزيق فزار رزيق يوما جبلة فِي أَصْحَابه فقرأ رجل من أَصْحَاب رزيق شَيْئًا ,فصاح واحد من أَصْحَاب جبلة وَمَاتَ ,فلما أصبحوا.قَالَ جبلة لرزيق :أين الَّذِي قرأ بالأمس؟فليقرأ ,فقرأ آية فصاح جبلة صيحة فمات القارئ.فَقَالَ جبلة :واحد بواحد والبادي أظلم.وسئل إِبْرَاهِيم المارستاني عَن الحركة عِنْدَ السماع؟ فَقَالَ :بلغني أَن مُوسَى عَلَيْهِ السَّلام قص فِي بَنِي إسرائيل فمزق واحد مِنْهُم قميصه فأوحى اللهَ تَعَالَى إِلَيْهِ قل لَهُ :مزق لي قلبك ولا تمزق ثيابك.وسأل أَبُو عَلِي المغازلي الشبلي.فَقَالَ :رُبَمَا يطرق سمعي آية من كتاب اللهَ عَزَّ وَجَلَّ فتجدوني عَلَى ترك الأشياء والإعراض عَن الدنيا,ثُمَّ أرجع إِلَى أحوالي وإلى النَّاس,فَقَالَ الشبلي :مَا اجتذبك إِلَيْهِ فَهُوَ عطف منه عليك ولطف, وَمَا رددت إِلَى نفسك فَهُوَ شفقة منه عليك, لأنه لَمْ يصح لَك التبري من الحول والقوة فِي التوجه إِلَيْهِ.سمعت أبا حاتم السجستاني يَقُول :سمعت أبانصر السراج يَقُول :سمعت أَحْمَد بْن مقاتل العكي يَقُول :كنت مَعَ الشبلي فِي مَسْجِد ليلة من شَهْر رمضان وَهُوَ يصلي خلف إمام لَهُ وأنا بجنبه فقرأ الإِمَام :{وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ}[الإسراء86 :]فزعق زعقة قُلْت :طارت روحه وَهُوَ يرتعد وَيَقُول :بمثل هَذَا يخاطب الأحباب يردد ذَلِك كثيرا.

ترجمہ: قرآن سننے پر وجد کیوں نہیں آتا:

حضرت خواص رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ اس انسان کی حالت کیا ہے جو قرآن کے علاوہ کوئی کلام سن کر وجد کرتا ہے لیکن قرآن کی تلاوت پر اسے وجد نہیں آتا؟ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تلاوت قرآن ایک زبردست ٹھوکر ہوتی ہے کسی کی کیا مجال کہ اس میں حرکت کر سکے، وہ ٹھوکر بڑی شدید ہوتی ہے لیکن سماع قول کے وقت انسان کو راحت ملتی ہے چنانچہ وہ وجد میں آجاتا ہے۔حضرت جنید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تم دیکھو کہ مرید سماع (بلاشرائط) کا شوق رکھتا ہے تو سمجھ لو کہ ابھی اس میں باطل خیالات موجود ہیں۔حضرت سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سماع ایک ایسا علم ہے جو اللہ کو پسند ہے اور اس کے سوا اس سے کوئی واقف نہیں۔حضرت احمد بن مقاتل مکی رحمہ اللہ نے بتایا کہ جب حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ بغداد میں پہنچے تو صوفیاء ان کے پاس آئے، ایک قوال بھی ان کے ہمراہ تھا، انہوں نے اجازت مانگی کہ قوال کچھ پڑھے آپ نے اجازت دی تو اس قوال نے یہاں سے شروع کیا ''تمہاری تھوڑی سی محبت نے مجھے عذاب میں ڈال رکھا ہے اور اگر زیادہ ہو تو کیا بنے؟ تم نے میری مشترک محبت کو اپنے لیے اکٹھا کر لیا ہے۔کیا تمہیں اس دکھیا پر ترس نہیں آتا جسے روتا دیکھ کر عشق سے عاری لوگ ہنستے ہیں۔'' کہتے ہیں کہ حضرت ذوالنون رحمہ اللہ یہ سن کر کھڑے ہوئے اور منہ کے بل دھڑام سے گر گئے خون پیشانی سے تو جاری تھا مگر زمین پر نہ گرتا تھا، پھر ان صوفیاء میں سے ایک آدمی وجد کرتے ہوئے کھڑا ہو گیا، حضرت ذوالنون نے اسے فرمایا: الذی یراک حین تقوم (تم کھڑے ہوتے ہو تو وہ تمہیں دیکھتا ہے) چنانچہ وہ بیٹھ گیا۔حضرت استاد ابوعلی دقاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ذوالنون مرتبہ میں اس شخص سے زیادہ تھے چنانچہ اسی لئے آپ نے اسے تنبیہ کر دی کہ تمہارا یہ مقام نہیں اور پھر وہ شخص بھی انصاف پسند تھا کیونکہ اس نے آپ رحمہ اللہ کی بات مان لی اور واپس ہٹ کر بیٹھ گیا۔حضرت ابن جلاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مغربی ملک میں دو شیخ تھے ان کے مرید اور شاگرد کافی تھے ان میں سے ایک کو ''جبلہ'' اور دوسرے کو ''رزیق'' کہا جاتا تھا، ایک دن رزیق اپنے مریدوں کے ہمراہ جبلہ سے ملنے گئے، رزیق کے کسی مرید نے کچھ پڑھا جس پر جبلہ کے ایک مرید نے چیخ ماری اور مر گیا، صبح ہوئی تو جبلہ نے رزیق سے کہا، وہ شخص کہاں ہے جس نے کل کچھ پڑھا تھا؟ اسے پڑھنے کو کہو، اس نے ایک آیت پڑھ دی تو جبلہ نے زوردار چیخ ماری جس سے قاری فوت ہو گیا اور پھر جبلہ نے کہا کہ ایک کے مقابلے میں تو ایک گیا، زیادہ ظلم اس کا ہے جس نے پہل کی۔حضرت ابراہیم مارستانی

رحمہ اللہ سے سماع کے دوران وجد کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے امتیوں میں ایک قصہ بیان کیا تو ان میں سے ایک نے قمیص پھاڑ لی، اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا: اسے کہہ دو کہ اپنا دل پھاڑ کر دکھائے قمیص نہ پھاڑے۔ حضرت ابو علی مغازی سے حضرت شبلی رحمہ اللہ نے سوال کیا تو فرمایا: کئی مرتبہ ایسے ہوتا ہے کہ قرآن کی کوئی آیت سنائی دیتی ہے جو مجھے چیزوں کو خیال چھوڑنے اور دنیا سے منہ موڑنے کا بتاتی ہے، پھر میں اپنی پہلی حالت پر آجاتا ہوں اور لوگوں کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں۔ اس پر حضرت شبلی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنی طرف کھینچتا ہے تو یہ اس کی طرف سے تم پر مہربانی اور لطف ہوتا ہے اور جب تمہیں پہلی حالت پر لایا جاتا ہے تو یہ اس کی شفقت ہوتی ہے، کیونکہ اللہ کی طرف توجہ کرتے وقت قوت وطاقت سے تمہارا بری ہونا صحیح نہیں۔ حضرت احمد بن مقاتل عکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات مسجد میں حضرت شبلی رحمہ اللہ کے ساتھ تھا، ماہ رمضان تھا، آپ اپنے امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، میں ان کے پہلو میں کھڑا تھا، امام نے یہ آیت پڑھی۔ ﴿وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ﴾ بنی اسرائیل ۸۶ (اور اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمہاری طرف کی اسے لے جاتے) یہ آیت سن کر انہوں نے چیخ ماری، میں نے خیال کیا کہ ان کی روح پرواز کر گئی وہ اس وقت پھڑک رہے تھے اور کہتے جاتے تھے "کیا دوستوں کو خطاب یونہی کیا جاتا ہے" بار بار یہ الفاظ کہتے رہے۔

وحكى عَنِ الجنيد أَنَّهُ قَالَ: دخلت عَلَى السري يوما فرأيته عنده رجلا مغشيا عَلَيْهِ فَقُلْتُ: مَالَهُ؟ فَقَالَ: سمع آية من كتاب اللَّه تَعَالَى، فَقُلْتُ: تقرأ عَلَيْهِ ثانيا فقرأ فأفاق، فَقَالَ لي: من أين علمت هَذَا؟ فَقُلْتُ: إِن قميص يُوسُف ذهب بسببه عين يعقوب عليهما السَّلام ثُمَّ بِهِ عاد بصره فاستحسن مني ذَلِك. سمعت أبا حاتم السجستاني يَقُول: سمعت أبا نصر السراج يَقُول: سمعت عَبْد الْوَاحِد بْن علوان يَقُول: كَانَ شاب يصحب الجنيد فكان إِذَا سمع شَيْئًا من الذكر يزعق، فَقَالَ لَهُ الجنيد يوما: إِن فعلت ذاك مرة أُخْرَى لَمْ تصحبني فكان إِذَا سمع شَيْئًا يتغير ويضبط نَفْسه حَتَّى كَانَ يقطر كُل شعرة من بدنه بقطرة، فيوما من الأيام صاح صيحة تلفت نَفْسه. سمعت أبا حاتم السجستاني يَقُول: سمعت أبا نصر السراج يَقُول: حكى لي بَعْض إخواني عَن أَبِي الْحُسَيْن الدراج. قَالَ: قصدت يُوسُف بْن الْحُسَيْن الرازي من بغداد فلما دخلت الري سألت عَن منزله فَكُل من أسأل منه يَقُول لي: إيش تفعل بِذَلِك الزنديق؟ فضيقوا صدري حَتَّى عزمت عَلَى الانصراف فبت تلك الليلة فِي مسجد ثُمَّ قُلْت جئت هذه البلدة فلا أقل من زيارته فلم أزل أسأل عَنْهُ حَتَّى دفعت إِلَى مسجده وَهُوَ قاعد فِي المحراب وبين يديه رحل وعليه مصحف فِيهِ يقرأ وإذا هُوَ شيخ بهي حسن الوجه واللحية، فدنوت منه وسلمت عَلَيْهِ فرد السَّلام، وَقَالَ: من أين؟ فَقُلْتُ: من بغداد قصدت زيارة الشيخ. فَقَالَ: لو أَن فِي بَعْض البلدان. قَالَ: لَك إِنْسَان أقم عندي حَتَّى أشتري لَك دارا أَوْ جارية أكان يمنعك عَن زيارتي؟ فَقُلْتُ: ياسيدي مَا امتحنني اللَّه تَعَالَى بشيء من ذَلِك ولو كَانَ لا أدري كَيْفَ كنت أكون، فَقَالَ: تحسن أَن تقول شَيْئًا فَقُلْتُ: نعم وقلت: رأيتك تبني دائبا فِي قطيعتي... ولو كنت ذا حزم لهدمت مَا تبني. فأطبق المصحف وَلَمْ يزل يبكي حَتَّى ابتلت لحيته وثوبه حَتَّى رحمته من كثرة بكائه ثُمَّ قَالَ لي: يا بَنِي لا تلم أهل الري عَلَى قولهم يُوسُف بْن الْحُسَيْن زنديق ومن وقت الصلاة هُوَ ذا أقرأ الْقُرْآن فلم تقطر من عيني قطرة وَقَدْ قامت عَلَى الْقِيَامَة بِهَذَا الْبَيْت.

ترجمہ: حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی کیسے واپس ہوئی؟

حضرت جنید رحمہ اللہ نے فرمایا: میں ایک دن حضرت سری رحمہ اللہ کے پاس گیا تو دیکھا کہ ایک آدمی پر غشی طاری ہے، میں نے پوچھا، اسے کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ اس نے کتاب اللہ میں سے ایک آیت سنی ہے۔ میں نے کہا، دوبارہ پڑھی جائے چنانچہ پھر پڑھی گئی

تو اسے افاقہ ہوگیا۔حضرت سری رحمہ اللہ نے فرمایا،تم نے یہ کہاں سے معلوم کرلیا کہ ایسے یہ ہوش میں آجائے گا؟ میں نے یہ دلیل دی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی حضرت یوسف علیہ السلام کی اسی قمیص کی وجہ سے گئی تھی اور پھر اسی کی وجہ سے واپس آئی۔حضرت سری رحمہ اللہ نے اسے بہت پسند کیا۔حضرت عبدالواحد بن علوان رحمہ اللہ بتاتے ہیں کہ ایک نوجوان جنید رحمہ اللہ کی خدمت میں رہتا تھا وہ جب بھی قرآن کریم سنتا،چیخ مارتا، ایک دن حضرت جنید رحمہ اللہ نے اس سے کہا: اگر دوبارہ تم نے ایسا کیا تو میری صحبت میں نہیں رہ سکے گا۔چنانچہ اس کے بعد وہ سنتا تو رنگ بدل جاتا لیکن وہ اپنے آپ کو قابو میں رکھتا اس کے روئیں روئیں سے قطرہ ٹپکتا اور پھر ایک دن اس نے یوں چیخ ماری کہ فوت ہوگیا۔حضرت ابونصر سراج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے ایک بھائی نے ابوالحسین دراج سے سن کر بتایا انہوں نے کہا کہ میں نے بغداد سے حضرت یوسف بن حسین رازی رحمہ اللہ کے پاس جانے کا ارادہ کیا جب ''رے'' میں پہنچا تو لوگوں سے ان کے گھر کا پتہ پوچھا میں جس سے بھی پوچھتا مجھے یہ جواب ملتا کہ اس بے دین سے مل کر کیا کروگے؟ انہوں نے مجھے تنگدل کر دیا اور میں واپسی کا سوچنے لگا،وہ رات تو میں نے ایک مسجد میں گزاری پھر میں نے سوچا کہ اس شہر میں آہی گیا ہوں تو کیوں نہ ان کی زیارت کرلوں چنانچہ پوچھتے پوچھتے میں ان کی مسجد میں جا پہنچا وہ محراب میں بیٹھے تھے سامنے رحل پر قرآن کریم رکھا تھا اور وہ تلاوت کر رہے تھے میں نے دیکھا تو وہ ایک خوشنما انسان تھے،داڑھی بہت خوبصورت تھی ۔میں نے قریب ہو کر سلام عرض کیا،انہوں نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ میں نے بتایا کہ بغداد سے آیا ہوں اور صرف آپ کی زیارت کرنے آیا ہوں پھر فرمایا: اگر کسی شہر میں کوئی انسان تجھے یہ کہتا کہ میرے پاس ٹھہرو،میں تمہارے لیے گھر یا لونڈی خرید کرتا ہوں،تو کیا تم میری زیارت سے رک جاتے؟ میں نے عرض کی اے آقا! اب تک تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس آزمائش میں ڈالا ہی نہیں ،اگر ایسا ہو جاتا تو میں نہیں جانتا کہ ایسے میں میری کیا حالت ہوتی ؟ پھر فرمایا کچھ کہنا پسند کروگے؟ میں نے عرض کی ہاں کہہ دیتا ہوں چنانچہ میں نے یہ شعر پڑھا: ''میں دیکھتا ہوں کہ تم مجھ سے تعلق ختم کرنے کی بنیاد رکھ رہے ہو،اگر سمجھدار ہوتے تو اس بنیاد ہی کو گرا دیتے۔انہوں نے قرآن کریم بند کر دیا اور رونے لگے اور پھر اتنا روئے کہ داڑھی اور کپڑے تر ہو گئے،مجھے ان کی یہ حالت دیکھ کر بہت ترس آیا۔پھر مجھ سے فرمایا! بیٹے! اہل رے کو یہ کہنے پر برا بھلا نہ کہو کہ ''یوسف بن حسین زندیق (بے دین) ہے'' نماز کے وقت سے میں قرآن کریم پڑھ رہا تھا لیکن میری دونوں آنکھوں سے ایک قطرہ بھی نہیں ٹپکا تھا لیکن اس شعر نے تو مجھ پر قیامت ڈھا دی ہے۔

سمعت مُحَمَّد بْن أَحْمَد بْن مُحَمَّد الصوفي يَقُول :سمعت عَبْد اللَّهِ بْن عَلِيّ الطوسي يَقُول :سمعت الرقي يَقُول :سمعت الدراج يَقُول :كنت أنا وابن القوطي مارين عَلَى الدجلة بَيْنَ البصرة والأبلة وإذا نحن بقصر حسن لَهُ منظر وعليه رجل وبين يديه جارية تغني وتقول :فِي سبيل اللَّه ودكَانَ مني لَك يبذل كُل يَوْم تتلون غَيْر هَذَا بك أجمل وإذا شاب تَحْتَ المنظرة بيده ركوة وعليه مرقعة يسمع.فَقَالَ :يا جارية بحياة مولاك أعيدي :كُل يَوْم تتلون غَيْر هَذَا بك أجمل فَقَالَ الشاب: قولي فأعادت، فَقَالَ :الفقير هَذَا والله تلوني مَعَ الحقو شهق شهقة خرجت روحه.فَقَالَ صاحب القصر للجارية :أَنْتَ حرة لوجه اللَّه تَعَالَى، وخرج أهل البصرة وفرغوا من دفنه والصلاة عَلَيْهِ فقام صاحب القصر.وَقَالَ :أليس تعرفوني؟ أشهدكم أَن كُل شَيْء لي فِي سبيل اللَّه وكل مماليكي أحرار ثُمَّ أتزر بإزار وارتدى برداء وتصدق بالقصر ومر فلم يرد لَهُ بَعْد ذَلِك وجه ولا سمع لَهُ أثر.سمعت مُحَمَّد بْن أَحْمَد بْن مُحَمَّد الصوفي يَقُول :سمعت عَبْد اللَّهِ بْن عَلِي الطوسي يَقُول :سمعت يَحْيَى بْن الرضا العلوي.قَالَ :سمع أَبُو سلمان الدمشقي طوافا ينادي :يا سعتر بري فسقط مغشيا عَلَيْهِ فلما أفاق سئل.فَقَالَ :حسبته يَقُول: اسع تر بري :وسمع عتبة الغلام رجلا يَقُول :سبحان رب السماء إن المحب لفي عناء، فَقَالَ عتبة :صدقت.وسمع رجل آخر

ذَلِك القول.فَقَالَ :كذبت فَكُل واحد سمع من حيث هُوَ.سمعت أبا حاتم السجستاني يَقُول :سمعت أبا نصر السراج يَقُول: سمعت أبا الْحَسَن عَلِي بْن مُحَمَّد الصوفي يَقُول :سمعت رويما وَقَدْ سئل عَنِ المشايخ الَّذِينَ لقيهم فِي السماع.فَقَالَ : كالقطيع إِذَا وقع فِيهِ الذئب.وحكى عَن أَبِي سَعِيد الخراز قَالَ :رأيت عَلِي بْن الموفق فِي السماع يَقُول :أقيموني فأقاموه فقام وتواجد ثُمَّ قَالَ :أنا الشيخ الزفان، وقيل :قام الرقي ليلة إِلَى الصباح يقوم ويسقط عَلَى هَذَا الْبَيْت والناس قيام يبكون والبيت:بالله فاردد فؤاد مكتئب ...لَيْسَ لَهُ من حبيبه خلف.سمعت مُحَمَّد بْن أَحْمَد التميمي يَقُول :سمعت عَبْد اللَّهِ بْن عَلِيّ الصوفي يَقُول :سمعت عَلِي بْن الْحُسَيْن بْن حمد بْن أَحْمَد بالبصرة يَقُول :سمعت أَبِي يَقُول :خدمت سهل بْن عَبْد اللَّهِ سنين كثيرة فَمَا رأيته تغير عِنْدَ سماع شَيْء كَانَ يسمعه من الذكر وَالْقُرْآن وغيره، فلما كَانَ فِي آخر عمره قرئ بين يديه {فَالْيَوْمَ لا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ} [الحديد15 :] رأيته تغير وارتعد وكاد يسقط، فلما رجع إِلَى حال صحو سألته عَن ذَلِك.فَقَالَ :يا حبيبي ضعفنا.وحكى ابْن سالم.قَالَ :رأيته مرة أُخْرَى قرئ بَيْنَ يديه {الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَنِ} [الفرقان26 :] فتغير وكاد يسقط ,فَقُلْتُ لَهُ فِي ذَلِك.فَقَالَ.ضعفت وَهَذِهِ صفة الأكابر لا يرد عَلَيْهِ وارد وإن كَانَ قويا إلا وَهُوَ أقوى منه.سمعت الشيخ أبا عَبْد الرَّحْمَنِ السلمي يَقُول :دخلت عَلَى أَبِي عُثْمَان المغربي وواحد يستقي الماء من البئر عَلَى بكرة، فَقَالَ :يا أبا عَبْد الرَّحْمَنِ أتدري إيش تقول البكرة؟فَقُلْتُ :لا، فَقَالَ :تقول :اللَّهَ اللَّهَ.سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ الصُّوفِيَّ يَقُولُ :سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ طَاهِرٍ يَقُولُ :سَمِعْتُ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ سَهْلٍ يَقُولُ :سَمِعْتُ رُوَيْمًا يَقُولُ :رُوِيَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ صَوْتَ نَاقُوسٍ.فَقَالَ لأَصْحَابِهِ :أَتَدْرُونَ مَا يَقُولُ هَذَا؟قَالُوا :لا، قَالَ :إِنَّهُ يَقُولُ :سُبْحَانَ اللَّهِ حَقًّا حَقًّا إِنَّ الْمَوْلَى حَمْدٌ يَبْقَى.سمعت مُحَمَّد بْن أَحْمَد التميمي يَقُول :سمعت عَبْد اللَّهِ بْن عَلِيّ يَقُول :سمعت أَحْمَد بْن عَلِي الكرخي الوجيهي يَقُول :كَانَ جَمَاعَة من الصوفية مستجمعين فِي بَيْت الْحَسَن القزاز ومعهم قوالون يقولون ويتواجدون فأشرف عَلَيْهِم ممشاد الدينوري فسكتوا.فَقَالَ :ارجعوا إِلَى مَا كنتم فِيهِ فلو جمع ملاهي الدنيا فِي أذني مَا شغل همي ولا شفي بَعْض مَا بي، وبهذا الإسناد عَنِ الوجيهي.قَالَ :سمعت أبا عَلِيّ الروذباري يَقُول :بلغنا فِي هَذَا الأمر إِلَى مكان مثل حد السَيْف إن ملنا كَذَا ففي النار.وَقَالَ خير النساج :قص مُوسَى بْن عمران صلوات اللَّهِ عَلَيْهِ عَلَى قوم قصة فزعق واحد مِنْهُم فانتهره مُوسَى فأوحى اللَّهُ تَعَالَى إِلَيْهِ :يا مُوسَى بطيبي فاحوا وبحبي باحوا وبوجدي صاحوا فلم تنكر عَلَى عبادي؟ وقيل :سمع الشبلي قائلا يَقُول :الخيار عشرة بدانق، فصاح.

لڑکی کی آواز پر فقیر کیوں مرا:

حضرت دراج رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں اور ابن القوطی بصرہ اور ابلہ کے درمیان دجلہ پر سے گزر رہے تھے اچانک ایک خوبصورت محل پر نظر جم گئی ،اس کی ایک کھڑکی تھی ،ایک آدمی اس میں نظر آیا جس کے سامنے ایک لڑکی یہ شعر گا رہی تھی: ''راہ خدا میں میری محبت تمہاری خاطر خرچ ہوتی ہے لیکن روزانہ تمہارا رنگ بدلتا ہے کوئی اور طریقہ اپناتے تو اچھا تھا''اس کھڑکی کے نیچے دیکھا تو ایک نوجوان ہاتھ میں لوٹا لئے ،چیتھڑے پہنے سن رہا ہے، کہنے لگا اے لونڈی !تمہیں تمہارے آقا کی قسم !یہ دوسرا شعر پھر پڑھو چنانچہ اس لڑکی نے دوبارہ پڑھا اس فقیر نے پھر دہرانے کو کہا تو اس نے پھر پڑھا،اس پر فقیر نے کہا: یہ دیکھو میرا حق تعالیٰ کے ساتھ رنگ بدلنا کیسا ہے؟ اور پھر زوردار چیخ ماری جس کے ساتھ ہی روح پرواز کر گئی۔

اس محل کے مالک نے لونڈی سے کہا کہ تم کو اللہ کے نام پر آزاد کرتا ہوں۔ پھر اہل بصرہ نکلے۔ اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اسے دفن کر دیا۔ محل کے مالک نے کہا تم مجھے نہیں جانتے، میں تمہیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ جو چیز بھی میری ملکیت میں ہے میں اسے راہ خدا میں دیتا ہوں۔ آج سے میرے سب غلام آزاد ہیں پھر اس نے ایک چادر پہنی اور ایک چادر اپنے اوپر اوڑھ لی۔ محل صدقہ کر دیا اور چل دیا، بعد ازاں نہ تو اس کی شکل دیکھنے میں آئی اور نہ ہی کوئی نشان تک ملا۔ حضرت ابوسلمان دمشقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک گھومنے والے شخص کو یہ آواز لگاتے سنا: یاسعتر بری۔ (لوگو! جنگلی پت پاپڑ الے لو) اسے سنتے ہی غش کھا کر گر گئے، جب اس بارے میں پوچھا گیا تو کہا، میں نے سمجھا تھا کہ یہ ''اسع تر بری'' (کوشش کرو تو میرا احسان دیکھ لوگے) کہہ رہا ہے۔ حضرت عتبہ الغلام رحمہ اللہ نے ایک غلام کو یہ کہتے سنا: پاک ہے آسمانوں کا رب محبت کرنے والا مشکل میں ہوتا ہے۔ عتبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تم نے سچ کہا لیکن یہ بات ایک اور شخص نے سنی تو کہا: تو نے جھوٹ بولا ہے، چنانچہ ان میں سے ہر ایک نے اسے اپنی حالت میں دیکھا۔ حضرت رویم رحمہ اللہ تعالیٰ سے ان مشائخ کے بارے میں پوچھا گیا جو سماع میں جاتے تو ان سے ان کی ملاقات ہوتی، انہوں نے کہا ان کو ایسے جانو جیسے ایک ریوڑ میں بھیڑیا گھس گیا۔ حضرت ابوسعید خراز رحمہ اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں کہ میں نے علی بن موفق کو سماع میں دیکھا تو انہوں نے کہا ''مجھے کھڑا کر دو'' چنانچہ لوگوں نے کھڑا کیا، وہ کھڑے ہوئے اور وجد کرنے لگے اور اسی حالت میں کہا کہ ''میں رقص کرنے والا بوڑھا ہوں۔'' کہتے ہیں کہ حضرت رقی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک رات صبح ہونے تک کھڑے رہے، وہ شعر پڑھتے، اٹھتے اور گر جاتے، انہیں دیکھ کر لوگ روئے جا رہے تھے، شعر یہ تھے۔ ''خدارا! اس دکھیارے کا دل واپس کر دو جس کیلئے محبوب کا کوئی بول نہیں ہے۔'' حضرت علی بن حسین بن محمد بن احمد تمیمی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے سنا، فرماتے تھے کہ میں نے سالہا سال تک حضرت سہل بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی خدمت کی، اس عرصہ میں میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا کہ کسی ذکر یا قرآن سننے سے ان کی حالت تبدیل ہوئی ہو لیکن جب اخیر عمر کو پہنچے تو ایک دن آپ رحمہ اللہ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی۔ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ ﴿الحدید ۱۵﴾ (تو آج نہ تم سے کوئی فدیہ لیا جائے) تو میں نے دیکھا کہ آپ کا رنگ تبدیل ہو گیا اور کانپنے لگے، قریب تھا کہ گر پڑتے اور جب آپ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی اصلی حالت پر آ گئے تو میں نے اس بارے میں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ سے پوچھا تو فرمایا: پیارے! ہم کمزور ہو چکے ہیں۔ حضرت ابن سالم رحمہ اللہ بتاتے ہیں کہ میں نے انہیں دوبارہ دیکھا کہ آپ کے سامنے یہ آیت مبارکہ پڑھی گئی اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ﴿الفرقان ۲۶﴾ (اس دن سچی بادشاہی رحمٰن کی ہے) تو آپ کا رنگ بدل گیا اور آپ گرنے ہی والے تھے کہ اسی حالت میں میں نے اس بارے میں پوچھا تو فرمایا: میں کمزور ہو چکا ہوں۔ یہ تو تھی اکابر صوفیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی حالت کہ اگر ان پر کوئی طاقت ور بھی آجاتا تو وہ اس سے بھی طاقتور ہوتے۔ حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ابوعثمان مغربی کے ہاں گیا، دیکھا تو ایک آدمی کنوئیں کی چرخی پر اس سے پانی نکال رہا تھا کہنے لگے ابوعبدالرحمٰن! جانتے ہو یہ چرخی کیا کہتی ہے؟ میں نے کہا، نہیں، انہوں نے کہا کہ یہ اللہ اللہ کہتی ہے۔

ناقوس بجے تو کیا کہتا ہے؟

حضرت رویم رحمہ اللہ بتاتے ہیں کہ حضرت علی بن ابوطالب کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ آپ نے ناقوس بجنے کی آواز سنی تو اپنے ساتھیوں سے کہا، جانتے ہو کہ یہ ناقوس کیا کہہ رہا ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں، آپ کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا یہ کہہ رہا ہے ''سبحن اللہ حقاان المولیٰ صمدیبقیٰ'' حضرت احمد بن علی کرخی وجیہی رحمہ اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں کہ حضرت حسن بن قزار کے گھر میں صوفیاء جمع تھے، ساتھ میں قوال بھی تھے، قوال پڑھتے اور لوگ وجد کرتے جاتے، ادھر سے حضرت ممشاد دینوری رحمہ اللہ نے آ کر انہیں دیکھا تو وہ خاموش ہو گئے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا، جو کچھ تم پڑھ رہے تھے، دوبارہ پڑھو، اگر میرے کانوں میں دنیا بھر کے لہو ولعب اور فضول باتیں بھی پڑ جائیں تو میرے ارادے کو بدل نہ سکیں گی اور نہ ہی میرے دل کو سکون دیں گی۔ حضرت ابوعلی رو ذباری رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ اس معاملہ میں ہم اس مقام تک پہنچ چکے ہیں جو تلوار کی دھار جیسا ہے کہ ذرا ادھر کو ہوئے تو سیدھے جہنم میں گئے۔ حضرت خیر النساء رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو ایک قصہ سنایا تو ان میں سے ایک نے چیخ ماری، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے ڈانٹا تو اللہ کی طرف سے آپ علیہ السلام کو وحی آئی کہ اے موسیٰ !(علیہ السلام)یہ لوگ میری خوشبو سے خوشبودار ہیں ، میری محبت ظاہر کرتے ہیں، میرے وجد سے چلاتے ہیں تو تم انہیں اجنبی کیوں جانتے ہو؟ کہتے ہیں کہ حضرت شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک بولنے والے کو سنا کہ ''دس خیار (کھیرا) ایک دانق میں'' چنانچہ ان کی چیخ نکل گئی ۔فرمایا : جب ایک دانق کے دس ''خیار'' ہیں تو ''شرار'' (برے لوگوں) کا کیا حال ہوگا؟

وَقَالَ :إِذَا كَانَ الخيار عشرة بدانق فكيف الشرار وقيل :إِذَا تغنت الحور العين فِي الْجَنَّة ترددت الأشجار.وقيل :كَانَ عون بْن عَبْد اللَّهِ يأمر جارية لَهُ حسنة الصوت فتغني بصوت حزين حَتَّى تبكي الْقَوْم.وسئل أَبُو سُلَيْمَان الداراني عَنِ السماع.فَقَالَ : كُل قلب يريد الصوت الْحَسَن فَهُوَ ضعيف يداوى كَمَا يداوى الصَّبِي إِذَا أريد أَن ينام، ثُمَّ قَالَ أَبُو سُلَيْمَان :إِن الصوت الْحَسَن لا يدخل فِي القلب شَيْئًا إِنَّمَا يحرك من القلب مَا فِيهِ.قَالَ ابْن أَبِي الحواري :صدق اللَّه وأبوه سُلَيْمَان :وَقَالَ الجريري :كونوا ربانيين أي سماعين من اللَّه قائلين بالله تَعَالَى.وسئل بَعْضهم عَنِ السماع.فَقَالَ :برق تلمع ثُمَّ تخفى، وأنوار تبدو ثُمَّ تخفي مَا أحلاها لو بقيت مَعَ صاحبها طرفة عين ثُمَّ أنشأ يَقُول :خطرة فِي السر منه خطرت خطرة البرق ابتدي ثُمَّ اضمحل أي زور لَك لو قصد اسرى ومسلم بك لو حقا فعل۔

ترجمہ: حوروں کے گانے سے جنتی درختوں میں پھول:

کہتے ہیں کہ جب بڑی آنکھوں والی حوریں جنت میں گانا شروع کریں گی تو درختوں میں پھول آجائیں گے۔ حضرت عون بن عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ ایک خوبصورت آواز والی لڑکی کو گانے کا حکم کرتے اور وہ دردناک آواز سے گاتی تو پوری قوم کو رلا دیتی۔ حضرت ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ تعالیٰ سے سماع کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا ہر ایسا دل جو خوبصورت آواز کو چاہتا ہے، کمزور شمار ہوتا ہے، اس کے علاج کی ضرورت بالکل یونہی ہوتی ہے جیسے سوتے بچے کو تھپکی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے بعد حضرت سلیمان دارانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خوبصورت آواز دل کے اندر کوئی چیز ڈالتی نہیں بلکہ جو دل کے اندر پہلے سے موجود ہوتا ہے اسے بھڑکاتی ہے۔ یہ سن کر ابن ابوالحواری نے کہا بخدا ابوسلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ نے درست کہا ہے۔ حضرت جریری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ربانی بن جاؤ یعنی صرف اللہ کے احکام سنا کرو اور اسی کی بات کیا کرو۔ ایک صوفی سے پوچھا گیا کہ سماع کیا ہوتا ہے؟ تو فرمایا یہ گویا بجلیاں ہوتی ہیں ادھر چمکی ادھر بجھ گئیں۔ انوار ہوتے ہیں جو ظاہر ہوتے ہیں اور پھر چھپ جاتے ہیں، اگر یہ انوار، صاحب انوار کے ساتھ کچھ دیر باقی رہیں تو کیا عالم ہو؟ اور پھر یہ اشعار پڑھے: ''باطنی طور پر محبوب کا خیال یوں آیا جیسے بجلی ہو جو چمکے اور ختم ہو جائے، اگر خیال محبوب ارادی طور پر آیا تھا تو یہ کیسی دید؟ کہ رک نہ سکا اور فوراً چل دیا''

وقيل السماع فِيهِ نصيب لكل عضو فَمَا يقع إِلَى العين تبكي وَمَا يقع إِلَى اللسان يصيح، وَمَا يقع عَلَى اليد تمزق الثياب وتلطم، وَمَا يقع إِلَى الرجل ترقص.وقيل :مَات بَعْض ملوك العجم وخلف ابنا صغيرا فأردوا أَن يبايعوه فَقَالُوا :كَيْفَ نصل إِلَى عقله وذكائه ثُمَّ توافقوا عَلَى أَن يأتوا بقوال يَقُول شَيْئًا فَإِن أَحْسَن الإصغاء علموا كياسته فأتوا بقوال ,فلما قَالَ القوال شَيْئًا ضحك الرضيع فقبلوا الأَرْض بَيْنَ يديه وبايعوه.سمعت الأستاذ أبا عَلِي الدقاق يَقُول :اجتمع أَبُو عَمْرو بْن نجيد والنصراباذي

والطبقة فِي موضع، فَقَالَ النصراباذي :أنا أقول :إِذَا اجتمع الْقَوْم فواحد يَقُول شَيْئًا ويسكت الباقون خير من أَن يغتابوا أحدا.فَقَالَ أَبُو عَمْرو :لأن تغتاب ثلاثين سنة أنجى لَك من أَن تظهر فِي السماع مَالست بِهِ.

سماع میں ہر عضو کی خوراک:

کہتے ہیں کہ سماع میں انسان کے ہر عضو کیلئے خوراک ہوتی ہے۔اگر آنکھ تک پہنچ جائے تو وہ رونے لگتی ہے زبان تک پہنچے تو وہ چیختی چلاتی ہے،ہاتھ تک پہنچے تو وہ کپڑے پھاڑتا ہے اور منہ پر طمانچے مارتا ہے اور اگر یہی خوراک پاؤں کو مل جائے تو وہ رقص کرتے ہیں۔کہتے ہیں کہ ایک عجمی (ایرانی) بادشاہ مرگیا اور چھوٹا سا بچہ پیچھے چھوڑ گیا،رعایا نے اس کی بیعت کا ارادہ کیا تو سوچنے لگے کہ اس کی سوجھ بوجھ کا اندازہ کیسے کیا جائے؟ پھر انہوں نے مل کر یہ طے کیا کہ ایک قوال کو لایا جائے جو کچھ کلام پڑھے،اگر اس نے کان دھر لئے تو سمجھ لیں گے کہ سیاست جانتا ہے چنانچہ وہ قوال کو لے آئے۔قوال نے کے کچھ کلام پڑھا تو وہ بچہ ہنسنے لگا چنانچہ سب نے اس کے سامنے زمین چوم لی اور سب نے بیعت کرلی۔حضرت استاد ابوعلی دقاق رحمہ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ابوعمرو بن جنید،نصرآبادی اور کچھ دوسرے صوفیاء ایک مقام پر اکٹھے ہوئے،نصرآبادی نے کہا،میں یہ کہتا ہوں کہ اگر لوگ ایک جگہ اکٹھے ہوں ،ان میں سے ایک بات کرے اور دوسرے خاموشی سے سنیں تو یہ چغلیاں کھانے سے بہتر ہوتا ہے یہ سنا تو ابوعمرو بولے:سماع میں اپنی ایسی حالت دکھانا جو درحقیقت اس میں موجود نہیں تو تیس سال تک چغلیاں کھاتے پھرنا اس سے بہتر ہوگا۔

سمعت الأستاذ أبا عَلِي الدقاق رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى يَقُول :النَّاس فِي السماع ثلاثة :متسمع ومستمع وسامع، فالمتسمع يسمع بوقت، والمستمع يسمع بحال، والسامع يسمع بالحق.وسألت الأستاذ أبا عَلِي الدقاق رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى غَيْر مرة شبه طلب رخصة فِي السماع وَكَانَ يحيلني عَلَى مَا يوجب الإمساك عَنْهُ ثُمَّ بَعْد طول المعاودة.

ترجمہ: سماع سننے والوں کی اقسام:

حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سماع میں تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔متسمع،مستمع اور سامع۔متسمع تو اپنے وقت میں سماع سنتا ہے،مستمع اپنے حال میں اور سامع حق کے ساتھ سنتا ہے۔میں نے حضرت استاذ ابوعلی دقاق رحمہ اللہ سے کئی بار سماع کی اجازت مانگی لیکن ہر بار آپ بہانہ بناتے،اشارہ یہ ہوتا کہ اس سے رکنا ہی بہتر ہے پھر جب میں نے بار بار اصرار کیا تو فرمایا،مشائخ یہ فرماتے ہیں کہ ایسا سماع سننے میں حرج نہیں جو تمہارا دل اللہ کی طرف متوجہ کردے۔

سمعت الشيخ أبا عَبْد الرَّحْمَنِ السلمي يَقُول :سمعت مُحَمَّد بْن عَبْد اللَّهِ بْن شاذان يَقُول :سمعت أبا بَكْر النهاوندي يَقُول :سمعت عليا السائح يَقُول :سمعت أبا الْحَارِث الأولاسي يَقُول :رأيت إبليس لعنه اللَّهُ فِي المنام عَلَى بَعْض سطوح أولاس وأنا عَلَى سطح وعلى يمينه جَمَاعَة وعلى يساره جَمَاعَة وعليهم ثياب نظاف، فَقَالَ لطائفة مِنْهُم :قولوا فَقَالُوا :وغنوا فاستفزعني طيبة حَتَّى هممت أَن أطرح نفسي من السطح ثُمَّ قَالَ :ارقصوا فرقصوا أطيب مَا يَكُون ثُمَّ قَالَ لي :يا أبا الحارث مَا أصبت شَيْئًا أدخل بِهِ عليكم إلا هَذَا.سمع مُحَمَّد بْن الْحُسَيْن يَقُول :سمعت عَبْد اللَّهِ بْن عَلِي يَقُول :اجتمعت ليلة مَعَ الشبلي رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى.فَقَالَ :القوال شَيْئًا فصاح الشبلي وتواجد قاعدا، فقيل لَهُ :يا أبا بَكْر مَالِك من بَيْن الْجَمَاعَة قاعدا فقام وتواجد.وَقَالَ :لي سكرتان وللندمان واحدة شَيْء خصصت بِهِ من بينهم وحدي وسمعته يَقُول :سمعت مَنْصُور بْن عَبْد اللَّهِ الأَصْبَهَانِي يَقُول :

سمعت أبا عَلِي الروذباري يَقُول :جزت بقصر فرأيت شابا حسن الوجه مطروحا وحوله ناس، فسألت عَنْهُ فَقَالُوا :إنه جاز بِهَذَا القصر وفيه جارية تغني :كبرت همة عَبْد طمعت فِي أَن تراكا أَوْ مَا حسب لعين أَن ترى من قَدْرَاكا فشهق شهقة وَمَاتَ.

ترجمہ: ابلیس اور ابو الحارث اولاسی رحمہ اللہ تعالیٰ:

حضرت ابو الحارث اولاسی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں نے لعنتی ابلیس کو خواب میں دیکھا کہ "اولاس" کی ایک چھت پر موجود ہے، دوسری چھت پر میں خود کھڑا ہوں، ایک گروہ اس کے دائیں اور ایک بائیں تھا، سب نے صاف ستھرے کپڑے پہن رکھے تھے، اس نے ایک گروہ سے کہا گانا گاؤ! انہوں نے گانا شروع کر دیا، ایسا گایا کہ میں خود بہک گیا، دل نے چاہا کہ میں اپنے آپ کو چھت سے گرادوں، پھر اس نے اسی گروہ سے کہا کہ رقص شروع کر دو چنانچہ انہوں نے بہترین رقص کیا۔ پھر شیطان مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اے ابو الحارث! تم لوگوں کو بہکانے کیلئے آج تک مجھے اس سے بہتر طریقہ ہاتھ نہیں آیا۔ حضرت عبد اللہ بن علی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ ایک دن میں حضرت شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس ٹھہرا، قوال نے کچھ پڑھا تو حضرت شبلی رحمہ اللہ تعالیٰ چیخ اٹھے اور بیٹھے بیٹھے وجد کرنے لگے آپ سے کہا گیا اے ابو بکر! پوری جماعت تو کھڑے ہو کر رقص کر رہی ہے تم بیٹھے کیوں ہو؟ چنانچہ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی کھڑے ہو کر وجد کرنے لگے اور یہ شعر پڑھنا شروع کر دیا: "میرے ہم مجلس لوگوں کو تو ایک ہی قسم کا نشہ ہوتا ہے مگر مجھے دو قسم کے ہوتے ہیں یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو صرف مجھ ہی کو حاصل ہے" حضرت ابو علی روذباری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ایک محل کے قریب سے گزرا تو ایک نوجوان کو دیکھا جو زمین پر گر پڑا تھا، لوگ اس کے ارد گرد جمع تھے، میں نے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ یہ اس محل کے قریب سے گزر رہا تھا، اس میں ایک لڑکی نے یہ اشعار پڑھے ہیں: "کیا آنکھ کیلئے اتنا ہی کافی نہیں کہ تجھے دیکھنے والی آنکھ کو دیکھ لے" چنانچہ اس نے چیخ ماری ہے اور گرتے ہی فوت ہو گیا ہے۔[1]

وجد و حال امت مسلمہ کے خواص اولیاء کا حصہ ہے

حضرت امام عفیف الدین ابو سعادات عبد اللہ بن اسعد بن علی یافعی یمنی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

عن ابی القاسم الجنید رضی اللہ تعالی عن قال: کنت مع جماعۃ فی جبل طور سیناء، فنزلنا علی عین ماء تحت دیر النصاری، و کان معنا قوّال، فقال شیئا، فظهر وجد الاصحاب، فقاموا و رقصوا و صاحب الدیر ینظر الینا من فوق الدیر و ینادی و یقول : باللہ علیکم و بحقّ الدّین الحنیفیّ الّا جئتمونی، فلم یلتفت الیه منّا أحد من طیب الوقت، فلمّا سکت الجمع و قعدوا، قال: من منکم الاستاذ؟ فاشاروا الیّ، فقال: یا استاذ هذا الذی کنتم فیه من السماع و الحرکات و الرقص خصوص فی دینکم او عموم؟ فقلت: لا بل خصوص بشرط الزهد فی الدنیا، فقال: اشهد ان لا الٰه الّا اللہ، و اشهد انّ محمّدا رّسول اللہ ﷺ هٰکذا وجدّت فی انجیل عیسیٰ علیه الصلوٰۃ و السّلام انّ الخواصّ من امۃ محمّد ﷺ یتحرّکون عند السماع بشرط الزّهد فی الدّنیا، و یکون لباسهم الصوف و الملوّنات، یرضون من الدّنیا بالبلغۃ۔

ترجمہ: یہ واقعہ حضرت ابو القاسم جنید رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ حضرت صوفیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی جماعت کے ساتھ کوہ طور پر تھے۔ نصرانیوں کے گرجا سے متصل ایک چشمہ پر اترے، ہمراہ قوال تھا۔ اس نے سماع شروع کیا۔ صوفیہ پر وجد و حال طاری ہوا اور وہ کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے۔

---

[1] (الرسالۃ القشیریۃ ج ۱ ص ۵۱۹)

گرجا کا راہب اوپر سے یہ منظر دیکھ رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کی قسم، اور دین حنیف کی قسم دے دے کہ انہیں اپنے پاس بلا رہا تھا۔ مگر کسی کو اس پر توجہ کی فرصت نہ تھی۔ جب وجد و حال ختم ہوا اور سب لوگ سکون و اطمینان سے ہوئے تو راہب آیا اور پوچھا آپ لوگوں کا استاد و مرشد کون ہے؟ تمام لوگوں نے امام الطائفہ جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف اشارہ کیا۔ راہب نے شیخ سے پوچھا۔ یہ صرف تمہارے دین میں خاص لوگوں کی چیز ہے یا عام شے ہے؟ شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ یہ خاص چیز ہے جس کے لئے ترک دنیا اور تقویٰ بھی شرط ہے۔ راہب نے شیخ کی باتیں سن کر اسی وقت کلمہ شہادت اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا رسول الله (ﷺ) پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ راہب نے مزید کہا۔ میں نے انجیل میں دیکھا ہے کہ امت محمد ﷺ میں مخصوص حضرات ترک دنیا کی شرط کے ساتھ سماع میں حرکت کریں گے اور ان کا لباس رنگین یا اون کا ہوگا اور دنیا سے بقدر حاجت حاصل کریں گے۔[1]

حضرت امام عفیف الدین ابوسعادات عبداللہ بن اسعد بن علی یافعی یمنی مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

و كذالك كان بعض الفقهاء ينكر على الصوفية سماعهم فدخل عليه بعضهم يوما فوجده يدور في بيته، فقال له :يا فقيه، ارا ك تدور، فقال: كانت مسالة اشكلت علي، فاطلعت عليها الان فملئت بذالك فرحا ولم أتمالك من الطرب، فقمت ودرت كما رايت، فقال له :يا فقيه هذا فرحك بمسالة، فكيف تنكر على من فرح بالله تعالى، قلت :كم بين الفرح بالاطلاع على حكم من احكام الله، والفرح بالاطلاع على تجلي جمال الله تعالى وكمال صفاته وامتلاء القلب بمحبته والشوق الى لقاء ذاته والطرب بذكره، الحالي العذب الزلال والغيبة بواردات الاحوال والمنازلة في المقامات العوال، والشرب من راح المحبة التي فيها قال،

هنيئاً لِأَهل الدير كم سكروا بها		وماشربوا منها ولكنهم همّوا
على نفسه فليبك من ضاع عمره		وليس له منها نصيب ولاسهم

وقال الاستاذ ابو القاسم الجنيد رضي الله تعالى عنه: رايت النبي ﷺ في المنام فقلت :يا رسول الله ﷺ ما تقول في السماعات التي نحضرها في الليلي، وربما تبدو منا الحركات فيها، فقال ﷺ (ما من ليلة الا واحضر معكم، ولكن ابدوا بالقران واختموا بالقران)

اور اسی طرح سماع کے منکر ایک فقیہ صاحب کے پاس ایک صوفی صاحب تشریف لے گئے۔ دیکھا تو فقیہ صاحب گھر کے اندر گردش کرتے جا رہے ہیں۔ صوفی صاحب نے پوچھا آخر کس بات پر یہ گردش ہے؟ فقیہ صاحب نے کہا ایک مسئلہ عرصہ سے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ابھی حل ہوا ہے اسی خوشی میں جھوم رہا ہوں۔ صوفی صاحب نے جواب دیا کہ آپ ایک مسئلہ حل ہونے پر اس قدر جھوم رہے ہیں پھر بھلا اللہ تعالیٰ سے تعلق پر وجد کرنے والوں کا انکار کیوں کرتے ہیں؟

حضرت علامہ یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ توضیح فرماتے ہیں ان دونوں خوشیوں میں فرق ہے۔ ایک خوشی وہ ہے جو اللہ کے حکم کو سمجھنے پر حاصل ہوئی۔ اور ایک وہ ہے جب قلب اللہ تعالیٰ کی محبت اور شوق دید سے پر ہو جاتا ہے اس وقت اللہ تعالیٰ کی تجلی جمال اور صفت کمال پر اللہ تعالیٰ کے شیریں ذکر اور ورود و حال اور مراتب کی بلندی سے نشاط پیدا ہوتا ہے اور بادہ محبت کا نشہ حاصل ہوتا ہے۔ حضرت سید الطائفہ شیخ جنید

---

[1] (روض الریاحین فی حکایات الصالحین، الحکایۃ السابعۃ والسبعون بعد المئتین ص، ۲۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت) (بزم اولیاء، ص، ۳۱۷)

بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خواب میں حضور سرور کائنات ﷺ کی زیارت کی؛ عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ، یہ سماع جن میں ہم راتوں کو حاضر ہوتے ہیں اور کبھی اس میں حرکتیں بھی پیدا ہوتی ہیں اس کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ فرمایا: میں ہر شب تمہارے ساتھ ہوتا ہوں مگر اسے قرآن شریف سے شروع کر کے قرآن شریف پر ہی ختم کیا کرو۔[1]

حضرت امام عفیف الدین ابوسعادات عبداللہ بن اسعد بن علی یافعی، یمنی، مکی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

وروی ان الامام الشافعی رضی اللہ تعالی عنہ سمع جاریۃ تغنی وتقول: شعر،

خلیلی مابال المطایا کانھا　　تراھا علی الاعقاب بالقوم تنکص،

فقال لابن علیۃ وکان معہ: کیف تسمع، ایطربک؟ فقال لا، فقال الشافعی: مالک حس" وحکی ان بعضھم قام لیلۃ الی الصباح، یقوم یسقط علی ھذا البیت والناس قیام یبکون:

باللہ ردّوا فؤادمکتئب　　لیس لہ من حبیبہ خلف

ترجمہ: خدا کے واسطے اس غمزدہ کا دل پھیر دو جسے اپنے حبیب کا ثانی نہیں ملتا۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں بیان کیا گیا کہ آپ نے ایک لڑکی کو یہ شعر پڑھتے سنا:

خلیلی مابال المطایا کانھا　　تراھا علی الاعقاب بالقوم تنکص

ترجمہ: اے دوست؛ ان سواریوں کو کیا ہو گیا ہے لگتا ہے قوم کو الٹے پاؤں لوٹا رہی ہیں۔

احمد بن علی ہمراہ تھے۔ آپ نے پوچھا یہ شعر سن کر تمہیں کچھ کیف آیا۔ انھوں نے عرض کیا کچھ بھی تو نہیں۔ حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا؛ تم تو بے حس ہو۔ ایک اور بزرگ یہ شعر سن کر وجد میں آ گئے۔

اسی کیف اور مستی میں رات بھر کھڑے رہے کبھی کبھی گر پڑتے پھر سنبھل کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ آپ کے ساتھ مصاحبین بھی کھڑے روتے اور اشک بہاتے رہے۔[2]

حافظ عماد الدین ابوالفدا اسماعیل ابن کثیر، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ،، لکھتے ہیں:

وَقَدْ قَرَأَ ابْنُ الْبَهْلُولِ يَوْمًا فِي جَامِعِ الْمَنْصُورِ قَوْلَهُ تَعَالَى: {أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ} (الحدید: ١٦) فَنَهَضَ إِلَيْهِ رَجُلٌ صُوفِيٌّ، وَهُوَ يَتَمَايَلُ، فَقَالَ: كَيْفَ قُلْتَ؟ فَأَعَادَ الْآيَةَ، فَقَالَ الصُّوفِيُّ: بَلَى وَاللَّهِ، وَسَقَطَ مَيِّتًا رَحِمَهُ اللَّهُ.

ترجمہ: ایک روز جامع منصور میں حضرت بہلول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھا:

أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ۔

ترجمہ: کیا ایمان والوں کو ابھی وہ وقت نہ آیا کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کی یاد اور اس حق کے لئے جو اُترا۔ (الحدید ١٦:)

ایک صوفی شخص جھومتے ہوئے اس کی طرف کھڑا ہوا اور کہا: تو نے کیا پڑھا ہے؟ تو اس نے دوبارہ آیت پڑھی، پھر صوفی نے کہا اللہ کی

---

[1] (روض الریاحین فی حکایات الصالحین، الحکایۃ التاسعۃ والسبعون بعد المئتین ص، ٢٤٤، ٢٤٥، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (روض الریاحین فی حکایات الصالحین، الحکایۃ الثمانون بعد المئتین ص، ٢٤٧، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قسم وہ وقت آگیا ہے، اس کے بعد وہ صوفی شخص گر کر فوت ہوگیا اللہ تعالیٰ اس پر رحمت نازل کرے۔[1]

حافظ عماد الدین ابو الفد اُ اسماعیل ابن کثیر، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ،، لکھتے ہیں:

قال ابن الأثير :في رجب منها اجْتَمَعَ جَمَاعَةٌ مِنَ الصُّوفِيَّةِ بِرِبَاطِ بِبَغْدَادَ فِي سماع فأنشدهم، وهو الجمال الحلي:

أعاذلتي أَقْصِرِي		كَفَى بِمَشِيبِي عَذَلُ
شَبَابٌ كَأَنْ لَمْ يكن		ومشيب كأن لم يزل
وبثي ليال الوصال		أواخرها والأول
وصفرة لون المحبب		عند استماع الغزل
لئن عاد عتبى لكم		حلالي العيش واتصل
فلست أبالي بما نالني		ولست أبالي بأهل ومل

قَالَ فَتَحَرَّكَ الصُّوفِيَّةُ عَلَى الْعَادَةِ فَتَوَاجَدَ مِنْ بينهم رجل يقال له أحمد الرَّازِيُّ فَخَرَّ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ، فَحَرَّكُوهُ فَإِذَا هُوَ مَيِّتٌ.

علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :اس سال کے رجب میں صوفیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی ایک جماعت کا بغداد میں محفل سماع میں اجتماع ہوا، اس موقع پر جمالی حلی نے انہیں درج ابالا اشعار سنائے :(ترجمہ: اے مجھے ملامت کرنے والی ملامت کم کر، میرا بڑھاپا ہی ملامت کرنے والا کافی ہے، جوانی گویا تھی ہی نہیں، اور بڑھاپا شاید ہمیشہ رہے گا، میرا غم وصل کی راتوں پر جوان کی ابتدا و انتہا پر ہے، غزل کے سنتے وقت محبوب کے چہرے کا رنگ زرد ہے، اگر دوبارہ تم سے میری ناراضگی ہوئی تو میری زندگی میٹھی اور متصل ہو جاتی، مجھے جو رنج والم پہنچا اس کی پرواہ نہیں اور نہ مجھے اہل ملال کی پرواہ ہے۔)

علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں : تو صوفیاء میں حرکت شروع ہوگئی جیسے ان کی عادت ہے، ان کے درمیان میں سے ایک شخص جسے احمد رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں اس پر وجد طاری ہوگیا، پھر وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا، جب انہوں نے اسے ہلایا تو وہ فوت چکا تھا۔ فرماتے ہیں :وہ نیک آدمی تھا، اور ابن سباعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں یہ نیک صالح شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھا جس نے صدر عبد الرحیم شیخ الشیوخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی صحبت اختیار کی تھی، لوگ اس کے جنازے میں حاضر ہوئے اور اسے باب ابرز میں دفن کیا گیا۔[2]

حافظ عماد الدین ابو الفد اُ اسماعیل ابن کثیر ،، لکھتے ہیں :الشَّيْخُ حَسَنُ بْنُ عَلِيِّ بْنِ أَحْمَدَ الْأَنْصَارِيُّ الضَّرِيرُ، كَانَ بِفَرْدِ عَيْنٍ أَوَّلًا، ثُمَّ عَمِيَ جُمْلَةً، وَكَانَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيُكْثِرُ التِّلَاوَةَ، ثُمَّ انْقَطَعَ إِلَى الْمَنَارَةِ الشَّرْقِيَّةِ، وَكَانَ يَحْضُرُ السَّمَاعَاتِ وَيَسْتَمِعُ وَيَتَوَاجَدُ، وَلِكَثِيرٍ مِنَ النَّاسِ فِيهِ اعْتِقَادٌ عَلَى ذَلِكَ; لِمُجَاوَرَتِهِ فِي الْجَامِعِ، وَكَثْرَةِ تِلَاوَتِهِ وَصَلَاتِهِ، وَاللَّهُ يُسَامِحُهُ، تُوُفِّيَ يَوْمَ السَّبْتِ فِي الْعَشْرِ الْأُوَلِ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ بِالْمِئْذَنَةِ الشَّرْقِيَّةِ، وَصُلِّيَ عَلَيْهِ بِالْجَامِعِ، وَدُفِنَ بِبَابِ الصَّغِيرِ.

ترجمہ: شیخ حسن ابن احمد انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابتدا میں ایک آنکھ سے نابینا تھے پھر مکمل نابینا ہو گئے تھے، اور قرآن مجید پڑھتے تھے اور تلاوہ

---

[1] (البدایۃ والنھایۃ، ج ۱۱، ص ۳۶۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (البدایۃ والنھایۃ، ج ۱۳، ص ۳۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الکامل فی التاریخ، ج ۱۰، ص ۲۰۴)

کثرت سے کرتے رہتے تھے، پھر منارہ شرقیہ کی طرف یکسو ہو گئے، سماع کی مجلسوں میں حاضر ہوتے اور سن کر وجد میں آجاتے، اور "جامع" کے پڑوس میں رہنے اور کثرتِ تلاوہ کی وجہ سے اور اہتمام نماز کی وجہ سے کثیر لوگ آپ کے معتقد تھے، شرقی اذان گاہ میں ذی الحجہ کے پہلے عشرے بروز ہفتہ وفات پائی، "جامع" میں جنازہ پڑھا گیا اور بابِ صغیر میں دفن کیا گیا۔[1]

حضرت ابو العباس محی الدین سید شیخ احمد رفاعی الحسنی، قدس سرہ، لکھتے ہیں :القوم سمعوا و طابوا و لكنهم سمعوا أحسن القول فاتبعوه و سمعوا غير الحسن فاجتنبوه تحلقوا و فتحوا مجالس الذكر و تواجدوا و طابت نفوسهم و صعدت أرواحهم لاحت عليهم بوارق الإخلاص حالة ذكرهم و سماعهم ترى أن أحدهم كالغائب على حال الحاضر كالحاضر على حال الغائب يهتزون اهتزاز الأغصان التي تحركت بالوارد لا بنفسها يقولون لا إله إلا الله و لا تشتغل قلوبهم بسواه يقولون الله و لا يعبدون إلا إياه يقولون هو و به لا بغيره يتباهون إذا غناهم الحادي يسمعون منه التذكار فتعلوا همتهم في الأذكار۔

ترجمہ: ان حضرات نے سماع سنا اور ان کے دل خوش ہو گئے، مگر وہ اچھی بات سنتے ہیں تو اس کا اتباع کرتے ہیں، اور بری بات سنتے ہیں تو اس سے بچتے ہیں (اب ان کے سماع کی حقیقت سنو ان حضرات نے حلقے مقرر کئے، اور ذکر کی مجلسیں (جا بجا) کھولیں اور (ذکر سے) ان کو وجد ہوا، ان کے نفوس پاکیزہ ہو گئے، ان کی روحیں بلند ہو گئیں، ان پر حالت ذکر و سماع میں اخلاص کی بجلیاں چمکنے لگیں، اب تو ان کو دیکھے گا کہ موجودات کی حالت سے بے خبر ہو گئے اور غائب کی حالت سے خبردار ہو گئے۔ پھر وہ ان شاخوں کی طرح ہلنے لگے جو ہوا کی وجہ سے ہلتی ہیں، خود نہیں ہلتیں، (اسی طرح یہ حضرات وارد غیبی کی وجہ سے حرکت کرتے ہیں خود حرکت نہیں کرتے ہیں) یہ حضرات (وجد میں) لا الہ الا اللہ کہتے ہیں، اور خدا عزوجل کے سوا کسی چیز میں ان کا دل مشغول نہیں ہوتا۔ وہ اللہ کہتے ہیں اور صرف اللہ ہی کی بندگی کرتے ہیں، (وہی ان کا مقصود ہے اور کچھ مقصود نہیں، کبھی ہو کہتے ہیں اور اسی میں حیران ہوتے ہیں، نہ دوسرے کی (یاد میں)[2]

شیخ ابو عباس احمد بن احمد بن محمد بن عیسی زرّوق، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں :الواجد ان لا حظ معنى في وجده افاده علما او عملا او حالا، مع ميله لسكون و الاستلقاء ظاهرا فوجده من الحقيقة و المعنى۔ و ان لا حظ الوزن و الالحان، فطبيعي سيما ان وقع له اضطراب و احتراق في النفس، و ان لا حظ نفس الحركة ليس الا فشيطاني، سيما ان اعقبه اضطراب و هوشته في البدن، و اشتعال نار فلزم اعتبار ذٰلك بوجه من التحقيق تام، و الا فترك سببه اولى و افضل لكل ذي دين يريد السلامة۔

ترجمہ: صاحبِ وجد اگر وجد کے دوران ایسا مطلب محسوس کرے جو اسے علم، عمل یا حال کا فائدہ دے۔ اس کے ساتھ ہی وہ آرام اور لیٹنے کی رغبت محسوس کرے تو اس کا وجد حقیقی اور معنوی ہے۔ اگر اس کی توجہ اشعار کی موزونیت اور خوش آوازی کی طرف ہو تو اس کا وجد طبعی ہے۔ خصوصاً اگر نفس میں اضطراب اور گرمی واقع ہو۔ اور اگر فقط حرکت ہی پیشِ نظر ہو تو شیطانی ہے۔ خصوصاً اگر اس کے بعد اضطراب پیدا ہو۔ یعنی جسم میں سخت گرمی محسوس ہو جیسے آگ کا شعلہ لپک جائے اس لئے وجد کی مکمل تحقیق ضروری ہے ورنہ اس کے سبب (سماع) کا ترک کرنا ہی سلامتی کے طلبگار دیندار کے لئے ضروری ہے۔[3]

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

---

[1] (البدایۃ والنہایۃ، ج ۱۴، ص ۱۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (البرہان المؤید، حلقات الذکر والمتوسلین، ص ۴۰، مکتبۃ المعارف، بیروت، الموسوعۃ الیوسفیۃ فی بیان ادلۃ الصوفیۃ، الجزء الاول، الحرکت بالذکر، ص ۱۸۳) ص ۱۰۹،

[3] (قواعد التصوف، قاعدۃ ۱۴۳، ص ۹۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

(التواجد والوجد والوجود) فالتواجد :استدعاء الوجد بضرب اختيار، وليس لصاحبه كمال الوجد؛ إذ لو كان لكان واجداً، وباب التفاعل أكثره على إظهار الصفة، وليست كذلك.

قال الشاعر:

إذا تخازرت، وما بين من خزر ثم كسرت العين من غير ما عور

فقوم قالوا :التواجد غير مسلم لصاحبه، لما يتضمن من التكلف ويبعد عن التحقيق.

وقوم قالوا :إنه مسلمَ للفقراء المجرّدين، الذين ترصَّدوا لوجدان هذه المعاني، وأصلهم. خبرُ الرسول صلى الله عليه وسلم: أبكوا، فإن لم تبكوا، فتباكوا، والحكاية المعروفة لأبي محمد الجريري، رحمه الله، أَنه قال :كنت عند الجنيد، وهناك ابن مسروق وغيره، وثمَّ قوال، فقام ابن مسروق وغيره.. والجنيد ساكن، فقلت :يا سيدي، مالك في السمَّاع شيء!! قال الجنيد :وترى الجبال تحسبها جامدة، وهي تمر مرَّ السحاب ثم قال :وأنت يا أبا محمد، مالك في السِّماع شيء؟ فقلت: يا سيدي، أنا إذا حضرت موضعاً فيه سماع وهناك مُحتشم أمسكت على نفسي وجدي، فإذا خلوت أرسلت وجدي، فتواجدْت.

فأطلق في هذه الحكاية التواجد، ولم ينكر عليه الجنيد.

سمعت الأستاذ أبا عليٍّ الدقاق، رحمه الله، يقول :لما راعي أبو محمد، أدب الأكابر في حال السماع، حفظ الله عليه وقته، ببركات الأدب، حتى يقول :أمسكت على نفسي وجدي فإذا خلوت أرسلت وجدي فتواجد؛ لأنه لا يمكن إرسال الوجد، إذا شئت، بعد ذهاب الوقت وغلباته.

ولكنه لما كان صادقاً في مراعاة حرمة الشيوخ، حفظ الله تعالى عليه وقته، حتى أرسل وجده عند الخلوة.

فالتواجد :ابتداء الوجد على الوصف الذي جرى ذكره، وبعد هذا.

والوجد :ما يصادف قلبك، ويرد عليك بلا تعمد وتكلف.

ولهذا قال المشايخ :الوجد :المصادفة والمواجيد :ثمرات الأورد. فكل من ازدادت وظائفه ازدادت من الله لطائفة.

سمعت الأستاذ أبا علي الدقاق، رحمه الله، يقول :الواردات :من حيث الأوراد :فمن لا ورد له بظاهره لا ورد له في سرائره، وكل وجد فيه من صاحبه شيء، فليس يوجد.

وكما أن ما يتكلفه العبد من معاملات ظاهرة يوجب له حلاوة الطاعات، فما ينازله العبد من أحكام باطنه يوجب له المواجيد.

فالحلاوات ثمرات المعاملات والمواجيد :نتائج المنازلات.

أما الوجود :فهو بعد الارتقاء عن الوجد.

ولا يكون وجود الحق، إلا بعد خمور البشرية، لأنه لا يكون للبشرية بقاء عند ظهور سلطان الحقيقة.

وهذا معنى قول أبي الحسين النوري :أنا منذ عشرين سنة بين الوجد والفقد :أي :إذا وجدت ربيَ فقدت قلبي، وإذا وجدت قلبي فقدت ربي. وهذا معنى قول الجنيد :علم التوحيد :مباين لوجوده، ووجوده مباين لعلمه.

وفي هذا المعنى أنشدوا:

وجودي أن أغيب عن الوجود بما يبدو عليَ من الشهود

فالتواجد :بداية. والوجود :نهاية والوجد واسطة بين البداية والنهاية.

سمعت الأستاذ أبا علي الدقاق يقول :التواجد يوجب استغراق العبد.

والوجود يوجب استهلاك العبد.

فهو كمن شهد البحر، ثم ركب البحر، ثم غرق في البحر.

وترتيب هذا الأمر :قصود، ثم ورود، ثم شهود، ثم جمود، ثم خمود.

وبمقدار الوجود يحصل الخمود، وصاحب الوجود له :صحو، ومحو.

فحال صحوة :بقاؤه بالحق، وحال محوه، فناؤه بالحق. وهاتان الحالتان أبداً متعاقبتان عليه :فإذا غلب عليه الصَحو بالحق، فيه يصول، وبه يقول. قال عليه السلام، فيما أخبر عن الحق :فبي يسمع، وبي يبصر.

سمعت الشيخ أبا عبد الرحمن السلمي يقول :سمعت منصور بن عبد الله يقول :وقف رجل على حلقة الشبلي، فسأله :هل تظهر آثار صحة الوجود على الواجدين؟؟ فقال :نعم :نوريزهر مقارناً لنيران الاشتياق، فتلوح على الهياكل آثارها كما قال ابن المعتز:

وأمطر الكأس ماء من أبارقها .فأنبت الدر في أرض من الذهب

وسبح القوم لما أن رأوا عجباً .نوراً من الماء في نار من العنب

سلافة ورثتها عاد عن إرم كانت ذخيرة كسرى عن أب فأب

وقيل لأبي بكر الدقيَ :إن جهماً الدقيَ أخذ شجرة بيده في حال السماع في ثورانه، فقلعها من أصلها :فاجتمعا في دعوة، وكان الدقي كفَ بصرهُ، فقام الدقي يدور في حال هيجانه فقال الدقي :إذا قرب منيَ أرونيه.

وكان الدقي ضعيفاً، فمر به، فلما قرب منه، قالوا له :هذا هو. فأخذ الدقي ساق جهم فوقفه، فلم يمكنه أن يتحرك.

فقال جهم :أيها، الشيخ، التوبة.. التوبة!! فخلاه :قال الأستاذ الإمام، أدام الله جماله :فكان ثوران جهم في حق، وإمساك الدقي بساقه بحق، ولما علم جهم أن حال الدقي فوق حاله رجع إلى الإنصاف واستسلم وكذا من كان بحق لا يستعطي عليه شيء. فأما إذا كان الغالب عليه المحو فلا علم، ولا عقل، ولا فهم؛ ولا حس.

سمعت الشيخ أبا عبد الرحمن السلمي، رحمه الله، يذكر بإسناده أن أبا عقال المغربي :أقام بمكة أربع سنين لم

يأكل، ولم يشرب، إلى أن مات. ودخل بعض الفقراء على أبي عقال، فقال له :سلام عليكم.

فقال له أبو عقال :وعليكم السلام فقال الرجل :أنا فلان فقال أبو عقال :أنت فلان، كيف أنت؟ وكيف حالك؟ :

وغاب عن حالته.

وقال هذا الرجل، فقلت له :سلام عليكم.

فقال :عليكم السلام وكأنه لم يرني قط.

ففعلت مثل هذا غير مرة، فعلمت أن الرجل غائب، فتركته، وخرجت من عنده.

سمعت محمد بن الحسين، يقول :سمعت عمر بن محمد بن أحمد يقول :سمعت امرأة أبي عبد الله النروغندي تقول :لما كانت أيام المجاعة، والناس يموتون من الجوع، دخل أبو عبد الله النروغندي بيته، فرأي في بيته مقدار منوين حنطة، فقال :الناس يموتون من الجوع، وفي بيتي حنطة!! فخولط في عقله، فما كان يفيق إلا في أوقات الصلاة يصلي الفريضة ثم يعود إلى حالته، فلم يزلَ كذلك إلى أن مات.

دلّت هذه الحكاية على أن هذا الرجل كان محفوظاً عليه آداب الشريعة عند غلبات أحكام الحقيقة وهذا هو صفة أهل الحقيقة، ثم كان سبب غيبته عن تمييزه :شفقته على المسلمين وهذا أقوى سمة لتحققه في حاله.

(واجد وجد اور وجود) صوفیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے ہاں مروّج الفاظ میں ''تواجدٌ، وجدً اور ''وجود'' بھی ہیں اپنے اختیار سے وجد لانے کو ''تواجد'' کہتے ہیں لیکن اس قسم کے کے شخص کا وجد کامل نہیں ہوتا کیونکہ اگر یہ کامل ہوتا تو وہ ''واجد'' کہلاتا اور باب تفاعل عموماً کسی صفت کو تکلّف سے اظہار کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

اذا تخارت ومابی من خزر ثمّ کسرت العین من غیر ماعور

ترجمہ: میں آنکھوں کو بناوت کے طور پر تنگ کر کے دیکھتا ہوں۔ حالانکہ میری آنکھیں چھوٹی نہیں ہیں۔ پھر آنکھوں کو بند بھی کر لیتا ہوں حالانکہ کانا بھی نہیں ہوں۔

اسی لئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ''تواجد'' میں چونکہ تکلّف پایا جاتا ہے اور یہ تحقیق سے بعید ہے۔ اس لئے غیر مسلّم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ تواجد ان فقراء کے لئے مسلّم ہے جو مجبّر دیں اور جو ان کیفیات کو پالینے کی تلاش میں رہتے ہیں انکی دلیل رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے: رووا گر رونا نہیں آتا تو رونے والی شکل بناؤ۔

حضرت ابو محمد جریری رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے وہ فرماتے ہیں ایک بار میں حضور سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھا اور اسوقت ابن مسروق رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے لوگ بھی موجود تھے ایک قوال گا رہا تھا ابن مسروق رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے لوگ تو اٹھ کھڑے ہوئے مگر حضور سید الطائفہ جنید رحمۃ اللہ علیہ میں کوئی حرکت نہ ہوئی میں نے عرض کیا۔ جناب کیا آپ کو سماع سے لطف حاصل نہیں ہوتا؟ تو فرمایا۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ۔

ترجمہ: اور تو دیکھے گا پہاڑوں کو خیال کرے گا کہ وہ جمے ہوئے ہیں اور وہ چلتے ہوں گے بادل کی چال (النمل،۸۸)

پھر فرمایا اے ابو محمد! کیا تجھے بھی سماع سے لطف نہیں آتا، میں نے عرض کیا! جب میں کسی ایسی جگہ جاؤں، جہاں مجلس سماع قائم ہو اور کوئی قابل

تعظیم ہستی ہوتو میں اپنے آپ کو وجد سے روک لیتا ہوں اور جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو وجد کو چھوڑ دیتا ہوں ۔اور تکلفاً وجد کی حالت پیدا کرلیتا ہوں ۔اس حکایت میں انہوں نے ''تواجد'' کا لفظ استعمال کیا۔مگر حضور سید الطائفہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو رد نہیں کیا۔میں حضرت استاد ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سُنا،کہ جب اس نے اکابر کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھا تو اللہ تعالیٰ نے اس ادب کی برکت سے اس کے وقت کو محفوظ رکھا اور یوں بھی فرمایا۔میں اپنے نفس کے وجد پر قابو پاتا ہوں اور جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو اُسے چھوڑ دیتا ہوں اور بناوٹی وجد پیدا کرلیتا ہوں ۔اس لئے کہ وقت اور غلبۂ وقت گزر جانے کے بعد اپنی مرضی سے وجد کو چھوڑ دینا ممکن نہیں لیکن چونکہ وہ شیوخ کے احترام کا لحاظ رکھنے میں صادق تھے تو اللہ نے بھی اس کے وقت کو محفوظ رکھا۔تاکہ خلوت کے وقت وہ اپنے وجد کو کھلا چھوڑ سکے ۔لہٰذا جیسا کہ ذکر ہو چکا۔تواجد ''وجد'' کی ابتدائی حالت ہوتی ہے ۔اس کے بعد ''وجد'' کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ''وجد'' یہ ہے کہ کیفیت تمہارے دل پر طاری ہو اور بغیر ارادہ اور تکلّف کے وارد ہو۔اسی لئے مشائخ فرماتے ہیں ''وجد'' وہ کیفیت ہے جو اتفاقاً طاری ہو اور یہ کیفیت اوراد کا پھل ہے لہٰذا جس کے وظائف زیادہ ہوں گے اللہ کی عنایت بھی اس پر زیادہ ہونگی۔

میں نے حضرت استاد ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سُنا کہ صوفیاء پر جو واردات ہوتے ہیں وہ انکے اوراد کے مطابق ہوتے ہیں ۔لہٰذا جس کا ظاہر میں کوئی ورد نہیں اس کا باطن میں کوئی اثر نہیں ۔ہر وہ وجد جس میں کسی ذات کا دخل ہو۔وجد نہیں کہلاتا۔چنانچہ جس طرح کسی انسان کو اپنے ظاہر معاملات میں کدوکاوش کرنے سے عبادت کی لذت حاصل ہوتی ہے اسی طرح انسان اپنے ان احوال باطن سے جو اس پر نازل ہوتے ہیں وجد محسوس کرتا ہے مختصر یہ کہ حلاوت،معاملات کا ثمرہ ہے اور ''وجد'' عنایت ربانی کا نتیجہ۔

اب رہا ''وجود'' سو یہ وجد سے ترقی کرجانے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور جب تک بشریت فناء نہیں ہوتی ''وجود حق'' بھی حال نہیں ہوتا۔اس لئے کہ ''سلطان حقیقت'' کے ظہور کے وقت بشریت باقی نہیں رہ سکتی ۔حضرت ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان: میں بیس سال کے عرصہ سے ''پانے'' اور گم کرنے کی الجھن میں پڑا ہوں ۔کا بھی یہی مطلب ہے کہ جب رب کو پاتا ہوں تو دل کو گم پاتا ہوں اور دل کو پاتا ہوں تو رب کو کھو دیتا ہوں ۔

نیز حضور سید الطائفہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان: وجود رب سے مختلف ہے اور اس کا وجود علم سے مختلف ہے کا بھی یہی مطلب ہے اس سلسلہ میں یہ شعر بالعموم پڑھا جاتا ہے۔

وجودي أن أغيب عن الوجود بما يبدو عليَ من الشهود

ترجمہ: ان مشاہدات کی وجہ سے جو مجھ پر ظاہر ہوتے ہیں ۔میرا وجود اس وقت ہوگا جب میں وجود حق سے غائب ہو جاؤں ۔

مختصر یہ کہ ''تواجد'' ابتداء ہے اور وجود انتہا اور وجدان دونوں کے درمیان کی کیفیت کا نام ہے۔

میں نے استاد ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کو یوں فرماتے سنا کہ: ''تواجد'' میں بندے کے لئے ضروری ہے کہ عبدیت کاملہ اس میں پائی جائے ۔وجد میں بندے کو استغراق حاصل ہوتا ہے اور وجود میں بندے کی ہلاکت ہوتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی سمندر کے پاس آیا،پھر سمندر پر سوار ہوا

اور پھر اس میں غرق ہوگیا اس کی ترتیب یوں ہے ''نقود پھر ورود،پھر شہود'' پھر ''وجود اور پھر خمود'' اور خمود اسی قدر ہوگا جس قدر وجود ہوگا۔

وجود والے انسان کی دو کیفیتیں ہوتی ہیں ''صحو'' اور ''محو'' صحو اس حالت کو کہتے ہیں جب کہ اس کی بقاء حق کیساتھ ہو اور محو کی وہ حالت ہوتی ہے کہ اسے حق کیساتھ فناء حاصل ہو۔صاحب وجود پر یہ حالتیں باری باری آتی رہتی ہیں ۔جب اس پر صحو کی حالت غالب ہوتی ہے تو وہ حق کے ذریعہ حملہ بھی کرتا ہے اور بولتا ہے۔چنانچہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں: میرے ذریعہ سے وہ سُنتا ہے اور میرے ہی ذریعہ

سے وہ دیکھتا ہے۔

میں نے حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ کو فرماتے سُنا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت منصور رحمۃ اللہ علیہ بن عبداللہ کو فرماتے سُنا کہ ایک شخص نے حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ میں کھڑے ہو کر سوال کیا۔ کیا وجد والوں پر صحت وجود کے آثار ظاہر ہوتے ہیں؟ حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں فرمایا:۔ ہاں یہ ایک نور ہے جو اشتیاق کی آگ کیساتھ مل کر چمکتا ہے اور اس کے آثار جسموں پر چمک اُٹھتے ہیں۔ جیسا کہ ابن المعتز نے کہا ہے۔

وأمطر الكأس ماء من أبارقها		فأنبت الدر في أرض من الذهب
وسبح القوم لما أن رأوا عجباً		نوراً من الماء في نار من العنب
سلاقة ورثتها عاد عن إرم		كانت ذخيرة كسرى عن أب فأب

ترجمہ: پیالے نے اپنی ناڑیوں کا پانی برسا دیا۔ سونے کی زمین میں موتی نکل آئے۔ جب لوگوں نے انگور کی آگ میں پانی کا نور دیکھا تو اللہ کی تسبیح پڑھنے لگے یہ ایسی شراب ہے جو قوم عاد کو قوم ارم سے ورثہ میں ملی اور آباؤ اجداد سے یہ کسریٰ کا ذخیرہ چلی آتی تھی۔

کسی نے ابوبکر دقی رحمۃ اللہ علیہ کو کہا کہ جہم دقی رحمۃ اللہ علیہ نے سماع کی حالت میں جوش میں آ کر ایک درخت کو ہاتھ سے پکڑ کر جڑوں سے اکھیڑ دیا پھر اتفاق سے ایک دعوت میں دونوں اکھٹے ہوئے اس وقت ابوبکر دقی رحمۃ اللہ علیہ بینائی سے محروم ہو چکے تھے جہم جوش میں آ کر چکر لگانے لگے ابوبکر دقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب یہ میرے قریب آئے تو مجھے بتانا دقی کمزور تھے جہم گزرے، جب انکے قریب آئے تو لوگوں نے ابوبکر دقی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا یہ جہم ہے۔ ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے جہم رحمۃ اللہ علیہ کو پنڈلی سے پکڑ کر ٹھہرا دیا۔ جہم رحمۃ اللہ علیہ میں اتنی طاقت نہ رہی کہ حرکت کر سکتے بے ساختہ پکار اٹھے، اے شیخ میری توبہ، تب ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو چھوڑ دیا۔

استاد امام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جہم رحمۃ اللہ علیہ کا جوش بھی حق تھا اور دقی رحمۃ اللہ علیہ کا پنڈلی پکڑنا بھی حق تھا جب جہم کو معلوم ہو گیا کہ دقی کا مرتبہ ان سے بلند ہے تو انہوں نے انصاف کے تقاضے سے ہار مان لی اس طرح جو شخص حق پر ہو گا، کوئی چیز اس کے لئے مشکل نہیں مگر جب صوفی پر محویت کی کیفیت غالب ہو تو پھر اسے علم، عقل، فہم اور حس کچھ نہیں ہوتا۔

میں نے استاذ ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے استاذ سے روایت کرتے ہوئے سُنا کہ ابوعقال رحمۃ اللہ علیہ مغربی چار سال مکہ میں مقیم رہے اس عرصہ میں انہوں نے نہ کچھ کھایا اور نہ پیا، یہاں تک کہ ان کی وفات ہوئی۔ ایک فقیر ان کے پاس آیا اور کہا السلام علیکم۔ ابوعُقال رحمۃ اللہ علیہ نے وعلیکم السلام کہا۔ اس شخص نے کہا میں فلاں ہوں۔ ابوعُقال رحمۃ اللہ علیہ جواب میں کہا، اچھا تو فلاں ہے تمہارا کیا حال ہے اور یہ کہہ کر اپنی حالت سے بے خبر ہو گئے۔ یہ شخص کہتا ہے کہ میں نے السلام علیکم کہا اور انہوں نے وعلیکم السلام کہا گویا انہوں نے مجھے مطلق دیکھا ہی نہیں میں کئی بار اس طرح کیا تو میں سمجھ گیا کہ ان پر غیوبت کی کیفیت طاری ہے لہٰذا میں ان کو چھوڑ کر چلا آیا۔

میں نے محمد بن الحسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سُنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے عمر بن محمد بن احمد سے سُنا وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوعبداللہ نروغندی رحمۃ اللہ علیہ کی بیوی کو کہتے ہوئے سُنا کہ جب قحط سالی کا زمانہ تھا اور لوگ بھوکے مر رہے تھے تو ایک دن ابوعبداللہ نروغندی رحمۃ اللہ علیہ گھر آئے اور اپنے گھر میں تقریباً دو من گندم پایا۔ یہ دیکھ کر فرمایا لوگ بھوکے مریں اور میرے گھر میں گندم ہو اس بات سے وہ اپنی عقل کھو بیٹھے صرف نماز کے وقت انہیں کچھ افاقہ ہوتا تھا فریضۂ نماز ادا کرنے کے بعد انکی حالت پھر وہی ہو جاتی تھی اور مرتے دم تک ان کی یہی حالت

رہی۔

اس حکایت سے پتہ چلتا ہے کہ احکام حقیقت کے غلبہ کے باوجود یہ شخص آداب شریعت پابندی سے ادا کر رہا تھا۔اہل حقیقت کا یہی حال ہے پھر اپنی عقل کو کھو دینے کا سبب انکی وہ شفقت تھی جو انہیں مسلمانوں کیساتھ تھی۔ یہ بہت قوی علامت ہے کیونکہ باوجود اس کے کہ وہ عقل کھو بیٹھے تھے پھر بھی اپنی حالت پر آجاتے تھے۔[1]

شیخ نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا حال۔

حضرت امام عفیف الدین ابوسعادات عبداللہ بن اسعد بن علی یافعی یمنی مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۷۶۸ھ لکھتے ہیں:

وسمع ابو الحسین النوری رضی اللہ تعالی عنہ منشدا یقول :

مازلت انزل من وادک منزل ا تتحیر الالباب دون نزولہ

فتواجد وھام فی الصحراء، ووقع فی اجمہ قصب قد قطع، وبقیت اصولہ مثل السیوف، فکان یمشی علیھا ویعید البیت الی الغداۃ والدم یسیر من رجلیہ، ثم وقع مثل الکران فورمت قدماہ ومات، رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔

حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کسی کو یہ شعر پڑھتے ہوے سنا:

مازلت انزل من وادک منزل ا تتحیر الالباب دون نزولہ

ترجمہ: تیری محبت میں ایسی منزل پر پہنچتا رہتا ہوں جہاں پہنچنے کے لئے عقلیں حیرت زدہ رہ جاتی ہیں۔

شعر سنتے ہی ان پر حال طاری ہوا اور وہ جنگل میں کٹے ہوئے بانسوں کی نوک دار جڑوں پر رقص کرتے ہوے اس شعر کو دہراتے رہے۔ پاؤں لہولہان ہوگے۔صبح تک یہی عالم رہا اس کے بعد بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔زخمی ہو کر پاؤں سوج گئے اور اسی حال وصال ہوگیا۔رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔[2]

(۳) اسی طرح مفسر جلیل جامع بین الظواھر والبواطن عارف باللہ حضرت اسماعیل حقی بروسی حنفی نے تفسیر روح البیان (ج۸ ص۱۰۰ تا ۱۱۰ سورۃ زمر آیت نمبر ۲۳) میں سب سے پہلے معترضین کے اعتراضات نقل کئے اور آخر میں فرمایا : ''یقول الفقیر لا شک ان القدح والجرح انما ھو فی حق اھل الریاء والدعوی وفی حق من یقدر علی ضبط نفسہ کما اشار علیہ السلام بقولہ (من عشق وعف وکتم ثم مات مات شھیدا) فان من غلب علی حالہ کان الادب لہ ان لا یتحرک بشئ لم یؤذن فیہ واما من غلب علیہ الحال وکان فی امرہ محقا لا مبطلا فیکون کالمجنون حیث یسقط عنہ القلم فبای حرکۃ تحرک کان معذورا فیھا فلیس حال اھل البدایۃ والتوسط کحال اھل النھایۃ لا یقدر علیہ من دونھم وکان الاصحاب رضی اللہ تعالٰی عنھم ومن فی حکمھم ممن جاء بعدھم راعوا الادب فی کل حال ومقام بقوۃ تمکینھم بل لشدۃ تلوینھم فی تمکینھم فلا یقاس علیھم من لیس لہ ھذا التمکین فرب اھل تلوین یفعل ما لا یفعلہ اھل التمکین وھو معذور فی ذلک لکونہ مغلوب الحال ومسلوب الاختیار فلیجتھد العاقل فی طریق الحق بلا ریاء ودعوی ولیلازم الادب فی کل امر متعلق بفتوی او تقوی ولیحافظ علی ظاھرہ وباطنہ من الشین ومما

---

[1] (الرسالۃ القشیریۃ، ص، ۴۲، ۴۳، دارالسلام، القاہرہ)

[2] (روض الریاحین فی حکایات الصالحین، الحکایۃ السادسۃ والسبعون بعد المئتین، ص، ۲۴۲، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

یورث الرین والغین۔''[1]

ترجمہ: ''فقیر کہتا ہے کہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قباحت اور جرح ان لوگوں پر کیا جاتا ہے جو کہ ریا کار اور باطل دعوی کرنے والے ہوں۔ اپنے آپ پر جو لوگ کنٹرول کرنے کی قدرت رکھتے ہیں جیسا کہ اس حدیث مبارکہ میں حضور ﷺ نے اشارہ فرمایا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ جو لوگ اللہ کے عاشق ہوتے ہیں اور اپنے عشق کا اظہار نہیں کرتے اور اپنے عشق کو اپنے دل میں چھپانے کی قدرت رکھتے ہیں اور مر جاتے ہیں، شہید ہوتے ہیں۔ جو لوگ اپنی حالت پر غالب ہوتے ہیں تو ان لوگوں کیلئے ادب یہ ہے کہ ناجائز حرکت نہ کریں، جو حال پر غالب نہیں ہوتے ہیں اور اہلِ حق ہوتے ہیں اہلِ باطل نہیں ہوتے، پاگلوں کی طرح ان سے قلم اٹھا لیا جاتا ہے اور ان کی حرکت پر ان کو معذور سمجھا جاتا ہے اس لئے کہ یا تو یہ مبتدی ہوتے ہیں یا متوسط ہوتے ہیں، منتہی نہیں۔ اس لئے کہ منتہی جن باتوں پر قادر ہوتا ہے۔ غیر منتہی ان پر قادر نہیں۔ مبتدی اور متوسط کی حالت منتہی کی طرح نہیں۔ صحابۂ کرام اور صحابہ کی مثل ہر حالت اور مقام میں ادب کا لحاظ ان کیلئے ضروری ہے قوتِ تمکین کے ساتھ بلکہ شدتِ تلوین فی التمکین میں خود پر قابو رکھتے ہیں یعنی منتہی پر عام لوگوں کا قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ بہت سارے اہل تلوین وہ کام کرتے ہیں جو اہلِ تمکین نہیں کرتے اسلئے کہ اہلِ تمکین خود پر قابو رکھتے ہیں جب کہ اہلِ تلوین پر حال غالب ہوتا ہے اور اختیار ان کا سلب ہو چکا ہوتا ہے تو عقل مند حق کی راہ سے بغیر ریا اور دعوی کے کوشش نہ کرے اور ہر وہ کام جس کا تعلق فتویٰ یا تقوی سے ہو ادب کا لحاظ رکھے اور اپنے اوپر لازم کرے کہ ظاہر اور باطن میں اپنے آپ کو عیب سے محفوظ رکھے۔ اور ان چیزوں سے جن میں شک اور میل پیدا ہوتا ہو تو اس سے اپنے آپ کو بچائے۔''

خلاصہ یہ ہوا کہ جو لوگ مغلوب الحال نہیں ہوتے ان کو خلافِ شرع حرکت ہرگز نہیں کرنی چاہئے۔ اگر وہ شریعت کے مطابق حرکات تواجد محمودہ میں کر سکتا ہے جیسے آئندہ بیان کیا جائے گا۔ جو لوگ مغلوب الحال ہو جائیں تو ہر قسم کی حرکات ان سے صادر ہوتی ہیں تو ہر حال میں ایسے لوگوں کی ہر حرکت اچھی ہے۔

اسی طرح علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روح البیان ج ۲ ص ۱۶۷ سورۃ آل عمران کی اس آیت پر کہ: اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا ﴿آل عمران ۱۹۱﴾ ترجمہ: وہ لوگ جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر بھی۔

تو اپنی تفسیر میں وہ ذکر بالجہر، وجد و حال، مضبوط اور مدلل دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے۔ تفصیلی عبارت وہاں ملاحظہ کریں۔ یہاں پر اختصار کی بناء پر ہم پوری عبارت نقل نہیں کر رہے۔

اسی طرح مفسر جلیل القدر فقیہ اعظم علامہ ابو البرکات عبداللہ نسفی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر مدارک ج ۴ ص ۳۶ پر سورۃ زمر کی آیت ۲۳ کی تفسیر میں بدن کا لرزنا وجد اور حال کے اثبات اور شرافت کے بارے میں اس طرح لکھا ہے۔

''تقشعر ای تضطرب منه جلود الذین یخشون ربهم یقال اقشعر الجلد اذا تقبض تقبضا شدیدا و المعنی انهم اذا سمعوا بالقرآن و بآیات وعیده اصابهم خشیة تقشعر منها جلودهم و فی الحدیث اذا اقشعر جلد المؤمن من خشیة الله تحافت عنه ذنوبه کما یتحافت عن الشجرة الیابسة ورقها۔''

ترجمہ: قرآنِ کریم کی آیت کی تلاوت سن کر ان لوگوں کی کھال (جلد) حرکت میں آتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں کہ کھال کا اکڑ جانا اور پھر لرزنا نیز معنی یہ ہوئے کہ اللہ سے ڈرنے والے جب قرآن سنتے ہیں تو اس کے سننے سے ان کی کھال لرزنے لگتی ہے اور اس میں اضطراب و بے چینی پیدا ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں یہ الفاظ ہیں کہ: ''جب مؤمن کی کھال اللہ کے خوف سے حرکت میں آتی ہے تو اس کے گناہ اس طرح

---

[1] (تفسیر روح البیان: ج:۸: ص: ۱۰۰ تا ۱۰۱ :سورۃ زمر آیت: ۲۳: پارہ: ۲۳)

جھڑتے ہیں جس طرح خشک درخت سے اس کے پتے گرتے ہیں"۔

مفسر قرآن علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری ،قرطبی ،رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ تَعَالَى :(وَإِذا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ أَيْ بِالدَّمْعِ وَهُوَ فِي مَوْضِعِ الْحَالِ، وَكَذَا يَقُولُونَ.

وَقَالَ امْرُؤُ الْقَيْسِ:

فَفَاضَتْ دُمُوعُ الْعَيْنِ مِنِّي صَبَابَةً عَلَى النَّحْرِ حَتَّى بَلَّ دَمْعِي مِحْمَلِي

وَخَبَرٌ مُسْتَفِيضٌ إِذَا كَثُرَ وَانْتَشَرَ كَفَيْضِ الْمَاءِ عَنِ الْكَثْرَةِ. وَهَذِهِ أَحْوَالُ الْعُلَمَاءِ يَبْكُونَ وَلَا يُصْعَقُونَ، وَيَسْأَلُونَ وَلَا يَصِيحُونَ، وَيَتَحَازَنُونَ وَلَا يَتَمَوَّتُونَ، كما قال تعالى:

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتاباً مُتَشابِهاً مَثانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلى ذِكْرِ اللَّهِ (الزمر، ٢٣) وَقَالَ :إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِذا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ۔ مِنَ الدَّمْعِ سے مراد، بِالدَّمْعِ، ہے یعنی آنسوؤں کے ساتھ۔ یہ حال واقع ہو رہا ہے اسی طرح یقولون ہے۔ امرؤالقیس نے کہا:

فَفَاضَتْ دُمُوعُ الْعَيْنِ مِنِّي صَبَابَةً . عَلَى النَّحْرِ حَتَّى بَلَّ دَمْعِي مِحْمَلِي

ترجمہ: میری آنکھوں سے بوجہ عشق کے آنسو میرے سینے پر بہہ گئے حتیٰ کہ میری آنسو نے میرے کجاوے کو بھی تر کر دیا۔

خبر مستفیض، مشہور خبر کو کہتے ہیں جب وہ پھیل جائے اور مشہور ہو جائے۔ جیسے پانی کی کثرت ہو تو کہتے ہیں: فَيْضِ الْمَاءِ ،یہ علماء کے احوال ہیں۔ جو روتے ہیں اور چنگھاڑتے نہیں، سوال کرتے ہیں اور چلاتے نہیں، پریشان ہوتے ہیں اور مرنے کا تکلف نہیں کرتے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتاباً مُتَشابِهاً مَثانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلى ذِكْرِ اللَّهِ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے نہایت عمدہ کلام یعنی وہ کتاب جس کی آیتیں ایک جیسی ہیں بار بار دہرائی جاتی ہیں اور کانپنے لگتے ہیں اس کے (پڑھنے) سے بدن ان کے جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے بدن۔ (الزمر ۲۳:)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ۔ صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو کانپ اٹھتے ہیں ان کے دل۔ (الانفال ۲:)[1]

مفسر قرآن علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فَرَفَعَ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ وَقَالَ :اللَّهُمَّ إِنْ كَانَتْ لِي عِنْدَكَ خَطِيئَةً أَخَلَقْتَ بِهَا وَجْهِي فَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ أَنْ تَغْفِرَ لِي وَتَرْحَمَنِي، فَضَجَّتِ الْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَاءِ، وَنَزَلَ جِبْرِيلُ فَقَالَ لَهُ :يَا يُوسُفُ! غُضَّ صَوْتَكَ فَلَقَدْ أَبْكَيْتَ مَلَائِكَةَ

---

[1] (تفسیر القرطبی، سورۃ المائدۃ تحت الآیۃ ۸۳:، ج ۶، ص ۱۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت) (تفسیر قرطبی ج ۳، ص ۶۵۵)

السَّمَاءِ!

ترجمہ: آپ نے اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھایا اور عرض کی :اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میرے یہ کام خطا ہیں تو میں اپنے دادا ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ تو مجھے معاف کر دے اور مجھ پر رحم فرما، تب آسمان کے فرشتوں نے چیخ و پکار کی اور حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا :اے یوسف :اپنی آواز کو پست رکھیں، آپ نے تو آسمان کے فرشتوں کو رلا دیا ہے۔[1]

مفسر قرآن علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری، قرطبی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

وَقَالَ ابْنُ سَمْعَانَ عَنْ عِدَّةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ :إِنَّهُمْ قَالُوا أَمَذِيْنَ عِشْقًاقال وَهْبُ بْنُ مُنَبِّهٍ :عَشِقْنَهُ حَتَّى مَاتَ مِنْهُنَّ عَشْرٌ فِي ذَلِكَ الْمَجْلِسِ دَهَشًا وَحَيْرَةً وَوَجْدًا بِيُوسُفَ. وَقِيلَ :مَعْنَاهُ حِضْنَ مِنَ الدَّهَشِ، قَالَهُ قَتَادَةُ وَمُقَاتِلٌ وَالسُّدِّيُّ، قَالَ الشَّاعِرُ:

نَأْتِي النِّسَاءَ عَلَى أَطْهَارِهِنَّ وَلَا نَأْتِي النِّسَاءَ إِذَا أَكْبَرْنَ إِكْبَارًا۔

ترجمہ: حضرت ابن سمعان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے اصحاب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے روایت کرتے ہوئے کہا :انہوں نے کہا کہ عشق کی وجہ سے ان کی مذی نکل گئی۔ وہب نے کہا :وہ آپ کے عشق میں یوں مبتلا ہوئیں کہ ان میں سے دس عورتیں دہشت، حیرت اور حضرت یوسف علیہ السلام کے سبب وجد کی وجہ سے مر گئیں۔ ایک قول یہ ہے :اس کا معنی یہ ہے کہ دہشت کے سبب ان کو حیض آ گیا۔ (المحرر الوجیز: جلد: ۳: صفحہ ۲۳۹:)۔ یہ قتادہ، مقاتل اور سدی کا قول ہے۔

شاعر نے کہا۔[2]

نَأْتِي النِّسَاءَ عَلَى أَطْهَارِهِنَّ وَلَا نَأْتِي النِّسَاءَ إِذَا أَكْبَرْنَ إِكْبَارًا

ترجمہ: ہم عورتوں کے پاس ان کے طہر میں آتے ہیں اور جب انہیں حیض آجائے تو ہم ان کے پاس نہیں آتے۔ أَكْبَرْنَ، سے مراد حیض کا آنا لیا گیا ہے۔[3]

مفسر قرآن علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری، قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

أَيُّهَا الْمَلِكُ! لَئِنْ لَمْ تُخَلِّ مَعَنَا أَخَانَا لَأُصِيحَنَّ صَيْحَةً تُبْقِي فِي مَدِينَتِكَ حَامِلًا إِلَّا أَسْقَطَتْ مَا فِي بَطْنِهَا، وَكَانَ ذَلِكَ خَاصَّةً فِيهِمْ عِنْدَ الْغَضَبِ، فَأَغْضَبَهُ يُوسُفُ وَأَسْمَعَهُ كَلِمَةً، فَغَضِبَ يَهُوذَا وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ، وَانْتَفَجَتْ شَعَرَاتُهُ، وَكَذَا كَانَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْ بَنِي يَعْقُوبَ، كَانَ إِذَا غَضِبَ، اقْشَعَرَّ جِلْدُهُ، وَانْتَفَخَ جَسَدُهُ، وَظَهَرَتْ شَعَرَاتُ ظَهْرِهِ، مِنْ تَحْتِ الثَّوْبِ، حَتَّى تَقْطُرَ مِنْ كُلِّ شَعْرَةٍ قَطْرَةُ دَمٍ، وَإِذَا ضَرَبَ الْأَرْضَ بِرِجْلِهِ تَزَلْزَلَتْ وَتَهَدَّمَ الْبُنْيَانُ، وَإِنْ صَاحَ صَيْحَةً لَمْ تسمعه حامل من النساء والبهائم وَالطَّيْرِ إِلَّا وَضَعَتْ مَا فِي بَطْنِهَا، تَمَامًا أَوْ غَيْرَ تَمَامٍ، فَلَا يَهْدَأُ غَضَبُهُ إِلَّا أَنْ يَسْفِكَ دَمًا، أَوْ تَمْسِكَهُ يَدٌ مِنْ نَسْلِ يَعْقُوبَ، فَلَمَّا عَلِمَ يُوسُفُ أَنَّ غَضَبَ أَخِيهِ

---

[1] (تفسیر القرطبی، سورۃ یوسف، تحت الآیۃ ۲۱:، ج، ۹، ص، ۱۰۵، ج، ۵ ص، ۱۷۴ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (تفسیر طبری: جلد :۱۲: صفحہ ۲۴۵:)

[3] (تفسیر القرطبی، سورۃ یوسف، تحت الآیۃ ۳۱:، ج، ۹، ص، ۱۱۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت) (تفسیر قرطبی ج، ۵ ص، ۱۹۴)

يَهُوذَا قَدْتَمَّ وَكَمُلَ كَلَّمَ وَلَدَالَهُ صَغِيرًا بِالْقِبْطِيَّةِ، وَأَمَرَهُ أَنْ يَضَعَ يَدَهُ بَيْنَ كَتِفَيْ يَهُوذَا مِنْ حَيْثُ لَا يَرَاهُ، فَفَعَلَ فَسَكَنَ غَضَبُهُ۔

ترجمہ: اے بادشاہ! اگر تو نے ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ نہ بھیجا تو میں ایسی چیخ ماروں گا کہ جس کی وجہ سے تیرے شہر کی حاملہ عورتیں اپنے حمل گرادیں گی :اور یہ ان میں بالخصوص غصہ کے وقت ہوتا تھا :اس بات نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی غصہ دلا دیا۔تو یہودا غصے میں آگیا اور اس کا غصہ شدت اختیار کرگیا،اس کے بال کھڑے ہو گئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے سب بیٹوں کی یہی حالت تھی جب انہیں غصہ آتا تو ان کی جلد کانپنے لگتی،جسم پھول جاتا اور ان کی پیٹھ کے بال کپڑوں کے نیچے سے ظاہر ہو جاتے، یہاں تک کہ ہر بال سے خون کا قطرہ بہنے لگتا اور اگر وہ زمین پر پاؤں مار دیتا تو زلزلہ بپا ہو جاتا تھا اور عمارتیں گر جاتی تھیں اور اگر وہ چیخ مارتا تو عورتوں، جانوروں اور پرندوں میں سے جو بھی اسے سن لیتا وہ اپنے پیٹ میں جو کچھ ہوتا اسے گرا دیتا تھا، پھر اس کا غصہ تب تک نہیں تھمتا تھا جب تک کہ وہ خون نہ بہا تا پھر نسل یعقوب علیہ السلام میں سے کوئی ہاتھ اسے نہ روکتا :جب حضرت یوسف علیہ السلام کو پتہ چل گیا کہ ان کے بھائی یہودا کا غصہ اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے تو آپ نے اپنے چھوٹے بچے کے ساتھ قبطی زبان میں گفتگو کی اور اسے حکم دیا کہ وہ اپنا ہاتھ یہودا کے دونوں کندھوں کے درمیان اس طرح رکھے کہ وہ دیکھ نہ پائے،تو بچے نے اسی طرح کیا تو یہودا کا غصہ ختم ہوگیا۔[1]

مفسر قرآن علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فَلَمَّا قَرَأَ يُوسُفُ الْكِتَابَ ارْتَعَدَتْ مَفَاصِلُهُ، وَاقْشَعَرَّ جِلْدُهُ، وَأَرْخَى عَيْنَيْهِ بِالْبُكَاءِ، وَعِيلَ صَبْرُهُ فَبَاحَ بِالسِّرِّ۔

ترجمہ: جب حضرت یوسف علیہ السلام نے خط پڑھا تو آپ کے اعضاء کانپنے لگے جلد میں تھرتھراہٹ طاری ہوگئی اور آنکھوں سے رونے کی وجہ سے آنسوں بہنے لگے اور آپ کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا تو یہ بھید کھل گیا۔[2]

مفسر قرآن علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری ،قرطبی ،رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

قُلْتُ :وَهَذَا هُوَ الْأَصْلُ عِنْدَ مَشَايِخِ الصُّوفِيَّةِ :ذِكْرُ الْجَفَا فِي وَقْتِ الصَّفَا جَفَا، وَهُوَ قَوْلٌ صَحِيحٌ دل عليه الكتاب. وقيل :لأن في دخول السِّجْنَ كَانَ بِاخْتِيَارِهِ بِقَوْلِهِ :رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ

ترجمہ: میں (قرطبی) نے کہا :یہی صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے نزدیک اصل ہے کہ صفا کے وقت جفا کو ذکر کرنا بھی جفا ہے،صوفیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا یہ قول صحیح ہے جس پر کتاب اللہ بھی دال ہے۔اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ چونکہ آپ کے قید میں جانے میں خود اپنا اختیار تھا کہ آپ نے خود کہا تھا:

رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ۔

ترجمہ: اے میرے رب جیل مجھے اس کام کے بدلے پسند ہے جس کی دعوت مجھے یہ عورتیں دے رہی ہیں۔[3]

مفسر قرآن علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

الثالثة، قال زيد بن أسلم :قرأ أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ومعه أصحابه فرقوا فقال النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :

---

[1] (تفسیر القرطبی، سورۃ یوسف، تحت الآیۃ ۸۰:، ج ۹، ص ۱۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت) (تفسیر قرطبی ج ۵ ص ۲۵۷)

[2] (تفسیر القرطبی، سورۃ یوسف، تحت الآیۃ ۸۹:، ج ۹، ص ۱۶۸، ج ۵ ص ۲۷۱ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[3] (سورۃ یوسف ۳۳:) (تفسیر القرطبی، سورۃ یوسف، تحت الآیۃ ۱۰۰:، ج ۹، ص ۱۷۵، ج ۵ ص ۲۸۱ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اغْتَنِمُوا الدُّعَاءَ عِنْدَ الرِّقَّةِ فَإِنَّهَا رَحْمَةٌ. وَعَنِ الْعَبَّاسِ أَنَّ رسول الله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال :إِذَا اقْشَعَرَّ جِلْدُ الْمُؤْمِنِ مِنْ مَخَافَةِ اللهِ تَحَاتَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ كَمَا يَتَحَاتُّ عَنِ الشَّجَرَةِ الْبَالِيَةِ وَرَقُهَا. وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :مَا اقْشَعَرَّ جِلْدُ عَبْدٍ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ إِلَّا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ. وَعَنْ شَهْرِ بْنِ حوشب عن أم الدرداء قَالَتْ :إِنَّمَا الْوَجَلُ فِي قَلْبِ الرَّجُلِ كَاخْتِرَاقِ السَّعَفَةِ، أَمَا تَجِدُ إِلَّا قُشَعْرِيرَةً؟ قُلْتُ :بَلَى، قَالَتْ :فَادْعُ اللهَ فَإِنَّ الدُّعَاءَ عِنْدَ ذَلِكَ مُسْتَجَابٌ. وَعَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ قَالَ :قَالَ فُلَانٌ: إِنِّي لَأَعْلَمُ مَتَى يُسْتَجَابُ لِي. قَالُوا :وَمِنْ أَيْنَ تَعْلَمُ ذَلِكَ؟ قَالَ :إِذَا اقْشَعَرَّ جِلْدِي، وَوَجِلَ قَلْبِي، وَفَاضَتْ عَيْنَايَ، فَذَلِكَ حِينَ يُسْتَجَابُ لِي. يُقَالُ :اقْشَعَرَّ جِلْدُ الرَّجُلِ اقْشِعْرَارًا فَهُوَ مُقْشَعِرٌّ وَالْجَمْعُ قَشَاعِرُ فَتُحْذَفُ الْمِيمُ، لِأَنَّهَا زَائِدَةٌ، يُقَالُ أَخَذَتْهُ قُشَعْرِيرَةٌ. قَالَ امْرُؤُ الْقَيْسِ:

فَبِتُّ أُكَابِدُ لَيْلَ التَّمَامِ ... وَالْقَلْبُ مِنْ خَشْيَةٍ مُقْشَعِرُّ

وَقِيلَ :إِنَّ الْقُرْآنَ لَمَّا كَانَ فِي غَايَةِ الْجَزَالَةِ وَالْبَلَاغَةِ، فَكَانُوا إِذَا رَأَوْا عجزهم عَنْ مُعَارَضَتِهِ، اقْشَعَرَّتِ الْجُلُودُ مِنْهُ إِعْظَامًا لَهُ، وَتَعَجُّبًا مِنْ حُسْنِ تَرْصِيعِهِ وَتَهْيِيبًا لِمَا فِيهِ، وَهُوَ كَقَوْلِهِ تَعَالَى :لَوْ أَنْزَلْنا هذَا الْقُرْآنَ عَلى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خاشِعاً مُتَصَدِّعاً مِنْ خَشْيَةِ اللهِ [(الحشر: ٢١) فَالتَّصَدُّعُ قَرِيبٌ مِنَ الِاقْشِعْرَارِ، وَالْخُشُوعُ قَرِيبٌ مِنْ قَوْلِهِ :ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلى ذِكْرِ اللهِ وَمَعْنَى لِينِ الْقَلْبِ رِقَّتُهُ وَطُمَأْنِينَتُهُ وَسُكُونُهُ۔

مسئلہ نمبر :۳ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا :حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے ہاں تلاوت کی جبکہ آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کے صحابہ بھی موجود تھے ان کے دل نرم پڑ گئے تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :''دل کی نرمی کے وقت دعا کو غنیمت جانو کیونکہ وہ رحمت ہے'' حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :''جب مؤمن کی جلد اللہ تعالیٰ کے خوف سے کانپتی ہے تو اس سے اس کے گناہ یوں جھڑ جاتے ہیں جس طرح بوسیدہ درخت سے اس کے اوراق جھڑ جاتے ہیں''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :''اللہ تعالیٰ کے خوف سے کسی بندے کی جلد نہیں کانپتی مگر اللہ تعالیٰ آگ پر اسے حرام کر دیتا ہے''۔[1]

شہر بن حوشب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت نقل کی ہے :انسان کے دل میں خوف شاخوں کے جلنے کی طرح ہے کیا تو کپکپی نہیں پاتا؟ میں نے عرض کی :کیوں نہیں۔ فرمایا :اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کیونکہ اس موقع پر دعا کرو کیونکہ اس موقع پر دعا قبول ہوتی ہے۔

حضرت ثابت بنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فلاں نے کہا :میں جانتا ہوں کب میری دعا قبول ہوتی ہے؟ لوگوں نے پوچھا: تجھے اس کا کیسے علم ہوتا ہے؟ کہا :جب میری جلد میں کپکپی طاری ہوتی ہے، میرے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے اور میری آنکھیں بہہ پڑتی ہیں یہ وہ وقت ہوتا ہے جب میری دعا قبول ہوتی ہے۔ یوں اس کا باب ذکر کیا جاتا ہے:

اقْشَعَرَّ جِلْدُ الرَّجُلِ اقْشِعْرَارًا فَهُوَ مُقْشَعِرٌّ، اس کی جمع، قَشَاعِرُ، ہے تو اس کی میم حذف کر دی جاتی ہے کیونکہ یہ زائدہ ہے یہ جملہ بولا جاتا

---

[1] (معالم التنزیل :جلد:۵: صفحہ ۱۲:)

ہے:أَخَذَتْهُ قُشَعْرِيرَةٌ۔،امراؤالقیس نے کہا:

فَبِتُّ أكابد ليل التمام والقلب مِنْ خَشْيَةٍ مُقْشَعِرُ

ترجمہ: میں نے تمام رات بڑی تکلیف میں گزاری جبکہ دل خوف کی وجہ سے کانپ رہا تھا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے : قرآن جو بہت ہی ذی شان اور بلیغ ہے جب وہ اس کا مقابلہ کرنے سے اپنے آپ کو عاجز دیکھتے تو اس کی عظمت کی بنا پر اس کے حسن سے تعجب کی خاطر اور اس میں جو کچھ ہے اس سے خوفزدہ ہونے کی وجہ سے ان کی جلدوں میں کپکپی طاری ہو جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے:

:لَوْ أَنْزَلْنا هذَا الْقُرْآنَ عَلى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خاشِعاً مُتَصَدِّعاً مِنْ خَشْيَةِ اللهِ، (الحشر: ۲۱) تضرع یہ اقشعرار کے قریب ہے خشوع اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے قریب ہے ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلى ذِكْرِ اللهِ، لین قلب کا معنی اس کی نرمی ،طمانیت اور اس کا سکون ہے۔[1]

مفسر قرآن علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری ،قرطبی ،رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

(فَإِذا أَنْزَلْنا عَلَيْهَا الْماءَ اهْتَزَّتْ) أي بالنبات، قال مُجَاهِدٌ. يُقَالُ :اهْتَزَّ الْإِنْسَانُ أَيْ تَحَرَّكَ، وَمِنْهُ:

تَرَاهُ كَنَصْلِ السَّيْفِ يَهْتَزُّ لِلنَّدَى إِذَا لَمْ تَجِدْ عِنْدَ امْرِئٍ السَّوْءِ مَطْمَعَا

فَإِذا أَنْزَلْنا عَلَيْهَا الْماءَ اهْتَزَّتْ، یعنی نباتات سے جھومنے لگتی ہے، یہ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے :اهْتَزَّ الْإِنْسَانُ یعنی انسان نے حرکت کی اسی معنی میں یہ قول ہے:تَرَاهُ كَنَصْلِ السَّيْفِ يَهْتَزُّ لِلنَّدَى۔ تو اسے دیکھے گا کہ وہ تلوار کے پھل کی طرح سخاوت کے لئے جھومتا ہے۔[2]

معارف آگاہی مولانا جلال الدین رومی بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

دل را قید جسم رہا مے کنیم ما ایں دانہ را زکاہ جدا مے کنیم ما

(آگے محبوبِ حقیقی سے عرض ہے جس کا انداز عاشقانہ ومستانہ ہے اور غلبۂ حال میں ایسا انداز اگر چہ ادب سے (کسی قدر نکل جائے معاف ہوتا ہے)[3]

اے عدوے شرم و اندیشہ بیا کہ دریدم پردۂ شرم و حیا

ترجمہ :اے (محبوب) ناموس واندیشہ کو ناپسند کرنے والے! (میرے دل میں) آ (اور تجلی فرما) کیونکہ میں نے شرم وحیا کا پردہ چاک کر دیا۔

مطلب : ظاہر ہے کہ جب قلب میں تجلیِ حق ہوگی تو بے خود ومستی کا ظہور ہوگا جو دنیوی عزوشان سے متضاد ہے اور اس سے یہ بھی اندیشہ ہے کہ اہلِ ملامت عاشق کے پیچھے پڑ جائیں گے مگر عاشق کو اس کی پروا نہیں وہ ان باتوں کی پروا کو بالائے طاق رکھ چکا ہے۔[4]

اب اللہ کے فضل اور اس کے کرم سے ہم وجد وتواجد کو قرآن، احادیث وآثار مبارکہ اور مذاہب اربعہ اور سلاسل اربعہ اور دیگر کتب سے ثابت کریں گے۔

---

[1] (تفسیر القرطبی، سورۃ الزمر، تحت الآیۃ ۲۳:، ج،۱۵،ص،۱۶۲،۱۶۳، ج،۸،ص،۲۶۷ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (تفسیر القرطبی، سورۃ فصلت، تحت الآیۃ ۳۹:، ج،۱۵،ص،۲۳۸، ج،۸،ص،۳۸۴ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[3] (مفتاح العلوم، دفتر ششم، ص ۱۴۳)

[4] (مفتاح العلوم، دفتر ششم، ص ۱۴۳)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

وَمِنْ قَوْمِ مُوسى أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ (الاعراف ۱۵۹)

ترجمہ: اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے ایک گروہ ہے کہ حق کی راہ بتاتا اور اسی سے انصاف کرتا۔

حضرت علامہ ابوالفضل سید محمود آلوسی، حنفی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

(واختار موسى قومه سبعين رجلا لميقاتنا) إن موسى عليه السلام اختار سبعين رجلا من أشراف قومه ونجباءهم أهل الإستعداد والصفاء والإرادة والطلب والسلوك (فلما أخذتهم الرجفة) أي رجفة البدن التي هي من مبادي صعقة الفناء عند طريان بوارق الأنوار وظهور طوالع تجليات الصفات من اقشعرار الجسد وارتعاده وكثيرا ماتعرض هذه الحركة للسالكين عند الذكر أو سماع القرآن أو ما يتأثرون به حتى تكاد تتفرق أعضائهم وقد شاهدنا ذلك في الخالدين من أهل الطريقة النقشبندية وربما يعتريهم في صلاتهم صياح معه فمنهم من يستأنف صلاته لذلك ومنهم من لا يستأنف وقد كثر الإنكار عليهم وسمعت بعض المنكرين يقولون :إن كانت هذه الحالة مع الشعور والعقل فهي سوأ أدب ومبطلة للصلاة قطعا وإن كانت مع عدم شعور وزوال عقل فهي ناقضة للوضوء ونراهم لايتوضؤون وأجيب بأنها غير اختيارية مع وجود العقل والشعور وهي كالعطاس والسعال ومن هنا لاينتقض الوضوء بل ولا تبطل الصلاة وقد نص بعض الشافعية أن المصلي لو غلبه الضحك في الصلاة لاتبطل صلاته ويعذر بذلك فلايبعد أن يلحق مايحصل من آثار التجليات الغير الإختيارية بما ذكر ولا يلزم من كونه غير إختياري كونه صادرا من غير شعور فإن حركة المرتعش غير إختيارية مع الشعور بها وهو ظاهر فلا معنى للإنكار نعم كان حضرة مولانا الشيخ خالد قدس سره يأمر من يعتريه ذلك من المريدين بالوضوء وإستئناف الصلاة سدا لباب الإنكار والحق أن مايعتري هذه الطائفة غير ناقض للوضوء لعدم زوال العقل معه لكنه مبطل للصلاة لما فيه من الصياح الذي يظهر به حرفان مع أمور تأباها الصلاة ولا عذر لمن يعتريه ذلك إلا إذا ابتلي به بحيث لم يخل زمن من الوقت يسع الصلاة بدونه فإنه يعذر حينئذ ولا قضاء عليه إذا ذهب منه ذلك الحال كمن به حكة لايصبر معها على عدم الحك۔

ترجمہ: (اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر مرد ہمارے وعدہ کے لئے چنے) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر (۷۰) نجباء اور شرفاء کو چنا جو اس قدر صفاء ارادت اور طلب وسلوک والے تھے کہ جب ان کے بدن کو رجفہ یعنی کپکپی نے پکڑا جو حقیقۃ الفناء کے مبادیات سے ہے جب انوار وتجلیات کی تجلیاں وارد ہوتی ہیں اور تجلیات صفات کا ظہور ہوتا ہے۔ جیسے جسم پر کپکپی اور ارتعاد کا طریان ہے۔ اور بہت دفعہ یہ حرکت سالکین کو عارض ہوتی ہے۔ ذکر کے وقت یا قرآن کے سماع کے وقت یا اس چیز کے سننے کے وقت جو سامعین کو متاثر کرتی ہے۔ مثلاً (نعت خوانی وغیرہ) یہاں تک کہ ان کے اعضاء جسمانی بکھرنے لگتے ہیں یا قریب ہوتا ہے کہ ان کے اعضا ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور ایسی حالت کا مشاہدہ ہم نے شیخ المشائخ حضرت خالد علیہ الرحمۃ کے پیروکاروں میں کیا ہے۔ اور بسا اوقات ان کو نماز کے اندر چیخ و پکار کی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ (یہاں تک کہا کہ) ان پر انکار بھی بکثرت کیا گیا ہے اور میں نے بعض منکرین سے سنا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ حالت عقل وشعور کے ہوتے ہوئے ہوئی تو پھر یہ سوء ادب بھی ہے اور نماز کو باطل بھی کر دیتی ہے۔ اور اگر یہ حالت عقل وشعور کے زوال کے بعد ہوئی تو پھر یہ وضو کو توڑنے والی ہے۔ مگر ہم ان کو دیکھتے ہیں کہ یہ وضو نہیں کرتے تو اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حالت باوجود عقل وشعور کے قائم رہنے کے غیر اختیاری ہے جیسے چھینک اور جمائی انسان کو آتی ہے۔ عقل وشعور موجود ہوتے ہوئے بھی یہ غیر اختیاری ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے نہ وضو ٹوٹتا ہے نہ نماز باطل ہوتی ہے اور بعض شوافع نے نصاً فرمایا ہے کہ نمازی پر اگر نماز میں ضحک (یعنی کھل کر ہنسنا غالب) ہو جائے تو نماز باطل نہ ہوگی اور اس نمازی کو معذور

قرار دیا جائے گا لہٰذا بعید (دور) نہیں کہ تجلیات غیر اختیاریہ سے حاصل ہونے والے غیر اختیاری اثرات کو (حکمی طور پر) چھینک اور جمائی سے ملحقہ قرار دیا جائے اور ان کے غیر اختیاری ہونے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ عقل وشعور کے بغیر ہو۔ کیونکہ مرتعش کی حرکت باوجود شعور کے غیر اختیاری ہے اور یہ ظاہر ہے لہٰذا کوئی معنی نہیں انکار کا اور نہ کوئی انکار کی وجہ ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ (الزمر ۲۳)

ترجمہ: اللہ نے اتاری سب سے اچھی کتاب کہ اوّل سے آخر تک ایک سی ہے دوہرے بیان والی اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور دل نرم پڑتے ہیں یادِ خدا کی طرف رغبت میں یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے راہ دکھائے اس سے جسے چاہے اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔ (الزمر ۲۳:)

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن علامہ الصوفی قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

ای لذکر اللہ بالرحمۃ وعموم المغفرۃ، والاطلاق لاشعار بأن أصل أمرہ الرحمۃ وأن رحمتہ سبقت غضبہ التعدیۃ بالی لتضمین معنی السکون والاطمئنان وذکر القلوب لتقدم الخشیۃ التی ھی من عوارضھا یعنی اذا ذکر عذاب اللہ فی آیات الوعید من القرآن یخاف قلوب المؤمنین تقشعر جلودھم، والاقشعرار انقباض وتغیر فی جلد الانسان عند الخوف واذا ذکر اللہ بالرحمۃ فی آیات الوعد من القرآن تلین جلودھم وتسکن قلوبھم، لمّا وصف اللہ القرآن یکونہ مثانی ژنی فیہ ذکر الوعید والوعد وصفہ بما یتأثر بہ المؤمنون عند الوعید والوعد فکان تقدیر الکلام یخاف منہ قلوب الذین یخشون ربھم وتقشعر جلودھم ثم تلین جلودھم وتطمئن قلوبھم الی ذکر اللہ، عن العباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ: ''اذا اقشعر جلد العبد من خشیۃ اللہ تحاتت عنہ ذنوبہ کما یتحاتت عن الشجر الیابسۃ ورقھا'' رواہ الطبرانی بسند ضعیف ورواہ البغوی، وفی روایۃ للبغوی اذا اقشعر جلد العبد من خشیۃ اللہ حرمہ اللہ علی النار۔ فان قیل بعض أھل العشق من الصوفیۃ الکرام یغشی علیہ عند استماع القرآن فھل ھو من الأحوال الحمیدۃ أو القبیحۃ وقد شنع علیھم الامام محیی السنۃ البغوی رحمۃ اللہ علیہ فی تفسیرہ فقال: قال قتادۃ ھذا یعنی ماذکر من اقشعرار الجلد من خشیۃ اللہ نعت أولیائ اللہ نعتھم اللہ بأن تقشعر جلودھم وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ ولم ینعتھم بذھاب عقولھم والغشیان علیھم انما ذلک فی أھل البدع وھو من الشیطان، أخبرنا عبد اللہ بن الزبیر قال قلت لجدتی أسماء بنت أبی بکر کیف کان أصحاب رسول اللہ ﷺ یفعلون اذا قرئ علیھم القرآن قالت کانوا کما نعتھم اللہ عزوجل تدمع عیونھم وتقشعر جلودھم قال فقلت لھا ان ناساً اذا قرئ علیھم القرآن خرّ أحدھم مغشیاً علیہ فقالت أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، وروی البغوی أن ابن عمر مرَّ علی رجل (من أھل العراق) ساقط فقال ابن عمر ما بال ھذا؟ قالوا انہ اذا قرئ علیہ القرآن وسمع ذکر اللہ سقط فقال ابن عمر انا لنخشی اللہ وما نسقط وقال ابن عمر ان الشیطان یدخل فی جوف

---

[1] (تفسیر روح المعانی، الاعراف تحت الایۃ ۱۵۹: ج ۹، ص ۱۱۵، ۱۱۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

أحدهم ما كان هكذا صنيع أصحاب رسول الله ﷺ؟قلت وجه طريان هذه الحالة كثرة نزول الركات والتجليات مع ضيق حوصلة الصوفي وضعف استعداده وانما لم توجد هذه الحالة في الصحابة رضي الله عنهم مع وفور بركاتهم لأجل سعة حواصلهم وقوة استعداداتهم ببركة صحبة النبي ﷺ وأما غير الصحابة من الصوفية فعدم طريان تلك الحالة عليهم اما لقلة نزول البركات واما لسعة الحوصلة والعجب من الامام الهمام محيي السنة البغوي رحمه الله كيف أنكر على أصحاب تلك الحالة وشنع عليهم ونسي قوله تعالى:"وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّى إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ (سبا:٢٣)وقد روى هو في تفسير تلك الاية عن النواس بن سمعان رضي الله عنه اذا أراد الله بالأمر تكلم بالوحي أخذت السماوات منه رجفةً أو قال رعدةً شديدة خوفاً من الله فاذا سمع ذالك أهل السماوات صعقوا وخروا لله سجداً فيكون أول من يرفع رأسه جبرئيل الحديث،وروى البخاري عن أبي هريرة عن النبي ﷺ نحوه بلفظ (اذا قضى الله الأمر في السمأ ضربت الملائكة بأجنحتها خضعاناً لقوله كأنه سلسلة على صفوان فاذا فزع عن قلوبهم قالوا ماذا قال ربكم قالوا الحق)الحديث،وقوله تعالى :فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا (الأعراف،١٤٣)وقول ابن عمران الشيطان يدخل في جوف أحدهم وكذا استعاذة أسماء محمول على أنهما زعما غشي ذالك الرجل تكلفاً ومكراً ولذا نسباه الى الشيطان وانما كان انكار تلك الحالة منهما لعدم طريان الحالة عليهما وعلى أمثالها بناءً على وسعة الحوصلة وقوة الاستعداد،ويدل على ماقلت أنه ذكر عند ابن سيرين الذين يصرعون اذا قرىء عليهم القرآن فقال بيننا وبينهم أن يقعد أحدهم على ظهر بنية باسطاً رجليه ثم يُقرا عليهم القرآن من أوله الى آخره فان رمى بنفسه فهو صادق حيث علّق صدقه على رمى نفسه من ظهر بنية مرتفعة فعلم منه أنه حمل صرعه على الكذب التكلف ،اعلم أن البشر أقوى استعداداً وأوسع حوصلة من الملائكة كما يشهد عليه قوله تعالى :إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (البقرة ٣٠)وقوله تعالى:إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ(الأحزاب،٧٢)الآية،ولاجل ذلك يأتي حالة الغشي على الملائكة كلما سمعوا الوحي دون البشر وأما البشر فاذا تم نزوله لا يتغير حاله الا نادراً واذا تم عروجه وقصر نزوله يتغير غالباً وأعلم أن الصوفي متى كان في السكر يتغير حاله غالباً عند ذكر المحبوب في الشعر والتغني ولذلك يستحبون السماع لكن تغير الحال عند سماع القرآن أشرف منه حالاً لأن عند استماع القرآن وتلاوته تتنزل البركات الأصلية المتعلقة بالتجليات الذاتية والصفات الحقيقية ولاسبيل اليها لأكثر الصوفية المحتبسين في مقام ولأجل ذلك تراهم يتغير حالهم عند السماع مالا يتغير عند تلاوة القرآن وأما الذين صعدوا ذروة الأفق الأعلى ثم دنا رب العزة وتدلى فكان قاب قوسين أو أدنى،لا تتغير أحوالهم الا كما كان يتغير حال أصحاب رسول الله ﷺ رضي الله عنهم تدمع عيونهم،وتقشعر جلودهم ثم تلين جلودهم وتطمئن قلوبهم الى ذكر الله۔

ترجمہ:ذکر اللہ عزوجل سے قبل قلوب کا ذکر کیا گیا ہے،اس کی وجہ یہ ہے کہ خشیت کا بنیادی اثر دل پر ہی پڑتا ہے اور یہ دل کے عوارض میں سے ہی ہے۔

کیونکہ قرآن کی آیات وعید میں جب اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مومنین کے دل خوفزدہ ہو جاتے ہیں اور انکے بدن کانپنے لگ جاتے ہیں اقشعر ار کا معنی ہے خوف کے وقت انسان کے بدن کا منقبض ہو جانا، سکڑ جانا اور اس میں تغیر رونما ہونا۔ رعشہ طاری ہونا اور جب قرآن کریم کی ان آیات کی تلاوت کی جاتی ہے جن میں رحمت کا وعدہ ہے تو مومنین کے بدن نرم پڑ جاتے ہیں اور ان کے دلوں کو اطمینان اور سکون نصیب ہو جاتا ہے۔

پہلے قرآن کریم کے بارے فرمایا کہ وہ مثانی ہے کیونکہ اس کی آیات وعد وعید کا ذکر بار بار کیا جاتا ہے اور اس مقام پر وہ اثر بیان فرمادیا جو اہل ایمان وعدہ وعید کی آیات سنتے وقت قبول کرتے ہیں۔ پس تقدیر کلام اس طرح ہے: **یخاف منه قلوب الذین یخشون ربهم و تقشعر جلودهم ثم تلین جلودهم و تطمئن قلوبهم الی ذکر الله** قرآن کریم پڑھتے وقت ان کے دل خوفزدہ رہتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور ان کے بدن کانپنے لگتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف متوجہ ہوتے وقت ان کے بدن نرم پڑ جاتے ہیں اور ان کے دل مطمئن ہو جاتے ہیں۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی بندے کا بدن اللہ تعالیٰ کے خوف سے کانپنے لگتا ہے تو اس کے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے خشک درخت سے اس کے پتے گرتے ہیں۔[1]

اسے طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور علامہ بغوی نے ایک روایت میں اس طرح بیان کیا ہے کہ جب بندے کا بدن خوف سے کانپنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم پر حرام قرار دیتے ہیں۔[2]

اب اگر یہ کہا جائے کہ بعض صوفیاء کرام میں سے بعض اہل عشق پر قرآن کریم سنتے وقت غشی طاری ہو جاتی ہے تو کیا ایسا ہونا قابل تعریف اور پسندیدہ وصف ہے یا کہ قبیح اور ناپسندیدہ؟

اس کے بارے امام محی السنۃ علامہ بغوی رحمتہ اللہ علیہ نے تو اپنی تفسیر میں انتہائی سخت موقف اختیار کیا ہے اور اسے انتہائی قبیح اور ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ قتادہ نے اس کے بارے یہ ذکر کیا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت اللہ تعالیٰ کے خوف سے بدن کا کانپ جانا یہ اولیاء اللہ کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ نے خود ان کا یہ وصف بیان فرمایا ہے کہ ذکر اللہ کے سبب ان کے بدن کانپنے لگتے ہیں اور ان کے دل راحت اور سکون حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کا یہ وصف بیان نہیں فرمایا کہ تلاوت قرآن کے وقت ان کی عقلیں ماؤف ہو جاتی ہیں اور ان غشی اور بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ایسا کرنا اہل بدعت کا خاصہ ہے اور یہ کیفیت شیطان کے جانب سے طاری کی جاتی ہے۔[3]

ہمیں یہ خبر دی گئی ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا۔ میں نے اپنی دادی حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا (اس مقام پر حضرت عبداللہ نے حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جدی (دادی) کہا ہے حالانکہ آپ ان کی والدہ تھیں اور جدہ کا لفظ ماں کے لیے مستعمل نہیں۔ شاید اس عبارت میں سہو ہے) کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے پاس جب قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی تھی تو ان کی کیفیت کیا ہوتی تھی؟ تو حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا تلاوت قرآن کے وقت جو کیفیت ہونے کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان کی وہی کیفیت ہی تھی کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی جھڑ رہے ہوتے اور ان کے بدن لرزہ براندام ہوتے۔ پھر میں نے یہ عرض کی کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب ان کے پاس قرآن کریم پڑھا جاتا ہے تو وہ غش کھا کر گر پڑتے ہیں؟ تو حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں یہ

---

[1] (معالم التنزیل، ج۵، ص۱۲، دار الفکر)

[2] (معالم التنزیل، ج۵، ص۱۲، دار الفکر)

[3] (معالم التنزیل، ج۵، ص۱۲، دار الفکر)

پڑھا: اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔[1]

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا گزر (اہل عراق میں سے) ایک کے پاس سے ہوا جو گرا پڑا تھا اور اس پر غشی کی کیفیت طاری تھی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا اسے کیا ہوا ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ جب اس کے پاس قرآن پاک پڑھا جائے اور یہ اللہ کا ذکر سنے اس پر یہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور یہ گر جاتا ہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا بلاشبہ بالیقین ہم اللہ سے ڈرتے ہیں لیکن اس طرح نہ گرتے ہیں نہ بے ہوش ہوتے ہیں اور آپ نے مزید فرمایا کہ شیطان ان کے پیٹ میں داخل ہو جاتا ہے (اور وہ انھیں اس طرح گرا دیتا ہے) حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام تو اس طرح نہیں کرتے تھے۔[2]

میں کہتا ہوں اس حالت کے سبب اللہ تعالیٰ کی جانب سے برکات و تجلیات کا کثرت سے نازل ہوتا ہے جبکہ صوفی کا ظرف تنگ اور قوت برداشت اور استعداد کمزور ہوتی ہے، لیکن یہ کیفیت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر طاری نہیں ہوتی تھی اس کے باوجود کہ ان پر برکات و تجلیات کا وافر اور کثرت سے نزول ہوتا تھا تو اس کا سبب اور وجہ یہ تھی کہ حضور نبی کریم ﷺ کی صحبت کی برکت سے ان کے ظروف انتہائی وسیع اور قوت برداشت انتہائی مضبوط اور زیادہ تھی۔ (لہٰذا نہ ان پر غشی طاری ہوتی اور نہ وہ بے ہوش ہو کر گرتے) صحابہ کرام کے علاوہ دیگر صوفیاء میں سے جن پر یہ کیفیت طاری نہیں ہوتی تو اس کا سبب یا تو نزول برکات کا کم ہونا ہے یا پھر ان کے حوصلے اور ظرف کا وسیع ہونا ہے۔ لیکن تعجب ہے امام محی السنہ علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ پر انہوں نے ان صوفیاء کرام کا کیسے انکار کر دیا ہے جن پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے کہ انہوں نے انہیں ناپسند اور قبیح قرار دیا ہے، کیا وہ اللہ تعالیٰ یہ ارشاد بھول گئے:

حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ (سورۃ سبا ۲۳:)

حالانکہ آپ نے خود اس آیت کی تفسیر میں حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی حکم کا ارادہ فرماتا ہے اور وحی کے الفاظ بیان فرماتا ہے تو اس کے سبب) یعنی اللہ تعالیٰ کے خوف سے) تمام آسمان پر شدید لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور جب آسمانوں کے مکین اسے سنتے ہیں تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ پھر سب سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام اپنا سر اٹھاتے ہیں۔ الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد اس طرح نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو کلام سن کر عجز و انکساری کے ساتھ ملائکہ اپنے پر مارتے ہیں تو اس سے ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے چٹان پر زنجیر لگنے کی آواز آتی ہے پھر جب ان کے دلوں سے وہ گھبراہٹ دور ہو جاتی ہے (تو آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں تمہارے رب نے کیا کہا ہے؟ تو دوسرے جواب دیتے ہیں (اس نے جو فرمایا ہے) حق ہے۔ الحدیث۔[3]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا۔

ترجمہ: پھر جب اس کے رب عزوجل نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا تو اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام گر کر بے ہوش ہو گئے۔ (سورۃ الاعراف ۱۴۳:)

---

[1] (معالم التنزیل، ج۵، ص۱۲، دار الفکر)

[2] (معالم التنزیل، ج۵، ص۱۳، دار الفکر)

[3] (صحیح البخاری تفسیر سورۃ سباء)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول کہ شیطان تمہارے پیٹ میں داخل ہو جاتا ہے اور اسی طرح حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھنا تو انہیں اس معنی پر محمول کیا جائے گا کہ اس مقام پر ان دونوں کو یہ گمان ہوا کہ اس آدمی نے مکر فریب کے ساتھ اپنے اوپر غشی طاری کر رکھی ہے اور اس وجہ سے انہوں ایسے انسان کی نسبت شیطان کی طرف کی اور اس کا سبب یہ تھا کہ ان کے حوصلے وسیع تھے قوت استعداد قوی تھی اس لئے ان پر اور اس کی مثل دیگر افراد پر ایسی حالت کبھی طاری نہ ہوتی تھی (اس بنا انہیں یہ شبہ ہوا کہ اس آدمی نے مکر و فریب سے یہ حالت بنا رکھی ہے) جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر بطور دلیل یہ بھی ہے کہ ابن سیرین کے پاس ایسے لوگوں کا ذکر کیا گیا جو قرآن کریم کی تلاوت سن کر غش کھا کر گر پڑتے ہیں تو آپ نے فرمایا ہمارے اور ان کے درمیان فرق اس طرح ظاہر ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی مکان کی چھت سے نیچے پاوں لٹکا کر بیٹھ جائے۔ پھر اس پاس اول سے لے کر آخر تک قرآن کریم پڑھا جائے تو اگر وہاں قرآن کریم سن کر گر پڑے اور بیہوش ہو جائے تو سمجھ لو وہ سچا ہے۔[1]

بصورت دیگر اس پر غشی اور اس کی گرنے کو جھوٹ اور مکر و فریب پر محمول کیا جائے گا۔ گویا کہ آپ نے اس کی سچائی ایک اور بلند و بالا مکان کی چھت سے اپنے آپ کو گرانے کے ساتھ معلق کر دیا ہے (تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی ایسے لوگوں کو فریبی خیال کرتے تھے)

جاننا چاہئے کہ انسان کی قوت برداشت ملائکہ سے زیادہ قوی ہے اور انسان کا حوصلہ اور ظرف ملائکہ کے بنسبت زیادہ وسیع ہے۔ جیسا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی شاہد ہے:

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً، سے، إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ (سورۃ البقرہ ۳۰:) تک۔

اور مزید فرمایا :إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ۔ (سورۃ الاحزاب ۷۲:)

یہی وجہ ہے ملائکہ جب بھی وحی سنتے ہیں تو ان پر غشی کی حالت طاری ہو جاتی ہے لیکن انسان پر ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ انسان کا نزول جب مکمل ہو جاتا ہے تو سوائے کسی نادر مثال کے ان کی حالت میں کوئی تغیر و تبدل رونما نہیں ہوتا اور جب انسان کا عروج مکمل ہو لیکن نزول ناقص ہو تو پھر اکثر حالت بدل جاتی ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب صوفی حالت سکر میں ہوتا ہے تو شعر اور تغنی کی صورت میں محبوب کا ذکر سنتے وقت اسکی حالت اکثر بدل جاتی ہے یہی وجہ ہے صوفیاء سماع کو پسند کرتے ہیں لیکن سماع قرآن کے وقت حالت کا تبدیل ہونا اس سے کہیں اشرف و اعلیٰ ہے کیونکہ قرآن کریم سننے اور اس کی تلاوت کے وقت ان پر برکات اصلیہ کا کثرت سے نزول ہوتا ہے جو تجلیات ذاتیہ اور صفات حقیقیہ سے متعلق ہوتی ہے لیکن ایسے کثیر صوفیاء جو ایک ہی مقام پر رکے ہوئے ہیں (یعنی ان کے درجات و مراتب میں ترقی نہیں ہو رہی) وہ ان برکات کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اس وجہ آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ سماع کے وقت ان کی حالت بدل جاتی ہے مگر تلاوت قرآن کریم کے وقت ان میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوتا۔ لیکن ایسے صوفیاء جو ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے افق اعلیٰ تک جا پہنچے پھر رب العزت کے قریب تر ہوئے اور: دَنَا فَتَدَلّٰى، فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى (سورۃ النجم ۸:،۹) کے مقام پر فائز ہوے ان کی حالت میں قطعا تغیر تبدل رونما نہیں ہوتا مگر صرف اتنا جتنا رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کے حال میں تغیر و بدل رونما ہوتا تھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کے موتی بہنے لگتے تھے اور ان کے بدنوں پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا پھر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف متوجہ ہونے کے ساتھ ان کے بدن نرم پڑ جاتے اور ان کے دل قرار و اطمینان حاصل کر لیتے ہیں۔[2]

شیخ عارف باللہ ابو محمد صدر الدین روز بہان بن ابی نصر بقلی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ومفسر قرآن صوفی با کمال علامہ اسماعیل حقی، بروسی، حنفی، قدس سرہ،

---

[1] (معالم التنزیل، ج،۵،ص،۱۳، دار الفکر)

[2] (تفسیر مظہری، الزمر ۲۳:، ج،۶،ص،۱۶۴، تا،۱۶۶ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

،لکھتے ہیں:

قال النهر جوری رحمه الله :وصف الله بهذه الآية سماع المريدين وسماع العارفين۔ وقال :سماع المريدين بإظهار الحال عليهم، وسماع العارفين بالطمأنية والسكون۔

ترجمہ: حضرت نہر جوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا :اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سماع مریدین اور سماع عارفین کے وصف کو بیان فرمایا ہے،اور فرمایا :مریدین کا سماع ان پر حال (وجد) کا اظہار کرتا ہے اور عارفین کا سماع طمانیت اور سکون کے ساتھ ہوتا ہے۔[1]

مفسر قرآن صوفی باکمال علامہ اسماعیل حقی بروسی حنفی قدس سرہ لکھتے ہیں:

فالاقشعرار صفة اهل البداية واللين صفة اهل النهاية وعن شهر بن حوشب قالت أم الدرداء رضى الله عنها انما الوجل فى قلب الرجل كاحتراق السعفة أما تجد إلا قشعريرة قلت بلى قالت فادع الله فان الدعاء عند ذلك مستجاب وذلك لانجذاب القلب الى الملكوت وعالم القدس واتصاله بمقام الانس۔

ترجمہ: پس رونگٹے کھڑے ہوجانا مبتدیوں کی صفت ہے اور نرم ہوجانا منتہیوں کی صفت ہے۔اور حضرت شہر بن حوشب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا نے فرمایا : کسی شخص کے دل میں وجل (خوف) کا ہونا ایسے ہے جیسے جلانے والی پھنسی۔(مجھ سے فرمایا) کیا تو بدن کا لرزنا کپکپی کی حالت کو پاتا ہے؟ میں عرض کی،ہاں۔فرمایا : تو اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو اس لیے کہ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے۔اور یہی وقت ہے عالم قدس اور ملکوت کی طرف دل کے کشش کرنے کا اور مقام انس میں پہنچنے کا۔[2]

مفسر قرآن صوفی باکمال علامہ اسماعیل حقی بروسی حنفی قدس سرہ لکھتے ہیں:

ومنها ان الاقشعرار امر مستجلب للرحمة قال عليه السلام (إذا اقشعر جلد العبد من خشية الله تحاتت عنه ذنوبه) اى تساقطت (كما يتحات عن الشجرة اليابسة ورقها) وعنه عليه السلام (إذا اقشعر جلد العبد من خشية الله حرمه الله على النار) ولما اتخذ الله ابراهيم خليلا القى فى قلبه الوجل حتى ان خفقان قلبه يسمع من بعيد كما يسمع خفقان الطير فى الهواء قال مسروق ان المخافة قبل الرجاء فان الله تعالى خلق جنة ونارا فلن تخلصوا الى الجنة حتى تمروا بالنار ومنها ان غاية ما يحصل للعابدين من الأحوال المذكورة فى هذه الآية من الاقشعرار والخشية والاطمئنان قال قتادة هذا نعت اولياء الله نعتهم بان تقشعر جلودهم وتطمئن قلوبهم ولم ينعتهم بذهاب عقلهم والغشيان عليهم وانما ذلك فى اهل البدع وهو من الشيطان وعن عبد الله بن عبد الله ابن الزبير قال قلت لجدتى اسماء بنت ابى بكر رضى الله عنه كيف كان اصحاب رسول الله يفعلون إذا قرئ عليهم القرآن قالت كانوا كما نعتهم الله تدمع أعينهم وتقشعر جلودهم قال فقلت لها ان ناسا اليوم إذا قرئ عليهم القرآن خر أحدهم مغشيا عليه فقالت أعوذ بالله من الشيطان الرجيم- وروى- ان ابن عمر رضى الله عنهما مر برجل من اهل العراق ساقط فقال ما بال هذا قالوا انه إذا قرئ عليه القرآن او سمع ذكر الله سقط فقال ابن عمر رضى الله عنه انا لنخشى الله وما نسقط وقال ابن عمر رضى الله عنهما ان الشيطان يدخل فى جوف أحدهم ما كان هذا صنيع اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم كذا فى التفاسير نحو كشف الاسرار والمعالم والوسيط والكواشي وغيرها

---

[1] (تفسیر عرائس البیان فی حقائق القرآن ، سورۃ الزمر تحت الآیۃ ۲۳:،ج ،۳،ص،۲۱۲،دارالکتب العلمیہ ، بیروت ،وتفسیر روح البیان ، سورۃ الزمر تحت الآیۃ ۲۳:،ج،۸،ص،۱۱۰،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

[2] (تفسیر روح البیان،سورۃ الزمر تحت الآیۃ ۲۳:،ج،۸،ص،۱۱۰،دارالکتب العلمیہ،بیروت)

يقول الفقير لا شك ان القدح والجرح انما هو فی حق اهل الرياء والدعوی وفی حق من يقدر علی ضبط نفسه، كما أشار عليه السلام، بقوله (من عشق وعف وكتم ثم مات مات شهيدا) فان من غلب علی حاله كان الأدب له ان لا يتحرك بشیء لم يؤذن فيه واما من غلب عليه الحال وكان فی امره محقا لا مبطلا فيكون كالمجنون حيث يسقط عنه القلم فبأی حركة تحرك كان معذورا فيها فليس حال اهل البداية والتوسط كحال اهل النهاية فان ما يقدر عليه اهل النهاية لا يقدر عليه من دونهم وكأن الاصحاب رضی الله عنهم ومن فی حكمهم ممن جاء بعدهم راعوا الأدب فی كل حال ومقام بقوة تمكينهم بل لشدة تلوينهم فی تمكينهم فلا يقاس عليهم، من ليس له هذا التمكين فرب اهل تلوين يفعل ما لا يفعله اهل التمكين وهو معذور فی ذلك لكونه مغلوب الحال ومسلوب الاختيار فليجتهد العاقل فی طريق الحق بلا رياء ودعوی وليلازم الأدب فی كل امر متعلق بفتوی او تقوی وليحافظ علی ظاهره وباطنه من الشين ومما يورث الرين والغين۔

ترجمہ: رونگٹے کھڑے ہوجانا رحمت الٰہی کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا جب انسان خوف الٰہی سے کانپتا ہے تو اس سے اس کے گناہ جھڑتے ہیں ایسے جیسے درخت سے سوکھے پتے (ہوا سے) نیز فرمایا جب انسان کا جسم خوف خداوندی سے کانپتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ آتش جہنم حرام فرمادیتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ابراھیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تو ان کے دل میں ایسا خوف ڈال دیا کہ آپ کے دل کی دھڑکن کی آواز دور سے ایسے سنائی دیتی تھی جیسے ہوا میں پرندوں کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ سنی جاتی ہے۔حضرت مسروق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہ خوف رجاء سے پہلے ہونی چاہئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت و نار دونوں کو پیدا فرمایا لیکن جنت میں دوزخ کو عبور کر کے داخل ہونا پڑے گا۔ان آیات سے معلوم ہوا کہ انسان کی تلاوت کلام سے اقشعرار (رونگٹے کھڑے ہونا) خوف وخشیت واطمینان حاصل ہونا اس کے نیک احوال سے ہے کیونکہ عابدین کا یہی حال ہوتا ہے۔حضرت قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہ اولیاء اللہ کے نیک اوصاف ہیں کہ قرآن پڑھنے سننے سے ان کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اوران کے دلوں کو قرار نصیب ہوجاتے ہیں اور یہ نہیں فرمایا کہ ان کے عقول چلے جاتے ہیں یا ان پر غشی طاری ہوجاتی ہے۔ایسا ہونا اہل بدعت کی علامت ہے اور یہ شیطانی امر ہے۔حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہم فرمائے ہیں کہ میں نے اپنی جدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہم سے سوال کیا کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے قرآن پڑھا جاتا تو ان کا کیا حال ہوتا تو انہوں نے فرمایا کہ ان کا وہی حال ہوتا جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہاں بیان فرمایا ہے کہ ان کے آنسو آنکھوں سے جاری اوران کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں نے عرض کی ہمارے زمانہ میں بعض ایسے بھی ہیں کہ جب قرآن مجید سنتے ہیں تو ان پر غشی طاری ہوجاتی ہے اور وہ قرآن سن کر بیہوش ہو کر گر جاتے ہیں۔تو آپ نے فرمایا: میں شیطان رجیم سے پناہ مانگتی ہوں۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک ایسے شخص عراقی پر گزر ہوا جو بے ہوش پڑا تھا۔آپ نے پوچھا اسے کیا ہوا ہے۔عرض کی گئی کہ اس کے سامنے قرآن مجید پڑھا گیا تو بیہوش ہوگیا ہے۔آپ نے فرمایا ہم بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں لیکن زمین پر گر کر بیہوش نہیں ہوتے دراصل بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے پیٹ میں شیطان داخل ہوجاتا ہے ورنہ یہ کام اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں۔

فقیر (علامہ سماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ (جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) قدح وجرح صرف ریاکاری کرنے والوں اور باطل دعویٰ کرنے والوں کے حق میں ہے اوراس کے حق میں جو اپنی اس حالت کو کنٹرول کرنے پر قادر ہوں۔(اس کے باوجود پھر بھی بیہوشی ظاہر کرتے ہوں) جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے فرمان میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے: جو شخص (اللہ تعالیٰ پر) عاشق ہوجائے،اور پاک دامن رہے اوراپنے عشق کو پوشیدہ رکھے حتیٰ کہ وفات پاجائے تو وہ شہید مرا۔جو شخص اپنے حال پر غالب ہو تو اس کے لیے

ادب یہ ہے کہ وہ ایسی کوئی حرکت نہ کرے جس کی اسے اجازت نہیں ہے۔اور رہا وہ شخص جس پر حال غالب ہے اور وہ اپنے معاملہ میں اہلِ حق ہے،اہلِ باطل نہیں ہے،پس وہ مجنون (پاگل) کی طرح ہے،کہ اس سے شرعی قلم اٹھالیا گیا ہے،تو وہ اس وقت کوئی بھی حرکت کرے وہ اس حرکت میں معذور ہوگا،پس مبتدیوں اور متوسط لوگوں کا حال منتہیوں کے حال کی طرح نہیں ہوتا،اس لئے کہ جو منتہی حضرات کر سکتے ہیں وہ مبتدیوں اور متوسط لوگوں کے بس سے باہر ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے بعد آنے والے ان جیسے حضرات ہر مقام اور ہر حال میں ادب کو مدنظر رکھتے ہیں کیونکہ ان میں قوتِ تمکین (قوت برداشت) ہوتی ہے بلکہ ان کی تمکین میں شدت تلوین کا غلبہ ہوتا ہے،اس لئے جن میں یہ تمکین (طاقت) نہ ہو ان کا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر قیاس نہیں کیا جاسکتا،بہت سے اہلِ تلوین وہ کام کرتے ہیں جو اہلِ تمکین نہیں کرتے،اور اہلِ تلوین اختیار کے سلب ہونے اور حال کے غالب ہونے کی وجہ سے معذور ہوتے ہیں،عقلمند کو چاہیے کہ وہ طریق حق میں ریا اور دعویٰ کے بغیر جدوجہد کرے،اور ہر وہ کام جس کا تعلق فتویٰ یا تقویٰ سے ہو ادب کا لحاظ لازمی رکھے،اور اپنے ظاہر اور باطن کو عیب سے محفوظ لازمی رکھے اور ان امور سے بھی اپنے آپ کو لازمی طور بچائے جو شک اور میل (عیوب ونقائص) کی طرف لے جاتے ہیں۔[1]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا۔

ترجمہ:اور ٹھوڑی کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن ان کے دل کا جھکنا بڑھاتا ہے۔ (بنی اسرائیل ۱۰۹:)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرَانِي وَلَكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ۔

ترجمہ:اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے وعدہ پر حاضر ہوا اور اس سے اس کے رب نے کلام فرمایا عرض کی اے رب میرے مجھے اپنا دیدار دکھا کہ میں تجھے دیکھوں فرمایا تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ یہ اگر اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا تو اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ گرا بے ہوش پھر جب ہوش ہوا بولا پاکی ہے تجھے میں تیری طرف رجوع لایا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔(الاعراف ۱۴۳:)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ۔

ترجمہ:ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ عزوجل یاد کیا جائے ان کے دل ڈر جائیں اور جب اُن پر اس کی آیتیں پڑھی جائیں ان کا ایمان ترقی پائے اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کریں۔(الانفال ۲:)

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن صوفی باکمال علامہ اسماعیل حقی بروسوی حنفی قدس سرہ لکھتے ہیں:

وهذا الخوف لازم لاهل كمال الايمان سواء كان ملكا مقربا او نبيا مرسلا او مؤمنا تقيا نقيا وهذا بخلاف خوف العقاب فانه لا يحصل بمجرد ذكر الله بل بملاحظة المعصية وذكر عقاب الله انتقاما من العصاة واين من يهم بمعصية فيقال له اتق الله فينزع عنها خوفا من عقابه ممن ينزع بمجرد ذكره من غير ان يذكر هناك ما يوجب النزع من صفاته وأفعاله استعظاما لشأنه الجليل

---

[1] (تفسیر روح البیان،سورۃ الزمر تحت الآیۃ ۲۳:،ج،۸،ص،۱۱۱،۱۱۲،دار الکتب العلمیہ،بیروت)

وتهيبا منه، واعلم ان شأن نور الايمان ان يرق القلب ويصفيه عن كدورات صفات النفس وظلماتها ويلين قسوته فيلين الى ذكر الله ويجد شوقا الى الله وهذا حال اهل النهايات فالطمأنينة والسكون بالذكر ولما جاء قوم حديثو اعهد بالإسلام فسمعوا القرآن كانوا يبكون ويتأوّهون فقال أبو بكر رضى الله عنه هكذا كنا فى بداية الإسلام ثم قست قلوبنا يشير بذلك الى نهايته فى الاطمينان۔

ترجمہ: اور یہ خوف کامل ایمان والوں کو لازم ہے خواہ وہ مقرب فرشتہ ہو یا نبی مرسل ہو یا متقی پرہیز گار مومن ہو، اور یہ بخلاف خوفِ عقاب کے ہے کیونکہ وہ صرف ذکر اللہ سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ گناہ کے ملاحظہ سے یوں بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عقاب گناہگاروں کو سنایا جاتا ہے تا کہ وہ سمجھیں کہ یہ عقاب ہمارے گناہوں کا انتقام ہے اور اسی طرح جو گناہ کا ارادہ کرے اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر۔ یہ سن کر وہ گناہ کے انتقام پر عقابِ الٰہی سے ڈرتا ہوا گناہ سے بچ جاتا ہے اسی طرح گناہ کا ارادہ کرنے والے کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر آجائے تو اللہ کے ذکر کی ہیبت اور اس کے عظیم شان کے تصور سے گناہ سے بچ جاتا ہے۔ اور تو جان لے! کہ نورِ ایمان کی شان یہ ہے کہ وہ نور دل کو رقیق، نرم بنائے اور صفاتِ نفس اور اس کی ظلمات کو کدورات سے صاف کرے اور اس کی سختی کو نرم کرے پس وہ دل ذکر اللہ سے نرم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے شوق کو پاتا ہے، (یہ مبتدیوں کی کیفیت ہے) اور منتہیوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ انہیں ذکر اللہ سے اطمینان اور سکون نصیب ہوتا ہے۔ اور جب لوگ اسلام میں نئے نئے داخل ہوتے تو قرآن مجید سنتے تو روتے اور آہیں بھرتے، گریہ وزاری کرتے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابتدائے اسلام میں ہماری بھی یہی کیفیت تھی پھر ہمارے دل سخت ہو گئے، اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اطمینان وسکون کے انتہائی مرتبہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔[1]

مفسر قرآن صوفی باکمال علامہ اسماعیل حقی بروسی حنفی قدس سرہ لکھتے ہیں:

ومن اباحه من المشايخ فذلك للذى صارت حركاته كحركات المرتعش وهل يجوز السماع الجواب ان كان السماع سماع القرآن او الموعظة يجوز وان كان السماع الغناء فهو حرام لان التغني واستماع الغناء حرام

قال الشيخ عمر ابن الفارض فى القصيدة الموسومة بنظم الدر

إذ هام شوقا بالمناغى وهمّ ان		يطير الى أوطانه الاولية
يسكن بالتحريك وهو بمهده		إذا ناله أيدي المربى بهزة

قال الامام القاشاني فى شرحه إذا هام الولي واضطرب شوقا الى مركزه الأصلي ووطنه الاولى بسبب مناغاة المناغى وهم طائر روحه الى ان يطير الى عشه ووكره الاولى تهزه أيدي من يربيه فى المهد فيسكن بسبب التحريك من قلقه وهمه بالطيران والمقصود من إيراد هذا المعنى ان يشير الى فائدة الرقص والحركة فى السماع وذلك ان روح السامع يهم عند السماع ان يرجع الى وطنه المألوف ويفارق النفس والقالب فتحركه يد الحال وتسكنه عما يهم به بسبب التحريك الى حلول الاجل المعلوم وذلك تقدير العزيز العليم انتهى:

قال السعدي قدس سره

مكن عيب درويش مدهوش ومست		كه غرقست از آن مى زند پاودست

---

[1] (تفسیر روح البیان، سورۃ الانفال، تحت الآیۃ ۲:، ج۳، ص۳۳۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

نکویم سماع ای برادر که چیست		مگرمستمع را بدانم که کیست
کر از برج معنی پرد طیر او		فرشته فرو ماند از سیر او
اگر مرد بازي ولهوست ولاغ		قوی تر شود دیوش اندر دماغ
چھ مرد سماعست شهوت پرست		بآواز خوش خفته خیزد نه مست

قال السروري [چون سماع آواز خوش سبب حرکت شد حرکت را سماع گفتند] بطریق تسمیة المسبب باسم السبب [و چون کسی آوازی خوش شنود در وحالتی پیدا شود این حالت را وجد گویند:

وفی المثنوی

پس غدای عاشقان آمد سماع		که در او باشد خیال واجتماع
قوتی گیرد خیالات ضمیر		بلکه صورت گردد از بانك صفیر

واعلم ان الرقص والسماع حال المتلون لا حال المتمکن ولذا تاب سید الطائفة الجنید البغدادي قدس سره عن السماع فی زمانه فمن الناس من هو متواجد ومنهم من هو اهل وجد ومنهم من هو اهل وجود. فالاول المبتدی الذي له انجذاب ضعیف. والثاني المتوسط الذي له انجذاب قوی. والثالث المنتهی الذي له انجذاب قوی وهو مستغن عن الدوران الصوري بالدوران المعنوي بخلاف الأولین ولا بد من العشق فی القلب والصدق فی الحرکة حتی یصح الدوران وقد وجدنا فی زماننا اکثر المجالس الدوریة علی خلاف موضوعها فالعاقل یختار الطریق الأسلم ویجتنب عن القیل والقال وینظر الی قولهم لکل زمان رجال ولکل رجال مقام وحال۔

مشائخ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے ہاں وہ وجد ورقص مباح ہے جس میں رقص کرنے والے کی حرکات رعشہ والے کی حرکات کی مانند ہوں۔اور کیا سماع جائز ہے؟ الجواب :اگر قرآن اور وعظ ونصیحت کے طور پر ہو تو جائز ہے اور گانے کا سماع ہو تو وہ حرام ہے، کیونکہ گانا گانا اور گانا سننا حرام ہے۔

ترجمہ معہ شرح از امام قاشانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ :جب ولی کامل حیران ومضطرب ہو کر مرکز اصلی اور وطن اولی کی طرف سرود کے نغموں کی وجہ سے اچھلتا ہے یا اس کی روح کا پرندہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی اصلی اور ازلی گھونسلے کو جائے تو اسے اس کا مربی ومرشد تھپکیوں سے جھولے میں سلا دیتا ہے اس وجہ سے پھر وہ اچھلنے کودنے سے سکون اختیار کر لیتا ہے اس سے شیخ کا مقصد صرف سماع کے فوائد کا اظہار ہے اور بتانا ہے کہ کاملین کا رقص اور وجد اور ان کا اچھلنا کودنا خالی از اسرار نہیں وہ یہی ہے کہ کامل کی روح سماع کے وقت اصلی کی طرف جانا چاہتی ہے بلکہ بدن سے نکل کر اس عالم قدس میں پہنچنے کے لیے بے تاب ہو جاتی ہے لیکن عالم دنیا کا نظام اسے تھپکیاں دے کر ساکن کر دیتا ہے کہ ابھی تمہارے جانے کے لیے دیر ہے وہ اس لیے کہ قادر مطلق نے اس کا میعاد مقرر کیا ہے اس سے پہلے جانے کی اجازت نہیں ہے اور عزیز علیم کے مقرر کردہ حدود ہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا

ترجمہ (۱) مدہوش ومست درویش پر عیب نہ کر کیونکہ وہ تو غرق دیدار ہے اسی لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔

(۲) میں نہیں کہتا (اے بھائی) سماع کیا ہے ہاں میں یہ جانتا ہوں کہ سننے والا کیسا ہے۔

(۳) اگر برج معنیٰ سے اس کا پرندہ (روح) پرواز کرتا ہے تو فرشتے بھی اس کی پرواز سے عاجز ہوں ایسے چشتی وغیرہ کو سماع جائز ہے۔

(۴) اگر وہ (چشتی صاحب) لہو ولعب اور کھیل تماشا والا ہے تو اس کا دیو (نفس) دماغ کے اندر اور طاقت ور ہو جائے گا یعنی خواہشات نفسانی میں اضافہ ہوگا۔

(۵) اس لیے کہ ایسے (چشتی صاحب) کا سماع شہوت پرستی ہوگی یہ تو آواز خوش سے بیدار ہوتا ہے نہ کہ مست۔

فائدہ: حضرت سروری نے فرمایا کہ چونکہ سماع حرکت کا سبب بنتا ہے اس لیے حرکت کو سماع کہا جانے لگا گویا سبب بول کر مسبب مراد لیا جاتا ہے

فائدہ: جن کسی کی خوش آوازی سے حالت غیر ہو جائے تو اس حالت کو غیر صوفیائے کرام کی اصطلاح میں وجد کہا جاتا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے۔

ترجمہ :(۱) عشاق (چشتیہ وغیرہ) کے لیے سماع غذا ہے اس لیے اس میں تو اجتماع (وصال) کا تصور ہے۔

(۲) ضمیر خیالات سے قوت پاتی بلکہ سماع کی آواز سے تو ایک صورت تیار ہوتی ہے۔

سچے صوفیوں کی اقسام یاد رہے کہ وجد بھی متلون و ہر مبتدی کو ہوتا ہے اور منکر (یعنی منتہی وجد سے کوسوں دور ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے اپنی آخری عمر میں سماع سے توبہ فرمائی تھی صوفیوں کی تین اقسام ہیں۔

(۱) متواجد

(۲) اہل وجد

(۳) اہل وجود

پہلا وہ مبتدی صوفی جسے ضعیف انجذاب ہوتا ہے دوسرا متوسط ہے جسے قوی انجذاب ہوتا ہے تیسرے ایسے ہی انجذاب قوی ہوتا ہے لیکن وہ ظاہری طور پر اچھلتا کودتا نہیں بلکہ معنوی طور پر اندرون خانہ یکمسلہ ماؤ کی ہے جو صرف اسے معلوم ہوتا ہے اس کی کیفیت یہ کہ کراماً کاتبین راہم خبر نیست۔

سبق عشق اور وجد اور رقص سماع کے وقت وجد و رقص کی حرکت میں صداقت ضروری ہے۔

اور ہم نے اپنے زمانے کی اکثر (سماع و رقص کی) مجالس کو اصلی غرض و مقصد کے خلاف پایا ہے پس عاقل پر لازم ہے کہ وہ طریقہ اختیار کرے جس میں اس کی سلامتی اور فلاح ہو خواہ مخواہ آوارہ گفتگو اور بے کار قیل و قال سے احتراز کرے، بلا وجہ کسی پر اعتراض نہ کرے اور ان کے اس قول کی طرف نظر کرے کہ لکل زمان رجال و لکل رجال مقام و حال۔ ہر زمانے میں مردانِ خدا ضرور ہوتے ہیں اور ہر مردانِ خدا کا اپنا مقام اور انوکھا حال ہوتا ہے۔ (ہمیں ان پر اعتراض کر کے اپنی عاقبت برباد نہ کرنی چاہیے۔)[1]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ۔

ترجمہ :اور جب سنتے ہیں وہ جو رسول کی طرف اترا تو ان کی آنکھیں دیکھو کہ آنسوؤں سے اُبل رہی ہیں اس لئے کہ وہ حق کو پہچان گئے کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں حق کے گواہوں میں لکھ لے۔ (المائدہ ۸۳:)

قرآن مجید کی آیتوں کو سن کر رونا آجانا اور دلوں کا نرما جانا یہی جذبہ اور وجد کی کیفیت ہے جو آیت مذکور سے ظاہر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ

---

[1] (تفسیر روح البیان، سورۃ الاعراف تحت الایۃ ۱۴۸:، ج، ۳، ص، ۲۵۸، ۱۵۹، ص ۱۱۵ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

وَ قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا إِنْ هٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ترجمہ : تو جب زلیخا نے ان کا چکر واسنا تو ان عورتوں کو بُلا بھیجا اور ان کے لئے مسندیں تیار کیں اور ان میں ہر ایک کو ایک چھری دے دی اور یوسف سے کہا ان پر نکل آؤ جب عورتوں نے یوسف کو دیکھا اس کی بڑائی بولنے لگیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور بولیں اللہ کو پاکی ہے یہ تو جنس بشر سے نہیں یہ تو نہیں مگر کوئی معزز فرشتہ۔(یوسف ۳۱ :)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ آمِنُوا بِهِ أَوْ لَا تُؤْمِنُوا إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَى عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا (الاسراء ۱۰۷)

ترجمہ : تم فرماؤ کہ تم لوگ اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ بیشک وہ جنہیں اس کے اترنے سے پہلے علم ملا جب ان پر پڑھا جاتا ہے ٹھوڑی کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔(بنی اسرائیل ۱۰۷ :)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَ تِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (الحشر ۲۱)

ترجمہ : اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا اللہ کے خوف سے اور یہ مثالیں لوگوں کے لئے ہم بیان فرماتے ہیں کہ وہ سوچیں۔(الحشر ۲۱ :)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

خَالِدِينَ فِيهَا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (لقمان ۹)

ترجمہ : ہمیشہ ان میں رہیں گے اللہ کا وعدہ ہے سچا اور وہی عزت وحکمت والا ہے۔(لقمان ۹ :)

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن صوفی باکمال علامہ اسماعیل حقی بروسوی حنفی قدس سرہ متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

إذا صارت حركته كحركة المرتعش الذي لا يجد سبيلاً إلى الإمساك و كالعاطس الذي لا يقدر أن يرد العطسة.

ترجمہ : جب کسی کو وجد میں مرتعش (جس کے ہاتھ پاؤں بے ساختہ حرکت کرتے ہوں) سی کیفیت ہو۔(یعنی وجد میں اس کی اپنی حرکت ارادی کو دخل نہ ہو یہاں تک کہ اسے خبر تک نہ ہو کہ وہ کیا کر رہا ہے اور جب حرکت ہو تو) اسے روکنا مشکل ہو جائے (تو ایسے شخص کو وجد جائز ہے) اور اس کی مثال چھینک والے کی ہے کہ جیسے وہ چھینک کے وقت اپنے جسم کو حرکت سے کنٹرول نہیں کر سکتا۔(ایسے ہی بلا تکلف وجد کرنے والا)[1]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

تِلْكَ آيَاتُ اللّٰهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ (البقرۃ ۲۵۲)

ترجمہ : یہ اللہ کی آیتیں ہیں کہ ہم اے محبوب تم پر ٹھیک ٹھیک پڑھتے ہیں اور تم بے شک رسولوں میں ہو۔ (البقرۃ ۲۵۵:)

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن صوفی باکمال علامہ اسماعیل حقی بروسوی حنفی قدس سرہ متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں:

قال حضرة الشيخ الشهير بافتاده أفندي قدس سره :لما جاء المولى علاء الدين الخلوتي ببروسة صعد المنبر في الجامع الكبير للوعظ وقد اجتمع جمع كثير منتظرين لكلامه فقال مرة واحدة :"يا الله" فحصل للجماعة حالة رقصوا و كادوا لا يرجعون عن البكاء و الفزع.

ترجمہ : حضرت شیخ المشائخ الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت شیخ المشائخ مولانا علاؤ الدین خلوتی رحمۃ اللہ تعالیٰ

---

[1] (تفسیر روح البیان، لقمان، تحت الآیۃ ۹:، ج ۷، ص ۷۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علیہ بروسہ میں تشریف لائے تو جامع مسجد کبیر میں منبر پر وعظ کیلئے بیٹھے تو آپ کا وعظ سننے کیلئے ایک جم غفیر جمع ہوا اور منتظر تھے کہ آپ کا وعظ مبارک ہو اور ہم سنیں آپ نے وہاں صرف ایک بار کہا اللہ لوگوں پر وجد طاری ہوگیا۔ اور رقص کرنے لگے اور دھاڑیں مار کر رونے لگے یہاں تک کہ آہ و بکا کا تانتا بندھ گیا۔[1]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ۔

ترجمہ : ہم نے فرمایا زمین پر اپنا پاؤں مار یہ ہے ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کو۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن صوفی باکمال علامہ اسماعیل حقی بروسی حنفی قدس سرہ لکھتے ہیں:

ثم قال :وفي هذه الآية سر لطيف، وهو أن السالكين مسلك التقوى بالمجاهدة والرياضات إذا اجتمعوا في منزل وذكروا الله كثيراً بأعلى صوت وضربوا أرجلهم على الأرض مع الحركة، أية حركة كانت، وكانت نيتهم بذلك إزالة الألم الروحاني. جاز منهم ذلك إذا ضرب الرجل الصورية على الأرض الصورية مع الذكر الصوري بنية خالصة يوصل إلى الحقيقة إذ ما من حكم شرعي إلا وله حقيقة توصل عامله إلى حقيقته. انتهى كلامه. فقد شرطوا في ضرب الرجل وكذا في رفع الصوت حسن النية وصفوة الباطن من كل غرض ومرض فاذا كان المرء حسن النية يراعي الأدب الظاهري والباطني من كل الوجوه فيعرج بمعراج الخلوص على ذروة مراتب اهل الخصوص ويسلم من الجرح والقدح لكون حركته على ما أشار اليه النصوص۔قال حضرة الشيخ الأكبر قدس سره الأطهر في "الفتوحات المكية" :لا يجوز لأحد التواجد إلا بإشارة شيخ عارف بأمراض الباطن.۔۔۔فقول القرطبي استدل بعض الجهال المتزهدة وطغاة المتصوفة بقوله تعالى لا يوب عليه السلام (اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ) على جواز الرقص وهذا احتجاج بارد لانه تعالى انما امر بضرب الرجل لنبع الماء لا لغيره وانما هو لاهل التكلف كما دل عليه صيغة التزهد والتصوف فان أتقياء الامة برآء من التكلف فهو زجر لفسقة الزمان عما هم عليه من الاجتماع المنافي لنص القرآن فانهم لو كانوا اصلحاء مستأهلين لأباحت لهم اشارة القرآن ذلك لكنهم بمعزل عن الركض بشرائط فهم ممنوعون جدا۔

ترجمہ : پھر (شیخ یابی صوفی نے شرح فصوص الحکم میں) فرمایا : آیت میں ایک باریک نکتہ ہے وہ یہ کہ مسلک تقویٰ پر مجاہدہ و ریاضات سے چلنے والے سالکین جب کسی جگہ جمع ہو کر بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں اور رقص کرتے ہوئے اپنے پاؤں زمین پر مارتے ہیں اور ان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ ہمارے سے تمام روحانی درد و الم دور ہو جائیں تو جائز ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ نیت خالص سے ذکر ظاہری کے ساتھ ظاہری قدم ظاہری زمین پر مارا جائے تو وہ حقیقت تک پہنچا دیتا ہے کیونکہ ظاہری شرعی حکم کی کچھ حقیقت ہوتی ہے جو یقیناً عامل کو حقیقت تک پہنچا دیتی ہے ۔بعض علماء نے فرمایا : عبادت خانوں میں حسن نیت اور قلوب کی صفاء کے ساتھ ذکر اللہ کو بلند آواز سے کرنا افلاک کے گھومنے والے عقدے کھول دیتا ہے یہاں تک کہ اہل بصیرت نے فرمایا : انفاس بشریہ وہ ہیں جو افلاک علویہ کو گھماتے ہیں ۔تو پاؤں مارنے میں اور اسی طرح آواز کے بلند کرنے میں حسن نیت اور ہر غرض اور مرض سے باطن کی صفائی کو شرط قرار دیا ہے، کیونکہ جب انسان ہر طرح سے حسن نیت اور ظاہری و باطنی

---

[1] (تفسیر روح البیان، البقرۃ تحت الایۃ ۲۵: ، ج، ۲، ص، ۳۰۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ادب رعایت کرتا ہے تو وہ اہل خصوص کے مراتب کی چوٹیوں کی معراج سے بہرہ ور ہوتا ہے، بلکہ وہ ہر جرح و قدح سے محفوظ ہو جاتا ہے اس لیے کہ اس کا وجد اس طرح ہو جاتا ہے جس طرح نصوص قرآنی نے اشارہ فرمایا ہے۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے فرمایا کہ سماع کا تو اجد صرف اس شخص کو جائز ہے جسے مرشد شیخ عارف کامل کی اجازت ہو کیونکہ اسے اس کی باطنی بیماریوں کا مکمل علم ہے۔ [1]

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نقشبندی مجددی حنفی قدس سرہ لکھتے ہیں:

وفی القصة ان موسی بعد ما كلمه ربه لا يستطيع أحد ان ينظر اليه لما غشی وجهه من النور ولم يزل علی وجهه برقع حتی مات وقالت له امرأته انا ايم منك منذ كلمك ربك فكشف لها عن وجهه فاخذها مثل شعاع الشمس فوضعت يدها علی وجهها وخرت لله ساجدة وقالت ادع الله ان يجعلنی زوجتك فی الجنة قال ذلك لك ان لم تتزوجی بعدي فان المرأة لاخر أزواجها۔

ترجمہ: روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا تو اس وقت آپ کے چہرہ پر ایسی چمک آ گئی تھی کہ کوئی بھی آپ کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا اور مرتے دم تک آپ کے چہرہ پر حجاب و پردہ پڑا رہا۔ آپ کی بیوی نے ایک بار آپ علیہ السلام سے کہا جب سے اللہ نے آپ سے کلام کیا میں تو آپ سے غیر متعلق ہو کر رہ گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چہرے سے نقاب اٹھا دیا تو بیوی کے چہرے پر سورج کی کرنوں کی طرح شعاعیں پڑنے لگیں اس نے فوراً اپنا چہرہ اپنے ہاتھ سے چھپا لیا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر پڑی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا آپ اللہ سے دعا کریں کہ جنت میں اللہ مجھے آپ کی بیوی بنائے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا یہ بات تجھے مل جائے گی بشرطیکہ میرے بعد کسی اور سے نکاح نہ کرے کیونکہ عورت آخری شوہر کی بیوی ہوگی۔ [2]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ (الاعراف ۱۴۳)

ترجمہ: پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ گرا بے ہوش پھر جب ہوش آیا تو بولا پاکی ہے تجھے میں تیری طرف رجوع لایا اور میں سب سے پہلا مومن ہوں۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

یعنی رب تعالیٰ نے اپنی صفات کی تجلّیوں میں سے ایک ہلکی سی تجلّی کوہ طور پر ڈالی، کیوں کہ تجلّیٔ ذات پہاڑ پر نہ ڈالی گئی تھی اس تجلّی کی حقیقت کو ہماری عقل نہیں پا سکتی معلوم ہوا کہ نبی پر بیہوشی طاری ہو سکتی ہے، عارضی طور پر۔ لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طلب قرطاس کے موقعہ پر عرض کرنا اھجر استفھموہ اسی مسئلہ پر مبنی تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقصود یہ تھا کہ آیا حضور ﷺ بیماری کی غشی میں یہ کلام فرما رہے ہیں یا واقعی۔ اس آیت سے مجذوب فقیروں کے جذب کا ثبوت بھی ہوتا ہے۔ وہ حضرات ولایت موسوی پر ہوتے ہیں، اور جذب کی حالت میں شرعی احکام کے مکلّف نہیں رہتے۔ موسیٰ علیہ السلام نویں ذی الحجہ جمعرات سے بیہوش ہوئے اور دسویں ذی الحجہ جمعہ کو ہوش میں آئے۔ اس مدّت میں آپ نے کوئی شرعی عمل نہ فرمایا۔ جب مصری عورتیں جمال یوسفی پر فریفتہ ہو کر بیخودی میں اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں اور یہ جرم قرار نہ دیا گیا تو ان مستان جمال الٰہی کا کیا پوچھنا۔ غرضیکہ مجذوب فقیروں کے جذب کی اصل یہ آیت ہے۔ [3]

---

[1] (تفسیر روح البیان، سورۃ ص تحت الایۃ ۴۲:، ج ۸، ص ۴۶، ۴۷، ص 93، پارہ 9، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (تفسیر مظہری، سورۃ الاعراف تحت الآیۃ ۱۴۴:، ج ۳، ص ۸۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[3] (ترجمہ کنز الایمان تفسیر نور العرفان، سورۃ الاعراف الاٰیہ ۱۴۳، ص ۲۶۶)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ (الغاشية ۱۷)

ترجمہ : تو کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے کیسا بنایا گیا۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۳۹۱ھ لکھتے ہیں:

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اطاعت و عشق اونٹ سے سیکھو، کہ اونٹ میں یہ دونوں چیزیں کامل طور پر موجود ہیں، جو یار کے ذکر پر وجد و مستی میں نہ آئے، اور جو حضور ﷺ کے غلاموں کی فرماں برداری نہ کرے، وہ اونٹ سے بدتر ہے۔ لہٰذا اونٹ سے ہر مومن و کافر کو سبق ملتا ہے اور یہ بہت کار آمد جانور ہے۔[1]

شیخ الجن والانس حضرت ابو محمد عبد القادر جیلانی حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

قال اللہ تعالیٰ :(تقشعرّ منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم وقلوبهم الى ذكر الله) (الزمر :الآية :۲۳) وقال الله تعالیٰ :(افمن شرح الله صدره للاسلام فهو على نور من ربه فويل للقاسية قلوبهم من ذكر الله) (الزمر :الآية :۲۳)، وقال رسول اللہ ﷺ :جذبة من جذبات الحق توازی عمل الثقلين۔ وقال علیّ کرم اللہ وجهه :من لا وجد له لا دين له۔ قال الجنيد البغدادیّ عليه الرحمة :الوجد فی مصادفة الباطن من الله وارد يورث سرورا و حزنا۔

فالوجد على نوعين :وجد الجسمانية النفسانية، ووجد الروحانية الرحمانية۔

فالوجد النفسانية :ان يتواجده بقوة الجسم۔ بغير قوة الجذبة الغالبة الروحانية مثل الرياء والسمعة والشهرة، وهذا القسم كله باطل لان اختياره غير مغلوب ومسلوب، ولا يجوز الموافقة بمثل هذا الوجد۔

واما وجد الروحانية :بقوة الجذبة بمثل قراءة القرآن بصوت حسن، او شعر موزون، او ذكر مؤثر، فلا يبقى للجسم قوة واختيار، وهذا الوجد روحانیّ ورحمانیّ فيستحب موافقته، واليه اشارة فی قوله تعالیٰ :(فبشر عبادی الذين يستمعون القول فيتبعون احسنه۔۔۔) الزمر :الآيتان :۱۷۔۱۸) وكذا صوت العشاق والطيور وألحان الاغانی، فكل ذلک قوة للروح لا مدخل للنفس والشيطان فی مثل هذا الوجد، لان الشيطان يتصرف فی الظلمانية النفسانية ولا يتصرف فی النورانية الروحانية، لانه يذوب فيها كما يذوب الملح فی الماء، وكذا فی الحديث لانه قال قراءة الآيات واشعار الحكمة والمحبة والعشق والاصوات الحزينة قوة نورانی للروح۔ فالواجب ان يصل النور الى النور، وهو الروح كما قال اللہ تعالیٰ :(وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ) (النور :الآية :۲۶)۔

اما اذا كان الوجد شيطانيا ونفسانيا فلا يكون فيه نور، بل يكون ظلمانيا وكفرا، والظلمة تصل الى الظلمانیّ وهی النفس فيغری بجلسته كما قال اللہ تعالیٰ :(الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ) (النور :الآية :۲۶) وليس للروح فيها قوة۔

فحركات الوجد نوعان :اختيارية واضطرارية۔

---

[1] (ترجمہ کنز الایمان تفسیر نور العرفان، سورۃ الغاشیۃ، الآیۃ، ۱۷، ص، ۹۶۹)

فالاولیٰ الحرکات الاختیاریة :کحرکة الانسان الصحیح لیس فی جسده الم ولا مرض ولا سقم، فهذه الحرکات غیر مشروعة کمامرّ۔

والثانیة الحرکات الاضطراریة :وهی التی تحصل بسبب آخر مثل قوة الروح، فلاتقدر النفس علی منعه؛ لان هذه الحرکات غالبة علی حرکة الجسمانیة مثل حرکة الحمّی، فاذا غلبت الحمّی عجزت النفس عن تحملها، فلا اختیار لها حینئذ۔

فالوجد اذا غلبت علیه الحرکات الروحانیة یکون حقیقیا ورحمانیا۔

والوجد والسماع آلة محرکة کما فی قلوب العشاق والعارفین۔

والوجد طعام المحبین، ومقوی الطالبین۔

وقیل :ان السماع لقوم فرض ولقوم سنة ولقوم بدعة۔ الفرض للخواص، والسنة للمحبین، والبدعة للغافلین، ولذلک کانت الطیور تقف علی رأس داود علیه الصلاة والسلام لاستماع صوته۔

وحرکة الوجد علی عشرة اوجه :بعضها جلیّ یظهر اثرها فی الحرکات۔ وبعضها خفیّ، یظهر اثرها فی الجسد کمیل القلب الی ذکر الله تعالیٰ، وقراءة القرآن بالصوت الحسن، ومنها بالبکاء والتألم، والخوف والحزن، والتأسف والحیرة عند ذکر الله تعالیٰ، والتجرد والنصرة، والتغیر فی الباطن والظاهر، ومنها الطلب والشوق، والحرارة۔

رب قدوس کاارشاد ہے:

ترجمہ :اور کانپنے لگتے ہیں اس کے (پڑھنے سے) بدن ان کے جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے، پھر نرم ہوجاتے ہیں ان کے بدن اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف۔(سورۃ الزمر،۲۳)

ترجمہ : بھلا وہ (سعادتمند) کشادہ فرمادیا ہو اللہ تعالیٰ نے جس کا سینہ اسلام کے لئے تو وہ اپنے رب کے دیئے ہوئے نور پر ہے پس ہلاکت ہے ان سخت دلوں کے لئے جو ذکر خدا سے متأثر نہیں ہوتے۔(سورۃ الزمر ۲۲:)

''حق تعالیٰ (کے عشق) کا جذبہ جن وانس کے عمل کے برابر ہے''

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد مبارک ہے: ''جس میں وجد نہیں اس کا کوئی دین نہیں''

حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں وجد سے مراد باطن میں اچانک اللہ کریم کے بارے میں ایک ایسی کیفیت کا پیدا ہو جانا ہے جو سرور یا غم کا وارث بنادے۔

وجد کی دو قسمیں ہیں

(ا) جسمانی نفسانی وجد

(ب) روحانی رحمانی وجد

(ا) جسمانی نفسانی وجد

نفسانی وجد یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر بتکلف وجد جیسی کیفیت طاری کرلے لیکن کوئی ایسا جذبہ کارفرمانہ ہو جس کا تعلق غلبہ حال اور روحانیت سے ہو۔ یہ

ا(کشف الخفاء، ج،ا،ص،۳۹۷)

وجد محض نمود ونمائش اور شہرت کے جذبہ سے کیا جاتا ہے وجد کی یہ صورت باطل ہے کیونکہ اس میں انسان بے اختیار نہیں اور نہ ہی اس کی قوت سلب ہوتی ہے۔ایسے وجد کی موافقت جائز نہیں ہے۔

(ب) روحانی رحمانی وجد

اس صورت میں عشق کی قوت کارفرما ہوتی ہے۔مثلاً کوئی شخص خوش الحانی سے قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے۔کوئی موزوں شعر پڑھتا ہے۔پرتاثیر ذکر کرتا ہے اور دل پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ جسم پر سے اختیار اٹھ جاتا ہے۔یہ وجد روحانی اور رحمانی ہے۔ایسے وجد میں موافقت مستحب ہے۔آیت کریمہ میں اسی طرف اشارہ ہے:

فَبَشِّرْ عِبَادِ (۱۷) الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ۔(الزمر،۱۷،۱۸)

ترجمہ : تو خوشی سناؤ میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں۔

اسی طرح عشاق اور پرندوں کی آواز اور گانوں کی خوش کن لے روح کی قوت کا موجب بنتی ہو شیطان اور نفس ایسے وجد میں دخل اندازی نہیں کر سکتے ۔کیونکہ شیطان ظلمانیت اور نفسانیت میں تصرف کرتا ہے نورانیت اور روحانیت میں اس کا تصرف ممکن نہیں ہے۔کیونکہ نورانیت اور روحانیت سے وہ اس طرح پگل جاتا ہے جس طرح نمک پانی میں۔حدیث ِ پاک سے بھی یہی ثابت ہے۔کیونکہ آپ نے فرمایا آیات کریمہ کی تلاوت ،حکمت محبت اور عشق پر مبنی اشعار اور غم بھری آوازیں روح کے لئے نورانی قوت ہیں اس لئے ضروری ہے کہ نور،نور سے ملے۔اور یہاں نور سے مراد روح ہے جیسا کہ کلام مجید میں ہے۔

وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ۔(سورۃالنور:۲۶)

ترجمہ: مگر جب وجد شیطانی اور نفسانی ہو تو اس میں نورانیت نہیں ہوتی۔بلکہ اس میں تاریکی اور کفر ہوتا ہے۔تاریکی ظلمانی یعنی نفس کو پہنچتی ہے اور اس کی سرکشی میں اضافہ کرتی ہے۔جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ۔(سورۃالنور:۲۶)

ترجمہ:اس وجد میں روح کے لئے کوئی قوت نہیں ہوتی۔

حرکات وجد کی دو صورتیں ہیں۔

ایک اختیاری اور دوسری اضطراری

پہلی صورت اختیاری حرکات کی ہے۔

اس کی مثال ایک تندرست وتوانا آدمی کی حرکت جیسی ہے جسے نہ کوئی درد ہو اور نہ کوئی بیماری۔یہ حرکات غیر مشروع ہیں جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

دوسری صورت اضطراری حرکات کی ہے۔

اس کے سبب کی نوعیت دوسری ہے۔مثلاً روح میں ایک جذبہ پیدا ہوتا ہے جسے نفس روک نہیں سکتا کیونکہ یہ حرکات جسمانی حرکات پر غالب آجاتی ہیں۔ان کی مثال بخار کی ہے۔جب بخار شدت اختیار کر جائے تو نفس اسے برداشت کرنے سے عاجز آجاتا ہے اور ایسے میں وہ بے اختیار ہو جاتا ہے۔

وجد میں جب روحانی حرکات غالب ہوں تو ایسا وجد حقیقی اور رحمانی ہوتا ہے۔ وجد اور سماع ایک ایسا آلہ ہیں جو جسم میں حرکت پیدا کر دیتے ہیں ۔جس طرح کہ عشاق اور عارفوں کے دلوں میں جذبات امنڈ آتے ہیں۔

وجد اہل محبت کی غذا ہے اور طالبین کی قوت کا سبب ہے۔

ایک قول کے مطابق سماع کچھ لوگوں کے لئے فرض، کچھ لوگوں کے لئے سنت اور کچھ لوگوں کے لئے بدعت ہے۔خواص کے لئے فرض۔اہل محبت کے لئے سنت اور غافلوں کے لئے بدعت ہے۔یہی وجہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے سر پر پرندے ٹھہر جاتے کہ آپ کی آواز سن سکیں۔

حرکت وجد کی دس صورتیں ہیں۔بعض جلی ہیں جن کا اثر حرکات میں ظاہر ہوتا ہے اور بعض خفی ہیں کہ ان کا اثر جسم میں ظاہر نہیں ہوتا۔مثلاً دل ذکر الٰہی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔آدمی خوبصورت آواز میں قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگتا ہے روتا ہے اور غم والم کا اظہار کرتا ہے۔خوف وحزن سے کانپ اٹھتا ہے۔جب اللہ کا ذکر ہو رہا ہو، اَسف اور حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔باطن وظاہر میں تجرد نصرت اور تغیر ظاہر ہوتا ہے۔طلب، شوق اور سوز وجد ہی کی صورتیں ہیں۔[1]

شیخ ابونصر عبداللہ بن علی سراج طوسی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

وذکر عن الجنید رحمہ اللہ انہ قال: کما اظن ان الوجد ھو المصادفۃ بقولہ عز وجل (وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا)(الکھف:الآیۃ ۴۹)یعنی صادفوا وقال :(وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ)،البقرۃ الآیۃ ۱۱۰)ای تصادفوا،وقال:(حَتّٰى إِذَا جَآءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا)،النور:الآیۃ ۳۹)یعنی لم یصادفہ۔

ترجمہ: سید الطائفہ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میرے خیال میں وجد اللہ تعالیٰ کے قول:

وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا۔

ترجمہ: اور اپنا سب کیا انہوں نے سامنے پایا۔(الکہف،۴۹) کے مطابق وجد بلا کسی ارادہ وکوشش کے کسی شے کو پالینے کو کہتے ہیں،قرآن کریم کی آیت میں لفظ وجدوا کا معنی بلا ارادہ کوشش کے پالینے کا ہے۔اسی طرح ذیل کی آیت میں بھی ــــ"تَجِدُوْهُ"ــــ اک یہی مذکورۃ الصدر معنی ہے قول باری تعالیٰ ہے:

وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ۔(سورۃ البقرۃ ۱۱۰:)

ترجمہ: اور اپنی جانوں کے لیے جو بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے یہاں پاؤ گے۔

ایک اور آیت میں "يَجِدْهُ" کا معنی بھی بغیر کوشش وارادے کے پانا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: حَتّٰى إِذَا جَآءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا۔

ترجمہ: یہاں تک جب اس کے پاس آیا تو اسے کچھ نہ پایا۔(سورۃ النور ۳۹:)[2]

شیخ ابونصر عبداللہ بن علی سراج طوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ھ لکھتے ہیں:

---

[1] (سر الاسرار ومظہر الانوار فیما یحتاج الیہ الابرار، الفصل التاسع عشر ص، ۴۷، ۴۸ ص، ۱۸۱ تا ۱۸۴ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (اللمع فی تاریخ التصوف الاسلامی، کتاب الوجد فی ذکر اختلافھم فی ماھیۃ الوجد ص، ۲۶۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

وکل ماصادف القلب من غم او فرح فھو وجد ،وقداخبر اللہ تعالی عن القلوب :انھا تنظر وتبصر وھو وجد لھا،قال اللہ تعالی : فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ۔(الحج :۴۶)ای عن وجدھا،ففرق بین التی تجد و بین التی لا تجد۔وقد قیل ایضا :ان الوجد مکاشفات من الحق،الا تری ان احدھم یکون ساکنا فیتحرک و یظھر منہ الزفیر و الشھیق ؟وقد یکون من ھو اقوی منہ ساکنا فی وجدہ لا یظھر منہ شئ من ذالک ،قال اللہ تعالیٰ ،(الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ)(الانفال:الآیۃ ۲)

ترجمہ: گویاہر وہ کیفیت مسرت والم جوقلب پر بغیر ارادے وکوشش کے طاری ہواسے وجد کہتے ہیں ۔قلوب کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ بصیرت رکھتے ہیں اور یہی بصیرت قلوب کے لیے وجد ہے جیسا کہ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ (الحج ۴۶)

ترجمہ: تو یہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

الغرض اس طرح ان دونوں آیات سے یہ واضح ہوگیا کہ تو نے کیا پایا اور کیا نہ پایا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وجد مکاشفات حق کا نام ہے آپ دیکھتے نہیں کہ ایک شخص جو چپ چاپ ساکن بیٹھا ہوتا ہے کہ حرکت کرنے لگتا ہے اور اس کے منہ سے آہیں اور چیخیں نکلنے لگتی ہیں ۔مگر جو شخص اول الذکر سے زیادہ قوی ہوتا ہے وہ ساکن وساکت رہتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ۔(الانفال ۲:)

ترجمہ: جب اللہ یاد کیا جائے ان کے دل ڈر جائیں۔[1]

شیخ ابونصر عبداللہ بن علی سراج طوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

قال بعض المشایخ من المتقدمین :الوجد وجدان :وجد ملک ،و وجد لقاء لقول اللہ عزوجل :(فَمَن لَّمْ يَجِدْ)،(البقرۃ :الآیۃ ۱۹۶)یعنی من لم یملک ،و قولہ تعالیٰ :(وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا)،(الکھف :الآیۃ ۴۹)یعنی لقوا ،و قال بعضھم:کل وجد یجدک فیملک فذاک وجد ملک ،و کل وجد تجد فذاک وجد اللقاء تلقی بقلبک شیئا و لا یثبت۔

بعض متقدمین مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے فرمایا :وجد دو طرح کا ہوتا ہے :ایک وجد ملک اور دوسرا وجد اللقاء اور یہ دونوں اقسام قرآن مجید ہی سے اخذ کیے گئے ہیں جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے :فَمَن لَّمْ يَجِدْ (البقرۃ :الآیۃ۱۹۶)یعنی من لم یملک ،اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا (الکھف :الآیۃ۴۹)یعنی لقوا ،اور بعض مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا :ہر وجد جو تجھے پاتا ہے تو وہ تیرا ملک ہوگا پس یہ وجد ملک ہے،اور ہر وجد جس کو تو پائے تو وہ وجد اللقاء ہے تو اپنے دل کے ساتھ کسی چیز سے ملاقات کرتا ہے اور وہ ثابت نہیں رہتی۔[2]

شیخ ابونصر عبداللہ بن علی سراج طوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ (الزمر ،الآیۃ ۲۳)ھذہ صفۃ من صفات الواجدین۔

---

[1] (اللمع فی تاریخ التصوف الاسلامی ،کتاب الوجد فی ذکر اختلافھم فی ماھیۃ الوجد،ص ۲۶۳،دار الکتب العلمیہ،بیروت)

[2] (اللمع فی تاریخ التصوف الاسلامی ،کتاب الوجد فی ذکر اختلافھم فی ماھیۃ الوجد،ص ۲۶۳،۲۶۴،دار الکتب العلمیہ،بیروت)

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

ترجمہ: اللہ نے اتاری سب سے اچھی کتاب کہ اوّل سے آخر تک ایک سی ہے دوہرے بیان والی اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر انکی کھالیں اور دل نرم پڑتے ہیں یادِ خدا کی طرف رغبت میں یہ اللہ کی ہدایت ہے راہ دکھائے اسے جسے چاہے اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔(الزمر ۲۳:) (آیت مبارکہ میں جو صفات بیان کی گئی ہیں) یہ وجد کرنے والوں کی صفات میں سے ہے۔[1]

شیخ ابونصر عبداللہ بن علی سراج طوسی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں :

وقوله تعالى وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (الانفال، الآية ۲) فالوجل صفة من صفات الواجدين۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ- ان کے دل ڈر جائیں۔(الانفال ۲:)

وجل (ڈر) کی صفت وجد کرنے والوں کی صفات میں سے ہے۔[2]

علامہ محمد عبدالحی، کتانی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

لما جاء من الترغيب في الإكثار من الذكر على أي حال كان الذاكر، فلا طعن في الإستدلال عليه برقص واقع لمقصد صحيح أيضا اهـ منه. أقول :غاية الرقص عند القوم ذكر من قيام، وهو مشروع بنص القرآن :اذكروا الله قياما وقعودا وعلى جنوبكم۔

ترجمہ: جب ذکر کی کثرت کے بارے میں ترغیب آئی ہے کہ ذکر کرنے والا کسی بھی حال میں ذکر کرے، تو صحیح مقصد کے ساتھ ہو تو اس پر رقص کے استدلال کے بارے میں طعن نہیں کیا جائے گا۔ میں (علامہ کتانی) کہتا ہوں :لوگوں کے نزدیک انتہائی درجہ کا رقص تو نص قرآنی میں خود مشروع (موجود) ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ۔ (النساء ۱۰۳ :)

ترجمہ: تو اللہ کی یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے۔ یعنی کھڑے، بیٹھے، اور پہلوؤں کو بدلتے ہوئے ذکر کرو۔[3]

حضرت شیخ الاسلام ابواسماعیل خواجہ عبداللہ بن محمد انصاری ہروی قدس سرہ لکھتے ہیں:

قوله تعالى :وَرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا وجد آتشی است افروخته میان سنگ اختیار و آهن نیاز. و آن بر سه وجه است : وجدیست نفس را، و وجدیست دل را، و وجدیست جان را.

اما آنچه نفس را افتد بر عقل زور کند، و صبر هزیمت کند، و نهانیها آشکارا کند؛ و این وجد معنویست. اما آن که دل را افتد بر طاقت زور کند تا حرکت کند و بانگ کند و جامه بدرد؛ و این وجد معنویست. اما آن وجد که جان را افتد حظ وی از حق نقد کند، و نفس وی در حقیقت غرق کند، و جان وی آهنگ بریدن کند؛ این وجد منظور است که حق بوی نگریست.

ترجمہ :ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

---

[1] (اللمع فی تاریخ التصوف الاسلامی، کتاب الوجد، باب فی صفات الواجدین، ص، ۲۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (اللمع فی تاریخ التصوف الاسلامی، کتاب الوجد، باب فی صفات الواجدین، ص، ۲۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[3] (التراتیب الاداریۃ، ج، ۲، ص، ۹۳، نظام الحکومیۃ)

وَرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا۔ (سورۃ الکہف، ۱۴)

ترجمہ :اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا، جب وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

وجد، سنگ اِختیار اور آہن نیازمندی کے درمیان، آتش سوزاں کی مانند ہے۔ وہ تین طرح کا ہے۔ (۱) نفس کیلئے (۲) دل کیلئے (۳) روح کیلئے۔ وہ وجد کہ نفس کو لاحق ہوتا ہے، عقل پر چھا جاتا ہے، اس سے صبر وسکون درہم برہم ہو جاتا ہے، وہ اسرار اِلٰہی کو فاش کر دیتا ہے۔ (یہ باطنی وجد ہوتا ہے) وہ وجد کہ دل کو لاحق ہوتا ہے، انسانی قوت پر غالب آجاتا ہے یہاں تک کہ اس سے انسان کا وجود حرکت میں آتا ہے، وہ نعرہ زنی کرتا ہے، اپنے کپڑے پھاڑ ڈالتا ہے۔ (یہ وجد بھی معنوی ہے) وہ وجد کہ روح کو لاحق ہوتا ہے، اس میں انسان کو اللہ تعالیٰ سے فی الفور حظ وافر نصیب ہوتا ہے، اس کا نفس حقیقت ذات میں مستغرق ہو جاتا ہے، اس کی روح اس عالم سے منقطع ہونا چاہتی ہے (یہ وجد شہودی ہے کیونکہ اس میں حق تعالیٰ بندے پر نگاہ ڈالتا ہے)[1]

دیوبند مکتبۂ فکر کے پیر سید زوار حسین شاہ صاحب لکھتے ہیں:

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا۔

ترجمہ :پھر جب اس کے رب تعالیٰ نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ گر کر بے ہوش ہو گئے۔

فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ۔

ترجمہ :پس جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ یعنی موسیٰ علیہ السلام پر اپنا نور ڈالا تو ان کا بدن اللہ تعالیٰ کے خوف سے مضطرب ہوا۔

جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا۔

ترجمہ :اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ہویت سے فانی ہو کر عین حق سے حق کو دیکھا۔

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خدا تعالیٰ کی تجلی کے پرتو سے بے ہوش ہو جانا کمال جذبہ و وجد کی دلیل ہے۔ سالک بھی خدا تعالیٰ کی تجلی کے پرتو کو برداشت نہیں کر سکتا اور اس پر وجد اور بے ہوشی چھا جاتی ہے۔ اور بعض وقت اس حال کے کمال غلبہ میں محو ہو جاتا ہے جس کو استغراق کہتے ہیں اور بھی بہت سی آیتیں وجد و حال پر دلالت کرتی ہیں مثلاً اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ۔ (سورۃ الزمر، ۲۳)

اللہ تعالیٰ نے عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جلتی ہے۔ بار بار دہرائی گئی ہے جس سے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتے ہیں بدن کانپ اٹھتے ہیں اور دل نرم (اور تابع) ہو کر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یہ سب حالتیں وجد کی ہیں۔[2]

معارف آگاہی مولانا جلال الدین رومی بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

صوفیے بر میخ روزے سفرہ دیدہ　　چرخ میزد جامہا را میدرید

ترجمہ : کسی صوفی نے ایک دن کھونٹی پر خوان دیکھا (اس کے خیال میں) وہ رقص کرتا اور کپڑے پھاڑتا تھا۔

بانگ میزد نک نوائے بینوا　　قحطہا و دردہا را نک دوا

ترجمہ :وہ نعرے مارتا تھا کہ دیکھو بے سامان کا سامان۔ دیکھو قحطوں اور (بھوک کے) دردوں کی دوا۔

چونکہ دردو شور او بسیار شد　　ہر کہ صوفی بود با او یار شد

---

[1] (صد میدان، ۲۹، ۳۰، ص ۱۸۳)

[2] (عمدۃ السلوک، ص، ۱۰۷)

ترجمہ : جب اس کا درد اور جوش ترقی کر گیا تو جس قدر (اور) صوفی تھے اس کے ساتھ شریک (رقص) ہو گئے۔

کخکخے و ہاو ہوئے مے زدند　　تا کہ چندیں مست و بیخود میشدند

ترجمہ : (شدتِ طرب سے کبھی) قہقہہ (کی) اور (کبھی) ہاؤ ہو (کی آوازیں) نکالتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ کئی مرتبہ مست و بے خود ہو جاتے تھے۔

بوالفضولے گفت صوفی را کہ چیست　　سفرۂ آویختہ از ناں تہی ست

ترجمہ : اک بوالفضول (ظاہر پرست) نے صوفی سے کہا کہ (حضرت جی) یہ کیا (شور مچا رکھا) ہے (یہ تو) روٹی سے خالی خوان لٹک رہا ہے۔

گفت رَو رو نقش بے معنی نیستی　　بے خبر از خویش و عاشق نیستی

ترجمہ : (صوفی نے) کہا جاؤ جاؤ تم ایک بے معنی بت ہو اپنے آپ سے بے خبر (ہو) اور عاشق نہیں ہو۔

عشقِ ناں بے ناں غذائے عاشق ست　　بندِ ہستی نیست ہر کہ صادق ست

ترجمہ : روٹی کے بغیر روٹی کا عشق عاشق کی غذا ہے۔ جو سچا (عاشق) ہے وہ وجود (ظاہری) کا پابند نہیں۔

مطلب : روٹی کا عاشق تو حریص ہوتا ہے۔ خدا کا عاشق حریصِ دنیا نہیں بلکہ روٹی کے تصور سے اس کا عشق اس حیثیت سے جوش میں آتا ہے کہ روٹی قدرتِ حق کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے اور اس تصور و خیال میں ظاہری روٹی کے وجود کا کیا دخل اس کا تصور ہی کافی ہے اور یہی عشق عاشق کی روح و روان ہے۔

عاشقاں را کار نبود باوجود　　عاشقا نرا ہست بے سرمایہ سود

ترجمہ : عاشقوں کو وجود (ظاہری) سے سروکار نہیں ہوتا عاشقوں کو سرمایہ کے بغیر نفع ملتا ہے۔[1]

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ :سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :أَنْذَرْتُكُمُ النَّارَ أَنْذَرْتُكُمُ النَّارَ فَمَا زَالَ يَقُولُهَا حَتَّى لَوْ كَانَ فِي مَقَامِي هَذَا سَمِعَهُ أَهْلُ السُّوقِ وَحَتَّى سَقَطَتْ خَمِيصَةٌ كَانَتْ عَلَيْهِ عِنْدَ رِجْلَيْهِ۔

ترجمہ : حضرت نعمان ابن بشیر سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میں نے تم کو آگ سے ڈرایا میں نے تم کو آگ سے ڈرایا آپ یہ فرما رہے تھے (اور ایک عجیب حالت و کیفیت کے عالم میں جھوم جھوم کر اتنی بلند آواز سے فرما رہے تھے) حتی کہ اگر حضور ﷺ میری اس جگہ ہوتے (جہاں میں بیٹھا ہوں) تو بازار والے سن لیتے اور حتی کہ جو چادر آپ ﷺ پر تھی وہ (جھومنے کی وجہ سے کاندھے سے) آپ کے پاس قدموں پر گر گئی۔[2]

شیخ علی بن سلطان المعروف بملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

(وَحَتَّى سَقَطَتْ خَمِيصَةٌ) وَهِيَ نَوْعُ ثَوْبٍ (كَانَتْ عَلَيْهِ) أَيْ فَوْقَ كَتِفِهِ بِمَنْزِلَةِ رِدَائِهِ (عِنْدَ رِجْلَيْهِ) أَيْ مِنْ جَذْبَتِهِ الْإِلَهِيَّةِ وَعَدَمِ شُعُورِهِ مِنَ الْهَيْبَةِ الْحِسِّيَّةِ۔

ترجمہ : اور حتی کہ جو چادر آپ (کے کندھے مبارک) پر تھی وہ آپ کے پاس قدموں پر گر گئی) یعنی اس وقت نبی کریم ﷺ پر جذب الٰہی کی کیفیت طاری ہو گئی اور ہیبت حسیہ کے باعث آپ ﷺ کو (چادر گرنے کا) احساس نہ ہوا۔[3]

---

[1] (مفتاح العلوم، دفتر سوم، ص ۴۶۳)

[2] (مسند دارمی، رقم: ۲۸۱۲، مسند احمد، رقم: ۲۶۸، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب احوال القیامۃ و بداء الخلق، باب صفۃ النار و اھلھا، رقم: ۵۶۸۷)

[3] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب احوال القیامۃ و بداء الخلق، باب صفۃ النار و اھلھا، ج ۱۰، ص ۳۵۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

یعنی میں نے تم کو بارہا دوزخ سے مختلف طریقوں سے ڈرایا کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نذیر بھی تو ہوں میں نے اپنا یہ فرض ادا کر دیا تم لوگ گواہ رہو۔

یعنی حضور انور ﷺ نے جوش میں اس قدر بلند آواز سے یہ کلمات فرمائے کہ اگر حضور انور ﷺ آج یہاں قیام فرما کر وہ فرماتے تو بازار تک آپ کی آواز پہنچ جاتی۔

یعنی جوش کے ساتھ آپ ﷺ پر وجدانی حالت بھی طاری تھی اور آپ جنبش میں تھے جس کے اثر سے چادر مبارک کندھے شریف سے گر کر قدم مبارک پر آگئی۔ یہ حدیث صوفیاء کرام کے وجد کی دلیل ہے وجدان شوق اور ذوق خوف ہر چیز سے آسکتا ہے۔[1]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی الطوسی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وأما الحكايات الدالة على أن أرباب القلوب ظهر عليهم الوجد عند سماع القرآن فكثيرة فقوله صلى الله عليه وسلم شيبتني هود وأخواتها۔ خبر عن الوجد فإن الشيب يحصل من الحزن والخوف وذلك وجد۔

ترجمہ: اور جن واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل دل کو قرآن سننے سے وجد ہوا ہے وہ بھی بکثرت ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ کو سورۃ ہود نے بوڑھا کر دیا۔ یہ بھی وجد کی خبر ہے اس لئے کہ بڑھاپا حزن اور خوف سے ہوتا ہے اور حزن اور خوف وجد میں داخل ہیں۔[2]

وروي أن ابن مسعود رضي الله عنه قرأ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سورة النساء فلما انتهى إلى قوله تعالى {فكيف إذا جئنا من كل أمة بشهيد وجئنا بك على هؤلاء شهيداً} قال {حسبك} وكانت عيناه تذرفان بالدموع۔

مروی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورۃ نساء پڑھی جب آپ اس آیت پر پہنچے:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍۭ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا۔ (سورۃ النساء ۴۱:)

ترجمہ: تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں۔

آپ نے فرمایا کہ بس کرو پس آپ کی دونوں آنکھوں سے اشک جاری تھے۔[3]

وفي رواية أنه صلى الله عليه وسلم قرأ هذا الآية أو قرئ عنده {إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا، وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا} فصعق۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود پڑھا یا کسی اور شخص نے آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی:

إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا، وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا، (سورۃ المزمل ۱۲:، ۱۳)

ترجمہ: بے شک ہمارے پاس بھاری بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی آگ اور گلے میں پھنستا کھانا اور دردناک عذاب۔ تو آپ بے ہوش ہو گئے۔[4]

وفي رواية أنه صلى الله عليه وسلم قرأ {إن تعذبهم فإنهم عبادك} فبكى۔

---

[1] (مراۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، ج ۷، ص ۵۵۰، ضیاء القرآن، لاہور)

[2] (احیاء العلوم، کتاب آداب السماع والوجد، الباب الثانی المقام الثانی، ج ۲، ص ۴۱۸، المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہرہ)

[3] (احیاء العلوم، کتاب آداب السماع والوجد، الباب الثانی المقام الثانی، ج ۲، ص ۴۱۸، ۴۱۹، المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہرہ)

[4] (ابن عدی فی الکامل، شعب الایمان، احیاء العلوم، کتاب آداب السماع والوجد، الباب الثانی المقام الثانی، ج ۲، ص ۴۱۹، المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہرہ)

ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت:
إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ (سورۃ المائدہ ۱۱۸:)

ترجمہ: اگر تو ان کو عذاب کرے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر ان کو معاف کرے تو تو ہی زبردست حکمت والا۔ پڑھ کر روئے۔[1]

وكان صلى الله عليه وسلم إذا مر بآية رحمة دعا واستبشر والا استبشار وجد۔

ترجمہ: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دستور تھا کہ آیت رحمت پر گزرتے تو دعا مانگتے اور بشارت کی درخواست کرتے ظاہر ہے کہ بشارت کی التجاء وجد ہے۔[2]

فقال تعالى {وإذا سمعوا ما أنزل إلى الرسول ترى أعينهم تفيض من الدمع مما عرفوا من الحق} وروي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي ولصدره أزيز كأزيز المرجل۔ چنانچہ فرمایا:
وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ۔ (سورۃ المائدہ ۸۳:)

ترجمہ: اور جب سنتے ہیں وہ جو رسول کی طرف اترا تو ان کی آنکھیں دیکھو کہ آنسوؤں سے ابل رہی ہیں اس لئے یہ وہ حق پہچان گئے۔
مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز پڑھا کرتے تھے تو آپ کے سینہ مبارک میں ایسا جوش ہوتا تھا جیسے ہنڈیا کے ابلنے کی آواز ہوتی ہے۔[3]

وعَنْ مُطَرِّفٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي وَلِجَوْفِهِ أَزِيزٌ كَأَزِيزِ الْمِرْجَلِ يَعْنِي يَبْكِي۔

ترجمہ: حضرت مطرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے ایسی آواز آتی جیسا کہ ہنڈیا، دیگ کے پکنے کی آواز ہوتی ہے۔ یعنی آپ ﷺ رو رہے تھے۔[4]

وعن مطرب عن ابيه رضى الله عنه قال: رأيت رسول الله ﷺ يصلى وفى صدره أزيز كأزيز الرّحى من البكاء۔

ترجمہ: حضرت مطرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا اور نماز میں آپ کے رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ سے ایسی آواز آرہی تھی جیسے چکی چلنے کی آواز آتی ہے۔[5]
مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں محمد بن علان بن ابراہیم البکری الصدیقی الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

قال الحراني: ومن هذا الحديث ونحوه استنّ أهل الطريق الوجد والتواجد في أحوالهم وعرفوا به في أوقاتهم، وهذا الحال إنما كان يعرض للمصطفى عند تجلي الصفات الجلالية والجمالية معاً: يعني الجلال الممزوج بالجمال، وإلا فغير

---

[1] (احیاء العلوم، کتاب آدب السماع والوجد، الباب الثانی المقام الثانی، ج ۲، ص ۴۱۹، المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہرہ)
[2] (احیاء العلوم، کتاب آدب السماع والوجد، الباب الثانی المقام الثانی، ج ۲، ص ۴۱۹، المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہرہ)
[3] (احیاء العلوم، کتاب آدب السماع والوجد، الباب الثانی المقام الثانی، ج ۲، ص ۴۱۹، المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہرہ)
[4] (سنن الکبری للنسائی، رقم ۵۴۹: سنن النسائی، کتاب السہو، باب البکاء فی الصلاۃ، رقم ۱۲۱۱: ص ۲۰۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الزہد والرقائق لابن المبارک، رقم ۱۰۹: الترغیب والترہیب، ج ۱، ص ۲۰۵)
[5] (سنن ابوداؤد فی الصلوۃ رقم الحدیث ۹۰۴: سنن النسائی فی السہو رقم الحدیث ۱۳۱۲: الزہد والرقائق لابن المبارک، رقم ۱۰۹: شمائل الترمذی رقم الحدیث ۳۰۵: الترغیب والترہیب، ج ۱، ص ۲۰۴)

الممزوج بالجمال لا يطيقه أحد من البشر بل ولا واحد من الخلائق، وكان إذا تجلى لقلبه الجمال الحض يمتلىء نوراً وسروراً وملاطفة وإيناساً وتبسطاً، وكل وارث من أمته له نصيب من هذين التجليين، فتجلى الجلال يورث الخوف والقلق والوجل المزعج، وتجلي الجمال يورث الأنس والسرور۔

ترجمہ : حضرت حرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا : اور اس حدیث اور اس کی مثل سے اہل طریق اپنے احوال میں وجد اور تواجد کی سند واضح کرتے ہیں اور وہ اپنے اوقات میں اس کے ذریعے پہچانے جاتے ہیں، اور یہ حال چنے ہوئے کو صفات جلالیہ اور جمالیہ جمع ہونے کے وقت ہی پیش آتا ہے : یعنی جلال جمال کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے، ورنہ جمال ملے بغیر (جلال کو برداشت کرنے کی) کسی انسان میں طاقت نہیں بلکہ مخلوق میں سے کسی میں بھی طاقت نہیں ہے، اور جب اس کے دل پر ترغیب دینے والے جمال کی تجلی ہوتی ہے تو نور اور سرور اور لطف اور انس اور بسط کو بھر دیتا ہے، اور ہر ایک ان دونوں تجلیوں سے اپنے قصد کے مطابق حصہ پانے کا وارث بنتا ہے، پس جلال کی تجلی خوف اور اضطراب، چیخنے والا ڈر پیدا کرتی ہے اور جمال کی تجلی انس اور سرور پیدا کرتی ہے۔[1]

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ :قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اقْرَأْ عَلَيَّ ،«قُلْتُ :يَا رَسُولَ اللهِ، اَقْرَأُ عَلَيْكَ، وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ، قَالَ» :نَعَمْ« فَقَرَأْتُ سُورَةَ النِّسَاءِ حَتَّى أَتَيْتُ إِلَى هَذِهِ الآيَةِ :{فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ، وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلاَءِ شَهِيدًا}(سورۃ النساء: ۴۱) قَالَ :حَسْبُكَ الآنَ فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ، فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ۔

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا : میرے سامنے قرآن پڑھو، میں نے عرض کیا : یارسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کے سامنے قرآن پڑھوں حالانکہ آپ ﷺ پر تو خود قرآن نازل ہوا ہے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : ہاں! تو میں نے آپ ﷺ کے سامنے سورۃ النساء پڑھی حتی کہ جب میں اس آیت پر پہنچا:

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ، وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلاَءِ شَهِيدًا۔ (سورۃ النساء ۴۱:)

ترجمہ : اس وقت کیسا سماں ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے رسول مکرم! ﷺ) ہم آپ ﷺ کو ان سب پر گواہ بنا کر لائیں گے۔'' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : بس تمہیں اتنا پڑھنا کافی ہے۔ پس میں نے آپ ﷺ کی طرف مڑ کر دیکھا تو آپ ﷺ کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو رہے تھے۔[2]

مذکورہ بالا حدیث کے ذیل میں اشرف علی تھانوی دیوبندی نے لکھا ہے:

حال، وجد :

کسی حالت محمودہ غریبہ کا غلبہ اصطلاح میں وجد کہلاتا ہے، تذرفان، (دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو رہے تھے) سے اس کی اصل بھی ثابت ہوتی ہے۔[3]

جذب

ابتدائی زمانہ کا جوش وخروش:

---

[1] (دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین، ج، ۴، ص، ۲۲۳، ۲۲۲، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان)

[2] (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، رقم ۵۰۵۰:)

[3] (التکشف عن مہمات التصوف، ص، ۴۹۴)

اس زمانہ کے رنگ کے دیکھنے والوں اور حلقۂ توجہ میں شامل ہونے والوں میں سے بعض کو احقر نے بھی دیکھا ہے۔ مثلاً جناب شاہ لطف رسول صاحب رحمہ اللہ جو حضرت والا کے ایک بڑے قوی الحال خلیفہ باکمال تھے۔ بارہا احقر کے سامنے کبھی کسی بات پر کبھی کسی شعر پر اس قدر شدید کیفیت طاری ہوجاتی کہ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ جاتے اور بے اختیار چیخنے چلانے اور مرغ بسمل کی طرح تڑپنے اور تلملانے لگتے۔ ایک بار احقر کی درخواست پر مع چند دیگر احباب سفر منصوری فرمایا چونکہ بہت نحیف ونازک مزاج تھے اور چڑھائی زیادہ چڑھنی پڑی سفر سے بے حد تعب ہوا۔ عین تکان کی حالت میں جبکہ سخت چڑھائی کے موقع پر سخت پریشان تھے اور ناگواری میں احقر سے شکایت فرمارہے تھے احقر نے یہ شعر پڑھ دیا۔

یہ شکوہ بیوفائی کا یہ رونا کج ادائی کا　　سزا ہے دل لگانے کی مزہ ہے آشنائی کا

بس یہ سننا تھا تکان وتعب سب بھول گئے۔ جوش میں آکر زور سے ایک چیخ ماری اور وجد میں آکر رقص کرنے لگے۔ ان پر زیادہ تر خوف وخشیت ہی کا غلبہ رہتا تھا اور اکثر مغفرت کے تذکروں پر حال طاری ہوجاتا تھا۔ بارہا دیکھا گیا کہ بے اختیار ہوکر موقع بے موقع حضرت والا کے پاس پہنچ جاتے اور مغلوبیت کی باتیں کرنے لگتے۔ حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ اس قدر خوف وخشیت کا غلبہ میں نے کسی پر نہیں دیکھا۔ جب وہ غلبہ حال میں باتیں کرتے تو ان کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا جیسے ان کا اس وقت کلیجہ پھٹا جارہا ہے۔ بروایت استادی جناب مولانا سراج احمد صاحب امروہی جو حضرت والا کے خلیفہ مجاز ہیں ایک بار شاہ صاحب پر حضرت والا کی عدم موجودگی میں بحالت نماز جماعت شدید کیفیت طاری ہوئی اور نماز میں بے اختیار اللہ اللہ کرکے کبھی صف سے آگے بڑھ جاتے کبھی پیچھے ہٹ جاتے۔ حضرت والا کی واپسی کے بعد بھی وہی حالت تھی حضرت والا نے جب پانی دم کرکے پلایا تب جاکر سکون ہوا۔ حضرت والا نے تنبیہاً ایک اور صاحب سے جو کیفیات کے بہت متمنی رہتے تھے فرمایا کہ کیا آپ بھی اپنی ایسی ہی حالت چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا نہیں حضرت یہ تو سخت حالت ہے اس کا تحمل کہاں۔ تو باوجود ان کیفیات قویہ کے جواب تک موجود تھیں شاہ صاحب حضرت والا کے زمانہ کانپور کے جوش وخروش کو آخر وقت تک یاد ہی فرماتے رہے اور حضرت والا سے ویسے ہی توجہ کے طالب رہے حضرت والا یہ فرما کر تسلی فرماتے رہے کہ وہ کیفیات سابقہ نفسانی تھے اور موجودہ کیفیات لطیفۂ روحانی ہیں ان کے مقابلے میں وہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

ایک طالب علم کی عجیب وغریب کیفیت:

غرض حضرت والا کا حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں قیام کرنے کے بعد کا زمانہ بہت ہی جوش وخروش کا زمانہ تھا جس کے اثر سے طلبہ ومدرسین بھی ذاکر شاغل ہوگئے تھے چنانچہ ایک طالب علم نے بھی حضرت والا کی دیکھا دیکھی بلا مشورہ اپنے طور پر ذکر وشغل شروع کردیا اس سے ان پر ایک دن جب کہ وہ بوستان کا سبق ایک اور مولوی صاحب سے پڑھ رہے تھے مندرجہ ذیل اشعار پر ایک سخت حالت طاری ہوگئی۔

بمجنون کسے گفت کائے نیک پے　　چہ بودت کہ دیگر نیائی کسے

(مجنون سے کسی نے کہا کہ اے اچھی عادت والے تجھے کیا ہے کہ تو پھر کبھی شراب پینے نہیں آیا)

مگر در سرت شور لیلیٰ نماند　　خیالت دگر گشت ومیلے نماند

(شاید تیرے سر میں لیلیٰ کی محبت نہیں رہی تیرا خیال دوسری طرف پھر گیا ہے اور اس کی طرف میلان نہیں رہا)

چو بشنید بیچارہ بگریست زار　　کہ اے خواجہ دستم ز دامن بدار

(جب اس بے چارے نے سنا تو زور زور سے رونے لگا کہ اے صاحب میرا ہاتھ دامن سے ہٹالے)

مراخود دل دردمندست خیز　　تو نیزم نمک بر جراحت مریز

(میرا دل تو خود دردمند ہے تو اٹھ اور تو میرے زخم پر نمک نہ چھڑک)

نہ دوری دلیل صبوری بود　　کہ بسیار دوری ضروری بود

(دوری صبر کی دلیل نہیں ہوتی کیونکہ بہت دفعہ دوری ضروری ہوتی ہے)

اس قدر حالت تھی کہ لاالہ الااللہ کہتے ہوئے اور زور سے بھاگتے ہوئے بازار کی طرف نکل گئے جو ملتا اسے کہتے جاتے کہ کہو لاالہ الااللہ ایسا اثر تھا کہ جسے کہتے وہ لاالہ الااللہ کہنے پر اس وقت مجبور ہو جاتا چنانچہ بہت سے ہندو یہاں تک کہ ہندو کانسٹیبلوں سے بھی لاالہ الااللہ پڑھنے کو کہا تو وہ بھی بے اختیار پڑھنے لگے ان طالب علم کے ماموں کہ وہ بھی طالب علمی کرتے تھے سخت پریشان ہونے لگے حضرت والا نے فرمایا کہ میاں پریشان ہونے کی کیا بات ہے یہ تو خوش ہونے کی بات ہے کہ تمہارا بھانجا ولی ہو گیا۔ تڑپتے وقت وہ اپنے بھانجا کو دبا کر بیٹھ گئے تو حضرت والا نے منع فرما دیا کہ ایسا نہ کرو تڑپنے دو ورنہ گھٹ کر دم نکل جانے کا اندیشہ ہے ایسی شدید کیفیات میں یہی چاہیئے کہ خوب تڑپنے دو انہوں نے عذر کیا کہ چوٹ لگ جائیگی فرمایا کہ چوٹ تو دل پر لگ چکی ہے اب ظاہری چوٹ کی اتنی رعایت رکھو کہ ان کو گرنے پڑنے مت دو مگر پکڑو نہیں جب بازار کی طرف بھاگتے ہوئے گئے تو پیچھے پیچھے ان کے ماموں اور دوسرے لوگ بھی گئے اور بمشکل پکڑ کر لائے جب مدرسہ پہنچے تو عصر کی نماز کا وقت ختم ہو رہا تھا حضرت والا نے فرمایا کہ گو یا اس وقت مکلف نہیں مگر پھر بھی یہی اچھا ہے کہ ان سے نماز پڑھنے کیلئے کہا جائے چنانچہ ان سے کہا گیا لیکن انہیں لاالہ الااللہ کی رٹ لگی ہوئی تھی چونکہ آداب وجد میں سے یہ ہے کہ صاحب وجد کی حاضرین بھی موافقت کریں لہٰذا حضرت والا کے ایک شاگرد مولوی محمد یونس صاحب نے یہ ترکیب کی کہ ان سے پہلے تو یہ کہا کہ لاالہ الااللہ کا وضو کر لو یہ سنتے ہی انہوں نے فوراً وضو کر لیا۔ پھر کہا لاالہ الااللہ کی نماز بھی پڑھ لو چنانچہ نماز کیلئے بھی کھڑے ہو گئے لیکن نماز عجیب طرح کی پڑھی ۔بجائے اللہ اکبر کے آہ آہ کہتے تھے اور بجائے تلاوت کے اشعار عشقیہ پڑھ رہے تھے اس وقت انہیں بہت سے اشعار یاد آتے چلے گئے حالانکہ اس سے قبل انہیں کبھی اشعار پڑھتے ہی نہ سنا گیا تھا۔ اس نماز میں انہوں نے سجدے بھی بے تعداد کیے۔

طالب علم کا علاج:

رات بھر یہی کیفیت رہی یہاں تک کہ اس کیفیت کے سلب کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی دوسرے روز ان کو حضرت والا نے ایک صاحب تصرف ولایتی درویش میاں خاکی شاہ کے پاس جو کان پور ہی میں رہتے تھے اور جن کی قوت توجہ حضرت والا کو معلوم تھی سلب کیفیت کیلئے بھیجا انہوں نے کہا کہ یہ خوب بات ہے کہ گولی تو مار دی خود اور اب نکلوانے بیٹھے ہیں مجھ سے۔ پھر انہوں نے توجہ کا عمل کیا اور دوسرے روز پھر آنے کو کہا لیکن شب کو اس طالب علم نے خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ یہ فرما رہے ہیں کہ اس فقیر سے کہہ دینا کہ کیا تیری کمبختی آئی ہے ایسی نعمت کو سلب کرتا ہے جب یہ خواب حضرت والا نے سنا تو اس طالب علم کو ان درویش کے پاس جانے سے منع فرما دیا۔

سوچنے سے دوسری تدبیر یہ ذہن میں آئی کہ ان کے جوش وخروش کو سماع سے سکون ہوگا۔ چنانچہ حضرت والا نے ایک صاحب سماع صوفی سے کہا کہ ہماری وضع کے تو یہ خلاف ہے البتہ تم ان کو اپنے یہاں لے جا کر ذرا سماع سنوا دو۔ اور یہ معلوم نہ تھا کہ وہاں آلات بھی ہونگے انہوں نے اس فرمائش کو بہت خوشی کے ساتھ منظور کیا کیونکہ یہ بڑے فخر کی بات تھی کہ مولویوں کو بھی ہماری احتیاج ہوئی۔ چنانچہ وہ ان کو اپنی جماعت کے پاس لے گئے لیکن جب وہ لوگ آلات سماع لے کر بیٹھے تو وہ طالب علم بہت بگڑے کہ یہ کیا واہیات ہے مجھے معصیت میں مبتلا کرتے ہو میں ان سب کو توڑ پھوڑ دونگا یہ کہہ کر وہاں سے بھاگ آئے پھر حضرت والا ایک خوش آواز بنگالی طالب علم سے جن کی آواز میں درد تھا کہا کہ تم ان کو کسی

الگ جگہ لے جا کر کچھ اشعار سنا دو اور اس جگہ کسی اور کو جانے کی اجازت نہیں دی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت خسرو رحمہ اللہ کی یہ غزل خلوت میں لے جا کر سنائی۔

از ہجر تو کباب تا کے　　جاں در طلبت خراب تا کے

(تیری جدائی سے کب تک دل جلے گا تیری طلب سے کب تک جان خراب ہوگی)

در مصحف روئے او نظر کن　　خسرو غزل و کتاب تا کے

(اے خسرو اس چہرے کی کتاب میں دیکھ غزل و کتاب میں کب تک مشغول رہے گا)

ان اشعار کو سن کر انہیں وجد آیا اور بے حد جوش و خروش ہوا اور کھڑے ہو کر زور زور سے خود بھی یہ کہتے جاتے تھے تا کے تا کے۔ حضرت والا تک بھی یہ آواز آرہی تھی جب دل کی بھڑاس اچھی طرح نکل گئی تو پرسکون ہوگیا، غرض یہ تدبیر نافع ہوئی انہی طالب علم نے یہ بھی خواب میں دیکھا تھا کہ حضور ﷺ فرمارہے ہیں کہ تم کسی سے بیعت ہو جاؤ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت (ﷺ) کس سے؟ تو فرمایا کہ جس سے زیادہ اعتقاد ہو چنانچہ انہوں نے حضرت والا سے یہ خواب بیان کیا، جواب میں فرمایا کہ جس سے زیادہ اعتقاد ہو اس سے بیعت ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ مجھ کو آپ سے اعتقاد ہے اور یہ کہہ کر حضرت والا سے بیعت کی درخواست کی، حضرت والا نے اس بناء پر کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے بلا تامل بیعت فرمالیا۔ حضرت والا نے یہ واقعہ نقل کر کے فرمایا کہ لوگ ان کیفیات کو نہ جانے کو کیا سمجھتے ہیں حالانکہ ان کی بس یہ حقیقت ہے کہ صرف چار دن تک تو خوب جوش و خروش رہا پھر ویسے ہی ہو گئے۔ چنانچہ وہ صاحب اب تک ہیں لیکن بالکل کورے۔ بقول شخصے چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات ہے۔[1]

اور دیوبند مکتبۂ فکر کے ''حکیم الامت'' مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے :

تواجد بہ غرض محمود:

حدیث: قرآن مجید کی تلاوت کرو اور روو اور اگر رو نہ سکو تو رونے کی شکل بناؤ۔

فائدہ: اس میں اثبات ہے تواجد یعنی اہل وجد کے ساتھ تشبہ کا جبکہ غرض کسی حال محمود کا پیدا کرنا ہو نمائش مقصود نہ ہو (کہ اس کو تشبع بمالم یعط فرمایا گیا ہے)[2]

صاحب وجد کا معذور ہونا:

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک نوجوان بنی اسرائیل میں ایک پہاڑ پر تھا اس نے اپنی ماں سے (کہ وہ بھی وہاں ہی تھی) پوچھا کہ آسمان کو کس نے پیدا کیا (یہ نہیں کہ وہ جانتا نہ تھا بلکہ اپنے محبوب کا نام سننے کیلئے پوچھا کہ سننے میں اور ہی لطف ہے) اس نے کہا کہ اللہ نے (پیدا کیا اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ پھر اس نے اپنے کو پہاڑ سے گرادیا اور پاش پاش ہوگیا۔) فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ صاحب وجد معذور ہوتا ہے اگرچہ غلبہ میں اپنے کو ہلاک بھی کر ڈالے اس پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے۔[3]

ابونصر عبداللہ بن علی سراج طوسی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۳۷۸ھ، لکھتے ہیں:

---

[1] (اشرف السوانح ج ۱ ص ۲۷۷-۲۷۹)

[2] (التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف ص ۵۱)

[3] (التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف ص ۶۷)

فی الحدیث ان النبی ﷺ قرأ: (فکیف أذا جئنا من کل امة بشهید و جئنا بک علی هؤلاء شهیدا) (النساء ایت ۴۱) فصعق، فالصعقة صفة من صفات الواجدین۔

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

(ترجمہ) تو کیسی ہوگی جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں (النساء ۴۱:)

اور اس کے بعد آپ ﷺ پر غشی کی سی کیفیت طاری ہوگئی یہ کیفیت بھی صفات واجدین میں سے ہے۔[1]

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِي هُودٌ وَالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلَاتُ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ تو (بہت جلد) بوڑھے ہو گئے؟ تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلات، سورۂ عم یتساءلون اور سورۂ اذا الشمس کورت نے مجھ کو (عمر کی زیادتی سے پہلے ہی) بوڑھا کر دیا ہے۔[2]

اخبرنا ابو زرعة ظاهر عن والده ابی الفضل الحافظ المقدسی، قال اخبرنا ابو منصور محمد بن عبد الملک المظفری بسرخس، قال: اخبرنا ابو علی الفضل بن منصور بن نصر الکاغدی السمرقندی اجازة، قال: حدثنا الهیثم بن کلیب، قال اخبرنا ابو بکر عمار بن اسحاق قال حدثنا سعید عن عامر عن شعبة، عن عبد العزیز بن صهیب، عن أنس قال: کنا عند رسول الله صلی الله علیه وسلم، إذ نزل علیه جبریل علیه السلام، فقال: یا رسول الله ان فقراء أمتك یدخلون الجنة قبل الأغنیاء بنصف یوم وهو بخمسمائة عام، ففرح رسول الله فقال: أفیکم من ینشدنا؟ فقال بدوي: نعم، یا رسول الله صلی الله علیه وسلم، فقال:

قَدْ لَسَعَتْ حَيَّةُ الهَوى كَبِدِي		فَلاَ طَبِيبٌ لَهُ وَلاَ رَاقِي
إلاَّ الحَبِيبَ الَّذِي شُغِفْتُ بِهِ		فَعِنْدَهُ رُقْيَتِي وتِرْيَاقِي

فتواجد رسول الله صلی الله علیه وسلم، وتواجد أصحاب معه، حتی سقط رداؤه عن مَنْكِبَيْهِ، فلما فرغوا أوی کل واحد منهم إلی مکانه، فقال معاویة بن ابی سفیان: ما أحسن لَعِبَكُمْ یا رسول الله! فقال: مَهْ، یا معاویة، لیس بکریم من لم یهتز عند سماع ذکر الحبیب۔ ثم قسم رداءه ای رسول الله صلی الله علیه وسلم علی من حضرهم بأربعمائة قطعة.

ترجمہ: حضرت ذرعہ طاہر نے اپنے والد حضرت ابوالفضل حافظ مقدسی سے انہوں نے ابو منصور بن عبد الملک مظفری سرخسی سے انہوں نے حضرت ابو علی فضل بن منصور بن نصر کاغدی سمرقندی سے بیان کیا ہے کہ حضرت ہشیم بن کلیب نے حضرت ابو بکر عمار بن اسحاق سے سنا انہوں نے فرمایا کہ ہم سے حضرت سعید نے ان سے عامر نے ان سے شعبہ نے اور شعبہ نے عبد العزیز بن صہیب سے اور ان سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے روایت کیا ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کی امت کے فقراء آپ کی امت کے دولت مندوں سے نصف دن پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ آدھا دن پانچ سو برس کا

---

[1] (اللمع فی تاریخ التصوف الاسلامی، کتاب الوجد، باب فی صفات الواجدین، ص، ۲۶۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (سنن الترمذی، رقم ۳۲۹: شرح السنۃ للبغوی، ج، ۷، ص، ۲۹۴، دلائل النبوۃ للبیہقی، رقم ۳۲۷:، ج، ۱، ص، ۳۵۸، کنز العمال، رقم ۲۵۸۸: مشکاۃ المصابیح، رقم ۵۳۵۴: حلیۃ الاولیاء، ج، ۴، ص، ۳۵۰، مصنف ابن ابی شیبہ، رقم ۳۰۲۶۸:)

ہوگا۔حضرت جبرائیل علیہ السلام سے یہ (خوشخبری) سن کر رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی ایسا شخص موجود ہے جو اس وقت کچھ اشعار پڑھے، تو ایک دیہاتی شخص نے عرض کیا : جی ہاں یارسول اللہ ﷺ ! ۔آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا سناؤ! اس دیہاتی نے یہ اشعار سنائے:

قَدْ لَسَعَتْ حَيَّةُ الهَوى كَبِدِي		فَلاَ طَبِيبَ لَهُ وَلاَ رَاقِي
إلاَّ الحَبِيبُ الَّذِي شُغِفْتُ بِه		فَعِنْدَهُ رُقْيَتِي وتِرْيَاقِي

ترجمہ: میرے جگر کو (محبوب) کی خواہش کے سانپ نے ڈس لیا، جس کے لئے نہ تو کوئی حکیم ہے نہ جھاڑ پھونک کرنے والا ہے۔مگر وہ حبیب (مخلص ساتھی) جس کی محبت سے میں فریفتہ ہوں اسی کے پاس میرے لئے تریاق بھی ہے اور تعویذ بھی۔

یہ اشعار سن کر رسول اللہ ﷺ نے تواجد فرمایا (یعنی وجد کی کیفیت طاری ہوگئی) اور آپ ﷺ کے ساتھ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تواجد کیا (یعنی وجد طاری ہوگیا) یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے دوش مبارک سے چادر مبارک ڈھلک گئی (یعنی گرگئی) پھر جب یہ کیفیت ختم ہوگئی تو ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گیا، حضرت امیر معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ! آپ ﷺ کا کتنا ہی حسین لعب (کھیل) ہے۔تو اس بات پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا ایسا نہ کہو (یعنی اس مخصوص حالت کو کھیل سے تشبیہ نہ دو یہ محبوب حقیقی کی یاد سے جنبش تھی اور) جو شخص اپنے محبوب کا ذکر سن کر جنبش میں نہ آئے وہ کریم (بزرگ) نہیں ہے پھر حضور ﷺ کی (اس وقت زیب تن کی ہوئی) چادر مبارک کے چار سو ٹکڑے کر کے حاضرین میں تقسیم کئے گئے۔[1]

مذکورہ بالا حدیث کے متعلق امام شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد بن عبداللہ سہروردی بغدادی شافعی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۶۳۲ھ لکھتے ہیں:

فهذا الحديث اوردناه مسندا كما سمعناه ووجدناه، وقد تكلم في صحته اصحاب الحديث.

ترجمہ: یہ حدیث ہم نے سندوں کے ساتھ پیش کر دی ہے جیسا کہ ہم نے سنا تھا لیکن اس کی صحت سے محدثین نے اتفاق نہیں کیا ہے۔[2]

مذکورہ بالا حدیث کے متعلق حضرت مولانا سید حافظ محمد حیات صاحب ربانی نوشاہی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں :

دریں نقل اگرچہ بعضی محدثین طعن بسیار کردہ اند و موضوع گفتہ اند و منع بلیغ ساختہ اند لیکن بسیاری از علمای متبحرین کہ متفقہ اند، در کتب خویش آوردہ اند و ترغیب فرمودہ اند و ناقلان آن جماعتی عظیم اند از جماعت اھل یقین اند کہ اعتماد بر نقل ایشان می توان کرد۔پس لایق منع نبود و ایشان را متھم نتوان ساخت۔''ظنوا المومنین خیرا'' را یاد آرو ھیچ مگو و در عمل آر۔ کما قال۔علیہ السلام۔بہ روایت صحیحہ : **ماجاء کم عنی خیر قلتہ او لم اقلہ فانا اقولہ و فی حدیث آخر : فما سمعتم الحدیث عنی من خیر تعرفہ قلوبکم و قلبی لا اشعار کم و ابشار کم و ترون انہ منکم قریب فانا اولا کم بہ تامل و لا تنازع۔**

ترجمہ: اس روایت میں اگرچہ بعض محدثین بہت طعن کیا ہے اور اس کو موضوع کہا ہے اور اس سے بہت منع کیا ہے، لیکن بہت سارے علمائے متبحرین، جو فقیہ ہیں، اس کو اپنی کتابوں میں لائے ہیں اور اس کی ترغیب دلائی ہے۔اور اس کے نقل کرنے والے بھی بہت بڑی جماعت ہیں جو اہلِ یقین سے ہیں اور ان کی نقل پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔پس یہ منع کرنے کے لائق نہیں اور نہ ان کو متہم کیا جاسکتا ہے۔''مومنوں پر نیک گمان رکھو'' کو یاد رکھو اور کچھ نہ کہو اور اس پر عمل کرو۔جیسا کہ فرمایا حضور علیہ السلام نے روایت صحیحہ میں: میری جانب سے کوئی نیک کلام تمہارے پاس آئے خواہ

---

[1] (عوارف المعارف، الباب الثانی والعشرون، ص ۱۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت، البحر المدید، ج ۵، ص ۵۴۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، التفسیرات الاحمدیہ، ص ۶۰۲، قدیمی کتب خانہ، کراچی، اولیاء الرحمن و اولیاء الشیطان، ج ۱، ص ۱۰، التزکیۃ بین اھل السنۃ والصوفیۃ، ج ۱، ص ۲۴، رہنمائے سالکین ص ۱۳۹، مکتوبات صدی، ص ۵۶۰ تا ۵۶۹)

[2] (عوارف المعارف، الباب الثانی والعشرون، ص ۱۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

میں نے وہ نہ کہا ہو، پس میں وہ کہتا ہوں ۔اور دوسری حدیث میں ہے :اگر کوئی اچھا کلام (حدیث) میری جانب سے سنو جس کو تمہارے دل پہچان جائیں اور تمہارے طریقہ اور بشارتوں کے مطابق ہو، اور تم جان لو کہ وہ تم سے قریب ہے، پس میں اس کا زیادہ مستحق ہوں ۔غور کرو اور جھگڑا نہ کرو۔[1]

"وروی ان داود النبی علیہ السلام استقبل السکینہ باالرقص فقالت لہ زوجتہ اترقص وانت نبی فقال لھا اتحکمین علی علی قلبی وانت طالق"

ترجمہ: چنانچہ مروی ہے کہ حضرت داؤد نبی علیہ السلام بحالت رقص، تابوت سکینہ کی طرف متوجہ ہوئے تو آپ علیہ السلام کی زوجہ محترمہ نے عرض کیا کہ آپ رقص کرتے ہیں حالانکہ آپ علیہ السلام نبی ہیں ۔"ارشاد فرمایا! کیا تو میرے دل (کی محویت اور عالم بیخودی) پر یہ حکم لگاتی ہے ۔جا میں نے تجھے طلاق دی"[2]

حَدَّثَنَا سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ :أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، قَالَ :أَخْبَرَنَا حَيْوَةُ بْنُ شُرَيْحٍ قَالَ :أَخْبَرَنِي الوَلِيدُ بْنُ أَبِي الوَلِيدِ أَبُو عُثْمَانَ الْمَدَنِيُّ، أَنَّ عُقْبَةَ بْنَ مُسْلِمٍ، حَدَّثَهُ أَنَّ شُفَيًّا الأَصْبَحِيَّ، حَدَّثَهُ أَنَّهُ، دَخَلَ الْمَدِينَةَ، فَإِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَدْ اجْتَمَعَ عَلَيْهِ النَّاسُ، فَقَالَ :مَنْ هَذَا؟ فَقَالُوا :أَبُو هُرَيْرَةَ، فَدَنَوْتُ مِنْهُ حَتَّى قَعَدْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُوَ يُحَدِّثُ النَّاسَ، فَلَمَّا سَكَتَ وَخَلاَ قُلْتُ لَهُ :أَسْأَلُكَ بِحَقٍّ وَبِحَقٍّ لَمَا حَدَّثْتَنِي حَدِيثًا سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَلْتَهُ وَعَلِمْتَهُ، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ :أَفْعَلُ، لَأُحَدِّثَنَّكَ حَدِيثًا حَدَّثَنِيهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَلْتُهُ وَعَلِمْتُهُ، ثُمَّ نَشَغَ أَبُو هُرَيْرَةَ نَشْغَةً فَمَكَثْنَا قَلِيلاً ثُمَّ أَفَاقَ، فَقَالَ :لَأُحَدِّثَنَّكَ حَدِيثًا حَدَّثَنِيهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا البَيْتِ مَا مَعَنَا أَحَدٌ غَيْرِي وَغَيْرُهُ، ثُمَّ نَشَغَ أَبُو هُرَيْرَةَ نَشْغَةً شَدِيدَةً، ثُمَّ أَفَاقَ فَمَسَحَ وَجْهَهُ فَقَالَ :أَفْعَلُ، لَأُحَدِّثَنَّكَ حَدِيثًا حَدَّثَنِيهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا وَهُوَ فِي هَذَا البَيْتِ مَا مَعَنَا أَحَدٌ غَيْرِي وَغَيْرُهُ، ثُمَّ نَشَغَ أَبُو هُرَيْرَةَ نَشْغَةً شَدِيدَةً، ثُمَّ مَالَ خَارًّا عَلَى وَجْهِهِ فَأَسْنَدْتُهُ عَلَيَّ طَوِيلاً، ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ :حَدَّثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِذَا كَانَ يَوْمُ القِيَامَةِ يَنْزِلُ إِلَى العِبَادِ لِيَقْضِيَ بَيْنَهُمْ وَكُلُّ أُمَّةٍ جَاثِيَةٌ، فَأَوَّلُ مَنْ يَدْعُو بِهِ رَجُلٌ جَمَعَ القُرْآنَ، وَرَجُلٌ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَرَجُلٌ كَثِيرُ المَالِ، فَيَقُولُ اللَّهُ لِلْقَارِئِ :أَلَمْ أُعَلِّمْكَ مَا أَنْزَلْتُ عَلَى رَسُولِي؟ قَالَ :بَلَى يَا رَبِّ. قَالَ :فَمَاذَا عَمِلْتَ فِيمَا عُلِّمْتَ؟ قَالَ :كُنْتُ أَقُومُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ :كَذَبْتَ، وَتَقُولُ لَهُ المَلاَئِكَةُ :كَذَبْتَ، وَيَقُولُ اللَّهُ :بَلْ أَرَدْتَ أَنْ يُقَالَ :إِنَّ فُلاَنًا قَارِئٌ فَقَدْ قِيلَ ذَاكَ، وَيُؤْتَى بِصَاحِبِ المَالِ فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ :أَلَمْ أُوَسِّعْ عَلَيْكَ حَتَّى لَمْ أَدَعْكَ تَحْتَاجُ إِلَى أَحَدٍ؟ قَالَ :بَلَى يَا رَبِّ، قَالَ :فَمَاذَا عَمِلْتَ فِيمَا آتَيْتُكَ؟ قَالَ :كُنْتُ أَصِلُ الرَّحِمَ وَأَتَصَدَّقُ، فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ :كَذَبْتَ، وَتَقُولُ لَهُ المَلاَئِكَةُ :كَذَبْتَ، وَيَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى :بَلْ أَرَدْتَ أَنْ يُقَالَ :فُلاَنٌ جَوَادٌ فَقَدْ قِيلَ ذَاكَ، وَيُؤْتَى بِالَّذِي قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللهِ، فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ :فِي مَاذَا قُتِلْتَ؟ فَيَقُولُ :أُمِرْتُ بِالجِهَادِ فِي سَبِيلِكَ فَقَاتَلْتُ حَتَّى قُتِلْتُ، فَيَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى لَهُ :كَذَبْتَ، وَتَقُولُ لَهُ المَلاَئِكَةُ :كَذَبْتَ، وَيَقُولُ اللَّهُ :بَلْ أَرَدْتَ أَنْ يُقَالَ :فُلاَنٌ جَرِيءٌ ,فَقَدْ قِيلَ ذَاكَ، ثُمَّ ضَرَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى

---

[1] (رسالۂ سماع، تذکرۂ نوشاہیہ، ص، ۵۲۱، ۵۲۲، ادارہ معارف نوشاہیہ، اسلام آباد)

[2] (سبع سنابل، سنبلۂ ہفتم، درمتفرقات، ص، ۱۷۸، النوریہ رضویہ، پبلشنگ کمپنی، لاہور)

رُكْبَتِي فَقَالَ :يَا أَبَا هُرَيْرَةَ، أُولَئِكَ الثَّلاثَةُ أَوَّلُ خَلْقِ اللهِ تُسَعَّرُ بِهِمُ النَّارُ يَوْمَ القِيَامَةِ وَقَالَ الوَلِيدُ أَبُو عُثْمَانَ :فَأَخْبَرَنِي عُقْبَةُ بْنُ مُسْلِمٍ أَنَّ شُفَيًّا، هُوَ الَّذِي دَخَلَ عَلَى مُعَاوِيَةَ فَأَخْبَرَهُ بِهَذَا قَالَ أَبُو عُثْمَانَ :وَحَدَّثَنِي العَلاَءُ بْنُ أَبِي حَكِيمٍ، أَنَّهُ كَانَ سَيَّافًا لِمُعَاوِيَةَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ، فَأَخْبَرَهُ بِهَذَا عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ :قَدْ فُعِلَ بِهَؤُلاَءِ هَذَا فَكَيْفَ بِمَنْ بَقِيَ مِنَ النَّاسِ؟ ثُمَّ بَكَى مُعَاوِيَةُ بُكَاءً شَدِيدًا حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ هَالِكٌ، وَقُلْنَا قَدْ جَاءَنَا هَذَا الرَّجُلُ بِشَرٍّ، ثُمَّ أَفَاقَ مُعَاوِيَةُ وَمَسَحَ عَنْ وَجْهِهِ، وَقَالَ :صَدَقَ اللهُ وَرَسُولُهُ {مَنْ كَانَ يُرِيدُ الحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لاَ يُبْخَسُونَ أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الآخِرَةِ إِلاَّ النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ}.

ترجمہ: حضرت ولید بن ابی ولید ابوعثمان مداءنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت سیدنا شفی اصبحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو دیکھا ایک آدمی کے گرد کچھ لوگ جمع ہیں انہوں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا! ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ (فرماتے ہیں) میں ان کے قریب ہوگیا یہاں تک کہ بالکل سامنے بیٹھ گیا آپ لوگوں سے حدیث بیان کر رہے تھے جب خاموش ہوئے اور تنہا رہ گئے تو میں نے حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا: میں آپ سے حق کیلئے اور پھر حق کیلئے درخواست کرتا ہوں کہ مجھ سے کوئی ایسی حدیث رسول اللہ ﷺ کی بیان کیجئے جس کو آپ نے خوب سمجھا ہو اور بوجھا ہو۔ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں میں ایسا کروں گا، میں تم سے ایسی ہی حدیث رسول اللہ ﷺ کی بیان کروں گا جس کو میں نے سمجھا اور بوجھا ہے اور پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک چیخ ماری۔ یہ کیفیت بے تابی کی یا تو شدت خوف سے ہوئی ہے کہ حدیث کا بلا کم وکاست بیان کرنا بڑی احتیاط کی بات ہے اور یا شدت شوق سے تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا، ہم بڑی دیر تک منتظر رہے پھر ان کو افاقہ ہوا اور فرمایا کہ میں تم سے ضرور ایسی حدیث بیان کروں گا جو مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے اس مکان میں بیان فرمائی ہے کہ ہمارے پاس اس وقت کوئی نہ تھا بجز میرے اور بجز آپ کے، پھر حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے زور سے ایک چیخ ماری، پھر ان کو افاقہ ہوا پسینہ منہ پر سے پونچھا اور فرمایا کہ میں یہ کام کروں گا میں اور آپ اس مکان میں تھے۔ ہمارے پاس اس وقت کوئی نہ تھا بجز میرے اور آپ کے۔ پھر حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑے زور سے چیخ ماری پھر آگے کو جھک کر منہ کے بل گر پڑے۔ میں ان کو بڑی دیر تک اپنے سہارے لگائے رہا پھر افاقہ ہوا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے بیان فرمایا: جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ بندوں کی طرف متوجہ ہوگا تاکہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے تمام امتیں گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوں گی سب سے پہلے تین آدمیوں کو بلایا جائے گا: (۱) جس نے قرآن یاد کیا ہوگا، (۲) جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کیا گیا ہوگا، (۳) اور زیادہ مالدار شخص۔ اللہ تعالیٰ اس قاری سے فرمائے گا کیا تمہیں وہ کلام نہ سکھایا جسے میں نے اپنے رسول ﷺ پر اتارا، عرض کرے گا، ہاں یارب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے اپنے علم کے مطابق کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں رات دن اس کی تلاوت کرتا رہا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے جھوٹ کہا، فرشتے بھی کہیں گے تو جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو چاہتا تھا کہ کہا جائے فلاں قاری ہے، پس تجھے کہا۔ دولتمند کو لایا جائے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تجھے میں نے (مال میں اتنی) وسعت نہ دی کہ تجھے کسی کا محتاج نہ رکھا، وہ عرض کرے گا: ہاں یارب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری دی ہوئی دولت سے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں قرابتداروں سے صلہ رحمی کرتا تھا اور خیرات کرتا تھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو چاہتا تھا کہ کہا جائے فلاں بڑا سخی ہے، سو ایسا کہا جا چکا۔ (پھر) شہید کو لایا جائے گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو کس لیے قتل ہوا؟ وہ کہے گا تو نے مجھے اپنے راستے میں جہاد کا حکم دیا، پس میں نے لڑائی کی یہاں تک کہ شہید ہو گیا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے جھوٹ کہا۔ فرشتے بھی کہیں گے تو جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ تیری نیت یہ تھی کہ لوگ کہیں کہ فلاں بڑا بہادر ہے، پس یہ بات کہی گئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنا دستِ اقدس میرے زانو پر مارتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے ابو

ہریرہ !رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے پہلے ان ہی تین آدمیوں سے جہنم کو بھڑکایا جائے گا۔حضرت ولید ابوعثمان مدائنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے عقبہ نے بتایا کہ یہی حضرت شفی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہیں حدیث سنائی،ابوعثمان فرماتے ہیں ،مجھے علاء بن حکیم رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ شفی رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جلاد تھے فرماتے ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی آیا اور انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بتائی تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا :ان تینوں کا یہ حشر ہے تو باقی لوگوں کا کیا حال ہوگا،پھر آپ بہت روئے یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا شاید جان دے دیں گے۔اور ہم نے کہا یہ آدمی ہمارے پاس شر لے کر آیا ہے۔پھر جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہوش آیا تو آپ نے چہرہ پونچھا اور فرمایا :اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ ارشاد فرمایا :جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتا ہے تو ہم اس کے اعمال کا بدلہ دنیا میں ہی پورا دے دیتے ہیں اور اس میں ہم کچھ کمی نہیں کرتے ان لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں انہوں نے جو کچھ دنیا میں کیا ضائع ہوگیا اور ان کے اعمال باطل ہو گئے۔[1]

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بڑے زور سے چیخ مارنا۔بیہوش ہو جانا اور پسینہ آجانا،حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا رونا،وجد و حال کی کھلی دلیل ہے۔

حَدَّثَنَا عَبْدُ الصَّمَدِ قَالَ :حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسٍ قَالَ :كَانَتِ الْحَبَشَةُ يَزْفِنُونَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَزْقُصُونَ وَيَقُولُونَ :مُحَمَّدٌ عَبْدٌ صَالِحٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :مَا يَقُولُونَ؟« قَالُوا :يَقُولُونَ :مُحَمَّدٌ عَبْدٌ صَالِحٌ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حبشی لوگ رسول اللہ ﷺ کے سامنے رقص کر رہے تھے اور اپنی زبان سے کہہ رہے تھے۔محمد ﷺ نیک بندے ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا :یہ کیا کہہ رہے ہیں؟صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا:وہ کہہ رہے ہیں: محمد ﷺ صالح بندے ہیں۔[2]

مذکورہ بالا حدیث کے تحت شیخ طریقت شیخ عبد القادر عیسیٰ شاذلی لکھتے ہیں:

فلما رآهم فيي تلك الحالة لم ينكر عليهم وأقرهم على ذلك ، والمعلوم أن الأحكام الشرعية تؤخذ من قوله ﷺ وفعله وتقريره، فلما أقرهم على فعلهم ولم ينكر عليهم تبين أن هذا جائز وفي الحديث دليل صحة الجمع بين الاهتزاز المباح ومدح رسول الله ﷺ وأن الهتزاز بالذكر لايسميي رقصاً محرماً بل هو جائز لأنه ينشط الجسم للذكر ،ويساعد على حضور القلب مع الله تعالى، اذا صحت النية، فالأمور بمقاصدها وانما الأعمال بالنيات وانما لكل امرئ مانوى۔

ترجمہ: آپ ﷺ نے ان کو اس حالت میں دیکھا،تو ان پر کوئی انکار نہیں فرمایا،اور ان کو اس حالت پر برقرار رکھا،اور یہ تو معلوم ہے کہ بے شک احکام شرعیہ نبی کریم ﷺ کے قول،فعل اور تقریر سے ماخوذ ہوتے ہیں (تقریر کا مطلب یہ ہے کہ جو کام نبی کریم ﷺ کے سامنے کیا گیا ہو اور نبی کریم ﷺ نے اس سے منع نہ فرمایا ہو)۔جب آپ ﷺ نے ان کے اس فعل کو ثابت رکھا اور اس کو ناپسند نہ کیا تو ثابت یہ ہوا کہ یہ فعل جائز ہے۔اور اس حدیث میں مباح،جائز جھومنے اور نعت رسول ﷺ دونوں کو آپس میں اکٹھا کرنے کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔ذکر میں حرکت کرنے،جھومنے کو حرام رقص کا نام نہیں دیا جاسکتا،بلکہ یہ جائز ہے کیونکہ یہ حرکت جسم کو ذکر کے لیے چست کرتی ہے،اور (دورانِ ذکر) اللہ تعالیٰ کی

---

[1] (سنن الترمذی،کتاب الزہد،رقم ۲۳۸۲:،ص،۵۶۷،دار الکتب العلمیہ،بیروت)

[2] (مسند امام احمد،رقم ۱۲۵۴۰:،ج،۲۰،ص،۱۷،والاحادیث المختارۃ،رقم ۱۶۸۰:،ج،۵،ص،۶۰،والجامع الصحیح للمسنن والمسانید،ج،۱۴،ص،۳۷۸،وج،۲۶،ص،۴۷۴،غایۃ المقصد فی زوائد المسند،رقم ۳۱۲۹ :،ج،۳،ص،۱۸۳،والمسند الجامع،رقم ۱۴۲۸:،ج،۲،ص،۴۱۲)

بارگاہ میں حضورِ قلبی میں مدد دیتی ہے،لیکن شرط یہ ہے کہ بندے کی نیت صحیح ہو کیونکہ کاموں کا دارومدار ان کے مقاصد پر ہے،اور اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق اجر ملتا ہے۔[1]

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَبْشَةُ يَلْعَبُونَ، وَأَنَا أَطَّلِعُ مِنْ خَوْخَةٍ لِي، فَدَنَا مِنِّي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَضَعْتُ يَدَيَّ عَلَى مَنْكِبَيْهِ، وَجَعَلْتُ أَنْظُرُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :إِنَّهُنَّ بَنَاتُ أَرْفِدَةَ :فَمَا زِلْتُ أَنْظُرُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ وَيَرْقُصُونَ حَتَّى كُنْتُ أَنَا الَّذِي انْتَهَيْتُ۔[2]

عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ :أَتَانَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَنَا وَجَعْفَرٌ، وَزَيْدٌ، فَقَالَ لِزَيْدٍ :أَخُونَا مَوْلانَا، فَحَجَلَ زَيْدٌ، وَقَالَ لِجَعْفَرٍ :أَنْتَ أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي، قَالَ :فَحَجَلَ وَرَاءَ حَجَلِ زَيْدٍ، ثُمَّ قَالَ لِي :أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْكَ، فَحَجَلْتُ وَرَاءَ حَجَلِ جَعْفَرٍ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،آپ فرماتے ہیں میں اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا : تو ہمارا بھائی اور ہمارا مولا ہے،تو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اچھلنے لگے (وجد کرنے لگے)،اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا : تو صورت و سیرت میں میرے مشابہ ہے،تو وہ بھی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اچھلنے کے پیچھے اچھلنے لگے،مجھے ارشاد فرمایا : تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں،تو میں (حضرت علی رضی اللہ عنہ) بھی حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اچھلنے کے پیچھے اچھلنے لگا۔[3]

مفتی مکہ مکرمہ علامہ احمد زینی دحلان و محمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ لکھتے ہیں:

وبعد فتح خيبر قدم من الحبشة جعفر بن ابی طالب رضی الله عنه ومن معه من المسلمين وهم ستة عشر رجلاً فتلقى النبی ﷺ جعفر وقبل جبهته وعانقه وقام له، وقد قام لصفوان بن امية لما قدم عليه ولعدی بن حاتم رضی الله عنهما ثم قال ﷺ ما أدری بأيهما أفرح بفتح خيبر أم بقدوم جعفر؟ وقال ﷺ لجعفر أشبهت خلقی وخلقی، فرقص جعفر رضي الله عنه من لذة هذا الخطاب (ولفرط ما أصابه من الفرح) فلم ينكر ﷺ علي رقصه وجعل ذلك أصلا لرقص الصوفية عندما يجدون من لذة المواجيد في مجالس الذكر والسماع.

ترجمہ: اور فتح خیبر کے بعد حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھ دوسرے سولہ مسلمان حبشہ سے ہجرت کر کے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے نبی کریم ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے لیے قیام فرمایا،اور جب آپ ﷺ ان سے ملے تو ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور معانقہ فرمایا اور پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : مجھے معلوم نہیں کہ مجھے کس بات کی زیادہ خوشی ہوئی ہے فتح خیبر کی یا حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی۔پھر آپ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا : تو شکل وصورت میں اور اخلاق میں میرے مشابہ ہے۔جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے یہ ارشاد سنا تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے اس خطاب کی لذت کی وجہ سے اور جو اس سے خوشی حاصل ہوئی رقص کرنے لگے،اور حضور اکرم ﷺ نے اس فعل سے منع نہیں فرمایا اور اس کو صوفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رقص کے لیے اصل بنایا ہے وہ بھی سماع

---

[1] (حقائق عن التصوف،الحركة في الذكر،ص،۹۷)

[2] (المعجم الاوسط،رقم:۹۳۰۳،ج،۹،ص،۱۲۱،)

[3] (مسند البزار،رقم ۸۵۷ :،ابن أبي شيبة ، وأبو يعلى ، والبيهقي،كنز العمال،رقم ۳۶۷۵۶:،،ج،۱۳،دار الكتب العلمية ، بيروت،جامع الاحاديث ،رقم ۳۲۱۱۴:،اتحاف الخيرة المهرة،رقم ۶۷۱۹:،سنن الكبرى للبيهقي،رقم ۱۶۱۸۸:،۲۱۵۵۷)

اور ذکر کی مجلس میں مواجید کی لذت پاتے ہیں۔[1]

علامہ محمد عبد الحی، کتانی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

وتمايل واهتز وهو منقول عن الصحابة، فقد خرّج أبو نعيم في الحلية عن الفضيل بن عياض :كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا ذكروا الله تمايلوا يمينا وشمالا كما تتمايل الشجرة بالريح العاصف إلى أمام۔ ثم تراجع الى وراء۔

ترجمہ: دائیں بائیں مائل ہونا اور جھومنا، یہ تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے: ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں تخریج کیا ہے کہ حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اصحاب رسول ﷺ جب ذکر کرتے تو دائیں، بائیں کو مائل ہوتے تھے جیسا کہ تیز ہوا سے درخت کبھی آگے کو اور کبھی پیچھے کو جھومتا ہے۔[2]

امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وفي حديث علي عند أحمد وكذا في مرسل الباقر فقام جعفر فحجل حول النبي صلى الله عليه وسلم دار عليه فقال النبي صلى الله عليه وسلم ما هذا؟ قال شيء رأيت الحبشة يصنعونه بملوكهم۔ وفي حديث بن عباس ان النجاشي كان إذا رضي أحدا من أصحابه قام فحجل حوله وحجل بفتح المهملة وكسر الجيم أي وقف على رجل واحدة وهو الرقص بهيئة مخصوصة۔

ترجمہ: اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ''مسند احمد'' میں اور اسی طرح حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرسل روایت میں ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (خوشی سے) کھڑے ہوئے پھر نبی کریم ﷺ کے ارد گرد اچھل کر ایک پاؤں کھڑا کر کے دوسرے پاؤں پر چکر کاٹنے لگے تو نبی کریم ﷺ نے پوچھا اے جعفر! یہ کیا ہے؟ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا میں نے حبشیوں کو دیکھا کہ وہ اپنے بادشاہوں کے سامنے اس طرح کرتے ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نجاشی جب کسی سے خوش ہوتا تھا تو اٹھ کر اس کے گرد چکر کاٹتا تھا۔ اور ''حجل'' حا کے فتح کے ساتھ ہے اور جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی ایک پاؤں پر کھڑا ہونا اور یہ ایک مخصوص ہیئت کے ساتھ رقص کرنا ہے۔[3]

قَالَ ابْنُ أَبِي الدُّنيا :حدّثنا عَلِيُّ بْنُ الجعد، أنا عمرو شِمْرٍ، حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ السُّدِّيُّ، سَمِعْتُ أَبَا أَرَاكَةَ يَقُولُ :صَلَّيْتُ مَعَ عَلِيٍّ صَلَاةَ الْفَجْرِ فَلَمَّا انْفَتَلَ عَنْ يَمِينِهِ مَكَثَ كَأَنَّ عَلَيْهِ كَآبَةً حَتَّى إِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ عَلَى حَائِطِ الْمَسْجِدِ قَيْدَ رُمْحٍ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ قَلَّبَ يَدَهُ فَقَالَ :وَاللهِ لَقَدْ رَأَيْتُ أَصْحَابَ محمّد صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا أَرَى الْيَوْمَ شَيْئًا يُشْبِهُهُمْ، لَقَدْ كَانُوا يُصْبِحُونَ صُفْرًا شُعْثًا غُبْرًا بَيْنَ أَعْيُنِهِمْ كَأَمْثَالِ رُكَبِ الْمِعْزَى، قَدْ بَاتُوا لله سجداً وقياماً يتلون كتاب الله يترا وحون بَيْنَ جِبَاهِهِمْ وَأَقْدَامِهِمْ، فَإِذَا أَصْبَحُوا فَذَكَرُوا اللهَ مَادُوا كَمَا يَمِيدُ الشَّجَرُ فِي يَوْمِ الرِّيحِ، وهملت أعينهم حتى تنبل ثِيَابَهُمْ۔

ترجمہ: حضرت ابوارا کہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نمازِ فجر پڑھی تو جب وہ اپنی دائیں طرف پھرے تو تھوڑی دیر ٹھہر گئے۔ گویا کہ افسردہ ہوں یہاں تک کہ سورج مسجد کی دیوار پر نیزے کے برابر آگیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے دو رکعتیں پڑھیں پھر اپنے ہاتھ

---

[1] (السیرۃ النبویۃ وآثار المحمدیۃ لزینی دحلان علی ھامش السیرۃ الحلبیۃ، ج۲، ص۲۵۲، ومحمد ﷺ، غزوۃ خیبر، ج۱، ص۴۴۴، والموسوعۃ الیوسفیۃ فی بیان ادلۃ الصوفیۃ، الجزء الاول، الحرکت بالذکر، ص۱۸۲، حقائق عن التصوف، الحرکۃ فی الذکر، ص۹۹)

[2] (التراتیب الاداریۃ، ج۲، ص۹۳، نظام الحکومیۃ، الموسوعۃ الیوسفیۃ فی بیان ادلۃ الصوفیۃ، الجزء الاول، ص۱۷۸)

[3] (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء، ج۸، ص۴۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

پھیرے اور فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ہے، اور میں آج کے دن کسی بھی چیز کو ان کے مشابہ نہیں پاتا، وہ لوگ صبح اس حال میں کرتے کہ چہرے زرد اور بال پراگندہ اور غبار آلود منہ، گویا کہ تعزیت دینے والا شہسوار ہو، وہ راتیں سجدہ وقیام میں گزارتے تھے، کتاب اللہ کی تلاوت کرتے وہ اپنے قدموں اور پیشانیوں کے بل رات بسر کرتے تھے، اور جب صبح کرتے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے ایسے حرکت کرتے جیسے آندھی والے دن درخت حرکت کرتے ہیں، ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے، یہاں تک کہ ان کے کپڑے تر ہو جاتے۔[1]

مذکورہ بالا حدیث کے تحت شیخ طریقت شیخ عبد القادر عیسیٰ شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ويهمنا من عبارة الامام علي رضى الله عنه قوله (مَادُوا كَمَا يَمِيدُ الشَّجَرُ يَوْمِ الرِّيحِ) فانك تجده صريحاً في الاهتزاز، ويبطل قول من يدعيي انه بدعة محرمة، ويثبت اباحة الحركة في الذكر مطلقاً وقد استدل الشيخ عبد الغني رحمه الله بهذا الحديث في رسالته على ندب الاهتزاز بالذكر، وقال هذا صريح بان الصحابة رضيي الله عنهم كانوا يتحركون حركة شديدة فيي الذكر ـ على أن الرجل غير مؤاخذ حين يتحرك ويقوم ويقعد على أي نوع كان حيث إنه لم يأت بمعصية ولم يقصدها كما ذكرنا. إلاَّ أن هناك جماعة من الدخلاء على الصوفية - نسبوا أنفسهم إليهم وهم منهم براء - شوهوا جمال حلقات الأذكار بما أدخلوا عليها من بدع ضالة، وأفعال منكرة، تحرمها الشريعة الغراء ؛ كاستعمال آلات الطرب المحظورة، والاجتماع المقصود بالأحداث، والغناء الفاحش، فلم يعد وسيلةً عملية لتطهير القلب من أدرانه، وصلته بالله تعالى، بل صار لتسلية النفوس الغافلة، وتحقيق الأغراض الدنيئة. ومما يؤسف له أن بعض أدعياء العلم قد جموا على حِلَقِ الذكر ولم يميزوا بين هؤلاء الدخلاء المنحرفين وبين الذاكرين السالكين المخلصين الذين يزيدهم ذكر الله رسوخاً في الإيمان، واستقامة في المعاملة، وسموا في الخلق واطمئناناً في القلب. وهناك علماء منصفون قد ميزوا بين الصوفية الصادقين السائرين على قدم الرسول الأعظم صلى الله عليه وسلم، وبين الدخلاء المارقين، وأوضحوا حكم الله في الذكر، وعلى رأسهم العلاَّمة ابن عابدين في رسالته "شفاء العليل"، فقد نددد بالدخلاء على الصوفية، واستعرض بدعهم ومنكراتهم في الذكر وحذر منهم، ومن الاجتماع بهم،

اس ساری عبارت میں سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے اس کلام کا یہ جملہ (مادوا کما یمید الشجر فیی یوم الریح) قابل توجہ ہے کیونکہ یہ دوران ذکر جذب وحرکت پر صراحۃً (واضح طور پر) دلالت کرتا ہے۔ اور جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ دورانِ ذکر حرکت کرنا بدعتِ حرام ہے، ان کے دعویٰ کو باطل کرتا ہے اور مطلقاً ذکر میں حرکت کی اباحت کو ثابت کرتا ہے۔ حضرت شیخ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث سے

---

[1] (البداية والنهاية، ج،۸،ص،۷، دار الكتب العلمية، بيروت، وحلية الاولياء، علي بن ابي طالب رضى الله عنه، ج،۱،ص،۱۲۳،۱۲۴، دار الحديث، القاهرة، كنز العمال، رقم: ۴۴۲۱۵، ج،۱۶،ص،۸۴، دار الكتب العلمية، بيروت، حياة الصحابة، ج،۵۴، اسمى المطالب فى سيرت امير المومنين على بن ابي طالب رضى الله عنه، ج،۱،ص،۳۴۷، ج،۲،ص،۹۶۸، المجالسة وجواهر العلم، رقم ۱۴۶۶:، ج،۴،ص،۳۱۰، الرقة والبكاء، لابن قدامة، ج،۱،ص،۵۱، مقتل علي، لابن ابي الدنيا، رقم ۶:، ج،۱،ص،۲۵، جامع الاحاديث، رقم ۳۳۶۴۱:، ج،۳۱،ص،۴، سلسلة الاحاديث الصحيحة وشيء من فقهها وفوائدها، ج،۳،ص،۳۰۷، جامع العلوم والحكم، ج،۲،ص،۵۱۹، ج،۳،ص،۱۲۹۱،)

اپنے ایک رسالے میں دوران ذکر حرکت کے مستحب ہونے پر استدلال کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دورانِ ذکر سخت حرکت کیا کرتے تھے۔اس یہ بھی ثابت ہوا کہ دورانِ ذکر اگر کوئی شخص حرکت کرتا ہے، بیٹھتا ہے یا کھڑا ہوتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔کیونکہ نہ تو اس نے معصیت (گناہ، نافرمانی) کا ارتکاب کیا ہے اور نہ اس کا قصد (ارادہ، مقصد) کیا۔لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو صوفی ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن ان کا صوفیاء سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا، انہوں نے ذکر کے حلقوں کے جمال کو مسخ کر دیا، کیونکہ انہوں نے بہت سی بدعاتِ ضالہ اور ایسے ناپسندیدہ افعال اس میں داخل کر دیئے ہیں جو شریعتِ مطہرہ کے نزدیک حرام ہیں۔ان کی محافل گانے بجانے کے آلات، نوخیز لڑکوں، فحش گانوں اور آلات موسیقی سے مزین ہوتی ہیں۔اس لیے ان کی محافل تصفیہ قلب اور وصول الی اللہ کا ذریعہ نہیں ہوتیں بلکہ غافلین کے لیے فرحت وسرور اور گھٹیا مقاصد کی تکمیل کے بھرپور مواقع ہوتے ہیں۔(جو درحقیقت قلب کی صفائی کے بجائے غفلت و شہوت میں اضافے کا موجب ہے اور پھر یہ اپنے آپ کو اہل طریقت میں شمار کرتے ہیں) لیکن یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ بعض مدعیانِ علم مطلقاً ذکر کے حلقوں کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور جعلی و بناوٹی صوفیوں اور ذاکرین، سالکین، مخلصین وہ جن کے ایمان میں ذکر اللہ رسوخ زیادہ کرتا ہے، اور معاملہ میں استقامت کو زیادہ کرتا ہے اور مخلوق میں بزرگی کو زیادہ کرتا ہے اور دل میں اطمینان کو زیادہ کرتا ہے۔یعنی حقیقی مشائخ میں تمیز وفرق نہیں کرتے۔مگر اللہ کی مہربانی سے چند انصاف پسند علمائے حق ایسے بھی ہیں جو رسول اعظم ﷺ کی پیروی کرنے والے سچے صوفیا اور جعلی مدعیان تصوف کے درمیان تمیز وتفریق کرتے ہیں۔ان علماء میں سرفہرست علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالے" شفا العلیل" میں اس فرق کو بیان فرمایا، بناوٹی صوفیاء کی مذمت کی، ان کی بدعتوں اور ناجائز کاموں کی نشاندہی کی اور ان کے ساتھ صحبت اختیار کرنے سے منع کیا۔[1]

حَدَّثَنِي مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الرُّعَيْنِيُّ، ثنا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ :لَمَّا قَدِمَ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ مِنْ أَرْضِ الْحَبَشَةِ تَلَقَّاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا نَظَرَ جَعْفَرٌ إِلَيْهِ حَجَلَ - قَالَ مَكِّيٌّ :يَعْنِي مَشَى عَلَى رِجْلٍ وَاحِدَةٍ - إِعْظَامًا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَبَّلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ۔

ترجمہ: سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ جب حبشہ کی زمین سے آئے اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی، تو سیدنا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی طرف دیکھ کر، آپ ﷺ کی تعظیم وتکریم کی خاطر ایک پاؤں پر کود اور اچھل کر چلنے لگے، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کی پیشانی کو چوما۔[2]

وَقَدْ قَرَأَ أمير المؤمنين عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ (إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ) (التكوير :١) حَتَّى بَلَغَ (وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ) (التكوير: ١٠) فَخَرَّ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ وَصَارَ يَضْرِبُ عَلَى الْأَرْضِ سَاعَةً طويلة۔

ترجمہ: سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سورہ تکویر کی تلاوت کی جب آیت مبارکہ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ (التکویر ۱۰:) پر پہنچے تو بے ہوش ہو کر گر پڑے اور کافی دیر تک زمین پر ہاتھ پاؤں مارتے رہے۔[3]

أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرٍ أَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْقَاضِي وَأَبُو سَعِيدِ بْنُ أَبِي عَمْرٍو قَالَا :ثنا أَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ ثنا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ،

---

[1] (حقائق عن التصوف، الحرکۃ فی الذکر، ص، ۹۷)

[2] (البدایۃ والنہایۃ، ج، ۴، ص، ۲۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[3] (تنبیہ المغترین، ص، ۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ثنا حَجَّاجٌ قَالَ :قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ :سَمِعْتُ ابْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ يَقُولُ :أَخْبَرَنِي عَلْقَمَةُ بْنُ وَقَّاصٍ قَالَ :كَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَقْرَأُ فِي الْعَتَمَةِ بِسُورَةِ يُوسُفَ وَأَنَا فِي مُؤَخَّرِ الصُّفُوفِ حَتَّى إِذَا جَاءَ ذِكْرُ يُوسُفَ سَمِعْتُ نَشِيجَهُ فِي مُؤَخَّرِ الصَّفِّ "

ترجمہ: سیدنا حضرت علقمہ بن وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سیدنا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز میں سورۂ یوسف پڑھ رہے تھے، اس وقت میں آخری صف میں تھا حتی کہ جب سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر آیا تو میں سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز سنی۔[1]

وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ شَدَّادٍ، "سَمِعْتُ نَشِيجَ عُمَرَ، وَأَنَا فِي آخِرِ الصُّفُوفِ يَقْرَأُ :{إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللهِ} (سورۃ یوسف :۸۶)

اور سیدنا حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ نے فرمایا : میں نے آخری صف میں سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز سنی، آپ اس وقت یہ آیت پڑھ رہے تھے :{إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللهِ} (سورۃ یوسف: ۸۶) میں اپنے غم اور پریشانی کی شکایت صرف اللہ کی طرف کرتا ہوں۔[2]

أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوُدَ، عَنِ ابْنِ وَهْبٍ، قَالَ :أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَسْمَاءَ بِنْتَ أَبِي بَكْرٍ تَقُولُ :قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْفِتْنَةَ الَّتِي يُفْتَنُ بِهَا الْمَرْءُ فِي قَبْرِهِ، فَلَمَّا ذَكَرَ ذَلِكَ ضَجَّ الْمُسْلِمُونَ ضَجَّةً حَالَتْ بَيْنِي وَبَيْنَ أَنْ أَفْهَمَ كَلَامَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا سَكَنَتْ ضَجَّتُهُمْ قُلْتُ لِرَجُلٍ قَرِيبٍ مِنِّي :أَيْ بَارَكَ اللهُ لَكَ، مَاذَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي آخِرِ قَوْلِهِ؟ قَالَ :قَدْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُونَ فِي الْقُبُورِ قَرِيبًا مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ۔

ترجمہ: سیدنا حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے سنا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (خطبہ دینے کے لیے) کھڑے ہوئے، پھر آپ ﷺ نے قبر کے فتنہ کا ذکر کیا جس میں آدمی اپنی قبر میں مبتلا ہوگا، تو جب آپ ﷺ نے یہ ذکر کیا تو مسلمانوں نے سن کر چیخ و پکار کی۔ تو لوگوں کے چیخنے چلانے کی وجہ سے میں رسول اللہ ﷺ کا کلام سمجھ نہ سکی، پھر جب یہ چیخنا، چلانا ختم ہوا، تو میں نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے ایک شخص سے پوچھا، اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا کرے، آخر میں رسول اللہ ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا؟ اس آدمی نے فرمایا : آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا : مجھ پر وحی آئی ہے کہ تم قبر کے اندر فتنہ میں ڈالے جاؤ گے۔ اور یہ فتنہ دجال کے فتنہ کے قریب قریب ہوگا۔[3]

عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ أَبِي بَزَّةَ، حَدَّثَنِي مَنْ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ، قَرَأَ {وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ} (سورۃ المطففین : ۱) حَتَّى بَلَغَ {يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ} (سورۃ المطففین: ۶) قَالَ :فَبَكَى حَتَّى خَرَّ وَامْتَنَعَ مِنْ قِرَاءَةِ مَا بَعْدَهُ۔

ترجمہ: حضرت قاسم بن ابی بزہ رضی اللہ عنہ ایک شخص کے واسطے سے روایت کرتے ہیں جس نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا : حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ :وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ پڑھی، یہاں تک کہ جب آیت :يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ۔ (سورۃ المطففین ۶:) ترجمہ: جس دن کہ لوگ تمام جہانوں کے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے۔'' پر پہنچے تو بہت روئے حتی کہ گر پڑے، کوشش کے باوجود اس

---

[1] (السنن الکبری للبیہقی، رقم ۳۳۵۸:، ج، ۲، ص، ۳۵۷)

[2] (صحیح البخاری، کتاب الاذان، باب اذا بکی الامام فی الصلاۃ ص، ۱۴۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، شرح السنۃ للبغوی، ج، ۳، ص، ۲۴۵، مصنف ابن ابی شیبۃ، رقم ۳۵۶۵:، ج، ۱، ص، ۳۱۲، کنز العمال، رقم ۳۵۷۹۵:، جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، رقم ۱۴۵۰:، ج، ۱، ص، ۲۳۹،)

[3] (سنن النسائی، رقم، ۲۰۶۲، صحیح البخاری، باب ماجاء فی عذاب القبر، رقم ۱۳۷۳: مختصراً،)

آیت کے بعد پڑھ نہ سکے۔[1]

عَنْ نَافِعٍ، قَالَ :كَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ إِذَا قَرَأَ :{أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللهِ}(الحدید ۱۶)بَكَى حَتَّى يَغْلِبَهُ الْبُكَاءُ۔

ترجمہ: حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ جب یہ آیت کریمہ :أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللهِ۔

ترجمہ: کیا ابھی ایمان والوں کے لیے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے جھک جائیں (سورۃ الحدید ۱۶ :) پڑھی، تو رونے لگے حتی کہ رونے سے ان کی ہچکی بند ہوگئی۔[2]

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ :بَيْنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ وَعِنْدَهُ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ وَعَلَيْهِ عَبَاءَةٌ قَدْ جَلَّلَهَا عَلَى صَدْرِهِ بِجِلَالٍ إِذْ نَزَلَ عَلَيْهِ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ,فَأَقْرَأَهُ مِنَ اللهِ السَّلَامَ وَقَالَ :يَا رَسُولَ اللهِ ,مَالِي أَرَى أَبَا بَكْرٍ عَلَيْهِ عَبَاءَةٌ قَدْ جَلَّلَهَا عَلَى صَدْرِهِ بِجِلَالٍ؟قَالَ» :يَا جِبْرِيلُ ,أَنْفَقَ مَالَهُ عَلَيَّ قَبْلَ الْفَتْحِ «قَالَ :فَأَقْرِئْهُ مِنَ اللهِ السَّلَامَ ,وَقُلْ لَهُ :يَقُولُ لَكَ رَبُّكَ :أَرَاضٍ أَنْتَ عَنِّي فِي فَقْرِكَ هَذَا أَمْ سَاخِطٌ؟ فَالْتَفَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ :"يَا أَبَا بَكْرٍ ,هَذَا جِبْرِيلُ يُقْرِئُكَ السَّلَامَ مِنَ اللهِ وَيَقُولُ :أَرَاضٍ أَنْتَ عَنِّي فِي فَقْرِكَ هَذَا أَمْ سَاخِطٌ"؟فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ :أَعَلَى رَبِّي أَغْضَبُ؟أَنَا عَنْ رَبِّي رَاضٍ أَنَا عَنْ رَبِّي رَاضٍ۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہمارے درمیان نبی کریم ﷺ تشریف فرما تھے، اور آپ ﷺ کے پاس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے جسم پر چادر ڈال کر بیٹھے تھے، اچانک نبی کریم ﷺ پر حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو سلام دیا، اور عرض کی :یارسول اللہ ﷺ! میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جسم پر صرف چادر ڈال کر بیٹھے کیوں دیکھ رہا ہوں؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :اے جبریل علیہ السلام! حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ سے پہلے اپنا تمام مال مجھ پر خرچ کر دیا ہے، حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی :پھر آپ ﷺ اس کو اللہ کی طرف سے سلام دیں، اور ان سے دریافت کریں کہ تیرے رب نے تیرے لیے ارشاد فرمایا ہے کہ کیا تو اپنے اس فقر میں مجھ سے راضی ہے یا ناراض؟ جب آپ ﷺ نے ان سے پوچھا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (وجد میں آ کر) رونے لگے، اور عرض کی :میری اپنے رب سے ناراض ہونے کی مجال ہے؟ میں اپنے رب سے راضی ہوں، میں اپنے رب سے راضی ہوں۔[3]

---

[1] (حلیۃ الاولیاء، عبداللہ بن عمر بن الخطاب، ج،۱،ص،۳۷۶، دار الحدیث، لا قاہرۃ)

[2] (حلیۃ الاولیاء، عبداللہ بن عمر بن الخطاب، ج،۱،ص،۳۷۷، دار الحدیث، قاہرۃ)

[3] (حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، سفیان ثوری، ج،۵،ص،۴۲۳، دار الحدیث، القاہرۃ، التفسیر الوسیط للواحدی، سورۃ الحدید، رقم ۱۱۶۶: ، ج،۴،ص،۲۴۶، حاشیۃ الشہاب علی البیضاوی، عنایۃ القاضی وکفایۃ الراضی، الحدید، ج،۸،ص،۱۵۵، التفسیر المنیر للزحیلی، ۲۷،ص،۲۹۸، اسباب النزول، الحمیدان، ج،۱،ص،۴۰۶، ۴۲۶، معجم ابن المقری، ج،۱،ص،۸۲، رقم ۱۶۶: فضاءل الخلفاء الراشدین، لابی نعیم الاصبہانی، ج،۱،ص،۷۴، الحجۃ فی بیان المحجۃ، ج،۲،ص،۳۴۹، رقم ۳۰۷: کنز العمال، رقم ۳۵۶۵۸: ، جامع الاحادیث، ج،۳۶،ص،۳۶۰، رقم ۳۹۵۲۲: ، احیاء علوم الدین، ج،۲،ص،۱۶۶، المجروحین، ج،۲،ص،۱۸۵، رقم ۸۱۹: ، تاریخ بغداد، ج،۲،ص،۴۶۴، رقم ۴۴۹: ، شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ للالکائی، محمد بن حسن عبد الغفار، مکانۃ ابی بکر الصدیق عند اللہ، ج،۴۶،ص،۹، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، ج،۱،ص،۱۹۶، اوثیف ملتقی اہل الحدیث، ج،۵۹،ص،۶۶، رقم: ۱۳۰۶۷۵، ج،۶۹،ص،۱۳۱، رقم ۲۰۴۴۱۸:)

شیخ الاسلام زکریا بن محمد انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وقد روی انه قرىء شیء من القرآن بحضرة ابی بکر الصدیق رضی الله عنه ، فتواجد بعض الحاضرین ، وبکی فقال ابو بکر هکذا کنا حتی قست قلوبنا ای :قویت وصلبت فی دین الله تعالی ، وزال عنها الضعف الذی کان بها فی ابتداء الامر کما لهذا الذی بکی وذلک لالفها وانسها بمعانی القرآن ، فصارت لا تستغرق شیئا منها اذا ورد علیها بخلاف المبتدی۔

ترجمہ: اور روایت کیا گیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں قرآن مجید میں سے کچھ پڑھا گیا، تو بعض حاضرین پر وجد طاری ہوا اور روئے، تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم بھی اسی طرح تھے یہاں تک کہ ہمارے دل سخت ہو گئے یعنی: اللہ تعالیٰ کے دین میں قوی اور مضبوط ہو گئے، اور ہمارے دلوں سے وہ ضعف ختم ہو گیا جو ان میں ابتدائی معاملہ میں تھا، جیسا کہ یہ روئے، اور یہ قرآن کے معانی کے ساتھ الفت اور انس کی وجہ سے ہے، تو جب ان (منتہی) پر وارد ہوتا ہے انہیں کچھ استغراق نہیں ہوتا بخلاف مبتدی کے۔[1]

کَانَ مَیْمُوْنُ بْنُ مِهْرَانَ یَقُوْلُ سَمِعَ سَلْمَانُ الْفَارِسِی رضی الله عنه ۔قَارِئًا یَقْرَئُ وقوله تعالی (وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُ هُمْ اَجْمَعِیْنَ)(الحجر:۴۳) فَصَاحَ وَوَضَعَ یَدَه‘ عَلٰی رَأْسِهٖ وَخَرَجَ هَائِمًا لَا یَدْرِیْ اَیْنَ یَتَوَجَّهُ مُدَّةَ ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ۔

حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی قاری کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا: **وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ۔**

ترجمہ: اور بے شک ان سب کو جہنم میں جمع ہونا ہے۔ (الحجر ۴۳:)

تو حضرت سلیمان فارسی رضی اللہ عنہ نے چیخ ماری اور اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر حیران و پریشان نکل پڑے تین دن تک یہ پتہ نہ چل سکا کہ کہاں تشریف لے گئے ہیں۔[2]

معارف آگاہی مولانا جلال الدین، رومی، بلخی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

مطرباں شاں از دروں دف میزنند　　بحر ہادر شورِ شاں کف میزنند

ترجمہ: (عشقِ الٰہی کے) مطرب ان کے باطن میں (جذباتِ ربانیہ) کے دف بجاتے ہیں۔ سمندر ان کے نالہ وفغاں (کے راگ) میں (سر ملانے کے لئے موجوں کی تالیاں بجاتے ہیں۔ (یہ لوگ ہیں رقص وطرب کرنے والے اور یہ ہے ان کا رقص وطرب)۔

تو نہ بینی برگ ہا با شاخ ہا　　کف زناں رقصاں ز تحریکِ صبا

ترجمہ: کیا تم پتوں اور شاخوں کو بادِ صبا کی تحریک سے تالیاں بجاتے اور رقص کرتے نہیں دیکھتے؟ (ضرور دیکھتے ہو)۔

تو نہ بینی لیک بہرِ گوشِ شاں　　برگہا با شاخہا ہم کف زناں

ترجمہ: لیکن تم (یہ) نہیں دیکھتے کہ (یہ) پتے شاخوں سمیت (جو آپس میں بجتے ہیں تو) انہی (عاشقانِ حق) کے سماع کے لئے تالیاں بجاتے ہیں۔

تو نہ بینی برگہا را کف زدن　　گوشِ دل باید نہ ایں گوشِ بدن

ترجمہ: تم پتوں کے اس تالیاں بجانے کو محسوس نہیں کر سکتے۔ (بلکہ کہتے ہو یونہی ہوا سے بجتے ہیں پس اس کے لئے) دل کے کان چاہئیں نہ کہ یہ

---

[1] (شرح الرسالۃ القشیریۃ، ج۲، ص۶۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (تنبیہ المغترین، ص۵۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

جسمانی کان۔[1]

بلبلِ ایشاں کہ حالت آرد او　　در درونِ خویش گلشن دارد او

ترجمہ :ان کی بلبل بھی جو وجد میں آتی ہے (تو معلوم ہوتا ہے کہ) وہ اپنے اندر (معارف کا) ایک باغ رکھتی ہے۔[2]

تو چہ دانی بانگِ مرغا نرا ہمے　　چوں ندیدی مر سلیما نرا دمے

ترجمہ :تم پرندوں کی بولی کیا سمجھو جب کہ تم نے سلیمان علیہ السلام کو بھی لمحہ بھر کے لئے نہیں دیکھا۔

مطلب :جب تم نے حضرات اہل اللہ کی زیارت ہی نہیں کی نہ ان سے فیضِ صحبت حاصل کیا تو پھر تم کو ان کے تربیت دادہ متوسلین کے کمالات کی کیا خبر۔[3]

عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ، قَالَ :كَانَ زُرَارَةُ بْنُ أَوْفَى قَاضِيَ البَصْرَةِ، فَكَانَ يَؤُمُّ فِي بَنِي قُشَيْرٍ، فَقَرَأَ يَوْمًا فِي صَلاَةِ الصُّبْحِ :{فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ فَذَلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ}، خَرَّ مَيِّتًا۔

حضرت بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قاضی بصرہ حضرت زرارہ بن اوفیٰ تابعی رضی اللہ عنہ بنی قشیر کے محلہ میں امامت کرایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ نماز فجر میں آیت مبارکہ فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ فَذَلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٍ (المدثر : ۹،۸) پڑھی اور بے ہوش ہو کر گر پڑے اور فوت ہو گئے۔[4]

عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ :خَرَجْنَا مَعَ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَمَعَنَا الرَّبِيعُ بْنُ خُثَيْمٍ فَمَرَرْنَا عَلَى حَدَّادٍ فَقَامَ عَبْدُ اللهِ يَنْظُرُ حَدِيدَةً فِي النَّارِ فَنَظَرَ رَبِيعٌ إِلَيْهَا فَتَمَايَلَ لِيَسْقُطُ فَمَضَى عَبْدُ اللهِ حَتَّى أَتَيْنَا عَلَى أَتُّونٍ عَلَى شَاطِئِ الْفُرَاتِ فَلَمَّا رَأَى عَبْدُ اللهِ وَالنَّارُ تَلْتَهِبُ فِي جَوْفِهِ قَرَأَ هَذِهِ الْآيَةَ :"إِذَا رَأَتْهُمْ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا (الفرقان۔ ۱۲)إِلَى قَوْلِهِ :ثُبُورًا" قَالَ :فَصَعِقَ الرَّبِيعُ فَاحْتَمَلْنَاهُ فَجِئْنَا بِهِ إِلَى أَهْلِهِ قَالَ :ثُمَّ رَابَطَهُ إِلَى الْمَغْرِبِ فَلَمْ يَفِقْ ثُمَّ إِنَّهُ أَفَاقَ فَرَجَعَ عَبْدُ اللهِ إِلَى أَهْلِهِ۔

ترجمہ: حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ باہر نکلے اور ہمارے ساتھ حضرت ربیع بن خثیم رضی اللہ عنہ بھی تھے، چنانچہ ہم ایک لوہار کے قریب سے گزرے، تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر اس کی بھٹی میں تپتے ہوئے لوہے کو دیکھنے لگے، پس جونہی حضرت ربیع رضی اللہ عنہ نے بھٹی میں تپتے ہوئے لوہے کو دیکھا تو ایک طرف جھک گئے اور نیچے گرنے لگے، پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ چل پڑے اور ہم بھی جلدی سے فرات کے کنارے پر واقع ایک بھٹی پر آئے، تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب بھٹی میں بھڑکتی ہوئی آگ دیکھی تو اس آیت کریمہ تلاوت کرنے لگے :

إِذَا رَأَتْهُمْ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا (۱۲) وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا (الفرقان ۱۲:، ۱۳)

ترجمہ: جب وہ انہیں دور جگہ سے دیکھے گی تو سنیں گے اس کا جوش مارنا اور چنگھاڑنا، اور جب وہ کسی تنگ جگہ میں ڈالے جائیں گے زنجیروں میں جکڑے ہوئے تو وہاں موت مانگیں گے۔"

---

[1] (مفتاح العلوم، دفتر سوم، ص ۳۲)

[2] (مفتاح العلوم، دفتر دوم، ص ۱۰۵۶)

[3] (مفتاح العلوم، دفتر دوم، ص ۱۰۵۸)

[4] (سنن الترمذی، ابواب السہو، رقم ۳۴۵:، ص، ۱۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت، شعب الایمان، رقم ۹۳۹:، ج، ۱، ص، ۵۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ربیع رضی اللہ عنہ بیہوش ہو کر گر پڑے اور ہم انہیں گھر کی طرف اٹھالائے، پھر مغرب تک حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان کے پاس رہے مگر انہیں افاقہ نہ ہوا، کچھ دیر بعد انہیں قدرے افاقہ ہوا تب حضرت عبداللہ عن مسعود رضی اللہ عنہ گھر واپس آئے۔[1]

مذکروہ بالا حدیث کے تحت ابراہیم بن موسی بن محمد اللخمی الغرناطی المعروف شاطبی لکھتے ہیں:

فَهَذِهِ حَالَاتٌ طَرَأَتْ لِوَاحِدٍ مَنْ أَفَاضِلِ التَابِعِينَ بِمَحْضَرِ صَحَابِيٍّ، وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِ، لِعِلْمِهِ أَنَّ ذَلِكَ خَارِجٌ عَنْ طَاقَتِهِ، فَصَارَ بِتِلْكَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ كَالْمُغْمَى عَلَيْهِ، فَلَا حَرَجَ إِذًا.

ترجمہ: پس یہ حالا ت ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں افاضل تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی ایک پر طاری ہوئے، اور اس پر اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انکار نہ کیا، کیونکہ اس صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم تھا کہ بے شک یہ حالات اس کی طاقت سے باہر ہیں، پس وہ اس موعظۃ الحسنہ کے سبب بے ہوش کیے گئے شخص کی طرح ہوگیا، تو اس وقت اس حالت میں کوئی حرج نہیں ہے۔[2]

حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی شافعی قدس سرہ لکھتے ہیں:

وقد دخل يزيد الرقاشي على عمر بن عبد العزيز رحمهما الله تعالى۔ يوماً، فقال له: عظني يا يزيد، فقال له: يا امير المؤمنين انك اول خليفة يموت، فبكى عمر وقال له: زدني۔ فقال له: ليس بينك وبين آدم اب حي، فبكى عمر وقال له: زدني فقال له: ليس بين الجنة والنار منزلة اخرى، فسقط عمر مغشاً عليه۔

ترجمہ: ایک دن حضرت یزید الرقاشی رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا: اے یزید! رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ کو کوئی نصیحت کیجئے انہوں نے فرمایا: اے امیر المومنین! تم پہلے خلیفہ ہو جو انتقال کر جاؤ گے، (اس پر) حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا: (نصیحت میں) اضافہ کیجئے انہوں نے فرمایا: تمہارے اور تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان کوئی زندہ نہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ پھر روئے اور فرمایا: کچھ اور بتائیں فرمایا: جنت اور دوزخ کے درمیان کوئی اور مقام نہیں یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔[3]

وقرأ الامام يوما في صلاة الصبح (وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ) فارتعد حتى عرف ذلك منه

ترجمہ: حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے صبح کی نماز میں وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ (ابراھیم ۴۲)

ترجمہ: اور ہرگز اللہ کو بے خبر نہ جاننا ظالموں کے کام سے" پڑھی تو بدن پر کپکپی طاری ہوگی۔ یہاں تک کہ دوسروں کو معلوم ہو رہی تھی۔[4]

عن بريدة عن ابيه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان جالسا على حراء ومعه أبو بكر وعمر وعثمان فتحرك الجبل فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أثبت حراء فإنه ليس عليك إلا نبي وصديق وشهيدان۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حراء پہاڑ پر تشریف فرما تھے، اور

---

[1] (حلیۃ الاولیاء، ج، ۲، ص، ۹، ۱۰، دار الحدیث، القاہرہ، سیر السلف الصالحین لاسماعیل بن محمد الاصبہانی، ج، ۱، ص، ۷۶۲، والزہد لاحمد بن حنبل، رقم ۱۹۴۵: ص، ۲۶۹)

[2] (الاعتصام، ص، ۱۶۸، دار الکتاب العربی، بیروت)

[3] (تنبیہ المغترین، ص، ۴۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[4] (الخیرات الحسان، ص، ۴۰، مصر)

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے ساتھ موجود تھے، کہ پہاڑ میں حرکت پیدا ہوئی (وجد آگیا)، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے حراء! ٹھہر جا! تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہیدوں کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے۔[1]

حضرت علامہ شیخ یوسف خطار محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

انّ الجبال الرواسی قد طربت واهتزت فرحاً برسول الله ومحبته فيه , فكيف حال المؤمن الصادق وَلِهَ بذكر محبوبه، واستولى، حبه على قلبه وعلينا تحسن الظن بالناس وكل اعلم بنفسه ۔ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ (سورة القيامة الآية، ۱۴) يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ (سورة الحجرات، الآية، ۱۲)

ترجمہ: بے شک پہاڑ رسول اللہ ﷺ کی محبت اور فرحت، خوشی کی وجہ سے وجد کرتے ہیں اور جھومتے ہیں، تو اس سچے مومن کی کیا حالت ہوگی جو اپنے محبوب کے ذکر سے شدید عشق رکھتا ہو، اور اس کے دل پر محبوب کی محبت غالب آگئی ہو؟ ہم پر لوگوں کے ساتھ حسنِ ظن رکھنا لازم ہے اور ہر ایک اپنے آپ کو بہتر جانتا ہے ۔ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَى نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ (سورة القيامة الآية، ۱۴) بلکہ آدمی خود ہی اپنے حال پر پوری نگاہ رکھتا ہے) (سورۃ القیامۃ، ۱۴) يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ (سورة الحجرات، الآية، ۱۲)

ترجمہ: اے ایمان والو بہت گمانوں سے بچو۔[2]

عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: نَظَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أُحُدٍ، فَقَالَ: إِنَّ أُحُدًا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، طَلَعَ لَهُ أُحُدٌ فَقَالَ: هَذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهُ،

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سامنے احد پہاڑ نظر آیا، تو ارشاد فرمایا: یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔[3]

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی نقشبندی قدس سرہ لکھتے ہیں:

قيل مَحَبَّةُ الْحَيِّ لِلْجَمَادِ إِعْجَابُهُ وَسُكُونُ النَّفْسِ إِلَيْهِ وَالْمُؤَانَسَةُ بِهِ; لِمَا يُرَى فِيهِ مِنْ نَفْعٍ وَمَحَبَّةِ الْجَمَادِ لِلْحَيِّ; مَجَازٌ عَنْ كَوْنِهِ نَافِعًا إِيَّاهُ سَادًّا مَانِعًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَا يُؤْذِيهِ قَالَ الْخَطَّابِيُّ: يُرِيدُ أَهْلَ أُحُدٍ مِنَ الشُّهَدَاءِ وَالْأَحْيَاءِ حَوَالَيْهِ، وَقَالَ مُحْيِي السُّنَّةِ: الْأَوْلَى إِجْرَاؤُهُ عَلَى ظَاهِرِهِ وَلَا يُنْكَرُ وَصْفُ الْجَمَادَاتِ بِحُبِّ الْأَنْبِيَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ وَأَهْلِ الطَّاعَةِ; كَمَا حَنَّتِ الْأُسْطُوَانَةُ عَلَى مُفَارَقَتِهِ حَتَّى سَمِعَ الْقَوْمُ حَنِينَهَا، كَمَا أَخْبَرَ أَنَّ حَجَرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ قَبْلَ الْوَحْيِ، وَقَالَ الطِّيبِيُّ - رَحِمَهُ اللَّهُ -: لَا يُنْكَرُ أَنْ يَكُونَ جَبَلُ أُحُدٍ وَجَمِيعُ أَجْزَاءِ الْمَدِينَةِ كَانَتْ تُحِبُّهُ وَتَحِنُّ إِلَى لِقَائِهِ حَالَ مُفَارَقَتِهِ۔

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ کسی زندہ کا جمادات سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز اس کو اچھی لگتی ہے اور نفس کو اس سے سکون حاصل ہوتا ہے، اور اس چیز میں دکھائی دینے والے نفع سے موانست (محبت) ہوتی ہے اور جمادات کا کسی زندہ سے محبت کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ مجاز ہے

---

[1] (مسند احمد، رقم ۲۳۲۴:)

[2] (الموسوعۃ الیوسفیۃ فی بیان ادلۃ الصوفیۃ، الجزء الاول، الحرکۃ بالذکر، ص، ۱۷۷)

[3] (صحیح البخاری، رقم ۳۳۶۷: صحیح مسلم، ۱۳۶۵، سنن ابن ماجہ، رقم ۳۱۱۵: موطا امام مالک، رقم ۱۰: من کتاب الجامع، تاریخ المدینۃ لابن ابی شیبۃ، ج، ۱، ص، ۸۱، مسند امام احمد، ج، ۳، ص، ۱۴۹، رقم ۹۰۲۵: ۸۴۵۰:)

اس بات سے کہ یہ اس کے لیے نافع ہے، اور اس کے اور اس کو تکلیف دینے والی چیز کے درمیان روکاوٹ ہے۔علامہ خطابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :اہلِ احد،شہداء اور احیاء (زندہ) لوگ مراد ہیں۔علامہ محی السنہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :اس کو اپنے ظاہر معنی پر محمول کرنا بہتر ہے،اور انبیاء علیہم السلام،اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اور اہلِ طاعت کے ساتھ جمادات کی محبت کا انکار نہیں کیا جائے گا،جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کی مفارقت (جدائی) کی وجہ سے کھجور کے تنے کے رونے کا واقعہ ہے،یہاں تک کہ لوگوں نے بھی اس کے رونے کی آواز سنی،جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے خبر دی کہ مکہ میں ایک پتھر وحی آنے سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔علامہ طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :اس بات کا انکار نہ کیا جائے کہ احد پہاڑ اور مدینہ منورہ کے تمام اجزاء آپ ﷺ سے محبت کرتے ہیں۔اور آپ ﷺ کی عدم موجودگی کی حالت میں آپ ﷺ کی ملاقات کے لیے مشتاق رہا کرتے تھے۔[1]

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ - رضى الله عنه - قَالَ صَعِدَ النَّبِيُّ - صلى الله عليه وسلم - إِلَى أُحُدٍ وَمَعَهُ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ فَرَجَفَ بِهِمْ، فَضَرَبَهُ بِرِجْلِهِ، قَالَ :اثْبُتْ أُحُدُ فَمَا عَلَيْكَ إِلا نَبِيٌّ وَصِدِّيقٌ وَشَهِيدَانِ۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے ساتھ ابو بکر صدیق وعمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم احد پر چڑھے تو وہ (ان سب کی تشریف آوری کی خوشی میں) کانپنے لگا (وجد کرنے لگا) حضور نے اسے اپنے پاؤں سے مارا اور فرمایا: اے احد! ٹھہر جا کہ نہیں ہے تجھ پر مگر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید۔[2]

شیخ علی بن سلطان المعروف بملا علی قاری نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

(فقال أثبت أحد) أي و لا تظهر شيئا على ظاهرك كالكاملين الواصلين على ما حكي أن الجنيد سئل ما بالك عند السماع ظاهرا مع تحقق حالك باطنا فقرأ (وترى الجبال تحسبها جامدة وهي تمر مر السنحاب)النمل "٨٨"(فإنما عليك نبي وصديق وشهيدان) أي وصحبة أهل التمكين والوقار لا بد لها من تأثير خال عن الإظهار۔

ترجمہ: (فقال أثبت أحد) "اے احد تھم جا!" یعنی اے احد! اپنے جذبات کو کاملین واصلین کی طرح دبا کر رکھ،ظاہر نہ کر۔حضرت سید الطائفہ جنید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں حکایت کی گئی ہے کہ ان سے پوچھا گیا سماع کے وقت آپ کی ظاہری اور باطنی حالت کیسی ہوتی ہے؟ تو آپ نے جواب میں قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ تلاوت کی :

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ترجمہ: اور تو دیکھے گا پہاڑوں کو خیال کرے گا کہ وہ جمے ہوئے ہیں حالانکہ وہ چلتے ہوں گے (سورۃ النمل،٨٨) (فإنما عليك نبي وصديق وشهيدان) "تجھ پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں" یعنی اہلِ تمکین ووقار کی صحبت یقیناً مؤثر ہوتی ہے اور اظہار سے خالی ہوتی ہے۔[3]

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

یہ حضرات یا تو احد پہاڑ اور وہاں پر شہداء کے مزارات کی زیارت کرنے تشریف لے گئے تھے یا ویسے ہی سیر وسیاحت کے لیے چڑھے تھے،پہاڑ خوشی میں وجد کرنے اور ہلنے لگا کہ آج مجھ پر ایسے قدم آئے۔معلوم ہوا کہ اللہ کے مقبول بندے (ولی) ساری خلقت کے محبوب ہوتے ہیں ان کی

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح،کتاب المناسک،باب حرم المدینۃ،ج٥،ص٦٣٣،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[2] (صحیح البخاری،رقم ٣٦٨٦ :سنن ابو داود،رقم ٤٦٥١ :سنن الترمذی،رقم ٣٦٩٧ :مسند احمد،ج٥،ص٣٣١،مشکوٰۃ المصابیح،رقم ٦٠٨٣ :)

[3] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح،ج ٩،کتاب المناقب،باب المناقب ھولاء الثلاثۃ،١١ص،٢٣٤،مکتبہ رشیدیہ،کوئٹہ)

تشریف آوری سے سب خوشیاں مناتے ہیں انہیں پتھر اور پہاڑ بھی جانتے ہیں۔[1]

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی، لکھتے ہیں:

پہاڑ کیوں ہلا اس میں بہت اقوال ہیں۔قوی اور ظاہر تر قول یہ ہے کہ حضور انور ﷺ کے قدم پڑنے سے اسے شوق ومحبت میں وجد آگیا یہ حرکت اس کی وجدانی حالت تھی، ہوا چلتی ہے شاخیں ہلتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پڑتے ہی پتھر اور پہاڑ ہلتے ہیں، قرآن کریم میں سارے صفات نور، ہدایت، شفا پہلے ہی سے تھی مگر حضور انور پر نازل ہونے سے اس میں مکی مدنی ہونے کی صفت پیدا ہوئی، اس میں درد سوز وگداز پیدا ہوا کہ لوگ اسے سن کر بغیر سمجھے ہوئے بھی تڑپتے ہیں تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ جیسے بیٹری جب کسی مشین سے چارج ہو جائے تو اس میں پاور پیدا ہو جاتی ہے، یہ حدیث حضرات صوفیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے وجدان کے حال آنے کی اصل ہے۔

پہاڑ کے نچلے حصے کو حضیض کہتے ہیں، اونچی چوٹی کو ذروہ یعنی وہ پہاڑ ایسا زور سے ہلا کہ اس کے پتھر پہاڑ کے نیچے گر گئے۔جو لوگ صوفیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے وجد پر اعتراض کرتے ہیں ان کے دل پتھر سے زیادہ سخت ہیں فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً۔معلوم ہوا کہ پہاڑوں میں دانائی سمجھ بوجھ اور عشق رسول کی لگن ہے اس لیے حضور انور نے اسے ایڑی بھی ماری اور اس سے کلام بھی کیا وہ اس خطاب سے ٹھہر بھی گیا۔[2]

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ أُسَيْدَ بنَ حُضَيْرٍ قَالَ :بَيْنَمَا هُوَ يَقْرَأُ مِنَ اللَّيْلِ سُورَةَ الْبَقَرَةِ وَفَرَسُهُ مَرْبُوطَةٌ عِنْدَهُ إِذْ جَالَتِ الْفرس فَسكت فَسَكَتَتْ فَقَرَأَ فجالت الْفرس فَسكت فَسَكَتَتْ الْفرس ثُمَّ قَرَأَ فَجَالَتِ الْفَرَسُ فَانْصَرَفَ وَكَانَ ابْنُهُ يحيى قَرِيبا مِنْهَا فأشفق أَن تصيبه فَلَمَّا أَخَّرَهُ رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ فَإِذَا مِثْلُ الظُّلَّةِ فِيهَا أَمْثَالُ الْمَصَابِيحِ فَلَمَّا أَصْبَحَ حَدَّثَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ» :اقْرَأْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ اقْرَأْ يَا ابْنَ حُضَيْرٍ . قَالَ فَأَشْفَقْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْ تَطَأَ يحيى وَكَانَ مِنْهَا قَرِيبا فَانْصَرَفْتُ إِلَيْهِ وَرَفَعْتُ رَأْسِي إِلَى السَّمَاءِ فَإِذَا مِثْلُ الظُّلَّةِ فِيهَا أَمْثَالُ الْمَصَابِيحِ فَخَرَجْتُ حَتَّى لَا أَرَاهَا قَالَ :وَتَدْرِي مَا ذَاكَ؟« قَالَ لَا قَالَ» :تِلْكَ الْمَلَائِكَةُ دَنَتْ لِصَوْتِكَ وَلَوْ قَرَأْتَ لَأَصْبَحَتْ يَنْظُرُ النَّاسُ إِلَيْهَا لَا تَتَوَارَى مِنْهُمْ۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت اسید ابن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس اثناء میں کہ وہ رات میں سورۃ بقرۃ پڑھ رہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے پاس بندھا تھا کہ گھوڑا کودنے لگا جب وہ خاموش ہو گئے تو گھوڑا بھی ٹھہر گیا انہوں نے پھر پڑھا تو گھوڑا پھر کودا وہ پھر چپ ہو گئے تو گھوڑا پھر ٹھہر گیا انہوں نے پھر پڑھا تو گھوڑا پھر کودا آپ نے قرأت بند کر دی ان کا بیٹا یحییٰ گھوڑے سے قریب تھا آپ ڈرے کہ گھوڑا اس تک پہنچ جائے جب انہوں نے یحییٰ کو ہٹایا تو اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا دیکھا کہ شامیانہ کی طرح ہے جس میں چراغ جیسے ہیں جب صبح ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واقعہ عرض کیا فرمایا: اے ابن حضیر! رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھا کرو۔اے ابن حضیر! رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھا کرو عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میں ڈرا کہ یحییٰ کو گھوڑا روند دے یحییٰ اس سے قریب ہی تھے تو میں ان کے پاس چلا گیا اور میں نے آسمان کی طرف سر اٹھایا تو شامیانہ سا تھا جس میں چراغ جیسی چیزیں تھیں میں باہر آگیا حالانکہ وہ نظر نہ آئیں فرمایا کیا جانتے ہو یہ کیا تھا عرض کیا نہیں فرمایا یہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز پر جھک پڑے تھے اگر تم پڑھتے رہتے فرشتے اس طرح سویرا کر دیتے لوگ انہیں دیکھتے فرشتے ان سے نہ چھپتے۔[3]

---

[1] (مرآۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، ج۸، ص۴۰۸، ضیاء القرآن، پبلی کیشنز، لاہور)

[2] (مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب المناقب، باب مناقب عثمان، ج۸، ص۴۰۰، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

[3] (صحیح البخاری، رقم ۵۰۱۸:، صحیح مسلم، ۷۹۶، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب فضائل القرآن، رقم ۲۱۱۶:)

شیخ علی بن سلطان المعروف بملا علی قاری حنفی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

(فَجَالَتِ الْفَرَسُ) فَعَلِمَ أَنَّ ذَلِكَ لِأَمْرٍ أَزْعَجَهَا عَنْ قَرَارِهَا، قِيلَ :تَحَرُّكُ الْفَرَسِ كَانَ لِنُزُولِ الْمَلَائِكَةِ لِاسْتِمَاعِ الْقُرْآنِ خَوْفًا مِنْهُمْ وَسُكُونُهَا لِعُرُوجِهِمْ إِلَى السَّمَاءِ أَوْ لِعَدَمِ ظُهُورِهِمْ، أَوْ تَحَرُّكُ الْفَرَسِ لِوِجْدَانِ الذَّوْقِ بِالْقِرَاءَةِ وَسُكُونِهَا لِذَهَابِ ذَلِكَ الذَّوْقِ مِنْهَا بِتَرْكِ الْقِرَاءَةِ۔

ترجمہ: (فَجَالَتِ الْفَرَسُ) ''گھوڑا اچھل کود کرنے لگا'' یعنی گھوڑا پھرنا شروع ہوا مضطرب اور حیران و پریشان کی طرح جو کسی خوف سے ہو حرکت کرنے لگا۔ (فسکت) ''چنانچہ انہوں پڑھنا بند کر دیا'' یعنی حضرت اسید رضی اللہ عنہ قراءت سے رک گئے، تاکہ اس کے اچھلنے کودنے (وجد کرنے) کا سبب جان سکیں۔ (فسکنت) ''گھوڑ نے نے بھی اچھل کود بند کر دی'' یعنی گھوڑا اس حرکت سے رک گیا۔ انہوں نے سمجھا شاید اچھلنے کودنے (وجد کرنے) کا سبب اتفاقی ہے (فقرأ فجالت فسکت) ''پھر پڑھنا شروع کر دیا تو گھوڑ نے اچھل کود شروع کر دی وہ پھر رک گئے'' یعنی اسی طرح۔ (فسکنت) ''تو گھوڑا بھی رک گیا'' انہوں نے سمجھا کہ کوئی معاملہ ہے۔ (ثم قرأ) ''پھر جب انہوں نے پڑھنا شروع کیا'' پھر حضرت اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارادہ کیا، کہ وہ معاملے کی حقیقت کو دیکھیں، کچھ دیر رکنے کے بعد پھر پڑھنا شروع کیا۔ (فجالت الفرس) ''تو گھوڑ نے نے اچھل کود شروع کی'' انہوں نے سمجھ لیا، کہ کوئی معاملہ ہے جس نے گھوڑے کو اس کی جگہ سے پریشان کر دیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ گھوڑے نے اس وجہ سے حرکت کی کہ فرشتے قرآن مجید سننے کے لئے نازل ہو رہے تھے وہ ان سے خوف کی وجہ سے ڈر رہا تھا۔ جب وہ آسمان کی طرف چڑھنا شروع کر دیتے تو وہ ساکن ہو جاتا، یا ان کے ظاہر نہ ہونے کی وجہ یا گھوڑا قرآن مجید کی قراءت کے ذوق پانے کی وجہ سے حرکت (وجد) کرتا، جب حضرت اسید رضی اللہ عنہ قراءت چھوڑ دیتے تو وہ بھی یہ ذوق ختم ہونے کی وجہ سے اچھلنا کودنا (وجد کرنا) چھوڑ دیتا۔[1]

عن يحيى بن أبي كثير قال :بلغنا أنه إذا كان يوم نوح داود عليه السلام يأتي الوحش من البراري و تأتي السباع من الغياض و تأتي الهوام من الجبال و تأتي الطيور من الأوكار و تجتمع الناس لذلك اليوم و يأتي داود عليه السلام حتى يرقى على المنبر فيأخذ في الثناء على ربه فيضجون بالبكاء و الصراخ ثم يأخذ في ذكر الجنة و النار فيموت طائفة من الناس و طائفة من السباع و طائفة من الهوام و طائفة من الوحوش و طائفة من الرهبان و العذارى المتعبدان ثم يأخذ في ذكر الموت و أهوال القيامة و يأخذ في النياحة على نفسه فيموت طائفة من هؤلاء و طائفة من هؤلاء و من كل صنف طائفة.

ترجمہ: حضرت یحیی بن ابی کثیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام کے غم کا دن ہوتا تو وحشی جانور میدانوں سے، درندے جنگلات سے، شیر پہاڑوں سے، پرندے گھونسلوں سے جمع ہو جاتے اور انسان بھی اس دن اکٹھے ہو جاتے حضرت داؤد علیہ السلام تشریف لا کر منبر پر چڑھ جاتے اور سب سے پہلے اپنے رب کی تعریف بیان فرماتے تو یہ سب رو رو کر چیخ چیخ کر چیخ و پکار کرتے پھر حضرت داؤد علیہ السلام جنت اور جہنم کا ذکر شروع فرماتے تو ایک گروہ انسانوں سے ایک گروہ درندوں سے، ایک گروہ شیروں سے، ایک گروہ وحشی جانوروں سے، ایک گروہ عبادت گزار مردوں اور ایک گروہ عبادت گزار عورتوں سے مر جاتا، اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام موت اور قیامت کے ہولناک مناظر کا ذکر فرماتے اور خود رونا شروع کر دیتے پس ایک گروہ اس سے، ایک گروہ اس سے اسی طرح ہر گروہ سے ایک ایک گروہ فوت ہو جاتا۔[2]

وفي الحديث :في مدح داود عليه السلام انه كان حسن الصوت بالنياحة على نفسه و تلاوة الزبور حتى كان يجمع الانس

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، کتاب فضائل القرآن، ج۵، ص۱۲، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

[2] (ابن أبي الدنيا، التخويف من النار، الباب الثالث، ص۴۷، ۴۸، مکتبۃ الصفا، القاہرہ)

والجن والطير لسماع صوته، وكان يحمل من مجلسه آلاف من الجنائز۔

ترجمہ: حدیث شریف میں حضرت داؤد علیہ السلام کی عمدہ آواز کی تعریف میں وارد ہے کہ وہ اپنے نفس پر جب غم کا ظہار کرتے اور زبور کی تلاوت فرماتے تو ان کی اچھی آواز سننے کے لئے انسان، جنات اور پرندے تک جمع ہو جاتے اور اس کا یہ اثر ہوتا تھا کہ ان کی ایسی مجلس سے ہزاروں جنازے اٹھائے جاتے تھے۔[1]

وقال ابن عباس :إنه كان يقرأ الزبور بسبعين لحنًا، يلون فيهن، ويقرأ قراءة يطرب منها المحموم، فإذا أراد أن يبكي نفسه لم تبق دابة في بر أو بحر إلا أنصتن يسمعن ويبكين.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا : حضرت داؤد علیہ السلام زبور کی قراءت ستر لہجہ، سر میں کرتے تھے، ان کی قراءت میں نرمی کو اختیار کرتے تھے، اور خوب قراءت کرتے کہ اس سے آپ بخار والے کی طرح کپکپاتے تھے، تو جب خود رونا چاہتے تو زمینی اور سمندری کوئی جاندار باقی نہ رہتا مگر وہ خاموش ہو کر سنتے تھے اور روتے تھے۔[2]

علامہ فقیہ ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی حنفی قدس سرہ لکھتے ہیں:

ثم يقول الله تعالىٰ للحور العين (اطربوا عبادي كما نزهو اسماعهم عن المطربات في الدنيا لاجلي وتلذذو بذكري وسماع كلامي فاسمعوهم باصواتكم حمدي وثنائي) فتغنى لهم الحور العين وتجاوبهم تلك المزامير فيطرب القوم فرحا بذٰلك السماع في حضرة الوصال فاذا افاقو من الوجد وشبعو من الطرب يقولون يا ربنا كنافي دار الدنيا نحب ذكرك وسماع كلامك من كتاب (الله) العزيز فيقول الله عزوجل (نعم ان لكم عندي ماتشتهي انفسكم في الجنة وانتم فيها خالدون ثم يقول الله عزوجل يا داود) فيقول يارب العالمين فيقول قدامرتك يا داود ان تقوم على المنبر وتسمع عبادي واحبائي عشر سور من الزبور فيرتقي داود عليه السلام على المنبر ويقرأ العشر من الزبور فيطرب القوم من صوت داود عليه السلام اعظم من طربهم على مغاني الجنة ويسكرون من الطرب وصوت داود عليه السلام يعدل تسعين مزمارا فاذا افاقو يقول الله سبحانه وتعالىٰ (يا عبادي هل سمعتم صوتا اطيب من هذا؟) قط فيقولون لا والله ما طرق اسماعنا مثل صوت نبيك داود عليه السلام ولا اطيب منه فيقول الله عزوجل وعزتي وجلالي (لاسمعنكم صوتا اطيب من هذا يا حبيبي يا محمد ﷺ ارق المنبر واقرأ سورة طه ويٰس) فيقرأ النبي ﷺ فيزيد في الحسن علىٰ صوت داود عليه السلام سبعين ضعفاً فيطرب القوم وتطرب الكراسي تحتهم وقناديل العرش والملائكة تموج من الطرب والحور العين وغلمان والولدان ولا يبقى ذو روح الا طرب لحسن صوت النبي ﷺ فاذا فرغ النبي ﷺ من قرأة طٰه ويٰس يقول الله سبحانه وتعالىٰ يا عبادي هل سمعتم اطيب من هذا فيقولون يا ربنا وعزتك وجلالك ما سمعنا منذ خلقتنا صوتا احسن ولا اطيب ولا احلى من صوت حبيبنا محمد ﷺ فيقول الله تعالىٰ سبحانه (وعزتي وجلالي لاسمعنكم اطيب من هذا فيقرأ الحق سبحانه وتعالىٰ سورة الانعام) فاذا سمعوا كلام الحق سبحانه وتعالىٰ غابوا عن الطرب والوجد واضطربت الاملاك والحجب والستور والقصور والاشجار والنور وبحار النور وماجت الجنان واهتزت الاشجار والانهار طربا لكلام العزيز الغفار وتواجدت الجنة ودارت اركانها من الطرب واهتز

---

[1] (عوارف المعارف، الباب الثاني والعشرون، ص ۱۰۷، دار الكتب العلمية، بيروت)

[2] (شرح ابن بطال، لم يتغن بالقرآن، ج ۱۰، ص ۲۵۹، اتحاف السادة المتقين بشرح احياء العلوم، ج ۷، ص ۵۸۷، دار الكتب العلمية، بيروت)

العرش والکرسی والملائکۃ والروحانیون واھتزت الجنۃ بجمیع مافیھا حبا واشتیاقا۔

ترجمہ: پھر اللہ عزوجل حورِعین سے فرمائے گا: میرے بندوں کو خوشی کے نغمے سناؤ کیونکہ یہ میری رضا کے لئے دنیا میں گانوں کی آواز سے اپنے کانوں کو بچاتے تھے، میرے ذکر اور میرے کلام (یعنی قرآنِ مجید) کو سن کر لطف اندوز ہوا کرتے تھے، تو تُم ان کو اپنی آواز میں میری حمد وثناء سناؤ۔ تو حورِعین گائیں گی اور ساز بھی ان کے ہم آواز ہو کر بجتے ہوں گے سب لوگ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں اسے سن کر خوشی سے مست و بے خود ہو جائیں گے جب وجد وسرور سے افاقہ ہوگا اور سیر ہو جائیں گے تو عرض کریں گے: اے ہمارے رب عزوجل! ہم دنیا میں تیرا ذکر اور تیرا پیارا کلام پسند کیا کرتے تھے۔ تو اللہ عزوجل فرمائے گا: ہاں! بے شک میرے پاس تمہارے لئے وہ سب کچھ ہے جس کی تمہیں جنت میں خواہش ہے اور تم اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔

پھر اللہ عزوجل فرمائے گا: اے داؤد (علیہ السلام)! تو وہ عرض کریں گے :لَبَّیْکَ یَارَبَّ الْعَالَمِیْن (یعنی اے تمام جہانوں کے مالک میں حاضر ہوں)۔ اللہ عزوجل فرمائے گا: اے داؤد (علیہ السلام)! میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم منبر پر کھڑے ہو کر میرے محبوب بندوں کو زبور شریف کی دس سورتیں سناؤ۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام منبر پر تشریف فرما ہو کر زبور شریف کی دس سورتوں کی تلاوت فرمائیں گے، حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز جو کہ گانے والی جنتی حوروں کی آواز سے بھی بڑھ کر ہوگی اس سے اہل جنت خوشی ومسرت سے وجد وسرور میں آجائیں گے جیسے نشے میں ہوں اور حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام کی آواز (خوش الحانی میں) نوے (۹۰) مزامیر کی آواز کے برابر ہوگی جب اہل جنت کو (وجد سے) سیر ہو کر افاقہ ہوگا تو اللہ عزوجل فرمائے گا :اے میرے بندو! کیا تم نے اس سے اچھی آواز کبھی سنی تھی؟ تو وہ عرض کریں گے نہیں، اللہ عزوجل کی قسم! آج تک ہمارے کانوں نے نہ تیرے نبی حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام کی آواز کی مثل آواز سنی تھی اور نہ اس سے بہتر اور پیاری آواز سنی تھی۔ پھر اللہ عزوجل فرمائے گا: میری عزت وجلال کی قسم! میں تمہیں اس سے بھی زیادہ اچھی آواز سناؤں گا، اے میرے محبوب! اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہو کر سورۂ یٰس اور سورۂ طٰہٰ کی تلاوت کیجئے تو سلطانِ دو جہاں، صاحبِ قرآں، صاحبِ حسنِ صوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تلاوت فرمائیں گے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آواز حضرت سیدنا داؤد علیہ السلام کی آواز سے ستر (۷۰) گنا زیادہ خوش کن ہوگی، سارے جنتی، ان کے نیچے کرسیاں، عرش کی قندیلیں، ملائکہ، حور وغلماں اور بچے سب خوشی سے وجد وسرور میں آجائیں گے اور جنت کی کوئی چیز ایسی نہ ہوگی جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سورۂ یٰس اور سورۂ طٰہٰ کی تلاوت پر آپ کی آواز کی نغمگی اور حسن سے نہ جھومتی ہوگی۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: اے میرے محبوب بندو! کیا تم نے اس سے بھی زیادہ اچھی آواز کبھی سنی تھی؟ تو وہ عرض کریں گے: تیری عزت اور جلال کی قسم! جب سے ہم پیدا ہوئے ہیں اس سے اچھی آواز کبھی نہیں سنی اور اپنے محبوب آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سے زیادہ میٹھی آواز کسی کی نہیں سنی۔ اللہ عزوجل فرمائے گا، میری عزت وجلال کی قسم! میں تمہیں اس سے بھی زیادہ میٹھی اور زیادہ سریلی آواز سناؤں گا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ خود سورۂ انعام سنائے گا، جب جنتی حق تبارک وتعالیٰ کا کلام سنیں گے تو وجد ومستی میں ہوش وحواس کھو بیٹھیں گے تمام مال واسباب، پردے، حجابات، محلات، درخت، حوریں اور نور کے سمندر بے قرار ہو جائیں گے، باغات جھوم اٹھیں گے، تمام درخت اور نہریں کلام عزیز الغفار عزوجل کی مٹھاس سے وجد کرنے لگیں گی جنت بھی وجد میں آجائے گی اس کے ستون خوشی سے لہرائیں گے، عرش، کرسی، ملائکہ سب

جھومنے لگیں گے اور جنت اپنے تمام ساز وسامان سمیت محبت وشوق سے وارفتہ ہو جائے گی۔[1]

حضرت ابوالعباس محی الدین سید شیخ احمد رفاعی الحسنی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

جاء في الآثار أن الله ما خلق في خلق السماوات والأرض ألذ من صوت إسرافيل عليه السلام فإذا قرأ في السماء قطع على أهل السماوات السبع ذكرهم وتسبيحهم لما أهبط الله آدم إلى الأرض بكى ثلثمائة عام فأوحى الله تعالى إليه يا آدم وما بكاؤك وفيم جزعك فقال يا رب لست أبكي شوقا إلى جنتك ولا خوفا من نارك وإنما بكائي شوقا إلى الملائكة المتواجدين حول العرش سبعين ألف صف جرد مرد يرقصون ويتواجدون ويدورون حول العرش ويد كل واحد منهم بيد صاحبه وهم يقولون جل الملك ملكنا لو لا ملكنا هلكنا من مثلنا وأنت إلهنا ومن مثلنا وأنت حبيبنا ومستغاثنا وذلك دأبهم إلى يوم القيامة فأوحى الله تعالى إليه يا آدم ارفع رأسك وانظر إليهم فرفع رأسه إلى السماء فنظر إلى الملائكة وهم يرقصون حول العرش جبرائيل رأسهم وميكائيل قوالهم فلما رآهم سكن روعه وأنينه وقيل في تفسير قوله تعالى فهم في روضة يحبرون أي يسمعون هذا أساس مقاصد العارفين في السماع والتواجد۔

ترجمہ: آثار میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی مخلوقات میں اسرافیل علیہ اسلام کی آواز سے زیادہ لذیذ، اور خوشگوار کسی کی آواز نہیں بنائی جب وہ آسمان میں پڑھنا شروع کرتے ہیں تو ساتوں آسمان کے فرشتے اپنا ذکر وتسبیح ترک کر دیتے ہیں اور ان کی آواز سننے لگتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو وہ تین سو برس تک روتے رہے، اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے آدم علیہ السلام یہ رونا کس لیے اور پریشانی کا سبب کیا ہے؟ آپ نے عرض کیا اے پروردگار نہ میں آپ کی جنت کے شوق میں ہے روتا ہوں نہ جہنم کے خوف سے، میرا رونا صرف ان فرشتوں کے شوق میں ہے جو عرش کے گرد وجد کرتے رہتے ہیں جن کی ستر ہزار صفیں ہیں اور سب کے سب نوجوان خوبصورت ہیں ناچتے ہیں، وجد کرتے ہیں اور عرش کے گرد ایک دوسرا کا ہاتھ پکڑے ہوئے چکر لگاتے اور یوں کہتے رہتے ہیں. بہت بڑا بادشاہ ہے ہمارا بادشاہ، اگر ہمارا بادشاہ (ہم پر مہربان) نہ ہوتا تو ہم سب ہلاک (معدوم) ہو جاتے ہم جیسا کون ہے؟ جب آپ ہمارے معبود ہیں ہم جیسا کون ہے، جب آپ ہمارے محبوب وفریادرس ہیں۔ قیامت تک وہ فرشتے اسی حال میں رہیں گے، (آدم علیہ السلام کو ان فرشتوں کے ذکر میں خاص لطف آتا تھا، دنیا میں آکر اس ذکر محبت میں نہ آئیں تو غلبہ شوق سے مدت تک روتے رہے) اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ آدم علیہ السلام ذرا اپنا سر تو اٹھاؤ اور دیکھو! آدم علیہ السلام نے جو سر اٹھایا تو ان فرشتوں پر نظر پڑ گئی وہ عرش کے گرد رقص کر رہے تھے، جبرائیل علیہ السلام صدر (مجلس) تھے اور میکائیل علیہ السلام قوال (بنے ہوئے) تھے ان کو دیکھ کر (اور ذکر سن کر) ان کے دل کو سکون ہوا اور رونا موقوف ہو گیا۔ بعض علماء نے آیت: فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ (الروم ۱۵:) کی تفسیر میں کہا ہے کہ اہل ایمان کو جنت میں گانا سنایا جائے گا۔ سماع ووجد سے عارفین کا جو کچھ مقصود ہے اس کی بنیاد یہی ہے۔[2]

ابوالحسین المبارک بن عبد الجبار الصیر فی الطیوری لکھتے ہیں:

سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللهِ يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا بَكْرِ بْنَ خَمِيسٍ الْبَغْدَادِيَّ يَقُولُ: ((أَوْحَى اللهُ إِلَى دَاوَدَ فِي صِفَةِ أَوْلِيَائِهِ: يَا دَاوُدُ بِطِبِّي

---

[1] (قرۃ العیون ومفرح القلب المحزون، الباب، العاشر، ص، ۴۵۶، ۴۵۷، مکتبۃ الحقیقۃ، استانبول، ترکیا) (قرۃ العیون ومفرح القلب المحزون، صفۃ الجنۃ ومافیھا، ص، ۱۳۴،) (نیکیوں کی جزائیں، ص، ۱۱۸، ۱۲۰)

[2] (البرھان المؤید، القلب وماحوی، ص، ۴۶، مکتبۃ المعارف، بیروت) ص، ۱۲۳، ۱۲۲)

صَحُوا، وَبِطِيبِي فَاحُوا، وَبِوَجْدِي بَاحُوا، وَعَلى قُرْبِي نَاحُوا، وَمِنْ أَجْلِي صَاحُوا، وَإِلَيَّ غَدَوا وَرَاحُوا))

ترجمہ: حضرت ابوبکر بن خمیس بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کی صفت کے بارے میں حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: اے اداؤد! وہ میری پاکیزگی سے چیخیں مارتے ہیں اور میری خوشبو سے آوازیں نکالتے ہیں اور وہ میرے وجد سے (خوشی کا) اظہار کرتے ہیں، اور میرے قرب (کے نہ ہونے) پر غم کا اظہار کرتے ہیں اور میری وجہ سے چیخیں مارتے ہیں اور صبح، شام میری طرف (متوجہ ہوتے ہیں)۔[1]

امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وَقَالَ خير النساج: قص مُوسَى بْن عمران صلوات اللهَ عَلَيْهِ عَلَى قوم قصة فزعق واحد مِنْهُم فانتهره مُوسَى فأوحى اللهَ تَعَالَى إِلَيْهِ: يامُوسَى بطيبي فاحوا وبحبي باحوا وبوجدي صاحوا فلم تنكر عَلَى عبادي؟۔

ترجمہ: حضرت شیخ المشائخ شیخ خیر النساج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے لوگوں کو قصہ سنایا، ایک نے چیخ ماری، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے ڈانٹا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ اے موسیٰ! علیہ السلام یہ لوگ میری خوشبو سے مہکتے ہیں میری محبت کا اظہار کرتے ہیں اور وجد سے چیخ مارتے ہیں لہٰذا تو میرے بندوں کی بات کو برا کیوں مانتا ہے؟[2]

مذکورہ بالا روایت کی شرح میں شیخ الاسلام زکریا بن محمد انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فانی خلقت لهم من الوجد ما لا قدرة لهم على حمله فناحوا وباحوا وصاحوا۔

ترجمہ: پس میں نے ہی ان کے لیے وہ وجد پیدا کیا ہے جس کو برداشت کرنے کی ان کو طاقت نہیں ہے، پھر وہ غم کا اظہار کرتے ہیں اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور چیخیں مارتے ہیں۔[3]

علامہ مصطفیٰ العروسی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حاشیہ میں لکھتے ہیں:

(قوله: فناحوا) اى ناحوا على انفسهم بسبب روية تقصيرهم، (وقوله: باحوا) اى اظهروا ما كانوا يكتمونه من لاعج اشواقهم، (وقوله: صاحوا) اى وكان صياحهم بواسطة غلبة اشواقهم، وقوة ما ورد على قلوبهم من واردات الحق واشارات الصدق۔

(قوله: فناحوا) یعنی اپنی کوتاہیوں کو دیکھنے کے سبب اپنے نفسوں پر غم کا اظہار کرتے ہیں، (وقوله: باحوا) یعنی شوق کی جن چیخوں کو چھپاتے تھے ان کا اظہار کرتے ہیں، (وقوله: صاحوا) یعنی ان کا چیخیں مارنا شوق کے غلبہ کے واسطہ سے ہے، اور اس قوت کی وجہ سے جو صدق کے اشارات اور حق کے واردات کی وجہ سے ان کے دلوں پر وارد ہوئی ہے۔[4]

عن أم كلثوم بنت العبّاس عن أبيها قال: سمعت النبي صلّى الله عليه وسلم يقول: إذا اقشعر جلد العبد من خشية الله تعالى حرّمه الله تعالى على النار۔

---

[1] (الطیوریات، رقم ۹۸۱:، ج، ۳، ص، ۱۰۴۹، مکتبۃ اضواء السلف، الریاض)

[2] (الرسالۃ القشیریۃ، باب فی السماع، ص، ۱۸۸، دار السلام، القاہرہ، مکتوبات صدی، ص، ۵۷۰)

[3] (شرح الرسالۃ القشیریۃ، ج، ۴، ص، ۲۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[4] (نتائج الافکار القدسیۃ فی بیان شرح الرسالۃ القشیریۃ، ج، ۴، ص، ۲۴۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ترجمہ: حضرت ام کلثوم بنت عباس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اپنے باپ سے روایت کرتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جب بندے کے جسم پر اللہ کے خوف سے رونگٹے (بال) کھڑے ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس بندے پر دوزخ حرام کر دیتا ہے۔[1]

عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا اقْشَعَرَّ جِلْدُ الْعَبْدِ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ تَحَاتَّتْ عَنْهُ ذُنُوبُهُ كَمَا يَتَحَاتُّ عَنِ الشَّجَرَةِ الْيَابِسَةِ وَرَقُهَا۔

ترجمہ: حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کے خوف سے بندے کے جسم پر رونگٹے کھڑے ہو جائیں تو اس وقت اس سے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح سوکھے درخت سے سوکھے پتے جھڑ جاتے ہیں۔[2]

شیخ المشائخ امام شہاب الدین ابی حفص عمر بن محمد بن عبد اللہ سہروردی بغدادی شافعی قدس سرہ، متوفی ۶۳۲ھ لکھتے ہیں:

وهذه جملة لا تنكر ولا اختلاف فيها۔

ترجمہ: اور یہ وہ تمام امور ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہے۔[3]

معارف آگاہی مولانا جلال الدین رومی بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

گفت اے مستی چہ خورد ستی بگو　　گفت ازاں خوردم کہ ہست اندر سبو

ترجمہ: کہا ارے! تو تو بدمست ہے (سچ) بتا تو نے کیا چیز پی ہے۔ اس نے جواب دیا وہی چیز پی ہے جو مٹکے میں ہے۔

گفت آخر در سبو وا گو کہ چیست　　گفت ازاں کہ خوردہ ام گفت آں خفی ست

ترجمہ: (کوتوال) بولا آخر یہ تو بتاؤ کہ مٹکے میں کیا چیز ہے؟ اس نے کہا وہی چیز ہے جو میں نے پی ہے کہ یہ تو گول مول بات ہے۔ (صاف صاف کہو)

گفت آنچہ خوردۂ آں چیست آں　　گفت آں کاندر سبو مخفی ست آں

ترجمہ: کہا جو کچھ تو نے پیا ہے وہ ہے کیا؟ کہ وہ وہی ہے جو مٹکے کے اندر پوشیدہ ہے۔

دَور مے شد ایں سوال و ایں جواب　　ماند چوں خر محتسب اندر خلاب

اسی طرح شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حنفی نے تفسیر عزیزی کی آخری جلد میں سورۃ اقرأ صفحہ ۳۳۸ میں حضرت خواجہ باقی باللہ حنفی مرشد امام ربانی کا واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک نانبائی یا نان فروش نے حضرت باقی باللہ کے مہمانوں کیلئے کھانا پکایا حضرت باقی باللہ اس طرزِ عمل سے نہایت خوش ہوئے اور نان فروش سے فرمایا کہ جو مانگنا چاہتے ہو مانگو۔ اس نان فروش نے کہا کہ آپ کی طرح بننا چاہتا ہوں حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کو اندر لے گئے اور اس پر توجہ اتحادی فرمائی۔

تو حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''ناچار او را در حجرہ بردند تاثیر اتحادی بروی کردند۔ چون از حجرہ برآمدند درمیان خواجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و درمیان نانبائی در صورت و شکل ہیچ فرق نماندہ بود مردم را امتیاز مشکل افتاد این قدر بود کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہوشیار بود و آن نانبائی مدہوش و بے خود۔ آخر بعد از سہ روز در ہمین حالت سکری و بیہوشی قضاء کرد۔''[4]

---

[1] (مجمع الزوائد، کنز العمال، تفسیر الثعلبی، الزمر ۲۰:، ج، ۸، ص، ۲۳۲، نوادر الاصول، در المنثور)

[2] (شعب الایمان، ۷۲۳، ج، ۲، ص، ۲۳۶، مجمع الزوائد، ۱۸۲۱۷، مسند البزار، رقم ۱۳۲۲:، ج، ۴، ص، ۱۴۳)

[3] (عوارف المعارف، الباب الثانی والعشرون، ص، ۱۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت)، عوارف المعارف ص ۳۳۹)

[4] (تفسیر عزیزی جلد آخر ص ۳۳۸ سورۃ علق)

ترجمہ: مجبوراً حضرت باقی باللہ اسے خانقاہ کے اندر لے گئے اور توجہ اتحادی فرمائی۔ باہر آنے پر حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور نان بائی کی ظاہری صورت ایک جیسی نظر آرہی تھی۔ لوگوں کے لئے ان کے درمیان فرق کرنا مشکل ہوگیا تھا۔ اتنا فرق اندازہ سے ہوتا کہ حضرت خواجہ ہوش میں تھے اور نانبائی بے ہوش اور مجذوب آخر تین دن بعد اسی بے ہوشی میں دارالفناء سے دارالبقاء کی جانب رحلت فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اسی طرح مشہور اور مقبول فقیہہ حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتویٰ شامی: ج :۳: ص :۳۳۷: قبیل باب البغاۃ میں وجد اور تواجد اور رقص حقیقی عارفوں کے حق میں اس طرح لکھتے ہیں کہ: ''والتحقیق القاطع للنزاع فی امر الرقص والسماع یستدعی تفصیلا ذکرہ فی عوارف المعارف واحیاء العلوم وخلاصتہ ما اجاب بہ العلامۃ النحریر ابن کمال باشا رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ بقولہ :(مافی التواجد ان حققت من حرج ولا التمایل ان اخلصت من باس فقمت تسعی علی رجل وحق لمن دعا مولاہ ان یسعی علی الراس الرخصۃ فیما ذکر من الاوضاع عند الذکر والسماع للعارفین) الخ''[1]

ترجمہ: جو تحقیق قاطع (قطعی تحقیق) رقص اور سماع کے مسئلہ میں وہ تفصیل طلب ہے جیسا کہ عوارف المعارف اور احیاء العلوم میں ان کا تفصیلی ذکر ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ ابن کمال پاشا نے اپنے قول میں یہ ذکر کیا ہے کہ حقیقی تواجد میں کوئی گناہ نہیں اور خالص حرکتوں میں بھی کوئی بات قابل اعتراض نہیں ہے۔ تم ایک پاؤں پر بھاگتے ہو حالانکہ جس کو اس کا آقا اپنی طرف بلائے اس پر حق ہے کہ سر کے بل بھاگے۔ مذکورہ اعضاء میں حقیقی سماع کے وقت وجد اور تواجد دونوں کی اجازت ہے۔

تو اس عبارت سے وجد کی مختلف اقسام اور ان کے اثبات کیلئے اشارہ ملتا ہے۔ امام عقیلی اور ابونعیم اصفہانی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: ''قال :لما قدم جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہ من ارض الحبشۃ، تلقاہ رسول اللہ ﷺ فلما نظر جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہ الی رسول اللہ ﷺ حجل، قال سفیان بن عیینۃ من احدر واتہ یعنی مشی علی رجل واحدۃ فقبل رسول اللہ ﷺ بین عینیہ۔ الحدیث''[2]

سنن ابو داؤد کی روایت امام شعبی سے مروی ہے جس میں ''فالتزمہ'' (آپ نے انہیں سینے سے لگایا) زائد ہے۔

ترجمہ: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ سرزمین حبشہ سے تشریف لائے تو (حضور علیہ السلام) نے ان سے ملاقات کی، جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی نظر چہرہ انور پر پڑی تو انہوں نے حجل کیا۔ امام سفیان ابن عینہ رحمۃ اللہ علیہ جو اس حدیث کے راویوں میں سے ایک ہیں، فرماتے ہیں: احتراماً اپنے ایک پاؤں پر چلنے لگے تو حضور ﷺ نے ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ سنن ابی داؤد: ج: ص :۳۵۶: کی روایت: امام شعبی سے مروی ہے فالتزمہ ﷺ آپ علیہ السلام نے انہیں سینے سے لگایا ''مسند احمد'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک ایسی روایت ہے جو حسن سے کم درجہ کی نہیں۔

''حجل زید بن حارثہ و جعفر و علی بین یدیہ ﷺ لما قال :للاول انت مولای وللثانی انت اشبہت خلقی و خلقی، و للثالث انت منی و ان منک'' (حضرت زید بن حارثہ حضرت جعفر طیار اور حضرت علی رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے رقص کیا، جبکہ آپ ﷺ نے پہلے کو فرمایا، تو میرا پیارا غلام ہے دوسرے کو فرمایا، تو سیرت وصورت میں میرے مشابہ ہے اور تیسرے کو فرمایا، تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔)[3]

---

[1] (فتاوی رد المحتار ج ۳ ص ۳۳۷ قبیل باب البغاۃ)

[2] (سنن ابی داؤد: ج:۴: ص :۳۵۶ :رقم حدیث: ۵۲۲۰:)

[3] (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱۰ ایضاً ج ۱ ص ۳۷۲ مسند احمد ج ۵ ص ۲۰۴)

اورطبقات ابن سعد میں ایک مرسل روایت یوں ہے جس کی سند امام ابن سعد کے نزدیک امام محمد باقر رضی اللہ عنہ تک صحیح ہے :فقام جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہ فحجل حول النبی ﷺ دار علیہ۔ (یعنی حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھے اور حضور ﷺ کے ارد گرد حلقے کی صورت میں رقص کیا)

''والحجل :قال فی النهاية :ان يرفع رجلا ويقفز على الاخرى من الفرح النهاية'' (لغت الحدیث) میں ہے حجل کے معنی ہیں۔ فرط مسرت سے ایک پاؤں اٹھا کر دوسرے پاؤں پر اچھلنا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :هو رقص بهيئة مخصوصة۔ (حجل: خاص حالت میں رقص کرنے کو کہتے ہیں۔)

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ حبشہ سے واپس آنے پر حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا رقص حضور ﷺ کی تعظیم وتکریم اور آپ کے دیدار کی خوشی اور احترام میں تھا۔ اور ان کے ساتھ دیگر دو اصحاب کا رقص اپنی تعریف سننے اور حضور ﷺ کے شرف مخاطبت کی لذت کے باعث تھا۔ اور اس بات کے شکرانے میں تھا کہ حضور ﷺ نے کمال عزت ومحبت اور قرب سے نوازتے ہوئے انہیں اپنی طرف نسبت عطائی۔ اور یہ وہ عظیم کرم نوازی ہے جس پر جتنا ناز کیا جائے کم ہے۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے ان کے اس فعل پر توقف فرمایا اور قول وفعل سے ان کی تردید نہیں کی۔

اور اسی طرح علامہ ابن عابدین شامی حنفی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف مجموعہ رسائل: ص:۱۷۳: ج:۱: پر وجد اور تواجد اور تمایل اور کپڑے پھاڑنے کے بارے میں لکھتے ہیں: ''ولا كلام لنا مع الصدق من ساداتنا الصوفية رحمة الله تعالٰى عليهم المبرئين عن كل خصلة ردية، فقد سئل امام الطائفتين سيدنا الجنيد رضى الله تعالٰى عنه ان اقواما يتواجدون ويتمايلون :فقال دعوهم مع الله تعالٰى يفرحون فانهم قوم قطعت الطريق اكبادهم، ومزق النصب فوادهم، وضاقوا ذرعا فلا حرج عليهم اذا تنفسوا مداواة لحالهم، ولو دقت مذاقهم عذرتهم فى صياحهم وشق ثيابهم۔ وبمثل ما ذكره الامام الجنيد البغدادى رضى الله تعالٰى عنه اجاب العلامة النحرير ابن كمال باشا رحمة الله تعالٰى عليه لما استفتى عن ذالک حيث قال:''

ما فى التواجد ان حقّقت من حرج	ولا التمايل ان اخلصت من باس
فقمت تسعى على رجل وحق لمن	دعاه مولاه ان يسعى على الراس

الرخصة فى ما ذكر من الاوضاع عند الذكر والسماع للعارفين رحمة الله تعالٰى عليهم الصارفين اوقاتهم الى احسن الاعمال السالكين المالكين لضبط انفسهم عن قبائح الاحوال فهم لا يستمعون الا من الاله، ولا يشتاقون الا له ان ذكروه ناحوا، وان شكروه باحوا، وان وجدوه صاحوا، وان شهدوه استراحوا، وان سرحوا فى حضرات قربه ساحوا، اذا غلب عليهم الوجد بغلباته، وشربوا من موارد اراداته :فمنهم من طرقته طوارق الهيبة فخرو ذاب ومنهم من برقت له بوارق اللطف فتحرک وطاب، ومنهم من طلع عليهم الحب من مطالع القرب فسكر وغاب، هٰذا ما عن لى فى الجواب والله اعلم بالصواب۔ ومن يک وجده وجدا صحيحًا فلم يحتج الى قول المغنى له من ذاته طرب قديم وسكر دائم من غير دنى۔[1]

ترجمہ: علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ہم صادق سادات صوفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں زبان درازی نہیں کر سکتے اس لئے کہ یہ تمام اخلاق رزیلہ سے مبرا ہیں۔ یہ پاک باطن لوگ ہیں۔ امام طائفتین سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ بعض صوفی ایسے ہیں جو تواجد کرتے ہیں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے عشق میں انہیں چھوڑ دو کہ خوشحالی کریں اس لئے کہ یہ ایک ایسی قوم ہے کہ

---

[1] (مجموعۃ الرسائل: ج: ۱: ص: ۱۷۳)

طریقت نے ان کے دل پھاڑ دئے ہیں اور مصیبتیں برداشت کرتے ہوئے ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں اب ان کے حوصلے تنگ ہو گئے ہیں۔آہ کے ساتھ سانس لیتے ہیں ان پر کوئی حرج نہیں۔اس حالت کی دائمیت کے لئے اگر تمہیں ان کی حالت حاصل ہو جائے اور انوار و تجلیات کا مزہ حاصل ہو جائے تو ان کی چیخوں اور نعروں میں تم بھی شامل ہو کر اپنے کپڑے پھاڑ ڈالو۔تم ان کو ان کے چیخیں مارنے اور کپڑے پھاڑنے میں معذور سمجھو۔

اسی طرح حضرت ابن کمال پاشا صاحب سے اسی مسئلے کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔آپ نے اپنے شعر میں یہ فرمایا:

ما فی التواجد ان حققت من حرج　　والتمایل ان اخلصت من باس

اس شعر میں یہ فرمایا کہ اس تواجد کے کرنے میں کوئی حرج اور نہ ہی جسم کے ہلنے میں کوئی حرج ہے جبکہ باطنی علتوں سے پاک لوگوں میں یہ آجائے۔

وجد کی وجہ سے اٹھ کر بھاگنا بھی جائز ہے اسلئے کہ اپنا مالک و مولیٰ جب بلائے تو انہیں اپنے سر کے بل بھاگنا چاہئے۔محفل ذکر و محفل سماع میں کامل عارفوں کے لئے وجد اور رقص کی رخصت ہے کیونکہ یہ لوگ اپنا قیمتی وقت بہترین اعمال میں صرف کرتے ہیں۔طریقت کے سالکین ہوتے ہیں جو اپنے نفسوں کو قبیح اعمال کرنے سے منع کرتے ہیں۔وہ ان صفات سے متصف ہوتے ہیں کہ جب صوفیہ کرام سنتے ہیں تو اپنے پروردگار کی جانب سے سنتے ہیں۔جب اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو روتے ہیں اور جب کبھی اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں۔جب محبوب حقیقی کی جانب سے تجلیات و انوارات کا مشاہدہ کرتے ہیں تو چیخیں مارتے ہیں۔جب شوق سے اللہ ذکر کرتے ہیں تو روتے ہیں اور جب محبوب حقیقی کا مشاہدہ کرتے ہیں تو آرام پاتے ہیں۔اور جب قرب کے مراتب میں انہیں حصہ نصیب ہوتا ہے تو اس میں سیر کرتے ہیں اور بلند مقامات طے کرتے ہیں۔جب ان پر وجد غلبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ارادت اور واردات سے بعض سالکوں پر ہیبت اور تجلیات کا عروج ہوتا ہے تو گر پڑتے ہیں۔یا بے دم ہو جاتے ہیں۔بعض سالکوں پر لطف خداوندی کی انوار نازل ہوتے ہیں تو خوشی کا اظہار کرتے ہیں بعض سالکوں پر قرب خداوندی اور مطلع جب ظاہر ہوتا ہے تو سُکر (مستی) کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو اپنے جسم اور جان سے بے خبر ہو جاتے ہیں۔یہ مقام سُکر مقام غیبت اسے کہا جاتا ہے۔یہ تمام مذکورہ حالات جائز اور ثابت ہیں۔جس کو صحیح وجد نصیب ہو جائے تو اس کے لئے گانے والے اور گانے کی ضرورت نہیں رہتی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے ملی مستی نصیب ہوتی ہے جو بغیر شراب کے دائمی مستی اور سُکر حاصل ہوتی ہے۔[1]

اس عبارت سے نہ صرف وجد بلکہ وجد کے مختلف اسباب اور اقسام کا بھی ذکر ہوا۔اسی طرح جلیل القدر فقیہہ علامہ مفتی سید احمد طحطاوی حنفی مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار: ج:۴: ص ۱۷۶: تا ۱۷۷ میں وجد، رقص اور سماع ذکر کے بارے میں اس طرح تحریر فرمایا :''ومن الفقهآء رحمة الله تعالٰی علیهم من لم یمنع الرقص حیث وجد لذة الشهود فغلب علیه الوجد واستدلوا بما وقع لجعفر ذی الجناحین رضی الله تعالٰی عنه لما قال له النبی ﷺ اشبهت خلقی وخلقی فحجل ای مشی علی رجل واحدة وفی روایة رقص من لذة هٰذا الخطاب ولم ینکر علیه النبی ﷺ رقصه وجعل ذلک اصلا لجواز رقص الصوفیة رحمة الله تعالٰی علیهم عندما یجدونه من لذة الوجد فی مجلس الذکر والسماع وفی التتارخانیة ما یدل علی جوازه للمغلوب الذی حرکاته کحرکات

---

[1] (مجموعہ رسائل: ج:۱: ص ۱۷۳:)

المرتعش۔ وبھذا افتی البلقینی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ وبرھان الدین الانباسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ۔''[1]

ترجمہ: بعض فقہاءِ کرام رقص سے نہیں روکتے جب شہود کا مزہ پاتے ہیں، جب سالک پر وجد کا غلبہ آجائے تو فقہا کرام اس حدیث تقریری سے استدلال کرتے ہیں۔جعفر ذوالجناحین کو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اخلاق اور شکل وصورت میں میرے ساتھ مشابہت رکھتے ہو۔اس خطاب کے سننے کے ساتھ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک پاؤں پر بھاگنے لگے۔دوسری روایت میں ہے کہ اس خطاب کی لذت سے رقص کرنے لگے۔نبی کریم ﷺ نے ان پر انکار نہیں کیا۔یہ حدیث اہل تصوف کے رقص کے لئے دلیل بن گئی۔جب اسطرح حال صوفی کو مل جائے اور محافل ذکر وسماع میں وجد کی لذت کیوجہ سے اسطرح کا حال صوفی پالیتا ہے۔فتاویٰ تاتارخانیہ میں مغلوب الحال سالک کیلئے نماز کی حالت میں یا نماز سے خارج میں یہ حال اور چیخیں مارنا جائز لکھا ہے جب یہ حرکات مرتعش کی طرح غیر اختیاری ہوں اور مشابہت مجذوبین کیوجہ سے اختیاری حرکات کثیرہ کرتے ہیں تو اس کو تواجد کہتے ہیں۔تو اس طرح نماز میں کرنا جائز نہیں ہے اور نماز کے باہر جائز ہے کہ ریاکاری سے خارج ہو اور دوسروں کو تکلیف دینے سے خارج ہو۔اسی طرح فتویٰ علامہ بلقینی اور علامہ برہان الدین انباسی نے بھی دیا ہے۔(یہاں پر طحطاوی کا کلام مکمل ہوا) علامہ سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح مراقی الفلاح میں وجد کے اسباب کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے (مجمع الانھر) میں وجد کی بہت سی قسمیں ہیں جہاں اختیار سلب ہوجاتا ہے۔مطلق انکار کے لئے کوئی وجہ نہیں۔فتاویٰ تاتارخانیہ میں مغلوب الحال سالک کا وجد ثابت کیا ہے جو حرکت وہ مرتعش کی طرح کرتا ہے وہ غیر اختیاری ہوتی ہیں اور تواجد بھی اچھا ہے اس کے اثبات کے دلائل بعد میں آجائیں گے۔اللہ نے چاہا تو۔[2]

(۹) اسی طرح علامہ خیر الدین رملی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاویٰ خیریہ (نفع البریہ) میں فتاویٰ تنقیح الحامدیہ: ج:۲: ص:۲۸۳ : میں اسی طرح وجد کے بارے میں لکھا ہے:

''اما الرقص ففیہ للفقھآء کلام منھم من منعہ ومنھم من لم یمنع حیث وجد لذۃ الشھود وغلب علیہ الوجد واستدلوا بما وقع لجعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ لما قال لہ علیہ الصلٰوۃ والسلام ''اشبھت خلقی وخلقی'' ای مشی علی رجل واحد، وفی لفظ جعفر رضی اللہ تعالٰی عنہ ''اشبہ الناس بی خلقا وخلقا فحجل'' وفی روایۃ ''رقص من لذۃ ھٰذا الخطاب ولم ینکر علیہ النبی ﷺ رقصہ'' وجعل ذلک اصلا لرقص الصوفیۃ رحمۃ اللہ تعالٰی علیھم عند ما یجدونہ من لذۃ المواجید فی مجالس الذکر والسماع وفی التتارخانیۃ ما یدل علی جوازہ وبھذا افتی البلقینی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ وبرھان الدین الانباسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ وبمثلہ اجاب بعض الحنفیۃ والمالکیۃ''[3]

ایک نکتہ : اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ جب بعض علماءِ احناف اور بعض علماءِ مالکیہ سے وجد اور رقص کے بارے میں پوچھا گیا تو سب نے جواز پر فتوی دیا۔اسی طرح امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ شافعی المسلک ہیں۔انہوں نے بھی جواز بلکہ استحباب کا حکم دیا ہے۔[4]

میں اس کی پوری وضاحت موجود ہے بعد میں ان کی عبارت پوری نقل کریں گے۔ان شاءاللہ۔

اسی طرح شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ حنبلی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں، وجد اور حال کا اثبات کیا ہے۔فتوح الغیب میں لکھا ہے کہ صوفی کیلئے آٹھ (۸) خصلتیں ہونی چاہئیں۔ایک ان میں سے وجد بھی ہے۔بعد میں ان کی عبارت جو کہ فتوح الغیب میں آجائے گی خلاصہ یہ

---

[1] (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ج:۴: ص: ۱۷۶ تا ۱۷۷)

[2] (حاشیہ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص: ۱۷۴: قبیل باب مایفسد الصلٰوۃ)

[3] (فتاوی خیریہ علی ھامش تنقیح الحامدیۃ: ج:۲: ص:۲۸۳)

[4] (الحاوی للفتاوی: ج:۲: ص ۲۲۴:)

ہوا۔ چاروں مذہبوں کے علماء وجد اور حال کے اثبات کے قائل ہیں عارفوں کیلئے۔لہٰذا منکرین کس طرح وجد اور حال کو چاروں مذہبوں میں حرام کہتے ہیں؟ بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ فاسق اور خلافِ شرع متصوفہ کا رقص اور تماشہ اور لہو ولعب چاروں مذہبوں میں حرام ہے اور قرطبی کی بھی یہی مراد ہے اور جو حقیقی عارفوں اور متشرع اہلِ تصوف کا وجد اور حال ہے وہ بالکل ثابت اور جائز ہے بلکہ نورِ عنایت الٰہی ہے اور یہ حال اولیاءِ کرام کا ہے جیسا کہ حدیقۃ الندیہ لنابلسی کے حوالہ سے بھی عبارت بعد میں آئے گی۔انشاء اللہ تعالیٰ۔اس طرح تطبیق عبارتوں کے درمیان کرنا علماءِ راسخین اور غیر متعصب اہلِ بصیرت کا کام ہے۔منکرین کی طرح نیم ملاخطرہ ایمان کی طرح نہیں۔روایتوں کے درمیان تطبیق نہیں کر سکتے بلکہ اسے سمجھ بھی نہیں سکتے بلکہ روایات اور عبارات سے نجدیوں کا مسلک تلاش کرتے ہیں اور انہیں سے جوڑتے ہیں اور اس بات کی عبارتوں کو ہضم کر جاتے ہیں لیکن یہ ارمان ان کا کبھی پورا نہ ہوگا۔افسوس در افسوس یہ منکرین اپنے آپ کو مفتی اور شیخ الحدیث کہلاتے ہیں اور دوسری طرف جانتے کچھ نہیں۔یہ ایک عجیب سا معاملہ ہے۔

آن کس کہ نداند و نداند کہ نداند　　در جہل مرکب ابد الدہر بماند

ترجمہ: جو نہیں سمجھتا اور اپنی ناسمجھی اور ہیچ مدانی پر بھی خبردار نہیں وہ ہمیشہ کیلئے جہل مرکب ہی میں رہ جاتا ہے۔

(۱۰) اسی طرح علامہ حامد بن علی بن عبدالرحمن آفندی عمادی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مفتی دمشق وشام نے اپنی کتاب (مغنی المستفتی عن سوال المفتی المعروف فتاوی تنقیح حامدیہ: ج:۲:ص:۳۵۴ :باب الحظر والاباحۃ) میں علامہ جلال الدین دوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے (شرح ھیاکل نور) کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

''الانسان یستعد بالحرکات العبادیۃ الوضعیۃ الشرعیۃ للشوارق القدسیۃ بل المحققون رحمۃ اللہ تعالٰی علیھم من اھل التجرید رحمۃ اللہ تعالٰی علیھم قد یشاھدون فی انفسھم طریا قدسیا مزعجا فیتحرکون بالرقص والتصفیق والدوران ویستعدون بتلک الحرکۃ لشروق انوار أخر الی ان ینقضی ذلک الحال عنھم بسبب من الاسباب کما علیہ تجارب السالکین رحمۃ اللہ تعالٰی علیھم''[1]

ترجمہ: انسان کبھی شرعی عبادات ادا کرنے کیوجہ سے پاکیزہ انوار کے لئے مستعد ہوتے ہیں بلکہ اہل تجرید محققین اولیاء اپنے اندر پاکیزہ انوار ومستی کا مشاہدہ کرتے ہیں اس کی وجہ سے وہ حرکات کا باعث بنتا ہے تو وہ حرکت میں لگ جاتے ہیں۔رقص اور تالیاں بجانا، یوں بھاگنا دوڑنا، اس طرح کی حرکتیں ان سے سرزد ہوتی ہیں کیونکہ ان پر انوار کا نزول ہوتا ہے یہاں تک کہ ان کا حال ختم ہو جاتا ہے کسی سبب کے ساتھ اور عام سالکوں کا تجربہ اس پر گواہ ہے۔اس عبارت سے کہ یہ حرکات انوار کے نزول کے سبب کرتے ہیں جو برداشت نہیں کر پاتے۔

(۱۱) اسی طرح محدث مفسر فقیہ اور ادیب وصوفی حضرت امام جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو کہ چاروں مذاہب میں مقبول ہیں، خود شافعی ہیں اپنی کتاب (الحاوی للفتاوی المتعلقۃ بالتصوف) تصوف کے متعلق باب میں وجد، رقص، سماع اور مجالس ذکر، قیامِ ذکر کے اثبات میں یوں رقمطراز ہیں کہ:

مسئلۃ: فی جماعۃ الصوفیۃ رحمۃ اللہ تعالٰی علیھم اجتمعوا فی مجلس ذکر ثم ان شخصا من الجماعۃ قام من المجلس ذاکرا واستمر علی ذالک لوارد حصل لہ فھل لہ فعل ذلک سواء کان باختیارہ ام لا؟ وھل لاحد منعہ وزجرہ عن ذلک؟

---

[1] (تنقیح فتاوی حامدیہ ج ۲ ص ۳۵۵)

الجواب :لاانکار علیه فی ذلک وقد سئل عن هٰذا السؤال بعینه شیخ الاسلام سراج الدین البلقینی رحمة الله تعالٰی علیه فاجاب بانه لا انکار علیه فی ذلک ولیس لمانع التعدی بمنعه ویلزم المتعدی بذلک التعذیر۔ وسئل عنه العلامة برهان الدین الانباسی رحمة الله تعالٰی علیه فاجاب بمثل ذلک وزاد ان صاحب الحال مغلوب والمنکر محروم ما ذاق لذة التواجد ولا صفا له المشروب (الی ان قال فی آخر جوابه) وبالجملة فالسلامة فی تسلیم حال القوم واجاب ایضًا بمثل ذلک بعض ائمة الحنفیة رحمة الله تعالٰی علیهم والمالکیة رحمة الله تعالٰی علیهم کلهم کتبوا علی هٰذا السوال بالموافقة من غیر مخالفة (اقول) وکیف ینکر الذکر قائما والقیام ذاکرًا وقد قال الله تعالٰی (الذین یذکرون الله قیامًا وقعودًا وعلی جنوبهم۔ الآیة) وقالت عائشة رضی الله تعالٰی عنها کان النبی ﷺ یذکر الله علی کل احیانه وان انضم الی هٰذا القیام رقص او نحوه فلا انکار علیهم فذالک من لذات الشهود او المواجید وقد ورد فی الحدیث رقص جعفر بن ابی طالب رضی الله عنه بین یدی النبی ﷺ لما قال له 'اشبهت خلقی وخلقی' وذلک من لذة هٰذا الخطاب ولم ینکر ذلک علیه النبی ﷺ فکان هٰذا اصلا فی رقص الصوفیة رحمة الله تعالٰی علیهم لما یدرکونه من لذات المواجید۔ وقد صح القیام والرقص فی مجالس الذکر والسماع عن جماعة من کبار الائمة رحمة الله تعالٰی علیهم منهم شیخ الاسلام عز الدین بن عبد السلام رحمة الله تعالٰی علیه۔[1]

ترجمہ :(مسئلہ) صوفیاءِ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی ایک جماعت جوکہ ذکر کیلئے جمع ہوئے ہوں اور پھر ایک شخص اس جماعت سے اٹھے جوکہ ذکر کرنے والا ہو اور یہ حال اس سالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر حصول کیوجہ سے ایک وارد سے مستمر ہو جائے، پس یہ کام اس سالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مغلوب الحال اگر اختیار کے ساتھ ہو یا کہ بغیر اختیار ہو، تو جواز رکھتا ہے کہ نہیں؟ اور آیا کونسے شخص کو اختیار ہے کہ اسے منع کرے یا روکے؟

الجواب :اس سالک کے معاملے کا کسی قسم کا انکار نہیں کرنا چاہئے۔ بعینہٖ یہی سوال شیخ الاسلام سراج الدین بلقینی سے ہوا تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ اس کام میں اس سالک سے کسی قسم کا انکار نہیں اور منع کرنے والے کو منع نہیں کرنا چاہئے اور منع کرنے والے کو سختی سے روکنا چاہئے اور تعزیر کرنا چاہئے اور اسی مسئلہ کا علامہ برہان الدین انباسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی پوچھا گیا تو ان کا جواب بھی یہی تھا کہ اس مغلوب الحال کا جو منکر ہے وہ محروم اور بے نصیب ہوا۔ یہاں تک کہ جواب کے آخر میں یہ فرمایا ہے کہ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ صوفیاءِ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے حال کو تسلیم کرنے میں سلامتی ہے۔

اسی طرح کا جواب احناف نے دیا ہے اور مالکیہ کا جواب بھی یہی ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا تو ان سب نے اسی طرح جواب دیا اور اس پر اکتفا کیا۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے تو کس طرح کھڑا ہو کر ذکر کا انکار کیا جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ عقل مند لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے ہو کر، بیٹھ کر اور پہلوں پر لیٹ کر کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں : حضور اکرم ﷺ اللہ کا ذکر ہر حالت اور ہر ہیئت سے کرتے تھے تو اس میں کھڑا ہونے کی بھی ہیئت آتی ہے اگر مغلوب الحال سالک کھڑا ہو کر ناچنا شروع کر دے یا دوسری حرکات اور چیخیں اس کے ساتھ مل جاتیں ہوں تو اس میں بھی انکار نہیں ہے کیونکہ یہ حال شہود اور لذت سے پیدا ہوا ہے حضرت جعفر بن ابی طالب ص کے بارے میں حدیث شریف میں ان کا رقص ثابت ہے جب حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا۔ کہ تیری صورت اور اخلاق مجھ سے مشابہت رکھتے ہیں تو آپ نے رقص شروع کیا اور حضورِ اکرم ﷺ نے اس پر منع نہیں فرمایا تو یہ صوفیوں کے رقص پر بھی دلیل ہے۔ جب وہ وجد پاتے ہیں ذکر اور نعت خوانی کی مجلس میں رقص اور قیام کے متعلق آئمہ سب کے

---

[1] (الحاوی للفتاوی :ج:۲:ص:۲۳۴)

سب اس کے قائل ہیں جس میں سے شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔[1]

اس عبارت شریف سے مسئلہ وجد اور تواجد کے اثبات اور کچھ اور نکتے بھی نکلتے ہیں۔

نمبر :۱ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ذکر کرنے والوں کو قیام اور تواجد سے منع کرے اور اگر کسی نے منع کیا تو اس کو تعزیر (سزا) دینا چاہئے یا اسے مارنا چاہئے۔ تو منکرین اپنے بارے میں سوچیں۔

نمبر :۲ وجد اور حال والا سالک عارف مغلوب الحال ہے منکرین فیض الٰہی سے محروم ہیں خود انہوں نے اس حال کا مزہ اور باطنی لذت نہیں پائی۔ اس لئے دوسرے اہل اللہ کا انکار کرتے ہیں۔ تو اب منکرین اپنی محرومیت کے بارے میں سوچیں۔

نمبر :۳ چاروں مذاہب کے علماءِ حقیقی اہلِ تصوف اور عارفین کے وجد اور حال کے اثبات پر متفق ہیں اور تردیدی عبارتیں فساق اور خلافِ شرع متصوفہ اور ریاکار کے حق میں ہیں تو کس طرح منکرین حقیقی اہلِ تصوف عارفین کے وجد اور حال چار مذہبوں کے مطابق حرام سمجھتے ہیں۔

اسی طرح فتاویٰ ہندیہ (عالمگیری) ج:۵: ص:۳۵۲: باب :۱۷: میں مشائخ صادقین کے وجد اور غشی طاری ہونے سماع میں اچھے اشعار سنتے وقت فاسق کا گانا اور رقص ناجائز کے حق میں اس طرح لکھا ہے :فان فی زمانھم ربما ینشد واحد شعرا فیہ معنی یوافق احوالھم فیوافقہ من کان لہ قلب رقیق اذا سمع کلمۃ توافقہ علی امر ھو فیہ وربما یغشی علی عقلہ فیقوم من غیر اختیار وتخرج حرکات منہ من اختیار وذلک مما لا یستبعد ان یکون جائزا مما لا یؤاخذ بہ ولا یظن فی المشائخ رحمۃ اللہ تعالٰی علیھم انھم فعلوا مثل ما یفعل اھل زماننا من اھل الفسق والذین لا علم لھم باحکام الشرع وانما یتمسک بافعال اھل الدین۔[2]

ترجمہ: بے شک ان کے زمانے میں بہت مرتبہ کوئی شعر بناتا اور اس کا ایسا معنیٰ ہوتا کہ جو ان کے باطنی حال کے موافق ہوتا تو ان کا دل نرم ہو جاتا اس موافقت سے ان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ان کے باطنی حال کے موافقت کی وجہ سے کہ شعر ان کے باطن کے موافق ہوتا تو بے اختیار کھڑے ہو جاتے اور ان سے وہ حرکات صادر ہو جاتیں تو یہ کام جائز اور ان پر مواخذہ نہیں اور حقیقی مشائخ طریقت پر یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ ہمارے زمانے میں فاسق اور جاہلوں اور فاسقوں کی طرح خلاف شرع امور کریں حالانکہ یہ فاسق لوگ اہلِ دین اور مشائخ حقیقی کے احوال پر دلیل پکڑتے ہیں جبکہ خلافِ شرع کام کرتے ہیں بلکہ صوفیہ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم تو ان کی طرح نہیں تھے۔

''اسی طرح جواہر الفتاویٰ میں بھی لکھا ہے : تو اس عبارت سے فتاویٰ ہندیہ کی دوسری عبارت کا محمل بھی معین ہوا۔ جس میں سماع ورقص اور وجد پر رد کیا ہے۔ وہ اس طریقے پر صادق مشائخ اور متشرع سالک کیلئے یہ جائز ہے اور فاسق اور خلافِ شرع کیلئے اس کا جواز نہیں بلکہ اس عبارت کے ساتھ فقہاء کی تمام عبارتوں کی تطبیق ہوئی کہ ایک طرف ثبوت اور دوسری طرف منع متعصب منکرین اولیاء صرف نفی کی عبارات لیتے ہیں جیسے یہودی احبار حق کو چھپاتے ہیں۔ پوری تحقیق انشاء اللہ بعد میں آئے گی۔

اسی طرح سیدنا وسید کل امام ربانی محبوبِ صمدانی واقف متشابہات قرآنی سیدنا مجدد ومنور الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی حنفی نقشبندی احراری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مکتوباتِ قدسی الآیات مکتوب: ۳۵۲: حصہ: ۵ : ج :۱: میں فرماتے ہیں۔

''ای فرزند! ولولۂ عشق وطنطنۂ محبت ونعرہائے شوق انگیز وصیحہائی درد آمیز ووجد وتواجد ورقص ورقاصی ہمہ در مقامات ظلال است ودر آوان ظہورات وتجلیات ظلیہ''

ترجمہ: اے بیٹے! عشق کے شور اور ولولہ اور محبت اور شوق سے بھرے ہوئے نعرے اور درد کی چیخیں اور وجد تواجد اور رقص یہ تمام حالات ظلال

---

[1] (الحاوی للفتاوی: ج:۲: ص ۲۶۴:)

[2] (کذا فی جواھر الفتاوی) (فتاوی ھندیہ: ج:۵: ص:۳۵۲: باب:۱۷)

کے مقام میں آتے ہیں۔ظلی تجلیات کے ظہور کے وقت یہ وارد ہوتے ہیں۔[1]

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ وجد اور حال کے مختلف انوار اکثر تجلیاتِ ظلیہ کے مقام پر وارد ہوتے ہیں جن کا تعلق ولایت سے ہے اور تجلیات اصلیہ کے وارد ہونے کا وقت اور اس کا تعلق کمالات اور حقائق سے ہوتا ہے۔زیادہ تر جسم میں کپکپی کا آجانا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہنا اور کبھی کبھی اس مقام پر رقص اور غشی وغیرہ کے احوال بھی وارد ہوتے ہیں۔جیسے کہ پہلے بہت ساری آیات اور احادیث مبارکہ سے ثابت کیا جا چکا ہے۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ ''از دک وفک چارہ نیست'' یا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غشی کے طاری ہونے کا واقعہ اس پر دلیل ہے۔نیز اور بہت ساری روایات اللہ کے مقبول بندے عارفوں کے وجد اور حال کے اثبات کیلئے دلیل ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ :خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُونَ، وَأَنَا أَطَّلِعُ مِنْ خَوْخَةٍ لِي، فَدَنَا مِنِّي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَوَضَعْتُ يَدَيَّ عَلَى مَنْكِبَيْهِ، وَجَعَلْتُ أَنْظُرُ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:إِنَّهُنَّ بَنَاتُ أَرْفِدَةَ فَمَا زِلْتُ أَنْظُرُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ وَيَرْقُصُونَ حَتَّى كُنْتُ أَنَا الَّذِي انْتَهَيْتُ۔[2]

عن عَلِيٍّ، قَالَ :أَتَانَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَنَا وَجَعْفَرٌ، وَزَيْدٌ، فَقَالَ لِزَيْدٍ :أَخُونَا مَوْلانَا، فَحَجَلَ زَيْدٌ، وَقَالَ لِجَعْفَرٍ :أَنْتَ أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي، قَالَ :فَحَجَلَ وَرَاءَ حَجْلِ زَيْدٍ، ثُمَّ قَالَ لِي :أَنْتَ مِنِّي وَأَنَا مِنْك، فَحَجَلْتُ وَرَاءَ حَجْلِ جَعْفَرٍ.

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے،آپ فرماتے ہیں میں اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا : تو ہمارا بھائی اور ہمارا مولا ہے،تو حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اچھلنے لگے (وجد کرنے لگے)،اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا : تو صورت وسیرت میں میرے مشابہ ہے،تو وہ بھی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اچھلنے کے پیچھے اچھلنے لگے،مجھے ارشاد فرمایا : تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں،تو میں (حضرت علی رضی اللہ عنہ) بھی حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اچھلنے کے پیچھے اچھلنے لگا۔[3]

مفتی مکہ مکرمہ علامہ احمد زینی دحلان ومحمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۳۶۹ھ وغیرہ لکھتے ہیں:

وبعد فتح خيبر قدم من الحبشة جعفر بن ابى طالب رضى الله عنه ومن معه من المسلمين وهم ستة عشر رجلاً فتلقى النبى ﷺ جعفر وقبل جبهة وعانقه وقام له، وقد قام لصفوان بن امية لما قدم عليه ولعدى بن حاتم رضى الله عنهما ثم قال ﷺ ما أدرى بأيهما أفرح بفتح خيبر أم بقدوم جعفر؟ وقال ﷺ لجعفر أشبهت خلقى وخلقى، فرقص جعفر رضي الله عنه عنه من لذة هذا الخطاب (ولفرط ما أصابه من الفرح) فلم ينكر عليه ﷺ رقصه وجُعل ذلك أصلا لرقص الصوفية عندما يجدون من لذة المواجيد في مجالس الذكر والسماع.

ترجمہ: اور فتح خیبر کے بعد حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھ دوسرے سولہ مسلمان حبشہ سے ہجرت کر کے نبی کریم ﷺ

---

[1] (مکتوبات شریف: مکتوب: ۳۰۲: ج ۱:)

[2] (المعجم الاوسط، رقم: ۹۳۰۳، ج، ۹، ص، ۱۲۱،)

[3] (مسند البزار، رقم ۷۴۴: ،مسند احمد، رقم ۸۵۷ :،ابن أبي شيبة ، وأبو يعلى ، والبيهقي، كنز العمال، رقم ۳۶۷۵۶:،،ج، ۱۳، دار الكتب العلميه ، بيروت، جامع الاحاديث ، رقم ۳۲۱۱۴:،اتحاف الخيرة المهرة، رقم ۶۷۱۹:،سنن الكبرى، للبيهقي، رقم ۱۶۱۸۸:،۲۱۵۵۷)

کی بارگاہ میں حاضر ہوئے نبی کریم ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے لیے قیام فرمایا، اور جب آپ ﷺ ان سے ملے تو ان کی پیشانی پر بوسہ دیا اور معانقہ فرمایا اور پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : مجھے معلوم نہیں کہ مجھے کس بات کی زیادہ خوشی ہوئی ہے فتح خیبر کی یا حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی۔ پھر آپ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا : تو شکل وصورت میں اور اخلاق میں میرے مشابہ ہے۔ جب حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے یہ ارشاد سنا تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ کے اس خطاب کی لذت کی وجہ سے اور جو اس سے خوشی حاصل ہوئی رقص کرنے لگے، اور حضور اکرم ﷺ نے اس فعل سے منع نہیں فرمایا، اور اس کو صوفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رقص کے لیے اصل بنایا ہے، وہ بھی سماع اور ذکر کی مجلس میں مواجید کی لذت پاتے ہیں۔[1]

علامہ محمد عبد الحی کتانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وتمايل واهتز او هو منقول عن الصحابة، فقد خرّج أبو نعيم في الحلية عن الفضيل بن عياض : كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا ذكروا الله تمايلوا يمينا وشمالا كما تتمايل الشجرة بالريح العاصف إلى أمام ثم تراجع الى وراء۔

ترجمہ: دائیں بائیں مائل ہونا اور جھومنا، یہ تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے: ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں تخریج کیا ہے کہ حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اصحاب رسول ﷺ جب ذکر کرتے تو دائیں، بائیں کو مائل ہوتے تھے جیسا کہ تیز ہوا سے درخت کبھی آگے کو اور کبھی پیچھے کو جھومتا ہے۔[2]

امام حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وفي حديث علي عند أحمد وكذا في مرسل الباقر فقام جعفر فحجل حول النبي صلى الله عليه وسلم دار عليه فقال النبي صلى الله عليه وسلم ما هذا؟ قال شيء رأيت الحبشة يصنعونه بملوكهم۔ وفي حديث بن عباس ان النجاشي كان إذا رضي أحدا من أصحابه قام فحجل حوله وحجل بفتح المهملة وكسر الجيم أي وقف على رجل واحدة وهو الرقص بهيئة مخصوصة۔

ترجمہ: اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ''مسند احمد'' میں اور اسی طرح حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرسل روایت میں ہے کہ حضرت امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (خوشی سے) کھڑے ہوئے پھر نبی کریم ﷺ کے ارد گرد اچھل کر ایک پاؤں کھڑا کر کے دوسرے پاؤں پر چکر کاٹنے لگے تو نبی کریم ﷺ نے پوچھا اے جعفر! یہ کیا ہے؟ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا : میں نے حبشیوں کو دیکھا کہ وہ اپنے بادشاہوں سامنے ایسا کرتے ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نجاشی جب کسی سے خوش ہوتا تھا تو وہ شخص اٹھ کر اس کے گرد چکر کاٹتا تھا۔ اور ''حجل'' حا کے فتح کے ساتھ ہے اور جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی ایک پاؤں پر کھڑا ہونا اور یہ ایک مخصوص ہیئت کے ساتھ رقص کرنا ہے۔[3]

قَالَ ابْنُ أَبِي الدُّنيا : حدَّثنا عَلِيُّ بْنُ الجعد، أنا عمرو شِمْرٍ، حَدَّثَنِي إِسْمَاعِيلُ السُّدِّيُّ، سَمِعْتُ أَبَا أَرَاكَةَ يَقُولُ : صَلَّيْتُ مَعَ عَلِيٍّ صَلَاةَ الْفَجْرِ فَلَمَّا انْفَتَلَ عَنْ يَمِينِهِ مَكَثَ كَأَنَّ عَلَيْهِ كَآبَةً حَتَّى إِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ عَلَى حَائِطِ الْمَسْجِدِ قَيْدَ رُمْحٍ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ

---

[1] (السیرۃ النبویۃ وآثار المحمدیۃ لزینی دحلان علی ھامش السیرۃ الحلبیۃ، ج۲، ص۲۵۲، ومحمد ﷺ، غزوۃ خیبر، ج۱، ص۴۴۴، والموسوعۃ الیوسفیۃ فی بیان ادلۃ الصوفیۃ، الجزء الاول، الحرکت بالذکر، ص۱۸۲، حقائق عن التصوف، الحرکۃ فی الذکر، ص۹۹)

[2] (التراتیب الاداریۃ، ج۲، ص۹۳، نظام الحکومیۃ، الموسوعۃ الیوسفیۃ فی بیان ادلۃ الصوفیۃ، الجزء الاول، ص۱۷۸)

[3] (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء، ج۸، ص۴۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

قَلَّبَ يَدَهُ فَقَالَ :وَاللهِ لَقَدْ رَأَيْتُ أَصْحَابَ محمّد صلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا أَرَى الْيَوْمَ شَيْئًا يُشْبِهُهُمْ، لَقَدْ كَانُوا يُصْبِحُونَ صُفْرًا شُعْثًا غُبْرًا بَيْنَ أَعْيُنِهِمْ كَأَمْثَالِ رُكَبِ الْمِعْزَى، قَدْ بَاتُوا لله سجداً وقياماً يتلون كتاب الله يتراوحون بَيْنَ جِبَاهِهِمْ وَأَقْدَامِهِمْ، فَإِذَا أَصْبَحُوا افْذَكَرُوا اللهَ مَادُوا كَمَا يَمِيدُ الشَّجَرُ فِي يَوْمِ الرِّيحِ، وهملت أعينهم حتى تبل ثِيَابَهُمْ۔

ترجمہ: حضرت ابو اراکہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ نمازِ فجر پڑھی، تو جب وہ اپنی دائیں طرف پھرے تو تھوڑی دیر گئے گویا کہ افسردہ ہوں یہاں تک کہ سورج مسجد کی دیوار پر نیزے کے برابر آگیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے دو رکعتیں پڑھیں، پھر اپنے ہاتھ پھیرے اور فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے حضرت محمد ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا ہے، اور میں آج کے دن کسی بھی چیز کو ان کے مشابہ نہیں پاتا، وہ لوگ صبح اس حال میں کرتے کہ چہرے زرد، اور بال پراگندہ اور غبار آلود منہ، گویا کہ تعزیت دینے والا شہسوار ہو، وہ راتیں سجدہ، قیام میں گزارتے تھے، کتاب اللہ کی تلاوت کرتے وہ اپنے قدموں اور پیشانیوں کے بل رات بسر کرتے تھے اور جب صبح کرتے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے ایسے حرکت کرتے جیسے آندھی والے دن درخت حرکت کرتے ہیں، ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے، یہاں تک کہ ان کے کپڑے تر ہو جاتے"۔[1]

مذکورہ بالا حدیث کے تحت شیخ طریقت شیخ عبد القادر عیسیٰ شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ويهمنا من عبارة الامام علي رضي الله عنه قوله (مَادُوا كَمَا يَمِيدُ الشَّجَرُ يَوْمِ الرِّيحِ) فانك تجده صريحاً في الاهتزاز، ويبطل قول من يدعيي ﷺ انه بدعة محرمة، ويثبت اباحة الحركة في الذكر مطلقاً وقد استدل الشيخ عبد الغني رحمه الله بهذا الحديث رساله على ندب الاهتزاز بالذكر، وقال هذا صريح بان الصحابة رضي الله عنهم كانوا يتحركون حركة شديدة في الذكر۔ على أن، الرجل غير مؤاخذ حين يتحرك ويقوم ويقعد على أي نوع كان حيث إنه لم يأت بمعصية ولم يقصدها كما ذكرنا. إلاَّ أن هناك جماعة من الدخلاء على الصوفية - نسبوا أنفسهم إليهم وهم منهم براء - شوهوا جمال حلقات الأذكار بما أدخلوا عليها من بدع ضالة، وأفعال منكرة، تحرمها الشريعة الغراء ؛ كاستعمال آلات الطرب المحظورة، والاجتماع المقصود بالأحداث، والغناء الفاحش، فلم يعد وسيلةً عملية لتطهير القلب من أدرانه، وصلته بالله تعالى، بل صار لتسلية النفوس الغافلة، وتحقيق الأغراض الدنيئة. ومما يؤسف له أن بعض أدعياء العلم قد جموا على حِلَقِ الذكر ولم يميزوا بين هؤلاء الدخلاء المنحرفين وبين الذاكرين السالكين المخلصين الذي يزيدهم ذكر الله رسوخاً في الإيمان، واستقامة في المعاملة، وسموا في الخلق واطمئناناً في القلب. وهناك علماء منصفون قد ميزوا بين الصوفية الصادقين السائرين على قدم الرسول الأعظم صلى الله عليه وسلم، وبين الدخلاء المارقين، وأوضحوا حكم الله في الذكر، وعلى رأسهم العلاَّمة ابن عابدين في رسالته "شفاء العليل"، فقد نددا بالدخلاء على الصوفية، واستعرض بدعهم ومنكراتهم في الذكر وحذر منهم،

---

[1] (البداية والنهاية، ج،۸،ص،۷، دارالکتب العلمیہ، بیروت، وحلیۃ الاولیاء، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ج،۱،ص،۱۲۳، ۱۲۴، دارالحدیث، القاہرۃ، کنزالعمال، رقم: ۴۴۲۱۵، ج،۱۶،ص،۸۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، حیاۃ الصحابۃ، ج،۵۴، اسمی المطالب فی سیرت امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، ج،۱،ص،۳۴۷، ج،۲،ص،۹۶۸، المجالسۃ وجواہر العلم، رقم ۱۴۶۶: ج،۴،ص،۳۱۰، الرقۃ والبکاء، لابن قدامۃ، ج،۱،ص،۵۱، مقتل علی، لابن ابی الدنیا، رقم ۶: ج،۱،ص،۲۵، جامع الاحادیث، رقم ۳۳۶۴۱: ج،۳۱،ص،۴، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ وشیء من فقھھا وفوائدھا، ج،۳،ص،۳۰۷، جامع العلوم والحکم، ج،۲،ص،۵۱۹، ج،۳،ص،۱۲۹۱،)

و من الاجتماع بهم،

اس ساری عبارت میں سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے اس کلام کا یہ جملہ (مادوا کما یمید الشجر فی یوم الریح) قابلِ توجہ ہے کیونکہ یہ دوران ذکر جذب وحرکت پر صراحۃً (واضح طور پر) دلالت کرتا ہے۔اور جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں دورانِ ذکر حرکت کرنا بدعتِ حرام ہے، ان کے دعویٰ کو باطل کرتا ہے اور مطلقاً ذکر میں حرکت کی اباحت کو ثابت کرتا ہے۔حضرت شیخ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث سے اپنے ایک رسالے میں دوران ذکر حرکت کے مستحب ہونے پر استدلال کیا ہے۔آپ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دورانِ ذکر سخت حرکت کیا کرتے تھے۔اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دورانِ ذکر اگر کوئی شخص حرکت کرتا ہے، بیٹھتا ہے یا کھڑا ہوتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔کیونکہ نہ تو اس نے معصیت (گناہ، نافرمانی) کا ارتکاب کیا ہے اور نہ اس کا قصد (ارادہ) کیا لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو صوفی ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن ان کا صوفیاء سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا، انہوں نے ذکر کے حلقوں کے جمال کو مسخ کر دیا، کیونکہ انہوں نے بہت سی بدعاتِ ضالہ اور ایسے ناپسندیدہ افعال اس میں داخل کر دیئے ہیں جو شریعتِ مطہرہ کے نزدیک حرام ہیں۔ان کی محافل گانے بجانے کے آلات، نوخیز لڑکوں، فحش گانوں اور آلات موسیقی سے مزین ہوتی ہیں۔اس لیے ان کی محافل تصفیہ قلب اور وصول الی اللہ کا ذریعہ نہیں ہوتیں بلکہ غافلین کے لیے فرحت وسرور اور گھٹیا مقاصد کی تکمیل کے بھرپور مواقع ہوتے ہیں۔(جو درحقیقت قلب کی صفائی کے بجائے غفلت و شہوت میں اضافے کا موجب ہے اور پھر یہ اپنے آپ کو اہل طریقت میں شمار کرتے ہیں) لیکن یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ بعض مدعیانِ علم مطلقاً ذکر کے حلقوں کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور جعلی و بناوٹی صوفیوں اور ان ذاکرین، سالکین، مخلصین جن کے ذکر اللہ ایمان میں رسوخ زیادہ کرتا ہے، اور معاملہ میں استقامت کو زیادہ کرتا ہے اور مخلوق میں بزرگی کو زیادہ کرتا ہے اور دل میں اطمینان کو زیادہ کرتا ہے۔یعنی حقیقی مشائخ میں تمیز وفرق نہیں کرتے۔مگر اللہ کی مہربانی سے چند انصاف پسند علمائے حق ایسے بھی ہیں جو رسول اعظم ﷺ کی پیروی کرنے والے سچے صوفیا اور جعلی مدعیان تصوف کے درمیان تمیز وتفریق کرتے ہیں۔ان علماء میں سرفہرست علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رسالے "شفا العلیل" میں اس فرق کو بیان فرمایا، بناوٹی صوفیاء کی مذمت کی، ان کی بدعتوں اور ناجائز کاموں کی نشاندہی کی اور ان کے ساتھ صحبت اختیار کرنے سے منع کیا۔[1]

حَدَّثَنِي مَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ الرُّعَيْنِيُّ، ثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ :لَمَّا قَدِمَ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي طَالِبٍ مِنْ أَرْضِ الْحَبَشَةِ تَلَقَّاهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا نَظَرَ جَعْفَرٌ إِلَيْهِ حَجَلَ - قَالَ مَكِّيٌّ :يَعْنِي مَشَى عَلَى رِجْلٍ وَاحِدَةٍ - إِعْظَامًا لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَبَّلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ۔

ترجمہ: سیدنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ جب حبشہ کی زمین سے آئے اور رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی، تو سیدنا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی طرف دیکھ کر، آپ ﷺ کی تعظیم وتکریم کی خاطر ایک پاؤں پر کود اور اچھل کر چلنے لگے، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کی پیشانی کو چوما۔[2]

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اہلِ وجد ورقص کے متعلق نظریہ

اِنَّ الْاِمَامَ رَحِمَهُ اللّٰهُ كَانَ مُحِبّاً لِلصُّوْفِيَةِ مُحْتَرِماً لِمَكَانَتِهِمْ وَ لَرُبَّمَا يُوْجَدُ لَهُ مِنَ التَّسَاهُلِ مَعَهُمْ مَالَمْ يُوْجَدْ لِغَيْرِهٖ مِنَ الْاَئِمَّةِ قَالَ الْمُخْبِرُ اَنَّهُ

---

[1] (حقائق عن التصوف، الحرکۃ فی الذکر، ص، ۹۷)

[2] (البدایۃ والنہایۃ، ج، ۴، ص، ۲۲۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

كَانَ فِيْ بَلَدِنَا طَائِفَةٌ يَرْقُصُوْنَ لِلذِّكْرِ حَتّٰى يَسْقُطُوْا عَلَى الْاَرْضِ وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِمُ الْاِمَامُ وَيَزُوْرُوْنَهُ وَيُكْرِمُهُمْ وَيَسْئَالُوْنَهُ وَيُجِيْبُهُمْ۔

ترجمہ: حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے محبت رکھتے اور ان کا احترام کیا کرتے تھے اور بسا اوقات دوسرے آئمہ سے بڑھ کر ان سے تساہل ورعایت کا برتاؤ کیا کرتے تھے۔ روای نے بتایا کہ ہمارے قصبہ میں صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ذکر کے وقت وجد میں آجاتے تھے اور رقص کرتے تھے۔ یہاں تک کہ زمین پر گرتے تھے۔ اس پر حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کبھی اعتراض نہ کیا۔ اور جب وہ حضرات آپ کی خدمت میں آتے تھے تو آپ ان کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ وہ ان سے مسائل پوچھتے تھے اور آپ ان کو جوابات مرحمت فرماتے تھے۔[1]

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو وجد آنا :

رُوِيَ أَنَّهُ سَمِعَ قَارِئًا يَقْرَأُ: هَذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُونَ - وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ (المرسلات، ۳۶، ۳۵) فَتَغَيَّرَ الشَّافِعِيُّ، وَارْتَعَدَ، وَخَرَّ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ۔

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ نے ایک قاری کو پڑھتے ہوئے سنا:

هَذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُونَ (۳۵) وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ (۳۶ مرسلات)

ترجمہ: یہ دن ہے کہ وہ نہ بول سکیں گے (۳۵) اور نہ انہیں اجازت ملے کہ عذر کریں۔

امام شافعی کا رنگ متغیر ہوگیا، اور جسم کانپنے لگا اور غش کھا کر گر گئے۔[2]

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وجد کے متعلق نظریہ

وَذَكَرَ الْحَافِظُ بْنُ الْأَخْضَرِ فِيمَنْ رَوَى عَنْ أَحْمَدَ فِي تَرْجَمَةِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْقَلَانِسِيِّ قَالَ: قِيلَ لِأَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ: إِنَّ الصُّوفِيَّةَ يَجْلِسُونَ فِي الْمَسَاجِدِ بِلَا عِلْمٍ عَلَى سَبِيلِ التَّوَكُّلِ قَالَ: الْعِلْمُ أَجْلَسَهُمْ فَقَالَ: لَيْسَ مُرَادُهُمْ مِنَ الدُّنْيَا إِلَّا كِسْرَةُ خُبْزٍ وَخِرْقَةٌ، فَقَالَ: لَا أَعْلَمُ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ أَقْوَامًا أَفْضَلَ مِنْهُمْ قِيلَ إِنَّهُمْ يَسْتَمِعُونَ وَيَتَوَاجَدُونَ قَالَ: دَعُوهُمْ يَفْرَحُونَ مَعَ اللهِ تَعَالَى سَاعَةً قِيلَ: فَمِنْهُمْ مَنْ يُغْشَى عَلَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمُوتُ فَقَالَ: {وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ}. (الزمر، ۴۷)

ترجمہ: حضرت سیدنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے ایک آدمی نے (شکوہ کے طور پر) عرض کیا: یہ صوفی لوگ بغیر علم سیکھے توکل کے طور پر مسجد میں بیٹھتے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے (جواباً) فرمایا: علم ہی نے تو ان کو مسجد میں بٹھایا ہے، پھر فرمایا: ان کا دنیا سے صرف ایک روٹی کے ایک معمولی سے ٹکڑے اور کپڑے کے ٹکڑے پر گزارہ کرنا ہوتا ہے، اور فرمایا: میں روئے زمین پر ان سے افضل لوگوں کو نہیں جانتا، ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یہ لوگ سماع سنتے ہیں اور وجد و تواجد بھی کرتے ہیں، فرمایا: انکو چھوڑ دو کہ ایک گھڑی اپنے خالق و مالک سے شاداں رہیں، عرض کی گئی: ان میں سے بعض بے ہوش ہوجاتے ہیں اور بعض مر بھی جاتے ہیں، تو (جواباً قرآن مجید کی اس آیت کو) پڑھا:

وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ۔

ترجمہ: اور انہیں اللہ کی طرف سے وہ بات ظاہر ہوئی جو ان کے خیال میں نہ تھی۔ (الزمر ۴۷:)

(یعنی یہ حالتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو حاصل ہوتی ہیں۔ ان کے اختیار میں نہیں ہوتیں ان کو تو گمان تک نہیں ہوتا کہ ہم پر یہ حالت وارد ہوگی)

---

[1] (النصرۃ النبوۃ، اہل الفتوحات والاذواق، رسالہ التصوف بعد رسالہ نور الیقین، ص ۵، مطبوعہ اشیق استنبول ترکی)

[2] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح، خطبۃ الکتاب، ج ۱، ص ۶۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

پھر بتایئے ان سے بہتر کون ہوسکتا ہے جو دنیا کے معمولی سے ذرہ پر بھی راضی رہے (یعنی اگر جاہل ہوتے تو اس قدر غربت سے ناشکری کرتے، ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو کر رہ کر اطاعت کرنا ہی تو علم ہے) پھر اس نے (اعتراض کے طور پر) عرض کیا: یہ لوگ رقص اور وجد کرتے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (اس میں کوئی مضائقہ نہیں) وہ اللہ تعالیٰ سے خوش ہونے کی بناء پر ہی تو یہ (وجد و رقص) کرتے ہیں۔[1]

اے فرزند! ولولۂ عشق و طنطنۂ محبت و نعرہائے شوق انگیز و صیحہ ہائے درد آمیز و وجد و تواجد و رقص و رقاصی ہمہ ظلال است و دراوان ظہوراتِ تجلیات ظلیہ۔

ترجمہ: اے فرزند! عشق کا ولولہ محبت کا زور و دبدبہ اور شوق انگیز نعرے، اور درد آمیز چیخ و پکار اور وجد و تواجد، اور رقص و رقاصی سب مقامات ظلال میں اور ظہورات و تجلیات ظلیہ کے وقت میں یہ سب ہوتے ہیں۔[2]

حضرت ابو العباس محی الدین سید شیخ احمد رفاعی الحسنی قدس سرہ لکھتے ہیں:

أي سادة أنتم تذكرون الله في هذا الرواق وتتواجدون وتهتزون فيقول الفقهاء المحجوبون رقص الفقراء ويقول العارفون رقص الفقراء فمن كان منكم وجده كاذبا وقصده فاسدا وذكره من اللسان مع طمح الطرف إلى الأغيار فهو رقاص كما قال الفقهاء وصدق عليه ما قالوا ومن كان منكم وجده صادقا وقصده صالحا عملا بقوله تعالى الذين يستمعون القول فيتبعون أحسنه۔ وكان من الذين إذا سمعوا القول قصدوا المراد من القول۔

ترجمہ: بزرگو! تم اس خانقاہ میں ذکر اللہ کرتے، اور وجد کرتے، اور نشاط میں حرکت کرتے ہو تو جو علماء (دولت سے) محجوب ہیں یوں کہتے ہیں کہ درویش ناچ رہے ہیں، اور عارفین کہتے ہیں کہ درویش (اللہ) کو یاد کر رہے ہیں، پس جس کا وجد جھوٹا اور نیت فاسد ہے اور اس کا ذکر محض زبان سے ہو، اور (دل کی) نگاہ اغیار کی طرف اٹھی ہوئی ہو، وہ تو واقعی ناچنے ہی والا ہے جیسا کہ علماء (ظاہر) کہتے ہیں، ایسے لوگوں کی نسبت علماء کی بات سچی ہے اور جس کا وجد سچا ہو، اور نیت اچھی ہو حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا مصداق ہو، اَلَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَه۔

ترجمہ: جو کان لگا کر بات سنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں۔ (سورۃ الزمر، ۱۸) یعنی ان لوگوں میں سے ہو جو بات کو سن کر لفظوں پر نہیں رہتے، بلکہ مطلب اور مراد کا قصد کرتے ہیں۔[3]

یہاں تک کہ حضور عظیم البرکت امام اہل سنت قاطع بدعت مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان افغانی ثم بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وجد اور تواجد کے بارے میں فتاوی رضویہ میں لکھتے ہیں۔ تواجد یعنی اہلِ وجد کی صورت بنانا اگر معاذ اللہ بطورِ ریا ہے تو اس کی حرمت میں شبہ نہیں کہ ریا کیلئے تو نماز بھی حرام ہے اور اگر نیت صالح ہے تو ہرگز کوئی وجہ ممانعت نہیں۔ یہاں نیت صالحہ دو ہوسکتی ہیں ایک عام یعنی تشبہ بصلحاءِ کرام "ان لم تکونوا مثلھم فتشبھوا ان التشبہ بالکرام فلاح" اگر نیک لوگوں کی طرح نہیں ہو تو نیکوں کی مشابہت اختیار کرلو۔ تحقیق کے ساتھ نیک لوگوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے میں ہی کامیابی ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا "من تشبہ بقوم فھو منھم" جو کسی قوم سے تشبہ کرے گا وہ ان میں سے ہی ہے۔ دوسری حدیث مبارکہ میں ہے: "ان لم تبکوا فتباکوا" رونا نہ آئے تو رونے کی صورت بناؤ۔

---

[1] (الآداب الشرعیۃ، ج۲، ص۴۳۵، غذاء الالباب شرح منظومۃ الآداب، ج۱، ص۳۱۳، الفروع، ج۹، ص۳۵۳، الفروع و تصحیح الفروع، ج۸، ص۳۷۸، کشاف القناع عن متن الاقناع، ج۱۷، ص۳۸۷، مطالب اولی النھی، ج۱۵، ص۳۶۳، الترتیب الاداریۃ، ج۲، ص۱۳۷، نزہۃ المجالس، ج۱، ص۵۸، مکتبۃ القدس، کوئٹہ)

[2] (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، حصہ پنجم، مکتوب ۳۰۲: ص۱۴۴، یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار، پشاور)

[3] (البرھان المؤید، القلب و ماحوی، ص۴۵، مکتبۃ المعارف، بیروت)

دوسری نیت طالبانِ راہ کیلئے وجد کی صورت بنائے کہ حقیقت حاصل ہو جائے نیت صادقہ کے ساتھ بتکلف بننا بھی رفتہ رفتہ حصولِ حقیقت کی طرف منجر ہو جاتا ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی قدس سرہ العالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں :التواجد المتکلف فمنه مذموم یقصد به الریاء و منه محمود و هو التوصل الی استدعاء الاحوال الشریفة و اکتسابها و اجتلابها بالحیلة فان للکسب مدخلا فی جلب الاحوال الشریفة و لذلک امر رسول اللہ ﷺ من لم یحضره البکاء فی قراءة القرآن ان یتباکی و یتحازن۔

ترجمہ: تکلف سے اپنے اوپر وجد لانے والے کا ارادہ اگر ریاکاری ہو تو یہ شرعاً مذموم عمل ہے اور اگر یہ نیت ہو کہ وجدانی حالت بناتے بناتے اچھے احوال مجھ پر وارد ہوں گے تو پھر ایسا کرنا اچھا ہے کیونکہ احوال شریفہ کے حصول کیلئے کچھ محنت کرنی ہوتی ہے اسی لئے تو آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص کو تلاوت قرآن کے وقت رونا نہ آئے تو وہ تکلف سے روئے اور غم ظاہر کرے۔

سیدی عارف باللہ علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ میں فرماتے ہیں :''لا شک ان التواجد و هو تکلف الوجد و اظهاره من غیر ان یکون له وجد حقیقة فیه تشبه باهل الوجد الحقیقی و هو جائز بل مطلوب شرعا قال رسول اللہ ﷺ من تشبه بقوم فهو منهم۔

ترجمہ: اس میں شک نہیں ہے کہ تواجد تکلف سے وجد کو لانا ہے اور وجد حقیقی کے بغیر تکلف سے اپنے اوپر وجد طاری کرنا ہے اس میں وجد حقیقی والوں کے ساتھ تشبہ ہے جو کہ صرف جائز نہیں بلکہ مطوب ہے آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص جس قوم سے مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہیں میں سے ہوتا ہے۔

فتاوی علامہ خیر رملی استاذ صاحب درمختار علیہما رحمۃ الغفار میں ہے :اما الرقص ففیه للفقهاء کلام منهم من منعه و منهم من لم یمنع حیث وجد لذة الشهود و غلب علیه الوجد و استدلوا بما وقع لجعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالٰی عنه لما قال له علیه الصلٰوة و السلام اشبهت خلقی و خلقی و فی لفظ جعفر رضی اللہ تعالٰی عنه اشبه الناس بی خلقا و خلقا فحجل ای مشی علی رجل واحدة و فی روایة رقص من لذة هٰذا الخطاب و لم ینکر علیه الصلٰوة و السلام رقصه و جعل ذلک اصلا لجواز رقص الصوفیة عند ما یجدونه من لذة المواجید فی مجالس الذکر و السماع و فی التتارخانیة ما یدل علی جوازه للمغلوب الذی حرکاته کحرکات المرتعش و بهٰذا افتی البلقینی و برهان الدین الانباسی و بمثله اجاب بعض ائمة الحنفیة و المالکیة و کل ذلک اذا خلصت النیة و کانوا صادقین فی الوجد مغلوبین فی القیام و الحرکة عند شدة الهیام و الشئ یتصف بالحلال تارة و بالحرام اخری لاختلاف المقاصد''

ترجمہ: رقص میں فقہاءِ کرام کا کلام ہے بعض منع کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے۔ جب شہود کی لذت موجود ہو اور سالک پر وجد کی کیفیات طاری ہوں اور وہ دلیل کے طور پر حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ جواز کی دلیل بناتے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا تم شکل و شباہت اور اخلاق میں میرے مشابہ ہو۔ ایک اور جگہ آپ ﷺ نے فرمایا :سب لوگوں میں جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھ سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ اخلاق میں بھی اور شکل وصورت میں بھی۔ یہ خطاب سن کر حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک پاؤں پر بھاگنا شروع کیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جعفر نے رقص شروع کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس رقص کو منع نہیں کیا۔ یہ واقعہ اہلِ تصوف کے نزدیک ایک دلیل ہے جب ذکر وسماع میں لذت محسوس کرے۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں جواز کے دلائل موجود ہیں۔ اسی طرح امام بلقینی اور علامہ برہان الدین نے جواز کا فتوی دیا۔

اس کے علاوہ جواز کا فتوی حنفیوں اور مالکیوں نے بھی دیا ہے۔[1]

علامہ ابن عابدین شامی نور العین فی اصلاح جامع الفصولین سے علامہ ابن کمال وزیر کا فتوی نقل فرماتے ہیں۔

''ما فی التواجد ان حققت من حرج۔ ولا التمایل ان اخلصت من بأس۔ فقمت تسعی علی رجل وحق لمن۔ دعاہ مولاہ ان یسعی علی الرأس۔ الرخصة فیما ذکر من الاوضاع عند الذکر والسماع للعارفین الصارفین اوقاتھم الی احسن الاعمال السالکین المالکین لضبط انفسھم عن قبائح الاحوال فھم لا یستمعون الامن الالہ ولا یشتاقون الالہ ان ذکروہ وناحوا وان وجدوہ صاحوا اذا وجد علیھم الوجد فمنھم من طرقتہ طوارق الھیئة فخر وذاب ومنھم من برقت لہ بوارق اللطف فتحرک وطاب''

ترجمہ: اگر تواجد حقیقی ہو تو کوئی حرج نہیں اور اگر ادھر ادھر تمایل اور گرنا خالص ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں تم تو پاؤں پر کھڑے ہو کر چلتے ہو حالانکہ حق یہ ہے کہ جس کو مولا بلائے تو وہ سر کے بل جائے ذکر واذکار کے وقت جو کیفیات طاری ہوتی ہیں ان بزرگوں پر جنہوں نے اپنے اوقات کو اچھے اعمال میں صرف کیا ہے اور اپنے آپ کو برے کاموں سے روکا ہے اور صرف کلام الٰہی ہی سنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مشتاق ہیں جب اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو چیختے ہیں روتے ہیں اور ان پر انوار طاری ہوتے ہیں تو گرتے ہیں حرکت کرتے ہیں یہ سب جائز ہے۔

یعنی وجد اور تواجد اور رقص بالکل جائز ہے اور احوال صحیحہ ہے اس سے انکار کرنا صراحۃً گمراہی ہے۔

اسی طرح امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوب نمبر :۲۶: میں ج :۱: وجد اور حال کے اثبات میں فرماتے ہیں :والعروج الی حضرة الذات تعالیٰ لا یتصور الا بالسیر الاجمالی فی الصفات والاعتبارات۔ ومن وقع سیرہ فی الاسمآء بالتفصیل حبس فی الصفات والاعتبارات ولم یزل منہ الشوق والطلب ولم یفارق عنہ الوجد والتواجد فاصحاب الشوق والتواجد لیسوا الا اصحاب التجلیات الصفاتیة ولیس من التجلیات الذاتیة لھم نصیب مادامو افی الشوق والوجد۔

ترجمہ: حضرت ذات کی طرف عروجِ روحی کرنا ممکن نہیں مگر صفات اور اعتبارات کے ساتھ وہ بھی اجمالی عروج کرنا جس کی سیر اسماء وصفات میں تفصیلی واقع ہو تو وہ صفات اور اعتبارات میں بند ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کو شوق اور طلب کی تڑپ رہتی ہے۔ اس کے ساتھ ہمیشہ وجد اور تواجد میں رہتا ہے اور تجلیاتِ صفات والی عام حالت میں ہوتے ہیں اور تجلیاتِ ذاتیہ میں ان کا نصیب نہیں ہوتا۔[2]

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ وجد اور تواجد اولیاءِ کرام کے احوال ہیں اور تجلیات صفاتیہ ظلیہ کے وقت میں بہت زیادہ حرکات اور اس کے علاوہ دیگر اشکال میں ظاہر ہوتا ہے جب تجلیاتِ ذاتیہ اور اصلیہ اولیائے راسخین کا نصیب ہو جائے تو اس کے بعد زیادہ وجد، رونا اور بدن کے لرزنے کی صورت میں اور کبھی دوسری امثال یا صورتیں بھی ظاہر ہو جاتی ہیں جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دوسرے مکتوب میں تحریر کیا ہے :(از دک وفک چارہ نیست) یعنی کبھی کبھی اور احوال بھی اصل اور خالص تجلی کے وقت میں سالک پر آتے ہیں۔ جس کا ذکر ہم نے تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

اس طرح امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو چاروں مذہبوں میں مقبول شخصیت ہیں اپنی کتاب ''انوار قدسیہ فی معرفة قواعد صوفیہ: ج: ۱ :ص: ۳۹ :باب آداب ذکر'' میں وجد اور مختلف نعروں کے اثبات کے حق میں اس طرح لکھا: ''وقال سیدی یوسف

---

[1] (فتاوی خیریہ علی ھامش تنقیح الحامدیہ: ج:۲: ص ۲۸۳ :)

[2] (مکتوبات شریف مکتوب: ج:۱: ص ۲۶:)

العجمی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ وما ذکروہ من آداب الذکر محلہ فی الذاکر الواعی المختار اما المسلوب الاختیار فھو مع مایرد علیہ من الاسرار، فقد یجری علی لسانہ اللہ اللہ اللہ او ھو ھو ھو او لا لا لا او آہ آہ آہ او عا عا عا او آآآ او ھا ھا ھا او صوت بغیر حرف او تخبیط و ادبہ عند ذلک التسلیم للوارد فاذا انقضی الوارد فادبہ السکون من غیر تقول'''[1]

ترجمہ: اور میرے سردار یوسف عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ مشائخ طریقت نے سالک کیلئے جو آداب ذکر کئے ہیں وہ صاحب اختیار سالک کے حق میں ہیں اور جو مسلوب الاختیار ہوتے ہیں ان کو اسرار وارد ہ کی وجہ سے چھوڑ دیجئے کبھی ان کی زبان سے بے اختیار اللہ، اللہ، اللہ یا ھو، ھو، ھو یا لا، لا، لا یا آہ، آہ، آہ یا عا، عا، عا یا آ، آ، آ یا ھا، ھا، ھا یا بغیر حروف کے آواز نکالتے ہیں اور کبھی بعض کلمات کو بعض الفاظ کے ساتھ ملا لیتے ہیں جیسے کہ اللہ ھو، ھو اللہ یا ھو عا، یا عا ھو وغیرہا اور اس کیلئے ادب یہ ہے کہ یہ اسرار وارد ہ کو تسلیم کرے پس جب یہ اسرار وارد ہ ختم ہو جائے اس کیلئے ادب یہ ہے کہ سکون اور وقار کے ساتھ بیٹھ جائے۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۲۴۰ھ لکھتے ہیں :

و کلام ایشان رضی اللہ عنھم بجز بندگی خود و معبودیت حق سبحانہ ھر گز دریافت نمیشود و آنچہ از جناب امیر المؤمنین خلیفہ رسول اللہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجھہ در اتحاد و توحید نقل کنند ثابت نمیشود و کمالے کہ در قرن اول از حضرت پیغمبر ﷺ باھل آن رسیدہ مقتضی نسبت بندگی است با حق تبارک و تعالیٰ در قرون متأخرہ صوفیہ علیہ پدید آمدند و کمالے دیگر از ان حضرت حق سبحانہ۔ بر این اکابر ظاھر شد و آن نسبت قلبی است مقتضائے آن ذوق و شوق و نعرہ و آہ است گرمی و حرارت محبت کہ از صوفیہ صافیہ مرویست۔

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کلام میں اپنی بندگی (بندہ ہونے) اور حق سبحانہ کی عبودیت (معبود ہونے) کے سوا ہر گز کچھ نہیں ملتا۔ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کمال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نصیب ہوا ہے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ نسبت بندگی کا تقاضا کرتا ہے۔ بعد کی صدیوں میں کبار صوفیہ پیدا ہوئے ہیں۔ ان اکابر کا ذات حق سبحانہ سے ایک اور کمال ظاہر ہوا اور وہ نسبت قلبی ہے۔ جس کا تقاضا ذوق وشوق اور نعرہ وآہ ہے۔ محبت کی گرمی وحرارت جو سچے صوفیہ سے مروی ہے۔[2]

مسلک دیوبند کے حکیم الامت اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

(۴۳) ایک دن حضرت شاہ حاجی امام الدین علیل ہوئے اور آہ آہ کرنے لگے حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب برادری حاجی صاحب کہ نسبت ارادت بھی حاجی صاحب سے رکھتے تھے عیادت کو آئے اور کہا آہ آہ کیوں کرتے ہو اللہ اللہ کرو انہوں نے کچھ خیال نہ کیا اور آہ میں مشغول رہے ایک دن اتفاقاً حضرت مفتی صاحب بھی اسی درد میں مبتلا ہوئے اور اللہ اللہ کرنے لگے اور آہ منہ سے نہ نکالا حضرت شاہ صاحب نے تشریف لا کر فرمایا جب تک آہ نہ کرو گے صحت نہ ہوگی چنانچہ یہی ہوا کہ مرض ترقی کرتا گیا کسی طرح تخفیف نہ ہوئی۔ بالآخر مفتی صاحب نے آہ کرنا شروع کیا اور صحت حاصل ہوگئی۔ یہ مقام عبودیت تھا اور تذلل وعبدیت محبوب (خدا) کو محبوب ہے اور اسی میں رضا و تسلیم بھی مقصود ہے اور اللہ اللہ مقام الوہیت ہے (حاشیہ) قولہ اللہ اللہ مقام الوہیت ہے قول الوہیت سے مراد عروج وعبودیت سے مراد نزول عارفین پہچانتے ہیں کہ اس وقت مرض سے نزول مقصود ہے جب تک اس کے آثار کو اختیار نہیں کیا جاتا۔ اس مقصود کے انتظار میں مرض زائل نہیں ہوتا ۱۲ منہ۔

---

[1] (انوار القدسیہ فی معرفۃ قواعد صوفیہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم: ج: ۱: ص: ۳۹)

[2] (مکاتیب شریفہ، مکتوب، شصت ونہم، ص، ۵۳، ۲۴۷ المکتبۃ ایشق بشارع دار الشفقۃ، استانبول، ترکیہ)

(۴۴) فرمایا کہ مولود تمامی اہلِ حرمین کرتے ہیں اسی قدر ہمارے واسطے حجت کافی ہے اور حضرت رسالت پناہ کا ذکر کیسے مذموم ہوسکتا ہے البتہ جو زیادتیاں لوگوں نے اختراع کی ہیں نہ چاہئیں اور قیام کے بارے میں میں کچھ نہیں کہتا۔ ہاں ایک کیفیت قیام میں حاصل ہوتی ہے۔

(حاشیہ) قولہ ہمارے واسطے حجت کافی ہے اقول یعنی ان کے مقابلے میں جو منع میں افراط کرتے ہیں باقی جن کا منع کرنا منکرات کے ہے اس کی تائید تو خود اس ملفوظ میں ہے باقی منکرات کیا کیا ہیں اس میں اجتہادی اختلاف ہوسکتا ہے ۱۲ منہ قولہ مجھ کو ایک کیفیت قیام میں حاصل ہوتی ہے اقول جو دوسروں پر حجت نہیں۔[1]

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں کہ علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نماز میں آہ کرتا ہے۔ یا کبھی روتا کبھی ہنستا ہے، اور کبھی اسکا ایک پیر، اور کبھی دونوں پیر اٹھ جاتے ہیں۔ اگر اس شخص سے دریافت کرتے ہیں کہ تم کیوں ایسا کرتے ہو تو وہ شخص جواب دیتا ہے مجھے بے اختیاری سے ہوتا ہے، کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ہنسی اگر آواز سے ہے تو مفسد نماز ہے۔ اگر قہقہہ کی حد تک ہو تو ناقص وضو بھی، اور اگر آواز پیدا نہ ہو صرف تبسم ہو تو نہ مبطل نماز نہ ناقص وضو، اور پہلی صورت میں اس کی کوئی بھی نماز نہ ہوگی۔ امامت کیا کرسکے اور آہ کرنا یا رونا نماز کو فاسد کرتا ہے۔ مگر جب اضطراب ہو تو نماز مفسد نہیں،

والانین والتاوہ والتافیف والبکاء بصوت لو جع او مصیبۃ الا المریض لایملک نفسہ عن انین وتاوہ لانہ حینئذٍ کعطاس وسعال وجثاء وتثاوب وان حصل حروف للضرورۃ طحطاوی علی المراقی میں ھے۔ ومحل فسادہ عند حصول الحروف اذا امکنہ الامتناع عنہ اما اذا لم یمکنہ الامتناع عنہ فلا تفسد بہ عند الکل الامتناع کما فی الظھیریہ کالمریض اذا لم یمکنہ منع نفسہ عن الانین والتاوہ لانہ حینئذٍ کالعطاس والجثاء اذا حصل بھما حروف،

اور جب بلا اختیار ہے تو امامت بھی کرسکتا ہے اور پاؤں کا اٹھانا مکروہ ہے جب اختیار سے نہیں، مجبوری ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔[2]

مسئلہ: مسئولہ محمد اسد اللہ طالب علم مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف ۱۰ جمادی الآخرہ ۱۳۴۱ھ اگر نماز میں جنت کی یاد سے یا نار (دوزخ) کی یاد سے بلند آواز سے اوہ آہ کرے تو فقہاء کے نزدیک نماز جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر اس صورت میں نماز کی جگہ سے ہٹ جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ذکر جنت یا دوزخ پر اگر گریہ طاری ہوا اور آہ اف وغیرہ ہما الفاظ زبان سے نکل گئے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر دو قدم ایسی حالت میں آگے یا پیچھے ہٹ گیا۔ جب بھی حرج نہیں (درمختار) میں ہے۔

لالذکر جنۃ او نار۔ لان الانین ونحو اذا کان بذکرھما صار کانہ قال انھم انی اسئلک الجنۃ واعوذبک من النار ولو صرح بہ لاتفسد صلاتہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔[3]

ظفر احمد عثمانی دیوبندی وعبد الکریم دیوبندی لکھتے ہیں:

سوال: ضلع بریسال میں بعض چشتیہ طریقہ کے درویش گاہے بگاہے چیخیں مارتے ہیں۔ اور یہ حال نماز میں زیادہ ہوتا ہے۔ کبھی، ہا، ہو، کرکے چیخ مارتے ہیں ان کی عجیب آواز سن کر اجنبی آدمی خوفزدہ ہوجاتے ہیں نماز میں بھی کبھی آگے جاتے اور کبھی پیچھے کی طرف ہٹتے ہیں کبھی کود کر اوپر کی جانب اٹھ جاتے ہیں جس سے دونوں پاؤں زمین سے علیحدہ ہوجاتے ہیں۔ کبھی قرأت یا التحیات کے چند الفاظ بلند آواز سے پڑھ لیتے ہیں اور

---

[1] (امداد المشتاق الیٰ اشرف الاخلاق، ص، ۴۲)

[2] (فتاویٰ امجدیہ، ج، ۱، ص، ۱۲۸،)

[3] (فتاویٰ امجدیہ، ج، ۱، ص، ۱۸۱)

پوچھنے پر بتاتے ہیں کہ یہ افعال ہم سے بلا اختیار سرزد ہوتے ہیں لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ شریعت کی رو سے افعال مذکورہ درست ہیں یا نہیں؟ اور ان درویشوں سے بیعت ہونا ان کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب :اگر واقعی بے اختیار بحالت اضطرار ان سے یہ حرکات صادر ہوتی ہیں جس کو صوفیہ کی اصطلاح میں غلبہ حال کہتے ہیں تو چیختے چلاتے اور قہقہہ مارنے سے نماز فاسد نہ ہوگی۔قرأت یا التحیات سے کسی قدر بلند آواز سے پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی۔خواہ جان بوجھ کر ہو (جبکہ یہ درویش تو مجذوب و بے خبر ہیں) امام کی قرأت سے متاثر کروانے سے بھی نماز میں فرق نہیں آئیگا۔حاشیہ طحطاوی میں ہے کہ نماز اس وقت ٹوٹے گی، جب کسی سے حروف صادر ہوں اور کنٹرول کر سکنے کے باوجود نہیں روک رہا۔البتہ اگر روکنے پر قادر ہی نہ ہو تو نماز ہو جائے گی۔جیسے کھانسنے والے مریض کی نماز ہو جاتی ہے، یہ جواب اس وقت ہے۔جب یہ حرکات بالاضطرار صادر ہوتے ہوں۔اور ان کو ہوش باقی نہ رہا ہو۔اگر ہوش بھی سلامت نہیں اور اس درجہ بے خبری ہو۔کہ اگر ریح بھی خارج ہو جائے تب بھی ان کو خبر نہ ہو تو ایسی صورت میں نماز فاسد ہو جائے گی اور وضو بھی اور جس کی ان حرکات سے نمازی ڈریں اسکو غلبہ حال کے وقت جماعت میں شامل نہ ہونا چاہیے۔

رہا مرید ہونا تو اگر یہ لوگ متبع شریعت ہوں اور کسی شیخ محقق سے مجاز یا خلیفہ ہوں تو اس سے بیعت ہونا بھی جائز ہے ورنہ نہیں۔[1]

اسی طرح امام حجۃ الاسلام محمد بن محمد بن محمد الغزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو چاروں مذاہبِ حق میں مقبول شخصیت ہیں اپنی کتاب مستطاب[2] پر بیان کرتے ہیں کہ وجد کی حالت میں کپڑے پھاڑنے کے بارے میں لکھا ہے :''**و لا یبعد ان یغلب الوجد بحیث یمزق ثوبه و هو لا یدری لغلبة سکر الوجد علیه او یدری و لکن یکون کالمضطر الذی لا یقدر علی ضبط نفسه۔**''[3]

ترجمہ: یہ بات بعید نہیں ہے کہ وجد اس قدر غالب ہو جائے کہ اپنے کپڑے پھاڑے سکر اور وجد کے غلبے کیوجہ سے اور اپنی حالت کو سمجھے بھی نہیں یا سمجھتا ہے مگر مجبور شخص کی طرح بن جائے۔اپنے نفس پر کنٹرول اور قدرت نہ ہو۔

اسی طرح امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اولیائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے رقص کے اثبات میں یہ لکھا ہے :''**و ذلک یکون لفرح او شوق فحکمه حکم مهیجه ان کان فرحه محمودا و الرقص یزیده و یؤکده فهو محمود و ان کان مباحا فهو مباح و ان کان مذموما فهو مذموم**''[4]

ترجمہ: رقص اور خوشی شوق کیوجہ سے صادر ہوتا ہے اس کا حکم سبب کے ساتھ متعلق ہے اگر خوشی جائز اور نیک ہو تو رقص بھی اسے بڑھا دیتا ہے تو اس طرح کا رقص بھی محمود اور اچھا ہے اگر خوشی مباح ہو تو رقص بھی مباح اگر خوشی ناجائز ہو تو رقص بھی مذموم ہوگا۔

پھر امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احیاء العلوم[5] میں بخاری شریف کتاب النکاح قبیل کتاب الطلاق جلد ۲ صفحہ ۷۸۸ پر حبشیوں کے مسجد میں رقص کی روایت نقل کی ہے اور دوسری صحیح احادیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ سبب مباح کی وجہ سے حبشیوں کیلئے مسجد میں رقص کرنا جائز ہے اور رسول اللہ ﷺ نے منع نہیں فرمایا اور ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دیکھنا اور اس کیلئے ان کا کھڑے ہو کر دیکھنا اہلِ

---

[1] (امداد الاحکام، ج، ۲، ص، ۱۶۶، تا، ۱۶۸، ملخصاً، زکریا بکڈپو دیوبند، ضلع سہارنپور)

[2] (احیاء علوم الدین: ج: ۲ :ص: ۳۰۴: مقام ثالث من السماع)

[3] (احیاء علوم الدین: ج: ۲ :ص: ۳۰۴: مقام ثالث من السماع)

[4] (احیاء العلوم: ج: ۲: ص: ۳۰۴)

[5] (ج: ۲: ص: ۲۷۳ :باب کتاب السماع والوجد)

تصوف کیلئے سبب محمود کی وجہ سے جوکہ انوارِ الٰہیہ کا ورود ہے۔ بطریق اولیٰ مسجد میں رقص و وجد ہونا جائز ہوتا ہے حالانکہ اہلِ تصوف سے اختیار بھی سلب ہو جاتا ہے اگرچہ عقل وشعور باقی ہوتا ہے۔ جیسے تفسیر روح المعانی میں غشی اور بے ہوشی کی حالت میں عقل واختیار، دونوں سلب ہو جاتے ہیں۔غشی کے احوال میں ہوش باقی رہتا ہے۔اختیار سلب ہو جاتا ہے۔کھانسی اور چھینک کی طرح۔اس پر بھی کسی قسم کا اعتراض نہیں ہے۔مسجد اور غیر مسجد میں اس طرح جائز اور ثابت ہے۔

''اسی طرح امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احیاء العلوم جلد ۲ صفحہ ۲۹۳ پر حضرت موسیٰ عبادانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے :انه قال اقدم علينا صالح المرى رحمة الله تعالٰى عليه وعتبة الغلام رحمة الله تعالٰى عليه وعبدالواحد بن زيد رحمة الله تعالٰى عليه ومسلم الاسوارى رحمة الله تعالٰى عليه فنزلوا على الساحل قال فهيأت لهم ذات ليلة طعاما فدعوتهم اليه فجاءوا فلما وضعت الطعام بين ايديهم اذا بقائل يقول رافعا صوته هٰذا البيت۔ وتلهيک عن دار الخلود مطاعم۔ ولذة نفس غيها غير نافع۔ قال فصاح عتبة الغلام رحمة الله تعالٰى عليه صيحة وخر مغشيا عليه وبكى القوم فرفعت الطعام وماذاقوا والله منه لقمة۔

ترجمہ: مسلم عبادانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ صالح المری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور عتبۃ الغلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مسلم الاسواری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہمارے یہاں پہنچے اور دریا کے کنارے پر ہمارے مہمان بن گئے۔تو حضرت عبادانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کیلئے رات کو کھانا تیار کیا اور میں نے انہیں کھانے کی دعوت دی اور ان کو کھانا کھانے کیلئے بلایا اور وہ آگئے۔جب میں نے ان کے سامنے کھانا رکھا تو ایک شخص بلند آواز سے یہ شعر پڑھ رہا تھا۔کہ تمہیں جنت کے کھانوں سے غافل کر دیا نفس کی ان لذتوں نے جن کی تم تابعداری کرتے ہو اور ان میں کچھ بھی فائدہ نہیں۔تو عتبۃ الغلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔تو سب نے رونا شروع کر دیا تو کھانا میں نے دوبارہ اٹھالیا۔اللہ کی قسم! انہوں نے ایک لقمہ بھی نہیں کھایا۔

حضرت عتبۃ الغلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پرانے اولیاء اللہ میں سے ہیں۔اور صاحب کرامت شخصیت ہیں اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید ہیں۔اس کی پوری تفصیل تذکرہ اولیاء میں مذکور ہے۔جوکہ حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیف ہے۔

اسی طرح حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احیاء العلوم (جلد ۲ صفحہ ۲۹۷) میں حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ تحریر کیا ہے کہ :فقد كان الشبلى رحمة الله تعالٰى عليه فى مسجده ليلة من رمضان وهو يصلى خلف امام له فقرأ الامام ولئن شئنا لذهبن بالذى اوحينا اليک فزعق الشبلى رحمة الله تعالٰى عليه زعقة ظن الناس انه قد طارت روحه واحمر وجهه وارتعد فرائصه''

ترجمہ: حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مسجد میں رمضان کے مہینے کی ایک رات امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔جب امام نے یہ آیت پڑھی :''ولئن شئنا لذهبن بالذى اوحينا اليک'' تو حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایسی چیخ ماری کہ لوگوں نے گمان کیا کہ ان کی روح پرواز کر گئی۔ان کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ان کے لطائف نے تیزی کے ساتھ حرکت شروع کر دی۔[1]

اس واقعہ سے نماز کی حالت میں وجد ثابت ہوا اور وجد کے وقت میں چہرہ کا سرخ ہو جانا بھی ثابت ہوا۔حالانکہ منکرین نے استہزائیہ انداز میں لکھا ہے کہ جن کے مریدوں کے چہرے مریضوں کی طرح سرخ ہو جاتے ہیں۔آیا کیا منکرین یہ نسبت حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جانب کرتا ہے۔(معاذ اللہ) کہ ایک ولی اللہ کا انکار کفر اور بے دینی ہے لہٰذا منکرین اپنے افکار اور استہزاء کو غور سے دیکھیں۔استہزاء کی عاقبت اور انجام کی فکر کرے۔

---

[1] (احیاء العلوم: ج:۲: ص :۲۹۷)

اسی طرح امام غزالی رحمہ اللہ نے ا میں حضرت سہل ابن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اضطراب اور وجد کا واقعہ ان کے مرید اور خلیفہ حضرت شیخ ابوالحسن محمد بن احمد کی روایت کے ساتھ نقل کیا ہے۔فرماتے ہیں :صحبت سهل بن عبدالله ستين سنة فما رأيته تغير عنه شئ كان يسمعه من الذكر او القرآن فلما كان في آخر عمره سمع مرة قوله تعالٰى "الملك يومئذن الحق للرحمٰن" فاضطرب۔

ترجمہ : میں نے حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت میں ساٹھ سال گزارے۔میں نے ان کو ذکر یا تلاوت قرآن یا سماع کے وقت متغیر حال میں نہیں دیکھا۔آخری عمر میں ایک مرتبہ جب یہ آیت کریمہ تلاوت کی جارہی تھی :لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (غافر ۱۶) تو انہوں نے لرزنا شروع کیا،ان پر اضطراب کی کیفیت طاری ہوگئی۔چونکہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ منتہی اور اصحاب تمکین میں سے تھے لہٰذا عام حالتوں میں ان پر تغیر احوال وارد نہ ہوتا۔البتہ کبھی کبھی ان پر اضطراب کی کیفیت طاری ہوتی۔یہ واقعہ منتہیوں پر وجد کے آنے کی دلیل ہے۔

اسی طرح امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سلطان اولیاء حضرت ابراہیم بن ادہم بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وجد کے حق میں [۲] پر تحریر کیا ہے :حضرت ابراہیم ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جب کسی سے یہ آیت مبارکہ سنی:

"انه اذا سمع احدا يقرأ "اذا السماء انشقت" اضطربت اوصاله حتى كان يرتعد۔"

ترجمہ:حضرت ابراہیم بن ادھم نے کسی سے یہ آیت مبارکہ {اذا السماء انشقت} سنی تو ہڈیوں اور جوڑوں میں اضطراب آگیا اور کپکپی طاری ہوگئی۔

اس کے علاوہ دیگر بہت ساری احادیث اور اقوال و واقعات حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "احیاء العلوم" میں نقل کئے ہیں۔

اسی طرح حضرت شیخ اجل شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے [۳] میں وجد کے بیان میں فرمایا ہے کہ وجد میں انسان پر رونے کی کیفیت بھی طاری ہوتی ہے۔

"واعلم ان للباكين عند السماع مواجيد مختلفة فمنهم من يبكي خوفا ومنهم من يبكي شوقا ومنهم من يبكي فرحا"

ترجمہ: جان لو کہ سماع اور نعت خوانی میں رونے کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں بعض خوف سے روتے ہیں بعض خوشی سے اور بعض شوق سے روتے ہیں۔

اسی طرح شیخ اجل شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سماع کے وقت میں وجد کی مختلف قسمیں بیان کی ہیں جیسے رونا، کپڑے پھاڑنا،چیخیں مارنا وغیرہ۔آپ نے (عوارف المعارف باب:۲۲) میں لکھا ہے۔

"سئل رويم رضى الله تعالٰى عنه عن وجد الصوفية رحمة الله تعالٰى عليهم عند السماع فقال يتنبهون للمعانى التى تغرب عن غيرهم فيشير اليهم الى (اى هلموا الى) فيتنعمون بذلك من الفرح ويقع الحجاب للوقت فيعود ذلك الفرح بكاء فمنهم من يمزق ثيابه ومنهم من يبكي ومنهم من يصيح"

ترجمہ: حضرت رویم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے وجد کے بارے میں پوچھا گیا کہ سماع کے وقت میں وجد کی کیا حالت ہوتی ہے؟ تو حضرت رویم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اہلِ تصوف ایسی معنویت کو بیدار کرتے ہیں جو دوسرے لوگوں سے پوشیدہ ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری

---

[۱] (احیاء العلوم: ج:۲: ص :۳۰۳: مقام ثالث من السماع)

[۲] (احیاء العلوم ج:۲: ص:۲۹۸)

[۳] (عوارف المعارف باب ۲۴ ص ۱۱۷)

طرف متوجہ ہو جاؤ تو وہ بہت خوش ہو جاتے ہیں اور کبھی حجابِ معنوی رونما ہوتا ہے تو کچھ وہ ہیں جو کپڑے پھاڑتے ہیں کچھ وہ ہیں جو روتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو چیخیں مارتے ہیں۔

اسی طرح فقیہ نبیل متکلم شہیر صوفی جلیل حضرت عارف باللہ علامہ عبدالغنی نابلسی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[1] سچے عارفوں کا وجد اور تواجد کا مضبوط اثبات تحریر کیا ہے۔ سب سے پہلے مخالفوں کے دلائل لکھتے ہیں : جو کہ قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول سے مخالفین نے دلیل پکڑی ہے اور علامہ برکلی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول سے اور مختلف لوگوں کے اقوال سے دلیل پکڑی ہے۔ اس کے بعد سب کے تردیدی اقوال نقل کئے ہیں کہ یہ خلافِ شرع صوفی اور فاسقین پر محمول کئے ہیں۔ اس کے بعد منکرین کے اعتراضات کے جوابات تحریر کئے اور فرمایا : ''واعلم ان هٰذا الذی سبق ذکره فی المتن من عبارات الفقهاء جمیعه فی تردید الوجد فی حق من ذکرناهم من طائفة متصوفة الله تعالٰی اعلم باعیانهم فلاتنزله انت فی حق کل من وجدتهم علی شبه منهم وقیاس منک لهم علیهم فان الشیطان للانسان عدو مبین والا فان طریق الوجد والتواجد الذی تعلمه الفقرآء الصادقون فی هٰذا الزمان وبعده کما کانوا یعلمونه من قبل فی الزمان الماضی نور وهدایة واثر توفیق من الله تعالٰی وعنایة۔ قال المناوی رحمة الله تعالٰی علیه فی طبقات الاولیاء فی ترجمة الشیخ ابراهیم الدسوقی قدس سره انه قیل للجنید قدس سره علیه ان قوما یتواجدون ویتمایلون فقال دعوهم مع الله تعالیٰ یفرحون فانهم قوم قطعت الطریق اکبادهم ومزق النصب فؤادهم وضاقوا ذرعا فلا حرج علیهم اذا تنفسوا مداواة لحالهم ولو ذقت مذاقهم عذرتهم فی صیاحهم وشق ثیابهم (الی ان قال) وربما غلب الوله علی اهل الله والوجد حتی یغیبوا عن وجودهم فتبدوا منهم احوال وافعال لو صدرت عن احد وهو مشاهد الفعل والاحساس بین یدیهم لحکموا علیه انه خرج عن حد العقل والحقوا تلک الافعال باحوال المجانین کالرقص والدوران وتخریق الثواب وهی حالة شریفة علامة صحتها ان تحفظ علی صاحبها اوقات الصلٰوات وسائر الفرائض فیرد علیهم فیها عقولهم وهٰذا حال جماعة من اولیاء الله تعالٰی منهم ابو بکر الشبلی وابو الحسن النوری وسمنون المحب وسعدون المجنون وامثالهم۔ ذکر الیافعی عن بعضهم قال رأیت الشبلی قائما یتواجد وقد خرق ثوبه وهو یقول :شققت ثوبی علیک حقا ومالثوبی اردت خرقا اردت قلبی فصادفته یدای بالجیب اذبرقا لو کان قلبی مکان جیبی لکان للشق مستحقا[2] وانشد الشیخ الامام شهاب الدین احمد الزهری الشافعی متعذرا عن کشف راس الفقراء فی الذکر بقوله:''[3]

یلومونني في کشف راسي وانني ... لمعترف اني علی ذلک اوجر

لقصدي به اظهار ذلتي التي ... هي المقصد الاسنی لمن یتبصر

ترجمہ: جان لو کہ جو طریقہ محمدیہ کے متن میں وجد کی تردید کے حوالے سے جو عبارات نقل کی گئی ہیں وہ سب خلاف شرع ناقص پیروں کے حق میں ہیں۔ یہ تنقیدی عبارتیں اس شخص کے حق میں مت چسپاں کرنا جو کہ ظاہری حالت میں ان متوصفہ سے مشابہت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے تاکہ صادق اولیاءِ کرام سے بدگمان نہ کر سکے اس لئے صادق اولیاءِ کرام کا وجد اور تواجد زمانۂ حال یا آنے والے زمانے میں یا

---

[1] (حدیقة الندیه شرح طریقه محمدیه: ج:۲: ص:۵۲۳)

[2] (الی ان قال فی: ج:۲: ص:۵۲۵)

[3] (حدیقة الندیه شرح طریقه محمدیه للعلامة عبدالغنی النابلسی الحنفی رحمة الله تعالٰی علیه: ج:۲: ص:۵۲۳ تا ۵۲۵)

گزرے ہوئے زمانے میں دوسروں کیلئے ہدایت ہے۔اللہ کی توفیق کا اثر ہے۔اللہ کی خاص عنایت اور مہربانی ہے۔

علامہ امام مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ طبقاتِ اولیاء میں شیخ ابراہیم الدسوقی کے تذکرہ میں فرماتے ہیں : حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا بعض صوفیوں کے بارے میں کہ وہ تواجد اختیار کرتے ہیں،اس بارے میں کیا حکم ہے؟ تو حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو کہ اپنے حال میں اپنے اللہ کے ساتھ خوش ہوں اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے دلوں کو پھاڑ دیا گیا ہے اور مصیبتوں کو برداشت کرتے ہوئے انہوں نے اپنے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا حوصلے تنگ ہو گئے ہیں۔اس لئے ان کے تواجد پر گناہ یا اعتراض نہیں۔جب وہ آہ کے ساتھ سانس لیتے ہیں تا کہ ان کا یہ حال دائمی ہو جائے یا اس کا مزہ تم نے چکھا ہو تو تم ان کو چیخیں مارنے میں معذور جانو۔

بہت مرتبہ اولیاءِ کرام پر دیوانگی کا غلبہ ہوتا ہے یہاں تک کہ اپنے وجود میں فانی ہو جاتے ہیں اور ان سے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں کہ اگر ایک عام باہوش انسان سے ایسے احوال صادر ہو جائیں تو لوگ ان پر حکم جاری کر دیں کہ یہ شخص عقل و دانش کے دائرے سے باہر ہے۔تو ان کی معنویت کے یہ احوال اور افعال پاگلوں کے احوال کے ساتھ ملحق کر لیں کہ یہ وجد کی حالت میں ناچتے اور اپنے کپڑے پھاڑتے ہیں مگر در حقیقت یہ احوال اچھے ہیں اور ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ نماز کیلئے پوری طرح ہوش وحواس میں ہوتے ہیں اور اگر بے ہوشی طاری ہو جائے یا چیخیں نکلیں تو یہ بھی معاف ہے جیسا کہ روح المعانی کے حوالہ جات میں بیان کیا جا چکا۔اور اگر دورانِ نماز ان پر بے ہوشی طاری ہو جائے تو ان پر نماز کا اعادہ لازم ہے۔

حضرت ابو بکر شبلی،حضرت ابوالحسن ثوری،حضرت سمعون المحب،حضرت سعدون المجنون رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اور انکی طرح اور دیگر اولیاء اللہ،حضرت امام یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بعض عالموں کے قول نقل کئے ہیں۔وہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علامہ شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیکھا کہ وہ حالتِ تواجد میں تھے اور اپنے کپڑے پھاڑ رہے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے :''میں نے اپنے کپڑوں کو تیری محبت میں حق پر پھاڑ دیا۔میرا ارادہ کپڑوں کو پھاڑنے کا نہ تھا۔میرا ارادہ اپنے دل کو چیرنے کا تھا مگر میرے ہاتھ میرے گریبان سے ٹکرا گئے۔اگر میرے گریبان کی جگہ میرا دل ہوتا تو وہی پھاڑے جانے کے لائق ہوتا کہ میں اس کو پھاڑتا''

پھر:ص :۵۲۵: پر لکھتے ہیں : کہ حضرت شیخ شہاب الدین احمد زہری شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فقرائے طریقت کے ذکر کے وقت میں سر برہنہ رہنے کے عذر میں اشعار تحریر کئے ہیں :لوگ مجھے سر ننگا رہنے پر ملامت کرتے ہیں۔حالانکہ میں اس بات کا معترف ہوں کہ مجھے اس پر اجر ملتا ہے اس لئے کہ سر ننگا رہنے سے میرا مقصد عاجزی کا اظہار کرنا ہے جو کہ اہلِ نظر کی نظر میں بیش قیمت مقصد ہے۔[1]

اس عبارت سے کچھ نکتے نکلتے ہیں : جن فقہاء اور علماء نے وجد اور تواجد کی تردید کی ہے وہ خلافِ شرع متصوفہ ریاکار اور فاسق مدعی تصوف پر محمول ہیں تو حنفی عارف اور فقراء کو ان فاسقوں اور خلافِ شرع متصوفہ پر قیاس کرنا شیطانی وسوسہ اور گمراہی ہے۔

حقیقی فقیروں کیلئے وجد اور تواجد بالکل جائز ہے بلکہ نور اور ہدایت اور عنایت اور اثرِ توفیق حالت ہے۔ وجد اور تواجد کوئی نیا کام نہیں ہے بلکہ حقیقی عارفوں کیلئے بہت پرانا اور ثابت ہے اور کسی خاص زمانے کیلئے مختص نہیں ہے۔

سید الطائفہ حضرت شیخ جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی عارفوں کے وجد،تواجد،تمائل اور چیخیں مارنا اور کپڑے پھاڑنا ثابت کیا ہے۔

اولیاءِ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم پر کبھی ایسے احوال وارد ہوتے ہیں جو معاذ اللہ مجنونوں کے افعال واعمال دکھائی دیتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] (حدیقۃ الندیہ للعلامۃ عبد الغنی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: ج:۲: ص:۵۲۳ تا ۵۲۵)

قال النبی ﷺ لن یؤمن احدکم حتی یقال انه مجنون۔ (تم میں ایک بھی اس وقت تک مؤمن نہیں بن سکتا جب تک لوگ اسے مجنون نہ کہیں۔)

''عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ ﷺ قال :اکثروا ذکر اللہ تعالٰی حتی یقولوا مجنون'' (حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہیں۔[1]

''عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال :قال رسول اللہ ﷺ اذکروا اللہ ذکرا یقول المنافقون :انکم تراؤون''

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :اللہ کا ذکر اس قدر کرو کہ منافق تمہیں ریا کار کہیں۔[2]

''عن ابی جوزا رضی اللہ عنہ قال :قال رسول اللہ ﷺ اکثروا ذکر اللہ حتی یقول المنافقون انکم مراؤون۔'' (حضرت ابو جوزا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ منافق تمہیں ریا کار کہیں۔)[3]

''عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال :قال رسول اللہ ﷺ اذکروا اللہ ذکرا حتی یقول المنافقون انکم تراؤون''

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :اللہ کا ذکر اس قدر کرو کہ منافق تمہیں ریا کار خیال کریں۔[4]

''عن ابن عباس رضی اللہ عنہ مرفوعا اذکروا اللہ ذکرا یقول المنافقون انکم مراؤون''

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ کا اتنا ذکر کرو کہ منافقین یوں کہنے لگیں کہ تم ریا کار ہو۔[5]

''ماروا ہ البیھقی فی شعب الایمان مرسلا و مرفوعا اکثروا ذکر اللہ حتی یقول المنافقون انکم مراؤون۔''[6]

ترجمہ: امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شعب الایمان میں ایک روایت مرسل اور دوسری بار مرفوع ذکر کیا ہے :حضورِ اکرم ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرو حتی کہ منافقین تمہیں ریا کار کہیں۔

---

[1] (الکنز الثمین فی فضیلۃ الذکر :ص:۹۳ :احمد بن حنبل :المسند :ج:۳:ص:۶۸ :ج:۳:ص:۷۱ :ابن حبان الصحیح :ج:۳:ص:۹۹ :ابو یعلٰی : المسند :ج:۲:ص:۵۲۱ :عبد ابن حمید :المسند :ج:۱:ص:۲۸۹ :دیلمی الفردوس الخطاب :ج :۱:ص:۷۲ :ابن رجب :جامع العلوم والحکم :ج:۱:ص:۴۴۴ :حاکم المستدرک :ج:۱:ص:۶۷۷ :بیھقی شعب الایمان :ج:۱:ص:۳۹۷ :منذری الترغیب والترھیب :ج:۲:ص:۲۵۶ :مزی تھذیب الکمال :ج:۸ ص:۴۷۹ :ابن معین التاریخ :ج:۴:ص:۴۱۳ :ھیشمی مجمع الزوائد :ج :۱۰:ص:۷۵ : عجلونی کشف الخفاء :ج:۱:ص:۱۸۷ :قرطبی الجامع لاحکام القرآن :ج:۲:ص:۱۹۷ :تبلیغی نصاب باب فضائل ذکر حدیث :نمبر:۱۵ :لمولوی زکریا :ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم :ج:۳:ص:۴۹۶)

[2] (الکنز الثمین فی فضیلۃ الذکر والذاکرین ص ۹۴ طبرانی المعجم الکبیر ج ۲ ص ۱۶۹ ابو نعیم حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ج ۳ ص ۱۸۱ ابن رجب جامع العلوم والحکم ج ۱ ص ۴۴۸، ۴۴۴ ابن کثیر ج ۳ ص ۴۹۶ مناوی فیض القدیر ج ۱ ص ۴۵۶)

[3] (الکنز الثمین فی فضیلۃ الذکر والذاکرین :ص:۹۴ :بیھقی شعب الایمان :ج:۱:ص:۳۹۷ :مناوی فیض القدیر :ج:۲:ص:۸۵ :عجلونی کشف الخفاء :ج:۱:ص:۱۸۷)

[4] (ھیتمی المجمع الزوائد :ج ۱۰:ص:۷۹ :منذری الترغیب والترھیب :ج:۲:ص:۲۵۶ :الکنز الثمین فی فضیلۃ الذکر والذاکرین :ص:۹۴)

[5] (رواہ الطبرانی کذا فی الجامع)

[6] (سیاحۃ الفکر ص ۲۴ اقسام الذکر واحکامہ ص ۲۴۲)

اور علامہ رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد　　اوست فرزانہ کہ فرزانہ نشد

ترجمہ: وہ شخص پاگل ہے جو اللہ کے عشق میں پاگل نہ ہو جائے۔ وہ شخص ہوشیار ہے جو دنیاداری کا ہوشیار نہ ہو۔

کبھی کبھی عارفوں پر رقص اور جنون اور کپڑے پھاڑنا اور سر ننگا کرنے جیسے احوال آجاتے ہیں۔ صحیح وجد اور حال کی علامتیں یہ ہیں کہ جس پر یہ احوال وارد ہوتے ہیں وہ نماز اور عبادات کا پابند ہوتا ہے۔ فاسق اور فاجر پر یہ احوال وارد نہیں ہوتے اگرچہ کبھی کبھی سالک نماز ادا کرنے سے بھی عاجز ہوتا ہے بعد میں نماز کی قضاء ادا کرتا ہے۔ جیسے ربیع بن خیثم تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پانچ وقت نمازوں میں بالکل بے ہوش رہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرتے ہیں کہ: ھٰذا واللہ ھو الخوف (یہ سب کچھ اللہ کے خوف کی وجہ سے ہے)۔

جیسے پہلے احیاء العلوم کے حوالے سے احادیث اور آثار کے باب میں بیان کیا جا چکا ہے عام وجد اور احوال کے ساتھ عقل ضائع نہیں ہوتی۔ عین وجد کی حالت میں بھی نماز ہوتی ہے اور وضو بھی نہیں ٹوٹتا۔

اسی طرح حضرت عارف باللہ حضرت علامہ فقیر اللہ صاحب حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قطب الارشاد: ص: ۵۴۰: میں فرماتے ہیں: ''واذا واظب علی تکرارھا بالوجہ المذکور یحصل لہ فی بعض الاوقات کیفیۃ عجیبۃ وھو مقدمۃ الجذبۃ۔ الخ''

ترجمہ: (جب سالک ذکر کا تکرار کرتا ہے مذکورہ طریقے سے ہمیشگی کے ساتھ تو بعض اوقات اس پر عجیب حالات طاری ہوتے ہیں۔ یہ حالت مقدمہ ہے جذب کا)

قطب الارشاد: ص: ۵۲۴: میں اللہ کی طرف پہنچنے کا کثرت ذکر کے تین راستے ہیں۔ تیسرے راستے کے بارے میں فرماتے ہیں: ''وثالثھا طریق السائرین الی اللہ تعالٰی والطائرین باللہ تعالٰی وھو طریق الشطار من اھل المحبۃ والسالکین بالجذبۃ۔ الخ'' تیسرا راستہ اللہ تعالیٰ کے وصول کا سیر کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت تک پرواز کرنے کا یہ ہے شطاریوں کا راستہ جو محبت اور جذب کے راستے سے سلوک کا راستہ طے کرنے والے ہیں۔[1]

اس طرح سیف المقلدین: ص: ۵۳۷: میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ لکھتے ہیں: ''دروقتے کہ آن حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بکرسی برمی آید بانواع علوم تکلم میکرد وحاضران ہمہ از مشاہدہ ہیبت وعظمت ساکت وصامت میبودند ناگاہ درمیان کلام میفرمودند (مضی القال وعطفنا بالحال) این گفتن ودرمردم اضطراب ووجد وحال درآمدن۔ یکی درگریہ وفریادمی درآمد ودیگرے جامہ پارہ می کرد وراہ صحرا می گرفت ودیگری بی ہوش می افتاد وجان میداد وقتہا بودی کہ از مجلس وعظ آن حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جنازہا بیرون می آمد از جہت غلبۂ شوق وہیبت وتصرف وقہرمان عظمت وجلال او۔''

ترجمہ: اس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ وعظ کے لئے کرسی پر تشریف فرما ہوئے اور ہر علوم پر خطاب فرمایا۔ حاضرین سب کے سب ہیبت وعظمت اور مشاہدہ کی وجہ سے ساکت اور خاموش رہے اچانک خطاب کے دوران غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قال ختم ہوا اور حال کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اتنا کہنا تھا کہ لوگوں پر وجد اور حال آیا اور لوگوں نے رونا اور کچھ نے فریاد شروع کی۔ اور کچھ نے اپنے کپڑے پھاڑنے شروع کئے اور کچھ بے ہوش ہو گئے اور کچھ کی روح پرواز کر گئی۔ اور ایسے مواقع بھی آئے کہ لوگوں کے جنازے بھی اٹھتے۔ وعظ کی مجلس سے شوق کے غلبے اور

---

[1] (قطب الارشاد ص ۵۲۴)

ہیبت کی وجہ سے تصرف اور قہرمانی عظمت وجلال آپ کی شخصیت کی وجہ سے وجد طاری ہوجاتا تھا۔[1]

حیرت کی بات یہ ہے کہ وجد اور تواجد چاروں مذہبوں میں جائز اور رائج ہے اور مذاہب اربعہ میں چاروں طریقے ثابت ہیں۔ جیسے نقشبندیوں کے لئے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور تفسیر روح المعانی کی عبارت سے ثابت ہوا اور بعد میں بھی شاہ نقشبند کا وجد اور حال اور بعض واقعات، مقامات، خواجہ اور مکاتب شاہ غلام دہلوی کے حوالے سے لکھیں گے۔ ان شاء اللہ۔

اور قادریوں کیلئے حضرت غوث الثقلین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس واقعہ سے بھی ثابت ہوا۔ اور چشتیوں کیلئے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول مبارکہ ہے۔ جیسے: (شعر)

آنجا کہ زاہدان بہزار اربعین رسند　　مست شرابِ عشق بہ یک آہ میرسند

ترجمہ: جہاں زاہد ہزار چلوں سے پہنچتے ہیں، شرابِ عشق کے مست اک آہ میں پہنچتے ہیں۔

سلسلۂ سہروردیہ کے بزرگوں کیلئے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بہت ساری عبارتوں اور عوارف المعارف سے ثابت ہوا۔

اسی طرح مجموعۃ الفتاوی: ص: ۳۵۵: وجد اور تواجد اور رقص اور تصفیق (تالیاں بجانے) کے حق میں لکھا ہے: **التواجد والاھتزاز والرقص والتصفیق وامثال ذلک ان صدرت من الذاکر فی حالۃ الطرب والخروج عن حیز الاختیار وغلبۃ الشوق اخرجتہ عن حیز الخبرۃ فھو فی ذلک معذور وغیر ملام۔**

ترجمہ: تواجد مستی اور رقص اور تصفیق (تالیاں بجانا) اور اس جیسے دیگر امور اگر ذکر کرنے والے کو روحانی حالت میں اور مستی میں اختیار سے باہر اور شوق کے غلبے ذاکر کو اختیار سے صادر ہوجائے تو ذاکر اس میں معذور ہے۔ اسے ملامت نہیں کرنا چاہئے۔

اسی طرح حضرت سیدنا شاہ غلام علی دہلوی مجددی قدس سرہ نے بار بار وجد اور تواجد اور اثبات کا ذکر کیا ہے: مولانا خالد نقشبندی کے سارے مریدوں نے وجد اور حال اور جذبات میں بہت تائید کی ہے۔ منکرین کے بارے میں کفر کا خطرہ سمجھا۔ نقشبندیوں چشتیوں، قادریوں، سہروردیوں اور مجددیوں کی معرفت کی نشانی یہی بیان کی ہے کہ ان میں جذب ہوتا ہے یہاں ہم نمونہ کے طور پر چند عبارتیں تحریر کرتے ہیں: ''مجمع فضائل ظاہر و باطن مولنا خالد سلمھم اللہ تعالیٰ بہ اشارت غیبی در ہند در شاہ جہان آباد نزد احقر لا شئ رسیدہ در طریقہ نقشبندیہ مجددیہ مصافحۂ بیعت نمودہ بافکار واشغال ومراقبات در خلوتی پرداختند بعنایت الٰہی سبحانہ بواسطہ مشائخ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایشان را حضور وجمعیت وبیخودی وجذبات وارادات وکیفیات وحالات وانوار حاصل شد ومناسبتی بہ نسبت قلبی نقشبندیہ دست داد باز توجہات بر لطائف عالم امر ولطائف عالم خلق ایشان کردہ شد وباین توجہات نمی از دریاہائے نسبتہائے حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہرہ یافتہ وباین حالات ومقامات اجازت وخلافت در تلقین وارشاد طالبان ایشان را دادہ شد در وطن رسیدہ بریاضات وپرداخت نسبت باطن مشغول شدند وایشاں را قبولی پیدا شد وبغایت حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ اشاعت طریقۂ نقشبندیہ دراں دیار نمودند **فالحمد للہ** دست ایشان دست من ودیدن ایشان دیدن من ودوستی ایشان دوستی من وانکار وعداوت ایشان بمن میرسد ومقبول ایشان مقبول پیران کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم من۔۔۔ الخ۔

وفیض از آن حضرت ﷺ بر دلہائی اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم وارد شد بیتابیہا واضطراب وولولہ ونعرہ را باعث گشت نعرہ ہائے حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ از عجائب احوال صوفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گفتہ اند در صحبت حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میر محمد نعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ومرزا مراد بیگ

---

[1] (بحوالہ سیف المقلدین علی اعناق المنکرین: ص: ۵۳۷)

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ورحم اشرف این ہر دو از ین فقیر استفادہ داشتند نعرہ وآہ وبیتابیھا بسیار حاصل می شد۔ در خاندان حضرت میر ابو العلی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آہ ونالہ بسیار است اگر در اصحاب مولانا خالد این امور ظاہر شد ہنر وخوبی مولانا خالد است نہ جائے طعن ناواقفان ۔الخ۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ طریقۂ چشتیہ وقادریہ وسہروردیہ از والد خود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وکبرویہ از مولانا یعقوب صوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گرفتہ۔ استفادہ نقشبندیہ از حضرت شیخ المشائخ خواجہ محمد باقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نمودند ودر اندک زمانہ باسرار وانوار وحالات وکیفیات وجذبات وواردات کثیرہ رسیدند۔

ملا عبد الحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گفتہ کہ ایشان مجدد این الف اند امام المحدثین شاہ ولی اللہ در مکہ شریفہ رسالہ کہ در رد روافض حضرت مجدد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نوشتہ اند آنرا بلفظ عربی از فارسی ترجمہ کردہ اند در آنجا نوشتہ اند۔[1]

اسی طرح مکتوب:۷۸: ص :۸۲: میں حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حق میں لکھتے ہیں کہ :''اصحاب حضرت خواجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ در چند روز از غلبۂ حالات در نمکین وشیرین امتیاز نمی کردند یک بار بر کنیز کی توجہ نمودند سرشار وبے خود گردید بخانہ رفت مالکہ اش بدیدن او بیہوش افتاد، زن ہمسایہ آمد بدیدن مالکہ اش مغلوب غلبات بیخودی وسکر گردید''[2]

سکۂ کہ بہ یثرب وبلخ زدند — نوبت آخر بہ بخارا زدند
از خط ان سکۂ نشد بہرمند — جز دل بے نقش شہ نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
این گوہر پاک نہ ہر جا بود — معدن او خاک بخارا بود

ترجمہ: ظاہری وباطنی فضائل کے جامع مولانا خالد غیبی اشارہ کے ساتھ ہندوستان میں شاہ جہان آباد میں فقیر کے پاس پہنچا۔طریقہ نقشبندیہ مجددیہ میں مصافحہ کے ساتھ بیعت کی اور خلوت میں مشغول ہوئے اللہ کی مہربانی اور مشائخ کرام کے واسطہ سے اس مبارک کو حضور کی جمعیت جذبات واردات کیفیات حالات انوار حاصل ہوئے۔نسبت قلبی نقشبندی کے ساتھ مناسبت پیدا ہوئی اس مبارک کو عالم امر اور عالم خلق کے لطائف پر میں نے توجہ کی تو ان ہی توجہات کی وجہ سے نمی یا تری اس دریا سے جو مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بہرور تھے وہ حضرت خالد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں آئی۔تو ان حالات میں ان مقامات کی وجہ سے خلافت اور اجازت دے دی اور مریدوں کو تلقین دینے لگے۔

اس کے بعد شاہ غلام علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :اس کا ہاتھ، میرا ہاتھ۔اس کا دیکھنا، میرا دیکھنا۔اس کی دوستی، میری دوستی۔اس کی دشمنی، میری دشمنی ہے۔خالد بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جو مقبول ہے وہ میرے بڑے پیروں کا مقبول ہے۔اس کے بعد لکھتے ہیں کہ فیض رسول اکرم ﷺ سے بزرگوں کے دلوں پر وارد ہوتا ہے۔بے تابیاں اور اضطراب، ولولہ اور نعرہ کا سبب بنتا ہے۔حضرت شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نعرے اور عجیب اقوال اولیاء کرام نے شمار کئے ہیں۔حضرت خواجہ باقی باللہ کی صحبت میں میر محمد نعمان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرزا مراد بیگ اور رحم اشرف کو یہ نعرہ اور آہ کرنا اور بہت ساری بے تابی حاصل تھی اور بعد میں دونوں نے فقیر سے استفادہ کیا۔اور میر ابو علی نقشبندی کے خاندان میں آہ فریاد اور چیخیں مارنا بہت زیادہ تھا۔اگر مولانا خالد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مریدوں میں اس طرح کے امور ظاہر ہوتے ہیں تو یہ مولانا خالد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کمال وہنر ہے یہ طعن وتشنیع کی جگہ نہیں بیوقوفوں کے لئے۔

اس کے بعد اسی مکتوب میں مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طریقۂ چشتیہ قادریہ اور سہروردیہ اپنے والد بزرگوار سے اور طریقۂ کبرویہ مولانا یعقوب

---

[1] (بلغ امرہ الی ان لا یحبہ الا مؤمن تقی ولا یبغضہ الا منافق شقی :مکاتیب شریفہ :مکتوب: ۱۰۹ :ص: ۲۲۵ تا ۲۲۷)

[2] (مکاتیب شریفہ: مکتوب:۷۸: ص :۱۲۰: رسالہ سوم)

صوفی سے لیا اور طریقۂ نقشبندیہ میں استفادہ حضرت باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کیا تو انہوں نے بہت کم وقت میں اسرار، انوار حالات، کیفیات، جذبات اور بہت سارے واردات پر مشرف ہوا۔ ملا عبد الحکیم سیالکوٹی فرماتے ہیں کہ یہ مبارک ایک ہزار سال تک مجدد ہیں۔ امام المحدثین شاہ ولی اللہ نے مکہ مکرمہ میں امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسالہ اہل سنت کی تائید اور شیعہ کے تردید میں فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا اور اس میں یہ بات لکھی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شان ولایت مقبولیت اس حد تک پہنچی ہے کہ ان سے محبت نہیں کرتے مگر تقویٰ دار مومن اور ان سے بغض نہیں رکھتے مگر منافق بد بخت۔

اسی طرح مکتوب: ۷۸: ص: ۸۲: پر حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حق میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مریدوں میں کئی کئی دن حالات کے غلبہ کی وجہ سے ایسا ہوتا کہ میٹھے اور نمکین کے ذائقہ میں بھی فرق نہیں کر سکتے تھے۔ ایک دن ایک کنیز کو توجہ کی تو وہ وجد میں آ گئی اور بے ہوش ہو کر گر گئی۔ پھر وہ کنیز اپنے گھر چلی گئی۔ مالکن نے اسے دیکھا تو بے ہوش ہو کر گر گئی۔ اتنے میں ایک پڑوسی عورت آ گئی اور مالکن کو دیکھ کر مغلوب الحال، سکر اور جذب کی کیفت میں مبتلا ہو کر گر پڑی۔[1]

سکۂ کہ بہ یثرب وبطحا زدند　　نوبت آخر بہ بخارا زدند
از خط ان سکۂ نشد بہرمند　　جز دل بے نقش شاہ نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
این گوہر پاک نہ ہر جا بود　　معدن او خاک بخارا بود

ترجمہ: جو سکہ مدینہ منورہ میں لگتا وہی سکہ آخر میں بخارا میں لگایا جانے لگا۔ اس سکے سے کبھی فائدہ نہیں اٹھایا سوائے اس کے کہ جو حضرت شاہ نقشبند مبارک کے بے نقش دل کے۔ یہ پاک موتی ہر جگہ نہیں ہے۔ اسکا خزانہ بخارا کی مٹی ہے۔

اسی طرح آگے اسی کتاب میں مکتوب نمبر ۱۰۰ سے ۱۱۰ تک اور پھر ۱۳۹ تک رقمطراز ہیں فرماتے ہیں: ''واین مراقبہ ولایت صغری میکند کہ دائرۂ ثانی است وایں جا سیر تجلیات افعالیہ الٰہیہ وظلال اسماء وصفات است۔ در ایں جا توحید وجودی وذوق وشوق وآہ ونالہ واستغراق وبیخودی ودوام حضور وتواجد وغیرہ حاصل می شود''

ترجمہ: فرماتے ہیں کہ یہ مراقبہ ولایت صغریٰ میں ہوتا ہے جو دائرہ ثانی ہے۔ اس مقام میں افعال الٰہیہ اور ظلال اور اسماء وصفات کے تجلیات کی سیر ہے۔ اس مقام پر توحید وجودی، ذوق وشوق اور استغراق اور بے ہوشی اور ہمیشہ حضوری اور وجد وغیرہ حاصل ہوتا ہے۔

اسی کتاب کے مکتوب ۱۰۲ میں فرماتے ہیں:

''الحمد للہ سعی نمایند کہ جمعیت وتوجہ وحضور وجذبات وواردات در دلہا پیدا آید''

ترجمہ: الحمد للہ کوشش کرو کہ جمعیت، توجہ، حضوری قلب، جذبات اور واردات دل میں پیدا ہو جائیں۔

اسی طرح مکتوب ۱۰۴ میں فرماتے ہیں: در ترقی طالبان سعی نمایند، ہر گاہ حضور وجمعیت وتوجہ وجذبات وواردات لطائف عالم امر را دریابد توجہ بر لطیفۂ نفس نمایند۔ پس بلطائف عالم خلق ودیگر درجات باید نمود۔[2]

ترجمہ: مریدوں کی ترقی میں کوشش کرو۔ جب عالم امر کے لطائف میں حضوری، جمعیت، توجہ، واردات اور جذبات پالو تو لطیفہ نفس پر توجہ کرو اور باقی لطائف عالم خلق (عناصر اربعہ) پر توجہ کرو۔

---

[1] (مکاتیب شریف: مکتوب: ص: ۲۸: ۷۸: رسالہ سوم)

[2] (مکتوب شریف: مکتوب ۱۰۴:)

اسی طرح مکاتیب شریفہ میں مکتوب: نمبر:۵۸: ص :۷۵: میں فرماتے ہیں :''اگر چشتی است از صحبت او ذوق وشوق وگرمی و بی تابی دل وترک وتجرید حاصل گردد واگر قادری است صفائی قلب ومناسبت بہ عالم ارواح وملائکہ واز گزشتہ وآیندہ علمی نقد او شود واگر نقشبندی است حضور وجمعیت ونسبت یاد داشت و بے خودی وجذبات وواردات دست دہد واگر مجددی است آنچہ در لطائف فوقانیہ کیفیات وصفاء ولطائف نسبت باطن وانوار واسرار کہ در طریقہ مجددیہ مقرر است پیدا شود واگر در صحبت او این احوال ظہور نکند توان گفت ۔شعر:[1]

صحبت نیکان ز جہان دور شد خانۂ عسل خانہ زنبور شد

ترجمہ: اگر کوئی شخص چشتی ہے تو اس کے لئے ذوق شوق ترک دنیا، گرمی باطن بے تابی دل، اور تجرید حاصل ہوتی ہے اور اگر ایک آدمی قادری سلسلے میں ہے تو اس کی صحبت سے دل کی صفائی اور عالم ارواح سے مناسبت اور فرشتوں سے مناسبت اور ماضی اور مستقبل کے حالات کا علمی کشفی طریقے اور الہام کی عطاء سے نقد حاصل ہوتا ہے اگر ایک آدمی نقشبندی سلسلے میں ہے تو اس کی صحبت سے حضوری جمعیت، نسبت، یاداشت اور بے خودی اور جذبات اور واردات حاصل ہوتے ہیں اور اگر ایک آدمی مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے تو اس کے صحبت سے کیفیات، صفائی باطن اور باریکیاں اور نسبت باطنی، انوار اور اسرار جو طریقہ مجددی میں مقرر ہیں ۔وہ لطائف عالم امر اور عالم خلق کے ذریعہ پیدا ہوتی ہے اور اس کی صحبت میں اس قسم کے احوال پیدا ہوتے ہیں ۔شعر:[2]

نیکوں کی صحبت دنیا سے چلی گئی شہد کا چھتا بھڑوں کا چھتا بن گیا

اسی طرح (بھجۃ النفوس) میں ہے، ایک بار حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ پر وجد اور حال کا ایسا غلبہ ہوا کہ سات دن تک اپنے گھر سے نہیں نکلے اس دوران نہ کچھ کھاتے اور نہ پیتے تھے اور نہ ہی سوتے تھے اور ان کی پیر صاحب کو خبر ہوئی تو پیر صاحب مبارک نے فرمایا کہ اس کی نماز محفوظ ہے یا نہیں؟ تو لوگوں نے عرض کیا کہ پانچوں نمازیں جماعت کے ساتھ پڑھتا ہے تو پیر صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا :**الحمد للہ الذی لم یجعل للشیطان علیہ سبیلا**۔ یعنی تمام تعریفیں صرف اسی اللہ کے لئے ثابت ہیں جس نے اس پر شیطان کا راستہ نہ بننے دیا۔تو اس واقعہ سے بھی وجد اور حال پر استدلال ہوتا ہے۔

اسی طرح امام زنادقہ ملحد کبیر ابن تیمیہ خارجی بھی وجد اور حال کے مسئلے سے انکار نہ کرسکا اس لئے کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے اور تسلیم شدہ اور متواتر ہے اس لئے اس ملحد نے بھی مجبوراً اس مسئلے کا اثبات کیا ہے ۔علماء اہل سنت کے اتنے اقوال کے باوجود اس کے اقوال لکھنے کی ضرورت نہ تھی لیکن چونکہ اس ملحد کے تابعدار لوگوں کے لئے حجت بن جائے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ وجد اور حال کا مسئلہ ایسا اجماعی اور اظہر من الشمس ہے کہ ابن تیمیہ جیسے ملحد کبیر کو بھی اس سے کوئی انکار کا موقع ہاتھ نہ آیا۔اگر چہ بہت سارے ضروریات دینیہ اور متواترۃ اجماعیہ سے اس ملحد کبیر نے علی الاعلان انکار کیا ہے۔اس کے فتویٰ اور رسائل اس سے بھرے ہوئے ہیں۔

علامہ مجتہد فخم تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علامہ کوثری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور علامہ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور بہت سارے علماء دین اہل سنت و جماعت نے اس کے عقائد کفریہ کا تفصیل کے ساتھ آپریشن کیا ہے۔اس کی خارجیت اور رافضیت اکٹھے ثابت کئے ہیں۔ تفصیل کے لیے علماء اھلسنت کی کتب کی طرف رجوع فرمائیں۔

تاہم اس نے وجد و حال کو مضبوط طریقے سے ثابت کیا ہے۔اپنے فتویٰ (مجموعۃ الفتاوی ابن تیمیہ :ج:۱:ص :۱۸۶: میں طرح لکھا ہے): '**وما یحصل عند**

---

[1] (مکاتیب شریفہ: مکتوب:۵۸: ص ۷۵:)

[2] (مکاتب شریف مکتوب:۵۸: ص ۱۰۹:)

السماع والذکر المشروع من وجل القلب ودمع العین واقشعرار الجسد فھذا افضل الاحوال التی نطق بھا الکتاب والسنۃ۔ واما الاضطراب الشدید والغشی والموت والصیحات فھذا ان کان صاحبہ مغلوبا علیہ لم یلم علیہ کما قد کان یکون فی التابعین ومن بعدھم فان منشاہ قوۃ الوارد علی القلب مع ضعف القلب والقوۃ والتمکن افضل کما ھو النبی ﷺ والصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم۔

ترجمہ : ''وہ کچھ جو حاصل ہوتا ہے سماع اور ذکر مشروع کے وقت دل کا خوف اور آنکھوں سے آنسوؤں کا بہنا اور بدن کا لرزنا۔ یہ سب کے سب اچھے احوال ہیں۔کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ اس پر ناطق ہے۔جو کچھ شدید اضطراب اور بے ہوشی اور وفات پا جانا اور چیخیں مارنا مغلوب الحال ہو تو اس پر کوئی ملامت نہیں جیسے تابعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اس کے بعد اولیاء اللہ کے احوال تھے۔اس لئے اس کا منشاء وہ قوت وارد ہے جو ان کے دل پر وارد ہوتی ہے۔حالانکہ ان کا دل ضعیف اور کمزور ہوتا ہے۔تمکین جو تلوین کے بعد حاصل ہوتی ہے یہ افضل ہے جو اکثر نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تمکین کا حال تھا۔''

تنبیہ :اس اضطراب اور غشی کا ثبوت اولاً صحابہ اکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بلکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے احوال میں احادیث سے بیان ہو چکا ہے اس کے علاوہ بہت سی عبارات وجد اور تواجد کے اثبات کے لئے حقیقی پابند شریعت اہل تصوف کے لئے ہیں لیکن اس ذکر شدہ عبارات سے مسئلہ مکمل طور پر واضح اور ثابت ہوا۔اب خصوصیت کے ساتھ تواجد کے اثبات کیلئے چند عبارات کو ملاحظہ کیجئے۔اس لئے کہ بعض لوگ وجد مانتے ہیں مگر تواجد سے انکار کرتے ہیں۔تواجد علی الاطلاق نہیں مانتے تاکہ ان لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ تواجد بنیت حسنہ جائز بلکہ مطلوب شرعی ہے۔

(فاقول وباللہ التوفیق)

تواجد محمودہ کے اثبات میں علماء حق کے اقوال

یہ بات جان لینی چاہیئے کہ تواجد کے ثبوت کی کچھ وضاحت پہلے کی جا چکی ہے۔یہاں مزید وضاحت کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔تواجد باب تفاعل سے ہے۔اس کی معنیٰ ہے تکلفاً وجد کو ظاہر کرنا۔امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رسالہ قشیریہ میں فرماتے ہیں :

''التواجد استدعآء الوجد بضرب الاختیار ولیس لصاحبہ کمال الوجد''

(ترجمہ : تواجد وجد کے دعویٰ کا نام ہے اپنے اختیار کے ساتھ حالانکہ تواجد کرنے والے کو کمال وجد حاصل نہ ہو۔(تواجد اس نیت سے ہو کہ اہل وجد کے ساتھ مشابہت ہو جائے۔تو یہ جائز بلکہ مطلوب شرعی بھی ہے۔)

حضرت علامہ عبدالغنی نابلسی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیقۃ الندیہ :ج :۲ :ص:۵۲۵ :پر تحریر فرماتے ہیں :ولاشک ان التواجد وھی تکلف الوجد واظھارہ من غیر ان یکون لہ وجد حقیقۃ، فیہ تشبہ باھل الوجد الحقیقی وھو جائز بل مطلوب شرعا قال رسول اللہ ﷺ من تشبہ بقوم فھو منھم۔[1]

ترجمہ:اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تواجد تکلفاً وجد ظاہر کرنے کو کہتے ہیں۔حالانکہ اسے حقیقی وجد حاصل نہ ہو تو اس میں حقیقی اہل وجد کے ساتھ مشابہت ہو تو یہ جائز بلکہ مطلوب شرعی ہے۔حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :جو کسی قوم کی مشابہت کرے وہ ان میں سے ہوگا۔

اسی طرح شیخ اجل شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ(عوارف المعارف:ص :۱۱۳:باب :۲۳) میں فرماتے ہیں :''سئل بعضھم عن التکلف فی السماع فقال ھو علی ضربین تکلف فی المستمع لطلب جاہ او منفعۃ دنیویۃ وذلک تلبیس وخیانۃ وتکلف فیہ

---

[1](رواہ الطبرانی فی الاوسط عن حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ تعالٰی عنہ)

لطلب الحقیقة کمن یطلب الوجد بالتواجد وھو بمنزلة التباکی المندوب الیه''

ترجمہ: بعض عارفین سے سوال کیا گیا سماع میں تکلف کے معاملے میں تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کی دو قسمیں ہیں: سماع پڑھنے والا اور سماع سننے والا جو عزت اور نفع دنیوی تلاش کرنے کیلئے ہو تو یہ دھوکہ اور خیانت ہے اور دوسری قسم وہ تکلف ہے کہ اس شخص میں ہو جو حقیقت کی طلب میں ہو جیسے ایک شخص تواجد کے ذریعے وجد طلب کرتا ہے جیسا تکلفاً ہوتا ہے یہ اچھا اور مطلوب شرعی ہے۔

اسی طرح عین العلم: ص:۴۰۵: پر تحریر ہے: ''والتواجد مذموم للریاء لا لقصد الوصول الی الحقیقة''۔

ترجمہ: تواجد برا ہے اگر دکھاوے یا ریاکاری کے لئے ہو جبکہ حقیقت تک پہنچنے کے لئے تواجد برا نہیں ہے اسی طرح حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ احیاء العلوم: ج:۲: ص:۲۹۶: پر لکھتے ہیں:

''وھذا التواجد المتکلف فمنه مذموم وھو الذی یقصد به الریاء واظھار الاحوال الشریفة مع الافلاس منھا ومنه ما ھو محمود وھو التوصل الی استدعاء الاحوال الشریفة واکتسابھا واجتلابھا بالحیلة فان للکسب مدخلا فی جلب الاحوال الشریفة ولذلک امر رسول اللہ ﷺ من لم یحضرہ البکاء فی قرآءة القرآن ان یتباکی ویتحازن فان ھٰذہ الاحوال قد تتکلف مبادیھا ثم تحقق او اخرھا''

ترجمہ: تکلفاً وجد ظاہر کرنا، بعض اوقات مذموم ہے مثلاً اس کا مقصود ریاکاری ہو اور اس کا مقصد احوال شریفہ کا ظاہر کرنا ہو حالانکہ وہ شخص احوال شریفہ سے عاری ہو اور بعض تکلف اچھے ہیں، نیک ہیں جو کہ تکلفاً کرتا ہے۔ احوال شریفہ حاصل کرنے کیلئے حیلہ اور تدبیر کے ذریعے اسکو ذریعہ بناتا ہے اور اچھی کوشش کرتا ہے تو یہ کسب ہے کہ احوال شریفہ اسے حاصل ہو جائیں۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پاک پڑھتے وقت جس کو رونا نہ آئے اسے چاہیئے کہ تکلفاً اپنے آپ کو غمزدہ ظاہر کرے۔ اس لئے یہ احوال شریفہ ابتداء میں تکلفاً کئے جاتے ہیں اور بعد میں حقیقتاً حاصل ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح امام ابو القاسم عبد الکریم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رسالہ قشیرہ میں فرماتے ہیں: ''فقوم قالوا التواجد غیر مسلم لصاحبه لما یتضمن من التکلف ویبعد عن التحقیق۔ وقوم قالوا انه مسلم للفقراء المجردین الذین ترصدوا لوجد ان ھٰذہ المعانی۔ واصله خبر رسول اللہ ﷺ ابکوا فان لم تبکوا فتباکوا۔''[1]

ترجمہ: بعض علماء نے فرمایا کہ تواجد مسلّم نہیں ہے اس لئے کہ اس میں تکلف ہے اور اس میں تحقیق نہیں ہے، تحقیق سے دور ہے اور بعض دوسرے علماء نے فرمایا کہ تواجد حقیقی فقیروں کے لئے مسلّم ہے جو کہ باطنی معنی حاصل کرنے کیلئے جدوجہد کرتے ہیں اور اس کی اصل اور دلیل حضور اکرم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے کہ تم رویا کرو اور اگر رونا نہ آئے تو رونے والی صورت اختیار کرو۔

اسی طرح علامہ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیقۃ الندیہ: ج:۲: ص:۲۰۸: پر فرماتے ہیں: ''ان التواجد بتکلف الوجد فی نفسه من غیر حقیقة الوجد لا باس به من قبیل التشبه بالصلحین محبة فیھم ورغبة فی التزی بزیھم وتکلف التخلق باخلاقھم''

ترجمہ: یقیناً تواجد تکلف کے ساتھ وجد جبکہ وجد حقیقی نہ ہو، اس میں گناہ نہیں ہے اس لئے کہ یہ نیک لوگوں کے ساتھ مشابہت ہے اور نیک لوگوں کی محبت کیوجہ سے ان کے اطوار اختیار کرتے ہیں اور تکلفاً ان کے اخلاق اختیار کرنے سے کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ مطلوب ہے۔

---

[1] (رواہ ابن ماجہ)

اسی طرح سیدنا امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوب نمبر :۲۶: ج:اول میں فرماتے ہیں :''ومن وقع سیرہ فی الاسماء بالتفصیل حبس فی الصفات والاعتبارات ولم یزل منہ الشوق والطلب ولم یفارق عنہ الوجد والتواجد۔''(جس شخص کے سیر اسماء وصفات میں تفصیل کے ساتھ واقع ہوتو وہ صفات اور اعتبارات میں محبوس ہو جاتا ہے اور شوق اور طلب اس سے زائل نہیں ہوتا تو اس سے وجد اور تواجد دور نہیں ہوتا۔)

اور مکتوب نمبر :۳۰۲: ج :اول میں فرماتے ہیں :''ووجد وتواجد ورقص ورقاصی ہمہ در مقامِ ظلال است'' (وجد وتواجد ورقص یہ سب مقام ظلال میں آتا ہے۔)

اسی طرح علامہ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیقۃ الندیہ جلد ۲ صفحہ ۵۲۳ پر فرماتے ہیں :''واما الوجد والتواجد الذی تعلمہ الفقراء الصادقون۔۔۔ نور وھدایۃ واثر توفیق من اللہ تعالیٰ وعنایۃ (ملخصًا)''(ترجمہ :جو وجد اور تواجد صادق فقیر حاصل کرتے ہیں تو وہ نور اور ہدایت اور مہربانی ہے اور اثر ہے توفیق الٰہی سے یہ اولیاء اللہ کی حالت ہے۔)

اسی طرح سید الطائفہ سید جنید بغدادی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا :ان قوما یتواجدون ویتمایلون۔(بے شک بعض لوگ ایسے ہیں جو تواجد کرتے ہیں اور ہلتے جلتے ہیں) تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا :''دعوھم مع اللہ تعالیٰ یفرحون''(انہیں چھوڑ دو وہ اللہ کے ساتھ فرحت محسوس کرتے ہیں۔

اسی طرح علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاویٰ ردالمحتار: ج :نمبر :۳: ص:۳۳۷: پر(قبیل باب البغات) میں فرماتے ہیں: شعر:

ما فی التواجد ان حققت من حرج ولا التمایل ان اخلصت من باس

(تواجد محمودہ میں کوئی گناہ نہیں ہلنا جلنا بھی جرم نہیں جس میں ریاکاری نہ ہو۔ پوری عبارت پہلے بیان کی جا چکی ہے)

اسی طرح امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الحاوی للفتاویٰ: ج: نمبر :۲ :ص :۲۳۴: مجالس ذکر میں قیام اختیاری اور غیر اختیاری دونوں کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''لا انکار علیہ فی ذلک وقال ناقلا عن البرھان الانباسی انہ قال اصحاب الحال مغلوب والمنکر محروم ما ذاق لذۃ التواجد''

ترجمہ :قیام پر کوئی انکار نہیں ہے۔ نیز علامہ انباسی سے نقل کیا ہے کہ صاحب حال مغلوب ہے اور منکر محروم ہے اور تواجد کا مزہ اس نے نہیں چکھا۔ پوری عبارت پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

الغرض اچھی نیت کے ساتھ تواجد باتفاق جائز ہے۔علامہ پیر علی بیرکلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طریقہ محمدیہ میں تحریر کیا ہے :''من الافتراء علی اللہ التواجد''

ترجمہ: اللہ تعالیٰ پر افتراء کے جملے سے تواجد بھی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تواجد کرنے والے کی کوئی ذاتی غرض، ریاکاری، طلب دنیوی، طلب عزت اور منفعت ہو تو یہ تواجد ممنوع ہے۔

اسی طرح تمام عبارات جو تواجد کے بارے میں تحریر کی گئیں ہیں ان سب کا مقصد ریاکاری کے ساتھ تواجد کی مذمت ہے اور اگر تواجد ریاکاری سے پاک ہو تو عین مطلوب شرعی ہے۔

اسی طرح شیخ القرآن والحدیث حضرت علامہ مفتی محمد غلام فرید ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فضیلت الذاکرین فی جواب المنکرین (ص ۲۱)

میں فرماتے ہیں :

''سوال نمبر :ا۔وجداور تواجد کی حقیقت کیا ہے،کیا یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

جواب: وجد عموماً بعض ذی روح چیزوں خصوصًا اہلِ ایمان میں سے ایسے حضرات کو ہوتا ہے جو تلاوتِ قرآن یا نعتِ رسول ﷺ یا ذکر باری تعالیٰ یا بزرگانِ دین کی تعریف وتوصیف سنتے ہیں تو ان پر کسی خاص کیفیت کا ورود ہوتا ہے۔ یا انوار وتجلیات کا ورود ہوتا ہے۔تو ایسی صورت میں وہ اپنے اوپر قابو اور کنٹرول نہیں کر پاتے جس وجہ سے ان کے جسم پر اضطراب وحرکت پیدا ہو جاتی ہے جس کی بناء پر کبھی ادھر کبھی آگے کبھی پیچھے جھکتے ہیں اور گر پڑتے ہیں۔اور کبھی کبھار بے ہوش بھی ہو جاتے ہیں۔تو ایسی حرکات کو وجد حقیقی کہا جاتا ہے اور اس کا محمود ومحسن ہونا قرآنی آیات واحادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے۔

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا مَثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ ﴿زمر ۲۳﴾

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ایسی اچھی کتاب نازل فرمائی ہے۔جس کی آیتیں باہم ملتی جلتی ہیں۔بار بار دھرائی جاتی ہیں۔جس سے اپنے رب سے ڈرنے والوں کے دل کانپنے لگتے ہیں۔(یعنی حرکت کرتے ہیں) پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو جاتے ہیں اور اللہ کے ذکر میں لگ جاتے ہیں۔ یعنی ان کے جسم وابدان حرکت کرنے اور مضطرب ہونے لگتے ہیں حتی کہ ذکر خداوندی میں سرشار ہو کر ذاکر بن جاتے ہیں۔ یہاں اس نص قطعی الثبوت کی دلالت بھی اقشعر ار بدن اور دلوں کے نرم ہونے پر قطعی ہے گویا وجد کی کیفیت کا ثبوت ایسی نص سے واضح ہے جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت بھی ہے۔اور پھر نفس وجد کا انکار اس آیت مذکورہ کا انکار ہے جو کفر خالص ہے۔جیسا کہ اس کی تفسیر میں صاحب مدارک اور صاحب جلالین اور صاحب تفسیر مظہری وغیرہ نے لکھا ہے۔

(۲) :فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا ﴿الاعراف ۱۴۳﴾

ترجمہ: جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو اس نے پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ملاحظہ ہو تفسیر مظہری۔

یہاں صفاتی تجلی نے موسیٰ علیہ السلام کو بے ہوش اور پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دیا ہے تو پھر ذاتی انوار وتجلیات کا کیا عالم ہوگا۔

(۳):وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِمِيقَاتِنَا فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ ﴿الاعراف ۱۵۵﴾

ترجمہ: اور چنے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر آدمی ہماری ملاقات کے لئے پھر جب ان کو پکڑ لیا زلزلے نے۔ یہاں پر صاحب روح المعانی کا استدلال قابل غور ہے۔

(۴) :فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ﴿یوسف ۳۱﴾

ترجمہ: جب مصر کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو حیرت زدہ ہوگئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔ یہاں صرف جمال یوسفی کے مشاہدہ سے زنانِ مصر ایسی بے ہوش ہوئیں کہ انگلیاں کاٹ لیں یہ وجد ہی کی کیفیت ہے جو جمالِ خداوندی یا جمالِ مصطفوی کے مشاہدہ سے اس کا طاری ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوتا ہے۔مطالعہ کیلئے روح البیان زیادہ مفید ہے۔

(۵)إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ (الانفال ۲)

ترجمہ: بے شک ایمان والوں کے سامنے جب اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں یعنی دلوں پر اضطراب کی کیفیت طاری ہو جاتی

ہے۔الغرض درج بالا آیاتِ قرآنیہ سے اہلِ ایمان خصوصًا اہلِ سلوک، اہلِ ذوق وعشّاق کے وجد حقیقی کا ثبوت بالکل واضح ہے اس کا انکار قرآن کا انکار ہے۔

حدیث اول:

حدیث پاک سے ثابت ہے کہ بعض صحابۂ کرام کی زبان سے قرآن کریم کی تلاوت سن کر گھوڑا ناچتا ہے جیسا کہ یہ حدیث شریف مشکوٰۃ شریف: ص :۱۸۴: پر موجود ہے اگر قرآن سن کر گھوڑے جیسے جانور پر وجد طاری ہوسکتا ہے تو انسان پر ایسی کیفیات کا ورود کیونکر نہیں ہوسکتا۔

رہا معاملہ تواجد کا۔تو تواجد کے معنی ہیں ازخود وجد والی صورت اختیار کرنا۔یعنی یہ وہ صورت ہے کہ جس میں حقیقی وجد نہیں ہوتا بلکہ حقیقی وجد والوں کی نقل اتارنا مراد ہے۔جس طرح حقیقی وجد والا آدمی حرکات وسکنات کرتا ہے گرتا ہے، اچھلتا ہے تڑپتا ہے وغیرہ وغیرہ۔تو اسی طرح وہ آدمی جو تواجد کرتا ہے یعنی نقل اتارتا ہے وہ بھی ویسے ہی حرکات وسکنات کرتا ہے تو اس کو تواجد کہتے ہیں جو کہ منع نہیں بلکہ جائز ہے اور احسن عمل ہے۔

حدیث پاک میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''من تشبہ بقوم فھو منھم'' جو شخص کسی قوم سے اپنی مشابہت کرے گا وہ انہیں میں سے ہو گا۔اور یاد رہے کہ تواجد کے جواز پر صرف ہم نے ہی استدلال نہیں کیا بلکہ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فتویٰ تواجد پر یوں ہے۔کہ ذاکر خواہ ذکر کرتے ہوئے کھڑا ہو جائے اور یہ کھڑا ہونا اختیاری ہو یا غیر اختیاری ہو ہر حال میں جائز ہے بلکہ جواب میں فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں پر نہ انکار جائز ہے اور نہ ہی ان کو منع کرنا جائز ہے اور یہی جواب دیا ہے۔

علامہ بلقینی اور علامہ برہان الدین انباسی فرماتے ہیں کہ صاحب حال مغلوب ہے اور اس کا منکر محروم ہے اس لئے کہ اس نے تواجد کی لذت نہیں دیکھی اور عشق حقیقی کا جو مشروب ہے وہ منکر کو نصیب نہیں ہوتا۔شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام سے بھی یہی کچھ منقول ہے بلکہ مجلس ذکر میں کھڑے ہونے اور رقص کرنے والوں میں یہ شیخ الاسلام بھی شامل ہیں اور کھڑے ہو کر ذکر کرنا اور گھومنے وغیرہ کا ثبوت بھی الحاوی الفتاویٰ: ص :۲۲۴: ج :۲: میں موجود ہے۔اسی طرح علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بیان فرمایا : مجموعۃ الرسائل: ج:۱: ص :۱۷۳: اور فتاویٰ شامی: ج:۳: ص :۳۰۷: پر وجد مع تواجد اور رقص وغیرہ کا ثبوت ملتا ہے۔

حدیث دوم:

الحاوی للفتاویٰ ج ۲ ص ۲۳۴ پر علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ : ''وان انضم الی ھذا القیام رقص او نحوہ فلا انکار علیھم فذالک من لذات الشھود والمواجید وقد ورد فی الحدیث رقص جعفر بن ابی طالب بین یدی النبی ﷺ لما قال لہ أشبھت خلقی وخلقی وذلک من لذۃ ھذا الخطاب ولم ینکر ذلک علیہ النبی ﷺ فکان ھذا اصلا فی رقص الصوفیۃ۔الخ''

ترجمہ: اور اگر اس قیام وغیرہ کے ساتھ رقص وغیرہ کو ملایا جائے تو بھی صوفیاء پر انکار جائز نہیں کیونکہ یہ شہود اور مواجید (وجد کی جمع) کی لذت کی وجہ سے ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ جناب جعفر بن ابی طالب کو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے اخلاق اور خلقت میں میرے ساتھ مشابہت رکھتے ہو۔تو یہ سن کر انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے رقص کیا یعنی ناچنے لگے۔تو آپ نے منع نہ فرمایا۔اور نہ انکار فرمایا۔جو جواز کی دلیل ہے نوٹ یاد رہے کہ اسی حدیث کو صوفیاء کرام کے وجد تواجد اور رقص کی اصل دلیل قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح حضرت سید احمد طحطاوی نے اپنی کتاب حاشیۃ الطحطاوی علی در المختار جلد چہارم میں صفحات ۱۷۶ تا ۱۷۷ پر اور حضرت علامہ عبدالغنی النابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے الحدیقۃ الندیہ شرح طریقۃ المحمدیہ جلد دوم میں صفحہ ۵۲۲ پر اور اسی طرح امام شعرانی

رحمۃ اللہ علیہ نے انوار قدسیہ جلد اول میں صفحہ ۳۹ پر تحریر فرمایا ہے۔

نوٹ: یاد رہے کہ اختصار کی خاطر صرف حوالہ جات پر اکتفا کیا ہے اور بعض عبارات کے مختصر جملے نقل کر دیئے گئے ہیں۔جس سے معلوم ہوا کہ وجد و تواجد اور رقص جلیل القدر اولیاء کرام پر طاری ہوتا رہا ہے۔مثلاً ابو بکر شبلی، ابوالحسن نوری، سمنون المحب، معدون المجنون وغیرہ۔

مزید برآں حضرت شاہ غلام علی دہلوی مکاتب شریفہ میں فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ محمد بہاء الدین شاہ نقشبند کی توجہات سے مریدین پر عجیب وغریب کیفیات طاری ہوتی تھیں۔[1]

سوال نمبر :۲ حضرت جعفر بن ابی طالب کی حضور ﷺ کے سامنے وجد و رقص کرنے والی روایت کس کتاب میں ہے؟

جواب: الحاوی للفتاوی 'جلد دوم :ص:۲۳۴: سیرت حلبیہ جلد دوم :ص:۲۵۲: کے حاشیہ میں ہے(السیرۃ النبویہ والآثار المحمدیہ) اور حدیقۃ الندیۃ جلد دوم :ص :۵۲۴ :تفسیر احمدی:ص:۶۰۳:۶۰۲: میں بھی موجود ہے۔علاوہ ازیں ملاحظہ فرمائیں۔تفسیر روح البیان:ص :۲۱۱:

وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا (الاسراء ۱۰۹) کے تحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وجد و جذب ہوا۔ملاحظہ ہو ترمذی شریف: باب الزہد :نیز سورۃ محمد کی تفسیر میں تفسیر روح البیان: ج:۸: ص :۱۴۷: وغیرہ کا مطالعہ کیجئے۔خوف طوالت سے عبارات نہیں لکھیں۔البتہ کسی کو شبہ ہو تو دکھائی جا سکتی ہیں۔

سوال نمبر :۳ ابن عابدین علیہ الرحمۃ نے تو رقص یعنی ناچنے کو حرام قرار دیا ہے جیسا کہ ان کی کتابوں سے ثابت ہے۔

جواب: انہوں نے اگر چہ منع کیا ہے لیکن یاد رہے کہ جس رقص کو انہوں نے حرام قرار دیا ہے وہ جھوٹے اور جعلی صوفیاء کا رقص ہے۔ایسا رقص جو کہ شہوات نفسانی میں ہیجان پیدا کرے، اس کو حرام و منع فرمایا ہے۔سچے صوفیا کرام جو معرفت خداوندی سے مراد اور واصلین ہیں ان کے وجد و رقص کو انہوں نے حرام و منع نہیں فرمایا۔ابن عابدین کے مجموعہ رسائل کا ص: ۳۷ :۱۷۲:، اور شفاء العلیل کا مطالعہ فرمانے سے وہم دور ہو سکتا ہے۔

سوال نمبر :۴ کیا نماز کی حالت میں اپنے جسم کا ہلنا اور حرکت کرنا جائز ہے اور کیا صحابہ کرام سے یہ ثابت ہے؟

جواب: کسی کیفیت کے وارد ہونے کی صورت میں جسم کا ہلنا اور جسم کا حرکت کرنا بے شک صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ :ج:۸: ص :۶: امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ابوارا کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی جب وہ اپنی دائیں طرف پھرے تو رک گئے جب سورج نیزے کے برابر آیا تو آپ نے دو رکعتیں پڑھیں۔پھر اپنا دست اقدس الٹا کر فرمایا کہ اللہ کی قسم میں نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کو دیکھا ہے۔آج میں ان سے کچھ مشابہت نہیں رکھتا۔وہ خالی ہاتھ بکھرے ہوئے بالوں اور گرد آلود چہروں کے ساتھ صبح کرتے تھے کتاب اللہ کی تلاوت کرتے اپنے قدموں اور پیشانیوں کے درمیانی حصے کو حرکت دیتے جب صبح ہوتی تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے ایسے حرکت کرتے جیسے ہوا والے دن درخت حرکت کرتا ہے ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے، خدا کی قسم انکے کپڑے بھاری ہو جاتے۔

اسی طرح حلیۃ الاولیاء: ص :۷۳: میں بھی مذکور ہے۔

ذکر میں سرشار ہو کر جسم کا حرکت کرنا ایک اچھا عمل ہے اور شرعاً جائز ہے امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مسند میں صحیح حدیث نقل کی ہے۔

حدیث: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حبشی حضور ﷺ کے سامنے رقص کرتے تھے اور اپنی زبان سے یہ کہتے تھے کہ محمد عبد صالح ہیں لیکن آپ ﷺ نے ان کو دیکھ کر منع نہیں فرمایا جو اپنی کیفیت کے پیدا ہونے کی صورت میں رقص و وجد کے جواز کی دلیل ہے۔

---

[1] (حوالہ مکاتب شریفہ ص ۸۲-۷۸)

سوال نمبر :۵ نماز کے اندر وجد حقیقی کے بعد جسم کا حرکت کرنا اور منہ سے آوازیں نکالنا دونوں ہاتھوں سے تالی بجانا، چیخنا، چلانا اور ہا ہو وغیرہ کی صورت میں نماز ٹوٹ جاتی ہے لہٰذا ایسا کرنا منع و ناجائز ہے بلکہ آداب مسجد کے منافی ہے اور عمل کثیر ہے جو کہ مفسد صلوٰۃ ہے۔

جواب: قارئین سے گزارش ہے کہ اگر نماز کے اندر مذکورہ بالا امور کا پایا جانا انوار و تجلیات اور دیگر ایسی ہی کیفیایت کی وجہ سے ہو۔ جو انسان کو ایسی حرکات پر مجبور کر دیتی ہیں تو اس صورت میں وہ شخص مغلوب الحال ہو جاتا ہے اور مغلوب الحال کی نہ نماز فاسد ہوتی ہے اور ٹوٹتی ہے نہ ہی وضو۔ اور نہ ہی نماز مکروہ ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ روح نماز کی علامات ہیں بلکہ اصل نماز ہی یہی ہے۔ رسمی نمازوں میں ایسی کیفیات وارد نہیں ہوتیں۔ یہ کیفیات اصلی نمازوں میں ہی وارد ہوتی ہیں۔ جن لوگوں پر خشوع و خضوع طاری ہوتا ہے تو ان کی کیفیت بدل جاتی ہے۔

نیز سوال نمبر :۴ میں صحابہ کرام کے متعلق جواب ثابت ہو چکا ہے۔

نوٹ: نماز کے اندر وجد کی کیفیت کے جواز اور نماز نہ ٹوٹنے کے متعلق ایک اہم عبارت فقہ حنفی کی معتبر و مستند کتاب ہدایہ شریف سے نقل کی جاتی ہے ملاحظہ ہو اور اس کے علاوہ بھی چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

(۱): ہدایہ: ج:۱: ص :۱۳۵: میں فرماتے ہیں کہ :''**فان ان فیھا او تاوہ او بکی فارتفع بکاؤہ فان کان من ذکر الجنة و النار لم یقطعھا لانہ یدل علی زیادۃ الخشوع و ان کان من وجع او مصیبۃ قطعھا لان فیہ اظھار الجزع و التاسف فکان من کلام الناس**''

ترجمہ: اگر نمازی نے نماز میں آہ یا اوہ کہا یا ایسا رویا کہ آواز بلند ہو گئی تو اگر یہ رونا وغیرہ جنت یا دوزخ کے ذکر کی وجہ سے ہو تو نماز کو نہیں توڑے گا کیونکہ یہ خشوع و عاجزی کی زیادتی کی وجہ سے ہے اور اگر جسمانی درد یا کسی اور مصیبت کی وجہ سے رویا یا آہ اوہ کی تو نماز کو توڑ دے گا۔ کیونکہ اس میں جزع اور افسوس کا اظہار ہے۔ اس لئے یہ لوگوں کے کلام سے ہو گا۔

(۲) اسی طرح فقہ حنفی کی معتبر ترین اور مشہور زمانہ کتاب البحر الرائق میں ہے یعنی جو کچھ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے اس سے بھی زیادہ مفصل طور پر علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے اختصار کے پیش نظر عبارت نقل کرنے سے گریز کیا ہے اور حوالہ پر ہی اکتفا کیا ہے۔

نیز ایک بات جو البحر الرائق نے زائد لکھی ہے وہ یہ ہے کہ ''**ولو صرح بھما فقال اللھم انی اسئلک الجنة و اعوذبک من النار لم تفسد صلوتہ**''

ترجمہ: اگر نمازی نماز کی حالت میں صراحۃ مذکورہ بالا جملے کہہ دیتا ہے تو نماز فاسد نہ ہو گی کیونکہ یہ خشوع و عاجزی کی زیادت پر دلالت کرتا ہے۔

(۳) فتاویٰ تاتارخانیہ: ج:۱: ص :۵۷۹: میں ہے کہ ''**ولو ان فی الصلوۃ او تاوہ او بکی فارتفع و فی الخانیة فحصل لہ حروف فان کان من ذکر الجنة او النار فصلوتہ تامة و ان کان من وجع او مصیبة فسدت صلوتہ عند ابی حنیفة و محمد رحمة اللہ تعالٰی علیہ**''

یعنی اگر آہ، اوہ کہنا یا بلند آواز سے نماز میں رونا جنت یا دوزخ کے ذکر کی وجہ سے ہو تو خواہ حروف بھی حاصل ہو جائیں تو بھی امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک نماز تام و کامل ہے۔ اور اگر درد یا مصیبت کی وجہ سے آواز نکلے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔[۱]

(۴) اس طرح فتاویٰ عالمگیری: ج:۱: ص:۱۰۰: میں بھی لکھا ہوا ہے۔

(۵) اور اسی طرح فتاویٰ بزازیہ علیٰ ہامش عالمگیری: ج:۱: ص:۱۳۶: پر بھی موجود ہے۔

(۶) ''**الانین و التاوہ و التافیف و البکاء اذا اشتملت علی حروف مسموعة فانھا تبطل الصلوۃ الا اذا کانت ناشئة من خشیة اللہ**

---

[۱] (فتاویٰ تاتارخانیہ،۵۷۹)

او من مرض بحیث لا یستطیع و ھٰذا الحکم متفق علیہ بین الحنفیۃ و الحنابلۃ۔[1]

یعنی نماز کی حالت میں نمازی کا آہ اوہ اوراف کہنا اوراس طرح رونا کہ حروف سنے جائیں تو اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ ہاں، اگر یہ رونا آہ، اوہ، یا اف کہنا اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیت کی وجہ سے ہو یا کسی ایسی بیماری کی وجہ سے ہو جس پر یہ کنٹرول، قابو نہیں رکھ سکتا۔ تو پھر نماز فاسد نہ ہوگی اوراس حکم پر احناف، حنابلہ و مالکیہ کا اتفاق ہے۔

(۷) اسی طرح علامہ شیخ احمد طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علی مراقی الفلاح: ص: ۱۷۴: میں فرماتے ہیں کہ ''الوجد لہ مراتب و بعضہ یسلب الاختیار فلا وجہ لمطلق الانکار و فی التاتارخانیۃ مایدل علی جوازہ للمغلوب الذی حرکاتہ کحرکات المرتعش۔ آہ''

یعنی وجد کی کئی اقسام ہیں اور بعض اقسام ایسی ہیں جو اختیار کو سلب کر دیتی ہیں۔ لہٰذا مطلقاً انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں لکھا ہے کہ مغلوب الحال سالک جس کی حرکات مرتعش کی حرکات جیسی ہوتی ہیں۔ اور غیر اختیاری ہوتی ہیں اس کے لئے نماز کے اندر بھی یہ حالت جائز ہے (اور یہ حالت مفسد صلوٰۃ یعنی نماز کو توڑنے والی نہیں)۔

(۸) صاحب روح المعانی تفسیر روح المعانی میں تقریباً اسی طرح فرماتے ہیں کہ اس وجد سے وضو بھی نہیں ٹوٹتا اور نماز بھی باطل نہیں ہوتی۔

(۹) حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ص: ۱۷۸: میں بھی ایسی ہی عبارت موجود ہے جس کا ملخص یہ ہے کہ اگر خشیت الٰہی کے غلبہ کی وجہ سے آہ یا اوہ یا اف یا تف کہا اور حروف بھی حاصل ہو گئے تو بھی نماز نہیں ٹوٹتی۔

(۱۰) ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں بھی یہی کچھ فرمایا گیا ہے۔ الغرض ان دس عدد حوالہ کتب فقہ اور روح المعانی کے حوالے سے بالکل واضح ہوگیا ہے کہ نمازی کو اگر نماز کی حالت میں وجد ہو جائے اور وہ وجد کی کیفیات میں سرشار ہو جائے اور مغلوب الحال ہو جائے اور منہ سے ھا، ھو، کی آوازیں نکل جائیں یا چیخے چلائے یا مرتعش کی طرح حرکتیں کرے۔ جسم کو ہلائے، ہاتھ کھل جائیں اور تالی کی شکل بن جائے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی اور نہ ہی وضو ٹوٹتا ہے۔ فقہاء احناف علیہم الرحمۃ والرضوان نے بلند آواز سے رونا اور آہ یا اوہ یا اف وغیرہ نماز کے اندر کہنے سے نماز فاسد نہ ہونے کی جو علت خشیۃ الٰہی خوف خداوندی، خشوع وخضوع میں زیادتی بتائی ہے وہ علت جب بھی پائی جائے گی اور جہاں بھی پائی جائے گی تو وہاں معلول یعنی حکم بھی پایا جائیگا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ علت تو پائی جائے مگر معلول نہ پایا جائے۔ معلول کا تخلف علت سے جائز نہیں ہے۔ اسی لئے فقہائے احناف جہاں دیکھتے ہیں کہ فلاں فعل نمازی سے خشیت الٰہی اور خشوع کی وجہ سے پایا گیا ہے تو وہاں یہی حکم لگا دیتے ہیں کہ نماز فاسد نہیں ہوتی لہٰذا ہمارے سلسلہ عالیہ مجددیہ سیفیہ کے مریدوں میں نماز کی حالت میں جو مذکورہ بالا حرکات وافعال پائے جاتے ہیں۔ ان کی علت بھی خشیت الٰہی خوف خدا اور خشوع کا غلبہ ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ حکم یہاں بھی لگے گا کہ نہ نماز فاسد ہوتی ہے اور نہ ہی وضو ٹوٹتا ہے۔ اگرچہ بے شمار حوالہ جات مزید پیش کئے جاسکتے ہیں بوقت ضرورت لیکن فی الحال خوف طوالت سے یہاں دس حوالہ جات پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اب اسی مسئلہ کے متعلق ذرا تفسیر روح المعانی ملاحظہ کریں۔

یہ عبارت ملاحظہ کریں جو ایمان کو تازہ کر دیتی ہے جس کا ایک ایک لفظ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ سیفیہ کے موجودہ طریقہ کی تائید کرتا ہے اور جس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ہمارے سلسلہ کو جو لوگ نئی اختراع یا نئی ایجاد قرار دیتے ہیں وہ دراصل بے خبر ہیں یا غفلت کا شکار ہیں یا پھر تجاہل عارفانہ سے کام چلاتے ہیں اور یا پھر تعصب وعناد کی پٹی آنکھوں پر باندھ رکھی ہے۔ ان کو چاہیئے کہ یہ پٹی آنکھوں سے اتار کر مذکورہ حوالہ جات دیکھیں اور کتابوں کا مطالعہ فرمائیں اور مسئلے کو سمجھنے کی کوشش فرمائیں۔ محض لکیر کے فقیر نہ بنیں۔ علماء دین کے شایان شان لکیر کا فقیر بننا نہیں ہے۔

مزید برآں حوالہ نمبر (۱۱) علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ : ''ان موسی علیہ السلام اختار سبعین رجلا من اشراف قومہ

---

[1] (فقہ علی مذاھب الاربعۃ، ج ۱ ص ۳۰۰)

ونجباء هم اهل الاستعداد والصفاء والارادة والطلب والسلوک فلما اخذتهم الرجفة ای رجفة البدن التی هی من مبادی صعقة الفناء عند طریان بوارق الانوار وظهور طوالع تجلیات الصفات من اقشعرار الجسد وارتعاده وکثیرا ما تعرض هٰذه الحرکة للسالکین عند الذکر او سماع القرآن او ما یتاثرون به حتی تتفرق اعضاءهم وقد شاهدنا ذلک فی الخالدین من اهل الطریقة النقشبندیة وربما یعتریهم فی صلاتهم صیاح معه (الی ان قال) وقد کثر الانکار علیهم وسمعت بعض المنکرین یقولون ان کانت هٰذه الحالة مع الشعور والعقل فهی سوء ادب ومبطلة للصلٰوة قطعا وان کانت مع عدم شعور وزوال عقل فهی ناقضة للوضوء ونراهم لا یتوضؤون واجیب بانها غیر اختیاریة مع وجود العقل والشعور وهی کالعطاس والسعال ومن هنا لا ینتقض الوضوء بل ولا تبطل الصلٰوة (الی ان قال) فلا یبعد ان یلحق ما یحصل من آثار التجلیات الغیر الاختیاریة بما ذکر ولا یلزم من کونه غیر اختیاری کونه صادرا من غیر شعور فان حرکة المرتعش غیر اختیاریة مع الشعور بها وهو ظاهر فلا معنی للانکار۔الخ''[1]

ترجمہ :سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں سے ستر (۷۰) نجباء اور شرفاء کو چنا جو اسقدر صفاء ارادت اور طلب وسلوک والے تھے کہ جب ان کے بدن کو رجفہ یعنی کپکپی نے پکڑا جو حقیقۃً فناء کے مبادیات سے ہے جب انوار وتجلیات کی تجلیاں وارد ہوتی ہیں اور تجلیات صفات کا ظہور ہوتا ہے جیسے جسم پر کپکپی اور ارتعاد کا وارد ہونا۔اور بہت دفعہ یہ حرکت سالکین کو عارض ہوتی ہے۔ذکر کے وقت یا قرآن پاک کے سماع کے وقت یا اس چیز کے سننے کے وقت جو سامعین کو متاثر کرتی ہے۔مثلاً (نعت خوانی وغیرہ) یہاں تک کہ ان کے اعضاء جسمانی بکھر جاتے ہیں یا قریب ہوتا ہے کہ ان کے اعضاء ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور ایسی حالت کا مشاہدہ ہم نے حضرت خالد علیہ الرحمۃ کے پیروکاروں میں کیا ہے یا سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے سالکین میں۔اور بسا اوقات ان پر نماز کے اندر چیخ و پکار کی کیفیت طاری ہوتی ہے (یہاں تک کہ) ان پر انکار بھی بکثرت کیا گیا ہے اور میں نے بعض منکرین سے سنا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ حالت عقل وشعور کے ہوتے ہوئے ہوئی تو پھر یہ سوء ادب بھی ہے اور نماز کو باطل بھی کر دیتی ہے اور اگر یہ حالت عقل وشعور کے زوال کے بعد ہوئی تو پھر وضو کو توڑنے والی ہے۔مگر ہم ان کو دیکھتے ہیں کہ یہ وضو نہیں کرتے تو اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ حالت باوجود عقل وشعور کے قائم رہنے کے غیر اختیاری ہے جیسے چھینک اور جمائی انسان کو آتی ہے۔عقل وشعور کے موجود ہوتے ہوئے بھی یہ غیر اختیاری ہوتی ہے۔اسی وجہ سے نہ وضو ٹوٹتا ہے نہ نماز فاسد ہوتی ہے اور بعض شوافع نے نصًا فرمایا ہے کہ نمازی پر اگر نماز میں ضحک (یعنی کھل کر ہنسنا غالب) ہو جائے تو نماز باطل نہ ہوگی اور اس نمازی کو معذور قرار دیا جائیگا لہٰذا بعید نہیں کہ تجلیات غیر اختیاریہ سے حاصل ہونے والے غیر اختیاری اثرات کو (حکمی طور پر) چھینک اور جمائی سے ملحق قرار دیا جائے اور ان کے غیر اختیاری ہونے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ عقل وشعور کے بغیر ہو۔کیونکہ مرتعش کی حرکت باوجود شعور کے غیر اختیاری ہے اور یہ ظاہر ہے لہٰذا انکار کا کوئی معنی نہیں۔[2]

سوال: صاحب روح المعانی نے اس مذکورہ: ص:۸۶: پر یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت خالد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مریدوں کو ایسی صورت میں وضو کرنے اور نماز نئے سرے سے پڑھنے کا حکم دیتے تھے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسی کیفیت کے وارد کے بعد وضو بھی ٹوٹ جاتا ہے اور نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو حضرت خالد وضو کرنے اور نماز کے اعادہ کا حکم نہ فرماتے۔لہٰذا یہ عبارت تمہارے خلاف ہے۔

جواب: اس عبارت میں یہ جملہ موجود ہے کہ سدا لباب الانکار حضرت خالد اس وجہ سے وضو اور نماز کے اعادہ کا حکم نہ دیتے تھے کہ وضو اور نماز

---

[1] (روح المعانی :ج:۳:ص:۸۶ :الجزء التاسع)

[2] (روح المعانی: ج ۳ ص ۸۶)

فاسد ہوگئی ہے یا ٹوٹ گئی ہے بلکہ منکرین کے انکار کا دروازہ بند کرنے کیلئے ایسا حکم دیتے تھے یہ اعادہ کا حکم احتیاطی تدبیر کے طور پر تھا شرعی حکم کے طور پر نہ تھا۔ لہٰذا وضو اور نماز کے ٹوٹنے کا نتیجہ نکالنا باطل و مردود ہے۔

سوال: روح المعانی کے مذکورہ: ص :۸۶: میں یہ عبارت بھی موجود ہے جو تمہارے خلاف ہے کہ: ''والحق ان ما یعتری ھٰذہ الطائفة غیر ناقض الوضوء لعدم زوال العقل معه ولکنه مبطل للصلٰوة لما فیه من الصیاح الذی یظهر به حرفان مع امور تأباها الصلٰوة'' یعنی حق یہ ہے کہ صوفیاء وسالکین کے اس گروہ پر جو کیفیت طاری ہوتی ہے وہ ناقض وضو نہیں ہے یعنی وضو کو نہیں توڑتی کیونکہ اس حالت میں عقل زائل نہیں ہوتی لیکن یہ کیفیت نماز کو باطل کرتی ہے کیونکہ اس میں وہ چیخ و پکار ہوتی ہے جس میں دو حرف ظاہر ہوتے ہیں باوجود مزید چند ایسے امور کے جو نماز کے لائق نہیں۔

جواب: اس عبارت میں جس صیاح و چیخ و پکار کا ذکر ہے وہ محمول ہے اس صورت پر جب یہ صیاح و چیخ و پکار خشوع و خضوع اور خشیتِ الٰہی کی وجہ سے نہ ہو بلکہ کسی دنیاوی مصیبت و تکلیف کی وجہ سے ہو جیسا کہ سابقہ صفحات میں کتب فقہ حنفی کے معتبر حوالہ جات سے اس کی تفصیل گزر چکی ہے لیکن اگر یہ چیخ و پکار محض خشیت اور خشوع و خضوع کی وجہ سے ہو تو پھر نماز باطل نہیں ہوتی جیسا کہ ہدایہ اور فتح القدیر و دیگر معتبر کتب سے نقل کر دیا گیا ہے گزشتہ صفحات میں۔

حضرت سیدی و مرشدی و والدی پیر طریقت رہبر شریعت شیخ القرآن والحدیث حضرت علامہ سید احمد علی شاہ سیفی حنفی ماتریدی فرماتے ہیں کہ: ثبوتِ وجد اور تواجد حرکت غیر اختیاری جو صوفیاءِ کرام پر انوار و تجلیات کے غلبے کے باعث آتا ہے وجد کہلاتا ہے اور اگر تکلف کے ساتھ یہ حال اپنے اوپر کوئی لائے تو تواجد کہلاتا ہے۔ وجد اور تواجد کے ثبوت میں بے شمار آیتیں، احادیث اقوالِ فقہاء و صوفیاء وارد ہیں کہ جنہیں بیان کرنے سے ایک ضخیم کتاب بن جائے گی اور اتنی موٹی اور ضخیم کتاب کا کوئی مطالعہ نہیں کرتا لہٰذا عوام و خواص کو ہلاکت سے بچانے کیلئے یہ مختصر رسالہ مرتب کیا گیا ہے۔

حالِ وجد غیر اختیاری

جیسا کہ بادِ صرصر کے چلنے سے درخت جنبش و حرکت میں آجاتے ہیں اس طرح طریقت کا سالک بھی جب اس پر انوار و تجلیات و فیوضات اور برکات غیبی توجہ شیخ کامل مکمل کے ذریعے غالب ہو جاتی ہیں تو یہ بے اختیار ہو جاتا ہے اور حالات غریبہ محمودہ ان پر غالب ہو جاتے ہیں عقل و شعور ان میں بطریقۂ کمال موجود ہوتا ہے لیکن یہ اپنے اختیار میں نہیں ہوتے ہیں اس کی مثال عطس اور کھانسی کی طرح ہے کہ غیر اختیاری طور پر پیش آتی ہے۔

تواجد: روایت ہے کہ حضور پرنور ﷺ نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ آپ صورت و سیرت میں مجھ سے مشابہ ہیں۔ ''اشبهت خلقی و خلقی'' تو اس خطاب کی لذت سے اٹھ کر رقص کرنے لگے اور رسولِ خدا ﷺ نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

اس طرح حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: ''انت اخونا و مولینا'' آپ ہمارے بھائی اور دوست ہیں اس پر وہ رقص کرنے لگے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر کوئی اعتراض و انکار نہ فرمایا۔[1]

مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ ایک صحابی سورۃ کہف کی تلاوت کر رہے تھے۔ ان سے تھوڑے فاصلے پر گھوڑا بندھا ہوا تھا، جو کانپنے لگا اور بادلوں نے آ کر صحابی کو ڈھانپ لیا تو جب کبھی قرآن کی تلاوت کرتے تو گھوڑا اچھلانگیں لگانے لگتا۔ صحابی نے آ کر حضور ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ تو نبی کریم

---

[1] (مشکوٰۃ ص ۲۹۲ باب بلوغ الصغیر حاشیہ ۲۰ تفسیر احمدی ۲۰۲ بوادر النوادر ۴۰۶)

ﷺ نے فرمایا : یہ تیرے دل کی تسلی کیلئے ہے جو قرآن شریف کی برکت سے نازل ہوئی ۔[1]

دوسری حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس طرح کرو کہ لوگ تمہیں مجنون کہیں ۔(رواہ احمد)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تلاوت قرآن کے وقت رویا کرو اگر رونا نہ آئے تو رونے والوں کی سی صورت اختیار کرو ۔(مشکوٰۃ) کیونکہ رونا وجد کی ایک صورت ہے اور قصداً رونا عین تواجد ہے جو شرعاً جائز ماموروں مطلوب ہے ۔

تواجد کا حال احادیث شریف میں موجود ہے جو تکلف اور اپنے اختیار سے لایا جاتا ہے جبکہ حال و جذب بے اختیار آتا ہے ۔حضرت یوسف علیہ السلام اور بی بی زلیخا کا واقعہ : کہ زلیخا نے اپنے آپ کو تہمت سے بچانے کے لئے زنان مصر کو اکٹھا کیا اور ہر ایک کے ہاتھ میں میوہ (پھل) اور چھری تھمادی اور ان سے کہا کہ جب یوسف علیہ السلام تشریف لائیں تو آپ ان میووں کو کاٹ دینا ۔جب یوسف علیہ السلام تشریف لائے تو زنان مصر نے مدہوشی میں میووں کی جگہ اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں کیونکہ ان کے دل حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں مشغول تھے ۔

حاشیہ پر لکھتے ہیں زلیخا بھی وہیں موجود تھی مگر شب و روز مشاہدہ جمال نے اس کو متحمل بنا دیا تھا لہٰذا نہ تو وہ بے ہوش ہوئی نہ انگلیاں کاٹیں اس لئے کہ وہ محبت کے انتہا میں تھی اور حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت نے ان کے دل میں قرار پکڑ لیا تھا جبکہ دوسری عورتیں محبت کی ابتداء میں تھیں ۔[2]

یہی حال سالک مبتدی کا ہوتا ہے کہ ابتداء سلوک میں اس پر وجد و حال کا غلبہ رہتا ہے ۔جس طرح کہ زنان مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں تو کوئی بعید بات نہیں کہ عاشق الٰہی دوران وجد فوت ہو جائے ۔جیسا کہ بہت سے عشاق وجد و حال کے دوران وفات پا چکے ہیں ۔[3]

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے حضور اکرم ﷺ نے سینے پر ایک ضرب لگائی تو مجھ پر ایسا حال غالب ہوا کہ میرا تمام بدن گرم ہو گیا اور پسینے سے شرابور ہو گیا اور حال میرا یہ تھا کہ جیسے میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں ۔[4]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی کریم ﷺ کی محبت میں تین دفعہ چیخ ماری اور بے اختیار ہو گئے ۔جب تیسری مرتبہ چیخ ماری تو زمین پر گر گئے ۔

حضرت شفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافی دیر تک میں نے اپنے اوپر تکیہ کر رکھا تھا ۔کچھ وقت کے بعد جب اختیار میں آئے تو مجھے حدیث بیان فرمائی ۔[5]

حضرت امیر المؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مروی ہے کہ ایک دن کسی سے یہ آیت ''إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ (۷) مَالَهُ مِنْ دَافِعٍ ﴿طور ۸﴾ سن کر بڑی چیخ ماری اور بے اختیار ہو کر گر پڑے ۔اٹھا کر گھر لائے گئے ۔مسلسل ایک مہینہ تک بیمار رہے ۔[6]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورت تکویر کی تلاوت کی جب آیت مبارکہ : ''واذا الصحف نشرت'' پر پہنچے تو بے اختیار ہو کر گر پڑے اور کافی

---

[1] (مشکوٰۃ: ص ۱۸۴:)

[2] (حاشیہ جلالین ص ۱۹۲ ج ۱ بحوالہ روح البیان)

[3] (وفات مولانا شاہ محمد حسین صاحب تکشف: ص ۱۹۰ وفات زرارہ بن اوفی تابعی رضی اللہ عنہ ترمذی ص ۸۴ ج ۱)

[4] (مشکوٰۃ ص ۱۹۲ تکشف ص ۲۶۶)

[5] (ترمذی: باب الریاء: ص: ۳۴۲ :ص: ۷۳: ج: ۲ :تکشف: ص: ۴۸۱)

[6] (احیاء العلوم: ج: ۲: ص: ۲۹۷)

دیر تک زمین پر (ہاتھ پاؤں) مارتے رہے۔[1]

''جان لو کہ جذب اور وجد تین قسم کا ہے''

پہلی قسم کے وجد کی علامات یہ ہیں : زور سے چلانا، دوڑنا، زمین پر گر کر ہاتھ پاؤں مارنا، اعضاء کا ہلنا اور حرکت کرنا، آہ، اوہ، اف اور فریاد کرنا، خوشحالی وخوف یا شوق سے۔

یہ حال طریقے کے مبتدی کا ہے جس پر حال اور وجد کا غلبہ ہوتا ہے اور مجذوب اپنے کپڑے پھاڑ دیتا ہے حتی کہ اس پر وجد اور جذب کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات کو بھول جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عشق میں مستغرق ہو جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اعضاء ٹوٹ جائیں گے۔[2]

دوسری قسم کے وجد کی علامات یہ ہیں : چیخ مارنا، اور محبت وعشقِ الٰہی میں بے اختیار ہونا، دھاڑیں مارنا، زمین پر گرنا، اعضاء کا لرزنا اور مرتعش ہونا۔

یہ حال اور وجد متوسطین کا ہے جیسا کہ پہلی حدیث شریف بیان ہو چکی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کی محبت میں تین دفعہ چیخ ماری اور گر پڑے پھر کافی دیر تک اسی طرح بے اختیار پڑے رہے۔

تیسری قسم کے وجد کی علامات یہ ہیں : چیخ مارنا، بالوں کا کھڑا ہونا، بدن کا کانپنا، شوق اور محبت کے غلبہ کی وجہ سے آنسو بہانا رونا۔

اور یہ حالت وجد منتہی کا ہے جس کا ثبوت احادیث میں ذکر کیا گیا ہے۔

اگر نماز کے اندر خشیت الٰہی کی وجہ سے کسی پر وجد وصیاح طاری ہو جائے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا بلکہ نماز بھی فاسد نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ اس وقت بھی باشعور اور ذی عقل ہوتا ہے۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر نمازی نے نماز میں آہ اور اوہ اف کیا اور اتنا رویا کہ اس کا رونا حروف مسموعہ پر مشتمل ہو جائے پس اگر یہ حالت جنت یا دوزخ کی یاد کی وجہ سے طاری ہو جائے تو نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ یہ زیادہ خشوع پر دلالت کرتی ہے اور اگر دنیاوی درد ومصیبت کی وجہ سے یہ حالت پیش آجائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے کیونکہ پھر اس میں جزع اور افسوس کا اظہار ہے۔[3]

اور اگر مجذوب سے دوران وجد کفریہ الفاظ صادر ہو جائیں تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ اس لئے کہ اس پر انوار الٰہی غالب آگئے ہیں اور یہ مغلوب اور مسلوب الاختیار ہے۔[4]

اور اگر مجذوب کو کسی نے جذب سے روکا یا منع کیا تو یہ منع کرنے والا گناہ گار ہے بلکہ واجب تعزیر ہے[5] اور اگر حالت مذکورہ مسجد کے اندر کسی پر غالب آجائے تو شریعت میں کوئی حکم ودلیل نہیں کہ مغلوب ومجذوب الحال کو روکا جائے یا منع کیا جائے کیونکہ وہ تو معذور ہے۔[6]

جبکہ ثبوت کے بارے میں دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ چند حبشی مسجد کے اندر نیزوں سے کھیل رہے تھے حضور علیہ السلام بھی تشریف فرما تھے۔

---

[1] (حدیقۃ الندیہ: ۱۰۹)

[2] (تفسیر احمدی ۶۰۲، روح المعانی ج ۳ ص ۶۰ تکشف ۶۶۶ حاشیہ ۲ ص ۶۰۳ ردالمحتار ج ۳ ص ۳۰۷ فتاویٰ الشامی ج ۱ ص ۱۷۲)

[3] (ہدایہ ج ۱ ص ۱۲۵، فقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۱ ص ۳۰۰ جزء ارسائل ابن عابدین ج ۱ ص ۱۷۲)

[4] (کمال ایثم :مترجم خلیل احمد سہارنپوری۔ شارح بخاری ص: ۲۰۶ :تربیت سالکین: ج: ۱ :ص: ۱۴۵ :تکشف لمولوی اشرف علی تھانوی: ص: ۷۰)

[5] (حاوی للفتاویٰ ص ۲۳۴ ج ۲ للسیوطی صاحب جلالین)

[6] (حاوی ص ۲۳۴ ج ۲)

محدثین فرماتے ہیں کہ یہ کھیل دراصل جہاد کی تربیت دینا تھا اور اس کا حکم بھی عبادات میں شامل ہے لہٰذا ذکرِ الٰہی عام اوقات میں جہاد سے افضل و بہتر ہے تو یہ بطریقہ اولی کے ساتھ مسجد میں جائز اور مامور ہے اگر حرکت غیر اختیاری ساتھ میں ہو۔[1]

حضرت علامہ مولانا حبیب الرحمن گبول طاہری اپنی کتاب راہِ حقیقت: ص :۱۰۸ : میں وجد اور جذب کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض صالحین عشق ومحبت خداوندی اور ذکر اللہ میں محویت وفنائیت کے عالم میں دنیا ومافیہا سے بے خبر ولاتعلق ہو جاتے ہیں اور بے خودی کے عالم میں بلند آواز سے ذکر، تلاوت کرتے، حمد ونعت پڑھتے، گریہ وزاری کرتے، بلا اختیار آنکھوں میں آنسو بھر آتے، بدن پر لرزہ وکپکپی طاری ہو جاتی، کبھی دوڑتے زمین پر گرتے، لیٹتے جسم وجان کی پرواہ کئے بغیر درختوں اور دیواروں سے ٹکراتے، آگ میں کود پڑتے، انگارے تک اپنی جھولیوں میں اٹھا لیتے، سردی گرمی کی تفریق کئے بغیر کئی کئی گھنٹے پانی میں اچھلتے رہتے اور عموماً صحت پر بھی کوئی برا اثر نہیں پڑتا۔ یہ کوئی کہاوت، مبالغہ آمیز حقیقت یا محض مولف کا اپنے مشائخ کے یہاں مشاہدہ نہیں بلکہ قرونِ اولیٰ سے لے کر آج تک ایسے بیسیوں واقعات سینکڑوں افراد نے مشاہدہ کئے ہیں۔ مشہور محدثین اور فقہائے کرام نے ایسے واقعات پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ بقول محدث ابن قیم ذاکر کے جسم میں ذکر اللہ کی بدولت اس قدر قوت وطاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ بعض اوقات وہ ایسے کام کر لیتا ہے کہ بغیر ذکر کے اس شخص سے ایسے افعال کا صدور نہیں ہو سکتا۔

الغرض قرآن وحدیث اور کتب فقہ وفتاویٰ وتصوف میں غیر اختیاری طور پر کسی کیفیت ہونے کیلئے وجل، وجد، جذبہ، رقص اور اقشعرار کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور یہ ایک طرح کی عمدہ وصف ہے، تاہم بزرگی یا ولایت کی نہ تو دلیل ہے نہ ضروری۔

اسی طرح مشہور ومعروف ماہر علم نحو ومنطق حضرت سید میر شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ آپ کے اوپر وجد کی کیفیت طاری ہوگئی اس عالم میں آپ کے سر سے دستار بھی گر پڑی۔ کافی دیر بعد جب سنبھلے اور آپ سے دریافت کیا گیا تو فرمایا بڑے عرصہ سے یہ میرے دل کی خواہش تھی کہ کاش مجھے ایک ساعت ہی ایسی میسر آجائے جس میں میری لوح مدرکہ (عقل وخرد) سے علمی نقوش (مختلف علوم عقلیہ کے خیالات) مٹ جائیں تو بہتر ہے۔ الحمد للہ آج مجھے وہ مطلوب ساعت میسر آگئی اور مجھے غیر معمولی سرور ولذت حاصل ہوا۔[2]

ولی کی زیارت سے وجد : حضرت سلطان الاولیاء سید شاہ مردان شاہ اول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (چھٹے پیر صاحب پاگارہ جو کہ حضرت کوٹ دھنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لقب سے مشہور تھے) کے حالات زندگی میں مرقوم ہے کہ آپ دستور کے مطابق ۲۷ رجب کو مریدین کو زیارت سے مستفیض فرماتے اور نصیحت فرماتے تھے تو بہت سے فقراء پر وجد وحال طاری ہو جاتا تھا کئی بے ہوش ہو کر گر پڑتے تھے جبکہ گریہ وزاری تو جماعت میں عام ہوتی تھی۔[3]

ولی کے غائبانہ کلام سے وجد : حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کے متعلق یہ مشہور ہے کہ آپ کو مطلق آواز یہاں تک کہ چکی کے پیسنے کی آواز پر بھی وجد ہو جاتا تھا۔ (کسانیکہ این پرستی کنند بآواز دولاب مستی کنند)

یہ حضرت ایک بار تھانیسر تشریف لے گئے جہاں ان کے ایک جولاہا مرید بھی رہتے تھے اور فقہی مسائل کے سلسلہ میں حضرت مولانا جلال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف رجوع کرتے تھے ایک مرتبہ مولانا موصوف نے فقیر صاحب مذکور کو فرمایا : تمہارے ناچنے والے پیر صاحب بھی تو آئے ہیں (اس سے ان کا مقصود شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کثرت وجد پر تنقید کرنا تھا) گو مولانا صاحب کے یہ کلمات ان کو شاق گزرے لیکن

---

[1] (مشکوۃ شریف ج ۲ ص ۲۸۰ معارف القرآن ج ۴ ص ۳۳۵)

[2] (رشحات: ص: ۸۲ : مؤلفہ مفسر قرآن حضرت شیخ فخر الدین علی بن حسین المشہور واعظ کاشفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

[3] (تاریخ پاگاران: ص ۱۰ :)

صبر کیا اور چلے آئے موقع مناسبت سے یہ بات حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بھی سنا دی شاہ صاحب قدس سرہ نے سن کر فرمایا اگر آئندہ میرے متعلق یہ کلمات (ناچنے والے پیر) دھرائے تو ان کو کہنا وہ ناچتے بھی ہیں اور نچاتے بھی ہیں۔

چنانچہ دوسری بار جب فقیر صاحب کے سامنے مولانا صاحب نے مذکورہ کلمات دہرائے تو انہوں نے فوراً کہہ دیا کہ جی وہ ناچتے بھی ہیں اور نچاتے بھی ہیں۔فقیر صاحب کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہی مولانا جلال الدین قدس سرہ کی حالت دگرگوں ہوگئی۔حالت وجد کا غلبہ ہوگیا اور کھڑے ہو کر ناچنے لگے۔

بالآخر یہی مولانا جلال الدین حضرت شاہ صاحب عبدالقدوس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید بلکہ خلیفہ بنے۔یہ کیا تھا۔ایک اللہ والے کے غائبانہ کلام کا اثر وکمال۔[1]

سندھ کے مشہور ولی حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سوانح حیات میں ہے کہ جب آپ حضرت شاہ عبدالکریم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (بلڑی والے) کے عرس کے موقع پر تشریف لے گئے سماع کے وقت آپ پر وجد کا اس قدر غلبہ ہوا کہ اپنے کچھ کپڑے (قمیص یا عمامہ وغیرہ) اتار کر دوہے پڑھنے والے فقراء کی طرف پھینک دئے۔یہ دیکھ کر دوسرے لوگوں نے بھی کپڑے ان کی طرف پھینکے۔یہاں تک کہ اس قدر کپڑوں کا وزن ہوگیا کہ اونٹ ہی اٹھا سکتا تھا۔[2]

حافظ محمد ضامن صاحب نے کچھ قمریاں پال رکھی تھیں اور ان کے حق سرہ کی آواز پر بعض وقت بے ہوش ہو کر گر پڑتے تھے۔[3]

دارالعلوم دیوبند میں وجد:

دیوبند مسلک کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی کی اشرف السوانح (ص ۶۴) کے حوالہ سے صاحب رہنمائے سالکین نے لکھا ہے کہ دورانِ وعظ ان کے سامعین پر اکثر گریہ اور بعض پر وجد اس حد تک طاری ہوتا تھا کہ لوٹنے تڑپنے لگ جاتے تھے چنانچہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے بڑے جلسہ دستار بندی میں حضرت مولانا موصوف کے وعظ میں ایک صاحب پر اس قدر شدید کیفیت وجد طاری ہوئی کہ وہ کسی طرح فرو نہ ہوئی یہاں تک کہ وعظ کا مجمع ہی بالکل درہم برہم ہوگیا اور وعظ ناتمام ہی رہا۔

نیز اس کتاب کے ۱۳۰، ۱۳۱ پر مولانا خواجہ عزیز الحسن مجذوب صاحب نے دارالعلوم کانپور کے ایک طالب علم کا واقعہ لکھا ہے کہ بوستان کے درس میں

بہ مجنون کسے گفت کہ ایک نیک پے چہ بودت کہ دیگر نیائی بمے

اشعار سن کر وجد میں آ کر لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے ہوئے زور زور سے بھاگتے ہوئے بازار کی طرف نکل گئے جو ملتا اس سے یہی کہتے یہاں تک کہ ہندوؤں سے بھی لا الہ الا اللہ کہلوایا۔نماز عصر کا وقت ہونے پر کہنے پر وضو تو کر لیا اور نماز کے لئے کھڑے ہو گئے لیکن نماز عجیب طرح کی پڑھی کہ بجائے اللہ اکبر کے آہ آہ کہتے تھے اور بجائے تلاوت کے عشقیہ اشعار پڑھتے تھے۔حالانکہ اس سے قبل انہیں کبھی اشعار پڑھتے ہی نہ سنا گیا۔اس نماز میں انہوں نے سجدے بھی بے تعداد کئے۔رات بھر یہی کیفیت رہی دوسرے روز جب کانپور کے درویش میاں خاکی شاہ سے کیفیت سلب کرائی گئی تو رات کو خواب میں اس طالب علم کو رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی اور فرمایا کہ اس فقیر سے کہہ دینا کہ کیا تیری کم بختی آئی ہے کہ ایسی

---

[1] (رسالہ الظاہر: ص: ۲۴ :مطبوعہ مکتبہ تھانوی الابقاء کراچی)

[2] (بھٹ دھنی: ص ۵۶:)

[3] (حاشیہ انوار قاسمی: ص ۱۳۴:)

نعمت کوسلب کرتا ہے؟[1]

ولی کامل حضرت شیخ سیف الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تہجد کے لئے اٹھے کہ بانسری کی آواز سنی بے تاب ہوکر گر پڑے، جس سے دست مبارک پر چوٹ آگئی۔ تو فرمایا : کہ لوگ ہمیں بے درد کہتے ہیں، بے درد تو وہ خود ہیں جو سماع کی تاثیر پر صبر کرتے ہیں۔[2]

طریقہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے مرشد کامل سید السادات حضرت سید نور محمد بدایونی قدس سرہ کو اعلیٰ درجہ کا استغراق حاصل تھا۔ چنانچہ پندرہ سال تک افاقہ نہ ہوا۔ مگر نماز کے وقت نماز ادا کرتے پھر مغلوب الحال ہوجایا کرتے تھے۔[3]

نیز اوائل حال میں (حضرت مرزا شہید قدس سرہ) کی توجہ شریف کی تاثیر سے لوگ بے تاب ہوجاتے اور کمال استغراق کی وجہ سے بیخود ہوکر گر پڑتے اور شوق کی حرارت دلوں کو راہ سلوک پر امادہ کرتی اور محبت کی جاذبہ سے مقامات طے کرتے۔[4]

چنانچہ آپ کے خلیفہ حضرت محمد احسان مقام جذبہ کی شورش اور بے تابی کی وجہ سے ارباب حلقہ و ذکر کی معیت اور طمانیت میں تشویش پیدا کرتے آپ نے انہیں اعلیٰ مقام میں جہاں پر باطن کو سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ بطور طغرہ پہنچادیا۔ فوراوہ گھبراہٹ اور شورش جاتی رہی اور ان کی باطنی نسبت پر اور طرح سے حالات وارد ہونے لگے۔[5]

فائدہ: حضرت مرزا جان جانان مظہری شہید قدس سرہ کے اس عمل سے معلوم ہوا کہ شورش و جذبہ کمال کی علامت نہیں، کمال کا مقام اس کے بعد ہے

توجہ سے وجد : نیز مقامات مظہری: ص ۵۹۵ میں ہے کہ ایک بار نماز فجر کے بعد ذکر و مراقبہ سے پہلے آپ نے یہ فرماتے ہوئے مولوی کرامت اللہ صاحب پر توجہ فرمائی۔ کہ بحق بہاء الدین میں تجھے بے محنت دونگا۔ بقول مولوی صاحب مذکور میں بے ہوش ہوگیا۔ گویا میرا دل سینہ سے باہر نکل گیا ہے۔ مدت بعد ہوش میں آیا تو آپ حلقہ سے فارغ ہوچکے تھے اور میں دھوپ میں تھا۔

مناظر اسلام حضرت مولانا نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ملتانی صاحب انوار شریعت المعروف "جامع الفتاویٰ جلد دوم :ص ۱۸۸" پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں رقص اور وجد ایک بے اختیاری حالت ہے جو طالب علم پر آتی ہے جس کو شارع علیہ السلام نے جائز رکھا ہے۔ چنانچہ شاہ رفیع الدین صاحب نے اپنے فتاویٰ میں بچند وجوہ جائز فرمایا ہے اور وہ یہ ہے: مقصود از فرمائش محبت حضرت منعم و اطاعت اوست و ایں محبت را بسیار اقسام است وحکم بچند سبب مختلف میشود یکے اسباب محرک ایں محبت دوم مقتضائے دورہ سوم فیض مرشد آں چہارم امزجہ محباں بایں سبب گونہ گوں طریقہ برائے اظہار محبت پیدا میشود وحق تعالیٰ چندیں درجات جنت کہ پیدا کردہ است برائے اختلاف امزجہ واحوال اہلِ جنت است۔ جماعت رای الحقیقت شورشے در دل پیدا مے شود کہ بمثل خفقان از محافظت ادب معقول ومشروع عاجزی آئیند۔ صحابۂ کرام وتابعین عظام را بہ سبب غلبہ انوار نبوت وانوار قرآن مجید ایں احوال طاری نمیشد۔ چوں نظر خلق بر احوال قلب افتاد بذکر و شغل کہ لطیفہ قلب بہوش مے آرد مشغول شدند۔ گوں ناگوں احوال از انواع دیگر پیدا شد بعضے او در مزاج غلبہ لذت حسن سماع بود۔ ہمراہ آن غلبہ نسبت باطن میشود۔ بعضے را بالعکس زیرا کہ نسبت ایشان سکون واطمینان واستغراق بودہ است وبعضے را نسبت ابتہاج وانبساط بدریافت وصل محبوب حقیقی شد وبعضے را بملاحظہ غایت

---

[1] (تلخیص رہنمائے سالکین)

[2] (مقامات مظہری مترجم :ص : ۳۴۹)

[3] (ص ۲۴۱ مقامات مظہری)

[4] (ص ۳۱۰ حوالہ مذکورہ)

[5] (ص : ۳۱۲ حوالہ مذکور)

تنزیہہ حسن ابدی لازم حال گشت بالجملہ مردن بعضے از یں حادثہ شوق دلیل صریح است برشدت ہیجان محبت الٰہی واستیلائے آن برقلب ایشان میں اعتراض برہیچ یکے ہرگز نیاید کرد۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنہ پاکان کند

ظاہر است کہ اوقات لیل ونہار چہ قدر تفاوت دارد۔الخ،اور علاوہ اس کتاب وجیز الصراط: ص :۱۴۰: سطر اول علامہ ابن جیون بایں طور اس کے جواز پر دلیل تحریر فرماتے ہیں۔

''والرقص ومما یوکد جواز الرقص ما ذکر فی مسند احمد بن حنبل عن علی رضی اللہ تعالٰی عنہ قال اتیت النبی ﷺ انا وجعفر وزید فقال علیہ السلام لزید انت مولای فحجل وقال لجعفر انت اشبہت خلقی وخلقی فحجل ثم قال لی انت منی فحجلت والحجل رقص خاص والعام جزء الخاص فاذا جاز نوع من الرقص جاز مطلقہ۔الخ''

ترجمہ: اور رقص کی بابت جس سے اس کی تائید ملتی ہے یہ کہ جو کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مسند میں ذکر کیا گیا ہے۔کہ میں اور زید اور جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور ﷺ کی خدمت شریف میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ نے زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا ''انت مولائی''پس وہ رقص میں آیا پھر آپ ﷺ نے جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا:''انت اشبہت خلقی وخلقی'' تو اس پر حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رقص میں آئے اور پھر آپ نے مجھے فرمایا کہ :''انت منی'' تو آپ ﷺ کے فرمانے سے میں بھی رقص میں آیا۔اور رقص خاص ہے اور عام خاص کی جز ہوا کرتی ہے جب نوع رقص کا جواز ملتا ہے تو مطلق بھی جائز ہوا۔اور قرآن مجید سورۃ بنی اسرائیل کے اخیر میں مومنوں کی تعریف میں فرماتا ہے کہ جب مومن قرآن مجید سنتے ہیں تو وہ بے اختیار ہو کر گر پڑتے ہیں:وھو ھٰذا''وَیَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ یَبْکُونَ وَیَزِیدُھُمْ خُشُوعًا(الاسراء ۱۰۹)''یعنی گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے اور زیادہ کرتا ہے ان کو بلحاظ خشوع کے۔

پس ان دلائل قاطع سے معلوم ہوا کہ اہل دل کا رونا اور رقص بے اختیار کرنا جائز ہے۔اور موجودہ زمانہ میں جو باختیار خود ناچتے کودتے ہاتھ پاؤں مارتے اور ہاہو کرتے ہیں اور مزامیر سے رقص وسرور کرتے ہیں اور کنجروں اور ڈوموں سے غنا سنتے ہیں اور نمازوں کی کچھ پروا نہیں کرتے،یہ سب امور بے شک باتفاق علمائے دین حرام و ناجائز ہیں چنانچہ فتاویٰ نورالھدیٰ :ص:۴۲۷: پر بایں طور ہے۔''الرقص الذی یفعلہ المتصوفۃ فی زماننا حرام لایجوز القصد والجلوس الیہ۔''

ترجمہ:ہمارے زمانے کے جعلی و بناوٹی صوفی جو رقص کرتے ہیں حرام و ناجائز ہے اور ان کے ساتھ بیٹھنا بھی حرام ہے۔[1]

جذب اور وجد اور تواجد دو قسم کے لوگوں پر آتا ہے ایک صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو اللہ تعالیٰ کے اولیاء ہوتے ہیں شریعت کے پابند ہوتے ہیں ۔ان سے جذب وجد اور تواجد ظاہر ہونا محمود ہے باعث ثواب ہے۔ایک ہے متصوفہ جو بناوٹی پیر ہوتے ہیں۔شریعت کے مخالف ہوتے ہیں۔پانچ وقت کی نمازیں ادا نہیں کرتے چرس وغیرہ بھی پیتے ہیں۔داڑھی وغیرہ بھی بالکل صاف کرتے ہیں اور اپنے آپ کو صوفیہ کہتے ہیں فقہاء کرام نے جو حرام کہا ہے وہ اشارہ ان متصوفہ کی طرف ہے جو کہ خلاف شرع ہیں۔

کشف المحجوب میں حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ وجد کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی۔کیونکہ یہ وہ غم ہے جو محبت میں ملتا ہے اس لئے بیان سے باہر ہے نیز وجد طالب اور مطلوب کے درمیان ایک راز ہے جسے بیان کرنا مطلوب کی غیبت کے برابر ہے وجد عارفوں کی صفت ہے۔

---

[1] (انوارِ شریعت ج ۹ ص ۱۸۸)

تواجد : عوارف المعارف میں شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ذکر اور فکر سے وجد کو حاصل کرنا تواجد کہلاتا ہے ۔حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ تواجد وجد لانے میں ایک تکلف ہوتا ہے اور یہ انعامات وشواہد حق کو دل کے حضور پیش کرتا ہے اور محبوب کے وصال کا خیال اور انسانی آرزوؤں کا جوش میں آتا ہے ۔حضور ﷺ نے فرمایا: ''جو کسی قوم سے مشابہت پیدا کرتا ہے وہ اسی سے ہوتا ہے'' حضور ﷺ نے فرمایا: ''جب تم قرآن پڑھو تو رویا کرو، اگر رونا نہ آئے تو تکلف سے رویا کرو'' اور یہ حدیث تواجد کے مباح ہونے پر گواہ ہے ۔[1]

وجد فقہاء ومشائخ کی نظر میں

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ کچھ لوگ دورانِ وجد بے قابو ہو جاتے ہیں اور وجد میں گھومتے ہیں اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

فرمایا ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت میں چھوڑ دو کیونکہ طریقت نے ان کے دل کاٹ دئے ہیں اگر تم ان کی لذت سے آشنا ہو جاؤ تو چیخنے چلانے اور کپڑے پھاڑنے میں ان کو معذور سمجھو گے ۔

ترجمہ اشعار: وجد میں کوئی گناہ نہیں اگر حقیقی ہو یا ظاہری بشرطیکہ خالص اللہ کیلئے ہو ۔حقیقی وجد سماع یا دوسرے لوازمات کا محتاج نہیں ہوتا کیونکہ ایسے شخص کو دائمی لذت اور خوشی حاصل ہو جاتی ہے ۔ایسے لوگ بھاگتے رہیں ایک پاؤں پر چلیں یا سر کے بل چلیں اس میں کوئی گناہ نہیں ۔[2]

تحقیق اور دلائل کے لحاظ سے اس مسئلے کا قطعی جواب صاحبِ عوارف المعارف مصنف احیاء العلوم اور علامہ ابن کمال پاشا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا ہے وہ فرماتے ہیں : کہ وجد اور تواجد میں کوئی گناہ نہیں اگر یہ خالص رضاءِ الٰہی کیلئے ہو، اور جو عارفین باللہ ہیں اور ہمیشہ نیک کام کرتے ہیں اور ایسے سالکین جو اپنے آپ کو اعمال قبیحہ سے بچاتے ہیں ۔اور جب عشقِ الٰہی ان پر غالب آجاتا ہے تو یہ لوگ بے ہوش ہو کر گر جاتے ہیں اور محبتِ الٰہی میں مستغرق ہو جاتے ہیں ۔[3]

خیر النساج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ: ایک دن موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے سامنے ایک حکایت بیان فرما رہے تھے کہ اس دوران ایک شخص پر وجد طاری ہوا اور چیخ ماری حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص کو ڈانٹا اسی وقت وحی نازل ہوئی کہ : اے موسیٰ علیہ السلام اس شخص نے میری محبت میں چیخ ماری آپ کو کیونکر انکار ہے ۔[4]

بعض صوفیاءِ عظام پر جب خوفِ الٰہی غالب آجاتا ہے تو وہ رونے لگتے ہیں ۔اور ان کے اعضاء حرکت کرتے ہیں جیسا کہ حضور پاک ﷺ جب رات کو نماز پڑھتے تو آپ ﷺ کے سینے مبارک سے ہانڈی کے جوش مارنے کی آواز آتی ۔[5]

جناب ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ : اشعار اور سماع ہر وقت نفع بخش ہے خاص کر ضعیفوں کیلئے مفید ہے اس لئے کہ سماع سے ہر عضو پر خاص اثر ہوتا ہے آنکھیں اس کے اثر سے روتی ہیں زبان پر اثر ہو تو وہ چیخ مارتی ہے ۔ہاتھ متاثر ہو تو کپڑے پھاڑے جاتے ہیں اور

---

[1] (کشف المحجوب)

[2] (رسائل ابن عابدین: ج:۱: ص ۱۷۳، ۱۷۲)

[3] (فتاوی شامی: ج:۱: ص ۳۳۷:)

[4] (علامہ عبدالوہاب شعرانی :انوار القدسیہ: ج:۱: ص ۱۸۵:)

[5] (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۹۹)

چہرے پر تھپڑ مارا جاتا ہے اور جب پاؤں پر اثر ہو تو رقص کرنے لگتے ہیں۔[1]

منقول ہے کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی ص جب وعظ کیلئے کرسی پر تشریف فرما ہوئے تقریر انواع علوم پر ہوتی تھی۔حاضرین حضرت شیخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظمت اور ہیبت کی وجہ سے خاموش بیٹھے رہتے۔اچانک آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے (مضی القال و عطفنا بالحال) اس جملے کے ساتھ ہی حاضرین پر وجد طاری ہو جاتا کچھ رونے لگتے بعض کپڑے پھاڑنے شروع کر دیتے اور بعض بے ہوش ہو کر جان دے دیتے۔[2]

یعنی جو شخص سماع اور وجد کے اثرات سے انکار کرتا ہے۔تو یہ اس کی اپنی کوتاہ علمی ہے۔اس شخص کے پاس وہ علم نہیں جس کے ذریعے وہ صوفیاءِ کرام کے احوال جان سکے ایسے شخص کی مثال اس ہیجڑے (نامرد) کی طرح ہے جو اپنی نامردی اور قوتِ شہوت کی عدم موجودگی کے باعث لذتِ جماع سے انکار کرے۔[3]

صوفیاءِ کرام ایک مجلس میں ذکرِ الٰہی میں مشغول ہوتے ہیں اس مجلس میں ایک شخص پر وجد طاری ہو جاتا ہے اور وہ اٹھتا ہے خواہ یہ جذب اختیاری ہو یا بے اختیار کیا یہ جذب جائز ہے یا نہیں اور کیا لوگوں کو منع کرنا چاہئے یا نہیں؟

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ وجد سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

بعینہ یہ سوال شیخ الاسلام سراج الدین البلقینی سے پوچھا گیا۔

انہوں نے جواب دیا کہ اس سے انکار نہیں ہے اور جو لوگ ان کو منع کرتے ہیں ان کو تعذیر شرعی دینی چاہئے۔علامہ انباسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی آپ سے یہی سوال پوچھا تو انہوں نے یہی جواب دیا۔

مزید فرمایا: صاحب الحال مغلوب ہوتا ہے اس سے منکر محروم ہے۔یہ لوگ وجد کی لذت سے نا آشنا ہیں۔یہی جواب حنفیہ اور مالکیہ کے علماء نے بھی دیا ہے اور مذکورہ جوابات کی تائید کی ہے مخالفت نہیں۔[4]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔جب برکات اور تجلیات کی بارش بکثرت ہوتی ہے اور صوفی کا حوصلہ تنگ اور استعداد کمزور ہوتی ہے تو (صوفی برداشت نہیں کر سکتا اس لئے) بیہوشی کی حالت طاری ہو جاتی ہے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ظرف وسیع تھے اور صحبت رسول اللہ ﷺ کی برکت سے استعداد قوی تھی۔اس کے باوجود برکات کی کثیر بارش کے ان پر بے ہوشی طاری نہیں ہوتی تھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے علاوہ دوسروں کو یہ چیز میسر نہیں اس لئے دو وجوہ سے ان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔یا نزولِ برکات ہی کم ہوتا ہے یا ان کا ظرف تنگ ہوتا ہے اور حوصلہ میں سمائی نہیں ہوتی۔

ایک دن امام شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مسجد میں امام کے پیچھے ماہ رمضان میں عشاء پڑھ رہے تھے امام نے سورہ بنی اسرآئیل کی یہ آیت (۸۶) تلاوت فرمائی: ”وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا (الاسراء ۸۶)“ (اور اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمہاری طرف کی اسے لے جاتے) تو حضرت امام شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وجد کی وجہ سے ایک چیخ ماری۔لوگوں نے یہ خیال کیا کہ امام شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وفات پا گئے ہیں۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور باقی اعضاء حرکت میں آ گئے۔[5]

---

[1] (انوار القدسیہ ج ۱ ص ۱۸۶)

[2] (شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: اخبار الاخیار)

[3] (علامہ شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انوار القدسیہ ج ۱ ص ۱۸۵)

[4] (حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فی الحاوی للفتاوی ج: ۲: ص ۲۳۴:)

[5] (احیاء العلوم: ج: ۲: ص: ۲۹۷)

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

لا یمنع من الجھر بالذکر في المساجد احترازا عن الدخول تحت قولہ تعالی :{وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ}[البقرۃ114 :]

کہ مسجدوں میں لوگوں کو ذکر بالجہر سے منع نہیں کرنا چاہئے۔تا کہ اس آیت کریمہ کی مخالفت واقع نہ ہو جائے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں فرماتے ہیں۔(ان سے زیادہ ظالم کون ہے جو لوگوں کو مسجد میں ذکر الٰہی سے منع کرتا ہے) یعنی کوئی نہیں۔[1]

حجۃ الاسلام محمد بن غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وجد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ :رقص مباح ہے کیونکہ حبشی لوگ مسجد النبی ﷺ میں رقص کرتے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسے دیکھتیں اور جب حضور ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ :تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں تو وجد میں آگئے تو جو لوگ وجد کو حرام جانتے ہیں وہ غلطی پر ہیں کیونکہ اس کی انتہا مستی ہے جبکہ مستی بھی حرام نہیں۔[2]

جامع الشریعت والطریقت عالم باعمل مرشد اکمل شیخ القرآن والحدیث حضرت علامہ مولانا مفتی پیر سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی دامت برکاتہم القدسیہ اپنی تصنیفِ لطیف ''مجموعہ رسائل'' میں حصہ :۲: ص :۸۰۴: پر لکھتے ہیں۔ابو داؤد شریف میں کتاب الکسوف فی باب من قال یرکع رکعتین ج ۱ ص ۱۶۹ اور شمائل ترمذی ص ۲۷ فی باب بکاء النبی ﷺ) میں ہے کہ نبی کریم ﷺ صلوٰۃ کسوف ادا فرما رہے تھے۔حدیث شریف کے آخر میں ہے کہ سجدہ میں حضور ﷺ اُف اُف فرماتے تھے اور شمائل ترمذی میں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سجدہ میں بہت دیر تک توقف فرمایا اور سجدہ میں اُف اُف کرتے اور روتے رہے۔

شرح شمائل میں علامہ عبد الجواد الرومی فرماتے ہیں کہ :نبی کریم ﷺ اس اُف اُف کے ساتھ اپنے رب العٰلمین کیلئے بکاء بھی کرتے :ص :۳۴۷: دوسری حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کے قریب یہ آیت تلاوت کی جا رہی تھی ''ان لدینا انکالا و جحیما۔الخ'' تو نبی ﷺ بیہوش ہو گئے۔[3]

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَى أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ''(سورہ مائدہ :آیت ۸۳:)

ترجمہ :یعنی اور جب وہ اس کو سنتے ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیجا گیا ہے تو آپ ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دیکھتے ہیں اسی سبب سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔

قرآن مجید کی آیتوں کو سن کر رونا آجانا اور دلوں کا نرم ہو جانا۔یہی جذب اور وجد کی کیفیت ہے جو آیت مذکور سے ظاہر ہے۔دیگر فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا (الاعراف ۱۴۳) یعنی پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے اختیار ہو کر گر پڑے۔

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خدا تعالیٰ کی تجلی کے پرتو سے بے اختیار ہو کر گر جانا کمالِ جذب و وجد کی دلیل ہے۔سالک بھی خدا تعالیٰ کی تجلیات کے پرتو کو برداشت نہیں کر سکتا اور اس پر وجد و جذب چھا جاتا ہے اور بعض وقت اس حال کے کمال غلبہ میں محو ہو جاتا ہے جس کو استغراق کہتے ہیں۔اور بھی بہت سی آیتیں وجد و حال پر دلالت کرتی ہیں۔مثلاً :إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَى عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ

---

[1](طحطاوی:ص:۱۷۴)

[2](امام محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ،کیمیائے سعادت ج ۲ ص ۲۰۵)

[3](احیاء العلوم:ج:۲:ص:۲۹۷ وفی عمدۃ السلوک:ص:۱۰۹،۱۰۸،۱۰۷)

سُجَّدًا (الاسراء ۱۰۷)

ترجمہ: بے شک جن لوگوں کو قرآن پاک سے پہلے علم دیا گیا تھا، جب یہ قرآن ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔

شفی اصبحی سے روایت ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ میں آپ سے حق کیلئے اور پھر حق کیلئے درخواست کرتا ہوں کہ مجھ سے کوئی ایسی حدیث رسول اللہ ﷺ بیان کیجئے جس کو آپ نے خوب سمجھا اور پوچھا ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں میں ایسا کرونگا میں تم سے ایسی ہی حدیث رسول اللہ ﷺ بیان کرونگا جس کو میں نے سمجھا اور پوچھا ہے پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک چیخ ماری (یہ کیفیت بے تابی یا تو شدت خوف سے ہوئی ہے کہ حدیث کا بلاکم وکاست بیان کرنا بڑی احتیاط کی بات ہے اور یا شدت شوق سے تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا)

الحدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بڑے زور سے چیخ مارنا، بے اختیار ہو کر گرنا اور پسینہ آجانا وجد اور حال کی کھلی دلیل ہے۔ دوسری حدیثیں بھی بہت ہیں جو وجد وحال کی تائید کرتی ہیں۔ مثلاً عن مطرّف عن ابیہ رایت رسول اللہ ﷺ یصلی وفی صدرہ عزیز کعزیز الرحی من البکاء۔[1]

ترجمہ: حضرت مطرف اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور رونے کیوجہ سے آپ ﷺ کے سینے مبارک سے چکی کی آواز کی مانند آواز آرہی تھی۔

مختلف سلاسل کے اولیاء کے یہاں بھی وجد کے واقعات بکثرت ملتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت ابوعلی وقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توجہات سے بعض لوگوں کا وجد میں وصال پانا بھی مروی ہے۔ خواجہ ہاشم کشمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی برکاتِ احمدیہ میں ایسے واقعات درج کئے ہیں مثلاً حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے احوال میں ہے کہ ان کی خدمت میں ایک صاحب خواجہ برہان حاضر ہوئے جو پہلے کسی دوسرے سلسلے میں نسبت اور اجازت حاصل کر چکے تھے وہ تصور شیخ کی نگہداشت سے اس قدر جذب سے مغلوب ہوئے کہ بڑھاپے کے باوجود وہ قریب دو ہاتھ اوپر اُچھلتے تھے اور خود کو دیوار و درخت پر مارتے تھے اور کسی طرح قابو میں نہ آتے تھے۔

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی فرماتے ہیں کہ وجد آنا ایک ناآشنا اور بہتر حال ہے جو سالک پر آتا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ایسا حال غالب ہوا تھا کہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ ابھی وفات پا جائیں گے۔ لہٰذا یہ حال و وجد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے سے بہت واضح ثابت ہوگیا۔[2]

اگر کوئی زیادہ معلومات چاہے تو ہمارے والد محترم کے مجموعہ رسائل حصہ دوم کا مطالعہ کرے۔

شیخ الانس والجان بابا سید عمر دراز شاہ مشہدی روحانی نصاب صفحہ ۱۸۲ میں فرماتے ہیں:

جذب، وجد، تواجد: سالک اکثر دو حالتوں سے دوچار ہوتے ہیں کبھی تلوین اور کبھی تمکین سے تلوین مقام طلب ہے جس میں حالتیں آتی جاتی رہتی ہیں اور سالک مغلوب الحال ہوتا ہے۔

گہ گریاں گہے خنداں گہے حیراں گہے نالاں　　بجز ایں شغل یک لحظہ نبودے روزگار من

---

[1] (رواہ ابوداؤد: جمع الفوائد ومشکوۃ)

[2] (تکشف: ص: ۵۴۵)

یعنی کبھی رونا کبھی ہنسنا کبھی حیران ہونا ہے اور تمکین مقام رسوخ و استقرار ہے جس میں سالک مغلوب الحال نہیں ہوتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو زنان مصر نے دیکھا تو مدہوشی میں اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں یہ عورتیں مقام تلوین میں تھیں اور زلیخا بھی وہیں موجود تھی مگر شب و روز کے مشاہدہ جمال نے اس کو متحمل بنا دیا تھا لہٰذا نہ تو بے ہوش ہوئی نہ انگلیاں کاٹیں نہ اس کی زبان سے بے ساختہ کوئی کلمہ نکلا حالانکہ اس کا عشق روز افزاں ترقی پر تھا مقام تمکین میں سالک انبیاء علیہم السلام کے کمالات معنوی سے فیض یاب ہوتا ہے اور مقام تلوین میں محروم رہتا ہے۔ سالک مبتدی ابتداء میں مرشد کامل کی توجہ سے عشق حقیقی کی گرمی محسوس کرتا ہے تو اندوہ یافت کی شدت سے مشتعل ہوتا ہے کبھی پیچ و تاب کھاتا ہے کبھی تڑپتا ہے لوٹ پوٹ ہوتا ہے اور کبھی چیختا ہے چلاتا ہے ھاؤ، ہو اور ہو اللہ کے نعرے لگاتا ہے کبھی لرزہ براندام ہوتا ہے بے قراری کا اظہار کرتا ہے، کبھی روتا ہے اور کبھی خوشی اور طرب کا مظاہرہ کرتا ہے۔

اگر تو یار نداری چرا طلب نکنی　　اگر بیار رسیدی چرا طرب نکنی

سیر عروجی میں عموماً سکر استغراق فنا اور بے خودی سے سالک کو واسطہ پڑتا ہے۔

ساکنان سر کوہائے تو بناشند بیہوش　　آں زمینے است کہ آنجا ہمہ مجنوں خیزد

جذب و وجد کی بعض کیفیات عجیبہ اور حالات غریبہ جو ہمارے سلسلہ عالیہ صدیقیہ نقشبندیہ مجددیہ سیفیہ کے سالکین کو حاصل ہوتی ہیں۔

''والتاوہ اعنی الوجد التواجد والصیاح والانین والتاوہ والبکاء وغیرھا من شدۃ الفرح او شدۃ الجنون لاجل الوارد الذی نزل من اللہ تعالٰی علی السالک عند استماع القرآن او الذکر او بتوجہ الشیخ وغیر ذلک مما یتاثر بہ'' یعنی میری مراد اس سے وجد ہے جس میں بے اختیار سالک گرتا ہے کھڑا ہوتا ہے مرتعش کی طرح حرکت کرتا ہے یا تواجد یعنی اہل حال کی محبت میں اور وجد کی تمنا میں قصداً وجد کی کیفیت طاری کرتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ (ابکو فان لم تبکو فتباکو)۔

یعنی روؤ اگر رونا نہیں آتا تو رونے والوں کی صورت اختیار کرو کیونکہ بے اختیار رونا وجد کی ایک صورت ہے اور قصداً رونا عین تواجد ہے جو شرعاً مامور و مطلوب ہے۔

انین یعنی بلک بلک کر رونا اور تاؤ یعنی آہ آہ کرنا یا ادا بنا کر رونا یہ حالت فیض الٰہی کے اصول کی خوشی میں طاری ہوتی ہے یا محبوب حقیقی کی یاد یا خوف خداوندی یا جنت و دوزخ کے ذکر سے طاری ہوتی ہے۔ ان واردات کا من جانب اللہ ورود ہوتا ہے جب سچی طلب ہو اور سالک فیضان کا منتظر ہو اور اولیاء کرام سے محبت کرتا ہو تو یہ مبارک حالت اس کو نصیب ہوتی ہے اور جو مغرور اور متکبر ہو یا غافل غیر طالب اور گستاخ ہو تو اس کو کچھ بھی نہیں ملتا۔ اور اس کی بنجر زمین میں پھول نہیں کھلتے۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست　　در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

جذب استغراق کی نعمت عظمیٰ شیخ کامل کی توجہ اور دیدار سے کبھی حمد و نعت مصطفی ﷺ اور کلام عارفانہ کے سننے سے اور کبھی ذکر سے حاصل ہوتی ہے بعض علماء نے بناوٹی صوفیوں یعنی متوصفہ کا رد کیا ہے وہ بالکل درست ہے۔ بعض بھنگی، چرسی اور شراب خور نام نہاد نشے میں دھت ہو کر دھمال مچاتے ہیں ناچتے ہیں اور ان کا شریعت و طریقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا لوگوں کو بے قوف بناتے ہیں اور شریعت سے استہزاء کرتے ہیں۔

کار شیطان می کند نامش ولی　　گر ولی ایں است لعنت بر ولی

مگر منصف مزاج عقل مند لوگ جانتے ہیں کہ اہل اللہ جو شریعت مطہرہ کے پابند ہیں ان کے جذب اور پاکیزہ وجد میں اور گمراہ پیروں کے دھمال اور شیطانی رقص میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جب سالک پر مرشد کی توجہ سے فیوضات ربانی اور قوی واردات کا ورود ہوتا ہے تو سالک چیختا ہے

مرغ بسمل کی طرح تڑپتا ہے اور ھو کے نعرے لگاتا ہے: آہیں بھرتا ہے اور اس طرح منازل ومقامات سلوک طے کرتا ہے۔آتش عشق بھڑک اٹھتی ہے اور اس طرح منزل قریب آجاتی ہے وللہ در القائل

جائیکہ زاہداں بہ ہزار اربعین رسند　　مست شراب عشق بہ یک آہ می رسند

یعنی جس مقام تک زاہد ہزار چلّوں کے بعد پہنچتا ہے وہاں تک مست شراب عشق ایک ہی آہ میں جا پہنچتا ہے۔

''اللّٰھم اعطنا حبک وحب حبیبک واولیائک حضرت علامہ عبد الغنی النابلسی (حدیقۃ الندیۃ)'' میں بحث فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :اگر نام نہاد فاسق وفاجر متصوفہ نہ ہوں بلکہ سچے صوفیائے کرام کا طریق وجد وتواجد ہو تو ''نور وھدایۃ واز توفیق من اللہ وعنایتہ'' یعنی نور ہے ہدایت ہے اور اللہ کی توفیق کا اثر ہے اور اس کی عنایت ہے۔آگے فرماتے ہیں کہ کسی نے حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے تواجد اور تمایل (دائیں بائیں جھکنا) کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: دعوھم مع اللہ یفرحون۔ان کو اپنے حال پے چھوڑ دو۔اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش ہونے دو کیونکہ یہ لوگ کبیدہ خاطر اور عشق خداوندی میں خستہ جگر ہیں لہٰذا ان کے لئے کوئی حرج کی بات نہیں۔

اسی طرح ''امام اھل سنت شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ افغانی قندھاری ثم بریلوی'' اپنی کتاب فتاویٰ رضویہ'' میں جذب اور وجد پر بہت سے دلائل تحریر فرمائے ہیں۔منجملہ ان میں سے چند یہ ہیں۔فتاویٰ رضویہ: ج:۲۴: ص :۱۵۴: اور :۹۸ :میں تحریر فرماتے ہیں کہ: (بحوالہ حدیقۃ ندیۃ)

''فان طریق الوجد والتواجد الذی تعلمہ الفقراء الصادقون فی ھٰذا الزمان وبعدہ کما کانوا یعلمونہ من قبل فی الزمان الماضی نور وھدایۃ واثر توفیق من اللہ تعالٰی وعنایتہ'' یعنی اس لئے کہ وجد اور تواجد کا طریقہ جسے اس زمانے کے سچے فقراء ہی جانتے ہیں۔جیسا کہ پہلے زمانے کے لوگ جانتے تھے۔ایک نور ہدایت اور اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی عنایت کا اثر ہوتا ہے۔

اور اسی طرح: ص:۹۸: میں احیاء العلوم کے حوالے سے لکھتے ہیں :''وقال الغزالی فی الاحیاء ان ابا الحسن النوری رحمہ اللہ تعالٰی کان مع جماعۃ فی دعوۃ فجرت بینھم مسألۃ فی العلم وابو الحسن ساکت ثم رفع راسہ وانشدھم یقول

ربَ ورقاء ھتوف فی الضحٰی　　ذات شجو ھتفت فی فنن

ذکرت الفا وحزنا صالحا　　فبکیت حزنا فھاجت حزنی

فبکائی ربما ارقھا　　وبکاھا ربما ارقنی

ولقد تشکو فما افھمھا　　ولقد اشکو فما یفھمنی

غیر انی بالجوی اعرفھا　　وھی ایضا بالجوی تعرفنی

قال فما بقی احد من القوم الا قام وتواجد ولم یحصل لھم ھٰذا الوجد من العلم الذی خاضوا فیہ وان کان العلم حق۔انتھیٰ۔

ترجمہ: چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احیاء العلوم میں فرمایا ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کسی دعوت میں ایک جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ اچانک ان کے درمیان میں ایک علمی بحث چھڑ گئی اور حالت یہ تھی کہ ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بالکل خاموش بیٹھے تھے۔پھر اچانک سر اُٹھایا اور یہ اشعار پڑھنے لگے۔بہت سی کبوتریاں چاشت کے وقت لمبی لمبی آوازیں نکال کر درختوں کے شاخوں پر بولنے لگیں۔میں نے محبت اور قابل قدر تخم کو یاد کیا۔پھر میں غم کی وجہ سے رو پڑا۔اور میرے غم میں اُبال اور جوش آگیا۔بسا اوقات میری گریہ وزاری نے انہیں نرم کر دیا اور بسا اوقات ان کے آہ وبکاء نے مجھے نرم کر ڈالا۔بے شک وہ شکوہ وشکایت کرتے ہیں مگر میں تو انہیں نہیں سمجھا تا اور میں شکایت کرتا ہوں تو وہ مجھے

نہیں سمجھاتے ۔مگر میں اپنی اندرونی سوز عشق کی وجہ سے ان کو پہچانتا ہوں اور وہ اپنی اندرونی سوزش کی وجہ سے مجھے پہچانتے ہیں ۔پھر بقول راوی سب کے سب وجد کرنے لگے ۔اور یہ وجد اس علم کیوجہ سے نہ تھا جس میں وہ اُلجھے ہوئے تھے ۔اگر چہ علم حق ہے ۔

آگے تحریر فرماتے ہیں : 'و لا شک ان تواجد فیہ تشبہ باھل الوجد الحقیقی و ھو جائز بل مطلوب شرعًا قال رسول اللہ ﷺ من تشبہ بقوم فھو منھم۔[1]

ترجمہ: بلاشبہ اس تواجد میں حقیقی وجد کرنے والوں سے مشابہت ہے اور یہ جائز ہے بلکہ شرعاً مطلوب ہے چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا : جو شخص کسی قوم سے مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے ۔امام طبرانی نے الاوسط میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے اس کو روایت کیا ہے ۔[2]

اسی طرح مفتی محمد فرید فتاویٰ دیوبند پاکستان المعروف بہ فتاویٰ فریدیہ میں جلد ا صفحہ ۳۹۷ میں وجد اور جذب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ : وجد ایک غیر اختیاری امر ہے سلف صالحین پر بھی طاری ہوا ہے لہٰذا اس پر انکار کرنا منکر ہے ۔

اور اسی طرح فتاویٰ بلخی المسمیٰ عیون النکات شرح شروط الصلوٰۃ میں جذب اور وجد کے بہت سے دلائل دینے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ "و لا ینکرھا الا احمق او مجنون۔(ص: ۱۳۱)

یعنی اس حالت شریفہ سے احمق اور مجنون کے علاوہ اور کوئی انکار نہیں کرتا ۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ وجد اور جذب تواجد رقص غشی اور بکا ۔یہ تمام حالت شریفہ اگر ایسے لوگوں سے صادر ہو جائیں جو فاسق و فاجر متصوفہ نہ ہوں بلکہ سچے صوفیاء کرام ہوں تو یہ تمام کے تمام حالات شریفہ نور و ہدایت ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توفیق کا اثر ہے اور اس کی عنایت ہے جیسے کہ حدیقہ ندیہ کے حوالے سے ذکر کیا گیا ۔

فقہاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے جو رد کیا ہے وہ ان لوگوں پر ہے جو کہ فاسق و فاجر ہوتے ہیں ۔خلاف شرع کام کرتے ہیں ۔دین سے دور ہوتے ہیں ۔چرسی ،افیونی ،دیگر نشے وغیرہ کرتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ کا خوف ان کے دلوں میں نہیں ہوتا جو کہ متصوفہ ہے یعنی بناوٹی پیر ۔فقہاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو رد کیا ہے وہ ان لوگوں پر کیا ہے ۔

نماز کے دوران وجد و اثبات کا حال

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اللہ سے ڈرنے والے عارفوں کا وجد اور حال بہت سارے دلائل کے ساتھ ثابت ہے اور ان کی بہت ساری اقسام میں سے اللہ کا ذکر تلاوت قرآن اور قرآن کریم کی سماعت کے وقت وجد اور حال کی کیفیات وارد ہوتی ہے چونکہ نماز اللہ کے ذکر اور تلاوت قرآن کریم پر مشتمل ہے تو نماز کی حالت میں یقیناً وجد اور حال کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے ۔

تو بہر کیف کہ وجد اور حال جسم کے ہلنے کی صورت میں ہو یا رونے کی صورت میں یا چیخ مارنے کی صورت میں ہو یا زبان سے آہ اُوہ اُف یا دیگر الفاظ خارج ہوئے یا انسان کے گرنے یا بے ہوش ہونے کی صورت میں ہو یا لطائف کی حرارت تیزی سے حرکت کرنے کی صورت میں ہو جیسا کہ اقسام وجد میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے ۔لہٰذا وجد و حال خاشعین پر نماز کی حالت میں یا نماز سے باہر دونوں صورتوں میں جائز بلکہ ثابت ہے ۔بلکہ اللہ کی جانب سے توفیق سے اور نور اور ہدایت ہے ۔یہاں پر خصوصیت کے ساتھ وجد اور حال نماز کی حالت میں وارد ہو تو اس کے لئے دلائل ملاحظہ کریں ۔

---

[1] (رواہ الطبرانی فی الاوسط عن حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہ)

[2] (فتاویٰ رضویہ: ص ۱۵۴: ،: ۹۸ ج: ۲۴:)

(۱): نماز کی حالت میں وجد اور حال پر ایک دلیل یہ آیت کریمہ ہے :قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۱) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴿مؤمنون ۲﴾

ترجمہ: ''یقیناً وہ مؤمن کامیاب ہیں جو نماز کی حالت میں خشوع رکھنے والے ہیں''

اس لئے کہ جو لوگ نماز کی حالت میں خشوع خضوع رکھتے ہیں ان پر ایک قسم کا وجد اور حال اور کیفیت طاری ہوتی ہے کیونکہ نماز آنکھوں کی ٹھنڈک اور مومن کی معراج ہے۔

(۲) :دوسری دلیل یہ آیت کریمہ ہے :تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ (الزمر ۲۳)

ترجمہ: قرآن مجید کی آیتیں سننے کے ساتھ ان لوگوں کی کھال لرزنے لگتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔اس لئے کہ بدن کا لرزنا وجد کی ایک نوع ہے اور پہلے ہم تفصیل سے ذکر کر چکے ہیں۔قرآن کریم سننا اور اس وقت بدن کا لرزنا اللہ کا خوف رکھنے والوں کی صفت ہے چونکہ نماز بھی قرآن کریم کی تلاوت پر مشتمل ہے تو لہٰذا نماز میں لرزنا ثابت ہوا۔اور یہ بھی وجد کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔جیسے پہلے گذر چکا ہے مفصلاً ۔

(۳): فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا (الاعراف ۱۴۳)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :اکمل تجلی ذاتی دنیا میں حالت نماز میں ہوتی ہے۔اس کے بعد اکمل تجلی ذاتی حالت نزع میں ہوتی ہے اور اس سے اکمل تجلی ذاتی قبر میں ہوتی ہے۔اور اس سے اکمل تجلی ذاتی میدان حشر میں ہوتی ہے۔اور اس سے اکمل تجلی ذاتی جنت میں اللہ کے دیدار کے وقت۔(رزقنا اللہ سبحانہ بفضلہ و کرمہ و رحمۃ و بطفیل حبیبہ المکرم ﷺ و بطفیل مرشدنا الکریم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔آمین)

اور جب نماز میں اکمل تجلیات سالکوں پر وارد ہوتی ہیں تو کبھی کبھی گر جانا اور بے ہوش ہو جانا یہ بھی آتا ہے جیسے کہ احادیث کے باب میں تفصیل سے گزر چکا ہے اور بہت ساری مثالیں گزر چکی ہیں۔جب مختلف احوال وجد کے انہی تجلیات سے آتی ہیں تو آیت کریمہ نماز میں وجد کی دلیل بن گئی ،کیونکہ تجلیات ربانیہ اللہ کی تجلیات نماز میں اتم اور اکمل ہیں۔

اور اسی طرح قرآن مجید کی بہت سی آیتیں پہلے گزر چکی ہیں جو کہ نماز میں وجد اور حال کی دلیل ہیں۔منجملہ ان میں سے جو تفصیل کے ساتھ ذکر ہو چکا ہے تفسیر روح المعانی کی آیت نمبر:۱۵۵ ج:۳: سورہ الاعراف۔

اسی طرح فقہائے کرام اور علمائے دین بھی نماز کی حالت میں وجد و حال ثابت کرتے ہیں۔ان میں سے ہم چند معتبر کتابوں کی عبارات ذکر کریں گے۔

جیسا کہ ہدایہ، عالم گیری، بزازیہ، درمختار، ردمحتار، عنایہ، فتح القدیر، احیاء العلوم، رشحات، عدالسالکین، مقامات خواجہ نقشبند، مکاتیب شریفہ اور کفایہ، اور فقہ علی المذاہب الاربعہ، تاتارخانیہ، بحرالرائق، وغیرہ معتبر اور معتمد کتابوں کی عبارات ملاحظہ کریں۔

(۴) علامہ شیخ السلام برہان الدین مرغینانی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مشہور اور معتمد درسی کتاب ہدایہ شریف میں ''باب مایفسد الصلوٰۃ و ما یکرہ فیھا'' میں اس طرح لکھا ہے کہ :فان ان فیہ اوتاوہ او بکی فارتفع بکائہ فان کان من ذکر الجنۃ او النار لم یقطعھا لانہ یدل علی زیادۃ الخشوع و ان کان من وجع او مصیبۃ قطعھا لان فیھا اظھار الجزع و التاسف فکان من کلام الناس۔

ترجمہ :یعنی اگر نمازی نے نماز میں آہ کی یا اوہ کیا یا اتاروہ یا کہ اس کا رونا حروف پر مشتمل ہو جائے تو پس اگر یہ حالت جنت یا دوزخ کی یاد کی وجہ سے

طاری ہوئی تو نماز فاسد نہیں ہوتی کیونکہ یہ زیادہ خشوع پر دلالت کرتی ہے اور اگر دنیاوی درد یا مصیبت کیوجہ سے یہ حالت ہو جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں بے چینی اور افسوس کا اظہار ہے (اسے عام لوگوں کی باتوں میں سے شمار کیا جاتا ہے جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے)[1]

(۵): اسی طرح کفایہ شرح ھدایہ علیٰ ھامش فتح القدیر: ج: ۱: ص: ۳۴۶ : پر اس طرح لکھا ہے کہ : ''سئلت عائشة رضی اللہ تعالٰی عنھا عن الانین فی الصلٰوة فقالت ان کان من خشیة اللہ لا تفسد صلٰوته وان کان من الالم تفسد''

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نماز کے دوران رونے کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا : کہ اگر اللہ کے خوف سے ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی اور اگر دنیاوی درد یا مصیبت کیوجہ سے ہو تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

(۶) اسی طرح فتح القدیر شرح ہدایہ: ج: ۱: ص : ۳۴۶: پر سنن نسائی شریف کی حدیث کے حوالے سے (وھو یصلی ولجوفه ازیز کازیز المرجل) ''وَقَالَ الشَّافِعِيُّ - رَحِمَهُ اللَّهُ - :الْأَنِينُ وَالْبُكَاءُ وَالتَّأَوُّهُ يَقْطَعُ مُطْلَقًا إذَا حَصَلَ مِنْهُ حَرْفَانِ.وَلَنَا مَا رُوِيَ أَنَّهُ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - كَانَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ وَلِصَدْرِهِ أَزِيزٌ كَأَزِيزِ الْمِرْجَلِ وَبِأَزِيزِ الْمِرْجَلِ يَحْصُلُ الْحُرُوفُ لِمَنْ يَصْغَى''

ترجمہ : حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ دوران نماز آہ اوہ کی آواز نماز کو توڑ دیتی ہے جبکہ اس سے دو حرف حاصل ہو جائیں اور ہمارے لئے وہ روایت ہے تحقیق کے ساتھ آپ ﷺ رات کو نماز ادا فرماتے تھے آپ ﷺ کے سینہ مبارک سے ابلتی ہوئی ھانڈی کی طرح آواز نکلتی تھی اس لئے کہ ہانڈی کے اُبلنے سے حروف حاصل ہوتے ہیں اگر کان لگا کر سنا جائے۔

(۷) اسی طرح عنایہ شرح ہدایہ علی ھامش فتح القدیر ج ۱ ص ۳۴۵ پر تحریر فرماتے ہیں :فان ان فیھا اوتاوہ۔الخ۔ الانین صوت المتوجع وقیل ھو ان یقول آہ والتاوہ ان یقول اوہ۔ وارتفاع البکاء ھو ان یحصل به حروف وکل ذلک اما ان یکون من ذکر الجنة او النار او من وجع او مصیبة فان کان الاول لم یقطعھا لانه یدل علی زیادة الخشوع وان کان الثانی قطعھا لان فیه اظھار الجزع والمصیبة فکان کل منھما دلیلا علی امر (علیحدة) والدلالة تعمل عمل الصریح اذا لم یکن ھناک صریح یخالفھا ولو صرح بذکر الجنة او النار فقال اللّٰھم انی اسئلک الجنة واعوذبک من النار لم یفسد صلٰوته ولو صرح باظھار الوجع فقال اللّٰھم انی مصاب فسدت صلوته فکذلک بالدلالة اذ لیس ثم صریح یخالفھا۔

ترجمہ: اگر ایک شخص دوران نماز آہ یا اوہ کرتا ہے۔ (الانین) دردمند کی آواز کو کہا جاتا ہے۔کسی نے کہا آہ اوہ کرنے کو الانین کہتے ہیں اور ارتفاع البکاء اس کو کہتے ہیں کہ رونے کے ساتھ حروف حاصل ہو جائیں۔ان میں سے ہر ایک امور مثلاً جنت یا جہنم کی یاد کی وجہ سے ہو گی یا دنیاوی مصیبت کی وجہ سے ہو گی۔اگر جنت یا جہنم کی یاد کی وجہ سے ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی اس لئے کہ یہ اللہ کے خوف کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔اس لئے کہ اس طرح کی فریاد اور مصیبت کا اظہار دونوں جدا جدا صورتیں ہیں۔

یہ دلیل دلیل صریح ہے اگر دوسری صریح اس کے خلاف نہ ہوں۔اور اگر جنت یا جہنم کی یاد کی وجہ سے ہو تو تصریح کر لے کہ یا اللہ میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں اور جہنم سے پناہ مانگتا ہوں تو نماز فاسد نہیں ہوتی اور اگر دنیاوی مصیبت کے اظہار کی تصریح کی کہ میں درد میں ہوں تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

اسی طرح دلالت کی صورت میں بھی حکم ہے کہ اس کے آہ یا اوہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اسے کوئی تکلیف ہے اور اس طرح کے الفاظ ادا کرتا ہے کہ اے اللہ : مجھے مصیبت پہنچی ہے، میں مصیبت زدہ ہوں تو نماز فاسد ہوتی ہے۔اور اسی طرح دلالت کی صورت میں بھی حکم ہے اس لئے کہ صریح اس کے خلاف موجود نہیں۔

---

[1] (ھدایة۔ج: ۱: ص ۱۳۵)

(۸) :اسی طرح بحر العلوم واقف مذاہب اربعہ حضرت علامہ عبد الرحمٰن جزیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ (ج ۱ ص ۳۰۰) پر تحریر فرماتے ہیں :الانین والتاوہ والتافیف والبکاء اذا اشتملت علی حروف مسموعۃ فانہا تبطل الصلٰوۃ الا اذا کانت ناشئۃ من خشیۃ اللہ تعالیٰ او من مرض بحیث لا یستطیع منعہا وھٰذا الحکم متفق علیہ بین الحنفیۃ والحنابلۃ'' یعنی نماز میں آہ اوہ اف کرنا اور اسی طرح رونا کہ حروف مسموعۃ پر مشتمل ہوں تو یہ چیزیں نماز کو فاسد کرتی ہیں مگر جب یہ حالت اللہ کے خوف کیوجہ سے صادر ہو یا ایسے مرض کیوجہ سے ہو جس میں حالت مذکورہ کے منع کرنے کی طاقت نہ ہو تو پھر نماز فاسد نہیں ہوتی اور یہ حکم حنفیہ وحنابلہ کے مابین متفقہ ہے۔(یعنی نماز فاسد نہیں ہوتی)

شوافع کہتے ہیں کہ اگر اس طرح رونا ہو کہ دو حروف حاصل ہو جائیں تو نماز فاسد ہو جاتی ہے لیکن حدیث ترمذی اور ابو داؤد امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر حجت ہے۔حروف کے علاوہ اور قسم کے بھی وجد ہیں جو دوران نماز حنفی وحنبلی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم مانتے ہیں۔نماز کے علاوہ وجد اور حال کی تمام اقسام پر مذاہب اربعہ متفق ہیں۔

(۹): اسی طرح (الشیخ العلامہ زین الدین ابن نجیم بحر الرائق: ج:۲ :ص ۳: سے ۴ تک فرماتے ہیں :''وَالْأَنِينُ وَالتَّأَوُّهُ وَارْتِفَاعُ بُكَائِهِ مِنْ وَجَعٍ أَوْ مُصِيبَةٍ لَا مِنْ ذِكْرِ جَنَّةٍ أَوْ نَارٍ) أَيْ يُفْسِدُهَا أَمَّا الْأَنِينُ فَهُوَ أَنْ يَقُولَ آهٍ كَمَا فِي الْكَافِي وَالتَّأَوُّهُ هُوَ أَنْ يَقُولَ أَوَّهْ وَيُقَالُ أَوَّهَ ۔۔۔ واما ارفاع البکاء فھو ان یحصل بہ حروف وقولہ لا من ذکر جنۃ او نار عائد الی الکل فالحاصل انہا ان کانت من ذکر الجنۃ او النار فھو دال علی زیادۃ الخشوع ولو صرح بھما فقال اللھم انی اسئلک الجنۃ واعوذبک من النار لم تفسد صلٰوۃ وان کان من وجع او مصیبۃ فھو دال علی اظھارھما فکانہ قال انی مصاب (فتفسد صلٰوۃ)''

ترجمہ: یعنی نماز میں آہ اوہ اور حروف پر مشتمل رونا نماز کو فاسد کر دیتا ہے جب دنیاوی درد اور مصیبت کی وجہ سے صادر ہو اور اگر جنت یا دوزخ کی یاد کی وجہ سے یہ حالات پیش آجائیں تو پھر نماز فاسد نہیں ہوتی۔انین یہ ہے کہ ''آہ'' کریں اور تاوہ کا مطلب یہ ہے کہ ''اوہ'' کریں او بکاء مرتفع کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ساتھ حروف بھی صادر ہو جائیں اور ''لا من ذکر جنۃ او نار'' کا قول ''آہ'' ''اوہ'' اور ''بکاء'' مرتفع تینوں کی طرف راجع ہے۔پس حاصل یہ ہے کہ اگر یہ حالت جنت یا دوزخ کی یاد کیوجہ سے ہو جائے تو زیادت خشوع کی دلیل ہے۔اور نماز فاسد نہیں ہوتی۔اور اگر جنت اور دوزخ پر تصریح کر دی پس اس طرح کہا کہ اے اللہ :میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں۔تو تب بھی زیادت خشوع کی دلیل ہے اور اگر یہ حالت دنیاوی درد اور مصیبت کی وجہ سے ہو تو پھر اس درد اور مصیبت کی دلیل ہے پس گویا اس نے کہا کہ میں مصیبت زدہ ہوں (تو اس صورت میں نماز فاسد ہو جائیگی)

(۱۰):اسی طرح فتاویٰ تاتارخانیہ: ج:۱ :ص :۵۷۹: پر علامہ علاؤ الا نصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ :''ولو ان فی صلٰوۃ او تاوہ او بکی فارتفع بکائہ وفی الخانیۃ فحصل لہ حروف فان کان من ذکر الجنۃ او النار فصلٰوتہ تامۃ وان کان من وجع او مصیبۃ فسدت صلٰوتہ عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھا اللہ تعالٰی۔'' یعنی اگر کسی نے نماز میں آہ۔اوہ کی یا رویا اور اس کا رونا مرتفع (اونچا) ہو گیا اور فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ مرتفع رونا یہ ہے کہ اس کی وجہ سے حروف حاصل ہو جائیں پس اگر یہ حالت جنت اور دوزخ کی یاد کی وجہ سے طاری ہو جائے تو نماز تام اور کامل ہے اور اگر دنیاوی درد اور مصیبت کی وجہ سے طاری ہو تو اس کی نماز فاسد ہو گی۔یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دونوں کا قول ہے۔

(۱۱)اسی طرح علامہ شیخ احمد طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علی مراقی الفلاح: ص :۱۷۴: پر تحریر فرماتے ہیں: ''الوجد مراتب وبعضہ یسلب

الاختیار فلا وجه لمطلق الانکار وفی التاتارخانیة ما یدل علی جوازه للمغلوب الذی حرکاته کحرکات المرتعش۔آہ'' یعنی وجد کی کئی اقسام ہیں ایک وجد ایسا ہوتا ہے جو اختیار کو سلب کر لیتا ہے۔پس مطلقاً انکار کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے مغلوب الحال سالک جس کی حرکات مرتعش کی حرکات کی طرح بغیر اختیاری ہوتی ہیں (اس کے لئے نماز کے اندر بھی یہ حالت جائز ہے)۔

(۱۲): اسی طرح فتاویٰ عالمگیری: ج:۱: ص:۱۰۰: پر مرقوم ہے کہ :''ولو ان فی صلٰوة اوتاوه او بکی فارتفع بکائه فحصل له حروف فان کان من ذکر الجنة او النار فصلٰوته تامة وان کان من وجع او مصیبة فسدت صلٰوته ولو تاوه لکثرة ذنوب لا یقطع الصلٰوة وتفسیر الانین ان یقول آہ، آہ، وتفسیر التاوه ان یقول اوه۔ کذا فی التاتارخانیة''یعنی اگر کسی نے نماز میں آہ کی یا اوہ کہا یا بکاء مرتفع سے رویا جس کی وجہ سے حروف حاصل ہوں پس اگر یہ حالت جنت یا دوزخ کی یاد کی وجہ سے ہو تو نماز صحیح اور کامل ہے اور اگر یہ حالت دنیاوی درد یا مصیبت کی وجہ سے ہو تو پھر نماز فاسد ہے اگر گناہوں کی کثرت کی وجہ سے''اوہ'' کیا تو بھی نماز فاسد نہیں ہے۔انین کی تفسیر یہ ہے کہ''آہ آہ'' کریں اور تاوہ کی تفسیر یہ ہے کہ''اوہ'' کریں۔(فتاویٰ تاتارخانیہ میں بھی اسی طرح مذکور ہے)۔

(۱۳): اسی طرح فتاویٰ بزازیہ علی ھامش عالمگیری: ج :۱ :ص :۱۳۶: پر عبارت اس طرح ہے کہ :''وان ارتفع صوته فحصل به حروف ان کان من ذکر الجنة او النار لم تفسد صلٰوته وان کان من وجع او مصیبة تفسد صلٰوته''یعنی اگر نماز میں آواز بلند ہوگئی اور اس سے حروف حاصل ہوں تو اگر جنت یا دوزخ کی یاد کی وجہ سے ہے تو نماز فاسد نہیں ہوتی اور اگر دنیاوی درد یا مصیبت کی وجہ سے روئے تو پھر نماز فاسد ہو جائے گی۔

(۱۴): اسی طرح علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو بغداد کے مشہور قاضی و مفتی ہیں نماز میں وجد کے متعلق یوں فرماتے ہیں :''واجیب بانها غیر اختیاریة مع وجود العقل والشعور وهی کالعطاس والسعال ومن هنا لا ینتقض الوضوء بل لا تبطل الصلٰوة''یعنی میں منکرین وجد کو جواب دیتا ہوں کہ نماز میں وجد یا آہ اوہ اف اف کرنا یہ حالات غیر اختیاریہ ہیں عقل و شعور کے ساتھ اس کی مثال کھانسی اور چھینک کی سی ہے جو ایک غیر اختیاری فعل ہے اس وجہ سے اس سے نہ تو نماز فاسد ہوتی ہے اور نہ وضو ٹوٹ جاتا ہے۔[۱]

(۱۵) :اسی طرح علامہ شامی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رد المحتار ج ۱ ص ۴۱۶ پر فرماتے ہیں :لا لذکر جنة او نار الخ۔لان الانین ونحوه اذا کان بذکرهما کانه قال اللهم انی اسئلک الجنة واعوذبک من النار ولو صرح به لا تفسد صلٰوته۔ یعنی جنت اور جہنم کے یاد کی وجہ سے اگر یہ امور صادر ہو جائیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی اس لئے کہ الانین وغیرہ کبھی جنت یا جہنم کی یاد پر مشتمل ہوتی ہے جیسا کہ ایک شخص کہتا ہے یا اللہ میں تجھ سے جنت مانگتا ہوں اور تیرے عذاب سے پناہ مانگتا ہوں۔اس طرح تصریح کرتا ہے تو اس سے بھی نماز فاسد نہیں ہوتی۔

نیز تاوہ یا تافیف کی تفسیر میں لکھا ہے :التاوه قال فی شرح المنیة بان قال اوه بفتح الهمزة وتشدید الواو مفتوحة او بضم الهمزة واسکان الواو او قال آه بمد الهمزة، وذکر فی الحلیة فیه ثلاث عشرة لغة ساقها فی البحر والتافیف قال فی الحلیة أف اسم فعل لاتضجر وفیه لغات انتهت الی اربعین منها ضم الهمزة مع تثلیث الفاء مخففة أف ومشددة أف منونة او غیر منونة اف۔الخ

ترجمہ :اوہ کے بارے میں شرح مُنیہ میں لکھا ہے یا تو الف پر فتح ہو واؤ پر تشدید مفتوحہ یعنی اَوّہ اور یا اوہ کے الف پر ضمہ اور واو ساکن یعنی اُوْہ اور یا آہ ہمزہ پر مد کے ساتھ۔اور حلیہ میں اس کے (۱۳) عدد لغات ذکر کئے ہیں جو کہ بحر الرائق میں موجود ہیں۔اور تافیف کے بارے میں حلیہ میں ہے کہ یہ اسم فعل ہ۔یعنی دل چھوٹا نہ کریں۔اور اس میں تقریباً چالیس عدد لغات ہیں۔بعض اس میں سے یہ ہیں۔ہمزہ ضمہ کے ساتھ اور فا پر تینوں

---

[۱] (تفسیر روح المعانی ص ۸۶ ج ۹)

حرکات ہیں یعنی زبر زیر اور پیش۔ یا ف غیر مشددہ ہو یا مشددہ ہو یا تنوین کے ساتھ ہو یا بغیر تنوین کے ہو۔

(۱۶): اسی طرح علامہ حصکفی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ درمختار: ج:۱: ص :۴۱۶: پر تحریر فرماتے ہیں کہ :''**فلو اعجبته قراءة الامام فجعل يبكي ويقول بلى او نعم او اری لا تفسد لدلالته على الخشوع**'' یعنی اگر کسی کو امام کی قرائت اچھی لگی اور وہ روتے ہوئے کہنے لگے کہ جی ہاں بالکل تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اس کی دلالت عاجزی پر ہے۔ یعنی یہ خشوع اور خضوع پر دلالت کرتی ہے۔

(۱۷): اسی طرح فتاویٰ امجدیہ میں مولانا امجد علی اعظمی لکھتے ہیں کہ :''ذکرِ جنت و نار پر اگر گریہ طاری ہو اور آہ اُف وغیرھما الفاظ زبان سے نکل گئے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر ایک دو قدم ایسی حالت میں آگے یا پیچھے ہٹ گیا جب بھی حرج نہیں''(درمختار میں ہے)''**لا لذكر جنة او نار**''(رد المحتار میں ہے)''**لان الانين ونحوه اذا كان بذكرهما صار كانه قال اللّٰهم انی اسئلک الجنة واعوذبک من النار ولو صرح به لا تفسد صلٰوته**''[1]

(۱۸): مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ :''جنت و دوزخ کی یاد سے اگر آہ یا اُف وغیرہ بھی منہ سے نکل جاوے تب بھی نماز فاسد نہیں ہوتی''[2]

رشحات نمبر ۴ پر لکھتے ہیں کہ :''وھم وی می گفت کہ یکی از علماء رسوم نزد شیخ ما آمدہ بود می گفت حال اہلِ رقص وسماع از دو حال بیرون نیست یا دران وقت شعور دارند یا ندارند اگر شعور دارند باوجود شعور حرکت و رقص و اظہار بیخودی بغایت قبیح است و اگر شعور ندارند بعد از شعور طہارت نکردہ نماز میگزارند قبیح تر است۔

شیخ در جواب آن دانشمند گفتند کہ اسباب نقض یکے آن است کہ عقل مسلوب می شود چنانچہ مجانین را واقع است و دیگری آن کہ عقل مستور میگردد چنانچہ در حال اغماء میباشد اما بی شعوریٔ این طائفہ در حال رقص وسماع نہ مسلوب شدن عقل است و نہ مستور شدن عقل است بلکہ این بی شعوری را جہت آنست کہ دران محل عقل کلی از عالم الٰہی برین عقل جزوی قابض گردد و در مملکت وجود سالک حاکم و غالب میشود و این عقل کلی را قوت و قدرت آن ہست کہ تدبیر و ضبط عالمی کند چہ جائے تدبیر و ضبط بدن و بدن دران حال در ظل حمایت و تدبیر اوست و آن عقل کلی مدبر در مقام حفظ و نگہداشت او بلکہ نواقض وضوء در آن محل نمی ماند چہ طالب صادق دران محل از طبیعت و احکام او بہ تمام بیرون می آید و از لوازم بشریت خلاص میشود پس دران وقت بہ تجدید وضوء اصلاً احتیاج نیفتد''[3]

ترجمہ: اور یہ مبارک فرماتے ہیں کہ ایک شخص علماءِ ظواہر میں سے میرے پیر صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ اہلِ وجد اور جذب اور اہلِ رقص اور سماع والوں کا حال دو حالتوں سے باہر ممکن نہیں۔ یا تو اس وقت ان کو شعور ہوگا یا نہیں ہوگا۔ اگر شعور ہے اور باوجود شعور کے یہ حرکات کرتے ہیں تو برا ہے اور اگر شعور نہیں ہے اور وضو کے بغیر نماز پڑھتا ہے تو یہ اس سے بھی برا ہے۔

اس سلسلے میں شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب میں فرمایا کہ وضو ٹوٹنے کا ایک سبب عقل کا سلب ہونا ہے جیسا کہ پاگلوں کے ساتھ واقع ہوتا ہے اور دوسری وجہ عقل کا مستور ہونا ہے۔ جیسا کہ بے ہوشی کے عالم میں عقل مستور ہو جاتی ہے جبکہ اہلِ تصوف کی بے شعوری در حالِ رقص وسماع اور در حالِ جذب و وجد اس میں نہ عقل مسلوب ہوتی ہے اور نہ عقل مستور ہوتی ہے۔ لیکن اس بے شعوری کی توجیہ اس مقام پر یہ ہے کہ عقل کلی عالم الٰہی سے عقل جزوی پر حاوی اور قابض ہو جاتی ہے اور سالک کے وجود کی مملکت پر حاکم و غالب ہو جاتی ہے اور عقلِ کلی کو یہ قدرت اور

---

[1] (فتاویٰ امجدیہ: ج:۱: ص ۱۸۱:)

[2] (امداد الفتاویٰ: ج:۱: ص ۲۷۸:)

[3] (رشحات: ص ۱۷۲:)

قوت حاصل ہے کہ سارے عالم کی تدبیر ضبط کرے۔ رہ گیا صرف ایک بدن کی تدبیر وضبط تو بدن اس حالت میں ظل حمایت اور تدبیر میں ہوتا ہے اور اس وقت عقلِ کلی مقامِ حفاظت ونگہداشت میں بدن کا مدبر ہوتا ہے تو نواقضِ وضو نہیں رہتا اس محل میں کیونکہ مرید صادق اس حالت میں طبیعت اور احکامِ طبیعت سے بالکل باہر ہوتا ہے اور لوازماتِ بشریت ختم ہو جاتے ہیں تو اس حالت میں تجدیدِ وضو کی بالکل احتیاج نہیں رہتی۔ اس لئے کہ نہ عقل زائل ہوئی نہ مستور ہوئی ہے بلکہ مغلوب ہوئی ہے یہ عقل وشعور باقی ہے مگر اختیار سلب ہو گیا ہے۔

لہٰذا اس عبارت شریفہ سے بھی علامہ آلوسی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقریر کی تائید ہوئی اور وہ یہ ہے کہ وجد وحال کی حالت میں عقل وشعور باقی رہتا ہے جبکہ اختیار سلب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور اگر نماز کی حالت میں یہ وجد وحال آجائے تو بھی نہ وضو ٹوٹے گا اور نہ نماز فاسد ہوگی جیسے کہ روح المعانی کی عبارت میں گزرا۔

(۲۰): اسی طرح شیخ ابو الحسن محمد باقر بن محمد علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تصنیف مقامات حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ :مقصد سوئم: ص :۱۵۵: باب بیانِ کراماتِ حضرت شاہِ نقشبند : میں اور شیخ صلاح بن مبارک بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تصنیف: عدۃ السالکین قسم چہارم: باب کراماتِ خواجہ بزرگ: ص :۱۸۲: پر حضرت خواجہ علاؤ الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت سے حضرت خواجہ محمد بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی امامت کا واقعہ جو انہوں نے علاقہ سفید مون بخارا میں حضرت خواجہ یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے باغ میں ادا کی تھی اور وہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ:

''باغ در آمدند وقت نماز پیشین شدہ بود بنماز مشغول شدند مولینا ابو بکر افسنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ را امامت فرمودند بعد از تکبیر تحریمہ غایتی گذشتہ از مولانا ابو بکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیچ حرکت صادر نشد حضرت خواجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ او را از محراب بیرون آوردند خود بہ امامت مشغول شدند ہیبتی در آن قوم پیدا شدہ بود بر ہر یکی کیفیتی تصرف کرد کہ نتوانستند نماز گزاردن۔ آن جماعت کہ دران باغ بودند ہفتاد تن بودند ہر یکی را حالتی بود بعضی می گریستند و بعض در خاک میغلطیدند و بعضی بطرف صحرا روآوردہ بود و مولانا ابو بکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عمامہ و دراعہ را انداختہ بودند بہر طرف می رویدند و میگفتند دلیل من رنجیدہ مست و خاک بر سر میکرد''

ترجمہ: جب باغ میں حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لائے تو ظہر کی نماز کا وقت ہو گیا تھا لہٰذا نماز میں مشغول ہو گئے اور حضرت مولانا ابو بکر افسنجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو امامت کیلئے آگے کیا۔ جب مولانا صاحب نے تکبیر تحریمہ کہی تو کافی دیر تک ان سے کوئی حرکت صادر نہ ہو سکی تو خواجہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انہیں محراب سے پیچھے کیا اور خود مصلۂ امامت پر امامت کرنے میں مشغول ہوئے تو اس دوران آپ کی اقتداء میں جتنے لوگ تھے سب پر ایک قسم کی ہیبت طاری ہو گئی اور ہر مقتدی پر ایسی کیفیت نے غلبہ کیا کہ اس میں نماز پڑھنے کی طاقت نہ رہی۔ یہ جماعت جو باغ میں نماز ادا کر رہے تھے (۷۰) افراد پر مشتمل تھی اور ہر شخص کو الگ الگ حال درپیش ہوا کوئی رو رہا تھا تو کوئی خاک میں لوٹ رہا تھا اور کوئی صحرا کی طرف دوڑ رہا تھا جبکہ مولانا ابو بکر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنا عمامہ کوٹ اور جبہ پھینکا ہوا تھا اور چاروں طرف گھوم رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ میری دلیل خفا ہو گئی اور مٹی اپنے سر پر ڈال رہے تھے۔

اسی طرح کی حالت ہمارے مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نماز اور صحبت میں بعض دوستوں پر طاری ہوتی ہے اس لئے کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حقیقی نقشبندی ولی ہیں اور صاحبِ انوار وفیوضات ہیں اور صداقت کے ساتھ اپنے متقدمین بزرگانِ طریقت کے نقشِ قدم پر گامزن ولی اللہ اور صاحب وقت ہیں۔

''الحمد للہ تعالیٰ افاض اللہ علینا من فیوضاتہ دائما آمین''

اس واقعہ سے اگر ایک طرف نماز میں وجد وحال کا اثبات ہوتا ہے تو دوسری طرف یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سلسلۂ طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں کتنا جذب و وجد اور حال موجود ہے جیسا کہ روح المعانی کی عبارت میں بھی یہ گزرا کہ : ''وقد شاھدنا ذلک فی الخالدین من اھل طریقۃ نقشبندیۃ'' اور حضرت خواجہ شاہ غلام علی دہلوی نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مکاتب شریف کی بعض عبارات بھی پہلے نقل کی جا چکی ہیں کہ حضرت شاہِ نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مریدین پر کس قسم کا وجد وحال آیا کرتا تھا۔ اور حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکتوب نمبر :۳۰۲ ج :۱: کی عبارت بھی پہلے گزر چکی ہے جس میں کثرتِ وجد وحال کو مقامِ ظلال میں ثابت کیا تھا۔ اور احیاناً تجلی ذاتی کے مقام میں بھی تغیر احوال غشی دک وفک ثابت کیا تھا۔ تو ابھی آپ خود فکر کریں کہ بعض منکرین تو اپنے آپ کو نقشبندیوں میں شامل کرتے ہیں حالانکہ انہیں اپنے اسلاف کے بارے میں کوئی علم ہی نہیں۔ اگر یہ منکرین جو اپنے آپ کو نقشبندیوں میں شامل کرتے ہیں اگر انہیں اپنے اسلاف کے بارے میں علم ہوتا تو کبھی بھی یہ وجد وحال سے منکر نہ ہوتے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں جو اپنے آپ کو نقشبندی کہتے ہیں حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا :

کارِ شیطان می کند نامش ولی　　گر ولی اینست لعنت بر ولی

از بیر چون گور کافر پُر حلل　　وز درون قہر خدائی عز و جل

ترجمہ: شیطان کے کام کرنے والا اپنے آپ کو ولی کہے تو اگر ولی ایسا ہو جو شیطانی کام کرتا ہو تو ایسے ولی پر لعنت ہے۔ باہر سے کافر کی قبر کی طرح خوبصورت نظر آئے اور اندر اللہ تعالیٰ کا قہر نازل ہو رہا ہوگا۔

الغرض: میرے عزیز بھائیو! وجد وحال خارج از نماز اور عین نماز کی حالت میں اولیاءِ کرام خاشعین اور حقیقی اہلِ تصوف کیلئے کتاب اللہ سنت رسول اللہ ﷺ اور اجماعِ امت کے ساتھ ثابت ہے اور اس امرِ حق سے انکار کرنا کفر، زندیقیت اور الحاد ہے۔

منکرین وجد وتواجد کے شبہات اور ان کے جوابات

منکرین وجد وحال یک طرفہ روایتوں اور مطلق عبارتوں سے کام لے کر سادہ لوح اور کم فہم لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں جیسا کہ منکرین نے یہی طرز اپنایا ہے۔ اس باب میں ایسی یک طرفہ عبارات اور روایتوں کا صحیح محمل بیان کیا جائے گا اور ان کے جوابات قویہ کا ذکر کیا جائے گا کہ کہیں دوسرے منکرین وزندیق کسی سادہ وکم فہم کو دھوکہ نہ دے سکیں۔ (فاقول وباللہ التوفیق)

اعتراض اول : منکرین اعتراضاً کہتے ہیں کہ سیدہ اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کہا گیا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کا حال قرآن پاک سنتے وقت کیسا ہوتا تھا؟ تو آپ نے فرمایا کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے، بدن لرز رہا ہوتا، تو کسی نے کہا کہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ جن کے سامنے قرآن پڑھا جائے تو بے ہوش ہو کر گر پڑتے ہیں۔ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اعوذ باللہ پڑھی۔ اور اسے شیطانی کام قرار دیا تو معلوم ہوا وجد وحال اور جذب ایک شیطانی عمل ہے۔

دوسرا یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک عراقی آدمی پر گزرے جو بیہوش تھا تو آپ نے پوچھا کہ اس کو کیا ہوا ہے۔ حاضرین نے کہا کہ جب اس کے سامنے قرآن پاک پڑھا جاتا ہے یا ذکر کیا جاتا ہے تو اس پر یہ حالت آتی ہے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور حال یہ ہے کہ کبھی ہم نہیں گرتے اور پھر فرمایا کہ اس کے پیٹ میں شیطان گھس گیا ہے اور صحابہ کا طرزِ عمل ایسا نہ تھا۔

اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ وجد وحال اور بے ہوشی شیطانی عمل ہے۔ دوسرا یہ کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

سے کہا گیا کہ بعض لوگ جب قرآن سنتے ہیں تو بے ہوش ہو جاتے ہیں۔آپ نے فرمایا : قرآن پاک اس سے زیادہ پاک اور معزز اور عظیم ہے کہ لوگوں کی عقل زائل کرے لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ شیطانی عمل ہے۔

دوسرا یہ کہ ابن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ بعض لوگ قرآن سنتے وقت بے ہوش ہو جاتے ہیں تو آپ نے فرمایا! کہ اسے کوٹھے کی چھت پر بٹھاؤ۔اور اول تا آخر ان کو قرآن پاک سناؤ اگر بے ہوش ہو کر گر جائیں تو صادق ہیں ورنہ کاذب اور ریا کار ہیں تو ان سب روایات سے وجد وحال کی نفی ثابت ہوئی۔''الجواب بعون الملک الوھاب''

اولاً : تو ان تمام عبارات سے صرف اور صرف غشی (بے ہوشی) کی نفی معلوم ہوتی ہے اور بے ہوشی کے علاوہ باقی اقسام کے وجد وحال کی نفی بالکل ثابت نہیں ہوتی۔تو منکرین جو ان روایات کیوجہ سے مطلق وجد وحال کی نفی کرتے ہیں یہ ان کی اعلیٰ درجہ کی حماقت، جہالت اور بلادت (کند ذہنی) ہے اور علی الاعلان عناد مع الحق ہے۔

ثانیاً : کہ اگر بے ہوشی یا غشی علی الاطلاق شیطانی حال ہے تو العیاذ باللہ پھر حضرت آدم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، داؤد علیہ السلام اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عمر فاروق، حضرت ابن عمر، حضرت جعفر صادق، حضرت ثعلبہ انصاری، حضرت ابو ہریرہ، امام شافعی، زرارہ تابعی، ربیع بن خیثم تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، اور دوسرے بہت سارے اصحاب اور تابعین اور ائمہ دین پر غشی و بے ہوشی آتی تھی۔ جیسا کہ پہلے باب میں احادیث وآثار میں مفصلاً گزر چکا ہے۔

ثالثاً :ان عبارات کی نفی کیلئے ایک خاص محمل ہے اور وہ یہ ہے کہ ان اکابر نے ان لوگوں کی غشی اور بے ہوشی تکلفاً اور مکراً مانا تھا۔تو اس سے صادقین اور حقیقی غشی کی نفی کبھی نہیں ہوتی۔دوسرا یہ کہ عام حالات میں صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر قوت استعداد کی وجہ سے غشی نہ آتی تھی۔اس لئے عام حالات میں غشی کی نفی کرتے ہیں۔تسلی کیلئے تفسیر مظہری اور روح البیان کی عبارات ملاحظہ کریں جو پہلے گزر چکی ہیں لیکن تھوڑے تھوڑے ضروری حصے ادھر بھی ملاحظہ کریں کہ اعتراض کا تسلی بخش جواب ہو جائے۔

(۱): علامہ عارف باللہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی نقشبندی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر مظہری: ج:۸: ص :۲۰۹: سورۃ زمر: آیت:۲۳: کی تفسیر میں مذکورہ بالا اعتراض کے جواب میں اس طرح رقمطراز ہیں کہ :''وجه طريان هٰذه الحالة كثرة نزول البركات والتجليات مع ضيق حوصلة الصوفي وضعف استعداده وانما لم توجد هٰذه الحالة في الصحابة مع وفور بركاتهم لاجل سعة حواصلهم وقوة استعدادهم ببركة صحبة النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واما غير الصحابة من الصوفية فعدم طريان تلک الحالة عليهم اما لقلة نزول البركات واما لسعة الحوصلة (الى ان قال) وقول ابن عمر ان الشيطان يدخل في جوف احدهم وكذا استعاذة اسمآء فمحمول على انهما زعما غشي ذلک الرجل تكلفًا ومكرًا ولذا نسباه الى الشيطان وانما كان انكار تلک الحالة منهما لعدم طريان تلک الحالة عليهما وعلى امثالهما بناء على وسعة الحوصلة وقوة الاستعداد ويدل على ما قلت انه ذكر عند ابن سيرين الذين يصرعون اذا قرئ عليهم القرآن فقال بيننا وبينهم ان يقعد احدهم على ظهر بنية باسطار جليه ثم يقرء عليهم القرآن من اوله الى آخره فان رمى بنفسه فهو صادق حيث علق صدقه على رمى نفسه من ظهر بنية مرتفعة فعلم منه انه حمل صرعه على الكذب والتكلف۔الخ''(مظهری)

ترجمہ: غشی اور بے ہوش ہونے کی حالت آنے کی وجہ یہ ہے۔برکات وتجلیات کا کثرت سے نزول ہوتا ہے اور صوفی اور سالک کا حوصلہ پست ہوتا ہے اور استعداد ضعیف ہوتی ہے اور اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر عام حالات میں یہ حالت نہیں آئی (اگرچہ احیاناً آئی ہے) حالانکہ ان پر تو

زیادہ برکات وتجلیات کا نزول ہوتا تھا لیکن ان کے حوصلے پختہ اور استعداد قوی تھے جس کی وجہ حضورِ اقدس ﷺ کی صحبت کی برکت تھی اور جو صحابہ کرام کے علاوہ عام صوفیہ کرام ہیں جن پر یہ حالت نہیں آتی تو اس کی دو وجوہات ہوسکتی ہیں ایک یہ کہ یا تو ان پر نزول برکات کم ہوگی۔ دوم یہ کہ ان کی استعداد زیادہ اور قوی ہوگی۔ پھر آگے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول کہ بے شک شیطان اس شخص کے پیٹ میں گھس گیا اور اس طرح حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا اعوذ باللہ پڑھنا محمول ہے ان اشخاص کے تکلف اور مکر پر (اس سے حقیقی غشی کی تردید مراد نہ تھی) اسی وجہ سے اس کی نسبت انہوں نے شیطان کی طرف کی۔ (اگر کہیں تکلفاً غشی پر تردید محمول نہ ہو تو پھر صحیح تاویل یہ ہوگی کہ) اس حالت سے ان دونوں مبارکوں نے اس وجہ سے انکار کیا کہ عام حالت میں ان اشخاص کی مثل قوت استعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے آپ دونوں پر غشی نہ آئی ہو اور میری اس مذکورہ دلیل پر یہ بات دلالت کرتی ہے کہ حضرت ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے ان لوگوں کا تذکرہ ہوا جو قرآن سن کر بے ہوش ہوجائے تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے اور ان کے مابین صداقت کا حال معلوم کرنے کی یہ شرط ہے کہ ان میں سے ایک شخص کو ایک کوٹھے کی چھت پر اس طرح بٹھایا جائے کہ اس کے پاؤں لٹک رہے ہوں اور اس پر اول سے آخر تک پورا قرآن پڑھا جائے تو اگر اس نے اپنے آپ کو چھت سے نیچے گرایا اور بے ہوش ہوگیا تو پھر صادق ہے اس لئے کہ اپنے آپ کو اونچی جگہ سے گرا کر بے ہوش ہونے سے انہوں نے اپنی صداقت ثابت کردی۔ لہٰذا ابن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے بھی ثابت ہوا کہ آپ نے بھی اس شخص کا بے ہوش ہونا جھوٹ اور تکلف پر محمول کیا۔ نہ یہ کہ صادقین کیلئے حقیقی غشی کے منکر تھے کلا و حاشا ثم کلا و حاشا۔

(۲): اسی طرح علامہ عارف باللہ اسماعیل حقی بروسی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر روح البیان شریف: ج:۸: ص :۱۰۰: سورۃ زمر: آیت :۲۳: کی تفسیر میں مذکورہ بالا اعتراض کا جواب اس طرح دیتے ہیں: ''یقول الفقیر لا شک ان القدح و الجرح انما ھو فی حق اھل الریاء و الدعوی و فی حق من یقدر علی ضبط نفسه کما اشار علیه السلام بقوله (من عشق و عف و کتم ثم مات مات شھیدا) فان من غلب علی حاله کان الادب له ان لا یتحرک بشئ لم یؤذن فیه و اما من غلب علیه الحال و کان فی امره محقا لا مبطلا فیکون کالمجنون حتی یسقط عنه القلم فبای حرکة تحرک کان معذورا فیھا فلیس حال اھل البدایة و التوسط کحال اھل النھایة لا یقدر علیه من دونھم و کان الاصحاب و من فی حکمھم ممن جاء بعدھم راعوا الادب فی کل حال و مقام بقوة تمکینھم بل لشدة تلوینھم فی تمکینھم فلا یقاس علیھم من لیس له ھٰذا التمکین فرب اھل تلوین یفعل ما لا یفعله اھل التمکین و ھو معذور فی ذلک لکونه مغلوب الحال و مسلوب الاختیار۔'' [1]

ترجمہ: فقیر کہتا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ غشی کی قباحت و جرح صرف ریاکار اور اہلِ دعویٰ لوگوں کے حق میں ہے اور ان لوگوں کے حق میں ہے جو اپنے نفس کو کنٹرول کرنے پر قادر ہوں (اور ویسے ہی مکراً و تکلفاً غشی کا اظہار کریں) جیسا کہ اشارہ کیا ہے ہمارے نبی اکرم ﷺ نے اس حدیث میں (جو شخص اللہ تعالیٰ پر عاشق ہوجائے اور اپنے عشق کو مخفی رکھے حتی کہ وفات پاجائے تو وہ شہید مرا) تو اگر سالک پر حال غالب ہوا تو اس کیلئے اب یہ ہے کہ کوئی غیر شرعی حرکت نہ کرے اور اگر کسی سالک پر حال غالب ہوا اور اپنے کام میں حق بجانب ہو باطل نہ ہو تو اس کی مثال پاگل کی طرح ہے کہ مرفوع القلم ہے اور جس طرح کی بھی حرکت کرے اس میں یہ معذور ہے اور مبتدی کا حال متوسط اور منتہی کی طرح نہیں ہوتا کیونکہ منتہی جس چیز پر قادر ہوتا ہے اس کے ماتحت اس پر قادر نہیں ہوتے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور وہ جو ان کے حکم میں تھے اور جو بعد میں آئے تھے انہوں نے ہر حال اور ہر مقام میں ادب کی رعایت کی تھی جس کی وجہ سے قوت تمکین بلکہ شدت تلوین فی التمکین تھی لہٰذا ان پر وہ لوگ قیاس نہیں

---

[1] (تفسیر روح البیان: ج:۸: ص ۱۰۰:)

کئے جائیں گے جن کو ان کے برابر تمکین حاصل نہ ہوں تو بہت سے اہلِ تلوین ایسے کام کر جاتے ہیں جو اہلِ تمکین یعنی اہلِ صحو نہیں کرتے کیونکہ یہ اہلِ تلوین اس میں معذور ہوتے ہیں کیونکہ مغلوب الحال اور سلوب الاختیار ہوتے ہیں۔(فاندفع الاشکال فھٰذا غیرہ)۔

اعتراض ثانی : منکرین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے :''السماع والقول والرقص الذی یفعلہ المتصوفۃ فی زماننا حرام لا یجوز القصد الیہ والجلوس علیہ'' تو اس سے اہل تصوف کے سماع اور رقص کی حرمت ثابت ہو رہی ہے۔ ''الجواب بعون الملک الوھاب''

یاد رکھیں یہ بات کہ ایک صوفیۂ کرام ہوتے ہیں اور ایک متصوفہ۔

صوفیۂ کرام وہ ہوتے ہیں جن کا ظاہر شریعت محمدی ﷺ کے ظاہر کے ساتھ اور ان کا باطن سے آراستہ ہو اور وہ انوار و تجلیات ربانیہ سے بہرور ہوں تو ان کا وجد و حال اور رقص و سماع حق و ثابت ہے جس کے بارے میں کافی دلائل پہلے گزر چکے ہیں۔

متصوفہ وہ ہوتے ہیں جو تصوف کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں اور نہ یہ شریعت کے ظاہر پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور نہ ہی باطن کے حال سے واقف ہوتے ہیں بلکہ دھوکے کے شیخ ریا کار اور فاسق ہوتے ہیں اور تصوف کو اپنے عیب چھپانے کیلئے بطورِ پردہ استعمال کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کا رقص و سماع اور تواجد بالکل ممنوع ہے اور حرام ہے لہٰذا جن مقامات میں فقہاءِ کرام نے رقص و سماع یا وجد و تواجد کی تردید کی ہے تو وہ سب ان متصوفہ پر محمول ہے تو ان دونوں کے درمیان فرق کرنا لازمی ہے لہٰذا فتاویٰ ہندیہ میں جس رقص و سماع کی تردید کی ہے تو ''وہاں'' (المتصوفہ فی زماننا) کی قید موجود ہے اور متصوفہ کی تردید میں کوئی نزاع نہیں ہے۔

دوسری طرف اس فتاویٰ ہندیہ میں حقیقی صوفیۂ کرام کے وجد و حال غشی و سماع کا اثبات بھرپور طریقے سے کیا ہے جیسا کہ صاحبِ فتاویٰ ہندیہ لکھتے ہیں :''فان فی زمانھم ربما ینشد واحد شعرا فیہ معنی یوافق احوالھم فیوافقہ ومن کان لہ قلب رقیق اذا سمع کلمۃ توافقہ علی امر ھو فیہ ربما یغشی علی عقلہ فیقوم من غیر اختیار وتخرج حرکات منہ من غیر اختیار وذلک مما لا یستبعد ان یکون جائزًا مما لا یوخذ بہ''[1]

ترجمہ: حقیقی عارفوں کے زمانے میں کئی دفعہ ایک شخص شعر بناتا اور ان کے سامنے پڑھتا جس کا معنی ان کے احوال کے موافق ہوتا تو جس کا دل نرم ہوتا تو وہ اس شعر کے ساتھ موافقت کرتا تو کئی دفعہ اس کے عقل پر مدہوشی آجاتی، اور بے اختیار کھڑا ہو جاتا اور اس سے بے اختیار حرکات صادر ہوتیں اور یہ بعید نہیں کہ یہ جائز کام ہے اور اس پر مواخذہ نہیں۔

پوری عبارت پہلے گزر چکی ہے ادھر ملاحظہ کریں تو معلوم ہوا کہ تردید متصوفہ پر محمول ہے اور اثبات حقیقی اہلِ تصوف کیلئے ہے۔

اسی طرح علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی مجموعۃ الرسائل: ج :۱: ص :۱۷۳: میں پہلے تو حقیقی صوفیاءِ کرام کے لئے وجد و تواجد اور رقص و سماع کو ثابت کیا ہے اور بعد میں فاسق متصوفہ کے احوال پر تردید کی ہے اور فرماتے ہیں کہ :''بل کلامنا مع ھولاء العوام الفسقۃ اللئام الذین اتخذوا مجالس الذکر شبکۃ لصید الدنیا الدنیۃ وقضاء لشھواتھم الشنیعۃ الردیۃ من کلامھم واجتماعھم من المردان والتلذذ وتنزیلہ علی اوصافھم الحسان وغیر ذلک الی۔''[2]

ترجمہ: بلکہ ہماری بات تو ان فاسق اور رزیل عوام کے ساتھ ہے جنہوں نے اس رزیل دنیا کا شکار کرنے کیلئے اور اپنی ناکارہ خواہشات کو پورا کرنے

---

[1] (فتاویٰ عالمگیری ج:۵:ص:۳۵۲)

[2] (مجموعۃ الرسائل: ج: ۱: ص:۱۸۴)

کیلئے مجالس ذکر کا حال کے طور پر استعمال کر رہے ہیں اور امرد (قریب البلوغ بچوں) کو اپنے ارد گرد جمع کر کے ان کے ساتھ شہوت کی باتیں کرتے ہیں اور گانوں سے تلذذ لیتے ہیں اور ان گانوں میں ان کے اوصاف بیان کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ دیگر خلافِ شرع کام کرتے ہیں (تو ہم ان لوگوں کے وجد و تواجد کی تردید کرتے ہیں کہ یہ شیطانی وجد و تواجد ہے نہ کہ رحمانی)۔

اسی طرح علامہ عبدالغنی نابلسی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تصنیف[1] میں حقیقی اہلِ تصوف کیلئے وجد و تواجد اور رقص و سماع ثابت کیا ہے اور فاسق و جاہل متصوفہ کے رقص و تواجد و سماع کی تردید کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں :بحیث یلتھون بہ عن حضور الجمع و الجماعات و رد ما یفعلونہ وھم سکاری باکل الحشیش و بالخمر و انواع المسکرات و تحضر فی مجالسھم المردان الحسان ما بین الفسقۃ اللوطیین فیحصل منھم المس بشھوۃ و التقبیل و غیر ذلک من انواع الاثام۔''[2]

ترجمہ: متصوفہ کے وہ افعال و احوال قابل مذمت ہیں جب وہ چرس و شراب اور دوسری نشہ آور چیزیں کھا کر نشہ کی حالت میں ہوتے ہیں اور ان کی مجالس میں خوبصورت مرد فاسق و لواطت کرنے والوں کے درمیان حاضر ہوتے ہیں اور وہ انہیں شہوت کے ساتھ چھوتے ہیں اور بوسہ لیتے ہیں اور اس کے علاوہ دیگر گناہ کے کام اور خلافِ شرع امور ان کے مجالس میں جاری ہوتے ہیں۔

علامہ عبدالغنی نابلسی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تصنیف (کشف النور عن اصحاب القبور) میں جذبِ رحمانی کے متعلق اس طرح رقم طراز ہیں :''و بیان ذلک انا نسالہ ما الذی حملک حتی صحت و زعقت و اضطربت فان بین معنی الٰھیاً یحمل ذلک و شرح لنا شیئا من المعانی الواردۃ علی قلبہ عند السماع بحیث نستدل بالثمرۃ علی الاغصان و بالزھرۃ علی البستان سلمناہ ذلک و اعتقدناہ فیہ الصلاح۔''[3]

ترجمہ: اور اس کی وضاحت کہ ہم اس مجذوب سالک سے پوچھیں گے کہ وہ کس وجہ سے چلا رہا تھا اور شور مچا رہا تھا اور اس پر کیوں اضطراب اور حرکات آرہی تھیں؟ تو اگر کہیں اس طرح کا معنی بیان کیا جس کیوجہ سے اس پر یہ حال طاری ہوا تھا اور اس کے دل پر سماع وارد ہوئی ایک چیز کی وضاحت کی اس طرح کہ میوہ سے ہم درخت پر اور پھولوں کی شاخ سے ہم باغ پر دلیل پکڑتے ہیں تو پھر ہم اس کیلئے یہ حالِ وجد و جذب تسلیم کریں گے اور اس پر نیک عقیدہ رکھیں گے۔

اسی طرح علامہ نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ[4] میں فرماتے ہیں :''جو لوگ ہمیشہ قسما قسم گناہوں میں مبتلا ہوں اور مسکرات کھاتے ہوں اور اپنے آپ کو تصوف کے ساتھ منسوب کرتے ہوں تو ان کا حال مردود ہے اور اگر عارفین باللہ اور عاملین بالشریعۃ ہوں تو ان کیلئے وجد و تواجد و رقص و سماع ثابت ہے اور ان کے حال شریفہ و محمودہ ہیں جو کہ بعد میں دونوں عبارتیں برکلی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کے جواب میں آئیں گے''

الغرض نفی وجد و تواجد اور رقص و سماع متصوفہ اور خلافِ شرع جاہل اور فاسق لوگوں پر محمول ہے اور اس کا اثبات حقیقی اہلِ تصوف اور باعمل عارف پر محمول ہے تو جو یہ فرق نہ جانے وہ جاہل ہے اور اگر ایک شخص جانتا ہے لیکن اپنے آپ کو بے خبر فرض کرتا ہے تو وہ معاند اور متجاہل ہے۔

اعتراض ثالث : تیسرا اعتراض منکرین وجد و حال اس طرح کرتے ہیں کہ علامہ پیر علی برکلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے طریقہ محمدیہ میں لکھا ہے کہ :''و یدخل فیھا

---

[1] (الحدیقۃ الندیۃ: ج:۳:ص:۵۳۳)

[2] (حدیقۃ الندیۃ: ج:۲:ص:۵۱۸)

[3] (کشف النور ص:۲۱)

[4] حدیقۃ الندیۃ (ج ۲ ص ۵۱۸-۵۲۰)

مایفعلہ بعض الصوفیۃ'' لہٰذا اہلِ تصوف کا رقص بھی ممنوع رقص واضطراب میں شامل ہے۔ ''الجواب بعون الملک الوھاب''

سیکھ لیں یہ بات کہ طریقہ محمدیہ کی اس عبارت میں اہلِ تصوف سے مراد متصوفہ اور فاسق ہیں جیسا کہ مشہور محقق اور شارح طریقہ محمدیہ عبدالغنی نابلسی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب (حدیقۃ الندیۃ :شرح طریقہ محمدیہ) میں فرماتے ہیں : ''مایفعلہ بعض الصوفیۃ ای الذین ینسبون انفسھم الی مذھب التصوف وھم مصرون علی انواع الفسوق والفجور ویاکلون الحشیش ویشربون الخمور فی زماننا من غیر تخصیص احد بعینہ ھٰذا وصفہ۔''[1]

ترجمہ: ماتن کا یہ قول کہ یہ جو کرتے ہیں بعض متصوفہ تو اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو مذہبِ تصوف سے منسوب کرتے ہیں اور یہ لوگ قسما قسم فسق وفجور اور گناہوں میں ہمیشہ مبتلا رہتے ہیں چرس اور شراب پیتے ہیں ہمارے زمانے میں کسی خاص معین شخص کو نہیں مخصوص کرتے بلکہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جس میں مذکورہ صفاتِ قبیحہ موجود ہوں۔

اعتراض رابع: چوتھا اعتراض منکرین وجد وحال یہ کرتے ہیں کہ پیر علی برکلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ طریقہ محمدیہ میں لکھتے ہیں :فاول ما احدثہ اصحاب السامری لما اتخذ لہ عجلاً جسدًا لہ خوار قاموا یرقصون علیہ ویتواجدون فھو دین الکفار۔ تو معلوم ہوا کہ رقص وتواجد سامری کے ساتھیوں اور کفار کا دین ہے۔ ''الجواب بعون الملک الوھاب۔''

پہلے اکثر احادیث وآثار رقص ووجد کے بارے میں دلائل کے طور پر پیش کئے جا چکے ہیں اور اقوالِ مفسرین وفقہاء میں بھی کثیر دلائل گزر چکے ہیں تو ان کو مدِنظر رکھتے ہوئے عبارات بالا کا مطلب یہ ہے کہ فساق، مبتدعین اور خلافِ شرع لوگوں کا رقص وتواجد سامری اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ مشابہ ہے اور حرام ہے اس لئے کہ رقص ووجد کے سبب کو سامنے رکھنا چاہئے اگر سبب محمود ہے تو رقص ووجد وتواجد بھی محمود ہے اور اگر سبب حرام ہو تو یہ بھی حرام اور اگر سبب مباح ہو تو یہ بھی مباح جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے : ''فحکمہ حکم مھیجہ ان کان فرحہ محمودا والرقص یزیدہ ویؤکدہ فھو محمود وان کان مباحا فھو مباح وان کان مذموما فھو مذموم۔''[2]

ترجمہ: رقص کا حکم اس کے سبب پر منحصر ہے تو اگر خوشحالی کے اچھے سبب سے ہو اور رقص سے اس میں زیادتی آتی ہو اور اسے مؤکد کرتی ہو تو یہ رقص بہتر اور محمود ہے اور اگر سبب مباح ہو تو یہ رقص بھی مباح ہے اور سبب بُرا اور مذموم ہو تو یہ رقص بھی مذموم ہے۔

حقیقی اہلِ تصوف کے وجد ورقص کا سبب انوارِ الٰہیہ کا ورود ہے اور یہ سبب محمود ہے لہٰذا ان کا وجد ورقص بھی محمود ہے سامری کے ساتھیوں کے رقص کا سبب امرِ الٰہی کی خلاف ورزی اور خواہش نفسانی کی اتباع تھا اور اسی طرح فساق متصوفہ اور ریاء کاروں کے رقص وتواجد کا سبب مذموم ہے تو اس قسم کا رقص بھی مذموم اور حرام ہے۔

حدیث شریف میں حضرت سیدنا جعفر کا رقص مروی ہے سبب محمودہ کی وجہ سے جیسا کہ باب احادیث وآثار میں گزر چکا ہے اور امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں : ''فکان ھٰذا اصلاً فی رقص الصوفیۃ لما یدرکونہ من لذات المواجید وقد صح القیام والرقص فی مجالس الذکر والسماع عن جماعۃ من کبار الائمۃ منھم شیخ الاسلام عز الدین بن عبدالسلام۔''[3]

ترجمہ: یہ حدیث صوفیاءِ کرام کے رقص کیلئے دلیل ہے جب وہ حضرات وجد کی لذات حاصل کرتے ہیں اور مجالس ذکر وسماع میں کھڑے ہونا اور رقص

---

[1] (حدیقۃ الندیہ: ج:۲: ص:۵۱۸)

[2] (احیاء العلوم: ج:۲: ص:۳۰۴)

[3] (الحاوی للفتاوی: ج:۲: ص:۲۲۴)

کرنا ائمۂ کبار کے بڑے گروہ سے ثابت ہے جس میں سے ایک شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام ہیں۔
تفصیلی عبارات پہلے گزر چکی ہیں لہٰذا حقیقی اہلِ وجد کے رقص کو حرام کہنا یا سامری کے ساتھیوں کے رقص پر قیاس کرنا عناد مع الحق اور ضلالت ہے اور ایک طرف کی عبارت پیش کرنا اور دوسری طرف سے سکوت کرنا جہالت یا تجاہل وعناد مع الحق ہے۔
اعتراض خامس: منکرین وجد وحال پانچواں اعتراض یوں کرتے ہیں کہ علامہ برکلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت شیخ الاسلام جلال الدین گیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے : ''وسید الطائفة احمد السنوی رحمه الله تعالیٰ صرح بحرمته ورایت فتوی شیخ الاسلام جلال الملة والدین الکیلانی ان مستحل هٰذا الرقص کافر بالاجماع'' تو معلوم ہوا کہ رقص حرام ہے اور اسے حلال کہنا کفر ہے۔
''الجواب بعون الملک الوهاب''
اس عبارت کا جواب یہ ہے کہ ایک رقص فساق، جاہل اور خلافِ شرع متصوفہ کا ہے تو یہ حرام ہے اور اسے حلال کہنا کفر ہے۔ جبکہ باعمل صادقین صوفیۂ کرام کا رقص بالکل جائز اور ثابت ہے اور اس سے انکار کرنا کفر ہے جیسا کہ بار بار پہلے احادیث وآثار اور اقوالِ علمائے دین کی روشنی میں واضح ہو چکا ہے اور بالخصوص ان کی عبارات حقیقی اہلِ تصوف کے اثبات کے بارے میں پہلے گزر چکی ہیں ادھر ملاحظہ کریں۔
علامہ عبدالغنی نابلسی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ برکلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذکورہ بالا عبارات کی توجیہہ اس طرح فرماتے ہیں: ''ولعل الشیخ رحمه الله تعالیٰ کان له اطلاع علی صوفیة مخصوصین موصوفین بما تقدم من الاوصاف والافلیس کل الصوفیة سوآء کما انه لیس کل العلماء والفقهاء والمدرسین سوآء کما انه لیس کل القضاة والامرآء والوزراء والسلاطین سوآء بل فیهم الصالح وفیهم الاصلح وفیهم الفاسد وفیهم الافسد وهو امر شایع مشهور لا شبهة فیه عند الجمهور والناقص القاصر من الجاهلین هو الذی یتتبع الفاسد ویستکشف عن عورات المسلمین واهل الکمال لا یرون الا الکمال ویسترون المقابح والعیوب بالاعراض والتاویل باشرف الخصال''[2]
ترجمہ: شاید حضرت شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کسی ایک خاص قسم کے متصوفہ کی اطلاع ملی ہو جو فسق وفجور کے اوصاف سے متصف ہو اور اگر اس طرح نہ ہو تو سارے صوفیۂ کرام ایک جیسے نہیں ہوتے جیسے کہ سارے علماء کرام، فقہاء اور مدرسین ایک جیسے نہیں اور جیسے کہ قاضی، حکماء، وزراء اور سلاطین ایک جیسے نہیں ہوتے بلکہ ان میں بعض نیک اور بعض بہت زیادہ نیک اور بعض فاسد اور بعض بہت زیادہ فاسد ہوتے ہیں یہ ایک مشہور اور شائع خبر ہے جس میں جمہور کے نزدیک کوئی شک نہیں کہ جاہلین میں سے قاصر اور ناقص شخص وہ ہے جو صرف فاسد کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اور مسلمانوں کے عورات (پوشیدہ باتوں کو) لوگوں میں ظاہر کرتے ہیں اور اہلِ کمال لوگ وہ ہیں جو اہلِ تصوف سالکین کو کمال کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کے قبائح اور عیوب کو اعراض سے چھپاتے ہیں اور اشرف الخصال سے ان کی تاویل حسنہ کرتے ہیں۔
معلوم ہوا کہ تردید کی عبارتیں مفسدین پر محمول ہیں اور اثبات کی عبارتیں صالحین پر محمول ہیں اور ان کے مابین فرق نہ کرنا جہالت یا عناد مع الحق ہے۔
اعتراض سادس : منکرین کا چھٹا اعتراض یہ ہے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اہلِ منصب کے لئے رقص کو مکروہ جانتے ہیں اور فرماتے ہیں :
''الرقص مکروه لذوی المناصب لانه لا یلیق بهم''

---

[1] (حدیقة الندیة ج ۲ ص ۵۲۳ الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۲۴ فتاوی رد المحتار للشامی ج ۳ ص ۳۳۷ قبیل باب البغاة :مجموعة الرسائل ج ۱ ص ۱۷۳ احیاء العلوم ج ۲ ص ۳۰۴)
[2] (حدیقة الندیة: ج: ۲: ص: ۵۲۰)

اور شیخ اجل شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی فرماتے ہیں : ''ولکن لا یلیق الرقص بالشیوخ ومن یقتدی بہ لما فیہ مشابھۃ اللھو واللھو لا یلیق بمنصبھم ویباین حال التمکین مثل ذلک'' تو معلوم ہوا کہ رقص ایک نامناسب اور مکروہ کام ہے۔ ''الجواب بعون الملک الوھاب''

اس کا جواب یہ ہے کہ رقص کی دو اقسام ہیں ایک مبتدین اور متوسطین کیلئے ہے تو یہ محمود ہے اور دوسری قسم منتہیین اور اہلِ تمکین کیلئے ہے جس کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو بالکل غیر اختیاری ہو اور اپنے آپ پر ضبط کی طاقت نہ آئے تو یہ بھی محمود اور مناسب ہے جیسا کہ حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رقص یا شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اکابر ائمۂ دین کا رقص وغیرہ۔ دوسرا وہ جس میں ایک نوع اختیار موجود ہوتا ہے اور اپنے آپ پر ضبط کی طاقت ہو تو یہ بھی جائز ہے لیکن مشائخ عظام کے منصب ارشاد اور حالِ تمکین کے ساتھ نامناسب ہے کیونکہ ان کیلئے بقدر الامکان تحمل ضروری ہے تو اگر اپنے آپ پر قابو کر سکے تو رقص نہ کرنا بہتر ہے اور رقص کے علاوہ دوسری اقسامِ وجد و حال کی ممانعت اور کراہت نہیں جیسا کہ اقشعرار الجسد، جریان الدموع اور حرکات لطائف وغیرہ ہو گیا۔

رقص، وجد و تواجد کی اصل:

حدیث: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی میں (کہ کون پرورش کرے) باہم اختلاف کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے (سب کی اس طرح تسلی فرمائی کہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے (تو یہ فرمایا کہ) تم میرے اور میں تمہارا وہ (ایک خاص ہیئت پر) رقص کرنے لگے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم میری صورت اور سیرت میں مشابہ ہو وہ بھی رقص کرنے لگے اور حضرت زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم ہمارے بھائی اور دوست ہو وہ بھی رقص کرنے لگے۔

فائدہ: اس حدیث میں اصل ہے اہل وجد کے رقص کی جو فرح یا شوق (کے غلبہ) سے ہوتا ہے اگرچہ (وہ غلبہ) بے اختیاری سے نہ ہو (اس کو تواجد کہتے ہیں) کیونکہ ہیئت مذکورہ حدیث اختیار سے تھی) بشرطیکہ کسی غرض فاسد ریا وغیرہ سے نہ ہو۔[1]

رقص ریا کی مذمت اور غیر اختیاری یا اچھی غرض کے رقص کا عذر:

حدیث: جو بتکلف رقص کرتے ہیں وہ گناہگار ہوتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔

فائدہ: اس کے عموم میں مکارو جد کرنے والے بھی داخل ہو گئے اور ترقص میں اشارہ ہے کہ جس رقص میں انسان بے اختیار ہو اس پر ملامت نہیں پس ایسوں پر انکار و اعتراض کرنے والوں کی بھی اس میں اصلاح ہو گئی اور ریا رقص کرنے والوں کی بھی اصلاح ہو گئی اور رقص بتکلف وہی مراد ہے جس سے غرض مال یا جاہ ہو ورنہ اگر تکلف میں غرض محمود ہو وہ مذموم نہیں بلکہ اس میں خود حدیث وارد ہے فان لم تبکوا افتبا کوا۔[2]

امام حافظ ابونعیم اصفہانی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں، اور عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی حنفی نقشبندی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ الْحُسَيْنِ يَقُولُ :سَمِعْتُ عَبْدَ الْوَاحِدِ بْنَ بَكْرٍ يَقُولُ :سَمِعْتُ أَحْمَدَ بْنَ أَبِي طَلْحَةَ يَقُولُ :سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ أَحْمَدَ الْجُرْجَانِيَّ يَقُولُ :سَمِعْتُ ابْنَ كَمَالٍ الْجُرْجَانِيَّ يَقُولُ :سُئِلَ يَحْيَى بْنُ مُعَاذٍ عَنِ الرَّقْصِ ,فَأَنْشَأَ يَقُولُ:[البحر الهزج]

دَقَقْنَا الْأَرْضَ بِالرَّقْصِ عَلَى غَيْبِ مَعَانِيكَا

---

[1] (التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف ص ۶۸)

[2] (التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف ص ۳۵۵)

وَلَا عَيبَ عَلَى الرَّقْصِ لِعَبْدٍ هَائِمٍ فِيكَا

وَهَذَا دَقَّنَا الْأَرْضَ إِذَا طُفْنَا بِوَادِيكَا

حضرت یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے رقص کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے یہ اشعار سنائے:

ہم نے رقص سے زمین کو روندا اور پامال کیا (یہ سب کچھ) تیرے معانی سے لطف اندوز ہونے کے لئے کیا۔

رقص کرنے میں کوئی عیب نہیں اس بندہ کے لئے جو تیری ذات میں سرگشتہ اور گم ہوا اور محو ہوا۔

اور یہ ہمارا زمین کو رقص کے ذریعے روندنا اور پامال کرنا اس لئے ہے کہ ہم تیرا ارادہ اور قصد کرنے والے ہیں۔[1]

رقص وجد و تواجد کی اصل میں:

كتاب السماع: الحديث: اختصم علي و جعفر و زيد بن حارثة في ابنة حمزة فقال لعلي انت مني و انا منك فحجل و قال لجعفر اشبهت خلقي و خلقي فحجل و قال لزيد انت اخونا و مولانا فحجل ابو داؤد من حديث علي باسناد حسن و هو عند البخاري دون حجل في الاحياء و الحجل هو الرقص و ذلك يكون الفرح او شوق قلت لم اجده بهذه اللفظ في سنن ابي داؤد و لا مراسيله نعم اورد الحافظ في الفتح باب عمرة القضاء ما نصه و في حديث علي عند احمد و كذا مرسل الباقر فقام جعفر فحجل حول النبي ﷺ دار عليه فقال النبي ﷺ ما هذا قال هذا شئي رأيت الحبشة يصنعونه بملوكهم و في حديث ابن عباس ان النجاشي كان اذا رضي احدا من اصحابه قام فحجل حوله و حجل يفتح المهملة و كسرها اي وقف على رجل واحدة و هو الرقص بهيئة مخصوصة و في حديث علي المذكور لمن الثلاثة فعلوا ذلك اھ۔ و في القاموس حجل رفع رجلا و تريث في مشيه و فيه نزاف فيه اصل رقص اهل الوجد لفرح او شوق و لو من غير اضطرار اذ لم يكن من غرض فاسد من الرياء و نحوه۔

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی کی پرورش پر باہم اختلاف کیا تو حضور اقدس ﷺ نے سب کی اس طرح تسلی فرمائی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے فرمایا کہ تم میرے اور میں تمہارا ہوں وہ ایک خاص ہیئت پر رقص کرنے لگے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم میری صورت اور سیرت میں مشابہ ہو وہ بھی رقص کرنے لگے اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم ہمارے بھائی اور دوست ہو وہ بھی رقص کرنے لگے روایت کیا اس کو ابو داؤد نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی حدیث سے اسناد حسن کے ساتھ اور یہ حدیث بخاری کے پاس بھی ہے اس میں حجل نہیں ہے اور احیاء میں ہے کہ حجل رقص کو کہتے ہیں اور یہ فرح یا شوق سے ہوتا ہے میں کہتا ہوں مجھ کو یہ حدیث اس لفظ سے نہ سنن ابی داؤد میں ملی اور نہ ان کی مراسیل میں البتہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے باب عمرۃ قضاء میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی حدیث میں امام احمد کے نزدیک اور اسی طرح مرسل امام باقر میں ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور حضرت رسول اللہ ﷺ کے گرد رقص کرنے لگے اور چکر لگایا جیسے کوئی قربان ہو جاتا ہے نبی پاک ﷺ نے فرمایا یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا یہ ایک شئے ہے جو میں نے حبشیوں کو اپنے بادشاہوں کے ساتھ کرتے دیکھا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نجاشی (شاہ حبشہ) جب اپنے تابعین میں

---

[1] (حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ۸، دار الحدیث، القاہرہ، الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، الصنف التاسع فی عامۃ آفات البدن المختلفۃ، ج۵، ص۱۳۳، ۱۳۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

کسی سے خوش ہوتا تو وہ شخص اٹھ کر نجاشی کے گرد گھومتا ہوا رقص کرتا اور حجل بفتح وکسر جیم کے معنی ہیں ایک پاؤں پر کھڑا ہوا اور وہ ایک خاص ہیئت پر رقص ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ تینوں نے ایسا ہی کیا اور قاموس میں حجل کے معنی ہیں کہ ایک پاؤں اٹھالیا اور رفتار میں آہستگی کی اور اس میں یہ بھی ہے کہ اچھلا تو حاصل اس رقص کی ہیئت مخصوصہ کا یہ ہوا کہ ایک پاؤں اٹھالے اور ایک پاؤں سے آہستہ آہستہ قدم بڑھاتے ہوئے اچھلتے ہوئے چکر کاٹتے ہوئے چلے، اس حدیث میں اصل ہے اہل وجد کے رقص کی جو فرح یا شوق کے غلبے سے ہوتا ہے اگرچہ وہ غلبہ بے اختیاری سے نہ ہو اسکو تواجد کہتے ہیں کیونکہ ہیئت مذکورہ حدیث اختیار سے تھی بشرطیکہ کسی غرض فاسد اور ریا وغیرہ سے نہ ہو۔[1]

حضرت علامہ محمد امین ابن عابدین شامی حنفی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

قَالَ قَدْ وَقَعَ الْمَنْعُ مِنْ بَعْضِ أَهْلِ زَمَانِنَا وَأَفْتَى جَدِّي بِالْجَوَازِ وَصَحَّحَ فَتْوَاهُ أَكَابِرُ الْعُلَمَاءِ مِنْ مُعَاصِرِيهِ بِبِلَادِ فَارِسَ ثُمَّ نَقَلَ فَتْوَى جَدِّهِ بِطُولِهَا وَنَقَلَ قَوْلَ الْعَارِفِينَ وَتَحْرِيمَ النَّوَوِيِّ الشَّبَابَةَ، وَقَالَ وَلَمْ يُقِمْ النَّوَوِيُّ دَلِيلًا عَلَى ذَلِكَ ثُمَّ نَقَلَ تَصْحِيحَ الْجَلَالِ الدَّوَانِي فَتْوَى جَدِّهِ ثُمَّ كَلَامَ الدَّوَانِي فِي شَرْحِ الْهَيَاكِلِ حَيْثُ قَالَ (الْجَلَالِ الدَّوَانِي) الْإِنْسَانُ يَسْتَعِدُّ بِالْحَرَكَاتِ الْعِبَادِيَّةِ الْوَضِيعَةِ الشَّرْعِيَّةِ لِلشَّوَارِقِ الْقُدْسِيَّةِ بَلْ الْمُحَقِّقُونَ مِنْ أَهْلِ التَّجْرِيدِ قَدْ يُشَاهِدُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ طَرَبًا قُدْسِيًّا مُزْعِجًا فَيَتَحَرَّكُونَ بِالرَّقْصِ، وَالتَّصْفِيقِ، وَالدَّوَرَانِ وَيَسْتَعِدُّونَ بِتِلْكَ الْحَرَكَةِ لِشُرُوقِ أَنْوَارٍ أُخَرَ إلَى أَنْ يَنْقَضِيَ ذَلِكَ الْحَالُ عَنْهُمْ بِسَبَبٍ مِنْ الْأَسْبَابِ كَمَا عَلَيْهِ تَجَارِبُ السَّالِكِينَ۔۔۔وَقَدْ أَفْتَى أَيْضًا مُصْلِحُ الْمَذْكُورِ بِإِبَاحَةِ الرَّقْصِ أَيْضًا بِشَرْطِ عَدَمِ التَّثَنِّي، وَالتَّكَسُّرِ. اھ۔

ترجمہ: (جلال دوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے) فرمایا: انسان کبھی شریعت کی مقرر کردہ عبادات ادا کرنے کی وجہ سے پاکیزہ انوار کے لیے استعداد رکھتا ہے بلکہ محققین میں سے اہلِ تجرید اپنے اندر طربِ قدسی (پاکیزہ جھومنے) چیخنے، چلانے کا مشاہدہ کرتے ہیں، تو رقص کرنا اور تالیاں بجانا اور بھاگنا، دوڑنا، اس طرح کی حرکات ان سے سرزد ہوتی ہیں، اور دوسرے انوار کے نزول کی وجہ سے اس حرکت کی استعداد رکھتے ہیں، یہاں تک کہ اسباب میں سے کسی سبب سے ان کا حال ختم ہو جائے، جیسا کہ اس پر سالکین کا تجربہ ہے۔۔اور تحقیق مصلح الدین مذکور نے اباحتِ (جواز) رقص کا فتویٰ بھی دیا ہے، بشرطیکہ تثنی اور تکسر (زنانہ فن اور ناچ) نہ ہو۔[2]

ونقل المناوی(۱) علی "الشمائل" فی باب: ماجاء فی بکاء رسول اللہ ﷺ لدی حدیث أنینه ﷺ وهو یصلی ولصدره أزیز(۲) کأزیز المِرجَل(۳) من البکاء، مانصه: "وذلک ناشیئ عن عظیم الإجلال للہ عزوجل۔ قال الإمام الحرّانی(۴) رحمه اللہ ورضی اللہ عنه: ومن هذا الحدیث ونحوه استن أهل الطریق الوجد والتواجد فی أحوالهم وعرفوا به فی أوقاتهم، وهذا الحال إنما کان یعرض للمصطفیٰ ﷺ عندتجلی الصفات الجلالیة والجمالیة معاً، یعنی: الجلال المزوج بالجمال۔ وأما الغیر المزوج: لایطیقه أحدمن البشر ولامن الخلائق، وکان إذاتجلی بغلبة الجمال المحض: یمتلئ سروراً وملاطفة وإیناساً وبسطاً۔ وکل وارث من أمته له نصیب من هذین التجلیین؛ فتجلی الجلال: یورث الخوف والقلق والوجل المزعج وتجلی الجمال؛ یورث الأنس والسرور۔

وورد أن سیدنا ابراهیم الخلیل کان یُسمع لصدره صوت کغلیان القدر من مسیرة میل۔ فکان أثر السماع یظهر فی کثیر من

---

[1] (بوادر النوادر ص ۴۰۶)

[2] (تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، مسائل وفوائد شتی من الحظر والاباحۃ، ج ۲، ص ۵۵۸، ۵۵۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

الأنبياء والأولياء!" اهمنه بلفظه۔[1]

المناوی نقل کرتے ہیں شمائل کے باب حضور اقدس ﷺ کے گریہ وزاری کے ذکر میں:

حضور اقدس ﷺ کے رونے کی حدیث میں کہ حضور اقدس ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ رونے کی وجہ سے آپ ﷺ کے سینۂ مبارک سے ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے ہنڈیا کا جوش ہوتا ہے جس کی عبارت یہ ہے "یہ رونے کی آواز اللہ جل شانہ کی عظمت وجلال کی وجہ سے ہے" امام الحرانی رحمہ اللہ کہتے ہیں "اس حدیث سے اور اس طرح کی اور حدیثوں سے بہت سے اہل طریق نے ذکر کو اپنے ہر احوال میں شریک کرلیا اور اپنے اوقات میں شامل کرلیا۔ یہ حالت حضور اقدس ﷺ کی اس وقت ہوتی تھی جب اللہ جل جلالہ کی صفات جلالیہ اور صفات جمالیہ دونوں کا ظہور اکٹھا ہوتا تھا یعنی جلال جمال میں ملا ہوا جبکہ جلال بغیر جمال کے تو اس کے ظہور کی تو کوئی چیز طاقت نہیں رکھتی نہ بشر اور نہ کوئی مخلوق، اور جب صرف صفات جمالیہ کا ظہور ہوتا تھا تو اس وقت ایک سرور اور انبساط کی کیفیت ہوتی تھی اور حضور ﷺ کے طفیل مشائخ سلوک کو بھی یہی دو کیفیتیں پیش آتی تھیں ،سو جو جلال کی تجلی ہوتی ہے وہ تو ستا دینے والا خوف اور پریشانی پیدا کرتی ہے اور جو جمال کی تجلی ہوتی ہے وہ انسیت اور سرور پیدا کرتی ہے۔

ایک جگہ وارد ہے کہ سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب ایک میل کا سفر کرتے تو ان کے سینۂ مبارک میں سے ایسی آواز آتی تھی جیسے ہنڈیا کا جوش ہوتا ہے تو سینے کا اثر بہت سے انبیاء اور اولیاء پر ظاہر ہوتا ہے۔

مستند جواز الرقص من الإجماع:

وأما الإجماع، فقد ذكر الإمام الشعرانی رضی اللہ عنہ فی كتابه: "مدارج السالكين إلى رسوم طريق العارفين" مانصه: وأجمعوا على أنه: يجب على الفقير أن يذكر الله تعالىٰ بقوة تامة، بحيث لا يبقى فيه متسع، بأن يهتز من فوق رأسه إلى أصابع قدميه، وهى حالة يستدل بها على قرب الفتح۔ وأجمعوا - أيضاً - على أن ذكر السر والهوينا[1] لا يفيد - أى: فى قريب الفتح" اهمنه بلفظه۔

وكذا حكى هذا الإجماع[2] صاحب كتاب: "الإرشاد إلى تصفية النفس وتطهير الفؤاد"، ونصه: "وأجمعوا على أنه ينبغى للمريد أن يذكر الله بفكرة تامة" بحيث لا يبقى له شغل بغير الذكر، ويهتز من فوق رأسه إلى أصابع قدميه۔ وهى حالة يُستدل بها على أنه صاحب همة، فيرجى له الفتح عن قريب" اهبلفظه۔

وقال بعد ذلك۔ ايضاً - مانصه: "وقد أجمع القوم على أنه: يجب على المريد أن يجتهد فى الذكر بقوة تامة، وأن ذكر السر والهوينا لا يفيد" اهبلفظه۔

وفى "المنح السنية على الوصية المتبولية" للعارف الشعرانى أيضاً مانصه: "وقد أجمعوا على أنه: يجب على المريد الجهر بالذكر، وأن ذكر السر والهوينا لا يفيد رُقِيّاً" اهبلفظه۔

وقد قالوا: "إذا ذكر المريدُ ربه بشدة وعزم، طويت له مقامات الطريق بسرعة من غير بطء، فربما قطع فى ساعة ما لا يقطعه غيره

---

[1] (١) هو العلامة الشيخ زين الدين محمد عبد الرؤف بن تاج العارفين ابن على بن زين العابدين الحدادى ثم المناوى القاهرى، ولد سنة (٩٥٢ھ)، وتوفى سنة (١٠٣١ھ)، انظر ترجمته فى "خلاصة الاثر" (٢/٤١٢) و"فهرس الفهارس" (٢/٥٦٠) و"الأعلام" (٦/٢٠٤)

(٢) أى: صوت وغليان بالبكاء۔

(٣) المرجل: القدر، فإنه عند غليان الماء فيه بالنار يخرج منه صوت۔

(٤) هو العلامة المفتنن أبو الحسن على بن احمد بن الحسن بن احمد بن ابراهيم الحرالى التجيبى أبو الحسن الاندلسى المالكى، توفى سنة (٦٣٧ھ)۔ انظر ترجمته فى "سير أعلام النبلاء" (٢٣/٤٧) و"لسان الميزان" (٥/٤٩٧) و"شذرات الذهب" (٧/٣٣٠)

فی شهر أو أکثر۔"

وقالوا:"یجب علی المرید أن یذکر بقوة تامة، بحیث لا یبقی فیه متسع، ویهتز من فوق رأسه إلی أصابع قدمیه۔"[1]

والدلیل علی ذلک:قوله تعالیٰ:ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً(البقرة ۷۴)فکما أن الحجر لا ینکسر إلا بقوة تامة، کذلک الذکر لا یؤثر فی جمع شتات قلب صاحبه إلا بقوة۔

جھومنے کے جواز کا ثبوت اجماع سے:

جہاں تک اجماع کا تعلق ہے تو امام شعرانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "مدارج السالکین الی رسوم طریق العارفین" میں ذکر کیا ہے، جس کی عبارت یہ ہے:"مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فقیر (سالک) کو چاہیئے کہ وہ اللہ جل شانہ کا ذکر پوری قوت سے کرے یہاں تک کہ اس میں کوئی ہمت نہ رہے اور وہ سر سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک کانپ اٹھے۔ یہ حالت فتح ونصرت کے قریب ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ سکون اور اطمینان کا ذکر فائدہ مند نہیں یعنی فتح ونصرت کے قریب۔" مشائخ کے اس اجماع کو کتاب "الارشاد إلی تصفیة النفس وتطهیر الفؤاد" کے مصنف نے ذکر کیا ہے جسکی عبارت یہ ہے۔"مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرید کو چاہیئے کہ وہ اللہ جل شانہ کا ذکر فکر تام سے کرے یہاں تک کہ اس کا کوئی شغل نہ رہے ذکر کے علاوہ، اور وہ سر سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک کانپ اٹھے اور یہ حالت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ شخص ہمت وعزم والا شخص ہے اور اس کیلئے قریب فتح ونصرت کی امید ہے۔" اور انہوں نے یہ بھی کہا جسکی عبارت یہ ہے:"قوم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرید پر واجب ہے کہ وہ ذکر پر محنت کرے اپنی پوری قوت سے اور یقیناً سکون اور اطمینان کا ذکر فائدہ مند نہیں۔"

اور کتاب "المنح السنیة علی الوصیة المتبولیة" میں جو عارف الشعرانی رحمہ اللہ کی ہے جس کی عبارت یہ ہے:"مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرید کو چاہیئے کہ وہ ذکر جہر (آواز) کے ساتھ کیا کرے اور یقیناً سکون اور اطمینان کا ذکر ترقی کی راہ میں فائدہ مند نہیں۔"

ان مشائخ نے یہ بھی فرمایا اگر بندہ مرید اپنے رب کا ذکر کرے شدت اور عزم سے تو اس کیلئے اس کی منزل کے راستے تیزی سے طے ہوجاتے ہیں۔ سو شاید وہ اپنا سفر گھنٹے بھر میں طے کرے جو اس کے علاوہ مہینے یا اس سے زیادہ میں طے نہیں کرسکتا اور یہ بھی فرمایا کہ بندہ مرید کو چاہیئے کہ وہ اللہ جل شانہ کا ذکر قوت تام سے کرے یہاں تک اس میں ذرا بھی ہمت نہ رہے اور وہ سر سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک کانپ اٹھے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا:ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ۔(البقرة ۷۴) ترجمہ: ایسے ایسے واقعات کے بعد تمہارے دل پھر بھی سخت ہی رہے تو (یوں کہنا چاہیئے) ان کی مثال پتھر کی سی ہے یا سختی میں (پتھر سے بھی) زیادہ سخت۔" سو جیسے ایک پتھر بغیر قوت تام کے نہیں ٹوٹتا اس طرح ذکر بھی کرنے والے کے دل کی دھڑکنوں پر اثر نہیں ہوتا بغیر قوت تام کے۔

کلام نفیس للإمام أبی الفیض محمد الکتابی الشهید فی خواص حلقة الذکر:وللعارف الأکبر ولدنا أبی الفیض رضی اللہ عنہ[1] وعن ذریته آمین، رسالة فی "الحض علی حلقة الذکر وذکر خواصها"، ونص المقصود منها:

---

[1] أی:التؤدة والرفق والسکینة والوقار۔

(۲) الظاهر أن هذا الاجماع هو اجماع الصوفیة الاخیار، ولیس الاجماع المعروف عند الأصولیین أهل الظاهر لثبوت من انکر المجمع علیه فی اذمنة مختلفة کما سبق أن ذکره الامام المؤلف رحمه اللہ۔

"وإياک وعدم المبادرة لحلقة الذكر؛فإنهامصقلة للقلب،شاغلة عن المحسوسات،دالة للإقبال على الله ،راغمة للشيطان،قاطعة وساويس النفس الأمارة، وبقايااللوامة ،مغناطيسهاجاذب الأوج عالم القدس،وأنسهامبعدعن المعاصى،ولذتهاتنسى لذة عالم الجسمانية ،وأمرهايزيح ظلمة الإشكالات الوهمية،وحالهايذهب الكثافات الغيرية ،وسرهايطفئ الأنس بالخلق من حيث هم،وفعلهاوسيلة لعدم الخشية من الخلق۔وهو من مهمات الديانات،وبسببه كثرت القواطع عن الله ،وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ(الأحزاب ٣٧)وقدذمّ القرآن أقواما يخشون الناس:كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً (النساء٧٧)وهيئتها:وسيلة محبة الله:إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ (4الصف)وجهادالنفس هوالجهادالأكبر كمافى الحديث(٢)وصفتهامن صفة مجالس أهل الجنة:لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا (واقعة25)إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا (26الواقعة)ونغماتهاتذكر عالم الذريوم سمعت الارواح:أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (الاعراف ١٧٢)فهاجت بلابلهاللارتياح على صوت الأزل ،واهتزت أشواقهاللطيران فى قضاء ميدان عالم القدس ،وهومن وصف الرجال :رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ(الاحزاب ٢٣)فهذه خمس عشرة خصلة فى العمارة ،لوكانت منهاواحدة فيها؛لانبغى أن يطارإليهابأجنحة الشوق والاشتياق۔فكيف وفى الحديث القدسى:"أناجليس من ذكرنى"(٣) وجاهدوا أنفسكم أن لايخطرعلى قلوبكم غيرالحق جل مجده فى جميع الاحوال ، سيمافى حالة مجالسة الحق،فإنه لايجالس إلابالأدب ،ومجالسته تعالىٰ للذاكرين على حسب الذكروالذاكر:فمن يذكره بكليته ؛فإن الله يجالسه فى جميع عوالمه الظاهرةوالباطنة۔ومن يذكره بلسانه؛فإنمايجالس لسانه۔

واعلموا إخوانى؛أن الذكرهو:جلاءالقلب،فلاتزال الحجب ترتفع حتىٰ يصل لمقام المشاهدة؛وهى:المغناطيس الجذاب للتحليات والتجليات،وأهله هم الملحوظون بعيون العناية فى العالم،وهم محل نظره تعالىٰ من خلقه،وهم أمان لنافى الأرض ،وبهم يدفع الله البلاء عن أهل الأرض ،وإذانظرإليهم سكن غضبه۔وفى الحديث:"إنى لأهم بأهل الأرض عذاباً،فإذانظرت إلى عماربيوتى وإلى المستغفرين بالأسحاروإلى المتحابين لجلالى؛صرفت عذابى عنهم"اھ۔(٤)

وقال فى رسالة أخرى بعد كلام مانصه:"ولايتخلف أحدعن القيام لحلقة الذكر؛فإن حلقة الذكر مصب الامدادوالتجليات ،ومسقط الرحمات،ومحل نزول البركات ومنزل مطالعة الغيوب،ومفاتحة طوالع أهلة الجيوب ،وفتح اقفال القلوب،وجلاءالصدى عن مرآة الروح،وموردتواترالفتوح۔"

وقدجربت الحلقة من صغرى ؛فوجدتهاإنماتورث جمعية القلب على الله تعالىٰ،لاتنال الجمعية بغيرها،خصوصاًمع اتحاد القلوب وارتباط الأرواح،وعدم وجدان الأجانب فيهاظاهراًوباطنا۔

وجربتها كذلک؛فوجدتهاتورث ذبولافى النفس،فلاتتحرک لطلب المعصية أصلاً،ثم بتواترالحضرات الذكرية تتمكن قوة النورمن القلب فيصير :إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ

يَتَوَكَّلُونَ (2الانفال) أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (4الانفال)اھ[1]

خوبصورت کلام امام ابوالفیض محمد الکتّانی الشہید کا ذکر کے حلقہ کی خصوصیت میں:

العارف الاکبر ابوالفیض رضی اللہ عنہ وعن ذریتہ (اللہ ان سے راضی ہو اور ان کی نسل سے بھی) آمین۔کا ایک رسالہ ہے جو'ذکر کے حلقے پر ابھارنے اور ذکر کی خصوصیت پر لکھا گیا ہے''اسکی جو عبارت مقصود ہے وہ یہ ہے: ''اے مخاطب! خبردار کہیں ایسا نہ ہو کہ تو ذکر کے حلقہ کی طرف نہ دوڑ، کیونکہ ذکر کا حلقہ دل کو چمکانے والا ہے، مشغول کرنے والا ہے، اللہ کی طرف بڑھنے کی راہ دکھاتا ہے۔شیطان کی کمر توڑتا ہے، بری باتوں کا حکم کرنے والے نفس کے وساوس کو ہٹاتا ہے، ملامت کا باقی رکھنے والا ہے، اسکا مقناطیس عالم القدس جلا جلالہ کی طرف مائل کرتا ہے، اسکی انسیت معاصی وگناہ سے دور رکھنے والی ہے، اسکی لذت اس عالم جسمانیہ کی لذت کو بھلا دیتی ہے اور اسکا امر وھم واشکالات کی ظلمت کو دور کرتا ہے، اس کا حال غیروں کی کثرت کو دور کرتا ہے ،اس کا پوشیدہ طور پر کرنا مخلوق سے انسیت کو بجھاتا ہے جیسی وہ ہے [مخلوق] اور اسکا سرانجام دینا وسیلہ ہے مخلوق کے ڈر کو دور اور ختم کرنے کا مخلوق کی خشیت کو دور کرنا مذہب کی مہمات میں سے ہے کیونکہ اس کی وجہ سے اللہ جل شانہ سے لاتعلقی بڑھ گئی ہے [وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ] ''الاحزاب ۳۷: ''ترجمہ: ''اور ڈرنا تو آپ کا اللہ ہی سے زیادہ سزاوار ہے''۔قرآن پاک نے ایسی قوموں کی مذمت فرمائی ہے جو لوگوں سے ڈرتی ہیں: [كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً] ''النسا: ۷۷ ''ترجمہ: ''جیسے کوئی اللہ سے ڈرتا ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنا''اس کی ہیبت اللہ جل شانہ کی محبت کا ذریعہ ہے۔﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَرْصُوصٌ﴾ (الصف: ۴)

ترجمہ: ''اللہ تعالی تو ان لوگوں کو خاص طور پر پسند کرتا ہے جو اس کے راستے میں اس طرح مل کر لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہیں کہ جس میں سیسہ

---

[1] (۱) هو الامام العلامة المتبحر ترجمان الصوفية لسان المتكلمين الشهيد أبو الفيض محمد بن عبد الكبير الكتانی، ولد سنة (۱۲۹۰ھ)، ومات شهيداً سنة (۱۳۲۷ھ)۔انظر ترجمته فی :النبذة اليسيرة النافعة "(ص ۳۳۰-۲۲۳)، و"معجم الشيوخ"(ص ۴۴-۴۰)، و"الاعلام"(۲۱۴/۶) ولنجله العلامة أبی الهدی محمد الباقر الكتانی المتوفی سنة (۱۳۸۴ھ) رحمه الله كتاب بعنوان "ترجمة الشهيد"۔طبع بدار ابن حزم بتحقيق الدكتورة نور الهدیٰ الكتانی۔

(۲) أخرج البيهقی فی "الزهد الكبير" رقم ۳۷۴، والخطيب فی "تاريخ بغداد"(۲۸۵/۱۵) من طريق عيسیٰ بن ابراهيم، حدثنا يحيی بن يعلی، عن ليث، عن عطاء بن أبی رباح، عن جابر قال: قدم النبی ﷺ من غزاة له، فقال لهم رسول الله ﷺ :"قدمتم خير مقدم، وقدمتم من الجهاد الاصغر إلی الجهاد الاكبر" قالوا وما الجهاد الاكبر يا رسول الله ﷺ؟ قال: مجاهدة العبد هواه" قال الحافظ ابن حجر فی "الكافی الشاف فی تخريج احاديث الكشاف"(ص ۱۱۴) بعد أن عزاه للبيهقی فی "الزهد" وذكر عنه أنه قال: "فيه ضعف" "قلت: هو من رواية عيسی بن ابراهيم عن يحيیٰ بن يعلی عن ليث بن أبی سليم۔وثلاثة ضعفاء" واورده النسائی فی "الكنی" من قول ابراهيم بن ابی عبلة، أحد التابعين من اهل الشام۔وقد ذكر الحافظ المزی فی "تهذيب الكمال"(۱۴۴/۲) فی ترجمة (ابراهيم بن ابی عبلة) مانصه: وقال النسائی: أخبرنی صفوان بن عمرو، قال: حدثنا محمد بن زياد أبو مسعود من اهل بيت المقدس، قال: سمعت ابراهيم بن ابی عبلة وهو يقول لمن جاء من الغزو: قد جئتم من الجهاد الاصغر فما فعلتم فی الجهاد الاكبر؟ قالوا يا أبا اسماعيل :وما الجهاد الاكبر؟ قال جهاد القلب"

(۳) (ذكره السخاوی فی "المقاصد الحسنة" ص ۹۶-۹۵ وقال: رواه الديلمی بلاسند عن عائشة رضی الله عنها مرفوعاً)

(۴) (أخرجه البيهقی فی "شعب الايمان" رقم ۲۶۸۵ و ۸۶۳۳ وابن عدی فی "الكامل"(۱۳۷۹/۴) من طريق صالح المری، عن ثابت وأبان، عن انس بن مالک، به۔قال المناوی فی "فيض القدير"(۳۱۳/۲-۳۱۴) وفيه صالح المری أورده الذهبی فی "الضعفاء والمتروكين" وقال: قال النسائی وغيره متروک"۔

ملایا گیاہے ''اورنفس کاجہاد سب سے بڑاجہاد ہے جیساکہ حدیث شریف میں ارشادہے کہ آپ ﷺ سے پوچھا گیاکہ جہادالاکبر کیاہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بندے کاجہاد اپنے نفس سے''اوراس کی صفت جنت والوں کی مجلس کی صفت میں سے ہے۔

[لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۝ إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا] ''الواقعۃ ۲۵،۲۵''

ترجمہ: 'اورُوہاں نہ بک بک سنیں گےاورنہ کوئی بیہودہ بات بس'ہرطرف سے'سلام ہی سلام کی آواز آئیگی''اوراس کے نغمے اس عالم الذر کی یاد دلاتے ہیں جس روز روحوں نے یہ سنا: [أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ] الاعراف: ۱۷۲] ترجمہ: کیامیں تمہارارب نہیں ہوں؟''سواس کی بلبلیں ہستی ازل کی آواز پرخوشی اورمسرت سے جوش میں آگئیں،اوراپنے پرہلانے لگیں عالم القدس کے میدان کی فضامیں اڑنے کے لئے،یہ ایسےلوگوں کے وصف میں سے ہے[رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ] الاحزاب: ۲۳] ''کچھ لوگ ایسے ہی ہیں کہ انہوں نے جس بات کااللہ سے عہد کیاتھااس میں سچے اترے''

سویہ پندرہ صفتیں ہیں ذکر کےحلقہ کی عمارت کی،اگران صفتوں میں سے ایک بھی صفت ہوگی اس حلقہ میں توہم اس امرکاانکارنہیں کرتے کہ اس کی طرف شوق اوررغبت سے دوڑاجائے۔اورانکاربھی کیسے کیاجاسکتاہے جبکہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے''جومیراذکرکرتاہے میں اس کاساتھی ہوں ''۔سوتم لوگ اپنےنفس سے جہادکروکہ تمہارے دل میں حق کےعلاوہ کچھ نہ آئے۔اورحق کی عظمت ہرحال میں ظاہرہوخاص طورپرحق کی مجلس میں ،اوران مجلسوں میں شرکت نہیں کی جاتی مگرادب سے۔اللہ جل شانہ کاساتھ ذاکرین کے ساتھ ذکراوراس کے کرنے والے کی مناسبت سے ہوتاہے: سوکچھ تواپنے دل وجان سے ذکرکرتے ہیں تواللہ تعالی ان کے سارے احوال ظاہرہ اور باطنہ میں ان کاساتھی ہوتاہے اورجواس کاذکرصرف زبان سے کرتاہےتواللہ جل شانہ بھی صرف اس کے زبان کے ساتھ ہوتاہے۔

جان رکھومیرے بھائیو!یقیناذکردلوں کوپالش کرنے والاہے جس کے ذریعہ سے دل کے سارے پردے اٹھتے رہتے ہیں یہاں تک کہ بندہ مشاھدہ کے مقام پرآپہنچے۔یہ حلقے ایک ایسامقناطیس ہے جواللہ جل شانہ کی تجلیات وتحلیات کی طرف مائل کرتاہے،اوراس میں بیٹھنے والے ہی وہ لوگ ہیں جن کواللہ جل شانہ نے اپنے لطف وعنایت سے ایسی بصیرت عطافرمائی ہےکہ وہ ان تجلیات کامشاھدہ کرتے ہیں،یہی لوگ ساری مخلوق میں سے اللہ جل شانہ کی نظررحمت کے اھل ہیں،یہ لوگ زمین پرہمارے لئے امان کاذریعہ ہیں،ان ہی لوگوں کی بدولت اللہ جل شانہ اہل ارض پر سے مصیبت وبلاکودورفرماتاہےاورجب اللہ جل شانہ ان کی طرف نظرفرماتاہے تواس کاغصہ تھم جاتاہے۔حدیث شریف میں ارشادہے[میں زمین والوں پرعذاب بھیجنے کاارادہ کرتاہوں،پھرجب میں ان لوگوں کی طرف نظرفرماتاہوں جومیرے گھرکوآبادکرنے والے ہیں اورجوراتوں کے اخیرحصے میں اپنے گناہوں کی مغفرت مانگنے والے ہیں اورجومیرے جلال سے محبت کرنے والے ہیں تومیں ان لوگوں پر سے عذاب کوہٹادیتاہوں]

مصنف رحمہ اللہ نے اپنے دوسرے رسالے میں تھوڑے کلام کے بعدفرمایاجس کی عبارت یہ ہے[بندوں میں سےکوئی بھی ذکرکے حلقے قائم کرنے سے پیچھے نہ ہٹے۔کیونکہ ذکرکے حلقے اللہ جل شانہ کی امداداورتجلیات کے انڈیلنے والے ہیں،اللہ جل شانہ کی رحمت کے برسانے والے ہیں،برکت کے نازل ہونے کی جگہ ہیں،کچھ غیب کی چیزیں نازل کرنے والے ہیں،دل والوں کی خوش قسمتی کا آغازکرنے والے ہیں،دل کے تالےکھولنے والے ہیں،سینےکوروح کے آئینے سےروشن کرنے والے ہیں،اورمتواترکامیابی وفتوحات کاذریعہ ہیں۔]

میں نےاپنےبچپن سےاس حلقے کاتجربہ کیاتومیں نےان حلقوں کودلوں کواللہ جل شانہ سےملانےوالاپایا،کہ اللہ جل شانہ کی ایسی معیت کہیں اورنہیں پائی جاسکتی خاص طورپردلوں کے اتحاداورروحوں کےارتباط کےساتھ،اوراجنبی لوگوں کی عدم جان پہچان کےظاھری اعتبارسےبھی

اور باطنی اعتبار سے بھی ،اور میں نے ان حلقوں کا اور بھی تجربہ کیا تو ان کو نفس کے اندر افسردگی اور ندامت پیدا کرنے والا پایا جس سے نفس گناہ اور معصیت کی طلب میں حرکت بھی نہیں کرتا۔ پھر ذکر کی مجلسوں میں متواتر اور مسلسل حاضر ہونے سے نور کی قوت دل میں پیدا ہوتی ہے تو بندہ ایسا ہو جاتا ہے [إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ (الانفال ۲)

ترجمہ: (کیونکہ) بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ (جب ان کے سامنے) اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو اور زیادہ (مضبوط) کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (الانفال ۴)

ترجمہ: (بس) سچے ایمان والے یہ لوگ ہیں ان کیلئے بڑے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور (ان کیلئے) مغفرت ہے اور عزت کی روزی۔

معنی الإجماع علی جواز الرقص الذی حکاه العارف الشعرانی:

وأقول: إن ما حکاه العارف الشعرانی من الإجماع یحتمل أن یکون مراده به: أئمة المذاهب، وهذا قد یتنازع فیه۔

ویحتمل أن یکون: أراد إجماع مشائخ الطریق، وهذا قد یعکّر علیه عدم وجود الرقص فی طرق بعض الأکابر(۱)۔ ولکن عدم الوجدان لا یدل علی عدم الجواز عندهم۔

فعلی هذا، المتعین فی الإجماع الذی حکاه الشعرانی، حیث إنه من أکابر الثقات وعدول الأئمة الصادقین المحتج بنقلهم وعلمهم: أن یکون الذکر مع الاهتزاز مجمعا علیه بین مشایخ الطریق کلهم، وإنما الخلاف فی رفع الأرجل من الأرض۔ أو أن الإجماع عنده علی حقیقة، بما یشمل رفع الأرجل من الأرض، ولکن من وجدت عنده کراهیة من الفقهاء أو غیرهم أراد الرقص بحضرة النساء أو من یفتتن به، أو القاصد به الریاء والسمعة لا التعبد والذکر الحقیقی. ولا شک أن الرقص مع ذکر علی الحالة المذکورة، لا یقول أحد بجوازه، کما أن السلامة مما ذکر لا ینبغی أن یختلف فی القول بجوازه، وأعرض عن الاکتراث بمن أنکره لعدم اعتداده به:

ولیس کل خلاف جاء معتبرا إلا خلاف له حظ من النظر

علی أن هذا المنکر لا یخلو إما أن ینکر الذکر من قیام؛ وهو جحد للضروریات، لأن الله تبارک وتعالیٰ وصف أهل الألباب النورانیة وذوی العقول المصفّات من الظلمانیة بذلک، حیث قال: إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ (۱۹۰) الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا (آل عمران ۱۹۱) فلا أقلّ أن یؤخذ من الآیة: إباحة ذکر الله من قیام۔ وما أباحه الحق تعالیٰ لا یقدر أحد أن ینهیٰ عنه، سیما وقد جاء عنه ﷺ أنه: "کان یذکر الله علی کل احیانه"(۲)

وإما أن ینکر الاهتزاز والتمایل، وقد سبق ویأتی من دلائله ما فیه أعظم حجة وبرهان۔

ویشهد له -أیضاً- ما أخرجه أحمد وابن عدی والبیهقی عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه، قال: قال مولانا رسول الله ﷺ: أکثروا ذکر الله حتی یقول المنافقون(۳): مجنون۔[۲]

---

[۱] (أخرجه مسلم رقم ۳۷۳ وابو داؤد رقم ۱۹ والترمذی رقم ۳۳۸۴ وابن ماجه رقم ۲ وبخاری ۱/۴۰۷)

[۲] (بخاری ۱/۴۰۷)

قال العزيزى (۴):أى:حتى يقولوا،المكثر للذكر مجنون،فلاتلتفوا لقولهم الناشئى عن مرض قلوبهم۔قال المناوى،(۵)وصححه الحاكم،واقتصر ابن حجر على حسنه،اھ۔

ولاشک أن من وفق وذكر الله قائماًأوجلس وذكر الله جالساً،لاينسب إلى الجنون۔نعم من رفع رجليه من الأرض يسمى حينئذمجنونا،ففيه الحث على ذلک!

وفى "مفتاح الجنة المتوقف على الكتاب والسنة"للإمام الشطيبى مانصه:"وأجيز الذكر والرقص واستجلاب الأحوال والمواردفى المساجدوالزوايا،لان رسول الله ﷺ رأى الحبشية فى المسجدفى يوم عيديزفنون ،فماانكرعليهم وقدغيا(۶)رسول اللهﷺفى الاستيصاء على استجلاب الوارد بقوله:أذكروا الله حتى يقول المنافقون مجنون"وفى حديث آخرحتى تسمى مجنونا۔فأشارب"حتىٰ"للوصف المشبه بالمجنون ،كالتخبط او الصياح،او تبديل الاوصاف المعتادةعندواردات الذكر فكانه مدح من صدرمنه ذلک،وأمره به أوتشبه به،والمتشبه ذاكر"اھ۔واللہ اعلم۔[1]

اجماع کے معانی رقص کے جواز پر جوالعارف الشعرانی نے بیان فرمائے:

میں کہتا ہوں کہ جو العارف الشعرانی نے اجماع میں سے فرمایا تو ممکن ہے اس سے انکی مراد مذاہب کے امام ہوں لیکن اس میں اختلاف ہے۔ممکن ہے کہ انکی مراد اجماع سے" مشائخ الطریق "ہوں لیکن رقص کا وجود بہت سے اکابر کے طریقوں میں نہیں ہے تو یہ معانی اسکو مکدر کردیتے ہیں لیکن کسی چیز کا نہ ہونا اسکے جائز نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا انکے نزدیک۔سواس اعتبار سے،اجماع میں جو متعین ہے جسکو الشعرانی نے بیان کیا ہے کہ وہ بڑے ثقات اور عدول والے امام الصادقین ہیں جنکی نقل اور علم سے یہ بات محتج کی جاتی ہے: کہ جو ذکر وجد کے ساتھ ہوتا ہے اس پر سب مشائخ الطریق کا اتفاق ہے جبکہ اختلاف پاؤں زمین سے اٹھانے میں ہے یا پھر اجماع ان کے نزدیک اپنی حقیقت کے اعتبار سے ہے جسمیں پاؤں کو زمین سے اٹھانا بھی شامل ہے لیکن بہت سے فقہاء اوران کے علاوہ دوسرں کے نزدیک اس چیز کی کراہیت ہے مراداس سے وہ رقص ہے جو عورتوں کے سامنے ہو یا پھرایسوں کے سامنے جن سے فتنے کا اندیشہ ہو،یا پھر وہ شخص کرے جس کا مقصد ریااور دکھاوا ہو عبادت اور ذکر حقیقی نہ ہو۔اس میں کوئی شک نہیں کہ رقص ان لوگوں کے ساتھ اسی حالت مذکورہ پر کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ۔جیسا کہ سلامتی جسکا ذکر کیا گیا ضروری نہیں کہ اسکے جواز کے قول میں اختلاف ہو اور ایسے شخص کی پروانہ کرو جو اس رقص کی عادت نہ ہونے کی وجہ سے اسکا انکار کرتا ہے :

ولیس کل خلاف جاء معتبراً　　الاخلاله حظ من النظر

---

[1](۱)منها:الطريقة التجانية،والنقشبندية۔

(۲)أخرجه مسلم رقم(۳۷۳)وابوداؤدرقم(۱۹)والترمذى رقم(۳۳۸۴)

(۳)عن ام المؤمنين عائشة رضى الله عنها۔وقدعلقه البخارى بصيغة الجزم(۱/۴۰۷)فى باب:تقضى الحائض المناسک كلهاإلا الطواف بالبيت فقال:وكان النبىﷺيذكر الله فى كل احيانه۔لم أقف على لفظة"المنافقون"عندأحدممن أخرج هذاالحديث والله اعلم۔وقدتقدم تخريج الحديث۔

(۴)هوالعالم العلامة الشيخ على بن أحمدبن نورالدين محمدبن ابراهيم الشهيربالعزيزى،توفى سنة (۱۰۷۰ھ)۔انظرترجمته فى "خلاصة الأثر"(۳/۲۰۱)،و"الأعلام "(۴/۲۵۸)،والعزيزى:نسبة للعزيزية من الشرقية بمصر۔

(۵)فى"فيض القدير"(۲/۸۴)

(۶)قال فى"لسان العرب"(۵/۳۳۳۱)غيا،الغاية مدالشئ والغاية اقص الشئ۔الليث:الغاية مدى كل شى وألفه ياء،وهو من تاليف غين ويائين وتصغيرها غيية۔تقول:غييت غاية۔وفى الحديث أنه سابق بين الخيل،فجعل غاية المضمرة كذا،هو من:غاية كل شيى مداه ومنتهاه،وغاية كل شئ منتهاه وجمعها غايات۔اھ

ترجمہ: ضروری نہیں ہے کہ ہر خلاف جو بھی آیا وہ معتبر ہو سوائے اس خلاف کہ جسکے نصیب میں تحقیق اور نظر ہو۔

تو اس حساب سے یہ منکر یا تو کھڑے ہو کر ذکر کرنے کا انکار کرتا ہے اور یہ انکار کچھ ضروریات کی وجہ سے ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے روشن قلوب والوں کا اور ظلمت ومعاصی سے پاک عقول والوں کا وصف بیان کیا ہے، جیسا کہ فرمایا :إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا ۝ (آل عمران: ۱۹۱-۱۹۰)

ترجمہ: بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہل عقل کیلئے جنکی یہ حالت ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی۔"

یہ بات کم نہیں کہ ہم اس آیت میں سے کھڑے ہو کر ذکر کرنے کی اباحت کو اخذ کریں اور جس چیز کو اللہ جل شانہ نے مباح کر دیا تو کسی کی قدرت اور طاقت نہیں کہ وہ اس کا انکار کرے، خاص طور پر جبکہ آپ ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ﷺ ہر وقت اللہ جل شانہ کا ذکر کرتے تھے یا پھر وہ منکر ذکر میں ہلنے اور وجد آنے کا انکار کرتا ہے جس کا بیان پہلے گزر چکا ہے اور کچھ دلائل آگے آئیں گے جو حجت اور برھان کے لئے کافی ہیں۔

اور اس کی گواہی تو وہ حدیث بھی دیتی ہے جو امام احمد اور ابن عدی اور بیہقی نے نقل کی ہے کہ ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ہمارے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا[اللہ جل شانہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو یہاں تک کہ منافق تمہیں مجنوں کہنے لگیں]

العزیزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ [یعنی: یہاں تک کہ وہ لوگ یہ کہنے لگیں ذکر کی کثرت کرنے والا مجنوں ہے سو تم لوگ ان کی اس بات پر التفات نہ کرو کیونکہ ان کا یہ قول ان کے مرض قلب کی وجہ سے ہے]

المناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔"اس قول کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور ابن حجر نے اسکے حسن ہونے پر اکتفا کیا ہے"

اس میں کوئی شک نہیں کہ جس کو ذکر کی توفیق ہوگئی اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذکر کھڑے بھی کرتا ہے اور بیٹھتا ہے تو بیٹھے بھی ذکر کرتا ہے تو وہ مجنوں کی طرف منسوب نہ کیا جائے گا ہاں مگر جو اپنی ٹانگوں کو بھی زمین سے اٹھا دے اس وقت اس پر مجنوں کا اطلاق ہوگا، سو اس میں اسکی ترغیب ہے۔

کتاب (مفتاح الجنة المتوقف على الكتاب و السنة) جو امام شطیبی رحمہ اللہ کی ہے جس کی عبارت یہ ہے"ذکر کو اور رقص کو اور حال آنے کی کیفیت کو اور اسکے ذرائع کو جائز قرار دیا گیا ہے مساجد میں بھی اور خانقاہوں میں بھی، کیونکہ آپ ﷺ نے عید کے دن حبشہ کو مسجد میں رقص کرتے ہوئے دیکھا تو ان کو منع نہیں فرمایا، اور رسول اللہ ﷺ نے ذکر کو اور حال کے ذرائع اختیار کرنے کی وصیت میں مقررہ حد بیان فرما دی اپنے اس قول سے""اللہ کا ذکر کرو یہاں تک کہ منافق تمہیں مجنوں کہنے لگیں۔"ایک دوسری روایت میں ہے"یہاں تک کہ تم مجنوں کہہ دیے جاؤ"اور (حتی) کا لفظ مجنوں سے تشبیہہ دینے کیلئے استعمال کیا، جیسے بے بصیرت افعال کا صادر ہونا، چیخنا چلانا یا پھر جو اوصاف عادتاً ہوتے ہیں ذکر کرتے وقت انکا بدل جانا۔ سو جیسا کہ انھوں نے اس شخص کی تعریف بیان کی ہے جس سے یہ افعال ذکر کرتے وقت صادر ہوں اور اسکا حکم دیا ہے یا پھر اس سے تشبیہہ دی ہے اور جس کو تشبیہہ دی گئی ہے وہ ذکر کرنے والا ہے۔" واللہ اعلم۔

مستند جواز الرقص من القياس:

واما القياس ،فقال الشيخ ابو المواهب الشاذلي في كتابه ،فرح الاسماء برخص السماع في الفصل الذي عقده للرقص: احتج من ذهب بإباحة الرقص بالسنة و القياس

و بعد ذكر حديث الحبشة قال ما نصه: و اما القياس، فهو مساواة فرع لأصل في علة حكمه ،فقياس على الأصل: فعل الحبشة و فعل على حين حجل هو و من شاركه في فعله من الصحابة رضي الله عنهم، فافهم، اه، سياقه۔(۱)

(فرح الاسماء برخص السماع ص ۷۱-۶۹)(۱)فرح الاسماع برخص السماع (ص ۷۱-۶۹)

رقص کے جواز کا ثبوت قیاس سے:

جہاں تک قیاس کا تعلق ہے تو شیک ابوالمواہب الشاذلی نے اپنی کتاب (فرح الأسماع برخص السماع) کی فصل جو انہوں نے رقص پر لکھی ہے یہ فرمایا ہے کہ جس کے نزدیک رقص مباح ہے وہ سنت اور قیاس سے اس کی دلیل دیتا ہے۔

نصوص الآئمة على جواز الذكر جماعة مع الاهتزاز والرقص:

وامانصوص آئمة الاسلامی وعلماء الدين الاعلام على جواز الذكر جماعة من قيام مع الاهتزاز والرقص فلايخفى أنه يوجدمن انكرعلى القوم هذه المواجيدوالاجتماعات۔كأبى الحسن الصغير(۱)وغيره من الفقهاء ولكن لم يرتض الناس زعموه فى ذلك۔

قال الامام الحافظ الحجة المتقن ابواالعباس سيدى احمدابن القطب الواضح سيدى يوسف الفاسى رضى الله عنهم فى نصرته للطريقة الصوفية المشتملة على استحباب الجهرى بالذكر والمناوبة به، والجمع له والرقص....وغيره ذلك، التى الفهابإذن والده وجعلهافى ثمان ورقات ،وهى من انفس التاليف ،وساق فيهاجواب الشيخ السنوسى ﷺ(۲)صاحب "العقيدة"۔

قال مانصه:"فإذاثبت هذالديكم،فلاتجعلواماأودع الشيخ أبو الحسن الصغير-رحمه الله-فى تلك الكراسة التى ألفهافى الردعلى الفقراء،من فرائض معارفكم ،ولامن وظائف عقائدكم ،فإنه -على جلالته -بنى كلامه فيهاعلى أصل مرجوح۔وجمهورالأئمة وفحول الأئمة من عمربن الخطاب إلى اليوم على خلافه،وهوأنه :سلك طريقة بعض من تقدمه،وهوقصرالنظرفى النوازل على الرجوع لجزئيات الشريعة ،فإن وجدجزئية توافق نازلته فبهاونعمت،وإلاحكم بردهامن غيرتعريج على ماتقتضيه أصول الشريعة وقواعدها"

والحق الذى عليه الجم الغفير؛هو:النظرلقواعدالشريعة ومقاصدهامع ملاحظة الجزئيات،ولكن هذالايحسنه إلامن كان له فقه قلبى قدامتزجت الشريعة بلحمه ودمه،وصارت له طبيعة۔على أناإن جاريناه وأخذنامعه على أصله؛وجدناه نزل أحاديث مجملة كثيرة ،منهاغيرصحيح ،فى غيرمحلها،وسردهافى غيرمستحقها،ونقم عليهم أشياء السنة معهم فيها؛كالرقص الذى أشرتم إليه فى سؤالكم۔

فقدقال شيخ الاسلام الجلال السيوطى۔يعنى فى"الحاوى"(۳)۔:مسألة فى جماعة صوفية اجتمعوافى مجلس ذكر،ثم إن شخصاًمن الجماعة قام من المجلس ذاكراً،واستمرعلى ذلك لواردحصل له ،فهل له فعل ذلك،سواء كان باختياره أم لا؟وهل لأحدمنعه وزجره؟

الجواب:لاإنكارعليه فى ذلك،وقدسئل عن هذاالسؤال بعينه شيخ الاسلام سراج الدين البلقينى،(۴)فأجاب (بأنه:لاإنكارعليه فى ذلك،وليس لمانع التعدى بمنعه ،ويلزم المتعدى بذلك التعذير۔وسئل عنه العلامة برهان الدين الأبناسى(۵) فأجاب)(۶)بمثل ذلك،وزادأن صاحب الحال مغلوب،والمنكرمحروم،ماذاق لذة التواجدولاصفاله المشروب....إلى أن قال فى آخرجوابه:وبالجملة؛فالسلامة فى تسليم حال القوم۔وأجاب بمثل ذلك بعض أئمة الحنفية

والمالكية، كلهم كتبوا على هذا السؤال بالموافقة من غير مخالفة۔

أقول(٧): وكيف ينكر الذكر من قيام، والقائم الذاكر، وقد قال تعالىٰ :يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا(آل عمران ١٩١)وقالت عائشة رضى الله عنها"كان رسول الله ﷺ يذكر الله على كل احيانه"(٨)۔وإن انضم إلى هذا القيام رقص ونحوه؛فلا إنكار عليهم، فذلك من لذة الشهود والمواجيد۔

وقد ورد فى الحديث الذى أخرجه أحمد بن حنبل(٩):رقص جعفر بن أبى طالب بين يدى النبى ﷺ لما قال له:أشبهت خلقى وخلقى۔فذلك من لذة هذا الخطاب، ولم ينكر ذلك عليه النبى ﷺ لما قال له:أشبهت خلقى وخلقى۔فذلك من لذة هذا الخطاب، ولم ينكر ذلك عليه النبى ﷺ۔فكان هذا أصلاً فى رقص الصوفية لما يدركونه من لذة المواجيد۔وقد صح القيام والرقص فى مجالس الذكر والسماع عن جماعة من أكابر الأئمة؛منهم:شيخ الإسلام عز الدين بن عبد السلام"اه۔

وقال عياض فى الحبشة(١٠):"الزفن الرقص:خاف عمر أن يكون مما لا ينبغى، فحصب الحبشة من أجله، فزجره النبى ﷺ وقال:دونكم بنى أرفدة۔قال:ففيه أقوى دليل على إباحته، إذ زاد النبى ﷺ على إقرارهم!"اه۔

ثم قال المؤلف المذكور (١١)مانصه:"وهذا آخر ما أردنا إيراده فى هذه الكراسة، وبالله التوفيق، وهو المسؤول أن يهدينا لأقوم طريق۔وكتب عن إذن شيخنا الإمام العلامة، نخبة الأصفيا، اسوة الاولياء، علم المهتدين، شمس العارفين، زمزم أسرار الواصلين، يوسف بن محمد بن يوسف الفاسى رضى الله عنه وعنا"اه۔

يقول كاتبه(١٢):وقد سألت عن هذه النازلة شيخنا الإمام العلامة، المحقق المتبحر فى المعقول والمنقول، الصدر النظار، عالم المغرب فى هذا الوقت بلا مدافع، العالم الناصح أبا عبدالله سيدى محمد بن قاسم القيسى، المعروف ب:"القصار"رضى الله عنه، فأجاب بالموافقة والحمدلله۔"اه۔

قلت:وقد عرّف العلامة أبو عبدالله محمد بن أحمد بن محمد بن عبدالقادر الفاسى(١٣) فى"المورد الهنى بأخبار الإمام عبدالسلام الشريف القادرى الحسنى"(١٤)،بصاحب "النصرة"المتقدمة،قائلا:"كان إمام المحدثين فى وقته، حافظاً ضابطاً ثقةً حجةً، وكان يصحح نسخ البخارى ومسلم من حفظه رضى الله عنه۔اه منه بلفظه۔

قلت:وراجع ترجمته فى "مرآة المحاسن"،و"ابتهاج القلوب"و"نشر المثانى"و"صفوة من انتشر"....وغير ذلك من كتب عظماء الرجال۔

وفى آخر"المعيار"فى السفر الحادى عشر فى أوله(١٥) مانصه:"وسئل الشيخ الرحال؛أبو عبدالله محمد بن ابراهيم المعروف بأبى البركات ابن الحاج البلّفيقى(١٦) عن زاوية للغرباء يجتمعون، لهم فيها مايقوتهم، ويؤنسونهم بالمجالسة، ويجتمعون على الذكر والأكل وإنشاد الشعر، ثم يبكون ويشطحون فى فصول كثيرة۔فأجاب:

الحمدلله، والله المستعان على مافيه رضاه؛إذا كان على ماذكر أعلاه، فقد جرى العمل بالعدوتين(١٧)على المسامحة فيه۔

وإن فرض أن يتخلل ذلك مايتردد المجتهد فى إجارته، ورده بمايقترن به من الخشوع والصدقات وإرفاد ابن سبيل؛مكفر له إن شاء الله تعالىٰ، قاله وكتبه أبو البركات محمد بن ابراهيم ابن الحاج وفقه الله۔

وتقيد عقبه بخط الأستاذ شيخ الجماعة أبى سعيد فرج ابن لب مانصه:وقفت على السؤال والجواب، ووافقت على صحة

الجواب المقيد، وقلت بمثله۔ والله الموفق بفضله۔ قاله فرج ابن لب حامداً الله ومصلياً على رسوله سيدنا محمد ﷺ۔

فلما وصل هذا الجواب أهل؛ قلانس(١٨) أنكروه، وقالوا: فتحتم علينا باباً لا نقدر على سده أبداً، ونحن نحاكمكم إلى الحكم العدل بما أوهمتم على العامة بذلك... والسلام۔

فأجابهم الأستاذ المذكور بما نصه: وقفت على مكتوبكم، فألفيت كلاماً غير معتدل، فتعجبت من تحاملكم في غير محل" اهـ منه بلفظه۔

قلت: ونقله أبو زيد سيدى عبد الرحمٰن ابن شيخ شيوخ سيدى عبد القادر الفاسى مسلماً له، معتقداً تسليمه، معرضاً عما يعارضه من كلام المعترضين۔

وليس كل خلاف جاء معتبرا الا خلاف له حظ من النظر

وفى "الاحياء"(١٩) فى كتاب التواجد ما نصه: "ولو كان الرقص حراما؛ لما نظرت عائشة رضى الله عنها فى بعض الروايات۔ كما تقدم فى الباب الذى قبله ۔ وقد روى عن جماعة من الصحابة رضى الله عنهم انه حجلوا۔ أى: رقصوا۔ لما ورد عليهم سرور أو جب ذلك" اهـ۔ منه بلفظه۔

وقال العالم الأكبر، والعارف الأشهر؛ أبو عثمان سعيد ابن الشيخ أبى جعفر أحمد بن ابراهيم بن ليون التجيبى رضی اللہ عنہ فى نصرته للقوم، المسماة ب: "الإنالة العلمية، فى طريقة الفقراء المتجردين الصوفية":

"وأما الرقص فى المسجد؛ ففى "صحيح مسلم"، عن عائشة رضى الله عنها قالت: جاء قوم من الحبشة يزفنون يوم عيد فى المسجد، فدعانى رسول الله ﷺ، فوضعت كفى على منكبه، وجعلت أنظر إلى لعبهم۔ قال ابن عينية الزفن: الرقص۔

قال: فثبت أن الرقص فى أصله مباح، ولو كان حراماً ما فعل بين يديه ﷺ" اهـ۔

وفى "شرح النصيحة" للعلامة ابن زكرى رضی اللہ عنہ(٢٠) ما نصه: وفى "شرح الحصن" عن شيخ الاسلام السيوطى: أقول: وكيف ينكر الذكر من قيام؟ والقائم ذاكر، وقد قال تعالىٰ: الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا (آل عمران ١٩١) الآية، وقالت عائشة رضى الله عنها۔ "كان رسول الله ﷺ يذكر الله على كل أحيانه"۔

وإن انضم إلى هذا القيام رقص أو نحوه؛ لا إنكار عليهم لأن ذلك من لذة الشهود والمواجيد۔ وقد ورد فى الحديث رقص جعفر بن أبى طالب بين يديه ﷺ لما قال له: أشبهت خلقى وخلقى۔ وذلك من لذة هذا الخطاب، ولم ينكر ذلك عليه النبى ﷺ، فكان هذا أصلاً فى رقص الصوفية لما يذكرونه من لذة المواجيد۔ وقد صح القيام والرقص فى مجلس الذكر والسماع عن جماعة من أكابر الأئمة، منهم: شيخ الاسلام عز الدين ابن عبد السلام" اهـ۔

وهذا النقل وإن تقدم؛ أردنا أن نؤيده بنقل العلامة سيدى محمد بن عبد القادر لكونه مالكى المذهب، مطلع محقق۔

وفى حواشى شيخ بعض شيوخنا علامة المشرق أبى عبد الله الأمير الكبير المالكى(٢١) على الزرقانى على "المختصر"، نقلاً عن أبى المواهب الشاذلى المالكى أنه: "سمع من غير واحد، عن الشيخ قاضى القضاة شمس الدين البساطى أنه: كان يرقص فى السماع۔ قال: وأخبرنى من شاهده وهو معتنق مع ولى الله الكبير الشهير سيدى على وفا" اهـ۔(٢٢)[1]

---

[1] (فرح الأسماع، لأبى المواهب الشاذلى ص ٧٩)

والامام البساطی(۲۳)هذامن أعیان المالکیة،وترجمته مبسوطة فی کتب رجال المذهب۔[۱]

أئمہ کی عبارتیں جماعت کے ساتھ ذکر کے جواز پر جھومنے اور رقص کے ساتھ:

جہاں تک أئمۃ الاسلام اور بڑے بڑے علماء الدین کی عبارتوں کا تعلق ہے جو انہوں نے جماعت کے ساتھ کھڑے ہو کر ذکر کرنے جو جھومنے اور رقص کے ساتھ ہو اسکے جواز میں تحریر فرمائی ہیں تو یہ امر تو کسی سے بھی پوشیدہ نہیں کہ ایسے بہت سے لوگ بھی ہیں جو اس قسم کے اجتماعات اور محافل کا انکار کرتے ہیں جیسے ابوالحسن الصغیر اور ان کے علاوہ دوسرے فقہاء لیکن جس خیال کی وجہ سے یہ لوگ انکار کرتے ہیں لوگ اس راضی نہیں۔

امام الحافظ (جو درست وکامل حجت والے ہیں) ابوالعباس سیدی احمد ابن القطب الواضح سیدی احمد ابن القطب الواضح سیدی یوسف الفاسی رحمھما اللہ نے اپنی کتاب جو صفیہ کے طریقوں پر لکھی ہے اور وہ کتاب آواز کے ساتھ ذکر کرنے اور باری باری ذکر کرنے اور ذکر کی جماعت اور رقص پر مشتمل ہے اس کتاب کو انہوں نے اپنے والد صاحب کی اجازت سے تحریر فرمایا اور اسکو آٹھ (۸) صفحوں میں لکھا اور یہ کتاب بہت نفیس اور عمدہ تالیفات میں سے ہے۔اس میں انہوں نے صاحب ''العقیدہ'' الشیخ السنوسی رحمہ اللہ کا جواب بھی تحریر فرمایا ہے۔

انہوں نے فرمایا جس کی عبارت یہ ہے ''اگر یہ بات تم لوگوں کے نزدیک ثابت ہوگئی،تو تم اس عبارت کو جو الشیخ ابوالحسن الصغیر رحمہ اللہ نے اس کتابچہ میں جسکو انہوں نے فقیروں کے رد پر تحریر فرمایا ہے لکھی ہے،تو تم اسکو اپنے علوم ومعارف کے فرائض میں سے نہ بناؤ اور نہ اپنے عقائد کے وظیفوں میں سے،کیونکہ انہوں نے اپنے جلال کے سبب یہ کلام اصل مرجوح سے ہٹ کر کہا ہے اور علماء کی جمہوریت اور بہت سے بلند پایہ علماء عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے لے کر آج تک ان کے مخالف ہیں کیونکہ انہوں نے ان بعض لوگوں کا طریقہ اختیار کیا ہے جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں اور وہ بہت تنگ نظر تھے ان امور ونوازل میں رجوع کرنے میں جو شریعت کے جزئی امور میں سے ہو اگر ان کو کوئی سطحی چیز اپنی نظریت کے موافق ملتی تو اچھی بات ورنہ اسکے رد کا حکم کر دیتے بغیر ان امور پر رکے جن کا اصول شریعت اور اس کے قواعد اقتضاء کرتے ہیں۔''

جو حق ہے جس پر ایک بڑی تعداد کا اجماع ہے وہ یہ ہے کہ غور وفکر کرنا شریعت کے قواعد اور اس کے مقاصد میں ہے اور اس کی جزئیات پر بھی نظر دوڑانا لیکن اس کو کوئی پختگی سے سرانجام نہیں دے سکتا سوائے اس شخص کے جس کا قلب بھی فقہی ہو اور شریعت اس کے خون اور گوشت میں

---

[۱](۱)هوالعلامة القاضی أبوالحسن علی بن محمدبن عبدالحق الزرویلی المعروف بالصغیر،المتوفی سنة (۷۱۹ھ)۔انظرترجمته فی:''الدیباج المذهب ''(۹۳/۲)،و''الأعلام ''(۳۳۴/۴)(۲)هوالعلامة الشیخ محمدبن یوسف بن عمربن شعیب السنوسی،()ولدسنة (۸۳۲ھ)،وتوفی سنة (۸۹۵ھ)۔انظرترجمته فی ''الأعلام ''(۱۵۴/۷)(۳)(۲۳۴/۲-۲۳۵)(۴)هوالشیخ الاسلام سراج الدین أبوحفص عمربن رسلان بن نصیر البلقینی المصری،ولدسنة(۷۲۴ھ)،وتوفی سنة(۸۶۸ھ)انظرترجمته فی :''المجمع المؤسس''(۲۹۴/۲)(۵)هوالعلامة الفقیه أبواسحاق برهان الدین إبراهیم بن موسیٰ بن ایوب الأبناسی ثم القاهری المقسی الشافعی،ولدسنة(۷۲۵ھ)،وتوفی سنة (۸۰۲ھ)۔انظرترجمته فی:''الضوء اللامع''(۱۷۵/۱-۱۷۲)و''حسن المحاضرة''(۴۳۸/۱-۴۳۷)(۶)مابین الحضرتین من ''الحاوی للفتاوی''(۷)القائل هوالسیوطی۔(۸)تقدم تخریجه۔(۹)تقدم تخریجه۔(۱۰)الاکمال ۳۱۰/۳(۱۱)هوابوالعباس سیدی احمدبن یوسف الفاسی۔(۱۲)أی:الحافظ الفاسی رحمه ا للہ۔(۱۳)هوالعلامة المؤرخ محمدبن أحمدبن محمدبن عبدالقادرالفهری،ولدسنة (۱۱۱۸ھ)،وتوفی سنة (۱۱۷۹ھ)انظرترجمته فی''الاعلام''(۱۴/۶-۱۳)(۱۴)هونسابة المغرب العلامة الشیخ ابومحمدعبدالسلام بن الطیب بن محمدالقادری الحسنی المغربی الفاسی ،ولد ۱۰۵۸ھ وتوفی ۱۱۱۰ھ انظرترجمته فی ''فهرس الفهارس''(۱۸۸/۱)،و''الاعلام''(۶/۴-۵)(۱۵)(۳۸/۱۱)(۱۶)ولیلی۶۸۰ھ وتوفی ۷۷۱ھ انظرترجمته فی ''الدررالکامنة''(۱۵۵/۴)،و''المرقبة العلیا''(ص۱۶۳)و''الاعلام''(۳۹/۷)(۱۷)الغالب أنه یقصدبهماالمغرب والاندلس۔واللہ اعلم۔(۱۸)فی''المعیار''قنالش بالشین المثلثة۔(۱۹)(۲۷۷/۲)(۲۰)هوالعلامة الفقیة ابوعبداللہ محمدبن عبدالرحمن بن زکری ،توفی۱۱۴۴ھ انظرترجمته فی ''الاعلام''(۱۹۷/۶)(۲۱)هوالعلامة الشیخ محمدبن محمدبن احمدبن عبدالقادربن عبدالعزیزالسنباوی المالکی المغربی الاصل المصری الدارالازهری المعروف بالأمیر،ولد۱۱۵۴ھ وتوفی۱۲۳۲ھ ۔انظرترجمته فی ''عجائب الآثار''(۴۴۱/۴)و''فهرس الفهارس''(۱۳۳/۱)و''الاعلام''(۷/۱۷)(۲۲)''فرح الأسماع ''لابی المواهب الشاذلی(ص۷۹)(۲۳)هوقاضی القضاة شمس الدین أبوعبداللہ محمدبن احمدبن عثمان القاهری،المالکی،ویعرف بالبساطی،ولیلی۷۶۰ھ وتوفی۸۴۲ھ،انظرترجمته فی''المجمع المؤسس''(۲۶۵/۳)و''دررالعقودالفریدة''(۱۱۹/۳)و''الاعلام''(۳۳۲/۵)

رچ بس گئی ہواور شریعت اس کی طبیعت بن گئی ہو کیونکہ اس کے علاوہ اگر ہم کسی دوسرے کو منتخب کریں تو ہم اس کو ایسا پائیں گے کہ وہ احادیث کو اجمالی اور بہت مختصر طور پر بیان کرے گا ان میں سے کچھ احادیث غیر صحیح بھی ہوں گی کچھ احادیث کو ایسی جگہ بیان کرے گا جو ان کا محل نہ ہوگا غیر ضروری تفاصیل بیان کرے گا اور کچھ چیزوں کی عیب جوئی کرے گا جیسا کہ وہ رقص جس کی طرف آپ نے اپنے سوال میں اشارہ کیا ہے۔

شیخ الاسلام الجلال السیوطی نے فرمایا یعنی (الحاوی) میں کہ: ایک مسئلہ ہے کہ صوفی جماعت میں کہ اگر وہ لوگ ذکر کی مجلس کیلئے جمع ہوئے پھر اس جماعت میں سے ایک شخص مجلس میں ذکر کرتے ہوئے کھڑا ہوگیا اور اپنے اس فعل کو جاری رکھا جو اس کو کسی ورد کی وجہ سے حاصل ہوا تو کیا اس کا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟ چاہے وہ فعل اسکے اختیار سے ہو یا پھر بے اختیاری کی کیفیت میں؟ اور کیا کسی پر اس کو روکنا اور اس پر عتاب کرنا لازم ہے؟

الجواب: اس فعل پر اس پر کوئی انکار نہیں بالکل اسی جیسا سوال شیخ الاسلام سراج الدین البلقینی سے بھی پوچھا گیا تھا تو انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا: اس فعل پر اس پر کوئی انکار نہیں منع کرنے والے کو جان بوجھ کر منع نہیں کرنا چاہیئے اگر کسی نے ایسا کیا تو وہ انکار کرنے والا ملامت کا مستحق ہے۔ اسی بارے میں میں علامہ برھان الدین الأبناسی سے پوچھا گیا تو انہوں نے ویسا ہی جواب فرمایا اور مزید یہ بھی فرمایا کہ جسکو حال آتا ہے وہ مغلوب ہوتا ہے اور اسکا انکار کرنے والا محروم ہوتا ہے اس نے وجد کی لذت کو چکھا ہی نہیں اور اس کیلئے وجد کا مشروب نکھرا بھی نہیں ..... یہاں تک کہ انہوں نے اپنے جواب کے آخر میں فرمایا کہ خلاصہ یہ ہے کہ کوئی بھی قوم جو حال کو تسلیم کرے اس کیلئے سلامتی ضروری ہے اس قسم کا جواب بعض حنفی اور مالکی ائمہ نے بھی دیا ہے اور ان سب نے اس سوال کے جواب میں مخالفت کے بجائے موافقت ظاہر کی ہے۔

سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کوئی کھڑے ہو کر ذکر کرنے کا کیسے انکار کرسکتا ہے کھڑا ہوا شخص بھی ذکر کرنے والا ہوتا ہے اور اللہ جل شانہ نے خود فرمایا: الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا. (آل عمران ۱۹۱) ترجمہ: وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے بھی۔" اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ جل شانہ کا ذکر کرتے تھے" پھر اگر اس قیام کے ساتھ رقص یا کچھ اور بھی شامل ہو جائے تو اس پر کوئی انکار نہیں کیونکہ وہ کیفیت وجد اور حال کی لذت کی وجہ سے ہے۔

اس حدیث میں بھی وارد ہوا ہے جس کو احمد بن حنبل نے نقل کیا ہے (جسکا مفہوم یہ ہے) جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں رقص کیا جبکہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تم مجھ سے میری خلقت اور اخلاق میں مشابہت رکھتے ہو تو ان کا یہ رقص کا کرنا اس کلام کی لذت کی وجہ سے تھا اور ان کے اس فعل پر آپ ﷺ نے بھی انکار نہیں کیا اور وہ رقص اصل میں صوفیۃ کے رقص میں سے ہے جب انکو وجد کی لذت محسوس ہوتی ہے بڑے بڑے ائمہ کی جماعت سے جن میں شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام بھی ہیں ان سے ذکر کی مجالس میں سننا اور کھڑے ہونا اور رقص کا درست ہونا ثابت ہے۔

عیاض رحمہ اللہ حبشہ کی حدیث میں فرماتے ہیں "زفن رقص کرنے کو کہتے ہیں: عمر رضی اللہ عنہ کو اندیشہ ہوا کہ یہ رقص کرنا صحیح نہیں جس کی وجہ سے حبشہ نے کنکر پھینکنا شروع کر دیے۔ سو آپ ﷺ نے ان کو صاف اور فرمایا (جس کا مفہوم یہ ہے) اے ارفدہ ایسا نہ کرو۔ تو عیاض رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس میں بڑی قوی دلیل ہے رقص کے مباح ہونے کی جبکہ آپ ﷺ نے ان کے اقرار کرنے کے بعد ان کو اس چیز پر ابھارا۔

اس کے بعد ابو العباس سیدی احمد بن یوسف الفاسی نے فرمایا جس کی عبارت یہ ہے "یہ آخری چیز ہے جس کے تحریر کرنے کا ہم نے اس کتابچہ میں ارادہ فرمایا اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی توفیق ہے او وہ ہی ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت دینے والا ہے یہ کتابچہ ہمارے شیخ الامام العلامہ اصفیاء کے منتخب کردہ اولیاء کیلئے اسوۃ، ہدایت یافتہ لوگوں کیلئے علم کے چراغ۔ جاننے والوں کے لئے آفتاب اپنی جہد کو برقرار رکھنے والوں کی چاہ، یوسف

بن محمد بن یوسف الفاسی ہے اللہ ان سے راضی ہواور ہم سے بھی''الحافظ الفاسی کے کاتب فرماتے ہیں میں اس پریشانی (رقص کے مسائل) کے بارے میں اپنے شیخ الامام العلامہ ہرمعقول اورمنقول کی تحقیق کرنے والےاور اسکے بحر میں غوطہ لگانے والے ہرتحقیق کرنے والے کے صدراس وقت کے عالم المغرب جن کی کوئی مدافعت کرنے والانہیں،نصیحت کرنے والے عالم ابوعبداللہ سیدی محمد بن قاسم القیسی جوُالقصارٔ کے نام سے معروف ہیں رحمہ اللہ توانہوں نے موافقت ظاہر کی الحمدللہ۔

میں نےعلامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد بن محمد بن عبدالقادرالفاسی کی کتاب (المورد الهنی بأخبار الامام عبدالسلام الشریف القادری الحسنی) میں صاحب(النصرة) کاتعارف کرایاہے یہ فرماتے ہوئے:''وہ اپنے وقت میں محدثوں کے امام تھے،حافظ تھے،ضبط والے تھے،ثقہ تھےاورحجت والے تھےاوروہ اپنے حافظہ سے بخاری اورمسلم کےنسخوں کی تصحیح کیا کرتے تھے(رضی اللہ عنہ)''

میں نےکہاان کے ترجمہ کامراجعہ کریں (مرآة المحاسن)اور(ابتهاج القلوب)اور(نشرالمثانی)اور(صفوة من انتشر)میں،اوردوسری عظیم لوگوں کی کتابوں میں (المعیار)فی السفر الحادی عشر (گیارھویں سفرمیں)اسکےشروع میں لکھاہےجسکی عبارت یہ ہے:''الشیخ الرحال ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم جوابوالبرکات ابن الحاج البلفیقی کے نام سےمعروف ہیں ان سے اجنبی لوگوں کی خانقاہیں جس میں وہ لوگ جمع ہوتے ہیں ،اس میں ان کیلئے کھانے پینےکاسامان ہوتاہےان کووہاں کی مجالس سے انسیت ہوتی ہےوہ لوگ ذکراورکھانے پینےاوراشعارپڑھنےکیلئے جمع ہوتے ہیں پھروہ لوگ روتے ہیں اورپھرکافی زمانےدوررہتے ہیں ان سب کے بارےمیں پوچھاگیاتوانہوں نے جواب میں فرمایا:

الحمدللہ،اللہ تبارک وتعالیٰ ہی مددگارہےان امورمیں جسمیں اسکی رضاہےاگریہ عمل جسکاذکرکیاگیاہےایساہی ہےتواس میں مغرب اورانداس میں درگزرکامعاملہ اختیارکیاگیاہے۔اوراگرفرض کیاجائےکہ مجتہداگراسکی اجازت دینے میں متردد ہےکسی خلل کی وجہ سےاوراسکورد کردے اپنے خشوع اورصدقات اورمسافروں کواستحکام عطا کرنے کی وجہ سےتوانشاءاللہ یہ خشوع وغیرہ اس کےعمل کاکفارہ ہوگا،اس کوابوالبرکات محمد بن ابراھیم ابن الحاج وفقہ اللہ نےلکھااورفرمایاہے انہوں نے اس عبارت کواستاذ شیخ الجماعۃ ابی سعیدفرج ابن لب کے خط سے مقید کیاہےجسکی عبارت یہ ہے''میں نےسوال اورجواب پرتوقف کیاپھراس مقیدجواب کےصحیح ہونے پراتفاق کیااورویساہی جواب دیااوراللہ؛ جل شانہ اپنےفضل سے توفیق دینے والے ہیں۔''اس کوفرج ابن لب نےارشادفرمایااللہ جل شانہ کاشکرادا کرتے ہوئےاورسیدنا محمدﷺ پردرود بھیجتے ہوئے۔

پھرجب یہ جواب اھل قلانس والوں تک پہنچاتوانہوں نے اس کاانکارکیااورکہاکہ تم لوگوں نے ہمارے لئے ایسادروازہ کھولاہے جسکوہم کبھی بھی بندنہیں کرسکتےاورہم عادل کی عدالت میں جاکراس بارے میں مقدمہ لڑیں گے جوتم لوگوں نےعوام الناس کووھم وگمان میں ڈال رکھاہے ....والسلام

ان مذکورہ استاذ نے جواب میں فرمایاجسکی یہ عبارت ہے'میں نےتم لوگوں کےخط پرتوقف کیاتومجھے یہ کلام غیرمعتدل لگاتومجھے بڑاتعجب ہواتم لوگوں کی یہ ناانصافی بغیرمحل کے دیکھ کرمیں نے کہاابوزیدسیدی عبدالرحمن بن شیخ الشیوخ سیدی عبدالقادرالفاسی نے اسکونقل کیاہےتسلیم کرتے ہوئے اوراسکی تسلیم کااعتقاد کرتے ہوئےاورمعترضین کےکلام سےاعراض کرتے ہوئے'

ولیس کل خلاف جاء معتبرا الا خلاف له حظ من النظر

ترجمہ:ضروری نہیں کہ ہرخلاف جووارد ہواہووہ معتبرہوسوائےاس خلاف کےجسکے لئےتحقیق اورنظرمیں حصہ۔

احیاء میں کتاب التواجد میں ہےجس کی عبارت یہ ہے''اگررقص حرام ہوتاتوسیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا حبشہ کوآپﷺ کےساتھ رقص کرتے ہوئے نہ دیکھتیں

۔یہ کچھ روایتوں میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ ہیں جیسا کہ اس سے پہلے باب میں گزر چکا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ انہوں نے رقص کیا جب ان پر سرور کی کیفیت طاری ہوئی۔"

ایک بڑے عالم اور مشہور عارف ابوعثمان سعید ابن الشیخ ابی جعفر احمد بن ابراہیم بن لیون التجیبی رحمہ اللہ نے اپنی تالیف جو انہوں نے اپنی قوم کیلئے تحریر فرمائی ہے جس کا نام "الاناله العلمية فی طريقة الفقراء المتبحردين الصوفية" ہے یہ فرمایا "البتہ وہ رقص جو مسجد میں ہو تو صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں حبشہ کی ایک قوم آئی اور عید کے دن مسجد میں رقص کرنے لگی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا تو میں نے اپنی ہتھیلی ان کے مونڈھوں پر رکھی اور ان کا کھیل دیکھنے لگی ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ زفن کا مطلب رقص ہے فرمایا ثابت ہوگیا کہ رقص اصل میں مباح ہے اگر حرام ہوتا تو آپ ﷺ کے سامنے نہ کیا جاتا۔"

علامہ ابن زکری رحمہ اللہ کی شرح النصیحۃ میں ہے جس کی عبارت یہ ہے شرح الحصن میں شیخ الاسلام السیوطی رحمہ اللہ سے روایت ہے میں کہتا ہوں کہ کھڑے ہو کر ذکر کرنے والے کا کوئی کیسے انکار کرسکتا ہے؟ کیونکہ قائم بھی ذکر کرنے والا ہوتا ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا (آل عمران ۱۹۱) ترجمہ: وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی یاد کرتے ہیں کھڑے ہو کر بھی۔" اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ ہر وقت اللہ جل شانہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔"

اگر اس قیام کے ساتھ رقص یا دوسری کوئی چیز بھی شامل ہو جائے تو ان پر کوئی انکار نہیں۔کیونکہ وہ وجد اور حال کی لذت کی وجہ سے ہے اور حدیث میں جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا رقص وارد ہوا ہے آپ ﷺ کے سامنے جس وقت آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم مجھ سے میری خلقت اور اخلاق میں مشابہت رکھتے ہو تو یہ رقص کرنا اس کلام کی لذت کی وجہ سے ہے اور اس پر آپ ﷺ نے انکار نہیں فرمایا اور یہ رقص اصل میں صوفیۃ کے رقص میں سے ہے جو وجد کی لذت کی وجہ سے ہوتا ہے بڑے بڑے ائمہ کی جماعت سے جن میں شیخ الاسلام عزالدین ابن عبدالسلام بھی ہیں ان سے ذکر کی مجالس میں سننا اور کھڑے ہونا اور رقص کا درست ہونا ثابت ہے۔یہ نقل بے شک پہلے گزر چکی ہے لیکن ہم نے اسکو دوبارہ اس لیے نقل کیا تاکہ ہم اس سے علامہ سیدی محمد بن عبدالقادر کی نقل سے تائید کریں کیونکہ وہ مالکی مذہب کے ہیں سو یہ نقل محقق ہے۔

ہمارے بعض شیوخ کے شیخ علامۃ المشرق ابی عبداللہ الامیر الکبیر المالکی کے حواشی میں جو زرقانی پر جو "المختصر" پر لکھی گئی ہے ایک نقل وارد ہے جو ابوالمواہب الشاذلی المالکی سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک سے زیادہ لوگوں سے سنا جو شیخ قاضی القضاۃ شمس الدین البساطی سے مروی ہے جو سنتے ہوئے رقص کرتے تھے اور مجھ کو بتایا اس نے جس نے ان کو دیکھا کہ وہ ولی اللہ الکبیر الشہیر سیدی علی وفا رحمہ اللہ سے گلے لگے ہوئے تھے۔امام بساطی مالکی مذہب کے سرداروں اور بزرگوں میں سے تھے اور انکا ترجمہ مذہب کے بڑے لوگوں کے کتب میں لکھا ہے۔

اقسام الرقص وأحكامها:

وقال أبو العباس سيدى أحمد ابن عجيبة(۱) فى "شرح المباحث لابن البنا"(۲) مانصه: "الرقص فيه خلاف كثير بين الصوفية وعلماء الشريعة۔والتحرير فى المسألة أن تقول: الأصل فى الرقص هو الإباحة ،إذهى الأصل ،وقيل :الوقف حتى يأتى الحظر، ولم يرد فى كتاب الله ولا سنة رسول الله ﷺ مايقتضى التحريم۔وإنما حرمته الأئمة لماقارنه من تعاطى أهل الفساد فى جمعهم بين النساء والشبان وآلة اللهو، والعلة تدور مع المعلول وجودا وعدما۔والمتحصل فيه: أنه على ثلاثة أقسام: حرام ،مباح ومطلوب:

فالأول: رقص العوام بمحضر النساء والشبان؛لمايؤدى إليه من الفساد ومايهيج من الطباع الدنية والنفوس الشيطانية، ويلتحق به ماخلا من ذلک۔لكن إن قصد به التصنع والرياء وإظهار الحال والتظاهر بماليس فيه حقيقة؛ فهو حرام

ايضاً ،لمادخله من الرياء والتلبيس۔وعلى هذين القسمين يحمل كلام من أطلق التحريم؛ كصاحب "المعيار" ،و"النصيحة الكافية" وغيرهما۔

الثاني:رقص الصالحين وأهل النسبة من غير وجدولاتواجد،بل راحة لنفوسهم وتنشيطالقلوبهم ،بشرط الزمان والمكان والاخوان،وعدم حضور النساءوالشبان۔

ومايقال أنه:من فعل السامرية حين عبدوا العجل ؛فعلى تقدير صحته؛إنماحرم فعلهم لفسادقصدهم ؛لأنهم قصدوا بذلک تعظيم العجل والفرح به،وهذاكفر۔ولو كان رقصهم خالياًمن ذلک ؛ماحرم عليهم ۔وقدثبت أن جعفر بن أبى طالب رقص بين يدى النبى ﷺ لماقال له:أشبهت خلقى وخلقى.....

ثم ذكر كلام ابن ليون التجيبى المتقدم،ثم قال:

الثالث:رقص الصوفية أهل الذوق والحال ذوقاوتواجدا،وسواء كان ذلک فى حضرة الذكر أوالسماع۔ولاشک أن دواء القلوب من الغفلة وجمعها على الله مطلوب بأى وجه أمكن،لكن مالم يكن محرماًمجتمعاًعلى تحريمه ،فلادواء فيه۔وتقدم كلام الجنيد لماسئل عن السماع:كل مايجمع العبدعلى ربه فهو جائز مباح....ثم ذكر ماتقدم عن شارح "الحصن"۔

ثم قال ابن عجيبة:قلت:وقدتواتر النقل عن الصوفية،قديماًوحديثاً،شرقاًوغرباً؛أنهم كانوايجتمعون لذكرالله تعالىٰ ويقومون ويرقصون،ولم يبلغناعن أحدمن العلماءالمعتبرين أنه أنكرعليهم !وقدرأيت بفاس فى زاوية الصقليين جماعة يذكرون ويرقصون من صلاة عصر يوم الجمعة إلى المغرب،مع توفر العلماء،فلم ينكر أحدعليهم۔

فلاينكر على الفقراء الرقص فى حال ذكرهم إلامقلدجامد،أومعاندجاحد،ويرحم الله الشيخ زرّوق رضى الله عنه حيث قال فى بعض شروحه على مقطعات الشيخ الششترى،لماتكلم على هذاالمعنى،قال:

وإنماأطلت الكلام هنا؛لوجهين:

أحدهما:مخافةأن يغترالغوغاءبهؤلاءالسادات،فيتعاطونه فى غير محله،فيقعوافى المقت۔

ثانيهما:مخافةأن يتبع أحدقول الملحدين،أهل العقول الواهية،والأفئِدة الخاوية،فيقدح فى جملة طريقةأنتجهاالصالحون الواصلون أولياءالله تعالىٰ،وظهرت نتيجتهافى كثير من عباد الله۔

وقداشتملت طريقتهم على رجال قاموابأحكام الشريعة ،وآداب الحقيقة،وتعلقوابأسماءرب العالمين،وتخلقوابأخلاق سيدالمرسلين،وآثارهم حميدة،وملاقاتهم سعيدة۔

ترغب الملائكة فى خلتهم ،واشتاقت الأنبياء إلى رؤيتهم ،كتاب الله مطرز بالثناءعليهم ،وبشائر السنة كلهاتشيرإليهم ،عندذكرهم تنزل الرحمة،وبسبب وجودهم تدفع النقمة،رغب فى اللحوق بعسكرهم خليل رب العالمين،فيماأخبرعنه فى كتاب رب العالمين:رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ (الشعراء٨٣)ملأالله قلوبنامن محبتهم ،وحشرنافى زمرتهم...اللهم آمين"اه كلام الإمام ابن عجيبة رضى الله عنه عن الجميع۔

وفى "حاشية العلامة خاتمة المحققين،خال والدنا؛سيدى الطالب ابن الحاج(٣) على الشيخ ميارة"(٤)لدى قول الناظم(٥) :ويكثر الذكر بصفو لبه"۔مالفظه:

"وأماالرقص والتصفيق،وهزالرأس والتحرك،فقال الشيخ زروق فى "المباحث الأصلية":إن كان بغلبة ،فالمغلوب معذور،وإن كان بغير غلبة،وهو للإبهام،فهو حرام،لمادخله من الرياءوالتصنع والتظاهر بماليس له حقيقة عنده۔وإن كان مع بيان الحال ،بحيث يعلم الحاضرون أنه غير مغلوب،وإنماأرادإراحةنفسه وهزهاونحوه،فهوإلى الباطل أقرب،وليس من الحق فى شئى"اهـ

والأول :عليه يحمل رقص الحبشة فى المسجدفى يوم عيد كمافى "الصحيح"،ومحمل رقص على وجعفروزيدحين أثنى عليهم النبى ﷺ،فقال لعلى:أنت منى بمنزلة هارون من موسىٰ۔وقال لجعفر:أنت أشبهت خلقى وخلقى۔وقال لزيد:أنت مناومولانا..

قال العلامة ابن زكرى فى "شرح الحكم ":وبقيت حالة رابعة؛وهو:أن يكون غيرمغلوب ،وذلک بين عند الحاضرين۔وليس مراده راحة نفسه،بل الفرح بالانتساب إلى الله وإلى رسوله،ويلحظ الحظ عندهماوالقرب منهما،كالشيخ الذى رئى يرقص وهويقراء۔فقيل له:ماهذا؟فقال :قلت فى نفسى:عبدمن أنا؟وكلام من أقرأ؟وبيت من أناقاصد؟وكان ذاهبإلى مكة۔وفى معناه قول من قال:

وممازادنى طرباوتيها وكدت بأخمصى أطأالثريا

دخولى تحت قولک:ياعبادى وأن صيرت أحمدلى نبيا

وكالمرأة التى ضربت الدف على راسه ﷺ فرحابرجوعه سالماًمن بعض غزواته ،وكان ذلک بإذنه(٦) ۔قال :وهذاجائز۔والله اعلم۔

وللشيخ أبى مدين من قصيدة:

فقل للذى ينهى عن الوجداهله إذالم تذق معنى شراب الهوى،دعنا

إذااهتزت الارواح شوقاإلى اللقاء ترقصت الأشباح ياجاهل المعنى

إلى أن قال:

وصن سرنافى سكرناعن حسودنا وان انكرت عيناک شيئا،فسامحنا

فإناإذاطبناوطابت عقولنا وخامرناخمر الغرام،تهتكنا

فلاتلم السكران فى حال سكره فقدرفع التكليف فى سكرناعنا"

اھ منہ بلفظہ۔[1]

رقص کی اقسام اور اس کے احکام:

ابو العباس سیدی احمد بن عجیبیۃ نے "شرح المباحث لابن البنا" میں فرمایا جسکی عبارت یہ ہے "رقص کے بارے میں بہت سے صوفیۃ اور علماء الشریعۃ کا خلاف ہے۔ مسئلہ کی تحریر یہ ہے کہ آپ یہ کہیں کہ رقص مباح ہے اور اباحت ہی اصل ہے یہ بھی کہا گیا ہے اس امر میں وقف کرنا چاہیئے یہاں تک کہ اس امر پر کوئی پابندی نہ آجائے اور نہ ہی اللہ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت میں کوئی ایسا امر وارد ہوا جو اس کے حرام ہونے کا اقتضاء کرے۔ البتہ جن ائمۃ نے اسکو حرام فرمایا ہے انہوں نے اہل فساد کے فساد کی وجہ سے جو انہوں نے ان مجالس میں عورتوں اور نوجوانوں اور لہو ولعب کی چیزوں کے ساتھ اپنی مجالس میں شروع کر دیا ہے اور کسی چیز کی علت معلول کے ساتھ ہی رہتی ہے وجوداً بھی اور عدماً بھی۔"

اس میں حاصل یہ ہے: یہ رقص تین قسم کا ہے: حرام، مباح، مطلوب۔

پہلا: عوام کا رقص عورتوں اور جوانوں کے سامنے۔ کیونکہ یہ سب فساد پھیلاتا ہے اور شیطانی نفوس اور دنیاوی طبیعتوں کو جوش دلاتا ہے پھر اس مجلس میں ان سب کے علاوہ اور بھی بہت کچھ شامل ہوجاتا ہے لیکن اگر اس مجلس میں رقص سے دکھاوا اور ریاکاری اور حال آنے کی کیفیت کا ظاہر کرنا مقصد ہو ایسا اظہار جس میں کوئی حقیقت نہیں تو یہ بھی حرام ہے کیونکہ اس میں ریا اور دکھاوا ہوتا ہے ان دونوں قسموں میں ان لوگوں کے کلام کا اطلاق ہوگا جو اسکا حرام ہونا ثابت کرتے ہیں جیسے "المعیار" اور "النصیحۃ الکافیۃ" کے لکھنے والے اور ان دونوں کے علاوہ اور بھی۔

دوسرا: صلحاء کا رقص اور اہل نسبت لوگوں کا رقص بغیر وجد اور حال کے بلکہ اپنے نفس کی راحت اور قلوب کی نشاط کیلئے لیکن اس کیلئے زمان، مکان اور مناسب اور جاننے والے لوگوں اور عورتوں اور جوانوں کی عدم حضوری کی شرط ہے اور یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ سامری کے فعل میں سے ہے جب ان لوگوں نے بچھڑے کی عبادت کی تھی تو اگر اس رقص کی صحت کو دیکھا جائے تو ان لوگوں پر یہ فعل ان کے مقصد کے فساد کی وجہ سے حرام ہوا، کیونکہ ان لوگوں کا اس فعل سے بچھڑے کی تعظیم کرنا اور اس سے خوش ہونا مقصود تھا اور یہ کفر ہے اور اگر انکا یہ رقص اس سے خالی ہوتا تو یہ فعل ان پر حرام نہ ہوتا اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں رقص کیا جب آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم مجھ سے میری خلقت اور اخلاق میں مشابہت رکھتے ہو اس کے بعد مصنف نے ابن لیون التجیبی کا پچھلا کلام ذکر کیا پھر فرمایا۔

تیسرا: صوفیاء کا رقص جو اہل ذوق ہوتے ہیں حال اور وجد کی کیفیت میں چاہے وہ ذکر کرتے وقت ہو یا سنتے وقت اس میں کوئی شک نہیں کہ غفلت میں

---

[1] (۱) ھو العلامۃ الشریف الشیخ أبو العباس أحمد بن محمد بن المھدی ابن عجیبۃ الحسنی الأنجری، ولد ۱۱۶۰ھ وتوفی ۱۲۲۴ھ۔ انظر ترجمتہ فی: "فھرس الفھارس" (۲/۸۵۴) الاعلام (۱/۲۴۵)

(۲) ھو الفقیہ الأصولی الصوفی أبو العباس احمد بن محمد بن عثمان الأزدی، المعروف بابن البناء، ولد ۶۵۴ھ وتوفی ۷۲۱ھ، کان ابوہ بناءاً، ولھذا اشتھر بابن البناء، انظر ترجمتہ فی "الدرر الکامنۃ" (۱/۲۷۸)، و "الأعلام" (۱/۲۲۲)۔

(۳) ھو العلامۃ القاضی محمد الطالب بن حمدون بن عبد الرحمن السلمی الشھیر بابن الحاج، توفی ۱۲۷۳ھ انظر ترجمتہ فی "فھرس الفھارس" (۱/۴۶۵)، و "الأعلام" (۶/۱۷۱)۔

(۴) ھو العلامۃ أبو عبداللہ محمد بن احمد بن محمد میارۃ الفاسی، ولد ۹۹۹ھ، وتوفی ۱۰۷۲ھ، انظر ترجمتہ فی "الأعلام" (۶/۱۱) والموضع المشار إلیہ: ص ۵۴۴۔

(۵) أی: سیدی عبد الواحد ابن عاشر رحمہ اللہ تعالی فی نظمہ الرائق "المرشد المعین علی الضروری من علوم الدین"

(۶) (اخرج الترمذی رقم ۳۶۹۱ واللفظ لہ - واحمد فی مسندہ ج ۳۵۶-۳۵۳ وابن حبان رقم ۴۳۸۶ والبیھقی فی السنن الکبری ص ۷۷ ج ۱۰ من حدیث بریدۃ: خرج رسول اللہ ﷺ فی بعض مغازیۃ، فلما انصرف جاءت جاریۃ سوداء، فقالت: یا رسول اللہ ﷺ! انی کنت نذرت إن ردک اللہ سالماً أن أضرب بین یدیک بالدف وأتغنی۔ فقال لھا رسول اللہ ﷺ ان کنت نذرت فاضربی، والا فلا"۔ فجعلت تضرب، فدخل أبو بکر وھی تضرب، ثم دخل علی وھی تضرب، ثم دخل عثمان وھی تضرب، ثم دخل عمر، فألقت الدف تحت إستھا ثم قعدت علیہ، فقال رسول اللہ ﷺ: ان الشیطان لیخاف منک یا عمر، إنی کنت جالساً وھی تضرب فدخل ابو بکر وھی تضرب ثم دخل علی وھی تضرب ثم دخل عثمان وھی تضرب، فلما دخلت انت یا عمر ألقت الدف" قال الترمذی: ھذا حدیث حسن صحیح" وھو کما قال۔

ڈوبے دلوں کی دواء اوران کو اللہ جل شانہ کے راستے میں جمع کرنا مطلوب ہے جس طرح بھی ممکن ہولیکن جوحرام طریقہ نہ ہوجس کے حرام ہونے کا سب میں اتفاق ہوسوحرام طریقے میں کوئی دواء نہیں جنید بغدادی رحمہ اللہ کا کلام ہے جوکہ پہلے گزر چکا ہے جب ان سے سماع (سننے) کے بارے میں سوال کیا گیا تھا: جوبھی چیز بندے کو اپنے رب سے ملادے وہ مباح ہے اور جائز ہے پھر مصنف نے وہ ذکر کیا جو شارح ''الحصن'' سے مروی تھا۔

اس کے بعد ابن عجیبہ نے فرمایا: میں نے کہا: صوفیاء کے بارے میں کلام متواتر ہو چکا ہے نیا بھی اور پرانا بھی، شرقاً اور غرباً بھی (شرقی اور غربی بھی) کہ وہ لوگ اللہ جل شانہ کے ذکر کیلئے جمع ہوتے ہیں کھڑے ہوتے ہیں اور رقص کرتے ہیں اور کسی ایک بھی معتبر علماء میں سے ہم تک یہ نہیں پہنچا کہ انہوں نے اس کا انکار کیا ہو اور میں نے صقلیون کی خانقاہ میں ایک جماعت کو دیکھا جس میں علماء بھی شامل تھے کہ وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں اور جمعہ کے دن عصر کی نماز سے لے کر مغرب تک رقص کرتے ہیں اور ان پر کوئی انکار نہیں کرتا۔

اور فقراء پر بھی ذکر کی حالت میں کوئی رقص کا انکار نہیں کرتا سوائے اس کے جو پکا تقلید کرنے والا ہو یا پھر اس کے جو ضدی اور انکار کرنے والا ہو اللہ تعالیٰ شیخ زروق رحمہ اللہ پر رحم فرمائے جبکہ انہوں نے شیخ الششتری کے بعض مقطعات کے شروح میں فرمایا جب انہوں اس موضوع پر کلام فرمایا اور کہا: میں نے یہاں کلام کو دو وجوہات کی وجہ سے لمبا کیا:

پہلی وجہ: اس ڈر سے کہ دھوکہ کھانے والے ان صوفی سرداروں سے دھوکہ نہ کھا جائیں اور اس طریقے کو غیر مناسب مقامات پر استعمال کرنے لگیں اور پھر مشکل میں پڑ جائیں۔

دوسری وجہ: اس ڈر سے کوئی الحاد اور انکار کرنے والوں کے قول کے پیچھے چل پڑے جو واھیات عقل رکھنے والے ہیں اور خالی سینے والے ہیں اور اس طریقے کی مذمت کرنے لگے جس کو ان صلحاء اور اولیاء اللہ نے نکالا ہے اور اس کا نتیجہ اور بھی بہت سے خداوندوں پر ظاہر ہونے لگے۔

اور انکا طریقہ ان لوگوں کے ساتھ شامل ہوگیا جو شریعت کے احکام پر اور حقیقت کے آداب پر چلتے ہیں اللہ رب العزت کے اسماء سے تعلق رکھتے ہیں اور سید المرسلین ﷺ کے اخلاق کو اپناتے ہیں اور ان کے آثار تعریف کے قابل ہیں اور ان کی ملاقات سعادت والی ہے۔

فرشتے ان لوگوں سے دوستی کرنے کی رغبت رکھتے ہیں۔ انبیاء ان کو دیکھنے کا شوق رکھتے ہیں اللہ جل شانہ کی کتاب ان کی تعریف سے سجی ہوئی ہے اور سنت کی بشارتیں ساری انہیں لوگوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں، ان کے ذکر کرنے کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے اور ان کے وجود کے سبب مصیبتیں ٹل جاتی ہیں ان کے لشکر اور فوج میں داخل ہونے کی خلیل اللہ نے رغبت ظاہر فرمائی تھی جس کے بارے میں رب العالمین کی کتاب نے خبر دی ہے۔ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ (۱۸۳الشعراء) ترجمہ: اے میرے رب مجھ کو حکمت عطا فرما اور (مراتب قرب میں) مجھ کو (اعلیٰ درجہ کے) نیک لوگوں میں شامل فرما۔ یہاں تک کہ انہوں نے یہ فرمایا: اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو ان لوگوں کی محبت سے بھر دے اور ہمارا حشر ان کوگوں کے ساتھ فرمادے... اللھم آمین۔

یہ کلام (دعا) ابن عجیبۃ رحمہ اللہ کا سب لوگوں کی طرف سے ہے۔

علامہ خاتمۃ المحققین کے حاشیہ میں جو ہمارے والد صاحب کے ماموں ہیں سیدی الطالب ابن الحاج شیخ میارۃ سے ناظم کے قول کے پاس روایت کرتے ہیں ناظم کا قول یہ ہے ''وہ اللہ جل شانہ کے ذکر کی کثرت کرتے تھے اپنے قلب کے اخلاص کے ساتھ'' ان کی (والد کے ماموں) روایت کے الفاظ یہ ہیں۔ ''رقص کرنا اور تالیاں بجانا اور سر کو ہلانا اور حرکت کرنا'' تو شیخ زروق ''المباحث الأصلیۃ'' میں فرماتے ہیں: اگر یہ سب غلبہ کے سبب ہے تو غلبہ پانے والا معذور ہے اور اگر بغیر غلبہ کے ہے تو یہ لوگوں کو دکھانے اور وہم میں ڈالنے کیلئے ہے اور وہ حرام ہے کیونکہ اس میں

ریااور دکھاوا شامل ہوگیا جس کی ان کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں اور اگر وہ اس رقص وغیرہ کے ساتھ بولے کہ یہ حال کی کیفیت ہے جبکہ حاضرین کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص غیر مغلوب ہے اور اپنے نفس کو تسکین اور سکون دینے کے لیے کر رہا ہے تو یہ باطل کے زیادہ قریب ہے اور اس میں ذرا بھی حق نہیں۔

پہلا: جس پر حبشہ کا مسجد میں رقص کرنا عید کے دن محمول ہے جیسا کہ ''الصحیح'' میں ہے اور علی، جعفر اور زید رضی اللہ عنہم کا رقص جب آپ ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی جبکہ آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم مجھ سے ہو جیسا کہ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام سے تھے اور زید رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے فرمایا: تم ہم سے ہو اور ہمارے مولیٰ ہو اور جعفر رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے فرمایا: تم مجھ سے میری خلقت اور اخلاق میں مشابہت رکھتے ہو۔

علامہ ابن زکری ''شرح الحکم'' میں فرماتے ہیں: اب چوتھی حالت رہ گئی وہ یہ ہے کہ بندہ غیر مغلوب ہو اور یہ تو حاضرین کے نزدیک واضح ہے اور اس سے مراد نفس کی راحت نہیں ہے بلکہ وہ خوشی ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف انتساب کی وجہ سے ہے اور اس وجہ سے کہ وہ اپنا حظ اور نصیب ان دونوں کے پاس پاتا ہے اور ان دونوں سے قربت محسوس کرتا ہے جیسا کے ایک شخص کو دیکھا گیا کہ وہ پڑھ رہے ہیں اور رقص کر رہے ہیں ان سے پوچھا گیا کہ یہ کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا۔ میں نے اپنے نفس سے کہا۔ میں کس کا بندہ ہوں؟ میں کس کا کلام پڑھتا ہوں؟ اور میں کس کے گھر کا قاصد ہوں اور وہ اس وقت مکہ مکرمہ کی طرف جا رہے تھے۔ اور اسی کے جیسا ایک کہنے والے کا قول ہے؛

ومما زادني طربا وتيها ... وكدت بأخمصي أطأ الثريا

دخولي تحت قولك يا عبادي ... وأن صيرت أحمد لي نبيا

ترجمہ: جو چیز میرے اندر خوشی اور سرور کو بڑھا دیتی ہے کہ قریب ہے کہ میں اپنے پاؤں کے نیچے تاروں کو کچل ڈالوں، وہ میرا آپ کے اس قول میں داخل ہونا ہے، اے میرے بندے اور یہ کہ آپ نے میرے لیے اَحمد ﷺ کو نبی بنا دیا۔

اور جیسے وہ عورت جس نے دف بجایا آپ ﷺ کے سر پر کھڑے ہو کر اس خوشی کی وجہ سے کہ آپ ﷺ کی بعض غزوات میں سے صحیح سلامت واپسی ہوئی تھی اور یہ دف بجانا آپ ﷺ کی اجازت سے تھا۔ اور یہ جائز ہے۔

واللہ اعلم۔ شیخ ابی مدین کے قصیدے میں سے ہے۔

فقل للذي ينهى عن الوجد أهله ... اذا لم يذق معنى شراب الهوى، دعنا

اذا اهتزت الارواح شوقا الى اللقا ... ترقصت الاشباح يا جاهل المعنى

ترجمہ: اسکو کہہ دو جو اہل وجد کو وجد سے منع کرتا ہے کہ اگر تم نے نفس کے شراب کا مزہ نہیں چکھا تو ہمیں چھوڑ دو۔ جب روحیں ملنے کے شوق میں ہلتی ہیں تو پرچھائیاں رقص کرنے لگتی ہیں اے اصل معنی سے بے خبر۔

یہاں تک کہ انھوں نے یہ کہا:

وصن سرنا في سكرنا عن حسودنا ... وان أنكرت عيناك شيئا، فسامحنا

فانا اذا طبنا وطابت عقولنا ... وخامرنا خمر الغرام، تهتكنا

فلا تلم السكوان في حال سكره ... فقد رفع التكليف في سكرنا عنا

ترجمہ: ہماری مدہوشی کے راز کو ہم سے حسد کرنے والوں سے بچا کے رکھنا اور اگر تمھاری آنکھیں کسی چیز کا انکار کریں تو ہمیں معاف کر دینا اور اگر

ہماری نفوس خوش گوار ہوجائیں اور ہماری عقلیں بھی خوشگوار ہوجائیں اور عشق کی شراب ہمیں مدہوش کردے تو ہمیں رسوانہ کردینا تو تم نشے والے کو نشے کی حالت میں ملامت کرو کیونکہ ہمارے نشے کی تکلیف کو ہم سے دور کردیا گیا ہے۔

لایشترط فی الحضرة والرقص غلبة الحال:

قلت:قول الشیخ زروق رحمه الله:"ان کان الرقص بغلبة ،فالمغلوب معذور"...الخ، انظر من أین أخذوا شرط الغلبة،مع أن حدیث الحبشة الذی اخذوامنه جواز الرقص لایدل علیه کماتقدم ،وکذا الحدیثان المتقدمان:"فإن لم تبکوا فتباکوا"،و:"رحم الله عبدا أظهر من نفسه القوة"،لایدلان علیه۔

وفی الحدیث:"مابال أقوام یشترطون شروطا لیست فی کتاب الله ،من اشترط شرطاً لیس فی کتاب الله ؛فهو باطل وإن اشترط مئة شرط"....الحدیث۔(۱)

وأیضا،غلبة الحال لیس من دأب الرجال،وإنما حالهم:الرسوخ والتمکین،وإتباع سید الإرسال۔(۲)

وأیضا،من اشترط الحضور فی الصلاة ،هل یعذر أن یمنع من الصلاة إذا لم یحصل حضور؟لا لا...والترجیح من غیر مرجح لیس من دأب العقلاء،وإنما الشرط المعتبر فی السنة هو إخلاص العبودیة لرب البریة۔

وقوله أیضا:"وإن کان بغیر غلبة وهو للإیهام؛فهو حرام"....یقال علیه:لامفهوم للرقص فی حکم الإیهام ،بل التدریس والخطابة والتلاوة والصلاة....وغیر ذلک،کذلک ومع ذلک یطالب کل أحد بالقیام بهذه القربات،ویجاهد نفسه۔

فقد سئل الإمام الشافعی عن رجل أراد أن یتخذ سنة العذبة(۳)فوجد نفسه مرائیة؛هل یترک هذه السنة خوف الریاء ؟قال:"لایترکها،ویجاهد نفسه"۔فکذلک هنا ولا إشکال۔

وقد قال محیی السنة أبو محمد عبدالله الهبطی لما سئل عن قول بعضهم:"إن الذکر بالجهر فیه الریاء والمباهاة،وربما کانت حیلة لاستماله وجوه المخلوقات"۔

قال رضی الله عنه بعد کلام له:"وأما ما علله من حصول الریاء والمباهاة ،وقوله:ربما کانت هذه حیلة لاستمالة قلوب الخلق لهم ۔فهذا شیئ قلبی لایعلم حقیقته إلا الله سبحانه۔والانسان بصیر علی نفسه وهذه العلل لاتختص بالذکر فی الجماعة بالمناوبة والاصوات العالیة المستضعیة الحصول الاحوال السنیة فقط،بل الذکر والسائر الطاعات فی ذلک سواء۔

ولو کان العمل یقطع مخافة الوقوع فی ذلک ماا جتمع قوم علی خیر قط، ولاتصدر منهم متصدر قط والمقصود ترکها(۴)لاترک العمل من اجلها وقد نبه العلماء علی دائها ودوائها القاطع ومرهمها النافع الطغلغل فی علم التوحید حتی لایری العبد فعلا ولا حیا ولا موجودا فی الوجود الا موجده المجدد له علی الدوام۔

فان کان کذلک کیف یتصور فیه ان یرائی بما هو الله خالقه وفاعله ومنشئه ابتداء ودواما؟ویتصور منه الرکون لغیر الله مع روئیته غیره غیر فاعل بل غیر حی بل غیر موجود(هَذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ (11لقمان)ولکن لیس الشان فی قطع الإیاس من الخلق،ولکن الشان قطع الایاس من الخالق من أن لایعطیه إلا ماهو فی علمه سابق غیر مسبوق۔

فمن انقطع طمعه من الحق؛کیف یتعلق بالخلق؟(فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (137البقرة)ومن قال هؤلاء لم یتحققوا بحقائق التوحید ولم یرسخ لهم قدم فی میدان التفرید،ولم یحط لهم رحال بذروة التمجید فلایؤمن علیهم من الفتنة

مع ماأخرجوه من الذكر عن حده المحدود في كتب الأئمة كالغزالي وغيره(٥)، فتركه له أولى وأجمل.

فهذا مثله كمثل من أمر الولدان الصغار بترك القراءة لما سمعه منهم من إخراج القراءة عن حدها المحدود عند ذوي الأداء. فإذا كان هذا ليس من النظر السديد، فذلك كذلك بل يجب عليه أن يحثهم على الدرس ويرجيهم لمبلغ الاستاذ والفقيه، وكذلك أولئك،

وأيضا، لو اعتبرنا صفة القضاء التي في كتب الأئمة وأن من ليست فيه فلا نقضيه، لما كان يكون اليوم - وكذلك الشهود والأمراء والجساء وغيرهم من الناس ولكن كل زمان باهله ورحم الله عبدا عرف زمانه وعرف مايصلح به وباهله فيه ورد كل فن الى اربابه وقول مالك لاخير في الشهرة يعني والله أعلم في حبها والا لو لم يشتهر مالك ما اشتهر مذهبه!

والمستحب في كل زمان اشتهار الخير لمن سلمت نيته لاسيما في زماننا هذا - لأن إذاعة الخير فيه فوائد، منها: تنبيه الغافل وردالشارد لأن الأحداث إذا لم يروا خيرا يظنوا الا خير في الوجود وتعليم الجاهل وإعانة العاقل... إلى غير ذلك من الفوائد التي أخبر عنها عمر حين سأله رسول الله ﷺ عن نيته بجهره فقال "أوقظ الوسنان (٦) وأطرد الشيطان" (٧) والسلام" اهـ.

وقوله - أي الشيخ زروق - فيما سبق، "وان كان مع بيان الحال"... الخ، فبقيت عليه حالة إظهار الفرح بالله والمساعدة للإخوان - وقد تقدمت في كلام العلامة ابن زكري وسلمها من بعده وعليها يتخرج فعل القوم اليوم في الزوايا والربط من اتخاذهم ذلك عادة في كل جمعة، هذا لو فرضت أن الله أطلعنا على قلوبهم فعلمنا أنها خالية عن الحال والغلبة وإلا فلم يكلفنا الله بذلك.

وفي فرح الأسماع برخص السماع، للإمام أبي المواهب التونسي المالكي(٨) نقلا عن الإمام النووي رضي الله عنه مانصه "ويباح رقص مالم يكن بتكسير وتثن كهيئة مخنث، فالأمر فيه مختلف باختلاف الأشخاص والأحوال والأماكن...

وذهبت طائفة في التفرقة بين ارباب الأحوال وغيرهم، فيجوز لأرباب الأحوال ويكره لغيرهم - وهذا القول هو المرتضى وعليه اكثر الفقهاء المسوغين لسماع الغناء وهو مذهب السادات الصوفية رضي الله عنهم - وبعض المتصوفة يفرق بين أن يشير به شيخ أم لا، فإن أشار به شيخ اعتمد وإلا، فلا" اهـ منه بلفظه.

فقف على تفصيل النووي وجزمه بأن الأمر فيه يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال ونصرة جوازه بالنسبة لأصحاب الأحوال، ولم يشترط غلبة الحال عليهم، إنما اشترط كونهم من اهل الأحوال - ثم نقله أنه يجوز ان أمر به شيخ ....وهو نص جليل من إمام عظيم!

وفي "الإرشاد إلى تصفيه النفس وتطهير الفؤاد" مانصه: "وإن قام أحد من القوم لغلبة فينبغي أن يقوموا، لأن مذهبهم: الموافقة والمساعدة، وذلك القائم صادق في دعواه، ولا بأس أن يقوم متواجدا يعلم الجماعة بتفعله، ويطلب مع ذلك حصول الوجد" اهـ نصه.

ولما تكلم الشيخ الحافظ أبو العباس أحمد بن يوسف الفاسي على الرقص قال مانصه: "وعلى هذا جرى عمل القوم، لايقوم أحد ولايتحرك إلا عن وجد صادق وحالة غالبة، إلا أن يكون على سبيل المساعدة لصادق، أو مطايبة من غير تساكر ولا إظهار حال" اهـ كلامه.

وأصله للسهروردی فی العوارف ونصه ،"ولیس من الأدب استدعاءالحال والتکلف للقیام إلاعن غلبة حال یردعلیه مزعج،أویکون علی سبیل مساعدة لصادق"اھ۔[1]

مجلس میں حاضری اور رقص میں حال کا غالب آنا شرط نہیں:

میں نے کہا کہ: شیخ زروق رحمہ اللہ کا جو قول ہے کہ"اگر رقص کرنا غلبہ کی وجہ سے ہے تو مغلوب معذور ہے"...الخ۔دیکھو کہ انہوں نے غلبہ کی شرط کہاں سے لی ہے جبکہ حبشہ کی حدیث جس میں سے انہوں نے رقص کے جواز کا حکم لیا ہے وہ تو غلبہ پر دلالت نہیں کرتی جیسا کہ پہلے گزر چکا اور جیسے پچھلی دو حدیثیں گزریں۔"اگر تمہیں رونا نہ آئے تو رونے والی شکل بنالیا کرو"اور"اللہ اس بندے پر رحم کرے جو اپنے نفس سے قوت ظاہر کرے"یہ دونوں حدیثیں بھی اس پر دلالت نہیں کرتیں۔

اور حدیث میں ہے"ان قوموں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں رکھتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں جو ایسی شرط رکھے جو کتاب اللہ میں نہیں تو وہ باطل ہے چاہے وہ سو شرطیں ہی کیوں نہ رکھ لے۔"الحدیث۔

اور یہ بھی کہ حال کا غالب آنا آدمیوں کی پختہ عادت میں سے نہیں بلکہ ان کا حال تو مضبوطی کے ساتھ ٹھہراؤ اور اپنے پر قابو پانا اور سید الارسال ﷺ کی اتباع کرنا ہے اور یہ بھی کہ جو نماز میں حاضری کی شرط رکھتا ہے تو کیا اس کا یہ عذر قابل قبول ہوگا کہ اس کو نماز سے منع کر دیا جائے اگر حاضری نہ ہو؟؟ نہیں نہیں.....اور کسی چیز کو ترجیح دینا بغیر مرجح کے عقلاء کی شایان شان نہیں لیکن جو معتبر شرط ہے وہ سنت میں اللہ جل شانہ کی عبادت میں اخلاص ہے۔

اور ان کا یہ قول بھی"اگر بغیر غلبہ کے ہے تو وہ لوگوں کو وھم میں ڈالنے کیلئے ہے سو وہ حرام ہے"اس پر کہا جاتا ہے: وہم ڈالنے کے حکم میں رقص کا کوئی مفہوم نہیں بلکہ پڑھنا پڑھانا اور خطبہ دینا اور تلاوت اور نماز وغیرہ میں بھی نہیں ہے اس کے باوجود ہر کسی سے ان قربات کو ادا کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور نفس کے جہاد کا بھی۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے اس بندے کے بارے میں پوچھا گیا جو عذبۃ (عمامہ کے آخر میں جو کپڑا چھوڑا جاتا ہے) کی سنت اپنانا چاہے پھر اس کو اپنے آپ میں دکھاوا محسوس ہو تو کیا وہ شخص ریا کے خوف سے اس سنت کو چھوڑ دے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں"چھوڑے نہیں اور اپنے نفس کا مجاہدہ کرے"اسی طرح یہاں پر بھی ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں۔

سنت کو زندہ کرنے والے ابو محمد عبداللہ الصبطی فرماتے ہیں جب ان سے بعض کے اس قول کے بارے میں پوچھا گیا"آواز کے ساتھ ذکر کرنے میں ریا اور دکھاوا ہے اور شاید یہ طریقہ ایک حیلہ ہے مخلوق کو اپنی طرف مائل کرنے کا"

ابو محمد عبداللہ اپنے کلام کے بعد فرماتے ہیں"لیکن انہوں نے جو علت بیان کی ہے ریا اور دکھاوے کے حصول کی اور ان کا یہ قول کہ یہ ایک حیلہ

---

[1](۱)(اخرجه البخاری رقم ۴۵۶،ومسلم رقم ۱۵۰۴ عن أم المؤمنین عائشة رضی الله عنها۔)

(۲)أی:الرسل۔

(۳)العذبة:اسم لقطعة من القماش تغرز فی مؤخر العمامة۔وللعلامة کمال الدین ابن ابی شریف المتوفی ۹۰۵ھ جزء مطبوع:صوب الغمامة فی إرسال طرف العمامة۔

(۴)أی:المباهاة۔

(۵)انظر"الفتوحات الربانیه"لابن علان(۱/۷۱-۷۰)

(۶)الوسنان:النائم الذی لیس بمستغرق فی نومه والوسن:أول النوم۔

(۷)أخرجه أبو داود رقم(۱۳۲۳)،والترمذی رقم(۴۴۷)کلاهما عن أبی قتاده رضی الله عنه۔

(۸)(ص۶۸-۶۹)

ہے مخلوق کو اپنی طرف مائل کرنے کا۔تو یہ تو قلبی چیز ہے اس کی حقیقت کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ جل شانہ کے،ہر انسان اپنے آپ کو دیکھنے والا ہے اور یہ عدل جماعت میں باری کے ساتھ ذکر کرنے میں مخصوص نہیں اور اونچی آوازیں بلانے والی وہ بلند مرتبہ کے احوال (حال کی جمع) کے حصول کیلئے ہوتی ہیں صرف،بلکہ ذکر اور باقی ساری طاعات اس چیز میں برابر ہیں"

کسی عمل میں وقوع پذیر ہونے کے خوف سے اس کو چھوڑا نہیں جاتا۔اس طرح تو قوم کبھی کسی خیر پر جمع ہی نہ ہو اور نہ ہی ان سے کوئی عمل درآمد ہوتا۔اصل مقصد تو ریا اور دکھاوے کو چھوڑنا ہے نہ کہ کسی عمل کو اس کی وجہ سے چھوڑنا چاہیئے۔علماء نے اس مرض اور اس کو دور کرنے والی دواء کے بارے میں تنبیہہ کر دی ہے اور اس مرض میں نفع دینے والے مرہم کے بارے میں بھی بتا دیا ہے کہ توحید کے علم میں جاں گزیں ہونا یہاں تک بندے کو کوئی کام کرنے والا،کوئی زندہ روح اور کوئی ذی الوجود بھی نظر نہ آئے سوائے اس کو وجود میں لانے والی ہستی کے کہ اس کی نظروں میں صرف وہی ہستی ہو ہمیشہ۔

سو اگر ایسی کیفیت ہو تو پھر کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے عمل میں ریا اور دکھاوا کرے جبکہ وہ اللہ جل شانہ اس کا پیدا کرنے والا ہے اس کو توفیق دینے والا ہے اور اسکو نشو ونما کرنے والا ہے شروع سے ہمیشہ تک؟!اور یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ کسی غیر اللہ کی طرف جھکے جبکہ وہ اس غیر اللہ کو جانتا ہے کہ وہ کچھ نہیں کر سکتا بلکہ زندہ ہی نہیں بلکہ اس کا کوئی وجود ہی نہیں؟!

هَذَا خَلْقُ اللهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ (لقمان ١١) ترجمہ: یہ تو اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں اب تم لوگ مجھے دکھاؤ کہ اس کے علاوہ جو ہیں انہوں نے کیا کیا چیزیں پیدا کیں ہیں لیکن اصل حالت مخلوق سے ناامیدی ختم کرنے میں نہیں ہے بلکہ اصل شان تو یہ ہے کہ خالق سے اس بات کی ناامیدی کو ختم کرنا کہ اللہ جل شانہ بندے کو اتنا ہی دیتا ہے جتنا اس کے علم سابق میں لکھا جا چکا ہے جو بدلنے والا نہیں۔سو جس کی طمع حق سے منقطع ہو گئی تو وہ کیسے مخلوق سے متعلق ہو سکتا ہے؟

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (البقرة ١٣٧) ترجمہ: (سمجھ لو) اللہ تعالیٰ تمہاری طرف سے عنقریب ہی نبٹ لے گا اور اللہ تعالیٰ سنتا اور جانتا ہے۔"اور جو یوں کہتا ہے کہ ان لوگوں نے توحید کے حقائق کی تحقیق نہیں کی اور اس کے قدم توحید وتفرید کے میدان میں نہیں جمے اور ابھی انہوں نے تعظیم کی انتہاء تک اپنا پڑاؤ نہیں ڈالا،سو ان لوگوں کے فتنہ سے محفوظ نہیں ہو سکتے باوجود اس کے کہ ان لوگوں نے ائمہ کی کتابوں میں جیسے غزالی رحمہ اللہ وغیرہ نے ذکر کو حد محدود سے نکال دیا ہے جس کا چھوڑنا اولیٰ اور اجمل ہے۔

اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی چھوٹے بچوں کو پڑھنے سے منع کر دے جب وہ ان کے بارے میں یہ سنتا ہے کہ وہ قرأت کو اس حد محدود سے نکالتے ہیں جو ادا کرنے والوں کے نزدیک ہے۔سو اگر یہ بات پختہ تحقیق میں سے نہیں تب بھی یہ ہی حکم ہے بلکہ اس کو چاہیئے کہ وہ ان لوگوں کو پڑھنے پر ابھارے اور ان کو حرکت میں لائے کہ وہ استاذ اور فقیہہ کے پاس جائیں۔اور یہ بھی کہ اگر ہم قضاء کی صفت کا اعتبار کریں جو ائمہ کی کتابوں میں ہے،سو جس میں یہ صفت نہیں تو ہم ان پر قضاء کا حکم نہیں لگائیں گے کیونکہ جو صفت آج نہیں تو ہو سکتا ہے کہ کل پیدا ہو جائے اور اسی طرح گواہ اور امراء اور حباء وغیرہ پر بھی۔لیکن ہر زمانہ اپنے لوگوں کے حساب سے ہوتا ہے اور اللہ اس بندے پر رحم کرے جس نے اپنا زمانہ پایا اور اپنی اور اپنے زمانے کے لوگوں کی اصلاح کی چیز کو جان لیا اور ہر طرح کا فن ان کے پیدا کرنے والوں پر ہی رد کر دیا۔امام مالک کا قول ہے: شہرت میں کوئی خیر نہیں یعنی واللہ اعلم،شہرت کی محبت رکھنے میں ورنہ اگر بادشاہ ہی کی شہرت نہ ہو تو اس کا مذہب بھی مشہور نہیں ہوتا۔

ہر زمانے میں مستحب امر یہ ہے کہ ہر صحیح نیت والے پر خیر کا پھیلانا ہے خاص طور پر ہمارے زمانے میں کیونکہ خیر کے پھیلانے میں بہت فوائد ہیں جیسے: غافل کو تنبیہہ کرنا۔گمراہ اور آوارہ لوگوں پر رد کرنا کیونکہ اگر وہ واقعات میں خیر نہیں دیکھیں گے تو خیال کریں گے کہ ہمارے وجود کا کوئی

فائدہ ہی نہیں، جاہل کو تعلیم دلوانا اور عقل مندوں کی مدد اور اعانت کرنا.... اسی طرح اور بھی بہت سے فوائد ہیں جس کے بارے میں عمر رضی اللہ عنہ نے خبر دی جب ان سے رسول اللہ ﷺ نے ان کی نیت کے بارے میں دریافت کیا جب وہ جہر سے ذکر کر رہے تھے تو انہوں نے فرمایا: ''کچی نیند کے سونے والے کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں'' والسلام۔

شیخ زروق کا وہ قول جو پیچھے گزر چکا ''اگر یہ رقص حال کی کیفیت کے بیان کے ساتھ ہو'' الخ۔ اس پر تو اللہ تعالیٰ سے خوشی کے اظہار کی کیفیت اور لوگوں کی مدد کرنے میں خوشی ظاہر کرنا رہ گیا ہے۔ علامہ ابن زکری کے کلام میں گزر چکا ہے اسی پر آج کے زمانے میں لوگوں کا فعل نکلتا ہے جو انہوں نے خانقاہوں میں شروع کر دیا ہے اور اس کو ہر جمعہ میں کرنا اپنی عادت بنالیا ہے اور اگر فرض کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان کے دلوں کے حال کی خبر دے دی تو ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ ان کی یہ عادت حال اور غلبہ سے خالی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ ہم پر اس فعل کی تکلیف عائد نہ کرتے۔

امام ابو المواہب التونسی المالکی کی ''فرح الاسماع برخص السماع'' میں امام نووی سے نقل کیا گیا ہے جس کی عبارت یہ ہے ''وہ رقص مباح ہے جس میں توڑ پھوڑ نہ ہو اور نہ عورتوں کی سی ہیئت ہو جیسے مخنث'' سو اس کا امر مختلف ہے، لوگوں اور ان کے احوال اور امکان کے اعتبار سے.....

ایک جماعت نے اصحاب الاحوال اور دوسرے لوگوں کے درمیان امتیاز کو اختیار کیا کہ اصحاب الاَحوال کیلئے رقص جائز ہے اور دوسروں کیلئے مکروہ ہے اور یہی قول قابل قبول ہے اور اسی پر اکثر فقہاء جو گانا سننے کو مباح کہتے ہیں انکا اتفاق ہے اور یہ سرداروں بزرگوں کا مذہب ہے اور بعض صوفی حضرات اس چیز میں فرق کرتے ہیں کہ ان کے شیخ اس طرف اشارہ کرتے ہیں یا نہیں، اگر شیخ اشارہ کر دیں تو اسی پر اعتماد کریں گے ورنہ نہیں۔

سو آپ نووی رحمہ اللہ کی تفصیل پر ہی اکتفا کیجئے وہ یہ کہ یہ امر لوگوں اور ان کے احوال کے مناسب مختلف ہے اور اصحاب الاحوال کے لیے جائز ہونے کے متعلق مختلف ہے اور ان لوگوں کیلئے حال کا غالب آنا شرط نہیں بلکہ یہ شرط ہے کہ وہ اصحاب الاحوال ہوں اور اس نقل پر بھی اکتفاء کیجئے کہ یہ امر جائز ہے اگر شیخ نے اجازت دے دی... یہ عظیم عبارت ہے امام عظیم کی طرف سے!

اور ''الارشاد الی تصفیة النفس وتطهیر الفؤاد'' میں ہے جس کی عبارت یہ ہے ''اگر لوگوں میں سے کوئی شخص حال کے غلبہ کی وجہ سے کھڑا ہو گیا تو باقی سب کو بھی چاہیئے کہ وہ کھڑے ہو جائیں'' کیونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے: اتفاق کرنا اور مدد کرنا اور وہ کھڑا ہونے والا شخص اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ وجد ظاہر کرتے ہوئے کھڑا ہو اور باقی لوگوں کو اس کا یہ اظہار کرنا معلوم ہو کیونکہ وہ اس فعل سے وجد کے حصول کا طالب ہے۔

اور جب شیخ الحافظ ابو العباس احمد بن یوسف الفاسی نے رقص کے اوپر کلام فرمایا تو کہا جس کی عبارت یہ ہے ''اسی پر لوگوں کا عمل درآمد ہوا کوئی کھڑا نہیں ہوتا اور نہ ہی حرکت کرتا ہے مگر سچے وجد اور حال کے غلبہ کی وجہ سے الا یہ کہ یہ کھڑا ہونا ایک سچے وجد والے کی مدد کی نیت سے ہو یا پھر خوشگواری کیلئے ہو بغیر نشے اور حال کے اظہار کے''

اس بارے میں سہروردی کی اصل جو ''العوارف'' میں ہے اس کی عبارت یہ ہے ''حال کو دعوت دینا اور اس کے لئے کھڑے ہونے کا تکلف کرنا ادب میں سے نہیں ہاں مگر کسی پر حال کا غلبہ ہو جائے یا پھر وہ سچے واجد کی مدد کیلئے کھڑا ہو سکتا ہے''

جواب الإمام ابن سيد بونة في مسألة الرقص:

وذكر الإمام الشاطبي ﷺ في كتابه المسمى ''السر المصون، في قوله ﷺ: اذكروا الله حتى يقول المنافقون: إنكم مراءون

(١)"مانصه:"وكتب عبدالله بن حكم..من علماء شاطبة-لأبي العباس أحمدبن سيدبونة رضي الله عنه يستفتيه في اشياء أنكرها على المريدين،مثل:الهزو الرقص والدوران،وماأشبه ذلك،وعدها بدعة،وطلب منه الجواب،فكتب إليه هذا الجواب:

الحمدلله وسلام على عباده الذين اصطفىٰ،أمابعد؛سلك الله بك طريق الحفظ والهدى،وجنبك ورطات الفتن والردى،فانه وصلني كتابك المظلمة أنواره ،المسيئة أخباره ، لكثرة أمراضه:فمن بعضها:إنكارك على مارأيت من الاضطراب والارتعاد،والقشعريرةوالدوران،والضجيج والصياح،والصعق والغشيان ...وغيرذلك ممايخص الله عزوجل به غرباءأمته في زمان،وهوسنةأهل التصوف قديماوحديثاً.

لأن السنة سنتان سنةالعوام وسنةالخواص والثانية لايعرفهاغيرهم.ومن ذلك مارأيته وأنكرته ومنهامالم تره ولم يبلغك علمه،ولوسمعته لم تفهمه وقدشهدلهم به الآثار والقرآن وكتب أئمة الشان؛كأبي حامدالغزالي،وأبي طالب المكي،وأبي القشيري ...وغيرهم،رزقناالله المشي على سبيلهم .بل والله كل الأنبياءوالأولياءلم يعرف لهم الاالبكاءوالارتعاش،والصعق والغشيان،وخوف الله تعالىٰ وجلالته وعظمته وهيبته.

وقدجآء اليهود إلى رسول الله ﷺ فقالوا:يامحمد،صف لناربك ماهو؟فأخذته ﷺ رعدة حتى غشي عليه،فلماأفاق من غشيته قال:إن ربي ليس كمثله شيئ ولاهو من شيئ ولاشيئ كهو كل شيئ يموت الاهو فقالوا بين لنا الصفة.فنزلت سورة الاخلاص(٢).

وقال ﷺ ماجاءني جبريل قط إلاوهو ترتعدخوفا من الجبار.وقال زيدبن عمرة شهدت مجلس عبدالواحدبن زيدبعدالعصر فقلت انظر إلى منكبيه يرتعدان ودموعه تنحدرعلى لحيته وهوساكت والناس يبكون.

وحكي أن سيدناموسى عليه الصلاة والسلام قص على قومه ذات يوم،فزعق منهم واحد،فانتهره موسى عليه الصلاة والسلام معاتباًله ،فاوحى الله إليه:ياموسىٰ؛بطيبي فاحوا،وبجيي باحوا،وبوجدي صاحوا،فلم تنكرعلى عبادي؟وصاح الشبلي ليلة بين القوم،فقيل له:مالك؟قال:

لي سكرتان وللندمان واحدة شيئ خصصت به من بينهم وحدي

وكان أبوالحسن النوري يقول في ولهه ودهشه:الله الله الله .ويدوروهو قائم.وكان سيدناعمربن الخطاب يصيح عندالذكرويغشى عليه ،ويكاشف بالغيوب.وللسماع نصيب لكل عضو؛فإذاوقع على العين منه شيئ؛تبكي ،واللسان يصيح،واليدتمزق وتلطم،والرجلين ترقص ...والخبرفي هذاكثير.فمتى لاح لهذاالراقص أوالصارخ برق واقشعرلبهاءمولاه جلده،ولان بذكرسناه فؤاده،فرق وحن وصاح وباح،ولعله بذلك استراح،أيقال له:كذبت وباطل ماادعيت؟

فتب سريعالمولاك،وصدق مارأيت ما(٣)هناوهنالك.وإن تبعتهم ودخلت مدخلهم وتحققت حالهم؛عذرتهم،بل والله أحببتهم وأكرمتهم،وكنت ممن تواجدوذاق وعرف.فلاتنكرعلى احدمنهم شيئا،ولاتذكرأحدامنهم بسوءلئلاتهلك مع الهالكين ،فان الأمرأكثرمماتظن،وأكثرمماقيل لك،فالزم الصدق مع الله،واترك الخلق ترى العجب العجاب حتى تشاهدمولاك.

واعلم أن كل علم يرجع فيه لأربابه ،ومذهب اهل هذاالطريق هواعلى المذاهب وأرفعها،ولايعرفهاغيرهم ،فلايتحققه الامن دخل معهم ومن لم يدخله عاداه،ومن جهله أنكره.ومن إكرام المرءنفسه:أن لايقول إلاماأحاط به علما.

وماذكرته من كلام الفقهاء المتقدمين ؛كمثل أبي بكرالآجري،وكتاب "التلبيس"وأشباههم،كل ذلك غيرصحيح ،لايلتفت إليه العاقل،ولايعول عليه الوصل بل ينبغي أن تمحى تلك الأسطرمن تلك الكتب،لأنهاأضلت كثيرامن

الناس۔نسال الله العصمة ،إنه كريم وهاب،والسلام على من تبرأمن دعواه،وآثرالله مولاه وعبده كانه يراه ،وأحبه وأحب اولياءه حتى يلقاه،سليم القلب من كل خاطر سواه،ورحمة الله وبركاته"اهمنه بلفظه۔

وهو كلام عجيب ذو اسلوب غريب لا يصدر إلا من صاحب فيض ربانى،ونور اختصاصى رحمانى۔

وفى المنن الكبرىٰ(۴)للامام الشعرانى رضی اللہ عنہ مانصه"ومما من الله به على:عدم مبادرتى للإنكار على من قام وتواجد،ولو كان من الظلمة ،أولم يكن له به عادة ،فقديكشف الله الحجاب عن بعض القلوب فتحن الى وطنها فتتمايل كالشجرة كأنها تريدقلع عروقها من الأرض۔"

كان الشيخ عبدالرحيم القناوى(۵)،والشيخ أبو الحجاج الاقصرى(۶)،وغيرهما من الرجال يستمعون ويهيجون كهيجان الجمال،ويصير أحدهم يقول ياحبيبى ياحبيبى..وهو لا يشعر بأحد من الخلق"اهمنه باللفظ۔

وفى الطبقات الكبرى(۷)له أيضاله رضی اللہ عنہ فى ترجمة سيدى يوسف الهمدانى رضی اللہ عنہ مانصه:السماع:سفر الى الحق والى رسوله،والتسماع هتاك للأستار،وكاشف للأسرار وشمس طلعت على بساط القرب من غير هنالك،فترى أهل السماع والهين حيارى خاشعين سكارى۔

وكان يقول:إن الله خلق من نور بهائه ألف ملك من الملائكة المقربين واقامهم بين العرش والكرسى على بساط الأنس فى حضرة القدس،لباسهم النور الأخضر ووجوههم كالقمر ليلة البدر،فهم هائمون متواجدون والهون حيارى،خاشعون سكارى،منذ خلقوا يهرولون من ركن العرش الى ركن الكرسى لما هم من شدة الوله،فهم صوفية اهل السماء إخوان نافى النسب:فإسرافيل قائدهم ومرشدهم وجبريل رئيسهم ومتكلمهم وميكائيل حاديهم وعزرائيل ساقيهم والحق تعالىٰ أنيسهم وجليسهم"اهـ[1]

امام ابن سید بونہ کا رقص کے مسئلہ میں جواب:

امام الشاطبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب جس کا نام"السر المصون"ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں"اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو یہاں تک کہ منافق لوگ تمہیں ریا کار کہنے لگیں"ذکر کیا جس کی عبارت یہ ہے"عبداللہ بن حکم-جو شاطبۃ کے علماء میں سے ہیں،نے ابو العباس احمد بن سید بونہ رحمہ اللہ کو خط لکھا جس میں انہوں نے ان سے ان چیزوں کے بارے میں فتویٰ دیا جن کا انہوں (عبداللہ بن حکم) نے اپنے مریدوں کو منع کیا تھا مثلاً جھٹکے کھانا،رقص کرنا،جھومنا اور جو اس سے ملتی جلتی چیزیں ہیں اور انہوں نے ان چیزوں کو بدعت قرار دیا،ان سے ان سب کے بارے میں جواب طلب

---

[1](۱)سبق تخريجه۔

(۲)لم اقف عليه بهذا اللفظ۔

(۳)هكذا فى النسخة المعتمدة۔

(۴)ص ۵۳۵-۵۳۴

(۵)هو شيخ مشايخ الاسلام عبدالرحيم بن احمد بن حجون بن محمد السبتى القنائى المالكى ،وهو من اصحاب الشيخ ابى يعزى ،توفى ۵۹۲ھ۔انظر ترجمته فى:"الطالع السعيد"للأدفوى(ص ۲۹۷)،و"جامع كرامات الاولياء"(۶۷/۲)و"اعلام"(۳۴۳/۳)

(۶)هو الشيخ العارف الزاهد ابو الحجاج يوسف بن عبدالرحيم الأقصرى ،توفى ۶۴۲ھ،انظر ترجمته فى "الطالع السعيد"للادفوى(ص ۷۲۲)و"جامع كرامات الاولياء"(۲۹۱/۲)والاعلام(۲۳۸/۸)

(۷)(ص ۲۰۰)

کیا تو انہوں نے جواب میں یہ لکھا: "الحمدللہ اور سلامتی ہو ان لوگوں پر جن کو اللہ پاک نے چن لیا۔ امابعد: اللہ تعالیٰ نے تم کو حفاظت اور ہدایت کے راستے پر چلایا ہے اور تم کو فتنوں کے گڑھے میں گرنے اور ہلاک ہونے سے بچایا مجھ کو تمہارا خط پہنچا جو انوار کو ظلمت میں ڈالنے والا اور بری خبروں والا ہے۔ بہت سارے امراض کی وجہ سے:

ان میں سے کچھ تو یہ ہیں تمہارا انکار ان چیزوں کے بارے میں جو تم نے دیکھیں مثلاً اضطراب اور کانپنا، رونگٹے کھڑے ہونا، چکرانا، چیخنا چلانا اور گرنا پڑنا اور بے ہوش ہونا وغیرہ جو اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے میں اپنی امت کے غرباء کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور یہ اہل تصوف کی سنت ہے ہر زمانے میں نئے اور پرانے۔

کیونکہ سنت دو قسم کی ہوتی ہیں: عوام کی سنت اور خواص کی سنت تو جو خواص کی سنت ہوتی ہے اس کو ان کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور تم نے انہیں سنت کی چیزوں کو دیکھا اور انکار کیا اور اس میں سے کچھ چیزیں ایسی ہیں جو تم نے نہ دیکھی ہیں اور نہ اس کا علم تم تک پہنچا ہے اگر تم سنو بھی تو نہ سمجھو۔ اس پر تو قرآن وسنت اور بڑے بڑے ائمہ کی کتابوں نے گواہی دی ہے: جیسے ابو محمد الغزالی، ابو طالب المکی، ابو القاسم القشیری وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی ان کے راستے پر چلنے کی توفیق دے بلکہ اللہ کی قسم! انبیاء اور اولیاء کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا سوائے رونے اور کپکپانے اور چیخنے چلانے اور بے ہوش ہونے کے اور اللہ تعالیٰ کے خوف اور اس کی عظمت و ہیبت اور اجلال کے۔

کچھ یہودی آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے محمد ﷺ! ہم سے اپنے رب کا وصف بیان کرو کہ وہ کیا ہے؟ تو آپ ﷺ پر کپکپی طاری ہوگئی یہاں تک کہ آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے پھر جب آپ ﷺ کو بے ہوشی سے افاقہ ہوا تو فرمایا: یقیناً میرا رب ایسا ہے کہ اس کے جیسی کوئی چیز نہیں اور نہ ہی وہ کسی چیز سے بنا ہوا ہے اور نہ ہی کوئی چیز اس سے ملتی ہے ہر چیز فنا ہو جائے گی سوائے اس کی ذات پاک کے، تو انہوں نے کہا: ہمیں صفت بتاؤ۔ اس پر سورۃ الاخلاص نازل ہوئی۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبرائیل علیہ السلام کبھی نہیں آئے مگر اس حالت میں کہ وہ جبار کے خوف سے کانپتے ہیں۔

زید بن عمرہ کہتے ہیں کہ میں نے عصر کے بعد عبدالواحد بن زید رحمہ اللہ کی مجلس کا مشاہدہ کیا تو میں ان کے مونڈھوں کو دیکھ رہا تھا کہ وہ کپکپا رہے تھے اور آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر تھی اور وہ خاموش تھے اور لوگ رو رہے تھے۔

حکایت میں آتا ہے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام ایک روز اپنی قوم کو قصہ سنا رہے تھے کہ ان میں سے ایک چیخنے لگا تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کو عتاب کے طور پر بہت زور سے ڈانٹا تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی موسیٰ علیہ السلام کی طرف! اے موسیٰ علیہ السلام! میری خوشبو سے یہ لوگ مہکے ہیں اور میری محبت سے ہی یہ لوگ ظاہر ہوئے ہیں اور میرے وجد کی وجہ سے چلائے ہیں تو پھر کیوں میرے بندوں پر انکار کرتے ہو؟

ایک رات شبلی رحمہ اللہ لوگوں کے درمیان بیٹھے تھے کہ انہوں نے چیخ ماری ان سے کہا گیا: آپ کو کیا ہوا؟ انہوں نے کہا:

لی سکرتان وللندمان واحدة　　شیئی خصصت به من بینهم وحدی

ترجمہ: میرے لئے دو مدہوش کرنے والی چیزیں ہیں اور ندمان کیلئے ایک چیز ہے۔ ان سب کے درمیان میں انکے لئے مخصوص کر دیا گیا ہوں۔

ابو الحسن النوری رحمہ اللہ دہشت اور والہانہ انداز میں کہتے تھے اللہ اللہ اور وہ کھڑے ہوئے جھوم رہے ہوتے تھے۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہوئے چیختے تھے اور بے ہوش ہو جاتے تھے اور ان پر غیبی چیزوں کا ظہور ہوتا تھا۔

اور سننے کا اثر ہر عضو پر ہوتا ہے اگر آنکھ پر اس کا اثر ہو تو وہ رونے لگتی ہے اگر زبان پر اس کا اثر ہو تو وہ چلانے لگتی ہے اور اگر ہاتھ پر اس

کا اثر ہوتو وہ پھاڑنے اور مارنے لگتا ہے اور اگر پاؤں پر اثر ہوتا ہے تو وہ رقص کرنے لگتا ہے... اس بارے میں احادیث بہت ہیں تو جب اس رقص کرنے والے اور چیخنے والے پر بجلی چمکتی ہے تو اسکی جلد کانپ اٹھتی ہے اور اپنے مولیٰ کے جلال سے اور اس کے بلند مرتبہ کے ذکر سے اس کا دل نرم ہوجاتا ہے تو وہ رحم دل ہوجاتا ہے اور چیختا ہے اور جھومتا ہے اور شاید وہ اس طرح سکون اور راحت حاصل کرتا ہے تو اس کو یہ کہا جائے گا کہ تم نے جھوٹ بولا اور جس چیز کا تم ادعاء کرتے ہو وہ باطل ہے؟ سو تم جلد اپنے مولیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو اور اس کی تصدیق کرو جس کو تم نے یہاں اور وہاں دیکھا اور اگر تم ان کی اتباع کروگے اور ان کے مدخل میں داخل ہوجاؤ گے اور انکے حال کی تحقیق کروگے تو ان سے معذرت کرلوگے بلکہ اللہ کی قسم! ان سے محبت کرنے لگوگے اور انکا اکرام کرنے لگوگے اور ان میں سے ہوجاؤ گے جس نے وجد کو جان لیا اور اسکا مزہ چکھ لیا اور اس کو حاصل کرلیا اور تم ان پر کسی چیز کا بھی انکار نہیں کروگے اور ان میں سے کسی کو بھی برائی کے ساتھ ذکر نہیں کروگے کہ کہیں تم بھی ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہلاک ہوجاؤ اور یہ امر تو اس سے کہیں زیادہ ہے جتنا تم سوچ رہے ہو اور اس سے زیادہ ہے جتنا تم سے کہا گیا تو اللہ کے ساتھ سچائی کو لازم رکھو اور لوگوں کی پرواہ چھوڑ دو تو تم عجیب عجیب چیزوں کا مشاہدہ کروگے یہاں تک کہ تم اپنے مولیٰ کو پہچان لوگے۔

جان رکھو کہ ہر علم میں اس علم کے ارباب کی طرف ہی رجوع کیا جاتا ہے اور اس راستہ کے لوگوں کا مذہب سب سے اعلیٰ اور اونچا مذہب ہے اس کو ان کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا اور اس کی کوئی تحقیق نہیں کرتا سوائے ان لوگوں کے جو ان کے ساتھ داخل ہوجائیں جو اس میں داخل نہیں ہوتا وہ ان سے عداوت کرنے لگتا ہے اور جو اس کی طرف سے جہل میں ہے وہ اس کا انکار کرتا ہے اور بندے کا اپنے نفس کے اکرام میں سے ہے کہ وہ صرف اتنا ہی بولے جتنا اس کو علم ہے اور جو تم نے فقہاء متقدمین کا کلام ذکر کیا ہے جیسے ابوبکر الآجری اور کتاب ''التلبیس'' اور اس کے جیسی اور کتابیں یہ سب صحیح نہیں ہیں عقل منداس کی طرف التفات نہیں کرتا اور ان کتابوں سے تعلق جوڑنا ہی نہیں چاہیئے بلکہ چاہیئے کہ وہ سطریں ان کتابوں میں سے مٹادی جائیں کیونکہ ان سطروں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے حفاظت مانگتے ہیں بے شک وہ کریم ہے وھاب ہے اور سلامتی ہو اس پر جو اپنے دعویٰ سے دستبردار ہوا اور اس نے ہر کسی پر اپنے مولیٰ کو ترجیح دی اور اس کی اس طرح عبادت کرتا ہے جیسے وہ اپنے رب کو دیکھ رہا ہو اور اپنے رب سے محبت کرتا ہے اور اس کے اولیاء سے محبت کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اپنے خالق حقیقی سے جاملتا ہے سلیم القلب ہوتا ہے ہر فکر سے صرف اپنے رب کی فکر میں رہتا ہے ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

یہ بہت ہی عجیب کلام ہے اور انمول اسلوب والا ہے یہ کلام کسی سے صادر نہیں ہوسکتا سوائے اس شخص کے جو ربانی فیض رکھنے والا ہو اور خاص رحمانی نور والا ہو۔

امام الشعرانی رحمہ اللہ کی کتاب ''المنن الکبریٰ'' میں ہے جس کی عبارت یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ نے جو مجھ پر کرم فرمایا ہے اس میں سے یہ ہے کہ جس کو وجد حاصل ہوتا ہے اور وہ کھڑا ہوتا ہے اسکا انکار نہیں کرتا چاہے وہ گمراہ لوگوں میں سے کیوں نہ ہو یا چاہے اس کی وجد کی عادت بھی نہ ہو اللہ نے بعض دلوں پر سے حجاب کو ہٹادیا ہے تو وہ اپنے وطن کی طرف نرم دل ہوجاتا ہے اور درخت کی طرح جھولتا ہے جیسے وہ زمین سے اپنی جڑوں کو اکھاڑنا چاہتا ہے۔

شیخ عبدالرحیم القناوی اور شیخ ابوالحجاج الاقصری اور ان دونوں کے علاوہ دوسرے لوگ سنتے ہیں اور ایسے جوش میں آجاتے ہیں جیسے اونٹ جوش میں آتا ہے اور ان میں سے ایک یہ کہنے لگے یا حبیبی، یا حبیبی... اور اس کو آس پاس کی مخلوق کا بھی ہوش نہ ہوگا۔

امام الشعرانی رحمہ اللہ کی کتاب ''الطبقات الکبریٰ'' میں سیدی یوسف البھدانی رحمہ اللہ کے ترجمہ میں ہے جس کی عبارت یہ ہے کہ ذکر کا سننا حق کی طرف اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سفر ہے غور و دھیان سے سننا پردوں کا ہٹانے والا ہے، اسرار کا ظاہر کرنے والا ہے یہ ایک سورج ہے جو یہاں

سے بہت قریب طلوع ہوا ہے تو وہ سننے والوں کو دیکھتا ہے کہ وہ والہانہ انداز میں سنتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرنے اور نشے میں چور ہیں۔

اور وہ یہ کہتے تھے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے دلفریب نور سے ایک ہزار مقرب فرشتوں کو پیدا کیا اور ان کو عرش و کرسی کے درمیان انسیت کے بچھونے پر کھڑا کیا اپنی ذات قدس کی بارگاہ میں ان کا لباس سبز نور ہے اور ان کے چہرے چودھویں کے چاند کے مانند ہیں اور وہ عاشق اور مجنون کی طرح وجد کی کیفیت میں ہے والہانہ انداز میں حیرت زدہ ہیں اور اپنے رب سے ڈرنے والے نشے میں چور ہیں، جب سے وہ پیدا ہوئے ہیں عرش کے رکن سے کرسی کے رکن تک دوڑتے رہتے ہیں اپنی گرویدگی کے سبب ،وہ آسمان والوں کے صوفیاء ہیں۔سوائے ہمارے نسبی بھائیو! اسرافیل علیہ السلام انکے قائد اور امیر ہیں، جبریل علیہ السلام ان کے رئیس اور بات کرنے والے ہیں اور میکائیل علیہ السلام ان کے مسائل حل کرنے والے ہیں عزرائیل علیہ السلام ان کے ساقی ہیں اور اللہ شانہ ان کے رئیس اور ساتھی ہیں۔[1]

غاية الكمال: التأسي بالنبي ﷺ:

وقال الإمام الفاضل أبو الفتوح سيدى أحمد بن محمد الطوسى الغزالى۔أخو أبى حامد حجة الاسلام الغزالى وهو السبب فى زهده وخروجه للسياحة۔كما فى النجم الثاقب فيما لأولياء الله من المناقب"(۱) فى كتابه المسمى "بوارق الإلماع، فى تكفير من يحرم السماع وبيان شرفه بالإجماع"

"أخرج البخارى ومسلم عن عائشة قالت: قال رسول الله ﷺ ما بال أقوام يتنزهون عن الشيئ أصنعه فو الله إنى لأعلمهم بالله وأشدهم له خشية"(۲)

وقد اجتمع فى حضرة النبى ﷺ سماع الشعر والدف، والغناء والرقص، فمن حرم ذلك كان اعترافاً منه أن النبى ﷺ فعل بحضرته محرم اقره، ومن اختلج فى ظنه أنه عليه الصلاة والسلام فعل بحضرته محرم وأقره، فهو كافر باتفاق۔ومن اجتنب حضور مجالسه وأقر حكمه فهو فاسق، لأنه اجتنب مجلسا حضره النبى ﷺ" اهـ۔

وفى سنن المهتدين(۳) عن ابن العربى مانصه "ولما كان التأسى به محمودا استحال أن ياتى منه ﷺ فعل فيه تخصيص ولم يبينه لأمته۔

وقال أيضاً(۴): مافعله النبى ﷺ كله يحسن التاسى به ﷺ على كل حال، إلا أن يخبر ﷺ أنه له خاصة أو ينطق القرآن بذلك، وإلا فلا، فالاقتداء به ﷺ أقل أحواله: أن يكون مندوباً إليه۔[2]

کمال کی غایت: آپ ﷺ کی اقتداء:

امام الفاضل ابوالفتوح سیدی احمد بن محمد الطوسی الغزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو ابو حامد حجۃ الاسلام غزالی رحمہ اللہ کے بھائی تھے وہ ہی ان کے زہد کا سبب اور سیاحت کیلئے نکلنے کا سبب تھے۔جیسا کہ "النجم الثاقب فيما لاولياء الله من المناقب" میں ہے اور ان کی کتاب جس

---

[1] (الطبقات الکبریٰ ص ۲۰۰)

[2] (۱) "النجم الثاقب فيما لأولياء الله من المناقب" لأبى عبد الله محمد بن احمد بن ابى الفضل بن صعد الأنصارى الأندلسى، توفى ۹۰۱ھ رتبه على حروف المعجم كما فعل ابن خلكان فى "وفيات الأعيان"، وهو كتاب شريف فى فنه، كثير الفائدة، فى أربع مجلدات، وقد استحسنه سلطان تلمسان، وكتبت تراجمه وفصوله بماء الذهب، وحق له ذلك، انظر ترجمة ابن صعد فى: "وفيات الونشريسيى" (موسوعة أعلام المغرب) و "دوحة الناشر" (ص ۱۲۴-۱۲۳)

(۲) اخرجه البخارى رقم (۶۱۰۱)۔ومسلم رقم (۲۳۵۶)

(۳) ص ۴۸۵

(۴) ص ۴۷۷

کانام "بوارق السماع ،فی تکفیر من یحرم السماع وبیان شرفه بالاجماع" ہے اس میں ہے کہ امام بخاری اور مسلم اس حدیث کو منظر عام پر لائے ہیں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا (جس کا مفہوم یہ ہے) ان اقوام کا کیا حال ہے جو ان چیزوں سے دور ہوتے ہیں اور بچتے ہیں جن کو میں کرتا ہوں، سو اللہ کی قسم، میں ان لوگوں سے زیادہ اللہ کو جاننے والا ہوں اور میں ان سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں۔

آپ ﷺ کی خدمت میں شعر وشاعری سننے اور دف اور گانے اور رقص کی محفل ہوئی سو جس نے اس کو حرام کیا ہے یہ اس کی طرف سے اعتراف ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں حرام کام ہوا جس کا انہوں نے اقرار کیا اور جس کے ذہن میں یہ شک آیا کہ آپ ﷺ کی خدمت میں حرام کام ہوا اور انہوں نے اس کا اقرار کیا تو وہ شخص بالاتفاق کافر ہے اگر وہ اس مجلس میں جانے سے اجتناب کرے اور اس کے حکم کا اقرار کرے تو وہ فاسق ہے کیونکہ اس نے ایسی مجلس سے اجتناب کیا جس میں آپ ﷺ بھی حاضر ہوئے۔"

"سنن المهتدين" میں ابن العربی سے روایت ہے جس کی عبارت یہ ہے "جب آپ ﷺ کی اقتداء کرنا محمود ہے تو یہ محال ہے کہ آپ ﷺ سے کوئی ایسا فعل صادر ہو جس میں تخصیص ہو اور وہ اپنی امت کو اس فعل کے بارے میں نہ بتائیں۔"

یہ بھی فرمایا "جو بھی آپ ﷺ نے کیا تو ہر حال میں اس کی اقتداء کرنا اچھا ہے، سوائے اس فعل کے جس کی آپ ﷺ نے خبر دی کہ وہ ان کیلئے خاص ہے یا پھر قرآن ان کے اس فعل کو خصوصیت کے ساتھ بیان کرے ورنہ تو نہیں، سو آپ ﷺ کی اقتداء کرنا ان کے احوال کے اقل درجہ میں ہے کہ وہ ان کے نزدیک مندوب ہے۔"

جواب الإمام ابن خجو فی مسألة الرقص:

وفی ضیاء النهار لغمام الأبصار، فی نصرة الفقراء أهل السنة الأخیار المبین لما خفی من أحوالهم للأبرار۔ لفقیه الملة ناصح الأمة أبی القاسم علی المعروف بابن خجو، مانصه:

فإن قال لک قائل جاهل بما فی کتاب السماع من إحیاء علوم الدین وبما فی القشیری وأبی نعیم فی الحلیة، وبما فی صفوة الصفوة لابن الجوزی وبما للقزوینی فی تفسیر سورة الحج، وبما للفقیه الإمام ابن أبی زمنین(۱) فی حیاة القلوب فی صفة أرباب القلوب۔ فما دلیل الفقراء علی جواز البکاء والعویل، والأنین والرقص والتصفیق والاهتزاز والرکض والزفن، والصیاح والزعق، وتقطیع الثیاب والسقوط علی الأرض متغاشین؟

قلت: أصل جواز الرقص: رقص الحبشة فی مسجد الرسول ﷺ وهو ینظر الیهم ویقول لهم دونکم یابنی أرفدة أی جدوا فی الرقص۔

فالرقص والشطح ولباس المرقعات والصفق ونحوه مما ذکر فجمیع ذلک له أصل یبتنی علیه فی الشرع، وکذلک حلق الذکر فلا یلام فاعل ذلک بمجرده مطلقا اذ لا یحرم من ذلک الا مایقع منه ریاء وسمعة سوی تقطیع الثیاب إذ لا یسوغ تقطیعها اختیارا تقطیعا لا یبقی فیها منفعة۔[1]

---

[1] (۱) هو الامام العلامة المفسر ابو عبدالله محمد بن عبدالله بن عیسیٰ بن ابی زمنین المری إلبیری، ولد ۳۲۴ھ وتوفی ۳۹۹ھ، انظر ترجمته فی "سیر أعلام النبلاء" (۱۷/۱۸۹-۱۸۸) و "الأعلام" (۶/۲۷۷)۔

امام ابن خجو کا جواب رقص کے مسئلے میں:

ملت کے فقیہہ ،امت کے ناصح ابوالقاسم علی جوابن خجو کے نام سے معروف ہیں ان کی کتاب''ضیاء النهار لغمام الابصار فی نصرة الفقراءأهل السنة الاخیار المبین لماخفی من احوالهم للأبرار''جس کی عبارت یہ ہے''اگرتم سے کوئی کہنےوالا جاھل یہ کہے جو''احیاءعلوم الدین''میں ہےاور جوقشیری اورأبی نعیم کی''الحلیة''میں ہےاور جوابن جوزی کی''صفوة الصفوة''میں ہےاور جوقزوینی کی سورت الحج کی تفسیر میں ہےاور جوفقیہہ امام ابن ابی زمنین کی کتاب''حیاة القلوب فی صفة أرباب القلوب''میں ہےتو فقراء کے رونے،گریہ وزاری،آہ وزاری کرنے،رقص کرنے،تالیاں بجانے،جھومنے،دوڑنے،چیخنے،چلانےاور کپڑے پھاڑنےاور غش کھانے کے بعد زمین پر گرنے کے جواز کے بارے میں کیا دلیل ہوگی؟ میں نے کہا:رقص کے جواز کا اصل یہ ہے کہ حبشہ کا رقص جوکہ رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں تھااور آپ ﷺ ان کی طرف دیکھ رہے تھےاور آپ ﷺ کاان سے یہ کہنا کہ:اے بنی ارفدہ اورکوشش کرویعنی رقص میں جستجو کرو۔سورقص کرنااور پیوندوالے کپڑے پہننااور تالیاں بجاناوغیرہ جنکا ذکر کیا گیا توان سب چیزوں کی شریعت میں ایک اصل ہے جس پران چیزوں کی بنیاد ہےاور اسی طرح ذکر کے حلقے بھی،توان سب کے کرنے والے کو بالکل بھی ملامت نہ کی جائے گی کیونکہ یہ سب حرام نہیں ہے الایہ کہ یہ عمل ریاکاری اور دکھاوے کیلئے ہوسوائے کپڑوں کے پھاڑنے کے کیونکہ اختیاری طور پر کپڑوں کا پھاڑنا آسان نہیں ہے وہ بھی ایسا پھاڑنا کہ اس لباس میں کوئی نفع باقی نہ رہے۔

الدلیل علی جواز البکاء بالأنین والصعق ونحوه فی ملأمن الناس:

أماالدلیل علی جواز البکاء فی ملامن الناس بالأنین ونحوه ،فحدیث العرباض بن ساریة(۱) الذی قال فیه وعظنارسول الله ﷺ موعظة بالغة ذرفت منهاالعیون ووجلت منهاالقلوب...الحدیث(۲)،إلی غیر ذلک من الأحادیث والحکایات۔

ومن ذلک:مانقله الإمام ابن العربی فی أول کتابه''سراج المریدین''عندافتتاحه للکتاب ،حین ذکر خطبة لأبی بکر صدیق رضی الله عنه التی قال:خطبناأبوعلی الحلبی خطیب المسجدالأقصی حیث قال فی کلامه:ولم یبلغ من الخطبة هاهناحتی غلب علی الخلق الأنین،واستولی علیهم الحنین،وسال الدمع وارتفع الزعق،وکثر الصعق...الحکایة إلی آخرها۔

ومانقله الفقیه ابن أبی زمنین فی حیاة القلوب والغزالی فی کتاب السماع۔ومن وجدعند قراءة قوله تعالیٰ :إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا(12)وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا(13المزمل)فصعق ﷺ۔(۳)

ومن الاحیاء(۴) فی کتاب السماع:أن عمر رضی اللہ عنہ قرأ :إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ (7) مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ (8الطور)فصاح صیحة وخرمغشیاعلیه،وحمل إلی بیته فلم یزل فی بیته مریضاشهرا...(۵)

الی غیر ذلک من الحکایات التی لاتسع فی دفترواحد،کحکایة(۶) الشبلی التی فی کتاب السماع(۷) المذکورالتی قال فیها:کان الشبلی فی مسجده لیلة رمضان،فقرأالإمام:وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ (86الاسراء)،فزعق الشبلی زعقة ظن الناس انهاطارت روحه وأخضروجهه وارتعد....الحکایة إلی آخرها۔(۸)وفی هذاالمعنی قال الإمام ابن البنافی ''المباحث الأصلیة''فی باب السماع منها:

والرقص فیه دون هجم الحال　　لیس علی طریقة الرجال

ومن يكن يقوى على السكون　　فانه اسلم للظنون

والزعقات فيه والتمزيق　　ضعف وهز الراس والتصفيق

والضمير في قوله "فيه" في البيت الأول يعود على السماع، ولا ينكر وجود هذا الأشياء من غير رياء الا جاهل باحوال أرباب القلوب، ومن لا قلب له وسبح عمره في بحر الغفلة ولم يراقب علام الغيوب۔

ولا يخفى على من له أدنى بصيرة أن حقيقة الخوف: حدوث ألم ما في القلب وأن غايته خروج النفس بالموت خوفا وانبهارا، وحقيقة أول السرور: حدوث شيئ ما من الفرح في القلب وأقصاه: خروج النفس شوقا وتلك الحالة التي ذم بها الجهال الذين لا قلوب لهم أرباب القلوب ففرق بين مبدأ حقيقة الخوف وأقصاه وما بين مبدأ الفرح وأغياه۔[1]

لوگوں کی جماعت کے درمیان آواز کے ساتھ رونے اور غش کھا کر گرنے وغیرہ کے جواز کی دلیل:

لوگوں کی جماعت میں آواز کے ساتھ رونے وغیرہ کے جواز کی یہ دلیل ہے: عرباض بن ساریہ کی وہ حدیث جس میں انہوں نے یہ فرمایا: آپ ﷺ نے ہم سے ایک ایسا جامع وبلیغ وعظ فرمایا کہ اس سے آنکھیں نم ہوگئیں اور دل ڈر گئے۔الحدیث،اس کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث اور حکایات ہیں اور اس میں سے یہ بھی ہے جو امام ابن العربی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "سراج المریدین" کے شروع میں نقل کیا ہے کتاب کے افتتاح کے نزدیک جب انہوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خطبہ ذکر کیا جس میں انہوں نے اپنے کلام میں فرمایا وہ اپنے خطبہ میں یہاں تک بھی نہیں پہنچے تھے کہ لوگوں پر چیخ وپکار طاری ہوگئی اور ان پر اشتیاق کی کیفیت طاری ہوگئی آنسو بہنے لگے اور چیخ وپکار کی آوازیں بلند ہوگئیں اور بے ہوشی بڑھ گئی... حکایت آخر تک۔

الفقیہ ابن ابی زمنین نے "حیاۃ القلوب" میں نقل کیا ہے اور غزالی نے کتاب السماع میں کہ اس آیت کی قراءت کرتے ہوئے آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے تھے وہ آیت یہ ہے۔ إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا (١٢) وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ﴿المزمل ١٣﴾ ترجمہ: بے شک ہمارے پاس بھاری بیڑیاں ہیں اور بھڑکتی آگ اور گلے میں پھنستا کھانا اور دردناک عذاب۔"

اور "الاحیاء" کی کتاب السماع میں سے ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ (٧) مَا لَهُ مِنْ دَافِعٍ ﴿الطور ٨﴾ ترجمہ: بیشک تیرے رب کا عذاب ضرور ہونا ہے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔" تو انہوں نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر ان کو اٹھایا گیا اور گھر لے جایا گیا اور وہ اپنے گھر میں ایک مہینے تک بیمار رہے۔

---

[1] (١) هو الصحابي الجليل أبو نجيح العرباض بن سارية السلمي، كان من أهل الصفة، وهو من البكائين، نزل الشام وسكن حمص، توفي ٧٥ھ انظر ترجمته في: "تهذيب الاسماء واللغات" (١/٣٣٠) و "تهذيب الكمال" (١٩/٥٤٩)

(٢) اخرجه الترمذي رقم (٢٦٧٦)، وأبو داؤد رقم (٤٥٩٩) وابن ماجه رقم (٤٣)

(٣) (هناد في الزهد رقم ٢٦٧، وأحمد في الزهد ٣٦، والبيهقي في شعب الايمان رقم ٨٨٩ وابن عدي في الكامل ٢/٨٤٢ وزاد السيوطي نسبته في الدر منثور ١٥/٥٤-٥٣) لعبد بن حميد۔ والحديث ضعيف۔

(٤) ٢/٢٩٧

(٥) (الدر المنثور ١٣/٧٠٠)

(٦) هو شيخ الطائفة أبو بكر الشبلي البغدادي، قيل اسمه دُلف بن جحدر، وقيل جعفر بن يونس، وقيل جعفر بن دلف، توفي ٣٣٤ھ انظر ترجمته في: "تاريخ بغداد" (١٦/٥٦٣) و "وفيات الأعيان" (٢/٢٧٦-٢٧٣) و "سير أعلام النبلاء" (١٥/٣٦٧)

(٧) الاحياء ٢/٢٩٧

(٨) ذكرها الامام القشيري في الرسالة ص ٥٥٣

اس کے علاوہ اور بھی حکایات ہیں جو ایک دفتر میں نہیں آسکتیں جیسے شبلی رحمہ اللہ کی حکایت جو کتاب السماع میں مذکور ہے جس میں انہوں نے یہ کہا: ایک رمضان کی رات شبلی رحمہ اللہ مسجد میں تھے تو امام نے یہ آیت پڑھی :وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ﴿بنی اسرائیل ۸۶﴾

ترجمہ: اور اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمہاری طرف کی اسے لے جاتے پھر تم کوئی نہ پاتے کہ تمہارے لئے ہمارے حضور اس پر وکالت کرتا "، تو شبلی رحمہ اللہ نے ایک زوردار چیخ ماری کہ لوگ خیال کرنے لگے کہ ان کی روح پرواز کر گئی اور انکا چہرہ نیلا پڑ گیا اور کپکپی طاری ہوگئی... آخر تک

اسی مفہوم میں امام ابن البنا نے "المباحث الأصلية" کے باب السماع میں فرمایا:

والرقص فيه دون هجم الحال	ليس على طريقة الرجال
ومن يكن يقوى على السكون	فانه اسلم للظنون
والزعقات فيه والتمزيق	ضعف وهز الرأس والتصفيق

ترجمہ: سماع میں جو رقص ہوتا ہے وہ حال کے ہجم سے کم ہوتا ہے اور لوگوں کے طریقے پر نہیں ہوتا اور جو سکون پر قوت پالیتا ہے وہ شک وشبہ سے سلامت رہتا ہے اور اس رقص میں چیخ و پکار اور پھاڑ پھوڑ ہوتی ہے جو زیادہ ہوتی ہے اور سر کو ہلانا اور تالیاں بجانا بھی ہوتا ہے۔"

ان کے قول "فيه" جو پہلے بیت میں ہے اس میں ضمیر "سماع" کی طرف لوٹتی ہے۔ ان سب چیزوں کا ریا کے بغیر کوئی انکار نہیں کرتا سوائے جاہل کے اور جس کے اندر دل ہی نہیں ہوا اور وہ جس نے اپنی ساری عمر غفلت کے سمندر میں تیراکی کی ہو اور اس نے علام الغیوب کا کبھی مراقبہ نہ کیا ہو۔ یہ ہی لوگ دل والے لوگوں کے احوال کا انکار کرتے ہیں۔

جو بندہ ادنی بصیرت رکھتا ہے اس سے بھی یہ امر مخفی نہیں کہ خوف کی حقیقت یہ ہے: دل میں ایک درد کا پیدا ہونا اور اس کی غایت یہ ہے: موت سے نفس کا اخراج ہونا خوف کی حالت میں۔ اور سرور کی ابتدائی کیفیت کی حقیقت یہ ہے: ایک قسم کی خوشی کا دل میں پیدا ہونا اور اس کی انتہاء یہ ہے کہ نفس کا جسم سے شوق کی حالت میں نکلنا اور یہ ہی حالت ہے جس کا جاہل لوگ جن کا دل نہیں ہوتا وہ اہل بصیرت لوگوں پر انکار کرتے ہیں سو خوف کی حقیقت کے مبدأ اور اس کی غایت میں اور خوشی کی ابتداء اور اس کی غایت میں فرق ہے۔

ماهية الوجد واقسامه واحكامها:

قال أبو حامد في كتاب السماع من "إحياء علوم الدين"(۱) في الوجد: اعلم أن الوجد ينقسم إلى: هاجم وإلى متكلف ويسمى: التواجد، وهو تواجد التكلف۔ فمنه مذموم وهو الذي يقصد به الريا، وإظهار الأحوال الشريفة مع الإفلاس منها۔

ومنه ماهو محمود وهو: التوصل إلى استدعاأحوال واكتسابها واجتلابها بالحيلة، فإن للكسب مدخلا في جلب الأحوال السنية۔ ولذلك أمر ﷺ من لم يحضره البكاء في قراءة القرآن أن يتباكى ويتحازن.....

إلى أن قال أبو حامد بعد كلام طويل تركته اختصارا: وانقسام الوجد إلى مايمكن الإفصاح عنه وإلى مالا يمكن وانقسامه إلى المتكلف وإلى المطبوع...

إلى أن قال: فلا يرفع صاحب الوجد صوته بالبكاء وهو يقدر على ضبط نفسه، ولكن إن رقص أو تباكى فهو مباح إذا لم يقصد به المراآة، لأن التباكي استجلاب للحزن والرقص سبب في تحريك السرور والنشاط، فكل سرور مباح تحريكه...

إلى أن قال: وقد روى عن جماعة من الصحابة أنهم حجلوا وماوردعليهم سرور أوجب ذلك، في قصة بنت حمزة(۲) لما اختصم علي بن ابي طالب وأخوه جعفر وزيد بن حارثة، فتشاحوا في تربيتها رضي الله عن جميعهم۔ فقال رسول الله ﷺ

لعلی:أنت منی وأنامنک ۔فحجل ۔وقال لجعفر:أشبهت خلقی وخلقی۔فحجل جعفروراء حجل علی ۔وقال لزید:أنت أخوناومولانا۔فحجل وراء حجل جعفر،ثم قال علیه السلام:هی لجعفر لأن خالتهاتحته،والخالة والدة۔

إلی أن قال أبو حامد:والحجل هو الرقص،وذلک یکون بفرح أوشوق،فحکمه حکم مهیجة...إلی أن قال أبو حامدبعد کلام طویل:قال عمروبن عثمان المکی:(۳)لاتقوم علی کیفیة الوجدعبارة؛لأنه سرعندعباده المؤمنین...إلی أن قال:الوجدأول درجات الخصوص۔

إلی أن قال:فإذاانقطعت الأسباب،وخلص الذکروصحاالقلب ورق وصفا،ونجحت فیه الموعظة،وحل من المناجاة فی محل قریب،وخوطب وسمع الخطاب باذن واعیة وقلب شاهدوسرظاهریشاهدمنه ماکان خالیا؛فذلک هو الوجد؛لأنه وجدماکان معدوماعنده۔

وقال أیضا:الوجد:مایکون عندذکرمزعج،أوخوف مقلق،أوتوبیخ علی زلة،أومحادثةلطیفة،أوإشارة فائدة۔أویکون شوقاإلی غائب،أوندماعلی ماض،أواسفاعلی فائت،أواستجلاب حال،أوداع إلی واجب أومناجاةإلی سر...

إلی أن قال بعدکلام معنی العشق:ولعلک تقول:کیف یتصورالعشق فی حق الله تعالیٰ حتی یکون السماع محرکاله؟فاعلم أن:من عرف الله أحبه الله لامحالة ومتی تأکدت معرفته تأکدت محبته بقدرمعرفته ۔والمحبة إذاتأکدت ؛سمیت عشقا،فلامعنی للعشق إلامحبةمؤکدةمفرطة،ومعنی:أحبه الله؛أی:هداه الله ووفقه واصطفاه۔ومن"قانون التأویل"۔

من کان یفرح باللذات والطرب ویستریح إلی روض البستاتین

ویشرب الراح فی وقت الربیع علی نوع الثمار وأنواع الریاحین

فإن الله أقواما إذاطربوا لایسکنون إلی رسم الدهاقین

بل کل همتهم فی ذکرسیدهم اهل التقی وجمیل الفضل والدین[1]

وجد کی ماھیت اوراس کی اقسام اوراس کے احکام:

ابوحامدکتاب السماع میں جو"احیاءعلوم الدین"میں ہے وجد کے باب میں فرماتے ہیں کہ جان رکھووجد دوقسموں میں تقسیم ہوتا ہے ایک وہ غلبہ کی وجہ سے ہوجس کو ھاجم کہتے ہیں اورایک وہ جوتکلف کے ساتھ ہوجس کومتکلف کہتے ہیں اوراس کوتواجد بھی کہتے ہیں اوروہ تکلف کا تواجد ہوتا ہے اس میں سے ایک تومذموم ہے جس سے ریاکاری مقصود ہوتی ہے اورمعزز احوال کاافلاس کے ساتھ اظہارکرنامقصود ہوتا ہے اوران میں ایک وہ ہے جومحمود ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ احوال کے مقتضی کی طلب میں پہنچنااوراس کوحاصل کرنااورحیلے سے اسکا کسب کرنااوربلندمرتبہ کے حال کوحاصل کرنے میں کسب کادخل ہے۔کسب (اجتہاد کرنا/حاصل کرنے کیلئے کوشش کرنا)۔اسی لئے آپ ﷺ نے ایسے شخص کوجس کوقرآن کی قرأت کرنے میں رونانہیں آتایہ حکم فرمایا کہ وہ رونے والی شکل بنائے اورحزن کاتکلفاًاظہارکرے.....

یہاں تک کہ ابوحامدرحمہ اللہ نے ایک طویل کلام کے بعد یہ فرمایا جس کومیں نے اختصارکرنے کی وجہ سے چھوڑ دیا:وجدکاانقسام ایسی قسم پربھی

---

[1] (۱)۲/۲۹۵

(۲)سبق تخریجه

(۳)هوالامام الربانی شیخ الصوفیة أبوعبدالله عمروبن عثمان بن کرب بن غصص المکی،توفی قبل ۳۰۰ھ۔انظرترجمته فی:"تایخ بغداد"۱۴/۱۳۶و"مناقب الأبرارومحاسن الأخیار"۱/۴۳۲و"العقدالثمین فی تاریخ البلدالامین"۶/۴۱۱

ہوتا ہے جس کی وضاحت کی جاسکتی ہے اور ایسی قسم پر بھی ہوتا ہے جس کی وضاحت ممکن نہیں اور وجد کا انقسام متکلف (تکلفاً ظاہراً) پر بھی ہوتا ہے اور مطبوع (جو حقیقت میں ہو) پر بھی ہوتا ہے۔

یہاں تک کہ انہوں نے یہ فرمایا: صاحب الوجد رونے میں اپنی آواز کو بلند نہیں کرے جبکہ اپنے نفس پر قابو پانے کا اختیار رکھتا ہو لیکن اگر اس نے رقص کیا اور رونے والی شکل بنائی تو وہ مباح ہے اگر اس سے اسکا مقصود ریاکاری نہ ہو کیونکہ رونے والی شکل بنانا حزن اور غم کے حاصل کرنے کی طلب ہے اور رقص کرنا خوشی اور نشاط کو حرکت میں لاتا ہے تو ہر خوشی کو حرکت میں لانا مباح ہے۔

یہاں تک کہ انہوں نے یہ فرمایا: صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے روایت ہے کہ وہ لوگ ایک پیر پر کھڑے ہو کر چلے جب ان پر سرور کی کیفیت طاری ہوئی بنت حمزہ کے قصہ میں ہے کہ جب حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم اور ان کے بھائی جعفر اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما میں جھگڑا ہوا وہ سب بنت حمزہ رضی اللہ عنہا کی تربیت میں مسابقت کرنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں تو انہوں نے رقص کیا اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میری خلقت اور اخلاق میں مجھ سے مشابہت رکھتے ہو تو جعفر رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے رقص کرنا شروع کر دیا اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم ہمارے بھائی اور ہمارے مولیٰ ہو تو انہوں نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے پیچھے رقص کرنا شروع کر دیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ جعفر کی ہیں کیونکہ بنت حمزہ رضی اللہ عنہا کی خالہ ان کے ماتحت تھیں اور خالہ والدہ ہوتی ہے۔

اور ابو حامد رحمہ اللہ نے فرمایا حجل رقص کو کہتے ہیں اور وہ خوشی اور شوق کی وجہ سے ہوتا ہے تو اس کا حکم اس کو جوش دلانے والے کا حکم ہے..... یہاں تک کہ ابو حامد رحمہ اللہ نے ایک طویل کلام کے بعد فرمایا عمرو بن عثمان المکی رحمہ اللہ نے فرمایا: وجد کی کیفیت پر کوئی عبارت نہیں لکھی جاسکتی کیونکہ یہ ایک راز ہے مومن بندوں کے پاس .... یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ وجد خصوصیت کے درجات میں سے پہلا درجہ ہے۔

یہاں تک کہ انہوں نے فرمایا اگر اسباب منقطع ہو جائیں اور ذکر خالص ہو جائے اور دل صحیح ہو جائے اور نرم اور صاف ہو جائے اور وعظ و نصیحت ایسے شخص پر کامیاب ہو جائے اور وہ مناجات کی وجہ سے اللہ کے نزدیک اپنی جگہ قریب کرے اگر اس کے سامنے خطاب کیا جائے تو وہ سننے والے کانوں سے سنتا ہے جو اثر انداز ہوتا ہے اور حاضر دل سے سنتا ہے اور ظاہری سر سے ان چیزوں کا مشاہدہ کیا جو اس کے سامنے خالی تھیں تو یہ بھی وجد ہے: کیونکہ اس نے ایسی چیز کو پالیا جو پہلے معدوم تھی۔

اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ وجد وہ ہوتا ہے جو پریشان کن ذکر میں ہو یا پھر قلق میں ڈالنے والے خوف سے ہو یا پھر کسی لغزش پر سرزنش کی وجہ سے ہو یا پھر کسی لطیف حادثہ کی وجہ سے ہو یا پھر کسی مفید اشارے کی وجہ سے ہو یا پھر غائب کو دیکھنے کے شوق میں ہو یا پھر ماضی کی ندامت کی وجہ سے ہو یا پھر ہاتھ سے نکل جانے والے پر افسوس کی وجہ سے ہو یا پھر حال کو حاصل کرنے کی وجہ سے ہو یا پھر کسی واجب کی طرف بلانے کی وجہ سے ہو یا پھر تنہائی میں مناجاۃ کی وجہ سے ہو.....

یہاں تک کہ انہوں نے کہا عشق کے معنوں میں کلام کرنے کے بعد: شاید آپ کہیں: اللہ تعالیٰ کی ذات سے عشق کیسے تصور کیا جاسکتا ہے جبکہ اس میں ایسا سماع ہو جو اس کو ہلا کر رکھ دے؟ خوب جان لو جس نے اللہ کو پہچان لیا اس نے اللہ تعالیٰ سے لامحالہ محبت کر لیا اور جب اس کی معرفت کا تاکد ہو جائے تو اس کی معرفت کی بقدر اس کی محبت کا تاکد ہو جاتا ہے اور جب محبت کا تاکد ہو جاتا ہے تو وہ عشق کہلاتا ہے سو عشق کے کوئی معنی نہیں سوائے حد سے نکل جانے والی مؤکد محبت کے۔ ''اور اللہ نے اس سے محبت کر لی'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت

دے دیتا ہے اور اس کو توفیق دیتا ہے اور اس کو چن لیتا ہے۔ "قانون التاویل" میں ہے۔

من کان یفرح باللذات والطرب ویستریح إلی روض البساتین

ویشرب الراح فی وقت الربیع علی نوع الثمار وأنواع الریاحین

فإن اللہ أقواما إذا طربوا لایسکنون إلی رسم الدھاقین

بل کل ھمتھم فی ذکر سیدھم اھل التقی وجمیل الفضل والدین

ترجمہ: جوخوشی اور مستی سے خوش ہوتا ہے اور جھومنے لگتا ہے اور باغوں کے گلستان میں آرام کرتا ہے اور وہ بہار کے وقت شراب پیتا ہے پھلوں کی اقسام میں سے اور انواع قسم کی شراب پیتا ہے اللہ کی کچھ قومیں ہیں جو خوش ہوتی ہیں اور جام کو چھلکانے والوں کے طور طریقوں سے نہیں رہتیں بلکہ ان کی ساری ہمت اپنے سید کی یاد میں لگ جاتی ہے اور وہ لوگ تقویٰ والے اور جمیل فضل والے اور دین والے ہوتے ہیں۔

دحض زعم تحریم الاھتزاز بحجۃ أنہ ریاء:

فإن قلت: إن الرقص والاھتزاز ونحوھما قد صرحتم بتحریم مایقع من ذلک ریاء وسمعۃ وأکثر الناس محمولون علی الریاء فلأجل ذلک أنکرت علیھم خوف أن یلعب الشیطان بھم ویزید لھم الریاء والسمعۃ...

قلت: أصلح نفسک التی تعلم مساوئھا بالدلیل القطعی، ولا دلیل علی الغیر إلا بمجرد الظن وسوء الظن بالمسلم حرام ومافی القلوب من اخلاص أو ریاء لایعلمہ الا اللہ علام الغیوب۔

فکیف یحل لنا أن نظن بمن ذکر اللہ تعالیٰ أو تلا القرآن أو سمع موعظۃ فرقص واھتز أو رکض أو صفق أو صعق الریاء والسمعۃ ونحملہ علی أمر محرم، ونحن نقرأ قولہ تعالیٰ: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ (۲ الانفال) وقولہ: وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ (۳۴) الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُم (الحج ۳۵، ۳۴) وقولہ تعالیٰ: وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ (۶۰ المؤمنون)

دحض نے دعویٰ کیا کہ جھومنا حرام ہے اور حجت یہ دی کہ اس میں ریاکاری ہے:

اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ رقص اور اھتزاز وغیرہ جو ریاکاری اور دکھاوے کی وجہ سے ہوتا اس کے حرام ہونے کی تو آپ لوگوں نے بھی صراحت کر دی اور زیادہ تر لوگ ریاکاری کی وجہ سے ہی کرتے ہیں اسی لئے میں نے ان پر انکار کیا اس خوف سے کہ شیطان ان کے ساتھ کھیلنے لگے اور ان کی ریاکاری اور دکھاوا اور بڑھادے.....

میں نے کہا کہ اپنے نفس کی اصلاح کرو جس کے مساوی کو تم دلیل قطعی سے جانتے ہو اور اس کے علاوہ کوئی دلیل نہیں صرف مجرد خیال کے، مسلمانوں کے ساتھ بدگمانی حرام ہے اور دل میں جو بھی اخلاص یا ریاکاری ہوتی ہے اس کو صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تمام غیب کے جاننے والے ہیں تو ہمارے لیے یہ کیسے حلال ہوسکتا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہو یا قرآن کی تلاوت کر رہا ہو یا کوئی وعظ سن رہا ہو پھر وہ رقص اور جھومنا شروع کر دے یا پھر ایک پاؤں پر چلنا اور تالیاں بجانا شروع کر دے اور بے ہوش ہو جائے تو ہم اس کے اس فعل کو ریاکاری اور دکھاوا خیال کریں اور اس کے اس امر کو حرام قرار دیں جبکہ ہم اللہ جل شانہ کا قول پڑھتے ہیں: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ ﴿الانفال ۲﴾ ترجمہ: ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ یاد کیا جائے ان کے دل ڈر جائیں۔" اور یہ قول بھی: وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ (۳۴) الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ ﴿الحج ۳۵﴾ ترجمہ: اور اے محبوب خوشی سنا دو ان تواضع والوں کو کہ جب اللہ کا ذکر ہوتا ہے ان

کے دل ڈرنے لگتے ہیں۔''اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول: وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ ﴿المومنون ٦٠﴾ ترجمہ: اور ان کے دل ڈر رہے ہیں۔

حدیث آخر فی مشروعیة الاهتزاز بالذکر:

وفی المختار شرح المؤطا الجامع بین المنتقی والاستذکار(١) فی باب الذکر منه: ثبت عنه ﷺ أنه: مشی یوماً مع اصحابه حتی وقف علی جبل فقال: سیروا فقد سبق المفردون۔ قیل یارسول الله ﷺ۔ من هم؟ قال: الذین اهتزوا بذکر الله، یضع الذکر عنهم أوزارهم۔(٢)

قال صاحب المختار فی شرح هذا الحدیث: قوله: المفردون یعنی الذین أفردوا الله تعالیٰ بالوجود الحقیقی بعموم العلم والقدرة وبعموم الخلق وباختصاص الإرادة... إلی أن قال: لم یروا إلا الله!

ثم قال: قوله: الذین اهتزوا بذکر الله۔ یعنی: الذین غلب علیهم الذکر فی الأقوال والطاعة فی الأعمال، حتی یکونوا کما روی عن الحسن البصری أنه قال: أدرکت أقواما لو رأیتموهم لقلتم: إنهم مجانین، ولو رأونا، لقالوا: فساق(٣)... الخ ماذکر۔

وهذا ذکره صاحب الأنوار السنیة(٤) وشرحه بنحو من ذلک وأعرفه فی حدیث آخر وأظنه فی صحیح مسلم بلفظ آخر قال فیه: سبق المفردون۔ قیل: ومن هم یارسول الله ﷺ؟ قال "الذاکرون الله کثیرا والذاکرات"(٥) (أخرجه مسلم رقم ٢٦٧٦)

وأعرفه فی سراج المهتدین لابن العربی بلفظ ثالث، قال فیه: سبق المفردون۔

قیل: من هم یارسول الله؟ قال: "الذین اهتزوا بذکر الله"

وکفی بـ: "المختار الجامع بین المنتقی والاستذکار" و"شرح الأنوار السنیة"(٦) حجة حیث شرحا لفظ الاهتزاز" اهـ کلامه۔

دوسری حدیث ذکر میں جھومنے کی مشروعیت میں:

"المختار شرح الموطا الجامع بین المنتقی والاستذکار" کے باب الذکر میں ہے کہ آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ وہ ایک دن اپنے اصحاب کے ساتھ چل رہے تھے یہاں تک کہ وہ ایک پہاڑ پر رکے، پھر فرمایا "چلو، مفردون نے سبقت حاصل کرلی ہے" ان سے پوچھا گیا: یارسول اللہ ﷺ وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا جو اللہ کے ذکر سے جھوم اٹھے اور ذکر نے اپنے سارے اوزار ان پر لاد دیئے۔"

صاحب "مختار" اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ قول "المفردون" کا مطلب ہے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو ایک جانا ان کے وجود حقیقی سے، اور علم وقدرت میں اور مخلوق کو پیدا کرنے میں اور ارادہ میں اسی کو خاص جانا..... یہاں تک کہ انہوں نے یہ کہا کہ ان کو کچھ نظر نہیں آتا سوائے اللہ کی ذات کے۔

پھر انہوں نے کہا: آپ ﷺ کا یہ قول: "جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں جھوم اٹھتے ہیں" اس کا مطلب یہ ہے: یہ وہ لوگ ہیں جن کے اقوال میں ذکر کا غلبہ

---

(١) المختار الجامع بین المنتقی والاستذکار "للامام ابی عبدالله محمدبن عبدالحق بن سلیمان الیفرنی التلمسانی، ولد ٥٣٦ھ وتوفی ٦٢٥ھ انظر ترجمته فی: "برنامج شیوخ الرعینی" ص ١٦٩، و"سیر أعلام النبلاء" ٢٢/٢٦١ و"الأعلام" (٦/١٨٦)

(٢) (أخرجه مسلم رقم ٢٦٧٦ والترمذی رقم ٣٥٩٦)

(٣) (نحوه عن الحسن البصری فی حلیة الأولیاء ٢/١٣٤)

(٤) "الانوار السنیة فی الفاظ السنیة" لأبی القاسم محمدبن احمد ابن جزی الغرناطی المتوفی ٧٤١ھ طبع بتطوان ١٣٦٨ھ "تراث المغاربة" للتلیدی رقم ٢٢٠

(٥) اخرجه مسلم رقم ٢٦٧٦

(٦) شرح الانوار السنیة "لأبی الحسن علی بن محمدبن محمدبن علی القرشی الشهیر بالقلصادی الغرناطی المتوفی ٨٩١ھ "تراث المغاربة" للتلیدی رقم ٩٢٩

ہے اور اعمال میں طاعت کا غلبہ ہے، یہاں تک کہ وہ ایسے ہو جائیں جیسے حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے ایسے لوگوں کو جانا ہے کہ اگر تم لوگ ان کو دیکھ لو تو تم ان کو مجنون کہنے لگو، اور اگر وہ لوگ ہم دیکھ لیں تو وہ ہمیں فساق کہنے لگیں... آخر تک جو ذکر کیا۔

اس کو صاحب ''انوار السنیۃ'' نے بھی ذکر کیا اور ان کی شرح بھی اسی جیسی ہے۔ میں اس امر کو دوسری حدیث میں بھی جانتا ہوں۔ میرے خیال کے مطابق وہ ''صحیح مسلم'' میں دوسرے الفاظ کے ساتھ مذکور ہے جس میں آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ مفردون سبقت لے گئے پوچھا گیا کہ وہ کون لوگ ہیں یارسول اللہ ﷺ؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں۔''

اور میں اس کو ابن العربی کی ''سراج المہتدین'' میں تیسری روایت میں بھی جانتا ہوں اس میں آپ ﷺ نے فرمایا ''مفردون سبقت لے گئے'' پوچھا گیا وہ کون لوگ ہیں یارسول اللہ ﷺ؟ فرمایا کہ جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے جھوم اٹھتے ہیں۔ ''المختار الجامع بین المنتقی والاستذکار'' اور ''شرح الانوار السنیۃ'' حجت اور دلیل کیلئے کافی ہیں کہ ان دونوں نے لفظ ''اھتزاز'' کی شرح کر دی۔

الرقص فرحا بالحق تعالیٰ:

أقول: والحالة الرابعة للرقص التي استدركها العلامة ابن زكري على الشيخ زروق ،وهي :حالة الفرح بالله ،التي أشار لها القاضي عياض رحمه الله في قوله:

ومما زادني فرحا وتيها وكدت بأخمصي أطأ الثريا

دخولي تحت قولك :ياعبادي وأن صيرت أحمد لي نبيا

قد نص على اعتبارها واستحسانها جبل السنة والدين: الإمام أحمد بن حنبل رضي الله عنه۔

ففي ''الحدائق'' للإمام أبي سعيد النيسابوري عن الإمام أحمد، أنه قيل له ''إن هؤلا الصوفية جلسوا في المساجد على التوكل بغير علم، فقال، العلم أقعدهم في المساجد! قيل له: ان همتهم كبيرة۔ قال: لا أعلم قوما على وجه الأرض أحسن من قوم همتهم كبيرة'' قيل: إنهم يقومون ويرقصون! قال دعهم يفرحوا مع الله ساعة!

وحكى قبلها عن بعض المشائخ أنه :مر بحبشي يرقص في أيام القحط ،ويقول :،من مثلي ولمولاي كذا وكذا من مدمن حنطة؟ فأخذ هذا الشيخ يرقص ويقول: من مثلي ولمولاي ملك السماوات والأرض !اھ۔

اللہ تعالیٰ سے خوشی کے اظہار میں رقص کرنا:

میں نے کہا: چوتھی حالت رقص کی جس کو علامہ ابن زکری نے شیخ زروق سے معلوم کی وہ یہ ہے: اللہ تعالیٰ سے خوشی کی حالت جس کی طرف قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے:

ومما زادني فرحا وتيها وكدت بأخمصي أطأ الثريا

دخولي تحت قولك :ياعبادي وأن صيرت أحمد لي نبيا

ترجمہ: جو چیز میرے اندر خوشی اور سرور کو بڑھا رہی ہے کہ قریب ہے کہ میں اپنے پاؤں کے تلے سے ستاروں کو کچل ڈالوں وہ میرا آپ کے اس قول میں داخل ہونا ہے اے میرے بندے! اور یہ کہ آپ نے میرے لیے احمد کو نبی بنا دیا۔ اس حالت کے معتبر اور حسن ہونے پر دین وسنت کے پہاڑ، احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے عبارت لکھ دی ہے۔

ابوسعید النیسابوری کی ''الحدائق'' میں امام احمد سے روایت ہے کہ ان سے کہا گیا کہ یہ صوفی لوگ مسجد میں بیٹھ گئے بغیر علم کے صرف توکل پر، تو انہوں نے فرمایا کہ علم نے ہی ان کو مسجد میں بٹھایا ہے۔'' ان سے کہا گیا کہ ان کی ہمت بڑی مضبوط ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں روئے زمین پر کسی قوم کو نہیں جانتا کہ وہ احسن ہو دوسری قوم سے، وہ جن کی ہمت مضبوط ہے'' ان سے کہا گیا کہ وہ کھڑے ہوتے ہیں اور رقص کرتے ہیں۔ فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو کہ وہ تھوڑی دیر اپنے رب کے ساتھ خوش ہو جائیں'' اس سے پہلے انہوں نے کچھ مشائخ سے روایت کی کہ وہ ایک حبشی کے پاس سے گزرے اور وہ قحط کے دنوں میں رقص کرتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ کون میرے جیسا ہے کہ میرے مولیٰ کی فلاں فلاں چیز ہے جس نے گندم کو پھیلایا؟'' تو ان شیخ نے رقص کرنا شروع کر دیا اور فرمایا ''میرے جیسا کون ہے کہ میرے مولیٰ کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں''

إثبات أن التمايل فی الذكر كان من لدن الصحابة والسلف الصالح، والرد على صاحب ''الإبريز'' فی إنكاره ذلك۔

فإن قلت: ذهب صاحب الإبريز (۱) على عدم القول بالتمايل، وربما ظهر من كلامه إنكار الرقص رأساً۔ ونصه: إن الحضرة لم تكن فی القرون الثلاثة۔

وسبب ذكره لهذا الكلام: أن رجلا سأله عنها فأجابه بقوله: نسأل عن هذه المسألة علماءنا هل فعلها النبی ﷺ أم لا؟ فإن نفوا ذلك، سألناهم: هل فعلها أحد من الصحابة الكرام رضوان الله تعالىٰ عليهم؟ فإن قالوا: لا۔ قال: نسألهم هل فعلها أحد من أتباع التابعين؟ فإن قالوا: لم تثبت عن أحد منهم۔ علمنا أن مالم يفعله هؤلاء القرون الثلاثة لا خير فيه!... وهذا كلامه باختصار، ويأتی تتمة كلامه إن شاء الله تعالىٰ۔

الجواب والله الموفق للصواب: إنه لما وقع النزاع بيننا وبينه فيه، نرجع لكلام الله ولسنة رسوله ﷺ فوجدنا فيهما أصول الرقص ومايستند إليه فيهما أربابه، على ان عدم وجود نص فی القرآن أو السنة لايصيره بدعة ولا غير مشروع أبدا بدليل تقسيم البدعة الى ماهو واجب أو مندوب، وقد أوضحنا -فی ماسبق- أن البدعة ماليس له أصل فی السنة، وليس الأمر كذلك هنا۔

وفی الاحياء (۲) ليس كل مايحكم بإباحته منقولا عن الصحابة وإنما المحذور مايراغم سنة مأثورة۔ اهـ۔

نقول: ان كان مراده ﷺ إنكاره التمايل فی الذكر فقط، فيرد عليه أن الإمام العارف السهرورردی ذكر أن سيدنا موسیٰ عليه السلام كان يتمايل إذا قرأ التوراة ويهتز۔

وفی نصرة الشيخ أبی القاسم ابن خجو للصوفية نقلاً عن صاحب المنتقی وغيره على باب الذكر من المؤطا مانصه: ثبت عنه عليه السلام أنه مشی مع اصحابه حتی وقف على جبل فقال: سيروا واستبقوا، فقد سبق المفردون۔ قيل يارسول الله ﷺ؛ من هم؟ قال: الذين اهتزوا عند ذكر الله، يضع الذكر عنهم أوزارهم۔ (۳) اهـ۔

وفی جواب للعارف الفاسی، ونصه: وقد وقع فی وصف الصحابة من كلام مولانا على أنهم: كانوا إذا ذكروا الله، مادوا كما يميد الشجر فی يوم الريح، وهملت عيونهم بالدموع حتی تبل ثيابهم'' (۴) اهـ منه۔ ولا شك أن المثبت مقدم على النافی، لأن من أثبت حجة على من نفی۔

وقدقال الإمام العارف الكبير،شيخ الطريقة الخلوتية فى المشارق والمغارب،أبوعبدالله محمدبن سالم الحفنى الشافعى،شيخ الإسلام بالديارالمصرية فى عصره ،فى رسالة له مستقلة ،فيمانقله عنه العلامة الشيخ حسن العدوى المالكى(٣)فى كتابه"مشارق الأنوار"وهوالذى وصفه بالقطبانية فى هذاالكتاب ونصه:

"ولاعبرة بماأنكره بعض الناس على القوم من التمايل ،وقالوا:لم يردبذاك نص ،وإنماورد فى الحديث الحث على ذكرالله من غيرتمايل ـ قال القطب المذكور:الجواب أن الحافظ أبانعيم روى-يعنى فى الحلية-عن سيدناالفضيل بن عياض(٦)أنه قال:كان أصحاب رسول الله ﷺ إذاذكروالله تمايلوا يميناوشمالا كماتتمايل الشجرة فى الريح العاصف إلى قدام،ثم ترجع إلى وراء ـ قال:فاغتنتم ذلك ياأخى؛وإن كنت منكراولابد،فأنكرعلى أهل المحرمات بالنص"اهمنه بلفظه ـ

وفى "مغنى المحتاج"للعلامة أحمدبن الحسن ابن عرضون ،نقلاعن جواب الإمام العارف أبى المواهب عبدالوهاب بن أحمدالمشهدى الحنفى المشهورفى الديارالمصرية بتاج الدين،بعدذكره أثرالفضيل هذاعن"الحلية"قال:"المتفق على صحتها"ـ وزادمانصه:"ومعلوم أن الشجرة فى يوم الريح تتحرك حركة شديدة يميناوشمالا"اهـ

وقدسبقهم إلى الاستدلال بأثر"الحلية "هذاعلى تمايل الصوفية عند الذكرواهتزازهم :القطب الشعرانى فى كتابه "الأجوبة المرضية عن أئمة الفقهاءوالصوفية"وفى الميزان الصغرى"للشعرانى رضي الله عنه مانصه:"نقل ابن الصلاح(٧) رحمة الله تعالىٰ عليه (٨)عن الإمام الشافعى رضي الله عنه أنه قال فى "رسالته القديمة ":الصحابة رضى الله عنهم فوقنافى كل علم ،واجتهادوورع،ورأيهم لناأحمدوأولى من آرائناعندنالأنفسنا"اهـ(٩)

وقدصح عنهم-رضوان الله تعالىٰ عنهم-هذاالتمايل الكامل الذى لم نره يصدرعن أحدمن أهل وقتناقط!

فالاقتداء بهم أولى من كل أحدكائنامن كان،حيث إن الشارع حضناعلى اتباعهم فقال:"عليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين من بعدى،عضواعليهابالنواجذ"(١٠)

وقال:"أصحابى كالنجوم بأيهم إقتديتم اهتديتم " وهومصحح عندأهل الكشف (١١)كمافى الميزان الكبرىٰ"للشعرانى رضي الله عنه ـ

ويظهر من كلام سيدناالفضيل أن هذاالتمايل كان يصدر من جميعهم أومن جلهم،لامن أفرادمنهم فقط ـ

وفى "حل الرموزومفتاح الكنوز"لعبدالسلام المقدسى(١٢)"واعلم أنه قدحضرالسماع وسمع وماقنع بالسماع حتى كشف القناع ،وتواجدوتحرك كثيرمن الأكابروالمشائخ والتابعين"اه منه،فقف على إثباته التواجد والتحرك عن التابعين ـ

وفى "تحفة الإخوان"لمفتى المذهبين أبى العباس أحمدالدرديرالمالكى المصرى(١٣)مانصه:"ولايعيبهم ذكرالله قياماوقعودا،أوهزهم فى الذكروالإنشادالذى يقع وليس هذا بخفة كمايزعمه المنكرون ـ فإن للذكرحلاوة ومخامرة باطنية يعلمهاأربابها ـ فاقتضى هذه الحالة شدة الذكروشدة الهز،كماأشارله الغوث سيدى أبومدين المغربى بقوله:

أباحادى العشاق قم واحدقائماً وزمزم لنابسم الحبيب وروحنا

وصن سرنافى سكرناعن حسودنا وأن أنكرت عيناك شيئاًفسامحنا

فإنا إذا طبنا وطابت نفوسنا وخامرنا خمر الغرام تهتكنا

وكما قال غيره:

ولما اجتلاك الفكر في خلوة الرضا وغيبت، قال الناس: ضلت بك الأهوا

لعمرك ما ضل المحب وما غوى ولكنهم لما عموا، أخطؤوا الفتوى

وفي "حاشية" شاعر الأمة وسلطان العشاق أبي حفص ابن الفارض رضي الله عنه:

وإذا ذكرتكم أميل كأنني من طيب ذكركم سقيت الراحا

وفي "نجاة الأرواح وكنز الفتوح" للعلامة العارف، المحدث المسند، أبي الحسن علي بن عبد البر الونائي،(١٤) لدى ذكره آداب الذكر: وأن يكون بقوة تامة، فيهتز بلا تكسر من قرنه إلى أصابع قديمه" اهمنه.

وعليه، فإن كان مراد صاحب "الإبريز" بالحضرة: التمايل فقط، لم يصح قوله: وإنما ظهرت الحضرة في القرن الرابع"- قال وسببها: أن أربعة أو خمسة من الأولياء كان لهم أتباع، وكانوا في بعض الأحيان ربما شاهدوا ملائكة يذكرون الله تعالى.

قال: ومن الملائكة من يذكر الله بلسانه وبذاته كلها، فترى ذاته تتحرك يمينا وشمالا وتتحرك أماما وخلفا، فكان الولي من هذه الخمسة إذا شهد ملكا على هذه الحالة، تعجبه حالته، فتتاثر ذاته بالحالة التي يشهدها من الملك ثم تتكيف ذاته بحركة الملك، فتتحرك ذاته كما تتحرك ذات الملك، وهو لا شعور له بما يصدر منه لغيبته في مشاهدته تعالى- ولا شك في ضعف صاحبه، فكان إذا رآه أتباعه تبعوه- ثم مات الأشياخ الخمسة، فاشتغل أهل الزي الظاهر بالحضرة- وزادوا في حركتها... لأمور:

أحدها: قولها: "وإنما ظهرت في القرن الرابع" فيه نظر، بل ظهرت في زمان أصحاب مولانا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم-[1]

---

[1] (١) ص ٢١٢

(٢) ٣٠٥/٢

(٣) سبق تخريجه

(٤) اخرجه ابو نعيم في "حلية الاولياء" ٨٦/١ وابن عدي في "الكامل" ٢٧٥/١ والدينوري في "المجالسة وجواهر العلم" رقم (١٤٢٦) عن أبي أراكة- واسناده هالك-

(٥) ولد ١٢٢١هـ وتوفي ١٣٠٣هـ- انظر ترجمته في: "نزهة الفكر فيما مضى من الحوادث والعبر" ٢٩١/١ و"الأعلام" ١٩٩/٢

(٦) الأثر في "حلية الأولياء" عن أبي أراكة، وليس عن الفصيل بن عياض!

(٧) هو الامام الحافظ أبو عمرو عثمان بن عبد الرحمن بن عثمان الكردي الشرخاني الشهرزوري الموصلي، ولد ٥٧٧هـ وتوفي ٦٤٣هـ- انظر ترجمته في "وفيات الأعيان" ٢٤٤/٣ و"سير أعلام النبلاء" ١٤٠/٢٣ و"طبقات الشافعية الكبرى" ٣٢٦/٨-

(٨) في "معرفة أنواع علم الحديث" ص ٤٠٠

(٩) (انظر المالي السنن الكبرى، للبيهقي ٤٤/١ رقم ٣٧)

(١٠) (قطعة من حديث العرباض بن سارية، أخرجه الترمذي في سننه رقم ٢٦٧٦)

(١١) هذا التصحيح لا يعتبر علمياً، ولا يصح أن يرتب عليه حكم شرعي، ولا يبنى عليه ثبوت حديث ما إن لم يثبت بطرق الإثبات المعروفة عند جهاذبة المحدثين أهل الصناعة المشهود لهم بالمعرفة- أفاده العلامة المحقق الشيخ عبد الفتاح أبو غدة رحمه الله تعالى فيما علقه على "تحفة الأخيار" للكنوي ص ٥٣- قال محمد الحسين: وقد فصلت طرق الحديث في تعليقي على "هدية الأبرار في سبحة الاذكار" للامام اللكنوي ص ٥٧-٥٤ فانظره هناك- غير مأمور-

(١٢) هو الواعظ عز الدين عبد السلام بن أحمد بن غانم بن علي المقدسي، توفي ٦٧٨هـ انظر ترجمته في "البداية والنهاية" ٥٦١/١٧ و"الوافي بالوفيات" ٢٥١/١٨-٢٥٣، و"الأعلام" ٣٥٥/٣- ووقع في الاصل: "لابن عبد السلام المقدسي" وهو تصحيف، والتصويب من مصادر الترجمة-

(١٣) هو الشيخ العلامة أحمد بن محمد بن احمد بن ابى حامد العدوى المالكى الأزهرى الخلوتى الشهير بالدردير، ولد ١١٢٧هـ وتوفى ١٢٠١هـ- انظر ترجمته فى: "المعجم المختص" للزبيدى (ص ١٢٢)، و"فهرس الفهارس" ٢٩٣/١، و"الاعلام" ٢٤٤/١-

(١٤) هو الامام الفاضل العلامة على بن عبد البر بن على الحسنى الونائى الشافعى، ولد ١١٧٠هـ وتوفى ١٢١٢هـ- انظر ترجمته فى: "المعجم المختص" للزبيدى ص ٥٤٨ وفهرس الفهارس (١١١٤/٢-١١١٦) و"الاعلام" ٢٩٨/٤

ذکر میں جھومنا صحابۃ اور سلف الصالحین کے نزدیک صحیح ہونے کا اثبات اور صاحب ''الابریز'' کا اس پر انکار کرنے پر رد:

اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ صاحب ''الابریز'' کا رجحان جھومنے کے قول پر نہیں ہے اور ان کے کلام سے سر سے رقص کرنے پر انکار ظاہر ہوتا ہے اس کی عبارت یہ ہے کہ ذکر کی مجالس میں حاضر ہونا تیسری صدی میں نہیں تھا۔''

ان کے اس کلام کو ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ ایک آدمی نے ان سے اس بارے میں سوال کیا تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے اس کا جواب دیا کہ ہم اس مسئلے کے بارے میں اپنے علماء سے پوچھیں گے کہ آپ ﷺ نے اس فعل کو کیا یا نہیں؟ تو اگر انہوں نے اس کا انکار کیا تو ہم ان سے پوچھیں گے کہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے کیا؟ تو اگر انہوں نے کہا کہ نہیں تو ہم ان سے پوچھیں گے کہ تابعین میں سے کسی نے کہا؟ تو اگر انہوں نے کہا کہ نہیں تو ہم پوچھیں گے کہ اتباع التابعین میں سے کسی نے کیا؟ تو اگر انہوں نے کہا کہ ان سب سے یہ ثابت نہیں تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ جو ان تین صدیوں کے لوگوں نے نہیں کیا اس میں کوئی خیر نہیں۔''.... ان کا یہ کلام اختصار کے ساتھ ہے ان کے کلام کا تتمہ آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

اس پر جواب یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ ہی صحیح توفیق دینے والا ہے) جب ہمارے اور ان کے درمیان اس بارے میں جھگڑا ہوا تو ہم اللہ کے کلام اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کی طرف رجوع کریں گے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں آیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ﴿النساء ۵۹﴾ ترجمہ: پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اُسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر اللہ و قیامت پر ایمان رکھتے ہو ''سو ہم نے اس کو اللہ کے حوالہ کر دیا اس کے بعد اس کے رسول ﷺ کی سنت کے حوالہ کر دیا۔ سو ہم نے اس میں رقص کے اصولوں کو پایا اور ان حوالوں کو جس پر یہ اصحاب الرقص اعتماد کرتے ہیں اور کسی چیز کی عبارت کا قرآن وسنت میں نہ ہونا اس کو بدعت یا غیر مشروع نہیں بناتا کبھی بھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بدعت کی تقسیم دو قسموں میں ہوتی ہے جس میں سے ایک واجب ہے اور ایک مندوب ہے اور ہم اس کی وضاحت کر چکے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ بدعت اس کو کہتے ہیں جس کی سنت میں کوئی حقیقت ہی نہ ہو جبکہ یہ امر ایسا نہیں ہے۔

''الاحیاء'' میں ہے کہ ضروری نہیں کہ ہر وہ چیز جس میں اباحت کا حکم لگایا جاتا ہو صحابہ سے منقول ہو بلکہ جس بدعت کا منع کیا گیا ہے: وہ وہ فعل ہے جو ماثور سنت کے خلاف ہو۔'' ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر انکار کرنے سے ان کی مراد صرف ذکر میں جھومنے کا انکار کرنا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پر ایسے رد کیا جائے گا: امام عارف السھر وردی نے ذکر کیا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام جب تورات پڑھتے تھے تو جھومتے تھے اور رقص کرتے تھے۔ ''نصرۃ'' میں شیخ ابوالقاسم ابن خجو جو صوفیۃ مذہب کے ہیں ان کی ایک نقل ہے جو صاحب ''المنتقی'' وغیرہ سے مروی ہے ذکر کے باب ''موطا'' کی کتاب میں، جس کی عبارت یہ ہے کہ آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ وہ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ چل رہے تھے یہاں تک کہ ایک پہاڑ پر جا کر رکے اور فرمایا چلو اور آگے بڑھو مفردون سبقت لے گئے پوچھا گیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا جو اللہ کا ذکر کرتے وقت جھوم اٹھتے ہیں ذکر نے ان پر اپنے اوزار لاد دیئے ہیں۔

عارف الفاسی کے جواب میں ہے جس کی یہ عبارت ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کلام میں واقع ہوا ہے جو انہوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے وصف میں کیا کہ وہ لوگ جب اللہ جل شانہ کا ذکر کرتے تھے تو وہ ایسے ہلتے تھے جیسے ایک درخت آندھی کے دن ہلتا ہے اور ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتی تھیں یہاں تک کہ ان کے کپڑے تر ہو جاتے تھے۔'' اس میں کوئی شک نہیں کہ مثبت نفی پر مقدم ہوتا ہے کیونکہ حجت کا ثبوت اسی پر ہوتا ہے جس پر امور مخفی ہوں۔

بڑے عارف جومشارق ومغارب کے شیخ الطریقۃ الخلوتیۃ میں جن کا نام ابوعبداللہ محمد بن سالم الحنفی الشافعی رحمہ اللہ ہے جو اپنے زمانے میں مصر کے شیخ الاسلام رہے ہیں وہ اپنے ایک مستقل رسالہ میں فرماتے ہیں کہ ان کا یہ کلام علامہ شیخ حسن العدوی المالکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''مشارق الانوار'' میں نقل کیا ہے انہوں نے ان کا وصف اپنی کتاب میں سربراہ سے کیا ہے جس کی عبارت یہ ہے کہ قوم کے بعض لوگوں نے جو جھومنے کا انکار کیا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں وہ لوگ کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نص وارد نہیں ۔''اور حدیث میں بھی بغیر جھومے ذکر پر ابھارا گیا ہے قطب جن کا ذکر کیا گیا وہ فرماتے ہیں کہ اس کا جواب یہ ہے کہ حافظ ابونعیم ''حلیہ'' میں روایت فرماتے ہیں سیدنا فضیل بن عیاض رحمہ اللہ انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم جب اللہ جل شانہ کا ذکر کرتے تھے تو دائیں اور بائیں ایسے جھومتے تھے جیسے تیز آندھی کے دن درخت آگے کی طرف جھومتا ہے پھر پیچھے کی طرف چلا جاتا ہے اور فرمایا اے میرے بھائی اس کو (اس کیفیت کو) غنیمت جانو اگر تم اس کا انکار کرتے ہو تو ضروری ہے کہ حرام کام کرنے والوں کا انکار کرو جن کاموں کی حرمت نص سے ثابت ہے ۔''

علامہ احمد بن الحسن ابن عرضون کی کتاب ''مغنی المحتاج'' میں امام العارف ابوالمواھب عبدالوھاب بن احمد المشھدی الحنفی کے جواب کی نقل ہے یہ امام مصر میں تاج الدین کے نام سے مشہور تھے انہوں نے ''الحلیۃ'' کی اس روایت کا ذکر کیا اور اس کے بعد فرمایا کہ اس روایت کی صحت پر سب کا اتفاق ہے ۔''اور مزید یہ بھی فرمایا جسکی عبارت یہ ہے کہ سب کو ہی معلوم ہے کہ آندھی کے دن درخت دائیں اور بائیں جانب شدید حرکت کرتے ہیں ۔''

''الحلیۃ'' کے اثر سے استدلال لینے میں جو ذکر کرتے وقت صوفی لوگوں کے جھومنے پر ہے اور ان کے رقص کرنے پر ہے القطب الشعرانی نے اپنے کتاب ''الاجوبۃ المرضیۃ عن أئمۃ الفقھاء و الصوفیۃ'' میں سبقت لی ہے ۔

شعرانی رحمہ اللہ کی کتاب ''المیزان الصغریٰ'' میں ہے جس کی عبارت یہ ہے کہ ابن صلاح رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے رسالے ''رسالۃ القدیمیۃ'' میں فرمایا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہم سے علم میں اور اجتہاد میں اور خوف وخشیت میں بڑھ کر تھے ۔ان کی رائے ہمارے لیے ہماری رائے سے جو ہمارے لیے ہوا حمد اور اول درجہ کی ہے ۔''

صحابہ رضی اللہ عنہم سے صحیح روایت سے کامل طور پر جھومنا ثابت ہے جس کو ہم آج کے زمانے میں کسی سے بھی صادر ہوتا ہوا نہیں دیکھتے ! ہر حال میں ہر کسی سے ان لوگوں کی اقتداء کرنا اولیٰ درجے میں ثابت ہے اور اس شریعت والے نے بھی ہم کو ان کی اتباع پر ابھارا ہے اور فرمایا ''جس کا مفہوم یہ ہے'' کہ تم لوگ میری سنت کا اتباع کرو اور میرے بعد خلفاء الراشدین کی سنت کا اتباع کرو اور اس کو مضبوطی سے تھام لو اور فرمایا (جس کا مفہوم یہ ہے کہ) میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کسی کی بھی اقتداء کروگے ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے یہ تصحیح شدہ ہے کہ اہل کشف (علماء) کے نزدیک جیسا کہ امام شعرانی رحمہ اللہ کی کتاب ''المیزان الکبریٰ'' میں ہے سیدنا فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ جھومنا اس زمانے کے سب لوگوں سے صادر ہوتا تھا یا پھر ان میں اکثر سے، یہ نہیں کہ صف چند لوگوں سے صادر ہو ۔

عبدالسلام المقدسی کی کتاب ''حل الرموز ومفتاح الکنوز'' میں ہے ''جان رکھو کہ بہت سے اکابر ومشائخ اور تابعین سماع کی مجلس میں حاضر ہوئے اور انہوں نے سنا مگر سننے سے قانع نہیں ہوئے اتنا سنا کہ ان پر حقیقت ظاہر ہوگئی اور انکو وجد کی کیفیت نے گھیر لیا اور وہ حرکت کرنے لگے'' سو اس سے تابعین سے وجد اور تحرک کے اثبات پر اکتفاء کرو ۔

مفتی المذھبین ابوالعباس احمد الدردیر المالکی المصری کی کتاب ''تحفۃ الاخوان'' میں ہے جس کی عبارت یہ ہے ''کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر ذکر کرنا ان کو عیب دار نہیں کرتا اور نہ ہی ذکر اور اشعار کے پڑھنے میں جو جھومتے ہیں وہ عیب دار کرتا ہے اور یہ جھومنا کوئی ہلکا پھلکا نہیں ہوتا جیسا کہ یہ منکر لوگ خیال کرتے ہیں یقیناً ذکر میں ایک حلاوت ہے اور باطنی نشہ ہے جس کو وجد والے ہی جانتے ہیں اور یہ حالت شدید ذکر اور شدید حرکت کا اقتضاء کرتی ہے ۔جیسا کہ الغوث سیدی

أبومدین المغربی نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا''

أباحادی العشاق قم واحدقائماً　　وزمزم لنابسم الحبیب وروحنا

وصن سرنافی سکرناعن حسودنا　　وأن أنکرت عیناک شیئاًفسامحنا

فإناإذاطبناوطابت نفوسنا　　وخامرناخمر الغرام تهتکنا

ترجمہ: اے عاشقوں کے سردار اس واحدالاحد کیلئے کھڑے ہوجاؤ اور حبیب کے نام سے گرجنا اور گونجنا شروع کردو اور ہم کو آرام پہنچاؤ ہماری مدہوشی کے راز کو ہم سے حسد کرنے والوں سے بچا کر رکھو اور اگر تمہاری آنکھیں کسی چیز کا انکار کریں تو ہمیں معاف کردینا، اگر ہمارے نفوس خوشگوار ہوجائیں اور ہماری عقلیں بھی خوشگوار ہوجائیں اور عشق کی شراب ہمیں مدہوش کردے تو ہمیں رسوانہ کردینا۔ اور جیسے دوسرے نے کہا:

ولمااجتلاک الفکرفی خلوة الرضا　　وغیبت،قال الناس:ضلت بک الأهوا

لعمرک ماضل المحب وماغوی　　ولکنهم لماعموا،أخطؤوا الفتوی

ترجمہ: جب تم نے اپنی مرضی سے خلوت اختیار کی اور تم کو اپنے مولیٰ سے قریب ہونے کی فکر نے گھیر لیا اور تم اس میں غائب ہوگئے تو لوگوں نے کہا کہ نفس نے تم کو گمراہ کردیا: قسم خدا کی! محبت کرنے والا نہ کبھی غلط راستے پر ہوتا ہے اور نہ کبھی راہ بھٹکتا ہے لیکن جب یہ لوگ اندھے ہوجائیں تو فتویٰ دینے میں غلطی کرتے ہیں۔ امت کے شاعر اور عشق کرنے والوں کے سلطان ابوحفص ابن الفارض رضی اللہ عنہ کی کتاب ''حائیۃ'' میں ہے:

وإذاذکرتکم أمیل کأننی　　من طیب ذکرکم سقیت الراحا

ترجمہ: جب میں نے تم لوگوں کا ذکر کیا تو میں تمہارے ذکر کی حلاوت سے ایسا جھومنے لگا جیسے میں نے شراب پی لی ہو۔

جاننے والے علامہ سندھ والے محدث ابوالحسن علی بن عبدالبر البوتائی کی کتاب ''نجاۃ الارواح وکنزالفتوح'' میں ہے جہاں انہوں نے ذکر کے آداب کا ذکر کیا کہ ذکر پوری قوت کے ساتھ ہونا چاہیئے کہ وہ توقف کے سر سے لے کر پیر کی انگلیوں تک حرکت میں آجائے۔

تو پھر اگر صاحب ''الابریز'' کا حضرۃ سے مراد جھومنا ہے صرف۔ تو انکا یہ قول صحیح نہیں کہ یہ تمایل (جھومنا) چوتھی صدی میں ظاہر ہوا'' کہا: اس کا سبب یہ ہے کہ چار یا پانچ اولیاء تھے ان کے کچھ اتباع تھے اور ان لوگوں نے کبھی کبھار شاید ملائکہ (فرشتوں) کو اللہ کا ذکر کرتے ہوئے مشاہدہ کیا۔''

اور کہا کہ فرشتوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ذکر زبان اور اپنی پوری ذات سے کرتے ہیں تو ان کی ذات دائیں اور بائیں اور آگے اور پیچھے حرکت کرتی ہوئی معلوم ہوتی دکھائی دیتی ہے ان پانچ اولیاء میں سے اگر کوئی فرشتوں کو اس حالت میں دیکھ لے تو ان کو فرشتوں کی یہ حالت پسند آئی تھی اور وہ حالت جس کو وہ فرشتوں میں دیکھتا ہے اس کی ذات میں اثر انداز ہوتی ہے۔ اس کے بعد اس کی کیفیت بھی فرشتوں کی حرکت جیسی ہوجاتی ہے اور وہ اسی طرح حرکت کرنے لگتا ہے جیسے فرشتے کرتے ہیں اور اس کو اس کیفیت کا جو اس سے صادر ہوتی ہے احساس بھی نہیں ہوتا کیونکہ وہ حق تعالیٰ کے مشاہدے میں غائب ہوجاتا ہے اور اس بندے کے ضعف میں کوئی شک نہیں اور جب ان کے اتباع ان کو دیکھتے تھے تو ان کی اِتباع کرتے تھے پھر ان پانچ اولیاء کا انتقال ہوگیا پھر اس کیفیت کو ظاہر کرنے والے ایسی مجلس یعنی حضرۃ کی مجلس میں مشغول ہوگئے اور اس میں زیادتی کرنے لگے... چند امور کی وجہ سے ان کا یہ قول صحیح نہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ان کا یہ قول ''کہ تمایل چوتھی صدی میں ظاہر ہونا'' اس میں اختلاف بلکہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے زمانے میں ہی ظاہر ہوگیا تھا۔

قصة رقص الإمام الجنید مع صحبه بجبل الطور:

وفى آخر الوصايا من "الفتوحات المكية"(١) لأعرف الكبراء ،وكبير العلماء الشيخ محى الدين ابن عربى قدس سره العاطر(٢):حدثنا الزكى أحمد بن مسعود ابن شداد المقرى الموصلى بالموصل ،سنة إحدى وست مئة ،وكان ثقة قال :حدثنا أبو جعفر بن القاضى،(٣)

قال:حدثنا يوسف بن القاسم الديار بكرى،حدثنا جمال الاسلام ابو الحسن على بن أحمد القرشى الهكارى حدثنا أبو الحسن الكرخى،حدثنا ابو العباس احمد بن محمد بن الفضل النهاوندى قال سمعت شيخى محمد بن الخلدى يقول كنت مع الجنيد رحمة الله تعالىٰ عليه فى طريق الحجاز حتى صرنا إلى جبل طور سيناء،فصعده الجنيد وصعدنا معه فلما وقفنا فى الموقف الذى وقف فيه موسى عليه السلام،وقعت علينا هيبة المكان وكان معنا قوال فأشار إليه الجنيد أن يقول،فقال:

وبدا له من بعد ما اندمل الهوى	برق تألق موهنا لمعانه
يبدو كحاشية الرداء ودونه	صعب الذرى متمنع أركانه
فبدا لينظر كيف لاح فلم يطق	نظرا إليه وصده سبحانه
فالنار:ما اشتملت عليه ضلوعه	والماء:ما سمحت به أجفانه

قال:فتواجد الجنيد وتواجدنا معه،فلم يدر أحدمنا أفى السماء نحن أوفى الأرض-وكان بالقرب منا دير فيه راهب،فنادانا:ياأمة محمد،بالله أجيبونى!فلم يلتفت أحد إليه ،لطيب الوقت-فنادانا الثانية:بدين الحنفية إلا أجبتمونى،فلم يجبه أحدمنا-فنادانا الثالثة:بمعبودكم إلا أجبتمونى-فلم يرد عليه احد جوابا-

فلما فترنا من السماع وهم الجنيد بالنزول،قلنا له:إن هذا الراهب نادانا وأقسم علينا ولم نرد عليه-فقال الجنيد:ارجعوا بنا إليه لعل الله أن يهديه للإسلام -فناديناه فنزل إلينا وسلم علينا فقال أيامنكم الأستاذ؟فقال الجنيد:هؤلاء كلهم سادات وأستاذون-فقال:لابد أن يكون واحد هو اكبرهم-فأشاروا إلى الجنيد-

فقال أخبرنى عن هذا الذى فعلتموه،هل هو مخصوص فى دينكم أم معموم؟فقال بل لأقوام مخصوصين-فقال:بأى نية يقومون؟فقال :بنية الرجاء والفرح بالله تعالىٰ-فقال:فبأى نية تسمعون؟فقال بنية السماع من الله تعالىٰ-فقال:بأى نية تصيحون؟فقال بنية إجابة العبودية للربوبية لما قال الله تعالىٰ للأرواح :أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا (٧٢ الاعراف)قال فما هذا الصوت؟قال نداء أزلى-قال :فبأى نية تقعدون ؟قال بنية الخوف من الله تعالىٰ-قال:صدقت!ثم قال الراهب للجنيد:مديدك أنا أشهد أن :لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمدا صلى الله عليه وآله وسلم عبده ورسوله-وأسلم الراهب وحسن إسلامه -فقال له الجنيد بم عرفت أنى صادق؟قال لأنى قرأت فى الأنجيل المنزل على المسيح بن مريم :خواص أمة محمد صلى الله عليه وآله وسلم يلبسون الخرقة،ويأكلون الكسرة ،ويرضون بالبلغة،ويقومون فى صفاء أوقاتهم بالله يفرحون،وإليه يشتاقون،وفيه يتواجدون،وإليه يرغبون ومنه يرهبون-فبقى الراهب معنا ثلاثة أيام ثم مات رحمة الله تعالىٰ عليه"اهـ١

١(١)٢٩٨/٨

(٢)هو الشيخ الأكبر أبو بكر محمد بن على بن محمد ابن العربى الحاتمى الطائى الأندلسى المعروف بمحى الدين بن عربى ولد ٥٦٠هـ وتوفى ٦٣٨هـ،انظر ترجمته فى:"لسان الميزان"٧/٣٩١،و"العقد الثمين"٢/١٦٠،و"الأعلام"٦/٢٨١-

(٣)فى المطبوعة من "الفتوحات" القاص-

جبل طور پر امام جنید کا اپنے ساتھی کے ساتھ رقص کرنے کا قصہ:

بڑے اعرف اور بڑے علماء میں سے الشیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ کی ''الفتوحات المکیہ'' میں وصایا کے آخر میں ہے ''زکی احمد بن مسعود ابن شداد المقری الموصلی بالموصل نے ہم سے چھ سو ایک ہجری میں حدیث بیان کی اور وہ ثقہ (جن پر اعتماد کیا جاتا ہے) میں سے تھے۔ فرمایا: ابو جعفر بن القاضی نے ہم سے بیان کیا فرمایا یوسف ابن القاسم الدیار بکری نے ہم سے بیان کیا جمال الاسلام ابو الحسن علی ابن احمد القرشی الھکاری نے بیان کیا فرمایا: ابو الحسن الکرخی نے بیان کیا فرمایا: ابو العباس احمد بن محمد بن الفضل النہاوندی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ محمد بن الخلدی کو یہ فرماتے ہوئے سنا میں جنید رحمہ اللہ کے ساتھ تھا حجاز کے راستے میں تھا یہاں تک کہ ہم پہاڑ طور سیناء پر پہنچے تو جنید رحمہ اللہ اس پہاڑ پر چڑھے اور ہم بھی ان کے ساتھ چڑھنے لگے پھر جب ہم اس مقام پر پہنچ کر رکے جہاں موسیٰ علیہ السلام نے وقوف فرمایا تھا تو ہم پر اس جگہ کی ہیبت طاری ہوگئی اور ہمارے ساتھ اس سفر میں قوال بھی تھے تو جنید رحمہ اللہ نے ان قوال کی طرف اشارہ کیا کہ وہ کچھ کہیں تو انہوں نے کہا۔

وبدالہ من بعدما اندمل الھوی	برق تألق موھنا لمعانہ
یبدو کحاشیۃ الرداء ودونہ	صعب الذری متمنع أرکانہ
فبدا لینظر کیف لاح فلم یطق	نظرا إلیہ وصدہ سبحانہ
فالنار: ما اشتملت علیہ ضلوعہ	والماء: ما سمحت بہ أجفانہ

ترجمہ: جب ان کے نفس کے زخم اچھے ہو گئے تو ان کے سامنے ایک ایسی بجلی ظاہر ہوئی جس کی چمک نے ان کو کمزور کر دیا: وہ بجلی ایسے ظاہر ہوئی جیسے کسی چادر کا کنارہ ہو کہ اس کے بغیر اس چادر کے کونوں کی حفاظت مشکل ہے اور وہ اس کی طرف دیکھنے لگے کہ وہ کیسے ظاہر ہوتی ہے مگر وہ اس دیکھنے کو برداشت نہیں کر سکے اور ان کو سبحانہ وتعالیٰ نے روک دیا سو آگ تو وہ ہے اس کی پسلیوں پر حاوی ہے اور پانی وہ ہے جس نے اس کی آنکھوں کو دل کھول کر بخشا ہوا ہے پھر فرماتے ہیں کہ ''جنید رحمہ اللہ پر وجد طاری ہو گیا اور ان کے ساتھ ہم پر بھی وجد طاری ہو گیا سو ہم میں سے کسی کو بھی نہیں معلوم تھا کہ ہم آسمان پر ہیں یا زمین پر اور ہمارے قریب ایک عیسائی خانقاہ تھی اس میں ایک راہب تھا تو اس نے ہمیں آواز دی اے محمد ﷺ کے امتیو! اللہ کیلئے میری دعوت قبول کرو! تو ہم میں سے کسی نے بھی اس کی طرف التفات نہیں کیا اس وقت کی خوشگواری کی وجہ سے۔ پھر اس نے ہمیں دوسری دفعہ آواز دی: تم لوگوں کو حق دین کی قسم میری دعوت قبول کرو! تو ہم میں سے کسی نے بھی اس کا جواب نہیں دیا، پھر تیسری دفعہ آواز دی تم کو اپنے معبود کی قسم میری دعوت قبول کرو! تو ہم میں سے کسی نے بھی اس کو جواب نہیں دیا، پھر جب وجد کی کیفیت سے افاقہ ہوا تو جنید رحمہ اللہ نے اترنے کا ارادہ کیا تو ہم نے ان سے کہا کہ اس راہب نے ہمیں پکارا اور ہمیں قسم دی اور ہم نے اس کو جواب نہیں دیا تو جنید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ اس کے پاس چلو شاید اللہ پاک اس کو اسلام کی ہدایت دے دے تو ہم نے اس کو آواز دی تو وہ ہمارے پاس آیا اور ہمیں سلام کیا اور پوچھا کہ تم میں سے استاد کون ہے؟ جنید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ سب بڑے لوگوں اور اساتذہ میں سے ہیں اس نے کہا لازمی بات ہے کہ ان سب کا کوئی بڑا ہوگا تو سب نے جنید رحمہ اللہ کی طرف اشارہ کیا تو اس نے دریافت کیا کہ مجھے اس بارے میں بتاؤ جو تم کر رہے تھے کیا یہ فعل تمہارے دین میں مخصوص ہے یا پھر سب ادیان میں عام ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ کچھ قوموں کیلئے مخصوص ہے، پھر پوچھا کہ کس نیت سے یہ کرتے ہیں؟ فرمایا اللہ تعالیٰ سے امید اور خوشی کی نیت سے، پھر پوچھا کس نیت سے سنتے ہو؟ فرمایا اللہ تعالیٰ سے سننے کی نیت سے، پھر پوچھا کہ کس نیت سے چیختے چلاتے ہیں؟ فرمایا کہ رب کی ربوبیت کے سامنے اپنی عبودیت کو ظاہر کرنے کی نیت سے جب اللہ تعالیٰ نے ارواح سے فرمایا: أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا ﴿الاعراف ۱۷۲﴾ ترجمہ: کیا میں تمہارا رب نہیں سب بولے کیوں

نہیں ہم گواہ ہوئے ۔'' پھر پوچھا یہ آواز کیا ہے؟ فرمایا ایک ازلی پکار ہے پھر پوچھا کس نیت سے تم لوگ بیٹھتے ہو؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے خوف کی نیت سے ۔اس نے کہا کہ تم نے سچ کہا۔ پھر راہب نے جنید رحمہ اللہ سے کہا کہ اپنا ہاتھ پھیلاؤ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اور رسول ہیں ۔راہب اسلام لے آیا اور اس کا اسلام خوب پختہ ہوا۔جنید رحمہ اللہ نے اس سے فرمایا کہ تم کو کیسے پتہ چلا کہ میں نے سچ کہا؟ اس نے کہا کہ میں نے انجیل میں پڑھا تھا جو مسیح ابن مریم پر نازل ہوئی تھی: امت محمد ﷺ کے خواص میں سے ہے کہ وہ لوگ پرانے کپڑے کے ٹکڑے پہنتے رہتے ہیں اور روکھے سوکھے ٹکڑے کھاتے ہیں اور گزر بسر کے بقدر مقدار میں راضی رہتے ہیں اور وہ لوگ اللہ کیلئے اپنے اوقات میں اخلاص کے ساتھ خوشی سے کھڑے ہوتے ہیں اس سے قریب ہونے کے مشتاق ہوتے ہیں اور اسی کے ذکر سے وجد میں آجاتے ہیں اور اسی کی طرف رغبت کرتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں وہ راہب ہمارے ساتھ تین دن رہا پھر انتقال کر گیا (رحمہ اللہ)

لایشترط الزھد فی الدنیا من أجل الرقص والسماع:

قال بعض الفضلاء:"فإن قلت :وقع فی ھذہ الحکایۃ لجواز السماع والرقص اشتراط الزھد فی الدنیا فمابال من لم نرہ زاھدا یفعل المشروط بدون شرطہ؟والجواب:أن ھذہ الطائفۃ علی ثلاثۃ اقسام:فالقسم الأول منھم :وھم التارکون للدنیا اختیاراً، لاإشکال فی جواز سماعھم ورقصھم، ولایعبأ بمن اعترض علیھم۔وماعدی ھذا من القسمین الباقیین فھم متواجدون کی یجدون ویتحرکون، لعلھم یرزقون ممثلین أمرہ ﷺ حیث قال:"إقرؤوا القرآن وابکوا، فإن لم تبکوا فتباکوا"(۱)

والمنکرون ذلک:إِنْ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَا هُمْ بِبَالِغِيهِ (غافر ٥٦)، الذی تولی کبرہ منھم ھم:الزائغون فیھم بسوء الاعتقاد الذین اذا ذکر معنی لطیف فی آیۃ أو حدیث لم یکن طرق سمعھم قط أنکروہ، سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ (139الأنعام) وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (الاسراء ٣٦) فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (43النحل) قال اللہ تعالیٰ:وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ فَسَيَقُولُونَ هَذَا إِفْكٌ قَدِيمٌ (11الأحقاف) وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ (164الصافات) وکل یقف عند احدہ حتی :يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ (المائدۃ ٥٢) و:وَإِنِ اقْتَرَبَ إِلَيَّ شِبْرًا، تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَإِنِ اقْتَرَبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا، اقْتَرَبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً"(۲)

وسبحانہ وتعالیٰ عما یقولون علوا کبیرا"اھ۔[1]

رقص اور سماع کی وجہ سے دنیا میں زہد شرط نہیں

بعض فضلاء فرماتے ہیں کہ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ اس حکایت میں جو رقص اور سماع کے جواز پر دنیا سے زہد کی شرط واقع ہوئی ہے تو ان لوگوں کا کیا حال ہے جن کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ زہد والے نہیں پھر بھی وہ اس مشروط کام کو کر رہے ہوتے ہیں بغیر شرط کے؟

الجواب : یہ جماعت تین قسم کی ہے ان میں جو پہلی قسم ہے وہ لوگ ہیں جو اختیاری طور پر دنیا چھوڑنے والے ہیں ان کے رقص اور سماع کے جواز میں کوئی اشکال نہیں اور ان پر اعتراض کرنے والوں کی پرواہ نہیں کی جائے گی اور اس قسم کے علاوہ باقی جو دو قسمیں ہیں وہ متواجدون کی

---

[1] (۱) سبق تخریجہ

(۲) (أخرجہ البخاری رقم ٧٤٠٥ ومسلم ٢٦٧٥) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ۔

ہیں جو ہلتے ہیں اور حرکت کرتے ہیں تا کہ انہیں بھی حال کی کیفیت نصیب ہو آپ ﷺ کے امر کو مانتے ہوئے جب کہ آپ ﷺ نے فرمایا (قرآن پڑھو اور روؤ اور اگر تم کو رونا نہ آئے تو رونے والی شکل بنالو) اور جو اس کے منکر ہیں وہ اس لئے ہیں: إِنْ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَا هُمْ بِبَالِغِيهِ ﴿المؤمن ۵۶﴾ ان کے دلوں میں نہیں مگر ایک بڑائی کی ہوس جسے نہ پہنچیں گے۔" اور جن لوگوں کو اس کی بڑائی نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو گمراہ ہیں اپنے برے اعتقاد کی وجہ سے وہ لوگ ایسے ہیں کہ جب کسی آیت یا حدیث میں کوئی لطیف معنی آتے ہیں جو انہوں نے کبھی سنے نہیں ہوتے تو وہ اس کا انکار کرنے لگتے ہیں۔ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿الانعام ۱۳۹﴾ ترجمہ: اللہ اُنہیں اُن کی باتوں کا بدلہ دے گا بے شک وہ علم حکمت والا ہے۔" وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ﴿الاسراء ۳۶﴾ ترجمہ: اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں۔" فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿النحل ۴۳﴾

ترجمہ: تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَإِذْ لَمْ يَهْتَدُوا بِهِ فَسَيَقُولُونَ هَذَا إِفْكٌ قَدِيمٌ ﴿الاحقاف ۱۱﴾ ترجمہ: اور جب انہیں اس کی ہدایت نہ ہوئی تو اب کہیں گے کہ یہ پرانا بہتان ہے۔" وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ ﴿الصافات ۱۶۴﴾ ترجمہ: اور فرشتے کہتے ہیں ہم میں ہر ایک کا ایک مقام معلوم ہے۔" أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ ﴿المائدہ ۵۲﴾ ترجمہ: فتح لائے یا اپنی طرف سے کوئی حکم۔" اور جو اللہ تعالیٰ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے دو ہاتھ قریب ہوتا ہے اور جو اس کی طرف چل کر آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے" اور جو یہ باتیں بناتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے پاک و برتر ہے۔

(از اقتباس کتاب شرح الفکر بذکر دلائل التواجد عند الذکر تالیف السید الامام ابی المکارم عبد الکبیر بن محمد بن عبد الواحد الحسینی الادریسی الکتانی)

اعتراض سابع: ساتواں اعتراض منکرین کا وجد و حال کا اس طرح ہے کہ شیخ شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "شرط الوجد فی زعقته ان یبلغ الی حد لو ضرب وجهه بالسیف لا یشعر فیه وجع"

وجد کی شرط یہ ہے کہ وہ اس حد تک پہنچا ہو کہ اگر کوئی اس کا چہرہ تلوار سے مارے تو اس کو شعور و احساس نہ ہو تو معلوم ہوا کہ جس کا وجد و حال اس انداز تک نہ پہنچا ہو وہ صحیح وجد نہیں ہے۔" الجواب بعون الملک الوهاب"

شیخ شبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول کی توجیہ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احیاء العلوم میں اس طرح بیان فرمائی ہے: "فقد ذکر عند السری حدیث الوجد الحاد الغالب فقال نعم یضرب وجهه بالسیف وهو لا یدری معناه انه فی بعض الاحوال قد ینتهی الی هٰذا الحد فی بعض الاشخاص۔"

ترجمہ: حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے تیز اور غالب وجد کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا: ہاں اس کا چہرہ مارا جا رہا ہو اور اسے پتہ نہ چلے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ وجد بعض حالات میں بعض لوگوں کیلئے اس حد تک پہنچ جاتا ہے۔ (لیکن یہ کلی حکم نہیں ہے)[1]

معلوم ہوا کہ یہ وجد کی ایک خاص قسم ہے جو بعض حالات میں بعض لوگوں پر آتی ہے اور ہر وقت ہر کسی پر اس قسم کا وجد نہیں ہوتا جیسا کہ علامہ سید احمد طحطاوی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حاشیہ مراقی الفلاح (ص ۳۵۹ قبیل باب مایفسد الصلوٰۃ) میں لکھتے ہیں: "الوجد مراتب و بعضه یسلب الاختیار فلا وجه لمطلق الانکار"

ترجمہ: یعنی وجد کی بہت ساری قسمیں ہیں لیکن بعض وجد سے اختیار سلب ہو جاتا ہے لہٰذا مطلقاً انکار کیلئے کوئی دلیل نہیں۔

---

[1] (احیاء العلوم: ج: ۲: ص: ۳۰۴)

لہٰذا وجد کی بہت اقسام ہیں علامہ عبدالغنی نابلسی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الحدیقۃ الندیۃ (ج ۲ ص ۲۰۸) میں اسی قسم کے ایک اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں : ''سمعت عمن ینتقد علی فقرآء الصوفیۃ فی زماننا ویحط علیھم انہ قال :من راینا ہ یتواجد منھم نغرزہ بسملۃ ونحوھا من ابرۃ الحدید فان احس بھا فھو کاذب فی وجدہ وھٰذہ حماقۃ وجھالۃ وعداوۃ لفقرآء طریق اللہ واضحۃ ولو غرز النبی ﷺ بابرۃ فی وقت نزول الوحی علیہ وغیبتہ عن عالم الحس بالکلیۃ لتالم بذٰلک ووجدالوجع منہ مع کمال صدقہ فی حالہ۔''

ترجمہ: میں نے اپنے زمانے میں منکرین اہلِ تصوف سے سنا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ :اگر ہم کسی کو وجد وتواجد کی حالت میں دیکھیں تو اس کے بدن میں کیل یا لوہے کی سوئی چبھو دیں گے اگر اس کو تکلیف محسوس ہوئی تو وہ کاذب ہے۔حالانکہ منکرین کا یہ قول مبنی برحماقت وجہالت ہے اور فقراءِ طریقت کے ساتھ واضح عداوت ہے اس لئے کہ اگر حضور ﷺ کے بدن مبارک میں بھی وقتِ نزولِ وحی سوئی چبھوئی جاتی (معاذ اللہ) جو کہ اس وقت عالم حس سے بالکل غائب ہوتے ہیں تو آپ مبارک کو بھی الم ہوگا۔حالانکہ آپ ﷺ اپنے حال میں کمال طور پر صادق ہیں۔

اعتراض ثامن: منکرین وجد وحال کا آٹھواں اعتراض یہ ہے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مکتوب نمبر ۲۶۶ (ص ۱۳۴) میں وجد وتواجد اور رقص وسماع سے منع فرمایا ہے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ کام ممنوع ہے اور مکتوب نمبر ۳۶ میں اسے اطفال طریقت کا کام گردانا ہے۔''الجواب بعون الملک الوھاب''

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک طرف حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خود مکتوب نمبر ۳۶، ۲۸۵ اور ۳۰۲ ج ۱ میں وجد وتواجد اور رقص وسماع کو ثابت کیا ہے۔جیسا کہ پہلے مکتوب نمبر ۲۶ اور ۳۰۲ کی عبارات میں گزر چکا ہے۔اور مکتوب نمبر ۲۸۵ کی عبارت یہاں ملاحظہ فرمائیں :''بالجملہ سماع متوسطان را نافع است وقسمی از منتہیان را نیز چنانکہ بالا گزشت (الی ان قال) وسماع ورقص ہر چند نسبت بہ بعضی منتہیان نیز درکار است لیکن ایشان چوں ہنوز مراتب عروج درپیش دارند از اوساط اند۔(الی ان قال ملخصًا)۔

ترجمہ: خلاصہ یہ ہے کہ سماع متوسطین کیلئے نفع مند ہے اور اس میں ایک قسم منتہیین کیلئے بھی نفع مند ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے (پھر آگے لکھتے ہیں) بعض منتہیین کیلئے نسبت کے حساب سے رقص وسماع درکار ہے چونکہ ان کیلئے ابھی عروج کے مراتب درپیش ہیں اس لئے یہ متوسطین میں سے حساب کئے جائیں گے۔

اور دوسری طرف مکتوب نمبر :۳۶ اور مکتوب نمبر :۲۶۶ میں امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وجد وتواجد کی تردید کرتے ہیں یا اسے کارِ اطفال بتاتے ہیں لہٰذا ان دونوں اقوال میں تطبیق کرنا ضروری ہوا اور وہ یہ کہ جہاں پر امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وجد ورقص وسماع کی تردید کی ہے تو اس سے مراد متصوفہ، ریاکار اور خلافِ شرع اور حقیقی نور باطن سے محروم لوگوں کا رقص ووجد ہے جن کے پاس طریقت کا کمال اور شرائط یا نور وفیض موجود نہ ہو اور صرف اپنے آپ کو اس وجد ورقص وسماع اور ذکر جہری میں مشغول رکھا ہو اور اسے کمال جانتا ہو۔

اور جن مقامات پر امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وجد وتواجد اور رقص وسماع کو ثابت کیا ہے تو ان سے مراد حقیقی اہلِ تصوف کا وجد وحال ہے جن کے پاس نورِ باطن بھی ہوتا ہے اور شریعتِ مطہرہ پر عمل پیرا بھی ہوتے ہیں اور ذوقِ دلی بھی رکھتے ہیں اور ان کی مجالس منکرات اور خلافِ شرع امور سے پاک وصاف ہوتی ہیں۔

تو ان جیسے لوگوں کیلئے وجد وتواجد اور رقص وسماع کثیر دلائل کی روشنی میں ثابت اور حق ہے لیکن مبتدی اور متوسط کا وجد وتواجد الگ الگ ہے۔اور منتہی کا الگ تو ہر ایک قسم اطفالِ طریقت کا خاصہ نہیں۔(واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واکمل)۔

اعتراض تاسع : نواں اعتراض یہ ہے کہ تفسیر قرطبی نے اہلِ تصوف کے وجد و رقص پر رد کیا ہے لہٰذا یہ ممنوع کام ہے۔ ''الجواب بعون الملک الوھاب۔''

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ علامہ قرطبی کی اس تردیدی عبارت کو علامہ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیقۃ الندیہ میں متصوفہ پر محمول کیا ہے اور بعض دوسرے فقہاءِ کرام کی عبارتیں جو کہ طریقہ محمدیہ کے متن میں لائے ہیں۔ ان کے ساتھ قرطبی کی یہ عبارت بھی لائے ہیں۔ اور ان سب کے آخر میں علامہ شارح نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں : ''واعلم ان ھٰذا الذی سبق ذکرہ فی المتن من عبارات الفقھاء جمیعہ فی حق من ذکرناھم من طائفۃ متصوفۃ اللہ اعلم باعیانھم فلا تنزلہ انت فی حق کل من وجدتھم علی شبہ منھم وقیاس منک لھم علیھم فان الشیطان للانسان عدو مبین والا فان طریق الوجد والتواجد الذی تعلمہ الفقراء الصادقون فی ھٰذا الزمان وبعدہ کما کانوا یعلمونہ من قبل فی الزمان الماضی نور وھدایۃ واثر توفیق من اللہ تعالٰی وعنایۃ۔ الخ''[1]

ترجمہ: جان لو یہ کہ متن طریقہ محمدیہ میں جو تنقیدی عبارات فقہاءِ کرام کی گزری ہیں تو یہ سب متصوفہ فاسقین کے وجد کی تردید میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو بہتر جانتا ہے لہٰذا تو ان تنقیدی عبارات کو ہر شخص کے حق میں مت استعمال کیا کریں کہ جن کا ظاہر ان سے مشابہ نظر آئے اور نہ ان پر قیاس کر اس لئے کہ شیطان لعین انسان کا کھلا دشمن ہے اور اگر اس طرح نہ کیا جائے تو صادقین فقراءِ کرام کا وجد و تواجد جس کی وہ تعلیم دیتے ہیں۔ اس زمانے میں اور تعلیم دیں گے آنے والے زمانے میں اور جیسا کہ پچھلے زمانے میں تعلیم دیا کرتے تھے تو یہ نور، ہدایت و اثر اللہ تعالیٰ کی مہربانی و توفیق ہے۔

لہٰذا قرطبی کی یہ عبارت متصوفہ، خلافِ شرع اور ریاکار اور فاسقوں پر محمول ہے اور حقیقی اہلِ تصوف کا وجد و حال اجماعی طور پر نور و ہدایت ہے۔ اور اگر قرطبی کے اس قول کی تطبیق نہ کی جائے تو پھر قرطبی اگرچہ فقیہ اور عالم ہیں لیکن نہ تو علم الکلام میں امام مجتہد ہے اور نہ فقہ میں اور نہ تصوف میں، بلکہ فقہ میں وہ ہمارے مذہب کے خلاف ہے اور مالکی مذہب سے ہے۔ اور پھر مالکیہ میں متشدد اور متعصب بھی ہے کیونکہ جلد اول میں حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت تابعی کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسی ہستی کو ضعیف کہا ہے۔ اور ابن سعد پر اعتماد کیا ہے۔

تو آیا ہم اہلِ انصاف اور بالخصوص احناف قرطبی کے اس قول کو مانیں گے؟ کلا وحاشا۔ تو اس طرح اگر قرطبی علی الاطلاق وجد و حال کی تردید کرے اور حال یہ ہے کہ اس کے اثبات میں ہزاروں دلائل موجود ہوں تو ہم کبھی بھی قرطبی کے اس قول کو نہیں مان سکتے۔ بلکہ اسے تفرد خاطئہ، قولِ غیر مقبول، اور مردود جانیں گے۔ اور یا تو حضرت علامہ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسی تاویل حسنہ اور تطبیق کریں گے۔ اور وہ یہ کہ وجد و حال کی تردید خلافِ شرع اور فاسق متصوفہ پر محمول ہوگی۔

''اللھم جذبنی بجذبات ربوبیتک واعطنی من خزائن کنوز رحمتک ووفقنی وجمیع المسلمین بمحبۃ مجاذیبک الذین محبتھم محبتک واحفظنی وجمیع المؤمنین من معادات مجاذیبک الذی معادتھم معادتک اللّٰھم لا تحرمنی من انوارھم واعطنی من اسرارھم واحشرنی فی زمرۃ اخیارھم واملاء السجین باغیارھم''

وارحم علی اصحابھم وأفض فی احبابھم وانصر علی اعدائھم ھم مستحقون القتل

حرکاتِ لطائف اور حرکتِ قلب کے دلائل:

حضور سیدی حضرت مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق جسم و لطائف کی حرکات کے متعلق آیات و اقوال صوفیاء:

اللّٰہُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِیثِ کِتَابًا مُتَشَابِھًا مَثَانِیَ تَقْشَعِرُّ مِنْہُ جُلُودُ الَّذِینَ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ۔ (سورۃ الزمر ۲۳:)

---

[1] (حدیقۃ الندیۃ شرح طریقہ محمدیہ ج: ۲: ص: ۵۲۳)

ترجمہ: اللہ عزوجل نے اتاری سب سے اچھی کتاب کہ اوّل سے آخر تک ایک سی ہے دوہرے بیان والی اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

تو آیت کریمہ قطعیہ سے بدن کی حرکت خواہ تمام بدن ہو یا بعض بدن ہو تمام چمڑا ہو یا بعض حصہ کی حرکت اور اضطراب ثابت ہے۔اور یہ آیت کہ:

ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ (سورۃ الزمر ۲۳:)

پھر ان کی کھالیں اور دل نرم پڑتے ہیں یادِ خدا کیلئے۔

اس سے جلد، چمڑا اور قلوب (جمع قلب) یعنی لطائف کا نرم ہونا اور حرکت کرنا ثابت ہے۔جیسا کہ امام مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ مکتوبات شریف پر ایسا تحریر کرتے ہیں کہ

لانت اجسادھم فصارت ظواھر ھم بواطنھم بواطنھم ظواھر ھم۔

ترجمہ: اولیاء کرام رحمتہ اللہ علیہم کے اجساد نرم ہو چکے ہیں ان کا ظاہر باطن اور باطن ظاہر بن چکا ہے یعنی جس طرح باطن متحرک بذکر اللہ اور نرم ہے اسی طرح ظاہر بھی متحرک بذکر اللہ اور نرم ہے۔[1]

پس معلوم ہوا کہ جس طرح اولیاء کرام کے باطن اور لطائف اللہ تعالیٰ کے ذکر جاری اور حرکت کرنے والے ہیں اسی طرح انکا ظاہری بدن (بعض ہو یا کل) ذکرِ خداوندی جلّ جلالہ میں مشغول اور متحرّک ہے۔

حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے جسم کا ہر ذرّہ اور ہر بال ذکرِ خداوندی جلّ جلالہ میں مصروف رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے متحرک رہتے ہیں۔نیز اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بدن کا کانپنا اور متحرک رہنا خاشعین اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی صفت ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے لوگ علماء راسخین ہی ہیں جو کہ علمِ احکام اور اسرار کے جامع ہوتے ہیں۔پس یہی حضرات خاشعین علماء ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے کہ:

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔

اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔(سورۃ فاطر ۲۸:)

اور جس عالم میں خشیت نہیں ہو وہ حقیقی عالم نہیں ہے۔

عارف باللہ سیدی شیخ عبدالغنی بن اسماعیل بن عبدالغنی نابلسی حنفی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۱۱۴۳ھ لکھتے ہیں:

وقال الربیع بن انس، من لم یخش اللہ فلیس بعالم۔

ترجمہ: حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو کوئی اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ عالم حقیقی نہیں ہے۔[2]

اگرچہ ظاہری الفاظ وعبارات اسے یاد ہوں۔

اور خاشع کی صفت یہ ہے کہ:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ۔(الزمر ۲۳)

---

[1] (مکتوب شریف ص ۲۹۰ جلد ۱)

[2] (الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ، ج ۲، ص ۱۶۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

یعنی ان کے جسم پر حرکت اور اضطرابات آتے ہیں۔

یعنی تحرّک تضطرب وتر تعد جیسا کہ جلالین اور مدارک کی تحقیق سے معلوم ہوا۔

من اقشعرّ جلده من خشية الله تحاطت عنه الذنوب كما تحاطت ورقة الشجرة اليابسته۔

جس کا جسم اللہ تعالیٰ کی خشیت اور خوف کی وجہ سے حرکت میں آتا ہے تو اس سے اس طرح گناہ جھڑتے ہیں جس طرح درخت سے خشک پتے نیچے گر جاتے ہیں۔

کہ نبی اکرم ﷺ پر جب ابتدائی وحی نازل ہوئی اور تین دفعہ حضرت جبرائیل نے فرمایا کہ اقراء اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ماانا بقارئ تو اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ:

فَقَالَ :اقْرَأْ، فَقُلْتُ :مَا أَنَا بِقَارِئٍ، فَأَخَذَنِي فَغَطَّنِي الثَّالِثَةَ ثُمَّ أَرْسَلَنِي، فَقَالَ :{اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ. خَلَقَ الإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اقْرَأْ وَرَبُّكَ الأَكْرَمُ" فَرَجَعَ بِهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْجُفُ فُؤَادُهُ، فَدَخَلَ عَلَى خَدِيجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، فَقَالَ :زَمِّلُونِي زَمِّلُونِي۔

ترجمہ: حضور نبی محتشم ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے دوسری مرتبہ مجھے زور سے پکڑ لیا اور پھر چھوڑ کر فرمایا کہ اپنے رب عزوجل کے نام سے پڑھو وہ ذات جس نے عالم کو پیدا کیا۔جس نے انسان کو خون کے لوتھڑ سے پیدا کیا۔آپ نبی محترم ﷺ قرآن پڑھا کریں اور آپ ﷺ کا رب عزوجل بڑا کریم ہے ۔تو اس وحی کو نبی کریم ﷺ اپنے ساتھ لائے اور آپ ﷺ کا دل مبارک حرکت کر رہا تھا پس خدیجۃ الکبری کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مجھے کپڑے میں لپیٹ دو۔[1]

شارحین بخاری نے اس کے تحت فرمایا ہے۔

ترجمہ: دل اضطراب کر رہا تھا اور دھڑکتا تھا اور حرکت کر رہا تھا اور فواد دل کے مرادف ہے یا عین دل ہے اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ فواد دل کے باطن کو کہتے ہیں جو کہ حقیقۃ جامعہ سے مسمیٰ ہے اور انوار الٰہیہ کا جامع ہوتا ہے اور صفات فعلیہ کی تجلیات کا حامل ہوتا ہے۔

اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کی تحقیق کے مطابق یہ آخری قول راجح اور اصح ہے اور مجہول کا صیغہ اس لئے مستعمل ہے کہ اس کا قائل عظیم ترین ہے۔

ا۔اور علامہ شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانی المتوفی ۷۸۶ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

واما علم خديجه برجفان الفؤاد۔فالظاهر انها رأته حقيقة ويجوز انها لم تره وعلمته بالقرائن وصورة الحال۔أو أخبرها النبی ﷺ۔

ترجمہ: اور خدیجۃ رضی اللہ عنہا دل کی حرکت پر مطلع ہونا تو ظاہر یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے حقیقتاً دل کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا اور یہ بھی جائز ہے کہ انہوں نے خود حقیقتاً نہ دیکھا ہو قرآئن اور صورت حال سے دل کی حرکت معلوم ہو۔(یعنی آپ ﷺ کے جسم اطہر پر کپڑے کی حرکت کی وجہ سے انہیں معلوم ہوا) یا آپ ﷺ مبارک نے انہیں خود خبر دی۔[2]

۲۔اس طرح امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکتوبات شریف میں فرماتے ہیں کہ:

احیاء دلہائے مردہ بتوجہ شریف او نموط است۔

---

[1] (صحیح البخاری، باب بدء الوحی الی رسول، رقم: ص ۲)

[2] (شرح الکرمانی علی صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۰۴)

ترجمہ: مردہ دلوں کا زندہ ہونا ان کی توجہ شریفہ سے وابستہ ہے۔[1]

مکتوب ۲۶۰ لطائف عشرہ، ولایات ثلاثہ اور کمالات مع حقائق کے بیان میں صادر ہوا ہے مطالعہ فرمایئے۔

۳۔مفسر قرآن علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری، قرطبی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۶۷۱ھ، لکھتے ہیں:

وَ كَانَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَذَلِكَ وَ كَانَ إِذَا قَامَ يُصَلِّي سُمِعَ وَجِيبُ قلبه على ميلين۔

ترجمہ: اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی طرح تھے اور جب آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہوتے تو دو میل تک آپ کے دل کا اضطراب اور دھڑکن سنائی دیتی۔[2]

۴۔معارف آگاہی مولانا جلال الدین، رومی، بلخی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۶۷۲ھ، لکھتے ہیں:

چوں نمی داند دلِ داندۂ ہست با گردندہ گرداندۂ

ترجمہ: ایک عاقل کا دل کیوں نہ اس بات کو جانے گا کہ (ہر) متحرک کے ساتھ (کسی) محرک (کا ہونا ضروری) ہے۔[3]

۵۔علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۴۲ھ، لکھتے ہیں:

وقال الأستاذ أبو علي الدقاق رحمه الله تعالى: الرهبة على مراتب: أولها: الخوف وهي من شرط الإيمان. قال الله تعالى: وَ خافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ثانيها: الخشية وهي من شرط العلم، قال الله تعالى: إِنَّما يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبادِهِ الْعُلَماءُ ثالثها الهيبة، وهي من شرط المعرفة. وقيل هي حركة القلب من جلال الرب.

وأما وصفه تعالى بها في قوله تعالى: إِنَّما يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبادِهِ الْعُلَماءُ برفع الاسم الكريم ونصب العلماء عكس القراءة المشهورة كما قرأ به أبو حيوة وعمر بن العزيز وأبو حنيفة فهو على سبيل المجاز، والمراد غايتها التي هي التعظيم والإجلال فقط على حد قوله:

أهابك إجلالاً وما بك قدرةٌ عليّ ولكن ملء عينٍ حبيبها۔

استاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رہبۃ کے کئی مراتب ہیں۔

پہلا درجہ خوف ہے۔ یہ ایمان کی شرط کے ساتھ ہے۔

ارشاد ربانی ہے: خافُونِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

ترجمہ: ''مجھ سے ہی ڈرا کرو اگر تم مومن ہو''۔(ال عمران ۱۷۳:)

خشیت: یہ علم کی شرط کے ساتھ ہے۔ ارشاد پاک ہے: إِنَّما يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبادِهِ الْعُلَماءُ

ترجمہ: اللہ عزوجل کے بندوں میں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں۔(فاطر ۲۸:)

تیسرا درجہ ہیبت کا ہے۔ یہ معرفت کی شرط کے ساتھ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رب تعالیٰ کے جلال کی وجہ سے دل کا حرکت کرنا ہے۔ اگر رب تعالیٰ کے اس فرمان میں لفظ ''اللہ'' کو مرفوع پڑھا جائے۔ جیسا کہ ابوحیوۃ، عمر بن عبدالعزیز اور ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے پڑھا ہے۔ یہ مشہور قراۃ کے

---

[1] (جلد اول دفتر اول مکتوب ۳۹۲)

[2] (تفسیر القرطبی، سورۃ التوبۃ تحت الآیۃ ۱۱۴:، ج ۸، ص ۱۷۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت) (تفسیر قرطبی ج ۴، ص ۷۵۹)

[3] (مفتاح العلوم، دفتر ششم، ص ۸۶)

برعکس ہے۔تو یہ مجازاً ہوگا۔اس سے مراد وہ غایت ہے جو تعظیم اور اجلال کی غایت ہوتی ہے۔کسی شاعر نے لکھا ہے:

أهابك إجلالاً وما بك قدرةٌ علیّ ولکن ملء عینٍ حبیبها

ترجمہ: میں تم سے ڈرتا ہوں۔یہ ڈر تمہاری تعظیم کی وجہ سے ہے حالانکہ مجھ پر تمہیں قدرت نہیں ہے۔لیکن اس کا محبوب آنکھ کو بھر دیتا ہے۔[1]

۶۔عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ، متوفی، ۱۰۷۹ھ، لکھتے ہیں :

مخدوما مامعدہ را محلی است و دل را محل دیگر ذکرے وتحرکے کہ از محل معدہ برآید آن ذکر منسوب بمعدہ است و ذکرے کہ از محل دل ظاہر گردد و ذکر دل:

فالامتیاز بینهما بامتیاز المحال۔

ترجمہ: میرے مخدوم! معدہ کا ایک مقام ہے اور دل کا مقام دوسرا ہے اور جو ذکر و حرکت کہ مقام معدہ سے ظاہر ہوتی ہے وہ ذکرِ معدہ سے منسوب ہے اور جو ذکر کہ دل سے مقام سے ظاہر ہوتا ہے وہ دل کا ذکر ہے پس ان دونوں میں امتیاز مقام کے امتیاز سے ہے۔[2]

۷۔محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۱۰۵۴ھ، لکھتے ہیں:

از صاحبدلان صادق القول کہ آن وقت حاضر بودہ باین حقیر گفت روزی پیش از انکہ حضرت خواجہ از ہندوستان بماوراء النہر شوند در لاہور بمسجد برای اَدای نماز فرض از فرایض خمسہ در آمدند در اثنای نماز ناگاہ از سینہ سکینہ ایشان آوازی مہیب ظاہر شد چنانکہ اہل صف نماز از ان حیر تہا روی وار بعد از ادی تسلیمتین حضرت خواجہ تبجیل ہر چہ تمام تر از مسجد بیرون رفتند از ان پس دو سہ تن از نزدیکان را فراہم آوردہ در منزل خود ادای جماعہ میفر مودند۔

ایک اہل دل اور سچے بزرگ نے جو اس وقت موجود تھے مجھ سے بتایا کہ ایک دن جبکہ قطب الارشاد حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہندوستان سے ماوراء النہر روانہ نہیں ہوئے تھے لاہور میں ایک مسجد میں نماز فریضہ کیلئے تشریف لائے۔نماز پڑھتے وقت یکا یک آپ کے سینے سے ایک مہیب آواز نکلی جس سے تمام نمازی حیرت میں ہو گئے۔نماز کے بعد قطب الارشاد حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت جلد مسجد سے باہر چلے گئے۔اس کے بعد آپ دو تین قریبی تعلق والوں کو جمع کر کے اپنی قیام گاہ پر ہی جماعت سے نماز پڑھنے لگے۔[3]

۸۔شیخ محمد خیر طمعہ حلبی، البخاری، الشامی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، لکھتے ہیں:

علم وعمل اور عالم وجاہل

آپ کا ارشاد ہے: ''العلم بحرکات القلوب فی مطالعۃ الغیوب اشرف من العمل بحرکات الجوارح'' ''دل کی حرکتوں کا علم محل غیب میں اس عمل سے زیادہ اشرف ہے جو اعضاء کی حرکتوں سے حاصل کیا جائے۔''[4]

۹۔حضرت مؤید الدین بیرنگ خواجہ محمد باقی باللہ، کابلی، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ، متوفی، ۱۰۱۳ھ، لکھتے ہیں:

حرکت قلبی ہر گاہ بروفق حرکت ذکرے شود یا بسمع خیال کلمہ اللہ مسموع شود۔

---

[1] (سبل الہدی والرشاد فی سیرت خیر العباد، ج،۱،ص،۴۲۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (مکتوبات معصومیہ، دفتر، دوم، مکتوب، ۷۰، ص، ۱۱۷، ۱۱۸، گارڈن ویسٹ، کراچی) (مکتوبات معصومیہ، ج، ۲، مکتوب، ۷۰)

[3] (برکات احمدیہ، نام دگر زبدۃ المقامات، ص، ۱۱،)

[4] (فیضان صوفیاء صفحہ ۲۷۷/۲۸۷)

ترجمہ: دلِ کی حرکت جب ذکر کی حرکت کے موافق ہو جائے یا خیال کے کانوں سے کلمہ اللہ سنا جائے۔[1]

۱۰۔حضرت مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ کی تعلیم لی اور آپ کے شیخ نے آپ کے حال پر توجہات فرمائیں۔ پندرہ پندرہ دن تک توجہات کا اثر باطن میں رہا کرتا تھا۔آپ کے شیخ فرماتے تھے کہ تمہارے لطائف خوب جاری ہیں،لیکن آپ ساکن تھے۔ایک روز آپ راستے میں جا رہے تھے کہ اچانک آپ کا دل حرکت میں آیا اور اسم ذات کی آواز آپ کے کان میں آئی۔جس نے آپ کو مضطرب کر دیا۔

۱۱۔حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء) فرماتے ہیں کہ میں نے ان کی حرکت ذکر اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔حرکت ذکر مبتدی کو بہت خوش کرتی ہے۔[2]

۱۲۔معارف آگاہی مولانا جلال الدین، رومی، بلخی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۶۷۲ھ، لکھتے ہیں:

تازگی و جنبش طوبے ست ایں ہمچو جنبش ہائے خلقاں نیست ایں

ترجمہ: یہ تازگی اور حرکت (سچی) خوشی کی تازگی و حرکت ہے (عام) مخلوقات کی سی (نفسانی) حرکت نہیں۔[3]

۱۳۔اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان، حنفی، قادری، فاضل بریلی، قدس سرہ، متوفی ۱۳۴۰، لکھتے ہیں:

بحوالہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۱۱۷۶ھ، لکھتے ہیں:

من جبلة الانسان انه اذا استقر فی قلبه شیئ جری حسب ذلک الارکان و اللسان و هو قوله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم "ان فی جسد ابن اٰدم مضغة" الحدیث ففعل اللسان و لارکان اقرب مظنة و خلیفة لفعل القلب۔

انسانی فطرت ہے کہ جب کوئی چیز اس کے دل میں جم جاتی ہے تو اعضاء اور زبان اسی کے مطابق حرکت کرتے ہیں اور حضور علیہ الصلٰوۃ والسلام کے اس ارشاد مبارک کا کہ انسان کے جسم میں ایک ٹکڑا ہے الحدیث، پس زبان اور اعضاء کی حرکت دل کے فعل کے تابع ہوتی ہے۔[4]

ذکر کی حرکت دل سے خیال کے کان تک پہنچ جائے

اپنے دل کی توجہ ذات الٰہی کی طرف کہ جس کا مبارک نام اللہ ہے پس اس ذکر میں اور خطرات کو دور کرتے ہوئے وقوف قلبی کے ساتھ مشغول ہونا چاہیے تاکہ ذکر کی حرکت دل سے خیال کے کان تک پہنچ جائے۔[5]

۱۴۔شیخ طریقت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھتے ہیں:

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دعاؤں اور اذکار کو ایک بار مرشد پڑھ جائے اور مرید سنتا رہے یہ عمل تین بار ہونا چاہیے اس کے بعد مرشد کہے کہ جو کچھ مجھ کو اپنے شیوخ سے حاصل ہوا ہے تجھ کو دے دیا اور مرید کہے کہ میں نے قبول کیا اس کے بعد کسی ایسے تنگ و تاریک حجرے میں رہنے کی تعلیم دے جس کی وسعت صرف لیٹنے اور کھڑے ہونے کو کافی ہو اور شور و غل کی اس میں آواز نہ آتی ہو۔مرید کو چاہیے کہ اس حجرے میں پاک و صاف ہو کر داخل ہو اور چار زانوں اس طرح بیٹھے کہ اس کی پیٹھ میں کوئی کجی نہ ہو اور آنکھیں بند کرے اور دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھے اور انگلیاں کھلی رکھے تاکہ

---

[1] (کلیات باقی باللہ، یعنی مجموعہ کلام و رسائل و ملفوظات و مکتوبات، رقعہ ۲۷، ص ۹۲، ملک دین محمد اینڈ سنز، اشاعت منزل بل روڈ، لاہور) (مکتوبات خواجہ باقی، رقعہ ۲۵)

[2] (سیف الابرار، ص ۶۵، ۶۶، ۷۶، استنبول، میرزا مظہر جان جاناں کے خطوط مکتوب ۵۳، ص ۱۶۳، لوائح خانقاہ مظہریہ، ص ۱۱۲) (خانقاہ مظہریہ نقشبندیہ، ص ۲۸۵:)

[3] (مفتاح العلوم، دفتر اول، ص ۶۶۲)

[4] (حجۃ اللہ البالغہ، الامور التی لابد منہا فی الصلٰوۃ، مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ لاہور، ۲/ ۵) (فتاوٰی رضویہ، ج ۷، ص ۶۰۸، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور)

[5] (ہدایت الطالبین، ص ۲۳)

اللہ کے نام کا نقش پیدا ہو جائے اور داہنے پاؤں کے انگوٹھے سے رگِ کیماس (ایک رگ ہے جو بائیں گھٹنے کے اندر ہے اور قلب سے تعلق رکھتی ہے اس کی تحریک وحرارت قلب پر اثر کرتی ہے) کو دبائے اس کے بعد خشوع وخضوع وحضورِ قلب سے یا حی یا قیوم الخ پڑھے اس کے بعد محاسبہ اور مجاہدہ کے طریقے سے ذکر میں فکر اور ملاحظہ اور واسطہ کے ساتھ بہت توجہ اور قوت وشدت جہریہ یا خفیہ سے جس سے اس کو ذوق وانبساط پیدا ہوا ہو اور لذتِ ذکر سے بے خودی ہو مشغول ہونا چاہیے۔ اور اگر کبھی غیر خدا کا خیال آئے تو دیدار شیخ سے اس کا انسداد کرے اور بدستور شغل میں مشغول ہو جائے تاکہ خطرات اور وساوس جو انسانیت کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں دفع ہو جائیں اور قلب کی صفائی اور تزکیۂ نفس حاصل ہو جائے تاکہ اس ذکر کا اثر اس کے تمام اعضاء اور رگوں میں ظاہر ہو جائے اور مکاشفات انوار غیبی کا مظہر بنے اور حقائق اشیا اس پر منکشف ہو جائیں اور علم ارواح سے ملاقات اور ذکر حقیقی وشہود حق حاصل ہو جائے۔

فائدہ جب ذکر کرنے والا ذکر میں ایسا کمال حاصل کر لے اس کی قلبی حرکت کا احساس اس کے دل کی زبان سے ہو سکے تو وہ حرکت قلبی تمام جسم میں پھیل جاتی ہے اور اس کی ابتدا یوں ہوتی ہے کہ پہلے کوئی عضو ایسی حرکت کرنے لگتا ہے کہ جو قلب کے لیے مخصوص ہے اور اس کے بعد بعد کبھی کبھی ہاتھ کبھی پاؤں کبھی سر بلا اختیار حرکت کرنے لگتے ہیں یہاں تک کہ دنیا اس کو متحرک نظر آنے لگتی ہے ذکر کا نور جب حرکت کرتا ہے تو تمام جسم میں پھیل جاتا ہے اور تھوڑی مدت میں تمام جسم کو گھیر لیتا ہے اور اس ذکر کی وجہ سے اس پر مختلف انکشافات ہوتے ہیں اور عجیب عجیب قسم کے واقعات رونما ہوتے ہیں وہ کبھی روتا ہے کبھی ہنستا ہے اور کبھی متحیر و پریشان ہو جاتا ہے مرید کو چاہیے ایسی حالت میں کسی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ ذکر وفکر میں مشغول رہے اور اگر خدا کی مدد شامل ہوئی تو کبھی اپنے تمام جسم کو ذاکر پائے گا اور تمام اعضاء قلب کے ہم سر ہو جائیں گے اسی ذکر میں ذاکر تمام اعضاء کا ذکر سنتا ہے۔[1]

۱۵۔ دیوبندیوں کے عارف باللہ سید زوار حسین شاہ لکھتے ہیں:

حکایت: اور اس پر یہ حکایت سنائی کہ ایک سید زادی اور ایک ملانی دونوں میں محبت تھی اور دونوں ہی اہل ذکر تھیں، آپس میں یہ معاہدہ ہوا کہ جو پہلے مر جائے دوسری دفن کے وقت اس کی قبر میں اترے۔ قضائے الٰہی سے سید زادی پہلے مر گئی ملانی حسب وعدہ دفن کے وقت پہنچی اور اس کا حال دیکھا کہ سید زادی کا قلب بڑے زور سے اللہ اللہ کر رہا تھا۔[2]

۱۶۔ ایک دفعہ حضرت قیّوم الزماں شیخنا الامجد مولانا ہاشم سمنگانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ طالقان میں جلوہ افروز ہوئے تھے اور یہ فقیر ارچی میں اس وقت تھا کہ اچانک میرے لطیفۂ سر نے بے اختیار حرکت کرنا شروع کر دی اور حرکت واضح طور پر ظاہر ہوئی۔ اس وقت سابقہ سالکین میں سے خلیفۂ اعظم روحانی صاحب کے والدِ بزرگ تشریف فرما تھے۔ انہوں نے کہا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ میں نے کہا کہ میں بھی حیران ہوں کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ چند دن بعد جب حضرت ہاشم سمنگانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارچی میں تشریف لے آئے اور میرے لطیفۂ سر کا یہ حال دیکھ لیا تو فرمایا کہ یہ حالت کب سے ظہور پذیر ہوئی ہے؟ تو میں نے معیّن دن اور وقت بتایا تو انہوں نے فرمایا کہ اسی دن اسی وقت میں مسجد میں تلاوت کر رہا تھا صرف اور صرف آپکی محبّت دل میں تھی کہ اچانک میرا لطیفہ سر بھی نکل آیا میں نے اس حالت کو ختم کرنے کی کوشش کی لیکن ختم نہ ہو سکی پھر میں نے بارہا بار مختلف خصوصی اوقات میں خصوصی دعائیں مانگیں کہ اللہ تعالیٰ جلّ جلالہٗ: نقشبندیہ مبارکہ کا کمال مخفی ہے اس حال کا ظہور میں پسند نہیں کرتا کیونکہ میں استدراج سے بہت ڈرتا ہوں۔ اے اللہ تعالیٰ اس حال کو چھپا دے اور ختم کر دے۔ لیکن میں نے جتنی بھی دعائیں مانگی یہ حالت اور بڑھتی گئی۔ پھر حضور سیدی

---

[1] (کلیات امدادیہ، ص ۱۲)

[2] (مقامات فضلیۃ، ص، ۸۴)

قطب الارشاد حضرت مولانا محمد ہاشم السمنگانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں نے جسطرح اس حالت کو ختم کرنے کیلئے دعائیں مانگیں ۔اسطرح آپ بھی دعاء مانگو تا کہ آپ کا ذمہ بھی فارغ ہو جائے تو تعمیل اِمر کے واسطے جب اس فقیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حالت کو چھپانے اور اس حال کے ختم کرنے کی دعائیں مانگی تو لطیفہ خفی نے بھی ظہور کیا۔ [1]

(واقعہ نمبر ۲)

ایک مرتبہ زرخرید میں حضرت سیدنا مولانا ہاشم سمنگانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ یہ فقیر بھی موجود تھا اور سیّد حسن جان آغا جان صاحب بھی ادھر موجود تھے میں نے ایک بڑا بالا پوش پہن رکھا اندر سے تو میرے لطائف حرکت کرتے تھے لیکن بالا پوش (کوٹ) پہننے کی وجہ سے حرکت باہر معلوم نہیں ہوتی تھی تو حضور سیدی قطب الارشاد حضرت مولانا محمد ہاشم السمنگانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے میری طرف کئی مرتبہ میری طرف دیکھا لیکن میں نہیں سمجھ سکا تو صریح الفاظ میں انہوں نے فرمایا پھینکو اس، چرم خیرس، کو جس چیز کو اللہ تعالیٰ ظاہر فرمانا چاہتا ہے۔ہم کو کیونکر چھپائیں؟ تو میں نے بالا پوش اتار کر پھینک دیا۔ [2]

(واقعہ نمبر ۳)

ایک دفعہ زرخرید میں، پیروان غور، ایک مولوی صاحب پیروں کے گھرانے سے جاسوس اور معترض آیا تھا تو ایک ہفتہ گزارنے کے بعد حضور سیدی قطب الارشاد حضرت مولانا محمد ہاشم السمنگانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس منکر اور معترض مولوی کو سمجھانے کے لیے فرمایا کہ مجھے ایک شیشہ چاہیئے جب ہم نے شیشہ حاضر کیا تو شیشے کو اپنے کندھوں مبارک اور دیوار کے درمیان رکھ کر فرمایا کہ شیشہ کو دیوار کے ساتھ میں نے اپنے کندھوں کے ذریعہ پکڑ لیا ہے تو اگر میں خود تکلفاً اپنے کندھوں کو ہلا دوں تو یہ شیشہ نیچے گر جائے گا اور اگر میرے لطائف کی حرکت تکلفاً نہیں بلکہ غیر اختیاری ہے تو شیشہ نیچے اپنی جگہ رہے گا تو انھوں نے ویسا ہی کیا اور شیشہ نہیں گرا پھر فرمایا کہ: اے منکر میرے لطیفہ سر کی غیر اختیاری حرکت دیکھ لو اور آو میرے لطیفہ سر پر ہاتھ رکھکر جتنا زور تمھارے اندر ہے صرف کر کے میرے لطیفہ سر کو روک کر دیکھو ۔اس مولوی نے ہاتھ رکھکر خوب زور لگا کر لطیفہ کو دبایا لیکن لطیفہ اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ وہ مولوی لا جواب اور شرمندہ ہو گیا۔ [3]

۱۸۔شیخ الجن والانس حضرت ابو محمد عبد القادر جیلانی حنبلی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۵۶۱ھ، فرماتے ہیں:

اذ تمکن الذکر فی القلب دام ذکر العبد لله عز و جل و ان لم یذکره بلسانه کلما دام العبد فی ذکر الله عز و جل دامت موافقته له و رضاه بافعاله۔

جب ذکر الہیٰ قلب میں جگہ پکڑ لیتا ہے تو بندہ ہمیشہ اللہ عزوجل کا ذکر کرنے والا رہتا ہے اگر چہ وہ زبان سے اس کا ذکر نہ کرے۔جب بندہ ہمیشہ ذکر الہیٰ میں رہتا ہے تو اس کی موافقت اور اللہ تعالیٰ کے افعال سے رضامند رہنا ہر وقت قائم رہتا ہے۔ [4]

۱۹۔شیخ الجن والانس حضرت ابو محمد عبد القادر جیلانی حنبلی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۵۶۱ھ، فرماتے ہیں:

فهو یراکم من کان ذاکر الله عزّ و جل بقلبه فهو ذاکر و من لم یذکره بقلبه فلیس بذاکر ا۔

ترجمہ: وہ تم کو یقیناً دیکھتا ہے جو شخص اللہ کا ذکر قلب سے کرے وہ حقیقی ذاکر ہے اور جو اس کا ذکر قلب سے نہ کرے وہ اس کا ذکر کرنے والا ہی نہیں۔ [5]

---

[1] (ہدایت السالکین، ص، ۲۴۹)

[2] (ہدایت السالکین، ص، ۲۵۱)

[3] (ہدایت السالکین، ص، ۲۵۲، ۲۵۱)

[4] (الفتح الربانی والفیض الرحمانی، المجلس السادس عشر، ص، ۷۷، دار الریان للتراث، بیروت) (ص 197 فیوض غوث یزدانی)

[5] (الفتح الربانی والفیض الرحمانی، المجلس الثالث والعشرون، ۱۰۴، دار الریان للتراث، بیروت) (ص، ۲۵۱ فیوض غوث یزدانی)

۲۰۔شیخ الجن والانس حضرت ابومحمد عبدالقادر جیلانی حنبلی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۵۶۱ھ، فرماتے ہیں:

ذکرہ بلسانہ و بقلبہ و فی اکثر اوقاتہ یکون قلبہ ذاکرا و لسانہ ساکنا۔

ترجمہ: مومن کا ذکر زبان وقلب دونوں سے ہوتا ہے اور اکثر اوقات میں اس کا قلب ذاکر ہوتا ہے اور زبان سکون میں۔[1]

شیخ الجن والانس حضرت ابومحمد عبدالقادر جیلانی حنبلی، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی ۵۶۱ھ، فرماتے ہیں:

ذکر اللسان بلاقلب لا کرامۃ و لا عزازۃ لک بہ الذکر ھو ذکر القلب و السر ثم ذکر اللسان اذا صح ذکر الحق عزّ و جل للعبد ذکرہ الحق کما قال (فاذکرونی اذکرکم واشکروا لی ولا تکفرون) اذکرہ حتی یذکرک اذکرہ حتی یحط الذکر عنک او زارک تبقی خالیا عن وزر تصیر طاعۃ بلا معصیۃ۔

ترجمہ: بغیر قلب کے ذکر کے محض! زبانی ذکر میں نہ کوئی کرامت ہے اور نہ تیری کوئی بزرگی ذکر الہیٰ قلب و باطن کا ذکر ہے پھر زبان کا ذکر جب کسی بندہ کا ذکر الہیٰ! درست ہو جاتا ہے پس حق عزوجل اس کا ذکر کرتا ہے جیسا کہ اس نے ارشاد فرمایا تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا اور تم میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو۔ تو خدا کا ذکر یہاں تک کرکہ وہ تیرا ذکر کرے تو اس کا ذکر یہاں تک کرکہ ذکر کی وجہ سے تیرے سب گناہ جھڑ جائیں تو گناہ سے خالی باقی رہ جائے اور طاعت بلا معصیت ہو جائے۔[2]

۲۱۔حجۃ الاسلام امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی طوسی، شافعی، قدس سرہ، متوفی ۵۰۵ھ لکھتے ہیں:

و قال مجاھد في معنی قول اللہ تعالی (من شر الوسواس الخناس) قال ھو منبسط علی القلب فإذا ذکر اللہ تعالی خنس و انقبض و إذا غفل انبسط علی قلبہ۔

امام مجاہد من شر الوسواس الخناس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ شیطان دل پر پھیلا ہوا ہے جب قلب ذکر الہی کرتا ہے تو وہ ڈر کے مارے سکڑ جاتا ہے اور جب غافل ہو جاتا ہے تو پھیلتا ہے۔[3]

لطائف سبعہ اور ان کی حرکت کا بیان:

۲۲۔حضرت علامہ شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

طریق مشغولی بذکر حق سبحانہ با توجہ بلطائف سبعہ تا دران حرکت ذکر پیدا شود ایست کہ اول بیست و پنج بار استغفار بخواند باز بارواح طیبۂ بزرگان علیہم الرحمہ فاتحہ بخواند و بواسطہ آنہا از جناب الٰہی التجا و طلب فیض محبت و معرفت کند و صورت شخص کہ از و تلقین یافتہ رو بروی دل حاضر نماید اول از لطیفہ قلب کہ زیر پستان چپ بہ فاصلہ دو انگشت مایل بہ پہلو است ذکر کند مفہوم اسم مبارک اللہ تعالیٰ کہ ذاتی است بیچون سبحانہ در لحاظ داشتہ و نگہداشت خواطر گذشتہ و آیندہ توجہ بقلب کردہ توجہ دل بہمان مفہوم مقدس داشتہ بزبان خیال اسم مبارک اللہ اللہ بگوید ہر گاہ حرکت در دل پیدا شود باز از لطیفہ روح کہ محل آن زیر پستان راست بفاصلہ دو انگشت است متوجہ شدہ بزبان خیال ذکر کند باز از لطیفہ سر کہ محل آن برابر پستان چپ بطرف سینہ بفاصلہ دو انگشت است باز از لطیفہ خفی کہ محل آن برابر پستان راست بفاصلہ دو انگشت است بطرف وسط سینہ باز از لطیفہ اخفی کہ محل آن درعین وسط سینہ است باز از لطیفہ نفس کہ محل آن در پیشانی است ذکر نماید باز از لطیفہ قالب توجہ بطرف تمام قالب نمودہ بزبان خیال اللہ اللہ بگوید تا کہ حرکت در لطیفہ قالب ظاہر گردد۔

---

[1] (الفتح الربانی والفیض الرحمانی، المجلس الثامن والاربعون، ۱۹۴، دار الریان للتراث، بیروت) (ص، ۴۲۱ یوٰس غوث یزدانی)

[2] (الفتح الربانی والفیض الرحمانی، المجلس الثامن والخمسون، ۲۵۰، دار الریان للتراث، بیروت) (ص، ۵۳۵ یوٰس غوث یزدانی)

[3] (احیاء علوم الدین، کتاب شرح عجائب القلب، ج، ۳، ص، ۴۰، المکتبۃ التوفیقیۃ، القاہرہ) (احیاء العلوم، جلد سوئم، ص ۵۶)

ترجمہ: توجہ کے ساتھ لطائف سبعہ سے حق سبحانہ کے ذکر میں مشغول ہونے کا طریقہ تاکہ اس میں حرکت ذکر پیدا ہو جائے یہ ہے کہ پہلے پچیس بار استغفار پڑھے پھر بزرگوں کی ارواح پاک علیہم الرحمہ پر فاتحہ پڑھے اور ان کے وسیلہ سے جناب الٰہی میں درخواست کرے اور محبت ومعرفت کا فیض طلب کرے اور جس شیخ سے تلقین پائی ہے اس کو دل کے روبرو حاضر کرے (پھر) اول لطیفہ قلب سے جو کہ بائیں پستان کے نیچے دو انگلی کے فاصلے پر پہلو کی طرف ہے (حق سبحانہ کا) ذکر کرے۔ اللہ تعالیٰ کا مبارک نام جو کہ ذاتی ہے، پیچون سبحانہ کو دھیان میں رکھ کر اور گذشتہ وآئندہ کے خواطر (وسوسوں) سے بچتے ہوئے دل کی طرف توجہ کر کے دل میں اس مقدس مفہوم سے متوجہ رکھ کر خیال کی زبان سے اسم مبارک اللہ اللہ کہے۔ جب دل میں حرکت پیدا ہو جائے تو پھر لطیفہ روح سے جس کا محل دائیں پستان کے نیچے دو انگلی کے فاصلہ پر ہے متوجہ ہو کر خیال کی زبان سے ذکر کرے۔ پھر لطیفہ سر سے جس کا محل بائیں پستان کے سامنے سینے کی طرف دو انگلی کے فاصلہ پر ہے۔ پھر لطیفہ خفی سے جس کا محل دائیں پستان کے سامنے دو انگلی کے فاصلہ پر سینے کے وسط کی جانب پھر لطیفہ اخفی سے جس کا محل بالکل سینہ کے درمیان میں ہے پھر لطیفہ نفس سے جس کا محل پیشانی میں ہے ذکر کرے پھر لطیفہ قلب سے تمام قالب (تن) کی طرف توجہ کر کے زبان حال سے اللہ اللہ کہے تاکہ لطیفہ قلب میں ذکر جاری ہو جائے۔[1]

۲۳۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

ذکر جہر برای گرمی دل وشنیدن اشعار محبت بآواز حزین بجہت غلبہ شوق گاہ گاہ واستماع قرآن مجید بحسن صوت دل را برقت وگداز می آرد اللہ تعالیٰ این پیر ضعیف وہمہ عزیزان را برین توشۂ عمل کرامت فرماید اول ذکر از دل باید نمود محل لطیفہ قلب زیر پستان چپ بفاصلہ دو انگشت مایل بہ پہلو است ہر گاہ حرکت ذکر در دل معلوم شود باز ذکر از لطیفہ روح کہ محل آن زیر پستان راست مقابل پستان چپ بفاصلہ دو انگشت است ہر گاہ حرکت ذکر دریافت شود باز از لطیفہ سر کہ محل آن برابر پستان چپ بفاصلہ دو انگشت بطرف وسط سینہ است باز از لطیفہ خفی کہ محلش برابر پستان راست بفاصلہ دو انگشت بطرف وسط سینہ است باز اء لطیفہ اخفی کہ محلش درعین وسط سینہ است باز از لطیفہ نفس کہ محلش وسط پیشانی است باز از لطیفہ قالب کہ محل آن تمام بدن است ذکری نمایند زبان بکام چسپانیدہ توجہ بدل وتوجہ دل بہ حضرت حق سبحانہ نمودہ واندیش ہای گذشتہ وآیندہ از دل نگہداشتہ بزبان خیال ذکر اسم ذات اللہ اللہ می کنند وبعد چند بار ذکر بخیال خود می گویند خداوندا مقصود من توئی ورضائی تو محبت خود دہ ومعرفت خود دہ ہر گاہ لطائف سبعہ ذاکری شوند۔

ترجمہ: گرمی دل کے لئے ذکر جہر غلبہ شوق کے لئے غمگین آواز میں کبھی کبھار اشعار محبت سننا قرآن مجید کی تلاوت خوبصورت آواز میں سننا دل میں رقت اور گداز پیدا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ضعیف بوڑھے اور تمام عزیزوں (عقیدت مندوں) کو اس تحریر پر عمل (کی توفیق) کرامت فرمائے۔ اول ذکر دل سے کرنا چاہئے۔ لطیفہ قلب کا محل (جگہ) بائیں پستان (چھاتی) سے دو انگلی کے فاصلہ پر پہلو کی جانب ہے۔ جب ذکر کی حالت دل میں ظاہر ہو جائے پھر لطیفہ روح سے ذکر کرے جس کا محل (جگہ) دائیں پستان (چھاتی) کے برابر دو انگلی کے فاصلہ پر ہے۔ جب ذکر کی حرکت (لطیفہ روح میں) ظاہر ہو جائے تو پھر لطیفہ سر سے ذکر کرے جس کا محل (جگہ) بائیں پستان (چھاتی) کے برابر دو انگلی کے فاصلہ پر سینے کے درمیان کی طرف ہے۔ پھر لطیفہ خفی سے ذکر کرے جس کا محل (جگہ) دائیں پستان کے برابر دو انگلی کا فاصلہ پر سینے کے درمیان کی طرف ہے۔ پھر لطیفہ اخفیٰ سے ذکر کرے جس کا محل (جگہ) عین سینہ کے درمیان میں ہے۔ پھر لطیفہ نفس سے ذکر کرے جس کا محل (جگہ) پیشانی کے درمیان ہے پھر لطیفہ قالب سے ذکر کرے جس کا محل (جگہ) تمام بدن ہے۔ زبان کو تالو سے چپکائے رکھے (اور) توجہ دل کی طرف اور دل کو حق سبحانہ کی طرف متوجہ رکھے گذشتہ اور آئندہ کے وسوسوں سے دل کو محفوظ رکھ کر زبانِ خیال سے ذکر اسم ذات اللہ اللہ کرتے رہیں اور (اس کے) بعد چند بار اپنے

---

[1] (مکاتب شریفہ مکتوب نمبر دوہم ص ۱۴)

خیال میں کہیں : خداوندا! میرا مقصود تو اور تیری رضا ہے اپنی محبت اور معرفت عطا فرما : سب لطائف سبعہ ذاکر ہو جائیں۔[1]

۲۴۔آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے دوسرے مکتوب میں طریقہ نقشبندیہ کا طریقہ ذکر یوں ارشاد فرماتے ہیں:

بیان طریقہ اول از لطیفہ قلب کہ محل آن زیر پستان چپ مائل بہ پہلو است ذکر اسم ذات اللہ اللہ نمایند تا کہ حرکت پر حلاوت پیدا شود باز از لطیفہ روح کہ محل آن زیر پستان راست محاذی آن است ذکر میکنند باز از لطیفہ سر کہ محل آن برابر پستان چپ بفاصلہ دو انگشت در وسط سینہ است باز از لطیفہ خفی کہ محل آن برابر پستان راست بفاصلہ دو انگشت در وسط سینہ است باز از لطیفہ اخفی کہ محل آن عین وسط سینہ است باز از لطیفہ نفس کہ محل آن پیشانی است باز از تمام بدن کہ آنرا سلطان الاذکار گویند دل را از خواطر گذشتہ و آیندہ نگاہداشتہ و توجہ بدل نمودہ ذکر می کنند باز نفی و اثبات معمول است زبان را بکام چسپانیدہ و دم را زیر ناف بند نمودہ بزبان خیال کلمہ لا بدماغ رسانیدہ کلمہ الہ را بر دوش رسانیدہ الا اللہ بر دل ضرب می نمایند بطوری کہ گذر آن بر لطائف خمسہ افتد و معنی اینست کہ نیست ہیچ مقصود بجز ذات پاک وقت مشغولی اول بیست و پنج بار استغفار نمودہ و فاتحہ بزرگان خواندہ ذکر می نمایند ہر گاہ کیفیت و جمعیت پیدا می شود آنرا نگاہ میدارند و اگر مستور شود باز ذکر می کنند۔

ترجمہ: طریقہ اول کا بیان لطیفہ قلب جس کی جگہ بائیں پستان کے نیچے پہلو کی طرف ہے (اس سے) ذکر اسم ذات اللہ اللہ کرے، یہاں تک کہ حلاوت بھری حرکت پیدا ہو جائے اس کے بعد لطیفہ روح جس کی جگہ دائیں پستان کے نیچے اس کے برابر ہے (سے) ذکر کرتے ہیں۔ پھر لطیفہ سر جس کا محل بائیں پستان کے برابر دو انگلی کے فاصلہ پر سینہ کے وسط میں ہے پھر لطیفہ خفی جس کی جگہ دائیں پستان کے برابر دو انگلی کے فاصلہ پر سینہ کے وسط میں ہے پھر لطیفہ اخفیٰ جس کی جگہ سینہ کے بالکل درمیان میں ہے پھر لطیفہ نفس جس کی جگہ پیشانی ہے پھر تمام بدن سے جسے سلطان الاذکار کہتے ہیں دل کو گذشتہ اور آئندہ کے وسوسوں سے محفوظ رکھ کر اور دل کی طرف توجہ کر کے ذکر کرتے ہیں پھر نفی و اثبات کا معمول ہے۔ زبان کو تالو سے چپکا کر اور سانس کو ناف کے نیچے روک کر زبانِ خیال سے کلمہ لا کو دماغ تک پہنچا کر الا اللہ کی ضرب دل پر لگاتے ہیں۔ اس طرح کہ اس کا گزر لطائف خمسہ پر ہوتا ہے۔ معنی یہ ہے کہ کوئی مقصود نہیں سوائے ذات پاک (اللہ سبحانہ وتعالیٰ) کے اس (عمل میں) مشغولی کے وقت اول پچیس بار استغفار کر کے اور (سلسلہ کے) بزرگوں کا فاتحہ پڑھنے کے بعد ذکر (لطائف) کرتے ہیں۔ جب کیفیت اور جمعیت پیدا ہو جائے تو اس کو نگاہ (میں) رکھتے ہیں اور اگر (وہ) مستور ہو جائے تو پھر (سے) ذکر کرتے ہیں۔[2]

۲۵۔آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک اور مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ!

ذکر بر دو قسم است اول اسم ذات است طریقش آنکہ زبان بکام چسپانیدہ و بزبان دل کہ محل آن زیر پستان چپ بفاصلہ دو انگشت است اسم مبارک اللہ را بگوید و مفہوم آن در لحاظ داشتہ کہ ذاتیست موصوف بصنعات کاملہ و منزہ از سمات ناقصہ کہ بران ایمان آوردہ ایم و این لحاظ را پر داخت وجود ذہنی گویند در وقت ذکر حرکت در زبان و بدن پیدا نشود و در تمام اوقات بر این ذکر مواظبت نماید تا دل جاری شود پس از لطیفہ روح کہ محل آن زیر پستان راست بفاصلہ دو انگشت است ذکر نماید پس از لطیفہ سر کہ محل آن برابر پستان چپ کہ مائل بوسط سینہ بفاصلہ دو انگشت است ذکر نماید باز از لطیفہ خفی کہ محل آن برابر پستان راست است بفرق دو انگشت مائل بوسط سینہ ذکر کند باز از لطیفہ اخفیٰ کہ محل آن در عین وسط سینہ است ذکر نماید تا آنکہ لطائف خمسہ جاری شوند بذکر باز از لطیفہ نفس کہ محل آن در وسط پیشانی است و از لطیفہ قالبیہ نیز ذکر اسم ذات معمول است۔

ترجمہ: ذکر کی دو قسمیں ہیں پہلی (قسم) اسم ذات ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ زبان کو تالو سے چپکا کر زبان دل سے جس کا مقام بائیں پستان کے نیچے

---

[1] (مکاتب شریفہ مکتوب : سیزدہم ص ۳۰)

[2] (مکاتب شریفہ مکتوب شصت و ششم ص ۷۳)

دو انگلی کے فاصلہ پر ہے اسم مبارک اللہ کہے اور اس مفہوم کا لحاظ رکھے کہ اللہ وہ ذات ہے جو صفاتِ کاملہ سے موصوف اور سماتِ ناقصہ سے منزہ ہے جس پر ہم ایمان لائے ہیں۔ اس (کا) لحاظ (رکھنے) کو وجودِ ذہنی کی مشغولیت کہتے ہیں۔ ذکر کے وقت تمام اوقات میں اس ذکر میں ہمیشہ لگا رہے۔ یہاں تک کہ دل جاری ہو جائے۔ پھر لطیفہ روح جس کا مقام دائیں پستان کے نیچے دو انگلی کے فاصلہ پر ہے سے ذکر کرے اس کے بعد لطیفہ سر جس کا مقام بائیں پستان کے برابر وسط سینہ کی دو انگلی کے فاصلہ پر ہے سے ذکر کرے پھر لطیفہ خفی جس کا مقام دائیں پستان کے برابر دو انگلی کے فاصلہ پر وسط سینہ کی جانب ہے سے ذکر کرے اس کے بعد لطیفہ اخفی جس کا مقام عین سینہ کے وسط میں ذکر کرے، یہاں تک کہ پانچوں لطائف جاری ہو جائیں۔ پھر لطیفہ نفس جس کا مقام وسط پیشانی ہے اور لطیفہ قالبیہ سے بھی ذکر اسم ذات کرنے کا معمول ہے۔[1]

۲۶۔ اے عزیز حرکت ظاہری نتیجہ حرکت معنوی است یعنی حرکت بدن علامت حرکت روح است و حرکت روح علامت حظ و ذوق و شوق است از ندا الست بربکم روے نمودہ بود اے عزیز حظ روح در قلب اثر می کند و از قلب بقالب می رسد اعضا در حرکت می آیند و مرغ روح پرواز می کند و می خواہد کہ از قفس دامن گیری گردد و قفص را نیز در حرکت و گردش می آرد رزقنا اللہ و ایاکم بکرمہ و لطفہ لھذا النعمۃ۔

ترجمہ: اے عزیز حرکت ظاہری حرکت معنوی کا نتیجہ ہے یعنی حرکت بدن علامت حرکت روح ہے اور حرکت روح علامت ذوق و شوق و حظ الٰہی ہے کہ جو نداء الست بربکم سے نمودار ہوا۔ اے عزیز حظ روح قلب میں اثر کرتا ہے اور قلب سے قالب میں جاتا ہے اعضاء حرکت میں آجاتے ہیں اور مرغ روح پرواز کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ قفس تن سے روح کو جدا کرے اور قفس کو بھی حرکت اور گردش میں لاتا ہے رزقنا اللہ و ایاکم بکرمہ و لطفہ لھذا النعمۃ۔[2]

۲۷۔ امام زین الاسلام عبدالکریم القشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ابتداء الذکر بالجوارح یجد العبد حرکۃ فی کل جوارحہ حتی لا یبقی جزء من لحمہ و عظمہ الا و فیہ حرکۃ و اختلاج و تقوی الحرکات و الاختلاجات حتی تصیر اصواتا و کلمات تنبعث مسموعۃ من جمیع الجوارح و الاجزاء۔ ماعدا اللسان لان اللسان لا ینطق فی مثل ھذہ الاحوال و یلازم العبد التر کیز فی ھذہ الھمۃ و ھو یتیقن انہ لو لا حظ ھذہ الاذکار و طلب علمھا فانہ ینفی عنھا الی غیرھا ذلک لان الذکر قد وقع علی القلب صحیح انہ فی حال ذکر اللسان قد یکون للجوارح حرکات و اختلاجات و لکنھا لیست علی ھذہ الدرجۃ من القوۃ و الشمولیۃ۔

ترجمہ: جوارح کے ساتھ ذکر کی ابتداء کرنے سے بندہ تمام جوارح میں ایک حرکت کو پانے لگ جاتا ہے یہاں تک کہ کوئی جزو بھی گوشت اور ہڈی سے باقی نہیں رہتا مگر اس میں حرکت اور اقشعر ار ہوتا ہے جب حرکات اور اقشعر ار قوی ہو جائیں یہاں تک کہ وہ اصوات اور کلمات بن جاتے ہیں جو کہ نکلتی ہے سنانے کی طرح جمیع جوارح اور اجزاء سے ماسواء زبان کے اس لئے کہ زبان ان احوال میں نطق نہیں کرتی ہے اور بندہ لازم رکھتا ہے ہمت میں ثابت رہنے کو اور وہ یہ یقین رکھتا ہے کہ اگر یہ ان اذکار کو ملاحظہ نہ کرے اور اس کے علم کو طلب کرے پس یہ اس سے دور ہو جائے گا اور غیر کی طرف چلا جائے گا اس لئے کہ ذکر تحقیق کے ساتھ قلب صحیح پر وارد ہوتا ہے ذکر لسانی کے حال میں کبھی کبھار جوارح کیلئے حرکات اور اقشعر ار ہوتی ہے لیکن وہ اس درجہ پر نہیں ہوتا قوت اور شمولیت سے۔[3]

---

[1] (مکاتب شریفہ مکتوب نودم ص ۱۳۷)

[2] (الہامات غوثیہ ص ۵۰)

[3] (ترتیب السلوک فی طریق اللہ تعالیٰ ص ۳۴)

۸۔مولانا فخر الدین علی بن حسین واعظ کاشفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

(رشحة)سئله مولانا بدر الدين الميدانی الذی كان من كبار اصحاب الشيخ حسن البلغاری و وجد صحبة عزيزان ايضاً:ان ذكر الكثير الذی امرنا به من عند الحق سبحانه حيث قال عز اذكروا الله ذكرا كثيرا۔(الاحزاب الآية ۴۱)هل هو ذكر اللسان او ذكر القلب؟فقال:هوفی حق المبتدی ذكر اللسان وفی حق المنتهی ذكر القلب۔فان المبتدی يتكلف فی الذكر دائماًويتعمل ويبذل روحه واماالمنتهی فانه اذاوصل اثر الذكر الی قلبه يكون جميع اعضائه وجوارحه وعروقه ومفاصله ذاكرة فيتحقق الذاكر فی ذلک الوقت بكونه ذاكراًبالذكر الكثيرويكون يرمه الواحدفی ذلک الحال مساوياًلسنة غيره من الرجال۔

ترجمہ:رشحہ ذکر کثیر:

شیخ بدرالدین میدانی جو شیخ حسن بلغاری رحمہ اللہ کے اکابر ساتھیوں میں سے ہیں اورانہوں نے حضرت عزیزان رحمہ اللہ کی صحبت کو بھی پایاہے،نے آپ سے پوچھا کہ ہم حق سبحانہ کی طرف سے جس ذکر کثیر پر مامور ہیں جیسا کہ حق سبحانہ نے فرمایاہے اذکروااللہ ذکرا کثیرا۔(الاحزاب الآیۃ۴۱)یعنی اللہ کا ذکر بہت زیادہ کیا کرو۔یہ زبان کا ذکر ہے یا دل کا؟ حضرت عزیزان رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مبتدی کیلئے زبان کا ذکر اور منتہی کیلئے دل کا ذکر ہے۔مبتدی ہمیشہ تکلف ودشواری سے(ذکر)کرتاہےاورسخت مشقت اٹھاتاہےلیکن منتہی کے دل پر جب ذکر کااثر پہنچتاہےتواس کے تمام اعضاءوجوارح اوررگیں اورجوڑ ذکر کرنے لگتے ہیں اوراس وقت سالک ذکرکثیر سے متصف ہوجاتاہےاوراس حالت میں اس کاایک روز کاکام دوسروں کے ایک سال کے کام کے برابر ہوتاہے۔[1]

۲۹۔(رشحة)قال قدّس سره:أن معنى قولهم:(إن الله ينظر فی اليوم و الليلة الی قلب المؤمن بنظر الرحمة ثلاث مائة وستين نظرة)هو ان للقلب ثلاث مائة وستين روزنة الی جميع الاعضاء وهی عبارة عن ثلاث مائة وستين عرقا فی البدن من الاوردة والشرايين متصلة بالقلب فاذاتأثر القلب من الذكر وبلغ مرتبة الكون منظوراًإليه بنظر خاص من الحق سبحانه۔تنشعب حينئذآثار ذلک النظر من القلب الی جميع الاعضاءحتی يشتغل كل عضو من الاعضاء بطاعة لائقة بحاله فيصل الفيض الحاصل من تلک الطاعة الی القلب و ذلک الفيض هو المراد بنظر الرحمة۔

رشحہ:ذکر دل:

آپ فرماتے تھےکہ اس بات کا مطلب کہ حضرت حق سبحانہ ہر رات اوردن میں تین سوساٹھ مرتبہ مومن بندے کے دل پر نظر رحمت فرماتاہے یہ ہےکہ دل تمام اعضاء کی جانب تین سوساٹھ دریچے رکھتاہےاوروہ دل سے متصل تین سوساٹھ رگیں ہیں جورگیں اورشریانیں ہیں۔جب دل ذکر سے متاثر ہوتاہےتواس مرتبہ تک پہنچ جاتاہےکہ حق سبحانہ کی نظر خاص کا منظور بن جاتاہےاوراس نظر کے آثار دل سے سب اعضاء کی طرف پھیل جاتے ہیں۔پھر ہر عضواپنے حال کے مطابق ایک طاعت میں مشغول ہوجاتاہےاوراس طاعت کےنور سے ہر عضو سے ایک فیض جس سے مراد نظر رحمت ہے،دل کو پہنچتاہے۔[2]

۳۰۔حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:شیخ تمام باتوں سے خالی ہواپنے نفس ناطقہ کی طرف اس نسبت میں جس کاالقامرید پر منظور

---

[1](رشحات عین الحیات ص ۷۲)

[2](رشحات عین الحیات ص ۷۲)

ہومتوجہ ہو اور توجہ قلبی مرید کی طرف مائل کرے کہ میری کیفیت جذب مرید میں اثر کر رہی ہے خیال کرے انشاء اللہ حسب استعداد نور برکتیں حاصل ہوں گی اور لطیفہ قلب کے جاری کرنے کے بعد ہر لطیفہ پر تدریجاً توجہ کرے اور اسی طرح انوار مراقبات ولطائف کے القا میں توجہ کرے اور اگر مرید موجود نہ ہو تو اس کی صورت کا تصور کر کے غائبانہ توجہ کرے اور اسے فائدہ پہنچائے۔[1]

ذکر دینے اور توجہ کرنے کا طریقہ اقوال مشائخ کی روشنی میں:

۳۱۔حضرت علامہ مولوی شاہ غوث محمد صاحب فرماتے ہیں کہ:

یضع الشیخ یدہ علی قلب المرید تحت الثدی الایسر بفاصلۃ اصبعیہ ویلقنہ ذکر اسم الذات۔

ترجمہ: کہ شیخ اپنا ہاتھ مرید کے قلب پر رکھے جو کہ الٹی طرف پستان کے دو انگلی کے فاصلے پر نیچے واقع ہے اور اسے اسم ذات کی تلقین کرے۔[2]

۳۲۔حضرت علامہ الحاج فقیر اللہ ابن عبد الرحمن الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ومن علامات جریان الذکر القلبی ھو ان یرجع الی القلب بعد النوم ویجد قلبہ فی مقام الذکر وقد یتحرک راسہ موفقا للقلب من غیر اختیارہ ومنھا ان یستمع ھو فقط من قلبہ صوت الذکر وقد یسمع غیرہ۔

ترجمہ: ذکر قلبی کے جاری ہونے کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ یہ شخص نیند کے بعد جب قلب کی طرف رجوع کر لیتا ہے اور قلب کو مقام ذکر میں پالیتا ہے اور اس کا سر حرکت کرتا ہے قلب کے ساتھ بغیر اختیار کے اور ایک علامت یہ ہے کہ یہ اپنے قلب سے ذکر کی آواز خود سنتا ہے اور کبھی کبھار غیر بھی سنتا ہے۔[3]

۳۳۔مولانا فخر الدین علی بن حسین واعظ کاشفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

وذکر فی (فصل الخطاب) أن کیفیۃ اشتغال خواجہ عبد الخالق الغجدوانی حجۃ فی الطریقۃ ومقبولۃ عند جمیع الفرق کان قدس سرہ مداوما علی طریق الصدق والصفاء ومتابعۃ الشریعۃ وسنۃ نبینا محمد المصطفیٰ ﷺ ومجانباً للنفس ومخالفا لھواھا وکان یستر سیرتہ السنیۃ عن نظر الاغیار تلقن الذکر القلبی ایام شبابہ عن الخضر علیہ السلام فکان یواظب علی الذکر المذکور وقبلہ حضرۃ الخضر علیہ السلام للوالدیۃ وامرہ بان یغوص فی الحوض وان یقول بقلبہ تحت الماء لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ففعلہ الخواجہ وأخذ منہ ذلک واشتغل بہ ھنالک ففتح لہ انواع الفتوح والترقیات فوق ادراک المدارک۔

ترجمہ: کتاب فصل الخطاب میں آیا ہے کہ حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی کی روش طریقت میں حجت ہے اور تمام سلاسل میں مقبول ہے۔آپ ہمیشہ صدق وصفا کے راستے میں اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شریعت وسنت کی پیروی اور بدعت وخواہش نفس کے اجتناب ومخالفت میں کوشاں رہے ہیں اور اپنی پاکیزہ روش کو غیروں کی نظر سے پوشیدہ رکھا ہے۔آپ نے جوانی میں حضرت خضر علیہ السلام سے ذکر قلبی کی تعلیم پائی ہے اور اس سبق پر ہمیشہ قائم رہے ہیں۔حضرت خواجہ خضر علیہ السلام نے ان کو فرزندی میں قبول فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ پانی کے حوض میں داخل ہو اور غوطہ لگاؤ اور دل میں کہو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔خواجہ نے اسی طرح کیا ہے اور سبق کو حاصل کیا ہے اور کام میں مشغول ہو گئے اور کشادگیاں پائیں

---

[1] (کلیات امدادیہ ص ۵۴ دار الاشاعت)

[2] (طریقۃ الراشدین حجۃ المسترشدین ص ۹۲)

[3] (قطب الارشاد ص ۵۶۱)

اوراول سے آخرتک آپ کے روزگار کا حال تمام خلقت کے ہاں مقبول ومحبوب تھا۔[1]

نوٹ: برزگان دین کے ان اقوال وکیفیات سے معلوم ہوا کہ قلب اوراسی طرح دیگر لطائف جاری ہوتے ہیں اللہ کے ذکر کے ساتھ مشائخ کی توجہات کی برکات سے قلب و دیگر لطائف اللہ کے ذکر میں جاری ہوتے ہیں اور جاری ہونے کی ایک علامت یہ ہے کہ ان کا دل تیز حرکت کرتا ہے کبھی اس ذکر کی آواز کو وہ خود سنتے ہیں اور کبھی دیگر لوگ بھی سنتے ہیں۔

۳۴۔حضرت غوث الاسلام والمسلمین شاہ غلام عبداللہ المجددی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

اما بتفضلات الٰہی بے توقف بحال بندہ توجہ فرمودن لطائف خمسہ من بذکر اسم ذات گویا گردیدو این از خصائص ایشان است کہ بیک توجہ شریفہ لطائف خمسہ جاری بذکر الٰہی مے شود۔

ترجمہ: فقیر کے حال کو نہ دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے فضل کے موافق ان کا توجہ فرمانا جس سے میرے پانچوں لطائف ذاکر ہوئے ان کی (میرے شیخ کی) خصوصیات میں سے ہے کہ ان کی ایک توجہ سے پانچوں لطائف ذکر الٰہی کے ساتھ جاری ہو جاتے ہیں۔(مقامات مظہریہ ص ۲۷)

۳۵۔تاج العرفا قطب اولیا عاشق اللہ جناب میر سید عبدالخالق نقشبندی فرماتے ہیں

می باید کہ شیخ بزرگوار دست مبارک خود را بلای لطیفہ قلب مرید بنہد بضرب شدید از قلب خود بقلب مرید توجہ نماید برای القا نور چنین نیت کند کہ الٰہے نور قلب پیران کبار کہ بقلب من عاجز خاکسار رسانیدہ بقلب این طالب برسان وقلب مرید از یک توجہ یا دو سہ بہ حرکت می آید وزندہ می شود وعلامت زندہ شدن دل وجدورقص واضطراب است چونکہ دل بحرکت آید زندہ شود آن را فتح الباب گویند و بسیار مبارک است باید کہ برادران طریقت مبارک گویند۔

ترجمہ: چاہیئے کہ شیخ بزرگوار اپنے ہاتھ مبارک کو مرید کے قلب پر رکھے اور پوری قوت کے ساتھ اپنے قلب سے مرید کے قلب کی طرف توجہ کرے القائے نور کی خاطر اسی طریقے سے نیت کرے کہ اے باری تعالیٰ پیران کبار کے قلوب کے وہ انوار جو اس خاکسار عاجز کے قلب تک پہنچے ہیں اس طالب کے قلب تک پہنچادے اور مرید کا قلب (دل) ایک توجہ یا دو یا تین سے حرکت میں آجائیگا اور وہ قلب زندہ ہو جائے گا اور دل کے زندہ ہونے کی علامت وجدورقص واضطراب ہے جب دل حرکت کرنے لگ جائے تو زندہ ہو جاتا ہے تو اسے صوفیاء کے نزدیک فتح الباب کہتے ہیں اور یہ بہت زیادہ مبارک ہے (یعنی دل کا زندہ ہو جانا اور حرکت کرنے لگ جانا صوفیاء کی توجہات کی برکت سے) چاہیئے کہ طریقت کے پیر بھائی اسے مبارکباد دیں۔[2]

فائدہ: حضرت مجدد رحمہ اللہ نے اسی لئے فرمایا کہ جو سفر ہم نے طے کرنا ہے وہ سات قدم ہے یعنی جب انسان کے سات لطائف ذاکر ہو جاتے ہیں تو انسان عارف ہو جاتا ہے۔ہاں ہر شخص کی معرفت کی مقدار اس کے حال کے مطابق کم وزیادہ ہوتی رہتی ہے۔(مقام افسوس یہ ہے کہ جو چیز طریقت کی اصل ہے لوگ اس کو نہ صرف چھوڑ چکے ہیں بلکہ اس کو درست تسلیم کرنے کو بھی تیار نہیں یعفی عنہ۔)

۳۶۔حضرت علامہ بدرالدین مجددی سرہندی قدس اللہ سرہ لکھتے ہیں:

درویشے بخدمت آنحضرت رسید، دل او چنان ذاکر شدہ بود کہ ہمنشین او استماع می نمود، لاسیما چون بخواب رفتے تا دور مسموع گشتے واز بعضے مشائخ عصر خلافت داشت واز حضرت ایشان نیز توقع این معنی وے را بود۔حضرت ایشان فرمودند کہ مرد صاحب استعداد است، ما استیلائے ذکر وخلافت مشائخ وے را در عجب و پندار داشتہ، راہ ترقی مسدود ساختہ است معالجۂ او سلب این حال ست۔دو روز نگذشتہ بود کہ آن حال را از وے سلب

---

[1] (رشحات عین الحیات ص ۵۴)

[2] (مجمع الدوائر بمع جامع الاسرار والانوار ص ۷)

کردند۔ حیران شدومی نالیدواشک حسرت از چشمش می بارید۔ چندروز بحال وے توجہ نہ کردند۔ تاعجب و پنداراز سروے بدررفت۔ بعدازان در خلوت طلبیدہ بمعاملات ومقامات وے رانواختند کہ آن ذکرنسبت بآن زینۂ اول ہم نمی تواند بود دووے بنقص حالت سابق معترف گردید۔

ترجمہ: ایک درویش آپ کی خدمت میں حاضر ہوااس کادل ایساذاکرتھا کہ اس کے قریب بیٹھنے والا بھی سن لیتا تھااور بالخصوص جب وہ سوجاتا تھا تو دور سے سنائی دیتا تھااور وہ کئی مشائخ سے خلافت حاصل کر چکا تھااور آپ سے بھی اسے یہی توقع تھی آپ نے فرمایا کہ یہ شخص صاحب استعداد ہے لیکن ذکر کے غلبے اور مشائخ کی خلافت نے اسے غروراور خود پسندی میں مبتلا کر دیا ہے اوراسی وجہ سے اس کی ترقی کاراستہ بند ہوگیا ہے اس کاعلاج یہ ہے کہ اس کی کیفیت سلب کرلی جائے چنانچہ دو روز نہ گزرے ہوں گے کہ اس کی یہ کیفیت سلب کر دی گئی وہ حیران ہوگیا، روتا تھااوراس کی آنکھوں سے حسرت ٹپکتی تھی، آپ نے چند دنوں تک اس کے حال پر توجہ نہ فرمائی اوراس طرح اس کا غروراور خود پسندی دور ہوگئی اس کے بعد اس کے بعداپ نے خلوت میں طلب فرما کر، معاملات اور مقامات سے نوازا کہ اس کا پہلا ذکران معاملات کے مقابلے میں پہلی سیڑھی کی حیثیت بھی نہیں رکھتا تھا پھر وہ اپنی پہلی حالت کے نقص کا معترف ہوا۔[1]

۳۸۔حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی نوراللہ مرقدہ لکھتے ہیں:

پیر دل مردہ را زندہ گردانیدہ است و بہ مشاہدہ و مکاشفہ رسانیدہ (است) نزد عوام، احیای جسدی، عظیم الشان است ونزد خواص، احیای قلبی و روحی، برہان رفیع الشان است (خواجہ محمد پارسا)۔قدس سرہ۔ دررسالہ (قدسیہ) می فرمایدکہ احیای جسدی پیش اکثر مردم چون اعتبار داشت، اہل اللہ از آن احیااعراض نمودہ بہ احیای روحی پرداختہ اندومتوجہ احیای دل مردۂ طالب گشتہ اندوالحق کہ احیای جسدی نسبت بہ احیای قلبی، کالمطروح فی الطریق است ونظر بہ این، داخل عبث چہ، این احیاسبب حیات چندروزہ است وآن احیا، وسیلۂ حیات دائمی است، بلکہ گوییم کہ فی الحقیقت وجود اہل اللہ کرامتی است از کرامات و دعوت ایشان مرخلق رابہ حق۔جل سلطانہ۔رحمتی است از رحمت ہای حق۔جل سلطانہ۔واحیای قلوب اموات، اینی است از آیت ہای عظمیٰ۔ایشان امان ارض اندوغنیمت روزگارند (بھم یمطرون و بھم یرزقون) درشان شان است کلام شان دواست ونظرشان شفا۔ھم جلساء اللہ و ھم قوم لا یشقیٰ جلیسھم و لا یخیب انیسھم۔

ترجمہ : کہ جسم کو زندہ کرنادل کو زندہ کرنے کی نسبت بالکل بے کار چیز ہے۔اوراس پرنگاہ ڈالنا بھی عبث ہے۔کیونکہ جسمانی چندروزہ زندگی کا سبب ہے۔اورقلبی زندگی حیات دائمی کاوسیلہ ہے۔بلکہ ہم کہتے ہیں۔کہ فی الحقیقت اللہ والوں کاوجود بذات خود کرامات میں سے ایک کرامت ہے۔ اوران کالوگوں کو خداتعالیٰ کی طرف دعوت دینااللہ تعالیٰ کے رحمتوں میں سے ایک رحمت ہے۔اورمردہ دلوں کو زندہ کرنااللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک بہت بڑی نشانی ہے۔یہ لوگ زمین والوں کے لئے امان ہیں۔اورزمانے کے لئے غنیمت ہے۔ بھم یرزقون و بھم یمطرون (انہیں کے ذریعہ سے لوگوں کو رزق ملتا ہے۔اورانہیں کے سبب سے بارشیں ہوتی ہیں) انہی کی شان میں ہے ان کی گفتگو دواہے۔اوران کی نظر شفا ہے۔یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہم جلیس ہیں۔اور یہ وہ لوگ ہیں۔جن کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں ہوتا۔اورنہ ان سے دوستی رکھنے والانامراد ہوتا ہے۔[2]

فائدہ :لطیفۂ قلب جاری ہونے کی ظاہری علامت یہ ہے کہ سالک کادل نفسانی خواہشات کی بجائے محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہوجائے، غفلت دورہو اورشریعت مطہرہ کے مطابق عمل کرنیکا شوق پیدا ہو۔ذکرجاری ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اسکادل حرکت کرنے لگے یااسے کشف ہونے

---

[1] (حضرات القدس ج ۲ ص ۱۷۳)

[2] (مکتوبات امام ربانی، جلد ۲، مکتوب ۹۲)

لگے بلکہ سالک کا اول و آخر مقصد رضائے الٰہی ہونا چاہیئے نہ کہ کشف و کیفیات کا حصول۔

مولانا سید عبد المالک نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

۳۹۔تشریح: مکتوب نمبر ۱۱۵ میں بیان ہو چکا ہے کہ مشائخ نقشبندیہ نے سیر و سلوک کی ابتداء قلب سے کی ہے اور آغاز سلوک میں قلب پر تجلی افعال کا اثر پڑتا ہے تو شیخ کامل کے باطن کی وساطت سے تجلی افعال کے اثرات سالک کے قلب پر پڑتے ہیں تو اس کا قلب ان کا احساس کرنے لگتا ہے اس احساس کے اثرات میں قلب کی حرکات میں اضافہ، درد، حرارت اور خوشی کا محسوس ہونا ہے اور یہ محسوسات ذکر قلبی کی علامت ہیں نیز لطیفہ روح پر بھی یہی علامت ظاہر ہوتی ہیں لیکن ایک سالک حقیقی کو یہ بات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ یہ احساسات تصوف کا مقصود و مطلوب نہیں ہیں کہ سالک انہیں پر خوش ہو تا رہے اور آگے نہ بڑھے۔[1]

دوران ذکر بدن اور ہاتھ وغیرہ کی حرکت کے دلائل :

افضیلۃ الشیخ العارف باللہ عبد القادر عیسیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

[الحركة في الذكر أمر مستحسن، لأنها تنشط الجسم لعبادة الذكر وهي جائزة شرعاً بدليل ما أخرجه الإمام أحمد في مسنده والحافظ المقدسي برجال الصحيح من حديث أنس رضي الله عنه قال :(كانت الحبشة يرقصون بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم، ويقولون بكلام لهم :محمد عبد صالح، فقال صلى الله عليه وسلم :"ماذا يقولون ؟" فقيل :إنهم يقولون :محمد عبد صالح، فلما رآهم في تلك الحالة لم ينكر عليهم، وأقرهم على ذلك، والمعلوم أن الأحكام الشرعية تؤخذ من قوله صلى الله عليه وسلم وفعله وتقريره، فلما أقرهم على فعلهم ولم ينكر عليهم تبين أن هذا جائز.

وفي الحديث دليل على صحة الجمع بين الاهتزاز المباح ومدحِ رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأن الاهتزاز بالذكر لايُسمى رقصاً محرماً، بل هو جائز لأنه ينشط الجسم للذكر، ويساعد على حضور القلب مع الله تعالى ؛ إذا صحت النية. فالأمور بمقاصدها، وإنما الأعمال بالنيات وإنما لكل امرىءما نوى.

ولنستمع إلى الإمام علي رضي الله عنه كيف يصف أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، قال أبو أراكة :(صلّيتُ مع علي صلاة الفجر، فلما انفتل عن يمينه مكث كأنَّ عليه كآبة، حتى إذا كانت الشمس على حائط المسجد قيد رمح صلى ركعتين، ثم قلب يده فقال :والله لقد رأيت أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم، فما أرى اليوم شيئاً يشبههم، لقد كانوا يصبحون صفراً شعثاً غبراً، بين أيديهم كأمثال رُكَب المَعْزى، قد باتوا لله سجداً وقياماً، يتلون كتاب الله يتراوحون بين جباههم وأقدامهم، فإذا أصبحوا فذكروا الله مادوا [أي تحركوا] كما يميد الشجر في يوم الريح، وهملت أعينهم حتى تَبُلَّ ـ والله ـ ثيابهم)[2]

ويهمنا من عبارة الإمام علي رضي الله عنه قوله :(مادوا كما يميد الشجر في يوم الريح)، فإنك تجده صريحاً في الاهتزاز، ويُبطل قولَ من يدَّعي أنه بدعة محرمة، ويثبت إباحة الحركة في الذكر مطلقاً

وقد استدل الشيخ عبد الغني النابلسي رحمه الله بهذا الحديث في إحدى رسائله على ندب الاهتزاز بالذكر، وقال :هذا

---

[1] (شرح مکتوبات حضرت امام ربانی مسمی بہ دار المعرفت ص ۳۶۰ ج ۲)

[2] "البداية والنهاية في التاريخ" للإمام الحافظ المفسر المؤرخ إسماعيل بن كثير القرشي الدمشقي المتوفى 774هـ. ج8/ص .6وأخرجه أيضاً أبو نعيم في "الحلية" ج1/ص76

صريح بأن الصحابة رضي الله عنهم كانوا يتحركون حركة شديدة في الذكر. على أن الرجل غير مؤاخذ حين يتحرك ويقوم ويقعد على أي نوع كان حيث إنه لم يأت بمعصية ولم يقصدها۔

ذکر میں حرکت:

ترجمہ: ذکر میں حرکت امر مستحسن ہے کیونکہ یہ بدن کو ذکر کیلئے چست کرتی ہے اور اس کی دلیل امام احمد اور حافظ مقدسی کی روایت کردہ حدیث ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حبشی لوگ رسول اللہ ﷺ کے سامنے رقص کر رہے تھے اور اپنی زبان میں کہہ رہے ہیں: ''محمد ﷺ نیک بندے ہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیا کہہ رہے تھے عرض کی گئی کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ محمد ﷺ اللہ کے صالح بندے ہیں۔ جب آپ ﷺ نے ان کو اس حالت میں دیکھا تو ناپسند نہیں فرمایا: اور ان کے اس فعل کو ثابت رکھا۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ احکام شرعیہ نبی کریم ﷺ کے قول فعل اور تقریر سے ماخوذ ہیں جب آپ ﷺ نے ان کے فعل کو ثابت رکھا اور اس کو ناپسند نہ کیا تو ثابت یہ ہوا کہ یہ فعل جائز ہے۔ اس حدیث پاک میں جھوم جھوم کر نعت رسول ﷺ پڑھنے کی دلیل ہے۔ حرکت ذکر کو رقص کا نام نہیں دیا جاسکتا بلکہ یہ جائز ہے کیونکہ یہ جسم کو ذکر کیلئے چست کرتی ہے۔ اور دورانِ ذکر حضوری قلب کا باعث ہے لیکن شرط یہ ہے کہ بندے کی نیت صحیح ہو کیونکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق اجر ملتا ہے۔

حضرت ابو آراکۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ دائیں طرف متوجہ ہوئے اور کچھ دیر بیٹھے رہے۔ آپ کے چہرے پر رنجیدگی کے آثار نمایاں تھے۔ پھر جب سورج ایک نیزے کی مقدار بلند ہوا تو دو رکعتیں ادا کیں۔ اور اپنے ہاتھوں کو ملنے لگے پھر ارشاد فرمایا:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو دیکھا ہے لیکن آج کوئی بھی ان کی مثل نظر نہیں آتا۔ بوقت صبح ان کے رنگ پیلے اور بال بکھرے اور گرد آلود ہوتے، رات بھر اللہ کے حضور سجود وقیام میں رہتے، قرآن کریم کی تلاوت کرتے اور سجود وقیام سے تسکین اور راحت حاصل کرتے۔ علی الصبح ذکرِ الٰہی کرتے اور اس طرح حرکت کرتے جیسے ہوا میں درخت حرکت کرتا ہے۔ ان کی آنکھوں سے اتنے آنسو رواں ہوتے کہ قسم بخدا ان کے کپڑے تر ہو جاتے۔''

اس ساری عبارت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ جملہ ''مادوا کما یمید الشجر فی یوم الریح، وھملت اعینھم حتی تنبل واللہ ثیابھم'' قابل توجہ ہے کیونکہ یہ دورانِ ذکر جذب وحرکت پر صراحۃً دلالت کرتا ہے۔ اور جو لوگ یہ دعوی کرتے ہیں کہ دورانِ ذکر حرکت کرنا بدعت محرمہ ہے ان کے دعوی کو باطل کرتا ہے اور مطلقاً ذکر میں حرکت کی اباحت کو ثابت کرتا ہے۔

شیخ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث سے اپنے ایک رسالے میں دورانِ ذکر حرکت کے مستحب ہونے پر استدلال کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم دورانِ ذکر سخت حرکت کیا کرتے تھے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دورانِ ذکر اگر کوئی شخص حرکت کرتا ہے، بیٹھتا ہے یا کھڑا ہوتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نہ تو اس نے معصیت کا ارتکاب کیا ہے اور نہ ہی اس کا قصد کیا۔

والخلاصة:

يُفهم مما سبق أن الحركة في الذكر مباحة شرعاً، هذا بالإضافة إلى أن الأمر بالذكر مطلق يشمل جميع الأحوال؛ فمن ذكر الله تعالى قاعداً أو قائماً، جالساً أو ماشياً، متحركاً أو ساكناً... فقد قام بالمطلوب ونفَّذ الأمر الإلهي. فالذي يدَّعي تحريم الحركة في الذكر أو كراهتها هو

المطالَب بالدليل، لأنه يخصص بعض الحالات المطلقة دون بعض بحكم خاص۔

ترجمہ: خلاصۂ بحث : یہ ہے کہ ذکر میں حرکت شرعاً مباح ہے۔مزید براں یہ کہ ذکر کا حکم مطلق ہے اور تمام احوال کو شامل ہے جس نے اللہ تعالیٰ کا ذکر بیٹھے ہوئے، کھڑے ہوئے، چلتے ہوئے، جھومتے ہوئے اور بحالت سکون کیا، وہ امرِ الٰہی کو بجالایا۔اور جو شخص دورانِ ذکر وجد و جذب کی حرمت کا دعوی کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ دلیل پیش کرے۔کیونکہ وہ مطلق حکم کو بلا دلیل مقید کرنا چاہتا ہے۔[1]

الشیخ عبدالرحمٰن بن ابوبکر القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

يقول الشيخ جمال الدين عبد الله بن حسام الدين أسد اباذي :وهذا صريح على أن الصحابة رضى الله عنهم اجمعين كانوا يتحركون في الذكر حركة شديدة يميناً و شمالاً، لأنه شبه حركتهم بحركة الشجر يوم الريح، ومن المعلوم أن الشجر في يوم الريح يتحرك حركة شديدة، فثبت مطلقاً إباحة الميلان بهذا الأثر۔

ترجمہ: شیخ جمال الدین عبداللہ بن حسام الدین اسد آبادی کہتے ہیں کہ یہ دلیل صریح ہے اس بات پر کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ذکر میں حرکت کیا کرتے تھے حرکت شدیدہ کے ساتھ دائیں اور بائیں اسی لئے ان کی حرکت کو تشبیہہ دی درخت کی حرکت کے ساتھ سخت اور تیز ہوا میں اور یہ بات معلوم ہے کہ درخت تیز ہوا میں حرکت شدیدہ کے ساتھ حرکت کرتے ہیں (پس مطلقاً ثابت ہوا اس اثر کے میلان کی طرف مطلقاً حرکت کرنا ثابت ہوا۔)[2]

امام القشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

إشارة مشايخ الصوفية إلى جواز الحركة في الذكر يقول الشيخ أبو علي الدقاق :الحركة بركة، حركات الظواهر توجب بركات السرائر۔

ترجمہ: ذکر میں حرکت کے جواز کی طرف مشائخ وصوفیاء نے اشارہ کیا ہے۔شیخ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حرکت میں برکت ہے۔ظاہر کی حرکات اسرار کی برکات کو واجب کرتی ہیں۔[3]

الشیخ عبدالرحمن بن ابی بکر القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

أشار بعض العلماء إلى أن الحكمة في رفع اليدين في التكبير من الصلاة :إشارة إلى التبري مما سوى الله تعالى و إلقائه وراء ظهره. فان قيل :هذا الرفع مأثور، وحركة الذكر غير مأثورة. قيل :ما كل ما لم يرد فيه نص مردود على فاعله البتة، وإنما ما لم يرد فيه نص ووافق أصول الشريعة قبلناه، لكن هذا فيه نص وقد سلف من حديث علي۔

ويقول :قال والدي (قدس الله تعالى روحه) :ولم يرد عنه نهي عن الحركة في الذكر، ولو كان فيها كراهة لبينها لأمته في ما ورد عنه۔

ترجمہ: بعض علماء نے اشارہ کیا اس بات کی طرف کہ تکبیر افتتاح میں دونوں ہاتھوں کو اٹھانے میں حکمت یہ ہے کہ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ماسوا اللہ کے چھٹکارہ مل جائے اور ماسوا اللہ کو پیٹھ پیچھے گرادے اگر کہا جائے کہ یہ رفع الیدین ماثور ہے اور حرکت ذکر غیر ماثور ہے تو کہا گیا ہے کہ ہر وہ جس میں نص وارد نہ ہو تو وہ مردود ہے اس کرنے والے پر خواہ مخواہ اور جس میں نص وارد نہ ہو اصول الشریعہ کے موافق ہو تو ہم اس کو قبول کریں گے لیکن ذکر کی

---

[1] (حقائق عن التصوف ص ۱۵۷)

[2] (مخطوطہ تحفۃ العباد و ادلۃ الوراد ص ۴۵ أ)

[3] (الامام القشیری الرسالۃ القشیریۃ ص ۵۲)

حرکت میں نص ہے جو کہ حدیث عالی سے ثابت ہے اور کہتے ہیں کہ میرے والد صاحب کہتے تھے کہ حرکت فی الذکر میں منع وارد نہیں ہے اگر اس میں کراہت ہوتی تو امت کیلئے بیان کرتے جو وارد ہوا ہے۔[1]

کسی بھی مسئلہ کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے یا فتویٰ دیتے ہوئے احتیاط کا بیان:

اصول الافتاء:

اخرج ابن عبد البر رحمة الله عليه بسنده الى عقبة بن مسلم قال صحبت ابن عمر اربعة وثلاثين شهرا فكثيرا ما كان يسئل فيقول :لا ادرى ثم يلتفت الى فيقول :اتدرى مايريد هولاء؟ يريدون ان يجعلوا ظهورنا جسرا لهم الى جهنم۔[2]

ترجمہ: ابن عبد البر نے اپنی سند کے ساتھ عقبہ بن مسلم رضی اللہ عنہ کے ساتھ روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ چونتیس ماہ صحبت اختیار کی تو بہت مرتبہ ان سے کسی مسئلے کے بارے میں پوچھا جاتا تھا تو آپ فرماتے تھے کہ مجھے علم نہیں تو میری طرف دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہماری پیٹھ ان کیلئے جہنم کا پل بن جائے۔

فائدہ: عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اتنی جلیل القدر ہستی صحابی رسول ﷺ ہونے کے باوجود بہت دفعہ پوچھے گئے سوال کے جواب میں فرماتے کہ مجھے (اس کا) علم نہیں۔

اخرج الخطيب بسنده عن البراء بن عازب رضى الله عنه قال :لقد رأيت ثلاثمائة من اهل بدر ما منهم من احد الا وهو يحب ان يكفيه صاحبه الفتوى۔

ترجمہ: خطیب بغدادی اپنی سند کے ساتھ براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں کہ میں نے تین سو بدری صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیکھا ان میں سے ہر ایک چاہتا تھا کہ کوئی اور انکی جگہ فتویٰ دیکر انکی خلاصی کروادیں۔

فائدہ: اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ بدری صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین علم کے بارے میں کتنی احتیاط فرمایا کرتے تھے۔

عن عطاء بن السائب قال :ادركت اقواما ان كان احدهم يسال عن الشيء فيتكلم وانه يرعد۔

ترجمہ: عطاء بن سائب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسی قوم پائی کہ اگر ان میں سے کسی ایک سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا جاتا تھا تو وہ بات کرتے ہوئے کانپنے لگتے تھے۔

وعن الاشعث عن محمد ابن سيرين قال :كان اذا سئل عن شيء من الفقه، الحلال والحرام تغير لونه وتبدل حتى كانه ليس بالذى كان۔

ترجمہ: اشعث محمد ابن سیرین سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ جب ان سے فقہ کے حوالے سے حلال اور حرام کے متعلق پوچھا جاتا تو ان کا رنگ متغیر ہو جاتا اور بدل جاتا یہاں تک کہ وہ گھریا وہ، وہ نہیں رہا۔

عن احد تلامذة الامام مالك رحمة الله عليه قال :والله ان كان مالك اذا سئل عن مسالة كانه واقف بين الجنة والنار۔

ترجمہ: امام مالک رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جب کسی مسئلے کے بارے میں پوچھا جاتا تو ان کا حال یہ ہوتا گویا کہ وہ جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا ہو۔

---

[1] (مخطوطہ تحفۃ العباد و ادلتہ الوراد ص ۴۵ ب)

[2] (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۳۱۶ رقم ۸۹۹)

عن محمد بن واسع قال :اول من یدعی الی الحساب یوم القیامة الفقهاء۔

ترجمہ: محمد بن واسع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بروز قیامت جس کو سب سے پہلے حساب کیلئے بلایا جائے گا تو وہ علماء ہونگے۔

وعن سفیان بن عیینة رحمة الله علیه قال :یغفر للجاهل سبعون ذنبا قبل ان یغفر للعالم ذنب واحد۔

ترجمہ: سفیان بن عینیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جاہل کے ستر گناہ بخش دیئے جائیں گے اس سے پہلے کہ عالم کا ایک گناہ بخشا جائے۔

ذکر النووی رحمة الله علیه عن ابن مسعود و ابن عباس رضی الله عنهم قالا :من افتی عن کل ما یسال فهو مجنون۔

ترجمہ: امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر فرمایا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت ہے آپ دونوں فرمایا کرتے تھے کہ جس نے فتویٰ دیا ہر اس مسئلے کا جو اس سے پوچھا جائے تو وہ دیوانہ ہے۔

قال ابن مهدی :سأل رجل ما لکاًعن مسالة و ذکر انه ارسل فیها من مسیر ستة اشهر من المغرب۔ فقال له :اخبر الزی ارسلک انه لا علم لی بها۔ قال و من یعلمها قال من علمه الله و ساله رجل عن مساله استودعه ایاها اهل المغرب فقال ما ادری ما ابتلینا بهذه المسالة فی بلدنا و لا سمعنا احدا من اشیاخنا تکلم بها و لکن تعود فلما کان من الغد جاءه و قد حمل ثقله علی بغلة یقودها، فقال مسالتی! فقال ما دری ما هی؟ فقال الرجل :یا ابا عبد الله ترکت خلفی من یقول لیس علی وجه الارض اعلم منک فقال مالک غیر مستوحش اذا رجعت فاخبرهم انی لا احسن۔

ترجمہ: ابن مہدی کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے امام مالک رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ پوچھا اور انہوں نے ذکر کیا کہ اس کو اس مسئلے میں مغرب سے بھیجا گیا ہے جو کہ چھے ماہ پیدل کی مسافت پر ہے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس نے آپ کو بھیجا اس جا کر خبر دے دیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو اس مسئلہ کے بارے میں علم نہیں تو اس شخص نے کہا کہ اگر آپ کو علم نہیں تو کس کو علم ہے تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جسے اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے اور ایک شخص نے سوال کیا کسی مسئلے کے بارے میں جس کو اہل مغرب والوں نے یہ مسئلہ دے کر بھیجا تھا تو امام مالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے علم نہیں اور اس شہر میں یہ مسئلہ درپیش نہیں آیا اور نہ ہی ہم نے اپنے مشائخ میں سے کسی شیخ سے اس مسئلے کے بارے میں کچھ سنا تو واپس لوٹ جا۔ جب کل کا دن آیا تو یہ شخص دوبارہ آیا اپنے سامان کو خچر پر سامان رکھ کر چلتے ہوئے امام مالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہنے لگا کہ میرا مسئلہ؟ تو امام مالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے معلوم نہیں کہ کیا جواب ہے۔ اس آدمی نے کہا کہ اے عبداللہ! کہ میں ایسے لوگوں کو پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں جو آپ کے بارے میں کہتے ہیں کہ روئے زمین پر آپ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں تو امام مالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بغیر کسی خوف وخطر کے کہا کہ واپس جا کر ان سے کہہ دینا کہ میں اس مسئلے کے بارے میں بہتر نہیں جانتا ہوں۔

متی یحرم الافتاء: (فتویٰ دینا کب منع ہے؟)

لا یجوز علی الافتاء الا لمن استجمع هذه الشروط و صار مؤهلا لذلک ثم ان المفتی المؤهل ایضا لا یجوز له الافتاء فی الاحوال الانیة۔

الاول: اذا کان المفتی اهلا للافتاء بوجه عام و لکنه لا یعرف حکم المسئلة المسئول عنها بخصوصها و لا یتمکن من استنباطه او اشتبهت علیه الادلة و لم یتمکن من الترجیح و ذلک لقول الرسول الکریم ﷺ القضاة ثلاثة واحد فی الجنة و اثنان فی النار۔ فاما الذی فی الجنة فرجل عرف الحق و قضی به و رجل اعرف الحق فجاز فی الحکم فهو فی النار و رجل قفی للناس علی جهل فهو فی

النار اخرجه ابو داؤد۔

ترجمہ: فتویٰ دینا جائز نہیں ہے مگر اس عالم کیلئے جس میں یہ شرائط جمع ہوں اور وہ اس کا اہل بن چکا ہو اور وہ مفتی جو افتاء کی اہلیت رکھتا ہو اس کیلئے بھی فتویٰ دینا جائز نہیں ہے آنے والے احوال میں۔

ا۔مفتی جب افتاء کی اہلیت رکھتا ہو عام طریقے سے لیکن جس مسئلے کے بارے میں اس سے پوچھا گیا ہو خصوصیت کے ساتھ اس کا حکم نہ جانتا ہو اور اس کے استنباط پر قدرت بھی نہ رکھتا ہو اور اس پر ادلۃ مشتبہ ہو چکی ہوں اور ترجیح دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو ایسے مفتی کیلئے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے اور نبی اکرم ﷺ کی حدیث مبارک ہے کہ قاضی تین قسم پر ہے ایک جنت میں جائیگا اور دو جہنم میں جائیں گے پس جو جنت میں جائیگا وہ وہ آدمی ہے جو حق جانتا ہو اور حق کے ساتھ فیصلہ کرے۔دوسرا وہ آدمی جو حق کو جانتا ہو لیکن فیصلے میں دھوکہ بازی کرے تو وہ جہنمی ہے تیسرا وہ آدمی جو لوگوں کے فیصلے جہالت پر کرے پس یہ بھی جہنمی ہے۔

الرجوع عن الفتوی: (اگر غلط فتویٰ دے دیا تو کیا کرے)

یجب علی المفتی ان ظهر خطا فی فتواه ان یرجع عن فتواه السابقة و ان لا یخجل من ذلک و جاء فی خطاب سیدنا عمر بن الخطاب الی ابی موسی الاشعری رضی الله عنهما : لا یمنعنک قضاء قضیته بالامس راجعت فیه نفسک و هدیت رشدک ان یراجع الحق فان الحق قدیم و ان الحق لا یبطله شیء و مراجعة الحق خیر من التمادی فی الباطل۔

ترجمہ: رجوع عن الفتویٰ: مفتی پر واجب ہے کہ جب اسے اپنے فتویٰ میں خطا ظاہر ہو جائے تو سابقہ فتویٰ سے رجوع کرے اور اس پر شرمندہ نہ ہو سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف جو خطبہ بھیجا اس میں لکھا تھا کہ ہرگز آپ کو منع نہ کرے وہ فیصلہ جو آپ نے کل کیا تھا پھر آپ کا نفس اس سے رجوع کرے اور تجھے سیدھے راستے کی طرف ہدایت کی گئی ہو کہ تو حق سے رجوع کرے اس لئے کہ حق قدیم ہے اور حق کو کوئی چیز باطل نہیں کر سکتی اور حق کی طرف رجوع کرنا باطل میں رہنے سے بہتر ہے۔

اعلام المستفتی بالرجوع عن الفتوی۔

و قد اخرج الخطیب رحمة الله علیه ان الحسن بن زیاد اللؤلؤی رحمة الله علیه استفتی فی مسئلة فاخطا فلم یعرف الذی افتاه فکتری منادی ینادی ان الحسن بن زیاد استفتی یوم کذا و کذا فی مسئلة فاخطا فمن کان افتاه الحسن بن زیاد بشیء فیرجع الیه۔ فمکث ایاما لا یفتی حتی وجد صاحب الفتوی فاعلمه انه قد اخطا و ان الصواب کذا و کذا۔

ترجمہ: خبر دینا اپنے فتویٰ سے مستفتی کو رجوع کرنے کے بارے میں: خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے تخریج کی ہے کہ حسن بن زیاد لولوی سے ایک مسئلے کے بارے میں پوچھا گیا جس میں ان سے خطا ہو گئی تھی اور وہ اس شخص کو نہیں پہچانتے تھے جس کو انہوں نے فتویٰ دیا تھا تو انہوں نے ایک آواز لگانے والے شخص کو مقرر فرمایا کہ حسن بن زیاد سے فلاں دن فلاں مسئلہ کے متعلق جو پوچھا گیا تھا اس میں ان سے خطا ہو گئی تھی پس حسن بن زیاد نے جس کو فتویٰ دیا تھا وہ شخص ان کی طرف رجوع کرلے اور حسن بن زیاد کچھ دن ٹھہرے اور فتویٰ نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ صاحب فتویٰ کو پالیتے اور اسے خبر دے دیتے کہ وہ فلاں مسئلے میں خطا ہوئے تھے اور حق مسئلہ فلاں فلاں اس طرح تھا۔[1]

مسئلہ: کسی چیز کا علم نہ ہونا اس کے عدم کی دلیل نہیں:

---

[1] (الفقیہ والمتفقہ ۴۲۴ رقم ۱۲۰۹ باب رجوع المفتی عن الفتوی)

۱۔واقول اما قوله لا اعلم لهذا المولد اصلا فی کتاب ولا سنة فیقال علیه نفی العلم لا یلزم منه نفی الوجود۔[۱]

۲۔لا نترک لما یحصل عندها من منکرات۔[۲]

۳۔مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں : عدم علم وقوع کو مستلزم ہیں۔[۳]

۴۔عدم النقل لا ینفی الوجود۔[۴]

۵۔ہمارے نہ جان سکنے سے عدم وجود لازم نہیں آتا۔[۵]

۶۔کسی شی کے علم نہ ہونے سے معدوم ہونا لازم نہیں۔[۶]

۷۔لانا نقول ان عدم الوجدان لا یقتضی عدم کونه فی الکتاب۔[۷]

۸۔والاحتجاج بلا دلیل۔۔۔عند الجمهور لیس بحجة اصلا لا فی النفی ولا فی الاثبات لقوله تعالی وقالوا لن یدخل الجنة الا من کان هودا او نصاری تلک امانیهم قل هاتوا برهانکم ان کنتم صدقین امر النبی ﷺ بطلب الحجة والبرهان علی النفی والاثبات جمیعا نور الانوار حاشیه ۳ قوله وعند الجمهور ای من اصحابنا والشافعیة لیس بحجة اصلا فات عدم وجدان الدلیل لا یوجب انتقاء الدلیل فی الواقع۔

ترجمہ: یعنی کسی شئ کا عدم نقل اس کے وجود کی نفی نہیں کرتا کیونکہ ہمارے نہ پانے سے یہ لازم نہیں کہ یہ قرآن میں نہیں کیونکہ ہمارا نہ پانا قرآن پاک میں یہ لازم نہیں کرتا کہ یہ قرآن کریم میں نہیں بغیر دلیل حجت قائم کرنا۔۔۔جمہور علماء کے نزدیک یہ سرے سے حجت ہی نہیں نہ نفی میں نہ اثبات میں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اور انہوں نے کہا کہ جنت کو صرف یہود و نصاری جائیں گے یہ صرف ان دونوں فریق کے لئے ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ان کی آرزو اور خواہشات ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اگر آپ سچے ہو تو دلیل پیش کرو اللہ پاک نے حضور ﷺ کو حکم دلیل قائم کرنے کی نفی اور اثبات دونوں پر اپنے مدعیٰ پر یہود و نصاری سے طلب کرنے کا دیا۔شوافع و احناف کے جمہور علماء کا یہ حکم ہے کہ احتجاج بلا دلیل سرے سے دلیل نہیں کیونکہ نہ پانا مدلول کا نفی حقیقت میں نہیں کرتا۔[۸]

۱۰۔شاہ انور شاہ کشمیری صدر مدرس دیوبند رقمطراز ہے:

ان الوجوب والحرمة یتبعان الامر والنهی دون النظر المعنوی فلا یجب الشی ولا یحرم الا بالامر والنهی دون النظر المعنوی فلا یجب الشی ولا یحرم الا بالامر والنهی۔

یعنی کسی چیز کا واجب ہونا یا حرام امر و نہی کے تابع ہیں نظر معنوی کے تابع نہیں تو بغیر امر و نہی کے کوئی چیز واجب و حرام نہیں ہو سکتی۔مسائل امر و نہی سے لئے

---

[۱] (الحاوی للفتاوی جلد ۱ ۵ : صفحہ ۱۹۲)

[۲] (شامی جلد نمبر ۱ صفحہ ۶۶۵)

[۳] (تفسیر بیان القرآن ص ۷۵۲)

[۴] (فتح القدیر ج ۱ صفحہ ۲۰ مکتبہ سکھر)

[۵] (بیان القرآن ص ۳)

[۶] (بیان القرآن ص ۵)

[۷] (نور الانوار مبحث القیاس)

[۸] (قمر الاقمار علی نور الانوار ص ۲۴۱)

جاتے ہیں لوگوں کی طبیعتوں سے نہیں۔[1]

ابن ماجہ میں ہے باب اجتناب الرای والقیاس: پر صاحب انجام الحاجۃ تحریر فرماتے ہیں:

ای القیاس المذموم وھو ما کان من جھۃ رایہ لا القیاس المستنبط من الکتاب و السنۃ فانہ فی حکمیا و اول من قاس برایہ ابلیس حیث قال خلقنی من نار و خلقتہ من طین۔

جو قیاس اپنی رائے سے ہو وہ مذموم ہے اور جو قیاس کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ ﷺ سے مستنبط ہو وہ مذموم نہیں وہ تو اس کے حکم میں ہے اپنی رائے سے پہلے پہل قیاس ابلیس نے کیا جیسا کہ کہا کہ آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو گارے سے (یعنی مٹی سے)۔[2]

۱۳۔عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لم یزل امر بنی اسرائیل فعتدلا حتی نشأ فیھم المولدون و ابناء سبایا الاصم فقالو ابالرای فضلو ااو اضلوا۔

سبایا جمع ہے سبی کی قیدی بیان اللسان۔

ترجمہ: یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ بنی اسرائیل کا کام ہمیشہ برابر صحیح رہا یہاں تک کہ ان میں دوسری قوموں سے بچے پیدا ہوئے جو کہ (لونڈیوں) عورتوں سے تھے تو انہوں نے دین میں اپنی رائے داخل کی تو خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔[3]

جب مانعین کی رائے چونکہ قیاس شرعی نہیں کیونکہ نہ تو یہ مجتہدین ہیں اور نہ ان کی رائے مستنبط ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے بلکہ قرآن اور سنت پر جھوٹ یہی کہتے ہیں کیونکہ قرآن پاک اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کے حوالہ جات کو آپ نے تفاسیر معتبرہ سے دیکھا اور حکم خداوندی تو یہ ہے کہ :وَ کُونُوا مَعَ الصَّادِقِینَ ﴿توبۃ ۱۱۹﴾

اللہ پاک نے مؤمنوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا :اور رہو ساتھ سچوں کے۔

۱۴۔مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں :وَ کُونُوا مَعَ الصَّادِقِینَ میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا کہ صفت تقوی حاصل ہونے کا طریقہ صالحین وصادقین کی صحبت اور عمل میں ان کی موافقت ہے:[4] واللہ ورسولہ اعلم۔

(۱۱۷){باب نمبر ایک سو سترہ امی ولی بن سکتا ہے کے بیان میں}

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین اس مسئلہ کے بارے میں کہ :

بعض علماء کا کہنا ہے کہ جو شخص مروجہ درسِ نظامی کا عالم نہ ہو، وہ ولی نہیں بن سکتا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ ولی تو بن سکتا ہے مگر پیر و مرشد نہیں بن سکتا تو کیا ولایت وارشاد اور بیعت مشائخ کیلئے درسِ نظامی پڑھنا شرط ہے یا نہیں۔ براہ کرم اس مسئلے کی وضاحت فرمائیں؟ بینوا توجروا

المستفتی :سید محمد منور شاہ نقشبندی سیفی سواتی

شیخ الحدیث ورئیس دارالافتاء دارالعلوم علیمیہ کراچی صوبہ سندھ

الجواب بعون الملک الوھاب :

---

[1] (فیض الباری شرح بخاری جلد 2 ص ۱۸۱ المسائل انما تو خذ الامر والنھی لا من اذواق الناس ۱۲)

[2] (ابن ماجہ ص ۶)

[3] (ابن ماجہ ص ۷)

[4] (معارف ج ۲ صفحہ ۴۸۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ الحمد للہ الذی جعل بیعۃ الاولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ غیر مشروطۃ بقرآءۃ الفنون المروّجۃ فی ھذا الزمان والصلوۃ والسلام علی رسولہ وحبیبہ سیدنا محمد المبعوث آخر الزمان وعلیٰ آلہ واصحابہ الذین بایعوا النبی الاکرم ﷺ ووصلوا الی اقصی مراتب الارشاد والاحسان وھذا بدون قرآءۃ الفنون المروجۃ فی مابعد الزمان۔ بل بالسماع والصحبۃ والبیعۃ مع صحبۃ رسول الانس والجآنّ علیہ افضل الصلوات والسلام الی تعاقب الدوران وعلیٰ اتباعہ الکاملین وورثتہ الاکملین اصحاب الایقان والعرفان امابعد!

جاننا چاہیئے کہ عالم، مبلغ اور واعظ بننے کی شرائط الگ ہیں اور مفتی ومجتہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بننے کے لئے شرائط الگ ہیں جس کی کچھ تفصیل مخزن الحقائق میں بھی درج ہے ۔اور مفتی کی شرائط کو علامہ شامی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاویٰ ردالمحتار ص ۴۷، ۵۲، ۵۳، مطبوعہ بیروت اور مجموعہ الرسائل ص ۱۱، ۱۲، ج ۱ اور طبقاتِ فقہاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں ذکر کیا ہے ۔اور ولی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بننے یا پیر ومرشد بننے کی شرائط الگ ہیں جو مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر کتبِ تصوف میں مذکور ہیں ۔ایک کی شرائط دوسرے میں خلط ملط کرنے سے مسئلہ الجھ جاتا ہے ۔ پیر ومرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیلئے جو شرط مروجہ نظامی کے عالم ہونے کی لگائی جاتی ہے اور اس کے حق میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں، وہ شرط اور اس کے اثبات کے دلائل مفتی، عالم متبحر اور اچھا مبلغ حق اور واعظ بننے کے حق میں ہیں ۔اور اس سے کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے ۔جیسا کہ جلالین شریف ص ۵۷ پر علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں ۔

"**و من للتبعیض لان ماذکر فرض کفایۃ لا یلزم کل الامۃ ولا یلیق بکل احد کالجاھل**" اور کلمہ "من" تبعیض کیلئے ہے کیونکہ امر بالمعروف فرض کفایہ ہے اور پوری امت پر تبلیغ کرنا لازم نہیں اور ہر جاہل کے لئے مناسب بھی نہیں ہے کہ وہ تبلیغ کرے ۔

اسی طرح علامہ شیخ احمد صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں "**فلا یأمر الجاھل ولا ینھیٰ لانہ ربما امر بمنکر أو نھی عن معروف لعدم علمہ بذالک**"[1]

یعنی ان پڑھ جاہل کو حق نہیں کہ وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرے کیونکہ جاہل اپنی لاعلمی کی وجہ سے کبھی بری اور منھی عنہ (کو نیکی سمجھ کر) کا حکم دیتا ہے اور کبھی نیکی کو (بری اور منھی عنہ سمجھ کر) اس سے منع کرتا ہے ۔فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"**المر بالمعروف یحتاج الی خمسۃ اشیآء ۔ اولھا العلم لان الجاھل لا یحسن الامر بالمعروف**"[2] یعنی امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کیلئے پانچ چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے ۔جس میں سب سے پہلے علم کا ہونا ضروری ہے کیونکہ جاھل بے علم آدمی امر بالمعروف کو کیا جانے ۔

امر بالمعروف ونھی عن المنکر کیلئے علم کا ہونا لازمی شرط ہے ۔اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ جاہل کو وعظ کہنا حرام ہے بلکہ اعلیٰ حضرت علامہ شاہ احمد رضا خان افغانی فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک جاہل کی تبلیغ زنا سے بدتر ہے ۔اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں

"**وانما حق العوام ان یؤمنوا ویسلموا ویشغلوا بعبادتھم ومعایشھم ویترکوا العلم للعلمآء فالعامی لو یزنی او یسرق کان خیر الہ من ان یتکلم فی العلم فانہ من تکلم فی اللہ أو فی دینہ بغیر اتقان العلم وقع فی الکفر من حیث لا یدری کن یرکب لجۃ**

---

[1] (تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۶۱)

[2] (کذا فی حاشیۃ جلالین ص ۵۷، حاشیہ ص ۲۵ والفتاوی الھندیہ ج ۵ باب الامر بالمعروف)

البحر وھو لایعرف السباحۃ۔[1]

ترجمہ : اور یقیناعوام کا حق یہ ہے کہ ایمان اور اسلام لانے کے بعد اپنی عبادات اور اپنے معاشِ دنیا میں مصروف عمل رہے۔اور علم کو علماء کے لئے چھوڑ دے پس اگر کوئی عامی زنا یا چوری کرے تو یہ اس کے لئے تکلم فی العلم (مبنی بر جہالت سے بہتر ہے اگر چہ گناہِ کبیرہ ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے دین میں اتقان فی العلم کے بغیر گفتگو کرنے والا کفر میں واقع ہوجاتا ہے اور اس کو اس بات کا پتہ نہیں چلتا (من حیث لایدری) جس طرح کوئی شخص دریا کی لہر میں کود پڑے درآں حالیکہ اسے تیرنا نہ آتا ہو۔اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دوسری جگہ ایک مسئلہ کے جواب میں فرماتے ہیں کہ جاہل کو وعظ کہنے کی اجازت نہیں کیونکہ وہ جتنا سنوارے گا۔اس سے زیادہ بگاڑے گا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی مسجد میں جاہل کو وعظ کہتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ کیا تم قرآن میں ناسخ ومنسوخ جانتے ہو؟ تو اس نے کہا کہ نہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم نے اپنے آپ کو بھی ہلاک کیا اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا اور ہماری مسجد سے نکل جاؤ اور یہاں وعظ نہ کرنا۔[2]

اور مفتی محمد شفیع دیوبندی نے معارف القرآن ص ۲۸۰، ج ۱ پر لکھا ہے کہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "ھلکت و اھلکت مع زیادۃ" اور فرمایا کہ میری مسجد سے نکلو اور آئندہ نہ آنا لہذا علم کے بغیر کسی کو مبلغ اور واعظ بننا جائز نہیں ہے۔اور آیت کریمہ "ولتکن منکم امۃ خیر یدعون الی الخیر . . . الآیۃ" کی تفسیر میں عام معتمد اور ثقہ مفسرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے علاوہ مولوی شبیر احمد عثمانی اور مولوی اشرف علی تھانوی نے بھی تبلیغ کے لئے علم وحکمت و دانش کی شرط لگائی ہے اور جاہل مبلغین پر سخت رد کیا ہے اور قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ امر بالمعروف کرنے والوں کے لئے عالم ہونا وجوبی شرط ہے اور یہ بات ہم بھی تسلیم کرتے ہیں مگر ان دلائل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ولی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور پیر مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بننے کے لئے مروجہ درسِ نظامی پڑھنا شرط ہے۔کیونکہ ولی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور پیر ومرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بننے کی شرائط الگ ہیں۔ہاں یہ بات سونے پہ سہاگہ ہے کہ ایک شخص باشرائط (مثلاصحتِ عقیدہ،عمل صالح،اور باطنی نور وفیض وغیرھا کا حامل) پیر ومرشد بھی ہو اور ساتھ ساتھ ایک متبحر اور راسخ فی العلم عالم ربانی بھی ہو۔(جو کہ وارثِ کامل ہوتا ہے) دوسری بات یہ ہے کہ کسی فن کے بارے میں شرائط کا تعین کرنا اس فن کے مجتہدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور محققین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا کام ہے اور انہی کی بات دلیل بھی بنتی ہے۔پیر و مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بننے کی شرائط میں مروجہ درسِ نظامی کی شرط تصوف کے مجتہدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور محققین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (مثلاحضرت سیدنا شاہ نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت سیدنا امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت سیدنا معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اور حضرت سیدنا شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے ثابت نہیں ہے۔لہذا اس کی شرط لگانا درست نہیں ہے نیز نفس حصولِ تفقہ فی الدین درسِ نظامی مروجہ پر منحصر نہیں۔بلکہ صحبتِ اکابر اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وعلمائے راسخین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے بطورِ سماع بھی حاصل ہوسکتا ہے۔تیسری بات یہ ہے کہ جو علماء، پیر ومرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بننے کے لئے مروجہ درسِ نظامی کی شرط لگاتے ہیں ان میں سے اکثر حضرات خود طریقت وتصوف میں استاذِ کامل (شیخ کامل مکمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے تربیت یافتہ نہیں ہیں لہذا ان کا قول قابل اعتبار نہیں جیسا کہ فن طب میں غیر طبیب یا ناقص طبیب کا قول غیر معتبر ہوتا ہے۔بہت سے حضرات جنہوں نے مروجہ درسِ نظامی اور فنون نہیں پڑھے مگر درجۂ ولایت پر فائز ہوئے اور رشد وھدایت کا فریضہ بھی سرانجام دیا مثلاحضرت آدم علی نبینا علیہ السلام جو اس دنیا میں پہلے بشر تھے انہوں نے مروجہ فنون نہیں پڑھے تھے مگر ولی بھی تھے اور پیر ومرشد بھی تھے۔نبوت ورسالت بھی ملی اور اولو العزم کے رتبہ پر بھی فائز ہوئے اور علمِ لدنی بھی بفضل الٰہی مل گیا۔حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم میں ہے : وَعَلَّمَ آدَمَ

---

[1] (فتاوی رضویہ ج ۱ ص ۲۱۵ ثم احیاء العلوم ج ۳ باب مداخل الشیطان الی القلب)

[2] (بستان العارفین ص ۱۴۲، قرطبی، ج ۱، تفسیر عزیزی، ایضاوغیرہ)

الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا . . . الآیۃ البقرۃ ۳۱" یعنی اس نے (اللہ تعالیٰ نے) آدم علیہ السلام کو تمام اسماء سکھائے۔ پھر اسماء کی تفسیر میں بہت اختلافات ہیں (پوری تحقیق تفسیر مظہری میں درج ہے) اسی طرح ولایتِ ملائکہ کرام علیہم السلام ہے انہوں نے کون سے فنون پڑھے؟ جبکہ وہ اللہ کے ولی اور دوست ہیں۔ اور اس کے حکم سے سرمو انحراف نہیں کرتے۔ قرآن کریم میں ہے "ویفعلون مایؤمرون" یعنی وہ کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اکثر انبیاء کرام علیہم السلام کا قبل از وحی ولی اور مرشد ہونا۔ اسی طرح حضرت سیدہ مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ولیہ ہونا۔ قرآن کریم میں ہے: "وامه صدیقة" یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ سیدہ مریم رضی اللہ عنہا صدیقیت کے مقام پر فائز تھیں (والتفصیل فی المظهری وغیره) اسی طرح حضرت ام موسیٰ علیہ السلام کی ولایت کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے : واوحینا الیٰ امِ موسیٰ . . . الآیۃ یہ وحی غیر تشریعی ہے جو اکابر محدث اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کو ملتی ہے۔ (کما فی التفسیر المظهری)

اسی طرح حضرت آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ عنہا جو فرعون کی زوجہ تھیں، ولیہ تھیں اور آخرت میں آقائے دو جہاں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں شامل ہوں گی۔ اسی طرح قرآن کریم نے حضرت خضر علیہ السلام کی ولایت اور علم کے حصول (بغیر مروجہ فنون کے پڑھے) تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے "اٰتَیْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا (الکھف ۶۵) یعنی ہم نے اسے (خضر علیہ السلام) کو اپنی جانب سے رحمت اور علم عطا کیا۔ اسی طرح بعض اولیاء اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو بچپن ہی میں ولایت عطا کر دینا ثابت ہے۔ مثلاً حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت شاہ نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (کما فی نفحات الانس للعلامه الجامی رحمة الله تعالیٰ علیه) اسی طرح بعض امی حضرات جنہیں اللہ تعالیٰ نے ولایت عطا فرمائی تھی اور وہ حضرات بہت سے اکابر مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیر و مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہوئے، مثلاً حضرت حماد بأس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیر و مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے اور بظاہر امی تھے۔ حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے اور بعد میں آنے والوں کے (یعنی مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے) پیر و مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے حالانکہ امی تھے۔ حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیر و مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی امی تھے۔ (کما فی مقدمة الانوار القدسیة) اسی طرح دیگر حضرات بھی تھے جنہوں نے مروجہ فنون نہیں پڑھے مگر وہ اولیاء اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم بھی تھے اور رشد و ھدایت کا فریضہ بھی سرانجام دیتے رہے۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تمام امت مسلمہ پر پھر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ پھر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور پھر سیدنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی افضلیت اور پھر دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی فضیلت دیگر تمام مسلمانوں پر مروجہ درسِ نظامی وفنون کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ صحبت مع النبی الاکرم ﷺ اور تعلق باللہ تعالیٰ اور علم باللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ مفسرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ کے تحت تحقیق فرمائی ہے۔ اسی طرح خیر التابعین سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو قرن کے جنگلوں میں اونٹ چراتے اور اپنی والدہ محترمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں مشغول رہتے انہوں نے تو فنونِ مروجہ و مدونہ نہیں پڑھے لیکن ولایت اور ارشاد کے کتنے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوئے؟ اسی طرح ولایتِ امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبل ولادت نص سے ثابت ہے۔ اسی طرح اصحابِ کہف بلکہ اصحاب کہف رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے کتے کی (قطمیر کی) ولایت قرآن کریم سے ثابت ہے۔ یہ سوچنے کا مقام ہے کہ انہوں نے کون سے مروجہ فنون اور درسِ نظامی کی تحصیل کی تھی؟ اسی طرح ھُدھُد سُلیمان علیہ السلام اور نملۃ سلیمان علیہ السلام، اسی طرح اسطوانۂ حنانہ جو نبی کریم ﷺ کی جدائی میں رویا تھا، اسی طرح دیگر حیوانات (جنکا ذکر صاحب روح البیان نے کیا ہے) کو ولایت حاصل تھی جبکہ انہوں نے تو کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی۔ اسی طرح حضرت یحیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا جبکہ ابھی وہ بچے ہی تھے۔ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا (مریم ۱۲) اس وقت انہوں نے کون سے فنون پڑھے تھے؟ اسی طرح حضرت شیبان راعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولایت ہے۔ اسی طرح شیخ الاسلام احمد نامقی جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جوکئی کتب تصوف کے مصنف ہیں حالانکہ امی تھے۔(النفحات للجامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) حضرت شیخ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دباغ صاحب تفسیر (ابریز تبریز)، شیخ برکۃ حمدانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دیگر کامل مکمل، مشہور اولیاء اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جنہوں نے مروجہ درسِ نظامی وفنون نہیں پڑھے تھے بلکہ امی تھے، انہیں اللہ تعالیٰ نے ولایت اور اپنی جانب سے علم عطا فرمایا تھا۔اور یہ حضرات اپنے زمانے میں پیر ومرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مسند عالیہ پر فائز رہے۔مزید تفصیل کے لئے پیر طریقت رہبر شریعت حضرت علامہ مولانا سید جعفر حسینی نقشبندی سیفی مدظلہ العالی کی تصنیف لطیف "الجواب الشافی فی اثبات ولایت الامی بفضل الالٰھی وبسبب صحبۃ النبی ﷺ او الولی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ" جو فارسی زبان میں ہے، ملاحظہ کریں پس مرتبہ ولایت وارشاد کا حصول صرف اللہ کے فضل وعنایت اور انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء راسخین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کاملین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی صحبت بابرکت پر منحصر ہے نہ کہ مروجہ فنون ودرسِ نظامی کے حصول پر۔اسی طرح ظاہری علم کا حصول بھی مروجہ فنون و درس نظامی پر منحصر نہیں ہے بلکہ عارفِ کامل مکمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت کے التزام سے اور ان سے سماع کرنے سے بھی حاصل ہوتا ہے جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکثر تابعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مشائخ کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اکثر خلفاءِ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو صحبت کے التزام اور سماع سے علمِ باطن کے ساتھ ساتھ علم ظاہر بھی حاصل ہوا تھا۔حضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں کہ

گر کنے خدمت بخوانے یک کتب — علمہائی نادرہ یابے زحبیب

دردلت یابے علوم انبیائں — بے کتاب وبے معید واستاد

(لب لباب مثنوی کتاب العلم)

ترجمہ :اگر تو اولیآء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت کرے اور ایک کتاب پڑھے تو نادرِ علوم اپنے گریبان میں پائے گا، اپنے دل میں انبیاء علیہم السلام کے علوم (ظاہری وباطنی) پائے گا بغیر کتاب اور تختی اور استاد کے" (مثنوی شریف)

اسی طرح حضرت علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حنفی نے اپنی تفسیر روح المعانی سورۃ جمعہ کی آیتِ کریمہ "ھو الذی بعث فی الامیین رسولا . . . الخ" باب الاشارات ص ۱۵۷، ۱۵۸، (طبع مکتبہ حقانیہ ملتان) میں تحریر فرمایا ہے کہ

"اشارۃ الی عظیم قدرتہ عزوجل وان افاضۃ العلوم لا تتوقف علی الاسباب العادیۃ ومنہ قالوا! ان الولی یجوز أن یکون امیا کالشیخ معروف الکرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، علی ماقال ابن الجوزی، وعندہ من العلوم اللدنیۃ ما تقصر عنھا العقول وقال عز بن عبد السلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ :قدیکون الانسان عالما باللہ تعالیٰ ذایقین ولیس عندہ علم من فروض الکفایات، وقد کان الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعلم من العلماء التابعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بحقائق الیقین ودقائق المعرفۃ مع ان من علماء التابعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ من ھو اقوم بعلم الفقہ من بعض الصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ومن انقطع الی اللہ عزوجل وخلصت روحہ افیض علی قلبہ انوار ألھیۃ تھیأت بھا لادراک العلوم الربانیۃ والمعارف اللدنیۃ، فالولایۃ لاتتوقف قطعا علی معرفۃ الفقہ مثلا علی الوجہ المعروف، بل علی تعلم مایلزم الشخص من فروض العین علی أی وجہ کان من قرأۃ أو سماع من عالم أو نحو ذالک

ترجمہ :مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ کی قدرتِ عظیمہ کی طرف اشارہ ہے اور اس بات کی طرف بھی کہ علوم کا افاضہ کرنا اسباب عادیہ پر موقوف نہیں اس لئے علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ ولی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا امی ہونا جائز ہے۔جیسے کہ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسا کہ ابن جوزی نے کہا ہے، جبکہ ان کے (حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے پاس اتنے علوم لدنیہ تھے، جس سے عقلیں عاجز ہوتی تھیں۔حضرت

عزالدین بن عبدالسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ کبھی انسان عالم باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا ور صاحب یقین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کامل ہوتا ہے حالانکہ اس کے پاس فرضِ کفایہ علوم نہیں ہوتے اور یقیناً صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ حقائق یقینیہ اور معرفت کے دقائق کی بناء پر علماء تابعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے زیادہ عالم تھے اگرچہ بعض علماء تابعین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فقہ میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ عالم تھے۔ اور جو شخص اپنا تعلق مخلوق سے منقطع کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوگیا اور اس کی روح (نفس سے) آزاد ہوگئی تو اس کے قلب پر انوار الٰہیہ انڈیلے جاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ علوم ربانیہ اور معارف لدنیہ کے ادراک کی استعداد حاصل کر لیتا ہے۔ پس ولایت کا حصول قطعی طور پر علومِ رسمیہ مثلاً نحو، معانی، اور بیان وغیرہا پر موقوف نہیں ہے اور نہ ہی معروف و مروجہ علمِ فقہ پر موقوف ہے۔ بلکہ فرضِ عین علم کی تحصیل بھی کافی ہے چاہے اس فرض، عین علم کا حصول مروجہ طریقے سے ہو یا کسی عالم باعمل (یا شیخ کامل مکمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے سماع کے طریقے پر ہو یا دیگر کسی واسطے سے ہو.....الخ[1]

پس اس عبارت سے یہ معلوم ہوگئی کہ اس زمانے میں مراتب ولایت و ارشاد کے حصول اور علوم شرعیہ کے حصول کے لئے مروجہ فنون کا پڑھنا لازم و شرط نہیں ہے بلکہ ان کے حصول علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم و مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی صحبت اور ان سے سماع کرنے اور ان کی توجہات عالیہ سے خصوصاً طریقہ عالیہ صدیقیہ نقشبندیہ مجددیہ سیفیہ میں سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کی ایک توجہ سو چلّوں سے بہتر ہے۔ (**کما فی المکتوبات الشریفہ للامام الربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ**) اور اس سلسلہ مبارکہ نقشبندیہ میں وصول الی اللہ تعالیٰ میں بچے، نوجوان، بوڑھے اور عورت برابر ہیں، بلکہ اس سلسلہ عالیہ کے مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مردے بھی فیض پاتے ہیں جیسا کہ حضرت سیدنا امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ واقف اسرار متشابہات قرآنی نے اپنے مکتوبات شریفہ میں تحقیق فرمائی ہے۔ جبکہ وراثتِ حقیقی دونوں علوم (علمِ ظاہر و باطن) کے جمع کرنے پر منحصر ہے۔ پس علم ظاہر، جس طرح مروجہ فنون سے حاصل ہوتا ہے اسی طرح مشائخ کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی صحبت کے التزام اور ان سے سماع کرنے سے بھی حاصل ہوتا ہے۔ اور علم باطن مشکوٰۃ صدر النبی ﷺ سے انعکاس کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ چاہے بلا واسطہ ہو یا بواسطہ یا بالوسائط ہو۔ جیسا کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر مظہری میں اور امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مکتوب نمبر ۱۳ ج ۲، م نمبر ۵۴، ج ۱ میں تصریح فرمائی ہے، لہٰذا ان کتابوں کی طرف مراجعت فرمائی جائے۔

آخر میں ہم چند نکات کی وضاحت کرتے ہیں تاکہ مسئلہ مزید واضح ہو جائے۔

(۱) نکتہ اولیٰ : یہ ہے کہ وراثتِ حقیقی جمع بین العلمین (علم ظاہر و علم باطن) پر منحصر ہے حدیث مبارکہ ہے: ''**العلماء ورثۃ الانبیاء**'' یعنی علماء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انبیاء کرام علیہم السلام کی وارث ہیں۔ اور دوسری حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت علم ہے۔ اور یہ بات عقلاً و نقلاً ثابت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام دونوں علوم کے جامع ہوتے ہیں۔ **کما فی الحدیث ''العلم علمان فعلم فی القلب فذالک ھو العلم النافع و علم علی اللسان فذالک حجۃ اللہ علیٰ ابن آدم علیہ السلام** (مشکوۃ و احیاء العلوم) (**و کما فی حدیث البخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حفظت من رسول اللہ ﷺ وعائین ای من العلم اما الاول فبششتہ فیکم** (**ای بلسان القال**) **و اما الاخر فلو بششتہ فیکم** (**بلسان المقال**) **لقطع ھذا البلعوم۔ و التفصیل فی احقاق المعالی و المظھری و المرقات و اشعۃ اللمعات فلیراجع**) اگر ایک علم ہو اور دوسرا نہ ہو تو یہ نقص ہے اور نقص انبیاء کرام علیہم السلام میں قطعاً متصور نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا انبیاء کرام، علیہم السلام کے کامل وارث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہی ہوں گے جو علم ظاہر اور علمِ باطن دونوں کے جامع ہوں گے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ''**إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ** (فاطر ۲۸)'' یعنی ''اللہ کے بندوں میں سے اللہ سے خشیت رکھنے والے علماء ہی ہیں'' اور

---

[1] (تفسیر روح المعانی)

تفسیر روح المعانی اور مظہری میں ہے کہ یہاں علماء سے مراد علماء باللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اور جامع وارثین ہیں نہ کہ صرف ظاہری فنون کے حامل علماء۔حضرت علامہ عبدالغنی نابلسی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں : ''من لم یخش اللہ فلیس بعالم ''یعنی جو اللہ تعالیٰ سے خشیت نہیں رکھتا وہ حقیقی عالم نہیں ہے۔اور مراتب خشیت علم باللہ کی تکثیر سے حاصل ہوتے ہیں۔لہذا جو حقیقی عالم نہ ہو وہ حقیقی وارث بھی نہیں ہوسکتا (فافھم) قرآن و حدیث کی وضاحت کے بعد اب آئمہ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اقوال ملاحظہ فرمائیں۔

سراج الامۃ حضرت سیدنا امام الاعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے''لو لا سنتان لھلک نعمان''یعنی اگر میری عمر کے دو سال تحصیل کمالات باطنیہ میں صرف نہ ہوتے تو نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہلاک ہوجاتا۔پس ان دو سالوں سے مراد مرتبۂ اجتہاد پر فائز ہونے سے پہلے ابتدائی جوانی کے دو سال ہیں جن میں امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طریقہ صدیقیہ نقشبندیہ میں (ایک قول کے مطابق) اور حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے طریقہ علویہ قادریہ میں کمالات باطنیہ حاصل کئے۔نور فراست اور کمالات باطنیہ اور علوم ظاہرہ کی تحصیل کے بعد مرتبہ اجتہاد مطلق پر فائز ہوکر مسائل اجتہادیہ میں استنباط فرما کر امت مسلمہ کے لئے روشن چراغ بن گئے۔حضرت امام الشریعۃ والطریقۃ مولانا محمد ہاشم سمنگانی اویسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ''لو لا سنتان لھلک نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''میں سین کو ضمہ کے ساتھ پڑھنا راجح ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر دو سُنتیں یعنی ثابت بالسنۃ چیزیں (علم باطن وعلم ظاہر) نہ ہوتیں تو نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہلاک ہوجاتے کیونکہ محرماتِ ظاہرہ اور باطنہ سے اجتناب اور فرائض ظاہرہ اور باطنہ کا امتثال ان دو علوم پر مبنی ہے۔اور ان دو علوم کے بغیر محرمات کا ارتکاب اور فرائض کا ترک لازم آتا ہے جو کہ ہلاکت ہے لیکن علمِ ظاہر اور احکام شرعیہ کا علم مروجہ و مدونہ فنون پر موقوف نہیں بلکہ اگر فنونِ مدونہ کے ذریعے حاصل ہوجائے یا صحبتِ مشائخ کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے فقہ اور علم اخذ کیا جائے یا علماء راسخین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اقوال سننے سے حاصل ہوجائے۔ان تمام صورتوں میں علمِ ظاہر سے اتصاف صحیح ہے بلکہ مؤخر الذکر دو طریقے تو خیر القرون بالخصوص عہدِ نبوی ﷺ میں معمول تھے۔کتاب اثبات البیعت (مصنفہ : پیر طریقت رہبر شریعت قطب سرحد فی زمانہ حضرت سراج الحق سیفی مرحوم) کے حاشیہ پر ہے : حضرات آئمہ مجتہدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی صوفیاءِ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبتِ اختیار کی ہے۔ہمارے مذہب کے پیشوا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کی فقاہت وعلمیت کو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے:''الناس کلھم عیال ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الفقہ''یعنی سارے لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کنبہ ہے جن کی نیکی اور پرہیز گاری کا یہ عالم تھا کہ طبقاتِ کبریٰ ص ۴۶ پر ہے۔

''ختم القرآن فی الموضع الذی مات فیہ سبعۃ آلاف مرۃ''

یعنی جس جگہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وفات پائی وہاں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سات ہزار ختم قرآن کئے۔آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر علوم باطنیہ اور فیوض و برکات حاصل کئے اور دو سال ان کی صحبت میں رہے فقط یہی نہیں بلکہ ان دو سالوں کو اپنی پوری زندگی پر ترجیح دیتے ہوئے فرمایا :''لو لا سنتان لھلک نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ''حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیض صحبت سے بہت کچھ پایا۔حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ باوجود عالم ربانی اور متبع سنت ہونے کے حضرت شیبان راعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس حاضر ہوتے اور ان سے علوم باطنیہ اور فیوض و برکات حاصل کرتے تھے جبکہ وہ ایک مسکین چرواہے تھے اور بظاہر

ا(حدیقۃ الندیہ ج ا،وکذا فی المظہری)

امی تھے۔جب ان دونوں حضرات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا جاتا کہ آپ مقتدائے زمانہ ہو کر ایک سیدھے سادے شخص کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہم ان سے وہ کچھ حاصل کرتے ہیں جو ہمارے پاس نہیں ہے۔امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''و کان یقول صحبت الصوفیۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عشر سنین'' یعنی امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت میں دس سال گزارے ہیں۔(محشی : فقیر سید احمد علی شاہ سیفی مدظلہ العالی)

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں :''من تفقہ و لم یتصوف فقد تفسق و من تصوف و لم یتفقہ فقد تزندق و من جمع بینھما فقد تحقق'' (کما فی المرقاۃ شرح المشکوٰۃ ج ۱ ذیل حدیث (العلم علمان الخ) یعنی جس نے صرف علمِ ظاہر کو حاصل کیا اور امراضِ باطنیہ سے اپنے نفس کو پاک نہ کیا تو وہ فاسق رہے گا۔اور جس نے تصوف پڑھا مگر فقہ نہیں پڑھی تو وہ زندیق ہو گیا (کیونکہ پھر طریقت کو شریعت سے علیحدہ سمجھے گا اور ظاہر شریعت سے انکار کرے گا اور بہت سی ضروریاتِ دین سے بوجہ جہالت انکار کرے گا۔پھر تفقہ فی الدین فنونِ مروجہ پڑھنے پر منحصر نہیں بلکہ صحبتِ اکابر علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم و اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے بھی بطور سماع حاصل کیا جا سکتا ہے (کما مر) اور جس نے دونوں (علمِ ظاہر و علم باطن) کو جمع کیا پس وہ مقامِ تحقیق اور مقامِ وراثت تک پہنچ گیا۔ان آئمہ کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اقوال و افعال سے ثابت ہو گیا کہ حقیقی وراثت دونوں علوم (علم ظاہر و علم باطن) کے حاصل کرنے پر منحصر ہے۔حضرت امام ربانی واقف سر لامکانی قیوم زمانی مجدد و منور الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ احمد فاروقی سرھندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے (مکتوب نمبر ۲۶۸، ج ۱، م ۵۴، ج ۲، م ۱۳، ج ۲) پر اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر مظہری ص ۱۱۰، ج ۱ پر تصریح فرمائی ہے کہ کامل وراثت جمع بین العلمین سے حاصل ہوتی ہے۔عبارات ملاحظہ ہوں:

مکتوب نمبر ۱۳ ج ۲: اس بیان میں کہ علماءِ ظاہر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نصیب کیا ہے اور صوفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حصہ میں کیا آرہا ہے۔اور علماءِ راسخین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں ان کے نصیب میں کیا ہے؟ مرزا شمس الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف اس کے خط کے جواب میں لکھا ہے۔

حمد و صلوۃ اور تبلیغِ دعوات کے بعد واضح ہو کہ آپ کا مبارک خط جو از روئے کرم کے صادر فرمایا تھا۔برادرِ عزیز شیخ محمد طاہر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہنچایا اور خوش وقت کیا۔آپ نے لکھا تھا کہ ملاقات کے حاصل ہونے تک ایسے مکتوبات کے ساتھ جو نصیحتوں سے پر ہوں، یاد فرماتے رہیں۔میرے مخدوم و مکرم النصیحۃ ھی الدین و متابعۃ سید المرسلین علیہ و علیھم من الصلوات افضلھا و من التحیات اکملھا یعنی سب سے اعلیٰ نصیحت یہی ہے کہ حضرت سید المرسلینا کا دین اور ان کی متابعت اختیار کریں۔

سید المرسلین ﷺ کے دین اور متابعت سے علماءِ ظاہر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا نصیب عقائد درست کرنے کے بعد شرائع و احکام کا علم اور اس کے موافق عمل ہے اور صوفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا نصیب بمعہ اس چیز کے جو علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم رکھتے ہیں، احوال و مواجید اور علوم و معارف ہیں، اور علماء راسخین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا نصیب جو انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں بمعہ اس چیز کے جس کے ساتھ صوفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم ممتاز ہیں وہ اسرار و دقائق ہیں جن کی نسبت متشابہاتِ قرآنی میں رمز و اشارہ ہو چکا ہے۔اور تاویل کے طور درج ہو چکے ہیں۔یہی لوگ متابعت میں کامل اور وراثت کے مستحق ہیں۔یہ لوگ وراثت تبعیت کے طور پر انبیاء کرام علیہم السلام کی خاص دولت میں شریک اور بارگاہ کے محرم ہیں۔اسی واسطے ''علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل'' کے شرفِ کرامت سے مشرف ہوئے ہیں۔پس آپ کو بھی لازم ہے کہ علم و عمل و حال و وجد کے روئے سے حضرت سید المرسلین حبیب رب العالمین علیہ و علی جمیع الانبیاء و المرسلین و الملائکۃ المقربین و اھل طاعتہ اجمعین

الصلواۃ والتحیات کی متابعت بجالائیں تا کہ اس وراثت کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہو، جو نہایت اعلیٰ درجہ کی سعادت ہے۔ والسلام۔[1]

مکتوب نمبر ۵۴ ج :۲

یہ مکتوب شریف طویل ہے ہم اپنے مدعا کی مناسبت سے مختصراً نقل کرتے ہیں۔

اس بیان میں کہ آنحضرت ﷺ کی متابعت کے بہت سے مرتبے اور درجے ہیں اور وہ سات درجے ہیں۔ ہر ایک درجہ کی تفصیل میں سید شاہ محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف صادر فرمایا ہے۔

الحمدللہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اللہ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔ آنحضرت ﷺ کی متابعت جو دینی اور دنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے کئی درجے اور مرتبے رکھتی ہے۔

(۱) پہلا درجہ عوام اہل اسلام کیلئے ہے یعنی تصدیق قلبی کے بعد اور اطمینانِ نفس (جو درجہ ولایت سے وابستہ ہے) سے پہلے احکامِ شرعیہ کا بجا لانا اور سنتِ سنیہ کی متابعت ہے اور علماء ظاہر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اور عابد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وزاھد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کا معاملہ ابھی تک اطمینان نفس تک نہیں پہنچا۔ متابعت کے اس درجہ میں شریک ہیں اور اتباع کی صورت حاصل ہونے میں برابر ہیں (ملخصاً)

(۲) دوسرا درجہ آنحضرت ﷺ کے اقوال و اعمال کا اتباع ہے جو باطن سے تعلق رکھتا ہے مثلاً تہذیبِ اخلاق، بری صفتوں کا دور کرنا اور باطنی امراض کا رفع کرنا وغیرہ جو مقامِ طریقت کے متعلق ہے۔ اتباع کا یہ درجہ اربابِ سلوک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو طریقہ صوفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کو شیخ مقتداء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اخذ کر کے سیر الی اللہ کی وادیوں اور جنگلوں کو قطع کرتے ہیں۔ (ملخصاً)

(۳) تیسرا درجہ آنحضرت ﷺ کے ان اذواق و احوال و مواجید کی اتباع ہے، جو ولایت خاصہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ درجہ ان ارباب ولایت کے ساتھ مخصوص ہے جو مجذوب سالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یا سالک مجذوب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ جب مرتبہ ولایت ختم ہو جاتا ہے اور اطمینان نفس حاصل ہو کر طغیان و سرکشی ختم ہو جاتی ہے تو اس وقت جو کچھ متابعت کرتا ہے وہ متابعت کی حقیقت ہوتی ہے۔ (ملخصاً)

(۴) چوتھا درجہ نفس کے مطمئن ہونے اور اعمالِ صالحہ کی حقیقت بجالانے کا درجہ ہے۔ پہلے درجہ میں اس متابعت کی صورت تھی اور یہاں اتباع کی حقیقت ہے۔ اتباع کا یہ چوتھا درجہ علماءِ راسخین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ وابستہ ہے جو اطمینان نفس کے بعد متابعت کی حقیقت سے متحقق ہو چکے ہیں۔ اگرچہ اولیاء اللہ ''اصحاب ولایات ثلاثہ قبل الکمالات و الحقائق'' کو بھی قلب کی تمکین کے بعد تھوڑا سا اطمینان نفس حاصل ہوتا ہے لیکن کمال اطمینان نفس کو کمالات نبوت کے حاصل کرنے میں ہوتا ہے پس علماء راسخین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نفس کے کمال اطمینان کے باعث شریعت کی حقیقت سے، جو اتباع کی حقیقت ہے، متحقق ہوتے ہیں (ملخصاً)

(۵) متابعت کا پانچواں درجہ آنحضرت ﷺ کے ان کمالات کا اتباع ہے جن کے حاصل ہونے میں علم و عمل کا دخل نہیں۔ بلکہ ان کا حاصل ہونا محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر موقوف ہے۔ یہ درجہ نہایت بلند ہے۔ اس درجہ کے مقابلے میں دوسرے درجوں کی کچھ حقیقت نہیں۔ یہ کمالات اصل میں اولو العزم پیغمبروں علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہیں یا ان لوگوں کے ساتھ جن کو تبعیت و وراثت کے طور پر اس دولت سے مشرف فرمائیں (ملخصاً)

(۶) متابعت کا چھٹا درجہ آنحضرت ﷺ کے ان کمالات کا اتباع ہے جو آنحضرت ﷺ کے مقامِ محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جس طرح پانچویں درجہ میں کمالات کا فیضان محض فضل و احسان پر تھا۔ اس چھٹے درجہ میں ان کمالات کا فیضان محض محبت پر موقوف ہے۔ متابعت کا یہ درجہ بھی

---

[1] (مکتوبات امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلد دوم دفتر دوم مکتوب نمبر ۱۳)

بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ پہلے درجہ کے سوا متابعت کے یہ پانچ درجات مقاماتِ عروج کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں انکا حاصل ہونا صعود پر وابستہ ہے۔(ملخصاً)

(۷) متابعت کا ساتواں درجہ وہ ہے جو نزول وھبوط سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ درجہ پہلے تمام درجات کا جامع ہے کیونکہ اس مقامِ نزول میں تصدیق قلبی بھی ہے اور تمکین قلبی بھی ہے۔اور نفس کا اطمینان بھی اور اجزاء قالب کا اعتدال بھی جو طغیان وسرکشی سے باز آگئے ہوتے ہیں۔ پہلے درجے گویا اس متابعت کے اجزاء ہیں اور یہ درجہ ان اجزاء کا کل ہے الخ.....پس کامل تابعدار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہ شخص ہے جو متابعت کے ان ساتوں درجوں سے آراستہ ہو، اور وہ شخص جس میں متابعت کے بعض درجے ہیں اور بعض نہیں ہیں تو وہ درجات کے اختلاف کے بموجب فی الجملۃ طور پر تابع ہے۔

علماءِ ظاہر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پہلے درجہ پر ہی خوش ہیں کاش یہ لوگ درجۂ اول کو ہی سر انجام کرلیں۔انہوں نے متابعت کو صورتِ شریعت پر موقوف کر رکھا ہے۔اس کے سوا کوئی اور امر خیال نہیں کرتے۔اور طریقہ صوفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کو جو درجاتِ متابعت کے حاصل ہونے کا واسطہ ہے۔بیکار تصور کرتے ہیں۔ان میں سے اکثر علماء ہدایہ اور بزدوی کے سوا کسی اور امر کو اپنا پیر ومقتداء نہیں جانتے۔(ملخصاً)[1]

مکتوب نمبر ۲۶۸ ج ۱:

اس بیان میں ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت کا علم کون سا ہے اور ان علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے جو حدیث ''علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل'' (رواہ الشیخ الاکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فی الفتوحات) میں واقع ہوئے ہیں، کون سے ہیں؟ اور اس بیان میں کہ علم اسرار جو انبیاء کرام علیہم السلام کی وراثت سے باقی رہا ہے۔وہ علم توحید وجودی اور احاطہ وسریان اور قرب ومعیت کے ان اسرار کے ماسوا ہے جن کے ساتھ اولیائے امت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (قبل از مقام رسوخ) نے تکلم کیا ہے اور ان کے مناسب امور کے بیان میں خانخانان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف صادر ہوا ہے۔

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی :اللہ کی حمد ہے اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام۔ان حدود کے فقراء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے احوال واوضاع شکر کے لائق ہیں۔ **والمسئول من اللہ سبحانہ سلامتکم و عافیتکم و ثباتکم و استقامتکم**۔چونکہ علمِ وراثت کی بحث درمیان میں آگئی ہے اس لئے چند کلمے اس کی نسبت بمقتضائے وقت لکھے جاتے ہیں۔

احادیث مبارکہ میں آیا ہے کہ ''العلماء ورثۃ الانبیآء'' یعنی علماء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔وہ علم جو انبیاء کرام علیہم السلام سے باقی رہا ہے، دو قسم کا ہے۔ایک علم الاحکام اور دوسرا علم الاسرار اور عالم وارث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہ ہے جس کو ان دونوں علوم سے حصہ حاصل ہو، نہ کہ وہ شخص جس کو ایک ہی قسم کا علم نصیب ہو اور دوسرا علم اس کے نصیب میں نہ ہو کہ یہ بات وراثت کے منافی ہے کیونکہ وارث کو مورث کے سب ترکہ سے حصہ حاصل ہوتا ہے۔نہ کہ بعض کو چھوڑ کر بعض سے اور وہ شخص جس کو بعض معین سے حصہ ملتا ہے وہ غرماء یعنی قرض خواہوں میں داخل ہے کہ جس کا حصہ اس کے حق کی جنس سے متعلق ہے اور ایسے ہی آنحضرت ﷺ نے فرمایا :''علماء امتی کانبیآء بنی اسرائیل'' (رواہ الشیخ الاکبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فی الفتوحات) یعنی میری امت کے علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی طرح ہیں۔ان علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے مراد علماء وارث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں نہ کہ غرماء کہ جنہوں نے بعض ترکہ سے حصہ لیا ہو کیونکہ وراث کو قرب

---

[1] (مکتوبات شریفہ جلد دوم دفتر دوم مکتوب ۵۴)

اور جنسیت کے لحاظ سے مورث کی مانند کہہ سکتے ہیں۔ برخلاف غریم کہ اس علاقہ سے خالی ہے۔ پس جو شخص وارث نہ ہو وہ عالم بھی نہ ہوگا مگر یہ کہ اس کے علم ایک نوع کے ساتھ مقید کریں اور مثال کے طور پر یہ کہیں کہ علم احکام کا عالم ہے۔ اور عالم مطلق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہ ہے جو وارث ہو اور اس کو دونوں قسم کے علوم سے پورا حصہ حاصل ہو.....الخ۔[1]

عبارت مظہری :قال القاضی ثناء اللہ الفنی الفتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فی تفسیرہ (المظہری ص ۱۱۰، ج ۱) ذیل قولہ تعالیٰ "وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (البقرۃ ۱۰۲)"... فان قیل الیس قد قال اللہ تعالیٰ (وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ) علی التاکید القسمی فما معنی قولہ تعالیٰ (لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ) قیل معناہ انہم لما لم یعملوا بما علموا فکانہم ما علموا وقیل المثبت العقل الغریزی والعلم الاجمالی بقبح الفعل وترتب العقاب والمنفی العلم بحقیقۃ ما یلحقہ من العذاب والمختار عندی ان العلم علمان (۱) علم یتعلق بظاہر القلب وذا لا یستتبع العمل ومنہ علم الیہود (یعرفونہ کما یعرفون ابنائہم) لا یجدیہم معرفتہم شیأ (مثلہم کمثل الحماء یحمل اسفارا) (۲) علم وہبی یتخلص الی صمیم القلب بعد انجلائہ والی النفس بعد اطمینانہ وہو المعنی فی قولہ تعالیٰ (انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء... الآیۃ) وقولہ علیہ السلام "العلماء ورثۃ الانبیاءؑ" یحبہم اہل السماء ویستغفر لہم الحیتان فی البحر اذا ماتوا الی یوم القیامۃ" (رواہ ابن النجار عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (واشار الی کلا العلمین افضل الانبیاء علیہ الصلوۃ والثناء (خیر الخیار خیار العلماء وشر الشرار شرار العلماء) رواہ الدارمی من حدیث الاحوص بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن الحسن البصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال "العلم علمان :فعلم فی القلب فذالک العلم النافع وعلم علی اللسان فذالک حجۃ اللہ علی ابن آدم" رواہ الدارمی،... الخ۔[2]

ترجمہ :حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تفسیر مظہری ص ۱۱۰، ج ۱ پر اس آیت کریمہ :"وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (البقرۃ ۱۰۲)" کے تحت فرماتے ہیں کہ (پس اگر یہ کہا جائے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے "وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ" فرما کر تاکید قسمی "یعنی لام قسم اور تاکید دخول قد بر ماضی دونوں" کے ساتھ ان کے علم کا اثبات نہیں فرمایا؟ تو پھر اللہ تعالیٰ کے اس قول "لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (البقرۃ ۱۰۲)" کا کیا مطلب ہے؟ پس جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ اس کا یہ معنی ہے کہ جب انہوں نے اپنے علم پر عمل نہیں کیا تو وہ ایسے ہیں جیسے کہ جانتے نہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مثبت (یعنی جس علم کا اثبات کیا گیا ہے) وہ عقل غریزی (طبعی) اور فعل کی برائی اور اس پر مرتب ہونے والے عقاب (سزا) کا علم (اجمالی) ہے۔ اور منفی (جس علم کی نفی کی گئی ہے) وہ علم ہے جو عذاب کی حقیقت سے ملحق ہے۔ اور (حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ) میرے نزدیک مختار بات یہ ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) وہ علم جو ظاہر سے تعلق رکھتا ہے اور اس سے عمل نہیں چھوٹتا (یعنی علم ظاہر بلا عمل) اور اس قسم سے علم یہود ہے۔ "یعرفونہ کما یعرفون ابنائہم" یعنی وہ انہیں (نبی کریم ﷺ) کو اس طرح جانتے تھے جس طرح اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں) مگر اس معرفت نے انہیں کچھ نفع نہ پہنچایا۔ اور دوسرا علم وہ ہے جو دل کی صفائی اور اطمینانِ نفس کے بعد دل و نفس میں جاگزیں ہو جاتا ہے اور یہی مراد و مقصود ہے اللہ تعالیٰ کے

---

[1] (مکتوب ۲۶۸ ج ۱)

[2] (تفسیر مظہری، ص ۱۱۰، ج ۱)

اس قول کا کہ ''اللہ کے بندوں میں اللہ سے ڈرنے والے علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی ہیں'' اور نبی کریم علیہ السلام کے قول کا کہ ''علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں اور انہی سے آسمان والے محبت کرتے ہیں اور جب وہ اس دنیا سے وصال کر جاتے ہیں تو دریاؤں اور سمندروں کی مچھلیاں ان کے لئے دعائے مغفرت کرتی ہیں قیامت تک) اسے ابن نجار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور افضل الانبیاء ﷺ نے بھی اپنے اس قول سے ان دو علوم کی طرف اشارہ فرمایا ہے : ''اچھوں میں اچھے بہتر علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں اور بروں میں برے شریر علماء ہیں''۔ اس حدیث کو دارمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احوص بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ علم کی دو قسمیں ہیں : ''ایک علم القلب اور یہی علمِ نافع ہے اور دوسرا علم اللسان اور یہ علم بنی آدم پر اللہ کی حجت ہے'' اس کو دارمی نے روایت کیا ہے۔ اس موضوع پر مکمل تفصیل سلطان الاولیائج، مجدد عصر حاضر، قطب الارشاد حضرت مرشدنا خواجہ سیف الرحمٰن مبارک صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب مستطاب (ھدایۃ السالکین) اور فقیر امین اللہ سیفی غفرلہ کی کتاب ''احقاق المعالی ج ا'' میں نکتہ نمبر ۵ کے تحت درج ہے۔ نیز فرضیت علم باللہ (علمِ باطنی) اور اشرفیت علم باللہ بر علمِ ظاہر کے دلائل بھی درج کئے گئے ہیں اور کامل وارث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لئے دونوں علوم کی شرط ہونے پر مدلل بحث کی گئی ہے۔ جس میں سے یہ بات بھی ہے کہ علمِ ظاہر قرآۃ کتب اور سماع وصحبت اِکابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اور دیگر مختلف ذرائع سے حاصل ہوتا ہے اور علم باطن صحبت وبیعت مع الاولیاء الکبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے اور فضل وکرم ایزدی جل جلالہ سے حاصل ہوتا ہے۔ (فلیراجع الیھما)

(۲) نکتہ ثانیہ : یہ ہے کہ شریعت وطریقت میں کوئی مغایرت نہیں ہے یعنی یہ ایک دوسرے سے جدا اور الگ نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ بعض لوگ (جیسے فرقہ باطنیہ) کا نظریہ ہے کہ شریعت علیحدہ اور طریقت کوئی اور چیز ہے جس کی وجہ سے وہ لوگ علوم شریعت حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کو کسی خاطر میں نہیں لاتے بلکہ اس سے استہزاء وانکار کرتے ہیں اور اپنی من مانی طریقت گڑھ کر شرعی احکام پر طعن وطنز کرتے ہیں اور خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کہ حقیقی صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عام مسلمانوں بلکہ عام علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نسبت کہیں زیادت شریعت پر خلوصِ نیت اور صدقِ دل سے عمل کرتے ہیں اور یہی نہیں بلکہ ان کی صحبت میں آنے والا بھی شریعت اور اس کے احکام کو محبوب رکھتا ہے اور حتی المقدور اس پر عمل بھی کرتا ہے۔ اور ولایت حقیقی اتباع شریعت و اتباعِ سنت اور کامل مکمل مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ طریقت کی مبارک صحبتوں اور ان کی توجہات عالیہ کی تاثیر سے بفضل الٰہی مل جاتی ہے۔ اس موضوع پر مختلف علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مستقل کتابیں مختلف ناموں سے لکھی ہیں، جیسے شریعت اور طریقت وغیرہ۔

(۳) نکتہ ثالثہ : یہ ہے کہ پہلے واضح ہو گیا کہ امی شخص ولی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن سکتا ہے لیکن آیا وہ پیر ومرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے منصب پر فائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس میں صحیح بات یہ ہے کہ امی شخص پیر ومرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن سکتا ہے اور بعض کتابوں میں مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لئے، علم العقائد فقہ اور تفسیر وحدیث کا عالم ہونے کی جو شرط لگائی گئی ہے (مثلا بریقہ نور ظلم اور القول الجمیل وغیرھا میں) تو اس سے مراد بقدرِ ضرورت عقائد حقہ اور احکام ضروریہ شرعیہ کے علم کا حصول ہے جو کہ فرضِ عین علوم میں آتا ہے۔ تفصیلی طور پر مذکورہ فنون یا دیگر مروجہ فنون ودرس نظامی کا پڑھنا مراد نہیں ہے۔ اور نہ ہی فنون مروجہ کی سلف صالحین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زمانہ اور خصوصاً صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں تدوین ہوئی تھی تو اس کا پڑھنا ولایت وارشاد کے لئے کیوں کر شرط ہو سکتا ہے؟ نیز متعدد بار یہ بھی واضح ہوا کہ علوم ظاہریہ کی تحصیل بھی درسِ نظامی کی مروجہ کتب پڑھنے پر منحصر نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ دیگر ذرائع مثلاً علماءِ راسخین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اقوال سننے اور مشائخ کبار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت کے التزام سے بھی حاصل ہوتا ہے جیسا کہ روح المعانی کی عبارت سے واضح ہو چکا ہے :۔ حدیث مبارکہ میں ہے ''اصحابی

کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم ''یعنی میرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں جس کی پیروی کروگے ھدایت پاؤ گے۔ ''فالاقتداء بھم انما یثبت کونھم مرشدین ''فافھم''یعنی ان کی اقتداء کرنا یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ سب مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں۔ حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مروجہ ومدونہ فنون نہیں پڑھے تھے۔اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایسے بھی تھے جو ایک مرتبہ یا چند مرتبہ صحبتِ نبوی ﷺ سے مشرف ہوئے تھے مگر پھر بھی امت کے لئے مرشد اور رہنما ہوئے اور باقی امت کے اکابر علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم و اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے افضل ہوئے۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ علم (ظاہری شرعی بھی) انبیاء کرام علیہم السلام کی میراث ہے اور ہر مسلمان (مکلف) مرد وعورت پر (بقدرِ ضرورت) فرض ہے مگر ولی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بننے کے لئے تمام علوم وفنون ومروجہ درسِ نظامی کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرضِ عین نہیں ہے۔

(۴) نکتہ رابعہ : (۱) مردوں کی بیعت کا ذکر قرآن پاک کی سورۃ فتح میں ہے: إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهُ اللَّهَ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا (الفتح ۴۸)

ترجمہ : وہ لوگ جو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کر رہے ہیں بے شک وہ اللہ کی بیعت کر رہے ہیں اللہ کا ید بلا کیف (اور معونت وفیض ونور و نعمت وخیر) ان کے ہاتھوں پر ہے۔جس نے عہد (بیعت) توڑا تو اس عہد (بیعت) توڑنے کا وبال بھی اسی پر ہوگا اور جو اس بات کو پورا کرے گا جس پر خدا سے عہد کیا تو عنقریب خدا اسے بڑا اجر دے گا۔اس قولِ خداوندی ل پر بار بار نظر ڈالیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے بیعت کے لئے نہ سارے علوم کو لازم کیا اور نہ ہی درسِ نظامی کو شرط قرار دیا اور اس بیعت پر جو خیرات و برکات اور انوار و فیوض اور درجاتِ قرب وولایت مرتب ہوتے ہیں اس کو ''ید اللہ فوق ایدیھم'' اور ''فسیؤتیہ اللہ اجرا عظیما''میں اشارہ فرمایا ہے اور مظہری کے قول کے مطابق جنت مقام رضا اور رؤیۃ اللہ فی الجنۃ کی طرف بھی اشارہ ہے۔لہذا ہمیں یہ بھی جائز نہیں کہ اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بیعتِ اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اس پر مرتب ہونے والے مرتبۂ ولایت وارشاد کے لئے درسِ نظامی پڑھنے کو شرط قرار دیں اور اپنی رائے سے قرآن پاک کی آیت میں زیادتی کریں۔(۲) اسی طرح آیت کریمہ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا (الفتح ۱۸) اس میں بھی بیعت اور اس پر مرتب ہونے والے ثمرات (ولایت وارشاد) کے لئے تمام فنون ومروجہ درسِ نظامی کو شرط نہیں قرار دیا (فافھم) رہا بیعت کی اقسام مثلاً (بیعت بالجھاد، بالتقوی، بالاستقامۃ، بالخلافۃ والامارۃ یا بیعت باالایمان أو بالجھاد او بالاکتساب المعارف الباطنیۃ و مراتب الولایت) کا مسئلہ تو ہر ایک کی دلیل اور اس کے حکم کی تفصیل الگ موقع چاہتا ہے۔اور اس کی پوری تفصیل تصوف کے مطولات میں موجود ہے۔

(۳) عورتوں کی بیعت کا ذکر سورۃ ممتحنہ پ ۲۸، ع ۸ میں ہے۔ قال اللہ تعالیٰ :يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (الممتحنۃ ۱۲) ترجمہ :اے نبی اکرم ﷺ جب مسلمان عورتیں رضی اللہ تعالیٰ عنہن آپ ﷺ کے پاس آئیں تاکہ بیعت کریں آپ ﷺ سے ان باتوں پر کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کریں گی اور نہ بچوں کو قتل کریں گی اور نہ لاویں گی بہتان کہ باندھ لیویں اس کو درمیان ہاتھ اپنے کے اور پاؤں اپنے کے اور نہ نافرمانی کریں گی تیری بیچ کسی حکم شرعی کے۔پس آپ ﷺ انہیں بیعت کرلیا کریں اور ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کریں تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔ان آیات مبارکہ سے نفس بیعت اور طریقۂ بیعت دونوں ثابت ہوئے کہ مردوں کی بیعت ہاتھ میں ہاتھ دینے سے ہوتی ہے۔جیسا

کہ ''ید'' کا لفظ دلالت کرتا ہے۔اور عورتوں کی بیعت زبانی ہوگی۔ ہاتھ میں ہاتھ دینا نہیں ہے۔اسی طرح عورتوں کی بیعت کی شرائط پر سیدنا امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مفصل مکتوب ج ۲ دفتر ۲ مکتوب نمبر ۴۱ لکھا ہے۔تفصیل وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔مولوی عبدالحیٔ لکھنوی نے حاشیہ مؤطا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں نفی مس ید الامرأۃ الاجنبیۃ کو بصورت عدم حجاب (کپڑا، رومال وغیرہ) اور رخصت واثبات فی صورۃ الحجاب کو احادیث کی روشنی میں بیان کیا ہے اور القول الجمیل میں بھی کچھ شرائط وضوابط بیان ہوئے ہیں اور بعض مشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت مع النساء الاجنبیات بالعصا أو بالعمامۃ ثابت ہے لیکن بغیر حجاب مس ید سے بیعت مع النساء الاجنبیات ثابت نہیں۔ (والتفصیل فی کتب التصوف)

مندرجہ بالا آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ''اذا جائک'' فرما کر بیعت کے لئے درس نظامی وغیرہ فنون وعلوم پڑھنے کی شرط نہیں لگائی۔چونکہ کتاب اللہ کی تقیید اس کا نسخ ہے اور اس کا نسخ خبر واحد سے جائز نہیں تو ہمارے قیاس سے کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟ لہذا ہمیں قرآن وسنت، آئمہ مجتہدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اور ہر فن کے اپنے محققین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ واہل اجتہاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقلید کرنی چاہئے اور اپنی رائے کو دین و مذہب اور اکابر دین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تابع کرکے ایک سچا مسلمان بننا ضروری ہے۔

(۴) اسی طرح حدیث نبوی ﷺ ہے:

عن جریر بن عبداللہ الجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال بایعت :رسول اللہ ﷺ علی اقامۃ الصلوۃ وایتآء الزکاۃ والنصح لکل مسلم۔[1]

ترجمہ : حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اکرم ﷺ سے نماز قائم کرنے پر زکوٰۃ دینے پر اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی مندرجہ بالا حدیث میں کیا حضور اکرم ﷺ نے حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلے سارے علوم حاصل کرنے کا حکم دیا اور کیا جب انہوں نے مروجہ سارے علوم حاصل کرلئے تو پھر اس کے بعد آپ علیہ السلام سے بیعت لی؟ ہرگز ہرگز نہیں؟ حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت اسلام لاچکے تھے اس لئے یہ بیعت اسلام کی نہیں تھی بلکہ یہ وہی بیعت تھی جو طریقت میں مروج ہے جس میں احکام ظاہری و باطنی کے التزام کا معاہدہ کیا جاتا ہے۔جو صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا معمول ہے۔

(۵) دوسری حدیث شریف میں ہے کہ:

عن عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا عند النبی ﷺ سبعۃ او ثمانیۃ او تسعۃ فقال الا تبایعون رسول اللہ ﷺ فبسطنا ایدینا فقلنا یارسول اللہ ﷺ انما قد بایعناک فعلیٰ ما نبایعک قال ان تعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا وتصلو الصلوۃ الخمس وتسمعوا و تطیعوا واستر کلمۃ خفیۃ قال ولا تسئلوا الناس شیئا فلقد رأیت بعض اولئک النقر یسقط سوطہ فلا یسئل احدا یناولہ۔[2]

ترجمہ : حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے (ہم سات، آٹھ یا نو آدمی تھے)

آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ تم رسول اکرم ﷺ سے بیعت نہیں کرتے؟ ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا کہ ہم نے تو

---

[1] (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۱)

[2] (ابن ماجہ ص ۲۰۶)

آپ علیہ السلام سے بیعت کی ہے پھر کس چیز پر آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی بیعت کریں؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا ان امور پر کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور پانچ وقت کی نمازیں پڑھو اور احکام سنو اور مانو اور ایک بات آہستہ سے فرمائی کہ لوگوں سے کوئی چیز نہ مانگو ۔راوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ان میں سے بعض حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یہ حالت دیکھی کہ اتفاقاً چابک بھی گر پڑا تو وہ بھی کسی سے نہیں مانگا کہ اٹھا کر انھیں دیدے بلکہ خود اٹھایا۔اس حدیث مذکورہ میں بھی کوئی ایسا لفظ موجود نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ بیعت طریقت کیلئے پہلے علوم مروجہ پڑھے جائیں پھر بیعت کی جائے نیز حدیث مذکور میں بیعت ایمان و جہاد کے بعد بیعتِ بالتقویٰ والانقیاد والاستغناء ہے جو کہ بیعنہ بیعت سلوک ہے۔

(۶) تیسری حدیث ہے

"عن مجاشع بن مسعود السلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اتیت النبی علیہ السلام ابایعہ علی الھجرۃ فقال ان الھجرۃ قد مضت لأھلھا ولکن علی الاسلام والجھاد والخیر۔[1]

ترجمہ : مجاشع بن مسعود سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تا کہ ہجرت پر بیعت کروں تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ ہجرت، اہل ہجرت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کیلئے ہو چکی یعنی اب ہجرت فرض نہیں رہی البتہ اسلام، جہاد اور بھلائی پر بیعت ہو سکتی ہے۔اس حدیث شریف میں لفظ "خیر" آیا ہے جو کہ جامع ہے جس میں تمام نیکیوں پر بیعت لینے کا ذکر ہے اور اس سے بیعت سلوک وتصوف کا صریح اثبات ہوتا ہے۔کیونکہ حقیقی عارفین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے کمالاتِ باطنیہ و مراتب قرب الٰہی و درجات ولایت اور تصفیہ وتزکیہ قلب ونفس و قالب اور انوار وتجلیات و فیوضات اور حصول تقویٰ کاملہ ظاہری و باطنی اور توفیق علم وعمل و اخلاص اور معرفت الٰہی حاصل کرنے کی بیعت کی جاتی ہے جو کہ تمام کے تمام امور خیر اور فرائض مہمہ ہیں۔

(۷) چوتھی حدیث ہے کہ:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا اذا بایعنا رسول اللہ ﷺ علی السمع والطاعۃ یقول لنا فی استطعتم۔[2]

ترجمہ : حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم حضور اکرم ﷺ سے احکام سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کرتے تھے تو آپ ﷺ فرماتے جس پر تمہیں استطاعت ہو سکے۔یہ بھی تسلیمی اور انقیاد فی امور الخیر وفق الاستطاعۃ پر بیعت کی دلیل ہے جو بعینہ بیعت سلوک ہے۔

(۸) پانچویں حدیث ہے:

عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال خرج النبی ﷺ فی غداۃ باردۃ والمھاجرون رضی اللہ تعالیٰ عنھم والانصار رضی اللہ تعالیٰ عنھم یحفرون الخندق فقال اللھم ان الخیر خیر الآخرۃ :فاغفر للانصار رضی اللہ تعالیٰ عنھم والمھاجرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم فاجابوا :نحن الذین بایعوا محمداً ﷺ علی الجھاد ما یقینا ابداً۔وفی روایۃ۔(اللھم لا عیش الا عیش الآخرۃ فاغفر للانصار والمھاجرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھم)[3]

---

[1] (مسلم ج ۲ ص ۱۳۰)

[2] (مسلم ج ۲ ص ۱۳۱)

[3] (بخاری ج ۲ کتاب الاحکام ص ۱۰۶ و کذا کتاب المغازی)

ترجمہ : حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ ٹھنڈی صبح کو نکلے جبکہ مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم خندق کھود رہے تھے تو آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ اے اللہ بہتر خیر تو آخرت والی ہے لہذا مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم و انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو معاف فرمادے تو انہوں نے جواباً کہا کہ ہم تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک پر بیعت کی ہے جب تک ہم زندہ ہیں جہاد کرتے رہیں گے۔اس روایت سے بیعت کے اثبات کے علاوہ اس کے خیرات و برکات بھی ثابت ہوتے ہیں۔

(۹) چھٹی روایت ہے:

عن یزید بن ابی عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قلت لسلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی أی شیء بایعتم النبی ﷺ یوم الحدیبیۃ قال علی الموت۔[1]

ترجمہ : یزید بن ابی عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ تم نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے حدیبیہ کے دن کس چیز پر بیعت کی تھی تو فرمایا موت پر۔یعنی جب تک موت نہیں آئے گی اس وقت تک جہاد، اطاعت، تقویٰ اور امور خیر میں آپ کا ساتھ دیتے رہیں گے۔ان تمام احادیث سے ایک طرف بیعت سلوک کا اثبات ہوا تو دوسری طرف یہ ثابت ہوا کہ بیعت کے لئے، ولی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بننے کے لئے یا پیر و مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بننے کے لئے مروجہ درسِ نظامی اور مدونہ فنون کا پڑھنا شرط نہیں اور علوم شرعیہ ضروریہ کا حصول درسِ نظامی کی طرح صحبت و بیعت اکابر اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے بھی ہوسکتا ہے۔حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کیمیائے سعادت میں فرماتے ہیں کہ ''اول مجاہدۂ نفس ضروری ہے اور جب اس میں ریاضت کرے گا تو معرفتِ روح خود بخود حاصل ہوتی جائے گی اور یہ معرفت حقیقی اس ھدایت میں سے ہے جن کے بارے میں پروردگارِ عالم نے فرمایا ہے ''وَالَّذِینَ جاهَدُوا فِینا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنا''... الآیۃ، یعنی اور جن لوگوں ہمارے راستے میں جہاد (مجاہدہ) کیا ہم انہیں ضروری اپنے راستے دکھائیں گے۔اور جس نے معرفت، ریاضت کی منازل کو طے نہ کیا ہو۔اس کو روح کے حقائق پر دلائل سوچنے یا بیان کرنے کی اجازت نہیں'' اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں ہدایت کے لئے مجاہدہ کو سبب بنایا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام کو نبوت پہلے عطا فرمائی ہے اور علمِ کامل بعد میں عطا فرمایا خصوصاً رسول اللہ ﷺ کو جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ''**حتی جاء الحق وھو فی غار حراء فجائہ الملک فقال اقراء فقلت ما انا بقاری... الحدیث**'' اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ بیعت کے لئے یا ولایت و ارشاد کے لئے پہلے ہر شعبے کا علم حاصل کرنا اور مروجہ فنون کا حاصل کرنا شرط و لازم نہیں ہے۔اور پھر بعد میں اللہ تعالیٰ اس کو علوم شرعیہ ضروریہ سے نوازتا ہے جس واسطہ سے بھی ہو۔

(۵) **نکتہ خامسہ** : یہ ہے کہ فقہاء احناف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے فقہاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے چھ طبقات بیان کئے ہیں۔جس سے پتہ چلتا ہے کہ مفتی کون بن سکتا ہے اور کس کا فتوی قابل قبول ہوگا؟ حضرت علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجموعہ رسائل ص ۱۱ ج اول میں ذکر کیا ہے کہ فقہاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے چھ طبقات ہیں۔

(۱) مجتہدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم فی الشرع مثلاً آئمہ اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

(۲) مجتہدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم فی المذھب مثلاً (امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ و امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

(۳) مجتہدین فی المسائل مثلاً امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، قاضی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، علامہ طاہر بن عبد الرشید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،

---

[1] (فتح الباری ج ۳، ص ۱۶۷)

امام ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

(۴) اصحاب التخریج، مثلاً امام ابوبکر رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ،

(۵) اصحاب الترجیح مثلاً صاحب ھدایہ وصاحب قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہا۔

(۶) اصحاب التمیز، مثلاً صاحب الکنز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، صاحب المختار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، صاحب الوقایۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، صاحب المجمع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، وغیرھم۔

ان کے علاوہ ساتواں درجہ (مقلدین، محض علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) کا ہے۔ لہذا مفتی ان مذکورہ چھ طبقوں میں سے ہوگا۔ اگر ساتویں درجہ (مقلدین محض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) میں سے کوئی عالم فتویٰ دینا چاہے تو اسے ان مذکورہ چھ طبقات میں سے کسی کا قول نقل کرنا لازم ہوگا۔ ورنہ اس کا فتویٰ یا قول مردود ہوگا۔ اور جو ان کی تقلید (بدون نقل از فقہاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم ومجتہدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم) کے کریں تو "**فالویل لمن قلدھم کل الویل**" آہ... اس کے لئے پوری ہلاکت ہے۔ کیونکہ اس برائے نام مفتی میں استنباط واجتہاد کی اہلیت وشرائط نہیں پائی جاتیں تو بجائے ھدایت کے ضلالت وگمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ تو اس پر لازم ہے کہ مجتہدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حوالہ سے بات کریں۔[1]

یہ بات اس لئے بیان کی گئی ہے کہ فنون کی تین اقسام ہیں۔

(۱) علم العقائد (۲) علم الفقہ (۳) علم التصوف (الاخلاق)

اور انبیاء کرام علیہم السلام نے لوگوں کو جن امور کی طرف دعوت دی ہے ان میں زیادہ مہتم بالشان ہی تین امور وفنون ہیں یعنی (**اصلاح العقائد والاعمال والاخلاق**) (**کما فی التفھیمات الالٰھیۃ ج ۱ و مقدمۃ شرح العقیدۃ الطحاوی بالاردیۃ**) پس علم العقائد میں ان علماءِ اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی بات یا فتویٰ قابل قبول ہوگا جو اس علم وفن کے مجتہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ومحقق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہوں گے۔ مثلاً سیدنا امام ابومنصور ماتریدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور سیدنا امام ربانی مجدد الفِ ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور علم الفقہ میں اس علم کے مجتہدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم مثلاً آئمہ اربعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اور مذکورہ چھ طبقات کے فقہاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول اور فتویٰ حجت ہوگا۔ اسی طرح علم التصوف (الاخلاق) میں ان علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ومشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے قول وفعل وفتویٰ کا اعتبار ہوگا جو اس فن کے مجتہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ومسلمہ آئمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں مثلاً حضرت سیدنا شاہ نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت سیدنا امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت سیدنا خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت سیدنا شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، وغیرھم، لہذا اگر کوئی عالم یہ بات کہتا ہے کہ امی شخص ولی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یا پیر ومرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نہیں بن سکتا) اور وہ اپنے اس فتویٰ پر کسی مسلم مجتہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فی التصوف کا قول بطورِ دلیل پیش نہ کرے اور نہ وہ خود مجتہد ہے تو ایسے شخص کا فتویٰ مردود اور ناقابل قبول ہوگا۔ کیونکہ "**لکل فن رجال**"، یعنی ہر فن کے لئے اپنے مجتہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ومحقق ہوتے ہیں۔ (**فافھم**) اور فن تصوف کے آئمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم ومحققین کے حوالہ جات سے امی کی ولایت وارشاد پر دلائل پیش ہوئے اور بعض آئمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی شرطِ علم کے محامل صحیحہ بیان ہوئے ہیں کہ علمِ شرعی ضروری خواہ قرأۃ کتب سے ہو یا صحبت اولیاءِ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے ہو یا بفضل الٰہی الہام وکشفِ راسخین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے ہو۔ **کما مر تفصیلا**۔

(۶) نکتہ سادسہ: یہ نکتہ کامل مکمل حقیقی مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرائط میں ہے کہ حقیقی کامل مکمل مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جامع علوم ظاہرہ اور

---

[1] (راجع مجموعۃ الرسائل ص ۱۱ ج اول، فتاوی ردالمحتار للشامی ص ۵۲، ۵۳، ج ۱، ایضاً ص ۴۷، ج ۱ مطبوعہ احیاء التراث العربی، بیروت)

باطنہ ہوتا ہے۔اس کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں :

(۱) صحتِ عقیدہ : یعنی شیخ کامل مکمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہ ہوگا جس کا عقیدہ حقیقی اہل سنت والجماعت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے عین مطابق ہوگا کسی بھی گمراہ فرقے کا شخص نہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن سکتا ہے اور نہ ہی شیخ کامل مکمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بن سکتا ہے ۔ (والتفصیل فی الکتب المعتبرۃ۔والمکتوباتِ المجددیۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

(۲) عمل صالح : صحتِ عقیدہ کے ساتھ ساتھ اعمالِ صالحہ سے بھی مزین ہوگا یعنی حتی المقدور فرائض و واجبات وسنن مؤکدہ پر عمل کرنا اور حرام و مکروھات تحریمہ سے اجتناب کرنا اس کا شیوا ہوگا۔اور سنن زائدہ ومستحبات اور اولیٰ وعزیمت پر بھی عمل کرتا ہو یعنی حتی المقدور۔

(۳) نور وفیض: کسی کامل مکمل شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا صحبت یافتہ ہو اور اس شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے باطنی انوار وتجلیات، حرارت وفیض اور حیاتِ لطائف حاصل کر چکا ہو اور واصل الی اللہ ہو اور اس کا فیض متعدی ہو چکا ہو یعنی دوسروں کو فیض پہنچا سکتا ہو یعنی اس کی صحبت میں تاثیر ہو۔

(۴) سند کا اتصال: یعنی اس کا سلسلہ بغیر انقطاع کے نبی کریم ﷺ تک متصل ہو۔

(۵) اجازت یافتہ : شیخ کامل مکمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اجازت یافتہ ہو اور اس سے سندِ اجازت حاصل کی ہو۔

(۶) علمِ ظاہر ضروری : علم ظاہر بھی حاصل ہو چاہے وہ کتب پڑھنے سے ہو یا علماء راسخین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اور اولیاء کاملین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اقوال سننے یا ان کے افعال کو دیکھنے سے حاصل ہو۔جس سلسلہ کا شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہو تو اس سلسلہ کے اکابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے اقوال وافعال کا تابع ہو اور ان کے بیان کردہ شرائط پر چل رہا ہو۔

(۷) فقیہ العصر مفتی اعظم سندھ شہید اہلسنت، استاذ العلماء محضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبداللہ نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے (فتاوٰی مجددیہ نعیمیہ جس کی تائید میں مشہور ومعروف علماءِ اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم مثلاً قائدِ اہلسنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، رئیس القلم پروفیسر ڈاکٹر علامہ محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی، مفتی اھلسنت حضرت علامہ سید شجاعت علی قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم، حضرت علامہ غلام رسول سعیدی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت علامہ محمد فیض احمد اویسی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حضرت مولانا جمیل احمد نعیمی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت علامہ ابوالفضل مفتی محمد عبدالرحمٰن ٹھٹھوی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے تاثرات قلمبند کئے ہیں) میں پیرِ کامل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرائط کے بارے میں ایک استفتاء کے جواب میں لکھا ہے:

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

جواباً عرض یہ ہے کہ کامل بزرگوں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کا ارشاد ہے کہ جس پیر میں جب تک چار باتیں نہ ہوں۔اس وقت تک ایسے شخص کا مرید ہونا حرام ہے۔

(۱) پیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو کم ازکم اتنا علمِ دین ہو کہ حلال اور حرام، جائز اور ناجائز میں تمیز کر سکے۔(یعنی تمام علوم مروجہ و درسِ نظامی کا حصول شرط نہیں نیز علم دین ضروری بھی درسِ نظامی یا علوم مروجہ پر موقوف نہیں بلکہ صحبتِ علماء راسخین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے التزام اور ان کے اقوال سننے سے بھی حاصل ہوتا ہے۔(کمامر تفصیلا)

(۲) کہ شریعت پر عمل کرتا ہو اس کے کسی عمل پر شریعت کا اعتراض نہ ہو۔

(۳) کہ صحیح العقیدہ، اہل سنت وجماعت کا ہو۔وہابی جماعت اور گستاخ دیوبندی نہ ہو۔

(۴) کہ اس کا سلسلہ طریقت حضور پرنور ﷺ تک متصل ہو اور کسی کامل مرشد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف سے مرید کرنے کی اجازت و

خلافت ملی ہو۔[1]

(۵)اس کی صحبت میں تاثیر اور نور وفیض مخلصین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کو حاصل ہوتا ہو۔ ملخصاً

مکتوباتِ امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے موافق دیگر شرائط بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(۸)فنا و بقا اور عروج ونزول کی دولت سے مشرف ہو۔[2]

(۹)جذبہ اور سلوک کی دولت سے مالا مال ہو لیکن اگر اس کا جذبہ اس کے سلوک پر مقدم ہو تو کبریتِ احمر ہے" کلامہ دواء ونظرہ شفآء" احیاء دلھائے مردہ بتوجہ شریف او منوط است) یعنی ایسا شخص جس کا جذبہ اس کے سلوک پر مقدم ہو تو وہ کبریتِ احمر ہے اس کا کلام دوا ہے اور اس کی نظر شفاء ہے اس کی توجہ شریف پر مردہ دلوں کی حیات منحصر ہے۔[3]

(۱۰)سیر الی اللہ، سیر فی اللہ، سیر عن اللہ باللہ، اور سیر فی الاشیآء کو مکمل طور پر قطع کیا ہو یا بالفاظِ دیگر اس کا قلب سالم، نفس مطمئن اور عناصر معتدل ہو یا بالفاظ دیگر ولایت صغریٰ (فیض صفات فعلیہ) ولایتِ کبریٰ (فیض صفاتِ حقیقیہ) ولایت علیا (فیض اسم الباطن اور اسماء وشیونات) کمالاتِ ثلٰثہ (کمالات نبوت، کمالات رسالت، کمالات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اولو العزم یعنی تجلیاتِ ذاتیہ واعتبارات) حقائق سبعہ (حقیقۃ کعبۃ ربانی سے لیکر حقیقت معبودیت صرفہ تک اور حقیقتِ ابراہیمی علیہ السلام سے لیکر حقیقتِ محمدی ﷺ اور حقیقت احمدی ﷺ تک) اور حب صرف اور لاتعین تک کے درجات ومراتب سے مشرف ہو۔ اگر ان مقامات میں سے بعض کے ساتھ مشرف ہو اور بعض کے ساتھ مشرف نہ ہو تو کامل مکمل من وجہ دون وجہ کہلائے گا۔ مثلاً اگر ولایاتِ ثلثہ کے مراتب پر فائز ہو لیکن کمالات وحقائق ومابعد مراتب پر فائز نہ ہو اور فیضِ عالم امر سے بہرہ ور ہو مگر نفس وقالب (عالم خلق) کی تزکیہ سے متصف نہ ہو تو کامل مکمل مطلق نہیں ہاں اگر فیض متعدی ہو گیا ہو تو کامل مکمل من وجہ دون وجہ آخر ہو گا یعنی خلافتِ مقیدہ یا خلافت مطلق اضافیہ کا اھل ہے نہ کہ خلافت مطلقہ حقیقیہ کا۔ وغیرھا من الشرائط۔ مزید تفصیل کے لئے مکتوبات سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حجۃ السالکین، للغوث محمد جان النقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، اور ھدایۃ السالکین از افادات مجدد دوران قیوم زمان قطب الارشاد حضرت سیدنا خواجہ سیف الرحمٰن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ودامت برکاتھم وفیوضاتھم کا مطالعہ فرمائیں۔

(۷)نکتہ سابعہ : جس طرح مذاھب مجتہدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے چار مذاھب میں حصر فضل الٰہی اور اجماعِ سے ثابت ہے اسی طرح سلاسل معرفتِ الٰہی کا چار سلاسل معروفہ میں حصر بھی فضل الٰہی ہے۔ اور وہ چار سلاسل یہ ہیں۔

(۱)سلسلہ عالیہ صدیقیہ نقشبندیہ مجددیہ۔

(۲)سلسلہ عالیہ علویہ چشتیہ

(۳)سلسلہ عالیہ علویہ قادریہ۔

(۴)سلسلہ عالیہ سہروردیہ۔

ان میں سے تین سلاسل (قادریہ چشتیہ، سہروردیہ) کی شرائط ان سلاسل کے اکابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتابوں میں درج شدہ تحقیقات کی موافق (جیسا کہ سیر السلوک اور مکاتیب حضرت شاہ غلام علی دھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) مندرجہ ذیل ہیں۔

---

[1] (فتاویٰ مجددیہ نعیمیہ ص ۳۶۵ ج ۱)

[2] (مکتوب نمبر ۲۹۲ ج ۱)

[3] مکتوب (۲۹۲ ج ۱)

(۱) کثرتِ ذکر لسانی مع حضور قلبی ۔(۲) کثرتِ خلوت عن الناس ۔(۳) ترکِ دنیا و زینت وخواہش جس کو لفظ (زھد) میں اشارہ ہے)(۴) ترکِ نکاح الی ان یصل الی مقام الکمال و التکمیل (۵) کم بولنا(۶) کم کھانا(۷) لوگوں سے کم میل جول رکھنا(۸) کثرتِ ریاضت(۹) کثرت اربعینات وغیرھا۔ بقیہ شرائط جاننے کے لئے مکاتیب شریفہ اور ھدایت السالکین کی طرف رجوع فرمائیں۔ اور دیگر مطولات تصوف کو رجوع فرمائیں۔

شیخ کامل مکمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرائط کے ساتھ ساتھ مذکورہ سلاسل ثلاثہ کی شرائط پر عمل کرنا اس پرفتن دور میں نہایت مشکل ہے اور جب تک مذکورہ شرائط کے ساتھ ان سلاسل میں ریاضت ومجاھدہ نہ کیا جائے تو مقصودی چیز (تزکیۂ نفس، تصفیہ قلب اور معرفِ الٰہی) کا حصول امکان عادی سے خارج ہے جبکہ سلسلۂ عالیہ صدیقیہ نقشبندیہ مجددیہ میں زیادہ کام شیخ کامل مکمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توجہ کے ساتھ وابستہ ہے کہ ان کی توجہ کی برکت سے سالک بہت جلد مقاماتِ عالیہ میں ترقی وعروج حاصل کرلیتا ہے۔(کما حققہ سیدنا الامام الربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی المکتوبات الشریفۃ) جس طرح صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور اکرم ﷺ کی صحبتِ اقدس وتوجہ شریف کی برکت سے بہت جلد مقامات عالیہ حاصل کرلئے تھے حتی کہ بعد میں آنے والے تمام اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے افضل ہوگئے۔ اسی لئے تمام اہل سنت وجماعت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس بات پر متفق ہیں کہ" تمام قطب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ابدال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اغواث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرھا ایک ادنیٰ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آپس کے درجات کے اعتبار سے) کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ابتداء ہی سے صحبت خیر البشر ﷺ کی برکت سے وہ کچھ حاصل کرلیتے تھے جو بعد کے اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کو شاید انتہا میں بھی کم حاصل ہو۔ (کما حققہ الامام الربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا گیا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو صحابی رسول ﷺ ہیں اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں ہیں) میں سے کون سا افضل ہے؟ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواباً فرمایا کہ جو غبار (گرد) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں (معیت نبوی ﷺ میں) داخل ہوا وہ بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہے۔ (یعنی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، غیر صحابی سے یقیناً افضل ہے) (فلا تعدل بالصحبۃ شیئا۔ ملخصاً مکتوبات شریف) یعنی صحبت کے برابر کوئی شے نہیں ہے۔ حضرت سیدنا وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک صحبتِ نبوی ﷺ کی برکت سے حضرتِ اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خیر التابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہوئے۔ "فانظر الی برکات التوجہ والصحبۃ" اس سلسلۂ عالیہ کے شیخ کامل مکمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک توجہ سو چلوں کا کام دیتی ہے (قالہ الامام الربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یعنی جو ترقی عروج دیگر حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سو چلوں میں شاید حاصل کرسکیں وہ ترقی وعروج حقیقی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرات شیخ کامل مکمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک توجہ شریف سے حاصل کرلیتے ہیں۔ جس طرح حنفی مذہب دیگر مذاھب سے افضل اور زیادہ اوفق بالکتاب والسنۃ اور ادق واکمل ہے اسی طرح صدیقی نقشبندی نسبت باقی نسبتوں سے کئی وجوہات کے اعتبار سے اعلیٰ، افضل، ادق، اقرب، ایسر، اکمل، ادل، اسبق، اجل، اقدم اور اشرف ہے۔ (کما حققہ الامام الربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی مکتوباتہ)

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند — کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را
ھمہ شیران جہان بستہ ایں سلسلہ اند — رو بہ از حیلہ چساں بکسلید ایں سلسلہ را
قاصرے گر کند این طائفہ را طعن قصور — حاشا اللہ کہ برارم بہ زبان این گلہ را

(مکتوبات شریف)

یعنی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بزرگ حضرات عجیب سالار قافلہ ہیں جو پوشیدہ راستے سے قافلے کو حرم تک پہنچا دیتے ہیں۔ جہاں کے تمام شیر اسی سلسلہ سے بندھے ہوئے ہیں۔ لومڑی اپنے رکیک حملوں سے اس سلسلے کو درہم برہم نہیں کرسکتی۔ اگر کوئی کوتاہ فہم ان کو ناقص جانے یا زبانِ طعن دراز کرے تو اس کی مرضی، میں تو خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ ایسا شکوہ زبان پر لاؤں حضرت امام ربانی، واقفِ سرِ لامکانی، واقف متشابہات قرآنی، مجدد و منور الف ثانی، الشیخ احمد الفاروقی السرھندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو کہ عالم ربانی، مجتہد فی علم الکلام، صوفی اعظم، مجدد الف، قیوم زمان اور راسخ فی العلم اور چاروں سلاسل کی جامع شخصیت تھے اور جن کی شخصیت کو نہ صرف اہلسنت والجماعت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بلکہ دیگر تمام گمراہ فرقوں کے ہاں بھی مقبولیت حاصل تھی، یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں مقبولیتِ عامہ سے نوازا تھا) نے اپنے متعدد مکاتیب شریفہ میں افضلیت نقشبندیہ کی مختلف وجوہ بیان فرمائی ہیں حالانکہ وہ خود پہلے سلسلہ عالیہ قادریہ، سلسلہ عالیہ چشتیہ اور سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں اپنے والد بزرگوار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اور سلسلہ کبرویہ میں مولانا یعقوب صرفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے خلیفہ مجاز تھے لیکن اس کے باوجود حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دستِ مبارک پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت ہو کر کمالاتِ عالیہ اور معارفِ دقیقہ حاصل کئے یعنی حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چاروں سلاسل کے حقیقی فیض یافتہ تھے لیکن اس کے باوجود انہوں نے مکتوب نمبر ۲۱، ۵۸، ۹۰، ۱۶۸، ۱۹۰، ۱۱۰، ۲۰۰، ۲۰۶، ۱۳۱، ۱۵۱، ۲۹۰ وغیرہا (ج ۱ دفتر اول میں اور مکتوب نمبر ۱۸، ۲۳، ۴۲، ۴۳، ۳۵ وغیرھا (ج ۲ دفتر دوم) میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی افضلیت کی صراحت فرمائی ہے۔ ہم چند وجوہات یہاں بیان کرتے ہیں۔

نسبتِ صدیقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: اس سلسلہ عالیہ کی نسبت حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہے اور باقی تینوں سلاسل کی نسبت حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیثِ مبارکہ ہے:

''ما صب اللہ یشأ فی صدری الا صببتہ فی صدر أبی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ''[1]

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو کچھ (انوار و تجلیات و فیوضات و برکات) میرے سینے (مبارکہ) میں اللہ نے انڈیلے ہیں وہ میں نے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ (مبارکہ) میں انڈیل دیئے ہیں۔ (توجہ اور انعکاس سے) جس طرح ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل ہیں۔ (جیسا کہ جمیعِ اہل سنت والجماعت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''من لدن عھد الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی زمننا ھذا'' کا متفقہ عقیدہ ہے کہ ''افضل البشر بعد الانبیاء علیھم السلام بالتحقیق سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' یعنی ''انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام لوگوں سے تحقیقاً افضل ہیں'' اسی طرح ان سے منسوب سلسلہ عالیہ صدیقیہ نقشبندیہ بھی دیگر سلاسل سے اسی وجہ سے افضل ہے۔ کما حققہ سیدنا الامام الربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

حضرت مفتیٔ اہل سنت مفتی محمد عبد اللہ نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا اپنے فتاوی مجددیہ نعیمیہ کے ص ۳۵۹، ج ۱ پر سلسلہ قادریہ اور سلسلہ نقشبندیہ کی افضلیت کے بارے میں استفتاء کے جواب میں فرماتے ہیں کہ: ''سلسلہ قادریہ کی ابتداء سیدنا علی کرم اللہ وجہہ سے ہے۔ اور سلسلہ نقشبندیہ کی ابتداء سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ افضل ہے اس لئے کہ اس میں اتباع شریعت کی بہت تاکید ہے اور قادری سلسلہ کی انتہاء نقشبندیہ کی ابتداء ہے۔ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت اپنے ہم عصر اولیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر ہے نہ کہ کل پر''۔ اسی طرح تحقیق سیدنا امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکتوبات شریفہ میں اور علامہ عبد النبی شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجموعۃ الاسرار میں بھی فرمایا ہے۔

(۲) التزامِ سنت و اجتنابِ بدعت: افضلیتِ نقشبندیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک وجہ التزامِ سنت النبوی ﷺ اور اجتنابِ بدعت ہے۔ اس سلسلہ

---

[1] (رواہ الامام السیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فی الحاوی للفتاوی)

عالیہ کے بزرگ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حتی الامکان رخصت سے اجتناب کرتے ہیں۔اور عزیمت کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ان بزرگوں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے احوال ومواجید کو احکام شرعیہ کے تابع کیا ہے۔اور اذواق ومعارف کو شرع شریف کا خادم تصور کیا ہے۔اگر سنت کی تابعداری کی دولت انہیں حاصل ہو اور احوال وکشف وغیرہا کچھ حاصل نہ ہو تو خوش ہوتے ہیں۔اور اگر باوجود احوال (باطنی کیفیات) کے متابعتِ (شریعت) میں قصور وکمی معلوم ہو تو انہیں احوال پسند نہیں۔حضرت خواجہ سیدنا عبداللہ احرار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔کہ اگر تمام مواجید واحوال ہمیں دے دیں اور ہماری حقیقت کو اہل سنت والجماعت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اعتقاد سے نہ نوازیں تو سوائے خرابی کے کچھ نہیں جانتے اور اگر اعتقادِ اہل سنت والجماعت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہمیں دے دیں اور احوال وکرامات وغیرہ کچھ نہ دیں تو پھر بھی کچھ غم نہیں۔[1]

اور بدعتِ حسنہ (جب وجوب کے درجہ میں نہ ہو اور شعارِ اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی نہ ہو) سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔اور خصوصا جب کہ وہ رافع سنت بھی ہو کیونکہ اس میں نور نہیں پاتے اور سن ۱۰۰۰ھ کے بعد بدعتِ حسنہ کی گنجائش بھی کم رہ گئی ہے کیونکہ یہ دور فتن ہے اور اہلسنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلاف بعض فتنے بھی بدعتِ حسنہ کے نام پر اٹھیں گے تو اسلئے بھی گریز کرتے ہیں۔

ریاضاتِ شاقہ (جس میں شہرت وآفت زیادہ ہوتی ہے) جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اختیار نہیں کیئے تھے، کی بجائے التزامِ سنت (خواہ موکدہ ہو یا زائدہ) کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں۔ (کما صرّح به الامام الربانی رضی الله تعالیٰ عنه فی المکتوبات الشریفة)۔

(۳) ابتداء کا انتہاء مندرج ہونا : اس سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کی ابتداء میں دیگر سلاسل کی انتہاء (یعنی صورتِ انتہاء) مندرج ہے۔چونکہ یہ سلسلہ بعینہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرز پر ہے اور جس طرح صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایک صحبتِ نبوی ﷺ میں جو کمالات حاصل ہوتے تھے وہ اولیاء امت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کو انتہاء میں بھی شاید بہت کم میسر ہوں۔اسی طرح اس سلسلۂ عالیہ کے حضرات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم ابتداء میں ہی وہ کچھ پالیتے ہیں جو دیگر سلاسل کے حضرات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کو انتہاء میں حاصل ہوتا ہے۔"فهی طریق اندراج النهایة فی البدایة بطریق الانعکاس والتوجه والمحبة کما حققه الامام الربانی رضی الله تعالیٰ عنه مراراً" بشرط یہ کہ پیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کامل مکمل حقیقی نقشبندی ہو کیونکہ موصل (پہنچانے والا) پیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہے۔نہ کہ صرف سلسلہ۔تو امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان کردہ اصول پر عمل پیرا ہونا لازمی ہے۔

(۴) اقرب وایسر : یہ سلسلہ عالیہ صدیقیہ نقشبندیہ تمام سلاسل کی نسبت اقرب یعنی وصول الی اللہ میں سب سے زیادہ قریب ہے کیونکہ نقشبندی اکابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک توجہ سو چلّوں کا کام دیتی ہے اور سالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بہت جلد واصل الی اللہ ہو جاتا ہے۔اور عمل کرنے اور اس کی شرائط پوری کرنے میں سب سے زیادہ آسان بھی ہے۔کیونکہ اس کی بنیادی شرائط دو ہی ہیں۔(۱) صحبتِ شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مع الآداب (۲) التزامِ سنتِ نبوی ﷺ۔

حضرت خواجۂ خواجگان سیدنا محمد بہاء الدین شاہ نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "ہمارا طریقہ سب طریقوں سے اقرب ہے"۔کیونکہ اس میں جذب، سلوک پر مقدم ہے اور جذب میں اجتباء (چن لینا اور منتخب کر لینا) ہے کما قال الله سبحانه "الله یجتبی الیه من یشآء ویهدی الیه من ینیب" اور اجتباء معبود ومقصود حقیقی کا فضل ہے۔

ذالک فضل الله یؤتیه من یشآء والله ذو الفضل العظیم○

---

[1] (مکتوبات شریف ج ۱)

(۵) ذکرِ قلبی :اس سلسلۂ عالیہ کی ابتداء ذکر قلبی سے ہوتی ہے بلکہ اس میں ذکر قلبی (خفی) ہی ہوتا ہے۔اور ذکر قلبی (خفی) ذکر لسانی سے ستر (70) درجہ زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

کمافی الحدیث :الذکر الخفی الذی لا یسمعه الحفظة سبعون ضعفا (رواه الامام السیوطی رحمة الله تعالیٰ علیه فی الحاوی للفتاوٰی)

یعنی ذکر خفی جسے حفظہ فرشتے بھی نہیں سن سکتے وہ ستر (70) درجہ فضیلت رکھتا ہے۔ذکرِ قلبی (خفی) سے جذبِ الٰہی پیدا ہوتا ہے۔جس سے عروج وترقی جلدی سے ہوتی ہے۔(نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند۔کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ راہ) اور ذکر قلبی ریآء سے بھی ابعد (دور) ہے اور حضور دائم بھی ذکر قلبی میں متصور ہے کیونکہ اس میں فتور وانقطاع نہیں ہوتا کماحققہ العلامۃ المظہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فی تفسیرہ اور اس سلسلہ میں لسانی ذکر داخل کرنا بدعت فی الطریقت ہے۔(کمافی المظہری والمکتوبات الشریفۃ) مگر یہ کہ کوئی ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دیگر سلاسل کی مناسبت سے خفیۃً یا جہرا کریں تو ٹھیک ہے جب دیگر سلاسل کا بھی جامع ہو۔۔جب ذکر قلبی (خفی) کمال تک پہنچ جاتا ہے۔وہ ذاکر اس آیت کریمہ کا مصداق بن جاتا ہے کہ :"**رجال لا تلهیهم تجارة ولا بیع عن ذکر الله . . . الخ الآیة کما حققه العلامة الامام محمود الآلوسی البغدادی رحمة الله تعالیٰ علیه فی تفسیره روح المعانی ذیل هٰذه الآیة الکریمة فلیراجع۔**

(۶) تجلی ذاتی دائمی :اس سلسلہ عالیہ کے بزرگوں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی (فناء وبقاء کے بعد) تجلی ذاتی دائمی نصیب ہوتی ہے جبکہ دیگر بزرگوں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی تجلی ذاتی برقی ہوتی ہے یعنی بجلی کی طرح نمودار ہو کر پھر غائب ہو جاتی ہے اور عارضی شے پر دائمی شے کو فضیلت وفوقیت حاصل ہوتی ہے۔"قیاس کن زگلستان من بہار مرا" یعنی "میرے گلستاں سے میرا بہار کا اندازہ کرلو"۔اور دیگر سلاسل کے بعض اکابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جو تجلی ذاتی دائمی حاصل ہوئی ہے وہ بھی نسبتِ صدیقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بطور اقتباس ہے جس طرح حضرت ابوسعید خراز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جبہ مبارکۂ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصولی کی وجہ سے تجلی ذاتی دائمی نصیب ہوئی تھی اور دائمی حضور اور یاداشت کے مقام سے سرفراز ہوئے تھے۔(**کما حققه الامام الربانی رضی الله تعالیٰ عنه فی المکتوبات الشریفة المجلد الاول**)

(۷) نسبتِ اصحاب النبی ا :ایک وجہ فضیلتِ نقشبندیہ یہ ہے کہ یہ نسبتِ بعینہٖ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طریقہ پر صحبت، محب، آداب، انقیاد، اور اتباع سنت پر مبنی ہے حضرت مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے والد بزرگوار خواجہ شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان نقل فرماتے ہیں کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام سلسلوں (قادریہ چشتیہ، سہروردیہ) کی نسبتوں کا خلاصہ نسبتِ نقشبندیہ ہے اور ہم بھی اب خود اسی نسبت پہ قائم ہیں"۔(زبدۃ المقامات)۔اور مقدمہ مکتوبات شریفہ اردو از قاضی عالم الدین نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں ہے کہ سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نقشبندی مجددی نسبت میں حضور اکرم ﷺ کے ایک روحانی فیصلہ چاروں سلاسل کا فیض مندرج ہو چکا ہے پس جو اس نسبت سے بہرہ ور ہوتا ہے اور اس کو چلاتا ہے اس کو چاروں سلاسل کا فیض اور چاروں سلاسل کے اکابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روحانی مدد وخوشحالی مل جاتی ہے۔(ملخصاً تفصیل وہاں درج ہے) طریقۂ عالیہ نقشبندیہ مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے موسوم ہوتا رہا۔سب سے پہلے طریقہ صدیقیہ سے مشہور ہوا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ مبارک سے شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دور تک رہا پھر حضرت سیدنا بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حضرت خواجہ عبدالخالق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ غجدوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تک طریقہ صدیقیہ طیفوریہ سے ملقب ہوا۔پھر حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سیدنا شاہ نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک صدیقیہ طیفوریہ خواجگانیہ کہلانے لگا۔پھر سیدنا شاہ نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اجتہادی کوششوں اور مخلصانہ جدوجہد کی بدولت یہ طریقہ صدیقیہ طیفوریہ خواجگانیہ نقشبندیہ سے مشہور ہوگیا۔پھر حضرت امام ربانی، شہباز لامکانی، واقفِ

متشابہاتِ قرآنی، مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اجتہادی اور تجدیدی کوششوں سے یہ طریقہ صدیقیہ نقشبندیہ مجددیہ کہلانے لگا (کما فی تحفة النقشبندية شرح حديقة النديه خالديه) اور اس زمانے میں حضرت خواجہ خواجگان، قطب ارشاد، قیوم زمان، مجدد عصر رواں جامع طرق اربعہ مجمع البحرین علامہ وخواجہ سیف الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ زید مجدہ (جو متابعت نبوی علی التحیۃ والصلوۃ والثناء کے درجات سبعہ سے متصف ہیں اور کامل وحقیقی وارث النبی ﷺ ہیں) نے اپنی اجتہادی اور تجدیدی کاوشوں سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کو صحیح طرز پر قائم و دائم فرمایا ہے اور فیضِ نقشبندی ومجددی کو اپنی آب وتاب کے ساتھ باکمال طریقہ سے مشرق ومغرب اور شمال و جناب میں پھیلایا ہے۔ اس لئے اس زمانے میں یہ سلسلہ صدیقیہ نقشبندیہ مجددیہ سیفیہ سے مشہور ہوگیا ہے پس سیفی کوئی نیا عقیدہ، مذہب نہیں بلکہ حضرت مرشدنا مبارک صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تجدیدی خدمات کی بناء پر سلوک وتصوف کا تبرکی نسبت ہے۔ اس کے علاوہ دیگر کئی اور وجوہات بھی ہیں جن کی وجہ سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ دیگر سلاسل سے افضل و بہتر ہے جنہیں علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ومشائخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے اپنے اپنے مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ (مکمل تفصیل مکتوبات شریف، تفسیر مظہری، مکاتیب شاہ غلام دھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں موجود ہے۔)

تنبیہ : ایک ضروری بات یہ ہے کہ نقشبندیہ سلسلے کی افضلیت بیان کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ دیگر سلاسل کی کوئی اہمیت یا فضیلت نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ ہر ایک سلسلہ عالیہ کے اپنے فضائل و برکات ہیں اپنی شرائط کے ساتھ۔ کیونکہ یہ تمام سلاسل، دریائے نبوی ﷺ کی نہریں ہیں، جو دریائے نبوی اسے سیراب ہوتی ہیں کیونکہ ان سلاسل سے مقصود اصلی رضائے الٰہی اور معرفت الٰہی کا حصول ہے لیکن شرط صرف یہ ہے کہ شیخ کامل مکمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہو اور سلسلہ کو اپنے اکابر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی شرائط وآداب کے مطابق چلا رہا ہو، چاہے وہ کسی بھی سلسلہ کا ہو اور مرید متبع شرع اور طالب صادق ہو۔ اگر یہ دونوں نہ ہو یا ایک نہ ہو تو کسی سلسلہ عالیہ کی فضیلت سے اسے فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن پھر بھی حقیقی نقشبندی مجددی نسبت کو تمام نسبتوں پر فضیلت حاصل ہے اور سب سے اقرب وایسر ہے اور یہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیق ہے جو کہ چاروں سلاسل کے جامع اور ہزار سالہ مجدد ہیں تو ہمیں چاہئے کہ اس سلسلہ کی حقیقی باشرائط بزرگوں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فیوض و برکات سے بھی مستفید ہو جائیں (وفقنا الله سبحانه لذالک بجاه حبيبه ﷺ) اور تعدد پیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے جواز وعدم جواز اور وجوب کی تحقیق کیلئے ہمارے مرشد مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب مستطاب ''ھدایۃ السالکین'' کی طرف رجوع فرمائیں تشفی ہو جائے گی، رہا سلاسل اربعہ کے اسباق اور اس کی ترتیب تو اس کیلئے بھی ھدایت السالکین اور بعض مکاتیب مبارک صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف رجوع فرمائیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق سمجھنے، ماننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور تعصب وعناد سے بچائے اور چاروں سلاسل کے فیوضات و برکات اور بالخصوص سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ سیفیہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے تمام کمالات و برکات سے بہرہ مند فرمائے اور ہمیں استقامت، عفو ومغفرت، عافیت دارین، خیر الدنیا والآخرۃ اور وراثتِ حقیقی سے نوازے۔ بفضله و كرمه وعلىٰ آله واصحابه اتباعه اجمعين وبطفيلِ حبيبه آمين يارب العٰلمين بحرمة سيد المرسلين عليه افضل الصلوت واكمل التسليمات۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين۔

(۱۱۸){باب نمبر ایک سو اٹھارہ مسائل متفرقہ کے بیان میں}

مستحب پر مواظبت کرنا:

کسی مستحب کام پر مواظبت (ہمیشگی) کرنا جائز و درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس کو واجب سمجھ کر نہ کرے اور یہ اندیشہ بھی نہ ہو کہ لوگ اسے واجب سمجھ لیں گے جیسا کہ مردے کو سفید رنگ کا کفن پہنانا مستحب ہے۔شامی میں ہے۔ویستحب البیاض۔اور سفید کفن مستحب ہے۔ [۱]

مگر فی زمانا سفید کفن پر مواظبت ہے ہر مسلمان کو سفید کفن دیا جاتا ہے اور کوئی اسے غلط نہیں کہتا اسی طرح فجر کی اذان میں الصلوۃ خیر من النوم کہنا مستحب ہے۔جیسا کہ جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فجر کے وقت یہ الفاظ کہے تو امام الانبیاء ﷺ نے فرمایا اجعلہ فی اذانک یعنی ان الفاظ کو اپنی اذان کا حصہ بنالو اس کے تحت بحر الرائق میں ہے۔وھو للندب۔اور یہ فرمانا استحباب کیلئے ہے۔ [۲]

اور بہار شریعت میں ہے کہ صبح کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد الصلوۃ خیر من النوم کہنا مستحب ہے۔ [۳]

مگر آج کوئی اذان فجر اس سے خالی نہیں ہوتی اور سب اسے صحیح اور درست سمجھتے ہیں۔قیام اللیل یعنی رات کے نوافل مستحب ہیں مگر پابندی کرنے والے کو ترک کرنا مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔قَالَ لِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :يَا عَبْدَ اللهِ، لاَ تَكُنْ مِثْلَ فُلاَنٍ كَانَ يَقُومُ اللَّيْلَ، فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ۔رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا!اے عبداللہ !تو فلاں کی طرح نہ ہونا کہ رات کو اٹھا کرتا تھا پھر چھوڑ دیا۔ [۴]

بلکہ رسول اللہ ﷺ نے ہر عمل کے بارے میں ارشاد فرمایا احب الاعمال الی اللہ تعالیٰ ادومھا وان قل۔اعمال میں زیادہ پسند اللہ تعالیٰ کو وہ ہے جو ہمیشہ ہو اگرچہ تھوڑا ہو۔ [۵]

اس حدیث پاک کو حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کیا ہے۔ان کے بارے میں ما قبل راوی کہتے ہیں۔حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب کسی عمل کو اپناتیں تو اپنے اوپر لازم کرلیتیں یعنی پابندی کے ساتھ کرتیں۔ [۶]

اور الامام الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں۔

وبلغ من اعتناء الحق تعالیٰ بأحدھم:أنہ کان یعاقب أحدھم علی خلاف الأولیٰ۔

اور اللہ رب العزت کے فضل سے اولیاء اللہ پر یہ احسان ہے کہ اولیاء اللہ زیادہ اہتمام کرتے ہیں کہ وہ اپنے مریدین کو خلاف اولیٰ کام کرنے پر بھی سرزنش دیتے ہیں۔پس سنن اور مستحبات میں سستی نہیں کرنی چاہیئے۔ [۷]

الامام الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں۔

وکان الجنید رضی اللہ تعالیٰ یقول:طریق الفقھاء ھی أساس طریقنا التی بنیت علیہ ولکن زاد الصوفیۃ علی الفقھاء کثرۃ مراعاۃ

---

[۱] (شامی ج ۳ ص ۱۰۰ مکتبہ امدادیہ ملتان)

[۲] (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۵۶ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[۳] (بہار شریعت ج ۱ ح ۳ ص ۴۷۰ مکتبۃ المدینہ کراچی)

[۴] (صحیح البخاری باب مایکرہ من ترک قیام اللیل لمن کان یقومہ ج ۲ ص ۵۴)

[۵] (صحیح مسلم باب فضیلۃ العمل الدائم من قیام اللیل وغیرہ ج ۱ ص ۵۴۱ دار احیاء التراث العربی بیروت)

[۶] (صفحہ مذکورہ،احکام عمامہ مع سبز عمامہ کا ثبوت ص ۱۳۶)

[۷] (الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ص ۱۴۱)

العمل بالشریعة وعدم التساهل فی ترک العمل بشیء منها ای طریقهم ترک الرخص والتاویلات والاخذبالعزائم والتمسک بالمندوب کالواجب واجتناب المکروه وخلاف الاولی کالحرام

ترجمہ: حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ فقہاء کا طریقہ یہی ہمارے طریقہ کی بنیاد ہے اور ہمارا طریقہ اسی پر بناء ہے لیکن صوفیاء نے فقہاء جو فضیلت حاصل کی وہ کثرت سے شریعت پر عمل کرنے کی وجہ سے کیونکہ صوفیاء ان میں سے کسی عمل میں سستی اختیار نہیں کرتے یعنی ان کا طریقہ رخصت کو چھوڑنا اور تاویلات کو ترک کرنا اور عزیمت پر عمل کرنا ہے اور مندوب کو لازم پکڑنا اور مستحب پر عمل کرنا ان کیلئے واجب کی طرح ہے اور مکروہ اور خلاف اولیٰ سے بچنا ان کے طریقے میں ایسے ہے جیسے کہ حرام سے بچنا۔[1]

الامام الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں۔

وکان سیدی علی الخواص رضی اللہ عنہ یقول :الحق تعالی یمقت علی ترک الادب وعلی خلاف الاولی فضلاعن المکروہ والحرام۔

ترجمہ : اور سیدی علی الخواص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ جل شانہٗ ناراض ہوتا ہے اور جلال میں آتا ہے ادب کے چھوڑنے پر اور خلاف اولیٰ کام کرنے پر چہ جائیکہ کوئی مکروہ یا حرام کام کرے (یعنی اس پر تو اور بھی جلال میں آتا ہے اور ناراض ہوتا ہے) یعنی مستحب چھوڑنے پر جب قہر فرماتا ہے تو مکروہ اور حرام کے کرنے پر تو بطریق اولیٰ قہر فرماتا ہے۔[2]

الامام الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں۔

وسمعت سیدی علیا المرصفی رحمہ اللہ تعالی یقول :لایصح لمرید قدم فی الارادۃ حتی یترک المباحات جملۃ ویجعل مکان مباح ترکہ فعل مأمور شرعیٔ من مندوب او اولی حتی یجتنب المباح کانہ خلاف الاولی ویجتنب خلاف الاولی کانہ منہی عنہ کراھۃ تنزیہ وحتی یجتنب الحرام کانہ کفر وحتی یفعل المندوب کانہ واجب ویفعل الاولی کانہ مندوب کل ذالک تعظیما لامر اللہ تعالی ونہیہ۔

ترجمہ :اور میں نے سیدی علی مرصفی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مرید کیلئے جب طریقت میں قدم رکھے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ تمام کے تمام مباحات کو چھوڑ دے اور ہر وہ مباح جس کو اس نے چھوڑا ہے اس کی جگہ پر وہ مامور شرعی کام کرے جس کا تعلق مستحب یا اولیٰ سے ہو یہاں تک کہ یہ مباح سے اس طرح سے بچے جیسے کہ خلاف اولیٰ سے بچتا ہے اور خلاف اولیٰ سے اس طرح بچے گویا کہ اس کو اس سے منع کیا گیا ہو کراہت تنزیہی کی طرح اور یہاں تک مکروہ سے اسطرح بچے گویا کہ یہ حرام ہے اور حرام سے اس طرح بچے گویا کہ یہ کفر ہے اور یہاں تک کہ مستحب پر ایسا عمل کرے گویا کہ یہ واجب ہے اور اولیٰ کام کو اس طرح کرے گویا کہ یہ مستحب ہے یہ سب کچھ کرنا اس میں اللہ تعالیٰ کے امر اور نہی کی تعظیم ہے۔[3]

شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال عبداللہ بن المبارک رضی اللہ تعالی عنہ من تھاون بالآداب عوقب بحرمان السنۃ ومن تھاون بالسنۃ عوقب بحرمان

---

[1] (الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ص ۱۲۷)

[2] (الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ص ۱۸۸)

[3] (الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ص ۱۹۰)

الواجبات ومن تهاون بالواجبات عوقب بحرمان الفرائض ومن تهاون بالفرائض عوقب بحرمان المعرفة او كما قال۔

یعنی فرمایا عبداللہ ابن مبارک صنے جس نے مستحبات میں سستی کی اسے سنت سے محرومی کی سزا ملے گی۔اور جس نے سنت میں سستی کی اسے واجبات سے محرومی کی سزا ملے گی اور جس نے واجبات میں سستی کی اسے فرائض سے محرومی کی سزا ملے گی، اور جس نے فرائض میں سستی کی اسے معرفت خداوندی سے محرومی کی سزا ملے گی۔ [1]

معلوم ہوا کہ مستحب دراصل سنن کی تکمیل کا ذریعہ اور سبب ہے، اور سنت دراصل واجبات کی تکمیل کا ذریعہ اور سبب ہے، اور واجبات دراصل فرض کی تکمیل کا ذریعہ اور سبب ہیں، لہذا مستحب اور سنت اگرچہ فرض یا واجب کے مرتبے کی چیز نہیں ہے لیکن ان کا موقوف علیہ ضرور بنتی ہے۔جب موقوف ضروری العمل ہو تو اس کا موقوف علیہ بھی ضروری العمل ہوگا۔

الشیخ الاجل والامام الاکمل الفقیہ الامجد طاہر بن الرشید البخاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

من ترک السنة بعذر فهو معذور ولو ترک بغير عذر تهاونا لا يقبل فرضه ويسأل عن تركها۔ ترجمہ : جس نے عذر کی وجہ سے سنت کو ترک کیا وہ معذور ہے، اور جس نے بغیر عذر کے سنت کو ترک کیا تو سزا کے طور پر اس کے فرائض بھی قبول نہ کئے جائیں گے اور اس سے (سنت) ترک کرنے کے بارے میں (مرنے کے بعد) سوال ہوگا۔

اور دوسری جگہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

والواجبات اكمال الفرائض والسنن اكمال الواجبات والاداٰب اكمال السنن۔

ترجمہ : فرائض کی تکمیل واجبات میں ہے اور واجبات کی تکمیل سنن میں ہے اور سنن کی تکمیل آداب اور مستحبات میں ہے۔ [2]

أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (المتوفى 616 :هـ) لکھتے ہیں:

من ترك السنّة سئل عن تركها

ترجمہ: جس نے سنت چھوڑ دی تو اس بارے میں اس سے سوال کیا جائے گا۔ [3]

واقعہ:

الامام الشیخ عبدالوہاب الشعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

نقل ان الامام النووی رحمة الله تعالىٰ عليه لم يحتلم ثلاثين سنة سوفاتته صلاة العشاء مع الجماعة ليلة فاحتلم فی تلک الليلة فكان احتلامه عقوبة ترک سنة الجماعة۔ والله اعلم۔

ترجمہ : نقل ہے کہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کو تیس برس تک احتلام نہیں ہوا ایک رات ان سے عشاء کی نماز کی جماعت فوت ہوگئی پس اسی رات انہیں احتلام ہوا۔پس احتلام کا سبب عشاء کی نماز کی جماعت فوت ہونے کی سزا کی وجہ سے تھا۔ [4]

شریعت مطہرہ میں مستحبات پر لزوم اختیار کرنا

---

[1] (تفسیر عزیزی، قطب الارشاد صفحہ ۱۴، مکتبہ قاسمیہ)

[2] (خلاصۃ الفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۶۴ ص ۵۱)

[3] (المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی ج ۲ ص ۴۶۷)

[4] (الاجوبۃ المرضیہ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ ص ۱۹۸)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ» :مَنْ لَزِمَ الِاسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰہُ لَہُ مِنْ کُلِّ ھَمٍّ فَرَجًا، وَمِنْ کُلِّ ضِیقٍ مَخْرَجًا، وَرَزَقَہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ۔[1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے لازم کرلیا اپنے آپ پر استغفار پڑھنے کو، تو اللہ جل شانہ اس کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کے لئے اور ہم غم سے خلاصی کے اسباب پیدا فرمادیتا ہے، اور اللہ رب العزت اسے روزی عطا فرمادیگا کہ جہاں سے اس کا وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔

نوٹ : استغفار پڑھنا فرض یا واجب نہیں ہے بلکہ ایک مستحب عمل ہے، باوجود استحباب

نبی کریم ﷺ نے ہمیں اختیار عطا فرمائی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسان اپنے اوپر مستحب عمل کو لازم کرسکتا ہے۔ اسی طرح صحاح ستہ کی احادیث مبارکہ میں ایک حدیث شریف ہے:

وَأَنَّ أَحَبَ الأَعْمَالِ إِلَی اللّٰہِ أَدْوَمُھَا وَإِنْ قَلَّ۔

ترجمہ: بے شک اللہ رب العزت کو محبوب ترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ ہوا گرچہ کم ہو۔[2]

فائدہ : دوام اور ہمیشگی اس وقت آئے گی جب اس پر التزام کیا جائے۔ بدون التزام ہمیشگی نہیں آسکتی۔

مستحبات کو قبیح جاننا کفر ہے

مستحبات پر عمل نہ کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا، لیکن ان اعمال کو قبیح جاننا، یہ کفر ہے۔

اسی وجہ سے صاحب عصام نے فرمایا :واستقباح ماجعل اللہ مندوباً ایضاً کفر۔ یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مندوب کیا ہو اس کو برا کہنا بھی کفر ہے۔[3]

مولوی انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں

کہ ضروریات دین میں بہت سے امور شرعاً مستحب اور مباح بھی ہوتے ہیں (ظاہر ہے کہ ان پر عمل کرنا فرض نہیں ہوسکتا) مگر ان کے مستحب یا مباح ہونے پر ایمان لانا یقیناً فرض اور داخل ایمان ہے اور بطور عناد ان کا انکار کرنا موجب کفر ہے۔[4]

مستحبات کی برکات :

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا بڑا گہرا تعلق ہے۔ اس لحاظ سے مستحبات بھی ضروری ہیں اور تعلیم ان کی بھی ضروری ہے کیونکہ ان کے برکات و ثمرات بیشمار ہیں۔

مثلاً ایک برکت تو یہ ہے کہ بعض اوقات مستحبات، معصیت سے مانع ہوجاتے ہیں، کیونکہ جو شخص تہجد، اشراق، چاشت، اوابین کا پابند ہوگا وہ بہ نسبت اس شخص کے معاصی سے زیادہ بچے گا جو محض پانچ وقت کے فرائض کا پابند ہوگا اور علاوہ اس خاصیت کے ایک طبعی راز یہ بھی ہے کہ مستحبات کی پابندی سے یہ شخص تہجد گزار، دیندار مشہور ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے گناہوں کے ارتکاب سے وہ خود بھی شرمانے لگتا ہے۔ دوسری برکت یہ ہے

---

[1] (سنن ابی داؤد، جلد ۲ صفحہ ۸۵ باب فی الاستغفار، سنن ابن ماجہ، جلد ۲ صفحہ ۱۲۵۴، باب الاستغفار، مشکوۃ شریف جلد ۱ باب الاستغفار صفحہ ۲۰۴)

[2] (صحیح البخاری، باب القصد والمداومۃ علی العمل)

[3] (حاشیہ بیضاوی ص ۴۸)

[4] (اکفار الملحدین ص ۶۴ مکتبہ لدھیانوی)

کہ بعض وقت کوئی فعل مستحب حق تعالیٰ کو ایسا پسند آجاتا ہے کہ وہی نجات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

ایک حکایت : اسی طرح ایک بزرگ جاڑے کی رات میں چلے جارہے تھے، راستے میں ایک بلی کے بچے کو دیکھا کہ سردی کی وجہ سے ٹھٹھر رہا ہے۔ان کو اس پر رحم آگیا اور اسے اٹھا کر گھر لے آئے اور لحاف میں چھپالیا۔جب ان بزرگ کا انتقال ہوگیا تو ان سے سوال ہوا کہ بتلاؤ ہمارے واسطے کیا لائے ہو؟ انہوں نے سوچا کہ اعمال تو میرے کسی قابل نہیں ہیں، کہ ان کو پیش کردوں، لیکن الحمدللہ مجھے ایمان کی دولت حاصل ہے، اس میں ریاء وغیرہ بھی کچھ نہیں ہوسکتا، ایمان کو پیش کرنا چاہیئے۔اس لئے عرض کیا کہ ''میں توحید لایا ہوں''۔اس پر ارشاد ہوا :أتذکر لیلۃ اللبن۔ کیا دودھ والی رات بھی یاد ہے؟ تم نے ایک دن دودھ پینے کے بعد پیٹ میں درد ہوجانے پر کہا تھا کہ دودھ نے پیٹ میں درد کردیا۔کیا یہی توحید ہے؟ کہ درد کے فعل کو اس کی طرف منسوب کیا، ہم کو چھوڑ کر دودھ کو مؤثر قرار دیا۔حالانکہ مؤثر حقیقی تو ہم ہیں۔اب تو یہ بیچارے تھرّا اُٹھے، ارشاد ہوا تم نے اپنے دعوے کی حقیقت تو دیکھ لی، اب ہم تم کو ایسے عمل پر بخشتے ہیں جس کے متعلق تمہیں یہ وہم بھی نہ تھا کہ یہ موجبِ نجات ہوجائے گا۔تم نے ایک رات ایک بلی کے بچے پر جو سردی میں ٹھٹھر رہا تھا، رحم کھا کر اپنے لحاف میں سلایا تھا، تم نے ہماری مخلوق پر رحم کیا، ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم پر رحم کریں، جاؤ ہم نے تمہیں بخش دیا۔

سبحان اللہ! یہ ہیں مستحبات کی عنایات و برکات۔فقط واللہ اعلم بالصواب۔

ننگے سر نماز پڑھنے کی ممانعت:

حدیث مبارک میں ہے: **کان رسول اللہ ﷺ یامر بستر الرأس بالعمامۃ او القلنسوۃ وینھی عن کشف الرأس فی الصلوۃ**۔یعنی حضور پرنور ﷺ نماز میں عمامہ یا ٹوپی سے ستر سر کا حکم دیا کرتے تھے اور نماز میں سر ننگا کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔[1]

علامہ برہان الدین محمود بن احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۶۱۶ھ) فرماتے ہیں۔**وکان یروی أنہ لو صلی مکشوف الرأس ،وھو یجد ما یستر بہ الرأس اِن کان تھاوناً بالصلاۃ یکرہ** ۔یعنی مروی ہے کہ اگر کسی نے سر ڈھانپنے والی چیز کے میسر آنے کے باوجود ننگے سر نماز پڑھی اگر یہ سستی اور لاپروائی کی وجہ سے ہے تو نماز مکروہ ہوگی۔[2]

علامہ شمس الدین تمرتاشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: **وصلاتہ حاسرا رأسہ للتکاسل**۔یعنی ننگے سر نماز پڑھنا سستی کی وجہ سے ہو تو مکروہ ہے۔[3]

بحر الرائق میں ہے: **وکذا مکشوف الرأس للتھاون والتکاسل**۔یعنی ایسے ہی لاپروائی اور سستی کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے۔[4]

مراقی الفلاح میں ہے۔**تکرہ وھو ''مکشوف الرأس'' تکاسلاً لترک الوقار**۔یعنی سستی کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں ترک وقار ہے۔[5]

بعض فقہائے کرام نے ننگے سر نماز پڑھنے کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔اگر سستی کی وجہ سے ہو تو مکروہ ہے اور معاذ اللہ تعالیٰ نماز کو بے قدر اور ہلکا سمجھ کر ہو تو کفر اور بہ نیت تواضع و عاجزی ہو تو جائز ہے۔عمدۃ المتأخرین علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

---

[1] (کشف الغمہ ج ۱ ص ۸۵)

[2] (محیط برھانی الفصل الرابع فی الصلاۃ ج ۵ ص ۳۱۰ دار الکتب العلمیہ بیروت)

[3] (تنویر الابصار مع رد المحتار کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ ج ۱ ص ۶۴۱ دار الفکر بیروت)

[4] (بحر الرائق تغمیض عینیہ فی الصلاۃ، ج ۲ ص ۲۷ دار الکتب الاسلامی بیروت)

[5] (مراقی الفلاح فصل فی المکروھات ج ۱ ص ۳۵۹ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(وصلاته حاسراً)أی کاشفاً(رأسه للتکاسل)لابأس به للتذلل واماللاهانةبهافکفر۔یعنی ننگےسرنماز پڑھنا سستی کی وجہ سے ہوتو مکروہ ہےاورتواضع وعاجزی کےطور پرہوتو کوئی حرج نہیں اورنماز کی اہانت کےطور پرہوتو کفر ہے۔[1]

ننگےسر رہنا انسانی حیاءوشرافت کےخلاف اورمکروہ:

جان لوکہ ٹوپی اورعمامہ شریف پہننا انبیاءعلیہم السلام اورصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اوراولیاءعظام رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کاطریقہ ہےاورانہوں نےہمیشہ سرڈھانپنے کیلئے ٹوپی اورعمامہ شریف کااہتمام کیااور بلاعذر ننگے سر رہنے کی عادت نہیں اپنائی تواس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ ننگے سر پھرنےاور رہنے سہنے کی عادت اسلامی بلکہ انسانی حیاءوشرافت کےبھی خلاف ہےاورانسانی حیاءکامنبع سر ہے،اسی لئے نبی اکرم ﷺ ہمیشہ سرڈھانک کررکھتے تھے۔ننگےسر رہنے کی عادت انسانی حیاءوغیرت اورانسانی شرافت اوروقارکےخلاف ہونےکی وجہ سے متعددفقہائے کرام نےایسےشخص کی گواہی کومخدوش قراردیاہے۔

اورجیساکہ دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ہے :لَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ مُرْتَكِبِ الْأَفْعَالِ الْمُخِلَّةِ بِالْمُرُوءَةِ بِاتِّفَاقِ الْأَئِمَّةِ وَلَوْ كَانَتْ تِلْكَ الْأَفْعَالُ غَيْرَ مُحَرَّمَةٍ كَالسَّيْرِ فِي الطُّرُقِ وَمَجَامِعِ النَّاسِ بِالْقَمِيصِ فَقَطْ وَمَدِّ الرِّجْلَيْنِ عِنْدَ النَّاسِ وَكَشْفِ الرَّأْسِ فِي الْمَوَاضِعِ الَّتِي يُعَدُّ كَشْفُ الرَّأْسِ فِيهَا مُخَالِفًا لِلْعَادَةِ وَإِسَاءَةِ الْأَدَبِ.یعنی ایسےکاموں کےکرنےوالےکی گواہی قبول نہیں کی جائےگی جوحیاءاورغیرت کےخلاف ہواس پرتمام آئمہ کااتفاق ہےکہ اگرچہ وہ کام حرام نہ ہوجیساکہ راستہ میں اورلوگوں کےمجمع میں صرف قمیص پہن کرپھرنااورلوگوں کےسامنے پیر پھیلانااورایسےمواضع میں ننگےسر رہنا کی عادت کےخلاف اوربری عادت میں شمارکیاجاتاہو۔[2]

اس سےسورج کی طرح معلوم ہواکہ لوگوں کےسامنے ننگےسر رہنااگرچہ فی نفسہ حرام کام نہیں ہےلیکن انسانی شرافت وتہذیب اورحیاءوغیرت کےتقاضوں کےخلاف ہےاورعام حالات میں ایسےشخص کی گواہی کوبھی فقہائے کرام نےقبول نہیں کیاکیونکہ اس عادت کےمرتکب انسان کےسچ بولنے پراطمینان نہیں کیاجاسکتااورصحیح مسلم کےمشہورشارح اورعظیم محدث امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نےاس مسئلہ پرمزیدمدلل کلام فرمایاہے چنانچہ فرماتےہیں۔ولا تقبل شهادة من لا مروءة له كالقوال والرقاص ومن يأكل في الاسواق ويمشي مكشوف الرأس في موضع لا عادة له في كشف الرأس فيه لان المروءة هي الانسانية، وهي مشتقة من المرء، ومن ترك الانسانية لم يؤمن أن يشهد بالزور، ولان من لا يستحيي من الناس في ترك المروءة لم يبال بما يصنع، والدليل عليه ما رَوَى أَبُو مَسْعُودٍ الْبَدْرِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ (ان مما أدرك الناس من كلام النبوة الاولى إذا لم تستحي فاصنع ماشئت)

ترجمہ:جس کوانسانی غیرت وحیاءنہ ہواس کی گواہی قبول نہیں کی جائےگی جیساکہ قوال اورناچنےوالااورجوبازاروں میں کھاتاپھرتاہواورجوایسےموقعوں میں ننگےسر پھرتاہوجہاں عادتاًننگےسر نہ رہاجاتاہواس لئےکہ حیاءاورغیرت ہی اصل انسانیت ہےاورانسانیت مروءسےنکلی ہےیعنی عربی میں انسان کومروءکہتےہیں اورمروءکےمعنی حیاءاورغیرت کےہیں جس سےمعلوم ہواکہ انسان کوحیاءوغیرت کی وجہ سےہی انسان کہاجاتاہےاورجس نےانسانیت کوچھوڑدیااس پرجھوٹی سےاطمینانہیں کیاجاسکتااورایک دلیل یہ بھی ہےکہ جولوگوں سےحیاءنہیں کرتاانسانیت کےچھوڑنےمیں تووہ اپنی حرکات کی کوئی پرواہ نہیں کرتااوراس کی دلیل وہ ہےجوابومسعودبدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

---

[1] (ردالمحتارعلی الدرالمختار،کتاب الصلوۃ،باب مایفسدالصلوۃ ومایکروہ ج ا ص ۶۴۱ دارالفکربیروت)

[2] (ص ۳۶۰ ج ۴)

روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں نے پہلے نبوت کے کلام میں سے جو چیزیں حاصل کیں وہ یہ ہیں جب آپ کو حیاء نہ رہے تو جو چاہے کرے۔[1]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الرَّقِّيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ، عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ يَحْيَى، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :إِنَّ لِكُلِّ دِينٍ خُلُقًا، وَخُلُقُ الْإِسْلَامِ الْحَيَاءُ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر ایک دین کی ایک مخصوص خصلت ہوتی ہے اور اسلام کی خصوصی خصلت حیاء ہے۔[2]

قَالَ :سَمِعْتُ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ، قَالَ :قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :الْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ حیاء صرف خیر (اور بھلائی) ہی کو لاتی ہے۔ (شر کو نہیں لاتی)[3]

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا الْإِيمَانُ بِضْعٌ وَسِتُّونَ شُعْبَةً، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان کی ساٹھ سے کچھ اوپر شاخیں ہیں اور حیاء (شرم) بھی ایمان کی ایک شاخ ہے۔[4]

بہر حال ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے نبی ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سب کے سب نماز اور غیر نماز میں ٹوپی کے ساتھ عمامہ سر پر پہننے کا اہتمام کرتے تھے اور آج کل کی طرح ننگے سر نہیں رہتے تھے۔[5]

مصطفےٰ ﷺ کو رب کریم نے خلقت میں اول النبیین کا خطاب عطا فرمایا:

وجعلتك أول النَّبِيين خلقا وَآخرهمْ بعثاً۔ ''اور میں نے آپ ﷺ کو یارسول اللہ ﷺ پیدائش میں سب انبیاء علیہم السلام سے اول پیدا فرمایا اور ان کے آخر میں مبعوث فرمایا۔''[6]

حَدَّثَنَا أَبُو هَمَّامٍ الْوَلِيدُ بْنُ شُجَاعِ بْنِ الْوَلِيدِ الْبَغْدَادِيُّ قَالَ :حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ، عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ :قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ مَتَى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ؟ قَالَ» :وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ۔

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ کیلئے کب نبوت واجب ہوئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا جس وقت آدم علیہ السلام جسم اور روح کے درمیان تھے۔[7]

نوری حوروں سے اولاد کا ہونا:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ قَالَ :حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ قَالَ :حَدَّثَنَا أَبِي، عَنْ عَامِرٍ الْأَحْوَلِ، عَنْ أَبِي الصِّدِّيقِ النَّاجِيِّ، عَنْ أَبِي

---

[1] (المجموع شرح المہذب ج ۲۰ ص ۲۲۷ دار الفکر)

[2] (ابن ماجہ رقم الحدیث ۴۱۸۱ کتاب الزہد باب الحیاء، ترمذی رقم الحدیث ۱۹۷۴)

[3] (صحیح بخاری رقم الحدیث ۶۱۱۷)

[4] (صحیح بخاری رقم الحدیث ۹)

[5] (ٹوپی کی شرعی حیثیت ص ۱۴۳)

[6] (تفسیر درمنثور ج ۵ ص ۲۰۳، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۱۷۵، تفسیر ابن جریر ج ۸ ص ۱۵)

[7] (ترمذی ج ۲ ص ۲۰۱ مشکوۃ شریف ص ۵۱۳)

سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» :الْمُؤْمِنُ إِذَا اشْتَهَى الْوَلَدَ فِي الْجَنَّةِ، كَانَ حَمْلُهُ وَوَضْعُهُ وَسِنُّهُ فِي سَاعَةٍ وَاحِدَةٍ، كَمَا يَشْتَهِي۔

حضرت سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ مومن جنت میں جب اولاد کی خواہش کرے گا اس کا حمل بھی ہوگا اور وضع حمل بھی ہوگا جیسا کہ خواہش کرے گا اور فوراً اس کی عمر بھی بڑی ہو جائے گی۔[1]

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَزِيدَ، وَالْقَوَارِيرِيُّ، عَنْ مُعَاذِ بْنِ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَامِرٍ الْأَحْوَلِ، عَنْ أَبِي الصِّدِّيقِ النَّاجِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ» :إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا اشْتَهَى الْوَلَدَ فِي الْجَنَّةِ، كَانَ حَمْلُهُ وَوَضْعُهُ وَسِنُّهُ فِي سَاعَةٍ كَمَا اشْتَهَى۔[2]

قبلے کی طرف تھوکنے والا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کو تکلیف دینا چاہتا ہے اور ایسے آدمی کے پیچھے نماز نہ پڑھنا چاہیئے:

حدیث مبارکہ میں ہے کہ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، عَنْ بَكْرِ بْنِ سَوَادَةَ الْجُذَامِيِّ، عَنْ صَالِحِ بْنِ خَيْوَانَ، عَنْ أَبِي سَهْلَةَ السَّائِبِ بْنِ خَلَّادٍ - قَالَ أَحْمَدُ :مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنَّ رَجُلًا أَمَّ قَوْمًا، فَبَصَقَ فِي الْقِبْلَةِ، وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ فَرَغَ» :لَا يُصَلِّي لَكُمْ«، فَأَرَادَ بَعْدَ ذَلِكَ أَنْ يُصَلِّيَ لَهُمْ فَمَنَعُوهُ وَأَخْبَرُوهُ بِقَوْلِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ» :نَعَمْ«، وَحَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ» :إِنَّكَ آذَيْتَ اللهَ وَرَسُولَهُ۔

روایت ہے حضرت سائب ابن خلاد سے وہ حضور انور ﷺ کے صحابہ میں سے ایک ہیں فرمایا ایک شخص نے قوم کی امامت کی، قبلے کی طرف تھوک دیا حضور انور ﷺ دیکھ رہے تھے تب نبی کریم ﷺ نے فراغت پر اس کی قوم سے فرمایا کہ آئندہ یہ تمہیں نماز نہ پڑھائے اس کے بعد اس نے نماز پڑھانی چاہی لوگوں نے روک دیا اور حضور انور ﷺ کے فرمان سے آگاہ کیا، اس نے یہ واقعہ نبی کریم ﷺ سے عرض کیا فرمایا ہاں۔ مجھے خیال ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ تو نے اللہ رسول ﷺ کو ستایا۔[3]

حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا جَرِيرٌ عَنِ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ زِرِّ بْنِ حُبَيْشٍ عَنْ حُذَيْفَةَ أَظُنُّهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَفَلَ تُجَاهَ الْقِبْلَةِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَفْلُهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ (واستدل بهذا على احترام جهة القبلة[4]) وَمَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الْبُقْلَةِ الْخَبِيثَةِ (فيه دلالة على ان الخبيث قد يطلق ويراد ما ليس بحرام بل المراد به المكروه الطبعي او الكريهة الرائحة وغيره[5]) فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا ثَلَاثًا (اى قاله ثلاث مرات تاكيداً وليس المراد انه ﷺ نهى عن قربان المسجد ثلاثا[6])۔

عثمان بن ابی شیبہ، جریر، عدی بن ثابت، زر بن حبیش، حذیفہ سے روایت ہے زر بن حبیش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت

---

[1] (ابن ماجہ باب صفۃ الجنۃ ص ۳۳۲)

[2] (سنن دارمی ص ۳۸۲)

[3] (ابوداؤد) (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۳۰ باب کراھیۃ البزاق فی المسجد)

[4] بذل المجھود فی حل ابی داود ج ۵ ص ۳۶۳

[5] بذل المجھود فی حل ابی داود ج ۵ ص ۳۶۴

[6] بذل المجھود فی حل ابی داود ج ۵ ص ۳۶۴

حذیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے قبلہ رخ تھوک دیا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا تھوک اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان (پیشانی پر) ہوگا اور جو شخص اس گندی سبزی (لہسن یا پیاز) کو کھائے تو وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے تین مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔[1]

اور اسی طرح قبلے اور قرآن شریف کی طرف پاؤں پھیلانا ناجائز ہے:

قال أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (المتوفى 616 :هـ)

ويكره مد الرجلين إلى القبلة في النوم وغيره عمداً، وكذلك يكره مد الرجلين إلى المصحف، وإلى كتب الفقه لما فيه من ترك تعظيم جهة القبلة، وكلام الله تعالى، ومعاني كلام الله تعالى۔[2]

قال أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى 855 :هـ)

ويكره مد الرجلين إلى القبلة في النوم وغيره، وكذا إلى المصحف وكتب الفقه.[3]

قال صدر الدين عليّ بن عليّ ابن أبي العز الحنفي (المتوفى 792هـ)

أن مد الرجلين إلى الشيء فيه إهانة له، ولهذا يكره أن يمد رجليه إلى الكعبة في غير الصلاة حالة العذر والى المصحف، ومد الرجلين إلى الرجل الكبير المعظم يعد من قلة الأدب.[4]

وقال العلامة الشامى رحمة الله تعالىٰ عليه

(وكذا مد رجله) هى كراهة تنزيهية لكن قال الرحمتى سيأتى فى كتاب الشهادات (مطلب إدامة مد الرجل جهة القبلة تردبه الشهادة) (وهذا يقتضى التحريم فليحرر) ماسيأتى محمول على ما إذا اعتاد مد الرجل إليها فلا تقبل شهادته لأن الصغيرة تكون كبيرة بالمداومة۔[5]

وقال الشيخ فريد الدين العطار قدس سره

نقل أنه سمع رجلا قد اشتهر بالولاية، وكان رجلا يقصده الناس، مشهوراً بالزهد، فمضى إليه أبو يزيد، فخرج الرجل من بيته، وقصد المسجد، ورمى بزاقة تجاه القبلة، فانصرف أبو يزيد، ولم يسلم عليه، وقال هذا غير مأمون على أدب من آداب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، فكيف يكون مأموناً على ما يدعيه؟[6]

نوری ملائکہ کا زیارت اور تعظیم قبر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرنا:

قَالَ إِسْمَاعِيلُ الْقَاضِي :حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، حَدَّثَنَا ابْنُ لَهِيعة، حَدَّثَنِي خَالِدِ بْنِ يَزِيد، عَنْ

---

[1] (سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۳۸۰۷)

[2] (المحيط البرهاني في الفقه النعماني فقه الإمام أبي حنيفة رضي الله عنه ج۵ ص ۳۲۱ دار الكتب العلمية، بيروت - لبنان

[3] (البناية شرح الهداية ج۲ ص ۴۶۸ دار الكتب العلمية - بيروت، لبنان)

[4] (التنبيه على مشكلات الهداية ج۲ ص ۷۱۷ مكتبة الرشد)

[5] (رد المحتار على در المختار ص ۲۵۱ ج ۱، تقريرات الرافعى حاشية ابن عابدين المعروف بالشامى ج۷ ص ۴۲ مكتبة حقانية)

[6] (تذكرة الاولياء ص ۱۶۹ دار الكتب العلمية)

سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِلَالٍ، عَنْ نُبَيه بْنِ وَهْبٍ، أَنَّ كَعْبًا دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ، رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، فَذَكَرُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَعْبٌ :مَا مِنْ فَجْرٍ يَطْلُعُ إِلَّا نَزَلَ سَبْعُونَ أَلْفًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ حَتَّى يَحُفُّوا بِالْقَبْرِ يَضْرِبُونَ بِأَجْنِحَتِهِمْ وَيُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، سَبْعُونَ أَلْفًا بِاللَّيْلِ، وَسَبْعُونَ أَلْفًا بِالنَّهَارِ، حَتَّى إِذَا انْشَقَّتْ عَنْهُ الْأَرْضُ خَرَجَ فِي سَبْعِينَ أَلْفًا مِنَ الْمَلَائِكَةِ يَزُفُّونَهُ ۔(وفی روایۃ یوقرونہ)[1]

شرعی فتویٰ یا ایک عالم کی کتاب کو زمین پر پھینکنا کفر ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے کہ رَجُلٌ عَرَضَ عَلَيْهِ خَصْمُهُ فَتْوَى الْأَئِمَّةِ، فَرَدَّهَا، وَقَالَ :جه بَارْ نَامَهْ فَتْوَى آورده قِيلَ يَكْفُرُ، لِأَنَّهُ رَدَّ حُكْمَ الشَّرْعِ، وَكَذَا لَوْ لَمْ يَقُلْ شَيْئًا لَكِنْ أَلْقَى الْفَتْوَى عَلَى الْأَرْضِ، وَقَالَ أَيْنَ جه شرع است كَفَرَ.[2]

وفی تتمۃ الفتاوی من استخف بالقرآن او بالمسجد او بنحوہ مما یعظم فی الشرع کفر۔

شرعی فتویٰ کو نجس کہنا کفر ہے۔[3]

---

[1](تفسیر ابن کثیر ج۳ص ۵۱۸ تحت ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی مکتبۃ دار الفکر ومکتبۃ عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، الحبائك في أخبار الملائك ج ۱ ص ۱۳۲، مسند الدارمي المعروف بـ(سنن الدارمي) ج ۱ ص ۵۷ قدیمی کتب خانہ کراچی ومکتبۃ عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، العظمة ج۳ص ۱۰۱۸ دار العاصمة - الرياض، حلية الأولياء وطبقات الأصفياء ج۵ص ۴۲۶ دار الكتب العلمية ومكتبة عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، شعب الإيمان ج۶ ص ۵۵ مکتبۃ الرشد ومکتبۃ عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، فضل الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم ج ۱ ص ۸۵ المكتب الإسلامي - بيروت، الرد على من يقول القرآن مخلوق ج ۱ ص ۶۳ مكتبة الصحابة الإسلامية - الكويت، الدرة الثمينة في أخبار المدينة ج ۱ ص ۱۵۷ شركة دار الأرقم بن أبي الأرقم، إتحاف الزائر وإطراف المقيم للسائر في زيارة النبي صلى الله عليه وسلم ج ۱ ص ۲۹ شركة دار الأرقم بن أبي الأرقم، مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ج ۱۱ ص ۲۳۵ مکتبہ امدادیہ ومکتبۃ عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، شرح الطيبي على مشكاة المصابيح المسمى بـ(الكاشف عن حقائق السنن) ج۱۲ ص ۳۸۱۳ مكتبة نزار مصطفى الباز ومكتبة عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد ج ۱ ص ۴۱۰ مكتبة ابن كثير، الكويت - دار ابن حزم، بيروت ومكتبة عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، مشكاة المصابيح ج۳ص ۱۶۷۸ المكتب الإسلامي - بيروت ومكتبة عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، القَولُ البَدِيعُ في الصَّلاةِ عَلَى الحَبِيبِ الشَّفِيعِ ج ۱ ص ۶۰ دار الريان للتراث، فتاوى الشبكة الإسلامية ج۳ص ۱۴۰۱، جلاء الأفهام في فضل الصلاة على محمد خير الأنام ج ۱ ص ۱۳۵ دار العروبة - الكويت ومكتبة عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، إحياء علوم الدين ج۴ص ۴۹۱ دار المعرفة - بيروت ومكتبة عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، التذكرة بأحوال الموتى وأمور الآخرة ج ۱ ص ۴۹۹ مكتبة دار المنهاج للنشر والتوزيع ومكتبة عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، موسوعة الرقائق والأدب ج ۱ ص ۴۵۵۸، سلوة الكئيب بوفاة الحبيب صلى الله عليه وسلم ج ۱ ص ۱۸۲ دار البحوث للدراسات الإسلامية - الإمارات، بهجة المحافل وبغية الأماثل في تلخيص المعجزات والسير والشمائل ج۲ص ۱۲۸ دار صادر - بيروت، المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ج۲ ص ۳۹۶ المكتبة التوفيقية، القاهرة - مصر ومكتبة عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، شرح الشفا ج ۱ ص ۱۵۶ دار الكتب العلمية - بيروت ومكتبة عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ج۷ص ۳۷۹ دار الكتب العلمية ومكتبة عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما، شفاء الغرام بأخبار البلد الحرام ج۲ ص ۴۶۱ دار الكتب العلمية، خلاصة الوفا بأخبار دار المصطفى ج۲ ص ۱۴۶، مثير العزم الساكن إلى أشرف الأماكن ج۲ ص ۲۹۷ دار الراية، وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفى ج۲ ص ۱۲۲ دار الكتب العلمية - بيروت ومكتبة عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

[2](الفتاوی الہندیۃ ج۲ص ۲۷۲ مکتبہ رشیدیہ، خلاصۃ الفتاوی ج۲ص ۵۶۵، فصولین ص ۲۲۲)

[3](شرح فقہ اکبر ج۱ص ۲۰۱)

ولو استعمل نجاسة بقصد الاستخفاف فكذلک۔[1]

علمائے حقانی کو گالی دینا کفر ہے۔

سب العلماء والاولیاء علی وجه الاهانة والاستخفاف کفر انتهیٰ۔ کما قال صاحب التکملة۔[2]

وفی بحر الرائق ومن ابغض عالما من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر ولو صغر الفقیه او العلوی قاصدا الاستخفاف بالدین کفر۔[3]

وفی عالمگیری وفی النصاب من ابغض عالما من غیر سبب ظاهر خیف علیه الکفر۔

وَيُخَافُ عَلَيْهِ الْكُفْرُ إِذَا شَتَمَ عَالِمًا، أَوْ فَقِيهًا مِنْ غَيْرِ سَبَبٍ، وَيَكْفُرُ بِقَوْلِهِ لِعَالِمٍ ذَكَرَ الْحِمَارِ فِي اسْتِ عِلْمِكَ يُرِيدُ عِلْمَ الدِّينِ كَذَا فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ۔[4]

قال فی الاشباه الِاسْتِهْزَاءُ بِالْعِلْمِ وَالْعُلَمَاءِ كُفْرٌ۔[5]

وعن مجموع النوازل اهانة علماء الدین کفر وعن المحیط ان شتم عالما فقد کفر وتطلق إمرأته الاستخفاف بالعلماء کفر لکونه استخفافا بالعلم والعلم صفة الله تعالیٰ۔[6]

ایک شخص نے کسی بڑے عالم وفقیہ کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کیے تو اس فقیہ نے حضرت شیخ الامام ابی بکر محمد بن فضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں پیش ہو کر شکایت کی تو حضرت شیخ صاحب نے اس شخص کو قتل کرنے کا حکم فرمایا۔ یہ واقعہ محیط، عالمگیری اور فقہ اکبر ص ۲۱۱ میں نقل کیا۔

ہم انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کو مظہر عون الٰہی یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد ونصرت کا وسیلہ وذریعہ مانتے ہیں

تفسیر روح البیان میں ہے۔

وهذا بخلاف التوجه الی روحانیة الأنبیاء والأولیاء وان کانوا مخلوقین فان الاستمداد منهم والتوسل بهم والانتساب إلیهم من حیث انهم مظاهر الحق ومجالی أنواره ومرائی کمالاته وشفعاؤه فی الأمور الظاهرة والباطنة له غایات جلیلة ولیس ذلك بشرك أصلا بل هو عین التوحید۔

ترجمہ: نبیوں ولیوں کی روحانیت کی طرف متوجہ ہونا اگرچہ یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی ہی مخلوق ہیں ان سے مدد مانگنا ان کو وسیلہ بنانا ان کی طرف اپنے کو منسوب کرنا یہ جان کر کہ یہ مظہر عون الٰہی ہیں یہ ہرگز شرک نہیں بلکہ یہ عون توحید ہے۔[7]

---

[1] (زاد اللبیب ص ۱۴۳، فتاویٰ نور الهدیٰ ۴۹۸)

[2] (ص ۱۱۶ ج ۱)

[3] (ص ۱۲۴)

[4] (فتاویٰ الهندیة ج ۲ ص ۲۷۰)

[5] (الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ عَلَى مَذْهَبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ ج ۱ ص ۱۶۰ دار الکتب العلمیة، بیروت - لبنان)

[6] (ص ۱۷۸)

[7] (ج ۳ ص ۲۹۶)

امام الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام تمام مخلوقات کیلئے رحمت ہیں:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿الانبیاء ۱۰۷﴾ اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روح المعانی میں فرماتے ہیں۔

والذي أختاره أنه صلّى الله عليه وسلّم إنما بعث رحمة لكل فرد فرد من العالمين ملائكتهم وإنسهم وجنهم ولا فرق بين المؤمن والكافر من الانس والجن في ذلك۔ یعنی میں کہتا ہوں کہ رسول اکرم ﷺ سب جہانوں کیلئے (پہلوں پچھلوں، مومنوں، کافروں، انسانوں، جنوں، فرشتوں) کے ہر ہر فرد کیلئے رحمت بن کر تشریف لائے ہیں۔ [1]

عمل المشائخ یکفی سنداً:

جميع ما ابتدع من السنة الحسنة على طريق القربة الى الله تعالى داخل في الشريعة التي جاءت بها الرسل عن امر الله قال تعالى ورهبانية إلخ فأقرهم تعالى عليها ولم يعب عليهم فعلها انما عاب عليهم عدم رعايتهم لها في دوام العمل فقط وخلع عليها اسم البدعة في حقهم بخلاف هذه الامة خلع على ما استحسنوه اسم السنة تشريفا لهم كما قال عليه السلام من سن سنة حسنة وما قال من ابتدع بدعة حسنة فافهم فاجاز لنا ابتداع ما هو حسن وسماه سنة وجعل فيه اجرا لمن ابتدعه ولمن عمل به واخبر أن العابد لله تعالى بما يعطيه نظره إذا لم يكن على شرع من الله معين انه يحشر امة وحده بغير امام يتبعه كما قال تعالى في ابراهيم ان ابراهيم كان امة قانتا لله وذلك لنظره في الأدلة قبل أن يوحى اليه وقال عليه السلام بعثت لاتمم مكارم الأخلاق فمن كان عليها فهو على شرع من ربه وان لم يعلم وقال بعضهم جميع ما ابتدعه العلماء والعارفون مما لم تصرح الشريعة بالأمر به لا يكون بدعة الا ان خالف صريح السنة فان لم يخالفها فهو محمود۔ [2]

على أن عمل المشايخ يكفي سندا فانهم ذووا الجناحين وقد أفردت لهذا الباب جزأ واحدا شافيا۔ [3]

ولولا انه عليه السلام فتح لامته باب الاستنان ما اجترأ أحد منهم على أن يزيد حكما ولا وضعا ففي الصحيح من سن سنة حسنة فله أجرها وأجر من عمل بها۔ [4]

قبور اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے قریب دعائیں قبول ہوتی ہیں:

وللدعاء أماكن يظن فيها الاجابة مثلا عند رؤية الكعبة والمساجد الثلاثة وبين الجلالتين من سورة الانعام وفي الطواف وعند الملتزم وفي البيت وعند زمزم وعند شرب مائه وعلى الصفا والمروة وفي السعي وخلف المقام وفي عرفات والمزدلفة ومنى وعند الجمرات الثلاث وعند قبور الأنبياء عليهم السلام وقيل لا يصح قبر نبي بعينه سوى قبر نبينا عليه الصلاة والسلام وقبر ابراهيم عليه السلام داخل السور من غير تعيين وجرب استجابة الدعاء عند قبور الصالحين بشروط معروفة عند أهلها اللهم

---

[1] (ج ۹ ص ۱۰۰ تحت الآیۃ الانبیاء ۱۰۷)

[2] (روح البیان ج ۹ ص ۳۸۴ الحدید ۲۶ الی ۲۹)

[3] (روح البیان ج ۹ ص ۱۴۲ ق ۴۱-۴۵)

[4] (روح البیان ج ۹ ص ۳۸۵ حدید ۲۸)

أفض علينا من بركات الصالحين۔[1]

شہید کی قبر سے نور کا ظہور:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو الرَّازِيُّ، حَدَّثَنَا سَلَمَةُ يَعْنِي ابْنَ الْفَضْلِ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْحَاقَ، حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ رُومَانَ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ» :لَمَّا مَاتَ النَّجَاشِيُّ كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّهُ لَا يَزَالُ يُرَى عَلَى قَبْرِهِ نُور۔

ام المؤمنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ جب نجاشی شہید ہوئے ہم گفتگو کرتے تھے ہمیشہ اس کی قبر سے نور دیکھا جاتا تھا۔[2]

حضرت سیدتنا فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حیض ونفاس سے مبراء تھیں

أحمد بن عثمان بن إبراهيم أبو بكر البغدادي الغلفي حدث بدمشق عن محمد بن عبد الملك الدقيقي وعبد الله بن محمد بن أبي الدنيا روى عنه أبو بكر محمد بن سليمان البندار أخبرنا أبو الحسين عبد الرحمن بن عبد الله بن أبي الحديد أنا جدي أبو عبد الله الحسن بن أحمد أنا أبو المعمر المسدد بن علي بن عبد الله بن العباس بن بكار نا عبد الله بن المثنى الأنصاري عن عمه ثمامة بن عبد الله بن أنس بن مالك عن أمه أم سليم قالت لم ير لفاطمة رضي الله عنها دم في حيض ولا نفاس۔

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدہ حضرت ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے حضرت سیدتنا فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حیض ونفاس کا خون نہیں دیکھا۔[3]

والدین کیلئے تعظیماً کھڑا ہونا:

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ سَعِيدٍ الْهَمْدَانِيُّ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ :حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ الْحَارِثِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ السَّائِبِ، حَدَّثَهُ أَنَّهُ بَلَغَهُ »أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ جَالِسًا فَأَقْبَلَ أَبَوهُ مِنَ الرَّضَاعَةِ، فَوَضَعَ لَهُ بَعْضَ ثَوْبِهِ، فَقَعَدَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَقْبَلَتْ أُمُّهُ مِنَ الرَّضَاعَةِ فَوَضَعَ لَهَا شِقَّ ثَوْبِهِ مِنْ جَانِبِهِ الْآخَرِ، فَجَلَسَتْ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَقْبَلَ أَخُوهُ مِنَ الرَّضَاعَةِ، فَقَامَ لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَجْلَسَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ۔

احمد بن سعید ہمدانی، ابن وہب، عمرو بن حارث، عمر بن السائب کہتے ہیں کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے کہ سامنے آپ ﷺ کے رضاعی والد آگئے آپ ﷺ نے ان کے لئے اپنا کوئی کپڑا بچھایا وہ اس پر بیٹھ گئے پھر آپ ﷺ کی رضاعی والدہ آئیں تو آپ ﷺ نے ان کے لئے اپنے کپڑے کا دوسرا کونہ بچھایا تو اس پر بیٹھ گئیں پھر آپ ﷺ کے رضاعی بھائی تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لئے کھڑے ہو گئے اور انہیں اپنے پاس بٹھایا۔[4]

اس حدیث مبارکہ سے حضور ﷺ مبارک کا تعظیماً کھڑے ہونا بھی ثابت ہے اس لئے والدین بطریق اولیٰ اکرام کے مستحق ہیں

---

[1] (روح البیان ج ۱ ص ۲۹۸ البقرۃ ۱۸۶)

[2] (سنن ابی داؤد ص ۳۴۹ ج ۱)

[3] (تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۵ ص ۵)

[4] (سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۵۱۴۵)

اور حضور نبی اکرم ﷺ کا قیام کرنا ان کی خاطر جگہ بنانے کیلئے بھی تھا اس میں نفی قیام کی کوئی صراحت نہیں اور جواز کا پہلو نکلتا ہے۔

❁أخرج الطَّبَرَانِيّ فِي المعجم الصَّغِير وَالْحَاكِم وَأَبُو نعيم وَالْبَيْهَقِيّ فِي الدَّلَائِل وَابْن عَسَاكِر عَن عمر بن الْخطاب قَالَ قَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم :لما أذْنب آدم بالذنب الَّذِي أذنبه رفع رَأسه إِلَى السَّمَاء فَقَالَ :أَسأَلك بِحق مُحَمَّد إِلَّا غفرت لي فَأوحى الله إِلَيْهِ :وَمن مُحَمَّد فَقَالَ :تبَارك اسْمك

لما خلقتني رفعت رَأْسِي إِلَى عرشك فَإِذا فِيهِ مَكْتُوب لَا إِلَه إِلَّا الله مُحَمَّد رَسُول الله فَعلمت أَنه لَيْسَ أحد أعظم عنْدك قدرا مِمَّن جعلت اسْمه مَعَ اسْمك

فَأوحى الله إِلَيْهِ :يَا آدم انه آخر النَّبِيين من ذريتك وَلَوْلَا هُوَ مَا خلقتك

وصال کے بعد اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کے مزارات کی طرف سفر:

❁ شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وقال الحاكم سمعت أبا علي النيسابوري يقول كنت في غم شديد فرأيت النبي صلى الله عليه وسلم في المنام كأنه يقول لي صر إلى قبر يحيى بن يحيى واستغفر وسل تقض حاجتك فأصبحت ففعلت ذلك فقضيت حاجتي.

امام حاکم نے کہا کہ میں نے ابوعلی نیشاپوری سے سنا کہ انہوں نے فرمایا میں ایک مرتبہ سخت غمگین تھا کہ میں نے خواب میں نبی کریم ﷺ کا دیدار کیا آپ ﷺ نے فرمایا کہ یحیی بن یحیی کی قبر پر جاؤ وہاں جا کر استغفار کرو اور سوال کر تیری حاجت پوری ہو جائے گی وہ فرماتے ہیں کہ جب صبح ہوئی تو میں نے یہ کام کیا یعنی ان کی قبر پر حاضری دی تو میری حاجت پوری ہوگئی۔[1]

❁اما قول بعض المغرورين باننا نخاف على العوام إذا اعتقدوا وليا من الأولياء وعظموا قبره ولتمسوا البركة والمعونة منه ان يدركهم اعتقاد أن الأولياء تؤثر في الوجود مع الله فيكفرون ويشركون بالله تعالى فتنهاهم عن ذلك ونهدم قبور الأولياء ونرفع البنايات الموضوعة عليها ونزيل الستور عنها ونجعل الاهانة للاولياء ظاهرا حتى تعلم العوام الجاهلون ان هؤلاء الأولياء لو كانوا مؤثرين في الوجود مع الله تعالى لدفعوا عن أنفسهم هذه الاهانة التي نفعلها معهم فاعلم ان هذا الصنيع كفر صراح مأخوذ من قول فرعون على ما حكاه الله تعالى لنا في كتابه القديم وقال فرعون ذرونى اقتل موسى وليدع ربه انى أخاف ان يبدل دينكم او ان يظهر في الأرض الفساد وكيف يجوز هذا الصنيع من أجل الأمر الموهوم وهو خوف الضلال على العامة انتهى۔[2]

❁وعن ابى العالية قال لما رست سفينة نوح عليه السلام إذا هو بإبليس على كوثل السفينة اى مؤخرها فقال له نوح ويلك قد غرق اهل الأرض من أجلك قد أهلكتهم قال له إبليس فما اصنع قال تتوب قال فسل ربك هل لى من توبة فدعا نوح ربه فاوحى الله تعالى اليه ان توبته ان يسجد لقبر آدم عليه السلام فقال له نوح قد جعلت لك قال وما هى قال تسجد لقبر آدم قال تركته حيا واسجد له ميتا وفيه اشارة الى ان السجدة لآدم وهو مقبور كالسجدة له وهو غير مقبور إذ الأنبياء عليهم السلام احياء عند ربهم وكذا كمل الأولياء قدس الله أسرارهم كما قال الصائب

مشو بمرگ زامداد اهل دل نومید... کہ خواب مردم آگاہ عین بیداریست

---

[1] (تهذيب التهذيب ص ۱۲۳ ج ۷، تاريخ الاسلام ص ۲۷۶ ج ۱۶)

[2] (روح البيان ج ۹ ص ۳۴ الفتح الآية ۱۸ وايضا فى جلد ثانى روح البيان)

والشيطان الرجيم غفل عن هذا فنكل عن قبول الحق الصريح ومثله من ينكر الأولياء او زيارة قبورهم والاستمداد منهم نسأل الله العصمة ونعوذ به من الخذلان۔[1]

❁وقد ورد في الحديث (إذا تحيرتم في الأمور فاستعينوا من اهل القبور) ذكره الكاشفي في الرسالة العلية وابن الكمال في الأربعين حديثا والمراد باهل القبور من مات بالاختيار قبل الموت بالاضطرار :قال الحافظ

مدد از خاطر رندان طلب ای دل وربنی... کار صعبست مبادا که خطایی بکنیم[2]

❁وَلِذَا قِيلَ :إِذَا تَحَيَّرْتُمْ فِي الْأُمُورِ فَاسْتَعِينُوا بِأَهْلِ الْقُبُورِ۔[3]

❁وببركات الأولياء يأتي المطر من السماء ويخرج النبات من الأرض وبدعائهم يندفع البلاء عن الخلق وان حياتهم ومماتهم سواء فانهم ماتوا عن أوصاف وجودهم بالاختيار قبل الموت بالاضطرار فهم احياء على كل حال ولذا قيل

مشو بمرگ زامداد اهل دل نومید... که خواب مردم آگاه عین بیداریست[4]

❁ولذا قيل :إذا تحيرتم في الأمور فاستعينوا من أصحاب القبور، إلا أنه ليس بحديث كما توهم ولذا اتفق الناس على زيارة مشاهد السلف والتوسل بهم إلى الله وإن أنكر. بعض الملاحدة في عصرنا، والمشتكي إليه هو الله.[5]

یعنی اس لئے کہا گیا کہ جب تم کاموں میں متحیر ہوتو تم مزارات اولیاء سے مدد مانگو مگر یہ حدیث نہیں ہے جیسا کہ بعضوں کو وہم ہوا اور اس لئے مزارات سلف صالحین کی زیارت اور انہیں اللہ جل جلالہ کی طرف وسیلہ بنانے پر مسلمانوں کا اتفاق ہے اگرچہ ہمارے زمانے میں بعض ملحد بے دین لوگ اس کے منکر ہوئے ہیں اور خدا ہی کی طرف ان کے فساد کی فریاد ہے۔

فاقول اگر یہ قول صحابی کا ہو جیسا کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا تابعی کا ہو جیسا کہ سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، پھر بھی حجت ہے کیونکہ وہ وجوب یا حرمت ثابت نہیں کرتے بلکہ نفس جواز ثابت کرتے ہیں اور کسی مجتہد نے اس سے انکار نہیں کیا ہے پھر حجت ہوگیا۔ بل ماجاء عن النبی ﷺ والصحابة والتابعين۔ یہ بھی حدیث ہے کیوں کہ حدیث عام ہے نبی کریم ﷺ کا قول ہو یا صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہو یا تابعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہو۔[6]

اگر حدیث نہ بھی ہو تو علماء کا قول تو ہے پھر بھی دلیل بن سکتا ہے۔

❁قال حجة الاسلام امام غزالی رحمة الله تعالیٰ علیه من یستمد فی حیاته یستمد بعد مماته۔[7]

❁صاحب العلم اذا خرج الى قرىٰ ليذكرهم فيجمعوا له شيئاً حكى عن ابى الليث الكبير رحمة الله تعالىٰ عليه أنه قال كنت افتأنه لايخرج الى القرىٰ ثم رجعت عن ذلك۔ یعنی عالم شخص جب دیہاتوں میں وعظ کیلئے جائے اور وہ اس کیلئے کچھ نذرانہ جمع کریں

---

[1](روح البیان ج۴ص۱۳۷ ھود الآیة ۴۴)

[2](روح البیان ج۵ص۳۸۰ طٰہٰ الآیة ۳۷-۱۳۳ الاسراء الآیة ۶۰)

[3](مرقاة المفاتیح شرح مشکاة المصابیح باب زیارة القبور ج۴ص۱۲۵۹)

[4](روح البیان ج۸ص۲۳۳ فصلت الآیة ۱۰)

[5](حَاشِيةُ الشِّهَابِ عَلَى تفْسِيرِ البَيضَاوِي، الْمُسَمَّاة :عِنَايةُ القَاضِي وكِفَايةُ الرَّاضِي عَلَى تفْسِيرِ البَيضَاوي ج۸ص۳۱۲ دار صادر-بیروت)

[6](مقدمہ مشکوۃ)

[7](لمعات ج۱ص۲۱۵ شرح بر حاشیة شرح مشکوة باب زیارة القبور ص۱۵۴ حاشیہ نمبر ۲)

تو اسے چاہیئے کہ وہ دیہات میں نہ جائے۔ یہ بات ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میں یہ فتویٰ دیا کرتا تھا پھر میں نے اس سے رجوع کر لیا۔[1]

❁ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے۔ قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالیٰ کنت افتیٰ انہ لا ینبغی ان یخرج العالم الی الرستأق فرجعت عن الکل تحرزا عن ضیاع القرآن و لحاجۃ الخلق و لجھل اھل الرستأق۔[2]

❁ (یا أصحابي لا تنسوا اموا تکم فی قبورھم خاصۃ فی شھر رمضان فان أرواحھم یأتون بیوتھم فینادی کل أحد منھم الف مرۃ من الرجال و النساء اعطفوا علینا بدرھم او برغیف او بکسرۃ خبز او بدعوۃ او بقراءۃ آیۃ او بکسوۃ کساکم اللہ من لباس الجنۃ)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے میرے صحابہ اپنے مردوں کو ان کی قبروں میں بھلا نہ دینا خصوصاً رمضان شریف کے مہینے میں کیونکہ ان کی روحیں اپنے اپنے گھروں میں آتی رہتی ہیں ان میں سے ہر ایک روح اپنے گھر والوں مردوں اور عورتوں کو ہزار مرتبہ پکارتی ہے کہ ہم پر مہربانی کرو (ایک درہم کا صدقہ) دے کر یا ایک روٹی صدقہ کر کے یا روٹی کا ایک ٹکڑا صدقہ کر کے یا دعا کر کے ہم پر مہربانی کرو یا ایک آیت پڑھ کر (اس کا ثواب ہمیں پہنچا کر یا ایک کپڑا دے ہم پر مہربانی کرو تمہیں اللہ تعالیٰ جنت کا لباس پہنائے)[3]

❁ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما اذا کان یوم عید او یوم جمعۃ او یوم عاشوراء و لیلۃ النصف من الشعبان تاتی ارواح الاموات و یقومون علٰی ابواب بیوتھم فیقولون ھل من احد یذکرنا ھل من احد یترحم علینا ھل من احد یذکر غربتنا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے جب عید یا جمعہ یا عاشورہ کا دن یا شب برات ہوتی ہے اموات کی روحیں آ کر اپنے گھروں کے دروازوں پر کھڑی ہوتی اور کہتی ہیں : ہے کوئی کہ ہمیں یاد کرے، ہے کوئی کہ ہم پر ترس کھائے، ہے کوئی کہ ہماری غربت کی یاد دلائے۔[4]

❁ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ :"إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً فَضْلًا سِوَى الْحَفَظَةِ يَكْتُبُونَ مَا سَقَطَ مِنْ وَرَقِ الشَّجَرِ، فَإِذَا أَصَابَتْ أَحَدَكُمْ عَرْجَةٌ فِي سَفَرٍ فَلْيُنَادِ :أَعِينُوا عِبَادَ اللَّهِ رَحِمَكُمُ اللَّهُ"

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ جل شانہ کے بعض فرشتے انسان کے اعمال لکھنے والے فرشتوں کے علاوہ ایسے بھی ہیں جو درختوں کے پتوں کے گرنے کو بھی لکھتے ہیں، پس تم میں سے جب کوئی کسی جگہ کسی مشکل میں آجائے تو اسے چاہیئے کہ وہ پکار کر کہے، اے اللہ کے بندوں اللہ تم پر رحم فرمائے، ہماری مدد کرے[5]

❁ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ :"إِنَّ لِلَّهِ عَزَّ وَجَلَّ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ سِوَى الْحَفَظَةِ [ص 141:] يَكْتُبُونَ مَا يَسْقُطُ مِنْ وَرَقِ الشَّجَرِ، فَإِذَا أَصَابَ أَحَدَكُمْ عَرْجَةٌ فِي الْأَرْضِ لَا يَقْدِرُ فِيهَا عَلَى الْأَعْوَانِ فَلْيَصِحْ، فَلْيَقُلْ :عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونَا أَوْ أَعِينُونَا رَحِمَكُمُ اللهُ، فَإِنَّهُ سَيُعَانُ "لَفْظُ حَدِيثِ جَعْفَرٍ، وَفِي رِوَايَةِ رَوْحٍ :"إِنَّ لِلَّهِ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يُسَمَّوْنَ الْحَفَظَةَ، يَكْتُبُونَ مَا يَقَعُ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَرَقِ الشَّجَرِ،

---

[1] (فتاویٰ قاضی خان کتاب الحظر والاباحۃ باب مایکرہ من الثیاب والحلی والزینۃ ومالا یکرہ ہوہ فصل فی التسبیح ص ۳۸۰ ج ۴ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[2] (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۳۳۰ ج ۴)

[3] (روح البیان ج ۶ ص ۲۵۵ الرعد الآیۃ ۲۲، الفتاویٰ الحنفیۃ ص ۱۷۳ لشیخ مسعود بن عمر المعروف بہ سعد الدین التفتازانی)

[4] (دستور القضاۃ، فتاویٰ رضویۃ کتاب الجنائز ج ۹ ص ۱۵۹)

[5] (أخرجہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف، حدیث ۲۹۷۲۱)

فَمَا أَصَابَ أَحَدًا مِنْكُمْ عَرْجَةٌ أَوِ احْتَاجَ إِلَى عَوْنٍ بِفَلَاةٍ مِنَ الْأَرْضِ فَلْيَقُلْ :أَعِينُونَا عِبَادَ اللهِ، رَحِمَكُمُ اللهُ، فَإِنَّهُ يُعَانُ إِنْ شَاءَ اللهُ"

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، آپ فرماتے ہیں کہ بے شک اللہ جل شانہ کے بعض فرشتے انسان کے اعمال لکھنے والے فرشتوں کے علاوہ ایسے بھی ہیں جو درختوں کے پتوں کے گرنے کو بھی لکھتے ہیں، پس تم میں سے کوئی جب کسی جگہ (کسی بھی مشکل میں) جائے جہاں بظاہر کوئی اس کا مددگار بھی نہ ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ پکار کے کہے اے اللہ تعالیٰ کے بندوں، اللہ تم پر رحم فرمائے، ہماری مدد کرو، تو پس اس کی مدد کی جائے گی۔ اور حضرت رَوح کی روایت میں ہے کہ بے شک زمین میں اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے ایسے ہیں جنہیں حفاظت کرنے والے کا نام دیا جاتا ہے، جو زمین پر گرنے والے پتوں کو بھی لکھتے ہیں پس جب تم میں سے کوئی کسی جگہ محبوس ہو جائے یا کسی ویران جبہ پر اسے کسی مدد کی ضرورت ہو، تو اسے چاہیئے کہ وہ یوں کہے :اے اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، ہماری مدد کرو پس اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو اس شخص کی فوراً مدد کی جائے گی۔[1]

❁عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :"إِذَا انْفَلَتَتْ دَابَّةُ أَحَدِكُمْ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ فَلْيُنَادِ :يَا عِبَادَ اللهِ، احْبِسُوا عَلَيَّ، يَا عِبَادَ اللهِ احْبِسُوا عَلَيَّ؛ فَإِنَّ لِلَّهِ فِي الْأَرْضِ حَاضِرًا سَيَحْبِسُهُ عَلَيْكُمْ"

ترجمہ :حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی سواری جنگل بیابان میں گم ہو جائے، تو اس شخص کو یہ پکارنا چاہیئے اے اللہ تعالیٰ کے بندوں میری سواری پکڑا دو۔ اے اللہ تعالیٰ کے بندو! میری سواری پکڑا دو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے بہت سارے بندے ایسے ہیں جو اس زمین میں ہوتے ہیں وہ تمہیں تمہاری سواری پکڑا دیں گے۔[2]

❁عَنْ عُتْبَةَ بْنِ غَزْوَانَ، عَنْ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :"إِذَا أَضَلَّ أَحَدُكُمْ شَيْئًا أَوْ أَرَادَ أَحَدُكُمْ عَوْنًا وَهُوَ بِأَرْضٍ لَيْسَ بِهَا أَنِيسٌ، فَلْيَقُلْ :يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونِي، يَا عِبَادَ اللهِ أَغِيثُونِي، فَإِنَّ لِلَّهِ عِبَادًا لَا نَرَاهُمْ" وَقَدْ جُرِّبَ ذَلِكَ۔

ترجمہ: حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی کوئی شے گم ہو جائے، یا تم میں سے کوئی مدد چاہے اور وہ ایسی جگہ ہو کہ جہاں اس کا کوئی مددگار بھی نہ ہو، تو اسے چاہیئے کہ یوں پکارے ''اے اللہ تعالیٰ کے بندوں! میری مدد کرو!'' یقیناً اللہ تعالیٰ کے ایسے بھی بندے ہیں جن کو ہم دیکھ نہیں سکتے لیکن وہ لوگوں کی مدد کرنے پر مامور ہیں۔ (اور راوی بیان کرتے ہیں کہ یہ آزمودہ بات ہے)۔[3]

❁عن علي بن أبي طالب قال لما حضرت أبا بكر الوفاة أقعدني عند رأسه وقال لي يا علي إذا أنا مت فغسلني بالكف الذي غسلت به رسول الله (صلى الله عليه وسلم) وحنطوني واذهبوا بي إلى البيت الذي فيه رسول الله (صلى الله عليه وسلم) فاستأذنوا فإن رأيتم الباب قد يفتح فادخلوا بي وإلا فردوني إلى مقابر المسلمين حتى يحكم الله بين عباده قال فغسل وكفن وكنت أول من يأذن إلى الباب فقلت يا رسول الله هذا أبو بكر مستأذن فرأيت الباب قد تفتح وسمعت قائلا يقول ادخلوا

---

[1](شعب الایمان، حدیث ۷۲۹۷، والمناوی فی فیض القدیر ج ۱ ص ۳۰۷، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ج ۱۰ ص ۱۳۲)

[2](الطبرانی فی المعجم الکبیر، حدیث ۱۰۵۱۸، مجمع الزوائد ۱۰۵۱۷)

[3](المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث ۲۹۰، ج ۱۷، ص ۱۱۷، والهیثمی فی مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۲، والمناوی فی فیض القدیر ج ۱ ص ۳۰۷)

الحبيب إلى حبيبه فإن الحبيب إلى الحبيب مشتاق۔[1]

۞عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ : لَمَّا أَذْنَبَ آدَمُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الذَّنْبَ الَّذِي أَذْنَبَهُ رَفَعَ رَأْسَهُ إِلَى الْعَرْشِ ,فَقَالَ : أَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ إِلَّا غَفَرْتَ لِي ,فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيْهِ» ,وَمَا مُحَمَّدٌ وَمَنْ مُحَمَّدٌ؟« فَقَالَ : تَبَارَكَ اسْمُكَ، لَمَّا خَلَقْتَنِي رَفَعْتُ رَأْسِي إِلَى عَرْشِكَ، فَإِذَا فِيهِ مَكْتُوبٌ : لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ ,مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ , مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ، فَعَلِمْتُ أَنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ أَعْظَمَ عِنْدَكَ قَدْرًا مِمَّنْ جَعَلْتَ اسْمَهُ مَعَ اسْمِكَ ,فَأَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِلَيْهِ» : يَا آدَمُ , إِنَّهُ آخِرُ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ ,وَإِنَّ أُمَّتَهُ آخِرُ الْأُمَمِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ ,وَلَوْلَاهُ يَا آدَمُ مَا خَلَقْتُكَ۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام سے (بغیر ارادہ کے) لغزش سرزد ہوئی تو انہوں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور عرض گزار ہوئے۔ یا اللہ! اگر تو نے مجھے معاف نہیں کیا تو میں محمد مصطفیٰ ﷺ کے وسیلہ سے تجھ سے سوال کرتا ہوں" کہ تو مجھے معاف فرمادے" تو اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔"اے آدم!" محمد مصطفیٰ کون ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ! تیرا نام پاک ہے، جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے اپنا سر تیرے عرش کی طرف اٹھایا وہاں میں نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا لہٰذا میں جان گیا کہ یہ ضرور کوئی بڑی عظیم المرتبت ہستی ہے جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ ملایا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔"اے آدم علیہ السلام! وہ محمد ﷺ تمہاری نسل میں سے آخری نبی ہیں، اور ان کی امت بھی تمہاری نسل کی آخری امت ہوگی، اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا بھی نہ کرتا۔"[2]

۞عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ {لَمَّا أَصَابَ آدَمَ الْخَطِيئَةَ رَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ يَا رَبِّ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ إِلَّا غَفَرْتَ لِي فَأَوْحَى إِلَيْهِ وَمَا مُحَمَّدٌ؟ وَمَنْ مُحَمَّدٌ؟ فَقَالَ : يَا رَبِّ إِنَّكَ لَمَّا أَتْمَمْتَ خَلْقِي رَفَعْتُ رَأْسِي إِلَى عَرْشِكَ فَإِذَا عَلَيْهِ مَكْتُوبٌ : لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللّٰهِ فَعَلِمْتُ أَنَّهُ أَكْرَمُ خَلْقِكَ عَلَيْكَ، إِذْ قَرَنْتَ اسْمَهُ مَعَ اسْمِكَ. فَقَالَ : نَعَمْ قَدْ غَفَرْتُ لَكَ وَهُوَ آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ ذُرِّيَّتِكَ وَلَوْلَاهُ مَا خَلَقْتُكَ}[3]

۞عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، قَالَ : "كَانَتْ يَهُودُ خَيْبَرَ تُقَاتِلُ غَطَفَانَ، فَكُلَّمَا الْتَقَوْا هُزِمَتْ يَهُودُ خَيْبَرَ فَعَاذَتِ الْيَهُودُ بِهَذَا الدُّعَاءِ : اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي وَعَدْتَنَا أَنْ تُخْرِجَهُ لَنَا فِي آخِرِ الزَّمَانِ، إِلَّا نَصَرْتَنَا عَلَيْهِمْ. قَالَ : فَكَانُوا إِذَا الْتَقَوْا دَعَوْا بِهَذَا الدُّعَاءِ، فَهَزَمُوا غَطَفَانَ، فَلَمَّا بُعِثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَفَرُوا بِهِ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ : {وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ

---

[1](أخرجه ابن عساكر فی تاريخ مدينة دمشق ص ۴۳۶ ج ۳۰ والسيوطی فی الخصائص الكبرىٰ ص ۴۹۲ ج ۲، الصفافی التوسل والتبرک بالمصطفیٰ ﷺ ص ۳۰۶)

[2](أخرجه الطبرانی فی المعجم الصغير ج ۲ ص ۱۸۲ رقم ۹۹۲ وفی المعجم الاوسط ج ۶ ص ۳۱۳ رقم ۶۵۰۲ وابن تيميه فی مجمو ع الفتاوىٰ ج ۲ ص ۱۵۱ والهيثمی فی مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۳ والسيوطی فی جامع الاحاديث ج ۱۱ ص ۹۴، الصفافی التوسل والتبرک بالمصطفیٰ ﷺ ص ۳۰)

[3](أخرجه الطبرانی فی المعجم الصغير ج ۲ ص ۱۸۲ رقم ۹۹۲ وفی المعجم الاوسط ج ۶ ص ۳۱۳ رقم ۶۵۰۲ وابن تيميه فی مجمو ع الفتاوىٰ ج ۲ ص ۱۵۱ والهيثمی فی مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۵۳ والسيوطی فی جامع الاحاديث ج ۱۱ ص ۹۴، الصفافی التوسل والتبرک بالمصطفیٰ ﷺ ص ۳۱)

يَسْتَفْتِحُونَ} [البقرة : ٨٩] بِكَ يَا مُحَمَّدُ عَلَى الْكَافِرِينَ۔[1]

❁عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : أَنَّ يَهود كَانُوا يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الْأَوْسِ وَالْخَزْرَجِ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ مَبْعَثِهِ. فَلَمَّا بَعَثَهُ اللَّهُ مِنَ الْعَرَبِ كَفَرُوا بِهِ، وَجَحَدُوا مَا كَانُوا يَقُولُونَ فِيهِ. فَقَالَ لَهُمْ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ، وَبِشْرُ بْنُ الْبَرَاءِ بْنِ مَعْرُورٍ، أَخُو بَنِي سَلِمَةَ يَا مَعْشَرَ يَهُودَ، اتَّقُوا اللَّهَ وَأَسْلِمُوا، فَقَدْ كُنْتُمْ تَسْتَفْتِحُونَ عَلَيْنَا بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ أَهْلُ شِرْكٍ، وَتُخْبِرُونَنَا بِأَنَّهُ مَبْعُوثٌ، وتصفُونه لَنَا بِصِفَتِهِ. فَقَالَ سَلام بْنُ مِشْكم أَخُو بَنِي النَّضِيرِ : مَا جَاءَنَا بِشَيْءٍ نَعْرِفُهُ، وَمَا هُوَ بِالَّذِي كُنَّا نَذْكُرُ لَكُمْ فَأَنْزَلَ اللَّهُ فِي ذَلِكَ مِنْ قَوْلِهِمْ : {وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ}[2]

جنازہ پڑھانے کا زیادہ حقدار کون ہے؟

نماز جنازہ پڑھانے کا سب سے زیادہ حقدار حاکم وقت ہے بشرطیکہ وہ جنازہ پڑھانے کی صلاحیت رکھتا ہو اور اگر حاکم وقت نہ ہو تو علاقہ کے قاضی کو پڑھانے کا موقع دیا جائے گا ورنہ پھر محلہ کا امام جنازہ پڑھائے ورنہ قرابت داروں میں سے کوئی قریبی رشتہ دار جنازہ پڑھانے کا حق دار ہے۔

❁وفي الهندية أَوْلَى النَّاسِ بِالصَّلَاةِ عَلَيْهِ السُّلْطَانُ إنْ حَضَرَ فَإِنْ لَمْ يَحْضُرْ فَالْقَاضِي ثُمَّ إمَامُ الْحَيِّ ثُمَّ الْوَالِي، هَكَذَا فِي أَكْثَرِ الْمُتُونِ.[3]

❁وَرَوَى الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْإِمَامَ الْأَعْظَمَ أَحَقُّ بِالصَّلَاةِ إنْ حَضَرَ، فَإِنْ لَمْ يَحْضُرْ فَأَمِيرُ الْمِصْرِ، وَإِنْ لَمْ يَحْضُرْ فَإِمَامُ الْحَيِّ، فَإِنْ لَمْ يَحْضُرْ فَالْأَقْرَبُ مِنْ ذَوِي قَرَابَاتِهِ، وَهَذَا هُوَ حَاصِلُ الْمَذْهَبِ عِنْدَنَا۔[4]

❁وفي الهندية وَيُسْتَحَبُّ فِي الْقَتِيلِ وَالْمَيِّتِ دَفْنُهُ فِي الْمَكَانِ الَّذِي مَاتَ فِي مَقَابِرِ أُولَئِكَ الْقَوْمِ وَإِنْ نُقِلَ قَبْلَ الدَّفْنِ إلَى قَدْرِ مِيلٍ أَوْ مِيلَيْنِ فَلَا بَأْسَ بِهِ، كَذَا فِي الْخُلَاصَةِ. وَكَذَا لَوْ مَاتَ فِي غَيْرِ بَلَدِهِ يُسْتَحَبُّ تَرْكُهُ فَإِنْ نُقِلَ إلَى مِصْرٍ آخَرَ لَا بَأْسَ بِهِ وَلَا يَنْبَغِي إخْرَاجُ الْمَيِّتِ مِنْ الْقَبْرِ بَعْدَمَا دُفِنَ إلَّا إذَا كَانَتْ الْأَرْضُ مَغْصُوبَةً أَوْ أُخِذَتْ بِشُفْعَةٍ، كَذَا فِي فَتَاوَى قَاضِي خَانْ.[5]

---

[1] (المستدرك على الصحيحين ص ٢٨٩ ج ٢ رقم ٣٠٤٢ ولآجري في الشريعة ص ٤٤٨، والبيهقي في دلائل النبوة ج ٢ ص ٧٦)

[2] (اخرجه ابو نعيم في دلائل النبوة ج ١ ص ٥٢ رقم ٤٤، العسقلاني في الاصابة ج ٢ ص ٣٨٣ رقم ٢٣٩٠، الطبري في جامع البيان ج ١ ص ٤١١، ابن ابي حاتم في تفسيره ج ١ ص ٧٢ ١ رقم ٩٠٥، ابن كثير في تفسير القرآن العظيم ج ١ ص ١٢٥، السيوطي في الدر المنثور ج ١ ص ٢١٧، وذكر المفسرون في تفاسيرهم هذا الحديث بألفاظ مختلفة وبروايات مختلفة ومن تلك التفاسير: الطبري في جامع البيان ج ١ ص ٢٣ و ٣٢٥، البغوي في معالم التنزيل ج ١ ص ٩٣، الزمخشري في الكشاف ج ١ ص ١٦٤، ابن الجوزي في زاد المسير ج ١ ص ١١٤، الرازي في التفسير الكبير ج ٣ ص ١٨٠، القرطبي في الجامع الاحكام القرآن ج ٢ ص ٢٧، والبيضاوي في أنوار التنزيل ج ١ ص ٢٢٨، النسفي في مدارك التنزيل ج ١ ص ٦١، الخازن في لباب التأويل في معاني التنزيل ج ١ ص ٦٥، ابن حبان الأندلسي في البحر المحيط ج ١ ص ٣٠٣، ابن كثير في تفسير القرآن العظيم ج ١ ص ١١٦ و ١٢٤، نظم الدرر في تناسب الآيات والسور ج ٢ ص ٣٦، السيوطي في الجلالين ص ١٤، ابو السعود في ارشاد العقل السليم ج ١ ص ١٢٨، اسماعيل حقي في روح البيان ج ١ ص ١٧٩، القاضي ثناء الله پاني پتي في تفسير المظهري ج ١ ص ٩٤، الشوكاني في فتح القدير ج ١ ص ١١٢، آلوسي في تفسير روح المعاني ج ١ ص ٣٢٠، تفسير المنار ج ١ ص ٣٨١، مجاهد بن جبير المخزومي في التفسير ج ١ ص ٨٣)

[3] (ص ١٦٣ الفصل الخامس في الصلوة على الميت)

[4] (بدائع الصنائع ج ١ ص ٣١٧ ومثله في كبير ص ٥٨٤ باب الجنائز)

[5] (ص ١٧٧ ج ١)

درمختار میں ہے کہ

❁ (وَلَا يُخْرَجُ مِنْهُ) بَعْدَ إهَالَةِ التُّرَابِ (إلَّا) لِحَقِّ آدَمِيٍّ كَ (أَنْ تَكُونَ الْأَرْضُ مَغْصُوبَةً أَوْ أُخِذَتْ بِشُفْعَةٍ) وَيُخَيَّرُ الْمَالِكُ بَيْنَ إخْرَاجِهِ وَمُسَاوَاتِهِ بِالْأَرْضِ۔ اس سے چند سطور آگے درمختار میں ہے لا بأس بنقله قبل دفنه اس کی شرح میں علامہ شامی لکھتے ہیں وَأَمَّا نَقْلُهُ بَعْدَ دَفْنِهِ فَلَا مُطْلَقًا. قَالَ فِي الْفَتْحِ وَاتَّفَقَتْ كَلِمَةُ الْمَشَايِخِ فِي امْرَأَةٍ دُفِنَ ابْنُهَا، وَهِيَ غَائِبَةٌ فِي غَيْرِ بَلَدِهَا فَلَمْ تَصْبِرْ، وَأَرَادَتْ نَقْلَهُ عَلَى أَنَّهُ لَا يَسَعُهَا ذَلِكَ، فَتَجُوزُ شَوَاذٌّ بَعْضِ الْمُتَأَخِّرِينَ لَا يُلْتَفَتُ إلَيْهِ. وَأَمَّا نَقْلُ يَعْقُوبَ وَيُوسُفَ - عَلَيْهِمَا السَّلَامُ - مِنْ مِصْرَ إلَى الشَّامِ لِيَكُونَا مَعَ آبَائِهِمَا الْكِرَامِ فَهُوَ شَرْعُ مَنْ قَبْلَنَا وَلَمْ يَتَوَفَّرْ فِيهِ شُرُوطُ كَوْنِهِ شَرْعًا لَنَا اھ۔

فقہائے کرام کی ان عبارات سے ثابت ہوا کہ میت قبل از دفن اس کا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن بہتر نہیں اور بعد از دفن تو بالکل جائز نہیں قبر کھولنا اور میت کا اخراج حرام ہے۔ ہاں اگر ضرورت شرعیہ پیش آجائے تو جائز ہے اور ضرورت شرعیہ کی صورتیں اوپر مذکور ہوئی ہیں نیز میت کو کچھ عرصے کیلئے امانتاً دفن کر کے پھر نکالنا یہ سب واہی تباہی باتیں ہیں شریعت میں اس کی کوئی اصل موجود نہیں ہے۔[1]

نماز جنازہ میں درود ابراہیمی پڑھنا دوسرے دردوں سے افضل ہے

❁ (وَيُصَلِّي عَلَى النَّبِيِّ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -) كَمَا فِي التَّشَهُّدِ۔

(قَوْلُهُ كَمَا فِي التَّشَهُّدِ) أَيْ الْمُرَادُ الصَّلَاةُ الْإِبْرَاهِيمِيَّةُ الَّتِي يَأْتِي بِهَا الْمُصَلِّي فِي قَعْدَةِ التَّشَهُّدِ۔[2]

❁ وقال ابن نجيم المصري والمراد بالصلوة الصلوة عليه في التشهد وهو الاولىٰ۔[3]

❁ قال علاء الدين الكاساني رحمة الله تعالىٰ عليه واذا كبر ثانية يأتي بالصلوة على النبي ﷺ وهي الصلوة المعروفة اھ۔[4]

تسلم المرأة على الزوج:

وفي الصيرفية دخل على زوجته لا يسلم عليها بل هي تسلم عليه۔[5]

ويستحب غسل اليدين قبل الطعام فان فيه بركة وفي البرهانية والسنة ان يغسل الايدى قبل الطعام وبعده وفي واقعات الناطفي الادب في غسل الايدى قبل الطعام ان يبدأ بالشبان ثم بالشيوخ واذا غسل لا يمسح بالمنديل لا يترك ليجف ليكون اثر الغسل باقيا وقت الاكل والادب في الغسل بعد الطعام ان يبدأ بالشيوخ ويمسح بالمنديل ليكون أثر الطعام زائلا بالكلية۔[6]

❁ وكان عليه الصلوة والسلام يقبل رأس فاطمة رضى الله تعالىٰ عنها ويقول اجد منها ريح الجنة وقال من قبل رأس امه فكانما قبل عتبة الجنة۔[7]

---

[1] (فتاویٰ حقانیہ ص ۴۷۹)

[2] (كتاب الجنازة ص ۲۱۲ هل تسقط فرض الكفاية بفعل الصبى)

[3] (البحر الرائق ص ۱۸۳ ج ۲ كتاب الجنائز)

[4] (بدائع الصنائع ص ۳۱۳ ج ۱ فصل في بيان كيفية الصلوة على الجنازة)

[5] (بحر الرائق ص ۲۰۷ ج ۸)

[6] (بحر الرائق ص ۱۸۳ ج ۸)

[7] (بحر الرائق ص ۱۹۴ ج ۸)

❁وكان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یقول الاولیٰ النظر الی عورۃ زوجتہ عند الجماع لیکون ابلغ فی تحصیل معنیٰ اللذۃ وعن ابی یوسف سئلت الامام عن الرجل یمس فرج أمتہ أو ھی تمس فرجہ لیحرک آلتہ أ لیس بذلک بأس قال أرجو أن یعظم الاجر والمراد بالامۃ التی یحل وطؤھا۔[1]

❁ومن السنۃ أن یبدأ بالملح ویختم بالملح۔[2]

❁قال علیہ الصلوۃ والسلام استماع الملاھی معصیۃ والجلوس علیھا فسق والتلذذ بھا کفر۔[3]

❁وفی الظھیریۃ الأمر بالمعروف بالید علی الامیر وباللسان علی العلماء وبالقلب علی عوام الناس وھو اختیار الزندوی[4]

❁الجاموس نوع من البقر۔[5]

❁وَفِي الْحَاوِي لِلْكَرَابِيسِيِّ إذَا اسْتَأْجَرَهُ لِيَخْتِمَ عِنْدَهُ الْقُرْآنَ وَلَمْ يُسَمِّ لَهُ أَجْرًا لَيْسَ لَهُ أَنْ يَأْخُذَ أَقَلَّ مِنْ خَمْسَةٍ وَأَرْبَعِينَ دِرْهَمًا شَرْعًا۔[6]

متعدد بار جنازہ پڑھنا غیر مشروع ہے

❁قال فی الھندیۃ وَلَا يُصَلَّى عَلَى مَيِّتٍ إلَّا مَرَّةً وَاحِدَةً وَالتَّنَفُّلُ بِصَلَاةِ الْجِنَازَةِ غَيْرُ مَشْرُوعٍ، كَذَا فِي الْإِيضَاحِ، وَلَا يُعِيدُ الْوَلِيُّ إنْ صَلَّى الْإِمَامُ الْأَعْظَمُ أَوْ السُّلْطَانُ أَوْ الْوَالِي أَوْ الْقَاضِي أَوْ إمَامُ الْحَيِّ؛ لِأَنَّ هَؤُلَاءِ أَوْلَى مِنْهُ وَإِنْ كَانَ غَيْرُ هَؤُلَاءِ لَهُ أَنْ يُعِيدَ۔[7]

❁وقال علاء الدین الکاسانی رحمۃ اللہ علیہ ولا یصلی علی میت الا مرۃ واحدۃ لاجماعۃ ولا وحدانا عندنا۔[8]

❁وفی فتاویٰ نور الھدیٰ وینبغی ان یکون الامام والخطیب واحد لأن صلوۃ الجمعۃ مع الخطبۃ کشیٔ واحد من حیث المعنیٰ لأن صلوۃ الجمعۃ قصرت لاجل الخطبۃ فلا ینبغی ان یقیمھا اثنان۔[9]

❁ولا یجوز شھادۃ العاق وامامتہ وتسقط عدالتہ ولا یعتبر قولہ ولا یعمل بفتواہ لو کان مفتیا یعنی ان العقوق من الکبائر المنصوصۃ المسقطۃ للعدالۃ۔[10]

❁لا یحل ذبیحۃ العاق ولا امامتہ لان العاق یصیر مرتدا فی الحال ومثواہ فی النار فتاویٰ جامع من امتنع کلمۃ من

---

[1] (بحر الرائق ص ۱۹۳ ج۸)

[2] (بحر الرائق ص ۱۸۴ ج۸)

[3] (بحر الرائق ص ۱۸۹ ج۸)

[4] (بحر الرائق ص ۱۸۹ ج۸)

[5] (بحر الرائق ص ۱۷۷ ج۸)

[6] (بحر الرائق ص ۲۰ ج۸)

[7] (ص ۱۶۳ ج ۱ فصل الخامس فی الصلوۃ علی المیت)

[8] (بدائع الصنائع ص ۳۱۱)

[9] (محیط ص ۵۷)

[10] (فتاویٰ نور الھدیٰ ص ۳۵)

الاستاذفهو عاق لم يدخل الجنة و لانجاة له من النار و يخرج من الدنيا بغير الايمان و لا تقبل عبادته إن كان استاذ من من تعلم منه حرفا من القرآن و تعلم مسئلة من مسائل الفقه او الحديث او النصيحة من الحسنات او الذكر او لقنا كلمة طيبة۔[1]

و فی تسهيل المشكوة قوله و عقوق الوالدين اه۔ و المعلم و الشيخ قياس عليهما و فی الفتاوىٰ بر التلميذ لاستاذه افضل من البر الولد لوالديه لان الاب يحمی ولده من آفات الدنيا و الاستاذ يحمی تلميذه من آفات الآخرة انتهی۔ و ايده وه مافی الكتب الفقه و زوج المرضعة اب للرضيع انتهی۔ و تربية العلم افضل من تربية اللبن و قال فی الظهيرية و غيرها لا يجوز الصلوة خلف العاق و لا تقبل توبته انتهی۔ و فی العاق ثلثة احرف العين دآل علی العيب و الالف دآل علی الاهانة و القاف دال علی القهر و هذه اسباب العقوق اعاذان الله تعالیٰ منه و لا يجوز تعلم العلم و لا طلب المسئلة من العاق[2]

۞ قوله لا تعقن و الديک اه۔ و قياس عليهما المعلم و الشيخ و زوج المرضعة معها و العجب فی هذا الزمان ان الاولاد يخالفون عن الوالدين و التلامذ من الاساتذة هلم جرا و قال فضيل بن عياض لا آكلهم بالعالم الذی يخالف عن شيخه و لا انظر الیٰ وجهه انتهی۔[3]

۞ قوله كل بدعة ضلالة اه۔ هذا عام مخصوص البعض و لذا قال فی المرقاة كل بدعة سيئة ضلالة و يؤيده قول عمر رضی الله تعالیٰ عنه فی قيام رمضان (نعمة البدعة) و يؤيده۔ قول ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه ما رأه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن و يؤيده حديث بلال رضی الله تعالیٰ عنه من ابتدع بدعة ضلالة فما احدث بعد عهد النبی ﷺ و الصحابة و التابعين و له سند فی الكتاب و السنة فهو بدعة حسنة كالدعاء بيهئة الجمع بعد السنة و قبلها و كذا التلفظ بنية الصلوة ما وجد فی عهد النبی ﷺ و الصحابة و التابعين و لكن احبه العلماء فهو بدعة حسنة و كذا تعشير القرآن و النقط فيه مع انه روی عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنهما جردمصاحفكم انتهی۔ ای جردوه عن التعشير و النقط قال فی البدائع لان ذلک يادی الی الخلل فی تحفظ القرآن و ماهذا جرا التعارف فی عامة البلاد من غير هانكير بتعشيره و نقطه فكان مسنونا و قال فی البدائع لان العجم لا يقدرون علی تعليم القرآن بدونه انتهی۔ و كذا تدوين الكتب بدعة حسنة و كذا تعمير المدارس و ضبط قوانين المدرسين و الطلاب و التعيين النصاب و غيره ذلک مما يطول بذكره و من قال ان الدعاء مروجة بعد السنن بدعة فهو ضآل مضل فاجتنبوه و الثبوت الدعاء المروجة مذكور فی كثير من الكتب عند الاحناف و غيرهم۔ بس كنم خود زيرا كان را اين بس است۔[4]

۞ قوله من ابتدع بدعة ضلالة اه فيه اشارة الی تقسيم البدعه الی السيئة و الحسنة فمن انكر منه فهو الضلالة قوله فتمسک بسنة خير من احداث بدعة المراد منها بدعة حسنة و مثالهما فی حديث ابی سعيد الخدری فی آخر الفصل الثانی فی باب التيمم فاعادة الصلوة بعد ما صليها بالتيمم بدعة حسنة و عدم اعادتها سنة و النبی ﷺ اقر بالبدعة الحسنة و جهال

---

[1] (فتاویٰ نور الهدیٰ ص ۴۲۵)

[2] (ص ۵)

[3] (تسهيل المشكوة ص ۶)

[4] (تسهيل المشكوة ص ۸)

زماننایقولون لاوجود للبدعة الحسنة۔ شعر

وهل افسد الدین الا الملوک ❁ واحبار سوء رهباننا[1]

❁قال اللہ تعالیٰ للدنیا من خدمنی فاخدمیه و من خدمک فالتعبیه انتهی۔قوله ذلة العالم اه۔مثاله من قال السفر الی روضة النبی ﷺ لایجوز والسوال بواسطة الانبیاء والاولیاء لایجوز والدعاء بعد السنة بالجمع بدعة سیئة وکذامثاله العاق من الوالدین والمعلم لعلم الدین۔[2]

❁لاتشد الرحال اه۔هذادلیل ابن تیمیة واتباعه فی منع السفر لزیارة النبی ﷺ والاولیاء والعلماء وعندنابل عندالائمة الاربعة جائز لحدیث کنت نهیتکم عن زیارة القبور الاقدوروها انتهی۔وهذامطلق یجری علی اطلاقه والجواب عن الحدیث ان الاستثناء فی الحدیث متصل کماهو الافضل الراجح ای لاتشدوا الرحال الی مسجدما الا الی ثلاثة مساجداه۔ویایدناقوله ﷺ من جاءنی زائرا لاتعمله حاجة الازیارتی کان حقا علی ان اکون شفیعاله یوم القیمة انتهی۔دلیل الجمهور یعنی اهل السنة والجماعة بانه لم یزل دار المسلمین القاصدین للحج فی جمیع الازمان علی تباین الدار واختلاف المذاهب الوصول الی المدینة المشرفة لقصدزیارته ﷺ ولم ینقل ان احدا انکر ذلک علیهم فکان اجماعا وقال الشیخ انور شاه رحمة اللہ تعالیٰ علیه ان دلیل الجمهور فی مسئلة زیارة النبی ﷺ هوثبوت سفر السلف الصالحین الی الروضة المنورة ثبوتا تواتر اعملیا انتهی۔وفی الدر المختار وزیارة قبره الشریف مندوبة بل قیل واجبة لمن له سعة انتهی۔وکذلک قال ابن تیمیة بان الوسیلة بالانبیاء والصلحاء والعلماء لایجوز وعندنابل عندالائمة الاربعة جائز ثابت بالاحادیث واقوال العلماء وایضا قال ابن تیمیة واتباعه ان الدعاء بعد السنة بالجمع بدعة سیئة وعندنابدعة حسنة کمامر والمخالف عنها ضال ومضل۔[3]

❁قوله نتوسل الیک بعم نبیناه۔هذاصریح فی اثبات الوسیلة بالعبادالصالحین مطلقاعندالمذاهب الاربعة احیاء کانوا او اموا تاوخالف فیه ابن تیمیة ولا التفات الیه عنداهل السنة والجماعة قال عبدالجلیل سیدنامحمدالذی من توجه به الی ربه ادرک مایریدمن ربه انتهی۔ویایده حدیث ابی الجوزاء قال قحط اهل المدینة اه۔ومن المجربات الوسیلة باسماء اصحاب البدر واسمائهم مذکورة فی شروح البخاری وکذااسماء اصحاب الکهف کماهو معمول شیخنا حین علی رحمة اللہ تعالیٰ علیه ومن اجازاته الهی بحرمت شیخ عبدالقادر الجیلانی رحمة اللہ تعالیٰ علیه انتهی۔وبحرمت حضرت دوست محمد القندهاری رحمة اللہ تعالیٰ علیه۔[4]

❁قوله اصنعوا لآل جعفر طعاما اه۔هذادلیل استحباب الطعام لاهل المیت اماتصدقوا اهل المیت للفقراء والطلباء فجائز مستحب کمافی ص ۵۴۴ فی حدیث عاصم بن کلیب استقبله داعیا امرأة فاجاب ونحن معه وجیئ

---

[1] (تسهیل المشکوة ص ۹)

[2] (تسهیل المشکوة ص ۱۰)

[3] (تسهیل المشکوة ص ۱۵)

[4] (تسهیل المشکوة ص ۲۸-۲۷)

بالطعام فوضع یدہ ثم وضع القوم فأکلوا اھ۔قبل باب الکرامۃ وکذا فی حدیث عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا فی باب صدقۃ المرأۃ ممالزوج فھل لھا اجر ان تصدقت عنھا انتھی۔فھذا نص ان الصدقۃ اھل المیت للفقراء والطلباء مثلا جائز بلاریب وتائیدہ فی حدیث البخاری ص ۸۱۵ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا زوج النبی ﷺ انھا کانت اذمات المیت من اھلھا فاجتمع لذلک النساء ثم تفرقن الا اھلھا وخآصتھا وامرت ببرمۃ من تلبینۃ فطبخت ثم صنع ثرید فثبت تلبینۃ علیھا ثم قالت کلن منھا انتھی۔وکذا جاء فی البخاری فی ص ۸۴۹ وتفسیرہ فی تسھیل البخاری حررت ومایقال ان الاکل فی بیت المیت مکروہ فمحمول علی وجہ السرور والضیافۃ او علی وجہ النیاحۃ وغیر ذلک من وجوہ التکلف اما تصدقوا اھل المیت عن المیت فی اول الیوم مثلا بطیب انفسھم فلاشک فیہ بل ھو مستحب کماھو ظاھر بالاحادیث المذکورۃ واطلاق القرآن ایضا یأیدہ ع

بس کنم خود زیر کاں را ایں بس است[1]

❁قولہ یغضب علیہ اھ۔مطلق شامل الصورتی الانفراد والجمع فمخالفۃ الناس غضب علی من ترک الدعاء بالجمع فالدعاء الکاملۃ تکون بامور ثلثۃ بالجمع وببطون الیدین وبمسح الوجوہ کمافی الحدیث المؤخر فترک الدعاء بالجمع ترک الفضیلۃ۔[2]

❁قولہ فتحلقوا وبرزت وجوھھم لہ اھ۔فیہ تنبیہ لطلباء فی وقت التعلم ایتحلقوا ویبرزوا اوجوھھم للشیخ والیہ اشار اللہ تعالیٰ فی قولہ علی سرر متقبلین اھ۔قولہ فکل حسن اھ۔اشارۃ الی الوسعۃ فی القراءۃ حسب الطاقۃ فلاینبغی نسبۃ السوء بین القراء والطلباء والتخالف بینھم کمافی زماننا بین منکری دعاء الجمع والعاملین بھا اللھم ارنا الحق حقا واعملنا بہ۔[3]

❁تحریر المسائل الخمسۃ بتحقیق الاحادیث واقوال الفقھاء رحمھم اللہ تعالیٰ النصیحۃ الاحیاء والاموات من حیلۃ الاسقاط واطعام اھل المیت فی بیتہ والدعاء بالجمع والتوسل بالصلحاء والسفر لقبورھم المسئلۃ الاولی لھدایۃ الصراط الی دور الاسقاط اعلم ان رسول اللہ ﷺ فعل دورۃ الاسقاط لحی وفعل بعدہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لمیت وبہ عمل الفقھاء الیوم فی فتاویٰ املح جاء الصحابی ای النبی ﷺ فقال ھلکت واھلکت فقال کیف قال جامعت امرئتی فی نھار رمضان فقال فعلیک اعتاق رقبۃ فقال رقبتی ھذہ ولیس لی غیرھا فقال ﷺ شھرین متتابعین فقال لیس لی طاقۃ صوم واحد جامعت مع امرئتی فکیف اصوم شھرین لیس لی طاقۃ فقال فاعط طعام ستین مسکینا فقال لیس لی طاقۃ انا بنفسہ مسکین فقال اعطنی صاعا من تمر لافک بہ رقبتک فقال واللہ لیس عندی صاع تمر فقال یاعثمان اعط لذلک الرجل صاعا من تمر ففعل عثمان بن عفان کما امر رسول اللہ ﷺ فاعطی لذلک الرجل فقال لہ النبی ﷺ اعطنی ھذہ الصاع من التمر من فدیۃ صوم واحد ففعل وقبل النبی ﷺ ثم اعطی لہ فقال اعطنی ثانیا ففعل وقبل النبی ﷺ ففعل کک ستین مرۃ بالایجاب والقبول فقال علیہ السلام قد فک رقبتک بھذہ الحیلۃ واعط الصاع المسکین فقال واللہ لیس المسکین افضل

---

[1] (تسھیل المشکوۃ ص ۳۲)

[2] (تسھیل المشکوۃ ص ۳۹)

[3] (تسھیل المشکوۃ ص ۳۹)

منی فتبسم النبی ﷺ واعطی له صاع التمرانتهی۔وایضاًعمررضی اللہ تعالیٰ عنه فعل دورة الاسقاط کماجاءفی الدررللامام الغزالی قال الشارح السمرقندی حدثناعباس بن سفیان عن ابی حیلة عن بن عون عن محمدبن عبداللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنهم) انه قال قال عمرایهاالمؤمنون اجعلواالقرآن وسیلة النجات الموتیٰ فتحلقواوقولواللهم اغفرلهذاالمیت بجزءمن القرآن وتنالوابایدیکم متناولتابدوران جزءالقرآن لحیلة الاسقاط قال العلامة اللبیب مصنف فتوح الشام بسندقوی اخبرناابوعاصم عن بن جریح عن بن شهاب عن بن سلمی عن بن موسی قال فعل عمردوران القرآن بجزءمنه فی حلقة عشرین رجلابعدصلوة الجنازة لامرأة ملقبة بحبیبة بنت عزین زوجة ملدب وکذاالرجل من الانصارماحفظنااسمه انتهی ۔وایضاًاخبرناسعیدعن ایوب عن جمیع عن عبدالرحمٰن بن ابی بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنهم) انه فعل عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنه) دوران القرآن بعدصلوة الجنازة انتهی۔ففعل عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنه) فی آخرخلافته حیلة الاسقاط بجزءمن القرآن من مالی لااعبدالی عم یتساءلون ولم یشتهرفی خلافته ثم اشتهرفی خلافة هارون الرشید (رحمة اللہ تعالیٰ علیه) من غیرانکاردوران القرآن لحیلة الاسقاط انتهی۔فلذلک صرح فقهائنافی کتبهم بدورة الاسقاط الآن اذکرعباراتهم فی الهندیة مجلداول اذامات الرجل وعلیه صلوات فائتة فاوصی بان یعطی کفارة صلواته فیعطی لکل صلوة نصف صاع من برولصوم یوم نصف صاع من ثلث ماله وان لم یترک مالایستقرض ورثته نصف صاع ویدفع الی المسکین ثم یتصدق المسکین علی بعض ورثته ثم وثم وثم حتی یتم لکل صلوة انتهی۔وفی البحرالرائق فی باب قضاءالفوائت اذامات الرجل وعلیه صلوة فائتة واوصی بازیعطی کفارة صلواته یعطی لکل صلوة نصف صاع من برولوترنصف صاع ولصوم یوم نصف صاع وانمایعطی من ثلث ماله وان لم یترک مالاتستقرض ورثته نصف صاع ویدفع الی المسکین ثم یتصدق المسکین علی بعض الورثة ثم وثم وثم حتی یتم لکل صلوة انتهی۔وبالتفصیل الکامل فی منحة الخالق علی البحرالرائق الی ان قال ثم طریق اسقاط الصلوة الذی یفعله الائمة فی زماننا ان یجمع الوارث عشرة رجال مثلاًلیس فیهم غنی لقوله تعالیٰ انماالصدقات للفقراء والمساکین آه۔ولاعبدولاصبی ولامجنون لان هبتهم لاتصح ثم یأخذالوارث من مال الیتیم وجوباان اوصی واستحباباان لم یوص ثم یردهاویأخذالاجنبی من مال نفسه تبرعافیدوره بنفسه اویوکل غیره الی أن یتم فدیة فواته ثم یهبونه الی الوارث مثلافیتصدقه علی الفقراءالعشرة ماشاءولایجب تقسیم المال المذکورجمیعاعلی الفقراءیعنی یصح بعدالحیلة تقسیم مطلقاعلی الغنی والفقیروالاولیٰ به الفقیرکماهوالظاهرانتهی۔ملخصاوفی قاضی خان رجل مات وعلیه صلوات واوصی بان یطعموالصلواته اتفق المشائخ علی انه یجب هذه الوصیة من ثلث ماله یعطی لکل مکتوبة نصف صاع من الحنطة وللوترکک انتهی۔وحاصله ان تنفیذوصیته واجب بطریق الدوران ولاجل شهرة الدوران ماذکره المصنف کماهودابه وفی الکبیری فی فصل قضاءالفوائت ومن مات وعلیه صلوات فاوصی بمال معین لیعطی لکفارة صلواته لزم علی الورثة اعطائه ویعطی لکل صلوة کالفطرة وللوترکک وکذاالصوم کل یوم وانمایلزم تنفیذه من الثلث وان لم یوص وتبرع به الورثة جازوان کانت الصلوات کثیرة والحنطة قلیلة یعطی ثلاثة اصوم من صلوات یوم ولیلة مع الوترمثلاًالفقیرثم یدفعها الفقیرالی الوارث ثم یدفعها الوارث الیه وهکذایفعله مراراحتی یستوعب الصلوات ویجوزاعطائهاالفقیرواحددفعة بخلاف کفارة الیمین والظهاروالافطاربلاعذرانتهی۔وفی الدرالمختار (وَلَوْ مَاتَ الرجل وَعَلَيْهِ صَلَوَاتٌ فَأَئِتَةٌ وَأَوْصَى بِالْكَفَّارَةِ يُعْطَى لِكُلِّ صَلَاةٍ

نِصْفَ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ) كَالْفِطْرَةِ (وَكَذَا حُكْمُ الْوِتْرِ) وَالصَّوْمِ، وَإِنَّمَا يُعْطِي (مِنْ ثُلُثِ مَالِهِ) وَلَوْ لَمْ يَتْرُكْ مَالًا يَسْتَقْرِضُ وَارِثُهُ نِصْفَ صَاعٍ مَثَلًا وَيَدْفَعُهُ لِفَقِيرٍ ثُمَّ يَدْفَعُهُ الْفَقِيرُ لِلْوَارِثِ ثُمَّ وَثُمَّ حَتَّى يَتِمَّ. وفی الدر المنتقی اذا ارادوا الاخراج عن المیت یخرجوا عنه بقدر صلواته ان کان عندهم مایکفی والاتدفع مرارا انتهی۔وفی الطحطاوی ولابدمن تکرار القبض والدفع حتی تتم الهبة انتهی۔اعلم ان الحیلة فی اللغة هل هیئة الدافعة للثقل وفی الاصطلاح وجود الهیئة المسهلة لحصول المراد وهی قسمان حقانیة وشیطانیة الاولیٰ ماجوزه الشرع والثانیة مایمتنعوه الشرع وامثال الاولیٰ ماوجدمن ایوب علیه السلام ویوسف وابراهیم علیهما السلام واما الفقهاء جوزوها فی الدفع الشفعة والدفع حقوق اللہ تعالیٰ عن ذمة المیت کیف ماکانت فی دیارنا من الکابل والقندهار والصوبة السرحدیة واکتفیت بماحررت بمثل مشت نمونه خروار بعون اللہ الغفار واصلی فی اتمامها علی رسولنا محمد ﷺ سید الابرار وعلیٰ اله الاخیار۔آمین ع

بس کنم خود زیر اکاں را ایں بس است[1]

المسئلة الثانیة فی استحباب طبخ الصدقة فی بیت المیت لایصال ثوابه

فی البخاری ص ۸۱۵ وص ۸۴۹ عَنْ عَائِشَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَنَّهَا كَانَتْ إِذَا مَاتَ الْمَيِّتُ مِنْ أَهْلِهَا، فَاجْتَمَعَ لِذَلِكَ النِّسَاءُ، ثُمَّ تَفَرَّقْنَ إِلَّا أَهْلَهَا وَخَاصَّتَهَا، أَمَرَتْ بِبُرْمَةٍ مِنْ تَلْبِينَةٍ فَطُبِخَتْ، ثُمَّ صُنِعَ ثَرِيدٌ فَصُبَّتِ التَّلْبِينَةُ عَلَيْهَا، ثُمَّ قَالَتْ : كُلْنَ مِنْهَا، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ» : التَّلْبِينَةُ مُجِمَّةٌ لِفُؤَادِ المَرِيضِ، تَذْهَبُ بِبَعْضِ الحُزْنِ انتهی۔وبالحدیث الصحیح ثبت طبخ الطعام فی بیت المیت والاکل فیه فلذلک یطبخ اهل المیت الطعام فی بیته ویعطونه لاهله وسائر الفقراء لایصال الثواب المیت وهو الحق الثابت بالحدیث بلاریب وکذافی المشکوة قبل باب الکرامات وص ۵۴۴ وَعَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جَنَازَةٍ فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْقَبْرِ يُوصِي الْحَافِرَ يَقُولُ» : أَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيْهِ أَوْسِعْ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهِ« فَلَمَّا رَجَعَ اسْتَقْبَلَهُ دَاعِيَ امْرَأَتِهِ فَأَجَابَ وَنَحْنُ مَعَه وَجِيءَ بِالطَّعَامِ فَوَضَعَ يَدَهُ ثُمَّ وَضَعَ الْقَوْمُ فَأَكَلُوا فَنَظَرْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يلوك لُقْمَةً فِي فَمه ثُمَّ قَالَ أَجِدُ لَحْمَ شَاةٍ أُخِذَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ أَهْلِهَا فَأَرْسَلَتِ الْمَرْأَةُ تَقُولُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَرْسَلْتُ إِلَى النَّقِيعِ وَهُوَ مَوْضِعٌ يُبَاعُ فِيهِ الْغَنَمُ لِيُشْتَرَى لِي شَاةٌ فَلَمْ تُوجَدْ فَأَرْسَلْتُ إِلَى جَارٍ لِي قَدِ اشْتَرَى شَاةً أَنْ أرسل إِلَيَّ بِهَا بِثَمَنِهَا فَلَمْ يُوجَدْ فَأَرْسَلْتُ إِلَى امْرَأَتِهِ فَأَرْسَلَتْ إِلَيَّ بِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» : أَطْعِمِي هَذَا الطَّعَامَ الْأَسْرَى انتهی۔فالنبی ﷺ عادته انه یقبل الطعام الجائز وایضاً یده علی الطعام الجائز وایضا یدخل الفم الطعام الجائز لاغیره فی بیته ولذلک فعلی اصحاب النبی ﷺ هذه الافعال فی حضور النبی ﷺ ثم ترکوه لعارض احتیاطا فهذا الحدیث ایضا دلیل طبخ الطعام فی بیت المیت بلاریب لایصال الثواب للمیت فان قیل بعداهل الزوائر یقولون لیس هذه امرأته المیت بل هی غیرها لانه جآء فی نسخة ابی داود فی کتاب البیوع وغیره (امرأة) بلااضافة فهذه النسخة تدل علی ان هذا الطعام طبخ فی غیر بیت المیت قلنا اولا ان نسخة الاضافة اختارها ملاعلی قاری حیث قال فی شرحه (ای إمرأة المیت) وهو من المجددین فی مذهبنا وقوة

---

[1] (تسهیل المشکوة ص ۱۱۷-۱۱۵)

الرواية بقوة الراوى فنسخة الاضافة الاولىٰ من غيرهاوايضايؤيدنسخة الاضافة الشيخ المحدث عبدالغنى الدهلوى المدنى شرح ابن ماجه حيث قال فى شرحه اماصنعة الطعام من اهل الميت اذاكان للفقراء فلابأس به لان النبى ﷺ قبل دعوة إمرأة الميت التى مات زوجها كمافى سنن ابى داود اما اذاكان للاغنياءوالاضياف فممنوع انتهى ۔فقول هذاالمحدث موافق لقول المجددملاعلى قارى فلقول هذين الشيخين نسخة الاضافة الاولىٰ فثبت بحديث المشكوة جواز صنعة الطعام من اهل الميت للفقراءوالطلباء۔

خوش خوش رہواے طالبو! میں لکھتا ہوں واسطے تمہارے　　صدقات کل جائز ہیں واسطے تمہارے

وقلناثانياان قول اهل الظواهرباطل اذمرادنسختين واحدلان التنوين فى إمرأة عوض عن المضاف اليه فالنسختان كلتاهماواحدالمرادفى ان الداعى كان من جانب إمرأة الميت لاأن غيرهافلااحتمال فى الحديث الى إمرأة غير الميت فأكل الطعام فى بيت الميت جائز للفقراءوالطلباءوالعلماءلاالاغنياءوالاضياف كمامروهذاهوالحق والحق احق بالاتباع وانظر نظيرهاتين نسختين فى المشكوة فى صفحة ۳۷۵ قبل باب مناقب ازواج النبى ﷺ فى حديث ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما (لمايغذوكم من نعمة) بالتنوين وفى نسخة الاخرى بالاضافة (من نعمه) ومالهماواحدوكثيراما يوجداختلاف النسختين فى البخارى ومالهماواحدفكذافى نسختى الحديث المذكوروالى الله تعالىٰ المشتكى من اهل الزمان لايعلمون بتوافق نسختين ويعترضون على العلماء۔شعر

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است　　سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

فان قيل الفقهاءيكرهون الطعام فى بيت الميت الى ثلثة ايام قلناصحيح حكمهم ذلک لان مرادهم من الطعام الضيافة لاالصدقة لانهاجائزة بالاحاديث المذكورة كمامروا عباراتهم صريحة على كراهة الضيافة فقط فى الهندية ولايباح اتخاذ الضيافة عندثلاثة ايام انتهى وفى فتح القديريكره اتخاذالضيافة عندثلاثة ايام انتهى۔وايضاقال يكره اتخاذالضيافة من اهل الميت انتهى وكذافى سائركتب الفقهاءوقال فتح القديروالكل عللوه بانه شرع فى السرورلافى الشرورهى بدعة مستقبحة انتهى فعباراتهم صريحة على كراهة الضيافة فى بيت الميت فقط لماعللوه ولاجل ان فى ضيافة مشاق كثيرة كمايعلم من احاديث باب الضيافة فى ص ۳۶۸ احدالمشاق فيكرم ضيفه وفيه المشقة على اهل الميت والثانى جائزته يوم وليلة وهى اعلى الطعام وفية المشقة الكثيرة وكذافى اليوم الثانى لكن دون اول يوم وكذالابدللضيف من مكان نفيس وسريرككث فوق ثوب حسين وايضايخرج مع ضيفه الى باب الدار كمافى حديث ابى هريرة فتلك مشاق تلزم على اهل الميت فلذلک كره الفقهاءالضيافة الى ثلاثة ايام اماالصدقة فلاحرج فيهاعلى اهل الميت كمالايخفى فان قيل ماالدليل للفقهاءعلى كراهة الطعام الضيافة قلنادليلهم حديث ابن ماجه عن جرير بن عبدالله قال كنانرى الاجتماع الى اهل الميت وصنعة الطعام من النياحة انتهى اى نرى اجتماع الاضياف وصنعة الطعام للاضياف كالنياحة فى الوزروالاشک فى كراهية طعام الضيافة للاضياف لان فيهامشاق كمامروالليق بحال اهل الميت السهولة كمااشاراليه حديث عبدالله بن جعفر قال رسول الله ﷺ اصنعوا لاهل جعفر طعامافقداتاهم مايشغلهم انتهى الامر للسهولة والاستحباب قال ابن الهمام ويستحب لجيران اهل الميت والاقرباءوالاباعدتهية طعام لهم يشبعهم يومهم دليلتهم لقوله ﷺ اصنعوالاٰل

جعفر طعاما اه۔فاعطاء الجيران الصدقة لاهل الميت مستحب بحديث عاصم رضى الله تعالىٰ عنه ويؤيده قوله تعالىٰ وتعاونوا على البر والتقوى انتهى فباعطاء الصدقة بين الجيران واهل الميت يجيئ التعاون المامور فى الأية لان الأية مطلقة شاملة لاهل الميت وغيرهم مطلقافكماتجوزالدعاءمن اهل الميت له فى الايام الثلاثة الاول وهى عبادة بدنية فكذاتجوز الصدقةمن اهل الميت لهفى الايام الثلاثة الاول وهى عبادة مالية فكلتا العبادتان جائزتان فى الايام الثلاثة الاول من اهل الميت لهبالقرآن والحديث۔ ع

بس كنم خود زير كان را اين بس است

المسئلة الثالثة فى استحباب الدعاء بالجمع قبل السنة وبعدها

اعلموا ايها الاخوان ان مطلق الدعاء فرض بالقرآن وبالقدر المشترک من الاحاديث اما الدعاء بالجمع فقدفعل النبى ﷺ بعدصلوة العيدين فى البخارى عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ، قَالَتْ : أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الحُيَّضَ يَوْمَ العِيدَيْنِ، وَذَوَاتِ الخُدُورِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ المُسْلِمِينَ، وَدَعْوَتَهُمْ وَيَعْتَزِلُ الحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ، قَالَتِ امْرَأَةٌ : يَارَسُولَ اللَّهِ إِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ؟قَالَ: » لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا انتهى حاصل الحديث ان النبى ﷺ امر النساء لحضور الدعاء بالجمع مع المسلمين يوم العيدين وايضافعل النبى ﷺ الدعاء بالجمع بعدصلوة الاستسقاء فى البخارى عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ زَيْدٍ، قَالَ» : خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى هَذَا المُصَلَّى يَسْتَسْقِي، فَدَعَا وَاسْتَسْقَى، ثُمَّ اسْتَقْبَلَ القِبْلَةَ وَقَلَبَ رِدَاءَهُ انتهى فثبت بهذاالحديث ايضاالدعاء بالجمع مع النبى ﷺ وفى الحديث ابن ماجه عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» اسْتَسْقَى حَتَّى رَأَيْتُ أَوْ رُئِيَ بَيَاضُ إِبْطَيْهِ انتهى اماالدعاء بالجمع بعدالسنة وقبلهافمستحبة عندالعلماء فى فيض البارى الادعية دبر الصلوة قدتواترت تواترالاينكر امارفع الايدى فثبت بعدالنافلة مرة اومرتين فالحق بهاالفقهاء المكتوبة ايضاانتهى فالدعاء بالجمع بعدالمكتوبة وكذابعدالسنة مستحبة عندالعلماء كماقال المحدث انورشاه وهذاهو الحق لان مافعله النبى ﷺ مرة ومانسخه فهو جائز لنافعله لقوله تعالىٰ لقدكان لكم فى رسول اسوة حسنة انتهى فاذافعل النبى ﷺ الدعاء بالجمع وبرفع الايدى فى وقت فجاز لنافعلهابعدالمكتوبة وبعدالسنة وبعدالجنازة وبعداكل الطعام وبعدختم القرآن وغيرهامن المقامات وايضاقال عبدالحى فى السعاية الدعاء بالجمع مستحبة العلماء انتهى وايضاقال الشيخ عبدالحق الدهلوى فى شرحه على الصراط المستقيم اين دعاكه ائمه مساجدمى كنند ومقتديان امين مى گويندچنانچه الأن دردياررامتعارف است مستحب است ومستحسن اما قبل السنة افضل است ازبعدالسنة انتهى۔فثبت الدعاء بالجمع بالحديث واقوال العلماء فان قيل فى رسالة كفايت الله صاحب انهابدعة قلناحكمه مقيدبأن يقول الناس ان الدعاء بالجمع لازم كالواجب ولاشک ان من قال بوجوبهاولزومهاانهابهذه الحيثية بدعة ومن قال انهابالجمع مستحبة فحكمه صحيح بالحديث المذكورواقوال العلماء كمامرولذالم يوجد فى كتب فقه الاحناف الحكم بكراهيتهافضلاعن بدعيتهاوالحكم فى كتب فقهناموجودباستحبابيتهاكمافى السعاية ونورالايضاح ومراقى الفلاح وطحطاوى وايضاالحكم باستحبابهاشاعه مولانانصيرالدين مدظله وشيخ الحديث والقرآن فى فتاواه بحوالة كتب الاحناف وايضاحكم باستحبابهاعلماءضلع

بشاور و مردان و مفتیان دیار خراسان و لواحقه۔ ع

بس کنم خود زیر کاں را ایں بس است

مسئلة التوسل بالانبياء و الصلحاء

فی المشکاة فی باب فضل الفقراء وَعَنْ أُمَيَّةَ بْنِ خَالِدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بن أسيد عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَنَّهُ كَانَ يَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِيكِ الْمُهَاجِرِينَ. انتهیٰ و فی انسان العیون عن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم» : لما اقترف آدم الخطيئة قال : يا رب أسألك بحق محمد صلى الله عليه وسلم إلا غفرت لي، قال و كيف عرفت محمدا« وفي لفظ كما في» الوفاء« وما محمد و من محمد؟ قال : لأنك لما خلقتني بيدك و نفخت في من روحك رفعت رأسي فرأيت على قوائم العرش مكتوبا لا إله إلا الله محمد رسول الله، فعلمت أنك لم تضف إلى اسمك إلا أحب الخلق إليك، قال : صدقت يا آدم، و لولا محمد لما خلقتك« أي وفي لفظ كما في» الشفاء« » قال آدم لما خلقتني رفعت رأسي إلى عرشك، فإذا فيه مكتوب : لا إله إلا الله، محمد رسول الله، فعلمت أنه ليس أحد أعظم قدرا عندك ممن جعلت اسمه مع اسمك، فأوحى الله تعالى إليه، وعزتي و جلالي إنه لآخر النبيين من ذريتك، و لولاه ما خلقتك انتهیٰ و ایضا فی حدیث عثمان فی الترمذی صفحه ۵۱۵ أَنَّ رَجُلًا ضَرِيرَ الْبَصَرِ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : ادْعُ اللهَ أَنْ يُعَافِيَنِي قَالَ» : إِنْ شِئْتَ دَعَوْتُ، وَإِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّك.« قَالَ : فَادْعُهُ، قَالَ : فَأَمَرَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ فَيُحْسِنَ وُضُوءَهُ وَيَدْعُوَ بِهَذَا الدُّعَاءِ» : اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُك وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْك بِنَبِيِّك مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، إِنِّي تَوَجَّهْتُ بِك إِلَى رَبِّي فِي حَاجَتِي هَذِهِ لِتُقْضَى لِيَ، اللَّهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِيَّ« ۔ انتهیٰ۔ و یؤید قوله تعالیٰ و ابتغوا الیه الوسیلة انتهیٰ قال مولانا عبد الحی رحمة الله تعالیٰ علیه ای بالذوات الفاضلة و الاعمال صالحة و قال امام مالک رحمة الله تعالیٰ علیه لأبی جعفر الخلیفة النبی ﷺ وسیلتک و وسیلة ابیک آدم علیه السلام انتهی۔ و فی شامی مجلد ۱ ص ۳۹، قال امام الشافعی انی اتبرک بقبر ابی حنیفة رحمة الله تعالیٰ علیه انتهیٰ و ایضا قال علماء دیوبند ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیاء وصلحاء و اولیاء وشہداء و صدیقین کا توسل جائز ہے۔ انتہی. یؤیدوه اجازة مرشدی حسین علی الهی بحرمة حضرت حاجی دوست محمد قندهاری انتهی۔ الحاصل اتفق المذاهب الاربعة علی جواز التوسل بالانبیاء و الصلحاء لا اطول بذکر نقول قال السعدی

الهی بحق نبی فاطمه کہ بر قول ایمان کنم خاتمه

بس کنم خود زیر کان را ایں بس است

اللهم اتنا توفیق العمل بهذه المسائل بحرمة محمد ﷺ۔ آمین۔[1]

المسئلة الخامسة فی استحباب السفر لزیارة النبی ﷺ و الصلحاء

اعلم انه قال الکرمانی وقع فی هذه المسئلة فی عصرنا فی البلاد الشامیة مناظرات کثیرة و صنف فیها رسائل من الطرفین انتهی فابن التیمیة و الشیخ ابو محمد الجوینی و القاضی حسین و اتباعهم قالوا بتحریم شد الرحال الی

---

[1] (تسهیل المشکوٰة، ص ۱۲۲)

غير المساجد الثلاثة بظاهر الحديث وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ : مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى وَمَسْجِدِي هَذَا انتهى فی مسلم وقال الفريق الثانی وهم الجمهور منهم الامام السبکی المقابل لابن تيمية والشيخ الشوكانی والشيخ انور شاه المحدث الديوبندی رحمهم الله تعالیٰ وغيرهم قال الشوكانی واحتج من قال بالمشروعية بانه لم يزل دآب المسلمين القاصدين للحج فی جميع الازمان من الديار المختلفة من المذاهب الاربعة هو السفر الی المدينة المشرفة لقصد زيارة النبی ﷺ ويؤدون ذلک السفر من افضل الاعمال بلا انكار النكير عليهم فكان اجماعا انتهى وقال الشيخ محدث انور شاه ان دليل الجمهور فی مسئلة الزيارة النبوية هو ثبوت السفر الصالحين الی روضة المنورة تواتر اعمليات وما اجاب عنه ابن تيمية واتباعه بالجواب الشافی انتهى وقال تاكيدا والحاصل انه لم يأتی بجواب شاف يقبله الذوق الصحيح والله اعلم انتهى وقال فی الدر المختار وزيارة قبره الشريف مندوبة بل قيل واجبة لمن له سعة انتهى قال ابن الهمام والاولی عند العبد الضعيف تجريدنية لزيارة قبره عليه الصلوة والسلام لان فی ذلک تعظيمة ﷺ واجلاله ويوافقه قوله ﷺ من جاءنی زائرا لا تعمله حاجة الا زيارتی كان حقا علی الله ان اكون شفيعاله يوم القيمة انتهى ولجواز السفر الی الروضة المنورة قصد العارف الجامی سفرا مستقلا لزيارة الروضة المنورة لايكون له مقصد غيرها فی السفر وقال عند عوده سائلا شعر

سندی سیدی و مولائی　　به سفرے روم چه فرمائی

فجاء الجواب من الروضة

به سفر رفتنت مبارک باد　　بسلامت روی و باز آئی

وخادم القرآن يقول شوقا۔ شعر

کے بود یارب که رود ریثرب و بدحیٰ کنم　　گه بمکه منزل و گه در مدینه جا کنم

ومنشاء الخلاف ان الفريق الاول قالوا ان الاستثناء فی الحديث مفرغ تقديره لا تشد الرحال الی موضع ما الا اه۔ فمراد الفريق الاول تشديد ومراد الثانی تسهيل وللناس فی مايعشقون مذاهب وانی من الفريق الثانی لان هذا زمان الرفق هو الحق لقوله تعالیٰ اشداء علی الكفار رحماء بينهم الآية فينبغی لنا الشدة مع الكفار والرفق مع المؤمنين الاخيار هو دآب الابرار اللهم اجعلنا منهم بحرمة سيد الابرار ﷺ الی يوم القرار آمين يا الله الغفار ع

بس کنم خود زیرکان را ایں بس است

هذا تائيد الدعاء بالجمع بالامثال المستحبة

اعلم ان الدعاء بالجمع بعد الصلوة المفروضة مستحبة وكذا بعد السنة عند الاحناف كما ان تعريف القرآن مستحب عندنا وكذا التلفظ بنية الصلوة عندنا وكذا الصلوة المعدودة ليلة القدر مثلا وكذا التروايح فی التراويح وكذا تكرار الختم فيها وكذا الزيادة علی الفاظ التلبية مثلا وكذا تعداد الدلو فی نزح البئر النجس وكذا شروط القضاء وكذا شروط الدعویٰ مثلا وكذا المولود الشريف مستحب عند العلماء ولم يفعله احد من السلف فی القرون الثلاثة

بل حدث بعدها وقال ابن الجوزی فی تائید استحابه (من خواصه انه امان فی ذلک انعام وبشری عاجلة بنیل البغیة والمرام انتهی) واول من احدثه الملک المظفر ابوسعید محمود السیرة والسریرة مات ۶۳۰ھ وکان یعمله فی ربیع الاول ویتصدق فیه خمسة آلاف رأس غنم شواء وعشرة آلاف دجاجة ومائة الف زبدیة وثلاثین الف صحن حلوی وکان یصرف علی المولد ثلاث مائة الف دینار رحمة الله تعالیٰ واستنبط الحافظ ابن حجر تخریج عمل المولد علی اصل ثابت فی السنة وهو مافی الصحیحین ان النبی ﷺ قدم المدینة وفی آخر الحدیث وقد جوزی ابولهب بتخفیف العذاب عنه یوم الاثنین بسبب عتاق ثویبة لمابشرته بولادته ﷺ انتهی وکذا اثبت السیوطی بالحدیث وایضا صنف ابن دحیة کتابا فی اثباته المسمی (التنویر بمولد البشیر النذیر) فهذه المستحبات المذکورة نظائر استحباب الدعاء بالجمع بعد السنة وقبلها فمن قال باستحبابها فهو یقول باستحباب الدعاء بالجمع بلا فرق لعدم الدلیل الفارق ویؤیده تصریح الفقهاء باستحبابها فی کتبهم وعدم تعرضهم الی کراهیتها کما هو ظاهر عند العلماء والفضلاء فالانصاف لنا ان نقول باستحباب الدعاء بالجمع ومن ترکها فلا جرح علیه کما هو حکم کل مستحب ولاینبغی لنا الاختلاف اذ هو سبب التباغض والتحاسد وهو ممنوع بالاحادیث۔ شعر

حسد هر جا که آتش برفروزد　　هم از اول حاسودان را بسوزد

بقدر وسع در اصلاح کوشید　　اگر اصلاح نتواند خموشید

بس کنم خود زیرکان را این بس است

یقول الکاتب　　قال مولانا صاحب چارباغ

نکیر الدعاء بعد نفل وسنة　　لمنکر دین ذاک والله جاحد

ایضا قال

قد اجیبت اجیب دعوة داع　　مطلق القول حجة الانبیاء

نکیر بمعنی منکر　　مطلق بمعنی الاطلاق[1]

حوالہ جات تسہیل البخاری مصنفہ علمائے دیوبند کا امیر المومنین فی التفسیر مجدد ملۃ شیخ القرآن والحدیث مولانا عبدالہادی الدیوبندی المولود فی سنۃ ۱۲۹۲ھ المتوفی فی سنۃ ۱۴۰۷ھ بشاہ منصور الناشر دار التصنیف والتالیف دار العلوم تعلیم القرآن شاہ منصور تحصیل وضلع صوابی

قوله اذا تاه جبرئیل استمع اه۔ فی تفسیر ابن عادل ان جبریل علیه السلام نزل علی النبی ﷺ اربع وعشرین الف مرة وعلی آدم علیه السلام ۱۲ وعلی ادریس علیه السلام ۴ مرة وعلی نوح علیه السلام ۵۰ مرة وعلی ابراهیم علیه السلام ۴۲ مرة وعلی موسیٰ علیه السلام ۴۰۰ مرة وعلی عیسیٰ علیه السلام ۱۰ مرة القسطلانی ص ۱۲

قوله یذکرون الناس فی کل خمیس آه۔ هذا مقیس علیه لصدقة الناس لیلة الجمعة مثلا ولقراءة سورة الملک لیلة الجمعة لان فیه سهولة۔[2]

---

[1] (تسہیل المشکوٰۃ، ص ۱۲۴ مصنفہ شیخ القرآن والحدیث مولانا عبدالہادی صاحب شاہ منصوری)

[2] (تسہیل البخاری ص ۴)

قوله تحضر الصلوة اذحينئذالمصلون فی المساجديدعون للغزاة بهيئة الاجتماعية فالسرفی تأخير القتال الی اوقات الصلوات استمداددعائهم بالهيئة الجامعة بعداتمام الصلوة فالدعاءبعداتمام الصلوة بالهيئة الجامعة مع الرفع اليدين من المستحبات فی حصن الحصين۔قال رسول اللہ ﷺ الدعاءمستجاب عنداجتماع المسلمين وفی روايةالدعاءمستجاب فی مجالس الذكروالحديث وختم القرآن وفيه ايضاًان من آداب الدعاءرفع اليدين واخرج الطبرانی فی روايةجعفربن محمدالصادق الدعاءبعدالمكتوبة افضل من الدعاءبعدالنافلة انتهی كذافی السعاية نقلاعن ابن حجروعن ابن امامة رضی اللہ تعالیٰ عنه انه قال مادنوت من رسول اللہ ﷺ فی دبر كل صلوة مكتوبة ولاتطوع الاسمعته يقول ای فی الدعاءاللهم اغفرلی ذنوبی وخطاياهاكلهااخرجه ابن السنی۔

اعلم ان الدعاءبالهيئة الاجتماعية مستحبة قبل السنة وبعدهااحبهاالعلماءالاان الاولی زائدة علی الاخری وبالانفراد سنة كمافی الهداية وفی الهداية وسنة فی الادعية تأخيرهامن الصلوة وفی فيض البارای امارفع اليدين فثبت بعد النافلة مرة اومرتين فالحق بهاالفقهاءالمكتوبة ايضاوذهب ابن تيمية وابن القيم الی كونه بدعة انتهی وعن الشيخ عبدالحق الدهلوی فی شرحه علی الصراط المستقيم ايں دعاكه ائمه مساجد بعد ازسلام نمازمی كنندومقتديان آمين آمين می گويندچنانچه الآن دردياعرب وعجم متعارف است بدعت است مستحسن انتهی اگرمراد ابن تيميه هم بدعت حسنه بودخوب است هومرادناوالافهوخلاف الجمهوروا هل السنةشعر

چوبشنوی سخن اهل دل مگوكه خطااست　　سخن شناس نه دلبراخطااينجااست[1]

قوله تامينه تامين الملئكة وهذادليل استحباب الدعاءبالجمع خارج الصلوة اذبالجمع يستجاب الدعاء لاجل الصلحاء ولدعوات الصلحاءتأثيربليغ يعنی ولدعوات تأثيربليغ وقدينفيه اصحاب الضلال۔[2]

قوله قرن الشيطان لعل المرادمنه قرن عبدالوهاب النجدی الطاغی الباغی۔[3]

قوله يستسقی الغمام اه معناه تعريف النبی ﷺ يعنی هوابيض يطلب المطرمن السحاب بوسيلة وجه النبی ﷺ مطعم اليتمیٰ حفاظة النساءاللواتی لازوج لهاوكذاهذامعمول من زمان الاسلاف الی زماننا السؤال بذريعة النبی ﷺ بحيث نقول اللهم ارحم علينابحرمة النبی ﷺ وببركته وغيرذلک لايخالفهم غيرابن تيمية۔[4]

قوله يستسقی بالعباس هذادليل علی عموم الوسيلة بالصالحين كمانقول اللهم ارحم علينابببركة الطلبة والعلماء وغيرذلک۔[5]

قوله فعلت ذلک من خشيتک ففرج عنا　　أی بسبب صالح عملی فيه اثبات الوسيلة بالعمل الصالح وايضاالوسيلة

---

[1](تسهيل البخاری ص ۱۱۴)

[2](تسهيل البخاری ص ۵۲)

[3](تسهيل البخاری ص ۵۶)

[4](تسهيل البخاری ص ۵۶)

[5](تسهيل البخاری ص ۵۶)

بذوات الانبیاءو الصلحاءصحیحة کمامرفی ص۱۳۷ من فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه استسقی بالعباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنهماو ایضاقال رئیس الاولیاءشعر

الهی بحق بنی فاطمه (رضی اللہ تعالیٰ عنها) که بر قول ایماں کنم خاتمه[1]

قوله الحیل الفرق بین الوسیلة والحیلة ان الوسیلة یتوصل به الی المقصود ظاهرا بلاخفاءو الحیلة مایتوصل به الی المقصود ظاهرا بلاخفاءو الحیلة مایتوصل به الی المقصود بطریق خفی باجازة الشریعة فیهاو کلاهماجائزان عندناو الشافعی رحمة اللہ تعالیٰ علیه و خالفنا ابن تیمیة فی الاول حتی یقول لمن یتخذ الوسیلة بالانبیاءو الصلحاءانه مشرک و ایضاالسفر الی الروضة المنورة النبویة حرام و ایضایقول الدعاءبالجمع بعدالسنة بدعة نعوذ باللہ منهاو رزقنا اللہ تعالیٰ فعل السفر الی الروضة و الدعاءبعدالسنة بالجمع و بوسیلة الانبیاءو الصلحاء۔آمین۔[2]

اس تسہیل بخاری میں اہلسنت و جماعت کے بے شمار عقائد ہیں تمام اہلسنت و جماعت کو یہ کتاب اپنے پاس رکھنا بہت ضروری ہے۔

قوله وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿مومن ۶۰﴾ یعلم من انضمام هذه الآیة ان الدعاءهو العباده و اعلم ان روی ابن جریر مرفوعاو هو من المجددین ان المراد فی الآیة عن عبادتی ای عن دعائی انتهی و القاعدة فی القرآن و الحدیث ان اللفظ اذااطلق فیهمافالمرادبه الاعلی دون الادنی فالاعلی فی الدعاءهو الدعاءبالجمع فمعنا الآیة من استکبر عن دعائی بالجمع سیدخلون جهنم داخرین فثبت الدعاءبالجمع و لذکانت الدعاءبالجمع تستجاب و الدعاءبالجمع بعدالسنة مستحب العلماء کذاقال عبدالحی او رحمة اللہ تعالیٰ علیه فی السعایة و کذافی نور الایضاح و الطحطاوی و کثیر من الاحناف فعلیک بالانصاف و اللہ اعلم۔[3]

چند حیوانات جنت میں جائیں گے

❁روی- انه یدخل الجنة مع المؤمنین علی ماقال مقاتل عشرة من الحیوانات تدخل الجنة ناقة صالح و عجل ابراهیم و کبش إسماعیل و بقرة موسی و حوت یونس و حمار عزیر و نملة سلیمان و هدهد بلقیس و کلب اصحاب الکهف و ناقة محمد صلی اللہ علیه و سلم فکلهم یصیرون علی صورة کبش و یدخلون الجنة۔[4]

❁وقال العلامة محمود الآلوسی رحمه اللہ تعالیٰ و جاء في شأن کلبهم أنه یدخل الجنة یوم القیامة. فعن خالد ابن معدان لیس في الجنة من الدواب إلا کلب أصحاب الکهف و حمار بلعم۔[5]

و مثله فی التفسیر جمل ج۳ص ۱۲ سورة الکهف۔

---

[1] (تسهیل البخاری ص ۱۲۱)

[2] (تسهیل البخاری ص ۲۰۹)

[3] (تسهیل الترمذی ص ۲۶۰)

[4] (روح البیان ص ۲۲۶ سورة الکهف، ج۵ ص ۹۵ سورة النحل الآیة ۱۲۴، ج۶ ص ۳۱۲ سورة الشعراء الآیة ۱۶ تا ۲۰)

[5] (روح المعانی ج۸ ص ۲۱۵ سورة الکهف الآیة ۱ تا ۲۷)

عالم کیلئے اونچی جگہ پر بیٹھنا سنت ہے۔

❁ وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ كَانَ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - يَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ، وَفِي أُخْرَى لِأَبِي دَاوُدَ كَانَ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - يَجْلِسُ بَيْنَ أَصْحَابِهِ فَيَجِيءُ الْغَرِيبُ فَلَا يَدْرِي أَيُّهُمْ هُوَ حَتَّى يَسْأَلَ فَطَلَبْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنْ يَجْعَلَ لَنَا مَجْلِسًا يَعْرِفُهُ الْغَرِيبُ إِذَا أَتَاهُ قَالَ :فَبَنَيْنَا لَهُ دُكَّانًا أَيْ :دِكَّةً مِنْ طِينٍ يَجْلِسُ عَلَيْهِ، وَكُنَّا نَجْلِسُ بِجَنْبِهِ، وَاسْتَنْبَطَ مِنْهُ الْقُرْطُبِيُّ أَنَّهُ يُسَنُّ لِلْعَالِمِ الْجُلُوسُ بِمَحَلٍّ مُرْتَفِعٍ مُخْتَصٍّ بِهِ إِذَا احْتَاجَ إِلَيْهِ لِلتَّعْظِيمِ، وَنَحْوِهِ۔[1]

شیخ پر اعتراض کرنے والا کبھی کامیاب نہیں ہوتا

❁ وَفِيهِ تَعْلِيمٌ لِلْمُرِيدِ بِأَنْ لَا يَنْظُرَ إِلَى الشَّيْخِ بِعَيْنِ الِاحْتِقَارِ وَإِنْ رَأَى عِبَادَتَهُ قَلِيلَةً، فَلْيُظْهِرْ عُذْرَهُ وَلْيَلُمْ نَفْسَهُ إِنْ جَرَى فِيهَا إِنْكَارٌ عَلَى شَيْخِهِ لِأَنَّ مَنِ اعْتَرَضَ عَلَى شَيْخِهِ لَمْ يُفْلِحْ أَبَدًا۔[2]

❁ وَأَنَّ الْمُسْلِمِينَ مَازَالُوا فِي كُلِّ مِصْرٍ وَعَصْرٍ يَجْتَمِعُونَ وَيَقْرَءُونَ لِمَوْتَاهُمْ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ، فَكَانَ ذَلِكَ إِجْمَاعًا۔[3]

❁ لَا يُصَلَّى عَلَى مَيِّتٍ غَائِبٍ، وَقَالَ الشَّافِعِيُّ :يُصَلَّى عَلَيْهِ اسْتِدْلَالًا بِصَلَاةِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - عَلَى النَّجَاشِيِّ وَهُوَ غَائِبٌ، وَلَا حُجَّةَ لَهُ فِيهِ لِمَا بَيَّنَّا عَلَى أَنَّهُ رُوِيَ أَنَّ الْأَرْضَ طُوِيَتْ لَهُ، وَلَا يُوجَدُ مِثْلُ ذَلِكَ فِي حَقِّ غَيْرِهِ، ثُمَّ مَا ذَكَرَهُ غَيْرُ سَدِيدٍ، لِأَنَّ الْمَيِّتَ إِنْ كَانَ فِي جَانِبِ الْمَشْرِقِ فَإِنْ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فِي الصَّلَاةِ عَلَيْهِ كَانَ الْمَيِّتُ خَلْفَهُ، وَإِنْ اسْتَقْبَلَ الْمَيِّتَ كَانَ مُصَلِّيًا لِغَيْرِ الْقِبْلَةِ وَكُلُّ ذَلِكَ لَا يَجُوزُ.[4]

❁ وفی الهندية فی الكبرىٰ الميت اذا اوصى باى يصلى عليه فلان فالوصية باطلة وعليه الفتوىٰ۔ (الفتاوىٰ الهندية ج ۱ ص ۱۶۳)

❁ التَّطَوُّعُ بِالْجَمَاعَةِ إِذَا كَانَ عَلَى سَبِيلِ التَّدَاعِي يُكْرَهُ وَفِي الْأَصْلِ لِلصَّدْرِ الشَّهِيدِ أَمَّا إِذَا صَلَّوْا بِجَمَاعَةٍ بِغَيْرِ أَذَانٍ وَإِقَامَةٍ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ لَا يُكْرَهُ، وَقَالَ شَمْسُ الْأَئِمَّةِ الْحَلْوَانِيُّ :إِنْ كَانَ سِوَى الْإِمَامِ ثَلَاثَةً لَا يُكْرَهُ بِالِاتِّفَاقِ وَفِي الْأَرْبَعِ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يُكْرَهُ. هَكَذَا فِي الْخُلَاصَةِ.[5]

❁ مايكره فی الصلوة ذاة ركوع سجود

ويكره قيام الامام فی طاق المسجد او على دكان او الارض وحده اى يقوم الامام على الارض والقوم على الدكان او بالعكس شرح الوقايه ص ۱۹۷ و ۱۵۸ قيامه على مكان مرتفع وهو مايقع به التميز ظاهر او كذا على القلب فی ظاهر الرواية زاد الفقير لابن الهمام ص ۵۰ (وَيُكْرَهُ أَنْ يَكُونَ الْإِمَامُ وَحْدَهُ عَلَى الدُّكَّانِ) لِمَا قُلْنَا (وَكَذَا عَلَى الْقَلْبِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ) لِأَنَّهُ ازْدِرَاءٌ بِالْإِمَامِ هداية قوله وحده احتراز مما اذا كان معه بعض القوم فانه لايكره (قَوْلُهُ لِمَا قُلْنَا) مِنْ أَنَّهُ تَشَبُّهٌ بِأَهْلِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُمْ يَخُصُّونَ إِمَامَهُمْ بِالْمَكَانِ الْمُرْتَفِعِ فَقَوْلُهُ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ احْتِرَازٌ عَنْ رِوَايَةِ الطَّحَاوِيِّ أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ لِعَدَمِ مَنَاطِهَا وَهُوَ التَّشَبُّهُ فَإِنَّهُمْ

---

[1] (مرقاة المفاتيح ص ۵۰ مكتبة امدادية)

[2] (مرقاة المفاتيح ص ۲۲۰ ج ۱ مكتبة امدادية)

[3] (مرقاة المفاتيح ص ۱۹۹ ج ۴ مكتبة امدادية)

[4] (بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۱ ص ۳۱۲)

[5] (الفتاوىٰ الهندية ج ۱ ص ۲۸۲)

لَا يَخُصُّونَهُ بِالْمَكَانِ الْمُنْخَفِضِ. وَالْجَوَابُ أَنَّ الْكَرَاهَةَ هُنَا لِمَعْنًى آخَرَ وَهُوَ مَا ذُكِرَ فِي الْكِتَابِ. وَاخْتُلِفَ فِي مِقْدَارِ الِارْتِفَاعِ الَّذِي تَتَعَلَّقُ بِهِ الْكَرَاهَةُ فَقِيلَ قَدْرُ الْقَامَةِ، وَقِيلَ مَا يَقَعُ بِهِ الِامْتِيَازُ، وَقِيلَ ذِرَاعٌ كَالسُّتْرَةِ.

وَهُوَ الْمُخْتَارُ وَالْوَجْهُ أَوْ جُهِيَّةُ الثَّانِي لِأَنَّ الْمُوجِبَ هُوَ شَبَهُ الِازْدِرَاءِ يَتَحَقَّقُ فِيهِ غَيْرُ مُقْتَصِرٍ عَلَى قَدْرِ الذِّرَاعِ۔[1]

وَيُكْرَهُ أَنْ يَكُونَ الْإِمَامُ وَحْدَهُ عَلَى الدُّكَّانِ وَكَذَا الْقَلْبُ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ. كَذَا فِي الْهِدَايَةِ وَإِنْ كَانَ بَعْضُ الْقَوْمِ مَعَهُ فَالْأَصَحُّ أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ. كَذَا فِي مُحِيطِ السَّرَخْسِيِّ ثُمَّ قَدْرُ الِارْتِفَاعِ قَامَةٌ وَلَا بَأْسَ بِمَا دُونَهَا ذَكَرَهُ الطَّحْطَاوِيُّ وَقِيلَ : إنَّهُ مُقَدَّرٌ بِمَا يَقَعُ بِهِ الِامْتِيَازُ، وَقِيلَ : بِمِقْدَارِ الذِّرَاعِ اعْتِبَارًا بِالسُّتْرَةِ وَعَلَيْهِ الِاعْتِمَادُ. كَذَا فِي التَّبْيِينِ وَفِي غَايَةِ الْبَيَانِ هُوَ الصَّحِيحُ. كَذَا فِي الْبَحْرِ الرَّائِقِ.[2]

(وَانْفِرَادُهُ عَلَى الدُّكَّانِ) وَهُوَ الْمَكَانُ الْمُرْتَفِعُ وَالْقَوْمُ عَلَى الْأَرْضِ ثُمَّ قَدْرُ الِارْتِفَاعِ قَامَةُ الرَّجُلِ وَلَا بَأْسَ بِمَا دُونَهَا لَكِنَّ إطْلَاقَهُ شَامِلٌ لِمَا دُونَهَا وَهُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ لِإِطْلَاقِ النَّهْيِ، وَقِيلَ : مِقْدَارُ ذِرَاعٍ وَعَلَيْهِ الِاعْتِمَادُ.

وَفِي الْغَايَةِ هُوَ الصَّحِيحُ.

وَفِي فَتْحِ الْقَدِيرِ هُوَ الْمُخْتَارُ (أَوْ الْأَرْضِ) أَيْ انْفِرَادُهُ عَلَى الْأَرْضِ وَالْقَوْمُ عَلَى الدُّكَّانِ لِأَنَّهُ ازْدِرَاءٌ بِالْإِمَامِ وَإِنْ كَانَ مَعَ الْإِمَامِ بَعْضُ الْقَوْمِ لَا يُكْرَهُ فِيهِمَا فِي الصَّحِيحِ.[3]

وَيُكْرَهُ أَنْ يَكُونَ الْإِمَامُ عَلَى دُكَّانٍ وَالْقَوْمُ أَسْفَلَ مِنْهُ، وَالْجُمْلَةُ فِيهِ أَنَّهُ لَا يَخْلُو إمَّا أَنْ كَانَ الْإِمَامُ عَلَى الدُّكَّانِ وَالْقَوْمُ أَسْفَلَ مِنْهُ أَوْ كَانَ الْقَوْمُ عَلَى الدُّكَّانِ وَالْإِمَامُ أَسْفَلَ مِنْهُمْ، وَلَا يَخْلُو إمَّا أَنْ كَانَ الْإِمَامُ وَحْدَهُ أَوْ كَانَ بَعْضُ الْقَوْمِ مَعَهُ، وَكُلُّ ذَلِكَ لَا يَخْلُو إمَّا أَنْ كَانَ فِي حَالَةِ الِاخْتِيَارِ أَوْ فِي حَالَةِ الْعُذْرِ، أَمَّا فِي حَالَةِ الِاخْتِيَارِ فَإِنْ كَانَ الْإِمَامُ وَحْدَهُ عَلَى الدُّكَّانِ وَالْقَوْمُ أَسْفَلَ مِنْهُ يُكْرَهُ سَوَاءٌ كَانَ الْمَكَانُ قَدْرَ قَامَةِ الرَّجُلِ أَوْ دُونَ ذَلِكَ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَرَوَى الطَّحَاوِيُّ أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ مَا لَمْ يُجَاوِزْ الْقَامَةَ، لِأَنَّ فِي الْأَرْضِ هُبُوطًا وَصُعُودًا وَقَلِيلُ الِارْتِفَاعِ عَفْوٌ وَالْكَثِيرُ لَيْسَ بِعَفْوٍ فَجَعَلْنَا الْحَدَّ الْفَاصِلَ مَا يُجَاوِزُ الْقَامَةَ.

وَرُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ إذَا كَانَ دُونَ الْقَامَةِ لَا يُكْرَهُ، وَالصَّحِيحُ جَوَابُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لِمَا رُوِيَ أَنَّ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ قَامَ بِالْمَدَائِنِ لِيُصَلِّيَ بِالنَّاسِ عَلَى دُكَّانٍ فَجَذَبَهُ سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ ثُمَّ قَالَ : مَا الَّذِي أَصَابَك؟ أَطَالَ الْعَهْدُ أَمْ نَسِيتَ؟ أَمَا سَمِعْت رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَقُولُ» : لَا يَقُومُ الْإِمَامُ عَلَى مَكَان أَنْشَزَ مِمَّا عَلَيْهِ أَصْحَابُهُ؟« وَفِي رِوَايَةٍ أَمَا عَلِمْت أَنَّ أَصْحَابَك يَكْرَهُونَ ذَلِكَ؟ فَقَالَ تَذَكَّرْت حِينَ جَذَبْتَنِي، وَلَا شَكَّ أَنَّ الْمَكَانَ الَّذِي يُمْكِنُ الْجَذْبُ عَنْهُ مَا دُونَ الْقَامَةِ، وَكَذَا الدُّكَّانُ الْمَذْكُورُ يَقَعُ عَلَى الْمُتَعَارَفِ وَهُوَ مَا دُونَ الْقَامَةِ، وَلِأَنَّ كَثِيرَ الْمُخَالَفَةِ بَيْنَ الْإِمَامِ وَالْقَوْمِ يَمْنَعُ الصِّحَّةَ فَقَلِيلُهَا يُورِثُ الْكَرَاهَةَ، وَلِأَنَّ هَذَا صَنِيعُ أَهْلِ الْكِتَابِ، وَإِنْ كَانَ الْإِمَامُ أَسْفَلَ مِنْ الْقَوْمِ يُكْرَهُ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، وَرَوَى الطَّحَاوِيُّ عَنْ أَصْحَابِنَا أَنَّهُ لَا يُكْرَهُ وَوَجْهُهُ أَنَّ الْمُوجِبَ لِلْكَرَاهَةِ التَّشَبُّهُ بِأَهْلِ الْكِتَابِ فِي صَنِيعِهِمْ وَلَا تَشَبُّهَ هَهُنَا، لِأَنَّ مَكَانَ إمَامِهِمْ لَا يَكُونُ أَسْفَلَ مِنْ مَكَانِ الْقَوْمِ وَجَوَابُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ أَقْرَبُ إلَى الصَّوَابِ، لِأَنَّ كَرَاهَةَ كَوْنِ الْمَكَانِ أَرْفَعَ كَانَ مَعْلُولًا بِعِلَّتَيْنِ التَّشَبُّهِ بِأَهْلِ الْكِتَابِ وَوُجُودِ بَعْضِ

---

[1] (فتح القدير ج ١ ص ٤٧٥)

[2] (الفتاوى الهندية ج ١ ص ١٠٨ الفصل الثاني في مايكره في الصلاة ومالا يكره)

[3] (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر ج ١ ص ١٢٥ باب مايفسد الصلوة ومايكره فيها)

الْمُفْسِدِ وَهُوَ اخْتِلَافُ الْمَكَانِ وَهَهُنَا وُجِدَتْ إحْدَى الْعِلَّتَيْنِ وَهِيَ وُجُودُ بَعْضِ الْمُخَالَفَةِ هَذَا إذَا كَانَ الْإِمَامُ وَحْدَهُ فَإِنْ كَانَ بَعْضُ الْقَوْمِ مَعَهُ اخْتَلَفَ الْمَشَايِخُ فِيهِ فَمَنْ اعْتَبَرَ مَعْنَى التَّشَبُّهِ قَالَ : لَا يُكْرَهُ وَهُوَ قِيَاسُ رِوَايَةِ الطَّحَاوِيِّ؛ لِزَوَالِ مَعْنَى التَّشَبُّهِ؛ لِأَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ لَا يُشَارِكُونَ الْإِمَامَ فِي الْمَكَانِ، وَمَنْ اعْتَبَرَ وُجُودَ بَعْضِ الْمُفْسِدِ قَالَ : يُكْرَهُ وَهُوَ قِيَاسُ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ؛ لِوُجُودِ بَعْضِ الْمُخَالَفَةِ.

وَأَمَّا فِي حَالَةِ الْعُذْرِ كَمَا فِي الْجُمَعِ وَالْأَعْيَادِ لَا يُكْرَهُ كَيْفَمَا كَانَ لِعَدَمِ إمْكَانِ الْمُرَاعَاةِ.[1]

❁جلوس العالم والمشائخ علي الكراسي بين الناس

روى مسلم (876) عن أبي رِفَاعَةَ قال : "انْتَهَيْتُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ، قَالَ : فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللهِ، رَجُلٌ غَرِيبٌ، جَاءَ يَسْأَلُ عَنْ دِينِهِ، لَا يَدْرِي مَا دِينُهُ، قَالَ : فَأَقْبَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَتَرَكَ خُطْبَتَهُ حَتَّى انْتَهَى إِلَيَّ ، فَأُتِيَ بِكُرْسِيٍّ، حَسِبْتُ قَوَائِمَهُ حَدِيدًا، قَالَ : فَقَعَدَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَجَعَلَ يُعَلِّمُنِي مِمَّا عَلَّمَهُ اللهُ، ثُمَّ أَتَى خُطْبَتَهُ، فَأَتَمَّ آخِرَهَا". قال النووي رحمه الله: "وَقُعُودُهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْكُرْسِيِّ لِيَسْمَعَ الْبَاقُونَ كَلَامَهُ وَيَرَوْا شخصه الكريم" انتهى. وقد ثبت عن أصحابه رضي الله عنهم أنهم جلسوا على الكراسي والأسِرَّة: فروى البخاري (1594) عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ : "جَلَسْتُ مَعَ شَيْبَةَ عَلَى الكُرْسِيِّ فِي الكَعْبَةِ، فَقَالَ : "لَقَدْ جَلَسَ هَذَا المَجْلِسَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ"، وشيبة هو ابن عثمان بن أبي طلحة (صحابي) رضي الله عنه. وروى أبو داود (113) عن عَبْد خَيْرٍ قال : "رَأَيْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أُتِيَ بِكُرْسِيٍّ فَقَعَدَ عَلَيْهِ..... إلخ الحديث "" وروى البخاري (7266) عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، قَالَ : "كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُقْعِدُنِي عَلَى سَرِيرِهِ". فالجلوس على الكرسي لا حرج فيه، فإن احتاج الإنسان إلى الجلوس عليه لتعليم الناس وإسماعهم : فهو مستحب ، كما ثبت ذلك عن النبي صلى الله عليه وسلم ذلك.

وَوَقَعَ فِي رِوَايَةِ ابْنِ مَنْدَةَ : بَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَخْطُبُ أَيْ : يَعِظُ إِذْ جَاءَ رَجُلٌ، وَفِي رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ كَانَ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - يَوْمًا بَارِزًا لِلنَّاسِ، وَفِي أُخْرَى لِأَبِي دَاوُدَ كَانَ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - يَجْلِسُ بَيْنَ أَصْحَابِهِ فَيَجِيءُ الْغَرِيبُ فَلَا يَدْرِي أَيُّهُمْ هُوَ حَتَّى يَسْأَلَ فَطَلَبْنَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَنْ يَجْعَلَ لَنَا مَجْلِسًا يَعْرِفُهُ الْغَرِيبُ إِذَا أَتَاهُ قَالَ : فَبَنَيْنَا لَهُ دَكَّانًا أَيْ : دِكَّةً مِنْ طِينٍ يَجْلِسُ عَلَيْهِ، وَكُنَّا نَجْلِسُ بِجَنْبِهِ، وَاسْتَنْبَطَ مِنْهُ الْقُرْطُبِيُّ أَنَّهُ يُسَنُّ لِلْعَالِمِ الْجُلُوسُ بِمَحَلٍّ مُرْتَفِعٍ مُخْتَصٍّ بِهِ إِذَا احْتَاجَ إِلَيْهِ۔[2]

❁شَاةٌ وَلَدَتْ وَلَدًا بِصُورَةِ الْكَلْبِ فَأَشْكَلَ أَمْرُهُ، فَإِنْ صَاحَ مِثْلَ الْكَلْبِ لَا يُؤْكَلُ، وَإِنْ صَاحَ مِثْلَ الشَّاةِ يُؤْكَلُ، وَإِنْ صَاحَ مِثْلَهُمَا يُوضَعُ الْمَاءُ بَيْنَ يَدَيْهِ إِنْ شَرِبَ بِاللِّسَانِ لَا يُؤْكَلُ، لِأَنَّهُ كَلْبٌ، وَإِنْ شَرِبَ بِالْفَمِ يُؤْكَلُ؛ لِأَنَّهُ شَاةٌ، وَإِنْ شَرِبَ بِهِمَا جَمِيعًا يُوضَعُ التِّبْنُ وَاللَّحْمُ قِبَلَهُ إِنْ أَكَلَ التِّبْنَ يُؤْكَلُ؛ لِأَنَّهُ شَاةٌ، وَإِنْ أَكَلَ اللَّحْمَ لَا يُؤْكَلُ، وَإِنْ أَكَلَهُمَا جَمِيعًا يُذْبَحُ إِنْ خَرَجَ الْأَمْعَاءُ لَا يُؤْكَلُ، وَإِنْ خَرَجَ الْكِرْشُ يُؤْكَلُ، كَذَا فِي جَوَاهِرِ الْأَخْلَاطِيِّ.

وَأَمَّا بَيَانُ مَا يَحْرُمُ أَكْلُهُ مِنْ أَجْزَاءِ الْحَيَوَانِ سَبْعَةٌ : الدَّمُ الْمَسْفُوحُ وَالذَّكَرُ وَالْأُنْثَيَانِ وَالْقُبُلُ وَالْغُدَّةُ وَالْمَثَانَةُ وَالْمَرَارَةُ، كَذَا فِي

---

[1] (ج ۱ ص ۲۱۶ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع)

[2] (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ج ۱ ص ۴۹)

الْبَدَائِعِ.[1]

❁وفی تفسیر البرهان فالرهن جائز و النفع بالمرهونة غیر جائز بقوله علیه السلام (کل قرض جر نفعا فهو ربا انتهی و لقوله المعروف کالمشروط انتهی یعنی النفع بالمرهون معلوم بین الناس انهم یفعلون لاجله فهو کالمشروط فی عقد الرهن و هذا حرام فی المذاهب الاربعة فالمعروف کالمشروط فان قیل جآءفی الکتب ان النفع بالمرهون جائز باجازة الراهن قلنافی الجواب اعلم قال ائمتنا ان محمد رحمة الله تعالیٰ قال النفع بالمرهون جائز خلاف القیاس فی المرکب و ذی اللبن بالحدیث و فی غیرهما غیر جائز فقال له الشیخین الحدیث وارد قبل آیة الربوا فاذا جآءت آیة الربوا نسخة الحدیث فالائمة متفقون علی حرمت النفع بالمرهون و جاءفی الکتب خلافهم فالائمة قالوا بحرمت النفع و المقتدی قولهم قال فی الکتب جائز مخالف الائمة لایعمل بقوله و علمآء سمرقند قائلون بجوازه و هذا باطل قطعا بالحدیث و بقول ائمة و الله تعالیٰ اعلم بالصواب و قال انور شاه رحمة الله تعالیٰ النفع بالمرهونة غیر جائز فی المذاهب الاربعة انتهی۔[2]

❁وفی تفسیر البرهان الامام القرطبی قال یاحسرتاوقدانقلبت الاحوال فی هذاالزمان باتخاذاهل الکتب امنة و امناءفسلطوا علی الناس من هذاالوجه انتهی۔شعر

زانقلاب زمانه عجب مدار که چرخ	ازایں فسانه هزاران هزار دارد یاد
الانقلاب جآءت لاجل جهالة الناس	بالقرآن العظیم فلهذا قال الشیخ فی المرقات
هذاالزمان السکوت و ملازمة البیوت	و القناعة بالقوة الی ان یموت انتهی[3]

❁وَرُوِيَ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله عَلَيْهِ وَسلم يجاء بالعالم وَالْعَابِدِ فَيُقَالُ للعابد ادخل الْجَنَّةَ وَيُقَالُ لِلْعَالِمِ قِفْ حَتَّى تشفع للنَّاس، رَوَاهُ الْأَصْبَهَانِيّ وَغَيره۔انتهی۔رواه الدیلمی و عن ابی الدرداء رضی الله تعالیٰ عنه مرفوعا الشهید یشفع فی سبعین من اهل بیته رواه ابو داود قال رسول الله ﷺ شفاعتی مباحة الا لمن سبّ اصحابی انتهی رواه ابو نعیم فی الحلیة و عن انس رضی الله تعالیٰ عنه قال رسول الله ﷺ صنفان من امتی لاتنالهما شفاعتی یوم القیامة المرجیة و القدریة رواه ابو نعیم و عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما موقوفا یقال للعالم اشفع فی تلامذتک و لو بلغت عدد نجوم السماء انتهی۔[4]

❁ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَمَةَ الْمُرَادِيُّ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ وَهْبٍ، عَنْ حَيْوَةَ، وَسَعِيدِ بْنِ أَبِي أَيُّوبَ، وَغَيْرِهِمَا عَنْ كَعْبِ بْنِ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ» : إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ، فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى الله عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوا اللهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ، فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ، لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللهِ، وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ، فَمَنْ سَأَلَ لِي الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ۔[5]

---

[1](الفتاوی الهندیة ج۵ ص ۲۹۰)

[2](تفسیر البرهان ص ۵۵-۵۴)

[3](تفسیر البرهان فی مشکلات القرآن ص ۷۲)

[4](تفسیر البرهان فی مشکلات القرآن ص ۵۵۲)

[5](صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۸، تفسیر البرهان فی مشکلات القرآن ص ۲۷۵)

❁ والتصدقوا على الفقير العالم افضل من الجاهل۔[1]

❁ فاعلم ان طالب العلم والعلماء لا يذهبون الى الغزو اذهم يطلبون العلم والعلم اعلىٰ من الغزو۔[2]

❁ ويختم الاذان بالتهليل عندنا وقيل اذا قال لا اله الا الله يقول فى نفسه محمد رسول الله ﷺ يسمعها وينبغى ان يؤذن على المنارة الخارج المسجد لا فى المسجد۔[3]

❁ هَذَا وَنَقَلَ الْقَاضِي عِيَاضٌ وَغَيْرُهُ الْإِجْمَاعَ عَلَى تَفْضِيلِ مَا ضَمَّ الْأَعْضَاءَ الشَّرِيفَةَ حَتَّى عَلَى الْكَعْبَةِ الْمُنِيفَةِ، وَأَنَّ الْخِلَافَ فِيمَا عَدَاهُ. وَنُقِلَ عَنْ أَبِي عُقَيْلٍ الْحَنْبَلِيِّ أَنَّ تِلْكَ الْبُقْعَةَ أَفْضَلُ مِنَ الْعَرْشِ،[4]

❁ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ» : مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الجُمُعَةِ غُسْلَ الجَنَابَةِ ثُمَّ رَاحَ، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَدَنَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّانِيَةِ، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَقَرَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الثَّالِثَةِ، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ كَبْشًا أَقْرَنَ، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الرَّابِعَةِ، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ دَجَاجَةً، وَمَنْ رَاحَ فِي السَّاعَةِ الخَامِسَةِ، فَكَأَنَّمَا قَرَّبَ بَيْضَةً،[5]

❁ وَعَنْ عَلِيٍّ» أَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أُتِيَ بِبَيْضٍ النَّعَامِ فَقَالَ إِنَّا قَوْمٌ حُرُمٌ أَطْعِمُوهُ أَهْلَ الْحِلِّ« رَوَاهُ أَحْمَدُ۔[6]

❁ ذَكَرَ البيهقي فِي "شُعَبِ الْإِيمَانِ" أَثَرًا مَرْفُوعًا : (» أَنَّ نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ شَكَى إِلَى اللَّهِ سُبْحَانَهُ الضَّعْفَ، فَأَمَرَهُ بِأَكْلِ الْبَيْضِ۔[7]

❁ البيضة اذا خرجت من دجاجة اكلت۔[8]

❁ امام ابن بزار کردری فرماتے ہیں ماتت الدجاجة وفى بطنها بيضة تؤكل۔[9]

❁ وفى فتاوىٰ نور الهدىٰ واذا خرجت المرءة من بيت الزوج على رضائه ولا يمنعها فهو ديوث لا يجوز صلوة خلفه لأنها وأمرت بالقرار فى البيوت۔[10]

❁ لف العمامة الطويلة ولبس الثياب الواسعة حسن فى حق الفقهاء الذين هم اعلام الهدىٰ۔[11]

❁ وفى الملتقط مقدار الطول العمامة سبعة ازرع الى عشرة وقيل خمسة عشرة ذراعا الى عشرين وقيل الى تسع وعشرين وطول سدلها فى الاول الى الظهر او الى موضع الجلوس وفى الثانى الى موقف مركبه وفى الفتاوىٰ الحجة ان الذئب على سبعة

---

[1] (تفسیر البرهان فی مشکلات القرآن ص ۱۹۳)

[2] (تفسیر البرهان فی مشکلات القرآن ص ۲۰۲)

[3] (فتاوىٰ نور الهدىٰ ص ۲۶)

[4] (مرقاۃ ج ۲ ص ۱۹۰ ردالمحتار ج ۲ ص ۳۵۳)

[5] (صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۲۱)

[6] (نیل الاوطار ج ۵ ص ۲۵ مقالات سعیدی ص ۵۴۵)

[7] (زاد المعاد فی هدی خیر العباد ج ۴ ص ۲۶۵)

[8] (فتاوىٰ الهندیة ج ۵ ص ۲۳۹)

[9] (بحوالہ بزازیة علی هامش الهندیة ج ۶ ص ۳۶۵)

[10] (فتاوىٰ نور الهدىٰ ص ۳۴)

[11] (فتاوىٰ نور الهدىٰ ص ۴۱۲)

انواع للقاضی خمس وثلاثون اصبعاوللخطیب احدوعشرون اصبعاوللعالم سبع وعشرون اصبعاوللمتعلم سبع عشر اصبعاوللعامی سبعة اصابع ولصوفی اربع اصابع۔[1]

❁ ساری نمازوں کی پہلی صف افضل ہوتی ہے مگر نماز جنازہ کی آخری افضل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز جنازہ میت کے حق میں شفاعت ہے اور شفاعت کرنے والے کیلئے عاجزی اور تواضع کے زیادہ قریب جو مقام ہے وہاں پر ہونا چاہیئے تاکہ شفاعت کی مقبولیت کی زیادہ امید کی جاسکے۔ فتاویٰ کاملیہ میں ہے۔ ان افضل صفوفها آخرها اما سائر الصلوت فاولها والحكمة ذلك ان صلوة على الميت شفاعة له ينبغي للشفيع ان يختار اقرب المواضع الى التواضع لتكون شفاعته أدعى الى القبول۔[2]

❁ وَعَن سعيدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسلم» : حقُّ كبيرِ الإِخوَةِ على صَغِيرِهِمْ حَقُّ الْوَالِدِ عَلَى وَلَدِهِ« . رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الأَحاديثَ الخمسةَ فِي» شعب الْإِيمَان۔[3]

❁ خاوند کو چاہیئے کہ اپنی بیوی کو غیر محرم لوگوں کے اختلاط اور ان کے ساتھ ملاقات سے روکے اگر وہ اپنی بیوی کو اجنبی افراد سے ملاقات واختلاط وغیرہ سے نہیں روکتا بلکہ اس کے اس غیر شرعی عمل پر راضی ہے تو خاوند بیوی دونوں گناہ گار ہوں گے۔ درمختار میں ہے۔

ويمنعها من زيارة الاجانب وعيادتهم والوليمة وان اذن كان عاصيين۔[4]

❁ البتہ والدین کے ساتھ ہفتہ میں ایک بار ملاقات سے نہیں روک سکتا اور دوسرے محرم رشتہ داروں سے سال میں ایک دفعہ نہیں روک سکتا۔

ولا يمنعها من الدخول عليها في كل جمعة وفي غيرهما من المحارم في كل سنة۔[5]

❁ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ بْنُ أَحْمَدَ، ثنا عِيسَى بْنُ شَاذَانَ، ثنا أَبُو هَمَّامٍ الدَّلَّالُ، ثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ مُجَاهِدٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» : فِي مَسْجِدِ الْخَيْفِ قَبْرُ سَبْعِينَ نَبِيًّا۔

حضرت سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسجد خیف میں ستر انبیاء کرام علیہم السلام کی مبارک قبریں ہیں۔[6]

❁ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ : مَا رَأَيْتُ قَوْمًا كَانُوا خَيْرًا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا سَأَلُوهُ إِلَّا عَنْ ثَلَاثَةَ عَشَرَ مَسْأَلَةً حَتَّى قُبِضَ، كُلُّهُنَّ فِي الْقُرْآنِ، مِنْهُنَّ {يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ} [البقرة217 :] وَ {يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ} [البقرة219 :] {وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَى} [البقرة220 :] {وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ} [البقرة222 :] وَ {يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ} [الأنفال1 :] {وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ} [البقرة219 :] مَا كَانُوا يَسْأَلُونَ إِلَّا عَمَّا يَنْفَعُهُمْ قَالَ» : وَأَوَّلُ مَنْ طَافَ بِالْبَيْتِ الْمَلَائِكَةُ، وَإِنَّ مَا بَيْنَ الْحَجَرِ إِلَى الرُّكْنِ الْيَمَانِي لَقُبُورًا مِنْ قُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ۔[7]

---

[1] (فتاویٰ نور الهدیٰ ص ۴۱۲)

[2] (فتاویٰ کاملیة ص ۱۲)

[3] (مشکاة المصابیح ج ۳ ص ۱۳۸۳)

[4] (درمختار بر حاشیة رد المحتار ج ۳ ص ۷۲۲)

[5] (تنویر الابصار بر حاشیة رد المحتار ج ۲ ص ۷۲۲)

[6] (طبرانی المعجم الکبیر رقم الحدیث ۱۳۵۲۵ ص ۳۱۳ ج ۱۲، دیلمی الفردوس بماثور الخطاب ج ۲ ص ۲۸ رقم ۲۱۷۷، ہیثمی مجمع الزوائد ج ۳ ص ۴۰۷، فیض القدیر ج ۴ ص ۴۵۹)

[7] (طبرانی المعجم الکبیر رقم الحدیث ۱۲۲۸۸ ص ۴۵۴ ج ۱۱، الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۸)

❁قَالَ عُثْمَانُ : وَأَخْبَرَنِي مُقَاتِلٌ قَالَ» : فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بَيْنَ زَمْزَمَ وَالرُّكْنِ قَبْرُ سَبْعِينَ نَبِيًّا، مِنْهُمْ هُودٌ، وَصَالِحٌ، وَإِسْمَاعِيلُ، وَقَبْرُ آدَمَ، وَإِبْرَاهِيمَ، وَإِسْحَاقَ، وَيَعْقُوبَ، وَيُوسُفَ، فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ۔[1]

❁عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ قَالَ : كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ عِنْدَ رَأْسِ الْحَوْلِ، فَيَقُولُ» : السَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ.« قَالَ : وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ يَفْعَلُونَ ذَلِكَ۔

اولیاءاللہ اورصالحین کی قبور پر جانا حضور ﷺ اور خلفاء راشدین کی سنت سے ثابت ہے کیونکہ حضور ﷺ نے بھی خود بنفس نفیس شہداء کی قبور پر تشریف لے جا کر دعا فرمائی اور آپ ﷺ کی اتباع میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہ معمول رہا۔ائمہ حدیث وتفسیر مثلاً امام عبدالرزاق ،امام طبری ،امام ابن کثیر اور امام سیوطی رحمہم اللہ و دیگر ائمہ نے آپ ﷺ کا معمول بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ ہر سال شہداء کی قبور پر تشریف لے جاتے تھے۔امام عبدالرزاق نے بیان کیا ہے حضرت محمد بن ابراہیم التیمی سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سال کے آغاز میں شہداء کی قبور پر تشریف لاتے تھے اور فرماتے کہ تم پر سلامتی ہو تمہارے صبر کے صلہ میں آخرت کا گھر کیا خوب ہے، راوی نے کہا کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔[2]

❁وَيَنْبَغِي لَهُ أَنْ لَا يُخَلِّيَ نَفْسَهُ مِنْ زِيَارَةِ الْأَوْلِيَاءِ، وَالصَّالِحِينَ الَّذِينَ بِرُؤْيَتِهِمْ يُحْيِي اللهُ الْقُلُوبَ الْمَيِّتَةَ كَمَا يُحْيِي الْأَرْضَ بِوَابِلِ الْمَطَرِ، فَتَنْشَرِحُ بِهِمُ الصُّدُورُ الصُّلْبَةُ، وَتَهُونُ بِرُؤْيَتِهِمُ الْأُمُورُ الصَّعْبَةُ إِذْ هُمْ وُقُوفٌ عَلَى بَابِ الْكَرِيمِ الْمَنَّانِ فَلَا يَرُدُّ قَاصِدُهُمْ، وَلَا يَخِيبُ مُجَالِسُهُمْ، وَلَا مَعَارِفُهُمْ، وَلَا مُحِبُّهُمْ إِذْ هُمْ بَابُ اللهِ الْمَفْتُوحُ لِعِبَادِهِ، وَمَنْ كَانَ كَذَلِكَ فَتَتَعَيَّنُ الْمُبَادَرَةُ إِلَى رُؤْيَتِهِمْ، وَاغْتِنَامِ بَرَكَتِهِمْ؛ وَلِأَنَّهُ بِرُؤْيَةِ بَعْضِ هَؤُلَاءِ يَحْصُلُ لَهُ مِنَ الْفَهْمِ، وَالْحِفْظِ، وَغَيْرِهِمَا مَا قَدْ يَعْجِزُ الْوَاصِفُ عَنْ وَصْفِهِ، وَلِأَجْلِ هَذَا الْمَعْنَى تَرَى كَثِيرًا مِمَّنْ اتَّصَفَ بِمَا ذُكِرَ لَهُ الْبَرَكَةُ الْعَظِيمَةُ فِي عِلْمِهِ، وَفِي حَالِهِ، فَلَا يُخَلِّي نَفْسَهُ مِنْ هَذَا الْخَيْرِ الْعَظِيمِ لَكِنْ بِشَرْطِ أَنْ يَكُونَ مُحَافِظًا عَلَى اتِّبَاعِ السُّنَّةِ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ۔[3]

❁أَنَّ زِيَارَةَ قُبُورِ الصَّالِحِينَ مَحْبُوبَةٌ لِأَجْلِ التَّبَرُّكِ مَعَ الِاعْتِبَارِ، فَإِنَّ بَرَكَةَ الصَّالِحِينَ جَارِيَةٌ بَعْدَ مَمَاتِهِمْ كَمَا كَانَتْ فِي حَيَاتِهِمْ وَالدُّعَاءُ عِنْدَ قُبُورِ الصَّالِحِينَ، وَالتَّشَفُّعُ بِهِمْ مَعْمُولٌ بِهِ عِنْدَ عُلَمَائِنَا الْمُحَقِّقِينَ مِنْ أَئِمَّةِ الدِّينِ انْتَهَى۔

حصول برکت کیلئے قبور صالحین کی زیارت ایک مستحب عمل ہے کیونکہ صالحین کی برکات جس طرح ان کی زندگی میں فیض رساں ہوتی ہے اس طرح ان کی موت کے بعد بھی جاری رہتی ہے اور صالحین کی قبروں کے پاس دعا کرنا اور ان سے شفاعت طلب کرنا ائمہ دین اور علمائے محققین کا معمول رہا ہے۔[4]

اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد علامہ ابن الحاج نے لکھا ہے

مَنْ كَانَتْ لَهُ حَاجَةٌ فَلْيَذْهَبْ إِلَيْهِمْ وَلْيَتَوَسَّلْ بِهِمْ بِقَوْلِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ -» : لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا لِثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِي، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى« انْتَهَى. وَقَدْ قَالَ الْإِمَامُ الْجَلِيلُ أَبُو حَامِدٍ الْغَزَالِيُّ - رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى - فِي كِتَابِ آدَابِ

---

[1] (أخبار مكة وما جاء فيها من الآثار للازرقي ص ۱۱۱، الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۸)

[2] (مصنف عبدالرزاق ج ۵ ص ۵۷۳، الدر المنثور ج ۴ ص ۶۴۱)

[3] (المدخل أبو عبد الله محمد بن محمد بن محمد العبدري الفاسي المالكي الشهير بابن الحاج ص ۱۳۹ ج ۲)

[4] (المدخل أبو عبد الله محمد بن محمد بن محمد العبدري الفاسي المالكي الشهير بابن الحاج ص ۲۵۵ ج ۲)

السَّفَرِ مِنْ كِتَابِ الْإِحْيَاءِ لَهُ مَا هَذَا نَصُّهُ : الْقِسْمُ الثَّانِي : وَهُوَ أَنْ يُسَافِرَ لِأَجْلِ الْعِبَادَةِ إِمَّا لِجِهَادٍ، أَوْ حَجٍّ إِلَى أَنْ قَالَ : وَيَدْخُلُ فِي جُمْلَتِهِ زِيَارَةُ قُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ وَقُبُورِ الصَّحَابَةِ، وَالتَّابِعِينَ وَسَائِرِ الْعُلَمَاءِ، وَالْأَوْلِيَاءِ، وَكُلُّ مَنْ يُتَبَرَّكُ بِمُشَاهَدَتِهِ فِي حَيَاتِهِ يُتَبَرَّكُ بِزِيَارَتِهِ بَعْدَ وَفَاتِهِ وَيَجُوزُ شَدُّ الرِّحَالِ لِهَذَا الْغَرَضِ، وَلَا يَمْنَعُ مِنْ هَذَا قَوْلُهُ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - «لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا لِثَلَاثِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِي، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى» . لِأَنَّ ذَلِكَ فِي الْمَسَاجِدِ، لِأَنَّهَا مُتَمَاثِلَةٌ بَعْدَ هَذِهِ الْمَسَاجِدِ، وَإِلَّا فَلَا فَرْقَ بَيْنَ زِيَارَةِ الْأَنْبِيَاءِ، وَالْأَوْلِيَاءِ، وَالْعُلَمَاءِ فِي أَصْلِ الْفَضْلِ، وَإِنْ كَانَ يَتَفَاوَتُ فِي الدَّرَجَاتِ تَفَاوُتًا عَظِيمًا بِحَسَبِ اخْتِلَافِ دَرَجَاتِهِمْ عِنْدَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ۔[1]

❁ معروف مفسر امام آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں حقیقت محمدیہ ﷺ کے بیان میں اس حدیث کو بیان کیا ہے پھر اس روایت کو سورۃ الفتح کی آیت انا فتحنا لک فتحا مبینا میں لک کی تفسیر میں لکھا ہے۔

أن لام لَك للتعليل، وحاصله أظهرنا العالم لأجلك وهو في معنى مايروونه من قوله سبحانه» : لولاك لولاك ما خلقت الأفلاك۔ لک میں لام تعلیل کیلئے ہے حاصل کلام یہ ہے کہ ہم نے عالم کو آپ ﷺ کی خاطر ظاہر کیا اس کا یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں بیان ہوا ہے کہ اے حبیب ﷺ اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو میں اس کائنات کو پیدا نہ کرتا۔ معلوم ہوا کہ مفسرین کرام و دیگر ائمہ کرام نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔ الفاظ میں فرق تو ہوسکتا ہے لیکن معناً یہ روایت بالکل درست ہے نور نبی ﷺ کی اولیت تخلیق کے حوالے سے ذخیرۂ کتب احادیث میں کئی روایات ملتی ہیں۔[2]

❁ قالت الصوفية العلية أرواحنا أجسادنا وأجسادنا أرواحنا- وقد تواتر عن كثير من الأولياء انهم ينصرون أولياءهم ويدمرون أعداءهم ويهدون الى الله تعالى من يشاء الله تعالى- وقدذكر المجدد رضى الله عنه- ان ارباب كمالات النبوة بالوراثةأقلت وهم الصديقون والمقربون في لسان الشرع) يعطى لهم من الله تعالى وجودا موهوبا۔

یعنی حضرات اولیائے کرام نے ارشاد فرمایا کہ ہماری روحیں ہمارے جسم ہوں گے اور ہمارے جسم کثافت بدنی دور کر کے ہماری روح بن گئے اور یقیناً تواتر کے ساتھ بے شمار حضرات اولیائے کرام سے ثابت ہے کہ اولیائے کرام اپنے دوستوں نیازمندوں کی مدد کرتے ہیں اور دشمنوں کو ہلاک وتباہ کرتے ہیں اور کافروں کو اسلام کی ہدایت کرتے ہیں تبلیغ اسلام میں حصہ لیتے ہیں اور حضرات صدیقین اور مقربین کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص وجود عطا فرمایا ہے۔[3]

❁ علامہ احمد صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر صاوی میں فرماتے ہیں۔

فالانبياء وسائط لاممهم فى كل شئى وواسطتهم رسول الله ﷺ۔

حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والتسلیمات اپنی امتوں کیلئے ہر شئے میں وسائط اور وسیلے ہیں۔ اور ان کا واسطہ اور وسیلہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔[4]

---

[1] (المدخل أبو عبد الله محمد بن محمد بن محمد العبدري الفاسي المالكي الشهير بابن الحاج ص ۲۵۵ ج ۲)

[2] (روح المعانی ج ۲۶ ص ۱۲۹)

[3] (التفسير المظهري ج ۱ ص ۱۵۲ سورة البقرة الآية ۱۵۴)

[4] (تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۰۷)

اس میں ہے۔ فهو الواسطة لكل واسطة حتى آدم۔ حضور ﷺ ہر واسطہ کا واسطہ ہیں یہاں تک کہ آدم علیہ السلام کے بھی۔ [1]

❁ واعلم انه قد اجتمعت الامة على ان الاستخفاف بنبينا وبأي نبي كان من الأنبياء كفر سواء فعله فاعل ذلك استحلالا أم فعله معتقدا بحرمته ليس بين العلماء خلاف في ذلك والقصد للسب وعدم القصد سواء إذ لا يعذر أحد في الكفر بالجهالة ولا بدعوى زلل اللسان إذا كان عقله في فطرته سليما. [2]

❁ وقد قال علماءنا لا فرق بين موته وحياته في مشاهدته لأمته ومعرفته بأحوالهم وعزائمهم وخواطرهم، وذلك عنده جلي لا خفاء به الخ۔ یعنی ہمارے علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی حیات دنیوی اور اس وقت کی حالت میں کوئی فرق نہیں وہ اپنی امت کو دیکھتے ہیں ان کے احوال کو پہچانتے ہیں ان کی نیتوں اور دلوں کو خوب جانتے ہیں ان پر کچھ پوشیدہ نہیں سب کچھ روشن ہے۔ [3]

❁ أخرج الطبراني عن ابن عمر قال : قال رسول الله - صلى الله عليه وسلم - «: إن الله قد رفع لي الدنيا، فأنا أنظر إليها وإلى ما هو كائن فيها إلى يوم القيامة، كأنما أنظر إلى كفي هذه۔ [4]

❁ قال الشعراني وأخبرني من صحب الشيخ محمد الخضري انه خطب في خمسين بلدة في يوم واحد خطبة الجمعة وصلّى بهم اماما۔ یعنی قطب وقت سیدنا امام الشعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس شخص نے بتایا جو کہ شیخ محمد حضری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں رہا کہ حضرت شیخ حضری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک ہی دن میں ایک ہی وقت میں پچاس شہروں میں جمعہ کا خطبہ دیا اور نماز جمعہ پڑھائی۔ [5]

❁ بعض علمائے کرام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور سید محمد باقی الزرقانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور میں ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں اور وہ ان کے ساتھ شب باشی فرماتے ہیں اس کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب: آیت کریمہ ہے وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (سورۃ البقرۃ ۲۵) سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جنتی کو جنت میں پاک بیبیاں ملیں گی حضور ﷺ کا جنتی ہونا بھی اظہر من الشمس ہے اور الطيبت للطيبين کے قانون کے تحت ازواج مطہرات کا پاک ہونا بھی واضح ہے۔ ومابين بيتي ومنبري روضة من رياض الجنة سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کے گھر اور منبر کے درمیان بھی جنت ہے اور اب چونکہ حضور ﷺ جنت میں ہوئے اور ہر جنتی کو بیویاں ملنا ثابت ہو گیا لہذا حضور ﷺ کیلئے ازواج مطہرات کا پیش کیا جانا بھی واضح ہو گیا اور اس پر جماع کا اضافہ مخالفین کرتے ہیں اور شب باشی سے استدلال کرتے ہیں یہ غلط ہے کیونکہ شب باشی کا معنی صرف جماع نہیں ہے بلکہ شب گزارنے کے معنی میں بھی آتا ہے البتہ مطلب صاف ظاہر ہے۔ [6]

❁ وقيل : إقسام بالنفوس الفاضلة حالة المفارقة لا بد أنها بالموت فإنها تنزع عن الأبدان غرقا أي نزعا شديدا من أغرق النازع في القوس إذا بلغ غاية المدى حتى ينتهي إلى النصل لعسر مفارقتها إياها حيث ألفته وكان مطية لها لاكتساب الخير ومظنة لازدياده فتنشط شوقا إلى عالم الملكوت وتسبح به فتسبق به إلى حظائر القدس فتصير لشرفها وقوتها من المدبرات

---

[1] (تفسیر صاوی ج ۱ ص ۲۲)

[2] (تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۳۹۴)

[3] (المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ ج ۲ ص ۳۸۷ فصل ثانی زیارۃ قبرہ الشریف)

[4] (المواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ ج ۳ ص ۱۲۹)

[5] (تفسیر روح البیان ج ۹ ص ۳۱۶)

[6] (فتاویٰ اویسیہ ص ۶۰)

أي ملحقة بالملائكة أو تصلح هي لأن تكون مدبرة كما قال الإمام إنها بعد المفارقة قد تظهر لها آثار وأحوال في هذا العالم فقد يرى المرء شيخه بعد موته فيرشده لما يهمه. وقد نقل على جالينوس أنه مرض مرضا عجز عن علاجه الحكماء فوصف له في منامه علاجه فأفاق وفعله فأفاق وقد ذكره الغزالي ولذا قيل : وليس بحديث كما توهم» إذا تحيرتم في الأمور فاستعينوا من أصحاب القبور« أي أصحاب النفوس الفاضلة المتوفين ولا شك في أنه يحصل لزائرهم مدد روحاني ببركتهم، وكثيرا ما تنحل عقد الأمور بأنامل التوسل إلى الله تعالى بحرمتهم.[1]

پھر فرماتے ہیں ۔وقيل : إقسام بالنفوس حال سلوكها وتطهير ظاهرها وباطنها بالاجتهاد في العبادة والترقي في المعارف الإلهية فإنها تنزع عن الشهوات وتنشط إلى عالم القدس فتسبح في مراتب الارتقاء فتسبق إلى الكمالات حتى تصير من المكملات للنفوس الناقصة.[2]

❁اما تعريف المصافحة وهي الصاق الكف بالكف واقبال الوجه بالوجه فاخذ الاصابع ليس بمصافحة خلافا للروافض اه:[3]

وهو ماخوذ من قول ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمنی النبی ﷺ التشهد وكفي بين كفيه۔[4]

اما الفصل الاول :ففيه انواع اربعة۔

النوع الاول في كون المصافحة سنة قديمة متوارثة:[5]

(والمصافحة سنة قديمة)[6]

(۳) المصافحة سنة قديمة متوارثة اه.[7]

(۴) المصافحة سنة قديمة متوارثة اه :[8]

---

[1](روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ج ۱۵ ص ۲۲۵ سورة النازعات آية ۲۵)

[2](روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ج ۱۵ ص ۲۲۵ سورة النازعات آية ۲۵)

[3](الطحطاوی:ص:۱۷۴ :والدر المنتقی ثم الشامی :ج:۵ :کراهیة:ص :۲۴۴ :وصلوة المسعودی ثم جامع الرموز ج :۳ :کراهیة :ص :۴۳۷: تحریر ابن الهمام وشرحه ثم رسائل الشامی :ص :۳۰ :)

[4](رواه البخاری :ج :۴ :مصافحه :ص :۵۸ :(وسنة المصافحة) والسنة فی المصافحة ان تکون بکلتا یدیه اه :مجمع الانهر :ج :۲ :کراهیة :ص: ۵۲۰ :والمنیة ثم جامع الرموز :ج:۳ :ص ۴۳۶ :والقنیه ثم الدر المختار :ج :۵ :ص :۲۴۴ :والدر المنتقی ثم الشامی :ج :۵ :ص :۲۴۴: والخزانة ثم عالمکیری :ج :۶ :ص ۱۶۵)

[5](۱) المصافحة سنة زیلعی :ج:۶ :کراهیة :ص:۲۵ والدر المختار :ج :۵ :مصافحه :ص :۲۴۴ :ومجمع الانهر :ج :۲ :ص :۵۲۰ :وشرح الیاس :ج :۲ :ص :۱۵۱ :والشرنبلالیة ثم الطحطاوی عیدین :ص :۳۱۹ :والشیخ ابو الحسن البکری والشمس الحانوتی ورد المحتار :ج:۵: کراهیة :ص :۵۱۳ :واذکار النووی ثم رد المحتار :ج :۵ :ص :۲۴۴ :وعیسی البخاری :ج :۱۰ :مصافحه :ص:۴۹۴ :والاشعة :ص :۱۳: مصافحه والمرقاة علی المشکوة مصافحه :ص :۴۰۱ :

[6]زیلعی :ج :۶ :کراهیة :ص :۲۵ :والدر المختار :ج :۵ :ص :۲۴۴ :ومجمع الانهر :ج :۲ :کراهیة :ص :۵۲۰ :وشرح الیاس :ج :۲: کراهیة:ص :۱۵۱ :

:۷(زیلعی :ج :۶ :کراهیة :ص :۲۵ :ومجمع الانهر :ج :۲ :ص :۵۲۰ :وهدایه :ج:۲ :کراهیة :ص :۳۷۱یاص :۴۶۶ :

[8](الدر المختار :ج:۵ :کراهیة :ص:۲۴۴ :)

(۵) المصافحة سنة قديمة متوارثة في البيعة ونحو ذالک آه :[1]

(۶) المصافحة سنة قديمة متوارثة في السنة آه :[2]

(۷) المصافحة سنة عقب الصلوات كلها وعند كل لقاء آه :[3]

(۸) المذهب المفتى به ان المصافحة سنة بعد الصلوات كلها آه۔[4]

(۹) وكذا تطلب المصافحة فهي سنة عقب الصلوات كلها وعند كل لقاء آه :[5]

(۱۰) قال الشيخ ابو الحسن البكرى تقييد النووى بما بعد الصبح والعصر على عادة كانت في زمنه والا فعقب الصلوات كلها كذالک (اى جائز سنة) في رسالة الشرنبلالية في باب المصافحة :

(۱۱) ونقل مثله عن الشمس الحانوتى وانه افتى به مستدلا بعموم النصوص الواردة في مشروعيتها وهو الموافق لما ذكره الشارح من اطلاق المتون آه۔[6]

(۱۲) وقال النووى رحمة الله تعالىٰ عليه المصافحة سنة مجمع عليها على الاطلاق ويستثنى من عموم الامر بالمصافحة المرأة الاجنبية والامرد الحسن آه۔[7]

(۱۳) ومن المطلوب المصافحة لما وردانها تذهب الغل من القلوب آه۔[8]

(۱۴) وقال ابن بطال رحمة الله تعالىٰ عليه المصافحة حسنة (اى في ضمن سنة) عند عامة العلماء وقد استحبها مالک رحمة الله تعالىٰ عليه بعد كراهته آه :[9]

(۱۵) وكره معانقته في ازار واحد ولو كان عليه قميصًا جاز (بلا كراهة بقرينة المقابلة في ضمن السنة كما مر) كالمصافحة آه۔[10]

(۱۶) اى كما تجوز المصافحة لانها سنة قديمة الخ۔[11]

(۱۷) واطلاق المصنف تبعا للدرر والكنز والوقاية والنقاية والمجمع والملتقى وغيرها يفيد جوازها (اى في ضمن السنة

---

[1] (زيلعى :ج :۶ :ص :۲۵ :)

[2] (مجمع الانهر :ج :۲ :ص :۵۲۰ :)

[3] (شرنبلالية ثم الطحطاوى عيدين :ص :۳۱۹ :والشيخ ابو الحسن البكرى والشمس الحانوتى ثم ردالمحتار :ج :۵ :كراهية :ص :۲۴۴ :)

[4] (الشمس الحانوتى ثم ردالمحتار :ج:۵:كراهية:ص:۲۴۴ :)

[5] (طحطاوى عيدين :ص:۳۱۹ :)

[6] (شامى ج۵ :كراهية :ص :۲۴۴ :)

[7] (:عينى البخارى :ج:۱۰ :مصافحه:ص:۴۹۴ :)

[8] (:صاوى:ج:۱:نساء:ص ۲۳۴ :)

[9] (عينى البخارى:ج:۱۰ :مصافحه:ص:۴۹۴ :)

[10] (الكنز والزيلعى :ج:۶ :كراهية:ص:۲۵ :)

[11] (تنوير الابصار الدر المختار:ج:۵ :كراهية:ص:۲۴۴ :والوقاية وشرح الوقاية:ج:۲:كراهية:ص:۳۴۲ :وجامع الفوائد:ص:۳۷۸ :)

کمامر)مطلقاولوبعدالعصراٰہ۔[1]

(۱۸)لاباس(ایلاحرمةولاکراھةلانھاسنةکمامر)بالمصافحةاٰہ۔[2]

(۱۹) لاتنکر المصافحة بل ھی سنة عقب الصلوات کلھا وعند کل لقی الشرنبلالی علی درر الاحکام علی غرر الاحکام:ص:۱۴۲:باب العیدین :

(۲۰) اما المصافحة المتعارفة فمباح (ای فی ضمن السنة کما مر) لکن ینبغی ان تکون بعد السلام لتوافق اصل السنة (الاخری)اٰہ :[3]

النوع الثانی فی الاحادیث المطلقة والعامة تجری علی اطلاقھا عمومھا

(۱) عن قتادة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قلت لانس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اکانت المصافحة فی اصحاب رسول اللہ ﷺ قال نعم۔[4]

(۲)وصافح حماد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن المبارک بیدیہ اٰہ۔[5]

(۳)قال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمنی النبی ﷺ التشھد وکفی بین کفیہ۔[6]

(۴)عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رجل یارسول اللہ (الی قولہ) افیاخذیداخیہ ویصافحہ قال نعم ھٰذا حدیث حسن اٰہ۔[7]

(۵)عن ابن ھشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا مع النبی ﷺ وھو اخذ بید عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابن الخطاب۔[8]

(۶)قال کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ دخلت المسجد فاذا برسول اللہ ﷺ فقام الی طلحة بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یھرول حتی صافحنی وھنأنی۔[9]

(۷)قال علیہ السلام من صافح اخاہ المسلم وحرک یدہ تناثرت ذنوبہ۔[10]

(۸)قال رسول اللہ ﷺ اذا صافحتم فخذوا الابھام فان فیہ عرقا ینشعب منہ المحبة اٰہ۔[11]

---

[1] (الدرالمختار:ج:۵:کراھیة:ص :۲۴۴ :)

[2] (:زیلعی:ج:۶:کراھیة:ص۲۵وبدایہ وھدایہ:ج:۴:کراھیة:ص:۴۶۶ :یا:ص:۳۷۱ :والملتقی:ج:۲ :ص:۵۲ :وشرح الیاس:ج:۲:کراھیة:ص: ۱۵۱ :)

[3] (قطب الارشاد عیدین:ص:۲۸۱:)

[4] (:اخرجہ البخاری:ج:۴:مصافحہ:ص:۵۸ومشکوة :مصافحہ:ص۳۹۳ :ونصب الرایہ:ج:۲:کراھیة:ص۲۹۹ :)

[5] (بخاری:ج:۴:مصافحہ:ص:۵۸:وعینی البخاری:ج:۱۰:مصافحہ:۴۵۵:)

[6] (:رواہ البخاری:ج:۴:مصافحہ:ص۵۸ :)

[7] (ترمذی:ج:۲:مصافحہ:ص۳۲۹ :)

[8] (رواہ البخاری:ج:۴:مصافحہ:ص:۵۸ :فان اخذ الید مصافحة اٰہ :عینی البخاری:ج:۱۰:مصافحہ:ص:۲۳۴:یا:ص:۴۹۵ :علی اختلاف المطابع)

[9] (اخرجہ البخاری:ج:۴ :مصافحہ:ص:۵۸ رحمة اللہ تعالیٰ علیہ ومشکوة:ص:۳۹۳ :ونصب الرایہ:ج:۲:کراھیة:ص :۳۹۹ :)

[10] (ھدایہ:ج:۲:کراھیة:ص۳۷۱وزیلعی:ج:۶:ص:۲۵وبحر:ج۶:کراھیة:ص:۲۲۶وجامع الرموز:ج:۳:کراھیة:ص:۴۳۶:والدرالمختار:ج:۵:ص:۲۴۴)

[11] (حاشیة الترمذی:ج:۲:مصافحہ ص:۳۲۹ :وجامع الرموز:ج:۳:کراھیة:ص :۱۲۰)

(۹) ومن المطلوب المصافحة لما ورد انها تذهب الغل من القلوب آه۔[۱]

(۱۰) وعن عطاء بن عبد الله الخراسانی رضی اللہ تعالیٰ عنه ان رسول الله ﷺ قال تصافحوا یذهب الغل وتهادوا تحابوا وتذهب الشحناء :[۲](۱۱) عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ من صلی اربعًا قبل الهاجرة فکانما صلاها فی لیلة القدر والمسلمان اذا تصافحا لم یبق بینهما ذنب الا سقط۔[۳]

اقول بقوته وحوله ان هذه الاحادیث الصحیحة تدلّ باطلاقها وعمومها علی ان المصافحة سنة عقب الصلوات کلها وعند کل لقی وعند التفرق وعند البیعة وغیرها لان الاصل ان المطلق یجری علی اطلاقه فی الاوصاف اٰه :نور الانوار عام : ص: ۷۹ :وایضًا الدلیل علیه اطلاق المتون المذکورة فی الدر المختار کتاب الکراهة کما مر فراجعه ولان الاصل ان العام یوجب الحکم فیما یتناوله قطعا اٰه :حسامی ومنار بحث العام وهو المراد بقوله وافتی به (الشمس الحانوتی) مستدلا بعموم النصوص الواردة فی مشروعیتها اٰه۔[۴]

النوع الثالث فی ثبوت المصافحة عند اللقاء بخمسة احادیث

(۱) عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ ما من مسلمین یلتقیان فیتصافحان الا غفر لهما قبل ان یتفرقا هذا حدیث حسن غریب۔[۵]

(۲) عن رجل من عنزة (قبیلة شهیرة) انه قال لابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنه انی ارید ان اسئلک عن حدیث هل کان رسول الله ﷺ یصافحکم اذا لقیتموه قال ما لقیته قط الا صافحنی۔[۶]

(۳) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنه قال کان اصحاب رسول الله ﷺ اذا تلاقوا تصافحوا فاذا قدموا من سفر تعانقوا آه۔[۷]

(۴) وعن حذیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه ابن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ اذا لقی المؤمن فسلم علیه واخذ بیده فصافحه تناثرت خطایاهما کما یتناثر ورق الشجر۔[۸]

(۵) عن ابی امامة رضی اللہ تعالیٰ عنه ان رسول الله ﷺ قال من تمام عیادة المریض ان یضع احدکم یده علی جبهته او یده وتمام تحیاتکم بینکم المصافحة۔[۹]

(اصاوی: ج:۲:نساء :رکوع:۱۱:ص:۳۳۴)

[۲](رواه مالک مرسلا فی مؤطا باب المهاجرة:ص :۷۱۸ :ومشکوة مصافحه:ص :۳۹۵ :وکشف الغمة:ج:۲:مصافحه:ص :۲۲۵)

[۳](رواه البیهقی فی شعب الایمان ثم مشکوة مصافحه :ص:۳۹۵)

[۴](شامی: ج:۵: کراهیة:ص ۲۴۴ :کمامر)

[۵](رواه الترمذی: ج:۲:مصافحه:ص: ۳۲۹ :واحمد وابن ماجة وابو داود ثم مشکوة مصافحه:ص:۳۹۳ :وابن ابی شیبة ثم عینی علی البخاری: ج:۱۰ : ص :۴۹۴ :ونصب الرایه: ج:۲: کراهیة:ص: ۲۹۹ :وکشف الغمة: ج:۲ :ص :۲۲۴)

[۶](رواه ابو داود ثم نصب الرایة: ج:۲ کراهیة:ص :۲۹۹ :ومصافحه:ص:۳۹۴ :وکشف الغمة: ج:۲:ص:۲۲۵)

(کشف الغمة: ج:۲:ص:۲۲۵)

[۸](رواه الطبرانی فی معجمه الاوسط والبیهقی فی شعب الایمان ثم نصب الرایه: ج:۲: کراهیة:ص:۲۹۸ :وکشف الغمة :ج:۲:مصافحه:ص:۲۲۵)

[۹](رواه الترمذی: ج:۲:مصافحه:ص: ۳۲۹ :ونصب الرایه :ج:۲: کراهیة:ص: ۲۹۹)

اقول ان التحیة هو السلام کما قال اللہ تعالی "واذا حییتم بتحیة فحیوا الخ"

(۲) عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ قال من تمام التحیة الاخذ بالید۔[۱]

والدلیل علیه حدیث ابی امامة المنقول من الترمذی وحدیث انس رضی اللہ تعالیٰ عنه رواه الترمذی وحدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه وحدیث ابن هشام رضی اللہ تعالیٰ عنه اقول بقوته تعالی ان هذه الاحادیث صریحة فی ثبوت المصافحة عند اللقاء وساکتة عن المصافحة فی غیر حالة الملاقات لان التنصیص بالشئ فی النصوص لا یدل علی نفی ماعداه عندنا والا یلزم الکفر والکذب فی قوله محمد رسول اللہ ﷺ لانه یلزم ان لا یکون غیر محمد ﷺ رسولاً وذلک کفر وکذب اٰه۔[۲]

وقد ثبت المصافحة باحادیث الاطلاق والعموم المذکورة انفا۔

النوع الرابع فی ثبوت المصافحة عند الافتراق والتعلیم وعقب الصلوات والبیعة ونحو ذلک

ثبوت المصافحة عند الافتراق (۱) وکان اصحاب رسول اللہ ﷺ اذا تلاقوا تعانقوا واذا تفرقوا تصافحوا اٰه۔[۳]

(۲) قال ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه علمنی رسول اللہ ﷺ التشهد وکفی بین کفیه۔[۴]

(۲) مطابقته للترجمة فی قوله وکفی بین کفیه وهو الاخذ بالیدین اٰه۔[۵]

(۱) وکانت الصحابة اذا انصرف النبی ﷺ من صلوته یثورون الیه حتی یزدحموا فیاخذون یده فیمسحون بها وجوههم وصدورهم اٰه۔[۶]

کما مر اقول ان قوله فیاخذون یده اٰه :مصافحة کما مر فی احادیث اللقاء۔ ثبوت المصافحة عند البیعة (۱) المصافحة سنة قدیمة متوارثة فی البیعة ونحو ذلک اٰه۔[۷]

اما الفصل الثانی ففی اجوبة المخالفین وفیه انواع ثلثة

النوع الاول فی اجوبة کلام الشامی الوجه الاول ان قوله لکن قد یقال ان المواظبة علیها بعد الصلوة خاصة قد یؤدی الجهلة الی اعتقاد سنیتها فی خصوص هذه المواضع وان لها خصوصیة زائدة علی غیرها اٰه :مردود لانه نقل الشامی نفسه عن اذکار النووی ان اصل المصافحة سنة (کما مر) وکونهم حافظوا علیها فی بعض الاحوال وفرطوا فی کثیر من الاحوال او اکثرها لا یخرج ذلک البعض عن کونه من المصافحة التی ورد الشرع باصلها اٰه۔[۸]

---

[۱] (اخرجه الترمذی: ج:۲: مصافحه: ص: ۳۲۹ :ونصب الرایة: ج:۲: کراهیة: ص: ۲۹۹ :وکشف الغمة: ج:۲: مصافحه :ص: ۲۲۵ :فان الاخذ بالید مصافحة اٰه :عینی البخاری: ج:۱۰: ص: ۴۹۴ :وشرح شرعة الاسلام فصل سنن الموالات والمواخات: ص: ۴۰۲)

(۲ نور الانوار وجوه فاسده: ص: ۱۵۴)

۳ (مفاتیح الجنان وشرح شرعة الاسلام فصل سنن الموالات الخ: ص: ۴۰۲ :وکشف الغمه: ج:۲ :ص: ۲۲۵ :ثبوت المصافحة عند التعلیم)

۴ (اخرجه البخاری: ج:۴: مصافحه: ص :۵۸ :)

۵ (عینی البخاری: ج:۱۰: مصافحه: ص: ۴۹۵ :ثبوت المصافحة عقیب الصلوات من النبی ﷺ والصحابة رضی اللہ عنہم)

۶ (کشف الغمه: ج:۱ :فصل فی السلام: ص: ۱۰۹)

(۷ زیلعی: ج:۶: کراهیة: ص: ۲۵ :والبحر الرائق: ج:۸ :کراهیة: ص: ۲۲۶)

۸ (شامی: ج:۵: ص: ۲۴۴)

لان العام لا وجود له الا فی الخاص و الوجه الثانی لان المصافحة فی ما بعد الصلوة خاصة و اظب علیها النبی ﷺ کما مر من کشف الغمة و الوجه الثالث انه لما ثبت ان المصافحة سنة مطلقا و سنة بعد الصلوات کما مر فلا بد من اعتقاد سنیتها فی الخصوص للخواص و الجهلة فیبطل هذا القول و الوجه الرابع انه لما ثبت ان المصافحة سنة قدیمة متوارثة متواترة بالاطلاق و العموم فلا مجال للانکار عن صدور المصافحة بعد الصلوات کلها عن جمیع السلف رضی اللہ تعالیٰ عنه الصالح و المجتهدین الا للجاهل او العنید و الوجه الخامس انه لا شک فی بطلان القول المذکور لما اخرجه البخاری و المشکوة و نصب الرایه عن قتادة رضی اللہ تعالیٰ عنه فی اول الاحادیث المطلقة۔ و لهذا (۱) قالوا لا تنکر المصافحة الخ (۲) و یجوز المصافحة بلا کراهیة (۳) و اطلاق المتون یفید جوازها مطلقا و لو بعد العصر کما مر الکل و الوجه السادس ان قوله و ظاهر کلامهم انه لم یفعلها احد من السلف رضی اللہ تعالیٰ عنه فی هذه المواضع اه و قول الملتقط لان الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنه ما صافحوا بعد اداء الصلوة اه۔ مردود لانه قال علماء الاصول فصل الاحتجاج بلا دلیل منها الاستدلال بعدم العلة علی عدم الحکم اه۔[1]

و الوجه السابع ان عدم علم الشامی و الملتقط و اتباعهما بفعل السلف رضی اللہ تعالیٰ عنه لیس بحجة فی دین اللہ تعالی کما قال ابن الهمام رحمة اللہ تعالیٰ علیه فی فتح القدیر و الحلبی فی الکبیری فصل البیر ان عدم علم الشافعی رحمة اللہ تعالیٰ علیه و قرینه بوجود حدیث وقوع الزنجی فی بیر زمزم و حکمه لیس بحجة فی دین اللہ تعالی فاین مقام الشامی رحمة اللہ تعالیٰ علیه و الملتقط من مقامهما و الوجه الثامن ان هذا غلط لوجود مواظبة الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنه کما مر من کشف الغمه و الوجه التاسع ان قوله و کذا قالوا بسنیة قرائة السور الثلاث فی الوتر مع الترک احیانا لئلا یعتقد وجوبها اه مردود لان دلیله بجمیع مقدماته جاز فی سنة الفجر و سنة الظهر القبلیة و البعدیة و سنة المغرب و سنة العشاء و الحکم متخلف عنه فظهر ان هذا الدلیل و التمثیل غلط و الوجه العاشر ان هذا الدلیل جار فی سنیة الامامة و سنیة الاذان و سنیة الختنة للصغار و سنیة اعفاء اللحیة و سنیة قص الشوارب و غیرها مع ان الحکم متخلف عنه فظهر بطلان هذه الحیل الرکیکة بل القول بسنیة السور من کلمات الغالین لعدم المواظبة و الوجه الحادی عشر ان قوله و نقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انه تکره المصافحة بعد اداء الصلوة بکل حال اه و قول المرقاة صرح بعض علمائنا بانها مکروهة اه مردود لان المکروه لا بد له من دلیل ظنی کالمخصوص البعض من القرآن و خبر الواحد من الحدیث لانهم عرفوا المکروه بقولهم ما ثبت بدلیل فیه شبهة اه الدر المختار و الشامی: ج: ۱ :ص: ۴۲۹ :ولم یوجد شئ من الدلائل لمنع المصافحة بعد الصلوة و لا مطلقا و قد مر ثبوتها بانواعها فراجع و الوجه الثانی عشر ان القول بالکراهة المذکور غلط (۱) لانه مخالفا من قول الحنفیة المعتبرة الاربعة عشر لم تکره المصافحة اه مطلقا کما مر (۲) و مخالف من ان المصافحة سنة اه کما مر من اربعة عشر (۳) و مخالف من ان المصافحة سنة قدیمة متوارثة اه کما مر (۴) و مخالف من ان المصافحة سنة قدیمة متوارثة اه مجمع الانهر کما مر (۵) و مخالف من ان المصافحة سنة قدیمة متوارثة فی البیعة و نحو ذلک اه زیلعی و بحر کما مر (۶) و مخالف من اطلاق المتون اه الدر المختار کما مر (۷) و مخالف من ان المصافحة سنة بعد الصلوات کلها و به افتی الشمس الحانوتی و شامی (۸) و مخالف من ان

---

[1] (اصول الشاشی و الفصول آخر الکتاب: ص: ۳۶۶)

المصافحة سنة عقب الصلوات كلها وعند كل لقاء اه شرنبلالية وطحطاوی والدر المختار كما مر والوجه الثالث عشر ان قوله ولانها من سنن الروافض اه ملتقط وشامی مردود لان بين مصافحة اهل السنة والجماعة ومصافحة الروافض فرقًا جليًا لانه قال فی القهستانی وغيره المصافحة الصاق الكف بالكف واقبال الوجه بالوجه فاخذ الاصابع ليس بمصافحة خلافا للروافض اه۔[1]

فيا اسفی علی المانعين اليس اهل السنة والجماعة والروافض ياكلون و يشربون ويلبسون بل المشابهة بالفِرق الضالة ممنوع فيما يكون من شعارهم وهذه ليس من شعارهم والوجه الرابع عشر انک عرفت سنية المصافحة مطلقا ومقيدا بما بعد الصلوات كلها فای حرج فی كون شئ واحد سنة عند الفريقين الا ترى الى ان الاشتراک فی اكثر العقائد والفروع كما لا يخفی علی ماهر العلمين واما قول الجاهل وما فی الملتقط والكافی والناصری وفتح القدير والجامع وصلوة مسعودی وغيرها من الكتب الحنفية ان المصافحة بعد اداء صلوة العيدين من سنن الروافض اه مردود لان الملتقط مر اجوبته واما الحوالة علی فتح القدير فكذب واما علی الجامع وصلوة مسعودی فايضا فانه لم يوجد فی الكتب الثلثة هذه العبارة وما فيها قولهم المصافحة الصاق الكف بالكف واقبال الوجه بالوجه اه ابن اثير فاخذ الاصابع ليس بمصافحة خلافا للروافض اه۔[2]

لايفيد معنی العبارة المكذوبة وكذا حال الناصری والكافی والوجه الخامس عشر ان قوله ثم نقل عن ابن حجر من الشافعية انها بدعة مكروهة اه وقوله ثم قال قال ابن الحاج من المالكية فی المدخل انها من البدع اه :شامی والمرقات وقال الشيخ عبدالحق الدهلوی ''آنچہ بعض مردمان بعد از نماز جمعہ وعیدین مصافحہ میکنند بدعت است از جہت تخصیص باین وقت پس سنت مصافحہ علی الاطلاق است اھ'' وغيرها مردود لانهم عرفوا البدعة بقولهم هی اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول ﷺ لا بمعاندة بل بنوع شبهة اه۔[3]

وغيرها فظهر ان البدعة لا يكون الا شيئًا يكون مخالفًا عن شئ آخر معروف عن الرسول ﷺ ولا شک انه لا شئ هنا سوی المصافحة فلا يصدق اطلاق البدعة هنا والوجه السادس عشر ان اريد البدعة بمعنی ما حدث بعد القرون الثلاثة فليس علی اطلاقه لما روی عن ام المؤمنين عائشة رضی الله عنها قال رسول الله ﷺ من احدث فی امرنا هذا ما ليس منه فهو رد متفق عليه اه۔[4]

ولما قال القاری فی شرحه المعنی ان من احدث فی الاسلام رايا لم يكن له من الكتاب او السنة سند ظاهر او خفی ملفوظ او مستنبط فهو مردود عليه مرقاة اعتصام: ص: ۲۷ :لانه عليه السلام قيد المحدث بقوله ما ليس منه اه وفسره القاری بقوله رايا لم يكن له من الكتاب او السنة سند الخ ولا شک ان للمصافحة بعد الصلوات كلها سند ظاهر من السنة مطلقا ومقيدا كما مر فلا جرم تكون مقبولة والوجه السابع عشر (۱) انه اقر واعترف القاری بان اتيان السنة فی بعض الاوقات لا يسمی بدعة اه :

---

[1] (الطحطاوی: ص: ۱۷۴ :والدر المنتقی ثم الشامی: ج: ۵: كراهية: ص :۲۴۴ :والصلوة المسعودية ثم جامع الرموز: ج: ۲: كراهية: ص: ۴۳۷)

[2] (مسعودی ثم جامع الرموز كراهية :ص: ۴۳۷ وطحطاوی: ص: ۱۷۴)

[3] (درمختار والشمنی ثم الشامی ج ۱ امامة ص ۳۷۷ وشرح النخبة ص ۵۶)

[4] (ثم المشكوة اعتصام: ص: ۲۷)

مرقات علی المشکوۃ مصافحہ:ص: ۴۰۱ :(۲) وقال النووی فی الاذکار لا باس بالمصافحۃ بعد الصلوات فان اصل المصافحۃ سنۃ وکونھم حافظوا علیھا فی بعض الاحوال فرطوا فی کثیر من الاحوال او اکثرھا لا یخرج ذلک البعض عن کونہ من المصافحہ التی ورد الشرع باصلھا اھ۔[1]

فاطلاق البدعۃ علی ھذہ المصافحۃ غلط فاحش والوجہ الثامن عشر ان الشیخ عبد الحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لما اعترف بقولہ "پس سنت مصافحہ علی الاطلاق است اھ" ولا شک ان المطلق یجری علی اطلاقہ فی الاوصاف اھ۔[2]

وقد اتفق اصحاب العقول علی انہ لا وجود للمطلق الا فی المقیدات فاعتراف الشیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بسنیۃ مطلق المصافحۃ اعتراف بالمخصوص والمقید فظھر ان الانکار عن المخصوص والمقید باطل والوجہ التاسع عشر ان قول ابن حجر لا اصل لھا فی الشرع اھ :شامی ومجالس الابرار مردود لان لہ اصلا بالخصوص کما مر من کشف الغمہ کما ان لہ اصلا بالعموم کما مر والوجہ العشرون ان ھذا القول مردود لان لہ اصلا فی الشرع من تسعۃ الاحادیث الصحیحۃ المطلقۃ والعامۃ کما مرت والوجہ الحادی والعشرون ان ھذا القول مردود لان الشرنبلالی والطحطاوی والحصفکی والشیخ ابو الحسن البکری والشمس الحانوتی وغیرھم الذین ھم اعلم واقوی من ابن حجر وابن الحاج کما مر فثبت ان للمصافحۃ المعتادۃ بعد الصلوات اصلا اصیلا والمنکرون صرحوا بعدم علمھم باصلھا وعدم علم احد لا یصلح حجۃ فی دین اللہ تعالی کما مر فی الوجہ السابع فتذکر والوجہ الثانی والعشرون ان کون المصافحۃ سنۃ اھ علی الاطلاق کما مر من اربعۃ عشر کُتبا وکونھا سنۃ قدیمۃ آہ علی الاطلاق کما مرّ من ستۃ کتب وکونھا سنۃ متوارثۃ آہ کما مرّ من ستۃ کُتب وکونھا سنۃ متواترۃ علی الاطلاق کما مرّ من ثلاثۃ کتب صریحۃ فی ان للمصافحۃ المعتادۃ بعد صلوۃ العیدین اصلا قویا شرعا۔ فالانکار عنہ جھالۃ وتصریح بالاستقراء الناقص او تصریح بعدم فھم العبارات شعر وکم من عائب قولا صحیحا وافتہ من الفھم السقیم والوجہ الثالث والعشرون ان قول ابن حجر وان ینبہ فاعلھا اولا ویعزر ثانیا اھ :شامی وقول ابن الحاج فینھی من ذلک ویزجر فاعلھا لما اتی بہ من خلاف السنۃ اھ :شامی مردود لانہ من قبیل بناء الفاسد علی الفاسد والوجہ الرابع والعشرون انہ لما ثبت ان المصافحۃ سنۃ قدیمۃ متوارثۃ متواترۃ عموما وخصوصا کما مر فالقول بالتنبیہ والتعزیر والنھی والزجر غیر صحیح لبطلان ما فرع علیہ والوجہ الخامس والعشرون انہ لما اعترف ابن الحاج وغیرہ بان الاتیان بخلاف السنۃ علۃ موجبۃ للتنبیہ والتعزیر والنھی والزجر وقد ثبت ان المصافحۃ سنۃ عمومًا وخصوصًا فظھر ان القول المنقول من ابن حجر وابن الحاج موجب للتنبیہ والتعزیر والنھی والزجر لھما والوجہ السادس والعشرون ان قول ابن الحاج وموضع المصافحۃ المشروعۃ انما ھو عند لقاء المسلم لاخیہ لا ادبار الصلوات فحیث وضعھا الشرع یضعھا اھ :شامی وقول القاری محل المصافحۃ المشروعۃ اول الملاقات اھ :مرقات وقول مجالس الابرار فیثبت شرعیۃ المصافحۃ عند لقاء المسلم لاخیہ اھ وغیرھا مردود لان شرعیۃ المصافحۃ ثبت فی مواضع متعددۃ سوی اللقاء کما مر فالحصر فی اللقاء باطل والوجہ السابع والعشرون ان تسعۃ الاحادیث الصحیحۃ المطلقۃ الجاریۃ علی الاطلاق یثبت شرعیۃ المصافحۃ فی مواضع متعددۃ فبطل الحصر فی موضع اللقاء والوجہ

---

[1] (اذکار نووی ثم الشامی: ج:۵: کراھیۃ: ص:۲۴۴)

[2] (نور الانوار عام: ص:۷۹)

الثامن والعشرون ان احاديث مصافحة اللقاء الخمسة المذكورة تدل على وقوع المصافحة عند اللقاء وليس فيها شئ يدل على حصر شرعية المصافحة باللقاء فالحصر باطل وانظروا الى ابن الحاج فان قوله لا ادبار الصلوات اه بعد ذكر لفظ انما آه في قوله وموضع المصافحة في الشرع انما هو عند لقاء المسلم لاخيه لا ادبار الصلوات اه حشو على قواعد العربية والوجه التاسع والعشرون ان قوله فحيث وضعها الشرع يضعها اه مبنى على زعمه الفاسد لكنه يفيدنا لان الشرع وضع المصافحه في مواضع متعددة ليس موضع اللقاء الا واحدًا منها كما مر فلا جرم يضعها المسلم في كل واحد منها فاين المفر للمانع والوجه الثلاثون ان قوله ما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلوة الصبح والعصر فلا اصل له في الشرع على هذا الوجه اذكار النووى ثم الشامى لا يكاد يصح لان صلوة الصبح وصلوة العصر فرد ان من الصلوات كلها في قول الشمس الحانوتى والدر المختار وغيرها والوجه الحادى والثلاثون ان الاحاديث المطلقة والعامة الصحيحة المذكورة مثبتة لاصله في الشرع على هذا الوجه ولا يلزم ان لا يفترض الصلوة على زيد بقوله تعالى "اقيموا الصلوة" لانه عام فلا اصل لفرضية الصلوة على زيد على هذا الوجه فيبطل الشرع العياذ ب الله تعالى فبطل القول المذكور والوجه الثانى والثلاثون ما قالوا واطلاق المصنف تبعا للدرر والكنز والوقاية والنقاية والمجمع والملتقى وغيرها يفيد جوازها مطلقا ولو بعد العصر اه۔[1]

اقول والى هذه الاجوبة الثلاثة الاخيرة اشار العلامة النووى بقوله ولكن لا بأس به فان اصل المصافحة سنة وكونهم حافظوا عليها في بعض الاحوال وفرطوا في كثير من الاحوال او اكثرها لا يخرج ذلک البعض عن كونه من المصافحة التى ورد الشرع باصلها اه۔[2]

والوجه الرابع والثلاثون ان قول الشامى اقول وهذا الحمل بعيد جدا والظاهر انه مبنى على اختلاف راى الامام النووى في كتابيه وانه في شرح مسلم نظر الى ما يلزم عليه من المحذور والى ان ذلک بخصوصه غير ماثور ولا سيما بعد ما قدمناه عن الملتقط من انها من سنن الروافض اه۔[3]

مردود لانه لا دليل عنده على كون هذا الحمل بعيدا جدا والا لذكره اذ السكوت في وقت البيان حمق كما قيل دو چيز طيرۂ عقل است دم فروبستن بوقت گفتن وگفتن بوقت خاموشى والوجه الخامس والثلاثون ان الاصل الاول المسلم عند اهل الاصول وعند ارباب العقول هو التوفيق كما مر بقولهم وعليه يحمل ما نقله عنه اى من النووى في شرحه على صحيح مسلم كما صرح به ابن ملک في شرح المجمع اه۔[4]

فالعدول عنه بلا دليل لا يصح والوجه السادس والثلاثون ان قوله وانه في شرح مسلم نظر الى ما يلزم عليه من المحذور اه لا يكاد يصح لانه لا محذور ولو كان لاظهره والوجه السابع والثلاثون ان قوله والى ان ذلک بخصوصه غير ماثور اه مردود لان احكام الشرع المقبولة كما تثبت بالتقييد كذلک تثبت بالاطلاق ولا شک ان المصافحة ثابتة بالخصوص والتقييد بعد

---

[1] (الدر المختار: ج:۵: كراهية: ص: ۲۴۴)

[2] (اذكار النووى ثم الشامى: ج:۵: كراهية: ص: ۲۴۴)

[3] (شامى: ج:۵: كراهية: ص: ۲۴۴)

[4] (الدر المختار ورد المحتار: ج:۵: كراهية: ص: ۲۴۴)

الصلوات کلها وثابتة بالعموم والاطلاق بالاحادیث والمتون فالانکار عن الخصوص غیر صحیح والوجه الثامن والثلاثون ان قوله ولا سیما بعد ما قدمناه عن الملتقط من انها من سنن الروافض اه مردود لانه قد مر تردید هذا القول فی الوجه الثالث عشر والوجه الرابع فراجعهما تمت اجوبة کلام الشامی رحمة الله تعالیٰ علیه وما فی ضمنه :

النوع الثانی فی اجوبة مجالس الابرار ان قول مجالس الابرار فی هذه المسئلة مردود بوجوه الوجه الاول ان مصنفه وهابی مبتدع لانه اعتمد واستدل بقول ابن القیم المبتدع تلمیذ ابن تیمیة المبتدع فی کتابه هذا فی۔[1]

وغیرها وقول المبتدع مردود کما فی نور الانوار وقمر الاقمار بحث اجماع والوجه الثانی انه قال یستقبل الزائر القبلة ویستدبر القبر عند الدعاء اه۔[2]

والوجه الثالث انه افتری هذه المسئلة علی الصحابة والتابعین وابی حنیفة رضی الله تعالیٰ عنه۔(ص:۳۵۹) وذکر واتردیده فی مسند الامام العظم وفتح القدیر والترمذی والوجه الرابع انه قال الاستغاثة والاستعانة بغیر الله تعالی بدعة وضلال وشرک اه۔[3]

وهذه عقیدة الوهابیة والوجه الخامس انه مجهول الاسم والحال فلا یجوز الافتاء من کتابه لعدم الاطلاع علی حال مؤلفه اه۔[4]

والوجه السادس ان قوله والفاء فی حدیث البراء لفظ خاص للتعقیب موجبه تعقیب التصافح للالتقاء اه مردود لان الفاء علی زعمه منحصر فی هذا المعنی وهو باطل لانهم قالوا ویجیئ الفاء بمعنی الواو فی نحو قوله علی درهم فدرهم حتی لزمه درهمان اه۔[5]

والوجه السابع ان هذا الحدیث اثبت فردا واحدا من افراد المصافحة وهو ما یکون عند الملاقات فلا ینافی اثبات الافراد الاخر والوجه الثامن ان قوله فینبغی ان توضع حیث وضعها الشرع مردود لانه قد مر تردید هذا القول فی الوجه السادس والعشرون والوجه السابع والعشرون والوجه الثامن والعشرون والوجه التاسع والعشرون والوجه الثلاثین والوجه التاسع ان قوله واما فی غیر حال الملاقات مثل کونها عقیب صلوة الجمعة والعیدین کما هو العادة فی زماننا فالحدیث ساکت عنه فیبقی بلا دلیل وقد تقرر فی موضعه ان ما لا دلیل له فهو مردود لا یجوز التقلید فیه اه مردود لان مصافحة غیر حال الملاقات مثل کونها عقیب صلوة الجمعة والعیدین ثابتة عن النبی ﷺ والصحابة رضی الله تعالیٰ عنه کما مر من کشف الغمه والوجه العاشر ان سکوت حدیث البراء رضی الله تعالیٰ عنه عن مصافحة غیر حال الملاقات الخ لا یدل علی عدم دلیل آخر یدل علیها کما مر دلائل المصافحة عند الافتراق والتعلیم وعقیب الصلوات والبیعة ونحو ذلک والوجه الحادی عشر ان عدم وجود الدلیل لمصافحة غیر حال الملاقات الخ فی علم صاحب المجالس لا یکون دلیلا علی عدم وجود الدلیل فی نفس الامر

---

[1](ص:۱۲۴ :وص:۱۲۵ :و:ص:۱۲۷ :و:ص:۳۱۸ :و:ص :۳۶۰)

[2](زیارة القبور من المجالس :ص:۳۵۹ :وص:۳۶۵)

[3](ص:۲۴ :و:ص:۱۲۴)

[4](ملخصا قاله العلامة صالح الجنینی ثم شرح الاشباه للمحقق هبة الله البعلی ثم شامی :ج:۱ :رسم المفتی :ص:۴۸ :وتذکرة الابرار :ص:۳)

[5](حسامی بحث الحروف :ص:۵۴)

ولهذا قيل وكم من عائب قولاً صحيحًا وآفته من الفهم السقيم فبطل قوله لا يجوز التقليد فيه اه والوجه الثانی عشر ان قوله لا يجوز التقليد فيه فان الاقتداء لا يكون الا بالنبی ﷺ اه مردود لان تقريره هذا بجميع مقدماته جار فی منع مصافحة العيد بان المنع المذكور مما لا دليل عليه لا يجوز التقليد فيه الخ فبطل قوله هذا والوجه الثالث عشر انه انكار من التقليد لان التقليد قبول الامام المجتهد الصالح رحمة الله تعالیٰ عليه بلا دليل فظهر ان صاحب المجالس وهابی منكر التقليد والوجه الرابع عشر انه معتزلی لان المعتزلة يشترطون فی قبول قول امامه علم العالم المقلد بدليل امامه اه۔[1]

والوجه الخامس عشر ان حصر الاقتداء بالنبی ﷺ بلفظ لا والا كما ترى يدل على انه لا يجوز الاقتداء ب الله تعالى وهو باطل فهذا القول باطل ايضًا والوجه السادس عشر ان هذا القول تضليل مقلدی المذاهب الاربعة المعمولة لانهم لا دليل عندهم لجهلهم بعلم المجتهد المطلق ومع هذا قلدوا امام مذهبهم والوجه السابع عشر ان قوله على ان الفقهاء صرحوا بكراهتها وكونها بدعة (فذكر الملتقط وابن حجر وابن الحاج كما مر فی الوجه الثالث والعشرون الخ) مردود لانه قد مر ترديده فی الوجه الحادی عشر والثانی عشر والثالث عشر والرابع عشر والخامس عشر والسادس عشر والسابع عشر فراجعها لا نعيدها من كلام الشامی والوجه الثامن عشر ان قوله وهذا التصريح منهم يشعر بالاجماع اه۔ مردود لانه افترى على الاسلام كذبا حيث ادعى الاجماع۔ وقد خاب من افترى۔ فيا ليت شعری والوجه التاسع عشر انه لا يكون مشعرا بالاجماع لانه مخالف من الاحاديث الصحيحة والسنة القديمة المتواترة۔ والوجه العشرون ان قوله وما ذكره النووی فی الاذكار وان كان مشعرا باباحة المصافحة بعد صلوة الصبح او العصر الا انه يفصح عن عدم مشروعيتها اه۔ مردود لانه بمكره وقريبه عبّر عن جانب الجواز بلفظ مشعر اه وعبر عن مقصوده القبيح بلفظ يفصح اه۔ والوجه الحادی والعشرون انه لسوء فهمه عن عبارة الاذكار عبر عن المشروعية بعدم المشروعية لانه ليس فی عبارة الاذكار لفظ يفهم العالم العاقل منه عدم المشروعية۔ اذا لم تستحی فافعل ما شئت۔ والوجه الثانی والعشرون ان قوله بعد بيان كون المصافحة سنة او مستحبة عند الملاقاة قال واما ما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلوة الصبح والعصر فلا اصل له فی الشرع على هذا الوجه انظر كيف اعترف بان لا اصل له فی الشرع اه۔ مردود لانه ذكر فی الاذكار ان المصافحة مستحبة اه۔ وليس فيه لفظ سنة اه۔ فصاحب المجالس يكون مفتريًا فی هذا النقل والوجه الثالث والعشرون انه افترى على النووی رحمة الله تعالیٰ عليه بقوله انظر كيف اعترف بان لا اصل له فی الشرع اه۔ لان النووی رحمة الله تعالیٰ عليه قيده بقوله على هذا الوجه اه۔ لان الاصل للشئ فی الشرع قسمان احدهما الاصل له على الخصوص وهو مراد النووی نفيا بقوله فلا اصل له فی الشرع على هذا الوجه اه۔ وقد مر باثبات الاصل المخصوص وثانيها الاصل على العموم وهو مراد النووی اثباتا بقوله لكن لا باس به فان اصل المصافحة سنة اه۔ وقد مر تمامه فی الوجه الثالث والثلثون فراجعها فی اجوبة كلام الشامی واما صاحب المجالس فقد سرق وحذف لفظ على هذا الوجه اه۔ فاظهر بان النووی رحمة الله تعالیٰ عليه اعترف بان لا اصل له فی الشرع لا بالخصوص وبالعموم انظروا ايها الاخوان خيانة صاحب المجالس وسرته بتمام عباراته وعبارة النووی رحمة الله تعالیٰ عليه بقدر الحاجة فی هذا الوجه السابع عشر والوجه الرابع والعشرون ان قوله وبعد هذا الاعتراف لا يفيده ما ذكره ولكن لا بأس به الى آخر ما

---

[1] (تحرير ابن الهمام وشرحه ثم رسائل الشامی: ص: ۳۰)

قال أه۔ مردود لانک عرفت حال الاعتراف المذکور آنفا فقوله لا یفیده ما ذکره أه۔ جهل و مصادمة للقواعد المسلمة لان کلمة لکن للاستدراک أه۔ کتب اللغة و علم اصول الفقه و النحو و هو دفع الوهم الناشی من الکلام السابق (کتب العُلوم المذکورة) فلا کلام السابق هنا قول النووی رحمة الله تعالیٰ علیه فلا اصل له فی الشرع علی هذا الوجه أه۔ و الوهم الناشی عن هذا الکلام هو انه کما انه لا اصل بالخصوص فی الشرع للمصافحة بعد صلوة الصبح و العصر کذلک لا یکون اصل بالعموم فی الشرع لها۔ و دفع النووی رحمة الله تعالیٰ علیه هذا الوهم بان للمصافحة المذکورة اصلا بالعموم بقوله و لکن لا باس به فان اصل المصافحة سنة أه۔ فیا اسفی علی صاحب المجالس۔ ان کنت لا تدری فذاک مصیبة۔ و ان کنت تدری فالمصیبة اعظم۔ و الوجه الخامس و العشرون ان قوله و لو لم یصرح الفقهاء بالکراهة بل کانت مباحة فی نفسها لحکمنا فی هذا الزمان بکراهتها اذ واظب علیها الناس و اعتقدوها سنة لازمة بحیث لا یجوز ترکها۔ و کل مباح ادی الی هذا فهو مکروه الخ۔ مردود لان الفقهاء الذین صرحوا بالکراهة هم صاحب الملتقط و تبیین المحارم و المرقات و کلهم من الطبقة السابعة من طبقات الفقهاء فلا عبرة لهم لا سیما عند مقابلة الاقوی منهم کما مر فی الوجه الحادی عشر و الثانی عشر و الوجه السادس و العشرون ان قوله بل کانت مباحة فی نفسها مردود لان المصافحة سنة کما مر من اربعة عشر کتبا قدیمة کما مر من اربعة کتب متوارثة کما مر من ثلثة کتب فراجعها و الوجه السابع و العشرون ان قوله لحکمنا فی هذا الزمان بکراهتها أه۔ مردود لان نفسه صرح بقوله فان الاقتداء لا یکون الا بالنبی ﷺ أه۔ فکیف یجوز له ان یعرض نفسه لان یقتدی به فی حکمه هذا و الوجه الثامن و العشرون ان حکم الکراهة مردود لانه قد مر تردیده فی الوجه الحادی عشر و الثانی عشر فراجع کلام الشامی۔ و الوجه التاسع و العشرون ان قوله اذ واظب علیها الناس أه۔ اقرار بکونها جائزة اذ فیهم علماء اهل السنة و الجماعة اجازوهم بالمصافحة۔ و الوجه الثلثون انه مردود لان مواظبتهم لا یجعل الشئ واجبا و لا سنة بل مواظبة النبی ﷺ بلا ترک مرة او مرتین یجعل الشئ واجبًا و مواظبته علیه الصلوة و السلام مع الترک مرة او مرتین یجعل الشئ سنة و الوجه الحادی و الثلثون ان قوله اعتقدوها سنة لازمة بحیث لا یجوز ترکها أه۔ مردود لان لفظ لازمة بحیث لا یجوز ترکها أه۔ من کلمات المبتدعین الضالین۔ و اما اعتقاد سنیة المصافحة فمن عقائد المسلمین الصالحین۔ و الوجه الثانی و الثلثون ان قوله و کل مباح ادی الی هذا فهو مکروه أه۔ مردود لانه لیس له دلیل من القرآن و الحدیث و الاجماع و القیاس فیکون باطلا لان المکروه لا بد له من دلیل ظنی کما مر فی الوجه الحادی عشر من اجوبة کلام الشامی۔ و الوجه الثالث و الثلثون ان قوله و لیس هذا الا الفتنة التی قال فیها ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه أه۔ مردود لان اطلاق الفتنة علی السنة القدیمة المتوارثة جهل و خلاف الاحادیث و المذهب المفتی به فالقائل لها وهابی مبتدع کما مر و الوجه الرابع و الثلثون ان قوله قال ابن القیم فی اغاثته أه۔ مردود لانه اعتمد بقول المبتدع لانّ ابن القیم تلمیذ المبتدع ابن تیمیة الحرانی فظهر ان صاحب مجالس الابرار وهابی مبتدع العیاذ بالله تعالی و الوجه الخامس و الثلثون ان قوله لا یغرنک اطباقهم علی ما احدث بعد الصحابة رضی الله تعالیٰ عنه أه۔ المجالس: ص: ۳۱۸ : مردود لان المصافحة کانت موجودة فی الصحابة رضی الله تعالیٰ عنه کما مر حدیث انس رضی الله تعالیٰ عنه من البخاری و المشکوة و نصب الرایة۔ و الوجه السادس و الثلثون ان قوله فلا یغرنک اطباقهم مردود لانه تردید الاجماع و قد قال الله تعالی فی حق الحدیث و الاجماع و من یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی و یتبع غیر سبیل المؤمنین

نولہ ماتولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا۔

النوع الثالث فی اجوبۃ مرقات القاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

الوجہ الاول ان قولہ ان عمل الناس فی الوقتین المذکورین فی کلام النووی لیس علی وجہ الاستحباب المشروع فان محل المصافحۃ المشروعۃ اول الملاقات وقد یکون جماعۃ یتلاقون من غیر مصافحۃ ویتصاحبون بالکلام ومذاکرۃ العلم وغیرہ مدۃ مدیدۃ ثم اذا صلوا یتصافحون فاین ھذا من السنۃ المشروعۃ ولھذا صرح بعض علمائنا بانھا مکروھۃ وحینئذ انھا من البدع المذمومۃ نعم لو دخل احد فی المسجد والناس فی الصلوۃ او علی ارادۃ الشروع فی الصلوۃ فبعد الفراغ لو صافحھم لکن بشرط سبق السلام علی المصافحۃ فھذا من جملۃ المصافحۃ المسنونۃ بلاشبھۃ کذا فی المرقات ثم حاشیۃ المشکوۃ مصافحۃ (ص: ۴۰۱) مردود لان قولہ ان عمل الناس فی الوقتین المذکورین فی کلام النووی لیس علی وجہ الاستحباب المشروع اھ۔ مردود لان القاری نفسہ ذکر لفظ المسنونۃ اھ۔ فی آخر ھذہ العبارۃ والوجہ الثانی ان اربعۃ عشر عالمًا قالوا ان المصافحۃ سنۃ اھ۔ کما مر فظھر ان المراد ھو الاستحباب فی ضمن السنۃ والوجہ الثالث ان قولہ فان محل المصافحۃ المشروعۃ اول الملاقات اھ۔ مردود بوجوہ خمسۃ قد مرت الوجہ السادس والعشرون والسابع والعشرون والثامن والعشرون والتاسع والعشرون والثلثون۔ والوجہ الرابع ان قولہ وقد یکون جماعۃ یتلاقون من غیر مصافحۃ ویتصاحبون بالکلام ومذاکرۃ العلم وغیرہ مدۃ مدیدۃ ثم اذا صلوا یتصافحون فاین ھذا من السنۃ المشروعۃ اھ۔ مردود لانہ مبنی علی الزعم الفاسد الذی ھو حصر سنیۃ المصافحۃ باول الملاقات وقد مر بطلان ھذا القول ایضا کما مر فی الوجہ الثالث آنفا۔ والوجہ الخامس ان المصافحۃ سنۃ عقب الصلوات کما مر فی الوجہ السابع والثامن والتاسع والعاشر والحادی عشر والثانی عشر فی النوع الاول من الفصل الثانی والوجہ السادس انہ قد مر من کشف الغمہ من فعل النبی ﷺ واصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی النوع الثانی من الفصل الاول۔ والوجہ السابع ان ھذہ الصورۃ المذکورۃ کما یصدق علیھا المصافحۃ بعد الصلوۃ کذلک یصدق علیھا المصافحۃ عند الافتراق کما مر من المفاتیح وشرح الشرعۃ وکشف الغمۃ فی النوع الثانی من الفصل الاول فلا بد ان تکون من المصافحۃ المشروعۃ والوجہ الثامن ان قولہ ولھذا صرح بعض علمائنا بانھا مکروھۃ اھ۔ مردود لانھا لا یصدق علیھا تعریف المکروہ کما مر تفصیلہ فی الوجہ الحادی عشر من النوع الاول من الفصل الثانی فراجعہ والوجہ التاسع ان کراھۃ المصافحۃ مخالف من ثمانیۃ اشیاء کما مر تفصیلھا فی الوجہ الثانی عشر من النوع الاول من الفصل الثانی فراجعہ فتکون الکراھۃ مردودۃ والوجہ العاشر ان قولہ وحینئذٍ انھا من البدع المذمومۃ اھ۔ مردود لان اطلاق البدعۃ علی السنۃ المنقولۃ من اربعۃ عشر عالمًا کما مر فی النوع الاول من الفصل الاول باطل۔ والوجہ الحادی عشر ان تعریف البدعۃ لا یصدق علی المصافحۃ المذکورۃ کما مر فی الوجہ الخامس عشر والسادس عشر والسابع عشر من النوع الاول من الفصل الثانی والوجہ الثانی عشر ان قولہ المذمومۃ اھ۔ مردود لانہ من قبیل بناء الفاسد علی الفاسد وھو المکروہ۔ فلما ثبت بطلان المکروہ ثبت بطلان البدعۃ فثبت بطلان المذمومۃ۔ والوجہ الثالث عشر ان البدعۃ علی خمسۃ انواع۔ (۱) بدعۃ محرمۃ (۲) بدعۃ واجبۃ کنصب الادلۃ للرد علی الفرق الضالۃ وتعلم النحو المفھم للکتاب والسنۃ (۳) مندوبۃ کاحداث نحو رباط ومدرسۃ وکل احسان لم یکن فی الصدر الاول (۴) مکروھۃ کزخرفۃ المساجد (۵) ومباحۃ کالتوسع بلذیذ

المأكل والمشارب والثياب كما في شرح الجامع الصغير للمناوي عن تهذيب النووي ومثله في الطريقة المحمدية البركلي اهـ[1]

فلو فرضنا كون المصافحة بدعة فلا بد ان تكون واجبة لكونها عبادة مسنونة في العموم والاطلاق والوجه الرابع عشر ان قوله نعم لو دخل احد في المسجد الخ۔ مردود لان هذه الصورة ليست من قبيل اول الملاقات حقيقة كما هو الظاهر فلا يكون من المصافحة المسنونة على زعمه الفاسد۔ والوجه الخامس عشر ان هذه الصورة من قبيل المصافحة بعد الصلوة۔ فاقراره بسنية الصورة صدر منه بلا اختيار بان اجرى الله تعالى هذه الالفاظ بفمه وقلمه۔ والوجه السادس عشر ان قوله لكن بشرط سبق السلام على المصافحة اهـ۔ ليس في محله لان الكلام في المصافحة لا في شروطها۔ فيكون من قبيل سبقة القلم۔ والوجه السابع عشر ان قوله بلا شبهة اهـ۔ مردود لان المصافحة المسنونة في هذه لم يثبت بدليل قطعي فبطل قوله هذا فلا يكون تلك المصافحة بلا شبهة على زعمه۔

بحواله الادلة الواضحه لاستنان المصافحه للعلامة الاجل مولانا الحاج شائسته گل رحمة الله تعالىٰ عليه

یہ رسالہ شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی فقیہ العصر فضل اللہ لنڈے شاہ جو متہ باباجی صاحب کا پوتا ہے وہاں سے ملتا ہے۔

قال مولوي عبد الهادي الديوبندي الشاه منصوري في تسهيل المشكوٰة (ص ۸۳) :"قوله قال نعم آه هذا دليل سنيتها عند اللقاء اما بعد الصلوة مثلا فلا اصل له ولٰكن لا باس بها فهي بدعة مباحة كما قال النووي وعلم من هذا ان المصافحة في يوم العيدين من هذا القبيل جائزة لا باس بها علے ان فيها اظهار المحبة فباعتبار الغاية حسّنها الناس والاعتبار للغاية وفي تركها ترك المحبة والتباغض بين الناس كما هو ظاهر في هذا الزمان فالحاصل ان فعلها حسن وفي تركها قبح فهي جائزة لاخير في منعها كما ان تقبيل يد الغير لاظهار المحبة وتعظيمه جائز وبغير هذا الوجه لا يجوز۔"

قال علامه سيد احمد شاه نور الله مرقده وجعل الجنّة مثواه في "تنوير الايمان في اتباع مذهب نعمان" (ص ۳۳۴) "قوله كالمصافحة اى كما تجوز المصافحة لانها سنت قديمة متواترة لقوله عليه السلام من صافح اخاه المسلم وحرك يده تناثرت ذنوبه واطلاق المصنف تبعا للدرر والكنز والوقاية والنقاية والمجمع والملتقى وغيرها ليفيد جوازها مطلقا ولو بعد العصر وقولهم انه بدعة اے مباحة حسنة كما افاده النووي في اذكاره وغيره وعليه يحمل ما نقله شارح المجمع من انها بعد الفجر والعصر ليس بشيء توفيقا مفأمله (ج ۵ ص ۲۶۶) وفي الشامي قوله كما افاده النووي في اذكاره حيث قال اعلم ان المصافحة مستحبة عند كل لقاء وامّا ما اعتاده الناس من المصافحة بعد الصلوة الصبح والعصر فلا اصل له في الشرع على هذا الوجه ولكن لا بأس به فان اصل المصافحة سنة وكونهم حافظوا عليها في بعض الاحوال وفرطوا في كثير من الاحوال او اكثرها لا يخرج ذالك البعض عن كونه من المصافحة التي ورد الشرع باصلها (ج ۵ ص ۲۶۶)، قوله والمستحب الخروج ماشيا والرجوع من طريق آخر والتهنئة بتقبل منا ومنكم لا تنكر كما في البحر وكذا المصافحة بل هي سنة عقب الصلوة كلها وعند كل لقى ولنا فيها رسالة سميتها سعادة أهل الاسلام بالمصافحة عقب الصلوة (ج ۱ ص ۱۴۲) وامّا المصافحة المتعارفة

---

[1] (شامی: ج: ۱: امامت: ص: ۳۷۶)

فمباح لكن ينبغي ان تكون بعد السلام لتوافق اصل السنة(ص ۲۸۱) وفی کشف الغمه قوله وکانت الصحابة ﷺ اذا انصرف النبی ﷺ من صلوته یثورون الیه حتی یزدحموا فیأخذون یده فیمسحون بها وجوههم وصدورهم آه۔[1]

وفی طحطاوی قوله کان اصحاب رسول الله ﷺ اذا التقوا یوم العید یقول بعضهم لبعضٍ تقبل الله منا ومنکم قال واخرجه الطبرانی ایضا فی الدعاء بسندٍ قویّ قال والمتعامل به فی البلاد الشامیة والمصریة قول لصاحبه "عید مبارک علیک" ونحوه ویمکن ان یلحق هذا اللفظ بذالک فی الجواز الحسن واستحبابه لما بینهما من التلازم وکذا تطلب المصافحة فهی سنة عقب الصلوه کلها وعند کل لقی۔[2]

وفی فتاویٰ کاملیة (ص ۲۶۲، ۲۶۳) :سئلت عن المصافحة فی یوم العید والجمعة ما حکمها فالجواب أن حکمها الاستحباب قال صلی الله علیه وسلم من صافح أخاه المسلم وحرّک یده تناثرت ذنوبه اهـ من الهدایة وروی الحافظ السیوطی فی الجامع الصغیر عن أبی داوود عن البراء اذا التقی المسلمان فتصافحا وحمدا الله واستغفرا غفر لهما وروی أیضا فیه عن الحکیم عن عمر ﷺ اذا التقی المسلمان فسلم أحدهما علی صاحبه کان أحبهما الی الله أحسنهما بشرا بصاحبه واذا تصافحا أنزل الله علیهما مائة رحمة للبادی تسعون وللمصافح عشرة وفی شرح العینی علی الهدایة قال النبی ﷺ ان المؤمن اذا لقی المؤمن فسلم علیه وأخذ بیده فصافحه تناثرت خطایاهما کلما یتناثر ورق الشجر رواه الطبرانی والبیهقی کذا فی الردّ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وفی قطب الارشاد (ص ۲۸۱) واما المصافحة المتعارفة فمباح لکن ینبغی ان تکون بعد السلام لتوافق اصل السنة۔

❁لفظ خدا کا استعمال اللہ تعالیٰ پر جائز ہے۔فان قیل کیف صح اطلاق الموجود والواجب والقدیم ونحو ذلک کلفظ خدا بالفارسیة ممالم یرد به الشرع قلنا بالاجماع وهو من الادلة الشرعیة ۔اگر یہ کہا جائے کہ جن الفاظ کا شریعت میں اللہ تعالیٰ کیلئے ذکر نہ کیا گیا وہ اللہ تعالیٰ کیلئے استعمال نہیں ہوسکتے تو لفظ واجب موجود قدیم اور فارسی میں لفظ خدا کا استعمال کیسے درست ہے تو جواب یہ دیا جائے گا کہ یہ اجماع امت سے ثابت ہے اور اجماع امت شرعی دلائل میں سے ایک قوی دلیل ہے۔[3]

مذکورہ بالا تحریر سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کیلئے لفظ خدا کا استعمال اجماع امت سے ثابت ہے اجماع امت کا انکار لادینیت اور گمراہی ہے لفظ خدا کے استعمال سے منع کرنے والے اور یہ کہنے والے کہ خدا حافظ کہنا منع ہے بلکہ اللہ حافظ کہو درحقیقت بزرگان دین مولائے روم، حافظ شیرازی، شیخ سعدی، فریدالدین عطار رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کو ان لوگوں کو جاہل کہنے کی بے فائدہ سعی کی کیونکہ ان تمام بزرگوں نے اپنی اپنی تصانیف میں لفظ خدا کا کثرت سے استعمال کیا ہے۔معترضین ان بزرگوں کو جاہل بنانے کی کوشش میں خود اجماع امت کے انکار کے شکار ہوں گے۔

❁قال محمد جعفر القریشی الحنفی رحمة اللہ تعالیٰ علیه فی تذکرة الواعظین

قال وهب بن منبه قرأت احدی وسبعین کتابا فوجدت فی کله لو جمع عقول جمیع الخلائق من الاولین والاخرین ویوضع عند عقل النبی ﷺ کانت عقولهم عند عقله مثل رملة عندو ما للقیامة لان اللہ تعالیٰ جعل العقل الف جزء واعطی من ذلک

---

[1] (ج ۱ ص ۱۰۹)

[2] (ص ۲۸۹)

[3] (شرح عقائد مع نبراس ص ۱۷۳)

تسع مائة وتسعة وتسعين لمحمد ﷺ واعطى واحدا لمن يشاء من عباده۔[1]

❁وذكر ان موسیٰ علیه السلام جلس یوما فی قومه فوعظ عنده اذجاء مدح النبی ﷺ فسئل امته یموسیٰ انت اکرم ام هو؟فقال موسیٰ علیه السلام هو افضل منی الف الف مرة قالوا اینبغی لک ان تقول شرفه عندنا فقال موسیٰ علیه السلام یقوم ان اقل صفته الی یوم القیامة لایتم فذکر بعض صفاته فقال لولا صاحب هذا الاسم ماخلق الله لی ولکم بل اخلصنا عن الفرعون وجنوده ببرکة نوره وثانی کل الانبیاء یطلبون رضاء الله وهو یطلب رضاءه وثالث لولا عظمة نوره فی نوح فقد یهلکه مع امته ورابع لایحصل لاحد من النبیین معراج عند الله الامحمد علیه السلام کل امة یمرون علی الصراط باقدامهم ویحرق مقدار ذنوبهم وامة محمد علیه السلام یمرون علی جناح جبرائیل ومیکائیل واسرافیل فلاتصل حر جهنم مع الکلابیب لهم وسادس تحافظ الملائکة لکل واحد من الامة ثمانیة وتکون حول امته فی کل الوقت مائة وثمانون ملکا وسابع تکون زوجته اسمها خدیجة رضی الله تعالیٰ عنها فاعطی لها شرفا حتی اخلصت من الله سبعین الفا من امته وثامن کانت له بنت اسمها فاطمة رضی الله تعالیٰ عنها فهی مقبولة عند الله واشرف فی الدرجة علی کل النساء فتدخل فی الجنة امة ابیها مائتی الف وسبعین الف قد استوجب العذاب والتاسع یکون تاج فی القیامة علی رؤس کل الانبیاء موافق جسمهم وکان تاجه فی العظمة بلاعدد حتی یقفون کل امة تحت ظله فی القیامة والعاشر ماکانت الولیمة لکل واحد من النبیین فی الجنة وتکون ولیمته فیها فیجلسون علیها کل امة فیأکلون انواع النعمة حین یتزوج بمریم آسیة رضی الله تعالیٰ عنهما وتباع امرأة فرعون والحادی عشر یحشر کل امة عریانا فی قبره ویذهب ماشیا فی المحشر وامته یحشر مع کسوته فیرکب کل واحد علی نجائب الجنة ویحضر عند خالق مع مائة وثمانون ملکا بالعزة۔[2]

❁فتاوی مولانا عبدالحی لکھنوی میں لکھا ہے کہ قلنا انه ولدلیلا فتلک اللیلة افضل من لیلة القدر بلاشبهة ۔اورامام حجر سے نقل کرکے لکھتے ہیں ۔وقال الشیخ المحدث الحافظ ابن الحجر الازمنة والامکنة تشرف بشرف من یکون فیها(الی ان قال)وکذا قال بعضهم ان لیلة مولد ﷺ افضل من لیلة القدر۔[3]

❁وفي تفسير ابن عادل أن جبريل نزل على النبي -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ- أربعة وعشرين ألف مرة، وعلى آدم اثنتي عشرة مرة، وعلى إدريس أربعًا، وعلى نوح خمسين، وعلى إبراهيم اثنتين وأربعين مرة، وعلى موسى أربعمائة، وعلى عيسى عشرًا۔[4]

❁اپنی ولادت کی خوشی میں کھانے کا اہتمام کرنا

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ,أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنْ نَفْسِهِ بَعْدَ النُّبُوَّةِ۔

---

[1](ص ۱۷۶)

[2](ص ۴۸۶)

[3](ص ۹ ج ۳)

[4](ارشادالساری لشرح صحیح البخاری ص ۸۴ ج ۱ ،تسهیل البخاری شرح بخاری ص ۲۱ ،اللباب فی علوم الکتاب المعروف به تفسیر ابن عادل ج ۱۲ ص ۷)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے بعثت ونبوت کے بعد اپنا عقیقہ کیا۔[1]

حقیقت یہ ہے کہ بعثت کے بعد حضور ﷺ نے اپنی ولادت باسعادت کی خوشی اور شکر کے اظہار کے طور پر دعوت وضیافت کا اہتمام فرمایا تھا جسے ولادت کے ساتھ نسبت کی وجہ سے عقیقہ کہا گیا ہے ورنہ معروف طریقہ پر آپ ﷺ کا عقیقہ آپ ﷺ کی ولادت کے ساتویں دن آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے کر دیا گیا تھا جیسا کہ

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: لما ولد رسول الله صلى الله عليه وسلم عقّ عنه :أي يوم سابع ولادته جده بكبش۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی تو ساتویں دن آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مینڈھا ذبح کر کے آپ ﷺ کا عقیقہ کیا۔

اگر کوئی کہے کہ آپ ﷺ نے اپنا عقیقہ دوبارہ اس لئے کیا تھا کہ آپ ﷺ کا پہلا عقیقہ ایام جاہلیت میں کیا گیا تھا تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حضور ﷺ کا نکاح بھی تو ابوطالب نے ایام جاہلیت میں حضور ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے پڑھایا تھا تو حضور ﷺ نے بعثت کے بعد اس نکاح کی تجدید کیوں نہیں کی؟

لہذا یہ مان لینا چاہیئے کہ حضور ﷺ نے اپنی بعثت کے بعد اپنی ولادت کی خوشی اور شکرانے میں دعوت وضیافت کا اہتمام کیا تھا۔ حضرت امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

وظهر لي تخريجه على اصل آخر، هو ما اخرجه البيهقي عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ,أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَقَّ عَنْ نَفْسِهِ بَعْدَ النُّبُوَّةِ مع انه قد ورد عن جده عبد المطلب عق عنه في سابع ولادته والعقيقة..اه۔

۞ قَالَ ابْنُ حَجَرٍ فِي فَتَاوِيهِ :وَلَا تُتْرُكُ لِمَا يَحْصُلُ عِنْدَهَا مِنْ مُنْكَرَاتٍ وَمَفَاسِدَ كَاخْتِلَاطِ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَغَيْرِ ذَلِكَ لِأَنَّ الْقُرُبَاتِ لَا تُتْرَكُ لِمِثْلِ ذَلِكَ، بَلْ عَلَى الْإِنْسَانِ فِعْلُهَا وَإِنْكَارُ الْبِدَعِ، بَلْ وَإِزَالَتُهَا إنْ أَمْكَنَ. اهـ۔[2]

۞ رجل صلى المغرب وتشهد فيها عشر مرات؟ فهذا رجل ادرک الامام في القعدة الاولىٰ فتشهده معه فصلى الركعة الثالثة وتشهد معه الثانية وقد كان على الامام سهو فسجد معه لسهوه وتشهد معه الثالثة ثم تذكر الامام انه قراء آية السجدة ونسيها فسجدلها وسجد معه وتشهد معه الرابعة ثم سجد مع الامام لسهوه وتشهد الخامسة فاذا سلم يقوم الى قضائه اذا صلى ركعة تشهد السادسة واذا صلى الركعة اخرى تشهد السابعة واذا كان سهى فيها يقضي فسجد لسهوه وتشهد الثامنة ثم سجد سجدتي السهو وتشهد العاشرة ثم سلم۔[3]

۞ سولہ سجود سے نماز فجر ادا کرنے کی صورت مسئلہ

سوال: ایک آدمی نے نماز فجر کو سولہ سجود سے ادا کیا اس کی کیا صورت ہے؟ (یعنی صورت مسئلہ کی وضاحت کریں)

الجواب منه الصدق والصواب۔

---

[1] (فتح الباری لابن حجر ج۹ ص۵۹۵، تهذيب الكمال في أسماء الرجال ج۱۶ ص۳۲، الحاوی الفتاویٰ ج۱ ص۲۳۰، السنن الكبرى البيهقي ج۹ ص۵۰۵)

[2] (شامی ج۱ ص۶۰۴، مذاهب اربع ص۴۲۵)

[3] (الفتاوی الولواجیة ص۴۳۳ ج۵ کتاب فی المسائل المتفرقة من جمیع الکتب)

ایک شخص نماز فجر کیلئے آیااوراس نے امام کو دوسری رکعت کے سجدہ میں پایایعنی نماز کی نیت کرکے امام کے ساتھ سجدۂ صلاتیہ ادا کی دوسجدےاورامام پرسجدۂ تلاوت واجب تھامگراس کوفراموش کرکےسجدۂ سہواس پرواجب ہوچکاتھاتوجب سجدۂ سہودوسجدے کیےتوسجدۂ تلاوت یادآگیاتوسجدۂ تلاوت کیا۔اس لئےکہ سجدۂ سہوہ نماز کےآخرمیں ہوتاہےتوامام کوسلام کے بعددوسجدےسہوہ کے کرناپڑے یہ کل سات سجدے ہوئےمگراس مقتدی نےتوابھی تک ایک رکعت بھی ادانہیں کی امام کےسلام کے بعداس نےاپنی نماز کی پہلی رکعت کے دوسجدے ادا کیے۔

دوسری رکعت میں اس کووہ حالت درپیش ہوئی جوامام کودرپیش ہوئی تھی تواس نے پہلےدوسجدےصلاتیہ ادا کیےاوردوسجدےسہوہ کےادا کیےتوسجدہ تلاوت یادآیاتووہ بھی ادا کیےتواس وجہ سےسجدۂ سہوہ دوبارہ ادا کرناپڑااس طرح کل سات سجدے ادا کیےاس لئےکل سجود۔ ۲+۷+۷ کل سولہ ہوگئےاورنماز دورکعت۔یعنی دورکعت میں سولہ سجود ادا کرناپڑےتویہ ایک عجیب عمل ہوگیا۔[1]

❁اذان اوراقامت کے جواب دینے پرمرد کیلئے ہرحرف کے بدلے بیس لاکھ درجے بلنداورعورت کیلئے دس لاکھ:

حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ صَدَقَةَ، ثنا بَكْرُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، حَدَّثَنِي عِكْرِمَةُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ عُقْبَةَ بْنِ كَثِيرٍ، عَنْ خِرَاشٍ، عَنِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ مَيْمُونَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ بَيْنَ صَفِّ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَقَالَ :يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ، إِذَا سَمِعْتُنَّ أَذَانَ هَذَا الْحَبَشِيِّ وَإِقَامَتِهِ فَقُلْنَ كَمَا يَقُولُ، فَإِنَّ لَكُنَّ بِكُلِّ حَرْفٍ أَلْفَ أَلْفَ دَرَجَةٍ:فَقَالَ عُمَرُ :هَذَا لِلنِّسَاءِ فَمَا لِلرِّجَالِ؟قَالَ :ضِعْفَانِ يَا عُمَرُ۔

ترجمہ:حضرت میمونہ رضی اللہ عنہاسےروایت ہےکہ یقیناًرسول اللہ ﷺ مردوں اورعورتوں کی صف کےدرمیان کھڑےہوئےتوفرمایا:اےعورتوں کےگروہ جبتم اس حبشی یعنی بلال رضی اللہ عنہ سےاذان اوراقامت سنوتوان کےکہنے کی طرز پرتم بھی کہوکیونکہ ہرحرف کے بدلےتمہارے لیےدس لاکھ درجے ہیں۔حضرت عمررضی اللہ عنہ نےعرض کی کہ یہ ثواب توعورتوں کیلئے ہےمردوں کیلئےکتناہے؟حضورﷺ نےفرمایاکہانہیں دوچندہے۔(ہرحرف پربیس لاکھ درجے ہیں)۔[2]

اوریہ حدیث مبارکہ اپنی فضیلت اورثواب میں بڑی عجیب ہے۔صاحب سعایہ نےکہاکہ اس کویادکروکیونکہ لوگ اس غافل اوربےپروائی کرنےوالے ہیں۔

❁مفتیان عظام وعلماء کرام اپنی نمازیں ضائع ہونے سے بچائیں

عزیزان کرام :دورحاضر کےحنفی مسلک علماءومفتیان اپنےمسلک کےخلاف نماز پڑھ کرمکروہات کےمرتکب ہوتے ہیں۔ عام طور پردیکھاگیاہےکہ عوام توعوام علماء ومفتیان بھی رکوع سےاٹھ کرقومہ کرنے کے بعدجب سجدہ کے لئے جاتے ہیں تو کمرکورکوع کی شکل میں جھکا کر سجدہ کرنے کے لئے جھکتے ہیں جس سے نمازمکروہ اورخلاف سنت ہوتی ہے۔فقہاءاحناف نےسجدہ کرنے کاسنت طریقہ یہ بتایاہےکہ قومہ کرنے

---

[1](بنایہ شرح ھدایہ ج ۲ ص ۸۱۶ مکتبہ تجاریہ مکہ مکرمہ ونسخہ دیگر ج ۳ ص ۲۳۸ بحث سجدۂ تلاوت اورنفع المفتی والسائل لعبدالحی لکھنوص ۵۹)

[2](المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۴ ص ۱۶ رقم الحدیث ۲۸،الترغیب والترھیب لمنذری متوفی ۶۵۶ عیسوی،و السعایۃ لعبدالحی لکھنوی ج ۲ ص ۵۲ فلیحفظ فان الناس عنہ غافلون)

کے بعد سجدہ کے لئے جاتے ہوئے کمر (پیٹھ) کو جھکانے کے بجائے کمر سیدھی کر کے جائے تا کہ دوبارہ رکوع کی شکل وصورت نہ بن جائے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں :ویخر لسجود قائما مستویا لا منحنیا لئلا یزید رکوعا آخر یدل علیه ما فی التاتر خانیة لو صلی فلما تکلم تذکر أنه ترک رکوعاً فان کان صلی صلاة العلماء الأتقیاء أعاد وان صلی صلاة العوام فلا لأن العالم التقی ینحط للسجود قائما مستویا والعامی ینحط منحنیا وذلک رکوع لان قلیل الانحناء محسوب من الرکوع اھ تأمل۔

یعنی سجدہ کے لئے سیدھا کھڑے ہو کر جانا سنت ہے تا کہ دوسرا رکوع نہ ہو جائے۔[1]

یہی مسئلہ عالمگیری میں بھی ہے۔[2]

ولو زاد فی صلٰوته رکوعًا أو سجودًا لا تفسد صلٰوته ویلزمه السهو۔[3]

الأعادة بترک الواجب واجبةٌ۔[4]

مطلب کل صلاة أدیت مع کراهة التحریم تجب اعادتها۔[5]

❁ حرفِ ضاد کے بجائے ظاد کا استعمال قرآن مجید میں جائز ہے یا ناجائز؟

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلے میں کہ حرفِ ضاد کے بجائے ظاد کا استعمال قرآن مجید میں جائز ہے یا ناجائز؟ اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے جو ''ولا الضالین'' کے بجائے ''ولا الظالین'' پڑھتے ہیں؟

الجواب : ضاد کی جگہ ظاد استعمال کرنا شرعاً جرم ہے۔ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا قطعاً درست نہیں۔ کتاب الاذکار میں امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں ''ولو قال ولا الضالین بالظاء بطلت صلاته علی ارجح الوجهین الا ان یعجز عن الضاد بعد التعلم فیعذر''۔ اس سے معلوم ہوا کہ محدثین کرام کے نزدیک ''ولا الضالین'' کی جگہ ''ولا الظالین'' پڑھنا نماز کو باطل کر دیتا ہے۔ اب اگر کوئی ضاد کی جگہ ظاد استعمال کرتا ہے تو اس کی اپنی نماز بھی باطل ہے اور مقتدیوں کی نماز بھی باطل ہے اور اسی طرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ''شرح فقہ اکبر'' صفحہ ۲۰۵ میں لکھتے ہیں ''وفی المحیط سئل الامام الفضلی عمن یقرأ الظاء المعجمة مکان الضّاد المعجمة او یقرء اصحاب الجنة مکان اصحاب النار او علی العکس فقال لا یجوز امامته ولم تعمد یکفر قلت اما لو ن تعمده کفر افلا کلام فیه۔

ترجمہ : کتاب محیط میں لکھا ہے کہ امام فضلی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا ایسے آدمی کے متعلق جو ضاد کی جگہ ظاد استعمال کرے یا اصحاب الجنۃ کی جگہ اصحاب النار پڑھے یا اصحاب النار کی جگہ اصحاب الجنہ پڑھا تو امام فضلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسے آدمی کی امامت جائز نہیں ہے اگر یہ قصداً ضاد کی جگہ ظاد استعمال کرے تو یہ آدمی کافر ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر قصداً ضاد کی جگہ ظاد استعمال کیا تو یہ آدمی کافر ہوا اور اس پر کسی کا بھی اعتراض نہیں ہے۔

اور اسی طرح بحر الرائق جلد ۵، ص ۱۲۶ میں ہے کہ ''ابدال الحرف بالحرف عمداً کفر'' قرآن میں ایک حرف کو دوسرے حرف

---

[1] (شامی ص ۳۶۸، ج ۱، حقانیہ پشاور)

[2] (ص ۷۰، ج ۱، رشیدیہ کوئٹہ)

[3] (قاضی خان، فصل فیما یوجب السهو، ج ۱، ص ۵۸)

[4] (شامی ص ۳۳۷، ج ۱)

[5] (ومکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ج ۲ ص ۱۸۳)

سے بدلنا قصداً یہ کفر ہے''۔تو اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ نماز میں ضاد کی جگہ ظاد پڑھتے ہیں، یہ آدمی اسلام کے دائرہ سے خارج ہیں۔ اور فتاویٰ قاضی خان جلد ا صفحہ ۱۴۳ میں ہے''ولو قرأ والعدیت ظبحاً بالظاء تفسد صلاته''اور دوسری جگہ لکھتے ہیں''ولو قرء الاما اضطررتم بالظائِ تفسد صلاته''اگر کسی نے''والعدیت ضبحاً''کو ظ کے ساتھ پڑھا (یعنی ظبحاً) اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔دوسری جگہ لکھتے ہیں اگر کسی نے''الاما اضطررتم''کو''ظ''کے ساتھ پڑھا(یعنی مظطررتم) اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ ''وکذا لو قرأ غیر المغظوب باالظّاء او باالذّال تفسد الصلوٰته''(اگر کسی نے غیر المغضوب کو ض یا ذ کے ساتھ پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہوگئی)۔

اسی طرح کبیری صفحہ ۴۴۹ میں ہے''ولو قرء والنخل طلعها هضیم قرء بالظائِ او باالذال تفسد صلاته''یعنی اگر کسی نے طلعها هضیم کو ظ یا ذ کے ساتھ پڑھا(هظیم یا هذیم) تو اس شخص کی نماز فاسد ہوگئی۔اور فتاویٰ قاضی خان جلد ا صفحہ ۱۴۶ میں ہے''ولو قرء فترضیٰ باالظاء تفسد صلاته'' یعنی اگر کسی نے''فترضیٰ''کو ظ کے ساتھ پڑھا(فترظیٰ) تو اس کی نماز فاسد ہوگئی۔

فتاویٰ عالمگیری جلد ۲ صفحہ ۲۸۸ مطبع مجیدی میں ہے''سئل عمن یقرأ الزاء مقام الضاد و قرأ اصحاب الجنة مقام اصحاب النار قال لا تجوز امامته و لو تعمد یکفر''یعنی اس شخص کا حکم پوچھا گیا جو''ض''کی جگہ''ز''پڑھے اور اصحاب الجنۃ کی جگہ اصحاب النار، فرمایا اس کی امامت جائز نہیں اور اگر قصداً کیا تو کافر ہو جائے گا۔

اسی طرح رد المحتار جلد ا مطبوعہ مصر صفحہ ۴۴۴ میں ہے''ان تعمد ذلک تفسد''یعنی اگر قصداً حرف کو تبدیل کیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے''من زاد حرفاً فی القرآنِ او نقص منه او بدل حرفاً بحرفٍ متعمداً فقد کفر''یعنی اگر کسی نے قرآن میں قصداً کسی حرف کو زیادہ کیا یا کم کیا یا ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دیا تحقیق کے ساتھ وہ آدمی کافر ہے''۔

اور اسی طرح قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شفا شریف جلد ۲ صفحہ ۲۲۴ میں فرماتے ہیں''وقد اجمع المسلمون ان جمیع ما فی القرآن حق و ان من نقص منه حرفاً قاصداً لذالک النقص او بدل حرفا مکان حرف آخر او زاد حرفا فانه کافر''یعنی مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن میں جو کچھ بھی ہے وہ سب کا سب حق ہے، اگر کسی نے کوئی حرف کم کیا قصداً یا کسی حرف کو بدل دیا دوسرے حرف سے قصداً، یا اپنی طرف سے حروف زیادہ کیے تو یہ آدمی کافر ہے۔اور اسی طرح جامع الفصولین صفحہ ۳۱۶ میں ہے''او یقرء الظاء مکان الضاد لم تجز امامته و لو تعمد ایکفر''یعنی اگر کسی نے ضاد کی جگہ ظ پڑھا تو اس کی امامت صحیح نہیں ہے، اگر قصداً پڑھا تو کافر ہے۔

الفتاویٰ الولوالجیۃ جلد ا صفحہ ۷۳ میں ہے''رجل قرأ فی صلاته الحمد لله بالهاء و الرحمن الرحیم بالهاء و غیر المغضوب علیهم بالذال او قل اعوذ بالدال، او الله الصمد بالسّین، او قرأ فی التشهد التحیات لله بالهاء، او قال فی رکوعه :سبحان ربّی العظیم بالذال او الضاد، او سمع الله لمن حمده بالهاء، ان یجتهد باللیل و النّهار فی تصحیحه و لا یقدر علیه فصلاته جائزة، لانه عاجز و ان ترک جهده فصلاته فاسدة''۔

ترجمہ :اگر کسی نے نماز میں الحمد اللہ کو ھا کے ساتھ پڑھا، یا الرحمن الرحیم کو ھا کے ساتھ پڑھا، یا غیر المغضوب علیهم کو ذال کے ساتھ پڑھا، یا قل اعوذ کو دال کے ساتھ پڑھا، یا اللہ الصمد کو سین کے ساتھ پڑھا، یا تشہد میں التحیات للہ کو ھا کے ساتھ پڑھا، یا رکوع میں سبحان ربی العظیم کو ذال یا ضاد کے ساتھ پڑھا، یا سمع اللہ لمن حمدہ کو ھا کے ساتھ پڑھا، یہ آدمی اگر رات دن کوشش کرے تلفظ کے صحیح ہونے پہ تو اس شخص کی نماز جائز ہے، کیونکہ یہ عاجز ہے۔اگر یہ کوشش کو ترک کر دے تو اس کی نماز فاسد ہے۔

اسی طرح مجموعۃ الفتاوی (جلد ا، صفحہ ۹۸، کتاب القرآن) مولانا عبد الحی لکھتے ہیں کہ شفا شریف میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں ''قد اجمع المسلمون علی من نقص من القرآن حرفا قاصدا لذلک او بدله بحرف آخر مکانه او زاد فیه حرفا اٰخر مما لم یشمل علیه المصحف الذی وقع الاجماع علیه و اجمع علی انه لیس من القرآن عامد الکل هذا انه کافر انتهی۔ یعنی مسلمانوں نے اس پر اجماع کرلیا ہے کہ جو شخص قرآن میں قصداً کوئی حرف کم کرے یا اسکو دوسرے حرف سے بدل کر اسی جگہ لکھدے یا کوئی اور حرف بڑھادے جو مجمع علیہ مصحف میں نہیں پایا جاتا ہے اور اس کے قرآن میں نہ ہونے پر اجماع ہو وہ کافر ہے۔

خلاصۃ الفتاوٰی جلد ۱ صفحہ ۱۹۶ پر ہے : ''ولو قرء فی الا مااضطررتم بالذال او بالظاء یفسد صلوته'' یعنی اگر کسی نے ''الا مااضطررتم'' کو ذال یا ظ کے ساتھ پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ آگے لکھتے ہیں ''لو قرء المغضوب بالظاء او بالذال یفسد صلوته'' یعنی اگر کسی نے ''المغضوب'' کو ظ یا ذال کے ساتھ پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

تفسیر روح البیان جلد ۱۰، صفحہ ۳۵۳ میں لکھا ہے ''قال فی المحیط البرهانی اذا اتی بالظاء مکان الضاد او علی العکس فالقیاس تفسد صلوته وهو قول عامة المشائخ'' یعنی محیط برھانی میں ہے کہ اگر کسی نے ضاد کی جگہ ظا پڑھا یا اس کے برعکس، اس شخص کی نماز فاسد ہوگئی اور یہ عام مشائخ کا قول ہے۔ اور آگے فرماتے ہیں ''وفی الخلاصة لو قرء بالظاء مکان الضاد او بالضاد مکان الظاء تفسد صلوته، عند بحنیفة و محمد'' یعنی اگر کسی نے ضاد کی جگہ ظا استعمال کیا یا اس کے برعکس تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنھما کے نزدیک اس کی نماز فاسد ہوگئی۔

خلاصہ کلام یہ نکلا کہ فقہاء کرام کے جوابات سے معلوم ہوا کہ ضاد کی جگہ ظا استعمال کرنا نماز کو فاسد کر دیتی ہے اور یہ تمام فقہاء کرام کا اتفاقی مسئلہ ہے، اور بعض فقہاء کرام نے کفر کا فتوٰی دیا ہے۔ اور یہ کام یہودیوں کا ہے جو کہ قرآن کے حروف میں رد و بدل کرتے ہیں جیسے کہ اللہ جلّ شانہ ارشاد فرماتا ہے سورۃ النساء آیت ۴۶، پارہ ۵، ''مِنَ الَّذِیْنَ هَادُوْا یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ'' یعنی اور بعض یہود وہ ہیں جو کہ بدلتے رہتے ہیں کلمہ کو۔ لہٰذا ایسے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔

❁ ویجب التاخیر فی المغرب تزول الحمرة من رأس اللیل لان خمسین من الصحابة یأکلون الصوم ویؤدون الصلوة قبل زوال الحمرة من رأس اللیل فالنبی ﷺ حکم باعادة الصلوة وقضاء الصوم ولیس المغرب ان یقوم اللیل علی رأس الجبل لان بعض الجبال اکصر و بعضها طویل و اللیل یری من رأس الجبل الکصیر و لا تزول الشمس من رأس الجبل الطویل (فتاوی مسافری) روی انه علیه السلام قال اذا اقبل الظلام من ههنا و اشار الی المشرق و ادبر النهار من ههنا و اشار الی المغرب و قد افطر الصائم و نقل عن بعض الزّهّاد انه لابدّ من ارتفاع الظلام الی وسط السماء۔ (شیخ الاسلام) و ذکر فی شرح المنظوم والنهایة ماحاصله ان علامة المغرب ازالة الحمرة الشرقیة حتی یبلغ الشواد الی وسط السماء اول وقت المغرب مغیب الشمس علامة مغیبها عدم حمرة فی المشارق المقابل للمغرب فی السماء فاذا ذهبت الحمرة منه و لما ان الشمس مقطت فی المغرب۔ (نهج البلاغة و ابتدائے مغرب ازحین غیوب شمس و نزد جمهور ازحین زوال حمرت ناحیۂ مشرق تحفة الابرابر مصنفة غلام حسین جون پور ص ۱۶) وفی شرع من الطلوع الفجر الثانی الی غروب الشمس و لا یخفی زمان اللیل علی المذهبین (شرح چغمینی) قوله الی غروب الشمس بمعنی مجاوزته علی الافق الغربی بحیث تظهر الظلمة فی جانب المشرق و تزول الحمرة۔ (منه برشرح چغمینی) و وقت العصر منه الی قبیل الغروب فلو غربت ثم عادت الیعود الوقت

الظاهر نعم۔(درمختار بقول الظاهر نعم)بحث لصاحبه النهر حيث قال ذكرت الشافعيّة انّ الوقت يعود لانه عليه السلام نعم فيه حجر على رضى الله تعالىٰ عنه غربت الشمس فلما استيظ ذكر له انه فاتته العصر فقال اللهم انه كان فى طاعتک وطاعة رسولک فرضها عليه فردت حتى صلى العصر وكان ذلک بخيبر والحديث صحيحه الطحاوى وعياض قلت ان اسماعيل ردما بعثه فى النهر تبعا للشّافعىّ بان صلوة العصر بغيبوبة الشفق تصير قضاء ورجوعها لا يعيدها اداء۔[1]

۞ (۱)اول وقت صلوة المغرب غيبوبة الشمس،وعلامته سقوط جرم القرص وعلامته عدم الحمرة من جانب الشرق اه۔نهاية ثم حسب المفتين كتاب الصلوة باب الاوقات ۔(۲)علامة المغرب ازالة الحمرة الشرقية حتى يبلغ السواد الى وسط السمآء اه۔شيخ الاسلام هو المنقول عن بعض الزهاد۔اه۔شرح المنظومة۔(۳)اول وقت صلوة المغرب وقت غروب الشمس اذا غربت عن الافق وان كان فى جانب المغرب حائل فعلامة وقت المغرب هى التى اذا زالت الحمرة من جانب الشرق ويرفع السواد۔اه۔الفج العميق ص ۱۹۹ وغيرها۔(۴)وفى الشرع النهار من طلوع الفجر الثانى الى غروب الشمس بمعنى مجاوزته عن الافق الغربى بحيث تظهر الظلمة فى جهة المشرق وتزول الحمرة منه اه۔حاشيه السيد على الچغمنى باب الاشياء المفردة ص ۱۱۲،ص ۱۱۶،ص ۱۳۰،والسبع الشداد فصل اليوم والليل۔ص ۳۶۔(۵)ابتداء الليل عند اهل السنة عن مجاوزة جرم الشمس بتمامها عن الافق الغربى (اى بحيث تظهر الظلمة فى جهة المشرق وتزول الحمرة منه كمامر)وعند الامامية من زوال الحمرة الشرقية وظهور الظلمة فى ذلک الجانب ۔اه۔برجندى بهامش شرح الچغمنى ص ۱۱۲ اى وعند الامامية ابتداء وقت المغرب من اشتباک النجوم وهو مراد البرجندى بدلائل كثيرة ۔(۱)قولهم اهل الكتاب يؤخرون الفطر الى اشتباک النجوم ۔اى اختلاطها،ثم صار عادة لاهل البدعة منا۔اه۔تورپشتى،ثم مرقات جلد۳ص ۵۱۳ وص ۵۱۵ ورسائل الاركان ص ۲۰ وعينى الهداية جلد ۱ باب الاوقات ص ۴۹۲ وعينى البخارى ج۵ص ۲۹۲ واشعة اللمعات ج۲ص ۸۵ معنى اشتباک النجوم ظهور جميعها صغارها وكبارها حتى لا يبقىٰ منها شئ ۔اه۔ملخص مجمع البحار على المشكوة ص ۱۶۹ وشامى ج ۱ اوقات ص ۲۴۹ ولهن المذكور وللاحاديث الصريحة كره تاخير الافطار وصلوة المغرب الى اشتباک النجوم واما تاخيرهما الى تيقن الغروب ففرض،واما مراد(تعجيل افطار در حديث)تعجيل بعد از تحقق وقت وتيقن غروب است اه۔شيخ الاسلام شرح البخارى جز ۸ واشعة اللمعات جلد ۱ اوقات ص ۳۱۹ ومحيط برهانى جلد ۱ اوقات ص ۴۱۲۔

بدلائل الايات بالتفاسير

(۱)قوله تعالىٰ (واية لهم الليل نسلخ)ننزع (منه النهار فاذاهم مظلمون داخلون فى الظلمة وذلک ان الاصل هى الظلمة والنهار داخل عليها فاذا غربت الشمس سلخ النهار من الليل فتظهر الظلمة اه۔معالم ،للبغوى ،وخازن جلد ۶ سورة يسٓ ص ۷(۲)"نسلخ "اى نخرج منه النهار اخراجا لا يبقى معه شئ من ضوء النهار،او ننزع عنه الضوء كنزع القميص الابيض فيعرى نفس الزمان كشخص زنجى اسود لان لان اصل ما بين السماء والارض من الهواء۔الظلمة فاكتى بعضه ضوء الشمس

---

[1](ردالمحتار)

کبیت مظلم اسرج فیه فاذاغاب السراج اظلم (فاذاهم مظلمون)داخلون فی الظلام ۔اھ۔المدارک ج۴،یسٓ ص۷،(۳)وقوله تعالیٰ(یغشی اللیل النهار)یعنی انه تعالیٰ یاتی باللیل علی النهار فیغشیه ویلبسه حتی یذهب بنوره ،معالم وخازن اعراف ص۱۹۷ وجمل جلد۲،اعراف ص۱۴۹۔(۴)وقوله تعالیٰ (واللیل اذایغشها)ای یغشی اللیل الشمس حین تغیب فتظلم الافاق اھ۔معالم وخازن ج۷الشمس ص۲۷۹ومدارک ج۴ص۳۸۱وابوالسعود ج۸ص۲۷۲وابن عباس ص۴۷۲وجلالین وجمل ج۴ص۵۱۳وکبیرج۸ص۴۳۷۔(۵)قوله تعالیٰ (واللیل اذایغشی)ای یغشی النهاربظلمته فیذهب اللہ بضوئه اھ۔معالم وخازن ج۷اللیل ص۲۱۱وابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنهما)ص۵۱۳(۶)قوله واللیل اذایغشی ،بظلمته کل مابین السمآءوالارض اھ۔جلالین وصاوی ج۴اللیل ص۲۲۳ (۷)قوله تعالیٰ (واللیل اذاسجی)ای قال قتاده والضحاک غطی کل شئی بظلامه ۔اھ۔معالم وخازن ج۷الضحی ص۲۱۵وتبصیرالرحمن ج۲ص۴۰۵وصاوی ج۴ص۳۲۶اقول خلاصة الآیات بشرحهاان اللیل یوجدباحاطة الظلمة علی کل مابین السماءوالارض والافاق سوی شفق المغرب فتکون مثبة لاقوال العلماءالمذکورة۔

وبدلائل الاحادیث الصحیحة

(۱)عن ابی هریرة (رضی اللہ تعالیٰ عنه)قال قال الرسول اللہ ﷺ "اول وقت المغرب حین تغرب الشمس "الخ۔ترمذی ص۲۱وموطامحمدص۴۱۲ونصب الرایة جلد۱ص۱۱۶۔(۲)عن سلمة بن الاکوع (رضی اللہ تعالیٰ عنها)قال کان الرسول علیه السلام یصلی المغرب اذاغربت الشمس وتوارت بالحجاب اھ۔ترمذی ص۲۳۔(۳)عن ابن عباس (رضی اللہ تعالیٰ عنهما)قال قال الرسول ﷺ امّنی جبریل علیه السلام عندالبیت الی قوله ثم صلی المغرب حین وجبت الشمس وافطر الصیام ۔اھ۔ترمذی ج۱ص۲۱وابوداودثم نصب الرایة ج۱ص۱۱۵(۴)وعن بریدة(رضی اللہ تعالیٰ عنه) قال اتی النبی ﷺرجل فساله عن مواقیت الصلوة (الی قوله)ثم امره بالمغرب حین وقع حاجب الشمس اھ۔ترمذی ج۱ص۲۱۔(۵)عن عمر(رضی اللہ تعالیٰ عنه)قال قال رسول اللہ ﷺاذااقبل اللیل من ههنا وادبر النهار من ههنا وغربت الشمس فقدافطر الصایم متفق علیه اھ۔مشکوة۔صوم ص۱۶۷۔قال شراح الحدیث الاخیر هذه الثلاثة ای الاقبال والادبار والغروب وکذلک توارة الحجاب والوجوب والوقوع وافطار الصایم ،المذکورة فی هذه الاحادیث ،متلازمة ،وذکر الاخیرین للتاکیدبان المرادمن الاقبال هو الاقبال الحقیقی،ای اقبال الظلمة الصرفة وانعدام الحمرة المشرقیة کمامر التصریح من العلماء،لامطلق الاقبال اھ۔ای لیس المراداقبال الظلمة من المشرق مع وجود الحمرة فوق ذلک الظلمة فتکون الاحادیث المذکورة مثبتة للاقوال المذکورة۔[1]

۞وَعَن سلمَان قَالَ :خَطَبَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهَ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي آخِرِ يَوْمٍ مِنْ شَعْبَانَ فَقَالَ» :يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيمٌ مُبَارَكٌ شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شهر جعل الله تَعَالَى صِيَامَهُ فَرِيضَةً وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا مَنْ تَقَرَّبَ فِيهِ بخصلة من الْخَيْرِ كَانَ كَمَنْ

---

[1](الکنزالاقرب فی وقت المغرب ص۴-۱ مصنفة شیخ الاسلام الحاج مولوی شائسته گل نوراللہ مرقده)

أَدَّى فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ وَمَنْ أَدَّى فَرِيضَةً فِيهِ كَانَ كَمَنْ أَدَّى سَبْعِينَ فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ۔[1]

۞أَخْبَرَنَا هَنَّادٌ، عَنْ هُشَيْمٍ، عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ، عَنْ نَافِعِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِي عُبَيْدَةَ قَالَ :قَالَ عَبْدُ اللهِ» :إِنَّ الْمُشْرِكِينَ شَغَلُوا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ يَوْمَ الْخَنْدَقِ، فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الظُّهْرَ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعَصْرَ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْمَغْرِبَ، ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى الْعِشَاءَ۔[2]

۞عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لو ارادالله ان یعذب امة محمد ﷺ من المؤمنین لمااکرمهم بشهر رمضان فمن صلی الفائتة فی آخر جمعة من رمضان بین الظهر و العصر فانما صلی سبعین سنة۔[3]

۞عن رسول اللہ ﷺ من قضی خمس صلوات فی آخر جمعة رمضان ویختم بالوتر کان کمن ادی ای صلی سبعین سنة کذافی الشامی مصنفه امام کبیر بیهقی اسماعیل بن الحسین الحنفی فی الفوائد البهیئة ص ۸۹

۞قال رسول اللہ ﷺ من قضی خمس صلوات فی اخر جمعة من رمضان کان ذلک جابر الکل صلوات فائتة فی عمره الی سبعین سنة کذافی النهایة شرح الهدایة۔

ترجمہ :رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے رمضان کے آخری جمعہ میں پانچ نمازوں کی قضاء کی تو یہ اس کی ہر فوت شدہ نماز کیلیے جبیرہ ہوگا ستر سال تک اور اسی طرح نہایہ شرح ہدایہ میں بھی ہے۔

۞وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسلم :إِن عمْرَة فِي رَمَضَان تعدل حجَّة۔[4]

۞قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللَّهَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ. قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :تَامَّةٍ تَامَّةٍ تَامَّةٍ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيّ۔[5]

۞فتاویٰ فضلی میں محمد بن فضل نے ذکر کیا ہے کہ ان اباحنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوز قضاء خمس صلوات فی اخر جمعة رمضان من الفجر الی العشاء مع الوتر لتکون جبیرة لکل صلوة فاتته فی عمره علی سبعین سنة لا بدلا۔

۞اس طرح فقیہ ابواللیث سمرقندی فرماتے ہیں :اذا جآءت الجمعة الاخیرة من رمضان ینبغی للمسلم ان یطهر بدنه تطهیرا کاملا ثم یؤدی جمعته و بعدالفراغ من ذالک یصلی خمس صلوات من الصبح الی العشاء مع الوتر یخیر فی الاداء بالجماعة او الانفراد لکن اداء بالجماعة اولی یسیر اعلی الناس و یکون ذالک جبیرة لمافات من الصلوة فی عمره بالجماعة۔عیون الفقیه ابی اللیث سمرقندی: ج ۱ باب الجمعة و کذا باب المرتد۔ویصلی الوتر و المغرب بثلثة قعدات و ضم الرکعة الرابعة و کذافی تحفة المواعظ مصنفه مولانا یعقوب چرخی و کذافی الفتاویٰ الحجة لقاضی خان ۔و کلما شرع بالجماعة

---

[1](مشکوة شریف ج ۱ ص ۱۷۳)

[2](نصب الرایة ج ۱ قضاء الفوائت ص ۲۹۹)

[3](تذکرة الواعظین باب شرف رمضان ص ۱۵۲ لمحمد جعفر الحنفی)

[4](مشکوة المصابیح ص ۱۲۲ ج ۱)

[5](مشکوة المصابیح ص ۸۹)

فالمسجد فيه افضل۔[1]

گانا بجانے کے متعلق علامہ السید آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں

۞ وذكر الإمام أبو بكر الطرسوسي في كتابه في تحريم السماع أن الإمام أبا حنيفة يكره الغناء ويجعله من الذنوب وكذلك مذهب أهل الكوفة سفيان، وحماد، وإبراهيم، والشعبي، وغيرهم لا اختلاف بينهم في ذلك ولا نعلم خلافا بين أهل البصرة في كراهة ذلك والمنع منه انتهى وكأن مراده بالكراهة الحرمة، والمتقدمون كثيرا ما يريدون بالمكروه الحرام كما في قوله تعالى : كُلُّ ذٰلِكَ كانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهاً [الإسراء 38 :] ونقل عليه الرحمة فيه أيضا عن الإمام مالك انه نهى عن الغناء وعن استماعه وقال : إذا اشترى جارية فوجدها مغنية فله أن يردها بالعيب وإنه سئل ما ترخص فيه أهل المدينة من الغناء فقال: إنما يفعله عندنا الفساق؟ ونقل التحريم عن جمع من الحنابلة على ما حكاه شارح المقنع وغيره، وذكر شيخ الإسلام ابن تيمية في كتاب البلغة أن أكثر أصحابهم على التحريم وعن عبد الله ابن الإمام أحمد انه قال : سألت أبي عن الغناء فقال ينبت النفاق في القلب لا يعجبني ثم ذكر قول مالك : إنما يفعله عندنا الفساق، وقال المحاسبي في رسالة الإنشاء الغناء حرام كالميتة، ونقل الطرسوسي أيضا عن كتاب أدب القضاء أن الإمام الشافعي رضي الله تعالى عنه قال : إن الغناء لهو مكروه يشبه الباطل والمحال من استكثر منه فهو سفيه ترد شهادته، وفيه أنه صرح أصحابه العارفون بمذهبه بتحريمه وأنكروا على من نسب إليه حله كالقاضي أبي الطيب، والطبري، والشيخ أبي إسحاق في التنبيه وذكر بعض تلامذة البغوي في كتابه الذي سماه التقريب أن الغناء حرام فعله وسماعه، وقال ابن الصلاح في فتاواه بعد كلام طويل : فإذن هذا السماع حرام بإجماع أهل الحل والعقد من المسلمين انتهى۔[2]

وَفِي فَتَاوَى قَاضِيخَانَ :اسْتِمَاعُ صَوْتِ الْمَلَاهِي كَالضَّرْبِ بِالْقَضِيبِ وَنَحْوِ ذَلِكَ حَرَامٌ وَمَعْصِيَةٌ لِقَوْلِهِ -عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ -"»اسْتِمَاعُ الْمَلَاهِي مَعْصِيَةٌ، وَالْجُلُوسُ عَلَيْهَا فِسْقٌ، وَالتَّلَذُّذُ بِهَا مِنَ الْكُفْرِ« "إِنَّمَا قَالَ ذَلِكَ عَلَى وَجْهِ التَّشْدِيدِ، وَإِنْ سَمِعَ بَغْتَةً فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ، وَيَجِبُ عَلَيْهِ أَنْ يَجْتَهِدَ كُلَّ الْجُهْدِ حَتَّى لَا يَسْمَعَ لِمَا رُوِيَ :أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -»أَدْخَلَ أُصْبُعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ۔[3]

وَإِنْ سَمِعَ بَغْتَةً يَكُونُ مَعْذُورًا وَيَجِبُ أَنْ يَجْتَهِدَ أَنْ لَا يَسْمَعَ۔[4]

السَّمَاعُ وَالْقَوْلُ وَالرَّقْصُ الَّذِي يَفْعَلُهُ الْمُتَصَوِّفَةُ فِي زَمَانِنَا حَرَامٌ لَا يَجُوزُ الْقَصْدُ إِلَيْهِ وَالْجُلُوسُ عَلَيْهِ۔[5]

وَلَا اعْتِبَار لما أبدعته الجهلة من الصُّوفِيَّة فِي ذَلِك فَإِنَّك إِذا تحققت أَقْوَالهم فِي ذَلِك وَرَأَيْت أفعالهم وقفت على آثَار الزندقة

---

[1] (درمختار تراویح ص ۴۷۳ وطحطاوی تراویح)

[2] (روح المعانی، جلد ۲۱، صفحہ ۶۹، سورۃ لقمان، آیات ۱ تا ۱۱)

[3] (مرقاۃ جلد ۳ ص ۵۳۸)

[4] (ردالمحتار ج ۵ ص ۲۷۹)

[5] (فتاویٰ ہندیۃ ج ۵، ص ۳۵۲)

مِنْهُم۔[1]

فَأَمَّا مَا ابْتَدَعَتْهُ الصُّوفِيَّةُ الْيَوْمَ مِنَ الْإِدْمَانِ عَلَى سَمَاعِ الْمَغَانِي بِالْآلَاتِ الْمُطْرِبَةِ مِنَ الشَّبَّابَاتِ والطار والمعازف والأوتار فحرام.[2]

وَمَا يَفْعَلُهُ مُتَصَوِّفَةُ زَمَانِنَا حَرَامٌ لَا يَجُوزُ الْقَصْدُ وَالْجُلُوسُ إِلَيْهِ وَمَنْ قَبْلَهُمْ لَمْ يَفْعَلْ كَذَلِكَ، وَمَا نُقِلَ أَنَّهُ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - سَمِعَ الشِّعْرَ لَمْ يَدُلَّ عَلَى إِبَاحَةِ الْغِنَاءِ. وَيَجُوزُ حَمْلُهُ عَلَى الشِّعْرِ الْمُبَاحِ الْمُشْتَمِلِ عَلَى الْحِكْمَةِ وَالْوَعْظِ، وَحَدِيثُ تَوَاجُدِهِ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - لَمْ يَصِحَّ، وَكَانَ النصر آباذي يَسْمَعُ فَعُوتِبَ فَقَالَ :إِنَّهُ خَيْرٌ مِنَ الْغِيبَةِ فَقِيلَ لَهُ هَيْهَاتَ بَلْ زَلَّةُ السَّمَاعِ شَرٌّ مِنْ كَذَا وَكَذَا سَنَةً يَغْتَابُ النَّاسَ، وَقَالَ السِّرِّيُّ :شَرْطُ الْوَاجِدِ فِي غِيبَتِهِ أَنْ يَبْلُغَ إِلَى حَدٍّ لَوْ ضُرِبَ وَجْهُهُ بِالسَّيْفِ لَا يَشْعُرُ فِيهِ بِوَجَعٍ اهـ. قُلْت :وَفِي التَّتَارْخَانِيَّةِ عَنِ الْعُيُونِ إِنْ كَانَ السَّمَاعُ سَمَاعَ الْقُرْآنِ وَالْمَوْعِظَةِ يَجُوزُ، وَإِنْ كَانَ سَمَاعَ غِنَاءٍ فَهُوَ حَرَامٌ بِإِجْمَاعِ الْعُلَمَاءِ وَمَنْ أَبَاحَهُ مِنَ الصُّوفِيَّةِ، فَلِمَنْ تَخَلَّى عَنِ اللَّهْوِ، وَتَحَلَّى بِالتَّقْوَى، وَاحْتَاجَ إِلَى ذَلِكَ احْتِيَاجَ الْمَرِيضِ إِلَى الدَّوَاءِ. وَلَهُ شَرَائِطُ سِتَّةٌ :أَنْ لَا يَكُونَ فِيهِمْ أَمْرَدُ، وَأَنْ تَكُونَ جَمَاعَتُهُمْ مِنْ جِنْسِهِمْ، وَأَنْ تَكُونَ نِيَّةُ الْقَوْلِ الْإِخْلَاصَ لَا أَخْذَ الْأَجْرِ وَالطَّعَامِ، وَأَنْ لَا يَجْتَمِعُوا لِأَجْلِ طَعَامٍ أَوْ فُتُوحٍ، وَأَنْ لَا يَقُومُوا إِلَّا مَغْلُوبِينَ وَأَنْ لَا يُظْهِرُوا وَجْدًا إِلَّا صَادِقِينَ.

وَالْحَاصِلُ :أَنَّهُ لَا رُخْصَةَ فِي السَّمَاعِ فِي زَمَانِنَا لِأَنَّ الْجُنَيْدَ - رَحِمَهُ اللَّهُ - تَعَالَى تَابَ عَنِ السَّمَاعِ فِي زَمَانِهِ اهـ[3]

الرَّقْصِ وَالسُّخْرِيَةِ وَالتَّصْفِيقِ وَضَرْبِ الْأَوْتَارِ مِنَ الطُّنْبُورِ وَالْبَرْبَطِ وَالرَّبَابِ وَالْقَانُونِ وَالْمِزْمَارِ وَالصَّنْجِ وَالْبُوقِ، فَإِنَّهَا كُلَّهَا مَكْرُوهَةٌ لِأَنَّهَا زِيُّ الْكُفَّارِ.[4]

۞ حضرت خواجہ ابوبکر جزجانی قدس سرہ کے زمانے میں ایک حنفی نے کسی اہل حدیث سے رشتہ طلب کیا اس اہل حدیث نے یہ شرط لگائی کہ اگر تو حنفی مذہب چھوڑ دے نماز میں سورہ فاتحہ خلف امام پڑھے اور رفع یدین کرے تو میں رشتہ دے دیتا ہوں اس حنفی نے یہ شرط قبول کرلی اور نکاح کرلیا پھر یہ مسئلہ حضرت خواجہ جزجانی قدس سرہ سے پوچھا گیا کہ یہ نکاح ہوا ہے یا نہیں تو آپ قدس سرہ نے (مراقبہ) کیا سر جھکایا اور پھر سر اٹھا کر فرمایا کہ نکاح تو ہوگیا مگر مجھے ڈر ہے کہ یہ حنفی دنیا سے بے ایمان جائے گا آخری وقت اس کا ایمان چھن جائے گا کیونکہ اس نے گندے چمڑے کی خاطر اپنا حق مذہب چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ رد المحتار فتاویٰ شامی میں حُكِيَ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ أَبِي حَنِيفَةَ خَطَبَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ الْحَدِيثِ ابْنَتَهُ فِي عَهْدِ أَبِي بَكْرٍ الْجُوزَجَانِيِّ فَأَبَى إِلَّا أَنْ يَتْرُكَ مَذْهَبَهُ فَيَقْرَأَ خَلْفَ الْإِمَامِ، وَيَرْفَعُ يَدَيْهِ عِنْدَ الِانْحِطَاطِ وَنَحْوُ ذَلِكَ فَأَجَابَهُ فَزَوَّجَهُ، فَقَالَ الشَّيْخُ بَعْدَمَا سُئِلَ عَنْ هَذِهِ وَأَطْرَقَ رَأْسَهُ :النِّكَاحُ جَائِزٌ وَلَكِنْ أَخَافُ عَلَيْهِ أَنْ يَذْهَبَ إِيمَانُهُ وَقْتَ النَّزْعِ، لِأَنَّهُ اسْتَخَفَّ بِمَذْهَبِهِ الَّذِي هُوَ حَقٌّ عِنْدَهُ وَتَرَكَهُ لِأَجْلِ جِيفَةٍ مُنْتِنَةٍ۔[5]

میرے عزیز بھائیو! غور کرو کہ اس وقت کے اہل حدیث وہابی نہ تھے اور رسول کریم ﷺ کے گستاخ نہ تھے صرف ایک معین امام کی تقلید

---

[1] (عمدۃ القاری، ج ۶، ص ۲۷۱)

[2] (تفسیر قرطبی، ج ۱۴، ص ۵۶)

[3] (رد المحتار، ج ۵، ص ۲۴۶)

[4] (رد المحتار، ج ۵، ص ۲۷۹)

[5] (فتاویٰ شامی ج ۴ ص ۸۰ باب تعزیر)

کو برا جانتے تھے جب ان کے ساتھ بیاہ وشادی کرنے سے ایمان کو خطرہ ہے تو آج کل کے اہل حدیث جو کہ عموماً وہابی ہیں بے ادب وگستاخ ہیں ان کے ساتھ بیاہ وشادی کرنے سے ایمان کیسے محفوظ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نظر بصیرت عطا فرمائے۔

۞ اہل ایمان کے دکھ کی دوا گستاخ کا قتل ہے۔

يحتمل أن تكون قلوبهم توجعت وتألمت بكفرهم باللّٰه وتكذيبهم الرسول، فوعدهم شفاء صدورهم، وذلك يحتمل وجهين:

أحدهما : أنهم يسلمون، فيصيرون إخوانًا، فيدخل فيهم السرور والفرح بإزاء ما حزنوا وتألموا، وذلك شفاء صدورهم.

والثاني : يشف صدورهم بالقتل والهزيمة، يقتلون ويهزمون، ففي ذلك شفاء صدورهم، لما تألمت وتوجعت بالتكذيب والكفر باللّٰه وآياته .

ترجمہ: امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اہل ایمان کے دل انتہائی دکھی اور رنجیدہ تھے کہ کافروں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کیا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وعدہ فرمایا کہ میں اہل اسلام کے دلوں کو ضرور ٹھنڈا کروں گا اس میں دو وجوہ کا احتمال ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ وہ کفار اسلام قبول کر کے مسلمانوں کے بھائی بن جائیں گے اس طرح اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے دلوں سے غم دکھ کو دور کر کے خوشی داخل فرمائے گا دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اہل اسلام کے ہاتھوں قتل اور ذلت پہنچائے گا اور اس طرح جب وہ قتل ہوں گے اور ذلیل ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اہل اسلام کے دلوں کو خوش کر دے گا۔[1]

۞ امام ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں

ونفس المؤمن لا تشتفی من هذا الساب اللعین الطاعن فی سید الاولین والآخرین الا بقتله وصلبه بعد تعذیبه وضربه فان ذلک هو الائق به۔

ترجمہ: سید الاولین والآخرین ﷺ کی شان اقدس میں گستاخ لعنتی کے متعلق صاحب ایمان کا دل ٹھنڈا نہیں ہوتا جب تک کہ تکلیف دینے اور مارنے کے بعد اسے قتل نہ کرے یا سولی نہ چڑھائے کیونکہ یہ گستاخ اسی لائق ہے۔[2]

۞ امام الانبیاء ﷺ نے دم کرنے پر اجرت وصول فرمائی

باب ومن معجزاته شفاء المرضى ببركته وشكوى الجمل إليه وانتقال الشجر من مكانه للسلام عليه وانقياده لأمره) صلى الله عليه وسلم (عن يعلى بن مرة) قال لقد رأيت من رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاثا ما رآها أحد قبلي ولا يراها أحد بعدي (لقد خرجت معه في سفر) حتى إذا كنا ببعض الطريق مررنا بامرأة جالسة معها صبي لها فقالت يا رسول أن هذا صبي أصابه بلاء وأصابنا منه بلاء، يؤخذ في اليوم ما أدرى كم مرة، قال ناولينيه، فرفعته إليه فجعلته بينه وبين واسطة الرحل ثم فغر فاه فنفث فيه ثلاثا وقال بسم الله أنا عبد الله أخسأ عدو الله ثم ناولها إياه، فقال ألقينا في الرجعة في هذا المكان فأخبرنا ما فعل : قال فذهبنا ورجعنا فوجدناها في ذلك المكان معها شياه ثلاث، فقال ما فعل صبيك؟ فقالت والذي بعثك بالحق ما حسسنا منه شيئًا حتى

---

[1] (تفسیر ماتریدی ص ۲۵۴ ج ۵ تحت الآیۃ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ)

[2] (رسائل ابن عابدین لامام شامی (ص ۱۹۰ ج ۲) مطبوعہ پشاور)

الساعة فاجتز هذه الغنم قال انزل فخذ منها واحدة ورد البقية (وفي رواية فأهدت إليه كبشين وشيئًا من أقط وشيئًا من سمن، قال فقال رسول صلى الله عليه وسلم خذ الاقط والسمن وأحد الكبشين ورد عليها الآخر۔[1]

حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ أَبِي حُصَيْنٍ قَالَ : حَدَّثَنِي جَدِّي أَبُو حُصَيْنٍ مُحَمَّدُ بْن الْحُصَيْنِ قَالَ : ثنا أَبُو بَكْرِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ قَالَ : ثنا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ ثنا عُثْمَانُ بْنُ حَكِيمٍ قَالَ : ثنا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ يَعْلَى بْنِ مُرَّةَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِيقِ مَرَرْنَا بِامْرَأَةٍ جَالِسَةٍ مَعَهَا صَبِيٌّ لَهَا فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ابْنِي هَذَا أَصَابَهُ بَلَاءٌ وَأَصَابَنَا مِنْهُ بَلَاءٌ يُؤْخَذُ فِي الْيَوْمِ لَا نَدْرِي كَمْ مِنْ مَرَّةٍ قَالَ : نَاوِلِينِيهِ قَالَ : فَرَفَعْتُهُ إِلَيْهِ قَالَ : فَجَعَلَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَسَطَ الرَّحْلِ ثُمَّ فَغَرَ فَاهُ فَنَفَثَ فِيهِ ثَلَاثًا» : بِسْمِ اللَّهِ، أَنَا عَبْدُ اللَّهِ، إِخْسَ عَدُوَّ اللَّهِ« . قَالَ : ثُمَّ نَاوَلَهَا إِيَّاهُ ثُمَّ قَالَ : أَلْقِينَا بِهِ فِي الرَّجْعَةِ فِي هَذَا الْمَكَانِ فَأَخْبِرِينَا مَا فَعَلَ. قَالَ : فَذَهَبْنَا وَرَجَعْنَا فَوَجَدْنَاهَا فِي ذَلِكَ الْمَكَانِ مَعَهَا شِيَاهٌ ثَلَاثٌ. قَالَ : فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَا فَعَلَ الْخَبِيثُ؟ قَالَتْ : وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا حَسَسْنَا مِنْهُ شَيْئًا حَتَّى السَّاعَةِ، فَاخْتَرْ هَذِهِ الْغَنَمَ. قَالَ : انْزِلْ فَخُذْ مِنْهَا شَاةً وَرُدَّ الْبَقِيَّةَ۔[2]

حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا وَهْبٌ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ مَعْبَدٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ : كُنَّا فِي مَسِيرٍ لَنَا فَنَزَلْنَا، فَجَاءَتْ جَارِيَةٌ، فَقَالَتْ : إِنَّ سَيِّدَ الحَيِّ سَلِيمٌ، وَإِنَّ نَفَرَنَا غَيْبٌ، فَهَلْ مِنْكُمْ رَاقٍ؟ فَقَامَ مَعَهَا رَجُلٌ مَا كُنَّا نَأْبُنُهُ بِرُقْيَةٍ، فَرَقَاهُ فَبَرَأَ، فَأَمَرَ لَهُ بِثَلاَثِينَ شَاةً، وَسَقَانَا لَبَنًا، فَلَمَّا رَجَعَ قُلْنَا لَهُ : أَكُنْتَ تُحْسِنُ رُقْيَةً - [ص188:] أَوْ كُنْتَ تَرْقِي؟ - قَالَ : لاَ، مَا رَقَيْتُ إِلَّا بِأُمِّ الكِتَابِ، قُلْنَا : لاَ تُحْدِثُوا شَيْئًا حَتَّى نَأْتِيَ - أَوْ نَسْأَلَ - النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا قَدِمْنَا المَدِينَةَ ذَكَرْنَاهُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ» : وَمَا كَانَ يُدْرِيهِ أَنَّهَا رُقْيَةٌ؟ اقْسِمُوا وَاضْرِبُوا لِي بِسَهْمٍ« وَقَالَ أَبُو مَعْمَرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الوَارِثِ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ، حَدَّثَنِي مَعْبَدُ بْنُ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الخُدْرِيِّ بِهَذَا۔[3]

❁ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دم کرنے پر اجرت وصول فرمائی

وأخرج أحمد وأبو داود والنسائي وابن السني في عمل اليوم والليلة وابن جرير والحاكم وصححه عن خارجة بن الصلت التميمي عن عمه أنه أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم أقبل راجعاً من عنده، فمر على قوم وعندهم رجل مجنون موثق بالحديد، فقال أهله أعندك ما تداوي به هذا فإن صاحبكم قد جاء بخير، قال فقرأت عليه فاتحة الكتاب ثلاثة أيام في كل يوم مرتين غدوة وعشية أجمع بناني ثم أتفل فبرأ فأعطاني مائة شاة، فأتيت النبي صلى الله عليه وآله وسلم فذكرت ذلك له فقال "

---

[1] (الفتح الرباني لترتيب مسند الامام احمد بن حنبل الشيباني رحمة الله تعالیٰ علیه ج ۲۲ ص ۴۴ وايضا دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني ج ۱ ص ۴۶۵)

[2] (دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني ج ۱ ص ۴۶۵، المعجم الكبير للطبراني ج ۹ ص ۲۸۴-۲۸۶)(دلائل النبوة لأبي نعيم الأصبهاني ج ۱ ص ۴۶۵، المعجم الكبير للطبراني ج ۹ ص ۲۸۴-۲۸۶)

[3] (صحيح البخاری ج ۲ ص ۸۵۴)

كُل فمن أكل برقية باطلة فقد أكلت برقية حق۔"[1]

حَدَّثَنِي سِيدَانُ بْنُ مُضَارِبٍ أَبُو مُحَمَّدٍ البَاهِلِيُّ، حَدَّثَنَا [ص 132:] أَبُو مَعْشَرٍ البَصْرِيُّ هُوَ صَدُوقٌ يُوسُفُ بْنُ يَزِيدَ البَرَّاءُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ الأَخْنَسِ أَبُو مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : أَنَّ نَفَرًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرُّوا بِمَاءٍ، فِيهِمْ لَدِيغٌ أَوْ سَلِيمٌ، فَعَرَضَ لَهُمْ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ المَاءِ، فَقَالَ : هَلْ فِيكُمْ مِنْ رَاقٍ، إِنَّ فِي المَاءِ رَجُلًا لَدِيغًا أَوْ سَلِيمًا، فَانْطَلَقَ رَجُلٌ مِنْهُمْ، فَقَرَأَ بِفَاتِحَةِ الكِتَابِ عَلَى شَاءٍ، فَبَرَأَ، فَجَاءَ بِالشَّاءِ إِلَى أَصْحَابِهِ، فَكَرِهُوا ذَلِكَ وَقَالُوا : أَخَذْتَ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ أَجْرًا، حَتَّى قَدِمُوا المَدِينَةَ، فَقَالُوا : يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَخَذَ عَلَى كِتَابِ اللَّهِ أَجْرًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» : إِنَّ أَحَقَّ مَا أَخَذْتُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا كِتَابُ اللَّهِ۔[2]

❁ تعویذات بیچنا جائز ہے

تعویذات بیچنا جائز ہے بشرطیکہ اس میں ناجائز الفاظ نہ لکھے ہوں۔خاتم المحققین ابن عابدین علامہ امین شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

جَوَّزُوا الرُّقْيَةَ بِالْأُجْرَةِ وَلَوْ بِالْقُرْآنِ كَمَا ذَكَرَهُ الطَّحَاوِيُّ؛ لِأَنَّهَا لَيْسَتْ عِبَادَةً مَحْضَةً بَلْ مِنْ التَّدَاوِي.[3]

صدرالشریعۃ بدرالطریقۃ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ بہت سے لوگ تعویذ کا معاوضہ لیتے ہیں یہ جائز ہے مگر یہ ضروری ہے کہ تعویذ ایسا ہو کہ اس میں شرعی قباحت نہ ہو جیسے ادعیہ اور آیات یا ان کے اعداد یا کسی اسم کا نقش مظہر یا مضمر لکھا جائے اور اگر اس تعویذ میں ناجائز الفاظ لکھے ہوں یا کفر وشرک کے الفاظ لکھے ہوں تو ایسا تعویذ لکھنا بھی ناجائز ہے اور اس کا لینا اور باندھنا بھی ناجائز ہے۔[4]

یہ بات یاد رکھنا کہ تعویذ مسجد کے اندر بیچنا ناجائز ہے۔جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے۔

رَجُلٌ يَبِيعُ التَّعْوِيذَ فِي الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ وَيَكْتُبُ فِي التَّعْوِيذِ التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَالْفُرْقَانَ وَيَأْخُذُ عَلَيْهِ الْمَالَ وَيَقُولُ : ادْفَعْ إلَيَّ الْهَدِيَّةَ. لَا يَحِلُّ لَهُ ذَلِكَ، كَذَا فِي الْكُبْرَى.

ایک آدمی مسجد جامع میں تعویذ بیچتا ہے اس تعویذ میں تورات،انجیل اور قرآن لکھتا ہے اور اس پر رقم لیتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس کا ہدیہ مجھے دے تو یہ جائز نہیں۔[5]

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتاویٰ رضویہ میں لکھتے ہیں کہ عوض مالی پر تعویذ دینا بیع ہے اور مسجد میں بیع وشرع ناجائز ہے اور حجرہ بنائے مسجد ہے اور بنائے مسجد کیلئے حکم مسجد ہے۔[6]

---

[1](فتح البيان في مقاصد القرآن ج ۱ ص ۲۹، الدر المنثور ج ۱ ص ۱۵،فتح القدير ج ۱ ص ۱۹،فتح البيان في مقاصد القرآن ج ۱ ص ۳۵، نيل الأوطار ج ۵ ص ۳۴۸، إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري ج ۸ ص ۳۹۰،فتح الودود في شرح سنن أبي داود ج ۴ ص ۲۹،شرح سنن أبي داود ج ۵ ۱ ص ۲۲۴،بذل المجهود في حل سنن أبي داود ج ۱ ۱ ص ۵۷۹،الأذكار للنووي ج ۱ ص ۱۳۰،تحفة الذاكرين بعدة الحصن الحصين من كلام سيد المرسلين ج ۱ ص ۳۱۹،الفتوحات الربانية على الأذكار النواوية ج ۴ ص ۴۴،عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج ۱۲ ص ۹۹)

[2](صحیح البخاری ج ۲ ص ۸۵۴)

[3](ردالمحتار علی الدر المختار ج ۶ ص ۵۷)

[4](بہار شریعت حصہ ۱۴ ص ۸۳ ضیاء القرآن لاہور)

[5](الفتاوی الهندية ج ۵ ص ۳۲۱ باب الكراهية في آداب المسجد)

[6](فتاویٰ رضویہ ج ۸ ص ۹۵ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

۞ تعویذ پہن کر بیت الخلاء جانا

ایسا تعویذ جو موم جامہ میں بند ہو اسے پہن کر بیت الخلاء میں جاسکتے ہیں مگر اتار کر جانا افضل ہے۔امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ تعویذ لے جانے کی اجازت اس وقت ہوگی کہ تعویذ غلاف مثلاً موم جامہ میں ہو پھر بھی فرمایا کہ اب بھی بچنا ہی اولیٰ ہے اگر چہ غلاف ہونے سے کراہت نہ رہی۔[1]

درمختار میں ہے کہ رقیۃ فی غلاف متجاف لم یقراءہ دخول الخلاء بہ والاحتراز افضل۔[2]

(قَوْلُهُ :رُقْيَةٌ إلَخْ) الظَّاهِرُ أَنَّ الْمُرَادَ بِهَا مَا يُسَمُّونَهُ الْآنَ بِالْهَيْكَلِ وَالْحَمَائِلِيِّ الْمُشْتَمِلِ عَلَى الْآيَاتِ الْقُرْآنِيَّةِ، فَإِذَا كَانَ غِلَافُهُ مُنْفَصِلًا عَنْهُ كَالْمُشَمَّعِ وَنَحْوِهِ جَازَ دُخُولُ الْخَلَاءِ بِهِ وَمَسُّهُ وَحَمْلُهُ لِلْجُنُبِ.[3]

وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ :يَجُوزُ تَعْلِيقُ الْعُوذَةِ فِي قَصَبَةٍ أَوْ رُقْعَةٍ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَيَضَعُهُ عِنْدَ الْجِمَاعِ وَعِنْدَ الْغَائِطِ، وَرَخَّصَ الْبَاقِرُ فِي الْعُوذَةِ تُعَلَّقُ عَلَى الصِّبْيَانِ وَكَانَ ابْنُ سِيرِينَ لَا يَرَى بَأْسًا بِالشَّيْءِ مِنَ الْقُرْآنِ يُعَلِّقُهُ الْإِنْسَانُ.[4]

۞ وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :"إن سورة في القرآن ثلاثون آية شفعت لرجل حتى غفر له وهي :(تبارك الذي بيده الملك) رواه أحمد والترمذي وأبو داود والنسائي وابن ماجه۔[5]

۞ وعن ابن عباس قال :ضرب بعض أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم خباءه على قبر وهو لا يحسب أنه قبر فإذا فيه إنسان يقرأ سورة (تبارك الذي بيده الملك) حتى ختمها فأتى النبي صلى الله عليه وسلم فأخبره فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "هي المانعة هي المنجية تنجيه من عذاب القبر". رواه الترمذي وقال :هذا حديث غريب۔[6]

۞ وعن خالد بن معدان قال :اقرؤوا المنجية وهي (الم تنزيل) فإن بلغني أن رجلا كان يقرؤها ما يقرأ شيئا غيرها وكان كثير الخطايا فنشرت جناحها عليه قالت :رب اغفر له فإنه كان يكثر قراءتي فشفعها الرب تعالى فيه وقال :اكتبوا له بكل خطيئة حسنة وارفعوا له درجة". وقال أيضا :"إنها تجادل عن صاحبها في القبر تقول :اللهم إن كنت من كتابك فشفعني فيه وإن لم أكن من كتابك فامحني عنه وإنها تكون كالطير تجعل جناحها عليه فتشفع له فتمنعه من عذاب القبر" وقال في (تبارك) مثله. وكان خالد لا يبيت حتى يقرأهما. وقال طاووس :فضلتا على كل سورة في القرآن بستين حسنة. رواه الدارمي۔[7]

۞ عَنْ لَيْثٍ عَنْ طَاوُسٍ قَالَ تَفْضُلَانِ عَلَى كُلِّ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ بِسَبْعِينَ حَسَنَةً۔[8]

۞ وعن جابر أن النبي صلى الله عليه وسلم كان لا ينام حتى يقرأ :(الم تنزيل) و (تبارك الذي بيده الملك) رواه أحمد

---

[1] (فتاوی رضویہ ج ۹ ص ۸۹۶ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

[2] (درمختار ج ۱ ص ۳۴ کتاب الطہارت)

[3] (ردالمحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۱۷۸ سنن الغسل)

[4] (البحر المحیط فی تفسیر ج ۴ ص ۱۰۴ سورۃ الاسراء)

[5] (مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۴۸۷)

[6] (مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۴۸۷)

[7] (مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۴۹۲)

[8] (ترمذی ج ۱ ص ۳۴۷)

والترمذي والدارمي وقال الترمذي : هذا حديث صحيح. وكذا في شرح السنة. وفي المصابيح۔ [1]

۞عَنْ جَابِرٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَنَامُ حَتَّى يَقْرَأَ الم تَنْزِيلُ وَتَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَا حَدِيثٌ رَوَاهُ غَيْرُ وَاحِدٍ عَنْ لَيْثِ بْنِ أَبِي سُلَيْمٍ مِثْلَ هَذَا وَرَوَاهُ مُغِيرَةُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هَذَا وَرَوَى زُهَيْرٌ قَالَ قُلْتُ لِأَبِي الزُّبَيْرِ سَمِعْتَ مِنْ جَابِرٍ فَذَكَرَ هَذَا الْحَدِيثَ فَقَالَ أَبُو الزُّبَيْرِ إِنَّمَا أَخْبَرَنِيهِ صَفْوَانُ أَوِ ابْنُ صَفْوَانَ وَكَأَنَّ زُهَيْرًا أَنْكَرَ أَنْ يَكُونَ هَذَا الْحَدِيثُ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ حَدَّثَنَا هَنَّادٌ حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ لَيْثٍ عَنْ أَبِي الزُّبَيْرِ عَنْ جَابِرٍ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ۔ [2]

۞ علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں شریعت کا ایک اصول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

الْفِعْل يَدُلّ عَلَى الْجَوَاز، وَعَدَم الْفِعْل لَا يَدُلّ عَلَى الْمَنْع۔

ترجمہ: کوئی عمل حضور اقدس علیہ الصلاۃ والسلام نے کیا ہو تو یہ اس فعل کے جواز پر دلیل ہے لیکن اگر کوئی کام حضور اقدس ﷺ یا صحابہ کرام علیہم الرضوان نے نہ کیا ہو تو اس فعل کے ممنوع اور عدم جواز پر دلیل نہیں ہے۔ [3]

۞ امام الشیخ محمد الخصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ کرتے ہوئے امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

وكان رضي الله تعالى عنه يقول الارض بين يدي كالاناء الذي اكل منه۔

اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ زمین میرے سامنے اس طرح ہے کہ جیسے میرے سامنے برتن پڑا ہو اور میں اس میں سے کھا رہا ہوں۔ [4]

۞ علمائے کرام کی توجہ کیلئے خصوصی بات:

السكوت عن الحق: ان السكوت عن الحق حرام قال ﷺ الساكت عن الحق شيطان اخرس۔ [5]

۞ عورتوں کیلئے ٹوپی پہننا ناجائز ہے یہ مردوں کے ساتھ مشابہت ہے اور عورتوں کی مردوں کے ساتھ مشابہت کرنے کی بہت سی وعیدات وارد ہوئی ہیں۔ الدعامہ میں ہے۔ القلانس كالعمائم من لباس الرجال دون النساء وعليه فلا يجوز للمرءة فعلهما لما في ذلك من

---

[1] (مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۴۸۷)

[2] (ترمذی ج ۱۰ ص ۱۲۸)

[3] (فتح الباری لابن حجر عسقلانی ج ۱۰ ص ۱۹۲، نکات الفرقان فی شان حبیب الرحمان ﷺ ج ۲ ص ۱۶۶)

[4] (الطبقات الکبریٰ ص ۴۳۱)

[5] (کذا فی الاسرار، المستصفی للامام عبداللہ بن احمد النسفی کتاب الصلاۃ ج ۱ ص ۳۵۷ و ص ۵۰۸، الرسالۃ القشیریۃ ج ۱ ص ۱۵۶ و شرح نووی علی صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۰ و شذرات الذہب ج ۳ ص ۱۸۰ و نور الانوار ص ۲۱۹ باب الاجماع و صحیح مسلم ج ۱ باب الحث علی اکرام الجار و سنگین فتنہ ص ۹۵ و اصول تکفیر جدید ایڈیشن ص ۱۷۱ بحوالہ تفسیر الکاشف ج ۵ ص ۳۲ و التلویح میں ہے کہ فان الواجب علیہ ان یبین مذہبہ و ما ہو حق عندہ لئلا یکون شیطانا اخرس سکوتہ عن الحق اھ۔ تلویح ص ۵۲۳ و تذکرۃ الابرار و الاشرار ص ۴ طبع پشاور و حاشیہ تحفۃ النصائح۔ اذا السکوت عن الحق حرام نامی شرح حسامی ص ۱۹۹، اصح المطابع نور محمد کراچی و فصول الشاشی ص ۳۷۷ یعنی حق سے خاموشی حرام ہے اور حق سے خاموشی اختیار کرنے والا گونگا شیطان ہے۔ اپنا مذہب اور جو اس کے ہاں حق میں ہو وہ اس پر واجب ہے کہ بیان کرے اور معدن الاصول شرح اصول الشاشی ص ۳۵۲ طریقہ محمدیہ ج ۲ ص ۸۶)

التشبه بالرجال وملعون من تشبه من النساء بالرجال كالعكس وقدقال فی کشف الغمة مانصه وکان ﷺ ینهی النساء ان لبس العمائم وهی الفافة الکبیرة علی الرأس ویقول انما العمائم للرجال ودخل ﷺ علی ام سلمة رضی الله تعالی وهی تختمر فقال لیة لا لیتین یعنی لاتکرریه طاقین فاکثر وکان تمیم الداری رضی الله تعالیٰ عنه یقول سمعت رسول الله ﷺ ینهی النساء ان لبس القلانس والنعال والجلوس فی المجالس والخطر بالقضیب ولبس الازار والرداء بغیر درع۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم فرماتے ہیں : لعن الله المتشابهات من النساء بالرجال والمتشبهين من الرجال بالنساء رواه الائمة احمد والبخاری وابو داؤد والترمذی وابن ماجة عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما وفیه احادیث کثیره بالغة حد التواتر۔

اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں سے مشابہت اختیار کریں، اور ان مردوں پر بھی لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کی مشابہت اختیار کریں۔ ائمہ کرام مثلاً امام احمد، بخاری، ابو داؤد، ترمذی، اور ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالہ سے روایت کیا ہے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں جو تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔[2]

رسولِ اکرم، نُورِ مجسّم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: لَیْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِالرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ وَلَا مَنْ تَشَبَّهَ بِالنِّسَاءِ مِنَ الرِّجَالِ یعنی جو عورت مردوں کی اور جو مرد عورتوں کی مشابہت اختیار کرے وہ ہم سے نہیں۔[3]

اللہ عَزَّوَجَلَّ کے پیارے حبیب صلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ واٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے: ''چار قسم کے لوگ ایسے ہیں جو صبح بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی میں کرتے ہیں اور شام بھی اللہ عَزَّوَجَلَّ کی ناراضی میں کرتے ہیں۔'' راوی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی: ''یارسول اللہ صلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ واٰلِہٖ وَسَلَّم! وہ کون لوگ ہیں؟'' تو آپ صلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ واٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے والے مرد اور مردوں کی مشابہت اختیار کرنے والی عورتیں اور چوپایوں اور مردوں سے وطی کرنے والا۔''[4]

عورتوں کو مردوں کا لباس پہن کر مردوں جیسی شکل وصورت بنانا اور مردوں کو عورتوں کا لباس پہن کر عورتوں کی شکل میں اپنے کو ظاہر کرنا حرام اور گناہ ہے ان دونوں پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں اور ان مردوں پر لعنت فرمائی جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔[5]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم نے مخنث مردوں پر لعنت فرمائی اور ان عورتوں پر بھی لعنت فرمائی جو عورتیں اپنی صورت مردوں جیسی بنائے رکھتی ہیں۔[6]

حضور نبی کریم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلَّم کا فرمانِ عبرت نشان ہے: تین شخص جنت میں داخل نہ ہوں گے: (۱) والدین کا نافرمان (۲) دیوّث

---

[1] (الدعامة ص ۴۲، کشف الغمة عن جمیع الامة ج ۱ ص ۲۰۰)

[2] (مسند امام احمد بن حنبل مرویات ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دار الفکر بیروت ۱/ ۳۳۹)

[3] (مسند احمد، مسند عبداللہ بن عمرو، ۲/ ۶۴۰، حدیث ۶۸۹۲.)

[4] (المعجم الاوسط، الحدیث ۶۸۵۸.، ج ۵، ص ۱۴۳)

[5] (سنن الترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی المتشبهات بالرجال..... الخ، الحدیث ۲۷۹۳.، ج ۴، ص ۳۶۰)

[6] (سنن الترمذی، کتاب الادب، باب ماجاء فی المتشبهات بالرجال..... الخ، الحدیث ۲۷۹۴.، ج ۴، ص ۳۶۰)

اور(۳)مردانی عورتیں۔[۱]

رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی خدمت میں ایک مخنَّث (یعنی ہیجڑے) کو لایا گیا،اس نے اپنے ہاتھ پاؤں مہندی سے رنگے ہوئے تھے، آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے دریافت فرمایا: اس کا کیا معاملہ ہے؟ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی: یہ عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے اسے نقیع (مدینے سے دور ایک مقام) کی طرف جلاوطن کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔[۲]

ایک عورت گلے میں کمان لٹکائے رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کے قریب سے گزری تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: اللہ عزوجل مردوں کی مشابہت کرنے والی عورتوں اور عورتوں کی مشابہت کرنے والے مردوں پر لعنت فرماتا ہے۔[۳]

رسول اللہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے عورت کا لباس پہننے والے مرد اور مرد کا لباس پہننے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے۔[۴]

سرکارِ مدینۂ منوّرہ،سردارِ مکّۂ مکرّمہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے فرمایا: عورتوں سے مُشابہت اختیار کرنے والے مرد اور مردوں سے مشابہت کرنے والی عورتیں صبح شام اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے غضب میں ہوتے ہیں۔[۵]

اُمُّ المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک عورت کے بارے میں پوچھا گیا جو مردانہ جوتا پہنتی تھی،اس پر حدیث روایت فرمائی کہ مَردوں سے تشبُّہ کرنے والیاں ملعون ہیں۔[۶]

امامِ اہلسنّت،مجدّدِ دین وملّت،مولانا شاہ امام احمد رضا خان علَیہِ رَحمَۃُ الرَّحمٰن فرماتے ہیں: سینہ تک بال رکھنا شرعاً مرد کو حرام،اور عورتوں سے تشبُّہ اور بحکمِ احادیثِ صحیحہ کثیرہ معاذ اللہ باعثِ لعنت ہے۔[۷] فتاوی رضویہ جلد ۲۱ صفحہ ۶۰۰ رہے: (مرد کو) شانوں سے نیچے ڈھلکے ہوئے عورتوں کے سے بال رکھنا حرام ہے۔مرد کو زنانی وضع کی کوئی بات اختیار کرنا حرام ہے۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر لعنت فرمائی ہے۔

آج کل لڑکوں پر جو پہی کٹ بال کی وبا پھوٹ پڑی ہے اور لڑکے عموماً پہی کٹ بال کے ساتھ رنگین چھینٹ کے بوشرٹ اور قمیصیں پہن کر نکلتے ہیں تو ان پر لڑکی ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے اسی طرح بہت سی لڑکیاں مردوں کی طرح سوٹ اور کوٹ پہن کر نکلتی ہیں تو ان پر لڑکا ہونے کا شبہ ہونے لگتا ہے۔اس لئے اس قسم کا لباس پہننا عورتوں اور مردوں دونوں کیلئے ممنوع و باعث لعنت ہے۔مردوں کو مردوں کا لباس پہننا چاہیے اور ان کی وضع قطع مردوں جیسی ہونی چاہیے اور عورتوں کو عورتوں کا لباس پہننا چاہیے اور ان کو اپنی وضع قطع عورتوں جیسی رکھنی چاہیے۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

۞ اپنا مذہب چھوڑنا اور اپنی خواہش کی تابعداری کرنا گناہ ہے اس پر فقہائے کرام کی تصریحات یہ ہیں۔

۱۔قالوا المنتقل من مذهب الى مذهب باجتهاد و برهان اثم يستوجب تعزيرو بلا اجتهاد و برهان اولى۔[۸]

---

[۱](مسند الفردوس للدیلمی،باب الثاء،الحدیث ۲۳۲۹:،ج ۱،ص ۳۱۹)

[۲](سنن ابی داوٗد،کتاب الادب،باب فی حکم المخنثین،الحدیث ۴۹۲۸:،ص ۱۵۸۴)

[۳](المعجم الاوسط،الحدیث ۴۰۰۳:،ج ۳،ص ۱۰۶)

[۴](سنن ابی داوٗد،کتاب اللباس،باب فی لباس النساء،الحدیث ۴۰۹۸:،ص ۱۵۲۲)

[۵](شعب الایمان،باب فی تحریم الفروج،۴/ ۳۵۶،الحدیث ۵۳۸۵:)

[۶](ابوداوٗد،کتاب اللباس،باب فی لباس النساء،۴/ ۸۴،حدیث ۴۰۹۹:)

[۷](فتاوی رضویہ،۶/ ۶۱۰)

[۸](جامع الفصولین ص ۱۲)

۲۔لم یجز للحنفی ان یاخذ بقول مالک و شافعی فی ما خالف مذھبہ۔[۱]

۳۔لا تقبل شھادۃ من انتقل من مذھب ابی حنیفۃ الی مذھب شافعی۔[۲]

۴۔لا یفتی بغیر قول ابی حنیفۃ و ان صححہ المشائخ۔[۳]

۵۔رجل قال انا لا اعمل بفتوی الفقھاء او لیس کما قال الفقھاء یعذر۔[۴]

۶۔قالو الا یعدل عن قول الامام۔[۵]

(۷) مطلب فیما إذا رتحل إلی غیر مذھبہ قولہ (ارتحل إلی مذھب الشافعي یعزر) أي إذا کان ارتحالہ لا لغرض محمود شرعا لما في التاترخانیۃ حکی أن رجلا من أصحاب أبي حنیفۃ خطب إلی رجل من أصحاب الحدیث ابنتہ في عھد أبي بکر الجوزجاني فأبی إلا أن یترک مذھبہ فیقرأ خلف الإمام ویرفع یدیہ عند الانحطاط ونحو ذلک فأجابہ فزوجہ۔فقال الشیخ بعد ما سئل عن ھذہ وأطرق رأسہ النکاح جائز ولکن أخاف علیہ أن یذھب إیمانہ وقت النزع لأنہ استخف بمذھبہ الذي ھو حق عندہ وترکہ لأجل جیفۃ منتنۃ۔

(رد المحتار علی الدر المختار، ج۳، ص۲۰۸)

❁ ظہر احتیاطی:

جمعہ کے دن آخر الظہر (ظہر احتیاطی) پڑھنا ظاہر الروایۃ ہے۔

ثُمَّ فِي كُلِّ مَوْضِعٍ وَقَعَ الشَّكُّ فِي جَوَازِ الْجُمُعَةِ لِوُقُوعِ الشَّكِّ فِي الْمِصْرِ أَوْ غَيْرِهِ وَأَقَامَ أَهْلُهُ الْجُمُعَةَ يَنْبَغِي أَنْ يُصَلُّوا بَعْدَ الْجُمُعَةِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَيَنْوُوا بِهَا الظُّهْرَ حَتَّى لَوْ لَمْ تَقَعْ الْجُمُعَةُ مَوْقِعَهَا يَخْرُجُ عَنْ عُهْدَةِ فَرْضِ الْوَقْتِ بِيَقِينٍ، كَذَا فِي الْكَافِي، وَهَكَذَا فِي الْمُحِيطِ ثُمَّ اخْتَلَفُوا فِي نِيَّتِهَا قِيلَ : يَنْوِي آخِرَ ظُهْرٍ عَلَيْهِ وَهُوَ الْأَحْسَنُ وَالْأَحْوَطُ أَنْ يَقُولَ : نَوَيْتُ آخِرَ ظُهْرٍ أَدْرَكْتُ وَقْتَهُ وَلَمْ أُصَلِّهِ بَعْدُ، كَذَا فِي الْقُنْيَةِ. وَفِي فَتَاوَى (آهُو) يَنْبَغِي أَنْ يَقْرَأَ الْفَاتِحَةَ وَالسُّورَةَ فِي الْأَرْبَعِ الَّتِي يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ وَفِي دِيَارِنَا، كَذَا فِي التَّتَارْخَانِيَّةِ.[۶]

❁ وفی الحدیث من سمع اسماً من اسماء اللہ تعالیٰ و قال جل جلالہ کتب اللہ لہ سبعین حسنۃ و محی مثلھا سیئۃ و لو قال بالشوق غفر اللہ لہ ذنوبہ و لم یصلب ایمانہ۔[۷]

و فی الحدیث طعام الجواد دواء و طعام البخیل داء۔[۸]

---

[۱] (جامع الفصولین ص ۱۳)

[۲] (تکملۃ ص ۱۴۷)

[۳] (الفتاوی الخیریۃ ص ۵۳ ج ۲)

[۴] (قاضی خان ص ۳۸۱)

[۵] (شرح المجلہ ص ۱۱۶۹)

[۶] (ھندیۃ ج ۱ ص ۲۰۳ و کبیری ۶۰۰ و منحۃ الخالق ص ۱۴۳ و شامی ج ۱ ص ۷۵۶)

[۷] (فتاوی برھنہ ص ۳۳)

[۸] (فتاوی برھنہ ص ۴۳)

۞وفی الحدیث من صافح اخاہ المسلم وحرّک یدہ تناثرت ذنوبہ۔[1]

۞وفی الحدیث من اکتحل یوم عاشوراء بالاثمد المروج لم ترمد عیناہ ابداً۔[2]

۞وفی الحدیث القیلولۃ تزید فی العقل۔[3]

۞وفی الحدیث الحجامۃ یوم الاحد شفاء۔[4]

۞وفی الحدیث ما مررت بملأ بالملئکۃ الا قالوا ابشر وامتک بالحجامۃ۔[5]

۞وفی الحدیث ما من شئی بدی فی الیوم اربعاً الا وقد تمّ۔[6]

۞وفی الحدیث المؤمن القوی احب الی اللہ من المؤمن الضعیف۔[7]

۞وفی الحدیث نعم المال الصالح للرجل الصالح۔[8]

۞وفی الحدیث ترک ذرۃ من الحرام خیر من عبادۃ الثقلین۔[9]

۞ میت کو اپنے گھر میں دفن کرنا منع ہے

أن الأنبياء يدفنون حيث يموتون، وهذه سنة خاصة بالأنبياء.[10]

أورد أبو داود حديث أبي هريرة رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال : [(لا تجعلوا بيوتكم قبوراً)] يحتمل معنيين وكل منهما صحيح : يعني : لا يدفنون الموتى فيها؛ لأن الدفن في البيت من خصائص النبي صلى الله عليه وسلم وغيره من الأنبياء عليهم الصلاة والسلام؛ لأن النبي عليه الصلاة والسلام قال : (الأنبياء يدفنون حيث يموتون) فدفن في بيته صلى الله عليه وسلم، والناس ليس لهم أن يدفنوا في بيوتهم وإنما يدفنون في المقابر.[11]

وقد دُفن الرسول صلى الله عليه وسلم في البنيان، وهذا من خصائصه عليه الصلاة والسلام؛ لأن الأنبياء يدفنون في المكان الذي ماتوا فيه، وقد جاء في الحديث : (إن الأنبياء يدفنون حيث يموتون)، فلما مات النبي صلى الله عليه وسلم في البنيان دُفن

---

[1](فتاویٰ برھنہ ص ۵۲)

[2](فتاویٰ برھنہ ص ۵۵)

[3](فتاویٰ برھنہ ص ۵۶)

[4](فتاویٰ برھنہ ص ۵۷)

[5](فتاویٰ برھنہ ص ۵۷)

[6](فتاویٰ برھنہ ص ۳۶)

[7](فتاویٰ برھنہ ص ۵۰)

[8](فتاویٰ برھنہ ص ۶۱)

[9](فتاویٰ برھنہ ص ۱۴۸)

[10](شرح صحیح مسلم ج ۱۳ ص ۱۴ المؤلف : أبو الأشبال حسن الزهيري آل مندوه المنصوري المصري)

[11](الكتاب : شرح سنن أبي داود ج ۲۳۴ ص ۲۲ المؤلف : عبد المحسن بن حمد بن عبد المحسن بن عبد الله بن حمد العباد البدر، دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية)

في المكان الذي مات فيه، فيكون ذلك من خصائصه.[1]

مَا لَا تجوز الْوَصِيَّة فِيهِ وَلَا تجوز الْوَصِيَّة فی سَبْعَة اشياء وان اجازها الْوَرَثَة ومنها ان يُوصي بِأَن يدْفن فِي دَاره فَلَا يجوز الا ان يَجْعَل دَاره مَقْبرَة لِقَرَابَتِهِ وللمسلمين فَيجوز الْوَصِيَّة بِأَكْثَر من الثُّلُث۔[2]

أَوْصَى بِأَنْ يُدْفَنَ فِي دَارِهِ فَوَصِيَّتُهُ بَاطِلَةٌ؛ لِأَنَّهُ لَيْسَ فِي وَصِيَّتِهِ مَنْفَعَةٌ لَهُ وَلَا لِأَحَدٍ مِنْ الْمُسْلِمِينَ فَلَوْ دُفِنَ فِيهَا فَهُوَ كَدَفْنِهِمْ بِغَيْرِ وَصِيَّةٍ يَرْفَعُ الْأَمْرَ إلَى الْقَاضِي فَإِنْ رَأَى الْأَمْرَ بِرَفْعِهِ فَعَلَ وَإِنْ أَوْصَى أَنْ يُدْفَنَ فِي دَارِهِ فَهُوَ بَاطِلٌ إلَّا أَنْ يُوصِيَ أَنْ تُجْعَلَ دَارُهُ مَقْبَرَةً لِلْمُسْلِمِينَ.[3]

وَسُئِلَ أَحْمَدُ عَنْ الرَّجُلِ يُوصِي أَنْ يُدْفَنَ فِي دَارِهِ قَالَ: يُدْفَنُ فِي الْمَقَابِرِ مَعَ الْمُسْلِمِينَ، إنْ دُفِنَ فِي دَارِهِ أَضَرَّ بِالْوَرَثَةِ۔[4]

وفی زاد اللبیب ولا ینبغی ان یدفن فی داره لان ذلک سنة الانبیاء خاصة۔[5]

ولو اوصی ان یدفن فی داره فوصیة باطلة لانه لیس فی وصیته منفعة له ولا لاحد من المسلمین۔[6]

ویکره دفن المیت فی داره ولو صغیرا۔[7]

❁ خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ

(مَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ) وَلَوْ (عَمْدًا يُغَسَّلُ وَيُصَلَّى عَلَيْهِ) بِهِ يُفْتَى وَإِنْ كَانَ أَعْظَمَ وِزْرًا مِنْ قَاتِلِ غَيْرِهِ.[8]

❁ نماز جنازہ میں سلام سے پہلے ہاتھ چھوڑنا چاہیئے

تکبیرات ختم ہونے پر سلام سے قبل ہاتھ چھوڑ دیے جائیں۔ (فی صفة الصلوة من التنویر وهو سنة القیام له قرار فیه ذکر مسنون وفی الشرح فیدعوا حالة الثناء وفی القنوت وتکبیرات الجنازة)[9]

اس کلیے سے ثابت ہوتا ہے کہ سلام سے قبل ہاتھ چھوڑ دیے جائیں علاوہ ازیں، وتکبیرات الجنازة کی تخصیص یہ بھی مفہوم ہوتا ہے اور جزئیات ذیل ہیں اس کی تصریح ہے۔ فی خلاصة الفتاوی ولا یعقد بعد التکبیر الرابع لانه لا یبقی ذکر مسنون حتی یعقد فالصحیح انه یحل

---

[1] (شرح سنن أبي داود، ج ۱۷۳ ج ۱۰، عبد المحسن بن حمد بن عبد المحسن بن عبد الله بن حمد العباد البدر، دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية)

[2] (التف في الفتاوى، ج ۲ ص ۸۱۷، المؤلف: أبو الحسن علي بن الحسين بن محمد السُغْدي، حنفي (المتوفى 461 :هـ، المحقق: المحامي الدكتور صلاح الدين الناهي الناشر: دار الفرقان/مؤسسة الرسالة-عمان الأردن/بيروت لبنان)

[3] (البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ۸ ص ۵۱۷، المؤلف: زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (المتوفى 970 :هـ، الناشر: دار الكتاب الإسلامي)

[4] (المغني لابن قدامة ج ۲ ص ۳۸۱ المؤلف: أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة الجماعيلي المقدسي ثم الدمشقي الحنبلي، الشهير بابن قدامة المقدسي (المتوفى 620 :هـ) الناشر: مكتبة القاهرة)

[5] (زاد اللبیب ص ۶۵)

[6] (زاد اللبیب ص ۶۵)

[7] (زاد الفقیه ص ۱۴۸)

[8] (رد المحتار ج ۲ ص ۲۱۱)

[9] (رد المحتار ج ۱ ص ۴۵۵)

الیدین ثم یسلم تسلیمتین۔[1]

وقال العلامة اللهکنوی ومنهنایخرج الجواب عماسئلت فی سنة ست وثمانین ایضاًمن انه هل یضع مصلی الجنازة بعدالتکبیر الآخر من تکبیراته ثم یسلم ام یرسل ثم یسلم وهو انه لیس بعدتکبیر الآخر ذکر مسنون فیسن فیه الارسال۔[2]

سندھ کے ایک معروف مفتی مولانا احمد ہالائی کے فتاویٰ محمدیہ قلمی میں یہ جزئیات ہیں۔ ولا عقدبعدالتکبیر الرابعة فالصحیح ان یحلل الیدین ثم یسلم کذافی الظهیریة والخانیة والذخیرة اه۔جواهر القلوب،ویرسل بعدالرابعة یذیه لانه لیس بعدهاذکر کمافی الجلابی اه۔روح البیان،ولا عقدبعدالتکبیر الرابعة لانه لایبقی ذکر مسنون فالصحیح ان یحلل الیدین ثم یسلم تسلیمتین کذافی فتاوی الحسامی والوجیز اه۔رسالة مستقلة، فتاویٰ محمدیہ کے ان حوالہ جات میں سے خانیہ میں سرسری تلاش سے صریح جزئیہ نہیں ملا اور دوسری کتب دستیاب نہیں ،واماماوجه فی عزیز الفتاویٰ بقوله لکن قدیقال ان التسلیمتین بعدالتکبیر الرابع ذکر مسنون فجوابه ان الوضع سنة قیام له قرار ولذاالاوضع فی القومة مع اشتمالها علی ذکر مسنون۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔[3]

(جواز قراءة صحیح البخاري وختمه لدفع الْمَصَائِب وَحُصُولِ الْمَقَاصِد)

کیانوازل یامقدمات یاوباءاور پریشانی کی صورت میں طلباء یاعلماءاور مشائخ کوجمع کرکے بخاری شریف کاختم کرانا جائز ہے؟

الجواب بعون الملک الوهاب:

الحمدلله رب العالمین الحمدلله والصلاة والسلام علی رسول الله وعلی آله وصحبه واهل بیته اجمعین امابعد! صحیح اورجائزمقصد کیلئے یاپریشانی اوروباء سے نجات کیلئے بخاری شریف کاختم کروانے کیلئے علماءومشائخ کرام کوجمع کرکے ختم کروانا جائز اورمباح ہے اورسلف الصالحین کاطرزوطریقہ ہے۔

ختم بخاری قرون ثلاثہ میں نہیں مگر جائز ہے

سوال: کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کاختم کروانا قرون ثلاثہ سے ثابت ہے یانہیں اور بدعت ہے یانہیں؟

جواب: قرون ثلاثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی مگراس کاختم درست ہے کہ ذکرخیر کے بعد دعاقبول ہوتی ہے اس کی اصل شرع سے ثابت ہے بدعت نہیں۔[4]

قال الشیخ العلامه المحدث الفقیه المفسر الملاعلی القاری وَنُقِلَ عَنْ أَبِي جمرَةَ عَمَّنْ لَقِيَهُ مِنَ الْعَارِفِينَ أَنَّهُ مَا قُرِئَ فِي شِدَّةٍ إِلَّا وَفُرِّجَتْ، وَمَا رُكِبَ بِهِ فِي مَرْكَبٍ فَغَرِقَ، وَأَنَّهُ كَانَ مُجَابَ الدَّعْوَةِ، وَلَقَدْ دَعَا لِقَارِئِهِ. قَالَ الْحَافِظُ ابْنُ كَثِيرٍ :وَكَانَ يَسْتَسْقِي بِقِرَاءَتِهِ الْغَيْثَ، قِيلَ :وَيُسَمَّى التِّرْيَاقَ الْمُجَرَّبَ. وَنَقَلَ السَّيِّدُ جَمَالُ الدِّينِ عَنْ عَمِّهِ السَّيِّدِ أَصِيلِ الدِّينِ أَنَّهُ قَالَ :قَرَأْتُ الْبُخَارِيَّ مِائَةً وَعِشْرِينَ مَرَّةً لِلْوَقَائِعِ، وَالْمُهِمَّاتِ لِي، وَلِغَيْرِي، فَحَصَلَ الْمُرَادَاتُ، وَقَضَى الْحَاجَاتِ، وَهَذَا كُلُّهُ بِبَرَكَةِ سَيِّدِ السَّادَاتِ، وَمَنْبَعِ السَّادَاتِ عَلَيْهِ أَفْضَلُ الصَّلَوَاتِ، وَأَكْمَلُ التَّحِيَّاتِ.

---

[1](عزیز الفتاویٰ ۳۶۴ ج ۲)

[2](سعایة ص ۱۵۹ ج ۲)

[3](احسن الفتاویٰ ج ۴ ص ۲۳۸)

[4](فتاویٰ رشیدیہ ص ۸۲)

سیدنا ابی جمرۃ رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ ان کی ملاقات کسی عارف سے ہوئی، ان کا کہنا تھا کہ بخاری شریف جب بھی کسی مصیبت میں پڑھی گئی وہ مصیبت ٹل گئی اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ یہ کتاب کسی کشتی میں ہو پھر وہ کشتی غرق ہوگئی ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ مستجاب الدعوات تھے انہوں نے اس کتاب کے پڑھنے والے کیلئے دعا فرمائی تھی۔ حافظ ابن کثیر نے کہا کہ بخاری شریف پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کی جاتی تھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام "تریاق مجرب" رکھا گیا ہے۔ سید جمال الدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے چچا سید اصیل الدین رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں میں نے اپنے اور غیروں کے بڑے اہم امور و حوادث میں بخاری شریف کو ایک سو بیس دفعہ پڑھا، چنانچہ مرادیں اور حاجات پوری ہوئیں۔ یہ سب کا سب سید السادات اور منبع سادات یعنی حضرت محمد ﷺ کی برکات سے ہے۔[1]

قال الشيخ أبو محمد عبد الله بن أبي جمرة :قال لي من لقيت من العارفين عمن لقيه من السادة المقر لهم بالفضل أن صحيح البخاري۔ ماقُرئ في شدّة إلا فرجت، ولا رُكب به في مَركب إلا نَجت۔[2]

وقال الحافظ عماد الدين ابن كثيرٍ :وكتاب البخاري الصحيح يستسقى بقراءته الغمام، وأجمع على قبوله وصحة ما فيه أهل الإسلام۔[3]

وقال الشيخ عبد الحق الدهلوي :قرأ كثير من المشائخ والعلماء الثقات صحيح البخاري لحصول المرادات، وكفاية المهمات، وقضاء الحاجات، ودفع البليات، وكشف الكربات، وصحة الأمراض، وشفاء المرضى، وعند المضائق والشدائد، فحصل مرادهم، وفازوا بمقاصدهم، ووجدوه كالترياق مجربا، وقد بلغ هذا المعنى عند علماء الحديث مرتبة الشهرة والاستفاضة۔[4]

وقال العلامة أبي العلا محمد عبد الرحمن بن عبد الرحيم المباركفوري :قلتُ :قد أجاز كثير من أهل العلم في هذا الزمان قراءة صحيح البخاري وختمه لشفاء الأمراض ودفع المصائب وحصول المقاصد، فيجتمعون ويقرأ بعضهم الجزء الأول منه مثلا وبعضهم الجزء الثاني وبعضهم الثالث وهكذا فيختمونه باجتماعهم ثم يدعون الله تعالى لشفاء مرضاهم أو لدفع مصائبهم أو لحصول مقاصدهم. استدلوا على ذلك بأن قراءته بتمامه رقية لشفاء المرضى ودفع المصائب وحصول المقاصد. والرقية بما ليس فيه شرك ولا كلمة لا يفهم معناها جائزة بالاتفاق.

فإن قيل :كيف علموا أن قراءته بتمامه رقية ولم يثبت كونه رقية لا بالكتاب ولا بالسنة ولا بالإجماع؟

يقال :كون شيء من الآيات القرآنية أو ذكر أو دعاء من الأذكار والأدعية المأثورة رقية لشيء من الأمراض، وجواز الاسترقاء به لا يتوقف على ثبوت كونه رقية من الكتاب والسنة، فقد روى البخاري في صحيحه عن أبي سعيد قال :انْطَلَقَ نَفَرٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ فِي سَفْرَةٍ سَافَرُوهَا حَتَّى نَزَلُوا عَلَى حَيٍّ مِنْ أَحْيَاءِ الْعَرَبِ فَاسْتَضَافُوهُمْ فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمْ فَلُدِغَ سَيِّدُ ذَلِكَ الْحَيِّ فَسَعَوْا لَهُ بِكُلِّ شَيْءٍ لَا يَنْفَعُهُ شَيْءٌ... الحديث، وفيه :(فَقَالَ :(وَمَا يُدْرِيكَ أَنَّهَا رُقْيَةٌ). قال الحافظ ابن حجر في فتح الباري :(

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۱۴ مکتبۃ امدادیۃ)

[2] (شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۵)

[3] (البدایۃ والنہایۃ ج ۱۱ ص ۳۰ الناشر: دار التراث احیاء العربی)

[4] (أشعة اللمعات ج ۱ ص ۲ ۱ المكتبة الحبيبية)

وزاد سليمان بن قتة في روايته بعد قوله (وما يدريك أنها رقية) قلت :ألقي في روعي. وللدارقطني من هذا الوجه :فقلت :يا رسول الله شيء ألقي في روعي. وهو ظاهر في أنه لم يكن عنده علم متقدم بمشروعية الرقي بالفاتحة، ولهذا قال له أصحابه لما رجع :ما كنت تحسن رقية، كما وقع في رواية معبد بن سيرين۔[1]

وقال الشيخ هشام بن عبد القادر عقدة :وأما ما قيل عن صحيح البخاري فهذا كما إذا استأنس بعملٍ صالحٍ رجاء أن يفرج الله همّه. لِمَا جاء في الفاتحة التي لم يعرف الصحابي أنها رقيه وأقره النبي ﷺ على ذلك.

قال الشيخ عبد الله علوان ضاق صدر الخديوي بذلك، فركب يوماً مع شريف باشا وهو محرج، فأراد أن يفرّج عن نفسه، فقال الشريف باشا :ماذا تصنع حينما تُلمّ بك مُلمَّة تريد أن تدفعها؟ فقال :يا أفندينا، إن الله عودني إذا حاق بي شيء من هذا أن ألجأ إلى "صحيح البخاري"! يقرؤه لي علماء أطهار الأنفاس فيفرج الله عني... فجمع له من صلحاء العلماء جمعاً أخذوا يتلون في "البخاري" أمام القبلة القديمة في الأزهر...[2]

تقي الدين السبكي حيث قال - في ترجمة البخاري - :وأمّا "الجامع الصحيح" وكونه ملجأً للمعضلات، ومجرّباً لقضاء الحوائج فأمرٌ مشهورٌ! ولو اندفعنا في ذكر تفصيل ذلك، وما اتفق فيه لطال الشرح. أ.هـ[3]

قال الشيخ اسماعيل حقی البروسوی جمیع ما ابتدعه العلماء والعارفون مما لم تصرح الشريعة بالامر به لا يكون بدعة الا ان خالف صريح السنة فان لم يخالفها فهو محمود۔

علمائے حقانی اور اولیاء اللہ اگر کوئی ایسا کام کریں جو قرآن اور حدیث میں نہ ہو اور قرآن اور حدیث سے تضاد بھی نہ ہو تو اسے بدعت نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ ایک محمود کام ہوگا۔[4]

مشائخ کا عمل بھی سند باقی رہتا ہے

قال الشيخ اسماعيل حقی البروسوی ان عمل المشائخ يكفی سندا فانهم ذو الجناحين۔[5]

حررہ: احقر العباد الفقیر السید عبد الحق شاہ

الجواب حق فماذا بعد الحق الا الضلال۔ فقیر سید احمد علی شاہ

علماء کا بڑا عمامہ ہونا

حضرت علامہ عبد الوہاب شعرانی، شافعی، متوفی، قدس سرہ، ۹۷۳ھ، لکھتے ہیں:

وقد استدل الشيخ جلال الدين السيوطی علی جواز كبر عمامة العلماء زيادة عن طول عمامة رسول الله ﷺ بقوله تعالیٰ :

---

[1] (مقدمة تحفة الاحوذی ص ۵۷)

[2] (تربية الأولاد في الإسلام ج ص ۴۹۳)

[3] (طبقات الشافعية الكبرى ج ۲ ص ۲۴۳)

[4] (تفسیر روح البیان ج ۹ ص ۳۸۴)

[5] (تفسیر روح البیان ج ۹ ص ۱۴۲)

(وامر بالعرف) وقال :قد صار من عرف العلماء كبر العمامة ليتميزوا عن غيرهم من العامة، فيسالوا عن الشريعة، وذكر ان كبر العمامة بهذا القصد لا يخرجهم عن السنة لان العرف قد صار من جملة الشريعة بامر الامة باتبعه، انتهى۔

ترجمہ: اور شیخ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علماء کے عمامہ کا رسول پاک ﷺ کے عمامہ شریف کی لمبائی سے زیادہ ہونے کے جواز کا استدلال اللہ تعالیٰ کے اسی قول (وامر بالعرف) سے کیا ہے۔ اور فرمایا : عمامہ کا بڑا ہونا علماء کے عرف سے ہوگیا ہے تاکہ انہیں عام لوگوں سے امتیاز حاصل ہو۔ پس لوگ ان سے شریعت کے مسائل کا استفادہ کرسکیں۔ اور آپ نے ذکر کیا کہ اس قصد سے عمامہ کا بڑا ہونا انہیں سنت سے خارج نہیں کرتا۔ کیونکہ امت کو اتباع عرف کے حکم کی وجہ سے یہ شریعت میں سے ہوگیا ہے۔ انتہی۔[1]

علامہ علی قاری نے شرح مشکوۃ میں فرمایا:

لم يروا انه صلى الله تعالى عليه وسلم لبس القلنسوة بغير العمامة فيتعين ان يكون هذا زى المشركين۔

یعنی اصلاً مروی نہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بغیر عمامہ کے ٹوپی پہنی ہو، متعین ہوا کہ یہ کافروں کی وضع ہے۔[2]

اسی میں بعد ذکر بعض احادیث فضیلت عمامہ ہے:

هذا كله يدل على فضلية العمامة مطلقا نعم مع القلنسوة افضل فلبسها وحدها مخالف للسنة كيف وهى زى الكفرة وكذا المبتدعة فى بعض البلدان۔

یعنی ان سب سے عمامہ کی فضیلت مطلقاً ثابت ہُوئی اگرچہ بے ٹوپی ہو، ہاں ٹوپی کے ساتھ افضل ہے اور خالی ٹوپی خلاف سنّت ہے، اور کیونکر نہ ہو کہ کافروں اور بعض بلاد کے بدمذہبوں کی وضع ہے۔[3]

اس کا انکار کس درجہ اشد و اکبر ہوگا اس کا سنّت ہونا متواتر ہے اور سنّتِ متواتر کا استخفاف کفر ہے۔

وجیز کردری پھر نہر الفائق پھر رد المحتار میں ہے :

لو لم يرالسنة حقا كفر لانه استخفاف۔

ترجمہ: اگر کوئی شخص سنت کو حق و سچ نہیں جانتا تو اس نے کفر کیا کیونکہ یہ اسکا استخفاف ہے۔[4]

۞ امت مسلمہ کا کفار کی ذلت و شکست اور ظالموں کی موت پر خوش ہونا۔

کفار کی شکست پر مسلمانوں کا خوش ہونا

ولما كان زمان السلطان محمود بن زَنْكي أرسل إليهم جيشا عظيما بقيادة صلاح الدين. فأخذوا مصر من أيديهم.

---

[1] (المنن الکبری، الباب الاول، ص ۸۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت) (جنات عدن اردو ترجمہ لطائف المنن، ص ۱۳۰--۱۳۱)

[2] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح والفصل الثانی من کتاب اللباس مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۸/ ۲۵۰)

[3] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح والفصل الثانی من کتاب اللباس مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۸/ ۲۵۰)

[4] (الفتاوی البزازیۃ مع الفتاوی الہندیۃ نوع فی السنن من کتاب الصلوۃ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۲۸)

ولم يتركوا جهادهم بمصر لأجل من فيها من الصالحين. فلما فتحها السلطان محمود فرح المسلمون بذلك أشد الفرح. وصنف ابن الجوزي في ذلك كتابا سماه "النصر على مصر".[1]

میں نے کسی کو خوشی میں روتے ہوئے نہیں دیکھا

قال عبدالحميد سمعت اباحنيفة رضى الله تعالىٰ عنه يحكى عن حماد قال بشرت ابراهيم بموت الحجاج فسجد قال حماد ما كنت ارى أحدا يبكى من الفرح حتى رأيت ابراهيم بكى من الفرح۔[2]

عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حجاج کی موت پر خوش ہونا

ولما بلغ عمر بن عبدالعزيز موت الحجاج حر ساجدا وكان يدعو الله ان يكون موته على فراشه ليكون اشد العذابه فى الآخرة۔[3]

محدث طاؤس کے والد ماجد کا شکر کرنا

عن معمر عن ابن طاؤس عن ابيه انه اخبر بموت الحجاج مرارًا فلما تحقق وفاته قال فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (الانعام ۴۵)[4]

امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا حجاج کی موت پر خوش ہونا

وَقَالَ حَمَّادُ بْنُ أَبِي سُلَيْمَانَ : لَمَّا أَخْبَرْتُ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيَّ بِمَوْتِ الْحَجَّاجِ بَكَى مِنَ الْفَرَحِ.[5]

خارجی کے قتل پر مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا شکر کرنا

أَخْبَرَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْحَسَنُ بْنُ مُحَمَّد بْن عَبْد اللهِ بْن حسنويه الكاتب - بأصبهان - حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ أَحْمَدُ بْنُ جَعْفَرِ بْنِ أحمد بن سعيد السمسار، حدثنا يحيى بن مطرف، حدثنا مسلم بن إبراهيم، حدثنا سويد بن عبيد العجليّ، حدثنا أبو المؤمّن الواثليّ قَالَ : سَمِعْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ حِينَ قَتَلَ الْحَرُورِيَّةَ قَالَ : انْظُرُوا فِيهِمْ رَجُلا كَأَنَّ ثديه مِثْلُ ثَدْيِ الْمَرْأَةِ، أَخْبَرَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي صَاحِبُهُ. فَقَلَّبُوا الْقَتْلَى فَلَمْ يَجِدُوهُ قَالُوا مَا وَجَدْنَاهُ. قَالَ : لَئِنْ كُنْتُمْ صَدَقْتُمْ لَقَدْ قَتَلْتُمْ خِيَارَ النَّاسِ. قَالُوا: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ سَبْعَةٌ تَحْتَ نَخْلَةٍ لَمْ نُقَلِّبْهُمْ، قَالَ : فَأَتَوْهُمْ فَقَلَّبُوهُمْ فَوَجَدُوهُ. قَالَ أَبُو الْمُؤْمِنِ فرأيته حين جَاءُوا بِهِ يَجُرُّونَهُ فِي رِجْلِهِ حَبْلٌ، قَالَ : فرأيت عليا حين جَاءُوا بِهِ خَرَّ سَاجِدًا. وَقَالَ: قَتْلاكُمْ فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلاهُمْ فِي النَّارِ.[6]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عیسائی پادری کے قتل پر خوش ہونا

---

[1] (مختصر سيرة الرسول صلى الله عليه وسلم ج ۱ ص ۵۱)

[2] (الجواهر المضية فى طبقات الحنفية عبدالقادر بن محمد بن نصر الله القرشى ابو محمد محيى الدين الحنفى ج ۱ ص ۲۹۶ مير محمد كتب خانه)

[3] (العقد الفريد ابو عمر شهاب الدين احمد بن محمد بن عبد ربه ابن حبيب ابن حدير بن سالم المعروف بابن عبد ربه الاندلسى ج ۵ ص ۳۱۴ دار الكتب)

[4] (الدولة الاموية عوامل الازدهار وتداعيات الانهيار على محمد محمد الصلابى ج ۱ ص ۶۸۳ دار المعرفة)

[5] (البداية والنهاية ج ۹ ص ۱۵۹)

[6] (تاريخ بغداد ج ۱۴ ص ۳۶۶)

فحكي أن غلمانا من أهل البحرين خرجوا يلعبون بالصوالجة وأسقف البحرين قاعد، فوقعت الأكرة على صدره، فأخذها، فجعلوا يطلبونها منه فأبى، فقال غلام منهم : سألتك بحق محمد صلى الله عليه وسلم إلا رددتها علينا، فأبى لعنه الله وسب رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأقبلوا عليه بصوالجهم، فما زالوا يخبطوا حتى مات لعنة الله عليه، فرفع ذلك إلى عمر رضي الله تعالى عنه فو الله ما فرح بفتح ولا غنيمة كفرحته بقتل الغلمان لذلك الأسقف، وقال : الآن عز الإسلام إن أطفالا صغارا شتم نبيهم فغضبوا له وانتصروا وأهدروا دم الأسقف، والله سبحانه وتعالى أعلم، وصلى الله على سيدنا محمد، وعلى آله وصحبه وسلم.[1]

کفار کے قتل پر مدینہ منورہ میں جشن

وَقَدِمَ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ عَلَى نَاقَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَصْوَاءِ يُبَشِّرُ أَهْلَ الْمَدِينَةِ، فَلَمَّا جَاءَ الْمُصَلَّى صَاحَ عَلَى رَاحِلَتِهِ : قُتِلَ عُتْبَةُ وَشَيْبَةُ ابْنَا رَبِيعَةَ، وَابْنَا الْحَجَّاجِ، وَقُتِلَ أُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ وَأَبُو جَهْلٍ وَأَبُو الْبَخْتَرِيِّ وَزَمْعَةُ بْنُ الْأَسْوَدِ، وَأُسِرَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو ذُو الْأَنْيَابِ فِي أَسْرَى كَثِيرٍ۔[2]

کفار کے قتل پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مبارکباد دینا

قَالَ الْوَاقِدِيُّ : وَهُمْ سَبْعُونَ فِي الْأَصْلِ مُجْتَمَعٌ عَلَيْهِ لَا شَكَّ فِيهِ. قَالَ وَلَقِيَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الرَّوحاء رؤوس النَّاسِ يُهَنِّئُونَهُ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ. فَقَالَ لَهُ أُسَيْدُ بْنُ الْحُضَيْرِ : يَا رَسُولَ اللَّهِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَظْفَرَكَ وَأَقَرَّ عَيْنَكَ۔[3]

گستاخ کے قتل پر رسول اللہ ﷺ نے نعرے لگائے

قَالَ الْوَاقِدِيُّ : حَدَّثَنِي ابْنُ رَاشِدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ» : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ بَدْرٍ : اللهُمَّ اكْفِنِي نَوْفَلَ بْنَ خُوَيْلِدٍ. ثُمَّ ذَكَرَ الْحَدِيثَ فِي قتله قَالَ : فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وسلم : مَنْ لَهُ عِلْمٌ بِنَوْفَلِ بْنِ خُوَيْلِدٍ، فَقَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : أَنَا قَتَلْتُهُ، قَالَ : فَكَبَّرَ النَّبِيُّ صلى اللَّهُ عليه وسلم، وَقَالَ : الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَجَابَ دَعْوَتِي فِيهِ۔[4]

۞ وقال أبو سعيد الخدري : إن لله أربعين ألف عالم، الدنيا من شرقها إلى غربها عالم واحد. وقال أبو القاسم مقاتل بن حيان: العالمون ثمانون ألف عالم أربعون ألفا في البرّ وأربعون ألفا في البحر. وقال مقاتل بن سليمان : لو فسّرت الْعالَمِينَ، لاحتجت إلى ألف جلد كل جلد ألف ورقة. وقال كعب الأحبار : لا يحصي عدد العالمين إلّا الله، قال الله : وَما يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ۔[5]

۞ امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ نے ناشر الکتاب والسنۃ، امام الائمہ، سراج الامۃ، ترجمان الاسلام، مجتہد اعظم، بانی فقہ حنفی حضرت نعمان بن ثابت المعروف امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد علم وفضل وعظمت وشان وعلمی وفقہی خدمات کے حوالے سے بشارات بھی سنائی ہیں جن میں

---

[1] (المستطرف في كل فن مستطرف ج ۱ ص ۴۷۱)

[2] (البداية والنهاية ج ۳ ص ۳۷۱)

[3] (البداية والنهاية ج ۳ ص ۳۷۱)

[4] (دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة ج ۳ ص ۳۹۴)

[5] (الكشف والبيان عن تفسير القرآن لأحمد بن محمد بن إبراهيم الثعلبي، أبو إسحاق ج ۱ ص ۱۱۲ (المتوفى 427 : دار إحياء التراث العربي، بيروت - لبنان)

سے چند ایک ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ یکون فی امتی رجل یقال لہ ابو حنیفۃ ھو سراج امتی یوم القیمۃ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ایک شخص ہوگا جسے ابوحنیفہ کے نام سے پکارا جائے گا وہ قیامت کے دن میری امت کا چراغ ہوگا۔[۱]

۲۔عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ یکون فی امتی رجل اسمہ النعمان ویکنی بانی حنیفۃ ھو سراج امتی ھو سراج امتی ھو سراج امتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ایک شخص ہوگا جسکا نام نعمان کنیت ابوحنیفہ ہوگی وہ میری امت کا چراغ ہوگا وہ میری امت کا چراغ ہوگا وہ میری امت کا چراغ ہوگا۔[۲]

۳۔عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ سیکون رجل یقال لہ النعمان بن ثابت ویکنی بانی حنیفۃ یحیی دین اللہ تعالیٰ وسنتی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب میری امت میں ایک شخص ہوگا جسکا نام نعمان بن ثابت کنیت ابوحنیفہ ہوگی اور وہ اللہ تعالیٰ کے دین اور میری سنت کو زندہ کرے گا۔[۳]

۴۔عن انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ سیاتی من بعدی رجل یقال لہ النعمان ویکنی ابا حنیفۃ ولیحیین دین اللہ تعالیٰ وسنتی علی یدیہ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ نے فرمایا کہ عنقریب میرے بعد ایک شخص آئے گا جسے نعمان کہا جائے گا کنیت ابوحنیفہ ہوگی اور اس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ اپنا دین اور میری سنت زندہ کرے گا۔[۴]

۵۔عن انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ یکون فی آخر الزمان رجل یکنی ابا حنیفۃ یحیی اللہ تعالیٰ علی یدیہ سنتی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ خاتم الانبیاء والمرسلین ﷺ نے فرمایا کہ آخری زمانے میں ایک شخص آئے گا جس کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی اور اس کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ میری سنت زندہ کرے گا۔[۵]

وأما أبو حنيفة رحمه الله تعالى فلقد كان أيضاً عابداً زاهداً بالله تعالى خائفاً منه مريداً وجه الله تعالى بعلمه فأما كونه عابداً فيعرف بما روي عن ابن المبارك أنه قال كان أبو حنيفة رحمه الله له مروءة وكثرة صلاة۔وروى حماد بن أبي سليمان أنه كان يحيي الليل كله۔وروي أنه كان يحيي نصف الليل فمر يوماً في طريق فأشار إليه إنسان وهو يمشي فقال لآخر هذا هو الذي يحيي

---

[۱] (شرح مسند امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۴۶)

[۲] (شرح مسند امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۴۶)

[۳] (شرح مسند امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۴۶)

[۴] (شرح مسند امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۴۶)

[۵] (شرح مسند امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۴۶)

الليل كله فلم يزل بعد ذلك يحيي الليل كله وقال أنا أستحي من الله سبحانه أن أوصف بما ليس في من عبادته

وأما زهده فقد روي عن الربيع بن عاصم قال أرسلني يزيد بن عمر بن هبيرة فقدمت بأبي حنيفة عليه فأراده أن يكون حاكماً على بيت المال فأبى فضربه عشرين سوطاً ـ فانظر كيف هرب من الولاية واحتمل العذاب قال الحكم بن هشام الثقفي حدثت بالشام حديثاً في أبي حنيفة أنه كان من أعظم الناس أمانة وأراده السلطان على أن يتولى مفاتيح خزائنه أو يضرب ظهره فاختار عذابهم له على عذاب الله تعالى ـ وروي أنه ذكر أبو حنيفة عند ابن المبارك فقال أتذكرون رجلاً عرضت عليه الدنيا بحذافيرها ففر منها ـ وروي عن محمد بن شجاع عن بعض أصحابه أنه قيل لأبي حنيفة قد أمر لك أمير المؤمنين أبو جعفر المنصور بعشرة آلاف درهم قال فما رضي أبو حنيفة قال فلما كان اليوم الذي توقع أن يؤتى بالمال فيه صلى الصبح ثم تغشى بثوبه فلم يتكلم فجاء رسول الحسن بن قحطبة بالمال فدخل عليه فلم يكلمه فقال بعض من حضر ما يكلمنا إلا بالكلمة بعد الكلمة أي هذه عادته فقال ضعوا المال في هذا الجراب في زاوية البيت ثم أوصى أبو حنيفة بعد ذلك بمتاع بيته وقال لابنه إذا مت ودفنتموني فخذ هذه البدرة واذهب بها إلى الحسن ابن قحطبة فقل له خذ وديعتك التي أودعتها أبا حنيفة ـ قال ابنه ففعلت ذلك فقال الحسن رحمة الله على أبيك فلقد كان شحيحاً على دينه ـ وروي أنه دعي إلى ولاية القضاء فقال أنا لا أصلح لهذا فقيل له لم فقال إن كنت صادقاً فما أصلح لها وإن كنت كاذباً فالكاذب لا يصلح للقضاء ـ وأما علمه بطريق الآخرة وطريق أمور الدين ومعرفته بالله عز وجل فيدل عليه شدة خوفه من الله تعالى وزهده في الدنيا وقد قال ابن جريج قد بلغني عن كوفيكم هذا النعمان بن ثابت أنه شديد الخوف لله تعالى ـ وقال شريك النخعي كان أبو حنيفة طويل الصمت دائم الفكر قليل المحادثة للناس فهذا من أوضح الأمارات على العلم الباطني والاشتغال بمهمات الدين فمن أوتي الصمت والزهد فقد أوتي العلم كله فهذه نبذة من أحواله انتهى كلام الغزالي ـ[1]

وفي الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار وقال إسماعيل بن أبي رجاء :رأيت محمداً في المنام فقلت له :ما فعل الله بك؟ فقال :غفر لي، ثم قال :لو أردت أن أعذبك ما جعلت هذا العلم فيك، فقلت له :فأين أبو يوسف؟ قال :فوقنا بدرجتين قلت :فأبو حنيفة؟ قال :هيهات، ذلك في أعلى عليين، كيف وقد صلى الفجر بوضوء العشاء أربعين سنة، وحج خمسا وخمسين حجة، ورأى ربه في المنام مائة مرة؟ ولها قصة مشهورة.

وفي حجته الاخيرة استأذن حجبة الكعبة بالدخول ليلا، فقام بين العمودين على رجله اليمنى ووضع اليسرى على ظهرها حتى ختم نصف القرآن، ثم ركع وسجد، ثم قام على رجله اليسرى ووضع اليمنى على ظهرها حتى ختم القرآن، فلما سلم بكى وناجى ربه وقال :إلهي ما عبدك هذا العبد الضعيف حق عبادتك، لكن عرفك حق معرفتك فهب نقصان خدمته لكمال معرفته، فهتف هاتف من جانب البيت :يا أبا حنيفة قد عرفتنا حق المعرفة وخدمتنا فأحسنت الخدمة، قد غفرنا لك ولمن اتبعك ممن كان على مذهبك الى يوم القيامة. وقيل لأبي حنيفة :بم بلغت ما بلغت؟ قال :ما بخلت بالإفادة، وما استنكفت عن الاستفادة.

وقال مسافر بن كرام :من جعل أبا حنيفة بينه وبين الله رجوت أن لا يخاف وقال فيه:

حسبي من الخيرات ما أعددته ... يوم القيامة في رضا الرحمن

---

[1] (احياء علوم الدين ج ١ ص ٢٨)

دين النبي محمد خير الورى... ثم اعتقادي مذهب النعمان

وعنه عليه الصلاة والسلام (إن آدم افتخر بي وأنا أفتخر برجل من أمتي اسمه نعمان وكنيته أبو حنيفة، هو سراج امتي) وعنه عليه الصلاة والسلام (إن سائر الانبياء يفتخرون بي، وأنا أفتخر بأبي حنيفة، من أحبه فقد أحبني، ومن أبغضه فقد أبغضني) كذا في التقدمة شرح مقدمة أبي الليث قال في الضياء المعنوي :وقول ابن الجوزي :إنه موضوع، تعصب، لانه روي بطرق مختلفة.

وروى الجرجاني في مناقبه بسنده لسهل بن عبد الله التستري أنه قال (لو كان في أمة موسى وعيسى مثل أبي حنيفة لماتهودوا ولماتنصرا).

ومناقبه أكثر من أن تحصى، وصنف فيها سبط ابن الجوزي مجلدين كبيرين، وسماه (الانتصار لامام أئمة الامصار). وصنف غيره أكثر من ذلك.

والحاصل أن أبا حنيفة النعمان من أعظم معجزات المصطفى صلى الله عليه وسلم بعد القرآن، وحسبك من مناقبه اشتهار مذهبه، ما قال قولا الا أخذ به إمام من الائمة الاعلام، وقد جعل الله الحكم لاصحابه وأتباعه من زمنه الى هذه الايام، الى أن يحكم بمذهبه عيسى عليه السلام،

وهذا يدل على أمر عظيم اختص به من بين سائر العلماء العظام، كيف لا وهو كالصديق رضي الله عنه، له أجره من دوَّن الفقه وألَّفه وفرع أحكامه على أصوله العظام، الى يوم الحشر والقيام. وقد تبعه على مذهبه كثير من الاولياء الكرام، ممن اتصف بثبات المجاهدة، وركض في ميدان المشاهدة، كابراهيم بن أدهم، وشقيق البلخي، ومعروف الكرخي، وأبي يزيد البسطامي، وفضيل بن عياض، وداود الطائي، وأبي حامد اللفاف، وخلف بن أيوب، وعبد الله بن المبارك، ووكيع بن الجراح، وأبي بكر الوراق، وغيرهم ممن لا يحصى لبعده أن يُستقصى، فلو وجدوا فيه شبهة ما اتبعوه، ولا اقتدوا به ولا وافقوه.

وقد قال الاستاذ أبو القاسم القشيري في رسالته مع صلابته في مذهبه وتقدمه في هذه الطريقة :سمعت الاستاذ أبا علي الدقاق يقول :أنا أخذت هذه الطريقة من أبي القاسم النصراباذي، وقال أبو القاسم :أنا أخذتها من الشبلي، وهو أخذها من السري السقطي، وهو من معروف الكرخي، وهو من داود الطائي.

وهو أخذ العلم والطريقة من أبي حنيفة، وكل منهم أثنى عليه وأقر بفضله، فعجبا لك يا أخي:

ألم يكن لك أسوة حسنة في هؤلاء السادات الكبار؟ أكانوا متهمين في هذا الاقرار والافتخار، وهم أئمة هذه الطريقة، وأرباب الشريعة والحقيقة، ومن بعدهم في هذا الامر فلهم تبع، وكل ما خالف ما اعتمدوه مردود ومبتدع.

وبالجملة، فليس أبو حنيفة في زهده وورعه وعبادته وعلمه وفهمه بمشارك.

ومما قال فيه ابن المبارك رضي الله عنه:

لقد زان البلاد ومن عليها... إمام المسلمين أنو حنيفة

بأحكام وآثار وفقه... كآيات الزبور على صحيفه

فما في المشرقين له نظير... ولا في المغربين ولا بكوفه

يبيت مشمرا سهر الليالي ... وصام نهاره لله خيفه

فمن كأبي حنيفة في علاه ... إمام للخليقة و الخليفة

رأيت العائبين له سفاها ... خلاف الحق مع حجج ضعيفة

و كيف يحل أن يؤذي فقيه ... له في الارض آثار شريفة

و قد قال ابن إدريس مقالا ... صحيح النقل في حكم لطيفة

بأن الناس في فقه عيال ... على فقه الامام أبي حنيفة

فلعنة ربنا أعداد رمل ... على من رد قول أبي حنيفة

و قد ثبت أن ثابتا و الد الامام أدرك الامام علي بن أبي طالب فدعاله و لذريته بالبركة.

و صح أن أبا حنيفة سمع الحديث من سبعة من الصحابة كما بسط في أواخر منية المفتي، و أدرك بالسن نحو عشرين صحابيا كما بسط في أوائل الضياء. و قد ذكر العلامة شمس الدين محمد أبو النصر بن عرب شاه الانصاري الحنفي في منظومته الالفيه المسماة بجواهر العقائد و درر القلائد ثمانية من الصحابة ممن روى عنهم الامام الاعظم أبو حنيفة رضي الله عنهم أجمعين حيث قال:

معتقدا مذهب عظيم الشان ... أبي حنيفة الفتى النعمان

التابعي سابق الائمة ... بالعلم و الدين سراج الامة

جمعا من اصحاب النبي أدركا ... إثرهم قد اقتضى و سلكا

طريقة واضحة المنهاج ... سالمة من الضلال الداجي

و قد روى عن أنس و جابر ... و ابن أبي أوفى كذا عن عامر

أعني أبا الطفيل ذا ابن واثله ... و ابن أنيس الفتى و واثله

عن ابن جزء قد روى الامام ... و بنت عجرد هي التمام

رضي الله الكريم دائما ... عنهم و عن كل الصحاب العظما

و توفي ببغداد، قيل :في السجن ليلي القضاء و له سبعون سنة بتاريخ خمسين و مائة، قيل و يوم توفي ولد الامام الشافعي رضي الله عنه۔[1]

بسم اللہ الرحمن الرّحیم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام اہل السنت والجماعت اس مسئلہ میں کہ (۱) ختم القرآن الشریف کے وقت اپنے اہل وعیال اور دوست و احباب کو جمع کرنے اور اجتماعی دعا کرنے اور (۲) اس پر آمین کہنے کا ثبوت ہے کہ نہیں؟ (۳) اور قرآن کریم کی تلاوت کے اختتام پر صدق اللہ العظیم کہنا کیسا ہے؟ (۴) اور ختم قرآن کے موقع پر درود بھیجنا کیسا ہے (۵) نیز ختم قرآن کے وقت کی جامع دعا کیا ہے؟ (۶) اسطرح دعا کے اختتام پر سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ (۱۸۰) وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ (۱۸۱) وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

---

[1] (الدر المختار شرح تنوير الأبصار و جامع البحار ج ۱ ص ۱۳)

(۱۸۲ الصفت) کہنے کا ثبوت ہے کہ نہیں؟ (۷) اور ایک شخص تلاوت قرآن کر رہا ہو اور باقی افراد اجتماعی طور پر سن رہے ہوں تو بعض لوگ اسے ناجائز سمجھتے ہیں (۸) اور قرآن عظیم الشان کو چومنا اور آنکھوں کو لگانا کیسا ہے؟ ان مسائل کی وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں۔

(جزاک اللہ خیرا فی الدارین)

(المستفتی محمد اظہار الدین صدیقی حسینی کوکاروی سواتی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی وفّق العلمآء الربّانیین لا یضاح الحق المبین والصلوٰۃ والسلام علیٰ من کان نبیًا وآدم بین المآء والطین وعلیٰ آلہ وصحبہ المنتخبین الطاھرین وعلی من تبعھم باحسانٍ الی یوم الدین۔ امّا بعد!

الجواب :منہ الصدق والصواب۔

(۱) ختم شریف کے وقت اہل وعیال کو جمع کرنا برادری کا اجتماع اور اکٹھا کرنا۔ قراء وصلحاء کا جمع ہونا، صحابہ کرام اور تابعین وتبع تابعین کا پسندیدہ طریقہ ہے۔ اس کے بارے میں بے شمار دلائل موجود ہیں۔ اس سے انکار کرنے والا پکا وہابی اور بدعتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "**مع کل ختمۃ دعوۃ مستجابۃ**" یعنی ہر ختمِ قرآن کے وقت ایک مقبول دعا ہے۔[1]

حضرت ابن مسعود اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "**من ختم القرآن فلہ دعوۃ مستجابۃ**" یعنی جس نے قرآن کریم کا ختم کیا تو اس کے لئے ایک مقبول دعا ہے۔[2]

وعن حُمید الأعرج رحمہ اللہ قال :مَن قرأ القرآن ثم دعا أمَّنَ علی دعائہ أربعۃ آلاف مَلَك۔

حضرت حمید الاعرج رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جو شخص قرآن پڑھے پھر دعا مانگے تو چار ہزار فرشتے اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔[3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے قران کریم کی تلاوت کی یہاں تک کہ اسے ختم کر دیا تو اس کے لئے فوری یا ذخیرہ کی ہوئی ایک مقبول دعا ہے۔

اس حدیث کی توضیح حسب ذیل حدیث سے ہوئی۔[4]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "**ان لقاری القران دعوۃ مستجابۃ فان شاء صاحبھا عجلھا فی الدنیا وان شاء أخرھا الی الاخرۃ**" یعنی بیشک قرآن کریم پڑھنے والے کیلئے ایک مقبول دعا ہے پس اگر وہ چاہے تو دنیا میں ہی جلد مانگ لے اور

---

[1] (شعب الایمان جلد ۲، ص ۳۸۴، رقم الحدیث ۲۰۸۶/ جامع الصغیر رقم الحدیث ۸۱۸۳/ النشر لقراۃ العشر ۴۵۲ جلد ۲)

[2] (المعجم الکبیر ج ۱۸، ص ۲۵۹ / فضائل القرآن لابی عبید ص ۴۸/ الاتقان لسیوطی/ مجمع الزوائد رقم الحدیث ۱۱۷۱۶/ جلاء الافہام ص ۲۳۲/ نتائج الافکار ج ۳، ص ۱۷۴/ مختص منہاج القاصدین ص ۷۷/ النشر للجزری ج ۲، ص ۳۳۸/ انوار العرفان فی اسماء القرآن ص ۹۰۰)

[3] (سنن دارمی، رقم الحدیث ۳۴۸۱/ الاذکار للنووی ص ۱۳۶/ نتائج الافکار للعسقلانی ج ۳، ص ۱۷۷-۱۷۴/ غیث النفع للصفاقسی ص ۳۳۴)

[4] (التذکار ص ۱۱۶)

اگر چاہے تو آخرت تک موخر رکھے۔[1]

شیخ الاسلام ابی عبداللہ محمد بن نصر المروزی متوفی ۲۹۴ھ" قیام اللیل میں لکھتے ہیں

"حدثنا یحیٰ اخبرنا صالح المری عن ایوب عن ابی قلابہ فی حدیث کان یرفعہ من شہد فاتحۃ القرآن حین یستفتح القرآن کان کمن شہد فتحا فی سبیل اللہ و من شہد۔ خاتمتۃ حین یختم کان کمن شہد الغنائم۔ حین قسمت و کان انس اذا ختم القرآن جمع ولدہ و اھل بیتہ فدعاء لھم۔ و کان رجل یقراء القرآن من اولہ الی آخرہ فی مسجد رسول اللہ۔

ترجمہ : "یحیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہم سے بیان کیا کہ ہمیں صالح المری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایوب سے اور اس نے ابی قلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کے بارے میں بیان کیا جس سے وہ مرفوع بیان کرتا ہے کہ جو کوئی حاضر ہوا فاتحۃ القرآن میں یعنی وقت شروع کرنے قرآن مجید کے یہ ایسے ہیں جیسے کوئی حاضر ہوا فتح فی سبیل اللہ میں۔ اور جو اس کے خاتمہ پر حاضر ہوا، اسکی حیثیت اس شخص کی ہے جو تقسیم غنائم کے وقت حاضر ہو۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ختم قرآن کرتے تو جمع کرتے اپنی اولاد کو اور اھل بیت کو پس دعا فرماتے ان کے ساتھ ایک اور شخص تھا جو کہ قرآن ختم کرتا اول سے آخر تک رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : الدعاء مستجاب عند اجتماع المسلمین و فی روایۃ "الدعاء مستجاب فی مجالس الذکر و عند ختم القرآن" کذا فی الحصن الحصین۔[3]

ترجمہ : مسلمانوں کے اجتماع میں کی گئی دعا مقبول ہوتی ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ذکر کی مجالس اور ختم قرآن کے وقت دعا مقبول ہوتی ہے۔ اسی طرح حصن حصین میں بھی آیا ہے۔

عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنْ قَوْمٍ اجْتَمَعُوا يَذْكُرُونَ اللهَ تَعَالَى لَا يُرِيدُونَ بِذَلِكَ إِلَّا وَجْهَهُ، إِلَّا نَادَاهُمْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ أَنْ قُومُوا مَغْفُورًا لَكُمْ، قَدْ بُدِّلَتْ سَيِّئَاتُكُمْ حَسَنَاتٍ.

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی قوم جمع نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے لیکن ان کا ارادہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہو مگر ایک ندا کرنے والا آسمان سے ندا کرتا ہے کہ اس حال میں کھڑے ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخش دیا ہے اور تمہارے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیا ہے۔[4]

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شارح مسلم شریف کتاب الاذکار میں لکھتے ہیں : وروينا في مسند الدارمي، عن ابن عباس رضي الله عنهما، أنه كان يجعل رجلاً يُراقب رجلاً يقرأ القرآن، فإذا أراد أن يختمَ أعلم ابنَ عباس رضي الله عنهما فيشهد ذلك وروى ابن أبي داود بإسنادين صحيحين، عن قَتادَة التابعيّ الجليل الإمام صاحب أنس رضي الله عنه، قال كان أنسُ بن مالك رضي الله عنه إذا ختم القرآن جمع أهله ودعا. وروَى بأسانيد صحيحة، عن الحكم بن عُتَيْبَةَ التابعي الجليل الإمام قال : أرسل إليّ مجاهد وعَبْدَةُ بن أبي لُبابة فقالا : إنا أرسلنا إليك لأنّا أردنا أن نختم القرآن، والدعاء مستجاب عند ختم القرآن. وروى بإسناده الصحيح عن

---

[1] (جامع الصغیر رقم الحدیث ۲۴۰۲/ النشر للامام الجزری ج ۲ ص ۳۳۷)

[2] (قیام الیل ص ۱۸۸)

[3] (خزینۃ الاسرار ص ۱۴۳ / تسہیل البخاری ص ۱۱۳)

[4] (حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۱۲۸، ج ۵ ص ۴۱۴)

مُجاهد قال: كانوا يجتمعون عند ختم القرآن يقولون :إن الرحمة تنزيل عند القرآن.تنزل الرحمةويُستحبّ الدعاء عقب الختمة استحباباً متأكداً شديداً لما قدّمناه۔

ترجمہ :مسند دارمی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک آدمی کو نگران مقرر کر دیا کرتے تھے اس آدمی کا جو قرآن پڑھتا تھا۔پس جب وہ ختم کا ارادہ کرتا تو وہ نگران آپ (ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو خبر دیتے تو آپ اس محفل میں شرکت فرماتے۔ابن ابی داؤد سے صحیح دو سندوں کے ساتھ روایت ہے کہ تابعی جلیل صاحب انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن شریف ختم کرتے تو اپنے اہل وعیال کو اکٹھا کرتے اور دعا مانگتے۔تابعی جلیل امام حکم بن عتیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح سند سے مروی ہے کہ بھیجا میری طرف مجاہد اور عبادہ نے ابی لبابہ کو پس کہا بے شک ہم نے بھیجا تمہاری طرف اس لئے کہ تحقیق ہم قرآن پاک کے ختم کا ارادہ رکھتے ہیں اور دعا قبول ہوتی ہے ختم کے وقت۔اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ ختم قرآن کے وقت رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور صحیح اسناد کے ساتھ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ لوگ ختم شریف کے وقت اجتماع فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ ختم شریف کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے۔اور ختم کے وقت دعا مستحب ہے۔استحباب مؤکدہ شدیدہ کے ساتھ۔[1]

ويُستحبّ الدعاء عقب الختمة استحباباً متأكداً شديداً لما قدّمناه.وروينا في مسند الدارمي، وعن حُميد الأعرج رحمه الله قال :مَن قرأ القرآن ثم دعا أمَّنَ على دعائه أربعةُ آلاف مَلَك.وينبغي أن يُلحّ في الدعاء، وأن يدعوَ بالأمور المهمة والكلمات الجامعة، وأن يكون معظم ذلك أو كله في أمور الآخرة وأمور المسلمين، وصلاح سلطانهم وسائر ولاة أمورهم، وفي توفيقهم للطاعات، وعِصمتهم من المخالفات، وتعاونهم على البرّ والتقوى، وقيامهم بالحقّ واجتماعهم عليه، وظهورهم على أعداء الدين وسائر المخالفين، وقد أشرت إلى أحرف من ذلك في كتاب "آداب القراء"، وذكرتُ فيه دعوات وجيزة من أراد نقلَهَا منه، وإذا فرغ من الختمة، فالمستحبّ أن يشرع في أخرى متصلاً بالختم، فقد استحبّه السَّلفُ.واحتجّوا فيه بحديث أنس رضي الله عنه، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال :"خَيْرُ الأَعْمالِ الحَلُّ وَالرِّحْلَةُ"، قيل :وما هما؟ قال :"افْتِتاحُ القرآن وختمه"۔

ترجمہ :ختم قرآن پاک کے وقت دعا کے مستحب ہونے کے متعلق شدید تاکید پائی جاتی ہے جسے ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اور ہم نے مسند دارمی میں حمید اعرج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیان کیا ہے کہ جو شخص قرآن پاک پڑھنے کے بعد دعا کرے اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ وہ دعا میں الحاح سے کام لے اور اہم امور اور جامع کلمات کے ساتھ دعا مانگے اس کی دعا کا اکثر حصہ یا ساری دعا ہی امور آخرت، امور مسلمین، بادشاہ اور اس کے دیگر حاکموں کی درستگی، طاعات کیلئے ان کی توفیق، مخالف امور سے ان کی حفاظت، نیکی اور تقوی پر ان کے تعاون، متفقہ طور پر حق پر ان کے قیام اور مخالفین اور دشمنانِ دین پر ان کے غلبہ کے لئے ہو۔اور جب وہ ختم قرآن سے فارغ ہو تو مستحب امر یہ ہے کہ ختم کے ساتھ یہ دوبارہ تلاوت شروع کر دے۔سلف رحمہم اللہ نے اس بات کو مستحب سمجھا ہے اور اس بارے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے حجت پکڑی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین عمل حل اور مرتحل ہے۔دریافت کیا گیا یہ دونوں کیا ہیں؟ تو فرمایا قرآن کا شروع کرنا اور اس کا ختم کرنا۔[2]

---

[1] (کتاب الاذکار المنتخبة فی سیّد الابرار مطبوعہ مصر ص ۹۷)

[2] (کتاب الاذکار مطبوعہ مصر ص ۹۸ مکتبة الهلال بیروت، لبنان)

امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں :ولھن صوم یوم الختم وان یحضر اھلہ و اصدقائہ لانّ الرحمۃ تنزل عندہ والدعا مع کل ختمۃ دعوۃ مستجابۃ۔ وکان النبی ﷺ اذاختم فقراء قل أعوذ برب الناس وافتح من الحمد ثم قرأ من البقرۃ الی واولٰئک ھم المفلحون۔ثم دعا بعدھا الختمۃ۔

ترجمہ :اورختم کے دن روزہ رکھنا سنت ہے اور حاضر ہونا اھل وعیال اور احباب کا تحقیق ختم کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے اور دعا کرنا ہر ختم کے ساتھ مقبول ہوتی ہے۔ اور حضور اکرم ﷺ جب ختم شریف فرماتے تھے پس پڑھتے تھے "قل اعوذ برب الناس "اور شروع فرماتے تھے۔الحمد شریف اور پھر پڑھتے تھے سورہ بقرہ شریف"اولئک ھم المفلحون" تک پھر دعائے ختم شریف فرماتے۔[1]

علامہ امام ابن جوزی ،متوفی ۸۳۳ھ)رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں :

ویقول عند کل ختم دعوۃ مستجابۃ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ من ختم القرآن فلہ دعوۃ مستجابۃ عن مجاھد تنزل الرحمۃ عند ختم القرآن و عنہ ایضاً ان الدعاء مستجابۃ عند ختم القرآن عن قتادہ قال کان بالمدینۃ رجل یقراء القرآن من اولہ الی آخرہ علی اصحاب لہ فکان ابن عباس یضع علیہ الرقباء فاذا کان عند الختم جآء ابن عباس رضی اللہ عنہ فشھدہ قال الامام النووی رحمۃ اللہ علیہ یستحب الدعاء بعد قرأۃ القرآن استحباباً یتاکد تاکیدا شدیداً فینبغی ان یلح فی الدعاء و نص الامام احمد رحمۃ اللہ علیہ علی استحباب الدعاء عند الختم و کذا جماعۃ من السلف و کان بعض شیوخنا یختار ان القاریٔ علیہ اذا ختم ھو الذی یدعوا بظاھر ھذا الحدیث وسائر من ادرکناھم غیرہ یدعو الشیخ او من تلتمس برکتہ من حاضری الختم والامر فی ھذا سھل اذا الداعی و المؤمن واحد قال اللہ تعالیٰ قد اجیبت دعوتکما قال ابو العالیۃ و ابو صالح و عکرمۃ و محمد بن کعب القرظی و الربیع بن الانس رضی اللہ عنہ دعا موسیٰ و آمن ھارون علیھما السلام فالداعی و المؤمن واحد و کان انس بن مالک رضی اللہ عنہ یجمع اھلہ و جیرانہ عند الختم رجاء و برکۃ دعاء الختم و حضورہ و روینا عنہ فی حدیث مرفوع و لفظہ ان النبی ﷺ کان اذا ختم القرآن جمع اھلہ قال البیھقی رفعوھم و الصحیح عن انس رضی اللہ عنہ موقوفاً و کانوا یستحبّون جمع اھل الصلاح و العلم فقد روینا عن شعبۃ عن الحکم قال ارسل الی مجاھد و عندہ ابن ابی لبابہ قال انما ارسلنا الیک انا نرید ان نختم القرآن و کان یقال ان الدعاء مستجاب عند ختم القرآن فلما فرغوا من ختم القرآن دعا بدعوات و کان کثیر من السلف یستحبّ الختم یوم الاثنین و لیلۃ الجمعۃ۔

ترجمہ :اور کہتے ہیں کہ ہر ختم قرآن پر دعا قبول ہوتی ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے قرآن پاک ختم کیا اس کی دعا قبول ہوگی۔حضرت مجاھد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ختم قرآن کے وقت رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے اور حضرت مجاھد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا بیان ہے کہ ختم شریف کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ میں ایک آدمی اپنے دوستوں کو ابتداء سے آخر تک قرآن پاک سنایا کرتے تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس پر نگران مقرر فرمادیا کرتے تھے جب وہ شخص ختم قرآن کے نزدیک پہنچتا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لاکر اس مجلس میں شمولیت اختیار فرماتے تھے۔حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ قرأت قرآن پاک کے بعد دعا کی شدید تاکید پائی جاتی ہے۔مناسب یہ ہے کہ انسان دعا میں الحاح سے کام لے اور حضرت امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ختم قرآن پر دعا کے مستحب ہونے پر نص بیان کی ہے،ایسے ہی سلف کی ایک جماعت اور ہمارے بعض شیوخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم ایک قاری کی خدمات حاصل کر لیتے تھے جب وہ قرآن پاک ختم کرتا تو اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے مطابق دعا کرتا اور اس کے علاوہ باقی لوگ جس کو ہم نے پایا وہ کسی بزرگ

---

[1](عمل الیوم واللیلۃ مطبوعہ مصر ص ۳۵")

کو بلاتے یا حاضرین ختم میں سے وہ جو بابرکت ہوتا اس کو تلاش کرتے اور یہ طریقہ آسان ہے کیونکہ دعا کرنے والا اور آمین کہنے والا برابر ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم دونوں (موسیٰ و ہارون علیہما السلام) کی دعا قبول کرلی گئی ہے۔ ابو العالیہ، ابو صالح، عکرمہ، محمد بن کعب القرظی اور ربیع بن انس رضی اللہ عنہم نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی، پس داعی اور آمین کہنے والا ایک ہی ہے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما ختم قرآن کے وقت دعائے ختم اور اس میں حاضری کی برکت کی امید پر اپنے اہل وعیال اور اپنے ہمسایوں کو اکٹھا کرلیا کرتے تھے اور ہم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب ختم قرآن کرتے تو اپنے اھل وعیال کو اکٹھا کرتے، بیہقی نے مرفوع حدیث بیان کی ہے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح روایت یہ ہے کہ وہ موقوف ہے کہ وہ اہل صلاح اور اہل علم کو اکٹھا کرتے تھے اور ہم نے شعبہ سے انھوں نے حکم سے بیان کیا ہے کہ حضرت مجاھد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے میری طرف پیغام بھیجا اور آپ کے پاس عبادہ بن ابی لبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف فرما تھے، آپ نے فرمایا ہم نے آپ کو اس لئے پیغام بھیجا ہے کہ ہم ختم قرآن کروانا چاہتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ جب وہ ختم قرآن سے فارغ ہوتے تو دعائیں مانگا کرتے۔ سلف میں سے بہت سے لوگ سوموار (پیر) کے دن اور جمعہ کی شب کو ختم قرآن کو مستحب خیال کرتے تھے۔[1]

علامہ امام ابن جوزی، متوفی ۵۹۷ھ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: **فقال فی روایۃ أبی الحارث: کان أنس اذا ختم القرآن جمع اھلہ وولدہ، وقال فی روایۃ یوسف بن موسیٰ، وقد سئل عن الرجل یختم القرآن، فیجتمع الیہ قوم فیدعون؟ قال نعم، رأیت معمراً یفعلہ اذا ختم۔**

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب قرآن کا ختم فرماتے تو اپنے اھل وعیال کو جمع فرمالیتے تھے۔ یوسف بن موسیٰ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی کے متعلق پوچھا گیا کہ وہ ختم قرآن کے وقت برادری کو جمع کرلیتا ہے، اس کے لئے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا "ہاں" (یعنی صحیح ہے) میں نے ختم کے وقت معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔[2]

انوار العرفان فی اسماء القرآن ص ۹۰۱ (مولفہ قاری ظہور احمد فیضی) میں ہے: حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک شخص تھا جو از اول تا آخر قرآن کریم پڑھتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بعض ساتھیوں کے ذمے لگا رکھا تھا کہ وہ آپ کو اس کے ختم قرآن کی اطلاع کریں پس جب ختم کا وقت آتا تو آپ اپنی مجلس کے حاضرین کو فرماتے: **قوموا بنا حتی نحضر الخاتمۃ**: یعنی اٹھو تا کہ ختم قرآن میں شمولیت اختیار کریں۔[3]

مزید ص ۹۰۶ پر ہے کہ: حضرت ابراھیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جو شخص قرآن کریم ختم کرے تو اس کے لئے ایک مقبول دعا ہے۔ حضرت ابراھیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ختمِ قرآن فرماتے تو اپنے تمام گھر والوں کو جمع کرتے پھر آپ دعا مانگتے اور وہ آمین کہتے۔ مذکورہ بالا دلائل سے جسطرح ختم قرآن کے بعد اجتماعی دعا کرنا ثابت ہوا اسی طرح نماز جنازہ کے

---

[1] (النشر فی قرائۃ العشر ص ۳۴۰، سنن سعید بن منصور فضائل القرآن ج ۱ ص ۱۴۰ رقم الحدیث ۲۷ مطبوعۃ دار لعصیمی، سنن الدارمی ج ۲ ص ۵۶۰ رقم الحدیث ۳۴۷۴ مطبوعۃ دار الکتاب العربی المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۲۴۲ رقم الحدیث ۶۷۴ مطبوعۃ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل، صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۳۷ مطبوعۃ دار المعرفۃ)

[2] (جلاء الافھام ص ۳۵۵ مطبوعہ دمشق وبیروت)

[3] (التذکار للقرطبی ص ۱۱۰ وغیرہ)

بعد اور سنتوں کے بعد بھی اجتماعی دعا کرنا ثابت ہے چنانچہ حضرت حبیب بن مسلمہ الفہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت بیان فرمائی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :لایجتمع ملأ فیدعو بعضهم ویؤمن سائرهم الا اجابهم اللہ۔ یعنی جب ایک جماعت اکٹھی ہوتی ہے پھر ان میں سے ایک دعا کرتا ہے اور باقی سب آمین کہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔[1]

قرآن کریم کا ختم کرنے کے قریب کچھ سورتیں بچالینا

عَنْ ثَابِتٍ الْبُنَانِيِّ، قَالَ: كَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، إِذَا أَشْفَى عَلَى خَتْمِ الْقُرْآنِ بِاللَّيْلِ، بَقَّى مِنْهُ شَيْئًا حَتَّى يُصْبِحَ فَيَجْمَعَ أَهْلَهُ فَيَخْتِمَهُ مَعَهُمْ۔

حضرت ثابت البنانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رات کو جب قرآن کریم کا ختم کرنے کے قریب ہوتے تو اس میں سے کچھ سورتیں بچالیتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی، پھر اپنے اہل وعیال کو جمع کرتے پھر ان کے ساتھ ختم فرماتے۔[2]

اس اثر سے معلوم ہوا کہ صرف اپنے اہل وعیال ہی نہیں، دوست احباب بھی شریک ہوتے تھے بلکہ انہیں مدعو کیا جاتا تھا۔ بعض احادیث میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے پڑوسیوں اور دوستوں کو دعوت دیتے تھے۔

ہمارے فقہ احناف کے مشہور فتاویٰ الہندیہ میں ہے۔

ویستحب له ان یجمع اهله وولده عند الختم ویدعو لهم کذا فی الینابیع۔

اور قاریٔ قرآن کیلئے مستحب ہے کہ ختم قرآن کے وقت اپنے اہل واولاد کو جمع کرلے اور ان کیلئے دعا کرے۔[3]

امام محمد بن علی بن محمد الشوکانی لکھتے ہیں :(قوله) وعند تلاوة القرآن لاسیما الختم)۔ واخرج الطبرانی مایدل علی مشروعیة الدعاء عند ختم القرآن واخرج ابن ابی شیبة عن مجاهد اذا ختم القرآن نزل الرحمة،

ترجمہ؛ دعا قبول ہوتی ہے تلاوت قرآن کے وقت خاص کر ختم قرآن کے وقت دعا کی مشروعیت پر طبرانی کی روایت دلالت کرتی ہے اور ابن ابی شیبہ سیدنا مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ختم قرآن ہو تو رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔[4]

مولوی محمد یوسف بنوری لکھتے ہیں : کہ اجتماعی دعا کرنا ثابت ہے اور ثبوت میں ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ "لایجمع قوماً فیدعوا بعضهم ویؤمن بعضهم الا اجابهم اللہ' یعنی جب لوگ جمع ہو کر بعض دعا کریں اور بعض آمین کہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔[5]

امام ابونعیم نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ :عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما اجتمع ثلاثة یدعو قط الّا کان حقاً علی اللہ ان لا یردّ ایدیهم (صفراً)۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تین آدمی کبھی دعا پر جمع نہیں ہوتے مگر یہ کہ اللہ پر حق ہے کہ ان کے ہاتھوں کو خالی نہ لوٹائے۔

---

[1] (المعجم الکبیر ج ۴، ص ۲۶، هکذا فی المستدرک للحاکم، المنح المطلوبة ص ۱۰۷، الدرة المکنهنة ص ۴۵)

[2] (۱) سنن الدارمی رقم الحدیث ۳۴۷۳ (۲) التبیان للنووی ص ۱۳۰ (۳) نتائج الافکار للعسقلانی ج ۳ ص ۱۸۶)

[3] (فتاویٰ الهندیه ج ۵ ص ۳۱۷)

[4] (تحفة الذاکرین ص ۴۹)

[5] (کنز العمال ج ۱ ص ۱۷۷، معارف السنن ج ۳ ص ۱۲۲)

وفی الھدایۃ الاجابۃ فی الجمع ارجی یعنی اجتماعی دعا میں قبولیت کی زیادہ امید ہے۔[1]

(۲) اجتماعی دعا اور آمین:

ختم قرآن کی محفل میں یا کسی دینی مجلس میں ایک مسلمان کا دعا کرنا اور باقی سب لوگوں کا آمین آمین کہنا بہت پسندیدہ عمل ہے۔شریعت میں دعا کو عبادت فرمایا گیا ہے اور آمین کہنے والوں کو اس عبادت میں برابر کا شریک فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ أفضل الْعِبَادَة آمین عِنْدتِلَاوَة الْقُرْآن۔افضل عبادت تلاوت قرآن کے وقت آمین کہنا ہے۔[2]

حضرت حبیب بن مسلمہ الفہری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا یَجْتَمِعُ مَلَأٌ فَیَدْعُو بَعْضُھُمْ وَیُؤَمِّنُ سَائِرُھُمْ إِلَّا أَجَابَھُمُ اللہُ.

نہیں کوئی گروہ اکٹھا ہوتا پھر ان میں سے ایک دعا کرتا ہے اور باقی سب آمین کہتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔[3]

حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس حدیث کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہیں ماسوا ابن الھیعہ کے اور وہ حسن الحدیث ہے۔

قرآن کریم میں بھی آمین کہنے والے کو دعا میں برابر کا شریک فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی :اے ہمارے پروردگار! تو نے بخشا ہے فرعون اور اسکے سرداروں کو سامان آرائش اور مال و دولت دنیوی زندگی میں ،اے ہمارے مولا! کیا اس لئے کہ وہ گمراہ کرتے پھریں تیری راہ سے،اے ہمارے رب! برباد کردے ان کے مالوں کو اور سخت کردے ان کے دلوں کو تا کہ وہ ایمان نہ لے آئیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو۔اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قَدْ أُجِیبَتْ دَعْوَتُکُمَا (تم دونوں کی دعا قبول ہوئی) (سورۃ یونس ۸۹)

غور کیجئے کہ دعا تنہا موسیٰ علیہ السلام نے کی لیکن ارشاد ہوا کہ تم دونوں کی دعا قبول کرلی گئی،،ایسا کیوں؟ علماء فرماتے ہیں اس لئے کہ حضرت ہارون علیہ السلام ان کی دعا پر آمین آمین کہہ رہے تھے۔ چنانچہ حضرت محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مُوسَی کَانَ یَدْعُو وھارون یُؤَمن۔[4]

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: دعاموسیٰ وامن ھارون، فالداعی والمؤمن واحد۔

موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اور ہارون علیہ السلام نے آمین کہی پس دعا مانگنے والا اور آمین کہنے والا دونوں برابر ہیں۔[5]

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مارفع قوم اکفھم الخ کوئی قوم اپنے ہاتھوں کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں نہیں اٹھاتی اور کسی چیز کا سوال نہیں کرتی مگر اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ ان کے ہاتھوں میں وہ چیز رکھ دے جس کا انہوں نے

---

[1] (حلیۃ الاولیاء ص ۱۴۴، ج ۱ وفی تسھیل المشکوٰۃ ص ۱۲۴ :نکیر الدعاء بعد نفل و سنۃ :لمنکر دین ذاک اللہ جاحد،ھدایۃ کتاب الحج ج ۱ ص ۲۴۴)

[2] (فردوس الاخبار ج ۱ ص ۴۳۳)

[3] ((۱)المعجم الکبیر ج ۴ ص ۲۶ رقم الحدیث ۳۵۳۶ (۲)المستدرک للحاکم رقم الحدیث ۵۵۲۹ (۳)تحفۃ الذاکرین للشوکانی ص ۷۰ (۴)المنح المطلوبۃ ص ۱۰۷ (۵)الدرۃ المکنونۃ ص ۴۵)

[4] (الدر المنثور ج ۴ ص ۳۸۵)

[5] (النشر لابن الجزری ج ۲ ص ۴۵۶)

سوال کیا۔،،[1]

ان احادیث مبارکہ میں اجتماعی طور پر دعا کرنے کی فضیلت بتائی گئی ہے کہ جب تین مومن بندے یا ان سے زیادہ کسی جگہ جمع ہو کر دعا مانگتے ہیں اور ان دعاؤں پر آمین کہا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا ضرور قبول فرماتا ہے اس سے پتہ چلا کہ اجتماعی طور پر دعا کرنا بہت مبارک عمل ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دعا کے ختم پر آمین کہنے کی بہت اہمیت ہے حضرت ابوزہیر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رات کو باہر نکلے تو ہم ایک ایسے شخص کے پاس سے گزرے جو بہت گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے سوال کر رہا تھا حضور ﷺ کھڑے ہو کر اس کی دعا سننے لگے پھر آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ مہر لگا دے تو اس کیلئے جنت واجب ہو جائے گی تو جو لوگ آپ ﷺ کے ساتھ تھے ان میں سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ کس چیز کی مہر لگائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ آمین کی مہر، سو اگر اس نے دعا کے اخیر میں آمین کی مہر لگا دی تو اس کے لیے جنت واجب ہوگئی، تو جس شخص نے آپ ﷺ سے دریافت کیا تھا وہ اس دعا مانگنے والے کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ اے فلاں! آمین کی مہر لگا دے اور (جنت کی) بشارت سن لے۔[2]

دعا کے ختم پر دعا کرنے والا بھی آمین کہے اور جو دعا سننے والا ہو وہ بھی آمین کہے نماز کی ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ پڑھی جاتی ہے جو دعا پر ختم ہے اس کے ختم پر بھی آمین پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے۔آمین کا کیا معنی ہے؟ اس کے بارے میں حضرات علمائے کرام نے کئی اقوال نقل فرمائے ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ جو دعا مانگی گئی آمین اس کی تاکید ہے یعنی اجمالاً دعا کو دہرایا گیا ہے اگر ایک آدمی دعا کرے اور حاضرین آمین کہتے جائیں تو یہ بھی مستحب ہے اور آمین کہنے والوں کا آمین کہنا دعا میں شریک ہونا ہے اگر ایسی صورت ہو تو دعا کرنے والا جمع کے الفاظ استعمال کرے تاکہ دعا میں سب شامل ہو جائیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اجتماعی دعا اپنی شرائط کے ساتھ ضرور قبول ہوتی ہے۔اس لئے ختم قرآن کے مبارک موقع پر دعا کیلئے ضرور شریک ہونا چاہیئے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا کہ جب رمضان المبارک کی پہلی شب ہوتی تو لوگ آپ کے پاس جمع ہو جاتے، آپ انہیں ہر رکعت میں بیس آیات سناتے اور اسی انداز پر قرآن کریم کا ایک ختم فرماتے، اور تہجد کے وقت تہائی قرآن سے زیادہ پڑھتے اور ہر تیسری شب میں ختم فرماتے۔علاوہ ازیں ایک ختم دن میں کرتے اور ایک افطار کے وقت اور ارشاد فرماتے کہ **عند كل ختمة دعوة مستجابة**، ہر ختم کے وقت ایک مقبول دعا ہے۔،،[3]

(۳) قرآن کریم ختم کرنے پر صدق اللہ الخ کہنا:

علماء کرام نے آداب قرآن میں یہ بات بھی ارشاد فرمائی ہے کہ ختم قرآن یا اختتام تلاوت پر تلاوت کرنے والے کو چاہیئے **وليقل عند فراغه من القراءة صدق الله تعالى وبلغ رسول الله صلى الله عليه وسلم اللهم انفعنا به وبارك لنا فيه الحمد لله رب العالمين وأستغفر الله الحي القيوم** کہ اس بات کی تصدیق کرے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا حق فرمایا اور اس کے رسول ﷺ نے ہم تک پہنچا دیا اور ہم اس پر گواہ ہیں۔[4]

---

[1] ((۱) المعجم الکبیر ج ۶ ص ۲۵۴، رقم الحدیث ۶۱۴۲ (۲) مجمع الزوائد رقم الحدیث ۱۶۹ (۳) الدرۃ المکنونۃ ص ۴۴)

[2] (جمع الفوائد)

[3] (۱) شعب الایمان للبیہقی ج ۲ ص ۴۵۴ ۲۲ (۲) النشر للجزری ج ۲ ص ۴۵۵ (۳) ھدی الساری مقدمۃ فتح الباری ص ۶۶۷

[4] ([۱] احیاء علوم الدین ج ۱ ص ۲۷۸ [۲] التذکار للقرطبی ص ۱۷۵)

یوں کہے: صدق اللہ العظیم و بلغ رسولہ الکریم وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ۔[1]

علاوہ ازیں عام طور پر ہمارے قراء عظام اختتامِ تلاوت پر جو کلمات پڑھتے ہیں ان سب سے اس ادب کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

(۴) ختم قرآن کے موقع پر درود بھیجنا:

علماء کرام نے لکھا ہے کہ ختم قرآن کے بعد نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ پر درود بھیجنے کا اہم موقع ہے۔ علامہ ابن القیم نے ختم قرآن کے وقت کی دعا کی قبولیت کے متعلق تقریباً وہ تمام احادیث نقل کی ہیں جنہیں ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں اور پھر کہا ہے:

وَإِذَا كَانَ هَذَا من أكد مَوَاطِن الدُّعَاء وأحقها بالإجابة فَهُوَ من أكد مَوَاطِن الصَّلَاة على النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم۔

اور جب یہ مقام دعا کے اہم ترین مقامات سے ہے اور قبولیت کے لحاظ سے زیادہ حقدار موقع ہے تو نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کا بھی یہ اہم ترین موقع ہے۔[2]

امام سخاوی، امام ابن حجر مکی اور امام نبہانی رحمۃ اللہ علیہم نے بھی اس طرح لکھا ہے۔[3]

اس سلسلے میں ایک حدیث بھی موجود ہے، حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَحَمِدَ الرَّبَّ، وَصَلَّى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ فَقَدْ طَلَبَ الْخَيْرَ مَكَانَهُ"

ترجمہ: جس نے قرآن کی تلاوت اور اللہ تعالی کی حمد اور آپ ﷺ پر درود شریف بھیجا اور اپنے رب سے استغفار طلب کیا پس تحقیق کے ساتھ اسنے خیر طلب کیا اس جگہ۔[4]

اس حدیث کی سند میں کلام ہے لیکن اس کی تائید حسب ذیل حدیث سے ہو جاتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كل دُعَاء مَحْجُوب حَتَّى يصلى على النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم۔[5]

بعض احادیث میں ہے کہ دعا آسمان پر جانے سے رکی رہتی ہے یہاں تک کہ سیدنا محمد ﷺ اور آل محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہم پر درود بھیجا جائے۔[6]

حافظ الہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔[7]

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

إِنَّ الدُّعَاءَ مَوْقُوفٌ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ، حَتَّى تُصَلِّيَ عَلَى نَبِيِّكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

---

[1] (النشر للجزری ج ۲ ص ۴۶۲)

[2] (جلاء الافہام ص ۲۳۲)

[3] ([۱] القول البدیع ص ۴۵۰ [۲] الدر المنضود ص ۱۸۶ [۳] سعادت الدارین ص ۱۹۷)

[4] [(۱) شعب الایمان ج ۲ ص ۳۷۳ (۲) الاتقان ج ۱ ص ۳۶۳ (۳) النشر للجزری ج ۲ ص ۴۶۱]

[5] [(۱) فردوس الاخبار ج ۳ رقم الحدیث ۴۷۹۱ (۲) صحیح الجامع للالبانی رقم الحدیث ۴۵۲۳ (۳) الصحیحہ ۲۰۳۵]

[6] [(۱) شعب الایمان ج ۲ رقم الحدیث ۱۵۷۵ (۲) المعجم الاوسط رقم الحدیث ۷۲۵ (۳) الشفاء ج ۲ ص ۶۳۴ (۴) جلاء الافہام مفصلا ص ۱۶ (۵) القول البدیع ص ۴۲۱، ۴۱۹ (۶) حصن حصین اردو ص ۳۳۶]

[7] (مجمع الزوائد ج ۱۰، رقم الحدیث ۱۷۲۷۸)

ترجمہ: دعا آسمان اور زمین کے درمیان رکی رہتی ہے اس میں سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی یہاں تک کہ تم اپنے نبی ﷺ پر درود پڑھو۔[1]

اکثر حضرات نے کہا ہے کہ یہ حدیث موقوف ہے، اس پر مشہور غیر مقلد کہلانے والے مصنف قاضی شوکانی لکھتے ہیں۔

''اس قسم کی بات حکماً مرفوع ہوتی ہے چونکہ ایسی بات اپنے طور پر نہیں کہی جاسکتی۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے۔

مَا أخرجه أَحْمد وَأَبُو دَاوُد وَالنَّسَائِيّ وَالتِّرْمِذِيّ وَقَالَ حسن وَابْن خُزَيْمَة وَابْن حبَان وصححاه من حَدِيث فضَالة بن عبيد قَالَ بَيْنَمَا رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قَاعد فِي الْمَسْجِد إِذْ دخل عَلَيْهِ رجل فصلى فَقَالَ اللَّهُمَّ اغْفِر لي وارحمني فَقَالَ رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم عجلت أَيهَا الرجل إِذا صليت فَقَعَدت فاحمد الله بِمَا هُوَ أَهله وصل عَليّ ثمَّ ادْعُهُ قَالَ ثمَّ صلى رجل آخر بعد ذَلِك فَحَمدَ الله وَصلى على النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فَقَالَ لَهُ النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم ادْع تجب۔

ترجمہ: جس کو امام احمد، ابو داود، نسائی اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے، اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا۔ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص داخل ہوا، اس نے نماز پڑھی پھر وہ دعا مانگنے لگا: ''اللھم اغفر لی وارحمنی'' (اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اے شخص تم نے جلدی کی! جب تم نماز پڑھو پھر بیٹھو تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرو جیسا کہ اس کی شان کے مناسب ہے اور مجھ پر درود بھیجو پھر دعا مانگو۔ حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کے بعد ایک اور شخص نے نماز پڑھی پھر اللہ تعالیٰ حمد کی اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ادع تجب'' (دعا مانگو قبول کی جائیگی)۔[2]

امام سخاوی اور غیر مقلد مصنف عبد الرحمان مبارک پوری نے بھی اس طرح لکھا ہے۔[3]

اس جگہ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے خوب لکھا ہے۔ آپ ختم قرآن کے بعد دعا کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ویقرن ذلک بالصلاۃ والسلام علی رسول اللہ ﷺ اولاً واخرا اذا کان الوقوف علی القرآن والوصول الیہ من قبلہ۔[4]

اور اس دعا کے ساتھ اول اور آخر میں رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام بھیجے، اس لیے کہ اس کا قرآن پر آگاہ ہونا اور قرآن تک رسائی حاصل کرنا حضور ﷺ کے طفیل ہے۔

سبحان اللہ اعتراف نعمت کا کتنا حسین انداز ہے، بیشک انسان کو دنیا و آخرت کی ہر خیر حضور ﷺ کے طفیل ملی۔

لاورب العرش جس کو جو ملا ان سے ملا		بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ ﷺ کی

(۵) ختم قرآن کے وقت چند جامع دعائیں:

ختم قرآن کے وقت ہر جائز دعا قبول ہوتی ہے، لہٰذا انسان کے جی میں جو آرزو ہو اسے طلب کرے اور جس زبان میں چاہے مانگے، کیونکہ وہ جس سے مانگتا ہے اسے ہر ایک کی کہی ان کہی سب سمجھ آتی ہے۔ اگرچہ اللہ جل جلالہ ان کہی بھی سمجھتا ہے مگر اسے سوالی (مانگنے والے) بندے زیادہ

---

[1] (۱) سنن الترمذی رقم الحدیث ۴۸۶ (۲) الشفاء ج ۲ ص ۶۳۴ (۳) جلاء الافہام ص ۲۱۷، ۲۱۹، ۲۳۶ (۴) الانوار الآثار للاقلیشی ص ۲۱۸ (۵) القول البدیع ص ۴۱۹ (۶) حصن حصین اردو ص ۳۳۷ باختلاف الفاظ)

[2] (تحفۃ الذاکرین ص ۵۸)

[3] (۱) القول البدیع ص ۴۲۰ (۲) تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۶۲۳

[4] (التذکار للقرطبی)

پسند ہیں بلکہ جو اس سے سوال نہیں کرتے ان کے بارے میں حدیث پاک میں آیا ہے: انه من لم یسال الله یغضب علیه۔ (جو شخص اللہ تعالیٰ سے دعا نہ کرے اللہ تعالیٰ اس پر غضب ناک ہوتا ہے)[1]

پھر افضل اور اولیٰ یہ ہے کہ اس کے محبوب ﷺ کی زباں میں دعا کی جائے، اور صرف اسی زبان میں ہی نہیں بلکہ انہیں کے الفاظ میں ،کیونکہ جو جامعیت محبوب کریم ﷺ کے الفاظ میں ہے وہ دیگر الفاظ میں کہاں؟ لہذا اس فضیلت کے پیش نظر یہاں چند جامع دعائیں درج کی جارہی ہیں۔

اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا سَأَلَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَكَ مِنْهُ نَبِيُّكَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنْتَ الْمُسْتَعَانُ، وَعَلَيْكَ الْبَلَاغُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ"

ترجمہ: اے اللہ ہم آپ سے اس خیر کا سوال کرتے ہیں جس کا آپ سے آپ کے نبی سیدنا محمد ﷺ نے سوال کیا تھا اور اس شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں جس شر سے تیرے نبی ﷺ نے تیری پناہ مانگی اور آپ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے اور آپ عطا فرماتے ہیں اور اللہ کے سوا کوئی طاقت نہیں۔[2]

اللَّهُمَّ انْفَعْنِي بِمَا عَلَّمْتَنِي، وَعَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي، وَزِدْنِي عِلْمًا، الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ، وَأَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ حَالِ أَهْلِ النَّارِ۔

ترجمہ: اے اللہ! مجھے اس علم سے نفع دے جو تو نے مجھے سکھایا اور مجھے وہ علم سکھا دے جو مجھ کو نفع دے اور مجھ کو اور زیادہ علم عطا فرما، تمام تعریف اللہ تعالیٰ کیلئے ہے ہر حال میں اور میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتا ہوں دوزخیوں کے حال سے۔[3]

اللَّهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ، وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ، أَحْيِنِي مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِي، وَتَوَفَّنِي إِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِي، اللَّهُمَّ وَأَسْأَلُكَ خَشْيَتَكَ فِي الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، وَأَسْأَلُكَ كَلِمَةَ الْحَقِّ فِي الرِّضَا وَالْغَضَبِ، وَأَسْأَلُكَ الْقَصْدَ فِي الْفَقْرِ وَالْغِنَى، وَأَسْأَلُكَ نَعِيمًا لَا يَنْفَدُ، وَأَسْأَلُكَ قُرَّةَ عَيْنٍ لَا تَنْقَطِعُ، وَأَسْأَلُكَ الرِّضَاءَ بَعْدَ الْقَضَاءِ، وَأَسْأَلُكَ بَرْدَ الْعَيْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَأَسْأَلُكَ لَذَّةَ النَّظَرِ إِلَى وَجْهِكَ، وَالشَّوْقَ إِلَى لِقَائِكَ فِي غَيْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّةٍ، وَلَا فِتْنَةٍ مُضِلَّةٍ، اللَّهُمَّ زَيِّنَّا بِزِينَةِ الْإِيمَانِ، وَاجْعَلْنَا هُدَاةً مُهْتَدِينَ۔

ترجمہ: اے اللہ! اپنے علم غیب اور مخلوق پر اپنی قدرت کے وسیلہ سے مجھ کو زندہ رکھنا اس وقت تک جب تک تو میری زندگی میرے لیے بہتر جانے اور مجھ کو اٹھا لینا اس وقت جب تو میرے لئے مرنا بہتر جانے۔ اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں تیرا خوف باطن میں اور ظاہر میں اور کلمۂ حق کہنے کا سوال کرتا ہوں خوشی میں اور غصہ میں، اور تجھ سے میانہ روی کا طالب ہوں تنگ دستی میں اور دولتمندی میں ،اور تجھ سے وہ نعمت مانگتا ہوں جو ختم نہ ہو اور تجھ سے آنکھ کی وہ ٹھنڈک مانگتا ہوں جو زائل نہ ہو اور تجھ سے تیرے فیصلے پر راضی ہونے اور مرنے کے بعد اچھی زندگی کا سوال کرتا ہوں اور تجھ سے تیری ذات کے دیدار کی لذت اور تیری ملاقات کے شوق کا طلبگار ہوں، اور پناہ مانگتا ہوں ایسی حالت سے جو نقصان دہ ہو اور گمراہ کرنے والے فتنہ سے۔ اے اللہ ہم کو مزین فرما ایمان کی زینت سے، اور ہم کو بنا دے ایسی ہدایت کرنیوالا جو خود بھی ہدایت یافتہ ہو۔[4]

اللهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ إِيمَانًا لَا يَرْتَدُّ، وَنَعِيمًا لَا يَنْفَدُ، وَمُرَافَقَةَ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَعْلَى جَنَّةِ الْخُلْدِ.

---

[1] (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۳۸۲۷ (۲) سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۳۷۳

[2] (سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۵۲۱ (۲) الادب المفرد رقم الحدیث ۶۷۹)

[3] (سنن ترمذی رقم الحدیث ۳۵۹۹ (۲) سنن ابن ماجہ رقم الحدیث ۲۵۱، ۳۸۳۳)

[4] (سنن نسائی رقم الحدیث ۱۳۰۴، ۱۳۰۵ (۲) المستدرک للحاکم رقم الحدیث ۱۹۶۶)

ترجمہ: اے اللہ! میں آپ سے ایسے ایمان کا سوال کرتا ہوں جو رد نہ ہو اور ایسی نعمت کا سوال کرتا ہوں جو ختم نہ ہو اور آپ کے نبی سیدنا محمد ﷺ کی رفاقت چاہتا ہوں جنت کے اعلیٰ درجوں میں ہمیشگی والی جنت کا۔[1]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ تلاوت قرآن کے بعد یہی دعا مانگ رہے تھے، نبی کریم ﷺ نے سنی تو فرمایا: اے ام عبد کے بیٹے! مانگو تمہیں عطا کیا جائے گا۔ سبحان اللہ، بہت جامع دعا ہے: "اللَّهُمَّ رَبَّ النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ، اغْفِرْ لِي ذَنْبِي، وَأَذْهِبْ غَيْظَ قَلْبِي، وَأَجِرْنِي مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ مَا أَحْيَيْتَنَا"

ترجمہ: اے اللہ! نبی مکرم سیدنا محمد ﷺ کے رب! میرے گناہ بخش دے اور میرے دل کا غصہ دور فرما اور مجھے گمراہ کرنے والے فتنوں سے اس وقت تک محفوظ فرما جب تک تو مجھے زندہ رکھے۔[2]

عَنِ الْحَارِثِ الْأَعْوَرِ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، فَقَالَ: أَلَا أُعَلِّمُكَ دُعَاءً عَلَّمَنِيهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قُلْتُ: بَلَى قَالَ: قُلْ: اللَّهُمَّ افْتَحْ مَسَامِعَ قَلْبِي لِذِكْرِكَ، وَارْزُقْنِي طَاعَتَكَ وَطَاعَةَ رَسُولِكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعَمَلًا بِكِتَابِكَ۔

ترجمہ اے اللہ! تو اپنے ذکر کیلئے میرے دل کی سماعت کے مقام کھول دے اور مجھے اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت نصیب فرما اور اپنی کتاب پر عمل کی سعادت عطا فرما۔[3]

ایک دعا اسم قرآن "الذکر" اور "التذکرۃ" کے باب میں "حفظ قرآن کے لئے آسان دعائیں" کے عنوان کے تحت سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ذکر ہو چکی ہے، جو نہایت جامع ہے اور نبی کریم ﷺ نے اسے کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اس دعا کو یاد کر لے۔

(۶) دعا کے اختتام پر "سبحان ربک رب العزۃ الخ" پڑھنے کی فضیلت:

مذکورہ بالا سطور میں دعا کے اول اور آخر میں نبی کریم ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کا تفصیلی ذکر ہوا، اس کے ساتھ ساتھ یہاں نبی کریم رؤف الرحیم ﷺ کے حسب ذیل ارشاد پر عمل کیا جائے تو بیش بہا اجر وثواب حاصل ہوگا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم مجھ پر سلام بھیجو تو تمام رسولوں پر سلام بھیجو کیونکہ میں بھی تمام رسولوں میں ایک رسول ہوں۔[4]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

صلوا علی انبیاء اللہ و رسلہ، فان اللہ بعثھم کما بعثنی، صلوات اللہ و سلامہ علیھم۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور رسل پر درود بھیجو بیشک اللہ نے انہیں اسی طرح مبعوث فرمایا جیسا کہ مجھے مبعوث فرمایا ہے۔[5]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم مجھ پر درود بھیجا کرو تو انبیاء کرام (صلوات اللہ

---

[1] المستدرک للحاکم رقم الحدیث ۱۹۷۱، ۱۹۶۴ (۲) مسند امام احمد رقم الحدیث ۳۶۶۲، ۳۷۹۷، ۴۱۶۵ (۳) مسند ابی یعلیٰ رقم الحدیث ۱۶، ۱۷

[2] [مسند احمد طبع قدیم ج ۶ ص ۳۰۲ وطبع جدید رقم الحدیث ۲۷۱۱ (۲) اعتلال القلوب فی اخبار العشاق والمحبین للخرائطی ص ۵۵، ۵۶ (۳) مجمع الزوائد ج ۷ رقم الحدیث ۱۰۸۸۸، ۱۷۳۸۱ (۴) الدر المنثور ج ۲ ص ۱۵۴]

[3] (۱) المعجم الاوسط رقم الحدیث ۱۳۰۸ (۲) مجمع الزوائد ج ۱۰ رقم الحدیث ۱۷۴۲۱

[4] [(۱) الجامع لاحکام القرآن ج ۱۵ ص ۱۲۶ (۲) الجواھر الحسان ج ۵ ص ۵۳ (۳) القول البدیع ص ۱۳۲]

[5] [(۱) جلاء الافھام ص ۳۵، ۵۴۴ (۲) القول البدیع ص ۱۳۳]

و سلامہ علیھم) پر بھی درود بھیجا کرو، بیشک اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اسی طرح مبعوث فرمایا ہے جس طرح مجھے مبعوث فرمایا ہے۔[1]

امام ابن المدینی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ بعض اسلاف کرام کو خواب میں حضرت آدم علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی تو آپ نے شکایت فرمائی کہ آپ کی اولاد آپ علیہ السلام پر بہت کم درود بھیجتی ہے ﷺ وعلی جمیع الانبیاء و المرسلین۔[2]

ان ارشادات پر عمل کرنے کی بہترین اور آسان صورت یہ ہے کہ انسان اپنی مجلس کے اختتام اور دعا کے آخر میں سورۃ الصافات کی آخری تین آیات پڑھ لیا کرے۔ یہ نبی کریم ﷺ کی عملی اور قولی سنت ہے۔ ابو ہارون بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا:

هَلْ حَفِظْتَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - شَيْئًا كَانَ يَقُولُهُ بَعْدَ مَا سَلَّمَ؟ قَالَ :نَعَمْ كَانَ يَقُولُ :سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ (١٨٠) وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ (١٨١) وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (١٨٢)[3]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ قیامت کے دن اس کے اعمال کا وزن بہت بڑے میزان میں کیا جائے تو اسے چاہیئے کہ وہ اپنی گفتگو کے آخر میں یہی تین آیتیں پڑھا کرے :سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ (١٨٠) وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ (١٨١) وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (١٨٢ الصافات)[4]

پاکستان میں کراچی وغیرہ شہروں میں دعا کے آخر میں آیت درود إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الاحزاب ٥٦) ‘‘ پڑھتے ہیں پھر درود پڑھتے ہیں اور آخر میں مذکورہ بالا تین آیات پڑھتے ہیں۔ یہ بہترین امتزاج ہے کیونکہ اس عمل سے درج ذیل تمام فوائد حاصل ہوتے ہیں:

(۱) آیت درود پڑھنے کی بدولت دعا مانگنے والے کے ساتھ ساتھ آمین کہنے والوں کو بھی دعا کے اختتام پر درود وسلام عرض کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور گزشتہ سطور میں یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ آمین کہنے والے لوگ بھی درحقیقت دعا کرنیوالے ہیں۔ اندازہ کیجئے! جس دعا کے آخر میں سب لوگ اللہ جل جلالہ کے حبیب ﷺ پر درود وسلام بھیج رہے ہوں کیا وہ دعا رد ہو سکتی ہے؟

(۲) سورۃ الصافات کی آخری تین آیات پڑھنے سے از خود تمام انبیاء کرام اور رسل عظام صلوات اللہ علیہم وسلامہ علیہم کی بارگاہ میں درود وسلام بھیجنے کی سعادت نصیب ہوتی ہے اور تمام انبیاء کرام کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔

(۳) حضرت آدم علیہ السلام کو جو اپنی اولاد سے قلت درود کی شکایت ہے اس عمل سے وہ شکایت ختم ہو جاتی ہے۔

(۴) دعا کے آخر میں ایک مرتبہ پھر اللہ جل جلالہ کی تسبیح، توصیف اور حمد ہو جاتی ہے۔

(۵) سب سے اہم بات یہ ہے کہ پیارے آقا ﷺ کے حکم پر عمل ہو جاتا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے ساتھ تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر درود بھیجا کرو۔ اس تفصیل سے واضح ہوا کہ کراچی کی مساجد میں یہ معمول محض رسم ورواج نہیں بلکہ متعدد احادیث مبارکہ پر عمل کرنے کی بہترین

---

[1] [(۱) جلاء الافہام ص ۵۴۵ (۲) القول البدیع ص ۱۳۴]

[2] [(۱) جلاء الافہام ص ۵۴۵ (۲) القول البدیع ص ۱۳۴]

[3] [(۱) مسند ابی یعلی الموصلی رقم الحدیث ۱۱۱۳ (۲) المقصد العلی فی زوائد مسند ابی یعلی الموصلی رقم الحدیث ۲۹۹ (۳) مجمع الزوائد ج ۲ رقم الحدیث ۲۸۹۱ قال الہیثمی رواہ ابو یعلی ورجالہ ثقات (۴) کتاب الدعاء للطبرانی ص ۲۰۷]

[4] [(۱) تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۲۳۴ (۲) ایجاز البیان عن معانی القرآن ج ۲ ص ۱۵۵ (۳) النکت والعیون ج ۵ ص ۷۴ (۴) الکشاف ج ۴ ص ۷۱ (۵) الجامع لاحکام القرآن ج ۱۵ ص ۱۲۵ (۶) الکافی الشاف ص ۲۴۰ (۷) اللباب فی علوم الکتاب ج ۱۶ ص ۳۶۱]

صورت ہے۔لہذا تمام اہل اسلام کو چاہیئے کہ وہ اس طریقہ کو اپنائیں، تا کہ ان کی دعائیں بھی مرتبۂ قبولیت سے ہمکنار ہوں۔[1]

یہ طریقہ ہمارے آباؤ اجداد کا بھی ہے اور قرآن حکیم میں مؤمن مسلمان آباو اجداد کی مخالفت کرنے والوں کے لئے وعید شدیدہ آئی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْم بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَسَآءَتْ مَصِيْراً۔[2]

تفسیر کبیر میں ہے :تقریر الاستدلال، ان اتباع غیر سبیل المؤمنین حرام۔فوجب ان یکون اتباع سبیل المؤمنین واجباً۔[3]

نیز ارشاد ہے :اَلَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّ لَعِبًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ج فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا۔۔۔الخ۔[4]

فقط برے خلیفہ کے بارے میں ہے :فخلف من بعدھم خلف[5]۔ خَلف بسکون اللام اکثر برے خلیفہ کے لئے استعمال ہوتا ہے جو اپنے بڑوں کے طرز کے خلاف برائیوں میں مبتلا ہو۔[6]

ان لوگوں پر یہ حدیث مبارک بھی دال ہے:عن ابی ھریرۃ یقول قال رسول اللہ ﷺ یکون فی آخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بمالم تسمعوا انتم ولا اباؤکم فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم۔

یعنی ''اخیر زمانہ میں جھوٹے اور دجال قسم کے لوگ پیدا ہوں گے جو ایسی احادیث بیان کرینگے اور ایسی ایسی باتیں کریں گے جن کو نہ آپ نے اور نہ آپ کے آباؤ اجداد نے سنا ہوگا۔خبردار ان سے بچے رہنا، کہ یہ تم لوگوں کو گمراہ نہ کر دیں اور فتنوں میں نہ ڈال دیں۔''[7]

جو کوئی اپنے مؤمن آباء واجداد کی اتباع کرتے ہیں اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی ان کے درجات بلند کرتا ہے۔جیسا کہ ارشاد ہے:

یوسف علیہ السلام نے فرمایا)إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ (٣٧) وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ۔(پ ۱۲،سورہ یوسف آیت ۳۷،۳۸) کانہ قال :انما فزتُ بما فزتُ بسبب انی لم أتبع ملۃ قوم کفروا بالمبدأ والمعاد واتبعت ملۃ آبائی الکرام المؤمنین بذلک۔[8]

مؤمن آباو اجداد کا وہ طریقہ جس کی ممانعت قرآن پاک اور احادیث میں نہ ہو، اس کو غلط کہنا اور اس کا مذاق اڑانا یہود ونصاریٰ اور مشرکین عرب کا طریقہ ہے، نہ کہ مسلمانوں کا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے :

''وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّ لَهْوًا وَّ غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا۔۔الخ''[9]

رئیس المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

---

[1] (انوار العرفان ص ۹۱۲)

[2] (پارہ ۵،سورہ النساء،آیت ۱۱۵)

[3] (جلد ۱۲،صفحہ ۴۳)

[4] (پ ۸ آیت ۵۱،سورۃ الاعراف)

[5] (اعراف آیت ۱۶۹ومریم آیت ۵۹)

[6] (معارف ج ۴ ص ۱۰۳)

[7] (مسلم،مشکوۃ شریف ص ۲۸،باب الاعتصام)

[8] (روح المعانی ج ۴،پ ۱۲،ص ۲۴۲)

[9] (پ ۷،سورہ انعام،آیت ۷۰)

"یعنی الیھود و النصاریٰ و مشرکی العرب اتخذوا دین آبائھم المؤمنین (لعباً) ضحکۃ (و لھواً) استھزاءً"[1]

کافر، مشرک، اور جاہل آباء واجداد کی اتباع ان کے کفر وشرک وغیرہ میں ممنوع اور حرام ہے اور مؤمنوں کی اتباع جائز اور لازم۔

قرآن حکیم میں ہے۔ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ کَانَ اٰبَآؤُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَھْتَدُوْنَ۔[2]

اور سورہ مائدہ آیت ۱۰۴ میں ہے : لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَھْتَدُوْنَ۔ مسلک دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں : "اس میں دلالت ہے اس پر کہ جس شخص کے والد کا باعقل و بااھتداء ہونا اجمالاً بھی ثابت ہو جاوے اس کی اتباع مطلقاً جائز ہے۔ اور یہ اصل ہے بلاتردد مشائخ کی اتباع کرنے کا اھ۔[3]

سنن الٰہیہ میں سے یہ بھی ہے کہ مؤمن و مسلمان آباواجداد کی مخالفت کرنے والوں پر عذاب اِخروی سے قبل عذاب دنیوی بھی نازل فرماتا ہے۔

قرآن کریم میں ہے : "اِنَّا بَلَوْنٰھُمْ کَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّۃِ" تا اخیر رکوع۔[4]

اپنے آباؤ اجداد اور علمائے امت پر طعن وتنقید کرنے والے حلال نہیں۔ کما ذکرہ علامہ ابن عابدین شامی من طعن فی علماء الامّۃ لا یلو من الا أمّہ۔[5]

فالحاصل أن الدعاء بعد ختم القرآن و کذا بعد السنن و النوافل و بعد صلاۃ الجنازۃ بھیئۃ الاجتماعیۃ مستحب و الفاعل ماجور عند اللہ تعالیٰ و المانع محروم عن اللہ من الاجر العظیم۔ واللہ و رسولہ اعلم بالصواب۔

نتیجہ: ختم قرآن کے بعد اسی طرح سنن اور نوافل کے بعد اور نماز جنازہ کے بعد اجتماعی دعا کرنا مستحب ہے اور اس کام کا کرنے والا اللہ تعالیٰ کے ہاں صاحب اجر ہے اور اللہ تعالیٰ کے اجر عظیم سے منع کرنے والا محروم ہے۔

(۷) اجتماعی طور پر تلاوت سننا:

کثرت دلائل سے یہ بات معلوم ہے کہ قرآن پڑھنے سے قرآن سننے کا ثواب زیادہ ہے : کقولہ تعالیٰ: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الاعراف ۲۰۴) جب قرآن پڑھا جائے تو تم لوگ سنو اور خاموش رہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر رحم کیا جائے گا۔ المستمع یؤدی فرضین ھما الاستماع و الانصات روح البیان، ص ۴۹۹، ج ۴، خزینۃ الاسرار، ص ۵۷، اقول و القاری یؤدی النفل۔ سننے والا دو فرض ادا کرتا ہے۔ یعنی ایک سننا اور دوسرا چپ رہنا۔ میں کہتا ہوں کہ قاری (پڑھنے والا) نفل ادا کرتا ہے۔ و لھذا قال استماعہ اثوب من تلاوتہ۔[6]

اس وجہ سے علماء نے فرمایا کہ قرآن کے سننے میں اس کے پڑھنے سے زیادہ ثواب ہے :

عن ابن عباس رضی اللہ عنھما عن النبی ﷺ انہ قال الداعی و المؤمن فی الاجر شریکان و القاری و المستمع فی الاجر

---

[1] (تفسیر ابن عباس ص ۸۹)

[2] (پارہ ۲، بقرہ، آیت ۱۷۰)

[3] (بیان القرآن، ج ۱ ص ۹۵، پ ۲، مسائل السلوک، میر کتب خانہ، کراچی) (روح المعانی ج ۲ ص ۱۴۱ امدادیہ ملتان)

[4] (پارہ ۲۹، سورہ قلم، آیت ۱۷ تا ۳۳)

[5] (تکملہ حاشیہ ابن عابدین ج ۱ ص ۱۱۱، مطبوعہ بیروت، ہدایۃ الابرار ص ۱۲۴، جامع الرموز ج ۲ کتاب الشہادۃ)

[6] (روح البیان، ص ۴۹۹، ج ۴، خزینۃ الاسرار، ص ۵۷)

شریکان والعالم والمتعلم فی الاجر شریکان کذافی الجامع الصغیر۔اھ۔[1]

عبداللہ بن عباس حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ دعا کرنے والا اور آمین کہنے والا اجر میں شریک ہیں۔اسی طرح قرآن پڑھنے والا اور قرآن سننے والا اور اسی طرح عالم (مدرس) اور طالب علم اجر میں شریک ہیں :وذالک لان اللہ تعالی امر باستماع القرآن والانصات عند قرأۃ القرآن مطلقا سواء کان فی صلوٰۃ او غیرھا۔[2] یہ اجر میں شریک ہونا اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ قرآن پڑھنے کے وقت خاموش ہو کر سنا کرو اور یہ مطلق ہے چاہے تلاوت نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔ومن السنۃ ان یستمع القرآن احیانا من الغیر وکان رسول اللہ ﷺ یستمع قرأۃ ابی ابن کعب وابن مسعود رضی اللہ عنھما۔[3] کبھی کبھی دوسرے سے بھی قرآن سننا سنت ہے۔حضور ﷺ خود ابی بن کعب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے قرآن سنتے تھے :عن ابن مسعود قال قال لی رسول اللہ ﷺ وھو علی المنبر اقرأ علیّ قلت اقرأ علیک وعلیک انزل قال انی احب ان اسمعہ من غیری فقرأت سورۃ النساء حتی اتیت الی ھذہ الأیۃ فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھولاء شھیدا۔قال حسبک الآن فالتفت الیہ فاذا عیناہ تذرفان۔[4]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے۔مجھ سے فرمایا کہ مجھ پر تلاوت کرو۔میں نے عرض کی کہ آپ پر قرآن نازل ہوا اور میں آپ پر تلاوت کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے دوسرے سے قرآن سننا محبوب ہے تو میں نے سورۃ النساء کی تلاوت شروع کی۔جب میں آیت فکیف اذا جئنا۔۔۔ الخ پر پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بس آگے نہ پڑھو۔جب میں نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔آیت کا ترجمہ یوں ہے ''پس کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائے اور آپ ﷺ کو ان سب پر گواہ لائے۔اس پر آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے : عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ جَلَسْتُ فِي عِصَابَةٍ مِنْ ضُعَفَاءِ الْمُهَاجِرِينَ وَإِنَّ بَعْضَهُمْ لِيَسْتَتِرُ بِبَعْضٍ مِنَ الْعُرْيِ وَقَارِئٌ يَقْرَأُ عَلَيْنَا إِذْ جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَقَامَ عَلَيْنَا، فَلَمَّا قَامَ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - سَكَتَ الْقَارِئُ، فَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ :"مَا كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ؟" قُلْنَا :كُنَّا نَسْتَمِعُ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ، فَقَالَ : "الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ أُمِرْتُ أَنْ أَصْبِرَ نَفْسِي مَعَهُمْ۔[5]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ضعفاء مہاجرین کی جماعت میں بیٹھا ہوا تھا اور ان میں سے بعض بعض سے بے حجابی (مستور نہ ہونے) کی وجہ سے چھپتے تھے۔اور قاری ہم پر قرآن پڑھ رہا تھا کہ آپ ﷺ تشریف لا کر ہمارے پاس کھڑے ہو گئے۔تو آپ ﷺ کے قیام کی وجہ سے قاری خاموش ہو گئے تو آپ ﷺ نے ہم پر سلام کر کے فرمایا کہ تم لوگ کیا کر رہے تھے؟ تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے فرمایا کہ ہم قاری کی تلاوت سن رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ بنائے کہ مجھے حکم ہوا کہ میں ان کے پاس بیٹھوں۔یعنی میں بھی قرآن شریف کی تلاوت سنوں :قال رسول اللہ ﷺ من استمع الی اٰیۃ من کتاب اللہ عزوجل کان لہ نورا یوم القیامۃ وفی الاٰخرۃ کتب لہ عشر حسنات۔[6] آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اللہ عزوجل کی کتاب

---

[1] (خزینۃ الاسرار، ص ۵۷)

[2] (تفسیرات احمدیہ، ص ۲۸۰)

[3] (روح البیان، ص ۱۱۳، ص ۴۹۹)

[4] (متفق علیہ مشکوٰۃ، ص ۱۸۲)

[5] (رواہ ابوداؤد مشکوٰۃ ص ۱۹۱)

[6] (احیاء العلوم، ص ۱۵۸، ج ۱)

کی ایک آیت سنی تو یہ قیامت کے دن اس کے لئے نور بنے گا اور آخرت میں دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ **وقد کان یامر من یقرأ القرآن فی المسجد ان یسمع قراءته۔**[1] حضور ﷺ حکم فرماتے تھے کہ جو شخص مسجد میں قرآن پڑھے تو اس کی قرأت سنی جائے۔ **وکان عمر رضی اللہ عنه یستمع قرأة ابی موسی الاشعری۔**[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی قرات سنتے تھے۔

وکان اصحاب رسول اللہ ﷺ اذا اجتمعوا امروا احدهم ان یقرأ سورة من القرآن۔[3]

اصحاب رسول اللہ ﷺ جب بھی جمع ہو جاتے تو ایک دوسرے کو قرآن کی کسی بھی سورت پڑھنے کا فرماتے۔ **وکان ابن عمر رضی اللہ عنهما یامر من یقرأ علیه وعلی اصحابه وهم یستمعون۔**[4]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حکم فرماتے اس شخص کو جو آپ رضی اللہ عنہما پر اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر قرآن پڑھتے اور لوگ سنتے تھے۔ **ثواب الاستماع ازید من ثواب التلاوة للقاری اجر وللمستمع اجران لانه یستمع وینصت ویستمع باذنیه والقاری یقرأ بلسان واحد والمستمع یؤدی الفرضان وهما الاستماع والانصات دون القاری ولهذا قالوا استماعه اثوب من تلاوته۔**[5]

قرآن سننے کا ثواب پڑھنے سے زیادہ ہے۔ پڑھنے والے کے لئے ایک اجر ہے اور سننے والے کے لئے دو۔ کیونکہ سننے والا سنتا بھی ہے اور خاموش بھی رہتا ہے۔ اسی طرح سننے والا دونوں کانوں سے سنتا ہے اور پڑھنے والا ایک زبان سے پڑھتا ہے۔ سننے والا دو فرض ادا کرتا ہے یعنی ایک سننا اور دوسرا چپ رہنا نہ کہ پڑھنے والا۔ اس لئے علماء کرام فرماتے ہیں کہ سننے کا ثواب پڑھنے کے ثواب سے زیادہ ہے۔ **استماع القرآن اثوب من تلاوته۔**[6]

قرآن کا سننا پڑھنے سے افضل ہے اور زیادہ ثواب ہے۔ **لانه اکثر عملا وابلغ فی التدبر ونفعه متعدیا بایقاظ قلوب الغافلین۔**[7]

از روئے عمل کے سننے میں زیادہ ثواب ہے اور تدبر میں بھی ابلغ ہے اور سننے کا نفع غافلوں کے دلوں کو بیدار کرتا ہے۔ **واستماع القرآن فی الصلوٰة فرض وفی خارجها مستحب عند الجمهور۔**[8]

جمہور علماء کے نزدیک نماز میں قرآن سننا فرض اور خارج میں مستحب ہے۔ **ولو قرأ واحد واستمع الباقون فهو اولی۔**[9]

اگر ایک پڑھے اور باقی سنیں تو یہ بہتر ہے۔ **اذا قرأ المؤذن واستمع الحاضرون کانوا کانهم قرءوا جمیعا۔**[10]

---

[1] (طحطاوی ص ۱۷۴)

[2] (روح البیان، ص ۱۱۳، ج ۳)

[3] (احیاء العلوم، ص ۱۵۸، روح البیان، ص ۵۰۰، ج ۴)

[4] (طحطاوی، ص ۱۷۴)

[5] (روح البیان، ص ۳۹۹، ج ۴، خزینۃ الاسرار، ص ۵۷)

[6] (روح البیان، ص ۱۶۷، ج ۴، ص ۴۷۹، ج ۲، الحموی ص ۳۰۹، کبیری ص ۴۲۷، طحطاوی ص ۱۷۴)

[7] (طحطاوی، ص ۱۷۴)

[8] (روح البیان، ص ۱۱۳، ج ۳)

[9] (روح البیان، ص ۴۱۲، ج ۴، الفتاویٰ العالمگیریہ ج ۵ ص ۳۱۷)

[10] (روح البیان، ص ۱۶۷، ج ۴)

اگر مؤذن قرآن پڑھے اور باقی سنیں تو گویا سب نے پڑھ لیا۔ فما یفعل البعض فی هذا الزمان من اخفاء آیة الکرسی فی بعض الجوامع والمجامع لیس علی ما ینبغی وذلک لان فی القوم من هو امی لا یحسن قرائة الایة المذکورة فالالیق ان یجهر المؤذن لینال المستمعون ثواب التلاوة بل ازید وهذا ظاهر علی ارباب الانصاف ولا یخرج عن هذا الحد الا اصحاب الاعتساف۔[1]

اس دور میں جو بعض لوگ اپنے اجتماعی مجالس میں آیۃ الکرسی کو سرا (آہستہ) پڑھتے ہیں تو اس طرح (آہستہ) نہیں پڑھنا چاہئے کیونکہ قوم میں امّی (ان پڑھ) لوگ بھی ہوتے ہیں جو آیۃ الکرسی کو صحیح نہیں پڑھ سکتے تو زیادہ بہتر یہی ہے کہ مؤذن جہر (بلند آواز) سے پڑھے تاکہ سننے والے کو بھی تلاوت کا ثواب ملے بلکہ زیادہ ثواب ملے اور یہ بات (فائدہ) اہل انصاف پر پوشیدہ نہیں اور اس حد سے صرف اہل تعصب وعناد ہی تجاوز کرتے ہیں۔ وینبغی ان یکون لذة العارف باستماع القرآن فوق جمیع المستلذات۔ چاہئے کہ عارف (جاننے والا) کا قرآن کے سننے کی لذت سب لذتوں سے بالاتر ہو۔[2]

وروي أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان ليلة ينتظر عائشة رضي الله عنها فأبطأت عليه فقال صلى الله عليه وسلم ما حبسك قالت يا رسول الله كنت أستمع قراءة رجل ما سمعت أحسن صوتاً منه فقام صلى الله عليه وسلم حتى استمع إليه طويلاً ثم رجع فقال صلى الله عليه وسلم هذا سالم مولى أبي حذيفة الحمد لله الذي جعل في أمتي مثله۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک رات نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے منتظر تھے انہیں کچھ دیر ہوگئی تو نبی کریم ﷺ نے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے روکا؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! میں ایک آدمی کی قرأت سن رہی تھی میں نے اس سے خوش آواز کسی کو نہیں سنا۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ کھڑے ہوئے یہاں تک کہ دیر تک سنتے رہے پھر واپس تشریف لائے تو فرمایا کہ یہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں ایسے لوگ پیدا کیے ہیں۔[3]

واستمع صلى الله عليه وسلم أيضاً ذات ليلة إلى عبد الله بن مسعود ومعه أبو بكر وعمر رضي الله عنهما فوقفوا طويلاً ثم قال صلى الله عليه وسلم من أراد أن يقرأ القرآن غضاً طرياً كما أنزل فليقرأه على قراءة ابن أم عبد وقال صلى الله عليه وسلم لابن مسعود اقرأ علي فقال يا رسول الله أقرأ عليك وعليك أنزل فقال صلى الله عليه وسلم إني أحب أن أسمعه من غيري فكان يقرأ وعينا رسول الله صلى الله عليه وسلم تفيضان۔

ایک رات رسول اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت سنی آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما بھی تھے یہ تینوں حضرات دیر تک کھڑے رہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص قرآن پاک کو آہستہ اور اچھی آواز سے اس طرح پڑھے جیسے نازل ہوا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت کے مطابق پڑھے۔[4]

رسول اکرم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''میرے سامنے پڑھو'' انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ

---

[1] (روح البیان، ص ۴۷۹، ج ۲، ص ۱۶۷، ج ۴، الحموی ص ۳۰۹، الکبیری ص ۴۲۷، الطحطاوی ص ۱۷۴)

[2] (قطب الارشاد ص ۳۵۲)

[3] (المستدرک للحاکم ج ۳ ص ۲۲۶ کتاب معرفۃ الصحابہ)

[4] (کنز العمال ج ۱۱ ص ۷۱۰ حدیث ۳۳۴۶۳)

کے سامنے پڑھوں حالانکہ یہ آپ ﷺ پر اترا ہے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا میں دوسروں سے سننا پسند کرتا ہوں چنانچہ وہ پڑھتے جاتے تھے اور سرکار دو عالم ﷺ کی مبارک آنکھوں سے آنسو بہتے جاتے تھے۔[1]

وَ اسْتَمَعَ صَلَّى اللَّهَ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى قِرَاءَةِ أَبِي موسى فَقَالَ لَقَدْ أُوتِيَ هَذَا مِنْ مزامير آل داود فبلغ ذلك أبا موسى فقال يا رسول الله لو علمت أنك تسمع لحبرته لك تحبيرا۔

نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی قرأت سن کر فرمایا انہیں آل داؤد علیہ السلام کے آلات (مزامیر) میں سے کچھ دیا گیا ہے، یہ بات حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ تک پہنچی تو انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ سن رہے ہیں تو میں مزید سنوار کر پڑھتا۔[2]

ورأى هيثم القارىء رسول الله صلى الله عليه وسلم في المنام قال فقال لي أنت الهيثم الذي تزين القرآن بصوتك قلت نعم قال جزاك الله خيراً۔

حضرت ہیثم قاری رحمۃ اللہ علیہ نے رسول اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ تم ہیثم ہو خوش الحانی سے قرآن پاک پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ (جزاک اللہ خیراً)

معلوم ہوا کہ کسی قاری سے قرآن پاک کی قرأت سن کر جزاک اللہ خیراً کہنا چاہیئے بلکہ سننے کے بغیر بھی اس کیلئے یہ دعائیہ کلمات کہے جائیں تو اچھا ہے۔

وفي الخبر كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إِذَا اجْتَمَعُوا أَمَرُوا أَحَدَهُمْ أَنْ يَقْرَأَ سُورَةً من القرآن۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب اکٹھے ہوتے تو کسی ایک کو قرآن پاک کی کوئی سورت پڑھنے کیلئے کہتے تھے۔ (اگر کوئی اجلاس ہو یا کسی مشورے کیلئے اکٹھے ہوں تو شروع میں تلاوت کرنی چاہیئے۔

وقد كان عمر يقول لأبي موسى رضي الله عنهما ذكرنا ربنا فيقرأ عنده حتى يكاد وقت الصلاة أن يتوسط فيقال يا أمير المؤمنين الصلاة الصلاة فيقول أولسنا في صلاة إشارة إلى قوله عز وجل ولذكر الله أكبر وقال صلى الله عليه وسلم من استمع إلى آية من كتاب الله عز وجل كانت له نوراً يوم القيامة وفي الخبر كتب له عشر حسنات ومهما عظم اجر الاستماع وكان التالي هو السبب فيه كان شريكاً في الأجر إلا أن يكون قصده الرياء والتصنع۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کرتے تھے ہمیں ہمارے رب کی یاد دلائیں تو وہ ان کے پاس قرآن پاک کی قرأت کرتے حتیٰ کہ نماز کا درمیانہ وقت قریب ہو جاتا کہا جاتا امیر المؤمنین، نماز کا وقت ہو گیا نماز کا وقت ہو گیا تو وہ فرماتے کیا ہم نماز میں نہیں ہیں؟ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ ولذکر اللہ اکبر۔ اور البتہ اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔[3]

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: من استمع الی آیۃ من کتاب اللہ عز وجل کانت لہ نوراً یوم القیامۃ۔

---

[1] (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۵ کتاب فضائل القرآن)

[2] (کنز العمال ج ۱۳ ص ۶۰۷ حدیث ۳۷۵۵۳)

[3] (سورہ عنکبوت آیت ۴۵)

ترجمہ: ''جوشخص اللہ تعالیٰ کی کتاب کی ایک آیت غور سے سنے وہ اس کیلئے قیامت کے دن نور ہوگی۔''[1]

ایک روایت ہے کہ اس کیلئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں جب یہ سننے کا ثواب ہے تو تلاوت کرنے والا جو اس سننے کا سبب ہے وہ ثواب میں شریک ہے البتہ اگر اس کا مقصد ریا کاری اور بناوٹ ہو (تو ثواب نہیں ملے گا۔)

(۸) قرآن عظیم الشان کو چومنا:

أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ :أَنَّ عِكْرِمَةَ بْنَ أَبِي جَهْلٍ كَانَ يَضَعُ الْمُصْحَفَ عَلَى وَجْهِهِ وَيَقُولُ :كِتَابُ رَبِّي كِتَابُ رَبِّي.

سیدنا عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ قرآن عظیم الشان کو اپنے چہرے پر رکھ کر کہا کرتے تھے کہ میرے رب کی کتاب، میرے رب کی کتاب۔[2]

والحدیث ذکر-الحاکم فی المستدرک علی الصحیحین-[3]

عكرمة بن أبي جهل عمرو بن هشام بن المغيرة بن عبد الله بن عمر بن مخزوم أبو عثمان القرشي المخزومي، كان من سادات الجاهلية

كأبيه، ثم أسلم عام الفتح بعد ما فر، ثم رجع إلى الحق. واستعمله الصديق على عمان حين ارتدوا فظفر بهم كما تقدم. ثم قدم الشام وكان أميرا على بعض الكراديس، ويقال :إنه لا يعرف له ذنب بعدما أسلم. وكان يقبل المصحف ويبكي ويقول :كلام ربي كلام ربي. واحتج به أحمد بن حنبل في تقبيل المصحف. (عكرمة) عمرو بن هشام بن المغيرة بن عبد الله بن عمرو بن مخزوم بن يقظة بن مرة ابن كعب بن لؤى. أسلم بعد الفتح وفر مغاضبا، ثم كر راضيا، وقدم على رسول الله - صلى الله عليه وسلم -، فأكرمه، وحسن إسلامه جدا، وكان يقبل المصحف ويقول كلام ربى۔

عکرمہ بن ابی جہل، عمرو بن ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن ابوعثمان القرشی المخزومی اپنے باپ کی طرح زمانہ جاہلیت میں ان کا شمار اہل سادات میں ہوا کرتا تھا۔ فتح مکہ کے سال میں اسلام قبول کیا بعد میں پھر فرار ہوئے پھر حق کی طرف رجوع کیا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انہیں عمان (ملک) پر عامل بنایا اس وقت جب وہ مرتد ہوئے تھے پس یہ ان پر کامیاب ہوئے جیسے یہ بات پہلے گزری ہے پھر ملک شام آئے اور بعض بڑے لشکروں پر یہ امیر رہے اور کہا گیا ہے کہ اسلام لانے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو کسی نے بھی گناہ سے نہ پہچانا اور آپ رضی اللہ عنہ کی ہمیشہ یہ عادت مبارکہ تھی کہ قرآن پاک کو چوم کر رویا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے ''میرے رب کا کلام، میرے رب کا کلام'' اور امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث پاک سے قرآن عظیم الشان کو چومنے کی دلیل دیا کرتے تھے۔[4]

الامام العالم العلامۃ البحر الفہامۃ، جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

تَقْبِيل الْمُصحف قيل بِدعَة لَكِن روى عَن عمر رضى الله عنه انه كَانَ يَأْخُذ الْمُصحف كل غَدَاة ويقبله وَيَقُول عهد رَبِّي

---

[1] (مسند امام احمد بن حنبل ج ۲ ص ۳۴۱ مرویات ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

[2] (سنن الدارمی ج 10/ص 229/ رقم/ 3413)

[3] اور حاکم نے مستدرک میں اس حدیث مبارکہ کا ذکر فرمایا ہے۔ (ج 11/ص 434/ رقم/ 5057).5-وابن کثیر فی البدایۃ والنہایۃ-(ج 7/ص 41)

[4] (جامع المسانید والسنن باب عکرمۃ بن ابی جہل ج ۶ ص ۲۷۳) (العبارۃ غیر واضحۃ بالمخطوطۃ، ویوضحہ الخبر الذی أخرجہ الحاکم والطبرانی : کان یأخذ المصحف ویضعہ علی وجھہ، ویبکی ویقول :کلام ربی کتاب ربی. مستدرک الحاکم 3 :/243؛ والمعجم الکبیر للطبرانی 17 :/.371)

ومنشور رَبّي عز وَجل وَكَانَ عُثْمَان يقبل الْمُصحف ويمسه على وَجهه۔ احتج بهذا الامام أحمد على جواز تقبيل المصحف ومشروعيته.

ترجمہ: قرآن مجید کا چومنا کہا گیا ہے کہ بدعت ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تحقیق کے ساتھ ہر روز صبح قرآن کو لیتے اور اسے چومتے اور کہتے تھے میرے رب کا عہد اور میرے رب کا منشور اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ قرآن کو چومتے اور اسے اپنے چہرے سے مس کرتے تھے۔ قرآن عظیم الشان کو چومنے کی مشروعیت کے جواز پر اسی حدیث کے ساتھ امام احمد رحمہ اللہ دلیل پکڑتے ہیں۔ [1]

الامام العالم العلامۃ البحر الفہامۃ، جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

يُسْتَحَبُّ تَقْبِيلُ الْمُصْحَفِ لِأَنَّ عِكْرِمَةَ بْنَ أَبِي جَهْلٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَفْعَلُهُ وَبِالْقِيَاسِ عَلَى تَقْبِيلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ، ذَكَرَهُ بَعْضُهُمْ، وَلِأَنَّهُ هَدِيَّةٌ مِنَ اللَّهِ تَعَالَى فَشَرَعَ تَقْبِيلَهُ كَمَا يُسْتَحَبُّ تَقْبِيلُ الْوَلَدِ الصَّغِيرِ۔وَعَنْ أَحْمَدَ ثَلَاثُ رِوَايَاتٍ :الْجَوَازُ وَالِاسْتِحْبَابُ، وَالتَّوَقُّفُ۔

ترجمہ: قرآن عظیم الشان کو چومنا مستحب ہے اس لئے کہ عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی جہل بھی قرآن عظیم الشان کو چومتے تھے اور اس چومنے کو حجر اسود پر قیاس کرتے ہیں بعض نے ذکر کیا ہے کہ یہ اللہ رب العزت کی طرف سے ہدیہ ہے پس اس کا چومنا مشروع ہوا جیسے کہ چھوٹے بچے کو چومنا مستحب ہے امام احمد رحمہ اللہ سے تین روایت منقول ہیں۔ پہلی روایت جواز کی، دوسری روایت استحباب کی اور تیسری روایت توقف کی ہے۔ [2]

الامام العلامۃ فضیلۃ الشیخ : أحمد بن محمد بن عبد الغنی الدمیاطی، شہاب الدین ، الشہیر بالبناء لکھتے ہیں۔

ويندب :تقبيل المصحف وتطييبه وجعله على كرسي والقيام له كما قاله النووي۔

اور مستحب ہے قرآن عظیم الشان کو چومنا اور اس کو خوشبو لگانا اور اسے اونچے مقام پر رکھنا اور اس کیلئے قیام کرنا جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ [3]

شمس الدین محمد بن الشیخ زین الدین عمر بن الشیخ شہاب الدین السفیری الحلبی الشافعی لکھتے ہیں:

ويستحب تقبيل المصحف قياساً على تقبيل الحجر الأسود، ولأنه هدية من الله فشرع تقبيله، كما يستحب تقبيل الولد الصغير۔

قرآن عظیم الشان کو چومنا مستحب ہے اور اس چومنے کو حجر اسود پر قیاس کرتے ہیں کیونکہ یہ رب ذوالجلال کی طرف سے ہدیہ ہے پس اس کا چومنا جائز ہے جیسا کہ چھوٹے بچے کو چومنا مستحب ہے۔ [4]

مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ الْبَاقِي بْنِ يُوسُفَ الزُّرْقَانی لکھتے ہیں:

نَقَلَ عَنِ ابْنِ أَبِي الصَّيْفِ الْيَمَانِيِّ الشَّافِعِيِّ جَوَازَ تَقْبِيلِ الْمُصْحَفِ، وَقُبُورِ الصَّالِحِينَ.

---

[1] (شرح سنن ابن ماجہ للسیوطی وغیرہ باب المیاثر الحمر جمع میثرۃ وھی قطیفۃ ج ۱ ص ۲۶۳)

[2] (الاتقان فی علوم القرآن ج ۴ ص ۱۸۹ باب النوع السادس والسبعون فی مرسوم الخط وآداب کتابتہ)

[3] (اتحاف فضلاء البشر فی القراءت الاربعۃ العشر باب اسماء الائمۃ القراء الاربعۃ عشر ج ۱ ص ۲۵)

[4] (شرح البخاری للسفیری باب المجلس العاشر ج ۱ ص ۲۴۰)

ترجمہ: قرآن عظیم الشان اور صالحین کی قبور کو چومنے کا جواز الصیف الیمانی سے منقول ہے۔[1]

غیر مقلدین کے امام شوکانی لکھتے ہیں:

وَنُقِلَ عَنْ ابْنِ أَبِي الصَّيْفِ الْيَمَانِيِّ أَحَدِ عُلَمَاءِ مَكَّةَ مِنْ الشَّافِعِيَّةِ جَوَازُ تَقْبِيلِ الْمُصْحَفِ وَأَجْزَاءِ الْحَدِيثِ وَقُبُورِ الصَّالِحِينَ كَذَا فِي الْفَتْحِ۔

ترجمہ: الصیف الیمانی جو کہ مکہ مکرمہ میں شافعی علماء میں سے ایک عالم ہیں اور ان سے قرآن عظیم الشان احادیث مبارکہ اور اولیاء کرام قبور کو چومنے کا جواز منقول ہے۔[2]

المبحث الثاني في إيراد أقوال الفقهاء من المذاهب الاربعة المعروفة وغيرهم في تقبيل المصحف۔

ترجمہ: یہ دوسری بحث قرآن عظیم الشان کو چومنے میں مذاہب اربعہ کے فقہاء کے اقوال جو کہ معروفہ ہیں یا کہ غیر معروفہ کے جواز میں ہے۔

العلامۃ الشیخ علاء الدین الحصکفی لکھتے ہیں:

وَفِي الْقُنْيَةِ فِي بَابِ مَا يَتَعَلَّقُ بِالْمَقَابِرِ تَقْبِيلُ الْمُصْحَفِ قِيلَ بِدْعَةٌ لَكِنْ رُوِيَ عَنْ عُمَرَ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - أَنَّهُ كَانَ يَأْخُذُ الْمُصْحَفَ كُلَّ غَدَاةٍ وَيُقَبِّلُهُ وَيَقُولُ :عَهْدُ رَبِّي وَمَنْشُورُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ وَكَانَ عُثْمَانُ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - يُقَبِّلُ الْمُصْحَفَ وَيَمْسَحُهُ عَلَى وَجْهِهِ،

اور قنیہ کے باب ما یتعلق بالمقابر میں ہے کہ قرآن عظیم الشان کو چومنا کہا گیا ہے کہ بدعت ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تحقیق کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ ہر روز صبح قرآن عظیم الشان کو لیتے اور اسے چومتے اور کہتے تھے میرے رب کا عہد اور میرے رب کا منشور اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ قرآن عظیم الشان کو چومتے تھے اور اسے اپنے چہرے پر مس کرتے تھے۔[3]

وفی الفتاوی النقشبندیۃ :

وعن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ انہ اذا تاہ خادمہ بالمصحف استقبلہ، عن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یاخذ المصحف کل غداۃ ویقبلہ ویقول عہد ربی ومنشور ربی، روی عن عثمان رضی اللہ عنہ انہ یأخذ المصحف کل غداۃ ویقبلہ ویمسحہ علی وجہہ۔

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے شان یہ ہے کہ جب آپ کے پاس آپ کے خادم قرآن عظیم الشان لیکر آتے تو آپ اسے چوم لیتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر روز صبح قرآن عظیم الشان کو لیتے اور چوما کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میرے رب کا عہد اور میرے رب کا منشور اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہر روز صبح قرآن عظیم الشان کو لیتے تھے اسے چومتے اور چہرے پر مس کرتے تھے۔[4]

العلامۃ الامام قدوۃ اعلام فقہاء بلاد السند المخدوم محمد جعفر ابن العلامۃ المخدوم عبدالکریم الشہیر بمیران من اعیان علماء القرن العاشر الھجری لکھتے ہیں :

---

[1] (شرح الزرقانی علی المؤطا باب تقبیل الرکن الاسود فی الاستلام ج ۲ ص ۴۵۸)

[2] (نیل الاوطار باب جاء فی استلام الحجر الاسود ج ۵ ص ۵۱)

[3] (الدر المختار وحاشیہ ابن عابدین باب الاستبرا وغیرہ ج ۵ ص ۲۷۲، شرح شرعۃ الاسلام ص ۷۸)

[4] (الفتاوی النقشبندیۃ ص ۱۵۷)

روی عن ابی یوسف رحمۃ اللہ علیہ انہ اذاتاہ خادمہ بالمصحف استقبلہ ،فی القنیۃ (مت)وفی شرح الجامع الصغیر ان قبلۃ الدیانۃ قبلۃ الحجر الاسود عندالاستلام وقبلۃ المصحف وعن عمر رضی اللہ عنہ انہ کان یأخذالمصحف کل غداًویقبلہ ویقول عھدربی ومنشوررربی عزوجل۔فی الفتاویٰ الصیرفیۃ من الیتیمیۃ روی عن عثمان انہ کان یأخذالمصحف کل غداۃ ویقبلہ ویمسح علی وجھہ۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ جب آپ کے خادم آپ کے پاس قرآن عظیم الشان لیکر آتے تو اسے چوم لیتے اور یہی عبارت قنیۃ میں بھی ہے اور جامع صغیر کی شرح میں ہے کہ تحقیق کے ساتھ (قبلۃ الدیانۃ) حجر اسود کو چومنا استلام کے وقت اور قرآن عظیم الشان کو چومنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ہر روز قرآن عظیم الشان کو لیتے تھے اور چومتے تھے پھر کہتے تھے کہ میرے رب کا عہد اور میرے رب کا منشور اور فتاوی الصیرفیۃ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ہر صبح قرآن عظیم الشان کو لیتے اور اسے چومتے اور اسے اپنے چہرے سے مس کرتے تھے۔[1]

عَبْدُ الرَّحْمٰن بْنُ الشَّیْخ مُحَمَّدِ بْن سُلَیْمَانَ الْمَدْعُوُّ بِشَیْخ زَادَہْ الحنفی لکھتے ہیں

کَذَا لَا بَأْسَ بِقُبْلَةِ الْمُصْحَفِ لِأَنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يَأْخُذُ الْمُصْحَفَ كُلَّ غَدَاةٍ وَيُقَبِّلُهُ وَيَقُولُ عَهْدُ رَبِّي وَمَنْشُورُ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ كَمَا فِي الْقُنْيَةِ.

جیسے کہ قرآن عظیم الشان کے چومنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قرآن عظیم الشان کو ہر روز صبح لیتے اور اسے چومتے اور فرماتے تھے کہ میرے رب کا عہد اور میرے رب کا منشور جیسے کہ قنیہ میں ہے۔[2]

أبوعبداللہ بدرالدین محمد بن عبداللہ الزرکشی الشافعی لکھتے ہیں:

ویستحب تقبیل المصحف لأن عکرمۃ بن أبی جھل کان یقبلہ وبالقیاس علی تقبیل الحجر الأسود ولأنہ ھدیۃ لعبادہ فشرع تقبیلہ کما یستحب تقبیل الولد الصغیر وعن أحمد ثلاث روایات الجواز-والاستحباب-والتوقف۔

قرآن عظیم الشان کو چومنا مستحب ہے اس لئے کہ عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ قرآن عظیم الشان کو چومتے تھے اور (علماء) اس کو حجر اسود کے چومنے پر قیاس کرتے ہیں۔کیونکہ یہ رب کی طرف سے بندوں کیلئے ہدیہ ہے پس اس کا چومنا جائز ہے۔جیسے کہ چھوٹے بچے کو چومنا مستحب ہے۔اور امام احمد رحمہ اللہ سے تین روایات ہیں پہلی جواز کی، دوسری استحباب کی اور تیسری روایت توقف کی۔[3]

اور علامۃ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں :

إسْتَنْبَطَ بَعْضهمْ مِنْ مَشْرُوعِيَّة تَقْبِيل الْأَرْكَان جَوَاز تَقْبِيل كُلّ مَنْ يَسْتَحِقّ التَّعْظِيم مِنْ آدَمِيّ وَغَيْره ، فَأَمَّا تَقْبِيل يَد الْآدَمِيّ فَيَأْتِي فِي كِتَاب الْأَدَب ، وَأَمَّا غَيْره فَنُقِلَ عَنْ الْإِمَام أَحْمَد أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ تَقْبِيل مِنْبَر النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقْبِيل قَبْره فَلَمْ يَرَ بِهِ بَأْسًا وَنُقِلَ عَنْ اِبْن أَبِي الصَّيْف الْيَمَانِيّ أَحَد عُلَمَاء مَكَّة مِنْ الشَّافِعِيَّة جَوَاز تَقْبِيل الْمُصْحَف وَأَجْزَاء الْحَدِيث وَقُبُور الصَّالِحِينَ وَبِاَللَّهِ التَّوْفِيق.

اور بعض فقہاء نے دلیل پکڑی ہے کہ ارکان کو چومنے کی مشروعیت سے ہر اس چیز کو چومنے پر جو تعظیم کی مستحق ہو چاہے آدمی ہو یا غیر پس ہر جو آدمی

---

[1] (المتانۃ فی مرمۃ الخزانہ ص ۶۳۵)

[2] (مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر ج 1/ص 478)

[3] (البرہان فی علوم القرآن ج 8/ص 214)

کے ہاتھ کو چومنا کتاب الادب میں آئے گا ہر جو غیر ہے امام احمد رحمہ اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ سے پوچھا گیا آپ ﷺ کی منبر مبارک اور قبر اطہر کے چومنے کے بارے میں تو آپ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اور شافعی مذہب سے تعلق رکھنے والے مکہ مکرمہ کے علماء میں سے ایک عالم الصیف الیمانی سے قرآن عظیم الشان کو چومنا اور احادیث مبارکہ اور صالحین کی قبور کو چومنے کے جواز میں روایت منقول ہے۔ [1]

اور صاحب تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج میں لکھتے ہیں :

وَاسْتَدَلَّ السُّبْكِيُّ عَلَى جَوَازِ تَقْبِيلِ الْمُصْحَفِ بِالْقِيَاسِ عَلَى تَقْبِيلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ، وَيَدِ الْعَالِمِ وَالصَّالِحِ وَالْوَالِدِ إذْ مِنْ الْمَعْلُومِ أَنَّهُ أَفْضَلُ مِنْهُمْ۔

اور امام سبکی رحمہ اللہ نے قرآن عظیم الشان کو چومنے کے جواز پر دلیل لیا ہے حجر اسود پر قیاس کرتے ہوئے عالم کا ہاتھ ،صالح کا ہاتھ اور والد کے ہاتھ پر اور یہ بات معلومات میں سے ہے کہ قرآن عظیم الشان ان سب سے افضل ہے۔ [2]

اور صاحب حاشیۃ الجمل لکھتے ہیں.

قَالَ بَعْضُهُمْ يُؤْخَذُ مِنْ هُنَا أَيْ مِنْ سَنِّ تَقْبِيلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ سَنُّ تَقْبِيلِ الْمُصْحَفِ وَالْمِنْبَرِ الشَّرِيفِ وَالْقَبْرِ الشَّرِيفِ أَيْضًا وَمِثْلُهُ قُبُورُ بَقِيَّةِ الْأَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَأَجْزَاءُ الْحَدِيثِ أَفْتَى بِذَلِكَ ابْنُ أَبِي الصَّيْفِ مِنْ الشَّافِعِيَّةِ.

اور بعض علماء نے کہا کہ لیا جائے گا وہاں سے یعنی حجر اسود کو چومنے کا سنت ہونے سے قرآن عظیم الشان کے چومنے پر دلیل اور اسی طرح منبر شریف اور قبر اطہر شریف کے چومنے کے سنت ہونے پر اور اسی کی مثل بقیہ انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی قبور اور احادیث مبارکہ کے اجزاء اور اسکے جواز پر ابن ابی الصیف جو کہ شافعی مذہب سے تعلق رکھنے والے ہیں فتویٰ دیا ہے۔ [3]

اور صاحب حاشیۃ البجیرمی علی الخطیب لکھتے ہیں۔

وَاسْتَدَلَّ السُّبْكِيُّ عَلَى جَوَازِ تَقْبِيلِ الْمُصْحَفِ بِالْقِيَاسِ عَلَى تَقْبِيلِ الْحَجَرِ الْأَسْوَدِ وَيَدِ الْعَالِمِ وَالصَّالِحِ وَالْوَالِدِ؛ إذْ مِنْ الْمَعْلُومِ أَنَّهُ أَفْضَلُ مِنْهُمْ-

اور امام سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم الشان کو چومنے کے جواز پر دلیل لی ہے حجر اسود پر قیاس کرتے ہوئے عالم کا ہاتھ ،صالح کا ہاتھ اور والد کے ہاتھ پر اور یہ بات معلومات میں سے ہے کہ قرآن عظیم الشان ان سب سے افضل ہے۔ [4]

صاحب حاشیۃ البجیرمی علی الخطیب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

فَائِدَةٌ :اسْتَنْبَطَ بَعْضُهُمْ مِنْ تَقْبِيلِ الْحَجَرِ تَقْبِيلَ الْمُصْحَفِ وَالْقَبْرِ النَّبَوِيِّ وَالْقُبُورِ الشَّرِيفَةِ وَقُبُورِ الصُّلَحَاءِ، وَمِمَّنْ قَالَ بِذَلِكَ ابْنُ أَبِي الصَّيْفِ الْيَمَنِيُّ مِنْ الشَّافِعِيَّةِ۔

---

[1] (فتح الباریج 5/ص 273)(فَائِدَةٌ أُخْرَى)

[2] (تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج ج 2/ص 157)

[3] (حاشیۃ الجمل ج 9/ص 181)

[4] (حاشیۃ البجیرمی علی الخطیب ج 3/ص 316)

اور بعض علماء نے حجر اسود کو چومنے سے استنباط کیا ہے قرآن عظیم الشان کو چومنا اور قبر نبوی شریف اور قبور شریفہ اور قبور صلحاء اور جس نے اس کے جواز پر گفتگو فرمائی ہے تو وہ ابن ابی الصیف الشافعی ہیں۔[1]

اور الشمس السفارینی الحنبلی فی شرح منظومۃ الآداب عن الرعایۃ میں لکھتے ہیں :

إنه يستحب تقبيل المصحف، لأن عكرمة بن أبي جهل كان يفعل ذلك. رواه جماعة منهم الدارمي بإسناد صحيح. قال : كان يضع المصحف على وجهه ويقول : كتاب ربي كتاب ربي.

اور شان یہ ہے کہ قرآن عظیم الشان کو چومنا مستحب ہے کیونکہ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی جہل قرآن عظیم الشان کو چوما کرتے تھے۔اور اس کی روایت جماعت نے کی ہے ان میں سے دارمی نے اسناد صحیح کے ساتھ کہا کہ قرآن عظیم الشان کو چہرے پر رکھ کر کہتے تھے کہ میرے رب کی کتاب میرے رب کی کتاب۔

وممن صحح إسناد الدارمي عن عكرمة النووي في التبيان، وفي مناسك العلامة شيخ الجماعة بفاس أبي عبد الله محمد بن عبد السلام البناني، ورد أن الحجر الأسود يمين الله في أرضه، والعادة تقبيل يمين من يقصد إكرامه. فجعل إشارة إلى ذلك تعالى الله عن التشبيه، وهذا معنى لطيف في تقبيله، ولا يخفى أن القرآن العظيم صفة الله فهو بالتقبيل أولى، ومنه يؤخذ تقبيل المصحف، ويد العالم والولي والرجل الصالح، وآثار الصالحين ونحو ذلك مما يعظم. ذكر معناه السبكي في طبقاته۔اهـ.

اور جنہوں نے دارمی کی اسناد کی تصحیح فرمائی ہے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے ان میں سے امام نووی نے تبیان میں اور مناسک میں علامہ شیخ الجماعۃ بفاس ابی عبداللہ محمد بن عبدالسلام البنانی نے اور یہ بات وارد ہوئی ہے کہ حجر اسود اللہ کی یمین ہے زمین پر اور عادت یہ ہے کہ یمین کو اکرام کے قصد کی وجہ سے چوما جاتا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ اللہ رب العزت تشبیہ سے پاک ہے اور یہ معنیٰ لطیف ہے چومنے میں اور یہ بات کسی پر چھپی نہیں کہ تحقیق کے ساتھ قرآن عظیم الشان اللہ کی صفت ہے تو قرآن عظیم الشان کو چومنا اولیٰ و افضل ہے اور ان میں سے لیا گیا ہے کہ قرآن عظیم الشان کو چومنا عالم اور ولی اور نیک صالح آدمی اور صالحین کے آثار کو اور اسی طرح ہر وہ چیز جس کی تعظیم کی جاتی ہو امام سبکی نے طبقات میں یہی معنیٰ ذکر فرمایا ہے۔[2]

المؤلف :لجنة الفتوى بالشبكة الإسلامية لکھتے ہیں۔

[السُّؤَالُ]۔[ما حكم تقبيل المصحف إذا سقط مني أو إذا بدأت في قراءته وهل هو بدعة نرجو منكم التفصيل؟]۔

[الفَتْوَى] الحمد لله والصلاة والسلام على رسول الله وعلى آله وصحبه، أما بعد: فقد ذهب بعض أهل العلم إلى استحباب تقبيل المصحف قال النووي في التبيان في آداب حملة القرآن روينا في مسند الدارمي بإسناد صحيح عن أبي مليكة :أن عكرمة بن أبي جهل كان يضع المصحف على وجهه ويقول : كتاب ربي كتاب ربي.

سوال: کیا حکم ہے قرآن عظیم الشان کے مجھ سے گرنے پر اسے چومنے کے بارے میں یا جب میں قرأت شروع کروں اور کیا یہ بدعت ہے میں آپ لوگوں سے تفصیل کی امید رکھتا ہوں۔الفتویٰ۔تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے اور درود وسلام ہو رسول اللہ ﷺ کی ذات پر اور آپ ﷺ کی آل

---

[1] (حاشیۃ البجیرمی علی الخطیب باب کتاب الحج ج ۲ ص ۴۴۰)

[2] (التراتیب الاداریۃ نظام الحکومۃ النبویۃ باب فی ان معاویۃ کان لہ غلمان ج ۲ ص ۱۹۷)

واصحاب پر۔امابعد! پس تحقیق کے ساتھ بعض اہل علم قرآن عظیم الشان کے چومنے کے استحباب کی طرف گئے ہیں،امام نووی نے تبیان میں فی آداب حملۃ القرآن میں اورمسند دارمی میں اسناد صحیح کے ساتھ ابن ابی ملیکۃ سے روایت ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل قرآن عظیم الشان کو چہرے پر رکھتے اور کہتے میرے رب کی کتاب میرے رب کی کتاب۔[1]

شمس الدین، آبو العون محمد بن آحمد بن سالم السفارینی الحنبلی لکھتے ہیں

وَجَازَ تَقْبِيلُ الْمُصْحَفِ، قَدَّمَهُ فِي الرِّعَايَةِ. وَعَنْهُ يُسْتَحَبُّ؛ لِأَنَّ عِكْرِمَةَ بْنَ أَبِي جَهْلٍ - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - كَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ، رَوَاهُ جَمَاعَةٌ مِنْهُمْ الدَّارِمِيُّ بِإِسْنَادٍ صَحِيحٍ. قَالَ : كَانَ يَضَعُ الْمُصْحَفَ عَلَى وَجْهِهِ وَيَقُولُ : كِتَابُ رَبِّي كِتَابُ رَبِّي.

اورقرآن عظیم الشان کو چومنا جائز ہے اور رعایت میں مقدم ہے اور ایک روایت مستحب کی ہے اس لئے کہ عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ اسی طرح کیا کرتے تھے جماعت نے اس کی روایت کی ہے ان میں سے دارمی نے اسناد صحیح کے ساتھ کہا کہ عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ قرآن عظیم الشان کو چہرے پر رکھ کر کہا کرتے تھے کہ میرے رب کی کتاب میرے رب کی کتاب۔[2]

امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی لکھتے ہیں:

ونقل عن ابن أبي الصيف اليمنى أحد علماء مكة من الشافعية جواز تقبيل المصحف، وأجزاء الحديث، وقبور الصالحين انتهى كلام الحافظ.

اورابن ابی الصیف یمنی شافعی مذہب سے تعلق رکھنے والے مکہ مکرمہ کے علماء میں سے ایک عالم ہیں قرآن عظیم الشان کے چومنے کے جواز پر اور اجزائے احادیث اور صالحین کی قبور کو چومنے کی روایت نقل ہے۔[3]

اور ملا علی القاری لکھتے ہیں:

وَقَدْ أَطْنَبَ ابْنُ حَجَرٍ هُنَا بِذِكْرِ الْفُرُوعِ الْفِقْهِيَّةِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالْقُرْآنِ مِنْ تَحْرِيمِ تَوَسُّدِ الْمُصْحَفِ وَمُسْتَثْنَيَاتِهِ، وَتَحْرِيمِ مَدِّ الرِّجْلِ، وَوَضْعِ الشَّيْءِ فَوْقَهُ، وَاسْتِدْبَارِهِ، وَتَخْطِيهِ، وَرَمْيِهِ، وَتَصْغِيرِ لَفْظِهِ، وَجَوَازِ تَقْبِيلِهِ،

اورعلامہ ابن حجر نے یہاں کلام میں تفصیل کرتے ہوئے فقہی فروع کا ذکر کرکے جو کہ قرآن کے متعلقہ ہیں : قرآن کے ساتھ تکیہ لگانا اور اس کی حرمت کے بارے میں اور قرآن پر کوئی چیز رکھنے کے بارے میں اور اس کی طرف پیٹھ پھیرنے اور اس کے روندنے اور اس کو نشانہ بنانے اور اس کے لفظوں کی حرمت کے بارے میں اور اس کو چومنے کے جواز میں۔[4]

امام سبکی لکھتے ہیں:

سَمِعت الْوَالِد رَحمَه الله فِي درس الغزالية يَقُول وَقد سُئِلَ عَن الدَّلِيل على تَقْبِيل الْمُصحف دَلِيله الْقيَاس على تَقْبِيل الْحجر

---

[1] (فتاوی الشبکۃ الاسلامیۃ باب ہل یستحب تقبیل المصحف ج ۲ ص ۳۶۷)

[2] (غذاء الالباب فی شرح منظومۃ الآداب باب مطلب فی اول من جمع القرآن ج ۱ ص ۴۱۱)

[3] (سبل الہدیٰ والرشاد ج ۱۲ ص ۳۹۹ اور وفاء الوفاء باب الفصل الرابع فی آداب الزیارۃ والمجاورۃ ج ۴ ص ۲۱۸)

[4] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ج 7/ص 72)

الْأَسود وَيَد الْعَالم وَالْوَالِد والصالح وَمن الْمَعْلُوم أَن الْمُصحف أفضل مِنْهُم۔

میں نے اپنے والد سے سنا غزالی کے درس میں کہ وہ فرمارہے تھے اور تحقیق کے ساتھ ان سے پوچھا گیا تھا قرآن عظیم الشان کو چومنے پر دلیل کے بارے میں تو اس کی دلیل حجر اسود کو چومنے پر قیاس کرتے ہوئے اور عالم کے ہاتھ اور صالح کے ہاتھ پر اور یہ بات معلوم ہے کہ قرآن عظیم الشان ان سب سے افضل ہے۔[1]

شیخ عائض القرنی لکھتے ہیں۔

السؤال :ماحكم تقبيل القرآن الكريم بعد القراءة؟

الجواب :سئل الإمام أحمد عن هذا فرآه ,وقال :قبّله عكرمة بن أبي جهل ,وكان يقبّله ويبكي ويقول:(كلام ربي كلام ربي)ولا أعلم فيه حديثاً مرفوعاً إليه عليه الصلاة والسلام ,لكن أسأل الله أن من قبّل على جهة التعظيم والاحترام أن يثيبه ويأجره.

سوال: قرأت کے بعد قرآن عظیم الشان کو چومنے کا کیا حکم ہے؟ جواب: امام احمد سے پوچھا گیا اس مسئلے کے بارے میں تو انہوں نے رائے دی اور کہا کہ عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل نے قرآن کو چوما اور وہ ہمیشہ قرآن کو چومتے تھے اور روتے تھے اور کہتے تھے کہ(میرے رب کا کلام میرے رب کا کلام)اور مجھے حدیث مرفوع اس میں معلوم نہیں لیکن میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ ہر وہ شخص جو قرآن عظیم الشان کو تعظیم اور احترام کی وجہ سے چومے اسے اجر وثواب عطا فرمایا جائے گا۔[2]

عظیم البرکت شیخ الاسلام امام احمد رضا خان قادری بریلوی نور اللہ مرقدہ فتاویٰ رضویہ میں لکھتے ہیں۔

کہ قرآن مجید کو بعد تلاوت ماتھے پر بہ نیت تعظیم رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: مصحف شریف کو تعظیماً سر اور آنکھوں اور سینے سے لگانا اور بوسہ دینا جائز ومستحب ہے کہ وہ اعظم شعائر سے ہے اور تعظیم شعائر تقوی القلوب سے ہے۔واللہ اعلم۔[3]

اور الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ میں ہے

- تقبيل المصحف :- ذكر الحنفيّة :وهو المشهور عند الحنابلة- جواز تقبيل المصحف تكريماً له، وهو المذهب عند الحنابلة، وروي عن أحمد استحبابه، لما روي عن عمر رضي الله عنه أنّه :كان يأخذ المصحف كلّ غداة ويقبّله، ويقول : عهد ربّي ومنشور ربّي عزّ وجلّ، وكان عثمان رضي الله عنه يقبّل المصحف ويمسحه على وجهه. وقال النّوويّ في التّبيان : روينا في مسند الدّارميّ بإسناد صحيح عن ابن أبي مليكة أنّ عكرمة بن أبي جهل كان يضع المصحف على وجهه ويقول : كتاب ربّي كتاب ربّي. ونقل صاحب الدّرّ عن القنية :وقيل :إنّ تقبيل المصحف بدعة، ورّده بما تقدّم نقله عن عمر وعثمان.

قرآن عظیم الشان کا چومنا: احناف نے ذکر کیا ہے اور یہ حنابلہ کے نزدیک مشہور ہے کہ قرآن عظیم الشان کو چومنے کے جواز یہ اسکی تکریم ہے اور یہ حنابلہ کا بھی مذہب ہے امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے چومنے کے استحباب کی روایت ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر روز صبح قرآن

---

[1] (طبقات الشافعية الكبرى للسبكي باب ذكر شيئ من مباحثه ولطائفه التي سمعنا ج ۱۰ ص ۲۵۹)

[2] (دروس للشيخ عائض القرني باب حكم تقبيل المصحف ص ۲۱)

[3] (فتاوی رضویہ ج ۲۲ ص ۵۶۳ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ لاہور)

عظیم الشان کو لیتے اور چومتے اور فرماتے تھے کہ میرے رب کا عہد اور میرے رب کا منشور اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہمیشہ قرآن عظیم الشان کو چومتے تھے اور اپنے چہرے پر مس کیا کرتے تھے اور امام نووی نے تبیان میں کہا اور مسند دارمی میں روایت ہے اسناد صحیح کے ساتھ ابن ابی ملیکۃ سے کہ عکرمۃ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل اپنے چہرے پر قرآن عظیم الشان کو رکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ میرے رب کی کتاب میرے رب کی کتاب اور صاحب الدر نے قنیہ سے نقل کیا ہے اور کہا گیا ہے کہ قرآن عظیم الشان کو چومنا بدعت ہے اور اس قول کو رد کیا ہے جیسے پہلے گزرا ہے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے نقل سے۔[1]

۞فی الکبری رجل ترک سنن الصلواۃ الخمس ان لم یری التسنین حقا فقد کفر لانہ ترک استخفاف و ان رأی السنن حقا۔ منهم من قال :لا یأثم و الصحیح أنه یأثم، لانه جاء الوعید بالترک۔ رجل ترک السنن؛ ان ترکه بعذر فهو معذور، و ان ترکها بغیر عذر تهاونا بها فلا، و یسأله الله تعالیٰ عن ترکها :لقوله ﷺ :((من تهاونا بالآداب حرم السنن، و من تهاونا بالسنن حرم الفرائض، و من تهاونا بال فرائض حرم الآخرة))۔ لم أجد من خلال بحثی المذکور اعلاه حدیثا لرسول الله ﷺ و انما وجدته قولا مأثورا للتابعی عبد الله بن المبارک رحمه الله "قال عبد الله بن المبارک :من تهاونا بالأدب عوقب بحرمان السنن، و من تهاونا بالسنن عوقب بحرمان الفرائض و من تهاونا بالفرائض عوقب بحرمان المعرفة"۔[2]

۞فی کفایة الشعبی عن رسول الله ﷺ انه قال :((المشیٔ بین یدی الکبیر کبیرة و لا یتقدمهم الا الملعون فقیل :و من الکبراء یا رسول الله ﷺ فقال العلماء و الصالحون)) و هذا، لأن العالم حافظ الدین و الزاهد عامل الدین؛ فبتعظیمها تعظیم الدین، و بالترک ترک تعظیم الدین۔[3]

۞فی فتاویٰ الارشاد :یجب أن یکون امام القوم فی الصلاة افضلهم فی العلم، و الورع، و التقویٰ، و القراءة، و الحسب، و النسب، و الحامل علی هذا اجماع الأمة۔[4]

۞عن النبی ﷺ انه قال لفاطمة رضی الله عنها :((ما من مؤمن، و لا مؤمنة، سجد بعد الوتر سجدتین، یقول فی سجوده خمس مرات، سبوح قدوس رب الملائکة و الروح، ثم یرفع رأسه یقرأ آیة الکرسی مرةً، ثم یسجد و یقول خمس مرات سبوح قدوس رب الملائکة و الروح، و الذی نفس محمد ﷺ بیده، أن لا یقوم فی مقامه حتی یغفر الله له، و أعطاه الله ثواب مائة حجة و عمرة، و أعطاه ثواب الشهداء، و بعث الله الیه ألف مل یکتبون له الحسنات، و کأنما اعتق مائة رقبة، و استجاب دعاءه،

---

[1] (الموسوعۃ الفقہیۃ 8- 14-(ج 4/ص235)

[2] (جامع المضمرات و المشکلات فی شرح مختصر الامام القدوری للامام یوسف بن عمر بن یوسف الکادوری، المتوفی ۸۱۴ھ، مطبوعہ بیروت، ص ۴۳۱، جلد ۱)

[3] (جامع المضمرات و المشکلات فی شرح مختصر الامام القدوری للامام یوسف بن عمر بن یوسف الکادوری، المتوفی ۸۱۴ھ، مطبوعہ بیروت، ص ۳۷۹، جلد ۱)

[4] (جامع المضمرات و المشکلات فی شرح مختصر الامام القدوری للامام یوسف بن عمر بن یوسف الکادوری، المتوفی ۸۱۴ھ، مطبوعہ بیروت، ص ۳۷۸، جلد ۱)

ویشفع فی یوم القیامة فی ستین من أهل النار فاذا مات مات شهیدا۔[1]

۞وحکی عن ابی بکر عن خلف بن ایوب انه قال ان اللہ تعالیٰ جعل العلم بعد نبی ﷺ فی اصحابه، ثم بعدهم فی التابعین، ثم بعدهم فی ابی حنیفة واصحابه رضی اللہ تعالیٰ عنهم، فمن شاء فلیرض ومن شاء فلیسخط۔ وروی ان محمد بن الحسن دخل المسجد الحرام فرأی سفیان الثوری فجلس الیه واستقبل الکعبة وقال: بلغنی ان النظر الی الکعبة عبادة والنظر الی وجه الوالدین عبادة، والنظر الی المصحف عبادة، قال سفیان: نعم، والنظر الیک والی مثلک عبادة۔[2]

۞روی عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنه انه قال: المؤمن اذا احب السنة والجماعة، استجاب اللہ دعاءه وقضی حوائجه، وغفر له الذنوب، وکتب اللہ له براءة من النار وبراءة من النفاق، وفی خبر عبداللہ بن عمر عن النبی ﷺ من کان علی السنة والجماعة کتب اللہ له بکل خطوة یخطوها عشر حسنات ودفع له عشر درجات فقیل: یارسول اللہ ﷺ: متی یعلم الرجل انه من اهل السنة والجماعة، فقال: اذا وجد فی نفسه عشرة اشیاء فهو علی السنة والجماعة یصلی صلوات الخمس بالجماعة، ولا یذکر احدا من الصحابة بسوء ولا یذکر واحدا منهم بمنقصة، ولا یخرج علی السلطان بالسیف، ولا یشک فی ایمانه، ویومن بالقدره وشره من اللہ تعالی ولا یجادل فی دین اللہ عزوجل ولا یکفر احدا من اهل التوحید بذنب، ولا یضع الصلاة علی من مات من اهل القبلة، ویری المسح علی الخفین جائزا فی السفر والحضر ویصلی خلف کل امام بر وفاجر۔

وکان ابو حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه یقول من فضل ابابکر وعمر واحب عثمان وعلیا رضی اللہ تعالیٰ عنهم ومسح علی الخفین وآمن بالقدر خیره وشره من اللہ عزوجل ولا یکفر احدا بذنب ولا یتکلم فی اللہ عزوجل بشئی۔[3]

۞ تسبیحات صرف دائیں ہاتھ سے پڑھنا چاہیئے۔ وہ فرائض جن کے بعد تسبیحات پڑھی جاتی ہیں جیسے فجر اور عصر کی نماز ان دونوں نمازوں کے بعد پڑھی جانے والی تسبیحات صرف دائیں ہاتھ سے پڑھنا چاہیئے بائیں ہاتھ سے بغیر کسی شرعی عذر کے پڑھنا خلاف سنت ہے۔ اس کے علاوہ بھی تسبیحات جب بھی اور جس موقع پر بھی پڑھنا ہو تو دائیں ہاتھ کا استعمال زیادہ ثواب اور سنت کی پیروی کا باعث ہے اور اسی میں اجر وثواب زیادہ ہے۔

حدثنا عبید اللہ بن عمر بن میسرة ومحمد بن قدامة - فی آخرین - قالوا حدثنا عثام عن الأعمش عن عطاء بن السائب عن أبیه عن عبد اللہ بن عمرو قال رأیت رسول اللہ - صلی اللہ علیه وسلم - - یعقد التسبیح قال ابن قدامة - بیمینه۔[4]

یقول عبد المحسن العباد فی شرح هذا الحدیث وهذا دلیل علی أن عقد التسبیح الأولی والأفضل أن یکون بالیمین، لهذا الحدیث الذي ورد عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، وهو أنه کان یعقد التسبیح بیمینه، وهو أیضاً مطابق لما جاء من کون الیمین تستعمل في

---

[1] (جامع المضمرات والمشکلات فی شرح مختصر الامام القدوری للامام یوسف بن عمر بن یوسف الکادوری، المتوفی ۸۱۴ھ، مطبوعه بیروت، ص ۳۶۱، جلد ۱)

[2] (جامع المضمرات والمشکلات فی شرح مختصر الامام القدوری للامام یوسف بن عمر بن یوسف الکادوری، المتوفی ۸۱۴ھ، مطبوعه بیروت، ص ۷۰، جلد ۱)

[3] (جامع المضمرات والمشکلات فی شرح مختصر الامام القدوری للامام یوسف بن عمر بن یوسف الکادوری، المتوفی ۸۱۴ھ، مطبوعه بیروت، ص ۷۱، جلد ۱)

[4] سنن ابی داود ج ۱ ص ۲۱۷، باب التسبیح بالحصیٰ۔

الأمور المحمودة والأمور الطيبة، واليسار تكون بخلاف ذلك۔[1]

يقول محمد بن علي بن آدم بن موسى الإثيوبي الوَلَّوِي في شرح هذا الحديث ثم إن استدلال المصنف بحديث الباب على ما بوّب له واضح، فإنه يدلّ على استحباب عقد التسبيح باليد، وقد تقدّم في رواية أبي داود أنه -صلى الله عليه وسلم- عقدها بيمينه، فيستحبّ عقد التسبيح باليد اليمنى. والله تعالى أعلم بالصواب، وإليه المرجع والمآب.[2]

يقول أبو محمد عبد الله بن مانع بن غلاب الغبيوي الروقي العتيبي في شرح هذا الحديث ثم إن الأولى أن يكون عقد التسبيح بالأنامل في اليد اليمنى؛ لأن النبي -صلى الله عليه وسلم- كان يعقد التسبيح بيمينه واليمنى خير من اليسرى بلا شك، ولهذا كان الأيمن مفضلًا على الأيسر، ونهى النبي -صلى الله عليه وسلم- أن يأكل الرجل بشماله، أو يشرب بشماله، وأمر أن يأكل الإنسان بيمينه، فقال النبي -صلى الله عليه وسلم-» :يا غلام سم الله، وكل بيمينك وكل مما يليك. وقال عليه الصلاة والسلام :لا يأكلن أحدكم بشماله، ولا يشربن بشماله فإن الشيطان يأكل بشماله، ويشرب بشماله. فاليد اليمنى أولى بالتسبيح من اليد اليسرى اتباعًا للسنة، وأخذًا باليمين فقد :ان النبي عليه الصلاة والسلام يعجبه التيامن في تنعله، وترجله، وطهوره، وفي شأنه كله۔[3]

أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي وصح أنه صلى الله عليه وسلم كان يعقد التسبيح بيمينه وورد أنه قال واعقدوه بالأنامل فإنهن مسؤولات مستنطقات[4]

يقول الشيخ العلامة محمد طاهر الصديقي الهندي وعقد العد بالانامل معروف عند العرب قديما وحديثا، وينبغي ان يكون باليمين۔[5]

----اشتهار واجب الاظهار----

الحمد لله على ما وفقني لاتمام هذا الكتاب وما ابرئ نفسي ان النفس لمجبولة بالسهو والنسيان واين من يعصم عن الخطأ ولا يوسوسه الشيطان فالمرجو من اخواننا المسلمين والناظرين المنصفين ان ينظروا فيه بعين الرحمة والانصاف لا بعين التعصب والاعتساف وكلما وجدوا فيه غلطا صححوا وقلبوه الى الصواب جعلكم الله تعالى وايانا من المبررين والمقربين وما ابرئ نفسي من السهو والزلل فان البراءة من كل خطأ ليس من شان البشر انما هو شان خالق القوىٰ والقدر واستغفر الله تعالى من زلة القدم وطغيان القلم مما علمت ومما لم اعلم ورحم الله عبداً اصلح السهو والنسيان ودعانى بخير

---

[1] شرح سنن أبي داود ج ١ ص ٢ مصدر الكتاب :الشبكة الإسلامية۔

[2] شرح سنن النسائي المسمى »ذخيرة العقبى في شرح المجتبى.« ج ١٥ ص ٢٦ ٤ دار آل بروم للنشر والتوزيع۔

[3] نتائج الفكر في أحكام الذكر الناشر :دار التدمرية، الرياض -المملكة العربية السعودية ج ١ ص ١٢٧

[4] حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور ال إيضاح ج ١ ص ١٧٢۔ مرقاة المفاتيح ج ٢ ص ٣٦٣،

[5] مجمع بحار الانوار التكملة ج ٥ ص ٥٨٩۔

الدنیا والآخرۃ بحضرۃ الملک المنان اللھم تقبّل منا تصانیفنا وروج فی العٰلمین تالیفنا انک جواد کریم بر رؤف رحیم بر حمتک یاارحم الراحمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ واصحابہٖ واتباعہٖ اجمعین۔

حررہ

فقیر سید احمد علی شاہ

حنفی ترمذی سیفی

فاضل دار العلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

خیبر پختون خواہ